میر جمشید عالم کی آپ بیتی

امربیل

انوار صدیقی

1

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من **اردو بکس** آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

1۔ گروپ میں یا گروپ ایڈ من سے کوئی بھی بات / درخواست / فرمائش کرتے وقت **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ** کو فروغ دیں۔

2۔ ایڈ منز یا دیگر ممبرز جو بھی اچھی پوسٹ کریں اس پر کمنٹس / شکرز / رائے لازمی کریں تا کہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دیگر ممبران کو بھی اس کتاب / پوسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

3۔ گروپ ایڈ منز سے پرسنل سوالات مت کیجئے۔ صرف کتب کے متعلق دریافت کریں یا درخواست کریں۔

4۔ ایڈ منز اور ممبرز سے اخلاق سے پیش آئیں۔ اگر ہم ادبی گروپ میں موجود ہیں لیکن ہماری اخلاقیات معیاری نہیں تو ہمیں ادبی گروپ کا ممبر کہلانے کا بھی کوئی حق نہیں۔

5 گروپ میں یا ایڈ من کے انباکس میں وائس میسیج، ویڈیوز بھیجنے کی حرکت مت کریں ورنہ بلاک کر دیئے جائیں گے۔

6۔ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریمو کر دیا جائے گا۔

7۔ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے فری آف کاسٹ وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

7۔ ہمارا گروپ جوائن کرنے کے لئے درج ذیل لنکس پر کلک کریں اور وٹس ایپ سلیکٹ کر کے جوائن کر لیں۔ صرف ایک ہی گروپ جوائن کریں اگر پہلے سے "اردو بکس" جوائن ہیں تو اس کو سکپ کر دیں۔

1. https://chat.whatsapp.com/EFrs3uGTgEm2319kK0wfu2
2. https://chat.whatsapp.com/Koqfq0iOsCm0F88xfiaLQ1
3. https://chat.whatsapp.com/IEl5cejf7Xc0b1HjApSyxI

گروپ فل ہونے کی صورت میں ایڈ من سے وٹس ایپ پر میسیج کریں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔

0343-7008883 **0333-8033313**

اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو

فرض کیجئے،
میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

امبربیل

جلد اوّل

انوار صدیقی

اسٹاکسٹ:-
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاهور۔۲

خلش

''امبر بیل'' کتابی شکل میں پیش خدمت ہے۔

میں نے اپنے پچھلے ناول ''طاغوت'' میں 17 فروری 2000ء کو جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا ہوا۔ ''قطرے پہ گہر ہونے تک'' کی روداد بڑی اذیت ناک، بے حد اعصاب شکن ہے۔ تفصیل میں گیا تو ایک نئی کہانی چھڑ جائے گی، زخم پھر سے ہرے ہوں گے، قلم لہولہان ہوگا۔ صفحات آنسوؤں سے تر نظر آئیں گے۔ لباس تار تار ہو جائے تو ستر پوشی کا بھرم قائم نہیں رہتا۔ میں عاشقی میں عزت سادات گنوانے کا قائل نہیں۔ چنانچہ بہتر ہے کہ خاموش رہا جائے۔ سانپ جسم میں اپنا زہر اُتار کر نکل جائے تو لاٹھی پیٹنے سے تریاق حاصل نہیں ہوتا، خلش اور بڑھ جاتی ہے۔

میری تحریر کردہ ''امبر بیل'' کی آخری (انیسویں) قسط دسمبر 1975ء میں جلوہ گر ہوئی۔ پھر میں کارواں سے علیحدہ ہو گیا۔ میر کارواں اور اُن کے حاشیہ بردار شوشے چھوڑتے رہے، تہمتیں دھرتے رہے، بیان داغتے رہے۔ میں نے وضاحتیں مناسب نہیں سمجھیں۔ کسی بے وفا محبوب کی شرم دامن گیر تھی۔ میری خاموشی رائیگاں نہیں گئی وہ دانشور جو ''امبر بیل'' کو مکمل کرنے کا دعویٰ کر رہے تھے بہت جلد تھک کر بیٹھ گئے، پسینے پسینے ہو گئے۔ لشتم پشتم تین چار قسطوں کا مرچ مصالحہ قارئین کی نگاہوں میں جھونکا گیا، پھر سارا طنطنہ 'ٹائیں ٹائیں فش' ہو گیا...... ''امبر بیل'' کے دیوانے میرے پرستار انتظار کرتے رہے کہ اگلی قسط کب آتی ہے؟ اُن کا انتظار ختم نہیں ہوا، طویل ہوتا گیا۔ پچیس سال بیت گئے مگر پروانوں کے اشتیاق کی چنگاریاں سرد نہ ہوئیں، اندر ہی اندر سلگتی رہیں...... محترم رفیق سندیلوی نے ادبی جریدے ''اوراق'' میں اپنے ایک مضمون بعنوان ''ڈائجسٹ اور اُن کا ادب'' میں لکھا......

> ''کرشن چندر جیسا بڑا افسانہ نگار بھی ''سب رنگ'' کا قاری تھا۔ جب کسی مہینے میں ''امبر بیل'' کی قسط شائع نہیں ہوتی تو کرشن چندر کا شکایتی خط ''سب رنگ'' کے مدیر......... کے نام آتا تھا کہ قسط کیوں شائع نہیں کی گئی؟ کرشن چندر ہی نہیں، اُردو کے بڑے بڑے ادیب ''امبر بیل'' اور اسی جیسی کہانیوں کے سحر کے اسیر تھے۔''

دوست، احباب اور رفقاء مجھے بار بار اُکساتے، ''امبر بیل'' کو مکمل کرنے کا اصرار کرتے۔ وقفے وقفے سے ناشروں کے فون آتے رہتے۔ سب کا ایک ہی تقاضہ ہوتا۔ ''میں وہ قرض کب چکتا کروں گا جو مجھ پر واجب الادا ہے؟'' میں دامن بچاتا رہا۔ اپنے

پرستاروں، جاں نثاروں کے سامنے بہانے تراشتا رہا، ٹالتا رہا۔ کبھی ناسازی طبیعت کا عذر پیش کرتا، کبھی وقت کی خلیج کا، کبھی نامساعد حالات کا۔ مجھے بھی چھوٹے بڑے کا لحاظ تھا اس لئے کتراتا رہا، اپنے آپ پر جبر کرتا رہا۔ ''پردہ نشینوں'' کو بے نقاب کرنے سے گریز کرتا رہا۔ یوں پچیس سال بیت گئے ...... اکثر ایک خیال مضطرب کر دیتا ...... ''اگر فرشتہ اجل بلاوے کا پیغام لے کر آ گیا، عمر کی نقدی ختم ہو گئی تو ساری رواداریاں، لحاظ اور مروتیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ میرے وجود کے ساتھ ''امربیل'' کو مکمل کرنے کی حسرتیں بھی دفن کر دی جائیں گی۔ ایک حسین خواب تشنہ تعبیر رہے گا۔ ایک خلش باقی رہ جائے گی۔ پھر ایک ٹھیس ایسی لگی کہ صبر کا یارا نہ رہا، قوت برداشت جواب دے گئی، پیمانہ صبر لبریز ہو کر چھلک اُٹھا۔ 25 سال کی طویل صبر آزما خاموشی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ایک نشتر کی چبھن نے ''امربیل'' کی تکمیل کے جذبوں کو مہمیز کیا تو جمود کا بحر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ (مکمل تفصیل میرے ناول ''طاغوت'' میں بعنوان ''آگ اور دُھواں'' موجود ہے) محمد علی قریشی (میرے ناشر) کی تین چار سالہ جدوجہد بالآخر بارآور ثابت ہوئی۔ میں نے پرانی فائل سے ''امربیل'' کے زرد آلود صفحات نکالے، اُن پر جمی وقت کی دُھول صاف کی، قسطوں کو ترتیب دیا، پھر دیدہ ریزی کا کام شروع کیا۔ بار بار ایک ایک قسط کا مطالعہ کرتا، کرداروں سے شناسائی بڑھاتا رہا۔ ایک ایک پیچ وخم کو ذہن نشین کرتا رہا، ضروری نوٹ تیار کرتا رہا۔ پھر ایک دن کمر کس لی۔

پرستاروں کو میر جمشید عالم کی زندگی کے عجیب وغریب واقعات جاننے کا انتظار تھا۔ اس انتظار کی مدت ایک دو سال نہیں، 25 سالوں پر محیط تھی۔ میں نے ''طاغوت'' میں ''امربیل'' کو مکمل کرنے کے عزم کا اظہار کیا تو پروانوں کے محبت ناموں کے ڈھیر لگ گئے۔ محمد علی قریشی خطوط کو کراچی روانہ کر دیتے۔ میں ہر خط کا بغور مطالعہ کرتا، ''امربیل'' کے شیدائیوں کی بے چینی، اضطراب کی کیفیتوں کو محسوس کرتا تو میری آنکھوں میں جگنو چمکنے لگتے۔ میں خوابوں کی وادیوں میں گم ہو جاتا ...... سوچتا۔ ''امربیل'' مکمل ہو کر کتابی صورت میں منظر عام پر آئے گی تو بھوبل میں دبی چنگاریاں پھر شعلوں کا روپ اختیار کر لیں گی۔ پرستاروں کا عالم شوق دیدنی ہو گا۔ پروانے ''امربیل'' کی شمع پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اپنی محبوب کہانی کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ بڑھ چڑھ کر استقبال کریں گے۔ بچھڑے ہوئے کرداروں سے پُر جوش انداز میں بغل گیر ہوں گے۔ میری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔'' ...... پھر ایک خیال

ستانے لگتا۔ ''اگر میرے پرستاروں کی ''امربیل'' سے وابستہ توقعات پوری نہ ہوئیں تو......؟''

میں کسی ایسے سیاسی قیدی کی ذہنی کیفیتوں سے دوچار رہا جسے فرد جرم سنائے بغیر ہی اسیر زنداں کر دیا گیا ہو۔ وسوسے میرے ذہن میں ڈنک مارتے ...... ''میرے پرستار، دوست احباب، واقف کار، بزرگ، میرے ناشر کس انداز میں میرا خیر مقدم کریں گے......؟ مجھے پہلے کی طرح عقیدت، پیار ومحبت سے کندھوں پر اُٹھا لیں گے؟ میرے حق میں نعرۂ تحسین بلند کریں گے؟ طویل خاموشی کے اعصاب شکن احساس کو مٹانے کی خاطر میری حوصلہ افزائی کریں گے؟ میری شب و روز کی طویل اور انتھک کوششوں کو سراہیں گے ...... یا ایک سرسری نظر دیکھ کر اجنبی مسافروں کی طرح وقت کی بھیڑ میں گم ہو جائیں گے؟ اگر ایسا ہوا تو میں برادران یوسف کو کیا منہ دکھاؤں گا ......؟'' ...... جہاں ہجوم اور بھیڑ چال زیادہ ہو، وہاں صرف چڑھتے سورج کی پوجا کی جاتی ہے۔ کسی ایک چہرے کو کب تک یاد رکھا جائے؟ گردِ راہ قدموں کے سراغ بھی دُھندلا دیتی ہے۔ مسافر تھک ہار کر، اُکتا کر راستے بدل لیتے ہیں۔ کون کسی کی راہ تکتا رہے، نظریں فرش راہ کئے انتظار کی زحمت میں سوکھتا رہے؟ وقت کی برق رفتاری کے اس دور میں ایک آتا ہے، ایک گزر جاتا ہے۔ غم روزگار سے اتنی فرصت کہاں رہ گئی کہ غم جاناں کی نزاکتوں کا خیال رکھا جائے؟ زمانہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ پہلے محبوب خال خال نظر آتے، عشاق کا ہجوم آہیں بھرتا تھا۔ اب رُت بدل گئی ہے۔ آج محبوب ٹڈی دل کی طرح فٹ پاتھ پر اینڈتے نظر آتے ہیں۔ کسی عاشق صادق کی تلاش جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ بپھری ہوئی لہروں کی زد میں آ کر بڑے بڑے ماہر پیراک ڈوب جاتے ہیں۔ میں تو بڑا فقیر انسان ہوں۔ ایک ذرا کھٹکا محسوس کر کے اپنے خول میں سمٹنے لگتا ہوں۔

بہرحال! جوں جوں ''امربیل'' منڈیر چڑھتی گئی، میرے خدشات بڑھتے گئے۔ وسوسے سر اُبھارتے رہے۔ کشش وپنج کی یہ کیفیتیں تا دیر جاری رہیں۔ پھر میں نے سر سے کفن باندھنے کا فیصلہ کر لیا۔ مفرور ہونے سے بہتر سمجھا کہ خود کو پرستاروں کی کھلی عدالت میں پیش کر دوں۔ میں آنکھ چرا لیتا تو رقیبوں کو ہنسنے مسکرانے کا موقع میسر آ جاتا۔ چنانچہ میں پورے انہماک سے جمے جمے قدم اُٹھاتا منزل کی طرف پیش قدمی کرتا رہا۔

صبح ہوتی، میں فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں اُتر آتا۔ کمرے کی حالت بھی

مجھ سے کم منتشر نہیں تھی۔ ہر طرف کاغذات بکھرے ہوئے، چیزیں تتر بتر پرانی قسطوں کے زرد، شکستہ صفحات مجھے دیکھتے تو پھڑ پھڑانے لگتے۔ مسترد شدہ صفحات کے ریزہ ریزہ ٹکڑے میرے اِرادوں کو متزلزل کرنے لگتے۔ میز پر لکھنے لکھانے کا غتر بود سامان مجھے منہ چڑاتا نظر آتا۔ کوئی ضروری کاغذ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے، اس لئے میں نے ''امبربیل'' کی ابتداء کرتے ہی لکھنے کے کمرے میں ملازم کے داخلے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ چنانچہ ایک ذہن کے سوا ہر شے گرد آلود ہوتی جا رہی تھی۔ میں خدا کا نام لے کر کرسی پر بیٹھتا، ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کرتا تو ملگجے اندھیرے چھٹنے شروع ہو جاتے۔ میں منتشر ذہن کی تمام تر صلاحیتوں کو بہلا پھسلا کر اکٹھا کرتا۔ اُس قادرِ مُطلق کو یاد کرتا جس نے آپ کے روبرو ہمیشہ میری تحریروں کی لاج رکھی۔ اُسی کے نام سے روز ابتداء کرتا۔ کہانی کے کردار میرے اِردگرد جمع ہونے لگتے۔ وہ اپنی اپنی رُوداد سناتے۔ میں سر جھکائے پوری محویت سے اُن کی باتوں کو الفاظ کا جامہ پہناتا رہتا۔ ماحول کے خاکوں میں رنگ بھرتا رہتا۔ پھر وقت کا احساس نہ رہتا، کب صبح ہوئی، کب شام۔ گھر میں کون آیا، کون گیا؟

میری شریک حیات ان دنوں، دونوں گھٹنوں کی مکمل تبدیلی کے بڑے آپریشن سے گزر کر بستر پر دراز تھی۔ وہ میرے حق میں دُعائیں کیا کرتی۔ ہر دو گھنٹے بعد چائے بھیجنے کا اہتمام اُس کے روزمرہ کے معمول میں شامل ہو گیا۔ ملازم دبے قدموں آتا، چائے ایک طرف رکھ کر خاموشی سے لوٹ جاتا۔ مجھے خبر تک نہ ہوتی۔ حال اور مستقبل سے بے نیاز، پچیس سالہ پرانے ماضی کے دُھندلائے سمندر میں غوطے لگاتا رہتا۔ بھوک، پیاس کا ہوش بھی جاتا رہتا۔ البتہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی تو قلم رُک جاتا۔ ٹھنڈی چائے کے ایک دو گھونٹ لے کر اُٹھ کھڑا ہوتا، وضو کرتا، نماز ادا کرتا، اُس ربِ کریم کا شکر ادا کرتا جو قدم قدم پر میری رہنمائی کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر دو گھڑی کمر سیدھی کرتا، پھر لکھنے بیٹھ جاتا۔ صبح جو کچھ لکھتا، شام کو اُس پر نظرِ ثانی کرتا۔ جہاں کہیں قلم کی گرفت ذرا بھی ہلکی محسوس ہوتی، اُس جملے، پیراگراف یا صفحات کو دوبارہ لکھتا۔ ذہن ہمہ تن کہانی کے تانے بانوں میں ڈوبا رہتا۔ سوتے، جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے، ہر لمحہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں ذہنی جمناسٹک کرتا رہتا۔ ایک ایک لفظ کے استعمال میں پوری احتیاط سے کام لیتا۔ ایک ایک جملے کی نوک پلک پر گہری نظر رکھتا۔ جو قدم اُٹھاتا، پھونک پھونک کر اُٹھاتا، کہیں کوئی جھول، کوئی تشنگی باقی نہ رہ جائے۔ 25 سال پرانے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو ازسرِنو جوڑنے کی خاطر بار بار پرانی اقساط کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا۔ جو خلاصہ تیار کر رکھا تھا، اُس سے استفادہ کرتا۔ زبان اور بیان پر گہری نظر رکھتا۔ وقت اور ماحول کی یکسانیت برقرار رہے اس لئے ہر کردار کی حرکات و سکنات کو پوری توجہ سے پرکھتا۔ اُن کی تحلیل نفسی میں کئی کئی دن غوطے لگاتا۔ ڈوبتا، اُبھرتا۔ ایک ہی دُھن سوار رہتی، کہیں کرداروں کی رفتار و گفتار میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ زبان کے ذائقے کی ترشی اور شیرینی کا توازن بگڑنے نہ پائے۔ جو خاکے تراشے تھے، ان میں رنگوں کی آمیزش پھیکی یا ماند نظر نہ آئے۔ جو ڈگر اختیار کی تھی، اُس کے نشیب و فراز پر قدم جمے رہیں۔ کہانی کے بہاؤ اور واقعات کے تواتر کا گراف بگڑنے نہ پائے۔ کوئی خلیج ایسی نہ آ جائے جو بعد میں شرمندگی کا سبب ہو۔ پرستاروں کی ان توقعات کو کوئی ٹھیس، کوئی دھچکا نہ لگے جو اُنہوں نے میر جمشید عالم کی سرگزشت سے وابستہ کر رکھی ہیں۔

برخوردار محمد علی قریشی نے نئے صفحات تحریر کرنے کے سلسلے میں کوئی قدغن نہیں لگائی۔ سب کچھ میری مرضی پر چھوڑ دیا۔ میں اور محتاط ہو گیا۔ میں نے کہانی کے اختتام میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلاوجہ صفحات سیاہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ڈگڈگی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں اُسے بجاتا رہا، کردار اُس کی دُھن پر رقص جاری رکھتے۔ پراسرار، حیرت انگیز اور ہولناک واقعات کا طلسم کبھی نہ ٹوٹتا۔ بات سے بات نکلتی رہتی۔ ''کیچو'' کے سحر انگیز حسن کا جادو جاگتا رہتا۔ اُس کی لازوال طاغوتی قوتیں ہزاروں گل کھلا سکتی تھیں۔ میں ذرا فراخدلی سے کام لیتا تو میر جمشید عالم کی زندگی میں پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات ''قصہ چہار درویش'' کی صورت اختیار کر لیتے۔ شاید آپ بھی اُکتا جاتے۔

''انکا'' کا کردار آج بھی لوگوں کے ذہنوں کو گدگداتا رہتا ہے۔ اُس کا لازوال کردار ہر دور کی منفرد کہانی بن سکتا تھا۔ میں نے ''انکا'' کے معاملے میں بھی حاتم طائی بننے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ ''انکا'' کو آج بھی فراموش نہیں کیا۔ وہ میرے ذہن کے گوشوں میں کلبلاتی رہتی ہے۔ آج ''انکا'' ہوتی تو کساد بازی کی نوبت کبھی نہ آتی۔ مہنگائی اور ہوشربا گرانی کا دور دورہ بھی نہ ہوتا۔ عالمی قرضوں کے بوجھ سے ہمارے سر جھکے نہ ہوتے۔ ''انکا'' رہنماؤں

پاور" اُسے جھک جھک کر سلام کرتیں۔ میں مونچھوں پر تاؤ دیتا رہتا۔ میں نے سوچا تھا کہ بھرپور انداز میں "انکا کی واپسی" کا اہتمام کروں گا۔ لیکن برادران یوسف نے موقع نہیں دیا۔ آج بازار میں دو نمبر اور تین نمبر کی "انکاؤں" کی بھرمار ہے۔ میں کل کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ "انکا" کی چور بازاری ختم ہو تو کچھ سوچوں گا۔

بہر حال! بارہ فروری 2001ء کو میں نے "امبر بیل" کی آخری سطر تحریر کی۔ ایک جنم کا بوجھ سر سے اُتر گیا۔ دو چار دن بڑے سکون سے گزرے۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے زندگی میں کوئی خلاء پیدا ہو گیا ہو۔ سال بھر کی شب و روز کی مصروفیات یکلخت ختم ہو گئیں۔ سارے ہنگامے سرد پڑ گئے۔ ذہن کا پنڈال سائیں سائیں کرنے لگا۔ میر جمشید عالم کا ساتھ چھوٹا تو تنہائی کا احساس ڈسنے لگا۔ ہر شے پھیکی پھیکی، بدمزہ سی نظر آنے لگی۔ "امبر بیل" کا خمار ٹوٹا، پچیس سال کی وابستگی ختم ہوئی تو رگ جاں میں سنسناہٹ اور دل و دماغ پر جمود کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں۔ پہلے محمد علی قریشی "امبر بیل" کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ مسودہ اُن کی دسترس میں پہنچ گیا تو "کچھ نہ کچھ" لکھنے کی رسم کی ادائیگی کے سلسلے میں فون آنے لگے۔ میں آج 20 مارچ 2001ء کو یہ قرض بھی چکتا کر رہا ہوں۔ ساری حجتیں تمام ہوئیں۔ تمام وعدے پورے ہوئے۔ آپ کے انتظار کی گھڑیاں بالآخر ختم ہوئیں۔ میرے دل میں ایک خلش باقی ہے...... میں نے "امبر بیل" کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ پوری دیانت داری سے کام لیا۔ دن کا چین اور رات کا سکون حرام کر لیا۔ اس آگ کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ آپ میری کاوشوں کو سراہیں گے یا رد کر دیں گے؟ فیصلہ ہمیشہ میرے پرستاروں، مجھے چاہنے والوں نے کیا ہے۔ اس کا حق صرف اور صرف میرے شیدائیوں کو حاصل ہے۔ مجھے آپ کی عدالت سے منصفانہ فیصلے کی اُمید ہے۔ مجھے آپ کی بے لاگ اور صحت مند تنقید کا انتظار رہے گا۔

میں شکر گزار ہوں اُس رب کریم کا جس نے مجھے زندگی کی مہلت اور "امبر بیل" کی تکمیل کا حوصلہ عطا کیا۔ اُس کی رضا نہ ہوتی تو میں کبھی سرخرو نہ ہوتا۔

پیراگراف یا [illegible]

سوتے، جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے، ہر لمحہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں ذہنی جمناسٹک کرتا رہتا۔ ایک ایک لفظ کے استعمال میں پوری احتیاط سے کام لیتا۔ ایک ایک جملے کی نوک پلک پر گہری نظر رکھتا۔ جو قدم اُٹھاتا، پھونک پھونک کر اُٹھاتا، کہیں کوئی جھول، کوئی تشنگی باقی نہ رہ جائے۔ 25 سال پرانے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو از سر نو جوڑنے کی خاطر بار بار پرانی اقساط کو

ایک رات پھر مجھ پر وہی دورہ پڑا۔ میرے ہاتھ پاؤں اینٹھ گئے۔ دماغ بوجھل ہوگیا۔ سینے میں جلن ہونے لگی اور آنکھیں ابلنے لگیں۔ گھر میں سب سو رہے تھے اور میں اپنے بستر پر موت و زیست کی کشمکش میں پڑا تھا۔ کوئی میری مدد کے لیے نہیں آیا۔ کیونکہ میری چیخ حلق ہی میں گھٹ کے رہ گئی تھی۔ اس عالم میں چھت پر حسب سابق کچھ شبیہیں دکھائی دیں' کچھ سائے گڈ مڈ ہوتے نظر آئے۔ میں نے خوف و دہشت سے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا' اس سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہوئی اور میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوئے تو میں نے باقی رات جاگ کر' کروٹیں بدل بدل کر' آہیں بھر بھر کر گزار دی' مجھے معلوم تھا کہ یہ کوئی خواب نہیں ہے۔ یہ تو کوئی اور نحوست ہے' کوئی اور کیفیت ہے جو بچپن سے میرے پیچھے پڑی ہے' میں اس کیفیت کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔ اس دوران میں شدید ذہنی و جسمانی عذاب سے گزرتا تھا۔ میرا تمام جسم بکھر جاتا تھا۔ پہلی بار صبح ہوتے ہی میں نے اپنے مشاہدات گھر میں بیان کر دیئے تھے۔ میری والدہ اس پر سخت مشتعل ہوئی تھیں' یہاں تک کہ میں اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگا تھا۔ جیسے میں نے انہیں کوئی گالی دے دی ہو' دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور میں نے اس بار بھی گھر میں اس کا تذکرہ کر کے پہلی غلطی کا اعادہ کیا تھا۔ مجھے آج بھی ماں کا وہ طمانچہ یاد ہے جس نے میرا منہ ٹیڑھا کر دیا تھا' اب ایک عرصے بعد' بچپن سے لڑکپن میں داخلے کے بعد پھر ایک رات میری یہ حالت ہوئی تھی۔ اب کے میں نے بہت کچھ دیکھا مگر اس کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مجھے اپنی سیاہ زبان سے خوف آنے لگا تھا۔ میں یہ غبار اپنے سینے میں لیے اندر ہی اندر گھٹتا رہا۔ میری آنکھیں جلتی رہیں اور سینہ پکتا رہا۔

کہتے ہیں آدمی چند عناصر کی خاص ترتیب کا نتیجہ ہے' ممکن ہے سائنسی طور پر

یہ بات صحیح ہو مگر ان عناصر میں یہ ترتیب ہمیشہ یکساں نہیں رہتی‘ کسی عنصر کی کمی بیشی ہو جاتی ہے تو آدمیوں میں غیر معمولی فرق واقع ہوجاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں‘ میرے ترکیبی عناصر میں بھی یہی صورت پیش آئی تھی۔ ایک طرف تو میری ذہنی افتاد سب سے الگ تھی‘ دوسرے حالات نے میرے ساتھ کچھ زیادہ ہی آنکھ مچولی کھیلی۔ میں جب اپنے بچھڑے دنوں کی روداد سمیٹتا ہوں تو مجھے اپنے آدمی ہونے اور اپنا ذہنی توازن درست ہونے پر شبہ ہوتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے بہتر ہے‘ میں اپنے بارے میں کچھ بیان کردوں۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ تو آپ میرے کرب میں شامل ہو سکتے ہیں‘ نہ یہ اجنبیت دور ہو سکتی ہے جو اس وقت میرے اور آپ کے درمیان حائل ہے۔

☆......☆......☆

میرا تعلق شمالی ہند کے ایک معزز گھرانے سے ہے۔ معزز یوں کہ وہ اسی طرح کا گھرانا تھا جیسے ہندوستان میں لاکھوں گھرانے موجود تھے‘ ہر خاندان میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ ہمارے خاندانی سلسلے میں بھی غربت‘ کبھی امارت‘ کبھی اقتدار کبھی محکومی کے مرحلے آتے رہے۔ خاندان پھیلا تو کوئی امیر ہوگیا‘ کوئی غریب رہ گیا۔ کبھی کسی غیر معمولی شخص کی وجہ سے ناموری ملی تو کبھی کسی شخص نے خاندان کو رسوا بھی کیا۔ میں سلسلۂ نسب بتانے سے گریز کرتا ہوں۔ میری رائے میں یہ ذکر غیر ضروری ہے کیونکہ اس میں کچھ ایسے افراد کا نام بھی آتا ہے‘ جنہوں نے نسبی وقار کو بڑا صدمہ پہنچایا‘ میرا تعلق نام روشن کرنے والوں کے زمرے سے ہے یا رسوا کرنے والوں کے زمرے سے؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ بیشتر باتوں پر مجھے کوئی اختیار ہی کب تھا؟ میرا گھرانا میری آمد کے بعد کل سات آدمیوں میں سمٹ کے رہ گیا تھا‘ والد‘ والدہ‘ دادی‘ چچا‘ میرا بڑا بھائی سکندر اور میری بہن یاسمن اور مجھ بدنصیب کا نام جمشید ہے۔ میرے والد برطانوی حکومت کے زمانے میں سرکاری ملازم تھے۔ آمدنی زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی ضرور تھی کہ ہم کسی کے محتاج نہیں تھے۔ جو کچھ میسر آتا تھا‘ صبر و قناعت سے گزارا کر لیتے تھے۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے والد کی عزت خاصی تھی۔ محلے میں ان کا ذکر احترام سے کیا جاتا تھا‘ شاید یہی وجہ تھی کہ والد کی طبیعت میں سخت گیری اور تحکم تھا۔ والدہ کچھ دنیا بیزار سی تھیں۔ بچپن کی باتیں مجھے یاد نہیں ہیں البتہ اتنا مجھے یاد ہے کہ اپنے مختلف مزاج اور جداگانہ دلچسپیوں کے سبب سے خود کو اپنے گھر سے کٹا ہوا

محسوس کرتا تھا‘ چنانچہ میرے سلسلے میں والد کا رویہ اور زیادہ درشت اور سخت ہو گیا تھا۔ میں بچپن ہی سے ایک منحوس بچے کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا۔ میں نے ایک رات خفقانی کیفیت میں یہ مشاہدہ کیا کہ میری دادی کے حلق سے خون ابل رہا ہے‘ ان کی لاش گھر میں پڑی ہے اور لاش کے گرد محلے والوں اور رشتے داروں کی بجھی ہوئی آنکھیں اور بین کرتے ہوئے چہرے ہیں۔ میں نے یہ واقعہ بعینہٖ بیان کر دیا‘ پھر چند ہی دنوں میں دادی کی موت اسی طرح‘ اسی کرب ناک حالت میں واقع ہوگئی اس واقعے کے بعد میری بابت اتنی سنگینی اور سنگ دلی نہیں تھی لیکن پھر جب میں نے چند دن بعد چچا کی موت کے بارے میں اپنے مشاہدے کا ذکر کیا تو گھر میں میری زندگی اجیرن کر دی گئی اور آخر چچا بھی دادی کی طرح غیر متوقع طور پر ہم سے جدا ہوگئے۔ اس کے بعد مجھے اس طرح سمجھا جانے لگا جیسے ان دونوں حادثوں کا ذمے دار میں ہی ہوں۔

کبھی کبھی میری زبان سے بے ساختہ کوئی بات نکل گئی اور وہ رونما بھی ہوگئی تو گھر میں مجھ سے باقاعدہ مغائرت برتی جانے لگی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تعلیم سے میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ پھر بھی بچپن کے فطری تجسس کی بنا پر جب میں اپنے بڑوں سے کوئی سوال کرتا تو جہاں تک والدہ کا تعلق ہے‘ وہ مجھے بے اعتنائی سے جھڑک کے اپنے کاموں میں لگ جاتیں اور والد سے کچھ پوچھنے کی مجھے ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔ پھر خود بیزاری‘ کند ذہنی‘ کاہلی اور بے پروائی جیسے ذہنی امراض نے مجھے گھیر لیا۔ میں گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک علیحدہ شخص تھا۔ احساس کمتری نے میرے دل میں گھر سے بغاوت کے جذبے ابھار دیے۔

میرا بڑا بھائی سکندر اسکول سے فارغ ہو کے کالج جا پہنچا اور میں نے گلی کوچوں میں آوارہ گردی کرتے اور گھر کی تنہائیوں میں سوتے اونگھتے انیس سال گزار دیے۔ والدہ اس مدت میں مجھ سے تقریباً بے تعلق ہوگئی تھیں۔ گھر میں ایک استاد پڑھانے آتے تھے‘ کچھ ان کی مہربانی‘ کچھ والد صاحب کی سختی‘ درشتی اور لعنت‘ ملامت نے مجھے میٹرک پاس کرا دیا تھا لیکن میری تھرڈ ڈویژن آئی تھی۔ اس لیے میں سکندر کے مقابلے میں والد کی توجہ حاصل نہیں کر سکا تھا۔ سکندر ہمیشہ اول آتا تھا۔ والد صاحب نے غصے میں وہ اخبار ہی پھاڑ دیا تھا جس میں میرا نتیجہ شائع ہوا تھا۔ میرے شب و روز اسی کڑی نگاہ کی زد پر گزرتے تھے۔ میٹرک کے بعد یہ طے ہونا تھا کہ میں

اپنی تعلیم آگے بڑھاؤں اور شتم پشتم، تھرڈ ڈویژن یا رعایتی نمبروں سے پاس ہوتا رہوں یا کوئی فنی کام کروں جو اس زمانے کے شرفا میں بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا یا پھر میں فوج میں داخل ہو جاؤں۔ کچھ روز بعد آخر والد صاحب نے اس سلسلے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا کہ فوج ہی میرے لیے سب سے مناسب جگہ ہے۔ ان کی رائے سے قطع نظر خود میرا یہ حال تھا کہ مجھے فوج سے کوئی طبعی مناسبت نہیں تھی لہٰذا میں نے انکار کر دیا لیکن میرے انکار کی کیا حیثیت تھی؟ کیا جواز تھا؟ یہ بدترین قسم کی گستاخی تھی۔ مجھے والد کے حکم پر کسی اختلاف اور تردد کے بغیر ہر صورت میں سر جھکانا تھا چنانچہ میں نے بادل نخواستہ سر جھکا دیا۔ والدہ پہلے تو والد کے فیصلے سے متفق نہیں تھیں لیکن پھر انہوں نے بھی مجبوراً تائید کر دی۔ میں نے آخری حربے کے طور پر اپنی بہن یاسمن اور بھائی سکندر سے اس سلسلے میں تعاون کی بھیک مانگی لیکن وہ بھی والد اور والدہ کو ہموار کرنے میں ناکام ہو گئے۔

مجھے فوج کے بھرتی دفتر بھیج دیا گیا۔ مجھے امید تھی کہ میں فوج کے مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر سکوں گا کیونکہ میں ایک کند ذہن، غبی اور سست شخص ہوں، اس زمانے میں ہندوستان پر انگریز شان و شوکت سے حکومت کر رہے تھے، انگریزوں نے تمام کلیدی عہدے اپنے لیے وقف کر رکھے تھے۔ ہندوستانی ملازموں کو ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا تھا۔ سول ملازمتوں کے ساتھ ساتھ فوج میں بھی نسلی امتیاز کا خاص خیال رکھا جاتا تھا چنانچہ اکیڈمی میں صرف ان لڑکوں کو داخلہ ملتا تھا جو یا تو ضرورت سے زیادہ ذہین ہوتے تھے یا ان کے بزرگ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے تھے خوش قسمتی سے میرے ساتھ یہ دونوں صورتیں نہیں تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ چونکہ میں مسلمان ہوں اس لیے میرا فارم تعصب کی نذر ہو جائے گا لیکن والد صاحب کے انگریز افسر مسٹر فرینک ڈولی نے ان کی غلامی سے خوش ہو کے نہ جانے میرے فارم پر کیا سفارش تحریر فرمائی کہ میرا بلاوا آ گیا۔ فوجی ڈاکٹروں نے میرا امتحان لیا اور مجھے اپنی جسمانی وجاہت، سرخ و سپید رنگ، نکلتے ہوئے قد اور مضبوط اعضا پر پہلی بار طیش آیا۔ مجھے فوج کے لیے نہایت موزوں قرار دے دیا گیا۔ بعد ازاں تحریری امتحان کا وقت آیا۔ والد صاحب نے اس خیال سے کہ میں کہیں تحریری امتحان میں کسی شرارت کا مظاہرہ نہ کروں، مجھے بڑی سختی سے تاکید کر دی تھی کہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ مجھے جوتے مار کے گھر سے نکال دیں گے۔ مجھے والد صاحب کے جوتے منظور تھے لیکن یہ

سخت پیشہ اختیار کرنا اور جنگ کا ایندھن بننا منظور نہیں تھا، جب امتحان کا نتیجہ آیا تو وہ میری منشا کے مطابق تھا۔ والد صاحب تاڑ گئے کہ میں نے سوالوں کے جواب دانستہ غلط دیئے تھے۔ مجھ پر ان کا اعتبار ہی ختم ہو گیا۔ انہوں حسب وعدہ بے دردی سے مجھے مارا۔ میں مار کھاتا رہا، اس موقع پر والدہ ہی کام آئیں اگر انہوں نے درمیان میں پڑ کر مجھے بچانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس دن میرا کام تمام ہو جاتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ بہرحال اس وقت بات ٹل گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ وقت ہر زخم کا مرہم بن جاتا ہے، والد صاحب کے ظلم نے مجھے جو زخم عنایت کیے تھے، وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ مندمل ہو گئے۔ ان کی ضد تھی کہ وہ یاسمن کی شادی کے بعد مجھے دوبارہ فوج میں بھرتی کرائیں گے۔ سکندر مجھے پہلے ہی قطعی ناکارہ قرار دے چکا تھا۔ اس نے والد صاحب کو مشورہ دیا کہ مجھے مرزا پور بھیج دیا جائے۔ مرزا پور میں میرے چچا نے جنگلات کا ٹھیکا لے رکھا تھا۔ سکندر کی رائے تھی کہ صرف جنگلوں کا ماحول میری جنگلی اور وحشیانہ طبیعت کے لیے بہت موزوں ہے۔ والد صاحب نے پہلے چچا کے پاس مجھے بھیجنے کی تجویز مسترد کر دی تھی مگر اب کے انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ میں خود بھی گھر سے بلکہ اپنے آپ سے بیزار تھا اس لیے مجھے مرزا پور جانے کی خبر سے تسلی ہوئی، کم از کم آزاد فضا تو وہاں نصیب ہو گی۔ چچا کی مالی آسودگی کے قصے سن کے دل کو اور طمانیت کا احساس ہوا، سنا تھا انگریزوں سے چچا کے گہرے مراسم ہیں کیونکہ وہ ان کے لیے جنگلوں میں اکثر شکار کا انتظام کرتے ہیں۔ انگریزوں کی خوشنودی باعث عزت تھی۔ یہ نکتہ شاید میرے چچا کے ذہن میں بہت پہلے آ گیا تھا، دادی اور بڑے چچا کے انتقال پر چچا ہمارے گھر الٰہ آباد آئے تھے لیکن مختصر قیام کے بعد چلے گئے تھے۔ وہ بہت مصروف آدمی تھے۔

میری روانگی کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی کہ ایک نہایت معزز گھرانے سے یاسمن کا پیام آ گیا۔ لڑکا ڈاکٹر تھا۔ مسلمانوں میں ڈاکٹر شاذ ہی ہوا کرتے تھے اس رشتے سے انکار کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی اس سے پیشتر کئی اور پیام بھی آ چکے تھے اور ہر بار میرا دل دھڑکا تھا۔ میری رائے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی، خود ہی وہ رشتے مسترد ہو گئے تھے۔ جب بھی کوئی رشتہ نامنظور ہوا، میری جان میں جان آئی۔ میں نے اپنی جس خفقانی کیفیت کا ذکر شروع میں کیا ہے، اس کا تعلق یاسمن ہی سے تھا۔ میری حسین اور معصوم بہن۔ گھر میں اگر کسی کو مجھ سے محبت تھی تو وہ یاسمن ہی تھی۔ اگر میرا بس چلتا

تو اپنی بہن کو عمر بھر کنواری رکھنے پر اصرار کرتا۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر نوجوان لڑکی کی ہتھیلی پر مہندی لگے اور وہ ڈولی میں بیٹھے اور سرخ جوڑا پہنے اور گھر سے وداع ہو۔ میں اب کسی کے سامنے اپنے خدشے اور وہم ظاہر بھی نہیں کرسکتا تھا' زبان کھولتے ڈر لگتا تھا' بھلا میں اپنی بہن کے مستقبل کے متعلق اذیت ناک انکشافات کیسے کرسکتا تھا؟ گزشتہ دو واقعوں کی صداقت کی بنا پر مجھے یقین سا ہو چلا تھا کہ جو کچھ میں نے یاسمن کے متعلق دیکھا ہے' وہ سچ ہے۔ یاسمن کی شادی ٹلتی رہی تھی ورنہ نہ جانے کیا ہوجاتا؟ ہاں دل سے دعا نکلی تھی کہ پہلے جو دیکھا تھا' اسے ایک مدت گزر چکی ہے' خدا کرے اب کے یہ کشف صرف وہم ثابت ہو اور اب ایسے واقعات کی تکرار نہ ہو۔

لڑکی گھر میں طویل عرصے تک بٹھائی بھی نہیں جا سکتی تھی اور جس زمانے جس ماحول کا میں ذکر کر رہا ہوں' اس میں یہ بات اور بھی ناممکن تھی۔ میں سوچتا ہی رہ گیا کہ کہوں یا نہ کہوں' ادھر والد صاحب اور ماں نے مل کر ڈاکٹر ارشد سے یاسمن کی منگنی کردی۔

یاسمن سکندر سے بہت چھوٹی اور مجھ سے کچھ بڑی تھی۔ اس نے صرف گھریلو تعلیم حاصل کی تھی پھر بھی ذہین شریر' شگفتہ اور سگھڑ تھی۔ بات کرتی تو پھول جھڑتے' ہنستی تو تارے شرماتے' چاند سا چہرہ' دودھ اور شہد سے بنی ہوئی میری بہن یاسمن' لاکھوں میں ایک تھی۔ منگنی کے وقت اس کی عمر اکیس ۲۱ سال تھی لیکن شکل وصورت سے وہ بچی لگتی تھی اور میں اس سے بڑا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دبی زبان میں والدہ سے ڈاکٹر ارشد کے اور اس کے رشتے کے خلاف رائے کا اظہار کیا۔ وہ ہنس کے ٹال گئیں۔ پھر میں نے یاسمن سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی لیکن جب بھی ڈاکٹر ارشد کا نام آتا' وہ دوپٹے میں منہ چھپا کے بھاگ جاتی۔ پھر میں نے والد صاحب سے گفتگو کرنے کا حوصلہ پیدا کیا مگر ان کی تندی اور درشتی دیکھ کے میرا حوصلہ جواب دے گیا۔ سکندر بی اے میں فرسٹ آنے کے بعد ریلوے میں ملازم ہوگیا تھا۔ وہ اکثر گھر سے باہر رہنے لگا تھا۔ ایک روز میں نے اسے بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہا تاکہ ڈاکٹر ارشد اور یاسمن کی شادی رک جائے لیکن اس نے بھی میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی' ادھر میرا وہم ذہن میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ میری اور سکندر کی عمروں میں چونکہ زیادہ فرق تھا' اس لیے میری اس سے بے تکلفی نہیں تھی اور میرے ساتھ اس کا رویہ وہی تھا جو والد صاحب کا تھا۔ بہرحال میں نے ہمت کر کے سکندر سے اپنے اندیشے کا اظہار کر

دیا تھا۔ ''کیا؟'' سکندر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''گویا آپ بھی عاقل و بالغ ہو گئے ہیں؟''

''بھائی صاحب!'' میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ ''مجھے معلوم تھا' آپ میری بات سن کے برہم ہوں گے مگر......''

''آپ براہ کرم اپنے پیشے ہی پر نظر رکھا کیجئے' آوارگی کیجئے۔ آپ کا ان حالات سے کیا تعلق؟ آپ کو یاسمن کی شادی کی اتنی فکر کیسے ہوگئی؟ پہلے اپنی فکر تو کیجئے گا جناب من!''

''بھائی صاحب! یہ شادی نہیں ہونی چاہیے؟''

''کیوں نہیں ہونی چاہیے۔؟''

''یوں ہی۔'' میں نے تنک کے کہا۔ ''بس یوں ہی۔''

''کیا ڈاکٹر ارشد بیچارے نے آپ کی کوئی جائیداد ہڑپ کرلی ہے۔ آخر آپ یاسمن کے اتنے دشمن کیوں ہوگئے ہیں؟'' سکندر کے لہجے کا طنز نہ گیا۔

''مجھے ڈاکٹر ارشد اچھا آدمی نظر نہیں آتا۔'' میں نے سکندر کے طنزیہ لہجے سے بے پروا ہو کے کہا۔ ''یہ شادی ہو گئی تو ہولناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔''

''تم بے ہودہ ہو گئے ہو۔ اپنی سیاہ زبان کم سے کم استعمال کیا کرو' سمجھے۔'' سکندر نے مجھے ڈپٹ کے کہا تھا۔ ''کیا بہن کو ہمیشہ کنواری رکھو گے؟''

واقعی میں اپنی بہن کو ہمیشہ کنواری نہیں رکھ سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر میری ایک نہ چلی اور یاسمن کا جہیز تیار ہونے لگا۔ کپڑوں پر زردوزی اور گوٹا کناری کا کام شروع ہو گیا تھا' سکندر کے ردعمل نے مجھے مایوس کردیا تھا' اس گھر میں میری کوئی رائے' کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میں گھر میں محض ایک پالتو جانور تھا جس کے آگے لوگ رحم کھا کے دانہ پانی ڈال دیتے تھے۔ اس کی چیخ و پکار پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ جانور گھر میں ہونے والے اچھے برے کھیل دیکھتا رہتا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں منہ میں زبان رکھتے ہوئے بھی بے زبان تھا۔ میں انیس سال کا ایک تنہا نوجوان تھا۔ میں نے آخر ایک روز تنگ آ کے اس کھونٹے سے رسی تڑالی۔ ایک رات جب گھر والے غفلت کی نیند سو رہے تھے' میں نے' جن کپڑوں میں تھا انہی میں گھر چھوڑ دیا۔ جس ماحول میں آپ کو کوئی اختیار نہ ہو' اسے چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ رات کے وقت میں نے اپنے دوست یاور کے دروازے کی کنڈی

کھٹکھٹائی' وہ اتنی رات گئے مجھے دیکھ کے پریشان ہوگیا۔ میں نے اس سے صاف صاف کہا کہ وہ بھی میرے ساتھ الہٰ آباد سے کہیں اور چلے' وہ بھی گھر سے تنگ تھا۔ میں بھی عاجز آچکا تھا' اس کی طبیعت میں بھی بغاوت تھی' میرا طریق بھی سرکشی کا تھا' ہم دونوں کی یہی مشترک خصوصیات ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئی تھیں۔ یاور نے چند دن اور ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا چنانچہ میں نے اسے بھی چھوڑا اور چپ چاپ اسٹیشن روانہ ہوگیا۔ کلکتے کا بڑا شہرہ سنا تھا۔ سنا تھا کہ وہ ایک بہت بڑا شہر ہے' دولت سڑکوں پر بکھری نظر آتی ہے' اونچی اونچی عمارتیں ہیں' بڑے بڑے بازار ہیں اور اتنے لوگ ہیں کہ آدمی کبھی تنہائی محسوس نہیں کرتا اور اتنی روشنیاں ہیں کہ فرد اندھیرے سے بچا رہتا ہے۔ میں دوسرے دن کلکتے کے شہر میں داخل ہوگیا۔

میری جیب میں صرف چند روپے تھے اور والدہ کی چمپا کلی تھی۔ کلکتے میں کوئی جاننے والا بھی نہیں تھا۔ پہلی بار میں نے گھر سے باہر قدم نکالا تھا' ہاوڑا اسٹیشن سے اترتے ہی میں اس شہر کی رونق اور تیزی دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ میں تیزی سے بھاگتی ہوئی گاڑیاں اور بھاگتے ہوئے انسان دیکھنے لگا۔ اسٹیشن کے بعد میلوں تک سائن بورڈ پڑھتا ہوا' بسوں اور ٹرالوں کا شور سنتا ہوا اور فیشن ایبل دکانوں میں رکھے ہوئے سامان تکتا ہوا' میں نہ جانے کہاں آ گیا تھا؟ راستہ کہیں ختم ہی نہیں ہوتا تھا' جدھر دیکھیے' بازار گلیاں' دکانیں' چلتے چلتے میرے پاؤں دکھنے لگے اور نیا شہر دیکھنے کا تجسس دوسرے بنیادی مسئلوں کی وجہ سے ماند پڑ گیا۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ کہیں دوگھڑی بیٹھ کے سستا لینے کو بھی دل چاہتا تھا' بھوک کا مسئلہ تو میں نے اس طرح حل کر لیا کہ ایک ہوٹل میں گھس گیا اور نہایت محتاط طریقے سے کھانا کھایا' میرے چہرے پر شاید کوئی ایسی بات رقم تھی کہ لوگ میری طرف شرارت اور حیرت سے دیکھتے تھے۔ میں نے ہوٹل کے آئینے میں چوری چھپے اپنی شکل کا جائزہ لیا۔ چہرہ بالکل صاف تھا' ان لوگوں نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اور میں گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کے پھر بازاروں میں چلنے لگا۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ جمشید میاں' یہاں تو کوئی ہمدرد چہرہ نظر نہیں آتا' کیا کرو گے اور کہاں جاؤ گے؟ رات کہاں گزارو گے؟ جیب میں گنتی کے یہ روپے کب تک چلیں گے؟ اور پھر کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤ گے؟ جلد ہی کھانے پینے' رہنے سہنے کا کوئی انتظام کرو۔ مگر کہاں؟ کس کے پاس جاؤں؟ کسے روک کے کہوں کہ وہ میری طرف توجہ دے؟ ہر شخص مصروف نظر آتا ہے جیسے اسے روکو گے تو ناراض ہو جائے گا۔

یکایک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے ایسی دکانوں کے بورڈ پڑھنے شروع کر دیے جن کے ناموں سے ان کے مالکوں کا مسلمان ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ آخر خاصی دیر بعد ایک مسلمان کی بڑی دکان نے میرے قدم روک لیے۔ میں باہر کھڑا اپنے میں ہمت پیدا کرتا رہا کہ اندر جاؤں' چہرے پر شرافت اور معصومیت کے تمام تاثرات پیدا کرلوں اور نہایت پر اثر پیرائے میں اس سے ملازمت کی درخواست کروں مگر اندر جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی لہٰذا میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اور گھوم کے تھوڑی دیر بعد وہیں پہنچ گیا۔ آخر جب دکان میں کوئی گاہک نہیں رہا تو میں ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوا۔

"فرمایئے۔" ایک شخص نے میرا حلیہ دیکھ کے پوچھا۔

"جی۔" میں اس کے تخاطب سے گھبرا گیا۔

یکایک اس کا لہجہ بدل گیا۔ "کہیے کیا چاہیے؟"

"جی۔ وہ......" زبان نے ساتھ ہی نہیں دیا۔

"اچھا۔ اچھا۔" وہ کچھ سمجھ کے تختی سے بولا۔ "بھیا اپنا کام کرو' کیوں وقت ضائع کرتے ہو' سیل کا ٹائم ہے۔"

"جی میں الہٰ آباد سے آیا ہوں۔" میں نے اوسان بجا کرتے ہوئے کہا۔

"الہٰ آباد میں میرا کوئی عزیز نہیں رہتا۔" اس نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

"جی' وہ ایسا ہے کہ مجھے کام کی ضرورت ہے' کلکتے میں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔ میں آج صبح ہی یہاں آیا ہوں' رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے اور......"

"میاں!" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "گھر سے بھاگ کے آئے ہو؟ کلکتے میں ہر دسواں شخص گھر سے بھاگ کے آتا ہے۔ بھیا! میری مانو تو گھر واپس چلے جاؤ۔ یہ بڑا ظالم شہر ہے۔ تمہاری اماں اور ابا کا کیا حال ہو گا؟ سمجھے میاں! یہاں تمہیں ضمانت کے بغیر کوئی کام نہیں دے گا۔ واپس چلے جاؤ۔"

میں سہم گیا جیسے کسی نے مجھے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو۔

"جی۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں گھر واپس نہیں جا سکتا۔"

"اب نہیں تو کچھ دن بعد دھکے کھا کے یہ فیصلہ کر لو گے۔"

"مجھے آپ کوئی کام نہیں دے سکتے؟"

"معاف کرو بابا!" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "سیل کا ٹائم ہے اور تم مسخرا پن کر رہے ہو۔"

وہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا اور میں چند لمحے ٹھہر کے وہاں سے چلا آیا۔

پہلی ہی جگہ ناکامی ہوئی تھی' اس کے بعد کہیں اور کوشش کرنے کی سکت نہیں رہی' دو ایک جگہ مسلمان دکان داروں کے بورڈ دیکھ کے میں نے پھر ہمت کی۔ اندر گیا' اپنی شرافت' محنت اور دیانت کی قسمیں کھائیں' ہر طرح یقین دلایا مگر کوئی مجھے اپنے ہاں ملازم رکھنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ شام تک میری حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ ہر جگہ ناکام ہونے نے اور بھی تھکا دیا تھا۔ سر چھپانے کے لیے بھی جگہ نہیں تھی اتنے بڑے شہر میں ایک آدمی کے لیے جگہ نہیں تھی مجھے اپنے دوست یاور پر بہت تاؤ آیا۔ وہ ہمیشہ کہتا تھا کہ الٰہ آباد چھوڑ دیا جائے' جب وقت آیا تو بھاگ گیا' اگر وہ ساتھ ہوتا تو ہم ایک دوسرے کا غم بٹاتے' اسی جدوجہد میں رات ہوگئی۔ بازار سنسان ہو گئے۔ میں راستہ پوچھتا ہوا دوبارہ ہاوڑا اسٹیشن پہنچ گیا۔ وہاں تھرڈ کلاس کے شیڈ کی تمام بنچیں اور باہر کی جگہیں بھری ہوئی تھیں۔ بنچ پر بھی سونے کی جگہ نہیں ملی۔ میں دو بجے تک جاگتا رہا' پھر ایک دیوار کے سہارے زمین پر ٹک کے سو گیا اور کلکتہ جیسے بڑے شہر کی پہلی رات گزر گئی۔ صبح اٹھا تو کپڑے میلے ہو چکے تھے' دیکھنے سے گھن آتی تھی۔ منہ دھو کے اور سوکھا سا کھانا ناشتہ کر کے میں نے پھر دکانوں کے چکر لگائے لیکن میرا لباس دیکھ کے مجھے بعض دکانوں میں داخل ہونے ہی سے منع کر دیا جاتا۔ یہ دن بھی نوکری کی تلاش میں گزر گیا۔ پنڈلیوں میں درد ہونے لگا تھا۔ گھر یاد آتا تو کلیجہ منہ کو آ جاتا تھا۔ جیب میں صرف دو روپے باقی رہ گئے تھے۔ واپسی کے کرائے کے لیے مجھے چمپا کلی یقیناً فروخت کرنا پڑتی اور چمپا کلی کے بغیر گھر جاتا تو ہر دروازہ بند ملتا' والد صاحب کا چہرہ والدہ کی پھٹکار اور سکندر کے طعنوں تشنوں سے سابقہ پڑتا۔ اس لیے گھر واپس جانے سے بہتر یہ تھا کہ میں دریائے ہگلی میں غرق ہو جاتا۔ دوسری رات' پھر تیسرا دن' چوتھی رات۔ کپڑے سیاہ ہوگئے تھے' ملازمت نہ ملنی تھی' نہ ملی۔ دو روپے بھی ختم ہو گئے' اس رات مجھے بہت رونا آیا' میں اپنے گھٹنوں میں سر دیے ایک بنچ پر رو رہا تھا کہ کسی نے ٹھوکا دیا "اے مسٹر!"

میں نے چونک کر دیکھا' ایک ادھیڑ عمر کا شخص جس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ سر پر ایک پھٹا ہوا ہیٹ تھا اور جس نے ایک گندا' ادھڑا ہوا کوٹ پہن رکھا تھا' میرے بہت قریب بیٹھا تھا۔ "تم کون ہو۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہم کون؟" وہ مسکرایا۔ "ہم بھی تمہاری طرح ہے۔"

"میری طرح؟" میں نے اپنے دامن سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے جانتے ہو؟"

"تم روتا کیوں ہے؟" وہ بگڑ کے بولا۔

"اور کیا کریں؟" بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

"سالا کچھ کام کریں رونے سے کام بن جائے گا؟"

"کام نہیں ملتا۔"

"تو پھر سالا روئیں گا تو کام مل جائے گا؟ ہائیں۔"

"کوئی کام نہیں دیتا۔ تین دن سے کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھو پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔" میں نے اسے اپنے پاؤں دکھاتے ہوئے کہا۔

"دھت تیرے کی۔ سالا پاؤں سے خون بہیں گا۔ سالا مگج پھر جائیں گا۔ یہ کلکتہ بڑا حرامی شہر ہے۔ کدھر سے آیا ہے؟"

"الٰہ آباد سے۔" میں نے جواب دیا۔

"بھاگ کے آیا ہے؟" وہ آنکھ مار کے بولا۔

"ہاں۔" میں نے کرب سے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہی آیا ہے۔ فیوچر بنائیں گا؟ سیلف میڈ۔ سالا ہم بھی ایک دن ایسا ہی آیا تھا۔ دیکھتا ہے' کیا ہوگیا؟ پہلے باپ گیا' پھر دلی میں مگج ماری کی' اب سالا کلکتے میں خوار ہوتا ہے دیکھو' آگے کدھر جاتا ہے؟ پر ہم رویا کبھی نہیں۔ ایک دن ہم نے خود کو سمجھایا۔ روئیں گا تو کیا ہوگا؟ سالا آنسو کوئی روپیہ تھوڑا بن جائے گا۔ آنکھ ہی خراب ہوئیں گا۔"

"تم کدھر سے آیا ہے؟" میں نے اسی کے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ باتیں چھوڑو یار۔" وہ میری ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "کیوں کھانا کھایا؟"

"نہیں کھایا۔" میں نے سر جھکا کے کہا۔

"سب پیسہ ختم ہوگیا؟"

"ہاں۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چونی نکالی۔ "کھائیں گا؟"

"نہیں۔" میں نے عزم سے کہا۔

''نہیں۔'' وہ حیرت سے بولا پھر ہنسنے لگا۔ ''ابھی نیا ہے' بھوک بھی زور کی نہیں لگی ہے' ہیں نا؟ آؤ میرے ساتھ۔ چرٹ پیتا ہے؟'' وہ سگریٹ نکال کے اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں۔'' میں نے منہ بنایا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔

میرے جواب سے وہ اور ہنسا۔ ''سالا بالکل نیا ہے۔ برانڈ نیو۔''

اسٹیشن کے قریب چائے کے اسٹال پر اس نے مجھ زبردستی چائے اور ڈبل روٹی کھلائی۔ مجھے اس شکستہ اجنبی کا دم بڑا غنیمت لگا۔ چائے کے بعد اس نے مجھے ایک سگریٹ پیش کیا۔ میں نے انکار کیا اس نے اصرار کیا۔ ہونٹوں سے سگریٹ لگایا ہی تھا کہ کھانسی کا دھچکا لگا۔ ہر دھچکے پر اس کا قہقہہ ابلتا۔ اس سے مجھے اور ضد پیدا ہوگئی اور میں نے چند لمبے لمبے کشوں میں پوری سگریٹ پی لی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے کھانستے ہوئے پوچھا۔

''ہم اپنے آپ کو جارج کہتا ہے' جارج کو جانتا ہے؟ برے ٹیا کا بادشاہ ہے۔ ہم نے اسی کے نام پر رکھا لیا ہے۔'' وہ اپنے کوٹ کی دھول جھاڑتا ہوا بولا۔

''تمہارا اصل نام کیا ہے؟''

''ہم نام بدلتا رہتا ہے' اتنا نام رکھا ہے کہ اصل نام بھول گیا۔ تم بتاؤ سالا' چائے پی لیا' نام نہیں بتاتا۔''

مجھے اس کا یہ جملہ برا لگا میں نے جھینپ کر کہا۔ ''جمشید!''

''جام شید؟ نام تو بڑا طوفانی ہے تیرا۔''

چائے پی کے ہم پھر شیڈ میں آ گئے' وہ کلکتے کی زندگی کے متعلق اپنے انداز میں تبصرے کرتا رہا۔ سنتے سنتے مجھے نیند آ گئی۔ صبح اٹھا تو وہ زمین پر پڑا تھا اور اس کا کوٹ میرے سرہانے رکھا تھا' مجھے بڑی شرمندگی ہوئی' وہ بھی جاگ گیا' مجھے اٹھتا دیکھ کے فوراً بولا۔ ''کیسا نیند آیا؟''

''بہت اچھا؟'' میں نے جواب دیا۔ ''مگر یہ کوٹ تم نے میرے سرہانے کیوں رکھ دیا تھا؟''

''سالا تم ابھی عادی نہیں ہوا۔ ابھی تمہارا سر دکھتا ہوگا۔ ہم تو پتھر پر بھی سو جائے گا۔''

''تم مسٹر جارج۔'' میں نے مچل کے کہا۔ ''تم بہت اچھے آدمی ہو۔''

جواب میں اس کی ہنسی نکل گئی اور کھتئی دانت عریاں ہوگئے۔ صبح کی خالی چائے پی کے ہم دونوں باہر نکلے' جارج بہت دکھی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھے کلکتے کے بازاروں میں گھماتا رہا۔ پھر گودی میں جاکے اس نے ایک شخص سے کچھ بات کی پھر میرے پاس آ کے بولا۔ ''سالا کام تو مل گیا ہے مگر تم کرے گا یا نہیں کرے گا؟ تم جنٹلمین آدمی ہے' سوچتا ہے' تم ایسا کام نہیں کر سکے گا۔''

''میں ہر قسم کا کام کرلوں گا۔'' میں نے جوش سے کہا۔ ''کیا کام مل گیا ہے؟''

''ہاں مل تو گیا ہے۔'' وہ کاندھے اچکا کے بولا۔ ''پر سالا یہ بوریاں اٹھانا پڑے گا۔''

''کیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''میں میٹرک پاس ہوں اور......''

وہ درمیان میں بول پڑا۔ ''میٹرک ویٹرک ادھر نہیں چلے گا۔ ادھر ہاتھ کا سارٹفکیٹ چلیں گا۔'' اس نے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔ ''سمجھا۔ کیا نہیں سمجھا؟''

''سمجھا۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

تین دن سے کوئی کام نہیں ملا تھا۔ مسٹر جارج کے پاس بھی پیسے ختم ہو گئے تھے۔ میں مسٹر جارج کے ساتھ گودی میں بوریاں ڈھونے لگا۔ دوپہر کو ایک گھنٹہ کھانے کے وقفے کا ملا۔ ہم دونوں بوریاں اٹھاتے رہے' مسٹر جارج گاتا جاتا تھا اور بوریاں اٹھاتا جاتا تھا۔ وہ بار بار میری خیریت پوچھتا' ہنستا اور کام میں مگن ہو جاتا۔ میرے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ شام تک پورے جسم میں درد ہونے لگا۔ پانچ بجے کے قریب کام سے چھٹکارا ملا۔ ہم دونوں کو پونے دو روپے دیئے گئے۔

مجھے جوان ہونے کے وجہ سے ایک روپیہ اور مسٹر جارج کو بوڑھا ہونے کی وجہ سے بارہ آنے۔ جارج نے بارہ آنے بھی مجھے دے دیے۔ پیسے دیکھ کے تھکن کسی قدر دور ہوئی۔ ایک مسلمان ہوٹل میں ہم دونوں نے آٹھ آنے کا کھانا کھانے کی عیاشی کی۔ پھر میں نے دو پوسٹ کارڈ الہ آباد لکھے۔ ایک والد صاحب کو' دوسرا یاور کو۔ والد صاحب کو میں نے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ وہ ثمن کی شادی ڈاکٹر ارشد سے ہرگز نہ کریں۔ یاور کو میں نے مختلف باتوں کے علاوہ اپنا پتہ بھی لکھ دیا۔ یعنی ہاوڑا اسٹیشن کے چائے والے کا پتہ جہاں رات ہم نے چائے پی تھی۔

جسم ٹوٹ رہا تھا۔ میں سرِشام ہی بنچ پر سوگیا۔ دوسرے دن بھی ہم نے یہی

کام کیا۔ بوریاں اٹھاتے اٹھاتے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ کپڑے پھٹ گئے تو مسٹر جارج نے مجھے آٹھ آنے میں ایک پتلون کہیں سے خرید دی۔ ایک ہفتہ انہی مشاغل میں گزر گیا۔ ادھر یاور کا خط آیا کہ گھر میں میرے فرار کے سلسلے میں کوئی خاص تذکرہ نہیں ہوا۔ سب کو یہی بتایا گیا ہے کہ میں فوج میں بھرتی ہو گیا ہوں۔ یاور نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد ہی کلکتے پہنچ رہا ہے۔ میں دوسرے خط میں اسے لکھنے والا تھا کہ یاور ایسی غلطی نہ کرنا۔ الٰہ آباد سے اچھی جگہ دنیا میں کہیں نہیں ہے مگر میں نے اسے یہ سب نہیں لکھا۔ مسٹر جارج کا خیال تھا کہ اس طرح کی زندگی ہر شخص کو کم سے کم ایک بار ضرور گزارنی چاہیے۔ شاید وہ صحیح کہتا تھا۔

☆......☆

ایک جگہ سے دوسری جگہ' دوسری سے تیسری جگہ۔ کبھی بوجھ اٹھانا۔ کبھی تعمیراتی کام میں راج کی مدد کرنا۔ ڈاک خانے پر بیٹھ کے کبھی لوگوں کے خط لکھنا۔ ایک دن میں نے پیسے بچا کے پھلوں کا ایک ٹوکرا خرید لیا اور پھر بیچنا شروع کر دیا۔ یہ میرے اور جارج کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ ہم نے خوب آواز لگائی۔ کچھ پھل بکے' جو بچ گئے وہ سڑنے کے ڈر سے ہم نے رات ہی میں کھا لیے' پیشہ ساز گار ثابت نہیں ہوا۔ اس افراتفری اور تگ و دو میں تین مہینے گزر گئے' یاور کے خط آتے رہے اور میں مسٹر جارج کے ساتھ اپنی زندگی کے سب سے مشکل دن کاٹتا رہا۔ اب میں نے باقاعدہ سگریٹ نوشی شروع کر دی تھی اور اب میں مسٹر جارج کے لہجے کی کامیابی سے نقل اتار لیتا تھا۔ ہم دونوں نے رات کو سونے کے لیے ایک جگہ کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ جارج کی زندگی میں بھی' میرے آنے سے ایک ٹھہراؤ آ چکا تھا' پھر یہ ہوا کہ ۲۵ دسمبر آ گئی۔ کلکتے میں کرسمس کا زور ہوا۔ مسٹر جارج کے پاس نئے کپڑے نہیں تھے۔ میں نے ایک ایک پائی بچا کے ان کے لیے نیا لباس سلوایا۔ کرسمس کی رات جارج مجھے ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں عجیب قسم کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف شور تھا۔ جارج نے دو گلاس منگوائے۔ ''لو شربت پیو' کرسمس کے موقع پر' گلاس ملاؤ۔'' جارج نے اپنی آنکھیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو شراب ہے۔'' میں نے نفرت سے منہ سکیڑ لیا۔

''ہاں جانی! یہ زہر غم ہے۔'' وہ ترنگ میں بولا۔ ''یہ ایک بیوٹی فل لڑکی ہے ہم بولتا ہے' کرسمس کے دن اپنے جارج کے لیے چند گھونٹ پیو۔''

''نہیں۔ نہیں۔'' میں نے اکراہ سے کہا۔ ''جارج تم بڑے بدمعاش ہو۔ میں تمہیں ایسا گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔''

وہ ہنس پڑا۔ ''سال میں صرف ایک دن ظالم! ایک دن تو پینے دے۔ ٹوک نہیں ڈارلنگ! اپنے جارج کے لیے پی جا۔ لے۔''

میں نے پھر انکار کر دیا۔ وہ رو پڑا۔ ''نہیں پیئں گا؟''

''نہیں۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''تو پھر ہم بھی نہیں پیئں گا۔ اس بار کرسمس بھی خالی جائیں گا۔'' وہ حسرت سے بولا۔

مجھے اس پر ترس آ گیا۔ ''جارج! میں نے محبت سے اسے پکارا۔ ''جارج؟ شراب بہت بری چیز ہے۔''

''ہاں ہے تو۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''تو پھر تم اسے کیوں پینا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''جارج ذرا سوچو تو یہ کتنی بری بات ہے۔''

''مان جا ڈارلنگ' صرف ایک ٹائم کے لیے۔'' وہ خوشامد کے انداز میں بولا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ میری بات کا اثر ہو گیا ہے۔ ''جارج!'' میں بھنا کے بولا۔ ''ہماری تمہاری دوستی ختم۔''

''ختم۔'' پھر وہ گنگنانے لگا۔ ''داغ نے سالا کیا پوئٹری لکھا ہے' ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔''

میں جھلا کے خاموش ہو گیا۔ دونوں کے سامنے گلاس رکھے تھے۔ جارج اٹھ کے میری کرسی پر آ گیا اور اس نے میری ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال دیا' وہ اس طرح منتیں کرنے لگا جیسے مجھے کسی نیکی پر آمادہ کر رہا ہو۔ میرے انکار پر وہ باقاعدہ رونے لگا۔ پھر حسرت سے کہنے لگا۔ ''مت پی ظالم! مت پی۔ چل۔''

''اچھا ٹھہرو۔ تم پی لو۔'' میں نے رک کے کہا۔ ''مگر صرف ایک بار۔''

''اوہ۔'' وہ مسرت سے اچھل پڑا مگر پھر سست پڑ گیا۔

''کیوں اب کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جام شید ڈیئر! تم مجھ کو اپنا فرینڈ سمجھتا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔

''تو ہمارے ساتھ پیو۔ سالا سگریٹ پیتا ہے' بوری اٹھاتا ہے' گندا کپڑا پہنتا ہے' کھولی میں سوتا ہے۔ شراب نہیں پیتا؟ تم کیسا آدمی ہے؟'' وہ ناراض ہو کے بولا۔ پھر مسٹر جارج نے شراب کی تعریف میں ایک لمبی تقریر فرمائی اور کہا۔ ''سالا یورپ میں شراب پانی کے مافک بہتا ہے اور وہ یہاں اتنی دور آ کے ہم پر حکومت بھی کرتا ہے۔''

میں اس بک بک جھک جھک سے اکتا گیا۔ ہمارے درمیان کافی تلخی ہوگئی اور میں گلاس اٹھا کے غٹا غٹ پی گیا۔ ایک تیر سا میرے کلیجے میں لگا۔ میں نے برے برے منہ بنائے۔ جارج ہنسنے لگا۔ اس نے اور منگائی۔ میں نے اور پی لی۔ ہم دونوں کے درمیان گفتگو بند ہوگئی۔ تیسرے گلاس پر میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور روشنیاں ایک کے بجائے چار چار نظر آنے لگیں۔ وزن ہلکا ہو گیا اور میں نے جارج کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ ہم دونوں سڑک پر جھومتے ہوئے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ جارج زور زور سے انگریزی گیت گا رہا تھا۔ آخر مجھے اس وقت ہوش آیا جب میں نے خود کو ایک حسین لڑکی کے رو بہ رو پایا۔ ''جارج! ہم کہاں ہیں؟'' میں نے جھومتے ہوئے کہا۔

''ہم لکھنؤ والی بنو بیگم کے کوٹھے پر ہیں' اس کی ڈاٹر بانو جمال ہمارے سامنے گاتا ہے۔''

''کیا ہم طوائف کے کوٹھے پر ہیں؟ جارج تم مجھے کہاں لے آئے؟''

''جانی! آج کرسمس ہے تمام گناہ آج کے دن ہو جائیں گا۔ کل سے ہم پھر بوریاں اٹھائیں گا' ہم اپنی اوکات کیسے بھول سکتا ہے''

''یہ تو بے حد حسین ہے' کیا سچ مچ یہ طوائف ہے؟''

''اسے بیچا اور خریدا جاتا ہے' اس کی قیمت مقرر ہے۔ تم سالا اسے خریدیں گا؟''

''ہمارے پاس اتنا پیسہ کہاں ہے' ہم مزدور ہے۔''

''پیسہ؟ ہم چوری کریں گا۔ غریب لوگوں کے لیے چوری کا دروازہ آل ویز کھلا رہتا ہے۔''

☆......☆......☆

بہت سے لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بانو کے پیر میں گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ وہ طبلے کی تھاپ پر اپنا بدن تھرکاتی تھی۔ ایسا ہوش رُبا نظارہ میں نے پہلے

نہیں دیکھا تھا۔ میں بانو کی صورت تکتا رہا۔ جارج نے مجھے جھنجوڑا۔ میری جیب میں جتنے روپے تھے' جارج نے نکال لیے اور بانو کے سامنے پھیلا دیے اور ایک نوٹ میرے کان پر رکھ دیا۔ بانو لجاتی شرماتی آئی اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔ شرم سے میری گردن جھک گئی' چہرہ سرخ ہوگیا اور کان کی لویں گرم ہوگئیں۔ میں بانو کی دلکش آواز' بانو کے حسن میں ایسا کھویا کہ مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ میرا خیال ہے' اس نے میری طرف کچھ زیادہ ہی توجہ صرف کی' بانو ناچتی گاتی رہی' میں نے کسی حسین لڑکی کے بارے میں کبھی اس طرح نہیں سوچا تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا اور تمام بے تابیاں آنکھوں میں سمٹ آئیں' میں اپنی آنکھوں میں شرارے بھرے بانو کو گھورتا رہا۔ آخر جارج نے مجھے کاندھا پکڑ کے بیدار کیا۔ وہ سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ ''جام شید! تم تو الثام ہو گیا ہے' سالا کھیل ختم ہو گیا' سارا پیسہ ہضم ہو گیا۔ اب یہاں بیٹھنا بے کار ہے' آؤ چلیں۔'' میں اٹھنے میں ہچکچانے لگا لیکن جارج نے میرا بازو پکڑ کے زبردستی مجھے اٹھا دیا۔ میری نظریں بانو کا طواف کر رہی تھیں۔ میں مڑ مڑ کے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بانو یکایک کسی بجلی کی طرح میری طرف آئی۔ میں سٹ پٹا گیا۔ اس نے بڑے دلکش لہجے میں کہا۔

''پھر زحمت کیجئے گا؟''

مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا' میرے بجائے جارج بولا۔ ''ہاں بانو! کیوں نہیں آئیں گا۔ سالا جیب میں پیسہ ہوئیں گا تو کون تم سے دور رہیں گا۔ بس چلے تو ہم یہیں دھرنا جما دے۔''

بانو نے جارج کا جواب نظر انداز کر کے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ؟''

''ہاں۔ آپ بلائیں گی تو ضرور آئیں گے۔'' میں نے بدقت تمام کہا۔ اور فوراً دروازے کی طرف مڑ گیا۔

رات تو کسی طرح بیت گئی۔ صبح ہوئی تو سینہ بھاری بھاری سا لگنے لگا۔ متلی کی سی حالت ہوگئی۔ رات کے واقعات نظروں میں گھوم گئے۔ جارج مجھ سے پہلے جاگ گیا تھا۔ میں نے عہد کیا کہ اب کبھی شراب نہیں پیوں گا۔ میں اپنی عدالت میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا' مجھے اپنے آپ سے شرم محسوس ہونے لگی تھی مگر بانو۔؟۔ بانو کا خیال دل سے مٹائے نہ مٹ سکا۔ اس کا حسن' اس کا انداز' اس کا رقص' ہر بات یاد آنے لگی' چلتے وقت اس کا اٹھ کے آنا اور شرما کے کہنا۔ ''پھر زحمت کیجئے گا؟'' زندگی میں کبھی کسی لڑکی نے ایسی جرات نہیں کی تھی۔ میں اس کے دلکش خدوخال کے تصور میں کھویا رہا۔

اس کی عمر سولہ برس سے زیادہ کیا ہوگی۔ کلکتہ مجھے پہلی بار بہت اچھا لگا۔ ''کیا بانو یاد آ رہی ہے۔'' جارج نے میری محویت دیکھ کے پوچھا۔

''ہاں جارج!'' میں نے جذبات بھرے لہجے میں کہا۔

''مائی ڈیئر! اس کا خیال چھوڑ دو' سالا کپڑا تک بک جائیں گا۔ سمجھ لینا کہ فلم دیکھا تھا۔''

''جارج ایک بار اور اسے دکھا دو۔'' میں نے مچل کے کہا۔

''سالا راہ پر لگ گیا' جوانی آ گیا؟''

''یا پھر مجھے بتا دو' اس کا گھر کس طرف ہے؟ مجھے یاد نہیں آتا۔''

''سمندر کی طرف۔ سالا وہ ایک سمندر ہے' اس کی تہہ کا پتہ نہیں چلتا۔ تم ادھر جا کے ڈوبے گا تو کوئی بچا نہیں سکے گا۔ اس سمندر میں روپے کی کشتی چلتی ہے' روپے کا تائر ہوئیں گا تو سمندر کی سیر کر سکیں گا' سمجھا؟''

جارج مجھے طوائفوں کی عادات و خصائل کے متعلق لکچر دیتا رہا لیکن وہ بانو کا خیال میرے دل سے نہ نکال سکا۔ میں مجبوراً کام کرنے اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ سارے پیسے ختم ہو گئے تھے۔ اس دن میں نے رات تک کام کیا۔ پھر دوسرے دن بھی' تیسرے دن بھی' ایک ہفتہ' شب و روز مختلف کاموں میں جتا رہا اور بانو کو یاد کرتا رہا۔ ہر لمحے اس کا نقش اور گہرا ہو جاتا۔ ایک ہفتے بعد ہم دونوں کے پاس اتنے روپے ہوگئے کہ ہم بوء بازار کا رخ کر سکیں' بانوں کے کوٹھے کے زینے پر قدم رکھتے ہوئے میرا دل ڈوبنے لگا۔ جارج جملے پھینکتا اور لعن طعن کرتا ہوا کوٹھے پر چڑھ گیا' محفل جمی ہوئی تھی۔ بانو نے مجھے اشتیاق سے دیکھا۔ ایک لمحے کو اس کے گھنگھرو ساکت ہوئے' پھر وہ بے تابانہ رقص کرنے لگی اور نغمہ سرائی میں تو اس نے کمال کر دیا' میں مبہوت ہو کے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ کاش میرے پاس قارون کا خزانہ ہوتا۔ میں اس کی ایک مسکراہٹ پر پورا خزانہ نچھاور کر دیتا۔ بانو میرے دل میں اتر چکی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اس کی نگاہیں بھی میری ذات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہم نے بڑی احتیاط سے نوٹ ختم کیے۔ جب سب ختم ہوگئے تو جارج نے اٹھنے کا اعلان کیا اور مجھے آخری بار بانو کو جی بھر کے دیکھ لینے کا حکم دیا۔ میں حسرت سے اسے تکتا رہا۔ بانو شاید میری کیفیت بھانپ گئی۔ گاتے گاتے ہمارے پاس آئی اور نازوادا سے کہنے لگی۔ ''اور نہیں بیٹھیے گا؟''

''نہیں۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''ہمارے پاس پیسے ختم ہو گئے ہیں۔''

''اوئے کیا ذلیل کرتا ہے۔'' جارج نے مجھے ڈانٹا' میں خفیف ہو گیا۔ بانو کے چہرے پر کرب کی ایک لکیر ابھری۔

''آپ سے کون پیسے مانگتا ہے' آپ تشریف رکھیے۔''

''شکریہ۔'' میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ ''آپ آپ......''

''کہیے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں۔ یہ سالا کیا کہیں گا۔ اس نے جب سے تم کو دیکھا ہے' صبح و شام تمہارے خیال میں ڈوبا رہتا ہے۔'' جارج درمیان میں بول پڑا' مجھے شرم آ گئی۔

''اچ چھا؟'' وہ تمکنت سے بولی۔ ''کیا واقعی آپ سچ کہتے ہیں؟''

''ہم تم سے مسخری نہیں کرتا' سچ بولتا ہے۔ یہ تمہارے سامنے نہیں بولیں گا۔''

''نہیں۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''یہ بات نہیں ہے۔''

''آپ یہاں آیا کیجیے نا۔'' اس نے شیریں لہجے میں کہا۔

''مگر۔۔؟'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''اوہو۔ آپ آیا تو کیجیے' کھایئے ہماری قسم آئیں گے نا؟ بتایئے۔ آئیں گے؟''

''ضرور۔ آپ کا کہنا ہی کافی ہے۔''

بانو میرے سامنے سے ہٹ گئی۔ ہم کچھ دیر بیٹھے رہے اور اس کا فن' اس کا حسن دیکھتے رہے۔ پھر جارج مجھے لے کے چلا۔ بانو نے جاتے وقت دور سے مجھے خدا حافظ کہا۔ واپسی میں جارج میرے رویے پر خاصا گرم ہو گیا اور مجھے اونچ نیچ سمجھانے لگا لیکن جارج کی ایک بات بھی میں نے ڈھنگ سے نہیں سنی' ہوں ہاں کرتا رہا اور بانو کے تصور میں کھویا رہا۔ اس کے تصور سے مجھے ایک عجیب قسم کی لذت ملتی تھی۔

پھر یہی ہوتا رہا کہ میں پورے ایک ہفتے شدید محنت کرتا اور جب چند روپے اکٹھے ہو جاتے تو بانو کے ہاں چلا جاتا۔ بانو میرے حواس پر ایسی چھائی کہ میں نے بار بار اس کے در پر سلام کرنے کے لیے سونا کم اور کام زیادہ کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے بخار نے آ گھیرا' بخار اپنے ساتھ اور بہت سی پریشانیاں لایا۔ اکیلا جارج میری تیمارداری کرتا اور کام پر بھی جاتا۔ دوا کے پیسے بھی نہیں رہے۔ جارج مجھے ایک خیراتی ہسپتال لے گیا۔ یہ پورا ہفتہ بھوک اور بیماری میں گزر گیا اور پھر وہی دن آ پہنچا۔ سنیچر۔ جب میں بانو کے ہاں جاتا تھا۔ میں نے بخار کی حالت میں جارج سے

کہا کہ مجھے بانو کے ہاں لے چلو' وہ اسے میرا ہذیان سمجھا۔ روٹھ کر چلا گیا تاکہ میں بے جا اصرار نہ کروں' میں نے چادر اوڑھی' اور لڑکھڑاتا ہوا اکیلا بانو کے آستانے کا راستہ طے کرنے لگا۔ یہ طویل راستہ میں نے پیدل ہی عبور کرلیا بانو کے زینے پر چڑھ کے میرے قدم جواب دے گئے۔ میں وہیں گر پڑا۔ میری چیخ پر سازندوں نے آکے مجھے اٹھایا اور اوپر پہنچا دیا۔ میری ابتر حالت دیکھ کے بانو کی ماں بنو بیگم کے چہرے پر ناگواری کی علامتیں ظاہر ہوئیں مگر بانو دوڑی دوڑی آئی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجھے پانی پلایا اور میری طبیعت کا حال پوچھنے لگی۔ میرے ماتھے پر اس نے اپنا مرمریں ہاتھ رکھا تو مجھے ایسا سکون ملا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ''آپ ایسی حالت میں کیوں آگئے؟'' وہ درد و کرب سے بولی۔

''آج سنیچر تھا نا۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''علاج کرا رہے ہیں؟'' وہ بولی۔

''ہاں۔ تمام پیسے ختم ہو گئے تھے۔ جارج خیراتی ہسپتال لے گیا تھا۔ ذرا سا فائدہ نہیں ہوا' ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔''

''پیسے نہیں تھے تو یہاں کیوں آگئے؟'' بنو بیگم نے میرے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ میں سکتے میں آگیا۔

''بانو! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ہم پیسوں کے بغیر بھی آسکتے ہیں۔'' میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

بانو کی آواز کانپنے لگی۔ ''ہاں میں نے کہا تھا' امی کی بات کا برا نہ مانیے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ......''

''بانو!'' بنو بیگم کی پاٹ دار آواز گونجی۔ ''یہ طوائف کا کوٹھا ہے' یتیم خانہ نہیں ہے۔''

''امی!'' بانو جھلا کے بولی۔ ''خدا کے لیے خاموش رہیے۔''

''نہیں وہ ٹھیک کہتی ہیں' جارج صحیح کہتا تھا۔'' میں نے رقت انگیز آواز میں کہا۔ ''میں اب یہاں پیسوں کے بغیر نہیں آؤں گا۔''

''ایسے غیرت مند معلوم تو نہیں ہوتے۔'' بنو بیگم نے کہا۔

مجھے غصہ آگیا' ایسی ذلت مجھے گودی میں بوریاں اٹھانے' گندا لباس پہننے اور شراب پینے سے بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

ماں کی چمپا کلی ابھی تک میرے پاس محفوظ تھی۔ میں نے اسے نکالا اور بانو کے سامنے پھینک دیا۔ بنو بیگم کی آنکھیں چمک اٹھیں لیکن بانو نے جھٹ چمپا کلی اٹھا لی۔ ''یہ ہماری ماں کی نشانی ہے' آپ کی نذر کر دیتا ہوں' اب تو آپ خوش ہیں؟''

بانو کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے ''آپ کو میری قسم' اسے رکھ لیجئے۔''

''تم پاگل ہو گئی ہو لڑکی! میاں خاندانی معلوم ہوتے ہیں۔'' بنو بیگم کا لہجہ بدل گیا۔ ''دیکھا ایک جھٹکے میں بڑے نسب کا راز کھل گیا۔''

''آپ یہاں سے چلے جایئے اور جب تندرست ہو جائیں تو آیئے گا۔'' بانو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اسے رکھ لیجئے۔''

بنو بیگم' بانو پر سخت ناراض ہوئی لیکن بانو نے اس کی ایک نہ سنی اور چمپا کلی میری جیب میں ڈال دی' اس نے مجھے بازو پکڑ کے اٹھایا اور بولی۔ ''خدا کے لیے آپ اس وقت چلے جایئے' بخار سے پنڈا تپ رہا ہے' کیوں اپنی جان ہلکان کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''قسم کھایئے کہ آپ صحت مند ہونے سے پہلے نہیں آئیں گے۔''

''اور اگر میں صحت مند نہ ہوا؟''

''نہیں۔ ایسی بات نہ کہیئے' میں آپ کے لیے دعا کروں گی۔''

''بانو! جارج کہتا ہے' آپ لوگ کسی کو یاد نہیں رکھتیں۔''

''وہ سچ کہتا ہے۔'' بانو نے منہ پھیر لیا۔

''مجھے بھی؟'' میں نے ڈوبتے لہجے میں پوچھا۔

''آپ اپنے دل سے پوچھیے۔''

بنو بیگم ہمارے درمیان دیوار بن کے کھڑی ہو گئی تھی' اس نے بانو کو تیز نظروں سے دیکھا اور دھکا دے کے دور کر دیا۔ اس کے بعد وہ مجھے توہین آمیز انداز میں بالا خانے سے باہر نکلنے کا حکم دینے ہی والی تھی کہ میں بانو کے سراپا کا جائزہ لیتا ہوا آہستہ قدموں سے نیچے اتر آیا۔ سیڑھیوں کے پاس ہی مجھے جارج کھڑا ہوا ملا۔ وہ میرے گلے سے لپٹ گیا۔ وہ کچھ پیسے کہیں سے ادھار لے آیا تھا' واپسی کا سفر مجھے پیدل نہیں طے کرنا پڑا۔

☆......☆......☆

صحت یاب ہونے میں مجھے چند دن لگ گئے۔

جارج سے اپنا آپ ہی نہیں سنبھلتا تھا اس لیے مجھے کمزوری کے عالم میں بانو کے تصور کے ساتھ مجبوراً کام پر جانا پڑا۔ اسی دن شام کو چائے والے نے مجھے یاور کا خط دیا۔ خط کا مضمون میرے لیے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ میری بہن یاسمن کی شادی اگلے ہفتے ڈاکٹر ارشد سے ہو رہی تھی۔ میرا دماغ ماؤف ہوگیا۔ کلکتے میں چار پانچ ماہ تنہائی میں رہتے ہوئے میں نے اپنا گھر بھلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اس خط نے ہر زخم تازہ کر دیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنی معصوم بہن کو بچانے کے لیے مجھے ایک اور کوشش کرنی چاہیے۔ چاہے اس بار والد صاحب اپنی بندوق سے مجھے ہلاک ہی کیوں نہ کر ڈالیں۔ اس ارادے کے بعد مجھے کلکتے میں رہنا دو بھر ہو گیا حالانکہ بانو کا شہر چھوڑنے کے خیال ہی سے میری نبضیں ڈوبنے لگتی تھیں۔ گھر جانے کا ارادہ اس حوصلے سے کچھ اور بڑھا کہ اب میں اپنے اندر والد صاحب سے آنکھ ملا کے بات کرنے کی جرأت محسوس کر سکتا تھا' اس شہر کی سختیوں نے مجھے پہلے سے کہیں زیادہ سرکش بنا دیا تھا۔ میں نے جارج سے مشورہ کیا۔ وہ میرے اس اچانک فیصلے سے اداس ہو گیا۔ واپسی کے سفر کے لیے کرایہ بھی نہیں تھا اور کپڑے اتنے گندے تھے کہ گھر جاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ بہر حال یہ مسئلہ تو کولو ٹولہ اسٹریٹ کے ایک حریص مسلمان دکان دار نے حل کردیا۔ اس نے میری چمپا کلی گروی رکھ لی اور پچاس روپے کی خطیر رقم میرے پاس آ گئی جس سے میں نے ایک جوڑی کپڑے' یاسمن کے لیے ایک سرخ دوپٹا خریدا اور باقی روپوں کا ٹکٹ لے لیا۔ راستے بھر میں اپنے گھر کے حالات سے نمٹنے اور یاسمن کی شادی ملتوی کرانے کے منصوبے باندھتا رہا۔ چلتے وقت بانو کے پاس جانے کی بے تابی تھی مگر اس سے ملاقات کے لیے زادراہ پلے نہیں تھا۔ سوچتا تھا' اب نہ جانے اس سے کب ملاقات ہو؟ شاید وہ یاد رکھے؟ یاسمن کی شادی ملتوی کرانے کا کام آسان نہیں تھا۔ جیسے جیسے الہٰ آباد قریب آتا جاتا تھا۔ مجھے یہ کام مشکل معلوم ہونے لگا تھا۔

الہٰ آباد آ گیا اور میں خالی ہاتھ واپس آیا تھا حالانکہ میں نے اس شہر سے وداع ہوتے وقت عہد کیا تھا کہ سرخ روئی کے بغیر واپس نہیں آؤں گا۔ اپنی گلی کی بو سونگھی تو قدم رکنے لگے۔ دل چاہا کہ یہیں سے لوٹ جاؤں۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو گھسیٹ کر دروازے تک پہنچایا' دروازہ بند تھا۔ دستک دینے کی ہمت نہیں ہوئی' ڈر تھا کہ کہیں پہلے ہی والد صاحب سے آمنا سامنا نہ ہو جائے' گلی کا چکر کاٹ کے پچھواڑے سے گھر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا لیکن شومئی قسمت کہ جیسے ہی پچھلے

دروازے سے میں چوروں کی طرح گھر میں گھسا' سب سے پہلے والد صاحب سے آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ صحن کی کیاری کے پاس کھڑے تھے' میں جہاں تک پہنچا تھا' وہیں جم گیا' والد صاحب بھی مجھے دیکھ کے ٹھٹک گئے' انہوں نے غور سے میرا جائزہ لیا' پھر میرے ہاتھ میں ایک تھیلی دیکھی' ان کے درشت چہرے پر تغیر رونما ہوا اور انہوں نے اپنے تاثرات چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے ہاتھ ہلا کے مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا اور دوبارہ اس طرح باغبانی میں مصروف ہوگئے جیسے میں صرف گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گھر سے باہر گزار کے آیا ہوں۔ اندر پہنچا تو والدہ کے آنسوؤں نے میرا استقبال کیا' یاسمن مجھ سے بے تحاشا لپٹ گئی لیکن سکندر علیحدہ بیٹھا رہا۔ یاسمن مایوں بیٹھ چکی تھی' اس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہوئی تھی' گھر میں محلے کی لڑکیاں اور بڑی بوڑھیاں شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ یاسمن کی شادی میں صرف تین روز رہ گئے تھے' یہ تیاریاں دیکھ کے میرے اوسان خطا ہوگئے۔

صرف چند گھنٹوں بعد مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے اس گھر میں دوبارہ قدم رکھ کے سخت غلطی کی ہے۔ والدہ مجھ سے ایک مہمان کا سلوک کر رہی تھیں۔ ان کی خوش اخلاقی میرے لیے سوہان روح بن گئی۔ ادھر شادی کے اس گھر میں میرے توہمات کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔ کسی سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ میں نے اپنے دوست یاور سے مشورہ کر کے ایک بار پھر باری باری' سکندر' والدہ اور خود یاسمن سے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ والد صاحب کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے مجھے کھڑے کھڑے گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور بدبخت' منحوس' ننگ خاندان وغیرہ کے خطابات سے نوازا۔ اس پر بھی میں مصر رہا کہ یہ شادی ملتوی ہو جانی چاہیے۔ میں تفصیل سے اپنے اندیشے ظاہر کرتے ہوئے لرزتا تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا' اسے بیان کرتے ہوئے خوف آتا تھا۔ میں اصرار کر کے صرف اتنا کہتا تھا کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اس کا کوئی معقول جواز میرے پاس نہیں تھا۔

ایک بار میں نے سوچا کہ یاسمن کو اغوا کر کے کلکتے لے جاؤں لیکن کلکتے کی زندگی کے تصور سے ہول آنے لگا' یاسمن وہاں کمھلا جائے گی۔ میری کوئی ترکیب کارگر نہ ہوئی۔ مرزا پور سے چچا جان کی آمد آمد کی اطلاع تھی۔ وہ نہیں آ سکے ورنہ۔ میں انہی کو ہموار کرنے کی کوشش کرتا۔ آخر شادی میں صرف ایک دن رہ گیا۔ گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ وداع کے گیت گائے جانے لگے' میں ان تمام ہنگاموں سے دور اپنے دوست

یاور کے ساتھ الہٰ آباد شہر کے ویرانوں میں بیٹھا اپنی دوں ہمتی کو کوستا رہا اور پھر میں نے حالات سے مفاہمت کر لی' میں نے یاسمن کو سرخ جوڑے میں دیکھا پھر برات آئی۔ ڈاکٹر ارشد کے مسکراتے ہوئے دوست اس کے ساتھ نظر آئے' نکاح ہوا' چھوارے تقسیم ہوئے اور یاسمن ہمیں چھوڑ کے چلی گئی۔ سب کا روتے روتے برا حال تھا لیکن سب سے بدترین کیفیت میری تھی۔ آخری وقت میں مجھ پر غشی طاری ہوگئی' میں زار و قطار روتا تھا اور دیواروں سے سر پھوڑتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے میرے گھر کی بہار اجڑ گئی۔ میری بہن کا جنازہ چلا گیا۔

☆......☆......☆

یاسمین

یاسمن کی شادی کو ایک مہینہ گزر گیا۔

ڈاکٹر ارشد کے بارے میں مجھے اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی کیونکہ وہ یاسمن کے لیے ایک بہترین شوہر ثابت ہوا تھا اور اس کے گھر والے بھی یاسمن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ پھر بھی میرے وہم کا سدباب نہیں ہوا تھا۔ میں سمجھتا تھا جیسے یہ سب عارضی ہے۔ اسی لیے گھر والوں کے نفرت انگیز رویے' تلخ کلامیوں اور حقارتوں کے باوجود میں الہٰ آباد میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہر شخص مجھ سے متنفر تھا۔ خصوصاً والد صاحب اور سکندر تو اب میرے سائے تک کو حقیر سمجھتے تھے' شادی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یاسمن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے وہ پرندوں کی طرح چہکتی تھی' اب وہ کم سخن لڑکی ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ کملانے لگا تھا۔ ایک روز جب وہ میکے آئی ہوئی تھی' میں نے تنہائی پاتے ہی اس سے پوچھا۔ ''یاسمن! تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ تم بہت بدل گئی ہو۔''

''اب میری شادی ہوگئی ہے جمشید!'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''یہ تو مجھے علم ہو چکا ہے لیکن کیا ڈاکٹر صاحب تمہیں ہنسنے بولنے سے منع کرتے ہیں؟''

یاسمن غصے سے سرخ ہوگئی' پھر اس نے ایک سرد آہ بھری اور کچھ آبدیدہ سی ہوگئی' پھر شگفتہ لہجے میں کہنے لگی۔ ''نہیں' میرے پیارے بھائی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

اس کے جواب سے میری تشفی نہیں ہوئی۔ ایک ذرا سی بات پر اس کا غصے سے سرخ پڑ جانا میرے لیے تعجب خیز تھا۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی جو یاسمن مجھ سے چھپا رہی تھی۔ میں نے ہر زاویے سے حالات اور واقعات کا جائزہ لینے اور اسے کریدنے کی کوشش کی لیکن کسی آخری اور حتمی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ میری تشویش بڑھتی گئی اور اس کرب میں' میں اپنے دوست جارج کو خط بھی نہیں لکھ سکا' میں دن بھر

گھر سے باہر یاور کے ساتھ گھومتا رہتا۔ شام کو گھر بھر کی خبریں کرید کرید کے والدہ سے سنتا' ان کا خیال تھا کہ یاسمن اپنے گھر میں بہت خوش ہے' وہ یہ بات کہہ کے مجھے شرمندہ کرنا چاہتی تھیں۔ سکندر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا اس لیے مجھے گھر کے کم از کم ایک فرد کے عذاب و عتاب سے نجات مل گئی تھی۔ رہے والد صاحب تو میں ان کے سامنے بہت کم جاتا تھا۔ ویسے میری دلی تمنا تھی کہ یاسمن اپنے گھر میں خوش رہے اور میرا وہم صرف وہم ثابت ہو اور میں نے اس رات جو ہولناک منظر دیکھا تھا' کاش وہ میرے معدے اور ذہن کا فتور ہو۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ میں ڈیڑھ مہینے بعد کلکتے واپس جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حالات نے اچانک کروٹ لی۔ صبح کا وقت تھا' والد صاحب ناشتے سے فارغ ہو کے کپڑے بدل رہے تھے۔ میں والدہ کے پاس چوکی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ خلاف توقع ڈاکٹر ارشد آ گئے۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ پہلے وہ جب بھی آتے تھے' والدہ کو سلام کرتے اور ان کی دعائیں لیتے تھے' آج انہوں نے یہ نہیں کیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے خود انہیں سلام کیا تو جواب نہیں ملا۔ والد صاحب کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ ''ارشد میاں تم!'' انہوں نے بڑے شفیق لہجے میں کہا۔ ''خیریت؟ صبح صبح کیسے آنا ہوا؟''

''افتخار صاحب!'' ڈاکٹر ارشد نے والد صاحب کو سلام کیے بغیر خشک لہجے میں کہا۔ ''مجھے آپ سے کچھ اہم اور ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟'' والد صاحب سنجیدہ ہو گئے۔

''میں آپ سے کیچو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' ارشد نے وہیں کھڑے کھڑے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ''وہ کون تھی اور یاسمن سے اس کا کیا تعلق تھا؟''

''ارشد!'' والد صاحب کا چہرہ اچانک غصے سے سرخ ہو گیا انہوں نے کرختگی سے کہا۔ ''تم مجھ سے مخاطب ہو۔''

''گویا کیچو کی شخصیت کا ذکر آپ کے لیے بھی اہم ہے؟'' ارشد ہونٹ چباتے ہوئے بولا' کیچو کا نام سن کے والدہ بھی چونک پڑیں۔

''بچوں کی موجودگی میں تمہیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے۔ میں تمہیں ایک ذہین نوجوان سمجھتا تھا۔ میرے کمرے میں آؤ۔'' والد صاحب نے بگڑے ہوئے تیور سے کہا۔

''میرے پاس وقت کم ہے افتخار صاحب!'' ارشد ہمیشہ انہیں ابا جان کہتا تھا مگر آج پہلی بار اس نے انہیں نام لے کے مخاطب کیا تھا۔ ''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میں یاسمن کو طلاق دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر ارشد کے بجائے کوئی اور ہوتا تو میں اس کا ٹینٹوا دبا دیتا' والدہ کلیجہ تھام کے چوکی پر بیٹھ گئیں۔ ''ارشد میاں!'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اپنے الفاظ واپس لو' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''میں بچہ نہیں ہوں۔ یہ غلط فہمی نہیں' حقیقت ہے بڑی بی!'' والدہ کے سلسلے میں اس کا یہ انداز تخاطب میرے لیے ناقابل برداشت تھا مگر میں ابھی معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''طلاق شریفوں کا شیوہ نہیں ہے' مجھے احساس ہے' مگر دھوکا دینا بھی شریفوں کے طور نہیں ہوتے' میں جا رہا ہوں' خدا حافظ۔'' وہ پاؤں پٹختا ہوا اسی وقت چلا گیا۔ والدہ سر تھام کے کراہنے لگیں۔ والد صاحب کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنے کمرے میں گئے اور صرف چند لمحوں بعد وہاں سے برآمد ہو کے تیزی کے ساتھ مکان سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے والدہ کی بگڑتی ہوئی حالت کا بھی خیال نہیں کیا تھا۔ میں بری طرح الجھ کے رہ گیا ارشد کا غصے میں آنا' کیچو کا تذکرہ کرنا' طلاق کی دھمکی دینا اور والد صاحب کا کمرے میں جا کے واپس آنا؟ ایسی کوئی بات ضرور تھی جو میری فہم سے بالا تھی۔ والدہ کی حالت بتدریج خراب ہو رہی تھی۔ میں نے انہیں اپنے زانوؤں پر لٹا لیا۔ ''امی جان! یہ آپ کو کیا ہو رہا ہے' یہ کیا معاملہ ہے؟''

''چپ رہ بیٹے!'' وہ کراہتے ہوئے بولیں۔ ''دعا کر کہ خدا اپنا رحم کرے۔''

میں نے انہیں پانی پلایا اور مالش وغیرہ کی۔ اس طرح جب ان کی طبیعت معتدل ہو گئی تو میں نے پوچھا۔ ''یہ ارشد کیا بکواس کر رہا تھا؟ کیچو سے باجی کا کیا تعلق ہے؟''

''جہنم میں گئی کیچو۔'' والدہ کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ ''میری بچی!'' وہ سینے پر ہاتھ مار کے چلائیں۔ ''ابھی تو تیرے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں چھٹی تھی کہ منحوس نے تیرا گھر اجاڑ دیا۔ اس کی زبان میں کیڑے پڑیں جو تجھے طلاق دے۔''

والدہ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو رہی تھی' معاً مجھے والد صاحب کا خیال آیا' کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ کسی خطرناک ارادے سے یاسمن کے سسرال گئے ہوں؟ وہ

ایک جلالی آدمی تھے۔ امی کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انہیں تنہا چھوڑا جاتا۔ میں نے بھاگ کے پڑوس کی ایک عورت کو بلا کے ان کے پاس چھوڑا اور خود یاسمن کے گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ بڑے ہول ناک خیالات آ رہے تھے یہ بساط الٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہمارے گھر پر نہ جانے کیا آفت آنے والی تھی؟ کیچو کون ہے جس کی وجہ سے ارشد اور یاسمن کا گھر اجڑ رہا ہے؟ قدم لڑکھڑانے لگے لیکن میں بے تحاشا دوڑ رہا تھا' کیچو کی شخصیت میرے الجھے ہوئے ذہن میں سوالیہ نشان بن کے رہ گئی تھی۔ میرا دل چیخ رہا تھا' اے کاش میرے سارے اندیشے غلط ثابت ہوں لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا' جس وقت ہانپتا کانپتا ارشد کے مکان میں داخل ہوا' میرا دماغ سن ہو گیا۔ میں ٹھٹک کے رک گیا۔ ارشد کچے صحن کے بیچوں بیچ خون میں لت پت پڑا تھا۔ والد صاحب کے ہاتھوں میں پستول تھا۔ وہ اپنے بدنصیب داماد کی لاش حقارت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فوراً مجھے یاسمن کا خیال آیا' میں لپک کے اس کے کمرے میں گیا' وہاں جو منظر میں نے دیکھا' اس نے میرے اعصاب جھنجوڑ کر رکھ دیے۔ یقیناً میں چکرا کے گر گیا ہوتا' اگر میں نے ستون کا سہارا نہ لیا ہوتا۔ میری جوان بہن کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ اس کی لاش چھت سے لٹکی ہوئی رسی کے ساتھ جھول رہی تھی۔ آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ میں نے وہ ابلی ہوئی' ساکت' بے نور آنکھیں دیکھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہی ہوں' بھیا میں بے قصور ہوں' حالات کی ستم ظریفیوں نے مجھے گھیر کے بے دردی سے مارا۔ بے رحم زمانہ مجھے نگل گیا۔

ارشد کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ اندر میری بہن کی لاش مظلومیت کی داستان سنا رہی تھی۔ میرے بھیانک خواب حقیقت بن کے میرے سامنے موجود تھے۔ میں نے اپنے بال نوچ لیے اور دوڑ کے لٹکتی ہوئی بہن کے قدموں سے لپٹ کے بین کرنے لگا۔ اسی لمحے باہر سے گولی چلنے کی آواز آئی' ایسا معلوم ہوا جیسے یہ گولی میرے دل میں لگی ہو۔ میں اپنا ناقابل برداشت بوجھ ٹانگوں پر سنبھالتا ہوا فوراً باہر آیا۔ ساری بجلیاں آج ہی گرنے کو رہ گئی تھیں۔ والد صاحب کا جسم پھڑک رہا تھا۔ میں چیخ بھی نہ سکا۔ میں نے آگے بڑھ کے باپ کے سینے سے چمٹ جانا چاہا' میں ان کے ڈوبتے ہوئے دل کی آخری دھڑکنیں قریب سے سننا چاہتا تھا لیکن میرا ہاتھ جواب دے گیا۔ میں چکرا کے گر گیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا؟ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ اندھیرے نے سرعت سے میرے ذہن پر یلغار کی تھی' میں بڑا بے حس ہوں' مجھے حیرت ہے کہ میرا دم کیوں نہ

نکل گیا؟

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک ہسپتال میں پڑا ہوا تھا۔ ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا' یاسمن کی چھت سے جھولتی ہوئی لاش' والد صاحب کی ہول ناک خودکشی' ارشد کی موت' مجھے یہ سب قیامتیں یاد آ گئیں۔ یہ تماشا میرے لیے نیا نہیں تھا۔ بخدا میرے خوں رنگ خیالات مجھے یہ خونیں منظر پہلے ہی دکھا چکے تھے' کاش یاسمن کنواری رہتی۔ لوگوں نے میری بات پر کان دھرے ہوتے۔ ایک لڑکی شادی کے بغیر رہ جاتی تو دنیا میں کون سا طوفان آ جاتا؟ میں نے تڑپ کے اٹھنے کی کوشش کی مگر میرے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے۔ ''خدا کے لیے مجھے جانے دو'' میں بری طرح چیخا۔ ''میری بیوہ ماں میرا انتظار کر رہی ہو گی۔''

سنگ دل نرس نے مجھے اشارے سے خاموشی کا حکم دیا۔ میں نے خود کو جھنجوڑ کے کہا۔ ''خدا کے لیے مجھے آزاد کر دو سسٹر! مجھے اپنی ماں کے پاس جانا ہے۔ سسٹر وہ بیوہ ہو گئی ہے' اس کی جوان بیٹی بھی ہمیشہ کے لیے اس سے بچھڑ گئی ہے' وہ اتنے غم ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتی' اسے میری ضرورت ہو گی۔ مجھے جانے دو۔''

نرس میری بات کا جواب دینے کے بجائے تیزی سے باہر چلی گئی۔ میں نے چیخ چیخ کر کمرے کے در و دیوار ہلا دیے اور تڑپ تڑپ کے چرمی تسموں کی بندشوں سے آزاد ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے' کچھ دیر بعد نرس ایک ڈاکٹر کے ساتھ نمودار ہوئی۔ میں نے رحم طلب نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا اور گڑگڑا کے اس سے درخواست کی کہ مجھے آزاد کر دیا جائے۔

''سب ٹھیک ہے جمشید میاں! تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' اس نے میرے قریب آ کے نرم لہجے میں کہا' نرس میز پر جھکی جلدی جلدی سرنج تیار کرنے لگی' ڈاکٹر کے جواب نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی۔ میں پوری قوت سے چیخا ''مجھے آرام کی نہیں' ماں کی ضرورت ہے۔ ظالمو! مجھے چھوڑ دو تمہیں خدا رسول کا واسطہ۔'' میں نے ڈاکٹر سے رحم کی خیرات مانگی۔ جواب میں اس نے نرس کے ہاتھ سے سرنج لے لی اور پھرتی سے میرے بازو میں اتار دی' میں نے دیر تک خود کو بیدار رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن میرے اعصاب مغلوب ہو گئے۔ غنودگی کی ایسی لہر ابھری کہ کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔

☆......☆......☆

پھر ڈاکٹر میرے ساتھ یہی آنکھ مچولی کرتے رہے۔ میں جب بھی ہوش میں آتا کمرے میں میری چیخیں گونجنے لگتیں۔ یاسمن اور والد صاحب کی موت کا منظر یاد آتا اور ڈاکٹر مجھے بے ہوش کر دیتے میں کئی بار ہوش میں آیا' کئی بار بے ہوش کیا گیا' وقت اپنے ساتھ میرا جنون بہا کے لے گیا۔ یہ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا۔ میں ہسپتال کے بستر پر اس کا اندازہ نہیں کر سکا۔ رفتہ رفتہ میری وحشت کو قرار آتا گیا۔ جنون کی شدت میں کمی آئی تو میرے ہاتھ پیروں کے چرمی تسمے کھول دیئے گئے اس روز پہلی بار ڈاکٹر کی زبانی معلوم ہوا کہ مجھے ہسپتال میں داخل ہوئے دو ماہ گزر چکے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر سے اپنے گھر کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ اس نے مجھے صرف اتنا بتایا کہ ہسپتال میں مجھے میرے پڑوسی مولوی عبدالحکیم نے داخل کرایا تھا۔ وہی روز شام کو میری خیریت دریافت کرنے آتے ہیں۔ شام کو مولوی عبدالحکیم آئے تو میں پوری طرح ہوش میں تھا اور شدید ذہنی اذیت میں مبتلا تھا' مجھے ہوش میں دیکھ کے مولوی عبدالحکیم کے چہرے پر شادابی آ گئی مگر دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں برسنے لگیں۔ امی' کیسی ہیں مولوی صاحب؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''صبر کرو جمشید میاں! روح ہمارے خاکی جسموں میں اللہ کی امانت ہوتی ہے' وہ جب چاہتا ہے' اپنی امانت واپس لے لیتا ہے۔ بندے کو ہر حال میں شکر کرنا چاہیے۔''

''مولوی صاحب!'' میں نے بلکتے ہوئے کہا۔ ''کیا۔ کیا امی بھی.....''

مولوی عبدالحکیم نے خفت سے گردن جھکا لی جیسے وہ مجرم ہوں' پھر وہ گلے میں پڑے ہوئے رومال سے اپنے آنسو خشک کرنے لگے' ماں کی موت کی خبر نے پھر میرے حواس منتشر کر دیے۔ مجھ پر دیوانگی کا دورہ پڑا۔ ہسپتال کے کئی لوگوں اور مولوی عبدالحکیم نے مجھ قابو میں کیا اور وقت نے میرا منحوس وجود برقرار رکھا' مجھے اپنی بربادی کی خبریں رفتہ رفتہ ملنے لگیں' میری والدہ اسی روز اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں جس دن والد صاحب اور یاسمن کی زندگیاں موت کے فرشتے نے چھینی تھیں۔ میرے بڑے بھائی سکندر اپنے خاندان کی بربادی کا قصہ سن کے واپس الہٰ آباد آ گئے تھے لیکن وہ مضبوط شخص اپنے اوسان بجا نہ رکھ سکا۔ معلوم ہوا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا اور وہ پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑ کے گھر سے نکل گیا اور اب تک غائب ہے۔ سنا ہے کہ چچا جان

حادثے کے کئی دن بعد آئے تھے۔ انہوں نے مکان اپنی تحویل میں لینا چاہا مگر محلے والوں نے میری صحت یابی تک انہیں کوئی مداخلت کرنے سے روکے رکھا' وہ بھی ایک وقت ٹھہر کے اور قبروں پر فاتحہ پڑھ کے چلے گئے۔ اپنے خاندان کا واحد فرد۔ میں بے غیرت زندہ رہ گیا تھا۔ پتہ نہیں' سکندر بھی زندہ تھا یا نہیں؟ اور اگر زندہ تھا بھی تو ماضی سے اپنا تعلق منقطع کر چکا تھا۔ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ اذیتوں سے اپنی جان چھڑالی۔ تمام ستم سہنے کے لیے میں رہ گیا۔

☆......☆......☆

یہ سب کیوں ہوا؟

ہم نے آخر ایسا کون سا جرم کیا تھا؟ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ ہمارے ہی ساتھ قسمت' نے اتنے ستم ناک کھیل کیوں کھیلے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے بیان کروں اور کیا بیان کروں؟ ہسپتال سے رخصت ہو کے اپنے گھر آ گیا۔ وہ ایک قبرستان تھا' میری یادوں کا قبرستان' در و دیوار پر حسرت رقم تھی' مولوی عبدالحکیم اور ان کے گھر والوں نے میری خاطر خواہ دل جوئی کی لیکن وہ میرے سنگ دل باپ' میری ناراض ماں' میری معصوم بہن اور میرے سرکش بھائی سکندر کا نعم البدل کیسے ہو سکتے تھے؟ میں نے ان کی قدر نہ کی' انہیں ستاتا رہا اور جب ان کی باری آئی تو انہوں نے مجھے ایسا ستایا کہ میرے کس بل نکل گئے۔ میں دن دن بھر ایک ایک چیز تکتا رہتا۔ رہ رہ کے دل میں ہوک اٹھتی۔ گھر والوں کے کپڑے سینے سے لگا کے آنسو بہاتا۔ اس گھر نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ میں نے طے کیا' جب سبھی نے اسے چھوڑ دیا ہے تو میں اس کے ساتھ کیوں رہوں؟ کہیں چلا کیوں نہ جاؤں؟ مجھے جارج کی یاد آئی اور ساتھ ہی بانو کی بھی۔ لیکن اب دل میں کسی امنگ' کسی ترنگ کی گنجائش کہاں تھی؟ وہ سب قبروں میں سکون سے سو رہے تھے اور مجھے زندہ در گور کر گئے تھے۔ والد صاحب کہتے تھے کہ بچپن ہی میں میرے چچا کی لڑکی غزالہ سے میری بات طے ہو چکی ہے' سوچا' وہیں چلا جاؤں' چچا جان کی رفاقت میں شاید کوئی مرہم دستیاب ہو جائے مگر میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

محلے والے اور دوسرے اعزا پرسش کے لیے آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ انہیں اس گھر سے خوف آتا ہوگا۔ صرف مولوی عبدالحکیم میرے مربی رہ گئے تھے' ہسپتال سے آئے ہوئے آٹھ دن گزر گئے تو ایک روز اچانک میرا چچا زاد بھائی بختیار آ گیا۔ وہ

بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ لباس اور رکھ رکھاؤ سے امارت ٹپکتی تھی۔ گزشتہ چار سال سے وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ میں پہلی نظر میں اسے اجنبی سمجھا۔ پھر اس نے اپنا تعارف کرایا تو میں بے اختیار اس سے بغل گیر ہو کے رونے لگا۔ اس نے میری بربادی کی داستان سنی تو اس کا چہرہ بھی بھیگ گیا۔ اس نے بتایا کہ چچا جان کو اطلاع دیر سے ملی تھی۔ وہ آئے تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سنبھالنے کی کوشش کی تو محلے والے آڑے آگئے وہ بد دل ہو کے چلے گئے۔ میری صحت یابی کی اطلاع سن کے انہوں نے بختیار کو بھیجا تھا تاکہ وہ مجھے لے آئے۔ میں نے جانے سے انکار کیا مگر بختیار کے پرشفقت رویے سے مجبور ہوگیا۔ تمام زیوارات' جس میں یاسمن کے زیور بھی شامل تھے اور جائداد کے کاغذات ساتھ لیے' سامان صندوقوں میں بند کیا' کمروں کو تالے لگائے اور چابی مولوی عبدالحکیم کو دے کے میں بختیار کے ساتھ مرزا پور روانہ ہوگیا۔

مرزا پور میں چچا جان اور چچی نے جس انداز میں میرے ساتھ محبت کا سلوک کیا' اس نے والدین کی کمی کا احساس کسی حد تک دور کر دیا۔ غزالہ اور بختیار کے علاوہ چچا جان کا ایک لڑکا سلیم اور ایک لڑکی روحی بھی تھی۔ غزالہ کے مقابلے میں روحی بے حد حسین لڑکی تھی' چند دنوں تک میں اپنے آپ کو قابو میں کرتا رہا۔ گھر کا تعلیمی ماحول دیکھ کے مجھے علم کی لگن ہوئی۔ غزالہ مجھ سے بے تکلف تھی۔ اس نے دبی زبان سے میری تعلیم کا تذکرہ کیا لہٰذا میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ کاش اور باتوں کی طرح اس معاملے میں بھی مجھ پر وجدانی حالت طاری ہوتی اور میں پہلے سے اندازہ کر لیتا مگر یہ میرے اختیار کی بات کب تھی؟ انسانوں کو ادلتے بدلتے حالات پر اتنی قدرت ہوتی تو دنیا کا نقشہ بدلا ہوا ہوتا۔

چار سال کا عرصہ پلک جھپکتے میں بیت گیا۔ میں نے بی اے کا امتحان پاس کر لیا۔ جس روز میرا نتیجہ شائع ہوا' سبھی نے مبارک باد دی اور مٹھائی تقسیم کی لیکن اس روز میں پھوٹ پھوٹ کے رویا۔ میں نے بی اے کا امتحان اول درجے میں پاس کیا تھا۔ مجھے والد صاحب کی کمی کا احساس تڑپا رہا تھا۔ وہ زندہ ہوتے اور میں فخر سے اپنا نتیجہ ان کے سامنے پیش کرتا تو ان کی مسرت کا کیا عالم ہوتا؟ بی اے کر لینے کے بعد میں نے الہٰ آباد واپس جانا چاہا کیونکہ میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں چچا پر زیادہ بوجھ نہ بنوں بلکہ خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں' غزالہ کو اپنے سونے اور ویران گھر

میں آباد کرنے کی آرزو تھی۔ حالانکہ طبیعت روحی کی طرف مائل تھی لیکن حالات کی مشیت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ایک روز چچا جان نے مجھے اپنے کمرہ خاص میں بلایا۔ میرا خیال تھا' وہ شادی کی بات چھیڑیں گے۔ میں اپنے سینے میں مسرتوں کا ہجوم لیے ان کے سامنے گیا' خلاف توقع وہ اس وقت سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر بولے۔ ''جمشید میاں! میرا ارادہ ہے بھائی صاحب کا مکان فروخت کردوں۔ اس وقت اچھے دام مل رہے ہیں۔ یوں بھی اس کا ہونا نہ ہونا بے کار ہے' تم میرے پاس ہی رہو گے۔''

''چچا جان!'' میں نے احترام سے کہا۔ ''آپ مختار ہیں لیکن اس مکان سے میری بہت سی یادیں وابستہ ہیں' وہ ابا جان کی آخری نشانی ہے' میری خواہش ہے' اسے رہنے ہی دیا جائے۔''

''یہ تم اپنے ذہن سے سوچ رہے ہو میاں!'' چچا جان کچھ توقف کے بعد بولے۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے والد نے یاسمن کی شادی کے موقع پر ایک خاصی معقول رقم قرض لی تھی اور اس سلسلے میں تحریر بھی دے دی تھی۔ ہر چند کہ مجھے دولت کی طمع نہیں' اللہ کا دیا سب کچھ ہے تاہم یہ بھائی صاحب مرحوم ہی کا فیصلہ تھا' سوچتا ہوں' اس وقت دام بھی مناسب مل رہے ہیں اور یوں بھی مجھے تو اس مکان سے وحشت ہوتی ہے' بڑا ہی منحوس ہے۔''

مجھے پہلی بار اپنے چچا کے چہرے پر کئی چہرے نظر آئے۔ مجھے علم تھا کہ یاسمن کی شادی کے موقع پر والد صاحب نے دفتر سے قرض لیا تھا' میرا دل چاہا کہ وہ تحریر طلب کروں اور شبہے کی تصدیق چاہوں لیکن میں نے ضبط اور ادب ہی کا مظاہرہ کیا اور خاموشی سے چچا جان کے ایما پر مکان کے کاغذات پر دستخط کر دیے۔ اس زمانے میں ان کے احسانات بھی اس قدر ہوگئے تھے کہ میں انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا حالانکہ میں نے آتے ہی یاسمن اور والدہ کے زیورات بھی چچی کی تحویل میں دے دیے تھے۔ میرا خیال تھا' مکان کی فروخت کے بعد غزالہ سے میری شادی ہو جائے گی اور میں چچا جان کے ہاں پرسکون زندگی گزار سکوں گا۔ میں نے معاملات سلجھانے چاہے اس لیے کہ اب مزید کسی الجھن سے اختلاج ہونے لگتا تھا لیکن میری خوش فہمیاں ریت کا ڈھیر ثابت ہوئیں' ادھر مکان فروخت ہوا' ادھر چچا جان اور چچی کے علاوہ غزالہ نے بھی نظریں پھیر لیں۔ میں نے حالات کا یہ رخ بھی دیکھا۔ دل پر جبر

کیے رہا۔ میں نے سوچا' مجھے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دینا چاہیے کیونکہ والدین کے بعد اب چچا جان ہی رہ گئے ہیں۔ میں یہ گنتی کے خون کے رشتے توڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن میرے صبر کا پیمانہ اس وقت لبریز ہوگیا جب میرے سامنے ہی غزالہ کی شادی کی بات ایک اور جگہ پکی ہوگئی۔ میں نے احتجاج کیا تو چچا جان نے برہمی سے کہا۔ ''اپنے حواس میں رہو جمشید میاں! بچپن میں ایک مذاق کی بات چلی تھی' غزالہ کے لیے بہت ہی صاحب حیثیت شخص کا رشتہ آیا ہے۔ تم نے تو ابھی زندگی کی ابتدا بھی نہیں کی۔ تمہیں تو تعلیم بھی مشکل سے دلائی گئی ہے ورنہ تم میٹرک کے بعد آوارہ گردی میں مصروف ہوگئے تھے۔''

اس تلخ نوائی کے بعد چچا جان کے گھر میں رہنا بے غیرتی کی بات تھی۔ جب میں نے بختیار سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے بھی اپنے باپ کی تائید کی اور چچا جان سے میری شکایت بھی کردی۔ چچا جان نے مجھے فوری طور پر گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کردیا۔ میری برداشت جواب دے گئی اور میں نے تمام احترام بالائے طاق رکھ کر وہ تحریر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جس کا تذکرہ مکان کی فروخت سے پہلے چچا جان نے کیا تھا۔ میری بات سن کے ان کا پارہ چڑھ گیا۔ گرج دار آواز میں بولے۔ ''اب تو حساب مانگ رہا ہے؟ اور میں نے جو تیری پڑھائی لکھائی کے اخراجات برداشت کیے؟ تجھے اپنی چھت کے نیچے پناہ دی؟ تیرا جہنم بھرتا رہا؟'' وہ سخت اشتعال میں آئے اور مجھے حکم دیا۔ ''اسی وقت میرے گھر سے چلا جا ورنہ میں ملازموں سے دھکے دے کے نکلوا دوں گا تجھے۔''

''ہاں چچا جان!'' میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں لاوارث ہوں شاید اس لیے آپ مجھ پر ظلم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔'' میری بات پر چچا جان کو اور جلال آگیا۔ انہوں نے یقیناً کچھ سوچ رکھا تھا تاکہ میں دوبارہ اس گھر کا رخ نہ کر سکوں۔ ان کا ایک بھرپور ہاتھ میرے گال پر پڑا پھر انہوں نے چیخ کر ملازموں کو طلب کیا اور مجھے جوتے مار کے باہر نکالنے کا حکم دیا۔ گھر میں کوئی چچا جان کا غصہ فرد کرنے نہیں آیا۔ میں خود ہی وہاں سے چلا آیا' انہی کپڑوں میں جو میرے جسم پر منڈھے ہوئے تھے۔ باہر بختیار اور سلیم سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے رحم کھانے کے بجائے زہریلی مسکراہٹیں اپنے لبوں پر سجا لیں جیسے وہ مجھ سے کہہ رہے ہوں۔ ''جمشید میاں! دنیا میں طاقت اور دولت ہی وجہ افتخار ہے۔ حق حاصل کرنا ہے تو یہ دونوں

خوبیاں پیدا کرو۔''

☆......☆......☆

ان کی نظریں ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا اور مجھے زندہ رہنے کا بھی حق نہیں تھا۔ مرزا پور کے چند طالب علم دوستوں سے ادھار پیسے لے کے میں الٰہ آباد آ گیا۔ الٰہ آباد میں اب میرے لیے کسی دیوار کا سایہ بھی نہیں تھا۔ اپنے ہی مکان کی دہلیز پار کرنا میرے اختیار کی بات نہیں رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ میری کوئی منزل' کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں اپنے دوست یاور کے مکان پر گیا تو معلوم ہوا وہ کئی ماہ ہوئے الٰہ آباد سے چلا گیا ہے' گلی عبور کر رہا تھا کہ مولوی عبدالحکیم سے ملاقات ہوگئی۔ اس بزرگ شخص کو مزید پریشان نہ کرنے کی خاطر میں اپنے آپ کو چھپا رہا تھا۔ انہوں نے میرے آنسو دیکھے تو مجھے زبردستی اپنے گھر لے گئے۔ چچا جان کی بے مہری کی داستان سن کے وہ رقت انگیز آواز میں بولے۔ ''جمشید میاں! تمہارے والد صاحب میرے پڑوسی تھے۔ مزاج کے سخت تھے لیکن بڑے حیا دار اور وضع دار آدمی تھے۔ میں ان کے مزاج سے واقف تھا۔ وہ مجھے بہت سی باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ تم پر جو بیتی ہے' خدا دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے مگر تم غم نہ کرو' میرا گھر حاضر ہے' میرے پاس' اپنا گھر سمجھ کے رہو' میں کوشش کروں گا' تمہیں کہیں ملازمت مل جائے۔''

''سکندر بھائی کا بھی کوئی پتہ نہیں چلا؟'' میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے اچھے تو وہی رہے کہ انہوں نے ہوش کھو دیا۔''

''ہاں بھائی۔ یہ ہوش ہی آدمی کو پریشان کرتا اور ہوش ہی آدمی کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔'' مولوی عبدالحکیم اداسی سے بولے۔ ''پتہ نہیں' سکندر کہاں اور کس حال میں ہو؟''

مولوی عبدالحکیم جیسے خدا ترس اور نیک بزرگ کے ہاں' میں نے اپنی بدنصیبیوں کا پڑاؤ ڈال دیا۔ راتوں کو اکثر مجھ پر جنون کے دورے پڑنے لگتے۔ میں نہ جانے کیا بکتا رہتا۔ مولوی عبدالحکیم حتی المقدور میرا علاج کراتے رہے۔ ان کی آمدنی بہت قلیل تھی۔ اس لیے میں نے ان پر بوجھ بننا گوارا نہیں کیا اور ایک رات خاموشی سے اس شہر سے دور جانے کا فیصلہ کرلیا جس سے میرا ماضی وابستہ تھا۔

☆......☆......☆

جیب میں ایک دمڑی نہیں تھی۔ میں پیسوں کے بغیر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جسم

کے کپڑے بوسیدہ ہو چکے تھے۔ میں ٹکٹ کے بغیر سفر کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ مجسٹریٹ نے میری نوجوانی اور خستہ حالی پر ترس کھا کے مجھے چھوڑ دیا۔ وہ گرفتاری کا حکم دیتا تو میں جیل چلا جاتا۔ کبھی فاقے کرتا' کبھی کوئی شخص بوجھ اٹھانے کو دے دیتا۔ رات آتی تو فٹ پاتھ پر سو جاتا اور صبح ہوتے ہی اپنے بھائی سکندر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ چھ ماہ اسی کوچہ نوردی میں بیت گئے' سکندر کہیں نظر نہیں آیا۔ کبھی میرے ارد گرد بھیڑ لگ جاتی کیونکہ بیٹھے بیٹھے میرے ہاتھ پاؤں اینٹھ جاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر مجھے خیراتی ہسپتال پہنچا دیا جاتا۔ اس دوران خفقان کے دوروں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

فلک کج رفتار مجھے اپنے ساتھ گھماتا رہا۔ میں شہروں' قصبوں کی خاک چھانتا آخر کسی طرح کلکتے پہنچ گیا۔ سب سے پہلے میں ہاوڑا اسٹیشن کے قریب چائے کے اسٹال پر اپنے دوست جارج سے ملنے گیا۔ چائے والے نے بتایا کہ وہ ایک عرصے تک یہاں آ کے یہ پوچھتا رہا کہ جام شید کا خط آیا کہ نہیں؟ کہتا تھا کہ ظالم بہت بے مروت نکلا' سالا بھول گیا۔ پھر اس نے ادھر آنا ہی بند کر دیا۔ کلکتہ جیسے بڑے شہر میں جارج کو تلاش کرنا مشکل تھا۔ میں شہر کی گلیوں سے واقف تھا۔ کلکتے آ کے سکون ملا لیکن بانو کی یاد گہری ہو گئی۔ میں ٹہلتے ٹہلتے اس بازار کی گلیوں میں پہنچ گیا کہ شاید بانو کی ایک جھلک نظر آ جائے۔ بنو بیگم نے اب بالا خانہ بدل دیا تھا اور بازار بھر میں بانو کے حسن و شباب' نغمہ و رقص کا طوطی بولتا تھا۔ اسے دیکھنے کے لیے ٹکٹ لگتا تھا' میں اس کی کھڑکیوں کے سامنے شام تک بیٹھا رہا کہ کسی وقت تو بانو کھڑکی میں آئے گی۔ مگر وہ نہ آئی۔ میں رات کو مایوس ہو کے وہاں سے چلا آیا۔

وہ رات' میں نے اپنی پرانی قیام گاہ پر گزاری اور صبح اٹھتے ہی گودی پر کام کرنے روانہ ہو گیا۔ مجھے پرانی جان پہچان کی وجہ سے کام مل گیا۔ شام کو سوا روپیہ مل گیا اور چار سالہ زندگی دوبارہ اپنے آپ کو دہرانے لگی۔ اس میں صرف جارج کی کمی رہ گئی تھی۔ باقی سب کچھ وہی تھا' پہلے گھر والے زندہ تھے اور میں ان کے لیے مر گیا تھا' اس بار وہ مر گئے تھے اور میں زندہ رہ گیا تھا۔

رات ہوئی تو کہیں جی نہ لگا' میں سکون کی تلاش میں اپنی بدنصیبیوں پر ماتم کرتا ہوا دریائے ہگلی کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا کی موجیں مجھے دیکھ کے بپھرنے لگیں۔ میں دور تک کنارے کنارے چلا گیا۔ میں نے سوچا' ڈوب جاؤں' ہاں ڈوب ہی جاؤں لیکن میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ رات کے سناٹے میں ایک تیز آواز ابھری۔ ''ٹھہرو۔

ٹھہرو۔ میرا انتظار کرو۔''

میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا' اندھیرے میں ایک سایہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

اندھیرے میں ایک سایہ میری جانب لپکا۔ میں اس کے خدوخال پوری طرح نہیں دیکھ سکا کیونکہ وہ ایک دوری پر ٹھہر گیا تھا۔ وہ کوئی عورت تھی جس کی آواز اتنی دلکش اور مقناطیسی تھی کہ میرے قدم دریائے ہگلی کے کنارے زمین سے جم گئے' میں حیرت اور خوف سے اس کا لرزتا ہوا وجود دیکھ رہا تھا اور اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ کلکتہ جیسا بے مروت شہر' رات کی تاریکی اور دریائے ہگلی کا خاموش کنارہ' ایسے میں کون عورت میری ہمدرد بن کے آ سکتی ہے؟ میں چند ثانیے حیرت و استعجاب میں ڈوبا رہا۔ پھر اس آواز نے جس نے مجھے رکنے اور انتظار کرنے کی ہدایت کی تھی' نہایت مترنم لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''ابھی سے دل بھر گیا؟''

میری زبان جیسے کسی نے بند کر لی' میں جواب دینا چاہتا تھا لیکن ایک لفظ ادا نہ کر سکا' سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔ ''واپس چلے جاؤ۔'' اس نے حکمیہ انداز میں کہا۔ ''اور کبھی اس طرف کا رخ نہ کرنا۔ زندگی سے اتنا گھبرا گئے بزدل؟ جاؤ۔''

''کہاں؟'' میں نے بہت مشکل سے اٹکتے ہوئے کہا۔

''زندگی کے جہنم میں۔'' اس نے سخت لہجے میں جواب دیا' اس کی آواز میں ایسا تحکم' ایسی دھمک تھی کہ میں' جو ابھی سارے زمانے کو ٹھکرا کے خود کو ہگلی کی بے قرار موجوں کے حوالے کرنے آیا تھا' بری طرح خوف زدہ ہو گیا' سنا تھا' ایسے لمحوں میں زندگی کی کسی چیز کا خوف نہیں رہتا لیکن شاید ابھی میرے اندر زندگی کی جستجو باقی تھی اور خودکشی کے متعلق میرا حوصلہ زیادہ مستحکم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس آواز کی ہیبت میرے دل پر بیٹھ گئی۔

''واپس جاؤ۔'' اس نے مجھے پھر حکم دیا اور میں کسی محکوم کی طرح خاموشی سے دریائے ہگلی سے واپس ہونے لگا۔ جیسے میں نے اس کا حکم نہ مانا تو وہ مجھے کوئی سخت سزا دے گی۔ مجھ میں اس کے متعلق پوچھنے کی جرات نہیں تھی کیونکہ میرے حواس' اس کے لرزتے ہوئے سائے' ہیولے اور پراسرار آواز سے منتشر ہو چکے تھے' میں نے آگے بڑھ کے اسے پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ جب میں کچھ فاصلے پر آیا تو میں نے

ڈرتے ڈرتے پیچھے دیکھا۔ میرے کان اور میری آنکھیں دھندلا گئیں' وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ نہ کوئی سایہ' نہ آواز۔ میں آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتا رہ گیا۔

یقیناً یہ میرا وہم نہیں تھا' میں نے وہ آواز سنی تھی اور میں نے اس کا سرسراتا ہوا ہیولا دیکھا تھا۔ میرے کان اور میری آنکھیں اتنے بڑے وہم کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ پھر یہ کون تھی؟ اور مجھے زندہ رہنے کا مشورہ کیوں دے رہی تھی؟ میں اس کی کوئی تشریح نہ کر سکا اور مجھے موت سے ڈر لگنے لگا۔

جب میں بازاروں میں آیا تو مجھے اپنے فیصلے پر پشیمانی سی ہونے لگی۔ چلتی پھرتی سڑکوں پر وہی تنہائی لوٹ آئی' وہی بے بسی کا احساس' جو مجھے ہگلی کے کنارے لے گیا تھا' میں اپنی تمام بدنصیبیاں غرق کردینا چاہتا تھا۔ مجھے اس زمین سے نفرت ہوگئی تھی جو میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر چکی تھی۔ یاسمن' میری بہن کی رسی سے جھولتی ہوئی بے گوروکفن لاش مجھے پکارتی تھی۔ اس کی بے نور آنکھیں میرا انتظار کر رہی تھیں۔ میری امی مجھے بلاتی تھیں' میں نے دوبارہ کنارے کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن کسی نے پھر میرے قدم جکڑ لیے اور تھوڑی دیر پہلے گزرا ہوا واقعہ میرے حواس پر چھا گیا۔

کسی منزل' کسی خیال سے بے خبر' میں فٹ پاتھ پر رینگ رہا تھا۔ مجھے اپنے اطراف کا بھی ہوش نہیں تھا۔ یکا یک مجھے اپنے پیچھے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں نے ست روی سے پیچھے مڑ کے دیکھا' ایک خوش لباس شخص گاڑی روک کے میری طرف آرہا تھا۔ وہ میری صورت اور میرا حلیہ غور سے دیکھنے لگا۔ میں سٹ پٹا گیا کیونکہ میں نے اسے ایک نظر میں پہچان لیا تھا۔ مجھے اپنا وہ رحم دل اور غریب استاد یاد آیا جس نے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے ہمارے گھر میں ٹیوشن اختیار کرلی تھی۔ بعد ازاں والد صاحب نے اس کی غربت اور دیانت پر ترس کھا کے اپنے اثر و رسوخ سے اسے ایک بینک میں ملازمت دلوادی تھی۔ وہ عابد شیرازی تھا' اس کے جسم پر قیمتی لباس اس بات کا شاہد تھا کہ قسمت اس پر مہربان ہو چکی ہے' میرا دم گھٹنے لگا۔ ندامت سے میرا سر نیچے ہو گیا۔ میں دو روز سے فاقے سے تھا ایک مانوس چہرہ نظر آیا تو تمام آنسو امڈنے لگے لیکن میں ضبط کرکے انہیں آنکھوں ہی میں روکے رہا۔ اپنے دل پر جبر کیے اور ہونٹ سختی سے بھینچے رہا کہ مبادا زبان کھل جائے۔ میں اسے دیکھتا رہا اور وہ مجھے۔

''تم جمشید ہونا؟'' اس نے شبہے کے انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔'' میں نے اپنا چہرہ جھکا کے کہا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں کسی

جمشید سے واقف نہیں ہوں۔''

''تم وہی ہو' وہی ہو۔'' اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''وہی آواز' وہی لب و لہجہ' تمہاری پیشانی کا واضح تل' تم میر جمشید عالم ہی ہو۔ میں اس وقت سے تمہیں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا جب تم پچھلی سڑک سے اس طرف مڑے تھے۔''

سیاہ تل کے حوالے سے میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی پیشانی تک چلا گیا۔ مجھے یاد آیا' ایک بار عابد شیرازی نے اس تل کو میرے شان دار مستقبل کی ضمانت قرار دیا تھا۔ میرا دل چاہا۔ اسے گریبان سے پکڑ لوں اور جھنجوڑ کر پوچھوں تم نے کتنا بڑا جھوٹ بولا تھا۔ یہ تل تو میری بدنصیبی کی نشانی ہے' اب کیا تم بھی میری بے بسی اور لاوارثی کا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ مجھے اپنی کم مائیگی کا شدید احساس تھا۔ میں نے اپنی درماندگی کا مذاق اڑاتے ہوئے زہر خند سے کہا۔ ''ہاں میں میر جمشید عالم ہوں۔''

''مجھے یقین تھا کہ تم۔'' وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتے کرتے رک گیا۔ اچانک سنجیدگی اختیار کرکے بولا۔ ''مگر تم۔ تم اس حالت میں؟ میر صاحب کہاں ہیں؟ سکندر کیسا ہے؟''

''سب ختم ہوگیا۔'' میں نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

''کیا ختم ہوگیا؟ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''سب اللہ میاں کو پیارے ہوگئے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''وہ میری بہن یاسمن تھی نا۔ وہ بھی مرگئی۔ پورا خاندان مرگیا۔ سکندر بچا تھا' اس نے پاگل ہو کے نجات حاصل کرلی اور اب نہ جانے کہاں آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے' صرف میں باقی رہ گیا ہوں۔'' میں نے جذبات کی رو میں بہکتے ہوئے کہا۔ ''اور میرے مرنے پر رونے کے لئے کوئی نہیں رہ گیا ہے' میرے چچا نے مجھے دھکے دے کے اپنے مکان سے نکلوا دیا' جب سے میں در بدر کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔ ہر شخص دھتکار چکا ہے۔ آپ کو بھی اختیار ہے میری بربادی کا مذاق اڑائیں اور میرے منہ پر تھوک کے آگے بڑھ جائیں۔'' میں جنون میں نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔ اس وقت میری رگوں میں شدید کھنچاؤ سا ہوا۔ میں نے دیوانگی میں اپنے سر کے بال نوچنے شروع کردیے۔ نقاہت سے میرے پیر لڑکھڑانے لگے اور میں عابد شیرازی کی پروا کیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ عابد شیرازی نے زور سے میرا کاندھا پکڑ لیا اور مجھے سینے سے بھینچ لیا۔ پھر میں

اس کے پیروں پر بے ہوش ہوکے گر پڑا۔

☆......☆......☆

عابد شیرازی کلکتے میں ایک مقامی بینک کا منیجر تھا' اسے زندگی کی بیشتر آسائشیں میسر تھیں۔ نوکر' کار' بنگلا اور ایک خوبصورت بیوی۔ اس کی شادی کو چار سال گزر گئے تھے لیکن ابھی تک ساجدہ کی گود ہری نہیں ہوئی تھی۔ عابد شیرازی کے ایما پر ساجدہ بھی میرا بے حد خیال رکھتی تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں باقاعدہ ایک بنگلے میں مقیم ہوں' جہاں کسی فکر کے بغیر ناشتہ اور کھانا مل جاتا ہے۔ پہلے پہل جب مجھے کوئی کھانے پر بلاتا تو مجھے اپنے کانوں پر شبہ ہوتا تھا' مجھے شیرازی کے گھر آئے ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس مختصر سے عرصے میں زندگی کے بارے میں میرا اعتماد بحال ہونے لگا تھا اور میں اس دیدہ نادیدہ آواز کے بارے میں سوچتا تھا جو اس رات ہگلی کے کنارے مجھے نئی زندگی کی نوید دے گئی تھی۔ ورنہ اتنی جلد یہ انقلاب کیسے آجاتا کہ میں خاک نشین' آرام دہ بستر پر اپنی دکھتی پیٹھ ٹکا سکتا۔ شیرازی نے میرے لیے دو تین جوڑے بھی سلوا دیے تھے۔ وہ بعض اوقات ایسا سلوک کرتا تھا کہ مجھے شرمندگی ہونے لگتی تھی۔ ایک ہفتے بعد میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے کہیں ملازمت دلوا دے لیکن اس نے ٹال دیا۔ ''اتنی جلدی کیا ہے؟ ملازمت بھی مل جائے گی' یہ تمہارا گھر ہے یہاں آرام سے رہو اور کسی بات کی فکر نہ کرو۔'' میں اس کے احسانوں کا جتنا بھی ذکر کروں' کم ہے۔ اصل میں اسی نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی مجھے جینے کا سہارا دیا تھا' لیکن میں کم بخت ان احسانوں کا متحمل نہیں ہو سکا' میں بہت کم ظرف نکلا۔

شیرازی کے ہاں چند دن تو میں نے اپنے آپ کو بنگلے میں مقید کر لیا کیونکہ مجھے باہر نکلتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر میں ایک بار چلا گیا تو پھر واپس نہیں آسکوں گا۔ راستہ بھول جاؤں گا۔ پھر عابد شیرازی اور ساجدہ مجھے کلکتہ گھمانے لے گئے۔ پہلی بار مجھے یہ شہر بہت رنگین اور حسین محسوس ہوا۔ جگمگاتی دکانیں' روشن سڑکیں اور زرق برق ملبوسات' اس کے بعد میں نے باہر نکلنا شروع کر دیا۔ پھر میرے پاؤں بانو کے کوٹھے کی طرف اٹھنے لگے۔ اس دن بھی میں بازار کا ایک چکر لگا کے چلا آیا۔ بانو کا دیدار نصیب نہیں ہوا' میں نے شد و مد سے جارج کی تلاش شروع کر دی۔ ہر اس جگہ گیا جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے۔ وہ ملنگ میرے برے دنوں کا ساتھی تھا۔ اس کی رفاقت میں' میں نے زندگی کے جو دن گزارے تھے' انہیں میں کبھی فراموش

نہیں کرسکتا تھا۔ تین چار روز تک میرا یہ معمول رہا کہ میں ناشتے کے بعد گھر سے نکل جاتا اور کلکتے کے کونے کھدروں میں اس کا سراغ پانے کی جدوجہد کرتا رہتا۔ پانچویں روز' میں دھرم تلہ اسٹریٹ پر ٹہل رہا تھا کہ اچانک وہ مجھے نظر آ گیا۔ وہ ایک پتلی سی گلی سے نکل کر سڑک پر آیا تھا۔ اس کی چال ڈھال اور حلیے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بڑی ہوئی داڑھی۔ سر پر پھٹا ہوا گرد آلود ہیٹ' شکستہ' ادھڑا ہوا کوٹ' جس پر اس نے کسی مرے ہوئے پرندے کا پر لگا رکھا تھا' سر جھکائے اپنی دھن میں مست وہ دوسری سمت جا رہا تھا۔ میں تیزی سے لپک کے اس کے سامنے آ گیا اور میں نے اس کا راستہ بند کر دیا۔ جارج مجھے چونک کر گھورنے لگا' اسے اپنی راہ میں میرا حائل ہونا سخت ناگوار گزرا تھا۔ وہ مغلظات پر آمادہ تھا لیکن اس نے مجھے پہچان لیا۔ ''اوہ' یہ سالا تم ہے جام شید!'' یہ کہتا ہوا وہ بے اختیار گلے سے لگ گیا۔ اس کے کپڑوں سے بدبو آ رہی تھی مگر میں اسے دیر تک سینے سے لگائے رہا۔ میری آنکھیں نم ہو گئیں۔

''تم سالا ایک دم مرد ہوگیا۔ بالکل ینگ ہسبنڈ۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔ ''پر تم بہت بے مروت نکلا' غدار!'' وہ روٹھنے کے انداز میں بولا۔ ''کدھر غائب ہوگیا تھا سالا؟ اپنی خیریت کا کوئی خط تار بھی نہیں بھیجا۔''

''لمبی کہانی ہے جارج! اطمینان سے سناؤں گا۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ پھر اسے ساتھ لے کے ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ شیرازی نے مجھے دو روز پیشتر دس روپے بطور جیب خرچ دیے تھے۔ میں نے جارج کے لیے چائے منگوائی۔

''سالا کچھ لک تمہارے فیور میں معلوم ہوتا ہے۔'' جارج میرا لباس دیکھ کے بولا۔ ''گاڈ بلیس یو۔''

''نہیں جارج۔'' میں نے حسرت سے کہا۔ ''ایسا نہیں ہے۔''

''تم سناؤ تمہاری سسٹر کا میرج ہوا؟''

''ہاں ہوا۔'' میری آواز بھرا گئی۔ ''اور اس کا قصہ بھی ختم ہو گیا۔''

''کیا۔'' جارج کے منہ سے پیالی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔

''ہاں! وہ دو دفعہ دلہن بنی' پہلی مرتبہ اس نے سرخ جوڑا پہنا' دوسری مرتبہ سفید۔ دوسری مرتبہ میں شریک نہ ہو سکا۔''

''تم سالا بکتا ہے صاف صاف بات بتاؤ۔'' وہ ناراضی سے بولا۔

میں نے اسے شروع سے آخر تک اپنی رام کہانی سنائی۔ دنیا میں ایک وہی تو

میرا دوست تھا۔ ایک یاور تھا جو پتہ نہیں' اب کہاں تھا؟ جارج بہت دیر تک خاموش رہا' ہم دونوں ایک دوسرے سے دیر تک کچھ نہیں بولے۔ ''جارج!'' میں نے ابتدا کی۔ ''تم کچھ نہیں بولتے۔''

''جام شید ڈیئر۔ جو کچھ ہوا' وہ سالا بھول جاؤ' رو کے کیا کریں گا' کوئی جانے والا واپس آ جائیں گا' وہ کبھی نہیں آئیں گا' گیا تو گیا۔ اپنی سناؤ ڈیئر۔ تم سالا ایک دم جنٹلمین بن گیا ہے۔ اب تمہارا اور جارج کا فرینڈ شپ کیسے چلے گا۔''

''انکل جارج!'' میں نے ناراضی سے کہا۔ ''تمہاری تلاش میں تو میں نے پورا کلکتہ چھان مارا اور تم......''

''چرٹ پیئے گا؟'' جارج نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ پھر جیب سے ایک ستا سگار نکال کے میری طرف بڑھا دیا' میرے انکار پر اس نے برابر والی میز کے کسی شخص سے ماچس لے کر اپنا چرٹ جلایا اور دو چار طویل کش لے کر فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ''جام شید ڈیئر' تمہارا ٹائم بدل گیا ہے۔ اب تم اپنے شیرازی کے ذریعے کوئی سروس کر لو۔ ابھی تم نے گریجویشن بھی کر لیا ہے۔ سالا سروس میں فکس ہو گیا تو ہم کو بھی چپراسی رکھ لینا۔''

''میں نے تمہیں انکل کہا ہے اور یقین کرو بہت یاد کیا ہے۔'' میں نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ ''اگر قسمت نے ساتھ دیا تو میں تمہیں ہمیشہ ساتھ رکھوں گا۔ ایک دوست' ایک انکل کی حیثیت سے۔''

''سالا تم سے باتیں بھی بنانا بہت آ گیا ہے۔''

''بہر حال تم دیکھ لینا' ابھی پہلے سے کچھ کہنا بے کار ہے۔''

مجھے گھومتے گھومتے شام ہو گئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ جارج سے بانو کا تذکرہ کروں مگر میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا۔ چائے پی کے ہم دونوں باہر آ گئے۔ اور میں اس سے کل اسی جگہ ملنے کا وعدہ کر کے گھر چلا آیا۔ شیرازی میری وجہ سے پریشان تھا اور مجھے ڈھونڈنے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ میں پہنچ گیا۔

دوسرے دن حسب وعدہ جارج مجھے اس ریستوران میں مل گیا۔ راستے میں' میں نے اس کے لئے سگار خرید لئے تھے۔ انہیں دیکھ کے وہ بہت خوش ہوا کہنے لگا۔

''یہ سالا تم کہاں سے مار لایا؟''

''چھوڑو انکل! یہ بتاؤ کلکتے کا کیا حال ہے؟'' میں اصل مطلب پر لانے کے

لیے خوشامدانہ انداز میں بولا۔

''یہ بڑا منحوس شہر ہے مائی ڈیئر' پیسہ پلے ہو تو سب سالا تمہارا غلام ورنہ......''

''کبھو کبھی اس طرف جانا ہوا؟'' میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

''کدھر؟'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

''ارے وہی۔ وہاں۔ وہ بانو تھی نا ایک' بھول گئے کیا؟''

''وہاٹ بانو؟'' جارج نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ سوچ کے خود ہی بول پڑا۔ ''اوہ بدمعاش ہم نہ کہتا تھا سالا تم پورا مرد ہو گیا ہے۔ بنو بیگم کا ڈاٹر ابھی تک تم کو یاد ہے؟''

''وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔'' میں نے والہانہ کہا۔

وہ ہونقوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگا۔ ڈینجرس' نا بابا نا' اس کا خیال چھوڑ دو ڈیئر۔ ہم سمجھتا تھا سالا تم کچھ عقل مند ہو کے آیا ہوں گا مگر تم تو ایک دم الو کی دم نکلا' ارے سالا! پھر اس کی طرف دوڑتا ہے' اپنی صورت دیکھی ہے آئینے میں؟ سالا تم بہت ہینڈسم آدمی ہو۔ سروس لگ جائیں گا تو ایک سے ایک لڑکی ملیں گا۔''

''مگر بانو کی یاد دل سے نہیں جاتی۔'' میں نے پوری شدت سے کہا۔ ''اسے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے' پہلی بار تمہیں نے تو اس کے کوٹھے کا راستہ بتایا تھا۔''

''اور اس کے بعد یہ بھی کہا تھا' تم سالا نوجوان لوگ کا دل ہاتھوں میں رہتا ہے۔ ارے بابا' وہ بالکل ڈرٹی ہے' جیب خالی ہو تو گیٹ آؤٹ بولتا ہے' محبت بنانا ہے تو کسی اور سے بناؤ۔ سمجھا''

''انکل جارج! صرف ایک بار اسے اور دکھا دو۔''

''نو نو'' وہ لہرا کے بولا۔ ''کرسمس ڈے پر سب چلتا ہے۔ کرسمس کا انتظار کرو' آئیں گا تو ضرور چلیں گا' وعدہ۔''

''نہیں' کرسمس بہت دور ہے۔ اس وقت تک میں مر جاؤں گا۔''

''تم نہیں مانیں گا۔ ہیں۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری جیب میں مال وال ہے یا سالا خالی ہاتھ ادھر جائیں گا؟''

''تم فکر نہ کرو۔'' میں نے اسے راضی دیکھ کے جوش سے کہا۔ ''کچھ پیسے میرے پاس ہیں' کچھ شیرازی سے مانگ لوں گا۔'' بانو کے ذکر نے میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز کر دی تھی۔

"پھر سنو۔" جارج نے میرے کان میں کہا۔ "ادھر جانے سے پہلے لال پری بھی چلیں گا' ڈرنک کے بعد ادھر کا ٹیسٹ ڈبل ہو جائیں گا۔"

"تم لال پری سے دل بہلانا' میں وہاں جا کے بانو کے دیدار کا شربت پیوں گا۔ بتاؤ کب چلو گے؟" میں نے بے چینی سے کہا۔

"سیٹر ڈے نائٹ۔ تم چار نمبر شیڈ میں آ جانا' آج کل ہم ادھر ہی مگج ماری کرتا ہے۔"

"سینچر میں تو دو دن باقی ہیں انکل! کل کیوں نہیں چلتے؟"

"جام شید۔" جارج خفگی سے بولا۔ "پر اس کے کوٹھے پر ہم بڑا بڑا تیس مار خاں کا پتلون اترتے دیکھا ہے' ادھر جاؤ تو خالی مسخری کے لیے جاؤ' دل کا معاملہ بنائیں گا تو سالا اکھا ڈوب جائیں گا۔"

میں نے آنے والی کل کے لیے اصرار کیا مگر جارج نے صاف انکار کر دیا۔ مجبوراً میں نے جارج کی بات مان لی۔ وہ دو دن کس طرح گزریں گے۔ کاش جارج یہ بات جانتا۔ میں نے اپنے دل میں بانو کا خیال دبائے رکھا تھا۔ جارج سامنے آیا تو ضبط مشکل ہو گیا اور اب چار ساڑھے چار سال پہلے کی تمام باتیں کل کی طرح یاد آنے لگیں۔ بانو کا دلکش چہرہ' اس کی گفتگو کے آداب' اس کا رقص' میں یہ کیسے بھول سکتا تھا کہ اس نے امی کی چمپا کلی واپس کر دی تھی؟ بانو طوائف نہیں تھی۔ طوائف کا چہرہ تو کالا ہونا چاہیے' بانو تو بہت حسین معصوم تھی۔ وہ نہ جانے کیا تھی۔ رخصت ہوتے ہوئے میں نے ایک روپیہ جارج کی جیب میں ڈالا تو وہ یوں کھل اٹھا جیسے اس کے نام ڈربی کا ٹکٹ نکل آیا ہو۔

☆......☆......☆

سینچر کا انتظار میرے لیے قیامت سے کم نہیں تھا۔ کہنے کو تو میں نے کہہ دیا تھا مگر میرے پاس پیسوں کی کوئی سبیل نہیں تھی' ادھر جارج نے لال پری کی بھی فرمائش کر دی تھی۔ کئی بار ارادہ کیا کہ شیرازی سے اپنی کسی خاص ضرورت کی آڑ لے کے کچھ روپے مانگ لوں لیکن ہمت نہیں پڑی۔ ساجدہ کے سامنے بھی ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ ہر چند کہ وہ میرا ہر طرح خیال رکھتی تھی' اس کے باوجود وہ مجھے بہت زیادہ اچھی نہیں لگتی تھی۔ نہ جانے کیوں؟ وہ حسین اور شگفتہ مزاج تھی' اور سب کو اچھی لگتی تھی' پر میری طبیعت اس سے میل نہیں کھاتی تھی' اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ میں دن بھر اسے

ہنستے کھیلتے' اور کھاتے پیتے دیکھتا تھا مگر جیسے ہی شیرازی گھر میں آتا' وہ اپنا چہرہ مریضوں کی طرح بنا لیتی۔ شیرازی بینک میں ماتحتوں پر غراتا تھا۔ گھر میں ساجدہ کے آگے اس کی حیثیت غلام سے زیادہ نہیں تھی۔ شیرازی کے سلسلے میں ساجدہ کا رویہ ناقابل فہم سا تھا۔ اس کے برعکس وہ شیرازی کے دوستوں میں گھل مل کے بیٹھنے کی عادی تھی۔ آئے دن شیرازی کے دوستوں کی دعوت ہوتی اور قہقہے بکھرتے رہتے۔ میں ایسی محفلوں سے اپنی محرومیوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ احساس کم تری کی وجہ سے دور ہی رہتا تھا۔ البتہ مجھے شیرازی کی زن مریدی ایک آنکھ نہ بھاتی۔ اگر اس گھر میں میری حیثیت مختلف ہوتی تو میں شیرازی سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا' شیرازی میرا محسن تھا' سکندر تو نہ تھا اس لیے میں سب کچھ دیکھتا رہتا تھا۔ عجب عجب تماشے دیکھتا تھا۔ ہمارے گھر میں مردوں عورتوں کی ایسی محفلیں کبھی نہیں سجتی تھیں۔ چنانچہ مجھے یہ سارے تیور دیکھ کے رنج بھی ہوتا تھا اور گھٹن بھی۔ شیرازی کے دوستوں کی تعداد خاصی بڑی تھی' بینک کا منیجر ہونے کی حیثیت سے وہ اکثر بڑے لوگوں کے گھر جاتا اور انہیں اپنے گھر مدعو کرتا رہتا تھا' اس طرح اس کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔ ان میں ایک شخص فیروز کو میں نے ہمیشہ سرفہرست پایا۔ فیروز کے بارے میں' مجھے صرف اس قدر معلوم تھا کہ وہ ایک کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہے۔ شیرازی اور ساجدہ دونوں اس کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ فیروز' شیرازی کی موجودگی' غیر موجودگی میں جب چاہتا بڑی آزادی سے آتا جاتا تھا اور میں دیکھتا تھا کہ ساجدہ اسے ڈرائنگ روم میں عزت سے بٹھا کے اس کی خاطریں کیا کرتی تھی۔ تجسس انسان کی فطرت ہے آدمی کمینہ بھی تو ہوتا ہے' میں نے ایک روز شیرازی کے ڈرائیور کو کریدا تو اس نے ڈرتے ڈرتے صرف اتنا بتایا کہ فیروز' شیرازی کی دکھتی رگ ہے' اس کے اکاؤنٹ کی وجہ سے شیرازی کو بے شار دوسرے لوگوں کے اکاؤنٹ مل گئے ہیں۔ ڈرائیور کے بیان کے مطابق بینک والوں نے اسے ڈبل ترقی دی تھی اور تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔

خیر ان واقعات سے مجھے کیا۔ یہ شیرازی' میرے محسن کی نجی زندگی کا معاملہ تھا' ان دنوں میں تو صرف بانو کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جارج سے ملاقات کے بعد سینچر کے طے شدہ پروگرام نے مجھے بے حد بے چین کر رکھا تھا۔ دو روز میں ہیجانی کیفیتوں سے دو چار رہا۔ کیسے دست سوال دراز کروں؟ کس منہ سے روپے مانگوں؟ ہر شے میسر ہے' پھر روپے مانگنے کی کیا تک ہے۔ شیرازی نے مجھے جیب خرچ کے لیے

پھر دس روپے دیے تو مزید مانگنے کی جسارت نہ ہوئی۔ جب سنیچر آیا تو صبح ہی سے میری وحشت میں اضافہ ہو گیا۔ ناشتے کی میز پر شیرازی اور ساجدہ نے میری خاموشی بطور خاص محسوس کی۔

شیرازی نے کسی تکلیف کے بارے میں پوچھا تو میں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانا کر کے ٹال دیا۔ اس کے دفتر روانہ ہو جانے کے بعد میری الجھن شدید ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا' شیرازی عام طور پر سنیچر کے روز چراغ جلے گھر واپس آتا تھا۔ میں نے خود کو اور اپنے ضمیر کو گالیاں دیں' دوپہر تک میں اپنے کمرے میں بند آنے والی شام کے بارے میں کڑھتا رہا۔ شام سے پہلے ہی ہر حالت میں مجھے رقم کا بندوبست کرنا تھا۔ یہ خیال بھی آیا کہ شیرازی کے ہاں سے کوئی چیز چرالوں مگر میں نے اپنے آپ پر لعن طعن کی اور شام آ گئی۔

میں خالی جیب جارج کے پاس چلا گیا۔ وہ میرا منتظر تھا' میری رو دادسن کے کھل کھلا پڑا۔

''ہم نہ کہتا تھا' سالا پیسہ ہی سب کچھ ہے' تمہاری عقل کب ٹھکانے آئیں گا ڈارلنگ۔'' وہ خالی انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولا۔ ''پیسہ کماؤ اور پھر دیکھو کتنی بانو کھڑکی سے ٹیک لگائے تمہاری راہ تکیں گا۔ سالا رنگ بدل جائیں گا۔''

''مگر بانو کی بات کچھ اور ہے۔'' میں نے جھنجلا کے کہا۔

''بانو پیسے میں خریدی جاتی ہے جان من' اس کی ہر ادا کا پیسہ لگتا ہے۔ ایسا لڑکی تلاش کرو جو پیسے کے بغیر ملتا ہو۔''

''بانو ایسی نہیں ہے۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔

''تم سالا ایک دم چریا ہوا ہے' جب پیسہ ہوئیں گا تو پھر ہم سے کہنا۔ آج لال پری کے بجائے کالی پری ہی پلا دے ڈیئر۔''

کالی پری سے مراد چائے تھی۔ میرے پاس دس روپے تھے مگر اس رات ہم نے خوب چائے پی۔ پان کھائے اور ادھر ادھر گھومتے رہے' رات کو اداس فضا میں ہم دونوں رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد سے میں مسلسل پیسے جمع کرنے کی سوچتا رہا۔ میری ضروریات بہت کم تھیں۔ نہ کوئی آگے تھا نہ پیچھے۔ میں نے شیرازی سے کسی کام کے لیے کہا مگر وہ اتنا مصروف شخص تھا کہ ہوں ہاں کر کے رہ گیا۔ ان کپڑوں میں مزدوری کا کام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور کلکتے میں شیرازی اور جارج کے سوا کوئی

شناسائی بھی نہیں تھی۔ میں سوچتا رہ گیا اور وقت گزرتا رہا' پیر بھی گزر گیا۔ سنیچر کے بعد میں نے جارج سے بھی ملاقات نہیں کی۔ بانو خوابوں میں آتی تھی۔ میں اس سے اتنا قریب ہو کے کتنا دور تھا؟ حالانکہ ساڑھے چار سال کی مدت میں اس نے مجھے بھلا دیا ہوگا۔ عابد شیرازی کے گھر کا وہی حال تھا۔ وہی لوگوں کی آمدورفت اور دعوتیں' محفلیں' فیروز اور ساجدہ کے قہقہے' ان محفلوں سے مجھے نفرت ہونے لگی۔ یہ لوگ اس طرح ہنستے تھے جیسے انہیں دنیا کا کوئی غم نہ ہو۔ میں ان سے الگ تھلگ پہلے بھی تھا' اب اور میں نے اپنے آپ کو محدود کر لیا تھا۔

میں اپنی الجھنوں میں غرق تھا کہ شیرازی کے بنگالی ملازم باقر نے میرے کمرے میں آ کے مجھ سے کھانے کے بارے میں دریافت کیا' اتوار کے سوا دوپہر کا کھانا میں ہمیشہ اپنے کمرے میں کھاتا تھا۔ باقر' شیرازی کے سب ملازموں میں پرانا اور منہ چڑھا تھا۔ کچھ کچھ میری بھی اس سے دوستی گٹھنے لگی تھی۔ میں اسے اس وقت جھڑک کے بھگا دیتا لیکن مجھے خیال آیا' آج باقر کو آزمایا جائے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہر تین ماہ بعد اپنی تنخواہ اکٹھی کر کے اپنے والد کو بھیج دیتا تھا۔ میں نے باقر کو پر امید نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اپنے ماں باپ یاد نہیں آتے؟''

''یاد کیوں نہیں آتے شاب؟ مجبوری ہے' ملاجمت کے بغیر کام کیسے چلے گا' بس خط کے ذریعے ملاقات ہو جاتی ہے۔''

''تم صاحب سے چھٹی لے کے مل کیوں نہیں آتے اپنے ماں باپ سے؟''

''شاب چھٹی کے نام سے گرم ہوتا ہے۔'' باقر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں جواب دیا۔ ''سوفر میں جیادہ پیسہ خرچ ہو جائے گا تو باپ امارا ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔''

''کتنی رقم جمع کر رکھی ہے تم نے؟'' میں نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''اسی روپے۔''

اسی روپے کا نام سن کے میرا دل دھڑکنے لگا۔ بانو کا چہرہ پوری تابانی کے ساتھ تصور کے پردے پر ابھرا' مجھ سے اچھا تو باقر تھا کہ اس کے پاس اسی روپے تھے۔ اس کے چہرے پر زندگی نظر آتی تھی۔ میں نے اسے اپنی جانب مائل کرنے میں اس کی محنت' ایمان داری کی بڑی تعریف کی' پھر ڈرتے ڈرتے نہایت رازدارانہ لہجے میں

پچیس روپے مانگ بیٹھا۔ میرا خیال تھا' وہ انکار نہیں کرے گا۔ لیکن باقر بہت چلتا پرزہ نکلا۔ بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کے ٹال گیا کہ اس نے وہ رقم کلکتے کے اس ٹھیکے دار کے پاس جمع کروا دی ہے جس نے اسے شیرازی کے ہاں ملازمت دلوائی تھی۔ یہ آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ باقر کے انکار نے خود مجھے اپنی نظروں میں ننگا کر دیا۔ میں نے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے یوں ہی پوچھ لیا۔ ''باقر میاں! تمہاری بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟ دیکھو اگر وہ سو نہ رہی ہوں تو میں ان سے رقم مانگ لوں۔''

''بیگم شاب کمرے میں ہے شاب!'' باقر مسکراتے ہوئے بولا۔

''دانت کیوں نکالتا ہے۔ جا دیکھ وہ کیا کر رہی ہیں؟'' میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔ ''تم بالکل الوؤں کی طرح ہنستے ہو۔''

''ہم ادھر نہیں جا سکتا شاب!'' باقر نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''بیگم شاب' فروج شاب کے ساتھ کچھ جروری بات کر رہا ہے۔''

باقر نے جس انداز سے' جروری بات' پر زور دیا تھا' اس سے میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے باقر کو ڈانٹ کے بھگا دیا لیکن خود اس ضروری بات کے چکر میں الجھ کے رہ گیا۔ خالی آدمی کا دماغ چکروں سے بھرا ہوتا ہے۔ غیر ارادی طور پر میرے دل میں اس بات کی شدید خواہش ابھری کہ میں خود جا کے اصلیت کا اندازہ لگاؤں' ممکن ہے باقر نے جو سمجھا ہو وہ غلط ہو۔ ساجد کا کمرہ میرے کمرے سے مخالف سمت مغربی کونے میں واقع تھا۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اندرونی راہداری سنسان پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ساجدہ کے کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا لیکن یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے چابی کے سوراخ سے جھانکنے کی کوشش کی لیکن اندر پردہ پڑا ہوا تھا اس لیے میں کچھ نہ دیکھ سکا۔ کمرے کے اندر مکمل سکوت تھا۔ مجھے گمان ہوا' باقر نے مجھے ٹرخانے کے لیے دروغ گوئی کی غلطی خود میری بھی تھی جو میں ایک ملازم کے شبہے کی تصدیق کے لیے ساجدہ کی خواب گاہ تک بھاگا چلا آیا۔ میں نے خوف زدہ انداز میں راہ داری کا جائزہ لیا' مجھے خطرہ تھا کہ کہیں باقر میرا تعاقب کر رہا ہو۔ راہ داری ویران دیکھ کے مجھے اطمینان ہوا۔ واپسی کے ارادے سے دروازے کے قریب سے ہٹنا چاہتا تھا کہ اچانک اندر ساجدہ کی سرگوشی سنائی دی۔ ''تم ٹھہرو' پہلے میں باہر جا کے دیکھتی ہوں۔'' ساجدہ کے الفاظ میرے ذہن پر بم بن کر پھٹے۔ میں نے تیزی سے راہداری عبور کی

پاکھے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ راہ داری میں آ کے اس نے ادھر ادھر دیکھا' پھر ہاتھ کا اشارہ کیا' وہ ناکافی لباس میں تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے فیروز کو کمرے سے نکل کے تیزی سے پنجوں کے بل پچھلے دروازے کی جانب لپکتے دیکھا۔ ساجدہ راہ داری کے آخری موڑ تک گئی' پھر واپس آ گئی۔

میرے سارے وجود میں آگ لگنے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ آگے بڑھ کے ساجدہ کا گلا گھونٹ دوں۔ اس سے بہتر تو بانو تھی جس نے کھلے عام دکان سجا رکھی تھی' جگمگاتی روشنیوں میں کاروبار کرتی تھی۔ بانو کے خیال کے ساتھ ہی مجھ پر کوئی اور فیصلہ کرنے نہ کرنے کی آزمائش کی کئی گھڑیاں گزر گئیں۔ اس موقع پر میرا ردعمل کیا ہونا چاہیے؟ میں نے خود سے اکراہ کیا مگر ثابت قدم نہ رہ سکا۔ اسی وقت جارج کا خیال آیا جس نے مجھے وقت سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی تھی۔ چچا جان کا چہرہ نگاہوں میں گھوما جنہوں نے میری ساری جائداد ہڑپ کر کے مجھے دھکے دے کے گھر سے نکال دیا تھا ماضی کی ان کرب ناک یادوں کو اسی وقت مجھے پریشان کرنا رہ گیا تھا۔ میں پاکھے کی آڑ لے کے ساجدہ کی خواب گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک ثانیے کو میرے تصور میں عابد شیرازی کا شفیق چہرہ ابھرا' جو مجھے زندگی کے جہنم سے کھینچ کے اس جنت میں لایا تھا۔ میرے قدموں کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ لیکن پھر میں اعتدال پر آ گیا۔ ساجدہ نے اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کر کے کون سی قدر کی پروا کی تھی؟ اور دنیا نے میرے ساتھ کون سی وضع داری نباہی تھی؟ میں نے اپنے لیے جواز تلاش کر لیے' میرا ماضی میرا جواز تھا۔ میں نے شیرازی اور ساجدہ کو علیحدہ علیحدہ کر کے سوچا اور ہر دلیل مجھے متاثر کرتی گئی۔ میں نے آہستہ سے ساجدہ کی خواب گاہ پر دستک دی۔ اندر سے گنگناہٹ رک گئی۔ دروازہ تیزی سے کھولا گیا۔ اس کے بدن پر ابھی تک ناکافی باریک لباس تھا۔ اس حالت میں پہلی بار میں نے ساجدہ کا سراپا دیکھا۔ اس کا کندن جیسا بدن اندر سے دمک رہا تھا۔ میں آنکھیں نہ ملا سکا۔ ششدر کھڑا اس کے متناسب بدن سے نظریں چراتا رہا۔ اس کا خیال ہوگا' شاید فیروز واپس آیا ہے کیونکہ اسے گئے چند ہی لمحے گزرے تھے' مگر خلاف توقع مجھے اپنے سامنے دیکھ کے وہ دھک سے رہ گئی' چہرے کا رنگ بدل گیا' پھر فوراً اس نے بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''تم جمشید؟ کہو کوئی خاص کام ہے؟''

میں نے سوچا' میں اسے ایک گالی دوں۔'' مجھے کچھ روپوں کی ضرورت ہے۔''

کسی تمہید کے بغیر میں نے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

"عابد شام کو آئیں گے' ان سے کہنا۔" وہ روکھے لہجے میں بولی۔ "میں اس وقت آرام کر رہی ہوں۔"

"شیرازی ممکن ہے' دیر سے دفتر سے آئیں۔" میں نے جز بز ہو کے کہا۔

"پچاس روپے کی رقم آپ کے لیے معمولی بات ہے' مجھے اشد ضرورت ہے۔"

"بھئی مجھے ڈسٹرب مت کرو۔" وہ زیادہ خشک لہجے میں بولی۔ "یہ میرے آرام کا وقت ہے اور ہاں دوبارہ کبھی میری خواب گاہ پر اس طرح بے وقت دستک نہ دینا۔"

"آپ کے آرام کے وقت سے میں واقف ہوں۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"نان سینس۔" وہ حقارت بھری آواز میں بولی۔ "بھئی شام کو عابد سے روپے مانگ لینا۔ مجھے کیوں پریشان کرتے ہو؟"

"آپ ہی عنایت کر دیں تو بہتر ہے۔" میں نے طنزاً کہا۔

"میرے پاس نہیں ہیں۔" وہ سخت گیری سے بولی۔ "اب چلے جاؤ بس۔"

"آپ فراہم کر سکتی ہیں۔"

"کیا؟" وہ حیرانی سے بولی۔ "تم ہوش و حواس میں ہو جمشید؟"

"میں پوری طرح ہوش و حواس میں ہوں۔ البتہ آپ نے ہوش کھو دیا ہے۔ آپ نے سب کچھ کھو دیا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔

"تم جنگلی ہو۔" وہ غصے میں بھر کے بولی۔ "میں عابد سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"اور میں آپ کی شکایت کروں گا۔"

"آپ میری کیا شکایت کریں گے جناب؟" وہ منہ چڑاتے ہوئے بولی۔

"ساجدہ بیگم!" میں نے تاسف سے کہا۔ "میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔"

"کیا؟ کیا مطلب؟" ساجدہ کی آواز لڑکھڑانے لگی۔

"میں آپ کے کمرے میں آنے کی کبھی جرات نہ کرتا لیکن جب میں نے دیکھا کہ یہ تو ایک دکان ہے' ایک بالا خانہ ہے۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کی ورنہ اس وقت آپ مجھ سے نظریں ملانے سے گریز کرتیں۔"

"تم..... تم۔" اس نے اپنا منہ چھپا لیا۔

"ہاں میں..... میں نے سب دیکھ لیا ہے۔ میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا ساجدہ بیگم!" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

"کیا دیکھا ہے' کیا دیکھا ہے؟" وہ ہذیانی آواز میں بولی۔

"اپنے محسن کی امانت میں خیانت ہوتے دیکھی ہے' مت پوچھیے ساجدہ بیگم میری زبان سے مت سنیے۔"

"تم بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے بستر پر بٹھا لیا اور بڑی سرعت سے خواب گاہ کا دروازہ بند کر لیا۔

وہ دھڑام سے میرے پیروں پر گر گئی۔ کچھ اس طرح کہ اس کا سینہ میری ٹانگیں چھونے لگا۔ اس نے بے شرمی سے میرے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ دیا۔ "جمشید! مجھے معاف کر دو۔" وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "ہاں میں گنہگار ہوں۔" اس کا رنگ فق ہو گیا تھا' میں اس کی منتوں سے گھبرانے لگا۔ میں نے اس صورت حال کا تصور بھی نہیں کیا تھا' ساجدہ میرے قریب بیٹھ گئی' میں پیچھے ہٹنے لگا تو وہ اور چپکنے لگی۔ "کہو جو تم نے دیکھا تھا' وہ خواب تھا۔ میری بنی بنائی زندگی مت اجاڑو جمشید!" اس کی منت سماجت سے میں کڑھنے لگا۔ اس نے اشاروں کنایوں میں مجھے ہر قسم کی رشوت کی پیشکش کی۔ ایک جوان عورت اور اتنی حسین' آج تک میرے اتنے قریب نہیں ہوئی تھی۔ مجھے پسینہ آنے لگا اور کمرے میں دم گھٹنے لگا' میں کبھی چھت' کبھی فرش گھورتا' ساجدہ کا شب خوابی کا لباس جگہ جگہ سے بے ترتیب ہو چکا تھا۔ میں نے چور نظروں سے اس کا بدن دیکھا اور میرے اعصاب میں تشنج کی کیفیت پیدا ہوئی۔ میں نے یہاں تک دیکھا کہ اس کے ڈریسنگ گاؤن کے بٹن کھل گئے ہیں۔ اسے کچھ پروا نہ تھی' میرے لیے بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ ایک عورت سے اتنی قربت کا یہ پہلا موقع تھا۔ میں حواس باختہ ہو گیا اور اس کے بدن پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کے تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

مجھے اپنے کمرے میں آئے ہوئے پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ ساجدہ ایک دیدہ زیب ساڑھی میں ملبوس میرے کمرے میں آ گئی۔ اس کے چہرے پر بلا کی سوگواری تھی۔ میں خاموش پڑا رہا۔ نہ اس کی پذیرائی کے لیے اٹھا' نہ میں نے سلام کیا۔ "جمشید!" وہ محبت سے بولی۔ "یہ لو۔ یہ سو روپے ہیں۔"

اس کے ہاتھ میں کرارے نوٹ دیکھ کے میں ششدرہ رہ گیا۔ میں نے جھجک کے منہ پھیر لیا' وہ میرے پلنگ تک آئی اور اس نے بے تکلفی سے نوٹ میری جیب میں ڈال دیے۔ ''تمہیں ان کی ضرورت تھی۔'' وہ خوش اخلاقی سے بولی۔'' جب بھی تمہیں ضرورت ہو' مجھ سے مانگتے رہنا۔'' وہ ندامت کے لہجے میں بولی۔''اب تم سے کیا پردہ رہ گیا ہے۔''

یہ کہتی ہوئی وہ فوراً کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں اسے آواز دینا چاہتا تھا مگر میرے ہاتھ نوٹوں کی طرف چلے گئے' دس نہیں' بیس نہیں' پچاس نہیں' سو روپے میرے ہاتھوں میں تھے اور میں اس وقت دنیا کا امیر ترین شخص تھا۔

☆......☆......☆
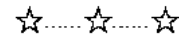
بازار حسن کی رونقیں شباب پر تھیں۔ جارج اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کے باوجود کسی فوجی کی طرح اکڑ اکڑ کے چل رہا تھا۔ اس کے بے حد اصرار پر میں نے بھی اپنے حلق میں زہر کا ایک پیگ انڈیل لیا تھا۔ جارج نے چار لبالب جام چڑھائے تھے اس وقت وہ کوئی فاتح نظر آتا تھا جو اپنے مفتوحہ علاقوں میں تمکنت سے داخل ہو رہا تھا' بوتل میں چند قطرے ابھی باقی تھے اور بوتل جارج کے بوسیدہ کوٹ میں محفوظ تھی۔

بانو کے کوٹھے پر چڑھتے وقت میرا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔ آج ایک مدت بعد میں اس زینے پر چڑھ رہا تھا۔ کئی سال اس کے خیال میں بسر کیے تھے۔ اوپر سے طبلے اور گھنگروؤں کی آواز کے ساتھ بانو کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں راستے میں اپنے اوسان بجا کرنے کے لیے ٹھہر گیا۔ جارج نے مجھے غصیلی نظروں سے گھورا' پھر میرا ہاتھ تھام کے اوپر کی جانب گھسیٹتے ہوئے بولا۔ ''سالا ہم اس وقت کنگ ہے' کنگ جارج ہے۔ آج ہمارے پاس فل ایمونیشن ہے' دھماکا کریں گا ڈارلنگ' کم آن۔''

جس وقت ہم اندر داخل ہوئے' دکان سجی ہوئی تھی۔ محفل شباب پر تھی۔ طبلے پر طبلچی کے ہاتھ جوش وخروش سے پڑ رہے تھے اور بانو ناچ رہی تھی۔ پہلے ہی سے خاصے لوگ موجود تھے۔ ہر ایک کی نظریں بانو پر لگی ہوئی تھیں۔ ہر ایک بانو کی شراب حسن سے مخمور تھا اور بانو کے حلق سے موسیقی ابل رہی تھی۔ ایک جانب بنو بیگم بڑے ٹھسے سے گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے سازندوں کے قریب موجود تھیں۔ ان کے برابر ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی گلوریاں بنانے میں مصروف تھی۔ بانو ایک تماش بین کے سامنے بیٹھی ایک مصرع کی تکرار کر رہی تھی نشے میں بیٹھا ہوا شخص انگلیوں کے درمیان

نوٹ پھنسائے بانو کے چہرے کے آگے نچا رہا تھا۔ بانو کبھی مسکراتی ' کبھی آنکھیں دکھاتی اور گانے لگتی۔ میں نے اس گستاخ شخص کے ہاتھوں سے نوٹ چھین لینا چاہا مگر اسی لمحے بانو نے کمال ہوشیاری سے نوٹ اچک لیا پھر جھومتی' رقص کرتی کھڑی ہو گئی۔ اب میں نے اس کا سراپا دیکھا۔ وہ تو مجسمہ رعنائی تھی' پہلے وہ ایک چنگاری تھی مگر اب شعلہ بن چکی تھی۔ وہ ایک پھول تھی' ایک مکمل پھول۔ اس کی نرگسی آنکھیں پہلے سے زیادہ چمکدار ہو گئی تھیں۔ بے باکی سے رقص کرتی تھی' اسے مسکرانا کچھ زیادہ آ گیا تھا' جب وہ سازندوں کی طرف نوٹ اچھال کے پلٹی تو میری اس کی نگاہیں چار ہوئیں۔ ایک لمحے کے لیے اس کے قدم جیسے کسی نے جکڑ لیے' اس کی دلکش آواز بند ہو گئی۔ وہ ساکت ہو گئی' پھر اس کے لبوں پر ایک دل نواز تبسم ابھرا اور اس کے رقص میں گرمی پیدا ہو گئی۔ میں تمام تر اشتیاق سے اسے دیکھتا رہا۔ میری آنکھیں میرے دل کا احوال کہتی ہوں گی۔ وہ سب کے لیے ناچ رہی تھی لیکن پھر میں ہی اس کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ میں اس کی سحر کار آنکھوں کی تاب نہ لا سکا۔ میں نے جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکالا' جارج نے جیب سے بوتل نکال کے منہ سے لگائی' بانو ایک ادا کے ساتھ مسکراتی' ناچتی گاتی ہوئی میرے پاس آ کے بیٹھ گئی اور مجھے محسوس ہوا جیسے میں آگ کے سامنے بیٹھا ہوں اور یہیں بیٹھے بیٹھے پگھل جاؤں گا۔ ریزہ ریزہ ہو جاؤں گا۔

''آپ کہاں رہے اتنے دنوں؟'' اس کی آواز طبلے کی آواز میں گم ہو گئی۔

''میں اپنی کچھ الجھنوں میں گرفتار تھا۔'' میں ٹھیک طرح سے اپنا جملہ ادا نہ کر سکا۔

''کیا الجھنیں تھیں نصیب دشمناں آپ کو؟'' وہ مٹھاس سے بولی۔

''ایک ہو تو بتاؤں۔ کبھی فرصت سے بات ہو گی' آپ سنائیے' آپ کیسی ہیں؟ آپ......''

''ہمیں تو بھول گئے ہوں گے آپ؟''

مجھ سے کچھ جواب نہ بن پڑا' البتہ میری آنکھوں نے' میری جذباتی کیفیت نے سب کچھ کہہ دیا' وہ ایک شان کے ساتھ میرے سامنے سے اٹھ گئی اور میں مدہوش ہو گیا۔ چند لمحوں بعد میں نے پھر جیب سے نوٹ نکالا' وہ اور تماش بینوں سے نمٹ کے میرے پاس آ گئی۔

''اب تو آپ آیا کریں گے؟''

"آپ کو کیا بتائیں؟" میں کہنا چاہتا تھا کہ میں آپ ہی کے پاس تھا' کہہ نہ سکا اور میں نے خود کو سخت سست کہا۔ وہ نغمہ سرائی کے درمیان بولتی تھی اور ایسی چابک دستی سے کہ کسی اور کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ اس بار وہ فوراً اٹھ کے چلی گئی کیونکہ چاروں طرف نوٹ لہرا رہے تھے۔ میں نے اپنی جیب سے ایک نوٹ اور نکالا اور اس بار ہمت کر کے اس سے کچھ کہنے کا ارادہ کر لیا۔ جیسے ہی میں نے نوٹ بلند کیا' جارج نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ایموشن مت برباد کرو جام شید! کل کام آئیں گا' ہوائی فیر کرو۔"

"کل کی کل دیکھی جائے گی انکل! آج کی بات کرو۔"

"وھاٹ؟" جارج غصے سے بولا۔ "تم ہم سے زیادہ نشے میں معلوم ہوتا ہے۔"

"غور سے دیکھو انکل جارج!" میں نے بانو کے سراپا میں کھوتے ہوئے کہا۔ "یہ شاعری ہے' یہ ایک چمن ہے' یہ ایک گل دستہ ہے۔"

"پوئٹری؟" جارج حیرت سے بولا۔ "تم اب سمندر میں ڈوب گیا۔"

بانو پھر میری جانب متوجہ تھی۔ میں نے اسے پاس بٹھانے کے لیے بار بار نوٹ نکالے' بانو اشاروں اشاروں میں منع کر رہی تھی لیکن اتنا ہوش کسے تھا؟ میں بانو کو کسی اور کے پاس دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اٹھتی تو میں فوراً اگلا نوٹ نکال لیتا۔ "آپ احتیاط کیجیے۔" بانو نے آہستگی سے کہا۔

"آپ کو کسی اور کے پاس بیٹھا دیکھ کے جلن ہوتی ہے۔" میں نہ جانے کس طرح کہہ گیا۔ بانو میری صورت دیکھتی رہ گئی۔

"اتنے دنوں میں تو آپ آئے ہیں۔" اس نے شکایتاً کہا۔

"میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔" میں نے اپنے بارے میں اسے بتانا چاہا۔

"ارے۔" وہ خوشی سے بولی۔ "کہاں تک پڑھا آپ نے؟"

"بی اے کر لیا۔"

"اوہ" وہ خوشی سے کھل گئی۔ "کیا واقعی؟" اور یہ کہتی ہوئی پھر اٹھ گئی۔ جارج بار بار مجھے ٹھوکے دے رہا تھا' میں کھسک کے اس سے دور ہو گیا۔ میں نے ایک ایک کر کے سارے پیسے بانو پر لٹا دیے۔

"سالا' کوٹھے پر آ کے کوٹھے کا ایٹی کیٹ نہیں جانتا۔" وہ منہ بناتا ہوا بولا،

"سالا ایک دم اناڑی۔ واپسی کا پیسہ بھی نہیں روکا۔"

شب ڈھلنے لگی' روشنیاں مدھم پڑتی گئیں۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ محفل برخاست ہونے والی ہے۔ میں نے اداسی سے بانو کی طرف دیکھا' جب سب چلے گئے تو میں بھی جانے کے لیے اٹھا مگر بانو نے اشاروں سے مجھے روک لیا اور تھوڑی دیر بعد گھنگرو اتار کے میری طرف آئی۔ اب اس نے سر پر کاسنی دوپٹا ڈال لیا تھا' وہ ایک گھریلو' بہت سادہ سی لڑکی لگ رہی تھی۔ "اب تو تشریف لاتے رہیے گا؟"

"آپ کے پاس سے اٹھنے کو جی کب چاہتا ہے۔؟"

"اسے ادھر ہی رکھ لو' سالا طبلچی بن جائیں گا۔" جارج نے لقمہ دیا۔

"خدا نہ کرے۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کے بولی۔ "آیئے گا نا؟"

"حالات پر منحصر ہے۔" میں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

"اللہ نے چاہا تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔" وہ پیار سے بولی۔

"آپ دعا کیجیے کہ میں بہت دولت مند بن جاؤں' پھر یہ دوری نہیں رہے گی۔"

"ہاں۔" وہ افسردگی سے کہنے لگی۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"سچ کہیے ہم آپ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔" میں نے کرب سے کہا۔

اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "ہم پر کوئی یقین نہیں کرتا۔"

"بخدا۔" میں نے تڑپ کے کہا۔ "یہ بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں میرا کوئی نہیں بچا۔ کم عمری میں اتنے زخم کھائے کہ اب خود پر اعتبار نہیں آتا۔" وہ قالین کریدنے لگی۔ میں نے اضطراب سے کہا۔ "میں روز آؤں گا۔ چاہے مجھے چوری کر کے یہاں آنا پڑے۔"

"آپ سے پیسے کون طلب کرتا ہے؟" وہ زچ ہو کے بولی۔

میں نے جواب میں بنو بیگم کی طرف دیکھا جو دور بیٹھی قہر آلود نظروں سے ہمیں گھور رہی تھی۔ "اس ماحول میں کیا بات ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ کا اپنا گھر ہے' کسی اور وقت آیئے' خلوت میں باتیں ہوں گی۔"

"سچ؟" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔ "میرے کان تو نہیں بج رہے ہیں؟"

"ہم دن میں بھی زندہ رہتے ہیں۔" وہ غمگین انداز میں بولی۔

بنو بیگم کو یہ گفتگو' یہ راز و نیاز پسند نہیں آئے۔ ابھی میری تشنہ آنکھوں کو قرار

بھی نہیں آیا تھا کہ وہ تیر کی طرح ہمارے قریب آئی اور بانو کو مخاطب کر کے بولی۔

"بس بانو' محفل اجڑ چکی ہے' رات جا چکی ہے' اندر جا کے آرام کرو۔"

یہ گویا دبی زبان میں ہمیں واپس جانے کا حکم تھا۔ میں بانو کو دیکھتا ہوا زینے کی جانب چل پڑا۔ اس کی خمار آلود نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ہم زینے سے اتر کے کھلی سڑک پر آئے تو بازار کے ہنگامے پھیکے پڑ چکے تھے۔ تا دیر میرے اور جارج کے درمیان خاموشی طاری رہی۔ پھر جارج میری کیفیت بھانپ کے برس پڑا۔

"تم سالا ایک بات سمجھ لو' اس کوٹھے پر رومیو جولیٹ کی فلم کبھی ہٹ نہیں ہوتی۔"

"انکل سب انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔" میں نے تھکاوٹ سے کہا۔

"جام شید ڈیر! تم ہمارا فرینڈ ہے۔ ہم تم کو اس کوٹھے پر فلاپ نہیں ہونے دے گا۔ سمجھا' پہلے سے ہار مان لے ڈارلنگ!"

"تم فکر نہ کرو انکل! ہم روز یہاں آئیں گے۔ میں نے روپے کی ایک مشین تلاش کر لی ہے جب تک وہ چلتی رہے گی' ہمارا کاروبار چلتا رہے گا۔ ساری دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا ہے۔ اس عرصے میں بانو یہاں نہیں رہے گی۔ ہم سب کہیں دور چلے جائیں گے۔"

"اوہ ڈیئر ڈیئر!" وہ ہذیانی آواز میں بولا۔ "تم بگڑ جائے گا اور ہماری گردن پر خون ہو گا' ارے ہماری زندگی پر غور کرو۔ سالا ہم کیا نہیں تھا؟ کیا سے کیا ہو گیا۔ اپنے اوپر رحم کرو جانی! اپنی زندگی پر ترس کھاؤ۔ فیوچر کی بات کرو' ادھر دل لگائیں گا تو سالا کپڑا تک بک جائیں گا۔"

"اوہ مائی گریٹ انکل!" میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "تم دیکھتے جاؤ کیا ہوتا ہے۔" جارج نے میری بات سنی ان سنی کر دی۔ راستے بھر وہ اپنے مخصوص انداز میں مجھے سمجھاتا رہا۔ اسے اس کے شیڈ پر چھوڑ کے میں گھر واپس آ گیا۔ شیرازی اور ساجدہ سو چکے تھے' باقر جاگ رہا تھا۔ اس نے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو میں انکار کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اس رات میری بھوک مٹ گئی تھی۔ بانو کا حسین سراپا میری پلکوں پر کھیلتا رہا' صبح کے وقت مجھے نیند آ گئی۔ نہ جانے کیسے آ گئی؟

☆......☆......☆

اس کے بعد گزرنے والے دنوں میں' میں عملاً تو شیرازی کے گھر میں رہتا تھا مگر ذہناً بانو کے گھر کے سوا کہیں اور نہیں بستا تھا۔ صبح و شام میرے خیالوں پر بانو کا پہرا رہتا اور یہ شدت کم ہونے کے بجائے بڑھتی جاتی تھی۔ ساجدہ کا رویہ بھی اب میرے ساتھ بالکل بدل گیا تھا۔ وہ میرا بڑا خیال رکھنے لگی تھی۔ اس نے شیرازی سے میرے لیے اور کپڑے بنوا دیے۔ ساجدہ اب گھنٹوں میرے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھتی رہتی تھی مگر مجھے ساجدہ کی طرف دیکھنے کی کہاں فرصت تھی؟ شام ہوتے ہی میں ساجدہ سے روپے لے کے' کوئی بہانا کر کے گھر سے نکل جاتا۔ جارج سے حسب پروگرام ملاقات ہوتی اور ہم دونوں بازار حسن کا رخ کرتے' بانو کا دیدار کرتے' بانو کا جلوہ دیکھا کرتے' بانو کی شیریں باتیں سنا کرتے' بانو سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب میں جارج کے بغیر دوپہر کو بھی اس کے بالا خانے پہنچ جاتا' بنو بیگم کو بانو کا یہ التفات ایک آنکھ نہ بھاتا تھا لیکن بانو نے اسے راضی کر کے بطور خاص تھوڑا سا وقت مستعار لے لیا تھا۔ جارج کی ہر بات جھوٹ ثابت ہو رہی تھی کیونکہ بانو مجبوراً طوائف تھی۔ اس کے سینے میں ایک خوبصورت' ایک وفا شعار' ایثار پیشہ لڑکی کا دل دھڑکتا تھا۔ رات کی محفلوں میں وہ بنو بیگم کی وجہ سے مجبوراً روپے وصول کر لیتی تھی جو میں اسے دیتا تھا۔ دوپہر کی مخصوص نشستوں میں اس نے مجھے اپنی جان کی قسم دے کے روپے دینے سے منع کر دیا تھا۔ میں نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا' دوپہر کی مختصر ملاقات میں جتنی دیر وہ میرے پاس بیٹھتی' میں اسے اپنے سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیتا۔ وہ پہلی لڑکی تھی' جس کے گداز سے میرا سینہ آشنا ہوا تھا۔ میرے شب و روز ہیجان میں گزر رہے تھے۔ بانو نے رفتہ رفتہ خود کو میرے سہارے پر چھوڑ دیا تھا لیکن میں نے کبھی اس کی توہین نہیں کی۔ جب پہلی بار میرے لب اس کے سرخ لبوں کی سرخی سے آسودہ ہوئے تو مجھے محسوس ہوا جیسے میں نے آب حیات پی

لیا ہے۔ ایک عجیب سی سنسناہٹ دنوں تک طاری رہی۔

دو تین ہفتے بیت گئے اور میں کچھ نہ کر سکا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بانو کو یہاں سے لے جاؤں گا اور جب میں نے یہ ارادہ کیا تو مجھے رات کو تماش بینوں کے سامنے اس کا ناچنا اور مسکرانا' اس کا گانا اور ادائیں نچھاور کرنا بھی برا لگنے لگا۔ بانو کے ناچ میں اب پہلے جیسی ترنگ نہیں رہی تھی اور یہ بات بنو بیگم بطور خاص محسوس کر رہی تھی مگر وہ چپ تھی کیونکہ بنو ہی اس کا سرمایہ تھی' اور میں اپنے امکان سے زیادہ روپے خرچ کر رہا تھا۔ اسے میری آمد پسند تھی اس لیے کہ میں ایک معقول گاہک تھا۔ اسے بانو کا التفات پسند نہیں تھا کیونکہ یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ جارج کے اصرار پر اب میں نے اس کے ساتھ تھوڑی تھوڑی پینی شروع کر دی تھی۔ روپوں کی طرف سے خاصا اطمینان تھا۔ ساجدہ خود ہی میری جیب میں روپے ڈال دیتی تھی۔ کبھی میں خود اس سے مانگ لیتا تھا' ہم دونوں میں اب بڑی بے تکلفی سے گفتگو ہوتی تھی۔ وہ ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کے باوجود خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں رہتی تھی۔ اس کے والہانہ انداز سے میں اکثر ڈر جاتا تھا۔ میں اب یہ باتیں سمجھنے لگا تھا۔ وہ مجھے فیروز کا درجہ دینا چاہتی تھی۔ میں کس طرح یہ دعوت قبول کر لیتا؟ حالانکہ ساجدہ بے شک و شبہ ایک حسین عورت تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بانو درمیان میں حائل نہ ہوتی تو میرے عزم کی چٹان کا کیا حال ہوتا۔ میں کس قدر آگے بڑھ جاتا؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

☆......☆......☆

دو ماہ یوں بیت گئے جیسے دو دن گزرے ہوں' دو ساعتیں بیتی ہوں۔ اس مختصر مدت میں آتش شوق بہت بھڑک اٹھی۔ ہم ملتے تو اس طرح جیسے برسوں بعد ملے ہوں اور جدا ہوتے تو اس طرح کہ برسوں کے لیے جدا ہو رہے ہوں۔ جدائی کے وقت آنکھیں نم ناک ہو جاتیں۔ اپنی تنگیٔ داماں کا احساس فزوں ہو جاتا۔ بانو سے چھپا کر اکثر میں بنو بیگم کی مٹھی گرم کر دیا کرتا تھا۔ مجھے بقول جارج بالا خانے کے ایٹی کیٹ نہیں آتے تھے۔ اب میں ان معاملوں میں اتنا مشاق ہو گیا تھا کہ نظریں پہچان جاتا تھا' جارج کو میری دوپہر کی ملاقاتوں کا علم نہیں تھا کہ میں آٹھ میل دور سے روزانہ بانو کو ملنے جاتا ہوں۔ پھر شام کو آتا ہوں' ایک روز میں نے اس سے دوپہر کی ملاقاتوں کا حال بھی کہہ دیا۔ وہ کمال سنجیدگی سے میری باتیں سنتا رہا۔ جب میں نے بانو کو بالا خانے سے کہیں لے جانے اور مستقل طور پر اپنا بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ چپ نہ

رہ سکا۔ "سالا' ہم ابھی تک مذاق سمجھا تھا' ارے تم ایک دم ڈوب جائیں گا۔ پر اس سے میرج؟ چھی چھی' ڈرٹی مین۔" وہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

"تم میرے دوست ہو جارج! مجھے مایوس مت کرو' میرے دل میں جھانک کر دیکھو۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "اگر بانو نہ ملی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

"اس کا ممی کیسے برداشت کریں گا یو فول؟" جارج نے طیش میں کہا۔ "تم ابھی ڈیم ینگ ہے ایک دم کچا' سالا یہ لوگ کا نشہ سوڈا واٹر کے ابال کی طرح ختم ہو جائیں گا۔ تم سالا سر پکڑ کے روئیں گا۔ ابھی ٹائم ہے مائی ڈیئر فرینڈ! اس کے ساتھ میرج بنانے کا خیال دل سے نکال دو۔"

"کیسے نکال دوں؟" میں نے جل کر کہا۔ "اب واپسی مشکل ہے۔"

"بنو بیگم اپنی ڈاٹر کو کس طرح تمہارے حوالے کر دیں گا؟" وہ چڑ کر بولا۔ "تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ پور بوائے۔ سالا بائی سیکل بھی ہمارے خواب میں نہیں آتا۔" "تم رولز رائس کے چکر میں پڑ گیا؟ میری مانو تو اپنے لیے کوئی بے بی آسٹن تلاش کر لو۔"

میں نے جارج کی ہر بات مسترد کر دی' میں نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ بانو ایک طوائف نہیں ہے' حالات نے اسے بنو بیگم کی لڑکی ضرور بنا دیا ہے۔ آخر اس نے شکست قبول کر لی۔ پھر بولا۔ "جائیں گا کدھر؟ کدھر چھپائیں گا؟ پلاننگ کے بنا میرج کرے گا؟"

"اسی لیے تو تم سے مشورہ کر رہا ہوں۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین ہے تم کوئی حل تلاش کر لو گے۔"

"پہلے سروس تلاش کرو' رہنے کے لیے کسی کھولی کا بندوبست کرو' پھر شادی کے بارے میں سوچو۔ تم کو بولا ہے یہ کلکتہ بڑا حرامی شہر ہے۔ تم اگر بانو کے ساتھ کسی بل میں بھی جائیں گا تو اس کا ممی پیچھا نہیں چھوڑیں گا۔"

"میں یہ شہر چھوڑ دوں گا۔"

"اپنے انکل کو بھی چھوڑ جائیں گا؟"

"نہیں تم میرے ساتھ چلو گے' یار اللہ مالک ہے' ہم نیک کام کر رہے ہیں' اللہ مدد کرے گا۔ ہم تینوں مل کے حالات کا مقابلہ کریں گے۔"

جارج خوشی سے اٹھ کے مجھ سے لپٹ گیا۔ دوسرے دن میں نے بانو سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب میں مزید گندگی میں اسے نہیں رہنے دوں گا۔ بانو کو میرے

بارے میں ہر بات کا علم تھا۔ میں نے اپنی زندگی کی کتاب کھول کے رکھ دی تھی۔ جارج کی طرح بانو کا بھی یہی خیال تھا کہ پہلے میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کروں' پھر کوئی قدم اٹھاؤں لیکن جب میں نے ضد کی اور اس غلیظ زندگی کے متعلق لیکچر دیا تو وہ میرے ساتھ فرار ہونے پر تیار ہوگئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے ساتھ قیمتی زیورات اور نقدی بھی لے چلے گی تا کہ ہم فوری طور پر کسی جگہ سر چھپانے کی مشکلوں سے دو چار نہ ہوسکیں۔ میں نے جارج کو بانو کے خیال سے آگاہ کیا تو اس نے بمبئی چلنے کا مشورہ دیا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا؟

تین روز تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ میں نے اس عرصے میں ساجدہ سے پانچ سو روپے وصول کر لیے اور وعدہ کیا کہ اب اسے پریشان نہیں کروں گا۔ میری جانب سے فرار کی ہر تیاری مکمل تھی۔ طے یہ ہوا کہ جمعرات کا دن اس نیک کام کے لیے موزوں رہے گا' جب بنو بیگم کسی مزار کی زیارت کے لیے جائے گی۔ دوپہر کو ویسے بھی سناٹا ہوتا تھا۔ جمعرات کے دن صرف ایک بوڑھی عورت بانو کی دیکھ بھال کے لیے بالا خانے پر رہ جاتی تھی۔ اسی وقت میں جاؤں گا اور بانو برقع اوڑھ کے میرے ساتھ باہر آجائے گی۔ دور جارج پرائیویٹ ٹیکسی لیے کھڑا ہو گا' جس کے پاس اٹیچی کیس اور ضروری سامان ہو گا۔ بانو صرف ایک جوڑا پہن کے آئے گی' نقدی اور زیورات برقع میں چھپے ہوں گے۔ بنو بیگم کی عدم موجودگی میں بوڑھی عورت سے نمٹنا کچھ مشکل نہ ہوتا۔ بانو اسے دودھ میں افیون دینے پر تیار ہوگئی۔ یعنی جس وقت' میں پہنچوں گا' وہ اوندھی پڑی ہوگی۔

مجھے اپنی کامیابی کا صد فی صد یقین تھا' منصوبہ پوری طرح مکمل تھا۔ کوئی سقم نہیں تھا' پیسے بھی پاس تھے لیکن بس ایک ہی خوف تھا کہ بانو وقت پر انکار نہ کر دے یا کوئی اور مصیبت پیش نہ آجائے۔ مجھے ایسے کاموں کا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔ کہیں میرے ہاتھ پیر پھول نہ جائیں۔ جمعرات کے دن میری اضطرابی حالت شدید ہوگئی' دو دن سے میں اور جارج منصوبے کے ہر پہلو پر غور کر رہے تھے۔ علی الصباح میں ساجدہ سے اجازت لے کے اور اسے یہ بتا کے کہ اب شاید کلکتے میں نہ رہوں' اس سے رخصت ہو گیا۔ ساجدہ میری رخصتی کے وقت اداس ہو گئی۔ مجھے اس کا یہ انداز بہت مصنوعی لگا۔ وہ تو خدا کا شکر ادا کر رہی ہو گی کہ اسے مجھ سے آسانی کے ساتھ نجات مل رہی ہے۔

پروگرام کے مطابق میں ساڑھے گیارہ بجے اپنے آپ کو چھپاتا ہوا بانو کے بالا خانے پہنچ گیا۔ بانو نے کہا تھا کہ وہ دروازہ کھلا رکھے گی۔ زینہ طے کرتے ہوئے میرے قدم لرز رہے تھے۔ سیڑھیاں عبور کر کے میں دروازے پر پہنچا تو میری حالت غیر ہونے لگی۔ اب تک ہر بات پروگرام کے عین مطابق ہو رہی تھی۔ میں آہستہ سے پنجوں کے بل چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ جس کمرے میں محفل سجائی جاتی تھی' وہ اس وقت ویران پڑا تھا' میں داہنے ہاتھ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے ایک ایک قدم' ایک ایک پل بھاری معلوم ہو رہا تھا۔ بانو بھی میری منتظر تھی' میری آہٹ پر وہ باہر آئی' اس نے اپنے کمرے کے دروازے پر آہستہ سے اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا' وہ برقع پہنے ہوئے تھی۔ کمرے میں جاتے ہی میں ہنے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ''ارے رے اتنے بے صبرے مت بنیے۔ میں آپ کے ساتھ ہی چل رہی ہوں۔''

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے زیورات اور نقدی' کپڑے کی ایک تھیلی میں ڈالے۔ وہ بالکل تیار بیٹھی تھی اور گھڑی تک رہی تھی۔ اداسی کی ایک آخری نظر اس نے گھر پر ڈالی اور اس کمرے میں آگئی جہاں رات کو ناچتی تھی۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' میں نے ایک بار اور تصدیق چاہی۔

''ہاں' بڑی بی' اماں بیگم کے کمرے میں افیون پی کے اطمینان سے سو رہی ہیں۔ سب ٹھیک ہی ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔ ''آیئے جلدی کیجئے۔''

قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جیسے ہی ہم آگے بڑھے' بالا خانے کا دروازہ تیزی سے کھلا اور بنو بیگم ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے اس کا سازندہ بختاور بھی تھا۔ صرف چند لمحوں کی دیر ہو گئی اور بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ بانو کو برقع میں دیکھ کے بنو بیگم کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور بانو اس کی غیر متوقع آمد سے ایسی گھبرائی کہ اسے سکتہ سا ہو گیا۔ زیوارات اور نقدی کی تھیلی اس کے ہاتھوں سے گر پڑی۔

''ہائے میں برباد ہو گئی بختاور!'' بنو بیگم سینے پر ہاتھ رکھ کے زمین پر دہری ہو گئی۔ میں اس غیر متوقع صورت حال سے بالکل اوسان کھو بیٹھا تھا

''اندر جاؤ بانو!'' پیچھے سے بختاور کی تحکمانہ آواز آئی۔

بانو سٹپٹا گئی۔ ادھر بنو بیگم بین کر رہی تھی اور مجھے کوسنے دے رہی تھی۔ بانو نے بختاور کا حکم سنا اور کھڑی رہی۔

''بانو میرے ساتھ جا رہی ہے۔'' میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں؟'' بختاور نے ایک لمبا چھرا نکال کے کہا۔

''شریفانہ زندگی گزارنے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اپنے اندر ہمت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''تم راستے سے ہٹ جاؤ۔''

اس نے میرا منہ چڑایا۔ ''لفنگے! بدمعاش! بختاور کو جانتا ہے؟ جا دفع ہو جا۔ ورنہ انتڑیاں نکال کے رکھ دوں گا۔''

''بختاور بھائی!'' بانو چیخ کر بولی۔ ''انہیں کچھ نہ کہیے۔ میں خود ان کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔''

''تم خاموش رہو بانو! ہماری موجودگی میں تم یہ جرات کیسے کر سکتی ہو؟ میں اس کمینے کو ایسا سبق دوں گا کہ اس کے باپ کو بھی اس طرف کا رخ کرنے کی ہمت نہ ہوگی۔'' بختاور گرج کے بولا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو لہرا رہا تھا۔

''زبان سنبھال کے بات کرو بختاور!'' میں نے غصے سے پھنکتے ہوئے کہا۔ ''میں بانو کو لے جانے آیا ہوں' وہ بالغ ہے اور اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے۔ چلو بانو چلو' اس گندگی سے باہر نکلو۔''

''میرے ہوتے ہوئے؟'' بختاور نے ایک مصنوعی قہقہہ لگایا۔ ''اے لڑکے' کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ خدا کی قسم بہت دنوں سے چاقو آزمانے کو جی کر رہا تھا۔ بنو بیگم کے عشق نے کہیں کا نہ رکھا۔ مگر اب بھی......'' وہ چاقو کی دھار پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔ ''اب بھی تین چار خون کرکے ہی ٹھنڈا ہو سکتا ہوں۔''

''تم فضول باتیں کر رہے ہو۔'' میں نے بگڑ کے کہا۔ ''خواہ مخواہ معاملہ بڑھا رہے ہو۔ بانو میرے ساتھ جانا چاہتی ہے۔''

''سنیے بختاور بھائی! میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کے کیا ہے۔ میں ایک کھولی میں رہ لوں گی مگر اب یہاں نہیں رہوں گی۔''

''حرام زادی!'' بنو بیگم غصے سے سرخ ہوگئی۔ ''تو یہاں سے کیسے جا سکتی ہے؟ تیری پرورش اور ناز نخروں میں کتنا روپیہ خرچ کیا ہے میں نے' جانتی ہے؟''

''سیدھی طرح نکل جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' بختاور نے مجھے گالیاں بکتے ہوئے دھمکی دی۔

''میں جان ہتھیلی پر رکھ کے آیا ہوں بختاور! آج یہی سہی' اکیلا ہوں اور نہتا

پھر بھی' تم جیسے ذلیل لوگوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔''

بات دھمکیوں اور گالم گلوچ سے آگے نکل گئی۔ بختاور' میری اور بانو کی جسارتوں پر مشتعل ہو گیا۔ چاقو لے کے طوفان کی طرح میری طرف لپکا۔ درمیان میں بانو آ گئی۔ بختاور پر خون سوار ہو گیا تھا۔ وہ مغلظات بکنے لگا اور میری مرحوم ماں بہن کو گالیاں دینے لگا۔ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ اب میں نے یہیں کوئی فیصلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ میں بالکل نہتا اور بے آسرا تھا لیکن بانو کا سہارا کافی تھا۔ وہ بختاور کو بری طرح جھڑک رہی تھی۔ بختاور مجھ پر جنون میں پے در پے حملے کرنے لگا۔ اس کے باوجود میں بانو کو گھسیٹتا زینے کی طرف لے جانے لگا۔ بختاور نے آگے آ کے مجھ پر بھرپور حملہ کر دیا۔ اگر میں جھکائی نہ دیتا تو وہیں میرا کام تمام ہو جاتا۔ اس عرصے میں بانو مجھ سے جدا ہو کے اگال دان اٹھانے دوڑی' اس نے دور ہی سے نشانہ لے کے بختاور کے ہاتھ پر اگال دان کھینچ مارا' بختاور اس آفت ناگہانی سے بوکھلا گیا اور اس کے ہاتھ سے چاقو گر گیا اور میں پھرتی سے اس پر لیٹ گیا۔ میرا زمین پر چاقو کے اوپر لیٹنا تھا کہ بختاور ایک چھلانگ لگا کے میرے اوپر ڈھیر ہو گیا' چاقو میرے پیٹ کے نیچے تھا اور بختاور کی سرتوڑ کوشش تھی کہ کسی طرح وہ چاقو اپنے قبضے میں کر لے' اس نے میرے بال پکڑ کے سر زمین سے ٹکرایا۔ میں دیکھ نہیں سکا مگر شاید بانو اس کی پیٹھ پر اگال دان یا کوئی وزنی چیز مارنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ادھر بختاور نے تڑپ کے پہلو بدلا' ادھر اتنی مختصر مدت میں' میں نے چاقو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ بنو بیگم نے بانو کو قابو کرنے کے لیے اس کی چوٹی پکڑ لی تھی اور بانو اس کے قبضے سے پیچھا چھڑا رہی تھی۔ میں ابھی تک بختاور کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور اسے اپنے اوپر سے پرے پھینکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ ایک بار بختاور پھر چیخ مار کے میری پیٹھ سے کچھ دور ہوا' یقیناً بانو پھر کوئی ضرب لگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ یہ موقع ہی میرے لیے آخری موقع تھا۔ چاقو میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا' بختاور میرے ہاتھ میں چاقو دیکھ کے مطلق خوف زدہ نہیں ہوا بلکہ اس کی آنکھوں میں خون اترنے لگا' وہ لحیم شحیم تناور شخص وحشت سے میری طرف جھپٹا۔ میں نے چاقو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ بختاور کو توقع بھی نہیں تھی کہ میں عین موقع پر اپنا پہلو بدل لوں گا اور چاقو اس کے کولھے میں اتر گیا ہوا' بختاور بری طرح دہاڑا اور کولھے کو پکڑتا ہوا زمین پر گر گیا۔ میں مصیبت میں گھر چکا تو' چاقو اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ لمحوں میں بختاور کی سانس ٹوٹ گئی

خون ہی خون پھیل گیا۔ بنو بیگم یہ خونیں منظر دیکھ کے چیخنے چلانے اور شور مچانے لگی اس کی چیخ پکار سے مجھے ہوش آیا کہ میں ایک خون کر چکا ہوں اور بنو بیگم اس کی عینی گواہ ہے۔ مجھے نہ جانے کیا ہوا۔ شاید یہ وہی جنونی حالت تھی جس نے میرے باپ کو اپنے داماد کا خون کرنے پر اکسایا اور میرا بھائی پاگل ہو گیا تھا۔ میں نے بنو بیگم کے ہذیان پر اس کے سینے میں بھی چاقو اتار دیا' اس لمحے بانو دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھی' اندر صرف ایک بڑی بی رہ گئی تھیں۔ بانو کو اسی حالت میں چھوڑ کے میں نے تیزی سے اندر جاکے دیکھا۔ وہ کسمسا رہی تھیں' اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ابھی تک افیون کے نشے میں ہیں اور اس واقعے سے بے خبر ہیں' اس طرف سے مطمئن ہو کے میں بانو کے پاس آیا۔ میں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ہوش میں لانے کی کوششیں کیں' بانو کی آنکھیں کھل گئیں تو میں نے اسے جلد از جلد یہاں سے بھاگ جانے کو کہا۔ "جلدی کرو بانو! بات بڑی خراب ہوگئی ہے۔ ہوش میں آؤ خدا کے لیے جلدی کرو۔"

"اب میں کیسے جا سکتی ہوں؟" وہ سسکتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟ ہم پروگرام کے مطابق دور نکل جائیں گے' شام تک ہم کلکتے سے باہر ہوں گے۔"

"آپ بالکل پاگل ہو گئے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گی تو آپ آسانی سے پکڑ لیے جائیں گے' چاہے آپ کہیں بھی ہوں' آپ اپنی فکر کیجئے' خدا کے لیے یہاں سے بھاگ جایئے' زندگی رہی تو پھر ملیں گے' قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔"

"میں یہاں تمہیں اکیلا چھوڑ جاؤں گا؟ کیا تم مجھے اتنا کمینہ سمجھتی ہو؟ یہ میں نے تمہاری ہی خاطر تو کیا ہے۔" میں نے بے تابی سے کہا۔

"مجھے احساس ہے۔ اس سارے فتنے کی جڑ میں ہوں' مگر آپ چلے جائیں گے تو تنہا کہیں بھی روپوش ہو سکتے ہیں۔ وہ مجھ پر شک نہیں کر سکتے۔ میں کبھی آپ کا نام نہیں لوں گی۔ خدا مجھے ہمت دے۔ میری خاطر' آپ کو میری قسم یہاں سے جایئے۔"

گالیاں بکتے ہو۔ "تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میں "آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ آپ کتنی بڑی پریشانی میں گھر گئے ہیں۔"

"تم انہیں کیا بتاؤ گی؟"

"میں کچھ بھی بتا دوں گی مگر آپ تو چلے جائیں۔ جلدی کریں۔"

بانو سچ کہہ رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ جاتی تو ہم دونوں کا ایک ساتھ روپوش ہونا مشکل ہو جاتا' جب کہ بانو آسانی سے بچ سکتی تھی۔ مجھے اس کی عاجزی اور بگڑے ہوئے حالات کے تیور دیکھ کے مجبوراً یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ جلد از جلد یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔ باہر دو لاشیں پڑی تھیں جن کا قاتل میں تھا۔ بانو نے اس واقعے کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے بانو کے سینے پر سر رکھ کے وعدہ کیا کہ یہ جدائی عارضی ہے۔ وہ نہ جانے کس ہمت سے بات کر رہی تھی۔ آخر وقت تک مجھ سے بالا خانے سے جلدی نکلنے پر اصرار کرتی رہی۔ چلتے وقت میں جب خون آلودہ کمرے میں آیا تو مجھے بنو بیگم کے سینے کا چاقو نظر آیا' میں نے اس کے کپڑوں سے اسے صاف کر دیا' پھر میں نے ایک چادر اوڑھی۔ اپنا پورا جسم اور چہرہ چھپایا اور بانو کے لبوں کا ایک مختصر ترین بوسہ لیتا ہوا' کانپتے ہوئے قدموں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ نیچے آنے لگا لیکن فوراً مجھے خیال آیا' میں دوبارہ اوپر گیا اور میں نے بانو سے کہا کہ اسے کسی ایسے کمرے میں بند کر دیتا ہوں جہاں کھڑکی اور دوسرا دروازہ نہ ہو۔ بانو کی سمجھ میں بات آ گئی' بڑی بی کے کمرے سے ملحق ایک کوٹھڑی سی تھی جس میں کاٹھ کباڑ بھرا رہتا تھا۔ میں نے بانو کو وہیں بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔ اب بانو خاصی محتاط ہو گئی تھی' میں نے تیزی سے سیڑھیاں طے کیں اور نیچے اتر کے خود کو معتدل بنانے کی کوشش کی' دور ٹیکسی کھڑی تھی' میں خاموشی سے اس میں بیٹھ گیا۔ بیٹھنے سے پہلے میں نے جارج کو آنکھ مار دی تھی اور ٹیکسی ڈرائیور کے خیال سے کہہ دیا تھا۔ "کہ بات کل پر طے ہوئی ہے۔" وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ ہم دونوں باوڑا اسٹیشن جانے کے بجائے درمیان میں اتر گئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے اعصاب شل کیوں نہیں ہو گئے؟ میں ٹیکسی میں بے ہوش کیوں نہیں ہوا؟ جارج کا بازو پکڑتا اور خاموشی کی تلقین کرتا ہوا میں اسے ایک زیر تعمیر عمارت کے قریب لے گیا۔ میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "جارج! میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں؟" میں نے رقت انگیز لہجے میں کہا۔

"کیا بکتا ہے سالا' تم اپنے آپ پر شک کر سکتے ہو' مجھ پر نہیں مگر پہلے بولو یہ کیا معاملہ ہے' خیر تو ہے؟"

"زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے جارج! تمہارا دوست مصیبت میں گھر

گیا ہے۔'' میری زبان میں لکنت آ گئی' اور میں نے سارا واقعہ جارج کو سنا دیا۔ جارج کی آنکھیں پھٹ گئیں' وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا جیسے اسے میری کسی بات کا یقین نہ آ رہا ہو۔

''اوہ سلی بوائے!'' جارج کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''یہ کیا ہو گیا؟ یہ تم نے کیا کر دیا؟''

''اگر بانو میری مدد نہ کرتی تو صورت حال مختلف ہوتی۔ وہ مجھے آج قتل کر دیتا۔'' میں نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔

''تم نے برا کیا جام شید! مرڈر کبھی چھپ نہیں سکتا لیکن تم فکر نہ کرو' ابھی اسی وقت کلکتہ چھوڑ دو' بس' ریل یا کسی بھی ذریعے سے جاؤ مگر فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ تم جاؤ' اگر ہم سے پوچھ گچھ ہوئی اور کوئی ٹائم آیا تو ہم قربانی دیں گا۔''

''تمہی میرے سب کچھ ہو جارج! اگر حالات ساز گار رہے تو میں تم سے دوبارہ ملوں گا۔'' میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

جارج سسکنے لگا۔ ''جام شید!'' آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ ''تم سالا ابھی ینگ ہے' اگر بات بگڑ گیا تھا تو ہم کو بولتا۔ ہم تمہارے لیے پورے بازار کا پراس شوٹ کر سکتا ہے۔ ہم کو ایک بار آزما لیتا جام شید!''

رونے اور ماتم کرنے کے لیے بھی وقت نہیں تھا۔ میں نے جارج کو ضروریات کے لیے سو روپے دیے۔ اس نے انکار کیا لیکن میں نے زبردستی اس کی جیب میں ڈال دیے۔ میں رہ رہ کر گنگ ہو جاتا تھا۔ جارج مجھے سنبھالا دیتا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسری ٹیکسی میں بیٹھ کے ہاوڑا اسٹیشن آ گئے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ میں اپنا سوٹ کیس سنبھالتے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ رخصتی کے وقت جارج کی آواز رندھ گئی' وہ اپنا چہرہ چھپا رہا تھا۔ میں نے آخری بار اسے روانگی سے قبل گلے لگایا۔ پھر اپنے ڈبے میں آ گیا۔ مجھے اپنی منزل کا پتہ نہیں تھا۔ میری نظریں جارج پر مرکوز تھیں۔ گاڑی چلتے وقت جارج دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھام کے واپس ہوا تھا اور اس کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

میرے کپڑوں پر جگہ جگہ خون کے چھینٹے پڑ گئے تھے جو میں نے بانو کی دی ہوئی چادر سے کسی نہ کسی طرح چھپا رکھے تھے۔ سب سے پہلے بیت الخلا میں انہیں

تبدیل کیا۔ پھر میں انہیں چادر میں چھپا کے اپنی نشست پر لے آیا اور تیز گاڑی میں رات کے وقت انہیں دریا برد کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میرے ہم سفروں کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ گاڑی میں آتے ہی میں اوپر کی نشست پر دراز ہو گیا تھا۔ بظاہر اب کوئی خطرہ میرے گرد نہیں منڈلا رہا تھا۔ مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ فرار' یہ روپوشی' یہ جان بچانے کی کوششیں بعد از وقت ہیں۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

سارا نقشہ ہی پلٹ گیا تھا۔ جب بھی پرواز کرنے کا ارادہ کیا۔ اڑتے ہی کسی نے جال پھینک دیا اور پر قینچ لیے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا تھا۔ قسمت نے جس کی اتنی بڑی سزا دی تھی۔ پہلے گھر ویران ہوا' اب دل ویران ہو گیا۔ سر اٹھا کے چلنے کی عزت سے بھی محروم ہو گیا اور اپنے ساتھ ساتھ بانو کا گھر بھی اجاڑ دیا۔ صبح سے اب تک میں نے بڑا ضبط کیا تھا۔ رات تک میں اپنے آپ کو سنبھالے رہا مگر پھر ضبط کے بندھن میرے اختیار میں نہیں رہے۔ درون جسم ایک خلفشار بپا ہو گیا۔ سارے بدن میں اینٹھن ہونے لگی تھی اور ہڈیاں اندر سے چٹخنے سی لگی تھیں۔ کلکتہ بہت پیچھے جا چکا تھا' نہ جانے کون سے طاقت اتنی دیر تک میرے دل و دماغ متوازن کیے رہی تھی پھر جواب دے گئی۔ زندگی میں کبھی میں نے کسی کے بارے میں اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ کئی بار ارادہ کیا کہ اپنے گوشت کا یہ ڈھیر اٹھا کے کھڑکی سے باہر پھینک دوں مگر ہر بار بانو کا چہرہ نظروں کے سامنے آ جاتا تھا مجھے یقین تھا کہ وہ قیامت تک میرا انتظار کرے گی۔ میں اپنی لاش اپنے سینے سے چمٹائے رہا۔

اب بانو پر کیا بیت رہی ہو گی؟ وہ نوجوان لڑکی کس طرح یہ اذیت برداشت کر رہی ہو گی؟ جب اسے حبس زدہ اندھیری کوٹھری سے نکالا گیا ہو گا تو اس کا کیا حال ہو گا؟ میں بزدلی سے فرار ہو گیا مگر اپنے دوست جارج اور اپنی زندگی بانو کو ایک بڑی مصیبت میں گرفتار کر آیا۔ مجھے یقین تھا۔ بانو آخر دم تک میرا نام زبان پر نہیں لائے گی۔ کسی نے مجھے بالاخانے پر چڑھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود مجھ پر شبہ کرنے کی بہت سی علامتیں موجود تھیں۔ سازندے' طبلچی اور روز آنے والے گاہک میرے اور بانو کے خصوصی مراسم سے واقف تھے۔ بازار کے لوگوں نے بھی دوپہر کے وقت اکثر مجھے بالاخانے کی سیڑھیاں طے کرتے دیکھا ہوگا۔ میری اچانک گم شدگی ہی میرے خلاف ثبوت بن جائے گی۔ جب تفتیش کی جائے گی تو میری شناخت مشکل نہ ہو گی' ٹیکسی ڈرائیور نے قتل کے فوراً بعد مجھے مشکوک حالت میں چادر اوڑھے ٹیکسی میں

بیٹھتے دیکھا تھا۔ پھر جارج سے سوالات ہوں گے اور جب اس کے دوست کا نام و نشان پوچھنے کے لیے اس کے ناتواں جسم پر ضربیں پڑیں گی تو وہ کس طرح زندہ رہ سکے گا؟ اور جب شیرازی اخبارات میں دوہرے قتل کی یہ سنسنی خیز واردات پڑھے گا تو اپنے گھر سے میری اچانک روپوشی کے ساتھ ضرور کوئی سلسلہ ملائے گا۔ ساجدہ جلد ہی حالات کی تہہ تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہو گئے تھے۔ وہ اپنی زبان بند رکھے گی۔ اور بانو؟ کس طرح اپنا چہرہ چھپاتی رہے گی جس پر میرے نفرت انگیز وجود کی پرچھائیاں موجود ہوں گی۔ وہ کسی طرح مشکل حالات کا مقابلہ کرے گی۔ وہ تو ختم ہو جائے گی۔ میں اسے کس آسرے پر چھوڑ آیا ہوں؟

میرا دماغ پک رہا تھا اور میں بھاگ رہا تھا۔ کلکتے سے کئی سو میل دور نکل آیا تھا۔ تیسرے دن میرے سامنے بمبئی کا شہر تھا۔ یہاں کے اخبارات میں قتل کی روداد سرسری طور پر شائع ہوئی تھی اور ان خبروں کے مطابق قتل کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا تھا۔ مگر مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے بمبئی کا ہر شخص مجھے شبہے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ ''دیکھو وہ ایک قاتل جا رہا ہے' وہ ایک خونی جا رہا ہے۔'' بمبئی جیسے بڑے شہر میں اپنے آپ کو چھپانا آسان تھا مگر دو سو روپے کی معمولی رقم سے کوئی کاروبار کرکے میں بازار میں اپنا مشکوک چہرہ شناخت کرانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بمبئی میرے لیے ایک قطعاً اجنبی شہر تھا۔ کئی دن تو سستے ہوٹل میں رہا' پھر جب پیسوں میں تیزی سے کمی ہونے لگی تو سوٹ کیس بیچ کے تمام کپڑے ایک پوٹلی میں باندھ لیے اور فٹ پاتھ پر ڈیرا جما دیا۔ یہ پوٹلی بھی مصیبت بن گئی تو میں نے اسے پان کی ایک دکان پر منت سماجت کر کے امانتاً رکھوا دیا۔ اپنے مطلب کی نوکری کی تلاش میں صبح و شام ایک کرتا رہا۔ حالات بد سے بدتر ہو گئے۔ رفتہ رفتہ آخری پونجی بھی ختم ہوگئی اور ہوش و حواس بھی بتدریج ختم ہوتے گئے۔ تین ماہ اسی تگ و دو میں بیت گئے' کام نہیں ملا تو پیروں پر کھڑا ہونا دوبھر ہونے لگا۔ کمتری کا احساس بڑھتا ہی گیا اور خودی گھٹتی گئی۔ بمبئی چھوڑ کے دیکھا کہ یہ شہر بالکل راس نہیں آیا تھا۔ کئی شہروں' دیہاتوں اور قصبوں میں قسمت آزمائی کی اور خاک چھانتا ہوا دوبارہ بمبئی واپس آ گیا کہ یہاں کبھی کبھی روٹی تو نصیب ہوجاتی تھی۔ جسم پر صرف ایک غلیظ جوڑا رہ گیا تھا۔ کبھی مزدوری مل جاتی تو کھا لیتا ورنہ کئی کئی وقت فاقے کرتا۔ ایک قاتل پھانسی سے بچنے کے لیے جو عذاب اٹھاتا ہے' وہ عذاب پھانسی سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ میرے جسم

سے کوئی قوت لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہی تھی۔ میں اپنے اندر گھل اور گھٹ رہا تھا۔ بانو کی وجہ سے زندہ تھا اور بانو کی وجہ سے مردہ تھا۔ زندہ رہنے کی حرارت بس اس قدر باقی رہ گئی تھی کہ زندگی کی گاڑی کسی کرن کی امید میں لشتم پشتم کھنچتی رہے' کہیں جواب نہ دے جائے؟ ہر وقت کسی افیمی کی طرح ادھر ادھر بیٹھا رہتا داڑھی بڑھا لی تھی۔ شکل سے کوئی بھک منگا یا شہدا نظر آتا تھا اور مجھے اس کی پروا نہیں تھی کہ کوئی مجھے کیا سمجھتا ہے؟ میں نے اپنے آپ کو احتیاط پھر چھپانا شروع کر دیا تھا کیونکہ اخبارات نے دوبارہ بنو کے قتل کے واقعے میں دل چسپی لینا شروع کر دی تھی۔ عجب عجب داستانیں تراشی جا رہی تھیں چنانچہ میں نے نوکری کی جستجو تو یکسر ترک کر دی تھی۔ البتہ ادھر ادھر مزدوری کر کے اپنے دن دھکیل رہا تھا۔ بانو یا جارج کو خط لکھنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

بمبئی کی بارش فٹ پاتھ پر بسنے والوں کے لیے بڑے دکھ لاتی ہے' اگر پہلے سے قبضہ نہ کیا جائے تو دکان کے تھڑے' پارک یا فٹ پاتھ پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اور جگہ ڈھونڈے سے نہیں ملتی اور جب بارش ہو جاتی ہے تو ایسی بھگدڑ مچتی ہے جیسے بادل زمین پر گرج رہے ہوں۔ شروع شروع میں' میں نیا تھا۔ جگہ نہ ملی تھی تو رات بیٹھے جاگ کر گزار دی۔ اب کچھ دنوں سے ایک مناسب جگہ مل گئی تھی' شہر کی ایک چوڑی سڑک کے کنارے گٹر لائن بچھانے کا کام ہو رہا تھا۔ کھدی ہوئی جگہوں پر کئی فرلانگ تک بڑے بڑے گول دہانوں کے سرنگ نما پائپ پڑے ہوئے تھے۔ ایک خانہ بدوش کے لیے ان پائپوں سے بہتر قیام گاہیں کہاں ہو سکتی ہیں۔ میں نے اپنے جیسے کچھ اور لوگوں کی دیکھا دیکھی راتیں یہیں گزارنی شروع کر دیں۔ پائپ اگرچہ سیمنٹ کا بنا ہوا تھا مگر گولائی کی وجہ سے مجھے اس میں بستر کا سا آرام مل رہا تھا' اس کے علاوہ اس میں اتنی گنجائش تھی کہ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھ بھی سکتا تھا اور بانو کو یاد کر سکتا تھا لیکن قسمت جب برگشتہ ہوتی ہے تو آدمی کو پائپ میں بھی سکون کا سانس نہیں لینے دیتی۔ چوتھی رات ابھی مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تھی کہ ایک کرخت آواز نے مجھے جگا دیا۔ ''کون ہے بے۔ باہر نکل!'' میری آنکھیں کھلتے ہی ایک لمحے کے لیے دوبارہ بند ہوگئیں' کیونکہ پائپ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ میں بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا' وہ میری حرکت قلب بند کرنے کے لیے کافی تھا۔ پائپ کے دونوں سروں پر پولیس والے موجود تھے اپنی ٹارچوں سے میرا معائنہ کر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ میرا وقت آ چکا ہے۔ پائپ سے سر پھوڑ لینے کا وقت بھی نکل چکا تھا۔ میں جھجکتا ہوا

باہر آ گیا اور ان کے رو برو پیش ہو گیا۔

''کیا کرتا ہے بے؟'' ایک پولیس والے نے رعونت سے پوچھا۔

مجھے اس جملے سے کچھ تسلی ہوئی۔ میں نے تیزی سے جواب دیا۔ ''راج ہوں مائی باپ! ٹھیکے دار کو بھگوان نرکھ میں پہنچا دے' آج کسی بات پر ناراض ہو کے دہاڑی نہیں دی' کھولی جانے کے پیسے بھی نہیں تھے' اس لیے یہاں سو گیا۔ شام سے بھوکا سو رہا ہوں۔''

دونوں پولیس والوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تبادلہ خیال کیا اور وہ میری طرف سے کچھ مطمئن نظر آنے لگے' تاہم ان میں سے ایک بولا۔ ''جھاڑا دے۔''

میں نے پتلون کی جیبیں ہاتھ ڈال کے باہر نکال دیں۔ دونوں طرف کی جیبیں پھٹی ہوئی تھیں' چنے کے دانے گر کر زمین پر پھیل گئے' ان کی تسلی ہو گئی۔ ''کنگلا ہے سالا۔''

اس مختصر واقعے نے مجھے ہلا کے رکھ دیا تھا۔ ایسے غیر محفوظ مقامات پر پولیس کسی وقت بھی نازل ہو سکتی تھی' ضروری نہیں تھا کہ میں ہر دفعہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اس رات تو میں وہیں سو گیا کیونکہ گشت والے جا چکے تھے' پھر میں نے جگہ تبدیل کر دی اور پرانی جگہ واپس آ گیا۔ دوسرے دن سر شام ہی میں نے اپنے لیے جگہ پکڑ لی' اس جگہ پر اب کسی اور کا قبضہ تھا۔ وہ آتے ہی لڑنے جھگڑنے لگا' میں نے جگہ چھوڑ دی اور بجلی کے کھمبے سے سر ٹکا کے بیٹھ گیا' اگلے دن میں ایک دوسری فٹ پاتھ پر منتقل ہو گیا۔ پہلی رات نیند نہیں آئی تھی اس لیے آج آنکھ جلد ہی لگ گئی۔ ابھی مجھے سوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مجھے اپنے قریب کوئی آہٹ محسوس ہوئی میں نے بدحواسی میں آنکھیں کھول کے دیکھا' ایک ننھا بچہ میرے پاؤں میں لوٹ رہا تھا اور نزدیک ہی ایک عورت بیٹھی ہوئی اسے واپس بلا رہی تھی مگر ننھا میرے پیروں سے چمٹ گیا تھا۔ میری نیند بھاگ گئی۔ عورت خانہ بدوش معلوم ہوتی تھی۔ بے حد خستہ حال مگر نوجوان و خوبصورت۔ میں نے منہ پھیر لیا۔ ماں نے بچے کو میرے پیروں سے اٹھا لیا تھا۔ چند منٹ بعد ایک خاص ایسی آواز میرے کانوں میں پہنچی جیسے کوئی لقمے چبا رہا ہو' میں بے چین ہو گیا۔ مڑ کے عورت کی طرف دیکھنے میں سبکی سی محسوس ہوئی۔ بھوک پھر عود کر آئی۔ وہ کھاتی جا رہی تھی' گاتی جا رہی تھی اور تالیاں بجا رہی تھی' بچہ بھی برابر غوں

غاں کیے جا رہا تھا۔ میں نے ہونٹ سکیڑ کے نفرت سے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت عورت نے مجھے دیکھا اور کسی تمہید و تکلف کے بغیر مجھ سے پوچھا۔ ''بابو بھوک لگی ہے؟''

عورت کی نگاہ بہت تیز ہوتی ہے' مرد کی ہر بھوک پہچان لیتی ہے۔ میں شرمسار سا ہو گیا جیسے کسی نے میرے منہ پر جوتا کھینچ کے مارا ہو۔ وہ اپنا لہنگا اور ردی اخبار پر رکھی ہوئی روٹی سنبھالتی ہوئی ایک دم اٹھ کے میرے پاس آئی اور آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئی۔ روٹی ہم دونوں کے درمیان رکھی تھی۔ بچہ بھی عورت کے پیچھے گھٹنوں گھٹنوں چلتا ہوا وہیں آ گیا۔ عورت نے ایک لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے کاغذ میری طرف کھسکا دیا۔

''کھا لے' کچھ زہر مار کر لے۔'' اس کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔ عورت کو بھوک مٹانے کا فن آتا ہے۔ میں روٹی کی طرف دیکھنے سے اس طرح نظریں چرا رہا تھا جیسے اسے دیکھنا گناہ ہو' میری جھجک دیکھ کے اس نے کہا۔ ''سوچے گا تو ختم ہو جائے گی۔ لے شروع کر۔''

''چل کچھ تو کھا لے' کچھ میں کھاتی ہوں دونوں کا گزارا ہو جائے گا۔ دیر نہ کر' مجھے بھوک لگی ہے۔'' پھر انکار کی جرات نہ ہو سکی کیونکہ بھوک شدید تھی اور عورت کا لہجہ ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اس نے دوبارہ دعوت دی۔ میں نے کھانا شروع کر دیا۔ روٹی موٹی تھی اور اس پر گھی چپڑا ہوا تھا اور تھوڑا سا مرچوں بھرا قیمہ رکھا تھا۔

''مانگ کے لائی ہو؟'' میں نے کھاتے کھاتے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔ یہ سوال میں نے کس کمینے پن سے کیا تھا' مجھے خود سے گھن آنے لگی۔

''مانگو نہیں تو کچھ نہیں ملتا۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں۔ تو سچ کہتی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی آہ بھر کے کہا۔

''بہت دکھی معلوم ہوتا ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

میں نے جواب نہیں دیا۔ عورت نے بھی دوبارہ نہیں پوچھا۔ جب وہ لیٹ گئی تو بولی۔ ''بمبئی کب آیا تھا؟''

''کئی مہینے ہو گئے۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''اور کچھ کام نہیں ملا؟''

''ملا۔'' میں نے کہا۔ ''پھر نہیں ملا۔''

''میرے ساتھ رہے گا؟'' وہ کسی جھجک کے بغیر بولی۔

''کہاں؟''

''جہاں میں رہتی ہوں۔''

''تو کہاں رہتی ہے؟''

''اپنی جھونپڑی میں' آج رات تو مجھے دیر ہوگئی اور پھر بارش ہوگئی تو میں ادھر ہی رک گئی۔''

''میں بہت منحوس ہوں۔'' میں نے زیرلب کہا۔

''اور میں کون سی بھاگیہ والی ہوں۔''

''تو پریشان ہوجائے گی۔''

''تیری مرضی۔'' وہ بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔

میری وہ رات اسی عورت ڈالی کے ساتھ گزری۔ ڈالی جب کھلی تو مجھے اپنے زخم حقیر محسوس ہوئے۔ وہ ایک درد مند اور فیاض عورت تھی۔ فلک بوس اور برف پوش پہاڑوں سے پھسلتی ہوئی بمبئی کے سمندر تک آ پہنچی تھی' اس کی پناہ گاہ مضافات میں ایک جھونپڑی تھی' جہاں جھونپڑیوں کا ایک شہر بسا ہوا تھا' ان میں بھکاری' بیرے' باورچی' چپراسی' مزدور' اور بوٹ پالش کرنے والے انسان رہتے تھے' ڈالی اس کا اصل نام نہیں تھا مگر اس کے وطن میں سب اسے 'ڈالی کہتے تھے۔ ڈالی کا شوہر مفلسی کے دھکے کھاتا ہوا اس کے ساتھ آرہا تھا کہ اسے ہمیشہ کے لیے مفلسی سے نجات مل گئی۔ اس کے لیے یہ سفر بہت مبارک ثابت ہوا۔ وہ ایک جگر خراش چیخ کی معیت میں پہاڑی سے پھسل پڑا۔ ڈالی کا کہنا تھا کہ اس نے پہاڑ سے اترنے میں جلدی کی' اسے شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ تو ایک بہانا ہے۔ مفلس اور قلاش لوگوں کو پہاڑ اسی طرح گراتے ہیں اور سمندر اسی طرح اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ بہر حال ڈالی بھی اس پانچ ہزار فٹ گہری قبر میں کود جاتی لیکن اس کے بچے نے عین وقت پر اسے متنبہ کر دیا۔ بچے نے اسے بھکارن بنا دیا اور وہ اپنا جوان بدن لیے بمبئی تک آ گئی۔ بمبئی سے اس کی آشنائی ہوگئی۔ میں بھی اس کے ساتھ چلا آیا۔ میں نے بہت سوچا مگر مجھے ڈالی میں اور اپنے آپ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ عورت تھی' جوان اور خوبصورت' اگر محلوں میں ہوتی تو شہزادی کہلاتی۔ میں ایک نڈھال اور مجہول

نوجوان تھا۔ میں بھی اگر محلوں میں ہوتا۔ مگر میں ہوتا کیوں؟ اور ڈالی بھی کیوں ہوتی؟ قدرت کا کارخانہ کیسے چلتا؟

ڈالی کے ساتھ رہتے رہتے شیام نامی ایک بوٹ پالشیے سے میری واقفیت ہو گئی۔ اس نے مجھے اپنا ہنر سکھا دیا۔ میں بھی وہی کام کرنے لگا۔ شیام سے پہلے ڈالی نے مجھے اپنے پیشے کی طرف راغب کرنا چاہا تھا مگر میں نے اس کی بات نہیں مانی بلکہ میری خواہش تھی کہ میں اس سے بھی بھیک مانگنا چھڑوا کے اسے ہر ضرورت سے بے نیاز کردوں۔ اسی جذبے سے چند روز' میں بوٹ پالش کا تھیلا لیے مارا مارا پھرتا رہا۔ میں نے بڑی محنت کی پھر بھی جب شام کو لوٹتا تو ڈالی کی زیادہ آمدنی میری برائے نام آمدنی کا منہ چڑانے لگتی۔ بوٹ پالش کرنا بھی ایک طرح بھیک مانگنے کے برابر تھا۔ مجھے زیادہ کام نہیں ملتا تھا کیونکہ میں ایک ہنر مند سیلز مین نہیں تھا۔ میرے برخلاف شیام بہت اچھا کاریگر تھا' جوتوں پر قطرہ قطرہ پانی ٹپکا کے چکنے کپڑے سے انہیں یوں آئینے کی طرح چمکاتا کہ آدمی اپنی صورت دیکھ لیتا۔ اچھے فن کار کی موجودگی میں بہروپیے کو کون منہ لگاتا ہے؟ میں نے یہ کام ترک کر دیا۔

ڈالی کی رفاقت سے زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آنے لگا تھا۔ میری آمد سے پہلے ڈالی کے پاس تنہائی میں کچھ مرد آیا کرتے تھے۔ یہ وہ ٹریفک کانسٹیبل تھے جن سے ڈالی کو سڑکوں پر کسی ایک جگہ بیٹھ کے بھیک مانگنے کی اجازت ملتی تھی جب سے میں آیا تھا، ڈالی نے انہیں مختلف بہانوں سے ٹرخانا شروع کر دیا تھا لیکن پولیس والوں سے کون بچ سکتا ہے؟ ڈالی کے بہانے زیادہ دن نہیں چل سکتے تھے، اور کانسٹیبلوں سے مستقل طور پر چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت تھی کہ شہر چھوڑ دیا جائے۔ کئی شہر زیرغور آئے۔ ڈالی کے پاس تھوڑی سی رقم جمع ہوگئی تھی۔ ہمارے درمیان کچھ ایسا رابطہ قائم ہوا تھا کہ ڈالی مجھ سے اور میں اس سے ہر معاملے میں مشورہ کرتے تھے، حالانکہ میں نے کلکتے کے بھیانک واقعے اور اپنے ماضی کے متعلق اسے سب کچھ نہیں بتایا تھا، جو بتایا تھا، وہ سب غلط تھا، یہاں تک کہ میرا نام بھی غلط تھا، میں شیر باز تھا،شیرو۔ ڈالی کو ایک مرد کی ضرورت تھی اور مجھے ایک سہارے کی۔ ہم دونوں میں عورت اور مرد کا رشتہ قائم نہیں ہوا تھا مگر ہم دونوں عورت اور مرد کے سوا بھی تو اور بہت کچھ تھے۔ دونوں آدمی تھے۔ آدم زاد تھے۔

☆......☆......☆

وہ ایک مشہور ریاست تھی مگر اس کا نام کچھ اور ہونے کے بجائے راجے پور ہوتا تو اس کی اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اس کا ذکر راجے پور کے نام ہی سے کروں گا۔ بہت بڑی ریاست تو نہ تھی مگر بعض اعتبارات سے وہ ایک اہم ریاست تسلیم کی جاتی تھی۔ ہم نے اپنے لئے ریڈی میڈ کپڑے خریدے۔ انہیں پہن کے زندگی بدلنے کے لیے راجے پور آ گئے۔ دھانی رنگ کی سوتی ساڑھی میں ڈالی کا گورا گلابی رنگ قیامت ڈھا رہا تھا۔ اس کی کمر کسی درخت کی شاخ معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کا بدلا ہوا روپ دیکھ کے دنگ تھا۔ میری حیران کن آنکھیں دیکھ کے وہ شرمانے لگی۔ پوچھتی تھی۔ ''کیا دیکھتا رہتا ہے؟''

''میں جواب دیتا۔ ''تجھے دیکھتا ہوں، تو نے کیسا رنگ نکالا ہے؟''

''تو ایسی باتیں بھی کرنا جانتا ہے؟''

''ہاں، کبھی کبھی خود بخود منہ پر ایسی باتیں آ جاتی ہیں۔،، میں اداسی سے جواب دیتا۔ وہ فرط جذبات سے میرا ہاتھ پکڑ لیتی اور میں اس کے بچے کو، جسے میں گڈا کہتا تھا، گود میں لے کے پیار کرنا شروع کر دیتا۔ گڈے کو دیکھ کے میں منصوبے باندھا کرتا کہ اگر قسمت نے یاوری کی تو میں گڈے کو ایک کامیاب آدمی بناؤں گا مگر یہ سب خواب تھے۔ ایک قاتل کو خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ زندہ رہنے کا حق مل گیا تھا، یہی بہت تھا۔ تقدیر رعایتیں دینے کے معاملے میں کنجوس ہوتی ہے۔

کچھ دن راجے پور میں ہم ٹھوکریں کھاتے رہے مگر ایک دن ہماری شنوائی ہوگئی۔ ڈالی کی اہمیت کا اندازہ مجھے یہاں آ کے زیادہ ہوا۔ ڈالی جیسی نوجوان اور دلکش عورت ساتھ ہو تو کامیابی کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ ہم ملازمت کی تلاش میں ادھر ادھر اجنبیوں سے درخواست تو کر ہی رہے تھے کہ ایک رئیس کنور صاحب کے ہاں ملازمت مل گئی۔ شہر میں نوکری کرنے سے مجھے شناخت ہو جانے کا اندیشہ تھا لیکن راجے پور جیسی ریاست میں یہ اندیشہ بھی کم ہوگیا تھا۔ تاہم میں نے خود کو اصل نام کے بجائے موہن داس کے نام سے روشناس کرایا۔ ڈالی نے بھی احتیاط اسی نام کی تائید کی۔ مجھے اور ڈالی کو اوپر کے کاموں کے لیے رکھا گیا تھا۔ ملازموں کی ایک فوج کنور صاحب کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔ ایک بہت بڑا محل تھا۔ جس کے ایک کونے میں ہم بھی آسانی سے سما گئے تھے۔

اس محل کی دنیا ہی عجیب تھی۔ ہر شخص کنور صاحب کے نام سے ڈرتا تھا اور

انہیں مہاراج کہہ کے مخاطب کرتا تھا اور ان کے لڑکوں کو راج کمار۔ کنور صاحب ایک باذوق آدمی معلوم ہوتے تھے۔ اس قلعے جیسے محل میں آرام و آسائش کے جدید لوازم، جھاڑ فانوس، قالین، گدے، زرنگار تخت، مرصع کرسیاں، نرم گدوں والی مسہریاں۔ خوب صورت باندیوں کا اچھا خاصا اجتماع۔ بے شمار کمرے، کوئی کھانے کا، کوئی کھیلنے کا، کوئی مطالعے کا، کوئی تصویر کشی کا۔ محل کے اطراف میں باغات، اصطبل، دودھ دینے والے مویشی۔ غرض کے محل کے اندر ایک چھوٹی سی ریاست موجود تھی۔ کنور صاحب کی کئی بیویاں تھیں اور داشتاؤں کا تو شمار ہی نہیں تھا۔ وہ ایک کثیرالعیال شخص تھے۔ لڑکیاں زیادہ تھیں، جو دن بھر رنگ برنگی چڑیوں کی طرح چہکتی مہکتی، کولھے مٹکاتی، محل کے احاطے میں یہاں سے وہاں رقصاں رہتی تھیں۔ ہر لڑکی شریر، حسین۔ شفاف بدن، سرخ چہرے اور سفید چہرے۔

کچھ دن کے لیے سکون مل گیا تھا۔ یہاں مجھے اس وقت تک کا عرصہ گزارنا تھا، جب تک بانو کی ماں بنو بیگم اور بختاور کے قتل کا واقعہ دب نہ جائے۔ بمبئی سے یہ زندگی بدرجہا بہتر تھی۔ میں خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کسی رئیس کے گھر اوپری کاموں، گھوڑوں کی مالش، فرنیچر سے گرد صاف کرنے، پاؤں دبانے کے لیے ملازم ہو جاؤں گا لیکن میں نے یہ خیال کب کیا تھا کہ میرے ہاتھ خون میں رنگ جائیں گے۔ اور میری پیشانی پر داغ لگ جائے گا۔ اس عارضی بہشت نے مجھے تھپکیاں دینے کا کام کیا۔ کنور پرکاش چندر کے ہاں شروع کے دن ماحول سمجھنے میں لگ گئے۔ پھر مجھے اس میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اب کپڑے بھی ڈھنگ کے تھے۔ خط بھی بن چکا تھا اور میرے چہرے کی وجاہت چھپائے نہ چھپتی تھی۔ میرا رنگ، قد، جسم۔ میرا بس چلتا تو میں کچھ عرصے کے لیے ان سب چیزوں کی تخفیف کر دیتا۔ کاش میں ربر کا بنا ہوا ہوتا۔ اس کے باوجود میں نے اپنی چال ڈھال طورطریق سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں ایک گھریلو ملازم سے بڑھ کے کوئی چیز ہوں۔ میں نے اپنے چہرے پر جہالت اوڑھ لی تھی اور اپنے ہر تیور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا کہ عام ملازموں سے زیادہ عقل میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں کی حیرانی ماند کر لی تھی اور وہ چمک بجھالی تھی جو مجھے اوروں سے ممتاز کرتی۔ میں ایک بے ترتیب، بے ڈھنگا، نکما، کم عقل اور جانور سا شخص تھا۔ کام تیزی سے کرتا تھا مگر بار بار پوچھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ کنور پرکاش چندر کی طبیعت میں تعیش اور رنگین مزاجی کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا اور ان

کی بیویاں اور داشتائیں ان سے بھی دو قدم آگے تھیں۔ یہاں آ کے مجھے ساجدہ تو بہت بھولی اور معصوم عورت معلوم ہوئی۔ مجھے مختلف موقعوں پر ان عورتوں کا ذاتی تجربہ بھی ہوا۔ انہوں نے لمبے قد کے مجھ بوڑم شخص پر خاص توجہ مبذول کرنا چاہی مگر میں اپنا دامن بچائے رہا۔

میرے کام، سادگی، خوش دلی اور فرماں برداری سے متاثر ہو کے مجھے اور کام سونپ دیے گئے اور میری ملاقات کنور صاحب کی لڑکی شاردا سے ہوئی۔ شاردا ایک مہکتا ہوا پھول تھی، ایک شاداب چمن تھی۔ لچکتی ہوئی' شرمیلی سی' نقش و نگار ایسے سبک اور لطیف، رنگت ایسی سرخ اور جاذب نظر، اعضا اتنے متناسب کہ اسے دیکھ کے مغل مصوری کے کسی ناقابل فراموش شاہ کار کا گمان ہوتا تھا۔ کٹورا آنکھیں، شوخی اور سنجیدگی لیے ہوئے۔ ویسے تو میں پورے گھر کا نوکر تھا لیکن شاردا کی خدمت کر کے مجھے ایک لذت سی ملتی تھی۔ میں اس کا حکم بجا لانے میں پوری تن دہی دکھاتا تھا۔ وہ بھی مجھے دوسرے نوکروں پر ترجیح دینے لگی تھی۔

شام کو میں مطالعے کے کمرے میں کتابوں کی الماریاں صاف کرتا رہتا تھا اور کن انکھیوں سے کتابوں کے نام بھی پڑھتا رہتا تھا۔ پڑھتے وقت اب عموماً شاردا مجھے اپنے قریب رکھتی تھی تا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کا غلام وقت پر موجود ہو۔ ایک گول میز کے گرد کنور پرکاش چندر کی حسین لڑکیاں بیٹھی ہوئی بے دلی سے کتابوں اور بوڑھے استاد کی باتوں میں منہمک ہو جاتیں اور میں بڑی توجہ سے ان کی باتیں سنتا رہتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ بوڑھا اتالیق انگریزی پڑھاتے ہوئے کسی جملے یا لفظ کی غلط تشریح کرتا یا کسی لفظ کا تلفظ صحیح نہ بتاتا۔ ایسے موقعوں پر طبیعت تصحیح کرنے اور لقمہ دینے کے لیے بے چین ہو جاتی لیکن جبراً مجھے خاموش رہنا پڑتا۔ مجھے اپنی اصل شخصیت چھپانے کا ایک ہی طریقہ زیادہ موزوں نظر آیا تھا اور وہ تھا کم گوئی کا۔ جس پر میں پوری طرح کار بند تھا۔ محل کے اندر میری لغت بے حد کم الفاظ پر مشتمل رہ جاتی تھی۔ ''جی دیدی۔ جی راج کماری جی، پتہ کرتا ہوں، ابھی لایا جی'' وغیرہ۔ ہاں، جب میں رات کو چھٹی کر کے اپنی کوٹھری میں پہنچتا تھا تو ڈالی کے بچے سے اتنی باتیں ہوتی تھیں کہ دن بھر کی کسر نکل جاتی تھی۔ اب بعض راتیں ایسی بھی آنے لگی تھیں۔ جب مجھے بولنے کا بالکل موقع نہ ملتا تھا۔ کیونکہ بچہ سو چکا ہوتا اور ڈالی رات بھر کے لیے غائب ہو

جاتی۔ ڈالی کا غائب ہونا میرے لیے تعجب خیز بات نہیں تھی۔ دل ضرور کڑھتا تھا۔ کنور پرکاش چندر اور اس کے بیٹوں کے کرتوت مجھ سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ البتہ ڈالی کی کڑھن میں نیند کم آتی تھی۔ ڈالی صبح کاذب کے وقت لوٹتی تو مجھے جاگتے دیکھ کے وہ منہ پھیر لیتی اور میرے پوچھے بغیر صفائی پیش کرنے کے انداز میں بتانے لگتی۔ ''فلاں بی بی جی کی طبیعت خراب تھی۔ انہوں نے بلالیا تھا۔''

کنور پرکاش چندر اور اس کے بیٹوں کے درمیان بہت کم گفتگو ہوتی تھی۔ اس کا بڑا لڑکا مہیش چندر اپنے باپ کا ہم شکل تھا۔ چہرے پر وہی تمکنت، دبدبہ اور وقار۔ میرا اس کا آمنا سامنا کم ہوا مگر باپ بیٹے کے درمیان تعلق دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

پھر کچھ دنوں کے لیے مہیش چندر نے میرے کام کے بارے میں اچھے تذکرے سن کر مجھے محل کے اس حصے میں بلالیا جہاں وہ رہتا تھا۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا؟ بس شاردا سے دوری کا ملال تھا۔ میں ان کا ملازم تھا۔ یہاں میں نے مہیش چندر کی نجی زندگی کے عجیب و غریب تماشے دیکھے، میرا کام جی حضوری تھا اور میری اس بات پر وہ مجھ سے بہت خوش تھا۔ جلد ہی میرا شمار اس کے جاں نثار اور وفا دار ملازموں میں ہونے لگا۔ میں چہرے سے گاؤدی نظر آتا تھا اور یہ بات راج کمار مہیش چندر کو بہت پسند تھی۔ وہ کہتا تھا۔ ''گدھے ادھر آؤ!'' میں کان ہلاتا ہوا اس کی خدمت میں پہنچ جاتا اور اس کے حکم کی تعمیل اس طرح کرتا جیسے میں اسی عظیم مقصد کے لیے تخلیق کیا گیا ہوں۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ کنور مہیش چندر کے خاص کمرے میں ایک بوڑھا سادھو دھونی رمائے بیٹھا ہے اور کنور مہیش چندر اس کے سامنے عقیدت سے کھڑا ہے۔ میں نے مہیش چندر کے چہرے پر اتنی لجاجت، اتنا انکسار اور عجز کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سادھو اپنے عمل میں مصروف تھا۔ کئی ملازموں کو آواز دی گئی۔ وہ اندر گئے اور فوراً واپس آ گئے، پھر مجھے اندر بلایا گیا اور میں نے یہ منظر دیکھا کہ جیسے ہی میں اندر پہنچا۔ سادھو

کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ وہ کچھ بے چین سا ہو گیا اور اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کے پھر نیچے گرا لیا۔ کنور مہیش چندر اس کے پیروں پر گر گیا۔ مجھے باہر جانے کا اشارہ دیا گیا۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ البتہ وہ مجھے ایک ذہنی عذاب میں مبتلا کر گیا۔ سادھو کے جانے کے بعد کنور مہیش چندر کی مہربانیاں بڑھتی گئیں۔ وہ مجھے اپنے بہت قریب رکھنے لگا۔ جیسے میں کوئی بہت اہم شخص ہوں۔

☆......☆......☆

ایک ہفتے سے زیادہ گزر گیا۔ نہ تو وہ سادھو دوبارہ محل میں دکھائی دیا اور نہ کنور مہیش چندر نے کوئی ایسی بات مجھ سے کی جس سے میں حالات کی تہہ تک پہنچ سکتا۔ پھر آخر میں کون سا اہم آدمی ہو گیا تھا جو کنور صاحب کی نگاہ التفات میری جانب مبذول ہوتی؟ مہیش چندر کے ہاں عجیب و غریب حلیے اور وضع قطع کے اشخاص کی آمد و رفت خاصی تھی۔ ان میں سادھوؤں، پنڈتوں، پجاریوں او جوگیوں کی کثرت تھی۔ اس دن سے وہ سادھو میرے لیے ایک معمہ بن گیا۔ یکے بعد دیگرے ملازموں کا طلب کرنا اور انہی میں میری پیشی اور مجھے دیکھ کر سادھو کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہونا اور اسکے بعد کنور مہیش چندر کی مہربانیاں؟ میں نے ہر زاویے اور رخ سے اس صورت حال کا تجزیہ کرنا چاہا لیکن کوئی بھی نتیجہ خیز صورت میرا ذہن مطمئن نہیں کر سکی۔ میں اپنی نظر میں خود ایک مشکوک شخص تھا اس لیے ہر خلاف معمول بات سے ذہن الجھ جاتا تھا اور طرح طرح کے وسوسے دل میں گھر کر لیتے تھے۔ میرے ساتھ چھوٹے کنور جی کی مہربانیاں بڑھیں تو دوسرے ملازموں میں جلن اور حسد کے جذبے بیدار ہونے لگے۔ البتہ میرے قد قامت اور متاثر کن شخصیت کے باعث انہیں زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

میں نے اس محل میں ابھی تک یہ کوشش کی تھی کہ کسی نہ کسی طرح خاموشی سے یہ برے دن گزار دیے جائیں۔ پھر جب بنو بیگم اور بختاور کے قتل کا معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو کسی دن یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں عموماً لوگوں سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ بہت کم لوگوں سے رابطہ بڑھاتا تھا۔ کام ختم ہوا تو اپنی کوٹھری میں پہنچ گیا۔ کام ہوا تو گردن جھکائے پوری تن دہی سے اسے انجام دیتا رہا مگر یہ ایک ایسا دلکش اور سحر کن ماحول تھا کہ میں اپنی کوشش کامیاب نہیں کر سکا۔ میری تن دہی اور مستعدی ہی میری مقبولیت کا سبب بن گئی اور میرا رنگ روپ ہی میری رسوائی کے درپے ہو گیا۔

یہاں تک کہ کنور مہیش چندر جی نے مجھے اپنے خاص خادموں کی فہرست میں شمار کرلیا

اس دن سے جب کنور مہیش چندر نے مجھے سادھو سے ملوایا تھا، میں ہمہ وقت ہزار فکروں میں گم رہتا۔ آدھی آدھی رات تک نیند نہ آتی۔ ڈالی اگر رات کو کوٹھری میں ہوتی تو مجھ سے میری خاموشی اور فکر کا سبب پوچھتی۔ میں کوئی جواب نہ دے پاتا وہ کہتی۔ ''یہ جگہ اس فٹ پاتھ اور کھولی سے ہزار درجے بہتر ہے جہاں ہم بمبئی میں رہتے تھے۔ شیرو کسی طرح اپنا دل لگا۔ یہاں سے بھاگ مت جانا، مجھے چھوڑ کے کہیں چلا نہ جانا۔''

میں ڈالی کو کیا بتاتا کہ میں کہیں جانے کے قابل ہی نہیں ہوں۔ اس محل کی فصیل کے باہر ہر طرف میرے لیے خطرے ہی خطرے ہیں۔ ہر شہر میں میرے لیے پھانسی کا پھندا تیار ہے۔ وہ ہتھکڑیاں میری منتظر ہیں جو مجھ جیسے لوگوں ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ محفوظ جگہ کوئی اور نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی جیل ہے جہاں قیدیوں سے مشقت لینے کے بعد تماشا بھی دکھایا جاتا ہے۔ کنور پرکاش چندر کا محل ایک بہت بڑا تھیٹر تھا جہاں روز نئے نئے کھیل ہوتے رہتے تھے۔ دولت کے ایسے مناظر اور کہاں دیکھنے نصیب ہوں گے؟ ہر طرف نوجوان لڑکیاں، طرح طرح کی غذائیں، ہا رنگ، جلسے، نفرتیں، محبتیں، منافقتیں۔ اس سے دلچسپ سیر گاہ کہاں ملے گی؟ اس تما خانے میں تو عمر گزر جائے اور ہنگامے کم نہ ہوں۔ ڈالی نے زندگی میں تلخیاں ہی تلخیاں دیکھی تھیں اس لیے وہ اسے جنت سمجھتی تھی۔ اس کا بچہ خوب تندرست ہو رہا اور ڈالی کے رخساروں پر بھی رنگ آ رہا تھا۔ ڈالی نے نہایت ذہانت سے غالباً سوچ سمجھ کے اس ماحول سے پوری طرح مفاہمت کر لی تھی۔ خود میں نے بھی تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی دنیا تھی مگر کچھ کم دلچسپ نہیں تھی۔ اگر کنور مہیش چندر خلاف مجھے طلب نہ کرتا اور میں اس سادھو کی بجلی آنکھیں نہ دیکھتا تو میرے دن بہت پر گزر رہے تھے۔ اس واقعے کے بعد ان دنوں میں شک، خوف اور وہم کی آمیزش گئی تھی۔ یقیناً یہ سادھو کوئی معمولی شخص نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اگر مجھے اپنے آپ خوف نہ ہوتا اور میں نے وہ تین منحوس خواب نہ دیکھے ہوتے جن کی تعبیر منظر پر درست ثابت ہوئی تھی اور دریائے ہگلی کے کنارے ایک پراسرار نسوانی آواز نے خودکشی سے باز نہ رکھا ہوتا تو میں اس سادھو کی آمد اور اس کے مخصوص اشارے کو خاص اہمیت نہ دیتا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اب پھر کوئی بلا مجھ پر نازل ہونے والی ہے

کوئی سانحہ رونما ہونے والا ہے۔ پھر میرا سکون غارت ہونے والا ہے۔ ذات کا اعتماد تو عرصہ ہوا، چھن چکا تھا۔

اور میں نے ایک رات خود پر اختلاجی کیفیت طاری کرنی چاہی، میں نے حسب سابق اپنے ہاتھ پاؤں اینٹھا لیے اور ہذیانی انداز اختیار کر لیا، پھر میں نے اپنی کوٹھری کی چھت پر کچھ شبیہیں تلاش کرنے کے لیے اپنی نگاہیں جما دیں کہ شاید آنے والے واقعات کا کوئی تخمینہ چھت پر کندہ ہو جائے مگر اپنے ساتھ میرے اس مذاق کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وہ تو کوئی اور ہی کیفیت ہوتی تھی جو مجھے اپنے حلقے میں لے کے بھیانک خواب دکھاتی تھی۔ چھت پر صرف چراغ کی کانپتی لو کا سایہ پڑتا رہا۔

جیسا کہ میں نے کہا، ڈالی کے بدن نے یہاں آ کے اپنا چولا ہی بدل لیا تھا۔ اچھی غذاؤں اور اچھی نگاہوں نے اسے مختصر مدت میں اتنا بدل دیا تھا کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ لباس بھی شوخ پہننے لگی تھی۔ بات چیت میں بھی شوخی آ گئی تھی۔ لوگ اسے میرے ساتھ وابستہ سمجھتے تھے اس لیے مجھے یہ گمان ہوا کہ کنور مہیش چندر نے ڈالی کو کوئی مشکل عورت سمجھ کے کہیں مجھے شیشے میں اتارنا نہ چاہا ہو؟ ممکن ہے، اس کے صلے میں مجھے نوازا جا رہا ہو؟ لیکن سادھو کے آنے کی کیا تک تھی؟ اور مہیش چندر کے لیے عورتوں کی کیا کمی تھی؟ وہ جہاں پاؤں مارتا، عورتیں برآمد ہو جاتیں۔ پرکاش بھون میں خوب صورت لڑکیوں کی ایک بڑی آبادی موجود تھی اور چھوٹے بڑے دروازوں سے روزانہ نئے چہرے آتے جاتے رہتے تھے۔ کنور مہیش دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ عیاش اور سخت گیر طبیعت کا مالک تھا۔ عورتیں اس کے لیے کھلونوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ڈالی پر اس کی نظر جاتی تو وہ اسے میرے ایما اور منشا کے بغیر کبھی کا درخت سے توڑ لیتا، مجھے خبر بھی نہ ہوتی۔ ویسے ڈالی کی رسائی ابھی تک کنور مہیش چندر کی خلوت تک نہیں ہوئی تھی۔ میں نے خود کو حالات کے دھاروں پر چھوڑ دیا اور اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے لگا۔

اب میرا زیادہ وقت کنور مہیش چندر کی صحبت میں گزرتا تھا، میرے علاوہ ایک اور ملازم جو مہیش سے زیادہ قریب تھا۔ وہ اس کا خاص ڈرائیور اجیت تھا۔ اس کے چہرے پر نوکیلی موچھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ گو ان کی نوکیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھ کے گینڈے کی شبیہ ذہن میں ابھرتی تھی۔ پستہ قد، خرانٹ، چھوٹی آنکھوں والا، جی حضوری میں بڑا تیز' بلا کا مستعد' اپنے آقا پر ہمہ وقت پروانہ وار نثار۔ میں نے

فرماں برداری میں بہت سی تعلیم اس کے طور طریق سے حاصل کی تھی۔ اسے صرف ہاں کرنا آتا تھا۔ نہیں کا صیغہ وہ شاید جانتا ہی نہیں تھا اور پرکاش بھون میں نہیں کہنے کا حق مہاراج پرکاش چندر، راجکماروں اور راجکماریوں کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اجیت خفیہ طور پر اپنے مالک کی خلوت تک حسین اور نوبہ نو لڑکیاں پہنچاتا تھا اور وہ کسی حد تک مہیش کا منہ چڑھا بھی تھا۔ بہت سی باتیں بے تکلفی سے کر لیتا تھا لیکن اس بے تکلفی میں بھی بڑی وفاداری، جاں نثاری ہوتی تھی۔ میں نے اکثر اسے کنور کے غصے کے سامنے لرزتے کانپتے بھی دیکھا تھا۔ کنور اسے ''یوفول ڈاگ۔'' جیسے خطابات سے نوازتا رہتا تھا اور انہیں سن کر اجیت کے چہرے پر بشاشت چھا جاتی تھی۔ مجھے اپنے کام سے کام رہتا تھا۔ ملازموں کو سختی سے ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخیل نہ ہوں لیکن اجیت کو کنور مہیش کا ڈرائیور ہونے اور مخصوص خدمات انجام دینے کے صلے میں خاصی رعایتیں ملی ہوئی تھیں۔ وہ سب ملازموں پر حاوی رہتا تھا۔ شروع شروع میں میرے ساتھ اس کا رویہ نفرت انگیز اور حقارت آمیز تھا۔ جس روز سے سادھو والا واقعہ پیش آیا تھا، اس دن سے اجیت نے میرے ساتھ نہ صرف یہ کہ تلخ کلامی بند کر دی تھی بلکہ مجھ سے کترانے بھی لگا تھا۔

میرے ساتھ نوازشوں میں ایک نوازش یہ ہوئی کہ مجھے اور ڈالی کو نچلے درجے کے ملازموں والی بیرک سے نکال کر دو کمروں والے کوارٹر میں منتقل کر دیا گیا، ہماری ترقی ہوگئی۔ یہ کوارٹر بھی ملازموں کے لیے تھے لیکن صرف ان ملازموں کو ملتے تھے جو کنور صاحبان کی خاص خدمات کے سلسلے میں انعام کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ڈالی اس ترقی پر بطور خاص بہت خوش تھی۔ یہ جگہ باغات سے ملحق اور محل سے قریب تھی۔ دوسرے ملازم اس طرف آنے سے جھجکتے تھے۔ ڈالی نے تمام دن گھر رہ کے یہ مکان سجایا۔ ہمارے برابر کے کوارٹر میں اجیت رہتا تھا۔ یہاں منتقل ہونے کے بعد میں محل کے اسرار سے کچھ اور قریب ہوگیا۔ پہلے ہی کیا کم انوکھا ماحول تھا، اب کچھ اور انداز سے منکشف ہونے لگا۔ عام حالات میں شاید مجھے یہ مخصوص جگہ ملنے کی خوشی نہ ہوتی لیکن یہاں سے محل کا وہ حصہ زیادہ دور نہیں تھا۔ جہاں شاردا رہتی تھی۔ کنور پرکاش چندر کی سنہرے بدن کی لڑکی۔ پہلے کئی کئی دن تک شاردا کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ اب اکثر و بیشتر، اس کا لچکتا ہوا مجسمہ نظر آ جاتا تھا۔ شام کے وقت جب آفتاب کی تمازت ختم ہو جاتی تو باغ کی حرارت باقی رکھنے کے لیے کنور پرکاش چندر کی لڑکیاں وہاں

جاتیں۔ ملازموں کو سخت تاکید تھی کہ باغ کے قریب سے گزرتے وقت نظریں جھکائے رہیں' نظریں اوپر کرنے کی سزا بڑی کرب ناک ہوتی تھی۔ کنور پرکاش چندر کے ہاں ملازمت میں ہاتھ پاؤں اور دماغ ہی کی شرط نہیں تھی۔ آنکھ، ناک' کان اور منہ کے خاص آداب کی شرط بھی عائد تھی۔

ڈالی کا خیال تھا کہ قسمت ہم پر مہربان ہو رہی ہے۔ سر چھپانے کو جگہ مل گئی ہے۔ وہ خدا سے دعا کرتی تھی کہ وہ ڈالی اور میرے ساتھ یہی سلوک جاری رکھے حالانکہ اسے یہ دعا کرنی چاہیے تھی کہ وہ کنور صاحبان اور ان کی آل اولاد کی نظروں میں ہمیں ہمیشہ سرخ رو رکھے۔ کوارٹر میں منتقل ہو جانے کے بعد میری قسمت میں ایک انقلاب یہ بھی آیا تھا کہ شاردا مجھے اپنی خدمتوں کے لیے طلب کرلیتی تھی۔ پہلے بھی دوسرے ملازمین پر وہ مجھے ترجیح دینے لگی تھی۔ جب وہ مجھے بلاتی اور میں اس کے قریب ہوتا اور کنکھیوں سے اس کا بل کھاتا، سرسراتا ہوا حسن دیکھتا تو میرے دل کی حرکت معمول سے زیادہ ہو جاتی۔ زنان خانے کی کئی حسین عورتیں اور لڑکیاں گاہے گاہے مجھے حکم دے دیا کرتی تھیں۔ مگر شاردا کے حکم، اس کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی جو مجھے متزلزل کر دیتی تھی۔ میں اپنی اوقات سے خوب اچھی طرح واقف تھا، شاید پرکاش بھون کے تمام ملازموں سے زیادہ۔ اس لیے میں شاردا کے متعلق ادھر ادھر کے تمام خیالات جھٹک دیا کرتا۔ وہ میری طرف متوجہ ہوتی تو نظریں جھکائے خاموش کھڑا رہتا۔ ایک مستعد غلام کی طرح جس کے کان مالک کی سانس کے زیروبم پر لگے رہتے ہیں۔ شاردا کسی کام میں مصروف ہوتی تو میری نظریں وزدیدگی سے اس کے شباب کا جائزہ لینے لگتیں۔ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو لذت میرے اعصاب میں سرایت کر جاتی، اسے میں بدمزہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ کنور مہیش کا خاص ملازم ہو جانے کی وجہ سے شاردا کی خدمت بجا لانے کا موقع کم ملتا تھا۔ میں اس کی کتابیں الماری میں رکھتا تھا، لائبریری کی صفائی کرتا تھا، نیچے سے کتابیں لے کے لائبریری تک جاتا تھا۔ جب وہ پڑھنے میں منہمک ہوتی تو فرش پر بیٹھ کے اس کی صورت تکا کرتا تھا، وہ الماری میں لٹکے ہوئے اپنے مختلف لباس دکھاتے ہوئے مجھ سے پوچھتی۔ ''کیوں موہن داس! ان میں کون سا اچھا لگتا ہے؟''

میں شرما کے جھجکتے ہوئے اشارہ کر دیتا۔ ''وہ'' میں نے اپنے گنوار پن جہالت اور حماقت کا تاثر دینے میں بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ کتابیں دیکھ کے

کتابوں سے نظریں چرانا، غلط تشریحات سن کے خاموش بیٹھے رہنا۔ خاصا دشوار کام تھا لیکن مجھے یہ سب برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس اخفا میں ایک لطف بھی آتا تھا۔

کنور مہیش چندر کے پاس انگریز بھی آتے تھے۔ اس وقت خاص ملازموں کے سوا سب کا داخلہ بند ہو جاتا۔ انگریز مہمانوں کی تواضع شراب سے کی جاتی۔ شراب پلانے کے لیے خاص خدام موجود تھے۔ ان میں کبھی کبھی مجھے بھی طلب کر لیا جاتا۔ ایک دفعہ میں میز پر سلیقے سے جام رکھنے میں مصروف تھا، میری کوشش تھی کہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر جام اور بوتلیں میز پر سجا دوں۔ کنور انگریزوں سے سیاسی معاملے پر گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میرے کام میں حارج ہو رہی تھی۔ جب راجے پور ریاست کے مہاراجہ کا تذکرہ آیا تو میرے ہاتھ سے بوتل میز پر گرتے گرتے بچی۔ انگریز، کنور مہیش چندر سے راجے پور کی ریاست سے موجودہ مہاراجہ کو بے دخل کر دینے کی گفتگو بڑی بے باکی سے کر رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کنور مہیش چندر نے میری طرف چونک کر دیکھا لیکن میں نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لیے جیسے کنور کے خوف اور دہشت سے بوتل میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی ہو۔ اس وقت میری زبان سے ایکسکیوزمی کے الفاظ ادا ہونے ہی والے تھے کہ حلق تک آتے آتے رک گئے اور خیر ہو گئی۔ میں نے تیزی سے اپنا کام مکمل کیا۔ کنور نے مجھے گدھے کا خطاب عطا کیا، گھور کے دیکھا اور پھر مسکرا کے انگریز سے گفتگو میں محو ہو گیا۔ اس روز میں بال بال بچ گیا اور میں نے سوچا، مجھے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لینی چاہیے۔

لیکن راج کمار کنور مہیش چندر انگریزوں سے راجے پور کی ریاست کے تخت کے متعلق کیا گفتگو کر رہے تھے؟ میں تشویش میں پڑ گیا۔ گو مجھے ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ اس روز سے کنور کی شخصیت میرے لیے اور معما بن گئی۔ میں پوری گفتگو سنتا تو کوئی نتیجہ اخذ کرتا۔ چند مکالموں سے یہی قیاس کیا جا سکتا تھا کہ کنور مہیش چندر عورتوں، شرابوں اور ناچ گانوں کے ہنگاموں کے علاوہ دوسرے مسائل پر بھی نظر رکھتا ہے۔ وہ عقلی طور پر ایک مکمل بالغ اور ہوش مند شخص ہے۔ پرکاش بھون میں الگ تھلگ رہنے کے باوجود اس کے ہاں امرا کی ضیافتوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا اور کنور بھی اکثر راتیں محل سے غائب رہتا تھا۔ پھر اچانک کنور مہیش چندر ریاست سے باہر چلا گیا اور مجھے عارضی طور پر شاردا کی خدمت پر مامور کر دیا گیا۔ اس تبادلے سے مجھے دماغ میں سکون کی ہوا چلتی محسوس ہوئی۔ کاش کنور، پرکاش بھون کبھی واپس نہ

آئے، راستے ہی میں کہیں غارت ہو جائے۔ ایک بدنصیب اور پھر مجھ جیسے بدنصیب کو تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔

اس روز شاردا حسب معمول کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی، میں اس کے قریب بیٹھا اس کے بدن سے اڑتی ہوئی مہک سے مسحور ہو رہا تھا۔ آسمانی رنگ کی ساڑھی میں وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے بند گلے سے نکلتی ہوئی صراحی دار گردن اور اس کے چہرے کا نظارہ بڑا دلکش تھا۔ وہ عموماً کتابیں پڑھتی رہتی تھی جب کہ محل کی دوسری لڑکیاں لباس، رقص، موسیقی پر زیادہ توجہ دیتی تھیں۔ وہ تیتریوں کی طرح ادھر ادھر اڑتی پھرتی تھیں۔ شاردا ان سب کے مقابلے میں سنجیدہ باوقار اور ذہین لڑکی تھی۔ جب سے میری ڈیوٹی بدلی تھی، میں اکثر اس کے سامنے ہی رہتا۔ وہ پڑھتی تو میرا دل بھی کتاب اٹھا کے پڑھنے کو چاہتا۔ ایک رات، میں اپنے کوارٹر میں داخل ہوا تو ڈالی نے مجھے شیرینی پیش کی جو اخباری کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔ مٹھائی کھا کے میں نے کاغذ زمین پر نہیں پھینکا، اسے اٹھا کے پڑھنے لگا، اتنی توجہ سے مجھے کاغذ دیکھتے ہوئے ڈالی کو بڑی حیرت ہوئی۔ پوچھنے لگی۔ ”ارے شیرو! تم اتنی دیر سے یہ ردی کاغذ کیوں دیکھ رہے ہو؟“

مجھے فوراً خیال آ گیا۔ میں نے کاغذ پھاڑ دیا اور ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”کچھ نہیں۔ اس میں ایک تصویر بڑے غضب کی چھپی تھی۔،،

”مجھے دکھاؤ۔،، اس نے میرے ہاتھ سے کاغذ چھیننا چاہا مگر میں نے اسے پچھلی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ یہاں آ کے سارا پڑھا لکھا فضول لگتا تھا۔ مجھے نہ اپنے خاندان سے کوئی سہارا ملا، نہ علم سے۔ کبھی کبھی میں سوچتا جیسے میں اسی کام کے لیے پیدا ہوا تھا۔ شاردا نے نہ جانے میری کس بات سے غالباً کتابوں کی احتیاط، الماری میں زیادہ گھسے رہنے اور حسرت سے کتابیں دیکھنے، کڑھنے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں۔ لائبریری میں جب ان سب بہنوں میں کسی لفظ پر بحث ہوتی تو میرا دل بولنے کے لیے بہت مچلتا۔ شاردا میری طرف غور سے دیکھتی اور میں سٹپٹا کے رہ جاتا۔ پھر میں اونگی بونگی حرکتیں کرنے لگتا۔ میں خود کو ایک دم چغد ظاہر کرتا۔ کسی لفظ کے معنی شاردا سے معصومیت کے ساتھ پوچھتا اور حیرانی کا اظہار کرتا۔ میری انہی احتیاطوں نے مجھے شاردا کی نظر میں مشکوک کر دیا تھا۔ وہ طرح طرح سے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ ایک دن کہنے لگی۔ ”موہن داس! کیا تم کویتا جانتے ہو؟“

میں احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ ''جی دیدی جی؟ یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''کویتا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''یہی شعرو شاعری۔''

''نہیں دیدی جی! اپن کویتا ویتا نہیں جانتے' شعر و شاعری سے اپنے کو کیا کام؟ لیکن ہم کو گانا بہت اچھا لگتا ہے' دیدی جی؟ کیا آپ گانا جانتی ہیں؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں آں۔ کیا سنو گے؟'' وہ شرارت سے بولی۔

میں بے ڈھنگی ہنسی ہنسنے لگا۔ ''دیدی جی' آپ مذاق کرتی ہیں' آپ ہمیں بھلا کیوں سنائیں گی؟''

''نہیں' کسی وقت ضرور سنائیں گے۔ اگر تم سننا پسند کرو گے۔''

''دیدی جی! ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کردیں۔ ہم کو پتہ نہیں' کس طرح بات کی جاتی ہے۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''تم تو بڑی اچھی باتیں کرتے ہو اور جب تمہاری شکل احمقوں کی طرح ہو جاتی ہے تو تم بہت اچھے لگتے ہو۔''

میں کھی کھی کھی ہنس دیا۔ ''دیدی جی ایک بات کہوں؟''

''کہو۔'' وہ وقار سے بولی۔

''چھوڑیئے' آپ ناراض ہو جائیں گی۔''

''نہیں کہو۔ وعدہ' ناراض نہیں ہوں گے۔''

''دیدی جی!'' میں نے شرما کے اور نظریں جھکا کے کہا۔ ''آپ۔ آپ پر یہ آسمانی ساڑھی بہت اچھی لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیوی بیٹھی ہے۔''

''اچ چھا۔ اور میں کیسی لگتی ہوں؟''

''آ۔ آپ' آپ تو بہت سندر ہیں۔'' میں نے جھجک کر جواب دیا۔

''تم بہت شریر ہو گئے ہو۔'' اس نے مسکرا کے کہا اور چھت تکنے لگی۔

''یہ کتاب دیکھتے ہو؟''

''اجی میں کیا جانوں۔'' میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''خبر ہے' اس میں کیا لکھا ہے؟''

''کیا لکھا ہے؟۔'' میں نے کتاب الٹی پکڑتے ہوئے کہا۔

''لکھا ہے کہ ایک شہزادی تھی' بہت خوب صورت......''

''آپ جیسی؟'' میں نے لقمہ دیا۔ اس نے ''ہش'' کہہ کے مجھے جھڑک دیا۔

''اچھا جی' کیا لکھا ہے اس میں' ایک شہزادی تھی......''

''اسے اپنے محل کے دربان سے پریم ہو گیا۔''

''اچ چھا۔'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں جی' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے۔'' وہ اصرار سے بولی۔ ''اور ہو گیا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' میں نے نہ سمجھنے کے انداز میں پوچھا۔

''جب بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے دربان کو محل سے بلکہ دیس سے نکال دیا۔ شہزادی بیمار پڑ گئی۔ ہر طرح کے وید حکیم آئے' سادھو پجاری آئے کسی کی سمجھ میں مرض نہیں آیا۔ پھر کسی نے بادشاہ کو بتایا کہ شہزادی کو پریم کا روگ لگ گیا ہے۔ جب تک پریمی نہیں آئے گا' وہ اسی طرح بے چین رہے گی۔ بادشاہ نے گھوڑے دوڑا دیے۔ چاروں طرف تلاش کیا لیکن دربان کا کہیں پتہ نہ چلا۔''

''دربان کہاں گیا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''دربان۔ اوہ بے چارہ پاگل ہو گیا۔ جنگل جنگل پھرتا رہا' نہ جانے کہاں کہاں پھرتا رہا اور شہزادی پلنگ پر اس کا انتظار کرتی رہی۔ بادشاہ نے کئی شہزادوں سے اس کی شادی کرنا چاہی لیکن وہ اس قابل ہی کہاں تھی کہ شادی ہو' اس نے پریم وچن نبھایا۔ آخر برسوں بعد دربان نے دوسرے حلیے میں دیس کا رخ کیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ کوئی جوگی محل کے دروازے پر آیا ہے تو اس نے اپنی بیٹی کو دکھانے کے لیے اسے بلایا۔ جوگی جب شہزادی کے پاس پہنچا تو وہ اسے پہچان گئی۔''

''پہچان گئی؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں پہچان گئی اور اس نے اسی کے پہلو میں زندگی کی آخری ہچکی لے لی۔''

''مر گئی بے چاری۔ یہ تو برا انجام ہوا۔''

''ہاں ہوا تو برا۔'' شاردا تاسف سے بولی۔ ''پھر اور کیا ہوتا؟''

''اس کی شادی ہو جانی چاہیے تھی۔ یہ پریم بڑی بری چیز ہوتا ہے نا دیدی جی؟'' میں نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''سنا ہے' بہت برا ہوتا ہے۔''

''آپ نے کبھی کیا ہے؟'' میں نے بظاہر پوری سادگی سے پوچھا۔

شاردا نے مجھے غور سے دیکھا۔ ایک سرد آہ بھری۔ ''نہیں۔''

"تو پھر آپ کسی سے پریم نہ کیجئے۔"

"ہاں۔" وہ اداسی سے بولی۔ "تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" پھر اچانک پوچھنے لگی۔ "اور تم نے؟"

"میں نے۔" میں نے جھینپ کر کہا۔ "اجی نہیں دیدی جی......"

"تو پھر یہ ڈالی کون ہے؟"

"ڈالی؟" میں سٹپٹا گیا۔ "دیدی جی یہ ایک لمبی داستان ہے۔"

وہ سنانے کے لیے اصرار کرنے لگی لیکن میں خوب صورتی سے ٹال گیا۔ ملازموں سے زیادہ اصرار مناسب نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے شاردا بھی خاموش ہوگئی لیکن پھر یہ ہوا کہ شاردا کے ساتھ میرا وقت پہلے سے زیادہ گزرنے لگا۔ بعض اوقات میں خود کو سمجھاتا کہ مجھے یہاں ایک نیا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ بانو کے واقعے کا زخم ابھی تک سینے پر موجود تھا۔ پہلی ہی جگہ ٹھوکر کھائی تھی۔ بانو کی یاد بری طرح ستاتی تھی۔ جب بانو کا خیال آتا تو پھر ہر چیز' سارا پرکاش بھون کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ میں بانو کو کیسے فراموش کر سکتا تھا اور شاردا کی دلچسپ' شوخ باتوں سے کسی غلط فہمی یا خوش فہمی میں پڑنے کی جرات کیوں کر کر سکتا تھا؟ میرا نہ کوئی مستقبل تھا' نہ حال۔

مگر شاردا ایک نہایت نفیس' نوجوان' خوش اندام' نازک لڑکی تھی۔ میری عمر بھی خواب دیکھنے اور آہیں بھرنے کی تھی۔ شاردا کا چہرہ دیکھ کے میں رات کو خود سے کیے سارے عہد بھول جاتا اور ہر روز وہ مجھ سے اور زیادہ قربت سے پیش آتی۔ میں اس کے خیال میں اب بڑا باتونی اور شرارتی ہوگیا تھا۔ ہم لوگ تنہا بیٹھتے تو اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہتے۔ وہ مجھے قصے کہانیاں سناتی رہتی اور میں حیرت' تاسف اور مسرت کا اظہار کرتا رہتا۔ اس کی باتیں بڑی شیریں تھیں۔ جی چاہتا تھا' وہ اسی طرح سناتی رہے' میں اسی طرح سنتا رہوں۔ وہ کہتی رہے' میں اسے دیکھتا رہوں۔ کبھی وہ باغ میں لے جاتی' کبھی ہم رات کے وقت قریب کی سیر کو نکل جاتے۔ میں نے اس تمام قربت کے باوجود اپنا درجہ آگے نہیں بڑھایا تھا۔ میں ایک ملازم ہی رہا' اس کی خوشنودی حاصل کرنا میرا فرض تھا۔ میں یہ فرض بخوبی انجام دے رہا تھا۔ اس کی معیت میں بہت دلچسپ وقت گزر رہا تھا اور کچھ یوں بھی کہ کنور مہیش چندر محل سے غائب تھا۔ ایک دن' میں شاردا کی کتابوں کی الماری میں کتابیں سلیقے سے رکھ رہا تھا۔ شاردا کتاب پڑھنے میں محو تھی' اس نے اچانک کتاب بند کردی اور میری جانب نظر گھما کے دیکھا' میں ابھی سنبھلنے

بھی نہ پایا تھا کہ اس نے بڑی تیزی سے پوچھا۔ "یہ ڈس گائس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟"

"بھیس بدلنا۔" میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ میں سنبھل نہ سکا۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس اس وقت ہوا' جب شاردا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں ایک مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ مجھے ستارے گردش میں نظر آرہے تھے۔ شاردا' کنور پرکاش چندر کی سب سے چہیتی بیٹی تھی۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا حکم قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ مجھے زمین اپنے قدموں سے نکلتی محسوس ہوئی۔ میں اندھیرے میں اچانک شکار ہو گیا تھا۔ آنے والے لمحات میں' میں آنکھیں اور کان بند کر لینا چاہتا تھا کہ شاردا نے دوسرا حملہ بڑی تیزی سے کیا۔

"موہن داس! تم ناٹک رچا رہے ہو؟"

"راج کماری جی!" میری زبان سے سسکتے ہوئے صرف یہی لفظ نکلے۔

"اس ناٹک کا کارن پوچھ سکتی ہوں؟" اس نے تلخی سے کہا۔

"راج کماری جی!' مجھے معاف کردو۔" میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "سمے نے مجھے بھیس بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

وہ حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔ "اب کسی ناٹک کی ضرورت نہیں۔"

"جی نہیں' اب میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"کہاں تک پڑھا ہے؟" وہ میری عاجزی سے کسی قدر متاثر ہوگئی۔

"بی اے تک۔" میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔ عافیت اسی میں تھی کہ میں جھوٹ سے پرہیز کرتا۔ چنانچہ میں نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ "راج کماری جی! میں بھگوان کی سوگند کھا کے کہتا ہوں کہ بھیس بدلنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ فاقوں نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ میں بہت مجبور ہوگیا تھا۔ کہیں ملازمت نہ ملی تو میں نے خود کو گرا دیا۔ میں نے وہ علم ہی چھوڑ دیا جو مجھے فاقوں میں رکھتا تھا۔"

"تمہارا اصلی نام کیا ہے؟" اس نے وقار سے پوچھا۔

"موہن داس۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

"ڈالی سے تمہارا کیا سمبندھ ہے؟" شاردا نے ایک بار پھر ڈالی کے متعلق پوچھا۔ پہلے میں ٹال گیا تھا لیکن اب بتائے بغیر چارہ نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ڈالی کا نام ضرور آئے گا۔ میری اصلیت کا ایک رخ بے نقاب ہو چکا تھا اور دوسرا رخ؟ میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اگر کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہوں تو؟ چند لمحوں تک میں زمین کی طرف نظریں جھکائے کھڑا رہا۔ پھر میں نے بڑی آہستگی سے اپنی غربت اور قسمت کی ستم ظریفی کی فرضی کہانی شروع کر دی۔ ڈالی کے بارے میں' میں نے بڑی حد تک صاف گوئی سے کام لیا۔ اپنے خاندان کے سلسلے میں بھی نام' مقام اور کچھ واقعات بدل کے ایک الم ناک کہانی کا تانا بانا بن دیا۔ پھر اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے شاردا کی طرف نظریں اٹھا دیں۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ حالات سن کے وہ مجھے ضرور معاف کر دے گی۔

"موہن داس!" چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس کے لب ہلے۔ "جانتے ہو' اگر مہاراج کے کانوں تک تمہارے اصل روپ کی بھنک پہنچ گئی تو تمہارا انجام کیا ہو گا؟"

"مجھ پر مہربانی کیجیے راج کماری جی!" میں نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کے کہا۔ "اگر آپ ایک غریب اور مظلوم شخص کی مدد کریں گی تو مہاراج تک کوئی بات نہیں پہنچے گی۔ بھگوان کے لیے مہاراج سے کچھ نہ کہیے گا' میں وچن دیتا ہوں کہ بہت جلد خود اپنا منہ کالا کر لوں گا۔"

"کیا تم ابھی اسی وقت یہاں سے جا سکتے ہو؟"

غالباً میرے چہرے پر سفیدی چھا گئی۔ میں ویران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ "آپ کا یہی حکم ہے تو چلا جاتا ہوں۔" میں نے کرب سے کہا۔

شاردا کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ "موہن داس!" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "تم یہاں سے نہیں جاؤ گے۔"

میں نے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کے پرنام کیا اور ایک وفادار غلام کی طرح زمین پر نظریں جمائے رہا۔ اس کی معنی خیز مسکراہٹ سے میں ہزار معنی اخذ کر سکتا تھا پھر بھی میں نے چند ہی معنوں پر اکتفا کیا۔ اتفاقاً یا عمداً نفسیاتی طریقے سے میری حیثیت کا خول اتر چکا تھا۔ مجھے کہیں دور ایک خوشی بھی محسوس ہوئی تھی کہ اب میرے سلسلے میں اس کا سابقہ رویہ بدل جائے گا۔ کم از کم دوسروں کے مقابلے میں میری

حیثیت ممتاز ہو گئی تھی۔

"میں کوشش کروں گی کہ تمہیں پھر میری خدمت پر لگا دیا جائے۔" اس بار شاردا کے لہجے میں نرمی اور ہمدردی تھی۔

"راج کماری کی سیوا کرنا میرے لیے باعث فخر ہو گا۔ اس سے زیادہ میرے لیے خوشی کی کوئی اور بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن میرا خیال ہے کنور مہیش چندر جی اسے پسند نہیں کریں گے۔"

"یہ سوچنا میرا کام ہے۔" شاردا نے تیزی سے کہا پھر کسی قدر تیورا کے بولی۔ "دوسروں کی موجودگی میں تم میرے لیے ایک ملازم ہو لیکن......"

"جی۔ جی!" میں نے استفہامی انداز میں اسے دیکھا۔

"ہاں۔" وہ اعتماد سے بولی۔ "اور سنو' میرے سامنے یہ ناٹک کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ٹھیک ٹھیک لہجے میں بات کرنا۔ یہ جی حضوری خوشامدی پن تم پر اچھا نہیں لگے گا۔"

"آپ کی مہربانی۔" میں نے ادب سے کہا۔

"پھر وہی۔"

"جی بہتر۔ عادت پڑ گئی ہے' چھوٹتے چھوٹتے جائے گی۔" میں نے سیدھی طرح کھڑے ہو کے فصاحت سے کہا۔

اسی وقت شاردا کی بڑی بہن شکنتلا کمرے میں آ گئی۔ اس نے مجھے اور شاردا کو دیکھ کے آنکھیں اوپر چڑھائیں۔ شکنتلا بھی کچھ کم حسین نہیں تھی۔ شاردا نے اسے آتے دیکھ کے بہت جلدی اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ وہ موقع شناس اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ اپنے چہرے کے تاثرات بدلنے پر بھی قدرت رکھتی تھی۔ میں نے بڑے ادب سے شکنتلا کو سلام کیا اور کنکھیوں سے شاردا کو دیکھتا ہوا باہر نکل آیا۔

رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بجے کا عمل ہو گا۔ ڈالی اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ اس کا بچہ افیون کھائے سو رہا تھا اور میں نے اسے ساتھ لٹا لیا تھا' اس کے گول مٹول بچے سے میری محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ مجھ سے بری طرح ہل گیا تھا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی' میں غنودہ تھا۔ اٹھ کے دروازہ کھولا تو اجیت کو دیکھا۔ خلاف توقع اسے اس وقت اپنے دروازے پر دیکھ کے میرا ماتھا ٹھنکا۔ پچھلے کئی دنوں سے میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ڈالی میں دل چسپی لے رہا ہے۔ ڈالی نے جواب میں

کسی نفرت کا اظہار نہیں کیا تھا اور میں نے یوں ہی ڈالی کے معاملات میں دخل دینے کی قسم کھا لی تھی میں نے اسے ٹوکنے کا کئی بار ارادہ کیا' اشارۃً کہا بھی مگر میں اس کا کون ہوتا تھا؟ وہ میری محسنہ تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو شاید مجھے پرکاش بھون میں ملازمت نہ ملتی۔ ہمارے درمیان عورت اور مرد کا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا تھا۔ پرکاش بھون میں' میں اس کے مرد کی حیثیت سے مشہور تھا اور وہ میری عورت کہلاتی تھی۔ ڈالی کے متعلق جب میں لوگوں کی رائے سنتا اور ان کے چہرے دیکھتا تو مجھے احساس ہوتا جیسے وہ سب مجھے طنز و طعن کا ہدف بنا رہے ہیں۔ ڈالی بگڑ رہی تھی۔ وہ تیزی سے اپنے آپ کو گرا رہی تھی۔ جس دن یہ شاخ سوکھ جائے گی' اس دن کیا ہوگا؟ غالباً ڈالی نے انہی دنوں کی ضمانت کے لیے' اپنے ان دنوں کے شب و روز مصروف رکھنے شروع کر دیے تھے' وہ کہتی تھی کہ میں اپنے منے کو راج کمار بناؤں گی' بہت پڑھاؤں گی۔ وہ بڑا آدمی بن جائے گا۔ میں دل ہی دل میں سوچتا' پاگل ہوگئی ہے' منے کی قسمت میری طرح نکل آئی تو کیا ہوگا؟ سارا علم دھرا رہ جائے گا' وہ کسی بانو پر نثار ہو گا اور قاتل کہلائے گا' پھر کیا ہوگا؟

اجیت کا اس طرح رات گئے دستک دینا مجھے ناگوار گزرا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر اجیت نے مجھ سے ڈالی کے متعلق سوال کیا تو خواہ نتائج کچھ بھی برآمد ہوں' میں اسے دو تین دانتوں سے ضرور محروم کر دوں گا' جسمانی طور پر وہ مجھ سے نصف بھی نہیں تھا۔ شراب اور عورتوں نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ جو صحت تھی وہ کنور مہیش چندر کی جھوٹن کے سبب سے تھی۔ دیکھنے میں خاصا توانا نظر آتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے ناخوش گوار نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کنور بہادر نے تمہیں یاد کیا ہے۔" اجیت نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ اس کے منہ سے شراب کا بھبکا آیا۔

"کنور جی؟ کیا واپس آ گئے وہ؟"

"خود ہی جا کے معلوم کر لو۔ مجھے جو حکم ملا تھا' تم تک پہنچا دیا۔"

اجیت نے دونوں ہاتھ بلند کر کے جسم توڑ انگڑائی لی۔ پھر اپنے کوارٹر میں داخل ہو گیا۔ میں نے اندر جا کے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے' بچے پر چادر ڈالی اور باہر کا دروازہ بھیڑ کے محل کے اس حصے کی جانب چل پڑا' جو صرف کنور مہیش کے لیے مخصوص تھا۔ میرے لیے کنور جی تک پہنچنے میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں سیدھا اس

کے خاص کمرے کی طرف گیا۔ باہر کنور کا بوڑھا ملازم ہری داس موجود تھا۔ میں سمجھ گیا' اندر کیا رنگ جما ہو گا؟ ہری داس کی دروازے پر موجودگی اس بات کی ضمانت تھی کہ اندر کنور کسی لڑکی کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف ہے۔ میں نے دروازے کے قریب رکھا ہوا انٹر کام استعمال کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ چند ثانیے بعد کنور کی کرخت آواز سنائی دی۔ "کون گدھا ہے؟ ڈیم فول۔"

"میں موہن داس ہوں حضور!" میں نے خاکساری سے کہا۔ "اجیت نے بتایا ہے کہ مالک' داس کو یاد کر رہے ہیں۔"

"انتظار کرو۔" مختصر حکم ملا۔

میں نے "بہتر حضور" کہہ کے ریسیور رکھ دیا۔ ہری داس نے مجھے بڑی راز داری سے بتایا کہ کنور صاحب کہیں سے انگریزی شکار مار کے لائے ہیں۔ اس کے لیے برابر والا کمرہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ میرے لیے یہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔ کنور جی سے ملحق کمرہ ہمیشہ سے شکاروں کے لیے وقف رہتا تھا۔ ہری داس مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ دروازے پر سبز روشنی کپکپانے لگی۔ میں نے دروازے کا پش بٹن دبایا اور لرزتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کنور مہیش چندر کے جسم پر بہت مختصر لباس تھا۔ اس کے قریب ہی سفید بلبل بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بھی لباس میں اختصار سے کام لیا تھا۔ بدن کا بالائی حصہ اس نے ایک تولیا سے چھپا لیا تھا اور تولیا سینے پر ٹکنے سے انکار کر رہی تھی۔ میز کے آگے شراب کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام کر کے نظریں جھکا لیں۔

"موہن داس!" کنور نے مجھے درشت لہجے میں مخاطب کیا۔ "میری غیر موجودگی میں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"راج کمار کی مہربانی سے بہت سکھی ہوں۔" میں نے نظریں نیچی کر کے جواب دیا۔ "سرکار آ گئے ہیں تو اب انہیں کے قدموں میں چلا آؤں گا۔"

"نہیں۔" کنور مہیش نے سختی سے کہا۔

"جی!" میں نے استفہامی انداز سے کہا۔

اسی وقت انگریز لڑکی نے انگریزی میں کنور سے میرے بارے میں کہا۔

"تمہارا یہ ملازم بہت شان دار ہے۔ یورپ میں ہوتا تو لڑکیاں اس کے آگے پیچھے بھاگتیں۔"

"کیا تمہیں پسند آ گیا ہے؟" کنور نے شرارتاً پوچھا۔

"اچھا لمبا تڑنگا خوب صورت نوجوان ہے۔"

"کیا میں اسے اپنا رقیب سمجھوں اور گولی مار دوں؟"

یہ سن کے میرے قدم کانپ گئے۔ کنور شراب کے نشے میں تھا اور لڑکی پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔

"اوہ، نہیں نہیں۔" انگریز لڑکی ہنستے ہوئے بولی۔ "میں صرف تمہاری ہوں۔"

"تم مجھ سے ابھی خون کرا دیتیں۔" کنور نے شوخی سے کہا اور اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"غریب، بے چارہ۔" انگریز لڑکی نے مجھے لرزتے دیکھ کے کہا۔ "کیسا خوب صورت گدھا لگتا ہے۔"

"اندر سے اتنا گدھا نہیں ہے۔"

"یہ ہندوستان بھی عجیب ملک ہے۔" وہ کنور کی آغوش میں کسمساتے ہوئے بولی۔ "یہاں طرح طرح کا جانور ملتا ہے۔"

"اور یہ جانور انگریز عورتوں کو بڑے مرغوب ہوتے ہیں۔"

"شی۔" اس نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ کے کہا۔ "تم بہت شرارتی ہو، جیسا میں نے ہندوستان کے راج کماروں کے بارے میں سنا تھا، بالکل وہی۔" پھر وہ میری طرف دیکھ کے بولی۔ "اسے کیوں بلایا ہے؟"

"تمہیں دکھانے کے لیے۔"

"اوہ تم بہت حاسد ہو، ہندوستانی سارے حاسد ہوتے ہیں۔"

کنور اس کی زلفوں سے کھیلنے لگا۔ میرے کان ان کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے، میرا بس چلتا تو وہاں سے بھاگ جاتا اور پیچھے مڑ کے نہ دیکھتا۔

"ہاں موہن داس!" کنور نے سخت گیر لہجے میں کہا۔ "تم نے سنا، کل سے تم ہماری طرف ڈیوٹی نہیں دو گے۔ ہم نے اسی مقصد سے تمہیں طلب کیا تھا۔ کل سے تم شاردا اور شکنتلا کی طرف اپنی ڈیوٹی جاری رکھو گے۔"

"جو حکم حضور!" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "سرکار مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟" کنور مہیش چندر کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

"اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم پر ہماری مہربانیاں ختم ہو گئی ہیں۔"

"جی!" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں سمجھا نہیں راج کمار؟"

"ہم نہیں چاہتے کہ تم پر ہماری خصوصی نظر عنایت کا شہرہ ہو، تم ہم سے دور رہو گے اور لوگوں کو بتاؤ گے کہ ہم تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ سمجھے؟"

"جی حضور!" میں نے تعجب سے کہا۔

"جو تم سے کہہ دیا گیا ہے، تم وہی کرو گے اور ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے، اگر ایسی جرات کی تو تم......"

"میں جانتا ہوں راج کمار!" میں نے تیزی سے کہا اور ایک بار نظریں اٹھائیں۔ انگریز لڑکی پوری طرح میری طرف متوجہ تھی حالانکہ وہ کنور کی آغوش میں تھی۔ مہیش چندر کے مبہم حکم نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ پرکاش بھون میں کسی ملازم سے مہیش چندر کی ناراضی کا مطلب آخری درجے کی سزا ہوتی تھی، موت۔ ابھی میں اس حکم کی گہرائی کے رموز تلاش کر رہا تھا کہ کنور مہیش چندر گلاس تھامے میرے قریب آ گیا۔ میں لرز لرز گیا۔

"موہن داس!" اس نے قریب آ کے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ہم تمہیں پسند کرتے ہیں۔ تم دوسروں کی طرح بزدل نہیں ہو۔ ہمیں بہادر ملازم پسند ہیں بشرطیکہ وہ وفا دار اور راز دار بھی ہوں۔"

"میں سرکار کا کتا ہوں۔" مہیش چندر کی آنکھوں میں روشنی سی ابھری۔ "میں راج کمار کے حکم پر اپنا جیون بلیدان کرسکتا ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"ہمیں وشواش ہے، ہمیں پورا یقین ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم اس وقت پرکاش بھون میں محفوظ ہونے کے بجائے پھانسی کے پھندے پر لٹک رہے ہوتے۔" مہیش چندر نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "تم جانتے ہو، ہم کیا کہنا چاہتے ہیں؟ پرکاش بھون کے اندر تم پوری طرح ہماری حفاظت میں ہو۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں بند کر لیا ہو۔ میری آنکھیں ابل آئیں۔ "سرکار!" میں نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بڑی مشکل سے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "سرکار!" میں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ سب کچھ جانتا تھا، یقیناً اسے میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا مجھے اپنا وجود ریت کے ڈھیر کی طرح بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ موت کے تصور نے میرا خون منجمد کر دیا تھا۔ میں نے ملتجی نظروں سے مہیش چندر کو دیکھا۔

"بھول جاؤ موہن داس!" کنور نے سرد لہجے میں کہا۔ "ہم موجود ہیں اور

اس وقت تک تمہاری سہائتا کرنے کو تیار ہیں جب تک تم ہمارے اشاروں کے پابند رہو گے۔''

''مجھ پر دیا کریں۔'' میں نے گڑگڑا کے کہا اور تیزی سے جھک کے کنور مہیش کے پیر پکڑ لیے۔ ''میں سارا جیون آپ کے چرنوں میں بتا دوں گا۔''

''ہم وچن دیتے ہیں موہن داس! تم ہماری نظروں میں رہو گے تو ہر بدنظر سے دُور رہو گے۔'' مہیش چندر نے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ آج وہ ''میں'' کا اشارہ بھول گیا تھا۔ ہم ہی ہم تھا' وہ ہی وہ تھا۔ ''دھیان رہے۔ تم پرکاش بھون سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''ایسا ہی ہو گا' سرکار! ایک غریب کا وچن بھی دیکھیے۔'' میں نے کانپتے ہوئے کہا۔

''سب کچھ بھول جاؤ۔ موہن داس! جاؤ' سکھ کی نیند سو جاؤ' کنور مہیش چندر کی چھایا تم پر ہے' چھایا سے دور نہ جانا۔ راز داری' وفا داری' جاں نثاری۔ سمجھے؟ پرکاش بھون کے ملازموں کو ہمارے تمہارے درمیان ہونے والی بات چیت کی ہوا نہیں لگنی چاہیے۔''

''سرکار!'' میں نے ہاتھ باندھ کے کہا۔ ''میں آپ کی مٹھی میں ہوں۔''

''سمے آنے پر دیکھا جائے گا' تم کس نسل کے کتے ہو۔''

''مہاراج میں......''

اسی وقت انگریز عورت اپنا ہوش ربا بدن سمیٹتے ہوئے کنور کے پاس آ گئی اور کہنے لگی۔ ''تم اسے کیا حکم دے رہے ہو۔ غریب لرز رہا ہے۔''

''اوہ۔'' کنور اس کی طرف متوجہ ہو کے بولا۔ ''ڈارلنگ' تم نہیں سمجھو گی۔ ریاستوں میں راج کماروں اور مہاراجوں کے ہاں کیا ہوتا ہے' یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' پھر اس نے حقارت سے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم اب جا سکتے ہو موہن داس! گٹ آؤٹ۔''

میں نے ہاتھ باندھ کے پرنام کیا' سلامی دی اور دھڑکتے دل سے باہر چلا آیا۔ باہر روشنیاں جھلملا رہی تھیں مگر مجھے ہر طرف اندھیرا نظر آتا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں ہری داس کے قریب سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا۔ ذہن بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ مہیش چندر کو میرے ماضی کا علم ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ میری مدد کرنے کو تیار

تھا۔ میرے ذہن پر اس کی ایک ایک بات ضرب لگا رہی تھی۔ میرا سارا وجود لڑکھڑا رہا تھا۔ کنور مہیش چندر کو یہ سب کیسے معلوم ہو گیا تھا؟ اسے بنو بیگم اور بختاور کے قتل کا راز معلوم ہو گیا ہے تو میری اصلیت' میرے ماضی' میرے مذہب اور میری ذات پات کے بارے میں بھی سب کچھ معلوم ہو گیا ہو گا۔ پھر وہ بار بار مجھے موہن داس کے نام سے کیوں مخاطب کر رہا تھا؟ اس نے مجھے میر جمشید عالم کے نام سے کیوں نہیں پکارا؟ مجھے شیر باز یا شیرو کہہ کے کیوں نہیں چونکا دیا؟ کیا اسے صرف میرے قاتل ہونے کی اطلاع ملی تھی؟ کیا ابھی اسے میرے نام اور ذات پات کی خبر نہیں ہوئی ہے؟ اگر وہ میری اصلیت سے بے خبر ہے تو اسے قتل کے واقعات کا علم کس طرح ہوا؟ کیا یہ محض اس کا قیاس تھا؟ میں نے خود کو سمجھایا' یقیناً اسے یہ خبر ہو گئی ہے کہ میں یہاں چھپا بیٹھا ہوں۔ ممکن ہے اسے بہت زیادہ معلومات نہ ہوں۔ میری حالت قربانی کے اس بکرے کے مانند تھی جسے پوری طرح ذبح کرنے کے بجائے زخمی کر کے مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو۔ کہیں بھی سکون نہیں تھا۔ کوارٹر تک پہنچتے پہنچتے میرا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ ڈالی واپس آ گئی تھی۔ اس کا چہرہ بڑا پرسکون تھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ میں بے سدھ ہو کے بستر پر گر پڑا۔ ڈالی نے چپکے سے مجھے آواز دی۔ ''شیرو' شیرو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈالی میرے سرہانے آ گئی۔ ''شیرو'' اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ پسینے سے بھیگ رہا تھا۔ ''شیرو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' وہ پریشانی سے بولی۔

''کچھ نہیں ڈالی تم آرام سے سو جاؤ۔''

''مجھے نہیں بتاؤ گے؟'' وہ ناراضی سے بولی۔ ''تو پھر کسے بتاؤ گے؟''

''ڈالی!'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ ''ڈالی خدا کے لیے یہاں سے بھاگ چلو۔''

''کیوں؟'' وہ حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''شیرو باہر کی دنیا بھول گئے؟ دانے دانے کو محتاج تھے' کوڑے کے ڈھیر پر بسیرا تھا۔ میں بھیک مانگا کرتی تھی' تم بوٹ پالش کیا کرتے تھے' وہ برے دن تم بھول گئے؟''

''وہ دن بہت سکون کے تھے ڈالی!'' میں نے مضطرب ہو کے کہا۔

ڈالی میرا اچانک بدلی کا سبب ضد کر کے پوچھنے لگی۔ میں اسے کچھ بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ جب اس کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے

اور میں نے اس کی آغوش میں سر رکھ دیا۔ ڈالی نے میرے بال پکڑ لیے' وہ خود بھی ہچکیوں سے رونے لگی۔ ہم دونوں دیر تک روتے رہے۔ پھر ڈالی خود بخود کہنے لگی۔ ''سچ شیرو! یہ محل بڑا گورکھ دھندا ہے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ میں کبھی خواب میں بھی ان لوگوں کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتی تھی۔ تم کہتے ہو گے' میں یہاں آ کے رچ بس گئی۔ نہیں' شیرو ایسا نہیں ہے۔ گندگی میں رہنے والا یہ نہیں سوچتا کہ اسے کتنا گندہ رہنا چاہیے اور کتنا نہیں؟ گندگی تو گندگی ہے' کم ہو یا زیادہ۔ میں نے منے کا خیال کیا تھا۔ اپنی جان تو گزر ہی جائے گی مگر منے کے لیے میں چند پیسے اکٹھے کر کے اسے اسکول بھیجنا چاہتی تھی۔ میں مہاراج تک پہنچ گئی اور دیکھو میرے پاس اچھے خاصے زیور اکٹھے ہو گئے۔ مہاراج مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ وہ بوڑھا سونا لٹاتا ہے' میں نے اپنا دامن پوری طرح پھیلا دیا ہے' اگر تمہیں یہاں کوئی پریشانی ہے تو مہاراج سے بات کروں؟'' ڈالی نے میرے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سب کام اسی طرح چلتا ہے' شیرو! یہ محل بھی ایک بازار ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں نے کیا کیا دیکھا۔''

ڈالی کہتی رہی اور میں سوچتا رہا۔ میرے پاس بچاؤ کے دو راستے تھے۔ یا تو پرکاش بھون سے فرار ہو جاتا یا خود کو مکمل طور پر مہیش چندر کے حوالے کر دیتا۔ پرکاش بھون سے میرا فرار اب قریب قریب ناممکن تھا۔ مہیش چندر نے مجھے طلب کرنے سے پہلے دوسرے ملازموں اور خاص طور پر ڈیوٹی گارڈز کو میرے بارے میں احکام جاری کر دیے ہوں گے۔ اتنی مجال کس میں تھی کہ مہیش چندر کی ناراضی مول لے کے مجھے فرار ہونے کا موقع فراہم کرتا؟ گویا میرے پاس اب اپنے دفاع کا ایک ہی راستہ تھا کہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں اور کنور جونیئر کے اشارے پر بے چون و چرا ناچتا رہوں۔ ڈالی مجھے دیر تک تھپکتی رہی اور زنان خانے کے بہت سے راز بتاتی رہی۔ میں نے اس کی کوئی بات توجہ سے نہیں سنی۔ پھر ڈالی' منے کے پاس چلی گئی اور میں اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا' تا ایں کہ صبح ہو گئی' صبح کاذب کے وقت میں ایک ارادے سے اٹھا۔ اس وقت سب گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے اس قلعہ نما محل کی فصیل کے گرد محتاط قدموں سے ایک چکر لگایا۔ دو تین جگہ فرار کی نشان دہی کی مگر وہاں خاکروبوں کی جھونپڑیاں تھیں۔ ایک جگہ یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ باہر دیوار کے نیچے کتنی گہرائی ہے؟ گارڈز اونگھ رہے تھے لیکن فرار مشکل تھا اور میں فرار ہو بھی جاتا تو ڈالی کو کس کے آسرے پر چھوڑتا؟ اور فرار ہو جاتا تو راجے پور کی ریاست میں کنور مہیش چندر کے

گرگوں سے کہاں تک چھپتا؟ وہ کتوں کی طرح میرا تعاقب کرتے اور کنور مہیش ادھر کی پولیس کو میرا حلیہ بتا دیتا۔ مجھے ہر طرف پھانسی کا پھندا ہی نظر آیا۔ اندھیرے میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں آہستگی سے پھر اپنے کوارٹر میں آ گیا۔ دوسرے دن صبح شاردا کی دلکش باتوں میں بھی میرا جی نہ لگا اور میں شاردا سے طبیعت کی خرابی کا بہانا کر کے کوارٹر میں آ گیا۔ دوپہر تک میں اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا اس لیے شاردا کی خدمت میں پہنچ گیا اور یہاں آ کے میں نے دیکھا کہ وہی سادھو جس نے کنور مہیش چندر کے کمرے میں مجھے دیکھ کے اشارہ کیا تھا' اجیت اور مہیش چندر کے دوسرے ملازموں کے درمیان بڑے وقار سے آ رہا تھا۔ میں شاردا کا خیال کیے بغیر تیزی سے کنور مہیش چندر کے حصے کی طرف بھاگا اور راستے ہی میں ٹھٹک کے رک گیا۔ میں نے دیکھا کنور مہیش نے راستے ہی میں آ کے سادھو کا سواگت کیا اور بڑی عاجزی سے اسے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ یہ سادھو جب پہلی بار آیا تھا تو میرا سکون غارت کر گیا تھا۔ اب دوبارہ نظر آیا تھا تو مجھے ہول آنے لگا تھا۔ معاً ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا کہ مجھے اس سادھو سے ملاقات کرنی چاہیے۔ یہ یقیناً راجے پور کے قریب ہی کہیں رہتا ہوگا ممکن ہے' اسی نے کنور کو میرے بارے میں کچھ بتایا ہو؟ یہ سادھو جوگی سنا ہے غیر معمولی بصیرت کے لوگ ہوتے ہیں' ماضی کی باتیں بتا دیتے ہیں' عجیب و غریب پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ ایک گریجویٹ کو ان توہمات پر یقین کرنے سے گریز تھا تاہم یہ میں ہی تھا جس کے ساتھ ہولناک واقعات پیش آئے تھے۔ میں باہر کھڑا سادھو کی واپسی کا منتظر رہا۔ خاصی دیر بعد جب وہ نمودار ہوا تو اس کے ساتھ کنور کا لاؤ لشکر بھی تھا۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ سادھو عزت و احترام سے رخصت کر دیا گیا۔

اسی وقت اجیت کا مکروہ چہرہ میری نظروں کے احاطے میں گھومنے لگا۔ اجیت کے ذریعے میں اس سادھو سے ملاقات کر سکتا تھا۔ اجیت کو اعتماد میں لے کے میں باہر بھی نکل سکتا تھا اور اسے اعتماد میں لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا کیونکہ وہ شراب کا رسیا تھا اور ڈالی سے دلچسپی رکھتا تھا۔ شام کو کام سے نمٹ کے میں نے اس کے کوارٹر پر دستک دی۔ وہ گھر پر موجود تھا۔ پہلی بار مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کے وہ تلملایا۔ میں نے مسکرا کے کہا۔ ''اجیت جی! آج دل نہیں لگ رہا تھا' تم میرے پڑوسی ہو' سوچا' تمہارے پاس آ کے من بہلاؤں۔''

وہ مجھے خشونت سے دیکھنے لگا لیکن میرے چہرے پر خلوص دیکھ کے اس نے

دروازہ کھول دیا۔ ''موہن داس' تمہیں ہمارا خیال کیسے آ گیا؟''

''بس یوں ہی' آج تمہیں سادھو مہاراج کے ساتھ دیکھا تھا۔ میں بھی سادھو جوگیوں کے چرنوں میں بیٹھتا رہا ہوں' مجھے یہ سادھو بڑے گیانی دھیانی لگتے ہیں۔'' میں نے عقیدت سے سادھو کا ذکر کیا۔

''آؤ آؤ۔ اندر آ جاؤ موہن داس!'' اجیت نے مجھے اپنے کمرے میں بٹھایا۔ یہاں اعلا درجے کا پرانا فرنیچر موجود تھا۔ ''کنور بہادر تو تم پر بڑے مہربان ہیں۔'' اس نے کہا۔

''تم سے زیادہ نہیں اجیت جی!'' میں نے مہذب انداز میں کہا۔

اجیت بری طرح ہنسنے لگا۔ ''میں ان کا سب سے خاص آدمی ہوں۔ اپنے کنور جی بڑے رنگیلے ہیں۔ سچ' اس سے بڑا آدمی پرکاش بھون میں کوئی نہیں' دل کا بہت اچھا ہے اپنا کنور۔ دیکھنا آیندہ کتنا بڑا آدمی بن جائے گا۔''

''اجیت جی! بس کیا بتاؤں' کنور جی کی خدمت کرتے کبھی جی نہیں بھرتا۔ ان کی آن بان ہی کچھ اور ہے' ڈانٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پھول جھڑ رہے ہیں' نہیں ڈانٹتے تو برا لگتا ہے۔''

اجیت ہنسنے لگا۔ ''اپنی تو ایک عمر ہو گئی کنور جی کے ساتھ۔ وہ مجھے کہاں کہاں نہ لے گئے۔ لندن میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ بس جی موہن داس! کیا بتاؤں کہ کنور جی نے سنسار کا کیسا کیسا رنگ دکھایا ہے۔''

''کچھ ہمیں بھی سناؤ۔'' میں نے شوق ظاہر کیا۔

''ایسے نہیں۔ یہ تو بتاؤ' پیتے ہو؟''

''میں نے اکراہ سے کہا۔ ''یوں ہی۔ کبھی کبھی۔''

''ارے بادشاہ۔ جیو میرے راجا!'' اجیت ایک دم کھل اٹھا اور جلدی سے شراب کی بوتل اور گلاس اٹھا لایا۔ میں نے اس کے ساتھ پی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو اجیت کھل کے میرے قریب نہ آتا۔ پینے کے دوران میں وہ قہقہے لگا کے' کنور مہیش چندر کے انداز میں اپنے واقعات سنا رہا تھا۔ دنیا کے سفر کے' لندن کے' عورتوں کے اور کنور جی کے' کنور جی کی ذات والا صفات ہی اس کی گفتگو کا محور تھی۔

جب ہم دونوں خاصی پی چکے' چھک گئے یا یوں کہنا چاہیے کہ اجیت نشے میں دھت ہو گیا تو میں نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ ہم ایک ساتھ گانا گا

لگے اور میں نے اجیت کی خوشامد کی کہ وہ مجھے کسی طرح اس سادھو سے ملا دے۔ اجیت نے مستانہ انداز میں وعدہ کر لیا۔ پہلی ملاقات کے لیے اتنی ہی بات کافی تھی۔ میں کچھ مطمئن ہو کے اپنے کوارٹر میں آ گیا۔ ڈالی کو کچھ کچھ شبہ ہو گیا تھا کہ میں نے آج پی ہے۔ وہ میرے پاس آئی۔ اس نے میرا منہ سونگھا اور کچھ کہے بغیر میرے منہ پر طمانچے رسید کرنے شروع کر دیے۔ میں نے اس کا ہاتھ نہیں روکا۔ جب وہ مار چکی تو میں اٹھا اور میں نے بھی جواباً اس کے رخساروں پر مسلسل طمانچے مارے۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے زمین پر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ رات بھر ہم دونوں الگ الگ پڑے روتے رہے' پھر نہ جانے کب نیند آ گئی۔

☆......☆......☆

دو ایک روز تک میں اسی طرح اجیت سے دوستی کی پینگیں بڑھاتا رہا۔ ایک بار میں نے شاردا کے لیے سودا سلف لانے کی کوشش کی مگر دربانوں نے مجھے بڑے دروازے ہی پر روک دیا۔ اس کے بعد میں نے یہ کوشش بھی ترک کر دی' مبادا کنور کو خبر ہو جائے۔ محل کے کئی دروازے تھے مگر محل کے باہر محافظوں کے کوارٹروں کا سلسلہ تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اجیت کے ساتھ ہی میں سادھو کے پاس پہنچوں۔ میں نے اجیت سے سادھو کا پتہ پوچھ لیا تھا۔ وہ ریاست راجے پور کی آبادی سے دور کسی پہاڑی پر ایک گپھا میں تپیا کرتا تھا اور اکثر دور دراز کے سفر کرتا رہتا تھا۔ آج کل اس نے راجے پور کے قریب ہی ڈیرا جمایا ہوا تھا اور بہت ممکن تھا کہ وہ جلد ہی کسی طرف کوچ کر جاتا اس لیے مجھے جلد سے جلد اجیت کو شیشے میں اتارنے اور اس کے پاس جانے کی وحشت ہو رہی تھی۔ اجیت کو معلوم تھا کہ میرے باہر نکلنے پر پہرے لگ چکے ہیں۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھتا۔ ''یار موہن داس! یہ کنور جی نے تجھے باہر نکلنے سے کیوں منع کر دیا ہے؟''

میں کہتا۔ ''کنور جی مجھ سے کوئی اہم کام لینے والے ہیں یا انہیں مجھ پر شک ہے اس لیے مجھ پر پہرے لگ گئے ہیں۔''

اجیت کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ ادھر میں نے اس کی بہادری' چالاکی اور اثر رسوخ کی اتنی تعریفیں کر دی تھیں کہ وہ مجھے باہر لے جانے پر آمادہ ہو گیا۔ جلد ہی مجھے یہ موقع نصیب ہو گیا۔ چوتھے دن شام کو کنور راجے پور کے راجا کے ہاں مدعو تھے اور مہاراجہ کے ساتھ ان کی گاڑی میں راج بھون گئے ہوئے تھے اجیت اپنی گاڑی کوارٹر کے قریب لے آیا۔ میں پروگرام کے مطابق ڈکی میں بیٹھ گیا اور بڑی آسانی کے ساتھ محل سے باہر آ گیا۔ اجیت نے بہت تیز گاڑی چلائی اور دس میل کا فاصلہ' پندرہ سولہ منٹ میں طے کر لیا' سادھو کے آشرم کے پاس اس نے مجھے گاڑی سے نکالا اور اپنی

جیب سے چاقو نکال کے کہا۔ ''موہن داس! فرار ہونے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں تمہیں پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔''

میں نے اس گینڈے کو یقین دلایا کہ میں اس کے اعتماد کو دھوکا نہیں دوں گا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور چھوٹی سی پہاڑی پر سادھو کا استھان تھا۔ ہم اوپر پہنچے تو سادھو ایک درخت کے تلے آنکھیں کھولے بیٹھا تھا اور اس کے پاس چار پانچ بھگتوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا۔ بوڑھے سادھو نے جب مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں وہی چمک نمودار ہوئی جو میں نے پہلے دیکھی تھی۔ اس نے اپنے بھگتوں کو دور ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہم ہاتھ باندھے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ اجیت نے میرا تعارف کرانا شروع کیا تو سادھو نے ڈپٹ کر اسے حکم دیا کہ وہ اس کی نظروں سے دور کھڑا ہو جائے اجیت کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور بہت دور کھڑا ہو گیا۔ اب وہ میری اور سادھو کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد سادھو میری طرف متوجہ ہوا اور دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔ ''تجھ سے برداشت نہیں ہوا؟''

''جی سادھو مہاراج!'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''بہت بیاکل دکھائی دیتا ہے۔'' وہ میری طرف غور سے دیکھتا رہا تھا اور اپنی انگلیاں عجب انداز میں گھما پھرا رہا تھا۔

''مہاراج! جیون دکھوں سے بھرا ہوا ہے۔ میرا من شانت نہیں ہے۔ میں کیا کروں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم میری سہائتا کرو۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''چنتا مت کر' مجھے سب خبر ہے۔'' سادھو کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

''آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ جانتے ہوں گے کہ میں بے قصور ہوں۔ جو کچھ ہوا' اس میں میری مرضی کو دخل نہیں تھا۔'' میں نے اپنی صفائی میں کہا۔ ''کنور جی کو بھی پتہ چل گیا ہے۔''

''تو بہت چتر ہے بالک!'' سادھو نے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔ ''جاننے آیا ہے کہ کنور کو کیسے پتہ چلا؟ کنور کو میں نے بتایا تھا۔ میرا کہا مان اور کنور کے اشاروں پر چل۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کنور جی مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں تو پہلے ہی بہت دکھی ہوں۔ ہر جگہ موت میرے پیچھے پھر رہی ہے۔ سادھو مہاراج! بھگوان کے

لئے میری سہائتا کرو۔"

"سہائتا؟" وہ درشتی سے بولا۔ "میں نے تو بہت کم اسے بتایا ہے تیرے کارن۔ اگر میں کنور کو تیرا اصل نام بتا دیتا تو وہ تیرے شریر کے ٹکڑے کر دیتا۔"

"تم بڑے گیانی دھیانی ہو۔" میں نے شکست قبول کرتے ہوئے کہا۔ "تم سب کچھ جانتے ہو۔"

سادھو مسکرانے لگا۔ "جا پرکاش بھون میں چین کی بنسی بجا۔"

"چین کی بنسی؟" میں نے زہر خند سے کہا۔ "وہ تو بج چکی مہاراج! اب میرے برے دن پھر آ گئے ہیں۔ کنور مہیش کی تلوار میری گردن پر لٹک رہی ہے۔"

"چنتا کیوں کرتا ہے؟ ابھی تو بالک ہے' باقی باتیں بھاگیہ پر چھوڑ دے۔" سادھو کا لہجہ تحکم آمیز شفقت کا تھا۔ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ اسی سادھو نے میرے بارے میں کنور مہیش چندر کو بتایا تھا۔

مگر یہ سب ہے کیا؟ بات اور الجھ گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ شاید سادھو میرے وحشت زدہ چہرے کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ یوں ہی مجھ پر نظریں جمائے رہا۔ پھر اس نے مجھے نصیحتیں کرنی شروع کر دیں۔ میں سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے سادگی سے پوچھا۔ "مگر سادھو مہاراج! تمہیں ان سب باتوں کا گیان کیسے ہو گیا؟"

"ان چکروں میں مت پڑ' سمے آنے پر سب معلوم ہو جائے گا۔"

"مہاراج! کنور جی مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"انتظار کر بالک! دھیرج سے کام لے' من شانت رکھ۔" سادھو نے گول مول جملے کہے' پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کے آشیرواد دیتے ہوئے بولا۔ "تیری رام کہانی مجھے معلوم ہے' زمانے نے تیرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ منش نے منش کے ساتھ انیائے کیا ہے۔ یہ گھور پاپ ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔"

"مہاراج!" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "میرا بھائی سکتہ کہاں ہے؟ کیا تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟"

اس نے چند لمحوں کے لیے سکوت اختیار کر لیا پھر بولا۔ "پچھم کی اور بھٹک رہا ہے پاگل۔"

"مجھ سے کون سا پاپ ہو گیا ہے جو میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے؟" میں نے

جھنجلا کے کہا۔ "اور کب تک میں یہ کشٹ اٹھاتا رہوں گا؟"

"جا' جا کر سو جا' رام بھلی کرے گا۔" سادھو نے ایک بار پھر مجھے آشیرواد دی۔ پھر تیزی سے گھوم کے اپنے بھگتوں کو آواز دی۔ اب وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں مجسم سوال بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سادھو کو دیکھ کے' اس سے پہلے میرے ذہن میں جو غبار تھا' وہ اس کی باتوں سے دور ہو چکا تھا۔ کوئی انجانی قوت مجھے پرسکون کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ جو ہونا ہے اسے تو کیسے ٹال سکتا ہے؟ میں نے حالات کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ آنے والے لمحوں کا خوف کم ہونے لگا۔ میں بھاگا بھاگا اجیت کے پاس آیا اور ہم دونوں نیچے اتر کے جلد ہی پرکاش بھون واپس پہنچ گئے' کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

دوسرے دن' میں تمام اندیشے نظر انداز کر کے شاردا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے اندر ایک حوصلہ پیدا ہو چکا تھا اور شاردا کے سلسلے میں پیش قدمی کی جرات بھی عود کر آئی تھی۔ دوسروں کی موجودگی میں بات اور تھی لیکن تنہائی میں وہ مجھ سے دوستوں جیسا سلوک کرنے لگی تھی۔ مجھ سے مشکل الفاظ کے معانی پوچھتی اور ہلکی پھلکی بحثیں کرتی' جو کچھ مجھے آتا تھا' وہ میں اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ شاردا کے سامنے پیش کر دیتا تھا۔ میرا زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔ اتنے بڑے محل میں تنہائی کے مواقع کم ملتے تھے۔ فوراً کوئی آ دھمکتا اور ہم دونوں کی باتوں اور رویوں کا رخ بدل جاتا۔ اس احتیاط نے شاردا کے دل میں میرے لیے ایک ایسی جگہ بنا دی جہاں میں اپنے شوق کی عمارت تعمیر کر سکتا تھا۔ آنے والی کل کا پتہ نہیں تھا۔ سو میں شاردا جیسی حسین نازک اور کامنی لڑکی کے ساتھ کوئی سنہرا لمحہ ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے کنور مہیش چندر کی ڈیوٹی سے سبک دوش ہوئے بیس دن گزر چکے تھے۔ کنور جی کے حکم کے مطابق یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ مجھے کسی غلطی کی وجہ سے ہٹایا گیا ہے۔ اس عرصے میں مجھے کنور کا کوئی پیغام نہیں ملا۔ میں ہر لمحے یہی دعا کرتا کہ کاش کنور مجھے ہمیشہ کے لیے فراموش کر دے۔

ڈالی بھی مجھ سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی۔ وہ پرکاش بھون کے کونے کھدروں میں اپنی جوانی کا کھیل کھیلتی رہی۔ شروع شروع میں محل کی ملازم لڑکیوں نے مجھے بھی اس کھیل میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن میری سرد مہری دیکھ کے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ایک بات مجھے بری طرح کھٹکنے لگی تھی۔ ڈالی اور اجیت کے بڑھتے ہوئے

تعلقات اس کا ذمے دار بھی میں خود تھا۔ جب سے میں نے اجیت کے گھر آنا جانا شروع کیا تھا' اجیت نے بھی میرے گھر آنے کی جھجک توڑ دی تھی۔ اجیت سے میری کوئی رنجش نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے ڈالی اور اجیت کے تعلقات شرم ناک حد تک بڑھ جائیں۔ ایک روز میں نے تمام تلخیوں اور ناراضیوں کے باوجود ڈالی کو سمجھانا چاہا۔ اس نے شدت سے انکار کر دیا اور مجھے کسی موقع کی تلاش رہنے لگی کہ ڈالی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کے اس کے جسم پر اتنی ضربیں لگاؤں کہ وہ تازندگی یاد رکھے۔ میں اس کے سراغ میں رہنے لگا۔ ایک رات مجھے اس کا موقع مل گیا۔ میں بستر پر آنکھیں بند کیے شاردا کے خیالوں میں گم تھا کہ دروازے پر دو مرتبہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ ڈالی نے چور نظروں سے مجھے دیکھا اور سوتا سمجھ کے دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ نصف رات بیت چکی تھی۔ اتنی رات گئے ڈالی اجیت ہی کے پاس جا سکتی تھی۔ چند لمحوں تک میں کشمکش میں پڑا رہا۔ میرا جسم گرم ہو گیا تھا اور خون کھولنے لگا تھا۔ دل پر بڑا جبر کیا۔ جب کسی طرح طبیعت پر قابو نہ ہوا تو میں اٹھ کر کوارٹر سے باہر نکلا۔ قرب و جوار کا علاقہ ویران پڑا تھا۔ ڈالی اندھیرے میں روپوش ہو گئی تھی یا پھر اجیت کے کوارٹر میں چلی گئی تھی۔ میں نے اجیت کے کوارٹر کا دروازہ آزمایا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ چند ثانیوں تک میں غور کرتا رہا پھر گھوم کر پشت کی جانب گیا۔ پچھلی جانب سے کھلنے والی کھڑکی بھی بند دیکھ کر میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔ میرا پارہ چڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے کھڑکی کی چوکھٹ پر پاؤں جمائے اور سلاخیں تھام کر اوپر چھت پر پہنچ گیا۔ چھت پر پنجوں کے بل چلتا ہوا میں صحن کی جانب آ گیا۔ اجیت کے کوارٹر میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں چھت پر لیٹ کے اندر کی سن گن لینے لگا۔ اندر ویرانی مسلط تھی۔ یکایک مجھے اجیت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''اجیت تمہارے کارن اپنا جیون بھی دے سکتا ہے میری رانی۔'' اس کے جواب میں کسی عورت نے اتنی مدھم آواز میں کچھ کہا کہ میں سن نہ سکا لیکن اس کی زبان سے اپنا نام سن کے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ کاش میں ان کی پوری گفتگو سن سکتا۔ مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس وقت اجیت کے کمرے میں جو عورت ہے' وہ ڈالی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں ابھی چھت کے نیچے صحن میں اترنے کے لیے پاؤں رکھنے کا کوئی مناسب سہارا ڈھونڈ رہا تھا کہ نیچے ورانڈے میں قدموں کی آہٹ ابھری۔ میں نے جلدی سے پاؤں اوپر کر لیا۔ پہلے اجیت صحن میں آیا پھر جو عورت سامنے آئی'

اسے دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ اندھیرے کے باوجود میں نے شاردا کی بڑی بہن شکنتلا کو پہچان لیا۔ وہ صحن کے درمیان تک جا کے رک گئی تھی۔ اجیت دروازہ کھول کے باہر نکل گیا تھا۔ شاید وہ یہ دیکھنے باہر گیا تھا کہ لائن کلیر ہے یا نہیں؟ میں چھت کے آخری سرے پر لیٹا ہوا تھا اور شکنتلا کو دیکھ کے ذرا بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر شکنتلا نظر گھماتی تو یقیناً مجھے دیکھ لیتی۔ میں نے آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنا شروع کر دیا اندھیرے میں اچانک میرا پیر چھت پر رکھے ہوئے کاٹھ کباڑ میں ٹین کے کسی کنستر سے ٹکرایا۔ آواز پیدا ہوتے ہی شکنتلا نے تیزی سے پلٹ کر چھت کی جانب دیکھا۔ میں ابھی تک اس کی نگاہوں کی زد پر تھا۔ خوف اور دہشت سے میرا برا حال تھا' میں نے سر چھت کے فرش پر جما دیا۔ اسی لمحے اجیت بھی اندر آ گیا میں نے سوچا' اگر شکنتلا نے کھٹکے کا ذکر اجیت سے کیا اور وہ اوپر آ گیا تو کیا ہو گا؟ ایسا نہیں ہوا۔ اجیت نے اندر آتے ہی شکنتلا کو لائن کلیر ہونے کا اشارہ کیا۔ شکنتلا جانے لگی تو اجیت کورنش بجا لانے کے انداز میں زمین پر بیٹھ گیا اور شکنتلا کا ہاتھ پکڑ کے اسے چومتے ہوئے بولا۔

''راج کماری کے درشن کب ہوں گے؟''

''اجیت!'' شکنتلا نے نخوت سے کہا۔ ''مجھے اس قسم کی باتیں سخت نا پسند ہیں۔''

''میں آپ کا غلام ہوں سرکار! آپ اس طرف نہیں آتیں یا مجھے نہیں بلاتیں تو میں کانٹوں پر لوٹتا رہتا ہوں۔ آپ نے مجھے جو عزت دی ہے' وہ بھول نہ جائیے گا۔'' اجیت عاجزانہ لہجے میں بولا۔

''باتیں کم کیا کرو اجیت! جب ہماری مرضی ہو گی' ہم ضرور اس طرف آئیں گے۔ ہمیں تم جیسے گینڈے پسند ہیں۔'' شکنتلا نے رعونت سے کہا۔

''سرکار نے میرا مان بڑھایا ہے۔ میں ہمیشہ آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔ میں ایسا بھاگیہ والا کہاں تھا؟''

''تمہارے کوارٹر تک آتے ہوئے بلی ہمارا راستہ کاٹ گئی تھی۔ اس لیے ہمیں کچھ دنوں تم سے دور رہنا ہو گا۔'' شکنتلا نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا' پھر اس نے یوں ہی بظاہر چھت کی جانب نظر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم پہلے محل کی ان بلیوں کا بندوبست کر لیں پھر تمہارے پاس آئیں گے یا تمہیں بلا لیں گے۔''

''کیسی باتیں کرتی ہیں راج کماری حضور! سرکار حکم دیں تو محل کی تمام بلیوں

کو......"

"بکواس بند کرو۔" اچانک شکنتلا نے غصے میں اجیت کو جھڑکا اور تیزی سے باہر جانے لگی۔ اجیت اس کے قدموں میں لوٹ گیا اور اس کے پیر کے دو بوسے لیے۔ اجیت اس کے پیچھے پیچھے دروازے سے باہر نکلا تو میں نے موقع غنیمت جانا اور اٹھ کر پشت کی جانب گیا۔ چھت سے چھلانگ لگانے اور اپنے بستر تک پہنچنے میں بہ مشکل پندرہ سیکنڈ لگے ہوں گے۔ میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ یوں جیسے میں میلوں تک دوڑنے کے بعد اپنے بستر پر پہنچا ہوں۔ شکنتلا کے کہے ہوئے آخری جملے میرے کانوں میں گونجتے رہے۔

☆......☆......☆

اگلے دو دنوں تک میری حالت غیر رہی۔ جب بھی شکنتلا اپنے گداز اور کشش انگیز جسم کے ساتھ میرے سامنے آتی' میں نظریں چرا کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا۔ دو روز بعد مجھے یقین ہو گیا تھا کہ شکنتلا کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے لیکن یہ میرا وہم تھا۔ تیسرے دن شاردا سے دلچسپ باتیں کر کے رات گئے میں اپنے کوارٹر میں واپس جا رہا تھا کہ محل کے احاطے کے سرے پر اچانک مالتی میرے آڑے آ گئی۔ مالتی شکنتلا کی خاص کنیز تھی۔ وہ زنان خانے میں کام کرنے والی لڑکیوں میں سب سے زیادہ تیز' پھرتیلی اور چنچل تھی' ناک نقشہ بھی غضب کا تھا' ہرنی کی طرح کودتی پھرتی تھی۔ چہرے پر نمک ہی نمک تھا۔ لہنگا پہن کے ادھر ادھر اتراتی رہتی تھی۔ شاردا کا خاص خدمت گزار ہونے کی وجہ سے مالتی سے میری دوستی بڑھ گئی تھی چنانچہ میں نے اس اچانک ٹکراؤ پر کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا بلکہ اسے چھیڑنے کی خاطر بولا۔ "سچ مالتی! اگر تیری رنگت تھوڑی اور اجلی ہوتی تو میں مہاراج سے کہہ کے تجھے مانگ لیتا۔"

"تیری ڈالی سے تو ہزار گنا اچھی ہوں۔" مالتی دیدے مٹکاتے ہوئے معنی خیز انداز میں بولی۔ "جب من چاہے' مجھے اس کے سامنے کر کے دیکھ لے۔"

"اس سمے کہاں مٹکتی پھر رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تجھے تلاش کر رہی تھی۔" مالتی نے شوخی سے کہا۔ "چل میرے ساتھ۔"

"دیکھ مالتی!" میں نے اسے ڈرانے کی خاطر کہا۔ "اگر تو اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو شاردا دیدی سے شکایت کر دوں گا۔ میں وہ نہیں' جو تو سمجھتی ہے۔"

"بس رہنے دے۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تو کیا ہے۔ تیرے ہی کارن تو ڈالی ادھر ادھر منہ کالا کراتی پھرتی ہے۔"

مالتی سے اتنا سخت جملہ سن کے میرے خون میں ابال آنے لگا۔ میرے جی میں آئی کہ اس کی چٹیا پکڑ کے تھوتھنی زمین پر رگڑ دوں۔ میں غصے سے اسے گھورتا ہوا

آگے بڑھا تو مالتی نے لپک کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ بولی۔ ''ارے چلا کدھر؟ جا تجھے شکنتلا دیدی نے بلایا ہے۔''

شکنتلا کا نام سن کر میری روح فنا ہوگئی مگر حکم کی پیروی کس طرح نہ کرتا؟ اس بھون میں چاروں طرف سے بلائیں میری طرف بڑھ رہی تھی۔ بہت مایوسی سے میں شکنتلا کے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ اس کا کمرہ محل کے مشرقی گوشے میں آخری سرے پر واقع تھا۔ شکنتلا میری منتظر تھی' اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا جس میں اس کا چاند سا چہرہ بہت دلکش لگ رہا تھا۔ اس باریک ریشمی سیاہ لباس کی جھریوں سے اس کے بدن کی سونے جیسی رنگت باہر نکل رہی تھی۔ وہ اپنے شباب کے عروج سے گزر رہی تھی۔ میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ پھر میں نے زمین پر نظریں جھکا لیں۔ ''حضور راج کماری نے سیوک کو یاد کیا تھا؟''

''ہاں۔'' وہ ایک ادا سے بولی۔ ''یاد کیا تھا۔''

میں نے کیوں' نہیں کہا۔ خاموش کھڑا رہا۔

''موہن داس! تم اس بھون میں ہمارے کیا لگتے ہو؟''

''جی؟'' میں سٹپٹا گیا۔ ''سرکار میں آپ کا ملازم ہوں۔ آپ کا غلام۔''

''ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو' تم اپنی اوقات پہچانتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں حضور' کیا......'' میں آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''جو اپنی اوقات سے واقف ہو' اس سے ہم بہت خوش رہتے ہیں۔ ہمارا حکم ہے کہ تم ہمارے سامنے مر جاؤ۔''

''جی؟ جی؟'' میں گھبرا کے بولا۔ پھر ہمت کر کے کہا۔ ''جو سرکار کا حکم۔ سرکار کے ہاتھ سے گولی لگے گی تو مکتی ہو جائے گی۔''

''لیکن ہم تمہیں نہیں ماریں گے' ہم تو تمہیں آزما رہے تھے۔''

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ شکنتلا سر سے پاؤں تک میرا جسم تول رہی تھی۔ پھر وہ صوفے پر دراز ہو گئی۔ ''دروازہ بند کر لو موہن داس!'' اس نے تحکمانہ آواز میں کہا۔ میں ایک لمحے کو جھجکا' پھر میں نے برق رفتاری سے حکم کی تعمیل کی۔ میری نظریں فرش پر بچھے ہوئے قیمتی قالین پر گڑی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے سکوت رہا پھر شکنتلا کی آواز دوبارہ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''موہن داس! ہم نے سنا ہے' اگر بلی راستہ کاٹ جائے تو آدمی کو اپنا راستہ بدل دینا چاہیے۔'' شکنتلا کا اشارہ بہت صاف تھا لیکن

میں نے بڑی تیزی سے صورت حال سے مفاہمت کر لی۔

''میں سیوک ہوں راج کماری! اگر پڑھا ہوتا تو یہ باتیں سمجھ لیتا۔''

''تین روز پہلے تم رات کو ساڑھے بارہ اور ایک کے درمیان کہاں تھے؟'' شکنتلا نے قدرے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

''اپنے کوارٹر میں حضور!'' میں نے بھولپن سے کہا۔

''ہونہہ۔'' وہ مسکرانے لگی۔ ''سوچ سمجھ کر جواب دو۔''

''میں سمجھا نہیں راج کماری جی!'' میں نے احمقانہ انداز میں کہا۔

''جھوٹ کی سزا موت ہے۔ سچ بولو گے تو شما کر دی جائے گی۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔ ''زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔''

میں سمجھ گیا تھا کہ وہ مجھ سے کیا اگلوانا چاہتی ہے؟ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ حقیقت کے اعتراف اور انحراف دونوں صورتوں میں خطرہ تھا۔ میں پرکاش بھون کے نازک مزاج لوگوں سے پہلے ہی خاصا واقف ہو چکا تھا۔ میں نے خاموشی مناسب سمجھی۔ شکنتلا کچھ دیر تک میرے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر بولی۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

میری پیشانی پر ابھرے ہوئے پسینے کے قطرے بھی مجھے خود کو مجرم سمجھنے پر مجبور کر رہے تھے۔ میں ڈگمگانے لگا۔ کچھ لمحوں کی کشمکش کے بعد میں نے ایک اٹل فیصلہ کر کے جھجکتے جھجکتے اس رات کے واقعے کا اعتراف کر لیا۔ میں نے اسے ڈالی اور اجیت کے تعلقات کے بارے میں بھی بتایا اور یہ بھی کہا کہ میں اس رات' ڈالی کے شبہے میں اجیت کے کوارٹر میں چوری چھپے داخل ہوا تھا۔ شکنتلا دل چسپی سے میرا بیان سنتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ زلفیں جھٹک کے بڑی ادا سے بولی۔ ''موہن داس! تمہاری کتھا پر یقین کیا جاتا ہے۔ بولو' اب تمہیں کیا سزا دی جائے؟''

''مجھے شما کر دو راج کماری جی!'' میں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''میں وچن دیتا ہوں کہ اپنی زبان بند رکھوں گا۔''

''شما کا شبد زبان پر نہ لاؤ موہن داس' تمہیں اپنے جرم کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ ادھر آؤ۔'' اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے اشارہ کیا۔ میں گھبرائے ہوئے قدموں سے قریب گیا تو اس نے بے نیازی سے کہا۔ ''ہم نے طے کر لیا ہے کہ اب اجیت کی جگہ تم لوگے۔'' پھر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ''ہمیں اپنے بازوؤں میں لے لو۔''

''جی؟'' میری زبان میں لکنت آ گئی۔ ہاتھ من من بھر کے ہو گئے۔ شکنتلا صوفے سے اٹھ گئی اور طمطراق سے اس نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں ایک عجیب سنسنی پیدا ہونے لگی۔ شکنتلا کا وجود مجھے پگھلا رہا تھا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ پرکاش بھون کی ناموس کبھی میری آغوش میں ہو گی مگر میں اجیت کے مقابلے میں تو ہر لحاظ سے برتر تھا۔ اس نے کوئی بہت ہی نفیس خوشبو سے بدن مہکایا تھا۔ وہ مہک پاگل کیے دے رہی تھی۔ اس میدان میں میری بساط ہی کیا تھی؟ میں اپنے حواس کھو بیٹھا۔ جسم میں ہر طرف آگ لگنے لگی۔ بے شمار چیونٹیاں رگ وپے میں کاٹنے لگیں۔ پھر بھی میں نے ہاتھ جوڑ کے اسے اپنی حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش کی لیکن یہ مذاق نہیں تھا۔ مجھے اجیت کے بلند درجے پر فائز کیا جا چکا تھا۔ ایک بہت حسین بدن میری آغوش میں تھا۔ بہت قریب۔ پہلی بار اتنی حدت' اتنی سپردگی' اتنے اشتعال کے ساتھ۔ میں کہاں تک سمٹتا؟ میں بکھر گیا۔ میں نے اپنے توانا بازوؤں کا حصار اس کے گرد تنگ کر دیا۔ درمیان میں پھر مجھے خیال آیا۔ اس نے میری ہچکچاہٹ پر دھمکی دی۔ اس رات میں بہک گیا۔ ایسا بہکا کہ مجھے کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ جب اس نے میرے بال پکڑ کے مجھے اٹھایا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ ''موہن! جاؤ اب رات کافی گزر چکی ہے۔''

پرکاش بھون میں وہ پہلی رات تھی اور میری زندگی کی وہ پہلی رات تھی جو میں نے اس انداز سے بسر کی تھی۔ میں ڈگمگاتا ہوا جانے لگا تو شکنتلا نے مجھے روک کے کہا۔ ''موہن داس! تمہاری زبان بند رہے گی۔''

''ہاں۔!'' میں نے سرشاری میں جواب دیا۔

''اجیت کے بارے میں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے ٹھکرا چکی ہوں۔ تم جلد ہی اس کا حشر دیکھ لوگے۔'' شکنتلا نے ایک بھرپور انگڑائی لے کے کہا۔ ''اب تم میری خدمت کرو گے' جب تک میں چاہوں۔''

میں نے پلٹ کر ایک نظر شکنتلا کے نیم عریاں بدن پر ڈالی۔ پھر اسے جھک کے سلام کیا اور کمرے سے باہر چلا آیا۔ مجھ پر متضاد کیفیتیں طاری تھیں۔ کوارٹر تک میں لڑکھڑاتے قدموں سے پہنچا' کچھ دیر تک خوف اور الجھن کے تاثرات مجھ پر حاوی رہے۔ پھر میں نے خود کو سمجھایا۔ میر جمشید عالم! گردش نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا۔

شیر باز بنایا' موہن داس بنایا' قتل کرائے' پھانسی کا پھندا تمہیں ڈھونڈ رہا ہے' خوف و دہشت میں زندگی گزارو گے تو یوں ہی سسک سسک کر مر جاؤ گے' جب تک زندہ ہو' زندگی کا لطف اٹھاؤ' کل سے بے خبر ہو جاؤ۔ موہن داس نے میر جمشید عالم کو اس رات گہری نیند سلا دیا۔

☆......☆......☆

دوسری صبح میری آنکھ دیر سے کھلی رات کا خمار ابھی تک باقی تھا' جسم ٹوٹ رہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر اٹھ کر شاردا کی خدمت میں چلا گیا۔ اس دن میں نے اسے ایک دوسری نظر سے دیکھا۔ شاردا بھی مجھ سے بے تکلفی سے پیش آتی تھی لیکن وہ پرکاش چندر کی تمام لڑکیوں سے مختلف تھی' سنجیدہ' باوقار' میں اس کے سراپا میں کھویا ہوا تھا۔ یقیناً وہ پرکاش بھون کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ مجھے اپنی طرف اس طرح متوجہ دیکھ کے وہ بولی۔ ''یہ تم آج مجھے اس قدر گھور کے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ ''میں دل ہی دل میں قدرت کی تعریف کر رہا تھا کہ اس نے آپ کو بنانے میں کہیں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

''یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' وہ شوخی سے بولی۔

''مجھے معاف کر دیجئے۔'' میں نے سنبھل کر کہا۔ ''جی چاہتا ہے کہ آج آپ کے حسن کی خوب تعریف کروں۔''

وہ لجا سی گئی اور کہنے لگی۔ ''میں تمہاری راہ تک رہی تھی۔''

''آپ نے کسی کو بھیج کر بلوا لیا ہوتا۔''

''میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں لیکن وچن دو کہ میرے تمہارے درمیان جو باتیں ہوں گی' تم ان کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔''

''آپ مجھ سے ہر قسم کا وچن لے سکتی ہیں۔'' میں نے شائستگی سے کہا۔

''اجیت سے تمہارے تعلقات کس قسم کے ہیں؟''

شاردا نے اچانک اجیت کا نام لیا تو میں سٹپٹا گیا' لیکن ہمت کر کے بولا۔ ''میرا خیال ہے' وہ ایک معمولی آدمی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن......'' شاردا کچھ کہتے کہتے رک گئی اور میرے چہرے پر کچھ ثانیوں کے توقف کے بعد بولی۔ ''موہن داس! میرے ہر سوال کا جواب ٹھیک ٹھیک

دینا۔"

"میں آپ سے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"کیا تمہیں شبہ ہے کہ اجیت اور ڈالی کے کچھ اور قسم کے تعلقات ہیں؟"

میں نے چاہا' پوچھوں یہ کچھ اور قسم کے تعلقات کیسے ہوتے ہیں مگر وہ بے حد سنجیدہ تھی اس لیے میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "ڈالی میری استری نہیں ہے راج کماری جی! ہمارے درمیان صرف دوستی ہے' مرد عورت کا ملاپ نہیں ہے' وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ جو من چاہے کرتی پھرے۔"

"کیا اجیت سے تمہارا کسی بات پر جھگڑا ہوا تھا؟"

"جی نہیں راج کماری جی! دنگا فساد میری عادت نہیں ہے۔" میں نے کچھ سوچ کے کہا۔ "یہ آپ آج اجیت کے متعلق کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"آخری بار تم اجیت سے کب ملے تھے؟"

"کل شام کی بات ہے لیکن آپ......"

"اجیت کو کل رات قتل کر دیا گیا ہے۔" شاردا نے سرد مہری سے کہا۔ "اس کی لاش اصطبل کے قریب ملی ہے۔ پتا جی کو لاشوں سے نفرت ہے اس لیے صبح ہوتے ہی خاموشی سے اس کا کریا کرم کر دیا گیا۔ یہ بات مجھے مالتی نے بتائی۔ محل کے دوسرے ملازموں کو ابھی اس کی اطلاع نہیں ہے۔" شاردا کی زبانی اجیت کے قتل کا واقعہ سن کے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ شکنتلا نے جو آخری جملہ مجھ سے کہا تھا' اس کا مفہوم میری سمجھ میں اب آیا تھا۔ کل تک اجیت شکنتلا کا محبوب تھا۔ دل بھر جانے کے بعد اس نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔ آج جو حادثہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا' وہی کل میرے ساتھ پیش آ سکتا تھا۔ میں اپنے جسم میں سرد لہریں محسوس کر رہا تھا۔

"تم کس سوچ میں پڑ گئے موہن داس؟"

"جی!" میں نے چونک کر کہا۔ "اجیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نہ جانے وہ غریب کس جرم کی پاداش میں مارا گیا؟"

"کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے مالتی کو بھی سختی سے تاکید کر دی ہے۔"

"مالتی کو اجیت کے قتل کا علم کیسے ہو گیا؟" غیر ارادی طور پر میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا۔

"مہاراج نے جس ملازم سے اجیت کی لاش کا کریا کرم کرایا تھا۔ اس نے مالتی کو بتایا ہے' وہ مالتی کے کوارٹر کے برابر رہتا ہے۔"

"راج کماری جی!" میں نے شاردا کو ٹٹولنے کے لیے پوچھا۔ "کیا آپ کو شبہ ہے کہ میں نے ڈالی کی وجہ سے اجیت کا خون کیا ہو گا؟"

"تم پرکاش بھون میں ابھی نئے ہو موہن داس! اجیت تمہارا پڑوسی تھا۔ پتا جی مہاراج کے جاسوس تمہیں بھی ٹٹول سکتے ہیں اس کے علاوہ......" شاردا کہتے کہتے یکلخت خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات نمودار ہوئے جیسے یہ گریز اسے گوارا نہ ہو۔

"اور کیا بات ہے راج کماری جی؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"نہ معلوم یہاں کیا کیا ہوتا رہتا ہے اور کسی بھی وقت کیا ہو سکتا ہے۔ پرکاش بھون شطرنج کا ایک کھیل ہے' کئی طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ سب کے اپنے اپنے جاسوس ہیں' مجھے ڈر ہے موہن داس کہ تم کسی الجھن میں گرفتار نہ ہو جاؤ کیونکہ اجیت تمہارا پڑوسی تھا۔" شاردا کا یہ لہجہ شکنتلا کی قربت سے مختلف تھا۔ میرے بارے میں اس کی فکر مندی سے مجھے یک گونہ مسرت ہوئی۔ حالانکہ یہ مسرت کا وقت نہیں تھا۔

"میں نے اپنے جیون میں ہمیشہ برے دن دیکھے ہیں راج کماری جی! اگر نئی پریشانیوں نے گھیر لیا تو کیا فرق پڑے گا۔"

"نہیں موہن داس! میں تمہیں کسی وقت بھی مصیبت کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔" شاردا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"راج کماری!" میں نے تحیر سے کہا۔ "آپ کس بدنصیب کے بارے میں کہہ رہی ہیں۔ میں پرکاش بھون کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ آپ مجھے بچانے کی کوشش کر رہی ہیں تو مفت میں آپ کی بدنامی ہو گی۔ میری خاطر آپ کیوں رسوا ہوں؟ آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔"

"موہن داس!" شاردا نے الجھتے ہوئے کہا۔ "کیا۔ میں تم سے ملازموں جیسا برتاؤ کرتی ہوں؟ سنو مجھے تمہارے منہ سے اپنے لیے یہ راج کماری جی اچھا نہیں لگتا' آئندہ سے اکیلے میں تم مجھے راج کماری کہہ کے نہیں پکارو گے۔"

"پھر میں کیا کہوں؟ میری زبان سے کچھ اور ادا نہیں ہو پائے گا۔"

''شاردا۔'' اس نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''بس تم یہی کہو گے۔''

''آپ۔ آپ' شاردا!'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''میں زمین کا آدمی ہوں' مجھے زمین ہی پر رہنے دیجئے۔''

''تم تو ایک پڑھے لکھے شخص ہو موہن داس!''

''ہاں مگر......''

''تو تمہیں بھی تمام باتیں سمجھانا پڑیں گی کیا؟''

''اب کسی بات پر یقین نہیں آتا شاردا دیدی!''

''دیدی؟'' وہ غصے سے بولی۔

نہ جانے اس دن وہ مجھ سے اور کیا کیا کہتی' میری قسمت کا ایک دروازہ کھلا تھا' ایک بند ہوتا تھا۔ شاردا جیسی لڑکی مجھ سے باتیں کر رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ یہ کتنی بدنصیب ہے جو میرے قریب آ رہی ہے' اچانک مالتی اندر آ گئی۔ شاردا اس کے سامنے مجھے ڈانٹنے پھٹکارنے لگی۔ مالتی نے اطلاع دی کہ آپ کو مہارانی یاد فرما رہی ہیں۔ شاردا اطلاع سنتے ہی اندر چلی گئی۔ میں اور مالتی کمرے میں اکیلے رہ گئے' شاردا کے جانے کے بعد اس کی زبان چلنے لگی۔ ''سنا موہن! کل رات شکنتلا دیدی نے تجھے کیوں یاد کیا تھا؟''

''جا اپنا کام کر۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے ڈانٹا۔ ''ہر بات میں بولتی ہے' قینچی کی طرح زبان چلتی ہے تیری۔'' اس کی مسکراہٹ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ شکنتلا کے ہر راز سے واقف ہے۔ ''تو آج کل بڑا اتراتی ہے؟'' میں نے اسے ٹھوکا مارتے ہوئے کہا۔

''تجھے کیا' بڑا آیا کہیں کا میری اتراہٹ کو ٹوکنے والا۔ ہونہہ۔'' مالتی مٹکتے ہوئے بولی۔ ''برف کی سل۔''

''اچ چھا۔ مالتی!'' میں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

وہ کولھے پر ہاتھ رکھے مجھے مضحکہ خیز انداز میں گھور رہی تھی۔ ایک لمحے میں بہت سے خیال میرے دماغ میں کوند گئے۔ اجیت کی موت کے بعد اس کی شخصیت یوں بھی اہم ہو گئی تھی۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''سن' چل میرے ساتھ۔'' مالتی اکڑ اکڑ کے میرے ساتھ چل رہی تھی لیکن جب وہ میرے کوارٹر میں آئی تو موم کی طرح پگھل گئی اور جب کوارٹر سے باہر نکلی تو اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے جھلملا

رہے تھے۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے تمتمائے ہوئے رخساروں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب تیری زبان نہیں چلے گی۔'' اس نے پلٹ کر مجھے راکھشس کے خطاب سے نوازا اور تیزی سے بھاگ گئی۔ میں دوبارہ محل میں جا کے شاردا کے کمرے کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔ اجیت کے قتل کا الزام لگنے سے پہلے میں نے مالتی جیسی اہم شخصیت کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔

لیکن اجیت کا قتل گم شدگی قرار دیا گیا۔ ملازموں میں طرح طرح کی چہ مگوئیاں ہوئیں' خوف و ہراس پھیلا۔ جو اجیت کے رعب اور دبدبے سے کانپتے تھے' وہ اس کی گم شدگی پر بڑے خوش تھے' جو اس کے دوست تھے ان کا خیال تھا کہ وہ ایسا بزدل نہیں تھا جو یوں چپ چپاتے فرار ہو جاتا۔ میں نہ خوش تھا نہ غم زدہ۔ ہاں ڈالی مجھے جن نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی' ان سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ مجھ پر شبہ کر رہی ہو۔

مالتی نے بے غیرتی اختیار کر لی تھی۔ وہ ڈالی کی عدم موجودگی کا یقین کر کے وقت بے وقت میرے کوارٹر میں گھس آتی۔ ادھر شکنتلا رات گئے مجھے کسی نہ کسی بہانے بلا لیا کرتی تھی۔ میں حکم کا غلام تھا جیسے تیسے زندگی گزر رہی تھی۔ بس گزر رہی تھی۔ اپنا کوئی اختیار نہیں تھا۔ رات شکنتلا کی حسین باہوں' ریشمی زلفوں اور تابندہ رخساروں اور مہکتی سانسوں کے درمیان گزرتی' کبھی حجرے کی ویرانی میں' کبھی امید وبیم میں' کبھی خوف و دہشت میں۔ اجیت کے قتل کے بارے میں مہاراج کے جاسوس ایک ایک مشکوک ملازم کو کرید رہے تھے۔ مہاراج کا پرسنل سیکرٹری جیون داس بڑی سخت گیر طبیعت کا مالک تھا۔ مہاراج نے اسے اتنا منہ چڑھا رکھا تھا کہ راج کمار بھی اس سے خوف زدہ رہتے تھے۔ سخت گیر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے حد عیاش اور رنگین مزاج بھی تھا۔ ہر وہ لڑکی جو مہاراج کی خدمت میں طشتری میں سجا کے پیش کی جاتی ہو' اس کے لیے پہلے جیون داس کی کسوٹی پر پورا اترنا لازم تھا۔ ڈالی بھی یقیناً اسی کے توسط سے مہاراج تک پہنچی ہو گی۔ اجیت کا پڑوسی ہونے کے سبب جاسوسوں نے مجھے بھی کریدنے کی کوشش کی' مجھ سے قسم قسم کے الٹے سیدھے سوالات کیے گئے۔ پھر مجھے جیون داس کے سامنے ایک خاص کمرے میں پیش کیا گیا۔ جہاں سوالات کم ہوئے' مارا پیٹا زیادہ گیا۔ میری کمر ننگی کر کے اس پر کوڑے برسائے گئے۔ جیون داس کے رویے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے مجرم سمجھ رہا ہے یا اسے ایک مجرم کی ضرورت ہے۔ کسی

قیمت پر میری گلو خلاصی کی امید نہیں تھی لیکن ایک دن اچانک اس نے مجھے معاف کر دیا۔ مالتی میرے اور شکنتلا کے درمیان واحد راز دار تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ جیون داس سے شکنتلا نے اپنی خواب گاہ میں میری سفارش کی تھی۔ میں نے اس انکشاف پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ شکنتلا اگر یہ نہ کرتی تو میں کیا کر لیتا؟

اجیت کے قتل کے سلسلے میں مجھے سب سے زیادہ حیرت کنور مہیش چندر کی خاموشی پر ہوئی تھی۔ اس نے مکمل خاموشی اختیار کر رکھی تھی جب کہ اجیت اس کا خاص ملازم تھا۔ مجھے بھی ڈیڑھ مہینے سے طلب نہیں کیا گیا تھا۔ اس دوران وہ پراسرار سادھو بھی تیسری بار نظر نہیں آیا لیکن اس خاموشی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اب سکون ہو چلا ہے۔ کسی وقت بھی کہیں سے کوئی چنگاری اڑ کے پرکاش بھون میں آگ لگا سکتی تھی، خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہوتی تھی۔ سادھو نے میرے ماضی کے متعلق کوئی بات غلط نہیں کہی تھی اور مستقبل کے متعلق وہ جس انداز میں گفتگو کر رہا تھا' اس سے بہت کچھ قیاس کیا جا سکتا تھا۔ ابھی تک مجھے کنور مہیش چندر کے اشاروں پر ناچنے کی نوبت نہیں آئی تھی مگر کسی وقت بھی وہ میری طرف انگلی اٹھا سکتا تھا۔ میری حیثیت ایک کٹھ پتلی کی تھی اور دھاگا کنور جی کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک دن میری درخواست پر شاردا نے مجھے چند کتابیں پڑھنے کو دے دی تھیں جو ویرانی اور تنہائی اور خوف کے احساسات مجھ سے دور کر دیتی تھیں۔ باسی اخبارات بھی شاردا نے فراہم کر دیے تھے۔ پھر میں نے پرکاش بھون کی قدیم لائبریری سے شاردا کے ذریعے باقاعدہ استفادہ کرنا شروع کر دیا اور ڈالی کو سمجھا دیا کہ میں پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں' پھر مجھے اسے بتانا ہی پڑا کہ میں باقاعدہ تعلیم یافتہ آدمی ہوں۔ اس دن کے بعد سے ڈالی میرا احترام کرنے لگی تھی اور اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ گڈا بڑا ہو جائے گا تو میں اسے پڑھاؤں گا۔ گڈا بڑا ہو جائے گا تو میں کہاں ہوں گا؟ یہ مجھے خود نہیں معلوم تھا۔

ایک روز مالتی میرے کمرے میں موجود تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم دونوں اس خلاف توقع دستک پر بوکھلا گئے' مالتی نے اس رخنہ اندازی پر برا سا منہ بناتے ہوئی کہا۔ ''جا دیکھ وہی ہو گی تیری شکنتلا۔'' میں نے برق رفتاری سے کپڑے تبدیل کیے۔ مالتی کو منت سماجت کے بعد پچھلے دروازے سے باہر نکالا پھر لپک کے صدر دروازے پر آ گیا۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو کنور مہیش چندر کا بوڑھا ملازم ہری داس کھڑا تھا۔ میرا دل جیسے کسی نے پکڑ لیا۔ اس سے قبل کہ میں اس کے آنے کی

وجہ دریافت کرتا' اس نے مجھے بتایا کہ مہیش چندر نے مجھے اسی وقت طلب کیا ہے' کیوں اور کیا کا سوال نہیں تھا' میں نے اسی وقت ہری داس کے ساتھ جانا چاہا لیکن اس نے منع کر دیا اور کچھ دیر بعد آنے کی تاکید کر کے واپس چلا گیا۔ ہری داس نے جس راز داری اور احتیاط کا مظاہرہ کیا تھا' وہ میرے لیے پریشان کن تھی۔ میری چھٹی حس مجھے کسی آنے والے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔ شاید میرے اس امتحان کا وقت آ چکا تھا جس کا تذکرہ مہیش چندر نے کیا تھا۔ ہری داس کے جانے کے پندرہ منٹ بعد میں محل کے اندر مہیش چندر کے کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

کنور مہیش چندر میرا منتظر تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی مسلط تھی۔ وہ پیچھے کی طرف ہاتھ باندھے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔ سنگ مرمر کی میز پر شراب کی آدھی بوتل اور گلاس دیکھ کے میں سمجھ گیا کہ وہ بہت دیر سے شغل کر رہا ہوگا۔ مہیش نے مجھے دیکھا تو جہاں تھا' وہیں ماتھے پر انگلی ٹکائے کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے قریب آ کے راز دارانہ لہجے میں بولا۔

''موہن داس! اب سمے آ گیا ہے کہ میں تمہاری وفاداری کا امتحان لے سکوں۔''

''حکم دیجیے سرکار! موہن داس اپنا وچن بھولا نہیں ہے۔'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے اعتماد سے جواب دیا۔

''تمہیں اجیت یاد ہے؟''

''اسے کون بھول سکتا ہے سرکار؟ بھلا مانس تھا۔''

''اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

میں ایک ثانیے کو چونکا پھر تیزی سے بولا۔ ''لوگوں کا خیال ہے سرکار کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔''

''نہیں۔'' مہیش گرج کے بولا۔ ''نہیں' اجیت فرار نہیں ہوا' اسے قتل کرا دیا گیا ہے۔''

''قتل؟'' میں نے چونک کر کہا۔ ''مگر کیوں؟ کس نے اس غریب کا خون کیا؟ وہ کس کا دشمن تھا؟''

''مہاراج نے۔'' مہیش ہاتھ ملتا ہوا غصے سے بولا۔ ''اجیت میرا راز دار اور وفا دار تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس کے قتل میں جیون داس نے خاص کردار ادا کیا ہے۔ وہ مہاراج کا خاص آدمی ہے۔''

''میں نے آپ کا نمک کھایا ہے سرکار! آپ کی کرپا سے جیون گزار رہا ہوں' جو آپ کا دشمن' وہ میرا دشمن' اگر آ گیا ہو تو جیون داس کو ٹھکانے لگا دوں؟''

''جیون داس نے جو کیا ہے' اس میں مہاراج کے حکم کو دخل ہو گا۔'' مہیش سرد آواز میں بولا۔ ''جیون داس کی حیثیت ہی کیا ہے' وہ حرام زادہ بیچتا کیا ہے؟''

''مجھے حکم دیجیے سرکار!''

''موہن داس! ایک بات کا دھیان رکھنا اگر تم نے چتر بننے کی کوشش کی یا زبان کھولی تو میرے آدمی تمہارا شریر چھلنی کر دیں گے۔''

''موہن داس نمک حرام نہیں ہے سرکار!'' میں نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔ ''آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔''

''مہاراج نے اجیت سے میرے بہت سے راز اگلوانے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتروایا ہوگا' اگر وہ زندہ ہوتا تو میں اپنا بچاؤ کر سکتا تھا۔ لیکن اب یہ ناممکن ہے۔'' مہیش چندر نے تلملا کے کہا۔ ''میں اندھیرے سے چلنے والی کسی گولی کا شکار ہونا پسند نہیں کروں گا۔ اس سے پہلے کہ دشمن وار کرے' اس کا سر کچل دیا جائے گا اور یہ کام تمہیں کرنا ہوگا۔''

''میں تیار ہوں۔ آپ مجھے دشمن کا نام پتہ بتا دیجیے۔ آپ کا سیوک اسے راستے سے ہٹا دے گا۔''

''دشمن کا نام سن کے تم کانپ اٹھو گے موہن داس!''

''میں وچن دیتا ہوں سرکار! میرے قدم ڈگمگائیں گے نہیں۔ یہ زندگی بھی آپ ہی کی کرپا سے ہے' میں موت سے نہیں ڈرتا۔''

''تو سنو موہن داس! تمہیں مہاراج کو ٹھکانے لگانا ہے۔'' مہیش نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سانس کہیں اٹک گیا ہو اور میں فضا میں معلق ہو گیا ہوں۔ میں سن ہو گیا۔

مہیش نے میرے چہرے کا رنگ اڑا اڑا دیکھا تو گرج دار لہجے میں بولا۔

''اگر تم نے پیچھے ہٹنے یا فرار ہونے کی کوشش کی تو تمہارا انجام بھیانک ہوگا۔''

''آپ چنتا نہ کریں سرکار!'' میں نے ہکلا کر کہا۔ ''موہن داس اپنا وچن پورا کرے گا۔'' یہ کہتے ہوئے میرا دل ڈوبنے لگا۔

''گڈ۔ مجھے وشواس تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔'' مہیش نے کھلتے ہوئے کہا۔ پھر مہاراج پرکاش چندر کو قتل کرنے کے سلسلے میں مجھے ضروری ہدایات دینے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد جب میں کنور مہیش چندر کے کمرے سے باہر نکلا تو میرے قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ مجھے اپنا وجود اپنے پیروں پر سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ مجھ پر رعشہ سا طاری تھا۔ نہ جانے مجھے کس طاقت نے گھر پہنچایا؟ ڈالی نے میرے اینٹھے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھے تو بین کرنے لگی۔

☆......☆......☆

اور اب یہ عقدہ کھلا کہ میں واقعی ایک اہم آدمی ہوں۔

کنور مہیش چندر نے اپنے باپ کو قتل کرانے کے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔ میں ایک موزوں شخص تھا۔ راجے پور کے ایک بڑے رئیس کو ہلاک کرنے کے لیے کسی معمولی آدمی کی خدمات حاصل نہیں کی جاسکتی تھی' اس کام کے لیے ایک مشاق' مستعد اور مرد آدمی ہی کی ضرورت تھی۔ ایسے آدمی کی' جس کی آنکھوں کا پانی مر گیا ہو اور جس کی باتوں سے خون کی بو آتی ہو۔ مجھ جیسا نوجوان کنور کے حلقے میں کوئی نہیں تھا۔ میرے چہرے پر میری عمر لکھی ہوئی تھی۔ جذبۂ جنون اور جوش کی عمر۔ یہ لانبا قد۔ بازوؤں میں تڑپتی ہوئی مچھلیاں' یہ چمکیلی آنکھیں' یہ توانا جسم' ایسا خوب رو گبرو نوجوان کنور کو اور کہاں ملتا؟

رفتہ رفتہ ہر بات کھل رہی تھی۔

میں نے کلکتے سے بمبئی اور بمبئی سے راجے پور کی اس دور دراز بستی کے ایک مضبوط محل کی فصیلوں میں خود کو نظر بند کر لیا تھا۔ چہرے پر خاک مل لی تھی کہ خاندانی وجاہت کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ سر جھکا رکھا تھا اور آنکھوں کی چمک ماند کر لی تھی۔ اپنے بازو ڈھیلے ڈھالے لباس میں چھپا رکھے تھے۔ چال بدل لی تھی' ہر تیور بدل لیا تھا۔ کسی مضمحل اور بیمار شخص کی طرح اس محل میں حرکت کرتا تھا لیکن یہ تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ میرا چہرہ' میرے بازو' میری باتیں اور میری چال اپنے آپ کو نہ چھپا سکے۔ ڈالی کو معلوم ہو گیا کہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہوں۔ پرکاش بھون کی حسین دوشیزہ کماری شاردا بھی یہ بات جان چکی تھی اور اس نے مجھے ایک ملازم سے بڑا درجہ دے دیا تھا۔ شاردا کی بڑی بہن شکنتلا کو بھی لباس کے اندر چھپے ہوئے میرے تشنہ اور سرکش جسم کی خبر ہو چکی تھی۔ اس نے مجھے اپنا سب سے قریب کا آدمی بنا لیا تھا۔ ادھر کنور مہیش چندر نے میرے ہاتھوں کی سرخی کا سراغ لگا لیا تھا اور وہ سادھو جو

کنور کے پاس پیش گوئیاں کرنے اور نشیب و فراز بتانے آتا تھا' میرے بارے میں شاید سب سے زیادہ جانتا تھا۔ ممکن تھا کہ میں ان تمام لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب ہو جاتا مگر میں اس سادھو کا داخلہ پرکاش بھون میں کیسے بند کر سکتا تھا جس نے مجھے صرف ایک نظر دیکھ کے کنور کے سامنے میرا ماضی عریاں کر دیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں کنور مہیش چندر کے کمرے سے یہ حکم سن کے کس طرح اپنے کوارٹر تک پہنچا تھا۔ مجھ پر رعشہ سا طاری ہو گیا تھا۔ آتے ہی میں پلنگ پر بے سدھ گر گیا۔ میرے اینٹھے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کے ڈالی نے بین شروع کر دیا۔ وہ کبھی میرے ہاتھ کھولتی تھی' کبھی میرے پاؤں' کبھی میرے منہ میں پانی کے قطرے ٹپکاتی تھی۔

جب مجھے یہ گمان ہوا کہ میں اسی ہذیانی حالت میں مبتلا ہوں جس میں آئندہ خطروں کی پیش گوئی کر دی جاتی ہے تو مجھے یک گونہ اطمینان ہوا اور ڈالی کی مداخلت بری لگنے لگی۔ میں آنے والے حادثے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ دیکھیے اب کیا نظر آتا ہے۔ چنانچہ میں کسی ہول ناک منظر کے لیے مضطرب تھا لیکن یہ محض میرا گمان ثابت ہوا تھا۔ میری حالت بڑی ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے پھانسی کے پھندے تک لے جایا جا رہا ہو' میں بری طرح چیخ رہا ہوں اور سب نے کانوں میں روئی ٹھونس لی ہو۔ چھت صاف تھی اور ڈالی میرے سرہانے بیٹھی ہوئی سسک رہی تھی۔ یہ ڈالی وہی عورت تھی جس نے بمبئی کے فٹ پاتھ پر میری بھوکی انتڑیوں میں اپنے پیار کا رس ٹپکایا تھا۔ اس نے مجھ بے سر و ساماں شخص کو رہنے کے لیے ایک چھت دی تھی۔ اگرچہ وہ چھت پھونس کی بنی ہوئی تھی لیکن وہ ڈالی کے خلوص کا سایہ تھی۔ ڈالی میرے کہنے پر راجے پور چلی آئی تھی اور اب وہ میرے سامنے بیٹھی میرے لیے رو رہی تھی۔ وہ سسک سسک کے بار بار پوچھتی تھی۔ ''شیرو! کم بخت تجھ پر کیا آفت آ پڑی ہے؟ مجھے نہیں بتائے گا تو کسے بتائے گا' تیرا اس دنیا میں کون ہے؟ کیا تو مجھ سے ناراض ہو گیا ہے' خدا کے لیے کچھ بول شیرو!'' وہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ اس نے میرا گریبان چاک کر دیا اور میرے سینے پر مالش کرنے لگی۔ پھر اس نے میرا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس کے گرم آنسو میرے چہرے پر گرنے لگے۔

ڈالی کی آغوش میں ایسا گداز اور اس کی باتوں میں ایسا سوز تھا کہ میرے اندر سے کب کا رکا ہوا سیلاب امڈنے لگا۔ میرے پاس اسے بتانے کے لیے کچھ نہیں

تھا۔ وہ رو رو کے پوچھتی تھی کہ میری اس ابتر حالت کا سبب کیا ہے؟ سبب کیا ہے؟ میں اسے کیا بتاتا کہ سبب صرف میرا زندہ رہنا ہی ہے۔ کاش وہ دن طلوع نہ ہوتا جب میں پیدا ہوا تھا۔ جب آنسوؤں کی یہ بارش تھمی تو ڈالی میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کے پوچھنے لگی۔ ''شیرو! تجھے میری قسم، تجھے اپنی ماں کی قسم، مجھے بتا، تجھے کیا روگ لگ گیا ہے؟ تو اداس اداس کیوں رہتا ہے؟ تیرے جوان جسم کو کسی کی نظر کھا گئی ہے؟ کیا میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتی؟ کیا تو مجھے کچھ نہیں سمجھتا؟''

''میں تجھے کیا بتاؤں ڈالی!'' میں نے تنگ آ کے کہا اور اپنا چہرہ چھپا لیا۔

''بتا دے شیرو!'' وہ منت کرتے ہوئے بولی۔ ''ممکن ہے، میں تیرے کسی کام آ جاؤں۔ کھوٹا پیسہ بھی کسی دن کام آ جاتا ہے۔''

''ڈالی!'' میں نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔ ''ہم نے یہاں آ کے بڑی غلطی کی۔''

اس کی پلکیں جھلملانے لگیں۔ ''ہاں شیرو! تو سچ کہتا ہے۔'' اس کے لہجے میں کسک تھی۔ ''یہاں سب ننگے اور اوچھے رہتے ہیں۔''

''یہ ظالموں اور جانوروں کی بستی ہے ڈالی! یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے کیا تو مجھے یہاں سے نکال نہیں سکتی؟''

''یہاں سے نکل کے کہاں جائیں گے پگلے؟'' اس نے مایوسی سے جواب دیا۔ ''ہمارے لیے باہر کی دنیا بھی قید خانہ ہے۔''

''وہ اس سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ ہم روکھی سوکھی کھا لیں گے، پر یہاں جو تلوار ہر وقت سر پر لٹکی رہتی ہے، اس اذیت سے تو نجات حاصل کر لیں گے۔'' مجھے معلوم تھا کہ میں بے سروپا باتیں کر رہا ہوں، ڈالی کے پاس کوئی کنجی نہیں ہے۔ یہ پرکاش بھون ہے جس میں آنا آسان، جانا مشکل ہے۔ ہم آتے ہی یہاں سے چلے جاتے مگر اب میرا رواں رواں کنور مہیش چندر کا غلام تھا۔ پرکاش بھون کی اونچی فصیلیں میرے پیروں کی زنجیر بن چکی تھیں، مجھے احساس ہوا میں کس سے باتیں کر رہا ہوں؟ ڈالی ایک مجبور عورت ہے۔ جو دکھ اور ستم کا میرے جیسا سفر کر رہی ہے۔ یہاں آ کے اس کی صحت اچھی ہوگئی ہے، اس کا رنگ نکھر گیا ہے۔ جسے ایک مدت بعد عمدہ کپڑے، لذیذ غذائیں ملی ہوں اور جس نے اس سے زیادہ سیاہ دن دیکھے ہوں، میں اپنے رنج کی داستان اسے سنا کے اور دکھی کر دوں گا۔ میں اس سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی،

مجھے تنہا چھوڑ کے کوارٹر سے چلی جائے۔ میرے غم کی آگ اسے لگ نہ جائے لیکن وہ میرے پاس ہی بیٹھی رہی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

''اتنا بد دل تو نہ ہو شیرو!'' وہ اپنے پلو سے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔ ''ہمیں یہاں عمر بھر کون سا رہنا ہے؟ جب چار پیسے ہاتھ آ جائیں گے، یہاں سے نکل جائیں گے۔ پھر کہیں ایک چھوٹا موٹا سا گھر لے لیں گے، تو نوکری کرنا یا کوئی کاروبار کر لینا اور میں گڈے کو اسکول بھیجا کروں گی۔ تیرے لیے اچھے اچھے کھانے پکایا کروں گی۔ بس کچھ دن مصیبت کے اور گزار دے۔''

کچھ دن اور۔ یہ کچھ دن ختم ہو جائیں گے تو میں کہاں ہوں گا اور ڈالی کہاں ہوگی؟ میں نے سوچا۔ ڈالی سے کچھ چھپانا بے کار ہے، کنور مہیش چندر نے مجھے جو حکم دیا ہے، وہ ڈالی کو بھی بتا دوں، کہتے کہتے میری زبان کسی نے روک لی۔ کنور پرکاش چندر کے مجوزہ قتل کے راز میں کسی عورت کو شریک کرنے کی غلطی کر کے میں مزید مصیبتوں میں گرفتار ہو سکتا تھا۔ ڈالی کی رسائی مہیش چندر کے باپ پرکاش چندر کی ذات تک تھی۔ وہ ایک بارسوخ عورت تھی چونکہ وہ نوجوان اور حسین تھی۔ اس کا بدن [illegible] کھاتا تھا اور اس کی آنکھیں شراب بکھیرتی تھیں۔ میں ڈالی کو مزید پریشان نہ کرنے کے لیے بستر سے اٹھ گیا اور میں نے موضوع بدلنے کی ناکام کوشش کی۔ ''سن ڈالی۔'' میں نے اداسی سے پوچھا۔ ''تو مجھے اپنا کیا سمجھتی ہے؟''

وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی پھر اس نے بے باکی سے کہا۔ ''میں تجھے اپنا مرد سمجھتی ہوں۔''

''پر۔ پر میں تیرا مرد نہیں ہوں۔''

''تو میرا سب کچھ ہے۔'' اس نے میرے سر سے اپنی ٹھوڑی ٹکا دی۔ ''تیرے میرے بہت سے رشتے ہیں۔'' وہ میرے سوال سے روہانسی ہو گئی تھی۔ ''اور تو مجھے کیا سمجھتا ہے؟''

''پہلے میرے سوال کا صاف صاف جواب دے۔ دیکھ ڈالی!'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''شاعری مت کر، مجھے بتا میں تیرا کون ہوں؟''

''گڈے کے بعد تو ہی میرا سب کچھ ہے۔'' اس نے کسی تامل کے بغیر کہا۔

''مگر میں تو تجھ سے قریب رہتے ہوئے بھی بہت دور رہا ہوں۔''

''تو۔ تو تو میری روح ہے شیرو!'' وہ جذباتی ہو کے بولی۔ ''تو بہت بڑا

آدمی ہے۔ تیری نظر میں کھوٹ نہیں ہے۔ میں نظریں پہچانتی ہوں۔ اسی لیے میرے دل میں تیری عزت ہے۔"

"پر باؤلی۔ میں تیرا مرد تو نہیں ہوں۔"

"ایسا مت کہہ۔ اگر مرد بننے کے لیے کپڑے اتارنا ضروری ہے تو یہ بھی چلے۔" وہ زچ ہو کے بولی اور تیزی سے بٹن کھولنے لگی۔

"پاگل!" میں نے اس کا ہاتھ روک لیا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں ایک اندازہ لگا رہا تھا۔"

"تو بڑا بے رحم اور ظالم ہے۔ کیا مرد اور عورت کا ایک ہی رشتہ ہوتا ہے۔ باپ بھائی یا بیٹا نہیں ہوتا۔" ڈالی رقت انگیز آواز میں بولی۔ "میں تیرے لیے گڈے کی قسم کھا سکتی ہوں۔"

"پر میں تیرا کسی قسم کا مرد نہیں ہوں۔" میں نے جھنجلا کے کہا۔ "میں تیرا باپ' بھائی' شوہر' کچھ بھی نہیں کیونکہ میں بڑا بے غیرت ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تو راتوں کو غائب رہتی ہے۔ مجھے معلوم ہے' پرکاش بھون کے مردوں سے تیرا کیا تعلق ہے۔ میں یہ تیرا کیسا مرد ہوں۔ میں زنخا ہوں' بھڑوا ہوں ڈالی! مجھے اتنی بڑی گالی مت دیا کر۔ میں نے چوڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے تجھے یہ باتیں پریشان کرتی ہوں گی لیکن میں جانتی ہوں کہ تو میرے پائینتی ایک مرد بن کے کھڑا کیوں نہیں ہوتا؟ تو انسانوں سے چھپا چھپا کیوں رہتا ہے؟ تو اپنے پچھلے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے۔ تو بے غیرت بننے پر مجبور ہے۔ شیرو! ممکن ہے تیرا نام بھی کچھ اور ہو۔" ڈالی جذبات میں کہے جا رہی تھی اور میں حیرت سے اس کا منہ تک رہا تھا۔

"تو میرے بارے میں کیا جانتی ہے ڈالی؟" میں نے گھبرا کے پوچھا۔

"میں تیرے بارے میں کچھ نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تجھے دنیا نے بہت ستایا ہے اور تجھ سے کوئی ایسا پاپ ضرور ہو گیا ہے کہ تو اپنے آپ سے ڈرتا ہے۔ تو لاکھ چھپائے پر تیرے چہرے پر لکھا ہے کہ تو وہ نہیں' جو نظر آتا ہے۔"

"تو نے یہ کیسے اندازہ لگایا؟" میں نے برہمی اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں پوچھا۔

"ارے پگلے! یہ کون سی مشکل بات ہے۔ ایک لمبے چوڑے ڈیل ڈول کا

آدمی چماروں' بھکاریوں کی بستی میں رہنے پر مجبور ہے۔ یہ تیرا چہرہ ہے کہ اس پر کڑی دھوپ کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ مجھے مت چھیڑ شیرو! میں نے تجھ سے اب تک کوئی بات یوں نہیں کہی تھی کہ تو مجھ سے ڈرنے لگے گا۔ تو میرے پاس سے بھی بھاگ جائے گا۔ مجھے ایک مرد کی ضرورت تھی اور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ تو نے پہلے کون سا پاپ کیا ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تو پڑھا لکھا بھی ہے تو پھر مجھے کوئی شبہ نہیں رہا۔ تو نے مجھے' میں جیسی بھی تھی' قبول کیا تھا اور میں نے تجھے' تو جیسا بھی تھا' قبول کیا تھا تو جانتا تھا کہ میں کہاں کہاں جاتی ہوں۔ یہ تو سمجھتا تھا کہ میں آوارگی میں کہیں نہیں جاتی۔ مجھے معلوم تھا کہ تو مجھے ٹوکتا کیوں نہیں۔ اس لیے کہ تو مجھ پر دعوا کرنے اور مجھے گندگی سے روکنے کی بات کس منہ سے کرتا؟ تیرے اندر چور چھپا بیٹھا تھا۔ تیرے ہاتھ خود رنگے ہوئے ہیں۔ تو خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔"

"ڈالی! یہ تو آج کیسی باتیں کر رہی ہے؟" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "تو میرے بارے میں جو سمجھتی ہے' وہ سب صحیح ہے۔ مجھے تیرے سب کام برے لگتے ہیں مگر میں تجھ سے کہنے کی ہمت نہیں کر پاتا کیونکہ میں تیرا حق ادا نہیں کرتا۔ تو ایک مرد کی موجودگی میں کام پر جاتی ہے۔ میں ایک اپاہج ہوں ڈالی! مجھے معذور سمجھ اور مجھ سے اتنی محبت کی باتیں نہ کر۔"

"شیرو! ایک بات پوچھوں؟" ڈالی نے اچانک اپنا لہجہ بدل کے کہا۔

"پوچھ۔ میں تیرے سامنے خود کو ننگا محسوس کرتا ہوں۔"

"ارے چھوڑ۔" وہ ہاتھ نچا کے بے پروائی سے بولی۔ "کون ننگا ہے' کون کپڑے پہنے ہوئے۔ شیرو مجھ سے پوچھ۔"

"تجھے ایسی باتیں کرنا کہاں سے آ گیا ڈالی؟"

"یہ سب زمانے نے سکھایا ہے شیرو!" ڈالی تنک کے بولی۔ "میں نے کتابیں نہیں پڑھیں' زمانہ پڑھا ہے۔ ہاں یہ بتا شیرو! تو مجھے پسند کرتا ہے؟ کیا تیرا جی نہیں چاہتا کہ میں تیرے پاس......؟" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا کہنا چاہتی ہے۔" میں نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں کبھی تیرے دل میں میرے لیے کسی اور قسم کی خواہش پیدا ہوتی ہے؟ تو نے مجھے کسی اور نظر سے دیکھا ہے؟ کبھی تو نے چاہا ہے کہ......" ڈالی پھر خاموش ہو گئی۔

"تو مجھے کبھی کبھی بہت اچھی لگتی ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "میں تیرے بہت قریب رہا ہوں۔ ہاں، کبھی کبھی میرا جی چاہا ہے کہ تو اور قریب ہو جائے۔"

"تو سچا آدمی ہے۔" ڈالی نگاہیں جھکا کے بولی۔ "کبھی میرے دل میں بھی کھوٹ آئی ہے لیکن میں نے سوچا، تیرے ساتھ تو میرا رشتہ اور ہے۔ نہ جانے کیا ہے؟ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو سمجھا لیا۔"

"آہ ڈالی! تو مجھ سے کتنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے۔" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "میں اپنا کب ہوں جو تیرا ہوں گا۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ جو پل گزر رہا ہے، وہ میرے ساتھ زندگی کا مذاق ہے۔ میں مانگی ہوئی، چھینی ہوئی زندگی گزار رہا ہوں۔ مجھے اب تک مر جانا چاہیے تھا۔"

"شیرو! میں تیرے دکھ سمیٹ لوں گی۔" ڈالی اشتیاق سے بولی۔ "تو بہت دکھی ہے۔ تمام باتیں مجھ سے کہہ دیا کر، تیرا غم ہلکا ہو جائے گا۔ اگر تو نے سب دکھ اپنے ہی سینے میں رکھے تو کسی دن تیرا سینہ پھٹ جائے گا۔ کل پر امید رکھ شیرو!" اس کے لہجے میں دنیا کی ساری عورتوں کا پیار سمٹ آیا اور وہ میرے بالوں کے لچھے بنانے لگی۔ "ذرا اپنا حلیہ تو ٹھیک کیا کر۔ ذرا ہوش میں رہا کر اور میری فکر چھوڑ دے۔ سمجھ لے میں گناہوں کی جیل میں ہوں۔ جب سزا کاٹ لوں گی، باہر آ جاؤں گی۔ شیرو ایک بار یہ بدن گندا ہو گیا ہے تو گندا ہو گیا۔ ایک دھبا پڑ گیا تو دوسرے دھبے کا کیا ہے؟ میں نے پیسہ بٹورنا شروع کر دیا ہے وہ سب میرا چہرہ اور بدن پسند کرتے ہیں۔ میں یہ چیزیں انہیں عارضی طور پر بیچ دیتی ہوں۔ پھر بھی میں، میں ہی رہتی ہوں۔ اس بازار میں میری قیمت ذرا زیادہ لگ جاتی ہے۔ سوچتی ہوں، میں کون سا گناہ کرتی ہوں، جو مرد مجھے اپنے پاس بلاتے ہیں، وہ بھی تو اتنے ہی گندے ہیں، جب سے میں نے پرکاش بھون کے زنان خانے میں قدم رکھا ہے۔ مجھے ہر عورت ڈالی نظر آتی ہے۔ یہاں سازش، سفارش اور ہوس میں بدن کا کاروبار ہوتا ہے۔ میں کوئی سازش نہیں کرتی۔ صرف انعام وصول کرتی ہوں، اپنے خوب صورت بدن کا انعام۔ سونا، چاندی، روپے۔ اور شیرو!" ڈالی پر خیال انداز میں بولی۔ "اگر میں اپنے گوشت کی قیمت نہ لگاتی تو وہ مجھے ویسے بھی چھین لیتے کیونکہ میں بغیر تالے اور چھت کی عورت تھی۔ میرے پاس ایک بچہ تھا اور پھر تو تھا۔ تو بھی تو میرا بچہ ہے، ایک بڑا بچہ۔ میرا تیرا رشتہ عجیب ہے۔ تو اگر خواہش کرے تو میں تجھے اپنا بدن پیش کر سکتی ہوں لیکن میں تجھ سے کوئی انعام

نہیں لوں گی۔ میں تو بس تجھے خوش دیکھنا چاہتی ہوں، جس طرح بھی ہو۔ تو نے ڈالی کو سمجھا ہی نہیں شیرو!" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی اور میں نے اس کی شعلہ گفتاری بند کرنے کے لیے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ڈالی نے تمام ان کہی باتیں کرنے کے لیے آج کا یہی وقت مقرر کر لیا تھا، جب کہ میں ایک شدید ذہنی خلفشار میں مبتلا تھا۔

"بس کر ڈالی!" میں ڈالی کی زبانی یہ سب کچھ سننے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ وہ آج کھل کے برس رہی تھی۔ نہ جانے کب کا غبار آنسوؤں اور آہوں کی شکل میں امڈ رہا تھا۔ اس کے اندر سے جو عورت برآمد ہوئی تھی۔ اس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"یہ سمجھ سمجھ کا پھیر ہے شیرو! کیا کوئی عورت اپنا بدن بیچ کے بالکل گندی ہو جاتی ہے؟ کیا وہ نالے میں گر جاتی ہے؟ کیا وہ دوبارہ نیا لباس نہیں پہن سکتی؟ کیا اس کی روح بھی بک جاتی ہے؟ کیا وہ کبھی اچھی نہیں ہو سکتی؟ کیا اس کے بدن پر واقعی دھبے پڑ جاتے ہیں؟ کوئی فرق نہیں پڑتا شیرو! میں بڑی مطمئن عورت ہوں۔ میرا دل صاف ہے۔ مجھے گناہ کا احساس نہیں ہوتا۔" ڈالی نے زبان بند نہیں کی۔

"تو خود سے جھوٹ بولتی ہے۔ تو اچھا برا سب سمجھتی ہے لیکن تو نے اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دے لی ہیں۔" میں نے درشتی سے کہا۔

اس کی آنکھوں میں پھر آنسو چھلک آئے۔ "تو کیا یہ تسلیاں بھی چھوڑ دوں؟"

"دیکھ ڈالی!" میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "اچھی بری چیز کی کسوٹی یہ ماحول، یہ جگہ ہے جہاں ہم رہتے ہیں۔ ویسے نہ کوئی چیز اچھی ہے، نہ بری۔ جو گزوں، ترازوؤں اور کسوٹیوں پر پوری نہ اترے وہ چیز بری ہوتی ہے۔" میں نے کچھ توقف کیا اور موضوع بدل دیا۔ یہ ڈالی سے بحث کرنے کا وقت نہیں تھا لیکن اس بحث سے اتنا فائدہ ضرور ہوا تھا کہ میرے دل پر کنور مہیش کے حکم کا جو پہاڑ دھرا تھا، اس کا بوجھ کم ہو گیا تھا۔ ڈالی صد فی صد اعتماد کی عورت تھی۔ کبھی اس نے اس قدر کھل کے مجھ سے قربت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ "چھوڑ یہ باتیں۔" میں نے اس کے شانے پر زور ڈالتے ہوئے بے دلی سے کہا۔ "نہ تیری سمجھ میں کچھ آئے گا۔ نہ میں تجھے کچھ سمجھا سکوں گا۔"

"ہاں۔" وہ ایک طویل سانس لے کے بولی۔ "یہ باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں

آ تیں۔"

"ڈالی! سن میرا اتا پتا کچھ نہیں ہے۔ کسی دن جب تو سو کے اٹھے گی تو تجھے میری خبر نہ لگے گی۔ میں کہتا ہوں تو میرے متعلق بری سے بری خبر سننے کے لیے تیار رہ، تجھے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ میں کسی لڑکی کے ساتھ بھاگ گیا۔ تجھے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ میرے تعلقات فلاں راج کماری سے ہیں۔ تجھے کسی وقت میرے مرنے کی خبر بھی مل سکتی ہے۔ پرکاش بھون میں سب کچھ ہو سکتا ہے ڈالی!" میں نے اضطراب سے کہا۔

"ارے مجھے کیا بتاتا ہے۔ چند ہی مہینوں میں، میں نے یہاں بڑے بڑے ناٹک دیکھے ہیں۔ ایک بات صاف سن لے شیرو! مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے کہ یہاں تیرے تعلقات کس عورت سے ہیں۔ پرکاش بھون کی اس ریت سے کوئی اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ میری تو تجھ سے ایک ہی التجا ہے کہ ڈالی کو ڈالی سمجھنا۔ مجھے اکیلا چھوڑ کے کہیں نہ جانا۔ نہیں تو میں منے سمیت اپنا دم گھونٹ لوں گی۔ کوئی مصیبت آئے تو مجھے شریک کر لینا۔ تو چاہے جو کرتا رہے، مجھے اس سے غرض نہیں۔ پر اپنا گھر مت بھولنا۔ ڈالی کو مت بھولنا۔ باقی باتیں خدا پر چھوڑ دے۔"

میں نے طے کرلیا کہ اب ڈالی کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا جائے۔ مجھے کسی ایک شخص کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ ڈالی کی پہنچ پرکاش چندر کی خلوت تک ہے۔ جیون داس سے بھی اس کے تعلقات ہوں گے لیکن کیا میں ڈالی کو یہ بھی بتا دیتا کہ کنور مہیش چندر کے حکم کی تعمیل میں میری مجبوری کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ کنور کو میرا خون آلود ماضی معلوم ہو چکا ہے۔ وہ میرے گلے میں کسی وقت بھی پھانسی ڈلوا سکتا ہے۔ ایک خونی شخص کو دیکھ کے ڈالی کا ردعمل کیا ہوگا؟ میں ہمیشہ اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہوں گا۔

میں سوچتا رہا کہ کہوں یا نہ کہوں؟ ڈالی بھی اب باتیں کرتے کرتے تھک گئی تھی لیکن تھوڑی دیر بعد جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ وہ میری پریشانی کا سبب پوچھنے پر اصرار کرنے لگی۔ آخر میں نے ایک فیصلہ کر کے اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھے اور کہا۔ "ڈالی! تیری باتوں نے دل میں ہلچل مچا دی ہے مجھے معاف کر دے کہ میں تجھ سے کچھ کہتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ بات بھی ایسی ہی تھی مگر تو سچ کہتی ہے، تیرے سوا اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ جو تھے، وہ ختم ہوگئے۔ میں تجھ پر اعتماد کرتا ہوں

اور تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں جو کہوں، اس کا جواب دیتی جانا۔ درمیان میں کچھ نہ پوچھنا۔"

"مجھے یقین ہے، تو کسی بڑی مصیبت میں گھر گیا ہے۔ مجھ پر اعتماد کر شیرو! میں ایسی بری بھی نہیں ہوں۔ کم از کم تجھ سے دھوکا نہیں کرسکتی۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"تو سن۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ پھر رک گیا۔

"پھر بھروسا کھو بیٹھا؟" ڈالی نے تلخی سے کہا۔

"نہیں۔" میں تیزی سے بولا۔ "سوچ رہا ہوں کہاں سے شروع کروں؟"

"کیا کسی کماری سے تیری آنکھ لڑ گئی ہے؟" ڈالی شوخی سے بولی۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک بات ہے۔"

"تو پھر پہیلیاں نہ بجھوا۔ صاف صاف بات کر۔"

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ "دروازہ بند ہے نا؟"

"ہاں۔" ڈالی حیرت زدگی سے بولی۔ "ہماری باتیں کوئی نہیں سن رہا ہے۔"

"ڈالی!" میں نے خشک گلا تر کرتے ہوئے کہا۔ "تو پرکاش بھون کی سازشوں سے واقف ہے۔ یہاں ہر شخص دوسرے شخص کا دشمن ہے۔ یہاں ہر شخص کے جاسوس ہیں۔ ہر شخص دوسرے شخص پر شک کرتا ہے۔ میں یہاں خاموش، الگ تھلگ رہ رہا تھا لیکن کنور مہیش چندر نے مجھے اپنی خدمت کے لیے طلب کرلیا اور نہ جانے اسے مجھ میں کیا خوبی نظر آئی کہ مجھے اس نے اپنا راز دار بھی بنا لیا۔"

ڈالی ہمہ تن گوش تھی۔ "ضرور تو کوئی بری بات بتانے والا ہے۔"

"میں بری طرح پھنس گیا ہوں ڈالی! ہم یہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتے۔ ہم کنور مہیش چندر کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔"

"کیا اپنی کسی بہن کے لیے تجھے پسند کر لیا ہے؟" ڈالی نے بے حجابی سے کہا۔ "ہیر پھیر نہ کر۔"

"پہلے میری بات سن! درمیان میں نہ بول۔" میں نے تندو تیز لہجے میں کہا۔ پھر اداسی سے بولا۔ "میں بالکل مجبور ہو گیا ہوں، مجھے یہ بتا، پرکاش چندر تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہے؟"

"تو اس بوڑھے مہاراج کی بات کرتا ہے۔ اگر کچھ کہنا ہے تو میں اس

بوڑھے گدھ سے جا کہوں گی۔ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ مجھے اپنے پاس بٹھا کے گھنٹوں دیکھتا رہتا ہے' مجھے اپنے ہاتھ سے نئے نئے کپڑے پہناتا ہے' کبھی مجھ سے اپنا لباس بدلواتا ہے' کبھی میرے اوپر شراب لوٹ دیتا ہے' کبھی گدگدی کرتا ہے' کبھی گدگدی کراتا ہے۔ کبھی میری انگلیاں چاٹتا ہے' کبھی میرے بالوں سے اپنے چہرے پر گھونگھٹ کاڑھ لیتا ہے۔ وہ عجیب آدمی ہے مگر تو کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"اس کے اردگرد کن لوگوں کا ہجوم رہتا ہے؟ تفصیل سے بتا۔ میں اس حصے میں چند ہی بار گیا ہوں' جہاں وہ عیاشیاں کرتا ہے۔"

ڈالی میرے تجسس پر حیران رہ گئی۔ "تو اور کیا جاننا چاہتا ہے؟" پھر خود ہی بولی۔ "ارے وہاں تو ہر وقت راگ رنگ کی محفلیں رہتی ہیں۔ شراب بہتی رہتی ہے' عورتیں شہد کی مکھیوں کی طرح پرکاش چندر کی خواب گاہ اور اس کے سیکرٹری جیون داس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔ کئی کمرے نئی نویلی لڑکیوں کے لیے مخصوص ہیں۔ سنگھار کا ایک الگ کمرہ ہے' ناچنے گانے کا الگ' مہاراج کی کئی خواب گاہیں ہیں جہاں ننگی ننگی تصویریں لٹک رہی ہیں۔ ایک بڑا کمرہ کھانے کا ہے' ایک بیٹھنے کا۔ بس طرح طرح کے کمروں کی ریل پیل ہے۔ مہاراج کے خاص حصے کے ساتھ ہی رانیوں کے کمرے ہیں اور مہاراج کے کمرے کے ساتھ ہی جیون داس حرامی کا کمرہ ہے جو لڑکیوں کو تول پرکھ کے اندر بھیجتا ہے۔ مہاراج کے پاس جانے سے پہلے جیون داس سے بھینٹ کرنا ضروری ہے۔ جیون داس کا اپنا ایک عملہ ہے۔ سفید وردی پہنے ملازم ادھر ادھر دوڑتے رہتے ہیں۔

"وہ سب تو میں نے بھی دیکھا ہے۔" میں نے چڑ کے کہا۔

"پھر آخر تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ مہاراج سے ملنا ہے تو میں جیون داس سے کہہ دوں گی۔ وہ مال زادہ مجھ پر بری طرح فدا ہے۔ میرا سب سے زیادہ خیال رکھتا ہے۔ میرا کہا بہت مانتا ہے۔ میں نے اس پر جادو کر دیا ہے۔"

"پرکاش چندر تنہا کب ہوتا ہے؟"

"ملاقات کے وقت وہ تنہا ہی ہوتا ہے یا کبھی جیون داس بھی ساتھ ہوتا ہے۔ صبح دس بجے کے بعد وہ ملاقاتیوں سے ملتا ہے یا راج دربار کا رخ کرتا ہے۔ ایک بجے کھانا کھا کے آرام کرتا ہے۔ پانچ بجے کے بعد جب شام ہونے لگتی ہے تو رنگ محل میں ادھم مچنا شروع ہو جاتا ہے۔ مہمانوں کی آمد اور ناچ رنگ۔ نئی نئی عورتیں مہمانوں

کے سامنے پیش کی جاتی ہیں' وہ انہیں اپنے قریب بٹھا کے شراب پیتے ہیں' ناچ دیکھتے ہیں اور جی چاہے تو عورتوں کے ساتھ ادھر ادھر کے کمروں میں چھپ جاتے ہیں۔ جب سب لوگ چلے جاتے ہیں تو رات کو مہاراج اپنی خاص عورتوں کو طلب کرتے ہیں۔ کبھی ایک ساتھ کئی عورتوں کو بلا لیتے ہیں اور پھر وہاں جو ہنگامہ ہوتا ہے تو توبہ ہی بھلی۔ کبھی مہاراج پرکاش چندر راجے پور کے راجہ کے لیے اپنے ہاں کی عورتوں کا تحفہ بھیجتے ہیں اور کبھی وہاں سے خوان میں سج کے لڑکیاں آتی ہیں۔ راجے پور کے دربار میں پرکاش چندر کی بڑی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔ کبھی وہ دن دن بھر' رات رات بھر کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت جیون داس اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ پرکاش چندر چلتا پھرتا بہت کم ہے۔ بس ڈوبا ڈھیری ہر وقت بیٹھا حکم چلاتا رہتا ہے' نوکر اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں۔ تو نے دیکھا ہو گا' وہ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کے پاس بھی کم آتا ہے۔ کبھی وہ سب اکٹھے ہو کے کھانا کھا لیتے ہیں' پرکاش چندر ہفتے میں دو ایک بار ہی اپنی اولادوں کو دیکھنے ان کے محلوں تک آتا ہے۔"

"اس کے خاص کمرے تک پہنچنے کا کوئی خفیہ راستہ؟" میں نے درمیان میں پوچھا۔

ڈالی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگی۔ "خفیہ راستہ؟" اس نے حیرانی سے دہرایا۔ "خفیہ راستہ کوئی نہیں ہے۔ البتہ۔" وہ کچھ سوچ کے بولی۔ "جہاں سے مہتر جاتے ہیں' ان غسل خانوں سے کمروں میں بھی راستے جاتے ہیں۔ مہتر عام راستوں سے نہیں جاتے۔"

"ہونہہ۔" میں فکر میں ڈوب گیا پھر ڈالی کو حکم دیا۔ "میرے لیے پینسل اور کاغذ لے آ۔ باقی باتیں بعد میں پوچھنا۔" جب سے ڈالی کو یہ معلوم ہوا تھا کہ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں' اس نے گڈے کو پڑھانے کے لیے پینسل کاغذ' سلیٹ وغیرہ کا انتظام کر لیا تھا۔ حالانکہ گڈا ان چیزوں سے کھیلتا اور انہیں منہ میں چوستا رہتا تھا۔ میں نے ڈالی کی مدد سے پرکاش چندر کے کمروں کا ایک نقشہ بنایا اور اس کی تمام مصروفیات نوٹ کرتا رہا۔ میں نے ڈالی سے ایک ایک لمحے کی تفصیل پوچھی۔ جب میں ایک مکمل نقشہ اور مصروفیات کا ایک باقاعدہ کھاتا تیار کر چکا تو ڈالی سے چپ نہیں رہا گیا۔ وہ کاغذ مجھ سے چھین کر بولی۔ "شیرو! میں یہ کاغذ اس وقت تک واپس نہیں کروں گی' جب تک تو مجھے سچی بات نہیں بتائے گا۔ کیا تو نقب لگائے گا؟"

''پگلی!'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس سے بڑا کام ہے۔''

''کیا؟'' وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگی۔

''ہاں ڈالی!'' میں نے سرد آواز میں کہا۔ ''کنور مہیش چندر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے باپ کا خون کر دوں۔''

''خون؟'' ڈالی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''کیا کہا؟''

''اس نے مجھے ایک ہفتے کی مہلت دی ہے۔ اگر میں نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی تو انجام تو جانتی ہے اور تو شاید اتنا نہیں جانتی' جتنا میں جانتا ہوں۔ بس یہ سمجھ لے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ہاتھ پرکاش چندر کے خون سے رنگنے ہی پڑیں گے۔ پرکاش چندر یا میں۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کے دن قریب آ گئے ہیں۔''

ڈالی گنگ رہ گئی۔ میرے ماتھے پر لہراتی ہوئی اس کی انگلیاں منجمد ہوگئیں۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

''کوئی بحث کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تجھ پر ایسا اعتماد کیا ہے جیسا خود پر۔ میں سمجھتا ہوں کہ تیرے بغیر میں اس خونیں منصوبے میں کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ تو مہاراج پرکاش چندر سے بہت قریب ہو گئی ہے۔ ہمیں نہایت احتیاط سے یہ کام کرنا ہوگا۔ میں نے فرار کا ارادہ کیا تھا مگر اب یہ ناممکن ہے' میں نے کنور مہیش چندر کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کنور مہش چندر کا خون ہو یا پرکاش چندر کا۔ باپ کا ہو یا بیٹے کا۔ ہمیں ایک کو دوسرے کے راستے سے ہٹانا ہے۔''

میں نے ڈالی کا تحیر دور کرنے اور اسے اپنے کام میں شرکت پر آمادگی کے لیے دونوں پہلوؤں سے تفصیل کے ساتھ سمجھایا۔ ہمارے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں تھی۔ یہ حاکم کا حکم تھا۔ ڈالی سکتے کے سے عالم میں میری باتیں سنتی رہی۔ میں نے پرکاش چندر کے قتل کے بعد آنے والے مصائب کی نشان دہی کی۔ ڈالی رونے اور سسکنے کے سوا کیا کر سکتی تھی؟ میں اسے رلاتا رہا۔ ڈالی بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھی کہ پرکاش بھون کے مالکان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اتنے دنوں میں بہت سی باتیں اس نے سمجھ لی تھیں۔ تمام عواقب و نتائج اس کی نظر میں

تھے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی عورت نہیں تھی جس کا امتیاز محض اس کا بدن ہو۔ اس کے بدن میں کھوپڑی بھی تھی۔ جس کا ثبوت اس نے اپنی گفتگو سے ابھی ابھی دیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ میرے اس خیال کی حامی ہوگئی کہ ہاں مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ کسی طرح پرکاش چندر کے کانوں میں اس کے بیٹے کا شرم ناک منصوبہ اگل دیا جائے لیکن ہم کنور مہیش چندر کے منصوبے کے حق میں ثبوت کیا پیش کریں گے۔

''صرف ایک ہفتہ ہے ڈالی!'' میں نے اس کی پیٹھ تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔

''اس ایک ہفتے میں پرکاش چندر کو موت کے گھاٹ اتارنا ہوگا۔ ورنہ ڈالی! تیرے شیرو کی لاش پرکاش بھون سے اٹھے گی یا ممکن ہے' آخری وقت تو اس کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکے۔ اجیت کا حال تو تجھے معلوم ہے۔ ہمیں یہ کام نہایت چالاکی اور احتیاط سے کرنا ہوگا۔''

''ہم کتنی بری جگہ آ گئے ہیں شیرو!'' ڈالی نے روتے ہوئے اپنا سر میری آغوش میں ڈال دیا۔ جب میں کنور مہیش چندر کا حکم سن کے ادھر آیا تھا تو میری حالت بڑی خراب تھی۔ اب ڈالی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔

''اب یہ تیرا کام ہے کہ تو مجھے روز پرکاش چندر کی مصروفیات سے آگاہ کرتی رہے اور وہ تمام راستے نظر میں رکھے جہاں سے گزر کے میں اس کی خلوت میں پہنچوں گا اور اس کا کام تمام کر دوں گا۔ ہم کس طرح اسے ختم کریں گے؟ یہ تیری اطلاعات کے بعد ہی طے کیا جائے گا۔ جا ڈالی! اپنی قسمتیں نہ جانے کیا چاہتی ہیں؟ اپنے بیٹے کی' اپنی اور میری زندگی کے اس خونیں کھیل میں اپنا کردار ادا کر۔''

ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈالی میرے پاس سے اٹھ کے دروازہ کھولنے چلی گئی۔ مالتی کے آ جانے سے ہم نے یہ باب بند کر دیا۔ اب ڈالی کی حالت اعتدال پر آ گئی تھی۔ خلاف توقع آج اس نے مالتی کی آمد پر برا منہ بھی نہیں بنایا جیسے وہ اکثر کیا کرتی تھی۔ مالتی نے اطلاع دی کہ مجھے شاردا دیوی نے اپنی بارگاہ میں طلب کیا ہے۔ مالتی بھی اس وقت' بجھی بجھی نظر آ رہی تھی۔ خنکی نہیں تھی مگر جسم میں سردی سی لگ رہی تھی۔ سارا ماحول اداس اور سوگوار معلوم ہوتا تھا۔

☆......☆......☆

میں جس وقت شاردا کے حکم پر اس سے ملنے جا رہا تھا۔ میری حالت یکسر

بدلی ہوئی تھی۔ ڈالی سے سب کچھ کہہ کے میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ پہلے کی نسبت اب میرے قدم نپے تلے انداز میں زمین پر پڑ رہے تھے۔ پرکاش بھون میں شاردا سب سے مختلف لڑکی تھی لیکن نہ جانے کیوں میں اس وقت اس کے بارے میں وہ لطیف احساسات نہیں رکھتا تھا جو پہلے مجھ پر طاری تھے۔ میرے جسم میں سرکشی کی جیسی آگ سلگ رہی تھی' میری رفتار میں ایک کجی تھی اور سر اٹھا ہوا تھا۔

شاردا میری منتظر تھی۔ اودے رنگ کی ساڑھی میں اس کا سرخ و سپید رنگ اور زیادہ متشدد ہو گیا تھا۔ میرا جی اس پر تشدد کرنے کے لیے مچلنے لگا۔ خلاف توقع اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ مالتی کی موجودگی میں وہ مجھے ملازم کی حیثیت سے ضروری کاموں کے احکام جاری کرتی رہی اور مالتی کے جانے کے بعد اس نے اپنا لہجہ بدل لیا لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے بے باکی سے کہا۔ ''آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

وہ میری بے ساختگی پر جھینپ گئی اور اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئی بولی۔ ''تم بھی کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہو۔''

''عورت کی نظر بھی کیا خوب ہوتی ہے۔ سرکار کی نظریں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔'' میں نے جرات سے کہا لیکن کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی تلخی دور نہ کرسکا۔ ''غلام تو وہی ہے لیکن یہ جرات غلام کو اس کی آقا ہی نے عطا کی ہے۔''

''اوہ۔'' وہ مسکرانے لگی۔ ''آج تم ایک مہذب نوجوان معلوم ہوتے ہو۔ رات شاید اچھی طرح نیند آئی ہے۔''

''اب نیند کس بدنصیب کو آتی ہے؟'' میں نے لہجے میں تاثر بھر کے کہا۔

''تم پر یہ مصنوعی باتیں جچتی نہیں ہیں۔'' شاردا نے مصنوعی ناگواری سے کہا۔ ''تمہاری سادگی میں بڑا وقار ہے۔''

''غلام اپنی اوقات سے بڑھ گیا ہے۔''

''اوہ موہن داس!'' اس نے میرا نام کھینچ کر ادا کیا۔ ''تم طنز کر رہے ہو' مگر کیوں؟'' وہ الجھتے ہوئے بولی۔

''یہ گستاخی خواب میں بھی نہیں ہو سکتی۔'' میں نے برجستہ کہا۔ ''خادم کو کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

''یقیناً کوئی بات ہے۔'' وہ خود سے سرگوشی کرتی ہوئی بولی۔ ''تمہارے لہجے

میں وہ گھلاوٹ' وہ پیار نہیں ہے۔ تمہارے تیور اجنبیوں جیسے ہیں۔ بہر حال موہن داس! میں نے تمہیں ایک ضروری کام سے بلایا ہے۔''

میں بے اختیار کورنش بجا لایا۔ ''حکم کیجئے سرکار! کسے قتل کرنا ہے؟'' میرے منہ سے نکل گیا لیکن پھر فوراً میں نے خود کو تنبیہ کی کہ شاردا سے اس لہجے اور اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے۔

''موہن داس!'' وہ میرے پاس آ کے متعجب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کیا کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا؟''

''کچھ نہیں۔ کچھ نہیں شاردا دیدی!'' میں نے پہلو بدل کر کہا۔ ''سچ پوچھیے تو آج آپ کو دیکھ کے مجھے خود پر قابو نہیں رہا اور میں بکواس کیے گیا۔''

اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں اور اس کی خوب صورت سیاہ آنکھوں میں جھانک کر میں سب کچھ بھول گیا کہ میں یہاں کس ارادے سے آیا تھا۔ وہ مجھے ایک تر و تازہ پھول کی طرح شاداب اور دلکش نظر آنے لگی۔

''موہن داس! کیا میں امید رکھوں کہ تم میری ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے؟'' وہ معصومیت سے بولی۔

''کیا آپ مجھ پر یقین نہیں کرتیں؟''

''مجھے تم پر شبہ ہونے لگا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میں بہت بدنصیب ہوں۔ آپ کا اعتماد بھی کھو بیٹھا۔''

''میں کس طرح یقین کروں؟''

جس طرح آپ اب تک کرتی رہی ہیں۔ میں وہی موہن داس ہوں۔''

شاردا نے فوراً کوئی سوال نہیں کیا۔ چند ثانیوں تک وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے نگاہوں میں مجھے تولتی رہی' پھر حسرت ناک آواز میں بولی۔

''شکنتلا دیدی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

مجھے خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں شاردا کے کسی جاسوس نے میری اور مہیش چندر کی گفتگو سن نہ لی ہو۔ میں نے کسی قدر اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں سمجھا نہیں۔''

''میں جاننا چاہتی ہوں کہ تمہارے اور شکنتلا کے درمیان کیا سمبندھ ہے؟'' شاردا نے سرد مہری سے پوچھا۔

''ملازموں اور مالکوں کے درمیان سیوا کے سوا بھلا اور کیا سمبندھ ہو سکتا

ہے؟" میں نے سادگی سے جواب دیا۔
"میں ملازموں کے بارے میں نہیں تمہارے اور شکنتلا کے بارے میں
رہی ہوں۔" شاردا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "موہن داس! تم نے مجھے وچن د
کہ تم اپنے جیون کا کوئی راز مجھ سے نہیں چھپاؤ گے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو
میری سگی بہن نہیں ہے۔ وہ مہاراج کی پانچویں استری سے ہے۔"
آگے کہی جانے والی باتوں کی تہہ تک پہنچنا میرے لیے دشوار نہیں تھا۔
کی صورت میں وہ مجھ پر اعتماد کرنا چھوڑ سکتی تھی اور اقرار کی صورت میں ممکن تھا
میرا کردار اس کی نظروں میں گر جاتا' نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ میں کس م
کے عالم میں کھڑا تھا' کیا جواب دوں' کیا نہ دوں؟ کچھ دیر خاموشی سے موزوں جو
سوچتا رہا۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا' ایک ملازم پرکاش بھون کی ناموس کے مت
سوچنے تک کا گناہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہر مرتبہ پیش قدمی یقیناً صنف نازک کی طرف
ہوتی ہوگی میں شرم ساری سے دھیمی آواز میں بولا۔ "شکنتلا دلدل میں پھنس چکی
شاردا دیدی! وہ بہت آگے جا چکی ہے۔"
"اور تم بھی۔ تم بھی۔" وہ تڑپ کے بولی۔ "اس دلدل میں پھنس گئے' اج
کی موت بھی اتفاقی نہیں تھی۔ موہن! کیا تم شکنتلا کی بات مجھے نہیں بتا سکتے تھے؟"
"مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ پرکاش بھون میں ہما
حیثیت نوکر کی ہے۔" میں نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "مالک کو خوش رکھنا ہمارا د
ہونا چاہیے۔ شکنتلا دیوی نے حالات ایسے پیدا کر دیے تھے کہ انکار ممکن نہیں تھا۔ ا
کی صورت میں میرا انجام بھی اجیت جیسا ہوتا اور اب بھی کون جانے' کل کیا
جائے؟"
"موہن داس!" شاردا نے جذباتی انداز میں کچھ کہنا چاہا لیکن وہ غصے
پاؤں پٹخنے لگی۔
"کیا میں انکار کر سکتا تھا شاردا؟" میں نے قصداً اس بار اس کا صرف نا
لیا۔ شاردا کے پاس میری بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں نے اداسی سے کہا۔ "آپ
جانتی ہیں کہ میں تمام دنیا سے بھاگ کے پرکاش بھون میں آیا تھا۔ آپ سے ملاقات
ہوگئی اور آپ سے ملاقات ہوئی تو میں نے جانا کہ میں کوئی حقیر آدمی نہیں ہوں' میرا
اپنی بھی کوئی حیثیت ہے۔ آپ نے' آپ جیسی حسین لڑکی نے' پرکاش بھون کے مالک

کی لڑکی نے میرا مان بڑھایا تھا لیکن میں صرف آپ کی حد تک محدود نہیں تھا۔ مجھے
کہیں بھی خدمت کے لیے طلب کیا جا سکتا ہے۔ میں یہاں کے تمام مالکوں کا ملازم
ہوں۔ وہ سب مجھ پر حکم چلا سکتے ہیں۔ شاردا! میں آپ سے کیا کہوں۔ یہاں آ کے بھی
سکون نہیں ملا۔ صرف آپ کی ذات ایسی ہے جس نے میرا دکھ سمجھا ہے اور اب آپ
کے سامنے میں خود کو مجرم سمجھ رہا ہوں اور ابھی آپ میرے بارے میں نہ جانے اور کیا
کیا سنیں۔ نہ جانے مجھ سے کس قسم کی خدمات آئندہ طلب کی جائیں۔ کوئی کماری' راج
کمار اور رانی کس وقت کون سا حکم صادر کر دے؟ جیون داس میرے پیٹھ پر کوڑے
برسائے۔ میں وچن دیتا ہوں۔" میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "جتنی جلد ممکن ہوا' میں اپنا
منہ کالا کر لوں گا۔ پرکاش بھون میں بھی قسمت مجھ پر نامہربان ہوگئی ہے۔"
وہ میرے سچ' میرے جذباتی لہجے سے خاصی متاثر ہو رہی تھی اس کی آواز
میں سوز پیدا ہو گیا۔ "تم' پرکاش بھون سے کہیں نہیں جاؤ گے موہن! یہ میرا حکم ہے۔ یہ
میری بنتی بھی ہے۔" اس کا گلا رندھ گیا۔ "شکنتلا ایک ناگن ہے۔ اجیت بھی اس کے
ظلم کا شکار ہوا لیکن میں تمہیں اس کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننے دوں گی۔"
"میری حیثیت ایک زر خرید غلام کی ہے۔" میں نے تمام تر کرب سے کہا۔
"آپ میرے کارن خود کو کسی مصیبت میں نہ ڈالیے۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔"
"تم نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔" اس نے جذبات میں میری انگلیاں پکڑ
لیں۔" تم نے سچ بول کے ثابت کر دیا ہے کہ تمہارا من اجلا ہے۔ تم شکنتلا کے فریب
میں نہیں آئے اور تم......" اس نے اپنے گلابی ہونٹ شدت کرب سے سکیڑ لیے۔
"آپ کو کیا بتاؤں' میں کتنا مجبور آدمی ہوں۔ آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا
ہوں مگر کچھ کہہ نہیں پاتا۔ کبھی اس محل کے در و دیوار سے مجھے خوف آتا ہے' کبھی اپنی
بساط کا خیال آتا ہے' کبھی آپ کی نوازش یاد آتی ہے اور کبھی......"
"بس بس۔" شاردا مچل کے بولی۔ "مجھے یقین ہے' تم نردوش ہو مگر مجھے
وچن دو موہن! تم پرکاش بھون سے ناراض ہو کے اور میری اجازت کے بغیر باہر جانے
کی کوشش نہیں کرو گے۔ میں تم سے کچھ اور نہیں کہتی' صرف اتنا بتا دیتی ہوں کہ پرکاش
بھون میں رہتی ضرور ہوں لیکن یہاں صرف میرا جسم رہتا ہے۔"
میں نے اسے ممنونیت اور محبت کی نظر سے دیکھا اور دبی زبان میں پوچھا۔
"آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟"

''یہاں ہر راز کی قیمت مقرر ہے۔'' شاردا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

خوف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ ''کیا مہاراج کو ان باتوں کا علم ہو چکا ہے؟''

''مہاراج!'' اس کا چہرہ غصے کی تمازت سے سرخ ہو گیا۔ ''یہ سب مہاراج بہادر ہی کی وجہ سے تو ہے۔ اسے ہمیشہ یہ غم رہا ہے کہ وہ راجے پور کا مہاراجہ کیوں نہیں ہے چنانچہ وہ اپنے آپ کو مہاراج کہلوانا پسند کرتا ہے۔ اس نے اپنی دولت سے اس رنگ محل میں بے غیرتی اور بے عزتی کا بازار لگایا ہے۔ پرکاش بھون کی کہانی بہت ہول ناک اور پراسرار ہے موہن داس! تم ایک لمبے انتظار کے بعد یہاں آئے تو میں نے سمجھا کہ میری رہائی کے دن آ گئے ہیں۔ ورنہ میرا کیا حشر ہوتا۔ میں شکنتلا ہوتی۔ میں کیا ہوتی' میں بتا نہیں سکتی۔ سے ملا تو تفصیل سے یہاں کی کہانی سناؤں گی۔ اتنا جان لو کہ مہاراج آدمی کے روپ میں راکھشس ہیں۔ ان کے لیے ناری کسی کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ جب ان کا من بھر جاتا ہے' کھلونے توڑ دیے جاتے ہیں۔ میری ماتا جی کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ میں پتا کی موجودگی میں بھی بے سہارا ہوں موہن!۔ مجھے یہاں بہت تنہائی محسوس ہوتی ہے' میرا دم گھٹتا ہے اس لیے میں لائبریری میں رہتی ہوں۔ سب سے الگ تھلگ۔ پہلے کتابوں کے ساتھ میرا وقت گزرتا تھا' اب تمہارے خیال میں بھی وقت گزر جاتا ہے۔ ان لوگوں کی کوئی بات مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ سب جھوٹے اور ظالم لوگ ہیں۔ یہ دکھاوے کے کپڑے پہنتے ہیں۔ میرا جیون شروع سے اداس رہا ہے۔ سنا ہے' مہاراج مجھے سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ مہاراج کی پسند و ناپسند شراب اور عورت کے بارے میں زیادہ صحیح ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں کیا گل کھلاتے ہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی نشے میں دھت ہے۔ یہاں انسان نہیں رہتے۔ میں نے بھی مجبوراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا رکھی ہے۔ موہن مجھے وچن دو' تم پرکاش بھون کی کانٹوں کی سیج پر مجھے تنہا چھوڑ کے نہیں جاؤ گے؟''

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ جو میں سوچ کے آیا تھا' وہ سب منہدم ہو گیا اور میرے دل میں شاردا کے لیے پھول کھلنے لگے۔ وہ بے اختیار میرے سینے پر سر رکھ کے سسکنے لگی اور میں اپنے آپ پر لعن طعن کرنے لگا کہ میں نے شاردا کے متعلق کیسی غلط رائے قائم کر لی تھی۔ میں نے بے تابانہ اسے اپنے سینے میں ضم کر

لیا۔

اور اس کی کہانی سننے کے بعد میں نے طے کر لیا کہ مہاراج پرکاش چندر کو جلد از جلد ٹھکانے لگا دیا جائے۔

شاردا کے پاس سے آنے کے بعد مجھے زندگی کی تمنا ہونے لگی۔

زندگی میں صرف دکھ ہی نہیں' شاردا اور ڈالی جیسی عورتیں بھی ہیں۔ اگر میں ڈالی کو شریک راز نہ بناتا اور شاردا مجھے اپنی رفاقت کا اعتماد نہ بخشتی تو نہ جانے کیا ہوتا؟ ممکن تھا' میں نہ ہوتا۔ میرے زندہ رہنے کی ایک وجہ بانو بھی تھی جس کے متعلق اب کوئی خبر بھی اخبار میں چھپنی بند ہو گئی تھی۔ بانو میرے انتظار میں بیٹھی ہو گی کہ کب دروازہ کھلے اور میں ہوا کے جھونکے کی طرح آؤں۔ میرے جانے کے بعد اس پر کیا گزری ہو گی؟ اور میرے دوست جارج کا کیا حال تھا؟ کاش کوئی ذریعہ ان خبروں کی ترسیل کا ہوتا۔ میں ایک بار ان کے متعلق جان کے اطمینان کر لینا چاہتا تھا اور ساری عمر انتظار میں گزارنے پر آمادہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میں جب بھی جارج کو خط لکھوں گا اور بانو کو یاد کروں گا۔ وہ دونوں دنیا کے کسی گوشے میں ہوں' میرے پاس کھنچے چلے آئیں گے۔ رات کو جب میں تنہا ہوتا تو بانو شکایتی نظروں سے دیکھتی ہوئی مجھے اپنے سامنے کھڑی نظر آتی اور میں دیکھتا کہ اس نے پیروں میں گھنگرو باندھ لیے ہیں اور طبلہ بج رہا ہے اور بانو غزل سرا ہے' تو یہ تمام آوازیں میرے دل پر نشتر بن کے چبھنے لگتیں۔ پھر بانو نے دوبارہ پیر میں گھنگرو باندھ لیے ہوں گے۔ حریص نظریں اب بھی اس کے جسم کا طواف کرتی ہوں گی۔ زندگی کے لیے بانو نے یقیناً یہ کیا ہوگا۔ میرے بیشتر لمحے بانو کی یاد میں بسر ہوتے تھے۔ پرکاش بھون میں آ جانے کے بعد ایک ٹھہراؤ ضرور پیدا ہو گیا تھا لیکن ایک تشویش' ایک تکدر ہر وقت ذہن پر مسلط رہتا تھا۔ جب میں شاردا کے کمرے سے اپنے کوارٹر میں آیا اور میں نے دیوار پر دیکھا تو مجھے بانو' ڈالی اور شاردا کے سائے ایک ساتھ گڈ مڈ نظر آئے۔ میں نے ان سب سے نظریں چرالیں اور پرکاش چندر کے قتل کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔

☆......☆......☆

میرے پاس صرف ایک ہفتہ تھا۔ جو لمحہ گزر رہا تھا' وہ وقت میں کمی اور میری وحشت میں اضافہ کر رہا تھا۔ میں نے گھر آ کے سب سے پہلے ڈالی کی مدد سے تیار کیے ہوئے نقشے پر غور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ میرا یہ خدشہ تقویت پاتا گیا کہ پرکاش چندر کو قتل کرنا معمولی کام نہیں ہے۔ وہ ایک مصروف ترین آدمی ہے اور محل کے جس حصے میں مقیم ہے' وہاں ملازموں اور مصاحبوں کی ایک فوج موجود ہے۔ ان ملازموں' ملاقاتیوں' سکرٹریوں اور پرکاش چندر کی پسندیدہ عورتوں سے بچ کے اس کی تنہائی تک پہنچنا اور اسے نیست و نابود کر کے خاموشی کے ساتھ واپس آ جانا کسی معجزے سے کم نہیں۔ پرکاش چندر ہی کو کیا' کسی بھی شخص کو آسانی سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ایک خنجر' زہر یا مضبوط جسم اور ارادے کی ضرورت پڑتی ہے قتل کرنا بچوں کا کھیل ہے بشرطیکہ قتل کے بعد پیش آنے والے ممکنہ واقعات کو بھی بچوں کا کھیل سمجھنے کی آمادگی موجود ہو۔

میں نے جب یہ حساب پھیلایا اور تمام امکانی خطروں اور خدشوں کا تخمینہ لگا کر حاصل جمع کی تو نتیجہ مایوسی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ قتل ڈالی کرتی یا میں۔ کسی ایک پر شبہ ہوتا تو دونوں اس میں ملوث ہو جاتے۔ دونوں کے تعلق کے بارے میں پرکاش بھون کے لوگ جانتے تھے۔ ڈالی نے پہلے ہی دن سے پرکاش بھون میں ہونے والے ہنگاموں کی ایک ایک تفصیل مجھے بتانی شروع کر دی۔ اس نے ایک حیرت انگیز خبر سنائی کہ اب پہلے کے مقابلے میں پرکاش چندر تک لوگوں کو پہنچانے میں زیادہ احتیاط برتی جانے لگی ہے اور جیون داس نے زیادہ سخت گیری شروع کر دی ہے۔ یہ بہت آسان تھا کہ ڈالی ان شرابوں میں زہر ملا دیتی جو پرکاش چندر کے لیے مخصوص تھیں یا کھانوں میں زہر کی آمیزش کر دی جاتی مگر اس طرح ایک سے زیادہ قتل ہونے کے امکانات تھے۔ زہر کی فراہمی بھی ایک مشکل امر تھا۔ بہرحال اگر زہر دستیاب بھی ہو جاتا تو تحقیق

تفتیش ہو سکتی تھی۔ مہاراجہ راجپور اور انگریز حاکم اس سنگین معاملے میں کسی وقت بھی اپنی زیادہ دلچسپی کا اظہار کر سکتے تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ جیون داس' اس کے ماتحت عملے اور دربانوں سے بچ کر پرکاش چندر کو اس خوش اسلوبی' خوش اطواری سے ختم کیا جائے کہ کسی پر یقینی شبہ نہ کیا جا سکے۔ یہی حساب کتاب لگانے میں دو دن گزر گئے اور میری تشویش بڑھتی گئی۔ ادھر مہیش چندر نے شکار کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔ ظاہر ہے' وہ مہاراج کے قتل کے دوران میں لوگوں کو پرکاش بھون سے اپنی عدم موجودگی کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ جس دن مہیش اپنے ملازموں' انگریز دوستوں اور دو ایک داشتاؤں کے کارواں کے ساتھ شکار پر جا رہا تھا تو اس کا خاص ملازم ہری داس میرے پاس آیا اور اس نے اشاروں اشاروں میں کنور کا یہ پیغام پہنچایا۔ ''میری شکار سے واپسی تک شیشے کا سودا ضرور کر لینا۔''

ہری داس سپاٹ انداز میں یہ مختصر پیغام سنا کے چلا گیا اور میں جہاں کھڑا تھا وہیں جم کے رہ گیا۔ کنور مہیش چندر نے اپنے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ انگریزوں کو شکار پر لے جانے اور موقع پر بھون سے غائب ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ کنور نے ایک بار جو عزم کر لیا ہے' وہ پوری طرح سوچ سمجھ کے کیا ہے۔ وہ اس سازش کا جال پھیلانے کے لیے بہت دنوں سے کام کر رہا تھا۔ سادھو کی بار بار آمد' میری خدمات' انگریزوں سے رسم و راہ' راجپور کے مہاراجہ کے ہاں زیادہ رسوخ پیدا کرنا۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں جن سے کنور کے آئندہ ارادوں کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

☆.....☆.....☆

صرف پانچ دن رہ گئے تھے اور ڈالی کی اطلاع کے مطابق یہ کام روز بہ روز ناممکن ہوا جا رہا تھا۔ میں جیون داس کی موجودگی میں مہاراج کے حصے کی طرف بڑھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ جیون داس اور اس کا عملہ سانپ کی طرح پھن کاڑھے پرکاش چندر کی خلوت کے غار کی حفاظت کرتا تھا۔ میں نے مہتروں کے ٹھکانوں میں جا کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کون کون لوگ پرکاش چندر کے ہاں عموماً جاتے ہیں۔ وہ مخصوص مہتر تھے اور دن میں چار بار پرکاش چندر کے غسل خانوں اور کمروں کی صفائی کرتے تھے۔ رات کے وقت غسل خانوں کے وہ راستے بند کر دیے جاتے تھے جو عقب سے کھلتے تھے۔ ڈالی کی طلبی پرکاش چندر کی مرضی پر منحصر تھی۔ یا جیون داس کے

ایما پر۔ بدقسمتی سے ان دو دنوں میں ڈالی کو طلب نہیں کیا گیا تھا لیکن میرے اصرار پر ڈالی تیسری رات مہاراج کی خلوت کی طرف قصداً گئی۔ جیون داس اس وقت نشے میں دھت تھا اور حسب معمول اس کے گرد مہ وشوں کا اجتماع تھا۔ ڈالی جب پہنچی تو جیون داس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی جیون داس کو تھوڑی دیر ہموار کرنے کے بعد ڈالی پرکاش چندر کی خلوت میں گھس گئی۔ اسے دربان نے ضرور روکا ہوگا لیکن اس نے اپنی کس ادا سے اسے زخمی کیا ہوگا؟ یہ ڈالی جیسی جہاں دیدہ عورت کے لیے کوئی دشوار بات نہیں تھی۔ جب وہ اندر گئی تو اس نے مہاراج پرکاش چندر کی خلوت میں ان کی نئی نویلی رانی پارو کو دیکھا۔ پارو کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ ایک کونپل تھی جسے درخت سے توڑ لیا گیا تھا۔ چنبیلی کی کلی۔ مہاراج نے جب ڈالی کو اندر آتے دیکھا تو ان کی شوخیاں بڑھ گئیں۔ انہوں نے ڈالی کو اپنے پاس بٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر ڈالی پارو کی موجودگی میں مہاراج سے قریب ہونے کی گستاخی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بڑی معاملہ فہم تھی چنانچہ اس نے بڑی خوبصورتی سے شراب کی تھالی مہاراج کے سامنے رکھ دی اور پارو کو نہایت ادب سے نمسکار کیا۔ پارو اس احترام سے بہت خوش ہوئی۔ اسے پرکاش بھون کے آداب سے اتنی گہری واقفیت نہیں ہوگی جتنی ڈالی کو ہو گئی تھی۔ مہاراج ڈالی کو نشے میں اپنے پاس بلاتے رہے اور ڈالی وہاں سے کھسک کے دوسرے کمرے میں آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد مہاراج پارو کو چھوڑ کے ''ڈالی ڈالی'' پکارتے ہوئے ادھر ادھر کمرے میں دیکھنے لگے۔ انہوں نے پارو کو رخصت کر دیا تھا۔ اب ڈالی کے لیے میدان صاف تھا۔ ڈالی اسی وقت مہاراج کے سینے میں خنجر گھونپ سکتی تھی کیونکہ رات خاصی گزر چکی تھی اور مہاراج نشے میں دھت تھے۔ جیون داس بھی رنگ میں تھا لیکن ڈالی ایسا کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ وہ وزنی گل دان مہاراج کے سر پر مارنے کی حماقت کرتی تو فوراً دھر لی جاتی۔ اس نے مہاراج کو شراب میں نہلا دیا۔ ساقی گری کا کام اپنی تمام تر اداؤں سے کیا۔ یہاں تک کہ مہاراج جھک گئے اور صوفے پر گر گئے۔ ڈالی کچھ دیر ان کی آغوش میں بیٹھی رہی۔ پھر اس نے مہاراج کی نظروں سے اوجھل ہو کے ملحقہ غسل خانے کے عقبی دروازے کی کنڈی کھول دی اور اطمینان سے باہر آ گئی۔ باہر وہ تھوڑی دیر مدہوش دربان کے پاس ٹھہری رہی؟ دربان نے اندر جا کے مہاراج کو مسہری پر لٹا دیا اور خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ جیون داس مدہوش پڑا تھا۔

ڈالی نے کوارٹر آ کے مجھے پوری تفصیل بتائی اور نقشے میں خواب گاہ پر نشان لگا کے مجھ سے اصرار کیا کہ میں اس خواب گاہ کے غسل خانے سے اندر جاؤں اور مہاراج کا کام تمام کر کے واپس آ جاؤں۔ مجھے ایسا کرنے میں چند عذر مانع تھے کیونکہ ڈالی کو آج رات ہی جیون داس نے اور اس کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف عورتوں نے' پارو نے اور دربان نے دیکھ لیا تھا۔ میں غسل خانے سے باہر آ کر اندر سے چٹخنی نہیں لگا سکتا تھا۔ شبہ فوراً ڈالی پر جاتا اور ڈالی کے ساتھ میں بھی دھر لیا جاتا۔ ہم نے یہ عمل دوسرے دن کے لیے چھوڑ دیا کہ ڈالی کل آج کی طرح رات گئے جانے کے بجائے اول شب آٹھ بجے جب غسل خانوں کی تمام چٹخنیاں چیک کی جاتی ہیں' مہاراجہ کے کمرے میں جائے گی اور کسی ترکیب سے چٹخنی کھول کے باہر آ جائے گی۔ ظاہر ہے' اس کے بعد دروازوں اور کنجیوں کے معائنے کے لیے کوئی نہیں آئے گا؟ ڈالی وہاں موجود نہیں ہوگی۔ لیکن مہاراج کے ساتھ اگر دوسری عورتیں اور کوئی مہمان ہوا تو وہ موجود ہوگا۔ چار بجے کے قریب پرکاش بھون میں ہر طرف سناٹا چھا جانے کے بعد میں وہاں جاؤں گا۔ مہاراج کے کمرے سے ڈالی کے آنے' یعنی کوئی ساڑھے نو دس بجے اور میرے پہنچنے یعنی کوئی ساڑھے چار بجے کے درمیان ساڑھے چھ گھنٹے کا وقفہ ہوگا۔ اس عرصے میں مہاراج اکیلے یقیناً نہیں رہیں گے اور ڈالی ان سے ملنے والی آخری فرد نہیں ہوگی۔ رات کا زور تو درمیان میں بندھے گا۔ ناچ ہوگا' گانا ہوگا' شراب ہوگی اور پھر جب سب چلے جائیں گے تو پرکاش چندر کے آخری وقت کا جشن منعقد ہوگا۔ مرنے سے پہلے مہاراج کو ہر عیش میسر ہونا چاہیے۔ ان کی موت شایان شان ہونی چاہیے۔

کسی کو اچانک مار دینے اور منصوبے سے قتل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کنور مہیش چندر کو گیانی دھیانی سادھو نے میرے بارے میں نہ جانے کیا سوچ کے بتایا تھا کہ میں اس کے باپ پرکاش چندر کو ٹھکانے لگانے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ سادھو میرے متعلق تمام باتیں جانتا تھا تو اس نے کنور کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ بختاور اور بنو بیگم کا قتل ایک اتفاق تھا۔ میرے اندر کسی کو یکسر ختم کر دینے کی ہمت نہ پہلے تھی' نہ اب۔

دوسرے دن رات کو ساڑھے نو بجے حسب پروگرام ڈالی پرکاش چندر کے محل سے کامیاب و کامران واپس لوٹی۔ اس نے غسل خانے کی چٹخنی کھول دی تھی۔ اس کے بعد میرے اور ڈالی کے سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے دل بری طرح

دھڑکتے رہے۔ ہم ایک دوسرے کے بہت قریب بیٹھے گھڑیاں گن رہے تھے۔ وہ ساعتیں قیامت کی ساعتیں تھیں' چار ساڑھے چار بجے کے قریب مجھے مہاراج کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہونا تھا۔ وہ اعصاب شکنی' وہ اذیت ناک وقت' مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔ ڈالی پروگرام بتا رہی تھی کہ یہ کام کر کے کسی بھی مناسب موقع پر ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے اور میرا دل لرز رہا تھا کہ میں آج کی رات کس طرح یہ کارنامہ انجام دے سکوں گا؟ کنور مہیش چندر نے جس دن مجھے یہ حکم دیا تھا' اس وقت ایک قیمتی خنجر بھی چوم کے مجھے عطا کیا تھا' جو میں نے نیفے میں اڑس لیا تھا۔

وہ خنجر میرے ہاتھوں میں تھا اور دل کہتا تھا کہ میں اسے اپنے سینے میں اتار لوں۔ پہلے ڈالی کو ختم کروں' پھر اس کے بچے کو اور پھر میں...... ڈالی خوف زدہ انداز میں میری ہمت بندھاتی تھی۔ ''شیرو! تو کوئی برا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ تو ہم اپنی زندگی بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔''

ٹھیک چار بجے ڈالی میرے پاس سے اٹھ گئی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ باہر گہرا اندھیرا طاری تھا۔ ڈالی نے مجھے ایک میلی چادر اڑھا دی۔ میرے قدم لرز رہے تھے۔ سانس تیزی سے چل رہی تھی اور دل دھڑک رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ذبح کرنے کے لیے لے جایا جا رہا ہوں۔ میں گوسفند قربانی ہوں۔ باہر کے اندھیرے نے میری ہمت بندھائی۔ اس وقت ڈالی نے میری کامیابی کے لیے اتنی دعائیں مانگیں' ایسی منتیں مانیں' ایسی آہ وزاری کی' جیسی میرا دل کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چپکے سے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ کسی آہٹ کے بغیر میں آہستہ آہستہ اس عقبی حصے کی طرف بڑھنے لگا جہاں مہاراج کی خواب گاہ تھی۔ اگر کوئی بلی بھی راستے سے گزرتی تو میرا دل اچھل کے حلق میں آ جاتا۔ کئی جگہ مجھے چکر آ گیا لیکن میں نے اندھیرے میں اپنا سفر جاری رکھا۔ خوش قسمتی سے وہ ایک سیاہ رات تھی۔ اندھیرا میرے وجود کی پردہ پوشی کر رہا تھا۔ میں کوئی دس منٹ میں غسل خانے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ ادھر ادھر دیکھ کے میں نے ایک بار اور اطمینان کر لینا چاہا۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ تھی اور ہر طرف گمبھیر سناٹا تھا۔ مہاراج کی خواب گاہ کے دبیز شیشوں پر لٹکے ہوئے پردوں سے بہت مدھم روشنی باہر آ رہی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ راگ رنگ کی محفل ختم ہو چکی ہے اور پرکاش چندر کہیں اوندھا پڑا ہے۔ میں نے ذرا دیر ٹھہر کے اندر کی سن گن لینے کی کوشش کی اور آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا۔

دروازہ ہلکی سی چرر کے ساتھ کھل گیا اور میں چیتے کی پھرتی سے غسل خانے میں پہنچ گیا۔ عقبی دروازہ بھیڑ کے میں نے خواب گاہ میں جھانکنے کا ارادہ کیا۔ وہاں موت کا سا سکون تھا۔ اپنے پروگرام کے مطابق میں نے غسل خانے کا سوئچ کھول کے ایک تار کے ذریعے جو میں اپنے ساتھ لے گیا تھا' پرکاش چندر کی خواب گاہ کا فیوز اڑا دیا۔

دروازہ کھول کے جیسے ہی میں اندر داخل ہوا اور میں نے اندھیرے میں پرکاش چندر کی مسہری تلاش کرنی شروع کی۔ میرے پاؤں کسی گل دان سے ٹکرا گئے اور شیشے کا ایک جار چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ عین اسی وقت خاص دروازہ تیزی کے ساتھ کھلا' مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔ میں تیزی سے بھاگتا ہوا غسل خانے کی طرف بڑھا۔ غسل خانے میں پہنچنے میں ذرا تاخیر ہو جاتی تو میں تیز ٹارچ کی روشنی کے دائرے میں آ جاتا' میں نے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ دروازہ بند کیے بغیر غسل خانے سے بھاگا اور اس سے قبل کہ ٹارچ کی روشنیاں ہر طرف پھیلتیں' میں اندھیروں کا سہارا لیتا ہوا دوڑنے لگا۔ شاید اس قدر تیز میں اپنی زندگی میں کبھی نہ دوڑا ہوں گا۔ ڈالی دروازے کے آڑ میں میری منتظر تھی۔ مجھے دیکھ کے اس نے میرے بازو پکڑ لیے۔

''شیرو! خیریت تو ہے؟'' اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں اس کے بازوؤں میں جھول گیا۔ ''ڈالی دروازہ فوراً بند کر لو۔ ابھی وہ زندہ ہے' مجھ سے کچھ نہیں ہو سکا۔''

ڈالی مجھے بستر پر لے گئی۔ ہانپتے ہوئے میں نے اسے ساری روداد سنائی۔ اندھیرے میں ڈالی کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ بری طرح مجھ سے چپکی ہوئی تھی۔ ابھی ہم ایک دوسرے میں مدغم تھے کہ ہمارے کوارٹروں کے باہر دوڑتے ہوئے آدمیوں کی آہٹیں سنائی دیں اور کھڑکیوں پر روشنیوں کے دھبے پڑے' پھر معدوم ہو گئے تا آں کہ صبح ہو گئی اور ہم دہشت کی چادر اوڑھے رہے۔

☆......☆......☆

پہلا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا اور اب صرف تین دن رہ گئے تھے۔ رات کے واقعے نے جیون داس اور اس کے عملے کو کافی تنبیہہ کر دی تھی۔ چنانچہ اب مزید احتیاطیں برتی جا رہی تھیں۔ جیون داس کا غضب پرکاش بھون کے ملازموں پر صبح ہی سے نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے جاسوس رات کے واقعے کی بو ہر طرف سونگھتے پھر رہے تھے۔ میں بجلی کا سلسلہ فیوز اڑا کے منقطع نہ کرتا تو آج پرکاش بھون

کی حالت مختلف ہوتی لیکن ایک ذرا سی احتیاط نے اتنا منظم اور عمدہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ میری ہمتیں پست ہو چکی تھیں۔ مزید کسی جسارت کا امکان ہی نہیں رہا تھا۔ شروع شروع میں اس واقعے سے متاثر ہو کے تمام دربانوں کا مستعد رہنا لازمی تھا۔ ڈالی نے بھی ہمت ہار دی تھی۔ ایک بار پھر میں نے فرار کا ارادہ کیا لیکن مہیش چندر کے خاص ملازم پوری طرح میری نگرانی کر رہے تھے اور میری ہر ایکٹی وٹی نوٹ کر رہے تھے۔

مہیش چندر راجے پور سے کچھ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ وہ قریب کے کسی جنگل میں پرکاش بھون سے آنے والی سنسنی خیز خبر کا منتظر ہو گا تاکہ وہ فوراً راجے پور پہنچ جائے اور پرکاش چندر کی مسند سنبھال لے۔ مہیش چندر کے لیے میرے دل میں شدید نفرت کا طوفان اٹھا ہوا تھا۔ میں نے گزشتہ دنوں میں خرابی صحت کا بہانا کر کے خود کو اپنے کوارٹر میں مقید کر لیا تھا۔ مالتی کے ذریعے شاردا اور شکنتلا کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ رات کے وقت حسب دستور کہیں شکنتلا مجھے طلب نہ کر لے۔ میں بستر پر پڑا ہوا دن بھر نت نئے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ ڈالی بھی ان دنوں میری دل جوئی کے لیے زیادہ تر گھر میں رہتی تھی۔ دوپہر کو جیون داس کے ہرکارے آ گئے۔ مجھے جیون داس کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں دوسرے ملازم بھی تھے جنھیں جیون داس حقارت سے ڈانٹ پھٹکار رہا تھا اور گالیاں دے رہا تھا۔ وہ ملازموں کو مارتا بھی جاتا' میری باری آئی تو جیون داس نے مجھے حرام زادہ کہا اور میرے منہ پر بھرپور طمانچہ رسید کیا۔ غصے سے میری آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن میں نے ذلت کی حد تک خود پر جبر کیا۔ خاموشی سے اس کی گالیاں سنتا رہا اور طمانچے کھاتا رہا۔ جیون داس کو ظلم کر کے مزہ آتا تھا' اس دن میں نے اپنی نفرت کے خانے میں جیون داس کا نام بھی لکھ لیا۔

☆......☆......☆

اس رات میں نے مالتی کو بلا کے درخواست کی کہ میں شکنتلا دیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔ شکنتلا نے مجھے فوراً بلا لیا۔ کمرے میں میرے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا گیا۔ آج میں طے کر کے آیا تھا کہ شکنتلا کے پہل کرنے سے قبل میں خود پہل کروں گا۔ میں نے جاتے ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ اس جسارت پر کچھ جز بز ہوئی لیکن میں نے اس کی ناراضی نظر انداز کر کے اس دن مختلف رویے کا اظہار کیا۔

وہ مجھ جیسے معصوم شخص سے ایسی توقع نہیں رکھتی ہو گی۔ میں نے اپنی شدت کا احوال بیان کیا اور وہ تمام باتیں کیں جو ایک عورت سے اس عالم میں کی جانی چاہئیں۔ اس مرحلہ شوق میں ایک ایسا لمحہ بھی آیا جب شکنتلا سے میں کوئی بھی بات منوا سکتا تھا۔ میں نے جیون داس کے ظلم و جور کی داستان تفصیل سے سنائی۔ شکنتلا پر میری باتوں کا اثر ہوا کیونکہ وہ اثر کا لمحہ تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اب جیون داس کو راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا کیونکہ اس کی سرکشی سے تمام کماریاں اور راج کمار پریشان ہیں۔ اس نے پوری طرح مہاراج پرکاش چندر پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔ وہ ایک ایسا دروازہ بن گیا ہے جس سے گزرے بغیر پرکاش چندر تک نہیں جایا جا سکتا۔ مجھے تو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جیون داس کے اثر و رسوخ سے سبھی نالاں ہیں۔ میں نے اس کیفیت خاص میں شکنتلا سے ضد کی کہ وہ ابھی اسی وقت جیوان داس کو طلب کر لے۔ جب تک شکنتلا نے وعدہ نہیں کر لیا' میں اسے جذبات میں غرق کیے رہا۔ پھر میں جلد ہی واپس آ گیا۔ مجھے اعتماد تھا کہ اس رات میں نے شکنتلا پر جو تاثر مرتب کیا ہے' اسے وہ ہمیشہ یاد رکھے گی اور اب مجھے اس کی فکر نہیں تھی کہ شاردا کو میری اور شکنتلا کی ملاقات کی خبر ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

میرے اضطراب کی ایک اور رات بیت گئی۔ اب صرف دو دن رہ گئے تھے۔ چھٹے دن صبح ہی صبح میں بستر پر پڑا آئندہ دو دنوں کے عذاب سے نمٹنے کا حوصلہ کر رہا تھا کہ ڈالی بھاگی ہوئی میرے پاس آئی اور اس نے مجھے جھنجھوڑ کے کہا۔ "شیرو! سن تیرے لیے ایک بہت بڑی خبر لائی ہوں۔"

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور سوالیہ نظروں سے ڈالی کا کھلا ہوا چہرہ دیکھنے لگا۔ "بتا کیا خبر ہو سکتی ہے؟" وہ اٹھلا کے پوچھنے لگی۔

سب سے پہلے میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شکار کے دوران میں مہیش چندر کا دیہانت ہو گیا ہے۔ میں اشتیاق اور حسرت سے یہ دل خوش کن خبر سننے کے لیے مضطرب تھا۔ ڈالی مشکوک نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "جیون داس مر گیا ہے۔"

"کیا؟" میرے حلق سے ایک چیخ نکلی۔

"ہاں۔" ڈالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ آج صبح باغ کے ایک کنج میں

مردہ پایا گیا ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں' کوئی کہتا ہے اسے سانپ نے کاٹا ہے' کوئی کہتا ہے اسے زہر دے دیا گیا ہے' سارے محل میں اودھم مچی ہوئی ہے۔''

''سچ؟'' میں نے وفور شوق میں کہا۔

''دیکھا۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔'' ڈالی خوشی سے ایسی کھل رہی تھی جیسے مہیش چندر یا پرکاش چندر میں سے کوئی مر گیا ہو۔

میں ڈالی کی بات سنی ان سنی کر کے کوارٹر سے باہر آ گیا۔ ملازموں کے چہروں پر ہیبت طاری تھی۔ جیون داس کا ماتحت عملہ' محل میں سرگرم عمل نظر آتا تھا اور سب پرکاش چندر کے محل کی طرف جا رہے تھے۔ میں بھی انہی میں ہو لیا۔ وہاں مجھے شکنتلا' شاردا مہاراج کی دوسری لڑکیاں' لڑکے اور رانیاں کھڑی ہوئی نظر آئیں۔ جیون داس کی لاش چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں نے شکنتلا کی طرف خوف کی نظر سے دیکھا۔ مجھے دیکھ کے اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری اور وہ فوراً دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

جیون داس کی اچانک اور پراسرار موت نے پرکاش بھون میں ایک کشیدگی پیدا کر دی۔ اس دن رقص کی کوئی محفل نہیں سجی۔ مہاراج پرکاش چندر دن میں کئی بار باہر نکلے اور شاید اس دن انہوں نے شراب بھی کم پی۔ ملازموں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ جیون داس کی موت کے بعد مہیش چندر سے اس رحم کی توقع ہو گئی تھی کہ وہ مجھے چند دن کی مہلت اور دے دے گا کیونکہ پرکاش چندر کے محل میں عام ملازموں کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ وہاں اب صرف مخصوص ملازم جا سکتے تھے۔ لیکن اسی دن مجھے بوڑھے ہری داس نے مہیش چندر کا ایک خفیہ پیغام پہنچایا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ میری طرف سے کسی اچھی خبر کا منتظر ہے۔ یہ پیغام ہری داس کو جنگل سے منتقل کیا گیا تھا۔ مہیش چندر کو کل یا پرسوں تک اپنے پروگرام کے مطابق آ جانا تھا۔ اور پرکاش چندر نے ہر روزن بند کر لیا تھا جہاں سے اس کی موت کا فرشتہ داخل ہو سکے۔

☆.....☆.....☆

صرف ایک دن اور صرف ایک رات کی مہلت باقی رہ گئی۔

دماغ نے سوچنا اور جسم نے کام کرنا موقوف کر دیا تھا۔ ڈالی بھی پریشان

پھر رہی تھی۔ جیون داس کے تیجے تک پرکاش بھون کی ہر سرگرمی پرکاش چندر کے حکم سے ملتوی کر دی گئی تھی۔ نہ جانے دن کیسے کٹا؟ بس کٹ گیا اور وہ آخری رات آ گئی۔ ساتویں رات۔ کنور مہیش چندر کو توقع ہو گی کہ کل صبح وہ پرکاش بھون میں شاداں داخل ہو گا اور رئیس اعظم راجے پور کی بے پناہ دولت اس کے تصرف میں آ جائے گی۔ اس دن اجیت بہت یاد آیا' وہ ہوتا تو میں اس سادھو کے پاس ضرور جاتا جو نہ جانے کیا سوچ کے مجھے دیکھتے ہی چونکا تھا اور جس نے میرے متعلق کنور کو یقین دلایا تھا کہ یہ تمہارے کام کا آدمی ہے۔ میں ایک بزدل اور پست ہمت آدمی تھا۔ سارا ڈیل ڈول دکھاوے کا تھا۔ اندر کوئی بہت کمزور آدمی چھپا بیٹھا تھا۔ میں زندگی سے ڈرتا تھا اور مرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ سادھو نے میرا انتخاب کیوں کیا تھا؟

آخری رات میری حالت خاصی متغیر ہو گئی۔ ڈالی اپنے پلنگ پر خاموش پڑی تھی۔ اب کیا بات تھی جو ہم آپس میں کرتے؟ کوارٹر میں دھیمی روشنی تھی۔ کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ میں نے اس رات سب کو یاد کیا۔ اماں کو' ابا کو' یاسمن کو' سکندر کو' جارج اور بانو کو۔ اور پھر آخر مجھ سے اپنے بستر پر نہ لیٹا گیا۔ میں اٹھا تو ڈالی نے مردہ آواز میں پوچھا۔ ''کہاں جا رہا ہے شیرو؟''

''کہیں نہیں۔ جی بہت گھبرا رہا ہے۔ ابھی آیا۔'' میں نے دل شکستہ لہجے میں جواب دیا۔ ڈالی مجھے روکتی رہی لیکن میں دروازے سے باہر آ گیا۔ میرے قدم شاردا کی طرف اٹھنے لگے اور میں نے سوچا' مجھے اسے سب کچھ صاف صاف بتا دینا چاہیے لیکن میں آگے نہ بڑھ سکا' باغ میں چلا آیا۔ رات کو ملازموں کو باغ میں جانے کی ممانعت تھی۔ باغ میں جیون داس قتل ہوا تھا۔ خنکی سے میرے جسم و جاں میں اور خوف سرایت کر گیا۔ چہار طرف اندھیرا تھا۔ کیڑے مکوڑوں کی پروا کیے بغیر میں مخملیں گھاس پر لیٹ گیا۔ میرے سر پر ایک بوڑھا درخت تھا۔ سارا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ ہوش و حواس قائم رکھنے کی کوشش کرتا اور ناکام ہو جاتا۔ سوچتا' کاش بانو کو خبر کر دیتا کہ میں مرنے والا ہوں۔ میرا انتظار چھوڑ دے۔ سوچتا۔ موت کا اتنا یقین ہوتا تو چچا جان کے سینے میں تین چار گولیاں اتار کے مرتا۔ حساب بے باق کر کے مرتا۔ سینے کا بوجھ اتار کے مرتا۔

☆.....☆.....☆

میں اپنی وحشتوں میں کیا کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ درخت کے چند پتے ٹوٹ کر میرے جسم پر گرے، میں نے ہڑ بڑا کے دیکھا۔ یہ اپنے سائے سے بھی لرزنے کا وقت تھا۔ اسی وقت درخت کی طرف سے ایک مترنم آواز سنائی دی۔ ''جمشید!''

میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میری آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میرا اصل نام یہاں کون جانتا ہے؟ میں حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ یہ دلکش آواز میں نے پہلے سنی تھی مگر کہاں؟ میں نے درخت کے تنے کے پیچھے جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں اسے اپنا وہم سمجھ کے دوبارہ گھاس پر لیٹ گیا۔ میں اٹھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا کہ دوبارہ کسی آواز نے مجھے پکارا۔

''ک۔ کون۔'' میری گھگھی بندھ گئی۔

''جمشید! تم اتنے پریشان کیوں ہو؟'' ایک مترنم نسوانی آواز نے اس بار قدرے وضاحت سے کہا۔ میں آواز کی طرف لپکا اور مجھے اپنے سامنے ایک ہیولا دکھائی دیا۔ اوہ۔ بلاشبہ یہ ہیولا وہی تھا جو دریائے ہگلی کی بے قرار موجوں میں خود کو سپرد کرتے وقت میں نے دیکھا تھا۔ اس کی آواز میں وہی کھنک تھی جیسے چوڑیاں بج رہی ہوں۔ جیسے شہنائی بج اٹھی ہو خوف اور تجسس سے میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''ت۔ ت۔ تم کون ہو؟'' میں نے ہکلا کر کہا اور اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔

''میں کیچو ہوں۔'' اس نے دل کش آواز میں کہا۔

''کیچو؟'' حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں۔ کیچو کا نام سب سے پہلے میں نے اپنے بہنوئی ارشد کی زبانی سنا تھا۔ جب اس نے میری بہن یاسمن سے اس کا کوئی تعلق بتایا تھا تو والد صاحب سخت مشتعل ہو گئے تھے۔ ''یہ کیچو کون ہے؟'' میرا تنفس تیز ہو گیا۔

''ہاں کیچو!'' اس آواز کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ ''میرا تمہارا تعلق بہت پرانا ہے

اور میرے کئی نام ہیں۔ تم ان چکروں میں نہ پڑو۔ وقت آنے پر تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔''

مجھے اپنی آواز، اپنے لہجے اور اپنے جسم پر اختیار نہیں رہا تھا۔ میں اس سائے کو بے نقاب کرنے کے لیے اس پر جست لگانا چاہتا تھا لیکن زمین نے میرے پیر مضبوطی سے پکڑ لیے تھے۔ میں نے بہ مشکل تمام کہا۔ ''کیا تم کوئی سایہ ہو۔ تم کوئی پر اسرار عورت ہو۔ تم جن ہو یا......''

''میں جو کچھ ہوں۔ تمہارے ساتھ ہوں۔ وقت آ رہا ہے کہ تم میرے بارے میں جان لو گے۔'' اس کی آواز میں جادو بھرا ہوا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں اس پراسرار سائے سے مفاہمت کر لی۔ اب میرا خوف کم ہو گیا تھا۔ وہ میری ہر بات کا جواب دے رہی تھی۔ اس کا سایہ میرے سامنے لرز رہا تھا۔ یہ سب خواب نہیں تھا۔ میں نے ہمت کر کے بجز و انکسار کے ساتھ کہا۔

''میں بہت پریشان ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں مٹھاس اور ہمدردی تھی۔

''میں کیا کروں۔۔؟'' میں نے مضطرب ہو کے پوچھا۔

''تم آرام سے سو جاؤ۔۔'' کیچو نے کہا۔

''مجھے نیند نہیں آتی۔''

''وقت گزر رہا ہے۔ تمہیں نیند آ جائے گی۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ میں بے قصور ہوں۔ قسمت نے میرے ساتھ کیسے کھیل کھیلے ہیں۔ تم نے ایک بار پہلے بھی مجھے بچایا تھا لیکن ایسی زندگی سے کیا حاصل جو قبرستان میں گزار دی جائے، میں ہر وقت مرتا اور زندہ ہوتا رہتا ہوں۔'' میں نے اپنا تمام کرب سمیٹتے ہوئے کہا۔

''وقت گزر جائے گا۔ جاؤ اپنے گھر جاؤ۔'' اس کی آواز مرتعش ہو گئی اور اس کا سایہ مجھ سے دور ہونے لگا۔ میں نے اسے آوازیں دینا شروع کیں۔ ''سنو، سنو!'' میں نے اس کے لپکتے سائے کو پکارا اور جب وہ نہیں رکا تو میں اس کے تعاقب میں بھاگا۔ سایہ رات کی رانی کے پودے کی آڑ میں کہیں غائب ہو گیا۔ میرا تنفس تیز ہو رہا تھا۔ میں اسے تلاش کرنے کے لیے دوسری جانب لپکا تھا کہ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کے گر پڑا۔ ہوش و حواس یک جا کر کے میں نے غور کیا تو ہوش و حواس اور جاتے رہے۔

باغ میں پھر ہول ناک ویرانی کا تسلط ہو چکا تھا۔ سنسان' ویران۔۔ تاریک۔ سرد ہوا نے مجھ پر کپکپی طاری کر دی اور میں اپنے کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ ڈالی جاگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کے وہ میرے بستر پر چلی آئی اور نہایت محبت سے کہنے لگی۔ ''شیرو! اتنا مت گھبرا جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ مر جائیں گے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا؟ مگر سب ساتھ مریں گے۔''

''شاید ایسا نہ ہو۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''ہمارے لیے موت بھی مشکل ہے۔'' میں نے ڈالی سے کہا اور اس کی آغوش میں سر رکھ دیا۔ ڈالی میرا سر دبانے لگی اور ایک اضطراب انگیز وحشت ناک رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ کنور مہیش چندر کی عطا کی ہوئی آخری رات۔

صبح ہونے تک میرے تمام حوصلے بیدار ہو چکے تھے اور میں نے اپنے آپ میں آیندہ تمام حادثوں سے نمٹنے کی قوت مجتمع کر لی تھی۔ چنانچہ آخر شب میں اطمینان کے ساتھ ڈالی سے باتیں کرتا رہا۔ ڈالی بھی میرے لہجے کی سختی اور میرے اطوار کی توانائی پر متعجب تھی لیکن وہ صبح کچھ عجیب طرح نمودار ہوئی۔ علی الصباح یہ محسوس ہوا جیسے پرکاش بھون میں بھونچال آ گیا ہو۔ میں نے باہر نکل کے دیکھا کہ مالتی میری طرف بھاگی آ رہی ہے۔ اس نے ہذیان کے عالم میں دور ہی سے چیخ کر کہا۔ ''مہاراج کا دیہانت ہو گیا؟ مہاراج سورگ باش ہو گئے۔''

''مہاراج کا دیانت ہو گیا۔ کیا کہہ رہی ہے؟'' میں نے کوارٹر کے سامنے مالتی کا بازو پکڑ لیا۔ ''کیا تو ہوش میں ہے؟''

''ہاں موہن! مہاراج مر گئے۔ وہ آج اپنے کمرے میں مرے ہوئے پائے گئے۔'' مالتی نے تیزی سے کہا۔ ''رات تک وہ بالکل ٹھیک تھے۔ رات راجہ صاحب کے چند مہمان بھی آئے تھے اور دلی کی نزاکت بیگم نے انہیں ناچ دکھایا تھا۔'' مالتی جب یہ حیرت انگیز خبر سنا رہی تھی تو ڈالی پیچھے سے آ گئی۔ اس نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ میں سٹ پٹا گیا۔ جیسے یہ جرم میں نے کیا ہو۔ مجھ پر ایک عالم حیرت طاری تھا۔ ساتویں رات مہاراج کا دیہانت ہو گیا۔ مالتی کی زبانی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ان کی موت کا سبب جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے جسم پر کوئی خراش بھی نہیں ہے۔ مالتی جلدی میں تھی۔ یہ خبر سنا کے فوراً بھاگ گئی اور ڈالی مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے

لگی۔

''خود بخود یہ کیا ہو گیا ڈالی؟'' میں نے خفت سے کہا۔

''شیرو' مجھے سچ سچ بتا تو رات کہاں گیا تھا؟''

''میں باغ میں پڑا ہوا تھا۔'' میں نے سچائی سے جواب دیا۔

''تو جھوٹ بولتا ہے؟'' وہ ناراضی سے بولی۔

''تو پاگل ہو گئی ہے۔ کیا تو سمجھتی ہے کہ میں نے پرکاش چندر کو قتل کر دیا؟ پگلی میں وہاں آسانی سے جا سکتا تھا؟ تو بیوقوف ہے۔ کیا میں تجھ سے چھپاتا؟ جب کہ تو ہر بات جانتی ہے۔ تو رات کی بات چیت بھول گئی؟ کیا میں تجھ سے فریب کر رہا تھا؟'' میں نے غصے سے کہا۔

''مگر یہ سب اچانک کیسے ہو گیا؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے۔ اس کا وقت لکھا تھا' ہم خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔''

پرکاش بھون میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پرکاش بھون میں زلزلہ آ گیا ہو۔ اصطبل کھول دیا گیا اور گھڑ سوار پیغامات پہنچانے کے لیے بڑے دروازے سے جا رہے تھے۔ موٹریں حرکت میں آ گئی تھیں۔ موٹریں آ رہی تھیں اور سارے ملازموں کا رخ پرکاش چندر کی اقامت گاہ کی طرف تھا۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔ ڈالی زنان خانے میں چلی گئی۔ ہر طرف ماتم ہو رہا تھا۔ کوئی سینہ کوبی کرتا تھا' کوئی چیختا دھاڑتا تھا۔ دن چڑھے تک پرکاش بھون میں اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ ان کی گنتی کرنا مشکل تھا۔ بارہ بجے کے قریب مہیش چندر کا قافلہ روتا پیٹتا پہنچا۔ وہ آتے ہی دھاڑیں مار مار کے رونے لگا۔ پھر غضب ناک ہو گیا اور ارتھی کا شایان شان کریا کرم کرنے کے احکام صادر کرنے لگا۔ دوپہر تک یہ بات طے ہو گئی تھی کہ مہاراج کا دیہانت حرکت قلب بند ہو جانے سے ہوا ہے۔ راجے پور کے بہترین ڈاکٹروں نے متفقہ طور پر فیصلہ دے دیا تھا۔

مجھے ایسے موقع پر شاردا اور شکنتلا کے تاثرات دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ کسی کام سے جب میرا گزر زنان خانے کی طرف ہوا تو میں نے شاردا کا چہرہ دیکھا۔ وہ غیر متحرک' خاموش' ایک طرف سمٹی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے سے کسی خاص جذبے کا پتہ چلانا مشکل تھا۔ میری اس کی نظریں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ایک بجلی سی

کوندی۔ میں نے سنجیدگی سے اشاروں اشاروں میں اسے صبر و ضبط کی تلقین کی لیکن مجھے یہ سب جھوٹ معلوم ہوا۔ پھر میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ہاں شکنتلا کے چہرے پر آج خلاف معمول الجھن اور تشویش کے تاثرات تھے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا مگر وہ بہت ٹوٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ رانیاں اور دوسری لڑکیاں' دوسرے بیٹے اور ملازم' حسب توفیق اظہار غم کر رہے تھے۔کوئی ہچکیوں سے رو رہا تھا' کسی کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔مہیش چندر بوکھلایا ہوا ادھر سے ادھر پھر رہا تھا۔ اس دوران میں اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے ٹھہرا۔ مجھے چمکتی آنکھوں سے دیکھا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ پرکاش چندر کی ارتھی اٹھتے وقت مہیش چندر نے بے حال ہوکے سر کے بال نوچنے شروع کر دیے۔ اسے کئی لوگوں نے سنبھالا۔ وہ سب کے درمیان ماتم کناں ارتھی کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس وقت موقع اچھا تھا۔ میں ارتھی کے پیچھے شمشان گھاٹ کے ارادے سے جاتا اور راستے میں فرار ہو جاتا۔ ڈالی بھی ایسا کر سکتی تھی۔ ہم کوئی جگہ طے کر کے دوبارہ آپس میں مل سکتے تھے۔۔۔ لیکن مہیش چندر کے حکم سے ملازموں کو وہیں روک لیا گیا۔صرف چند خاص ملازم ارتھی کے ساتھ باہر جا سکے۔ اس دن ہری داس سائے کی طرح میرے پیچھے لگا رہا۔

پرکاش چندر کے تیجے تک مہش چندر تعزیت کرنے والوں کے درمیان مصروف رہا۔ شاردا سے بھی میری ملاقات نہیں ہوئی اور نہ شکنتلا نے مجھے طلب کیا۔ چوتھے دن ہی مہیش چندر نے خوش اسلوبی سے پرکاش بھون پر اپنا تسلط جما لیا اور مہاراج کے محل میں منتقل ہو گیا۔ مہاراج کے بعض خصوصی ملازم برطرف کر دیے گئے اور بعض کو دوسری ذمے داریاں سپرد کر دی گئیں۔ جیون داس پہلے ہی راستے سے ہٹایا جا چکا تھا۔ چوتھے دن مہیش چندر نے مجھے طلب کیا۔ میں اس طلبی کا منتظر بیٹھا تھا۔ مہاراج کی موت کے بعد سے اب تک تنہائی میں میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جس وقت میں وہاں پہنچا تو وہ ایک شان دار صوفے پر براجمان تھا۔ اس پر تین دن پہلے اس کا باپ بیٹھا کرتا تھا۔ حالانکہ کسی نہ کسی طرح مہیش چندر کی خواہش کی تکمیل ہو گئی تھی لیکن مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرا وجود مشکل سے برداشت کر رہا ہوگا۔ کمرے میں قدم رکھتے وقت میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور گردن جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ مہیش چندر نے فخر کی نگاہ سے مجھے سر سے پیر تک دیکھا اور بھاری آواز میں بولنے کی کوشش کی۔ ''موہن داس! تم ایک وفا دار جانور

ثابت ہوئے۔''

میں خاموش کھڑا رہا۔ میں نے سوچا' بتا دوں کہ پرکاش چندر کو میں نے قتل نہیں کیا ہے لیکن میں چپ رہا۔

''تم اپنے کام میں بڑے ماہر معلوم ہوتے ہو۔ میں تم جیسے فن کاروں کی قدر کرتا ہوں مجھے حیرت ہے کہ تم نے ڈاکٹروں کو بھی دھوکا دے دیا۔''

''مالکوں کی سیوا کرنا میرا دھرم ہے۔'' میں نے اپنی زبان کھولی۔

''تم نے مجھے خوش کیا ہے' میں تمہارا خیال رکھوں گا۔'' یہ کہہ کے اس نے نوٹوں کی ایک گڈی میری طرف پھینکی۔ میں نے اسے ہاتھوں میں لینے میں پھرتی سے کام لیا اور ممنونیت کی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ''میں تمہارا عہدہ بڑھاتا ہوں۔ اتنے کام کے آدمی کو اونچے عہدے پر کام کرنا چاہیے۔ آج سے تم تمام چھوٹے ملازموں کے نگراں ہو۔ اور دیکھو' محنت دیانت داری سے کام کرتے رہنا۔۔ مجھے شاید تمہاری پھر ضرورت پڑے۔''

''آپ کی سیوا کر کے مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔ آپ کی بات اور ہے۔ آپ پر آپ کی سیوا کرنے والے بڑا مان کرتے ہیں آپ چونکہ ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' میں نے لجاجت سے کہا۔

مہیش چندر کا سر فخر سے اونچا ہوگیا۔ ''آج کل تمہاری ڈیوٹی کہاں ہے موہن داس؟''

''سرکار بھول رہے ہیں۔ مجھے شاردا دیدی کی سیوا پر رکھا گیا ہے۔'' میں نے ادب سے جواب دیا۔

''ہاں۔ ہاں۔'' وہ سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔ ''میں بھول رہا ہوں۔ اب میں اکثر باتیں بھول جاتا ہوں۔ کام بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ مجھے یاد آیا' شاردا نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں مستقل طور پر اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے۔''

''میں اس گھرانے کا نمک خوار ہوں۔''

''تو ٹھیک ہے۔ فی الحال تمہیں شاردا کی خدمت پر مامور کیا جاتا ہے لیکن مجھے ہمیشہ تمہارا خیال رہے گا۔ تمہاری تنخواہ بھی بڑھا دی جائے گی۔ تم ضرورت پڑنے پر میرے پاس آ سکتے ہو۔'' مہیش چندر نے بے پروائی سے اپنا فیصلہ سنایا۔ مجھے خوشی

ہوئی۔ میں مزید کسی بکھیڑے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ شاردا کی ٹھنڈی چھاؤں میں بہت سکون تھا۔ مجھے شاردا سے ملے ہوئے بھی دس روز گزر چکے تھے۔ مہیش اس وقت خاصا الجھا ہوا تھا۔ بات کرتے کرتے گم ہو جاتا تھا۔ ابھی وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک ایک حسین و جمیل نازک لڑکی سیاہ ماتمی لباس میں اندر داخل ہوئی۔ اس کی عمر کم تھی مگر وہ حسن و شباب کا ایک اچھوتا نمونہ تھی۔ مہیش کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھا اور لڑکی کی پزیرائی کے لیے بڑھا۔ لڑکی نے آتے ہی میری طرف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور انگریزی میں پوچھا۔ ''یہ کون احمق ہے؟''

''یہ ہمارا خاص ملازم موہن داس ہے۔'' مہیش چندر نے انگریزی میں جواب دیا اور پھر مسکرا کے بولا۔ ''کام کا آدمی ہے۔''

لڑکی نے دوبارہ ایک سرسری نظر سے مجھے دیکھا۔ ''ہونہہ۔۔۔ اسمارٹ اور اچھا لگتا ہے۔''

''اسے سب پسند کرتے ہیں۔'' مہیش چندر نے شگفتگی سے کہا۔

''میں نے اسے پہلے نہیں دیکھا۔'' وہ نخوت سے بولی۔

''تم یہاں نئی نئی آئی ہو پارو' تم نے اس جنگل میں اسے کہاں دیکھا ہو گا۔ میں اپنے مہرے چھپا کے رکھتا ہوں۔'' مہیش چندر نے کہا۔

''تم بہت شریر اور بڑے چالاک ہو' بالکل ایک مہاراجہ کی طرح۔'' پارو نے ایک ادا سے کہا۔ ''پارو!'' یہ نام مہاراج کی آخری بیوی کا تھا' جس کے متعلق مجھے ڈالی نے بتایا تھا۔ وہ اس بے تکلفی سے مہیش سے ہم کلام تھی جیسے ان کا کوئی خاص تعلق ہو۔

''کیا اس شخص پر تمہیں مکمل اعتبار ہے۔'' پارو نے اس بار غور سے میرا جائزہ لیا۔

''تم دیکھو گی کہ میرا انتخاب بہترین ثابت ہو گا۔''

میں ایک بہرے کی طرح ساکت و جامد کھڑا تھا۔ اس جملے پر سہم گیا اور میں نے غیر شعوری طور پر کھڑے کھڑے پہلو بدلا۔ ''تم اب جا سکتے ہو۔'' مہیش چندر نے مجھے حکم دیا۔ میں وہاں سے سر جھکا کے چلا ہی تھا کہ پارو کی آواز سے ٹھٹک کے رک گیا۔

''ٹھہرو۔۔۔'' پارو نے مجھے حکم دیا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟۔۔۔ہاں' موہن داس۔'' وہ وقار سے بولی اور اپنے

پرس سے ایک ہار نکال کے میری طرف اچھال دیا۔ ''یہ ہماری طرف سے ہے۔'' میں نے مہیش چندر کی طرف دیکھا۔ وہ انگریزی میں پارو سے مخاطب تھا۔ ''اور تمہارے اندر ایک مہارانی کی خصوصیات موجود ہیں۔''

میں نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا' سلام کیا' اپنا سر جھکایا اور الٹے قدموں واپس آ گیا۔ واپس آ کے میں نے وہ تمام روپے جو پانچ ہزار کے نوٹوں پر مشتمل تھے اور قیمتی ہار ڈالی کی گود میں ڈال دیا۔ ڈالی کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔

''شیردا!'' وہ جذبات بھری آواز میں بولی۔ ''یہ ہمارے لیے بہت ہے۔ اب تو یہاں سے فرار ہونے کا موقع تلاش کر' مجھے یہاں ہر وقت خون کی بو محسوس ہوتی ہے۔''

''دیکھتی رہ ڈالی!'' میں نے اطمینان سے اپنا سر اس کے شانے پر ٹکا دیا۔

''آگے نہ جانے کیا ہو؟'' یہ کہتے ہوئے کیچو کا سایہ میری نظروں میں تھا اور اس کے جملے ذہن میں رقص کر رہے تھے۔

☆......☆......☆

کیچو کون تھی اور وہ کون سا وقت تھا جس کے آنے کا وہ اشارہ کر رہی تھی؟ آگے کون سے واقعات پیش آنے والے تھے؟ کیچو کیا ہے؟ میں نے یہ سوال حل کرنے کی بہت کوشش کی مگر میرا ناقص ذہن ان کا کوئی جواب نہ پا سکا۔ آخر' میں آنے والے دنوں کی فکر سے آزاد ہو کے پرکاش بھون میں دن گزارنے لگا۔ شاردا سے تنہائی میں ملاقات کیے اب بیس روز ہو چکے تھے۔ پرکاش چندر کا بیسواں بھی ہو چکا تھا۔ سوگ چالیس دن کا طے پایا تھا مگر اس سے پہلے ہی رفتہ رفتہ رونقیں معمول پر آ رہی تھیں۔ گو شاردا سے گفتگو کا موقع نہیں ملا تھا مگر اشاروں کنایوں میں رسم و راہ کے کئی مرحلے طے ہو چکے تھے۔ یہاں مجھ پر پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ شاردا مہیش چندر کی حقیقی بہن ہے۔ یعنی وہ اسی ماں کے بطن سے ہے جس سے مہیش چندر ہے شاردا کا مرتبہ اس لحاظ سے کچھ بڑھ گیا تھا اور شکنتلا اب اس کے پاس کم دکھائی دیتی تھی۔ آخر ایک روز مجھے تنہائی کا موقع نصیب ہو گیا۔ جب یہ وقت آیا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ شاردا والہانہ انداز میں میرے سینے سے لگ گئی۔ وہ اس بے تحاشا طریقے سے پہلی بار میری طرف بڑھی تھی کہ میں حالات کے ان بدلے ہوئے تیوروں سے گھبرا گیا۔

''شاردا! کتنے دن بات کیے ہوئے ہو گئے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ اس کی نم ناک آنکھوں سے حسرت عیاں تھی۔

''موہن!'' وہ میرے سینے میں چھپتی ہوئی بولی۔ ''کیا تم مجھے یہاں سے بھگا لے جاؤ گے؟''

اس کا یہ اچانک مطالبہ سن کے میں سن ہو گیا۔ میں نے غیری یقینی انداز میں کہا۔ ''قسمت پھر مجھ سے ناراض ہونے والی ہے۔''

''موہن۔'' شاردا نے پر عزم لہجے میں کہا۔ ''یہ جگہ بہت بری ہے' بھگوان کے لیے یہاں سے بھاگ چلو۔''

''یہ ایسا آسان کام نہیں ہے شاردا!'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''کسی دن۔ کسی بھی دن یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ تم کہو گے تو میں اپنے سارے زیورات ساتھ لے چلوں گی تاکہ ہم زندگی کی ابتدا اچھے طریقے سے کر سکیں۔ مجھے یہ محل' یہ فرنیچر' یہ لباس' کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ میں سکون چاہتی ہوں' نہیں تو میں مر جاؤں گی۔''

وہی قصہ اپنے آپ کو دہرا رہا تھا۔ بانو نے بھی کچھ اسی قسم کے جملے ادا کیے تھے۔ میں نے شاردا کے شانے پکڑ کے کہا۔ ''ہم یہاں سے ایک پیسہ لیے بغیر جائیں گے کیونکہ یہ سارا فتور پیسے کا ہے۔ یہ پیسے کی اداسی ہے' یہ پیسے کے غم ہیں۔''

''مگر کب؟'' شاردا نے دل سوز لہجے میں پوچھا۔

''جلد ہی۔ جلد ہی۔ کنور مہیش چندر کی مصروفیات بڑھ جائیں گی اور پرکاش بھون میں حبس کا یہ ماحول ختم ہو جائے گا۔ اس وقت ہم کسی مناسب موقع پر یہاں سے نکل چلیں گے۔ ہم اچھے وقت کے لیے انتظار تو کر سکتے ہیں۔''

''موہن تم یہاں ہر قدم پر محتاط رہنا۔ کنور' شکنتلا اور رانیوں کے معاملات میں نہ پڑنا۔ ورنہ تم بری طرح الجھ جاؤ گے۔ تم نہیں جانتے کہ جو ان کے قریب آتا ہے' وہ اپنے ہاتھ کاٹ لیتا ہے۔''

''میں نے یہ سب کچھ یہاں دیکھ لیا ہے۔''

شاردا پرکاش چندر کی موت کو طبعی قرار دینے کے مخالف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مہاراج کو کسی گہری سازش کے تحت ہلاک کیا گیا ہے۔ اس سازش میں ڈاکٹر بھی شریک ہو سکتے ہیں اور اس کا خیال تھا کہ پرکاش بھون میں کوئی بڑا انقلاب آنے والا ہے۔ یہاں کوئی بڑی خوں ریزی ہونے والی ہے۔ میں نے ان معاملوں پر اس سے زیادہ بحث مناسب نہیں سمجھی اسے تسلی دیتا رہا۔ جس وقت میں نے اس سے یہ وعدہ کیا

کہ میں جلد ہی اسے اس ماحول سے نجات دلا دوں گا تو میرے دل و دماغ میں کوئی آلودگی نہیں تھی۔ میں ایک سچا آدمی تھا۔ اس طرح سچا جس طرح میں بانو سے تھا۔

حالانکہ میری غیر معمولی خدمات کے عوض کنور مہیش چندر نے مجھے انعام و اکرام سے نواز دیا تھا لیکن یہ خطرہ ابھی تک باقی تھا کہ کنور کسی وقت بھی اپنے راز دار کا نام و نشان مٹانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس لیے میں شاردا سے وعدہ کرنے کے باوجود اس کے اس خیال سے متفق نہ ہو سکا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ روپوشی اور گم نامی اختیار کرنی چاہیے جب تک ہم سب یہاں سے فرار نہیں ہو جاتے۔ مجھے کنور مہیش چندر کو اعتماد میں رکھنا چاہیے تھا اور کچھ ایسی صورت پیدا کرنی چاہیے تھی کہ کنور مجھے اپنی ضرورت سمجھنے لگے۔ کنور کے منصوبے بلند معلوم ہوتے تھے۔ کنور میری وفا داری اور جاں نثاری کے کچھ اور ثبوت فراہم ہونے کے بعد پرکاش بھون میں میری نقل و حرکت میں نرمی پیدا کر سکتا تھا اور مجھے بھون سے باہر جانے کی اجازت بھی دے سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سلام کرنے کے لیے گاہے گاہے اس کے سامنے پڑتا رہوں گا۔

پھر ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے کنور کے پرسنل سیکرٹری جے پال کی معیت میں اسی سادھو کو کنور مہیش چندر کے محل کی طرف جاتے دیکھا۔ جس سے میں اجیت کے ذریعے ایک بار جا کے مل چکا تھا۔ اسے یہاں دیکھ کے مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ سادھو اندر چلا گیا تو میں نے بھی کنور کی طرف جانے کا قصد کیا کہ ممکن ہے واپسی کے وقت راستے میں اس سے ملاقات ہو جائے۔ اور وہ میرے متعلق چلتے چلتے کوئی پیش گوئی کرتا جائے۔ کنور کے کمرۂ خاص کے باہر جے پال نے سخت سست کہہ کے مجھے روک لیا۔ سادھو اندر جا چکا تھا۔ میں نے واپس جانے کے بجائے اس کا انتظار کرنا مناسب سمجھا اور جے پال سے بہانا کیا کہ مجھے کنور کی خدمت میں ایک درخواست پیش کرنی ہے اس لیے اس وقت تک میں انتظار کروں گا' جب تک کنور فارغ نہ ہو جائیں۔ جے پال نے اس پر برا سا منہ بنایا لیکن وہ میرے اور مہیش چندر کے مخصوص تعلق کا اندازہ لگا چکا تھا۔ مجھے باہر بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی۔ میں شدت سے سادھو کی واپسی کا انتظار کرتا رہا اور کنور مہیش چندر کی خدمت میں کوئی معقول درخواست پیش کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ ہری داس مجھ سے ڈالی اور گڈے کی خیریت پوچھ رہا تھا کہ پارو اچانک نمودار ہوئی اور جے پال اس کی پزیرائی کے لیے دوڑا۔ اس نے پارو سے نہایت لجاجت کے ساتھ کہا کہ مہیش چندر ایک بہت اہم آدمی سے ملاقات کر رہے

ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پارو اس وقت اندر جانے کا ارادہ ترک کر دے۔

''کون ہے وہ؟'' پارو نے جے پال سے حکمیہ انداز میں پوچھا۔

''کوئی سادھو مہاراج ہیں۔'' جے پال نے فرماں برداری سے جواب دیا۔

''اوہ۔'' وہ مسکرائی اور اس کی نظر اچانک مجھ پر پڑ گئی۔ میں اسے دیکھ کے پہلے ہی باادب کھڑا ہو گیا تھا۔ اب اور ریشہ خطمی بن گیا۔ اس کی نگاہوں میں شوخیاں ابھریں اور اس نے جے پال سے کہا۔ ''اسے۔۔ ہاں اسے' موہن داس کو ہمارے پاس بھیج دو۔''

یہ کہہ کے وہ اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئی ایک ادا سے چلی گئی اور جے پال نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً پارو رانی کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ میں حکم کی تعمیل میں ہچکچانے لگا۔ مجھے ڈر تھا کہ سادھو اس دوران باہر نہ نکل جائے لیکن جے پال نے سختی کے ساتھ مجھے وہاں سے اٹھنے اور پارو سے ملنے کا حکم جاری کیا۔ چارو ناچار ایک اور ملازم کی رہنمائی میں مجھے پارو کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ پارو کے کمرے میں اس کی خادمائیں موجود تھیں جو اس کے خفیف اشارے سے ادھر ادھر بکھر گئیں۔ اب کمرے میں میرے اور پارو کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں اس سے خاصی دور کھڑا تھا اور اس نے اپنی دل نشیں آواز میں مجھے آگے آنے کا حکم دیا۔ میں کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ وہ میرے جسم کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ میں پہلے بھی ایسے مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ چنانچہ جلد ہی سارا معاملہ سمجھ گیا۔ اب بھی خاصہ فاصلہ تھا۔ پارو کے دوسرے حکم پر میں اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے اس کے لبوں پر شگفتلا جیسی مسکراہٹ دیکھی۔ اب میرا اور اس کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔

پارو اپنی نشست سے اٹھ کے میرے بالکل قریب آ گئی۔ میں ادب سے فرش دیکھنے لگا۔ یکایک پارو کا ہاتھ اٹھا اور اس نے اپنی پوری طاقت سے ایک بھرپور طمانچہ میرے گال پر رسید کر دیا۔ پارو کی اس غیر متوقع حرکت سے میرا سارا وجود جھنجھنا اٹھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مجھے کرنٹ لگ گیا ہو۔ میرا خون کھولنے لگا اور میرے ہاتھ اینٹھنے لگے۔ میں اس کی گردن دبوچ کے اسے اسی لمحے ختم کر سکتا تھا لیکن میں نے زبردست قوت برداشت یا زبردست بے غیرتی کا مظاہرہ کیا۔ میری نگاہیں شرم سے زمیں بوس ہو گئیں۔ پارو نے اپنی انگلیوں سے میرا چہرہ اوپر اٹھایا۔ میں نے دیکھا' وہ مسکرا رہی تھی۔ ''تمہارے بارے میں مہیش نے سچ بتایا تھا۔'' وہ تیورا کے بولی۔ پھر اس نے

میری قمیص کے بٹن کھولنے شروع کر دیے۔ میرے گنجان سینے کے سیاہ بال عریاں ہو گئے دوسرے لمحے پارو کے نرم ہاتھ میرے سینے پر مچلنے لگے۔

پارو کتنی حسین لڑکی تھی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مہاراج جیسے تجربہ کار شخص نے اسے اپنی رانی بنایا تھا۔ اس کا چہرہ' اس کی آنکھیں' اس کے لب' اس کا شہابی رنگ میرے سامنے تھا۔ میں اس کے حسن کا نظارہ بہت قریب سے کر رہا تھا۔ اس کے سراپا سے ہلکی ہلکی مہک اٹھ رہی تھی۔ ''تم کس طرف رہتے ہو؟'' اس نے نشیلے انداز میں پوچھا۔

میں نے خوف زدہ لہجے میں اسے اپنے کوارٹر کا پتہ بتا دیا۔

اس کے ہاتھ اب میرے سینے پر نہیں تھے۔ اس نے اپنے سرخ لب میرے لبوں پر رکھ دیے لیکن یہ وقفہ بہت لمحاتی تھا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ مجھ سے دور ہو گئی۔ میں نے گریبان کے بٹن لگانے شروع کر دیے۔

''آہ۔'' وہ سرشاری سے بولی۔ ''ہم تمہیں اعلا درجے کے لباس پہنائیں گے۔ ہم تمہارے جسم کے شایان شان اسے سجائیں گے۔ ہم نے تمہیں پسند کر لیا ہے اور کسی بھی وقت تمہیں طلب کر لیں گے۔''

میں نے گردن جھکا دی۔ ''ہم تمہیں سرکشی سکھائیں گے۔ ہم تمہیں سدھائیں گے۔'' اس کے لہجے میں بلا کی شیرینی' بلا کی قوت تھی۔ اس نے میری طرف نوٹوں کی ایک گڈی اچھال دی اور مجھ سے کہا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

میں اس کے کمرے سے نکلا تو میرا جی چاہا' کسی کونے میں کھڑا ہو کے اپنے منہ پر کچھ اور طمانچے لگاؤں۔ جے پال نے مجھے مشکوک نظروں سے گھورا اور بتایا کہ آج کنور سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ ہری داس کی زبانی معلوم ہوا کہ سادھو مہاراج جا چکے ہیں اور کنور کلکتے سے آئے ہوئے ایک بینک آفیسر کے ساتھ مصروف ہے۔

کلکتے کا بینک آفیسر سن کے میرا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں وہ عابد شیرازی نہ ہو۔ میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا۔ مگر اتنی دور اس کا کیا تعلق؟ ''کون بینک آفیسر؟'' میں نے ہری داس سے پوچھا۔ ''میں ایک صاحب کے ہاں کام کرتا تھا۔ کہیں وہ تو نہیں ہیں؟''

''تم پہلے کلکتے میں تھے؟'' ہری داس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے جھجک کے جواب دیا۔

"سنا ہے' کلکتہ بہت بڑا اور بہت سندر شہر ہے۔"

"ہاں۔" میں نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ "ہری داس' اس شخص کا حلیہ کیسا ہے؟"

ہری داس نے اس کا حلیہ بتایا تو میرا شبہ اور بڑھ گیا۔ اگر عابد شیرازی یہاں آیا ہے تو اس کی آمد کا کیا مقصد ہے؟

میں کس طرح اس کی تصدیق کر سکتا ہوں کہ اندر وہی موجود ہے؟ بوڑھے ہری داس کو میری بے قراری محسوس ہوگئی۔ میں نہ اندر جا سکتا تھا نہ باہر بیٹھ کے بینک آفیسر کا انتظار کر سکتا تھا۔ اگر وہ عابد شیرازی ہوا تو میں کس طرح اس کا سامنا کروں گا؟ فوراً میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے پارو کی دی ہوئی گڈی میں سے ایک نوٹ نکال کے ہری داس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "چاچا ہری داس!" میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "ذرا جے پال سے معلوم کرو کہ اس افسر کا نام کیا ہے؟ اگر وہ میرا سابق مالک ہے تو میں اس کا انتظار کروں اور کنور کے سامنے اس سے اپنے پیسوں کا مطالبہ کروں ورنہ یہاں سے چلا جاؤں۔"

ہری داس نوٹ ہاتھ میں رکھ کے پہلے ہی محجوب و منفعل ہو گیا تھا۔ میرے اصرار پر وہ اٹھ کے جے پال کے کمرے میں گیا اور چند لمحوں بعد واپس آ گیا۔ آتے ہی وہ مجھ سے بولا۔ "کیوں رے موہن داس! کیا عابد شیرازی ہی تیرے پہلے مالک کا نام تھا؟"

میں حواس باختہ ہو گیا۔ "نہیں' نہیں' اس کا یہ نام نہیں تھا۔" میں نے عجلت میں کہا۔ "اس کا نام۔ اس کا نام تو چاچا ہری داس' جے راج تھا۔ یہی تو میں سوچتا تھا۔ وہ یہاں کیسے آ گیا؟" میں نے تیزی سے یہ جملے ادا کیے اور وہاں سے سرپٹ بھاگا۔

میں نے اپنے کوارٹر میں آ کے سانس لی۔ عابد شیرازی یہاں کیسے آ گیا؟ اس سوال سے مجھے اختلاج ہونے لگا۔ کیا اسے پتہ لگ گیا ہے کہ میں یہاں موجود ہوں؟ میں نے خود کو دن بھر اپنے کمرے میں محصور رکھا اور ڈالی کے ذریعے شاردا سے کہلا بھیجا کہ میری طبیعت سخت خراب ہو گئی ہے۔

☆......☆......☆

اسی رات ڈالی گڈے کے ساتھ سو رہی تھی اور میں بستر پر اپنی قسمت کی

گردشیں شمار کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ کئی اندیشے ذہن میں لہرا گئے۔ پارو کا کوئی قاصد ہے؟ شکنتلا نے بلایا ہے یا مہیش چندر نے طلب کیا ہے؟ یا ممکن ہے عابد شیرازی ہو؟ میں بے بسی کے عالم میں دروازے کی طرف گیا۔ کواڑ کھولے تو میرا دل دھک سے رہ گیا خلاف توقع اتنی رات گئے شاردا کو اپنے کوارٹر پر دیکھ کے مجھے حیرت ہوئی۔ پہلے ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ شاردا میرے کوارٹر تک آئی ہو۔ میں نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "شاردا۔ تم؟ خیریت تو ہے؟"

"تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔" شاردا تیزی سے بولی۔

"مجھے کیا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"میرے پاس بحث کا وقت نہیں ہے۔" شاردا اپنی ساڑھی کے پلو میں چھپا ہوا پستول نکال کے مجھے دیتے ہوئے بولی۔ "اسے اپنے پاس رکھو موہن! آج کی رات تم پر بھاری ہے۔ اگر کوئی مشکل پیش آئے تو اس پستول سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔"

"مگر۔ مگر۔" میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاردا نے کچھ نہیں کہنے دیا۔

"سمے کم ہے موہن!" شاردا میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے پلٹ کر اندھیروں میں گم ہو گئی۔ شاردا نے اتنی رات گئے میرے کوارٹر تک آنے کا خطرہ خواہ مخواہ مول نہیں لیا ہوگا۔ ایک کے بعد ایک سانحہ۔ ہر لحظے تشویش' ہر لمحے ایک خطرہ۔ یقیناً مہیش چندر مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ پہلے ہی نیند نہیں آ رہی تھی۔ اب موت کا خطرہ بھی میرے سر پر منڈلا رہا تھا۔ میں نے پستول ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا اور دو گھنٹے تک مسلسل صحن میں ٹہلتا رہا۔ ڈالی بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے بستر پر جانے کا ارادہ کیا تو چھت پر آہٹ سی ہوئی۔ میں برق رفتاری سے ایک ستون کی آڑ میں دبک گیا۔ ایک شخص دھم سے نیچے کودا۔ پستول کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہو گئی میں نے طے کر لیا تھا کہ میں اگر مروں گا تو ان حملہ آوروں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہی مروں گا۔

"ٹھاکر۔" ایک ہلکی سرگوشی سنائی دی۔ "ڈالی کی آنکھ کھلی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم صرف موہن داس کو ٹھکانے لگانے کا کام انجام دو گے۔"

"تم چنتا نہ کرو رام لال! ٹھاکر اکیلا موہن داس پر بھاری پڑ سکتا ہے۔"

رام لال کنور کے پرسنل سیکرٹری جے پال کے ماتحتوں میں سے تھا۔ یہ سرگوشیاں سن کے میرا ہاتھ پستول چلانے کے لیے تڑپنے لگا۔ میں مقابلے کے لیے پوری طرح آمادہ تھا۔ شاردا کے پستول میں چھ گولیاں موجود تھیں۔ میں ان میں سے ایک بھی ضائع نہ کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ چچا جان کے ہاں شکار کے دروان میں مجھے پستولوں اور بندوقوں سے خاصی واقفیت ہوگئی تھی۔ میرے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا آٹو میٹک تھا وہ دونوں میرے کمرے کی طرف جارہے تھے۔ میں نے سوچا دروازہ کھلا ہے' یہیں سے بھاگ جاؤں۔ پھر ابھی میں نے بھاگنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ مجھے اپنے قریب کیچو کا سایہ لرزتا ہوا دکھائی دیا۔ ''کیچو!'' میں نے دل کی گہرائی سے اسے پکارا لیکن اس کے بعد کچھ نہ کہہ سکا۔ میں تھم تھامے تھامے زمین پر گرنے لگا۔ اور مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

جب مجھے ہوش آیا تو کوارٹر میں اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ کوئی سرگوشی' کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اب نہ کیچو کا سایہ میرے قریب تھا اور نہ ڈالی کے کمرے سے کوئی آواز آرہی تھی۔ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ میں اپنے حواس مجتمع کر کے فوراً اٹھا۔ سب سے پہلے اپنے کمرے میں گیا۔ ڈالی بستر پر آرام سے سو رہی تھی۔ میں نے چادر اٹھا کے اس کی سانسوں کی آواز سنی اور مطمئن ہو کے صحن میں آگیا۔ صحن کے دروازے سے میں نے باہر جھانک کے دیکھا۔ دور دور تک خاموشی مسلط تھی۔

لیکن میرا پستول؟ اب میرے ہاتھ میں شاردا کا پستول بھی نہیں تھا۔ میں نے کونے کونے میں اسے تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا۔ یکے بعد دیگرے ان حادثوں سے میں غیر متوازن ہوگیا اور جا کے اپنے بستر پر گر پڑا۔

دوسری صبح ڈالی نے مجھے اٹھایا اور سراسیمگی سے کہنے لگی۔ ''شیرو! رام لال اور ٹھاکر کی لاشیں باغ میں پائی گئی ہیں۔ روز ایک خون' روز ایک حادثہ۔ شیرو! خدا کے لیے یہاں سے چل۔''

میں بستر سے اچھل گیا اور حیرانی سے پوچھا۔ ''وہ دونوں مر گئے؟''

''ہاں۔'' ڈالی کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

''ڈالی۔'' میں نے ایک طویل سانس لی۔ ''کسی بات کی فکر مت کر۔ ابھی ہم کچھ دن اور یہیں رہیں گے۔ اور حساب کتاب صاف کر کے یہاں سے جائیں گے۔''

میرے لہجے میں یقیناً کوئی ایسی بات تھی کہ ڈالی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور مجھے پہلی بار محسوس ہوا جیسے یہ دستک میرے دل پر نہیں' دروازے پر ہی ہو رہی ہے۔ میں نے بے پروائی کے ساتھ ڈالی سے کہا۔ ''جا دیکھ کون آیا ہے۔''

ڈالی نے دروازہ کھولا تو اس کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

میں نے صحن میں جا کے دیکھا۔ دروازے پر گھٹے ہوئے سر کا ایک پستہ قد پنڈت کھڑا تھا۔ اس کی لال آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ جسم پر برائے نام لباس تھا اور ہاتھ میں ایک کرچھا تھا۔ جس سے دھواں نکل رہا تھا۔ وہ اپنی پراسرار آواز میں ڈالی سے مخاطب تھا۔

''شاردا۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''تمہیں کس سے ملنا ہے مہاراج؟'' اس سے پہلے کہ ڈالی پنڈت کے سوال کا جواب دیتی' میں نے آگے بڑھ کے کہا۔

اس نے ایک قدم دروازے کے اندر رکھ دیا اور اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ اس کے ہاتھ میں دھرا ہوا کرچھا تیزی سے گردش کرنے لگا۔ ڈالی کواڑ کے ایک طرف سہم کے کھڑی ہوگئی۔ پے درپے سانحوں اور خوں ریز واقعوں نے اس کا ذہن ماؤف کر رکھا تھا۔ گزشتہ رات پھر دو لاشیں باغ میں پائی گئی تھیں اور اب صبح ہی صبح یہ پنڈت میرے دروازے پر موجود تھا۔ پنڈت کی معنی خیز خاموشی مجھے زہر لگنے لگی' میں نے اس بار کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''مہاراج! میرا خیال ہے' تم نے غلط دروازے پر دستک دی ہے؟''

''ملچھ!'' پنڈت نے اچک کر تیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''پنڈت پجاری سوچ بچار کے بعد پگ اٹھاتے ہیں۔ کیا تیرا نام موہن داس نہیں ہے؟''

''ہے مہاراج!'' میں نے گھبرا کے لجاجت سے کہا۔

''مجھے کنور مہیش چندر نے بھیجا ہے۔''

''اندر آجاؤ مہاراج!'' کنور کا نام سن کے میں نے پنڈت کو راستہ دیتے اور ست پناتے ہوئے کہا۔ ''میرے بڑے بھاگیہ کہ آپ جیسے مہان پجاری یہاں پدھارے' بتایئے' میں آپ کی کیا سیوا کروں؟''

پنڈت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈالی تجسس اور تشویش کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔ پنڈت کرچھے میں سلگتے انگاروں پر مزید لوبان ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ صحن عبور کر کے وہ کمرے کے باہر درانڈے کی ایک چوکی پر پنڈتوں کے مخصوص انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کی یہ

اچانک آمد بے وجہ نہیں تھی۔ اس کی زبانی کنور مہیش چندر کا نام سن کے میرے دل میں ہزار وسوسے بیدار ہوگئے تھے۔ آنے والے لمحے زندگی میں کیسا بھونچال لانے والے تھے' مجھے اس کا علم نہیں تھا لیکن یہ یقین ہو چلا تھا کہ اس بار کنور نے تھک کے کچھ اور طریقوں سے میری سرکوبی کی فکر کی ہے۔ میری دیکھا دیکھی ڈالی بھی پنڈت کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑی ہوگئی۔ پنڈت نے کرچھا بائیں جانب رکھتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔

''کنور نے بتایا ہے کہ وہ تجھے اپنا خاص آدمی سمجھتے ہیں۔''

''میں ان کا سیوک ہوں مہاراج! کنور جی میرے مالک ہیں' ایشور کی کرپا ہے کہ کنور مجھ پر مہربان ہیں۔''

''ہاں۔'' وہ ایک لمبا سانس لے کے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''سب ایشور کی کرپا ہے۔'' پھر اس نے ایک غیر متوقع سوال کر ڈالا۔ ''اس سندر ناری سے تیرا کیا سمبندھ ہے؟''

میں نے جلد ہی خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کا نام ڈالی ہے مہاراج! ہم دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں' یہ میری پتنی نہیں' پر میری سب کچھ ہے۔''

پنڈت کی آنکھیں دفعتہً کھل گئیں اور اس نے ملامت اور قہر کی ایک نظر ڈالی کے سراپا پر ڈالی۔ وہ لرز کے رہ گئی۔ ''کیا تجھے اپنا جنم دن یاد ہے رے؟'' پنڈت کی نظریں پورے کوارٹر اور درو دیوار کا جائزہ لے رہی تھیں جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ پھر دوبارہ اس کی تیز نگاہیں مجھی پر ٹک گئیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ پنڈت میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے اور دل کا حال جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایسے ہی ایک پنڈت سے میرا واسطہ کنور مہیش چندر کے خاص کمرے میں پڑا تھا۔ وہ میرے ماضی کے متعلق بہت کچھ جان گیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ڈالی کے سامنے پنڈت کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دے جسے سن کے ڈالی گڑ بڑا جائے' اس کی بوکھلاہٹ پنڈت کو مشکوک کر سکتی تھی۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ ہمارے عزائم کی سن گن لینے آیا ہے۔ مرحلہ سخت گزر گیا۔ اس سے قبل کہ میں پنڈت کے سوال کا جواب دیتا' اندر سے گڈے کے رونے کی آواز آئی۔ وہ جاگ گیا تھا۔ ڈالی بھاگ کے اندر چلی گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

''جنم دن چھوٹے آدمیوں کو کہاں یاد رہتا ہے مہاراج! اس کی چنتا تو بڑے

لوگ کرتے ہیں۔"

اس نے چھت کی طرف انگلی اٹھائی اور مختلف سمتوں میں انگلی سے اشارہ کرنے لگا۔ پھر مجھ سے بولا۔ "تو بہت دکھی دکھائی دیتا ہے۔ روگی! کیا تجھے کسی سہارے کی ضرورت ہے؟"

"میں بہت خوش ہوں مہاراج! کنور جی کی کرپا سے سارے دکھ دور ہو گئے ہیں۔ وہ بڑے دیالو ہیں۔" میں نے عقیدت سے کہا۔ پنڈت کا انداز اور لہجہ بہت پراسرار تھا۔ نہ جانے وہ یہ اوٹ پٹانگ سوال اور الٹی سیدھی حرکتیں کیوں کر رہا تھا؟ معاً میں ایک خیال سے چونک گیا کہ کہیں اس نے کیچو کا راز تو نہیں پالیا؟ کہیں اس نے اس سائے کا سراغ تو نہیں لگا لیا جس نے ہر آڑے وقت میں میری مدد کی ہے؟ یہ یقیناً کوئی گہرا پنڈت ہو گا۔ مہیش چندر نے رات کے حملے میں ناکامی کے بعد اسے طلب کیا ہو گا۔ کنور ایک وہمی شخص ہے۔ اس کے دو آدمی جو مجھے مارنے کے ارادے سے آئے تھے۔ خود جہنم رسید ہو گئے۔ مہیش چندر نے معجزاتی طور پر میرے زندہ رہنے کے سبب پر ضرور سوچا ہو گا۔ پرکاش چندر کی موت کی نوعیت بھی مہیش چندر کے لیے حیرت انگیز کارنامہ ثابت ہوئی ہو گی۔ نہ کوئی خنجر' نہ خون' نہ کوئی نشان۔ اس کا باپ اس کی خواہش کے عین مطابق مقررہ وقت پر پرلوک سدھار گیا تھا۔

"جا ایک گلاس پانی لے آ۔" پنڈت نے لہراتے ہوئے کہا۔

میں وہاں سے ہٹنے کے لیے آمادہ نہیں تھا لیکن ڈالی کو آواز دے کے دوبارہ پنڈت کے پاس بلانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ چاروناچار میں خود ہی لپک کے اندر گیا۔ ڈالی کا چہرہ زرد پڑا تھا۔ اس نے اشارے سے پنڈت کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ میرے پاس شانے اچکانے اور اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کے سوا کون سی خبر تھی جو اسے مطمئن کرتا؟ پانی لے کے میں جلد از جلد باہر آ گیا۔ جب میں واپس آیا تو صحن اور درانڈے میں کوئی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ پنڈت نے گلاس میرے ہاتھ سے لے کے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھونک مار کے اسے کچے صحن میں اچھال دیا۔ جو پانی گلاس میں باقی بچا وہ اس نے دیواروں پر پھینک دیا۔ مجھے کوارٹر میں پھیلی ہوئی ناگوار بو اور پنڈت کے پانی پھینکنے پر حیرت ہوئی۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات بھانپ کے گھمبیر آواز میں بولا۔ "اب تجھے چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرا من شانت ہو جائے گا۔ میں نے جل پر منتر پھونک کے مکان پوتر کر دیا ہے۔ اب گندے سائے تیرا جیون بیاکل

نہیں کریں گے۔"

"میں سمجھا نہیں مہاراج۔؟" میں نے ہاتھ جوڑ کے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"تم کن گندے سایوں کی بات کر رہے ہو؟ یہ کوارٹر تو بہت اچھا ہے' یہاں مجھے بڑا سکھ ہے' خوب نیند آتی ہے۔"

"اب تجھے اور اچھی نیند آئے گی۔" تیری آنکھیں سامنے کی چیزیں دیکھتی ہیں بالک!" وہ گرجدار آواز میں ٹھہر ٹھہر کے بولا۔ "پر مجھے اپنی آنکھوں سے زمین کے اندر کا بھی نظر آ جاتا ہے۔ ارے پاپی!" وہ بپھر کے بولا۔ "منش منش کا خون کر رہا ہے' تو کچھ نہیں جانتا' پر میں دیکھ رہا ہوں کہ پرکاش بھون پر منحوس سائے منڈلا رہے ہیں۔ تو کنور جی کا خاص سیوک ہے۔ اس لیے تیری رکشا کرنا ضروری تھا۔ سمجھا۔؟" وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور کرچھا سنبھال کے اٹھنے لگا۔

"دھنیہ ہو مہاراج! کنور جی کو میرا کتنا خیال ہے' کچھ دیر اور پدھارو گرو دیو! مجھے اپنی سیوا کرنے کا موقع دو۔ کچھ جل بھوجن کرتے جاؤ۔" میں نے اس کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

"پیچھے ہٹ۔" اس نے دھتکارتے ہوئے کہا۔ "پاپی! ہاتھ لگاتا ہے؟ پھر وہ اچانک پلٹا اور میری آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ "تجھے کون سا پھول' کون سا رنگ پسند ہے؟"

میں نے کہیں سنا تھا کہ پنڈت پجاری پھول اور رنگ کی پسند سے بہت سے نتیجے نکال لیتے ہیں' چنانچہ میں نے غلط بیانی سے کام لے کے چمپا کا نام لیا حالانکہ مجھے موتیا زیادہ پسند تھا۔ رنگوں میں' میں نے دانستہ کالے رنگ کا نام لیا' جب کہ کالا کسی کو بھی پسند نہیں ہوتا۔ پنڈت نے چمپا اور کالے رنگ کا نام سن کے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس کے چہرے پر کھنچاؤ محسوس کر رہا تھا۔ چند ثانیے وہ اسی کشمکش میں کھڑا رہا' پھر اس کے پپوٹے متحرک ہو کے کھل گئے۔ وہ ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

"پاگل! پنڈتوں پجاریوں کی شکتیاں مہان ہوتی ہیں۔ وہ من کا حال بھی جاننے کی شکتی رکھتے ہیں۔" پنڈت کے تیور خطرناک تھے۔ وہ من کا حال جاننے کا دعوا کر رہا تھا۔ اگر اسے من کا حال معلوم ہوتا تو اتنے سوال کرنے کی اسے ضرورت پیش نہ آتی۔

"کیا سیوک سے کوئی بھول ہو گئی؟" میں نے اس کا غصہ دیکھ کے کہا۔

"موہن داس!" وہ بگڑ گیا تھا۔ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ "یاد رکھ جنگل میں اسی کا حکم چلتا ہے جو سب سے زیادہ بلوان ہوتا ہے۔"

ڈالی پنڈت کی کرخت آواز سن کے گڈے کو روتا چھوڑ کے باہر آ گئی تھی۔ میں نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن پنڈت سرخ نظروں سے مجھے گھورتا ہوا کوارٹر سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ڈالی مجھ سے طرح طرح کے سوال کرنے لگی' میں نے اسے چند لمحے خاموش رہنے کی تلقین کی اور وراندے کی اسی چوکی پر نڈھال ہو کے بیٹھ گیا جہاں پنڈت بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں ان گنت سوال' ان گنت اندیشے گردش کر رہے تھے اور پنڈت کا آخری جملہ؟ مہیش چندر کے لیے اب میرا وجود ناقابل برداشت تھا۔ وہ میری فنا کا خواہاں تھا۔ مگر کیوں؟ جواب کوئی مشکل نہیں تھا۔ وہ اپنا ہر راز مٹا دینا چاہتا تھا۔ اگر کچھو ایک پراسرار طاقت میری مدد کر رہی تھی تو مہیش چندر اپنے بے شمار سادھو اور پنڈتوں کو میرے خلاف اکسا سکتا تھا۔ اسے یہ اندازہ تو ہو ہی گیا کہ کوئی سایہ میری پشت پناہی کر رہا ہے۔ پنڈت کے ذومعنی جملوں کی تشریح کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا زندہ رہنا مشکل ہے' مجھے بختاور اور بنو بیگم کے قتل پر اسی وقت اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دینا چاہیے تھا۔ یہ زندگی جو میں نے زبردستی حاصل کی ہے' ہمیشہ مجھے پریشان کرتی رہے گی۔ اگر وہ کچھو کو میری مدد سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر میرے لیے کیا رہ جائے گا؟ ممکن ہے کچھو کے لیے پنڈت نے کوئی ایسا منتر پھونک دیا ہو کہ وہ کبھی اس طرف کا رخ نہ کرے؟ جب ایک سادھو میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ جان سکتا ہے تو دوسرا کچھو کو مجھ سے دور کرنے کی کوشش میں کامیاب کیوں نہیں ہو سکتا؟ پنڈت کے آنے سے پہلے ڈالی کے سامنے بڑی ہمت اور جواں مردی کی باتیں کر رہا تھا۔ پنڈت کے جانے کے بعد میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ میری بگڑتی ہوئی حالت سے ڈالی گھبرا گئی اور میرے ہاتھ چہرے سے ہٹا کے بولی۔ "شیرو! مجھے معلوم ہے کہ پنڈت کوئی اچھی بات کہہ کے نہیں گیا ہے۔ مجھے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگا۔ شیرو! اگر تو بھاگ نہیں سکتا تو روز روز کے ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لے۔ تو پہلے میری گردن پر چھری پھیر دے پھر گڈے کو ختم کر دے اور جی کڑا کر کے اپنے سینے میں بھی چھرا گھونپ لے۔"

"پگلی!" میں نے ایک سانس لی اور ایسی آواز میں کہا جس میں اعتماد نہیں تھا۔

"خوف زدہ کیوں ہوتی ہے؟ ہمارے مرنے کا وقت آئے گا تو کون روک سکتا ہے؟ ابتک ہم بچتے رہے ہیں تو آگے بھی امید رکھ۔ پرکاش بھون سے بھاگنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ہمیں یہاں اپنی موت کا انتظار کرنا پڑے گا لیکن میں ایسے نہیں مروں گا' کچھ انتظام کر کے مروں گا۔" میں نے اشتعال میں کہا۔

"تو مہیش چندر پر وشواس کر رہا ہے۔ وہ ایک نمبر کا حرامی ہے شیرو! جو اپنے باپ کا نہ ہوا' وہ اپنے ملازموں کا کیسے ہو سکتا ہے؟ ارے میں سب جانتی ہوں کہ مہیش اور اس کے گرگے تیری جان کے لاگو کیوں ہو گئے ہیں؟ میں نے ان مردوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان سب کے دل پتھر کے ہیں۔"

"مایوس مت ہو میری ڈالی!" میں نے پہلی بار اسے کھینچ کر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "اتنا انتظار اور کر لے کہ میں حساب کتاب صاف کر لوں۔ میری ہمت بڑھانے کے بجائے تو اسے اور پست کر رہی ہے۔ حوصلہ رکھ ڈالی! جا دیکھ' گڈے کو سنبھال' وہ رو رہا ہے۔" میں نے اسے اپنے سینے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

لفظ ادا کرنے میں کیا خرچ ہوتا ہے مگر لفظ ہر زخم کا مداوا ہوتے تو زندگی میں یہ بے آرامیاں' یہ محرومیاں کیوں ہوتیں؟ میں نے وہ لفظ ڈالی کے سامنے ادا کر دیے تھے جن پر مجھے خود بھروسا نہیں تھا۔ میں چوکی پر بیٹھا سوچتا رہا۔ کیا میں ایک ناکارہ شخص ہوں؟" کیا میرے بازو مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور میرے دماغ میں کسی جانور کا مغز ہے؟ حوصلے کی ایک لہر میرے رگ و پے میں ایک ثانیے کے لیے دوڑی لیکن جسم پر خوف اور دہشت کا ایسا غلبہ تھا کہ وہ شعلہ ایک دم ماند پڑ گیا اور میں نے اپنے ارد گرد لوہے کا ایک پنجرا دیکھا' جس میں ایک گدھا بند تھا' جس کا اتفاق سے کوئی انسانی نام پڑ گیا تھا۔ میر جمشید عالم' شیر باز خاں' شیرو' موہن داس۔ صرف یہی نہیں کہ پنڈت کی آمد کا مقصد کیا تھا' رات کے واقعات پر غور کرنے کی تو مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ شاردا نے جو پستول دیا تھا' وہ بھی غائب تھا۔ میں اسے رات ہی ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا تھا۔ رات کچھو کے پراسرار سائے نے جس وقت میرے ہوش و حواس سلب کر رکھے تھے' پستول اسی دوران میں کہیں گم ہوا۔ اسے ٹھاکر اور رام لال میں سے کوئی لے گیا؟ یا کوئی اور؟ میں اپنی طلبی کا منتظر تھا۔ اب پرکاش بھون کے سنگ دل جلاد میری پیٹھ پر کوڑے لگائیں گے اور میرے منہ پر تھوکیں گے۔

اسی ادھیڑ بن میں عابد شیرازی کا چہرہ یاد آ گیا جو کل کنور مہیش چندر سے

ملنے آیا تھا۔ کیا میرے ماضی کے متعلق جو باتیں سادھو' مہیش چندر کو نہیں بتا سکا تھا وہ عابد شیرازی نے بتا دیں؟ اگر اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوں تو مہیش چندر کے غیظ وغضب کا کیا عالم ہوگا؟ اگر عابد شیرازی پرکاش بھون میں موجود ہے تو کسی وقت بھی میرا چہرہ دیکھ سکتا ہے' ممکن ہے جے پال نے مہیش چندر کو یہ اطلاع بھی دے دی ہو کہ مجھے پارو نے اپنی خواب گاہ میں طلب کیا تھا؟ اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ مجھ پر شاردا کے التفات کا پتہ مہیش چندر کو چل گیا ہو؟ اور اس نے مجھ جیسے خطرناک آدمی کو فوراً راستے سے ہٹانے کے لیے ٹھاکر اور رام لال کو مامور کیا ہو؟ ٹھاکر اور رام لال کا انجام عبرت ناک ہوا تو کیا ہوا' مہیش چندر کے پاس جاں نثاروں کی کوئی کمی ہے؟ دن چڑھ آیا تھا۔ نہ میں نے ناشتہ کیا تھا اور نہ کچھ کھانے کو جی چاہتا تھا۔ ڈالی نے چڑ کے گڈے کو میری گود میں ڈال دیا اور گڈے نے اتنا کام ضرور کیا کہ مجھے عذاب ناک فکروں سے نجات دلا دی۔ وہ کھل کھلانے لگا۔ جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔

☆......☆......☆

شاردا کی طرف جاتے ہوئے میں بے حد پرسکون تھا۔ میری نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ڈر تھا کہ کہیں عابد شیرازی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے؟ شاردا کے پاس جانے کا ارادہ میں نے سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ ایک تو یہ کہ رات شاردا ہی میرے خلاف سازش کا انکشاف کرنے آئی تھی۔ اس نے اپنے عہدوپیمان نباہے تھے۔ دوسرے یہ کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں مجھے بہترین مشورے شاردا ہی سے مل سکتے تھے۔ کل کی طرح آج بھی میں عابد شیرازی کے خوف سے گھر بیٹھ جاتا تو یہ مصائب کم نہ ہوتے بلکہ دماغ خراب ہو جاتا۔ پرکاش بھون میں میرے ساتھ کیسا مضحکہ خیز تماشا ہو رہا تھا؟ ایک طرف اسی خاندان کا ایک فرد میرے خون کا پیاسا تھا۔ دوسری طرف یہیں کی ایک با اثر لڑکی میری زندگی کے لیے رسوائی کے خوف سے بے پروا جدوجہد کر رہی تھی۔ میں یہاں کی کئی عورتوں کا محبوب تھا۔ میں یہاں کے کئی مردوں کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔

ملازموں کے چہرے زرد پڑے تھے۔ راستے میں کئی سہمے ہوئے ملازموں نے میرا راستہ روک کے رات کے واقعے پر رازدارانہ انداز میں گفتگو کرنی چاہی' مگر بھگوان بہتر جانتا ہے' اپنی جان کی خیر مناؤ بھائی! کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جس تواتر

ے خونیں واقعات رونما ہو رہے تھے۔ اس سے غریب ملازموں میں بے چینی پیدا ہونی ازمی تھی۔ میرا خیال تھا' بہت سے نوکر پرکاش بھون کے مقتل سے نکلنے کے لیے پر تول رہے ہوں گے۔ نہ معلوم اور کتنے لوگ میری طرح عذاب سے دوچار ہوں گے۔ ان کے پیروں میں ندیدہ زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ رام لال اور ٹھاکر کی موت کا سبب سانپ ڈسنا بتایا گیا تھا۔ کنور مہیش چندر کے خاص ملازموں نے دونوں لاشیں ٹھکانے لگانے میں بہت جلد بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ مہیش کچھ عرصے تک خاموش رہے گا کیونکہ اگر ملازموں میں بے چینی عام ہوگئی تو پرکاش بھون کے آقاؤں کی زندگی جہنم بن جائے گی۔ یہ محکوم ہی نہ ہوں گے تو حاکم کس پر حکومت کریں گے۔ حکومت کے لیے محکوموں کی موجودگی شرط ہے۔ میں شاردا سے مل کے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اسے اس سازش کا علم کس طرح ہوا؟ میں شاردا کے کمرے میں خاموشی سے داخل ہوا تو وہاں پرکاش چندر کی اور لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ شکنتلا بھی تھی۔ میری آمد پر شکنتلا نے ایک خاص انداز سے مجھے دیکھا اور ہم دونوں کی یہ کیفیت شاردا نے خاص طور پر محسوس کی۔ اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گئی۔ مجھے زندہ سلامت دیکھ کے امتنان وتشکر کے جذبات اس کی آنکھوں میں ابھر آئے۔ میں لڑکیوں کے ہجوم کو باری باری سلام کرتا ہوا شاردا کے کمرے سے ملحق کمرے میں گھس گیا۔ وہاں مالتی پہلے سے موجود تھی۔ خلاف معمول وہ خاصی سنجیدہ تھی۔

''کیوں رے موہن! رات کی کتھا بھی سنی تو نے؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

وہ فرنیچر سے گرد صاف کر رہی تھی۔ میں اس کی مدد کرنے لگا۔ میرے منہ سے نکل گیا۔ ''ابھی کیا ہے' آگے دیکھ کیا ہوتا ہے۔''

''یار موہن!'' مالتی کبھی کبھی قربت کا ایسا ہی اظہار کرتی تھی۔ ''اب یہاں سے دل اچاٹ ہوگیا ہے۔ پتہ نہیں' کل کس کا نمبر آجائے؟ تو تو مجھے یہاں سے بھگا کے لے چل پیارے!'' وہ میرے قریب کولھے مٹکاتے ہوئے بولی۔

''سب جانا چاہتے ہیں بھولی گڑیا! میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ محل خالی ہو جائے گا۔ پھر یہاں کتے لوٹیں گے۔''

''میں آج رات تیری طرف آؤں گی۔'' وہ راز داری سے بولی۔ ''پھر باتیں ہوں گی' ذرا ادھر ادھر دیکھ کے چلا کر۔''

''ڈالی اب گھر ہی میں موجود رہتی ہے' تو کیسے آئے گی؟ دن میں کسی سے

آ جانا۔" میں مالتی کی بات رد کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے وقت میں مجھے ہر شخص کے تعاون کی ضرورت تھی۔

ہم دونوں صفائی کرنے اور بستر کی چادر بدلنے میں مصروف تھے کہ شاردا کی آواز آئی۔ میں کام چھوڑ کے باہر لپکا۔ مالتی چونکہ موجود تھی۔ اس لیے میرے چہرے پر ملازموں کی سی کیفیت طاری تھی۔ شاردا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مالتی کو ایک حکم دے کے باہر بھیج دیا۔ مالتی نے چلتے وقت مجھے آنکھ ماری۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ "بچ کے رہنا۔ اس کی نظر بھی تجھ پر۔" مالتی چلی گئی تو شاردا تیزی سے میرے قریب آئی۔ اس کا انداز سپردگی کا تھا لیکن میرے قریب آ کے رک گئی۔ اس کے چہرے پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "بزرگوں نے سچ کہا ہے موہن! جسے بھگوان رکھے اسے کون چکھے۔"

"یہ خوشی عارضی ہے۔" میں نے قصداً بے تکلفی اختیار کی۔ "رام لال اور ٹھاکر کی موت سے ایک خطرہ ٹل گیا ہے لیکن ہزاروں خطرے اور پیدا ہو گئے ہیں۔"

"تم چنتا مت کرو موہن!" شاردا نے بڑے اعتماد اور وقار سے کہا۔

"کیا آپ نے کنور صاحب بہادر سے میری سفارش کر دی ہے؟" میرا لہجہ معنی خیز تھا۔ شاردا مہیش چندر کی سگی بہن تھی۔ مہاراج کے دیہانت کے بعد اس کی اہمیت مہیش چندر کی وجہ سے بڑھ گئی تھی لیکن میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ پرکاش چندر بھی مہیش چندر کا سگا باپ تھا۔ مجھے یقین تھا' شاردا اس حقیقت سے لاعلم ہو گی کہ میرے قتل کی سازش میں خود اس کے بھائی کا ہاتھ ہے۔ ورنہ وہ اس قدر ہشاش بشاش نظر نہ آتی۔"

"ابھی اس کی نوبت نہیں آئی ہے موہن!" اس نے سر جھٹک کے کہا۔ اس کے لمبے لمبے سیاہ بال شانوں پر بکھر گئے۔ "فی الحال میں نے تمہاری حفاظت کا بندوبست اپنے طور پر کر دیا ہے لیکن اگر خطرہ بڑھا تو میں مہیش سے بھی بات کرلوں گی۔"

"شاردا!" میں نے ایک قدم اور بڑھایا۔ اس کا نرم ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت آپ سے کچھ اور دریافت کرنے آیا ہوں۔"

"ارے موہن! تمہارے لہجے سے پھر تکلف کی بو آ رہی ہے؟ اس سے مجھے شدید تکلیف ہوتی ہے' کیا تم مجھ پر ابھی تک اعتماد نہیں کرتے؟ کیا میں پرکاش بھون کی

دوسری عورتوں کی طرح تمہیں فریبی دکھائی دیتی ہوں؟" وہ شکایت کے انداز میں بولی۔

"شاردا!" مجھے اپنی اوقات کا خیال آ جاتا ہے۔" میں نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

"ایسی باتیں کرکے تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو۔"

"آپ مجھے یوں ہی قتل کر دیں گی۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

وہ میرے اس اچانک جملے پر شرما گئی اور اپنی ساڑھی دیکھنے لگی۔ اسے خیال نہیں تھا کہ اس کی ساڑھی کا پلو زمین پر گر پڑا ہے اور اس کا نازک اندام سراپا تجلیاں بکھیر رہا ہے۔ میں سب کچھ بھول کے اس میں گم ہو گیا تھا۔ "اوہ!" وہ خجل ہو کے بولی۔ اس نے اپنا پلو درست کیا۔ "تم کیا پوچھنا چاہتے تھے؟" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔" میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں شاردا کہ میرے قتل کی سازش میں کس کا ہاتھ تھا؟" میں شاردا کی پیشانی پر ایک آوارہ لٹ چھیڑنے لگا۔

"تم سے۔" وہ سرگوشی میں بولی۔ اور میری قمیص کا اوپر کا بٹن بند کرنے لگی۔

"میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتی۔ میں نے کہا تھا' یہاں ہر راز کی قیمت مقرر ہے۔ پرکاش بھون سے میرا تعلق ہی کیا ہے؟ مجھے زندگی بھر یہاں نہیں رہنا ہے۔ چنانچہ مجھے یہاں کی دولت کی بھی پروا نہیں ہے۔ میں نے راز خریدنے کے لیے سب سے بڑی بولی لگانی شروع کر دی ہے۔ مالتی میری بہترین راز دار ہے۔ اس کے کئی آدمی ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہیں۔ اسے ٹھاکر اور رام لال کی بدنیتی کا علم کسی اور ذریعے سے ہو گیا تھا۔"

"آپ کے خیال میں میرا دشمن کون ہو سکتا ہے؟"

"میں وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتی' ہو سکتا ہے' شکنتلا کو تم ناپسند ہونے لگے ہو۔" شاردا سنجیدہ ہو گئی۔

"اجیت کے ساتھ بھی اسی قسم کا ناٹک کھیلا گیا تھا۔ مجھے مالتی کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ اب وہ جے پال سے قریب ہو رہی ہے۔"

میں نے اپنا شبہ اور یقین شاردا پر ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ مجھ سے رات کو کوارٹر میں تالا بند کرنے اور زیادہ سے زیادہ اپنے پاس رہنے کی تاکید کرتی رہی اور پرکاش بھون کی سازشوں کے پرانے طور طریقے بتاتی رہی۔ پھر اس نے اچانک

چونکتے ہوئے کہا۔ ''موہن! میں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ رات تم کس وقت ادھر آئے تھے؟ مجھے تم جیسے عقل مند اور پڑھے لکھے آدمی سے ایسی توقع نہیں تھی کہ تم اس حماقت کا ثبوت دو گے۔ تمہیں اب پہلے سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا' تمہیں کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ شکنتلا تو ناگن ہے' اس کے شریر کا زہر پرکاش بھون میں سب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے' وقت بے وقت باہر مت نکلا کرو۔''

''میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھا شاردا!'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''آپ کو یہ شبہ کیسے ہوا کہ میں رات ادھر آیا تھا؟''

''اگر تم نہیں آئے تھے تو میرا پستول کیا جن بھوت یہاں چھوڑ گئے ہیں؟''

''کیچو۔'' میرے ذہن میں کیچو کا سایہ ابھر آیا۔ پستول کی گم شدگی کا معما خود بخود حل ہو گیا۔ مجھے جو تشویش لاحق تھی' وہ ختم ہو گئی۔ میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا پستول زیادہ دیر تک میں نے اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا' اس لیے رات ہی خاموشی سے اسے واپس چھوڑ گیا تھا۔''

''کیوں؟ کیا تمہارا خیال تھا کہ پستول تمہارے پاس سے برآمد ہوتا تو میں آنکھیں بدل لیتی؟'' شاردا نے مجھے شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ایک ایک انداز سے بے پناہ محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اب آپ مجھے ناراض کرنے کے موڈ میں ہیں' آپ بدلہ لے رہی ہیں۔ ٹھیک ہے' ہم پہ ستم کیجیے۔ ہمیں سزائیں دیجیے۔ شاردا۔'' میں نے والہانہ کہا۔ ''میں نے بہت سوچ سمجھ کے یہ قدم اٹھایا تھا' میرے لیے یہی بہت ہے کہ پرکاش بھون کی ایک حسین ترین لڑکی۔ ایک راج کماری میرا خیال رکھتی ہے۔''

''پھر وہی راج کماری۔ الفاظ واپس لو۔'' شاردا کی آواز کپکپا رہی تھی اور آنکھوں میں موتی جھل ملا رہے تھے۔ اس کے یاقوتی ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ میں ایک آدمی بن گیا کیونکہ میں بہرحال ایک آدمی ہی تھا۔ میں نے آگے بڑھ کے اس کے لب چوم لیے اور مجھے ایسا لگا جیسے میرے ہونٹ سن ہو گئے ہوں۔ جیسے انہیں کرنٹ لگ گیا ہو' جیسے وہ میرے ہونٹ نہ ہوں' ہمارے درمیان ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں یکلخت پیچھے ہٹ گیا۔ شاردا کی نظریں زمین میں گڑ گئی تھیں۔ میرا خیال تھا' وہ میری جسارت پر برہمی کا اظہار کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔

''موہن! اب آئندہ ایسا نہ کرنا۔'' وہ دبی زبان سے بولی۔ ''مجھے ایسا محسوس

ہوتا ہے' جیسے میں شکنتلا ہو گئی ہوں۔ جیسے میں ایک مجرم ہوں اور میرے چہرے پر داغ پڑ گئے ہیں۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے موہن! پھر میرا تمہارا یہ فرق بھی ختم ہو جائے گا۔ تم مجھے یہاں سے لے جاؤ گے۔ پھر تم جو چاہو کرنا۔'' وہ سسکنے لگی۔

''ارے ارے۔ آپ تو رونے لگیں۔'' میں نے خفت سے کہا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں۔ بس یوں ہی جی چاہا کہ آپ......''

ایک خادمہ کے آ جانے سے میں نے ہونٹ سی لیے۔ شاردا نے بڑی سرعت سے اپنا لہجہ بدل لیا۔ پرکاش بھون میں گاہے گاہے ہی شاردا سے خلوت کے یہ موقعے ملتے تھے اور جب ملتے تھے تو کوئی نہ کوئی آ دھمکتا تھا اور سارا شیرازہ منتشر کر دیتا تھا۔

☆......☆......☆

شاردا نے مجھے سرشام ہی رخصت کر دیا۔ وہ اوروں کے سامنے مجھ پر حکم چلاتی تھی مگر خلوت میں میری حکومت اس پر چلتی تھی۔ میں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس دن میں وہاں سے آیا تو میرے دل و دماغ کا تکدر خاصا دور ہو چکا تھا۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس تنہائی میں پھر طرح طرح کے خیالات نے مجھے گھیر لیا اور جیسے جیسے اندھیرا گہرا ہوتا گیا' میرا دل ڈوبنے لگا۔ شاردا نے آج اپنی والہانہ گفتگو سے میری دنیا بدل دی تھی' میں نے طے کر لیا تھا کہ اسے لے کے کہیں دور چلا جاؤں گا اتنے ستم جھیلنے کا انعام اگر شاردا کی صورت میں ملے تو یہ ستم کچھ بھی نہیں تھے۔ جب میں نے یہ عزم کیا تھا' مجھے بانو یاد نہیں رہی تھی اور میں ڈالی کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ بانو میرے فراق میں کیسی کٹ رہی ہو گی؟ مگر وہ کیا بات تھی کہ شاردا میری نظر میں پیش پیش تھی؟ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں پرکاش بھون کے کھائے ہوئے زخموں سے چور چور ہو چکا تھا اور مہیش سے اپنے انتقام کی آگ اسی صورت میں بجھا سکتا تھا کہ اس کی بہن کو یہاں سے لے جاؤں اور پھر شاردا تو ایسی لڑکی تھی جس پر زندگیاں قربان کر دی جائیں' جسے خون سے خط لکھے جائیں' جس کے لیے عمر بھر انتظار میں گزار دی جائے۔ جس کے لیے راتوں کو دن سمجھا جائے اور دن جہنم سمجھے جائیں۔ اور بانو؟۔

کسی نے میرے کانوں میں سرگوشی کی' کس نے مجھے ٹھوکا مارا۔ میں جھنجلا کے اٹھ بیٹھا اور کوارٹر میں ٹہلنے لگا۔ تمام خواب اس وقت تک بے کار ہیں۔ جب تک میں اس قید خانے سے رہائی حاصل نہیں کر لیتا اور قید خانے سے رہائی اس وقت تک نا

ممکن ہے جب تک مہیش چندر کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ میں ہمیشہ اس کے لیے بے ضرر رہوں گا یا وہ یہ سمجھ لے کہ میری پسپائی' میری موت' اس کی زندگی میں محال ہے یا پھر یہ کہ مہیش چندر خود ختم ہو جائے؟۔ ہاں' میرے ذہن میں کوئی شعلہ سا لپکا۔ مہیش چندر کیوں زندہ رہے؟ میری تمام مصیبتوں کی جڑ وہی ہے' میرے تمام رازوں سے وہی واقف ہے۔ وہ زندہ رہے تو میں مردہ ہوں۔ مجھے صرف ایک شخص سے نمٹنا پڑے گا اور پرکاش بھون کے تمام راستے میرے لیے کھل جائیں گے۔ میں آزاد ہواؤں میں سانس لے سکوں گا۔ پھر سے نئی زندگی شروع کرسکوں گا مگر میں نے اپنے جذبات کی خود ہی نفی کی۔ کیا میں دوبارہ شہروں میں جا سکتا ہوں اور نئے سرے سے زندگی شروع کر سکتا ہوں؟ بنو بیگم اور بختاور کے قتل کے معاملے پر اوس نہیں پڑے گی۔ میں گنجان آبادیوں سے بھاگتا ہی رہوں گا مگر سنسان بستیوں میں تو ایسی وحشت نہ ہو گی۔ میں کہیں بھی منہ چھپا لوں گا۔ میں اپنا چہرہ مسخ کر لوں گا۔ میں اندھا ہو جاؤں گا۔ میں اپنی ایک ٹانگ کاٹ لوں گا تا کہ کوئی میری شناخت نہ کر سکے۔ اتنے بڑے ہندوستان میں مجھے کہیں تو اپنے آپ کو چھپانے کے لیے کوئی جھونپڑی' کوئی سائبان' کوئی غار مل سکتا ہے۔ میں نے جتنا سوچا' مہیش چندر کی زندگی کے دن کم ہوتے گئے۔ اب میرے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ میں کس طرح مہیش چندر کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہوں؟ کاش کیچو یہ کام کرنے کے لیے راضی ہو جائے۔ کیچو۔ ورنہ پھر ایک طویل انتظار۔ کسی مناسب موقع کے لیے طویل انتظار اور اس دوران میں ممکن ہے' مہیش چندر میری موت کا فرمان دوبارہ جاری کر دے۔ فرمان تو جاری ہو گیا تھا۔ نہ معلوم کب اس کی تعمیل ہو جائے۔ میں کیچو کو یاد کرنے لگا۔ کیچو کون ہے؟ کیا ہے؟ ان سوالوں کا کوئی اطمینان بخش جواب میرے پاس نہیں تھا۔ کیچو کوئی سایہ ہے جو مجھ پر مائل ہے۔ بس یہی بات اس وقت غنیمت تھی۔ چراغ جلتے ہی ڈالی کمرے میں آ گئی۔ وہ رام لال اور ٹھاکر کی موت کے بارے میں ملازموں کی چہ مگوئیاں اور افواہیں سنانے لگی۔

ڈالی کے چہرے کی زردی اور اس کی حوصلہ شکن گفتگو سن کے میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی کھٹکنے لگا تھا کہ ڈالی جیسی عورت کو حالات نے بزدل بنا دیا ہے' اگر اس پر سختی کی گئی اور اس کے بچے کو نشانہ بنایا گیا تو کیا عجب ہے' وہ اپنی زبان کھول دے؟ اس کی زبان کھل گئی تو قیامت آ جائے گی۔ اس خدشے کو اس وقت اور تقویت ملی جب جے پال کا ایک ماتحت ڈالی کو بلانے آیا۔ میں نے اٹھ کے صحن میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

ہر لمحے میں میرا کرب بڑھتا جاتا تھا۔ ہر آہٹ پر میری نظریں دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ شاید ڈالی واپس آ گئی ہو؟ رات بھیگنے لگی تھی۔ اندر بے چارہ گڈا تنہا پڑا رو رہا تھا۔ کوارٹر گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے گڈے کو کھلونے دے کے اسے کسی نہ کسی طرح خاموش کیا۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے کیچو کا نام کئی بار لیا اور بار بار ادھر ادھر ہڑبڑا کے دیکھا کہ کہیں اس کا سایہ قریب ہی نہ ہو؟ پھر مجھے صبح آنے والا پنڈت یاد آ گیا۔ اس کم بخت نے کیچو کے آنے کے راستے ہی بند نہ کر دیے ہوں؟ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ میں آج رات باغ میں ضرور جاؤں گا۔ خصوصاً رات کی رانی کے اس پودے کے پاس جہاں کیچو کا سایہ غائب ہو گیا تھا۔ حالانکہ ایسے مشکوک حالات میں باغ میں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا مگر کیچو سے رابطہ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی خطرہ تو ضرور مول لینا تھا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی' میں اپنی جگہ سے اچھل گیا اور لپک کے دروازے کی طرف بڑھا لیکن دروازے پر ہری داس کو دیکھ کے یوں ٹھٹک گیا جیسے ہری داس کے روپ میں پھانسی کا پھندا میرے سامنے موجود ہو۔ ''تم ہری داس!'' میں نے مشکل سے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''کنور جی نے تمھیں یاد کیا ہے؟'' ہری داس سپاٹ لہجے میں بولا۔

''کیوں چاچا! کوئی خاص کام؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''یہ تو انہی سے جا کے پوچھنا۔'' ہری داس نے برہمی سے جواب دیا۔

''بگڑتے کیوں ہو چاچا؟ چلتا ہوں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔ ''ڈالی گھر پر نہیں ہے۔ میں گڈے کو ساتھ والے کوارٹر میں چھوڑ کے آتا ہوں۔''

''کنور جی کا حکم ہے کہ میں تمھیں ساتھ لے کے آؤں۔'' ہری داس کا انداز بدلا ہوا تھا۔ میں نے حجت مناسب نہیں سمجھی' گڈے کو ساتھ والے کوارٹر میں چھوڑ کے ہری داس کے ساتھ چل دیا۔ پہلے ڈالی کو جے پال نے بلایا تھا اور اب کنور مہیش چندر کی جانب سے میری طلبی کا حکم آیا تھا۔ ہری داس کی خاموشی خلاف توقع تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد میں نے ہری داس کو چھیڑا۔ ''کیوں چاچا! یہ کیسی کھچڑیاں پک رہی ہیں؟ اپنا دماغ تو الثام ہو گیا ہے۔''

''بھگوان جانے۔'' ہری داس کا جواب جذبے اور تاثر سے یکسر عاری تھا۔

''مجھے تو اب ڈر لگنے لگا۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے گفتگو جاری رکھی۔

"تلے اوپر چار موتیں ہو چکی ہیں' کون جانے یہاں کیا ہونے والا ہے۔"

"اپنے کام سے کام رکھ موہن داس!" ہری داس سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہاں زبان کھولنے کی سزا بھی موت سے کم نہیں۔"

میں نے مزید کوئی بات نہیں کی' جے پال کے کمرے سے گزرتے وقت میں نے اندر جھانک کے دیکھا۔ اس کے دو نائب ڈیوٹی پر چوکس موجود تھے' جے پال نہیں تھا۔ ہمیں باہر ہی روک لیا گیا۔ معلوم ہوا کنور مہیش چندر اپنے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ کسی اہم معاملے پر گفتگو کر رہا ہے۔ خاصی دیر بعد جب دونوں راج کمار تمکنت سے باہر نکلے تو میری باری آنے کی امید ہوئی۔ دونوں راج کماروں نے سرسری انداز سے مجھے اور جے پال کے نائبوں کو دیکھا۔ ہم سب ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے تھے۔ راج کمار چلے گئے تو ہری داس نے اندر جا کے میرے آنے کی اطلاع دی' مہیش چندر نے مجھے فوراً طلب کر لیا۔ کمرے میں وہ اب بھی تنہا نہیں تھا۔ پارو بھی موجود تھی۔ مہیش چندر مجھے دیکھ کے اچانک کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک پیدا ہوئی گلاس ہاتھ میں لیے وہ لڑکھڑاتا ہوا میرے پاس آیا۔ مجھے اس کے تیور اچھے نہیں لگ رہے تھے لیکن آج میں نے بھی جی میں ٹھان لی تھی کہ اگر وہ بدتمیزی کرے گا تو یہیں کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔ روز روز کی ذلت سے ایک دن کی عزت کی موت اچھی ہے۔

کنور نے میرے گرد دو چار چکر لگائے' میں بت کی طرح جما ہوا کھڑا رہا۔ کنور چند لمحوں کے لیے میرے رو بہ رو ٹھہر گیا اور اس نے اپنی بڑی بڑی نشیلی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں۔ میں کوشش کے باوجود اس سے نظر نہیں ملا سکا۔ میری نظریں خود بخود جھک گئیں۔ کنور مسکراتا ہوا صوفے پر واپس چلا گیا اور اس نے ایک سگریٹ ہونٹوں سے لگایا۔ پارو نے پیش قدمی کی اور اس کا سگریٹ سلگایا۔ "شکریہ۔" مہیش چندر نے کہا اور کھنکھار کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "موہن داس!" اس کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

"جانتے ہو' ہم نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" وہ ہم کا صیغہ پوری دھمک سے استعمال کر رہا تھا۔

"غلام کی گردن چاہیے؟" میں نے سر جھکا کے کہا۔

"خوب۔" اس نے افتخار سے پارو کی طرف دیکھا۔ "ہم نے تمہیں ایک ضروری کام سے بلایا ہے۔"

"حکم دیجئے سرکار!" میں نے مودبانہ جواب دیا۔

"تم جانتے ہو' دوسروں کے مقابلے میں ہمیں تم پر کتنا وشواس ہے۔"

"آپ کی کرپا ہے سرکار! سیوک آپ کے وشواس کو دھوکا نہیں دے گا؟"

"ہم تمہیں کچھ دنوں کے لیے اپنے سے دور کر رہے ہیں۔"

میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ "کیا غلام سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں' غلطی کرنے والے یہاں صرف ایک بار غلطی کرتے ہیں۔"

"پھر سرکار مجھے خود سے جدا کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ گرج کے بولا۔ "سنو۔۔ موہن داس! ہم نے پہلے بھی تمہیں کئی بار آزمایا ہے (حالاں کہ ایک ہی بار آزمایا گیا تھا) اب پھر شاید تمہاری ضرورت پڑ جائے۔ اب کے تمہارا کام پہلے سے زیادہ اہم ہے۔ اس وقت ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔ مہاراج امرناتھ کے محل میں نجی ملازموں کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مہاراج کی سیوا کرنے کے لیے تم راج محل میں ملازمت اختیار کر لو۔"

آخری جملہ انتہائی معنی خیز انداز میں ادا کیا گیا تھا۔ میں کانپ کر رہ گیا۔ ایک لمحے میں بہت سی باتیں میرے ذہن میں در آئی تھیں۔ مجھے راج محل میں ملازمت کا مشورہ یا حکم دینے کا مقصد صاف تھا۔ کنور کی پرواز اس بار پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ کنور کی انگریزوں سے دوستی کا سلسلہ بھی اس حکم سے مل رہا تھا۔

میں نے محتاط انداز میں تیزی سے کہا۔ "کیا راج محل میں مجھے ملازمت مل جائے گی سرکار؟"

"شٹ اپ۔" مہیش نے مجھے حقارت سے جھڑکا۔ "یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔"

"سرکار کے حکم پر سیوک اپنا جیون بھی بلی دان کر سکتا ہے۔" میں نے باقاعدہ جھک کے کنور کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"مگر۔ مگر۔" کنور کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ "یوں تو ہم تم پر پورا وشواس کرتے ہیں مگر ہم تمہارے ساتھ اپنے چند اور ملازم بھی بھیجیں گے تاکہ تمہارے قدم بہکنے نہ پائیں۔ تمہارے گھر والے یہیں رہیں گے۔ اگر کام ہماری مرضی کے مطابق نہ ہوا تو تمہارے حق میں بہت خراب نتائج نکل سکتے ہیں۔ سمجھے' ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتے؟ تم اپنی اوقات سے نہیں بڑھو گے اور ہمارے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ جانتے ہو کہ تم چاہے کہیں رہو' ہماری

دسترس سے دور نہیں رہو گے۔ ہم پہلے سے تمہیں سیاہ و سفید سمجھا رہے ہیں' باقی سوچنا تمہارا کام ہے۔ یوں ہمیں تم پر پورا اعتماد ہے' تم ایک بہادر اور چتر آدمی ہو۔" کنور نشے میں بہکتا ہوا میرے منہ پر طمانچے لگا رہا تھا۔

"سرکار کو اتنی باتیں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضروت ہے۔" وہ دھاڑتا ہوا بولا۔ "ضرورت ہے۔"

پارو خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے اپنی اطاعت اور وفاداری کا عہد کیا تو وہ مہیش سے انگریزی میں بولی۔ "کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم ایک ہی آدمی پر بار بار بھروسا کریں؟"

"میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں ڈارلنگ! تم فکر نہ کرو۔" مہیش چندر نے پارو کی ساری کا پلو سونگھتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص ایک پالتو جانور سے کم وفادار نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے اس کا پرکاش بھون سے باہر جانا مناسب نہیں ہوگا۔" پارو سنجیدگی سے بولی۔ "ہم جے پال کو خدمت کا موقع کیوں نہ دیں؟ وہ مجھے ذہنی طور پر اس سے زیادہ برتر معلوم ہوتا ہے۔"

"تم ابھی نادان ہو۔ ابھی کمسن ہو۔" کنور اس کی زلفیں اڑاتے ہوئے بولا۔

"میں اپنے پالتو جانوروں کی خصوصیات تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" مہیش نے دوبارہ گلاس بھر لیا اور روکھے لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "راج محل میں تمہیں یہاں کے مقابلے میں زیادہ محتاط ہو کے کام کرنا ہوگا۔"

"جو سرکار چاہیں گے' وہی ہوگا۔" میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک کنور مہیش چندر نے رام لال یا ٹھاکر کی موت کے سلسلے میں مجھ سے کوئی بات کیوں نہیں کی؟ اگر وہ دونوں مہیش چندر ہی کے اشارے پر مجھے ٹھکانے لگانا چاہتے تھے تو مہیش کا رویہ میرے ساتھ کچھ اور ہونا چاہیے تھا۔ وہ تو مجھے مزید ذمے داریاں سونپ رہا تھا۔ اسے مجھے پرکاش بھون سے باہر جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔ تو کیا شاردا کا خیال درست تھا کہ میرے قتل کی سازش میں شکنتلا اور جے پال کا ہاتھ ہے؟ میں نے کنکھیوں سے مہیش کی طرف دیکھا' وہ دوسرا گلاس ہونٹوں سے لگائے چسکیاں لے رہا تھا۔ پارو عجیب سی نظروں سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ ہماری نظروں کا تصادم کئی بار ہوا۔ میں نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"تم اب جاسکتے ہو موہن داس! خیال رکھنا کہ تمہیں کسی وقت بھی راج محل جانے کا حکم مل سکتا ہے۔" مہیش چندر نے نوٹوں کی ایک گڈی میری طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ عیش کرو۔"

"سرکار سلامت رہیں۔" میں نے ہاتھ باندھ کے بار بار مہیش چندر اور پارو کو پرنام کیا اور الٹے قدموں واپس آ گیا۔ جے پال ابھی تک اپنے کمرے میں نہیں آیا تھا۔ میں نے ہری داس کو دیکھنا چاہا لیکن ہری داس بھی اس وقت غائب تھا۔ جے پال کے کمرے میں اس کے دونوں نائبین اونگھ رہے تھے۔ میں دھڑکتے دل سے مہیش چندر کے محل سے واپس ہونے لگا۔ میری رفتار خاصی سست تھی۔

☆......☆......☆

مہیش چندر نے مجھے پھر تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا۔ رات اس نے میری ہلاکت کا اہتمام کیا تھا اور اب اسے میری زندگی کی ضرورت تھی۔ گویا مہیش چندر نے میری زندگی کے آگے سپر ڈال دی تھی کیونکہ میری موت ناممکن ہو گئی تھی؟ یا یہ بھی کوئی تماشا تھا؟ کوئی چلتر تھا؟ کیا وہ مجھے سانس لینے کا موقع دے کر لطف حاصل کرنا چاہتا تھا؟ اب راج دربار میں مجھے راجہ امر ناتھ کے ہاں اپنی بہادری اور ذہانت کا جادو جگانا تھا۔ مجھے ان راستوں سے تمام رکاوٹیں دور کرنی تھیں۔ جو صاحب بہادر کنور مہیش چندر کے لیے منزل تک پہنچنے میں تاخیر کا باعث ہوتیں اور میں کچھ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ مہیش چندر نے میرے پر قینچ کر لیے تھے۔ وہ میرے ماضی سے واقف تھا اور اس نے دبے لفظوں میں میری بغاوت یا سرکشی پر ڈالی اور اس کے بچے کو تہہ تیغ کرنے کی دھمکی بھی دے دی تھی۔ راستہ انہی خیالوں میں نہ جانے کتنا کٹ گیا۔ میں اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کون میرے پیچھے آ رہا ہے؟ آج ہر حالت میں باغ جا کے کیچو کا سراغ لگانا چاہتا تھا۔ صرف کیچو ہی میری داد رسی کر سکتی تھی یا وہ ایک لمحہ کر سکتا تھا' وحشت کا ایک لمحہ۔ جو طوفان کی طرح آتا اور گزر جاتا تھا۔ وہ لمحہ جب خنجر کسی پر قبضہ کر لیتا ہے اور پستول حاوی آ جاتا ہے اور انگلیوں میں سارے جسم کی توانائی آ جاتی ہے۔ وہ لمحہ کسی وقت بھی آ سکتا تھا۔ نہ اس کے لیے کسی سازگار ماحول' کسی موافق فضا کی ضرورت تھی' نہ کسی منصوبے کی' بس انگلیوں کو زحمت دینی پڑتی۔

میں نے اپنا رخ باغ کی طرف کر دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے عقب میں کوئی موجود ہو۔ اصطبل کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا لیکن

وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کردی کچھ دور اور بڑھا تو مجھے اپنے تعاقب میں کسی کے قدموں کی آواز صاف سنائی دی۔ اس خیال سے کہ یہ آہٹ کہیں میرے پریشان اور وہمی ذہن کی بازگشت نہ ہو' میں نے دوبارہ پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ وہ میرا وہم نہیں تھا۔ آہٹ واضح طور پر میرے کانوں کو ایذا پہنچانے لگی تھی۔ ممکن ہے' پہلی بار میرے پلٹتے ہی وہ شخص اصطبل کی آڑ میں چھپ گیا ہو؟ اس وقت میں باغ کے سامنے والے میدان میں تھا۔ وہاں روپوش ہونے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے باغ میں جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور خود کو خطرے سے نمٹنے کے لیے بہر طور آمادہ کر لیا۔ میں اپنی جگہ جم کے کھڑا ہو گیا اور میں نے دیکھا' کیچو کا ہیولا نمودار ہو کے مجھ سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ اسے دیکھ کر میرا دل اچھل کے حلق میں آ گیا۔ ''تم؟'' میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

''ہاں میں' جمشید!'' اس کے ہیولے نے مترنم آواز میں کہا۔ ''رکو مت' قدم بڑھاتے رہو۔''

''میرے قریب آؤ کیچو!'' میں نے بے تابی سے کہا۔ ''میں پریشان ہوں' میں جاننا چاہتا ہوں' کہ تم کون ہو اور مجھ سے اتنی مہربانی سے کیوں پیش آ رہی ہو؟ میری بہن یامنی سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ تم کیا ہو؟ مجھے صاف صاف بتاؤ۔ میں تمہیں کیا سمجھوں؟''

''کسی دن بادل چھٹ جائیں گے۔'' وہ نرم لہجے میں بولی۔

''میں تمہیں کیا سمجھوں؟'' میں نے پھر کرب سے پوچھا۔

''اپنا دوست۔'' اس کی آواز کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

''دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے اور تم بادل چھٹنے کی بات کر رہی ہو؟ کسی دن میرا دماغ پھٹ جائے گا یا میں اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔''

وہ کشش کرتے ہوئے بولی۔ ''خاموشی سے دیکھتے جاؤ۔''

''میں کیا کروں؟'' میں بے قراری سے اس کے ہیولے کی طرف لپکا۔ ہیولا مجھ سے اور پیچھے ہٹ گیا۔

''آگے پیچھے دیکھ کے چلو۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''اور کیا کر رہا ہوں؟'' میں جزبز ہو کے بولا۔ ''میں بہت بدنصیب ہوں۔''

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرا گئی۔

''سنو۔ گھر جا کے آرام سے سوجاؤ' صبح کا انتظار کرو۔''

''صبح کا انتظار' شام کا انتظار' اچھے وقت کے انتظار میں کتنی ہی صبحیں اور شامیں گزر گئیں۔ ہر صبح اور ہر شام وحشت کا کوئی نہ کوئی پیغام لے کے آتی ہے' میں نے رقت انگیز آواز میں کہا۔ ''تم میرا ایک کام کرو گی؟''

''کہو۔'' وہ حلاوت سے بولی۔

''تم نے مجھ پہ بڑے احسانات کیے ہیں' مجھے کئی بار موت کے منہ سے بچایا ہے' صرف ایک شخص میرا دشمن ہے۔ بس اسے میرے راستے سے ہٹانے میں میری مدد کرو۔ اس کے بعد میں تم سے کوئی کام نہیں کہوں گا۔'' میں نے اس کی منت کی۔

''ابھی نہیں جمشید۔ اس محل میں بہت سے سادھو اور پنڈت پجاری آتے رہتے ہیں۔ ابھی وقت نہیں آیا۔''

''صبح بھی ایک پنڈت گھر میں آیا تھا۔'' میں نے الجھ کر کہا۔

''آشرم میں اور بھون کے باہر کئی پنڈت موجود ہیں۔''

''اور وہ سب مہیش چندر کے قبضے میں ہیں۔ مہیش چندر ان کا بڑا مان کرتا ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''چپ رہو اور آہستہ بولو'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ''سنو صبح اگر کوئی بات ہو تو گھبرانا نہیں۔ سرجیت کی طرف اشارہ کر دینا۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں کیچو؟'' میں تمام باتیں بھول گیا اور کیچو کے اس جملے سے حواس باختہ ہو گیا۔ ''کھل کر بتاؤ تم کن پراسرار باتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہو؟''

''کرچھے والا پنڈت بہت کچھ جان چکا ہے لیکن تم اپنی زبان بند رکھنا۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ تم اور پریشان کر رہی ہو۔''

''باقی باتیں خود سمجھنے کی کوشش کرو۔''

میں مضطرب ہو گیا۔ ''کیا سمجھوں کیا نہ سمجھوں۔'' میں نے اپنا ماتھا سکیڑ کے کہا۔ ''بتاؤ یہ پریشانیاں کب ختم ہوں گیں' میں موت وزیست کی اس کشمکش میں کب تک الجھا رہوں گا' مجھے میرا انجام بتا دو۔ تاریکی میں مت رکھو۔''

''جو وقت گزر رہا ہے' اسے گزرنا چاہیے۔ مرد بنو۔ جو کہا ہے' اسے یاد رکھنا۔'' کیچو نے نصیحت کی اور اس کا پراسرار سایہ مجھ سے دور ہونے لگا۔ میں نے جست لگانے کی کوشش کی کہ کیچو کے وجود کا راز بے نقاب کر دوں لیکن میں ارادے

کے سوا کچھ نہیں کر سکا۔ میں اضطراب کے ساتھ اس کا ہیولا تاریکی میں مدغم ہوتے دیکھتا رہا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی پھر بھی میں دیر تک کھڑا رہا کہ شاید وہ دوبارہ نمودار ہو جائے؟ کیچو کے ہیولے سے بات کرنے کے بعد میرے ذہن کا غبار بڑی حد تک چھٹ چکا تھا۔ مجھے اپنا سینہ اور شانے بہت ہلکے محسوس ہوئے حالانکہ کیچو کچھ اور خطروں، کچھ اور فسادوں کی نشان دہی کر گئی تھی۔

☆......☆......☆

کچھ ہونے والا ہے۔ یہ کچھ ہونے کا ادراک حساس آدمیوں کو مختلف کیفیات میں لے جاتا ہے۔ دل بولنے سا لگتا ہے۔ آنکھیں تڑپنے لگتی ہیں اور دماغ میں پرچھائیاں تیرنے لگتی ہیں۔ یہ خواب ہی کی کوئی کیفیت ہے مگر خواب کی ایک کچی خام شکل۔۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں اس مرض کا مریض تھا۔ لفظوں رویوں اور آنکھوں کی ایک ذرا سی تبدیلی مجھے محسوس ہو جاتی تھی اور میں بہت کچھ اخذ کرنے اور قیاس کرنے، عمارتیں بنانے اور عمارتیں ڈھانے کا کام کچھ زیادہ مستعدی سے کرتا تھا۔ ایسے شخص کے فیصلے بھی لمحوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ڈالی کوارٹر میں میری راہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خوشی دمک اٹھی۔ میں اس سے کوئی بات کر کے رات کی نیند حرام کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ کیچو نے کہا تھا کہ میں گھر جا کے آرام سے سو جاؤں۔ غلط کہا تھا یا صحیح کہا تھا لیکن میں آرام کی نیند لینے کے لیے بے قرار تھا۔ ڈالی کی حالت مجھ سے مختلف تھی۔ اس بے چاری کو کوئی کیچو راستے میں نہیں ملی تھی۔ ''کہاں سے آ رہا ہے شیرو؟''

''یوں ہی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''ذرا کنور جی نے بلایا تھا۔''

''کیا بولتا تھا مال زادہ؟'' ڈالی تیوری چڑھا کر بولی۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''کہتا تھا کہ اب مجھے خدمت کے لیے راج دربار میں بھیج دیا جائے گا۔''

''راج دربار میں؟ راجے پور کے راجہ کے ہاں؟'' ڈالی حیرت سے بولی۔ ''اور تو چلا جائے گا؟''

''اور میں کیا کروں گا؟''

ڈالی کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ ''ارے شیرو!'' کچھ توقف کے بعد وہ بولی۔ ''اس کے ارادے مجھے نیک معلوم نہیں ہوتے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہے۔ اس کے ارادے مجھے نیک معلوم نہیں ہوتے۔''
میں نے منہ چڑا کر دہرایا۔
''تو سچ کہتا ہے۔'' وہ تاسف سے بولی۔ ''بعض اوقات میرا دماغ بالکل کام نہیں کرتا۔''
''یہ گودا کھوپڑی سے نکال پھینک۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''اور سن۔ اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ مجھ سے غلطی ہو گئی جو تجھ سے کہہ دیا۔ ابھی حکم نہیں ملا ہے' کسی وقت بھی مل جائے گا۔''
''اس سے پہلے ہی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر۔''
''دیکھتی رہ کیا ہوتا ہے۔'' میں نے بے فکری سے کہا۔ ''یہ بتا تو گئی کہاں تھی؟''
''جاتی کہاں؟ جے پال نے منہ کالا کرنے کے لیے بلایا تھا۔''
مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے گال پر زناٹے کا تھپڑ رسید کر دیا ہو۔
میں نے تڑپ کے ڈالی کا چہرہ دیکھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' ڈالی میری کیفیت سمجھ گئی۔ ''دوسروں کی پیاس بجھانے کے سوا میرے پاس کیا دھرا ہے؟''
''اب اتنا ذلیل نہ کر ڈالی!'' میں نے چیختے ہوئے کہا۔
''پھر تو یہ کیوں پوچھ رہا تھا کہ میں کہاں گئی تھی؟ کوئی مرد کسی عورت اور مجھ جیسی عورت کو بلائے گا تو اس کا کیا کام ہوگا؟'' وہ رو دینے والی آواز میں بولی۔
میں نے گھٹنوں میں سر دے لیا۔ مجھ میں ڈالی سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ زہر بولتی رہی' میں نے کچھ کھایا نہیں تھا۔ چپ چاپ بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈالی میرے پاس روٹی لے کے آئی اور مجھ سے اصرار کرنے لگی کہ میں کچھ کھانا کھالوں' میں نے انکار کیا تو اس نے نوالے بنا بنا کے میرے منہ میں دینے شروع کر دیے۔ بھوک ہی مٹ چکی تھی۔ ڈالی نے جتنے لقمے منہ میں دیے' میں نے زہر مار کر لیے۔ میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ پانی پی کے میں نے مہیش چندر کے نوٹوں کی گڈی اس کی طرف پھینک دی۔ وہ اشتیاق سے انہیں گننے لگی اور کہنے لگی' میں جانتی ہوں' یہ ڈھیر سی رقم تجھے کس نے دی ہے۔ اب ہمارے پاس اچھا پیسہ ہو گیا ہے۔ تو سمجھتا ہو گا یہ حرام کی کمائی ہے مگر شیرو! اس سے زیادہ محنت کا پیسہ کسے نصیب ہو گا؟''
میں اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ نیند اب کوسوں دور تھی۔ ڈالی اپنی چارپائی پر

بیٹھی مجھے عجیب سی نظروں سے تکے جا رہی تھی۔ میں نے جماہی لیتے ہوئے پوچھا۔
''کیا رات بھر میری چوکیداری کرے گی؟ سو جا بھاگیہ وان' کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرے تو جاگ اٹھنا۔ آج کی رات بھاری معلوم ہوتی ہے۔''
''شیرو! میں آج تیرے پاس سوؤں گی۔'' ڈالی نے یہ جملہ اتنی برجستگی سے کہا کہ میں حیرت سے اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر حسرت چھائی ہوئی تھی۔ آنکھیں گیلی تھیں۔
''دماغ چل گیا ہے تیرا۔'' میں نے قدرے سخت لہجہ اختیار کیا۔ ''چپ چاپ پڑی رہ گڈے کے پاس۔''
''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ روپے دیکھ کے مجھے اور ڈر لگنے لگا ہے۔'' ڈالی نے سادگی سے کہا۔ ''کیا میں تجھ سے کوئی جدا چیز ہوں اور کیا ساتھ سونے کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے؟ گڈا بھی تو سوتا ہے میرے ساتھ۔''
''چارپائی قریب کھینچ لے۔'' میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ میں اس کی قربت برداشت کرنے کے مشکل امتحان میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔
ڈالی خاموشی سے اٹھی اور اپنی چارپائی کھینچ کے اس نے میری چارپائی سے ملا لی مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ڈالی کے سر پر میرے پاس لیٹنے کا بھوت نہ سوار ہو جائے؟ مگر پھر مجھے بہت دیر تک اس کی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے پلٹ کے دیکھا۔ ڈالی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ میری پیٹھ کی طرف منہ کیے ہوئے تک رہی تھی۔ قریب ہی گڈا بے خبر سو رہا تھا۔ میں نے دونوں کے چہرے غور سے دیکھے' ان کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر ڈالی کو دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی۔ ''نیند نہیں آ رہی ہے؟'' میں نے سرگوشی سے پوچھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''ڈالی!'' میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ''ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔'' وہ میری طرف متوجہ ہوگئی ''کہ تو میرے لیے بے غیرتی کا ایک کھیل اور کھیل۔۔ تو کنور مہیش چندر کے ہاں اپنا رسوخ بڑھا لے۔'' وہ کسمسانے لگی۔ ''سنتی ہے'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔۔ پھر ہم آسانی سے باہر جا سکیں گے۔''
ڈالی کروٹیں بدلنے لگی۔

☆.....☆.....☆

میں اور ڈالی رات دیر سے سوئے تھے۔ شاید کچھ دیر اور سوتے رہتے اگر دروازے پر پرشور دستکوں کی آوازیں نہ ابھرتیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آنے والا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا ہے' مجھ سے پہلے ڈالی کی آنکھ کھلی۔ پھر اس نے گھبرا کے مجھے جھنجوڑا۔ آنکھوں میں نیند کا خمار باقی تھا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا صحن عبور کرکے دروازے پر پہنچا۔ پھر جیسے ہی دروازہ کھولا' میری نظر سب سے پہلے جس شخص پر پڑی' وہ جے پال تھا۔ وہ تنہا نہیں تھا' اس کے ساتھ کرچھے والا پنڈت بھی تھا۔ پنڈت کے علاوہ دو سنگین بردار سنتری بھی نظر آ رہے تھے۔ میرے ذہن کا بوجھل پن لمحوں میں دور ہوگیا۔ جے پال کے انداز سے شقاوت عیاں تھی۔ اس کی بے رحم نگاہوں نے پرتپاک انداز میں مجھے دیکھا۔ سنتریوں کی موجودگی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ اب کے کچھ زیادہ ہی خطرناک معاملہ ہے۔ میں ابھی صورت حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ جے پال مجھے دھکا دیتا ہوا صحن میں آ گیا اس کے پیچھے پنڈت اور سنتری بھی کوارٹر میں آگئے تھے۔ سنتریوں کے بعد دو مزدور کدال لیے اندر آئے۔ انہیں میں پہلے نہیں دیکھ سکا تھا۔ ''موہن داس!'' جے پال نے مجھے سخت نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''رات تم ہری داس سے آخری بار کب ملے تھے؟''

''ہری داس؟ چاچا ہری داس؟'' میری زبان لڑکھڑا گئی۔ ''کنور جی بہادر نے مجھے بلانے کے لیے اسے بھیجا تھا۔''

''اس کے بعد تمہاری مڈبھیڑ اس سے کب ہوئی تھی؟''

''دوبارہ وہ مجھے نہیں ملا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔ ''کیا ہوا چاچا کو؟ کیا معاملہ ہے سرکار؟''

''سچ سچ بتا دے بالک!'' پنڈت نے سرد لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔

''میں سمجھ نہیں سکا مہاراج؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں کیا کہہ رہا ہوں یہ تو تجھے ابھی معلوم ہوجائے گا۔'' پنڈت نے اپنا کرچھا گھماتے ہوئے کہا۔ ''ستیہ امر ہے۔''

''بکواس بند کر۔ مہاراج کے منہ لگتا ہے نیچ! ابھی تیری معصومیت کا بھرم کھل جائے گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ میں تو تجھے دیکھ کے پہلی ہی نظر میں تاڑ گیا تھا۔'' جے پال گرج کے بولا۔ ''پھر اس نے مزدوروں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''چلو آگے بڑھو اور درخت کے چاروں طرف کا صحن کھود ڈالو۔''

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں جی؟'' میں نے خفا ہو کے کہا۔ ''میں کنور جی بہادر کا خاص سیوک ہوں۔''

''ہم کنور جی کو ان کے خاص سیوک کے کرتوت بتانے کی تیاری کر رہے ہیں۔'' جے پال نخوت سے بولا۔

معاً میری نگاہ نیم کے درخت کی جانب اٹھی۔ وہاں کی زمین بھربھری نظر آ رہی تھی۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ اب ہر بات میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس بار مجھے ختم کرنے کے لیے بہت طاقتور دلیل تیار کی گئی تھی۔ نیم کے درخت کے اطراف زمین پر اکھڑی ہوئی مٹی بکھری پڑی تھی۔ حالانکہ رات گئے تک وہ زمین سپاٹ اور ہموار تھی۔ میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے' جے پال مجھے خوں خوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ ڈالی بھی گنگ کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پنڈت' جے پال کے قریب کھڑا لکڑی کے دانوں کی مالا جپ رہا تھا۔ سنتری مجھ پر نظر رکھے ہوئے میرے دائیں بائیں' زمین پر کسی ستون کی طرح نصب تھے۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے سرکار؟'' میں نے پھر ہمت کرکے جے پال سے پوچھا۔

''پاپی۔'' پنڈت درمیان میں بول پڑا۔ ''مکتی چاہتا ہے تو سب کچھ صاف صاف بتا دے۔''

''کون سا پاپ؟ کچھ پتہ تو چلے۔'' میں نے عاجز آ کے کہا۔

''موہن داس! ہمیں معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ تو نے رات ہری داس کا خون کیا ہے۔ اس کی لاش اصطبل کے قریب ملی ہے' لاش کا سر غائب ہے لیکن ہم اسے تلاش کر لیں گے۔''

''کیا مالک؟'' جے پال کا الزام سن کے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ''مالک! ایسا انیائے؟'' میں نے کانپتے ہوئے کہا۔ میرے لہجے میں احتجاج تھا۔ پھر میں خود ہی خاموش ہو گیا کہ کس کے آگے فریاد کر رہا ہوں۔ مجھے پھانسنے کے لیے دشمنوں نے بڑا گھناؤنا اور سنگ دلانہ قدم اٹھایا ہے' میں پھٹی پھٹی نظروں سے نیم کے درخت کی جانب دیکھنے لگا جہاں مزدور بڑے جوش و خروش سے کدالیں مار مار کے زمین کھودنے میں مصروف تھے۔ ہری داس کا سر برآمد ہو جانے کی صورت میں میرا بچنا ناممکن تھا۔ میں خود کو زمین میں دھنسا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اگر اس وقت مجھے کچھ کا

خیال نہ آ گیا ہوتا تو میں بے ہوش ہو کے گر جاتا۔ گزشتہ رات کا ایک ایک واقعہ میری نظروں کی سطح پر گردش کرنے لگا۔

رات کیچو نے کیا کہا تھا؟ اس نے اشاروں اشاروں میں کچھ کہا تھا۔ اب اس کے مبہم اشارے میرے ذہن میں واضح ہو رہے تھے۔ کیچو نے کہا تھا۔ صبح اگر کوئی بات ہو جائے تو گھبرانا نہیں' سرجیت کی طرف اشارہ کر دینا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کرچھے والا پنڈت بہت کچھ جان چکا ہے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کیچو کا اشارہ اس خونیں واقعے کی طرف ہے۔ کیچو کا دھیان آیا تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا بازو پکڑ لیا ہو اور مجھے گرنے سے سنبھال لیا ہو' جیسے کسی نے میرے سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا ہو' میں نے اعتماد سے زمین پر دوبارہ قدم رکھے اور سوچا۔ کیچو کے مشورے کے مطابق کیوں نہ جے پال کی توجہ سرجیت کی جانب مبذول کرادوں اور جے پال سے جھوٹ بولوں کہ مجھے یاد آیا' مجھے یاد آیا کہ میں نے واپسی کے وقت ہری داس کو سرجیت کے ساتھ اس کے کوارٹر میں جاتے دیکھا تھا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ پھر ابھی میں اپنا اعتماد بحال کر رہا تھا کہ ڈالی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''رحم کرو! رحم کرو!! یہ جھوٹ ہے' بہتان ہے' موہن داس کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ڈالی' جے پال کے پاؤں پکڑے ہوئے زار وقطار رو رہی تھی اور فریاد کر رہی تھی۔ ''تم سے کسی نے جھوٹ بولا ہے بابو! کچھ تو لحاظ کرو۔ میری مانو' کسی دشمن نے موہن داس کو پھنسانے کی کوشش کی ہے۔''

''کنجری!'' جے پال اسے حقارت سے دھتکارتے ہوئے بولا۔ ''دور ہٹ کر بات کر' میں تجھے بھی خوب سمجھتا ہوں۔''

''دیا کرو بابو! ہم نردوش ہیں' کچھ اوپر کی طرف بھی دیکھا کرو۔''

''ڈالی!'' اچانک میں نے ڈالی کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ ''جب ہم نے کوئی پاپ نہیں کیا تو پھر تو بنتی کس کارن کر رہی ہے؟ جا اندر جا کے گڈے کے پاس بیٹھ شور مت مچا۔''

''اپرادھی!'' پنڈت میرا رنگ بدلتے دیکھ کر مشتعل لہجے میں بولا۔ ''تو منش کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے' پرنتو ایشوری لال کو چل نہیں دے سکتا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔''

جے پال اور پنڈت ایشوری لال' جو منہ میں آیا' کہتے رہے۔ میں نے زبان

بند کر لی تھی۔ مزدوروں نے صحن میں اچھا خاصا گڑھا کھود ڈالا' لیکن وہاں سے ہری داس کا سر برآمد نہیں ہو سکا جے پال بار بار وضاحت طلب نظروں سے کبھی پنڈت کو اور کبھی سنتریوں کو دیکھتا تھا۔ پنڈت اب کسمسانے لگا تھا اور سنتریوں کے چہرے زرد پڑنے لگے تھے' میرے کوارٹر کے باہر دوسرے ملازم بھی جمع تھے' ہری داس کے قتل کو اچھی خاصی شہرت دی گئی تھی' اب مجھے کیچو کے وجود پر اعتبار آ چلا تھا اور یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ کیچو کی پراسرار قوت مجھے ضرور بچالے گی' جے پال کے انداز و اطوار میں رفتہ رفتہ جھلاہٹ آتی جا رہی تھی۔ سارا صحن کھود کے تباہ کر دیا گیا تھا۔ اچانک اس نے سنتریوں کو قہر آلود آواز میں کھدائی بند کرنے کا حکم دیا۔ پنڈت ایشوری لال کی نظروں میں میرے لیے حیرت ہویدا تھی۔ میرا دل چاہا کہ جے پال سے کچھ تلخ و تند مکالموں کا تبادلہ کروں اور اس سے پوچھوں کہ اس کے مخبر کون تھے؟ لیکن میری حیثیت ایک چھوٹے ملازم کی تھی اور جے پال ایک بڑا ملازم تھا۔ مجھے خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی۔ چھوٹے ملازموں کا یہی وطیرہ سب سے مناسب ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کم سے کم استعمال کرتے ہیں اور کان ہمیشہ مستعد رکھتے ہیں۔ محکومی اور حاکمیت کا ایک یہی فرق سب سے نمایاں ہے' میں پریشان تھا کہ کس طرح کیچو کے مشورے کے مطابق جے پال کی توجہ ڈرائیور سرجیت کی طرف مبذول کراؤں۔ میں خود کہہ چکا ہوں کہ میں نے ہری داس کو واپسی کے راستے میں نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں نے ہمت کر ہی لی۔ میں نے جے پال سے کہا۔ ''سرکار! میں آپ سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہو۔'' جے پال نے حکمیہ انداز میں کہا۔ ''صرف آپ سے سرکار! شما کیجیے آپ کو تکلیف ہو گی۔''

جے پال نے جز بز ہو کے پنڈت ایشوری لال کی طرف دیکھا۔ ''سب کے سامنے کیوں نہیں کہتے؟'' وہ سختی سے بولا

''آپ ہی سے کرنے کی بات ہے۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔

''بکو۔'' جے پال ایک طرف آتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''جے پال بابو! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں' پر آپ کو میرا نام چھپانا ہوگا' ورنہ میں مفت میں مارا جاؤں گا۔''

جے پال کا تجسس بڑھ گیا تھا۔ ''بکتے کیوں نہیں؟ ہم تمہارا نام کہیں نہیں لیں گے' تم نے کچھ دیکھا ہے تو صاف صاف بیان کرو۔''

"سرکار! میں نے سرجیت کے ڈر سے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ میں کسی جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔" میں نے بہت آہستگی سے کہا۔ "رات میں نے ہری داس کو سرجیت کے ساتھ دیکھا تھا۔ میں کنور بہادر کے سامنے ہی یہ بات بتا دینا چاہتا تھا مگر میرے لیے آپ ان سے کم نہیں ہیں۔ میں تو آپ کو بھی اپنا کنور ہی سمجھتا ہوں۔" کنور کا نام میں نے دانستہ لیا تھا' جے پال کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ کہنے کو تو یہ بات میں نے رازداری سے جے پال کے گوش گزار کر دی لیکن مجھے اپنی حماقت کا فوراً احساس ہو گیا کہ جے پال اور پنڈت ہی نے میرے خلاف یہ سازش مرتب کی ہے' ایسی صورت میں وہ بھلا سرجیت کو کیوں اس معاملے میں گھسیٹیں گے؟ مجھے سب کے سامنے سرجیت کا نام لینا چاہیے تھا' اتنی زور سے کہ باہر کھڑے ہوئے دوسرے ملازمین بھی سن لیں۔

میری بات سن کے جے پال' پنڈت ایشوری لال کے پاس گیا اور اسے الگ لے جا کے آہستگی سے باتیں کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ پنڈت کو میرے ہی بارے میں بتا رہا ہے کہ میں نے اس سے کیا کہا ہے۔

چنانچہ میں نے کسی قدر تیز آواز میں پنڈت کو مخاطب کیا۔ "مہاراج! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے سرجیت کو دیکھا تھا۔ میری ان گنہگار آنکھوں نے۔ آپ ان سے پوچھیے تو سہی۔ ہری داس سے تو مجھے بہت محبت تھی۔ میں اسے چاچا کہتا تھا اور وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ اور گڈے کے لیے اکثر مٹھائیاں لاتا تھا۔ میں اس بوڑھے کو مار کر کون سی جائداد حاصل کرتا۔"

میری تیز آواز پر جے پال نے ناراضی سے منہ بنایا۔ ابھی ابھی میں اس سے رازداری کی درخواست کر رہا تھا اور اب میں نے سرجیت کا نام برسرعام لے دیا تھا مگر اس نے اسے میری وحشت سمجھ کے نظر انداز کر دیا۔ میں نے ویسے بھی اس موقع پر ہزاروں بے سروپا جملے کہے تھے۔ ان دونوں نے کوئی مشورہ کیا۔ پنڈت نفی میں سر ہلا رہا تھا اور جے پال اسے سمجھا رہا تھا' ان دونوں میں کیا طے ہوا' یہ مجھے نہیں معلوم۔ البتہ وہ دھمکیاں دیتے ہوئے کوارٹر سے چلے گئے۔ میں نے بھی ان کے پیچھے جانا چاہا۔ مگر ڈالی نے میرا کرتا پکڑ لیا۔ "مجھے جانے دے ڈالی! مت روک۔ کسی بات کی فکر مت کر۔" میں اپنا کرتا چھڑا کر باہر نکل گیا۔ جیسے ہی میں باہر آیا۔ دوسرے ملازم مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ میں نے ان سب کی توجہ سرجیت کے کوارٹر کی طرف

مبذول کر دی۔ یہ سارا قافلہ کوارٹروں کی تیسری لائن کے درمیانی کوارٹر تک پہنچ کے رک گیا۔ سرجیت کے کوارٹر میں' جے پال' دونوں سنتری' پنڈت اور مزدور چلے گئے۔ میں نے اور دوسرے ملازموں نے اندر جانے کے لیے ہاتھ پیر مارے مگر ہمیں باہر ہی روک دیا گیا۔ ہم سب جھریوں سے اندر جھانکنے اور دروازے سے کان لگائے اندر کی سن گن لینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے کدال چلنے کی آواز آنے لگی اور پھر اچانک سرجیت کی چیخیں سنائی دیں۔ دوبارہ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک مزدور کے ہاتھ میں ہری داس کا خاک اور خون میں لتھڑا سر تھا۔ دونوں سنتریوں نے سرجیت کے ہاتھ میں زنجیر ڈال دی تھی اور وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ وہ وحشت زدہ انداز میں سر جھٹک رہا تھا۔ ہری داس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں' یہ منظر ایسا لرزہ خیز تھا کہ جے پال نے اشارے سے ہری داس کے کٹے سر پر کپڑا ڈالنے کا حکم دیا' جے پال کی حالت بڑی ابتر تھی۔ پنڈت ایشوری لال کا سر بھی جھکا ہوا تھا۔ وہ اتمام حجت کے لیے سرجیت کے کوارٹر میں گئے ہوں گے' صرف خانہ پری کے لیے' ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ہری داس کا سر وہاں سے برآمد ہو جائے گا۔ اسی لیے تو وہ بے جھجک اس طرف چلے گئے تھے۔

میں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا کہ ابھی مطلع صاف نہیں ہوا ہے' سرجیت بے قصور ہے' قتل تو کسی اور نے کیا ہوگا۔ یا ممکن ہے سرجیت ہی نے قتل کیا ہو اور کیچو نے اسی لیے اس کا نام لیا ہو مگر میرے مخالفین بہت سی دلیلیں میرے خلاف تراش سکتے ہیں۔ اب کچھ بھی ہو' میں نے اپنے دل کو تسلی دی۔ کم از کم پنڈت ایشوری لال' جے پال اور کنور مہیش یا میرے کسی اور مخالف کو اس حقیقت کا علم تو ہو ہی گیا ہوگا کہ مجھے مارنا آسان کام نہیں ہے۔ میں اگر سرجیت کا ذکر نہ کرتا تو کیا کرتا؟ کیا میں اپنی گردن پر چھری رکھی رہنے دیتا؟

بہرحال اب ملازموں کے سامنے سرجیت کو زد و کوب کیا جا رہا تھا۔ دونوں سنتری شکاری کتوں کی طرح سرجیت پر پل پڑے تھے اور انہوں نے پل بھر میں اسے لہولہان کر دیا تھا۔ تمام ملازمین خاموش تماشائیوں کی حیثیت سے یہ کھیل دیکھ رہے تھے۔ راستے میں سرجیت کو ٹھوکروں اور لاتوں سے مارا جا رہا تھا۔ اس سے میرے اس شبے کو تقویت پہنچی کہ سرجیت کی زبان بند رکھنے کے لیے اسے کوئی مہلت نہیں دی جا رہی ہے۔ حالانکہ اسے اپنی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ ویران آنکھوں سے اپنے اردگرد کے

لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر میں جان بوجھ کر جے پال کے قریب پہنچا اور میں نے ہمت کر کے دبی زبان میں اس سے پوچھا۔ ''میرے لیے اب کیا حکم ہے سرکار؟''

اس نے نفرت سے منہ بنایا۔ ''تم اپنی ڈیوٹی پر جا سکتے ہو۔''

''بھگوان بابو کو خوش رکھے۔'' میں نے چپکے سے وہاں سے چلے آنے ہی میں عافیت سمجھی اور جے پال کا حکم سن کے دل ہی دل میں کیچو کا شکریہ ادا کرتا ہوا اپنے کوارٹر میں آ گیا۔ اس حادثے کے صرف ایک گھنٹے بعد مجھے ایک نئی اطلاع ملی۔ مہیش چندر نے سرجیت کو ہری داس کا قاتل قرار دیتے ہوئے اس پر گولی چلوا دی تھی۔ ہری داس کے ساتھ سرجیت کی موت بھی آ گئی تھی۔ گویا دوسرے ہی دن دو اور آدمی قتل ہو گئے تھے۔

☆......☆......☆

ڈالی کو کسی نہ کسی طرح مطمئن کر کے میں شاردا کے پاس اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے لیے پہنچا۔ شاردا کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔ میں جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ پائیں باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کے قریب خلا میں گم شدہ مسرتیں ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے گلابی رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ساڑھی کا رنگ کیا ہے اور خود اس کا رنگ کیا ہے۔ اس وقت مجھے اپنا وزن کچھ کم محسوس ہو رہا تھا اور طبیعت میں ہلکی ہواؤں جیسی نرمی اور سبک خرامی تھی۔ میری آہٹ پر وہ اس طرح چونکی جیسے کسی خواب سے اچانک بیدار ہوگئی ہو۔ وہ درد و کرب کی تصویر بنی ہوئی تھی آنکھوں میں شبنم چہرے پر دھوپ اور انداز میں خزاں۔ میری آمد پر اس کے ہونٹوں پہ ایک بے جان سی مسکراہٹ ابھری۔ کھڑکی سے ہٹ کے وہ آرام کرسی پہ بیٹھ گئی۔ میں نے شگفتگی سے پوچھا۔

''شاردا! آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں۔''

''موہن!'' وہ گہری آواز میں بولی۔ ''وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ تمہیں جلد ہی کچھ سوچنا ہوگا۔''

''لیکن کیا ایسی آسانی سے وہ مجھے آپ سے چھین لیں گے؟''

''یہ خونی لوگ ہیں' ان کے دل پتھر کے ہیں۔''

''کوئی نئی بات کیجئے۔''

''تم نے کیا سوچا ہے؟ مجھے بتاؤ' کیا تم میری باتوں کی بس یوں ہی تائید کر

تے ہو کیونکہ تم ایسا کرنے پر مجبور ہو۔'' شاردا کبیدگی سے بولی۔

''آپ کیا سمجھتی ہیں؟''

''یہ تم مجھے' آپ' کیوں کہتے ہو۔ ایسا لگتا ہے' جیسے بہت دور سے بول رہے یا اور میرے تمہارے درمیان کوئی بہت بڑی دیوار ہے۔''

''آپ کو آپ سے مخاطب کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔''

''لیکن مجھے قطعاً اچھا نہیں لگتا۔''

''چلیے آپ کی خاطر میں تم کہنے لگوں گا۔ یہ بتایئے آج آپ۔'' مجھے خیال گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے ترمیم کی۔ ''آج تم اتنی اداس کیوں ہو؟''

''تم اداسی کی وجہ پوچھ رہے ہو جیسے تمہیں خود کچھ نہیں معلوم۔ بس آج ہی یہاں سے باہر نکلنے کا پروگرام بنا لو' ورنہ اس حبس میں۔ کسی دن تم میرے متعلق کوئی بری خبر سن لو گے جو یہاں عام ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''ارے شاردا! تم تو بالکل بچی بن گئی ہو۔ یہاں سے نکلنا بہت آسان ہے جس دن بھی میں مناسب سمجھوں گا' تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔'' میں نے بزرگ لہجے میں کہا۔

''اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس وقت تک وہ تمہیں......'' اس نے اپنی زبان سی لی۔

''میں تمہیں اپنی زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''نہیں' تم مجھ سے خوف زدہ ہو کہ کہیں میں تمہارے لیے عذاب نہ بن جاؤں۔ تم سوچتے ہو گے کہ میں ایک بڑے گھر کی لڑکی ہی رہوں گی' بدل نہیں سکتی اور یہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں' صرف جذبات کا عارضی ابال ہے۔'' وہ جذبات سے پر آواز میں بولی۔ ''تم کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ تم ایک شریف اور سادہ آدمی ہو اگر تم مجھے یہاں سے لے چل کے تو دیکھو' میں تمہارے ساتھ جھونپڑی میں رہ لوں گی' اف تک نہ کروں گی۔''

میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ جس پر ہر جگہ میرا نام لکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں صرف میری تصویر تھی۔ میں اپنی تصویر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ میری شوخی سنجیدگی میں بدل گئی۔ میرے سامنے ایک حسین و جمیل لڑکی بیٹھی تھی اور اس کے سامنے کون شخص کھڑا تھا؟ جس کے لیے زمین تنگ تھی۔ ''میں تمہیں کس طرح بتاؤں شاردا

کہ میں خود یہاں ایک پل رکنا نہیں چاہتا لیکن جانے کے لیے یہ وقت موزوں نہیں ہے۔ قتل و خون کے اس موقع پر ہم یہاں سے فرار ہو گئے تو تمام الزامات ہم پر عائد ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں۔۔۔تم نہیں سمجھتیں۔۔۔جس دن کنور صاحب نہیں ہوں گے' یا یہاں کوئی تقریب ہو گی اور باہر ہمارے لیے تیزی سے آگے بڑھنے کا کوئی معقول ذریعہ ہوگا تو ہم فوراً ان کی رسائی سے دور چلے جائیں گے۔ سمجھ رہی ہو؟ بہت سی باتیں سوچنا پڑیں گی۔ میں تمہاری انگلی پکڑ کے بڑے دروازے سے گزر کے سنتریوں کے سامنے سینہ پھلا کے نہیں جا سکتا۔ تمہاری قربت میری زندگی کا حاصل ہے۔ مجھے اپنی اس خوش بختی پر یقین نہیں آتا۔"

"اور مجھے اپنی خوش بختی پر یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص کبھی پرکاش بھون میں آئے گا جو میرے خوابوں اور خیالوں جیسا ہوگا۔ غریب' پڑھا لکھا' باہمت' حوصلہ مند۔" وہ جوش سے بولی۔ "اگر تم نہ آتے تو میں بھی یہیں کی غلاظت میں کہیں گر جاتی۔"

مگر اب میں آ گیا ہوں۔

"دیکھو موہن! یہاں کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں۔۔۔کل ہری داس اور سرجیت' آج کوئی اور...... پرکاش بھون میں ہرطرف سازشیں اگ رہی ہیں۔ کسی وقت بھی' کوئی بھی اندھیرے میں چلنے والی کسی گولی کا نشانہ بن سکتا ہے۔" شاردا نے آج طے کر لیا تھا کہ وہ مجھ سے ہر معاملے پر کھل کر گفتگو کرے گی۔

"کیا سرجیت اور ہری داس کا انجام بھی کسی سازش کا نتیجہ تھا؟" میں نے اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لیے پوچھا۔

شاردا تڑپ کے کھڑی ہو گئی۔ "میری دل جوئی کے لیے جھوٹ سے کام نہ لو موہن! مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ جے پال اور اس کے آدمیوں نے تمہارے کوارٹر کا رخ کیا تھا۔ وہ تمہیں ہر قیمت پر راستے سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے شاردا!" میں نے زہرخند سے کہا۔ "کیا میں اتنا اہم شخص ہوں کہ مجھے مارنے کے لیے سر جوڑ کر مشورے کیے جائیں؟ سازشوں کا جال بنا جائے؟ تم میرے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دو۔ تمہاری صحت ان غیر متعلق باتوں سے متاثر نہیں ہونی چاہیے۔"

"کیا میں ان باتوں سے علیحدہ رہ سکتی ہوں؟" شاردا میرا جواب سن کے جذباتی ہو گئی۔ "جب کہ تمہاری ذات بھی اس میں ملوث ہے' جواب دو موہن! میرا تمہارا

کیا تعلق ہے؟"

"ہری داس کی موت کا مجھے بے حد دکھ ہے' وہ بے چارہ مفت میں مارا گیا۔ میں نے دیدہ دانستہ شاردا کا اضطراب نظر انداز کیا اور کہا۔ "وہ بڑا ملنسار اور نیک شخص تھا۔"

"موہن!" شاردا جھنجلا گئی۔ "کیا میں تم سے کوئی بات نہ کروں؟"

"تم بھی بات کرنا چھوڑ دو گی تو پھر میں کہاں رہوں گا؟ تم ہی نے تو زندہ رکھا ہے۔"

"میرے دل پر جو بیت رہی ہے' اسے شاید تم محسوس نہیں کر رہے ہو۔"

"شکنتلا اس حد تک میری جان کی لاگو ہو جائیں گی' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" میں نے اداسی سے کہا' پھر جوش میں بولا۔ "شاردا تمہیں کس بات کی فکر ہے؟ کنور مہیش چندر تمہارے سگے بھائی ہیں۔ تمہارا ایک اشارہ تمہارے دشمنوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر سکتا ہے۔" میں نے دانستہ دوبارہ یہ ذکر چھیڑا۔

"نہیں موہن!" وہ چیختی ہوئی بولی۔ "بات اگر صرف شکنتلا کی ہوتی تو مجھے کوئی دکھ نہ ہوتا لیکن......"

"لیکن شاردا؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔ شاردا کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے مہیش کے عزائم کا علم ہو گیا ہے' میں دیکھنا چاہتا تھا کہ مہیش کے بے نقاب ہو جانے کے بعد اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ مہیش چندر یا میں؟ یہ شاردا کی آزمائش کا لمحہ تھا۔ میں امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار ہو گیا۔ شاردا ابھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس نے میرے سوال کے جواب سے گریز کرنے کی کوشش کی۔ کچھ دیر اپنی پریشان سوچوں میں ڈوبی رہی پھر جب اس نے سوچوں سے سر ابھارا تو حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "موہن! کچھ نہ پوچھو' بس مجھ پر وشواس کرو۔ میں تم سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ یہاں سے کہیں دور چلو۔ پہاڑوں میں' گپھاؤں میں' جنگلوں میں یا کہیں اور......"

"تم کچھ چھپا رہی ہو' اپنے موہن سے چھپا رہی ہو؟"

"میں مجبور ہوں۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔"

"ٹھیک ہے مجھے روشنی نہ دکھانے میں کوئی مصلحت ہے تو یوں ہی سہی' میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میں اس وقت مجبور ہوں‘ تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"تمہاری مجبوری کسی کی موت کا سبب بن سکتی ہے‘ ورنہ میں اندھیرے میں مارا جاؤں گا۔" میں نے برجستہ کہا۔

"موہن۔" شاردا تیزی سے اٹھ کے میرے سینے سے چمٹ گئی۔ "میں تمہیں اس کا نام بتا سکتی ہوں لیکن وچن دو کہ تم وہ نام کبھی اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے اور انتقام کی کسی بھی کارروائی سے پہلے مجھ سے مشورہ کرو گے۔"

"میں کیا وعدہ کروں۔ کیا وہ دشمن تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟" میرے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"آہ موہن! تم کیوں کچوکے لگاتے ہو۔ میرا اندازہ صحیح ہے‘ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے اور میری بدنصیبی اپنی جگہ قائم ہے۔ میں اس دشمن کا نام بتائے دیتی ہوں تا کہ تم کبھی مجھ سے شکوہ نہ کر سکو۔ تمہارا دشمن میرا بھائی مہیش ہے۔" شاردا جذباتی انداز میں یہ کہہ کے دھڑام سے کرسی پر گر گئی اور تھکے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔ "رام لال اور ٹھاکر کو بھی شکنتلا نے نہیں‘ مہیش نے تمہارے پیچھے لگایا تھا۔ ہری داس کو سرجیت کے ذریعے قتل کرا کے تمہیں پھانسنے کی سازش کی گئی تھی۔ مجھے اب سب کچھ معلوم ہو گیا ہے موہن‘ میں بنتی کرتی ہوں کہ ان دیواروں سے جلد از جلد پھلانگ جاؤ۔ یہاں خون‘ خون کا دشمن ہو گیا ہے۔"

میں نے یہ نہیں پوچھا کہ کنور مہیش چندر خصوصی طور پر میرا دشمن کیوں ہو گیا ہے؟ میں شاردا کو مزید الجھن میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سسکتی روتی ہوئی شاردا کے نزدیک جا کے اس کا سر اٹھایا اور اس کے بھیگے ہوئے رخسار اپنے میلے کرتے سے پونچھے۔ اس نے میرا کرتا چوم لیا۔ اسے آنکھوں سے لگایا۔ اس نے میرے ہاتھوں پر بے تحاشا بوسے دیے۔

اس وقت میرے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

یکے بعد دیگرے میں خطرناک حملوں کا نشانہ بنتا اور صاف بچتا رہا۔ پھر کچھ
سکون طاری ہو گیا۔ مہیش چندر کے ایک اشارے پر اس کے غلام دن کی روشنی میں بھی
مجھے کوارٹر سے گھسیٹ کر قتل کر سکتے تھے‘ وہ مجھے زندہ گاڑ سکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔
یا اس لیے نہیں ہوا کہ مہیش چندر پے در پے ناکامیوں کے بعد میرے بارے میں محتاط
ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پنڈت ایشوری لال بھی مجھے پھر پرکاش بھون میں نظر نہیں
آیا۔ ممکن ہے‘ اس نے مہیش کو معتدل رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہو۔ یہ ستم ظریفی
بڑی خوب تھی کہ ادھر مہیش چندر مجھے راج دربار میں ملازم ہونے کا حکم دے رہا تھا‘ ادھر
مجھے کسی طور ختم کرانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں‘ ان سانحوں سے مجھ پر جو گزری سو
گزری مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ملازموں میں مہیش چندر سے ایک عام بیزاری پائی
جانے لگی۔ عابد شیرازی کا چہرہ بھی میں نے دوبارہ پرکاش بھون میں نہیں دیکھا۔ اس
کی عدم موجودگی میں ساجدہ اور فیروز کا ربط ضبط کس شباب پر ہوگا؟ میں بیداری میں
بیٹھے بیٹھے کبھی یوں ہی خواب دیکھا کرتا تھا۔ کبھی کلکتے‘ کبھی اپنے گھر‘ کبھی اپنے چچا
جان کے ہاں‘ کبھی جارج کے ساتھ کلکتے کی گلیوں میں آوارہ گھوما کرتا‘ کبھی بانو کے
کوٹھے پر چلا جاتا اور اس کی روتی آنکھیں دیکھتا رہتا۔ کبھی مجھے اپنے چچا زاد بھائی اور
بہن یاد آتیں اور میرے ہاتھ پاؤں میں تشنج کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ باہر کی دنیا
ایک خواب تھی۔ چند دن خاموشی طاری رہی۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہ سکون لمحاتی ہے اور
کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے‘ اس عرصے میں اتنا ضرور ہوا کہ مجھے سنجیدگی سے
اپنے آئندہ دنوں کے متعلق سوچنے کا موقع مل گیا۔ آئندہ دن جو مہیش چندر کی زندگی
اور موت سے مشروط تھے۔ میں نے اور ڈالی نے مہیش چندر کی موت کے کئی منصوبے
بنائے لیکن مہیش کو ختم کرنا اس کے باپ کو راستے سے ہٹانے سے زیادہ دشوار تھا۔ ڈالی
اکثر بھی مہیش چندر کے ہاں نئے نئے کپڑے پہن کے اور بن سنور کے رسائی حاصل

کرنے کی کوشش کی۔ مہیش چندر نے صرف ایک بار اسے توجہ سے دیکھا' پاس بلایا' شراب کی بوتل منگوائی' اس کے چٹکیاں بھریں' مذاق کیا' اس کا لباس اتروایا' اسے ہر پہلو سے جانچا' اپنے پہلو میں بٹھایا مگر انگریز مہمانوں کی آمد نے ڈالی کو اس کے قریب نہیں ہونے دیا۔ ڈالی سے اس نے کہا کہ وہ پھر کسی وقت اسے بلائے گا۔ مہیش چندر تک ڈالی بہت مشکل سے پہنچی تھی۔ مہاراج پرکاش چندر کی بات اور تھی۔ وہ شخص تو زندہ ہی عورتوں کے سبب سے تھا۔ مہیش چندر بہت مصروف آدمی تھا۔ ہر وقت اس کے ہاں مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ راج دربار میں بھی اب اس کی آمد و رفت زیادہ ہوگئی تھی۔ عموماً پارو اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ڈالی کو وہاں زیادہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

مہیش چندر کو تنہائی کے موقعے کم ملتے تھے چنانچہ اسے ختم کرنا بھی آسان نہیں تھا' بھائیوں اور بہنوں کے خوف سے اس نے اپنے نجی ملازموں کی تعداد بڑھا دی تھی' دروازے پر مسلح سنتری اس طرح پہرا دیتے تھے جیسے کسی مہاراجہ کے سنتری ہوں۔ میں نے ادھر سے مایوس ہو کے اس کے چھوٹے بھائیوں سے رسم و راہ بڑھانی چاہی لیکن یہ ایک طویل مرحلہ تھا۔ میں اس درمیان شکنتلا سے بھی ملا اور میں نے باتوں باتوں میں مہیش چندر کے متعلق اس کے جذبات ابھارے۔ وہ بھی اس سے برہم تھی اور اس نے بھی دوسرے بھائیوں سے روابط بڑھا لیے تھے۔ مہیش چندر کے خلاف ایک لاوا پک رہا تھا مگر اس میں اتنی شدت نہیں تھی کہ اسے اٹھا کر پرکاش بھون سے باہر پھینک دیا جاتا۔ پرکاش چندر کے باقی صاحب زادے شاید ناپختہ قسم کے تھے۔ انہیں رنگ رلیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ مہیش چندر جب سے اس بھون کا سربراہ بنا تھا' روز نئی نئی خوب صورت عورتیں بھون میں نظر آنے لگی تھیں اور رقص و موسیقی کے جشن' عام منائے جانے لگے تھے۔ میں نے شکنتلا کے علاوہ دوسری لڑکیوں اور رانیوں کی نظر میں بھی آنا چاہا مگر یہ سب کام ایک طویل اور شعوری عمل کے متقاضی تھے۔ ادھر ڈالی کی صحت روز بہ روز گر رہی تھی اور شاردا کا اصرار بڑھ گیا تھا کہ میں یہاں سے بھاگ چلوں۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں' مہیش چندر سے انتقام لینے کی ایک ہی صورت تھی کہ جزا و سزا کی پروا کیے بغیر اسے شوٹ کردوں' یا زہر دے دوں یا پھر مجھے کیچو کی طرف سے۔۔۔ کوئی امید تھی کہ پرکاش چندر کی طرح وہ اس معاملے میں بھی میرا ساتھ دے گی۔ کیچو کا عتاب مہیش چندر پر کب نازل ہوگا اور میری خواہش کے باوجود

ابھی کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ کاش میں یہ باتیں جان سکتا۔ میں تو ابھی کیچو کے پراسرار سائے کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ شاردا کے اصرار پر میں نے اس کا پستول اپنی حفاظت کے لیے پاس رکھ لیا تھا۔ پستول اپنی تحویل میں آنے کے بعد اسے استعمال کرنے کے لیے میرے ہاتھوں میں کھولن ہونے لگی تھی۔ بیک وقت کئی افراد کو گولی مارنے کے لیے طبیعت مچلنے لگی تھی۔ اگر بانو کا خیال نہ ہوتا اور شاردا کی بات نہ ہوتی۔ ڈالی اور اس کا معصوم بچہ درمیان میں نہ ہوتا تو اتنی دیر نہ لگتی۔ ان سب نے مجھے بزدل اور نکما بنا دیا تھا۔ جتنے دن گزرتے تھے' مجھے اپنے طیش سے خود کو باز رکھنے میں مشکل پیش آنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

کئی روز گزر گئے۔ حیرت تھی کہ یہ دن کسی ہنگامے کے بغیر کیسے گزر گئے؟

دن گزر رہے تھے کہ ایک روز میرے دل کی مراد بر آئی۔ ایک خادمہ نے رات گئے مجھے اطلاع دی کہ پارو رانی نے طلب کیا ہے۔ پارو رانی کا نام سن کے میرے دل کے چراغ سے جل اٹھے۔ میں نے کئی مرتبہ کوشش کی تھی کہ پارو سے کوئی رابطہ قائم کیا جائے مگر ایسا ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ وہ مہیش کی راز دار بھی تھی اور اس کی حیثیت پرکاش بھون میں ایک خوب صورت زہریلی ناگن سے کم نہیں تھی۔ اگر میں اس حسین ناگن کا زہر نکال کے اسے قابو میں کر لیتا تو میری مشکلات آسان ہو سکتی تھیں۔ میں نے احتیاطاً شاردا کا پستول اپنی داہنی پنڈلی پر ایک تسمے سے کس کر باندھ لیا اور قریب کا راستہ چھوڑ کے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ طویل راستہ اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کم سے کم لوگ مجھے پارو کے محل تک جاتا دیکھ سکیں۔ قسمت مجھ پر مہربان تھی۔ راستے میں میرا ٹکراؤ کسی سے نہیں ہوا اور میں بآسانی اندھیرے میں تحلیل ہوتا ہوا پارو کے کمرے تک پہنچ گیا۔

اس وقت رات کے تقریباً ایک کا عمل تھا۔ شب خوابی کے باریک لباس سے پارو کا چاندنی بدن' نظریں چکا چوند کر رہا تھا۔ پارو اپنے تمام عنفوان شباب سمیت' اپنی تمام امتیازی خصوصیات کے ساتھ' اپنے حسن کی تمام بہترین شناختوں کے ساتھ کمرے میں موجود تھی۔ اس کا ہلکا لباس ہوا سے اڑتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ زمین پر نہ ہو' ہواؤں میں رقصاں ہو۔ کمرے میں خوابیدہ انگریزی موسیقی رچی ہوئی تھی۔ ہلکی نیلی روشنی کا بلب رنگ برنگے پردوں پر روشنی بکھیرتا شاعری کر رہا تھا اور پارو کا شباب

نغمہ سرا تھا۔ میرے جسم میں کوئی گدگدی کرنے لگا۔ اس لمحے مجھے ایسا لگا جیسے میں ایک تار ہوں جس میں بجلی دوڑ رہی ہو اور میرا سوئچ دبا دیا گیا ہو۔ پارو کا سنہرا بدن اور کمرے کا لطیف و نازک ماحول۔ پہلی بار' زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ زندگی اتنی ارزاں نہیں ہے کہ اسے یوں ہی گنوا دیا جائے' میں نے ایک بھرپور نظر سے اسے دیکھا' اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے لپک کر دروازہ بند کرلیا۔ پھر کوئی بات کہے بغیر میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔ یہ اس کی خواب گاہ تھی۔ خواب گاہ کا ماحول پہلے کمرے سے زیادہ مسحور کن تھا۔ وہاں زندگی کی ہر خوب صورت چیز موجود تھی اور سب سے نایاب چیز تو خود پارو تھی۔ کم سن۔ الھڑ' حسین' تیز و طرار' شوخ اور سنیے تلے بدن کی۔ میں نے آج بہ جبر خود پر سرشاری مسلط کر لی تھی۔ شاید یہ مہیش چندر سے انتقام ہی کی ایک کیفیت تھی۔ پارو نے خواب گاہ میں داخل ہوکے وہاں کا دروازہ بھی بند کر لیا تھا۔ پھر تمام کھڑکیوں اور دروازوں کے دبیز پردے اس طرح کھینچ دیئے کہ ایک معمولی سی جھری بھی باقی نہیں رہ گئی۔ وہ بڑے زور و شور سے اہتمام کر رہی تھی۔ میں خاموش کھڑا پارو کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔ اتنی کم سنی میں اتنی پھرتیلی اور تیز تھی۔ اس نے پہلی نظر میں مجھے پسند کر لیا تھا اور میرے گال پر طمانچہ مارتے ہوئے اس نے جو کچھ کہا تھا' وہ مجھے اب تک یاد تھا۔ اس نے کہا تھا۔ "ہم نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ ہم تمہیں اپنی مرضی کے مطابق سدھائیں گے' تمہیں سرکشی کا درس دیں گے' تمہیں اچھے اور قیمتی لباس پہنا کے اپنے استعمال کے قابل بنائیں گے۔"

آج اس کا جانور اس کے سامنے تھا اور اس کی تربیت حاصل کرنے' سرکشی کرنے اور اس کے ہاتھوں سے لباس پہننے کے لیے تیار تھا۔ سرکشی کا ہر محرک موجود تھا۔ یہ رات' یہ خواب گاہ' یہ ہلکی روشنی' موسیقی' نرم و گداز بستر اور خود پارو' جو ایک حسین لڑکی تھی اور اس کے بدن پر باریک لباس تھا اور میں تھا جس کے دل میں مختلف قسم کے جذبے بیدار تھے۔ میں خود پر مشکل سے قابو پا رہا تھا۔ پردے ٹھیک کرنے اور ایک نظر کمرے پر ڈالنے کے بعد پارو نے نشیلی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا' "موہن داس! ہم کئی دن سے سوچ رہے تھے کہ تمہیں بلایا جائے۔"

"میں سمجھا تھا' سرکار شاید نوکر کو بھول گئیں۔"

"نہیں۔ تم بھولنے کی چیز نہیں ہو۔ تم ہمیں خوب یاد تھے۔"

"میری خوش قسمتی ہے۔" میں نے احتیاطاً ادب سے کہا۔

"موہن داس! اتنی رات گئے ہم نے تمہیں اپنی خواب گاہ میں بلایا ہے' بتا سکتے ہو کیوں؟"

"سرکار! میرا کام سوچنا نہیں' تعمیل کرنا ہے۔" میں نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی کام ہوگا۔"

"کام کاج کے لیے یہاں ملازموں کی کوئی کمی ہے؟" پارو نے ایک خاص ادا سے کہا۔ "ہم نے تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ تمہیں اس روپ میں دیکھ کر ہمیں دکھ ہوتا ہے' ہم تمہیں جب بھی دیکھتے ہیں' تمہارے جسم پر کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیتے ہیں' ہم تمہارے گرد ایک فریم لگا دیتے ہیں۔ اس چوکھٹے میں تم کوئی شہزادے' کوئی راج کمار لگتے ہو' اس لیے ہم نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔"

میں خاموشی سے سنتا رہا اور میں نے نیاز مندی سے گردن جھکا لی۔ "سنا تم نے۔ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم نے مستقل طور پر تمہیں اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے' کاش تم تعلیم یافتہ ہوتے۔"

"تو کیا ہوتا سرکار؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"تم دیکھتے کیا ہوتا۔ ہمیں بناؤ اور بگاڑ کے ڈراموں سے بڑی دل چسپی ہے۔ ہم تمہیں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتے۔"

"میں اب پڑھنا شروع کردوں گا۔" میں نے کسی بچے کی طرح کہا۔

"اوہ نہیں۔" وہ کھلکھلائی۔ "تم ہمارے لیے اب بھی ایک کلچرڈ' مکمل اور موزوں آدمی ہو' اچھا بتاؤ کیا ہم تمہیں پسند آئے؟" وہ اچانک بولی۔

"آپ۔ آپ؟" میں نے جھجک کر کہا۔ "آپ تو بہت سندر ہیں۔"

"صرف سندر؟" وہ استعجاب کے لہجے میں بولی۔ پھر اس نے بے باکی سے پوچھا" موہن داس! تم کسی اتنی سندر عورت سے پہلے بھی ملے ہو؟"

"جی۔ جی۔ نہیں' کبھی نہیں۔" میں نے گھگیا کے کہا۔ "میں عورتوں سے دور ہی رہا۔"

"کیا کسی کی نظر تم پر نہیں گئی؟" وہ حیرت سے بولی۔ "اوہ یہ سب جاہل ہیں' ایڈیٹ۔ انہوں نے تمہیں نہیں بلایا؟"

"کسی نے بھی نہیں۔" میں نے معصومیت سے جواب دیا۔

"بہرحال ہم نے تمہیں بلایا ہے اور ہمارے بلانے کا کیا مطلب ہوتا ہے'

جانتے ہو؟" وہ وقار سے بولی۔

"نہیں۔ جی۔ بس۔ میں کیا کہوں؟" میں نے شرما کے کہا۔

"ہمارا مطلب ہے۔" وہ ایک جست میں قریب آ گئی اور اس کی مہکتی زلفیں میرے شانوں پر لہرانے لگیں۔ اس نے میری کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا۔ صرف ایک لمحے کو اس کے سرخ لب میرے چہرے کے سامنے نظر آئے پھر وہ تیورا کر مجھ سے دور ہو گئی۔" ہم نے تمہیں اپنے من مندر کا راجہ بنایا ہے۔ اس نے دور بیٹھ کے اعلان کیا۔

"جی۔" میں نے کچھ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں کہا۔

"اب ہم تمہاری دنیا بدل دیں گے۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" میں نے سہم کر کہا۔

"ہم تمہیں اپنی ایڑیاں چاٹنے کا حکم دینا چاہتے ہیں۔" وہ سختی سے بولی۔ "ہم تمہیں سینے سے لگانا چاہتے ہیں اور ہم تمہیں وہ چیزیں دینا چاہتے ہیں جو تم نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ وعدہ کرو کہ تم ہم سے وفا دار رہو گے۔"

"مگر۔ مگر آپ؟" میں نے جلد سے جلد مطلب پر آنے کے لیے آگے کی باتیں پہلے کہنی شروع کر دیں۔ پارو کے اطوار سے مجھے کم از کم کسی خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ شکنتلا نے اتنا وقت نہیں لیا تھا۔ اتنی طویل باتیں کرنے کا کوئی مقصد ضرور تھا۔ مجھے اب .. مقصد جاننے کی جستجو تھی۔ چنانچہ میں نے ہر طرح کی راز داری، وفا داری کا عہد کر لیا کیونکہ میں اسی لیے یہاں آیا تھا۔

"سنو۔" پارو پھر تیزی سے میرے نزدیک آ گئی۔ "لیکن ہم تمہاری وفاداری کا عملی امتحان لینا چاہتے ہیں۔" اس نے بے خیالی میں اپنے لباس کی ڈوری ڈھیلی کی اور میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ میری خیرہ نگاہیں دیکھ کے وہ فوراً لباس درست کرنے لگی۔ ایک لمحے میں کوئی بجلی چمکی تھی، وہ معدوم ہو گئی۔ "اب پرکاش بھون میں تمہی سب سے زیادہ ہم سے قریب ہو۔"

"کیا مہیش چندر بہادر سے بھی زیادہ؟" میں نے جان بوجھ کر اس کا نام درمیان میں لیا۔

"ہاں اس سے بھی زیادہ وہ تندی سے بولی۔ مجھے یہاں ایک نشیب نظر آیا اور میں پوری طرح مستعد ہو گیا۔

"یہ پاپ ہے سرکار پارو رانی!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "اگر کنور جی بہادر کو علم ہو گیا تو وہ مجھے زندہ جلا دیں گے۔ میں نے ان کا نمک کھایا ہے۔"

"ہم تمہیں نمک حرام بننے پر مجبور کریں گے؟" پارو اچانک ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے بولی۔ "مہیش چندر نے بھی کسی کا نمک کھانے کے بعد نمک حرامی کی تھی اور تم نے بھی پرکاش چندر کا نمک کھایا تھا۔"

مجھے اپنا وجود ریت کے ٹیلے کے مانند کھسکتا ہوا محسوس ہوا۔ بہ مشکل تمام میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "آپ کچھ اور کہنا چاہتی ہیں؟"

"تم ذہین بھی ہو اور چالاک بھی۔ ہمیں یہ دیکھ کے خوشی ہوئی کہ اب تم نے ٹھیک انداز میں بات شروع کی ہے۔" پارو معنی خیز لہجے میں بولی۔ "مہاراج کو ٹھکانے لگوانے کا منصوبہ ہم نے اور مہیش نے مل کر بنایا تھا۔ تم ایک مہرے کے طور پر استعمال کیے گئے تھے۔"

"میں مہیش چندر جی کے حکم سے انکار کرتا تو میرا انجام خطرناک ہوتا۔"

"یہی صورت پھر پیدا ہو چکی ہے موہن داس!" پارو اچانک سنجیدہ ہو گئی۔ "اب اس بار ہم تمہیں براہ راست کوئی حکم دینا چاہتے ہیں۔ تم نے انکار کیا تو تمہاری لاش کا نشان تک مٹا دیا جائے گا، ہمارے اشاروں پر چلنے کی صورت میں تم ساری زندگی عیش کر سکتے ہو۔ ہمارے پاس حسن بھی ہے، دولت بھی۔"

میں مبہوت ہو کے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ پارو تواتر سے مجھے دھمکیاں دے رہی تھی اور خوش آیند مستقبل کا یقین دلا رہی تھی۔ میں نے اپنا لہجہ۔ مضبوط کرنے کی ناکام کوشش کی۔ "مجھے کیا کرنا ہو گا؟" میرا دل دھڑک رہا تھا، قدرت نے مجھے جو موقع فراہم کیا تھا، میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے بے تاب تھا۔ حالات از خود مجھ پر مہربان ہو گئے تھے۔ جو راستہ میں اختیار کرنا چاہتا تھا، اس کی نشان دہی پارو کر رہی تھی چنانچہ میں نے بے معنی گفتگو سے پرہیز کیا۔

"میں فیصلوں میں دیر نہیں کرتی۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ ہم ابھی فون کر کے مہیش کو خواب گاہ میں بلاتے ہیں۔ اس وقت وہ نشے میں دھت ہو گا۔ تم ہماری خواب گاہ میں چھپے رہو گے۔ جیسے ہی مہیش اندر داخل ہو، تمہیں اسے ٹھکانے لگا دینا ہو گا، سمجھے؟ اس کے بعد ہمارے بازو تمہارے ہوں گے، ہمارا بدن تمہارا ہو گا اور تم

دیکھو گے کہ کیا کیا تمہارا ہوگا۔'' پارو وارفتگی سے بولی۔
''مگر میرا انجام بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''مہیش چندر جی کی لاش کا کیا بنے گا؟ جس خادمہ نے مجھے آنے کا حکم دیا تھا' وہ زبان کھول دے گی تو ہم دونوں پھانسی کے تختے پر ہوں گے۔''
''شش'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''تم کوئی چنتا مت کرو میری جان! ہم نے سارا بندوبست کر کے ہی تمہیں بلایا ہے۔ ہمارے زرخرید غلام کنور مہیش چندر کی ارتھی اٹھانے میں حیرت انگیز پھرتی کا ثبوت دیں گے اور وہ تمام نشانات فوراً مٹا دیے جائیں گے جو ہمیں پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتے ہیں۔ پارو نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں موہن داس!''
''یہ کیسے ممکن ہے؟''
''یہاں کیا ممکن نہیں ہے؟'' وہ گھمبیر لہجے میں بولی۔ ''یہاں سونا چلتا ہے صرف سونا۔''
''کنور جی کی موت کا ذمے دار کسے ٹھہرایا جائے گا؟'' میں نے کچھ سوچ کے پوچھا۔
''جے پال کو۔'' پارو نے ایک سگریٹ جلا کے دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے کہا۔ ہم نے جے پال کے خلاف سینکڑوں ایسے ثبوت فراہم کرنے کا بندوبست کر لیا ہے جو اسے کنور مہیش چندر کا قاتل ثابت کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔''
''کیا جے پال چپ چاپ پھانسی کے تختے پر چلا جائے گا؟''
''تم بہت بھولے ہو موہن داس!'' پارو نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ادھر تم کنور کو موت کے گھاٹ اتارو گے' ادھر چند لمحوں بعد ہمارے آدمی جے پال کو ٹھکانے لگا دیں گے جو اس وقت اس کے اردگرد ہی بیٹھے ہیں۔ قتل کا ثبوت حالات فراہم کریں گے۔ بولو۔ کیا تمہیں منظور نہیں ہے؟ اقرار کی صورت میں تم ہمارے بلکہ میرے بدن کے مالک ہو گے' انکار کی صورت میں تمہیں ٹھکانے لگاتے ہوئے ہمیں دکھ ہوگا لیکن ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں' اب ہم تمہیں کھلا نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ تمہیں سب معلوم ہو گیا ہے اور کنور مہیش چندر تمہاری موت اسی طرح بھول جائے گا جس طرح اپنے باپ کی اور ملازموں کی اموات بھول گیا ہے' تمہارے پاس ایک ہی چارہ ہے کہ ہماری بات مان لو۔ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ہمیں افسوس ہے پیارے

موہن! بس یہی ایک صورت ہے۔''
''مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیجئے۔''
''وقت بالکل نہیں ہے۔ تمام انتظام آج ہی رات کے لیے کیا گیا ہے۔'' وہ پراسرار انداز میں بولی اور مجھے دوبارہ میرے دفاع اور قتل کے بعد کے واقعات کا منصوبہ سمجھانے لگی۔
میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی یہ سب ممکن ہونے لگے گا' پارو بھی مہیش چندر کی دشمن ہو جائے گی؟ اس وقت پارو پر اعتماد کرنے کے سوا واقعی کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اس کی خواب گاہ میں بند تھا اور اس کے اشارے پر کئی ملازم اندر آسکتے تھے' اس کے زرخرید غلام۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی' نہ سوچنے کا کوئی موقع تھا۔ اگر اس وقت میں بھاگنے کی کوشش بھی کرتا تو پارو کے غلام مجھے پاتال تک سے تلاش کر کے اسی وقت میرا کام تمام کر دیتے۔ کنور مہیش چندر کو اطلاع دے کے اس کا اعتماد حاصل کرنے کا موقع بھی میرے پاس نہیں تھا۔ پارو اتنی مہلت ہی کیوں دیتی۔ لمحوں میں' میں نے بہت کچھ سوچا' اتنا' جو میں برسوں میں سوچتا۔ تمام اندیشوں اور پارو کی یقین دہانیوں کے سوا' کہیں میرے دل میں یہ طمانیت بھی جاگزیں تھی کہ میرے ہاتھوں مہیش چندر کا قتل ہو رہا ہے' کوئی اور یہ اعزاز حاصل نہیں کر رہا ہے۔ میں نے سوچا جب ہر دروازہ بند ہو چکا ہے تو پھر آج دھوم دھام سے دل کے ارمان کیوں نہ نکالے جائیں؟ یہ موقع نکل گیا تو نہ جانے پھر کب آئے گا؟ کچھ توقف کے بعد میں پارو کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ پارو میرا جواب سن کے فاتحانہ انداز میں مسکرائی' میرے ہاتھ کا بوسہ لیا پھر اس نے ضروری ہدایتیں دیں اور کسی ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی خواب گاہ سے باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

باہر سے قدموں کی آہٹ خواب گاہ کی جانب آتی محسوس ہوئی تو میں نے اپنی سانسیں سینے کے اندر دفن کر لیں۔ میں پارو کی خواب گاہ کی آڑ میں دیوار سے لگا' دم سادھے کھڑا تھا میری گرفت رومال میں پکڑے ہوئے خنجر پر مضبوط تھی۔ وہ خنجر مجھے پارو ہی نے فراہم کیا تھا۔ خنجر کے دستے پر جے پال کا نام کندہ تھا۔ قدموں کی آہٹ ہر لمحے خواب گاہ سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی میں پسینے میں تر تھا۔ یہ لمحہ جاں کنی کا لمحہ تھا۔ مجھے مہیش چندر کی آواز سنائی دی اس کی آواز سن کے خنجر پر میری گرفت اور سخت

ہوگئی۔ کاش میں اسے للکار کے اور اس کی زبان سے عاجزی کی درخواستیں سن کے اسے ختم کرتا۔ میں اس کے گڑگڑانے کا منظر بھی دیکھتا۔ مہیش چندر نشے میں پارو سے کہہ رہا تھا۔ ”تم ہمیں تباہ کر دو گی۔“

”بھونرا چالاک ہو تو اپنا من پسند پھول تلاش کر لیتا ہے۔“ پارو نے شوخی سے کہا۔

”تمہارا بدن کندن ہے پارو! تم پارس ہو۔“

”مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔“ پارو نے غمزے سے کہا۔

”اب بھی میں تمہیں سونے نہیں دونگا۔“

ساتھ ہی پارو کی ہلکی چیخیں سنائی دیں۔ ”ارے۔ اتنی بے چینی کس لیے مہیش؟ ہم یہ رات پوری طرح مدہوش ہو کے گزاریں گے۔“

میری سانسیں رکی ہوئی تھیں۔ قدموں کی آہٹ دوبارہ ابھر کے مجھ سے قریب ہو رہی تھی۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ پارو کے بدن پر اس کا لباس ڈھلکا ہوا تھا۔ پارو، مہیش کی گرفت سے نکل کے بھاگ رہی تھی، وہ ادھر ادھر چکر لگاتی ہوئی میری جانب آ گئی۔ پارو جیسے ہی اس طرف آئی، مہیش چندر بھی لہراتا ہوا یہیں آ گیا۔ اس کی پشت میری جانب تھی، پارو نے مہیش کو وہیں روک کے رکھا اور اشارے سے مجھے عمل کی دعوت دی۔ میں بجلی کی طرح تیزی سے لپکا۔ ”کنور جی! سنبھلو!“ میں نے نفرت سے کہا۔

کنور مہیش چندر کی آنکھیں میری آواز پر پھٹ گئیں، مجھے یہ لمحہ اپنی زندگی کا حاصل معلوم ہوا۔ اس سے قبل کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی اور بات ہوتی، برق رفتاری سے میں نے مہیش چندر کے جبڑے پر ایک ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑکھڑا کے گرا، میرا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور میں نے زقند بھر کے خنجر اس کے دل میں اتار دیا۔ پارو اچھل کے دو قدم پیچھے ہو گئی۔ مہیش چندر کی مدافعت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی، خون فوارے کی صورت میں اس کے سینے سے ابل رہا تھا، میں اس کے ابلتے ہوئے خون سے ذرا ہٹ کے اس کی تڑپتی ہوئی لاش دیکھتا رہا اور جب تک مجھے یہ یقین نہیں ہو گیا کہ وہ اب دوبارہ سانس نہیں لے سکے گا، مجھے ہوش نہیں آیا۔ اسی وقت تمام بتیاں بجھ گئیں۔ گھپ اندھیرا ہوا تو مجھے ایک نئے خطرے کا احساس ہوا کہ شاید میں نے پارو پر اعتماد کر کے غلطی کی ہے۔ میں نے بہ عجلت تمام شاردا کا پستول نکالا اور اٹھ کے اس

دروازے کی جانب بڑھا جو خواب گاہ کی پشت پر مہاراجہ کے خاص باغ کی جانب کھلتا تھا۔ میری رفتار کسی چیتے کی طرح تھی۔ تاریکی کی وجہ سے ایک دو رکاوٹوں سے ٹکرایا لیکن دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اندھیرے کے باوجود میں نے ٹٹول کے چٹخنی دریافت کر لی۔ ابھی میں اسے کھولنے کی سعی کر ہی رہا تھا کہ خطرے کا تیز الارم پرکاش بھون کے محافظوں کو محتاط کرنے کے لیے چیخنے لگا، پارو نے مجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کرانے کی بڑی مکمل سازش کی تھی۔ ایک ایک لمحہ میری جان پر عذاب بنا ہوا تھا۔ میں دروازہ کھول کے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا باغ میں پہنچ گیا۔ باہر تمام روشنیاں جلا دی گئی تھیں اور سنگین بردار محافظ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے، میں جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا آہستہ آہستہ صدر دروازے کی سمت جا رہا تھا۔ اپنے کوارٹر جانے کا ارادہ ترک کر کے پرکاش بھون سے جیسے تیسے فرار ہونے ہی میں مجھے عافیت نظر آئی صدر دروازے کے قریب پہنچ کے میرا دم گھٹنے لگا۔ میں اب شاردا کے محل کی طرف بھی نہیں جا سکتا تھا۔ قریب تھا کہ میں چکرا کے گر پڑتا لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالا، اس وقت پستول نے میری بڑی ہمت بندھائی۔ میں نے ایک آخری خطرہ اور مول لینے کی ٹھان لی۔ شاردا کے پستول میں چھ گولیاں تھیں۔ میرے لیے ایک ایک پل قیمتی تھا۔ میں نے ایک درخت کی آڑ لے کے یکے بعد دیگرے دو گولیاں داغ دیں۔ دو پہرے دار چیختے ہوئے گرے لیکن تیسرا پہرے دار اچھل کر زمین پر لیٹ گیا۔ میں نے دو گولیاں اور داغ دیں۔ تیسرے پہرے دار کی چیخ سنائی دی تو میں درخت کی آڑ سے نکل کے صدر دروازے کی طرف بھاگا۔ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا، ہاتھ میں شاردا کا پستول لرز رہا تھا جس میں ابھی دو گولیاں باقی تھیں۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر قسمت نے ساتھ نہیں دیا تو میں پکڑا جانے کے بجائے ایک گولی سے اپنا خاتمہ کر لوں گا۔ زخمی پہرے داروں کے قریب سے دوڑتا ہوا میں صدر دروازے تک پہنچ گیا لیکن دروازہ مقفل دیکھ کے میری نگاہوں میں اندھیرا پھیل گیا۔ دور سے چار محافظ دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ میں نے پھرتی سے پستول پنڈلی میں بندھے ہوئے تسمے میں ٹھونس لیا اور دونوں ہاتھوں سے دروازے کی سلاخیں تھام کے اوپر چڑھنے لگا، پھاٹک کی اونچائی پندرہ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ میرے تعاقب میں آنے والے ابھی دور تھے اور انہوں نے صدر دروازے پر مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بار بار منتشر ہو جاتے تھے۔ اگر میں پھاٹک کی اونچائی عبور کر کے دوسری طرف کود جاتا تو میری زندگی کے

امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔ میرے ذہن میں اس وقت نہ ڈالی کا خیال آیا تھا' نہ گڈے کا' نہ شاردا کا۔ مجھے اپنی زندگی بچانے کی فکر لاحق تھی۔ میں ہوشیاری اور انتہائی تیزی سے پھاٹک کی سلاخوں سے اوپر کی جانب چڑھ رہا تھا۔ چند فٹ اوپر پہنچ کے میں نے مردہ محافظوں کی سنگینیں دیکھیں اور میرا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔

ادھر بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

موت مجھ سے بہت قریب ہوگئی تھی۔

وہ ہر طرف سے میری جانب بڑھ رہی تھی۔ ابھی میں پھاٹک کی بلندی کا نصف راستہ ہی طے کر سکا تھا کہ میرا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔ خطرے کا تیز الارم بج رہا تھا۔ محافظوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آواز سن کے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور سلاخیں ہاتھوں سے چھوٹنے لگیں۔ میں ہمت ہار بیٹھا۔ پھاٹک کی بلندی تک پہنچ کے دوسری طرف ہونے اور پھر نیچے آنے یا گرنے کا وقت گزر گیا تھا۔ میں نے خود کو آمادہ کیا۔ ''میاں جمشید! فرض کرو' تم باہر نکلنے میں کامیاب بھی ہوگئے تو کہاں تک جاؤ گے؟ پھاٹک کے باہر دور دور تک راجے پور ریاست کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ تم کہاں تک چھپو گے؟ اپنی موت مردانگی سے قبول کرلو۔ جتنے دنوں کی زندگی ملی تھی' اس کا وقت پورا ہوگیا۔ پرکاش بھون سے فرار ہونے کا مطلب تمہارے جرم کا بین ثبوت ہے۔ تم نے اس طرف آ کے جو غلطی کی ہے' اس کی سزا بھگتو۔ تمہیں اپنے کوارٹر یا کسی اور طرف بھاگنا چاہیے تھا۔ میں نے اوپر جانے کا ارادہ ترک کردیا اور نیچے کی طرف دیکھا۔ میری گولی سے مرے ہوئے محافظوں کی لاشیں ان کی سنگینوں کے ساتھ بے یار و مددگار پڑی تھیں۔ میں سرعت سے نیچے کود گیا اور لپک کے ایک محافظ کی سنگین رائفل سے علیحدہ کی۔ پھر پھاٹک سے ملحق ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ مجھے خوشی تھی کہ مرنے سے پہلے دو چار کو اور ختم کر جاؤں گا' نیچے اترنے کے بعد کچھ ہمت بھی عود کر آئی تھی کہ جب آدمی موت پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اسے کسی بات کا خوف نہیں رہتا۔ لمحوں کا وقفہ گزرا ہو گا کہ بوکھلائے ہوئے محافظ پھاٹک کی طرف آئے۔ میں ستون کے ساتھ کمر ٹکائے پنجوں کے بل کھسک کے دوسری جانب ہوگیا۔ ''رام سنگھ تم یہیں ٹھہرو! میں بغلی دروازے کی طرف جاتا ہوں۔'' ان میں سے ایک بولا۔ ''ہو سکتا ہے' ادھر کہیں چھپا بیٹھا ہو۔''

"آنکھیں کھلی رکھنا بھوشن! ہمارے دو آدمی پہلے ہی شکار ہو چکے ہیں۔" رام سنگھ نے سرگوشی کی۔

میں نے اپنی سانسیں روک رکھی تھیں لیکن ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پھاٹک کے قریب زیادہ دیر رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ صدر دروازے کی طرف صرف دو محافظ آئے تھے۔ جبکہ میں نے چند ثانیوں پہلے چار محافظ دیکھے تھے بغلی دروازے کا راستہ ستون کے قریب سے ہو کر جاتا تھا۔ میں ان کی آہٹیں سن کے ابھی کوئی فیصلہ کر ہی رہا تھا کہ ایک محافظ میرے نزدیک سے گزرا' وہ چونک کر میری جانب جیسے ہی پلٹا میں نے اس کے سینے میں سنگین اتار دی۔ دوسرے ہی جھٹکے میں' میں نے اس کی رائفل پر قبضہ کر لیا۔ مرنے والے محافظ کی چیخ سن کے اس کے ساتھی نے گولی چلا دی جو سنسناتی ہوئی ستون سے ٹکرا کے دور نکل گئی۔ چیخ کی آواز سن کر اس نے اگر جلد بازی سے کام نہ لیا ہوتا تو میری موت یقینی تھی۔ اس کا نشانہ خطا ہو چکا تھا اور مجھے سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری گولی داغتا' میں نے جوابی فائر کیا۔ زندگی مجھ سے اس قدر ناراض نہیں ہوئی تھی' جس قدر میں سمجھتا تھا۔ میں نے دوسرے محافظ کی پیشانی سے خون ابلتے دیکھا تو جلدی سے زقند بھری اور حد بندی کی دیوار کے ساتھ بنی ہوئی باڑھ کی آڑھ میں ہو کے دوڑنے لگا گولیوں کی آواز نے دوسرے محافظوں کی توجہ پھاٹک کی جانب مبذول کردی تھی لیکن میں برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس حصے تک پہنچ چکا تھا جہاں سے اصطبل کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ زندگی کی امید بڑھی تو زندگی کا خوف بھی طاری ہو گیا۔ میں پوری طرح محتاط تھا۔ خطرے کے الارم کے ساتھ ساتھ محافظوں کی سیٹیاں بھی گونجنے لگی تھیں۔ اصطبل میں خاموشی طاری تھی۔ بظاہر اب میں خطرے کی حد سے باہر نکل چکا تھا لیکن ابھی میرے ہاتھ میں سنگین اور رائفل موجود تھی جو میں کسی ایسی ویسی جگہ چھوڑنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ ان پر میری انگلیوں کے نشانات ثبت ہو چکے تھے۔ اصطبل سے میں باغ کی طرف دوڑا' باغ میں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میرا گزر اس درخت کی طرف بھی ہوا جہاں مجھے عموماً کیچو ملا کرتی تھی۔ میں نے سوچا' مجھے ٹھہر کے کیچو کا انتظار کرنا چاہیے۔ ممکن ہے' اس مشکل وقت میں وہ پھر میری مدد کو آ جائے مگر وہ نمودار نہیں ہوئی تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کے میں نے اپنے کرتے سے رائفل اور سنگین پکڑ کے نشانات مٹائے اور باغ کے حوض میں انہیں پھینک دیا۔ میرے پاس اب صرف شاردا کا پستول تھا جس میں دو گولیاں باقی

تھیں۔ میں نے پنڈلی سے بندھے ہوئے تسمے سے اسے کھینچ لیا اور درختوں کے اندھیروں میں چھپتا چھپاتا کوارٹروں کے عقب میں پہنچ گیا۔ گولیاں چلنے کی آواز پر بہت سے ملازم کوارٹروں سے باہر نکل آئے تھے۔ میں نے پستول چھپایا اور انہی میں شامل ہو گیا۔ "یہ کیسی گولیاں چل رہی ہیں؟" میں نے ایک ملازم کو روک کے پوچھا۔

"کیا پتہ بھائی۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ پرکاش بھون ہے۔ یہاں کوئی پلید آتما آ گئی ہے۔ بھگوان شرن میں رکھے۔"

انہی سراسیمہ اور حواس باختہ لوگوں میں سے گزرتا ہوا چپ چاپ میں اپنے کوارٹر کے عقبی حصے کی طرف پہنچ گیا۔ ڈالی کو آواز دینے کے بجائے میں نے کھڑکی کے ذریعے چھت کی منڈیر پکڑی اور چھت پر چڑھ کے صحن میں کود گیا۔ میرا زندہ بچ آنا ایک معجزہ تھا۔ زندہ رہنا بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ موت کے ہزار اسباب ہیں مگر زندگی محض اتفاق ہی سے موجود رہتی ہے۔ کوارٹر میں پہنچنے کے بعد بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ الارم کی آواز سے ڈالی بھی جاگی ہوئی تھی۔ گڈا رو رہا تھا۔ میں جب دھم سے نیچے کودا تو وہ کمرے سے نکل کے باہر آئی۔ میں نے اشارے سے اسے چپ رہنے کی تاکید کی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا اسے کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں آ کے ڈالی نے جھٹ دروازہ بند کر لیا اور تشویشناک لہجے میں بولی۔

"خیریت تو ہے شیرو؟ خدا خیر کرے۔ تیری آنکھوں سے خون ابل رہا ہے۔ سچ سچ بتا شیرو تو کہاں سے آ رہا ہے؟ یہ الارم کیسا بج رہا ہے؟"

"اس وقت کوئی سوال مت کر ڈالی۔ ایک گلاس پانی پلا دے۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ڈالی گڈے کو میری گود میں دے کر پانی لینے چلی گئی۔ گڈا چپ ہونے میں نہیں آ تا تھا۔ میں نے اسے زور کا طمانچہ لگایا۔ وہ سہم کر خاموش ہو گیا اور ہمک ہمک کے رونے لگا۔ پانی پینے کے بعد میں نے چند گہرے سانس لیے۔ ڈالی نے اپنے دامن سے میرے چہرے کا پسینہ خشک کیا اور ہذیانی انداز میں پوچھنے لگی۔ "کچھ بتا تو سہی شیرو! میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

"چپ رہ' خدا کے لیے چپ رہ۔" میں نے بگڑ کے کہا۔

"میں چپ نہیں رہوں گی۔" وہ میرا گریبان پکڑتے ہوئے بولی۔ "بول شیرو یہ بندوقیں اور گولیاں کس کے لیے داغی جا رہی ہیں؟ تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟"

"تو کسی بات کی فکر نہ کر ڈالی!" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اب سب ٹھیک ہے۔"

"کیا اس حرامی مہیش کے آدمی تیرا پیچھا کر رہے ہیں؟" ڈالی میرے قریب بیٹھ کے بولی۔ "وہ کتے تیرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے شیرو! ضرور کسی دن کوئی آفت آ جائے گی۔"

"تو پریشان مت ہو ڈالی! میں نے اس شکاری کو ٹھکانے لگا دیا ہے جس کے کتے میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔"

"شیرو!" ڈالی کی چیخ نکل گئی۔ "کیا بک رہا ہے؟"

"ہاں!" میں نے جوش میں اعتراف کیا۔ "میں نے اسے مار دیا ہے۔ اس وقت جو خطرہ موجود ہے' وہ ٹل جائے' پھر مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہوگی۔ مہیش کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی ہے لیکن ابھی......" میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ کوارٹر کے دروازے پر کسی نے زور سے دستک دی۔ ہم دونوں لرز کے رہ گئے۔

"شیرو! وہ آ گئے ہیں!" ڈالی خوف زدہ آواز میں بولی۔ "تو ایسا کر کہ چھت پر چڑھ جا اور شاردا دیدی کے محل تک چلا جا۔ میں ان سور کے بچوں سے نمٹتی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے' انہوں نے کوارٹر گھیر لیا ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تو جا کے دیکھ۔ کون ہے؟"

"نہیں شیرو نہیں۔ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔" ڈالی میرے بازو سے لپٹ کے سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "مرنے سے پہلے میرا گلا گھونٹ دے۔"

دروازے پر دوسری بار دستک ہوئی۔ اس بار دستک کے ساتھ میرے پڑوسی ملازم امر ناتھ کی آواز بھی سنائی دی۔ میں ڈالی کو ایک طرف ہٹاتا ہوا باہر لپکا۔ دروازے پر امرناتھ کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں چونکہ چھوٹے ملازموں کا نگراں بھی تھا اس لیے امرناتھ نے میرے دروازے پر دستک دی تھی۔ بہت سے ملازم خوف سے اندر ہی دبکے پڑے ہوں گے۔ خطرے کا الارم بند ہو چکا تھا لیکن محافظوں کی سیٹیاں بج رہی تھیں۔

"موہن داس جی! یہ شور غل کیسا ہے؟" امرناتھ نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کوارٹر میں چپ چاپ بیٹھے رہو امر ناتھ! پرکاش بھون میں آج پھر

کوئی خطرے والی بات ہونے کو ہے۔ بھگوان سے پرارتھنا کرو بھیا۔"

امرناتھ کی آواز سن کے ڈالی بھی دروازے پر آ گئی۔ امرناتھ میرا مشورہ مان کے اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ میں نے ڈالی سے کہا۔ "تو اندر سے دروازہ بند کر کے بیٹھ۔ میں یہاں صحن میں بیٹھ کے کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

"کیا سوچنا چاہتا ہے؟" ڈالی میرے آگے آ گئی۔

"ڈالی!" میں نے ناراضی سے کہا۔ "تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے؟ وقت دیکھ کر بات کیا کر۔ اس وقت بھول میں کوئی قدم اٹھا لیا تو ہمیشہ پچھتانا پڑے گا۔"

"تو مجھے بھی اپنی سوچ میں شامل کر لے' شاید میں کوئی کام کی بات بتا سکوں۔ تو نے پوری بات تو بتائی ہی نہیں کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟"

"بس ہو گیا۔ اس کا وقت آ گیا تھا۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ "اب کچھ دیر کے لیے اپنا منہ سی لے اور ہو سکے تو یہاں سے چلی جا۔"

ڈالی کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ڈالی کی یہ حالت دیکھ کر میں اور پریشان ہو گیا تھا۔ وہ چپ ہو کے نہیں دیتی تھی۔ ادھر میرے ذہن کے سمندر میں جوار بھاٹا آیا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے اپنے محفوظ ہونے کی تقویت ہو رہی تھی۔ میری طرف ابھی تک لوگوں کے نہ آنے سے صاف ظاہر تھا کہ پارو نے میرا نام نہیں لیا۔ ممکن ہے میرے بھاگنے کے بعد پارو نے پانسا پلٹتے دیکھ کر خودکشی کر لی ہو؟ یا اس کے زر خرید غلاموں نے کوئی اور تدبیر سوچ لی ہو۔ پارو نے کیا کیا ہوگا؟ وہ اپنی خواب گاہ میں مہیش کے قتل کا کیا جواز پیش کرے گی؟ میرا نام وہ کیوں نہ لے گی؟ اس لیے کہ میں نے خود کو سمجھایا' میں اس کی خواب گاہ سے زندہ نکل آیا ہوں۔ میں اس کے لیے خطرہ بن سکتا ہوں۔ اس کی خواب گاہ سے بھاگنے کے بعد پیش آنے والے واقعات جاننے کے لیے میں بری طرح مضطرب تھا اور ہول رہا تھا کہ واقعات نہ جانے کیا رخ اختیار کر لیں؟ پھر یکایک ذہن نے ٹھوکا مار کے میرا وجود لرزا دیا تھا۔ جن محافظوں کو میں نے شاردا کے پستول سے ہلاک کیا تھا۔ ان کے جسموں سے جو گولیاں برآمد ہوں گی اس سے کسی نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی اور جب شاردا کو معلوم ہو گا کہ محافظوں کی موت اسی کے پستول سے واقع ہوئی ہے تو وہ بڑی آسانی سے کڑیاں ملائے گی۔ اس وقت میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ صدر دروازے پر محافظوں کی موت سے یہ

اندازہ لگایا جائے گا کہ قاتل پارو کے کمرے سے فرار ہو کے صدر دروازے کی طرف بھاگا ہے۔ اس کے فرار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ دروازہ مقفل تھا۔ یقیناً وہ بھون ہی میں کہیں موجود ہوگا۔ بھون ہی کا کوئی آدمی ہوگا۔ اور وہ کون آدمی ہوگا؟ میں صدر دروازے سے بچ کر آ گیا تھا مگر موت ابھی تک میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ مجھے شدت کے ساتھ کچھ کچھ کے مہربان سائے کی جستجو ہوئی۔ کاش میں باغ میں تھوڑی دیر ٹھہر کے اس کا انتظار کر لیتا۔ اسے اس ناگہانی بلا کا علم تو ہوگا۔ ڈالی اپنے گھٹنوں میں سر دیے ہچکیوں سے رو رہی تھی جیسے میں واقعی مر گیا ہوں۔ میں نے اسے رونے دیا۔ مجھے رونے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ ڈالی کے کہنے کے مطابق مجھے شاردا۔۔۔ کے ہاں پناہ لینی چاہیے تھی۔ ڈالی کی بات درست تھی۔ نازک مواقع پر شاردا میرا تحفظ کر سکتی تھی۔ میں نے سوچا' میں اسے جا کر ساری باتیں بتا دوں۔ لاعلمی میں وہ کوئی غلط بات منہ سے نہ نکال دے۔ باہر قدم نکالتے اور لوگوں کا سامنا کرتے ہوئے دل کانپ کانپ جاتا تھا۔ کسی ایسی جگہ چھپ جانے کو جی کرتا تھا جہاں کسی کی نگاہ نہ پہنچ سکے۔ ہاتھ پستول پر مچلنے لگے۔ ایک گولی سے خود کو اور ایک گولی سے ڈالی کو مار کے ہر آزار سے نجات مل سکتی تھی۔ گنڈا خود بخود مر جاتا۔ ڈالی نے مجھے میرے خیالوں سے چونکایا۔
"شیرو!" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ "سیٹیاں کوارٹر سے قریب ہوگئی ہیں' ہوش میں آ۔"
میں نے ہڑبڑا کے ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے کوارٹر میں سیٹیاں بج رہی ہوں۔
"میں جا رہا ہوں۔" میں نے گھبرا کے کہا۔ "کوئی آئے تو کہہ دینا' مجھے کچھ پتہ نہیں۔"
ڈالی کے جواب دینے سے پہلے میں دروازہ کھول کے باہر آ چکا تھا۔ کوارٹروں کے دروازے بند تھے لیکن بعض ملازم کبھی کبھی دروازے سے سر نکال کے باہر کی صورت حال کا جائزہ لیتے اور جھٹ دروازہ بند کر لیتے تھے۔ مہیش چندر والے حصے سے محافظوں کی چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندھیرے میں چھپتا' کئی دروازوں پر دستک دیتا اور خیریت پوچھتا ہوا میں شاردا کے حصے کی طرف نکل گیا۔ اندر روشنی تھی۔ مجھے راہداری میں کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔
"کون ہے؟" دوسری جانب سے کسی نے پوچھا۔ یہ مالتی کی آواز تھی۔
"میں ہوں موہن داس۔" میری آواز سن کے مالتی نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ "شاردا دیدی کہاں ہیں مالتی؟ یہ کیسا شور ہو رہا ہے ری؟ خیرت تو ہے؟"

"تجھے کچھ خبر نہیں؟" مالتی کپکپاتی آواز میں بولی۔ "کنور مہیش چندر جی کا خون ہو گیا۔ شاردا دیدی اسی طرف گئی ہیں۔"
"خون؟"
"ہاں کوئی راکھشش ان کا خون کر گیا ہے۔"
"پاگل ہوگئی ہے؟" میں نے تلخی سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"ہو گیا ہے مورکھ!" مالتی ناراضی سے بولی۔ "تو نے الارم نہیں سنا؟ تجھے اس شور کی آواز نہیں آ رہی ہے؟ یہ بھاگم دوڑ تجھے دکھائی نہیں دیتی؟"
"میں اسی کارن تو اس سے یہاں آیا ہوں۔ کئی آدمیوں سے پوچھا' پر کوئی بتاتا ہی نہیں۔ میں نے سوچا' شاردا دیدی کے پاس چلوں۔ پر یہ ہوا کیا؟"
"کیا پتہ رے' روز روز کیا ہوجاتا ہے۔ ادھر کھوج میں گئی تھی پر کسی نے اندر نہیں گھسنے دیا۔ بڑا سخت پہرا ہے۔ تمام راج کمار' راج کماریاں' رانیاں ادھر ہی گئے ہوئے ہیں۔ اتنی بڑی بات ہوگئی اور تو سوتا رہا۔"
"الارم کی آواز تو میں نے سنی تھی۔" میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ سوچ کے چپ ہو رہا کہ کون باہر نکل کے خطرے میں پڑے جب دیر ہوگئی تو ادھر نکل آیا۔ مالتی!" میں نے رازداری کے انداز میں اس سے پوچھا۔ "کوئی پکڑا بھی گیا؟"
"کچھ نہیں مالم موہن! سنا ہے' صرف کنور جی نہیں' جے پال بھی مارا گیا ہے۔ دو آدمی اور بھی ختم ہوئے ہیں۔"
"اچھا۔" مالتی نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔ "اور یہ خون ہوا کہاں؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"کنور جی کے سونے کے کمرے میں۔"
"کنور جی کے سونے کے کمرے میں؟" میں نے بے اختیار دہرایا۔
"ہاں۔ مجھے کچھ زیادہ پتہ نہیں۔ سنی سنائی کہہ رہی ہوں۔"
مالتی کی زبانی مہیش چندر کے قتل کا واقعہ سن کے میں خود دنگ رہ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ خبر میرے لیے نئی ہو۔ مالتی نے ایک حیرت انگیز بات بتائی تھی کہ مہیش چندر کا خون اس کی خواب گاہ میں ہوا ہے۔ کنور کے ساتھ جے پال اور دوسرے دو آدمیوں کے قتل کا معاملہ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھے یک گونہ تشفی ہوئی

کہ پارو نے میرا نام نہیں لیا ہے مگر اصل واقعات کیا ہیں؟ یہ بات میرے لیے کچھ کم تشویش انگیز نہیں تھی۔

''اس واقعے کو کتنی دیر ہوگئی؟'' میں نے اپنی تسلی کی خاطر مالتی سے پوچھا۔

''بہت دیر تو نہیں ہوئی' شاردا دیدی تو ابھی گئی ہیں۔ پھر بھی اچھی خاصی دیر ہوگئی۔'' مالتی بدحواسی میں ٹھکانے کی کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔

''یہ تو بہت برا ہو رہا ہے مالتی۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''میں نہ کہتی تھی' یہاں سے بھاگ چلیں۔ اب بھی موقع ہے میں ڈالی کے ساتھ رہ لوں گی۔ کیا دو عورتیں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں؟''

مالتی! تو کیسی بے موقع باتیں کرتی ہے؟'' میں نے جھنجلا کے کہا۔

''تو نہیں جائے گا تو میں خود کسی دن یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔''

مجھے شاردا کا انتظار تھا۔ اس کے آنے سے پہلے میں مہیش چندر کی طرف جانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا حالانکہ مجھے وہاں اپنی صورت ضرور دکھانی چاہیے تھی۔ چاہے وہ مجھے اندر آنے سے روک دیتے۔ یہ وقت کاٹنا دو بھر ہو رہا تھا۔ ہر لمحہ ایک عذاب تھا۔ جاں کنی کا عالم تھا۔ شاردا کے آنے کے بعد میرے امتحان کا نتیجہ برآمد ہونے کو تھا۔ میرے مقدمے کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ مالتی نے مہیش چندر کی موت پر ٹسوے بہا لیے تو پرانی باتوں پر آ گئی۔ میں سنی ان سنی کرتا رہا۔ تھوڑی دیر میں دروازے پر قدموں کی آہٹ سن کے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شاردا تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ دوسری بہنیں بھی تھیں۔ پریت' ہیما' ششی اور شکنتلا۔ وہ سب اداس تھیں۔ خاموش' سوگوار اور سراسیمہ۔ مجھے دیکھ کے شاردا کی آنکھوں میں مسرت کی ایک لہر اٹھی۔ ''تم موہن داس!'' وہ اشتیاق آمیز لہجے میں بولی۔ ''تم ٹھیک تو ہو؟''

''جی دیدی جی۔'' میں نے سکون کی سانس لی۔ شاردا کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی تک میرا نام محفوظ ہے۔ میں نے کسی قدر اعتماد سے کہا۔ ''میں تو ٹھیک ہوں لیکن یہ مالتی کیا بتا رہی ہے؟''

''ہاں موہن داس!'' شاردا سامنے رکھے ہوئے صوفے میں دھنس گئی۔ ''اس نے تمہیں سچ بتایا ہے۔ مہیش بھی گیا۔''

''پر جی۔ یہ ہوا کیسے؟ قاتل پکڑا گیا۔''

''اب پکڑ کے بھی کیا ہوگا؟ مرنے والا تو مر گیا۔'' شاردا غم زدہ لہجے میں

بولی۔

''سوال و جواب بعد میں کرنا۔'' پریت نے درشتی سے کہا۔ ''خاموش رہو اور کمرے سے نکل جاؤ۔''

''جی اچھا۔'' میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔

پریت کی برہمی پر شاردا نے منہ بنایا لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ میں وہاں سے جانے لگا تو شکنتلا کی آواز آئی۔ ''موہن داس! وہاں جا کے ذرا خبر تو کرو۔ کوئی اور بات معلوم ہو تو ہمیں آ کے بتاؤ۔''

''بہت اچھا دیدی۔'' میں نے نیاز مندی سے کہا۔

''تم یہیں رہو۔ مالتی تم جاؤ۔'' شاردا نے مجھے روک لیا۔

میں سمجھ گیا کہ شاردا مجھے موقع واردات پر بھیجنے سے کیوں گریز کر رہی ہے؟ وہ کسی طور مجھے خطرے میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ چونکہ نتائج ابھی کھل کے سامنے نہیں آئے ہیں۔ ریاستی پولیس تفتیش میں مصروف ہوگی۔ میں دروازے کے برابر رکھے ہوئے اسٹول پر بیٹھ گیا اور ان بہنوں کی گفتگو سننے لگا۔ ان کی آنکھیں پرنم تھیں اور وہ مہیش چندر کی آج کی مصروفیات' ملاقات' اس کی باتوں' اس کی عادتوں پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ وہ سب اس نکتے پر متفق تھیں کہ کنور کو کسی بڑی سازش کا شکار بنایا گیا ہے مگر وہ بہت جھنجلائی ہوئی' ناراض اور بیزار تھیں۔ میں ان سے دور بیٹھا ہوا تھا لیکن میرے کان ان کی باتوں ہی پر لگے ہوئے تھے۔ ان کی سوگواری میں بھی ایک وقار تھا۔ پریت نے مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کے سختی سے حکم دیا کہ میں دوسرے کمرے میں جا کے بیٹھوں' ضرورت ہوئی تو مجھے آواز دے دی جائے گی۔ چاروناچار میں شاردا کی خواب گاہ سے ملحق ڈریسنگ روم میں آ کے بیٹھ گیا۔

کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ میں کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ دیر ہوگئی۔ نہ مالتی آئی نہ کسی نے مجھے آواز دے کر طلب کیا۔ شاردا کا ڈریسنگ روم مجھے کوئی محبس معلوم ہوا' جہاں شاردا کی دوشیزگی کی بو رچی ہوئی تھی اور اس کے بدن سے مس ہونے والے ریشمی ملبوسات سرسرا رہے تھے جیسے مجھے قید تنہائی کی سزا دے دی گئی ہو۔ میں ایک لمحے خود پر امید طاری کرتا تھا' دوسرے لمحے میری رگوں میں ہراس دوڑنے لگتا تھا۔ کوئی جسم سے طاقت کھینچے لے رہا تھا۔ نقاہت میں پاؤں رکھتا کہیں تھا' پڑتے کہیں تھے۔ اس سے زیادہ تو میرے اوسان اپنے کوارٹر میں ٹھیک تھے۔ تھک ہار

کے سر پر ہاتھ رکھے میں زمین پر بیٹھ گیا۔ خواب گاہ میں کسی کی آہٹ ہوئی تو میں نے سر اٹھا کے دیکھا' شاردا ہلکی آواز میں میرا نام لیتی ہوئی ڈریسنگ روم میں آ گئی تھی۔ میں اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ وہ کسی دشمن کی طرح مجھ پر جھپٹی اور میرے سینے سے چمٹ کے سسکنے لگی۔ ''ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا موہن۔'' وہ رقت انگیز آواز میں بولی۔ ''مجھے اپنے سینے میں چھپا لو۔''

میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ شاردا اس شیفتگی' اس وارفتگی سے میرا خیر مقدم کرے گی۔ چند لمحوں کے لیے تو میں ساکت ہوگیا۔ پھر میں نے اس کی کمر میں اپنے بازو حمائل کردیے۔ وہ جلد ہی مجھ سے علیحدہ ہوگئی اور آنسوؤں کے درمیان بولی۔ خطرے کا الارم سن کے میں سمجھی تھی' آج شاید پھر مہیش کے آدمیوں نے تمہیں مجھ سے جدا کرنے کے لیے کوئی خطرناک جال بچھایا ہے لیکن وہ تو خود ہی مرگیا۔''

''مجھے افسوس ہے شاردا۔'' اس کے سوا مجھ سے کچھ نہ کہا گیا۔

اس نے میرے تعزیتی جملے کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ خفت سے بولی۔ ''تم سے پریت نے زیادتی کی ہے۔ میں اس پر بہت شرمندہ ہوں اور اسی لیے چھپ کر تمہارے پاس آئی ہوں۔''

''شاردا! مجھ سے اتنے قریب مت آؤ۔'' میں نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔ ''پریت نے میرے ساتھ صحیح رویہ اختیار کیا تھا۔ تمہیں اس پر نادم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کاش' میں سب کو بتا سکتی کہ میرا تمہارا کیا سمبندھ ہے؟''

''ادھر کیا ہوا؟'' میں نے اس کی جذبات انگیز گفتگو کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

''وہاں۔'' اس کا چہرہ غم میں ڈوب گیا۔ ''اس دنیا ہی میں فیصلہ ہو رہا ہے موہن! مہیش چندر کی موت اچانک نہیں ہوئی۔ پرکاش بھون میں کسی وقت بھی کسی کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ یہ یہاں کا روٹین ہے' کیا خبر کل کس کی باری آ جائے۔ وہ میرا بھائی تھا۔ تم مجھے بہت سنگ دل کہو گے مگر میں ایک جھوٹی لڑکی نہیں ہوں۔ وہ میرا بھائی تھا مگر اسے نہ میری فکر تھی' نہ مجھے اس کی۔ میں مرجاتی تو اس کا حال بھی اس وقت مجھ سے مختلف نہ ہوتا۔ میں اسی لیے تم سے کہتی ہوں کہ یہاں کوئی رشتہ' کوئی آدرش' کوئی ویلیو نہیں ہے۔ بھگوان کے لیے مجھے اس نرکھ سے نکال لو۔''

وہی ایک بات' جسے سن سن کے میرے کان پک چکے تھے اور جس کا کوئی معقول جواب میرے پاس نہیں تھا۔ شاردا مجسم التفات تھی۔ اس کی غزالیں آنکھوں میں میرے لیے پیار ہی پیار جھلک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرا نام لکھا تھا۔ مجھے اس اپنائیت پر بڑا ڈر لگا۔ شاردا جس شخص کی طلب گار ہے' وہ کون ہے؟ اگر اسے معلوم ہوجائے تو کیا ہوگا؟ اس کے لہجے کی مٹھاس مجھے زہر لگی۔ اس کے میٹھے بول مجھے گالیاں محسوس ہوئے۔ شاردا اپنی بہنوں کو چھوڑ کے صرف پریت کی تلخی آمیز گفتگو دھونے اور میری خیر خبر پوچھنے آئی تھی۔ اس لیے وہ مجھے کچھ بتائے بغیر چلی گئی۔

میرے اضطراب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں سر جھکائے منہ لٹکائے فرش پر بیٹھ گیا۔ اندر سے مالتی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ جب انتشار حد سے سوا اور برداشت سے باہر ہوگیا تو میں بڑے کرب سے اٹھ کے چلا آیا۔ وہ چاروں بہنیں مالتی سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ اب میرے قدم مہیش چندر کے محل کی جانب اٹھ رہے تھے۔ جو ہونا ہے' ہوجائے۔ میں نے جمشید میاں کو سمجھا لیا تھا اور بزدلی کا طعنہ دے کے ان کے اندر حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کر دی تھی۔ مہیش چندر کے محل کے راستے میں سنسنی خیز چہل پہل تھی۔ رانیاں' راج کمار' داسیاں' دوسرے ملازم' مہمان اور ریاستی پولیس۔ مجھ میں کچھ توانائی آئی۔ مہیش چندر کی خواب گاہ کے باہر مسلح پہرا لگا ہوا تھا اور ملازموں کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہاں ملازموں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس عرصے میں ریاست کے سرکردہ افراد بھی جمع ہو چکے تھے اور رانیاں آنکھوں پر رومال رکھے رنج و غم میں ڈوبی کھڑی تھیں۔ میں بھی ایک طرف کھڑا ہو کے صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک خواب گاہ کا دروازہ کھلا۔ سنتری راستہ دینے کے لیے ادب سے پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ پارو ایک پولیس افسر کے ساتھ باہر آ رہی ہے۔ دروازے پر ان دونوں کے درمیان کچھ بات ہوئی۔ پھر پولیس افسر چلا گیا۔ پارو رومال سے اپنے آنسو خشک کرتی واپس اندر جانا چاہتی تھی۔ میری نظریں اس سے چار ہوگئیں۔ میرا خیال تھا' مجھے دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف پارو کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک ابھری۔ اس نے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میرے رگ و پے میں ایک سنسنی لہرانے لگی۔ میں نے اپنے قدم زمین پر سختی سے جمائے اور سنتریوں کے درمیان سے ہوتا ہوا پارو کے پاس چلا گیا۔ موہن داس!'' وہ مرتعش آواز میں بولی۔ ''تمہارا کنور ہمیں چھوڑ گیا۔ اسے جے

پال نے قتل کر دیا۔"

حیرت سے میری پتلیاں سکڑ گئیں۔ سرد ہوا کے اس تھپیڑے نے میرا جسم چیر کے رکھ دیا۔ میں نے خود پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔ "رانی صاحبہ!" میرا گلا رندھنے لگا۔ "میں نے سن لیا ہے۔ پر کنور جی تو ایسے نہ تھے۔ ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی۔"

"تم سے تو وہ بہت پریم کرتے تھے۔" پارو نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ قریب کھڑے ہوئے سنتریوں نے بھی سن لیا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

میں نے پارو کی تقلید میں کمرے میں قدم رکھا تو ایک لمحے کے لیے ذہن چکرا کے رہ گیا۔ ریاست کے بڑے بڑے آدمی مہیش چندر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پارو مجھے وہاں لے گئی۔ سامنے فرش پر مہیش چندر کی لاش پڑی تھی۔ جو خنجر میں نے اس پر استعمال کیا تھا' وہ اس کے دل میں پیوست تھا۔ پولیس افسر ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہے تھے۔ مہیش سے دس قدم کے فاصلے پر جے پال کی لاش موجود تھی۔ پہلی نظر میں یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ جے پال نے مہیش چندر پر قاتلانہ حملہ کرنے کے بعد فرار ہونے کی کوشش کی لیکن مہیش نے مرتے مرتے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ میں معنی خیز انداز میں وہ ریوالور گھور رہا تھا جو مہیش چندر کے ہاتھوں میں ڈھلکا ہوا تھا۔ پارو نے بڑی خوب صورتی سے نہ صرف جائے واردات تبدیل کر دی تھی' بلکہ قتل کا بہترین نقشہ بھی بنا دیا تھا۔ اس کی سوجی ہوئی' آنکھوں' الجھے ہوئے بالوں اور یاس زدہ چہرے سے مہیش چندر کے ساتھ اس کی محبت کی غمازی ہو رہی تھی۔ مہیش کی لاش کے بائیں جانب پلنگ پر اس کا چھوٹا بھائی دنیش چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سسک رہا تھا۔ میں نے اپنے آنسو آستین سے پونچھے۔ وہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں واپسی کے ارادے سے دروازے کی جانب پلٹا تو پارو نے قریب آ کے سرگوشی کی۔ "احتیاط رکھنا موہن داس! زبان پر تالا لگا لینا۔"

نہ جانے کیسے میری زبان پر یہ فقرہ آ گیا۔ میں نے مضبوط آواز میں کہا۔ "پارو رانی! تماشا ابھی ختم نہیں ہوا' شروع ہوا ہے۔ آپ بھی خادم کا خیال رکھیں۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ کریں' ورنہ......"

پارو میری صورت دیکھتی رہ گئی۔ اس کا جواب سننے کے بجائے میں تیزی سے باہر نکلا اور اب کے اندر کی طرف واپس جانے کے بجائے عام راستے پر چلنے لگا۔ وہاں مجھے دو لاشیں اور نظر آئیں' جن کے گرد پولیس کا پہرا تھا۔ وہ چادر میں ڈھکی ہوئی

تھیں۔ گویا پارو اور اس کے آدمیوں نے واردات اچھی خاصی پیچیدہ بنا دی تھی۔ ادھر صدر دروازے پر سنتری مارے گئے تھے۔ پولیس کو سوچنے کے لیے بہت کچھ مواد مل گیا تھا۔ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ پارو نے مہیش چندر کی خواب گاہ میں جس انداز سے لاشیں ترتیب دی تھیں۔ وہ نقشہ پولیس کے اچھے سے اچھے افسر کو بہکا سکتا تھا۔ میں نے اس نقشے سے کئی بار خود کو متعلق کیا مگر میں کہیں فٹ نہیں ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ پارو کا نقطہء نظر بدل گیا تھا۔ چلتے وقت پارو کے سامنے میری زبان سے خود بخود ایک فقرہ نکل گیا تھا۔ میں نے پارو کے چہرے پر اس کا جو ردعمل دیکھا تھا' اس نے میرے جسم و جاں یکسر بدل دیے تھے۔ میں نے اپنے خوف پر حقارت محسوس کی۔ اس وقت مجھے بھوک لگی۔ پرکاش بھون میں چلنے والی ہواؤں نے میرے دماغ کو بڑی فرحت پہنچائی۔ میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا شاردا کی جانب پہنچا اور اس سے اور اس کی بہنوں سے جرات مندانہ لہجے میں مخاطب ہوا۔ مجھے اپنے لہجے کی تبدیلی کا خود احساس ہوا۔ آواز بھاری تھی اس میں اعتماد تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ "قتل کا سراغ لگانا آسان نہیں ہے۔ یہ کوئی بڑی سازش ہے۔"

"تم نے کیا دیکھا؟" شکنتلا نے جستجو کی۔

"میں نے محسوس کیا کہ وہاں جو لوگ کھڑے ہیں' انہی میں سے کوئی قاتل ہے۔" پچھتانا بے کار تھا۔ میں جوش میں ایسی بات کر گیا تھا۔

"یہ تم نے کیسے محسوس کیا؟" پریت نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن میرا دل یہی کہتا ہے۔"

"پاگل۔" پریت اور ششی نے منہ بنایا۔ "یہ ایک دم پاگل ہے۔"

شاردا نے مجھے کمرے کی صفائی کا حکم دے کر اس کش مکش سے نجات دلائی۔ میں اپنے کوارٹر میں چلا آیا۔ ڈالی گھر میں میری منتظر تھی اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے دعائیں کر رہی تھی۔ وہ جیسے بیٹھی تھی' ویسے ہی میں نے اسے کولی بھر کے اٹھا لیا اور اندر لے جا کے بستر پر چھوڑ دیا۔ "سب ٹھیک ہو گیا۔" میں نے مسرت سے کہا۔ ڈالی بے تابانہ میرے گلے لگ گئی۔

☆......☆......☆

میں اس دن بہت سرگرم رہا۔ میں نے احتیاطاً شاردا کو یہ بتا دیا کہ اس کا پستول میرے کوارٹر میں موجود نہیں ہے۔ پستول میں نے باغ میں ایک جگہ دفن کر دیا

تھا۔ پستول کی گم شدگی کی خبر پر شاردا چونکی ضرور۔ مگر اس دن تعزیت کے لیے آنے والوں کا ایسا ہجوم تھا کہ پستول کے متعلق زیادہ گفتگو نہیں ہوسکی۔ میں اس لیے مطمئن ہو گیا تھا کہ شاردا کے پستول کی گولیوں سے سنتری ہلاک ہوئے تھے۔ مہیش چندر خنجر سے جے پال' مہیش چندر کے پستول سے اور راہ داری میں مرنے والے دونوں ملازم کسی اور پستول سے ہلاک ہوئے تھے۔ پولیس کی توجہ سب سے پہلے عمارت کے اندر والی لاشوں پر جائے گی۔ وہاں میرا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔ ویسے سوچنے کے لیے اب بھی بہت سی باتیں تھیں۔ مہیش چندر کی لاش جب دوسرے دن شام کو تمام تفتیش سے فارغ ہوگئی تو کریا کرم کا وقت آیا۔ تمام دن پرکاش بھون میں گاڑیاں دوڑتی رہی تھیں۔ مہیش چندر کے محل کے باہر چبوترے پر امرائے ریاست' والیان ریاست اور معززین شہر کا اجتماع تھا۔ حسین و جمیل عورتیں ماتمی ملبوسات پہنے ایک طرف کھڑی تھیں۔ پارو بہت سرگرم اور بہت اداس نظر آتی تھی۔ دنیش چندر سب سے نمایاں تھا۔ اب وہی پرکاش بھون کا سب سے ممتاز شخص تھا میری آنکھیں اس ہجوم میں شاردا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ وہ سفید شیروانی میں ملبوس ایک نہایت خوب رو' دل کش' سرخ و سپید نوجوان کے ساتھ الگ ہو کے باتیں کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ صرف پریت اور شکنتلا تھیں۔ نوجوان کنکھیوں سے شاردا کا جمال دیکھتا اور باتیں کرنے لگتا۔ شاردا نے سیاہ ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جہاں جہاں اس کی جلد جھلک رہی تھی۔ وہاں وہاں بادلوں کی اوٹ سے چاندنی چھنک رہی تھی۔ میں نے ایک قدیم ملازم سے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ریاست کے پرکاش بھون جیسے ہی ایک امیر اور با اثر گھرانے کا نوجوان ہے اور اس کا نام جگدیپ ہے۔ مجھے وہ شخص بہت خوب صورت لگا مگر شاردا سے اس کا ربط سمجھ میں نہیں آیا۔ مجھ میں پہلی بار شاردا کی قدر و قیمت کا احساس جاگزیں ہوا۔ مجھے آج وہ کوئی اپسرا نظر آئی اور اس کے اور اپنے درمیان ہزارہا میلوں کا فاصلہ دکھائی دیا۔ گو وہ کسی خوش گوار موضوع پر باتیں کرتے نظر نہیں آرہے تھے۔ تاہم میں نے نوجوان کی آنکھوں میں ایک خاص چیز دیکھی تھی۔ وہ خاص چیز جو سب محسوس نہیں کر سکتے۔ مہیش چندر کی ارتھی اٹھتے وقت پرکاش بھون میں آہ و زاریاں ہونے لگیں۔ ایسا شور ہوا کہ مجھے مہیش کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ جس کے لیے لوگ اتنا روتے ہوں' وہ یقیناً کوئی محبوب شخصیت ہوگی۔ ان ماتمی آوازوں سینہ کوبیوں' پچھاڑوں اور آنسوؤں سے میں نے یہ جانا کہ میرے ہاتھوں کوئی

فرشتہ قتل ہوگیا ہے۔ ارتھی صدر دروازے سے باہر چلی گئی۔ میں بھی باہر نکلا۔ بہت دنوں بعد۔ جب میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو پرکاش بھون ایک بہت بڑا جیل خانہ لگا۔ جس سے آج مجھے رہائی نصیب ہوئی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا' زمین پر لوٹ لگاؤں اور بازاروں میں جاؤں' کوئی سینما دیکھوں' کسی طوائف کے کوٹھے پر گانا سنوں' کسی ہوٹل میں بیٹھ کے چائے پیوں اور ایک بیڑا منہ میں رکھ کے سگریٹ کا گہرا کش لگاؤں۔ ارتھی چلی گئی تو میں دوبارہ اندر آ گیا اور ایک بار پھر باہر گیا۔ پرکاش بھون میں افراتفری کی وجہ سے صدر دروازے پر سنتریوں کا معقول انتظام نہیں تھا۔ میں ایک بار نہیں' ایک سو بار اندر باہر جا سکتا تھا۔

میں بھاگ کر ارتھی کے ہجوم میں شامل ہوگیا اور ملازموں کے گروہ سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔ جیسے ہی میں آگے بڑھا' میرے قدم زمین نے جکڑ لیے۔ مہیش چندر کی ارتھی کے اردگرد کئی پنڈت جمع تھے۔ کرچھے والا پنڈت ایشوری لال بھی موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ میں نے صورت حال کے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا' مجھے اس معاملے پر بھی غور کرنا چاہیے تھا کہ کیچو نے پراسرار طریقے سے کئی بار میری مدد کی تھی اور مہیش چندر کے ہاں آنے والے سادھو نے میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ جان لیا تھا۔ میں ایشوری لال کی نظروں کی تاب نہ لا سکا اس لیے چپکے سے پیچھے کھسک گیا اور ملازموں میں شامل ہو کر دائیں طرف کنارے پر چلنے لگا۔ مرگھٹ سے چند فرلانگ پہلے میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ مڑ کے دیکھا تو سٹی گم ہوگئی۔ وہی سادھو موجود تھا جس کے سامنے میرا ماضی آئینہ تھا۔ میری رفتار میں لکنت آ گئی۔ ''سن بالک!'' اس کی آواز آئی۔ میں وہیں جم کے رہ گیا۔ اس اثنا میں سادھو میرے پاس آ چکا تھا۔ میری نظریں زمین میں گڑ گئی تھیں۔ سادھو کا لہجہ مشفقانہ تھا۔ ''آنکھیں اوپر کر۔'' میں نے سراسیمگی سے نگاہیں اٹھائیں۔ اس کے چہرے پر کوئی جذبہ نہیں تھا۔ ''مجھ سے جلد ملنا۔'' اس نے تین لفظوں میں کہا۔

''کب مہاراج؟'' میں نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

''جلد ہی۔'' وہ آگے بڑھ گیا اور میرے جسم سے میری روح کھینچ لے گیا۔ مجھے دوبارہ اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں پڑی۔ اب مرگھٹ تک جانا میرے لیے ناممکن ہوگیا تھا مگر میں واپس بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد میں چھپتا چھپاتا مہیش چندر کی ارتھی جلا کے سیدھا بھون واپس آ گیا اور اپنے بستر پر نڈھال ہو کے گر گیا۔

خوش قسمتی سے ڈالی بحث مباحثے کے لیے موجود نہیں تھی۔ پارو کے پاس سے سرشار واپس آنے کے بعد جو چند گھنٹے مسرت اور اطمینان کے گزرے تھے' وہ بھی راس نہیں آئے نہ جانے بھون میں کیا ہوتا رہا؟ مہیش چندر کا سوگ کیسے منایا جاتا رہا؟ مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی۔ اعصاب پر اتنا دباؤ پڑا تھا کہ تیز بخار آ گیا۔ ڈالی پائنتی سے لگ کے بیٹھ گئی۔ مجھے تین دن تک اپنا ہوش نہیں رہا۔ لمحوں کے لیے جب بھی ہوش آتا' میری نظریں شاردا کو ڈھونڈتیں۔ وہ نظر نہ آتی تو میں پھر بے خبر ہو جاتا۔ میں شاید بخار میں تپ کے مر جاتا اگر اس رات کچھو عیادت کے لیے نہ آتی۔ ڈالی سرہانے سے ٹک کے غافل ہو گئی تھی۔ مجھے پانی کی طلب ہوئی۔ وہ سو رہی تھی۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ یکایک اندھیرے میں ایک ہاتھ گلاس میں پانی لیے میری طرف بڑھا۔ ''کون؟'' میں نے نقاہت سے کہا۔

''کچھو۔'' کسی نے آہستگی سے جواب دیا۔

''کچھو؟'' میں نے بائیں جانب مڑ کے دیکھا۔ اس کا سایہ لہرا رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کے نقوش واضح نہیں تھے۔ ''تم آ گئیں؟ میں تو تمہارا بہت انتظار کر رہا تھا۔''

''لو' یہ پانی پی لو۔'' اس کا ترنم بکھر گیا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھام لیا اور ایک لمحے میں اسے خالی کر دیا۔

''کچھو! میں مر رہا ہوں۔'' میں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم ابھی نہیں مر سکتے۔'' اس کی دلکش ہنسی سنائی دی۔

''میں کیا کروں کچھو؟ خدا کے لیے میرے سامنے آؤ۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ تم کیوں میرے پاس آتی ہو؟ اور جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو تم کیوں نظر نہیں آتیں؟'' میں نے ہذیان بکا۔

''ابھی نہیں۔'' اس کے تکلم میں ایک تحکم تھا۔

''کب؟ پھر کب؟''

''تم مجھے اپنے پاس ہی سمجھا کرو جمشید!''

''اپنے پاس تو میں خود بھی نہیں ہوں کچھو! یہ پردہ ہٹاؤ۔ میرے سامنے آ کے بات کرو۔''

''میں تم سے خوب باتیں کروں گی۔''

''مجھے اپنا چہرہ تو دکھاؤ۔''

''ابھی تمہاری آنکھیں میرا چہرہ دیکھنے کی قوت نہیں رکھتیں۔''

''تم کیا بہت خوب صورت ہو یا بہت.........؟'' میں بدصورت کہتے کہتے رک گیا۔

''تم مجھے کس شکل میں دیکھنا پسند کرو گے؟'' وہ معنی خیز انداز میں ہنسی۔

''تم جیسی بھی ہو' میری محسن ہو۔ مجھے تمہاری ہر شکل قبول ہے۔''

''میرے بارے میں ابھی اتنا نہ سوچا کرو۔''

''کچھو! میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میرا بڑا بھائی بھی پاگل ہو گیا ہے' سارے خاندان میں کوئی نہیں بچا ہے۔ میرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ اتنے صدمے برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔''

''تمہارے پوجنے والے تو بہت سے ہیں۔ تم بہت خوب صورت آدمی ہو۔'' وہ لجائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مگر تمہیں اپنا پتہ ہی نہیں ہے۔ تم ابھی تک بچے ہو۔ بچوں کی طرح ڈر جاتے ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر تمہارا دل دھڑکنے لگتا ہے اور کبھی تم اتنے مرد بن جاتے ہو کہ خون کر دیتے ہو۔ تم بہت عجیب آدمی ہو۔ اپنے میں ہمت پیدا کرو جمشید! یہ برے دن گزر جائیں گے۔ تم کوئی ان لوگوں سے کم ہو۔ تمہیں اپنا اندازہ ہی نہیں ہے۔''

''ہاں میں ایک بچہ ہوں۔ اس بچے کی انگلی تم تھام لو نا۔'' میں نے جھنجلا کے کہا۔

''میں تمہاری انگلی ضرور تھاموں گی۔''

''مگر اس وقت تک میں مر جاؤں گا۔ ہر طرف خطرے لپک رہے ہیں۔ تمہارا یہ ہے کہ تم کبھی نظر آ جاتی ہو' کبھی نہیں۔ میں تم سے پوری طرح واقف بھی نہیں ہوں۔ میں مصیبت کے وقت تمہیں پکار بھی نہیں سکتا۔ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اندھیرے دور ہو جائیں گے جمشید! مگر ابھی راستے میں بہت سے پتھر ہیں۔''

''کون سے پتھر؟ کیا تم بھی.........؟''

''ہاں۔'' اس کی آواز میں پہلے جیسا جماؤ نہیں تھا۔

''کیا؟'' حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ ''مجھے اور پریشان کر رہی ہو؟''

''سو جاؤ اور جب صبح اٹھو تو اپنے دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھ کے چلنا' دماغ سے کام لینے کی کوشش کرنا۔''

''اب تم سے ملاقات کب ہوگی؟''

''میں کسی دن خود آ جاؤں گی۔''

''جب میں بخار میں جل رہا ہوں گا یا کوئی مجھے قتل کر رہا ہوگا؟'' میں نے طنزاً کہا۔

''نہیں۔ جب تم بہت پریشان ہو گے۔''

''میں خوش کس لمحے رہتا ہوں؟ جب تم میری بیماریوں سے واقف ہو تو بار بار کے بجائے ایک بار میں ساری پریشانیاں دور کیوں نہیں کر دیتیں؟ کیا مجھے ستانے میں مزہ آتا ہے تمہیں؟''

''تم بہت بھولے ہو' یہ باتیں تمہاری سمجھ میں دیر سے آئیں گی۔''

ڈالی کسمسانے لگی تھی۔ کیچو کا پراسرار سایہ دور ہونے لگا۔ میں نقاہت کے باوجود پلنگ سے اٹھ گیا اور اس کے پیچھے دوڑا۔ ''کیچو' کیچو۔'' میں نے اپنی کمزور آواز میں اسے پکارا۔ ''صرف ایک بات۔ صرف ایک بات بتاتی جاؤ۔''

وہ صحن میں رک گئی۔ ''کہو؟'' وہ لرزیدہ لہجے میں بولی۔

''ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ وہ بوڑھا سادھو مجھے ملا تھا' کہہ رہا تھا کہ میں اس سے ملاقات کروں۔ اس کرچھے والے پنڈت کے تیور بھی اچھے نہیں تھے۔''

اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے اسے ٹوکا۔ ''تم نے کچھ بتایا نہیں؟''

''تم انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرنا اور دماغ سے کام لینا۔'' اس نے ایک مبہم سا جواب دیا۔ میں اس ابہام کی تشریح کی فکر میں تھا کہ یکایک کیچو کا سایہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆......☆......☆

ڈالی نے مجھے اٹھایا تو میں صحن میں دروازے کے قریب اوندھا پڑا تھا۔ وہ بکتی جھکتی روتی پیٹتی سہارا دے کے مجھے پلنگ پر لے گئی۔ میرا جسم پسینے میں نہا رہا تھا اور دماغ کیچو کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔ صبح ہوتے ہوتے بخار اتر چکا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا' جیسے میری پشت سے کوئی وزن ہٹا دیا گیا ہو۔ میں گزشتہ تین دن کی بے ہوشی کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں ڈالی سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ اس باز پرس کا مقصد یہ تھا کہ شاردا کا ذکر کروں۔ تمنا تھی کہ اس کی طرف سے میری بیماری پر گہری تشویش کی گئی ہو مگر ڈالی کے جوابات نے بہت مایوس کیا۔ صرف ایک بار مالتی مجھے بلانے آئی تھی۔ وہ میرا جسم تپتا دیکھ کے الٹے قدموں واپس چلی گئی اور دوبارہ نہیں آئی۔ ڈالی نے مطلع کیا کہ مہیش چندر کے قتل کے سلسلے میں مختلف لوگوں پر شبہ کیا جا رہا ہے مگر ان میں میرا نام کسی جگہ نہیں ہے۔ مہیش کا تیجا ہو چکا تھا اور آج دنیش چندر اپنے بڑے بھائی کی جگہ سنبھالنے والا تھا۔ میں نے یہ سب خبریں تحمل سے سنیں۔ رات میری چارہ گر کیچو نے جو باتیں کی تھیں' ان کا زہر میری رگوں میں پھیل رہا تھا۔ اب مجھے اس وقت تک اپنی دوں ہمتی پر نادم ہونا اور تاؤ کھانا تھا جب تک میں اپنے طرز عمل سے خود کو نہ چونکا دوں' ڈالی کو حیرت زدہ نہ کروں اور کیچو کو نہ جتا دوں کہ میری عمر کیا ہے؟ میری دماغی حالت کس قدر متوازن ہے۔ میرے بازوؤں میں کتنی طاقت ہے' ڈالی کے منع کرنے کے باوجود میں غسل کر کے اور نئے کپڑے پہن کے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

پرکاش بھون میں پہلے جیسی چہل پہل نہیں تھی۔ ایک سوگ سا در و دیوار پر مسلط تھا۔ ایک ڈر سا ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ میں ابھی تھوڑی دور گیا ہوں گا کہ ڈالی مجھے آواز دیتی ہوئی آ گئی۔ وہ بھی گڈے کو پڑوس میں چھوڑ کے تین دن بعد زنان

نے کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے اپنے دل کش بدن پر ایک اجلی ساڑھی پہن رکھی ی اور بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ آتے ہی کہنے لگی۔ ''موہن! تیرے ساتھ چلے ہوئے دن ہو گئے۔ کسی مرد کے ساتھ چلتے ہوئے عورت کی طاقت دگنی ہو جاتی ہے۔''

''اور کسی عورت کے ساتھ چلتے ہوئے مرد آدھا رہ جاتا ہے۔'' میں نے زہر خند سے کہا۔ ''اس وقت تیرے دل میں کیا سمائی ہے؟''

''میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتی تھی۔ پر تو قاتل ہو گیا ہے۔ میری بات سنتا ہی نہیں۔'' وہ اترا کے بولی۔

''ہاں' اب تو بھی طعنے دینے لگی۔ جا سب سے کہہ دے کہ میں وہ سور کا بچہ ہوں جس نے یہ قتل کیا ہے۔'' میں نے تندی سے کہا۔

''پاگل۔ ارے باؤلے تو نے اب تک مجھے سمجھا ہی نہیں' تو بہت ہی برا آدمی ہے۔ ایک دم الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتا ہے۔''

''کام کی بات کر' کیا کہنا چاہتی ہے؟''

''چھوڑ۔ تو نے منہ کا مزا ہی کرکرا کر دیا۔ اب تجھ سے میں کوئی بات نہیں کہوں گی۔'' وہ واقعی خفا ہو گئی تھی۔

کچھ دور تک میں اس کے ساتھ خاموش چلتا رہا۔ اس کے بعد وہ بھی کچھ نہیں بولی۔ پھر مجھے اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ میں نے آہستگی سے کہا۔ ''ناراض ہو گئی؟''

''ناراض ہو کے کہاں جاؤں گی۔'' وہ دل شکستہ لہجے میں بولی۔

''میرے ساتھ جائے گی۔'' میں نے اسے مناتے ہوئے کہا۔

''تو اونچی اڑان کرتا ہے؟''

''تیرے لیے میں نچلا اڑنے لگوں گا۔'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''بتا نا۔'' میں نے ضد کی۔ ''کیا کہہ رہی تھی؟''

وہ بڑی مشکل سے کچھ کہنے پر آمادہ ہوئی۔ ''دیکھ رے شیرو! یہ یہاں سے بھاگ جانے کا بہت اچھا موقع ہے۔ ہمارے پاس زیور اور روپے اتنے ہو گئے ہیں کہ ہم کہیں بھی چل کر اچھی زندگی گزار سکتے ہیں اس کے بعد پتہ نہیں' حالات کیا ہو جائیں؟''

''کہتی تو تو ٹھیک ہے۔ پر ایک بات تو نے نہیں سوچی۔ اگر ہم اس وقت

فرار ہونے لگے تو ہماری حیثیت مشکوک ہو جائے گی۔ ابھی اور وقت گزرنے دے ڈالی! یہاں کون سی عمر گزارنی ہے۔''

''پھر وقت نہیں آئے گا' سمجھ لے' کوئی اور بات ہو جائے گی۔''

''تو بالکل چریا ہو گئی ہے۔ آرام کرنے کا وقت آیا ہے تو جانے کو کہنے لگی۔ اب تو مجھے کچھ ہاتھ پاؤں پھیلانے دے۔''

''زخمی ہو جائے گا۔ یہ بڑی منحوس جگہ ہے شیرو! اپنی اوقات میں رہ' زیادہ پر نہ نکال۔''

''دیکھتی رہ۔ وہ حرام زادہ تو ختم ہو گیا۔''

''اس کے ختم ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ دوسرا حرامی پیدا ہو جائے گا۔''

''دیر لگے گی میری رانی! میری گڑیا! اب تیرے شیرو کو تجربہ ہو گیا ہے۔ تجھے میری قسم۔ ذرا انتظار کر لے۔ یہ تو بتا' جے پال کی موت کا تو تجھے بہت دکھ ہوا ہو گا؟'' میں نے اسے چھیڑنے کے لیے کہا۔

''شیرو!'' وہ غضب ناک ہو کے بولی۔ ''یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟''

''بس بپھر گئی؟'' اس کے تیور بھانپ کے میں نے گھبرا کر کہا۔

''تو بعض وقت بہت دل دکھاتا ہے۔'' پھر کچھ سوچ کے بولی۔ ''مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ قتل تو نے کیا اور الزام جے پال پر آیا۔''

''ڈالی!'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''احتیاط سے بات کر۔ خبردار یہ ذکر کبھی زبان پر نہ لانا۔ جیسا کچھ بھی ہو گیا' خدا کا شکر ادا کر اور بھول جا کہ تجھ سے میں نے کوئی راز کی بات کہہ دی تھی۔''

''تو بڑی عجیب چیز ہے شیرو!'' ڈالی میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ ''پتہ نہیں تو ہے کیا؟ تو بہت چھپا رستم معلوم ہوتا ہے۔''

''ہاتھ چھوڑ۔'' میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ شاردا کا حصہ آ گیا تھا۔ ڈالی مسکراتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی اور میں شاردا کے کمرے پر دستک دینے لگا۔

☆......☆......☆

اس روز مجھے شاردا سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ دن بھر اپنی بہنوں کے ساتھ مصروف رہی۔ میں مالتی کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنے آپ کو بہلاتا رہا۔ میں نے شاردا کی آنکھوں میں وہ اجنبیت تلاش کرنے کی بہت کوشش کی۔

جس کا مجھے خدشہ ہو چلا تھا لیکن میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر رہا۔ اس نے سرسری طور پر مجھ سے میری طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا اور چونکہ وہ تنہا نہیں تھی اس لیے اس کے بیگانے رویے پر شبے کی گنجائش نہیں تھی۔ بھون میں اب بھی امرائے راج پور کی عورتیں تعزیت کے لیے آ رہی تھیں۔ باہر کے مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں باقاعدہ ارادے سے ٹہلتا ہوا مہیش چندر کے علاقے میں جا پہنچا۔ وہاں مجھے اُمید کے مطابق دنیش نظر آ گیا۔ البتہ اس کے ساتھ جو نوجوان تھا' اسے دیکھ کے میں چونک گیا' وہ جگدیپ تھا۔ دنیش نے مجھے راہ داری میں دیکھ لیا تھا۔ وہ مجھے اندر آنے کا اشارہ کر کے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد میں بھی وہاں پہنچ گیا اور خلاف روایت ہاتھ جوڑنے کے بجائے سیدھے سادے انداز میں مودب کھڑا ہوگیا۔ ''تم کہاں تھے موہن داس؟'' دنیش نے سادگی سے کہا۔

''بیمار تھا جناب!'' میں نے دانستہ سرکار نہیں کہا۔

دنیش کو میرے لہجے کی تبدیلی کا شاید اندازہ نہیں ہوا مگر مجھے اس طرز گفتگو سے مسرت ہو رہی تھی۔ ''ہمیں معلوم ہے تم سورگ باشی بھائی صاحب کے خاص آدمی تھے۔ اب ہمیں تمہاری ضرورت پڑے گی۔''

''سیوک حاضر ہے جناب!'' میں نے خوشامد کا عنصر شامل کر لیا۔ ''مگر......'' میں جان بوجھ کر رک گیا۔

''کہو؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟'' وہ مچل گیا۔

''جناب میں اس گھرانے کا نمک کھاتا ہوں۔ مہیش چندر مہاراج میرا بڑا خیال کرتے تھے لیکن میں اپنی آنکھوں سے جو دیکھتا تھا ان سے کہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ ایک بار کوشش کی تو انہوں نے کان نہیں دھرے جناب! میں خدمت کرتا ہوں اور جس کا نمک کھاتا ہوں' بہتر سمجھتا ہوں کہ اس کے خلاف جو بات دیکھوں' اس کے علم میں لے آؤں' میں نے اشاروں اشاروں میں کئی بار کہا مگر کنور جی نے میری نہ سنی اور آج یہ دن دیکھنا پڑا۔ میں آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ مجھے دور ہی رکھیں۔ میں دور رہ کر بھی آپ کی سیوا کر سکتا ہوں لیکن مجھ سے آپ کے خلاف کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔ جناب! میں خوشامدی نہیں ہوں۔ صاف صاف کہتا ہوں۔''

دنیش چندر نے میری باتیں توجہ سے سنیں اور جذباتی ہوگیا۔ ''موہن داس! ہم ایسے ملازموں کو پسند کرتے ہیں جو اپنے مالک کی آنکھوں سے پردہ ہٹانے کی کوشش

کریں۔ خوشامد ہمیں خود پسند نہیں ہے۔ تم آج سے ہمارے خاص ملازم ہو۔ یہ بتاؤ کہ تم بھائی صاحب کے قتل کے بارے میں کن لوگوں پر شبہ کرتے ہو؟''

''میں نے بتایا تھا۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں نے کنور جی کو سمجھایا تھا کہ مجھے جے پال بابو کے لچھن اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے نہیں مانی۔ اندھیرے میں رہے اور مارے گئے۔''

دنیش سمجھتا ہوگا کہ میں کسی اور شخص کا نام لوں گا' کوئی انکشاف کروں گا۔ میرے بیان پر وہ بجھ سا گیا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے خوشامد پسند نہیں ہے' مجھے ہنسی آئی کہ خوشامد کسے پسند نہیں ہے؟

''یہ تو ابھی نوجوان ہے۔'' جگدیپ نے انگریزی میں کہا۔

''ہاں! اور بڑا محنتی ہے۔ مہیش چندر کو آدمیوں کی بڑی پرکھ تھی۔ اس نے مجھ سے اس کی کئی بار تعریف کی تھی۔ ذرا کچھ غیر مہذب ہے۔'' دنیش نے انگریزی میں جواب دیا۔

''بہت اسمارٹ نوجوان ہے۔ نوکروں کے معاملے میں تم بہت خوش قسمت ہو۔''

دنیش نے جگدیپ کی تعریف پر افتخار سے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''میں اسے قریب رکھوں گا۔ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ کام کا آدمی ہے۔''

''پرائیوٹ آدمی ہے۔'' جگدیپ نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''نہیں۔ کچھ ایسا خاص نہیں۔ البتہ کام لیا جائے گا۔''

''مگر عورتیں خود اس پر فدا ہو جائیں گی۔''

دنیش' جگدیپ کی بات پر ہنسنے لگا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''موہن داس! تم اب اسی طرف رہو گے۔ ہماری نظروں کے سامنے اور ہمارے متعلق جو کچھ سنو گے کسی جھجک کے بغیر ہمیں بتاؤ گے۔ ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔''

''جناب! مگر میں تو شاردا دیدی کی خدمت میں رہتا ہوں؟'' میں نے اس طرح کہا جیسے میرا تبادلہ تو ناممکن ہے۔

''شاردا!'' جگدیپ نے دلچسپی اور حیرت سے کہا۔ پھر پہلی بار مجھے شرف کلام بخشا۔ ''تم شاردا کی خدمت کرتے ہو؟''

''جی ہاں۔ میں کہیں اور کام نہیں کر سکتا' وہ میرا مان کرتی ہیں اور لوگ مجھ

سے جلدی ناراض ہو جاتے ہیں' شاردا دیدی میں راج کمار دنیش کی طرح یہ خوبی ہے کہ وہ کھری باتیں سننا پسند کرتی ہیں' خوشامد انہیں بھی ناپسند ہے۔''

''آرچ چھا'' جگدیپ نے اشتیاق سے کہا۔ ''سنا ہے' وہ بہت کتابیں پڑھتی ہیں؟''

''پڑھتی تھیں۔ اب تو کچھ ان کا جی اچاٹ ہو چکا ہے۔''

''ہاں!'' جگدیپ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''حالات بھی اس بھون کے ایسے ہی ہیں۔''

''شاردا ہر وقت لائبریری میں گھسی رہتی ہے۔ کلچر اور نفسیات اس کے خاص موضوعات ہیں۔ سب سے کٹی کٹی رہتی ہے۔ ذرا کچھ سوشلسٹ مائنڈ کی ہے۔''

''یہ تو برا ہے۔'' جگدیپ نے مجھے اس بار غور سے دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ ''اس سے بات کرنا پڑے گی۔ میں اس سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور ضرور۔'' دنیش نے خندہ پیشانی سے کہا اور یہ کہتے ہوئے مجھے جانے کا حکم دے دیا کہ وہ میرے بارے میں شاردا سے بات کرے گا۔ میں ان دونوں کو سلام کر کے باہر آ گیا۔

مہیش چندر اور دنیش چندر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ دنیش میں مہیش جیسی پختہ کاری نہیں تھی۔ وہ چالاکی اور سختی جو ایک حاکم کا شیوہ ہوتی ہے' وہ دھمک اور گرج' وہ طنطنہ اور دبدبہ عنقا تھا' جو محکوموں کو خوف زدہ کر دیتا ہے۔ مجھے یہاں آئے ہوئے خاصا عرصہ گزر چکا تھا اور میں نرم و گرم سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ دنیش نئی ذمے داریاں سنبھالتے ہوئے کچھ گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور بھائی کی موت کیسے فراموش کر سکتا تھا جس کا سبب یہی غیر سرکاری اقتدار تھا۔ مہیش چندر کے قاتلوں کا سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ اسے بھی کسی دن نشانہ بنا سکتے تھے۔ دنیش کے لیے یہ کانٹوں کی سیج تھی۔ اس میں بس اتنی سنسنی تھی کہ اس کا حکم اب سب کے احکام پر فوقیت رکھتا تھا اور وہ اس چار دیواری میں سیاہ و سفید کا مالک تھا' خزانہ اس کے اشارے پر لٹ سکتا تھا' محل کی داسیاں اب اس کے اشاروں کی غلام تھیں' میں دنیش کی مجبوریاں اور اس کی خوشیاں محسوس کر رہا تھا کیونکہ میں بھی ایک نوجوان تھا' جب میں اس کی جگہ خود کو رکھ کے دیکھتا تو مجھ پر متضاد احساسات طاری ہو جاتے۔ خوف اور خوشی کے احساسات۔ اس کے پاس سے آنے کے بعد مجھے اس پر رحم آنے لگا۔ میں نے اپنی چشم تصور سے

اسے عورتوں کے ہجوم میں گھرے دیکھا اور گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں' خون دیکھا اور سازشیں سونگھیں۔ بھون کے کئی سرکردہ اور شوریدہ سرغنڈے ملازم مر چکے تھے اور جو باقی تھے وہ خاصے سہمے ہوئے تھے۔ ان کے سر اٹھانے میں دیر ہوتی۔ مگر ابھی ایک گروہ موجود تھا۔ وہ تھا پارو کا گروہ جس نے جے پال کو قتل کرنے اور مہیش کی لاش اٹھانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ یہ گروہ پارو کے اشارے پر میرے لیے بھی خطرہ بن سکتا تھا۔ ادھر سادھو تھے جو پرکاش بھون کے آشرم اور مندر میں دندناتے پھرتے تھے' ان کا عمل دخل بھی پرکاش بھون میں کچھ کم نہیں تھا۔ انگریز بھی ادھر کا رخ کرتے تھے اور بھون کی عورتیں بھی سنگین سازشوں میں ملوث تھیں۔ تعجب یہ تھا کہ اتنے بڑے حادثے کے باوجود کسی میں حادثے کی وجہ جاننے کے بارے وہ اضطراب نظر نہیں آتا تھا جو اصولی طور پر ہونا چاہیے تھا۔ اس سے ریاست راج پور میں جدید طریقہ تفتیش کے فقدان کا پتہ چلتا تھا یا پھر جان بوجھ کے یہ معاملہ دبانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ سوال یہ تھا کہ پارو اچانک مہیش چندر سے اتنی ناراض کیوں ہوئی کہ اس کے قتل پر آمادہ ہوگئی؟ ممکن ہے' اس کے ڈانڈے کہیں اور سے ملے ہوئے ہوں انگریزوں سے' یا راج دربار سے؟ یا کوئی اور گھرانا اس کی پشت پناہی کر رہا ہو۔ کچھ بھی ہو' یہ اتنی غیر اہم بات نہیں تھی کہ درگزر کر دی جاتی۔ میرا خیال ہے' سب سے زیادہ ان پہلوؤں پر میں سوچ رہا تھا اور میں اس لیے سوچ رہا تھا کہ میں نے جہاں بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ میرے منہ پر تھوکا گیا تھا' مجھے کتا کہا گیا تھا۔ عورتوں نے طمانچوں سے میری تواضع کی تھی۔ یہاں بیشتر لمحوں میں میرا خون خشک رہا تھا۔ مجھے بڑے آزار پہنچائے گئے تھے۔ ایسی اذیتیں دی گئی تھیں کہ ان کا خیال کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔

ڈالی کہتی تھی کہ میں یہاں سے بھاگ چلوں اور میں سوچتا تھا' مہیش چندر کے بعد اب یہاں بہت سے حساب چکانے کا وقت آیا ہے۔ باہر اب بھی میرے لیے خطرہ تھا' بانو اور بختاور کے قتل کا ہوا دور ہوکے نہیں دیتا تھا' ادھر شاردا تھی۔ ملائم' ریشمیں' چاندی اور سونے جیسی لڑکی' اس کی کشش قدم پکڑ لیتی تھی۔ کسی لمحے کوئی فیصلہ کرتا تھا' کسی لمحے کوئی۔ مجھے خود یقین نہیں تھا کہ اس وقت میں نے جو فیصلہ کیا ہے' اس پر کاربند بھی رہ سکوں گا یا نہیں کیونکہ ابھی فضا صاف نہیں تھی۔ ابھی پارو موجود تھی' ابھی وہ آخری رپورٹ نہیں آئی تھی جس کی رو سے میرے بارے میں کوئی فیصلہ ہونا تھا۔ وہ سادھو کسی وقت بھی بھون میں آ سکتا تھا جس نے مجھے خود سے ملنے کا مشورہ دیا

تھا۔ کرچھے والا پنڈت بھی آشرم میں تھا۔ شاردا میرا سہارا تھی۔ جگدیپ کے نمودار ہونے سے اس کی طرف سے بھی ایک موہوم سا اندیشہ تھا اور کیچو تھی۔ کیچو؟ جس پر مجھے کوئی قدرت نہیں تھی مگر شاید یہ اسی کی پراسرار ذات کا نشہ تھا کہ میں نے ثابت قدمی کا رویہ اختیار کر لیا تھا یا پھر یوں تھا کہ مجھے غیرت آ گئی تھی اور میرے اندر کا آدمی بالغ ہوگیا تھا۔

جب میں دوبارہ شاردا کے پاس پہنچا تو وہ کئی خوب صورت لڑکیوں میں گھری بیٹھی تھی جنہیں میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ میں چپ چاپ اندر داخل ہو گیا اور شاردا کو مصروف دیکھ کے بغلی کمرے میں گھس گیا' مالتی سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ جگدیپ کی بہنیں ہیں جواس کے ساتھ آئی ہیں' میں نے طے کر لیا تھا کہ آج شاردا سے ملاقات کیے بغیر کمرے سے نہیں نکلوں گا' میں بغلی کمرے کے فرش پر درواز ہو گیا۔ مالتی موقع دیکھ کے میرے پہلو میں لیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ بڑی ڈھیٹ تھی۔ جب تک میں نے اس کی تین چار چٹکیاں نہیں بھریں۔ وہ وہاں سے نہیں بھاگی۔ تھوڑی دیر میں' شاردا کی آواز پر میں بھاگا بھاگا گیا اور مجھے یہ جان کر سخت صدمہ ہوا کہ خلاف توقع شاردا نے مجھے اپنی مہمانوں کے لیے مشروب لانے کا حکم دیا جب کہ وہ ایسا نہیں کرتی تھی' وہ مجھ سے کام لیتے ہوئے کتراتی تھی۔ اس وقت میرا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ شاردا جو میرے ساتھ جھونپڑی میں رہنے پر آمادہ تھی اور بڑے بڑے وعدے کرتی تھی' اب بدل گئی ہے اور جب یہ محسوس ہوا تو کلیجے میں سوزش ہونے لگی۔ اگر میں مہیش چندر کی موت سے پہلے اسے لے کے فرار ہو جاتا اور اس کی بہن شکنتلا کی طرح اسے بھی برتنے کی کوشش کرتا تو آج شیشے میری آنکھوں میں نہ چبھتے۔ میں نے حکم کے مطابق مشروب پیش کر دیا۔ تمام لڑکیاں بہ غور میرا جائزہ لے رہی تھیں اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرا رہی تھیں۔ ایسی نظروں کا میں عادی ہوگیا تھا مگر میری توجہ صرف شاردا پر مرکوز تھی جو ان لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی جن کی نظروں کے احاطے میں' میں کھڑا تھا۔ مشروب پلانے کے بعد میرے وہاں کھڑے ہونے کی گنجائش نہیں تھی' میں چلا آیا۔ اور جب سب لڑکیاں اپنے مسکنوں کو سدھار گئیں تو میں شاردا کے کمرے میں نمودار ہوا۔ میرا جی چاہتا تھا میں اس سے پوچھوں کہ میرا نام کیا ہے؟ میں کون ہوں اور اس کا کیا لگتا ہوں؟ اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی' میرے ذہن نے خود تمام جواب برجستہ اور درست دے دیے کہ میرا نام موہن داس ہے' میں

ایک غریب اور مجرم شخص ہوں اور ایک رئیس زادی کی خدمت پر مامور ہوں۔ ان جوابات کے بعد اس سے پوچھنے کا محل نہیں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو تول لیا تھا۔ چنانچہ میں اس کی خواب گاہ میں چلا آیا۔ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ اندر مالتی تھی جسے اس نے شکنتلا کے پاس کسی کام سے بھیج دیا اور بہت اداسی سے بولی۔

''موہن داس! تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہوں دیدی جی!'' میں نے شاردا کے بجائے دیدی جی کہا۔

''دیدی جی؟'' وہ چونک کے بولی۔ ''میرا نام شاردا ہے۔''

''مگر آپ میرے لیے تو بڑی ہیں۔ میں آپ کا ملازم ہوں۔''

''موہن! میرا دل بہت دکھی ہے۔ ایسی باتیں نہ کرو۔'' اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''شاید تم مجھ سے ناراض ہو۔ تم سوچ رہے ہوگے کہ میں تمہیں دیکھنے کے لیے کیوں نہیں آئی۔ میرا بہت جی چاہتا تھا مگر یہاں سے فرصت ہی نہیں ملی۔ تمہارے لیے دعا کرتی رہی اور میرا دل تمہی میں پڑا رہا۔''

میرے کانوں میں اس کی آواز کا شہد ٹپکا لیکن اسی لمحے مجھے جگدیپ کا چہرہ یاد آ گیا۔ ''آپ سمجھ لیجئے کہ ایک شخص آپ سے بہت سنجیدہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا شکستہ دل اتنا نازک ہے کہ ٹوٹ بھی سکتا ہے۔''

''ارے موہن!'' وہ وارفتہ ہو کے بولی' پھر ناراضی سے کہنے لگی۔

''پہلے تم مجھے' تم کہو' اس کے بعد بات ہوگی۔''

''آپ کو تم کہتے ہوئے اب بھی جھجک ہوتی ہے۔''

''تم بہت ہی ناراض معلوم ہوتے ہو' موہن! خود سوچو' میں ایسے وقت میں تمہاری طرف توجہ کیسے دے سکتی تھی۔ جب کہ تین دن سے سوئی بھی نہیں ہوں۔'' پھر وہ ایک ایک مصروفیت تفصیل سے بتانے لگی۔ میں سنتا رہا کیوں کہ بولتے وقت اس کے رخساروں میں گڑھا پڑ جاتا تھا اور اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمکتے تھے اور اس کی سانسوں سے خوشبوں آتی تھی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے کیا سنا؟ میں تو بس اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آواز دیکھتا رہا۔ وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ مجھ سے مخاطب تھی تو میں سمجھ رہا تھا جیسے میں کوئی مال دار اور اہم شخص ہوں۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور اس کی ہتھیلی پر بے شمار بوسے نچھاور کیے' اسے آنکھوں سے لگایا۔ اسے گردن میں دبایا۔

''یہ تمہیں آج کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے خواب ناک لہجے میں پوچھا۔
''مجھے لگ رہا ہے جیسے میں نے تمہیں دوبارہ پا لیا ہے۔''
''تم نے ایسا کیوں سوچا؟''
''بس یوں ہی۔''
''کہیں تم مجھ سے اس وجہ سے تو ناراض نہیں ہوگئے کہ میں نے ان لڑکیوں کے سامنے تم سے خدمت لی؟''
''نہیں۔ میں اس بات کو اہمیت نہیں دیتا۔''
''جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ میں نے تو تمہیں جان بوجھ کر بلایا تھا وہ بڑے بڑے راج کماروں اور مہاراجوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا' انہیں ذرا تمہاری جھلک بھی دکھا دوں۔''
''کہ میرا غلام بھی ایسا ہے۔''
''کہ میرا مہاراجہ بھی ایسا ہے۔'' اس نے مجھے ٹھوکا مارا۔
''شاردا!'' میں نے وفور جذبات سے کہا۔ ''تم نے مجھے زندہ کر دیا ہے۔''
''موہن! تم نے اس مرگھٹ کا ماحول دیکھا؟'' وہ شکایتی انداز میں بولی۔
''ہاں اور مجھے افسوس ہے کہ اس قسم کی باتیں اس موقع پر کر رہا ہوں۔ واقعی تمہیں اپنے بھائی کی موت پر غم ہوگا۔''
''غم؟'' وہ افسردگی سے بولی۔ ''مجھے تو ایک ہی غم ہے کہ میں یہاں کیوں پیدا ہوئی اور پیدا ہوئی تو یہاں موجود کیوں ہوں؟''
''بس اب اچھے دن آ رہے ہیں۔''
''مہیش تمہارا دشمن تھا۔ میں نہیں سمجھتی وہ کیوں تمہارا دشمن تھا؟ شاید اسے یہ شبہ ہوگیا تھا کہ میرا تم سے یا شکنتلا سے کوئی تعلق ہے مگر وہ تمہیں کوئی اور حکم دے کے نکال سکتا تھا۔ تمہاری جان کے پیچھے وہ کیوں پڑا ہوا تھا؟''
''اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ انہیں کیوں قتل کر دیا گیا؟''
''اس پر سوچنا بے کار ہے۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''یہاں سب ایک دوسرے کے دشمن ہیں کیونکہ یہاں سونا سب سے بڑا دوست ہے۔''
''اب دنیش مہاراج کمار بنے ہیں۔'' میں نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔
''دیکھو اب کیا ہوتا ہے؟'' وہ جھٹ گھورتے ہوئے بولی۔

میں ہر طرح اس کی گفتگو سے مطمئن ہوگیا مگر میں نے ٹوہ لینے کے لیے اس سے پوچھا۔ ''تم کب میرے ساتھ چلو گی؟''
''کہاں؟'' وہ پرخیال لہجے میں بولی۔
''اپنے گھر۔ اپنی جھونپڑی میں۔'' میں نے مسکرا کے معنی خیزی سے کہا۔
''اوہ۔'' وہ مسرت سے کھل گئی۔ ''کیا تم تیار ہو؟''
''بالکل۔ مگر!'' میں نے تحمل سے کہنا شروع کیا۔ ''ابھی نہیں' ابھی ہم جائیں گے تو ہم پر آسانی سے شبہ کیا جاسکتا ہے ہمیں مجبوراً یہاں چند دن' چند ماہ اور گزارنے پڑیں گے۔ اس وقت تک ہم اپنی آئندہ زندگی بہتر بنانے کے لیے بہت کچھ سوچ سکتے ہیں۔''
''تم آج کتنے سنجید ہو۔ پہلی بار۔'' اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔
''جب تک تم میرے ساتھ یہاں سے چلو گی نہیں۔ مجھے یقین نہیں آئے گا۔ مجھے اپنی بدنصیبی سے ڈر لگتا ہے۔''
''تمہارے ساتھ جانے کے خیال ہی سے میری روح بے قرار ہو جاتی ہے۔ وہ کتنی ایڈونچرس' کتنی حقیقی' کتنی عملی زندگی ہوگی۔''
''سوچ لو' کڑی دھوپ میں تمہارا پھول سا چہرہ کمھلا جائے گا۔''
''مگر میں ایک آزاد لڑکی ہوں گی۔ میرے ارد گرد سونے کی دیوار نہیں ہوں گی۔ یہ جھوٹ نہیں ہوگا۔ جو کچھ ہوگا' سچ ہوگا۔''
''اور میں سوچتا ہوں' جب تم میرے ساتھ رہو گی تو مجھ سے کوئی کام نہیں ہوگا۔ میں بس تمہیں دیکھا کروں گا۔ میں تمہیں طاق میں کسی مورتی کی طرح بٹھا دوں گا اور تمہاری پوجا کیا کروں گا۔''
جس وقت وہ میرے سامنے بیٹھی دل نشیں گفتگو کر رہی تھیں۔ میرے ذہن میں وہی وہ تھی۔ مجھے وہ لفظ نہیں مل رہے تھے جن سے میں اپنی کیفیتوں کا اظہار کر سکتا۔ خلوت کے یہ لمحے کئی دن بعد ملے تھے۔ میں تو ایک کھیل سمجھا تھا مگر وہ دھیرے دھیرے نہ جانے کس چور دروازے سے میرے نہاں خانے میں در آئی۔ جی چاہتا تھا' ابھی اسے لے کے اڑ جاؤں' جنگلوں اور جنگل کا رخ کروں۔ وہاں ایک کوٹھری میں اسے بند کردوں' جہاں میرے سوا اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ پھر اس وقت میرے خواب بکھر گئے۔ جب اس نے مجھ سے ڈالی کے متعلق پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ ''اپنے بچے میں گم رہتی ہے۔'' ڈالی کے بارے میں گفتگو سے بچنے کے لیے میں نے اس سے دنیش چندر کا ذکر چھیڑ دیا کہ اس نے مجھے اپنا خاص ملازم ہونے کا عزاز بخشا ہے۔ وہ تردد میں پڑ گئی۔ میں جانتا تھا کہ اس کا ردعمل یہی ہوگا۔

میں نے اس عہدہ جلیلہ پر اپنی آمادگی ظاہر کی تو وہ حیرت میں پڑ گئی اور کہنے لگی۔ ''تم پاگل ہوگئے ہو؟ اپنی جان خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو۔''

''نہیں۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔ ''ابھی یہاں سے ہمارے جانے میں وقت ہے' دنیش چندر ایک معصوم شخص ہے۔ میں یہ نیک کام ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے قریب رہ کے اسے کالے سفید کا جلوہ دکھا سکوں۔ میری نظر میں کچھ لوگ ہیں جنہیں عریاں کیے بغیر میں یہاں سے چلا گیا تو ہمیشہ ایک خلش رہے گی۔''

''تم آگ میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔ یہ زندگی غنیمت سمجھو۔ اس جذباتی پن سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہمیں یہاں سے کیا واسطہ؟ جب ہم نے یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''شاردا!'' میں نے بدستور پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے ایک مختصر مدت کی اجازت چاہتا ہوں۔ مجھے میری مرضی پر چلنے دو اور دیکھتی جاؤ کہ کیا ہوتا ہے؟ ویسے بھی بربنائے مصلحت ہمیں ایک وقت تو گزارنا ہی ہے۔''

''میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' وہ ناراضی سے بولی لیکن میرا اصرار بڑھتا گیا اور جب مجھے کوئی صورت اس کی آمادگی کی نظر نہ آئی تو میں نے ایک آخری حربہ استعمال کیا کہ ہمارے اچھے مستقبل اور یہاں سے عمدگی کے ساتھ نجات کے لیے دنیش چندر کا قرب ضروری ہے۔ شاردا پرکاش بھون میں میری ڈھال تھی۔ میں اس سے کھل کے اپنی جذبات خیزیوں کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وقت کم تھا' کسی وقت بھی کہیں سے کوئی شخص شاردا کے کمرے میں نازل ہو سکتا تھا۔ میں نے مہیش چندر اور پرکاش چندر کی پراسرار اموات کے بارے میں اس کے جذبات ابھارے' نتیجتاً وہ بہ اکراہ' نیم رضا مند ہوگئی۔ مجھے یقین تھا۔ دنیش چندر میرے بارے میں اس سے پوچھے گا تو وہ میری اچھائیاں ہی بیان کرے گی۔ میں شاردا کی سرخ انگلیوں کو بوسہ دے رہا تھا کہ مالتی دیدی جی' دیدی جی' پکارتی ہوئی آ گئی اس دوران میں ہم سنبھل گئے تھے۔ مالتی نے کچھ شبہ ضرور کیا ہو گا مگر وہ ایسی باتوں کی عادی تھی' صاف نظر انداز کر گئی اور

بھی کوئی تاثر دیے بغیر چپکے سے باہر نکل گیا۔

شاردا نے مجھے آج بہت شادماں کیا تھا۔ کل میں شدید بخار میں ہذیان بک رہا تھا اور آج میرے ذہن کے تمام دریچے روشن تھے دوسرے دن صبح ہی صبح شاردا کے پاس جانے کے بجائے میں دنیش چندر کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ مجھے اس نے کل کی طرح آج بھی عزت بخشی۔ خوش قسمتی سے آج اس سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے کسی تاخیر کے بغیر رازدارانہ انداز میں اسے مشورہ دیا کہ وہ نئے ملازموں کو اپنے قریب رکھتے وقت ہوشیاری کا ثبوت دے۔ اس کے ذہن میں شبہات ابھارنے کے لئے میں نے دبے لفظوں میں اس سے جگدیپ جیسے دوستوں اور راج دربار کے لوگوں سے تعلقات رکھنے میں احتیاط برتنے کی درخواست کی۔ میں اشاروں کنایوں میں گفتگو کر رہا تھا۔ چنانچہ تفصیل پوچھنے اور اصل نام جاننے کے لیے وہ مضطرب ہوگیا۔ ''سب سامنے آجائیں گے صاحب! میں نے پر یقین لہجے میں کہا۔ ''آپ ڈٹے رہیں' ذرا یک سو ہو جائیں۔''

☆.....☆ ☆

ادھر دنیش چندر کے ملازموں کی فہرست ترتیب دی جا رہی تھی۔ بھون کے نئے ڈھانچے میں جگدیپ کے علاوہ اس کے دوسرے دوست بھی اسے مشورہ دینے میں پیش پیش تھے۔ بھون کے تمام ملازموں کو یکے بعد دیگرے طلب کیا جاتا تھا اور ان کے ماضی، کردار اور ملازمت کی عمر کی چھان بین کی جا رہی تھی۔ دنیش چندر کے دوستوں کا عمل دخل میرے لیے کوئی خوش گوار بات نہیں تھی تا ہم جہاں تک میری رسائی تھی، میں اسے محتاط روی کی تلقین کر سکتا تھا۔ میں اس کا مشیر خاص تو نہیں تھا مگر میرے بارے میں کسی نے اس لیے باز پرس نہیں کی کہ میں نے اپنا زیادہ وقت وہیں گزارنا اور اس کے دوستوں کو مہذب انداز میں اپنی خاطر مدارات کا ہدف بنانا شروع کر دیا تھا۔ دنیش چندر، پرکاش بھون کی آنکھ مچولی میں کچی ٹکیا کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی بھانپ کے میں نے تمام خطروں کے باوجود یہاں ٹھہرنے اور پیش قدمی کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اب اس کے دوستوں کی انجمن آرائی اور مشاورت دیکھ کے میرے عزائم کے جوش میں خاصی کمی آنے لگی تھی۔ پھر میں نے اپنے آپ کو قناعت پر مجبور کیا۔ انہی حالات میں اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے منصوبوں پر غور کیا۔ میں اپنے اندر ایک ذہین اور جرات مند آدمی کو کروٹیں لیتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔

ممکن تھا، حالات دوسرے ہوتے، اگر شاردا اپنے گداز کا اعتماد نہ بخشتی۔ شاید میرے ہاتھوں کچھ اور خون ہو جاتے اور میں اطمینان سے اپنی سزا کو پہنچ جاتا جس کے فیصلے میں دیر ہو گئی تھی۔ اس روز میری طبیعت صدر دروازے کی باہر کی دنیا دیکھنے کے لیے مچل رہی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں روکا۔ میں آسانی سے سڑک پر آ گیا۔ شام کا وقت تھا۔ ریاست راجے پور کی صاف و شفاف سڑکوں پر زندگی کی رونق چھائی ہوئی تھی۔ دکانیں روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ راجے پور کوئی بڑا شہر نہیں تھا لیکن بہت اجلا، روشن اور صاف ستھرا علاقہ تھا۔ گھومتے گھامتے میں خاص بازار میں پہنچ گیا اور کسی بچے کی

طرح حیرت سے ایک ایک چیز دیکھنے لگا۔ میری جیب میں دنیش کے عطا کیے ہوئے روپے تھے۔ دکانوں کی چمک دمک اور زندگی کی فعالی نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ میں نے وہاں سے ایک انگوٹھی خریدی۔ پھر مجھے خیال آیا، میں نے ڈالی کے لیے تو کچھ لیا ہی نہیں۔ اس کے بالوں کے لیے جوڑا اور گڈے کے لیے ٹافیاں اور کھلونے خریدے۔ خریداری کرتے وقت آدمی چھوٹا موٹا بادشاہ بن جاتا ہے۔ میری جیب میں زیادہ رقم ہوتی تو میں کئی شوکیسوں کا سامان خرید لیتا۔ میں رات تک یوں ہی بے مقصد ٹہلتا رہا اور چلتے چلتے ایک ایسے علاقے میں پہنچ گیا جہاں طبلے اور گھنگھروؤں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے میرے سینے میں کسی نے گھونسا مارا، جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں پکڑ لیا۔ مجھے اپنی بانو یاد آ گئی اور بانو یاد آئی تو بیتے دنوں کی ہر بات نشتر چبھونے لگی۔ میرے قدم خود بخود ایک بالاخانے کی طرف اٹھنے لگے جیسے وہاں بانو موجود ہو۔ جب میں اندر پہنچا تو ایک گل بدن رقاصہ تھرک رہی تھی اور اس کے لبوں سے نغمے پھوٹ رہے تھے۔ میں چند لمحوں کے لیے دروازے پر جم کے رہ گیا۔ مجھے کسی نے چونکایا تو ہوش آیا۔ تشریف رکھیے۔ رقاصہ نے میرے قریب آ کے کہا۔ وہی بانو کا انداز، وہی بالاخانہ۔ میں کھوئے ہوئے انداز میں ایک طرف بیٹھ گیا۔ میری آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور کان سب کچھ سن رہے تھے لیکن مجھے پتہ نہیں، اس نے کیا سنایا اور کیسا گایا؟ اپنی اداؤں کے کیا تیر چلائے؟ میں ایک مجرم کی طرح کونے میں دبکا بیٹھا رہا۔ مجھے گم سم دیکھ کے وہ میرے پاس آ گئی اور کہنے لگی۔ "کیا آپ کو یہ غزل پسند نہیں آئی؟"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور لکنت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"آپ تو کمال گاتی ہیں۔ اپنے ہنر میں طاق ہیں۔"

"کہاں۔" وہ مچل کے بولی۔ "ابھی مجھے کیا آتا ہے۔" پھر اشتیاق آمیز لہجے میں بولی۔ "آپ فن شناس معلوم ہوتے ہیں، کیا اسی شہر میں قیام ہے؟"

میں نے اس کا زہر کانوں میں انڈیلا اور جواب دیا۔ "ہاں یہ بدنصیب ان دنوں یہیں مقیم ہے اور زندگی بھگت رہا ہے۔"

"خوب، آپ صاحب ذوق معلوم ہوتے ہیں۔ ایسی دلکش باتیں یہاں کون کرتا ہے۔ راجے پور کے لوگ بڑے نفیس ہیں مگر وہ شائستگی کہاں جو اودھ میں ملتی ہے۔" وہ ناز سے بولی۔ "آپ کہیں ادھر ہی کے معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔" میں نے بے خیالی میں کہا۔ "اب کوئی وطن نہیں ہے' جہاں پناہ مل گئی اسی کو وطن سمجھ لیا۔ جہاں نہیں ملے گی' مر جائیں گے۔"

"ارے آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں' یقیناً آپ کوئی فن کار ہیں۔"

"بہت بڑا فنکار۔" میں نے زہرخند سے کہا۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟" وہ سراپا اشتیاق بن گئی۔

میں کوئی معقول جواب سوچ رہا تھا کہ اسے آواز دے کے بلا لیا گیا۔ میری جیب میں جتنی رقم تھی' وہ میں نے اس کے حوالے کردی اور کھڑا ہوگیا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھتی رہ گئی اور دروازے پر آ کے بولی۔ "اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ آپ تو بیٹھے ہی نہیں۔ دوبارہ تشریف لایئے گا۔ کنیز کو راگنی کہتے ہیں' ابھی کچھ دنوں یہیں قیام رہے گا۔ آپ آئیں گے تو مسرت ہوگی۔ اوہ ہاں۔ میں آپ کا نام......؟" وہ شرماتے ہوئے بولی۔

"میں دوبارہ آؤں گا۔" میں نے یاسیت سے کہا۔ "رہا نام۔ تم میں ایک بے نام شخص ہوں' نام تو شرفا کے ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کے میں زینہ اترنے لگا۔

"خوب۔" اس کی ہنسی نے نچلی سیڑھی تک میرا ساتھ دیا۔

میں تیز قدموں کے ساتھ اس بازار سے نکل آیا۔ اور پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا' مبادا مجھے بانو نظر آ جائے۔ میں واپسی کے سارے راستے بانو سے نظریں چراتا رہا اور وہ مجھے اپنے پیچھے لپکتی محسوس ہوتی رہی۔ "میر جمشید عالم ٹھہرو! بانو کو کس کے پاس چھوڑ آئے ہو؟" میں ٹھٹک کے رک گیا۔

میں کیا کروں۔ کون کم بخت اسے بھول سکتا ہے لیکن میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں؟ میں نے اپنے دل کو تسلی دی۔ یہ ایک بہترین موقع ہے۔ میں صدر دروازے سے باہر آ گیا ہوں اور آسانی کے ساتھ یہاں سے فرار ہوسکتا ہوں۔ اب بانو کی ماں اور بختاور کے قتل کی واردات کو بہت دن گزر چکے ہیں۔ میں حلیہ بدل کے کلکتے جا سکتا ہوں اور بانو کی خیریت پوچھ سکتا ہوں۔ مجھے اس کے لیے یہ خطرہ مول لینا چاہیے' نہ جانے وہ کس حال میں ہو؟

ابھی بات کھل کے کہاں آئی ہے۔ میں اندھیرے میں رہ کے وہاں کیسے جا سکتا ہوں؟ اگر میں گرفتار ہوگیا تو میرے متعلق بانو کی رہی سہی امید بھی ختم ہو جائے گی۔ مگر تا کجے؟ جارج سے نہ کوئی رابطہ قائم ہے' نہ میں اسے خط لکھ سکتا ہوں۔ اندھیرا

تو طاری رہے گا' جب تک اسے دور کرنے کی کوئی سبیل نہیں کی جائے گی۔

میرے ذہن میں ایک کش مکش جاری تھی۔ ہاں میں پرکاش بھون کی چار دیواری سے باہر تھا' پہلے تو وہاں سے باہر آنے پر پابندی تھی۔ اب نجات کا دروازہ وا ہوا تو میرا گریز بے معنی تھا۔ پرکاش بھون میں کچھ بھی ہو' میرا اس سے کیا واسطہ تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ مجھے پرکاش بھون جانے کے بجائے یہاں سے بھاگ جانا چاہیے لیکن جنون کی یہ لہر لحوں میں گزر گئی۔ پرکاش بھون میں شاردا بھی تو ہے اور ڈالی؟ میرے دماغ میں گرہیں پڑ گئیں اور میں نے انہیں کھولنے کی اذیت سے بچنے کے لیے یوں ہی رہنے دیا۔ میرے قدم پرکاش بھون کی طرف اٹھ رہے تھے۔

ابھی میں بھون سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ہوں گا کہ ایک شخص نے میرا راستہ روک لیا۔ میں نے سنبھل کے دیکھا تو کرچھے والا پنڈت ایشوری لال تھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ کرچھا اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور اس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ "مہاراج!" میں نے سٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ "تم؟"

"ہاں میں! موہن بابو' میں۔" پنڈت کے لہجے میں پہلے جیسی گرمی اور تلخی نہیں تھی۔

اس کی زبانی اپنا نام سن کے مجھے کچھ اطمینان ہوا اور میں نے نیاز مندی سے پوچھا۔ "سیوک سے کچھ کام آ پڑا مہاراج؟"

"ہاں۔" وہ قدرے جھجک کے بولا۔ "میں تجھ سے اس دن کی شما چاہتا ہوں' میں غلطی پر تھا' مجھے پتہ نہیں تھا کہ میں نے کون سے گھر پر تیر چلایا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں مہاراج!" میں اس کی باتوں سے چکرا گیا تھا۔

"میں سب جان گیا ہوں بالک! وہاں کوئی اور ہوتا تو اسے بھی یہی کچھ دیکھنا پڑتا جو میں نے دیکھا۔" پنڈت کا لہجہ مشکوک نہیں تھا۔

"مہاراج!" میں نے وضاحت طلب نظروں سے اسے گھورا۔

"چھوڑ دے یہ باتیں۔ غلطی سادھو سنتوں' جوگیوں' پنڈتوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ تو بڑا بھاگیہ والا ہے۔ میری آنکھوں میں دھول آ گئی تھی جو میں کچھ نہ دیکھ سکا۔ تیرے ماتھے کی چمک اور لکیریں بھی مجھے نظر نہیں آ سکیں۔"

پنڈت نے شرمساری سے کہا۔ "کبھی کبھی ادھر لکشمی کے مندر میں بھی آیا کر یا مجھے سمے دے کہ میں تیرے پاس آ جایا کروں۔ کچھ پنڈت سادھوؤں کا بھی وچار کیا

کرے۔"

"جی؟" میں نے حیرانی سے کہا اور پھر سوچا' پنڈت مجھے کسی جال میں پھنسانے کی ترکیبیں تو نہیں کررہا ہے؟ اسے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کی اپنائیت عجز اور انکسار میری سمجھ میں نہیں آیا' لیکن میں نے اب کے زیادہ تعجب کا اظہار نہیں کیا اور کہا۔ "مہاراج! ضرور درشن دیجئے۔ سیوک اپنے گھر میں آپ کا سواگت کرے گا۔ رہا مندر میں آنے کا معاملہ تو میں بڑا پاپی ہوں۔ مندر میں آتے ہوئے گھبراتا ہوں۔"

"ارے تو خود ایک مندر ہے۔" پنڈت نے کہا۔ "پر بالک آیا کر۔۔ اور میرے لیے کوئی کام ہو تو بتانے سے مت جھجکنا۔"

"بس اپنا ذرا خیال رکھیے مہاراج! لوگ الٹی سیدھی باتیں کر دیتے ہیں اور بعد میں شرمندہ ہوتے ہیں۔" میں نے سوچا' جب پنڈت خود ہی آمادۂ التفات ہے تو کیوں نہ اس سے بے جھجک بات کی جائے۔

"میں آؤں گا۔" وہ پرعزم لہجے میں بولا۔ "میں تیرے پاس آیا کروں گا۔"

"ضرور مہاراج! ضرور درشن دیجئے۔" میں نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

پنڈت نے کرچھے میں سے ذرا سی راکھ کی چٹکی بھری اور اسے تلک کے طور پر میرے ماتھے پہ چپکا دیا اور صدائیں لگاتا ہوا' مجھے متحیر چھوڑ کے رخصت ہوگیا۔ اس کا التفات میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ میں جتنا بھی غور کرتا' الجھتا جاتا' طرح طرح کے وسوسے' اندیشے میرے ذہن میں ابھرنے لگے۔ میرے پاس کیا رکھا تھا جس پر پنڈت اس وارفتگی سے مرمٹتا؟ یا تو پنڈت ڈالی پر عاشق ہوگیا تھا یا اسے میری ان نادیدہ خوبیوں کا سراغ مل گیا تھا جن کا علم مجھے خود نہیں تھا۔ میرے اعصاب و حواس کے نظام میں کوئی ایسی خوبی ضرور تھی جو گاہے گاہے ایک مخصوص کیفیت سے گزر کے آئیندہ کے واقعات کا مشاہدہ کرلیا کرتا تھا۔ حالانکہ مشاہدے کی یہ قوت میرے اختیار میں نہیں تھی اور اب طویل مدت سے میں ایسی کیفیت سے نہیں گزرا تھا۔ پھر کیا تھا؟ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال نے سر اٹھایا۔ کہیں وہ کیچو کے بارے میں مضطرب نہ ہو؟ مگر میں اس خیال پر بھی قانع نہ رہ سکا اس لیے کہ میں خود کیچو کے بارے میں کیا جانتا تھا' پنڈت ایشوری لال میرا الجھا ہوا ذہن اور الجھا کے چل دیا۔ میری زندگی میں کوئی چیز واضح نہیں تھی۔ ہر طرف ٹمٹماتی ہوئی امیدیں تھیں۔ آدھے اجالے اور آدھے

اندھیرے سے میری آنکھیں دکھنے لگی تھیں۔

☆......☆......☆

پرکاش بھون میں میری عدم موجودگی صرف شاردا نے محسوس کی۔ جب میں نے اسے اس کا ہاتھ پکڑ کے انگلی میں انگوٹھی پہنانے کا ارادہ کیا تو اس کا چہرہ دمکنے لگا۔ رخساروں سے سرخ آگ برسنے لگی۔ "یہ تم کہاں سے لے آئے موہن؟" اس نے بے چین ہو کے پوچھا۔

"میں اسے چرا کے نہیں لایا ہوں۔ بازار سے نقد رقم ادا کرکے لایا ہوں جناب!" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"میں نے چوری کو کب کہا تھا۔ تم بہت وہ ہو۔" وہ ناراض ہو کے بولی۔

"میں نے اس کی وہ انگلی منہ میں رکھ لی' جس میں اس نے انگوٹھی پہنی تھی۔ میرے منہ میں رس ٹپکنے لگا۔ اس نے اپنی انگلی کھینچنی چاہی تو میں نے اسے دانتوں میں دبا لیا۔ وہ کراہنے لگی۔ مجھے اس کی اذیت سے بڑا لطف آیا اور میں نے اپنا سر اس کی آغوش میں دے دیا۔

اور جب میں ڈالی کے پاس اس کا جوڑا لے کے گیا تو اس کا عالم عجیب ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ اس نے فخر اور ممنونیت کی نظروں سے تو مجھے دیکھا ہی تھا۔ وہ بے تحاشا مجھ سے لپٹ بھی گئی اور سسکنے لگی۔ میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اپنا سر اس کے شانوں پہ رکھ دیا۔ اس کے لمبے سیاہ بال میری گردن پر پھیل گئے۔ بہت مشکل سے میں نے اس کے آنسو خشک کیے' ورنہ اس کا سیلاب تھمتے نہ تھمتا۔ پھر گڈا میری گود میں آیا۔ میں نے اسے کھلونے دیے' ٹافیاں کھلائیں۔ وہ چہکنے اور مچلنے لگا۔ رات کو وہ دیر تک نہیں سویا۔ اپنے کھلونے چھوتا اور ہنستا کھیلتا رہا اور سونے کو آیا تو اپنی ماں کے بجائے میرے ساتھ سونے کے لیے مچل گیا۔ میں نے اسے بازوؤں کے لحاف میں چھپا لیا۔

☆......☆......☆

دوسری صبح دنیش چندر کے محل میں پہنچ کے میں حیران رہ گیا۔ وہاں بساط الٹی ہوئی تھی۔ جے پال کی جگہ ایک ناپسندیدہ شخص بھٹناگر براجمان ہو چکا تھا اور اس کے ماتحتوں میں بھی ایسے آدمی تھے جن پر پارہ کے آدمی ہونے کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔ بھٹناگر ایک نہایت درشت' بدمزاج اور معمولی پڑھا لکھا شخص تھا۔ خوشامد اچھی کرلیتا تھا اور

چھوٹے ملازموں پر رعب بھی اچھا جما لیتا تھا۔ تن و توش کے اعتبار سے کسی بڑے بیل سے مشابہ تھا۔ وہاں کا رنگ ہی بدلا ہوا تھا۔ بھٹناگر اور اس کے ماتحتوں نے میری پزیرائی میں تنگ دلی کا ثبوت دیا۔ میں دنیش چندر کے کمرۂ خاص میں حسب معمول داخل ہونے والا تھا کہ بھٹناگر کی کرخت آواز نے مجھے روک لیا۔ ''کدھر جا رہے ہو؟''

میں نے صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا' کسی تردد کے بغیر میں نے جواب دیا۔ ''اندر جا رہا ہوں۔''

''کس سے اجازت لی ہے؟'' بھٹناگر نے سختی سے پوچھا۔

''مہاراج کمار سے۔'' میں نے دلیری سے جواب دیا۔

''ٹھہرو۔ میں پوچھ کے آتا ہوں۔'' اس نے جھڑک کر کہا لیکن میں نے کوئی پروا نہیں کی۔ دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری کو بازو پھیلا کر میں نے اپنے راستے سے ہٹایا اور اندر داخل ہوگیا۔ بھٹناگر اشتعال انگیز حالت میں میرے پیچھے پیچھے بھاگا ہوا آیا۔ اس وقت تک میں دنیش چندر کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ پارو بھی وہاں بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کے اس کی آنکھوں میں بجلی سی چمکی۔ راج دربار کے کچھ سرکردہ لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ میری آمد سے دنیش کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''آؤ موہن داس! رات شاردا نے تمہاری بڑی تعریف کی ہے۔'' میں نے ادب سے سر جھکا لیا۔ وہ پارو سے مخاطب ہو کے بولا۔ ''ہم نے اسے اپنا خاص آدمی مقرر کیا ہے۔ ہم نے اسے شاردا سے مانگ لیا ہے۔''

پارو نے خسروانہ شان سے میری طرف نگاہ کی اور بولی۔ ''مہیش چندر بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ یہ بڑا جنگلی ہے۔''

''بہت وفادار آدمی ہے۔'' دنیش نے انگریزی میں کہا۔

''بے حد۔'' پارو کے لہجے کا زہر صرف میں سمجھ سکتا تھا۔

دنیش کے منہ سے میری شان میں یہ کلمات سن کے بھٹناگر خاموشی سے باہر کھسک گیا۔ میں دنیش کے احکام کی تعمیل میں مصروف ہوگیا۔ وہ اپنے مہمانوں کی تواضع کے لیے مجھی سے مخاطب ہو رہا تھا۔ ادھر میں نے محسوس کیا' پارو کی نگاہ میرے جسم میں چبھ رہی ہے۔ نیلی ساڑھی میں اس کا ساغر بدن چھلک رہا تھا اور حسن میں کچھ اور نکھار آ گیا تھا۔ وہ قیامت بنی ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہ پرکاش بھون کی حسین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ اس کی پتلی کمر۔ ساڑھی سے جھانک رہی تھی۔ اس سے کئی بار آنکھیں چار

ہوئیں۔ پارو نے مہیش کے بعد اب دنیش کے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا تھا مگر وہ چاہتی کیا تھی؟ اس نے مہیش چندر کو کیوں قتل کروا دیا؟ اس کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا تھا اور جب تک یہ معما حل نہ ہوتا' اس وقت تک نہ تو دنیش کی رہنمائی کی جا سکتی تھی نہ خود کوئی قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔ اندھیرے میں صرف تیر چلائے جا سکتے تھے' جن میں سے کوئی تیر واپس آ کے خود کو بھی زخمی کر سکتا تھا۔ پارو وہاں سے چلی گئی تو دنیش چندر کے محل سے اپنے فرائض انجام دینے اور شاردا کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد' میں اپنے کوارٹر واپس آ گیا۔

دیر تک گونا گوں خیالات میرے ذہن پر غالب رہے۔ ذہن کا یہ تخلیقی عمل اسی لمحے شروع ہوتا ہے جب چاروں طرف سے فکروں کا ہجوم بڑھ رہا ہو۔ بشرطیکہ اس ہجوم سے گھبرایا نہ جائے بلکہ تخلیقی قوت صرف کی جائے۔ میں رات تک سوچتا رہا' تخلیق اور اظہار لازم و ملزوم ہیں۔ تخلیق مکمل نہیں ہوتی جب تک اظہار نہیں ہوتا۔ اظہار کے بغیر تخلیق کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ ڈالی سو چکی تھی۔ میں ایک مضبوط ارادے سے اٹھا۔ سب سے پہلے میں نے باغ سے شاردا کا پستول نکالا اور دنیش چندر کے محل کی جانب چلا گیا۔ میری آمد کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی۔ میں نے اندر کا ایک چکر لگایا اور چپکے سے اس حصے کی طرف اپنا جسم منتقل کر لیا جس سے پارو کی خواب گاہ متصل تھی۔ اس کا راستہ مجھے بخوبی معلوم تھا۔ میں راہ داری میں بیٹھے ہوئے بعض ملازموں کو سلام کرتا' جواب دیتا ہوا پارو کے دروازے پر پہنچ گیا اور آہستہ سے دستک دینے لگا۔ مہیش چندر کے سوگ کے دن جاری تھے۔ اس لیے پرکاش بھون میں رنگ بازی کا کاروبار سرد پڑا تھا۔ دستک پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دوبارہ کوشش کی تو اندر سے پارو کی سریلی آواز آئی۔ ''کون؟''

''میں نے آہستگی سے کہا۔ ''موہن۔''

اس نے دروازہ کھول دیا اور منہ نکال کے ترشی سے بولی۔ ''کیا کام ہے' اس وقت کیسے آئے؟''

میں نے منہ پر انگلی رکھ دی۔ ''خاموش رہیے پارو رانی! میں ایک بہت ضروری کام سے آیا ہوں' اندر آ کے بتاؤں گا۔''

میں دوسرے ہی لمحے اندر تھا۔ پارو نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس نے شب خوابی کے لباس میں اپنا بدن چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ کمرے میں معطر

ہوائیں بسی ہوئی تھیں۔ ''کیا ہے؟''

میں نے ایک نگاہ دوڑائی اور سرگوشی میں پوچھا۔ ''کوئی ہے تو نہیں؟ بہت رازداری کی بات کرنی ہے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''کوئی نہیں ہے۔ تم اطمینان سے بات کر سکتے ہو۔'' اس نے بظاہر وقار سے جواب دیا۔

''خواب گاہ کی جالی دار کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں نے جاتے ہی پستول اپنے نیفے سے نکال لیا۔ ''سنیے!'' میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تمام کھڑکیاں بند کر دیجیے۔''

اس نے میرے لہجے پر غور کیا تو اس کی نظر اس پستول پر بھی پڑی جو میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ سی کر کے رہ گئی اور بگڑتی ہوئی بولی۔ ''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''جو میں کہتا ہوں' وہی کرو۔'' میں نے گرج کے کہا۔

یقیناً اسے مجھ سے ایسے لہجے کی توقع نہیں ہوگی۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ میں نے اسے دوبارہ حکم دیا تو وہ جھجکتی اور میری صورت دیکھتی ہوئی کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔ میرے اشارے پر کھڑکیاں بند کر دی گئیں اور ان پر پردے ڈال دیے گئے۔ خواب گاہ کا دروازہ بھی بند کر لیا گیا۔ میں نے غسل خانے میں بھی ایک نظر جھانک کے دیکھ لیا اور ہر طرف سے مطمئن ہو گیا کہ میرے سوا وہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور پستول جیب میں رکھ لیا۔ ''پارو رانی! مجھے آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی تھیں۔ یہاں قریب آ کے سنیے۔''

وہ میرے پاس چلی آئی۔ میں نے کوئی بات کرنے سے پہلے اس کے خوب صورت بدن کا سر سے پیر تک جائزہ لیا۔ نقاش نے اسے تراشنے میں ایک ایک باریکی کا خیال رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگ آ رہے تھے' جا رہے تھے' کبھی تمکنت کا رنگ چڑھ جاتا۔ کبھی خوف کا' کبھی امید کا' کبھی مایوسی کا۔ چند لمحوں تک تو میں اس قوس قزح سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر قابو میں نہیں رہا۔ میرا ہاتھ اٹھ گیا اور میں نے ایک بھرپور طمانچہ اس کے رخسار پر رسید کیا۔ اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ لڑھکتی ہوئی فرش پر گر گئی۔ میں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کے اٹھا لیا۔

''پارو رانی! مجھے ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے افسوس ہے۔ مگر تم عورت نہیں ہو۔ تم نے مجھے اس قدر بے غیرت اور نامرد کیوں سمجھ لیا تھا کہ میں تمہیں معاف

کر دوں گا۔''

وہ میرے ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ ''تمہارا مقصد کیا ہے؟'' وہ لرزتے ہوئے بولی۔

میں نے اسے بستر پر دھکیل دیا۔ ''میں آپ کے کچھ قرضے ادا کرنے آیا ہوں۔ مہیش چندر کو قتل کراتے وقت آپ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا' وہ میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا اور میں آپ کا شکرگزار بھی ہوں کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ مجھے نیند سے بیدار کر دیا۔''

''تم اس وقت بھاگ کیوں گئے تھے جب کہ میں نے تمہیں تحفظ کا پورا یقین دلایا تھا؟''

''آپ کمال کرتی ہیں۔ سرکار آپ نے روشنی بجھا دی تھی اور خود منظر سے غائب ہو کے یہ اعلان کرنے گئی تھیں کہ موہن نے مہیش چندر کو قتل کر دیا' پھر ہوتا یہ کہ آپ کے زرخرید ملازم اندر تشریف لاتے اور اشتعال میں مجھے قتل فرما دیتے۔ میری آواز ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی اور آپ کے جرم کا ہر ثبوت مٹ جاتا۔ بہر حال آپ نے بڑی خوب صورتی سے بدلے ہوئے حالات میں سوچا۔ یہ امر داد کے قابل ہے۔ میں زندہ بچ گیا۔ اس سے پہلے بھی مہیش چندر کتے نے میرے پیچھے پلے چھوڑے تھے۔ آپ نے ان سب کا انجام دیکھ لیا تھا۔ مہیش کی آپ سے کون سی بات چھپی ہوئی تھی' آپ تو اس کی رازدار تھیں۔''

''تمہیں غلط فہمی ہے۔'' وہ خوف زدہ وقار سے بولی۔

''جی ہاں۔ اور اب آپ نے دنیش چندر کے لیے جو نقشہ ترتیب دیا ہے' وہ بھی میری غلط فہمی ہے۔ کان کھول کر سن لو پارو رانی! میں وہ نہیں ہوں جو تمہیں اوپر سے نظر آتا ہوں۔ میں اتنا ہی اندر بھی ہوں۔ مجھے بدقسمتی یہاں کھینچ لائی تھی۔ یہاں آ کے میں نے آپ بڑے لوگوں کا جلوہ دیکھا۔ آپ کو دیکھا۔''

''میری بات سنو۔'' وہ صلح کن لہجے میں بولی۔ ''تم جو سوچ رہے ہو' وہ غلط ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مہیش چندر تمہیں مارنا چاہتا تھا۔ وہ ایک بہت برا آدمی تھا' بہت ظالم اور سنگ دل۔ اس کے ارادے بڑے خطرناک تھے۔ یقین کرو' جب وہ تم سے سخت لہجے میں بات کرتا تھا تو مجھے بے حد دکھ ہوتا تھا۔ اس نے مجھ سے بھی کچھ وعدے کیے تھے مگر پرکاش چندر کی موت کے بعد وہ بدلتا گیا اور آخر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا۔''

"ہاں۔ اب آپ جو دلیل چاہیں دیں لیکن پارو رانی! مجھے کوئی دلیل قائل نہیں کرسکتی۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اپنے جو آدمی آپ نے دنیش چندر کی طرف بھیجے ہیں' انہیں وہاں سے ہٹا لیجئے۔ اپنے ارادوں سے باز آجایئے ورنہ اور کچھ نہیں ہوگا' مجھے آپ کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں گے اور یہ بات گرہ میں باندھ لیجئے کہ آپ میرے خلاف کسی سازش میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ یہاں میرے گرگے بھی چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنا انتظام کرلیا ہے۔ آپ نے کوئی غلطی کی تو آپ کے پاس پچھتانے کے لیے بھی وقت نہیں ہوگا۔"

پارو کی آتش مزاجی سرد ہونے لگی تھی۔ اس نے ہر معاملے سے اپنا دامن بچانا چاہا اور ہر طرح اپنی نیک دلی کا یقین دلایا مگر مجھے اس کی کسی بات نے متاثر نہیں کیا۔ ہاں میں اس کے سہمے ہوئے چہرے اور خوف زدہ بدن سے ضرور متاثر ہو رہا تھا۔ میں بستر پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور ایک جھٹکے سے میں نے اس کا سلیپنگ گاؤن چیر کے رکھ دیا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

"ایک ملازم اپنی قیمت وصول کرنا چاہتا ہے۔" میں نے بے باکی سے اس کے بال پکڑ لیے۔

"تم درندے ہو۔" وہ وحشت سے چیخی۔

"آپ کے لیے میں بالکل موزوں ہوں۔" اس کا سرخ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں یہاں کوئی دلیل سننے یا فراخ دلی کا مظاہرہ کرنے نہیں آیا ہوں۔ میں نے اسے دھمکی دی۔ "بہتر ہے' آپ خود ہی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ واقعی آپ بہت حسین ہیں اور مجھے آپ کو لوٹنے کا حق پہنچتا ہے۔" اس کے جواب سے پہلے میں نے اپنے لب اس کے لبوں سے پیوست کر دیے۔ وہ بڑی برہم ہوئی' پیچھے ہٹی۔ اس نے سر کو جھٹکے دیے لیکن میری گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں نے اسے زچ کرنے کے لیے دو تین طمانچے اس کے بیربہوٹی رخساروں پر اور رسید کیے۔ "میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" پہلی بار میں نے اسے تم سے مخاطب کیا کیونکہ اب میں اپنے شعور سے گزر چکا تھا۔ "تم نے یہ بدن خوب سجا کے رکھا ہے اور اس سے بڑے بڑے کام لیے ہیں' مجھے کوئی آسان آدمی مت سمجھو۔ میرے اسرار رفتہ رفتہ تم پر کھلیں گے۔ یہاں میرے متعلق بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ تم میرے جسم پر فریم لگا کے دیکھ رہی ہو۔ یہ بات تم نے یوں ہی کہہ

ی تھی' حقیقت بھی یہی ہے۔ مہیش چندر کے قتل کے بعد مجھے یہاں سے فرار ہونے' پار سنتریوں کو ہلاک کرنے' دنیش چندر کے قریب آنے اور بے دریغ اپنی خواب گاہ یں داخل ہونے کی جراتوں کے بارے میں تم غور کرو تو تمہیں میرا اندازہ ہو جائے گا۔ یں تمہیں چند لمحوں کی مہلت دیتا ہوں۔ سوچ لو۔"

یہ کہہ کر میں بستر پر دراز ہوگیا اور پستول سے کھیلنے لگا۔ وہ ساکت' منجمد بیٹھی ہ گاؤن بدن پر سمیٹتی ہوئی مجھے گھورتی رہی۔

"میں نے غلط اندازہ لگایا تھا۔" وہ شکست خوردگی سے بولی۔

"بے شک۔" میں نے اٹھ کے کہا۔ "تم نے یہ اعتراف کرکے مجھے اپنی انت کا قائل کرلیا ہے۔"

"میں تم سے معذرت خواہ ہوں' اصل میں' میں تمہیں ایک معمولی ملازم سمجھتی تھی۔" اس کی آواز پر اضمحلال طاری تھا۔

"اور تم اب کیا سمجھتی ہو؟"

"اب مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔ میں تمہیں ایک بہادر آدمی سمجھتی ہوں۔"

"صرف بہادر نہیں۔ حسن پرست بھی سمجھو' تم جھینگر ملازموں کے چکر میں پڑ ئی ہو اور سمجھتی ہو کہ وہ زرخرید تم سے ہمیشہ وفادار رہیں گے۔ تم اپنے بدن کا لالچ ے کر انہیں اپنی طرف مائل رکھو گی جب کہ یہاں یہ جنس عام ہے۔ انہیں زیادہ پیسے ے کے کسی وقت بھی وفاداریاں تبدیل کرائی جا سکتی ہیں۔ میں انہیں خرید سکتا ہوں۔ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔ اس طرح نہیں' پارو نہیں۔ اے حسین لڑکی! اس طرح نہیں۔ انہیں و محبت دو جس کی انہیں ضرورت ہے۔ مجھے بتاؤ تمہاری الجھنیں کیا ہیں؟" میں نے ے چھیڑنا بند کر دیا تھا اور موثر انداز میں اپنی وکالت کر رہا تھا۔ "تم ہمیشہ صحیح فیصلہ ہیں کرو گی جان من! تمہیں ایک مشیر کی ضرورت بھی ہے جو ضرورت سے زیادہ ذہین ہو۔ راج دربار' انگریزوں اور دوسرے امیر گھرانوں کے مشیروں پر کیا تم مکمل اعتماد کر سکتی ہو؟" میں نے ایک ہی جملے میں اسے کریدنے کے لیے تمام اندیشوں کا اظہار کردیا جیسے میں تمام باتوں سے واقف ہوں۔

وہ میری معلومات پر ششدر رہ گئی۔ "تم پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

اس بار اس کی آواز میں خوف کا عنصر کم تھا۔

''میں دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔'' میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کے کہا۔ وہ مشکوک نظروں سے مجھے دیکھنے لگی اور کچھ گریز کے ساتھ اس نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میں نے اسے شدت سے کھینچ لیا۔ وہ میرے جسم پر محیط ہوگئی اور گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ ''نہیں۔ ہماری دوستی کا آغاز اسی خوب صورت شب سے ہونا چاہیے۔تمہاری ذہانتیں' میری جراتیں مل جائیں گی تو تم دیکھو گی' کیا ہنگامے برپا ہوں گے۔اب یہ حیل وحجت ترک کرو۔ میں ایک بار پھر یقین دہانی کراتا ہوں کہ تمہیں بعد میں شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا کہ ایک سرکش ملازم تم پر غالب آ گیا تھا۔''

اس کے اکراہ میں کمی نہیں آئی لیکن اس کا اٹدا ہوا شباب میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں اسے اس کے تمام جلووں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ لباس شب خوابی نے میری دست درازی سے شکست قبول کر لی تھی۔ ایک بپھرا ہوا' ٹھاٹھیں مارتا ہوا بدن میری کشتی ضبط ڈانواں ڈول کیے دے رہا تھا۔ اس نے لاکھ عذر تراشے' ہزار پہلو بچائے مگر میری سماعت مفقود ہو چکی تھی۔ صرف میری آنکھیں تھیں جو دیکھنے اور سننے کا کام کر رہی تھیں۔ اس کا انگ انگ بولتا تھا اور صرف یہی آواز میری آنکھیں سن رہی تھیں۔

میں ایک لٹیرا تھا جو کم پر قناعت نہیں کرتا بلکہ ایک ساتھ تمام مال تھیلے میں ڈالنے کی فکر کرتا ہے۔ میں اسے سموچا اپنی جیب میں رکھنے کی تاک میں تھا۔ میں ایک فاتح تھا جو اپنے مفتوحہ علاقوں پر دندنا رہا تھا۔ اس نے میری وحشت اور جنون کے آگے اپنا سر جھکا دیا اور بولی۔''تم باز نہیں آؤ گے؟''

''تم نے مجھ پر ابھی یقین جو نہیں کیا ہے۔'' میں نے جذبات میں کہا۔

''میں تم پر ہر طرح سے یقین کرتی ہوں۔''

''تم میرے اندر ڈوب جاؤ۔ یہ گریز' یہ جھجک ختم کرو۔ میں تمہارے حسن کی سیر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ تم بہت حسین ہو۔تمہارا بدن پھولوں جیسا ہے۔ یہ تمہاری کمر' یہ دراز زلفیں' یہ چمکتی ہوئی نشیلی آنکھیں۔ یہ خون سا رنگ۔ یہ تمہارے رسیلے ہونٹ' یہ رخسار' یہ باہیں یہ......''

وہ اپنی ثنا مسکرا مسکرا کر سنتی رہی۔ ''تمہارے لہجے اور زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک تعلیم یافتہ شخص ہو۔تم کیا ہو؟''

''اس وقت میں صرف تمہارا اسیر ہوں۔ مجھے کچھ اور ہوش نہیں ہے۔ دھیرے دھیرے تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ اگر تم مجھے اسی طرح اپنی قربت سے

نوازتی رہیں' یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔''

''اب سودے بازی کا ذکر کیوں کرتے ہو؟ مجھے یقین ہے کہ میں غلط آدمی کے سپرد نہیں ہو رہی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر اپنے بازو میری گردن میں ڈال دیے۔ ''موہن!'' وہ دھیمے دھیمے بولتی رہی۔ ''میں بہت دکھی ہوں۔ مجھے دھوکا مت دینا۔ میں نے خود کو تمہارے حوالے کر دیا ہے۔''

اور اس نے واقعی خود کو میرے حوالے کر دیا۔ اس کی بدمست آغوش میں مجھے کسی بات کی خبر نہیں رہی۔ اس نے نفاست سے اپنے جمال کا اظہار کیا۔ وہ مجھ سے بہت سی دل آویز باتیں کرتی رہی' صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تو میں نے اس سے پوچھا۔''تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ تمہارا ارادہ کیا ہے؟ اور مجھے یہاں کس طرح کام انجام دینا ہے۔''

''تمام باتیں ایک ہی رات میں؟ اس وقت یہ ذکر مناسب نہیں ہے۔'' اس نے شوخی سے کہا۔''ابھی تم آرام سے جا کر سو جاؤ۔ بہت تھک گئے ہو۔ جاؤ۔''

میں نے وداع ہوتے وقت دروازے پر اسے پھر سمیٹ لیا۔ وہ چرمرا گئی۔ پارو نے مجھے پچھلے دروازے سے رخصت کر دیا۔

رسماً مہیش چندر کا دسواں بھی منایا گیا اور پھر اس کی موت کو لوگ اس طرح بھولنے لگے جیسے کوئی واقعہ ہی رونما نہیں ہوا تھا۔ بھٹناگر کی موجودگی کے باوجود میں دنیش چندر کے خاص ملازم کی حیثیت سے اس کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ پارو دوبارہ مجھے بلائے گی۔ دنیش چندر کے کمرۂ خاص میں پارو مجھے کئی دن تک نظر نہیں آئی اور جب اس سے آمنا سامنا ہوا تو تنہائی نصیب نہیں ہوئی۔ پارو کے حصے میں بار بار جانا مناسب نہیں تھا۔ میں شدت کے ساتھ اس کی طرف سے کسی اشارے کا منتظر تھا اور تمام چیزوں پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ ایک دن اچانک مجھے دنیش نے بھون کے ملازموں کی دیکھ بھال کرنے' ان کے درمیان اختلافات ختم کرانے اور ان پر نگرانی رکھنے کے کام سونپ دیئے۔ مجھے یہ ذمہ داری کچھ زیادہ پسند نہیں آئی کیونکہ ان کاموں میں الجھ کے میں دنیش چندر سے دور ہو جاتا تھا' اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ بھروسے کے آدمیوں کی درجہ بندی کی اور انہیں بعض معاملات کا مختار بنا دیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بعض ملازم میری خوشنودی کے لیے مجھے راز کی باتیں بتانے لگے اور میں نے بھٹناگر کے آدمیوں کے ساتھ ساتھ دنیش چندر کے حصے میں

اپنے آدمیوں کو بھی کام پر مامور کردیا۔

ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پارو کے محل میں راج دربار کے خاص لوگوں کے علاوہ انگریز بھی آئے تھے۔ پارو انگلستان میں پڑھی ہوئی تھی میں نے اس کے متعلق بہت سی معلومات جمع کیں۔ وہ ان انگریزوں کو اپنے پرانے انگلستانی دوستوں کی حیثیت سے پیش کرتی تھی' وہ خود راجے پور کے ایک رئیس گھرانے کی لڑکی تھی۔ راجے پور کے دوسرے با اثر گھرانوں کی طرح اس کے گھرانے کا تعلق بھی راج دربار سے لازماً ہوگا۔

مجھے تعجب تھا کہ اس نے پرکاش چندر جیسے بوڑھے شخص سے کیوں شادی کرلی؟ اور مہیش چندر سے ربط ضبط کیوں بڑھا لیا؟ میں پارو کی رفاقت کے باوجود ہر لمحے اپنے ارد گرد خطرے محسوس کرتا تھا۔ پارو کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات نے مجھے بہت قیاس کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت مجھے پارو پر فتح کا احساس اس قدر شدید نہیں تھا جتنا ان معلومات کے بعد ہوا۔ میں سوچ رہا تھا' کیا اس وقت پارو کا التفات محض فریب تھا؟ کس نے کس کو فتح کیا؟ یہ بات ابھی تک لاینحل تھی۔

ایک روز باغ کے حوض سے سنگینیں برآمد کرلی گئیں لیکن اس پر تہلکا نہیں مچا' نہ مہیش چندر کی موت کے بارے میں کوئی سرگرمی دکھائی دی۔ اس روز پارو مجھے دنیش چندر کے ہاں مل گئی۔ خوش قسمتی سے دنیش چندر فون پر مصروف ہوگیا تھا۔ میں ایک ٹرے میں مشروب لے کے پارو کے پاس پہنچا اور میں نے اشارۃً کہا۔ ''میں تڑپ رہا ہوں۔''

وہ مسکرائی۔ ''میں تمہیں بلاؤں گی۔ کوئی اور ہنگامہ مت کرنا۔ اگر کوئی ضروری بات ہو تو پہلے مجھ سے مل لینا۔ احتیاط سے اپنا کام کرتے رہو۔''

''لیکن اس رات ایسا نشہ تم نے پلایا ہے کہ ابھی تک دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ میں تمہارا ذائقہ نہیں بھول سکتا۔''

''چپ رہو۔'' اس نے دنیش کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم جلدی ملیں گے۔''

''ایک بات بتا دوں؟ میں جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہوں۔ تمہاری طرف سے اگر کسی قسم کی بدگمانی ہوئی تو میرا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔''

''تم پھر پاگل پنے کی باتیں کرنے لگے؟'' وہ جھنجلا کے بولی۔ ''میں خود تمہارے لیے تڑپ رہی ہوں۔ اب ایسی باتیں آئندہ مت کرنا۔ بہت برا لگتا ہے۔''

دنیش فون سے فارغ ہو چکا تھا۔ وہ ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے بات بدل لی۔ ''اور کیا' سنگینیں باغ میں ملنے کا یہ مطلب ہے کہ قاتل یہیں کہیں موجود ہے۔''

''ہاں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟'' وہ پارو سے بولا۔

''پارو نے کیا جواب دیا؟ یہ مجھے پتہ نہیں چل سکا کیونکہ میں ٹرے اٹھا کے وہاں سے چلا آیا تھا۔ دنیش اور پارو میں بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور میں گاہے گاہے وہاں جاکے پارو سے نظر بازی کرتا رہا۔

☆......☆......☆

اسی شام جب میں شاردا اور ڈالی کی رسمی خیر خبر لے کے دنیش چندر کے کمرے میں داخل ہوا تو میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہاں عابد شیرازی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے کاغذات پھیلے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے دنیش چندر کو کوئی نکتہ سمجھا رہا تھا۔ میں فوراً واپسی کے ارادے سے پلٹا معاً مجھے دنیش چندر کی آواز سنائی دی۔ ''موہن! کلکتے سے ہمارے مہمان شیرازی صاحب آئے ہیں۔ ان کا خیال رکھنا' یہ مہمان خانے میں ٹھہریں گے۔'' میں تمام آداب بالائے طاق رکھ کے خواب گاہ کی سمت دیکھنے لگا۔ عابد شیرازی نے ابھی تک میری طرف توجہ مبذول نہیں کی تھی۔ دنیش چندر میرے غیر معمولی طرز عمل پر حیران تو ضرور ہوا ہو گا مگر میں اس کی پروا کیے بغیر تیزی سے بغلی کمرے میں گھس گیا۔

''موہن!'' دنیش چندر کی تلخ اور بلند آواز ابھری۔ ''ہم کیا کہہ رہے ہیں؟''

☆......☆......☆

بغلی کمرے سے باہر جانے کا راستہ بند تھا۔

میرا خیال تھا' میں یہاں سے نکل کر کسی اور کمرے میں چلا جاؤں گا اور باہر سے کسی دوسرے ملازم کو اپنی جگہ بھیج دوں گا۔ مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ جب سے کنور مہیش چندر کا قتل ہوا تھا' غیر ضروری دروازے مقفل کر دیئے گئے تھے۔ خود میری تدبیریں میرے پیروں کی بیڑیاں بن گئی تھیں۔ ادھر دنیش چندر مجھے پکار رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنے آقا کو کیا جواب دوں؟ خاموش ہو جانا سخت بدتمیزی تھی۔ اب تک اپنی جو بات بنائی تھی' وہ لمحوں میں خاک ہو جاتی۔ میری جانب سے کوئی جواب نہ پا کے اس بار دنیش چندر نے سخت غصے کے عالم میں مجھے پکارا۔ میں نقاہت اور ناتوانی کے انداز میں فرش پر گر گیا اور کھانسنے لگا۔ میں نے فیصلہ کیا' دنیش کی اس وقت کی ناراضی اور غصہ اس افشائے راز کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو عابد شیرازی کے سامنے جانے سے ہوگا۔ پرکاش بھون میں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ میرا نام موہن داس کے بجائے میر جمشید عالم ہے اور میں کلکتے کے دوہرے قتل میں ماخوذ ہوں تو کیا قیامت برپا نہ ہوتی۔ اپنے محسن استاد اور پرانے واقف کار عابد شیرازی کو اپنا چہرہ دکھانے میں دو صورتیں ممکن تھیں کہ میں ڈھیٹ بن کے اس کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہوں اور صاف انکار کر دوں کہ میں کسی جمشید عالم سے واقف نہیں ہوں لیکن اس صورت میں دنیش چندر میری طرف سے مشکوک ہو جاتا۔ دوسری صورت سب سے زیادہ خطرناک تھی اور وہ خودکشی کے مساوی تھی۔ میں نے کیچو کو یاد کیا۔ اگر اس وقت اس کی پراسرار شخصیت میرا ساتھ دیتی تو میں حالات کے منجدھار سے نکل سکتا تھا۔ میں بری طرح کھانس رہا تھا۔ اچانک کمرے کے باہر قدموں کی آوازیں ابھریں اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میں نے خوفزدہ نظروں سے دروازے کی جانب دیکھا اور سوچا کہ اگر عابد شیرازی ہوا تو میرا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ کیا ہونا چاہیے؟ کوئی دلاسا

دینے والا نہیں تھا کیچو بھی اس مشکل وقت میں نمودار نہیں ہوئی' میں نے خود کو سنبھالا۔ جمشید! کب تک چھپو گے؟ ایک نہ ایک دن تو سارا راز کھل جائے گا۔ مرد بنو اور مردانگی سے حالات کا مقابلہ کرو۔ قدموں کی آہٹ دروازے پر آ کے تھم گئی۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا۔ میرے سامنے پیل تن بھٹناگر کھڑا تھا۔ میں نے ہانپتے ہوئے فرش سے اٹھ کے اسے سلام کیا اور کھانسنے لگا۔ "موہن داس!" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "کیا بہرا ہوگیا ہے؟ راج کمار کتنی آوازیں دے چکے ہیں۔"

"میں آرہا ہوں بھٹناگر جی! میرا جی ٹھیک نہیں ہے اچانک کچھ طبیعت خراب ہوگئی ہے تم چلو۔" میں نے بیماروں کی آواز میں جواب دیا۔

بھٹناگر اور بگڑ گیا۔ "پر میں پوچھتا ہوں تو یہ بات راج کمار سے نہیں کہہ سکتا ہے جی خراب ہے تو گھر جا یہاں کیوں چھپا ہوا ہے؟ چل باہر نکل۔"

"بھٹناگر جی! پتہ نہیں ایک دم کیا ہوگیا۔ متلی ہو رہی ہے راجکمار کے سامنے اس حالت میں جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے۔ جی تو تمہارا بھی خراب ہو سکتا ہے آدمی کی مشینری کسی وقت بھی کام کرنا بند کر سکتی ہے۔ ایسی باتیں مت کرو۔ بھگوان کی طرف دیکھو۔" میں نے نیم خوشامد نیم تلخ لہجے میں کہا۔

"سالے اپنی اوقات سے زیادہ باتیں کرتا ہے۔" بھٹناگر نے پھنکار کر کہا۔ "مجھے جواب دیتے وقت اپنی آواز اور نظریں نیچی رکھا کر بھٹناگر کو سمجھنے کی کوشش کیا کر۔ میں آدمی کو سرمہ بنا دیتا ہوں سمجھا۔ اب چل باہر نکل۔"

"تم چلو میں آیا۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔

"بیمار ہے تو اپنے کوارٹر میں جا۔ یہ دنیش کمار جی کا محل ہے۔ کوئی شفاخانہ نہیں۔ چل اٹھ۔" بھٹناگر دنوں سے ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ مجھ پر اپنا رعب جما سکے۔ دنیش چندر سے میرا خصوصی ربط ضبط بھی اسے قطعاً پسند نہیں تھا۔ دوسرے کمرے میں دنیش چندر اور شیرازی موجود تھے اس لئے میں خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ بات بڑھ جانے کی صورت میں حالات اور خراب ہو سکتے تھے۔ بھٹناگر نے حقارت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے گھسیٹنے کے انداز میں زور کرنے لگا۔ اب کوئی چارہ نہیں تھا۔ بھٹناگر کی خوں خوار نظریں ظلم پر تلی ہوئی تھیں۔ میں نے ہمت کر کے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں پھانسی کے پھندے تک لے جایا جا رہا ہوں۔ چلا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ سر جھکائے دوسرے کمرے میں گیا تو دنیش چندر

غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔ ''موہن!' اس نے گرج کر کہا۔ ''ہم نے تمہیں آواز دی تھی۔''

میں نے بہ مشکل سر اٹھا کے دیکھا۔ عابد شیرازی حیران نظروں سے مجھے تک رہا تھا۔ میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں مجھے دیکھ کر عابد شیرازی گنگ ہوگیا وہ بے اختیار کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے منہ پر آئے ہوئے لفظ رک گئے۔ شاید اس نے میری آنکھوں میں وہ حسرت آمیز درخواست پڑھ لی تھی جو میرے لاکھ لفظوں پر بھاری تھی۔ وہ چپ رہا اور مجھے سرتاپا تکتا رہا۔ اس کی خاموشی سے میرے اوسان کسی قدر بحال ہوئے وہ نازک لمحہ نکل گیا تھا جب وہ مجھے اچانک دیکھ کے جمشید کے نام سے پکارتا میں نے دنیش چندر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ خفت اور معذرت سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ دنیش چندر پھر گرجا۔ ''ہم پوچھ رہے ہیں۔ تم ہماری طلبی پر یہاں کیوں نہیں آئے موہن؟ ہم نے تمہیں مہمان کا سواگت کرنے کیلئے کہا تھا۔''

''سرکار!'' میں نے پورے احترام سے غلامانہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے آپ کی ہر بات سن لی تھی لیکن میں آپ کے پاس آنے اور جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ مجھے یہاں ایک معزز مہمان کی موجودگی کا خیال تھا۔ یہاں داخل ہوتے ہی اچانک میری حالت خراب ہوگئی تھی سرکار! اس لئے میں سیدھا اندر چلا گیا اور فرش پر لوٹتا رہا۔ اب بھی مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے؟ کسی نے مجھے ضرور کچھ کھلا دیا ہے۔''

''تم نے گستاخی کی ہے۔'' دنیش میرا عذر سن کر الجھ سا گیا تھا۔ اس نے مجھے سخت سست کہا مگر شیرازی کی موجودگی کے باعث جلد ہی اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں نے اسکے بعد کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ گردن جھکائے تمام ناراضیاں اپنے کانوں میں اتار کے دفن کرتا رہا۔ شیرازی کی نظروں میں میرے بارے میں ہزار سوال ابھر رہے تھے۔ میں نے ایک موقع پر پلکیں جھپکا کے اس سے اپنا راز افشا نہ کرنے کی درخواست کی۔

''تم باہر جاؤ۔'' بھٹناگر نے رعونت سے مجھے حکم دیا۔

''اب میری طبیعت ٹھیک ہے۔ میں یہیں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔'' میں یہاں سے جاکر شیرازی کو دنیش سے کوئی گفتگو کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

بھٹناگر کے دوسرے حکم سے پہلے ہی میں نے گل دانوں کی صفائی شروع کر دی اور دنیش کے آگے رکھے ہوئے گلاس اٹھالئے۔ دنیش کے سامنے فائلیں کھلی ہوئی تھیں اور شیرازی کسی نکتے کی وضاحت میں مصروف ہوگیا تھا وہ کنکھیوں سے بار بار

میری جانب بھی دیکھتا جاتا تھا مجھے مصروف اور دنیش چندر کو خاموش دیکھ کے بھٹناگر تلملاتا ہوا چلا گیا۔ چلتے وقت اس کے تیور ایسے تھے جیسے وہ مجھے متنبہ کر رہا ہو کہ یہ موقع تو نکل گیا آیندہ تجھ سے ضرور نمٹا جائے گا بھٹناگر کے جانے کے بعد میں نے مختلف ملازموں کو طلب کر کے عابد شیرازی کی خوب خاطر مدارات کی۔ اس کیلئے وہائٹ جیسمین چائے بنوائی۔ دنیش کے چہرے پر اب بھی تکدر تھا۔ شیرازی رخصت ہونے لگا تو اس نے ناگواری سے مجھے اشارہ کیا کہ میں اسے مہمان خانے میں لے جاؤں۔ میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ میں خاص فدویانہ انداز میں کورنش بجا لایا اور ہاتھ کے اشارے سے شیرازی سے آگے بڑھنے کی درخواست کی۔ شیرازی شش و پنج سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ باہر بھٹناگر کا کمرہ تھا۔ شیرازی کو باہر نکلتے دیکھ کے وہ تیزی سے اٹھ کر آیا۔ گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور مجھ سے درشتی کے ساتھ کہا۔ ''دیکھ موہن! صاحب کو کوئی شکایت نہ ہو۔ ورنہ ......''

عابد شیرازی نے اس پذیرائی پر بھٹناگر کا شکریہ ادا کیا۔ ایک مرحلے سے جان بچ گئی تھی مگر اب دوسرا سخت مرحلہ درپیش تھا۔ میں اس خوف سے تھرا رہا تھا کہ شیرازی کو کہیں میرے قاتل ہونے کا علم نہ ہو؟ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کیلئے میرے ذہن میں جملے تخلیق ہو رہے تھے۔ راہداری میں ہم دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اور حالات کی نزاکت پوری طرح سمجھ چکا تھا۔ مہمان خانے کا راستہ زیادہ دور نہیں تھا۔ شیرازی گہری سوچ میں مبتلا تھا۔ راستے میں جب اردگرد کوئی نظر نہیں آیا تو میں نے ہی پہل کی میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

''ساجدہ بھابی کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مگر یہ سب کیا ہے جمشید! میری عقل حیران ہے۔'' وہ تذبذب سے بولا۔

اس کے پہلے ہی جملے سے میں نے بہت کچھ قیاس کر لیا اور ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ ''آہستہ بات کیجئے عابد بھائی! سب قسمت کے کھیل ہیں۔''

''تم ......موہن داس...... میں کچھ'' وہ ہچکچاہٹ سے بولا۔

''مہمان خانے میں بات ہوگی۔ میری درخواست ہے کہ یہاں آپ بالکل خاموش رہیے۔ ایک موقع پر آپ نے پہلے بھی میری مدد کی تھی۔ مجھے سہارا دے کر گھر لائے تھے۔ آپ نے دوسری بار بھی مجھے زندگی دی ہے میں آپ کے سامنے جان بوجھ

کرنہیں آنا چاہتا تھا کہ کہیں حیرت میں آپ کی زبان سے میرا اصل نام نہ نکل جائے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''ممکن ہے ایسا ہو جاتا۔ مگر تم ......'' وہ ناراضی سے بولا۔

''مجھ سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ میں سب کی معافی ایک ساتھ مانگ لوں گا۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

مہمان خانے میں میں نے شیرازی کیلئے اعلیٰ درجے کا ایک کمرہ کھلوایا۔ اس کا سامان بہت مختصر تھا جو پہلے ہی وہاں رکھا ہوا تھا۔ ملازموں کو دنیش چندر کے حوالے سے میں نے ہدایت کی کہ وہ مہمان کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ جب ہر طرف سے اطمینان ہو گیا تو میں نے دروازہ بند کرلیا اور سامنے کرسی پر بیٹھ کر گہری سانس لینے لگا شیرازی نے لباس بھی نہیں بدلا تھا۔ وہ مجھ سے میری کہانی سننے اور سوالات کرنے کیلئے مضطرب تھا اور میں یہ جاننے کیلئے بے تاب تھا کہ وہ کلکتے سے میری اچانک گمشدگی کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟''

''یہ سب کیا ہے؟'' شیرازی نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔

''پہلے یہ بتایئے کلکتے میں تو سب ٹھیک ہے؟'' میں نے اپنا تجسس دور کرنے کیلئے مصنوعی سکون سے کہا۔

''ہاں سب خیریت ہے تم اچانک چلے آئے۔ مجھ سے ملے بھی نہیں۔ ساجدہ کہتی تھی کہ تم نے اس طرح کا اظہار کیا تھا مگر وہ اسے محض تمہارا تکلف سمجھی تھی۔ پھر تم نے اپنی خیریت کا خط نہیں لکھا۔ میں بہت تشویش میں مبتلا تھا۔ الہ آباد ایک بار جانا ہوا تھا۔ وہاں بھی تمہارے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ تمہارے چچا زاد بھائی بختیار سے دلی میں ملاقات ہوئی تھی اس نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ تم کہاں چلے گئے تھے اور تم نے یہ حلیہ کیسے اختیار کرلیا؟'' شیرازی کے لہجے میں شکایت اور اپنائیت تھی۔

گویا اب ایک بات صاف ہوگئی تھی کہ شیرازی، بنو بیگم اور بختاور کے قتل میں میرے ملوث ہونے کے معاملے سے لاعلم ہے اور اس قتل پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے بہت دنوں کی کشمکش اور حبس کے بعد کچھ فرحت کا احساس ہوا۔ مجھے اپنے جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔ اب میں شیرازی سے کھل کے باتیں کرسکتا تھا اور پرکاش بھون میں اپنے موجودہ حلیے کے متعلق ان گنت جواز پیش کرسکتا تھا۔ میں نے آرام کرسی سے سر ٹکا دیا جیسے میں ایک مدت کا تھکا ہوا ہوں اور آج آرام کا پہلا موقع نصیب ہوا ہو۔

''عابد بھائی!' میں نے لہجے میں اپنے سارے دکھ سمیٹتے ہوئے کہا۔''آپ کی شکایت بجا ہے مجھے اپنی خیریت سے ضرور مطلع کرنا چاہئے تھا اور مجھے آپ کو اطلاع دیئے بغیر کلکتے سے بھی نہیں آنا چاہئے تھا لیکن میں آپ کے احسانات سے خود کو اس قدر پسا سمجھتا تھا کہ ایک دن میں نے فیصلہ کرلیا اور وہاں سے چلا آیا۔ میں شہروں شہروں اچھی ملازمت کیلئے چکر کاٹتا رہا مجھے ڈھنگ کی ملازمت نہیں ملی۔ ڈھنگ کیا کوئی ملازمت ہی نہیں ملی۔ حالات بہت خراب ہو گئے' اتنے کہ آپ کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں شاید پھر خودکشی کا ارادہ کر لیتا کہ مجھے ایک ہمدرد شخص کے ذریعے بمبئی میں ایک انگریز کے گھر ملازمت مل گئی۔ جلد ہی میں نے اس کے دل میں گھر کرلیا اور وہ مجھ سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے خفیہ نجی کاغذات تک میری مدد سے تیار کرنے لگا۔ اس نے میری ملاقات چند اور انگریزوں سے کرائی۔'' اتنا کہہ کر میں دروازے کی کنڈی' باتھ روم اور ملحقہ کمرہ دیکھنے کیلئے اٹھا۔

عابد شیرازی غور سے میری روداد سن رہا تھا ''پھر کیا ہوا؟'' وہ اشتیاق سے بولا۔

''اور انہوں نے اچھی طرح میرے کردار کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد مجھے ایک ایسا کام کرنے پر مامور کیا جس کیلئے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور تیار بھی نہیں تھا انکار کا کوئی سوال نہیں تھا۔ انکار کے معنی موت تھے' سو میں یہاں بھیج دیا گیا اور پہلے گھریلو ملازم کے طور پر بھرتی ہوا' پھر میرا عہدہ بڑھا دیا گیا' اب دنیش چندر کا خاص ملازم ہوں' اس کام میں جتنی برداشت اور حوصلے کی ضرورت پڑتی ہے' وہ میں آپ سے بیان نہیں کرسکتا۔''

''کیا؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ تمہیں یہاں کیوں بھیج دیا گیا؟''

''عابد بھائی!'' میں نے اداسی سے کہا۔'' کسی کو میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ یہ مجھے ایک جاہل' کوڑھ مغز ہندو نوجوان سمجھتے ہیں۔ مجھے یہی ہدایت دی گئی ہے' میں ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہوں اور انہیں اطلاعات بھیجتا رہتا ہوں' آپ پر میں خود جیسا اعتماد رکھتا ہوں اس لئے میں نے سب کچھ بتا دیا ہے' اب آپ سمجھے' تقدیر کہاں سے کہاں لے آئی ہے مجھے؟''

''حیرت انگیز!'' وہ تعجب سے بولا۔''مگر انگریزوں کو اس مخبری سے فائدہ؟''

''ہاں۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔''میں بھی یہی سمجھتا تھا مگر راجے پور کی

ریاست پر انگریزوں کی نظر ہے۔ پرکاش چندر کی حویلی کسی راج محل سے کم نہیں راجے پور کے مہاراجہ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ سنا ہے کہ انگریز مہیش چندر کو راجے پور کا راجہ بنانا چاہتے تھے مگر یہ ممکن نہ ہو سکا' اس کا قتل ہوگیا۔ انگریز یہ جاننا چاہتے تھے کہ انہیں یہاں اپنے قدم جمانے کیلئے کن گھرانوں کو اعتماد میں لینا ہوگا؟ کون سے عوامل ان کے خلاف کام کر رہے ہیں؟ کہاں سے مہاراجۂ راجے پور کو اخلاقی اور مادی سہارے ملتے ہیں؟ یہ ایک لمبا چکر ہے اور بھی بہت سے گھرانوں میں میری طرح انگریزوں کے آدمی ہوں گے' یہاں بھی میرے علاوہ انگریزوں کے دوسرے نمک خوار موجود ہیں جو ایک دوسرے سے ناواقف ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ حیرت انگیز طور پر پرکاش چندر کا انتقال ہوگیا اور پھر مہیش چندر مارا گیا اور اب ......"

عابد شیرازی میری باتیں سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہ گیا اور میں مبہم انداز میں اسے جوابات دیتا رہا۔ میں نے اسے یہاں اپنے موہن داس کے طور پر قیام کی جانب ہر پہلو سے آسودہ کرنے کی کوشش کی اور جان بوجھ کر اپنے پیشے کے سلسلے میں کچھ باتیں نہ بتا سکنے کا اظہار بھی کر دیا۔

عابد شیرازی کو اس داستان سے اتنی دلچسپی ہوگئی تھی کہ وہ کرید کرید کر پوچھ رہا تھا اور میں ٹالنے' خفیہ رکھنے کے انداز میں اس کا تجسس بڑھا کے اپنے متعلق اسے مزید یقین دلانا چاہتا تھا۔ میری کوشش کامیاب رہی۔ میں نے اسے اپنی تنخواہ آٹھ سو روپے بتائی۔ اس نے مجھ سے پرکاش بھون کے اندرونی حالات جاننا چاہے تو میں نے بے نیازی سے بتایا کہ ایک گورکھ دھندا ہے۔ کٹھ پتلی کا تماشا ہے۔ پھر وہ مجھے ہی بتانے لگا کہ یہ بہت مالدار لوگ ہیں۔ ان کی دولت کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس نے بہت سفارشوں اور کوششوں کے بعد پرکاش بھون کا کھاتہ اپنے کلکتے کے بینک میں کھلوایا ہے' جہاں اس کا ہیڈ آفس ہے۔ اس اکاؤنٹ نے بینک کی ساکھ بڑھائی ہے اور عابد شیرازی کی ترقی کی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ جب وہ یہ کہہ رہا تھا تو مجھے خیال آیا' اس کی ترقی کی راہیں کھلوانے میں سب سے بڑا ہاتھ تو اُس کی خوبصورت بیوی ساجدہ کا ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں دنیش چندر کے مزاج میں دخیل ہونے کی تگ و دو میں ہوں۔ پھر اس کی ساری دولت اسی کے بینک میں جمع ہوگی۔ لیکن شیرازی نے ایک راست باز اور مخلص آدمی ہونے کی حیثیت سے مجھے مشورہ دیا کہ میں یہ خطرناک کام چھوڑ دوں اور کلکتے آجاؤں جہاں وہ مجھے کوئی اعلیٰ اور محفوظ ملازمت

دلوانے کی کوشش کرے گا۔ اس نے مجھے بہت سے اندیشوں سے متنبہ کیا اور کہا' انگریزوں کے کام آنا بے غیرتی کی بات ہے۔ میں نے سوچا' اس کے منہ پر کہہ دے کہ غیرت کی یہاں کون کھاتا ہے؟ عابد شیرازی مجھے اپنے پاس سے جانے نہیں چاہتا تھا لیکن خاصی دیر ہوگئی تھی۔ میں اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرکے چلا آیا۔ مہمان خانے سے واپسی کے وقت مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے طویل بیماری کے بعد صحت پائی ہے۔ جس میں سرور و انبساط کی کیفیت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شیرازی کو جو کچھ میں نے بتایا ہے' اس پر اس نے کسی شبہے کے بغیر اعتماد کر لیا ہے اور کسی صورت میں میرا راز کسی پر منکشف نہیں کرے گا۔ اس سے ملاقات کے بعد ایک پہاڑ کا سا بوجھ سر سے اتر گیا تھا۔ مجھے اپنا دوست جارج شدت سے یاد آیا اور بانو کا حال جاننے کیلئے دل مچلنے لگا۔ پھر میں ترنگ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دنیش چندر کے محل میں پہنچ گیا بھٹناگر نے جو میری شدید توہین کی تھی' وہ دل میں بیٹھ گئی تھی' سب سے پہلے مجھے دنیش چندر کو ہموار کرنا تھا جو شیرازی کی وجہ سے مجھ پر کھل کے نہیں برسا تھا۔ چنانچہ میں نے اولیت اس کام کو دی۔ جب میں کمرہ خاص میں داخل ہوا تو وہاں رنگ ہی کچھ اور جما ہوا تھا۔ ہیما' ششی' پریت' شاردا اور جگدیپ کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے' مجھے آتا دیکھ کے شاردا کے چہرے پر ایک تغیر رونما ہوا' شاید جگدیپ نے اسے محسوس کرلیا۔ وہ انگریزی میں بولا ۔

"لیجئے! وہ چھوٹے راج کمار آگئے۔ مجھے یہ شخص ایک دم احمق لگتا ہے۔"

پریت نے منہ بنا کے کہا ۔ "کم بخت ہر جگہ گھسا رہتا ہے۔ مجھے ایک دم پسند نہیں' ملازموں کو چھوٹے قد' کالی رنگت اور نقش و نگار میں بدہیت ہونا چاہئے۔ یہ شخص ملازموں کی لازمی خصوصیات کی ضد ہے۔"

اس پر ایک اور قہقہہ پڑا۔ میں نے کنکھیوں سے دیکھا۔ شاردا بھی خفت سے اس میں شریک تھی۔ "ہم اسے ترقی دے دیں گے اور پریت کی شکایت دور کر دیں گے۔"

"پھر بھی یہ دیو ملازم ہی رہے گا۔" پریت نے کہا۔

"پھر تم اور کیا چاہتی ہو؟" شاردا نے تیکھے لہجے میں کہا۔

پریت نے گھور کے شاردا کی طرف دیکھا اور جھینپ کر بولی۔ "میں کیا چاہتی؟ میں ...... میں" وہ رک کے بولی "میں اسے باہر نکال دیتی۔"

ریا   ''بے چارہ۔'' ہیما نے ہمدردی سے کہا۔ ''دیکھو' یہ خوبصورت گدھا' کیسی
پور ے سے کام کر رہا ہے۔ مجھے تو اس پر ترس آتا ہے۔''
بنانا   '' آؤ یہاں سے چلیں دنیش کو بہت سے کام ہوں گے۔'' شاردا نے اٹھتے
ہوئے کہا۔
''تم بھی چلو جگدیپ! کیا خیال ہے۔ رمی ہو جائے؟'' پریت نے پیشکش
کی۔
'' آیئے صاحب۔'' جگدیپ نے سر جھکا کے کہا۔ ''آپ ہار جایئے گا۔''
''بہرحال یہ بھی دیکھیں گے' یہ بتایئے رقم ہے کچھ جیب میں؟''
'' آپ بتایئے۔ آپ کے پلے کیا ہے؟ ہارنا تو آپ کو ہے۔'' جگدیپ نے
ہنس کر کہا۔
انہوں نے دنیش کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر اس نے چند ضروری کاموں کا
عذر کر کے انکار کر دیا۔ یہ قافلہ نوبہار رخصت ہوا تو شاردا نے دروازے سے پلٹ
کر مجھے دیکھا۔ میں مسکرا دیا اور میں نے دنیش چندر کے سامنے خشک میوے کی ایک
پلیٹ لا کے رکھ دی۔ میرا مقصد اسے متوجہ کرنا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا اور طنزاً
کہنے لگا۔ ''موہن داس! کہو تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟''
میں فرش پر اس کے قدموں کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ''آپ مجھ سے ابھی تک
ناراض ہیں سرکار؟'' میں نے لجاجت سے کہا۔ ''کاش میں آپ کا اعتماد حاصل کر سکتا۔''
''کیا مطلب؟ ہم تم پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور اسی لئے تمہارے جواب نہ
دینے پر ہمیں غصہ آیا تھا۔'' دنیش نے تلخی سے کہا۔
''آپ کی ناراضی بجا ہے لیکن میں تو ایک اعتماد چاہتا ہوں۔'' میں نے دبی
زبان میں کہا۔
''تم کوئی فلسفیانہ بات کہہ رہے ہو۔'' وہ میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا۔
''میں ایک جاہل آدمی ہوں مگر مجھے ایک یقینی بات آپ کی طرف سے درکار
ہے۔ میں چاہتا ہوں' آپ مجھ پر اندھوں کی طرح اعتماد کریں۔'' میں نے سنجیدگی سے
کہا۔
''تم بعض اوقات اونچی باتیں کر جاتے ہو شاید تم ہمیں کچھ بتانا چاہتے ہو۔''
دنیش چندر تجسس سے بولا۔

''میں آپ سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن چھوٹا منہ بڑی بات سوچ کے
خاموش ہو جاتا ہوں۔ بات زبان پر آتے ہوئے رک جاتی ہے۔''
''نہیں نہیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''اگر تم ہمیں سچ سچ سب کچھ نہیں بتاؤ
گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ہمارے وفادار ملازم نہیں ہو۔''
''جناب!'' میں نے بے باکی سے کہا۔ ''یہ اسی وقت ممکن ہے' جب میرے
اور آپ کے درمیان ملازم اور آقا کے رشتے کے علاوہ بھی ایک رشتہ ہو۔''
''وہ کون سا؟ کیا تم ہمارے سرپرست بننا چاہتے ہو؟''
''نہیں۔ میں یہ جرات نہیں کر سکتا لیکن میں آپ کا بہترین دوست بن سکتا
ہوں اور جو ملازم دوست نہیں ہے' میں نہیں سمجھتا کہ وہ اچھا ملازم ہو سکتا ہے۔''
''ہونہہ۔'' اس نے میری باتوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ ''تم کیا چاہتے
ہو؟''
''میں آپ کے گرد ایک جال دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے ڈرامائی انداز میں
کہا۔
''کیسا جال؟'' وہ حیرت سے بولا۔
''دشمنوں کا' مجھے یہاں آپ کے ساتھ مخلص کوئی نظر نہیں آیا۔ حالانکہ کنور جی
کو مرے ہوئے ابھی دن ہی کتنے گزرے ہیں مگر راکھشسوں نے اب آپ کی طرف
بری نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔''
''بات کم کرو موہن داس! تم ایسی باتیں پہلے بھی کر چکے ہو۔''
''اور اس وقت تک کرتا رہوں گا' بار بار کرتا رہوں گا جب تک میں ہر
طرف سے مطمئن نہیں ہو جاؤں گا۔ آپ کو اچھی لگے یا بری' میں نے فیصلہ کر لیا ہے'
آپ میری گردن کاٹ دیں مگر میں آپ کو دشمنوں سے ضرور بچاؤں گا۔''
''نام بتاؤ۔'' دنیش چندر نے اضطراب سے پوچھا۔
''ابھی میں نہیں کہہ سکتا لیکن آپ سے محتاط رہنے کی پراتھنا کرتا ہوں۔'' اس
مرحلے پر آنے کے بعد ضروری تھا کہ میں کچھ نام بھی بتاؤں اور نام میری جیب میں
بہت سے تھے' دنیش کی بہنیں' سوتیلی مائیں' بھٹناگر' دنیش کے دوست اور انگریز جو
پرکاش بھون میں آتے تھے مگر سردست کوئی نام لینا مناسب نہیں تھا ''مثلاً'' میں نے کہا
''یہ جو شیرازی صاحب آئے تھے بہت اچھے آدمی لگتے ہیں مگر ان سے بھی محتاط رہنا

ضروری ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" وہ ڈپٹ کر بولا۔

"سرکار میں نے شاردا دیوی کو وچن دیا ہے کہ ہر حال میں آپ کا خیال رکھوں گا' پرکاش بھون میں ہر لمحے سازشیں جنم لیتی رہتی ہیں۔ میرا دھرم ہے کہ آپ کو ہر بلا سے بچاؤں۔ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں اگر میرے دل میں آپ کیلئے کوئی میل آئے تو فوراً مجھے نکال باہر کیجئے گا۔"

"تم بکواس زیادہ کرتے ہو؟ پرکاش بھون کی سازشوں سے شیرازی کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟" وہ بگڑ کے بولا۔

میں نے اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی تھی' دنیش چندر کے سامنے کسی ملازم کا اس قدر بے تکلفی سے گفتگو کرنا ایک بہت بڑی جرات تھی لیکن شیرازی سے مل کے مجھ میں خودبخود یہ حوصلہ عود کر آیا تھا۔ میں نے یہ ناوقت اور اپنی بساط سے بڑھی ہوئی باتیں کرنے کا پہلے سے تہیہ کر لیا تھا' اسی طرح معاملات آگے بڑھتے۔ "بہت گہرا تعلق ہوسکتا ہے۔" میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "جہاں آدمی سے زیادہ دھن کی پوجا کی جاتی ہو' وہاں کیا نہیں ہوسکتا؟ آپ کے بیری آپ کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں۔ دھن میں بڑی شکتی ہے۔ شیرازی کو بھی ورغلایا جا سکتا ہے اس کی بھی کوئی قیمت مقرر ہوگی۔"

"کیا؟" اس نے چونکتے ہوئے کہا۔ "شیرازی کو خرید کے رقم خورد برد کرنے کی سازش کی جا رہی ہے؟"

"جب یہاں قتل ہوسکتا ہے تو اور کیا نہیں ہوسکتا؟" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں اسی لئے محتاط رہنے کی پراتھنا کرتا ہوں۔"

"ہم۔ مگر تم نے کچھ دیکھا ہے؟ ایسی کوئی بات؟" دنیش نے تشویش سے پوچھا۔

"آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے سرکار! ابھی چہرے شناخت کرانے کا وقت نہیں آیا ہے' ایک ایک آدمی کو سامنے کر دوں گا۔"

"ہمیں بتاؤ کون کون ہمارا دشمن ہے؟"

"میں تو دوستوں کے چہرے گن سکتا ہوں۔" میں نے اداسی سے کہا۔ "مجھے کچھ مہلت دیجئے۔ بھگوان کیلئے ابھی کچھ نہ پوچھئے۔ میں کچھ بتا نہیں پاؤں گا۔"

"کیا تمہیں کسی سے ڈر ہے؟"

"یہاں ہر شخص کو ایک دوسرے سے ڈرنا چاہئے۔"

اس کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ اس نے نام بتانے کی ضد کی تو میں نے اس کے قدم پکڑ لئے' پھر وہ مجھ سے مشورہ لینے کے انداز میں بولا۔ "ہم اپنا اکاؤنٹ کسی اور بینک میں ٹرانسفر کرا لیتے ہیں؟"

"ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "شیرازی صاحب پر قبل از وقت شبہ کرنا مناسب نہیں۔ میں ان پر نظر رکھے ہوئے ہوں کہ یہاں ان کی اور کیا کیا مصروفیات ہیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ وہ راج پور میں کتنے دن ٹھہرتے ہیں؟"

دنیش چندر کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت چھا گئی۔ میں یہاں سے اٹھنے کی فکر میں تھا۔ آج کیلئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ بھٹناگر کی آمد نے میری مشکل حل کر دی۔ دنیش سے میری یہ قربت دیکھ کے اس کی آنکھوں میں اشتعال کی چمک پیدا ہوگئی۔ میں اس پر غلط انداز میں نگاہ ڈالتا ہوا باہر آ گیا۔

رات کو میرے سامنے میرا ہی کھاتہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے واجبات اور اثاثوں کا حساب لگایا تو مجھے اندازہ ہوا کہ ابھی زندگی کا کتنا بڑا سفر طے کرنا ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں اور پرکاش بھون میں یوں بھی آدمی ہر وقت داؤ پر لگا رہتا ہے۔ اپنے تمام قرضے اسی زندگی میں اتار دیئے جائیں تو روح کو کوئی شکوہ نہیں رہے گا۔ ابھی آغاز تھا اور مجھے بہت سے کام انجام دینے تھے' ڈالی' شاردا اور بانو میرے اثاثے تھے اور ہاں جارج بھی تھا۔ یہ ایک ایسا منافع تھا جس سے مسرت حاصل کرنے کیلئے موجودہ کاروبار سمیٹنا لازمی تھا اور میری زندگی کا کاروبار اتنا الجھ گیا تھا کہ سمیٹے نہ سمٹتا تھا۔ شیرازی سے ملاقات کے بعد آثار کچھ اس قسم کے نظر آنے لگے تھے کہ باقی دن اتنی مشکل سے نہیں گزریں گے' شاردا میرے ساتھ فرار ہونے کیلئے تیار تھی۔ ڈالی نے بھی کچھ رقم جوڑ رکھی تھی۔ میں انہیں ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں لے جا کے چھپ سکتا تھا مگر کیا میں شکنتلا' پریت' پرکاش بھون کی رانیوں اور دوسرے لوگوں سے حساب بے باق کئے بغیر چل دیتا؟ مہیش چندر بھگوان کو عزیز ہو چکا تھا' شیرازی کا خطرہ ٹل چکا تھا۔ جارج اور بانو کے سوا میرا خونیں ماضی کسی کو معلوم نہیں تھا۔ ایک شخص رہ گیا تھا۔ وہ سادھو۔ جارج اور بانو نے اب تک میرا نام نہیں لیا تھا تو آئندہ کیلئے

بھی ان پر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ صرف وہ سادھو رہ گیا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ مجھے اس کے پاس بھی جانا ہو گا اور اس سے کچھ معاملت کرنی ہوگی۔ اس نے مجھے ہدایت بھی کی تھی کہ میں اس سے جلد ملوں۔ اس رات میں بستر پر لیٹا بہت سکون سے حالات کے تانے بانے بن رہا تھا۔ میں نے شیرازی جیسے شریف النفس شخص کو دنیش چندر کی نظر میں مشکوک کر دیا تھا لیکن اس سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں دنیش کو اپنی جانب مائل کرنے کا بہانہ تلاش کر سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ شیرازی کے بینک سے اکاؤنٹ ٹرانسفر کراتے وقت دنیش مجھ سے ضرور اس کا ذکر کرے گا اور میں اسے ایسا مشورہ کبھی نہیں دوں گا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ دنیش مجھے خود سے کتنا قریب سمجھتا ہے؟ اس تماشے میں بڑے خطرے تھے مگر مجھے پہلی بار اس کھیل میں لطف آرہا تھا۔ ڈالی اپنے بچے کے ساتھ بے خبر سو رہی تھی میں اٹھ کر شیرازی کے پاس چلا گیا۔ وہ میرا منتظر تھا' مجھے دیکھ کے کھل اٹھا۔ رات گئے تک ہم دونوں جاگتے رہے اور شیرازی مجھ سے اس بھون کے دلچسپ واقعات سنتا رہا۔ اس کیلئے یہ کچھ کم سنسنی خیز بات نہیں تھی کہ ایک گریجویٹ جہالت کا لبادہ اوڑھ کے اور خود کو ہندو ظاہر کرکے یہاں موجود ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے محظوظ کرتا رہا اور میں نے دل بستگی کیلئے کچھ خاص قسم کے واقعات بھی اسے سنا ڈالے۔

شیرازی کے جانے سے پہلے میں نے ساجدہ کیلئے بازار سے ایک بیش قیمت ساڑھی خریدی اور شیرازی کے حوالے کرکے تاکید کر دی کہ وہ اس سے میرا ذکر قطعاً نہ کرے۔ شیرازی دوسرے دن شام کو چلا گیا۔ دنیش چندر نے میری ایما پر ہر کاغذ کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرنے کے بعد دستخط کیے تھے' دنیش نے شیرازی کے سامنے اپنے شک کا اظہار نہیں کیا۔

میں نے بعد کے دنوں میں باقاعدہ ایک اسکیم کے تحت وہ اصل چہرے تلاش کرنے شروع کیے جو پرکاش بھون کے دشمن تھے اور ان اسباب و علل کا سراغ لگانا چاہا جو یہاں سازشوں کا پیش خیمہ تھے۔ جیسے جیسے مجھے اس گتھی کے سرے ملتے گئے' میری تشویش بڑھتی گئی۔ مہیش چندر کے چالیسویں تک کی فضا رسمی طور پر سوگوار سی رہی یعنی مجرے بند ہوگئے تھے' شکار کا پروگرام معطل رہا تھا۔ تقریبات نہیں منائی گئی تھیں' باہر آنا جانا کم رہا تھا۔ جیسے ہی چالیسواں ختم ہوا' رونقیں واپس آنے لگیں۔ بھڑکیلے لباس جسموں پر سجنے لگے اور لبوں پر شوخیاں تیرنے لگیں۔ دعوتوں کا موسم شروع ہوا'

رنگینیوں کے در کھلے اور دنیش چندر کے محل میں دوشیزاؤں نے آنا شروع کر دیا۔ جگدیپ کا قیام تقریباً یہیں رہنے لگا تھا اور یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ وہ دنیش چندر کی کون سی بہن سے سب سے زیادہ متاثر ہے۔ وہ صبح سویرے آجاتا۔ کبھی کبھی رات کو بھی واپس نہ جاتا' دن بھر دنیش کی بہنوں کے ساتھ برج اور رمی وغیرہ کھیلتا رہتا یا دنیش چندر کو نجی معاملات میں مشورے دیتا یا پھر پارو کے پاس چلا جاتا۔ میں ہر پہلو سے اس کا مطالعہ بھی کر رہا تھا۔ یہ میری خاموشی اور حقائق جمع کرنے کا عرصہ تھا۔ بہت تھوڑے دنوں میں' میرا خیال ہے کہ ایک ہفتے میں' میں بہت سی معلومات سے مالا مال ہوگیا۔ میں شاردا کے پاس جاکر والہانہ انس کا اظہار کرتا رہا اور شکنتلا سے اپنے خاص تعلقات کا اعتماد بحال رکھنے کیلئے میں نے نظربازی بھی جاری رکھی۔ میں نے ڈالی کو پارو اور دنیش کی طرف تعینات کر دیا کیونکہ میں بہرحال چھوٹے ملازموں کا نگران تھا۔ وہ بھی اہم باتیں مجھے منتقل کرتی رہی۔ اور مجھے پارو کی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہی ہوتی رہی۔ ڈالی نے بہت جلدی اپنی خدمت سے پارو کو متاثر کرلیا تھا۔ اس کی زبانی چند ملازموں کی نشاندہی بھی ہوتی تھی۔ جو پارو سے ملتے تھے۔ ان میں بھٹناگر سرفہرست تھا۔ ادھر شاردا دنیش چندر سے مسلسل میری سفارش کرتی رہی تھی۔ میں نے خدمت ہی کو شعار بنا لیا تھا' جب میں دنیش کی زبانی اپنی تعریف سنتا اور دوسروں کا ردعمل دیکھتا تو مجھے بڑے عجیب تاثرات کا مشاہدہ کرنا پڑتا۔ میں نے اپنی دانست میں حسین و جمیل پارو سے بڑے مضبوط تعلقات استوار کر لئے لیکن ربط خاص کے باوجود پارو نے مجھے کسی دن دوبارہ طلب نہیں کیا تھا اور نہ ہی میں خواہش اور طلب کے باوجود اس کی طرف جا سکا تھا۔ مجھے ایسی خبریں ملتی تھیں کہ پارو نے رات کے وقت اپنی حفاظت کیلئے خاص قسم کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کا کام مجھے دیکھ کے مسکرانا' میرے جملے سننا اور اپنی اداؤں سے مجھے دیوانہ بنانا رہ گیا تھا۔ پارو کے اس طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھ سے مزید محتاط ہوگئی ہے اور اس نے اپنا سازشی وطیرہ ترک نہیں کیا ہے اور میں اس سے خلوت کے باوجود ابھی تک اس کے اعتماد کا آدمی نہیں بنا ہوں۔ جتنا میں دنیش کے قریب ہوتا جارہا تھا بھٹناگر مجھ سے اپنی نفرت بڑھا رہا تھا۔ وہ بعض اوقات شریر قسم کے جملے کہہ دیتا' ڈانٹتا' پھٹکارتا' توہین کرتا' دل آزاری کرتا' ناقابل برداشت باتیں کرتا۔ میں نے کئی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اپنی زبان قابو میں رکھے' اس نے موقع بے موقع مجھے ٹوکنا اپنی

عادت بنا لیا تھا۔ چالیسویں سے کوئی تیسرے دن کی بات ہے' رات کا وقت تھا' کمروں میں ہلکی ہلکی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ میں حسب معمول دنیش چندر کی خواب گاہ میں ملازموں کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ تمام ملازم اپنے کام سے فارغ ہوکر باہر چلے گئے تھے۔ دنیش چندر کے رقص و سرور میں غرق ہونے کا وقت تھا۔ پرکاش بھون کے وسیع و عریض کمرہ رقص میں میرے اندازے کے مطابق اس وقت خوب ہنگامہ برپا ہوگا۔ میں خواب گاہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہوا پلنگ پر چادر کی شکنیں درست کر رہا تھا کہ بھٹناگر مجھے پکارتا ہوا اندر آگیا میں نے دو تین آوازیں سنی ان سنی کر دیں پھر درشتی سے کہا۔ ''کیا ہے؟ میں یہاں موجود ہوں۔''

''یہاں تنہا کیا کر رہا ہے حرام زادے؟'' بھٹناگر نے جیسے مجھے خنجر مار دیا۔

''بھٹناگر جی! '' اچانک مجھے شدید غصہ آگیا تھا۔ ''زبان سنبھال لو ہر شخص اپنی ایک عزت رکھتا ہے۔ ہم اپنی عزت گنوانے اور گالیاں سننے یہاں نہیں آئے ہیں۔ آئندہ تمہارے منہ سے گالی نکلی تو اچھا نہ ہوگا۔''

وہ میرے قریب آگیا تھا۔ ''تو کیا کرے گا میرا؟'' وہ سینہ پھلا کے بولا۔

میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ''بہت برا ہوگا بھٹناگر جی! ''

''تیری ماں کی ...... تیری ......'' اس کے منہ سے گالیوں کا پرنالہ جاری ہوگیا تھا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے میری مرحوم ماں اور بہن کو گالی دی تھی۔ میں بے غیرت کیسی ذلیل مفاہمت کر رہا تھا۔ اب بات میرے بس سے باہر ہوگئی تھی۔ زندگی میں شاید کبھی اس طرح میرے جسم میں کھلبلی نہیں مچی تھی۔ غیظ و غضب میں میرا رواں رواں کھڑا ہوگیا تھا۔ ہاتھ کانپنے لگے اور منہ سے کف جاری ہوگیا۔ ''بھٹناگر!'' میری پھٹی ہوئی آواز نکلی۔ ''کتے ۔ نیچ۔ تونے مجھے کیا سمجھا ہے۔'' دنیش چندر کے بستر کے قریب سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا سنگ مرمر کا لیمپ میرے ہاتھ آگیا اور میں نے اسے پوری قوت سے اس کے سر پر دے مارا۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ دیو ہیکل' بدہیت' سور کا بچہ مجھے مارنے کیلئے بڑھا لیکن وہ میرے جنون کا کہاں مقابلہ کر سکتا گا؟ میں ایک پاگل اور اندھا شخص تھا۔ میں نے اس کے جبڑھے پر ایک مکہ مارا' وہ لڑکھڑا کر گرا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے اس پر شدید ضربیں لگاتا رہا۔ میری ٹھوکروں نے جگہ جگہ سے اس کی کھال ادھیڑ دی۔ وہ کئی بار اٹھا لیکن میں نے اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اسے اپنے ہاتھوں اور پیروں سے مار مار کر فرش پر تڑپنے کیلئے مجبور

کر دیا۔ پھر میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ وہ حواس باختہ ہوگیا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور اسے کھینچتا ہوا ایک ستون تک لے آیا اور اس کے بال پکڑے ہوئے اس کا سر ستون سے ٹکراتا رہا۔ اس کے کئی دانت باہر نکل آئے تھے۔'' اور گالی دے کمینے ! میں تیری زبان ہمیشہ کیلئے بند کر دوں گا' میں نے دھاڑ کر کہا۔'' وہ اپنے حواس کھو بیٹھا تھا لیکن مجھے ابھی تک قرار نہیں آیا تھا۔ اسے مزاحمت کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ اس وقت مجھ پر آنے والے وقت کا کوئی اندیشہ غالب نہیں تھا۔ میرے تصور میں ماں اور بہن کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جب تک وہ بے سدھ ہو کے فرش پر لڑھک نہ گیا اس کی آہیں اور فریادیں یکسر بند نہیں ہوگئیں' میری ضربیں نہ رکیں۔ پھر جب مجھے کسی قدر ہوش آیا تو میں نے اس کے اوندھے جسم پر ایک ٹھوکر اور رسید کر دی۔ وہ مر چکا تھا۔ میری ٹھوکر سے اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا۔

میں نے آستین سے اپنے چہرے کا پسینہ صاف کیا اور پلنگ پر بیٹھ کے اس کا پامال جسم دیکھنے لگا ۔وہ مر چکا تھا مگر مجھے کوئی فکر نہیں تھی ۔کم از کم اب میں اپنی ماں اور بہن کی روحوں کے سامنے شرمندہ ہونے کی اذیت سے بچ گیا تھا ۔اب میں ان کے سامنے سرخ رو جاؤں گا۔ اس مردار نے مجھے بہت ستایا تھا۔ اب اس کی لاش میرے سامنے پڑی تھی' بے حس و حرکت' خاموش' منجمد' یہ منظر دیدنی تھا ۔میری آنکھیں دیر تک اس نظارے کے نشے میں کھوئی رہنا چاہتی تھیں مگر معاً کسی نے میرے اندر سے مجھے ٹوکا ''جمشید میاں !تم سے ایک اور خون ہو گیا ہے' بھاگ جاؤ بھاگ جاؤ ۔ابھی موقع ہے''۔ یہ وہی بزدل اور بے غیرت شخص تھا جس کا نام بھی اتفاق سے جمشید تھا ۔اس کے ٹوکنے سے میں چونک گیا ۔اب بھی زندگی مل سکتی ہے ۔میں پچھلے دروازے سے نکل جاؤں ؟کسی نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ ممکن ہے میں بچ جاؤں ؟ مجھے ایک کوشش کر کے تو دیکھنا چاہیے ۔میں نے اسے مار دیا ہے۔خون۔ خون۔ ایک اور خون 'میری صدائے بازگشت نے خود مجھے پریشان کر دیا ۔یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔میں نے تو اسے مار ڈالا ۔یہ کیا ہو گیا ؟سب کچھ برباد ہو گیا ! میں نے ادھرادھر دیکھا 'دروازے سے باہر نکلنا چاہا لیکن میرے قدم زمین نے جکڑ لیے ۔اب کوئی راستہ نہیں تھا ۔میں نے ویران آنکھوں سے دیکھا اور میرا جسم خوف سے کپکپانے لگا۔دنیش چندر دروازے کی آڑ میں پردے کے پیچھے کھڑا تھا اور مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا ۔میں ہانپنے لگا میں نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''دنیش چندر جی۔میں نے اسے مار دیا ہے''۔

دنیش چندر کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں ۔وہ چند ثانیوں تک میرا سرتاپا جائزہ لیتا رہا لیکن میں نے سپر ڈال ہی دی تھی ۔اب مجھے کوئی غم نہیں تھا ۔کنور دنیش چندر کے ادب کا 'نہ اس واقعے کی سنگینی کا خیال تھا ۔میں نے اپنی سزا خود سنا دی تھی اس لیے میری ٹانگیں زمین پر مضبوطی سے جمنے لگیں۔

''دنیش چندر جی!۔میں نے اسے ماردیاہے ۔اس نے میری غیرت کو للکارا تھا۔ میری ماں اور بہن کو گالی دی تھی ۔اس نے یہ نہیں جانا تھا کہ میں کون ہوں ۔یہ مجھے جانور سمجھتا تھا۔'' میرے لہجے میں بے باکی 'نفرت اور تلخی تھی ۔''میں نے سب کچھ دیکھ اور سن لیا ہے موہن داس !'' دنیش چندر کی آواز پر مجھے یقین نہیں آیا۔

''آپ یہیں تھے ؟'' میں نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔''تو پھر آپ نے سنا ہوگا کہ اس ذلیل شخص نے کیا کہا تھا ؟''

''میں نے سب کچھ سنا تھا ۔تم ایک بہادر آدمی ہو موہن داس ! مجھے حیرت ہے کہ تم نے اس مرکھنے بیل پر قابو کیسے پا لیا ؟'' مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ دنیش چندر خلاف توقع بہت مطمئن اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا ۔

''آپ آپ۔'' میں نے وضاحت طلب نظروں سے اسے دیکھا۔''میں نے قتل کر دیا ہے سرکار !''

''میں جانتاہوں اور اس قتل کا عینی شاہد بھی ہوں ۔ دیر مت کرو موہن ! بڑے دروازے کی چٹخنی چڑھا دو تا کہ کوئی اندر نہ آ سکے۔'' میں مبہوت کھڑا رہا اور یہ یقین کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ دنیش چندر جو کچھ کہہ رہا ہے' کیا 'وہ صحیح ہے؟ میرے دماغ میں فتور تو نہیں ہو گیا ہے ؟ مگر دنیش نے سختی سے مجھے دوبارہ وہی حکم دیا ۔میں ایک معمول کی طرح بڑے دروازے پر گیا اور چٹخنی چڑھا کے اندر آگیا۔ دنیش چندر نے میرے واپس آتے ہی خواب گاہ کا دروازہ خود بند کر دیا اور پلنگ کی چادر اٹھا کے بھٹناگر کی لاش پر ڈال دی۔''اسے اٹھاؤ۔'' اس نے مجھے حکم دیا۔ میں نے کسی چون و چرا کے بغیر بھٹناگر کی لاش چادر میں سمیٹ کے اپنے کاندھے پہ اٹھا لی۔ وہ بہت وزنی تھی مگر اس وقت میں اس سے دو گنا وزن بھی اٹھا سکتا تھا 'میں دنیش چندر کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔وہ ایک نیم عریاں قد آدم تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پہلے یہ مرصع کمرہ اس کے باپ پرکاش چندر کی تحویل میں تھا ۔یہاں چاروں طرف بڑی بڑی شاہکار تصویریں' آویزاں تھیں ۔دنیش نے مجھے لاش کی گٹھری زمین پر رکھنے کا اشارہ

کیا اور میری مدد سے اس نے وہ بڑی تصویر کھسکائی ۔اس کے پیچھے ایک بڑی آہنی تجوری تھی ۔تجوری کھول کر دنیش نے اندر کچھ کارروائی کی جسے میں نہیں دیکھ سکا پھر تجوری سے علیحدہ ہو کے اس نے برابر کی دوسری تصویر میری مدد سے اتاری۔ تصویر ہٹنے کے بعد وہاں ایک منقش دیوار نظر آئی۔ دنیش نے دیوار کی دائیں طرف زور لگانا شروع کیا۔ میری سمجھ میں کچھ کچھ بات آنے لگی ۔وہ دیوار کو اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکا تھا۔ چنانچہ میں بھی اس کے ساتھ لگ گیا ۔وہ ایک دروازہ تھا مگر باقی دیوار میں اس طرح نصب کیا گیا تھا کہ دیکھنے والا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حصہ اصل دیوار سے علیحدہ ہے 'دروازہ اندر کی طرف کھل گیا اور بدبو کا ایک شدید بھبکا اندر آیا۔ دنیش چندر نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ اور اپنا لائٹر جلا کر اس نے اندھیرے غار میں روشنی کی۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو وہاں سیڑھیاں تھیں۔ دنیش نے مجھے دوبارہ گٹھڑی اٹھانے کا اشارہ کیا میں نے اس بار بہت عجلت دکھائی اور دنیش کی پیروی میں تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا 'ہم نے کوئی چالیس پچاس سیڑھیاں عبور کی ہوں گی کہ دنیش نے ایک جگہ رک کے لائٹر سے کچھ تلاش کیا۔ وہاں بڑے بڑے طاق تھے۔ اس نے نیچے اوپر ٹٹول کے ایک بڑا طاق دیوار کے پیچھے کی طرف دھکیلنا چاہا۔ وہاں اسے ناکامی ہوئی تو اس نے دوسرا طاق دیکھا۔ دوسرے طاق کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا۔ پھر وہ چند سیڑھیاں اور نیچے اتر گیا میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ دہشت سے میرا برا حال تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اچانک مجھے دھیرے سے پکارا۔''موہن ادھر آؤ۔'' میں گٹھڑی کاندھے پر رکھ کر اتنی تیزی سے نیچے اترا کہ گرتے گرتے بچا۔''احتیاط سے'' اس نے سرگوشی کی۔ اس کے قریب پہنچ کے میں نے دیکھا ۔ وہ ایک سمت کھڑے ہو کے ایک بڑے طاق کا ڈھکن اوپر کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اس کی ہدایت پر گٹھڑی سر پر رکھ کے طاق کے اندر دھکیل دی اور پورے زور کے ساتھ اسے پیچھے سے دھکیلنے لگا۔دفعتہً ایک گونج سنائی دی جیسے لاش کسی گہرے کنوئیں میں گر گئی ہو۔ دنیش نے طاق کا ڈھکن فورا کھینچ لیا اور تیز قدموں سے اوپر کی طرف جانے لگا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ نیچے کی طرف سیڑھیوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ ہم تو درمیان ہی میں رک گئے تھے' مجھے اس ہولناک جگہ کے مکمل جائزے کا موقع نہیں مل سکا۔ دنیش پھرتی کے ساتھ اوپر جا رہا تھا۔ میں بھی اس کے تعاقب میں لپکا ہم دونوں ہانپ رہے تھے۔ اس نے اوپر پہنچ کر اپنے ہاتھ سے مجھے سہارا دے کر خواب گاہ میں کھینچ لیا اور دروازہ پہلے کی طرح

بند کر دیا۔ پھر ہم نے تصویر اسی جگہ لٹکا دی اور دنیش نے تجوری میں ہاتھ ڈال کے دیوار غالباً مقفل کر دی۔ تجوری کے اوپر بھی تصویر لگا دی گئی۔ روشنی میں ہم نے اپنے چہرے اور لباس دیکھا' وہ گرد آلود ہو چکے تھے۔ میں نے جلدی سے فرش پر خون کے دھبے مٹانے کی کوشش کی۔ دنیش باتھ روم میں گھس گیا تھا میرے کپڑے نہایت گندے اور خون کے چھینٹوں سے داغ دار ہو گئے تھے۔ دنیش نے بہ عجلت تمام غسل خانے سے آ کے ڈریسنگ روم میں کپڑے پہنے اور مجھے اپنا ڈھیلا کرتا اور پاجامہ دے کے کہا۔ خواب گاہ سے ملحق غسل خانے میں جا کے میں جلد از جلد لباس تبدیل کر لوں۔ میں جھجکتا جھجکتا اسی کے غسل خانے میں چلا گیا اور جلدی جلدی بہت مختصر پانی اپنے جسم پر ڈال کے' اس کی تولیا سے جسم خشک کر کے اور اس کا لباس پہن کے باہر آ گیا۔ میں نے اپنے کپڑوں کا پیکٹ بنا کے ڈریسنگ روم کی الماری کے پیچھے پھینک دیا اور تازہ دم ہو کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ یہاں ہلکی ہلکی نیلی روشنی میں دنیش چندر صوفے میں دھنسا چھت کی طرف گھور رہا تھا اور سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔ سامنے میز پر مارٹینی کی بوتل رکھی ہوئی تھی' وہ اس وقت ایک بالکل بدلا ہوا آدمی نظر آ رہا تھا۔ میں گم سم سا اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے میرے چہرے پر نظریں جما دیں' میں کوشش کے باوجود اس سے آنکھیں چار نہیں کر سکا۔ کچھ کہنے کے لئے میرے ہونٹ لرزے مگر میں کچھ نہ کہہ سکا۔ چند منٹ تک اذیت ناک خاموشی طاری رہی پھر اس نے پہل کی۔ ''موہن داس ہمیں غیرت مند اور جذباتی آدمی پسند ہیں۔'' میری زبان پر فالج گر گیا' مجھ سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ''ہمیں تم پر مکمل اعتماد ہے آج سے پہلے ہم نے تمہیں کبھی اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا' ہمیں پہلی بار تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ ہوا ہے۔'' اس کے لہجے میں کوئی بناوٹ نہیں تھی۔

مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ ''سرکار! میں آپ سے شرمندہ ہوں' آپ نے اپنے سلوک سے مجھے غلام بنا لیا ہے۔ کسی بھی آقا نے آج تک اپنے غلام کے لئے ایسا نہ کیا ہو گا جو آج آپ نے میرے لئے کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کا یہ احسان کس طرح اتار سکوں گا؟'' میرے لب پہلی بار کھلے اور بے ربطی سے نہ جانے میں نے کیا کیا کہہ ڈالا؟

''موہن داس! تم ہمارے غلام نہیں' دوست ہو اور میں تمہارا آقا نہیں' دوست ہوں۔ اس موقع پر ہر شخص یہی کرتا۔ ہر وہ شخص جس میں عزت نفس ہوتی ہے'

بھٹنا گر کو ہم نے کبھی پسند نہیں کیا لیکن بعض لوگوں کو ہم نے صرف چہرے پہچاننے کے لئے خود سے قریب کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے بڑے بھائی کو بھون کے لوگوں' ہمارے نمک خواروں ہی نے مارا ہے مگر ہم کس کس کا گریبان پکڑیں؟ کس کس کو سزا دیں؟ تم سچ کہتے تھے کہ یہاں ہر شخص کو ایک دوسرے سے ڈرنا چاہئے۔''

اس کے اپنائیت کے لہجے سے میری ہمت بندھی۔ ''آپ فکر نہ کریں سرکار! میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ آپ خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ ابھی کچھ لوگ اس بھون میں ایسے موجود ہیں جو آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ بھٹنا گر آپ کا دشمن تھا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو آپ کے دشمن ہیں۔''

''ہم جانتے ہیں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''تم ہماری جگہ ہوتے تو تمہیں محسوس ہوتا کہ اتنی دولت اور عزت کے باوجود ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے' کچھ باتیں ہمیں معلوم نہ ہوں اور کچھ چہرے ہم ابھی تک نہ پڑھ سکے ہوں لیکن ہمیں ان کے سامنے اسی طرح کا اظہار کرنا ہے جس طرح وہ ہم سے کرتے ہیں۔''

شاید ہم بھول گئے تھے کہ ابھی ابھی یہاں ایک شخص کا قتل ہو گیا ہے۔ دنیش چندر کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی مگر وہ بہت اداس تھا اور آج پہلی بار میرے سامنے اس کی اصل شخصیت کھل کے آئی تھی۔ وہ بے حد ذہین' محتاط اور عاقبت اندیش شخص معلوم ہو رہا تھا۔ ''آپ کی بات درست ہے لیکن آپ کب تک یہ سب برداشت کرتے رہیں گے؟ آپ نے جلد ہی رکاوٹیں کھڑی نہ کیں تو آگے نہ جانے ان کی ہمتیں کتنی بڑھ جائیں؟ کچھ جارحانہ فیصلے آپ کو بہرحال کرنے پڑیں گے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے' شاید تمہاری سمجھ میں پوری بات نہ آتی ہو اور تم نے خود کو ہماری جگہ رکھ کے نہ سوچا ہو۔''

''میں اگر آپ کی جگہ خود کو رکھ کے نہیں سوچوں گا تو کبھی آپ کا دکھ نہ سمجھ سکوں گا۔ میں اپنے بارے میں چند باتیں آپ کو بتاؤں' اب آپ سے یوں بھی کوئی پردہ نہیں رہ گیا۔ آپ میرے محسن ہیں۔ آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ حالانکہ میں نے خود اپنا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں پوری طرح تیار تھا۔ اب آپ نے جو یہ زندگی دی ہے' یہ آپ ہی کی ہے۔ دنیش چندر بابو!'' میں نے اس بار اس کا نام لیا۔ ''میں اتنا گاؤدی اور کوڑھ مغز نہیں' جتنا نظر آتا ہوں۔ قسمت کا کھیل ہے صاحب! کہ یہاں بھٹنا گر کو ذلیل کرنے کا موقع مل گیا۔ میں سب سمجھتا اور جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب

کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے جرات سے کہا۔

''تم کس حد تک جانتے ہو۔'' وہ سرد مہری سے بولا۔

''میں اس ریاست کے پورے چکر سے واقف ہوں۔ مہاراجہ کی مجبوری بھی مجھے معلوم ہے کہ وہ اولاد سے محروم ہیں' ان کے بعد راج گدی پر راجے پور کے دو ہی خاندانوں کا اقتدار ہو گا اور سب سے پہلے آپ کے خاندان کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ مہاراجہ امرناتھ سے آپ کے خاندان کا رشتہ زیادہ قریبی ہے' دوسرے نمبر پر جلد یپ کا خاندان آتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ انگریز مہاراجہ امرناتھ کو پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ انگریزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس زرخیز اور دولت مند ریاست کے خزانے پر انگریزوں کا دانت ہے' آپ کے سورگ باشی پتا' پرکاش چندر نے انگریزوں کا آلہ کار بننے سے انکار کر دیا تھا۔ انگریزوں نے آپ کے بھائی کنور مہیش چندر کو اپنے دام میں پھنسانا چاہا۔ کنور اس پر آمادہ ہو گئے لیکن جب یہ بات آپ کے خاندان کے دشمنوں تک پہنچی تو انہوں نے انہیں بھی راستے سے ہٹا دیا یا پھر یہ ہوا ہو گا کہ انگریزوں نے بعد میں کنور مہیش چندر کو اپنے مطلب کا آدمی نہیں سمجھا ہوگا۔ اس کے بعد آپ آئے ہیں' آپ راج محل تک پہنچ سکتے ہیں لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے آپ کو ایک بڑی آزمائش سے گزرنا ہو گا آپ کو اپنے اطراف کی سازشیں دبانی ہوں گی اور اپنا راستہ بناتے ہوئے بہت احتیاط سے آگے بڑھنا ہو گا۔''

وہ میری باتیں غور سے سن رہا تھا۔ میری خاموشی پر چونک پڑا۔ ''تمہیں یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟''

''جو آپ سے مخلص ہو' اسے یہ باتیں معلوم ہونی ہی چاہئیں۔''

''ایسی صورت میں تمہارا کیا مشورہ ہو گا؟ تم بہادر ہونے کے علاوہ ذہین بھی معلوم ہوتے ہو۔''

'' آپ نے مجھے دوست کہا ہے' ایک دوست یہی مشورہ دے گا کہ آپ ان کا تماشا نہ بنیں' خود انہیں تماشا بنائیں' شراب اور عورتیں آدمی کو اصل راستے سے بھٹکا دیتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ آپ ان میں بعض اوقات بہت سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ ان سے ضرور لطف لیجیے مگر خود کو ان کے سپرد نہ کیجیے۔ آپ کو ہر وقت باہوش اور باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی ایسا لمحہ آ گیا جہاں آپ ذرا سے غافل ہوئے تو وہ آپ کے لئے بدترین لمحہ بن سکتا ہے۔''

''ہم تبدیلیاں پوچھنی چاہتے ہیں۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''ایک تبدیلی ہو تو کہوں۔ یہاں تو ایک انقلاب کی ضرورت ہے۔ آپ سب سے پہلے تو اپنا سیکرٹری اپنے اعتبار کے آدمی کو منتخب کیجیے۔ یہاں چھوٹے ملازموں میں ایک عام بے چینی پائی جاتی ہے' انہیں تحفظ کا یقین دلایئے اور رفتہ رفتہ انہیں اپنی راہ سے ہٹا دیجئے' جو بغل میں چھری دبائے آپ کے سامنے آتے ہیں' یہ ایک مشکل کام ہے لیکن اس مشکل سے نمٹنا ہی مردانگی ہے۔''

''کاش تم ایک پڑھے لکھے آدمی ہوتے۔'' وہ تاسف سے بولا۔

''میں اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔ پھر آپ سیکرٹری کا عہدہ ضرور مجھے سونپتے لیکن میں آپ سے درخواست کرتا کہ اسے کسی اور کے سپرد کر دیجیے۔ میں کسی عہدے پر نہ رہ کر بھی ہر عہدے پر رہ سکتا ہوں۔ میری جان کی پروا کئے بغیر آپ مجھے سختی کا حکم دیجیے پھر دیکھیے' میں کیا کرتا ہوں لیکن حبس اور عدم اعتماد کی فضا میں' میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔''

''ہم تمہیں اپنا نائب مقرر کرتے ہیں۔''

''یہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔'' میں نے نیاز مندی سے کہا۔ ''میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر دوں گا لیکن میری درخواست ہے کہ آپ دوسروں کے سامنے مجھے خود سے بتدریج قریب کریں' یہ نہیں کہ کل صبح مجھ پر آپ کی بڑھتی ہوئی مہربانیاں دیکھ کے لوگ دنگ رہ جائیں۔''

''اوہ نہیں۔'' اس کے لبوں پر ہنسی کھیلنے لگی۔ ''ہم خود کو اس وقت کچھ مطمئن سا محسوس کر رہے ہیں۔ شاید بھٹنا گر کی موت نے ہمیں خوش کیا ہے۔ وہ جن لوگوں کا کارندہ تھا' جب انہیں اس کے فرار ہونے کی خبر ملے گی تو خوب بوکھلائیں گے۔ ان کی سمجھ میں آ جائے گا کہ ہم اتنے بے ہوش نہیں ہیں اور اس بار یہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے۔''

''بھٹنا گر کی گمشدگی کا کیا جواز پیش کیا جائے گا؟''

''کچھ نہیں۔ ہمیں حیرت ہی رہے گی کہ وہ کہاں غائب ہو گیا۔ صبح ہی صبح ہماری تجوری بھی صاف ہو گی۔ تم بے فکر رہو۔ اس تہہ خانے کا راز صرف چند لوگوں کو معلوم ہے اور اب تم نے اسے دیکھا ہے۔''

''میری آنکھیں آپ کی آنکھیں ہیں' میں آپ کی دوستی پر پورا اتروں گا۔''

"ہمارا کوئی دوست نہیں' یہ تجربہ کر کے بھی دیکھیں گے۔ موہن داس!" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر میں یہ دیکھ کے ششدر رہ گیا کہ وہ مجھ سے عہد و پیمان کے لئے ہاتھ ملانا چاہتا ہے۔ میں نے کھڑے ہو کے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ "زندگی بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ کبھی رنج' کبھی خوشی' آج کی رات میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے' مجھے میری منزل مل گئی ہے۔ آج مجھے اپنے دکھوں کا صلہ مل گیا ہے۔ آج کی رات زخموں کے اندمال کی رات ہے۔"

میں ابھی کچھ اور کہتا آج کی رات میں اپنی ساری سچائیاں کہہ دیتا کہ دروازے پر ابھرنے والی دستک نے میری زبان پر خاموشی کی مہر لگا دی۔ دنیش نے جواب میں وہیں بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔ "اندر آ جاؤ۔" اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی جگ دیپ اندر آ گیا تھا' وہ میرے جسم پر اجلا کرتا پاجامہ دیکھ کر ٹھٹھکا۔ پھر دنیش سے انگریزی میں کہنے لگا۔ "کمال ہے بھئی آپ اس احمق کے پاس بیٹھے ہیں۔ ادھر پریاں آپ کی منتظر ہیں۔ کیسا گلا پایا ہے ظالم نے' رنگ جما ہوا ہے۔ دیکھو گے تو تڑپ جاؤ گے۔ چلیے چلیے۔ اب اٹھیے۔ نہیں تو میں اسے یہاں لے آؤں گا۔"

"ہم ادھر ہی آ رہے تھے۔ کچھ سر بھاری سا ہے' سوچا مارٹینی کے دو پیگ پی کے چلیں۔ آج یہ بھٹناگر بھی کم بخت غائب ہے۔ کیا وہ اسی طرف گیا ہوا ہے؟" دنیش نے مضمحل لہجے میں پوچھا۔

"نہیں تو۔ وہ وہاں تو نظر نہیں آیا' اجی بھٹناگر کو گولی مارو۔ آؤ ادھر چلتے ہیں۔ تمہاری طبیعت درست نہ ہو جائے تو کہنا۔" جگدیپ نے آنکھ مار کے کہا۔

"اچھا بھئی چلتے ہیں۔ تم ہمیں کہیں کا نہ رکھو گے۔ تم تو ہمیں برباد کر دو گے۔" دنیش چندر نے ہنستے ہوئے کہا اور الکساتے ہوئے اٹھ کر مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ ڈرائنگ روم سے باہر آ کے میں نے دروازہ مقفل کیا۔ راہداری کے باہر دربان اونگھ رہا تھا بھٹناگر کے کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بھون میں یہ وقت ہی رنگ ترنگ کا تھا۔ راستے میں دنیش چندر کو کئی ملازموں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ سرسری انداز میں سر ہلاتا ہوا رقص گاہ میں داخل ہو گیا۔

میں نے دیکھا کہ میں مغل بادشاہوں کے تعمیر کئے ہوئے کسی شیش محل میں آ گیا ہوں' وہاں رنگ برنگی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ جھاڑ فانوس' دیواروں پر نقاشی اور شیشے کا کام۔ فرش پر قالین اور سر سراتے ریشمی پردے وہ جنت کا کوئی گوشہ تھا جہاں

پریاں بیٹھی تھیں' ایک سے ایک حسین لڑکی۔ کئی طائفے ایک قطار میں بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی اپنی باری کے منتظر تھے۔ دنیش چندر گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔ جگدیپ اس کے برابر تھا۔ میں جوتیوں کے قریب ایک کونے میں ٹک گیا۔ ایک مہ جبیں نے طبلے کے تھاپ پر گھنگروؤں کو ہنسانا شروع کیا اور دوسری حسین لڑکی نے بیٹھے بیٹھے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دلکش ساز بج اٹھا ہو۔ وہ غزل سرا تھی ۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے' زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جیسے ہی اس نے مصرع اٹھایا' دنیش چندر نے پہلو بدلا اور پیچھے مڑ کے دیکھا' میں یہ حسب حال شعر سن کے سہم گیا تھا۔ جیسے اس غزل سرا کو سب معلوم ہو گیا ہو' دنیش نے میری کسمساہٹ محسوس کر لی اور ہاتھ کے اشارے سے کسی دوسری غزل کی فرمائش کی۔ لڑکی نے کمال شائستگی سے مسکرا کے دوسری غزل کا مصرع اٹھایا ۔

موسم بھی گلابی ہے اور رات سہانی ہے
ایسے میں چلے آؤ گر مجھ سے نبھانی ہے

اس قتالہ نے یہ غزل کیا چھیڑی' سماں باندھ دیا اور اس پر رقاصہ نے ایسا رقص کیا کہ جیسے یہ اس کا آخری رقص ہو کہتے ہیں' موسیقی میں جادو ہوتا ہے۔ میرے دماغ پر بھٹناگر کا بھوت سوار تھا لیکن اب مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ چند گھنٹے پہلے میرے ہاتھوں ایک دیوقامت شخص کا خون ہو چکا ہے۔ اس سنگین واقعے کی شدت موسیقی اور رقص نے اپنے اندر جذب کر لی تھی۔ اب میں ان کے منہ سے نکلے ہوئے شیریں بولوں میں کھویا ہوا تھا۔ دنیش چندر کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بھی جھوم رہا تھا۔ یہ رات کسی طویل خواب کے مانند تھی۔ ڈراؤنا اور سہانا خواب۔

رات کو دیر تک یہ محفل گرم رہی۔ دنیش چندر نے اسے جلد ہی ختم کرنے کا اعلان کیا اور طے پایا کہ دوسرے دن باقی طائفوں کو زحمت دی جائے گی۔ میں جگدیپ اور دنیش کو چھوڑ کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔" اس وقت ناقابل بیان احساسات نے مجھے گھیر رکھا تھا' دنیش چندر تو کچھ اور ہی رنگ میں سامنے آیا تھا' مجھے اپنے ہاتھوں سے چڑ ہونے لگی جیسے وہ میرے ہاتھ نہ ہوں۔ ان ہاتھوں نے کئی آدمیوں کی زندگی چھین لی تھی۔ مہیش چندر کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں ایک قاتل ہوں اور اس کا بھائی دنیش چندر میرے ان بدبخت ہاتھوں سے ہونے والے ایک بھیانک قتل کا چشم

دید گواہ تھا۔ میں نے چاہا کہ گھر جانے کے بجائے صدر دروازے سے باہر نکل جاؤں اور راجے پور چھوڑ دوں۔ نہ معلوم آگے اور کتنے لوگ مارے جائیں؟ اور کیا کیا خطرے پیش آئیں؟ ان راجکماروں کی دوستی کا کیا بھروسا؟ پل میں ماشہ پل میں تولہ۔ مہیش چندر کی طرح یقیناً دنیش چندر بھی مجھے اپنے خوف ناک عزائم میں استعمال کرے گا۔ میں اور مصیبتوں میں گھر جاؤں گا۔ ڈالی پہلے بھی تنہا زندگی گزارتی تھی' مجھے رو پیٹ کے چپ ہو جائے گی مگر جب شاردا کا خیال آیا تو سب اندیشے میرے دماغ سے پرواز کر گئے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ شاردا کو چھوڑ کے چلا جاؤں ۔ میں نے اپنے دروازے پر دستک دی تو ڈالی جاگ رہی تھی۔ ''اتنی دیر کیسے ہو گئی شیرو؟'' وہ ناراضی سے بولی۔

''دنیش چندر مجرے میں لے گیا تھا۔ بڑی حسین حسین لڑکیاں دیکھیں۔ رات کو نیند بھی نہیں آئے گی۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''وہ تجھے خراب کر دے گا اور تو ان حرامیوں کی صحبت کا ایسا عادی ہو جائے گا کہ یہاں سے تیرا جنازہ ہی نکلے گا۔''

''ڈالی!'' میں نے کسی شرابی کی طرح کہا۔ ''چھوڑ یار تنگ نہ کر' کھانا کھلا۔ کچھ لائی ہے باندھ کے؟''

''آج بہت موڈ میں ہے شیرو! کیا دارو پی رکھی ہے؟''

''آج بہت سی کڑوی اور میٹھی شرابیں پی ہیں ڈالی!'' میں نے صحن ہی میں اسے اپنی آغوش میں جکڑ لیا۔

''پیچھے ہٹ۔'' وہ میرا منہ سونگھتے ہوئے مجھے دھکیل کر بولی۔ ''ضرور آج کوئی بات ہے' تیرا دماغ اپنی جگہ نہیں ہے۔''

''میں پاگل ہو گیا ہوں ڈالی! آج رات تو میرا جسم خوب دبا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تو میرے لئے وہی رہے گی جو ہے۔''

''جینے کی باتیں کر شیرو! مجھے ہول آتا ہے' تو کسی دن مجھے خوب رلائے گا' زندہ نہیں رہنے دے گا مجھے۔ اپنا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔''

''پگلی! دنیا میں تمام انسانوں کا انجام موت ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ چل کھانا کھلا اور میرے قریب بیٹھ جا۔''

''یہ کپڑے کس کے پہن کے آیا ہے؟ تیرے کپڑے کہاں گئے؟''

''خون کے کپڑوں کا کیا کرتا؟'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''کیا؟'' وہ لرز کے بولی۔ ''کیا پھر کسی؟''

''چپ رہ آہستہ بول۔'' میں نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ مجھے اور پشیمانی ہوئی کہ میں نے اس سے یہ کیا کہہ دیا ہے۔

اس کا منہ لٹک گیا اور آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے بڑی خاموشی سے میرے آگے کھانا رکھ دیا۔ میں نے پراٹھوں پر رکھی ہوئی آلو کی ترکاری جی بھر کے کھائی' پانی پی کے ایک انگڑائی لی اور ڈالی کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ ''ہر بات مت پوچھا کر۔ سمجھ لے کہ مجھے اپنی زندگی کا بار بار صدقہ دینا پڑتا ہے۔ سمجھی؟''

''اب کے کون تھا؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

''میرا کوئی دشمن ہی ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''اور تو سب خیریت ہے؟''

''بالکل خیریت ہے جبھی تو میں یہاں نظر آ رہا ہوں فکر مت کر ڈالی۔ تجھے رانی بنا دوں گا' میں تجھے سونے میں پیلی کر دوں گا' پھر تو حکم چلانا۔ گڈے کو انگلینڈ پڑھنے بھیجنا۔ میں بہت بڑا جواری بن گیا ہوں۔ اس بار جیتنے کے امکانات قوی ہیں۔''

''مجھے سونے' چاندی اور حکم چلانے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔ ''میں تو سیدھی سادی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔''

''بے وقوف سب مایا ہے۔ انسان کیا حیثیت رکھتا ہے چوپایہ ہے' چیونٹی ہے' مچھر ہے کھٹمل ہے۔ انسان بننے کے لئے دولت لازمی ہے۔ جب تک دنیا میں دولت نہیں تھی' انسان جانوروں کی زندگی بسر کرتا تھا۔ سمجھی؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''لیٹ جا اپنے بستر پر چلا جا پیارے شیرو!'' ڈالی مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔ ''دولت نصیب سے ملتی ہے اچھے میاں! تیرا نصیب کھوٹا ہے۔ صرف چہرہ اچھا ہے۔ اپنی کھال میں رہ۔ بس سو جا۔'' وہ مجھے چادر دیتے ہوئے بولی۔

''دیکھنا' زندگی رہی تو دیکھنا پیاری ڈالی! مائی ڈارلنگ! اچھا اب میرے بستر پر آ جا اور ذرا میرا سر تو دبا۔''

ڈالی میرے سرھانے بیٹھ گئی اور محبت سے سر دبانے لگی۔ میں نے اس کے نرم و نازک ہاتھ اپنے لبوں سے مس کئے اور اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر میں نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس سے کہا۔ ''اب سو جا۔''

''کیوں' میں ابھی تھکی تو نہیں۔'' وہ ضد کرتے ہوئے بولی اور میرے پاس ہی لیٹ گئی۔ میں نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''جا اپنے بستر پر چلی جا۔'' میری آواز میں گھبراہٹ تھی۔

''کیوں؟''

اس نے توانا لہجے میں کہا۔ ''کیا تو ٹوٹ رہا ہے؟''

''نہیں ایسی بات نہیں۔'' میں نے خفت سے کہا۔ ''مگر بہتر یہی ہے۔''

''میں تو یہیں تیرے پاس سوؤں گی۔'' وہ مچلتے ہوئے بولی۔

''میں بہت مضبوط اعصاب کا آدمی ہوں۔ اطمینان سے سو ڈالی! اطمینان سے سو۔'' میں نے اپنے ہاتھ سختی سے بند کرتے ہوئے کہا۔

''تو بہت بڑا آدمی ہے۔'' وہ کچھ دیر توقف کے بعد بولی۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور اسے خود سے بہت قریب کر لیا لیکن چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میرا ذہن ہلکا تھا۔ ''ڈالی!'' میں نے تمام گداز سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''میں تیرے لئے کیا کیا سوچتا ہوں؟''

وہ پھر کچھ نہیں بولی۔ میری پناہ میں دبکی رہی۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ گڈے کے کسمسانے پر وہ اٹھ کے چلی گئی۔ تا ایں کہ مستعد مرغے اذان دینے لگے۔ میں صحن میں آ گیا۔ ابھی تک گہرا اندھیرا طاری تھا۔ میں تھکن سے سر ٹکائے صحن میں بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

بھٹناگر کی اچانک گم شدگی سے بھون میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ریاست کے دو پولیس افسر دنیش چندر کے پاس آئے اور وہ تجوری دیکھی جہاں سے زیورات اور نقدی غائب تھی۔ دن چڑھے ہر شخص کی زبان پر بھٹناگر کے فرار اور چوری کا واقعہ تھا میرے ایما پر دنیش چندر نے بھٹناگر کے دونوں ماتحتوں کو فوراً معطل کر دیا اور ان کی جگہ عارضی طور پر دو کم تر درجے کے ملازموں کو ترقی دے دی گئی۔ پولیس افسر نے میرا بیان بھی قلمبند کیا اور دربان کا بھی۔ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ رات کے وقت بھٹناگر نہیں تھا۔ دربان نے بتایا کہ اس نے اسے واپس آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تجوری کھلی ہوئی تھی اور رقم غائب تھی یہ وہ تجوری نہیں تھی جس میں تصویر کے پیچھے تہہ خانے کا راستہ کھلنے کی کلید تھی۔ ریاست کے مختلف تھانوں میں بھٹناگر کی چوری کی اطلاع دے دی گئی وہ اجمیر کا رہنے والا تھا۔ چنانچہ اجمیر کی پولیس کو بھی مطلع کر دیا گیا کہ اگر وہ اپنے مکان کا رخ کرے تو گرفتار کر لیا جائے۔ دنیش چندر کے ڈرائینگ روم میں دن بھر بڑی بھیڑ رہتی تھی۔ بھون کا ہر اہم اور غیر اہم شخص' راجے پور کے امیر اور جگدیپ وہاں موجود تھے' کچھ بوڑھے دنیش چندر کو مشورہ دے رہے تھے کہ اس بھون میں کوئی پلید آتما آ گئی ہے 'روز ایک حادثہ ہو جاتا ہے۔ کسی پنڈت کو بلانا چاہئے' غرضیکہ جس کی جو سمجھ میں آ رہا تھا' مشورے دے رہا تھا۔ پارو بھی اس دن کچھ افسردہ سی تھی۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ بھٹناگر نے کون کون سے آدمی اس کی حفاظت کے لئے تعینات کئے ہیں' میں نے ان کی ڈیوٹی بھی بدلوا دی۔ رات تک پرکاش بھون میں بھٹناگر کے فرار کا چرچا رہا۔ جگدیپ اور پارو کے علاوہ بھون کے بہت سے دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کام بھٹناگر نے نہیں کیا ہے۔ وہ طرح طرح سے بھٹناگر کے حسن سلوک' وفاداری اور دیانت داری کا تذکرہ کرتے تھے لیکن معاملہ بالکل صاف تھا۔ تجوری سے ایک بڑی رقم غائب تھی اور بھٹناگر موجود نہیں تھا۔

اس موقع پر دنیش چندر کا غصہ قابل دید تھا۔ اس نے جگدیپ' پارو' شکنتلا' پریت اور بھون کے بہت سے لوگوں کے سامنے باری باری ملازموں کو طلب کیا اور انہیں دھمکیاں دیں کہ اگر آئندہ کوئی غیر ذمے داری کی گئی تو انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا اور سخت سزائیں دی جائیں گی' مجھے بھی ان سب لوگوں کی موجودگی میں اس نے سخت ست کہا اور حکم دیا کہ میں آئندہ باقاعدہ پتلون اور بند گلے کے کوٹ میں یہاں حاضری دیا کروں گا۔ مجھے کچھ ذمے داریاں سونپنے کے علاوہ دھمکیاں بھی دی گئیں۔ دنیش چندر نے یہ موقع غنیمت سمجھ کے بہت سے ملازم الٹ پلٹ کر دیئے' میرا خیال ہے' اس نے بعض احکام نافذ کرنے میں خاصی تیزی دکھائی۔ سب خاموشی سے دنیش چندر کا اشتعال دیکھ رہے تھے اور جو اس سے مخلص تھے' وہ اس حصہ کی تائید کر رہے تھے۔ تردید' انکار اور ٹوکنے کا محل نہیں تھا اس لئے اس کے حریف اشارتاً اور کنایتاً دبی دبی زبان میں اپنے وسوسوں کا اظہار کرتے اور خاموش ہو جاتے۔ اصل میں یہ موقع دنیش کی تائید ہی کا تھا کہ ملازموں کے ہاتھوں دولت ضائع ہونے سے بھون کے اخراجات میں کمی کا اندیشہ بھی موجود تھا۔ بھٹناگر کی موت نے بڑا کام دکھایا۔ جگدیپ اور پارو نے اپنا زیادہ وقت دنیش چندر کے ساتھ گزارنا شروع کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دنیش ان دونوں کے علم میں لانے کے بعد بھون کے ملازموں کی روزانہ تبدیلیاں کر رہا تھا۔ تیسرے چوتھے دن بھون کے مخصوص درزی نے میری وردی سی کر دے دی۔ بہت دنوں بعد میں نے یہ لباس پہنا تھا اور خود مجھے اپنے آپ پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ میں ہوں' اس لباس نے میری شکل و صورت ہی بدل دی تھی۔ میں لانبے قد' سرخ و سفید رنگ کے ایک خوبصورت اسمارٹ نوجوان کی صورت میں ابھر کے سامنے آیا تھا۔ جس وقت میں یہ لباس پہن کے دنیش چندر کے پاس پہنچا۔ وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہاں پارو بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایک ٹک مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے اشاروں اشاروں میں اس سے کہا۔ ''کہو میرے جسم کا یہ فریم پسند آیا؟'' اس کی نگاہیں میری وجاہت کی داد دے رہی تھیں۔ جب پریت اپنی بہنوں کے ساتھ اس طرف آئی تو وہ بھی مبہوت ہو کے مجھے گھورتی رہی۔ اس نے اپنی بہنوں سے انگریزی میں کہا۔ ''یہ جنگلی تو بالکل شہری بن گیا ہے۔''

''اسے دنیش سے کہہ کے اپنی طرف رکھوالو نا۔'' کسی نے اس سے کہا۔

''ہنھ۔ میں اس ایڈیٹ کو برداشت نہیں کر سکتی۔''

میں نے دل میں کہا بی بی' آپ مجھے خوب برداشت کریں گی۔ میں نے آپ کا نام اپنی فہرست میں لکھ لیا ہے۔ یہ فہرست روز بہ روز طویل ہوتی جا رہی تھی۔ فی الحال میں نے اس میں سے دنیش کا نام خارج کر دیا تھا لیکن روز مجھے اپنے بارے میں نئے کمنٹس سننے کو ملتے اور میں ناموں کا اضافہ کرتا رہا۔ اصل میں یہی وہ فہرست تھی جس نے مجھے پرکاش بھون میں مزید قیام کے لئے مجبور کر دیا۔ بھٹناگر کے قضیے کے تین چار دن بعد حالات خاصے سدھر گئے تھے۔ ملازم بڑی مستعدی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ چوتھے دن اتفاق سے تخلیے کا موقع مل گیا۔ دنیش نے مجھ سے پوچھا۔ ''موہن داس! کیا خیال ہے؟''

'' آپ ذرا تیز جا رہے ہیں دنیش بابو!'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بات آپ کے مخالفوں کو برہم کر سکتی ہے۔ رفتار ذرا آہستہ کر دیجئے۔''

''موہن داس! میں ان سازشیوں کی کمر توڑ دینا چاہتا ہوں۔ ان کا اصلی کام انہی ملازموں کے ذریعے ہوتا ہے جو کھاتے یہاں کا ہیں اور پیسے کی لالچ میں اپنے مالک سے غداری کرتے ہیں۔ میں بھون کے سازشی لوگوں کو معطل کر دینا چاہتا ہوں۔''

''لیکن اصل سازشی تو موجود رہیں گے۔ ملازم بے چارے درمیان میں خواہ مخواہ مارے جائیں گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ جہاں انہیں خریدا نہیں جا سکتا' وہاں انہیں بہ زور طاقت' دھمکی اور دھاندلی سے مجبور کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ان سازشیوں سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔''

''تم صحیح کہتے ہو مگر ہم ان پر ابھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ یہ لوگ ہماری نظر میں ہیں' ان کا بھی کوئی انتظام کریں گے۔''

''دنیش بابو!'' میں نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ ''ایک بات کہوں؟''

''کہو!'' وہ بے چینی سے بولا۔

'' ذرا ان رانیوں اور بہنوں کو بھی قریب لایئے جنہیں مہیش چندر جی نے خود سے دور کر دیا تھا۔ آپ کے سورگ باشی پتا پرکاش چندر نے گھر سے ایسی بے رخی اختیار کی تھی کہ سب بے مہار ہو گئے۔ انہیں تحائف دیجئے' کبھی کبھی ان کے پاس جایا کیجئے۔ ان سے گھلئے ملئے آپ کی کئی جوان بہنوں کی شادی ہو جانی چاہئے۔ کسی نے ان کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا۔ آپ کے پتا کو بھون کے اندر ہونیوالے ہنگاموں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ سب ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔ ان کے

لئے رشتے تلاش کیجیے اور انہیں یقین دلایئے کہ آپ کی موجودگی میں وہ سب سے زیادہ محفوظ ہیں۔ ان کی دل بستگی کے سامان پیدا کیجیے۔ میری باتیں آپ سمجھ رہے ہیں؟''

''ہم خوب سمجھ رہے ہیں۔ تم بہت کام کی باتیں کر رہے ہو۔ ہمیں تمہاری دوستی پر ناز ہو رہا ہے۔ تم اور کہو ہم سن رہے ہیں۔''

''ایک اور بات! اگر وہ ذرا......'' میں جھجک کے رک گیا۔

''کہو کہو۔'' اس نے میری حوصلہ افزائی کی۔

''بات تو بہت بری ہے پر میں نے سورگ باشی کنور جی کو دیکھا تھا اس لئے ہمت پڑ رہی ہے۔ دنیش چندر بابو! آپ...... آپ پارو رانی کو خود سے قریب کیجیے۔''

''کیا کہہ رہے ہو موہن داس؟ یہ کیسے ممکن ہے۔''

''کیسے ممکن نہیں ہے۔ پارو رانی سے تعلق بڑھایئے صاحب! ذرا گہری دوستی گانٹھ لیجیے۔ ہونھ۔ سمجھے آپ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ کیا کسی کو قتل کرنا اچھی بات ہے؟ ظاہر ہے کوئی شریف آدمی ایسا قدم نہیں اٹھائے گا مگر جب وہ مجبور ہو جائے گا تو سب کچھ کر گزرے گا۔ پارو رانی کے ہاتھ بڑے معلوم ہوتے ہیں' ان کی رسائی دور دور تک ہے۔''

''ہم یہ بات تو جانتے ہیں۔''

''تو پھر دیر کیا ہے؟ ایک ذرا تنہائی میں وقت گزاریے۔ ہاں' وہ حسین بھی بہت ہیں۔''

''موہن داس!'' وہ ناگواری سے بولا تم زائد ذہانت کا شکار تو نہیں ہو گئے؟ بہر حال میں تمہارے مشوروں پر عمل کروں گا۔''

مجھے اب تک اپنے خون آلود کپڑے گھر لے جانے اور انہیں ضائع کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ خوش قسمتی سے ابھی تک اس پیکٹ پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ یہ بھٹناگر کی یادگار تھی۔ جب میں انہیں لے جا رہا تھا تو دنیش چندر نے دیکھ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔'' ہر نشانی مٹا دینا چاہتے ہو؟ ہمیں بس یہی افسوس ہے کہ تم پڑھے لکھے نہیں ہو۔''

''تعلیم تو کلرک پیدا کرتی ہے جناب!'' میں نے چلتے چلتے ایک فقرہ اس کی جانب اچھالا اور اسے حیران چھوڑ کے چلا آیا گھر آ کے سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ کپڑے نل کے نیچے ڈال دیئے اور ڈالی کو ہدایت کی کہ وہ انہیں کسی مناسب

رنگ میں ڈبو دے۔

حالات کی موجودہ رفتار تسلی بخش تھی۔ اس اکھاڑ پچھاڑ' الٹ پلٹ میں ایک لطف آ رہا تھا' سبھی کو چند دنوں بعد یہ پتہ چل گیا تھا کہ میں دنیش چندر کے قریب ترین آدمیوں میں شامل ہوں۔ چنانچہ ملازم مجھ سے اپنی سفارشیں کرا کے ڈیوٹیاں بدلوانے کی کوشش کرتے' اب میرا لباس خاص ملازموں کا تھا اور مجھے اچھے خاصے اختیارات حاصل تھے اور بباطن ان اختیارات کی کوئی حد نہیں تھی ۔ میں نے اس عرصے میں اپنی ساری توجہ ملازموں کی نقل و حرکت کا سراغ لگانے پر صرف کی تھی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ میرے پاس جمع اور نفی کی دو خانہ فہرست بن گئی تھی' ابھی تک جو ملازم آلودہ نہیں ہوئے تھے' وہ مثبت کے خانے میں اور جو کسی نہ کسی طور پر خریدے جا چکے تھے' وہ منفی کے خانے میں لکھ دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے ایک اور کام کیا۔ آدھی رات گئے ہم نے بھون کے سنسان علاقوں میں فائرنگ کرائی اور سائرن بجوائے تا کہ بھون کے مکینوں پر دہشت بیٹھی رہے اور دنیش چندر کو اس ہنگامی حالت میں ہنگامی فیصلے کرنے کا جواز مل سکے۔ بھون کی زندگی بدل رہی تھی' شروع رات ہی کو سناٹا طاری ہو جاتا۔ روزانہ مجرے کے بجائے ہفتے میں صرف تین دن اس عیش و عشرت کے لیے مخصوص کیے گئے تھے کیونکہ بڑے لوگ موسیقی اور رقص کھائے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ' امارت کے اظہار کے لیے خوب صورت گلے اور شیریں بدن طوائفوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ دولت کا ایک لازمہ ہے ہفتے میں تین دن امرائے راجے پور اور خوشامدیوں کی آمد آمد رہتی۔ بھون میں اور دلچسپیوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ باغ نئے سرے سے ترتیب دیا جا رہا تھا۔ بلیرڈ کی میزیں مختلف کمروں میں لگا دی گئی تھیں اور ٹیبل ٹینس' بیڈمنٹن اور ٹینس کے لیے پارٹیاں بن گئی تھیں' جن کے باقاعدہ مقابلے شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا ان مصروفیات میں مجھے اپنی جان کو سینے سے لگانے' اپنا پھول سونگھنے اور اپنی دولت دیکھنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ یوں اس سے روز ہی ملاقات ہوتی تھی اور نظروں نظروں میں ہزار شکوے' ہزار سلام' ہزار پیام ہو جاتے تھے۔ وہ میرے دل میں پیوست ہو گئی تھی۔ میں اب اس کے سامنے نہیں رہتا تھا لیکن وہ ہر وقت میرے سامنے رہتی تھی۔ بھون میں حسین لڑکیوں کی کمی نہیں تھی مگر وہ سب سے شان دار' سب سے الگ تھی' اس کے ہاں ایک وقار تھا۔ میں بعض اوقات دوسری لڑکیوں سے اس کا موزانہ کرتا تو مجھے اپنی قسمت پر ناز ہونے لگتا کہ وہ موم کی

گڑیا' وہ کانچ کی لڑکی' وہ گلابی' شہابی دوشیزہ' اس کے بدن سے اچھا کوئی رنگ نہیں تھا۔ اس کا بدن فصیح تھا اور اس کی نگاہ بلیغ تھی۔ اس دوری نے اور اشتیاق بڑھا دیا تھا مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ دولت چھن نہ جائے۔ جگدیپ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو میرے دل میں سوئیاں چبھنے لگتیں۔ جب بے تابی حد سے سوا ہوا چاہتی تو میں اس کی طرف چل پڑتا۔ پہلے کی بات اور تھی' اب قدم قدم پر میرے لیے خطرے تھے۔ لوگ تلاش میں تھے کہ مجھے دنیش کی نظر میں پست کر دیں اور مجھے سزا دلانے کا بہانا ڈھونڈ لیں ۔ اسی لیے میں بہت احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔ اس سے بات کیے دن گزر گئے تھے۔ شاید اس کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے ایک رات مالتی کے ذریعے مجھے اپنے پاس بلوا لیا۔ بھون کے لوگ بڑے ہال میں بمبئی سے آئے ہوئے ایک مداری کا تماشا دیکھ رہے تھے' زنان خانہ خالی تھا اور کسی کے جلد آنے کی توقع بھی نہیں تھی۔ مالتی کو کسی کام سے لگا کر وہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے آئی ۔ وہ حسب معمول دھانی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھی جس کے بلاؤز اور ساڑی کے درمیان اس کی کمر کسی شاخ نازک کی طرح لہرا رہی تھی۔

''موہن!'' وہ وارفتگی سے میری طرف بڑھی تو میں نے اتنی شدت سے اسے بھینچا کہ اس کی سانس رکنے لگی۔ ''موہن!'' وہ تھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''تمام باتیں کر لینا' مجھے اپنا چہرہ تو دکھاؤ۔'' میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا اور دیر تک تکتا رہا۔ اس کی آنکھیں لبریز تھیں' بس چھلکا ہی چاہتی تھیں۔

''تم آگ سے کھیل رہے ہو' شاید میں نے تمہیں غلط سمجھا ہے۔''

''شاردا! ایسی باتیں مت کرو' میں گر جاؤں گا۔'' سینے کی تہہ سے آواز نکلی۔

''میں سب دیکھ رہی ہوں' تم جو کچھ کر رہے ہو' ٹھیک ہے۔ دنیش بھی تم سے بہت خوش ہے۔ بھون کا ماحول پہلے سے اچھا ہے مگر ہمیں یہاں نہیں رہنا تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے' میں اس زندگی سے نفرت کرتی ہوں۔ تمہیں آخر یہاں سے چلنے میں اب کون سی رکاوٹ در پیش ہے۔ میں سمجھتی ہوں شاید میں نے پوری طرح تمہارے دل میں گھر نہیں بنایا ہے ۔ وہ ریت کا گھروندا ہے۔''

''شاردا! تم نے ایک پختہ محل میرے قلب و دماغ میں بنایا ہے' اسے کوئی

نہیں گرا سکتا مگر میں اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتا ہوں' میں ان سرکش لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ ایک غریب شخص کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے۔ وہ بھی اعلیٰ دماغ رکھتا ہے۔ بس چند دنوں کی جدائی اور ہے لیکن مجھے دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں تم مجھ سے چھن نہ جاؤ۔''

''اور تمہیں ان معاملوں میں گھرا دیکھ کے مجھے خوف کھائے لیتا ہے کہ تم مجھ سے بچھڑ نہ جاؤ۔ ان گھناؤنے لوگوں میں تم گندے نہ ہو جاؤ۔ تمہارا یہ صاف ستھرا پن یہ اصلی پن ختم نہ ہو جائے۔''

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں محفوظ رہوں گا' بس مجھے اتنا اطمینان دلا دو کہ تم کسی لمحے بھی مجھ سے منحرف نہیں ہو گی۔ تم نے جو کچھ مجھے دیا ہے' مجھ سے نہیں چھینو گی۔ میں تمہارا مالک ہی رہوں گا۔''

''کیا تم مجھے ایک کمزور ارادے کی لڑکی سمجھتے ہو؟ کیا میں تم سے یہ ربط اپنی دل بستگی کے لئے قائم رکھے ہوئے ہوں۔ تم میری توہن کر رہے ہو۔''

''شاردا شاردا۔'' میں نے اس کے ہاتھ چوم لئے۔ ''میں تمہاری توہین کرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ تم میری عزت ہو میری زندگی ہو۔''

''موہن! بھگوان کے لئے اس بوچڑ خانے سے چلو' تمہیں کس کی نظر میں بلند ہونا ہے؟ میری نظر میں؟ میں تو تمہیں دیوتا سمجھتی ہوں۔''

''میں تمہارے سامنے اپنے آئندہ دنوں میں شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ اس لئے میرا یہاں کچھ دیر رکنا ضروری ہے۔ کس کم بخت کا یہاں جی لگتا ہے؟ لیکن شاردا! کچھ دن اور انتظار کر لو۔'' میں نے حسرت آمیز آواز میں کہا۔

''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آتی ۔ شاید تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔ کوئی اور مجبوری ہے جس کے باعث تم یہاں سے جانا نہیں چاہتے کیونکہ تم کوئی معقول دلیل نہیں دے رہے ہو۔''

''چلو یہی سمجھ لو مگر یقین رکھو کہ وہ مجبوری ہمارے آئندہ دنوں کے مفاد کے لئے ہے' باہر جانا آسان کام نہیں ہے مجھے پہلے سے بہت سے انتظامات کرنے ہوں گے' کلکتے میں میرا ایک دوست ہے' اس کے ذریعے یہاں سے بہت دور مکان کا بندوبست کرنا ہو گا۔ تا کہ ہم ان کی گرفت سے محفوظ رہ سکیں۔''

پھر تم باہر کیوں نہیں جاتے اور انتظامات کر کے یہاں سے مجھے جلد از جلد کیوں نہیں لے جاتے؟ تم نے اب تک کیا کیا ہے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا اس لئے نہیں کیا' کہ اس سے پہلے مجھے اور کام کرنے ہیں میں ایک سر بسر جذباتی آدمی کی طرح تمہیں ساتھ لے جا کے اور اذیتیں دینا نہیں چاہتا۔"

"مگر مجھے تم اسی لئے پسند ہو کہ تم جذباتی ہو' مستی میں رہتے ہوئے تمہیں کل کی فکر نہیں رہتی۔ تمہارے بازو مضبوط ہیں۔ مجھے کپڑوں' کھانوں سے زیادہ تمہارے بازوؤں کی ضرورت ہے۔ میں غریب رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں میں کام کے گٹھے اور اپنے بدن پر داغ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں میلی رہنا پسند کرتی ہوں۔ مجھے اپنے جسم پر جھولتے ہوئے چیتھڑوں میں رومان محسوس ہوتا ہے' میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تمہاری جھونپڑی میں رہ کے مجھے سچی مسرت حاصل ہو گی۔"

میں نے اس کے منہ پر انگلیاں رکھ دیں۔ "بس کرو بس کرو' مجھے اور ثبوت نہیں چاہئیں۔ ذرا سوچو۔ ذرا میرے دل سے سوچو کہ میں تمہیں ایسی حالت میں دیکھ کے خوش رہ سکتا ہوں؟ تم سب کچھ اپنا بھلا ہی چاہتی ہو۔ کچھ میرے لئے نہیں چھوڑتیں کہ میں تمہیں کس طرح رکھنا چاہتا ہوں' تمہیں میرے احساسات کا بھی تو خیال رکھنا چاہئے میں بھی تو تمہارے بارے میں کچھ سوچتا ہوں گا۔"

"بعض اوقات مجھے خیال آتا ہے کہ تم کچھ نہیں سوچ رہے ہو۔"

"آہ!" میں نے اپنا چہرہ اس کی گردن میں چھپا لیا۔ "تمہیں کیا پتہ کہ میں اپنے آپ کو بھول گیا ہوں۔ میری ذات رہ کہاں گئی ہے؟"

شاردا سے' اتنے دنوں بعد خلوت کا موقع ملا تھا تو شدت اور بڑھ گئی۔ اس نے مجھے اپنے اعتماد کی شراب اور پلا دی۔ اس کے کمرے سے رخصت ہوتے وقت میرے جسم میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔" میں خود کو کوئی راجہ سمجھ رہا تھا' بادشاہ' اس بھون کا مالک' اس بھون کا سب سے بڑا آدمی۔ میں نے اس سے کسی نہ کسی طرح کچھ اور مہلت مانگ لی لیکن مجھے اندازہ ہو گیا کہ مجھے کام تیز کرنے پڑیں گے۔ میں کب تک شاردا سے یہ مہلتیں مانگتا رہوں گا؟ کسی دن باہر نکلنا ہی ہو گا۔ لوگ مجھے بھول گئے ہوں گے اور نہیں بھولے ہیں تو بھول جائیں گے کہ میں ایک قاتل ہوں' پولیس کو جس کی تلاش ہے شاردا کی ہر بات درست تھی مگر بے سرو سامانی کے عالم میں مجھے اپنا چہرہ چھپانا اور مشکل ہو جاتا۔

دنیش چندر کے روز روز کے نئے احکام' ملازموں کے معاملے میں باقاعدگی'

نئے حفاظتی انتظام' تبادلے' سزائیں' دنیش سے ہر ایک کی دوستی' رانیوں کے لئے عزت و احترام میں اضافے' نئی نئی تبدیلیوں سے بھون میں ایک چھوٹا موٹا انقلاب تو آ ہی گیا تھا اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ میرا دنیش سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ حالانکہ ہم نے اسے چھپانے کی پوری کوشش کی تھی کچھ دنوں تک ہر طرف سے معاملہ ٹھنڈا رہا کوئی قتل نہیں ہوا' کوئی گولی نہیں چلی۔ ادھر دنیش نے پارو سے ربط ضبط بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ جگدیپ کی آمد میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس کا زیادہ وقت تفریحی مشاغل میں گزرتا۔ دنیش چندر کے سیکرٹری کی جگہ عارضی طور پر ایک فرض شناس شخص کا تقرر کر لیا گیا تھا' راجے پور سے ملحق انگریزوں کی ایک بڑی چھاؤنی تھی چنانچہ انگریزوں کا عمل دخل اس ریاست میں عام ریاستوں سے زیادہ ہی تھا۔ میرے مشورے پر دنیش چندر نے ریاست کے مہاراجہ امرناتھ کے اعزاز میں ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جس میں چھاؤنی کے بعض انگریز افسر بھی مدعو کئے گئے' میں نے پہلی بار مہاراجہ کو دیکھا تھا۔ مجھے وہ شخص بہت پسند آیا' وہ سرخ رنگ کا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا' چہرے سے عزم جھلکتا تھا۔ اس کی شخصیت بالکل راجاؤں جیسی تھی۔ آنکھوں میں تدبر' متانت' چوڑی پیشانی' گھنی مونچھیں' سفید شیروانی میں ملبوس' اس کی سواری بڑی شان و شوکت سے آئی۔ مہاراجہ بھون کے تمام آدمیوں میں گھلے ملے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آسانی سے انگریزوں کے قابو میں آنے والا شخص نہیں ہے۔ بہت باخبر' ہوش مند اور ہوشیار شخص ہے۔ دنیش کی تمام بہنیں' کم عمر بھائی اور رانیاں اس سے قریب ہونا چاہتی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ شاردا ان میں سب سے پیچھے ہے۔ مہاراجہ نے شاید یہ بات محسوس کر لی اور اسے پاس بلایا۔ شاردا نے روایت کے مطابق جھک کے اسے تعظیم دی۔ مہاراجہ نے پوچھا۔ "تم بہت دنوں سے ہمارے ہاں نہیں آئیں۔ ہماری لائبریری میں کچھ نئی کتابیں آئی ہیں لیکن ہم تمہیں دیں گے نہیں۔ تمہیں وہیں بیٹھ کے پڑھنا ہو گا۔"

"کون سی کتابیں؟" شاردا نے اشتیاق سے پوچھا۔

"انقلاب فرانس پر ایک اہم دستاویز' شا کے نئے ڈرامے۔ غالب کا مص دیوان' گوئٹے پر ایک تحقیقی مقالہ۔ تم وہاں آؤ گی تو ہمارا نیا گلگشن دیکھ کے حیرت زدہ رہ جاؤ گی۔"

"میں ضرور آؤں گی۔ اب یہ کام میرا ہے کہ میں کتنی کتابیں چرا کے لاتی

ہوں۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"ہم پہرے بٹھا دیں گے بلکہ ہم تو یہ سوچتے ہیں' تم وہیں آجاؤ۔ وہاں کی لائبریری میں بیٹھا کرو اور ہم سے کہو کہ تمہیں کون سی کتابیں درکار ہیں؟"

"میں اس عنایت کے لئے بہت ممنون ہوں۔" شاردا نے جھک کر کہا۔ "میں ضرور آؤں گی۔ یہاں تو آپ دیکھ رہے ہیں' کیسے عذاب نازل ہو رہے ہیں۔"

"مجھے سب خبریں ملتی رہتی ہیں' مہیش چندر کی موت پر میں انگلستان میں تھا۔ تمہیں پتہ نہیں ہم خود مصیبتوں سے دو چار ہیں کبھی کبھی خیال آتا ہے' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے ویرانے میں نکل جائیں۔"

"کاش آپ یہی فیصلہ کریں۔" شاردا نے جرات سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا تم بھی اس زندگی سے تنگ ہو؟"

"ہم سانپوں' اژدہوں کے درمیان بیٹھے رہتے ہیں۔ یہاں جنگل کا قانون چلتا ہے۔" شاردا نے برہمی سے کہا۔

"کتابوں نے تمہیں بہت بدل دیا ہے۔ ہمیں تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ بہر حال ہم تمہاری شان دار دعوت کریں گے اور تم سے خوب بحث کریں گے' مذہب پر' سیاست پر' فلسفے پر اور جس پر تم چاہو۔"

میں قریب ہی کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا۔ مہاراجہ پھر انگریزوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پارو ان سب کے درمیان کھڑی شگوفے چھوڑ رہی تھی۔ اعلا قسم کی غذاؤں کے علاوہ رات کو لکھنو سے آئی ہوئی ایک گلوکارہ نے گانا گایا۔ مہاراجہ جلد ہی چلا گیا۔

دعوت کے سارے انتظامات میں نے کئے تھے۔ اس دن دنیش چندر بہت خوش تھا' رات کو انگریز دیر تک بیٹھے رہے اور ناچ گانے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ دنیش چندر نے خود انہیں دیر تک روکے رکھا اور ہندوستانی کلاسیکی رقص اور نغمے کی تاریخ انہیں بتاتا رہا۔ انگریزوں سے دنیش چندر کا یہ میل جول امرائے راجے پور نے بھی یقیناً دیکھا ہو گا۔ میرا مقصد انہی لوگوں کو دنیش کا استحکام دکھانا مقصود تھا۔

☆......☆......☆

دنیش چندر سے میری رفاقت رنگ لائی۔ جہاں میری زبان سے نکلی ہوئی بات کا مان کیا جانے لگا تھا' وہیں میرے لئے اردگرد سے گھورتی ہوئی نگاہوں میں نفرت بھی بڑھ گئی۔ میری بیشتر توجہ دنیش چندر کے محل اور اس کی سرگرمیوں تک محدود

ہوگئی تھی مگر میں زنان خانے کی طرف سے بھی غافل نہیں تھا' مجھے پریت باقاعدہ یاد تھی وہ جب بھی مجھے دیکھتی' منہ سکوڑ لیتی۔ وہ چھریرے بدن کی ایک دلکش لڑکی تھی۔ پرکاش بھون میں بدصورت کون تھا؟ جلد اور چہروں میں سبھی ایک سے ایک تھے۔ پریت بھی میرے پروگرام میں شامل تھی لیکن اگر میں اس طرف اپنی توجہ مبذول کرتا تو دوسرے کام دھرے رہ جاتے۔ میں اپنے بارے میں اس کے چبھتے ہوئے زہریلے جملے سنتا رہتا تھا۔ زنان خانے میں پریت کے علاوہ اور بھی خوب صورت چہرے تھے۔ جوان رانیاں اور داسیاں تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ان سب کو میری ضرورت تھی۔ میرے جیسے وجیہہ شخص کی' اور اگر نہ بھی ہوتی تو میں خود کو ان کی ضرورت ثابت کر سکتا تھا۔ اتنی اہلیت مجھ میں تھی۔ میرا جی ان سب کا گلا گھونٹنے' انہیں کچلنے اور ان کے حسن کی داد دینے کو چاہتا تھا۔ مجھے شکنتلا کا وہ طمانچہ یاد تھا جو اس نے میرے گال پر رسید کیا تھا۔ میں یہاں ایک جانور کے طور پر قبول کیا گیا تھا اور اب اس جانور کے سینگ نکل آئے تھے۔ اس کے دل میں ان سب کو زخمی کر دینے کی آرزو تھی۔

ضیافت کے تیسرے روز رات گئے میں دنیش چندر سے اجازت لے کے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ خیال تھا کہ گھر جا کے ڈالی سے سر دبواؤں گا۔ گھر جلدی پہنچنے کے لئے میں نے اصطبل کا سنسان راستہ اختیار کیا' جس سے میں اکثر گزرتا تھا۔ میں نے سرشاری میں ایک گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ گھوڑے نے گھبرا کے دولتی ماری تو میں جست لگا کے ایک طرف ہو گیا۔ اسی وقت ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی میرے سر سے گزر گئی۔ میں گھبراہٹ میں گھوڑے کی آڑ میں ہو گیا لیکن گولی چلانے والے نے اصطبل میں ادھر ادھر ٹارچ کی روشنی پھینکنی شروع کر دی تھی۔ میں اب بھاگ بھی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی گھوڑے کی آڑ میرا سموچا جسم چھپا سکتی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میری بو سونگھنے کے لئے تیزی سے حرکت کر رہی تھی۔ آخر اس نے مجھے آ لیا اور جیسے ہی روشنی کا یہ دائرہ میرے چہرے پر پڑا۔ میں اچھل کر ایک دوسرے گھوڑے کی آڑ میں ہو گیا۔ گولی چلی اور گھوڑے کی کراہیں اصطبل کے سناٹے میں گونجنے لگیں۔ دوسری گولی کے بعد تیسری گولی چلنے کے عرصے میں' میں بھاگ کر اصطبل کی لمبی دیوار کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے اپنا جسم خم کئے پوری توانائی سمیٹ کے روشن حصے کی طرف لپکا اور پیچھے دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں بھاگنے لگا۔ میرے دشمن کا نشانہ سچا تھا اور نفرت شدید تھی۔ وہ کوئی فرض شناس اور دیانت دار

آدمی تھا جو وصول کیے ہوئے معاوضے کے مطابق اپنی ڈیوٹی مستعدی سے انجام دے رہا تھا۔ اس کی چوتھی گولی میرا بازو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی اور بھاگتا رہا۔ اور اپنے کوارٹروں کے حصے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ ڈالی سو چکی تھی۔ اس نے دیر سے دروازہ کھولا اور میرا خون آلود کوٹ دیکھ کر ہذیان بکنے لگی۔

زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اس سے پٹی بندھوا کر میں اس کے اصرار کے باوجود گھر میں نہیں رکا اور اب کے عام راستے سے دنیش چندر کے محل میں واپس گیا۔ دنیش چندر خواب گاہ میں جا چکا تھا میری دستک پر وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹکا اور پستول جیب میں ڈال لیا۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میں نے جواب میں اپنا بازو آگے کر دیا اور مختصراً اسے ساری روداد سنائی۔ وہ تحمل سے سنتا رہا۔ دنیش چندر کو دیر ہو گئی تھی اس لئے خواب گاہ سے وہ طوائف بھی نیم عریاں باہر آ گئی جو آج مجرے میں اپنے گلے کا جادو جگا رہی تھی۔

''تم اندر جاؤ۔'' دنیش چندر نے اسے حکم دیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ ''تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟ کیا تم نے کسی کا چہرہ دیکھا؟''

''میں چہرہ دیکھ لیتا تو اس کا کام تمام کر کے ہی آتا اور خبر کا آدھا حصہ نہ سناتا کہ کسی نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ دنیش بابو!'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ '' آپ سے میری دوستی دشمنوں کو بہت کھٹک رہی ہے۔''

''تم ایک قیمتی دوست ہو۔ ہم تمہارا تحفظ کریں گے۔ تم نے زخم پر کیا لگایا؟'' وہ میرا بازو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں۔ میں تو سیدھا گھر سے آ رہا ہوں۔ بس پٹی باندھ لی ہے۔''

''ٹھیرو' یہاں بیٹھو۔ وہ یہ کہہ کے اندر گیا اور فرسٹ ایڈ کا بکس لے کے واپس آ گیا۔ پٹی کھولو۔''

'' یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی بہت معمولی زخم ہے دنیش بابو! ایک ہفتے میں خشک ہو جائے گا۔''

''تکلف کر رہے ہو' ہوں'' وہ مسکرا کے بولا۔ ''دوستی بھول گئے؟''

''یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔'' میں نے جز بز ہو کے کہا۔

''پھر دوستی کچی ہے۔'' وہ شوخی سے بولا۔ ''اب ہاتھ سیدھا کرو۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے سلیقے سے میری مرہم پٹی کر دی۔

جب وہ اس کام سے فارغ ہو چکا تو اس نے جیب سے پستول نکال کے اسے میری طرف اچھال دیا۔ ''اب اسے ساتھ رکھا کرو موہن! اور بے دریغ گولی چلا دو۔ ہم سب سے نمٹ لیں گے۔'' میں نے تشکر کے ساتھ پستول جیب میں رکھ لیا اور معذرت خواہانہ انداز میں اس سے اجازت چاہی۔ ''نہیں تم یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ یہیں سو جاؤ۔ کسی صوفے پر یا جہاں تم چاہو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''نہیں میں اب جاتا ہوں۔ آپ کی مصروفیت میں حارج ہوا' بہت شرمندہ ہوں' مگر جی نہیں مانا۔ سوچا اسی وقت آپ کے پاس آ جاؤں۔ آپ اندر جایئے وہ انتظار کر رہی ہو گی۔''

''وہ۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ کچھ اچھی لگ گئی ہم نے سوچا' رات بھر اس کی گنگناہٹ سنیں گے۔ نیند بھی تو نہیں آتی۔''

''نہیں' آپ جایئے۔'' میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا اور اسے سلام کر کے باہر آ گیا۔ اب میرے پاس پستول تھا۔ میں نے دربان سے ٹارچ لی اور گھر جانے کے بجائے اصطبل میں گھس گیا۔ میں وہاں بہت دیر تک کسی کو تلاش کرتا رہا لیکن وہاں گھوڑوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ ایک گھوڑا مردہ پڑا تھا۔ اس کے جسم کو بوسہ دے کے میں گھر واپس آ گیا۔ ڈالی دروازے پر میرا انتظار کر رہی تھی۔ ''سالے بھاگ گئے۔'' میں نے پستول کی نالی اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''ان کے بدلے مجھے مار دے۔'' ڈالی بولی۔ ''زخم تیرے لگتا ہے اور درد میرے ہوتا ہے ظالم اور کتنا ستائے گا۔''

''بچ گئے ورنہ آج دو چار کا خون ہو جاتا خیر۔ آج وہ' کل ہماری باری ہے۔''

'' دوسرا مصرع میں نے گنگنا کر ادا کیا۔ ''موت سے کس کو رستگاری ہے۔''

ڈالی چیختی چلاتی رہی۔ میں بستر پر دراز ہو گیا اور اس رات مجھے خاصی معقول نیند آ گئی۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح میری حالت ٹھیک تھی۔ میں نے زخم نئے کوٹ کی آستین میں چھپا لیا اور اصطبل کے راستے سے گزرتا ہوا دنیش کے ہاں پہنچ گیا۔ دنیش ابھی سو کے نہیں اٹھا تھا۔ میں ٹہلتا ہوا پارو کے کمرے تک چلا گیا۔ میں نے اطلاع کرائی تو

مجھے فوراً اندر بلا لیا گیا۔ یہ دیکھ کے مجھے حیرت ہوئی کہ وہاں پریت بھی موجود تھی۔

''میں نمسکار کے لئے حاضر ہوگیا تھا رانی صاحبہ!'' میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' پارو نے مسکرا کے حکم دیا۔ ''ہم تمہیں یاد ہی کر رہے تھے۔''

''کہیے کیا حکم ہے؟ آپ تو کوئی حکم ہی نہیں دیتیں۔''

''تمہیں اپنے مہاراج کی خدمت سے کہاں فرصت ملتی ہے' جو ہماری خدمت کرو گے۔'' وہ تیور سے بولی۔

''آپ حکم دے کے دیکھیں۔ میں تو سمجھتا ہوں' شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ کبھی بلاتی ہی نہیں ہیں آپ' پہلے تو ایسا نہیں تھا۔'' یہ بات میں نے پریت کی موجودگی میں جان بوجھ کے کہی تھی۔

''پہلے کیا تھا؟'' وہ ترشی سے بولی۔

''پہلے۔'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''پہلے آپ مجھ پر بہت مہربان تھیں۔ اب مجھے بھول گئیں شاید کوئی مجھ سے زیادہ اچھا غلام مل گیا؟''

''یہ گستاخ بہت آپ کے منہ لگا ہوا ہے۔'' پریت نے انگریزی میں کہا۔

''نہیں نہیں۔'' پارو نے تذبذب سے جواب دیا۔ ''اس کی عادت ہی ایسی ہے۔''

''شاردا کے پاس بہت گھسا رہتا ہے۔'' پریت نے کڑواہٹ سے کہا۔

''مگر پریت تم بھی اسے نظر انداز تو نہیں کر سکتیں۔''

''آپ بھی اس سے متاثر ہیں؟'' پریت نے طنزاً کہا۔

پارو کے جواب دینے سے پہلے میں نے کہا۔ ''پریت دیدی نے کبھی ہمیں خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے حسرت ہے کہ یہ مجھ سے کوئی کام لیں۔ پارو رانی آپ انہیں بتا دیجیے کہ میں اپنے مالکوں کا کتنا خیال رکھتا ہوں۔ اور ان کی خوشی کے لئے کیا کیا کرتا ہوں۔ وہ کسی وقت بھی بلائیں۔ بارش میں' طوفان میں' رات گئے میں' ہر وقت حاضر ہو جاتا ہوں۔''

پارو جانتی تھی کہ میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہا ہوں؟ میری نظریں پریت کے چہرے کو نشانہ بنائے ہوئے تھیں۔ پارو نے خوبصورتی سے موضوع بدل دیا۔ کہنے لگی۔

''موہن! کیا آج تم بازار کو جاؤ گے؟''

آپ حکم دیں گی تو ضرور چلا جاؤں گا۔''

''تو ایسا کرو۔ فرنچ کاسمیٹک کی طرف سے اطلاع آئی تھی کہ اس کے ہاں نئے کاسمیٹک آئے ہیں۔ شاید آج میں نہ جا سکوں' تم میری پرچی لے کے وہاں چلے جاؤ اور اس سے پہلے کہ دکان لٹ جائے' سب سامان لے آؤ۔''

''ضرور۔'' میں نے سر جھکا کے کہا۔ ''اور آپ کے لئے پریت دیدی؟''

''میرے لئے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ''کچھ نہیں۔''

''جی اچھا۔'' میں نے دیکھا کہ وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے لبوں پر سپردگی تھی۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ میں نے کئی تیر چلائے تھے پتہ نہیں کون سا نشانے پر بیٹھا؟ پارو نے مجھے جلد ہی پرچی لکھ کے دے دی اور پتہ سمجھا دیا۔ واپس آتے وقت میں نے خلاف ادب اور خلاف معمول خالص انگریزوں کے اسٹائل میں جھک کے پارو کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور وہاں سے چلا آیا۔

دنیش چندر کے ہاں مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ جنگل کے ٹھیکے لینے والے' نئی گاڑیوں کے تاجر اور ایک مل کے مالک بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی خاطر مدارات کا انتظام کر کے میں صدر دروازہ عبور کر کے باہر آ گیا۔ میرے ذہن میں اس وقت پریت ہی بسی ہوئی تھی اور کوئی معقول بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ابھی میں بھون سے کچھ ہی دور گیا ہوں گا۔ بھون کے آس پاس جو میدان پڑا ہوا تھا۔ میں ابھی اسے پار ہی کر رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے شانے پر ایک ضرب لگائی۔ میں نے مڑ کے دیکھا تو دو اجنبی مسٹنڈے' ڈیل ڈول میں ہاتھی جیسے' چہروں سے خاندانی غنڈے' مکے تانے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بہت اچانک تھا۔ انہوں نے پے در پے میرے منہ پر اپنے ماہرانہ مکے رسید کئے۔ میں بچتے بچتے بھی زمین پر گر گیا پستول میری جیب میں تھا لیکن اسے نکالنے کے لئے کوئی لمحہ انہوں نے فراہم نہیں کیا۔ ان میں سے ایک نے میرا گرا ہوا جسم دبوچنے کے لئے زقند بھری۔ میں پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ زمین پر منہ کے بل گرا۔ دوسرے نے اسی اثنا میں میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اپنے فولادی ہاتھوں سے مجھے ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ دوسرا بھی غصے میں اٹھنے لگا۔ میں نے ایک زبردست ٹھوکر لگا کے اسے تو بٹھا دیا اور جیسے ہی دوسرے نے میرے منہ پر مکا مارنے کے لئے ہاتھ بڑھائے' میں نے اپنا سر اس کے پیٹ میں مارا۔ وہ بھی دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ اسے دوبارہ اٹھنے کا ایک لمحہ دیئے بغیر میں نے اس کی گردن اور منہ پر اپنے جوتوں سے دو چار ایسی شدید

ٹھوکریں لگائیں کہ وہ لہولہان ہو گیا۔ پہلے والا اٹھا۔ دو چار ٹھوکریں اور لگ جاتیں تو اس کا کام اسی وقت تمام ہو جاتا۔ پہلے والے نے پشت سے میری گردن میں اپنے بازو حمائل کر دیئے تھے اور وہ گردن توڑنے کی فکر میں تھا۔ میں نے بہت زور کیا اور بجائے اس کے کہ کھڑا رہتا زمین پر بیٹھنے لگا۔ اس سے اس کا زور ٹوٹ گیا اور توازن بگڑ گیا۔ اسے بھی میرے ساتھ جھکنے پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ وہ ایک وزنی اور تندرست نوجوان سے نبرد آزما تھا۔ نیچے بیٹھے بیٹھے میں نے پیچھے کی طرف زور کیا۔ اس کے ہاتھ اس اچانک افتاد سے چھوٹ گئے۔ میں نے پھرتی سے دوبارہ کھڑے ہو کے اپنا رخ بدلا اور اس کے ساتھ بھی وہی عمل دہرایا۔ اس کے ساتھی نے پہلے ہی ہوش کھو دیئے تھے۔ ان دو گرانڈیل آدمیوں کے جثے میرے سامنے لمحوں میں زمین پر پڑے تھے۔ اب وہ اٹھنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے کیونکہ میرے ہاتھ میں دنیش چندر کا پستول چمک رہا تھا۔ وہ گھگھیانے لگے۔ میں نے پستول کی نال پر ان سے پوچھا۔ ''سچ سچ بتاؤ' تمہیں کس نے بھیجا تھا۔''

''رنجن نے۔'' انہوں نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

''رنجن؟ وہ گھوڑوں کی مالش کرنے والا؟''

''ہاں! اس نے ابھی ابھی سو روپے دے کے ہمیں تیار کیا تھا کہ ہم کسی درخت پر چڑھ کے تمہارا انتظار کریں۔ اس نے کہا تھا کہ تم آج کسی وقت دوپہر سے پہلے ہی اس طرف سے گزرو گے۔''

''وہ کب آیا تھا؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ ابھی وہ حویلی نہیں پہنچا ہو گا کیونکہ وہ گھوڑوں کے لئے تیل لینے گیا ہے۔''

''دیکھو مہاشے! تم اگر غنڈے ہو تو میں تم سے بڑا غنڈہ ہوں۔ سمجھے؟ آئندہ یہ احمقانہ حرکت مت کرنا۔ میری جیب میں پستول ہمیشہ رہتا ہے۔ میں تمہیں اسی وقت مار سکتا ہوں۔ تم نے غلط آدمی پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔'' وہ میرے پیروں پر گر گئے۔ ان کے چہروں سے جگہ جگہ خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اس معاملے کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ فوراً شمال کی طرف بھاگ جائیں۔

بھون واپس جانے کے بجائے میں بازار گیا۔ ایک نل پر منہ دھویا اور بازار سے پارو کی تمام چیزیں حاصل کر کے چلا آیا۔ بات صاف تھی۔ پارو اور پریت کے سوا

کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میں باہر جا رہا ہوں لیکن پریت میں غالباً یہ حوصلہ نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ پارو سے ایک ملاقات کرنی پڑے گی۔ چنانچہ میں اس کا ساماں دنیش کے ڈریسنگ روم میں چھوڑ آیا۔ میں نے دنیش کو یہ واقعہ نہیں بتایا۔ پھر دن بھر سوچتا رہا۔ اور رات کا منتظر رہا۔

اسی رات ڈالی مجھے ڈھونڈتی ہوئی دنیش چندر کے محل میں آئی۔ میں اسے دیکھ کے پریشان ہو گیا۔ یہ وقت ڈالی کے آنے کا نہیں تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں اسے محل سے باہر لے گیا۔ ''کیا بات ہے ڈالی اس وقت ادھر کیوں آئی ہے؟ تیرا سانس کیوں پھول رہا ہے؟ گڈا تو خیریت سے ہے؟''

''میرا گڈا تو ٹھیک ہے لیکن تیرے گڈے کی خیر نظر نہیں آتی۔''

''صاف صاف بتا۔'' میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''جلدی بتا کیا بات ہے؟''

''سن! میں کئی دن سے اس حرامی پر ڈورے ڈال رہی تھی۔ جو تیرا دشمن نمبر ایک ہے۔ وہی جگدیپ۔ اس حرام زادے کو کہیں اور جگہ نہ ملی تو اس نے مجھے اصطبل میں ملنے کو کہا۔ مجھے معلوم ہے اصطبل سے ملا ہوا رنجن کا کوارٹر ہے۔ میں وہیں چلی آئی۔ اس نے مجھے یہ قیمتی ہار دیا ہے۔ اسے دیکھ رہا ہے؟''

''الو کی پٹھی! بات نہیں بتاتی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''تو ایک طرف مجھ سے کہتا ہے' یہاں جا' وہاں جا۔ اس کا دھیان کر' اس کا دھیان کر۔ تو نے ہی بتایا تھا کہ جگدیپ کون ہے' میں نے اسے رام کیا تو غصے میں آ گیا۔ میرے پاس اور کیا ہے۔ جس سے میں تیرے کام آ سکتی ہوں۔'' اس کی آواز تھرتھرانے لگی۔

''چپ رہ۔ تجھ سے بعد میں نمٹوں گا۔ مجھے خوب طمانچے مار' تجھے ایک ہی گن آتا ہے۔ اچھا بتا نا کیا بات ہے؟''

''نہیں بتاتی۔''

''بتا دے۔'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔ پھر خوشامد کرنے لگا۔

وہ بڑی مشکل سے آمادہ ہوئی اور جو کچھ اس نے بتایا۔ میں اسے سن کر سکتے میں آ گیا۔ اس نے بتایا تھا کہ جب وہ جگدیپ کے ساتھ تخلیے میں مصروف تھی تو رنجن نے دروازے پر دستک دی۔ جگدیپ اٹھ کے باہر چلا گیا۔ ڈالی بھی دروازے پر آ گئی کیونکہ اگر وہ بستر پر ہی رہتی تو ان کی باتیں نہیں سن سکتی تھی۔ رنجن' جگدیپ کو بتا رہا تھا

کہ اس نے دنیش کے اس دودھ کے گلاس میں زہر ملا دیا ہے جو اسے روزانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ڈالی یہ سن کے جگدیپ کے آنے سے پہلے بستر پر آ گئی۔ اس نے جیسے تیسے عجلت کی اور اب سیدھی بھاگی بھاگی یہاں آ رہی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں دنیش نے دودھ پی نہ لیا ہو۔ میں ڈالی کو چھوڑ کر بھاگا بھاگا اندر آیا۔ دنیش چندر خواب گاہ میں جا چکا تھا۔ میری گھبراہٹ سے وہ بھی حواس باختہ ہو گیا۔ سب سے پہلے میں نے میز پر رکھا ہوا دودھ کا گلاس دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”میں صحیح وقت پر پہنچ گیا۔ دنیش بابو!“ میں نے کہا۔

”کیا پھر کوئی بپتا آ پڑی ہے؟“ وہ تیزی سے بولا۔

”اس بار میں نہیں' آپ نشانہ ہیں۔“ میں نے اسے جلدی جلدی اپنی اطلاع سے باخبر کیا۔

”یہ دودھ ایک لڑکی ریکھا لاتی ہے۔ اسی کو کیوں نہ بلوایا جائے؟“ وہ تشویش سے بولا۔ ”ممکن ہے' تمہاری خبر غلط ہو۔“

”میں نے جو کچھ سنا ہے' آپ کو بتا دیا ہے۔“

”اس لڑکی کو بلاؤ۔ وہ کہیں بھی ہو اسے یہاں بلا لاؤ۔“

میں نے بزر بجائی اور دربان کے آنے پر دنیش چندر نے فی الفور ریکھا کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور مجھے خواب گاہ سے ملحق ڈریسنگ روم کے پردے کے پیچھے کھڑے رہنے کی ہدایت کی۔ دربان میرے اعتماد کا ملازم تھا۔ صرف آدھے گھنٹے میں ریکھا خواب گاہ میں پہنچ گئی۔ میرا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا خدشہ تھا کہ کہیں پشیمانی نہ ہو۔ ڈالی کی اطلاع غلط نہ ہو۔

”سرکار نے داسی کو یاد کیا تھا؟“ ریکھا نے دنیش سے دریافت کیا۔ میں نے پہلی بار غور سے ریکھا کو دیکھا۔ وہ کمسن ہی نہیں' اچھی خاصی دلکش لڑکی بھی تھی۔ گداز جسم اور بڑی بڑی آنکھیں۔

”ریکھا! جانتی ہے' ہم نے اس سے تجھے کیوں یاد کیا ہے؟“

”کوئی سیوا سرکار؟“ ریکھا سہم کر بولی۔ اس کا سینہ تنفس کی تیز رفتاری سے لرز رہا تھا۔

”آج رات ہم تجھے اپنی رانی بنائیں گے۔“ دنیش نے یہ کہہ کے ہاتھ بڑھا دیا اور وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اس کی مسہری تک پہنچ گئی۔ دنیش کچھ دیر اس سے

لگاوٹ کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اچانک اس نے دودھ کا گلاس ریکھا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”لے اسے پی لے۔“

”نہیں مہاراج! یہ آپ کے لئے ہے۔“ ریکھا نے شرما کے انکار کر دیا۔ اس کے چہرے پر خوف کی کوئی علامت نہیں تھی۔ دنیش نے بھی اسے محسوس کر لیا۔

”سچ سچ بتا ریکھا! بھون کے کتنے لوگوں سے تیرا یارانہ ہے؟“

”سرکار میں۔“ ریکھا کا چہرہ اس بار خوف سے تاریک ہو گیا۔

”گھبرا نہیں میری رانی! میں تجھے کوئی سزا تھوڑی دوں گا۔“

”کسی سے بھی نہیں۔“ اس نے شرما کے گردن جھکا لی۔

دنیش نے اس کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ ”پھر تو اب کسی سے نہیں ملے گی؟“ دنیش نے گلاس اٹھا کے اس کے منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”آج تو ہی پی لے۔“

ریکھا نے اس بار کوئی عذر نہیں کیا۔ وہ دنیش کے ہاتھ سے سارا دودھ پی گئی۔

”بتی گل کر دوں سرکار؟ مجھے روشنی اچھی نہیں لگتی۔“ دنیش اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ ریکھا اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ جسم پر موت کی زردی چھانے لگی۔ زہر اتنا سریع الاثر تھا کہ وہ لمحوں میں سانس کھو بیٹھی۔ موت اور زندگی کی کش مکش بھی چند ثانیے جاری رہی۔ وہ لوٹی' پلٹی' آنکھیں باہر نکلیں اور بے نور ہو گئیں۔

”موہن!“ دنیش چندر بھاگ کر میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ اس منظر سے میرے دل پر بڑا اثر ہوا تھا۔ میں دروازے کا سہارا لے کے بیٹھ گیا تھا۔

”اس کی لاش کا کیا ہو گا؟“ میں نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔

”یہ واقعی مسئلہ ہے۔“ دنیش کچھ دیر سوچتا رہا۔ ”اسے گم کرنا مناسب نہیں ہے۔“

”اسے اصطبل میں چھوڑ آؤں؟“

”نہیں وہاں تک راستے میں کوئی دیکھ لے گا۔“

”پھر اسے راہداری میں چھوڑ دیتا ہوں۔ بارو رانی کے دروازے کے سامنے

وہاں تک میں اسے چھپا کے لے جا سکتا ہوں۔ آپ فیوز اڑا دیجیے۔''
''فیوز اڑانے کے بعد تو تم اسے اصطبل تک بھی چھوڑ سکتے ہو۔ میں بھی
تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''
میں نے بہت منع کیا مگر وہ نہ مانا۔ رات کے دو بجے تک ہم نے انتظار کیا۔
میں نے چادر میں لپیٹ کے کاندھے پر لاش اٹھائی۔ دنیش نے فیوز اڑا دیا۔ پورا بھون
اندھیرے میں ڈوب گیا تھا۔ پچھلے دروازے سے نکل کے بھاگتے ہوئے ہم اصطبل تک
پہنچ گئے اور وہاں ہم نے گھوڑوں کے درمیان لاش پھینک دی۔ واپسی کے وقت دنیش
نے رنجن کے کوارٹر پر دستک دی اور جیسے ہی وہ باہر نکلا' اسے گولی مار دی۔ میں صبح
کاذب تک دنیش چندر کے ساتھ ہی رہا اور ہم شطرنج کھیلتے رہے۔

☆......☆......☆

میرے پاس کنور مہیش چندر کا پستول تھا اور شانے پر ایک معمولی سی مگر کسک
دینے والا زخم موجود تھا۔ صبح دو غنڈوں سے معرکہ آرائی کے وقت میری دو چار رگیں بھی
ادھر سے ادھر ہو گئی تھیں۔ وہ بھی کسی قدر تکلیف پہنچا رہی تھیں۔ پارو کے چہرے اور
بدن کی آرائش کا سامان بھی میری تحویل میں تھا۔ چنانچہ پارو سے جلد از جلد ملنا لازمی
ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ رات کسی وقت چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں'
میں اس کے کمرے میں جاؤں گا اور اسے بھوت بن کے ڈراؤں گا اور اس مرتبہ باتیں
ذرا صاف صاف ہو جائیں گی جو پہلے نہیں ہو سکی تھیں۔ پارو کی عمر کم تھی مگر دماغ بڑا تھا
اور اعصاب اس سے بھی زیادہ بڑے۔ دو فریقوں کی فتح و شکست کا انحصار چھوٹے
بڑے اعصاب پر ہی ہوتا ہے جس کے اعصاب شاعری شروع کر دیتے ہیں' وہ شکست
کھا جاتا ہے۔ زندگی میں بڑے تجربے ہو رہے تھے۔ مجھے کم از کم ایک بات پر خوش
ہونا چاہئے تھا کہ یہاں زندگی گزارنے کی عملی تعلیم ہو رہی تھی۔

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے ہم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

اس رات مجھے پارو کے پاس نہ جانے کا قلق رہا لیکن دنیش چندر سے رہی
سہی دوری بھی ختم ہو گئی تھی۔ یہ خوشی کی بات تھی۔ رات کسی طرح گزری مگر وہ ایک
کامیاب رات تھی۔ گھر آ کے میں بے سدھ پڑ گیا۔ پھر روشنی جاگنے میں کچھ ہی دیر رہ
گئی تھی کہ میں نے دیکھا' دروازے پر کوئی موجود ہے۔ میں ہڑ بڑا کے اٹھ بیٹھا اور

دروازہ کھول کے صحن میں آ گیا وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا
کہ پھر مجھے اپنی پشت پر کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے پستول نکال لیا اور للکار کر
کہا۔ ''کون ہے؟''
''مجھے نہیں پہچانتے؟'' کیچو کی نقرئی ہنسی صحن میں ناچنے لگی۔ ''میں ہوں۔''
''تم؟'' میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ وہاں مجھے اس کا سایہ نظر آیا۔ میں
جھنجلا سا گیا۔ میں تمام معمے حل کر چکا تھا لیکن کیچو اب تک میرے لئے ایک سربستہ
راز تھی۔ اس کی موجودگی سے میں خود کو حقیر اور کمزور محسوس کرنے لگتا تھا۔ ''تم پھر آ
گئیں؟'' کہو کیسے آنا ہوا؟'' میں نے بے تکے پن سے پوچھا۔
''اب شاید تمہیں میری ضرورت پڑتی۔'' کیچو کی دلکش آواز ابھری۔
''تمہاری ضرورت؟ اتنے بڑے بڑے حادثے ہو گئے۔ مرنے میں ذرا سی
کسر رہ گئی تھی مگر تم نظر نہیں آئیں۔ تم کتنے دنوں بعد آئی ہو۔ میں کئی بار موت کے
منہ میں جا چکا ہوں۔''
''میں سب جانتی ہوں۔ تم نے جیسی بہادری کا ثبوت دیا ہے' میں اس کی
قدر کرتی ہوں میں یہی دیکھنا چاہتی تھی کہ تم خود کیا کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنے
سہارے سے بے نیاز کر دینا چاہتی تھی۔'' اس بار اس کے لہجے میں بے نیازی تھی۔
مجھے کچھ سردی سی لگی اور اچانک خیال آیا کہ میں نے اس کے گذشتہ
احسانات یکسر فراموش کر دیئے ہیں۔ اس نے اگر مختلف موقعوں پر میری مدد نہ کی ہوتی
تو میں کب کا مرکھپ چکا ہوتا۔ ''تم نے دیکھ لیا؟'' اس کے باوجود میں اپنا طنز نہ چھپا
سکا۔
''ہاں تم ہر اعتبار سے ایک مکمل مرد ہو۔ میں تمہاری جرات اور ہمت کا
امتحان لے رہی تھی۔''
''مگر تم کون ہو؟ میری پرسش کو کیوں آ جاتی ہو۔ تم کیا چاہتی ہو۔ میں
تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے اپنا سوال دہرایا۔
''میں تمہاری دوست ہوں۔'' وہ کھل کھلا کے بولی۔
''یہ کیسی دوستی ہے کہ میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''
''ایک دن تم سب جان جاؤ گے۔''
''اور وہ دن کب آئے گا؟''

''جلد ہی۔ بے صبری نہ کرو۔'' وہ پر خیال لہجے میں بولی۔ ''میں جلد تمہارے سامنے آؤں گی۔''

''تم کیسی ہو؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''تم مجھے کیسی دیکھنا پسند کرتے ہو۔''

''تم جیسی بھی ہو' میری محسن ہو۔ میں تمہاری مہربانیاں اور احسانات فراموش نہیں کر سکتا۔''

''اور تم وہی آدمی ہو جس کی مجھے ضرورت ہے۔''

''میری ضرورت؟ بھلا میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''بہت سے کام تمہیں خود پتہ نہیں کہ تم کیا ہو۔''

''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ایک جن ہو؟ ایک سایہ ہو' ایک روح ہو' جو مجھ پر مہربان ہے؟''

''تم جو سمجھو' میں وہی ہوں۔'' وہ ادا سے بولی۔

مجھ پر پھر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی۔ '' آج تم کیسے آ گئیں؟''

''میں تمہیں ایک تحفہ دینے آئی ہوں۔'' اسی وقت میری طرف ایک بے حد حسین مرمریں ہاتھ دراز ہوا۔ وہ کسی عورت کا ہاتھ تھا۔ ترشا ہوا ڈھلا ہوا' اتنا حسین کہ اسے کاٹ کے اپنے پاس رکھ لینے کو جی کرتا تھا۔ میں اسے دیکھ کے دم بخود رہ گیا اور جھجک کے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ میرے اور قریب آ گیا میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں لیکن ایسا نہ کر سکا۔

''یہ تمہارے لئے ہے۔'' اس نے کہا۔ میں نے اس کی کھلی ہوئی ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ اس میں کلیوں کی شکل کا ایک سبز' ترو تازہ پھول رکھا تھا۔ پہلے تو میں جھجکا لیکن یہ یقین کر کے کہ وہ پھول مجھے دینا چاہتی ہے۔ میں نے اسے اٹھا لیا۔ جب میری انگلیاں اس کے ہاتھ سے مس ہوئیں تو میرے پورے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ '' تم اسے کھا لو۔ ابھی اسی وقت۔''

''یہ کیا ہے؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ جب تم اسے کھا لو گے تو کوئی زہر تم پر اثر نہیں کرے گا اور تم اتنے طاقت ور ہو جاؤ گے کہ پھر کوئی تمہیں شکست نہیں دے سکتا۔

بشرطیکہ اس کے پاس جسمانی طاقت کے علاوہ کوئی اور طاقت نہ ہو۔''

''سچ؟'' میں نے اسے جھپٹ کر اٹھا لیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے سونگھ کر کہا۔

''ہاں!'' وہ اعتماد سے بولی۔ اس کا خوبصورت ہاتھ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

''ان سب کے لئے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔'' میں نے بچوں کی طرح کہا۔

''کچھ دن اور باقی ہیں۔'' اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پھر کیا ہو گا؟''

''پھر تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔'' اس کا لہجہ پراسرار ہو گیا۔

''کیسا کام؟''

''مجھے دیکھنے کا کام' تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو نا اور سارے بدلے لینا چاہتے ہو۔'' کیچو کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں لرز کے رہ گیا۔

''لیکن وہ سادھو میرا منتظر ہو گا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس سے ملوں کرچھے والا پنڈت بھی دو ایک بار نظر آیا تھا۔ میں اس سے نظر بچا کر بھاگ گیا مگر وہ سادھو وہ میرے بارے میں ساری باتیں جانتا ہے اور وہ کسی دن بھی یہاں آ سکتا ہے مجھے وہ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''تم اس سے ضرور ملنا۔'' میں نے محسوس کیا کہ وہ سادھو کا ذکر سن کے کچھ جزبز ہو گئی ہے۔ اس کی آواز میں پہلے جیسا تیقن نہیں تھا۔ میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر دروازے پر اچانک زور زور سے دستک ہونے لگی۔ کیچو کا سایہ لرزنے لگا۔ ''میں جا رہی ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''دروازے پر کرچھے والا پنڈت موجود ہے۔ وہ میری تلاش میں آیا ہے۔''

''میں اسے کیا بتاؤں؟'' میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا مگر کیچو غائب ہو گئی تھی اور دروازہ بری طرح پیٹا جا رہا تھا۔ میں اسے کھولنے کے لئے آگے بڑھا لیکن پھر مجھے اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے سبز پھول کا خیال آ گیا۔ میں نے اسے فوراً منہ میں ڈال لیا اور دروازہ کھول دیا۔

☆......☆......☆

نمسکار مہاراج !

جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا ' کرچھے والا پنڈت میرے نمسکار کا جواب دینے کے بجائے تیزی سے اندر داخل ہوا اور حیران نظروں سے در و دیوار کا جائزہ لینے لگا ۔ اس نے کونے کھدروں میں جھانک کر دیکھا اور کچھ پوچھے بغیر اندر کمرے میں گھس گیا جہاں ڈالی سو رہی تھی۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کے پھر صحن کی طرف پلٹا اور چند گہری سانسیں لے کے آسمان کی طرف دیکھنے لگا ۔''کیا ہوا مہاراج؟تمہیں کس کی تلاش ہے؟ کیا میں نے پھر کوئی لاش زمین میں چھپا دی ہے؟''

''دیر ہو گئی۔'' وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔''دیر ہو گئی بالک!''

''کیسی دیر؟ تم کیا کہہ رہے ہو مہاراج؟ سب ٹھیک ٹھاک تو ہے؟'' میں نے کسی قدر ناراضی سے کہا۔''اس سمے کیسے آنا ہوا؟''

''یہی تو آنے کا سمے تھا۔ بس درشن ہوتے ہوتے رہ گئے موہن داس !''

پنڈت چبوترے پر بیٹھ کر میرا چہرہ تکنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' میں اس کے قریب نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔

''ابھی تک اس کی سگندھ (خوشبو) آرہی ہے۔''

''کیسی سگندھ؟'' میں نے اطراف میں سونگھتے ہوئے پوچھا۔

''بس ایک بار اس کے درشن کرا دے موہن داس !'' پنڈت عاجزی سے بولا۔''ساری عمر تیرا سیوک رہوں گا۔''

''کس کے درشن مہاراج؟ تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔''

''میں نے اپنے جیون کے تیس سال ننگا پربت کے برفیلے' غاروں میں گیان دھیان میں بتائے ہیں لیکن اس کرچھے کے سوا کچھ نہیں ملا''۔ پھر وہ تاسف سے بولا۔ ''سب بھگوان کی لیلا ہے۔ بھاگیہ کی بات ہی اور ہے۔''

''مجھ سے زیادہ ابھاگیہ کون ہو گا' دوسے کی روٹی کے لئے اپنے جیسے منشوں کی گھڑکیاں سنتا ہوں' ذلیل ہوتا ہوں۔ اگر تم میرے بھاگیہ کی بات کر رہے ہو پنڈت ایشوری لال تو تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا مذاق مت اڑاؤ' جو کچھ کہنا ہے' صاف صاف کہو۔'' وہ کیچو کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ کم بخت عین وقت پر نہ آجاتا تو میں آج اس سے اپنے بارے میں بہت سی باتیں پوچھتا۔ پنڈت اب بھی بے چینی سے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہا تھا اور میں نے طے کر لیا تھا کہ اپنے اور کیچو کے بارے میں اسے ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔ اپنے گھر میں ان سادھوؤں اور پنڈتوں کی آمد مجھے قطعی پسند نہیں تھی۔ مجھے ان سے دہشت ہوتی تھی اپنا چہرہ چھپانے کے لئے یوں بھی کئی محاذوں پر جنگ جاری تھی۔ ان پنڈتوں میں الجھ کے ایک نیا محاذ کھل جاتا۔ میرے دل پر اپنی بہن' ماں' اور باپ کی موت نقش تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ان واقعات میں کیچو ضرور ملوث تھی اور پھر خود میری اختلاجی حالت' وہ ہذیانی دورہ جو مجھے آنے والے دنوں سے خوف زدہ کر دیتا تھا۔ ایسے لوگوں اور ایسی باتوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے لیکن نہ میں کیچو کو روک سکتا تھا جس نے مجھ پر بڑے احسانات کئے تھے اور نہ اس پنڈت کو جو صبح نمودار ہونے سے پہلے میرے گھر میں اس طرح گھس آیا تھا جیسے یہ اس کے باپ کا گھر ہو اور نہ مجھے اپنی اختلاجی کیفیت پر اختیار تھا جو خوش قسمتی سے یامن کی موت کے بعد ہنوز مجھ پر طاری نہیں ہوئی تھی۔ میں پنڈت کے سامنے انجان بنا رہا۔

''میں سب جانتا ہوں پر بالک اتنا بتا دے کہ یہ سب اتنی کم عمری میں کیسے ہو گیا؟'' پنڈت ایشوری لال نے کرچھا گھما کے پوچھا۔

''کیا ہو گیا؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔''تم آخر چاہتے کیا ہو؟''

''میں چاہتا ہوں' تو یہ جگہ چھوڑ دے' تیرا استھان یہ نہیں ہے۔ تجھے تو پہاڑوں اور گپھاؤں میں ہونا چاہئے تھا۔ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ کبھی مندر میں آیا کر۔ آ چل ۔ میرے ساتھ چل ۔ یہاں سے دور۔'' پنڈت خیال انگیز لہجے میں بولا۔

''ہونہہ۔'' میں نے ہنس کر کہا۔''میں کہاں جاؤں گا' میں تو دوسروں کا حکم سننے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ پہاڑ' گپھائیں اور مندر تو بھاگیہ والے اور پوتر لوگوں کے لئے ہوتے ہیں۔ میں تو بڑا پاپی ہوں۔'' میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا' جس کیچو کے بارے میں وہ اتنا مضطرب ہے کہ رات ختم ہونے سے پہلے بھاگ کر یہاں چلا آیا ۔ میں خود اس کیچو کے بارے میں

کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب بھی آتی ہے' مبہم باتیں کر کے اور الجھا کے چلی جاتی ہے۔
کیوں نہ اس پنڈت سے کیچو کے وجود کے بارے میں معلومات حاصل کروں؟ چنانچہ
میں نے اسے کریدنے کے لئے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کیا
کروں؟ تمہی بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''میں کہتا ہوں یہ استھان چھوڑ دے۔'' پنڈت نے چمک کر کہا۔

''پھر کہاں جاؤں؟''

''پھر تو اسی کا ہو جا' اسی کا نام لیا کر' اسی کو پرسن کیا کر۔''

میں نے اس بار یہ نہیں پوچھا کہ وہ کسے خوش کرنے کے بارے میں کہہ رہا
ہے؟ ''مگر میرے ساتھ یہ عورت اور بچہ بھی تو ہے' اور بھی جھگڑے ہیں۔'' میں نے
الجھ کر کہا۔

''سب کچھ چھوڑ دے۔'' پنڈت مجھے ملائم دیکھ کے راز دارانہ انداز میں بولا۔
''یہ سب دھوکا ہے میں تجھے بہت دور لے جاؤں گا۔''

''پنڈت جی مہاراج! مجھے جیون میں بڑے دکھ ملے ہیں۔ کسی پر اعتبار نہیں
آتا کیا میں پوچھ سکتا ہوں' تم آخر مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے؟''

''ہاں۔'' پنڈت نے گہری سانس لے کے کہا۔ ''یہ بات تجھے ضرور پوچھنی
چاہئے۔ پر یا تو تو مجھے مورکھ سمجھ رہا ہے یا پھر تو ابھی بالک ہی ہے۔ ارے بھاگیہ وان
تیرے ساتھ رہوں گا تو مجھے بھی کچھ مل جائے گا۔''

''مجھے کیا ملا ہے؟'' میں نے تنک کر کہا۔

''تجھے کیا ملا ہے؟'' وہ جوش میں بولا۔ ''تجھے وہ ملا ہے جو بڑے بڑے
سادھوؤں کو نہیں ملا' دیکھ رہا ہے' بس جیون میں یہ کرچھا ملا ہے' یہ کرچھا جس کا بوجھ
میں اٹھائے پھرتا ہوں۔'' پنڈت نے اسے غصے سے زمین پر مارا تو چنگاریاں اٹھنے
لگیں۔ ''مہادیو نے اپنے سیوک کو یہی دیا ہے۔''

''اس میں بھلا ایسی کیا بات ہے؟'' میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

''یہ'' پنڈت نے عقیدت سے کرچھا دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ مجھے جان سے
زیادہ پیارا ہے' اس کا بوجھ میں ہی اٹھا سکتا ہوں' کوئی اور اسے اٹھا بھی نہیں سکتا۔''

''اچ چھا؟'' میں نے خوف زدگی سے کہا۔ ''حالانکہ یہ تو بہت عام سا کرچھا
ہے۔''

''اسے بڑے بڑے بلوان نہیں اٹھا سکتے۔'' پنڈت فخر سے بولا۔

''میں اٹھاؤں؟'' میں نے جھجکتے جھجکتے کہا۔

''ہاتھوں میں چھالے پڑ جائیں گے۔ اس میں آگ بھری ہوئی ہے۔''
پنڈت نے الکھ نرنجن کی صدا لگائی اور کرچھا بجانے لگا۔

''یقین نہیں آتا۔'' میں نے معصومیت سے اپنی رائے ظاہر کی۔

پنڈت کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھری اور اس نے کرچھا میری طرف
بڑھا کے کہا۔ ''لے' اسے اٹھا لے۔'' میں نے ہاتھ بڑھا کے اسے تھام لیا۔ اس کا کوئی
وزن نہیں تھا۔ میں نے اس کی ساخت پر غور کرنے کے بعد پنڈت کے چہرے کی
طرف استفسار طلب نظروں سے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور ہونٹ کانپ
رہے تھے۔ میں نے اسے مسکرا کے کرچھا واپس کرنا چاہا مگر پنڈت کی حالت اچانک
غیر ہو گئی تھی۔ ''موہن داس!'' اس نے پر نام کرنے والے انداز میں اپنے دونوں
ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''تو بڑا بلوان ہے۔ مہادیو کا کرچھا کوئی بلوان ہی اٹھا سکتا ہے' مجھے شما
کر دے۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے کرچھا اس کی گود میں پھینک کر کہا۔ ''خواہ مخواہ
کی بات کرتے ہو' پتہ نہیں کیا چاہتے ہو اور کیوں وقت بے وقت پریشان کرنے آ
جاتے ہو۔''

پنڈت کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے احتیاط سے کرچھا اٹھایا اور بڑ بڑاتے
ہوئے بولا۔ ''کچھ بھی کہہ لے لیکن میں تجھ سے وچن لئے بنا نہیں جاؤں گا۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے پنڈت ایشوری لال! میں رات بھر نہیں سویا ہوں۔ کھل
کر بات کرو۔'' میں نے پنڈت کی متغیر حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھاری آواز
میں کہا۔

''تجھے رات کو نیند کیسے آتی موہن داس!'' وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور میرے
ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ ''ایک وچن دے ورنہ میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔''

''کیسا وچن؟'' میں نے بگڑ کے کہا۔ ''تم نے اب تک کوئی کام کی بات نہیں
کی ہے۔''

''میں نے اب تک کام ہی کی بات کی ہے۔ میری بات پر ذرا دھیان
دے۔ یہاں سے بھاگ چل اور اگر اب نہیں جاتا تو ایک دن میری بات پر پچھتائے

گا' دیکھ اچھا سے نکل نہ جائے۔"

"میں تمہاری نصیحت پر ضرور سوچوں گا۔" میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"پرنتو تو نے مجھے کوئی وچن نہیں دیا۔"

"میں کچھ سنے بنا وچن کیسے دے دوں؟" میں نے درشتی سے کہا۔

"موہن داس! مجھے صرف ایک بات بتا دے' تو نے اسے راضی کیسے کیا ہے؟"

"اور اگر میں نہ بتاؤں؟" میں نے قصہ مختصر کرنے کے لئے تیزی سے کہا۔

"تو میں تیری چوکھٹ سے نہیں جاؤں گا' یہیں پڑا رہوں گا' تو مجھے اپنا متر سمجھ' دیکھ میں کسی سے تیرے کام آسکتا ہوں' مجھے نراش مت کر۔"

"تو تم یہیں بیٹھے رہو' دیکھو مہاراج تم جو کچھ سمجھ رہے ہو' وہ سب تمہاری نگاہ کا قصور ہے۔ میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تم سے پرارتھنا کروں گا کہ مندر میں جاؤ۔ یہ تمہارا استھان نہیں ہے' اس کے باوجود تم یہاں بیٹھنے پر بہ ضد ہو تو آرام سے بیٹھو۔ میں ڈالی کو اٹھاتا ہوں خوب جل بھوجن کرو۔ تمہارے لئے بستر لا دوں؟"

"میں کچھ کھاؤں گا بھی نہیں' یہیں پڑا رہوں گا۔" وہ ضد کرتے ہوئے بولا۔

"تمہاری مرضی! میں تو اپنے بستر پر چلتا ہوں۔"

پنڈت تھم سے سر لٹکائے بیٹھ گیا اور دھیمے لہجے میں کچھ پڑھنے لگا صبح ہو رہی تھی۔ میں نے اندر جانے کا ارادہ کیا مگر ظاہر ہے' اس کی موجودگی میں بستر پر دراز نہیں ہوسکتا تھا۔ ادھر میرے منہ میں کیچو کے اس پھول کی سخت کڑواہٹ تھی جسے میں نے پنڈت کی دستک سن کے منہ میں رکھ لیا تھا۔ یہ کڑواہٹ پورے جسم میں پھیل گئی تھی۔ رات بھی کچھ اچھی نہیں گزری تھی دو قتل ہو چکے تھے پنڈت کی ضد مجھے بہت کھلی۔ ہمارے درمیان دیر تک خاموشی رہی۔ میں نے پھر ایک بار پنڈت سے درخواست کی کہ وہ یہاں سے چلا جائے لیکن وہ کرچھا بجاتا' زیر لب کچھ پڑھتا' تھم سے چپکا بیٹھا رہا۔ صبح کی روشنی پھوٹنا ہی چاہتی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر پنڈت اس طرح بیٹھا رہا تو صبح تک اچھا خاصا ہنگامہ ہو جائے گا۔

میرے اصرار کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجھے اپنا غصہ دبانا مشکل ہو گیا' پھر نہ

جانے مجھے کیا ہوا؟ میں نے آگے بڑھ کر پنڈت کو دونوں ہاتھوں میں' جس طرح وہ بیٹھا تھا اسی طرح اٹھا لیا' وہ بہت مچلا تڑپا میری گرفت بہت مضبوط تھی۔ ایک پاؤں سے میں نے دروازہ کھولا' جی تو یہ چاہتا تھا کہ اسے اپنے مکان کے باہر زمین پر پھینک دوں مگر میں نے آہستگی سے اسے دروازے سے کچھ دور زمین پر رکھ دیا۔

"تو مجھے گھر سے نکال رہا ہے' برا کر رہا ہے موہن داس! برا کر رہا ہے' میں پھر آؤں گا' بار بار آتا رہوں گا۔"

"اور بار بار تمہارے ساتھ یہی ہوتا رہے گا۔ پنڈت جی! اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے جب تمہاری ضرورت پڑے گی' میں خود مندر میں آجاؤں گا۔ اپنا راستہ لو' مجھے کیوں بدنام کرنا چاہتے ہو۔" میں نے بیزاری سے کہا حالانکہ اسے دو چار ٹھوکریں لگانے کے لئے ٹانگوں میں ہڑکل ہو رہی تھی۔

"پچھتائے گا۔ پنڈتوں کا اپمان نہ کر موہن داس!"

"تم اپنا اپمان خود کرا رہے ہو۔ پنڈت جی! کان کھول کے سن لو' تمہارے وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ مجھے سیدھے سادے انداز میں عزت سے اپنا سے گزارنے دو۔ آئندہ اس طرف مت آنا۔" یہ کہہ کے میں نے اپنے مکان کا رخ کیا' پنڈت اب بھی بڑ بڑا رہا تھا' وہ کبھی مستقبل سے ڈراتا تھا۔ کبھی اس کے لہجے میں خوشامد شامل ہو جاتی۔ میں نے اپنا دروازہ بند کیا اور بستر میں دو ایک گھنٹے آرام کے ارادے سے اندر جانا ہی چاہتا تھا کہ ڈالی مجھے برآمدے میں کھڑی ہوئی نظر آئی۔

"تو جاگ رہی ہے؟" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس نوٹنکی میں نیند کیسے آسکتی ہے۔"

"تو تو نے سب کچھ دیکھ اور سن لیا ہے؟"

"ہاں اور مجھے یہ بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ تو مجھ سے کتنا دور ہے۔"

"اس کا اندازہ تجھے کس بات سے ہوا لگی؟"

"تو نے مجھے بہت سی باتیں نہیں بتائیں شیرو! تو نے مجھے اپنا نہیں سمجھا۔"

"میں تجھے کیا بات بتاتا؟" میں نے اس کا بازو پکڑ کے اسے سینے سے لگا لیا۔ "ڈالی! میری کٹیا' ہر بات بتاؤں گا تو تیرا دماغ فیل ہو جائے گا اور تو کچھ نہیں سمجھ پائے گی۔"

"یہ پنڈت کیا کہہ رہا تھا؟ اس کی تو لوگ یہاں بہت عزت کرتے ہیں۔"

اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں' چرن چھوتے ہیں' تو نے اسے گود میں اٹھا کے باہر
پھینک دیا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟''

''یہ بکواس کر رہا تھا۔ پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔ دو ایک جنتر منتر آتے ہیں
اس بڈھے کو اور سارے بھون کو نچا رکھا ہے۔ میں نے آج اس کی پول کھول دی۔''

''مگر تو نے کچھ آگے بھی دیکھا۔ یہ تیرا دشمن بن جائے گا' پہلے ہی تیرے
دشمن کیا کم ہیں۔'' ڈالی میرے سینے میں ضم ہوتے ہوئے بولی۔

''تو اپنی جان مت جلا۔ ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے ڈالی!''

''اس کھیل کا انجام بڑا خراب ہو سکتا ہے۔''

''لیکن دل کی حسرتیں تو نکل جائیں گی۔''

''اور میں تجھے کھو بیٹھوں گی شیرو! تجھے اپنی فکر نہیں تو دوسروں ہی کی فکر کر
لے۔ اتنا خود غرض تو مت بن۔''

''مجھے اتنا بے وقوف مت سمجھ' جانتی نہیں کہ میں کچھ سمجھ کر ہی پنڈت سے
ایسی باتیں کر رہا تھا۔ ذرا تیل دیکھ' تیل کی دھار دیکھ۔ حوصلہ پیدا کر' مجھ پر اعتماد کر
چڑیل۔''

''تو نے مجھے چڑیل کہا۔'' وہ میرے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''اور
رات بھی جب میں تجھے رنجن کی خبر سنانے گئی تھی تو تیرا رویہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ تو نے
ہی جگدیپ سے قریب ہونے کے لئے کہا تھا۔''

''رات تو نے بڑا کام کیا ڈالی! اگر تو وقت پر نہ آتی تو اس وقت دنیش کی
موت پر بھون میں ہنگامہ مچا ہوا ہوتا۔ تو نے دنیش کی نظر میں میری عزت بڑھا دی۔''
میں نے اسے دبوچ کر کہا۔

''اور تو ناراض ہو گیا تھا' جگدیپ کا ذکر آیا تو تیرا پارہ چڑھ گیا۔ کیا تیرا
مطلب یہ تھا کہ مجھے اس مرد سے ملنا چاہئے' اس مرد سے نہیں۔''

''مجھ سے کیا کہلوانا چاہتی ہے؟'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''میں پہلے ہی اپنی
بے غیرتی اور نامردی کا اعتراف تجھ سے کر چکا ہوں۔''

''تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں' چاہے جگدیپ ہو' چاہے کوئی راج کمار یا
کوئی ملازم' دکان یہ نہیں دیکھتا کہ سودا خریدنے والوں کا خاندان کیا ہے؟''

ڈالی جیسی اس قسم کا ذکر کرتی' میرے کان دکھنے لگتے۔ وہ یہ ذکر کر کے

میرا تمام اعتماد چھین لیتی تھی۔ مجھے محسوس ہوتا جیسے وہ میرے کپڑے اتار رہی ہو'
میرے منہ پر تھوک رہی ہو۔ رات اگر وہ جگدیپ سے نہ ملتی تو مجھے دنیش کو زہر دینے
کی سازش کا پتہ نہ چلتا۔ یہ ذکر بہت ہی روح فرسا تھا کہ ڈالی مجھے باخبر رکھنے' میری
عزت بڑھانے کے لئے جگدیپ سے آلودہ ہو گئی ہے۔ مگر میری جھنجلاہٹ کا کوئی جواز
نہیں تھا۔ وہ جو کچھ کہتی تھی' سچ کہتی تھی۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''چپ کیوں ہو گیا؟ کیا شرم آنے لگی؟''

میں نے اس کا ہاتھ اٹھا کے اپنے گال پر پے در پے کئی طمانچے لگائے۔ ڈالی
نے اپنا ہاتھ جبراً کھینچ لیا اور میرے سینے میں سسکنے لگی۔ ''شیرو! مجھے معاف کر دے میں
نے تجھے دکھ دیا۔ دکھ میں تیری وجہ سے ایسی نہیں بنی۔ تیرے آنے سے پہلے بھی میں
یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اب میں سوچتی ہوں کہ کم اور زیادہ' کون اور کیا کا
کیا سوال ہے؟ میں تو پہلے ہی گندی ہو چکی ہوں۔ اس بہانے تیرے کسی کام آ جاتی
ہوں تو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ میں تو کہتی ہوں' تو کسی دن مجھ سے میری جان
مانگ کے دیکھ۔ تو ان سب مردوں سے الگ ہے۔ تو میری چھت ہے۔ اعتبار کر' جب
ہم یہاں سے چلے جائیں گے تو میں کبھی گندگی کی طرف نہیں جاؤں گی۔ میں خود کو
تیری چار دیواری میں بند کر لوں گی۔ یہ بھون کوڑے کا ڈھیر ہے۔ یہاں میں پاک
صاف رہنے کی کوشش بھی کرتی تو مجھے ناکامی ہوتی قصور نہ تیرا ہے نہ میرا۔ حالات کا
ہے اور حالات ہمیشہ ایسے نہیں رہیں گے۔''

''ڈالی! تو رلاتی بھی ہے ہنساتی بھی ہے' تو بڑی مسخری ہے۔'' میری
آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے اس کے شانوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔

ڈالی نے اپنے ہاتھوں کی تمام طاقت سے میرا چہرہ اٹھایا۔ ''ہائیں' مرد ہو
کے روتا ہے شیرو! پاگل ہو گیا ہے؟'' وہ میرے کان پکڑتے ہوئے بولی اور مجھے خاموش
دیکھ کے گدگدی کرنے لگی۔ ''چل اندر چل'' وہ مجھے کھینچتی ہوئی کمرے میں لے آئی اور
چار پائی پر دھکیل دیا۔ ''رات بھر جاگا ہے' سو جا۔'' اس نے چادر میرے جسم پر ڈال دی
اور میری پیشانی کے کئی بوسے لئے' میرے بال سنوارے۔ میں نے آنکھیں موند لیں تو
وہ میرا چہرہ چادر سے ڈھک کے گدے کے پاس چلی گئی۔

بھون میں صبح کی آمد کا گجر بج رہا تھا۔ گائیں بھینسیں ڈکرا رہی تھیں'
گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ مرغوں کی بانگ' پرندوں کی چہچہاہٹ اور گدے کی اول صبح

کی کلکاریوں نے مجھے سونے نہیں دیا۔ یہ سارا شور نہ ہوتا تو بھی مجھے نیند نہ آتی۔ ایک اور ہنگامی رات گزر گئی تھی۔ میں اپنی چار پائی پر لیٹے ہوئے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ریکھا اور رنجن کی لاشیں برآمد ہو گئی ہوں گی اور جلد ہی یہ خبر بھون میں آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ پھر ڈالی گھر آ کے مجھے اٹھائے گی اور سب سے پہلے یہ خبر سنانے کا اعزاز حاصل کرے گی۔ میں اسے صبح و شام کا اخبار کہتا تھا۔ رات کو میں آتا اور وہ جاگتی ہوتی تو دن بھر کی روداد سناتی' صبح میں دیر سے اٹھتا تو باسی خبروں کے ساتھ تازہ خبریں بھی اس کی زبانی سنتا۔ اس کا اسلوب منفرد تھا۔ تحیر' خوف' سنسنی خیز انکشافات اپنی چٹخارے دار زبان میں سنانے میں اسے ملکہ حاصل تھا۔ ساتھ ہی وہ تبصرے بھی کرتی جاتی۔ وہ پرکاش بھون میں ہونے والے جرائم اور سازشوں کا اخبار تھی۔ آج کی شہ سرخی مجھے معلوم تھی۔ یہی ہوا' وہ ذرا سی دیر کے لئے باہر گئی ہو گی کہ خبروں سے لدی پھندی لوٹی۔ دروازے سے چلاتی ہوئی آئی اور میرے سر سے چادر ہٹا کے اس نے ریکھا اور رنجن کے قتل کی خبر میرے کانوں میں انڈیل دی۔ ''رات کیا ہوا تھا؟'' اس نے کسی پولیس انسپکٹر کی طرح مجھ سے پوچھا۔ ''تو رات بھر کہاں غائب رہا؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''جب میں نے دنیش چندر کو دودھ میں زہر ملانے کی خبر سنائی اور رنجن کا نام بتایا تو اس نے ریکھا کو بلایا اور اپنا دودھ اسے پلا دیا' یہ تو میرے سامنے ہوا تھا۔'' مگر رنجن کو گولی کس نے ماری؟'' میں نے واردات کا دوسرا حصہ دانستہ اس سے چھپایا۔

''میری وجہ سے دو خون ہو گئے۔'' ڈالی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تیری وجہ سے دنیش چندر بچ گیا اور ہماری بھی خیر ہو گئی۔''

''مجھے صاف صاف بتا تو نے تو خون نہیں کیا؟''

''نہیں ری۔ تیری جان کی قسم۔ میں نے نہیں کیا۔''

''میں تجھے بتائے دیتی ہوں' کسی دن اپنا نمبر بھی آ جائے گا۔''

''پورا قصہ سنا۔ تبصرہ کرنے بیٹھ گئی۔'' میں نے ڈپٹ کر کہا اور کلی کر کے باہر چبوترے پر بیٹھ گیا۔ وہ اسی بات کی منتظر تھی۔ اس نے شروع سے آخر تک جو روداد مجھے سنائی وہ میرے لئے نئی نہیں تھی البتہ لوگوں کے تبصرے' غم اور غصے کی خبریں میری دلچسپی کا باعث تھیں مگر میں نے پوری طرح اپنی حیرت کا اظہار کیا اور ڈالی کو اس کے انکشافات کی داد دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ یہ سنسنی خیز واردات سنا کے اس نے

میرے سامنے وہی تجویز پیش کی جو اب صبح و شام اس کی عادت ہو گئی تھی اور جس کا جواب دینا میرا معمول۔ ایسے نازک وقت میں گڈا موضوع بدلنے میں ممد معاون ثابت ہوتا۔ میں اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگتا اور ڈالی اس طرح مجھے دیکھنے لگتی جیسے وہ میری گود میں ہو اور میں اسے پیار کر رہا ہوں۔ ڈالی نے رات کی روٹی اور بھاجی میرے سامنے رکھ دی اور بالائی والی چائے بنا کے مجھے پلائی۔ میں نے ساری بالائی گڈے کو چٹا دی اور چائے خود پی گیا۔ ایک کونے میں بنائے ہوئے اپنے چھوٹے سے باورچی خانے میں ڈالی مجھے کھانا کھلا کے بہت خوش ہوتی تھی۔ کھانا گھر میں گاہے گاہے ہی پکتا تھا۔ ڈالی میرا اور اپنا کھانا اس امید پر گھر لے آتی کہ ہم دونوں مل کے کھائیں گے۔ اسے توے پر ٹھنڈی روٹیاں گرم کرنے اور ایک رکابی میں میرے ساتھ کھانے میں بڑا لطف آتا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کا نشہ ہوتا تھا۔ اس سے نظریں نہیں ملائی جاتی تھیں۔ میں تو سر جھکائے کھانا کھاتا رہتا تھا اور وہ کہتی رہتی ''شیرو! اور کھا لے۔ ابھی تو نے کھایا ہی کیا ہے؟ جان بنا۔ جان ہے تو جہان ہے۔''

اس صبح بھی ڈالی پر میری تواضع کا دورہ پڑا وہ گھی میں چپڑ چپڑ کے روٹی میری پلیٹ میں رکھتی جاتی اور خود ایک ایک لقمہ توڑ کے درمیان میں کھاتی جاتی تھی۔ ''اب سوچنا بعد میں پہلے ناشتہ کر لے۔'' اس نے مجھے ٹوکا۔ میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا تا کہ باہر جا کے ریکھا اور رنجن کے قتل کے بارے میں لوگوں کے تاثرات خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ ناشتے کے بعد میں نے رسمی منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدل کے تیار ہو گیا۔ رات کے تمام واقعات میرے ذہن میں گردش کرنے لگے تھے۔ اس میں ڈالی کے تحیر خیز انداز بیان کا بھی دخل تھا۔ کیچو نے حسب معمول مبہم باتیں کی تھیں مگر اس بار اس ابہام کے پیچھے کوئی معنی ضرور تھے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی۔ کیچو کے پھول کا کڑوا پن ابھی تک میرے منہ میں تھا۔ ادھر یہ خوف اپنی جگہ تھا کہ پنڈت ایشوری لال کہیں بے قابو نہ ہو جائے اور اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے میرے راستے میں اور مشکلیں نہ کھڑی کر دے۔ صبح کی روشنی میں مجھے گزشتہ رات کی باتیں زیادہ واضح نظر آنے لگیں یا کچھ ایسا تھا کہ میرے سارے وجود پر کیچو کے دیئے ہوئے پھول کا اثر تھا' جو اب دھیرے دھیرے اتر رہا تھا' میں نے شاید اسی بوٹی کے زہریلے نشے میں ایشوری لال کے ساتھ زیادتی کر دی تھی مگر

اب پچھتانے سے کیا فرق پڑتا تھا؟ رات گئی بات گئی' اس وقت کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ میں ایشوری لال کی طرف سے متوقع کارروائیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر وہی لرزہ خیز دستک ہوئی۔ میرے دل پر جیسے کسی نے ہتھوڑیاں ماریں۔ یہ دستک مجھے کبھی پسند نہیں آتی تھی ۔ دروازہ کھول کے دیکھا تو دنیش چندر کے نئے سیکرٹری کا ماتحت مجھے جلد سے جلد دنیش چندر کے ہاں پہنچنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

''کیوں' خیر تو ہے بلرام؟'' میں اپنی تشویش چھپا نہ سکا۔

''کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے موہن داس جی!'' وہ فکر مندی سے بولا۔''تم چلو میں آتا ہوں۔'' دوسرا سوال میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے اس کی نظروں میں کمزور نہیں ہونا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈالی اور گڈے کا بوسہ لے کے میں دنیش چندر کے محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ بظاہر فکر کی کوئی بات نظر نہ آتی تھی اس لئے کہ میں رات بھر اس بھون کے سربراہ کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن یہاں کوئی بھی غیر متوقع بات کسی بھی لمحے ممکن تھی ۔ راستے میں کئی ملازموں نے روک کے مجھ سے رات کے واقعے پر کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کی۔''ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' یہ ایک جملہ بولتا ہوا میں تیز قدموں سے منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ راہ داری میں بڑی سرگرمی تھی۔ ملازموں کے علاوہ بھون کے معززین بھی ادھر سے ادھر متحرک رہے تھے۔ اندر داخل ہوا تو دروازے پر ٹھٹک گیا۔ اندر پولیس موجود تھی۔

یہ بڑا ڈرائنگ روم' جہاں دنیش چندر اپنے ملاقاتیوں کو ملاقات کا شرف بخشتا تھا۔ کسی اسمبلی کے ہنگامی اجلاس کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دنیش کا چھوٹا بھائی سریش بھی موجود تھا۔ سریش کی مسیں بھیگ رہی تھیں وہ بمبئی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ شاردا' پریت ہیما' پارو' کسم' نیلم' بھون کے بوڑھے ملازم اور رانیاں' ادھر سامنے کے صوفے پر پولیس افسران اور درمیان میں دنیش' اسی صوفے پر جگدیپ ۔ انسپکٹر دربان سے باز پرس کر رہا تھا' میری آمد پر سب کی توجہ میری طرف مبذول ہوئی اور جگدیپ کی نظروں میں روشنی کی ایک لکیر سی چمکی۔ اس نے پہلو بدل کے دنیش سے کچھ کہا ۔ دنیش نے منہ بنایا لیکن جگدیپ انسپکٹر سے مخاطب ہو چکا تھا' دوری ہونے کی وجہ سے میں اس کی آواز تو نہیں سن سکا۔ لیکن وہ یقیناً میرے بارے میں کچھ بتا رہا تھا ۔ شاردا دزدیدہ نظروں سے مجھے گھور رہی تھی ۔ مجھے یہاں کے حالات کچھ اچھے نظر نہیں آئے۔

میں بغلی کمرے میں جانے کے خیال سے مڑا ہی تھا کہ انسپکٹر کی گرج دار آواز ابھری۔

''موہن داس!۔ ادھر آؤ۔''

میں نے دنیش اور شاردا کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھا۔ دنیش کا چہرہ جذبات سے عاری تھا اور شاردا نے گردن جھکالی تھی۔'' تم رات کہاں تھے؟''

''میں یہیں تھا جناب'' میری آواز لڑکھڑائی۔

''تم یہاں تھے یعنی راج کمار کے کمرے میں؟'' انسپکٹر نے درشتی سے پوچھا۔

''جی۔'' میں سٹ پٹا گیا۔ مجھے امید تھی' میرے جواب دینے سے پہلے دنیش چندر میری مشکل حل کر دے گا۔''جی ہاں یہیں ۔لیکن میں۔ میں کوئی گیارہ بجے چلا گیا تھا۔''

''پھر؟'' انسپکٹر نے مسکرا کے جگدیپ کو دیکھا۔

میں سمجھ گیا کہ دنیش نے رات کے واقعے سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ نہ جانے میری عدم موجودگی میں کیا کہا ہے؟ ''میں اپنے کوارٹر میں سو رہا تھا۔''

''سو رہے تھے یا کہیں اور تھے؟'' انسپکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا۔

''جی سو رہا تھا' آپ اس عورت سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ میں رہ رہا ہوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔''اس کے سوا میرے پاس کوئی شہادت نہیں ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے' رات کیا ہوا؟''

''ہاں' مجھے صبح اٹھنے پر پتہ چلا کہ رات ریکھا اور رنجن کا خون ہو گیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوگیا؟'' انسپکٹر نے حماقت کا سوال کیا۔

''یہ تو قاتل ہی بتا سکتا ہے' جناب!'' میں نے قابو یافتہ لہجے میں کہا لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی ابھری۔ دنیش نے میری جانب کسمسا کر دیکھا۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔'' یکایک انسپکٹر اٹھا اور اس نے میرے کوٹ کی اندرونی جیب سے اتنی پھرتی سے پستول نکال لیا کہ میں دیکھتا رہ گیا۔''یہ پستول۔'' اس نے مہارت سے اسے اچھال کے کہا۔''یہ تم کیوں اپنے پاس رکھتے ہو؟'' میری جیب سے پستول برآمد ہونے پر پورے ڈرائنگ روم میں سرگوشیاں ابھرنے لگی تھیں۔

''یہ میں اس لئے اپنے پاس رکھتا ہوں کہ راج کمار دنیش چندر کی حفاظت کروں اور خود اپنی بھی کیونکہ یہاں کسی کی زندگی محفوظ نہیں ہے۔''

''گویا ہر ملازم کو ایک ایک پستول اپنی حفاظت کے لئے تقسیم کرنا چاہئے؟''جگدیپ نے ہنس کر انگریزی میں کہا۔''انسپکٹر! پھر تو تمہارے لئے بڑی پرابلم پیدا ہو جائے گی۔''

''یہ شخص ایک نمبر کا فراڈ ہے۔'' پریت نے چہک کر تائید کی۔''مجھے تو یہ کوئی بہت گہرا شخص معلوم ہوتا ہے۔''

''ہمیں تفتیش سے پہلے اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔'' شاردا برہمی سے بولی۔

''جی ہاں' جب یہاں کوئی زندہ نہیں رہے گا' اس وقت آپ کو ہوش آئے گا۔ اصل میں غلطی ہماری ہے کہ ہم نے ان کتوں کو سر پر چڑھا لیا ہے۔'' ہیما نے کہا۔

''تم یہاں کب سے ملازم ہو؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''بہت دنوں سے جی! سال سے زیادہ ہو گیا۔'' میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا۔

''پہلے کیا کرتے تھے؟''

''ملازمت ہی کرتا تھا۔''

''کہاں؟'' انسپکٹر نے حاضرین کو داد خواہ نظروں سے دیکھا۔

''بمبئی میں۔ ایک صاحب کے گھر۔''

''بمبئی کیوں چھوڑ دیا؟ کیا وہاں کوئی کیس ہو گیا تھا؟''

''ہاں' ان صاحب کا تبادلہ لندن ہو گیا تھا۔''

''اور تمہیں بمبئی میں کوئی ملازمت نہیں ملی جو تم یہاں چلے آئے؟''

''بمبئی کی زندگی میں صحت اچھی نہیں رہتی تھی۔''

''سنا آپ نے؟ اس کی صحت بمبئی میں اچھی نہیں رہتی تھی' اس شکرے کی' اس ہاتھی کی۔''

''زبان سنبھال کے بات کرو انسپکٹر صاحب!'' میں نے غصے سے کہا۔ انسپکٹر نے زور سے ایک چانٹا میرے گال پر رسید کیا۔ اس کا خیال تھا' میں چانٹے کے زور سے گر جاؤں گا۔ میں نے بہت برداشت کیا۔ دوسرے چانٹے کے لئے اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے دھکا دے دیا۔ انسپکٹر لڑھکتا ہوا صوفے پر گرا اور سخت اشتعال کے عالم میں اٹھا۔ اس نے مجھ پر پستول تان لیا تھا۔

''کیسا دیدہ دلیر ہے' یہ پولیس سے بھی نہیں ڈرتا۔'' پریت نے کہا۔''سارے کے کے نام
نکل جائیں گے۔ یہاں سانپ پالے ہوئے ہیں۔'' جگدیپ نے لقمہ دیا۔

''میں ایسے لوگوں سے نمٹنا جانتا ہوں۔ میں اسے تھانے
تھانے کے نام سے میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس میرے لئے کچھ کم
کہ انسپکٹر جگدیپ کا پروردہ تھا۔ تھانے جانے کا مطلب ہے ہتا تو آج میرا فیصلہ ہو
جگدیپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ مجھے اپنی حماقت کا بھلے برداشت کر رہی تھی۔ وہ
نے سیدھے سادے جوابات دینے کے بجائے تلخی ڈانٹنے اور ڈپٹنے کا حق رکھتا تھا'
''انسپکٹر صاحب! اس گھر میں' جہاں نفرت انگیز ترغیبوں میں روز بروز شدت
کیا ہے' آپ مجھے بے عزت کر رہے ہیں قبول نہیں کرے گی؟ تا کجے؟ اس سلسلے کے
اور رنجن کو قتل کیا ہے تو آپ کو پہلا ئے گی۔ پھر میں کس ستون کے سہارے کھڑا ہوں
میں مجھے ذلیل کیوں کر رہے ہیں ہی رہ سکوں گا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔
انسپکٹر میرے نرم سے شطرنج کے دوران میں جو باتیں ہوئی تھیں' ان سے
موہن داس! تمہارے ساتھ تو میرے کھونٹے مضبوط ہو گئے ہیں۔ میں اس کا مقرب
میں بھری محفل میں پھ بھون کے سیاہ و سفید کا مختار ہے۔ تو میں نے خوش گمانی کی تھی۔
یہ پستول چلا گیا تھا۔ صبح پھر زمین پر آ گیا اور زمین پر بھی نہیں۔ میں تو کہیں
''ہم میں کسی تہہ خانے میں مقید تھا۔ میرے پستول میں چھ گولیاں تھیں
نے میں دیر بھی نہ لگتی کہ ان گولیوں کا مستحق کون کون ہے؟ یوں بھی کھیل
ملتا تھا۔ مگر یہ فیصلہ کرنے کا مجھے کسی وقت بھی اختیار تھا کیونکہ میرے پاس
''جگ تھا' چھ گولیوں کا پستول۔ ٹریگر دباؤ اور مداری کے شعبدے دیکھو۔ راج
ہے۔ ہمیر یپ' پریت' ہیما اور کچھ مہارانیاں' یہ سب جس انداز سے زہر افشانیاں کر
کہا۔ ے۔ ان کا اثر ابھی تک میرے کانوں میں تھا ان کے نشتر دماغ میں چبھ گئے
ہو نے رات کو ایک پھول عطا کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ مجھ پر اب کوئی
نہیں کرے گا لیکن اس قسم کے زہروں کے لئے کیچو نے کوئی بوٹی نہیں دی تھی۔
مجھے ابھی کچھ زیادہ ہی عجلت کا مظاہرہ کرتا تھا ورنہ کئی لوگ جال پھیلائے کھڑے تھے نشانہ
''پستول پڑ جاتا تھا۔ دنیش چندر کی رفاقت میں ایک تحفظ تھا تو ہزار خطرے بھی اس میں
رخ کر تھے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں دنیش کے آگے ایک دیوار ہوں۔ قسمت اب
ساتھ دے رہی تھی اور قسمت سے مستقل وفا کی امید رکھنا نادانی تھی۔ دنیش چندر

سے کئی بار آزمایا ہے۔ ہم پہلے ہی منع کر رہے تھے لیکن آپ لوگوں نے ضد کی تو
چاہئے؟'' جلد ہے' اسی لئے یہ اتنی بے خوفی سے بول بھی رہا ہے۔ قاتل کا چہرہ تو اور ہی
پیدا ہو جائے گی۔ نے انگریزی میں ملائمت سے انسپکٹر کو سمجھایا۔
''یہ شخص ، یا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابھی تفتیش ختم ہو گئی ۔ تم لوگوں پر اندھا
بہت گہرا شخص معلوم ہوتا ، اٹھاتے ہو۔ انسپکٹر صاحب کو اپنی تفتیش مکمل کر لینے دو۔''
''ہمیں تفتیش سے پ کے ناراضی سے کہا۔
سے بولی۔ کو غیر ضروری طور پر پریشان نہ کیا جائے ۔ اس
''جی ہاں' جب یہاں کوئی زندہ۔ انہیں تحفظ کا یقین نہیں رہتا۔ چھوٹے
گا۔ اصل میں غلطی ہماری ہے کہ ہم نے ان کو ۔ ہمارا خیال ہے' موہن داس کو سب
''تم یہاں کب سے ملازم ہو؟'' انسپکٹر ۔ پر نظر رکھے ہوئے ہیں ہم چہرے
''بہت دنوں سے جی! سال سے زیادہ ہو گیا۔ ش نے معنی خیز انداز میں کہا۔

بولا ۔

''پہلے کیا کرتے تھے؟'' ریت' ہیما اور دوسرے
''ملازمت ہی کرتا تھا۔'' نرمی کسی دن بڑے
''کہاں؟'' انسپکٹر نے حاضرین کو داد خواہ نظروں سے دیکھا آیا اور میں نے
''بمبئی میں۔ ایک صاحب کے گھر۔'' بگر لوازم کا انتظام
''بمبئی کیوں چھوڑ دیا؟ کیا وہاں کوئی کیس ہو گیا تھا؟'' شادابی تھی اور
''ہاں' ان صاحب کا تبادلہ لندن ہو گیا تھا۔'' ساتھ گزارش
''اور تمہیں بمبئی میں کوئی ملازمت نہیں ملی جو تم یہاں چلے آئے:
''بمبئی کی زندگی میں صحت اچھی نہیں رہتی تھی۔'' تمہیں محتاط
''سنا آپ نے؟ اس کی صحت بمبئی میں اچھی نہیں رہتی تھی' اس ش
اس ہاتھی کی۔'' ، جواب
''زبان سنبھال کے بات کرو انسپکٹر صاحب !'' میں نے غصے سے کہا
نے زور سے ایک چانٹا میرے گال پر رسید کیا۔ اس کا خیال تھا' میں چانٹے
سے گر جاؤں گا۔ میں نے بہت برداشت کیا۔ دوسرے چانٹے کے لئے اس ۔
اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے دھکا دے دیا۔ انسپکٹر لڑ
صوفے پر گرا اور سخت اشتعال کے عالم میں اٹھا۔ اس نے مجھ پر پستول تان عذاب

سے بچائے رکھے۔'' میں اسے یہ مشورہ بھی دینا چاہتا تھا کہ چیزیں سیدھی نظر آنے کے
لئے اسے عینک لگانے کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنی فہرست میں اس بدمعاش کے نام
کا اضافہ کر لیا تھا اور شاید اس نے بھی میرا نام اپنے دل پر لکھ دیا تھا۔

پولیس کی آمد اور اس طرح ذلت آمیز انداز میں پوچھ گچھ میرے لئے کچھ کم
حیرت انگیز واقعہ نہیں تھا۔ دنیش چندر اگر آخر میں بھی خاموش رہتا تو آج میرا فیصلہ ہو
گیا ہوتا۔ شاردا مسلسل میری توہین' میرے خلاف ناروا جملے برداشت کر رہی تھی۔ وہ
کب تک مجھ جیسے چھوٹے آدمی کے لئے' جسے کوئی بھی ڈانٹنے اور ڈپٹنے کا حق رکھتا تھا'
اپنے گداز کا ایثار کرتی۔ یہاں تو میرے خلاف نفرت انگیز ترغیبوں میں روز بروز شدت
ہو رہی تھی۔ کب تک شاردا ان سے اثر قبول نہیں کرے گی ؟ تا کجے؟ اس سلسلے کے
طول پکڑنے پر وہ تو کہیں گم ہو جائے گی۔ پھر میں کس ستون کے سہارے کھڑا ہوں
گا؟ وہ روٹھ گئی تو میں خود کیسے راضی رہ سکوں گا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

رات دنیش چندر سے شطرنج کے دوران میں جو باتیں ہوئی تھیں' ان سے
میں نے یہ سمجھا تھا کہ اب تو میرے کھونٹے مضبوط ہو گئے ہیں۔ میں اس کا مقرب
خاص ہوں جو پرکاش بھون کے سیاہ و سفید کا مختار ہے۔ تو میں نے خوش گمانی کی تھی۔
رات میں آسمان پر چلا گیا تھا ۔ صبح پھر زمین پر آ گیا اور زمین پر بھی نہیں۔ میں تو کہیں
دلدل میں کھڑا تھا۔ میں کسی تہہ خانے میں مقید تھا ۔ میرے پستول میں چھ گولیاں تھیں
اور یہ فیصلہ کرنے میں دیر بھی نہ لگتی کہ ان گولیوں کا مستحق کون کون ہے؟ یوں بھی کھیل
کا اختتام ہو سکتا تھا۔ مگر یہ فیصلہ کرنے کا مجھے کسی وقت بھی اختیار تھا کیونکہ میرے پاس
پستول موجود تھا' چھ گولیوں کا پستول۔ ٹریگر دباؤ اور مداری کے شعبدے دیکھو۔ راج
کمار جگدیپ' پریت' ہیما اور کچھ مہارانیاں' یہ سب جس انداز سے زہر افشانیاں کر
رہے تھے ۔ ان کا اثر ابھی تک میرے کانوں میں تھا ان کے نشتر دماغ میں چبھ گئے
تھے۔ کیچو نے رات کو ایک پھول عطا کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ مجھ پر اب کوئی
زہر اثر نہیں کرے گا لیکن اس قسم کے زہروں کے لئے کیچو نے کوئی بوٹی نہیں دی تھی۔
مجھے کچھ زیادہ ہی عجلت کا مظاہرہ کرنا تھا ورنہ کئی لوگ جال پھیلائے کھڑے تھے نشانہ
اوچھا پڑ جاتا تھا۔ دنیش چندر کی رفاقت میں ایک تحفظ تھا تو ہزار خطرے بھی اس میں
موجود تھے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں دنیش کے آگے ایک دیوار ہوں۔ قسمت اب
تک ساتھ دے رہی تھی اور قسمت سے مستقل وفا کی امید رکھنا نادانی تھی ۔ دنیش چندر

سے گفتگو کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ ایک آتا تھا' ایک جاتا تھا۔ میرے ذہن میں عجیب پریشان کن منصوبے پک رہے تھے۔ کانوں کی لویں سرخ ہو گئی تھیں۔ میں نہ الماریوں کے شیشے توڑ سکا۔ نہ چینی کے برتن' نہ فانوس اور نہ گل دان۔ کچھ بھی نہ ہو سکا۔ پستول جیب میں دھرا رہ گیا۔ زندگی آدمی کو کیسا ویران کر دیتی ہے۔

حسب دستور ریکھا اور رنجن کی لاش دوپہر تک ٹھکانے لگا دی گئی اور بھون کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ شام کو راج کمار اور راج کماریوں کی شہ سواری کی مشقوں کا پروگرام وقت کے مطابق شروع ہوا۔ بھون کے باہر ریس کورس کے میدان کی طرف آں جہانی پر کاش چندر نے شہ سواری کا ایک میدان بنوایا تھا' جہاں سیڑھیوں کے اوپر چھوٹا سا شیڈ تھا۔ اس شیڈ میں اونچی کرسی پر دنیش چندر براجمان ہو گیا۔ میدان میں گھوڑے لائے گئے۔ پارو اور نوجوان راج کماریاں اور وہ مہارانیاں جو اپنی سوتیلی بیٹیوں کے ساتھ کھڑی ہوئی ان کی ہم جولیاں لگتی تھیں' سب اپنے اپنے گھوڑوں کے ساتھ میدان میں اتر آئی تھیں۔ اصطبل کے وہ ملازم جو رنجن کے ساتھی تھے' اپنے ساتھی کی موت بھول گئے تھے اور پورے جوش و خروش سے گھوڑوں کی مالش کر رہے تھے۔ شاردا اور دوسری مہارانیاں دنیش کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ سریش بھی گھوڑے پر سوار تھا اور جگدیپ راج کماریوں کے درمیان گھرا ہوا ان سے چھیڑ خانیاں کر رہا تھا۔ کچھ اجنبی چہرے بھی نظر آ رہے تھے۔ باقاعدہ ریس کا اکھاڑہ لگا ہوا تھا۔ چند امرائے راجے پور بھی اس میں شریک تھے یہاں حسین ترین لڑکیوں اور خوب رو لڑکوں کا اجتماع تھا۔ جب یہ حسین لڑکیاں اپنے مخصوص چست لباس میں گھوڑوں پر بیٹھ گئیں تو ایک دلکش منظر اجاگر ہوا۔ خود میرا جی گھوڑا بننے کو مچلا۔

دنیش چندر کے رومال ہلانے پر اسٹارٹنگ پوائنٹ سے گھوڑوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ اسٹارٹنگ پوائنٹ دنیش چندر کی شہ کرسی کے سامنے تھا۔ رومال کے اشارے پر گھوڑے بجلی کی طرح چمکے اور لڑکیاں ان کے جسموں سے محبوب کی طرح چمٹ گئیں۔ گول دائرے کے کناروں پر درمیان میں بہت سے ملازم کھڑے تھے' میں بھی ان میں شامل تھا۔ جگدیپ کا گھوڑا برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا مگر شکنتلا سب سے آگے تھی۔ شکنتلا جس کا جسم سرخ پھولوں کا گل دستہ تھا' وہ مشاقی سے اپنے گھوڑے پر سوار تھی۔ راجے پور کا ایک اور نوجوان اسے شکست دینے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا تھا' امیری کی بھی کیا شان ہوتی ہے۔ دولت کے رنگ ہی نرالے ہوتے ہیں۔ رنگ روپ' تیزی

پھرتی' چمک دمک سب پیسے کا جلوہ ہے۔ گھوڑے زمین پر پرواز کر رہے تھے اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے دولت کی ٹانگیں نکل آئی ہوں۔ چاندی دوڑ رہی ہو' سونا بھاگ رہا ہو۔ دل چاہتا تھا کہ میں بھی ایک گھوڑے پر سوار ہوتا مگر میرے والد صرف چند زیورات اور ایک شکستہ مکان چھوڑ کے مرے تھے اور اتفاق سے یہ چیزیں بھی چچا جان کو پسند آ گئی تھیں۔ گھوڑا بھی دولت دیکھتا تھا' گھوڑوں کو امارت اور طاقت کی بڑی پہچان ہوتی ہے میری نظریں شاردا پر مرکوز تھیں۔ وہ دور بین سے گھوڑوں کے بجائے مجھے دیکھ رہی تھی کیونکہ اس کا گھوڑا میں تھا جو اسے اپنی پیٹھ پر بٹھاتے ہوئے گھبراتا تھا۔ اچانک شاردا کی دور بین گر گئی۔ پریت اور جگدیپ کے گھوڑے بدک گئے تھے۔ انہوں نے پوری ریس میں کھلبلی مچا دی مگر جلد ہی پریت نے اس پر قابو پا لیا' البتہ جگدیپ کا گھوڑا پٹری سے اکھڑ گیا۔ بہت سے ملازم خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس افراتفری میں جگدیپ کے گھوڑے کا رخ میری طرف ہو جائے گا۔ وہ طوفان کی طرح مجھ پر لپکا۔ میں دہشت میں زمین پر گر جاتا تو وہ مجھے روندتا ہوا گزر جاتا لیکن اسے آندھی کے مانند اپنی طرف آتا دیکھ کے میرے اوسان معطل ہو گئے' سکتہ سا ہو گیا اور میں نے سراسیمگی میں خود کو بچانے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے جیسے ان ہاتھوں پر میں پاگل گھوڑے اور جگدیپ کا وزن روک لوں گا۔ گھوڑے نے میرے قریب آ کر اپنی دونوں ٹانگیں اٹھائیں اور مجھ پر ٹوٹنے کے لئے بڑھا ہی تھا کہ میرے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں حمائل ہو گئے۔ نہ جانے مجھے کیا ہوا اور مجھ میں کہاں سے اتنی طاقت آ گئی کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر جگدیپ اور گھوڑے کا وزن روک لیا اور نہ صرف روک لیا بلکہ گھوڑے اور اس پر سوار جگدیپ کو چند انچ بلند کر کے زمین پر پھینک دیا۔ جگدیپ دور جا کے گرا گھوڑا زمین پر لوٹ لگا رہا تھا اور بری طرح ہنہنا رہا تھا جگدیپ بھی شدید تکلیف میں اس کے ساتھ بلبلا رہا تھا اور زمین پر لوٹ رہا تھا۔

دوسرے گھڑ سواروں نے اپنے اپنے تیز رفتار گھوڑے بڑی مشکل سے قابو میں کیے۔ ریس اچانک رک گئی۔ دنیش اور شاردا تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے میرے پاس آئے۔ ''موہن داس! یہ کیسے ممکن ہوا؟'' اس نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

میرے منہ پر جواب آیا' سرکار غریبی اور ناداری کا غصہ آپ نہیں جانتے لیکن میرا جواب سننے سے پہلے وہ جگدیپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شاردا ایک لمحے کو

میرے قریب کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہیں میرے جسم میں اتر گئیں وہ وارفتگی میں مجھے اپنے اندر سمونے کے لئے بے چین نظر آتی تھی' بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ کاش وہ یہ کام میرے سپرد کر دیتی۔ اس عرصے میں جگدیپ کے اطراف بھیڑ لگ گئی تھی۔ پھر میرے پاس کوئی نہیں آیا جیسے میں تو مر ہی چکا تھا۔ دو آدمیوں نے اپنے کاندھوں پر جگدیپ کو اٹھا کر کھڑا کیا۔ کاش یہ آدی چار ہوتے۔ اس واقعے پر دنیش چندر نے جگدیپ کا بیان سننے کے بجائے پہلے سے اپنا فتوا صادر کیا۔"موہن داس نے کمال کر دیا۔ اگر وہ اپنے ہاتھوں پر گھوڑا روک نہ لیتا اور حواس کھو بیٹھتا تو آج ایک المناک حادثہ ہو جاتا جس پر ہمیشہ شرمندگی ہوتی۔ شکر ہے جگدیپ بچ گئے۔" دنیش نے اس وقت بڑی ہوش مندانہ بات کی تھی شاید اسے اندازہ تھا کہ جگدیپ بعد میں اس حادثے کا سبب مجھی کو قرار دے گا اور یہ کہے گا کہ میں خود اس کے سامنے آ گیا تھا اور میں نے اس کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ ورنہ اس نے تو گھوڑا قابو میں کر لیا تھا۔ حالانکہ اس کے بہت سے چشم دید گواہ تھے کہ میرے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا جگدیپ نے گھوڑا میرے سر پر کھڑا کر دیا تھا۔ جن لوگوں نے وہ منظر دیکھا تھا' وہ میری طاقت کے بارے میں انگشت بدنداں تھے ۔ ان کی نظروں میں حیرت اور تعریف لکھی ہوئی تھی۔ پربت کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے گھوڑا جگدیپ سمیت اٹھا کے پھینک دیا' جس کا ادھر ادھر چرچا ہو رہا تھا اور مجھے رسوا کیا جا رہا تھا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" اس نے لوگوں سے پوچھا۔

"بالکل سچ' ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" بہت سے لوگوں نے تائید کی۔ وہ میری صورت دیکھنے لگی ۔ وہ ہانپ رہی تھی اور ہانپتے ہوئے اس کا سینہ سمندر تھا جس میں جوار بھاٹا آ گیا تھا۔ میں نے سوچا' میں ان لہروں میں خود کو غرق کر دوں' تباہ ہو جاؤں گا نا؟ ٹھیک ہے' ہو جاؤں۔ میرے نہ ہونے سے دنیا پھیکی نہیں پڑ جائے گی۔ جگدیپ کو اسٹریچر پر لاد کے اور ضروری ہدایتیں دے کر دنیش چندر دوبارہ میرے قریب آیا اور تحکمانہ انداز میں سر سے پیر تک مجھے گھورنے لگا۔" موہن داس! ہمیں یقین نہیں آتا۔"

"تم ٹھیک تو ہو موہن؟" شاردا اپنے اضطراب پر قابو نہ رکھ سکی۔

"ہم سب کو اس سے خوف کھانا چاہئے۔" ہیما نے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں جناب! بھگوان کی کرپا ہے کہ راج کمار جگدیپ بچ گئے۔"

میں نے گردن جھکا کے اپنی زبان کھولی ۔ حالانکہ مجھے کہنا یہ تھا۔"افسوس' وہ حرام زادہ بچ گیا۔" دنیش بھی یہی سننا چاہتا تھا۔

"تم اپنے گھر جا کے آرام کرو۔تمہیں ضرور چوٹ آئی ہو گی ۔" شاردا نے اپنی بہنوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر کہا۔

"نہیں دیدی جی !اب ایسا بھی کیا ہے۔ راج کمار جگدیپ کو دیکھیے ان کا کیا حال ہے' میری زندگی اتنی قیمتی نہیں ہے۔" میں نے خفیف مسکراہٹ سے جواب دیا۔" آپ کا پوچھنا ہی میرے لئے آرام کا باعث ہے۔"

دنیش نے شاردا کا ہاتھ پکڑا اور رفتہ رفتہ میرے قریب سے بھیڑ چھٹنے لگی۔

ان کے جانے کے بعد ملازموں نے مجھے گھیر لیا اور میں دیر تک اپنے ہم جنسوں کے درمیان بیٹھا رہا۔ گھوڑوں کی مالش کرنے والے دو آدمیوں نے میری مالش شروع کر دی۔ ان کی نظر میں میرا مرتبہ گھوڑوں سے بلند ہو گیا تھا۔ وہ میری جرات و ہمت پر عش عش کر رہے تھے اور میری زبانی پورا واقعہ سننے کے لئے بے تاب تھے میں نے کہا۔

"یارو! گھوڑے اسی طرح بدکتے رہیں گے کیونکہ آدمیوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جنہیں گھوڑے خود پر سوار کر لیتے ہیں' دوسری وہ جنہیں وہ اپنے پیروں سے روندتے ہیں ۔" ان کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔ وہ اسے اس حادثے کا فتور سمجھے جو ابھی ابھی میرے ساتھ پیش آیا تھا اور انہوں نے مالش جاری رکھی۔ اس لئے کہ وہ اس ہنر میں طاق تھے۔

جگدیپ کا گھوڑا بدک گیا تھا۔بہر حال جگدیپ کو یہی کہنا تھا اور لوگوں کو اس کا بیان جوں کا توں تسلیم کرنا تھا لیکن اس نے مجھی کو نشانہ کیوں بنایا؟ صبح تھانے دار نے ذلیل کیا تھا' شام کو یہ حادثہ رونما ہوا ۔ ذہن میں کوئلے دہک رہے تھے ۔ وہ مجھے اپنی ٹھوکروں سے ملیامیٹ کرنے کی فکر میں تھے اور انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میں تنہا مرنا کبھی پسند نہیں کروں گا۔ مجھ سے پہلے کئی جنازے اٹھیں گے جب میں یہ سوچتا کہ موت میری جیب میں موجود ہے' جیب سے ہاتھ نکالا' تاک دھنا دھن شوں شاں' ایک دو چار پانچ چھ۔

میدان خالی ہو گیا تو میں نے بھی مقتل کی راہ لی ۔ اب خود مجھ پر حیرت ہویدا تھی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ میرے ہاتھوں میں یہ زور کہاں سے آ گیا ؟ میں نے چشم تصور سے اپنا جنازہ اٹھتا دیکھا۔ جنازہ کیا ارتھی جاتی دیکھی ۔ وہ مجھے ہندو سمجھ کے

جلا ڈالتے۔ ڈالی غم سے پاگل ہو گئی ہوتی اور شاردا کسی کونے میں سب کی نظروں سے
چھپ کر زار و قطار رو رہی ہوتی۔ بانو کو پتہ ہی نہ چلتا ' جارج ' میرا دوست سمجھتا کہ
میں بے وفا نکلا۔ عابد شیرازی کو معلوم ہوتا تو اس کی ایک رات کے چند گھنٹے بے آرام
ہو جاتے۔ دنیش سوچتا کہ میری جگہ کسی اور شخص کو جلد سے جلد پر کرنی چاہیے۔ شاید
اسے بھی خاصا افسوس ہوتا ۔ یاد تو خوب کیا کرتا ۔ میں نے زندہ رہ کے بہت سے
لوگوں کو دکھ دینے سے بچا لیا مگر ان کے مقابلے میں وہ لوگ بہت زیادہ تھے جنہیں
میں نے خوشی سے محروم کر دیا کسے غم ملے؟ کسے خوشی نصیب ہو؟ اپنی زندگی بھی طرفہ
تماشا تھی۔ آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ سوال یہ تھا کہ کب تک گھوڑے دوڑتے رہیں گے
اور میں انہیں ہاتھوں پر اٹھا کے پھینکتا رہوں گا؟

حادثوں کی یہ عجیب سرشت ہوتی ہے کہ اپنا تاثر بتدریج گہرا کرتے ہیں
حادثے کا وقت گزر جاتا ہے تو آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عذاب سے
دو چار ہوتے ہوتے رہ گیا۔ صبح کا واقعہ تو جیسے تیسے گزر گیا تھا اور میں نے اپنے آپ
سے مفاہمت کر لی تھی لیکن یہ شام کا واقعہ ذہن میں گھر کرتا گیا۔ واپسی کے وقت مجھے
اپنی آہٹ تک پر شبہ ہونے لگا کہ کہیں کسی طرف سے کوئی خنجر نہ چمک اٹھے۔ کوئی گھوڑا
نہ ناراض ہو جائے۔ میں نے چلتے چلتے میر جمشید عالم سے کہا ' اے میاں ! یہ سرکس
کے جوکر کب تک بنے رہو گے کہ جو آتا ہے دھپ لگا کے چلا جاتا ہے۔ کب تک
ہنساؤ گے؟ میر جمشید عالم بہت ضدی اور برخود غلط شخص تھا کوئی معقول جواب نہ دے
سکا راستے میں بہت لتاڑا ' سخت سست کہا مگر اس کے قدم دنیش چندر کے محل ہی کی
طرف بڑھتے گئے۔

معلوم ہوا کہ رج کمار جگدیپ کے لئے راجے پور کے اعلا ڈاکٹروں کی ٹیم
آ گئی ہے جو اس کی نسوں اور رگوں کا معائنہ کر رہی ہے کہ کہیں کوئی رگ کسی جگہ سے
ہل تو نہیں گئی ہے؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ اب میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ جیسے مجھے اپنا
دفاع کرنے کی گستاخی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر راج کمار جگدیپ کو
کچھ ہو گیا ' اس کی کوئی ٹانگ یا ہاتھ اس سے برافروختہ ہو گیا تو مجھ پر غیظ و غضب کا
کیسا طوفان نازل ہو گا۔ چنانچہ مجھے اس کی صحت اور سلامتی کے متعلق بڑی تشویش
ہونے لگی۔ میں بھی وہیں پہنچ گیا جہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی اور کسی طرح گھس کے بیمار
کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ بے ہوش پڑا ہوا تھا ڈاکٹروں کی مسلسل کوشش کے بعد

اسے ہوش آیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے اندر زندگی کی حرارت پیدا ہونے لگی
ہو۔ تھوڑی دیر بعد انجکشنوں نے اسے مزید زندہ کر دیا جب وہ بولنے کے قابل ہوا اور
اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں متضاد کیفیتیں پیدا ہوئیں خوف' نفرت' غصے
اور انتقام کی کیفیتیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
یہ میں نے جان بوجھ کر کیا۔ فوراً ہی مجھے خیال آیا کہ میں اسے اپنا اشتعال
دکھا کے مسحور کر دوں اسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ میں اس کے کمینے پن سے پوری
طرح واقف ہوں۔ گھوڑا اچانک بدکا ' کس چابک دستی سے مجھ پر حملہ آور ہوا اور اس
کمینے نے میرے پرخچے اڑانے کی کیسی مجرمانہ اور بہیمانہ کوشش کی۔ ہوش میں آنے کے
بعد حادثے کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں سن کے اسے اپنا نقطہ نظر ترتیب دینے کا موقع
مل جاتا ' جب کہ میں اسے کوئی عذر تراشنے سے پہلے اسے اسی کی نظر میں مجرم ٹھہرانا
چاہتا تھا ' چونکہ اس کے دل میں چور تھا ' بے ہوشی نے اسے کچھ اور کمزور کر دیا تھا ۔
اسے لوگوں کی رائے کا بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ اس حادثے کے متعلق کیا سوچ رہے ہیں
اور ادھر میں وقت پر پہنچ گیا تھا ' اس لئے میں اپنا پہلا منتقمانہ ' نفرت انگیز تاثر دے
کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ۔ وہ میری نگاہ کے شعلوں کی تاب نہ لا سکا مگر
نقاہت اور نیم جانی کے عالم میں اس نے اشارے سے میری خیریت پوچھ کے دانش
مندی کا ثبوت دیا۔

"وہ ٹھیک ہے۔" میرے بجائے گداز جسم کی 35 سالہ سرخ عورت ' پریت کی
ماں بینا رانی نے جواب دیا۔ "بھگوان کرے ' تم ٹھیک ہو جاؤ۔ یہ کیا ہو گیا جگدیپ ! تم
تو بڑے اچھے گھڑ سوار ہو۔"
"مجھے افسوس ہے۔" وہ انگریزی میں ناتوانی سے بولا۔
"کوئی بات نہیں صاحب ! آپ کے گھوڑے کے نیچے آنا تو میرے لئے
عزت کی بات تھی کہ ایسے ویسے نہیں مرا ' کسی راج کمار کے گھوڑے سے مرا۔" میں
نے تیکھے انداز میں کہا۔ "گھوڑوں کا کیا بھروسا ! ذرا سی دیر میں ان کا مزاج بگڑ جاتا
ہے۔"

جگدیپ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ڈاکٹروں نے اس کی زبان بند کر دی اور ہم
سب سے باہر نکلنے کی درخواست کی۔ میں خوش خرامی سے باہر آ گیا۔ راہ داری میں مجھے
پریت ' کسم اور ہیما نظر آئیں۔ وہ تینوں ایک عمر کی لگتی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو

انہوں نے رسمی طور پر سر ہلایا' مگر پھر ٹھہر کے مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ مجھے سرتاپا غور سے دیکھا اور ہیما نے انگریزی میں کہا۔ "بہت ٹف ہے اور خاصا شان دار۔" ہیما کی بات پر وہ کھل کھلا کے ہنس پڑیں اور بے نیازی سے آگے بڑھ گئیں۔ مجھے قربانی کا وہ بکرا یاد آگیا جسے دو دانت اور قدو قامت دیکھ کے لوگ قربانی کے لئے موزوں قرار دیتے ہیں۔

آج رات ہونے میں دیر لگ رہی تھی اور مجھے چاند کے بالائے بام پہنچنے کا انتظار تھا۔ جگدیپ کے گھر والے' اس کی شوخ و شنگ بہنیں اور بھائی اپنے بھائی کو ایک خصوصی ایمبولینس میں لینے کے لئے آئے تھے۔ ڈاکٹروں نے منع کر دیا۔ دنیش چندر رات تک بہت مصروف رہا۔ میں اس کے اردگرد ہی منڈلاتا رہا۔ جگدیپ کو دنیش چندر کے محل کے ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا' رات کو پارو اور دوسری رانیاں' دنیش چندر کے پاس بیٹھی اس حادثے کے متعلق گفتگو کرتی رہیں اور میں کن سوئیاں لیتا رہا۔ جب پارو وہاں سے نکلی تو میں نے گھڑی دیکھی رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ آدھ گھنٹہ میں نے اور انتظار کیا پھر پارو کی آرائش کا تھیلا سنبھالا اور دنیش چندر سے نظریں بچا کے باتھ روم کے عقبی راستے سے نکل کے راہ داری میں آگیا' میں نے دیکھ لیا تھا کہ پارو تنہا گئی ہے تھوڑی دیر تک میں راہ داری میں ٹہلتا رہا اور جیسے ہی وہاں سناٹا طاری ہوا' میں چپکے سے پارو کے دروازے پر پہنچ گیا۔ ہلکی سی دستک پر اندر سے پارو کی آواز آئی۔ "کون ہے؟" میں نے دوبارہ دستک دی۔ دروازے کے قریب آکے اس نے پھر پوچھا۔ "کون ہے؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میں۔" وہ سمجھی ہوگی کہ اس وقت اس کا کوئی خاص آدمی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس نے احتیاط سے ایک پٹ کھولا پھر ایک دم گھبرا کے پیچھے ہٹ گئی۔ یہ پستول بھی کیا ظالم شے ہے۔ کم بخت جادو ہے' ایک جھلک دیکھتے ہی نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ میں نے اندر داخل ہونے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی اور جھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔ پارو شب خوابی کا لباس تبدیل کر چکی تھی اور کوئی انگریز لڑکی نظر آرہی تھی۔ بالکل حسینہ عالم۔ میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"موہن داس! تم؟" اس کی آواز بھرا رہی تھی' جیسے ریکارڈ کی سوئی خراب ہو گئی ہو۔ اس کا خطرناک ہاتھ جہاں تھا' وہیں ٹھہرا رہا کیونکہ میں نے بڑی پھرتی دکھائی تھی ننھا سا پستول اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔ میں نے آسانی سے

اسے لے کے جیب میں ڈال لیا اور مہذب لہجے میں بولا۔

"جناب! میں آپ کا خادم موہن داس! مجھے کل ہی رات آپ کے پاس آنا تھا لیکن مصروفیتوں نے آنے نہیں دیا۔ شا چاہتا ہوں۔ یہ آپ کے فرنچ کاسمیٹک کا سامان میرے پاس موجود تھا' میں نے سوچا کوئی خاص ہی چیز ہوگی جو آپ نے اتنے شوق سے منگوائی ہے۔ کچھ میں بھی اس کا لطف لوں گا۔" میں نے تھیلا اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

اس نے اسے اٹھا لیا اور سامنے رکھے ہوئے صوفے پر ڈال دیا۔ "شکریہ میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"ذرا ہمیں بھی تو سنگھائیے دیکھیں کیسی خوشبوئیں ہیں؟"

"تم خود ہی دیکھ لو۔" وہ کچھ ترشی سے بولی۔

"ایسے نہیں اسے ذرا اپنے نازک بدن پر لگائیے پھر مجھے قریب بلائیے وہیں اس کی خوشبو کا اصل لطف آئے گا یہ خوشبو آپ کے بدن کی خوشبو سے ملے گی تو کاک ٹیل بن جائے گی۔"

"موہن داس!" اس نے اپنے لہجے میں وقار پیدا کرنے کی کوشش کی "تمہارا ارادہ کیا ہے؟ یہ پستول....."

"آپ سے ڈر لگتا ہے اور اس کی موجودگی خوف دور کر دیتی ہے۔ رہی ارادے کی بات۔ تو اتنی رات گئے کسی مرد کا کسی عورت کی خلوت میں آکے کیا ارادہ ہو سکتا ہے؟ میرا خیال ہے' ہمیں ان رسمی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ آئیے اندر چلیں آپ سے ملے بہت دن ہو گئے۔ اتنے اچھے اچھے کپڑوں میں نظر آتی ہیں آپ کہ دل پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے خادم کو خود نہیں بلایا۔" میں نے پستول سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ضرور بلاتی مگر ایسا کوئی موقع ہی نہیں ملا ان دنوں۔" اس نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔ "بہر حال اب تم آئے ہو تو اطمینان سے بیٹھو۔"

"شکریہ۔" میں چند قدم آگے بڑھ کے اس کے قریب ہو گیا اور میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ "آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں؟"

"نہیں' نہیں تو۔" وہ کسمسا کر بولی۔ "تم دیکھ رہے ہو' یہاں کیسی آفتیں آرہی ہیں۔ ادھر ذہن ایسا پریشان رہا کہ کسی طرف کا ہوش نہیں رہا۔"

"آپ کیوں اتنا اثر لیتی ہیں؟ اپنے خادموں کو حکم دیا کیجئے۔ مجھے اس بات کا قلق ہی رہا کہ آپ نے اتنی قربت کے باوجود مجھے کوئی خدمت نہیں سونپی۔" میں اسے لئے خواب گاہ کی طرف بڑھا۔

"پستول اندر کھ لو۔" وہ شاہانہ انداز میں بولی۔

"چلئے یوں ہی سہی۔" میں نے اپنا پستول بھی جیب میں ڈال لیا خواب گاہ کے اندر پہنچ کے میں نے دروازہ بند کیا اور پستول دوبارہ نکال کے تمام روزن پردوں سے بند کئے غسل خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ احتیاطاً اسے بھی بند کر دیا۔ کمرے میں ہلکی انگریزی موسیقی تیر رہی تھی اور ہلکی روشنی تھی۔ پارو کا ذوق تو مستند تھا۔ "کیا حسین رات ہے۔ اب آیئے میرے پہلو میں سمٹ آیئے۔"

"میں شور مچا دوں گی۔" اس نے شرارت سے مجھے دھمکی دی۔

"میں آپ کے ہونٹ کھلنے ہی نہیں دوں گا۔"

"کبھی کبھی تم حد سے گزر جاتے ہو۔ اس روز بھی پریت کے سامنے تم نے حماقت کا ثبوت دیا تھا۔" پارو دل نواز ناراضی سے بولی۔ "وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی؟"

"وہ آپ پر رشک کرتی ہو گی۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

"کیا؟ تم اپنے بارے میں شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو۔" اس نے موقع کی نزاکت سمجھ کے اس بار کچھ جلد ہی منفعل ہونا شروع کر دیا۔

"یقین کیجئے یہاں کی عورتیں مجھے جن نظروں سے دیکھتی ہیں۔ وہ میں پہچانتا ہوں' بہت سوں کو میں منہ اٹھا کے دیکھتا بھی نہیں لیکن آپ نے جادو کر دیا ہے۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔" وہ اٹھلا کے بولی۔

"سچ کہتا ہوں۔" میں نے اس کی زلفیں چومتے ہوئے کہا۔ "آپ نے پاگل کر دیا ہے۔"

"تم بہت شریر ہو۔ تمہیں کوئی اچھا کام ڈھونڈنا چاہئے۔ تم یہ نوکر کیوں بنے ہوئے ہو؟ تم میں جرات ہے' ذہانت ہے۔"

"قسمت اچھی نہیں' پھر جب سے آپ کو دیکھا ہے عمر بھر یہیں رہنے کو جی کرتا ہے۔"

"میری دوستی مہنگی پڑتی ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"مجھے اندازہ ہے' آپ بھی کچھ کم شریر نہیں ہیں۔ کبھی کبھی آپ کی ذہانت کی داد دینے کے لئے بے ساختہ تڑپ جاتا ہوں۔ کبھی آپ پر غصہ آتا ہے کہ آپ کو خوب ماروں کاٹ کھاؤں۔"

"کیوں؟ غصہ کیوں آتا ہے؟ کیا مجھ سے پھر کوئی شکایت پیدا ہو گئی تمہیں۔؟"

"نہیں پچھلی باتیں تو میں بھول چکا ہوں مگر آپ بہت سنگ دل ہیں۔"

"میں نے کیا سنگ دلی کی؟" اس نے مجھے سے دور ہٹنے کی کوشش کی۔

"بس آپ نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ آپ حکم دے کے تو دیکھتیں۔ غلام اپنی گردن کٹوا دیتا مگر آپ نے اعتبار کرنے کے بجائے اور شک کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے مجھے دوبارہ نہیں بلایا آپ نے مجھ جیسے پرستار کو نظر انداز کر دیا۔"

"اوہ۔ تم باتیں خوب کرتے ہو تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھیں؟"

"اور آپ نے یہ ظلم کرنا' یہ شوخیاں کرنا کہاں سے سیکھا؟"

اس کی آنکھوں نے بار بار کروٹیں بدلیں۔ "تم بہت گستاخ اور بدتمیز ہو۔" اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا مگر انداز میں نرمی تھی۔

"سنئے آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟ بہتر ہو گا' ہم کھل کر بات کریں۔"

"میں۔" وہ میرے سوال پر سوچ میں پڑ گئی۔ "تم ایک مشکل آدمی ہو۔"

"اور میری بھی آپ کے بارے میں یہی رائے ہے۔ اتفاق سے دو مشکل آدمی مل گئے ہیں۔ اچھا ہو گا کہ ہم خود کو ایک دوسرے کے لئے آسان بنائیں' پہل میں نے کر دی ہے مگر آپ کی طرف سے ابھی تک اثبات میں جواب نہیں آیا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

وہ کچھ سوچنے لگی۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"یہ سوال شاید آپ نے پہلی ملاقات میں بھی کیا تھا اور میں نے جواب دیا تھا' میں آپ کو چاہتا ہوں۔ دوسری ملاقات میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم پہلی بار مل رہے ہوں۔ میرے آنے کا مقصد آپ کو معلوم ہے۔ کوئی بات آپ سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ بات وہاں سے شروع کیجئے جہاں سے دوسری ملاقات میں ہوتی ہے۔ یہ حجاب ختم کیجئے دیکھئے رات گزر رہی ہے۔ کیسی شبنمیں' کیسی حسین رات ہے ہلکی روشنی' ہلکی موسیقی ہلکی پھلکی آپ بھی۔ یہ رات بے مزہ کیوں کرتی ہیں؟ آپ میرے پہلو میں

ہیں ایک عورت، نہایت حسین عورت، ایک مرد، نہایت تشنہ مرد کے پہلو میں ہے کچھ
سوچئے نا ہمارے آپ کے درمیان کوئی پردہ رہ گیا ہے؟"

"موہن داس! ایک بات بتاؤ۔" وہ مچل کر بولی "تم کون ہو؟" اس نے
تیزی سے پوچھا۔

"آدمی کا بچہ ہوں پارو رانی!" میں نے ہنس کر کہا۔

"پھر وہی، تم خود ہی پیچیدگی پیدا کر رہے ہو۔" وہ الجھتے ہوئے بولی۔

"آپ نے ایک بہت مشکل سوال کر دیا ہے اس کا جواب اتنا آسان نہیں
ہے۔ اچھا چلئے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟"

"میں تم سے بہت متاثر ہوں تم ......" وہ جھجک کر بولی۔ "تم یقیناً وہ نہیں
ہو جس کا اظہار تم کر رہے ہو۔ تمہاری یہ زبان کسی نوکر کی زبان نہیں ہے۔ تم نے اچھا
میک اپ کیا ہے۔"

"خوب!" میں نے تالی بجا کر کہا۔ "چلئے آپ کسی حد تک ایمان تو لائیں۔"

"پہلے تو تم مجھے تم کہا کرتے تھے اب یہ آپ آپ کی رٹ کیوں لگا رکھی
ہے؟"

"پہلے میں آپ کا اتنا قائل نہیں تھا۔ مجھے آپ کی اہمیت اور وقعت کا اندازہ
نہیں تھا۔"

"اوہ۔" وہ مسکرائی۔ "تم سب کچھ جانتے ہو اور دلکش باتیں کرتے ہو۔" میں
نے سر جھکا لیا۔ "آپ اپنی زلفوں کی طرح پیچیدہ ہیں۔"

"اور تم اپنے وزن کے مطابق بھاری اور اپنے قد کے مطابق بلند ہو۔"

"اس دن خبر ہے، کیا ہوا؟" میں نے کہانی سنانے کے انداز میں کہا۔

"کس دن؟" وہ اشتیاق سے بولی۔

"اس دن، جب آپ نے مجھے میک اپ کا سامان لینے بھیجا تھا۔"

"ہاں ہاں، کیا ہوا؟" اس نے اپنی گھبراہٹ صاف چھپا لی تھی۔ "ذرا قریب
آئیے۔" میں نے کہا۔ وہ سمٹ آئی۔ میں نے اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے۔
"اس دن میں باہر نکلا تو راستے میں دو غنڈوں نے مجھے گھیر لیا۔ کم بخت سمجھتے تھے کہ وہ
مجھے گرا دیں گے بڑی زبردست لڑائی ہوئی۔ خونم خون، کشتم کشتا۔" میں نے دونوں
ہاتھوں سے مکے لہراتے ہوئے کہا۔ "بھاگ گئے۔"

"اچھا تو گویا میں نے تمہیں خاصی مصیبت میں ڈال دیا تھا؟"

"ارے آپ تو نہ جانے کیا کیا آفتیں ڈھائیں گی۔ آپ تو بڑی قیامت ہیں
آپ کی خاطر کسی دن یہ جان چلی جائے گی۔"

"تم بہت بہادر آدمی ہو۔ آج بھی تم نے کمال کر دیا۔ گھوڑا تم نے کیسے قابو
میں کیا تھا؟ تم نے تو پورے بھون کو دنگ کر دیا۔"

"آپ دیکھتی رہیے، ابھی اور کیا کیا کمالات دکھاتا ہوں بس آپ کی قربت
کا اعتماد چاہئے کبھی کبھی بلا کے اپنے دیدار کا شربت پلا دیا کیجئے، کرم کی ایک نظر سے
دیکھ لیا کیجئے، پھر دیکھئے کیا کیا فتنے جگاتا ہوں۔ ابھی تو گھوڑا اٹھایا ہے، پھر ہاتھی اٹھا
لوں گا۔ بتایئے بلایا کریں گی نا؟"

"تم پر یقین مشکل سے آتا ہے۔" وہ آنکھیں چمکا کے بولی۔

"راجکمار دنیش چندر نے مجھ پر یقین کیا ہے، تو دیکھ لیجئے، میں ان کے لئے
کیسا اچھا پاسبان بنا ہوا ہوں۔"

"میں تمہیں آزماؤں گی۔ مگر پہلے تمہارے بارے میں بہت کچھ جاننا ضروری
ہے۔" اس نے لہرا کے کہا۔ "مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"میرے تعارف کے لئے یہ کیا کم ہے کہ میں پرکاش بھون کی ایک حسین
عورت کی خواب گاہ میں حملہ آور ہو گیا ہوں۔ اس عورت کی تمنا نہ جانے کتنے ہزار لوگ
کرتے ہیں۔"

"لیکن تمہاری حیثیت محض ایک حملہ آور کی ہے۔ تم اپنے ہاتھوں میں پستول
لائے ہو، پھول نہیں۔ تمہاری نگاہ میں ہوس ہے گداز نہیں ہے۔ پستول کی نوک پر تم
اعتبار قائم کرنا چاہتے ہو۔" وہ روانی سے بول رہی تھی۔

"ہاں۔ اصل میں اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ آپ نے مردم شناسی
نہیں کی۔ آپ کے ہاں التفات کی ذرا بھی گرمی ہوتی تو اس ناچیز کے ہاتھ اٹھے
ہوئے ہوتے کہ آیئے ان میں زنجیریں پہنا دیجیے۔"

"تم لمحہ بہ لمحہ اپنی گفتگو سے مجھے خوش کر رہے ہو کہ میں ایک کم تر آدمی سے
بات نہیں کر رہی ہوں۔ میرے سامنے ایک مکمل مضبوط اور ذہین شخص بیٹھا ہے۔"

"شکر ہے، آپ اس نتیجے پر پہنچیں۔ اب ازراہ کرم کچھ اور سمجھنے کی کوشش
کیجیے کہ آپ کے پہلو میں ایک غضب ناک مرد بیٹھا ہوا ہے۔ جسے حکم چلانا آتا ہے

جسے سوچنا آتا ہے اور جسے چیزیں بگاڑنا سنوارنا ' لڑنا جھگڑنا ' مقابلہ کرنا اور چیلنج قبول کرنا آتا ہے۔ سمجھیں آپ پارو رانی ؟ میرا عہدہ بڑھا دیجیے۔'' میں نے اس کا لال چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے نازک لبوں پر اپنی آنکھیں رکھ دیں۔

''یہ تم کوئی دھمکی دے رہے ہو؟'' اس نے تلخی سے پوچھا۔

''نہیں میں اپنا تعارف کرا رہا ہوں۔ جس میں شاید پہلے کوئی کسر رہ گئی تھی۔ بھون کے حالات' گولیاں' چاقو اور گھوڑے' آپ کی نظر میں ہوں گے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ کسی وقت ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ معاملات اس طرح کیوں نہیں نمٹ رہے ہیں' جس طرح لوگ نمٹانا چاہتے ہوں گے۔''

''ہونہہ'' وہ اپنے ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ''میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گی''

''باتیں بہت صاف ہیں لیکن نہ جانے کیوں آپ نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔''

''تم مجھے کوئی اور مشورہ دو گے؟'' اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔

''میں آپ کو مشورے دیتا رہوں گا۔ محبت سے' نرمی سے' گرمی سے' آپ نے ان مشوروں پر دھیان نہ دیا تو نقصان اٹھائیں گی۔''

''فرض کرو' میں تمہیں بالکل رد کر دوں؟''

میں نے الٹے ہاتھ کا ایک طمانچہ اس کے رخسار پر رسید کر دیا رخسار پر آگ دہکنے لگی وہ بری طرح تڑپی اور اس نے میرے پہلو سے نکل کے بھاگنا چاہا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا اور وہ میری آغوش میں گر گئی۔ ''سکون سے بیٹھے۔ آپ نے غور کیا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟''

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے ہر حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں تو یہاں سے جانے کے بعد تمہارے لئے بڑی مشکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔''

''آہا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''مشکلیں؟ مجھے خوب اندازہ ہے کہ آپ کیا کر سکتی ہیں اور آپ کا حکم کہاں کہاں چلتا ہے لیکن آپ کو یاد آ جائے گا کہ میں کسی طنطنے کے بغیر یہاں آنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ میری پشت پر کوئی گروہ ہو گا۔ کوئی فوج ہو گی۔ چاہے کوئی.....''

''تو کیا...... تم....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''آپ کچھ بھی سمجھئے مگر احتیاط سے قدم اٹھایا کیجیے۔ یہ پھل جھڑیاں چھوڑنے سے کچھ نہیں ہو گا۔''

''تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔'' وہ بپھر کے بولی۔

''غلط تو آپ نے مجھے سمجھا ہے خیر اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔ پہلا تو وہی جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا وہ جو آپ نے اختیار نہیں کیا ہے۔ آپ کے سوچنے کے لئے میں نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔''

''تم نے کچھ نہیں کہا۔'' اب کے اس نے لچک دار آواز میں کہا۔

''کہنا تو آپ سے اور بھی کچھ تھا۔ ارادہ کر کے آیا تھا کہ آپ کو اتنا ماروں گا' اتنا ماروں گا کہ آپ ہمیشہ یاد رکھیں گی۔ سوچا تھا کہ میں آپ کا حسین چہرہ جھلسا کے رکھ دوں گا لیکن آپ کی خوب صورتی کا خیال آ گیا۔ آپ کے عورت ہونے اور اپنے مرد ہونے کا خیال آ گیا۔ چلئے آپ کی جان چھوٹی۔''

''میں تمھاری غلط فہمی کس طرح دور کروں' سمجھ میں نہیں آتا''؟ وہ روہانسی ہو گئی۔

''بس آپ میری آغوش میں سما جائیے۔ مجھے اپنا نشہ پلایئے۔ میرے یہ آہنیں بازو استعمال کیجیے۔'' میں نے اسے اپنے حصار میں کھینچ کے چٹخاتے ہوئے کہا۔

''اتنے وحشی مت بنو میں گوشت پوست کی بنی ہوئی ہوں۔''

''جھوٹ۔ آپ تو پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ آپ ایک متحرک مجسمہ ہیں۔''

''ارے ارے یہ کیا کر رہو؟ ٹھہرو۔''

''آپ کو خوب ستانے کو جی چاہتا ہے۔''

''میرا دم گھٹ جائے گا تم بہت جانور ہو۔''

وہ اتنی نشیلی تھی کہ میں ضبط کھو بیٹھا وہ میری آغوش میں بے آب مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ پھر اس نے فساد میں ایک موقع سے فائدہ اٹھا کے میری جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ جیب میں پستول رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے بازوؤں میں اپنے دانت پیوست کر دیئے اور دور ہٹ کے دونوں پستول اندرونی جیب میں ڈال لئے وہ بستر سے اٹھ کے ایک طرف بھاگنے ہی والی تھی کہ میں نے اپنا ہاتھ پوری طاقت سے گھمایا۔ وہ چکراتی ہوئی فرش پر گری۔ میں نے اسے اٹھا کے اس کا گلابی رخسار شہابی کرنے کے لئے ایک طمانچہ جڑ دیا۔ میرے ہاتھ میں کوڑا ہوتا تو میں اس کے بدن میں

نیل ڈال دیتا۔ دو تین طمانچے اور ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ فرش سے نہیں اٹھی میں منتظر تھا کہ وہ اٹھے۔ تو میں اپنے ہاتھوں کی کھجلی دور کردوں مگر جب دیر ہو گئی تو مجھے احساس ہوا اور میں نے اس کا شانہ پکڑ کے اٹھایا۔ اس نے دزدیدگی و سراسیمگی سے نظریں جھکا لیں۔ میں نے اسے دل سے لگا لیا۔ وہ سسکنے لگی تھی۔ اسے اپنے گاؤن کی بھی خبر نہیں تھی کہ وہ بدن پر کہاں ہے' کہاں نہیں ہے۔ ''تم بہت بڑی حماقت میں مبتلا ہو پارو !تم اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو اور اپنا شباب زائل کر رہی ہو میری رانی!تم نے مخالف ہواؤں کا خیال ہی نہیں کیا ہے۔'' میرا لہجہ تصنع سے مبرا تھا۔ ''کوئی طوفان آگیا تو تم تنکے کی طرح اڑ جاؤ گی۔ ویسے ہی تم ایک نازک شاخ ہو۔ پھول جیسا تو تمہارا بدن ہے۔ اتنی تیز مت دوڑو کہ سانس اکھڑ جائے۔ تم بہت تنہا ہو اور یہاں سب جھوٹ ہے جو اوروں سے وفادار نہیں ہیں' وہ تم سے کیسے وفادار ہو سکتے ہیں؟ سمجھ رہی ہو' میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے دیکھا وہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میں اسے بستر تک لے آیا۔ میں نے اس کا گاؤن درست کیا' اس کے آنسو پونچھے اسے پانی پلایا۔ وہ بے اختیار میرے شانے سے ٹک گئی۔ ''کچھ جواب دو۔ بولو پارو!دیکھو' اب میں تمہیں آپ نہیں کہہ رہا ہوں میں نے تم پر ہاتھ اس لئے اٹھایا کہ میں بہت پھک گیا تھا۔ ''بولو۔ بولو۔'' میں نے اسے ہوا میں اچھال کے اس کا کیچ لے لیا۔

''موہن !یقین کرو' مجھے کسی پر اعتبار نہیں ہے۔ تم سچ کہتے ہو۔ میں بہت تنہا ہوں لیکن....'' وہ سسک پڑی۔

''لیکن تم دلدل میں پھنس گئی ہو اور نادانی میں بہت سی غلطیاں کر چکی ہو میں جانتا ہوں' میں جانتا ہوں۔''

وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگی اور جھلا کر بولی۔ ''تم سب کچھ جانتے ہو؟''

''میری نظریں کیا کیا اور کہاں کہاں دیکھ رہی ہیں۔ شطرنج کی ہر چال میرے سامنے ہے۔ کون سا پیادہ پٹ گیا؟ کس نے گھوڑا آگے بڑھایا؟ کس نے پیدل سے اسے پیٹ لیا؟ فیلا کس خانے میں ہے اور بادشاہ اورب میں آنے کو ہے۔ اور'' میں نے اسے نوچ کر کہا۔ ''کوئین کیا سوچ رہی ہے۔''

''کوئین تو پہلے ہی پٹ رہی ہے۔'' اس نے اداسی سے کہا۔

''کوئین نے ذرا تیزی دکھادی غلط خانوں میں چلی گئی۔''

''موہن!تم بتاؤ کہ تم ہو کون؟ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے' میں تمہارے قریب آتے ہوئے جھجکتی رہوں گی۔''

''میں مخالف ہوا ہوں پارو!جو کبھی تیز چلنے لگتی ہے' کبھی آہستہ' فی الوقت تم اتنا ہی جاننے پر اکتفا کرو۔''

''تمہاری مرضی بہر حال تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔''

''شاید یہ سچ ہو اور سچ نہ بھی ہوا تو ایک دن تم سچ جان لوگی' کیونکہ میں نے تمہیں متنبہ کر دیا ہے اگلی چال تم خوب سمجھ کے چلو گی۔''

''ہونہہ'' وہ کسی فکر میں کھو گئی اور جیسے مجھ سے بے نیاز ہو گئی۔

''مجھے دنیش چندر کے پاس جانا ہے۔'' میں نے اسے چونکاتے ہوئے کہا۔

''اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہو گی کیا میں چلا جاؤں؟''

''نہیں۔ تم بیٹھو تم کچھ پیتے ہو؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں تمہیں پی رہا ہوں۔'' میں نے اس کی چٹکی بھرلی۔ ''تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں۔ اور ہو گا بھی تو تم مانو گے تھوڑی۔'' اس نے شوخی کی کوشش کی۔

''تم کہو گی تو میں چلا جاؤں گا۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''جاؤ۔'' وہ مسکرا کے بولی۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور خواب گاہ کی چٹخنی گرا دی۔

میں دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ وہ لپکتی ہوئی آئی۔ ''واقعی جا رہے ہو؟'' اس نے ناز و ادا سے کہا۔

''تمہارا حکم جو ہے۔''

اس نے چٹخنی دوبارہ اوپر کر دی اور میری گردن میں باہیں ڈالی دیں۔

''موہن ! کاش ہم ایک دوسرے کے لئے سچے ثابت ہوں۔''

میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ ''پارو !تم سچ ہو کر اور حسین ہو جاؤ گی۔''

''موہن !تمہارا اصل نام کیا ہے؟'' وہ جذبات میں ڈوب کے بولی۔

''یہی۔ کیا یہ تمہیں پسند نہیں ہے؟ بدل دوں؟''

''بہت پیارا نام ہے مگر یہ تمہارا اصل نام نہیں ہے۔''

Sandy

”کیوں؟ یہ تم نے کیسے اندازہ کیا؟“
”اس لئے کہ نہ جانے کیوں یہ نام تمہارے چہرے پر فٹ نہیں ہوتا۔“
”مثلاً میرا کیا نام ہونا چاہئے تھا؟“
”تمہارا نام۔ تمہارا نام۔ اچھا سوچ کے بتاؤں گی۔“
”ٹھیک ہے۔“ میں نے جھومتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں بے اختیار بستر کی طرف آگئے اور میری آنکھیں اس کے دہکتے ہوئے بدن سے تپنے لگیں ہاتھوں میں لرزش آگئی میں نے بے حرف و نوا سچ بولنا شروع کیا۔ تو کوئی حد نہ رہی۔ اس کے ہاں بھی اس وقت کوئی آلودگی نہیں تھی۔ سچ تو فوراً منتقل ہو جاتا ہے' اس سچ میں دشمن بھی عزیز معلوم ہوتا ہے' گویا دشمنی ہوش میں ہوتی ہے اور سچ بے ہوشی میں بولا جاتا ہے۔ حسین عورتوں کے ہجوم میں پارو کا نیلام ہوتا تو اس کی بولی بڑھ چڑھ کے لگتی۔ اس کے بدن پر نگاہ ٹھہرتی ہی نہ تھی کیونکہ نگاہ اتنی کثیر روشنی کی متحمل نہیں ہوتی۔ وہ ایک ہزار واٹ کا بلب تھی اور فرنچ کاسمیٹک کی دکان تھی اور اطلس و کمخواب کا کارخانہ تھی' وہ ربڑ کی گڑیا تھی اور وہ شراب خانہ تھی۔ وہ خیام کی ایک رباعی تھی اور میکائل انجلو کی تصویر وہ بیتھوئن کی کوئی دھن تھی اور سیفو کا کوئی نغمہ۔ میں اس وقت بہت مال دار شخص تھا کیونکہ یہ ساری چیزیں میری ملکیت تھیں۔ مجھے اپنی غریبی اور فقیری کا کوئی احساس نہیں تھا۔

جب میں لڑکھڑاتا ہوا واپس ہونے لگا تو وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ پہلے اس نے راہ داری میں ادھر ادھر دیکھا مجھے اپنے لبوں کی تلچھٹ پلائی اور کہا۔ ”مجھے امید ہے اب تم سچ بولو گے اور میں بھی تم سے وعدہ کرتی ہوں۔“

میں نے بوجھل آنکھوں سے اسے دیکھا اس کی زلفیں چومیں اور باہر چلا آیا ٹھنڈی ہوا لگی تو مجھے کچھ ہوش آیا اپنی اوقات کا خیال آیا اس وقت ڈیڑھ بج رہا تھا دنیش چندر کے ڈرائنگ روم میں روشنی ہو رہی تھی اور راہ داری کے آخری سرے پر دربان اونگھ رہا تھا۔ میں کیا کیا ارادے باندھ کے پارو کے پاس گیا تھا لیکن مے کدے میں داخل ہو کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ پتہ نہیں میرے آنے کے بعد پارو کس طرح سوچ رہی ہو گی؟ میں نے قدم تیز کر دیئے اور باتھ روم کے عقبی راستے سے دنیش چندر کے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ وہ ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ جیسے ہی میری آمد کا کھٹکا ہوا' اس نے گھبرا کے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور

مجھے دوسرے راستے سے آتا دیکھ کے وہ تقریباً اچھل پڑا۔ ”موہن داس! تم کہاں تھے؟ وہ شکایت آمیز انداز میں بولا۔ ”آج تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔“

”میں ڈیوٹی ہی پر تھا۔ دنیش بابو! ایک خاص کام سے گیا تھا۔“ میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

”یہ“ وہ مسکرا کے بولا۔ ”تم نہیں آئے تو وقت کاٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم نے مہمان خانے سے انہیں بلا لیا۔ یہ آج ہی اپنے مظاہرے کرنے کے لئے دلی سے آئی ہیں۔ ان کا نام ترنم ہے۔ آج جگدیپ کے حادثے کی وجہ سے ہم ان کا ترنم تو نہیں سن سکے مگر ان کی دیدہی موسیقی ہے۔“

”تسلیمات“ ترنم نے جھک کے خاص انداز میں مجھے سلام کیا۔

”آداب“! میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”بلا شبہ یہ ترنم ہیں' کہیے آپ کو راجے پور پسند آیا؟“

”بہت پرسکون جگہ ہے سبزے اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی۔ پہاڑیوں کے درمیان' لوگ شائستہ اور نفیس۔“ وہ ترنم ریز لہجے میں بولی۔

”آج یہاں ایک پھول کا اضافہ اور ہو گیا۔“ میں نے شوخی کی' مگر فوراً میں نے خود کو ٹوکا میرا یہ لہجہ دنیش چندر کو مشکوک کر سکتا تھا۔ ”ہمارے راجکمار فن کے قدر دان ہیں۔“ میں نے درباری لہجے میں کہا۔

”بے شک یہ صورت اور یہ گفتگو صاحب ذوق ہونے کی غمازی کرتی ہے۔“ وہ خوش سلیقگی سے بولی۔

”دیکھیے نظر نہ لگا دیجیے گا انہیں۔“ میرے منہ سے نکل گیا۔

”موہن داس! خوب' آج تو بہت دلکش باتیں کر رہے ہو۔“ دنیش چندر حیرت سے بولا۔ ”یقیناً یہ سب ان کا اثر ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ' کھڑے کیوں ہو؟“ میں زمین پر بیٹھ گیا وہ ناراض ہو کے بولا۔ ”ارے ادھر بیٹھو' ہمارے پاس۔“

وہ اس نئی لڑکی کے سامنے مجھ سے اپنا ربط ضبط دکھا کے غلطی کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ”چال چلئے گا۔“ ترنم نے اسے متوجہ کیا۔

”ہاں ہم تو بھول ہی گئے۔ اب اٹھایئے یہ بساط کیوں نہ باتیں کی جائیں؟“ دنیش چندر بہت موج میں نظر آتا تھا۔

”آپ بازی تو مکمل کر لیجیے' خبر ہے' کیا بج رہا ہے؟“ میں نے دخل دیا۔

''چھوڑو بھی۔'' دنیش چندر نے ہاتھ بڑھا کے سارے مہرے گرا دیے۔ ''یہ بتاؤ تم کہاں سے آرہے ہو؟''

''مجھ سے باتیں بعد میں کیجیے گا اتنی دور سے یہ مہمان آئی ہیں' ان کا خیال کیجیے۔''

''ابھی تو رات بہت باقی ہے' یہ بھی یہیں موجود ہیں۔''

''میں کیوں نہ آپ سے اجازت چاہ لوں ۔ یہ کیا کہیں گی کہ راجے پور میں مہمانوں کی اس طرح خاطر کی جاتی ہے۔''

''نہیں۔'' وہ شیرینی سے بولی۔ ''اگر آپ کو کوئی ضروری بات کرنی ہے تو میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔ اہم باتیں پہلے کیجیے اور مہمان داری بعد میں۔''

دنیش چندر سمجھ گیا کہ میں ترنم کے سامنے کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ وہ اسے اس وقت واپس بھیج کے اس کی دل شکنی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور مجھ سے گفتگو کا بھی خواہش مند تھا۔ ''ترنم ہم تم سے چند منٹ کی اجازت لیں گے تم یہیں بیٹھو ہم ابھی آتے ہیں۔''

ترنم نے اپنے دلکش تبسم سے اپنی خوش اخلاقی کا اظہار کیا۔ دنیش چندر مجھے اپنی خواب گاہ میں لے گیا اور دروازہ بند کر کے مسہری پر نرم تکیوں کا سہارا لے کر نیم دراز ہو گیا۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے میری دیر سے آمد کا سبب پوچھا۔ مجھے اس کے انداز و اطوار سے یہ تسلی تو ہو ہی گئی تھی کہ میرے اور اس کے تعلق میں آج کے گھوڑے والے حادثے سے کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کی رغبت میں کچھ اضافہ نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرے مخبروں کی اطلاع کے مطابق ایک گروہ میں نمک حرامی کے آثار پائے جاتے ہیں چنانچہ میں اس کی ٹوہ لینے گیا تھا؟''

''کون لوگ ہیں؟ کیا پتہ چلا؟'' وہ بگڑ کے بولا۔

''نچلے درجے کے چند ملازمین ہیں شاید انہیں خرید لیا گیا ہے۔''

''تو تم نے کیا کیا؟''

''ہم دونوں طاقتیں استعمال کریں گے پیسے کی بھی اور بارود کی بھی ۔''

''موہن داس! تم کمال کر رہے ہو۔ جگدیپ نے تو آج تمہیں مار ہی دیا تھا میری وجہ سے تم پر پریشانیاں آرہی ہیں تم نے حیرت انگیز طاقت کا مظاہرہ کیا۔''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں ......'' میرا جملہ حلق میں اٹک گیا میں نے دفعتاً بے حد تیزی سے دنیش چندر پر زقند لگائی اور اسے پوری طاقت سے فرش پر دھکا دے دیا لیکن اس عرصے مین وہ چھوٹا سفید سانپ میرا ہاتھ ڈس چکا تھا۔ میں نے اسے درمیان سے پکڑ کے دور پھینک دیا دنیش چندر میرے اس اچانک اقدام سے حواس باختہ ہو گیا۔ چند لمحوں کے لئے وہ گنگ ہو گیا مگر اس نے مجھے سانپ جھٹکتے ہوئے دیکھا تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ وہ کراہنے لگا تھا پھر وہ برق رفتاری سے اٹھ کے میری طرف دوڑا۔''

''موہن داس !اس نے تمہیں کاٹا تو نہیں؟'' اس نے میرا ہاتھ تھام کے وحشت سے پوچھا۔

کاٹا تو ہے لیکن شاید اس کا زہر مجھ پر اثر نہیں کر رہا ہے۔'' میں خود گھبرا گیا تھا میرا ہاتھ صحیح و سلامت تھا نہ کوئی درد نہ ٹیس' نہ کھنچاؤ۔ یہ کیسے' کیا ہوا؟ میں نے سانپ کا لمس اپنے ہاتھ پر محسوس کیا۔ کیچو؟ ایک لمحے کے لئے کیچو کا سایہ میری نظروں میں گھوم گیا۔ اس نے رات مجھے ایک بوٹی دیتے وقت کہا تھا کہ اس کے اثر سے کوئی زہر مجھ پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ یہ خیال آتے ہی میں فرش پر رینگنے والے سانپ کی طرف لپکا۔

''ٹھہرو ! اسے شوٹ کئے دیتا ہوں۔'' دنیش نے چیخ کر مجھے روکا۔

''ایک گولی ضائع جائے گی۔ دنیش بالو!انگریزی دور میں اسلحہ کی بڑی قیمت ہے' اسے کسی اور کام میں لایئے گا۔'' یہ کہہ کے میں سانپ پکڑنا ہی چاہتا تھا' مگر مجھ پر ہوش مندی کا دورہ پڑا۔ یہ وقت کیچو کی عطا کی ہوئی بوٹی کا کرشمہ دکھانے کا نہیں تھا سانپ میرے ہاتھ میں لہرانے لگتا اور اس کا زہر مجھ پر اثر کرنے لگتا تو دنیش چندر یہ گمان کر سکتا تھا کہ کہیں میں نے اسے متاثر کرنے کے لئے دانستہ یہ تماشا نہ کیا ہو۔ دنیش چندر میرے نزدیک آچکا تھا ہم نے اس پر ایک کپڑا ڈال کے اسے جوتوں کی ٹھوکروں اور پیتل کے گل دان سے مارا۔ وہ ہمارے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا سکا کم بخت نے تیزی تو بڑی دکھائی' ادھر ادھر سمٹا' پھیلا' بھاگا مگر آخر مارا گیا۔ اس کی کچلی ہوئی لاش ہمارے سامنے پڑی تھی۔ دنیش چندر بے تابانہ میرے گلے سے لپیٹ گیا۔ ''موہن داس ! تم میری زندگی ہو تم نے ایک بار پھر مجھے موت کے منہ سے بچا

لیا۔'' اس نے شاید پہلی بار خود کو ہم کے بجائے میں کہا تھا۔
''سازشیوں نے ہراوچھا ہتھکنڈا استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دنیش بابو
!اب اس طرح سے کام نہیں چلے گا شرافت کا وقت گزر گیا۔''
''موہن !انہیں کون بتائے کہ میں راجے پور کا تاج کانٹوں کا تاج سمجھتا
ہوں۔'' وہ کرب سے بولا اور میرا ہاتھ ٹٹولنے لگا۔
میری ہنسی نکل گئی۔ ''انہیں کبھی یقین نہیں آئے گا کہ آپ ایسا سمجھتے ہیں۔
ہاں جب آپ راج دربار کی کرسی پر براجمان ہو جائیں گے تو انہیں ضرور یقین آ جائے
گا۔''

دنیش اس خطرناک موقع پر میری غیر سنجیدگی دیکھ کے دنگ رہ گیا تھا اس نے
میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔ ''ان معاملوں سے بعد میں نمٹا جائے گا مجھے تو تمہاری فکر
ہے تم بچ گئے اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو ہم میں سے کوئی ایک' دوسرے سے جدا ہو جاتا
موہن! تم میری ضرورت بنتے جا رہے ہو بتاؤ میں کیا کروں؟'' وہ بری طرح گھبرایا
ہوا تھا۔

''دنیش بابو!اس وقت واقعی خیر ہو گئی بڑے بوڑھے سچ کہتے ہیں کہ موت کا
ایک وقت مقرر ہے۔ نہ وقت سے پہلے آتی ہے نہ وقت کے بعد مگر دوپہر کے اور اس
وقت کے حادثے کے بعد ہمیں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا چاہئے کل رات زہر
تھا' شام کو گھوڑا' آج رات سانپ' آنے والی کل نہ جانے کیا سوغات لائے؟''
''اف یہ سب کتنا بڑا مذاق ہے' کتنی بڑی ستم ظریفی ہے' سب دیکھ رہے
ہیں کہ مجرم کون ہیں مگر ہم ان کی گردنیں نہیں پکڑ سکتے۔ جگدیپ میرے دوست پر گھوڑا
چڑھا دیتا ہے' میں دیکھتا رہ جاتا ہوں' تھانے دار میرے دوست کی توہین کرتا ہے' مجھے
خاموش رہنا پڑتا ہے۔ میں تم سے دوستی نہیں نباہ سکتا اور نہ تمہاری جاں نثاری کا معاوضہ
ادا کر سکتا ہوں۔'' وہ جذباتی ہو گیا اس نے مجھے دوبارہ سینے سے لگا لیا۔ اس نے اس
واقعے سے گہرا اثر قبول کیا تھا۔
''ارے دنیش بابو ! آپ نے بھی خوب فکر کی' میرے لئے تو یہی بہت ہے
کہ آپ مجھے خود سے قریب سمجھتے ہیں۔ ہاں صبح جب تھانے دار مجھ سے اندھا دھند
سوالات کر رہا تھا تو آپ کی خاموشی سے ڈر گیا تھا۔''
''میں نے جان بوجھ کر اسے سوالات کا موقع دیا تھا جگدیپ نے صورت ہی

ایسی پیدا کر دی تھی۔ اس نے بھون کے لوگوں کے سامنے تمہیں مجرم ٹھہرایا۔ ظاہر ہے'
میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم مجرم نہیں ہو اور رات بھر میرے ساتھ رہے ہو۔ اس سے
میرا اور تمہارا قریبی تعلق ظاہر ہو جاتا۔ پرکاش بھون میں پولیس میری مرضی کے بغیر
داخل نہیں ہو سکتی مگر جگدیپ کو شہ دینے اور کچھ چہرے شناخت کرنے کے لئے میں
نے یہ ڈرامہ گوارا کر لیا تھا مجھے افسوس ہے تمہیں بڑی اذیت ہوئی ہو گی۔''
''میں بعد میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کا مقصد کیا ہے اور سارا شکوہ اسی وقت دور
ہو گیا تھا' لیکن دنیش بابو!چہرے تو جانے پہچانے ہیں اصل مسئلہ ان سے نمٹنے کا ہے'
یہ ابتدائی کام تو ہم نے کر لیا ہے۔''
''تم سچ کہتے ہو' شاید مجھے ان چہروں پر شبہ ہونے لگتا ہے' کیسے معصوم اور
خوب صورت چہرے ہیں۔ میں اس بھون میں جگدیپ کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا رہا
تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میری کئی بہنیں بھی اس کی ہم نوا ہیں ایسا کیوں ہے؟''
''دولت حسد پیدا کرتی ہے' یہ محبت کی قینچی ہے۔ آپ کے پتا پرکاش چندر
نے زندگی بھر عورتوں کی محفل سجائی' شادیاں کرتے رہے اور اپنے بھون میں یہ فصل اگا
دی۔ اس بڑے خاندان کے کیا کیا سماجی اور نفسیاتی مسائل ہوں گے کیسی کیسی رقابتیں
ہوں گی' حسد اور کینے کا بازار گرم ہو گا مگر انہیں اس کا ہوش نہیں رہا تھا۔'' میں کہنے کو
تو یہ کہہ گیا مگر جلدی ہی مجھے احساس ہو گیا کہ میں دنیش چندر کے سامنے اپنی بساط
سے بڑھی ہوئی باتیں کر رہا ہوں۔
جیسا کہ میرا خیال تھا' اس کی آنکھوں سے تعجب مترشح تھا۔ میں بڑی بڑی
باتیں کر رہا تھا۔ ''موہن داس !میرا دعویٰ ہے کہ تم ایک تعلیم یافتہ آدمی ہو۔ تم اپنے
آپ کو چھپا رہے ہو مجھے بتاؤ کہ تم نے اپنے آپ کو کیوں چھپا رکھا ہے؟''
''یہ تجربے کی باتیں ہیں دنیش بابو!''
''ہاں' کیوں نہیں' تمہاری عمر تو اسی سال ہے۔'' وہ ہنس کر بولا ،خیر تم نہیں
بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مجھے تمہارے ساتھ اپنی دوستی کا ابھی اور ثبوت دینا ہو گا جبھی تم کھلو
تو کھلو۔ اس بھون کا ہر فرد مشکوک ہے کسی کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں تمہارا خدشہ
بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے۔''
اس قدر رفاقت کے بعد یہ بہت مشکل تھا کہ میں اپنے آپ کو چھپا سکتا۔ یہ
بذات زبان پھسل جاتی تھی میری حالت اس وقت کسی چور کی سی تھی۔ ''دنیش بابو

! کیوں میرے زخم کریدتے ہیں۔" میں نے غم زدہ لہجے میں کہا۔ "ان چنگاریوں کو ہوا نہ دیجیے مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے۔ آپ مہیش چندر اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے موہن! میں تمہیں اپنی نوکری سے سبک دوش کرتا ہوں اور بطور دوست تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں تم ایک دوست کی طرح مجھ سے مخاطب ہو گے ایک یار کی طرح مجھے مشورے دو گے ایک بھائی کی طرح مجھ سے محبت کرو گے سمجھے؟"

"آپ یہ عنایتیں کر کے مجھے میری اوقات سے باہر کر دیں گے دنیش بابو! معلوم ہے کہ آپ دل کے بہت اچھے ہیں مگر یاد رکھیے' میری آپ کی دوستی صرف تنہائی کی ہے۔ جب تنہائی نہیں ہو گی تو مجھے آپ کی موجودگی میں گالیاں سننی پڑیں گی' ذلیل ہونا پڑے گا' آپ بھی چپ رہیں گے' میں بھی کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔ بہتر ہے' مجھے اپنی نوکری میں رکھیے مجھے کھینچ کر بڑامت کیجیے۔"

"کل سے میں سب کے سامنے اعلان کر دوں گا کہ موہن داس میرا دوست ہے۔ میرے ایک دوست کی طرح اس کی عزت کی جائے۔" وہ جوش میں ہاتھ اٹھا کے بولا۔

"گویا اس طرح آپ اپنے دوست کو جلد سے جلد جہنم رسید کروانے کا اشارہ کریں گے۔ حاسدوں سے تو نوکری کا رشتہ نہیں دیکھا جاتا دوستی میں کیا عالم ہو گا؟"

"تو پھر کیا کیا جائے؟ تمہی کچھ بتاؤ۔" وہ بے چینی سے بولا۔

"حالات جوں کے توں رہنے دیے جائیں آپ مجھے رفتہ رفتہ نمایاں کرتے رہیں گے اور اس عرصے میں ہم بہت سے جھگڑوں سے نمٹ لیں گے۔ یہ شیطان سوچنے کے لئے وقت نہیں دے رہے ہیں۔ انہوں نے سونگھ لیا ہے کہ ہم دفاع کے بجائے حملے پر اتر آئے ہیں۔ آپ ایک طرف راجے پور کے مہاراجہ سے اپنا خصوصی رابطہ ضبط بڑھائیے' دوسری طرف انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلائیے۔ تیسری طرف اپنے مخالفوں سے جنگ کرتے رہیے گولیاں تو ضرور چلیں گی مگر سلیقے سے چلائی جائیں گی۔ کچھ لوگوں کو گولی کے بغیر بھی ٹھنڈا کیا جائے گا۔ اسے جنگ کا میدان سمجھئے زندگی بھی ایک جنگ ہے ذرا نظر چوکی اور موت نے جال پھینکا۔"

"میری جان!" اس نے وفور جذبات میں میرے ہاتھ پکڑ لئے۔ "کاش ہم

دونوں یہاں سے بھاگ سکتے یہ سب کھڑاگ ہے موہن پیارے!"

میں سوچنے لگا' کون کون یہاں سے میرے ساتھ بھاگے گا؟ "فرار بزدلی ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ سختی سے پکڑ لئے۔ "مقابلہ کیا جائے گا۔ اب آپ باتیں بند کیجیے باہر وہ بے چاری انتظار کر رہی ہو گی اس کے سامنے اپنی دوستی کا پرچار نہ کیجیے۔"

"ارے چھوڑو۔" وہ سرشاری سے بولا۔ "آج اپنی نئی زندگی کا جشن منائیں گے تم میرے ہم عمر ہو اور میرے دوست یہ بڑی ظالمانہ بات ہے کہ مجھے ان حسین لڑکیوں کی ضرورت پڑتی ہے' تمہیں نہیں پڑتی۔ اب شرم ختم کرو چلو میرے ساتھ۔" وہ میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔ میں نے سوچا' کہہ دوں ابھی میں پارو کے چمنستان سے آیا ہوں لیکن وہ مجھے کھینچتا ہوا اور یہ کہتا ہوا ڈرائنگ روم میں لے آیا کہ کل ہی اس طوائف کو انعام و اکرام دے کے دلی واپس کر دیں گے اور کسی کو خبر بھی نہ ہو گی کہ میں نے تمہارے ساتھ اتنی قربت کی رات گزاری ہے۔"

ترنم کھڑی ہو گئی گو ہمیں دیر لگ گئی تھی اسے کیا معلوم تھا کہ ہم موت کا ایک دلچسپ منظر دیکھ کے آئے ہیں۔ اس نے اپنی پیشانی پر شکن نہیں آنے دی۔ کھلی پڑتی تھی' بچھی جاتی تھی۔ اس کا ہر انگ لچک رہا تھا۔ موتیوں جیسے سفید دانتوں کو کسی طور قرار نہیں تھا۔ باہر زندگی کا نظارہ تھا۔ "ہمیں دیر ہو گئی۔" دنیش چندر نے تحکمانہ معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں مجھے خوشی ہے کہ آپ بہت مسرور واپس آئے ہیں۔"

"ہاں' ہم ایک بہت اہم کام کر کے آرہے ہیں۔" دنیش میری طرف دیکھ کے بولا۔ "اب آپ سے کچھ سننے کو جی چاہتا ہے۔"

"کاش میں آپ کے حکم کی تعمیل کر سکتی۔ یہاں ساز و سامان نہیں ہے۔" اس نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا۔

"کوئی حرج نہیں ہمارے پاس بہت سے ریکارڈ ہیں موسیقی کا اہتمام تو ہو سکتا ہے مگر اس وقت طبیعت کچھ باغی ہو رہی ہے رقص کیجیے گا؟"

"جو آپ کا حکم' مگر آپ کو لطف نہیں آئے گا۔"

"آپ انہیں اندر لے جائیے۔" میں نے درمیان میں دخل دیا۔ "اور ان سے خوب باتیں کیجیے۔ ان کی باتیں ہی موسیقی اور رقص ہیں۔"

اس کے دانت بج اٹھے۔ ''موہن صاحب بھی خوب بناتے ہیں۔''

''چلئے اٹھیے ہم اپنے خاص کمرے میں چلتے ہیں۔'' دنیش نے اس کا مہندی لگا ہاتھ پکڑا تو چوڑیاں کھنکنا اٹھیں۔ وہ لچکتی ' اٹھلاتی ' جلوے بکھیرتی ہمارے ساتھ چلی ' میں عجب مخمصے میں پڑا ہوا تھا۔ دنیش چندر نے آج تمام آداب و قواعد توڑنے کی ٹھان لی تھی دیکھئے ' آگے کیا ہوتا ہے۔ مجھے کچھ شرم سی محسوس ہو رہی تھی۔

اندر کمرے میں چھوٹے پایوں کا ایک مرصع اور چوڑا تخت رکھا ہوا تھا۔ فرش پر قالین پھیلے ہوئے تھے۔ دنیش چندر نے مختلف قسم کی روشنیاں جلا دیں کمرے کا منظر سہانا ہو گیا۔ چند ریکارڈ منتخب کر کے اس نے ترنم کو دکھائے اور اس کے مشورے سے انہیں ریکارڈ پلیئر پر رکھ دیا کمرے میں کلاسیکی موسیقی گونجنے لگی۔ ''کیا خیال ہے؟'' اس نے ترنم سے پوچھا۔

''بہتر ہے۔'' اس نے ایک قاتلانہ ادا سے سر جھکا۔ دنیش چندر نے تخت پر گاؤ تکیے کے سہارے مجھے بالکل اپنے پاس بٹھا لیا۔ میں سکڑ کے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے میرے پیروں پر گھونسا مار کے انہیں سیدھا کر دیا اور میرے گلے میں ہاتھ ڈال دیے۔

ترنم ایک شان سے رقص کرنے لگی تھی۔ موسیقی تیز نہیں تھی اور ترنم کے قدم تالوں اور سروں پر برجستہ اٹھتے تھے وہ کچھ زیادہ ہی ڈوب کر رقص کر رہی تھی۔ مجھے اپنی بانو یاد آنے لگی اور میں بیٹھے بیٹھے اس کے بالا خانے پہنچ گیا۔ دنیش چندر نے مجھے میری محویت سے چونکایا۔

''کہاں گم ہو گئے موہن؟ کیا خیال ہے ' کیا ناچتی ہے؟''

''خوب ہے فن آشنا ہے۔ بدن بھی اچھا پایا ہے ' رقص کے لئے قطعی موزوں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''مگر دنیش بابو! مجھے یہاں بیٹھتے ہوئے کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔''

''تو میں چلا جاتا ہوں تم آج لطف اٹھاؤ۔''

''نہیں ' میرا یہ مطلب نہیں ہے ' مجھے اجازت دے دیجیے۔''

''اب بالکل چپ چاپ بیٹھے رہو زندگی میں ایک تو دوست بنایا ہے۔''

''لیکن میں درباری اور مصاحب ہی رہوں گا۔''

''میں تمہاری ساری جھجک توڑ دوں گا۔ ابھی یہ گل اندام تمہارے پہلو میں شوخیاں کر رہی ہو گی سچ سچ بتاؤ ' کیسی ہے؟''

''یہ تو بہت حسین ہے مگر میں بہت خراب ہو رہا ہوں۔''

جیسے ہی ریکارڈ ختم ہوا ' ترنم کے پیروں میں بیڑیاں پڑ گئیں۔ ''ادھر آیئے۔'' دنیش چندر نے اسے اشارے سے بلایا۔ وہ ٹھمک ٹھمک کرتی ہوئی ہمارے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ ہمارے دوست موہن داس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''بہت وجیہہ اور دلکش آدمی ہیں۔'' اس نے دل ربائی سے کہا۔

''ہم سے زیادہ؟'' دنیش نے آنکھیں پٹ پٹا کے پوچھا۔

وہ تذبذب میں پڑ گئی اور پھر ہنستی ہوئی بولی۔ ''آپ اپنی جگہ ہیں یہ اپنی جگہ۔''

''فرض کیجیے آپ کو ہم دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو آپ کسے پسند کریں گی؟ دیکھئے ' ہمارا کوئی خیال نہ کیجیے گا سچ سچ بتایئے۔''

''اف خدایا۔ آپ اتنی بڑی آزمائش میں نہ ڈالیں۔''

''فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہو گا۔ ہم اپنے خاندان کی قسم کھاتے ہیں۔''

''مجھے آپ دونوں پسند ہیں ایک کے چہرے پر شاہانہ تمکنت ہے ' دوسرے کے چہرے پر محنت اور عزم کی سرخی۔ دونوں ہی عمدہ چہرے ہیں۔'' وہ الجھتی ہوئی بولی۔

''آپ کو کیا پسند ہے؟ شاید آپ ڈرتی ہیں کہ انہیں پسند کر لیا تو ہم ناراض ہو جائیں گے یہی بات ہے نا؟''

''اور آپ کو پسند کر لیا تو یہ ناراض ہو جائیں گے۔''

''مجھے خوشی ہو گی۔'' میں نے ترنم کو آنکھ کا اشارہ کیا۔

''اور مجھے بھی۔'' دنیش نے میری آنکھ کا اشارہ دیکھ لیا تھا۔

''چلئے قرعہ ڈال لیتے ہیں۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''غلط آپ کو کسی ایک کو پسند کرنا ہے مجھے یا انہیں؟''

ترنم اپنی کم سنی کے باوجود خاصی زیرک تھی اس نے مجھ پر دنیش چندر کا غیر معمولی التفات دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ ''اچھا صاحب دیکھیے ' ناراض نہ ہویئے گا میں اپنی پسند کا اعلان کرتی ہوں۔''

''ہم تمہارے فیصلے کے منتظر ہیں۔'' دنیش چندر نے اضطراب سے کہا۔

ترنم نے انگلی سے میری طرف اشارہ کر دیا اور شرما کے گردن جھکالی۔ دنیش

ایک دم اچھل گیا۔ ''خوب آپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا' آپ نے ہمیں خوش کیا۔''

''دیکھا موہن داس! ہم نہ کہتے تھے کہ تم نے اپنے آپ کو چھپایا ہے۔ انہوں نے تمہیں پہچان لیا۔'' یہ کہتے ہی وہ کھڑا ہو گیا اس نے گھڑی دیکھی۔ ''رات بہت گزر چکی ہے ترنم ہم آپ کی پسند کا احترام کرتے ہوئے اپنے دوست موہن داس کو آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔''

''لیکن میں راجکمار دنیش چندر کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''میں انکار کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کے اس نے موسیقی تیز کر دی اور چند بلب بجھا دیے کمرے میں روشنی کم ہو گئی۔ ''مجھے امید ہے موہن! ترنم اپنے فن کا مظاہرہ کریں گی۔'' وہ مسکراتا ہوا رخصت ہو گیا۔ میں اسے آواز دیتا رہ گیا۔ دنیش چندر جا چکا تھا' میں نے دروازہ بند کیا۔ سامنے ترنم کھڑی تھی' دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے۔ میں کشمکش میں پڑ گیا اور دھیرے دھیرے تخت کی طرف بڑھنے لگا۔

''بیٹھ جائیے۔'' میں نے اسے اشارہ کیا۔

''کیا یہ برا ہوا؟'' وہ کچھ پریشان ہو کے بولی۔

''یہ بتائیے' آپ نے میرا انتخاب ہی کیوں کیا؟'' میں نے ناراضی سے پوچھا۔ ''بس یوں ہی۔'' وہ اپنی انگلیوں سے لڑتی ہوئی بولی۔

''یعنی میرے اندر آپ نے کیا دیکھا جو پرنس میں نہیں تھا۔''

''سچ پوچھئے تو پرنس خود یہی چاہتے تھے۔''

''تو آپ نے پرنس کا خیال کیا؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اگر مجھے آزادانہ فیصلے کا حق ہوتا تو بھی میں آپ ہی کو منتخب کرتی۔''

''بہتر ہو گا کہ آپ پرنس ہی کے کمرے میں چلی جائیں۔'' میں نے اٹھ کے دروازہ کھولا مگر دنیش کی خواب گاہ بند ہو چکی تھی۔ میں پھر لوٹ آیا اور تھک کے گاؤ تکیے پر دراز ہو گیا۔'' کچھ سنائیے میں نے جزبز ہو کے کہا۔

''کیا سنیے گا؟ کوئی غزل؟ مگر ساز کے بغیر آواز کیا اچھی ہو گی''

''کوئی نوحہ سنا دیجیے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''توبہ توبہ۔'' وہ اپنے ہاتھ رخساروں پر رکھتے ہوئے بولی۔

''سنیے ایک گزارش ہے' آپ کسی سے یہ تذکرہ نہیں کریں گی کہ رات پرنس

نے کیا ڈرامہ کھیلا تھا؟ میرا نام درمیان میں نہ آئے۔''

''آپ مجھ پر اعتبار کیجئے' اچھا ہوا' آپ نے تاکید کر دی۔''

''دور کیوں بیٹھی ہیں آپ؟ قریب آجائیے۔'' میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ وہ ایک انگڑائی لیتی ہوئی مجھ سے نزدیک ہو گئی۔ آپ پرنس کی امانت ہیں' خیانت کرنے کو جی نہیں چاہتا اور پھر آپ کو دیکھ کے بہت سی باتیں بھی یاد آرہی ہیں۔''

''کیا کیا یاد آرہا ہے؟ کیا ہمیں کچھ نہیں بتائیے گا؟''

''کیا کہیں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ''جب بھی گھنگرو بولتے ہیں' یہ چوڑی دار پاجامہ نظر آتا ہے۔ جب بھی کوئی رقص کرتا ہے اور گاتا ہے۔ کیا بتائیں دل پر کیا گزرتی ہے۔''

''آپ بہت اداس نظر آتے ہیں۔'' وہ اداسی سے بولی۔ ''مجھے پوچھنے کا کوئی اختیار نہیں ہے لیکن آپ مجھ سے کچھ کہہ کے دل ہلکا کر لیجیے۔ ضرور کہیں چوٹ کھائی ہے آپ نے؟ کیا کسی بدنصیب نے آپ سے بے وفائی کی ہے؟''

''بدنصیب تو ہم ہیں ترنم! ہم اسے وفا نہ دے سکے۔'' میں وہ فانوس گھورنے لگا۔ جس میں رنگ برنگی روشنیاں جگما رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر اس انتظار میں چپ رہی کہ میں کچھ کہوں پھر اس نے خود ہی موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ ''آپ نے کچھ سننے کی فرمائش کی تھی؟''

''سنائیے'' میں نے اس کی چوڑیاں گنتے ہوئے کہا۔

وہ بہت دھیمی آواز میں گانے لگی۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

میں اٹھ کر بیٹھ گیا وہ اپنے چہرے سے زیادہ حسین اور دلکش آواز میں گا رہی تھی۔ سازوں کے بغیر وہی گانے کی جرات کر سکتا ہے جس کی آواز خود ساز ہو۔ میں نے اس کی زلفوں کی گرہیں کھولنی شروع کر دیں۔ بال اس کے چہرے پر بکھر گئے میں ان کے لچھے بناتا رہا اور وہ مجھے اپنی آواز کے مقناطیس سے کھینچتی رہی آن جہانی مہاراج پرکاش چندر کے کمرہ خاص میں ایک نوخیز لڑکی کے ساتھ رات گزارنے' اس کی آواز کا شربت پینے اور اس کے بدن کے بستر پر آرام کرتے کی اس سعادت کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر کے لئے میں نے سوچا۔ میں ہی اس

بھون کا مالک ہوں۔ میں دنیش چندر ہوں اور مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کے لوگوں کو اپنی اس زندگی پر اصرار کیوں ہے؟ اس لئے کہ یہاں دولت ہے۔ دولت لذت ہے۔ لوگ بے تحاشا کیوں بھاگ رہے ہیں؟اصل میں وہ بھاگ بھاگ کے یہ چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ حویلی' یہ اشیا اور یہ لڑکی ترنم' وہ غزل سنا چکی تو میں نے داد دینی شروع کی کیونکہ وہ بھی ایک غزل تھی۔ پھڑکتی ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس کے پرت کھلتے گئے اور اندر سے ایک چاندنی بدن نکلا۔

صبح کے آثار نمودار ہوئے تو ہمارے درمیان حجابات حائل ہونے لگے وہ بہت شرمائی شرمائی بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی نتھ پھر ناک میں اٹکا لی۔ جب وہ جانے لگی تو دروازے پر ٹھٹک کے رک گئی اور بے تابانہ میرے گلے سے لگ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ جانے کیوں وہ رو رہی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑتے ہوئے کہا۔

''پھر آپ کب ملیں گے؟'' اس نے ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہنھ'' میرے لبوں پر زہر پھیل گیا۔ ''پرنس مجھ پر روز روز اتنا مہربان نہیں ہوگا۔ ممکن ہے' وہ آج تمہیں راجے پور سے روانگی کا حکم دے دے۔''

''کیوں؟ ابھی تک تو انہوں نے محفل بھی نہیں سجائی' پھر میں کیا براہ راست آپ سے نہیں مل سکتی۔''

''راجے پور ایک ریاست ہے ترنم بانو اور یہ محل کسی راج دربار سے کم نہیں ہے۔ یہاں بہت پھونک پھونک کے قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ بمبئی اور دلی نہیں ہے۔ یہاں کی دنیا ہی اور ہے۔ بہر حال اگر تم نے حسب وعدہ اپنی زبان پر قفل ڈالے رکھا تو میں پرنس سے کہہ کے یہاں تمہارے قیام کی توسیع کی کوشش کروں گا مگر یہ خیال رکھنا' میں پرنس نہیں ہوں۔''

''میں آپ ہی سے مخاطب ہوں'' اس نے اداسی بکھیر دی۔

میں اس کا شرگیں چہرہ دیکھتا رہ گیا ''ترنم؟'' میں نے شش و پنج سے کہا۔ ''تمہیں صرف چند ساعتوں میں اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔ میری آنکھیں دیکھو۔ یہ جل رہی ہیں اور میں اپنے اندر سے مسخ ہو چکا ہوں۔ تم ایک شاداب لڑکی ہو مرجھانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟'' یہ کہہ کے میں اسے وہیں چھوڑ کے تیزی سے باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

عام دروازے سے دستک دینے کے بجائے میں چھت پر چڑھ کے صحن میں کود گیا۔ ڈالی جاگ رہی تھی لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور مجھ سے نگاہیں نہ ملائی جا سکیں دو راتیں مسلسل جاگتے ہوئے گزر گئی تھیں۔ ڈالی کا خیال ہوگا کہ میں کوئی عذر پیش کروں گا۔ میں نے چپکے سے چادر جسم پر تان لی اور کپڑے تبدیل کئے بغیر دراز ہو گیا۔

دوپہر کے وقت جب میں دنیش چندر کے پاس پہنچا تو اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے مسکرا کے دیکھا۔ میں انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔ راجے پور کے کئی معززین اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں خواب گاہ کی طرف تھا کہ دنیش چندر کسی کام کا بہانہ کر کے میرے پاس آیا اور دوستانہ انداز میں میرا گلا سونگھتے ہوئے بولا۔ ''سہاگ رات کیسی گزری؟''

''دنیش بابو! رات آپ نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا۔''

''خیر ہے' صبح وہ کیا کہہ رہی تھی؟'' دنیش نے تیکھے انداز میں کہا۔

''کیا کہہ رہی تھی؟'' میں نے مصنوعی غصے سے پوچھا۔

''ارے صاحب! تمہاری تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔ چلتے چلتے اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے تم سے دوبارہ ملانے میں مدد کروں۔ کہتی تھی' وہ بہت ٹوٹے ہوئے آدمی ہیں۔ میں ان کی غمگساری کی کوشش کروں گی۔'' دنیش چندر نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا۔ ''کہو کیا خیال ہے۔''

''دنیش بابو! مگر ہمیں خوب صورت چہروں پر توجہ دینے کے بجائے اپنے ارد گرد تنے ہوئے شیطانی جال پر توجہ دینی چاہئے۔ آپ بھول گئے کہ رات آپ کی خواب گاہ سے ایک زہریلا سانپ برآمد ہوا تھا۔ پرسوں زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی

اور اس سے پہلے ....'' میں نے ناراضی سے کہا۔

''موہن!'' وہ بگڑ کے بولا۔ ''میرا جی چاہتا ہے کہ سب کو شوٹ کر دوں' تمہارے سوا اب مجھے کوئی اپنا ہمدرد نظر نہیں آتا۔ میری سمجھ میں اس کا ایک ہی حل آتا ہے۔''

''نہیں آپ کے اور بھی ہمدرد ہیں اور مسئلے کا حل یہ نہیں ہے جو آپ نے سوچا ہے' اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنے طور پر کچھ فیصلے کروں؟''

''یقیناً تمہیں پوری اجازت ہے لیکن یہ بات مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی کہ دوسروں کے سامنے ہمیں تم سے اپنے تعلق کے بارے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج سب کو بلا کے اس بات کا اعلان کر دوں کہ موہن کی حیثیت ایک ملازم کی نہیں' دنیش چندر کے ایک دوست کی ہے''۔

''آپ اور مشکلیں کھڑی کر لیں گے۔ ابھی اس اعلان کا وقت نہیں آیا ہے۔ میں آپ کا ملازم بن کے زیادہ کام آسکتا ہوں۔''

''چلو کچھ دن کے لئے یورپ چلیں' شاید معاملات کچھ ٹھنڈے پڑ جائیں۔''

''آپ گھبرا رہے ہیں۔'' میں نے جرات سے کہا۔ ''مجھے دیکھیے' میں پیچھے نہیں ہٹ رہا ہوں۔''

''تمہاری انہی خصوصیات کی بناء پر ہم نے تم سے عشق شروع کیا ہے؟''

''آپ مجھے ضرور بدنام کرائیں گے' یہ بتائیں جگدیپ کب جا رہے ہیں؟''

''جا رہے ہیں؟ یعنی تم کے متاثر کر رہے ہو؟ کہو کہ وہ راکھشس کب یہاں سے دفع ہو رہا ہے۔ موہن ! کاش میں جگدیپ کا گلا گھونٹ سکتا مگر سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہنا پڑتا ہے۔ یہ بہت بڑا کرب ہے۔ میری بہنیں اس سے عشق لڑاتی ہیں۔ میں دیکھتا رہتا ہوں۔ میں راجے پور کا دوسرا وارث خاندان آسانی سے ختم نہیں کر سکتا حالانکہ انہوں نے ہمیں ختم کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔''

''آہستہ بولیے۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ ''راجے پور ایسی شے نہیں جسے انعام کے طور پر ان کی گود میں ڈال دیا جائے' یہ ایک بہت خوب صورت اور زر خیز ریاست ہے۔ اسے ان کی یا انگریزوں کی گود میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں مہاراجہ راجے پور کو ہماری ضرورت ہے۔ ان کے ساتھ کسی نے دوستی نہیں کی۔ نہ آپ

کے خاندان نے نہ جگدیپ کے خاندان نے اور نہ کنگ جارج کے خاندان نے۔ ہمیں ان کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں اور انہیں یہ احساس دلانا چاہئے کہ ہم ان کے سچے دوست ہیں۔ ہماری آپس کی چپقلش سے انگریز بہادر فائدہ اٹھا لے گا اور جوتیوں میں دال بٹ جائے گی۔''

''تم کسی منجھے ہوئے سیاست دان کے انداز میں باتیں کر رہے ہو۔ تم نے کچھ اچھے نکتے سمجھائے ہیں۔ ویسے بھی میں آج شام راج دربار میں جانے والا تھا۔ وہاں مہاراجہ نے انگریزوں کے اعزاز میں ایک دعوت دی ہے۔ بے چارہ مہاراجہ کاش تم بھی میرے ساتھ چلتے۔''

''میں آپ کے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں؟'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''میں ایک جاہل شخص' ان لوگوں کی صحبت میں کیا سمجھ سکتا ہوں اور کیا بول سکتا ہوں اور مجھے وہاں قبول کون کرے گا؟''

''خیر' تمہاری جہالت سے تو میں پوری طرح واقف ہو گیا ہوں' اصل میں وہاں ایک اور وجہ سے تمہیں لے جانا ہے۔ راج محل میں ایک عجیب و غریب ہیرا ہے۔ اس پر اپنی نظر ہے۔ میں تمہیں وہ ہیرا دکھانا چاہتا تھا۔'' دنیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میں ہیروں کے بارے میں قطعی معلومات نہیں رکھتا' یہ امیروں کے شوق ہیں میرا تعلق تو بے کار پتھروں سے رہا ہے۔' میں نے ہنس کر کہا۔ ''کیا آپ اسے چرانا چاہتے ہیں؟''

''اچھا کہا بے شک میں اسے چرا کے اپنے سینے سے لگانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں نہیں آپ بتائیے کہ معاملہ کیا ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''موہن !ہمارا دل اسی میں پڑا ہے۔ وہ اتنی حسین ہے کہ تم دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے اتنی نفیس' اتنی لذیز ہے کہ بس ....'' دنیش چندر دھڑام سے کرسی پر گر گیا جیسے اسے اس کے خیال ہی سے نشہ آجاتا ہے۔

''کون ہے وہ؟ مجھے نہیں بتائیں گے؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''وہ مہاراجہ امرناتھ کی بھتیجی ہے۔ مہاراجہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے اسے اپنی بیٹیوں کی طرح پالا ہے۔ خود اس کے باپ مہاراجہ جگن ناتھ شکار کے دوران میں مارے گئے تھے وہ کمال لڑکی ہے موہن!''

"ظاہر ہے' آپ کا انتخاب ہے' یقین کرتا ہوں۔"

"میری باتیں آدمی سمجھو پوری صفات میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ وہ کس رنگ اور خوشبو کا پھول ہے۔" دنیش چندر نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"پھر تو وہ ضرور دیکھنے کی چیز ہوں گی معاملہ کہاں تک پہنچا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا یہی تو غم ہے' بس اپنی آگ میں جلتا رہتا ہوں۔ اس سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہے' کچھ باتیں ہوتی ہیں اور ڈراپ سین۔"

"دل کی باتیں؟" میں نے اسے کنکھیوں سے دیکھا۔

"نہیں میں انہیں دل کی باتیں تو نہیں کہہ سکتا لیکن وہ دل کے قریب لے جانے والی باتیں ضرور ہوتی ہیں۔" وہ خیال آفریں لہجے میں بولا۔

"میں آپ کا اردلی بن کے وہاں چلوں؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' تم میرے دوست ہو اس حیثیت میں تو تم اسے دیکھ بھی نہیں سکتے۔" وہ ایک دم چونکتے ہوئے بولا۔ "مگر ایک صورت میں تم وہاں چل سکتے ہو کیوں نہ تمہارا حلیہ بدل دیا جائے؟ میں یہ ظاہر کروں گا کہ تم میرے ایرانی دوست ہو اور تم سے میری ملاقات پیرس میں ہوئی تھی۔"

"راجے پور کے بہت سے معززین نے مجھے یہاں دیکھا ہے' اگر وہ پہچان گئے اور انہوں نے انگریزی میں باتیں شروع کر دیں یا کوئی مشکل بات پوچھ لی تو؟" میں نے سہم کر کہا۔

"یہی تو میک اپ کا کمال ہو گا کہ کوئی تمہیں پہچان نہیں پائے گا' کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم اس حلیے میں اس خاص دعوت میں شریک ہو سکتے ہو۔ رہا انگریزی کا معاملہ تو میں تمہیں ایک عربی النسل یا ایرانی کی حیثیت سے متعارف کراؤں گا۔ تم ایک قد آور ایرانی یا عرب کے روپ میں خوب سجو گے۔ ظاہر ہے تمہارا انگریزی جاننا ضروری نہیں ہے۔ مجھے اعتماد ہے' تم ہر معاملے میں دلچسپ باتیں کرو گے گھبراؤ گے نہیں۔"

"اور کسی نے عربی فارسی بولنی شروع کر دی تو؟"

"یہ ایک مخصوص دعوت ہے۔ بہت چھوٹے پیمانے پر۔ بھون سے میرے سوا کوئی اور شخص بھی مدعو نہیں ہے۔ کوئی مہارانی یا راجکماری بھی نہیں۔ چند انگریز ہوں گے۔ راج دربار کے چند آدمی ہوں گے' اور وہ...."

"مہاراجہ یہ بات محسوس تو نہیں کریں گے کہ اتنی نجی دعوت میں ایک شخص بن بلائے آ گیا؟"

"مہاراجہ مجھے پسند کرتے ہیں۔" دنیش نے فخر سے کہا۔

"تو پھر دیر کیا ہے؟ پنڈت کو بلا لیجیے۔"

"بہت سے لوگ پنڈتوں کے پیچھے پڑے ہیں۔"

"آپ نے انہیں دیکھنے کے لئے مجھے بھی خاصا بے تاب کر دیا ہے۔ مگر اب بھی ایک مسئلہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ میں ہندوستانی میں ان لوگوں سے کیسے بات کروں گا۔ جب کہ میں بین الاقوامی زبان انگریزی بھی نہیں جانتا۔"

"تم تو تہران یونیورسٹی میں ہندوستانی زبانوں کے پروفیسر ہو۔ ایران میں انگریزی کے مقابلے میں فرانسیسی کا اثر زیادہ ہے' سمجھے؟ میں صورت حال سنبھال لوں گا۔ زیادہ تر تم خاموش رہنا صرف سگار پیتے رہنا۔"

"اگر کوئی فرانسیسی جاننے والا مل گیا؟ سوچ لیجیے اگر معاملہ بگڑ گیا؟" میں نے اسے ڈراتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔" وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔ "تم ان لوگوں کے درمیان رہو گے کیوں جو غیر ملکی زبانیں بولیں گے؟ تم تو جہاں موقع نازک دیکھو گے' کھسک لو گے۔" دنیش چندر مجھے سمجھاتا اور قائل کرتا رہا۔ میں خود وہاں جانے کا خواہش مند تھا' یہ تمام حیل و حجت دنیش چندر کی ٹوہ لینے کے لئے تھی۔ میں اس کے سامنے آخر تک جھجکتا رہا۔ دنیش باہر بیٹھے ہوئے لوگوں سے معذرت کر کے اندر آیا تھا۔ میں نے اسے یاد دلایا کہ کچھ لوگ اس کے منتظر ہیں' وہ مجھے چھوڑ کے چلا گیا اور خواب گاہ میں اس کی جو کرسی رکھی ہوئی تھی' میں اس پر دراز ہو گیا۔ میں دنیش چندر کے دماغ سے سوچ رہا تھا اور اپنے دل سے بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر میں ایک ارادے سے اٹھا رات جس نمک حرام نے خواب گاہ میں سانپ چھوڑنے کی جرات کی تھی' مجھے اس کا سراغ لگانا تھا۔ جگ دیپ کی مزاج پرسی کرنی تھی' پارو کا ٹمپریچر دیکھنا تھا اور بھون میں ہونے والی سرگرمیوں پر نظر رکھنی تھی۔ اس دن پارو اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلی۔ میں اس کا پستول اسے واپس کرنا چاہتا تھا۔ دنیش چندر کی خواب گاہ میں سانپ رکھنے کا کام انہی لوگوں کا ہو سکتا تھا جو رات اس کے ہاں آئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر خاندان ہی کے افراد تھے۔ پریت اور ہیما بھی ان میں شامل تھیں۔ دنیش چندر نے

رات کا کھانا اپنی بہنوں' بھائیوں اور جگدیپ کے خاندان کے افراد کے ہمراہ کھایا تھا۔ اسی عرصے میں کوئی شخص خواب گاہ میں داخل ہوا اور سانپ چھوڑ کے چلا گیا۔ ایک اور بات میرا ذہن ڈسنے لگی کہ ہم نے سانپ مارنے کے بعد تمام کمروں کی تلاشی کیوں نہیں لی؟ اس شخص کو تلاش کرنا ضروری تھا لیکن وہ آسانی سے دستیاب ہونے والا شخص معلوم نہیں ہوتا تھا۔

جگدیپ کی کئی ہڈیاں اپنی جگہ سے ہل گئی تھیں۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس کی ہڈیاں صحیح جگہ جمانے میں منہمک تھی۔ میں اس طرف گیا تو پریت' ہیما' کسم اور دوسری لڑکیوں کا ہجوم اس کے سرہانے منڈلا رہا تھا۔ شاردا موجود نہیں تھی پریت کی ماں بینارانی نے اس بار بھی مجھے ستائشی نظروں سے دیکھا۔ میں نے اسے ادب سے پرنام کیا۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور بولی۔ ''موہن داس! شاید ہمیں تم سے کچھ کام پڑیں' تم کسی وقت ہماری طرف آنا۔''

میں نے سر جھکا لیا۔ ''جس وقت آپ حکم کریں۔''

''جس وقت تمہیں کوئی کام نہ ہو۔'' اس نے سرشاری سے کہا۔

''جی بہت اچھا۔'' میں نے کہا۔ پریت بھی دور کھڑی تھی' جب میری اس سے نظریں ملیں تو وہ کسمسانے لگی۔ میں خود اس کے پاس پہنچ گیا اور میں نے ادب سے پوچھا۔ ''پریت دیدی! آپ مجھ سے کچھ ناراض ہیں؟''

''کیوں'' وہ تیورا کے بولی۔ ''تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟''

''پتہ نہیں' کچھ ایسا جان پڑتا ہے جیسے مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ میں تو یہاں کے ہر شخص کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں' آپ نے آج تک کسی کام کے لئے نہیں کہا۔''

''تمہیں راج کمار اور شاردا سے فرصت ملے تو....'' وہ غصے سے بولی۔ ''ٹھیک ہے' جب ضرورت ہوئی' تمہیں بلا لوں گی۔''

''یہ بتا دیجیے' آپ ناراض تو نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے نخوت سے کہا۔ ''دیکھو موہن داس! مجھے نوکروں کا زیادہ بولنا اچھا نہیں لگتا۔ میں انہیں ان کی اوقات میں دیکھنا پسند کرتی ہوں۔''

میں حسب معمول اپنا غصہ پی گیا۔ کہتے ہیں جو غصہ زیادہ پیتا ہے' وہ اپنی کامیابی کی آب یاری کرتا ہے۔ سارا کھیل برداشت اور صرف برداشت کا ہے' اگر یہ

نکتہ اس وقت مجھے نہ سوجھتا تو میں اکہرے بدن کی اس تیز و طرار لڑکی کو ہاتھوں میں اٹھا کے فرش پر پٹخ دیتا۔ اس کے بجائے میں نے اسے ان نگاہوں سے دیکھا جنہیں جوان لڑکیاں بہت جلد سمجھ لیتی ہیں۔ اس چمک سے اس کی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی اور وہ سنبھل گئی۔ میں سر خم کر کے اور آگے بڑھ گیا۔ زنان خانے میں خاص ملازم ہی جا سکتے تھے۔ میرے پاس بھی اجازت کا پروانہ تھا۔ اس دن میں نے پورے بھون کا چکر لگایا۔ سب سے آخر میں اس جنت میں گیا جہاں میری حور رہتی تھی۔ اس حور کا نام شاردا تھا۔ شاردا کے بجائے مالتی نے میرا استقبال کیا۔ وہ اب مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے بلندیوں پر پرواز کرنا شروع کر دیا ہے' کسی دن میری پتنگ کٹ جائے گی کیونکہ اس کی ڈور کا مانجھا کمزور ہے۔ اس وقت بھی پہلے مجھے اس کے طعنہ و طنز کا ہدف بننا پڑا۔ پھر اس نے یہ بتا کے میرے سینے پر گھونسا مارا کہ شاردا دو تین روز سے متواتر راج محل جا رہی ہے۔ میرے جسم میں اچانک جیسے کوئی بم پھٹا۔ ''کیوں'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ؟'' وہ دیدیے نچاتے ہوئے بولی۔ '' کہتی تھی' کتابوں کے شوق میں جاتی ہے۔ مجھ سے چھپاتی ہے' میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ ان سب کا بھگوان مہاراجہ ہے اور مندر راج محل ہے۔''

''سچ کہتی ہے مالتی۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ''وہ کب واپس آتی ہے؟ کب جاتی ہے؟''

''تین چار گھنٹے تو ضرور لگا دیتی ہے مگر تجھے ایسی کیا فکر پڑی ہے رے؟'' وہ بھناتے ہوئے بولی۔ ''ارے موہن! میں کہتی ہوں نیچے کی بین بین کے کھایا کر۔ اوپر دیکھے گا تو کھانے میں مکھی گر جائے گی۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''شاردا دیدی سے کہہ دینا کہ موہن آیا تھا۔'' مجھے وہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔ اس دن پارٹی کے دوران مہاراجہ امرناتھ کس دلچسپی سے شاردا سے باتیں کر رہا تھا۔ میرے تصور میں وہ منظر تازہ ہو گیا۔ کل شام ہی شاردا سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ ریس کے میدان میں اس نے کھل کر میری طرف داری بھی کی تھی۔ صبح تھانے دار کے سامنے بھی اس نے میری جانب جھکاؤ کا اظہار کیا تھا۔ میں نے خود سے پوچھا۔ کہیں میں دنیش چندر کو قریب کرنے اور دوسروں سے اپنے قرضے چکانے کی مصروفیتوں میں شاردا کو کھو تو نہیں رہا ہوں؟ وہ مجھ

سے بددل تو نہیں ہو گئی۔

شام تک میں فکر اور اداسی کے اسی پنجرے میں بند رہا۔ اس کا دروازہ خود شاردا ہی نے کھولا۔ جب وہ مجھے دنیش چندر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی نظر آئی۔ میں نے دنیش چندر کی بھی پروا نہیں کی۔ ''میں آج آپ کی طرف گیا تھا۔'' میں نے بپھرے ہوئے انکسار سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے' ذرا راج محل گئی تھی' وہاں کچھ نئی کتابیں آئی ہوئی ہیں۔''

''کیا یہاں کی سب کتابیں آپ نے پڑھ لی ہیں دیدی جی؟''وہ میرے لہجے کی کھٹاس محسوس کر گئی اور جواب کے لئے تذبذب میں پڑ گئی۔

''راج دربار کا کیا حال ہے؟'' دنیش چندر شاردا کے پہلو سے لگا ہوا بیٹھا تھا اس نے درمیان میں دخل دے کے شاردا کی الجھن دور کر دی۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں زیادہ تر لائبریری میں بیٹھی رہی۔ راج کماری سے سرسری ملاقات ہوئی تھی۔'' شاردا نے افسردگی سے کہا پھر مجھ سے نرم لہجے میں مخاطب ہوئی۔ ''موہن داس!تم بھی کچھ پڑھ لکھ لو۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے دماغ میں بہت الٹے سیدھے سوالات آتے ہیں تمہارا ذہن بہت چلتا ہے اسے صحیح راستوں پر چلاؤ۔'' شاید میں یہی سننے کا آرزو مند تھا۔ میرے قفس میں اس لمحے جو روشنی سی آئی وہ روشنی ایسی زیادہ تو نہیں تھی مگر اسیروں کے لئے ایک کرن ہی بہت ہوتی ہے۔ ''کل میرے پاس فرصت سے آنا میں تمہیں کچھ پڑھانے کی کوشش کروں گی۔''

''ارے یہ بہت تعلیم یافتہ آدمی ہے شاردا!'' دنیش نے لقمہ دیا۔

''میں خوب جانتی ہوں۔'' شاردا' دنیش کے جملے پر حیرت زدہ سی تھی۔

''راج کمار سمجھتے ہیں کہ میں بڑا چھپا رستم ہوں۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ٹھیک ہی سمجھتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں شوخی اتر آئی۔

شاردا کانٹا نکال کے چلی گئی تھی مگر کانٹے کی چبھن ابھی تک محسوس ہو رہی تھی۔ کل تک اس سے ملاقات کا امکان نہیں تھا۔ رات کے وقت ہم نے دروازہ بند کر لیا دنیش چندر نے میرا حلیہ تبدیل کرنا شروع کیا۔ اس کا کوئی سوٹ میرے جسم پر فٹ نہیں آتا تھا اس نے آں جہانی مہیش چندر کی الماری دیکھی جس کے کچھ کپڑے بطور یادگار محفوظ کر لئے گئے تھے۔ باقی سب ملازموں میں تقسیم ہو گئے تھے یا انہیں آگ لگا دی گئی تھی۔ ان میں سے ایک سوٹ مجھ پر فٹ آ گیا۔ دنیش چندر نے ٹائی باندھی ہلکی

نقلی مونچھیں میرے منہ پر چپکا دی گئیں اور چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی لگا دی گئی۔ یہ سب پورے انہماک سے دنیش چندر نے خود اپنے ہاتھوں سے کیا' میں آئینے کے سامنے خود کو بنتا سنورتا دیکھتا رہا۔ میری آنکھوں پر ہلکے رنگ کے شیشوں کا چشمہ لگایا گیا ٹائی کی گرہ خود دنیش نے باندھی۔ جب یہ میک اپ مکمل ہو گیا اور میں نے کھڑے ہو کے آئینے میں شکل دیکھی تو خود کو پہچان نہیں سکا۔ میرا رنگ نکل کے آیا۔ سرخ و سپید رنگ کا ایک وجیہ شخص۔ اعلیٰ درجے کے لباس میں ملبوس۔ بالکل ایک جنٹلمین ولایت سے آیا ہوا۔

''فتنہ لگ رہے ہو۔'' دنیش چندر میری نوک پلک درست کرتے ہوئے بولا۔

''اب ہوشیار رہیے دنیش بابو! فرض کیجیے' اگر کل رات ترنم کی طرح راج کماری نے مجھے پسند کر لیا تو؟'' اس موقع پر یہ غیر دانش مندانہ جملہ میرے منہ سے نکل گیا۔

وہ ہنسنے لگا۔ ''یہ ممکن ہے مگر یقین ہے کہ تم دوستی کے نام پر مجھے واپس کر دوگے۔''

''میری گستاخی حد سے گزر گئی ہے۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

''تمہاری باتوں سے کیمبرج کا مزہ آ رہا ہے اچھا اب اٹھو تیار ہو جاؤ۔ باتھ روم سے نکل کے مجھے مہمان خانے کے دروازے پر ملو! میں تمہیں وہیں گاڑی میں دھر لوں گا۔''

میں چوروں کی طرح باہر نکل آیا۔ مجھ پر چند ملازموں کی نظر پڑ گئی ایک اجنبی کو اپنے درمیان دیکھ کے انہیں حیرت تو ضرور ہوئی مگر وہ میرے حلیے سے خاصے متاثر ہو گئے تھے۔ مہمان خانے کے دروازے پر دنیش چندر مجھے مل گیا وہ خود کیڈلک چلا رہا تھا میں تیزی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ صدر دروازہ دور سے اس کی گاڑی بھانپ کے کھول دیا گیا اور گاڑی تیز رفتاری سے راج محل کی طرف بھاگنے لگی۔

ابھی ہم نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ دفعتہً دنیش نے زور سے بریک لگایا' میرا ماتھا ونڈ اسکرین سے جا ٹکرایا گاڑی ایک چیخ کے ساتھ رک گئی ہمارے سامنے گاڑی کی روشنی میں نہایا ہوا وہی سادھو سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ جو سب سے پہلے مہیش چندر کے ہاں ملا تھا اور جس نے اس کے کریا کرم کے وقت مجھے آئندہ کسی دن ملنے کا حکم دیا تھا میرا ماضی اس پر آئینہ تھا۔

''سادھو مہاراج!'' دنیش چندر تعجب سے بولا اور فوراً گاڑی سے اتر گیا۔

مجھے بھی مجبوراً اترنا پڑا۔ سادھو مسکرا رہا تھا' اس نے اپنا ہاتھ دنیش چندر کے سر پر رکھ دیا۔ ''تو ملتا ہی نہیں بالک؟''

''مہاراج !'' دنیش عقیدت سے بولا۔ ''ہم بہت مشکل میں ہیں آپ ہمارے لئے کچھ کیجیے ایک ایک پل مشکل سے گزر رہا ہے۔''

''یہ جو تیرے ساتھ ہے' پھر کا ہے کا ڈر ہے۔'' وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔

''تو آیا نہیں مورکھ؟''

''مہاراج !'' میں نے ہاتھ جوڑ کے لجاجت سے کہا۔ ''جلد ہی آپ کے پاس آؤں گا۔''

''سب مایا جال ہے' پریم امر ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا راستے سے ہٹ گیا۔ ''جاؤ بابا جاؤ۔ اور سن'' اس نے میرا کاندھا پکڑ لیا۔'' میں تیرا انتظار کروں گا۔''

دنیش چندر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا سادھو اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا۔

گاڑی دوبارہ راج محل کی جانب بڑھنے لگی مگر سادھو نے درمیان میں آ کے مجھے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اس کا اچانک گاڑی کے سامنے آنا اور دنیش کی موجودگی میں مجھ سے ملنا خالی ازعلت نہیں تھا۔ مجھے چپ لگ گئی دنیش چندر گنگنا رہا تھا۔

سرخ اور سفید پتھروں سے تراشا ہوا راج محل' ایک راجہ کے شایان شان عمارت تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ ہماری گاڑی اندر داخل ہوئی تو مہاراج کے مستعد سیکرٹری نے پھرتی سے دروازہ کھولا۔ دنیش چندر اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا باہر آیا۔ دوسرے دروازے سے میں برآمد ہوا۔ دنیش نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ہندوستانی زبان میں اس سے کہا۔ ''پروفیسر زاہدی۔''

خوش لباس سیکرٹری نے آدھا جھک کے مجھے خوش آمدید کہا اور ہمیں اندر لے جانے کے لئے رسمی انداز میں اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ میرا دل معمول سے زیادہ حرکت کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

''کیا آفیسر اِن کمانڈ تشریف لے آئے ہیں؟'' دنیش چندر نے مہاراجہ کے سیکرٹری سے پوچھا۔

''جی راجکمار۔ وہ ابھی ابھی تشریف لائے ہیں۔'' سیکرٹری نے ادب سے جواب دیا۔ وہ خوش اخلاقی اور میزبانی کے فن میں طاق معلوم ہوتا تھا۔

''اوہ۔ تو پھر ہمیں دیر ہو گئی۔'' دنیش چندر نے میری طرف دیکھتے ہوئے چپکے سے ہاتھ دبایا اور سرگوشی میں بولا۔ ''ذرا سنبھل کے موہن داس۔''

میں نے اپنا سینہ اور چوڑا کر لیا اور مارچ پاسٹ کے انداز میں اکڑ کے چلنے لگا۔ ہم ایک طویل گلی نما راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک طرف قدیم ہندوستانی طرز کی محرابیں بنی ہوئی تھیں' محرابوں کے باہر پھلواری لگی ہوئی تھی اور فضا میں رات کی رانی کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ دوسری طرف کمروں کا ایک سلسلہ تھا۔ راستے میں خون کے رنگ کا ایک قالین بچھا ہوا تھا اور دیواروں پر جنگل و جدل کے مناظر کی نادر تصویریں سجی ہوئی تھیں۔ فانوس میں جھلملاتی ہوئی روشنیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے کوئی مدھم سروں میں راگ الاپ رہا ہو۔ در و دیوار سے حکومت اور امارت ٹپکتی تھی۔ اس ٹھنڈے' پرسکون ماحول میں ہر چیز جی خوش کرنے والی تھی لیکن میرا جی اس وقت بہت خراب اور منتشر ہو رہا تھا۔

جس وقت دنیش چندر تیزی سے میرا میک اپ کر رہا تھا اور جب مہیش چندر کا لباس پہن کے میں موٹر میں سوار ہوا تھا' اس وقت میں نے خود کو بادشاہ سمجھا تھا لیکن راستے میں کالی بلی آ گئی تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ اس مخصوص حلیے کے باوجود سادھو نے مجھے کیسے پہچان لیا؟ اس کے تیکھے تیور اور کٹیلے جملے دماغ پر چھائے ہوئے تھے۔ دنیش چندر نے راستے بھر اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی کہ سادھو سے میری شناسائی کیوں اور کب سے ہے؟ اس نے مجھے داڑھی اور چشمے کے باوجود کیسے پہچان

لیا؟ راستے میں اچانک سادھو کا کار کے سامنے آنا اور یہ کہنا کہ ''میں تیرا انتظار کروں گا۔'' بے سبب نہیں تھا۔ میرا دل اس وقت معمول سے زیادہ دھڑک رہا تھا اور میں سب کچھ بھول گیا تھا کہ مجھے اندر جا کے پارٹی میں کیسا اہم کردار ادا کرنا ہے۔ جی میں آیا کہ یہاں سے بھاگ نکلوں' ورنہ اس تکدر میں مجھ سے الٹی سیدھی حرکتیں سرزد ہو جائیں گی اور دنیش چندر کو میری وجہ سے شرمندہ ہونا پڑے گا۔

سیکرٹری نے جھک کر ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا مرصع ہال تھا۔ جیسے ہی ہم اندر داخل ہوئے' سیاہ شیروانی میں ملبوس سرخ و سفید رنگ کے مہاراجہ امرناتھ تیزی سے اٹھ کے ہمارے استقبال کو آئے۔ انہوں نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ دنیش نے مسکراتے ہوئے میرا تعارف کرایا۔ ''میرے دوست' تہران میں مشرقی علوم کے پروفیسر۔ پروفیسر زاہدی۔ یہ مشرق کی طلسمی داستانوں پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔'' پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''ہز ہائی نس مہاراجہ راجے پور۔'' میں بھی دنیش کی طرح کورنش بجا لایا۔

''آہا۔ آیئے آیئے پروفیسر زاہدی!'' مہاراجہ امرناتھ نے پرتپاک لہجے میں ایک طرف اشارہ کیا۔ ''آپ سے خوب باتیں رہیں گی۔ دنیش نے ہم پر مہربانی کی جو آپ کو یہاں لے آئے۔ پروفیسر آپ کو یہ غریب ہندوستان پسند آیا ہوگا؟''

میں نے گھبرا کر گلا صاف کیا۔ ''ہز ہائی نس! میں اسے اپنا دوسرا وطن سمجھتا ہوں۔ خود میرے آباؤ اجداد ایک زمانے تک یہاں رہے ہیں۔ یہاں کی فضائیں بہت خوابناک ہیں۔ راج کمار دنیش چندر نے اتنی بار آپ کا تذکرہ کیا ہے کہ مجھے باریابی کے شرف کا اشتیاق تھا لیکن میں ایک بن بلایا مہمان ہوں۔''

مہاراجہ نے ایک مہذب قہقہہ لگایا جو ہلکا اور مصنوعی ہوتا ہے۔ ''آپ ہندوستان کے ہر گھر کے مہمان ہیں۔ پھر ایران تو ہمارا پڑوسی ہے۔ پڑوسیوں میں یہ تکلف کیسا؟ آیئے میں آپ کا تعارف دوسرے مہمانوں سے کراتا ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے' میں انگریزی سے واقف نہیں ہوں۔ آپ کے مہمان اجنبیت محسوس کریں گے۔'' میں نے محفوظ اور محتاط رویہ اختیار کیا۔

''اس کی ضرورت تو ہمیں پڑتی ہے۔'' مہاراجہ نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ ''آپ ایک آزاد قوم کے فرد ہیں۔ بہرحال یہاں بہت سے ایسے انگریز مہمان بھی ہیں جو بڑی شستہ ہندوستانی بولتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے یہ مشقت ازراہ بندہ پروری

کی ہے۔ ہمارے مہمان جب یہ سنیں گے کہ آپ مشرق کی طلسمی داستانوں پر کام کر رہے ہیں تو یہ موضوع ان کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔''

وہاں چند انگریز' گنتی کے ایک درجن گورے بلوریں جاموں سے کھیل رہے تھے۔ ان کے چہرے اعتماد اور برتری سے تمتا رہے تھے۔ مہاراجہ امرناتھ نے انگریزی اور ہندوستانی میں بیک وقت میرا اور دنیش کا تعارف کرایا۔ ان میں سے اکثر دنیش سے واقف تھے۔ ایسی محفلوں میں انگریز بہت خوبصورت لگتے ہیں' ان کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں رومانیت ہوتی ہے۔ انہوں نے اٹھ کر گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا اور مجھے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ میں نے خود کو کسی تھانے میں بیٹھا ہوا محسوس کیا۔ سردی کی کئی لہریں جسم میں آ کے گزر گئیں۔ میں نے رومال سے پیشانی کا پسینہ پونچھ کے ایک بار پھر انگریزی سے اپنی عدم واقفیت کی معذرت چاہی۔ گوروں نے خندہ پیشانی سے یہ بات نظرانداز کر دی۔ آفیسر ان کمانڈ ہارڈنگ نے مجھے اپنے بائیں جانب دنیش کو دائیں جانب بٹھا لیا۔ پھر اس نے صراحی سے ایک جام لوٹ کے مجھے اور دنیش کو پیش کیا اور ہم سب نے مہاراجہ امرناتھ کا جامِ صحت تجویز کر کے گلاس ہونٹوں سے لگا لیے۔ گویا دعوت کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔ بے اختیار میرا ہاتھ اپنی داڑھی پر چلا گیا اور میں نے اس وقت کو برا بھلا کہا۔ جب میں نے دنیش چندر کی خواہش پر یہاں آنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تھی۔ میرا دم گھٹ رہا تھا اور ابھی پارٹی کا آغاز تھا۔

دنیش چندر نے اپنا ہاتھ میرے گھٹنے پر رکھ کے مجھے چونکایا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں بے باکی اور بے خوفی سے گھل مل جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے ایک جھرجھری لے کے اسے دیکھا اور آہستگی سے پوچھا۔ ''وہ کہاں ہیں؟''

ہارڈنگ نے سن لیا اور مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ''شاید میں درمیان میں غلط بیٹھا ہوں۔'' اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں کہا۔

''ارے نہیں ہارڈنگ صاحب! آپ تشریف رکھیے۔'' دنیش چندر نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور ہارڈنگ کا ہاتھ پکڑ کے بٹھا لیا۔ پھر اس نے میرے متعلق انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''پروفیسر زاہدی خاصا غائب دماغ شخص ہے۔ ہر وقت کسی نہ کسی فکر میں منہمک رہتا ہے مگر بہت سچا اور صاف آدمی ہے۔''

''تمام عالم ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' ہارڈنگ نے خوش مذاقی سے کہا اور میری

طرف متوجہ ہو گیا۔ ”پروفیسر ہندوستان کے متعلق اپنے تاثرات بتایئے۔“

”بہت خوبصورت۔“ میں نے خود کو سمیٹ کر کہا۔ ”یہاں کے لوگ بڑے جفاکش، شاعر مزاج اور صوفی ہیں۔“

ہارڈنگ لطافت سے ہنسنے لگا۔ ”اور گرم مزاج بھی۔“

”اور کسی قدر بے وقوف بھی۔“ میں نے گرہ لگائی۔ میری زبان پر ”بے غیرت“ آتے آتے رہ گیا۔

”دیکھیے پروفیسر!“ دنیش نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔ ”اس سے ہماری توہین کا پہلو نکلتا ہے۔“

”میں معافی چاہتا ہوں۔ اصل میں میرا مقصد کچھ اور تھا۔“

”آپ کیا کہنا چاہتے تھے؟“ ہارڈنگ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے پوچھا۔

میرے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ تاہم میں نے سکون سے جام اپنے ہونٹوں سے لگایا اور کہا۔ ”میں نے اتنا توہم پرست ملک مشرق میں کہیں اور نہیں دیکھا۔“

”اوہ!“ ہارڈنگ کی پیشانی پر جیسے کسی نے استری کر دی، وہ کھل کر بولا۔ ”پروفیسر زاہدی! آپ ہمارے بڑے کام آ سکتے ہیں۔ ہمیں ایسے ماہروں کی ضرورت پڑتی رہتی ہے جو یہاں کے لوگوں کی نفسیات پر عبور رکھتے ہوں۔ آپ تو انہیں قریب سے جانتے ہوں گے۔“

”جناب آپ تو یہیں موجود ہیں، آپ سے زیادہ کون ہندوستان سے واقف ہوگا۔“ میری زبان پھر بہکنے لگی تھی۔ میں نے بے بسی سے دنیش کی طرف دیکھا اور قابو یافتہ لہجے میں بولا۔ ”میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے مقالے میں مجھ سے تعاون فرمائیں۔ یقیناً آپ کے تجربات مجھ سے سوا ہوں گے۔“

”پروفیسر! آپ کو بڑی اچھی ہندوستانی آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ یہیں کے کوئی باشندے ہیں۔ وہی لہجہ، وہی انداز۔“ ایک دوسرا انگریز بولا۔

”جناب ہندوستان مجھے بہت پسند ہے۔“ میں نے شاعرانہ انداز میں کہا۔ ”جب بھی مجھے موقع ملتا ہے، یہاں آ جاتا ہوں۔ میں اسے اپنا دوسرا گھر کہتا ہوں۔ پھر بھی ابھی میں یہاں کی زبان سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔ راج کمار دنیش چندر روز غلطیاں نکالتے ہیں اور مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔“

”آپ نے ہندوستان میں آزادی کی تحریکیں دیکھیں؟“ ہارڈنگ پہلو بدل کے بولا۔ ”ایرانی انہیں کس طرح محسوس کرتے ہیں؟“

”یہی سوال کل بھی کسی نے کیا تھا۔ ویسے یہ بڑا سیاسی نوعیت کا سوال ہے۔ ہم ایرانی یہ سمجھتے ہیں کہ انگریز فیصلے کرنے میں تاخیر کر رہے ہیں۔“ میں نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔ میرے جواب پر دنیش کسمسانے لگا۔

شاید بحث آگے بڑھتی۔ ہمیں ایک دوسرے سے بے تکلف ہوئے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ دروازے میں نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ ہم سب نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایک سیلِ رنگ و نور اندر آ رہا تھا۔ خوش لباس انگریز عورتوں کے درمیان ایک بے حد حسین دوشیزہ جگمگا رہی تھی۔ دنیش نے بے قراری سے میری چٹکی لی۔ ”وہ آ رہی ہے۔“ اس نے سرگوشی کی۔

ہم سب اس کے احترام میں اٹھ گئے۔ آفیسر اِن کمانڈ ہارڈنگ اور دوسرے انگریزوں سے گفتگو کے بعد میرا خوف بڑی حد تک نکل گیا۔ مجھ سے کیے جانے والے ہر سوال پر دنیش کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور میرے ہر جواب پر وہ داد و تحسین کی نظروں سے مجھے دیکھتا تھا۔ ایک جام نے بھی سادھو سے اچانک مڈبھیڑ کا تکدر مٹانے میں بڑا کام کیا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا جب کلکتے میں میرا دوست جارج ایک پیگ شراب کے لیے بلکتا تھا اور میں ڈیڑھ دو روپے یومیہ پر گودی میں مزدوری کرتا تھا۔ حالات نے کیسا پلٹا کھایا تھا؟ اس وقت میں ہندوستان میں ایک خوشحال ریاست کے راجہ کے ہاں ایک مخصوص دعوت میں شریک تھا، جہاں شراب نہ پینا بدتہذیبی میں شامل تھا۔ ہم سب تر بتر ہو گئے۔ مہاراجہ آفیسر اِن کمانڈ ہارڈنگ کی مزاج پرسی میں لگ گئے۔ جیسے ہی حسن کا یہ سیلاب در آیا، ایک بار پھر تعارف کی رسم کا اعادہ ہوا۔

”آپ جھوٹ بولتے تھے۔“ میں نے رازدارانہ انداز میں دنیش سے کہا۔

”کیا؟“ اس نے خشمگیں نظروں سے مجھے گھورا۔

”یہ آپ کے بیان کیے ہوئے حسن سے ہزار گنا زیادہ حسین ہیں۔“

”ارے۔“ وہ پھول کی طرح کھل گیا۔ ”مگر موہن داس تم اپنا کردار بہت عمدگی سے نبھا رہے ہو۔ ابھی ابھی مہاراجہ کہہ رہے تھے کہ پروفیسر زاہدی بہت پرلطف آدمی ہیں۔ بس اس ماحول سے خوفزدہ نہ ہونا، میں تمہارے قریب ہی رہوں گا اور ہاں جائزہ لیتے رہنا، سمجھے؟“

''سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے سر ہلا کر باوقار لہجے میں کہا۔
''دیکھو وہ ہماری طرف آ رہی ہے۔'' دنیش اضطراب سے بولا۔
''گویا قیامت آ رہی ہے۔'' میں نے شوخی سے کہا۔
راجکماری سب کو پرنام کرتی ہوئی تمکنت اور وقار سے ہمارے نزدیک آ گئی تھی۔ میں دنیش کی پیروی میں آگے بڑھا۔ ''راجکماری کنول۔'' دنیش نے رسماً میرا تعارف کرایا۔
''خوب پروفیسر! آپ ہندوستان کب آئے؟'' راجکماری نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز کا رس گھولا۔
''صرف چار دن ہوئے۔'' میں نے چن چن کر لفظ ادا کیے۔
''آپ سے مل کے خوشی ہوئی۔'' وہ سرتاپا مجھے گھورتے ہوئے بولی۔
''مجھے یقیناً آپ سے زیادہ۔'' میری برجستگی پر اس کی آنکھیں ہنسنے لگیں۔
''اور آپ کیسے ہیں دنیش؟'' اس نے اٹھلا کر پوچھا۔
''بس زندہ ہیں۔'' دنیش نے محجوبیت سے کہا۔
''آپ کے راج میں۔'' میں نے دوبارہ شوخی کی۔
''پروفیسر زاہدی! آپ سے ملاقات ہوگی۔'' وہ ایک لطیف ادا سے دوسرے مہمانوں کی طرف چلی گئی۔
میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس نے ہلکی نیلی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس کے کانوں میں ہیرے کے آویزے جگمگ کر رہے تھے۔ اس کی چال میں مہارانیوں کا سا طنطنہ تھا اور انداز میں مہہ رخوں کی دلربائی تھی۔ یہاں اور بھی حسین انگریز عورتیں تھیں مگر اس کی شان ہی کچھ اور تھی۔ وہ سب سے الگ نظر آتی تھی۔ دنیش چندر کی دل کی بیماری بے وجہ نہیں تھی۔
''کیا خیال ہے؟'' دنیش نے اس کے جانے کے بعد پوچھا۔
''اب ہونے والی بھابھی کے متعلق کیا رائے ظاہر کی جائے۔''
''سچ سچ بتاؤ۔'' وہ بے تابی سے بولا۔ ''تم نے اس سے زیادہ حسین لڑکی دیکھی ہے؟ یہ تناسب' یہ قد' یہ گداز' یہ لچک' یہ گفتگو۔''
''بس بس جناب! اتنا دل پر مت طاری کیجیے۔ زیادہ حسین زیادہ مشکل۔ آپ نے یہ جملہ سنا ہے؟''

''موہن! اس کے بغیر مجھے زندگی سے ہمیشہ شکوہ رہے گا۔''
''شکوہ دور کرنے کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔ پہلے مجھے یہاں کا ذرا تخمینہ لگانے دیجئے۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں' چلیے انہی انگریز بچوں میں جی لگائیے۔ ان سے ہماری قسمت وابستہ ہے۔ ان کی خوشنودی ہمارے لیے باعث عزت و افتخار ہے۔''
دنیش انگریزوں کی طرف چلا گیا۔ میں بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور میں نے دیکھا کہ کنول ایک حسین انگریز لڑکی سے محو کلام ہے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کے کنول نے انگریزی میں اسے میرے متعلق بتایا۔ وہ آفیسر ان کمانڈ کی دختر نیک اختر تھی' چہرہ انگارہ ہو رہا تھا' ہونٹ سرخ تھے۔ اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں نے ہندوستانی میں اس سے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ کنول نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کا نام ریتا ہارڈنگ تھا۔ ''میں نے تہران دیکھا ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔
''وہ شہر مشرق و مغرب کا سنگم ہے۔''
مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں وہ تہران کے بارے میں مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں نہ پوچھ لے۔ چنانچہ میں نے اس کی بات نظرانداز کر کے کہا۔ ''مس ریتا! آپ کے والد کرنل ہارڈنگ سے مل کے بھی بے حد خوشی ہوئی۔ وہ مجھے ایک سوچنے سمجھنے والے آدمی معلوم ہوتے ہیں' نرے فوجی نہیں۔ ان سے باتیں کرکے بڑا لطف آیا۔''
کنول نے ہارڈنگ کے متعلق میرے جذبات اسے منتقل کر دیئے۔ اسی اثناء میں دنیش ادھر چلا آیا کیونکہ اسے کنول کے بغیر قرار نہیں تھا۔ دنیش کی یہ اضطراری کیفیت بے موقع اور ناجائز تھی۔ اسے اپنا زیادہ وقت ان انگریزوں کے ساتھ صرف کرنا چاہیے تھا جو راجے پور سے ملحق چھاؤنی میں پھیلے ہوئے تھے اور اس ریاست پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ میرا ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا اور میں بظاہر چھوٹے جام کی ہلکی ہلکی چسکیاں لگا کے اور ادھر ادھر گھوم کے ماحول کے مطابق شگفتہ باتیں کر رہا تھا لیکن میں ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ کرنل ہارڈنگ پر بطور خاص میری نظر تھی۔ اس کے پاس مہاراجہ امرناتھ اور دوسرے انگریز افسر تھے' وہ سب لطیف قہقہے لگا رہے تھے۔ یہ مخصوص محفل دیکھ کے کوئی بھی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ انگریزوں اور راجے پور کے مہاراجہ کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں ہے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کرنل ہارڈنگ کبھی کبھی کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتا ہے یا یہ صرف، میرا وہم تھا۔ اس موقع پر مجھے اپنی مصنوعی مونچھیں

اور داڑھی اکھڑتی ہوئی معلوم ہوتیں۔

''پروفسر!'' کنول نے اچانک میرے قریب آ کے کہا۔ ''دنیش کہہ رہے ہیں کہ آپ ایک باکمال نجومی ہیں؟''

''مذاق کرتے ہیں۔ علمِ نجوم میں ہندوستانیوں سے زیادہ ماہر لوگ کہیں نہیں ہوتے۔ یہ انہی لوگوں کا فن ہے۔''

''ہم اپنا ہاتھ دکھانا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آپ انکار نہ کیجئے۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر' میں کسی دن ضرور اپنی کم علمی کا مظاہرہ آپ کے سامنے کروں گا۔'' میں نے تکلف سے کہا۔ ''ویسے مجھے آپ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہے۔ دنیش تو اٹھتے بیٹھتے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ واقعی آپ' مجھے اجازت دیجئے راجکماری!'' میں نے سر جھکا کے کہا۔ ''آپ بے حد حسین ہیں۔ میں آپ کو سلام کرتا ہوں۔''

''اوہ۔'' وہ شرما گئی جیسے قوس قزح بکھر گئی ہے۔

''آپ پرکاش بھون میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟'' وہ وقار سے بولی۔

''جی ہاں' فی الحال غریب خانہ وہیں ہے۔''

''ہم دنیش چندر سے کہیں گے کہ وہ اپنا مہمان کچھ دن کے لیے ہمیں ادھار دے دیں۔ آپ جو تحقیقی کام کر رہے ہیں' ہمیں اس کے بارے میں جاننے کا بہت اشتیاق ہے۔ خود میرا موضوع بھی ہندوستان کا قدیم کلچر ہے۔'' کنول نے سر سے پیر تک مجھ پر ایک نظر ڈالی۔

''ضرور مگر یہ دنیش پر منحصر ہے کہ وہ مجھے آپ کو ادھار دیتے بھی ہیں یا نہیں۔ ویسے آپ پر اعتبار تو کیا جا سکتا ہے۔''

وہ کھکھلا کر ہنس پڑی۔ سب ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور مہاراجہ نے زور سے کہا۔ ''پروفیسر ادھر آیئے' کچھ ہمیں بھی سنایئے۔''

''پروفیسر زاہدی بہت خوش مزاج آدمی ہیں۔'' کنول نے انگریزی میں اعلان کیا۔ محفل رنگ پر آ گئی تھی اور ہنسنے ہنسانے کے دور میں داخل ہو گئی تھی کیونکہ انگریزوں نے اچھی خاصی شراب پی لی تھی۔ میں کنول کے پاس ہی رہنا چاہتا تھا مگر ہارڈنگ اور مہاراجہ بھی دنیش چندر کے لیے اتنے اہم تھے جتنی کنول۔ اب تک میں نے خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے تھے اور میں خود اپنی کارکردگی پر مطمئن تھا۔

ہارڈنگ نے مجھے ایک اور جام بنا کے پیش کیا اور سگار پیتے ہوئے موڈ میں آ کے کہنے لگا۔ ''پروفیسر زاہدی! ہم ہندوستان چھوڑ کے چلے جائیں گے۔''

''کیوں؟ آپ کو بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہوگیا؟'' میں نے وحشت سے پوچھا۔

''اب ہندوستانیوں میں ایرانی مقبول ہو رہے ہیں۔''

''قسمت کی بات ہے جناب!'' میں نے مسکرا کے کہا۔ ''ویسے ایرانی کسی کا حق نہیں مارتے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ ہم آپ کا حق غصب نہیں کریں گے۔''

کرنل ہارڈنگ نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر تک ہارڈنگ سے میری ایسی ہی نوک جھونک جاری رہی' میرے برجستہ جوابات سے محفل کشتِ زعفراں بن گئی۔ سب لوگ چاروں طرف سے سمٹ کر گول دائرے کی صورت میں آ کے بیٹھ گئے۔ ان میں خواتین بھی تھیں۔ سب کی توجہ کا مرکز میں بن گیا۔ میں نے بھی ٹھان لی تھی کہ اب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے۔ شاید میری تیزی حد سے بڑھ گئی تھی۔ مہاراجہ نے کھانے کی میز پر چلنے کا اعلان کیا۔ جب سب چلنے لگے تو مہاراجہ نے شائستگی کے ساتھ میرے کان میں کہا۔ ''پروفیسر! آپ نے مجھے متاثر کیا۔ جانے میں جلدی نہ کیجئے گا۔ اگر آپ دیر سے سونے کے عادی نہیں ہیں تو کچھ دیر ضرور ٹھہریئے۔''

''میں آپ کے لیے کم از کم ایک ماہ تک جاگ سکتا ہوں۔'' مہاراجہ بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ میری پیٹھ پر ہاتھ رکھے رکھے دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہاں ایک بہت لمبی چوڑی میز رکھی تھی۔ میز پر انواع و اقسام کی غذائیں سجی ہوئی تھیں۔ درمیان میں لمبی لمبی موم بتیاں روشن تھیں۔ سامنے کی نشست پر مہاراجہ خود بیٹھ گیا۔ ایک طرف کرنل ہارڈنگ' اس کے سامنے دوسری طرف کنول اور مس ریتا۔ ہارڈنگ کے برابر میں دنیش اور دوسرے انگریز افسروں کے درمیان میں۔ پگڑی لگائے ہوئے سفید پوش ملازم ہمارے بیٹھتے ہی چابی کے کھلونوں کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ مجھے اس سے پہلے کسی ایسی شاہانہ دعوت میں بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور یہ جو کچھ میں نے رنگ ڈھنگ جما لیا تھا' اس کا سہرا بھی پرکاش بھون کی درسگاہ کو جاتا تھا۔ ان بڑے لوگوں کی خدمت کرتے کرتے اٹھنے بیٹھنے کے آداب آ گئے تھے۔ میرا خیال ہے' یہ بڑے لوگ کھاتے پیتے کچھ نہیں' انہیں میز سجانے اور کھانے دیکھنے کا ہوکا ہوتا ہے۔ گو مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ ''کیوں پروفیسر زاہدی! آپ طلسمات پر

کام کر رہے ہیں؟ خود آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' کھانے کے دوران میں ہارڈنگ کی آواز گونجی۔

میں کنول کے حسن میں گم تھا۔ ایک دم چونک پڑا۔ ''کرنل ہارڈنگ!'' میں نے بھاری بھر کم آواز میں کہا۔ ''آپ شاید میری باتوں کا یقین نہ کریں مگر میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشرق کے حیرت انگیز طلسم دیکھے ہیں۔''

''اچھا؟'' کرنل نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''مثلاً آپ نے کیا کیا دیکھا؟ ہماری معلومات میں بھی کچھ اضافہ کیجیے۔''

''میں نے وہ سادھو اور پنڈت دیکھے ہیں جو آبادی سے دور سنسان علاقوں اور تاریک غاروں میں برسوں بیٹھے رہتے ہیں اور حیرت انگیز قوتیں رکھتے ہیں۔ ان میں مستقبل بینی کی غیر معمولی خوبی ہوتی ہے۔ میں نے......''

''آپ نے ان سے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں پوچھا؟'' ہارڈنگ نے میری بات منقطع کر کے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہندوستان کا مستقبل......'' مجھے کرنل کے سوال پر طیش تو بہت آیا لیکن میں اسے سامنے رکھے ہوئے گلاس کے پانی کے ساتھ پی گیا۔ ''ہندوستان کا مستقبل تو ایک عام آدمی بھی بتا سکتا ہے کرنل ہارڈنگ!''

''میرا خیال ہے۔'' دنیش چندر نے کھڑے ہو کر تیزی سے کہا۔ ''پروفیسر زاہدی کو اپنی اس تحقیقات کے درمیان جو غیر معمولی تجربے ہوئے ہیں' کچھ انہیں سنا جائے۔''

مہاراجہ اور کنول نے اس کی تائید کی۔ کرنل ہارڈنگ بار بار مجھ سے الجھ رہا تھا۔ میں نے من گھڑت جادوئی اور دیومالائی واقعات تمام تر حاشیہ آرائی اور تاثر سے انہیں سنائے۔ کچھ ایسے دلچسپ پیرائے میں کہ کھانے کے وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ میں نے اپنے ان خوابوں کا تذکرہ بھی کسی اور شخص کے حوالے سے کیا جن میں آئندہ پیش آنے والے واقعات' میں نے پہلے ہی دیکھ لیے تھے۔ میں نے کیچو کے پراسرار سائے کا بھی ذکر کیا۔ جس وقت میں کیچو کا تذکرہ ڈرامائی انداز میں کر رہا تھا' مجھے اچانک اپنی پشت پر اس کا سایہ لہراتا محسوس ہوا' کسی نے مجھے ٹھوکا مارا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے میرے جسم میں بجلی سی چمکی' میں میز پر اوندھا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ پھر میں نے سراسیمگی سے سب لوگوں پر نظر ڈالی ۔ ان کی آنکھیں اور کان

میری طرف مرکوز تھے۔ کیچو کا سایہ ایک آن میں اوجھل ہو گیا تھا۔ میری ہمت دوچند ہو گئی کہ وہ قریب ہی کہیں موجود ہے اور یہ مقوی غذاؤں سے زیادہ تقویت کی بات ہے۔ پھر میری گل افشانئ گفتار کا ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے رنگ رنگ کے قصے سنائے۔ کھانے کے بعد انگریز عورتیں میرے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح چمٹ گئیں۔ خصوصاً کرنل ہارڈنگ کی بیٹی ریتا۔ یہاں میں کیچو سے درخواست کر کے کوئی چھوٹا موٹا چمتکار دکھا سکتا تھا مگر میں نے جان بوجھ کے اس سے پہلو تہی کی۔ اس سے میری اور دنیش کی دوستی میں رخنہ پیدا ہو سکتا تھا۔ دنیش کے دل میں میری طرف سے وہ خوف پیدا ہو جاتا جو دوستی کے لیے سم قاتل ہے۔ ادھر انگریز مجھے کوئی شعبدے باز' مداری سمجھتے۔ میں نے مہاراجہ' انگریزوں اور خواتین کی نظروں میں اپنے مدلل جوابات' شائستہ گفتگو' بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے جو تاثر قائم کیا تھا' اس پر پورا نہیں تو آدھا پانی پھر جاتا۔

کھانے کے بعد ایک بڑے کمرے میں شوٹنگ کا مقابلہ تھا۔ جب ہم شوٹنگ کے خصوصی کمرے میں آئے تو ہمیں روشنیوں میں بٹھا دیا گیا۔ ان روشنیوں کا رخ اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ وہ صرف مہمانوں کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ دور مقابل کی دیوار سیاہ تھی اور سیاہ دیوار میں ہلکی ننھی ننھی روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ دنیش چندر نے مجھے بتایا کہ یہ روشنیاں شوٹ کر کے بجھانی ہیں۔ جو شخص سارے چراغ گل کر دیتا ہے' اسے مہاراجہ ریاست کی طرف سے ایک طلائی تمغہ عطا کرتے ہیں مگر یہ محفل تمغوں کی تقسیم کی نہیں تھی' محض دلبستگی اور وقت گزاری کے لیے یہ اہتمام کیا گیا تھا۔ میں نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ غلاموں نے انگریزی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ایک بہانہ ڈھونڈا تھا۔ نشستوں سے دیوار معقول فاصلے پر تھی۔ کرنل ہارڈنگ اور دوسرے انگریز اس دلچسپ مقابلے پر امریکیوں کی طرح چہچہا رہے تھے۔ مہاراجہ نے مقابلے سے پہلے اس ہنگامے کا مدعا ظاہر کیا تا کہ بعد میں ہارنے والوں سے پشیمانی نہ ہو۔ مہاراجہ کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ وہ انہوں نے ایک تنومند انگریز میجر رابرٹ کے حوالے کر دی' میجر رابرٹ کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا' بندوق اٹھانے کا تیور بھی درشت تھا۔ گولیاں چلنے لگیں۔ ہر گولی پر ایک شور برپا ہوتا اور جب رابرٹ کوئی چراغ بجھا دیتا تو نعرہ ہائے تحسین سے کمرہ گونج اٹھتا۔

''یہ ایک مشکل مشق ہے۔'' کرنل ہارڈنگ نے کہا۔ ''کیوں پروفیسر؟''

''بے شک۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بے نشان گولیاں مارنے اور نشانوں پر

مارنے میں بڑا فرق ہے کرنل صاحب!'' کرنل نے مجھے گھور کے دیکھا۔ ''چراغ کی یہ چھوٹی سی لو انسان سے بہت چھوٹی ہے' اس کا نشانہ لینا آسان نہیں ہے۔''

رابرٹ آٹھ چراغوں سے زیادہ نہیں بجھا سکا۔ اس کے بعد ایک نوجوان انگریز نے بندوق لے لی۔ جو چراغ برباد ہو گئے تھے' ان کی جگہ ملازموں نے دوسرے رکھ دیئے۔ جیسے جیسے گولیاں چلتی رہیں' مقابلہ دلچسپ ہوتا گیا۔ کسی نے چار' کسی نے پانچ' کسی نے سات اور کسی نے دس چراغ بجھائے۔ کنول نے بھی نو چراغ بجھائے۔ دنیش نے گیارہ' مہاراجہ نے تیرہ اور آفیسر ان کمانڈ نے بارہ۔ تقریباً سبھی مردوں نے مقابلے میں حصہ لیا تھا' میں رہ گیا تھا۔ کرنل ہارڈنگ نے مضحکہ خیز انداز میں مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی شوٹنگ میں حصہ لوں۔ میں نے عذر پیش کیا کہ میں کتابوں سے متعلق ہونے کی وجہ سے بندوق کے معاملے میں بالکل طفلِ مکتب ہوں۔

آفیسر ان کمانڈ کا اصرار بڑھتا گیا کہ میں صرف ایک چراغ بجھا دوں۔ میں نے چار و ناچار بندوق اٹھا لی۔ بندوق تو چچا جان کے جنگلوں میں کئی بار اٹھائی تھی مگر ایسے کسی مقابلے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میں ناکام ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے اپنی خجالت مٹانے کے لیے بہت سے جملے بول دیئے اور پہلے چراغ کا نشانہ لے کے بندوق داغ دی۔ اچانک شور بلند ہوا' میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر میں نے آنکھیں کھولیں تو مجھے خود اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔ ایک چراغ بجھ چکا تھا۔

''آپ نے ایک چراغ بجھانے کے لیے کہا تھا کرنل صاحب!'' میں نے یہ کہہ کے بندوق اس کے حوالے کرنی چاہی مگر وہ اڑ گیا کہ میں یہ سلسلہ جاری رکھوں اور چراغوں کو نشانہ بناتا رہوں۔ ایک کے بعد دوسرا' دوسرے کے بعد تیسرا' میں نے کوئی بارہ چراغ بجھا دیئے۔ ہر بار میں نے بندوق مہاراجہ کو واپس کرنی چاہی اور ہر بار مجھے اسے ہاتھوں پر اٹھا کے نشانہ باندھنا پڑا۔ میرے ہر نشانے پر نشستوں کی جانب سے تالیوں کا شور اٹھتا اور جب میں اگلے نشانے کے لیے بندوق اٹھاتا تو مکمل خاموشی طاری ہو جاتی۔ آخر میں نے پندرہ کے پندرہ چراغ گل کر دیئے اور اپنا ماتھا روشن کر لیا۔ دنیش نے مجھے جوش سے لپٹا لیا۔ خود مہاراجہ نے میری کمر تھپکی۔ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا تو میرے پہلو سے چپک ہی گئی۔

''آپ یہ کیسا انکسار برت رہے ہیں۔ اتنا اچھا نشانے باز ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔'' کنول کی ہلکی نیلی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

''ویل ڈن۔ ویل ڈن۔'' کرنل ہارڈنگ سگار سلگاتا ہوا میرے پاس آیا۔ ''آج کی شب میری زندگی کی یادگار شب ہے کیونکہ میں ایک دراز قد' وجیہ اور جامع الصفات نوجوان سے ملا ہوں۔ اگر تمہارے چہرے پر یہ داڑھی نہ ہوتی تو تم اور زیادہ وجیہ نظر آتے پروفیسر لیکن میں تمہارا چہرہ داڑھی کے بغیر دیکھ رہا ہوں۔ بھلا تم نے یہ میک اپ کیوں کیا ہے؟''

مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کرنل نے میری داڑھی نوچ لی ہو یا میرا لباس اتار دیا ہو۔ میرا جسم سن ہو کے رہ گیا۔ دنیش بھی ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بھی زرد ہو گیا مگر اس نے دوسرے ہی لمحہ ایک مصنوعی قہقہہ لگا کے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''میں بھی یہی کہتا ہوں مگر انہیں حلیہ بگاڑنے کا شوق ہے۔'' کرنل ہارڈنگ کی نظریں مسلسل میرے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اگلا لمحہ بہت بے یقین ہو گیا تھا۔

ممکن تھا میں اس ذلت سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑا ہوتا کہ مہاراجہ امرناتھ درمیان میں آ گئے اور بولے۔ ''کرنل صاحب صحیح کہتے ہیں۔ بہرحال یہ پروفیسر کا انفرادی معاملہ ہے۔''

مجھے ڈر تھا کہ کہیں میری مونچھ اپنی جگہ سے کھسک تو نہیں گئی ہے اور داڑھی کہیں سے اکھڑ تو نہیں گئی ہے؟ میں نے خوفزدہ نظروں سے دنیش کی جانب دیکھا۔ وہ خود بھی کرنل کے تبصرے پر گھبرایا ہوا تھا۔ ''کرنل ہارڈنگ! میں آپ سب کی طرف سے پروفیسر کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ وہ اپنے موجودہ حلیے میں کسی قدر ترمیم ضرور کریں۔ بہت دنوں تک وہ خود کو اچھے نظر آتے رہے' اب ہمارا بھی کچھ خیال کریں۔'' دنیش نے خوش طبعی سے کہا۔

میرے بارے میں مختلف سمتوں سے دل آزار تبصرے ہو رہے تھے۔ میں ان کے درمیان تماشا بنا ہوا تھا۔ ''پروفیسر! آپ گم کیوں ہو گئے؟'' ایک اور انگریز نے مجھ سے کہا۔ وہ ہارڈنگ سے زیادہ بہتر اردو جانتا تھا۔

''میں' میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر قابو پانے کی بہت کوشش کی۔ ''کہ اب آپ دوستوں کے مشورے پر عمل کرنا ہی ہوگا۔ اگر کرنل ہارڈنگ ایسی کسی شاندار دعوت کا وعدہ کریں تو میں یقیناً ان کے پسندیدہ حلیے میں آؤں گا۔'' سب نے تالیاں بجائیں۔

''ضرور' ضرور۔'' کرنل ہارڈنگ نے خوش ہو کر کہا۔ ''آپ کی دعوت پکی۔''

مجھے آپ سے دوبارہ مل کے خوشی ہوگی۔ صاحبان آپ پروفیسر زاہدی کے وعدے کے گواہ رہیں۔"

"جناب ایرانی اپنے قول کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔"

"اب انگریزوں کو بھی دیکھیے۔" دنیش چندر نے کہا۔

خدا خدا کرکے یہ بات کہیں ٹلی ورنہ مجھ پر خفقان کا دورہ پڑ جاتا۔ اس دعوت میں میرے اعصاب پر شدید دباؤ پڑ رہا تھا۔ میں نے کئی بار سوچا کہ اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرکے یہاں سے رخصت ہو جاؤں مگر اس طرح وہ میری طرف کچھ زیادہ متوجہ ہو جاتے۔ کوئی گھر جانے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میری وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ کرنل ہارڈنگ ایک تیز اور خرانٹ آدمی تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے کسی بھی لمحے ذلیل کر سکتا ہے، شوٹنگ کے کمرے سے جاتے ہوئے میں نے دنیش چندر سے پوچھا کہ اب رخصتی میں کتنی دیر ہے؟ اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے قریب کر لیا۔

"تم نے مجھ سے اتنے بڑے جھوٹ بولے ہیں کہ بھون جا کے تمہاری خوب خبر لوں گا۔ بہرحال پیارے جہاں اتنا وقت گزارا ہے، کچھ وقت اور سہی۔ مہاراجہ نے نئے آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ کے لیے لکھنو سے ایک طائفہ بھی بلایا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ کرنل کا بچہ میرے بارے میں مشکوک ہو گیا ہے۔"

"نہیں، میں ایسا نہیں سمجھتا۔ تمہارا میک اپ بالکل ٹھیک ہے۔"

"میک اپ کی بات نہیں ہے دنیش بابو! کمبخت زبان بے لگام ہوئی جاتی ہے، چپ نہیں رہا جاتا اور بولتا ہوں تو کوئی غلط بات منہ سے نکل جاتی ہے۔"

"تم اسی طرح اعتماد سے بولتے رہو۔ مجھے شبہ ہے کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا تم پر فدا ہو گئی ہے، مبارک ہو۔"

"یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا دنیش بابو!"

"آفت ہے، خون چھلکا پڑتا ہے۔ یقین کرو، مغرب میں ایسی تروتازہ اور شاداب لڑکیاں کم ہوتی ہیں۔"

"میں تو آپ کی کنول رانی میں کھویا ہوا ہوں۔ کیا سچ مچ یہ اسی زمین پر پیدا ہوئی ہیں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ براہ راست آسمان سے اتری ہیں۔"

"اپنا خیال رکھنا۔" دنیش نے خوش ہو کے کہا۔

"ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں رہا۔ پھر بھی میں نے آپ کے لیے تین چار ہوائی جملے فائر کر دیے تھے۔ خاطر جمع رکھیے۔"

"کیا اثر ہوا اس پر؟" دنیش مضطرب ہو کے بولا۔

"صرف جملوں سے کیا ہوگا دنیش بابو! کام بہت کرنا ہوگا۔ نہ جانے کیوں بار بار راجکمار جگدیپ مجھے یاد آ رہا ہے۔"

"ہاں موہن!" وہ اداسی سے بولا۔ "ہم تو مر جائیں گے۔"

"جانثار آپ کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔"

"کچھ سوچا؟"

"یہاں آنے کا اور کیا مقصد ہے، رنگ دیکھ رہا ہوں، ہتھیلی پر سرسوں تو نہیں جمتی۔ انگریزوں کے چہرے پڑھ رہا ہوں۔ اس کے لیے زبان جاننے کی ضرورت نہیں۔ جاہل آدمی بھی ذرا سے غور و فکر کے بعد یہ کام کر سکتا ہے۔"

"بس بس پروفیسر خاموش رہیے، آپ کی جہالت کا مجھے علم ہو گیا ہے۔"

ہم باتیں کرتے کرتے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ سینما ہال کے طرز پر بنائے ہوئے ایک کمرے میں پہنچے، وہاں کچھ اور ہی بہار آئی ہوئی تھی۔ انگریز جوتے اتار کے گاؤ تکیوں سے ٹک کر بیٹھ گئے۔ میں نے کرنل ہارڈنگ سے نظر بچا کے ایک محفوظ جگہ سنبھال لی، دنیش میرے برابر بیٹھنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مہاراجہ کے پاس دھکیل دیا۔ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی میرے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا، رات کی رانی کا پودا کہیں قریب ہی اُگ آیا ہے۔ ابھی رقص کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ کرنل غیر متوقع طور پر میری بغل میں آ کے براجمان ہو گیا اور لکھنو سے درآمدہ رنگین کپڑوں میں لپٹی ہوئی بادامی، رنگ اور تیکھے نقوش و نگار کی طوائفوں میں ضم ہونے لگا۔ میں نے انہیں دیکھا تو بانو کی یاد نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اس کا رنگ بھی یہی تھا۔ دو لڑکیوں نے مہاراجہ سے اجازت لے کے راگ درباری شروع کر دیا۔

انوکھا لاڈلا کھیلن کو مانگے چاند

چند ہی لمحوں میں لکھنو کے نوابوں کی مزاج آشنا طوائفوں نے ثابت کر دیا کہ وہ فن کے کس درجے پر فائز ہیں۔ انہوں نے اپنی خوبصورتی سے محفل کو پہلے ہی مسحور کیا ہوا تھا۔ آواز کا جادو جگا کے رہے سہے ہوش و حواس بھی چھین لیے، اس طرح

مست ہو کے گایا اور سروں کی لہروں پر چھبیلی چکیلی رقاصہ نے ایسا سحر آگیں رقص کیا کہ انگریزوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ''کرنل صاحب! آپ نے ہندوستان کی جھلکیاں دیکھیں؟'' میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''پروفیسر یہ تو جادو ہے۔'' کرنل نے تاثر انگیز لہجے میں کہا۔

''یہ ہندوستان ہے' رقص' موسیقی' پیار اور مٹھاس کا دیس۔ کرنل میں کہتا ہوں' آپ نے ہندوستان دیکھا ہی نہیں۔ ذرا میری طرح کسی دن گلیوں اور بازاروں میں گھومیے' میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کن لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔''

''ہندوستانی موسیقی میں حسن ہوتا ہے۔ یہ لڑکیاں خوب مشق کرتی ہوں گی؟'' کرنل نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں بے پناہ مشق۔ ہندوستانی موسیقی کوئی آسان فن نہیں ہے کرنل! زمانے گزر گئے لیکن یہ موسیقی جوں کی توں قائم ہے۔ اس کی روح انگریزوں کی یلغار سے بھی زخمی نہیں ہو سکی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ طاقتور تہذیبیں کمزور تہذیبوں پر غالب آجاتی ہیں۔ ہندوستان صنعتی اور معاشی اعتبار سے بہت پیچھے تھا۔ آپ کے ہاں صنعتی انقلاب آ گیا تھا۔ آپ نے کمزور ہندوستانیوں پر قبضہ کر لیا لیکن آپ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ہندوستان کے ان اداروں کو متاثر کرنے میں ناکام رہے ہیں جو تہذیبی اعتبار سے یورپ سے برتر ہیں۔ آپ جو کچھ سن رہے ہیں' یہ راگ درباری ہے۔ یہ راگ موسیقار تان سین نے اکبر بادشاہ کے لیے خاص طور پر ترتیب دیا تھا۔ یہ محفل میں سکون طاری کرنے اور نیند لانے کے لیے گایا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف اوقات کی مختلف راگ راگنیاں ہیں جن سے الگ الگ تاثر قائم ہوتا ہے۔ مثلاً بھیرویں صبح کے سورج سے پہلے گائی جاتی ہے' میگھ راج بجلی کی کڑک اور پانی برسانے کے لیے' ملہار پھوار برسانے' بہار پھول کھلانے اور لہلہانے کے لیے مخصوص ہے۔''

کرنل میری باتیں پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ ستائشی انداز میں بولا۔ ''پروفیسر تم تو ہندوستانی موسیقی پر بھی عبور رکھتے ہو۔''

میں نے یہ بکواس دانستہ کی تھی۔ جیسے جیسے موسیقی کا زور بندھتا گیا' میرا تنقید وتبصرہ جاری رہا۔ درمیان میں' میں نے انگریزی کے مقبول عام لفظ بھی بولے۔ کوئی ایک بجے کے قریب یہ بابِ نشاط بند ہونے لگا تو میرے اعصاب کا کھنچاؤ دور ہوا۔ وداع ہوتے وقت کرنل نے ترنگ میں مجھے گلے سے لگا لیا۔ میری داڑھی نچتے نچتے رہ گئی۔ اس کی لڑکی ریتا کرنل سے زیادہ گرمجوش تھی۔ حالانکہ وہ میرے گلے نہیں لگی۔ اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اس کی دعوت پر چھاؤنی میں ضرور آؤں گا۔ ان کے جانے کے بعد میں' مہاراجہ' کنول اور دنیش تھکے تھکے سے ایک مختصر کمرے میں آکے بیٹھ گئے۔

''پروفیسر! آج کے مہمانِ خصوصی رہے۔'' مہاراجہ نے صوفے میں دھنستے ہوئے کہا۔ 'انہوں نے دعوت کامیاب اور لذیذ بنا دی۔''

''میں نے پروفیسر سے درخواست کی ہے کہ یہ کچھ دن راج بھون میں قیام کریں۔'' کنول نے نغمگی سے کہا۔ ''آپ بھی ان سے کہیے۔''

مہاراجہ بھی کنول کی تائید کرنے لگے۔ میں نے وعدہ کیا کہ ایک ماہ بعد جب میں دوبارہ راجے پور میں آؤں گا تو ضرور ٹھہروں گا۔ رات کے دو بجے تک مہاراجہ' کنول' دنیش اور میں کسی متعینہ موضوع کے بغیر گفتگو کرتے رہے اور میں نے سب سے اہم بات یہ نوٹ کی کہ مہاراجہ دنیش کی طرف گہری رغبت رکھتے ہیں۔ کنول کے بارے میں کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکا۔ اگر میں سچ مچ کا کوئی پروفیسر ہوتا تو ہمیشہ کے لیے یہیں بستر لگا لیتا اور کنول کو دیکھتا رہتا۔ مہاراجہ ہمیں خاص دروازے تک چھوڑنے آئے اور کنول نے مجھ سے سرگوشی میں کہا۔ ''جب تک آپ کا راجے پور میں قیام ہے' ایک بار اور تشریف لائیے۔ میں خود بھی آنے کی کوشش کروں گی۔''

''اب آپ کی باری ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

راج بھون سے جب ہماری گاڑی چلی تو دنیش حسب سابق گنگنا رہا تھا۔

''کیسا رہا؟'' میں نے کچھ جھینپ کر پوچھا۔

''آپ سے تو بھون چل کے باتیں ہوں گی پروفیسر!'' دنیش نے ایکسی لیٹر پر زور دیتے ہوئے کہا۔ گاڑی تیز رفتاری سے بھاگنے لگی۔ ''گاڑی چلائیں گے جناب؟''

''یہ ہنر نہیں آتا۔'' میں نے خفت سے کہا۔

''کیا معلوم آپ چھپا رہے ہوں۔'' دنیش نے تیکھے پن سے کہا۔

''دنیش بابو! ایسی باتیں نہ کیجیے۔ دل بہت کمزور ہے۔''

دنیش خاموش ہو گیا۔ پرکاش بھون پہنچنے سے پہلے ہی میں نے داڑھی' مونچھیں اور ٹائی اتار کے کوٹ میں رکھ لیں۔ قمیص اور پتلون میں رہ گیا تو پچھلی سیٹ پر دبک گیا۔ صدر دروازے پر دربانوں نے صرف دنیش کو گاڑی میں بیٹھے دیکھا۔

دنیش نے ایک اندھیری جگہ گاڑی روکی۔ میں ادھر ادھر راستہ صاف دیکھ کے اتر گیا اور راہداری کے راستے سے جانے کے بجائے عقبی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دنیش نے جاتے ہی وہ دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے خوابگاہ میں ملازموں والے کپڑے پہنے اور سر جھکائے ڈرائنگ روم میں کھڑا ہو گیا۔ مجھ پر ندامت اور خفت غالب تھی۔ دنیش سے اب کچھ چھپانا ناممکن تھا۔ پرکاش بھون کا ادنیٰ ملازم جس کا کام الماریاں صاف کرنا' گھڑکیاں کھانا اور بدترین قسم کے احکام سننا رہا ہو' اس نے ریاست کے سب سے بڑے آدمی کے ہاں ایک اعلیٰ درجے کی دعوت میں شرکت کی تھی اور کسی قسم کا شبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ دنیش چندر ایک ذہین و فطین شخص تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کے سامنے اپنے آپ کو مسلسل چھپائے رکھنے کا کیا جواز پیش کروں گا اور جب وہ میری گزشتہ حرکتوں پر غور کرے گا تو اسے میری اداکاری پر کس قدر تعجب ہوگا۔ میری آئندہ باتوں پر اسے کس طرح یقین آئے گا۔ میں نے نادانی کا ثبوت دیا تھا۔ مجھے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔ میری ذات کا ایک ورق کھلتا تو اور ورق بھی رفتہ رفتہ کھل سکتے تھے۔ میں اگر اپنے بارے میں اسے مطمئن نہیں کروں گا تو اسے دوسرے ذریعوں سے جاننے کا تجسس ہوگا کہ میں یہاں کب آیا؟ کیسے آیا؟ میری گزشتہ زندگی کیسی گزری ہے؟ میں نے کلکتے میں بنو بیگم اور بختاور کا قتل کیا ہے اور میں ایک مفرور شخص ہوں جو پولیس کو مطلوب ہے۔ پھر کیسی دوستی اور کیسے وعدے؟ راجکمار دنیش چندر ا۔ مجرم آدمی کو قریب رکھنا پسند نہیں کرے گا' مجھے اپنی اوقات سے باہر ہونے کا مدت سے احساس ہوا اور میں دل گرفتگی سے دنیش چندر کے خوابگاہ سے نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ باہر آیا تو اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے مجھے متفکر دیکھا تو تلخی سے آواز دی۔ ''موہن داس! ادھر آؤ۔''

میں سمجھ گیا کہ دنیش چندر توقع کے مطابق مجھ سے مشکوک ہو گیا ہے۔ میں آہستہ قدموں سے اس کے نزدیک گیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بہت تیزی سے اٹھایا اور میرے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ ''راج کمار'' میں نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

دنیش نے مجھے آگے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا اور دفعتاً وارفتگی سے گلے لگا لیا اور اتنی زور سے بھینچا کہ میری سانس اندر کی اندر رہ گئی۔ آنکھوں سے آنسو امڈ پڑے' یہ محبت کا بڑا جارحانہ انداز تھا۔ ''موہن! تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔'' اس نے دل کی

گہرائیوں سے کہا۔

''دنیش بابو! آپ نے تو مجھے ڈرا دیا۔ میں سمجھا' مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہے۔'' میں نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر جواب دیا۔

دنیش نے میرے گالوں کے کئی بوسے لیے۔ میں نے بھی جواباً اس کی پیشانی' گال اور گردن کو پیار کیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے لپٹے لپٹے صوفے پر گر گئے۔ ''موہن اپنے دوست پر اعتماد ہو تو بتا دے' تو کہاں سے آیا ہے؟''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں نے پولیس انسپکٹر کے سامنے بالکل سچ کہا تھا کہ پہلے بمبئی میں ایک صاحب کے ہاں گھریلو ملازم تھا' پھر یہاں چلا آیا۔ کوئی خاص کہانی مجھ سے وابستہ نہیں ہے۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ہر شخص روٹھ گیا ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔

''اپنے دوست سے جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتماد کیوں نہیں ہے؟ کیا تم کوئی مجرم ہو؟ مگر یقین کرو کہ تم جو کچھ بھی ہو' میرے دوست ہی رہو گے۔'' اس نے جذبات میں میرے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''دنیش بابو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میری آواز رندھ سی گئی۔

''گھوڑے لوٹ دینا۔ بھون میں یہ حسنِ انتظام' یہ دلیری' یہ سنجیدگی' یہ جرات' یہ متانت' یہ برداشت' ہر موضوع پر ماہرانہ گفتگو' نشانے بازی' فنی اور سیاسی مشورے' بھگوان جانتا ہے کہ تمہاری یہ خصوصیات میرے لیے کسی حادثے سے کم نہیں ہیں۔ میں تمہیں اسی لیے مہاراجہ کی دعوت میں لے گیا تھا کہ تمہارے بارے میں اپنے اندازوں کی تصدیق کر سکوں۔ تم وہاں خود کو ایک احمق ملازم کے روپ میں پیش نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے ہر قدم پر اپنا جھوٹ خود رد کر دیا۔ کب تک چھپاؤ گے جانی اور اب چھپانے کے لیے رہ کیا گیا ہے؟''

''میں کہاں چھپا رہا ہوں۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''کہو کہ تم ایک تعلیم یافتہ شخص ہو اور تمہارا نام موہن داس نہیں ہے۔ کہو کہ تم اپنی بعض غلطیوں کی وجہ سے پرکاش بھون میں نچلے درجے کے ملازموں کا بھیس بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے یا یوں کہو کہ زمانے نے تمہیں بہت ستایا ہے۔ تم نے زندگی کا بائیکاٹ کر دیا اور یہاں آ کے پناہ لے لی۔ کہو کہو موہن داس! ہم سب ننگے ہیں۔ تم سے ماضی میں اگر کچھ غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں تو اتنی بڑی سزا مت کاٹو۔''

میر جمشید عالم کی آپ بیتی

امربیل

انوار صدیقی

2

فرض کیجئے،
میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

امبربیل

جلد دوم

انوار صدیقی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاھور۔ ۲

باراول ——— 2001ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
پروف ریڈر ——— حبیب اللہ صدیقی
سرورق ——— ذاکر
قیمت ——— -/250 روپے

میں نے سوچا' سب کچھ صاف صاف بتا دوں۔ کہہ دوں کہ میرا نام میر جمشید عالم ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جنہیں بہت سے ہندو پسند نہیں کرتے۔ میں ایک قاتل ہوں جسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں ایک مظلوم اور غریب آدمی ہوں جو پرکاش بھون کے اونچے لوگوں میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہے۔ میں نے اس کے بھائی مہیش چندر کو قتل کیا ہے' اس کے باپ پرکاش چندر کی موت کا سبب بھی میں ہوں۔ اس کی بہن شکنتلا سے میری آشنائی ہے۔ اس کی نوجوان سوتیلی ماں پارو کے شباب کا رس میں نے چرایا ہے۔ اس کی حسین بہن شاردا میرے لیے اور میں اس کے لیے اپنے دل میں گہرے جذبات رکھتے ہیں۔ میں نے سوچا' سب کچھ کہہ دوں اور اس کا پستول واپس کر دوں کہ لو' اس سے مجھے ختم کر دو' میں تمہاری اتنی محبتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں یہ بھی کہہ دوں کہ کسی پراسرار عورت کا سایہ گاہے بگاہے آ کے میری مدد کرتا ہے اور پتہ نہیں اس کا مقصد کیا ہے؟ میرے پیچھے ایک سادھو پڑا ہوا ہے جو میرے بارے میں تقریباً سب کچھ جانتا ہے۔ ایک پنڈت ہے جو مجھے پریشان کرتا رہتا ہے مگر میں اسے کچھ نہیں بتا سکا کیونکہ میں اتنی ہولناک باتیں سنا کے اس کا اعتبار شکستہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے اندر اتنی جرات نہیں تھی۔ مجھ سے کچھ نہ بن پڑا تو عورتوں کی طرح میرے آنسو بہنے لگے۔

دنیش نے فوراً موضوع بدل دیا۔ ''پروفیسر موہن!'' اس نے شوخی سے کہا۔ ''ازراہِ کرم ہمیں معاف کیجئے' ہماری توبہ جو ہم آپ سے آئندہ کچھ کہیں۔ یہ بتائیے' آپ نے آج کی شب کے ہنگامے سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟''

''دنیش بابو! آپ نے ایک بہت کمتر آدمی کو سر چڑھا لیا ہے۔'' میں نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''دوستی کے لیے کچھ قدریں ضرور مشترک ہوتی ہیں' یہاں تو کچھ بھی نہیں ملتا۔''

''تم پاگل پنے کی باتیں کر رہے ہو۔ سب سے بڑی مشترک قدر یہ ہے کہ

ہم دونوں ایک دوسرے کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ رہا غریبی! میرے اقتدار اور محکومی کا فرق تو یہ سب حماقت کی باتیں ہیں۔ تم بھول رہے ہو کہ میں نے یورپ میں تعلیم حاصل کی ہے۔''

''آپ بہت بڑے آدمی ہیں۔'' میں نے احسان مندانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''دوسرے بڑے آدمی تم ہو۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''سنو موہن! میں بظاہر ایک راجکمار کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہوں۔ پرکاش بھون کی دولت کی کنجیاں میرے پاس رہتی ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے۔'' اس نے کچھ جھجک کر کہا۔ ''کہ تم کسی مرحلے پر مجھ سے غیریت مت برتنا۔ جو ضرورت پڑے' وہ مجھ سے چابیاں لے کے خود اٹھا لینا۔''

''مجھے دولت نہیں' آپ کی دوستی کی امان چاہیے۔ دولت کا میں کیا کروں گا دنیش بابو؟ کون بیٹھا ہے جسے خوش کروں گا؟ سب مارے گئے' ایک بڑا بھائی تھا' وہ پاگل ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں زندہ بھی ہے یا مر گیا؟''

''میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ کل سے میں بھون میں باقاعدہ تمہیں اپنے دوست کی حیثیت سے پیش کروں گا۔ تم یہیں میرے ساتھ رہو گے۔ مجھ سے اب یہ برداشت نہیں ہو گا کہ میرے سامنے تمہیں لوگ ذلت سے مخاطب کریں۔ اس طرح میں ان بے ہودہ لوگوں کو یہ بھی بتا سکوں گا کہ میں تنہا نہیں ہوں' میرا دوست میرے ساتھ ہے۔'' دنیش نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

''آپ بار بار یہی کہتے ہیں اور اس کے نتائج پر غور نہیں کرتے۔ اگر آپ میری وجہ سے ایسا کہتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ مجھے اس بات کی فکر نہیں ہے کہ یہاں کے لوگ کس طرح مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ یہ ایک عارضی توہین ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ حالات نارمل نہیں ہیں' بہت خراب ہیں۔ میں آپ سے پھر یہ کہوں گا کہ فی الحال میری موجودہ صورت ہی آپ کے اور میرے لیے مفید ہے۔''

دنیش کچھ سوچنے لگا اور آخر میرا ہمنوا بن گیا۔ میں نے اسے متعدد دلیلیں دے کے سمجھایا کہ اس جذباتی اعلان میں ہمارے لیے کون کون سے اندیشے موجود ہیں؟ ''اب آپ یہ بتائیے جناب! آج کی پارٹی کے بعد کے اثرات سے کیسے نمٹیں گے آپ؟''

''ہاں یہ بتاؤ کیسا مزہ رہا؟'' وہ بے قراری سے بولا۔

''مزہ تو بہت رہا مگر آپ نے کچھ سوچا بھی ہے؟ ممکن ہے کرنل ہارڈنگ کی صاحبزادی ریتا کل کسی وقت مجھے تلاش کرتی ہوئی ادھر آ جائیں۔ خود کرنل ہارڈنگ کسی وقت فون پر رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں' وہ مجھے آسانی سے نہیں بھولیں گے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اور یہ کوئی ناخوشگوار بات نہیں ہے۔''

''مگر میں ان کے سامنے یہاں کس طرح پیش ہوں گا۔ کیا مجھے پھر سے میک اَپ کرنا ہوگا؟ راجکماری کنول بھی کسی وقت آ سکتی ہے۔ مہاراجہ بھی فون کر کے بلا سکتے ہیں۔ آپ کیا عذر پیش کریں گے؟''

''ہاں' یہ تو ایک مسئلہ ہے۔ اس سے نمٹنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ میں ان سب سے یہ کہہ دوں گا کہ پروفیسر کے کسی عزیز کا بمبئی سے تار آ گیا ہے' وہ صبح ہی راجے پور سے رخصت ہو گئے۔ جلد واپس آ جائیں گے۔''

''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حالانکہ میری اچانک واپسی ان کے لیے خاصی مخدوش اور مشکوک بات ہوگی۔ وہ تانے بانے ضرور ملائیں گے۔''

''اور ریتا بیچاری کا کیا ہوگا؟''

''اسے میرا انتظار کرنا ہوگا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انتظار سے اس کے ہاں اور شدت پیدا ہو جائے گی۔''

''کرنل ہارڈنگ کے متعلق تم نے کیا رائے قائم کی ہے؟''

''وہ ایک سچا انگریز ہے' ہندوستانیوں کا دشمن۔ مجھے صدمہ ہوا کہ مہاراجہ امرناتھ ان چھوٹے چھوٹے انگریزوں کی خاطر مدارات میں لگے ہوئے تھے۔ اقتدار کے لیے کیسا بے غیرت بننا پڑتا ہے۔ سرِدست کوئی بڑا خطرہ نظر نہیں آتا مگر انگریز کا اصول ہے کہ وہ آپس کے انتشار کا بہانہ کر کے قبضہ جما لیتا ہے۔ ہندوستان میں ہر جگہ اس نے یہی کیا ہے۔ پر راجکمار جگدیپ کو کون سمجھائے؟ انگریز مزید رعایتیں حاصل کرنے کے لیے اقتدار بخشتے رہتے ہیں۔ وہ اب آپ کی طرف رجوع ہوں گے۔ ادھر جگدیپ کو بھی ہوا دیں گے۔ اگر آپ راجے پور کی گدی سے اپنی دلچسپی ظاہر نہیں کریں گے تو جگدیپ فائدہ اٹھا لے گا۔ ایک بات اور بتا دوں دنیش بابو!'' میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ''راجکماری کنول بھی خطرے سے باہر نہیں ہیں۔''

''تم مجھے کنفیوز کر رہے ہو۔''

''میں آپ کو حقائق بتا رہا ہوں۔'' میں نے سنگدلی سے کہا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟ میری عقل تو کچھ کام نہیں کر رہی ہے۔''

''سازش کا جواب سازش سے دنیش بابو! ہمیں کچھ بے رحم بننا ہوگا۔ چھٹائی کرنی ہوگی۔ ہمیں زندہ رہنا ہے تو پتھر اپنے ہاتھ میں رکھنے ہوں گے ورنہ کوئی سر پھوڑ جائے گا اور پتہ بھی نہیں چلے گا۔''

''دیکھو، تمہارا وہاں جانا کتنا ضروری تھا۔ میں راجکماری کنول کے سامنے بالکل آدھا رہ جاتا۔ کسی اور طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔''

''اس سلسلے میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص ان کے سامنے اپنے ہوش میں نہیں رہ سکتا۔''

ساری رات انہیں باتوں میں گزر گئی۔ دنیش کا خیال تھا کہ وہ مہمان خانے سے ترنم کو طلب کرے گا لیکن رات باقی ہی نہیں بچی۔ میں دنیش کو خواب گاہ میں بمشکل دھکیل کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ خیریت گزری کہ ڈالی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ مجھے سونے کا نہیں تو کچھ سوچنے کا موقع ضرور مل گیا۔ سوچیں جو زبان و بیان، تکلف اور لحاظ سے آزاد ہوتی ہیں، میں نے اپنی فکر کا گھوڑا بے لگام چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ کبھی ادھر کبھی ادھر مٹرگشت کرتا رہا۔ اس آوارگی میں مجھے نیند نہیں آئی۔ راجکماری کنول کا حسین سراپا۔ ریتا کا سرخ رنگ بدن۔ کرنل ہارڈنگ کی تیز اور اندر دھنسی ہوئی آنکھیں، انگریزوں کے ہوس ناک چہرے، مہاراجہ کی پیشانی کی شکنیں اور کیچو کا پراسرار سایہ۔ سادھو کی رخنہ اندازی، پرکاش بھون، شاردا، پارو، پریت۔ نہ جانے کون کون۔ میرے سامنے شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی اور گھوڑا اس پر پھدک رہا تھا اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹھائیں۔ ٹھائیں۔ ٹھوں، اُف ہائے۔ رام نام ست ہے۔

سورج کی پہلی کرن نے مجھے چین نہیں لینے دیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ چپکے سے صحن میں جا کے دو تین چھپاکے مارے اور بستر کی چادر سے منہ پونچھ کر جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ بند گلے کا کوٹ اور پتلون۔ پھر میں نے پستول چیک کیا۔ دنیش اور پارو کے دونوں پستول لبالب بھرے تھے۔ سوتے میں ڈالی کے لہنگے کا کپڑا بے ترتیب ہو گیا تھا۔ کسی آہٹ کے بغیر میں نے اسے درست کیا اور گدے کا بوسہ

لے کر رینگتا ہوا آہستہ سے کنڈی کھول کے اور دروازہ بھیڑ کے باہر آ گیا۔ راستے میں گوالوں اور مہتروں کے سلام لیتا ہوا میں تیز رفتاری سے صدر دروازے تک آ گیا۔ صدر دروازے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ دربان نے مجھے دور سے دیکھ کر پوچھا۔ ''موہن بابو! خیر تو ہے، آج سویرے سویرے کہاں جانا ہوگا؟''

''کچھ نہیں بھیا رام پرشاد! ایک ضروری کام ہے۔'' میں نے سرسری طور پر کہا اور پرکاش بھون کا دروازہ پھلانگ گیا جو ایک زمانے میں مجھ پر بند تھا۔ پرکاش بھون سے باہر راجے پور کی صبح بڑی دلنواز تھی۔ سبزہ شبنم سے تر تھا۔ ہر طرف ہریالی کی کنواری خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے چند لمبی لمبی سانسیں کھینچیں اور تازہ ہوا خوب پھیپھڑوں میں بھر لی۔ پھر میرے قدم تیزی سے اس ٹیلے کی طرف اٹھنے لگے جہاں وہ حرامزادہ سادھو بیٹھا تھا۔ جس نے آنجہانی مہیش چندر کے سامنے میرا ماضی عریاں کیا تھا۔ یہاں وہی ایک مردم آزار شخص تھا جو اس حقیقت سے واقف تھا کہ میں ایک قاتل اور مفرور شخص ہوں۔ وہ کسی دن بھی بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہو کے دنیش چندر سے بھی میرا کچا چٹھا بیان کر سکتا تھا۔ گزشتہ رات دنیش چندر کی کار کے سامنے اس کا اچانک آ جانا ایک طرح کی دھمکی تھی۔ میں نے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ہمیشہ کے لیے یہ معاملہ نمٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میرے پاس دو پستول تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ مجھے اسی وقت اسے شوٹ کرنے کے مواقع میسر آ جاتے۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ مجھے بروقت تنہا مل جاتا۔ سب سے اہم بات سادھو کے استھان کے محل وقوع کا جائزہ لینا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ اس کے قتل کا بہترین موقع کون سا ہوگا اور اس سے یہ پوچھنا تھا کہ اسے آخر میرا انتظار کیوں ہے؟ اتنے قتل ان آنکھوں نے دیکھے تھے تو ایک اور قتل کرنے میں کیا مضائقہ تھا؟ ادھر کیچو کی طرف سے اطمینان تھا، اس نے اس مردود کے ذکر پر کسی اچھے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

جب تک وہ زندہ رہتا، میرے گلے پر اس کی چھری لٹکتی رہتی۔ اس کے پاس میرا سکون قید تھا۔ میں اپنا سکون اس سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔ دنیش چندر اگر اتنی رفاقت کا اظہار نہ کرتا تو ممکن تھا کہ میں یہ کارنامہ سرانجام دینے کی ہمت نہ کر پاتا۔ یہ خدشہ بھی پوری طرح موجود تھا کہ سادھو کو چونکہ بہت سی باتوں کا علم اپنی پراسرار ماورائی طاقتوں کے سبب ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اس امر سے کیسے ناواقف رہے گا کہ میں ایک برے ارادے سے اس کے پاس آیا ہوں لیکن میری جیب میں دو پستول دھرے تھے

اور پستول جب، جوش میں آ جاتے ہیں تو کچھ نہیں دیکھتے۔ میری رفتار تیز تھی اور ذہن میں کوئی الجھن نہیں تھی۔

میں کوئی ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد اس ٹیلے پر پہنچ گیا جہاں سادھو اپنے گیان دھیان کا میلا لگاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا سرسبز پہاڑ تھا۔ میں نے دور کھڑے ہو کے پہلے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ رات کے سناٹے میں سادھو کو آسانی سے نرکھ میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ وہاں سادھو کے چند چیلے نظر آ رہے تھے' سادھو موجود نہیں تھا۔ میں نے سوچا' وہ یقیناً اس کٹیا میں ہوگا جو چھوٹے سے مندر کے برابر بنی ہوئی ہے یا مندر میں ہوگا۔ میں نے آگے قدم بڑھا دیئے۔ ''پرنام مہاراج!'' میں نے ایک نوجوان سادھو کو آواز دی۔

''پرنام۔'' اس نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔

''سیوک کو سادھو مہاراج سے ملنا ہے۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''وہ اس سمے کہاں ہیں؟''

''اپنی کٹیا میں ہیں۔ پر تمہیں ان سے کیا کام آ پڑا ہے؟''

''انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ تم جا کے یہ کہہ دو کہ موہن داس آیا ہے۔'' میں نے عقیدت سے کہا۔ ''وہ مجھے اندر بلا لیں گے۔''

نوجوان سادھو کچھ دیر سوچتا رہا' پھر مجھے وہیں ٹھہرنے کے لیے کہہ کے کٹیا کے اندر چلا گیا اور فوراً واپس آ گیا۔ ''مہاراج کٹی کے اندر تو نہیں ہیں؟'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''ٹھہرو! میں مندر میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ادھر مندر گیا تو میں نے لپک کر احتیاطاً کٹیا میں جھانک کے دیکھ لیا۔ سادھو واقعی وہاں نہیں تھا۔ میں مندر کی مختصر عمارت کا جغرافیہ نظر میں رکھنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ کے خود مندر میں داخل ہو گیا۔ مندر میں مورتی اور نوجوان سادھو کے سوا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ ''معلوم نہیں' مہاراج کہاں گئے؟ ابھی ابھی تو میں نے انہیں دیکھا تھا۔'' وہ حیرانی سے بولا۔

''یہیں کہیں ہوں گے۔'' میں نے ارد گرد ساری پہاڑی پر طائرانہ نظر ڈال کے کہا۔ ہم دونوں قریب قریب کی جگہوں پر بوڑھے سادھو کو تلاش کرتے رہے۔ اس کے دوسرے ساتھیوں سے بھی پوچھا مگر انہوں نے اسے صبح سے کہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ انہیں خود اس بات پر حیرت تھی کہ سادھو نے آج اپنا معمول کیوں بدل دیا ہے جبکہ وہ صبح سویرے کٹیا میں دھیان گیان میں لگا رہتا ہے۔ میں کچھ دیر تک وہیں

بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا۔ جب سورج کی چمک تیز ہونے لگی تو میں نے چار و ناچار واپس جانے کا قصد کیا۔ سادھو کو اگر میرے آنے کی خبر پہلے سے ہو گئی ہے اور وہ اس طرح خود کو روپوش کر سکتا ہے تو میں کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ میں دنیش چندر کی نظروں میں ذلیل ہونے کے خیال ہی سے لرز گیا۔ آدمی سوچتا کچھ ہے' ہو کچھ جاتا ہے۔ بچپن میں کیا تصور باندھے تھے اور پیش کیا کچھ آ رہا تھا۔ زندگی میں آدمی کے پیچھے کوئی نہ کوئی آزار لگا ہی رہتا ہے کرچھے والا پنڈت اور سادھو مجھ جیسے بے ضرر شخص کا تعاقب کسی بڑے مفاد کی خاطر کر رہے تھے جیسے میرے پاس کوئی خزانہ چھپا ہو۔ وہ خزانہ کیچو کے وجود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے میرے ارد گرد یہ پراسرار سایہ سونگھ لیا تھا' ورنہ میری طرف توجہ دینے کی انہیں کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ میری حیثیت ہی کیا تھی اور کیچو کون تھی؟ کاش میں اپنی یہ الجھن دور کر سکتا۔

سادھو کے علاقے سے راجے پور کے مکانوں تک ایک طویل سنسان راستہ درمیان میں پڑتا تھا جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں اور کسانوں نے' جہاں ذرا سا میدان ملا تھا' وہاں کاشت شروع کر دی تھی۔ عام راستے کے بجائے میں انہی کھیتوں سے گزر کے آ رہا تھا۔ ذہن پر سادھو اور کیچو کا خیال جونک کی طرح چمٹ گیا تھا۔ یکایک میں نے بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی آوازیں سنیں۔ وہ آوازیں دم بہ دم قریب آ رہی تھیں۔ انہوں نے اتنی تیزی سے میرے گرد حصار قائم کر لیا کہ مجھے کچھ سوچنے اور جیب سے پستول نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ یہ کوئی دس آدمی تھے جو راجے پور کے روایتی لباس میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ میں نے بھاگنے اور پستول نکالنے کی کوشش بھی کی لیکن میرے چاروں طرف بندوقیں تن گئیں۔ ایک ذرا سی غلطی میرا دراز جسم چھلنی کر دیتی۔ ''اپنا پستول پھینک دو۔'' اچانک ایک بھاری آواز نے حکم دیا۔

میں نے خاموشی سے پارو کا پستول زمین پر پھینک دیا اور ہاتھ اٹھا لیے۔ ایک گھڑسوار نے گھوڑے سے اتر کر پستول اپنے قابو میں کیا اور میری دوسری جیب میں ہاتھ ڈال کر دنیش چندر کا پستول بھی حاصل کر لیا۔ ساتھ ہی اس نے میرے گال پر ایک زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ میں ایسے تھپڑ کھانے کا عادی ہو چکا تھا۔ کوئی تاثر دیئے بغیر میں نے اسے قبول کر لیا۔ ''چلو'' انہوں نے بندوق کی نال سے ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بے چون و چرا ان کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک شخص نے مجھے

وحشت سے گھوڑے پر کھینچ کے اپنے آگے بٹھا لیا۔ تین سوار ایک طرف' تین دوسری طرف' دو آگے' ایک ہمارے گھوڑے کے پیچھے ہو کے' آبادی سے کٹ کے' پہاڑوں کی جانب چلنے لگے۔ صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ جسم گھوڑوں کی طرح فربہ تھے۔ ان کے دہشت ناک انداز سے کسی رعایت کی امید نہیں تھی۔ میں نے چند ہی ثانیوں میں خود کو اپنے انجام پر آمادہ کر لیا۔ میرے لیے ویسے بھی پھانسی کی سزا تجویز ہوتی جو برابر ٹل رہی تھی۔ کون دیکھتا کہ میں نے کن مجبوریوں میں خنجر چلایا تھا؟ اس آمادگی سے ذہنی تشفی ہوئی۔ میں نے خود سے کہا۔ ''میر جمشید عالم! دار پر جانا ہے تو شان و شوکت کے ساتھ مر جاؤ۔ مردوں کی طرح اپنا انجام قبول کرو۔''

ان کی رفتار پہاڑوں سے اترنے کے بعد کچھ تیز ہوئی۔ میں نے سوچا' آگے جا کے بھیانک موت مرنے سے بہتر ہے کہ کچھ ہنگامہ کر کے مرو تا کہ لوگ یاد تو رکھیں کہ کسی جی دار سے پالا پڑا تھا۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ موت کے خوف سے میں ایک معمولی جنبش بھی نہیں کروں گا۔ ان کے سمجھنے میں یہی کوتاہی ہو گئی۔ چلتے چلتے میں نے ادھر ادھر دیکھا' گھوڑوں کی ترتیب بگڑ گئی تھی مگر وہ سب مجھ سے قریب تھے۔ ایک مقام پر میں نے اپنے گھوڑے کے جسم میں زور سے چٹکی بھری' وہ اچھلا تو میں نے موقع دیکھ کے چپکے سے ایک اور چٹکی لے لی۔ گھوڑا یہ مذاق برداشت نہیں کر سکا' اشتعال میں آ گیا اور ایسا ناراض ہوا کہ اس کے ساتھی گھوڑے دیکھتے رہ گئے۔ وہ بندوق اٹھا کے میرا نشانہ بھی نہیں لے سکتے تھے کیونکہ گھوڑا کسی ایک جگہ ٹھہر نہیں رہا تھا' پارے کے مانند تھرک رہا تھا۔ جتنی اسے دھمکیاں دی گئیں' وہ اتنا ہی منہ زور اور برہم ہوتا گیا۔ ادھر میں اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی تعاون نہیں کر رہا تھا۔ نتیجے میں ہم دونوں ایک ڈھلان پر گر پڑے اور کچھ اس طرح گرے کہ بندوق میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں نے اس کا کھٹکا دبانے میں کوئی تاخیر نہیں کی' وہ مجھے اپنے آقاؤں کی خدمت میں زندہ پیش کرنا چاہتے تھے' اس لیے گولی چلانے سے ڈر رہے تھے جبکہ مجھے خود اپنے آپ کو جواب دینا تھا۔ انہیں یہ بھی اعتماد حاصل تھا کہ ان کی تعداد دس ہے اور وہ اسلحہ سے لیس ہیں' میں نے ایک کو وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ یہ دیکھ کے ان سب نے اپنے گھوڑوں کا رخ میری جانب کر دیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں بندوق کا کندا تیزی سے گھما کے دو چار مزید گھوڑے بے قابو کر دوں۔ زندگی موت سے ہم آغوش ہونے کی منتظر تھی۔ صرف ایک آدمی کو مار کے مر جانے میں مجھے اپنی توہین

محسوس ہوئی۔ میں نے بے دریغ اپنے اوپر چڑھتے ہوئے ایک گھوڑے کے جسم میں بندوق مار دی۔ اس نے اپنے ساتھ کے دو چار گھوڑے بھی لپیٹ میں لے لئے۔ ان کے سوار اس اچانک افتاد پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکے۔ ان میں وہ شخص بھی شامل تھا جس نے مجھ سے دنیش اور پارو کے پستول چھینے تھے۔ میں پہلے اسی پر جھپٹا۔ میں نے اپنے جوتے کی ٹھوکر سے اس کے پیٹ کو نشانہ بنایا' وہ وہیں دہرا ہو گیا۔ میں نے دنیش چندر کا پستول اچکنے میں اپنا وقت سب سے بہتر استعمال کیا۔ جیسے ہی پستول ہاتھ میں آیا' موت مجھ سے دور ہونے لگی۔ پھر جو بھی میرے سامنے پڑا' میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے شوٹ کر دیا۔ چار آدمیوں کے کپڑے آناً فاناً سرخ ہو گئے اور وہ زمین پر لوٹنے لگے لیکن پانچویں گولی بے اثر ثابت ہوئی۔ دل کی حسرت دل میں رہ گئی۔ کسی سرشور نے پیچھے سے آ کے اتنی زور سے میرے کاندھے پر بندوق کا کندا مارا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور ہوش و حواس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

جب میری آنکھوں میں دوبارہ روشنی آئی تو میں نے دیکھا کہ اوپر لکڑیوں کی ایک سیاہ چھت ہے۔ دیواریں بھی کالی اور پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹا سا روشن دان تھا۔ یہ روشنی اور ہوا کا واحد ذریعہ تھا۔ کوٹھڑی بہت مختصر تھی۔ سارے جسم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ درد و کرب سے کروٹ بھی نہیں لی جا رہی تھی۔ پھر بھی میں نے دروازہ دیکھنے کے لیے کروٹ بدلنے کی ہمت کی۔ لکڑی کا ایک مضبوط دروازہ دیواروں میں نصب تھا اور باہر سے انسانی قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ اندر آ رہی تھی۔ ویسے ہر سمت سکون چھایا ہوا تھا۔ ایک طرف پانی کا گھڑا اور کلھڑ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میری چیخ نکل گئی۔ رگ رگ میں درد اٹھنے لگا۔ میں وہیں ڈھیر ہو لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے زمین پر پڑے پڑے رینگ رینگ کے گھڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑی مشکل سے دیوار سے سر ٹکا کے بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آدھا پانی زمین پر گرا' آدھا کلھڑ میں آیا مگر میں نے اس جاں کنی کے عالم میں اتنا پانی ضرور بچا لیا کہ حواس کا مرجھایا ہوا پودا دوبارہ سوچنے کے قابل ہو سکے۔ اتنی دیر میں نیم تاریکی سے آنکھیں مانوس ہونے لگی تھیں۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ موت ابھی دور کھڑی ہے۔

یہ جگہ یقیناً آبادی سے باہر تھی۔ سب سے پہلے میرا خیال جگدیپ کی طرف گیا۔ دربان نے بھون سے میرے نکلنے کے بعد فوراً یہ خبر جگدیپ کے گرگوں کو پہنچائی ہو گی۔ وہ ویسے تو مجھے شکست نہیں دے سکے مگر انہوں نے مجھے دنیش چندر کی پاسبانی

سے ہٹانے کے لیے یہ حربہ اختیار کیا تھا۔ مجھے زندہ رکھنے کی بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ وہ جگدیپ کی اس کے گھر واپسی کے بعد مجھے اس کے سامنے پیش کرکے انعام حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ریاستوں میں ایسی خونریزیاں روز کا معمول تھیں۔ جگدیپ میرا سر طشتری میں رکھ کے دنیش چندر کی خدمت میں بھیجنے کے لیے مضطرب ہوگا۔ ریس کے میدان میں میں نے ایک راجکمار کی توہین کر دی تھی۔ ممکن ہے' پارو بھی اپنی اہانت کا بدلہ لینے پر اتر آئی ہو۔ جہاں تک انگریزوں کا سوال تھا' ان سے ابھی میری ایسی شناسائی نہیں ہوئی تھی کہ وہ اتنی جلدی یہ جارحانہ قدم اٹھانے کی حماقت کرتے۔ دس مسلح گھڑ سواروں کے ایک ساتھ حملہ آور ہونے سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ میرا دشمن میری طاقت سے خوفزدہ ہے اور وہ جگدیپ یا پارو کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کے چہرے ذہن کے پردے پر ابھرے۔ میرے خون نے کھولنا شروع کردیا' میں پھر اپنی توانائیاں یکجا کرکے دروازے پر گیا اور میں نے دروازہ زور زور سے پیٹنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

کسی نے خبر نہیں لی لیکن میں نے چیخنا چلانا بند نہیں کیا۔ نتیجتاً باہر سے کنڈی کھلنے کی آواز آئی' پھر زور سے دروازے کو دھکا دیا گیا۔ دروازے کا پٹ اچانک میرے سر پر پڑا۔ میں لڑھکتا اور کراہتا ہوا فرش پر گر گیا۔ ڈھاٹا بندھا ہوا ایک شخص ہاتھ میں پستول لیے تیزی سے اندر داخل ہوا۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے گرج کر پوچھا۔

''تم مجھے کن گناہوں کی سزا دے رہے ہو؟'' میں نے کرب سے کہا۔ ''تم کون ہو اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟''

''کچھ دیر زبان اور بند رکھو' ہم جلد ہی تمہاری لاش کا بندوبست کر دیں گے۔'' اس نے درشتی سے جواب دیا۔

''تمہیں بعد میں افسوس ہوگا۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''میری آج تک کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔ تم نے مجھے کسی اور کے دھوکے میں اٹھا لیا ہے۔''

''بکواس بند کرو اور زیادہ چترائی مت دکھاؤ۔ جیون کی ان آخری گھڑیوں میں بھگوان کو یاد کرو۔''

''میں اپنے دشمن کا نام جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''تمہاری یہ حسرت بھی جلد پوری کر دی جائے گی۔''

''تم مجھے کرائے کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' میں نے کھل کر بات کرنے کی ٹھانی۔ ''مجھے اغوا کرنے کے لیے تمہیں جتنی رقم دی گئی ہے' میں اس سے دگنی دے سکتا ہوں۔''

''زبان بند کرلو' ورنہ میں تمہارا بھیجا اڑادوں گا۔ اگر تمہیں میری بات پر وشواس نہیں تو اب زبان کھول کے دیکھو۔''

میں نے اپنے ہونٹ سی لیے' میرے اور اس بے رحم شخص کے درمیان تقریباً آٹھ قدم کا فاصلہ تھا۔ اس لیے میں اس پر چھلانگ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ کمینہ مجھے گالیاں دے کر باہر چلا گیا۔ رات کے وقت دروازہ ایک بار اور کھلا' اس وقت دو آدمی آئے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چراغ اور پتے پر کھانا رکھا تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں پستول تھا۔ کھانا زمین پر رکھ کے دوبارہ دروازہ بند کر دیا گیا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ کل رات مہاراجہ امرناتھ کی دعوت میں جو کچھ کھایا تھا' اس کے بعد سے ایک کھیل بھی اُڑ کے منہ میں نہیں گئی تھی' بھوک ویسے بھی موقوف تھی۔ گزشتہ کئی راتوں سے مسلسل کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہو رہا تھا۔ نیند نہیں آئی۔ میں نے ابھرے ہوئے پتھروں پر چڑھ کے روشندان سے باہر جھانکنے کی کوشش کی' اس طرف کامل سکوت اور اندھیرا طاری تھا۔ روشندان بھی پتھر کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ رات بہت گزر گئی مگر میری آنکھ ایک پل کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔

دنیش کیا سوچ رہا ہوگا؟ یہ سوچ رہا ہوگا کہ میں بھاگ گیا۔ پرکاش بھون میں ہر جگہ میری تلاش ہو رہی ہوگی۔ دنیش کے ذہن میں کئی اور اندیشے بھی پل رہے ہوں گے اور اسے کسی پہلو قرار نہیں ہوگا۔ ڈالی نے دن بھر کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا اور شاردا نے میرے بارے میں کوئی خبر سننے کے لیے آج سارا دن دنیش کے ساتھ گزارا ہوگا اور دنیش' شاردا' ڈالی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ میں کہاں غائب ہو گیا؟ میری لاش پہاڑیوں کے اس پار پھینک دی جائے گی جہاں گدھ میری ہڈیاں تک چاب جائیں گے۔ کوئی صورت نہیں' لکڑی کا مضبوط دروازہ' پتھر کی دیواریں' باہر مسلح پہریدار۔ ایسے عالم میں ذہانت کیا کام کر سکتی ہے؟ یہ کوئی مہاراجہ امرناتھ کی دعوت نہیں تھی۔ میں رات بھر اس پنجرے میں پھڑپھڑاتا رہا۔ آخر شب اس طوطے کی طرح ایک طرف منہ ڈال کے پڑ گیا جو بار بار پنجرے کی سلاخوں پر منہ مارتا ہے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو گردن کے ڈال دیتا ہے' دروازے کے باہر کوئی آواز' کوئی چہکار نہیں تھی۔ پہریدار اپنے قیدی سے

بے پروا اطمینان کے ساتھ سو رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی وہ پھر جاگ جائیں گے۔ ایسے نازک وقت میں آدمی آسمان ہی کی طرف دیکھتا ہے۔ دل میں کئی بار کیچو کا خیال آیا تھا۔ اس کے پراسرار سائے نے مختلف موقعوں پر میری مدد کی تھی۔ اس نے اب تک ادھر کا رخ کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ کیچو جو کلکتے کے دریائے ہگلی کے کنارے راجے پور کے پرکاش بھون اور کل رات راج بھون میں آئی تھی' جو کہیں بھی آنے پر قادر تھی' وہ یہاں آنے سے قاصر ہے؟ شاید وہ بھی مجھ سے ناراض ہوگئی ہے؟ اس نے بھی رشتہ توڑ لیا ہے؟ برا وقت آتا ہے تو ہر چیز باغی ہو جاتی ہے۔ میں نے کیچو کے متعلق ہر قسم کی بدگمانی کی۔ وہ کہتی تھی کہ آنے والے دنوں میں مجھے کوئی کام سپرد کرے گی۔ شاید اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟ ایک دن میں کیا سے کیا ہوگیا؟ میں کیچو کے خیال میں غلطاں تھا کہ دفعتاً میری آنکھیں بے یقینی کی کیفیت میں تڑپنے لگیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیچو کا پراسرار سایہ میرے نزدیک موجود ہے۔ اس بار میں نے اسے مختلف شکل میں دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک مجسم عورت سامنے کھڑی ہے۔ اندھیرا گہرا ہونے کی وجہ سے میں اس کی شکل واضح نہیں دیکھ سکا۔ وہ قامت میں اونچی تھی اور اس کے چھریرے بدن سے ایک ناقابل بیان خوشبو آ رہی تھی۔ میری شریانوں میں جیسے کسی نے تازہ خون بھر دیا۔ ''کیچو!'' میں نے والہانہ انداز میں اسے پکارا۔

''جمشید! ہاں' یہ میں ہوں۔'' اس کی آواز کا نغمہ گونجا۔

''میری مدد کرو کیچو! مجھے اس پنجرے سے باہر نکالو۔'' میں نے مضطرب ہو کے کہا۔

''میں تمہاری مدد کے بغیر آزاد نہیں ہوسکتا۔''

''تم نے پھر ہمت ہار دی جمشید؟'' وہ آہستہ سے بولی۔

''انہوں نے مجھے اس کوٹھڑی میں بند کر دیا ہے۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''مجھ میں پتھر ہٹانے کی طاقت نہیں ہے۔''

''تم میں بہت بڑی طاقت ہے۔''

''لیکن میں اس طاقت کے بل بوتے پر پتھروں کی دیواروں سے نہیں لڑ سکتا۔'' میں نے شدتِ کرب سے کہا۔

''تم نے یہ دروازہ توڑنے کی کوشش کی؟''

''نہیں' باہر وہ لوگ موجود ہیں جن کے ہاتھوں میں پستول اور کاندھوں پر

بندوقیں ہیں۔''

''لیکن وہ تو سو رہے ہیں۔''

''کیا؟'' میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا میں لکڑی کا یہ مضبوط دروازہ توڑ سکتا ہوں؟''

''اگر آزاد ہونے کی خواہش شدید ہے تو تم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟''

''شاید تم میری بے بسی کا مذاق اڑانے آئی ہو۔ وہ صرف سو رہے ہیں' مر نہیں گئے۔'' میں نے تلملا کر کہا۔

''میں جو تمہارے قریب ہوں۔'' اس نے فریفتگی سے جواب دیا۔

میں کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت تم کہاں تھی جب وہ مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے اور مجھے مارا پیٹا جا رہا تھا؟ دوپہر سے اب تک تم کہاں روپوش رہیں؟ کیا میری مصیبتوں کا تماشا دیکھ رہی تھیں؟ مگر میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا' مبادا وہ ناراض ہو جائے۔ یہ وقت بحث مباحثے میں پڑنے کا نہیں تھا۔ میرے جسم کا ہر حصہ دکھ رہا تھا۔ نقاہت کے باعث بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ کیچو کے آنے کے بعد زخم اور اُبھر آئے۔ میں نے سوچا تھا' کیچو اگر مدد کے لیے آئے گی تو میں خاموش بیٹھا رہوں گا اور باہر جانے سے انکار کروں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ اس پر کیا ردعمل ہوتا ہے؟ وہ مجھ پر کتنی مہربان ہے؟ اس طرح شاید وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھانے پر مجبور ہو جائے اور میں آخر کچھ تو جان سکوں کہ اس کے التفات میں کون سا مقصد پوشیدہ ہے؟ لیکن جب وہ حسب سابق پراسرار انداز میں وارد ہوئی تو میں اپنے تمام حوصلے بھول بیٹھا اور میں نے ان الجھنوں اور پیچیدگیوں کے حل پر اپنی رہائی کو اولیت دی کیونکہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا۔ مجھے اس قبر سے باہر نکلنا تھا' جس میں مجھے زندہ دفن کر دیا گیا تھا اور پھر میں کیچو کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا تو اس سے غیر معمولی توقعات کیسے وابستہ کر لیتا؟ اس جاں کنی میں اس کی آمد اور پرسش ہی بڑی غنیمت تھی۔ ''تم کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہو؟'' مجھے خاموش دیکھ کے اس نے پوچھا۔

''ہاں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''میں بہت کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہوں لیکن یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کیا بتانا ضروری سمجھتی ہو اور کیا بتانا غیر ضروری۔ تمہارے سامنے میری حیثیت ایک معمول کی سی ہے۔'' یہ بات نہ کہنے کے ارادے کے باوجود میں نے کہہ دی۔

وہ میرے کسی قدر نزدیک آ گئی۔ اس کے بدن کی خوشبو سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن میری نگاہ اس کے نظارے کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے چند لمحوں کے لیے مجھے معطل کر دیا تھا۔ اگر وہ فوراً مجھ سے دور نہ ہو جاتی تو میں اس کے سحر آگیں قرب سے پاگل ہو جاتا۔ ''جاؤ۔'' اس نے اپنی غنائی آواز میں کہا۔ ''اپنے آپ پر قابو پاؤ جمشید! اپنے اندر جھانک کر دیکھو۔ تمہیں بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔''

میں دم بخود کھڑا تھا۔ بہت سے سوال تھے جو پوچھے نہیں جا سکے۔ پھر جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ اب وہ میرے سامنے نہیں ہے' اس وقت مجھے اپنی خبر ہوئی۔ میں نے کوٹھڑی میں ہر طرف دیکھا۔ وہ جا چکی تھی' پہلے کی طرح۔ ہوا کے جھونکے کے مانند۔ اس بار وہ ایک سائے کے روپ میں نہیں آئی تھی بلکہ ایک مکمل اور مجسم عورت کے روپ میں آئی تھی۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے ایک لمحے میں کیا دیکھا تھا؟

وہ مجھے تنہا چھوڑ کے چلی گئی تھی اور وہ خوشبو چھوڑ گئی تھی جس نے اس غلیظ کوٹھڑی کی ہوائیں معطر کر دی تھیں۔ رات کا آخری پہر تھا۔ کیچو کا اشارہ بہت صاف تھا۔ اب مجھے خود حوصلہ پیدا کرنا تھا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کے باہر کی سن گن لینے کی کوشش کی۔ پہریدار اپنے آقاؤں سے نمک حرامی کر رہے تھے۔ کسی بھی لمحے چڑیوں کی چہکار ان کی نیندیں اچاٹ کر سکتی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازہ پکڑ کے دیکھا۔ وہ ایک بھاری دروازہ تھا لیکن کیچو کی آمد کے بعد میرا اعتماد اس سے زیادہ بھاری ہو گیا تھا۔ پھر بھی میں دروازے کے پاس کھڑا سوچتا رہا اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر دروازے کی مضبوطی کا اندازہ لگاتا رہا۔ پھر میں نے فیصلہ کر لیا اور مقابل کی دیوار سے طوفان کی طرح بھاگتا ہوا اس سے جا ٹکرایا' وہ ضرب اتنی شدید' اتنی وزنی اور کاری تھی کہ دروازہ چیڑ کی کمزور لکڑی کی طرح چرر کی آواز کے ساتھ چوکھٹ سے جدا ہو گیا۔ دونوں پٹ پہریداروں پر جا کے گرے اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھے۔ ابھی وہ کچھ سمجھنے کی کوشش میں تھے کہ میں نے ان اونگھتے ہوئے نیم جانوں کے سر دیوار سے ٹکرا دیئے اور بندوق ان سے چھین کر کندے سے ان کے سر پاش پاش کر دیئے۔ رات کے سناٹے میں پہاڑوں میں دور تک ان کی بھیانک چیخیں گونج اٹھیں۔ وہاں تین کوٹھڑیاں اور بنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں کنواں تھا۔ کنویں کے ساتھ ہی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر مجھے دنیش چندر کے پستول کا خیال آیا۔ میں نے ان کی لاشوں

کی تلاشی لی تو ایک کی پیٹی سے وہ برآمد ہو گیا۔ پارو کا پستول ان کے پاس نہیں تھا' میرے ہاتھ خون میں سن گئے۔ جی چاہا کہ کوٹھڑیوں میں گھس کے باقی غنڈوں کو بھی ٹھکانے لگا دوں مگر یہ جذباتیت کا محل نہیں تھا۔ وہ چیخیں سن کے خود کسی وقت بھی باہر آ سکتے تھے۔

میں نے گھوڑے پر سوار ہو کے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ پھر فوراً یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ اندھیرے اور اجنبی راستوں اور نامانوس گھوڑوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے سمت کا اندازہ بھی نہیں تھا لیکن پستول' بندوق اور کارتوس کی بیلٹ کی وجہ سے دل غنی تھا کہ راستہ محفوظ ہوگا۔ میں راجے پور کی روشنیاں دیکھنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ بستی پہاڑوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے ہوشی میں یہاں لائے تھے' امکان یہی تھا کہ یہ جگہ راجے پور سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں ہوگی۔ مجھے جلد از جلد اس مکان سے دور ہو جانا چاہیے تھا' خواہ سمت کوئی بھی ہو مگر ٹانگوں میں دم نہیں تھا۔ باہر نکل کے بھوک اور پیاس نے بھی ستانا شروع کر دیا لیکن میں اونچی اونچی پہاڑیوں پر بھاگتا اور ہانپتا رہا۔ جب سورج کے سر ابھارنے کے آثار ہویدا ہوئے تو میں کئی میل تک چلا آیا تھا۔ گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ میں نے سفر جاری رکھا۔ میرا ہر قدم مجھے زندگی سے قریب کر رہا تھا۔ سورج کی کرنیں تیزی سے اندھیرے پر غالب آنے لگیں۔ میں راجے پور کے نشانات' مسجدوں کے مینار اور مندروں کے کلس دیکھنے کے لیے پھر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ شاید میں غلط سمت میں آ گیا تھا۔ ہر طرف سبز پوش پہاڑ تھے۔ صبح سویرے پہاڑوں کے دامن میں کاشت کرنے والے کچھ کسان نظر آئے۔ میں دوڑتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ ان سے میں نے راجے پور کی بستی کا پتہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ میں راجے پور سے کوئی پندرہ میل دور ہوں۔ ایک کسان نے مجھے زخمی اور بدحال دیکھا تو ہل چلانے کے بجائے مجھے ایک طرف بٹھا کے رہٹ کے پانی سے میرے زخم دھوئے اور مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔ مجھ میں مزید سفر کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ کسان کو مجھ پر رحم آ گیا۔ وہ مجھے اپنی جھونپڑی میں لے گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے میرے اردگرد جمع ہو گئے اور اس کی بیوی نے میرے آگے گرم دودھ کا گلاس رکھ دیا۔ اس نیک دل کسان کا نام راجہ تھا۔ اس نے مجھے اپنے کپڑے بھی پہننے کے لیے دیے۔ ''موہن داس جی! یہ جھونپڑی اپنا ہی گھر سمجھو۔ ذرا جی ٹھیک ہو تو چلے جانا۔'' اس نے میرے پیر دباتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کے سلوک کا شکریہ ادا کیا

اور اس سے وعدہ کیا کہ میں اس سے ملنے جلد آؤں گا۔ پھر بھی راجہ نے مجھے جانے نہیں دیا۔ دن کے کوئی گیارہ بجے میں اس کی چارپائی سے اٹھا۔ اب میں میلوں پیدل سفر کر سکتا تھا کیونکہ میرے معدے میں پراٹھے تھے اور دودھ بھرا ہوا تھا۔ میرے پاس اس کے بچوں کو دینے کے لیے جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔ راجہ مجھے ٹیلے پر پہنچانے آیا۔ راستہ اب بھی پرخطر تھا۔ مرنے والے غنڈوں کے ساتھی میری تلاش میں نکل آئے ہوں گے۔ میں بہت محتاط انداز میں بے تلے قدم اٹھا رہا تھا اور بار بار ادھر ادھر مڑ کے دیکھ لیتا تھا۔ میلی دھوتی اور کرتے میں مجھے دور سے دیکھنے والا شخص کوئی مقامی کسان ہی سمجھتا۔ دو بجے کے قریب راجے پور کے آثار نظر آئے۔ میری رفتار تیز ہو گئی۔ آدھے گھنٹے کی مزید مسافت طے کر کے میں بستی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اب میں ذہنی طور پر پرکاش بھون کے اندر تھا اور بہت سے لوگوں کے سامنے میں اپنی اچانک غیر حاضری کے عذر پیش کر رہا تھا۔ دشمنوں کے لیے میری واپسی کوئی اچھی خبر نہیں ہوگی لیکن ان پر میری طاقت اور غیر معمولی پن کی دھاک ضرور بیٹھ جائے گی۔ اگلہ حملہ مزید خطرناک ہونے کا امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ میں ڈالی اور شاردا کو لے کر چپکے سے فرار ہو جاؤں۔ اس زندگی میں قدم قدم پر خطرے تھے۔ کہیں سادھو تھا' کہیں کرچھے والا پنڈت۔ دنیش چندر اپنے مسائل سے خود نمٹے گا۔ میں کب تک دربان بنا رہوں گا؟ ڈالی کے پاس اتنے پیسے ضرور ہو گئے تھے کہ ہم کسی دور افتادہ مقام پر اپنا گھر بنا سکیں اور پولیس کو ہماری خبر نہ ہو۔

ابھی میں ریاست کی چوڑی سیاہ اور بے داغ سڑک پر پہنچا تھا کہ پرکاش بھون کی ایک گاڑی زن سے میرے قریب سے گزر گئی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ ساڑھی میں کوئی لڑکی اسے ڈرائیو کر رہی تھی۔ گاڑی آگے جا کے رک گئی اور تیزی سے پیچھے آنے لگی۔ میں ٹھہر گیا۔ وہ پارو تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے چشمہ اتارتے ہوئے گھور کے مجھے دیکھا۔ ''موہن داس تم؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''تم کہاں غائب تھے؟''

میرے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ چھا گئی۔ ''آپ کو نہیں معلوم؟''

''کیا مطلب؟'' وہ ناراضگی سے بولی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''آپ سے میری مصروفیات کب پوشیدہ ہیں؟'' میں نے اپنا غصہ دبانے کی

کوشش کی لیکن پھر مجھے خیال آیا۔ ممکن ہے اس سازش میں پارو کا کوئی ہاتھ نہ ہو۔

وہ برہم ہو گئی۔ ''بھون میں سب تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔''

''ہونہہ۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔ ''حیرت ہے' وہاں ملازموں کی کیا کمی ہے' ایک نہیں' دوسرا آ گیا۔''

''کیا تم پر پھر کوئی مصیبت پڑی ہے؟ یہ نشانات' یہ بندوق' تمہارا یہ لباس۔ موہن داس مجھے بتاؤ' تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ ''کیا تم اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں کرتے؟ میں نے پرسوں رات تمہیں تلاش کیا تھا کیونکہ دنیش باہر گیا ہوا تھا مگر تم بھی نظر نہیں آئے۔ پھر کل رات بھی میں تمہیں دیکھتی رہی۔''

''پارو رانی! بھگوان کے لیے یہ کھیل ختم کیجیے۔ میں نے بہت برداشت کیا ہے۔ اگر آئندہ یہ کھیل کھیلا گیا تو میں ایک ایک کر کے سب کو گولی سے اڑا دوں گا۔'' میں نے طیش میں کہا۔

''تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو موہن!'' وہ پیار سے بولی۔ ''میں اب بھی تم سے دھوکہ نہیں کر سکتی۔ آؤ میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں بھون تک پہنچا دوں۔''

''شکریہ پارو رانی! آپ کا راستہ کھوٹا ہوگا۔ میں محفوظ چلا جاؤں گا۔'' میں نے بندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آؤ آؤ بیٹھو۔'' اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ''پاگل نہیں بنتے۔ میں جانتی ہوں کہ تم ایک ملازم نہیں ہو اور اب تم میرے ہو۔'' آخری جملہ اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ اس پر کسی کافر کو بھی یقین آ جاتا۔ مجھ سے اس کا اصرار رد نہیں کیا گیا۔ میں بندوق سنبھال کے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ''سچ سچ بتاؤ کہاں تھے؟'' وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔

''لمبی داستان ہے لیکن میں نے ان کے چہرے دیکھ لیے ہیں۔ شاید وہ دوبارہ جرات نہ کر سکیں۔''

''کون تھے وہ؟'' اس نے پیچھے مڑ کے حیرت سے پوچھا۔

''کرائے کے چند آدمی۔ حرامزادے نہیں جانتے تھے کہ ان کا واسطہ کس شخص سے پڑا ہے۔''

''پوری بات بتاؤ۔'' وہ اسٹیرنگ گھماتے ہوئے بولی۔

''پارو رانی! یہ بتایئے اگر میں مر جاتا تو آپ کیا محسوس کرتیں؟''

''میں۔'' اس نے سر کو جھٹکا دے کے اپنی زلفیں درست کیں۔ ''اس بات کا جواب تمہیں خود کسی دن معلوم ہو جائے گا۔''

''دیکھیں' یہ گنہگار آنکھیں اور کیسے کیسے مناظر دکھاتی ہیں۔''

''تم نے بات نہیں بتائی۔'' وہ تشویش سے بولی۔

''کسی وقت تفصیل سے سنیئے گا۔'' میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

''رات کو آؤ گے؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''دیکھئے۔ میں تو ہر رات آپ کے ساتھ ہی گزارنا چاہتا ہوں۔''

''کاش ایسا ہوتا۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔

میں نے اس سے کہا بھی کہ وہ مجھے پرکاش بھون کے صدر دروازے کے پاس چھوڑ دے مگر وہ نہیں مانی۔ دربانوں نے اس کی کار دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ ان میں رام پرشاد دربان بھی تھا۔ میں نے اسے زہریلی نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کے پہلے مجھے بعد میں پارو کو نمسکار کیا۔ بندوق میرے ہاتھ میں تھی۔ میں گھوڑا دباتے دباتے رہ گیا۔ میں نے اسے زندگی کے چند دن اور ادھار دے دیئے۔ ''کہاں اترو گے؟'' پارو نے اندر داخل ہو کے مجھ سے پوچھا۔

''کہیں بھی اتار دیجئے۔ آگے کا راستہ میں جانتا ہوں۔''

اس نے مہمان خانے کے قریب گاڑی روک دی۔ جیسے ہی میں نے موٹر سے باہر قدم نکالا' میری ٹانگیں مفلوج سی ہو گئیں۔ مہمان خانے کی چہار دیواری کے باہر وہی سادھو کھڑا تھا جس کی تلاش میں کل صبح میں اس کے استھان پر گیا تھا اور جہاں سے واپسی پر میں نے اپنی زندگی کا ایک ہولناک دن گزارا تھا۔ اس کے تیور کچھ کم جارحانہ نہیں تھے۔ اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں اس نے دنیش چندر کو میرے بارے میں سب کچھ بتا نہ دیا ہو۔ جو دن میں اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ پر اندھوں کی طرح اعتماد کیا جاتا تھا۔ بندوق پر میرے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی۔ ''بالک! مجھے تلاش کرنے گیا تھا؟'' سادھو نے میرے مقابل آ کے سرد آواز میں کہا۔

میں نے سوچا کہ اس کے اس سوال کا جواب بندوق کی گولی سے دوں۔ اس سے بہتر نشانہ ممکن نہیں تھا لیکن میرے ہاتھ کانپ کے رہ گئے۔ میں نے اس کے لہجے

کی سردی اپنے جسم میں محسوس کی۔ ''ہاں مہاراج!'' میں نے تذبذب سے کہا۔ ''میں نے سوچا۔ آج تم سے نمٹ آؤں۔ تمہارے چرن چھونے گیا تھا۔ سیوکوں نے بتایا کہ تم ابھی ابھی موجود تھے' نہ جانے اچانک کہاں چلے گئے۔ میں نے بہت انتظار کیا' پھر تھک کے چلا آیا۔'' میں نے بتدریج اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کی۔

اس کی آنکھوں میں آگ جلنے لگی۔ ''میں نے تیری مشکل آسان کر دی' خود یہاں چلا آیا۔''

میرے رگ و پے میں سنسناہٹ سی دوڑی ہوئی تھی۔ ''مہاراج!'' میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ''تم ہی نے تو بلایا تھا۔''

وہ مسکرانے لگا۔ ''سادھو سنتوں سے دل لگی کرنا چھوڑ دے بالک! من اجلا کر لے۔'' سادھو نے سپاٹ آواز میں کہا۔

گویا اسے معلوم تھا کہ میں کس ارادے سے گیا تھا؟ میں نے ایک ایسے شخص کی طرح نظریں چرا لیں جو چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا جائے۔ ''اگر تم سب کچھ جانتے ہو تو تمہیں وجہ بھی معلوم ہو گی۔''

وہ سر ہلانے لگا۔ ''سادھوؤں کو اپنے گز سے مت ناپ۔ تیرے اندر بڑی شکتی ہے۔ پر ایسا مورکھ بھی مت بن۔''

''میری انگلی پکڑ لو مہاراج!'' میں نے لہجہ بدل کے عاجزی سے کہا۔

''پہلے اپنے آپ کو پہچان لے۔ کچھ دن اور کھیل لے۔ پر دیکھ سنبھل سنبھل کے قدم بڑھانا۔ اسے نراش مت کرنا' اسے کھو مت دینا۔'' میری عاجزی کا اثر یہ ہوا کہ سادھو کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا۔

''مجھے شما کر دو مہاراج!'' میں نے اس کے چرن چھوتے ہوئے کہا۔ ''یہ اندھیرا دور کر دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے' اس میں میری مرضی کو دخل نہیں تھا۔''

''مجھے کیا بتاتا ہے؟'' وہ برہمی سے بولا۔ ''سن رے' ایک بات کان کھول کے سن لے۔ اگر تو نے اسے کھو دیا تو تجھ سے بڑا ابھاگی کوئی نہ ہو گا۔''

''تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

وہ تیزی سے مالا جپنے لگا۔ ''دیکھ رے' جب تیرا جی اس سنسار سے بھر جائے۔'' اس نے بھون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تو میری طرف آ جانا لیکن

شرط یہی ہے کہ پھر ہردے میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔ کھوٹ رہی تو تو جانے اور وہ جانے۔ پتہ نہیں' اس کے من میں کیا ہے؟'' وہ پرخیال انداز میں بولا۔

''پنڈت ایشوری لال بھی یہی کہتا ہے۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

''کون ایشوری لال؟'' سادھو نے تجسس سے پوچھا۔

''وہی کرچھے والا پنڈت۔ نہ جانے وہ کیا چاہتا ہے؟ میرے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ ایک دن تو میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لئے کہا۔

''کسی چکر میں مت پڑ جانا۔'' وہ ناراضگی سے بولا۔ پنڈت کے ذکر پر اس کے طمطراق کا وہ عالم نہیں رہا جو پہلے تھا۔ ''جتنی جلدی ہو' اس مایا جال سے نکل کے میرے پاس آ جانا۔'' اس نے اپنے لہجے پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا ہونا چاہیے؟''

''مہاراج ذرا کھل کے بتایئے۔'' میں نے اپنی طرف اس کی رغبت دیکھ کے اپنائیت سے کہا۔ ''آخر تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو اور تمہیں کس سے کا انتظار ہے؟ میں تمہارے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہوں۔''

''تو چل' میرے ساتھ چل۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''کہاں؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''پہاڑوں میں' یہاں سے دور' بہت دور۔''

''واپسی کب ہوگی؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''واپسی کا خیال دل سے نکال دے' وہاں جائے گا تو تجھے واپس آنے کا ہوش بھی نہیں رہے گا۔''

''پھر کیا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پھر۔ تیرے چرن چھونے کے لیے منش دور دور سے آیا کریں گے۔ تیرا ہردے ایک مندر ہوگا۔ گلاب کے پھول کی طرح نازک۔ اوس کی طرح شیتل۔''

''یہ سب کچھ کہاں اور میں کہاں؟'' میں نے ہنس کر ٹالتے ہوئے کہا۔

''اپنے بھاگیہ ایسے کہاں مہاراج؟ اس کے لیے من مارنا پڑتا ہے اور میرے من پہ بڑا بوجھ ہے۔''

''سے آ سکتا ہے۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''پہاڑی پر آیا کر اور جب تیرا من اوب جائے تو کسی سے آ جانا۔ تیرا من ضرور اوب جائے گا۔ سنسار میں بڑے

کانٹے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ خوب کھل کھیل لے اور جب کوئی راستہ نہ ملے تو ادھر آ جانا۔ پر درمیان میں ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو جائے۔ جلدی آنے کی کوشش کرنا۔''

''تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟'' میں نے نیازمندی سے پوچھا۔

''تجھ سے کون ناراض ہو سکتا ہے؟'' وہ مسکرا کے بولا۔

''مہاراج! میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔ ابھی مجھے سنسار ہی کے کچھ جھگڑے بھگتانے ہیں۔ جب تک میں انہیں بھگتا نہیں لوں گا' میرا من شانت نہیں ہوگا۔'' سادھو کے پاس کھڑے کھڑے مجھے الجھن ہونے لگی تھی اور کم از کم اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اس نے کسی سے میرے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ اس سے گفتگو کے بعد میرے ذہن میں بہت سے اندھیرے چھٹ رہے تھے۔ میں اس کے سامنے زیادہ دیر کھڑے ہو کے مروت میں کوئی عہد کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کرچھے والے پنڈت کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں جو سرخی' ماتھے پر جو شکن اور انداز میں جو برہمی آئی تھی' اس نے مجھے خاصا پرامید اور پراعتماد کر دیا تھا۔ کچھ یقیناً کوئی ایسی ہستی تھی جس کی کشش انہیں میری طرف کھینچتی تھی۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ وہ مجھ سے چھن نہ جائے۔ دونوں بار بار اس خدشے کا اظہار کرتے تھے۔ سادھو سے میرا خوف بڑی حد تک کم ہو گیا۔ پھر بھی وہ ایک بڑا سادھو تھا جو ارادے پہچان لیتا تھا اور جسے اپنے غیاب میں ہونے والی باتوں کا علم ہو جایا کرتا تھا۔ ''مہاراج!'' میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کے بوسہ دیا۔ ''بس تمہاری طرف سے یہ سہارا چاہیے کہ تم مجھے راستہ دکھانے کے لیے موجود ہو۔'' میں نے انکسار سے کہا۔

سادھو نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے پرانا جملہ دہرایا۔

''میں تیرا انتظار کروں گا۔''

مجھے سب سے زیادہ فکر ڈالی اور شاردا کی تھی لیکن میں اپنے اس حلیے میں سب سے پہلے دنیش چندر سے ملنا چاہتا تھا۔ گھر جانے کے بجائے میں سیدھا دنیش چندر کے محل کی طرف بڑھنے لگا۔ راہداری کے پاس بیٹھا ہوا دربان مجھے دیکھ کے چونک پڑا اور اٹھ کے میری خیریت پوچھنے لگا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دنیش چندر کے سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ راجکمار کل سے متعدد بار مجھے پوچھ چکے ہیں۔ ''اندر کون ہے؟'' میں نے تحکمانہ انداز سے پوچھا۔

"راجکمار راجکماریوں اور چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اندر جانے کا ارادہ بدل دیا۔ "فون پر اطلاع دے دو کہ موہن داس واپس آ گیا ہے اور تھوڑی دیر میں لباس تبدیل کر کے حاضر ہوتا ہے۔"

سیکرٹری کے ریسیور اٹھانے سے پہلے میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ ڈالی دروازے کے باہر دھوپ میں میرا انتظار کر رہی تھی۔ منہ زرد پڑا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کے وحشت زدہ انداز میں میری طرف دوڑی۔ دوسرے ملازم اس کی بے قراری حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب میری خیریت پوچھنے میرے گرد جمع ہو گئے۔ "کہاں تھے بھیا موہن داس! ڈالی سے تو کہہ کر جاتے' رو رو کے اس نے یہ حال کر لیا ہے۔"

"چل اندر چل۔" میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور گڈے کو گود میں لے لیا۔ دونوں بری طرح رو رہے تھے۔ اندر جا کے ڈالی سسکنے لگی۔ کچھ بات ہی نہیں کرتی تھی۔ بس آنسو بہائے جاتی تھی۔ میں نے دروازہ بند کر کے اسے سینے سے لگا لیا۔ "ڈالی! تو نے یہ تو پوچھا نہیں کہ میں کہاں مر گیا تھا' بس ٹسوے بہانے بیٹھ گئی۔"

اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ "تیرے لیے....." وہ منہ بسور کے بولی۔ اس کے منہ سے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔ "تجھے کل سے دیوانوں کی طرح جگہ جگہ تلاش کر رہی ہوں۔ مجھے بتائے بغیر کہاں چلا گیا؟ اگر تو آج واپس نہ آتا تو میں چوڑیاں پیس کے کھا لیتی۔"

"پاگل' تھڑدلی۔" میں نے اس کے رخسار پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "میں ایک جگہ پھنس گیا تھا۔ بس سمجھ لے زندہ واپس آ گیا اور تو خوش ہونے کے بجائے رو رہی ہے جیسے میں مر گیا ہوں۔"

"کہاں تھا تو؟" وہ بگڑ کے بولی۔

"میں ایک کام سے گیا تھا۔ راستے میں غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ خوب زور دار لڑائی ہوئی۔ میں نے سالوں سے یہ بندوق چھین لی۔ شاید کبھی کام آ جائے' بس اتنی سی بات ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اتنی سی بات ہے؟ کیوں اِترا رہا ہے رے' کسی دن ٹیں ہو جائے گا۔ یہ بندوق وندوق کا کھیل اچھا نہیں ہے موہن! خدا کے لیے باز آ جا۔"

"بس اب کچھ دنوں کی بات اور ہے۔ میں تجھے یہاں سے لے چلوں گا۔" میں نے اس کا باقی لیکچر سننے سے پہلے پیش بندی کر دی۔

"تو نہیں جائے گا۔ تیرے منہ کو خون لگ گیا ہے۔ یہاں سے میرا جنازہ ہی اٹھے گا۔ ٹھیک ہے' تو نے سوچ لیا ہے تو یہی سہی۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"اچھا یہ بتا' کچھ کھانے پینے کو ہے؟"

"کل سے کچھ کھایا ہی نہیں۔" وہ پھر رونے لگی۔ "تو گڈے کو سنبھال۔ میں تیرے لیے گھی کی روٹی پکاتی ہوں۔"

مجھے ڈالی سے خوف آنے لگا۔ حالانکہ لباس تبدیل کر کے مجھے جلد از جلد دنیش چندر کے پاس پہنچنا تھا لیکن مجھ سے ڈالی کے سامنے کسی ضروری کام سے باہر جانے کا عذر نہیں کیا گیا۔ جب سے دنیش چندر کی معاملت بڑھی تھی' ڈالی مجھ سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ڈالی میرا اخلاق تھی' وہ میرا احسان تھی' ڈالی میری رشتے دار تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا تھی۔ غالباً وہ سب کچھ تھی۔ میں نے سوچا' میں کل کسی وقت اسے راجے پور کا بازار دکھانے لے جاؤں گا۔ یہ کام تو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ اگر دنیش چندر کے لیے میں پستولوں' خنجروں اور بندوقوں سے کھیل سکتا تھا تو کیا ڈالی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا؟ کل اسے بازار لے جا کے زیورات اور کپڑوں سے لاد دوں گا اور اس سے کہوں گا کہ تو کام کرنا بند کر دے۔ اب تیرا موہن' راجکمار کا سب سے قریبی آدمی ہے۔ تو راجکماریوں کی طرح زندگی بسر کر۔ تو بھی ایک راجکماری ہے کیونکہ تو موہن داس کے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے اس کی حیثیت بڑھانے کے لیے بہت سے فیصلے کیے لیکن جب میں کپڑے پہن کے باہر نکلا تو پرشکوہ عمارتیں دیکھ کے مجھے واپس آنا پڑا۔ ڈالی کے لیے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اسے راجکماری نہیں بنا سکتا۔ جب تک ہم یہاں موجود ہیں' یہ عمارتیں ہمیں ہماری اوقات کا احساس دلاتی رہیں گی۔ ڈالی عمدہ لباس اور قیمتی زیورات پہن کے بھی ملازم رہے گی۔ ہمارا یہی مکان رہے گا۔ اس کا ماضی بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ وہ کبھی حکم نہیں چلا سکتی۔

دنیش چندر نے غالباً میری آمد کی اطلاع سن کے سب مہمانوں اور بہنوں سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اندر پہنچا تو وہ اضطراب سے ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی لپٹ گیا۔ "موہن!" اس نے وفورِ جذبات میں مجھے بھینچ لیا۔ "موہن! میری جان خیریت تو ہے؟ تمہارے ہاتھ میں یہ بندوق' چہرے پر یہ زخم کیسے ہیں؟ تم کہاں تھے؟"

"یہ بندوق دیکھ رہے ہیں آپ؟ یہ میں آپ کو بطور تحفہ پیش کرنے کے لیے لایا ہوں۔ یہ ہمارے دشمن کی نشانی ہے۔ اس سے وہ آپ کے دوست کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ نہ جانے کون سی نیکی کام آ گئی۔" میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"پھر کوئی جھگڑا؟ مجھے یہی خطرہ تھا۔ میں نے تمہاری تلاش میں اپنے آدمی جگہ جگہ دوڑائے تھے۔ تفصیل سے بتاؤ موہن کہ کیا حادثہ ہوا؟" وہ بے قراری سے بولا۔

"دنیش بابو! میں چھ سات دشمنوں کو قتل کر کے آ رہا ہوں۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر زمین اب بھی خون سے سرخ ہوگی۔ اگر وہ بے وقوف ہوں گے تو پولیس کو اطلاع دیں گے۔ آپ کے پستول کی چار پانچ گولیاں بھی کام آ گئیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اف یہ کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں اور کہاں زخم آئے ہیں؟" میں نے کوٹ اور قمیض اتار کے اسے اپنا جسم دکھایا۔ "ارے؟ انہوں نے تمہیں کوڑوں سے مارا ہے۔"

"لیکن یہ سب کام انہوں نے میری بے ہوشی میں کر لیا۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے ان کے دو آدمی اور مار دیئے۔ اب ان زخموں سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی ہے بلکہ ایک طرح کی لذت مل رہی ہے۔"

"موہن! پورا واقعہ سناؤ۔ کون تھے وہ؟" وہ غصے سے بولا۔ "میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

"میں صبح اس سادھو سے ملنے جا رہا تھا جو گزشتہ رات گاڑی کے سامنے آ گیا تھا۔ واپسی میں انہوں نے مجھے گھیر لیا۔" میں نے کیچو کے ذکر کے سوا پوری تفصیل اسے سنا دی۔ جیسے جیسے وہ یہ روداد سنتا گیا' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے' وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"وہ تو کرائے کے آدمی تھے' یہ پوچھیے' ان کے پیچھے کون ہے؟"

"کون ہے؟ تم نے کوئی سن گن لی؟"

"ظاہر ہے وہ آپ کے دشمن تھے۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں آپ سے اتنا قریب رہوں۔"

"ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولا۔ "مگر جگدیپ تو بیمار پڑا ہے۔"

"کیا وہ بستر سے احکام جاری کرنے سے بھی معذور ہے۔ یہاں اس کے

دوستوں کی کیا کمی ہے؟ دربان نے اپنے سے کسی بڑے بدمعاش کو اطلاع دی' بدمعاش آپ کی کسی بہن کے پاس گیا' بہن جگدیپ کے پاس اور پھر......"

"ہمیں اس کا جواب دینا ہوگا۔ یہ بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔"

"نہ صرف جواب دینا ہوگا بلکہ کچھ سوال بھی کرنے ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے موہن!" دنیش گھمبیر آواز میں بولا۔ "کہ دوستی نبھانے کا موقع صرف تمہی کو مل رہا ہے۔ میں یہاں عورتوں کی طرح بیٹھا تماشا دیکھ رہا ہوں۔"

"یہی کیا کم ہے کہ آپ مجھ سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"موہن! اس پورے بھون میں آگ لگا دینے کو جی چاہتا ہے۔"

"یہی وہ بھی چاہتے ہیں۔ اس طرح تو ان کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ ذرا صبر سے کام لیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں چند ناپسندیدہ کام کر سکوں۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اجازت لینے کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟ کیا تمہیں شک ہے کہ میں تمہارا کوئی عمل ناپسندیدگی سے دیکھوں گا؟"

"نہیں مگر میں کچھ فیصلے اپنے طور پر کرنے کی اجازت مانگتا ہوں۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

"تم میرا اعتماد ہو۔" وہ جوش سے بولا۔ "یقین کرو' میں کل دن بھر بے چین رہا۔ آج صبح مہاراجہ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تم اچانک اپنا دورہ مختصر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ جلد ہی واپس آ جاؤ گے۔"

"اور ان کا فون؟" میں نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کنول نے بھی بات کی تھی۔" وہ مسکرا پڑا۔ "یہ سب تمہارا کرشمہ ہے۔ آج اس نے مجھے پہلی بار فون کیا ہے۔"

"آگے آگے دیکھیے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"آگے تو مجھے بہت جنجال نظر آتا ہے موہن!" وہ اداسی سے بولا۔

"اور کہیے۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے کہا۔ "ترنم سے ملاقات ہوئی؟ آج پروگرام رکھیں گے؟"

"یاد آ رہی ہے۔" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

''ہاں کچھ کچھ۔''

''رات کو پھر ہنگامہ رہے گا مگر تم کتنی راتوں سے نہیں سوئے ہو' ذرا آرام کر لو۔ کل رات اسے بلائیں گے اور بھی لوگ ہیں' تم کہو گے تو یہاں انبار لگا دیا جائے گا۔''

''رات کو مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ شب و روز سوچنے اور جاگنے ہی سے ہم اپنے دشمنوں پر قابو پائیں گے۔ اس پستول میں گولیاں بھر دیجئے۔''

''کیا؟ تم بھون سے باہر جانا چاہتے ہو؟ کیا ارادہ ہے؟ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' وہ مچل کے بولا۔

''نہیں۔ میں رات بھون ہی میں گزاروں گا۔ شاید مجھے دو ایک آدمیوں کا خون کرنا پڑے۔'' میں نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔

''اجازت ہے۔ تمہیں خون بہانے کی مکمل اجازت ہے۔'' اپنی زندگی محفوظ کرنے کے لیے یہ درندگی لازم ہے۔''

''میں رات کو دیر سے آؤں گا۔ اتنے اہم کام کرنے کے بعد یقیناً کچھ آرام کرنے کو جی تڑپے گا۔ آپ ترنم کو بلا کے اس سے لطف لیجئے گا۔ ادھر میں اپنے کام نمٹا کے آؤں گا۔ آج رات مجھے کچھ زیادہ سرگرم رہنا پڑے گا۔اس دہشت سے کچھ دن کے لیے سکون ہو جائے گا۔''

''میں احتیاطاً تمہیں دوسرا پستول دے دیتا ہوں۔''

اسی وقت سیکرٹری نے فون کے ذریعے اطلاع دی کہ آفیسر اِن کمانڈ کی صاحبزادی ریتا ہارڈنگ ملاقات کی متمنی ہیں۔ وہ آفتِ جاں ایسے وقت پر آئی جب میں اسے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتا تھا۔ چار و ناچار مجھے دوسرے کمرے میں جانا پڑا۔ کوئی اور ہوتا تو دنیش اسے منع کروا دیتا مگر وہ اس کے آقا کی لڑکی تھی۔ یہ بھی کچھ کم اعزاز کی بات نہیں تھی کہ اس نے ادھر کا رخ کر لیا تھا۔ بڑے بڑے فیصلے کرانے میں یہ چھوٹے چھوٹے تعلق بہت کام آتے ہیں۔ انگریز کی خوشنودی باعثِ سعادت تھی۔ میں دوسرے کمرے میں پردے کی اوٹ لے کے کھڑا ہو گیا اور ریتا کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بہت خوبصورت لباس میں آئی تھی۔ دنیش نے بڑھ کے اس کا استقبال کیا اور دربان کو حکم دیا کہ وہ شاردا کو بھیج دے۔ شاردا کے نام سے میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ ریتا حسب توقع پروفیسر سے ملنے آئی تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ پروفیسر اچانک

راجے پور سے رخصت ہو گیا ہے تو اچھی خاصی اداس ہو گئی اور کہنے لگی۔ ''میں' تھی' وہ اس کی دلچسپی کا آدمی کو اپنا ہاتھ دکھانے آئی تھی۔''

دنیش نے اس سے پنڈت ایشوری لال کا تذکرہ کیا اور سیکرٹری کو حکم د وہ مہمان خانے کے مندر یا بڑے مندر سے پنڈت ایشوری لال کو فی الفور یہاں لا ـ کا انتظام کرے۔ ریتا' پنڈت ایشوری لال اور شاردا کی بیک وقت آمد کا اعلان سن کے میرے جسم میں کچھ زیادہ ہی حدت پیدا ہو گئی لیکن میں اپنی جگہ کھڑا باہر کا منظر دیکھتا رہا۔ شاردا آئی تو چہرہ ستا ہوا تھا جیسے وہ رات بھر جاگی ہو۔ لباس بھی اس نے ہلکا سا پہن رکھا تھا۔ میں اسے دیکھ کے مضطرب ہو گیا۔ دنیش نے ریتا سے اپنی بہن کا تعارف کرایا' میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ مشرق و مغرب کے حسن و جمال کا ایک دلکش منظر میرے سامنے تھا۔ ریتا نے اس سے پرسوں رات والے پروفیسر کی ہمہ جہت شخصیت کا ذکر کیا تو شاردا' دنیش سے اس کے متعلق پوچھنے لگی۔ دنیش نے شاید اس پہلو پر نہیں سوچا تھا' وہ سٹپٹا گیا۔ ریتا کی موجودگی میں ہندوستانی میں اسے جواب دینا بے ادبی تھی۔ آقا کی لڑکی ناراض ہو جاتی' اس نے ٹالنے کی کوشش کی کہ ''تم نے پروفیسر زاہدی کو نہیں دیکھا؟''

''نہیں۔'' شاردا متعجب ہو کے بولی۔ ''وہ ہمارے مہمان تھے۔''

''ہاں۔'' دنیش نے جھنجلا کے کہا۔ ''کوئی چار دن رہے۔''

''کیا ان کا موضوع مشرق کی طلسمی داستانیں تھا؟''

''ہاں۔'' دنیش نے بے دلی سے کہا۔

''تم نے مجھے نہیں ملوایا ان سے؟ وہ کس وقت آئے تھے؟ تعجب ہے۔ حالانکہ میں پرسوں رات بھی یہاں بیٹھی تھی۔ تم اب بہت گم ہوتے جا رہے ہو۔'' وہ شکوہ کرنے لگی۔ پھر اسے اچانک میرا خیال آیا۔ ''سنا ہے موہن داس واپس آ گیا؟''

''ہاں۔ وہ اندر موجود ہے۔'' دنیش کے منہ سے نکل گیا۔

''اچ چھا۔'' شاردا کے لہجے میں مسرت پھوٹنے لگی۔ ''وہ کہاں گیا تھا؟''

''بتاؤں گا۔'' دنیش نے گھبرا کے کہا اور ریتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''کہیے مس ریتا! آپ نے یہاں شکار بھی کھیلا؟''

''نہیں' ابھی کہاں؟ سنا ہے راجے پور میں شیر بھی ہیں؟''

''کیوں نہیں؟ ہم آپ کو شکار کرائیں گے۔''

"سچ یہ تو بہت دلچسپ بات ہوگی مگر شکار کا لطف پروفیسر کے بغیر کہاں آئے گا۔ وہ آ جائیں' اس وقت پروگرام بنایئے گا۔"

اتنی دیر میں کرچھے والا پنڈت بھی اندر آ گیا۔ دنیش نے ریتا سے اس کا تعارف کرایا اور ایشوری لال سے ادب کے ساتھ درخواست کی کہ وہ ریتا کا ہاتھ دیکھ کر کچھ پیش گوئیاں کرے۔

انگریزوں کو متاثر کرنے کے لیے اس سے اچھا طریقہ ہندوستانیوں کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی مشینوں' اوزار اور مادیت سے متاثر کرتے ہیں تو مشرق والے اس کی ضد سے۔ پنڈت ایشوری لال نے اپنا دھواں دیتا ہوا کرچھا ریتا کے گرد گھمایا اور آنکھیں بند کیں۔ وہ کوئی چھوٹا موٹا پنڈت تو بہرحال نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ "پتری! تیرا دل ایک منش میں پڑا ہے اور وہ اسی دھرتی کا آدمی ہے۔"

دنیش نے اس کا ترجمہ کیا تو ریتا شرما گئی۔ "اس زمین کا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

پنڈت نے جواب دیا۔ "ہاں اسی دھرتی کا۔"

لیکن دنیش نے اس کے ترجمے میں ترمیم کر دی۔ "مشرق کا۔"

"اوہ۔" ریتا کھل اٹھی۔ پوچھنے لگی۔ "کیا وہ بھی؟" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

دنیش نے پنڈت سے پوچھا۔ "کیا وہ بھی ان سے متاثر ہے؟"

پنڈت کچھ سوچنے لگا۔ "وہ بڑا آدمی ہے۔ اس کی شکتی بڑی ہے۔ اسے اپنی طرف لانے کے لیے پتری کو بہت تیاگ دینا ہوگا۔"

دنیش نے فصیح انگریزی میں ترجمہ کر دیا۔

"میں کیا کروں؟" ریتا جھجکتے ہوئے بولی۔

"بھگوان سے لو لگا۔ وہ تیرا ہو جائے گا۔ اسے تلاش کر۔"

پنڈت ایشوری لال ریتا کو چونکا دینے والی باتیں بتاتا رہا اور ادھر مجھے متاثر کرتا رہا لیکن میں زیادہ نہ سن سکا کیونکہ شاردا معذرت طلب کر کے اندر کے کمرے میں آ رہی تھی جہاں میں کھڑا تھا۔ اسے آتا دیکھ کے میں کام میں مصروف ہو گیا۔

"موہن!" وہ اندر آ کے سرگوشی میں بولی۔

"جی دیدی جی!" میں نے مڑ کے دیکھا۔ وہ اداس کھڑی تھی۔

"تم کہاں تھے؟" اس نے میرے قریب آ کے شکایتی انداز میں پوچھا۔

اس لیے کہا کہ پنڈت نے ریتا سے جس پروفیسر کے بارے میں پیشگوئی کی تھی' وہ اس نے سن لی تھی۔ اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ پروفیسر میں ہی تھا تو وہ ریتا کی دلچسپی کا بھی یقین کر لیتی۔

"میں باہر جاتی ہوں اور تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے' میں آ رہا ہوں۔" میں نے گردن اکڑا کے کہا۔

میں تھوڑی دیر بعد سہا ہوا باہر نکلا۔ دنیش مجھے کمرے میں دیکھ کے ششدر رہ گیا۔ ریتا پنڈت کی سحر انگیز باتوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ پنڈت ایشوری لال کمبخت مجھے سونگھ کر خاموش نہ رہ سکا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

"مہاراج!" وہ میرے پاؤں چھونے کے لیے آگے بڑھا۔

"پنڈت ایشوری لال!" میں نے ناراض ہو کے کہا۔ "یہ کیا مذاق ہے؟"

میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔

"مہاراج! شما کر دو۔ بھول ہو گئی۔" اسے اچانک خیال آ گیا اور وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا جی چاہا اسے اٹھا کے باہر پھینک دوں۔ دنیش' شاردا اور ریتا حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پنڈت ایشوری لال جیسا بڑا پنڈت مجھ سے جس انداز میں مخاطب ہوا تھا۔ وہ سب کے لیے چونکا دینے والا تھا۔ اس رات دنیش کی موجودگی میں سادھو سامنے آ گیا تھا۔ پنڈت نے پشیمانی سے گردن جھکا لی تھی۔

"یہ کون شخص ہے؟" ریتا نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے پروفیسر......"

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ دنیش چندر نے ہنستے ہوئے اس کا جملہ اُچک لیا۔

"یہ ہمارا خاص ملازم موہن داس ہے۔"

"اچ چھا۔" اسے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ تذبذب سے بولی۔ "یہ تو پنڈت اسے دیکھ کے اس طرح کیسے کھڑے ہو گئے؟ کیا یہ کوئی اہم آدمی ہے؟"

"نہیں۔ عبادت گزار زیادہ ہے' پوجا پاٹ میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے پنڈت سادھو اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

"حالانکہ یہ بیچارہ جاہل ہے۔" شاردا نے مجھے دیکھ کے دنیش کو سہارا دیا۔

میں نے محسوس کیا کہ ریتا بار بار مجھے دیکھ رہی ہے۔ کافی پینے کے دوران میں بھی اس کی نگاہیں میری طرف سے نہیں ہٹیں۔ پنڈت ایشوری لال اب بالکل

خاموش ہو گیا تھا۔

”کیا آپ مجھے پروفیسر کا پتہ دے سکتے ہیں؟“

”وہ سیلانی آدمی ہے‘ اس کا کیا پتہ ٹھکانا۔ آج یہاں‘ کل وہاں۔“ دنیش نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اگر اس کا فون آیا تو میں ضرور معلوم کر کے آپ کو فون کر دوں گا۔“

”آپ کا یہ ملازم بھی شاندار شخصیت کا مالک ہے۔“ ریتا نے مجھے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ وہ اسے آپ سے مانگ لیں۔“

”یہ تو زیادہ تر مندر میں رہتا ہے۔ یہ یہاں سے نہیں جائے گا۔ عجب بے فکرا اور مست آدمی ہے۔“

”تک چڑھا‘ بدزبان اور اکھڑ بھی۔ آپ کے لیے اور اچھے ملازم فراہم کر دیئے جائیں گے۔“ شاردا نے کہا۔

وہ ایک انگریز لڑکی تھی۔ انہیں پریشان کرتی رہی اور میری طرف دیکھ دیکھ کے مسکراتی رہی۔ میں نظریں بچاتا رہا۔ آخر کسی طرح وہ مغرب کے وقت ٹلی تو شاردا اور دنیش اسے چھوڑنے گئے۔ جیسے ہی وہ گئے‘ پنڈت میرے پیروں پر گر پڑا۔ وہ شاید اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔ ”مجھے شما کر دو مہاراج!“ اس نے گڑگڑا کر کہا۔ ”سیوک کو کوئی کام دو۔“

”تم بالکل گدھے آدمی ہو۔“ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ میں شاید اسے اور برا بھلا کہتا مگر اسی وقت شاردا اور دنیش اندر داخل ہو گئے۔ پنڈت پھر سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا بات ہے مہاراج؟ تم موہن داس پر اتنے مہربان کیوں ہو؟“ دنیش نے آتے ہی پوچھا۔

پنڈت سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ”راجکمار!“ وہ اٹک اٹک کے بولا۔ ”مجھے اس کے ماتھے پر اَوتاروں کی لکیریں نظر آتی ہیں۔“

”یقیناً یقیناً۔“ دنیش چندر الجھتے ہوئے بولا۔ ”اس کے ماتھے پر لکیروں کا بہت بڑا جال ہے۔ کبھی ہم بھی دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔“

”پرنام‘ پرنام۔“ پنڈت سب کو سلام کرتا اور مجھے گھورتا ہوا باہر جانے لگا۔ اس کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ یہاں سے چپکے سے نکل لے لیکن وہ

کمبخت مجھے مصیبت میں چھوڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد شاردا اور دنیش کچھ دیر تو گم سم رہے‘ وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہ مجھے معلوم تھا۔ اس لیے میں نے خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی۔

مجھے احساس تھا کہ میں کسی دن ضرور عیاں ہو جاؤں گا‘ پھر کیا ہوگا؟ یہ پنڈت‘ سادھو اور کیچو مجھے کہیں کا نہ رکھیں گے۔ شاردا کا راز بھی کھل جائے گا۔ میں نے سوچا‘ دنیش چندر کو جا کے سب کچھ بتا دوں۔ اس نے مجھ سے اتنے بڑے عہد کیے ہیں تو یہ اس کی آزمائش کا بہترین موقع ہوگا لیکن میرے اندر خود کو منکشف کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ شاید میں نے بہت جھوٹ بولے تھے۔ دنیش چندر سے نیا پستول لینے کی بات رہ گئی۔ میں نے اپنا پروگرام نہیں بدلا۔ ایک پستول تو میرے ساتھ تھا‘ رات کو میں یونہی گھومتا گھامتا رام پرشاد کو تلاش کرتا ہوا صدر دروازے پر گیا۔ وہ وہاں نظر نہیں آیا تو میں نے اس کے کوارٹر کی راہ لی اور ادھر ادھر تاک کے چپکے سے دستک دی۔ جیسے ہی وہ باہر آیا‘ میں نے پستول تان لیا۔ ”میرے ساتھ باغ تک چلو۔“ میں نے حکم دیا‘ وہ سکتے میں رہ گیا۔ پھر گھگھیانے لگا۔ ”بکواس بند کرو ورنہ یہ گولی تمہارے سینے سے پار ہو جائے گی‘ چپ چاپ چلے چلو۔“

رام پرشاد نے اپنے گھر کی طرف مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔ وہ نیپالی نقش و نگار کا شخص تھا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا اور اسے باغ کے سنسان علاقے میں لے آیا۔ ”رام پرشاد!“ میں نے اس کے گال پر ایک زبردست تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے میرے بارے میں کل کسے بتایا تھا؟“

”کسی کو بھی نہیں۔“ وہ لرزتا ہوا بولا۔

میں نے دو تین طمانچے اور جڑ دیئے۔ وہ دور جا کے گرا۔ میں نے پھر پستول تان لیا۔ ”بتاؤ ورنہ میں تمہیں ختم کر دوں گا۔“

”بتاتا ہوں‘ بتاتا ہوں۔ مجھے مت مارو‘ مت مارو۔“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں نے تیواری کو بتایا تھا۔“

”وہی تیواری جو بھون کے محافظوں کا نگران ہے؟“

”ہاں۔“ اس نے روتے ہوئے کہا اور مجھے ساری بات بتا دی۔ تیواری کا حکم تھا کہ جب بھی میں باہر نکلوں‘ اسے فوراً مطلع کیا جائے۔ میں نے رام پرشاد کو مارنے کا خیال ترک کر دیا اور اس کے ساتھ تیواری کے کوارٹر کا رخ کیا۔ میں رام

پرشاد کا نشانہ لیے دور کھڑا رہا۔ رام پرشاد کی دستک پر تیواری آیا۔ شاید رام پرشاد نے یہ کہا ہوگا کہ وہ اس کے لیے اہم خبر لایا ہے۔ تیواری نے اپنے کواٹر کا دروازہ بند کیا اور رام پرشاد کے ساتھ باغ میں آ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ باغ میں ایک جگہ جا کے تیواری اس سے پوچھ رہا تھا۔ ''بتاتا کیوں نہیں حرامزادے! یہاں کیوں لے آیا؟''

''میں بتاتا ہوں الو کے پٹھے۔'' میں نے پیچھے سے گرج کر کہا۔ تیواری معقول تن و توش کا آدمی تھا لیکن پستول ایسی کمینی شے ہے کہ اسے دیکھتے ہی آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ ''تیواری! جو میں پوچھوں' سچ سچ بتانا۔ تو نے کل رام پرشاد کی اس رپورٹ سے کسے مطلع کیا تھا کہ میں باہر جا رہا ہوں؟''

''کسی کو بھی نہیں۔'' تیواری کی حالت رام پرشاد کی حالت سے مختلف نہیں تھی۔

''تو تو جلد مرنا چاہتا ہے' دیکھ رہا ہے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اور میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ سمجھا۔''

''میں نے کماری پریت سے کہا تھا۔ انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہارے بارے میں انہیں بتاتا رہوں۔ میں تو حکم کا غلام ہوں موہن داس بابو!''

''تمہی تمام حکم کے غلاموں نے سارا کام خراب کیا ہوا ہے۔ جب تک تم جیسے نمک حرام چن چن کر ختم نہیں ہو جائیں گے' یہی حال رہے گا۔ مجھے افسوس ہے تیواری! تیرے دن ختم ہو گئے ہیں۔ تو نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی اور چھ سات آدمیوں کا خون کرایا۔ یہ صرف تیری اطلاع پر ہوا۔ میں تجھے شوٹ کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کے میں نے گولی چلا دی' تیواری وہیں گر گیا۔ رام پرشاد دہشت سے بے ہوش ہو گیا۔ میں نے ان دونوں کو اٹھا کے حوض میں ڈال دیا۔ رام پرشاد کچھ اچھلا کودا مگر پانی سے باہر نہیں آ سکا۔ میرے پستول میں صرف ایک گولی تھی ورنہ میں اسے اس اذیت ناک موت سے بچا لیتا۔ بہرحال پریت دیدی اور جگ دیپ بہادر اور ان کے گرگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جواب اس طرح دیا جاتا ہے۔

اس کام سے نمٹ کر میں دوبارہ دنیش چندر کے حصے کی طرف چلا گیا۔ سب سے پہلے میں جگدیپ کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے لبوں پر میرے دیدار سے ایک لرزاہٹ پیدا ہوئی اور اس کی آنکھوں میں سارے جہاں کی نفرت سمٹ آئی۔

''راجکمار کی طبیعت کیسی ہے؟'' میں نے سعادت مندی سے پوچھا۔

''بہتر ہوں۔'' اس نے مضبوط آواز میں جواب دیا۔ غصہ اس میں شامل تھا۔

''تم کیسے ہو؟''

''زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں۔ روز موت کا انتظار کرتا ہوں۔ پر موت ادھر پھٹکتی ہی نہیں' کسی اور طرف نکل جاتی ہے۔''

''طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد تم سے بات ہوگی موہن داس!''

''میں راجکمار کے حکم کا منتظر رہوں گا۔ ابھی راستے میں ایک سادھو ملا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تیری قسمت میں بڑے راج لکھے ہیں۔ لمبی عمر پائے گا' سارے دشمن ختم ہو جائیں گے۔ پتہ نہیں اور کیا کیا کہتا تھا۔ شاید آپ کے ساتھ بندھ کر قسمت بدل جائے۔''

''اب تم جا سکتے ہو۔'' جگدیپ نے اشتعال انگیز لہجے میں کہا۔

''میں سرکار کے مزاج پوچھنے آیا تھا۔'' میں نے سرخم کرکے کہا۔ ''بھگوان کرے' سرکار جلد ٹھیک ہو جائیں۔ بڑے کام ادھورے پڑے ہوں گے۔''

خوش اطوار نرس نے مجھے مزید بات کرنے سے منع کر دیا۔ آج میرا ارادہ ایک مصروف رات گزارنے کا تھا۔ ابھی رات کے دس بج رہے تھے۔ زنان خانے میں پریت کی طرف جانے میں خطرے تھے اور میرا دل اس ماہ وش سے چار باتیں کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ تصور میں اس کا نقشہ عجب ابھرتا تھا۔ یہ رات آنے والی راتوں سے مختلف نہ ہوتی اور آج موقع نہ ملتا تو آئندہ کی کیا ضمانت تھی۔ میں زنان خانے کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہو گیا۔ جگدیپ کی بیماری کی وجہ سے بھون کے ہنگاموں کا بازار مندا پڑا تھا۔ میں یونہی باندیوں کو چھیڑتا' ادھر ادھر گھوم کر وقت کاٹتا رہا۔ رات کے گیارہ بجے کچھ اور روشنیاں بجھ گئیں۔ پھر بھی پریت جیسی طرح دار' تیز و طرار' چھیل چھبیلی' شوخ و شنگ لڑکی کا اس وقت تنہا مل جانا قسمت کی بات تھی۔ پریت کو ریس کے میدان میں شہ سواری کے لباس میں دیکھا تھا اور اس کی تلخ ترش کٹیلی باتیں سنی تھیں۔ اس کی گالیوں کا رس کانوں میں انڈیلا تھا اور اس کے ستم دیکھے تھے۔ میں سوچتا تھا کہ اس پھول جیسی نازک بدن لڑکی کے سر میں کیسا شریر دماغ موجود ہے۔ ادھر جانے میں ناکام واپس ہونے کا اندیشہ نہیں ہے کیونکہ اگر پریت سے ملاقات نہ ہو گی تو اس کی ماں بنیارانی کی شکایت دور کر دوں گا۔ میں راجکماریوں اور رانیوں کے

چھوٹے بڑے محلات سے گزرتا ہوا پریت کے محل تک پہنچ گیا۔ وہاں رات چھا چکی تھی۔ اکا دکا ملازم نظر آ جاتے تھے۔ پریت اور رانی کے کمرے مجھے پہلے سے معلوم تھے۔ کمرے روشن تھے۔ میں نے کچھ سوچ کر پہلے بنیا رانی کے کمرے کا رخ کیا۔ ہلکی سی دستک کے جواب میں ایک باندی نے سر ابھارا۔ ''کون ہے؟''

''موہن داس! بنیارانی نے بلایا تھا۔ کہو سیوک آیا ہے۔ کوئی کام ہو تو بتائیں۔''

اندر سے آواز آئی۔ ''آ جاؤ۔ اندر آ جاؤ۔''

میں سر جھکا کے اندر داخل ہو گیا۔ ''تمہیں فرصت مل گئی موہن داس؟'' بنیارانی اٹھ کر بولی۔ وہ اپنے ریشمیں پلنگ پر بکھری ہوئی کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ میں نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ میرے سامنے خمیری میدہ پڑا تھا۔ وہ بھرے ہوئے بدن کی ایک ناقابل برداشت عورت تھی۔ پریت اور اس میں بس یہ فرق تھا کہ وہ دونوں ماں بیٹی کے تعلق سے پہچانی جاتی تھیں۔ مجھے تو یہ ایک بہت بڑا جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ پریت کا بدن ہلکا اور آنکھیں شوخ تھیں۔ بنیارانی گداز بدن اور ہوسناک آنکھوں کا مرقع تھی۔ اس نے لال دوشالہ ایک طرف کیا' شب خوابی کے لباس میں اس کا رنگ جھلکنے لگا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بنیارانی نے کس وقت باندی کو اشارہ کیا؟ جیسے ہی وہ گئی' بنیارانی نے میری بہادری اور وجاہت کی تعریفیں شروع کر دیں۔ ''تم نے اس دن گھوڑا کیسے اٹھا لیا تھا؟''

''بس جی اٹھا لیا۔ وزن نہ اٹھاؤ تو پوچھتا کون ہے؟ اس دنیا میں جو زیادہ وزن اٹھاتا ہے' اسی کی پوچھ ہوتی ہے۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ میرا تجربہ تھا کہ رانیوں کو یہ سادگی بہت پسند آتی ہے۔

''باتیں بہت اچھی کرتے ہو۔ کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔ ادھر بیٹھو۔'' اس نے پلنگ کے قریب رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم نے تمہاری طرف نظر ہی نہیں کی تھی۔ اس دن تمہیں دیکھا تو پتہ چلا' ہم بھون سے کتنے بے خبر رہتے ہیں۔''

مجھے وہاں سے جلدی رخصت ہونا تھا کیونکہ اور کام نمٹانے تھے۔ یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ پریت کے کمرے کی سن گن لی جائے۔ ادھر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گویا یہ پریت سے ملاقات کا بہترین وقت تھا۔ اس لیے میں نے اسے مزید زحمتوں سے بچا لیا۔ ''ایک بات کہوں بنیارانی؟'' میں نے شرما کے کہا۔

''کہو۔'' اس نے میری طرف اشتیاق سے دیکھ کر کہا۔

''بات یہ ہے۔ اس دن میں نے بھی آپ کو پہلی بار غور سے دیکھا۔ جب آپ نے مجھے آنے کے لیے کہا تو میں آنے کے لیے بے چین تھا' فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ پریت کی ماں ہیں تو مجھے یقین نہیں آیا۔ سچ بتائیے' یہ سچ ہے؟''

''چھوڑو بھی۔ تو تم بھی بے چین تھے؟'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''موہن داس! بھون میں تو خوب جی لگتا ہوگا۔ یہاں تو بڑی دلچسپیاں ہیں۔''

''ہیں تو ضرور مگر میری عادت ذرا مختلف ہے۔ مجھے ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے ایک ہی جگہ رہنا پسند ہے۔''

''ہمیں بھی ایسے آدمی پسند ہیں۔ اس دن ہم نے تمہاری بہادری کے لیے انعام رکھا تھا' یہ لو۔'' اس نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی اتار کے مجھے دے دی اور پوچھا۔ ''بھون میں اور کس کس کے ہاں خدمت کی؟''

''اسے جانے دیجئے' یہ راز کی باتیں ہیں۔ میں اس سلسلے میں بڑا بااعتماد ملازم ہوں۔''

''یہ بات تو اچھی ہے' دور کیوں بیٹھے ہو' ادھر آ جاؤ۔''

''شکریہ۔'' میں نے شوخی سے کہا اور اس کے برابر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے ہاتھ دیکھیں' کتنے سخت ہیں؟'' اس نے میرے ہاتھ زور سے دبا کے کہا۔ ''تم فولادی آدمی ہو۔'' بنیارانی دیر تک اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ مجھے خیال آیا' دنیش چندر نے ترنم کو بلا لیا ہوگا۔ پریت سے ملنے کے بعد اس کے پاس پہنچوں گا تو دیر ہو جائے گی مگر بنیارانی ایک پختہ کار عورت کی طرح دلنشین باتیں کرتی رہی۔ وہ کچھ جھجک بھی رہی تھی۔

''اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسے اس عجلت کی توقع نہیں تھی۔ ''اتنی جلدی تھی تو آئے کیوں تھے؟'' وہ خفا ہونے کے انداز میں بولی۔ ''بیٹھو' ایسی بھی کیا جلدی ہے؟''

''پھر آؤں گا۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ آپ مجھ پر مہربان ہیں۔''

میں اٹھنے لگا تو اس نے میری آستین پکڑ لی۔ اگر وقت کا خیال نہ ہوتا تو تمام رات اس کے پاس بیٹھا رہتا اور بولتے وقت اس کے چمکدار دانت دیکھتا رہتا۔ وہ رات تو...

سامنے کی سلائی بنانے کو جی چاہتا تھا۔ ''آپ۔ آپ......؟'' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں موہن داس! ہم تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

میں نے مزید حجت مناسب نہیں سمجھی۔ اپنے دونوں ہاتھ دراز کیے اور کولی بھر کے اسے اٹھا لیا۔ پھر میں اسے اٹھائے ہوئے دروازے تک آیا۔ ''میں کسی دن' ممکن ہے کل رات ہی آؤں بنیا رانی!'' میں نے اس کے لبوں کی سرخی چرا کے کہا۔

''نہیں نہیں۔ میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔'' اس نے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''اب تم میرے سیوک ہو۔''

ٹھیک اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' وہ میری آغوش میں مچلنے لگی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ بہ اکراہ فون کی طرف بڑھی۔ ''ہیلو۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا رنگ بدل گیا۔ ''کیا کہا؟ دنیش چندر زخمی ہو گئے۔ وہ کہاں ہیں؟ اچ چھا۔ میں بھی آتی ہوں۔''

''کیا ہوا بنیارانی؟'' میں نے وحشت سے پوچھا۔

''دنیش چندر زخمی ہو گئے۔'' وہ جھنجلاہٹ سے بولی۔

میں نے دوسرا لفظ نہیں سنا۔ میں دروازہ کھول کر باہر بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ بنیارانی کی تحکمانہ آواز آئی۔

''ٹھہرو۔ تھوڑی دیر میں ہم بھی ادھر جائیں گے۔''

''نہیں۔ میں اب یہاں ایک لمحے بھی نہیں رک سکتا۔''

اس نے تکیے کے نیچے سے پستول نکالنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ ''موہن داس! ہمارے قریب آؤ۔ اس وقت ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔''

میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''بنیارانی!'' میں نے غصے سے جھپٹ کر پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسے بستر پر دھکیل کر برق رفتاری سے باہر آ گیا۔

میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح چبوترے' دالان اور راہداریاں پھلانگتا ہوا دنیش چندر' اپنے دوست کے محل کی جانب بڑھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

دنیش چندر کے زخمی ہونے کی اطلاع نے مجھے پاگل کر دیا۔ میں بپھرے ہوئے درندے کے مانند بینا رانی کی خواب گاہ سے باہر نکلا اور وحشیانہ انداز سے دنیش کے محل کی جانب دوڑنے لگا۔ کئی جگہ چکنے فرش پر میرے پیر پھسلے، گرا، گھٹنوں میں چوٹیں آئیں لیکن میں اٹھ اٹھ کر تیزی سے بھاگتا رہا۔ اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے میرا ذہن بھاگ رہا تھا۔ کل انہوں نے مجھ پر موت کا جال پھینکا، آج ناکام ہو کے دنیش چندر پر حملہ کر دیا۔ وہ سانس لینے کے لیے ایک لمحے کی مہلت بھی دینا نہیں چاہتے تھے۔ بنیا رانی کا پستول میرے ہاتھ میں سختی سے دبا ہوا تھا اور میری انگلیاں کسی کا نشانہ لینے کے لیے تڑپ رہی تھیں۔ میں اشتعال انگیز حالت میں قلانچیں بھرتا اور چھلانگیں مارتا ہوا جب دنیش چندر کے محل کے نزدیک پہنچا تو وہاں ایک سوگوار فضا چھائی ہوئی تھی۔ ملازموں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے اور راج کماریاں اندر کی طرف لپک رہی تھیں۔ اندر سے دبی دبی سسکیوں اور ہلکی ہلکی چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرا دل ڈوبنے لگا، قدم لڑکھڑا گئے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا اور میں نے فیصلہ کیا، اگر دنیش کو کچھ ہو گیا تو میں بینا رانی کے پستول سے آج رات خون کی ہولی کھیلوں گا۔ دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے اندر داخل ہوا۔ ملاقاتی کمرے میں سب سے پہلے میری نظر دنیش چندر کی نوخیز بھانجی سندھیا پر پڑی۔ اس نے سسکتے ہوئے مجھے خواب گاہ کی طرف اشارہ کیا۔ میں کوئی بری خبر سننے کو تیار نہیں تھا۔ اس لیے اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں جھپٹ کر اندر پہنچا تو میری چیخ حلق میں گھٹ کے رہ گئی۔ دنیش مسہری پر بے ہوش پڑا ہوا تھا اور اس کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ وہاں شاردا، پارو، ہیما اور دوسری راج کماریاں، رانیاں اور سریش پہلے سے موجود تھے۔ مجھے آتا دیکھ کر پارو اور شاردا اپنی چیخیں نہ روک سکیں۔ ''موہن داس! ذرا دنیش کو دیکھنا۔'' وہ بلکتی ہوئی بولیں۔

''ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے؟'' میں نے ڈگمگاتی آواز میں پوچھا۔ انہوں نے ہچکیوں کے ساتھ اثبات میں گردن ہلائی۔ پارو کے زانو پر دنیش کا سر رکھا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ چند لمحوں کے لیے میں سن ہو گیا۔ دنیش چندر کے جسم سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے کو جی چاہتا تھا مگر دوسروں کی نظروں میں اپنی حیثیت کا خیال دامن گیر تھا۔ میں اپنے دوست کو جھنجوڑ کر اپنی موجودگی کا سہارا بھی نہیں دے سکتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کروں؟ میں نے مصلحت طاق پر رکھی اور خود کو سنبھالتا ہوا دنیش کی مسہری کے قریب پہنچا۔ اس کی ٹانگیں سیدھی کیں، اس کا بایاں شانہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی گود میں بٹھا کے قمیص اتاری اور اپنی آستین سے خون پونچھ کے پارو کے سر کا رومال زخم پر باندھ دیا۔ بظاہر دنیش کو دو گولیاں لگی تھیں۔

بائیں شانے کی کھال ادھڑ گئی تھی اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا پورا گولی نے اڑا دیا تھا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔

''خیریت تو ہے موہن؟'' شاردا نے میرا بازو جھنجوڑتے ہوئے اس طرح پوچھا جیسے میں کوئی ڈاکٹر ہوں۔

''سب ٹھیک ہے، جلدی سے ڈاکٹر کو بلائیے''۔ میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور پوچھا۔ ''یہ کیسے ہو گیا؟''

''پتہ نہیں۔'' شاردا آنسوؤں کے درمیان بولی۔ ''اس وقت رات کو اسے تنہا موٹر میں جانے کا شوق کیوں اٹھا تھا۔''

''کیا یہ حادثہ موٹر میں پیش آیا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں'' شاردا نے روتے ہوئے جواب دیا۔ ''ڈرائیور بے چارہ مارا گیا۔ اس حالت میں نہ جانے کس ہمت سے گاڑی چلاتے ہوئے لایا اور یہاں خاص دروازے پر ہوش کھو بیٹھا۔ وہاں سے اسے بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا۔''

دنیش چندر سے تو میرا پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ وہ مہمان خانے سے ترنم کو طلب کر کے میرا انتظار کریگا اور ہم ایک خوبصورت رات منائیں گے۔ پھر وہ اتنی رات گئے اچانک کیسے باہر نکل گیا؟ اس نے میرا انتظار بھی نہیں کیا؟ کاش میں اس کے پاس ہی رہتا اور گولی مجھے لگ جاتی۔ مجھے خود تسلی کی ضرورت تھی۔ میں سب کو صبر و شکر کی تلقین کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے آنے میں دیر لگا دی۔ خواب گاہ میں آنجہانی پرکاش چندر کی

بیویوں، بیٹیوں اور بیٹوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ بینارانی اور پریت بھی بلکتی اور تڑپتی ہوئی اس سوگوار مجمع میں شامل ہو گئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر بینارانی کی آنکھوں میں بے چینی سی پیدا ہوئی۔ ادھر پریت نے نفرت انگیز لہجے میں پارو کو انگریزی میں مخاطب کیا۔ ''اس ملچھ کو یہاں سے دور ہٹاؤ، یہ ناپسندیدہ طور پر ہمارے ذاتی معاملوں میں شامل ہوتا جا رہا ہے۔'' اس کا اشارہ میری طرف تھا۔

مجھے کوئی تاثر تو نہیں دینا چاہیے تھا لیکن برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ میں اس انگریز بچی کو اس کی مادری زبان میں مادر زاد سناتے سناتے رہ گیا۔ وہ میری قہر آلود نظروں کی تاب نہیں لا سکی۔ اگر وہ اپنی زبان قابو میں نہ رکھتی تو میں سب کے سامنے اس کی زبان کھینچ لیتا۔ ''پریت'' پارو نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں سمجھایا۔ ''یہ وقت غصے اور نفرت کے اظہار کا نہیں، وہ دنیش چندر کے بہت قریب ہے۔''

''دنیش تمہارا بھائی زخمی ہے۔'' شاردا نے تاسف سے کہا۔

''میں دیکھ رہی ہوں''۔ پریت نے نخوت سے جواب دیا۔

میرے زبان کھولنے سے پہلے ڈاکٹر آ گیا اور اس بھیڑ میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ڈاکٹر نے معذرت خواہانہ انداز میں سب سے باہر نکلنے کی درخواست کی۔ شاردا، پارو، بینارانی، سریش اور میرے سوا سب باہر نکل گئے۔ ابھی ڈاکٹر نے معائنہ شروع ہی کیا تھا کہ دوسرا ڈاکٹر آ گیا، پھر تیسرا اور اس کے ساتھ نرسوں کا ایک غول بھی اندر داخل ہوا۔ تھوڑی دیر، میں خواب گاہ آپریشن تھیٹر کا منظر پیش کرنے لگی۔ شاردا، بینا رانی اور پارو کو بھی باہر نکال دیا گیا۔ میں نے جانے سے انکار کر دیا، پارو میری سفارش میں پیش قدمی نہ کرتی تو ڈاکٹروں کو سب سے پہلے مجھ سے نمٹنا پڑتا۔

''حادثے کے وقت تم کہاں تھے موہن داس؟'' دنیش کے چھوٹے بھائی سریش نے مجھ سے آہستگی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

''میں بینا رانی کے کمرے میں تھا۔'' میں نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا۔

''وہاں کیوں گئے تھے؟''

مجھے سریش کا یہ انداز تخاطب پسند نہیں آیا، میں نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ ''انہوں نے مجھے طلب کیا تھا۔''

''تمہیں راج کمار کے پاس رہنا چاہیے تھا۔ تم راج کمار کے ملازم ہو یا بینا رانی کے؟'' وہ غصے سے بولا۔

"میں ہر شخص کا ملازم ہوں، آپ کوئی حکم دیں گے تو کیا منع کر دوں گا؟" میں نے جھنجلا کے کہا۔

"لیکن تمہیں راج کمار کے حکم کو ترجیح دینی چاہیے تھی۔"

"راجکمار نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھٹی دے دی تھی۔" میں نے اس نادان چھوکرے کے غیرضروری سوالوں سے عاجز آ کے کہا۔ اس کا دل میری طرف سے صاف نہیں تھا۔ یقیناً دشمنوں نے اسے میرے خلاف بھرا ہو گا۔ میں خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ ڈاکٹر پوری تندہی سے دنیش کا جسم ٹٹول رہے تھے اور میں ان کی طرف سے کوئی امیدافزا خبر سننے کا منتظر تھا۔ اس وقت میں نے شدید تنہائی محسوس کی، مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ دنیش چندر مجھ سے کس قدر قریب آ گیا تھا اور میں اپنے آپ سے کتنا دور ہو گیا تھا۔ میرے کان ڈاکٹروں کی سرگوشیوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ان کی سنجیدہ صورتیں دیکھ کر ہول آتا تھا کہ پتہ نہیں، وہ کیا خبر سنا دیں؟ ممکن ہے، یہ بھی دنیش چندر کے دشمنوں میں سے ہوں؟ ہو سکتا ہے، انہیں بھی خرید لیا گیا ہو؟

"سریش بابو!" میں نے اداسی سے کہا۔ "ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

وہ چڑ سا گیا۔ "تم ہمیں کس طرح مخاطب کر رہے ہو؟ راج کمار کہو۔" وہ تکبر سے بولا۔ "ہم نے تمہارے متعلق صحیح سنا تھا کہ تم بہت زیادہ منہ چڑھ گئے ہو۔"

میں نے بمشکل تمام گردن جھکائی اور خاموشی سے ایک کونے میں جا کے کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے دنیش چندر کے جسم سے سر ابھارے تو میں بے چینی سے آگے بڑھا۔ "راج کمار سریش!" ایک ڈاکٹر کی آواز آئی۔ خون کافی نکل گیا ہے۔ بہرحال گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔"

"ڈاکٹر!" سریش نے جذباتی انداز میں کہا۔ "کیا انہیں خون کی ضرورت ہے؟ وہ ٹھیک تو ہو جائیں گے؟"

"انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے، یہ کچھ دیر بعد ہوش میں آ جائیں گے، لیکن ان سے زیادہ باتیں نہ کیجئے گا۔ اگر یہ ہماری توقع کے مطابق ہوش میں آ گئے، تو پھر خون کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ڈاکٹر نے سریش کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ ڈاکٹر! تمہاری اس توجہ کا شکریہ۔ راج کمار دنیش اس ریاست کا سب سے ذہین اور بہادر نوجوان ہے، ہمارے لیے اس کی زندگی بہت قیمتی ہے۔" خوشی

سریش کی آواز لرز رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خود مہاراجہ امرناتھ راج کمار دنیش چندر کا ذکر مجھ سے کئی بار کر چکے ہیں۔"

"ہماری زندگی بڑی ارزاں ہے، یہاں روز ایک حادثہ ہوتا ہے۔ موت کی دیوی اس بھون پر مہربان ہو گئی ہے، پہلے مہاراج پرکاش چندر گئے، پھر مہیش چندر، اب وہ دنیش چندر کے پیچھے پڑی ہے۔ درمیان میں بہت سے ملازم بھی مارے جا چکے ہیں۔" سریش رقت انگیز لہجے میں بولا۔

"موت اور زندگی بھگوان کے ہاتھ میں ہے راج کمار سریش!" ڈاکٹر نے سرد آہ بھر کے کہا۔ "حوصلہ رکھئے چھوٹے راج کمار!"

اسی وقت باہر ایک شور گونجا۔ کسی نرس نے جا کے یہ خبر سنادی تھی کہ دنیش چندر کی حالت خطرے سے باہر ہے، ایک ریلے نے اندر آنے کی کوشش کی مگر ڈاکٹروں نے دروازہ بند کر دیا۔ سریش بھی باہر چلا گیا۔ "تم نہیں جاؤ گے؟" ڈاکٹر نے مجھے دیکھ کر بلند آواز میں پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب!" میں نے عاجزی سے کہا "میں انہیں اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا، میرے خون کی ضرورت ہو تو جتنا جی چاہے نکال لیجئے۔"

"تمہیں پرنس کا بہت خیال ہے؟" ڈاکٹر نے بزرگانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے ڈاکٹر!" میں نے گردن ڈال کے کہا۔

"تمہاری وجہ سے؟" ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں اگر میں ان کے ساتھ ہوتا تو شاید ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ تین چار گولیاں تو میں آگے آ کے خود اپنے اوپر لے لیتا۔"

"اوہ" اس نے میری پیٹھ تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ "ایسے ملازم کہاں ملتے ہیں جو اپنے آقاؤں سے اتنی محبت کریں۔"

"اور ایسے آقا کہاں ملتے ہیں جو راج کمار جیسے ہوں۔"

"تمہیں دیکھ کے کوئی کہہ نہیں سکتا کہ تم ایک ملازم ہو؟"

"یہ تو قسمت کی بات ہے ڈاکٹر صاحب! شکل و صورت میں کیا رکھا ہے۔"

"تم بہت ترقی کر سکتے ہو، فوج میں چلے جاؤ۔ وہاں تم جیسے خوبصورت نوجوانوں کی بڑی قدر ہے، اس ملازمت میں تم کیا ترقی کر سکتے ہو، اسمارٹ، لانبے

اور دل کش۔‘‘

والد مرحوم کا بھی یہی خیال تھا۔ میں ان کی بات مان لیتا تو ترقی کرتا ہوا کم ازکم کیپٹن کے عہدے تک تو ضرور پہنچ جاتا۔ ڈاکٹر مجھ سے خواہ مخواہ متاثر ہو گیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میرے ساتھ کیسی عجیب داستان وابستہ ہے۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ اب بھی میں ایک سپاہی کا کام کر رہا ہوں، یہاں کوئی عہدہ، کوئی تمغہ تو نہیں ہے مگر یہ ایک کھلا محاذ جنگ ہے۔ فوج میں، میں انگریزوں کے حق میں ان کے دشمنوں سے لڑتا، یہاں میں دنیش چندر کے لیے اس کے دشمنوں سے نبرد آزما تھا۔ ’’ڈاکٹر صاحب!‘‘ میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ’’راج کمار دنیش چندر کی ترقی میری ترقی ہے۔ میں نے اس کے کھونٹے سے اپنے آپ کو باندھ دیا ہے اور اپنے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے۔‘‘

’’تم بہت دکھی معلوم ہوتے ہو۔‘‘ اس نے ملائم نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ شاید راجے پور کا وہ بڑا ڈاکٹر مجھے کچھ اور عزت بخشتا کہ نرس نے اس کی توجہ مبذول کر لی۔ ڈاکٹر دوبارہ دنیش چندر کے معائنے کے لیے چلا گیا۔ پھر اس نے جلد ہی ہاتھ اٹھا کے اعلان کیا کہ راج کمار کو دیکھنے کے لیے باہر منتظر لوگوں کو یکے بعد دیگرے اندر آنے دیا جائے اور اس دوران میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے، کمرے سے اسسٹنٹ اور نرسوں کی بھیڑ چھٹ گئی تھی۔ میں دور کھڑا باہر سے آنے والے سوگوار چہرے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر سب کے سب دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔ یہ میرے لیے ایک عبرت انگیز منظر تھا۔ میں نے پارو کا چہرہ دیکھا اور اس کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ پارو کے چہرے پر ایک خوف زدہ حزن چھایا ہوا تھا۔ میں نے بینا رانی کا چہرہ دیکھا اور مجھے ہنسی آ گئی، اس نے اپنی آنکھیں جھکا کے سارا تاثر چھپا لیا تھا۔ میں نے پریت کا چہرہ دیکھا جو برگشتہ اور کبیدہ تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ہیما' شاردا' سندھیا اور شکنتلا کو دیکھا سچے جھوٹے چہرے، بھیگی آنکھیں، بجھے ہوئے چہرے۔ یہاں راجے پور کے بعض امراء بھی موجود تھے، ہر شخص ٹوٹا اور بکھرا ہوا نظر آتا تھا۔ وہ ایک نظر دنیش کو دیکھتے اور سسکیاں بھرتے ہوئے جاتے رہے، شاردا اور پارو وہاں ٹھہر گئیں۔ شاردا کی حسرت بھری آنکھوں میں ایسی فریاد تھی جس نے مجھے مضطرب کر دیا۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو، تم نے دیکھ لیا؟

میں نے نگاہیں چرا لیں اور گھٹنوں میں سر دے کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

لوگ آتے جاتے رہے، میں اپنے بھیانک خیالوں میں ڈوبا رہا۔ دنیش چندر اگر مجھ سے بے وفائی کر لیتا تو اپنا کہاں ٹھکانا ہوتا؟ وہ ایک لمحے کے لیے مجھے برداشت نہ کرتے۔ بینا رانی کے پستول کی چھ گولیاں کب تک میرا ساتھ دیتیں؟ ’’موہن!‘‘ پارو کی ہلکی آواز مجھے میرے خیالوں سے واپس لے آئی، وہ مجھ سے بہت قریب کھڑی تھی اور آہستگی سے کہہ رہی تھی۔ ’’سنو! تم اپنے گھر جا کے آرام کرو۔‘‘ میں نے سر اٹھا کے دیکھا، وہ اشاروں میں مجھ سے بہت سی باتیں کہہ رہی تھی۔ ’’میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔‘‘ اس نے سرگوشی میں کہا۔

’’کیا میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا؟‘‘ میں نے اداسی سے پوچھا۔

’’پاگل نہیں بنتے۔‘‘ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ’’چلو، میرا نرم گرم بستر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ میں تم سے چند ضروری باتیں بھی کرنا چاہتی ہوں۔‘‘ اس نے جھجک کر اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے انکار پر پارو بے بسی سے مجھے دیکھنے لگی اور شش و پنج میں پڑ گئی۔ شاردا کے نزدیک آنے پر اس کے اپنائیت کے انداز میں مغائرت کا رنگ آ گیا۔ ’’موہن!‘‘ شاردا نے نرمی سے کہا۔ ’’یہاں دنیش کی دیکھ بھال کے لیے نرسیں اور ڈاکٹر موجود ہیں۔ دنیش کو نیند کا انجکشن دے دیا گیا ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔‘‘

’’میں انہیں بے آرام نہیں کروں گا، میں یہیں فرش پر پڑا رہوں گا۔‘‘

پارو اور شاردا جزبز ہو کے وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ کمرے میں، میں اور چند نرسیں رہ گئیں۔ پھر میں اٹھا، دنیش کی مسہری کے قریب جا کے میں نے بے اختیار اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، اس کے گال تھپ تھپائے اس کے بالوں کی لٹ درست کی' نرسیں اس سے میری وارفتگی غور سے دیکھتی رہیں۔ اس کی چادر ہر طرف سے درست کر کے میں ایک کرسی کھینچ کر مسہری کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ تکتے تکتے دیر ہو گئی تو ایک تیز و طرار نرس نے میری محویت توڑنے کی کوشش کی۔ ’’یہ تمہارے کون لگتے ہیں؟‘‘ وہ مدھم سروں میں بولی۔

میں جواب دینا چاہتا تھا، یہ میرا محبوب ہے، یہ میرا شوہر ہے، یہ میری بہن، میری بیوی ہے، لیکن میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کی تلقین کی۔ وہ مسکرا کے بولی۔ ’’راج کمار گہری نیند سو رہے ہیں تم ہلکی آواز میں بات کر سکتے ہو۔ رات ابھی خاصی پڑی ہے۔‘‘ [illegible] نے معنی خیز نظروں سے دوسری

نرس کو دیکھا جو تمام تر انہماک سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کوئی حسین لڑکی ہوں جس کے اردگرد یہ تین مرد بیٹھے اسے اشتیاق سے گھور رہے ہیں۔

"میں کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے برہمی سے کہا۔

وہ ناک چڑھا کے بولی۔ "تمہاری مرضی۔" میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ اکتا کے خواب گاہ کی نیم عریاں پینٹنگز اور نوادر دیکھنے میں مصروف ہوگئیں۔ یہ خواب گاہ ان کے لیے ایک عجائب خانے کی حیثیت رکھتی تھی، ایک بار میرے جی میں آیا کہ میں ان تینوں نرسوں کو شوٹ کر کے اور انکی لاشیں خواب گاہ سے نکلنے والی اندھی سرنگ میں پھینک کر دنیش چندر کو اٹھا لے جاؤں تا کہ وہ پرکاش بھون کے بھیڑیوں سے نجات حاصل کر لے۔ ذہن کی مشین الٹی سیدھی چل رہی تھی۔ بھون کے بہت سے لوگوں کو زندہ جلا دینے کے منصوبے ذہن کی بھٹی میں پک رہے تھے۔ میں بے قراری سے پہلو بدلتا اور ساری رات جاگتا رہا یہاں تک کہ نرسیں بھی اونگھنے لگیں۔ دنیش گہری نیند سویا ہوا تھا یا ابھی تک اس پر بے ہوشی کا غلبہ تھا۔ اس نے کروٹ بھی نہیں بدلی۔ میں بار بار اٹھ کے اس کے سینے کا زیروبم دیکھتا رہا۔ اس طرح بیٹھے بیٹھے صبح ہوگئی۔ ایک اور بے آرام رات گزر گئی تھی۔ کئی راتوں سے ویسے بھی نیند حرام ہو چکی تھی۔ گزشتہ رات میں اندھیری کوٹھری میں جاں کنی کی کیفیت سے دوچار تھا، آج بھی صورت مختلف نہیں تھی۔

صبح ہوگئی اور دنیش نے آنکھ نہیں کھولی۔ صبح کے وقت پھر مجھے اس کی مسہری سے در و دیوار کے سہارے کھڑے ہونا پڑا کیونکہ اب دنیش کی مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ نرسوں نے انہیں میرے بارے میں بتایا کہ میں نے ساری رات ایک پل کے لیے آنکھ نہیں میچی ہے، یہ خبر سن کے کسی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، کسی نے سرسری نظر ڈال کر مجھے دیکھا۔ شاردا اور پارو کے سوا کسی نے میرے آگے دانہ نہیں ڈالا۔ ان لوگوں کی آمد سے مجھے خیال آیا کہ راجے پور کا ہر شخص دنیش کی عیادت کے لیے آئے گا۔ ان میں مہاراجہ امرناتھ بھی ہوں گے اور راج کماری کنول، کرنل ہارڈنگ بھی اور وہ انگریز بھی جو اس دن دعوت میں شریک تھے۔ میں ان سب کے سامنے کس طرح پیش ہوں گا؟ کرنل ہارڈنگ کی دوربین نظریں یقیناً مجھے پہچان جائیں گی۔ وہ منہ پھٹ سب کے سامنے مجھے عریاں کر دیگا۔ مہاراجہ بھی حیرانی

سے میرا چہرہ دیکھیں گے اور کوئی یہ یقین نہیں کرے گا کہ دنیش چندر کے دوست پروفیسر زاہدی اور اس کے ملازم موہن داس میں یہ حیرت انگیز مشابہت محض اتفاق ہے، میرے بارے میں ان کے سوالات اور بھون کے لوگوں کے جوابات سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مجھے دنیش چندر کی صحت یابی تک خود کو اپنے مکان میں روپوش کر لینا چاہیے۔ میں خود اپنی بیماری کا بہانا بنا سکتا ہوں لیکن کیا ایسے نازک وقت جب دنیش چندر ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا زخمی ہو اور اپنے سرہانے اسے میرے سہارے کی ضرورت ہو، مجھے اسے چھوڑ کے مصلحتوں کے تقاضے پورے کرنے چاہئیں؟ میں کب تک خود کو چھپاؤں گا؟ مجھے مہاراجہ امرناتھ اور کماری کنول کے سامنے کسی خدشے کے بغیر آ جانا چاہیے۔ پھر مجھے دنیش چندر پر تازہ حملے کے مجرموں کا سراغ بھی لگانا ہے، ابھی ابھی خبر آئے گی کہ حوض سے رام پرشاد اور تیواری کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ میری عدم موجودگی میں دشمن خطرناک منصوبے بنا سکتے ہیں، اب دنیش کو میرا دفاع کرنے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ ان سب مصائب کا تو پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھون میں مزید قیام کو کیوں ترجیح دی تھی؟ شاردا اور ڈالی کو لے کر چپ چاپ یہاں سے نکلنے میں پس و پیش کیوں کیا تھا؟ کیا حساب چکانے اور قرضے بھگتانے کے عزائم تھے؟ یہ تو ایک کھلی ہوئی جنگ ہے۔ کبھی فتح، کبھی شکست، کبھی دوستوں کا پلا بھاری ہے، کبھی دشمنوں کا۔ میدان جنگ سے فرار کیسا؟ فرار، اپنی روح کے سامنے ہمیشہ کے لیے پشیمانی، میری پسپائی' بھون کے ان شریف اور معصوم لوگوں کی پسپائی' جنھوں نے دنیش چندر سے اور مجھ سے امیدیں وابستہ کرنے کی نادانی کی تھی۔ میں نے اور دنیش نے کل رات تک کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے؟ میں اندھیری کوٹھری سے، دس خونخوار آدمیوں کو مارتا، کاٹتا نکل آیا تھا، رات میں کیا سوچ رہا تھا؟ کیا بینارانی اور پریت کی خواب گاہ کی طرف جانے کی جرأت کا کوئی انعام وصول نہ کیا جائے؟ رات میں نے پریت کے دو آدمیوں کو جہنم رسید کر کے اسے قائل کرنا چاہا تھا کہ جواب اس طرح دیا جاتا ہے یا ابھی پریت نے اپنے نمک خواروں رام پرشاد اور تیواری کی موت کی دل خراش اطلاع نہیں سنی تھی۔

دنیش کی مسہری کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں اچانک ایک اضطراب سا پیدا ہوا۔ کسی نے ڈاکٹر کو آواز دی۔ "ڈاکٹر! دیکھو، اسے ہوش آ رہا ہے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

کسی نے میرے جسم میں بجلی کا تار لگا دیا، میں ہڑبڑا کے اٹھا۔ بھون لی معزز عورتیں درمیان میں آ گئیں، میں انہیں اپنے سامنے سے ہٹانے کی جراٴت نہیں کر سکتا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔ ''وہ کیا کہہ رہاہے؟ دیکھو، وہ بولنا چاہتا ہے۔'' پارو کی آواز آئی۔ ''وہ کسے پکار رہاہے؟ ڈاکٹر! ڈاکٹر! تم نے سنا؟ خاموش، شور نہ مچاؤ، ہوا مت گھیرو۔ اس نے آنکھیں کھول دی ہیں وہ کسے تلاش کر رہا ہے؟ ہے بھگوان! ہمارے بھائی کوٹھیک کر دے''۔ مختلف آوازیں میرے کانوں میں رس ٹپکا رہی تھیں۔

ڈاکٹر نے سب کو بمشکل تمام خاموش کیا۔ ''راج کمار دنیش! کہیے کیسے مزاج ہیں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔ کچھ دیر تک دنیش کی آواز نہیں آئی۔ ڈاکٹر نے پھر مودب اورشگفتہ لہجے میں اس کا حال پوچھا۔ ''جی جی'' اس نے دنیش چندر کے منہ سے نکلنے والے لفظوں کی تشریح چاہی۔ ''موہن! موہن! '' ڈاکٹر نے تکرار کی اور سر اٹھاکے پوچھا۔ ''موہن ! کون صاحب ہیں؟''

ایک ساتھ بہت سی آوازیں گونجیں۔ ''موہن! موہن! '' تلخ، شیریں، ترش آوازیں۔ میں نے شرم سے سر جھکا لیا۔ شاردا بھاگی ہوئی میرے پاس آئی۔ ''موہن! '' اس نے وفور مسرت سے کہا ''وہ تمہیں پکار رہا ہے۔''

ڈاکٹر میرا بازو پکڑ کے مسہری تک لے گیا۔ مجھے آتا دیکھ کر حیرت زدہ انداز میں راج کماریاں اور رانیاں پیچھے ہٹ گئیں، ان میں پریت اور بینارانی بھی تھیں۔ دنیش چندر سے جب میری نظریں ملیں تو اس کے لبوں پر ایک لطیف تبسم ابھرا۔ ''موہن!'' اس نے اپنی کمزورآواز میں مجھے مخاطب کیا۔

''راج کمار!'' میں نے بیتابی سے جواب دیا۔ ''میں یہاں موجود ہوں۔''

دنیش کی آنکھوں میں ایک تغیر سا پیدا ہوا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بجھ سا گیا۔ پھر مسکرانے لگا۔ شاید اسے خیال آ گیا تھا کہ میں اپنی بے قراری کا اظہار کرنے میں کیوں جھجک رہا ہوں۔ ''موہن'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''جی راجکمار! '' میں نے مستعدی سے کہا۔

''کتنی گولیاں لگیں؟'' وہ ہمت کر کے بولا۔

''شاید دو۔'' میں نے ڈاکٹر کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''حملہ کرنے والے اناڑی تھے موہن! '' وہ مسکراتے اور چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے بولا۔ ''گولی اچٹتی ہوئی لگی۔ بیچارہ ڈرائیور فضول میں مارا گیا۔''

''آپ نے تو بڑی ہمت کا ثبوت دیا۔ خودگاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے لائے، اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

''کسی قدر کمزور مگر اب بھی میں دوتین کونشانہ بنا سکتا ہوں۔''

''پلیز۔ آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے راج کمار!'' ڈاکٹر نے درمیان میں دخل دیا۔ میں نے بھی اسے کم بولنے کا مشورہ دیا مگر اس نے کسی کی نہیں سنی۔

''میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کسمسا کے کہا۔

ڈاکٹر نے پس و پیش کیا مگر وہ مسہری پر بیٹھے بغیر نہیں مانا۔ اس کا بایاں شانہ اور ہاتھ پٹیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے زخمی ہاتھ اٹھا کے ایک سرسری جائزہ لیا۔ سب لوگ دم بخود کھڑے تھے۔ دنیش چندر ان سب لوگوں کی موجودگی میں صرف مجھے مخاطب کر کے میرے حق میں کوئی اچھا کام نہیں کر رہا تھا۔ ''کیا ہو گیا تھا؟'' میں اس وقت پوچھنا نہیں چاہتا تھا لیکن منہ سے نکل گیا کیونکہ اس سوال نے مجھے رات بھر بے چین رکھا تھا۔

''رات ہم سے چوک ہوگئی موہن! '' دنیش اپنا شانہ سہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ نے میرا انتظار تو کر لیا ہوتا'' میں نے شکایتاً کہا۔

''اس وقت بڑی جلدی تھی، مہاراجہ امرناتھ کے سیکرٹری کی طرف سے اطلاع دی گئی تھی کہ مہاراجہ کے مزاج اچانک ناساز ہو گئے ہیں، دشمن نے شب خون مارا۔'' وہ ہنسنے لگا۔ میں نے اس فون پر یقین کرلیا اور تمہارا انتظار کیے بغیر روانہ ہوگیا۔ راستے میں انہوں نے چاروں طرف سے گاڑی گھیر لی۔ اندھیرے میں وہ یہ شناخت نہیں کر سکے کہ میں آگے اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوں۔ انکے تمام نشانے پیچھے بیٹھے ہوئے ڈرائیور پر ضائع گئے، پستول میں نے بھی چلایا، لیکن زیادہ جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا۔''

''کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا۔'' میں نے مچلتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا تم ساتھ نہیں تھے۔ میں تمہاری زندگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔'' دنیش چندر اپنا اور میرا تعلق بتدریج سب پر عیاں کر رہا تھا۔ میں نے گھبرا کر راج کماریوں کی طرف دیکھا۔ وہ حیرانی سے ہماری گفتگو سن رہی تھیں۔

''آپ نے کسی کو پہچانا؟'' میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''نہیں، دل میں حسرت ہی رہ گئی۔''

''خیر کوئی بات نہیں۔'' میں نے جوش میں کہا۔ ''میں ان سے نمٹ لوں گا۔''

یہ بات میں نے سب کے سامنے دانستہ کہی تھی۔ اب اس میں کوئی کلام نہیں تھا کہ دنیش چندر سے میرا ربط ضبط کس قدر گہرا ہو چکا ہے، تمام احتیاطیں ہاتھ سے نکلی جا رہی تھیں، حالات ہی کچھ اس انداز میں پیش آ رہے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی مزید کوئی احتیاط روا رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ''راج کمار!'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''نشانہ میرا بھی برا نہیں ہے اور میں دشمنوں کو پہچاننے والی آنکھیں بھی رکھتا ہوں۔ اگر انہوں نے تیور نہ بدلے تو اب میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گا۔''

''دنیش!'' شاردا نے تنبیہی آواز میں کہا۔ ''پہلے تم اپنی صحت کی طرف توجہ دو اور نقارہ بجوا دو کہ پرکاش بھون کے لوگ راجے پور کی گدی کے لالچی نہیں ہیں۔''

''شاردا'' دنیش نے بگڑ کے کہا۔ ''کون کہتا ہے کہ ہمیں اس کی تمنا ہے؟ ہمارے کس عمل سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ہم راجے پور کی گدی کے خواب دیکھ رہے ہیں؟ مہاراجہ امرناتھ کی موجودگی میں ایسا سوچنا بھی گناہ ہے، بھگوان کرے وہ لمبی عمر پائیں۔ میں تمہاری خاطر یہ اعلان کر رہا ہوں کہ ہمیں راجے پور کے محل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بھون ہماری ریاست ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہم اپنے دشمنوں سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہیں، یا ہم بزدل ہیں۔ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں۔ وہ ہاتھ قلم کر دیئے جائیں گے جو ہمارے بھون کے کسی شخص پر اٹھنے کی گستاخی کریں گے۔ ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔''

''بس بس۔'' بزرگ مہارانی مایا دیوی نے بگڑے تیوروں سے کہا۔ ''بہت ہو چکا۔ دنیش کو آرام کی ضرورت ہے۔ اور تم سب اسے گھیرے ہوئے ہو۔''

''ہم لوگ بھی یہاں کھڑے ہیں۔'' پریت نے طنزیہ کہا۔

''ہاں۔'' دنیش نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''کہو پریت، کیسی ہو؟''

''اپنی بتاؤ۔'' ہیما ناراضی سے بولی۔ ''شاید ہم پر توجہ نہیں دو گے۔ بھون میں انقلاب آ چکا ہے۔ پرولتاریا نے حکومت سنبھال لی ہے۔''

''ابھی تک تو نہیں لیکن بورژواؤں کے یہی طور طریق رہے تو پرولتاریا یقیناً سر ابھاریں گے۔'' دنیش کے بجائے شاردا نے تیزی سے جواب دیا۔

''شاید ہمیں دوبارہ وضاحت کرنی چاہئے۔'' دنیش چندر نے بلند آواز میں کہا ''کہ موہن داس ہمارا سب سے قریبی آدمی ہے۔ بھون کے لوگوں کو ہمارے فیصلے کا

احترام کرنا چاہئے کیونکہ ہم یہاں کے مکینوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ موہن داس ایک وفادار، جانثار، ذہین اور جرأت مند نوجوان ہے۔ اس نے اپنی خوبیوں ہی سے ہمارے دل میں یہ مقام پیدا کیا ہے۔'' دنیش نے بے پروائی سے کہا۔

''لیکن ہم ایسی فیاضیوں کے عادی نہیں۔'' پہلی بار بینا رانی بولی۔ ''ہمارے تجربہ کار پرکھوں کا قول ہے کہ جوتیوں کی سب سے موزوں جگہ پیر ہیں۔''

غصے کے بجائے دنیش کے چہرے پر ایک لطیف مسکراہٹ نے قبضہ کر لیا۔ اس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ ''بے شک، بے شک۔ آپ سچ کہتی ہیں مگر ہمارے پرکھ جوتی شناس ہونے کے ساتھ ساتھ جوہر شناس بھی تھے۔ وہ ہیرے پرکھ کے نہایت شوق اور شان سے اپنی پگڑیوں میں سجاتے تھے۔''

ممکن تھا، یہ گفتگو تلخ نتائج سے دوچار ہو جاتی کہ شکنتلا نے خوبصورتی سے دنیش کی توجہ رات کے واقعے کی طرف مبذول کر کے بھی لوگوں کو ممنون کیا۔ میں اس وقت ساری نظروں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ جیسے میں کوئی محیر العقول شے ہوں۔ پرکاش بھون میں آج تک کسی ملازم نے یہ حیثیت اختیار نہیں کی تھی۔ اب تک کی تمام گفتگو کا مرکز و محور میری ذات تھی اور مجھے پوری طرح احساس تھا کہ بدلتے ہوئے حالات میں مختلف لوگ میرے بارے میں کس طرح سوچیں گے؟ دنیش چندر کو ٹوکنے اور سمجھانے کا موقع نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکا تھا کہ وہ بھون میں سب کے سامنے اپنی اور میری دوستی کا اعلان کر دے گا۔ اس کی طرف سے یہ ایک غیر رسمی اعلان کیا گیا تھا۔ راج کماریوں اور رانیوں کی نشتر نگاہوں سے بچنے کے لیے میں نے گردن جھکا لی۔ یہ کشمکش اس وقت ختم ہوئی جب ان ناک چڑھے لوگوں کو ڈاکٹر نے سخت لہجے میں مخاطب کیا اور مزید بات چیت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت متذبذب شاردا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا کہ میں بھی باہر آ جاؤں۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ باہر آ کے مجھے بڑے دل آزار جملوں اور رویوں کا نشانہ بننا پڑا۔ میرے بارے میں ملاقاتی کمرے اور راہداری میں تبصرے ہو رہے تھے، جی میں آئی کہ میں ان بدزبان عورتوں کی زبانیں کاٹ لوں اور ان پھدکتی لڑکیوں کو بتادوں کہ خون، رنگ اور نسل کا اعلیٰ نمونہ کیا ہوتا ہے؟ لیکن میں خاموشی سے باہر آنے لگا۔ دروازے پر بینا رانی کی درشت آواز نے میرے قدم روک لیے۔ ''موہن!'' اس نے طنطنے سے کہا۔ ''ہمیں کسی وقت تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

”جی مہارانی!“ میں نے ادب سے کہا۔ ”میں آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔“

”اور سنو!“ پریت نے آواز دی۔ ”یہ دیکھو ذرا ہمارا سینڈل باندھتے جاؤ۔“

”پریت!“ شاردا کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔ وہ غصے سے لرز رہی تھی۔ ”تم سب ......“ کہتے کہتے رک گئی۔

”تم سب؟“ پریت نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ”تم کہنا کیا چاہتی ہو شاردا؟“

”میں کچھ کہنا نہیں چاہتی......“ اس کے ہونٹ لرزنے لگے اور وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں دروازے میں الجھا کھڑا رہا۔ یہ میری زندگی کے بے حد مشکل لمحے تھے۔ وہ عورتیں طرح طرح میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ اگر میں کسی منفی ردعمل کا اظہار کرتا تو بات کا بتنگڑ بنا کے وہ میرے خلاف محاذ قائم کر لیتیں اور بستر پر لیٹا ہوا۔ دنیش چندر دیکھتا رہ جاتا۔ ہیما کہہ رہی تھی۔ ”موہن داس تم ایک گھوڑے کی طرح مضبوط ہو۔“ ادھر مالتی کا ارشاد تھا کہ میں ایک کتے کی تمام خصلتیں رکھتا ہوں، پریت اپنا پاؤں آگے کیے میری منتظر تھی تاکہ میں آ کے اس کا تسمہ باندھوں، پارو یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے چند قدم آگے بڑھائے تاکہ پریت کے سینڈل کا تسمہ باندھ دوں لیکن میں ارادے کے باوجود آگے نہیں بڑھ سکا۔ ایک لمحے میں غصے اور غضب کی کتنی لہریں آ کے گزر گئیں؟ پھر میں نے مستحکم آواز میں کہا۔ ”راج کماری پریت! آپ مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہیں۔ اگر میرا امتحان ہی مقصود ہے تو کوئی بڑا حکم صادر کیجئے۔“ میں کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا، لیکن ناقابل برداشت طور پر میں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ قریب تھا کہ میں پریت کے پاس جا کے اس کے رخسار پر ایک طمانچہ رسید کر دیتا، اس وقت کچھ بھی ممکن تھا، اس وقت میں قتل بھی کر سکتا تھا، شاید دوسرے لوگوں نے میرے تیور محسوس کر لیے۔ بینا رانی ایک جہاں دیدہ عورت تھی۔ وہ بھانپ گئی کہ ایک صحت مند اور غریب نوجوان جوش میں آتا ہے تو کیا کچھ کر گزرتا ہے؟

”پریت! تم نے سنا کہ کل رات بھون میں دو اور ملازموں کا خون ہو گیا ہے۔ رام پرشاد اور تیواری۔“

”کیا۔“ وہ حیرت سے اچھل پڑی۔

”ان کی لاشیں باغ کے حوض سے برآمد ہوئی ہیں۔“

پریت کی نظریں بے اختیار میری جانب اٹھ گئیں۔ بھون کی دوسری عورتیں جو دنیش کے حادثے پر تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ یہ خبر سن کے متوحش ہو گئیں۔

”انہیں کس نے مارا؟“ پریت نے بے ساختہ کہا۔

”کون جانے۔“ ہیما نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ”کون جواب دے سکتا ہے۔“

”اوہ، اوہ۔“ پریت تلملا کے بولی۔ ”یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔“

میرے ٹھہرنے کی وہاں ضرورت نہیں تھی لیکن میں پریت کی برہمی اور اشتعال کے دلچسپ منظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہاں ٹھہر گیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ خبر کن لوگوں کے لیے تازیانہ ثابت ہوئی ہے؟ عجیب اتفاق ہے پریت کو بروقت یہ خبر سنائی گئی۔ عین اس وقت جب وہ میری ذلت کے درپے تھی۔ دفعتاً ملاقاتی کمرے میں ایک انتشار سا برپا ہوا۔ سب کی نگاہیں دروازے کی طرف مرکوز ہو گئیں، میں نے مڑ کے دیکھا، بوڑھا سادھو اندر داخل ہو رہا تھا۔ میں نے نمستے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ غیر متوقع طور پر اس نے اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا اور بھون کی تمام عورتوں کے ہاتھ پرنام کے لیے جڑ گئے۔ وہ عقیدت و احترام سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سادھو کے لبوں پر ایک بزرگانہ مسکراہٹ تھی۔ ان سب کے لیے یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ سادھو نے بے تکلفی سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہے، لال پیلے رخسار اور دمک اٹھے، ساڑھیوں میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ میں اپنے اندر کچھ زیادہ اعتماد محسوس کرنے لگا اور پہلی مرتبہ مجھے یہ منظر دلچسپ اور دلکش لگا۔ ان میں بے حد حسین عورتیں تھیں۔ پرکاش بھون کے آسودہ، شرارتی' شوخ اور لہریں مارتے ہوئے بدن۔

”مہاراج!“ بزرگ مایا دیوی سادھو کے چرن چھوتے ہوئے بولی۔ ”بھگوان سے ہم لوگوں کو شرن دینے کے لیے پرارتھنا کرو۔“

”سب مایا جال ہے۔“ سادھو نے اپنا پرانا نعرہ بلند کیا۔ ”دان پن کرو بھگوان کو یاد کرو۔“ سادھو ایک ہاتھ میرے کاندھے پر رکھے دوسرا ہاتھ سادھوؤں کے روایتی انداز میں اٹھائے آگے بڑھتا رہا اس کے احترام میں سب پیچھے ہٹ گئے۔ ”سن رے!“ وہ تمام لوگوں سے بے نیاز ہو کے مجھ سے بولا۔ ”ہر وقت اس خیال میں مست پڑا رہ، کبھی دیوی کی اور بھی دھیان دیا کر۔“

کل سہ پہر ہی سادھو سے میری تفصیلی گفتگو ہوئی تھی، اس لیے میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ ''مہاراج! ہم سے کون سا پاپ ہو گیا ہے؟ کون لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں؟ دنیش پر حملہ کس نے کیا ہے؟ رات بھی بھون میں دو نوکر مارے گئے۔ مہاراج کچھ بتاؤ ہم کیا کریں؟'' رانی مایا دیوی ہاتھ جوڑتی ہوئی عاجزی سے بولی۔

''جس لکڑی پر بسیرا ہے، اسی کو کاٹا جا رہا ہے، جب تک لکڑی کٹ نہیں جائے گی یہی ہوتا رہے گا۔ یہی ہوتا رہے گا۔'' سادھو مسکراتے ہوئے بولا۔ ''کدھر ہے راج کمار۔''

''اس کمرے میں۔'' ایک ساتھ بہت سی آوازیں آئیں۔

سادھو نے دنیش کی خواب گاہ میں داخل ہو کے ایک نظر مسہری پر ڈالی۔ دنیش کے چہرے پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہا اور بدبداتا رہا۔ ''چل بھئی! واپس چل۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' سادھو نے واپس ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟'' مایا دیوی نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بچ گیا۔ بچ گیا۔'' اس نے بے نیازی سے کہا اور مجھ سے بلند آواز میں بولا۔ ''خیال رکھیو۔''

یہ بات سبھی نے سنی تھی۔ سادھو ملاقاتی کمرے میں ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہوا باہر جانے لگا اور جاتے جاتے اچانک ٹھہر گیا۔ ''ناریو!'' وہ بزرگانہ لہجے میں بولا۔ ''کالا اور سفید پہچانو۔ کیوں اپنا گلا خود کاٹ رہی ہو۔ اپنی آنکھوں سے میل نکالو، اپنا دل صاف کرو۔ نہیں تو دیوی کو غصہ آ جائے گا۔ کیوں رے؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''دیوی ناراض ہو جائے گی تو کیا ہو جائے گا، انہیں سمجھا دے۔''

''کوئی نہیں سمجھتا۔'' میں نے افسردگی سے جواب دیا۔ ''سب نشے میں ہیں، سب نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔'' موقع غنیمت دیکھ کے میں نے پرزور آواز میں کہا۔

''تو پھر بھگوان جانے۔ تو کن چکروں میں پڑ گیا؟ آ میرے ساتھ۔''

''ضرور آؤں گا، ضرور آؤں گا۔ بس کچھ دن رہ گئے ہیں۔''

جب میں سادھو کو راہداری میں چھوڑنے آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ بھون میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ سراسیمہ چہروں نے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ ''راج کمار کیسے

ہیں؟'' بہت سے ملازموں نے مجھے گھیر کے پوچھا۔ میں نے انہیں تسلی دی۔ حالانکہ ان میں سے بہت سوں کے لیے یہ خبر دہشت کا سبب بن گئی ہو گی۔ راج کمار دنیش۔ بھون کی امیدوں کا مرکز تھا اور پھر کوئی اور راج کمار اتنا ذہین، ایسا فطین نہیں تھا جو بھون کے معاملات میں نگران کی حیثیت سے قبول کیا جائے۔ سریش چھوٹا تھا، نریش چند اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر گئے ہوئے تھے، پرکاش چندر کے بعد مہیش چندر، پھر دنیش چندر، بھون میں ہر طرف خوف چھایا ہوا تھا۔ ہر شخص اپنا راگ الاپ رہا تھا، کوئی کہتا تھا، یہ مہاراج امرناتھ کی شرارت ہے کیونکہ انگریز راج کمار دنیش کو گدی دینا چاہتے تھے، کسی کا خیال تھا کوئی بدروح اس بھون میں آ گئی ہے۔ کوئی جگدیپ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ ان سب کا خیال تھا کہ میں کوئی نئی بات بتاؤں گا۔ راستے میں مجھے ڈالی مل گئی، اس کا چہرہ گندا، میلا اور زرد ہو رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا' بس ایک ٹک دیکھا کی۔ اس بار روئی بھی نہیں۔ میرے کپڑے دنیش کے خون سے آلودہ تھے، میں اپنی خوفزدہ ہرنی ڈالی کی پشت پر ہاتھ رکھے اسے کوارٹر تک لے آیا۔ ڈالی نے برابر کے کوارٹر سے گڈے کو وصول کیا۔ میں رات بھر غائب رہا تھا اور گزشتہ کئی راتوں سے یہ سلسلہ جاری تھا۔ اب کہنے سننے کے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیا کہے گی؟ اور اسے معلوم تھا کہ میرا جواب کیا ہو گا؟ اس لیے اس نے کوئی سوال نہ کر کے مجھے جواب کی زحمت سے بچا لیا۔ تھکن سے بدن چور چور تھا۔ گھر جا کے تھکن کا احساس شدید ہو گیا۔ میں چارپائی پر کسی شرابی کی طرح گرا اور ڈھیر ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے تو سدھ بدھ بھی نہیں رہی۔ پھر ایسی آنکھ لگی جیسے میں مر گیا ہوں مگر جلد ہی مجھے دوبارہ زندہ ہونا پڑا، جیسے تیسے جسم پر ایک گھڑا پانی کا ڈالا۔ ڈالی نے کپڑے دھو رکھے تھے۔ میں وردی پہن کے پھر میدان جنگ کی طرف چلا۔ ڈالی نے صرف اتنا پوچھا۔ ''کچھ کھائے گا شیرو؟''

''تجھے کھاؤں گا۔'' میں نے ایک بے تکا سا جواب دیا۔

''کھاتا جا پتہ نہیں واپس آنا ہو نہ آنا ہو۔''

''سچ کہتی ہے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ ''جو کچھ موجود ہے، جلدی لے آ، ناز نخرے مت کرنا دیر ہو رہی ہے۔''

''ناز نخرے کس پر کروں گی؟'' وہ اداسی سے بولی اور ڈلیا میں رکھی ہوئی روٹیاں اس نے میرے سامنے پیش کر دیں۔ میں نے بہ عجلت تمام انہیں زہر مار کیا۔ کھا

پی کے میں نے جھینپ مٹانے کے لیے گڈے کو گدگدایا۔ ’’روتی کیوں ہے ری؟‘‘ میں نے اس کی پیشانی کا اچٹتا ہوا بوسہ لیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

جیسے ہی میں باہر آیا، میں نے دیکھا کہ دو آدمی بھاگتے ہوئے میری طرف آ رہے ہیں۔ مجھے کپکپی سی آ گئی۔ ’’کیا بات ہے بھیا؟‘‘ میں نے ان کے قریب جا کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

’’راج کمار تمہیں بلا رہے ہیں موہن داس جی!‘‘ انہوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

’’کیوں خیریت تو ہے؟‘‘ میں نے تشویش سے پوچھا۔

’’پتہ نہیں موہن داس جی! ہمیں تو اندر سے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ تمہیں بلا لائیں بھگوان جانے کیابات ہے؟‘‘

’’میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔‘‘ میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ بھون میں کئی اجنبی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دنیش چندر نے مجھے کیوں یاد کیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کیا مجھے فوراً جانا چاہیے، ایک مرتبہ اسی طرح بلا کے مجھے پولیس کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا میں نے اپنی رفتار سست کر دی۔ ممکن ہے، دنیش کی آنکھ کھلی ہو اور اس نے مجھے وہاں نہ پا کے اضطراب محسوس کیا ہو؟ یقیناً اسے یہ خیال ہو گا کہ اس کی بیماری میری زندگی کے لیے بہت سے خطروں کا باعث ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ چاہتا ہو گا کہ میں ہر لمحے اس کے سامنے رہوں کیونکہ اس طرح میں زیادہ محفوظ رہ سکتا ہوں۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بھون میں اس سب سے بڑا، سب سے جگری دوست میں ہوں۔ اس قیاس آرائی سے میرے بیمار ذہن کو شفا ملی لیکن اگر ایسا نہیں ہوا اور مجھے پولیس کے حوالے کر دیا گیا تو؟ پولیس جس کے نام سے ہی میری روح لرز جاتی تھی۔ بظاہر میری گرفت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کوئی ایسا نشان نہیں تھا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ گزشتہ رات رام پرشاد اور تیواری کی ہولناک اموات میرے ہاتھوں انجام پائی ہیں۔ دنیش کے پستول سے گولیاں چلیں کس نے چلائیں؟ کیا وہ پستول بھون میں صرف دنیش کے پاس تھا؟ میں حادثے کے وقت کہاں تھا؟ بینارانی کے کمرے میں مگر بینارانی انکاری ہو گئی..... تو کیا ہو گا؟ دنیش چندر کی علالت میں اور کچھ نہیں تو مجھے پریشان کرنے کے لیے پولیس کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھر کون میری پشت پناہی کے لیے یہاں بیٹھا ہے؟ شاردا ایک کمزور لڑکی ہے، پارو کی ہمدردیاں مشکوک ہیں۔ ایک بار پولیس سے تعلق خاطر پیدا ہو جانے کی صورت میں میرے ماضی کی لاش خود بخود برآمد ہو سکتی تھی اور پولیس سے دور دور کھنچے کھنچے رہنے میں اس کی نفرت کا ڈر تھا۔ کسی گوشے میں امان نہیں تھی۔ دنیش چندر نے بیمار ہو کے مجھے لنگڑا کر دیا تھا، میں بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ کلکتہ کی پولیس ایک گمنام قاتل کی تلاش میں تھی۔ راجے پور کی پولیس میں اپنے نام کا اندراج اور ہو جاتا تو زندگی کی رہی سہی امید بھی ختم ہو جاتی۔ صدر دروازہ دور سے کھلا ہوا نظر آتا تھا، بھاگ جاؤں؟ میں نے خود کو آمادہ کیا۔ بھاگ جاؤں تو اپنے جرائم کا خود ثبوت فراہم کروں گا اور شکاری کتوں کو پیچھے لگا لوں گا۔ کوارٹر میں روپوش ہو جاؤں گا تو دنیش چندر کو اکیلا چھوڑ دوں گا۔ مر جاؤں گا تو ڈالی اور گڈے کے قتل کا سبب بنوں گا۔ شاردا کو دق میں مبتلا کروں گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کی جائے۔ مہاراج آئیں تو ان سے ملا جائے، کنول آئے تو اس کی خدمت کی جائے، کرنل ہارڈنگ حیرت انگیز نظروں سے دیکھے تو اسے دیکھنے دیا جائے، ٹھیک ہے، پولیس آئے گی، آنے دو' پکڑے گی، پکڑنے دو' راز کھل جائے گا، کھلنے دو، میں بدلتے ہوئے حالات کا پہیہ بدلنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ مجھے ہر نئے حادثے کے لیے مستعد رہنا چاہئے۔ ممکن ہے، کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے اور کیچو؟ میں اسے بھول ہی جاتا ہوں۔ کیچو کا پراسرار وجود بھی تو میری دوستی کا دم بھرتا ہے، سادھو اور پنڈت مجھ پر مہربان ہیں، یہ سب بے وجہ نہیں ہے۔ میر جمشید عالم! آگے بڑھو، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ایک بار فیصلہ کر لو بار بار کیوں سوچتے اور جھجکتے ہو۔

میر جمشید عالم نے خود کو ایک کھلونا بنایا ہوا تھا، چابی بھر دو تو گھر گھر چلنے لگتا تھا۔ کسی سمت، کسی دیوار کا خیال نہیں کرتا تھا۔ ہر شے سے ٹکرا جاتا تھا، چابی ختم ہو جائے تو ڈوبا رہتا تھا۔ زندگی بھی ایک کھلونا ہے، اس کی چابیاں نظر نہیں آتیں لیکن ہر شخص کو چابی کی ضرورت پڑتی ہے۔ بھون میں آ کے کئی چابیاں مجھے زندہ رکھے ہوئے تھیں۔ کبھی شاردا کا حسن و جمال اور التفات' کبھی دنیش چندر کی دوستی کی چابی، کبھی پریت، ہیما، بینارانی اور جگدیپ الٹی چابی بھر دیتے تھے۔ ان سب سے بڑی چابی کیچو کی تھی، جب میری زندگی کی موٹر کسی دیوار سے ٹکرا کے رکنے لگتی تھی تو کیچو اس کا رخ موڑ دیتی تھی اور جب کچھ نہیں ہوتا تھا تو میں خود اپنے اندر چابی بھرنے لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں کو اپنے آپ کو چابی لگانا نہیں آتی۔ یہ خاصا مشکل کام ہے لیکن جسے یہ ہنر آ

جاتا ہے، وہ زندگی پر قبضہ کر لیتا ہے۔

میں نے اندر قدم رکھا تو کئی شناسا چہرے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ راجے پو
کے رئیس ابن رئیس اپنے ہم جنس کے سلسلے میں بڑے متفکر تھے۔ پولیس نہیں آئی تھی۔
خوش اطوار اور خوش ذوق مرد و زن راہداری میں پرکاش بھون کے حسین و جمیل لوگوں
سے محو گفتگو تھے۔ میں جب اندر پہنچا تو کئی نگاہوں نے میرا طواف کیا۔ کسی نے کسی
سے پوچھا، یہ اونٹ گردن اونچی کیے کہاں سے آ رہا ہے؟ جو جواب دیا گیا ہوگا، و
میں نے نہیں سنا۔ لباس اس وقت میرا بھی برا نہیں تھا، لیکن اس پر ملازموں کی چھاپ
پڑی ہوئی تھی۔ برا ماننے کی بات نہیں تھی۔ میں بہرحال یہاں ایک ملازم تھا۔ دنیش
چندر، بھون اور راجے پور میں آنجہانی پرکاش چندر کی پھیلی ہوئی دولت کا بلاشرکت
غیرے مختار نہیں تھا، نگران ضرور تھا۔ ملاقاتی کمرے میں بھی مہمان موجود تھے۔ نر
ادھر سے ادھر تھرک رہی تھیں۔ ملازم مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔
خوش رنگ داسیاں اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔ مہارانی مایا دیوی احکام صادر کر رہی تھیں۔
دنیش چندر کے محل کا یہ حصہ پہلے بھی بھون کا دارالحکومت تھا۔ اس وقت دارالحکومت
زبردست سرگرمی دکھائی دے رہی تھی۔ میری حالت پہلے سے بہت مختلف تھی۔ غسل
بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ذہن کا میل چھوٹ گیا ہو۔ غسل نہ کیا جائے تو آدمی
ہو جائے۔ دنیش کی یتیم و یسیر بھانجی نوخیز سندھیا ابھی جوانی کی دھیا اچک اچک
چھونے کی فکر میں تھی۔ وہ میرے پاس بجلی کی طرح تڑپتی ہوئی آئی۔ وہ ابھی ب
کے رنگ ترنگ میں نہیں بہی تھی۔ اس منزل میں تھی جہاں آنکھیں حیرت سے چ
دیکھتی ہیں، کچی کلی۔ میرے شہر الہ آباد کا کوئی اَدھ پکا امرود، جس پر سرخ دانے ہو
ہیں اور جو اندر سے لال ہوتا ہے۔ "وہ تمہیں برابر پوچھ رہے ہیں۔" اسے نے س
سے کہا۔

"سندھیا جی! آپ ہمارا بڑا خیال رکھتی ہیں" میں نے مستی میں کہا۔

"تم مجھے برے آدمی نہیں لگتے۔"

"میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟ سچ سچ بتائیے۔"

"اچھے" وہ شرما کے بولی۔ "کیا میری تمہاری عمر میں بہت بڑا فرق ہے

"نہیں، ایسا بھی نہیں۔ دو ایک سال بعد تو بالکل معلوم نہیں ہوگا لیکن
بہت بڑا فرق ہو جائے گا۔"

"کیا فرق ہو جائے گا؟"

"پھر آپ ہم سے اس طرح بات نہیں کریں گی، شرمائیں گی۔" وہ آنکھیں
پٹ پٹانے لگی۔ میں اسے شرماتی ہوئی چھوڑ کے دنیش چندر کے کمرے میں وارد ہو گیا
یہاں کرسیوں پر معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ دنیش چندر کی حالت پہلے سے بہت بہتر نظر
آ رہی تھی۔ وہ مسہری کے تکیے سے لگا بیٹھا تھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے غیر رسمی انداز میں پوچھا۔

"یہیں ذرا ایک کام سے۔" میں نے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔

"اب تم یہیں میرے پاس رہو گے کہیں جاؤ گے نہیں۔"

"بہتر ہے۔" میں نے اختصار سے کہا اور دور پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ
گیا۔ کارنر میز پر یورپین رسالے پڑے تھے میں ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دنیش
پھر مہمانوں سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مہمان چلے گئے تو اور آ گئے
اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ڈاکٹر نے دوبارہ اختیارات نہیں سنبھال
لیے۔ نرسوں کے سوا کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کمرہ خالی ہو گیا اور صرف
نرسیں رہ گئیں۔ دنیش نے انہیں چند لمحوں کے لیے باہر جانے کا حکم دیا۔ پھر میں اور
دنیش اکیلے رہ گئے۔

"ادھر آؤ موہن!" دنیش نے کہا۔

میں لپکا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ "دنیش بابو آپ جلدی صحت یاب ہونا نہیں
چاہتے؟" میں نے ناگواری سے کہا۔

"میں تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔"

"میرا بھی یہی حال ہے۔" میں نے اس کا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"وقت کم ہے اور ڈاکٹر خاصا نامعقول شخص ہے۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا
کہ یہ لوگ میری علالت سے فائدہ اٹھا کے تمہیں نشانہ بنائیں گے اور تمہیں ہر حال
میں اس وقت تک یہاں خود کو محفوظ رکھنا ہے جب تک میں ٹھیک نہ ہو جاؤں۔ مجھے
یقین ہے کہ میں جلد اچھا ہو جاؤں گا۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا لیکن میں رات کو تھوڑی دیر کے لیے باہر
جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

''نہیں سب کو ایک ساتھ دیکھ لیں گے تم یہاں نہیں ہو گے تو مجھے بے چینی رہے گی۔''

''میں احتیاط سے جاؤں گا۔''

''اتنی عجلت مت کرو یہ لو چابیاں سامنے والی پینٹنگز ہٹاؤ گے تو ایک الماری نظر آئے گی اس میں جدید ترین پستول رکھے ہیں ان میں سے کوئی اپنے لیے منتخب کر لو، سمجھے؟''

''آپ نے کل رات کسی شخص کو نہیں پہچانا؟ وہ کون لوگ تھے؟''

''میں نے ان میں سے دو ایک کی شکلیں دیکھی تھیں لیکن جب تک میں انہیں دوبارہ نہ دیکھوں، کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''آپ کا کیا خیال ہے، یہ حملہ کس طرف سے ہوا ہو گا؟''

''سنو، معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ کے ہاں بھی کچھ حرامزادے موجود ہیں۔ انگریزوں کی سازش تو نہیں معلوم ہوتی کسی نے ہمارے دشمنوں کو بتایا ہے کہ مہاراجہ نے مجھے اپنی خاص دعوت میں مدعو کیا تھا، انگریزوں کے ذریعے بھی یہ خبر پہنچائی جا سکتی ہے، ادھر مہاراجہ اپنے قریبی حلقے میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ وہ راج پاٹ چھوڑنا چاہتے ہیں اور جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے سوئٹزرلینڈ میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے قتل و خون کی ان سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے۔ حالانکہ مہاراجہ کا راج پاٹ چھوڑنا بعید از قیاس ہے۔ ممکن ہے، مہاراجہ اس طرح کا اظہار کر کے اپنی مقبولیت کا تخمینہ لگانا چاہتے ہوں؟'' دنیش نے سرگوشیوں میں کہا۔ ''ممکن ہے، یہ کوئی سیاسی قلندری ہو، سمجھ رہے ہو؟''

''میں ایسا نہیں سمجھتا مہاراجہ ایک زیرک آدمی ہیں اور پڑھے لکھے بھی ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انگریزوں نے ہندوستان کی متعدد ریاستوں پر کس ڈھٹائی سے قبضہ جمایا ہے، ان کی غیرمعمولی بصیرت نے تاڑ لیا ہے کہ اب زیادہ دنوں تک موجودہ حالات میں ریاست کا کاروبار نہیں چل سکتا لہٰذا وہ اپنی عزت و آبرو بچانے کی فکر میں ہوں گے اور واقعی تخت و تاج چھوڑنے میں سنجیدہ ہوں گے۔''

''ممکن ہے ایسا ہو لیکن پھر راج گدی پر کون براجمان ہو گا؟ موہن! ہمارے لیے بہت اہم بات ہے، اہم اس لیے کہ اس سے ہماری عزت و آبرو وابسطہ ہے۔ ہم نہ آئے بلکہ ہمارا کوئی حریف آیا تو وہ ہمارا وجود کسی طور پر برداشت

نہیں کرے گا چاہے ہم کتنا ہی اعلان کرتے پھریں کہ ہمیں راج پاٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر ہمارا کانٹا ہمیشہ اس کی آنکھوں میں کھٹکتا رہے گا۔''

''گویا آپ بھی میرے خیالات کی تائید کر رہے ہیں، آپ نے اب اس طرح محسوس کرنا شروع کر دیا ہے جس طرح میں نے پہلے سوچا تھا۔ ہمیں کنارہ کش ہونے کے بجائے انہیں حالات میں عزت اور بقا کی جنگ کرنی ہو گی۔ ہرچند کہ ہم بہت کمزور پوزیشن میں ہیں۔''

''میں رات کے حادثے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں کچھ زیادہ ہی بے حس، بے غیرت اور ظالم بننا ہو گا۔''

''ہاں یہ شاعری، موسیقی، خوش لباسی اور شیریں گفتاری نہیں چلے گی۔ خیر کچھ لوگ میری نظر میں ہیں میں ان سے ضرور تعلق بڑھاؤں گا اس حد تک کہ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔''

''یقین کرو میں نے یہ فیصلے صرف تمہاری وجہ سے کیے ہیں۔''

''اب ہمیں ان جملوں سے بلند ہو جانا چاہئے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔ ''یہ ابتدائی باتیں ہیں۔ اگر آپ بیمار نہ ہوتے تو میں آپ سے لڑ پڑتا۔''

''تو میں بیمار رہوں گا موہن! مجھے تیرے حوصلے پر رشک آتا ہے۔ دیکھ آج میں نے سب کے سامنے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ تیرا میرا تعلق کس قسم کا ہے؟ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔''

''آپ نے برا کیا، میرے دشمنوں میں اضافہ کر دیا۔''

''میں تو اور بہت کچھ کہنے والا تھا......'' وہ چپ ہو گیا۔

''اب آئندہ محتاط رہئے گا رفتہ رفتہ خود سب پر ہمارے تعلقات منکشف ہو جائیں گے۔ یہ اتنی اہم بات نہیں ہے کہ دوسرے کیا سمجھتے ہیں؟ اہم بات یہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے متعلق کیا سوچتے ہیں؟''

''موہن میرے پاس لفظ نہیں کہ میں......''

وہ جذباتی ہو رہا تھا، میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''وقت کم ہے نرسیں باہر کھول رہی ہوں گی اب کیا پروگرام ہے؟''

''موہن داس! بھون کے چند اعتماد کے آدمیوں کو بلا کے جگدیپ کے ہاں اس قسم کا کوئی نمونہ پیش کرو جو بھون میں ہمارے خلاف ہو رہا ہے۔''

”میں سمجھ گیا، آپ اطمینان رکھیے۔“

”آفیسر ان کمانڈ.....“

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے درمیان میں دخل دیا۔ ”آپ آرام کیجئے میں سمجھ رہا ہوں، جو آپ سوچ رہے ہیں۔ ذہن پر زور مت ڈالیے۔“

وہ حیرت سے میرا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔ ”تو میں مطمئن رہوں؟“

”ہاں، مجھے کچھ رقم اور پستولوں کی ضرورت ہے۔“

”چابیاں تکیے کے نیچے پڑی ہیں۔“

میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ہمہ وقت میرے یہاں موجود رہنے سے مہاراجہ، کرنل ہارڈنگ اور کنول کی نظر مجھ پر ضرور پڑے گی، اگر انہوں نے مجھے پہچان لیا تو؟ لیکن میں نے دنیش سے اس مسئلے پر کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے تکیے کے نیچے سے چابیاں اٹھائیں، اس کی ہدایت پر سیف سے نوٹ نکالے، دوسری الماری سے ایک اعلیٰ قسم کا پستول جیب میں رکھا اور ملاقاتی کمرے میں آ گیا۔ مجھے باہر آتا دیکھ کے نرسیں مضطرب ہو کے اندر کی طرف دوڑیں، دن کے بارہ بجے تھے، میری جیبوں میں دونوں طرح کا بارود تھا۔ میں بھاگا بھاگا ڈالی کی تلاش میں گیا وہ گھر پر موجود نہیں تھی، چنانچہ میں شاردا کی طرف نکل گیا۔ اتفاق سے وہ مجھے اپنے کمرے میں تنہا مل گئی۔ میں نے جاتے ہی اسے اٹھا لیا اس کا بند ٹوٹ گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ رونے کے فن میں اس قدر ماہر ہے۔ میں خود غیرمتوازن ہو گیا۔ ورنہ میں اس کی خوبصورت آنکھوں سے بہتا ہوا یہ زہر چلوؤں سے پیتا۔ مجھ سے کچھ نہ بنا تو میں نے اس کے رخسار پر بے تابانہ اپنی زبان رکھ دی، یہ نمکین اور گرم آنسو میرے حلق میں اترے تو جسم ٹوٹنے لگا۔ ”شاردا! “ میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اس طرح مت پیش آؤ، میرے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔“

”موہن! “ وہ چیختی ہوئی بولی۔ مجھے بے ہوش کر دو، گہری نیند سلا دو، جب تمہارا من اپنی توہین اور بے عزتیوں سے بھر جائے تو مجھے اٹھا دینا۔

”پاگل! “ میں نے چمکار کر کہا۔ ”اتنی معمولی باتوں سے پریشان ہو گئیں؟ ابھی سے سانس اکھڑ گئی؟ اتنی حساس ہو گئی تو زندگی کیسے گزارو گی؟ یہ توہین عارضی ہے تم ذرا صبر کر کے دیکھتی رہو کہ آئندہ کیا ہوتا ہے؟“

”یہ حماقت اور نادانی ہے موہن! “ وہ تڑپ کے بولی۔ ”میں بڑی ابھاگن ہوں تمہیں اس حد تک متاثر بھی نہیں کر سکی کہ تم میری خاطر کسی بڑے ایثار پر آمادہ ہو جاؤ۔“

”میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتا ہوں، دیکھو نہ شاردا! “ میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”میری جان! میری زندگی! ہم غیرمناسب وقت میں تو یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ ہمیں اس کے لیے صحیح وقت کا انتخاب کرنا ہو گا۔“

”یہ تو میں بھی جانتی ہوں، میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم اس آگ سے خود کو علیحدہ رکھو جو دنیش کے گرد اس بھون میں جل رہی ہے۔“

”ہاں“ میں نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ”یہ صحیح ہے، میں نے علیحدہ رہنے کی کوشش کی تھی مگر تمہارے بھائی دنیش چندر نے مجھے اس آگ کے قریب گھسیٹ لیا، اس کے بعد حالات کچھ اس تیزی اور کچھ ایسے انداز سے پیش آئے کہ میں ہر معاملے میں ملوث ہوتا گیا۔ اب میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ میں خاموش بیٹھا رہوں، یا روپوش ہو جاؤں۔ وہ میری روپوشی اور خاموشی بھی کسی سازش پر محمول کریں گے۔ وہ میری زندگی کے پیچھے پڑے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں کہ کئی حملے مجھ پر ہو چکے ہیں اور کئی دنیش پر۔ یہ واقعات بھون کے لوگوں کو نہیں بتائے گئے۔ دنیش چندر کے گلاس میں زہر دیا گیا، اس کی خواب گاہ میں ایک خطرناک سانپ چھوڑا گیا۔ مجھے راجے پور کی بستی میں دس غنڈوں نے گھیر کے ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا تھا۔ میں ان سے جنگ کرتا ہوا کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ میں نے تمہیں یہ ساری باتیں اس لیے نہیں بتائی تھیں کہ تم پریشان ہو گی۔ تمہاری بہنیں دشمنوں کی پشت پناہ ہیں۔ وہ دنیش چندر کو ناپسند کرتی ہیں، صرف حسد کی بنیاد پر۔ چنانچہ وہ جگدیپ اور اس کے خاندان کی معاون بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کئی انگریز کی ایجنٹ ہیں۔ تم ابھی کچھ نہیں جانتیں دنیش اور میں تنہا ان سے جنگ کر رہے ہیں۔“

وہ حیرانی سے میرا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”میں بہت کچھ جانتی ہوں مگر اتنی سرگرمیوں کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تم نے مجھ سے بہت کچھ چھپایا۔“

”صرف اس لیے چھپایا کہ تم سے اتنے صدمے برداشت نہیں ہوں گے۔ تم پر پرکاش بھون کی سنگدلی کا رنگ نہیں چڑھا ہے۔ تم نے کتابیں پڑھی ہیں اور انسانوں کے دکھ درد سمجھے ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ کیا ایسے حالات میں، جبکہ دنیش چندر، تمہارا بھائی دشمنوں میں گھرا ہوا ہے، اس کی طرف سنگینیں تنی ہوئی ہیں، مجھے وہ نشانے پر لیے

ہوئے ہیں' کیا میں چھپ کر بیٹھ سکتا ہوں؟ یا تمہیں یہاں سے لے جانے کا انتا
قدم اٹھا سکتا ہوں؟"

"تم نے آج پہلی بار مجھ سے کھل کے گفتگو کی ہے مجھے بڑی خوشی ہو رہ
ہے کہ تم نے مجھے اپنے آپ میں شامل سمجھا۔ میں نے تو اپنی زندگی تم سے باندھ دی
ہے، سو یہ رازداری، یہ پردہ داری کیوں؟ مجھے سب کچھ بتاتے رہو اور میں اگر تم دونوں
کے کچھ کام آ سکتی ہوں تو مجھے کوئی کام بھی سونپو۔" اس کی آواز میں لرزیدگی تھی۔ "
جنگ مت کرو۔"

"میں تمہیں اس گندگی سے دور ہی رکھنا چاہتا ہوں لیکن ایک کام تم ضرور کر
سکتی ہو۔ تم اپنی بہنوں اور ان سے ملنے والے لوگوں کی سرگرمی پر نظر رکھ سکتی ہو۔"

"ضرور میں تمہارے اور دنیش کے لیے یہ ناپسندیدہ کام ضرور کروں گی۔"
شاردا نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"تو تم ہمارے لیے ایک بہترین ہتھیار کا کام دو گی۔"

"تم بہت خوفناک باتیں کر رہے ہو میں تو سہمی جا رہی ہوں۔"

میں نے اسے بے تحاشا سینے سے لگایا میرے پاس وقت کم تھا حالانکہ شا
کے پاس سکون کی چند گھڑیاں گزارنے کا بہترین موقع تھا۔ زنان خانے کی آبادی
رخ دنیش چندر کے محل کی جانب تھا، جہاں عیادت کرنے والوں کی نمائش لگی ہوئی تھ
ایسے موقعوں پر یہاں کی لڑکیاں خوش رنگ ملبوسات پہنتی تھیں اور خوب ہارسنگھار کر
تھیں۔ تاکہ راجے پور کے امراء ان کے حسن کی گرمی سے جھلس جائیں۔ شاردا کے
سبھی وہاں موجود تھیں۔ میں اسے یہ بتا کے بھاگا ہوا وہاں سے چلا آیا کہ اب دنیش کی
صحت یابی تک میرا قیام اسی کے محل میں رہے گا۔ ہجوم میں مجھے ڈالی بھی نظر آ گئی
ان دنوں پارو اور اس کے قریب رہنے والی خواتین کے احکام کی تعمیل کر رہی تھی۔ م
نے اسے اشارہ کیا تو وہ نامراد دوڑتی ہوئی آئی "ڈالی" میں نے غیرضروری باتیں حذ
کرتے ہوئے کہا۔ "ذرا بینا رانی، پریت اور جگدیپ کی طرف اپنا رخ موڑ دے، کہ
گئی؟" اس نے اداسی کے ساتھ گردن ہلائی، میں نے اسے کوئی اور بات کرنے
موقع نہیں دیا، اور میں آگے بڑھ گیا ڈالی کھڑی دیکھتی رہ گئی۔ میں اپنے چند
دوستوں سے رابطے قائم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر میں نے ایک دن کے لیے یہ ا
ملتوی کر دیا اور چپ چاپ دنیش چندر کی خواب گاہ میں آ کے بیٹھ گیا۔ دنیش آرام

تھا اسے میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ ابھی مجھے آئے ہوئے چند منٹ گزرے
ں گے کہ ڈاکٹر دوڑا ہوا آیا۔ "مہاراجہ امرناتھ پدھار رہے ہیں۔" اس نے بلند
واز میں کہا

دنیش کی آنکھ کھل گئی ساتھ ہی بھون کے باہر تیز سیٹیوں کی آوازیں آئیں۔
اس بات کا اعلان تھا کہ مہاراجہ کی سواری بھون میں داخل ہو چکی ہے۔ تمام نرسیں
ادب کھڑی ہو گئیں۔ دنیش چندر دوبارہ مسہری کے تکیے سے کمر ٹکا کے بیٹھ گیا۔
اقاتی کمرے سے آنے والی آوازیں یکسر معدوم ہو گئیں۔ مہارانی مایا دیوی، پارو،
ریش اور بینارانی کی معیت میں مہاراجہ امرناتھ' گلبدن کنول کے ساتھ دنیش کی خواب
گاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ میرا دل بے قابو ہونے لگا۔ سفید شیروانی میں مہاراجہ مسہری
کے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے دنیش کے پہلو میں بیٹھ گئے اور بہت قربت
کے انداز میں اس سے کل کے واقعے کی تفصیل پوچھنے لگے۔ خواب گاہ میں اس وقت
غیرمعمولی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ راج کماری کنول' مہذب اور پراشتیاق نظروں سے
دنیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دنیش نے گزشتہ رات پیش آنے والا واقعہ تمام تر نفاست
اور تاثر سے دہرایا، باتیں کرنے کے ہنر میں وہ بھی طاق تھا۔ مہاراجہ ہمہ تن گوش سنتے
اور سر ہلاتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی گمبھیر تاثر کا اظہار کریں گے مگر انہوں نے
حیرت انگیز طور پر خاموشی اختیار کی، کچھ دیر سوچتے رہے پھر بردباری سے بولے۔ "اس
واقعہ کی بڑے پیمانے پر تحقیقات کرائی جائے گی۔ تمہیں آئندہ احتیاط کرنی چاہئے
دنیش؟ بے فکر رہو ہم خود اس معاملے میں دلچسپی لیں گے۔"

"اب آپ کیا محسوس کر رہے ہیں دنیش؟" پہلی بار کنول کی آواز کا جلترنگ
بجا۔ "زیادہ دیر آرام کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"

"اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا، مہاراج آئے ہیں، آپ تشریف لائی
ہیں۔ اب تو روز گولیاں کھانے اور بیمار پڑنے کو جی چاہے گا۔"

"تمہاری شگفتگی نہیں گئی۔" مہاراجہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت شریر ہیں۔" کنول کے لبوں سے گلاب کی پتیاں جھڑنے لگیں۔
میں تو اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سفید ساڑھی میں ملبوس کہیں کہیں سے اس کے بدن کا رنگ
چمک رہا تھا۔ وہ رنگ جو تمام رنگوں سے دلکش ہوتا ہے۔ اس کے ترشے ہوئے
خدوخال کا نظارہ میری آنکھیں جلائے دے رہا تھا۔ وہ حسن و جمال کا مثالیہ تھی۔ اسے

دیکھ کے دنیش کی طبیعت میں جولانی آ گئی تھی۔ وہ شگوفے چھوڑ رہا تھا اور کنول اس کی لطیف باتوں پر زیرلب مسکرا رہی تھی۔ جب نظریں اٹھاتی تھی، دنیش کے جسم میں رعشہ سا پیدا ہو جاتا تھا۔ میں اس کی کیفیت دور سے محسوس کر رہا تھا۔ دنیش نے شراب پی لی تھی' بہک بہک جاتا تھا، ان دونوں کے درمیان دلچسپ نوک جھونک ہوتی رہی، مہاراجہ ہنستے رہے اور مہارانی مایا دیوی کنول کی ذہانت اور حسن کی تعریف کرتی رہی۔ حسن و جمال میں پارو بھی کسی سے کم نہیں تھی۔" مہاراجہ کو جلد ہی اس نے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ "کہیے دنیش!" راجکماری کنول نے اچانک پوچھا۔ "وہ آپ کے پروفیسر زاہدی کا کوئی سراغ ملا؟"

بے اختیار دنیش کی نگاہیں میری جانب مرکوز ہو گئیں میں ہاتھ باندھے ایک کونے میں مودب کھڑا تھا۔ کنول نے دنیش کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور تکنے لگی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو گم سم سی رہ گئی۔

"دنیش بے چینی سے پہلو بدلنے لگا میں نظریں جھکانے کے ... کنول کی آنکھوں میں اتر رہا تھا۔ "پروفیسر زاہدی کا کیا بھروسا؟" دنیش کہہ رہا تھا۔ "نہ جانے کس روپ میں کہاں بھٹک رہے ہوں؟"

پروفیسر زاہدی کے نام پر مہاراجہ بھی متوجہ ہو گئے اس کا استعجاب ابھی دور نہیں ہوا تھا، وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں باوقار انداز سے اپنی جگہ کھڑا تھا اور میری آنکھیں چمک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کے مہاراجہ بھی کشمکش میں پڑ گئے ۔ دنیش کی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ وہ پارو، مہارانی مایا دیوی اور بیتارانی کی موجودگی میں میرے بارے میں کوئی بات چھیڑنے سے گریز کر رہا تھا اور مہاراجہ کے سامنے کوئی بڑا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس دوران میں ٹرالی میں قسم قسم کے مشروبات آ گئے میں قریب کھڑا ہو گیا تا کہ مہارانی مایا دیوی کوئی حکم دیں تو تعمیل میں دیر نہ ہو۔ اور مہاراجہ نے کوئی تکلف کرنے سے پہلے ہی منع کر دیا تھا، تاہم اس رسم کی ادائی بغیر مہاراجہ کی آمد ادھوری رہ جاتی۔ "دنیش! ہم پروفیسر زاہدی سے دوبارہ ملنے خواہشمند ہیں۔" مہاراجہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یقیناً یقیناً۔" دنیش نے جھجک کر جواب دیا۔ میں ضرور اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، پروفیسر ہنگاموں سے گھبراتا ہے۔ اس کے تعلقات بھی محدود ہیں لیکن وہ خود دوبارہ آپ سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔"

"ہم نے سنا تھا کہ آپ کے ایک ملازم نے ریس کے میدان میں ایک گھوڑا ... کے پھینک دیا تھا؟ اسے ہمیں دکھائیے۔" کنول نے سرتاپا میرا جائزہ لیتے ہوئے

"وہ تو یہی ہے۔" پارو نے جواب دیا۔ "یہ موہن داس۔"

میں نے جھک کر دو سلام کیے۔ "یہ نوجوان؟ اچھا، اچھا۔" مہاراجہ نے پرخیال ... میں کہا۔ "دنیش! ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہم اسے پہلے دیکھ چکے ہیں۔" مہاراجہ ... انگریزی میں کہا۔

"ضرور دیکھا ہو گا۔ یہ میرا خاص آدمی ہے، بہت ذہین، بہادر اور وفادار ہے۔ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔" دنیش نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

"ہوں بے شک۔" مہاراجہ کچھ سوچتے ہوئے بولے اور پارو سے پوچھا۔ "پارو! کیا تم نے پروفیسر زاہدی سے ملاقات کی تھی؟"

"میں انہیں نہیں جانتی۔ یہ کون صاحب ہیں؟" پارو نے مہذب لہجے میں ... پوچھا۔

"یہ ایک شخص تھا جو راجے پور میں آیا تھا، اس نے ہمیں اور کنول کو بہت ... متاثر کیا۔" مہاراجہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"پھر کہاں چلا گیا؟" پارو نے تعجب سے پوچھا۔

"روپوش ہو گیا۔" مہاراجہ نے چستی سے جواب دیا۔ "عجب شخص تھا۔"

"یقیناً بہت ذہین ہو گا جو ایک مہاراجہ کی نظر انتخاب پر پورا اترا۔" پارو نے ...گی سے کہا۔

"سب اسے یاد کرتے ہیں۔ اس کے مزاج میں شوخی، نظر میں گہرائی اور ... میں شیرینی تھی۔" کنول نے کہا۔

"تو پھر مجھے اسے بلانا ہی پڑے گا۔ چاہے کنویں کھودنے پڑیں۔" دنیش ...ت کا ثبوت دے رہا تھا۔ وہ کوئی ایسا کمزور جملہ ادا نہیں کر رہا تھا جو مہاراجہ اور کنول ...ں گزرے اور بعد میں جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑے۔

کوشش کے باوجود بار بار میری اور کنول کی نگاہیں چار ہو جاتی تھیں۔ جب اس عمل کی تکرار ہوتی تھی، کنول کی آنکھوں سے شرارے پھوٹتے تھے۔ میں ان ...یک بے چینی دیکھتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پرسکون سی ہو گئی اور اس کے رخساروں پر

سرخی جھلکنے لگی۔ ہونٹوں پر ایک دل نواز تبسم رقص کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے پتنگوں نے میرا جسم کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ ایک ناقابل اظہار سا احساس ذہن و دل پر طاری تھا۔ جیسے مجھے سن کردیا گیا ہو، جیسے میرے جسم میں سوئیاں چبھ رہی ہوں۔ راج کماری کنول نے میری کیفیت شاید محسوس کر لی تھی اور میں نے دیکھا تھا کہ وہ کسی کل چین سے نہیں بیٹھتی ہے۔

"کیوں نہ آپ کچھ دنوں کے لیے راج محل میں منتقل ہو جائیں۔" کنول نے دنیش سے کہا۔

"ہا آں، یہ بھی ممکن ہے۔" دنیش نے سٹ پٹا کر جواب دیا۔ "مگر میں...... تقریباً ٹھیک ہو گیا ہوں ۔ ایک معمولی زخم ہے جو چند دنوں میں اچھا ہوجائے گا۔ کوئی بڑی بیماری ہوئی تو ضرور وہاں منتقل ہوجاؤں گا۔"

"بھگوان نہ کرے۔ دنیش آپ بہت ظالمانہ باتیں کرتے ہیں۔" کنول نے مسکرا کے کہا۔ "میں سوچتی تھی ذرا ایک چینج ہوجائے گی۔"

"کرنل ہارڈنگ کی صاحب زادی ریتا بھی آئی تھی، میں نے اس کے ساتھ شکار کا پروگرام بنایا تھا مگر اب میں بیمار ہو گیا۔" دنیش نے مہاراجہ اور کنول کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

"وہ بھی پروفیسر زاہدی کا ذکر کر رہی ہوگی؟ سچ تو یہ ہے کہ اس کے بغیر شکار میں کیا مزہ آئے گا؟"

مہاراجہ نے کہا۔ "بہرحال تم تندرست ہوجاؤ۔ ممکن ہے، اس وقت تک پروفیسر بھی آ جائے۔"

یہ کہہ کے مہاراجہ اٹھ گئے اور جگدیپ کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کنول کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے، لیکن کنول نے خوبصورتی سے انکار کردیا کہ وہ یہیں بیٹھی رہے گی، جب تک مہاراجہ جگدیپ کی عیادت کرکے واپس نہ آ جائیں۔ تینوں رانیوں کی رہبری میں مہاراجہ جگدیپ کی سمت روانہ ہو گئے۔ دنیش نے اشارہ کر کے نرسوں کو باہر بھیج دیا۔ میں کنول اور دنیش کمرے میں تنہا رہ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ "کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" آخر دنیش نے جمود توڑنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں۔" کنول چونک کر بولی۔

"صبح ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ میرے جسم سے کافی خون نکل گیا ہے، وہ کمی

دن بہت طویل ہو گیا تھا۔ رات آ کے ہی نہیں دیتی تھی۔ کل رات میرے جو فرائض ادھورے رہ گئے تھے، انہیں آج انجام دینے کے لیے خون کی گردش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ درمیان میں یہ دنیش چندر والا واقعہ پیش آ گیا۔ چہرے اور کھل کے سامنے آ گئے۔ جیسے جیسے سورج ڈوب رہا تھا میری بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔ اندھیرا شاید اسی لیے پیدا کیا گیا ہے کہ مخلوق خدا وہ حسرتیں پوری کر سکے جو دن میں شرمندہ تعبیر نہیں ہو پاتیں۔ میرے صبر و ضبط کا ایک دن اور گزر رہا تھا، مجھے رات کا انتظار تھا۔ مہاراجہ اور کنول کے آ جانے سے ذہن پر کچھ اور فکریں غالب آ گئی تھیں۔ میں دنیش چندر کے پاس واپس گیا تو وہ بھی گہری فکر میں مستغرق نظر آتا تھا۔ مہاراجہ کی آمد، میرے بارے میں ان کے شکوک و شبہات اور ان کے معنی خیز جملوں کی تشریح اور ان پر تبصرے کا یہ محل نہیں تھا۔ دنیش چندر بار بار نرسوں کو باہر بھیج کے مجھ سے تبادلہ خیال کا طفلانہ پن کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اشاروں اشاروں میں اس سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ ابھی تک کنول سے نہ کہے جانے والے لفظوں پر تاسف کر رہا ہو گا اور سوچ رہا ہو گا کہ کیسی مجلتیں ہو گئیں؟ کون سا تاثر غلط پڑ گیا؟ فانوس میں روشنیاں جھلملانے لگی تھیں۔ دن بھر دنیش مصروف رہا تھا۔ اس لیے ڈاکٹروں نے اسے انجکشن دے کر بہ جبر سلا دیا۔ جب وہ سو گیا تو میں شاردا کو وہیں رہنے کی تاکید کر کے باہر نکل آیا۔ میں بھون کے ملازموں کے درمیان ایک گشت لگانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں ابھی ملازموں کے کوارٹر کی جانب چند ہی قدم بڑھا تھا کہ لوٹ آیا۔ بھون میں پولیس کی جیپیں آتی دکھائی دیں۔ میں کچھ دور ادھر چلا گیا اور ایک جگہ ٹھہر کے ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے لگا۔ پولیس افسر نے دربان سے کچھ پوچھا۔ اصولاً مجھے پولیس کے سامنے جانے سے کترانا نہیں چاہئے تھا لیکن کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ پولیس کی غیر جانبداری کا اندازہ گزشتہ واقعے سے ہو گیا تھا۔ اس سے قبل کہ میں

ان کی نظروں میں آتا، چپکے سے زنان خانے کی طرف نکل آیا۔

☆......☆......☆

ابھی رات کی ابتدا تھی۔ میرا بس چلتا تو یہ لمحے سکیڑ دیتا۔ ذہن میں آرے چل رہے تھے۔ زنان خانے میں کئی باندیوں اورکماریوں نے مجھے دیکھا۔ کسی نے انگلی اٹھائی، کسی نے اشارہ کیا، میں سنی ان سنی کرتا ہوا گزر گیا۔ اس وقت مجھے پارو کا خیال آیا۔ پارو نے پرسوں اور کل رات مجھ سے اپنی طرف آنے کے لیے کہا تھا۔ راہداری میں خاصی چہل پہل تھی اور میں کسی کی نظر میں آئے بغیر پارو کی نشاط گاہ میں داخل ہونا مناسب سمجھتا تھا۔ بدقسمتی سے اس وقت ایسا کوئی موقع نظر نہیں آ رہا تھا۔ ادھر پولیس پرکاش بھون کے عام ملاقاتی کمرے میں بیٹھی ہوگی اور افسانے تراشنے والے میرے خلاف افسانے تخلیق کر رہے ہوں گے۔ حسب سابق تفتیش کے لیے مجھے بلایا جائے گا۔ کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ دنیش چندر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے، شاردا اس کے پاس بیٹھی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی مجھے پکارتا ہوا آئے، مجھے کسی محفوظ جگہ چھپ جانا چاہئے۔ پارو کی خواب گاہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اندر جانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اچانک ایک پرانی ترکیب میرے جوالا مکھی ذہن میں در آئی۔ جہاں راہداری کی روشنیوں کے سوئچ لگے ہوئے تھے وہاں پہنچ کے اور موقع دیکھ کے میں نے مین سوئچ آف کر دیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ میں لپکتا ہوا پارو کے محل تک آیا اور کسی تکلیف کے بغیر اندر داخل ہو کے ایک پردے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ پارو تنہا نہیں تھی وہ شاید کسی باندی سے گفتگو کر رہی تھی۔

"موم بتیاں جلاؤ۔" پارو نے گھبراہٹ سے باندی کو حکم دیا۔

اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا، اپنی بیٹری مجھے دیجئے۔" باندی نے کہا۔

کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ چند لمحوں میں بیٹری کی روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ باندی نے موم بتیاں تلاش کر کے جلا دیں۔ "باہر جا کے دیکھو، یہ روشنی اچانک کیوں چلی گئی؟" پارو کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "ٹارچ لیتی جاؤ۔"

باندی خاموشی سے ٹارچ روشن کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں فوراً پردے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ "پارو۔" میں نے سرگوشی کی۔

"تم؟" وہ وحشت سے بولی۔ "خیر تو ہے؟"

"گھبراؤ نہیں۔ اس وقت تمہارے پاس آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ میں

نے سوئچ آف کر دیا۔"

تم برابر کے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں باندی کو ابھی رخصت کرتی ہوں۔ کیا تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" پارو نے اپنائیت سے پوچھا۔

"کھانے کا کسے ہوش ہے؟ سونے اور کھانے کا اب کوئی وقت مقرر نہیں رہا۔" میں نے بے دلی سے کہا۔ "تم نے کچھ کھایا؟"

"نہیں۔ میں باہر جانے والی تھی۔ اب میں یہیں منگوا لیتی ہوں۔ تم نے اچھا کیا کہ آ گئے مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی تھیں۔"

"بھون میں پولیس موجود ہے، میرے خلاف بیانات دیئے جا رہے ہوں گے۔ میں نے سب سے زیادہ بااعتماد تمہیں کو سمجھا ہے۔ تم مجھے اس وقت گرفتار کرا سکتی ہو۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا۔ میں نے تمہیں گرفتار کر ہی لیا ہے، اب مزید گرفتاری کی ضرورت نہیں ہے۔ باتیں بعد میں ہوں گی۔ اس وقت تم چھپ جاؤ۔"

میں دوسرے کمرے میں گیا ہی تھا کہ روشنی ہوگئی۔ پارو باہر سے کنڈی بند کر کے مجھے پھنسوا سکتی تھی مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گی۔ باندی کو کھانے کا حکم دے کر وہ لپکتی ہوئی میرے پاس آئی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اسے لباس پہننے اور اپنا بدن محفوظ کرنے کا سلیقہ آتا تھا۔ اس کے بدن کی عمر بہت کم اور ذہن کی عمر بہت زیادہ تھی۔ کشیدہ قامت کھنچی ہوئی، تپی تلی، سونے اور چاندی کی آمیزش کا سا اس کا رنگ تھا۔ رخساروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ذرا سے اشارے سے رس ٹپک پڑے گا۔ میں نے اسے کلیجے سے لگا لیا۔ "پارو!" میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ "تم ہمیشہ مجھے بہت متاثر کرتی ہو۔"

وہ تڑپ کر علیحدہ ہوگئی اور ڈانٹنے والے انداز میں بولی۔ "بہت جلد باز ہو، ذرا دیر صبر نہیں ہوتا۔ کمرے میں بند رہو اور انتظار کرو، اچھی بری باتیں کرنے کا......"

اس نے دروازہ بند کر دیا۔

میرے کپڑوں میں اس کے بدن کی خوشبو بس گئی تھی۔ میں وہیں پڑا سلگتا رہا۔ دیر تک پارو کی آواز نہیں آئی۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا، دروازہ کھول کے باہر جھانکنے کی غلطی بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے پستول نکال لیا اور دروازے کا نشانہ لے کر بیٹھ

گیا۔ جیسے ہی دروازے پر آہٹ ہوئی، پارو کا چہرہ نظر آیا میں نے پستول اچھال دیا تاکہ پارو پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ میں اس کی طرف سے مشکوک ہو گیا تھا۔

''تم مشکوک ہو گئے تھے؟'' وہ مسکراتی ہوئی آنکھوں سے بولی۔

''ہاں بداعتمادی کی ایک لہر ضرور آئی تھی۔''

''یہی تو میری بدقسمتی ہے میں اب تک تم پر اپنا اعتماد قائم نہ کر سکی۔''

''تم دیکھ رہی ہو کہ اس بار میرے ہاتھ میں پستول نہیں تھا۔''

''اور تم نے کمرے میں بند ہونا بھی گوارا کر لیا۔ تم میرے پاس آئے۔ آہ، یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے موہن! پہلے میرا خیال تھا کہ میں تم سے بہت سخت انتقام لوں گی۔ ایک چھوٹے آدمی نے میرے قریب آنے کی جرأت کی تھی۔ یقین کرو بہ جبر تم میرے جسم پر تو قبضہ حاصل کر سکتے تھے لیکن میرا ذہن تمہارے قابو میں کبھی نہ آتا۔ رفتہ رفتہ تمہاری ذات کی کھڑکیاں کھلیں اور مجھے احساس ہوا کہ میں ایک اہم اور خوبصورت آدمی کو مس کر رہی تھی۔''

''میں ایک بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نہ کوئی گھر ہے، نہ در، نہ ٹھور نہ ٹھکانا۔ میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔''

''اب تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتے، مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے گہرے آدمی ہو، ممکن ہے، تم دولت مند آدمی نہ ہو مگر تمہارے اندر ایک مکمل آدمی کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ اب مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔''

یہ تمہاری نظروں کا دھوکہ ہے۔ میں نے اسے بستر پر نیم دراز کر دیا۔

''نہیں موہن! تم ایک غیرمعمولی آدمی ہو۔'' اس نے میرا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

''پارو! تم اتنی حسین اور ذہین کیوں ہو؟''

''مجھے خود پر بہت ناز تھا لیکن تم نے مجھے سر کر لیا اور مجھے بڑے کرب میں مبتلا کر دیا۔ میں نے ایسے جذبے پہلے کبھی محسوس نہیں کیے۔''

''مجھ سے بہت زیادہ توقعات قائم مت کرنا۔'' میں نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ مجھے بہت سکون محسوس ہوا۔

اس نے اپنے بازو میرے گلے میں حمائل کر دیے۔ ''پروفیسر زاہدی! تم بہت عجیب آدمی ہو۔''

میں ہڑبڑا گیا۔ ''تم نے کیا کہا؟ کیا پاگل ہو گئی ہو؟''

''تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ مہاراجہ کی خاص دعوت میں دنیش کے ساتھ جانے والے اس پروفیسر کا بڑا شہرہ ہے جس نے اپنی دل کش باتوں اور نشانے بازی سے سب کو محوِ حیرت کر دیا تھا اور دنیش کے ساتھ تمہارے سوا کوئی نہیں جا سکتا۔ آج مہاراجہ اور کنول بھی تمہاری طرف تعجب سے دیکھ رہے تھے۔'' پارو میرے سینے سے سر اٹھا کے بولی۔ ''پتہ نہیں دنیش کو یہ کیا شرارت سوجھی تھی۔''

میں انکار کرتا رہا مگر وہ شوخی سے میرا انکار رد کرتی رہی۔ ''تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟'' میں نے اس کی زلفیں چومتے ہوئے پوچھا۔

''تم بات بدل رہے ہو، ٹھیک ہے، مت بتاؤ۔ ہمیں سب معلوم ہے کہ تم کتنے چھپے رستم ہو۔''

''تم اور کیا کیا جانتی ہو؟'' میں نے اس کے کان کھینچتے ہوئے پوچھا۔

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارا نام موہن داس نہیں ہے۔ تم اپنی کسی مجبوری یا کسی خاص مقصد کے لیے ملازم کے روپ میں یہاں موجود ہو۔ تم ایک بہادر آدمی ہو۔ سادھو دیوراج تمہارے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے بات کرتا ہے، تم راج محل کی خاص دعوت میں انگریزوں کو مرعوب کر دیتے ہو، تمہیں پستول چلانا اور گھوڑا اٹھانا خوب آتا ہے اور بتاؤں......؟'' وہ ٹھہر کر بولی۔

''بس بس، پارو! یہی بہت ہے، میرے پاس وقت کم ہے، آج رات مجھے بہت سے کام انجام دینے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایک خاص مقصد سے آیا تھا۔''

''میں خود تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم اس وقت سخت خطرے میں ہو۔ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ تم دنیش چندر کی ڈھال بنے ہوئے ہو۔ لوگ تمہارا کانٹا درمیان سے ہٹانا چاہتے ہیں اور تم سے خاصے خوفزدہ ہیں، تمہیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔''

''مگر وہ کون لوگ ہیں؟ کیا تم ان کی نشاندہی کرنے میں میری مدد نہیں کرو گی پارو؟'' میں نے اسے اپنی آغوش میں بساتے ہوئے کہا۔ ''میری مدد کرو۔''

''ایک شرط پر۔'' اس کی آواز دب گئی تھی کیونکہ وہ میرے سینے میں پیوست تھی۔ ''ہر شرط منظور ہے۔'' میں نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

''سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو؟''

"اچھی طرح سوچ لیا ہے؟" میں نے اس کی نازک انگلیاں چومتے ہوئے کہا۔

"وعدہ کرو کہ مجھے کبھی نہیں بھولو گے؟ میں نے تمہاری خاطر اپنی سوچ بدل لی ہے میں نے بہت سوچا ہے۔" وہ زور دے کے بولی۔" اورخود کو تمہارے سپرد کر دیا ہے۔"

"پارو! " میں نے اداسی سے کہا۔"تم ایک بے حد حسین لڑکی ہو، بہت خوبصورت، تمہاری قربت کا تصور ہی نشہ کر دیتا ہے، تم کسی بھی شخص کے لیے ایک آدرش ہو مگر میں تم سے اتنا بڑا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔ ان بلاؤں سے دور، پھر تم ہو گے اور میں ہوں گی۔ چاہے یہ ریشمی پردے ہوں یا نہ ہوں، یہ فرنیچر، یہ روشنیاں' یہ زیورات اور یہ غذائیں، کچھ بھی نہ ہو، صرف تم ہو، میں تمہاری حکومت میں رہوں گی۔ بولو، کیا تم انکار کر دو گے؟"

"کون انکار کر سکتا ہے، اتنی حسین لڑکی کی اس پیشکش پر، کون کافر انکار کر سکتا ہے؟ مگر پارو تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں، میں بہت مجبور اور بدنصیب آدمی ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ زندگی بھر کا انتظار مگر تم وعدہ کرو کہ جب تم سب کاموں سے نمٹ جاؤ گے تو صرف میرے پاس آؤ گے؟"

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم اتنی جذباتی نکلو گی۔"

"موہن! بوڑھا سادھو سچ کہتا تھا۔ یہ مایا جال ہے، یہاں آدمی کی کوئی قدر نہیں۔ میں بھی عرصے تک اس جادونگری کے فریب میں رہی۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ اصل مسرت کہاں ہے۔ وہ تو ان محلوں سے دور ہے۔"

"تم مجھے کچھ بتا رہی تھیں؟" میں نے اسے جھنجوڑ کر کہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ عہد و پیمان کرا کے' مشروط کر کے' رشتے استوار کیے جا سکتے ہیں؟ اس کے لیے ایثار کی ضرورت پڑتی ہے، گہرے نقش قائم کرنے پڑتے ہیں ریاضت کرنی پڑتی ہے، شرطوں سے اسے نہیں جیتا جاتا، سمجھیں پاگل بچی؟"

"ہاں، ہاں۔" وہ اٹکتے اٹکتے بولی۔" شاید میں نے بہت جلدی تم سے آج

کی باتیں کہہ دی ہیں۔ تم سچ کہتے ہو۔ ابھی مجھے خود کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔"

"پارو! میں اس وقت شدید الجھنوں میں گرفتار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ دنیش پر حملہ جگدیپ کے غنڈوں کی طرف سے ہوا ہے، اس کا سرغنہ ایک شخص پرشوتم ہے جو ہاتھی کی طرح پھیلا ہوا ہے اور جس کی عادتیں کسی درندے کی خصلتوں سے مشابہ ہیں۔ تم نے شاید اسے دیکھا ہو۔ وہ اپنی نیلی گاڑی میں یہاں آتا ہے اور رات کو عموماً جگدیپ کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ محل کے بعض ملازم بھی اس سے ملے ہوئے ہیں۔ وہ انگریزوں سے بھی روابط رکھتا ہے۔ جگدیپ کی حویلی کا عرصے سے نمک خوار ہے، راجے پور کے مقامی غنڈوں میں اس کا طوطی بولتا ہے۔ ادھر پریت، بینارانی، ہیما اور بھون کا ایک گروہ دنیش کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے، جگدیپ اور پریت میں ان دنوں خصوصی رشتے قائم ہیں اور تم خود جانتے ہو کہ یہ جنگ کیوں جاری ہے۔"

"مجھے محل کے نمک حرام ملازموں کے نام بتاؤ۔"

پارو نے مجھے ایک بڑی فہرست گنا دی، میں اسے اپنے ذہن کی تختی پر کندہ کرتا رہا۔

"سازش کے ڈانڈے بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ راج پاٹ اور گدی کے کھیل ہیں۔ انگریز اس تماشے سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ! پارو! کیا اب بھی انگریزوں سے تمہارا رابطہ ہے؟" وہ چپ رہ گئی۔ یہ سوال میں کر رہا ہوں پارو! اس کا جواب میرے سینے میں دفن ہو جائے گا۔ میں نے اصرار کیا۔

"وہ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں مگر یہ امر میری مرضی پر ہے کہ میں اپنے دوستوں کو کس قسم کی اطلاعات فراہم کروں۔"

"تم یہ رابطہ قائم رکھنا۔ مجھے اب تم پر پورا اعتماد ہے، یقیناً اب تم میرے ساتھ کوئی فریب نہیں کر رہی ہو۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے تمہیں واقعی فتح کیا ہے، اپنی موجودہ سرگرمیوں میں تبدیلی نہ کرنا۔"

"اب ماضی کی تلخیوں کے بارے میں مجھ سے کوئی اور سوال مت کرنا۔"

"میں صرف ایک بات اور جاننا چاہوں گا تم مجھے جگدیپ کی حویلی اور اس

کے خاندان کے افراد کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔“

پارو نے جگدیپ کے پتا کنور پردیپ کے شجرے، حویلی کے حالات اور آنجہانی پرکاش چندر سے قدیم خاندانی اختلافات کے متعلق ایک تفصیلی روداد میرے سامنے پیش کی۔ باتیں کرتے کرتے ہمیں دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اندھیرے کا یہ وقت میرے لیے بڑا قیمتی تھا۔ پارو مجھے رات بھر کے لیے روک رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ خواب گاہ میرے لیے سب سے محفوظ جگہ ہے۔ سب سے محفوظ ہونے کے علاوہ سب سے نشاط آگیں جگہ بھی یہی تھی' کیونکہ یہاں پارو تھی، یہاں پارو کے بدن کا دلکش پودا لہلہا رہا تھا اور اس کے پھولوں کی نشہ آور خوشبو ماحول میں بسی ہوئی تھی۔ وہ اندر خواب گاہ میں کھانا لے آئی۔ کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ ”لو کھاؤ۔“ اس نے اپنے ہاتھ سے لقمہ بنا کے میرے منہ میں رکھ دیا۔ میں نے لقمہ اس کی انگلیوں سمیت چبانا شروع کر دیا۔ چند لقمے کھلانے کے بعد اس نے جگ سے پانی لوٹ کر مجھے دیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ ”اب شیرینی کی ضرورت، محسوس ہو رہی ہے۔“ میں نے کھانے کی ٹرے پر نظر ڈال کے کہا۔

”اور شیرینی موجود نہیں ہے۔ باندی کو معلوم ہے کہ میں کھانے میں میٹھا نہیں کھاتی۔“ وہ سادگی سے بولی۔

”کیوں نہیں؟“ میں نے اس کی کمر میں بازو حمائل کر دیے۔ ”کھانے کے بعد گلابی لبوں کے رس سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ قدرتی رس ہے اور قدرت نے تمہیں اس سے خوب نوازا ہے۔“

”تم بہت......“ وہ میرے بارے میں کوئی کلمہ خیر ادا کرنے والی تھی کہ میں نے اس کے پیازی لب گویائی سے محروم کر دیے۔ میں اس کے نازک لبوں سے دیر تک رس کشید کرتا رہا۔ میرا حلق شہد سے تر ہو گیا۔

”تم جا کیوں رہے ہو؟“ وہ مچل کے بولی۔

”جانے کو کس کا جی چاہتا ہے، کئی راتوں سے جاگ رہا ہوں، تمہاری زلفوں کی چھاؤں میں بڑا آرام مل رہا ہے۔ تمہارے گداز پہلو میں رات گزارنے سے بہتر کوئی اور تصور نہیں کیا جا سکتا۔“ میں نے اس کی ساڑھی کا پلو سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم کتنی مشرقی لگتی ہو۔“

اسے اپنے بے ترتیب لباس کا خیال آ گیا۔ ساڑھی جگہ جگہ سے مسک گئی

تھی۔ ”تو جا ہی رہے ہو؟“ وہ اپنا لباس درست کرتے ہوئے یاسیت سے بولی۔

”ہاں جانا ہی ہو گا۔“ میں نے اس کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی

”ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔“

”اب کب آؤ گے؟“

جلد ہی۔ کوئی اہم خبر ہو تو دنیش کی طرف آ جانا، ہو سکا تو کل رات فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا۔“

”وعدہ رہا؟“

”پکا وعدہ۔“ میں نے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ”زندہ رہا تو ضرور آؤں گا۔“

”تم اچھے خاصے سیڈسٹ ہو۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔“ اس نے دروازہ کھول کے باہر کی طرف دیکھا اور مجھے اشارہ کر دیا۔ میں پھرتی سے باہر آ گیا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی روشنیاں ٹمٹا رہی تھیں۔ پارو سے ملاقات کے بعد میں نے اپنے پروگرام میں بڑی تبدیلی کر دی تھی۔ صبح سے میں پریت کے خیال میں گم تھا۔ کل رات بھی اس کے پاس جاتے جاتے رہ گیا تھا۔ پریت' بھون کی ہری مرچ تھی۔ طرح دار، تیکھی، کونپل، شارپ۔ اس کا بدن' رام پور کے چاقو کی دھار، کچی املی۔ ببول کی لکڑی کی طرح اس کا بدن چٹختا جلتا رہتا تھا۔ رخسار پر ہمیشہ شفق کا منظر ہوتا تھا۔ دبلی پتلی' چھریری، سیماب صفت۔ میں اس کا غصہ دیکھنے کے لیے کئی دنوں سے بے تاب ہو رہا تھا۔ یہ وقت نہایت موزوں تھا مگر پارو نے پرشوتم کا ذکر کر کے لرزا دیا تھا۔ پارو کے بیان کے مطابق رات کے وقت جگدیپ کے کمرے میں پرشوتم عموماً قیام کرتا تھا۔ میں دنیش کے کمرے سے فون کر کے اس کی موجودگی کی تصدیق کر سکتا تھا لیکن میں نے یہ نہیں کیا بلکہ کل رات کی طرح چھپتا چھپاتا بینارانی کے کمرے تک پہنچ گیا۔ میں نے آہستگی سے دستک دی اور رومال سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ پستول میرے ہاتھ میں موجود تھا۔ میں پوری طرح مستعد کھڑا تھا۔ خیال تھا کہ باندی کا چہرہ جیسے ہی دروازے سے باہر آئے گا اپنی شناخت کے لیے اسے ایک لمحے کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی لیکن اندر سے باندی نہیں نکلی بلکہ خود بینارانی کی آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

”میں۔ دروازہ کھولیے بینا رانی! میں ہوں، آپ کا سیوک۔“

''اوہ۔'' وہ میری آواز پہچان گئی۔ ''موہن داس! ''

'ہاں' میں نے جواب دیا ہی تھا کہ دروازہ تیزی سے کھل گیا اور بینارانی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔ وہ ایک لمبا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے، آنکھوں میں خمار چھایا ہوا تھا، مجھے دیکھ کے وہ کھل اٹھی، وہ اتنی ہی حسین تھی جتنی کل رات۔

''مجھے یقین تھا، تم ضرور آؤ گے۔''

''صبح آپ نے کچھ باتیں ہی ایسی کر دی تھیں۔'' میں نے خواب گاہ پر ایک طائرانہ نظر ڈال کے کہا۔

''وہ'' وہ ہنس کر بولی۔ ''وہ تو وہاں کی باتیں تھیں۔''

''اسی لیے اب میں یہاں کی باتیں کرنے آ گیا۔''

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ کل رات تم مجھے پریشان کر کے چھوڑ گئے تھے۔ آج تو تمہیں فرصت ہے نا؟''

''ہاں بہت۔ اب کوئی آئے گا تو نہیں؟'' میں نے کسی قدر خوف زدہ ہو کے کہا۔

''نہیں، اب یہاں صرف تمہی ہو۔'' وہ سرشاری سے بولی اور اس نے چٹخنی چڑھا دی۔ پھر اس نے نیلی اور سرخ روشنیوں کے بلب جلا دیئے۔ ''آؤ ادھر بیٹھو۔ اب یہ حجابات چھوڑ دو، میرے قریب آؤ۔''

''سنو'' میں نے سختی سے کہا، اس نے پلٹ کے دیکھا۔ میرے ہاتھ میں پستول تنا ہوا تھا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔'' تم...... یہ کیا۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

''بینارانی! اسے پہچانتی ہو؟ یہ پستول ہے' ننھا منا' چھوٹا سا، بے آواز آلہ۔ اس کے اوپر جو ایک خول چڑھا ہوا ہے یہ خول آواز اپنے اندر ہی گھونٹ لیتا ہے۔ میں زیادہ بات کرنا نہیں چاہتا۔ فون اٹھاؤ اور جگدیپ کے کمرے سے پرشوتم کو بلاؤ۔ اس سے کہنا کہ تمہارے پاس اس وقت ایک اہم خبر ہے۔''

''مگر......مگر...... میں پرشوتم نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی۔''

''بکواس بند کرو۔ جو میں کہتا ہوں، وہ کرو، فون اٹھاؤ۔'' میں نے گرج کر

کہا۔ ورنہ یہ پستول تمہارا خوبصورت بدن لہولہان کر دے گا۔''

اسے مجھ سے ایسی جرأت کا یقین نہ تھا۔ وہ کچھ دیر ششدر رہی۔ میں نے اس کے قریب جا کے اس کے رخسار پر ڈھیلے ہاتھ کا ایک طمانچہ رسید کیا۔ ''تم سب حرام زادیاں آدمی کو نہیں پہچانتیں۔'' میں نے اشتعال میں کہا۔ ''جلدی کرو۔'' اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے فون اٹھایا۔ ''خبردار۔ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے حکم دیا۔

اس نے جلدی جلدی نمبر ملائے، جلد ہی کسی نے اٹھا لیا ''جگدیپ!'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''پرشوتم ہے؟'' میں نے پستول کی نال اس کے کان پر رکھ دی۔ دوسری طرف سے جواب اثبات میں ملنے پر اس نے کہا۔ ''اسے فوراً میرے کمرے میں بھیج دو۔'' کچھ تاخیر کے بعد وہ بولی۔ ''ہاں ضروری کام ہے، ایک خبر، کام ہی کی خبر ہے۔ فون پر نہیں بتا سکتی۔ جلدی جلدی۔'' میں نے ریسیور چھین کر کریڈل پر دھر دیا۔

''بینارانی! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے۔ میں کوئی قدم اتفاق سے نہیں اٹھا رہا ہوں بلکہ کچھ فیصلہ کر کے یہاں آیا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ وقت بہت کم ہے۔ پرشوتم اس طرف آنے کے لیے نکل پڑا ہو گا تم لوگ بار بار کی تنبیہہ کے باوجود شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ میں اپنے ضمیر کے مکمل اطمینان کے بعد یہ ناپسندیدہ قدم اٹھا رہا ہوں۔ تمہی لوگوں نے رات دنیش پر اور پرسوں مجھ پر دس آدمیوں سے حملہ کرایا۔ تمہاری فردجرم بڑی سیاہ ہے لیکن اب بازی پلٹ گئی ہے۔ فیصلہ سننے کے لیے دوسرے کمرے میں چلو۔''

میرے لہجے کی سردی سے وہ گھگھیانے لگی اور دھڑام سے میرے پیروں پر گر گئی۔ ''میں بے قصور ہوں، میں بے قصور ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔'' اسے اپنے گاؤن کی بے ترتیبی کا خیال بھی نہیں رہا تھا۔ اس کا نیم عریاں بدن میرے پیروں پر تڑپ رہا تھا۔

''کیا میں تمہیں نام گناؤں؟'' میں نے اسے ایک جھٹکے سے اٹھایا اور دوسرے کمرے میں دھکا دے دیا۔ ''خون کے بدلے خون۔''

''نہیں، نہیں۔'' دہشت سے اس کی آواز پھٹ گئی تھی۔

ابھی ابھی اس نے جگدیپ سے جس لہجے میں بات کی تھی، اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان خونریز واقعات میں کس حد تک ملوث ہے، اس کی لرزہ خیز فریادوں

سے میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا تھا۔ یہ ایک اذیت ناک اور روح فرسا کام تھا، میرے ہاتھوں میں ارتعاش سا ہوا، لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے جلد سے جلد منظر بدلنے کے لیے اسے خاموش کردیا۔ وہ تیورا کر گری، ایک ہلکی سی چیخ بلند ہوئی۔ میں نے اسے مزید اذیتوں سے بچا لیا۔ بغلی کمرہ بند کر کے میں دوبارہ بڑے کمرے میں آ گیا اور چٹخنی کھول کے دروازے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ میں نے دروازہ ذرا سا کھول دیا۔ چند ثانیوں بعد کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ پھر اندر جھانک کے دیکھا۔ ابھی وہ دروازے کے اندر آیا ہی تھا کہ میں نے پشت پر اسے ایک ضرب رسید کی، وہ اوندھے منہ ایک میز پر گرا اور اس کا پستول دور فرش پر جا پڑا۔ ”خاموش، حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا، میرے ہاتھوں میں تمہاری موت کا بٹن ہے۔ اندر بیناراتی کی لاش پڑی ہے، ہاتھ اٹھا لو۔“ اس گرانڈیل نے پیچھے مڑ کے پستول دیکھنے کی جسارت ضرور کی مگر جھٹ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے، میں اسے نشانے پر لیتا ہوا پھرتی سے اس کے پستول تک گیا اور اسے آسانی سے اٹھا کے جیب میں ڈال لیا۔ ”پرشوتم! میرے ساتھ باہر چلو۔“

وہ قوی ہیکل شخص چوڑائی اور لمبائی میں کسی ہاتھی کے مانند تھا لیکن دماغ، آدمیوں کا رکھتا تھا، پستول کا اشارہ سمجھ گیا، میں اس کے پہلو میں چلنے لگا۔ ”ایک ذرا سی حرکت تمہارے اس سندر شریر کی بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ خاموشی سے چلتے رہو ادھر۔“ اس نے غور سے مجھے دیکھا اوراپنے دانت نکال دیے۔ اس کے تیور غیرسنجیدہ تھے۔ چنانچہ مجھے زیادہ سنجیدگی اختیار کرنی پڑ رہی تھی۔ کچھ دور تک ہم زنان خانے کی عام راہداری میں چلتے رہے۔ دور سے دیکھنے پر کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کون کس کے حکم پر آ رہا ہے؟ درمیان میں ایک جگہ باہر نکلنے کا راستہ تھا، میں نے اسے حکم دیا ”دروازہ کھولو۔“ اس نے چون و چرا کے بغیر تعمیل کی۔ باہر کھلی فضا میں آ کے اس کے دماغ کو ہوا لگی تو کچھ بدلنے لگا۔ ابھی اس نے پینترا بدلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میری ایک بھرپور ٹھوکر سے وہ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ”زندگی سے تنگ آ گئے ہو؟“ میں نے سرگوشی میں کہا۔ ”مجھے تم سے اس حماقت کی امید نہیں تھی، دیکھ نہیں رہے، میرے ہاتھ میں موت کی دیوی موجود ہے۔“

”یہ کھلونا جیب میں رکھ کے دیکھو۔“ اس کی بھاری بھرکم آواز گونجی۔ اس کی آواز میں کتوں کی غراہٹ تھی۔

”تمہاری یہ حسرت بھی پوری کر دی جائے گی مگر اس کے لیے یہ جگہ موزوں

نہیں ہے۔ خاموشی سے اپنی گاڑی تک چلو، مجھ سے کسی رحم کی توقع مت کرنا۔ میرے بارے میں تم سن تو چکے ہو گے، میرا نام موہن داس ہے۔“ اس نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور دنیش چندر کے محل سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی نیلی گاڑی تک پہنچ گیا اور اکڑ کے کھڑا ہو گیا۔ ”اگلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔“ ہم دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ میں پچھلا دروازہ کھول کے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ بیٹھتے ہی میں نے پستول اس کی گردن پر رکھ دیا۔ ”گاڑی چلاؤ!“ میں نے درشتی سے حکم دیا۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔ صدر دروازے کے قریب میں نے اسے ہارن بجانے کا حکم دیا تاکہ دربان دور ہی سے اس کی گاڑی دیکھ کر دروازہ کھول دیں۔ یہی ہوا۔ میں نے احتیاطاً پچھلی نشست میں اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میرا ہاتھ اس کی گردن تک دراز تھا۔ دربان کتوں کی طرح مانوس اورنامانوس بوئیں سونگھنے میں مشاق ہوتے ہیں۔ دروازہ مستعدی سے کھول دیا گیا اور پرشوتم گاڑی نکال کے سڑک پر لے آیا۔ ”ہاں اب تم ٹھیک طرح کام کر رہے ہو۔ گاڑی کا رخ اپنے آقاؤں کی حویلی تک جانے والی سڑک پر موڑ دو۔ خیال رہے، راستے میرے جانے پہچانے ہیں۔“

”تم چاہتے کیا ہو؟“ اس کی آواز میں جھجک تھی۔

”جو تم چاہتے ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”شاید تم پوری طرح مجھے نہیں جانتے۔“ اس نے سرد مہری سے کہا۔

”تمہارے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔“

”میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں، تم غلطی کر رہے ہو۔“

”میری صلاحیتوں کا ابھی تمہیں علم بھی نہیں ہے۔“ وہ خاموش ہو گیا۔ گاڑی تیز رفتاری سے جگدیپ کی حویلی کی طرف بڑھ رہی تھی، باقی راستہ ہم نے خاموشی سے طے کیا۔ جب حویلی قریب آ گئی تو میں نے اسے ہارن بجانے کا حکم دیا۔ ”دیکھو پرشوتم! تمہیں معلوم ہے، میں بے ارادہ یہاں نہیں آیا ہوں۔ جس طرح اب تک تم میری ہدایت پر ایک نیک بچے کی طرح عمل کرتے رہے ہو، آئندہ بھی کرتے رہنا میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔“

اس نے بے پروائی سے سر ہلایا۔ ہارن کی آواز سن کے ایک دربان چھوٹے دروازے سے باہر آیا، ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں وہ گاڑی پہچان نہیں سکا۔ پرشوتم نے روشنیاں مدھم کر دیں اس نے وہیں کھڑے کھڑے سلام کیا اور اندر جا کے کچھ کہا۔

دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ پرشوتم اندر داخل ہوگیا۔ ''گاڑی وہاں اندھیرے میں کھڑی کر دو۔'' کچھ دور جا کے میں نے ایک مناسب جگہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے یہاں خون خرابے کی کوشش کی تو نتائج بہت ہولناک ہوں گے۔'' وہ سختی سے بولا۔

''چپ رہو۔ گاڑی سے اتر جاؤ۔ اس طرف چلو۔'' میں اسے اندھیرے میں لے جاتے ہوئے بولا۔ ''پرشوتم! تم سے دو بدو جنگ نہ ہونے کی ہمیشہ حسرت رہے گی۔ مجھے افسوس ہے، تمہیں مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اتنی درندگیوں کے بعد اب تمہیں سزا مل ہی جانی چاہئے۔''

''نہیں، نہیں۔'' اس کی آواز اچانک تھرتھرانے لگی۔

''مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔

''موہن داس! ہم دونوں اپنے آقاؤں کے آلہ کار ہیں۔'' وہ چیل تن عاجزی سے بولا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔''

''تم مجھے ہنسا رہے ہو۔''

''میں تم سے سچ کہتا ہوں، ایک مرد کا وعدہ آزما لو۔''

''میں اپنے فیصلے سے نہیں پھرتا۔ تمہیں مار کے مجھے آگے جانا ہے اور راج کمار جگدیپ اور اس کے گرگوں کو یہ بتانا ہے کہ اب تک ہم صرف ان کے حوصلے دیکھ رہے تھے، یہ پہلا جواب ہے۔'' میں دانستہ تاخیر سے کام لے رہا تھا۔ پرشوتم نے مجھے طرح طرح منانے اور نرم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے تنگ دلی سے اسے مسترد کر دیا۔ ''پرشوتم! تیار ہو جاؤ۔''

''نہیں، موہن داس! رحم کرو۔''

''رحم؟ تم پر؟ تم جیسے شخص پر؟ جس نے کبھی کسی پر رحم نہیں کیا۔ تم مردانگی سے اپنی موت قبول کرو۔''

''میں اپنے بھگوان، اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں، تم نے میرے ساتھ رعایت کر دی تو ہمیشہ تم سے وفادار رہوں گا۔'' وہ لرزتا ہوا بولا۔

''تم پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' میں نے کچھ نرمی اختیار کی۔ ''تم ایک بے اعتبار طوطے ہو۔'' وہ میرے ہاں ایک ذرا سی گنجائش دیکھ کے گڑگڑانے لگا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں موہن داس! صرف ایک بار اعتبار کر کے دیکھو۔''

''تمہیں یاد ہے۔ تم نے کیا کیا ہے؟ تم نے اس وقت کچھ سوچا تھا؟''

''مجھے سب یاد ہے۔ میرا شریر خون سے رنگا ہوا ہے۔''

''اور یہ تم نے ان جاگیرداروں، رئیسوں اور حرامزادوں کی خاطر کیا، بے گناہ انسانوں کا خون بہایا۔'' اس وقت وہ میری ہر بات تسلیم کرنے پر آمادہ تھا۔ میں جو کچھ کہتا رہا، وہ اس پر نادم ہوتا اور معافیاں مانگتا رہا۔ وہ بار بار مجھ سے وفاداری کا وعدہ کرتا رہا۔ میں پہلے ہی اس معجز نما ایجاد پستول کا قائل تھا۔ پرشوتم جیسے پہاڑی شخص کی عاجزی دیکھ کے اس کے اہمیت کا کچھ اور اندازہ ہوا۔ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی شے ہے مگر ہے فتنہ۔ میرا خیال ہے اس سے اچھی چیز انسانوں نے ایجاد نہیں کی۔ اس کے مسلسل نظارے سے پرشوتم کا برا حال ہو گیا اور پستول کے اوپر جو ایک خول چڑھا ہوا تھا، اس نے مہمیز کا کام کیا۔

''تو پھر؟'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''ایک شرط پر۔''

''کہو، کہو۔'' اس نے میرا جملہ اچک لیا۔

''مجھے کنور پردیپ کی خواب گاہ کا آسان راستہ بتاؤ۔''

''تم انہیں مارنا چاہتے ہو؟'' وہ وحشت سے بولا۔

''اپنی جان کے بدلے ان کی جان کا سودا کر لو۔''

''مجھے منظور ہے۔'' وہ تیزی سے بولا ''مگر......''

''مگر کچھ نہیں، مجھے راستہ سمجھاؤ۔''

''میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

''نہیں'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''اپنی طرف سے کوئی بات مت کرو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے سانس لیے بغیر عمارت کے جغرافیے، کنور پردیپ کی قیام گاہ کی طرف جانے والے آسان ترین راستے اور میرے استفسار پر تمام ضروری سوالوں کے جوابات کسی مشین کی طرح دیئے اور میرے ساتھ چلنے کی پیش کش کرنے لگا، لیکن میں اس بدقماش کے ساتھ عمارت میں داخل ہونے کی نادانی کیسے کر سکتا تھا؟ وہ چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں اس نے میری غلط رہنمائی نہ کی ہو؟ تمام تفصیل نوٹ کرنے کے بعد میں نے گھڑی دیکھی ایک بج رہا تھا۔ عمارت پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہاں ہم دونوں کھڑے ہوئے تھے وہ ایک سنسان جگہ تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں اور سختی سے ہونٹ بھینچ کے پے در پے دو گولیاں چلائیں،

پرشوتم کی ایک ہلکی کربناک آواز ابھری اور مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ اور جھینگروں کے شور
میں ڈوب گئی۔

مجھے احساس تھا کہ میں نے ایک انتہا پسندانہ قدم اٹھایا ہے۔ جگدیپ کی
اجنبی حویلی میں مجھ پر کسی بھی طرف سے کوئی بلا نازل ہو سکتی تھی، لیکن دل نے دماغ
کی ہر دلیل رد کر دی تھی۔ پرشوتم کا پہاڑ اڑ چکا تھا۔ مجھ پر خون سوار تھا۔ جہاں جہاں
اندھیرا تھا وہاں میرے قدم لپک رہے تھے اور پرشوتم کی معلومات کے مطابق میں ایک
سفید عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا جو شان و شکوہ میں دوسری عمارتوں سے مختلف نظر آتی
تھی۔ یہاں دو اونگھتے ہوئے دربان بیٹھے تھے، میں عمارت کے عقبی حصے کی طرف چلا
گیا۔ اندر کسی کسی کھڑکی سے روشنی آ رہی تھی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی۔ آسان طریقہ تو
یہ تھا کہ میں دربانوں کو ابدی نیند سلا کے اندر داخل ہو جاتا مگر میں نے پرشوتم کا بتایا
ہوا راستہ آزمانے کا ارادہ کیا۔ ابھی تک ہر چیز اس کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق
تھی۔ میں کوئی آواز، کوئی چہکار پیدا کیے بغیر دربانوں کی نظر سے بچتا' عمارت کے گرد
گھومتا رہا اور ایک پرنالے کی مضبوطی کا اندازہ کر کے عمارت کی چھت پر چڑھنے کی
کوشش کرنے لگا۔ پہلی منزل عبور کرنے کے بعد مجھے ایک منڈیر نظر آئی جس کے اوپر
ایک کھڑکی تھی اور جس کے دروازے میرے استقبال کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ میں
نے اپنی زندگی کی بہت سی خوش قسمتیوں میں اسے ایک سمجھا یا یہ ان دربانوں کی تقدیر
کی یاوری تھی کہ وہ اپنی زندگیاں صاف بچا گئے۔ منڈیر پر احتیاط سے قدم رکھنے کے
بعد میں کھڑکی کے راستے آسانی سے کمرے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور
مسالوں اور کھانوں کی بو میرے نتھنوں میں گھس گئی، کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ یہ
باورچی خانہ تھا، زمین پر پڑے ہوئے برتن سے میرے پیر ٹکرائے اور شور اٹھا۔ پرشوتم
کے بیان کے مطابق کنور پردیپ مشرقی سمت کے گول کمرے میں آرام کرتا تھا۔ ظاہر
تھا وہ جگہ باورچی خانے سے خاصی دور ہو گی۔ میں نے دروازے سے جھانک کے
دیکھا اور مجھے یقین ہو گیا کنور پردیپ کی موت کے لیے آج ہی کی رات مقسوم ہو چکی
تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے باہر کی روشنی بجھا دی۔ اندھیرے نے میری معاونت کی
اور میرا حوصلہ بڑھایا اور میں مشرق کی سمت اس گول کمرے کے باہر پہنچ گیا جو مبینہ
پر کنور پردیپ کی آرام گاہ تھا اور پرشوتم کے نقشے کے مطابق جس کے سامنے شیشم

[illegible] تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس کے برابر کمروں کا ایک سلسلہ تھا۔ کمروں سے باہر بند جگہ
پر نرم قالین بچھا ہوا تھا تاکہ مجھ جیسے لوگ اندر داخل ہوں تو آواز پیدا نہ ہو سکے۔ ادھر
بیش قیمت فرنیچر اور گل دان رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر ازروئے روایت
تصویریں آویزاں تھیں۔ چھتوں سے فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹی میز پر
فون رکھا ہوا تھا لیکن مجھے کنور کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ اوپر کی پوری منزل کنور پردیپ کے
لیے مخصوص معلوم ہوتی تھی، نیچے سیکرٹری اور اس کا پرسنل سٹاف رہتا ہو گا۔ یہ لمحے بڑی
کشمکش کے تھے۔ میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ وہ بوڑھا نیند کی گولیوں
کے بغیر کیوں سویا ہو گا؟ خواب گاہ میں تازہ ہوا آنے کے لیے کھڑکیاں شاید باہر کی
سمت کھلتی تھیں۔ کنور نے اپنی حفاظت کے لیے اچھا کمرہ منتخب کیا تھا۔ شب کا پہلا پہر
تھا تو دستک پر کنور کے جاگنے کا امکان تھا۔ تنگ آ کے میں نے اپنی پشت سے
دروازے پر زور لگایا، دروازہ میرے جسم کی ضرب سے متحرک ضرور ہوا مگر اس سے کوئی
خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پرسوں رات میں نے ایسا ہی ایک دروازہ توڑ کے نجات
حاصل کی تھی۔ مجھے کیچو کی یاد آئی، جس نے مجھے مشکل موقعوں پر عزم و ہمت کی تلقین
کی تھی۔ میں نے شدت سے خواہش کی کہ کاش اس وقت کیچو وارد ہو جائے۔ وہ تو کسی
بھی جگہ آنے پر قادر ہے اور اگر وہ نہ آئی تو کیا ہو گا؟ کیا مجھے اپنی جان بچانے کے
لیے واپس جانا ہو گا؟ جو فیصلہ کرنا ہے، خود مجھے کرنا ہے اور ابھی کرنا ہے۔ کیچو کی آمد
کے بغیر۔

میں نے پھر دروازے پر ہلکی ہلکی ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ میرے گداز
اور بھاری جسم کی ضرب سے ہلکی آواز پیدا ہوئی تھی۔ دروازہ ہل ہل جاتا تھا، میں وہ
دروازہ آسانی سے توڑ سکتا تھا مگر میں اس سے پیدا ہونے والے شور کا متحمل نہیں ہو
سکتا تھا۔ ناکامی کے خیال سے مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ جلد ہی مجھے یہ
باور کرنا پڑا کہ اس طریقے سے کچھ حاصل نہ ہو گا کم بخت بوڑھا گہری نیند سو رہا ہے یا
میرے مارنے سے پہلے مر چکا ہے یا پرشوتم نے کمرے کی غلط نشاندہی کی ہے۔ تھک
کے میں دروازے کے قریب رکھے ہوئے صوفے میں دھنس گیا اور میں نے دوبارہ
پرشوتم کی بیان کی ہوئی تفصیلات پر غور کرنا شروع کیا۔ کنور پردیپ اوپر کی منزل پر تنہا
نہیں ہو گا اور یہ بھی طے ہے کہ خواب گاہ کا دروازہ کسی دوسرے کمرے میں بھی کھلتا ہو

گا اور وہ کمرہ خواب گاہ سے ملحق ہو گا۔ اب یہی ایک صورت ہے کہ قریب ترین
دروازے پر دستک دی جائے۔ چار و ناچار میں نے ملحقہ دروازے پر دستک دی،
دیر بعد اندر روشنی ہوئی اور ساتھ ہی اندر سے ایک مردانہ آواز آئی۔ ''کون؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اندر سے پھر کسی نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''دروازہ کھولو۔'' میں نے ہلکی آواز میں کہا۔

''آتا ہوں۔'' جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ
اسے اندر لے گیا۔ اس کی آنکھیں اس اچانک افتاد سے پھٹ گئی تھیں۔ وہ ایک
پتلا شخص تھا جو کنور پردیپ کا اٹینڈنٹ معلوم ہوتا تھا۔ پستول دیکھ کے تو اس کی آنکھیں
پتھرا گئیں۔ میں نے اس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ ''مجھے کنور پردیپ کے کمرے
میں لے چلو۔'' میں نے اس رعشہ براندام شخص کو حکم دیا۔ اس نے لرزتے ہوئے
سے بائیں جانب اشارہ کیا۔ ''دروازہ کھولو۔'' میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

اس نے دروازہ ہلکے انداز میں دبایا ہی تھا کہ وہ کھل گیا۔ میں ایک
سے سجے ہوئے کمرے میں موجود تھا۔ اس کی آرائش و زیبائش دیکھنے سے تعلق
تھی۔ کونے میں ایک بڑا سا پلنگ موجود تھا۔ پلنگ کے پاس میز پر شراب کی بوتلیں
تھیں اور گلاس اوندھے پڑے تھے۔ کنور کے پہلو میں گدرائے ہوئے بدن کی
تروتازہ عورت پھیلی ہوئی تھی اسے ہوش نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کہاں
بکھرے ہوئے ہیں؟ دونوں بدمست، دنیا و مافیا سے بے نیاز عریاں حالت میں
دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ آیا ہوا شخص وہیں بے ہوش ہو گیا
اس نے میرا کام آسان کر دیا تھا۔ میں نے جیب میں پستول رکھ کے عورت کو
جسم سے علیحدہ کیا۔ ''کہاں؟'' اس کی نشے میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ ''کہاں؟''

عورت کو اٹھا کے میں نے احتیاط سے فرش پر رکھ دیا۔ اسے اپنی سدھ
نہیں تھی۔ پھر میں نے پسول جیب سے نکال کے کنور کو آواز دی۔ وہ نہیں اٹھا
نے اس کا شانہ پکڑ کے جھنجوڑا۔ اس میں کسی قدر حرکت ہوئی وہ نشے اور نیند
میں گھڑکتے ہوئے بولا۔ ''کون بدتمیز ہے؟''

ایسی کیفیت میں اس سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ
ہوش میں نہ آ جائے ورنہ کنور کے ساتھ اسے بھی ناحق اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا

کنور کے جسم پر جب پستول کی گولی جھپٹی تو اس نے ایک ہلکی سی سسکی بھری اور اس
کی گردن ڈھلک گئی۔ بستر خون سے رنگین ہونے لگا۔ میں نے فوراً وہاں سے فرار
ہونے کا ارادہ کیا۔ واپس ہوتے ہوئے میں نے ایک بار مڑ کے دیکھا اور مجھے اپنے
گل پن کا احساس ہوا میں بے ہوش اٹینڈنٹ کو بھولا جا رہا تھا۔ اس کے دماغ میں
میرا چہرہ مرتسم ہو گیا ہو گا۔ میں نے بہ جبر خود کو آمادہ کیا۔ اس پر پستول اٹھاتے ہوئے
میرے ہاتھ کانپے اور دل دکھنے لگا لیکن اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو ..... مجھے اندازہ تھا
کہ میرا کیا حشر ہوتا۔ چنانچہ مجھے اس کی عارضی بے ہوشی دائمی بے ہوشی میں تبدیل
کرنی پڑی اور میں نے اس کی روح سے صدق دل کے ساتھ معذرت طلب کی۔

باورچی خانے کے راستے سے نیچے آ کے مجھے حویلی سے باہر نکلنے کا سخت
مرحلہ در پیش تھا۔ پرشوتم کو مارنے سے پہلے میں اس پہلو پر غور کر چکا تھا۔ یہ بات
طے تھی کہ میں کسی فساد اور خون خرابے کے بغیر حویلی کے صدر دروازے سے باہر نہیں
جا سکتا۔ میں ٹھہر ٹھہر کے اندھیرے میں صدر دروازے کے قریب ہوتا رہا۔ میں نے
سوچا، وہ بڑا بلب شوٹ کر دوں جو صدر دروازے کے درمیان روشنی کیے ہوئے ہے۔
صدر دروازے پر صرف دو دربان نظر آ رہے تھے جو باقاعدہ جاگ رہے تھے۔ ان کے
کندھوں پر سنگینیں لٹک رہی تھیں۔ میں اونچی فصیل نما چہاردیواری کے سہارے رینگتا
بالآخر صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ چہاردیواری کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کئی بار
میری نظروں سے اوجھل ہوئے تھے اور اب میں ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں ان کی نقل و
حرکت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چہاردیواری دروازے کے ساتھ دونوں اطراف پھیل گئی تھی۔
سن گن لینے کے لیے دیر تک ایک کونے میں کھڑا رہا جب ان کی طرف سے کسی
قسم کی آواز نہیں آئی تو میں کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر چیونٹی کی رفتار سے آہستہ آہستہ
آگے بڑھا۔ سر باہر نکال کے دیکھنے میں خطرہ تھا۔ دروازے پر معقول روشنی ہو رہی
تھی۔ یہی ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ برق رفتاری سے بھاگ کر ان کے سروں پر
پہنچ جاؤں، اتنی تیزی اور پھرتی سے کہ انہیں سنگینیں سنبھالنے اور چیخنے کا موقع نہ ملے،
دیوار سے چپک کے کھڑا ہوا اپنے آپ کو آمادہ کرتا رہا اور ایک بار عزم کر کے بجلی
کی طرح صدر دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئے اور پستول دیکھ کر حواس

باختہ ہو گئے' پھر بھی مجنونانہ انداز میں ان کے ہاتھ سنگینوں کی طرف بڑھے لیکن وہ میر
پھرتی اور مستعدی کی تاب نہ لا سکے اور اپنی سنگینوں کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑ
زمین پر گر گئے۔ میں نے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھا۔ چھوٹا دروازہ کھولا اور جتنی رفتار
بھاگ سکتا تھا، بھاگنے لگا۔ میرے پیروں میں جیسے پر لگ گئے تھے۔ سڑک پر باقاع
روشنی تھی مگر میں سڑک سے کچھ دور درختوں کی آڑ میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا۔ ایک
بڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا میرا تعاقب کسی نے نہیں
تھا۔ اس کے باوجود میری رفتار میں کمی نہیں آئی۔ وہ میرے پیچھے اپنے گھوڑے
گاڑیاں دوڑا سکتے تھے۔ میں مخالف سمت میں بھاگ کر بھی اپنے آپ کو روپوش کر
تھا مگر مجھے ہر حالت میں صبح ہونے سے پہلے بھون پہنچنا تھا۔ وہیں مجھے زندگی کی نو
مل سکتی تھی۔ میں خود کو بے وزن محسوس کر رہا تھا۔ میں بھاگتے بھاگتے ٹھوکر کھا کے گر
ابھی دوبارہ اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ گھٹنے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ آنکھوں کے
سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ ایسی ناتوانی اور نقاہت کا احساس ہوا کہ اٹھنا دوبھر ہو گیا۔
بھی میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ ایک درخ
سے ٹکرا گیا جو اندھیرے میں مجھے نظر نہیں آ سکا تھا۔ میں ہانپتا ہوا اسی درخت کے
سہارے ٹک گیا۔ میری سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ اسی لمحے کسی نے میری کمر
ٹہوکا مارا، میری چیخ نکل گئی۔ میں نے ہیبت سے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ بوڑھا سا
دیوراج اس اندھیری رات میں میرے پیچھے کھڑا تھا۔ ''مہاراج! '' میں نے خوف
آواز میں کہا۔

''بہت تھک گیا ہے۔'' وہ بزرگانہ لہجے میں بولا۔ ''چل میرے کاندھے
ہاتھ رکھ دے پرنتو چلنا اپنے پیروں سے ہو گا۔''

''مہاراج! تم اس وقت؟''

اس نے شفقت سے میرے کندھے تھپکے۔ ''آگے بڑھ۔ چل تجھے ٹونکی
چھوڑ آؤں۔''

میری زبان گنگ سی ہو گئی۔ میں نے اس کے کندھوں پر اپنا بوجھ ڈال د

سے کچھ کہا نہیں گیا۔ سادھو سبک خرامی سے آگے بڑھتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں
رستے میں سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا؟ وہ بیداری و خوابیدگی کی کوئی ملی جلی کیفیت تھی۔
جس وقت پرکاش بھون کے دروازے پر پہنچے، مرغ بانگ لگا رہے تھے لیکن ابھی ہر
طرف گہرا اندھیرا مسلط تھا۔ سادھو دیوراج کو دیکھ کے سنتریوں نے فوراً دروازہ کھول
دیا۔ مہمان خانے کے گیٹ پر اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ میں نے شاردا سے کہہ دیا
تھا کہ وہ باتھ روم کا عقبی دروازہ کھلا رکھے۔ میں عام راستے سے جانے کے بجائے گھوم
کے باتھ روم میں آیا اور میں نے ملاقاتی کمرے سے دنیش کی خواب گاہ میں جھانک کر
دیکھا۔ نرسیں کرسیوں پر سو رہی تھیں۔ شاردا ابھی تک جاگ رہی تھی اور کسی کتاب کے
مطالعے میں مصروف تھی۔ ''شاردا!'' میں نے ہلکی سی آواز دی۔ میری آواز اور آہٹ پر
وہ گھبرا سی گئی اور بے قراری سے میری طرف لپکی ''موہن! '' مجھے ڈگمگاتے دیکھ کر اس
نے سنبھالا دیا۔ میں اس کی آغوش میں جھولتا ہوا صوفے پر ''تم کہاں سے آ
رہے ہو؟'' وہ سراسیمگی سے بولی۔

''بعد میں پوچھنا، پہلے برابر کا کمرہ کھول کے مجھے وہاں لٹا دو۔ میں شدید
تھکن محسوس کر رہا ہوں۔''

اس نے وہی کمرہ کھول دیا جہاں میں نے شاردا کے ساتھ پچھلی رات بڑے ترنم کے ساتھ
شب گزاری تھی۔ میں جاتے ہی تخت پر گر گیا۔ وہ ... بال درست
کرتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں کوئی ایک ہفتے
سے مسلسل جاگ رہا ہوں۔ میرے کوٹ کی جیب میں پستول ہیں اور نقدی موجود ہے
یہ چیزیں کہیں حفاظت سے رکھ دو۔ صبح مجھے جلدی جگا دینا۔ شاید اس وقت تک میرے
حواس ٹھکانے آ جائیں۔

اس نے میرے جوتے اتارے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا اور جیبوں سے
تمام سامان برآمد کر لیا۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ میرے قریب بیٹھی میرے
بالوں کی لٹیں درست کر رہی تھی اور سر دبا رہی تھی۔ میں نے غنودگی میں پوچھا۔

"دنیش کیسے ہیں؟"

"ابھی اس کی آنکھ کھلی تھی، تمہیں پوچھ رہا تھا، پہلے بھی دو ایک بار تمہارے بارے میں پوچھ چکا ہے مگر تم آ کہاں سے رہے ہو؟ کپڑے کتنے گندے ہو رہے ہیں۔" اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا۔

ابھی میری آنکھ ہی لگی تھی کہ ہم دونوں دنیش کی آواز پر اچھل پڑے۔ شب خوابی کے لباس میں زخمی دنیش چندر ہمارے سامنے کھڑا تھا۔ "موہن داس!" اس کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے برآمد ہوئی۔

☆......☆......☆

میری آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔

اس کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ شاردا کا چہرہ میرے سینے میں چھپا ہوا تھا۔ دنیش کی آواز بجلی بن کے گری۔ ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اسے اپنے سامنے دیکھ کے دم بخود رہ گئے۔ ہم دونوں کو جیسے کسی نے برف کے پانی میں ڈال دیا۔ آواز ہی نہیں نکلی' آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ چند لمحوں میں بہت سی کیفیتیں گزر گئیں۔ میرا دوست راجکمار دنیش چندر سامنے کھڑا تھا اور میرے پہلو میں اس کی لائق' حسین اور عزیز بہن ہم دراز تھی۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لیے کہ پہلے جب بھی میں نے ایسی صورتحال کے بارے میں سوچا تھا' دماغ نے کام نہیں کیا تھا۔ اچانک ہاتھوں' پیروں میں اینٹھن ہونے لگی اور جسم میں پرانی بیماری کے آثار ابھرنے لگے۔ کمرے میں روشنی کم تھی۔ میں دنیش چندر کے چہرے پر چھائی ہوئی بے چینیاں نہ پڑھ سکا۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی جواز پیش کرتے' دنیش نے ہماری مشکل آسان کر دی۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہم دونوں دیکھتے رہ گئے۔ شاردا نے لرزتی ہوئی پلکوں سے میرا چہرہ ٹٹولا جو اضطراب سے کھنچا ہوا تھا۔ اس نے دنیش کو اس وقت آواز دی جب وہ کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ وہ اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئی اٹھی اور مجھ سے کچھ کہے بغیر دنیش کے پیچھے لپکی۔ مجھ سے اپنا بوجھ نہیں اٹھایا جا سکا۔ میں بت بنا بیٹھا رہا۔ رگوں میں خون جم گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس موقع پر کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے تھا۔

میں چند لمحوں تک گم سم بیٹھا شاردا کی واپسی کا منتظر رہا۔ میری حالت پہلے ہی بڑی مخدوش تھی۔ میں نے ایک بے حد مصروف خونریز رات گزاری تھی۔ میلوں پیدل بھاگتا رہا تھا' کہاں کہاں سے زندگی بچاتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ سارا جسم لوتھڑا بنا ہوا تھا۔ یہاں آ کے یہ گولی لگی۔ اس کا زخم اتنا شدید تھا کہ رگ و پے پہ سناٹا طاری

ہو گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں تھوک میں لتھڑا ہوا ہوں اور میرے گال طمانچوں سے
سن ہو گئے ہیں۔ مجھے اپنے آپ سے چڑ ہونے لگی۔ اب یہاں خاموش بیٹھنے رہ
اور نتیجے کا انتظار کرنے کا کیا سوال تھا؟ میں باتھ روم کے عقبی دروازے سے گزر کر
دنیش چندر کے محل سے باہر آ گیا۔ صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ ایک کالی صبح کی
روشنی میں کسی نہ کسی طرح اپنے حواس قائم رکھتا ہوا کوارٹر تک پہنچا۔ ڈالی نے درواز
کھولا۔ وہ مجھے سنبھالتی نہیں تو میں چوکھٹ میں اوندھے منہ گرتا۔ ڈالی کمبخت ایسے ہ
موقع پر آڑے آ جاتی تھی۔ ''کیوں رے! اب کیا پینے بھی لگا ہے؟''

''چپ ہو جا۔'' میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔ ''ہر وقت الٹی باتیں
کرتی رہتی ہے۔''

''تو کیسا ہے رے؟ گھڑی میں تولا گھڑی میں ماشا۔ کبھی قریب کرتا ہے' کبھی
دھکے دیتا ہے۔'' وہ زمین سے اٹھتے اور منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ڈالی! '' میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑاتے لگی۔
مین اس کشمکش میں فرش پر گر گیا تو ڈالی کو ہوش آیا۔ میں زمین پر پڑا ہوا ہانپ رہا تھا۔

''شیرو!'' اس کی کمزور آواز میرے شانوں کے قریب سے آئی۔ ''تیری
حالت تو بڑی خراب معلوم ہوتی ہے' اب تو تو جب بھی گھر آتا ہے' اسی حالت میں آ
ہے۔ تو کس گورکھ دھندے میں پڑ گیا ہے؟'' وہ میرا ماتھا چھوتے ہوئے بولی۔ ''سوچتی
ہوں' تجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کہوں گی۔ پر میں کیا کروں؟ شیرو مجھے دق ہو جائے
گی۔''

''اس وقت کچھ مت کہہ' بس میرے قریب بیٹھی رہ۔'' میں نے عاجزی سے
کہا۔ ''میرا تمام جسم دکھ رہا ہے۔''

''ہر وقت تو میری زبان پر تالا لگا دیتا ہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی اور وہ
میرے پیر دبانے لگی۔ ''آج کیا ہو گیا؟''

''ڈالی۔ اب ہمیں یہاں سے جانا ہی ہوگا۔'' میں نے نقاہت سے کہا۔ ''تو
کتنی دیر میں تیار ہو سکتی ہے؟''

''کیوں؟'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ ''کیا ہو گیا؟''

''کچھ نہیں۔ بس اب یہاں سے ہمارا دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔ ابھی سویرا ہے
ہم یہاں سے فرار ہو سکتے ہیں۔ تو تمام کپڑے یہیں چھوڑ دے' صرف نقدی وغیرہ ساتھ

لے لے۔ میں تجھے باہر مل جاؤں گا۔ پھر ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے۔
کسی گاؤں یا قصبے میں......'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''پہلے مجھے سچ سچ بتا۔ کیا بات ہو گئی ہے؟''

''تو بکواس بہت کرتی ہے۔ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟''
میں نے بگڑ کے کہا۔ ''بس جو تجھ سے کہا ہے' اس کا جواب دے۔''

وہ گنگ سی رہ گئی' رو کے کہنے لگی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا کہ تو سچ کہہ رہا
ہے۔ تو بھلا اس چنڈال چوکڑی سے کہاں نکلے گا؟''

''یقین نہیں آتا تو یہیں پڑی سڑتی رہ' میں تو چلا۔'' میں نے اٹھنے کی
کوشش کرتے ہوئے کہا۔ میری پیٹھ درد سے دوہری ہو گئی۔

''لیٹا رہ۔ ابھی لیٹا رہ۔ کیا کہیں سے پٹ کے آیا ہے شیرو؟''

''ہاں تو سچ کہتی ہے۔'' میری ڈوبتی ہوئی آواز ابھری۔

''وہ کون ظالم تیرے ہمدرد تھے جنہوں نے تجھے جیتا چھوڑ دیا؟''

''پہلے کے کچھ تعلقات تھے' کام آ گئے۔'' میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے
جواب دیا۔ ''بعض دشمن بھی بڑے بامروت ہوتے ہیں۔''

''آخر ہار گیا؟'' وہ طنز سے بولی۔

''ہاں ہار گیا۔'' میں نے اداسی سے جواب دیا۔ ''چل تیار ہو جا۔''

''میں تو تیار ہو جاؤں گی۔ یہ سوچ لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے؟''

''باتیں مت بنا گڈے کو اٹھا کے چوک والے بس اسٹینڈ پر لے جا' میں
تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ ہمیں جلد سے جلد راجے پور سے نکل جانا ہوگا' اب
یہاں نہیں رہا جائے گا۔''

''بہت دیر لگا دی پیارے!'' وہ میرے گال پر چپت لگاتے ہوئے بولی۔
''خیر اپنا کیا ہے؟ اپن تو تیرے یار ہیں' جہاں جی چاہے لے چل۔'' یہ کہتی ہوئی وہ
اندر چلی گئی۔ اندر سے کھڑکھڑ کی آواز آنے لگی۔ وہ اپنے مختصر سامان سے ضروری
چیزیں علیحدہ کر رہی ہوگی۔ ڈالی کے لیے اس سے بڑی خبر اور کیا ہو سکتی تھی کہ میں
پرکاش بھون سے باہر جانے اور راجے پور ترک کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا ہوں۔ میں
نے اسے فیصلہ سنا دیا اور وہ کسی پس و پیش کے بغیر میرے حکم کی تعمیل کا اہتمام کرنے
لگی لیکن میں یہ حکم دے کے اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ پرکاش بھون کے دروازے کھلے

ہوئے تھے' بہت سی سواریاں بھی یہاں سے باہر لے جانے کے لیے ہمہ وقت تیار ملتی تھیں' ڈالی کے پاس معقول رقم بھی تھی' جس سے ہم کوئی اچھا کام ملنے تک اپنا گزارا کر سکتے تھے۔ ہر وقت خون خرابہ' گولیاں' لاشیں' ذلت' خوف' ان سب کا ایک ہی علاج تھا کہ پرکاش بھون کو بھلا کے کہیں دور چلا جائے۔ اب دنیش چندر کے سامنے جانے کی ہمت نہیں تھی۔ جو وقت گزرنا تھا' گزر گیا تھا۔ اچھا بھلا' برا باؤلا مگر میں دیر تک اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ پرکاش بھون چھوڑنے کا خیال آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ ابھی سے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

میرے جانے کے بعد شاردا کا کیا حال ہوگا اور شاردا کے بغیر مجھ پر کیا گزرے گی؟ پارو بھی بہت یاد آئے گی۔ میرے بغیر دنیش چندر کو کون سنبھالے گا؟ اس پر تو چاروں طرف سے آفتیں آئی ہوئی ہیں۔ اگر جانا ہی ہے تو شاردا کے ساتھ جایا جائے۔ برائی چھوٹی ہو یا بڑی' برابر ہے۔ اس سے جو عہد و پیمان کیے ہیں' ان کا کیا ہوگا؟

عہد و پیماں تو بانو سے بھی کیے تھے' جارج سے بھی کیے تھے' پارو بھی یہی کچھ کہہ رہی تھی۔ کس کس سے عہد نبھاؤ گے میر صاحب؟ موہن داس جی! مگر شاردا؟ اس بھون کی سب سے جدا لڑکی ہے جس نے میرے حوالے سے زندگی کے بڑے سہانے خواب دیکھ رکھے ہیں' کیا میں اسے مایوس کر جاؤں؟ کیا اسے یہ بتاؤں کہ اس نے ایک بزدل' خبطی اور جھوٹے شخص سے آس باندھی تھی اور بڑی غلطی کی تھی۔ پھر وہ اس بھون کے رنگ میں رنگ جائے گی اور پھر کوئی کسی پر اعتبار نہیں کرے گا۔ جو کچھ ہوا' وہ سرے سے غلط ہوا مگر جو ہو گیا' اسے چھوڑ کے اور غلطی کی جائے۔ میری جڑ بڑی کمزور تھی۔ شاردا نے اپنے جذبوں سے اس کی آبیاری کی' دنیش نے مجھے مضبوط بنانے کی کوشش کی' خود میں نے بھی اپنی شاخیں پھیلانے میں کون سی کسر اٹھا رکھی تھی؟ زمین ہی غلط تھی' میں نے اپنا پودا غلط جگہ لگایا۔ یہ تو نوشتۂ تقدیر تھا۔ کون یہ بات یہاں تسلیم کرتا کہ شاردا کبھی مجھ سے متعلق ہو جائے گی؟ ایک دن مجھے اسے باہر لے ہی جانا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ اس دن دنیش چندر مجھے کمینہ' ذلیل اور کم ظرف کہے گا۔ میں نے تو خود کو تماشہ بنا لیا تھا۔ میں اپنے دوست دنیش چندر کی پروا کروں کہ یہاں سے ہمیشہ کے لیے اپنا منہ کالا کر جاؤں؟ شاردا کو سینے سے کھرچ کے پھینک دوں یا شاردا کا خیال کروں اور دنیش چندر کو توڑ پھوڑ جاؤں؟ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟

ڈالی گڈے کو گود میں لے کے اور ایک تھیلا کاندھے پر ڈال کے صحن میں آ چکی تھی۔ میں اسی طرح فرش پر پڑا ہوا تھا۔ وہ میرے مزید حکم کا انتظار کرنے کے لیے ٹھہر گئی۔

''تو میں جاؤں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

مجھے جواب دینے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔ ڈالی کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''ابھی کچھ دیر ٹھہر جا' میں سوچ رہا ہوں' یہ وقت مناسب ہے یا نہیں؟''

''مجھے معلوم تھا شیرو کہ بعد میں تو اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ چل اب پلنگ پر جا کے لیٹ جا۔ تیرے مقدر ہی میں ٹھوکریں لکھی ہیں۔ تو یہاں سے کبھی نہیں جائے گا۔ بس مذاق کرتا رہے گا۔'' ڈالی زہر اگلنے لگی۔

میں نے چپ سادھ لی۔ تمام باتیں اپنی جگہ درست تھیں مگر میں نے ایک دوسرے پہلو پر غور تو کیا ہی نہیں تھا۔ اس وقت بھون سے جانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کچھ ہی دیر میں یہاں ایک سنسنی خیز خبر پھیلنے والی تھی کہ بینا رانی اپنی خوابگاہ میں قتل کر دی گئیں۔ اس کے بعد پرشوتم' کنور پردیپ' اس کے اٹینڈنٹ اور دو دربانوں کے قتل کی خبر ہر شخص کی زبان پر ہوگی۔ ریاست کی پولیس حرکت میں آ جائے گی اور یہاں سے باہر جانے والے ہر شخص پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ ایسے موقع پر بھون سے فرار ہونا خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا ہے۔ ایک رات میں چھ قتل؟ اس خیال سے مجھ میں کچھ ہمت عود کر آئی۔ میں ہی ان کا ذمہ دار ہوں۔ یہ ناٹک کسی کم ہمت شخص کے بس کا نہیں تھا۔ گولی کا جواب گولی' اینٹ کا جواب پتھر۔ دنیش چندر بھی کیا یاد کرے گا کہ کسی شخص سے دوستی ہوئی تھی۔ گو سب کیا کرایا خاک ہو گیا۔ تاہم میں نے اپنے ذہن میں اٹھنے والی پشیمانی کی لہریں رات کی محنت کے معاوضے کے طور پر ایڈجسٹ کرنا شروع کر دیں۔ صرف یہی تو گناہ تھا کہ دنیش کی بہن شاردا مجھ سے قریب تھی اور ایک بھائی نے اپنی بہن کو ایک دوست کے ساتھ دیکھ لیا تھا؟ یا یوں کہیے کہ ایک راجکمار نے اپنی راجکماری بہن کو اپنے ایک ملازم کے پہلو میں دیکھ لیا تھا مگر یہ کون سا بڑا گناہ ہے؟ کیا شاردا مجھ سے متاثر نہیں ہو سکتی تھی؟ دنیش چندر اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ میں ایک ادنیٰ ملازم کا بہروپ بھرے ہوئے ہوں اور حاکموں میں کرنل ہارڈنگ کی حسین و جمیل لڑکی ریتا مجھ سے متاثر ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی کہیں کسی سے اثر لے سکتا ہے۔ کوئی بھی کسی کے قریب آ سکتا ہے۔ دنیش سے

دوستی ہے تو اس کی بہن سے کیوں نہیں ہوسکتی؟ جب دنیش کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس نے مجھے آواز دی تھی۔ مجھے اسی لمحے تمام باتوں کا اقرار کر لینا چاہیے تھا۔ اس وقت زبان پر فالج کیوں گر گیا تھا؟ چونکہ یہ بات رواداری' اقدار اور دوستی سے میل نہیں کھاتی تھی۔ دنیش خاموشی سے واپس چلا گیا مگر یہ کیوں قیاس کیا جائے کہ اسے یہ منظر دیکھ کے شدید صدمہ پہنچا ہوگا؟ اس کے لیے یہ نظارہ چونکا دینے والا ضرور ہوگا۔ جب اس نے میرے اور اپنے تعلق' میری جانثاری پر غور کیا ہوگا تو اپنی رائے بدل دی ہوگی۔ وہ معاملہ فہم' دوراندیش اور عالی ظرف نوجوان ہے۔ بھون میں ویسے بھی ایک آزاد معاشرہ قائم ہے۔ کیا بھون کی آزاد روی' اپنی بہنوں کی فیاضی اور رانیوں کی کشادہ دلی کے متعلق دنیش کو کچھ علم نہیں ہے؟ وہ سب کچھ جانتا ہے' اس نے انگلستان میں پڑھا لکھا ہے اور وہ جدید اقدار کا حامی ہے۔ مجھے وہیں ٹھہر کے اسے اعتماد سے اپنے اور شاردا کے تعلق کے متعلق بتانا چاہیے۔ میں ایک چور کی طرح وہاں سے بھاگ کے چلا آیا۔ دنیش نہ جانے کیا سوچ رہا ہوگا؟ میں نے شاردا کو بھی کمزور کیا۔ بہرحال اب بھی کچھ نہیں گیا۔ میں دنیش کے پاس جا کے شاردا سے اپنے خصوصی ربط ضبط کا اعلان کیے دیتا ہوں۔ پتہ نہیں شاردا نے اپنے بھائی سے اس بے تکلفی کا کیا عذر پیش کیا ہوگا؟ وہ بڑی بولڈ اور جواں ہمت لڑکی ہے۔ اس نے بے باکی سے اعتراف کیا ہوگا اور دنیش کو میرے سلسلے میں بہت قائل کیا ہوگا۔

ذہن میں خیالوں کی ریل چل رہی تھی اور کانوں میں تیز سیٹیاں سی بج رہی تھیں' اپنے آپ کو تسلی دینے اور قائل کر لینے سے بگڑی ہوئی بات کیسے درست ہوسکتی تھی؟ یہ سب تو دنیش چندر پر منحصر تھا کہ اس نے میرے بارے میں کیا فیصلہ صادر کیا ہے؟ انسان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے' پل میں حاتم' پل میں ظالم بن جاتا ہے۔ آدمی کے باطن میں کنویں ہی کنویں ہوتے ہیں' اندھیرے اور گہرے کنویں۔ برسوں کی محنت ایک آوارہ لمحے میں ضائع ہوجاتی ہے۔ برسوں کی دوستی ایک جملے میں ختم ہو جاتی ہے۔ آدمی شیشے کا بنا ہوا ہے۔ چھوئی موئی کا پودا ہے اور آدمی نیم کا درخت ہے اور کھردکا بے حس چٹان ہے۔ اندیشے' وسوسے' گمان' قیاس آرائیاں' میں طرح طرح تاویلیں کر رہا تھا۔ دنیش چندر کے جملے یاد آرہے تھے۔ وہ اس کا بار بار گلے لگانا' راز کی باتیں کرنا' پروفیسر زاہدی بنا کے راج بھون میں لے جانا۔ بھون کے خاص معاملات میں مشورت کرنا۔ شب بسری کے لیے ترنم کو بخش دینا' اپنے ہاتھوں سے میرے زخموں پر

مرہم پٹی کرنا' سیف کی چابیاں دے دینا' بھٹناگر کی لاش ضائع کرنے میں مدد کرنا۔ وہ اس کی یاری' دوست داری' وضع داری' کیا وہ سب رشتے ایک ناخوشگوار تماشے سے ہوا میں تحلیل ہو گئے؟ ایسا تو نہیں ہوتا۔ اگر میں دنیش کی جگہ ہوتا تو کیا کرتا؟

فرض کرو دنیش نے سب کچھ نظرانداز کر دیا مگر جس تعلق میں جھوٹ اور مصلحت کی آمیزش ہو' وہ ریت کی دیوار ہے۔ میں نے اس سے مسلسل جھوٹے بولے ہیں۔ اس مرتبہ یہ بات ٹل گئی تو کیا ہوا؟ آئندہ کسی بھی لمحے اسے پتہ چل سکتا ہے کہ میں ایک مفرور قاتل ہوں۔ اس کے باپ پرکاش چندر کی موت کا تھوڑا بہت سبب بھی میں ہوں' اس کے بڑے بھائی مہیش چندر کو میں نے ہلاک کیا تھا۔ میں پولیس سے چھپتا بھاگتا پھر رہا ہوں اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ میرا نام موہن داس کے بجائے جمشید عالم ہے۔ وہ کہاں تک درگزر کرتا رہے گا؟ جب میرے چہرے سے نقابیں اٹھیں گی اور میرا اصل رنگ نظر آئے گا تو میں اس کی نظروں میں کیسا نظر آؤں گا؟ اسے کیا جواب دوں گا کہ خطا اس پہلے جھوٹ کی ہے جو میں نے غلطی سے بول دیا تھا۔ ڈالی نقدی کا تھیلا اندر کسی جگہ محفوظ رکھ کے صحن میں آگئی اور گڈے کو ایک طرف بٹھا کے چولہا جھونکنے لگی۔ وہ گیلی لکڑیوں میں پھونکیں مار رہی تھی اور سیاہ دھواں اس کے اردگرد اٹھ رہا تھا۔ میں بھی ایک گیلی لکڑی تھا جس میں کبھی کبھی آگ لگ جاتی تھی تو دھواں اٹھنے لگتا تھا۔ نہ خشک ہوتا تھا کہ پوری طرح جل جاؤں۔ میں بھی رفتہ رفتہ جل رہا تھا۔ ذہن کی عدالت کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام ہو گئی۔ اس لیے کہ مقدمہ بڑا پیچیدہ تھا۔ نہ میں شاردا کو چھوڑ سکتا تھا' نہ زخمی دنیش سے اس عالم میں دور ہو سکتا تھا۔ نہ دنیش چندر کے سامنے آنکھیں اٹھانے کی طاقت تھی' نہ یہ موقع فرار ہونے کا تھا۔ ریاست کی پولیس کے کتوں کی زنجیریں کھولی جانے والی تھیں۔ آدمی شرمساری' ذلت اور بے غیرتی سے بچنے کی خاطر اگر کچھ دنوں کے لیے اپنا وجود جن بھوتوں کی طرح دوسروں کی نظروں میں معطل کرنے پر قادر ہوتا تو کتنے آزار سے بچ جاتا۔

فرش پر اسی طرح سوال و جواب کرتے' جلتے اور تڑپتے ہوئے دیر ہو گئی۔ ڈالی نے چائے تیار کرلی تھی۔ یونہی پڑے پڑے ٹھنڈی ہو گئی۔ ادھر گڈا رو رہا تھا۔ وہ بار بار میری طرف ہمکتا تھا اور میری سرد مہری دیکھ کے رونے لگتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میری کیفیت اس سے مختلف نہیں ہے۔ گڈے کے پاس تو ڈالی ہے۔ اس کی ماں' میرے پاس کون ہے؟ شروع شروع میں تو ڈالی ادھر ادھر اکڑی' اینٹھی' مجھ سے کنارہ

کش صحن میں پھرتی رہی۔ پھر اسے میری حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے چائے کا ایک اور پیالہ بنا کے میرے سامنے رکھ دیا۔ مجھے دھپ مار کے اٹھایا۔ میں اٹھ کے تھم سے ٹک گیا۔ ڈالی ایک لوٹا پانی لے آئی اور چلو میں پانی بھر کے اس نے میرا منہ دھلایا۔ میری آنکھیں صاف کیں' ہاتھ صاف کیے اور اپنے پلو سے میرا منہ پونچھا۔ پھر اس نے ایک گلاس میں پانی دے کے مجھے کلی کرنے کا اشارہ کیا۔ اندر سے کنگھا لا کے وہ میرے بال کاڑھنے لگی۔ اسے کچھ اور خیال آیا۔ میرا کوٹ' قمیص اور بنیان اتار کے اس نے دوسرا لباس پہنایا۔ جو لباس وہ مجھے نہیں پہنا سکتی تھی' اسے میرے سپرد کرتے ہوئے بولی۔ ''جا' اندر جا کے بدل لے۔''

جب میں لباس تبدیل کرکے آیا تو وہ مختصر سا ناشتہ فرش پر لگا چکی تھی جس پر گڈا ہاتھ مار رہا تھا۔ میں نے اسے گود میں بٹھا لیا۔ ڈالی کی خاطر چند لقمے تیز تیز زہر مار کیے۔ معدے نے چائے کے ایک پیالی اور چند لقموں کے عوض کچھ رعایت دی۔ کھنچی ہوئی رگیں ڈھیلی پڑنے لگیں۔ سوچتا رہا کہاں جاؤں' ممکن ہے دنیش چندر کی طرف سے میری برطرفی کا ہرکارہ آ جائے؟ یا شاردا کی طرف سے کوئی پیغام موصول ہو؟ پتہ نہیں دنیش کی طبیعت اب کیسی ہے؟ رات وہ جاگ رہا ہوگا اور میری آمد کی آہٹ پا کے خیریت دریافت کرنے کے لیے بے چین ہو گیا ہوگا۔ اندر دیکھا تو یہ ناٹک جما ہوا تھا۔ ڈالی برتن دھونے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز آئی۔ ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ میں اٹھ کے دروازے پر گیا۔ دنیش چندر کے سیکرٹری کا ایک ماتحت مکئے سراسیمہ حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ ''موہن داس جی!'' اس نے ہاتھ جوڑ کے ایک ہی سانس میں کہا۔ ''راجکمار دنیش نے آپ کو فوراً طلب کیا ہے۔''

''کیوں؟ کیا ہو گیا؟'' میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

''کوئی غیر معمولی بات ہو گئی ہے موہن داس جی! راجکمار نے نرسوں اور ڈاکٹروں کو باہر نکال دیا ہے اور حکم پر حکم دے رہے ہیں۔ گہرا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''اچ چھا۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ ''ان سے جا کے کہو کہ غلام حاضر ہوتا ہے۔''

''میرے ساتھ چلیے۔''

''کیا؟'' میری آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ گھبرا گیا اور مجھے پرنام کرتا ہوا

واپس چلا گیا۔

دنیش نے بلایا تھا' گالیاں دینے اور ذلیل کرنے کے لیے بلایا ہوگا؟ تھانہ بھ کے چلو۔ میں نے گڈے کو ڈالی کی گود میں رکھا۔ ''حوصلہ رکھ ری۔''

یہ کہہ کے میں خود ہی جھینپنے لگا۔ ڈالی کا چہرہ مجھ سے نہیں دیکھا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو جلد ہی گھر سے نکال لیا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ باندی بینارانی کے کمرے میں حسب معمولی خدمات انجام دینے گئی ہوگی اور اس نے بینارانی کا خون میں لت پت بدن دیکھا ہوگا۔ پھر وہ دوڑی دوڑی پریت کے پاس گئی ہوگی یا رات کو پرشوتم کے واپس نہ آنے پر جگدیپ نے بینارانی کو فون کیا ہوگا۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے پریت سے رابطہ قائم کیا ہوگا اور پریت سمجھ رہی ہوگی کہ اس کی ماں نے رات کو تنہائی دور کرنے کے لیے پرشوتم کو طلب کیا ہوگا۔ ادھر کنور پردیپ کا پرسنل اسٹاف کنور جی کو جگانے کے لیے اوپری منزل تک آیا ہوگا تو اٹینڈنٹ اور کنور کا خون دیکھ کے ان کی آنکھیں پھٹ گئی ہوں گی۔ جب صبح سویرے دونوں دربانوں کو حفاظتی عملے نے صدر دروازے پر بے حس و حرکت پڑے دیکھا ہوگا تو حویلی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا ہوگا۔ پھر ہاتھی پرشوتم کی لاش دریافت کرنے والا سب سے پہلے خبر سنانے کے شوق میں اچھلتا ہوا متعلقہ لوگوں کے پاس پہنچا ہوگا۔ جگدیپ کو اطلاع دی گئی ہوگی کہ پتا جی بہادر پرلوک سدھار گئے یعنی انہیں جبراً پرلوک بھیج دیا گیا۔ راجے پور کے مہاراجا' راجکماری کنول' آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ راجے پور اور اس سے ملحق انگریز چھاؤنی میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل جائے گی۔ جگدیپ سلسلے ملا رہا ہوگا۔ سلسلہ ملانا کوئی ایسی مشکل بات نہیں تھی۔ سامنے کی باتیں تھیں' رات کوئی بینا رانی کے کمرے میں داخل ہوا' اس نے بینا رانی سے پرشوتم کو بلوایا۔ درمیان میں اسے شوٹ کرکے پرشوتم کے ساتھ حویلی میں داخل ہوا اور جہاں جہاں اس نے ضرورت سمجھی' خون کر آیا۔ گویا قاتل پرکاش بھون سے روانہ ہوا۔ پرکاش بھون کا کوئی شخص مگر کون شخص؟ دربانوں کی موجودگی میں کون اندر داخل ہو گیا؟ موہن داس؟ وہ تو دنیش چندر کے ہاں موجود تھا۔ برابر کے کمرے میں شاردا تھی۔ وہ اس امر کی گواہ ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیش چندر یا شاردا گواہی دینے سے انکار کر دیں؟

مجھے محسوس ہوا کہ بھون میں ایک سراسیمگی اور سنسنی دوڑی ہوئی ہے یا یہ میرے اندر کی اداسی اور لرزہ خیزی تھی کہ ہوائیں بدلی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ کچھ دور

آگے جا کے ملازموں میں تیزی' تندہی اور گرمی نظر آئی۔ ہر صبح ایک تازہ واردات پرکاش بھون کے محکوموں اور حاکموں کے لیے ایک تازہ خبر' صبح کا ناشتہ۔ آگے بڑھتے بڑھتے مجھے اپنی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی مصنف اپنی کہانی کے تاثرات کے لیے قارئین کے چہرے تکتا رہتا ہے یا ناٹک کا ہدایتکار دروازے پر کھڑے ہوئے تماشائیوں کی کھلبلی اور بے چینی سے اپنے کام کی قدر و قیمت کا تخمینہ لگاتا ہے۔ مجھے بھی اپنے رات کے ناٹک کا ردعمل دیکھنے کی بے چینی تھی۔ میں نارمل انداز میں اپنے ہم پیشہ لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دنیش کے محل میں داخل ہوگیا۔ دربان نے پرنام کرکے سب سے پہلے یہ خبر مجھے سنانے کا اعزاز حاصل کیا کہ بیمارانی اپنے کمرے میں مردہ پائی گئی ہیں۔ میں نے حیرت اور افسوس کا اظہار کرکے اسے متوقع داد دی۔ راہداری میں غیر معمولی سرگرمی پائی جاتی تھی لیکن مجھے سردی لگنے لگی۔ میرے آئندہ دنوں کی خوشی و ناخوشی کا انحصار دنیش چندر کے موجودہ رویئے پر تھا اور اب وہ لمحہ قریب آ گیا تھا جو مجھے صبح سے شش و پنج میں مبتلا کیے ہوئے تھا۔ میں نے طے کیا تھا کہ میں کوئی جواب نہیں دوں گا۔ جو دنیش کہے گا' خاموشی سے سنتا رہوں گا اور آخر میں درخواست کروں گا کہ وہ مجھے عزت کے ساتھ بری کر دے۔

آج تو سبھی سویرے سویرے جاگ گئے تھے۔ رانیاں' ان کی بیٹیاں' دنیش کے ملاقاتی کمرے میں غیر رسمی لباس میں ملبوس عورتوں کا اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ وہاں پارو بھی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو جیسے کسی نے اس کی آنکھوں کا بٹن دبا دیا۔ ان میں روشنی ہو گئی۔ وہ میری طرف لپک کے آنا چاہتی تھی مگر ٹھہر گئی۔ دوسری عورتوں نے سرسری طور پر مجھے دیکھا اور آپس میں گفتگو کرنے لگیں' وہ سب ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ دنیش کی خوابگاہ میں جاتے وقت میرے قدموں کو ہچکچاہٹ کا احساس ہوئی۔ ایک مجرم عدالت میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک ملبوس شخص ننگا ہونے والا تھا۔ میں جیسے ہی اندر داخل ہوا' دنیش مجھے دیکھ کے اچھل پڑا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ سر سے پیر تک اس کی نظروں نے میرا احاطہ کیا۔ میں کسی نافرمان بچے کی طرح سعادت مندی سے کھڑا ہوگیا جس کا کوئی جرم پکڑ لیا گیا ہو۔ کمرے میں دو ایک نرسیں تھیں۔ مجھے ان کی موجودگی سے سہارا ملا۔ پھر دنیش کے لبوں پر ایک معنی خیز تبسم ابھرا اس نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا۔ میں اس کے پلنگ پر گیا تو اس نے مجھ سے چادر درست کرنے کے لیے کہا۔ نرسیں کچھ دور تھیں۔ ''تم صبح کہاں چلے

تھے؟'' اس نے اپنی روایتی اپنائیت سے کہا۔

میں نے اپنی نم آنکھوں سے ایک نظر اسے دیکھا' پھر میری نظریں خود بخود جھک گئیں۔ ''شاردا بھی پریشان تھی کہ تم اچانک کہاں چلے گئے؟ کہہ رہی تھی کہ تم بہت تھکے ہوئے آئے تھے اور نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے۔''

''دنیش بابو!'' میں نے ندامت سے صرف اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

''رات تو تم نے کمال کر دیا۔'' وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

''دنیش بابو! کیا آپ نے مجھے میری رات کی کارکردگی کے معاوضے میں معاف کیا ہے؟'' میری آواز بھرا گئی۔

''بالکل پاگل ہو۔ بہرحال بات ہوگی۔ میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموشی سے واپس چلا آیا تھا۔''

میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔ ''اس ہنگامے میں کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ اسی لیے میں نے تمہیں بلا لیا' سب کام ٹھیک تو ہوا ہے؟''

''ہاں کوشش تو یہی کی ہے۔'' میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''تم نے پھر ایک رات جاگ کر گزار دی مگر یہ ممکن کیسے ہوا موہن؟ سمجھ میں نہیں آتا' تم تو کوئی جادوگر ہو۔''

چادریں درست کرکے میں اس کے پاس مستعد کھڑا ہو گیا کیونکہ پارو اندر آ گئی تھی۔ دنیش اس کے سامنے مجھے حکم دینے لگا۔ ''اب ادھر ادھر کہیں نہ جانا' مجھے تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''دنیش! تم نے سنا؟'' پارو نے آتے ہی کہا۔ ''تمہارا سیکرٹری کہتا ہے' ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ راج پور سے باہر جانے والے ہر راستے پر مسلح پولیس تعینات کر دی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قاتل دربانوں کو مار کے حویلی سے باہر چلا گیا اور وہ اس وقت راج پور ہی میں کہیں موجود ہوگا۔ کیسا سنسنی خیز واقع ہے۔'' پارو نے دنیش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جہاں راج پاٹ کے چکر ہوں' وہاں ایسے واقعات معمولات میں شامل ہوتے ہیں۔ قاتل بھی کسی کا آلہ کار ہے۔ یقیناً اس کی کوئی ذاتی دشمنی کنور پردیپ سے نہیں ہوگی۔'' دنیش نے بے پروائی سے کہا۔

''مگر ایک ہی رات میں اتنے قتل؟'' پارو حیرانی سے بولی۔

''ان معاملوں میں گھنٹوں میں شہر کے شہر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنی طرف دیکھنا چاہیے۔ آج وہاں گولی چلی ہے' کل یہاں کا نمبر بھی آ سکتا ہے۔''

''یہاں کا نمبر تو پہلے ہی آ چکا ہے۔'' پارو مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ پھر اچانک مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''موہن! تمھیں یہ خبر کس وقت معلوم ہوئی؟'' میں سٹپٹا گیا۔ پارو نے خلاف توقع دنیش کے سامنے مجھ سے بے تکلفی میں سوال کر کے شرارت کی تھی۔ ''جی' مجھے ابھی پتہ چلا ہے پارو رانی!''

''آہ بینا رانی! وہ تو تم پر خاصی مہربان تھیں۔''

''جی ہاں' بڑا خیال رکھتی تھیں۔ ان کا غصہ بھی پیارا لگتا تھا۔'' میں نے پارو کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ دنیش کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ پارو کے سوالوں پر کسمسا رہا تھا۔ پارو نے آنکھوں آنکھوں میں مجھے اشارہ کیا کہ آج میں اس کی طرف ضرور پہنچوں۔ میں نے اقرار میں پلکیں جھپکائیں۔ پارو اپنے حملوں سے باز آ گئی۔ پھر کوئی فون آ گیا۔ پارو غور سے دنیش کی گفتگو سننے لگی۔ یہ آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ کا فون تھا۔ وہ بینارانی کے قتل کی تفصیلات پوچھ رہا تھا اور افسوس کا اظہار کر رہا تھا۔

دنیش چندر اپنی دوستی کے ایک بڑے امتحان میں صاف کامیاب ہو گیا۔ اس نے بڑی چابکدستی اور خوبصورتی سے آخرِ شب کے سنگین واقعے پر اپنی بے نیازی کا اظہار کر کے مجھے ایک بڑے عذاب سے بچا لیا۔ صبح سے مایوسی' خالی الذہنی اور ناتوانی تھی۔ اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے دنیش نے مجھے طاقت اور اعتماد کا انجکشن لگا دیا ہو۔ میرا جی چاہتا تھا' اس سے لپٹ کر آنسو بہاؤں لیکن میں ندامت اور ممنونیت کا اظہار بھی نہ کر سکا۔ میرے لیے دنیش چندر کے تمام رویوں میں یہ سب سے حیرت انگیز رویہ تھا۔ شاردا اس بھون کی عصمت تھی' عصمت کی علامت' راجے پور کے اس خاندان کی ناموس' سچی ناموس۔ اس کا دامن چاندنی کی طرح اجلا تھا۔ سب اس کی قدر کرتے تھے' مہاراجا امرناتھ کی رائے میں وہ اس بھون کی سب سے قیمتی لڑکی تھی مگر وہ اس بھون کے ایک سستے ملازم سے وابستہ تھی جس کے خاندان کا کچھ پتہ نہیں تھا اور جو بڑی مشکوک حیثیت رکھتا تھا۔ جانے کون تھا؟ کیا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ شاردا اس سے متاثر تھی۔ راجکماری شاردا' مہذب' نفیس' حسین' تعلیم یافتہ۔ مجھے ایک خیال آیا کہ

طرف(ا) چندر نے کہیں مجھ سے مفاہمت تو نہیں کی ہے؟ اس لیے کہ وہ چاروں طرف سے (د)وں میں گھرا ہوا ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔ اس نے جان بوجھ کر درگزر تو (ہو)ں کیا ہے؟ راجے' مہاراجے اقتدار کی امید میں اور اپنی زندگی کی ضمانت کے لیے (بڑ)ے بڑے سودے کر لیتے ہیں۔ راج محلوں میں' مہیش چندر کا تعلق اس عورت سے (...) ہے جو اس کے باپ پرکاش کی زوجیت میں ہے۔ راجکماریاں اپنے بھائیوں سے (...)ر ہیں اور سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ دنیش بھی اسی مٹی کی پیداوار ہے۔ میں نے مختلف (...)نوں پر ثابت کر دیا ہے کہ میں اس کے لیے کس قدر کارآمد آدمی ہوں۔ میں ایک (...) میں چھ قتل کر سکتا ہوں۔ میں اس کی بہترین ڈھال ہوں' میرا پیادہ ایسے خانے (...) رکھا ہوا ہے جس کے پیچھے بادشاہ پوری طرح محفوظ ہے۔ اگر یہی بات ہے تو یہ (...)ے لیے سوہانِ روح ہے۔ دنیش بظاہر تو ایسا نظر نہیں آتا۔ اس کے سوا میرے پاس کیا چارہ ہے کہ جب تک حالات موافق نہ ہوں' میں بھی مفاہمت کا راستہ اختیار (کر)وں۔ دنیش نے کرنل ہارڈنگ کو تفصیل کے ساتھ گزشتہ رات کے واقعے سے مطلع کر (دیا) تھا۔

اسی لمحے باہر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پارو بھاگی ہوئی باہر (...)گئی۔ نرسیں بھی دروازے سے باہر جھانکنے لگیں۔ دنیش نے پھر مجھے اپنے قریب بلا (کر کہا)۔ ''اب رات ہی کو تم سے بات ہوگی۔'' وہ تذبذب سے بولا۔ ''مجھے خدشہ ہے کہ (...) تم پر شک کرتی ہے؟''

''وہ اب بے ضرر ہے۔ میں نے اس کا زہر نکال لیا ہے۔''

''ہائیں؟ کیا مطلب؟'' وہ تعجب سے بولا۔ ''یہ بھی ایک نئی خبر ہے' یعنی۔'' (...)جھجک کے بولا۔ ''اعتماد کیا جا سکتا ہے؟''

''بڑی حد تک۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کاش میں ان سب کو باہر نکال سکتا اور تم سے باتیں کرتا۔ باہر سے رونے (...)کیسی آوازیں آ رہی ہیں جیسے انہیں بینارانی کا شدید غم ہے۔ شاید پریت اندر آ گئی (...)؟''

''آپ اپنی طرف توجہ دیجیے۔ ابھی زخم بھرا نہیں ہوگا۔''

''ممکن ہے' کچھ دنوں کے لیے آرام میسر آ جائے۔''

''کاش ایسا ہو ورنہ پھر گنتی زیادہ ہو جائے گی۔''

''بچپنا بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''مجھے اس کا اندازہ ہے۔ آپ کے جلد صحت یاب ہونے کا انتظار ہے۔ بہرحال اس موقع پر آپ کی زخمی حالت بھی کچھ ٹھیک ہی ہے۔ اتنی عجلت نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔''

''تمہارے ذہن میں کچھ بڑے منصوبے معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کے کیا تھا۔''

''اب کیا ارادہ ہے؟'' وہ رازداری سے بولا۔

''کرپاکرم سے نمٹ لیجئے' رات کو بات ہوگی۔''

کچھ عورتیں روتی ہوئی داخل ہوئیں اور دنیش کا کمرہ اچھا خاصا ماتم کدہ بن گیا۔ میں پریت کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ اس لیے موقع ملنے پر بلکتی ہوئی عورتوں کے درمیان پہنچ گیا۔ عجیب بات تھی کہ وہاں شاردا موجود نہیں تھی۔ پریت ہر طرف سے ماتم گساروں میں گھری ہوئی تھی۔ ایسے عالم میں کسی قاتل کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے؟ مختلف لوگوں کا مختلف ہوگا۔ اصل میں یہ عام لوگوں کا نہیں قاتلوں کا معاملہ تھا۔ کبھی وزن اس طرف زیادہ ہو جاتا تھا' کبھی اس طرف۔ پریت کو کم سے کم یہ خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ اس کی ماں بھی نشانہ بن سکتی ہے یا جوابات اتنے شارپ اور براہِ راست طریقے سے دیئے جا سکتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے نمودار ہونے پر کئی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی' نتھنے پھولے' اوپر کے ہونٹ نچلے ہونٹوں پر حاوی آنے لگے۔ میں بھی اداس اور دلگیر تھا۔ کسی نے آکے کہا کہ دنیش' پریت کو اندر بلا رہا ہے۔ پھر کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پریت اندر جانے سے انکاری ہو۔ خوب' مجھے پریت کی یہ ادا پسند آئی۔ اس میں ایک بانکپن ضرور تھا۔ گویا وہ جانتی تھی کہ ہدایت نامہ دنیش چندر کی جانب سے جاری ہوا ہوگا۔ بزرگ لوگوں نے بہ اصرار اسے اٹھایا۔ ایک کونے میں یہ ملازم سمٹا ہوا کھڑا تھا۔ پریت کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ دروازے کے قریب اس کی نظر مجھ پر پڑی' وہ حواس باختگی سے ایک قدم پیچھے ہٹی' پھر ٹھٹک کے رک گئی۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔ یقیناً میرے ردعمل سے اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔ میں پلک جھپکائے بغیر اسے گھورتا رہا۔ اسے رونا آ گیا۔ یہ لمحوں کی بات تھی۔ ممکن ہے کسی نے بطور خاص توجہ دی ہو۔ عورتیں پریت کو سنبھالتی ہوئی دنیش کے پاس لے گئیں۔ میں باہر ٹھہرا رہا۔ پارو میرے قریب سے یہ کہتی ہوئی

گزر گئی کہ ''موہن! بھون سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔''

پارو نے مجھے چونکا دیا۔ کیا کل رات کسی نے مجھے دیکھ لیا تھا؟ دیکھنے کی کیا ...ت ہے۔ میں سامنے کا دیکھا بھالا شخص ہوں۔ دنیش بیمار ہے اور مجھ سے زیادہ کوئی ...ن کے قریب نہیں ہے۔ جس طرح میں نے پرشوتم کو درمیان سے ہٹایا ہے' اسی طرح ...جھے ہٹا دیا جائے گا بلکہ یہ سبق میں نے انہیں سے حاصل کیا تھا۔ بس ایک بات سے ...راح کانپتی تھی۔ پولیس کی مداخلت مجھے پسند نہیں تھی۔ پارو کا اشارہ واضح تھا۔ انہوں ...نے پولیس کے سامنے اپنے شک کے طور پر مبہم الفاظ میں میرا نامِ نامی لیا ہوگا۔ پولیس ...س کی؟ ریاست کی۔ ریاست کس کی؟ جاگیرداروں کی۔ سیاہ و سفید کے مالکوں کی۔ ...مجھے اپنی جیبوں میں پستول کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ ہتھیار تو چھوٹا سا ہے مگر ...اس سے بڑا سہارا رہتا ہے۔ رات تمام نقدی اور پستول میں نے شاردا کے حوالے کر ...دیئے تھے۔ جیسے جیسے دن چڑھتا گیا' بھون کی سوگوار فضا میں تیزی آ گئی۔ رونے والوں ...کا شور بڑھتا گیا اور تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جگدیپ کو ادھوری صحت کی ...حالت میں ایک خصوصی ایمبولینس کے ذریعے اس کی حویلی بھیج دیا گیا۔ اٹھنے کے قابل ...ابھی وہ کہاں ہوگا۔ کرسی پر بیٹھ کر اپنے باپ کا آخری درشن ضرور کرسکتا تھا۔ جگدیپ ...کے قیام کی وجہ سے یہ جگہ سازشوں کا مرکز بن گئی تھی۔ ادھر وہ زخمی تھا' ادھر دنیش زخمی ...تھا۔ ادھر بیناراانی کی ارتھی تیار پڑی تھی' ادھر کنور پردیپ بہادر کی۔ اب فریقین کو اصولاً ...اور اخلاقاً تھک جانا چاہیے تھا۔

...دن کم' واقعات زیادہ ہو گئے تھے۔ گزشتہ چند دنوں میں بڑے تیز جوابی حملے ...ہوئے تھے لیکن آج کا واقعہ سب سے شدید تھا۔ ریاست راجے پور کی سیاست پر اس ...کے گہرے اثرات مرتب ہونے کا امکان نظر آتا تھا' مجھے اندازہ تھا کہ بات کنور ...پردیپ کے قتل پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ یہ تو ابتدا تھی۔ آنے والے دنوں کے مختلف ...نقشے میرے ذہن میں ابھر رہے تھے۔ میں اپنے سائے تک سے محتاط تھا۔ قسمت ...شروع سے نامہربان رہی تھی۔ میں نے اسے اور ناراض کر دیا تھا۔

بینارانی کی ارتھی بڑی دھوم سے اٹھی۔ پریت نے بڑی برداشت کا ثبوت دیا ...تھا۔ اس کے بعد عمداً میں اس پرکٹی' زخمی مچھلی کے سامنے نہیں گیا۔ راجے پور کے ...معززین کا ایک بڑا ہجوم ارتھی کے ساتھ تھا۔ لوگوں میں عجب چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ...انگریزوں کی نمائندگی میجر رابرٹ کر رہا تھا۔ دنیش چندر بھی ایک کار میں ارتھی کے جلوس

میں شامل تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ پہلے بیتارانی کا کریاکرم کر دیا جائے' پھر کنور پردیپ کی حویلی سے ارتھیاں اٹھیں۔ ریاست کے ڈاکٹروں اور پولیس کے سراغ رسانوں کو لاشوں کی تحقیق و تفتیش کا خاصا وقت مل گیا تھا۔ تمام نشانات محفوظ کر لیے گئے تھے میرے کان ادھر ادھر کی خبریں سونگھ رہے تھے۔ بیتارانی کو صندل کی لکڑی میں جلانے کے بعد بھون کے تقریباً سبھی افراد جگدیپ کی حویلی کی طرف چلے گئے۔ صرف بچے بوڑھے اور ملازم رہ گئے اور سوگوار پریت کے کمرے میں چند عورتیں رہ گئیں۔ بھون میں ہر طرف سے سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ دنیش کی نوخیز بھانجی نے میرے راستے میں حائل ہو کے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ وہ چٹکنے کے مرحلے میں تھی' کچی کچی ناشپاتی' چھوٹی اور لمبی ہری مرچ کی طرح' مینا کی طرح وہ چہچہاتی تھی۔ مجھے دیکھا تو کھنچی ہوئی میرے پاس چلی آئی اور کہنے لگی۔ ''موہن داس! ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''آپ یہاں بیٹھ جائیے' میرے پاس۔''

''تم ہماری طرف کیوں نہیں آتے؟'' وہ ناراضگی سے بولی۔

''کیسے آئیں' آپ نے بلایا ہی نہیں۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''ہم......'' وہ لچک کے شرما کے بولی۔ ''ہم کیسے بلائیں؟''

''جس طرح بلایا جاتا ہے۔ ایک لڑکی ایک لڑکے کو جس طرح یاد کرتی ہے۔'' میں نے اس کی شوخ آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

''ہم نہیں جانتے' تمہی بتاؤ۔'' وہ ناز سے بولی۔

''دیکھیے۔'' میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''جب کوئی لڑکی کسی لڑکے سے یا لڑکا کسی لڑکی سے باتیں کرنے کا آرزومند ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہوں تو ان کی آنکھیں باتیں کرتی ہیں۔ ان کے جسم آپس میں باتیں کرتے ہیں مگر آپ ابھی......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''بات پوری کرو' تمہارے بارے میں مشہور ہے کہ تم بہت اچھے لگتے ہو' بڑی اچھی باتیں کرتے ہو' مجھ سے باتیں کرو نا۔'' وہ شیدائیت سے بولی۔

''اچھا؟ کیا کہتے ہیں لوگ میرے بارے میں؟''

''کہتے ہیں' وہ ایک سندر آدمی ہے۔ بالکل پرنس لگتا ہے۔ بینا آنٹی جو گئیں۔ وہ بھی یہی کہتی تھیں۔''

''اور کیا کیا کہتے ہیں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''پہلے تم بتاؤ' تم کیا کہہ رہے تھے؟'' وہ ضد کرنے لگی۔

''میں کہہ رہا تھا' آپ ابھی اور لوگوں سے چھوٹی ہیں نا۔ ابھی وقت ہے' بس تھوڑی سی دیر۔'' میں نے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر دیکھیے لوگ آپ کو کس طرح اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور آپ انکار کر دیں گی۔''

''میں کوئی بہت چھوٹی ہوں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''ایسی بھی نہیں مگر دوسروں کے مقابلے میں۔''

''بس بس ٹھیک ہے' ہم جا رہے ہیں......''

''ارے کہاں؟'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''کیا آپ ناراض ہو گئیں؟ سنیے تو' میرے کہنے کا مطلب......''

''نہیں' تم گدھے ہو۔'' وہ اپنا ہاتھ چھڑا کے پیر پٹختی ہوئی چلی گئی اور مجھے حیرتوں میں ڈبو گئی۔

وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس ثابت ہوئی تھی۔ میں نے اس کے خطاب پر غور کرنا شروع کیا' اس سے پہلے بھی مجھے یہاں متعدد خطابات سے نوازا گیا تھا۔ بڑے لوگ خطابات عطا کرنے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں۔ وہ مجھے مبہوت کر گئی۔ شام تک میں دنیش چندر کے ملاقاتی کمرے میں بیٹھا گھاس کھاتا رہا اور جگالی کرتا۔ روشنیاں جل گئیں تو میرے اعصاب بجھنے لگے۔ فون کی گھنٹی ٹرر ٹرر بجنے لگی۔ میں نے ٹیلی فون اٹھایا تو کسی نے سخت آواز میں پوچھا۔ ''موہن داس؟''

''ہاں' میں ہی ہوں۔ کون مہاشے بول رہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ سادگی سے پوچھا۔ ''فرمائیے' کیا کام ہے؟''

''کام وام نہیں ہے۔'' آواز درشت ہو گئی۔ ''ایک بات کہنی تھی۔''

''حکم؟'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔

''موہن داس! تیار رہ' اب تیرے برے دن آ گئے ہیں۔'' کوئی نفرت اور غصے سے بولا۔ ''تو نے راجے پور کے بلواتوں کو نہیں دیکھا' وہ بدلہ لینا جانتے ہیں۔''

''کیسا بدلہ؟ کس کا بدلہ؟'' میں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کون مہاپرش ہیں؟ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں موہن داس تو پرکاش بھون کا سیوک ہوں۔ آپ کون سے موہن داس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''حرامزادے۔'' اس کے بعد مغلظات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری

ہو گیا۔ میں سنتا رہا۔

جب وہ تھک گیا تو میں نے پوچھا۔ ''کچھ اور رہ گئی ہیں؟''

''ہم تجھے دیکھ لیں گے۔''

''میں یہیں رہتا ہوں' کسی دن ضرور ادھر آؤ۔''جواب میں چند اور تاز
گالیاں سنائی گئیں جن میں میرے مرحوم والدین کا ذکر تھا۔

میں نے فون بند کر دیا تا کہ کہیں کوئی غلط بات زبان سے نہ نکل جائے
میرے جوابات استعمال کیے جا سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے سننے اور خوف و حیرت
اظہار کرنے ہی پر اکتفا کیا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔ خاصے نادان لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ بڑا بچپنا کر
ہیں۔ اس نادانی ہی سے ڈر لگتا تھا کہ اوٹ پٹانگ حرکتیں کریں گے۔ بھلا اس فون
کیا ضرورت تھی؟ میرا ارادہ تھا کہ بھون کے بعض سرفروش ملازموں کو اکٹھا کر
احتیاطاً چھوٹا موٹا گروہ تشکیل دے لوں گا اور خود اس کی نگرانی کرتا رہوں گا۔ معمو
کاموں کے لیے یہ پٹھے کام آ جائیں گے لیکن میں نے کسی سے رابطہ قائم کرنے
خیال ترک کر دیا کیونکہ ابھی اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اس فون سے کم از
اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ پرشوتم کے باقی ماندہ لوگوں کی اوقات کا علم ہو گیا اور یہ بھی
چل گیا کہ زیادہ دنوں تک سکون سے رہنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ انہیں خا
عجلت معلوم ہوتی تھی۔

رات کو کوئی نو بجے بھون میں گاڑیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں ا
نشست سے اٹھ گیا اور سب سے پہلے دنیش چندر کمرے میں داخل ہوا۔ وہ خاصا گھبر
ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مجھے دیکھ کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ اس مسکراہٹ میں
تصنع شامل تھا۔ وہ مجھ سے کوئی اہم بات کہنا چاہتا تھا مگر اس کے پیچھے پیچھے کچھ رانیاں
اور ہیما' شکنتلا اور پارو چلی آئیں۔ مجھے آثار کچھ اچھے نظر نہیں آئے۔ ''دنیش! اب تم
آرام کرو۔''بزرگ مہارانی مایا دیوی نے شفقت سے کہا۔ ''تم آج بہت تھک گئے
گے۔''

''ہاں' میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

شعلہ رخسار پارو کے چہرے پر بھی زردی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بے قرا
سے ادھر ادھر تھرک رہی تھی۔ اس نے چپکے سے مجھے اشارہ کیا۔ میں نے اقرار میں

'' وہ بھی مجھے ستانے کے لیے بے چین تھی۔ آج کے بارے میں اپنے غم زدہ
تاثرات کا اظہار کرنے کے بعد اس نے مہارانی مایا دیوی سے ایک بے موقع سوال کیا۔
''کیا خیال ہے مایا جی؟'' اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا قاتل پکڑا جائے
گا؟''

مایا دیوی نے بیزاری سے کاندھے اچکائے۔ ''ہاں مرنے والے اپنی جان سے
گئے۔ قاتل پکڑ بھی لیے جائیں تو وہ زندہ ہونے سے تو رہے۔''

''سنا ہے مہاراجہ بھی دلچسپی لے رہے ہیں؟ کرنل ہارڈنگ نے مہاراجا کو مجبور
کیا ہے کہ وہ ریاست میں امن و امان بحال رکھیں اور پولیس کا انتظام درست کریں۔
شہر کے گھر گھر کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ صبح سے بہت لوگوں کو پکڑا گیا ہے۔ میرا خیال
ہے اب کے قاتلوں کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ انتظامات تو پہلے سے ہونے چاہئیں
تھے۔''

''چھوڑو بھی پارو! کمر درد سے دہری ہوئی جا رہی ہے۔ سویرے سے رات
تک ایک ٹانگ پر کھڑے کھڑے وقت گزر گیا۔ مجھے بیچاری بینا بہت یاد آ رہی ہے
کل تک کیسی ہنستی کھیلتی تھی' کسی کو کیا معلوم تھا......'' مایا دیوی نے کراہتے ہوئے کہا۔

دنیش چندر لباس تبدیل کرنے اندر چلا گیا تھا مگر قتل اور قاتلوں کا ذکر سن
کے واپس آ گیا۔ مایا دیوی نے اسے سرزنش کی کہ وہ آرام کرنے کے بجائے ادھر کیوں
آ گیا ہے؟ ''اب چلو۔ دنیش کو تنہا چھوڑ دو ورنہ یہ آرام نہیں کر پائے گا۔''مایا دیوی نے
خود جانے میں پہل کی اور اپنے ساتھ سب کو لے گئی' صرف پارو رہ گئی۔ نرسیں دنیش
کے گرد گھیرا ڈال کے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''نہیں' ہم انجکشن نہیں لیں گے۔'' دنیش نے جھنجلا کر کہا۔

''راجکمار! یہ ضروری ہے۔''نرس نے مودبانہ درخواست کی۔

''تھوڑی دیر بعد لگا دینا۔''پارو نے نرس کو حکم دیا۔

ابھی پارو نے یہ حکم صادر ہی کیا تھا کہ دنیش کے سیکرٹری نے اطلاع دی۔
''انسپکٹر جنرل پولیس چند پولیس افسروں کے ساتھ آ رہے ہیں۔'' مجھے دیوار سے ٹیک
لگانی پڑی۔

''رات کے۔''دنیش نے گھڑی دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا۔ ''ساڑھے نو
بجے؟''

"جی راجکمار!" سکرٹری نے مشینی انداز میں جواب دیا۔
"یہ کیسی بدتمیزی ہے۔ کیا یہ لوگ صبح نہیں آ سکتے تھے؟"
"انہیں دس منٹ بعد اندر بھیج دو۔" دنیش کے بجائے پارو نے سکرٹری کو جواب دیا۔ دنیش کبھی پارو کو دیکھتا تھا، کبھی مجھے۔ "موہن داس! پولیس آ رہی ہے۔" پارو نے دنیش کی موجودگی میں جرات کی۔ "ممکن ہے، وہ تمہیں پکڑ کے لے جائیں کیونکہ بھون کے کسی فرد نے مخبری کر دی ہے۔ بھون کے اور بہت سے ملازم بھی پوچھ گچھ کے لیے کوتوالی لے جائے جا رہے ہیں۔ حالانکہ رات بھر تم دنیش کی خدمت میں رہے ہو۔ جیسا کہ دنیش نے مجھے بتایا ہے۔ ہم ان سے یہی کہیں گے کہ تم رات بھر یہیں رہے ہو، پھر بھی ممکن ہے کہ وہ خانہ پری کے لیے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ تم گھبرانا نہیں، کیا تمہارے پاس اپنی حفاظت کے لیے کوئی ہتھیار ہے؟"
"نہیں۔" میں نے تذبذب سے جواب دیا۔
"میں کہوں گا، میں مسلسل کہتا رہوں گا کہ تم رات بھر میری خدمت کرتے رہے تھے۔" دنیش اپنے لفظوں پر زور دے کے بولا۔ "شاردا بھی اس کی گواہ ہے کہ برابر کے کمرے میں موجود تھے لیکن معاملہ اب عام پولیس کی بجائے اسپیشل پولیس کے ہاتھ میں پہنچ گیا ہے۔ پتہ نہیں، تمہارے کس دشمن نے تم پر شک ظاہر کیا ہے، اس نے پولیس سے درخواست کی ہے کہ وہ اس کا نام نہ بتائے۔ تم جانتے ہو، عام پولیس بھون میں ہماری اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتی مگر یہ کارروائی مہاراجا اور آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ کے خاص احکام کے تحت عمل میں لائی جا رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ غنڈوں اور شہدوں کے گروہ دونوں محلوں میں موجود ہیں۔ مسلسل قتل ہو رہے ہیں، اب ان کی روک تھام بے حد ضروری ہے۔ انہوں نے ہم سے گزارش کی ہے کہ ہم پولیس سے تعاون کریں اور اپنے قریبی ملازموں کو بھی تفتیش کے لیے پولیس اسٹیشن جانے دیں۔" دنیش کے لہجے میں تاسف تھا، گھبراہٹ اور جھجک تھی۔
میری زبان مشکل سے کھلی۔ "آپ پولیس سے ضرور تعاون کریں۔ میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا۔" میں نے کمزور آواز میں جواب دیا۔
"یہ کتنی بڑی زیادتی ہے، خاص ملازموں اور جاں نثاروں کو بھی پریشان کیا جا رہا ہے۔ اس سے بداعتمادی پھیلے گی۔" پارو نے تلملاتے ہوئے کہا۔ "مگر پولیس کو اپنی کارکردگی تو دکھانی ہی ہے۔"

"اس کے باوجود جاں نثاروں کی جاں نثاری، وفاداروں کی وفاداری میں کمی نہیں آئے گی۔" میں نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ پارو کی موجودگی میں دنیش سے کھل کے بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ پارو اور دنیش بھی اپنی اپنی جگہ یہ محسوس کر رہے تھے۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ صاحب! یہ بھی اچھی رہی کہ پولیس کو کارکردگی دکھانے کا موقع ملا۔ آپ کی مصلحت ٹھہری، ہماری جان گئی۔ ریاست کا متوقع مہاراجا اپنے ایک خصوصی ملازم کو پولیس کی دست برد سے نہیں بچا سکتا کیونکہ اسے اپنے انگریز آقاؤں اور مہارانیہ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ ایک ہم ہیں کہ دوستی کی خاطر کہاں کہاں چلے گئے۔ ایک وہ ہیں کہ اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہے ہیں۔ چلیے، یہ بھی کیا کم ہے کہ ملازموں کے سامنے انہیں وضاحتیں کرنی پڑ رہی ہیں۔ کم از کم اتنا تو خیال ہے۔ میں نے خود کو زمین میں دھنستا ہوا محسوس کیا۔ زمین قاتلوں کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔
جیسے ہی انسپکٹر جنرل اندر داخل ہوا۔ میرا جسم سن ہو گیا۔ آخر پولیس آ گئی۔ وہ پولیس جس کی نظروں سے دور رہنے کے لیے میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں بھاگا بھاگا پھرتا رہا تھا اور اس چہار دیواری میں آ کے پناہ لی تھی مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ پولیس ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ انسپکٹر جنرل کا چہرہ سخت اور درشت تھا۔ گھنی مونچھوں سے وہ کچھ اور خوفناک ہو گیا تھا۔ شکل سے وہ کوئی شکاری معلوم ہوتا تھا۔ جانوروں کا نہیں، آدمیوں کا سہی۔ دنیش نے اس کا پرتپاک خیرمقدم کیا۔ رسمی جملوں کے بعد دنیش نے انگریزی میں کہا۔ "مہتا جی! ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہمارے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی تفتیش اپنی جگہ درست اور ضروری ہے۔ بلاشبہ اب خونریز واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہو گیا ہے مگر ایک بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے، وہ یہ کہ جو ہمارے خاص ملازم ہیں اور جن پر ہم اندھوں اور بہروں کی طرح اعتماد کر سکتے ہیں، انہیں اس سراغ رسی سے صدمہ پہنچے گا۔ کم از کم انہیں تفتیش سے خارج کر دیا جائے۔ ہمیں خدشہ ہے، ان کے شیشے میں بال آ جائے گا۔ آپ ان کے دلوں میں ایک خلش پیدا کر دیں گے۔"
"بے شک راجکمار۔" انسپکٹر مہتا نے کہا۔ "مگر یہ ایک رسمی کارروائی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے ملازموں کے ساتھ انتہائی نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔ انہیں عزت دی جائے گی اور اس وقت تک پریشان نہیں کیا جائے گا، جب تک ان پر شبہ ہی نہ ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ بہت سے ملازموں کو ابتدائی تفتیش

کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ ظاہر ہے' ہمیں ان میں سے چند لوگوں کا سراغ لگانا جنہیں آپ نہیں جانتے۔ بہت ممکن ہے کہ جنہیں آپ بہت قریب سمجھتے ہیں' وہی ہوئے ہوں۔ عجیب عجیب تجرتے ہوتے ہیں صاحب! بہرحال پولیس ذرا سی جدوجہد کے بعد کالے اور سفید کی تمیز کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت احتیاط کی جائے گی۔ غیر ضروری طور پر کسی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں روکا جائے گا۔"

"مہتا جی! کیا آپ تفتیش کا کام یہاں نہیں کر سکتے؟"

"راجکمار! مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنے ملازموں کا اتنا خیال رکھتے ہیں دراصل اس سلسلے میں چند ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔ کوتوالی کا اثر کچھ اور ہوتا ہے جناب! ہمیں انگلیوں کے نشانات حاصل کرنے ہیں اور ضروری سوالات کرنے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے انہیں پولیس اسٹیشن لے جانا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔ وہاں مختلف قسم کے آلات ہیں۔ اور بھی بہت سی چیزیں راز اگلوانے کے لئے موجود ہیں۔ کسی ایک شخص کا سراغ لگانا ہوتا تو یہیں حساب کر لیا جاتا کنور پردیپ بہادر کی حویلی کے ملازموں' شہر کے مشہور غنڈوں اور آپ کے ملازموں کی ایک بڑی تعداد سے نمٹنا ہے۔ مجرم ضرور انہی میں سے کوئی ہے۔ ادھر مہاراجا نے سخت احکام نافذ کیے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ خود مہاراجا سے میری بات ہوئی تھی۔" دنیش نے تلخی سے کہا۔ "اب دیکھیے نا مہتا جی! یہ شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہے۔" دنیش نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے مضطرب ہو کے کہا۔ "اس کا نام موہن داس ہے۔ یہ ہمیں بے حد عزیز ہے۔ اس نے کئی مرتبہ ہماری جان بچائی ہے۔ کل رات' ساری رات ہماری خدمت کرتا رہا ہے۔ پرسوں بھی یہ رات بھر جاگتا رہا ہے جب مجھے گولی لگی تھی۔ میں اسے پولیس اسٹیشن بھیج دوں؟ جبکہ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔"

انسپکٹر جنرل اور دوسرے افسران کی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں جیسے کسی نے سرچ لائٹ پھینک دی ہو۔ میں نے مضبوطی سے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن مجھے جھرجھری آ گئی۔

"یہ بہت اسمارٹ اور دلکش نوجوان ہے' ہم اس کا خیال رکھیں گے راجکمار!" انسپکٹر جنرل مہتا نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے بینارانی کے قتل کے سلسلے میں آپ کے بھون کے ایک شخص نے اس پر شک ظاہر کیا

ہے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے' ہم اسے جلد ہی آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔"

آئی جی خاصا چالاک' باتونی اور تجربہ کار شخص معلوم ہوتا تھا۔ میں وہ گفتگو غور سے سن رہا تھا۔ دنیش اور پارو نے بہت کوشش کی کہ کم از کم میرے لیے وہ رعایت ضرور حاصل کر لیں کہ مجھے تفتیش سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے مگر انسپکٹر جنرل یہ بات بہت خوبصورتی سے ٹال جاتا تھا اور یہی رٹ لگائے ہوئے تھا کہ "ہم اس سے بہت اچھا سلوک کریں گے۔ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ دیکھیے پرسوں آپ کو گولی لگی۔ پرسوں رات دو ملازم بھی مارے گئے۔ اس سے پہلے بھی ایسے سنگین واقعات پیش آ چکے ہیں۔ آپ کے بھائی مہیش چندر کو کسی نے چھرا مار دیا تھا۔"

جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ دنیش اور پارو بھی مجبور ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر بڑی کوشش کی لیکن وہ مجھ سے بہت زیادہ قربت کا اظہار کر کے معاملہ اور مشکوک بنانا نہیں چاہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا اصرار کمزور پڑنے لگا اور میرے جسم میں سرد لہریں اٹھنے لگیں۔ سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ لے بھئی اپنے انجام کو پہنچ۔ چل سوئے مقتل چل۔ جمشید صاحب! بوریا بسترا اٹھائیے' یہ سردی گرمی کیا ہے' پسینہ کیوں آ رہا ہے۔ ذرا کمر ہمت باندھیے۔ چلنا ہی ہے تو شان سے چلیے۔

انسپکٹر جنرل نے باقی افسروں کو اشارہ کیا کہ وہ بھون کے دوسرے ملازموں کو گاڑی میں بٹھا لیں۔ سیکرٹری نے ان سے تعاون کیا۔ اب یہ کام افسران پر تھا کہ وہ ان کثیر ملازموں میں سے کسے چھوڑ دیں' کسے ساتھ رکھیں؟ "آپ کی حفاظت کے لیے مسلح پولیس کا دستہ حاضر ہے' اسے اندر آنے کی اجازت دیجئے۔"

"ہم بھون میں مسلح پولیس کا داخلہ مناسب نہیں سمجھتے۔" دنیش نے بگڑے تیوروں سے کہا۔

"جی۔" انسپکٹر جنرل نے مہذب انداز میں سر ہلایا۔ "بہرحال بھون کے باہر پولیس موجود ہے۔ جب آپ ضرورت سمجھیں' اسے اپنی خدمت کے لیے طلب کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" دنیش نے ترشی سے کہا۔ کچھ دیر میں مشروبات آ گئے۔ مہتا صاحب مجرموں کے بارے میں اپنے غیر معمولی تجربات کی تفصیل بتاتے رہے کہ ان میں کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ صورت شکل سے فرشتے' اندر سے شیطان۔ دنیش بہت اداس بیٹھا بے دلی سے یہ بکواس سن رہا تھا۔ پارو بھی شکستہ سی نظر آ رہی تھی۔ ایک افسر

نے اطلاع دی کہ تمام لوگ گاڑیوں میں بھر لیے گئے ہیں۔ ''ہم نے اس کام کے لیے رات کا وقت مناسب سمجھا۔ شہر میں غیر ضروری تشہیر سے بچنے کے لیے یہ قدم اٹھانا ضروری تھا۔'' انسپکٹر جنرل نے چلتے چلتے کہا۔ دنیش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ''آؤ موہن داس! ذرا ہمارے ساتھ چلو۔'' وہ میری طرف آتے ہوئے سرسری انداز میں بولا جیسے اس کے لیے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔

''ہاں موہن!'' دنیش نے کرب سے کہا۔ ''چلے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم جلد واپس آ جاؤ گے۔ انہیں بھی کچھ نہ کچھ کارروائی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کرنا۔''

''شکریہ راجکمار!'' انسپکٹر جنرل نے احترام سے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ پارو سر جھکائے بیٹھی تھی' دنیش نے بھی منہ پھیر لیا تھا۔

بھون سے باہر آ کے مجھے اندازہ ہوا کہ انہوں نے بھون کے تیس چالیس آدمیوں کو پکڑ رکھا ہے۔ ان میں ہر قسم کے ملازم تھے۔ چاروں طرف پولیس تھی لیکن ان کا رویہ پولیس والوں کا نہیں تھا۔ بھون کے پرانے اور سادہ ملازم ایک دوسرے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میرے شامل ہونے پر انہیں کچھ ڈھارس ہوئی ہوگی۔ انسپکٹر جنرل سب سے آگے تھے۔ جب وہ مہمان خانے کے قریب سے گزرا تو اچانک سادھو دیوراج اس کے سامنے آ گیا۔ مہتا شاید اسے جانتا تھا۔ اس لیے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے چرن چھوتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج! آپ کے درشن ہوئے دن بیت گئے۔''

''یہ کیا دھماچوکڑی مچائی ہے؟'' سادھو گھمبیر آواز میں بولا۔ ''ان کوؤں کو کہاں لے جا رہا ہے؟''

''کچھ نہیں مہاراج! ذرا ضابطے کی کارروائی کرنی ہے۔''

''ان سے تجھے کیا ملے گا' ان کے تو پر ہی نہیں ہیں۔''

آئی جی متعجب سا ہوا۔ راجے پور میں سادھو کی بات کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ اس نے ملازموں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ مجھ پر اس کی نگاہ جم گئی۔ ''مہاراج! ممکن ہے انہی میں سے کوئی دوشی ہو۔''

''تو دوشی کو پہچان لے گا؟ دوشی تو محل میں چھپے بیٹھے ہیں۔'' وہ میری طرف

آ گیا اور میرا بازو تھام کے بولا۔ ''اسے بھی لے جا رہا ہے؟ مہاراج کو لے جا رہا ہے؟''

''مہاراج؟'' آئی جی نے حیرت سے کہا۔ ''یہ راجکمار دنیش کا خاص ملازم ہے۔ کیا آپ اسے جانتے ہیں؟''

''جو آنکھیں رکھتے ہیں' وہ سب اسے جانتے ہیں۔ پر یہ خود اپنے کو نہیں جانتا۔ کیوں رے؟'' وہ مجھ سے مخاطب ہو کے بولا۔ ''تو نے انہیں بتایا نہیں' تو کون ہے۔''

''کون ہے یہ؟'' میرے بجائے آئی جی درمیان میں بولا۔

''اسے مت لے جا۔'' سادھو نے بھاری آواز میں کہا۔

''مہاراج! میں مجبور ہوں۔ میں قانون کا پابند ہوں۔''

''قانون؟ شکتی کا قانون۔'' سادھو بگڑ گیا۔

''مہاراجا کا حکم ہے اور آپ جانتے ہی......''

سادھو نے اس کی بات اچک لی۔ ''مہاراجا کا حکم ہے' فرنگی کا حکم ہے۔ پھر پورے دیس کو پکڑ لے۔ ناچ کون رہا ہے' نچا کون رہا ہے؟ تو ان کی بات ضرور مان اور نوکری پکی کر۔ جا اسے لے جا' موہن! جا بھئی۔ چلا جا۔''

''کیا یہ کوئی خاص آدمی ہے مہاراج؟''

''ایک بڑے آدمی کو پکڑ کے لے جا رہا ہے؟ بڑا آدمی کہاں پکڑا جاتا ہے۔ قانون چھوٹے لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔ کم شکتی والوں کے لیے۔ کیول ایک شکتی دان پر ہاتھ ڈال کے تو اپنی بات بگاڑتا ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ تو۔ یہ تو......''

''دیر ہو رہی ہے۔ اسے جلدی آنا بھی ہے۔ موہن!'' سادھو نے میری پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''جا اس کی تسلی کر آ۔''

''مہاراج۔'' میں نے لرزتے ہونٹوں سے کہا۔

لیکن سادھو میری پیٹھ ٹھونکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ انسپکٹر جنرل اور اعلیٰ افسران نے کچھ توقف کیا۔ کارواں چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گیا۔ پھر افسروں نے تیزی دکھائی۔ حکم دیا کہ سب کو گاڑیوں میں سوار کیا جائے۔ بھون کا بڑا دروازہ کھول دیا گیا۔ باہر ہر طرف پولیس کی گاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جنگ کا سا منظر تھا۔

سادھو کے آنے کے بعد مجھے اپنی حالت کچھ بدلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ
رات بھی اندھیرے میں میرے سر پر وارد ہو گیا تھا۔ جب میں کنور پردیپ کا کام تما
کر کے بھاگا ہوا آ رہا تھا اور ٹھوکر کھا کے گر گیا تھا۔ میں سختی سے ان ماورائی اور پرا
باتوں کی تردید کرتا تھا لیکن کرچھے والا پنڈت' سادھو دیو راج اور کچھؤ بار بار یہ احسا
دلاتے تھے کہ میں کوئی علیحدہ شخص ہوں۔ سادھو کی جادوگری پر اب شبہ کرنے کا سوا
ہی نہیں تھا۔ مجھ میں اس کی یہ غیر معمولی دلچسپی بے سبب نہیں تھی۔ گاڑیاں راجے پور
صاف و شفاف سڑکوں پر دندناتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں اور میں اپنی سوچوں میں گ
تھا۔ ایک ہی چیز سے خوف آتا تھا' پولیس سے۔ سو وہ مرحلہ بھی آ گیا۔ اب شرما
جھجکنے اور نادم ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

گاڑیاں سرخ رنگ کی ایک شاہانہ عمارت میں داخل ہو گئیں۔ عمارت کا دبدب
دیدنی تھا۔ ہم بکروں کو بحفاظت تمام اتارا گیا۔ اعلیٰ افسران نے ایک دوسرے سے کچھ
گفتگو کی۔ آئی جی صاحب کچھ غیر متعلق اور متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ سنگین بردا
ہمارے اردگرد ستونوں کی طرح کھڑے ہو گئے اور ہمیں مختلف کمروں میں تقسیم کر دیا
گیا۔ جس کمرے میں مجھے لایا گیا' وہاں پہلے سے اور لوگ بھی موجود تھے۔ چہرے
مہروں سے اچھے خاصے لگتے تھے۔ حالت البتہ سب کی خراب تھی' کوئی سہما ہوا' کوئی دبکا
ہوا' کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے' کسی کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ مجھے ان پر ترس آیا۔
ہمارے ہاتھوں کے نقش اور نشانات محفوظ کرنے کا کام سب سے پہلے ہوا۔ پھر پولیس
کے فوٹوگرافروں نے دو دو بار ہمارے فوٹو کھینچے' یہ کام پھرتی سے ہو گئے۔ پھر پولیس
کے کارندے کاغذات لے کے ہمارے سامنے آ گئے۔ ایک پولیس والے نے کاغذ پھیلا
کر نرم لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ "نام؟"

"موہن داس۔"

"پتا کا نام؟"

مجھے بتانے میں تامل ہوا۔ اس لیے کہ میں نے اپنے پتا کا نام رکھنے کے
بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ پولیس والے نے میری طرف گھور کے دیکھا اور زور سے
بولا۔ "پتا کا نام؟"

"تلسی داس۔" میں نے گھبرا کے کہا۔

"عمر؟"

"جی یہی کوئی پچیس چھبیس سال۔"
اس نے سرتاپا میرا جائزہ لیا۔ "لکھی بھی ہے یا نہیں؟"
"جی نہیں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔
"جائے پیدائش؟" اس نے سختی سے پوچھا۔
سوچنے کی بات تھی' ہندوستان کے مختلف شہروں پر میری نظر گئی۔ میں نے
جلدی سے کہا۔ "غازی آباد۔"
"غازی آباد؟" وہ چونک کر بولا۔ "کس محلے میں رہتے تھے؟"
میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "بڑے مندر کے پاس۔"
"اچ چھا۔" وہ چمکتی ہوئی آنکھوں سے بولا۔ "بنسی داس کا نام سنا ہے؟"
"میں تو بچپن میں ہی بمبئی آ گیا تھا۔"
وہ بجھ سا گیا۔ "راجے پور کب آئے؟"
"کئی سال ہو گئے۔" میں نے گنتے ہوئے کہا۔ "کئی سال ہو گئے۔"
"یہاں کیا کرتے ہو؟"
"راجکمار دنیش چندر کی سیوا کرتا ہوں جی۔"
"کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟"
"نہیں۔" میں نے جھینپ کر کہا۔
"شادی شدہ؟" اس نے منہ بگاڑ کے پوچھا۔
مجھے جواب دینے میں پھر مشکل پیش آئی۔ ڈالی میرے ساتھ رہتی تھی۔ "نہیں
جی۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔
"کس کے پاس رہتے ہو؟"
"اپنے پاس رہتا ہوں۔" میرے منہ سے نکل گیا۔
"میں پوچھتا ہوں اور کون کون تمہارے ساتھ ہے؟"
"ایک عورت' ایک بچہ اور میں......"
وہ الجھ گیا۔ "عورت کون ہے اور بچہ کس کا ہے؟"
"وہ ایک غریب عورت ہے۔ میرے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا پتی مر گیا ہے۔
بچہ اسی کا ہے۔ میرے ماں باپ بہن بھائی میں کوئی نہیں۔ سب ایک اندولن میں
مارے گئے۔"

اس نے ڈالی کے متعلق مجھ سے چند بے ہودہ سوال کیے۔ مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں صبر اور تحمل سے انہیں رد کرتا رہا۔ فارم بھرنے کے بعد اس نے مجھ سے انگوٹھا لگوایا اور مسکراتا ہوا میرے برابر بیٹھے ہوئے شخص کے پاس چلا گیا۔ میرا فارم اندر پہنچا دیا گیا۔ انتظار کے یہ لمحے بڑے اذیت ناک تھے۔ پھر مجھے طلب کیا گیا اور ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں سزائیں دینے کے مختلف آلات رکھے تھے۔ چمٹیاں، تیز روشنیوں کے بلب، کوڑے، بید اور چند جلاد صفت اشخاص۔ یہاں لوگ اذیت سے چیخ رہے تھے۔ دردناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہٹے کٹے لوگ بری طرح رو رہے تھے اور منتیں کر رہے تھے۔ ان کی پیٹھیں ننگی تھیں۔ راجے پور کی پولیس کے یہ انتظامات دیکھ کے میرا جو حال ہونا تھا، وہ ہوا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ آگے کمرۂ سوالات میں جانے سے پہلے میں یہ دلچسپ نظارہ بھی کر لوں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ میں نے چاروں طرف نظریں گھما کے دیکھا، کاش میرا بس چلتا اور میں ان سب لوگوں کو آزاد کر دیتا جو درد و کرب سے چلا رہے تھے۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ اپنا رویہ متعین کرنے کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں میں پرکاش بھون کا کوئی ملازم نہیں تھا۔ مجھے اندر بھیج دیا گیا جہاں تین چار اعلیٰ افسران ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک طرف صوفے پر آئی جی خاموش بیٹھا تھا۔ میرا فارم سامنے رکھا تھا۔

"تمہارا نام موہن داس ہے؟" ایک افسر نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب!" میں نے مختصر جواب دیا۔

"موہن داس! تمہارا فارم سامنے پڑا ہے۔ تمہاری انگلیوں کے نشانات محفوظ کر لیے گئے ہیں۔" افسر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "لیکن ہم کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہیں۔"

"جو حکم سرکار!"

"موہن داس! تم نے اپنے بارے میں جو اطلاعات فراہم کی ہیں، وہ کسی قدر غلط ہیں۔ بہتر ہے تم خود ہی سب کچھ صحیح بتا دو!"

"میں نے سب کچھ صحیح کہا ہے۔"

"فرض کرو اگر یہ معلومات غلط ہوئیں تو؟" وہ نرمی سے بولا۔

"جناب غلط کیسے ہو سکتی ہیں؟" میں نے شش و پنج سے کہا۔

"ہونہہ۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پولیس کو دھوکا دیا جا سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے، ہم

تمہارے بارے میں پہلے سے بہت کچھ جانتے ہوں۔"

"ممکن ہے جناب! لیکن کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ مجھ سے زیادہ کیا جانتے ہیں؟" مجھ میں نہ جانے کہاں سے جرات پیدا ہو گئی۔

تینوں افسروں نے مجھے غور سے دیکھا۔ "ضرور، ضرور۔ ہم تمہیں سب کچھ بتائیں گے۔ ہم بتائیں گے کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور تم سے کیا کیا غلطیاں ہوئی ہیں۔" وہ میری آنکھوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

"تم نے سنا، ہم نے کیا کہا ہے؟"

"سن رہا ہوں جناب! بہت غور سے سن رہا ہوں۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اور سوچ رہا ہوں کہ آپ میرے بارے میں مجھ سے زیادہ کیا جان سکتے ہیں؟"

"تم ایک پڑھے لکھے آدمی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔"

"میں آپ ہی جیسے لوگوں کی خدمت کرتا ہوں۔"

"موہن داس! ہم بہت کچھ جانتے ہیں لیکن ابھی بتانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ تمہاری گزشتہ زندگی ہمارے سامنے آئینہ ہے۔"

میں تبصرہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ اچھا پولیس افسر نہیں ہے۔ اسے کسی دکان میں سیلز مین ہونا چاہیے مگر مجھے اپنی رسیاں کچھ ڈھیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔ "میں سمجھ نہیں پایا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ جو کچھ آپ کو معلوم ہے، اس کی تائید چاہتے ہیں کہ آپ کو میری زبانی سننے کا اشتیاق ہے؟ یا آپ اس طرح کے سوال کر کے مجھ سے کچھ اگلوانا چاہتے ہیں؟ میں نے جو جوابات دیے ہیں، انہی پر قائم ہوں۔"

اس کے ساتھی دونوں افسر مسکرائے لیکن سوال کنندہ سخت جھنجلا گیا اور تلملا کے بولا۔ "قانون کی نظر میں سب برابر ہیں، چاہے وہ مہاراجا کے ملازم ہوں یا راجکمار کے۔ نوجوان! تم اپنی گفتگو سے خود یہ ثابت کر رہے ہو کہ تم عام ملازموں سے مختلف ہو۔"

"لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میں گردن زدنی ہوں۔"

آئی جی کا خفیف سا قہقہہ ابھرا۔ "خوب موہن داس! رات تم کہاں تھے؟"

آئی جی نے پوچھا۔ "ہاں، رات تم نے کہاں بسر کی؟" افسر نے تکرار کی۔

"راجکمار دنیش چندر بہادر کی سیوا میں بسر کی۔"

''اس کا ثبوت کیا ہے؟ صرف راجکمار یا کوئی اور؟''

''ان کی بہن شاردا۔ بس اور کوئی نہیں۔''

''یہ ثبوت ناکافی ہیں۔''

''اس کے سوا بھگوان کا بھی ثبوت ہے۔''

''موہن داس! تمہارے بارے میں بھون ہی کے ایک آدمی نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ تم نے کل رات بینا رانی کو قتل کیا اور اس سے پہلے تم نے دو ملازم مارے تھے۔ تم نے راجکمار جگدیپ کا گھوڑا لوٹ دیا تھا۔ بھون کے کچھ لوگ تم سے بڑے ناخوش ہیں۔ یہ عام پولیس نہیں' اسپیشل پولیس ہے اور یہ تمہارے لیے اچھی بات بھی ہے' بری بھی۔ بتاؤ' بینا رانی سے تمہارے تعلقات کیسے تھے؟''

''جناب! پہلی بات تو یہ کہ میں رات کو راجکمار دنیش چندر کے پاس موجود ہونے کی شہادت رکھتا ہوں۔ دوسرے اگر آپ کا اصرار ہی ہے کہ میں نے بینارانی کو قتل کیا ہے تو میں آپ سے اس کا ثبوت طلب کر سکتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ بھون کے کچھ لوگوں نے شبہ ظاہر کیا ہے اور وہ مجھ سے ناخوش ہیں تو دنیا میں کسی آدمی سے ہر شخص کہاں خوش رہ سکتا ہے۔ راجکمار کے قریب ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ مجھ سے ناراض ہوں گے۔ صرف اس شبے پر آپ مجھے پریشان کرنا چاہتے ہیں تو شوق سے کیجیے۔'' میرے لہجے میں بتدریج عزم پیدا ہو رہا تھا۔ ''بینارانی بہت اچھی عورت تھیں۔ مجھ پر خاص مہربانی کرتی تھیں۔ حکم بھی دیا کرتی تھیں۔ ناراض بھی ہوا کرتی تھیں۔ بھلا مجھے ان سے کون سا اختلاف ہو سکتا ہے جو میں اس اچھی عورت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتا؟''

''اختلاف......'' افسر نے طنز سے کہا۔ ''تم ہمیں بے وقوف سمجھ رہے ہو' تمہارا اختلاف نہیں...... تمہارے آقاؤں کا اختلاف۔''

دوسرے پولیس افسر نے درمیان میں دخل دیا۔ ''موہن داس! سچ سچ بتاؤ ورنہ ہم دوسرے ذرائع استعمال کرنا بھی جانتے ہیں۔''

''جو میں نے یہاں آتے ہوئے دیکھ لیے ہیں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ سب لوگ بینارانی کے قاتل ہیں؟''

''نہیں' مگر ان میں کوئی ایک ضرور ہے۔''

''جناب! میں آپ سے کہوں گا' آپ نے ایک غلط آدمی کو پکڑا ہے۔''

''یہ تو ابھی پتہ چل جائے گا۔ تم ہم سے تعاون نہیں کرنا چاہتے۔''

''کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں خوانخواہ بینارانی کے قتل کا اقرار کر لوں۔''

''ہم حقائق جاننا چاہتے ہیں۔'' افسر میز پر مکا مارتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں معلوم ہے کہ تم بہت کچھ جانتے ہو۔''

''ہاں' میں یہ جانتا ہوں کہ روز کوئی نہ کوئی قتل ہو جاتا ہے۔ راجکمار دنیش روز ملازموں کے فرائض بدل دیتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کسی بڑی اور گہری سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ درمیان کے لوگ یونہی بیچ میں مارے جا رہے ہیں لیکن اصل لوگ کون ہیں؟ یہ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے آپ جانتے ہوں مگر وہ آپ کے اختیار میں نہ ہوں۔'' میں نے جوشیلے انداز میں کہا۔

''تمہاری باتیں بہت دلچسپ ہیں' تم کوئی گہرے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہاری زبان صاف اور دلیرانہ ہے۔ بہرحال بینارانی کا قتل' پرشوتم' کنور پردیپ اور دوسرے لوگوں کا قتل۔ ایک ہی رات میں۔ یہ سب کسی ایک سلسلے کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔''

''پھر آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ ایک رات میں ایک آدمی کتنے قتل کر سکتا ہے جبکہ کنور پردیپ بہادر کی حویلی اور پرکاش بھون کا فاصلہ آپ کو معلوم ہے۔''

''ممکن ہے یہ وارداتیں کسی ایک شخص نے نہ کی ہوں۔ ہم گروہ کی بات کر رہے ہیں' وہ گروہ جو بڑے لوگوں کا آلۂ کار ہے' سمجھے؟ اور ہم پورے تحفظ کا وعدہ کرتے ہیں' اگر اس سلسلے میں ہماری مدد کی گئی۔''

میرے دل میں پولیس کا جو خوف تھا' وہ اب بڑی حد تک رفع ہو چکا تھا۔ پتہ نہیں' یہ ان لوگوں کی گفتگو کا جھول تھا یا سادھو کی دخل اندازی کا کرشمہ؟ یا میرے پرعزم اور بے نقص لہجے کا تاثر؟ کہ میرے اور ان کے درمیان بات چیت عام روش سے ہٹ کر ہو رہی تھی۔ انہیں میرے بارے میں کسی نے موثر طریقے سے بہکایا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ اگلوانے کے لیے متعلق اور غیر متعلق سوالات کرتے رہے اور میں سکون سے احتیاط سے جوابات دیتا رہا۔ ایک افسر نے دوسرے افسر سے انگریزی میں کہا۔ ''میرا خیال ہے' ہم معاملات کو طول دے رہے ہیں۔ یہ ایک چالاک شخص ہے' ایسے لوگ باتوں سے نہیں مانتے' اسے سامنے کے کمرے میں بھیجنا پڑے گا۔''

''میں سمجھتا ہوں' اگر دنیش چندر اس بات کا شاہد ہے کہ یہ رات بھر اس کے

قریب موجود رہا تو کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔" دوسرے افسر نے جواب دیا۔

"وہ تو یہی کہے گا' اس طرح تو ہم کبھی مجرموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہر شخص اپنے گروہ کی حمایت کرے گا۔ خیال رہے کہ ہمیں مہاراجا کے سامنے جواب دینا ہے۔ ہمیں کسی خوف کے بغیر ہر شخص کو ٹٹولنا چاہیے۔ چاہے کوئی کسی سے بھی کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو' ورنہ ہم یہاں کیا کر سکتے ہیں؟ یہ زبان دراز شخص بڑا ڈھیٹ معلوم ہوتا ہے۔ میری رائے میں ہمیں اسی سے کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے سر؟" پولیس افسر نے آئی جی سے پوچھا۔

آئی جی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "ہونہہ......" وہ چونک کر بولا۔ "خاصا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ مجھے بار بار سادھو مہاراج کا خیال آ رہا ہے۔ وہ دھرماتما اس شخص کی حمایت کیوں کر رہا تھا؟ احتیاط رہے' وہ کوئی معمولی سادھو نہیں ہے۔"

"اوہ سر! یہ مجرم سادھوؤں' پنڈتوں اور جوگیوں کی بہت سیوا کرتے ہیں۔ ممکن ہے سادھو اس شخص سے بہت خوش ہو اور اپنے سیوک کی حمایت کرنے چلا آیا ہو۔ ویسے بھی ہمیں توہمات میں نہیں پڑنا چاہیے۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ پھر بھی میں تمہیں احتیاط کا مشورہ دوں گا۔" آئی جی کشمکش میں مبتلا تھا۔

"موہن داس!" پولیس افسر نے ہندوستانی میں مجھ سے کہا۔ اس کا لہجہ سرد تھا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ تم نے پرکاش بھون کی سرگرمیوں' بینارانی کے قتل اور دوسری خونیں وارداتوں کے سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ ایسی صورت میں پولیس کے پاس ایک ہی ذریعہ رہ جاتا ہے کہ وہ جبراً معلومات حاصل کرے۔ سامنے کے کمرے میں چلے جاؤ۔ ہم نہیں چاہتے تھے لیکن تم نے خود ہمیں اس پر مجبور کر دیا ہے۔ اب بھی موقع ہے' تم ایک نوجوان آدمی ہو۔ تمہارے سامنے ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ ہم تمہارے مستقبل کے لیے سفارش کر سکتے ہیں۔ اگر تمہیں کسی کا خوف ہے تو ہم تمہیں پورے تحفظ کا یقین دلاتے ہیں۔"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا' وہ میں نے کہہ دیا ہے۔"

افسر نے گھنٹی بجائی۔ دو تنومند کانسٹیبل سلیوٹ کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ افسر نے میری طرف اشارہ کر دیا۔ ایک کانسٹیبل نے میرا دایاں بازو اور دوسرے نے بایاں بازو پکڑا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ میری دلیلوں سے خاصے متاثر ہو گئے ہیں۔

ایسا نہیں ہوا۔ سادھو کی بات بھی گئی' دنیش چندر کی سفارش بھی کام نہیں آئی۔ دونوں کانسٹیبل مجھے پکڑ کر لے چلے' کچھ اس انداز سے جیسے میری اور ان کی کوئی ذاتی دشمنی ہو۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا مگر فوراً وہ تیز روشنیوں میں نہا گیا۔ مجھے ایک جانب کھڑا کر دیا گیا۔ سامنے کے کمرے کے شیشے سے پردہ اٹھا دیا گیا۔ شیشے سے ان تینوں افسران اور آئی جی کے چہرے نظر آنے لگے۔ وہ شیشے کے پیچھے سے میرا تماشا دیکھ رہے تھے۔ "اس کے کپڑے اتار دو۔" کمرے میں ایک تیز آواز گونجی۔ یہ آواز مائیک سے آئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ راجے پور کوتوالی کی تعمیر میں انگریزوں نے خاص طور پر دلچسپی لی ہے اور اسکاٹ لینڈ یارڈ کا طریقۂ کار ہندوستان میں بھی رائج کیا ہے۔ ملزموں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے یہاں ہر چیز موجود تھی۔ کانسٹیبل نے میرا کوٹ اتار دیا۔ پھر قمیص' پھر بنیان۔ میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ "بید۔" مائیک سے حکم صادر ہوا۔

کانسٹیبلوں کے ہاتھ تڑپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے لچکدار باریک بید فضا میں اٹھائے اور سڑاک' سڑاک ...... میری پشت اور پسلیوں پر مارنے لگے۔ جانوروں کو بھی کوئی اس طرح نہیں مارتا۔ تکلیف سے میرا برا حال ہو گیا۔ آنکھوں سے روشنی جاتی معلوم ہوئی لیکن میں آنکھیں میچ کر یہ ضربیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے منہ سے اف تک نہیں کی۔ میری خاموشی سے ان کے ہاتھوں میں اور تیزی آ گئی۔ ایک دو چار چھ۔ میرے جسم کی روئی بیدوں سے دھنکی جا رہی تھی۔ چیخیں گھونٹنے کا کرب اس تکلیف سے زیادہ شدید تھا۔ "ٹھہرو۔" آواز آئی۔ "اسے بالکل برہنہ کر دو۔" گویا انہوں نے ظلم و ستم کی ٹھان لی تھی۔ وہ مجھے بہت ڈھیٹ' پست اور بے ضمیر سمجھتے تھے۔ میں نے اپنا بالائی لباس اتروانے اور بید کھانے میں کوئی مزاحمت نہیں کی تھی لیکن یہ تازہ حکم ناقابل برداشت تھا۔ اس طرح انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ میرا نام موہن داس نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ میں نے آواز بلند کر کے کہا۔ "میں آپ سے رحم کی درخواست کرتا ہوں جناب! اپنا حکم بدل دیجیے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تم کیا کر سکتے ہو اور کیا نہیں' یہ فیصلہ کرنے کا حق ہمیں ہے۔ اگر تم اسے ایک بری بات سمجھتے ہو تو بتاؤ تم کس کس کو جانتے ہو؟ بینارانی کا قاتل کون ہے؟ پرشوتم کو کس نے قتل کیا ہے؟ کنور پردیپ......"

''میں نہیں جانتا۔ میں نے کہہ دیا ہے' میں نہیں جانتا۔'' میں نے غصے سے کہا۔ ''تم عجیب لوگ ہو' یقین نہیں کرتے۔''

''بکواس بند کرو۔ کانسٹیبل اسے برہنہ کر دو اور اس کے جسم پر اس وقت تک کوڑے برساتے رہو جب تک اس کی زبان باہر نہ نکل آئے۔ یہ کوئی عادی مجرم معلوم ہوتا ہے۔''

میں نے لمحوں میں اپنے آپ کو آمادہ کیا' جمشید عالم! موت تو ایک دن آنی ہے' میری موت تو ویسے بھی ٹل رہی ہے' اسے پہلے ہی آ جانا چاہیے تھا لیکن موت کم سے کم ایسی ضرور ہو کہ لوگ یاد رکھیں' کوئی زندہ شخص تھا۔ چنانچہ جیسے ہی دونوں کانسٹیبل میری طرف جھپٹے اور انہوں نے میرا لباس اتارنے کے لیے زیادتی شروع کی' میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کی گردنیں دبوچ لیں۔ کسی ملزم سے وہ ایسی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے ان کی گردنیں چھوڑ کے ان کے بال پکڑ لیے اور ایک اس طرف ایک اس طرف دور لے جا کے ان کے سر زور سے آپس میں ٹکرا دیے۔ ان تنومند' قوی الجثہ جلادوں کی چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ پھر میں نے اپنی پے در پے ٹھوکروں سے انہیں اٹھنے نہیں دیا۔ وہ بے ہوش ہو گئے۔

''تم پولیس پر دست درازی کے بھی مرتکب ہوئے ہو۔''

''میں عزت کی موت مرنا پسند کرتا ہوں۔''

''تم اپنی شہادتیں خود دے رہے ہو۔''

''میں نہیں جانتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے سینے میں کچھ ہے اور اس طرح تم مجھ سے کچھ اگلوا لو گے تو سن لو کہ تم زندگی بھر اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تمہارا واسطہ اب تک بے غیرتوں سے پڑا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ تم کسی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہو' تمہارے پاس ایک ہی نسخہ ہے آزار' تشدد' مارپٹائی' ایک ہی زبان۔''

انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ شاید مائیک کا سوئچ بند کر دیا گیا تھا۔ شیشے سے نظر آ رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مشورہ کر رہے تھے لیکن اب کے ایک ساتھ چار کانسٹیبل کمرے میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہنٹر تھے۔ ایک نے آتے ہی میری کمر پر اپنا ہنٹر آزمایا۔ میں تکلیف سے بلبلا اٹھا۔ پھر ان چاروں نے بیک وقت اپنے اپنے ہنٹر اٹھائے۔ میں نے شعلہ بار نظروں سے انہیں گھور کے دیکھا۔ اس جرات پر وہ

کچھ جزبز ہوئے۔ ''شروع کرو۔'' مائیک سے حکم ارسال ہوا۔ میں نے پہلے ہی سوچ کے شست باندھ رکھی تھی۔ چنانچہ ان میں سے دو تو اپنے ہنٹروں سمیت میرے بازوؤں کی گرفت میں آ گئے۔ دوسری طرف سے میری پیٹھ پر پھر ہنٹر پڑے لیکن اس عرصے میں یکے بعد دیگر میں نے اپنی ٹانگیں اٹھا کے ان کے پیٹوں میں اس زور سے رسید کر دی تھیں کہ وہ تلملاتے ہوئے فرش پر تڑپنے لگے تھے۔ مجھ پر جنون طاری تھا۔ میں ایک پاگل شخص تھا جو پاگل خانے سے بھاگ آیا ہو۔ میں کوئی شیر تھا جو پنجرے سے نکل آیا ہو۔ مجھے اپنی طاقت پر خود حیرت ہوئی۔ یہ کیسا زور تھا؟ لوہے کا زور؟ یہ کیسی پھرتی تھی؟ جس میں بجلی بھری تھی۔ میں دو کو آسانی سے خاموش کر کے باقی دو کی طرف لپکا۔ اب صورتحال یکسر بدل گئی تھی۔ کانسٹیبل مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے مجھ سے گھبرا رہے تھے۔ ہنٹر ان کے ہاتھوں میں اٹھے کے اٹھے رہ گئے۔ ادھر سے مائیک پر احکام صادر ہو رہے تھے۔ انہیں اکسایا اور خوفزدہ کیا جا رہا تھا۔ ادھر میں مرنے سے پہلے ان باقی دو کانسٹیبلوں سے نمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک میرے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کا ہنٹر چھین کے ایک ٹھوکر لگائی۔ ٹھوکر اتنی زور کی نہیں تھی لیکن اس نے بے ہوش ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ اب صرف ایک شخص رہ گیا تھا۔ وہ ہنٹر تول رہا تھا مگر اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ ''ٹھہرو موہن داس!'' جب میں اس کی طرف بڑھا تو مائیک سے کہا گیا۔

میں نے شیشے کی طرف بے پروائی سے نظر کی۔ میری کمر اور ہاتھ پیر بری طرح دکھ رہے تھے۔ ہر رات ایک نیا فساد میرا منتظر رہتا تھا۔ دن بھر ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہیں ملا تھا اور اس سے پہلے کی کئی راتیں بھی جاگتے ہوئے گزر گئی تھیں۔ پھر بھی میں نے بنیان کرسی سے اٹھا کے اطمینان سے پہنی' اس کے بعد قمیص اور کوٹ۔ پھر میں وہیں ان کے دوسرے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ چوتھا کانسٹیبل مجھ سے کچھ فاصلے پر سہما ہوا کھڑا تھا۔ شیشے کے اس پار ان میں تیز بحث ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میں کوئی آواز نہیں سن سکا۔ پھر کسی نے فون اٹھایا۔ آئی جی نے فون پر بات کی۔ فون کے بعد ان کے درمیان دوبارہ تکرار شروع ہو گئی۔ شاید ان میں کسی مسئلے پر اختلاف تھا۔ ہر افسر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت پرزور انداز میں کر رہا تھا۔ وہ بار بار مجھے دیکھتے رہے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ میرے سوا کوئی اور موضوع گفتگو نہیں ہے۔ پھر وہ کسی ایک نکتے پر متفق ہو گئے۔ مائیک سے فوراً مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اندر آ جاؤں۔ چوتھے

کانسٹیبل نے آگے آ کے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور مجھے دوبارہ افسران کے کمرے میں پہنچا دیا۔ ''موہن داس! ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری بات پر یقین کر لیں لیکن اگر تم پہلے کچھ نہیں جانتے تھے تو اب جان سکتے ہو۔ ہم تمہیں اس امید پر آزاد کر رہے ہیں کہ ہمیں تمہارا تعاون حاصل رہے گا۔ دیکھو' یہ لوگوں کی زندگیوں کا سوال ہے۔ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ روز خون بہے' روز گھر اجڑیں؟ پولیس کا مقصد محض انصاف اور امن و امان قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں شریف' بہادر اور جرات مند لوگوں کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ تم فون نمبر 3415 پر کسی وقت بھی ہم سے رابطہ قائم کر کے ہمیں صورتحال سے مطلع کر سکتے ہو۔ تمہاری معلومات سے ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ اس تعاون کے عوض پولیس مختلف طریقوں سے تمہارے کام آ سکتی ہے۔ تم پیسے کے لالچی معلوم نہیں ہوتے مگر پیسے کے علاوہ بھی ہمارے پاس اپنے لوگوں کو دینے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ عزت' احترام وغیرہ۔''

''شکریہ جناب! میں آپ کی تمام باتیں سمجھ گیا ہوں۔ ممکن ہے' کسی وقت آپ کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑے۔ اگر آپ پہلے ہی میری بات مان لیتے تو یہ تلخی کیوں پیدا ہوتی؟ میرے جسم پر گہرے نشانات پڑے ہوئے ہیں' یہ سبق مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔''

''ہمیں بھی تمہاری جرات ہمیشہ یاد رہے گی۔'' ایک افسر نے خوشدلی سے کہا۔ ''اصل میں یہ سب کچھ ضروری ہوتا ہے۔ اگر ہماری جگہ تم ہوتے اور تمہیں بھی کسی کو جواب دینا ہوتا تو تم بھی یہی کرتے۔''

پولیس افسروں کا رویہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ میں نے ان کی طرف سے دوستی کی یہ پیشکش غنیمت جانی' خوامخواہ کی حجت نہیں کی۔ نہ طنز کیا اور نہ اپنی تکلیف کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بہت جلد میرے بارے میں فیصلہ کر لیا تھا۔ شاید میرے تیوروں سے وہ بھانپ گئے تھے کہ میں موت کے لیے کمربستہ ہو گیا ہوں اور میں ایک جنونی شخص ہوں اور ایسا آدمی مجرم نہیں ہو سکتا۔ پتہ نہیں انہوں نے آپس میں کیا مشورے کیے تھے؟ انہیں سادھو کی معنی خیز باتیں یاد آ گئی ہوں گی۔ اس نے کہا تھا' جا چلا جا' دیر نہ کر' تجھے جلدی آنا بھی ہے۔ یہ تفتیش ان کے لیے ایک نئے قسم کا تجربہ بھی ہو گی۔ آئی جی صاحب بھی خوش خوش نظر آ رہے تھے۔ دو کانسٹیبلوں کو بلا کے حکم دیا گیا کہ مجھے کوتوالی کے باہر چھوڑ دیا جائے۔

''نہیں جناب! مجھے اپنی گاڑی میں بھون بھجوائیے' جو لوگ میری شکایت کر سکتے ہیں' وہ راستے میں مجھے مار بھی سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے موہن داس! ہم تم سے رابطہ قائم کرنا چاہیں تو کیا صورت ہو گی؟'' افسر نے کانسٹیبلوں کو باہر بھیج کے مجھ سے پوچھا۔

''مجھے فون کر دیا جائے اور جگہ بتا دی جائے۔ اگر مجھے کچھ معلوم ہوا تو میں ضرور آپ کے پاس آؤں گا لیکن ایک بات سمجھ لیجئے۔ میں اپنے راجکمار دنیش چندر سے محبت کرتا ہوں۔ وہ ایک شریف اور سادہ مزاج نوجوان ہیں۔ سازش کا جال ان کے گرد بُنا گیا ہے۔ سب سے پہلے پرکاش چندر پراسرار حالت میں مارے گئے۔ پھر مہیش چندر اور پھر بھون کے کئی ملازم۔ کنور پردیپ کی حویلی میں تو پہلی بار حملہ ہوا ہے۔ آپ اگر واقعات کی کڑیاں ملائیں تو آپ کو دنیش چندر مظلوم نظر آئیں گے۔ پرسوں رات ان پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اتفاق سے وہ بال بال بچ گئے۔ ان کا غریب ڈرائیور ان کے دھوکے میں مارا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مہاراجا اور فرنگیوں کا جھکاؤ کس طرف زیادہ ہے مگر آپ کو ایک دیانتدار پولیس افسر ہونے کی حیثیت سے اصل حالات کی کھوج کرنی چاہیے۔''

''بیٹھ جاؤ موہن داس!'' آئی جی نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''شکریہ! آپ کی نرمی دیکھ کے کچھ باتیں خودبخود زبان پر آ گئیں۔ میں کنور دنیش چندر کے قریب رہتا ہوں۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ خود بھی حیران و پریشان رہتے ہیں کہ ان کے خاندان کو مسلسل نشانہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔ میں نے انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ راج پاٹ مہاراج کا ہے' ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ جھگڑے کی بنیاد ہے اور پھر ایسے عالم میں جب فرنگی نے ہندوستان کی بیشتر ریاستیں ہضم کر لی ہیں' راجا لوگ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں ہیں۔ ایسے میں کون عقل مند راج پاٹ کی خواہش کرے گا؟ راجکمار دنیش چندر کبھی تنہا ہوتے ہیں تو مجھ سے کہتے ہیں۔ ''موہن! انہیں کون سمجھائے؟ ہمیں سکون کی زندگی سے محبت ہے۔'' میں نے کچھ دیر وہاں ٹھہرنا اور یہ باتیں ان کے گوش گزار کرنا مناسب سمجھا۔ وہ توجہ سے سنتے رہے۔

''فرض کرو' کسی معاملے میں تم یہ محسوس کرو کہ راجکمار دنیش چندر کی زیادتی ہے تو کیا تم پھر بھی ان سے وفاداری نبھاتے رہو گے؟''

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ پھر مجھے ان سے وفاداری ختم کر دینی چاہیے؟ میں جج نہیں' ان کا ملازم ہوں۔'' میں نے دبے لفظوں میں کہا۔

''ہاں' اگر موقع ملا تو ان کی غلطیوں کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ ایک ملازم کو یہ موقع مشکل ہی سے ملتا ہے۔ فرض کیجئے' آپ کے مہاراجا اور فرنگی زیادتی کر رہے ہیں تو کیا آپ ملازمت چھوڑ دیں گے؟ ان کی شکایتیں لے کے ان کے بڑوں کے پاس جائیں گے؟''

انہوں نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کیونکہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''موہن داس! تم ایک ملازم سے بڑھ کر باتیں کر رہے ہو۔'' افسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سب یہی کہتے ہیں صاحب! قسمت کی بات ہے' حالات دوسرے ہوتے تو میں آپ لوگوں کی طرح ان کرسیوں میں سے کسی پر بیٹھا ہوتا۔''

''سادھو دیوراج تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

''اب چھوڑیے......کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں سمجھ سکتے۔'' میں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔

''مگر ہم انہیں سمجھنا چاہتے ہیں۔''

''اس کے لیے سادھو مہاراج ہی مناسب آدمی ہیں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اجازت دیجئے' آپ کی مار اور آپ کی باتیں یاد رہیں گی۔''

یہ یقیناً ایک خلاف معمول چیز تھی کہ وہ مجھے دروازے تک پہنچانے آئے' عقل حیران تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اس وقت مجھے اپنے آپ میں خود اعتمادی کی زبردست قوت محسوس ہوئی۔ کوتوالی کے احاطے میں کھڑی ہوئی جیپ مجھے لے کے راجے پور کی سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں تین ساڑھے تین گھنٹے تک کوتوالی میں اپنے حق میں دلیلیں دیتا رہا تھا۔ جسم کی دکھن بھی اب کچھ کم ہو گئی تھی۔ پرکاش بھون کے باہر کھڑے ہوئے مسلح پولیس کے دستے نے جیپ روک لی اور ڈرائیور کی شناخت کے بعد اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے دیکھ کر گیٹ پر موجود بوڑھے دربان نے سلام کیا جیسے میں بھی کوئی پولیس کا افسر ہوں۔ آدمی اپنے ارد گرد کی چیزوں سے کیسا شناخت کیا جاتا ہے۔ آدمی تو سبھی ایک جیسے ہوتے ہیں' چیزیں

مختلف ہوتی ہیں۔ میزیں' کرسیاں' لباس' زیورات' گاڑیاں غرضیکہ جتنی چیزیں زیادہ ہوں گی' وہ شخص اتنا ہی اہم ہوگا۔ گویا زندگی میں لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا عقدہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ چیزوں پر اختیار حاصل کیا جائے۔ جب سے دنیا میں نت نئی چیزیں بننے لگی ہیں' یہی رجحان نظر آتا ہے۔ اب طاقتور بھی زیادہ چیزیں رکھنے والے مختاروں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ بوڑھے دربان نے مجھے نہیں' دراصل اس جیپ کو سلام کیا تھا جس میں میں براجمان تھا۔ میں بھی یہی کرتا تھا۔ ہم سب یہی کرتے ہیں' چیزوں کو سلام کرتے ہیں۔

پرکاش بھون سونا سونا تھا کیونکہ بیشتر ملازم کوتوالی میں تھے۔ عورتیں اپنے مردوں کے انتظار میں باہر نکل آئی تھیں۔ بوڑھے بھی کمریں جھکائے ان کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ میں جیپ سے اترا تو سب نے مجھے گھیر لیا۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ ان کے عزیز صبح تک واپس آ جائیں گے۔ ڈالی کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ مجھے پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔ وہ اس سوگوار ہجوم میں گردن جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو تڑپ گئی اور سب کے سامنے آ کے لپٹ گئی۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے گھر جانے اور آرام کرنے پر راضی کیا اور وہ مجھ سے جلد گھر واپس آنے کا وعدہ لے کر ہی ٹلی۔

چند گھنٹوں کی ناقابلِ بیان ہولناکی کے بعد میں پھر دنیش چندر کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے جھجک ہوئی۔ کئی سوال ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ مجھے ان کے تجزیے کے لیے وقت درکار تھا۔ میں نے کچھ دیر توقف کیا اور سوچنے لگا کہ اگر دنیش چندر اپنے بستر پر محوِ خواب ہوگا تو میرے احساسات کیا ہوں گے؟ اور مجھے آج صبح کے واقعے کا خیال آ گیا۔ دنیش نے بے حد خوش اسلوبی سے میری ندامت دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ آج دن بھر ہنگامہ رہا۔ تعزیت داروں کا میلہ لگا رہا۔ بیتارانی خاصی مقبول اور مجلسی عورت تھی۔ راجے پور کے تمام روساء اور تجارت پیشہ کریاکرم میں شریک تھے۔ اس شاندار عورت کی موت بھی شاندار انداز سے ہوئی تھی۔ آج دنیش سے صرف رسمی باتوں کا موقع ملا تھا' نہ آج دن بھر شاردا سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہ جانے کہاں تھی؟ صبح سے میری نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے اور دنیش کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی؟ اس نے کس طرح اپنے بھائی کا سامنا کیا تھا اور میرے بارے میں جو کچھ کہا تھا' وہ کس طریقے سے کہا

تھا؟

ملاقاتی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے قیاس کیا کہ اندر نرسیں تاش کھیل رہی ہوں گی اور دنیش سو رہا ہوگا۔ انسانوں سے زیادہ توقعات قائم کرنا غیر انسانی بات ہے۔ میں نے آہستہ سے دروازے کو دھکا دیا۔ چٹخنی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ سامنے صوفے پر دنیش اور شاردا بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے انہیں بجلی کا شاک لگا۔ وہ بے تحاشا میری طرف جھپٹے۔ میں نے اپنی بدگمانیوں پر نفرین کی' پریشانی میں آدمی کتنا بڑا شیطان ہو جاتا ہے۔ ''موہن!'' ان دونوں کی آواز ایک ساتھ ابھری اور شاردا قریب آ کے میرا بازو چھوتے ہوئے بولی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' میرے منہ سے ایک کراہ نکلی' شاردا نے میرا دکھا ہوا شانہ زور سے پکڑ لیا تھا۔

''کیا ہوا؟ مجھے یہی ڈر تھا' ان مال زادوں نے تمہارا کوئی خیال نہیں کیا ہوگا۔'' اس کا ہاتھ زخمی تھا' پھر بھی وہ میرا کوٹ اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاردا نے اس کی مدد کی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ جب انہوں نے میری قمیض اور بنیان ہٹا کے میرا جسم دیکھا تو شاردا کی چیخ نکل گئی۔ جگہ جگہ بدیاں ابھر آئی تھیں اور ان سے خون چھلک رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا؟'' شاردا ہذیانی انداز میں بولی۔

''اب بہت ہوگیا۔'' دنیش نے کرب سے کہا۔ ''میں نے ان سے بار بار کہا تھا کہ تم میرے خاص آدمی ہو۔''

''پولیس کی نظر میں سب برابر ہیں۔'' میں نے مسکرا کے تبصرہ کیا۔

''تمہارے جانے کے بعد مجھے ایک لمحے بھی قرار نہیں آیا۔ نرسیں اندر بند پڑی ہیں۔ وہ اس پریشانی میں مجھے اور پریشان کر رہی تھیں۔ شاردا کو جیسے ہی معلوم ہوا وہ دوڑی ہوئی ادھر آ گئی۔ مشکل یہ تھی کہ میں زیادہ اصرار کرتا تو پولیس مشکوک ہو سکتی تھی۔ شاردا نے تو مہاراجا تک کو فون کر دیا۔''

''کب کیا؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''کچھ دیر ہوئی مگر اس وقت تم راستے میں ہوگے۔''

''مہاراجا نے کیا جواب دیا؟''

''مہاراجا نے کہا' یہ ایک رسمی کارروائی ہے۔ صبح تک پولیس تمام بے گناہوں

کو چھوڑ دے گی۔'' شاردا نے تیزی سے کہا۔ ''بہرحال اب تم آ ہی گئے ہو۔ یہ قمیض اور بنیان اتار دو۔ میں تمہارا جسم سینکے دیتی ہوں۔''

یہ میرے لیے خاصے حیران کن رویے تھے۔ راجکماری شاردا اپنے بھائی دنیش کے سامنے مجھ سے ایسے التفات کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ دنیش مسکرا رہا تھا۔ ''موہن!'' اس نے میٹھے لہجے میں کہا۔ ''تم بہت خوش قسمت ہو' شاردا جیسی لڑکی تمہاری خدمت کے لیے مچل رہی ہے۔ تم نے اس جاگیر کی سب سے اچھی لڑکی چنی ہے۔''

''آپ بہت بڑے آدمی ہیں دنیش بابو!'' میں نے خجالت سے کہا۔

''اچھا باتیں بند کیجئے' موہن تم برابر کے کمرے میں جاؤ۔ دنیش تم ان کی مدد کرو اور انہیں دیوان پر لٹا دو۔'' شاردا نے اندر جاتے ہوئے کہا۔ ''میں ہیٹر لاتی ہوں۔''

''میں صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ہو سکے تو چائے پلوا دیجئے۔'' میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہوگا؟''

''کھایا تو میں نے کوتوالی سے بہت ہے۔''

''وہ تم سے کیا کہتے تھے؟ تم نے تفصیل نہیں بتائی۔''

''بہت دلچسپ روداد ہے۔''

''ہاں' وہ تو تمہاری چوٹوں سے اندازہ ہوتا ہے۔'' ہم دونوں اٹھ کے دوسرے کمرے میں چلے آئے۔ دنیش مجھے دیوان پر لٹا کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ''تم سے ہزاروں باتیں کرنی تھیں جو شاردا کے سامنے مناسب نہیں ہیں۔ تم تھکے ہوئے بھی بہت ہو۔''

''آرام کی آپ کو بھی ضرورت ہے' آپ نے ڈریسنگ کروائی؟ دوا پی؟ انجکشن لیا؟..... نہیں نا؟'' میں نے خفگی سے کہا

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میرا خون کھول رہا تھا۔ وہ تمہیں پکڑ کے لے گئے اور میں بے بسی سے دیکھتا رہا۔''

''وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے تھے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اچھا ہوا کہ مجھے ان کے پاس جانے کا موقع مل گیا۔ بڑی باتیں ہوئیں۔ وہ حیران تھے کہ میں ایک ملازم ہونے کے باوجود اس انداز سے گفتگو کر رہا ہوں۔''

''بعد میں انہیں پتہ چلا ہوگا کہ تم چھپے رستم ہو' آفت ہو' بلا ہو۔ اس کے باوجود انہوں نے تمہیں مارا؟''

''ہاں۔ پھر انہوں نے مجھے عزت کے ساتھ رخصت بھی کیا۔'' میں اسے خلاصہ بتا رہا تھا اور اس میں سے وہ باتیں سنسر کرتا جا رہا تھا جن کے بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ شاردا کے آنے کے بعد میں نے اسے اور مختصر کر دیا۔ دنیش نے اصرار کرکے میری قمیض اتروا دی تھی۔ بنیان اتارنے میں مجھے ہچکچاہٹ ہوئی۔ ''کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''چپ رہو!'' شاردا ڈانٹتے ہوئے بولی اور ہیٹر پر روئی گرم کرنے لگی۔ مجبوراً مجھے بنیان اتارنا پڑا۔ شاردا آہستہ آہستہ میرا جسم سینکتی رہی۔ اس کے مخملی ریشمی ہاتھوں کے لمس سے مجھے پھریریاں آنے لگیں۔ میں نے طے کیا کہ بار بار کوتوالی جاؤں گا۔

''شاردا تم کتنی اچھی لگ رہی ہو۔'' دنیش نے کہا۔

''اب تم مجھے کام نہیں کرنے دو گے۔''

''اچھا ایک کام کرو' موہن سے ہماری سفارش کر دو۔ یہ ہمیں ستاتا بہت ہے۔'' دنیش چندر نے شوخی سے کہا۔

''یہ میرے مقابلے میں تم سے زیادہ قریب ہے۔''

''کیوں موہن! تمہیں کون زیادہ پسند ہے؟ میں یا شاردا؟''

''میرا جواب آپ کو معلوم ہے۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت تیز آدمی ہے شاردا۔ تمہارا بھائی دنیش چندر اسی کی وجہ سے زندہ ہے۔''

''آج رات میں مر جاؤں گا۔'' میں نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ باتیں زندہ رکھنے کی کب ہیں؟''

اس کی نرم انگلیاں میری کمر' پسلیوں میں رینگتی رہیں۔ پھر اس نے مجھے دنیش چندر کا گرم لباس دیا اور چائے لے آئی۔ ''اتنی تیزی سے تو ہماری نرسیں بھی کام نہیں کرتیں۔'' دنیش نے کہا۔

''نرسوں پر آپ نے محنت نہیں کی ہوگی۔'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''سچ بتاؤ موہن! یہ آغاز کب ہوا؟'' دنیش نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بس ہو گیا اور بہت دن ہو گئے۔''

''یعنی ابتداء کس نے کی؟''

''میں نے کی۔'' شاردا نے شرماتے ہوئے کہا۔

''تم اتنی مردم شناس کیسے ہو گئیں؟ کیا تمہیں معلوم تھا کہ موہن میں اتنے [illegible] جوہر پوشیدہ ہیں۔ یہ بڑا ظالم آدمی ہے' خول میں بند ہے اور مسلسل جھوٹ بول رہا ہے۔''

''ہاں مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا۔'' شاردا نے دنیش کو ٹہوکا مارتے ہوئے کہا۔ [illegible] تم نے تنگ کر دیا۔ کاش یہ بات ہم ہی تک محدود رہتی۔''

☆.....☆.....☆

میں آج کی رات بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی بھون میں بہت
لوگ تھے۔ میں نے پارو سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ میرے انتظار میں سوئی نہیں
ہوگی۔ ڈالی بھی بستر پر کروٹیں بدل رہی ہوگی۔ رات گزری جا رہی تھی۔ شاردا نے مجھے
آرام سے دیوان پر لٹا دیا تھا۔ دنیش چندر کا ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا ہوا تھا اور اس کی
آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کل رات کے واقعے اور اس کے اثرات پر
گفتگو کرنے کے لیے بے چین ہے۔ شاردا کے سامنے ان خونیں امور پر کوئی بات نہیں
ہو سکتی تھی۔ میں نے ان دونوں سے اصرار کیا کہ وہ اپنے کمروں میں جا کے آرام
کریں اور مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ اس سے میری مراد یہ تھی کہ ان میں سے کوئی ایک
یہاں سے جانے کا ایثار کرے۔ ابھی تک مجھے ہر بات انوکھی لگ رہی تھی جیسے میں کوئی
خواب دیکھ رہا ہوں' ایسا کہیں نہیں ہوتا۔ میں بہت شرمایا ہوا بستر پر دراز تھا اور دنیش
سے آنکھ ملاتے ہوئے کترا رہا تھا۔ آخر دنیش اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ ''شاردا! تم موہن
کی خبرگیری کرو مگر خیال رہے کہ یہ ہمارا بھی دوست ہے۔''

''اور مجھ سے زیادہ ہے۔''

''خیر یہ تو آنے والے دن بتائیں گے کہ اس کی کس سے زیادہ دوستی ہے
افسوس تو یہی ہے کہ یہ ہمارا رقیب بھی نکل آیا۔''

''آپ جا رہے ہیں؟'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیا کریں جناب مجبوری ہے۔'' دنیش نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

شاردا کچھ نہیں بولی۔ دنیش کمرے سے نکل گیا۔ ہم دونوں کو بھی چپ لگ
گئی تھی۔ میری نگاہیں چھت پر تھیں اور شاردا فرش پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔
طرح بہت دیر ہوگئی۔ ''شاردا!'' میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
میری طرح تمہیں بھی یہ سب انوکھا لگ رہا ہے؟''

''ہاں۔'' وہ دیوان پر بیٹھ گئی اور میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے لگی۔

''تم نے اس کا سامنا کس طرح کیا تھا؟''

''یقین ہی نہیں تھا کہ وہ اس زخمی حالت میں اٹھ کے چلا آئے گا۔ تمہاری
طرح میں بھی پریشان ہوگئی تھی۔ پھر میں نے سوچا' میں اسے سب کچھ صاف صاف بتا
دوں۔ وہ بہت جذباتی اور ضدی ہے۔ وہ ملاقاتی کمرے میں صوفے پر خاموش بیٹھا
تھا۔''

''پھر تم نے اسے کیا بتایا؟''

میں نے کہا۔ ''دنیش میری بات سن لو لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے وہ بول
پڑا کہ میں تو موہن کی آہٹ پا کے اسے دیکھنے آیا تھا۔ چونکہ مجھے اس سے کچھ ضروری
باتیں کرنی تھیں۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ موہن میرا دوست
ہے' میرا محسن ہے اور مجھے یہ دیکھ کے خوشی ہوئی ہے کہ تمہیں تمہارا آئیڈیل مل گیا۔''

''کیا وہ یہ کہتے ہوئے اداس تھا؟''

''نہیں مگر سنجیدہ ضرور تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ دنیش! تم یہ تعلق بھون
کی اور لڑکیوں کے تعلقات کی طرح نہ سمجھنا۔ تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔ میں تمہاری
بہن ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں دوسروں سے بہت مختلف ہوں۔ میں نے موہن سے
کہا تھا کہ وہ مجھے اس چار دیواری سے لے کے کہیں دور چلا جائے۔ اس نے تمہارا
حوالہ دیا کہ وہ تمہیں اس موقع پر تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے محلوں کی اس زندگی میں سکون
نہیں ملتا مگر تم یقین کرو کہ میرا اس سے رشتہ بے حد صاف اور سچا ہے۔ اس نے
جواب دیا کہ میں جانتا ہوں' تم میری بہن ہو اور سب سے زیادہ عزیز بہن ہو۔ مجھے یہ
اعتماد ہے کہ تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی جبکہ یہاں کی ریت یہی ہے مگر تم موہن کے
بارے میں کیا کچھ جانتی ہو؟''

''تم نے کیا کہا؟''

میں نے کہا۔ ''میں نے موہن کو ایک آدمی کے طور پر قبول کیا ہے۔ میں
دوسری باتوں پر توجہ نہیں دیتی۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرا انتخاب غلط نہیں ہے'
پھر وہ میری باتوں میں دلچسپی لینے لگا اور پوچھنے لگا کہ تم اور کیا کیا جانتی ہو؟''

''تم نے بتا دیا ہوگا کہ میں تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔''

''نہیں' میں نے یہ نہیں بتایا۔ بتاتے بتاتے رک گئی۔ میں نے اس سے کہا'

تم شاید اپنی مصروفیات' ماحول اور تربیت کی وجہ سے بعض جذبوں سے ناآشنا ہو۔ جب میں نے موہن کو منتخب کر لیا اور اس نے مجھے' تو ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم کون ہیں' کیا اور کیسے ہیں؟ اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور میری آغوش میں سر دے کے رونے لگا۔ نہ جانے کیوں وہ روتا رہا۔ میں اسے اس کی خوابگاہ تک لے گئی اور اسے بستر پر لٹا کے دیر تک پاس بیٹھی رہی۔ وہ بھی چپ رہا۔ میں بھی چپ رہی۔ پھر وہ کہنے لگا۔ تم موہن کے پاس جاؤ' کہیں میرے خاموشی سے واپس آ جانے پر اس نے کوئی غلط رائے نہ قائم کر لی ہو۔ میں جب یہاں واپس آئی تو تم موجود نہیں تھے۔ میں باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ پریشان پریشان پھرتی رہی۔ رات کو تمہاری جیبوں سے پستول اور نقدی نکلی تھی۔ طرح طرح کے اندیشے مجھے ستا رہے تھے۔ پھر میں اس کی خوابگاہ میں جاگتی رہی کہ شاید تم واپس آ جاؤ۔ صبح بیتارانی کے قتل کی خبر ملی اور جگدیپ کی حویلی سے ہولناک خبریں آنے لگیں۔ جب تم آئے تھے تو تمہاری حالت بڑی خراب تھی۔ لباس پر مٹی کے نشانات تھے اور رگڑیں تھیں۔ پیشانی پر چوٹ کا نشان تھا۔ تمہیں اپنا ہوش نہیں تھا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں نے سارا دن کس طرح کاٹا ہے۔ میں تمہارے سامنے جان بوجھ کر نہیں آئی۔ بتاؤ موہن! تم کہاں سے آئے تھے؟" وہ میرے سینے پر گھونسہ مارتے ہوئے بولی۔

"کچھ باتیں ایسی ہیں جو تم نہ پوچھو اور نہ جانو تو بہتر ہے۔ بس اتنا سن لو کہ میں کسی غلط کام کے لیے باہر نہیں گیا تھا۔ اس بھون کی بہت سی زندگیوں کا سوال تھا۔ غریب ملازموں کا معاملہ تھا جو روز قتل ہو جاتے ہیں' سمجھیں؟"

"تو کیا تم.....تم؟" وہ خوفزدہ آنکھوں سے بولی۔

"نہیں۔" میں نے تحمل سے جواب دیا۔ "جیسا تم سوچ رہی ہو' ویسا نہیں ہے۔ بہت پیچیدہ معاملات ہیں۔ یہ آپس کی دشمنیاں نہیں ہیں' زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں نے کل بھی تمہیں سمجھایا تھا۔" میں اسی انداز سے باتیں کر کے اسے خاموش کر سکتا تھا۔ وہ مطمئن تو نہیں ہوئی مگر رونے لگی۔

"موہن! تمہاری زندگی سے اور لوگ بھی وابستہ ہیں اور وہ لوگ بہت ضدی اور اپنے آپ کا خون کر دینے والے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے شاردا! تم کہاں تک جا سکتی ہو۔ تم نے دیکھا کہ اگر ہم فرار ہو جاتے تو دنیش کا کیا بنتا اور اسے کتنا برا لگتا؟ اب تم میری باتیں مانا کرو۔ اس جگہ

میں نے اپنے ماتھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ کام کی چیز بھی بھری ہوئی ہے۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم ضائع نہ ہو جاؤ۔"

"تم دیکھتی رہو' ابھی تو ابتداء ہوئی ہے۔"

"یہ تم نے پہلے بھی کہا تھا' مجھے ایسی باتوں سے خوف آتا ہے۔"

"تم پگلی ہو۔" میں نے اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "شاید سب پڑھا لکھا بھول رہی ہو۔ ہیگل کو پڑھو۔"

"میں ان دنوں شاعری پڑھ رہی ہوں۔"

"تباہ ہو جاؤ گی۔"

"تباہ تو تم نے کر ہی دیا۔"

"اوہ.....دیکھو میرے دل کی دھڑکنیں گنو۔" اس نے میرے دل پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔ رات بیت رہی تھی۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ ایسے عالم میں نیند کہاں آتی' یہاں تک کہ صبح کا نقارہ بج گیا۔ مرغانِ سحر خیز نے نغمہ سرائی شروع کر دی تھی ؎

اٹھو سونے والو سحر آ گئی ہے

میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ صبح کا ناشتہ تیار تھا۔ شاردا کے رسیلے لبوں کا مشروب۔ چلتے وقت میں نے اسے کھینچ لیا اور اس غنچہ دہن کے لبوں کی پنکھڑیاں توڑ کے منہ میں رکھ لیں۔ وہ بھاگ گئی۔ میں نے اپنے جامے میں آنے کے لیے دنیش چندر کا لباس اتار دیا۔ یہ بیتارانی کی موت کا دوسرا دن تھا۔ صبح ہی صبح بزرگ عورتیں مندر کی طرف جا رہی تھیں۔ دنیش کو ایک نظر دیکھ کے میں اپنے کوارٹر میں چلا آیا۔ ڈالی نے دروازہ کھولا۔ میں اسے گلے سے لگائے لڑکھڑاتا' ڈگمگاتا پلنگ تک لے گیا اور بے سدھ گر گیا۔ جوتے اور کوٹ سمیت مجھے نیند آ گئی اور ایسی نیند آئی کہ دنیا و مافیہا کا ہوش نہیں رہا۔

کہیں دوپہر کو ڈالی نے جھنجوڑ کے زندگی سے میرا رابطہ بحال کیا۔ کئی راتوں کا قرض چند گھنٹوں میں ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر بھی یک گونہ تشفی ہوئی۔ نیند زندگی کا قرض ہے اور آدمی کو اس کی اوقات کا احساس دلانے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور نسخہ نہیں لیکن یہ بیداری ایسی قاتل چیز ہے کہ نیند کے شامیانوں میں بے اجازت گھس جاتی ہے اور فیل مچاتی رہتی ہے۔ اس مرتبہ میری نیند نے بیداری کو شکستِ فاش دے

دی تھی یا یوں کہیے کہ بیداری پوری طرح آسودہ ہو گئی تھی، تھک گئی تھی۔ جن لوگوں کا رشتہ نیند سے گہرا ہے، وہ بڑے خوش قسمت ہیں، بیداری کی لو سے بچے رہتے ہیں۔ ڈالی نے جب دوپہر کا کھانا میرے سامنے رکھا تو میری خوراک دیکھ کے وہ دنگ رہ گئی۔

"شکرے!" وہ ناک چڑھا کے بولی۔ "خوب کھا لے، پتہ نہیں۔ پھر کب کھانے کا وقت ملے۔"

"تو بڑی سورنی ہے۔ اب تو تیری زبان سے میٹھا جملہ نکلتا ہی نہیں۔" میں نے گرم چمٹے سے اس کی ناک پکڑ لی۔

"آج بہت خوش معلوم ہوتا ہے، کیا کہیں آنکھ لڑ گئی ہے؟"

"ارے آنکھیں تو روز لڑتی رہتی ہیں۔"

"اسی لیے یہاں دھرنا دیے بیٹھا ہے۔ پہلے تو کتنا سیدھا سادہ تھا۔ اب تو تیری شکل ہی بدل گئی ہے۔ پر موہن داس بہروپیے، اس دن سے ڈر جو بھاگا ہوا آ رہا ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ مجھ جیسی اقسام اور حالات کے لوگوں کے پاس شاید یہی جواب ہوتا ہے۔ ڈالی سچ کہتی تھی۔ وہ دن جو بھاگا ہوا آ رہا ہے وہ تو ضرور آئے گا، کھاتے کھاتے میرا ہاتھ رک گیا۔

"کیا سوچنے لگا؟" وہ پھکنی میں سے بولی۔ پھکنی اس نے میرے کان میں اڑا دی تھی۔

"کچھ نہیں یار!" میں نے گہری سانس لے کے کہا۔ "بعض اوقات تو تو تیر چلا دیتی ہے۔ ٹھیک ہے، وہ دن ضرور آئے گا مگر تو جیسا سوچ رہی ہے، ممکن ہے، ویسا نہ ہو۔" مجھ پر اپنے لہجے کی بے یقینی سے گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

ڈالی نے میرا گھر میں بیٹھنا دوبھر کر دیا۔ خیال تھا کہ آج دن کا بڑا حصہ گھر میں گزاروں گا۔ سردست باہر میری ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ ڈالی کا کام صرف رونا، کچوکے لگانا اور کھانا کھلانا رہ گیا تھا۔ وہ مشکل سوال کرتی تھی جن کے جواب دینے کی مجھ میں استطاعت نہیں تھی۔ لباس تبدیل کر کے میں باہر نکل گیا۔ آج موسم بدلا ہوا ضرور معلوم ہوتا تھا۔ دل میں گزشتہ دنوں جیسا انتشار نہیں تھا۔ پرکاش بھون پر گہرا سکون چھایا ہوا تھا لیکن اس سکون میں خوف اور اداسی کی آمیزش تھی۔ ڈالی نے کھانے کے دوران میں مجھے بتایا تھا کہ بھون کے بہت سے ملازم کوتوالی سے واپس

آ چکے ہیں۔ ان میں سے چند کی حالت بہت مخدوش ہے۔ ہر ایک کی کمر پر بیدوں اور ہنٹروں نے جال سا بچھا دیا ہے۔ ڈالی کو اگر میں اپنی کمر دکھا دیتا تو وہ سمندر ہو جاتی۔ میں نے اسے خود سے دور دور رکھا تھا تاکہ وہ میرے جسم کے دکھتے ہوئے حصے نہ چھو لے، اس نے دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

پولیس نے کچھ ملازم روک لیے تھے اور اس طرح گویا میرا کام آسان کر دیا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو علیحدہ کر لیا ہوگا جو پرکاش بھون کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور یہاں کے مخالفوں کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ان میں پولیس کو کوئی ایسا شخص نہیں ملا ہوگا جو اپنا تعلق دنیش چندر کے گروہ سے ظاہر کر سکے۔ دنیش چندر کو کوئی گروہ بنانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اس کا گروہ صرف میں تھا۔ پولیس نے تفتیش کے لیے دونوں طرف کے آدمی پکڑے تھے۔ ان میں سب کے سب جگدیپ اور آنجہانی پرشوتم بہادر کے نمک خوار تھے یا دنیش چندر کی کسی اور مخالف طاقت کے جس کا ابھی مجھے علم نہیں تھا۔ پولیس کی مار کا مجھے خوب اندازہ تھا۔ لچکدار بید اور چمڑے کے نرم ہنٹر میں ایسی سختی اور قوت ہوتی ہے کہ تمام کثافتیں باہر آ جاتی ہیں۔ پولیس افسروں کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ حالانکہ انہیں آنکھیں کھولنے کی عادت کم سے کم ہوتی ہے۔ یہ آنکھیں اور کان ہی سارے فساد کی جڑ ہیں۔ ان کے بدلے قدرت کوئی اور انتظام کر دیتی تو انسانوں کی قسمتیں بدلی ہوئی ہوتیں۔

مگر وہ کون سا گروہ تھا جو جگدیپ کی حویلی میں دیدہ دلیری سے داخل ہو گیا؟ پولیس، مہاراجا اور لاٹ صاحب کے لیے یہ صورتحال ایک تشویشناک پہلو ہوگا۔ بار بار ان کی نگاہ مجھ پر آئے گی اور واپس جائے گی۔ پولیس سے گلو خلاصی ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ مجھے نجات کا پروانہ عطا ہو گیا ہو اور جن لوگوں نے اس سنگین واقعے سے میرا نام وابستہ کیا ہے، وہ خاموش بیٹھ گئے ہوں گے۔ وہ اس بار زیادہ شدت سے میرا نام لے سکتے ہیں۔ جب تک جگدیپ زندہ ہے، اسے ریس کے میدان کی چوٹیں برابر یاد آتی رہیں گی۔ پریت کو اپنی ماں اور جگدیپ کو اپنے باپ کی موت ستاتی رہے گی۔ پولیس مجھے دوبارہ طلب کر سکتی ہے اور اس بار بیدوں اور ہنٹروں کی بجائے کسی اور چیز سے کام لے سکتی ہے۔ پولیس سے بار بار ملاقات میرے حق میں مفید نہیں تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ میں ایک طرح کے پیرول پر رہا کیا گیا ہوں اور مجھے وعدہ معاف گاہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اس طرح پولیس آسانی سے میری نقل و حرکت کا

تعاقب کر سکتی ہے۔ ناکامی کی صورت میں پولیس کا موجودہ عملہ تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے اور ضروری نہیں کہ سادھو دیو مہاراج ہر موقع پر نمودار ہو جائے۔

وہی بیداری، وہی فتنے۔ سکون و اطمینان کے چند ہی جھونکے چلے تھے کہ دیکھتے دیکھتے خشک ہواؤں میں تبدیل ہو گئے۔ پرکاش بھون کی فصیلوں کے باہر پولیس تعینات تھی اور سازشی ملازم کوتوالی میں سرکار کے مہمان بنے ہوئے تھے۔ جگدیپ کی کمر ابھی تک سیدھی نہیں ہوئی تھی۔ کئی آدمیوں کو میں نے اس سے پہلے ہی ابدی نیند سلا دیا تھا۔ راجے پور کے بدمعاشوں کا سرغنہ پرشوتم چتا کی آگ میں جل چکا تھا۔ پارو کا دل میں نے بدل دیا تھا۔ چند دنوں کے لیے گہری نیند لینے اور پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے امکانات نظر آتے تھے مگر یہ رعایت میں نے مسترد کر دی۔

میں باغ کے ایک گوشے میں جا کے نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ یہ وہی مانوس جگہ تھی جہاں کچھو سے کئی بار میری ملاقات ہوئی تھی۔ کچھو میں نے سوچنا ہی ترک کر دیا تھا۔ سادھو کی مہربانیاں، پنڈت کا ریشہ خطمی ہونا بے سبب نہیں تھا۔ اس کا سبب کچھ تھا مگر کچھ تھی کون؟ سادھو میرے ماضی سے واقف تھا مگر خاموش رہا تھا۔ وہ مجھے یہ جگہ چھوڑ کے دور دراز پہاڑوں میں لے جانا چاہتا تھا۔ کہتا تھا کہ یہ جگہ تیرے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہ پراسرار باتیں، ذہن کو بے قرار کر دیتی تھیں۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوتا جیسے میں ایک مفلوج و معذور شخص ہوں۔ میں جو ہر معاملے میں جلد سے جلد ایک رائے قائم کر لیتا تھا مگر اس معاملے میں ناکارہ ہو جاتا تھا جس سے میری زندگی کا گہرا تعلق تھا۔ اس لیے میں نے شکست قبول کر لی تھی کیونکہ میں یہی کر سکتا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ پرسوں رات بہت نازک وقت میں، جب میرے اوسان خطا ہو گئے تھے، سادھو اندھیری رات میں کہیں سے نکل کے میری مدد کو آ گیا تھا۔ دربانوں نے مجھے اس کے ساتھ بھون میں واپس آتے دیکھا تھا مگر کسی نے پولیس کو یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے صبح نمودار ہونے سے پہلے مجھے تھکا ماندہ سادھو کے ہمراہ پھاٹک عبور کرتے دیکھا تھا۔ اس طرح میرے پستول کی چار پانچ گولیاں دربانوں پر ضائع ہونے سے بچ گئی تھیں۔ کل رات بھی عین موقع پر آ کے اس نے اعلیٰ افسران کو میرے بارے میں متزلزل کر دیا تھا۔ اس نے پرکاش بھون کی توہم پرست عورتوں کے سامنے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے میری عزت بڑھائی تھی۔ یہ باتیں ایسی تو نہیں تھیں کہ انہیں نظرانداز کر دیا جاتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے سادھو سے دور رہنے کے بجائے اس

کے قریب ہونا چاہیے، کیونکہ اس کی برتری میں شبہے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اب یہی ہے تو یہی سہی۔

پیروں میں کھولن ہونے لگی۔ دوسرے لمحے میرا رخ مہمان خانے کی سمت تھا۔ مہمان خانہ دو عمارتوں میں منقسم تھا۔ ایک طرف یہاں چھوٹا لیکن خوبصورت مندر بنا ہوا تھا۔ جہاں پنڈتوں، سادھوؤں کے گیان، پوجا پاٹ اور رہنے کے لیے باقاعدہ حجرے تعمیر کیے گئے تھے۔ دوسری طرف معزز مہمانوں کے کمرے بنے ہوئے تھے۔ مجھے سادھو نہیں ملا۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کی حسرت ہی رہی۔ البتہ کرچھے والے پنڈت ایشوری لال نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ چپکے چپکے میرے پیچھے آیا اور عام مہمانوں کی عمارت میں ایک جگہ میرے پیروں پر گر گیا۔ میں نے اس مرتبہ اسے برا بھلا نہیں کہا۔ کاندھا پکڑ کے اٹھایا اور مضبوط لہجے میں پوچھا۔ ''پنڈت ایشوری لال! کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں مہاراج!'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''پنڈت! اس دن فرنگی ناری کے سامنے تم نے بڑی نادانی کی تھی۔ آئندہ ایسی باتیں مت کرنا۔''

''مجھ سے بڑی بھول ہوگئی مہاراج! مجھے شما کر دو۔ اب ایسا نہیں ہوگا لیکن کچھ میری اور بھی دھیان کرو، کبھی اپنے دوار بلا لیا کرو۔ تمہاری سنگت میں مجھے بھی کچھ مل جائے گا۔ اتنے کٹھور تو مت بنو مہاراج!'' وہ عاجزی سے بولا۔

''ایشوری لال!'' میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ میں کس روپ میں یہاں موجود ہوں۔ مجھے بھیڑ بھاڑ پسند نہیں ہے۔ تمہیں سنبھلنا چاہیے۔ تم تو سب کچھ کھولے دیتے ہو۔''

''مہاراج!'' وہ میرے قدم پکڑنے لگا۔ ''اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے؟''

''میں دیکھ رہا ہوں مہاراج!'' وہ گڑگڑا کے بولا۔

''بس چپ رہو، سمے کا انتظار کرو۔'' میں نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ، مندر میں واپس جاؤ۔''

''اب کب درشن ہوں گے مہاراج؟''

''کسی دن آ جاؤں گا یا تمہیں بلا لوں گا۔''

وہ مسرت سے لرزنے لگا اور کرچھا نچانے لگا۔ میں اسے اسی عالم میں چھوڑ

کے آگے چلا آیا۔ پھر اس نے میرا تعاقب نہیں کیا لیکن ابھی میں چندہی قدم بڑھا ہوں گا کہ ٹھٹک کے رک گیا۔ میرے سامنے ترنم کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ سلام کے لیے اٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں نم تھیں' زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ ''آداب!'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''آداب۔ آپ؟'' میں کہنا چاہتا تھا کہ وہ ابھی تک یہیں ہے؟ میں نے پھرتی سے بات بدل دی۔ ''آپ کو معلوم ہے یہاں کیا ہو گیا؟''

''جی۔ کچھ کچھ سنا ہے۔ ہم کئی راتوں سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''راجکمار دنیش پر کسی نے گولی چلا دی تھی۔ گزشتہ چند راتوں میں حیرت انگیز واقعات پیش آئے ۔ اسی لیے آپ کو زحمت نہیں دی گئی۔''

''آپ ہمیں بھول گئے ہیں۔ ہمیں کون یاد رکھتا ہے۔''

''آپ کو کون بھول سکتا ہے۔ کل یہاں ایک رانی کا خون ہو گیا۔ ادھر راجکمار زخمی پڑے ہیں۔ بتائیے آپ کو بلائیں بھی تو کیسے؟''

''آپ تو ادھر آسکتے تھے۔''

''آنے کو بہت جی چاہا لیکن حالات ہی کچھ ایسے پیش آ گئے۔'' میں نے اس کے حسین چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ دن میں بھی اتنی ہی چمکدار تھی جتنی رات میں۔ بانو بھی ایسی ہی تھی۔ اسی طرح شگفتہ' الہڑ اور تابناک۔ اسے سامنے دیکھ کے اس کے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ یاد آ گیا۔ وہ بھی میرا انتظار کر رہی تھی' مجھے حیرت تھی کہ ایک شب میں اس نے کیسی توقعات قائم کر لی ہیں۔ وہ ایسی لڑکی بھی نہیں تھی جسے آسانی سے درگزر کر دیا جاتا۔ ''ترنم!'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''آپ واپس چلی جائیں' ان دنوں یہاں کی فضا بڑی خراب ہے۔ فصیل کے باہر مسلح پولیس کھڑی ہے۔ ویسے بھی آپ کو اس ماحول کا اندازہ نہیں' خود میری زندگی خطرے میں ہے۔''

اس کے رخساروں پر موتی لرزنے لگے۔ ''ہم نے کب یہ غرور کیا ہے کہ ہم آپ کو اپنے ساتھ باندھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہم تو خود بندھ گئے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں بھی آپ کو ہمارا یہاں ٹھہرنا گوارا نہیں؟''

''ارے نہیں۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔ ''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ آپ یہاں قیام کریں' جب تک جی چاہے' رہیں۔ حالات کی یہ ترشی ختم ہو ہی جائے گی۔ آپ کو کیا بتائیں' کیسی مشکلوں میں گرفتار ہیں۔''

''ہم یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ ہم آپ کی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ کاش ایسا ہوتا' کاش آپ ہمیں کوئی حکم دیتے۔''

''آپ میں کیا کمی ہے' آپ کو فن آتا ہے۔ آپ کے گلے میں رس ہے' یہ کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں اور آپ کا دل بہت اچھا ہے۔''

''لیکن ہماری قسمت بری ہے۔''

''میں آپ سے کیا کہوں۔ آپ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ یقین کیجئے' آپ کو دوبارہ بالا خانے میں بھیجنے کو دل نہیں چاہتا کیونکہ آپ کے ہاں وہ ماحول چھوڑنے کی آمادگی ہے' مگر میں آپ سے کچھ کہنے کی قوت بھی نہیں رکھتا۔ میں بہت الجھا ہوا ہوں۔ آپ نے ایک خانماں برباد کے دروازے پر دستک دی ہے۔''

''ہم آپ سے کچھ نہیں مانگتے۔ صرف اس احساس کے امیدوار ہیں کہ آپ کی رغبت ہمیں حاصل ہوگی۔ ہمارا کوئی بڑا مطالبہ نہیں ہے۔''

''میں آئندہ دو تین راتوں میں آپ کو زحمت دوں گا۔ یہاں مہمان خانے میں یہ باتیں نہیں ہو سکتیں اور مناسب بھی نہیں ہے۔''

''ہم آپ کا انتظار کریں گے۔''

''آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں' انہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟ یقیناً وہ واپس جانے کے لیے اصرار کر رہے ہوں گے؟''

''انہوں نے ہماری زندگی جہنم بنا دی ہے۔ آپ کو پتہ نہیں ہم کن کن بہانوں سے انہیں روکے ہوئے ہیں۔''

''میں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ترنم بڑی دلگداز باتیں کر رہی تھی۔ ایسے سوالوں کا جواب فوراً نہیں دیا جاتا۔ میں تو یوں بھی پہلے سے متعدد سوالوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی نم آنکھوں اور ملتجی چہرے کے سامنے صاف جواب دینے کی جرات کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کی آنکھوں کی بجلیوں سے بچ کے چلا تو آیا لیکن وہ تو میرے جسم میں کھب گئی تھیں۔

اس شام دنیش کی حالت نسبتاً بہتر تھی۔ وہ ملاقاتی کمرے میں مہمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں دھیرے سے اندر رینگ گیا۔ دنیش نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ رات تک میں کمرے میں بند دیوان پر لیٹا رہا۔ پریت' ہیما' کسم' پولیس نے مشتبہ ملازموں کو تو تفتیش کے لیے پکڑ لیا تھا' مگر محل کے اندر نرم بستروں پر سونے والے اصل لوگ چین

کی بنسی بجا رہے تھے۔ جی میں آتا تھا کہ آج ہی رات پریت کے پاس جاؤں اور اس کا مزاج پوچھوں لیکن اخلاقاً اسے اپنی ماں کا غم منانے کے لیے کچھ مہلت ضرور ملنی چاہیے تھی۔ ایسے موقع پر اس سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہوسکتی تھی۔ بینارانی کی موت کے بعد میں نے اس کا غمزدہ چہرہ ایک ہی بار دیکھا تھا۔ غور سے دیکھنے کی حسرت تھی کہ اس عالم میں وہ چمکیلی تتلی کیسی لگتی ہے۔ اندھیرا گہرا ہونے کے بعد میں باہر آیا۔ اس وقت بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے پارو کو اشارہ کیا' وہ کچھ دیر بعد اٹھ گئی۔ پندرہ بیس منٹ توقف کے بعد میں بھی راہداری میں آ گیا اور جیسے ہی موقع ملا' تیزی سے پارو کی نشاط گاہ میں داخل ہوگیا۔ پارو نے پہلے سے دروازہ کھلا رکھا تھا۔ میرے پہنچنے کے بعد دروازہ فوراً بند کر دیا گیا۔ ''موہن!'' وہ بری طرح مجھ میں سما گئی۔ ''تم نے رات بھر انتظار کرایا۔''

''رات کو موقع ہی نہیں ملا۔'' میں نے اسے مکمل طور پر اپنے بازوؤں میں چھپا لیا اور اس کا نازک سراپا اٹھا کے خوابگاہ کے اندر لے آیا۔ ''آج میرے پاس پستول نہیں ہے۔''

''خالی ہو گیا ہوگا۔'' وہ بانکپن سے بولی۔ ''خیر میرے پاس موجود ہے۔ اگر کہو تو......''

''شوٹ کر دوں۔'' میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

''مجھے نا۔ چلو تمہارے ہاتھ سے موت بھی قبول ہے۔'' وہ شوخی سے بولی۔ ''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم ہمیں اور کتنا متاثر کرو گے؟''

''میرا خیال ہے' اب تو میرا درجہ گھٹ جانا چاہیے۔''

''تم نے بہت تیزی دکھائی۔'' وہ مچل کے بولی۔ ''تم نے ایک ہی رات میں یہاں' وہاں یہ کیا جادو کر دیا؟''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''مجھ سے تم کچھ نہیں چھپا سکتے۔''

''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہی......''

''میں تمہیں داد دے رہی ہوں۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''تم نے مجھے ایک اور ہی انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''وہ کیا ہے؟'' میں کہنا چاہتا تھا کہ الٰہی خیر ہو مگر کہتے کہتے رہ گیا۔ ''بھگوان

ن میں رکھے۔'' میں نے کہا۔

''میں یہ سوچتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے لے کر فوراً نکل جاؤں ورنہ تم کچھ ن اور یہاں رہے تو راجے پور میں کوئی زندہ نہیں رہے گا۔''

''یہ خودغرضی ہے یا انسان دوستی؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''کچھ بھی ہو' بہرحال اب تمہیں تیار ہو جانا چاہیے۔ ہم کہیں بہت دور نکل جائیں گے' ہو سکا تو ملک سے باہر چلے جائیں گے۔''

''تم نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے۔'' میں مسکرا کے بولا۔

''میں ان دنوں یہی سوچتی رہتی ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم مجھ سے چھن نہ جاؤ کیونکہ تم بہت تیزی سے آگے جا رہے ہو۔''

''پھر بھی میں تم سے آگے نہیں جا سکتا۔ تمہارے حسن کے سامنے سب پانی ہے۔ سب دھواں' جب تم میرے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہو تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے' جیسے میں سویا ہوا ہوں۔''

وہ میرے سامنے اس طرح بیٹھ گئی جیسے آج ہی تمام فیصلے کر لے گی۔ ''موہن! مجھے خود پر اعتماد ہے کہ میں تمہیں اپنی جانب کھینچنے کی تمام خوبیاں رکھتی ہوں۔'' میں سنتا رہا۔ ''مگر وقت بڑی بے اعتبار چیز ہے۔ پتہ نہیں کل کیا ہو جائے؟ اس سے پہلے میں تم پر اپنی مہر لگانا چاہتی ہوں۔''

''مہر تو تم لگا چکی ہو۔''

''تم اس وقت سنجیدہ نہیں ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

''خبر نہیں' تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''پارو۔'' میں نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''ابھی کچھ قضیے اور نمٹانے ہیں۔ میں چیزیں درمیان میں چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔''

وہ اپنی نشست بدل کے میرے سرہانے آ بیٹھی اور اس نے تمکنت سے پوچھا۔ ''لیکن پھر تم بری طرح انوالو ہو جاؤ گے۔''

''میں انوالو ہو چکا ہوں۔ یہ فرار کا وقت نہیں ہے۔ تم جیسی ذہین لڑکی یہ بات کیوں نہیں سمجھتی؟''

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ مہاراجا سازشیوں کے گروہ کا سراغ لگانے

میں بے حد سنجیدہ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ انگریز اس انتشار سے فائدہ اٹھائے۔"

"اور انگریز کیا سوچ رہا ہے؟"

"انگریز وہی سوچ رہا ہے جس کا ثبوت اس نے پورے ہندوستان میں دیا ہے۔" پارو نے تیزی سے جواب دیا۔

"اور مجھے کیا سوچنا چاہیے؟ خود کو علیحدہ کر کے بتاؤ۔"

"میں خود کو علیحدہ کیسے کر سکتی ہوں؟" وہ ناراضگی سے بولی۔ "میں نے اس وحشت ناک ماحول میں چند ہی سال گزارے ہیں۔ اگر تم نہ آتے تو کچھ اور سال گزر جاتے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو مشورہ تم نے مجھے دیا تھا' اب خود تمہیں اس کی ضرورت ہے۔"

"انگریز کمانڈر کرنل ہارڈنگ کے متعلق کیا رائے ہے؟"

"وہ بھی دوسرے انگریزوں سے مختلف نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اسے اپنے پاس دراز کر لیا۔ "پارو! تم حسن اور ذہانت کا شاہکار ہو۔ میں تمہیں خود سے بہت قریب سمجھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم وہ کتاب ہو جسے میں نے تصنیف کیا ہے۔ تم میری تخلیق ہو۔"

"اور مجھے کچھ نہیں کہنے دو گے؟ جب مجھے کل صبح خبر ملی کہ بینارانی......"

وہ مجھے تمام واقعہ سنانے لگی کہ وہ کتنی بے چین ہو گئی تھی۔ پھر وہ جگدیپ کے گھر لوگوں کی قیاس آرائیوں اور شہر کی سنسنی کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ اس کا خیال بھی یہی تھا کہ اب کچھ دنوں کے لیے امن ہو جائے گا لیکن یہ عارضی امن ہوگا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم کوئی خاص خبر سناؤ گی۔" میں نے اس کی طویل داستان سننے کے بعد کہا۔

"کیا اس سے میری اہمیت کم ہو جاتی ہے؟"

"ارے نہیں۔ تم بڑے چبھتے ہوئے سوال کرتی ہو۔ تمہاری اہمیت سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ اسی لیے یہاں موجود ہوں۔"

"تم نے میری باتوں کا جواب نہیں دیا؟"

"اس کی کوئی وجہ ہوگی۔"

"اعتبار؟"

"میں تمہارے معاملے میں اندھا ہو گیا ہوں۔"

"تو پھر اپنی انگلی میرے ہاتھ میں دے دو۔"

"یہ لو۔" میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے میری انگلی چوم لی۔ میں اس کے پاس بہت دیر تک رہا۔ وہ مجھے ی ذہانت سے متاثر کرتی رہی۔ اس کا انداز سب سے مختلف تھا۔ شائستہ' تیز' بلیغ۔ ں اٹھنے لگا تو وہ پژمردہ ہو گئی۔ "اب مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔" وہ دروازے پہ ہنچ گئی۔

"اپنے آپ کو مصروف رکھو۔ ابھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ تم میرے لیے ت قیمتی معلومات جمع کر سکتی ہو۔" میں نے اس کا رخسار سونگھتے ہوئے کہا جس میں ں کے حسن کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔

راہداری سنسان پڑی تھی۔ مجھے پارو کے ہاں سے نکلتے ہوئے کسی نے نہیں یکھا۔ میں دنیش کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اور تمام لوگوں سے نمٹ ر میرا انتظار کر رہا تھا۔ کھانا لگوانے کے بعد ہم ایک کمرے میں بند ہو گئے۔ دو دن ی بے تابی کے بعد آج اسے مجھ سے باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے جستہ ستہ واقعات سنا کے اسے حیران کر دیا۔ ہم اس وقت خوابگاہ میں ترنم کو بلا کے بینارانی' نم اور کنور پردیپ کے قتل کا جشن منا سکتے تھے مگر ہم نے آدھی رات باتوں میں گزار ی۔ صبح ہونے سے پہلے میں نے اس سے کہا۔ "کیا آپ پروفیسر زاہدی کا میک اپ دوبارہ کر سکتے ہیں؟"

"کیوں؟" وہ تعجب سے بولا۔

"مجھے تیار کر دیجیے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "اور اپنی کار کا انتظام بھی کیجیے۔ میں یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں؟ کیا تمہیں کوئی نیا شوشہ سوجھا ہے؟"

"ہاں' میں کرنل ہارڈنگ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل ہارڈنگ سے؟" وہ اچھل پڑا۔ "کیا تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ ہم انگریزوں سے ایسا مذاق نہیں کر سکتے۔"

"میں یہ بات ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔ آپ کو شک ہوگا کہ کرنل کی یٹی ریتا میرے سلسلے میں مشکوک ہو گئی ہے۔ اب دوبارہ میرا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

''میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اس میں خطرے ہی خطرے ہیں۔ تم انگریز چھاؤنی میں تنہا جاؤ گے اور بہروپ بھر کر؟'' وہ ناگواری سے بولا۔ ''نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔''

''آپ مطمئن رہیے۔ میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کرنل ہارڈنگ سے میرا ملنا ضروری ہے۔''

''ریتا یاد آ رہی ہے؟'' وہ اچانک شوخی سے بولا۔

''یہی سمجھ لیجئے۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''اور...... اور شاردا؟'' وہ تذبذب سے بولا۔

''کیا ریتا کو ضائع کر دیا جائے؟'' میں نے پہلی بار تلخی سے کہا۔

وہ مجھے سمجھاتا رہا اور آخر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ صبح کے قریب اس نے پھر مجھے نوشتہ بنایا' نمیش چندر کا سوٹ' ٹائی' عینک' داڑھی۔ میں تھوڑی دیر میں ایرانی جنٹلمین بن گیا۔ ''میں کیسا لگتا ہوں؟'' میں نے آئینہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل پروفیسر زاہدی۔ مگر خیال رہے کرنل ہارڈنگ کو تمہاری یہ داڑھی پسند نہیں ہے۔''

''میں اس کی پسند کا احترام کروں گا۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔''

''آپ کی سمجھ میں سب کچھ آ جائے گا' جب میں واپس آؤں گا۔''

''تم کس کے ساتھ جاؤ گے؟ ڈرائیونگ تمہیں نہیں آتی ہے اور ڈرائیور کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ تمہیں پہچان سکتا ہے۔ پھر تم باہر کھڑی ہوئی پولیس کو کیا جواب دو گے؟''

''مجھے آپ لے جائیں گے۔''

''میں۔ میرا ہاتھ تو زخمی ہے۔''

''آپ صرف بڑے چوک تک گاڑی چلائیں گے' وہاں سے میں کوئی سواری پکڑ لوں گا۔ آپ کی موجودگی میں پولیس کا کوئی آدمی گاڑی نہیں روک سکتا۔ اگر آپ گاڑی نہیں چلا سکتے تو مجھے مجبوراً شاردا کو لے جانا ہوگا یا کسی اور کو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' دنیش نے جلدی میں صرف شیروانی پہنی اور مانگ کاڑھ کے باہر آ گیا۔ صبح کی روشنی پھیلنے کے آثار تھے۔ احتیاطاً میں نے ایک پستول جیب میں رکھ لیا۔ شیروانی میں دنیش کی وجاہت قابلِ دید تھی' وہ ایک شہزادہ نظر آ رہا تھا۔ سرخ و سپید' پُروقار۔ دربان نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ وہ دنیش کو دیکھ کر بت بن گیا تھا۔ دنیش نے بآسانی ایک ہاتھ سے گاڑی ڈرائیو کر لی تھی۔ بھون کے باہر پھیلے ہوئے پولیس کے جوان چوکنا ہوئے مگر کسی کو گاڑی روکنے کی جرات نہیں ہوئی۔ دنیش نے مجھے قریبی چوک سے پہلے ایک مناسب جگہ اتار دیا اور آخر وقت تک کہتا رہا کہ میں اپنے ارادے سے باز آ جاؤں۔

چوک سے ایک تانگے میں بیٹھ کر میں اس جگہ آ گیا جہاں راجے پور سے باہر جانے کے لیے گاڑیاں کرائے پر ملتی تھیں۔ وہاں ٹیکسی جیسی کوئی گاڑی نہیں تھی۔ چھاؤنی راجے پور سے پندرہ میل دور تھی۔ تانگے میں دوپہر ہو جاتی۔ میں نے ایک بس ڈرائیور سے کہا کہ وہ مجھے چھاؤنی چھوڑ دے۔ اس نے نخوت سے انکار کر دیا لیکن جب میں نے اس کے ہاتھ میں سو کا نوٹ رکھا تو اسے اپنے رویئے پر معذرت کرنی پڑی۔ میں اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ بس راجے پور کے سبزہ زار پہاڑوں سے گزرتی ہوئی چھاؤنی کے علاقے میں میری توقع سے پہلے پہنچ گئی۔ مجھے سفر کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں گرد و پیش کے نظاروں میں کھویا رہا۔ چھاؤنی کے گیٹ سے کچھ دور میں بس سے اتر گیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

گیٹ پر معلومات اور داخلے کی اجازت کے لیے ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی اور ہندوستانی جوان پوری مستعدی سے اپنی روزی حلال کر رہے تھے۔ مجھے گیٹ پر روک لیا گیا۔ ''کس سے ملنا ہے؟'' ایک گرجدار آواز آئی۔

''آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ سے۔'' میں نے متانت سے جواب دیا۔

''کوئی اپوائنٹ منٹ؟'' اس کے لہجے میں کسی قدر نرمی آ گئی۔

''نہیں مگر انہیں مطلع کر دو۔ کہو کہ تہران سے پروفیسر زاہدی آیا ہوا ہے۔'' میں نے تحمل سے جواب دیا۔

''آپ اندر انتظار کریں۔'' مجھے کوٹھری میں بٹھا دیا گیا اور ایک دوسرے

جوان نے کرنل کے سیکرٹری سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ مجھے چند لمحے توقف کرنا پڑا۔ جیسے ہی جوابی فون کی گھنٹی بجی اور ریسپشنسٹ نے ریسیور کانوں سے لگایا۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا اور مجھے تعظیم دیتے ہوئے بولا۔ ''آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ کرنل صاحب آپ کے منتظر ہیں۔ ٹھہریئے' میں آپ کے لیے گاڑی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔'' اس نے فوراً ایک ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ مجھے کرنل کی قیام گاہ تک پہنچا دے۔

کرنل کی وسیع و عریض کوٹھی سبزے اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور دروازے پر اس کی حسین بیٹی میری منتظر تھی۔

☆......☆......☆

اس وسیع و عریض قلعہ نما عمارت کے سبزہ زار میں کوئی پھول اس سے زیادہ دلکش نہیں تھا۔ دور ہی سے ایسا معلوم ہوا جیسے دروازے میں گلاب کے پھول نے انسانی بدن کی شکل اختیار کر لی ہو۔ میرے دل کا پارہ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ آفیسران کمانڈ عزت مآب' فضیلت مآب کرنل ہارڈنگ کی شفق رنگ لڑکی دروازے پر میری منتظر تھی۔ جیسے ہی اس نے مجھے اور میں نے اسے دیکھا' ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف جھپٹے اور میں نے اس کے دونوں بازو مضبوطی سے پکڑ لیے۔ ''اوہ ریتا۔ ریتا!'' میں نے والہانہ انداز میں کہا۔ ''تم کیسی ہو؟''

اسے شاید یقین نہیں آیا کہ میں ہی اس کے سامنے کھڑا ہوں۔ وہ حیرت سے میرا چہرہ تک رہی تھی جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نازک اندام کو کچھ کہنے میں مشکل پیش آئی۔ پھر اس کے ہونٹ تھرکنے لگے اور بدن لرزنے لگا۔ ''اوہ ہیلو پروفیسر زاہدی!'' اس نے بے قراری سے کہا۔ ''میں تمہارا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔''

میں نے اس کی بے تابی اور تپاک کو بطور احتیاط ایک بار پھر اپنے ذہن کے ترازو میں تولا کہ آنے والے لمحوں میں میرا رویہ ہر خامی سے مبرا ہو جو کچھ اس نے کہا' وہ میں نے سن لیا' وہ انگریزی میں مجھ سے مخاطب تھی اور میں راج محل کی خصوصی دعوت میں انگریزی سے اپنی ناواقفیت کا اعلان کر چکا تھا۔ ریتا انگریزی کے سوا کوئی زبان نہیں جانتی تھی۔ کاش مجھے اس وقت چند لمحوں کے لیے انگریزی بولنے کی اجازت مل جاتی۔ ''یو۔'' میں نے اس کی گداز سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ ''ویٹ می۔ مائن۔ کمرا۔''

''ہاں تمہارا۔'' وہ اضطراب سے بولی۔ ''تمہارا۔''

میں نے کچھ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔ آئی ایم ساری ریتا۔ آئی

ڈونات نو انگلش بٹ......'' میں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہا۔ ایک پروفیسر جو سیاحت کا دعوے دار بھی ہو' ایسے ابتدائی جملے کسی بھی زبان میں بول سکتا ہے۔ میں نے پہلے ہی مرحلے میں اٹکتے اٹکتے انگریزی کے چند لفظ ادا کرکے اس کے اور اپنے درمیان ترسیل کی مشکل کسی حد تک دور کردی۔

''آہ پروفیسر' مجھے خود افسوس ہے کہ میں ہندوستانی یا ایرانی نہیں جانتی۔'' وہ حسرت سے بولی۔ ''لیکن میں روزانہ بہت شوق اور تیزی سے ہندوستانی سیکھ رہی ہوں۔'' اس نے جوش میں کہا اور میری آنکھیں تکنے لگی کہ میں نے اس کی بات سمجھ لی ہے یا نہیں؟ میری آنکھوں پر ہلکے براؤن رنگ کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

''اموشن۔ جذبہ' فیلنگ۔ احساس'' میں نے ہاتھوں سے گیند بناتے ہوئے کہا۔ ''آل اوور دی ورلڈ۔''

وہ میرے سادہ اور پرکار انداز پر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے سفید دانتوں کے موتی بکھر پڑے اور اس کا بدن رقص کے انداز میں لہرا گیا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ جذبے اور احساس کی بے حرف و نوا زبان تمام دنیا میں سمجھی جاتی ہے' مجھے ایک اعتبار حاصل تھا۔ ایک اعتماد کہ ریتا میں' میرے اشارے اور میری زبان سمجھنے کی حیرت انگیز آمادگی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ اعتماد نہ ہوتو گفتگو کے حسین سے حسین' دلکش سے دلکش پیرائے بھی بے اثر ہوتے ہیں۔ یہ میری اس سے تیسری ملاقات تھی۔ پہلی اور دوسری مرتبہ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بس ایک رندانہ جرأت کی ضرورت ہے' میرے اور اس کے درمیان آفاقی زبان کا رشتہ استوار ہو چکا ہے۔ اس کا بار بار فون کرنا' پرکاش بھون میں بے تابانہ آنا اور پنڈت ایشوری لال کا مہمیز کرنا کہ ایک دیسی شخص اس کے بدن کے قلعے میں کہیں چھپ گیا ہے۔ اب میں اس کے سامنے تھا۔ ایران کا پروفیسر زاہدی۔ آنکھوں پر سنہری کمان کا ہلکا براؤن چشمہ لگائے ہوئے' چھوٹی کالی داڑھی' تیکھی مونچھیں' اعلیٰ درجے کا ولایتی سوٹ' ایرانیوں کا سرخ و سپید رنگ' اونچا قد' چوڑے شانے' نوجوان' تازہ اور شگفتہ' وجیہہ' تیز طرار' چاق و چوبند۔ یہ پروفیسر زاہدی تھا یا دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس یا کوئی اور ......ریتا کچھ بھی سمجھتی ہو' مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ اس کی فکر ہوتی تو میں انگریز چھاؤنی کے اس خطرناک علاقے میں آنے کی جرأت نہ کرتا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہر صورت میں میری پذیرائی کرے گی' ایسے معاملات میں افریقی' لاطینی' مصری زبان کا جاننا ضروری نہیں ہوتا۔ وہ ایک تمکنت

حیرت' وقار اور ناز سے میرا جائزہ لے رہی تھی اور اس کے چہرے پر گلابی سرخ رنگ پھوٹے پڑ رہے تھے۔ ہم دونوں بچھڑے ہوئے اور منتظر لوگوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے۔

''پروفیسر!'' وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔ ''ڈیڈی تمہیں یاد کر رہے تھے۔''

''اوہ کرنل۔ گریٹ مین۔'' میں نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ ''فادر یور فادر ہی۔'' میں نے اشاروں میں پوچھا کہ وہ فتنہ ساماں کہاں ہے؟

''وہ اندر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' ریتا میرا ہاتھ تھام کر اندر کی طرف لے جانے لگی۔ اس نے بہت پائیداری سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ہم اس پرشکوہ عمارت کے مختصر سے علاقے سے گزرے۔ میں راستے میں بڑبڑاتا رہا اور ریتا اشتیاق سے مجھے دیکھتی رہی۔ انگلستان کے کسی لارڈ کی جاگیر میں بھی شاید اس طرح کا دبدبہ نہ ہوگا۔ انگریزوں کی نفاست اور قدامت کی آئینہ دار اس عمارت کا ماحول بہت پرسکون اور ٹھنڈا تھا۔ درمیانی درجے کے ایک سجے ہوئے کمرے میں کرنل ہارڈنگ صوفے میں دھنسا ہوا سگار کا دھواں اڑا رہا تھا۔ اس کی نشست و برخاست میں برطانیہ کے شاہی خاندان کے لوگوں کا سا اعتماد تھا۔ ہندوستان میں ویسے بھی ہر انگریز بجائے خود ایک بادشاہ ہوتا تھا۔ میری آمد پر آفیسران کمانڈ اپنی نشست سے اٹھا اور عجب معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے ہوئے آگے بڑھا۔

''خوش آمدید پروفیسر زاہدی!'' اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے منہ کھولنے سے پہلے اطراف اور بطور خاص اس کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔ پھر میں نے مضبوط لہجے میں پوچھا۔ ''کہیے آپ کیسے ہیں کرنل؟''

''اپنی بتایئے پروفیسر! آپ اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''اپنا کیا ہے۔'' میں نے بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ ''کبھی یہاں' کبھی وہاں' اپنی قسمت میں گردش ہی لکھی ہے۔''

''آپ اس قدر متاثر کر کے چلے گئے۔ میں آپ کو یاد کر رہا تھا۔'' کرنل نے محتاط لہجے میں شائستگی سے کہا اور میرے ساتھ ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی نظریں مختلف سمتوں سے مجھ میں چبھ رہی ہیں۔ ریتا ہمارے سامنے کی کرسی پر ہمہ جان' ہمہ دل مستعد بیٹھی تھی۔

"آپ کی مہربانی ہے کرنل جو آپ نے مجھے یاد رکھا' مجھے آپ کی مصروفیات کا اندازہ ہے لیکن اس دن مہاراجہ کی دعوت میں آپ سے کچھ ایسی رفاقت پیدا ہو گئی تھی کہ میں دوبارہ ملنے کے لیے بے چین تھا۔"

"میں سمجھا تھا شاید آپ نے بھی ہندوستانیوں کی طرح ہمیں غیر سمجھا۔ کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ نے سارے شکوے دور کر دیے۔"

"ابھی کہاں۔" میں نے قلندرانہ انداز میں کہا۔ "اب آیا ہوں تو آئندہ ہونے والے شکوے دور کرنے کا بھی انتظام کرتا جاؤں گا۔"

"آپ کیا پئیں گے؟"

"یہ کہیے کہ کیا کھائیں گے۔" میں نے ٹانگیں پھیلا کر کہا۔

"اوہ یقیناً یقیناً۔" کرنل کسی نواب کی طرح معذرت خواہانہ لہجے میں بولا اور ریتا سے انگریزی میں مخاطب ہوا۔ "پروفیسر کے لیے جو کچھ چھاؤنی میں موجود ہے' منگواؤ۔" چھاؤنی میں بندوق' توپیں' سنگینیں اور بارود موجود ہوگا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ اس کے سوا کوئی اور چیز ہو تو منگوایئے لیکن میں انگریزی نہیں جانتا تھا' میں سن کر خاموش ہی رہا۔ "ریتا تو آپ کی تلاش میں پرکاش بھون تک گئی تھی۔" کرنل نے یہ نہیں کہا کہ اسے وہاں میری شباہت کا ایک شخص بھی نظر آیا تھا۔ انگریز غیر ضروری باتیں اسی وقت کرتے ہیں جب وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہوں۔

"ریتا ایک حیرت انگیز لڑکی ہے کرنل!" میں نے شائستگی سے کہا۔ "وہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔ پروقار' شان دار' شفیق' نرم' زیرک۔"

"اسے ہندوستان میں سب کچھ نیا نظر آتا ہے' چونکہ وہ ابھی ابھی آئی ہے۔ اس کی ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ میں اسے برطانیہ چھوڑ آیا' اب وہ اتنی بڑی ہو کے آئی ہے کہ پہچانی بھی نہیں جاتی۔" کرنل ہنستے ہوئے بولا۔ "ہندوستان اور برطانیہ میں بہت فرق ہے' یہ ایک بالکل مختلف دنیا ہے اور ریتا کے لیے کسی تماشے سے کم نہیں ہے۔"

"پورا ہندوستان انگریزوں کی تماشا گاہ ہے۔" مجھے اپنی زبان پر قابو نہیں رہا' جو بات منہ سے نکل گئی وہ دوسرے کی ہو گئی۔

میرے جملے پر کرنل نے مجھے تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں لیکن چند ہی لمحوں میں وہ معتدل ہو گیا اور خیال انگیز لہجے میں کہنے لگا

"پروفیسر! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں' اگر ہندوستان میں انگریز نہ آتے تو کیا ہوتا؟"

"تو ہندوستان آزاد ہوتا۔" میں نے برجستہ کہا۔

"ہندوستان آزاد تو ہوتا مگر صدیوں پیچھے ہوتا۔"

"یا صدیوں آگے ہوتا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"ممکن ہے مگر ایسا مشکل نظر آتا ہے' صنعتی انقلاب سب سے پہلے انگلستان میں آیا تھا۔ ہم نے وہ سب ان خوابیدہ لوگوں کو منتقل کر دیا۔ فرانس اور دوسرے ملکوں کی نام نہاد نوآبادیوں میں ایسا نہیں ہوا۔"

"کہیں بھی نوآبادیوں کا اتنا وسیع کاروبار نہیں ہوا۔ انگلستان سب سے بازی لے گیا۔" میں نے صاف گوئی سے کہا۔ "بہرحال کرنل یہ آپ کے اور ہندوستان کے معاملے ہیں۔ مجھے ان سے کیا غرض' میں تو آپ سے ملنے آیا ہوں۔ میری حیثیت نہ آپ کی رعایا کی ہے اور نہ ایک مفتوح شخص کی۔ میں آپ کا دوست ہوں' میرا خیال ہے' مجھ میں ایک بہترین دوست بننے کے تمام جراثیم موجود ہیں۔ آپ مجھ سے تمام مسائل پر صاف صاف گفتگو کر سکتے ہیں' البتہ ایک بات پر مجھے بڑی حیرت ہے کہ جو دانش ور انگریز' زمانے کی تغیر پذیر خصلت' تاریخ کے نشیب و فراز اور متلون مزاج ماضی پر گہری نظر رکھتے ہیں' وہ ہندوستان کے معاملے میں آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں۔"

کرنل سکون سے میری باتیں سنتا رہا اور ریتا کسی بچی کی طرح ہم دونوں کے چہروں پر کچھ پڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔ کرنل نے اطمینان سے سگار کی راکھ جھاڑی اور اپنے چہرے کا معمولی تکدر رومال سے صاف کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ دوراندیش شخص انگریز عالموں کی طرح ہندوستان کے آنے والے دنوں کے متعلق ایک منطقی رائے رکھتا ہے مگر سرکار برطانیہ کا ایک وفادار ملازم بھی ہے۔ انگریز اندر سے کنویں ہوتے ہیں' اپنی تہہ کا پتہ نہیں دیتے۔ "پروفیسر! آپ ایک ہندوستانی قوم پرست کے لہجے میں باتیں کر رہے ہیں۔" کرنل نے بلند آواز میں کہا' اس کے لہجے میں طنز تھا۔ "یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔"

"اس کی کئی وجوہ ہیں' میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہندوستان میرا دوسرا وطن ہے' یہاں میرے بے شمار دوست ہیں۔ صرف راج کمار دنیش ہی نہیں' یہاں کے چھوٹے آدمیوں سے بھی میرا گہرا تعلق ہے۔ میں یہاں کی تہذیب میں رچا بسا ایک شخص ہوں۔ کرنل! میں ہندوستانیوں سے آپ سے زیادہ واقف ہوں۔" میں نے پرزور

الفاظ میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں اور ہمیں ہندوستانیوں کی فکر اور دوسرے امور کے بارے میں بتائیں مگر آپ تو پراسرار طور پر غائب ہوگئے۔"

"میں جس طرح چلا گیا تھا' اسی طرح واپس بھی تو آ گیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں نے راجے پور فون کیا تو ڈینش کو گولی لگنے کی خبر ملی اس لیے تمام کام چھوڑ کے میں یہاں بھاگا بھاگا آ گیا۔ شکر ہے ڈینش اب ٹھیک ہے۔ یہاں آ کے پتہ چلا کہ ان دنوں راجے پور کی فضا بڑی خراب ہے۔ ہر طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ کئی بے گناہ آدمی مارے گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے تشویش سے کہا۔ "کرنل آپ ہی کچھ بتائیے۔"

"پروفیسر!" کرنل خاصا سنجیدہ ہوگیا۔ "حالات بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ایسی بدامنی میں ہم کیا سوچ سکتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں۔"

میں نے یہ مشورہ اپنے پاس ہی رہنے دیا کہ آپ ایک کرم فرمائیے' یہ ملک چھوڑ دیجیے۔ "کیا میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں۔" غالباً اپنی خدمات پیش کرنے کا یہ مناسب وقت تھا۔

"آپ بہت کچھ کرسکتے ہیں پروفیسر زاہدی!" کرنل سرد آہ بھر کے بولا۔ "ہندوستان میں ہر طرف خون بہہ رہا ہے' لوگ اتنے خوں خوار ہو گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے لگے ہیں۔ ایسی صورت میں ہماری کیا خواہش ہوگی۔" کرنل نے ٹھیر ٹھیر کے کہا۔ "ہماری خواہش یہی ہونی چاہیے کہ یہاں امن و سکون رہے' یہ لوگ ترقی کرتے اور نئے زمانے میں شامل ہوتے رہیں۔ چاہے اس امن کے لیے ہمیں جبر کرنا پڑے۔"

"فساد برائے امن' جنگ برائے امن۔ میں آپ سے متفق ہو رہا ہوں کرنل!" میں نے خوش دلی سے کہا۔ حالانکہ مجھے یہ کہنا چاہیے تھا کہ آپ اپنی صحت کیوں خراب کر رہے ہیں۔ "ویسے جناب کرنل!" میں نے پہلو بدل کے کہا۔ "شاید آپ کے علم میں ہو کہ دنیا میں آپ کا کیا چرچا ہو رہا ہے۔ میرے سچ پر ناراض نہ ہو جائیے گا۔ مشہور ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کو لڑوا کے اپنے کھونٹے مضبوط کر رہے ہیں۔"

"ہمارے کھونٹے کمزور کہاں ہیں؟" کرنل بھڑک کر بولا۔ "ہم ویسے بھی بے شمار طریقوں سے لوگوں کو قابو میں کرنا جانتے ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ کی یہ برتری انگریزوں کی بے مثال جدوجہد کے بعد ہی ممکن ہوئی ہے' یہ اعلیٰ ذہنی' جسمانی اور تکنیکی صفات کی برتری ہے۔ ہندوستان کیوں غلام ہے اور برطانیہ کیوں آزاد ہے؟ یہ برتر اور کم تر طاقتوں کی ایک کشمکش ہے۔ یہ نیکیاں' انسانی اقدار' آزادیاں' انسانی حقوق' آزاد قوموں کا حق ہیں' جو غلام ہے وہ خود اپنی کمزوری کے سبب سے ہے۔"

"آپ میری بات کی تائید کر رہے ہیں کرنل! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں' خوابیدہ ہندوستان کروٹ بدل رہا ہے' آپ کی بجا طور پر یہ کوشش ہوگی کہ اسے سر اٹھانے سے پہلے دبا دیا جائے۔ اسی کشمکش کے بعد ڈارون کے مطابق موزوں تر انتخاب کا مرحلہ آتا ہے مگر آپ ہندوستان میں کتنے سر دبائیں گے؟ کتنی آگوں پر پانی ڈالیں گے؟ کہاں کہاں رکاوٹیں کھڑی کریں گے؟"

"آہ...... ہندوستان...... ہندوستان!" کرنل حسرت سے بولا۔ "ہندوستانیوں کو اندازہ نہیں ہے کہ انہیں ہماری کس قدر ضرورت ہے۔ پہلے وہ ہم سے حکمرانی اور جمہوریت کے آداب تو سیکھ لیں...... پہلے وہ دانش گاہیں اور درس گاہیں تو کھول لیں جو......" کرنل کچھ جذباتی ہوگیا تھا۔ اسی وقت ریتا ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی' اس چار منزلہ ٹرالی میں انواع و اقسام کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہاں آتے ہوئے خوف کی جو لہریں میرے جسم میں اٹھ رہی تھیں' وہ معدوم ہوگئیں۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ میں اپنی زندگی کے کن قیمتی لمحوں سے گزر رہا ہوں۔ لفظوں اور لہجے کا توازن کس قدر ضروری ہے' میں امتحان دے رہا تھا۔ ناشتے کی ٹرالی میرے سامنے رکھ دی گئی۔

"آہا...... آج تو پورا انگلستان یہاں آ گیا۔ کرنل بے تکلفی معاف فرمائیے۔ میں یہ طے کرکے آیا تھا کہ آپ کے ساتھ ناشتہ کروں گا۔" میں نے بے صبری سے کہا۔

"ضرور' ضرور۔" کرنل ٹرالی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ریتا نے آج تک کبھی میرے لیے بھی اتنا تکلف نہیں کیا' پروفیسر آپ کوئی جادوگر ہیں۔ میری بیٹی تو صبح و شام آپ ہی کا ذکر کرتی رہتی ہے حالانکہ اس سے آپ کی ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔"

"میرا نقش بہت گہرا ہوتا ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"آپ کوئی پراسرار آدمی ہیں پروفیسر! آپ کی گفتگو میں فرانسیسیوں کی

نفاست اور ایرانیوں کی شیرینی ہے۔ اس دن نشانے بازی میں آپ نے سب کو مات کردیا۔ رقص ہوا تو آپ نے معلومات کا دریا بہا دیا۔ سیاست پر آپ نے چبھتے ہوئے تبصرے کیے۔ آپ کا حلقہ احباب بھی خاصا وسیع ہے۔ مجھے تو آپ کوئی ہندوستانی پرنس معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آپ کو ٹوکا تھا کہ آپ اپنے ساتھ ظلم کر رہے ہیں' یہ داڑھی اور مونچھیں لگا کے تو آپ نے اپنی وجاہت میں کمی کر لی ہے۔'' کرنل کن آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

میری روح جیسے کرنل نے اپنی مٹھی میں بند کر لی۔ میں نے خود کو سرد خانے میں محسوس کیا۔ ''بس بس کرنل! میں زمین پر رہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ٹھٹھری ہوئی زبان میں کہا۔ اور اپنے آپ کو تنبیہ کی' یہ ایک انگریز آفیسران کمانڈ کا محل ہے جو ریاست راجے پور کا معنوی حکمراں ہے۔ وہ کسی بھی وقت میری داڑھی پر ہاتھ ڈال کے میرا چہرہ عریاں کرسکتا تھا۔ اسے اس دل لگی سے کون روک سکتا تھا۔ ''مجھے یاد ہے۔'' میں نے سنبھلتے ہوئے کہا کہ ''آپ نے میری داڑھی کے متعلق کیا کہا تھا لیکن آپ کو میرا جواب بھی یاد ہونا چاہیے۔ اب شاید یہ داڑھی مونڈنی ہی پڑے گی مگر پھر اصل شہزادوں کا کیا ہوگا؟''

''اصل شہزادے تو آپس میں لڑ رہے ہیں۔'' کرنل نے معنی خیز انداز میں کہا اور ریتا سے انگریزی میں کہنے لگا۔ ''ہم بہت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔''

''کچھ مجھے بھی بتائیے ڈیڈی!'' ریتا ناز سے بولی۔

''پروفیسر بہت ہوشیار شخص ہے۔ بہت زندہ دل۔'' کرنل نے اپنی بیٹی کو بتایا مگر اس نے میری کوئی برائی نہیں کی' میں خاموشی سے ایک پلیٹ اٹھا کے ٹوسٹ پر جیلی اور مکھن لگانے لگا۔ ریتا اپنے باپ سے اصرار کر رہی تھی کہ مجھے کسی صورت میں روک لینا چاہیے۔

''یہ ایک مہذب' شائستہ اور اسمارٹ شخص ہے۔'' ریتا نے کہا۔ ''ڈیڈا! میں اس سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتی ہوں' یہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔''

کرنل نے پدرانہ مسکراہٹ سے سر ہلایا اور مجھ سے بولا۔ ''پروفیسر تم شور اتنا مچا رہے تھے اور کھانے میں تکلف برت رہے ہو۔''

''ٹی۔'' میں نے ٹوسٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''یو ریتا پلیز!''

''او شیور۔'' ریتا مچل کر اٹھی۔ ''پروفیسر ہاؤ مچ شوگر ون ٹو تھری؟...'' اس نے چمچا دکھاتے ہوئے کہا۔

میں نے سوچا کہ کہہ دوں' آپ ایک گھونٹ پی لیجیے' پھر شکر کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لڑکیاں چائے بناتے ہوئے شکر کے بارے میں پوچھتی ہیں تو بہت سہانی لگتی ہیں' میں نے ڈیڑھ انگلی کا اشارہ کردیا۔ چائے کے دوران میں کرنل میرے اور ریتا کے درمیان چند جملوں کی ترجمانی کے فرائض ادا کرتا رہا مگر وہ کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''میں آپ کی مصروفیات میں مخل ہوا کرنل؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''بالکل نہیں۔'' کرنل چونک کر بولا۔ ''آج رات راجے پور میں سکون ہی رہا۔'' وہ اپنے قریب رکھے ہوئے فون کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ نے اچھا کیا جو خود چلے آئے۔''

''ورنہ آپ مجھے زنجیریں پہنا کر لے آتے؟''

کرنل بے اختیار ہنس پڑا۔ ''ایسا بھی ہو سکتا تھا پروفیسر! انگریز جو چیز پسند کرتے ہیں' اسے حاصل کرنا بھی جانتے ہیں۔''

''اور جسے ناپسند کرتے ہیں؟'' میں نے تفریحاً پوچھا۔

کرنل لاجواب سا ہو گیا۔ مجھے اس وقت وہ قصہ یاد آ گیا جو میرے ایک کلاس فیلو نے مجھے سنایا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ ایک سیلزمین نے اپنی فرم کے کسی مستقل گاہک کے سامنے جان بوجھ کر ایسی شرط رکھی جس میں وہ خود ہار جائے اور اس طرح اسے گاہک کی خوشنودی حاصل رہے' میں نے اپنی لگام کھینچی۔ میں اس ذہین اور نکتہ رس سیلزمین کے درس کے خلاف عمل کر رہا تھا' کچھ دیر بعد مجھے خود ایسا محسوس ہوا جیسے کرنل بھی ایک سیلزمین ہے جو دانستہ منزلیں ہار رہا ہے۔ لاجواب ہو رہا ہے' غصے پی رہا ہے' نشتر سہہ رہا ہے۔ وہ میرے بارے میں اس قدر بے خبر نہیں ہو گا۔ ممکن ہے وہ سب کچھ جانتا ہو۔ یہ بھی جانتا ہو کہ اس کے سامنے دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس بیٹھا ہوا ہے۔ ممکن ہے اسے یہ بھی اندازہ ہو کہ میری داڑھی نقلی ہے اور چھاؤنی میں اچانک آمد بے سبب تو نہیں ہوگی۔ انگریزوں نے تحمل کی اسی غیر معمولی خوبی کے سبب ہندوستانیوں پر غلبہ پایا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ کوتوالی میں جس شخص کو کس طرح مارا گیا تھا' وہ میں ہی تھا۔ پرکاش بھون میں اپنے مخبروں کے ذریعے اس نے پروفیسر زاہدی کے بارے میں پوچھا ہوگا تو جواب ملا ہو گا کہ ایسا کوئی شخص دنیش

کے دوستوں میں کبھی نہیں آیا۔ اس زمانے میں دنیش کا سب سے قریبی آدمی میرے سوا کون تھا؟ چنانچہ مجھی پر نگاہ گئی ہوگی۔ کرنل کو میرے بارے میں تجسس ہوگا اور اس نے موہن داس کے بعض کمالات کا ذکر بھی سنا ہوگا۔ میں یہ تمام اندیشے اور خدشے ذہن میں رکھ کے آیا تھا۔ میں کرنل کو ایک مکمل انگریز سمجھ کر آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ہندوستانیوں کی طرح جلدبازی کا مظاہرہ نہیں کرے گا اور یہی ہوا۔ ہمیں ایک دوسرے سے مفاہمت کرنے میں کچھ وقت ضرور لگا۔ اسے یہ باور کرانے میں وقت ضرور لگتا کہ میں اس کی ضرورت بن سکتا ہوں۔ انگریز کمانڈر نے اس دن خلاف معمول وقت کی پروا نہیں کی۔ فون آتے رہے اور وہ انہیں ٹالتا رہا۔ ریتا نے بھی اسے کچھ یاد دلایا' اس نے کسی غیرذمے دار شخص کی طرح ہاتھ کے اشارے سے انکار کردیا۔ وہ مجھ سے ہندوستان کی سیاست پر گفتگو کرتا رہا اور ہمارے درمیان دلچسپ نوک جھونک جاری رہی۔ اس کی شوخ و شنگ لڑکی بار بار آتی جاتی رہی۔ وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتی تھی' لطیف' نازک' شوخ' پھولوں جیسی باتیں۔ میں گفتگو کرتے کرتے کرنل کو راجے پور کی ریاست اور حکومت کے نقطے پر لے آتا تھا لیکن کرنل ایک پرانا منجھا ہوا شخص تھا' اس لیے پہلو بچا جاتا تھا۔ غصے ہوتا تھا' پھر ایک دم ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ ایک ہندوستانی کے لیے یہ اعزاز کم نہیں تھا کہ وہ انگریز آقا کے ساتھ اتنا وقت گزارے اور اتنی صاف صاف باتیں کرے۔ میں بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔ انگریزوں کا دبدبہ کچھ اور تھا' وہ جس زبان اور لہجے میں بات کر رہا تھا اس میں زنجیروں کی کھنک' توپوں کی دھمک اور آگ کی چمک شامل تھی۔ ہمارے کمرے میں ملازموں کا داخلہ بھی ممنوع تھا۔

"آپ بتدریج لوگوں سے دور ہو رہے ہیں۔" میں کھل کے کچھ باتیں کرنے کے موقف میں آ گیا۔

"ہاں پروفیسر! کرنل نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "انگریزوں کو یہاں دوبارہ مقبول بنانے کی مختلف اسکیمیں ہائی کمان کے زیرغور ہیں۔ ہم جدید طریقہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

"مجھے یہاں آپ کی تنہائی کا شدت سے احساس ہے کرنل! آپ کی مجبوریوں کا بھی اندازہ ہے' کچھ ایسی صورت ہو چلی ہے کہ فریقین کے درمیان اعتماد اٹھ گیا ہے۔ ہر طرف شورشیں' سازشیں ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ میرے متعلق بھی آپ کے ذہن میں بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں گے مگر آپ کو کسی نہ کسی پر تو

اظہار کرنا پڑے گا۔ آپ کو شاید میرے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیش چندر میرا دوست ہے اور میں اس کی سربلندی کا آرزومند ہوں۔ وہ ایک لائق شخص بھی ہے لیکن میں اس کی وکالت کرنے کے لیے آپ کے پاس نہیں آیا ہوں۔ مجھے اس ریاست کی سیاسی کشمکش سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے دولت اور اعزاز سے چنداں دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میں خود کو ایک مستحکم شخص سمجھتا ہوں۔ میں خاصا مغرور بھی ہوں۔ اچھے دوستوں اور اچھی محفلوں کی تلاش میں میری عمر گزر گئی ہے۔ آپ کی اور ریتا کی کشش مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ آپ مجھ پر آخری درجے کا اعتبار کرسکتے ہیں' بس میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پروفیسر زاہدی۔ آپ کو دولت کی ہوس نہیں ہے لیکن انگریز اپنے دوستوں کی خدمات کا شاندار معاوضہ دینا جانتے ہیں۔"

"کرنل!" میں نے چلا کر کہا۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

میں تیزی کے ساتھ صوفے سے اٹھ گیا۔ کرنل بھی اٹھ گیا اور میرے شانے تھپکتے ہوئے بولا۔ "آپ تو ناراض ہو گئے۔ معاوضے سے مراد دولت نہیں ہے۔ آپ کے دوست سونے کے دوست ہیں۔ دولت کی آپ کو کیا کمی ہو سکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کرنل! آپ ذہنی طور پر بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ یہ ترازو توڑ دیجیے۔ میں دولت کے اعتبار سے ایک چھوٹا آدمی ہوں لیکن اپنی ذات میں ایک بہت بڑا آدمی ہوں' یہ آسودگی ہی مجھے یہاں لائی ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنے مابین ہر قسم کی سیاسی گفتگو پر پابندی عائد کردیں۔ اگر آپ کو شطرنج سے دلچسپی ہے تو منگوائیں' تاش کھیلیں یا شکار کا پروگرام بنائیں۔"

"بیٹھیے بیٹھیے پروفیسر!" کرنل ندامت سے بولا۔ ریتا بھی سراسیمہ ہوگئی تھی۔ وہ اپنے باپ پر ناراض ہونے لگی۔

"آپ مجھے کسی وقت بھی فون کرسکتے ہیں۔ چھاؤنی کے دروازے ہمیشہ آپ کے لیے کھلے رہیں گے۔ میں ایک دوست کی طرح آپ کا خیرمقدم کروں گا۔ کوئی مشورہ' کوئی خبر جس سے راجے پور کے عوام کے اور ہمارے مفادات وابستہ ہوں' آپ مجھے اس سے آگاہ کرسکتے ہیں۔ راجے پور کے قیام میں آپ کو کوئی دشواری پیش آرہی ہو یا حکام کا رویہ نامناسب ہو تو آپ مجھے اطلاع کرسکتے ہیں' ہمارے کسی غلط اقدام

کے اثرات کی نشاندہی کرسکتے ہیں۔ آپ اندر کی بہت سی باتوں کا پتہ دے سکتے ہیں۔ جن سے ہم بے خبر رہتے ہیں اور اوٹ پٹانگ فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ براہ راست میرا فون نمبر 301 ہے۔ چھاؤنی کے دو راستے ہیں' جس راستے سے آپ آئے ہیں' اس کے علاوہ بھی ایک راستہ ہے' جہاں گورے پہرے دار تعینات ہیں' اگر ایسی کوئی صورت ہو تو آپ اس راستے سے مجھ تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"بس کرنل! میں ساری بات سمجھ گیا ہوں۔ اتنی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن ایک شرط ہے' جس دن مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری حیثیت آپ کی نظر میں ایک دوست کی نہیں ہے' اس دن میں اپنی دلچسپی سے دست بردار ہو جاؤں گا۔"

"بے شک۔ بے شک۔" کرنل سر ہلا کے بولا۔ "آپ کی جانب سے عمدہ مشوروں کا منتظر رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے دن ہمارے رشتے مضبوط کریں گے۔"

باقی وقت میں نے اپنی دلچسپ سرگزشت سناتے ہوئے گزارا۔ ریتا بھی اس میں شامل رہی۔ کرنل نے مجھے لنچ کے لیے روکنا چاہا اور اپنا ایک کارڈ میرے سپرد کردیا۔ کارڈ پر اس کی خصوصی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس کارڈ کی رو سے میں راجے پور کے حکام سے خاص قسم کی رعایتیں حاصل کرنے کا سزاوار ہو گیا تھا۔ اس وقت مجھے کچھو یاد آئی جس نے مجھے ایک کڑوی بوٹی کھلائی تھی اور کہا تھا کہ طاقت میں کوئی شخص مجھ پر غالب نہیں آسکے گا اور کوئی زہر مجھ پر اثر نہیں کرسکے گا۔ انگریز کمانڈر کا یہ کارڈ بھی کچھو کی بوٹی کی طرح اثرانگیز تھا۔ میرے اصرار پر کرنل نے مجھے اپنے خاص کمرے کے دروازے پر رخصت کیا۔ فون پر اس نے میرے لیے پرکاش بھون تک گاڑی کا انتظام کرنے کا حکم پہلے ہی دے دیا تھا۔ ریتا مجھے دروازے تک پہنچانے کے بجائے ایک دوسرے کمرے میں لے آئی۔ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا' وہ غزالہ تھی اور میں تھا۔ کرنل کے حضور میں وہی میری سفارش تھی۔ "ریتا!" میں نے کسی جھجک کے بغیر اس کی نازک کمر میں اپنا بازو حمائل کردیا۔ "رنگ می ان پرکاش بھون۔ وی" میں نے ہاتھ گھماتے ہوئے کہا۔ "گوٹو آؤٹ راجے پور"

وہ سمجھ گئی کہ میرا مقصد کیا ہے۔ "کب؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ اور تیزی سے بولی۔ "آپ میرے لیے نہیں آئے تھے۔"

"تو......تو......" میں نے مجبوراً یہ جملہ سمجھ ہی لیا اور جھنجلا کے سر ہلانے لگا۔

جیسے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' وہ کہہ نہیں پا رہا ہوں۔ وہ بھی میرے گونگے پن پر جزبز سی ہوگئی۔ میں نے اسے اعتماد سے اپنے سامنے کیا اور چشمہ اتار کے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ریڈ۔ انہیں پڑھو۔"

وہ میری آنکھیں دیکھ کے دنگ رہ گئی اور ان میں جھانکنے لگی۔ میری آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ ہر حسین لڑکی کو دیکھ کے نوجوانوں کی آنکھیں اسی طرح سلگنے لگتی ہیں اور رغبت ہو تو ان میں ہزار تشنگیاں اور آرزوئیں نظر آ جاتی ہیں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے چشمہ لگا لیا اور اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔ ملائم' لمبی سرخ انگلیاں' صرف انہیں دیکھ کے آدمی ہوش کھو بیٹھے۔ کہتے ہیں شاہ جہاں کے دور میں ایک ایرانی مصور نے ایک خوب صورت ہاتھ دیکھ کے اس کا پورا بدن اور چہرہ تخلیق کردیا تھا۔ ریتا کی نرم و نازک انگلیاں بھی اسی طرح خوبصورت تھیں۔ میں نے پہلی بار اسے بہت انہماک سے دیکھا۔ دیکھنے والی نظر سے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے بدن سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ مجھے اس کی قدر و قیمت کا پوری طرح احساس تھا۔ وہ کئی اعتبارات سے حسین تھی۔ وہ ہمارے آقا کی لڑکی تھی لیکن میں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھیرا۔ میں نے اس کے گداز لب نہیں چھیڑے۔ میں نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں پناہ نہیں دی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو حیوانوں کی طرح دیکھتے رہے۔ حیوان لفظ نہیں جانتے مگر بولنا جانتے ہیں۔ وہ جذبوں کا منظم اور شدید اظہار کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے سونگھا اور میں نے اسے' جانوروں کی طرح انسان بھی مانوس بوؤں سے متاثر ہوتے ہیں۔

دروازے پر انگلستان کی بنی ہوئی موٹرکار میری منتظر تھی۔ ڈرائیور مجھے دیکھ کر ریشہ خطمی ہوگیا۔ کار کا دروازہ ایسے تپاک سے کھولا جیسے اس دنیا کا سب سے بڑا آدمی میں ہی ہوں۔ پچھلی نشست پر بیٹھ کے میں نے ریتا کا وداعی نظارہ کیا اور اس کا ہاتھ کھینچ کر اس کی ہتھیلی پر اپنے ہونٹوں کا نشان ثبت کردیا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی ہتھیلی جلتی رہے گی۔ وہ حسرت سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ گاڑی چلی تو میرے دل کی حرکت معمول پر آنے لگی۔ گزشتہ چند گھنٹے شدید اعصابی دباؤ میں گزرے تھے۔ ایسی تھکن پرسوں رات پولیس کی مار سے بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے آنکھیں میچ کے سر ٹکا دیا۔ چھاؤنی کے گیٹ پر پہرے داروں نے تمام تر مستعدی سے مجھے سلام کیا۔ اس موقع پر مجھے ایک شعر یاد آ گیا۔ جس کا مفہوم کچھ ایسا تھا کہ آدمی ہی آدمی کو بادشاہ یا

گداگر بناتا ہے۔ آدمی آدمیوں کی پروا چھوڑ دیں تو ہر شخص بادشاہ ہو جائے۔

موٹرکار چھاؤنی کا سرسبز پہاڑی علاقہ چھوڑتی ہوئی آبادی میں داخل ہوگئی۔ میں اسی کار میں' پرکاش بھون میں داخل ہوسکتا تھا مگر میرے لیے پروفیسر زاہدی کے روپ میں وہاں کار سے اترنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی بھی اس نووارد کو دیکھ کے حیرت کا اظہار کرسکتا تھا۔ مجھے بعض لوگوں نے اتنی بار دیکھا تھا کہ داڑھی سوٹ اور چشمے کے پیچھے موہن داس کا آسانی سے سراغ لگایا جاسکتا تھا۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ پرکاش بھون میں اس وقت خاصی چہل پہل ہوگی۔ بھون کی چاردیواری سے باہر پولیس کے دستے اب بھی تعینات ہوں گے۔ میں نے واپسی کے متعلق تو سوچا بھی نہیں تھا۔ گاڑی جب راجے پور کے فیشن ایبل بازار میں داخل ہوئی تو میں نے ڈرائیور کو ٹھیرنے کا اشارہ کیا۔ گاڑی ایک شان دار اسٹورز کے سامنے رک گئی۔ یہاں سے پرکاش بھون کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ''تم واپس جا سکتے ہو۔'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ اس نے جھک کر مجھے تین بار سلام کیا۔ مجھے اس سلام کا مقصد معلوم تھا۔ چلتے وقت دنیش نے میری جیب میں بہت سے روپے بھی ٹونس دیے تھے۔ میں نے اسے دس کا نوٹ تھما دیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

میں گاڑی سے اتر کے تھوڑی دیر ادھر ادھر چلتا رہا۔ بہت سے لوگوں کی نظریں مجھ پر ٹک گئیں کہ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں یہ سرخ و سپید شخص کس دیس کا ہے؟ اس کی عجب شان ہے۔ چال میں ایک ٹھیراؤ ہے۔ متانت ہے' انداز میں بانکپن ہے۔ میں سوچتا رہا کہ کس گوشے میں اپنا یہ لباس اتاروں؟ کون سی آڑ میں یہ داڑھی صاف کروں؟ میں بازار میں سب کی نظروں کا ہدف بنا ہوا تھا۔ اسی لمحے اچانک سیٹیاں بجیں' سب کی نظریں اس طرف مرکوز ہوگئیں جس طرف سے سیٹیوں کی آواز آرہی تھی۔ میں بھی وہاں تماشا دیکھنے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ آگے دو موٹر سائیکل سوار تھے۔ اس کے پیچھے ایک جیپ تھی۔ جیپ کے پیچھے ایک لمبی چوڑی چمکتی ہوئی موٹر گاڑی تھی۔ وہ سواری آناً فاناً زن سے گزری۔ میں نے دیکھا کہ کار کے اندر راج کماری کنول بیٹھی ہوئی تھی۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری اور اس کی نگاہیں ٹکرائی تھیں یا نہیں مگر اس کی آنکھوں میں ایک بجلی ضرور چمکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔ میرے لبوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن اچانک اس کی گاڑی کچھ دور جا کے ایک جھٹکے سے ٹھیر گئی۔ مجمع میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک دم تیز تیز سیٹیاں بجیں۔ میں نے

یکھا کہ راج کماری کی گاڑی کے پیچھے والے حفاظتی دستے کی گاڑی ایک طرف ہوگئی راج کماری کی گاڑی تیز رفتاری سے واپس آنے لگی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ راج کماری یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا۔ اب میرے لیے اپنی جگہ کھڑے رہنا مہلک تھا۔ میں چپکے پیچھے ہٹ گیا۔ بھاگنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ سڑک پر کھڑے ہوئے مختصر ہجوم کی آڑ کے میں پیچھے رینگ گیا۔ پتہ نہیں پھر کیا ہوا؟ میں تیزی سے ایک بڑی دکان کے والی تنگ سی گلی میں داخل ہوگیا۔ وہاں مجھے دکانداروں کے لیے بنے ہوئے ے ٹوائلٹ نظر آئے۔ یہ جگہ سنسان تھی۔ اس لیے مجھے پسند آئی۔ میں کچھ دیر اس حصے میں ٹھہرا رہا۔ پھر گلی عبور کرکے دکانوں کے پچھواڑے آ گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ہمورت علاقہ تھا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے مکانات تھے۔ دور سے پھر سیٹیاں بجنے کی ازیں آ گئیں۔ میری جان میں جان آئی۔ شاہی سواری روانہ ہو چکی تھی۔ میں دوبارہ ار پہنچ کے ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ پوسٹ آفس سے میں نے پرکاش بھون کا ن ملایا۔ مشکل یہ تھی کہ فون والے شیروانی میں ملبوس مسلمان پوسٹ ماسٹر کی نظریں ری شخصیت میں کھوئی ہوئی تھیں۔ جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ جیسے ہی پرکاش بھون کا ر ملا' میں نے آپریٹر سے کہہ کے نمبر دس مانگا۔ فون پارو ہی نے اٹھایا۔ میں اس کی از پہچان گیا۔ ''میں پروفیسر بول رہا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''پروفیسر؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''پروفیسر زاہدی!''

''ہاں...... میں نے مختصراً کہا۔ ''بھئی میں راستہ بھول گیا ہوں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ مجھے چوک سے لے لیں۔''

''تم کہاں ہو؟'' اس نے ایک غیر ضروری سوال کیا۔

''یہیں دکانوں اور خریداروں کے سورگ میں۔''

''اوہ...... میں آتی ہوں' کوئی بیس منٹ میں۔''

میں نے فون بند کردیا اور پوسٹ ماسٹر کے ہاتھ میں نوٹ تھما دیا۔ اس نے انکار کیا۔ میں نوٹ میز پر چھوڑ کے چلنے لگا۔ ''ٹھیریئے۔'' اس نے ادب سے کہا۔ ''قبلہ کیا میں آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں؟ معلوم ہوتا ہے آپ اس شہر میں نئے آئے ہیں۔''

''شکریہ۔ راجے پور کے لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ ابھی میں یہیں ہوں' کسی دن ضرور یہاں آ کے آپ کو تنگ کروں گا۔''

''بسر و چشم' بخدا آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔ کہاں قیام ہے عالی جناب کا؟'' اس نے نفاست سے پوچھا۔

''کوئی ایک جگہ ہو تو بتاؤں۔ معاف کیجئے۔ مجھے کچھ عجلت ہے۔ ان شاء اللہ پھر یہاں آؤں گا۔'' میں اس مسلمان سے پیچھا چھڑا کے جلدی سے باہر نکل آیا۔ مکانات کے علاقے سے گھوم کے میں اسی تنگ گلی میں داخل ہوگیا۔ مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ میں سیدھا ایک خالی ٹوائلٹ میں گھس گیا۔ داڑھی' مونچھیں' چشمہ اور سوٹ۔ سب کچھ اتار کے میں نے تھیلے میں ڈال لیا۔ صرف قمیص رہ گئی۔ قمیص کے نیچے میں نے دھوتی پہن لی۔ باہر کوئی شخص موجود تھا۔ میں رکا رہا۔ جب سناٹا ہوگیا تو میں باہر آیا اور مکانات کا علاقہ عبور کر کے بازار کے آخری کنارے پہنچ کے کھڑا ہوگیا۔ دھوتی کے اوپر قمیص' ہاتھ میں تھیلا' بال بکھرے ہوئے' دیہات کا کوئی گبرو جوان۔ پارو نے آتے آتے آدھا گھنٹہ لگا دیا۔ میں پرکاش بھون جانے والی سڑک پر کچھ اور آگے بڑھ آیا تھا۔

راجے پور میں پرشوتم کو جہنم رسید کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کے گرگے بھی خاموش ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شخص ادھر سے گزر سکتا تھا۔ اس لیے میں بہت محتاط تھا۔ پھر جیسے ہی پارو کی گاڑی نظر آئی' میں نے اشارہ دیا۔ اس نے گاڑی میرے قریب روک لی۔ ہم نے احتیاطاً دو چار جملے ادا کیے جیسے ہماری ملاقات اچانک ہوگئی ہو۔ پارو نے مجھے پچھلی نشست پر بٹھا دیا اور گاڑی واپس کرنے کے بجائے آگے لے گئی اور اسے ایک دوسری سڑک پر ڈال دیا۔ پھر ایک لمبا سا چکر کاٹ کے وہ دوبارہ پرکاش بھون کے راستے پر آئی۔ ''کہاں سے آ رہے ہو؟ اس تھیلے میں کیا ہے؟'' اس نے گردن موڑے بغیر پوچھا۔

میں خاموش رہا۔ ''کہاں سے آ سکتا ہوں۔'' میں نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''میں نے تمہارے متعلق پوچھا تھا۔ تم صبح سے نظر نہیں آئے تھے نا۔ اب مجھے تمہارے بارے میں ہر وقت تشویش رہنے لگی ہے' بھگوان نہ کرے' کوئی خطرناک بات تو نہیں ہے؟''

''نہیں۔ آج رات بھر سکون رہا۔'' میں نے کرنل کا جملہ دہرایا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''میں قریب ہی ایک گاؤں میں گیا تھا۔ صبح تو جیسے تیسے نکل گیا تھا لیکن اب

اندر جانا مشکل تھا۔ پولیس لگی ہوئی ہے اس لیے تمہیں پریشان کیا۔''

''پریشان کیا؟'' وہ سر جھٹک کر بولی۔ ''کیا میں گاڑی کسی چٹان سے ٹکرا دوں؟ موہن! کیا اب بھی تم مجھ سے ایسی باتیں کرو گے۔''

میں بھول ہی گیا تھا کہ پارو سے مخاطب ہوں۔ اتنی باتوں میں واقعی آدمی ہر بات کہاں تک یاد رکھ سکتا ہے۔ یہ پارو تھی جس کے پاس رات میں موجود تھا۔ حسین ترین پارو' بہت ہی حسین پارو' رات اس نے مجھ سے بڑی دل کشی کی باتیں کی تھیں۔ میں اس وقت کرنل ہارڈنگ' ریتا' راج کماری کنول اور دنیش کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا اس لیے خیال ہی نہیں رہا۔ ''ٹکراؤ تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔'' مجھ سے کچھ اور جواب نہ بن پڑا۔

''اسی لیے تو میں پوچھ رہی ہوں کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ یہ کیا دھوتی وغیرہ اول جلول لباس پہنا ہے تم نے۔ اچھا خاصا حلیہ بگاڑ لیا۔ لاؤ یہ تھیلا مجھے دکھاؤ۔''

''اس میں تمہارے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''مجھے دو۔'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''میں اس میں تمہارے لیے ایک خوبصورت تحفہ لایا ہوں۔ تم سارا تجسس ختم کیے دے رہی ہو۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''جھوٹ' تم مجھے بہکاتے ہو مگر سمجھ لو میں بہت ضدی شخص ہوں موہن!'' پارو نے اسٹیرنگ پر جھکتے ہوئے کہا۔

''تم تو دل دہلا دیتی ہو پارو!''

''موہن!'' اس کے لہجے سے شیرینی ٹپک رہی تھی۔ ''تم تیز دوڑ رہے ہو' چوٹ کھاؤ گے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ ایک ریاست ہے۔''

''چوٹ تو میں نے تم سے کھالی ہے پارو! سچ مچ' جب تم میرے قریب ہوتی ہو تو مجھے یقین نہیں آتا کہ تمہی ہو۔''

''مجھے خود اپنے آپ پر یقین نہیں آتا' جب رات تم چلے گئے تو مجھے نیند نہیں آئی' جاگتی ہی رہی۔''

''کیا سوچتی رہیں؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

''اب تو میں ایک ہی بات سوچتی رہتی ہوں۔'' وہ ٹھنڈی سانسیں لیتے ہوئے بولی۔ میں نے اسے ٹوکا کہ گاڑی قابو میں کرو' شاید اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ذرا سی کسر رہ گئی تھی' ورنہ گاڑی نیم کے درخت سے ٹکرا جاتی۔ پرکاش بھون قریب آ چکا تھا۔ سپاہی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کسی کو ہماری گاڑی روکنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ دربانوں نے مجھے پارو کے ساتھ دیکھا تو ان کے چہروں کے زاویے ایک ثانیے کے لیے بدلے۔ پارو نے دنیش چندر کے محل کے سامنے ہی گاڑی روکی اور مجھ سے راز دارانہ لہجے میں بولی۔ رات کو میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"اور کیا کروگی؟"

"ہشت" وہ خفگی سے بولی۔"میں تمہیں شوٹ کردوں گی۔"

"تمہارے ہاتھ سے مرنے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

مجھے چھوڑ کے وہ گاڑی دوڑاتی ہوئی واپس ہوگئی۔ وہ ایک پھرکنی تھی' ایک بجلی تیز' چونچال' بسمل کی طرح تڑپتی تھی' بلور کی طرح چمکتی تھی' وہ کوئی شعاع تھی' جب بھی میں اس کی زد پہ آتا تھا' وہ مجھے جلا دیتی تھی۔ پارو کو معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں گیا تھا بھون میں کچھ سکون نظر آتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے میں رک گیا۔ اس حلیے اور تھیلے کے ساتھ دنیش چندر کے پاس جانے میں کوئی قباحت نہیں تھی' بشرطیکہ اندر صرف دنیش چندر ہو۔ وہاں اور لوگ بھی ہو سکتے تھے۔ کوارٹر جاتا تو ڈالی تھیلا کھکھوڑ کے رکھ دیتی اور طرح طرح کی کریدیں کرتی۔ یہ تھیلا بھی کسی ایسی ویسی جگہ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ مجبوراً مجھے کوارٹر ہی کی طرف مڑنا پڑا۔ ڈالی گھر نہیں تھی' میں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے' کھدر کا کرتا پاجامہ اپنے جسم پر ڈالا اور تھیلا پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ پستول سے کرتے کی جیب بھاری ہوگئی تھی۔ داڑھی اور مونچھیں بھی میں نے تھیلے سے نکال کر جیب میں ڈال لی تھیں۔ اب اگر ڈالی تھیلے کا سراغ لگا بھی لیتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اب اس میں سوٹ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کرنل ہارڈنگ کا تمغہ یعنی اس کا کالر میں نے حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اسے دوبارہ دیکھ کے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ سر کے خطاب کی سند ہو۔ باہر آ کے پتہ چلا کہ پولیس نے کچھ اور ملازموں کو چھوڑ دیا ہے اور ان کی حالت بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ جی چاہا کہ ان ملازموں کے گھر جا کے سب کی خیرخبر دریافت کروں' مگر ادھر دنیش چندر بے چینی سے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔

اسے سنانے کے لیے میرے پاس بہت سی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ میری بخیروعافیت واپس آنے پر کیسا حیرت زدہ ہوگا۔ روز ایک نئی بات وجود میں آ رہی

میں دس آدمیوں کے نرغے سے بچ کر صحیح و سلامت واپس آ گیا تھا' حیرت انگیز طور پر پیا رانی' کنور پردیپ اور پرشوتم کا قتل ہو گیا تھا اور پولیس نے مجھے عزت کے ساتھ واپس کردیا تھا۔ دنیش کی بہن شاردا مجھ سے وابستہ تھی۔ روز ایک انکشاف' اب میں انگریز کمانڈر کرنل ہارڈنگ سے مل کے آ رہا تھا۔ دنیش چندر سے اب بھی بہت سی باتیں چھپی ہوئی تھیں۔ میری ذات کے مختلف پہلو بتدریج اس کے سامنے آ رہے تھے اور مجھے اندازہ تھا کہ جو پہلو اس سے پوشیدہ ہیں' ان کے بارے میں وہ کیا کیا قیاس آرائیاں کرتا ہوگا۔ حالات اگر دوسرے ہوتے اور صرف یہ ہوتا کہ میں ایک معزز گھرانے کا ستم رسیدہ نوجوان ہوں' جس نے خاصی معقول تعلیم حاصل کی ہے تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میں اپنے اس مہربان دوست کو کیسے بتاتا کہ میرا نام موہن داس نہیں ہے اور میرے اعمال نامے میں کلکتے کے دو افراد کا خون لکھا ہوا ہے۔ بات بہت بری تھی کہ ایک دوست جو میرے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرتا تھا' وہ مجھ سے بہ کمال و تمام ناواقف ہے اور میں اس سے کچھ چھپا رہا ہوں' کچھ کیا' بہت کچھ چھپا رہا ہوں۔

میں نے جھجکتے ہوئے دروازہ سرکایا۔ سامنے کے صوفے پر دنیش چندر بیٹھا ہوا تھا' مجھے دیکھتے ہی وہ بے قرار ہو گیا۔ اس کے پاس ہی سیاہ ساڑھی میں ملبوس پریت بیٹھی تھی۔ پھل جھڑی۔ سیاہ پیکٹ میں بند تھی۔ اس وقت وہ مجھے بہت اچھی لگی۔ سیاہی میں اس کے چہرے کا رنگ کچھ اور نکھر گیا تھا۔ اس کے نزدیک ہی شکنتلا بیٹھی تھی' بھون کا وہ پھول جو پوری طرح کھلا ہوا تھا' پھر بہت سی لڑکیاں' چنبیلی' موتیا' رات کی رانی کے پھول صوفوں پر کھلے ہوئے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ آج پینارانی کا تیجا ہے' اس لیے بھون کے بہت سے لوگ یہاں اداس بیٹھے ہیں۔ ایک رسمی اداسی' یہ بھی خوب چیز ہوتی ہے۔ نئے دور کی غالباً سب سے نمایاں چیز یہی رسمی اداسی اور رسمی خوشی ہے۔ جیسے جیسے نئی تہذیب آگے بڑھ رہی ہے' لوگوں کو خوشی اور غم کے اظہار کا سلیقہ آتا جا رہا ہے' جب ان سوگواروں کی نظر مجھ پر پڑی تو سب ایک ساتھ چونکے۔ یہ مظاہرہ میرے لیے خاصی تشویش کا سبب تھا۔ اس سے بھی میری اور دنیش چندر کی حد سے بڑھی ہوئی قربت سبھی کے لیے ایک قابل ذکر بات تھی۔ میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا' صرف پریت کو دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں میری آمد کے بعد شرارے رقص کرنے لگے تھے۔ یہ چنگاریاں میرے جسم میں چبھنے لگیں۔ یہاں نوخیز سندھیا بھی بیٹھی تھی۔ وہ پہلے تو خیرہ

ہوئی' پھر ماند پڑ گئی' اس کے بعد منہ بنانے لگی۔ میں سر جھکا کے مودب کھڑا ہو گیا۔ دنیش چندر کا بس چلتا تو وہ ملاقاتی کمرے میں بیٹھا ہوا سارا ہجوم بم سے اڑا دیتا۔ مجھے اس کی بے تابی میں بہت مزا آیا۔ اس کی پیشانی اور نظریں سوال کر رہی تھیں۔ پھر ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ دنیش کے سامنے چھوٹی میز پر فون رکھا تھا۔ میں چپکے سے خواب گاہ میں تیر گیا اور وہاں سے میں نے ملاقاتی کمرے کا نمبر ڈائل کیا۔ بدقسمتی سے فون پریت نے اٹھایا۔ ''ہیلو!'' اس نے مغموم آواز میں کہا۔ جی میں آیا میں اس سے اس کی آنجہانی والدہ بینا رانی کی تعزیت کردوں۔ ذرا مزاج ہی پوچھ لوں کہ اب طبیعت کا نصیب دشمناں کیا حال ہے مگر ڈر تھا کہ وہ آواز نہ پہچان لے۔ میں نے انگریزی میں اور انگریزوں کے لہجے میں کہا۔ ''پرنس دنیش پلیز۔''

''ہو از اسپیکنگ؟'' اس نے شستگی سے پوچھا۔

''نکی فرام کینٹ۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔

پریت نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کے دنیش سے کچھ کہا۔ پھر جیسے ہی ریسیور دنیش کے ہاتھ میں آیا' اس نے بڑی توجہ سے ہیلو کہا۔ میں آہستگی سے بولا۔ ''جو کچھ میں کہوں' اس کا جواب نہ دیجئے۔ بس ہوں ہاں کرتے رہیے۔ میں خواب گاہ سے موہن بول رہا ہوں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی بے قراری کا اندازہ کرلیا تھا' اس لیے آپ کو مطمئن کرنا مناسب سمجھا۔ دنیش کچھ کہنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا۔ بہت دلچسپ گفتگو رہی۔ برابر میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں اس لیے آپ جواب میں دو چار انگریزی کے جملے بول دیجئے۔'' دنیش نے فوراً کہا۔ ''وھین ڈڈ یو کم نکی؟ اٹس ونڈرفل' آئی ڈونٹ بیلیو یو آر ہیر' ہیر ان راجے پور۔'' (نکی تم کب آئے؟ یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے' مجھے یقین نہیں آتا کہ تم یہاں ہو' یہاں راجے پور میں۔)

میں نے جواب دیا۔ ''بس ایسے ہی دوچار جملے اور۔'' وہ نکی کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ میں اپنی زبان میں کچھ اور جواب دیتا رہا۔ اس مختصر ترین بات چیت کے بعد میں نے ریسیور رکھ دیا اور خواب گاہ میں منتشر ہو گیا۔

ابھی تک مہاراجہ' راج کماری کنول' کرنل ہارڈنگ اور ریتا' بینا رانی کی تعزیت کے لیے بھون میں نہیں آئے تھے۔ آج ان کی آمد متوقع تھی۔ میں الجھن میں گرفتار تھا کہ کرنل ہارڈنگ آئے گا تو دنیش اس کے سامنے پروفیسر زاہدی کی عدم موجودگی کا کیا

عذر پیش کرے گا؟ اگر وہ یہاں مجھے پروفیسر زاہدی کے روپ میں کرنل کے سامنے پیش کرتا ہے تو بھون کے بہت سے لوگوں کو کس طرح یہ باور کرائے گا کہ میں موہن داس نہیں ہوں۔ آج راج کماری کنول نے بھی مجھے بازار میں دیکھ لیا ہے' اس کی گاڑی روکنا اور مجھے تلاش کرنا غیر معمول نوعیت کا واقعہ ہے۔ وہ یقیناً فون کرے گی یا خود آئے گی۔ یہ ایک پیچیدہ صورت حال تھی۔

ایک بار دنیش چندر میری عدم موجودگی کا عذر پیش کر دے گا۔ دوسری بار بھی مگر تیسری بار کیا کہے گا حالانکہ وہ سب پروفیسر زاہدی کی شخصیت کے بارے میں پہلے ہی مشکوک ہو چکے ہیں۔ میں بھون میں اپنا روپ بدل کے پروفیسر زاہدی کے قالب میں نہیں آ سکتا تھا اور دنیش' راج کماری کنول' مہاراجہ' کرنل ہارڈنگ اور ریتا کے سامنے یہ اعلان کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کے ساتھ موہن داس کو زاہدی بنا کے ایک دلچسپ مذاق کیا ہے۔ موہن داس ایک ملازم تھا۔ بھون کے لوگ اسے عجیب و غریب خطابات سے نوازتے تھے۔ وہ کتا' گدھا اور پالتو جانور تھا۔ چند لوگوں کے سوا سبھی اسے ملازم سمجھتے تھے۔ ایک حقیر اور نیچ ملازم' ایک کم ذات شخص۔ تمام بھون کو ٹھینگا دکھا کے' منہ چڑا کے' دنیش میرے عہدے اور مرتبے میں فوراً اضافہ کرنے کا دھماکا بھی نہیں کرسکتا تھا اور میں بار بار کبھی پروفیسر' کبھی موہن داس کے روپ میں منقسم بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

شاید میں نے کرنل ہارڈنگ کے ہاں جا کے غلطی کی تھی۔ میں نے اس ملاقات کے بعد کے نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔ نتائج پر تو ضرور غور کیا تھا۔ میں کرنل کے ہاں جانا اسی قدر ضروری سمجھتا تھا جتنا اپنے آپ کو چھپانا' کبھی نہ کبھی یہ روپ بھر کے مجھے اس کے پاس جانا ہی تھا کیونکہ میں کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں' ان حالات کا تقاضا یہی تھا کہ یہ خطرہ ضرور مول لوں۔ راجے پور میں دنیش کے مخالفوں کے گروہ نے سانس لینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ ایسے وقت جب کنور پردیپ رکھ سدھار گیا تھا' ہاتھی پرشوتم زیر کیا جا چکا تھا' پریت کا زہر نکال لیا گیا تھا اور جگدیپ زخمی پڑا تھا' کرنل سے رابطہ قائم کرنا ضروری تھا۔ حالات موافق تھے' پروفیسر زاہدی کی یاد تازہ تازہ تھی۔ راجے پور کے حالات مخدوش تھے۔ کرنل کے سامنے بساط جمی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ کے بازیوں کا اچھی طرح جائزہ لے سکتا تھا۔

اور ان سب سے زیادہ' میرا خیال ہے' کرنل کے ہاں میرے جانے کے کئی

محرکوں کے علاوہ ایک محرک اور بھی تھا۔ وہ تھا پولیس اور اس کا رویہ۔ گو میں ان صاحبان عقل و ہوش پر معقول تاثر قائم کرکے آیا تھا' تاہم میرے شعور کی گہرائیوں میں بہت سے اندیشے' خوف' غصے اور رنج اُگ آئے تھے۔ تعلقات' سفارش' رابطے' طاقت کا سبب ہوتے ہیں۔ مروت بھی ایک بڑی ڈھال ہوتی ہے۔ اس اقدام میں اسی قدر عجلت کی گئی تھی کہ اس کے بعد پیش آنے والی صورت حال کے بارے میں سوچا نہیں گیا تھا مگر سوچا جاتا تو میرے قدم کبھی چھاؤنی کی سمت نہ اٹھتے۔

ممکن ہے' کرنل ہارڈنگ ابھی آجائے اور آتے ہی پروفیسر سے ملنے کا آرزو مند ہو اور دنیش جواب دے کہ اتفاق سے پروفیسر کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ پھر میں اس کے سامنے موہن داس کے روپ میں آؤں تو اس کا رویہ کیا ہوگا؟ میں سامنے ہی کیوں آؤں گا۔ ضروری نہیں کہ ایک ملازم ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر موجود رہے اور کرنل ہارڈنگ جیسا زیرک معاملے کی نزاکت سمجھنے کے باوجود پروفیسر سے ملنے کے لیے اصرار کیوں کرے گا کیونکہ پروفیسر تو ایک ضمنی چیز ہے۔ وہ دنیش چندر کو شرمندہ کرنے کے بجائے درگزری کا رویہ اختیار کرے گا۔ وہ خود پروفیسر کا ذکر بھی نہیں کرے گا اور اس نے اپنی بیٹی کو بھی ہدایت کردی ہوگی کہ وہ پروفیسر کے سلسلے میں زیادہ شدت شوق کا اظہار نہ کرے۔ ساتھ ہی اس نے بھون میں بکے ہوئے اپنے ملازموں کو اکسایا ہوگا کہ وہ موہن داس پر یا داڑھی والے ایک پروفیسر زاہدی پر گہری نظر رکھیں۔ میں اس کے لیے بے ضرر شخص ہوں یا مضرت رساں؟ اس کا فیصلہ بھی وہ اپنے جاسوسوں کی مخبری کے بعد کرے گا۔ میں کون ہوں۔ چھاؤنی میں اچانک وارد ہونے سے میرا مقصد کیا تھا؟ موہن داس سے میری شباہت حیرت انگیز طور پر کیوں ملتی ہے؟ پروفیسر زاہدی کو بھون کے کسی اور شخص نے کیوں نہیں دیکھا؟ موہن داس کے خلاف بھون کے کسی شخص نے پولیس کو بیان کیوں دیا؟ اس کی نظر میں بہت سے پہلو ہوں گے۔ انگریزوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی کہ ہندوستانی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہ تو ان کے لیے ایک خوش آیند بات ہے۔ انہیں تو اس شخص کی تلاش ہوگی جو ان کے لیے نامناسب ہو۔ میں نے عزم کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو میں سب کے سامنے آؤں گا۔ وہ دانستہ میرے چہرے سے نقاب اٹھانے سے گریز کریں گے۔ انہیں اگر پروفیسر کی جگہ موہن داس کی صورت نظر آئے گی تو وہ پروفیسر کی طرح اس کی عزت کریں گے کیونکہ وہ اس کی ہشت پہلو شخصیت سے پوری طرح آشنا ہو چکے ہیں۔ ہاں انہیں

یہ تجسس ضرور ہوگا کہ موہن داس پروفیسر زاہدی کیوں بنا اور پروفیسر زاہدی' موہن داس کے روپ میں دنیش کے خاص ملازم کے فرائض کیوں انجام دے رہا ہے۔ ان میں سے کوئی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اصل نتیجے پر پہنچنے سے پہلے موہن داس اور زاہدی کی شخصیت باہم متصادم کرنے اور دنیش کو مکدر کرنے کی کوشش کرے۔ شاید اس وقت تک میں خود صورت حال قابو میں کرلوں۔ میں نے بہت سوچا' خواب گاہ خالی پڑی تھی' مجھے دنیش نے آواز بھی نہیں دی' سوچنے کے سوا میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ اصل کام دنیش کو مطمئن کرنا تھا اور میں نے بیٹھے بیٹھے بہت سی تاویلیں تلاش کرلی تھیں۔ میری زندگی کا ہر لمحہ الارم تھا۔ ہر طرف گھنٹیاں بجتی رہتی تھیں۔ ادھر دیکھ کے چلو' ادھر محتاط رہو۔ ٹریفک کے بھی اتنے سگنل' اتنے نشانات نہ ہوں گے' جتنے میرے تھے کیونکہ میرا ٹریفک کبھی چٹیل میدانوں' گنجان آبادیوں اور تنگ گلیوں میں چلتا تھا کبھی دشوار گزار پہاڑیوں پر۔

خواب گاہ سے نکل کے میں ملاقاتی کمرے میں آیا تو ہجوم پہلے کی نسبت اور بڑھ گیا تھا۔ میں اس کمرے میں داخل ہوگیا جو عموماً خالی رہتا تھا اور خصوصی نشستوں کے لیے محفوظ تھا۔ یہ بھون کے سربراہ کی عیاشی کا کمرہ تھا۔ یہیں ترنم نے میرے ساتھ ایک رات گزاری تھی۔ یہیں دنیش نے شاردا کو میرے سینے کے بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تھا۔ یہیں گزشتہ رات سے پہلے والی رات شاردا نے میری کمر کے نیلوں کی سینکائی کی تھی۔ جسم اب بھی دکھ رہا تھا۔ دنیش چندر نے مجھے یہاں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میں وہیں لیٹ گیا اور شاید یہ ذہنی آسودگی کی دلیل تھی کہ مجھے نیند آگئی۔

شام کو کسی نے ہلکی آوازیں دے کر مجھے اٹھایا۔ "موہن! موہن!" میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ دنیش چندر سامنے موجود تھا۔ کسی نے سوتے میں جیسے سوئی چبھو دی۔ میں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ پھر میں کھڑا ہونا چاہتا تھا کہ دنیش نے مجھے ہاتھ پکڑ کے بٹھا دیا۔ "اب فرصت ملی ہے۔" وہ جھنجھلاہٹ میں کہنے لگا۔ "تمہارا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں دنیش بابو!" میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"مہمانوں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چھوڑا۔ اب وہ سب لوگ جگدیپ کے ہاں گئے ہیں' میں نے فون پر جگدیپ سے معذرت کر لی ہے۔ وہاں بھی تو تیجا ہے۔" وہ روانی سے بول رہا تھا۔ "تم سناؤ' ریتا سے ملاقات کیسی رہی؟"

"ریتا آپ کو بہت پوچھ رہی تھی۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

''جی ہاں۔'' وہ میرے دھپ مارتے ہوئے بولا۔ ''کیا میدان سر کرلیا؟''
''اب ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ آقا کی لڑکی ہے۔''
''اس کی تسخیر تو نیکی میں شمار ہوگی۔'' دنیش نے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔
''اور کرنل ہارڈنگ کی تسخیر؟'' میں نے اس کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔
''انگلستان کی تسخیر۔ ظاہر ہے۔'' وہ ہنس کر بولا۔
''بہت چالاک شخص ہے' وہ ایک سمندر ہے' بحرالکاہل بہرحال آپ تو ایک ایک لفظ سننا پسند کریں گے۔ کیا خیال ہے' چائے کے بعد سنائیں۔''
''اب بس کرو۔ چائے بعد میں پی لینا' تمام بھوک پیاس تمہیں اسی وقت یاد آئے گی' تم تو لڑکی کی طرح ستا رہے ہو۔''
''ہاں' وہ بھی تو نظر آئی تھیں۔ ہر ایکسی لینسی راج کماری!''
''کون کنول؟ کیا وہ بھی وہاں موجود تھی۔''
''پہلے پوری کہانی سن لیجئے۔'' میں نے اس سے لطف لیتے ہوئے کہا۔ وہ جزبز ہو کے خاموش ہوگیا۔ میں نے چھاؤنی تک پہنچنے کا غیر ضروری واقعہ نہایت دلچسپی کے انداز میں اسے سنایا۔ وہ میری طول کلامی سے عاجز آنے لگا۔ پھر میں نے ریتا کے گیٹ پر ملنے اور اپنی گٹ پٹ کا احوال بیان کیا اور کرنل ہارڈنگ سے گفتگو کے وہ تمام حصے سنا دیے جو میں ضروری سمجھتا تھا۔ وہ پورے انہماک سے سنتا رہا اور وہی سوالات کرنے لگا جو میرے ذہن میں ابھر رہے تھے اور جن کے جواب میں نے خود کو دیے تھے۔ میں نے وہی جوابات دہرا دیئے۔ وہ مطمئن نہیں ہوا تو میں نے اسے دلیلوں سے سمجھانا چاہا اور جوش میں آ کے اسے وہ کارڈ بھی دکھانے کا ارادہ کر لیا جو کرنل نے مجھے دیا تھا۔ خوش قسمتی سے کارڈ کے بجائے مونچھیں اور داڑھی میرے ہاتھ میں آ گئیں۔ میں کارڈ کا واقعہ گول کر گیا اور میں نے موضوع بدل کے واپسی کے سفر کا حال سنایا۔ راج کماری کنول کا کار روکنا اور میرا فرار ہونا۔ پھر پارو کو فون پر بلانا اور بھون واپس آنا۔

''تم نے کمال کردیا' اب ایک کام اور کرو۔'' وہ تیزی سے بولا۔
''حکم دیجئے۔'' میں نے اپنے ہاتھ مروڑتے ہوئے کہا۔
''دیکھو موہن! کوئی معمولی شخص چھاؤنی میں اس طرح جانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کرنل سے تمہاری صرف ایک ملاقات ہوئی تھی۔ یہ کام وہی غیر معمولی شخص کر

سکتا ہے جسے خود پر حد سے زیادہ اعتماد ہو اور اعتماد بے سبب نہیں ہوتا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں' منت کرتا ہوں کہ مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو۔ میں تمہاری عدم موجودگی میں یہاں پڑا پڑا کھولتا رہتا ہوں۔ کم از کم اس سے تو نجات مل جائے گی۔ مجھے یہ یقین ہو گا کہ میرا دوست' میرا یار معاملات سے نمٹنے کی پوری استطاعت رکھتا ہے۔ اگر تمہیں مجھ پر مکمل یقین ہے تو تمہارا اپنے بارے میں مجھ سے کچھ چھپانا نہ صرف ایک افسوس ناک بات ہے بلکہ مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی تم مجھ سے دور ہو۔''

''اوہ' اوہ دنیش بابو!'' میں نے اس کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ ''میں اپنا ماضی دفن کرچکا ہوں' اسے مت اکھاڑیے۔ سمجھ لیجئے کہ میں بہت برا آدمی تھا' بہت کمینہ' بہت ذلیل' نیچ' میں کوڑے کے ڈھیر پر پڑا رہا تھا اور غلاظت میں رینگتا رہتا تھا۔''

''چھوڑو۔ یہ ذکر ہی تمہارے لیے تکلیف کا سبب ہے۔'' اس نے ندامت سے کہا۔ ''میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''
''میں یہ بات جانتا ہوں۔'' میں نے کرب سے کہا۔ ''آپ کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے اپنی کم قامتی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ بہت اونچے آدمی ہیں۔''
''میرا قد تم سے چند انچ کم ہی ہوگا۔''
''آپ کا قد بہت بڑا ہے' آپ اندر سے بہت قد آور آدمی ہیں۔''
''بس کرو۔ کیا تم اپنی تعریف کروانے کے موڈ میں ہو موہن؟'' وہ سرشاری سے بولا۔ ''تم اب میرے سامنے نہیں ہوتے تو میرا دل دھڑکتا رہتا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا' اس لیے بہت ڈرتا ہوں۔''
''اور اسی لیے میں باہر رہتا ہوں کہ یہ دوچار لفنگے باقی رہ گئے ہیں' جب تک نہیں ختم نہیں کیا جائے گا' سکون نہیں ملے گا۔''
''ادھر سے تو مکمل خاموشی ہے۔'' اس کا اشارہ جگدیپ کی طرف تھا۔
''مگر یہ خاموشی دائمی تو نہیں۔''
''پھر بھی کچھ دنوں تک تو سکون رہے گا۔ کم از کم اب ذرا سوچ سمجھ کے تو قدم اٹھایا جائے گا۔''
''سوچ سمجھ ہوتی تو پہلے یہ پاگل پن کیوں کرتے؟''

"پربیت بھی کچھ ٹوٹ سی گئی ہے۔ بھون کے بہت سے لوگ سہمے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ کا شبہ تم پر ہے اور تم پر ہے تو بالواسطہ مجھ پر ہے۔ چلو ٹھیک ہے' یہی سہی۔"

"میں اسے مہلت سمجھتا ہوں اور ان چھٹیوں کے دنوں میں بھی کام کرتے رہنا چاہتا ہوں۔ ہمیں نہایت سنگین امکانات ملحوظ رکھنے چاہئیں۔"

"ہاں' تمہارے ذہن میں جو کچھ ہے' مجھے اس کا اندازہ ہے۔"

"مجھے آپ کی ذہانت پر مکمل اعتماد ہے۔ ذہانت ایک مجرد شے ہوتی ہے۔ ایک ....." میں انگریزی میں کہتے کہتے رہ گیا۔

"کہو کہو۔" وہ مسکرا کے بولا۔ "زندہ رہو صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں' موہن داس جی۔" اس نے میرے کان پکڑ لیے۔ "آپ بہت خطرناک آدمی ہیں۔"

صرف شاردا ہی یہ جانتی تھی کہ ہم دونوں اور کہیں موجود نہیں ہیں تو یہاں چھپے بیٹھے ہوں گے۔ وہ چپکے سے آ گئی تھی اور جب دنیش نے میرے کان پکڑے تو وہ ہمارے سروں پر بولی۔ "اور زور سے۔"

"تم وقت بے وقت آ جاتی ہو اور اب پھر ہم سے اسے چھین کے لے جاؤ گی۔" دنیش نے جھنجلا کے کہا۔ "تم نہیں گئیں؟ جانتا ہوں' کیوں نہیں گئیں۔"

"اور تم کیوں نہیں گئے؟" شاردا شوخی سے بولی۔

ان دونوں کے درمیان میری حیثیت ایک بچے کی سی ہو گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں گلستانوں میں بیٹھا ہوں اور پانی کسی چھوٹے جھرنے سے نیچے گر رہا ہے' اور ہر طرف غنچے چٹک رہے ہیں اور نرم ہوا چل رہی ہے اور پھوار پڑ رہی ہے' مٹی سبزے اور پھولوں کی ملی جلی خوشبو چھائی ہوئی ہے' دل کوئی ٹھنڈا پہاڑ ہے' میرا جی چاہا' میں ان دونوں کو گلے لگا کے خوب پیار کروں' خوب آنسو بہاؤں' کوئی چیز اندر سے چھلکنا چاہتی تھی۔ شاردا نے سرمئی ساڑھی پہن رکھی تھی' میں دنیش سے نظریں بچا کے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹی پڑتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چھیڑتے رہے۔ دنیش کے اصرار پر شاردا چپکے سے کافی لے آئی اور ہم دروازہ بند کر کے چسکیاں لیتے رہے۔ یہ ایک دل کش نظارہ تھا۔ میرے ہاتھ پستول کی طرف بڑھے۔ خیال آیا کہ ان دونوں کو شوٹ کر کے اپنے سینے میں بھی گولی داغ دوں۔ ورنہ یہ منظر بدلنے

کے بعد زندگی بہت ستائے گی۔ فون کی گھنٹی نے خوابوں کی یہ جنت اجاڑ دی۔ سیکرٹری نے اطلاع دی تھی کہ آئی جی پولیس مہتا ملاقات کا منتظر ہے۔ دنیش نے بری طرح منہ بنایا۔ "وہ پھر آ گیا؟" اس نے کہا۔ "موہن! تم یہیں چھپے رہنا۔"

"کیوں؟ میں اس کے سامنے آنا چاہتا ہوں۔"

"دنیش ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" شاردا نے حکم دیا۔

"اگر میں اس سے نہ ملا تو وہ میری تلاش میں دوبارہ آئے گا۔"

"پھر بھی تم یہیں رہو۔" دنیش نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور شاردا کو اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

"وہ پھر کیوں آیا ہے؟" شاردا کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔

"ممکن ہے' کوئی اور بات ہو' تم اس قدر حواس باختہ کیوں ہو گئی ہو؟ کمال ہے' ہمت رکھو۔"

"مجھے یہ سب باتیں اچھی نہیں لگتیں' آخر یہ کیا مذاق ہے؟"

"اُفوہ۔" میں نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ "میں تمہیں ایک طاقتور' حوصلہ مند لڑکی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مگر یہاں طاقت اور حوصلے کا استعمال فضول ہے۔ مجھ سے زیادہ حوصلہ مند یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں غریبی کی زندگی کے دکھ جانتی ہوں اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح کمربستہ ہوں۔"

"آؤ' میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں۔" میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" وہ سہم کر بولی۔ "کیا تم باہر جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ آؤ' آؤ۔"

اس نے میرا کرتا پکڑ لیا۔ "ٹھیر جاؤ موہن!" وہ چیخ نہیں سکتی تھی۔ اس کی گھٹی ہوئی آواز نکلی۔ میں دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ سمجھی کہ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے مزاحمت ترک کر دی تھی۔ میں دروازہ کھول کے باہر آ گیا۔ وہ گم سم کھڑی رہ گئی۔ ملاقاتی کمرے میں آئی جی اور اس کے ساتھ تین پولیس افسر صوفوں پر بیٹھے تھے۔ میں نے اندر واپس بھاگنا چاہا' حماقت ہو گئی تھی' اگر دنیش نے پہلے ہی یہ کہہ دیا ہوگا کہ موہن داس یہاں نہیں ہے تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر میں گنگ رہ گیا۔ آئی جی کی نظر مجھ پر پڑ گئی تھی۔ پھر میں نے آگے بڑھ کر اسے

پرنام کرنا مناسب سمجھا اور اپنی آنکھوں کی روشنی تیز کی۔ جسم کے ہر عضو کا بٹن ارادہ خانے میں ہوتا ہے۔ یہ خانہ جتنا چوڑا اور مضبوط ہوگا' آدمی اتنا ہی توانا ہوگا۔ میری آمد پر وہ بطور خاص متوجہ ہوئے' جو گفتگو دنیش سے ہو رہی تھی' اس میں رخنہ پڑ گیا۔ "ا موہن داس!" آئی جی نے اچھل کر انگریزی میں کہا۔ "راج کمار! آپ کا یہ ملازم زبردست آدمی ہے۔"

"کیا جناب کو پھر میری ضرورت پڑ گئی؟" میں نے درمیان میں دخل دیا۔ یہ ایک ملازم کی گستاخی تھی مگر میں نے اسے روا رکھا۔

آئی جی کو یہ مداخلت ناگوار گزری۔

"موہن داس!" اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "ہم بھی تمہاری طرح ملازم ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان معمولی فرق ہے۔ تم راج کمار دنیش کی نگہبانی کرتے ہو اور ہم پوری ریاست کی۔ سمجھ رہے ہو؟"

"بہت بڑا فرق ہے۔ آپ بادشاہ لوگ ہیں جناب' آپ بہت بڑے لوگ ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں کوڑا رہتا ہے۔ ہنٹر رہتا ہے' آپ بے تاج بادشاہ ہیں۔"

دنیش نے شاید یہ محسوس کیا کہ میرے لہجے میں تلخی کچھ زیادہ ہے' وہ بگڑے ہوئے تیور سے بولا۔ "ہاں مہتا جی! ہمیں شکایت ہے کہ آپ کے آدمیوں نے موہن داس کو خواہ مخواہ پریشان کیا' موہن ایک وفادار اور نیک آدمی ہے۔"

"جی راج کمار!" آئی جی نے احترام سے کہا۔ "جناب والا' جو کچھ ہوا اوپر کے اشارے پر ہوا۔ بڑے سخت احکام تھے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں۔"

بات کچھ بگڑ جاتی مگر آئی جی نے فوراً دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ راجے پور میں دنیش کی حیثیت مہاراجہ کے بعد سب سے محترم تھی۔ یہی حیثیت جگدیپ کو حاصل تھی۔ ابھی آئی جی نے اپنے آنے کا مقصد واضح نہیں کیا تھا۔ وہ شاید اپنی خجالت یا دنیش کا تکدر دور کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس دنیا میں کامیابی کا ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ سب سے بنائے رکھو۔ دنیش بھی اسی اصول پر عمل پیرا تھا۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ "ہم بھون سے پولیس ہٹا رہے ہیں۔" آئی جی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ہم نے راجے پور کے بعض غنڈوں کو پکڑ لیا ہے' بھون کے نو آدمی بھی ابھی ہماری حراست میں ہیں۔ ہماری گزارش ہے راج کمار کہ آپ کسی بھی وقت' کسی بھی لمحے ضرورت ہونے پر ہمیں طلب کرسکتے ہیں۔"

"شکریہ۔" دنیش نے کہا۔ "بھون کے باہر صرف ایک دن پولیس رکھنے کا کیا مقصد تھا؟ یہ میں نہیں سمجھ سکا۔ راجے پور میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ معززین کے گھروں کے باہر پولیس کا پہرا لگا ہوا ہو۔"

آئی جی نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔ "مگر راج کمار! دیکھئے نا' اتنا فساد بھی تو کبھی نہیں ہوا۔ کبھی اتنی گولیاں نہیں چلیں' دور دور مشہور تھا کہ یہ ایک پرسکون ریاست ہے۔"

"ہمیں یہ بات محسوس ہوئی۔" دنیش نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"ہمیں بھی ندامت ہے راج کمار! کون ہے جو آپ کے خاندان کی شرافت' نیک نامی اور سخاوت کا قائل نہیں۔ یہ آپ کی حفاظت ہی کا ایک اقدام تھا۔ مہاراجہ تو آپ سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔"

"مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟" آئی جی کے خاموش ہوتے ہی میں نے کہا۔

"ضرور موہن داس! اگر تم کوئی مشورہ دینا چاہتے ہو تو ہم اسے ضرور سنیں گے۔" آئی جی نے نرمی سے کہا۔

"مشورہ نہیں جناب! ایک تجویز ہے۔ ایک درخواست ہے۔" میں نے شائستگی سے کہا۔ "میں اپنے آقا راج کمار دنیش چندر کی زبان سے بات کر رہا ہوں۔ میرے مالک کو پولیس کے فرائض کا پورا احساس ہے۔ ہم آپ سے ہر قسم کا تعاون کریں گے۔ آپ یہاں آئیں' تشریف لائیں' راج کمار ایک غریب پرور اور عوام دوست شخص ہیں۔ میری مثال سامنے ہے کہ میں ان کے سامنے یہ جرأت کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے' آپ کو کسی جاگیر میں ایسا شخص نہیں ملے گا۔ میں خوشامد نہیں کر رہا ہوں کیونکہ میں کسی سے نہیں ڈرتا' صرف بھگوان سے ڈرتا ہوں۔ ایک تو مہاراجہ کا حکم ہے جو آپ کے لیے اور ہم سب کے لیے مقدم ہے اور ایک انگریز کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل بھی ضروری ہے۔ لیکن ایک آپ کی اپنی رائے ہے۔ میں آپ سے کچھ نہیں کہتا' صرف انصاف کی درخواست کرتا ہوں۔ انصاف ضرور کیجئے۔ یہ ضرور دیکھئے کہ ظلم ہوا کس پر ہے اور ظلم کی بنا کس نے ڈالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کا سب سے بڑا فرض ہے۔ آپ کچھ نہیں کرسکتے مگر ایک بات ضرور کرسکتے ہیں کہ منصفانہ مشورے حکام تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہم کوئی رعایت نہیں چاہ رہے ہیں۔ یہ انصاف نہیں ہوگا تو یہاں کبھی امن نہیں ہوگا۔

گولیاں تو چلتی رہیں گی جناب! گولیاں' جوابی گولیاں۔"

شاردا بھی آ کے خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔ دنیش مبہوت ہو کے مجھے دیکھ رہا تھا۔ آئی جی کے ساتھ تین پولیس افسر تھے۔ وہ بھی موثر اور دل گداز گفتگو پر حیران تھے۔ جیسے ہی میں نے اپنا بیان ختم کیا' وہ چاروں ایک ساتھ بولے۔ "ضرور' ضرور۔ موہن داس! ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے علم میں آئے گا' ہم حکام بالا تک وہی پہنچائیں گے۔ ہماری ہمدردیاں انصاف اور قانون کے ساتھ ہیں۔"

"میں معذرت چاہتا ہوں' آپ حضرات کیا پیجئے گا؟ مجھے باتوں میں خیال ہی نہیں رہا۔ کھانا کھائیے گا؟ اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔" میں نے ادب سے کہا۔

میرے ساتھ دنیش نے بھی اصرار کیا مگر وہ گفتگو سے خاصے زیربار ہو گئے تھے' اس لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ دنیش نے انہیں پرجوش مصافحہ کرکے رخصت کیا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں انہیں ان کی گاڑی تک چھوڑنے جاتا' لیکن ازروئے اخلاق مناسب سمجھا کہ دور تک چھوڑ کے آؤں۔ راہ داری سے باہر آ کے آئی جی نے افسران کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ خلاف دستور اس سے آگے چلنے لگے۔ میں اور وہ پیچھے رہ گئے۔

"موہن داس!" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "سادھو دیو راج نے تمہارے بارے میں کچھ کہا تھا' وہ مجھے یاد ہے۔ سادھو مہاراج کی بات اٹل ہوتی ہے۔" میں نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا۔ "تمہیں بھی کچھ یاد ہے' تم نے پولیس سے وعدے کیے تھے۔"

"میں آپ سے پورا تعاون کروں گا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"کوئی خاص بات ہو تو تم میری کوٹھی میں آ سکتے ہو۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"میں ان دنوں خاصی الجھنوں میں ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہے' اپنا من صاف کیجیے۔" یہ جملہ یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ آئی جی اس کا کچھ اور مفہوم لے گا۔ اس کی نظروں میں حیرانی آ گئی۔ جیسے میں نے کوئی بہت راز کی بات کہہ دی ہو۔ یہ صورت دیکھ کر میں نے بات جاری رکھی۔ "وہ آنکھیں پیدا کیجیے جناب جو رنگ پہچان سکتی ہوں' تو دھکا کھا جائیے گا' گر جائیے گا۔"

اس نے سر ہلانا شروع کردیا۔ مہمان خانے کے سامنے کھڑی ہوئی پولیس گاڑی کا دروازہ پہلے ہی افسر صاحبان نے اس کے لیے کھول دیا تھا۔ کار میں بیٹھ کر

اس کی نظریں مجھ پر ٹکی رہیں۔ میں نے مسکرا کے ایک ہاتھ سے سلام کیا۔ اس نے پلکوں کی خفیف جنبش سے جواب دے دیا۔

یہ ایک نیا زاویہ تھا جس پر میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ توجہ دی تھی تو اس کے حیرت انگیز نتائج میری نظروں سے اوجھل رہے تھے۔ آئی جی کی یہ نگاہ کرم سادھو کے سبب سے تھی۔ راجے پور کے اس مشہور سادھو کا یہ حال تھا کہ جیسے اسے پوری ریاست میں صرف میری فکر ہو۔ پنڈت ایشوری لال تو خادم خاص بننے کے لیے تڑپ رہا تھا' وہ سمجھتے تھے کہ کیچو ایک پراسرار عورت یا اس کا سایہ مجھ پر مہربان ہے' اس لیے وہ میری ملکیت میں ہے یا میں اس کے قبضے میں ہوں اور کیچو کیا بلا ہے؟ یہ مجھے خود معلوم نہیں تھا۔ جب کیچو سے متعدد بار پوچھنے پر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے سوچنا ہی موقوف کردیا۔ جو چیز اپنے اختیار میں نہ ہو' اس پر تکیہ کرنا نادانی ہے' اسی لیے میں کسی ماورائی طاقت پر تکیہ کیے بغیر اپنا کام کرتا تھا۔ میں کیچو کو بلا نہیں سکتا تھا۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے' کیچو نظر نہیں آتی تھی۔ بھون جدید دنیا کی رنگ رلیوں کی آماجگاہ تھا مگر یہ جدید فتنہ پرداز لوگ عجیب و غریب توہمات میں گرفتار تھے۔ مندروں میں باقاعدہ پوجا ہوتی تھی' سادھوؤں' پنڈتوں کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ روز گھنٹیاں بجتی تھیں' پرشاد بانٹا جاتا تھا۔ منتیں مانی جاتی تھیں' زائچے بنوائے جاتے تھے اور آرتی اتاری جاتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا۔ میرے نہاں خانے میں بہت سے وہم چھپے ہوئے تھے۔ یہ وہم میں اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود دل سے کیسے نکال سکتا تھا۔ مجھے ان کے تجربے ہوئے تھے۔ باقاعدہ تربیت سی ہوئی تھی۔ میں نے کیچو کو دیکھا تھا اور کیچو کے کرشمے دیکھے تھے۔ میری زندگی بہت سے شعبوں میں بٹ گئی تھی' یہ شعبہ میں نے جانے کیوں نظر انداز کردیا تھا؟ شاید اس لیے کہ مجھے کوئی خوف لاحق تھا' گھر لٹ چکا تھا' سکندر پاگل ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ بھی زندگی میں کچھ نہیں دیکھنا پڑا تھا۔ میرے اندر ان توہمات سے فرار کی ایک شدید خواہش موجود تھی لیکن اس وقت آئی جی نے مجھے کچھ اور طرح سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں کل رات سادھو کی تلاش میں اس لیے گیا تھا کہ اس سے اپنے ربط خاص کی تجدید کروں۔ وہ نہیں ملا اور کرچھے والے پنڈت ایشوری لال سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ میں نے طے کیا کہ مجھے ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نظر آنا چاہیے اور بھون کے لوگوں میں اپنا ایک اور تاثر بھی قائم کرنا چاہیے۔ یہ تاثر بعض جگہ پستول کی گولی سے زیادہ کام کرسکتا ہے۔ حالات بھی کیا ستم ڈھاتے ہیں' یہ آندھی اور طوفان

ہوتے ہیں' آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں اور کیا سے کیا سوچنے پر مجبور کر
ہیں۔

میں مہمان خانے کے دروازے ہی پر کھڑا تھا۔ اندر جا کے میں سادھو مہارا
کو تلاش کرسکتا تھا مگر وہاں ترنم موجود تھی اور ترنم کے سامنے جانے کی مجھ میں ہم
نہیں تھی۔ دو ایک ملازموں نے مجھے پولیس افسروں کے ساتھ دیکھ لیا تھا' وہ سہمے ہو
لوگ میرے قریب آ گئے۔ پولیس کے تشدد اور بھون کے مخدوش حالات سے سراسی
پھیلی ہوئی تھی۔ ان خوف زدوں نے مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے شرو
کردیے جیسے میں بھون کی انسائیکلوپیڈیا ہوں۔ وہ میرے ورق لوٹتے جائیں گے ا
انہیں جواب ملتے جائیں گے۔ میں ان کی تسلی' ہمت اور حوصلہ بانٹتا رہا۔ بھون کے با
سے پولیس ہٹا لی گئی تھی۔ خسروانہ مزاج ایسا ہی ہوتا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ' ابھی وہ فیص
شاہوں کا مزاج صرف سنا تھا' جب دیکھا تو آنکھیں پھٹ گئیں۔ مہاراجہ کو اپنا اقتد
ڈولتا نظر آیا ہوگا تو انہوں نے پولیس کے کان مروڑ دیئے۔ وہ یہ بھول گئے کہ امن
سکون انگریز کو ناپسند ہے' پسند جب آتا ہے جب اس کے مزاج کا ہوتا ہے۔ مہارا
نے یہ حکم جاری کیا۔ کرنل صاحب نے دلیل دی ہوگی کہ یہ راج کماروں کی توہین
اور اس سے ان میں بغاوت کے جراثیم نمو پائیں گے۔ مہاراجہ نامقبول ہوجائیں گ
مہاراجہ نے ایک دن میں فیصلہ واپس لے لیا۔ یہی ہوا ہوگا۔ خیر مجھے یہ دور کی باتی
نہیں سوچنی چاہئیں تھیں۔ پولیس ہٹنے کے بعد بھون کی فضا دوبارہ مکدر ہونے کا خط
پیدا ہوگیا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ باہر پولیس پہرا دے گی اور چند دن چند گھ
سونے کا موقع مل جائے گا۔ ایک اعتبار سے یہ اچھا بھی ہوا۔ پولیس بوکھلائی ہوئی تھ
زرخرید غنڈے بھی دہشت زدہ ہوں گے۔ چوک میں کانسٹیبل نہ ہو تو لوگ خود ہی
گاڑیاں احتیاط سے دیکھ بھال کے چلانا شروع کردیتے ہیں۔ اس میں جس نے غلط
کی' وہ مارا جائے گا۔

میں ڈالی کے ہاتھ سے لذیذ پراٹھے کھانے اور اس کے منہ سے چند کھٹ
میٹھے جملے سننے کے لیے گھر آ گیا۔ ایک دن سے اوپر ہوگیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ
ڈالی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہی ہوگی کہ میں بتدریج اس سے دور ہوتا جا رہا
ہوں۔ میں بدل گیا ہوں۔ مجھ پر چربی چڑھ گئی ہے۔ میں نے جاتے ہی گڈے کو گو
میں اٹھا لیا اور ڈالی کو کھانا پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ اتنی جلی بھنی بیٹھی تھی کہ توے

ے خود اس پر روٹیاں پکائی جا سکتی تھیں۔ میں نے اس پر ایک بالٹی پانی ڈالنے کا
دا کیا۔ میری خاموشی سے وہ اور سلگ رہی تھی۔ روٹیاں پکا کے اس نے پھینکنے کے
از میں میرے سامنے رکھ دیں۔ میں نے زہرمار کرلیں اور اس کا رنگ اور سرخ
رنے کے لیے پستول سے گولیاں نکال کر پستول گڈے کو کھیلنے کے لیے دے دیا۔ اور
ب جسم کی ٹنکی ایندھن سے پر ہوگئی تو پہلی فرصت میں وہاں سے بھاگ آیا۔ ڈالی
را یہ جلوہ دیکھتی رہ گئی۔

ابھی رات کے نو ہی بجے تھے کہ بھون میں آدھی رات کا گماں ہونے لگا۔
زم اپنے اپنے کوارٹروں میں دبک گئے تھے۔ کرنل' ریتا' کنول یا مہاراجہ میں سے کوئی
ھر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے کرنل نے اپنے طور پر یہ سمجھا ہو کہ اس کے ہاں میری
مری سے دنیش لاعلم ہوگا۔ ویسے بھی آج بارہ بجے تک میں وہاں بیٹھا تھا۔ اس لیے
ں نے آج ہی آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ اسے میرے سلسلے میں کیا خبر ہوئی ہوگی' سب
لاعلمی کا اظہار کیا ہوگا کہ ایسا کوئی شخص بھون میں بطور مہمان وارد نہیں ہوا ہے۔
ھر یہ ایک تشویش ناک بات تھی مگر بباطن اس سے کرنل کے ذہن کی گتھیاں الجھنے کے
جائے سلجھنے کا امکان تھا۔ وہ صاف طور پر یہ فیصلہ کر سکتا تھا کہ ضرور موہن داس ہی
وفیسر زاہدی کا ایک روپ ہے اور دنیش نے اس سے کوئی رابطہ قائم کرنے کے لیے
یک شخص کو درمیان میں کھڑا کیا ہے۔ اور یہ کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔ سیاسی
معاملات میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے' اب رہا ریتا کا معاملہ۔ ممکن ہے' اس نے مجھے فون
کیا ہو۔ راج کماری کنول جب میرے لیے سرعام گاڑی روک سکتی ہے تو فون بھی
کرسکتی ہے' فون پر یہاں کے ہرکاروں نے کیا جواب دیا ہوگا؟ یہی کہ پروفیسر زاہدی
م کا کوئی شخص بھون میں نہیں آیا ہے۔ وہ قیاس کرتی ہوگی کہ اس کی نظر نے دھوکا
کھایا ہے۔ ادھر ریتا نے بھون سے زاہدی کے بارے میں انکار سن کے بہت کچھ سوچا
گا۔ میرا ذہن خالی نہیں تھا' خیالوں' وسوسوں' قیاسوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ افق پر
کئی ٹیڑھی لکیریں نظر آتی تھیں۔ بھول بھلیاں۔

میں تھوڑی دیر بعد دنیش چندر کے ہاں موجود تھا۔ نرسوں نے اس کی مرہم
پٹی کردی تھی اور دنیش نے حکم دے دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کمرے میں قیام کریں'
جب ضرورت ہوگی' انہیں طلب کرلیا جائے گا۔ کمرے میں جب ہم دونوں تنہا ہوئے تو
وں کا سیلاب امڈ پڑا۔ دنیش کو ڈر تھا کہ کہیں شاردا نہ آجائے۔ اس نے میری وجہ

سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا حالانکہ میں ڈالی کے گداز ہاتھوں سے چٹ پٹا کھانا، مُر پراٹھے اور لہسن کی چٹنی کھا کے آیا تھا۔ دنیش کے خیال سے میں نے دوبارہ کھ شروع کردیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح ایک سوال ضرور کرے گا کہ اب ارادے ہیں؟ میرا رخ کس جانب ہے؟

میں نے اسے بری خبریں سننے کے لیے پہلے سے آمادہ کرنا شروع کردیا کھانے کے بعد میں اسے راگ رنگ کے کمرے میں لے آیا اور میں نے کچھ جھج ہوئے اس سے درخواست کی کہ میں انگریزی ناچ سیکھنا چاہتا ہوں۔

"انگریزی ناچ۔" وہ تعجب سے بولا۔ "مگر کیوں؟" پھر وہ خود ہی مسکرا ک کہنے لگا۔ "اچھا اچھا' ارادے کچھ خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں۔ احتیاطاً سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جھینپ کر کہا۔

"ضرور۔ مگر کس سے سیکھو گے؟ اس سے اچھا کون سکھائے گا۔" اس ک لبوں پر شرارت کھیلنے لگی تھی۔

"آپ ہی کوئی انتظام کروائیے۔ میں یہاں کس سے سیکھ سکتا ہوں۔"

دنیش نے ریکارڈ تلاش کرنے شروع کردیے اور انہیں گرام پر چڑھا دیا کمرے میں ہلکی موسیقی تیرنے لگی۔ دریا کی سبک خرام موجیں' شراب کا پہلا جام' محبت کے ابتدائی دن' ریشم کا سرسراتا لباس۔ اس دھیمی' ہلکی موسیقی نے کمرے کا مزاج بدل دیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں چھوٹے چھوٹے بادلوں کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں موسیقی میں ایک خوشبو ہوتی ہے۔ میرا دل لرزنے لگا۔ میں حکم لگاتا ہوں' جو شخص راگوں سے بے بہرہ ہے' جس کے دل میں موسیقی سے ارتعاش پیدا نہیں ہوتا' جس کی روح جھنجھنا نہیں جاتی' جس کی بوٹیاں تھرکنے نہیں لگتیں' وہ کوئی دیوار ہے' ستون ہے' کرسی ہے' میز ہے' کنکر ہے' مٹی ہے۔ دنیش نے میری کیفیت دیکھی۔ آنکھوں میں خمار چڑھ گیا تھا۔ "آؤ۔" اس نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور مجھے اس موسیقی میں رقص ک آداب کی تعلیم دینے لگا۔ کچھ کچھ میں جانتا بھی تھا۔ اس نے مجھے اسٹیپس بتائے۔ ایک دو تین چار' پیر آگے بڑھانا۔ دوسرے زاویے پر لانا' تیسرے زاویے پر رکھنا' واپس مڑ اس نے اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا جو میں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے جو کچھ سیکھا تھا' اسے بتایا۔ نہ جانے اسے کیا دورہ پڑا۔ وہ جوش میں آگے بڑھا اور اس نے میرا کمر میں ہاتھ ڈال دیے۔ ہنستے ہنستے میرا برا حال ہوگیا۔ راج کمار دنیش چندر میری

میں ہاتھ ڈالے رقص کر رہے تھے۔ اس نے میرا ایک ہاتھ کاندھے پر رکھا۔ میرے پیروں کو بھی ہنسی آنے لگی۔ رکھتا کہیں تھا' پڑتے کہیں تھے۔ یہ ایک ناقابل بیان منظر تھا۔ "تم تو شرما رہے ہو۔" وہ زبان دراز مجھ سے بولا۔

"بس بس رہنے دیجیے۔ میں رقص سے باز آیا۔" میں ہاتھ جوڑ کے اس سے دور بھاگتا رہا۔

"ارے پھر کیسے سیکھو گے' چلو ادھر آؤ۔" اس نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا اور اب کے میرا ہاتھ اپنی کمر میں ڈالا۔

"اس طرح۔" اس نے قدم آگے اور پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

میں نے سنجیدہ ہونے کی بہت کوشش کی مگر ہنسی ضبط نہ کرسکا۔ دنیش نے تو میرے سارے جسم میں گدگدی سی کردی تھی۔ جب وہ تھک کے بیٹھ گیا' تو کہیں میری حالت زار قابو میں آئی۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اٹھایا۔ اس نے دوسرا ریکارڈ لگا دیا تھا۔ پھر وہ میرے شانے پر سر رکھ کے کھو سا گیا اور میں اس کے اشاروں اور موسیقی کی تانوں پر آگے پیچھے قدم بڑھاتا رہا۔ کبھی اس طرف' کبھی اس طرف' ہم بال میں ایک دوسرے کے بازوؤں میں بازو ڈالے گھومتے رہے۔ دنیش کے ہاتھ پر ابھی تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں مگر ایک ایسی ترنگ تھی کہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ہمارے سینے' ہمارے دل ملے ہوئے تھے۔ ریکارڈ ختم ہوا تو اس کی مستی ٹوٹی اور اس نے اچک کر میرے گالوں کا بوسہ لے لیا اور بے تحاشا ہنسنے لگا۔ جیسے اس نے یہ ہنسی اسٹور کر رکھی تھی۔

"تم نے تو بہت جلد قصہ ختم کردیا۔"

"یہ دنیا کا آسان ترین کام معلوم ہوتا ہے۔"

"اور سب سے دل کش کام' اس نے دوسرا ریکارڈ لگایا۔ ریکارڈ کی موسیقی تیز تھی' اس میں موسلادھار بارش کا سماں تھا۔ رگوں میں خون ابلنے لگتا تھا' دنیش نے اس وقت مجھے تین طرح کے ناچ سکھائے اور مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ لوگ ناچ کیوں ناچتے ہیں؟

ناچ تو ایک نیند ہے' ایک سیر ہے' ایک کھیل ہے' شربت کا ایک گلاس ہے' خوشی ہے' امنگ ہے' جوش ہے' حرکت ہے' شاعری ہے' ناچ تو نخلستان ہے' رات کے بارہ بجے تھے' ایک دن فنا ہو رہا تھا۔

''اب میں ڈیوٹی پر جا رہا ہوں۔'' میں نے ایک جگہ منجمد ہوتے ہوئے کہا۔

''کہاں؟'' وہ سراپا حیرت بن گیا۔

''اب کچھ کام بھی کیا جائے' رات ضائع تو نہیں کرنی۔''

''مجھے بتاؤ کہاں کا ارادہ ہے؟''

''کوئی خاص ارادہ تو نہیں ہے البتہ ضروری بہت ہے۔''

''میں سوچ رہا تھا' آج پوری رات تمہارے ساتھ بسر کروں گا۔ نیند نہیں آرہی ہے۔ آج تم جانا ملتوی کرو۔ کچھ سنے ہوئے دن ہوگئے ہیں۔''

مجھے ترنم یاد آ گئی۔ ''ابھی وہ دلی والی پری موجود ہے۔''

''تو اسی کو بلا لیتے ہیں۔''

''ایسا کیجئے۔ رات تو اپنی ہے' آپ اسے بلوائیے۔ میں اتنے میں کام نمٹا کے آتا ہوں۔ اب غالباً شاردا کے آنے کا امکان تو نہیں ہے۔''

''شاید نہیں مگر تمہارے بغیر۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''میری اتنی ضرورت نہ پیدا کیجئے' ترنم سے راگنیاں سنئے یا اس کے ساتھ شطرنج کھیلئے' اتنی دیر میں' میں واپس آتا ہوں۔''

''پستول ہے تمہارے پاس؟''

''اوہ نہیں۔ آج رات اس کے آرام کی رات ہے۔'' میں نے جیب سے پستول نکال کے اسے دکھایا پھر راہ داری میں آ گیا۔ بڑی روشنیوں کی جگہ صرف چھوٹی بتیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں پارو کے شبستان کے دروازے پر موجود تھا۔ ہلکی سی دستک پر دروازہ کھل گیا۔ میں ٹھٹک گیا' دروازے کے بالکل سامنے کرسی پر وہ چینی کی گڑیا پارو بیٹھی ہوئی تھی۔ میری آمد پر اس میں برقی لہر دوڑ گئی۔ اس نے رسالہ ایک طرف پھینکا۔ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا جس کا رخ میری طرف تھا۔ میں نے گریبان کے اوپر کے بٹن کھول دیئے' اس کی نگاہوں میں غیر معمولی چمک تھی' وہ اٹھ کر آگے بڑھی اور اس کے پستول کی نوک میرے سینے سے چند انچ کے فاصلے پر رہ گئی۔ پھر اس نے اچانک پستول ایک طرف پھینک دیا اور میرے سینے پر گر گئی۔

''اتنی دیر کیوں کردی؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''موقع ہی نہیں ملا۔'' میں نے اسے جکڑتے ہوئے کہا۔

''میں دربان بنی بیٹھی تھی۔ دروازہ اس لیے کھول دیا تھا کہ تمہیں آنے میں دقت نہ ہو۔ ایک ایک پل عذاب لگ رہا تھا' کئی گھنٹے ہوگئے۔'' اس کا انگ انگ پھڑک رہا تھا۔

''کیا کروں' ملازم آدمی ہوں۔ دنیش چندر سے صرف ایک گھنٹے کی چھٹی لے کے آیا ہوں اور ایک گھنٹے میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہیں جانے ہی نہیں دوں گی۔'' اس نے چٹکی چڑھاتے ہوئے کہا۔ ''دنیش کو آرام کی ضرورت ہے اور رات کو تمام ملازم اپنے آشیانوں کو لوٹ جاتے ہیں۔''

''میں سرکار کا ملازم ہوں پچیس گھنٹے کا۔'' میں نے وحشیانہ انداز میں اس کے بال کھینچتے ہوئے کہا۔ ''فرصت کے دن بھی جلد آئیں گے۔''

''فرصت کے دن تو مرنے کے بعد نصیب ہوں گے۔'' وہ میرے انتظار میں بہت تھک گئی تھی۔ بہت شکستہ باتیں کر رہی تھی۔

''آج تمہیں یہ کیا ہو رہا ہے؟ آؤ مجھ میں ضم ہو جاؤ۔'' میں نے اس غنچہ دہن کو کمر سے پکڑ کے اٹھایا۔ اس کا وزن پھولوں کا وزن تھا۔ میں وہ ٹوکری اٹھائے اٹھائے خواب گاہ میں آ گیا اور اسے بستر پر لوٹ دیا۔ پھول بستر پر بکھر گئے۔ میں نے انہیں بے تحاشا سونگھنا شروع کردیا۔ اس کے مرمریں ہاتھ' اس کی ہرن آنکھیں' میں نے اس کے بدن کی پتیاں چبانی شروع کردیں اور ایسا سرور آیا کہ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ پارو نے ابھی تک رات کا لباس تبدیل نہیں کیا تھا۔ ساڑھی کا رواج شاید اسی لیے ہوا تھا۔ کمرے میں نیلی' سرخ روشنیوں کا عکس اس کی ساڑھی کے سلمہ ستاروں پر پڑ رہا تھا۔ میں چپ پڑا رہا۔ اس طرح کہ میرا سر اس کے سینہ پر دراز تھا' اس کی سانسوں کے تموج میں سمندر کا ہیجان تھا۔

''بہت تھک گئے ہو؟'' خاصی دیر ہوگئی تو اس نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

''بہت۔'' میری آواز کانپ رہی تھی۔

''مر جاؤ گے۔''

''میں نے جواب نہیں دیا۔ اس کے سینے سے عطر بار ہوائیں اٹھ رہی تھیں۔ میرے جسم کی سردیاں اس کے بدن کے آتش دان سے دہکنے لگیں' کیا سوچ رہے

ہو؟'' مجھے خاموش دیکھ کر اس نے پوچھا۔
''کچھ نہیں' سوچ رہا ہوں کاش مجھے کوئی ایسی طاقت حاصل ہوتی' کوئی ای
پراسرار طاقت کہ میں ایک رات میں زلزلہ پیدا کردیتا۔ تم نے ایک دن کے بادشاہ
واقعہ سنا ہوگا۔ میں صرف ایک گھنٹے کی بادشاہت چاہتا ہوں۔''
وہ تڑپ کر اٹھ گئی اور میرے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ کر ہنسنے لگی۔ وہ ہنستی کم
کیونکہ اس کا سارا بدن مسکراتا تھا۔ ''تم اپنی ذات کے بادشاہ ہو' طاقت ور' بہ
پراسرار۔''

''پارو!'' میں نے اٹھ کر اسے سمیٹ لیا۔ ''مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے او
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس طرح میری ضرورتیں پوری کرسکتی ہو۔ ''
''یہ تم کھڑے کیوں ہوگئے؟'' وہ اضطراب سے بولی۔ ''یہ کیا وحشت ہے؟''
''تم سے بعض اوقات بہت وحشت برتنے کو جی چاہتا ہے۔ جی کرتا ہ
تمہیں گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ دوں۔'' میں نے ڈینش کے سکھائے ہوئے سبق ک
مطابق اس کے ساتھ ناچنا شروع کردیا۔
''ارے۔'' وہ مبہوت ہو کے بولی۔ ''ایک لمحے کو ٹھیرو۔'' وہ جھٹ ریڈی
گرام کی طرف بڑھی۔ پھر اس نے سوئی ریکارڈ کے جسم میں چبھو دی۔ مجھے ہمیشہ ا
ریکارڈ پر ترس آتا ہے جسے سوئی زخمی کرتی رہتی ہے لیکن خود کو تکلیف پہنچا کے وہ کیس
راحت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس نے فضا میں شہد گھول دیا۔ پارو بے تابانہ میر
ساتھ تھرکنے لگی۔ ''اوہ...... اوہ......'' وہ جوشیلی آواز میں بولی۔ ''یہ جو تمہارا خود کو بتدر
شناخت کرانے کا معاملہ ہے' یہ بہت کرب ناک ہے' تم میں ایک خوبی مردم آزاری ک
بھی ہے۔''

ہم دونوں فرش پر تیرنے لگے تھے۔ ''مردم آزار' میں تو آدم خور ہوں۔''
''مجھے کھا جاؤ۔'' وہ بہکے ہوئے لہجے میں بولی۔
''تمہیں میں نے برے وقتوں کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔''
''موہن!'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''وہ برا وقت کب آئے گا؟''
''مجھے حیرت ہے تم نے مجھ پر اس قدر اعتبار کیوں کرلیا ہے۔''
''یہ تمہی نے سکھایا ہے' پتہ نہیں' کیا بات ہے حالانکہ کبھی تم بہت برے لگتے
ہو' کبھی بہت اچھے۔'' اس کی آواز چور چور تھی۔

''اس وقت میں کیسا لگ رہا ہوں؟''
''بدترین۔'' وہ سرخ ہوگئی۔
میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ سسکنے لگی۔
''سنو پارو! اگر تمہیں پتہ چلے کہ مجھے شکنتلا یا کسی اور نے پسند کرلیا ہے اور
حکم دیا ہے کہ میں اس کے ساتھ شب بسر کروں تو؟''
''تم اتنے شاندار اور چیلنجنگ ہو کہ تمہیں کوئی بھی طلب کرسکتا ہے اور کیا بھی
ہوگا مگر مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا کیونکہ میں یہاں کے رسم و رواج سے واقف ہوں۔ مجھے
دکھ تو اس وقت ہوگا جب تم میری توقعات کے برعکس نکلو گے اور مجھے یقین ہے' ایسا
نہیں ہوگا۔ اس لیے میں تمہیں جلد از جلد یہاں سے لے جانا چاہتی ہوں۔''
''تم نے میرے سینے میں جھانک کر نہیں دیکھا۔ تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔''
موسیقی دم توڑ گئی تھی۔ ہم بستر پر گر گئے۔
''تم کچھ بتانا بھی نہیں چاہتے۔''
میں نے اس کے نازک لب احتیاط سے چھوتے ہوئے' کہ کہیں وہ ریزہ
ریزہ نہ ہو جائیں' کہا۔ ''میں تمہیں صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ سے خود کو
اس قدر وابستہ نہ کرو کہ ایک دن ٹوٹ جاؤ۔ ضروری نہیں ہے کہ تمہاری اچھائی میری
وابستگی سے مشروط ہو' اچھائی خود ایک سکون ہے' کیا اب تم پہلے سے زیادہ مطمئن نہیں
ہو؟''

''مگر تم ایسی باتیں کیوں کیا کرتے ہو۔'' اس کا لہجہ رقیق ہوگیا۔ ''حسن
ایک ناپائیدار چیز ہے۔ میں تم سے اپنے حسن کے بل بوتے پر کوئی فیصلہ کرانا نہیں
چاہتی' مجھے احساس ہے کہ میری دوسری خوبیاں تمہیں میرے لیے محفوظ کرسکتی ہیں۔''
مجھے جواب دینے میں مشکل پیش آنے لگی۔ اس نے بھی اصرار نہیں کیا
کیونکہ وہ ایک قابو یافتہ لڑکی تھی۔ وہ میری آغوش میں گم سم رہی۔
''کیا وقت ہوگیا؟''
''ابھی تو تم آئے ہو۔'' اس نے گھڑی پر ہاتھ رکھ کے کہا۔
''مجھے جانا ہے۔''
''تو صرف اتنی دیر کے لیے آئے ہی کیوں تھے؟ نہ آئے ہوتے۔'' وہ تنک
کر بولی۔

''ہاں تم سے ایک بات کہنی تھی۔''

''کسی خبر کی تلاش ہوگی مگر میرے پاس کوئی خبر نہیں ہے۔ اچھا یہ بتاؤ صبح کہاں گئے تھے اور میرا تحفہ کہاں ہے؟''

''صبح میں کام ہی سے گیا تھا اور تحفہ لانے کا موقع نہیں ملا۔'' میں نے صلح کن انداز میں جواب دیا۔ ''ہاں ایک بات بھول جاؤں گا۔ میں تم سے گاڑی چلانا سیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں نہیں' میں تمہیں ہوائی جہاز چلانا بھی سکھا دوں گی۔''

''مذاق نہیں' کل سے کسی سنسان علاقے میں چلیں گے۔''

''پھر تو تمہارے پر لگ جائیں گے' نہ جانے راجے پور کا کیا حشر ہوگا' پستول تمہاری جیب میں رہتا ہے' پھر اسٹیرنگ بھی تمہارے قبضے میں ہوگا' تیور تمہارے پہلے ہی غضب ناک ہیں۔''

''کہاں' تم تو شور مچاتی ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے ادھر ادھر کی خبروں سے مطلع کرتی رہو گی۔''

''اب میں جاتی کہاں ہوں' اسی گوشے میں پڑی رہتی ہوں۔''

''صحت خراب ہو جائے گی' یہ پودا مرجھا جائے گا۔'' میں نے اس کے رخسار پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کنور پردیپ' پرشوتم اور بینا رانی کے بیک وقت قتل' پولیس کے محاصرے وغیرہ ان تیزی سے رونما ہونے والے واقعات پر تمہاری کیا رائے ہے اور دوسرے لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟''

میں نے بہت سرسری انداز میں ان واقعات کا ذکر کیا تھا اور نامناسب وقت میں نہیں کیا تھا' اس نے میرے ایما پر اپنا قلب تبدیل کردیا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ آتے ہی اس پر یہ تاثر دوں کہ میری آمد اپنی اغراض کے سبب سے ہے۔ یہ ایک حسین لڑکی کی توہین بھی ہے۔ میرے سوال پر وہ سوچنے لگی اور مجھے ایک بار پھر اس کی ذہانت کا معترف ہونا پڑا۔ اس نے بڑی متوازن اور مدبرانہ باتیں کہیں۔ اس کی رائے مجھ سے یا دنیش سے مختلف نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگریزوں کے لیے قتل و خوں ریزی بڑی مسرت انگیز خبریں ہیں۔

''تو تمہارا کیا مشورہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرا مشورہ!'' وہ ہنسنے لگی۔

''میں سننا چاہتا ہوں۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''موہن صاحب! بہتر ہے پہلی فرصت میں راجے پور چھوڑ کے کہیں بھاگ چلیے۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''یہ تو بزدلی کی بات ہوئی۔''

''بصورت دیگر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''دولت کی تمنا ہے تو انگریزوں سے رابطہ بڑھایئے اور اگر دنیش چندر کو کرسی پر بٹھا کے عہدہ و اعزاز حاصل کرنا ہے تو جگدیپ کے خاندان کو ناکارہ کردیجیے۔''

''یہ تو تم اچٹتی ہوئی باتیں کر رہی ہو۔ ان میں اجنبیت کی بو ہے جب کہ میں تم سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''تم مجھ سے اپنی پسندیدہ باتیں سننا چاہتے ہو تو سنو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے جگدیپ اور اس کے حمایتیوں کی سرکشی ختم کردی ہے تو یہ ایک عارضی بات ہے۔ وہ اتنی جلد شکست قبول نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ میجر رابرٹ ہے اور اس کے ساتھی ہیں جنہیں نت نئی حسین و جمیل ہندوستانی عورتوں کا شوق ہے۔ مہیش چندر نے اس کی کمزوری پکڑ لی تھی۔ میجر رابرٹ انگریزوں میں اپنی فتنہ انگیز کارروائیوں کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ اس کی بات تسلیم کی جاتی ہے کیونکہ وہ ہندوستانیوں میں گھلا ملا رہتا ہے۔ وہ ہندوستانیوں کی رگ رگ سے واقف ہے۔ مہیش چندر کے بعد رابرٹ کو جگدیپ نے ہندوستان کے راگ سنائے' ہندوستان کے بدن دکھائے' اس کی بہنوں نے بھی اس سے رشتہ استوار کیا اور اس بھون کی بھی کئی عورتیں میجر رابرٹ سے خاصے تعلقات رکھتی ہیں' اسے ایک زندہ دل شخص کی حیثیت سے قبول کیا جاتا ہے۔''

''اور کرنل ہارڈنگ؟'' پارو کے انکشافات میرے لیے سنسنی خیز تھے۔

''کرنل ہارڈنگ راجے پور میں انگریز کے مفادات کا سربراہ ہے مگر وہ ابھی نیا ہے۔ میجر رابرٹ اور دوسرے انگریز عرصے سے اس علاقے میں رہ رہے ہیں۔ کرنل ہارڈنگ اور میجر رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کے مفادات مشترک ہیں' اصل لوگ تو اس کے ماتحت ہیں جو اسے یہاں ہونے والی سرگرمیوں سے باخبر رکھتے ہیں' اس کے مشیر ہیں اور میجر رابرٹ' اسے وہی مشورے دے گا جو اس کی پسند' مزاج اور عقل کے مطابق ہوں گے۔ تم نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ انگریزوں کو اطلاعات کیسے پہنچتی ہیں۔ انہیں ایک ایک بات کی خبر رہتی ہے وہ جسے ناپسند کرتے ہیں' اسے اپنے راستے سے ہٹا

دیتے ہیں۔ ان کا کام بہت منظم اور سائنسی ہے۔"

"تو تمہاری اطلاع کے مطابق میجر رابرٹ ان دنوں جگدیپ کا گرویدہ ہے؟" میں نے اپنا تجسس چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"وہ کسی کا گرویدہ نہیں ہے۔ وہ ہندوستانیوں کو نچانا جانتے ہیں اور اپنے مہرے احتیاط سے چلتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی غیر جانبداری ظاہر کرتے ہیں اور اس اعتبار سے وہ غیر جانبدار ہیں بھی کہ انہیں ذاتی طور پر کسی ہندوستانی سے دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی اسی شخص سے ہے جو ان کا تسلط بڑھانے اور انہیں زیادہ سے زیادہ رعایتیں پہنچانے کا دعوے دار ہو۔"

"تم ان سے کیسے رابطہ قائم کرتی تھیں؟" میں نے ایک مشکل سوال کیا۔

"اب اسے چھوڑو۔" وہ ایک طویل سانس لے کے بولی۔ "میں تمام باتیں بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"مگر تمہیں مجھ سے تو دلچسپی ہے۔"

"تم یہ باتیں بوجھ کے کیا کرو گے؟ غیرضروری باتیں ہیں۔ وہ سب سے زیادہ مجھی سے قریب تھے مگر یہ کہانی پرانی ہوگئی۔"

"مگر ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ کیا انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اب تم ان سے مخلص نہیں ہو؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ میں یہ حماقت نہیں کرسکتی۔ جب میں ان کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوں گی تو رفتہ رفتہ وہ خود مایوس ہو جائیں گے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں ان سے رابطہ برقرار رکھنا چاہیے۔"

"مگر میرے پاس انہیں سنانے کے لیے رکھا کیا ہے؟"

"بہت کچھ رکھا ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "اور میری خاطر۔"

"دنیش چندر اپنے بھائیوں اور جگدیپ سے مختلف ہے موہن! وہ مہیش چندر اور جگدیپ ہوتا یا اپنے باپ پرکاش چندر کی طرح ہوتا تو بات دوسری ہوتی۔ یہاں تو عورتیں، شراب، ظلم اور بہت سی چیزیں روا ہیں۔ جگدیپ میں مہیش چندر جیسی خوبیاں ہیں۔ وہ ہر سمت نظر رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ دنیش چندر کے بعد پرکاش بھون کا باغ بہت دنوں تک کے لیے سونا ہو جائے گا۔"

میں نے ترنم کا خیال چھوڑ دیا اور دیر تک پارو کا کلام سنتا رہا۔ میں نے اس

کے راگ چھیڑ دیئے تھے۔ میں اس سے بحث کرنے نہیں، کچھ سننے آیا تھا۔ "انگریز اپنے مخبروں کے معاملے میں تو بڑی رازداری برتتے ہوں گے؟" مجھے احساس تھا کہ میں نے ایک طفلانہ سوال کیا ہے۔

وہ مسکرانے لگی۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"میں تم سے کچھ سیکھنے، کچھ جاننے کے لیے آیا ہوں۔"

"تم بہت طاقتور آدمی ہو، بہت جرأت مند شخص ہو، گھوڑا لوٹ دیتے ہو، بہت ذہین ہو، اپنے مخالفوں کو ختم کرنا جانتے ہو، تمہاری شخصیت میں جادو ہے، تم منٹوں میں متاثر کر لیتے ہو، دنیش پر تم نے جادو کیا ہے، مجھ پر کیا ہے اور نہ جانے کس کس پر کیا ہوگا۔ عورتیں تمہارا ذکر کرتی ہیں، تم میں پیشنس ہے، تمہیں روپ بدلنے آتے ہیں اور اپنے آپ کو چھپا کے کام نکالنا آتا ہے۔ تم بڑے جھوٹے ہو، بہت وحشی ہو اور بہت اچھے ہو مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی کہ ان سیاسی معاملات میں تمہاری دلچسپی کا سبب کیا ہے؟ دولت؟ تو میں تمہیں اتنی دولت فراہم کرسکتی ہوں کہ تمہیں زندگی میں کوئی شکایت نہیں رہے گی۔ میرے تمام زیورات اور جو کچھ بھی میرے پاس ہے، وہ سب تمہارا ہے، مجھے ڈر ہے کہ تم جیسا ایک بہت اچھا آدمی کہیں نشانے پر نہ آجائے۔ بتاؤ تمہیں زندگی میں کیا چاہیے؟" وہ جذبات میں تربتر تھی۔

"تم نہیں سمجھو گی یا میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا۔ میرے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے یا مجھے خود معلوم نہیں ہے۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم بہت تنہا ہو اور تمہارے اردگرد دیو کھڑے ہیں، جنگلی لوگ کھڑے ہیں جنہوں نے رحم کرنا نہیں سیکھا۔ تم ان سے لڑتے لڑتے تھک جاؤ گے۔ تمہاری طاقت اور ذہانت خاک میں مل جائے گی۔ یہاں سب جھوٹ ہے۔"

وہ میرے بازو پر سر رکھے میرے پہلو میں دراز تھی۔ اور رات گزر رہی تھی۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ کے گھڑی کی طرف دیکھا۔ دو سے اوپر ہو چکے تھے۔ "اب کہاں جاؤ گے؟ وہ سو گیا ہوگا۔" پارو اداسی سے بولی۔

"مجھے جانا ہی ہوگا۔" میں نے اس کے ہونٹ اسیر کر لیے۔

"مت جاؤ۔" وہ کرب سے بولی۔ "سویرے چلے جانا۔"

"کل آؤں گا، پوری رات کے لیے۔"

"کل کس نے دیکھی ہے۔" وہ مچل کر بولی۔

"یہ باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔"

"تم نے نہ جانے کیا کردیا ہے۔ پہلے میں ایسی باتیں نہیں کرتی تھی۔"

اس کے پاس سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا' پھر بھی میں اٹھ گیا۔ مجھے دروازے تک پہنچنے میں اور دیر لگ گئی۔ وہ مجھ سے پیوست تھی۔ راستے میں ہم نے کئی جگہ قیام کیا جیسے تھکے ہوئے مسافر سبیل پر ٹھیر جاتے ہیں۔ میں اس کے ہونٹ پیتا رہا' اس کی زلفیں' اس کی آنکھیں پیتا رہا' جسم میں پتنگے ناچ رہے تھے اور شور مچا ہوا تھا۔ دروازے پر اس کے مقناطیس بدن سے خود کو جدا کرنا میرے لیے مشکل ہو گیا۔ اس کے حسن و جمال کا احترام ملحوظ تھا۔ پھر اس سے ایک تعلق دگر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس عجلت میں' اپنے ہیجان سے' میں اسے اور خود کو کم رتبہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سو میں نے اس کے رخساروں پر کئی چپت لگائے۔ وہ گرتے گرتے بچی اور پردہ پکڑ کے ایک طرف جھول گئی۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کے چلا آیا۔

ملاقاتی کمرے میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ دنیش کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اسے ہلکی ضرب لگائی تو وہ مقفل نظر آیا۔ گویا ترنم اندر دنیش چندر کے ساتھ محو خواب تھی۔ میں نے سوچا' واپس پارو کی نشاط گاہ میں چلا جاؤں کیونکہ اسے اب نیند آنا محال تھا۔ احتیاطاً میں نے برابر کے کمرے میں ہلکی سی دستک دی۔ دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ روشنی ایک دائرے کی صورت میں ایک طرف ان دونوں کو جگمگا رہی تھی۔ وہ میری توقع کے مطابق شطرنج کھیل رہے تھے۔ دنیش مجھ پر ناراض ہونے لگا کہ میں نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ ترنم کی آنکھوں کے ہیرے میرے لیے دمک رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑی ہوگئی اور اس نے آداب کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

"انہیں تمہارا شدید انتظار تھا۔" دنیش نے شوخی سے کہا۔ "بار بار پوچھتی تھیں کہ کیا وہ ضرور آئیں گے؟"

"آپ نے باہر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"یہی خیال تھا کہ تم اب آئے' اب آئے اور پھر ہم تو جاگ رہے تھے۔ ان کی باتیں ہی اتنی دلچسپ ہیں کہ ساری عمر جاگا جاسکتا ہے۔" دنیش نے وضاحت کی۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی۔

"پرنس خود بہت دلکش باتیں کرتے ہیں لیکن آپ نے ہمارے صبر کا خوب امتحان لیا۔" ترنم نے نفاست سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے' خاصی دیر ہوگئی' کہیے آپ ٹھیک تو ہیں؟"

اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے سکنے لگے۔ اس کے بجائے دنیش بولا۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں جانے نہیں دیں گے' انہیں راجہ پور بہت پسند آ گیا ہے۔"

میری عدم موجودگی میں ترنم نے دنیش سے نہ جانے کیا کیا کہا ہوگا۔ "مگر یہ تنہا تو نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ ہیں' وہ کس طرح آمادہ ہوں گے؟"

"ترنم کہتی ہیں کہ اب یہیں رہنا چاہتی ہیں۔"

"یہ ایک جذباتی فیصلہ ہے راج کمار!"

"ہم نہیں جائیں گے۔" وہ ناز سے بولی۔

"ظاہر ہے جس شخص سے تمہاری ملاقات ہوگئی ہو' اسے اپنی دنیا کا خیال کب رہے گا؟" دنیش نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مگر راج کمار......! آپ......"

"کیا آپ کو پسند نہیں؟" ترنم کرب سے بولی۔

"نہیں۔" میں نے الجھ کر کہا۔ "لیکن آپ' آپ تھک جائیں گی۔"

"ہمیں آزما کے دیکھیے گا۔"

"تم بڑے ظالم ہو۔" دنیش ستانے پر تلا ہوا تھا۔ "کوئی اس قدر حسین ہو اور اتنا سرکش ہو تو انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔"

"آپ شطرنج کھیل رہے تھے' میں شاید مخل ہوا۔ چلیے بازی چلیے" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ارے آپ کے پیادے سارے تو پٹ گئے ہیں۔"

"ہم تو مسلسل ہار رہے ہیں۔" دنیش حسرت سے بولا۔ "باقی بازی تم سنبھالو مجھے یقین ہے کہ تم بازی الٹ دو گے۔"

"اپنی بازی آپ خود ختم کیجیے' ہم نئی شروع کردیں گے۔"

"اب نیند آرہی ہے۔" اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ ترنم آپ انہیں روکیے۔"

"ہاں پرنس ٹھیر جایئے نا۔" وہ ترنم سے بولی۔

"سچے دل سے کہیے۔"

"بالکل سچے دل سے۔" وہ خجل ہوگئی۔

''جھوٹ۔ ہماری شفٹ ختم ہوگئی۔ اب ہمیں اجازت دیجئے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے بٹھانے کا ارادہ کیا لیکن ایسا کر نہیں سکا۔''تم جس کام کے لیے گئے تھے' اس کا کیا بنا؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں' میجر رابرٹ ہی گفتگو کا موضوع رہا۔ آپ ذرا اس کے متعلق سوچئے۔ سنا ہے کہ وہ بہت زندہ دل شخص ہے۔''

''میجر رابرٹ؟'' وہ جاتے جاتے ٹھیر گیا اور کچھ سوچنے لگا۔

''کیا آپ کوئی اہم بات کرنا چاہتے ہیں؟'' ترنم نے کہا۔

''نہیں۔'' مجھے خیال آیا کہ ترنم کے سامنے یہ نام لینے مناسب نہیں ہیں' چنانچہ میں نے بات بنائی۔''سنا ہے' وہ بہت اچھا شخص ہے' ہم سے خاص التفات برتتا ہے۔''

''ہونہہ۔'' دنیش وہیں کھڑا ہوا کچھ سوچتا رہا۔

''چلئے صاحب چال چلئے۔'' میں نے شطرنج پر توجہ دیتے ہوئے کہا۔ دنیش میرے گریز کا مقصد سمجھ گیا اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

اب ہم دہاں تنہا رہ گئے تھے۔ پارو نے میری آنکھوں میں سرخ ڈورے ڈال دیئے تھے۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اب کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔ دلی سے آئی ہوئی ترنم چوڑی دار پاجامے اور ڈھیلے کرتے میں میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی عمر کم تھی' ایسے ہنگامہ خیز فیصلے اسی عمر میں کیے جاتے ہیں۔میں نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا' اس کی چوٹی شانے پر جھول رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شرم کی سرخیاں تھیں۔ وہ انگارے کے مانند دہک رہی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنا مہرا غلط خانے میں رکھ دیا۔ وہ مجھے تنبیہہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔''آپ ہار جائیں گے۔''

''میں آپ سے ہار ہی گیا ہوں۔'' میں نے مہرے ایک ہاتھ سے بکھیر دیے۔''ترنم میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''زہے نصیب۔ ہم ہمہ تن گوش ہیں۔''

''ترنم! دیکھئے آپ پچھتائیں گی۔ مان جائیے۔''

''آپ نے ہمیں دیکھا کب ہے؟ ہمیں موقع تو دیجئے۔''

''آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے طے کرلیا؟'' میں نے تذبذب سے کہا۔

''ہم کیا کریں' ہمیں خود پتہ نہیں کہ یہ کیسے ہوگیا۔'' اس نے اپنا دھانی دوپٹا ت کرتے ہوئے کہا۔''ہم نے آپ سے کہا تھا' ہماری تو صرف ایک خواہش ہے' ہیں اپنے قریب رہنے دیجئے۔''

''آپ ریشم و اطلس کی بنی ہوئی ہیں' یہ خارزار ہے' آپ کے بدن پر کانٹے ہی جائیں گے۔ یہ پھول سا چہرہ یہاں کی خزاؤں سے ماند پڑ جائے گا۔ یہ سرخی زردی ں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ گداز پتھر ہو جائے گا۔''

''مگر جہاں سے ہم آئے ہیں' وہ بھی تو ایک جہنم ہے' کیا آپ ہمیں واپس کردیں گے؟ دوبارہ جہنم میں جھونک دیں گے؟ ہم تو اپنے آپ سے کنارہ کش ہو کے ئے ہیں۔''

وہ میری ہر بات رد کرتی گئی۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔''یہاں بھی آپ کی حیثیت تلف نہیں ہوگی۔'' آخر میں نے ایک جارحانہ بات کہی۔

''یہاں ہماری حیثیت کچھ بھی ہو لیکن آپ تو قریب رہیں گے۔''

''میرا کیا ہے' میں یہاں ایک ملازم ہوں' ملازموں کی وفاداریاں آئے دن بدلتی رہتی ہیں' ممکن ہے کسی دن یہاں سے میرا دانہ پانی بھی اٹھ جائے۔''

''تو پھر ہم بھی اپنا دانہ پانی حرام کر لیں گے۔''

''سوچ لیجئے' پھر ہم سے شکایت نہ کیجئے گا۔''

''ہماری زبان قطع کردیجئے گا۔'' وہ عزم سے بولی۔

''اوہ......'' مجھ سے برداشت نہیں ہوا' میں نے اس کے گلے میں پڑا ہوا دوپٹا کھینچ لیا۔ وہ دوپٹے کے ساتھ کھنچتی ہوئی میری آغوش میں ترازو ہوگئی۔''آپ بہت ضدی ہیں۔'' میرے ہاتھ پاگل ہو گئے تھے' ان میں سختی' ترشی اور تندی تھی۔ میں نے وحشت میں اسے اٹھا لیا۔ اس کا وزن پارو کے وزن سے کچھ زیادہ تھا۔''آپ تو ہمیں آج ہی ختم کردیں گے۔'' اس نے اپنی آواز کا شہد ٹپکایا' یہ شہد کہیں گر نہ جائے۔ میں نے اس خوف سے اپنے لب اس کے لبوں سے مس کردیئے۔ میں نے شراب کی صراحی منہ سے لگائی تھی۔ اس کے بدن کا پیمانہ چھلک رہا تھا۔ میں نے اپنا ہوش اس میں ڈبو دیا۔

مجھے یاد ہے کہ مرغان سحر کی اولیں بانگ پر میری آنکھ لگی تھی اور وہ میرے جسم کی مسہری پر گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور گنگنا رہی تھی جیسے مینا اور بلبل

چچھائے۔ وہ مجھے اپنے ساز سناتی رہی۔ اپنے حسن کی مناسبت سے اس نے گلا بھی
قیامت پایا تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں ہر طرف اجالا ہو گیا تھا۔ رات
جلنے والی روشنیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ میرے سر کے نیچے ایک تکیہ رکھا تھا اور اس کی
شال میرے جسم پر پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پستول دیکھا' وہ بھی جیب میں مو
تھا۔ نہ جانے وہ کب گئی؟ صبح کوئی دس بجے کے قریب دنیش نے آ کے مجھے جگایا۔
اس سے نظریں ملاتے ہوئے مجھے جھجک ہوئی۔ میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔ باتھ
روم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز پر مجھے حیرت ہوئی۔ ''موہن!'' دنیش کہہ رہا تھا۔ ''یہ
شیو کا سامان بھی لے لو۔'' میں نے دروازے کی آڑ سے ہاتھ بڑھایا' اس نے میرے
ہاتھ میں بہت سی چیزیں رکھ دیں۔

دروازہ بند کر کے میں سر پر ہاتھ رکھے ٹب میں دراز ہو گیا۔ دنیش نے اتنا
پانی ڈالا تھا کہ اب پانی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

غسل کے بعد میں تازہ دم ہو کے نکلا تو دنیش چندر ملاقاتی کمرے میں
بے پر میرا انتظار کر رہا تھا۔ ''کوئی آ جائے گا۔''
وہ ہنس پڑا۔ ''تم لڑکیوں کی طرح کہہ رہے ہو۔ میں نے سیکرٹری سے کہہ دیا
ہے کہ وہ اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ آنے دے' آج میرا ہاتھ کچھ زیادہ صحت مند
ہے اور میں نے بھون کے معاملات میں باقاعدہ سرگرم رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔''
''یہ آج صبح آپ کو کیا خیال آ گیا۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔
''موہن! شاید تم سے احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ
میں صرف دیکھتا اور سنتا ہوں' اس کے برعکس تم صبح و شام میرے لیے مصروف رہتے
ہو۔''
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں آپ کی طاقت' آپ کی آنکھیں' آپ کا
بازو ہوں۔'' میں نے جوش سے کہا۔
''چائے پیو۔'' اس نے ایک پیالی بنا کے مجھے دی۔ ''رات تم رابرٹ کے
متعلق کیا کہہ رہے تھے؟ مجھے وہ شخص کبھی پسند نہیں آیا۔'' میں نے میجر رابرٹ اور اس
کے ساتھیوں کے متعلق وہ ساری باتیں اسے بتا دیں جو مجھے پارو نے بتائی تھیں' وہ توجہ
سے سنتا رہا۔ ''پھر تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
''ہمیں اسے خود سے دور نہیں رکھنا چاہیے۔''
''یقیناً وہ ہمارے قریب آنا پسند کرے گا مگر کیا ہم جگدیپ کی طرح عورتوں
اور شرابوں کا مقابلہ کریں گے؟ ہم اپنے بھون کی عورتوں کو اس سے متعارف کرائیں
گے؟'' وہ کبیدگی سے بولا۔
''یہاں کی بہت سی عورتیں پہلے ہی اس سے متعارف ہیں' ہم اس کے علاوہ
بھی بہت سے دوسرے طریقوں سے اسے قریب کر سکتے ہیں۔ وہ تو ہندوستان کی

ریاستوں کے راجوں مہاراجوں کے ہاں گھسنے کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔ کرنل ہالا
ایک سنجیدہ شخص معلوم ہوتا ہے مگر رابرٹ کو ہم نظرانداز نہیں کرسکتے۔ سنا ہے' آپ کے
بھائی آں جہانی مہیش چندر کی اس سے گہری دوستی تھی۔''

''مہیش چندر۔'' وہ ناگواری سے بولا۔ ''وہ بہک گیا تھا۔''

''پھر بھی اسے ایک شب کھانے اور ناچ پر بلا لینے میں کیا حرج ہے؟ تر
ابھی موجود ہے۔ وہ اپنی آواز سے اسے زخمی کردے گی۔''

''مگر ترنم......'' وہ برہمی سے بولا۔ ''وہ طوائف نہیں رہنا چاہتی' رات اس
نے مجھ سے بہت طویل گفتگو کی ہے' وہ ایک اچھی لڑکی بننا چاہتی ہے۔''

''ترنم نہیں ہوگی تو اس کی جگہ کوئی اور ہوگا۔ ترنم راگوں اور سازوں سے
واقف ہے۔ ہم اسے میجر رابرٹ کے سپرد نہیں کر رہے ہیں لیکن اگر میں خود کوئی فن
جانتا تو کیا اپنے مہمان کو اس سے محظوظ نہ کرتا؟''

''تمہاری مرضی۔ میں آج ہی اسے فون کیے دیتا ہوں۔'' وہ زچ ہو کے
بولا۔

''کیا مہاراجہ نے اپنے ہاں راگ رنگ کی محفل نہیں سجائی تھی؟ ریاستوں میں
یہ ایک عام بات ہے۔ میں کوئی اور بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا مقصد میجر رابرٹ کو
صرف متزلزل کرنا ہے۔ ہماری بقاء' عزت اور آبرو انگریزوں کی خوشنودی میں مضمر
ہے۔''

پھر دنیش نے مجھے یہ بتا کے چونکا دیا کہ آج صبح ریتا نے پروفیسر زاہدی کے
لیے فون کیا تھا' آپریٹر نے اسے جواب دیا کہ یہاں اس نام کا کوئی شخص مہمان نہیں
ہے' اس نے کہا کہ وہ دنیش چندر کا خاص مہمان ہے' جب ریتا نے اپنا نام بتایا تو
آپریٹر نے دنیش سے فون ملا دیا اور دنیش کو یہ بہانہ بنانا پڑا کہ وہ صبح سے ریاست کی
پہاڑیوں میں سیر کے لیے گیا ہوا ہے۔ ''میں کب تک یہ کہتا رہوں گا۔'' وہ چڑچڑے
پن سے بولا۔

''لایئے مجھے فون دیجئے۔''

اس نے فون اٹھا کے میرے حوالے کردیا۔ ''تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

میں نے کرنل کا خصوصی نمبر ملایا۔ فون کرنل ہی نے اٹھایا۔ ''ہیلو!'' اس نے
اپنی بھاری آواز میں کہا۔

''میں پروفیسر زاہدی ہوں' کرنل آپ کا مزاج کیسا ہے؟''

''آپ کیسے ہیں پروفیسر؟'' کرنل کے لہجے میں گرم جوشی تھی۔

''آپ کے پاس آنے کو دل چاہ رہا تھا' ادھر میں سنجیدگی سے یہ سوچ رہا
ہوں کہ داڑھی مونچھیں منڈوا دوں' آپ بہت اعتراض کرتے ہیں۔''

اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''دیکھئے آخر آپ راہ راست پر آگئے۔''

''لیکن یہ ابھی خود کو آمادہ کرنے کا مرحلہ ہے۔''

''راج کمار دنیش چندر کا کیا حال ہے؟''

''وہ سوچ رہے تھے کہ ویسے تو آپ ادھر آتے نہیں' اب آپ کو بلانے کے
لیے کوئی بڑا ہنگامہ کیا جائے گا۔''

''مجھے ان کے پاس آنا تھا' مگر آپ کے ملنے کا یقین نہیں تھا۔''

''میں تو خود آپ سے ملاقات کرنے آ جاؤں گا۔''

''داڑھی کے بغیر آئیں گے یا......''

میں نے اس کی بات پوری کردی۔ ''یہ تو موسم پر منحصر ہے' بہرحال اس روپ
بہروپ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم نے دوستی کا عہد کیا ہے' اسے ہر روپ میں
نبھائیں گے' ہر لباس میں بٹھائیں گے۔''

''میں آپ کی قدر کرتا ہوں پروفیسر! کیا آپ نے کسی خاص کام سے فون
کیا ہے؟''

''نہیں یونہی' اس وقت تنہا بیٹھا تھا' آپ یاد آگئے۔''

''تو پھر ادھر آیئے نا۔''

''نہیں' میں دو چار روز کے لیے راجے پور سے باہر جا رہا ہوں' واپسی پر فون
کرکے آؤں گا۔ ریتا کہاں ہیں؟ میں ذرا ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ایک لمحے ٹھہریئے۔''

چند لمحوں بعد فون پر ریتا کی مضطرب آواز آئی۔ وہ تیز انگریزی میں بول
رہی تھی۔ ''پروفیسر! آپ کہاں ہیں؟ میں نے صبح آپ کو فون کیا تھا۔''

میں نے پرانا جملہ دہرایا۔ ''آئی ڈونٹ نو انگلش ڈیئر۔''

''اوہ ساری!'' وہ معذرت کرنے لگی۔

''آئی گو آؤٹ فرام راجے پور فارتھری آر فور ڈیز۔''

''آپ کب آئیں گے؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔
میں نے تکرار کی۔ ''کم بیک' کم بیک فور ڈیز' رنگ می ہیئر۔ آئی رنگ یو آفٹر کم بیک۔'' میں نے انگریزی کے لفظ توڑنے کی امکانی کوشش کی۔
''شیور۔ میں آپ کو یاد کر رہی تھی۔''
''آئی نو آئی نو' مائی سیلف ٹو۔''
''میں آپ کو آج دیکھنے آ رہی تھی۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے ساتھ دور پہاڑوں میں چلی گئی ہوں۔'' پھر وہ کہنے لگی۔ ''آپ کچھ سمجھے؟''
''سم سم انڈرسٹینڈ' وی گو آفٹر کم بیک' پینٹنگ' ڈانسنگ' سنگنگ' انجوائنگ لائف ان جنگل ماؤنٹینس۔''
وہ اسی طرح بے تابانہ بولتی رہی اور میں ٹوٹے پھوٹے جوابات دیتا رہا۔ شاید کرنل اس کے سامنے نہیں بیٹھا تھا' وہ فون بند کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ دنیش محویت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے ریتا کو خداحافظ کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔
''آپ اپنی انگریزی کیوں خراب کر رہے تھے؟'' دنیش نے تیکھے پن سے کہا۔ ''مسٹر موہن داس پلیز! ہم پر رحم کیجئے۔''
''اب کیسی بولتا' جیسی آتی تھی' ویسی بولا۔ آپ تو مذاق اڑانے لگے۔'' میں نے اسے بہلاتے ہوئے کہا۔
''آپ ہمیں کیوں اڑا رہے ہیں۔ ساری باتیں آپ نے سمجھ لیں۔ کیا شاعری ہے۔'' وہ میرے کان پکڑتے ہوئے بولا۔ ''بہرحال ہمیں بہت خوشی ہے۔''
''کس بات سے؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔
''آپ کو ہم سے دوستی کا دعویٰ بھی ہے جناب اور آپ نے اپنے چہرے پر نقاب بھی ڈال رکھی ہے۔ یہ کیسی قربت' کیسی دوری ہے۔''
''میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی؟''
''آپ نہیں سمجھیں گے' چھوڑیئے' جانے دیجئے۔''
''بتایئے میں نے کیسی گفتگو کی۔ اب تو آپ مطمئن ہیں؟ اور یہ آپ' مجھے آپ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔
''اب ہم آپ کو آپ ہی کہیں گے۔''

''کیوں؟ پھر میں آپ کو حضور سرکار کہوں گا۔''
''تم عجیب چیز ہو۔'' وہ سر تھام کے اسے جھٹکے دیتے ہوئے بولا۔
میں کہنا چاہتا تھا کہ دنیش بابو! بس کیجئے جو پردہ رہ گیا ہے' اسے رہنے دیجئے' ورنہ آپ کو تکلیف ہوگی' ممکن تھا' میں اس لمحے اسے سب کچھ بتا دیتا کہ میں ایک مفرور شخص ہوں مگر کیا...... کیا میں اسے یہ بھی بتا دیتا کہ میرا نام میر جمشید عالم ہے۔ فون کی گھنٹی نے دوبارہ وہ جذباتی لمحہ ملتوی کر دیا۔ سیکرٹری نے اطلاع دی کہ راجے پور کے رئیس سرگوپی ناتھ اپنے خاندان کے ہمراہ تشریف لائے ہیں۔
دنیش چندر نے مجھے دروازہ کھولنے کے لیے اشارہ کیا۔ سرگوپی ناتھ کو میں نے پہلے بھی ایک دو بار دیکھا تھا۔ اس کی بیوی' دو نوجوان بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں وہاں سے ہٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا پھر مجھے وہ جگہ بھی بدلنی پڑی کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ سرگوپی ناتھ کی دونوں لڑکیاں' میری طرف دیکھ کے کچھ سرگوشیاں کر رہی ہیں اور شرما رہی ہیں۔ راہ داری میں آ کے میں نے سیکرٹری سے کہہ کر دوسرے ملازموں کو چوکس کیا اور اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ گھر' جہاں ڈالی رہتی تھی' جہاں پیارا سا گڈا تھا' اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ زمانے میں کیا ہو رہا ہے' انسان کتنی مشکل میں ہے۔ کاش سب بچے ہی ہوا کرتے۔ بچے جو سب سے زیادہ بالغ اور باشعور ہوتے ہیں۔ جہاں انسان کے نام نہاد شعور اور بلوغ کی منزل شروع ہوئی' وہیں سے فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ میں نے پھر ایک رات ڈالی کو تنہا رہنے دیا تھا۔ وہ اب اس کی عادی ہو گئی تھی' پھر بھی اسے نیند دیر میں آئی ہوگی۔ آدھی رات تک وہ جلتی رہی ہوگی۔ میرا بس چلتا تو میں اسے بھون کے کسی شان دار کمرے میں سجا بنا کر رکھتا۔ وہ جب بھی ستھرا لباس پہن لیتی تھی' آفت ہو جاتی تھی۔
گڈا میرے پیٹ پر کھیلا اور قہقہے لگاتا رہا' میں اس کے سرخ رخسار چومتا رہا۔ ڈالی سے تعلقات خراب تھے' بات چیت بند تھی' دو بجے تک میں وہیں رہا۔ بہت سے چہرے میری نظروں میں گھومتے رہے اور بہت سے خیال دماغ کی نالیوں میں آوارہ پھرتے رہے۔ میجر رابرٹ' پریت' اس کی بہنیں' بھون کے وہ سارے باشندے جو دنیش کو ناپسند کرتے تھے۔ سوتیلے بہن بھائی' پرانے عناد' حسد' کینے' نفرتیں' ہم نہیں تو تم بھی نہیں۔ ابھی حالات کا رخ متعین نہیں ہوا تھا۔ نہ پارو نے واضح طور پر کچھ بتایا تھا کہ جگدیپ کے دماغ کا خناس نکلا یا نہیں؟ غنڈوں کا جو فون بینا رانی کی موت کے

دن مجھے موصول ہوا تھا' اسے میں نے بظاہر بھلا دیا تھا لیکن وہ ساری گالیاں مجھے ازبر تھیں۔ پولیس کا وہ بند کمرہ میرے ذہن پر مرتسم ہو چکا تھا' جہاں ہنٹر لگتے رہتے ہیں جس شخص نے پولیس میں میرا نام لیا تھا' وہ شخص بلکہ اشخاص اب بھی زندہ تھے۔ دنیش چندر اور میری شناسائی کی رسوائی لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ اب بھون کی ساری آبادی جمع کر کے یہ اعلان کردیا جائے کہ میں اس کا مقرب خاص ہوں' میرا حکم تمام ملازموں پر افضل ہے اور میرا عہدہ ایک دم بڑھا دیا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ لوگ جب اس کے سامنے میری توہین کرتے ہیں اور مجھے ذلیل لفظوں سے مخاطب کرتے ہیں تو ان کا منہ نوچ لینے کو اس کا جی چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے دشمن کیوں بڑھا رہا ہے؟ ابھی جو ایک تذبذب کی کیفیت ہے' وہ اسے صاف کرنے کی فکر میں کیوں ہے؟ ابھی ایک دیوار' ایک حجاب درمیان میں ہے' یہ حجاب ختم ہو جائے گا تو اور پریشانیاں پیدا ہو جائیں گی' پھر میں قلانچیں نہیں بھر سکوں گا' میرے پیروں میں زنجیریں پڑ جائیں گی۔

تین بجے ڈالی سے میں نے اٹھتے اٹھتے کہا کہ وہ پارو رانی کو جا کے مطلع کرے کہ موہن تیار ہے۔ پارو کے نام پر ڈالی نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور تنک کر بولی۔ ''تیرا نام زنانیوں میں خوب اچھل رہا ہے۔''

''چل چل کام کر' بکواس بند کر۔'' میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کا مزاج ذرا سنبھلا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ پارو نے پہلی بار اس سے توجہ سے بات کی ہے۔ ورنہ اس کا پارہ ہمیشہ چڑھا رہتا تھا۔ وہ ملازموں کو گھاس نہیں ڈالتی تھی' ڈالی نے مجھے سونے کے وہ کنگن بھی دکھائے جو اسے پارو نے دیئے تھے۔

''اور کیا پوچھ رہی تھی؟'' میں نے تجسس سے دریافت کیا۔

''پوچھ رہی تھی کہ موہن تیرا کون ہوتا ہے؟''

''تو نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہا کہ موہن میرا کچھ نہیں ہوتا اور سب کچھ ہوتا ہے۔''

میں نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ ڈالی پھڑپھڑاتی ہوئی میرے پنجرے سے نکل گئی۔ ''مجھ سے دور رہ۔'' اس نے چمٹا اٹھا کر کہا۔

''اچھا یہ تو بتا دے اس نے کیا جواب دیا۔''

''وہ بھون کے باہر تیرا انتظار کر رہی ہوگی' وہ بہت خوبصورت ہے' کچھ دن اس کی سیر کر لے شیرو!''

''پاگل ہوگئی ہے۔'' میں نے چپکے سے اس کے قریب جا کے گدگدی کر دی۔ وہ چیخنے اور کاٹنے لگی۔ میں گرتا پڑتا بھاگ نکلا۔ پارو کی گاڑی ابھی اندر ہی کھڑی تھی۔ میں صدر دروازے پر تین چار رسمی جملے ادا کرتا ہوا باہر چاردیواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جلد ہی دور سے پارو کی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ میں سڑک پر آ گیا۔ اس نے مجھے بٹھا لیا۔ یہ محض احتیاط کا اقدام تھا۔ وہ مجھے بھون میں بھی اپنی گاڑی میں بٹھا سکتی تھی کیونکہ اس نے تو مجھے اپنے دل میں بٹھا لیا تھا۔ میں پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چہرے پر ایک رومال باندھ رکھا تھا' بالکل انگریز کی بچی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی تیزرفتاری سے ایک ایسی سڑک پر لے گئی جہاں آمدورفت مفقود تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی' میں نے پستول اس کی گردن پر رکھ کر اسے حکم دیا۔ ''گاڑی روکو۔''

اس نے تیز بریک لگائے۔ دور تک گاڑی کی چیخیں گونج پڑیں۔ گاڑی روک کر اس نے تعجب سے مجھے دیکھا' دور نزدیک کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس کا رومال ہٹا کے اس کے تاباں رخساروں کے بوسے لے لیے اور کہا۔ ''چلو۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔''

''تم اتنی اچھی کیوں لگ رہی ہو۔''

''اوہ۔'' وہ غصے سے لال ہوگئی اور گاڑی پہاڑوں سے گزارتی ہوئی ایک وادی میں لے آئی۔ یہ ایک بڑا میدان تھا' چاروں طرف سرسبز پہاڑ تھے۔ اس کے حکم پر میں اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے سنجیدگی سے مجھے گاڑی کے ایک ایک پرزے کے متعلق بتایا۔ یہ اسٹیئرنگ ہے' یہ گیئر' یہ کلچ' یہ بریک' یہ سوئی پٹرول' یہ سوئی فاصلہ اور یہ سوئی حرارت بتاتی ہے' کون سے پرزے کا کیا وظیفہ ہے' پھر اس نے مجھے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے کی ہدایت دی اور مجھے بہ غور ان کی حرکت دیکھنے کا حکم دیا۔ میں اس کے تمام احکامات کی تعمیل ایک سعادت مند شاگرد کی طرح کرتا رہا اور اس سے مکتب کے بچے کی طرح سوال کرتا رہا۔ پھر اس نے مجھے اسٹیئرنگ کی نشست پر بٹھا دیا اور خود میرے برابر بیٹھ گئی۔ اتنے قریب کہ اس کے بدن کے گداز مجھ پر نشہ طاری کرنے لگے۔ اسٹیئرنگ پر اول اول میرے ہاتھ لرزتے رہے۔ گاڑی نے جیسے شراب پی لی

تھی۔ ادھر ادھر ڈول رہی تھی' پارو بار بار حکم دیتی ایکسی لیٹر سے پیر ہٹاؤ' کلچ چھوڑو' کلچ دباؤ' گیئر بدلو' بریک لگاؤ۔ اس کا چہرہ میرے چہرے سے نزدیک تھا۔ میرے بائیں طرف وہ' مجھ سے چپکی ہوئی تھی۔ اس کے بدن کی رگڑ سے جسم میں چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔ میں کبھی سامنے دیکھتا' کبھی اسے دیکھتا تھا' آخر وہ تھک گئی۔ ''تم میری طرف کیا دیکھتے ہو۔''

''سامنے کیا دیکھوں؟ تم نے ہوش جو خطا کردیے ہیں۔''

''اس وقت تم ایک طالب علم ہو' سمجھے؟'' وہ ڈانٹ کر بولی۔ میں نے ایک اچھا طالب علم بننے کی بہت کوشش کی' پھر میں ایک جگہ ٹھیر گیا۔ ''کیوں رک کیوں گئے؟''

''پہلے میں تمہیں دیکھ لوں۔'' میں نے اسے آغوش میں بھینچ لیا۔

''تم سنجیدہ نہیں ہو' چلو واپس چلتے ہیں۔'' وہ تڑپتی ہوئی بولی۔

دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد مجھے اسٹیرنگ پر کچھ کچھ قابو آ گیا۔ میرے ہاتھوں سے گاڑی چلی' بہکی' اچھلی' ڈگمگائی لیکن میں نے پارو کی طرح اس پر قبضہ حاصل کرلیا۔ ایک دن' دو دن' تین دن' تیسرے دن میں اسے لے کر ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ پارو ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھا کرتی تھی' اسے ڈر تھا کہ میں گاڑی کہیں ٹکرا دوں گا۔ اسٹیرنگ پر بیٹھ کے آدمی بالکل بدل جاتا ہے۔ اس کا چہرہ گمبھیر ہو جاتا ہے' جیسے وہ کوئی بڑا کام انجام دے رہا ہے۔ گاڑی چلا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے پیروں کے بجائے چار پہیے نکل آئے ہیں اور وہ سب کو پیچھے چھوڑتا ہوا بڑھا جا رہا ہے۔ اسٹیرنگ کے گول پہیے پر دنیا کا گمان ہوتا ہے' گویا دنیا ہاتھ میں آ گئی ہے۔ کچھ فتح مندی کا احساس ہوتا ہے' ایک سرشاری' چہرے کو نئی نئی شکلیں دینے کو جی مچلتا ہے' آنکھیں تیز' سوچتے ہوئے' کبھی طنطنہ' کبھی لاابالی پن' گاڑی پر بیٹھ کر آدمی دگنا ہو جاتا ہے' میں راجے پور میں دور دور تک نکل گیا اور پارو میرے پہلو سے چپکی مجھے ڈراتی سہمتی اور ڈرتی رہی۔

ان تین دنوں میں راجے پور میں بظاہر خاموشی طاری رہی مگر دنیش اور میں پوری طرح مصروف رہے۔ سہ پہر کو میں پارو کے ساتھ نکل جاتا اور شام ڈھلے واپس آتا۔ ایک دن مہاراجہ اور کنول بھی میری عدم موجودگی میں آئے۔ کنول نے دنیش سے پروفیسر زاہدی کے بارے میں استفسار کیا' اس نے یہ نہیں بتایا کہ پروفیسر کی ایک جھلک

اس نے راجے پور کے چوک میں دیکھی تھی۔ گزشتہ رات دنیش نے میجر رابرٹ کو مدعو کرکے ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا تھا۔ میں بہ وجوہ اس کے سامنے نہیں آیا۔ دنیش کے بیان کے مطابق ترنم نے اپنے گلے کا جادو جگا کے رابرٹ کو دیوانہ کردیا۔ اس نے دنیش چندر سے اشارتاً کہا کہ وہ ترنم کو چھاؤنی میں مدعو کرنا چاہتا ہے۔ دنیش نے کسی مناسب موقع کا بہانہ کرکے اس کا شوق اور فزوں کردیا تھا' خود میں دروازے کی اوٹ میں کھڑا ترنم کا رس اور رنگ سن رہا تھا۔ جب سازوں کے ساتھ اس کی آواز ملی تو بات ہی کچھ اور ہوگئی۔ میجر رابرٹ ہی کیا' میرا بھی جی چاہتا تھا کہ اندر جا کے اسے اتنا پیار کروں کہ وہ لہولہان ہو جائے۔

ہم بھون میں ہر شخص پر نظر رکھے ہوئے تھے' کون کہاں جاتا ہے؟ کہاں کھچڑی پک رہی ہے؟ پریت نے باہر جانا شروع کردیا تھا اور یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ نظر آنے لگی تھی۔ میں نے اصرار کرکے پارو کو کئی بار جگدیپ کے ہاں ارسال کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہاں اسے میجر رابرٹ اور اس کے ساتھی بھی نظر آئے چنانچہ مجھے پارو کو ایک رات چھاؤنی کے خاص کلب میں بھیجنا پڑا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چھاؤنی کے علاقے میں پارو سے زیادہ اثرورسوخ کسی شخص کا نہیں ہے۔ وہ ایک بجلی تھی جو انگریزوں کے عقل و ہوش پر گر جاتی تھی۔ پارو نے اس درمیان مجھے بہت سی باتیں بتائیں اور میجر رابرٹ سے خاص تعلق کا اشارہ بھی کیا' اس بنیاد پر میں نے پارو کے ساتھ زیادہ وقت صرف کیا میں اسے کریدتا' تپاتا اور پریشان کرتا رہا۔

چوتھے دن میں اور پارو اسی وادی میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں میں ڈرائیونگ کی مشق کرتا تھا۔ اچانک ہم نے ایک گھرر گھرر کرتی ہوئی آواز اپنے قریب محسوس کی۔ ہم گاڑی سے اتر کر درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ گئے۔ ہم نے سانسیں روک لیں۔ گاڑی چھپائی نہیں جاسکتی تھی۔ دوسری گاڑی اس مختصر میدانی علاقے میں داخل ہوئی تو میں نے پتوں کی آڑ سے دیکھا وہ میجر رابرٹ تھا۔ اور اس کے ساتھ ...... اس کے ساتھ پریت تھی' وہ دونوں گاڑی سے اترے۔ ہماری گاڑی دور ایک گوشے میں کھڑی تھی۔ شاید اس پر ان کی نظریں جا پہنچیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور لمحوں میں دوبارہ گاڑی میں بیٹھ کے وہاں سے روانہ ہوگئے۔ مجھے خود پر بے حد غصہ آیا کہ میں نے پریت کو بیتارانی کا سوگ منانے کے لیے باقاعدہ مہلت کیوں دی؟ وہ چنبیلی کی شاخ اس گورے کے ساتھ تھی' جب وہ چلے گئے تو ہم جھنڈ سے باہر نکل

آئے۔ پارو نے مسکرا کر پوچھا۔ ’’تم بہت حیرت زدہ ہو؟‘‘

’’ہاں یہ خاصا دل خوش کن منظر تھا۔‘‘ میری آواز میں تلخی تھی۔

’’یہ ایک عام بات ہے۔ رابرٹ راجے پور کے ایسے بہت سے سنسان گوشوں سے واقف ہے۔ آج تم نے خود دیکھ لیا۔ اب کیا خیال ہے؟ آہ دنیش چندر...... مجھے وہ تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ پسند ہے۔‘‘ پارو طنز سے بولی۔

میں گاڑی بھگاتا ہوا بستی تک لے آیا۔ بستی کی حدود میں داخل ہو کے میں نے اسٹیئرنگ پارو کے حوالے کردیا اور خود پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ ’’تم تو کہتی تھیں کہ تمہارا میجر رابرٹ سے خاص تعلق ہے؟‘‘

’’وہ اب بھی ہے‘ خاص تعلق سے تم کیا سمجھتے ہو‘ میں اب بھی ان کے لیے سب سے زیادہ اہم ہوں۔ تم سمجھتے ہو گے کہ میجر رابرٹ نے مجھ پر آسانی سے قابو پا لیا ہوگا؟ میں پریت یا کوئی اور لڑکی نہیں ہوں مسٹر! میں اب بھی اس کے لیے ایک تازہ لڑکی ہوں۔ میں نے اس سے ایک حد تک رابطے رکھے ہیں۔ اپنے آپ کو ضائع نہیں کیا ہے۔‘‘

’’میں سمجھ رہا ہوں‘ تم نے اپنی ارزانی کا ثبوت نہیں دیا ہوگا۔‘‘

’’میں اس کی ضرورت تھی اور ہوں‘ اس لیے نہیں کہ وہ میرے بدن کے ذائقے سے محروم رہا ہے اور اس کے دل میں میرے لیے اب تک ایک تشنگی ہے‘ یہ تشنگی ختم ہو جائے تو سب ختم ہو جاتا ہے۔ میجر رابرٹ ایک بوالہوس اور ہرجائی شخص ہے‘ میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ میجر رابرٹ میرے اچھے ملاقاتیوں میں شامل ہے‘ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن میں انہیں اپنے حسن کے اعزاز سے ضرور نوازوں گی۔ میں اس کی ضرورت اس لیے رہی کہ میں اسے سب سے قیمتی معلومات اور مشوروں سے نوازتی تھی۔‘‘

’’پارو میجر رابرٹ سے دوبارہ قریب ہونے کی کوشش کرو۔‘‘

’’نہیں۔ اب میں ان الجھنوں سے دور ہونا چاہتی ہوں۔‘‘

’’یہ میں کہہ رہا ہوں‘ صرف چند دنوں کے لیے تمہیں اس کی تشنگی بڑھانی ہے۔‘‘ میں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

’’تمہارا مقصد کیا ہے؟‘‘ وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

’’میں مقصد تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ میری خاطر ایسا کرو۔‘‘

وہ وقت سے آمادہ ہوئی۔ اس دن شام کو مجھ پر اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ میرے قدم پریت کی جانب اٹھے‘ چست لباس میں وہ اکہرے بدن کی لڑکی پریت‘ جس کی ناک اور بھنویں ہمیشہ چڑھی رہتی تھیں‘ وہ نیم کولی‘ میں نے بہ مشکل اپنے قدم روکے‘ میں بے اختیار سادھو کی تلاش میں مہمان خانے کے مندر تک چلا گیا۔ وہاں وہی کرتچھے والا پنڈت ایشوری لال ملا۔ وہ میرے کوارٹر پر میرے درشن کے لیے دوبارہ گیا تھا۔ پنڈت ایشوری لال مجھ سے اپنے ساتھ گپھاؤں میں چلنے کے لیے اصرار کرتا رہا۔ میں نے جواب دیا‘ ابھی میں میدانوں میں ہوں‘ جب گپھاؤں کا وقت آئے گا تو میں اسے ساتھ لے جاؤں گا۔ یہیں سے مجھے کیچو کا خیال آیا اور میں نے شدت سے اس کی طلب کی۔ میں نے آہستہ آہستہ آوازیں دیں۔ آخر ناکام واپس آ گیا۔ شاردا نے کہا تھا کہ وہ رات کو دنیش چندر کے ہاں ملے گی۔ اس سے باقاعدہ ملے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی اور وقت گزاری کے لیے ہیگل کا بادشاہ پڑھ رہی ہوگی یا روسو کا عمرانی معاہدہ مکالمات افلاطون۔ وہ اپنے افلاطون کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں تصوری اور عینی فلسفے کے بجائے عملی اور اطلاقی فلسفے کی تعلیم کے لیے پارو کے ہاں چلا گیا۔ وہ غنچہ دہن کھل اٹھی۔ میں رات بھر اس کے ساتھ جاگتا رہا۔ صبح میرے اندر بڑی توانائی تھی۔

ادھر شاردا بھی جاگ رہی تھی۔ دنیش چندر بھی گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اپنی طبیعت کی خرابی کا معمولی بہانہ کیا۔ وہ دونوں اپنے اپنے طور پر یہ سمجھے ہوں گے کہ میں دوسرے کی موجودگی میں صحیح بات بتانے سے گریز کر رہا ہوں‘ ٹھیک گیارہ بجے میں نے اندر کے کمرے سے پارو کو فون کیا۔ ’’کب؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’بارہ بجے۔‘‘ اس نے مختصر جواب دیا۔ میں نے فون بند کردیا۔ راہ داری میں مجھے پریت نظر آ گئی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ لہرا سی گئی۔ اس نے دو تین بل کھائے اور شعلے بکھیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے یہ آدھ پون گھنٹہ بھون کے بہت سے ملازموں کے درمیان گزارا اور گیراج میں کھڑی ہوئی پارو کی گاڑی میں پچھلی نشست کے پیر رکھنے کی جگہ پر چھپ گیا۔ گاڑی کھلی ہوئی تھی اور پارو نے خاص طور پر گیراج میں چھوڑ دی تھی۔ پندرہ منٹ کی شدید ذہنی اذیت کے بعد کوئی گیراج میں داخل ہوا اور گاڑی کا دروازہ کھلا۔ وہ پارو تھی۔ اس نے ساڑھیوں کے کئی بنڈل مجھ پر ڈال دیے۔ گیراج سے نکل کر اس نے صدر دروازے تک پہنچنے سے پہلے کئی ہارن

بجائے جب تک وہ پہنچی اسے دروازہ کھلا ہوا ملا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ دس منٹ بعد اس نے مجھے آواز دی۔ ''اوپر آجاؤ۔'' میں ساڑھیوں کے بنڈل اٹھاتا ہوا پچھلی نشست پر آرام سے بیٹھ گیا۔ اب ہم راجے پور کی بستی سے دور آ گئے تھے۔ اردگرد سرسبز پہاڑیاں تھیں' ہم وہیں پہنچ گئے جہاں وہ مجھے ڈرائیونگ سکھاتی تھی۔ میں اتر کے قریب ہی ایک جھنڈ میں چھپ گیا۔ پارو گاڑی میں بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد کوئی گاڑی آنے کی آواز آئی۔ میرا دل گھڑی کے پنڈولم کی طرح ٹک ٹک کرنے لگا۔ کار کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ میں سانس روکے بیٹھا رہا۔ چند منٹ بعد مجھے ان دونوں کی باتوں کی آوازیں آئیں' وہ میرے قریب آ رہے تھے۔ میں نے خود کو پتھر بنا لیا۔

پارو اس سے انگریزی میں کہہ رہی تھی: ''میجر! فرض کرو' ہم یہ دستاویزات تمہارے حوالے نہ کریں تو؟''

''آپ مجھے غلام بنانا چاہتی ہیں' میں تو پہلے ہی آپ سے بہت متاثر ہوں' میں سوچ رہا تھا' بہت دن ہو گئے آپ کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی۔ شاید آپ ہمیں بھول گئیں۔''

''نہیں میجر رابرٹ! ہم کام ہی کر رہے تھے اور کوئی بہت بڑی خبر سنانے کے منتظر تھے۔'' وہ باوقار انداز میں کہہ رہی تھی۔

''مجھے یقین تھا۔ میں نے آپ کے بارے میں ایک بہت شاندار رپورٹ بناکے ہائی کمان کو بھیجی ہے۔ برطانوی سلطنت آپ کی خدمات فراموش نہیں کرسکتی۔''

''میجر! ہم پرکاش بھون کی خفیہ دستاویزات آپ کے حوالے کر رہے ہیں اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ راجے پور میں متعین دوسرے انگریز اس کی اہمیت اور اس کے ذریعے سے واقف ہوں۔ اسی لیے ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آج کی ملاقات انتہائی اہم ہے' اس کا تذکرہ آپ کسی سے نہ کیجئے گا۔ پتہ نہیں' آپ نے خیال کیا یا نہیں؟''

''یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ کیا اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟ میں ایسے معاملات میں انتہائی رازداری برتتا ہوں۔ اسی لیے مجھے راجے پور کے سوا کہیں تبدیل نہیں کیا جاتا۔''

''ہم نہیں چاہتے کہ کرنل ہارڈنگ کو بھی پتہ چلے۔ ہمیں ان کی ذہانت اور تدبر پر شبہ ہے۔'' پارو طمطراق سے بولی۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کرنل تک کو اس سے مطلع نہیں کیا جائے گا۔''

''مگر آپ نے کسی کو یہ خبر تو ضرور دی ہوگی کہ ہم نے آپ کو طلب کیا ہے؟ آپ واپسی پر انہیں کیا بتائیں گے؟''

''میں حسین عورتوں سے ملنے کی خبریں نہیں دیا کرتا۔''

''آپ کو معلوم ہے کہ ان دنوں حالات بہت نازک ہیں۔ ہم پر ہر طرف سے شبہ کیا جا رہا ہے۔ دنیش چندر کی طرف سے بھی اور جگدیپ کی طرف سے بھی' اس لیے ہم نے خاص طور پر یہ ہدایت کی تھی کہ آپ ہمارے بارے میں اپنے کسی ساتھی میجر ڈگلس' کیپٹن راس یا کسی اور کو مطلع نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے انہیں مطلع کیا ہو تو ازراہ کرم انہیں تاکید کردیں کہ وہ ہمارے ذکر میں بہت احتیاط سے کام لیں۔''

''میں وقت سے پہلے اپنی سرگرمیوں کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا' اس لیے میں نے اپنے کسی ساتھی سے ذکر نہیں کیا ہے۔''

پھر پارو نے دل کش آواز میں کہا۔ ''میجر رابرٹ آپ ایک ذمے دار افسر ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آج برطانوی سلطنت اپنے ایک مکار اور فتنہ پرداز شخص سے محروم ہو جائے گی' ہم نے آپ کا فیصلہ کردیا ہے۔''

میں پیچھے سے اچک کر سامنے آ گیا تھا اور میرے پستول کی نال رابرٹ کی گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔ اس کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ میں نے اس کے چہرے کا رنگ تو نہیں دیکھا لیکن پارو کا سرخ چہرہ مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔ میں نے میجر کی جیب سے پستول نکال لیا اور سامنے آ کر اس سے کہا۔ ''میجر رابرٹ! ہمارے پاس وقت نہیں ہے جو ہم تمہیں فرد جرم سنائیں۔ تم ہندوستانیوں سے خوب کھیلے' ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں مار کے ہم برطانوی سلطنت کو شکست نہیں دے دیں گے لیکن تمہارے آقاؤں کو یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم اتنے بے غیرت نہیں ہیں جتنا وہ ہمیں سمجھتے ہیں۔''

''ت...... تم غلطی کر رہے ہو۔ سب کو معلوم ہے کہ میں چھاؤنی سے پارو رانی کے پاس آیا ہوں۔'' اس نے ہندوستانی میں کہا۔

''تم پہلے ہی اس کا اقرار کر چکے ہو۔'' یہ کہتے ہی میں نے اس کی گردن پر

ایک زور کا وار کیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ میں نے ایک بھرپور ضرب لگائی' وہ صرف دو تین ضربوں میں بے ہوش ہوگیا۔ پارو نے میری مدد کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے ہٹا کے رابرٹ کو کار کی ڈکی میں ٹھونس دیا اور باہر سے تالا لگا دیا۔ ''تم جیپ چلاؤ میں گاڑی چلاتا ہوں۔''

پارو پھرتی سے جیپ میں بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ پارو مجھ کی جیپ میں پیچھے آ رہی تھی اور میں جلد سے جلد سب سے اونچی پہاڑی پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یہ کچا پکا راستہ تھا' ڈر تھا کہ کہیں گاڑی خراب نہ ہو جائے۔ ایک اونچے مقام پر پہنچ کر میں نے اسے ڈکی سے نکالا' وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ میں نے اسے کنارے پہ رکھ دیا اور ایک ہلکی سی ٹھوکر سے ہزاروں فٹ گہری کھائی میں پھینک دیا۔ پارو کی جیپ بھی آ گئی تھی۔ میں نے گاڑی پیچھے ہٹا کے اسے کنارے سے جیپ قریب لانے کا اشارہ کیا۔ جیپ کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا' میں نے تیزی سے پارو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جیپ کو کھائی میں دھکا دے دیا۔

ایک زبردست دھماکا ہوا۔ جیپ کھیل کھیل ہوگئی۔ رابرٹ کے زندہ بچنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ روح اتنی بے حس نہیں ہوتی۔ کسی تاخیر کے بغیر میں نے خود کو ڈکی میں بند کرلیا اور پارو انتہائی تیز رفتاری سے واپس گاڑی بھگانے لگی۔ اس کی تیز رفتاری کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ بستی کے قریب پہنچ کے وہ کچھ ست پڑ گئی اور جب ایک مقام پر گاڑی ٹھیری تو میں سمجھ گیا کہ وہ پروگرام کے مطابق چوک میں ساڑھیاں تبدیل کرنے کے لیے شہر کی سب سے بڑی دکان میں گئی ہے۔ پسینے سے میرا جسم تر بتر تھا۔ پارو نے آنے میں دیر لگا دی۔ میرا برا حال ہوگیا۔ پھر کہیں گاڑی چلنے کی آواز آئی۔ تیز ہارنوں کا شور گونجا اور گاڑی ٹھیر گئی۔ کئی صدیاں گزارنے کے بعد پارو نے ڈگی کا ہینڈل گھمایا۔ اس نے گاڑی نشیب کی دیوار کی طرف الٹی کھڑی کی تھی تاکہ میں آسانی سے اتر سکوں ۔ اس کے جانے کے چند منٹ بعد میں نے ڈگی اوپر کی' گیراج میں سناٹا تھا۔ میں آہستہ سے نکل آیا۔ کچھ دیر حواس درست کرنے کے لیے میں دیوار سے چپکا رہا اور اردگرد کی سن گن لیتا رہا۔ ہر طرف سے اطمینان کرکے میں باہر آ گیا اور ملازموں کو سلام دعا کرتا ہوں دنیش چندر کے محل میں داخل ہوگیا۔

☆......☆......☆

راہ داری میں آتے ہی سب سے پہلے میری نظر سندھیا پر پڑی۔ سندھیا وہ سویرا تھا جو بس اب' بس اب روشن ہوا چاہتا تھا' صبح صادق' بند کلی' آم کے درخت پر لگی ہوئی کیری' جس کا رنگ بدل رہا ہو اور شاخ جھکی جاتی ہو۔ وہ الھڑ لڑکی' اس کے والد نے آٹھویں جماعت پاس کرلی تھی اور وہ اتنی تیزی سے زندگی کے سبق پڑھ رہی تھی کہ اسے بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا تھا۔ وہ ہر روز ایک نئی لڑکی نظر آتی تھی' پہلے سے زیادہ رنگین' چمک دار اور تیز' وہ ککڑی کی طرح سرسراتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ کہاں بھی اس نے ایسا پہننا شروع کردیا تھا کہ رنگ خودبخود توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتے تھے۔ میں نے اس سے نظریں بچانے کی کوشش کی لیکن اس نے خود کو موتیا کے گملے کی طرح سے راہ میں نصب کر دیا۔ اس کی ہرن آنکھوں میں آگ لگ رہی تھی۔ یہ آگ اچانک نہیں لگ جاتی' غور و فکر کے بعد لگتی ہے' دھیمے دھیمے سلگتی رہتی ہے۔ اس کی آنکھیں اس کے بدن کے مقابلے میں جلد جوان ہوگئی تھیں۔ سندھیا کے چہرے پر زردی سی ہریالی تھی مگر اس کا پھل اندر سے سرخ معلوم ہوتا تھا۔ بھون کی زمین ایسی زرخیز تھی کہ دیکھتے دیکھتے لڑکیوں کی فصل لہلہانے لگتی تھی۔ میں نے وہ خوشہ گندم کے آگے نکل جانا چاہا۔ اس وقت میرے ذہن میں لو چل رہی تھی۔ میں جلد سے جلد دنیشا چندر کے پاس جانے کے لئے مضطرب تھا اور احتیاطاً بہت سے لوگوں کو اپنا چہرہ دکھا دینا چاہتا تھا لیکن اسے داد دینا لازم تھا۔ ماتم کے وقت بانسری بجانے' بھوک میں دنیا کی سیر کرنے کی صورت تھی۔ وہ ایک حسین شعر تھی' مرصع مسجع۔ وہ گردن سے پیروں تک کڑھا ہوا لباس پہنے ہوئے تھی۔ ایک چوغہ' جس میں اس کا قد اور لانبا ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے اضطراب کے باوجود اسے غور سے دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے خطابات سے نوازنے میں کوتاہی نہیں کرے گی۔ لیکن اس نے میری نظر بھانپ لی تھی۔ اس لئے اس کے سراپا کا تیور بدل گیا اور ایک تبسم اس کے نازک ہونٹوں پر تیرنے

لگا۔ ''موہن ! اس نے جھجکتے ہوئے پرسوز انداز میں مجھے مخاطب کیا۔ ''دیکھو' میں ک
بڑی لگتی ہوں۔''

''واقعی''! میں نے سرتاپا اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''آج تو آپ ک
لگ رہی ہیں۔''

وہ اترا گئی' لہرا گئی۔ ''سچ ؟'' اس کے لب پھڑکنے لگے۔

''دور سے جب آپ نظر آئیں تو میں پہچان نہ سکا کہ یہ آپ ہیں یا ک
اور''۔ میں نے اپنی آنکھوں میں حیرت بھرتے ہوئے کہا۔

''اور جب میں قریب آئی ؟''

''جب آپ قریب آئیں تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔'' میں
برجستہ کہا۔ ''آپ تو' آپ تو' آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔ اس دن آپ مجھ سے نارا
ہوگئی تھیں۔ ہیں نا ؟''

''میں نے تمہیں معاف کر دیا۔'' وہ ایک شان سے بولی۔

''اس دن نہ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا۔'' میں نے ندامت سے کہا۔

''چھوڑو'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''تم مجھے اچھے لگتے ہو تمہارے سا
باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے مگر تم ملتے ہی نہیں۔''

''اب میں آپ سے ضرور ملا کروں گا۔''

''کہاں ؟'' وہ اشتیاق سے بولی۔

''جہاں آپ بلائیں۔ دیکھیے' اگر کسی نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا تو آپ
کا تو کچھ نہیں بگڑے گا' مجھ پر آفت آجائے گی۔''

''کیوں ؟'' وہ سادگی سے بولی۔ ''یہاں سبھی عورتیں مردوں سے ملتی ہیں۔''

''مگر میری آپ کی بات اور ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

''تو پھر چھپ کر ملیں' رات کو میرے کمرے میں آجاؤ۔''

میں نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''تو پھر باغ میں چلے چلیں گے' رات کو وہاں کوئی نہیں ہوتا۔''

''نہیں' نہیں' سنا ہے رات کو باغوں میں سانپوں کا راج ہوتا ہے۔''

''ہم نہیں جانتے۔'' وہ مچل کر بولی۔

راہ داری میں دیر تک اس سے باتیں کرنا ناشائستگی تھی۔ میں نے گھبراہٹ ک

ہار بھی کیا لیکن آج اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ مجھ سے معاہدہ کیے بغیر نہیں ٹلے
ی۔ میں نے کسی قدر تذبذب سے جواب دیا۔ ''کیا کہوں' میرا خود آپ سے ملنے کو
ت دل چاہتا ہے' میں ملنے کی کوئی مناسب جگہ تلاش کرکے آپ کو بتا دوں گا۔ پھر ہم
ں چلیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔ ٹھیک ہے نا؟'' اس کے سوا کوئی صورت نہیں
ی۔ ہر ملازم میں ایک خوبی لازم ہے۔ ہاں کی خوبی۔ جو نا کرتے ہیں' وہ گدھے
تے ہیں اور انہیں چارہ نہیں ملتا۔

''کب؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''ذرا انتظار کیجیے۔'' میں نے بے ربطی سے کہا۔ ''بس دو ایک دن میں کوئی
یب نکال لوں گا لیکن آپ ......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''میں کیا ؟ تم کیا کہہ رہے تھے ؟'' وہ ضد کرنے لگی۔

''میں سوچتا ہوں' آپ پھر غصے نہ ہوجائیں۔ آپ راج کماری ہیں' آپ
کے غصے سے ڈر لگتا ہے' آپ ناراض نہ ہو جائیں۔''

''ہوں۔'' اس نے ایک اور ادا سے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ''پہلے کی بات اور
ں۔ تم کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ خبر ہے یہاں۔'' اس نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''لوگ تم
سے بہت ناراض ہیں۔''

''کون لوگ ؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''پتہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں تم کوئی بہت خطرناک آدمی ہو۔ ہر جگہ تمہارا ذکر رہتا
لوگ تمہیں پسند نہیں کرتے۔''

''اور کیا کہتے ہیں' آپ مجھے نہیں بتائیں گی؟''

''نہ جانے کیا کیا بکتے رہتے ہیں' بہت سی باتیں ہیں۔'' وہ چہکتی ہوئی بولی۔
میں یہاں تمہیں نہیں بتا سکتی' آؤ باہر چلیں۔''

''نہیں' یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ یہ بتائیے' آپ تو مجھے برا نہیں سمجھتیں؟''
ٹھرا گئی۔ ''اب میری تمہاری دوستی ہوگئی ہے۔''

''لیکن ایک شرط ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''آپ کسی کو نہیں بتائیں گی'
کسی کے سامنے مجھ سے اپنی دوستی کا اظہار نہیں کریں گے ورنہ لوگ میرے اور دشمن ہو
جائیں گے۔''

وہ کہیں گم ہوگئی' پھر چونک کر بولی۔ ''مگر اب تم مجھ سے ملتے رہو گے نا ؟''

اس نے میری شرط قبول کرلی تھی۔ وہ لڑکی مصور جس کا پیکر تراشنے کے لئے
موقلم سنبھالے بیٹھے ہوں، وہ شاخِ نازک، مجھے اپنی سادگی پر ترس آیا۔ یقیناً میں نے اس
کی توہین کی تھی۔ اپنی بانہوں کا جو اعزاز وہ میری گردن میں ڈالنے کے لئے آمادہ تھی
میں نے اس کی قدر نہیں کی تھی۔ قرعہ فال میرے نام نکل آیا۔ بھون میں کسی نہ کسی
ملازم یا راجے پور کے کسی نہ کسی نوجوان کے نام تو نکلتا۔ میں نے خود کو ملامت کی
بھون میں اتنے دن رہنے کے باوجود یہ چھوٹی سی بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی
سندھیا، کتنے سر اس کے خوابوں سے بوجھل رہیں گے، وہ راتیں، وہ دن، بس آیا ہی
چاہتے تھے جو اس کی یاد میں بے قرار رہیں گے۔ شیرینی تقسیم ہو رہی تھی۔ میں نے ہا
ہاتھ دراز کرنے میں بخل کیا۔ میں نے نقصان اٹھایا۔ پرکاش بھون میں اپنے ایک
دوست سے دور رہا۔ سندھیا میرے لئے ایک ریکارڈ ثابت ہوتی۔ جس میں لفظ قید ہو
جاتے ہیں اور جب انہیں سوئی کے نیچے رکھو چغلی کرنے لگتے ہیں۔ سامنے سے مہارانی
مایا دیوی آرہی تھیں، میں ایک طرف کھسک گیا۔ اندھیروں، رازوں اور پردوں میں
التفات پروان چڑھتا ہے۔ میں سندھیا کو اس ابتدائی نکتے سے آشنا کرنا چاہتا تھا۔
ساڑھے تین بج رہے تھے۔ ہم بھون سے بارہ بجے روانہ ہوئے تھے تین
تین گھنٹے بعد میں بھون میں موجود تھا اور اس مختصر عرصے میں ایک اہم واقعہ رونما ہو
تھا۔ سب سے پہلے مجھے یہ اندازہ کرنا تھا کہ میری عدم موجودگی میں کسی کو میری
ضرورت تو محسوس نہیں ہوئی۔ پرکاش بھون کی اس کثیر آبادی میں کوئی بھی کسی وقت
مجھے طلب کرسکتا تھا۔ کوئی رانی، راج کماری، راج کمار یا کوئی اور شخص، کسی کو بھی میرا
خیال آسکتا تھا۔ گو ایسی طلبیاں اب بہت کم ہوگئی تھیں۔ سب کو معلوم تھا کہ میں صرف
دنیش چندر کے لئے مخصوص ہوگیا ہوں۔ بھون میں سب کے اپنے اپنے ملازم
باندیاں تھیں۔ پھر بھی کہیں سے میرے نام کی پکار ہوسکتی تھی۔ کسی نے مجھے بھون
آتے جاتے تو نہیں دیکھا تھا۔ پارو نے بھی ہر ممکن احتیاط برتی تھی۔ میری نظروں میں
میجر رابرٹ کا خوف زدہ چہرہ گھوم رہا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والا واقعہ
ذہن سے جھٹکنے کی ہر ممکن کوشش کی راہ داری میں میری رفتار معمول پر تھی۔ کوئی قیا
نہیں کرسکتا تھا کہ میرے سینے میں ایک طوفان اٹھا ہوا ہے۔ کتنے چہرے میری طرف
ہوتے ہیں۔ دنیش چندر دروازے کے سامنے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہیما اور کسم
وہاں موجود تھیں، ایک اور نئی لڑکی بھی وہاں فروکش تھی، فروکش میں نے یوں کہا کہ

شہزادی تھی جو اس دیوان میں جلوہ فرما تھی۔ میں نے اس شفق رنگ کو اس سے
یہاں نہیں دیکھا تھا۔ سبھی اس میں منہمک تھے لیکن میری آمد نے سب کو درہم و
کر دیا۔ "یہ کون ہے؟" نووارد لڑکی نے تیز انگریزی میں دنیش سے پوچھا۔
"ہمارا خاص ملازم موہن داس۔" دنیش نے کسی قدر فخر سے کہا۔
"اوہ۔" اس نے انگریزوں کے انداز میں کچھ کھینچ کر یہ لفظ ادا کیا۔ "مارولس،
اسے دیکھنے کی تمنا تھی۔"
"کیوں۔؟" دنیش نے تعجب سے کہا۔
"اس کے تذکرے بہت سنے ہیں۔" اس کے لہجے میں ایک کاٹ تھی جو
کرنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔
"تم کہاں تھے موہن داس؟" دنیش مجھ سے اپنی رغبت چھپا نہ سکا۔ "آپ
گئے، میں اگلے کمرے کی ترتیب بدل رہا تھا۔ آپ ہی نے تو حکم دیا تھا۔" میں
مہذب لہجے میں کہا۔ دنیش جز بز سا ہوا مگر فوراً سنبھل گیا۔
"تم نے ریکارڈوں کو تو نہیں چھیڑا۔" اس نے تندی سے پوچھا۔
"نہیں جناب، میں نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"
"اب تو تم نے ہزاروں ریکارڈ جمع کرلیے ہوں گے؟" خوش جمال لڑکی نے
سے پوچھا۔ "لندن میں لوگ موسیقی سے تمہارے غیر معمولی ذوق کا اب تک
کرتے ہیں۔"
"میں نے وہ سب تقسیم کردیے۔ فرصت ہی نہیں ملتی، دن بھر طرح طرح کے
سنتا رہتا ہوں۔ پراسرار اور خوف ناک ریکارڈ۔" نہ جانے کیوں دنیش اس عظیم
لڑکی سے متاثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے قریب ہیما اور کسم جیسی حسین لڑکیاں
تھیں مگر وہ سب میں ممتاز تھی۔ دولت کا رنگ اس کے چہرے سے پھوٹ رہا
جلد ہی مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ جگدیپ کی بہن اور آں جہانی کنور پردیپ کی لڑکی
شوکت و سطوت اس کے ہر انداز سے نمایاں تھی۔ اس کا نام انیتا تھا۔ وہ انگلستان
اپنے باپ کے انتقال پرملال کی خبر سن کے تازہ تازہ وارد ہوئی تھی۔ گویا میں ہی
کے بلانے کا سبب تھا۔ میں خاموش کھڑا ہوا ان کی گفتگو سنتا رہا۔ راج کماری انیتا
و طرح دار لڑکی تھی۔ کئی بار اس سے میری نگاہوں کا تصادم ہوا اور اس کے
کا رنگ بدلا آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوئی۔ میں ایک ملازم، ایک ستون کی طرح

ایستادہ رہا۔ تمام ملازم متحرک ستون ہوتے ہیں۔ ملازموں کو ہنسنے کا موقع نہیں ملتا مگر وہ دل ہی دل میں اپنے آقاؤں کی نیرنگی پر خوب ہنستے ہیں۔ سب کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتے۔ چائے کے دوران میں دنیش نے انتیا سے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ سے چائے بنائے۔ جب وہ پیالیوں کی طرف جھکی اور اس کی نظروں کو میرا جائزہ لینے کی تھکن سے آرام ملا تو دنیش کو مجھ سے اشاروں میں بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے؟'' میں نے اسی انداز میں اسے جواب دیا ۔

عقل حیراں ہے کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

مجھے دنیش کی قسمت پر رشک آیا۔ راج کمار کے لئے کتنی حسین لڑکیاں چائے بنانے کے لئے تیار رہتی تھیں۔ ادھر میرے جسم میں شدید دکھن ہو رہی تھی۔ اعصاب تڑخ رہے تھے۔ ایسی حالت میں ایک پیالی چائے اور وہ بھی انتیا کے ہاتھ سے مل جاتی تو سارا تکدر دور ہو جاتا۔ چائے بنانے کے بعد انتیا نے مجھے گھورنے اور تاکنے کا وطیرہ نہیں چھوڑا۔ میں نے کوئی تاثر نہیں دیا حالانکہ بہت سے تاثر دینے کو طبیعت مچل رہی تھی۔ جگدیپ کی کئی بہنوں کے دیدار کا شربت پیا تھا مگر جو بات اس ماہ جبیں زہرہ جمال میں تھی، وہ کسی میں نہیں تھی۔ اس کے رخساروں پر انگلستان سے چرائی ہوئی سرخی دمک رہی تھی۔ درآمدہ سرخ سیب، قندھاری انار۔ میں نے محسوس کیا میری تائید کے باوجود دنیش چندر اس کی دل نشیں صحبت سے کما حقہٗ حظ نہیں اٹھا رہا ہے، وہ کچھ بے چین سا تھا یا یہ میری بے چینی تھی۔ ہاں یہ میں ہی پریشان تھا۔ سامنے حسین لڑکیاں تھیں اور یہ ریاست راجے پور میں سب سے محفوظ جگہ تھی مگر کچھ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی کوئی پشت سے آ کے مجھے ڈرا دے گا یا یہ چھت گر پڑے گی۔ میجر رابرٹ کی موت کا صدمہ بتدریج میری رگوں میں سرایت کر رہا تھا۔ اندر حبس ہو تو گلستاں بھی صحرا نظر آتا ہے۔

ممکن ہے، شام تک، کل تک یا ایک دو روز بعد میجر رابرٹ کی شکستہ دریدہ لاش برآمد ہو جائے۔ شام کو جب چھاؤنی کے افسران کرنل ہارڈنگ کو میجر کی گم شدگی کی اطلاع دیں گے تو وہ سمجھے گا۔ میجر راجے پور کے کسی رئیس کے ہاں مجرا سن رہا ہوگا یا کسی ہندوستانی لڑکی کو داد عیش دے رہا ہوگا مگر وہ چھاؤنی میں اطلاع ضرور کرتا کہ آج رات اس کی واپسی ممکن نہیں ہے، وہ صبح تک اس کا انتظار کریں گے۔ راجے پور

کے تمام باثر خاندانوں میں میجر کی آمد و رفت تھی۔ وہ ایک ہر دل عزیز شخص تھا۔ سب سے بڑی خوبی اس میں انگریز ہونے کی تھی۔ اس زمانے میں علم و فضل کی بنیاد انگریزوں کی جان کاری ہوگئی تھی، جو اپنے مالکوں کی زبان سے نا آشنا ہو اس کی ذہانت مشکوک ہوتی ہے۔ ریاست راجے پور میں شستہ فارسی آمیز اردو بولی جاتی تھی۔ ہندی کے لفظ شاذ شاذ ہی استعمال ہوتے تھے مگر اب انگریزوں کے جدید اسکول کھل گئے تھے اور بڑے خاندانوں کے لڑکے لڑکیوں کا انگلستان جا کے سند حاصل کرنا وجہ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ میجر رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کو ہندوستانیوں سے قریب آنے کے لئے ہندوستانی سیکھنی ضروری تھی۔ محکوموں نے اپنی وفاداری اور اطاعت کا کچھ اس سے بڑھ کر مظاہرہ کیا تھا۔ ان کی کوشش یہاں تک ہوتی تھی کہ وہ خواب بھی انگریزی میں دیکھا کریں۔ میجر رابرٹ نئی تہذیب کا نمائندہ تھا۔ برطانیہ عظمیٰ کا کارندہ، ہندوستانیوں کے لئے اس میں بڑی کشش تھی۔ میں نے میجر کا فیصلہ کرنے میں کوئی جلدی نہیں کی تھی۔ کام ہر لحاظ سے مکمل، بے داغ طور پر انجام پایا تھا لیکن جو جو لمحہ گزر رہا تھا، وہ اس سے مرتب ہونے والے اثرات کی شدت کا احساس فزوں تر کر رہا تھا۔ ہائی کمان اپنے ایک محترم شخص سے محروم ہو جانے پر کیسے خوفناک فیصلے کر سکتی ہے۔ شبہ بہت سے خاندانوں پر جائے گا۔ انگریز اپنے اعلیٰ دماغ، ان وجوہ کی سائنسی چھان بین میں صرف کریں گے جن سے میجر رابرٹ دو چار ہوا۔ تحقیق و تفتیش کے دفتر کھل جائیں گے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی سقم تو نہیں رہ گیا؟ اگر عجلت میں کوئی نادانی ہوگئی ہے تو کیا ہوگا؟

کیا ہوگا؟ جو ہر بار ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے، وہی ہوگا۔ کالا پانی نصیب ہوگا یا شارع عام پر پھانسی کا تماشا ہوگا۔ لوگ بھی کیا یاد کریں گے، تھا ایک شخص، موت کا یہ سبب ہو تو کچھ ایسا ناگوار نہیں، اب جو ہونا ہے، وہی ہوگا، غصہ تو سرکار کو آئے گا۔ شکنیں تو جبینوں پر پڑیں گی۔ ممکن ہے، وہ بو سونگھتے سونگھتے مجھ تک پہنچ جائیں۔ پروفیسر زاہدی کا کردار خاصا مشکوک ہے، پروفیسر زاہدی کو بھون میں کسی نے نہیں دیکھا اور جس نے دیکھا اس نے موہن داس کے خط و خال اور پروفیسر میں گہری مشابہت پائی۔ موہن داس دنیش چندر کا سایہ ہے، جب زہریلا دودھ دنیش چندر کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تو اسے پتہ چل جاتا ہے۔ موہن داس وہ سانپ بھی دیکھ لیتا ہے جو دنیش کو ڈسنے کے لئے اس کے بستر میں چھپا بیٹھا تھا۔ موہن داس اور دنیش کا تعلق عشق اور مشک کی طرح رسوا ہو رہا ہے۔ انگریز میجر رابرٹ کے سلسلے میں میرا سراغ لگانے میں

کامیاب ہوگئے تو دنیش چندر' اس کا خاندان اور خصوصاً پارو بھی عتاب میں آجائے گی۔ صرف میں ہی نہیں کہ میری زندگی تو یوں بھی مستعار ہے۔ میرے اقدام سے کتنے لوگ متاثر ہوں گے' پارو متاثر ہوگی کہ اس نے اپنی ذات ترک کر دی تھی۔ دنیش چندر معتوب قرار دے دیا جائے گا۔ اور جگدیپ کے گھر میں چراغاں ہوگا۔

نہیں میں اتنے الزامات کا متحمل نہیں ہوسکوں گا مگر میں کہاں ہوں گا۔ میجر رابرٹ کی موت' میں نے خود کو متنبہ کیا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ اس کے نتائج سے نمٹنے کا ہے۔ ہم تین گھنٹے میں بخیر و خوبی کام نمٹا کے واپس آگئے تھے۔ کسی موقع پر دنیش چندر یہ گواہی دینے کے لئے تمام تر ایثار کرے گا کہ میں اس عرصے میں کہیں باہر نہیں گیا۔ کوئی نشان ہم نے نہیں چھوڑا تھا۔ میجر کی موت ایک اتفاقی حادثہ بھی قرار دی جا سکتی تھی۔ اور شک صرف مجھی پر کیوں کیا جائے گا ؟ اس کی منطقی وجوہ موجود ہونی چاہئیں۔ میں نے اپنے آپ سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔ کیا میں عواقب سے خوف زدہ ہوں ؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے ؟ نہیں' میں نے تمام امور پر غور کرکے قدم اٹھایا تھا۔ میں قطعاً خوف زدہ نہیں ہوں۔ لیکن میں نے خود سے جھوٹ بولا۔ میرا دل اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ رگ و پے میں چمک سی ہو رہی تھی۔ سرد لہریں اٹھ رہی تھیں۔ جسم بھیگا ہوا تھا۔ پیشانی کھنچی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں انگیٹھی دہک رہی تھی۔ میری پوری توجہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر تھی۔ لوگ بڑے حسین تھے' میں ان کی دل ربا باتیں' لطیفے' چٹکلے سن رہا تھا۔ انتیا کے حسن و شباب کا رعب میں نے قبول کرلیا تھا۔ اس کی نگاہوں کے ترکش میرے سینے میں پیوست ہوئے جاتے تھے۔ اس کا گلابی پیٹ' بلاؤز اور ساڑھی کے درمیان علیحدہ نظر آتا تھا۔ یہ علاقہ حسین عورتوں کا شوکیس ہوتا ہے' اس میں لوچ ہوتا ہے' گداز ہوتا ہے۔ موجیں ہوتی ہیں۔ انتیا ایک سادہ سی ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے بدن پر گوند سے ساڑھی چپکا دی گئی ہے۔ اسے دیکھ کے ڈگڈگی کا خیال آجاتا تھا جس کی کمر بہت پتلی ہوتی ہے۔ انتیا کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ دونوں حصے کمر کی ایک نازک ڈوری سے مربوط تھے۔ وہ جب کھڑی ہوئی تو اسے درمیان سے پکڑ کے ہوا میں گھمانے کی خواہش ابھرنے لگی۔ جہاں اور بہت سی خواہشیں ملبے میں پڑی تھیں۔ وہاں میں نے اسے بھی ڈال دیا۔ چند لمحوں کے لئے میں ساری دنیا سے غافل ہو کے اسی میں گم ہوگیا۔ وہ دنیش سے وعدہ لے رہی تھی کہ جب تک وہ راجے پور میں مقیم رہے

گی' دنیش نت نئے پروگرام بناتا رہے گا۔ اسے حکم دینا آتا تھا۔ یقیناً پارو میں یہ خوبی اس سے زیادہ تھی مگر یہ نازو ادا کا حکم تھا۔ پارو کے ہاں ایک جلال تھا' ایک نسوانی جلال' حسین عورتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا ناپختگی اور کج روی کی علامت ہے۔ بھلا پھولوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ ہر ایک کا رنگ الگ ہوتا ہے' خوشبو الگ ہوتی ہے۔ ہر پھول اپنی اپنی ڈالی پر سجتا ہے۔ کوئی صبح کا راگ ہے' کوئی شام کا۔ جاتے جاتے وہ دروازے پر ٹھٹکی۔ ایک نظر مجھے دیکھا پھر ملاقاتی کمرے کی اونچی دیواروں اور نقش چھت کو۔ پھر وہ دروازے کے پار ہوگئی۔ میں نے اندر کے کمرے میں جاکے پارو کا نمبر ملایا۔ فون اسی نے اٹھایا۔ اس کی آواز تھکی ہوئی تھی۔ ''کیا حال ہے ؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا۔

وہ میری آواز پہچان گئی۔ ''تم کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں' بس گم ہوں۔'' میں نے مردہ آواز میں کہا۔

''سر میں درد ہے ؟'' اس نے مبہم انداز میں پوچھا۔

''ہاں۔'' میرے لہجے میں کرب سمٹ آیا۔

''سو جاؤ۔'' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمام فکریں سلا دوں۔

''نیند نہیں آ رہی ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''مجھ سے آکے دوا لے جانا۔'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''کوئی خیر خبر۔؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

اس نے فون بند کردیا۔ میں کچھ دیر کھڑکھڑاتا رہا۔ اس وقت تکیے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ پارو کو فون کرنے کا مقصد یہی تھا کہ دو مسکن اور مفرح باتوں کا مشروب مل جائے۔ اس نے فون پر زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پارو نے مجھ سے زیادہ قابو یافتگی کا ثبوت دیا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریسیور دھرا ہوا تھا اور نگاہیں ایک سمت ٹکی ہوئی تھیں کہ دنیش چندر نے آکے مجھے چونکا دیا۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ سامنے کے دروازے سے آ رہا ہے۔

''کیا بات ہے موہن ؟ کچھ تمہاری طبیعت خراب ہے ؟'' اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔ ''ارے تمہارا ماتھا تو گرم ہو رہا ہے۔''

''اوہ نہیں۔ میں بیمار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''تم کہاں غائب تھے۔ مجھے شبہ ہے کہ تم بعض پراسرار سرگرمیوں میں

مصروف ہو۔ اچانک غائب ہو جاتے ہو۔ میں تمہارے انتظار میں سوکھتا رہتا ہوں۔"
"دنیش بابو!" میں نے کہنا چاہا لیکن میرے ہونٹ تھرا کے رہ گئے۔ میں نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا دیا۔ جیسے وہاں روئی ہوگی' میں سر رکھوں گا تو دب جائے گی۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ دنیش کے سینے میں گداز ہی گداز تھا۔ اس نے بھی زندگی دیکھی تھی۔ مجھے زور سے بھینچ لیا' کچھ اس قدر شدت سے کہ میں نڈھال ہوگیا۔ "کہاں سے آرہے ہو؟"
"کہیں سے نہیں۔" میں نے بچوں کی طرح کہا۔ "میں تو یہیں تھا۔"
"جھوٹ' کوئی بات ضرور ہے' کسی نے تمہیں کچھ کہہ دیا ہے۔ بھون میں ضرور کسی شخص نے آج تمہیں کوئی سخت بات کہی ہے' بتاؤ نا کیا بات ہے؟"
"نہیں' بس یوں ہی دل اُمڈ آیا۔"
"شاردا کو بلاؤں؟" اس نے آہستگی سے کہا۔
میں نے بے بسی سے اس کی صورت دیکھی اور بے اختیار آنسو میری آنکھوں سے رواں ہوگئے۔ "نہ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔" میں آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولا اور اس کی گرفت سے آزاد ہوکے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ آنکھیں پٹ پٹا جاتی ہیں تو پیر بھی پٹ پٹا جاتے ہیں۔
"ترنم کو بلاؤں؟" اس نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔
اس نے مجھے ہنسا دیا۔ "مجھے اس وقت صرف آپ کی ضرورت ہے۔"
"میں تمہارے سامنے ہوں لیکن میرے پاس ترنم جیسا گلا نہیں' شاردا جیسی صورت نہیں' ریتا جیسی سرخی نہیں۔"
"آپ میں تمام خوبیاں موجود ہیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"موہن!" وہ مجھے اپنے ساتھ دیوان پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہیں نفسی مریض بنانا نہیں چاہتا اور موجودہ صورت میں اس کے صاف امکانات موجود ہیں۔ یہ دوئی مستقل طور پر نہیں چلتی۔ میں تم سے کہتا ہوں' اب یہ ڈراما ختم کرو۔ آؤ ہم دونوں کچھ دنوں کے لئے انگلستان چلتے ہیں۔ شاردا کو بھی لے چلتے ہیں۔ اس اضطراب سے اعصاب پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ کچھ وقت سوئٹزر لینڈ میں گزاریں گے۔ مصر کے اہرام دیکھیں گے۔ برٹش میوزیم کی سیر کریں گے۔ پیرس کے نائٹ کلبوں میں جائیں گے۔ تم مجھ سے مطالبہ کرو' کوئی بہت بڑا مطالبہ۔ میری آرزو ہے کہ کبھی تم مجھ سے اتنی بڑی

خواہش کرو کہ میں اسے پورا نہ کرسکوں۔"
"میرا کوئی مطالبہ نہیں۔ بس آپ ہی میرا مطالبہ ہیں۔ جب آپ یہ سب کچھ کہتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرا باپ زندہ ہوگیا ہے' میرا بڑا بھائی مجھ سے آملا' میری بہن نے دوسرا جنم لے لیا' اور میری ماں واپس آگئی ہے۔ دنیش بابو! میں بھی عملاً مر گیا تھا۔ آپ نے مجھے دوسری زندگی دی ہے۔ آپ ہی میرے لئے انگلستان' سوئٹزر لینڈ اور پیرس ہیں آپ کے بعد مجھے کس کی تمنا رہے گی۔ آپ کہتے ہیں تو ہم یہاں سے ضرور باہر چلیں گے مگر اس اطمینان کے بعد کہ دوبارہ یہاں آئیں تو یہ بیماریاں عود کر نہ آئیں۔"
"موہن! موہن!" دنیش نے جذباتی انداز میں مجھے پکارا۔ "کیا واقعی تمہارا کوئی عزیز زندہ نہیں؟ تم اتنے دکھی کیوں ہوتے ہو۔ تمہیں اپنے عزیز لازماً یاد آتے ہوں گے۔ مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ کیا گزری ہے' یہ تم اتنی ٹوٹی ہوئی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"
"جو گزر گئی' سو گزر گئی۔" میں نے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں' آئندہ ان لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ ایک پاگل بھائی زندہ ہے۔ پتہ نہیں' زندہ بھی ہے یا نہیں۔ شاید کبھی ملاقات ہو جائے۔ باقی سبھی گزر گئے' مردوں کو یاد کرنے سے کیا حاصل؟ مجھے احساس ہے' اس ذکر سے میں آپ سے دور ہو جاتا ہوں۔ کچھ اجنبیت سی محسوس ہوتی ہوگی آپ کو۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں' البتہ تمہیں غم زدہ دیکھ کر بہت بے چینی ہوتی ہے۔ تم عزم' حوصلے اور ذہانت کے سمبل ہو' تم میری جاگیر ہو۔ پرکاش بھون ہو۔ میرا مکان' جب میں اپنے مکان کے در و بام اداس دیکھتا ہوں تو مجھے بڑی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔"
میں نے ارادہ کیا' اسے سب کچھ صاف صاف بتا دوں۔ کچھ دیر پہلے میں میجر رابرٹ کو قتل کرکے آیا ہوں۔ مگر ضروری نہیں کہ میں اسے ہر بات بتا کے پریشان کیا کروں۔ اسے جلد یا بدیر پتہ چل ہی جائے گا۔ میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ میجر رابرٹ کو قریب کرے جگدیپ نے اس سفید کتے کے گلے میں پٹا ڈالنے کے لئے کون سا حربہ اختیار نہ کیا تھا؟ "ذرا پریت کو چیک کریں' وہ بھون میں موجود ہے؟" میں نے اچانک موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں ؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کوئی خاص بات ؟"

"یوں ہی۔" میں نے ریسیور اٹھا کے اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اس نے تذبذب سے نمبر ڈائل کیا۔ پریت موجود نہیں تھی۔ اس کی باندی نے بتایا کہ وہ دوپہر سے کہیں گئی ہوئی ہے۔ ریسیور پر ہاتھ رکھ کے اس نے مجھ سے پوچھا۔ کوئی اور بات پوچھنی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے انگلی سے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کیا پریت ......؟" اس کی آنکھیں حیرانی سے ساکت ہوگئیں۔

"میں صرف ایک تسلی چاہتا تھا۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"کیسی تسلی ؟" وہ ناراض ہونے لگا۔ "یہ کیا رمز ہے ؟"

"کچھ نہیں' بس یوں ہی پوچھ لیا۔" میں نے اس موقع پر اس سے پریت کا ذکر کرکے غلطی کی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میجر رابرٹ کی موت کے وقت بھون کے بہت سے لوگ گھر سے باہر ہوں۔ خصوصاً پریت حالانکہ اس کی عدم موجودگی سے کوئی بڑا نتیجہ نکلنے کی توقع نہیں تھی لیکن یہ احساس توانائی کا سبب ضرور تھا۔ شکوک کا کسی ایک جگہ ارتکاز ہونے کے بجائے ان کا منتشر ہونا سودمند تھا۔ چھاؤنی کے دوسرے افسران اس بات کے گواہ ہوں گے کہ ان دنوں پریت اور جگدیپ کی بہنیں میجر رابرٹ کے زیادہ قریب رہی ہیں۔ میجر کی کوئی ڈائری ہوگی تو وہ اپنے ملاقاتیوں کا احوال بھی لکھتا ہوگا۔ انگریز بڑے تیز ہوتے ہیں۔ وہ خیال کے گھوڑے دوڑائیں گے۔ میجر کا اثر و رسوخ ان دنوں جگدیپ کے خانوادے میں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ انگریز اس نتیجے پر بھی پہنچ سکتے ہیں کہ دوسرے مخالف خانوادے کو میجر اور جگدیپ کا یہ میل جول پسند نہیں آیا ہوگا۔ مہاراجا پر بھی اس کا شک جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ راجے پور کے لئے سخت کش مکش کا وقت تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ صرف میں اور پارو جانتے تھے کہ آنے والے دنوں کا درجہ حرارت کیا ہوگا۔

"کیا سوچنے لگے؟" دنیش برہم سا ہونے لگا۔

"کیا سوچ سکتا ہوں۔ پریت کی سرگرمیاں خاصی بڑھ گئی ہیں' اپنی ماں کے قتل سے وہ کچھ اور برانگیختہ ہوگئی ہے۔ پریت ایک بہت دلچسپ لڑکی ہے دنیش بابو!"

"کیا کوئی نیا فتنہ؟ آخر تم جھجک کیوں رہے ہو؟"

"نیا فتنہ تو اب آیا ہے۔ یہ لڑکی انگلستان سے آئی ہے جو ابھی آپ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ راجوں' مہاراجوں کے وہ تمام سپوت جو انگلستان میں پڑھتے ہیں' ان پر انگریزوں کی خاص عنایت ہوتی ہے۔ ان کے دماغوں میں سوئیاں لگائی جاتی ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ رنگ روپ بھی اس نے غضب کا پایا ہے۔"

"تمہاری یہ عادت بعض اوقات بڑا ستم ڈھاتی ہے' تم اشاروں میں باتیں کرتے ہو۔ کوئی بات کھل کر نہیں کہتے۔ بہرحال میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پریت کے سلسلے میں تم اتنے متجسس کیوں ہو؟"

اس وقت میں اسے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھا اور اس سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ چنانچہ ادھر ادھر کی باتیں کرکے اسے ٹالتا رہا مگر مشکل یہ تھی کہ میں جس قدر پہلو تہی کر رہا تھا اس کا تجسس اتنا ہی بڑھ رہا تھا۔ مجھے ایک اندیشہ تھا کہ پریت اس کی بہن ہے' سوتیلی سہی۔ اس کے لئے اس کے دل میں کوئی گوشہ ضرور ہوگا۔ شاید میں نے یہ گنجائش ختم کرنے ہی کے لئے پریت کی بات اس سے چھیڑی تھی۔ پارو بھی میری طرح مضطرب تھی۔ وہ دنیش کو آواز دیتی ہوئی اندر آ گئی۔ ہم دونوں کے ہونٹوں کو بریک لگ گئے۔ دنیش کو پارو کی آمد بری لگی مگر اس وقت پارو نے میری مشکل حل کر دی تھی۔ ہم تینوں سراسیمہ تھے۔ دنیش کے دل و دماغ میں پریت کے بارے میں جاننے کا اضطراب تھا۔

"تم انیتا سے ملے دنیش ؟" پارو نے ذہانت کا ثبوت دیا۔

"ہاں !" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ "تندرست ہو کے آئی ہے۔"

"میرا خیال ہے' وہ تمہارے لئے بالکل موزوں ہے' کیا خیال ہے' کچھ ذکر چھیڑا جائے ؟" پارو نے شگفتہ ہونے کی کوشش کی۔ اس کے تیز حواس نے جان لیا تھا کہ میرے اور دنیش کے درمیان کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔

"ارے نہیں۔" دنیش مسکرا پڑا۔ "میں نے اس سلسلے میں بالکل نہیں سوچا۔ لیکن حالت میں جب ریاست میں نئے نئے فتنے اٹھ رہے ہوں' میں اپنی ذات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"بہرحال تم میری بات پر غور کرنا۔" پارو نے خوش اسلوبی سے دنیش کو مشورہ دیا کہ وہ اس تازہ وارد لڑکی پر ادھر ادھر کی دھول جمنے سے پہلے اپنی مہر کندہ کردے۔

اسے دیکھ کے خود میرے دل میں بھی یہ خیال آیا تھا۔

''ضرور۔ خاصی معقول تجویز ہے۔'' دنیش نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیوں موہن ! تمہارا کیا خیال ہے ؟'' دنیش نے پارو کے سامنے کبھی مجھ سے ایسی بے تکلفی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ بھی اڑتی ہوئی چڑیا پہچان لیتا تھا۔

''میری رائے کیا۔'' میں نے اٹکتے اٹکتے کہا۔ ''پہلے اچھی طرح پرکھنا ضرور چاہیے۔ آپ کو راج کماری انیتا کے ساتھ پہلے کچھ دن گزارنے چاہئیں۔''

''موہن ٹھیک کہتا ہے۔'' پارو نے کہا۔ ''ایسی کسی کوشش میں کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے' ریاست کے لئے یہ لڑکی اچھا شگون ثابت ہو۔''

پارو جو بات کہنا چاہتی تھی' اس کی تشریح کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سوچا یہ حجابات ختم کردوں۔ دنیش سے پارو کا مکمل تعارف کرا دوں' لیکن پارو نے دنیش کے ریکارڈ ٹٹولنے شروع کردیے تھے۔ ''یہ مجھے ادھار دے دو۔'' اس نے ان میں سے ایک منتخب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ واپس نہیں کرتی ہیں۔'' دنیش مصنوعی تلخی سے بولا۔

''موہن بطور گواہ موجود ہے۔'' پارو نے میری جانب اشارہ کیا۔

''موہن مشکوک گواہ ہے۔'' دنیش کے اس لہجے کو شیر خوار طفل بھی پہچان سکتا تھا کہ اس کے اور میرے درمیان کیسا ربط ہے۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی جیسے میرے دل کے بٹن پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ پارو نے بے اختیار میری طرف دیکھا اور میں نے اس کی طرف اس نے ریسور اٹھا کے دنیش کے حوالے کردیا۔ وہ شاہانہ ناگواری سے گفتگو کے لیے آمادہ ہوا مگر دوسرے ہی لمحے اس کے تیور بدل گئے۔ ''اوہ یور آنریبل لیڈی۔'' اس نے بے ساختہ کہا اور مجھے آنکھ کا اشارہ کیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ریتا کا فون ہے۔ کم بخت پارو کے سامنے ہی آنا رہ گیا تھا۔ ''آپ کیسی ہیں ؟'' دنیش انگریزی میں پوچھ رہا تھا۔ کرنل صاحب کیسے ہیں ؟ آپ کہاں آئیں گی۔ آیئے تو آپ کو اپنا ہاتھی خانہ دکھائیں۔ بہت بڑے بڑے ہاتھی ہیں۔ پھر ادھر دلی سے ایک بہترین مغنیہ آئی ہوئی ہے۔ اس کا گلا ہی ساز ہے۔ آپ انگریزی موسیقی بھول جائیں گی۔ ہمارا خیال ہے' کچھ دن کے لئے آپ ہمارے ہاں مستقل مہمان بن کے آجایئے۔ پروفیسر ۔ ہاں پروفیسر۔'' دنیش کو اچانک یہ خیال آیا کہ پارو بھی یہ گفتگو سن رہی ہے۔'' آپ آئیں گے تو اس سے بھی ملائیں گے۔

جھوٹ نہیں۔ پہلے آپ آنے کا وعدہ کیجئے۔ ہم آپ کو چونکا دیں گے۔''

دنیش فون پر مصروف تھا۔ پارو نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا اور چپکے سے بولی۔ ''سب ٹھیک تو ہے؟''

''ابھی تک تو حالات بدستور ہیں۔'' میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

''میں یہ ریکارڈ لئے جا رہی ہوں۔ رات کو تمہیں میری اور مجھے تمہاری ضرورت پڑے گی۔ بھولنا نہیں' آنا ہے۔''

میری سماعت فون پر مرکوز تھی۔ میں نے ہکلا کے کہا۔ ''ہاں' ضرور آؤں گا۔'' اس اثناء میں دنیش اپنی بات ختم کرچکا تھا۔ پارو کے استفسار سے پہلے ہی اس نے بتایا۔

''کرنل کی بیٹی کا فون تھا۔'' وہ سرد مہری سے بولا۔

''کیا کہہ رہی تھی؟'' پارو نے تجسس سے پوچھا۔

''یہاں آنا چاہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہندوستانی کسی میوزیم میں رہتے ہیں۔ پنجروں میں بند' انگریز دو ہاتھ پاؤں کے ان جانوروں کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔''

''یہ ان کے لئے ایک تجربہ گاہ ہے۔ بندروں کے بجائے چلتے پھرتے انسان مل جاتے ہیں۔'' پارو کی زبانی یہ سن کے دنیش کے چہرے پر تعجب کے آثار نمودار ہوئے۔

میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ میرا ذہن تھوڑی دیر پہلے پارو کی آمد سے کچھ پرسکون ہوگیا تھا مگر ریتا کے فون سے پھر متزلزل ہوگیا۔ میری دیوار پھر سے ہلنے لگی۔ ریتا آرہی ہے۔ وہی صورت ہے۔ کل دنیش کس انداز میں مجھے اس کے روبرو پیش کرے گا ؟

دنیش نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا مگر وہ بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میں نے ریتا سے تین چار دن کی مہلت مانگ لی تھی۔ یہ تین چار دن آج نہیں کل ختم ہو جاتے' پرسوں ختم ہو جاتے۔ پروفیسر زاہدی کو ہمیشہ کے لئے ختم بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بات آگے بڑھ گئی تھی۔ پارو نے بھی پروفیسر کا تذکرہ سنا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر کون شخص ہے۔ اس کے سامنے کرنل ہارڈنگ کی لڑکی کا بطور خاص پروفیسر کو پوچھنا اور دنیش کا جھجکنا' مبہم انداز میں جواب دینا۔ ذہین پارو کے لئے سوچنے کا بہت سا سامان فراہم

ہوگیا تھا۔ میری حیثیت اس کی نظر میں کچھ زیادہ پراسرار ہو رہی تھی۔ اعتماد کے قیام کے لئے اجلا ذہن اور صاف ہوا لازم ہے۔ اس نے ایسا کوئی تاثر نہیں دیا۔ کچھ اس طرح کا اظہار کیا جیسے اس نے ریتا اور دنیش کی گفتگو پر توجہ نہیں دی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کو جب میں اس کے شبستاں میں جاؤں گا تو وہ مجھ سے کیسا فساد کرے گی۔

پارو سے زیادہ اصل معاملہ ریتا کا تھا۔ میں اس کا فون آنے سے پہلے یہ ارادہ کر رہا تھا کہ دنیش سے اصرار کرکے اپنا حلیہ تبدیل کر لوں لیکن اس وقت دنیش سے یہ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ پریت کے ذکر سے ویسے ہی تشویش میں پڑگیا تھا۔ اس پر یہ مطالبہ مستزاد ہوتا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ کرنل سے ربط ضبط بڑھایا جائے' اس کی خدمت میں جاکے دل نشیں باتیں کی جائیں اس کی مروت کو فروغ دیا جائے۔ دوسری طرف احتیاط کا تقاضا یہ بھی تھا کہ کرنل سے اس وقت ملنے سے گریز کیا جائے۔ اعلیٰ انگریز ڈاکٹر آسانی سے میجر رابرٹ کی لاش کا معائنہ کرکے قتل کے وقت کا تعین کرلیں گے اور کرنل بعد میں سوچے گا کہ اسی شام پروفیسر زاہدی اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے عجب عجب باتیں کی تھیں۔ ایسے نازک وقت میں کرنل سے تعلق کی تجدید میں منفعت بھی تھی اور نقصان کا اندیشہ بھی تھا مگر اب کل ریتا آرہی تھی اور کچھ اندازہ نہیں تھا کہ چھاؤنی کے حالات کون سا رخ اختیار کرلیں اور ہائی کمان غلاموں کی اس دیدہ دلیری پر کتنی مشتعل ہو جائے۔ یہ کسی پرشوتم' مہیش چندر' پرکاش چندر' کنور پردیپ اور بینا رانی کا خون نہیں تھا۔ انگریز کا معاملہ تھا۔

پارو لچکتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تو میں نے کسی تاخیر کے بغیر دنیش سے کہا کہ وہ فی الفور مجھے پروفیسر زاہدی کے روپ میں تبدیل کردے۔ جیسا کہ مجھے توقع تھی۔ اس کا چہرہ گمبھیر ہوگیا۔ وہ جھنجلا سا گیا۔ ''تم نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کرلیا؟''

''میں اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں جو پروفیسر زاہدی کا روپ بھر کے مجھ سے اور آپ سے ہوگئی تھی۔ دوسری بار یہ غلطی اس وقت ہوئی جب دوبارہ پروفیسر کرنل سے ملنے چھاؤنی گیا تھا۔''

''مگر تم کس طرح اس کی تلافی کرو گے؟''

''آپ مجھے جانے کی اجازت دے دیجئے' میں کسی طور حالات سے نمٹنے کی کوشش کروں گا۔ ذرا سوچئے' کل ریتا کے آنے کے بعد پھر یہ مسئلہ پیش آئے گا کہ

اسے اپنا چہرہ کس حیثیت میں دکھاؤں۔''

''تو کیا تم موہن داس' ایک ملازم کی حیثیت میں اس کے سامنے آؤ گے؟ ان کے لوگوں کے لئے یہ ایک پرلطف تماشا ہوگا۔ ٹھیک ہے' ٹھیک ہے موہن! جو میں چاہتا ہوں' اب تم بھی اسی کی تائید کر رہے ہو۔''

''یہ ایک پیچیدہ صورت ہے مگر اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا ہوگا۔ اسی لئے میں نے کرنل کے ہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ میں کرنل اور ریتا کا وزن کرکے قسمت اور قیمت متعین کروں گا۔''

''میں پوری طرح غور کئے بغیر تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔

''ہر کام مشکل ہوتا ہے' اگر زندگی کی خواہش شدید ہو۔''

''اور زندگی سے زیادہ کوئی خواہش شدید نہیں ہوتی۔ تم خود غرضی کی بات کرتے ہو' تمہاری زندگی سے کچھ اور لوگ بھی وابستہ ہیں۔''

''آپ ایسی باتیں کرکے خود میری ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ میں کہاں زندہ رہ سکتا ہوں۔ میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اٹھئے باہر چلیے' اس سے پہلے کہ پھر کوئی حارج ہو جائے' اپنے کمرے میں چل کے میری صورت بدل دیجئے۔''

''شام کا وقت ہے' تم یہاں سے کیسے جاؤ گے؟ اندھیرا ہو جانے دو۔''

''میں کرنل کو فون کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میرے بغیر ڈنر نہ لے۔''

''تم کتنی دیر وہاں ٹھہرو گے؟'' وہ تشویش سے بولا۔ ''کیوں نہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟''

''اس بار نہیں۔'' میں نے بے لچک آواز میں انکار کر دیا اور فون اٹھا کے کرنل کا نمبر ملایا۔ دنیش شش و پنج سے میری صورت دیکھتا رہا۔ یہ کرنل کا ڈائریکٹ نمبر نہیں تھا۔ میں نے چھاؤنی کے عام نمبر پر اس کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ کرنل سے کہو کہ پروفیسر آج رات اس کے ہاں مدعو ہے۔''

سیکرٹری نے چند لمحوں بعد ادب سے جواب دیا۔ ''کرنل آپ کے منتظر ہوں گے۔'' خوش قسمتی سے آج خود کرنل کہیں مدعو نہیں تھا۔ اس مختصر نامہ و پیام کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ کرنل رات کے وقت مجھے تنہا ملاقات کا شرف بخشے۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اندھیرا ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے۔ دنیش ابھی تک متذبذب تھا۔ ہم ملاقاتی کمرے میں آگئے تھے' یہاں آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس ہجوم میں بھیس بدل کے باہر نکلنا خاصا مشکل تھا۔ سات بجے کے قریب دنیش بے دلی سے اٹھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ دنیش نے کمرا بند کرکے حسب معمول میرا حلیہ تبدیل کر دیا اور میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں ایک پستول بھی رکھ دیا اور نوٹ بھی ڈال دیے۔ تجوری سے ہیرے کی ایک انگوٹھی بھی نکال کے میرے سپرد کی تا کہ میں اسے ریتا کی انگلی میں اتار دوں۔ ''اب تم کیسے جاؤ گے؟ راہداری میں خاصی چہل پہل ہوگئی ہے۔ فرض کرو' اگر کسی نے پہچان لیا؟'' وہ بگڑتے ہوئے بولا۔

''آپ فون کرکے گاڑی دروازے کے قریب منگوا لیجئے اور کسی خوف کے بغیر مجھے گاڑی تک رخصت کرکے آیئے۔''

''اور ڈرائیور؟''

''ڈرائیور کی فکر مت کیجئے' میں کوشش کروں گا کہ خود گاڑی چلا کے لے جاؤں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''تم؟'' وہ حیرت سے بولا۔ ''تم تو گاڑی چلانا نہیں جانتے۔''

''نہیں جانتا تھا۔ میں نے رقص آپ سے سیکھا اور گاڑی چلانا کسی اور سے سیکھ لیا ہے اور بہت مختصر وقت میں سیکھا ہے۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' وہ وحشت میں بولا۔

''اب دیر نہ کیجئے' اٹھیے۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ وہ خاصا حیرت زدہ تھا۔ راہ داری میں آتے ہی اس نے مجھ سے انگریزی میں باتیں شروع کر دیں۔ میں سرہلاتا اور مسکراتا رہا۔ ایک بڑا سگار میرے ہونٹوں سے لگا ہوا تھا۔ راہ داری میں اکا دکا ملازم تھے۔ مجھے اور دنیش کو دیکھ کے انہوں نے سلام کیا اور نظریں جھکالیں۔ دربانوں کے لئے یہ بڑی انہونی بات تھی۔ اس نے اس داڑھی والے سرخ و سفید شخص کو اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ہم تیزی سے گزرے' دنیش انہیں مختلف احکام دے کر مصروف کرتا رہا اور مجھ سے باتیں کرتا ہوا گاڑی تک آ گیا۔ مجھے دیکھ کے گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے ڈرائیور کے چہرے کے نقوش بدلے ہی تھے کہ دنیش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے ہٹا دیا اور خود بڑھ کے دروازہ کھولا۔ میں اسٹیرنگ پر آ

گیا۔ ایک نظر آلات کا جائزہ لے کے میں نے چابی گھما دی۔ انجن گھرر گھرر بولا۔ میں نے کمال تحمل کا مظاہرہ کیا۔ ذرا سی ناپختگی ثابت ہو جاتی تو دنیش مجھے گاڑی میں تنہا بھیجنے کا فیصلہ بدل دیتا۔ اتفاق سے گاڑی نے کوئی جھٹکا نہیں لیا۔ کلچ صحیح طور پر دبا' گیئر بروقت پڑا اور میں نے نفاست سے ایکسی لیٹر پر دباؤ ڈالا۔ صدر دروازے پر تعینات دربانوں نے گاڑی کی جھلک دیکھ کے دروازہ کھول دیا۔ انہیں اپنی مستعدی پر حیرانی ہوئی ہوگی۔ جب گاڑی میں راج کمار کے بجائے داڑھی والا کوئی جغادری بیٹھا نظر آیا ہوگا۔ اتنا اندھیرا ضرور پھیل چکا تھا کہ میں اپنا چہرہ آزادی کے ساتھ اوپر اٹھا سکوں۔ ابھی میں نے گاڑی صدر دروازے سے نکالی ہی تھی کہ سامنے سے ایک دوسری گاڑی ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ غلطی میری ہی تھی۔ میں نے اپنی سائیڈ کا خیال نہیں کیا تھا۔ اس افراتفری میں ایک جھٹکے سے میری گاڑی بند ہوگئی۔ مجھے پسینہ آ گیا۔ سامنے والی گاڑی تیز لائٹ میں نظر ہی نہیں آئی تھی۔ میں نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ تیزی سے مخالف گاڑی میری اسٹیرنگ والی کھڑکی کے پاس آکے رک گئی۔ اس میں بڑی مرچ تھی' پریت۔ میرے سارے جسم میں مرچیں سی لگ گئیں۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا چہرہ اس سے چھپانا چاہا۔ وہ حیرت سے مجھے گھورنے لگی تھی۔ بڑھتی ہوئی سیاہی نے اس وقت بڑا ساتھ دیا۔ اندھیرا اجالے سے زیادہ مخلص ہوتا ہے۔ ''مے آئی ہیلپ یو' از دیئر اینی ٹربل۔'' اس نے اپنی کھڑکی سے چہرہ نکال کے کہا۔

''تھینکس' آئی ایم ساری' آئی کڈنٹ ایڈجسٹ مائی مائنڈ فار ڈرائیونگ' آئی واز آف کورس' اسٹل ان پرکاش بھون' دی مسٹریس ڈریم لینڈ۔ میں نے ہنستے ہوئے اسے چیئر کیا۔ تھینکس۔'' وہ جواب میں کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔ میں نے گاڑی بڑھا لی تھی۔ تھانیدار سامنے آ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے گلوخلاصی ہوئی۔ میں نے اپنے حواس پر لعنت بھیجی۔ نئی گاڑی تھی اور میں مبتدی تھا۔ چوک کے راستے جانے کے بجائے میں نے ایک طویل اور صاف ستھرا راستہ اختیار کیا۔ مجھے رات کے وقت ڈرائیونگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ برکھا کے چھوٹے چھوٹے قطرے اسکرین پر ستاروں کے مانند جھلملانے لگے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وائپر متحرک کرنے والا پرزہ کون سا ہے۔ ایک جگہ ٹھہر کے میں نے رومال سے اسکرین کا پسینہ صاف کیا۔ باہر بھی پھوار پڑ رہی تھی۔ اور اندر بھی پھوار تھی۔ میرے جسم پر پسینے کی پھوار پڑ رہی تھی۔ کاش میں دنیش چندر کی یہ نازک مزاج گاڑی لے کے نہ آیا ہوتا۔ سامنے سے جب تیز لائٹ

میں کوئی گاڑی نظر آتی تو میں اپنی رفتار بہت کم کر لیتا۔ اور وہ مرحلہ بخیریت گزر جاتا تو سمجھتا کہ ایک پل گزر گیا۔ میں ڈرائیونگ کے ایک درجے میں اور پاس ہوگیا۔ چار دن کی مشق کے بعد یہ طوفانی وزنی گاڑی لے کے نکل آنا اس بات کی دلیل تھی کہ میری عمر ابھی خاصی کم ہے بھی کبھی آدمی خود پر بھی غصے ہو جاتا ہے' خود کو بھی لعن طعن کرتا ہے۔ جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ زندگی کے ملک کے کامیاب باشندے نہیں ہوسکتے۔ یہ مقولہ ہر آدمی کی زبان پر رہتا ہے کہ غلطی انسان سے ہوتی ہے مگر کون ہے جو اپنی کوتاہی تسلیم کرتا ہے۔ میں واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ آگے جا کے اونچے نیچے پہاڑی سلسلے شروع ہوگئے تھے۔ سڑک اترا کے' اٹھلا کے پہاڑ کاٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ جھینگروں نے راگ الاپنا اور مینڈکوں نے سنگت دینا شروع کردی تھی۔ رات کا وقت تھا مگر کہیں سے کوئی پپیہا بول اٹھتا تھا۔ برکھا رت تھی۔ میں وائپر کے بٹن کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ گاڑی کی رفتار معتدل تھی۔ لیکن میرے دل کی رفتار بہت تیز تھی۔ پسینے نے داڑھی کے بال بھگو دیے تھے۔ میں ہندوستان سے انگلستان کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے تیسے رکتا' ڈگمگاتا' موڑ کاٹتا' ہارن بجاتا' بہت احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھ سے زیادہ قیمتی یہ گاڑی تھی۔ ہزاروں روپے کی۔

اس وقت میجر رابرٹ کے ماتحتوں میں اطلاع کے بغیر اس کی عدم موجودگی سے تشویش ہونے لگی ہوگی۔ مگر ایسی بھی نہیں اور ادھر رابرٹ آرام سے پڑا ہوگا۔ دنیا کے جھگڑوں سے آزاد' ممکن ہے کسی جنگلی جانور کی نظر پڑ گئی ہو۔ انگریز کا گوشت کہاں نصیب ہوتا ہے۔ چھاؤنی قریب آ رہی تھی اور میں اپنے ذہن کے کل پرزے درست کر رہا تھا۔ اپنی زبان کو ہدایت دے رہا تھا کہ وہ قابو میں رہے۔ اپنے دل سے درخواست کر رہا تھا کہ جہاں اتنی بار ساتھ دیا ہے' وہاں ایک بار اور دوستی نبھا دے۔ اوپر کی ایک جگہ سے چھاؤنی کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ قطار در قطار انگریز کے اقبال کے ستارے جگ مگا رہے تھے۔ گیٹ پر میں نے گاڑی روک لی۔ اندر جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہر شخص سلام کرنے کے لئے بے تاب تھا۔ ایک تو کرنل نے پہلے سے اطلاع دے دی ہوگی' دوسرا کرشمہ گاڑی کا تھا۔ لوہے کا یہ چلتا پھرتا دیو دیکھ کر سر خود بخود جھک جاتا ہے۔

میں نے کرنل کے پورچ میں ٹھیر کے دم لیا۔ کرنل کی کوٹھی پر خوابیدگی طاری تھی۔ سبزے کی ایک دل نواز خوشبو ہر سمت چھائی ہوئی تھی۔ جیسا کہ میرا اندازہ تھا' م

دروازے پر حسب سابق وہی پری چہرہ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا' رخسار گلناز تھے' آنکھوں میں نیلی آگ روشن تھی' بدن پھڑک رہا تھا۔" اوہ پروفیسر ! تم نے آنے میں خاصی دیر لگا دی۔" وہ والہانہ انداز میں بولی۔

میں نے اسی وارفتگی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ "ریتا !" میری ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ "یو آر سو بیوٹی فل !"

وہ اس اچانک وار پر ہندوستانی لڑکیوں کی طرح تیورا گئی۔ راستے میں میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس بار ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے بجائے کسی قدر زیادہ استعداد کا مظاہرہ کروں گا۔ میں بہت کچھ سوچ کے آیا تھا۔ آج اپنے قد' وزن اور چہرے کی آزمائش تھی۔ اس جسم کے اندر جو چیزیں موجود تھیں' ان کا امتحان تھا۔ میں اپنی نفی یا اپنا اثبات کرنے آیا تھا۔ یہ حاکموں کا علاقہ تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریز نے ہندوستان کی آنکھیں خیرہ کردی تھیں اور دماغ اپنی حکمت عملی کے جیل خانے میں قید کر لیا تھا۔ ان کی ایک شان تھی' آن بان تھی۔ میں توپ کے دہانے میں داخل ہوگیا تھا۔

اگر میں ریتا سے رواں انگریزی میں بات چیت شروع کر دیتا تو وہ بہت سے مرحلے طے ہو جاتے' یہ کوئی مذاق نہیں تھا۔ ریتا ایک حاکم کی لڑکی تھی مگر اس کے سوا بھی اسے خراج پیش کیا جاسکتا تھا کیوں کہ اس کے بدن سے سبک سر ہوائیں چلتی تھیں۔ وہ تاروں بھری رات تھی۔ وہ صبح تھی' بنارس کی صبح سے زیادہ دل کش صبح۔ وہ ایک مرغ زار تھی۔ کوئی لال سی چڑیا چہچہاتی' پھدکتی ہوئی۔ وہ ایک سرتاپا حسین لڑکی تھی پہلے میں نے یہ اندازہ کیا کہ اب اس کے شوق کا کیا عالم ہے۔ پھر میں نے اپنے شوق کی چنگاری کو ہوا دی۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ریتا کے نرم و نازک بدن سے اٹھنے والی معطر ہواؤں نے خود ہی شعلے بھڑکا دیے تھے۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کا یہی حال ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں نشے کے ڈورے پڑ جاتے۔ اس کے جسم پر سانپ سرسرانے لگتے۔ "میں آ گیا ہوں۔" میں نے شکستہ انگریزی میں کسی طرح اپنا مطلب ادا کیا۔ ویسے میں مجسم اظہار تھا۔ لفظوں نے اور آسانی پیدا کردی۔

"اوہ !" اس کے رخساروں کی پھل جھڑیاں چھوٹیں۔ "پروفیسر تم بہت ......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب میں خود کو تمہارے سپرد کرنے آیا ہوں۔" میں نے بمشکل تمام کہا اور اس کا بازو گرم جوشی سے پکڑلیا۔

"کہاں ......" وہ خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "تمہارا سراغ ہی نہیں ملتا۔"

''میرا سراغ۔'' میں نے کرب سے کہا۔ ''مجھے اپنا پتہ خود نہیں معلوم بہرحال آج میں تم سے بہت سی باتیں کرنے آیا ہوں' کیا تم انہیں سننا پسند کرو گی۔''

اس نے میری مسمار انگریزی سے سارا مفہوم سمجھ لیا۔ کیونکہ انگریزی لفظوں کا تو صرف قالب تھا۔ میں اس سے بین الاقوامی زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ ''کیا تم سنانا پسند کرو گے؟'' اس نے تیکھے پن سے کہا۔

''تم سے جدا ہو کے میں چار دن اپنے آپ سے بے خبر رہا۔''

''کیوں ۔؟'' وہ ناز سے بولی۔

''پتہ نہیں کیوں۔ مگر اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔'' میں نے اس کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں پیوست کرتے ہوئے کہا۔ اس پر دلہن جیسی شرم چھا گئی۔ انگلستان شرما رہا تھا۔ سرخ رنگ شرمانے لگے تو کیسا بھبوکا ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ منظر ایسا دل کش لگا کہ مدہوشی سے ہوگئی۔ آؤ' اندر آؤ۔'' میں نے اس کی کمر پر اپنا مضطرب ہاتھ پھیلا دیا۔ میرا ہاتھ سنسانے لگا۔ اس کے ریشمی اسکرٹ پر کوئی بچھو بیٹھا تھا۔ جس نے ڈنک مار دیا۔ وہ مجھے ایک خواب ناک کمرے میں لے آئی۔ ''کرنل کہاں ہیں ؟'' میں نے چاروں طرف نظریں گھماتے ہوئے دریافت کیا۔

''تم کس کے پاس آئے ہو؟'' اس نے شکایت کے لہجے میں پوچھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو ؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔ وہ جواب دیتے ہوئے ہچکچانے لگی۔ میں نے کہا۔ ''تمہارے مکان تک آنے کے لئے کرنل کے دروازے سے گزرنا پڑتا ہے۔''

''ڈیڈی تمہیں یاد کر رہے تھے۔'' اس نے نیچی نگاہوں سے کہا۔

''میں جانتا ہوں مگر میں بہت ڈرتا ہوں۔ کرنل اس انگریز چھاؤنی کے حاکم ہیں۔ وہ ہندوستانیوں اور ان کے دوستوں کے بارے میں ہمیشہ مشکوک رہتے ہوں گے۔'' میں نے اپنا مفہوم منتقل کرنے کے لئے کچھ زیادہ ہی سلیس انگریزی شروع کر دی تھی۔ ''پتہ نہیں' کرنل میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں ؟''

''ڈیڈی تمہارے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں' وہ تمہیں ایک ذہین اور جرات مند شخص کہتے ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ تم ایک پراسرار شخص ہو اور اصل میں وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

وہ مسکرانے لگی۔ ''مجھے تمہاری یہ پراسراریت ہی تو زیادہ پسند ہے۔''

''آؤ میرے پاس آؤ۔'' میں نے اسے سامنے کے صوفے سے اٹھایا اور اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ میرے ہونٹوں کی تپش اس نے محسوس کر لی ہوگی۔ ''ریتا'' میں نے خواب ناک آواز میں کہا۔ ''تم انگلستان سے کیوں آ گئیں ؟'' میں نے اسے دونوں بازوں سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا۔ ''بتاؤ۔ تم کیوں آ گئیں؟'' مجھے اس کی فکر نہیں تھی کہ میری انگریزی چار پانچ روز کے وقفے میں حیرت انگیز طور پر اتنی رواں کیوں ہوگئی ہے۔ اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے لب لرزنے لگے۔ یقیناً اس نے میرے متعلق بہت سوچا ہوگا۔ اس کے سارے بدن میں لرزش تھی۔ آخر اس نے میرے شانے پر سر رکھ دیا۔

میرے دل میں کوئی نقص نہیں تھا' ایسے عالم میں آدمی جھوٹا نہیں ہوتا۔ جو جھوٹا ہوتا ہے' وہ ایسے عالم میں نہیں ہوتا' میرے شانے پر انگلستانی سر رکھا تھا۔ یہ افتخار اور فتح مندی کی بات نہیں تھی' یہ بات تو کچھ اور تھی۔ کرنل اندر کمرے میں میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے اس کا رات کا کھانا اپنی آمد سے التوا میں ڈال دیا تھا۔ سو میں نے ریتا کو سنبھالا۔ ''آؤ۔ کرنل کے پاس چلتے ہیں' ڈنر کے بعد تمہی کوئی صورت نکالنا کہ تم سے تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔''

اس نے گردن جھکائی' وہ بڑی سرشار نظر آتی تھی۔ اس میں بجلی کی سی تیزی آ گئی تھی' ہم دونوں کرنل کے کمرے میں آ گئے۔ کرنل کے چہرے پر وہی نرم اور سبک مسکراہٹ تھی جس سے بعض اوقات خوف آنے لگتا ہے۔ وہ مجھے سونے کے پستول کے مانند محسوس ہوا۔ '' آہا پروفیسر زاہدی ! کہیے آپ نے آج ہمیں کیسے یاد کر لیا؟''

''جناب کرنل ! مجھے افسوس ہے' آنے میں خاصی دیر ہوگئی۔ تمام راستے مجھے یہ خیال ستاتا رہا کہ انگریزوں کو ایک چیز سے شدید نفرت ہے' وقت کی بے حرمتی سے۔'' میں نے پرجوش انداز میں کہا۔ میرے اطوار میں ایسا تپاک تھا جو سفیروں اور سیکریٹریوں میں ہوتا ہے یا محکوموں میں ہوتا ہے۔

''ہندوستان میں رہتے رہتے انگریزوں کی عادتیں بھی خراب ہوگئیں ہیں' یقین کرو پروفیسر ! جب کوئی ہندوستانی مجھے وقت دیتا ہے تو میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم و اضافہ کر لیتا ہوں۔'' کرنل نے خوش دلی سے کہا۔

''صرف ایک نہیں' انگریزوں نے ہندوستانیوں کی بہت سی کمزوریاں پکڑ لی

ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کرنل ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں میری باتیں طعن وطنز پر محمول نہ کیجئے گا۔ میں ازراہ تفنن بھی بہت سی باتیں کہہ دیتا ہوں۔"

"میں انہیں تفنن بھی نہیں سمجھتا ' اس میں ہندوستانیوں کی فکر کی عکاسی ہوتی ہے اور اسی لئے آپ مجھے پسند ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی کس انداز سے سوچتے ہیں۔"

"اور مجھے آپ نے ان کا ترجمان سمجھ لیا ہے لیکن میں یہ سوچ کے یہاں نہیں آیا۔ کرنل آپ کی شخصیت میں بے پناہ ٹھہراؤ اور گداز ہے ایک نرمی اور شفقت' ایک بڑا پن ہے۔ میں آپ سے ملنے' آپ کو دیکھنے آتا ہوں۔ اور اگر میری آمد سے یا میرے سبب سے آپ کے لئے بھی سودمندی کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو یہ میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہوگی۔"

"ارے ارے' ہم نے تو ملتے ہی سود و زیاں کی باتیں شروع کر دیں۔" کرنل نے خوش خلقی سے کہا۔ "ڈنر سے پہلے آپ کیا پئیں گے ؟ ریتا ! پروفیسر سے پوچھو کہ یہ کیا پینا پسند کریں گے۔"

کرنل کے آگے برف کی قاشیں' صراحی اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے رات کی رانی کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس میں ہریالی کی مہک بھی شامل تھی' ادھر ریتا کے بدن کی خوشبو الگ تھی۔ کرنل کی قیمتی شراب کی بو سمیت خوشبوؤں کی ایک کاک ٹیل سارے کمرے میں بسی ہوئی تھی۔ "شراب۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں ازروئے اخلاق شراب پی لیتا ہوں اور انگریزوں کی شراب نوشی کی کثرت اس لئے معاف کر دیتا ہوں کہ وہ صنعتی انقلاب بھی لاتے ہیں' علم و حکمت کی باتیں بھی کرتے ہیں اور انہیں حکومت کرنا بھی آتا ہے۔ جنہیں حکومت کرنا آتا ہے' ان کے لئے شراب پینا جائز ہے۔"

کرنل نے ایک پیگ بنا کے مجھے دیا۔ "چیرس۔" اس نے اپنے جام سے میرا جام ٹکرا کے کہا۔ میں نے ریتا کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی۔

مجھے اپنا دوست جارج یاد آ گیا' وہ خود کو جارج ششم کہتا تھا۔ اسے معلوم ہوتا تو وہ کتنی حیرت کرتا' میں اس وقت جارج ششم کے پاس بیٹھا تھا اور شراب کے دریا چھاؤنی میں بہتے تھے' وہ ایک ایک بوند کے لئے ترستا تھا۔ مجھ پر اس کے بہت سے قرض تھے' زندگی باقی رہی' حالات قابو میں رہے اور اس سے کبھی ملاقات ہوگئ، تو میں

ہوچا تھا' حوض میں شراب بھر کے اسے ڈبو دوں گا۔ پہلا گھونٹ سینہ کاٹتا ہوا جسم میں تحلیل ہوگیا۔ دوسرے نے حلق میں شعلے بھر دیئے۔ وہ کوئی بہت سخت شراب تھی۔ ...ی پیتے پیتے اس کا عادی ہوگیا تھا۔ مجھے شراب سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ رسیلے ...وں سے کشید کیے ہوئے رس میں جو نشہ ہوتا ہے' وہ شراب میں کہاں ؟ کرنل کے ...ب صراحی میں شراب رکھی تھی اور میری نظریں ریتا پر تھیں۔ میری صراحی وہ تھی۔ اس ...باب شراب بھری ہوئی تھی بلکہ چھلک رہی تھی۔ دو تین گھونٹوں نے اعصاب ...نے کا کام کیا۔ شراب ایک تھپکی ہے' لوری ہے' کھلونا ہے' جھنجھنا ہے' شراب ایک ...ش ہے۔ شراب ایک طوائف ہے' کھلی ہوئی آنکھوں کی نیند ہے۔ میں نے اور کرنل ...بڑی دلچسپ نوک جھونک کا آغاز کیا۔ میں اسے ادھر ادھر کے واقعات سنا کے محظوظ ...رہا۔ گفتگو کا کوئی ایک موضوع نہیں تھا' مجھے بہرصورت نفاست اور سلاست سے ...لے رہنا تھا تاکہ اسے میں اور یہ ساعتیں یاد آتی رہیں' مجھے احساس تھا کہ ان دنوں ...ستان میں انگریز کیسی تنہائی محسوس کرتے ہوں گے۔ انہیں غم گساروں کی تلاش ہوتی ...ہا اور خصوصاً کرنل تو عمر کے اس حصے میں پہنچ گیا تھا جہاں بیٹھ کے دلچسپ باتیں ...ے اور سنانے کی خواہش ابھرتی ہے۔ کرنل جام پر جام لنڈھاتا رہا اور میں اس سے ...کہانیاں کرتا رہا اسے ہنساتا رہا۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب ریتا نے ہمیں کھانے کی ...پر چلنے کی دعوت دی۔ کرنل کے قدموں میں کوئی ڈگمگاہٹ نہیں تھی۔ اس کا چہرہ ...رخ ہوگیا تھا مگر کوئی زاہد یہ فتوا صادر نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے شراب پی ہے مجھے ...ی برداشت پر بڑی حیرت ہوئی۔ جب ہم اٹھنے لگے تو فون کی گھنٹی نے سب کو ...ب کر دیا۔ کرنل نے بے اعتنائی سے ریتا کو اشارہ کیا۔ اس نے فون اٹھایا دوسری ...ف سے مخاطب شخص کرنل ہی سے بات کرنے پر بضد تھا۔ کرنل نے ریسور ریتا کے ...ت سے لے کر منہ بنا کر ہیلو کہا۔ "کیا ؟" وہ چونک پڑا۔" وہ کب سے نہیں ہے؟" ...اتھ ٹھٹکا اور میری ساعت اپنی تمام توانائی سے اس کی طرف مرکوز ہوگئی۔ "بارہ بجے ...ہے۔" کرنل کی آواز میں حیرت تھی۔" اس کے بعد سے کوئی اطلاع نہیں ؟ "کچھ ...ت کے بعد اس نے سوال کیا۔" تم نے کہیں پوچھا ؟"

بتانے والے نے بتایا ہوگا کہ تمام ممکنہ ٹھکانوں پر اسے پوچھا جا چکا ہے۔ ...س کی آواز میں تعجب کا عنصر بڑھتا گیا۔ اس نے غیر ارادی طور پر میری اور ریتا کی ...ف دیکھا۔ پھر بولا۔ "ابھی اس کا انتظار کرو وہ کسی رئیس کے ہاں موسیقی سن رہا ہوگا

اور شراب پی رہا ہوگا۔ ممکن ہے' اس کی گاڑی خراب ہوگئی ہو' وہ آتا ہی ہوگا
کا انتظار کرو۔" کرنل نے یہ کہہ کے فون رکھ دیا۔

"کیا بات ہے ڈیڈی؟" ریتا نے تشویش سے پوچھا۔

"میجر رابرٹ ابھی تک چھاؤنی واپس نہیں آیا ہے۔"

"تو یہ کون سی اہم بات ہوئی۔" ریتا نے سادگی سے کہا۔

"مگر اسے اطلاع ضرور دینی چاہیے تھی کہ وہ تاخیر سے آئے گا۔ اس کی
پریشان ہو رہی ہے۔ میجر ڈگلس کا فون تھا۔"

"میجر رابرٹ۔" میں نے ہنس کر درمیان میں دخل دیا۔ "وہ دلچسپ
ہے۔ وہ بہت زندہ دل ہے۔ یقیناً وہ راجے پور کے کسی رنگ محل میں ہوگا۔
ہندوستانی موسیقی کا چسکا پڑ گیا ہے' کہیں بیٹھ گیا ہوگا۔ کسی ہندوستانی دوشیزہ کے
باغ میں بیٹھا ہوگا۔ کئی دن ہوئے میں نے اسے پہاڑیوں میں دنیش کی ایک بہن
ساتھ سیر گشت کرتے دیکھا تھا۔ وہ چھریری سی لڑکی۔ وہ پریت۔ ہاں وہی۔" میں
ذہن پر زور دے کر کہا۔ "ابھی وہ میرا ایکسی ڈنٹ کر دیتی۔ جیسے ہی میں نے
بھون کے صدر دروازے سے گاڑی نکالی۔ وہ سامنے آ گئی۔ ذرا سی کسر رہ گئی
آیئے کرنل کھانا کھائیں' اب برداشت نہیں ہوتا۔" کرنل پھر مسکرا پڑا۔ ہم تین
ایک بڑی آراستہ میز کے گرد بیٹھ گئے۔ سفید وردیوں اور پگڑیوں والے ہندوستانی
میں کھلبلی مچ گئی۔ میز پر مختلف کھانوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ "کیا آپ روز اتنا ہی
ہیں؟" میں نے ان سے پوچھا۔

"اوہ نہیں۔ یہ سب آپ کے لئے ہے۔" کرنل نے شگفتگی سے جواب دیا

"سنا تھا' انگریز کھانے کی قسم سے زیادہ کھانے کے طریقے پر زور دیتے
ہیں۔ آج یہ قول غلط ثابت ہوا۔" میں نے سفید نیپکن اپنے گھٹنوں پر پھیلاتے ہوئے
کہا۔

"پروفیسر! تم کچھ دن ہمارے ہاں رہ کیوں نہیں جاتے؟" ریتا نے
کے درمیان لقمہ دیا۔ "ڈیڈی آپ ان سے کہیے کہ یہ مجھے ہندوستان دکھانے کی
کریں۔"

"آپ نے سنا پروفیسر! ریتا کیا کہہ رہی ہے۔" کرنل مجھ سے مخاطب
"کچھ کچھ۔ ریتا ہندوستان کے بارے میں کچھ کہہ رہی ہیں' کہ

ستان کے بارے میں۔"

"اور میں کہتا ہوں ہندوستان سے زیادہ پراسرار آپ ہیں۔"

"آپ سچ کہتے ہیں' کبھی کبھی خود میں بھی یہی سوچتا ہوں لیکن آپ سے اور
ے میرے کچھ اور ہی رشتے قائم ہوگئے ہیں۔ اس لئے اعتبار رکھیے کہ میں آپ
یوس نہیں کروں گا۔"

کرنل نے مختصر لفظوں میں ترجمہ کرکے ریتا کو سنایا۔ وہ اٹھلا کر بولی۔ "ڈیڈی
سمجھتی ہوں۔ ہمیں پروفیسر کے پیروں میں زنجیر ڈالنی پڑے گی' ورنہ میرا ہندوستان کا
وناکام ہو جائے گا۔ آپ دن بھر یہاں مصروف رہتے ہیں' پروفیسر وہ شخص ہے جس
مجھے تلاش تھی' آپ انہیں روک لیجئے ڈیڈی' ان سے کہیے کہ یہ اچانک غائب نہ ہو
کریں آپ ان سے درخواست کیجئے۔"

"ہاں ہم درخواست ہی کر سکتے ہیں۔ نہ معلوم پروفیسر کی کیا الجھنیں ہیں۔"
ل نے اپنی بیٹی کو سمجھایا۔

میں ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ پہلی ملاقات جیسی بے تکلفی کی فضا اب
تھی۔ اس عرصے میں کرنل نے میرے بارے میں اور معلومات فراہم کر لی ہوں گی
اسے یقیناً یہ عرفان ہوگیا ہوگا کہ دنیش کے سوا' پرکاش بھون میں پروفیسر زاہدی کی
حیثیت سے کوئی واقف نہیں ہے۔ "آپ کی درخواست سر آنکھوں پر کرنل!" میں نے
آواز میں کہا۔ "آپ شاید الجھنوں کا ذکر کر رہے تھے' بلاشبہ بہت سی الجھنیں ہیں'
راہ راست میرا تعلق کسی واقعے سے نہیں ہے لیکن میں راج کمار دنیش کا بلاشرکت
ے دوست ہوں' آپ بہت سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں کرنل! ایک باخبر اور اطلاعات
مسلح شخص کی حیثیت ہی سے آپ اپنی ذمے داری بحسن و خوبی انجام دے سکتے
میں جانتا ہوں کہ آپ کس قدر جانتے ہوں گے۔ آپ کی ٹھنڈک' نرمی' شفقت اور
پ کے تحمل نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے' آپ ہندوستان پر حکومت کرنے والے
انگریزوں سے مختلف ہیں' آپ مجھے اودھ کے کوئی شخص معلوم ہوتے ہیں' دھیمے دھیمے
میٹھے میٹھے' میری کچھ الجھنیں ہیں۔ کچھ زیادہ ہی" میں نے جھجک کر کہا۔ "ہم ادھر
ادھر کی گفتگو کیوں کریں۔ راجے پور میں آئے دن جو واقعات رونما ہو رہے ہیں' آپ
ان کے اسباب سے خوب واقف ہیں۔ انگریز کے خلاف ایک ہندوستان گیر تحریک ہے
لیکن راجے پور میں ایسی کوئی متشدد تحریک نہیں ہے۔ راجے پور کے امرا جانتے ہیں کہ

انگریز کے پاؤں ہندوستان کی زمین میں کس قدر اندر تک ہیں۔ صرف راجے پو
انگریزوں کے خلاف بہت بڑا فساد کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اس طرح ا
ہندوستان سے نہیں نکل جائیں گے' راجے پور کے رئیس اتنے بے وقوف نہیں ہیں ک
انگریزوں سے یہ دشمنی مول لیں۔ وہ تو دوستی چاہیں گے۔ ان کے وسیع تر مفادا
تحفظ دوستی ہی میں مضمر ہے۔ آپ کی دوستی کی تمنا میں لوگ کتنے مضطرب ہیں ک
آپ سے عشق کرنے کے لئے بے چین ہیں۔"

کرنل ہنسنے لگا۔ "پروفیسر آپ بہت نادر باتیں کر رہے ہیں۔ از را
سلسلہ جاری رکھیے' میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اب راجے پور میں آپ سے قریب ہونے کی لڑا
رہی ہے۔ کون پہلے آپ کی نگاہ کرم اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہوتا
فیصلہ آپ پر اور آپ سے رفاقت کے دعوے داروں کی جدوجہد پر منحصر ہے۔ آ
اونچی نشست پر بیٹھے ہوئے اپنے مشتاقوں کا جلوہ کر رہے ہیں کہ آپ کس کے
میں ہار ڈالیں۔ آپ کی بڑی شان ہے کرنل ایسی صورت میں میری کیا مشکلیں ہو
ہیں اور کیا خواہشیں' آپ سمجھتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ انہیں وضاحت سے بیان
جائے۔ میں آپ سے ایک اور اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی اس
میں شدت سے اصرار کیا تھا' میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ میرا درجہ
نظروں میں محترم رکھیے کیونکہ میں روایتوں پر یقین رکھتا ہوں۔ آپ کے ذہن
میری آمد کا کوئی مقصد متعین ہوگا۔ آپ نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے مگر میں
مختلف آدمی ہوں کرنل صاحب! مجھے آپ سے یہ تعلق بے حد عزیز ہے' میں ا
لوگوں کی تصویریں اپنے دل کے البم پر چپکا لیتا ہوں کیونکہ میں ایک دل بھی ر
ہوں۔ تمام انسان اپنی اغراض کے رشتے رکھتے ہیں۔ عالی جناب! لیکن زندگی صر
فولاد اور پتھر نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ غرض کے سوا بھی آ سکتے ہیں۔ کچھ لوگوں سے یو
ملنے اور باتیں کرنے کو طبیعت چاہ سکتی ہے' کچھ لوگ اچھے بھی لگ سکتے ہیں آپ
رہے ہیں کرنل کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی زبانی اپنے متعلق آپ کا
سنوں' میں آپ کی نظروں میں اپنا نرخ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں انگریز چھاؤنی میں

ہوں کرنل! یہ خیال رہے کہ میری جیب میں ایک پستول ہے میں بلند آواز سے گفتگو
کرنے کی جسارت بھی کر رہا ہوں' ایسا شخص کون اور کیا ہو سکتا ہے' ہم بہت صاف
صاف باتیں کر رہے ہیں' آپ نے عمر گزاری ہے جناب!" میں نے خوش گوار برہمی
سے کہا۔ "میں آپ سے صاف گوئی کی درخواست کروں گا۔" یہ کہہ کے میں خاموش
ہو گیا۔

"ایکسیلنٹ۔" کرنل نے بردباری سے کہا۔ "آپ نے ایک مشکل سوال کیا
ہے۔ پروفیسر! جو آپ کہنا چاہتے ہیں' وہ پوری طرح مجھ تک منتقل ہو چکا ہے۔"

"لیکن میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں۔" میں نے جذباتی ہو کے کہا۔ "میں سوال
کر رہا ہوں مجھے واپسی کا راستہ معلوم ہے۔"

"آپ نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کر دی ہیں۔"

"لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے۔"

"میں آپ کا احترام کرتا ہوں پروفیسر! کرنل نے شستہ انداز میں کہا۔ کیا
آپ کے ساتھ یہ خوب صورت وقت گزارنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں آپ کو
سفیر اور وکیل سے زیادہ ایک شخص' ایک دوست سمجھتا ہوں؟"

"آپ نے مجھے دوستی کا اعتماد بخشا ہے کرنل! میں آپ کا ہرکارہ یا ملازم نہیں
ہوں۔ یہ شرف میں آپ کو بھی بخشتا ہوں۔"

کرنل کا قہقہہ نکل گیا۔ "کیا پروفیسر نے کوئی بہت دلچسپ بات کہی ہے؟"
ریتا نے اشتیاق کے ساتھ اپنے باپ سے پوچھا۔

"بے حد۔ یہ ایک بے حد عجیب آدمی ہے۔"

"کرنل! میں آپ کو کیسا لگتا ہوں۔" میں نے شوخی کی۔

"بہت شان دار۔ آپ بہت خوب صورت ہیں' آپ میں کوئی کمی نہیں۔
صرف چند چیزیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔"

"یقیناً آپ کا اشارہ اس طرف ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اپنی داڑھی
پر ہاتھ پھیرا۔ "زندہ رہنے کے لئے آدمی کو بڑے بڑے بہروپ بھرنے پڑتے ہیں
صاحب! اس روپ پر نہ جائیے! میرے اندر جو شخص چھپا بیٹھا ہے' اسے دیکھنے کی
کوشش کیجیے۔"

"میرے سامنے وہی ہے۔"

"تو پھر کوئی مسئلہ نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔

کھانا کھا کے ہم لان میں بیٹھ گئے۔ لان میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ م
بہت مطمئن تھا۔ اس موقع پر میں اپنی داڑھی اتار کے کرنل کے لئے کچھ اور دلچسپی
سامان فراہم کرسکتا تھا۔ اب داڑھی کے بال چبھنے لگے تھے مجھے اور یہ کچھ زائد سی معلو
ہونے لگی تھی لیکن کرنل کا سکون دیکھ کے میں نے وہ چہرے پر برقرار رہنے دی۔ لا
پہلے ہی گیلا تھا۔ اب دوبارہ پھوار پڑنے لگی تھی۔ اس لئے ہم واپس اندر آ گئے۔ کرن
نے غالباً دانستہ راجے پور کے سیاسی حالات کا ذکر شروع کر دیا تھا۔ ہماری بات چیت
کا یہ انتہائی نازک وقت تھا۔ میں نے کوشش کی کہ میں کم کوئی اختیار کروں اور کرنل ک
کلام بلاغت نظام سنتا رہوں مگر کرنل ایک ذہین شخص تھا۔ شراب کے خمار کے باوجود
بہت سنبھل سنبھل کے' ٹھہر ٹھہر کے اشاروں کنایوں میں بات کر رہا تھا' اگر میں انگری
ہوتا تو اسے ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے سب سے اعلیٰ عہدے پر تعینات کر د
مگر میں اتنا خوش نصیب کیوں ہوتا کہ برطانیہ عظمیٰ میں پیدا ہونے کا اعزاز حاصل کرتا۔
سارا قصور پیدائش کے محل وقوع کا ہے' کوئی زرخیز زمین میں پیدا ہوگیا۔ کوئی بنجر میں۔
کسی نے زندگی بھر محنت کی اور کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ کوئی آیا تو اس کے غلام اس سے
پہلے آ چکے تھے۔ کوئی پرکاش بھون میں پیدا ہوا۔ کوئی الٰہ آباد کے ایک متوسط گھر میں۔
ہماری بات چیت ابھی جگدیپ کی حویلی تک پہنچی تھی کہ فون نے پھر دخل در معقولات
کی۔ میں چوکنا ہوکے بیٹھ گیا۔

"کیا وہ ابھی تک نہیں آیا؟" کرنل نے درشتی سے پوچھا۔ "اسے معلوم تھا
کہ میس میں رقص کا پروگرام ہے؟" جواب دیا گیا ہوگا۔ ہاں اسے معلوم تھا' کرنل کے
ماتھے پر مکڑی نے جالا بن لیا۔ "پھر گشتی گاڑیاں روانہ کرو۔ سنو! آپ اسے مختلف جگہوں
پر پوچھنے کی کوشش نہ کرنا۔ ایک گھنٹے اور انتظار کرو' میں سمجھتا ہوں۔ آج اس نے کہی
جلد زیادہ پی لی ہوگی۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی بہن مونا سے کہو کہ وہ
اطمینان سے آرام کرے میجر کسی وقت بھی آ جائے گا۔ ممکن ہے وہ کسی اور اہم کام سے
نکل گیا ہو۔" کرنل نے فون پٹخ دیا۔ "یہ میجر رابرٹ۔ نان سنس۔"

"کیا میجر رابرٹ ابھی تک واپس نہیں آئے؟"

"نہیں۔" کرنل نے جھنجلا کے کہا۔

"آ جائیں گے' ایسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔" میں نے بے پروائی سے

کہا۔

"میجر کو آ جانا چاہیے تھا۔" کرنل فکرمندی سے بولا۔

"چھوڑیئے بھئی ان کی عمر ابھی جلدی گھر آنے کی نہیں ہے۔ راجے پور میں
حسین عورتوں کی کثرت ہے' کسی طرف نکل گئے ہوں گے۔"

کرنل کچھ مکدر سا ہوگیا تھا اس لئے میں نے اس سے اجازت لینی چاہی مگر
میرے کچھ کہنے سے پہلے ریتا نے کہا۔ "ڈیڈی اب آپ کے سونے کا وقت ہوگیا ہے'
آپ آرام کیجئے' اب پروفیسر سے میں باتیں کرتی ہوں۔ آپ انہیں آزاد کر دیجئے۔"

"ابھی ہم نے باتیں شروع کہاں کی ہیں ریتا!" کرنل اپنی بیٹی سے غیر
معمولی محبت کرتا تھا۔ ریتا اس کی اکلوتی لڑکی تھی۔ ریاست پر کرنل کا حکم چلتا تھا اور
کرنل پر ریتا کا وہ تحکم سے بات کرتی تھی۔ کرنل نے کہا۔ "پروفیسر کو بہت دیر ہوگئی
ہے' راستہ طول ہے' میرا خیال ہے' ہمیں پروفیسر کو آج کی شام کے شکریے کے ساتھ
رخصت کر دینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے' آپ اپنے کمرے میں آرام کیجئے۔" وہ ناز سے بولی۔ "میں
پروفیسر کو روک لوں گی' جب سے وہ آئے ہیں۔ آپ ہی باتیں کیے جا رہے ہیں۔"

"پروفیسر! یہ لڑکی جو تم دیکھ رہے ہو۔" کرنل نے مسکراتے ہوئے ریتا کی
کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ "یہ لڑکی میری بیٹی ہے' اس کا نام ریتا ہے' یہ ابھی تک بہت بچی
ہے' ضد کرتی رہتی ہے۔ اسے سمجھاؤ۔ یہ اس وقت تمہیں مزید روکنا چاہتی ہے۔"

"آیئے' اٹھئے پروفیسر!" ریتا نے میری انگلیاں اپنی نازک انگلیوں کی
گرفت میں لے لیں۔ میں نے پھولوں کی زنجیریں پہن لیں' میں نے بظاہر بے بسی
سے کرنل کی طرف دیکھا۔ کرنل شفقت کے انداز میں سر کو حرکت دے رہا تھا۔ انگریز
باپ ہو کے کیسا بدل جاتا ہے' اس میں اور ایک ہندوستانی میں کوئی فرق معلوم نہیں
ہوتا۔ وہ ایک مربیانہ تبسم' ایک بوڑھا تبسم' میں نے راجے پور میں لندن کی سیر کی' کئی
ٹن کا انگریز دیکھا۔ ریتا نے اپنے باپ کے سامنے میری انگلی پکڑلی تھی' انگلستان کے
اطوار ہی انوکھے تھے۔ غالباً یہ ذات کے زیادہ اعتماد کی دلیل تھی۔ انگریزوں نے ذات
کا سفر ذرا تیز کیا تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ پردے لٹکے ہوتے ہیں مگر انگلستان والے
کھلی فضاؤں کے قائل ہیں' وہ چلمن نہیں لگاتے' ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے
ہیں' وہ جھانکتے نہیں' صاف سامنے آ جاتے ہیں۔ کرنل نے مخمور نگاہ سے ہمیں دیکھا۔

''اب آپ سے کب ملاقات ہوگی پروفیسر؟'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کسی وقت بھی' جب بھی آپ نے شدت سے یاد کیا۔ مجھے پتہ چل جائے گا۔ شرط یہی ہے کہ آپ یاد کریں۔'' میں نے یاد کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ کو بھلایا کب ہے؟ آپ بھلائے جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔'' کرنل یہ کہہ کے جھومتا ہوا پہلو کے دروازے سے کہیں گم ہوگیا اور میں ریتا کی مخروطی انگلیوں کی ڈوری سے بندھا بندھا سیڑھیاں چڑھنے لگا' سب کچھ خواب سا معلوم ہوتا تھا۔ رگوں میں گردش کرتا ہوا خون جل رہا تھا۔ شہزادی کے آنے کی سرسراہٹ پر سارے ملازم مودب ہوگئے' ریتا انہیں نظر انداز کرتی ہوئی مجھے کوٹھی کے سب سے اونچے کمرے میں لے آئی۔ یہاں سے چھاؤنی کی عمارتوں کی روشنیاں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ نیچے لان کا گداز سبزہ تھا۔ اوپر آسمان پر ستاروں کا جھرمٹ۔ نیچے درختوں کی شاخیں کھڑکیوں کو بار بار بوسے دے رہی تھیں۔ جدید سازو سامان سے آراستہ اس کمرے سے چاروں سمتوں کی ہوائیں گزرتی تھیں۔ رات کا وقت تھا۔ گہری رات کا وقت' سب کچھ موجود تھا' کمرے کی ہلکی سرخ روشنی جیسے اس کے رخساروں سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کے ابروؤں کی کمانیں کھنچی ہوئی تھیں۔ تیز دھار کے چاقو سے کٹے ہوئے اس کے ہونٹ رخساروں کی پلیٹ میں رکھے ہوئے تھے جیسے کسی نے لال امرود کی قاشیں کمال نفاست سے کاٹی ہوں۔ میں نے اس کے دونوں شانے تھام لیے اور گم سم ہوکے اس کا نظارہ کرتا رہا۔ وہ بھی اضطراب آمیز خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ کبھی وہ نظریں جھکا لیتی۔ کبھی سٹ پٹا کے مجھے دوبارہ دیکھنے لگتی۔

''ریتا!'' مجھے اپنی آواز پر خود حیرت ہوئی۔ وہ جھنجھنا رہی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے لرزتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو!'' مجھے یاد آیا کہ دنیش نے میری جیب میں ایک انگوٹھی رکھ دی تھی۔ میں نے عجلت میں انگوٹھی جیب سے نکال کے اسے پہنا دی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ اشتیاق سے انگوٹھی دیکھتی ہوئی بولی۔

''کچھ نہیں' بس جی چاہا کہ جا رہا ہوں تو تمہارے لئے کوئی چیز لے کے جاؤں۔'' میں نے اس کی انگلی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

''اوہ پروفیسر!'' وہ بار بار انگوٹھی دیکھتی تھی۔ ''تو تم نے محسوس کرلیا' تم نے محسوس کرلیا۔'' اس نے تکرار کی۔ ''میں تم سے ملنے کے لئے شدید بے قرار تھی' میں نے

کتنی ہی بار تمہیں فون کیا' مگر تم نہیں ملے۔'' اس کا سیلاب رکا ہوا تھا۔ صرف ایک اشارے سے امڈ پڑا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم کتنی بے قرار تھیں۔ میں پرکاش بھون میں موجود تھا لیکن تم سے فون پر بات نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے صاف انگریزی میں کہا۔ وہ میری زبان کی شستگی اور روانی پر حیرت زدہ تھی۔

''تمہاری حیرانی بجا ہے میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکا۔ میں سوچتا تھا کہ تم ایک معزز انگریز افسر کی لڑکی ہو اور میں ایک گم گشتہ' گم کردہ راہ مسافر' وہ ایک جذباتی تاثر جو تم پر مہاراجا کی دعوت میں قائم ہوگیا ہے' وہ خودبخود ختم ہو جائے گا لیکن تم نے پھر مجھے اپنے پاس کھینچ لیا۔ آج میں یہ سوچ کے آیا تھا کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن تمہارے مغربی قالب میں ایک مشرقی لڑکی کی روح موجود ہے۔ تمہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا اور تم نے سب کچھ کہہ دیا۔ تم اچانک اتنی تیزی سے لپکیں کہ مجھے خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں تم آگے جاکے گر نہ جاؤ۔ تمہیں چوٹ لگ جائے گی۔ ممکن ہے' تمہارے ڈیڈی نے میرے بارے میں تم سے کچھ مبہم باتیں کی ہوں۔ تم بہت سادہ اور معصوم ہو لیکن تم کچھ نہیں جانتیں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''میں صرف تمہیں جانتی ہوں۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔

''مجھے بھی تم نہیں جانتیں۔ یہ پروفیسر جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ دیکھو۔'' میں نے اپنی مونچھیں کھینچ لیں۔ ''یہ دیکھو۔'' پھر میں نے وحشت میں اپنی داڑھی نوچ لی اور چشمہ اتار کے کرسی پر پھینک دیا۔ ''میں یہ ہوں۔'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے دزدیدگی سے میرے جسم پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ''اوہ تم یہ ہو۔'' اس نے کشمکش کے لہجے میں کہا۔

''ہاں میں یہ ہوں' تم مجھے پہلے بھی دیکھ چکی ہو۔'' میں نے نڈھال ہو کے کہا۔ ''میں راج کمار دنیش چندر کا ایک ادنیٰ ملازم' محکوموں کا محکوم ہوں۔ میرا نہ کوئی گھر ہے نہ در' میں دنیا کا سب سے تنہا آدمی ہوں۔ میں یہ ہوں موہن داس! تم نے دیکھا ریتا؟ اسی لئے میں تم سے درخواست کرنے آیا ہوں کہ تم واپس چلی جاؤ۔''

''میں نے اسی دن تمہیں پہچان لیا تھا۔'' وہ میری توقع کے خلاف پرمسرت لہجے میں بولی۔ وہ لرزیدہ تھی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم وہی ہو تم ......'' وہ اچانک میرے

سینے سے لگ گئی۔ ''تمہیں یہ بہروپ بھرنے کی ضرورت کیوں پڑی ؟'' اس طرح کوئی سینے سے نہیں لگتا۔ جب تک وہ خوابوں اور خیالوں میں اس کی ریہرسل نہیں کرلیتا۔ میں نے اپنا روپ ریتا پر اس وقت ظاہر کیا تھا' جب مجھے یہ اعتماد حاصل ہوگیا تھا کہ میں اپنا چہرہ سیاہ کرکے بھی اس کے سامنے پیش کرسکتا ہوں' یہ اعتماد میری مساعی سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ خود ریتا نے آگے بڑھ کے اتنی جلدی ایسا مکمل اظہار کیا تھا کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا دعویٰ کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں قید کرلیا۔ اس سے پہلے میں نے کسی انگریز کو روتے اور سسکتے نہیں دیکھا تھا۔ اس چشم گنہگار نے یہ منظر بھی دیکھا۔ میں نے اسے خود سے علیحدہ کیا اور اس کا چہرہ سامنے کر کے کہا۔ ''مجھے معاف کر دؤ میں نے تم سے بہت جھوٹ بولے لیکن میں بہت مجبور آدمی ہوں۔ یہ سچ بھی تم نے بلوایا ہے' سچ بولنے کی منزل آ گئی تھی۔ میں نے سوچا' میں زیادہ دیر جھوٹا رہا تو تمہاری نظروں میں گر جاؤں گا۔ میں نے سوچا' میں تمہیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں تا کہ ایک خوبصورت لڑکی جلد سنبھل جائے' زیادہ دیر تو نہیں ہوئی ؟''

''یہ سب کیوں ہے پروفیسر؟'' اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''یہ سب ایک لمبی داستان ہے۔ سنو گی ؟ حوصلہ رکھتی ہو؟ آؤ بیٹھ جاؤ۔'' ہم دونوں ایک ہی کرسی پر بیٹھ گئے اس کے ہاتھ میری گرفت میں تھے۔

''میں تمہیں سب کچھ کیوں بتا رہا ہوں' اس میں کون سا جذبہ شامل ہو سکتا ہے' یہ تم ضرور محسوس کرو گی۔'' میں نے اس کے رخساروں پر لرزتے ہوئے قطرے پھونک مار کے اڑا دیئے۔'' سنو ریتا ! میں آج بھی کرنل کو بتانے والا تھا لیکن پھر چند مصلحتیں آڑے آ گئیں' وہ تم سے میرے متعلق کوئی بات کریں تو اشارتاً انہیں بتا دینا کہ وہ جتنا کچھ سمجھتے ہیں۔ صحیح سمجھتے ہیں' ضروری نہیں کہ میں ان کے سامنے اصل چہرے کے ساتھ ہی آؤں' راج کمار دنیش چندر کے ملازم کی حیثیت سے میرا یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔ دنیش چندر ایک نیک اور شریف النفس نوجوان ہے۔ پہلے وہ بھی مجھے ملازموں کی طرح برتتا تھا۔ پھر وہ میرا دوست ہوگیا۔ بہت گہرا دوست۔ میرے سارے عزیز مر چکے تھے اس لئے میں دل شکستہ درماندہ پرکاش بھون میں آ کے پڑ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہاں ایسے حالات پیش آئے کہ مجھے بہت سے معاملوں میں ملوث ہونا پڑا۔ تم نئی نئی آئی ہو۔ تمہیں راجے پور میں ہونے والی سازشوں اور خوں ریزیوں کا علم نہیں ہوگا۔ یہ ریاست اور سیاست ایک گورکھ دھندا ہے' میرا دوست دنیش چندر بھی انہی

سازشوں کا شکار ہے' ہم نے اپنی بقا کے لئے کسی نہ کسی طرح سازشوں کا جواب دیا ہے۔ کوئی بھی ہماری جگہ ہوتا تو یہی کرتا مگر سازشیں ختم نہیں ہوئیں۔ دنیش چندر سے قربت کے باعث میں بھی زد پر ہوں' حالات معمول پر ہوتے تو دنیش چندر یہ اعلان کرنے میں کوئی تاخیر نہ کرتا کہ میں پوری طرح اس کا دوست ہوں۔ بھون میں میری حیثیت اور ذمہ داریاں بڑھا دی جاتیں' میری نمائشی اور مصنوعی حیثیت ختم ہو جاتی لیکن بھون میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے آشیانے سے مخلص نہیں ہیں۔ میں پس پردہ رہ کے اپنے دوست دنیش چندر کے زیادہ کام آ سکتا ہوں۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ میں دنیش کا خاص ملازم ہوں۔ اس دن جب تم آئیں تو اور لوگ بھی موجود تھے۔ تم نے فون کیا اور آنے پر اصرار کیا تو ہمیں یہ بہانہ بنانا پڑا کہ پروفیسر زاہدی باہر گیا ہوا ہے' پروفیسر زاہدی کو بھون میں کوئی نہیں جانتا اس لئے وہ تمہارے سامنے نہیں آ سکتا تھا اور نہ موہن داس ایک ملازم اور انگریز آفیسر ان کمانڈ کی لڑکی کا میل جول بھون کے لوگوں کو پسند آتا۔ وہ ملازموں کو کم تر درجے کی نسل سمجھتے ہیں جس طرح بعض انگریز ہندوستانیوں کو سمجھتے ہیں۔ ایک دن دنیش کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ میرا بھیس بدل کے مجھے مہاراجا کی خصوصی دعوت میں لے گیا۔''

''یہ راج کمار دنیش چندر نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ میں ان کی ممنون ہوں۔'' ریتا مسکرا کے بولی۔ وہ بہت محویت سے میرا بیان سن رہی تھی۔

''اور میرے ساتھ بھی۔'' میں نے اس کی گردن میں بازو حائل کر دیے۔

''تم نے اندازہ کیا کہ ہمیں تم سے کوئی معقول عذر پیش کرنے میں کیسی مشکل پیش آئی ہوگی۔ سمجھ رہی ہو نا ؟ جب کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی تو میں نے تمہارے پاس آنے اور سب کچھ کھل کر بتا دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اب تمہارا مجرم تمہارے سامنے پیش ہے۔''

''تم داڑھی کے بغیر کتنے اسمارٹ اور دلکش نظر آتے ہو۔'' وہ شگفتگی سے بولی۔ ''اوہ تم نے کتنا اچھا کیا کہ یہ اندھیرا دور کر دیا۔ اف تم کتنے بڑے اداکار ہو۔ مجھ سے غلط سلط انگریزی بولتے رہے' تم نے مجھے بہت ستایا۔''

''اور اب تمہیں جھوٹ بولنا ہے' یہ باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں' ایک لڑکی ریتا کو' انگریز کرنل کی بیٹی کو نہیں' میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم یہ تمام تفصیلات کرنل کے گوش گزار نہ کرنا۔ صرف یہ بتا دینا کہ پروفیسر زاہدی وہ نہیں ہے جو نظر آتا ہے' وہ خود بھی یہی کہتے ہیں لیکن تم میری انگریزی دانی وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں بتاؤ

گی۔ ورنہ کرنل سے مجھے بڑی ندامت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری ہدایت پر عمل کرو گی اور چھاؤنی میں مجھے کمزور نہیں کرو گی۔"

"لیکن یہ صورت حال تو اب بھی موجود رہے گی۔ میں تم سے اب بھی نہیں مل سکتی۔ نہ میں بھون آ سکتی ہوں اور نہ تم یہاں۔"

"کیوں نہیں۔ تم دنیش کی دعوت پر کچھ دنوں کے لئے بھون میں آ جاؤ۔ اب تم مجھے دیکھ کر چونکو گی نہیں۔ بھون کے دوسرے لوگوں کے سامنے مجھ سے تمہارا رویہ بے نیازی کا ہوگا جیسا ملازموں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور جب دوسرے لوگ سامنے نہیں ہوں گے تو ہم دونوں کو تنہائی کا خوب موقع ملے گا' خوب باتیں کریں گے' خوب ملا کریں گے۔ صرف میرا دوست دنیش چندر میرے اور تمہارے تعلق کا راز دار ہو گا اور اس کی کوشش یہی ہوگی کہ وہ اپنے دوست کو ہر حال میں آسودہ رکھے۔ ادھر میں پروفیسر زاہدی کے روپ میں کبھی کبھی کرنل سے ملنے آتا رہوں گا۔ کسی کو یہ علم بھی نہیں ہوگا کہ دنیش چندر کا ایک ملازم آفیسر ان کمانڈ سے ملنے آتا ہے تو کیوں آتا ہے۔ تم وہاں آؤ گی تو بہت کچھ ہو سکتا ہے' میں تمہیں راجے پور کی سیر کراؤں گا' اپنی سیر کراؤں گا۔"

"اوہ' یہ سب کچھ کتنا دل کش' کتنا پراسرار اور خواب ناک ہے۔" ریتا اچھل کے بولی۔ "میں ڈیڈی سے اجازت لے کے بھون میں ضرور آؤں گی۔ یہ ایک دلچسپ ایڈونچر ہوگا۔"

رات خاصی گزر چکی تھی۔ وہ اب میرے پہلو میں آ گئی تھی' اتنی باتیں ہونے کے بعد کوئی دور کیسے بیٹھ سکتا ہے۔ میرا حال عجیب تھا۔ جی چاہتا تھا کبھی صبح نہ ہو' میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ "اب میں چلوں گا۔" دنیش میری وجہ سے اب تک سویا نہیں ہوگا۔ مجھے اجازت دو۔"

"کچھ دیر اور بیٹھو۔" تمام عورتیں ایک جیسی باتیں کرتی ہیں' میں نے اسے اور اپنے پہلو میں سمیٹ لیا' اتنا کہ کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ میرے تناور درخت کی چھاؤں میں آنکھیں موندے بیٹھی تھی اور میں اس کے بدن کی جنت پہلو میں سمیٹے ہوئے تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی سانسیں سنتے رہے' گہری طویل سانسیں اور دل کی دھڑکنیں۔ "ریتا!" میں نے مدھم روشنی کی طرح مدھم آواز میں اسے آواز دی۔

"ہاں۔" اس نے غنودگی میں کہا اور سر اٹھایا تو اس کے گلابی ہونٹ میری آنکھوں کے سامنے آ گئے' میں نے وہ آگ اپنے منہ میں رکھ لی۔ اس میں ایسی بجلی تھی کہ میں لرز گیا' پھر میں اچانک تیزی سے اٹھ گیا۔ وہ بہکے ہوئے قدموں سے میرے بازوؤں پر جھولتی ہوئی آگے بڑھی۔ ہم نے دروازہ عبور کیا تو دفعتاً مجھے خیال آیا کہ میں داڑھی اور مونچھیں اور عینک چھوڑے جا رہا ہوں۔ انہیں اٹھا کے میں نے چپکایا' ریتا مسکراتی رہی' میری ٹیڑھی مونچھ اس نے سیدھی کی' پتہ نہیں' میں پہلے کی طرح لگ بھی رہا تھا یا نہیں لیکن اس وقت میک اپ کی اتنی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ہم دونوں سیڑھیاں اتر کے ایک کمرے میں آ گئے۔" ڈیڈی جاگ رہے ہیں۔ اس نے حیرت سے کہا۔ ایک کمرے کی کھڑکیوں سے روشنی آ رہی تھی۔ ہم قریب پہنچے تو کرنل کی گرج دار آواز رات کے سناٹے میں صاف سنائی دے رہی تھی' وہ فون پر احکام صادر کر رہا تھا۔ ریتا ساتھ نہ ہوتی تو میں چھپ کر اس کے الفاظ ضرور سنتا' جو بات میرے کان میں پڑی' وہ بات مختصر تھی' کرنل اپنے ماتحتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میجر رابرٹ کی آج کی اور گزشتہ دن کی سرگرمیوں کی رپورٹ تیار کرو۔ وہ کس کس سے ملا اور کہاں کہاں گیا ؟ مجھے کرنل پر بڑا ترس آیا۔ ذرا سی بات تھی' کرنل کو جاگنا نہ پڑتا۔ میں صرف اتنا کہہ دیتا' گرمیوں کرتے ہوئے رابرٹ راجے پور کے نواحی علاقے کی ایک سبزہ زار پہاڑی پہ آرام کر رہا ہے۔ میں نے خود اسے دیکھا تھا۔

ہم پورچ میں آ گئے تھے۔ ریتا نے اصرار کیا کہ چھاؤنی کے کسی ڈرائیور یا اردلی کو ساتھ لیتا جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا۔ کسی ہندوستانی ڈرائیور یا اردلی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ریتا کے سامنے کچھ سبکی بھی محسوس ہوتی تھی' راستہ طویل اور خطرناک اور وقت بھی بہت گمبھیر تھا۔ میں صبح ہونے تک کرنل کے ہاں ٹھہر سکتا تھا مگر مجھے دنیش چندر کی فکر تھی۔ ادھر کسی وقت بھی انگریزی فوج کے گشتی دستے میجر رابرٹ کی لاش دریافت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد راجے پور میں پھیلنے والے انتشار کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مجھے جلد سے جلد بھون میں ہونا چاہیے تھا۔ جب میری گاڑی چلی تو وہ پورچ میں کھڑی حسرت سے ہاتھ ہلاتی رہی' میں اس کی نم آنکھیں زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکا۔

گیٹ اسی سعادت مندی سے کھول دیا گیا۔ جس کا مظاہرہ آتے وقت کیا گیا تھا۔ اب میرے سامنے شہر کی طرف جانے والی سڑک تھی اور میں تھا۔

ہر سمت ایک بھیانک سکوت چھایا ہوا تھا۔ یہ ایک سیاہ رات تھی۔ آسمان پر ابھی تک گہرے بادل چھائے ہوئے تھے' زمین گیلی تھی' کچھ دور جاکے اونچے نیچے چکر دار پہاڑی راستے شروع ہوجاتے تھے۔ میں نے گیلی زمین کی وجہ سے گاڑی کی رفتار بہت کم رکھی۔ ذہن پر بیک وقت متضاد خیالوں کی یورش تھی۔ گاڑی کسی شرابی کی طرح آگے بڑھ رہی تھی' جب چھاؤنی سے ملحق ہموار راستہ گزر گیا تو پہاڑیاں شروع ہوگئیں۔ میں نے اور احتیاط کا مظاہرہ کیا اور خوب اطمینان کرنے کے بعد موڑ کاٹتا رہا۔ ایک تنگ راستے سے گاڑی گزر رہی تھی۔ آگے جاکے ایک بڑا موڑ تھا۔ ہارن بجاتا ہوا میں اس موڑ پر آیا تو اچانک گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ میں نے تیز بریک لگائے' بریک کی چیخیں اردگرد کی پہاڑیوں میں دور تک گونج گئیں' سامنے سڑک پر دو آدمی ڈھاٹے باندھے کھڑے تھے' گاڑی کی تیز روشنی میں نہائے ہوئے۔ بے اختیار میرے ہاتھ ہارن پر گئے مگر وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں بندوقیں تنی ہوئی تھیں۔ جن کا رخ میری جانب تھا۔ یہ بات ایسی نہیں تھی کہ جلد سمجھ میں نہ آجاتی۔ ان کے تیور باغیانہ' سرکشانہ تھے۔ میں نے براہ اخلاق ایک بار پھر ہارن بجایا اور انہیں ہٹانے کے لئے گاڑی اور آگے کی۔ وہ ذرا سے ٹھٹکے' کچھ گھبرائے مگر دیکھتے دیکھتے ادھر ادھر کے پہاڑی اندھیروں سے کچھ آدمی سڑک پر کود گئے۔ ان سب کی بندوقوں کا رخ میری گاڑی کی جانب تھا۔ ایک لمحے میں مجھ پر لاکھوں چیونٹیوں نے حملہ کر دیا۔

سارا جسم یخ ہوگیا۔ کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی' رگ پٹھے جیسے کسی نے چمٹے سے پکڑ لیے۔ ایک لمحے میں ہزاروں فیصلے کیے اور مسترد کیے' اب میں گاڑی روک دی تھی اور بہ سرعت پستول اندر کی جیب سے نکال لیا تھا۔ بڑی آسانی سے میں ان میں سے دو تین کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ روشنی میں ان کا نشانہ لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ یوں بھی میرے نشانے کی خاصی دھوم مچی ہوئی تھی۔ لیکن یہ نشانے بازی کے جوہر دکھانے کا وقت نہیں تھا' بہت سنجیدہ وقت تھا۔ میری دو تین گولیوں کے بدلے میں ساری گاڑی چشم زدن میں چھلنی کی جاسکتی تھی۔ میں نے تصور میں اپنے جسم کی دھجیاں اڑتی دیکھیں۔ اگر میں تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دیتا تو تین چار کو دہیں پچھاڑ کے رکھ دیتا۔ لیکن آگے صاف سڑک نہیں تھی۔ جگہ جگہ موڑ تھے' گاڑی تیز نہیں بھگائی جاسکتی تھی۔ پیچھے سے گولیوں کی ایسی بوچھاڑ ہوتی کہ گاڑی چند قدم چل کر اوسان کھو بیٹھتی۔

ایک لمحہ دو لمحے' تین لمحے' چند لمحوں بعد میں اپنے خلاف خود کو بدترین فیصلہ سنا چکا تھا۔ کاش میں ریتا کی بات مان لیتا اور چھاؤنی سے ایک شخص کو ساتھ بٹھا لیتا۔ گو صورت حال پھر بھی مختلف نہ ہوتی مگر ایسی ویرانی تو نہ ہوتی۔ اس شخص کی زندگی بڑی تھی جسے میں ساتھ نہ لا سکا۔ پستول سے گولی چلاؤں ؟ گاڑی ان پر چڑھا دوں یا نیچے اتر کے خود کو سامنے پیش کردوں ؟ ممکن ہے یہ محض لیٹرے ہوں اور دینش کی دی ہوئی رقم نکال کے اپنا راستہ لیں' فضول خون خرابے میں کون پڑتا ہے۔ گاڑی ٹھہرانے کے بعد وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور دو آدمی آگے بڑھے۔ ان کی چال سے اطمینان ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں کوئی جلدی نہ ہو۔ میں نے ایک ہاتھ سے پستول تھاما۔ دوسرے سے ہینڈل لوز کیا اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ جلد ہی گاڑی کے نزدیک آگئے۔ میرا ایک ہاتھ ابھی تک دروازے کے ہینڈل پر جما ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے آدھے قدم کے فاصلے پر آئے' میں نے دروازے کو پوری طاقت سے جھٹکا دیا۔ وہ ٹھیک ان کے سینوں پر تیزی سے جا لگا اور ان کی گھٹی ہوئی چیخیں بندوق کی گولی کی طرح اچانک فضا کا سناٹا چیرتی ہوئی بکھر گئیں۔ ایک ثانیے کی دیر ہوجاتی تو میں اپنی نشست پر بیٹھا رہ جاتا۔ پستول کی نوک سے میں نے آناً فاناً روشنی کا بٹن دبایا تاکہ ہر طرف اندھیرا پھیل جائے۔ ادھر وہ گرے' ادھر تاریکی پھیلی ادھر میں بجلی سے زیادہ تیز پھرتی کے ساتھ گاڑی سے کود گیا۔ اور اندھیرے میں لپک گیا۔ زندگی اور موت میں ایک آن کا فاصلہ ہوتا ہے' نشانے پر آیا ہوا ہرن جتنا تیز دوڑ سکتا ہے' اس سے زیادہ تیز میں نے یہ سب کچھ کیا۔ چند ہی قدم بھاگا تھا کہ پاؤں رپٹا اور ایک گڑھے میں آپڑا۔ ادھر گاڑی کے اردگرد افراتفری مچ گئی تھی۔ تیز سرگوشیاں گالیاں اور برہم قدموں کی تیز چاپ' میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ اندھیرے نے زندگی کی امید برقرار رکھی۔ ورنہ اتنی بندوقوں کے سامنے زندگی کا چراغ کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ زندگی کو بندوقوں اور گولیوں سے رغبت نہیں ہے۔ میں جس جگہ زمین سے چپکا ہوا تھا۔ وہ سخت غیر محفوظ تھی' مجھ سے بہت قریب وہ اشتعال انگیز سرسراہٹ کے ساتھ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے چند گاڑی میں گھس گئے۔ چند گاڑی کے نیچے' کچھ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے سر اوپر کرکے دیکھا اور موقع غنیمت دیکھ کے گڑھے سے آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع کیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے پھر اپنا سر گردن میں چھپانا پڑا۔ میری عافیت اسی میں تھی کہ کسی طرح یہاں سے کچھ فاصلے پر منتقل ہو

جاؤں۔ پستول نے اس وقت اپنے دل سے زیادہ ساتھ دیا۔

اور اس وقت میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہا۔ جب میں نے اپنے سر کے قریب تین وحشت زدہ شورہ پشتوں کو محسوس کیا۔ کسی بھی لمحے ان کا پیر میرے جسم پر پڑسکتا تھا یا ان کی اندھیرے سے مانوس ہوتی ہوئی نگاہیں میری طرف اٹھ سکتی تھیں' میں نے کسی آہٹ کے بغیر اپنا ہاتھ اوپر کیا اور یکے بعد دیگرے تین فائر کئے جواب میں بندوق کی گولی بھی چلی مگر اس مختصر ترین مدت میں وہ تینوں تڑپتے ہوئے گر گئے تھے۔ میں مینڈک کی طرح گڑھے سے اچھلا۔ دوسرے حرام زادے ذرا دور تھے۔ اس لئے مجھے ایک درخت کا سہارا لے کے پہاڑی پر چڑھنے کا موقع مل گیا تھا۔ جھاڑیوں' کانٹوں اور درختوں کی پروا کیے بغیر میں گرتا پڑتا چڑھتا چلا گیا۔ اندر درختوں میں اندھیرا اور گہرا ہوگیا تھا۔ میں کسی بھی جگہ ٹھوکر کھا کے نشیب میں گرسکتا تھا مگر میں موت سے نبرد آزما تھا۔ زندگی بچانے کے لئے آدمی اپنے جسم کی جاتی ہوئی طاقت کا آخری سرا مشکل سے چھوڑتا ہے۔ میں کانٹوں اور جھاڑ جھنکار کی زمین پر لیٹ گیا اور رینگتا ہوا ایسی جگہ آ گیا جہاں میں نیچے کی طرف دیکھ سکتا تھا۔ نیچے گولیاں چل رہی تھیں اور چیخ و پکار ہو رہی تھی۔ ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی' میرے پستول میں صرف تین گولیاں باقی رہ گئی تھیں لیکن ایک پستول میرے پاس اور موجود تھا۔ جس نے دوپہر میجر رابرٹ کی طاقت مفلوج کر دی تھی۔ میں نے اسے اندر سے نکال کے باہر کی جیب میں رکھ لیا۔ سڑک اور گاڑی کے قریب میری تلاش میں ناکامی کے بعد ان کا سڑک کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر چڑھنا لازم تھا۔ ان میں سے چند میرے مقابل کی پہاڑی پر چڑھے' چند ادھر بڑھے جہاں میں دبکا ہوا تھا۔ آنکھیں اندھیرے سے کچھ کچھ مانوس ہونے لگی تھیں اور ایسے وقت تو تمام حواس حق رفاقت نبھاتے ہیں۔ میں نے ان کے لپکتے ہوئے سایوں اور گالیوں کی آوازوں پر یکے بعد دیگرے گولیاں چلائیں۔ دو تو اسی وقت زمین پر ڈھیر ہوگئے۔ تیسری گولی ضائع گئی لیکن اس طرح ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ شاید کوئی اندھا دھند نیچے بھاگنے کی کوشش میں سڑک پر گر پڑا۔ ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ جو نیچے پہنچ چکے تھے' انہوں نے اوپر کی سمت گولیاں داغنی شروع کردی تھیں۔

☆......☆......☆

میرے اندازے کے مطابق چھ آدمی ٹھنڈے ہوچکے تھے۔ باقی کا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ میں نے دوسرا پستول جیب سے نکال کے چھاؤنی کی سمت بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ پھر پہاڑی کا ایک مختصر چکر کاٹ کے میں دوبارہ سڑک پر آ گیا اور سڑک پر ان کے تھرکتے ہوئے سایوں کا نشانہ باندھا۔ سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ دوسرا پستول بھی خالی ہوگیا لیکن چار پانچ کو گرا کے خالی ہوا اب وہ میری سمت آنے کے بجائے پہاڑیوں پر چڑھنے لگے اور میں آہستہ آہستہ گاڑی کی طرف رینگنے لگا۔ مجھے ان کی گولی لگنے یا گرفت میں آنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ اتنا بہت تھا۔ ان میں سے چند کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں سے سڑک صاف کر سکیں۔ یقیناً ان غنڈوں میں سے کوئی یہ پسند نہیں کرے گا کہ ان کا کوئی ساتھی شناخت کرلیا جائے۔ میں انہیں گن تو نہیں سکا تھا۔ چار پانچ ہی زندہ ہوں گے یا دو تین اور۔ وہ پہاڑیوں میں بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ گاڑی کے پاس پہنچ کے میں اچک کر اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔ چابی سوئچ میں لگی ہوئی تھی لیکن میں نے اسے فوراً اسٹارٹ نہیں کیا۔ ہینڈ بریک آہستہ سے لوز کیا تو گاڑی پیچھے کی طرف لپکی' میں نے تیزی سے گیر ڈالا اور کلچ دبا کے چابی گھما دی۔ انجن نے دہاڑنا شروع ہی کیا تھا کہ میں نے کلچ سے پیر اٹھا کے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی فراٹے سے بھاگی۔ انہوں نے گاڑی کی آواز پر مڑ کے دیکھا ہوگا۔ گولیاں چلیں لیکن گاڑی ان کی زد سے دور آ چکی تھی۔ چیختی چنگھاڑتی ہوئی گھومتی ہوئی چکر کھاتی ہوئی۔ ایک میل کے فاصلے پر پہنچ کے میں نے سانس لیا اور گاڑی کی رفتار کم کی۔

خوب! بہت مناسب اور موزوں جگہ کا انتخاب کیا گیا تھا' صرف آدمی کے بارے میں غلط اندازہ لگایا گیا تھا۔ شاید شگون نہیں لیا تھا' میری سانس پھول رہی تھی اور لباس پسینے سے تربتر تھا' سامنے سڑک پر نظر تھی۔ لیکن ذہن سڑک پر نہیں تھا' وہ

لٹیرے نہیں تھے۔ لٹیرے کسی آدمی کے خلاف اتنے متشدد نہیں ہوتے ہر ممکن احتیاط برتی گئی تھی' پھر کیسے خبر ہوگئی ؟ کیا کرنل نے مخبری کردی ؟ ریتا نے فریب کیا ؟ یہ ساری بات صاف تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریزی چھاؤنی پر تعینات ہندوستانی سنتریوں کا گزارا ان کی مقررہ تنخواہوں میں نہیں ہوتا تھا اور انہیں ادھر ادھر سلام دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے پڑتے تھے۔ پرکاش بھون سے چلتے ہوئے ایک ہی شخص راستے میں ٹکرایا تھا۔ اس نے اس سے پہلے پروفیسر کو بھون میں نہیں دیکھا ہوگا۔ یقیناً رابرٹ اور دوسرے انگریزوں کے ذریعے اسے خبر ہوئی ہوگی کہ انہیں دنیش کے ساتھ ایک پروفیسر مہاراجا کی دعوت میں ملا تھا۔ باتوں میں بہتا دریا تھا' قد و قامت میں اونچا درخت تھا' رنگ روپ میں گلاب کا پھول تھا' اس کا نشانہ سچا تھا۔ جب اس نے داڑھی والے اس شخص کو دنیش کی خاص گاڑی میں جاتے دیکھا ہوگا تو اسے شبہ ہوا ہوگا' تصدیق کے لئے اس نے موہن داس کو پوچھا ہوگا۔ موہن داس غائب تھا۔ پھر جگدیپ سے رابطہ قائم کیا ہو گا تو چھاؤنی کے گیٹ پر ہندوستانی پہرے داروں نے اطلاع دی ہوگی کہ ایک بارلیش شخص کرنل ہارڈنگ سے ملنے گیا ہے۔

پریت' جتنا وقت گزر رہا تھا' میرے دل میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس میں کیا تیزی وطراری تھی۔ گھوڑا بھی خوب بھگاتی تھی' آدمی بھی خوب بھگاتی تھی' کتنی چوکنی رہتی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ بتدریج اس کے دل میں بھی میرا درجہ بڑھ رہا ہوگا۔ شہر کی حدود میں آتے آتے مجھے کچھ قرار آیا اور میں نے ٹھنڈی ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لیں اور گاڑی کو ڈھیل دے دی۔ گرم گھاؤ میں چوٹ کا پتہ نہیں چلتا۔ ٹھنڈی ہوا زخموں پر لگی تو کرب بڑھ گیا' اور پرکاش بھون کے صدر دروازے پر آ کے تو عالم ہی دوسرا ہوگیا۔ بند دروازے پر گاڑی ٹکرا کے نکل جانے کو جی چاہا' سارا خون آنکھوں میں سمٹ آیا۔ رگیں کھنچنے لگیں' میں نے اضطراب میں ہارن بجایا' اونگھتے ہوئے دربانوں نے لالٹین اٹھا کے میرا چہرہ دیکھا۔ داڑھی بے ترتیب ہوگئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے' کپڑوں پر دھول جمی ہوئی تھی۔ ''دروازہ کھولو۔'' میں نے ڈپٹ کر کہا۔

''کون ؟'' دربان نے چندھی آنکھوں سے میرا چہرہ ٹٹولا۔ ''کون صاحب ہیں۔''

''یہ گاڑی نہیں پہچانتے ؟ میں راج کمار کا مہمان ہوں۔''

''گاڑی تو انہی کی ہے مگر راج کمار کے مہمان اتنی رات گئے ؟'' وہ بڑبڑا

کے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

''راج کمار کو مطلع کرو کہ پروفیسر واپس آ گیا ہے۔''

''وہ اس وقت آرام کر رہے ہوں گے سرکار !''

''نہیں' وہ جاگ رہے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' میں نے حکمیہ کہا۔

''سرکار کو میں نے پہلے نہیں دیکھا۔'' وہ تامل سے بولا۔ ''برا مت مانیے حضور آج کل پہرا سخت ہوگیا ہے۔''

''زیادہ باتیں نہ کرو۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

اس عرصے میں دوسرا دربان بھی اونگھتا اور آنکھیں ملتا ہوا باہر آ گیا تھا۔ قریب آ کے وہ سرپٹ بھاگا اور پہلے والے دربان کو ہٹا کے مجھے جھک کے سلام کیا۔ ''کھول دو۔ سرکار کا حکم ہے کہ ان کی گاڑی جب بھی آئے' دروازہ کھول دیا جائے۔''

میں نے ان کے سلام کو جواب نہیں دیا کیونکہ میں اپنے توازن میں نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح یہاں تک گاڑی کھینچتا ہوا لایا تھا۔ اندر جا کے میں نے گاڑی ایک کونے میں پارک کردی اور داڑھی مونچھیں نوچ کے کوٹ کی جیب میں ڈال لیں۔ راہ داری کے پاس بیٹھا ہوا دربان بھی اونگھ رہا تھا۔ میں چپکے سے اندر کھسک گیا اور دنیش کے کمرے ہی میں پہنچ کے رکا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ اس کے پاس میز پر فون رکھا تھا۔ میرے کھٹکے پر وہ بے چینی سے اٹھا۔ میرے پیر ڈگمگانے لگے۔ میں نے خود کو اس کے بازوؤں میں گرا دیا۔ ''کیا ہوا موہن؟'' وہ سراسیمگی سے بولا۔

''کچھ نہیں۔ مجھے ایک گلاس پانی پلایئے اور میرا سر کاٹ دیجئے اب یہ سر مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'' میں نے اپنے بال جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''تم یہیں بیٹھو۔'' اس نے مجھے صوفے پر لٹایا اور بھاگ کے گلاس میں پانی لے آیا۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے پانی پلا کے اس نے میرا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

صبح کے قریب مجھے ہوش آیا۔ میرے سر کے نیچے تکیہ رکھا ہوا تھا۔ اور دنیش ٹانگیں پھیلائے صوفے پر غنودہ تھا۔ میں بوکھلا کے اٹھ بیٹھا۔ ٹائی میرے گلے میں نہیں تھی۔ پیر میں موزے اور جوتے بھی نہیں تھے۔ میری آہٹ پر وہ بیدار ہوگیا۔ میں نے ندامت میں اسے دیکھنے کی کوشش کی' اس کے لبوں پر دکھ بھری مسکراہٹ تھی۔ ''کیسی طبیعت ہے؟'' اس نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"بالکل۔ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے خجالت سے کہا۔ "مگر آپ سوئے نہیں، ساری رات یہیں گزار دی، مجھے خبر ہی نہیں کہ میں کب آیا اور آتے ہی یہ کیا ہوگیا۔"

"تم بہت تھکے ہوئے تھے، بے حد۔ اب اٹھ کے جلدی سے نہالو۔ میں چائے منگواتا ہوں۔" میرے نہانے سے پہلے ہی اس نے مجھے گھڑوں پانی میں بھگو دیا تھا، میں اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا اس لئے اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھتا ہوا اس کے کمرے میں چلا گیا۔ غسل کے بعد، میں چولا بدل کے آیا تو چائے تیار تھی۔

"دونوں پستول خالی کر دیئے؟" اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

میں اچھل پڑا، چائے کی پیالی گرتے گرتے رہ گئی۔ کیا صبح صبح اس کے پاس کہیں سے کوئی اطلاع آ گئی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے اندازے کے برعکس وہ نابکار اپنے ساتھیوں کی لاشیں سڑک پر چھوڑ کے فرار ہوگئے۔ پھر فوراً مجھے خیال آیا کہ نہیں، بات یہ ہے کہ اس نے میرے کوٹ کی تلاشی لی ہوگی اور دونوں پستول خالی دیکھے ہوں گے۔ میں نے نظریں جھکا کے کہا۔ "ہاں۔"

"کتنی گولیاں ضائع ہوگئیں؟" اس نے بظاہر سرد مہری سے پوچھا۔

"شاید دو یا تین۔"

اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ "کتنے بچ نکلے؟"

"گن نہیں سکا۔ اندازاً پانچ چھ یا کچھ اور۔"

اس نے سکون سے چائے پیالی میں انڈیل لی اور دوسری پیالی بنانے لگا۔

"اب ایک مدت تک تم بھون سے باہر قدم نہیں نکالو گے۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے۔" میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں مہاراجا راجے پور کی جانشینی سے دست برداری کا اعلان کروں گا۔" وہ پرعزم لہجے میں بولا۔

"ہونہہ۔" میں نے زہرخند سے کہا۔ "گویا موت دوسرے عنوان سے قبول کی جائے گی۔"

"وہ زندگی بے کار ہے جس کا یقین نہ ہو۔"

"زندگی ہمیشہ بے یقین ہوتی ہے۔"

"یہ باتیں کم از کم مجھے متاثر نہیں کرسکتیں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"آپ نے رات کے خونیں واقعے سے اثر لیا ہے تو یہ ایک روٹین کی بات تھی۔ ہمیں اس کا پہلے سے اندازہ تھا۔ آپ نے چلتے وقت کسی خطرے کے پیش نظر ایک پستول میرے جیب میں رکھ دیا تھا۔ ایک پستول پہلے سے میرے پاس تھا۔ انہی اندیشوں کے لئے یہ ہتھیار ایجاد کیے گئے ہیں۔ حالانکہ خاصے غیر جمالیاتی ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ہتھیار ہیں، انہیں چلانے کے لئے مضبوط ہاتھ ہیں، نمک خواروں کے لئے نمک کا ذخیرہ موجود ہے۔ سوچنے سمجھنے کے لئے گردنوں پر سر بھی رکھے ہوئے ہیں۔ بس ایک ذرا سے عزم کی ضرورت پڑتی ہے۔ چھاؤنی سے واپس ہوتے وقت میں پوری طرح محتاط تھا۔ کسی وقت بھی کہیں سے آفت آ سکتی تھی۔ کوئی بھی خلاف توقع واقعہ رونما نہیں ہوا۔ وہی ہوا جو ان حالات میں ہونا چاہیے۔ زندگی ایک میدان کار زار ہے۔ خارجی اور داخلی عناصر کا توازن قائم رہے تو بقا ہے ورنہ فنا ہے۔"

وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ "خارجی حالات کی اب کیا صورت ہے، کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"اندھیرا موافق خارجی عنصر ثابت ہوا۔ دن ہوتا تو وہ بھی یہ جرات کرتے ہوئے دس مرتبہ سوچتے۔ فیصلہ عجلت میں کیا گیا۔ اندھیرے سے انہوں نے فیض حاصل کرنا چاہا۔ مجھے بھی مدد ملی۔ لیکن کچھ اور چیزیں ان کے موافق نہیں تھیں، مثلاً انہوں نے اپنے مطلوب کا تخمینہ نہیں لگایا تھا۔"

"کون لوگ ہیں؟"

"کون ہوسکتے ہیں۔" میں نے سرسری انداز میں کہا اور شروع تا آخر تمام واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نتیجہ سامنے موجود تھا، میں بقید حیات تھا۔ میری رو داد سن کے وہ حیرت کیساتھ مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اس سے پریت کا ذکر نہیں کیا کہ وہ مجھے باہر صدر دروازے پر ٹکرائی تھی۔ خدشہ تھا کہ پریت کا ذکر سن کے کہیں اس کے تحمل کا ظرف چھلک نہ پڑے۔ وہ فکر میں پڑ گیا کہ آخر کس نے میری مخبری کر دی تھی؟ کسے معلوم ہوگیا تھا کہ پروفیسر زاہدی کرنل ہارڈنگ سے ملنے چھاؤنی گیا ہوا ہے۔ میں نے اسے پرسکون رہنے کی تلقین کی مگر وہ پریشان ہی رہا۔ آٹھ بجے کے قریب ملاقاتی کمرے کا دروازہ عام لوگوں کے لئے کھول دیا گیا اور میں صوفے سے اٹھ کے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ میں پریت کا انتظار کر رہا تھا۔

میرے قیاس کے مطابق وہ بروقت دنیش کے محل میں نمودار ہوئی۔ میں سوچا اندر کمرے میں چھپ گیا۔ اور کان باہر ہی رہنے دیئے' دیکھیں' وہ ستم پیشہ کیسے شعر سناتی ہے۔

"ارے پریت تم ؟ لباس بھی تبدیل نہیں کیا۔ خیریت تو ہے ؟" دنیش کی آواز آئی۔

"یہاں بھی اداسی ہے۔" پریت نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں ؟" دنیش نے پوچھا۔ "تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی ہیں جیسے رات بھر جاگتی رہی ہو' کیا بات ہے ؟"

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں واقعی رات بھر جاگتی رہی ہوں۔"

"اب تمہارا کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔" دنیش نے شوخی کی۔

"کیا بندوبست ؟" میں اندر کسمسانے لگا۔ شرم کی حالت میں وہ کیسی لگتی ہوگی۔

"ارے کسی کو پکڑ کے لانا پڑے گا۔"

دیر تک اس کی آواز نہیں آئی شاید وہ شرما رہی تھی۔ "چائے کا انتظام نہیں ہوسکتا ؟ یہاں کوئی ملازم بھی نظر نہیں آرہا ہے۔ سب کہاں مر گئے ؟ موہن داس کہاں گیا ؟" پریت نے تلخی سے کہا۔

میں الرٹ ہوگیا۔ زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔ دنیش نے کہا۔ "موہن داس اندر موجود ہے۔"

"اندر ؟" پریت نے حیرت سے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز کچھ گھٹ گئی تھی۔ اس لمحے دنیش نے مجھے آواز دے کے بلایا۔ میں ہانپتا ہوا باہر آ گیا۔

"نمسکار دیدی جی !" میں نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔ میرے پہنچنے پر اس کی آنکھوں میں ایک ناقابل بیان بے چینی پیدا ہوئی۔ اس کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کے میری رات کی ساری تھکن دور ہوگئی۔ "کیا سیوک سے کوئی کام پڑ گیا ؟" میں نے خالص ریاستی ملازموں کے لہجے میں کہا۔ "بڑے بھاگیہ کہ آج کماری پریت دیدی نے یاد کیا۔ میں سرکار سے کہہ کے سفارش کروانے ہی والا تھا کہ کماری مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتیں۔ کماری ناراض رہتی ہیں۔"

وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی کوئی جواب نہیں دے سکی۔ وہ شدید ذہنی کشمکش میں نظر آتی تھی۔ متذبذب' پریشاں حال' واقعی اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں۔ میرا تصور

بھی کہاں کہاں تک تھا۔ وہ مجھے بار بار گھور کے دیکھتی تھی اور پہلو بدلنے لگتی تھی۔ اس بات بلاشبہ وہ دنیش سے یہ کہہ سکتی تھی کہ اس نے کل رات ایک داڑھی والا شخص دیکھا تھا۔ وہ کون تھا ؟ پہلے تو کبھی یہاں نظر نہیں آیا مگر اس نے کمال ذہانت کا ثبوت دیا' کوئی لفظ نہیں کہا۔ کم سخنی ویسے بھی بڑی مفید چیز ہوتی ہے۔ آدمی فلسفے کی کتاب معلوم ہوتا ہے۔ میں بڑی باقاعدگی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی اڑی اڑی سی رنگت' بے قراری' شب خوابی کے لباس میں اس کا نازک سراپا۔ "موہن داس ! پریت کی خاطر تواضع کا اہتمام کرو۔" دنیش نے تیکھے پن سے کہا۔

"جناب !" میں نے گردن جھکالی اور گھنٹی بجا کے ایک ملازم کو طلب کیا اور دنیش کا حکم آگے بڑھا دیا۔ کیوں کہ وہاں سے ہٹنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ پریت کا پورا سامنے کھلا ہوا تھا۔ چھوئی موئی کا پودا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" دنیش نے بانکپن سے کہا۔ "موہن داس نے کچھ کہا ہے پریت اس کی خطائیں معاف کردو۔"

"اوہ۔" اسے جیسے کسی نے کاٹ لیا۔ "موہن داس......" اس نے اپنی زبان کی لگام تھامی' اس وقفے میں اسے اپنی برہمی کم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ تندی سے بولی۔ "یہ شخص کیا بک رہا ہے' یعنی......"

"پریت !" دنیش اشتعال میں اسے مخاطب کر رہا تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے منع کیا۔ اس کا لہجہ احتجاجی ہوگیا۔ اس نے انگریزی میں کہا۔ "تم موہن داس کو مس کر رہی ہو' یہ بہت خدمت گزار آدمی ہے۔"

"کیا مطلب ؟" اس نے انگریزی کے بجائے ہندوستانی میں حیرت کا اظہار کیا۔ "کیا تم میرے پاس اس کا تبادلہ کرنے کی سفارش کر رہے ہو ؟"

"نہیں" دنیش نے بے پروائی سے کہا۔ "چائے بناؤ۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اچھے ملازموں کو پہچاننا ضرور چاہیئے' وہ ہمدردانہ نظروں کے لئے ترستے ہیں۔"

پریت کے ہاتھ میں چائے کی پیالی کانپ رہی تھی۔ وہ کم بولنا چاہتی تھی لیکن دنیش کوئی نہ کوئی بات کہہ کے اسے چڑا دیتا تھا۔ "مجھے اس سے ہمدردی ہے۔" اس نے طنز سے کہا اور میری طرف دیکھا۔ شاید اسے میری آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ پسند نہیں آئی۔

میں نے درمیان میں دخل دیا۔ "سرکار ! جان کی امان پاؤں تو ایک بات

کہوں ؟"

"کہو موہن داس !" دنیش نے فراخ دلی سے کہا۔

"جناب ! راج کماری پریت سے زیادہ ذہین اور بہادر کماری پورے بھوپال میں نہیں ہے۔ انہیں تو کسی راجا کی رانی بننا چاہیے۔ میرے دل میں ان کی بڑی قدر ہے۔ لیکن جب میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ مجھ سے ناراض رہتی ہیں تو مجھے اپنے دل سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ صاحب ! نہ جانے کیوں میرا من کرتا ہے کہ یہ اپنے ہاتھوں سے مجھے سزا دیں۔ میرا گلا گھونٹ دیں۔"

دنیش اس پر بے ساختہ ہنسنے لگا۔ پریت کا چہرہ تمتما گیا لیکن دنیش کو ہنستے دیکھ کے وہ بھی مسکرا پڑی۔ پھیکی، زہریلی، جلتی ہوئی، خوف زدہ مسکراہٹ۔ "سنا تم نے یہ تمہارے لئے اپنے دل میں کیسے جذبات رکھتا ہے۔"

"یقیناً " وہ ترشی سے بولی۔ "میں تمہاری سفارش پر اسے سمجھنے کی کوشش کروں گی۔ میں ضرور نظر ثانی کروں گی۔"

دروازے پر کسی کے چہکنے کی آواز آئی جیسے مکئی کے دانے گرم بالوں میں چٹخیں۔ جیسے پھل جھڑیاں چھوٹیں، جیسے پتنگے اڑیں، وہ اس طرح سرشار جھومتی گنگناتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اکھڑ، بدمست، خود سے بیگانہ سندھیا۔ لالالالالالالارا۔ تنانا تنی نی تنا نارا۔ اس نے ایک ہاتھ اٹھا کے دونوں کو مستانہ انداز میں سلام کیا اور جب میں اس کی نظر کے نشانے پر آیا تو اس کا غنچہ چٹک گیا۔ "اوہ۔ موہن!" اس نے بے ساختہ مجھے پکارا۔ "شام کو تم کہاں تھے ؟"

"یہیں تھا سندھیا جی ! میں کہاں جاتا۔ کہئے مجھ سے کچھ کام پڑ گیا؟"

"میں نے تمہیں ہر جگہ تلاش کیا۔" اس نے بے باکی سے کہا حالانکہ میں نے کل ہی اسے تلقین کی تھی کہ وہ اپنے اور میرے تعلق کا ذکر کسی سے نہ کرے، شاید اسے یاد آ گیا۔ وہ تمکنت سے بولی۔" ہمیں تم سے کام تھا۔ انکل دنیش سے پوچھو میں تمہیں پوچھتی ہوئی آئی تھی یا نہیں ؟"

"سندھیا ! ہم نے تمہیں بتایا تھا نا کہ موہن ضروری کام سے گیا ہوا ہے" دنیش نے ناگواری سے کہا۔ "تم اپنا کام کسی اور شخص سے کروا لیتیں، یہاں ملازموں کی کمی نہیں ہے۔"

"انکل ! سارے ملازم گندے اور حرام خور ہیں۔ موہن داس سب سے اچھا ہے۔" سندھیا نے دنیش کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

اسے قرار نہیں تھا وہ بے کل تھی۔ دنیش نے اس کے بال پکڑ لیے۔ "سندھیا تمہاری زبان اب تیز چلنے لگی ہے۔ میں تمہیں انگلینڈ بھیج دوں گا۔ تم وہاں صحیح تربیت پاؤ گی اور تمہیں اندازہ ہوگا کہ یہاں کے اور وہاں کے ملازموں میں کیا فرق ہے۔ تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی، اس طرح باتیں نہیں کرتے پیاری بچی!"

اس نے اپنا سر دنیش کی آغوش میں دے دیا تھا اور وہیں سے مجھے تک رہی تھی۔ شوخی پھوٹی پڑتی تھی لیکن میری نظر اس پر زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکی۔ ادھر پریت بیٹھی تھی۔ ہم دونوں کی پتلیاں بار بار آمنے سامنے ہو جاتی تھیں۔ اس کے چہرے کے رنگ بدل رہے تھے، مجھے یقین تھا کہ آج دن میں کسی وقت انگریز فوج کی گشتی گاڑیاں میجر رابرٹ کی لاش دریافت کرلیں گی، اس کے بعد بھی پریت کی حالت دیدنی ہوگی جیسے لال مرچ کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دی جائے۔ اس نے تھک کے صوفے سے سر ٹکا لیا تھا اور چھت کے نقش و نگار دیکھ رہی تھی۔ اس کا بدن کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ اس کی کھنچی ہوئی گردن کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ آدمی کی سوچ پر کس نے قدغن لگائی ہے؟ میں نے تصور میں اس کے سوا بھی اسے نئے نئے زاویوں سے دیکھا اور سوچا۔

ابھی سندھیا کو آئے دیر نہیں ہوئی تھی کہ پارو لپکتی ہوئی کمرے میں نمودار ہوئی، اس نے پیازی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اس میں سے اس کا سراپا چھلک رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے آج ہی بنی ہے، تر و تازہ شگفتہ بالکل نئی۔ پارو پر یہ الزام تھا کہ وہ آں جہانی پرکاش چندر کی آخری رانی تھی، کسی ایسی نئی نئی لڑکی کی شادی نہیں ہوتی اور ہوتی ہے تو وہ اتنی نئی نہیں ہوتی۔ آں جہانی پرکاش چندر نے موت سے پہلے شاید اسے دیکھنے ہی پر اکتفا کیا تھا۔ اس کے صرف نظارے کے لئے شادی کی تھی کیونکہ اس کے جوبن کی ٹہنی بڑی سرسبز تھی۔ وہ جاہ و جلال سے، ایک شان دل ربائی سے اندر داخل ہوئی۔ میرے سینے میں ہلچل سی مچی اور میری گردن تن گئی۔ دنیش، پریت اور سندھیا سے رسمی باتوں کے بعد اس نے اپنی نگاہ کی کمند مجھ پر پھینکی اور ایک ثانیے میں ساری شکایتیں کر ڈالیں۔ میں نے آنکھیں میچ لیں کہ میرے پاس ان شکایتوں کے باقاعدہ جواز ہیں۔ پھر شکنتلا آ گئی۔ سریش آ گیا پھر چند رانیاں آ گئیں دیکھتے دیکھتے خاصا اژدہام ہوگیا۔ غالباً جس نے کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا اسے یہ خبر ملی کہ وہ دنیش کی طرف

گیا ہے' چنانچہ سب کا رخ اسی طرف ہوگیا مگر وہ نہیں آیا جسے میری آنکھیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ نہ جانے کس عالم میں ہوگی؟ کتابوں میں بیٹھی ہوگی اور گبن کے ساتھ ہوگی یا ملٹن کی انگلی پکڑ کے انگلستانوں کی سیر کر رہی ہوگی یا مارکس کے ساتھ برٹش میوزیم میں بیٹھی ہوگی یا ڈارون کے ساتھ بیگل پر سفر کر رہی ہوگی' موپساں اسے ستا رہا ہوگا۔ یا وہ پو سے ڈر رہی ہوگی۔ اس کی سیاہ دراز زلفیں' سیاہ زلفیں' رخساروں کے آنگن میں کھیل رہی ہوں گی' شاردا وہاں نہیں تھی۔ اس لئے میں ونیش کی خواب گاہ میں چلا آیا میں ان سب لوگوں کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا جو مجھ پر مرکوز ہوتی جاتی تھیں۔

میری پشت دروازے کی جانب تھی اور میں کرسی پر بیٹھا ونیش کے سرہانے رکھے ہوئے انگریزی رسائل کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ اچانک مجھے جھرجھری آ گئی۔ کسی نے میرے کان میں تنکا کیا۔ میں کرسی سمیت گھوم گیا' وہ سندھیا تھی۔ وہ ان سب لوگوں کے سامنے آ گئی تھی۔ "آپ؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ اندر کیسے آ گئیں؟"

"ایسے۔" وہ پھرتی سے دو قدم پیچھے ہٹ کے پھر آگے آ گئی مجھے وہ نور جہاں لگی۔ نور جہاں نے بھی سلیم کو ایسا ہی جواب دیا تھا۔ یہ ادا مجھے کچھ ایسی بھائی کہ بے اختیار میرے دونوں بازو پھیل گئے اور وہ میرے سینے میں اتر پڑی۔ میں نے اسے دونوں بازوؤں سے جکڑ لیا اور اس کی گردن پر اپنے ہونٹوں کی آگ رکھ دی' شاید وہ جل گئی۔ تڑپنے لگی اور مجھے بروقت کسی نے اندر سے ٹھوکا مارا۔ میں نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔

"جائیے۔" میں نے گھبراہٹ میں کہا۔ "کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔"

"آنے دو۔" وہ سرکشی سے بولی۔

"پھر میں مر جاؤں گا۔ آپ کا کچھ نہیں ہوگا۔"

"میں بھی مر جاؤں گی۔"

"اس وقت آپ چلی جائیے۔" میں نے منت کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں

رات کو فون کرو گے نا؟ جب میں ہاں کہہ دوں' چلے آنا۔"

"فون کسی اور نے اٹھا لیا تو؟"

"میں اسے اپنے قریب ہی رکھ لوں گی۔"

"گھنٹی کی آواز سے کوئی جاگ گیا تو؟"

اس کا چہرہ بجھ گیا۔ "ہمارے لیے بڑی مشکلیں ہیں۔"

ایک بار پھر میرے ہاتھ اسے آغوش میں لینے کے لئے مچلے لیکن دروازہ کھلا تھا۔ مجھ پر خوف طاری ہوگیا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ رات کو سونے سے پہلے اس طرف آئے' میں کوئی تدبیر سوچ کے رکھوں گا' اگر میں یہ نہ کہتا تو سوال و جواب میں نہ جانے کتنی دیر لگ جاتی۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی' میں سنبھل کے دور جا کھڑا ہوا۔ پارو تیزی سے اندر آئی تھی۔ سندھیا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کے لب مرتعش ہوئے' وہ واپس ہونا چاہتی تھی' کچھ سوچ کے ٹھہر گئی۔ مجھے اس کے اضطراب کا حال معلوم تھا۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہی ہوگی۔ اب سندھیا کو اب یہاں سے چلا جانا چاہیے تھا۔ میں گومگو کی حالت میں کھڑا تھا کہ اس سے کیا کہوں کیا نہ کہوں؟ رات کو نہ آنے کا عذر کس طرح بیان کروں؟ کیا بتا دوں کہ رات کو تو میں مر گیا تھا۔ آج میرا نیا جنم ہے۔ سندھیا بہت تیز لڑکی تھی۔ کہاں مجھے کہاں نہ رسوا کرے گی۔ وہ آپس میں گفتگو کرنے لگیں' میں چپکے سے باہر جانے لگا' مجھے یہی ایک بات مناسب نظر آئی لیکن پارو کی آواز نے میرے قدم روک لیے۔

"بھون سے باہر جاؤ تو مجھے اطلاع دے کے جانا۔" اس نے تختی سے کہا۔

"آج موسم خراب ہے۔" میں نے جرأت کی۔ "گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں' شاید بارش ہو۔ رات بھی بجلی چمک رہی تھی اور گھن گرج ہو رہی تھی' میں رات راج کمار کے کام سے گیا' راستے میں پھنس گیا۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ رانی صاحبہ! آج میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

اس نے میرا بیان نظر انداز کر دیا اور سندھیا سے باتیں کرنے لگی' میں باہر آیا تو وہاں پرکاش بھون کی آدھی آبادی جمع تھی۔ پریت ان میں نہیں تھی۔ میں اس کے پاس سے گزرتا ہوا راہ داری میں آ گیا۔ شاردا اپنے محل میں نہیں تھی۔ مالتی نے بتایا کہ وہ لائبریری میں بیٹھی ہے۔ میں لائبریری کی طرف نکل گیا۔ وہ ایک موٹی کتاب کے مطالعے میں منہمک تھی۔ وہاں تنہائی نہیں تھی مگر مجھے تو اسے بس دیکھنا تھا۔ اس نے کنگھی کر کے بال کھلے چھوڑ دیے تھے۔ میں ان سیاہ بالوں کے برقع میں اس کا بے نقاب چہرہ دیکھتا رہا اور آنکھوں میں سرمہ لگا کے چلا آیا۔ پھر میں اپنے کوارٹر میں دراز ہو گیا۔ ڈالی موجود نہیں تھی۔ تنہائی آوارہ خیالوں کا نشیب ہوتی ہے۔ میں

نے کمر ٹکائی ہی تھی کہ خیالات بہنے اور اودھم مچانے لگے۔ میری آنکھ لگ گئی لیکن خیالوں کو جسم کی نیند سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اور سرشور ہو جاتے ہیں۔ سارا میدان صاف ملتا ہے' چوکیدار سو جائے تو یہی ہوتا ہے۔

دوپہر کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میری آنکھ کھل گئی۔ دروازے پر پرنام کرتا ہوا پنڈت ایشوری لال موجود تھا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا۔ ''آج مہاراج استھان پر ہی مل گئے۔'' وہ ریشہ خطمی ہو کے بولا اور میرے چرن چھو لیے۔

''کیا ارادہ ہے ایشوری لال؟'' میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''جو مہاراج کا ارادہ ہو' سیوک تو تیار بیٹھا ہے۔''

''اب یہاں سے جی اکتا گیا ہے' کہاں چلو گے؟''

''ایک دن ایسا ہی ہونا تھا۔'' پنڈت نے اشتیاق سے کہا۔ ''ویسے تو دیوی کو جو استھان بھائے پر ہمالیا کی طرف زیادہ شانتی ہوگی۔''

مجھے پنڈت کے غیر معمولی اشتیاق سے تجسس پیدا ہوا۔ سادھو دیوراج اور پنڈت دونوں مجھے بھون سے نکلنے اور ویرانوں میں چلنے کی تلقین بار بار کرتے رہے تھے اور میں نے کبھی ان سے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کیوں ایسا کہتے ہیں۔ اس کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ میں کیچو کے بارے میں اپنی کم علمی کا اظہار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیچو کی وجہ سے وہ مجھ پر مہربان تھے۔ یہ اور بات ہے کہ خود مجھے کیچو کے اسرار کا علم نہیں تھا۔ ایشوری لال اور سادھو کی سنجیدگی بے سبب نہیں ہوسکتی تھی۔ ''کچھ اور کام نمٹانے رہ گئے ہیں پنڈت!'' میں نے گھمبیر آواز میں کہا۔

''سنسار کے کام کبھی ختم نہیں ہوتے اور دیوی کی آشا سے بڑا کون سا کام ہے۔ سمے پر نہ پہنچے تو دیوی ناراض ہو جائے گی۔'' وہ ایسے دبے دبے لفظوں میں بولا جیسے میری شان والا صفات میں گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

''نہیں پنڈت ایشوری لال! دیوی کیوں ناراض ہوگی۔ تمام کام نمٹا کے چلیں گے تو من شانت رہے گا۔''

''تم بڑے بھاگیہ والے ہو مہاراج! میری اتنی بنتی ہے کہ مجھے بھول نہ جانا۔ تمہارے چرنوں میں رہوں گا تو جیون سپھل ہو جائے گا۔''

''ہاں ایشوری لال! تم سے اچھا سیوک کہاں ملے گا۔''

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں مہاراج! میں نے تمہیں پہچاننے میں کتنی دیر لگا

دی۔ میں نے تمہیں دکھ دیئے اور تم نے مجھے شما کر دیا۔ میرے ہردے میں اب بھی یہ کانٹا چبھا ہوا ہے کہ میری طرف سے تمہارا من پوری طرح صاف ہوا ہے یا نہیں؟'' وہ ندامانہ انداز میں بولا۔

''تم نے مجھے کب پہچانا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''جانے دیجئے مہاراج!'' پچھلی باتیں دہرانے سے کیا ہوگا۔'' وہ ندامت سے بولا۔ ''میں بڑا ابھاگی تھا۔ میں سمجھا کہ وہ کوئی معمولی کالی شکتی ہوگی جو تمہارے ساتھ ہے' پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ تو دیوی ہے' جس کی شکتی اونچی ہے' میرے من میں لالچ آیا اور مجھے تم سے بیر ہوگیا۔ میں یہاں بیٹھ کے اور آسن جما کے دیوی کو راضی کرنا چاہتا تھا لیکن یہی مجھ سے بھول ہوگئی۔ دیوی نے پہلے ہی تمہیں چن لیا تھا۔''

میرے ذہن میں بہت سے سوال آئے۔ وہ سب ابتدائی نوعیت کے سوال تھے۔ مثلاً دیوی کون ہے؟ اس کی شکتی کیا ہے؟ وہ کیا چاہتی ہے؟ ہمالیا کی پہاڑیوں میں جانے سے کیا فرق واقع ہوگا؟ میں اتنا کم عقل نہیں تھا کہ سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری لال کی غیر متوقع نوازشوں سے کچھ نہ سمجھ سکتا۔ کوئی بات ضرور تھی۔ کوئی انوکھی بات۔ کیچو کیسے کیسے مشکل موقعوں پر نمودار ہوئی تھی۔ عقل نے کیسی غیر عقلی باتوں کا مشاہدہ کیا تھا۔ میں نے پنڈت کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس اثناء میں ڈالی بھی آ گئی اور پنڈت کو گھر میں دیکھ کے اس کی تیوری چڑھ گئی۔ اس نے رسمی انداز میں پنڈت کو سلام کیا' جس کا جواب پنڈت نے بہت تپاک سے دیا۔ لیلا کی کتیا بھی بڑی شے ہوتی ہے۔ کتیا ڈالی آ گئی تھی۔ میں اس کے غرانے اور بھونکنے کا منتظر تھا۔ اپنا پلا صحن میں چھوڑ کے وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ گڈا کھل کھلاتا ہوا میری سمت تیزی سے بڑھنے لگا اور مجھ پر سوار ہوگیا۔

''پھر کب کا ارادہ ہے مہاراج؟'' پنڈت نے چپکے سے پوچھا۔

''سمے نہیں آیا ہے پنڈت انتظار کرو اور مجھ سے ملتے رہو۔''

''اگر تم حکم کرو تو میں یہیں ڈیرا ڈال دوں؟ یہاں یا کوارٹر کے باہر پیپل کے نیچے استھان جما لوں؟''

''نہیں' تم مندر ہی میں رہو۔'' میں نے حکماً کہا۔ ''اب جاؤ۔''

''جیسی اچھا مہاراج!'' پنڈت نے اٹھ کر پھر سے میرے پیر پکڑ لیے۔ ڈالی کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

ڈالی نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی البتہ مجھے خوب جی بھر کے کھانا کھلایا' وہ شاید اس انتظار میں رہتی تھی کہ میں اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاؤں۔ میں سامنے بیٹھا رہوں اور وہ توے پہ روٹیاں ڈالتی رہے۔ میں نے یہ بات محسوس کی تھی کہ وہ کھانے کے دوران میں میرا منہ چلتا ہوا دیکھ کے خوش ہوتی تھی اور میں اسے چولھے کے قریب دیکھ کے خوش ہوتا تھا۔ چولھا عورت کا وجود مکمل کر دیتا ہے ورنہ عورت خالی خالی' آدھی آدھی سی محسوس ہوتی ہے' چولھے کی گرمی سے رخساروں پر پسینے کے جو قطرے ابھرتے ہیں' وہ موتی سے لگتے ہیں۔ چولھے کے قریب بیٹھ کے کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

میرا خیال ہے' ایسا کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں دباؤ نہیں ہوتا۔ ادھر ادھر کے دباؤ کیا کم ہوتے ہیں' زندگی میں آدمی جتنا شامل ہوتا جاتا ہے' دباؤ بڑھتے جاتے ہیں اور میری زندگی؟

میں نے چپ چاپ وہاں سے نکل جانے میں عافیت سمجھی۔ ایسے عالم میں جب رات' راجے پور میں گزشتہ رات نو دس قتل ہوگئے ہوں اور انگریز افسر میجر رابرٹ پراسرار طور پر غائب ہوگیا ہو' مجھے گھر میں بیٹھ کے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر لاشیں سڑک سے نہ اٹھائی گئی ہوں گی تو راجے پور کی پولیس کا کھانا پینا اور سونا جاگنا حرام ہوگیا ہوگا' اور آئی جی مہتا صاحب کو ایک بار پھر میرے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جتنا سوچتا تھا' پیچیدگیاں ہی پیچیدگیاں نظر آتی تھی۔ اس لئے میں نے سوچنا کم کردیا۔ میں نے سندھیا' پارو' شاردا اور پریت کے حسن و جمال اور خدوخال پر شاعری شروع کر دی۔ بہت سے شعر لفظوں میں منتقل نہیں ہوتے۔ انہیں آدمی اپنے اندر کہتا سنتا اور سر دھنتا رہتا ہے مگر دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب عالم تاب شباب پر تھا اور وہ وقت شعر و شاعری کے لئے موزوں نہیں تھا۔ پھول بھی ایسے وقت بوجھل ہو جاتے ہیں۔ بارش کے بعد جب سورج نکلتا ہے تو انتقام لیتا نظر آتا ہے۔

دنیش کے پاس سے بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ اس نے کمرہ بند کر دیا اور سیکرٹری کو ہدایت کرکے مجھے خواب گاہ میں لے گیا' وہ کچھ پریشان معلوم ہوتا تھا۔ ''موہن!'' اس نے منتشر لہجے میں کہا۔ ''ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ راجے پور کی ہر سڑک پر انگریزی فوج کی گاڑیاں گشت کر رہی ہیں۔''

''کیا لاشیں دریافت کرلی گئیں؟'' میں نے اطمینان سے پوچھا۔

''معلوم نہیں ہوسکا۔ میں نے ایک پولیس افسر کو فون کیا تھا۔ وہ ہمارے خاندان کا قدیم نمک خوار ہے۔ اس نے اشاروں میں بتایا کہ میجر رابرٹ گم شدہ ہے۔''

''اور لاشوں کا کوئی ذکر نہیں کیا اس نے؟''

''نہیں۔ اس نے کچھ اور نہیں بتایا۔'' وہ وحشت میں بولا۔

''تو پھر آرام کیجئے۔ اصل مسئلہ لاشوں کا تھا۔ اگر ان میں سے ایک آدمی بھی پہچان لیا جاتا تو جگ دیپ کے بہت سے لوگوں کو پریشان ہونا پڑتا۔ ادھر میں گرفتار کر لیا جاتا لیکن جگ دیپ بابو بہت سمجھ بوجھ کے آدمی ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی سلوک کیا۔ خود بھی محفوظ رہے' یار زندہ صحبت باقی۔ آپ مطمئن رہیے۔ یہ پتہ نہیں چلے گا کہ مقتول کبھی پیدا بھی ہوئے تھے یا نہیں اسے راجے پور کی پہاڑیوں کے قبائل کا ہی جھگڑا سمجھا جائے گا ویسے بھی یہ ایک ناممکن بات ہے کہ صرف ایک طرف کی لاشیں گری ہوں۔ یہ تو صریحاً آپس کا فساد ہے اور انگریز کو ہندوستانیوں کی لاشوں سے کیا دل چسپی کیوں ہونے لگی۔ ان کی تعداد جتنی کم ہوں گی۔ انگریزوں کے لئے مسرت کا سبب بنے گی۔ وہ تو ہندوستان میں کوئی ہندوستانی دیکھنا نہیں چاہتے۔''

''تمہارا تجزیہ قرین قیاس ہے مگر یہ رابرٹ کہاں غائب ہوگیا؟'' اس نے کنکھیوں سے مجھے دیکھا۔ رات بھی اس کے سلسلے میں فون آیا تھا۔ تم اس بات کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دے رہے ہو؟''

''اسی خبر سے تشویش مہاراجا اور راج کمار جگ دیپ کو ہونی چاہیے۔ مہاراجا کے نظم و نسق پر داغ آیا اور جگ دیپ کا ایک دوست لاپتہ ہوگیا۔ آپ کیوں پریشان بیٹھے ہیں۔''

''اگر میجر کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو یہ ریاست کے لئے ایک لرزہ خیز بات ہوگی۔'' دنیش نے میری صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے مگر ریاست جوں کی توں قائم رہے گی۔ شک ہم پر بھی کیا جائے گا' ممکن ہے' بعد میں ہمارے حق میں مفید نتائج برآمد ہوں کیونکہ یہ بے بنیاد شک ہوگا۔''

''تم بہت ...... بہت وثوق سے باتیں کر رہے ہو۔'' دنیش نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شدید خواہشوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔''

میں نے میجر کی گم شدگی پر دنیش سے غیر محتاط تبصرہ کیا تھا۔ فون کی گھ
بروقت بجی۔ دنیش نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور نہایت توجہ سے مخاطب ہوا۔ گرمجو
اس کے چہرے پر شادمانی بکھر گئی۔ میں سمجھا تھا کہ راج کماری کنول ہے مگر وہ ریتا
تھی۔ دنیش نے اس سے شکایت کی کہ اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تک کیوں
نہیں آئی ؟ وہ اس سے رسمی شگفتہ باتیں کرتا رہا۔ پھر اچانک کرسی سے اچھل پڑا۔
''موہن داس۔'' اس نے حیرت سے دہرایا۔ ''وہ ...... موہن داس ؟ چند لمحے ٹھہریے''
اس نے مجھے گھور کے دیکھا اور ریسیور پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ ''وہ تمہارا نام لے رہی
ہے۔''

''لایئے فون مجھے دیجئے۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ دنیش پر ایسی حیرت کبھی
طاری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ریسیور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کی آنکھوں میں غیر
معمولی چمک پیدا ہوگئی تھی۔ ''او ہیلو ریتا!'' میں نے شائستہ انگریزی میں اسے مخاطب
کیا۔ ''تم کیسی ہو؟''

''مجھے رات بھر فکر رہی' تم خیریت سے تو پہنچ گئے تھے ؟''

''ہاں' یہ ایک خوب صورت سفر تھا۔ تم کب آ رہی ہو؟ بس اب آجاؤ ؟ سنو
رات کی باتیں یاد ہیں نا۔''

''میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔'' اس نے عزم سے کہا۔

''یہاں آؤ تو پروگرام بنائیں۔ تم نے کرنل سے اجازت لے لی ہوگی اور
ہاں کرنل کا کیا حال ہے ؟ میرا خیال ہے' رات میرے اور ان کے درمیان ایک
دلچسپ مناظرہ ہوا تھا۔''

''ڈیڈی تم سے بہت متاثر ہیں' انہوں نے مجھے اجازت دے دی ہے۔''

''تو کب آ رہی ہو تم ؟''

''شام تک' سرشام آجاؤں گی۔'' اس کے لہجے سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

دنیش چندر کی حالت ناقابل بیان تھی' میں اس کے سامنے رواں اور شستہ
انگریزی میں ریتا سے باتیں کر رہا تھا' وہ مجھے تیز اور وحشت زدہ نظروں سے گھور رہا
تھا۔ میں نے ریتا سے پوچھا۔ ''سنو میجر رابرٹ کا کیا ہوا ؟ کیا واپس آ گیا ؟''

''پتہ نہیں' ڈیڈی ابھی ابھی کسی سے فون پر کہہ رہے تھے کہ اسے ہائی کمان

نے اچانک طلب کرلیا ہے' مجھے ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔'' وہ اکتاہٹ
سے بولی۔

''تو ہم بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' میں نے ریسیور کریڈل پر
رکھ دیا۔ ظاہر ہے مجھ میں دنیش سے نظریں ملانے کی جرات نہیں تھی۔

چند لمحوں تک کمرے میں بھیانک سناٹا طاری رہا۔ پھر دنیش چندر کی گلوگیر
آواز آئی۔ ''شرما کیوں رہے ہو؟'' وہ میرے قریب آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بازو سے
پکڑ کے اٹھایا اور بے تحاشا گلے سے لگا لیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے مجھے گریجویشن کی ڈگری
آج ملی ہے' وہ مجھے گلے سے لگائے کمرے میں ناچنے لگا۔ پھر تھک کر مسہری پر گر گیا۔
''تم نے بہت ستایا ہے موہن ! میں تمہیں شوٹ کردوں گا۔'' میں سر جھکائے خاموش
کھڑا رہا۔ ''تم نے خود کو اس قدر کیوں چھپایا ؟ اور تم کتنی اچھی انگریزی بول رہے
تھے۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ شدید جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور۔
اور یہ سب تمہیں تمہارے منہ پر گالیاں دیتے رہے اور تم سنتے رہے' تم کیا بلا ہو موہن
؟ تم تو مجھے تباہ کر دو گے۔''

''میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ شرمندہ ہو رہے ہیں یا شرمندہ کر رہے ہیں۔ کرنل کی لڑکی ہم سے
زیادہ تیز نکلی' جو ہم نہیں جان سکے' وہ اس نے جان لیا۔''

''اس کے سوا اور کیا صورت تھی' وہ یہاں آ رہی ہے اور اسے یہاں آنا
چاہئے۔ میں نے کل رات اپنے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب ہم اطمینان
سے اس کی مہمان نوازی کرسکیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سے آپ کب تک دور رہیں گے ؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' میری آواز بھرا گئی۔

''موہن !'' اس نے والہانہ انداز میں مجھے پکارا۔ ''سب پردے اٹھا دو موہن
! بعض اوقات بہت دوری' بہت اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔''

''اب کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ بس آنکھوں کا حجاب رہ گیا ہے۔''

وہ کچھ اداس سا ہو کے آرام کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔
میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ جی میں آیا' اب سب کچھ اسے صاف صاف بتا دوں
کہ میرا اصل نام کیا ہے۔ میں کون ہوں اور یہاں دیواروں میں چھپنے کیوں آیا تھا۔

"وہ پردے رہنے دیجئے دنیش بابو! جن سے کسی کی پردہ پوشی ہوتی ہو اور آپ کے لئے وہ بے ضرر بھی ہوں' میں تو آپ کو ان پردوں کے اندر سے بھی نظر آ رہا ہوں۔" میں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا۔ اب آیئے۔ اٹھیے۔ ریتا کی مہمان نوازی کے احکام صادر کیجئے اور میرے چند مشورے بھی دل پر نقش کر لیجئے۔ خیال رہے' آقا زادی آ رہی ہے۔ غلاموں کو ہر اعتبار سے مستعد اور چاق و چوبند ہو جانا چاہیے۔ ان کی خوشی میں ہماری خوشی' ان کی رضا میں ہماری رضا ہے ملکہ برطانیہ کی مہمان نوازی کا اعزاز حاصل کیجئے۔"

"میرا اعزاز تو ہے موہن! اب مجھے خوف رہنے لگا ہے کہ مجھ سے یہ اعزاز چھن نہ جائے۔" اس نے میرے کاندھوں پر ہاتھ ڈال کے کہا۔ "میں تجھے تہہ خانے میں بند کردوں گا یا تیرے لئے ایک پنجرا بنوا دوں گا۔ کاش تو لڑکی ہوتا۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ میری آپ سے شادی ہوچکی ہے۔"

بظاہر یہ لفظ شاعری نظر آتے ہیں مگر اس شاعری میں اثر نہیں ہوتا جسے سینے کی تپش سے سینکا نہ گیا ہو' جس کے آمیزے میں خون کے چھینٹے نہ ڈالے گئے ہوں۔ لفظوں کا ایک چہرہ ہوتا ہے اور چہرے پر سب کچھ نظر آ جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے یا سچ؟ میں دنیش چندر سے بہت کچھ چھپا رہا تھا مگر میرا چہرہ بھی تو سلگ رہا تھا۔ وہ جب میری آنکھیں دیکھتا تو اپنے تمام مطالبے اپنے تمام سوال واپس لے لیتا تھا۔

عزت مآب کرنل ہارڈنگ کی لڑکی کے لئے دنیش کے برابر والے خصوصی مہمانوں کے کمرے مختص کر دیئے گئے۔ ملازموں اور باندیوں کی ایک فوج وہاں تعینات کر دی گئی۔ آناً فاناً بھون میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ آفیسر ان کمانڈ کی دختر نیک اختر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔ میرے مشورے پر پارو کو ریتا کے پروٹوکول کا انچارج بنایا گیا۔ بھون کے پرانے ملازموں کو بلا کے رقص گاہ' طرب گاہ' میوزیم' لائبریری' ریس کے میدان' اصطبل' ہاتھی خانے اور باغ کی صفائی کا حکم دیا گیا۔ حوض کا پانی بدلنے کا بھی حکم صادر ہوا اور راجے پور کے نواح سے بازیگر' جوگی' سازندے' طوائفیں اور بھانڈ طلب کر لئے گئے' باورچیوں کو اعلیٰ قسم کی پکوان بنانے کی ہدایت کی گئی۔ شام تک دنیش حکم پر حکم دیتا رہا۔ حکم دیتا ہوا آدمی کتنا بڑا لگتا ہے' زندگی میں کامیاب آدمی کی ایک ہی نشانی ہے کہ وہ کتنے زیادہ حکم دینے پر قادر ہے۔

شام کو بھون میں ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ ریتا کا جلوس شان و شوکت سے

بھون میں داخل ہوا۔ وہ ایک بڑی سیاہ گاڑی میں رونق افروز تھی۔ پیچھے دو گاڑیاں اس کی نگراں تھیں۔ ایک باڈی گارڈ دستہ' اینگلو انڈین گورنس' باقی گاڑیاں رخصت ہوگئیں۔ راج کمار اور اس کی بہنوں اور رانیوں نے ریتا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہندوستانیوں کی یہی باتیں تو انگریزوں کو بہت مرغوب تھیں' ہندوستانی ہر فرنگی کو بادشاہ اور ہر فرنگن کو ملکہ سمجھتے تھے' ایک طرف پارو' دوسری طرف دنیش' دائیں بائیں بہت سی رانیاں' شاردا ان میں سب سے پیچھے تھی اور پریت کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب نے رنگ برنگے لباس پہن رکھے تھے' بدن کے رنگ کیا کم تھے کہ لباس کے رنگوں نے دھوم مچا دی۔ ریتا بے قراری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ ملاقاتی کمرے میں دنیش نے سب سے اس کا تعارف کرایا۔ میں دور کھڑا ہوا یہ عبرت ناک نظارہ کر رہا تھا۔ آخر ریتا کی آوارہ نظر مجھ پر آ پڑی۔ میں نے ادب سے گردن خم کر دی' میں اس کا تاثر نہیں دیکھ سکا۔

کرنل ہارڈنگ نے اپنی لڑکی ریتا کو نازک وقت میں دنیش کے ہاں بطور مہمان آنے کی منظوری دے دی تھی اور میجر رابرٹ کی گم شدگی کا عذر تراش لیا تھا۔ اس سے کرنل کی فراست کا اظہار ہوتا تھا' وہ ریاست کے عوام کو یہ تاثر دینا نہیں چاہتا تھا کہ اب انگریز آسانی سے غائب کیے جاسکتے ہیں۔ اقتدار کا پہلا نکتہ برداشت ہے' زندگی کے اقتدار کا بھی یہی نکتہ ہے' یہ بات ابھی تک لاینحل تھی کہ انگریزی کھوجی میجر کی لاش دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ یا یوں ہی حفظ ماتقدم کے طور پر کرنل نے میجر کی گم شدگی کو دوسرا رنگ دے دیا؟ بہرحال کچھ بھی ہو۔ مجھے راج کمار جگ دیپ کا خیال آ رہا تھا' باپ سے محرومی' یار جانی پرشوتم سے جدائی' رات دس جاں نثاروں سے دائمی انقطاع' میجر رابرٹ جیسے دوست کا روٹھ جانا اور اب پرکاش بھون میں ریتا کی آمد۔ ان صدموں سے اسے جاں بر تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ انگلستان سے تازہ وارد اس کی بہن انیتا بھی بطور مہمان پرکاش بھون میں جلوہ فرما ہوچکی ہے' اسے دوبارہ دیکھنے کو ویسے بھی طبیعت چاہ رہی تھی' رات تک نہ جانے کیا کیا ہنگامے ہوتے رہے' عشائیے کی طویل میز سج گئی۔ شاردا نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے درخواست کی کہ میں وہاں سے دفع ہو جاؤں کیونکہ میری موجودگی میں کھانا اس کے حلق سے نہیں اترے گا۔ میں نے دنیش کے اس کمرے میں پناہ لی جہاں کی دیواریں میرے بہت سے مناظر کی شاہد تھیں۔

مجھے پروگرام معلوم تھا۔ کھانے کے بعد بڑے ہال میں نغمہ و سرود کی محفل

سجنے والی تھی۔ ہم نے ترنم کو جان بوجھ کر اس میں شامل نہیں کیا تھا۔ یہ شب راجے پور کی مشہور طوائفوں کے گلے کی نمائش کے لئے مخصوص کر دی تھی۔ گانا شروع ہو چکا ہوگا لیکن ادھر میں تنہا اس وسیع و عریض کمرے میں پڑا ہوا تھا کہ دنیش نے آ کے مجھے اٹھایا اور اصرار کر کے محفل میں لے گیا۔ مجھے یہ دیکھ کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے ایک حسین و جمیل لڑکی میری شناسا نکل آئی۔ حسین چہرے آسانی سے کوئی نہیں بھولتا' یاد کیا تو یاد آیا کہ وہ راگنی ہے جسے ایک بار میں نے راجے پور کے بازار حسن میں دیکھا تھا۔ راگنی نے میری شناخت کے لئے کچھ دیر آنکھیں پٹ پٹائیں' پھر بڑے ناز سے سلام کیا۔ اس کا یہ غمزہ اتنا براہ راست اور واضح تھا کہ میں سب کی نگاہوں کا ہدف بن گیا اور وہیں زمین میں دھنس گیا جہاں کھڑا تھا۔ نشست فرشی تھی اور ہجوم کم نہیں تھا۔ میں نے پریت کو تلاش کیا۔ اس نے شاید رات کے واقعے اور میجر کے سانحے سے اتنا گہرا تاثر لیا تھا کہ ریتا کی پزیرائی کے لئے بھی نہیں آئی۔ پریت اداس ہو کے اور دل کش ہو جاتی تھی۔ گو یہاں بڑی نادر روزگار حسین دوشیزاؤں کا اجتماع تھا لیکن میرا دل پریت کو دیکھنے کے لئے تڑپنے لگا۔ دنیش دور بیٹھا تھا اور میں خالی ہاتھ پریت کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ دنیش کے پاس سب سے آگے جا کے اس کے کان میں کچھ کہنا آداب محفل کے خلاف تھا۔ نہ جانے کیسے سندھیا کھسکتی ہوئی جوتیوں کے قریب آ گئی۔ ادھر مغنیہ نے راگ چھیڑا۔ ادھر اس نے چپکے سے کہا۔ ''چلو۔ سب لوگ یہاں موجود ہیں' میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں اور دروازہ کھلا رکھتی ہوں۔ یا جہاں تم کہو۔ تھوڑی دیر میں تم آ جانا۔''

''میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔'' میں نے خوف سے جواب دیا۔

''ہشت' تم کیسے آدمی ہو۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں' یہ گانا تو تم روز سن سکتے ہو۔ ایسا موقع پھر کب آئے گا۔''

''آپ یہاں بیٹھئے۔ میں باہر کا جائزہ لے کے آتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے' میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

میں وہاں سے اٹھ کے لہراتا ہوا عمارتوں کے درمیان سے گزرنے لگا اور میرے پیر اپنے آپ پریت کی جانب بڑھنے لگے' جیب میں کوئی کام کی چیز نہیں تھی' دونوں خالی پستول صبح دنیش نے جیب سے نکال لیے تھے۔ پریت کی قیام گاہ کی کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ جب سے بینا رانی کا قتل ہوا تھا۔ یہاں خاصی احتیاط

ی جانے لگی تھی۔ میں ایک آڑ سے محل وقوع کا جائزہ لیتا رہا۔ خون ایک آتش سیال تھا جو رگوں میں گرج اور دھمک رہا تھا۔ اردگرد سناٹا تھا۔ جن درباتوں اور محافظوں نے مجھے دیکھا' میں نے انہیں چوکس رہنے کا مشورہ دیا جیسے میں حفاظتی اقدام کے معائنے کے لئے نکلا ہوں۔ سب جانتے تھے کہ راج کمار کی نظروں میں میری کیا حیثیت ہے۔ میں چلتا ہوا دوبارہ موسیقی کی بزم میں پہنچ گیا۔ سندھیا اب کھسکتے کھسکتے دروازے پر آ گئی تھی۔ میں نے مایوسی کے اظہار میں اپنے کاندھے اور ہونٹ سکیڑے۔ وہ تلملا گئی۔ ''ہر جگہ پہرا ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''تمام دربان جاگ رہے ہیں۔''

مجھے احساس تھا کہ اس محفل کے اختتام کے بعد میری مصروفیت کس قدر بڑھ جائے گی' جب سے ریتا آئی تھی' آنکھوں آنکھوں میں بات ہوئی تھی۔ دل پر عجب بے چینی سی طاری تھی۔ مجھ سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ جیسے ہی سندھیا کی توجہ کسی اور جانب مبذول ہوئی' میں دھیرے سے اٹھ گیا اور ہال کے باہر اندھیرے صحن میں آ کے ستارے تکتا رہا۔ یہاں بھی اندر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں کچھ اور دور چلا گیا۔ اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ کسی دل کش آواز نے اندھیرے میں آہستہ سے مجھے پکارا۔ ''سنو۔''

میرے قدم زمین نے جکڑ لیے' کون ہو سکتا ہے؟ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی شکل صاف نظر نہیں آئی البتہ اس کے لباس کی سرسراہٹ اور خوشبو سے کسی بھی حسین ترین لڑکی کا تصور کیا جاسکتا تھا۔ ''کون؟'' میں نے اپنی جگہ ٹھہر کے پوچھا۔

وہ اور قریب آ گئی۔ جب میں نے اسے شناخت کیا تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' وہ انیتا تھی' جگ دیپ کی بہن اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول موجود تھا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

اس کی سرد آواز مجھے اپنی رگوں میں جمتی ہوئی محسوس ہوئی۔ چند لمحوں کے لئے تو مجھے اپنی بینائی پر شبہ ہوا اور سارے جسم پر ایک سناٹا چھا گیا۔ میں حرکت کرنے کی بجائے اپنی جگہ ٹھٹھر کے رہ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بالکل نیا پستول چمک رہا تھا۔ شاید اسے اس سے پہلے استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس اچانک افتاد پر مجھے کیا کرنا چاہئے جہاں ہم دونوں کھڑے تھے وہ جگہ رقص و سرود کے ہال سے دور تھی۔ درمیان میں دبیز اندھیرا حائل تھا۔ میرے ارادے کی قوت اتنی منتشر کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پستول کی کرشمہ کاری کا مجھ سے زیادہ معترف کون ہو گا۔ کوئی اور ہوتا تو میں اسے مذاق سمجھتا۔ وہ کنور جگ دیپ کی بہن تھی اور اپنے باپ کے سوگ میں شریک ہونے آئی تھی۔ جسے دنیا سے جلد از جلد بھیجنے کا انتظام میں نے کیا تھا۔ میری وجہ سے اس کے بھائی جگ دیپ کی پرکاش بھون میں رسوائی ہوئی تھی۔ اس نے انگلینڈ سے واپس آ کے میرے بارے میں کیا کیا داستانیں نہ سنی ہوں گی۔ میں اس کا مزاج آشنا بھی نہیں تھا۔ جو لڑکی رقص کی ہنگامہ خیز محفل میں میری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہو اور ایک نئی جگہ میرا تعاقب کرنے کی جرأت بھی رکھتی ہو' اس سے کچھ بعید نہیں تھا' بعد میں چاہے کچھ ہو' وہ کسی بھی لمحے یہ افسانہ تراش سکتی ہے کہ میں نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا تھا' وہ ہزار عذر پیش کر سکتی تھی۔ بعد میں جو ہوتا سو ہوتا اس وقت کیا ہونا چاہئے؟ میری ذہنی گمشدگی پر اس نے سرد آواز میں دوبارہ مجھے اپنے جارحانہ حکم کا ٹھوکا مارا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

جیسے ہی اس نے یہ کہا اندھیرے میں اچانک کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ چاپ قریب آنے کے بجائے بتدریج دور ہوتی گئی۔ میرا خیال تھا کہ چاپ کی وجہ سے وہ متزلزل ہو جائے گی مگر اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں ہوئی۔ یقیناً کوئی تیزی کے ساتھ ادھر سے گزرا تھا اور یہ منظر دیکھ کے دہشت میں

بھاگ نکلا تھا۔ مجھے اس پر غور کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ انیتا نے ایک بار پھر مجھے سخت لہجے میں مخاطب کیا گویا وہ مجھے کسی ایسی سنسان جگہ لے جانا چاہتی تھی جہاں اس کے پستول کی آواز لوگ نہ سن سکیں اور جہاں سے اسے اندھیرے میں گم ہونے میں بھی آسانی ہو۔ اس کا نشانہ سیدھا اور صاف معلوم ہوتا تھا۔ گولی چلتی تو ٹھیک میرے دل پر لگتی۔ میری کسی قسم کی پھرتی مجھے بدترین نتائج سے دوچار کر سکتی تھی۔ پستول کو شرارتیں ناپسند ہوتی ہیں۔ مجھے پستول کی برہمی سے کئی بار واسطہ پڑ چکا تھا مگر اس بار صورت حال مختلف اور خطرناک تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور اسی ردعمل کا اظہار کیا جو پستول ایجاد ہونے کے بعد دنیا کے تمام لوگ کرتے آئے ہیں۔ خوف اور خلجان کے وہ برفیلے لمحے لمحوں میں گزر گئے پھر میں نے بڑی مشکل سے اپنے ارادے کا اڑتا ہوا سرا پکڑا۔ ''راج کماری انیتا!'' میں نے مودبانہ اسے مخاطب کیا۔ ''آپ؟ میں سیوک موہن داس ہوں' شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟''

''ادھر آؤ۔'' اس نے پستول والے ہاتھ کو حرکت نہیں دی بلکہ دوسرے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''میں جناب راج کمار دنیش چندر کا خاص ملازم ہوں۔''

''اور میں تمہی سے مخاطب ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا ''چلو۔''

''کہاں؟ آپ مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہیں؟''

''تم مجھے یہیں پستول چلانے کے لئے مجبور کر رہے ہو؟''

''کیا آپ مجھے مارنا چاہتی ہیں؟'' میں نے خوف زدگی سے کہا۔

''کیا تمہیں اب بھی زندہ رہنے کی توقع ہے۔''

''راج کماری! آپ کو ضرور کسی نے بہکایا ہے۔'' میں نے اضطراب میں کہا۔ ''میں یہاں کا ایک ادنا ملازم ہوں اور بس۔ آپ' آپ میری جان لے کر کیا کریں گی؟''

وہ دو قدم آگے بڑھ آئی اس نے پستول والا ہاتھ نخوت سے اٹھا لیا جیسے وہ مجھے ابھی نشانے پر لے لے گی میں بائیں جانب مڑ گیا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا گفتگو کو طول دینے کا بہانہ بھی ناکام ثابت ہوا۔ میرا خیال تھا کہ شاید کوئی بھٹکتا ہوا ادھر آ جائے اور جو شخص یہ منظر دیکھ کے بھاگا ہوا اندر گیا ہے۔ وہ ضرور اندر اس ماجرے کی خبر کر دے گا اور بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑیں گے۔ ممکن ہے' سندھیا ہی

مجھے ڈھونڈتی ہوئی یہاں آ نکلے مگر کوئی نہیں آیا۔ پرکاش بھون کے سب سے بڑے ہال میں رقص اور نغمے کی بزم بجی ہوئی تھی۔ میں اس رنگ محل سے گھبرا کے اس ویران اور اندھیرے گوشے میں پناہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ انگلستان سے تازہ تازہ درآمدہ جگ دیپ کی بہن ایک الھڑ اور بدمست لڑکی تھی۔ اس کی عمر سے مجھے ڈر لگتا تھا کیونکہ یہ عمر فیصلے کرنے میں محتاط نہیں ہوتی۔ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا کی پرکاش بھون میں آمد پر اس کا اچانک یہاں مہمان بن کے آ جانا خالی ازعلت نہیں تھا لیکن کوئی ذی ہوش یہ قیاس تک نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اتنی تیزی سے سرگرم عمل ہو جائے گی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ مجھے اندھیرے اور آڑ میں چھپائے چھپائے باغ تک لے جانے میں کامیاب ہو گئی۔ بھون کا وسیع باغ سب سے قریب اور سب سے محفوظ جگہ تھی۔ رات کے وقت یہ باغ موت کے مسافروں کے لئے ایک عمدہ سرائے کی حیثیت رکھتا تھا۔ راستے میں کئی بار میں نے مڑ کے دیکھنے کی جسارت کی مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکا۔ اس نے مجھے فرار کا کوئی موقع نہیں دیا۔ میں زندگی کی کسی مبہم اور موہوم یہ میں اس کے اشارے پر پل صراط سے گزرتا ہوا باغ کے آباد ویرانے میں آ گیا تھا۔ وائے قسمت کہ خلوت کی تلاش میں کوئی جوڑا بھی کسی درخت کے سائے میں یہاں چھپا ہوا نہیں تھا۔ جب وہ مجھے اس بڑے درخت کے سائے میں لے آئی جہاں کچھ کا مہربان سایہ کبھی کبھی نظر آ جاتا تھا تو میں نے وحشت میں ادھر ادھر دیکھا۔ ممکن ہے کچھ ہی میری مدد کو آ جائے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انیتا نے پہلے سے باخبر ہو کے اس طرف کا رخ کیا تھا۔ باغ میں ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ' پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور جھینگروں کے شور کے سوا کچھ نہیں تھا اور میرے اندر پہلے ہی یخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں' اندھیرا' سناٹا' پستول اور ناراض شخص سامنے ہو تو فیصلہ ہونے میں دیر نہیں لگتی' ندامت ... بات پر تھی کہ میرا مقدر ایک نادان لڑکی کے ہاتھوں پھوٹتا رہ گیا تھا۔ اب تک جو تگ و دو کی تھی اس کا حاصل صرف یہ تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی انگلستان سے سراسراتی ہوئی آئے اور جو کام پرشوتم جیسے بدمعاش' راجے پور کے مادر پدر آزاد غنڈے' زہریلے سانپ اور سرکش گھوڑے نہ کر سکے' وہ کارنامہ اس کا مقسوم ٹھہرے' ساری زندگی توہین برداشت کی تھی مگر ایسی توہین مجھے گوارا نہیں تھی اگر اس شخص نے جو شاید میرے سامنے انیتا کو پستول بکف دیکھ کے بھاگ نکلا تھا کسی کو جا کے خبر کی ہوتی تو اب تک کسی نہ کسی کو آ جانا چاہئے تھا۔ باغ میں آنے کے بعد یہ ٹمٹاتی روشنی بھی معدوم ہو گئی تھی میں نے

...ن طعن کی۔ میرے خوف کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مجھے پستول کی معجز نمائی کا کچھ ...رفان ہو چکا تھا۔ آگہی اندیشے اور بزدلی کی پرورش کرتی ہے۔ مجھے اس کا بھی ...تھا کہ انیتا مجھ سے مکمل طور پر واقف نہیں ہے ورنہ وہ یہ قلندرانہ قدم اٹھاتے ...ہزار بار جھجکتی میرے پہلو میں' سامنے اور سر پر' ہر طرف موت ہی موت تھی میر...ب سے اس کی زد پر تھا۔

"موہن داس!" اس نے پہلے کے مقابلے میں نسبتاً اونچی آواز سے ...اعتراف کرو کہ تمہی وہ ظالم شخص ہو جس نے راجے پور کے بے شمار گھر اجاڑے

"راج کماری انیتا کو غلط فہمی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم ایک آسان موت مر رہے ہو۔" اس نے سرد مہری ...کہا "تم اسے غلط فہمی کہتے ہو؟ اگر میں تمہارے جرائم کی سنگین روداد سے واقف نہ ... مجھے تمہارے چہرے کی مصنوعی شرافت پر ضرور دھوکا ہو جاتا اور ممکن ہے' میں ...معاف کر دینے کی غلطی کر بیٹھتی۔"

اس کے لہجے میں گداز اور نرمی کا نام و نشان نہیں تھا' اب تک میں نے یہی ...کی تھی کہ مجھے اس کے کسی غافل لمحے کی رعایت مل جائے۔ میں اس سے الجھنا ... اشتعال دلانا نہیں چاہتا تھا میرے عجز کا اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا تھا بلکہ ...ور برا فروختہ ہو گئی تھی۔ زندگی کی پروا آدمی اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک ...کی امید باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ تمام اندیشوں سے بالا ہو جاتا ہے۔ پھانسی ...جانے والے شخص کے قدم لڑکھڑائیں تو وہ بزدل اور احمق ہے' انیتا نے باغ ...نے کے بعد میرا افسانہ تمام کرنے میں دیر کی تھی' دیر شاید اس لئے کی ہو گی کہ وہ ...رے آخری لمحوں کی اذیت کا دیر تک نظارہ کرنا چاہتی تھی۔ اس کی خواہش یہ ہو گی کہ ...اس کی انا کا پوٹا تر کرنے کے لئے اس کے قدموں پر سر رکھ دوں گا۔ مجھے اس کے ...موں پر سر رکھنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ سرخم کروایا کرے' لوگ اس ...کی بارگاہ میں نذرانے پیش کیا کریں۔ "راج کماری انیتا!" میں نے پہلی بار کسی قدر ...ہمواری آواز میں کہا۔ "آخر آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"میں تم سے کیا چاہ سکتی ہوں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔ "تو قصہ ختم ...کیجئے۔" میں نے اپنا سینہ آگے کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو حقائق کا علم نہیں ہے اور

آپ کچھ جاننا بھی نہیں چاہتیں تو دیر کیوں کر رہی ہیں' چلایئے گولی۔"

"میں بھون کے کسی اور ملازم کو یہاں نہیں لائی ہوں۔" وہ نفرت
بولی۔"یہ تم ہو موہن داس ! مجھ پر ہر حقیقت منکشف ہو چکی ہے۔ میں جانتی ہوں ک
نے کن کن لوگوں کو رلایا اور ستایا ہے' تم ایک وحشی ہو۔"

میں نے اس کا اور اپنا فاصلہ کم کر دیا۔"آپ کچھ نہیں جانتیں کہ کس نے ک
کو رلایا ہے آپ سمندر پار سے آئیں' آپ نے سنا اور یک طرفہ فیصلہ کر لیا۔ کیا آ
یہ سمجھتی ہیں کہ راجے پور میں فساد کی جو بنا پڑ گئی ہے' وہ میرے خاتمے کے بعد ختم
جائے گی۔ دیکھ لیجئے گا اتنے خون ہوں گے کہ شمار تک نہیں کئے جا سکیں گے' کہیں اما
نہیں ملے گی۔ راج کماری! ہوش میں آیئے۔ بلاشبہ آپ کے ہاتھ میں پستول ہے لیک
آپ کے حسین چہرے پر دو آنکھیں بھی ہیں میں آپ کو آخری بار کوئی انتہائی ق
اٹھانے سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ میرا خون اتنا ارزاں نہیں ہے کہ اسے
دریغ بہا دیا جائے۔ آپ نے میرے متعلق جو باتیں سنی ہیں' وہ اس حد تک ضرور
ہیں کہ ہم نے جواب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے انگلستان سے آنے م
دیر کر دی اب میری موت اتنی غیر اہم بات نہیں رہی ہے جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے
بہتر ہو گا کچھ اور سوچ لیجئے تاکہ آپ اس عجلت پر پچھتانے کی زحمت سے
جائیں۔ میں آپ کے لئے کچھ مہلت لینے کی تجویز پیش کرتا ہوں میری موت ک
التواء سے آپ کو کچھ فائدہ ہی ہو جائے گا ورنہ میں نے تو خود کو آپ کے سپرد کر
دیا ہے' آپ کے ہاتھ میں میری موت کی کنجی ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل یا پرسوں
جب آپ مناسب سمجھیں میں خود کو آپ کے سامنے اسی صورت میں پیش کر دوں گا
اس میں کوئی فریب نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت آپ جو فیصلہ چاہیں' کیجئے گا' میں حیلہ
و حجت نہیں کروں گا۔ ہو سکے تو ایک یہ تماشا بھی دیکھ لیجئے۔"

"تم بہت بڑے مسخرے ہو۔" اس نے زہر خند سے کہا۔

"آپ اسے مسخرہ پن کہتی ہیں؟ یہ آپ کی زندگی کا سب سے نادر مشو
ہے۔ راج کماری ! مجھے یقین ہے' جب آپ اپنے بھائی کنور جگ دیپ کی لگائی ہو
عینک بدل کے چیزیں دیکھیں گی تو وہ بہت مختلف نظر آئیں گی۔"

"جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو' آگے بڑھنے اور حرکت کرنے کی حماقت
مت کرو۔" اس کی آواز میں مجھے کچھ تبدیلی محسوس ہوئی۔

یہ وضاحتیں کرنے کا وقت نہیں تھا مجھے جو کچھ کہنا تھا' اس کا موثر خلاصہ پیش
مناسب تھا۔ امتحان ختم ہونے کی گھنٹی کسی وقت بھی بج سکتی تھی۔ ان آخری لمحوں
کاپی پر جو بھی لکھا جا سکتا تھا' وہ میں بے تحاشا لکھ رہا تھا۔"راج کماری انیتا!" میں
نپے تلے قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔"میرا سینہ حاضر ہے' آپ گولی
نے میں جھجک کیوں رہی ہیں؟ ہمت سے کام لیجئے۔"

"آگے مت بڑھو۔" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔"میں شوٹ کر دوں

میں اس کے بہت قریب جا کے ٹھہر گیا۔ اب میں اس کے چہرے کے
ات آسانی سے دیکھ سکتا تھا' اس کی آنکھیں مجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میں نے ان میں
آنکھیں ڈال دیں۔ وہ سٹ پٹائی اور اس نے بے اختیار پستول اپنے دونوں
ول سے پکڑ لیا۔

"آپ نے میری گزارش پر غور نہیں کیا؟" میں نے سرگوشی کی۔"میں موت
نہیں ڈرتا اس کی شہادت آپ کو گذشتہ واقعات سننے سے بھی مل چکی ہو گی۔" میں
پرعزم لہجے میں کہا۔"زندگی تو ایک حادثہ ہے موت کی عمر بے حد و حساب ہے اسی
میں زندگی کو حادثہ کہتا ہوں۔ یہ حادثہ چاہے آپ کے ہاتھ سے انجام پائے یا کسی
کے ہاتھ سے مگر یہ واردات کسی نہ کسی دن رونما ضرور ہو گی۔ آپ مجھے نہیں مار
۔ آپ بے حد حسین لڑکی ہیں' کوئی حسین لڑکی اتنی تند خو اور شقی القلب نہیں ہو
۔ پستول سامنے سے ہٹا لیجئے راج کماری!"

"موہن داس! تمہاری زندگی میرے قبضے میں ہے۔" اس نے اپنی آواز کا
ختم کرنے کی ناکام کوشش کی۔"تم اپنی زندگی بچانے کے لئے بہترین صلاحیتوں کا
ار کر رہے ہو' ممکن تھا کہ مجھے تمہاری عمر اور اس قد و قامت کا خیال آ جاتا لیکن
میں ان واقعات پر غور کرتی ہوں جو تم سے منسوب ہیں اور جن پر اب مجھے مکمل
ہوتا جا رہا ہے تو تم پر ترس کھانے کی گنجائش نہیں رہتی۔"

"میں آپ سے فریاد نہیں کر رہا ہوں۔" میں نے تیز و تند لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ایک موقع دے سکتی ہوں۔" وہ بہت احتیاط سے ادھر ادھر
ادھر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔"تم کسی تاخیر اور تردد کے بغیر راجے پور سے دفع ہو جاؤ
دوبارہ یہاں پھٹکنے کا خیال بھی دل سے نکال دو۔ تم مجھے نہیں جانتے تم نے اب

تک جن لڑکیوں کو دیکھا ہے' میں ان سے بہت علیحدہ ہوں۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں؟" میں نے کسی قدر تحمل سے کہا۔

"تو تم اس کے نتیجے سے آگاہ ہو گے' مجھے اندازہ ہے' تم اتنے بیوقوف نہ
ہو کہ موت سے زندگی کا یہ سستا سودا نہ کرو۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ میں یہ نازک مرحلہ گزر جانے کے بعد آپ ک
حکم کی تعمیل کرنے کے وعدے پر کاربند رہوں گا۔"

"تم اگر ایسا نہیں کرو گے تو شدید نقصان اٹھاؤ گے' پھر تم سے کوئی رعای
نہیں برتی جائے گی موہن داس!"

مجھے حیرت تھی کہ وہ جرات مند لڑکی ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے؟ کیا اس
مقصد بھی وہی ہے جو میرا ہے؟ میری طول کلامی کا مقصد صاف تھا' میں اپنے تما
حواس سمیت کسی مہربان لمحے کا منتظر تھا مگر اس کی تاخیر کا کیا سبب تھا؟ اسے تو اتنی د
نہیں کرنی چاہئے تھی جتنی جلد وہ موسیقی کی محفل میں واپس ہو جاتی' اتنا ہی اچھا
پھر ایک اندیشہ پستول کی گولی کی طرح سنسناتا ہوا میرے ذہن میں آیا اور میرا
جسم جھنجھنا گیا۔ "آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" یہ کہتا ہوا میں آہستہ آہستہ اس کے اس قد
قریب آ گیا کہ کسی جرات کا خطرہ مول لے سکوں' اس مختصر مدت میں میں نے اس
توجہ منعطف کرنے کے لئے کیا کیا تدبیر نہ کی ہو گی۔

مگر وہ ایک ستون کی طرح کھڑی تھی اور مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ ا
کے تیوروں میں لچک ضرور پیدا ہوئی تھی مگر ایسی نہیں کہ اس پر اعتبار کیا جا سکے۔ مجھ
اپنی بے بسی پر غصہ آ رہا تھا' ایک نازک لڑکی نے اعصاب چٹکی سے دبا رکھے تھے ج
کے اندر ایک طوفان رہ رہ کے اٹھ رہا تھا' یکا یک میں نے بجلی جیسی سرعت سے با
طرف مڑ کے اس کے ہاتھ پر جھپٹا مارا۔ اس نے پستول چلا دیا۔ باغ میں ہر طرف
گولی کا ترنم گھل گیا۔ جو پرندے پیڑوں پر سوئے ہوئے تھے' وہ پھڑپھڑانے لگے
نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی تھی' چوڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر گئی تھیں بچے ہو
شیشے کے ٹکڑے میرے ہاتھ میں چبھ گئے۔ وہ چیخنے لگی میں نے اپنا دوسرا ہاتھ اس
منہ پر رکھ دیا' اس کی نازک کلائی میری مضبوط گرفت کی متحمل نہ ہو سکی۔ پستول
ہوئے پھل کی طرح اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ میں نے اسے جوتے
نوک سے دور پھینکنے کا ارادہ کیا لیکن پھر وہیں پڑا رہنے دیا۔ اس کے ہونٹوں

رخساروں کا ریشم میری سخت انگلیوں سے خراب ہو رہا تھا۔ پستول نیچے گر گیا تو میں نے پشت کی طرف سے اس کی صراحی دار گردن میں ہاتھ ڈال کے اس پر قبضہ جما لیا۔ وہ تڑپنے لگی جیسے آوارہ طائر پنجرے میں نیا نیا قید ہو کے تڑپتا ہے۔ جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو اس سے دوبارہ ملنے کی شدید خواہش دل میں ابھری تھی۔ اب صورت حال عجیب تھی' مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بے آب و گیاہ صحرا میں ایک طویل سفر کے بعد پانی کا کوئی سوتا نظر آ گیا ہو' اس کے بدن پر ہاتھ پھسلے جاتے تھے اور اسے زور سے دباتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ کہیں کوئی چیز ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ کانچ کا بدن ہے' ٹوٹ نہ جائے' پھول کا بدن ہے' بکھر نہ جائے' اندھیرے میں صاف طور سے نظر نہیں آیا' اس وقت وہ کتنی سرخ ہو گئی ہو گی۔ ہاتھ دھنسے جاتے تھے' اسے کرنٹ لگ گیا تھا' وہ بری طرح تڑپ اور مچل رہی تھی' میں نے سوچا' اس کا گلا گھونٹ دوں یا اس کی پتلی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کے برابر کر دوں کہ جو ایک ذرا سا ڈورا نظر آتا ہے' وہ بھی نہ رہے' دو حصوں کی عورت کیسی ہوتی ہو گی۔ میں نے بہت کچھ سوچا مگر کسی بات پر عمل نہیں کیا' جو احتیاط اس نازک بدن نے نہیں برتی تھی اس کا مظاہرہ میں نے کیا' میں نے اسے آزاد کر کے ایک جھٹکے سے سبزے پر پھینک دیا' اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کے وہیں ٹھٹک کے رہ گئی پستول کا رخ اس کی جانب کر کے میں نے گہری سانسیں لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "راج کماری! یہاں قریب ہی ایک بڑا حوض اور گہرا کنواں ہے' میں آپ کا دل کش سراپا کہیں بھی چھپا سکتا ہوں' آپ کو وقت کی اس نزاکت کا احساس ہے؟ کسی نے مجھے اور آپ کو یہاں آتے ہوئے بھی نہیں دیکھا ہے۔"

وہ دزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ "ممکن ہے' آپ یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ نے خوامخواہ تاخیر کر دی آپ نے اچھا کیا راج کماری انیتا! آپ نے راج پور میں قتل و غارت گری کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب روک لیا۔ کیا آپ مجھ سے یہ توقع کرتی ہیں کہ میں آپ کو ختم کر دوں گا' میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا' میں اتنا بدذوق نہیں ہوں' آپ تو ایک خوبصورت شعر' ایک شاہکار تصویر ہیں۔ آپ تو ایک دل کش ساز ہیں' بھلا ان چیزوں پر بھی کوئی گولی چلاتا ہے' از راہ کرم کھڑی ہو جایئے ہال میں بہت سی نظریں آپ کی متلاشی ہوں گی' چلئے کچھ موسیقی سے لطف اندوز ہویئے۔ آپ کا یہ پستول میرے پاس بطور تحفہ محفوظ رہے گا اور مجھے

آپ کی یاد دلاتا رہے گا۔" میں نے پستول جیب میں رکھ کے ہاتھ بڑھائے اور اسے فرش سے اٹھنے میں مدد دی۔ وہ دم بخود سی تھی۔"میری طرف سے اب بھی وہی پیش کش ہے' یقیناً آپ کو راجے پور کے سنگین حالات و واقعات پر سنجیدگی سے سوچنے کے لئے وقت چاہئے' اعتبار کیجئے' جب آپ مجھے مجرم سمجھ لیں تو اشارہ کر دیجئے گا۔ میں اپنی گردن لے کے حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہیں بولی اور اپنا لباس جھاڑتی ہوئی اٹھی اس نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ باغ کے آخری سرے تک ہم دونوں خاموشی سے ایک ساتھ چلتے رہے۔ ابھی ہم باغ کے خاص دروازے کے بجائے باڑھ کے درمیان کٹے ہوئے تنگ راستے سے باہر نکلنے والے تھے کہ قریب ہی کہیں کوئی تیز رفتار گاڑی اچانک رکنے کی آواز آئی اور بریک چیخے۔ میں انیتا کا ہاتھ کھینچ کر اسے باڑھ کے ساتھ ساتھ کچھ دور تیزی سے آگے لے گیا۔ گاڑی رکنے کے فوراً بعد باغ کی سمت بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بڑھتی گئی۔ میں نے بھر کے انیتا کی طرف دیکھا' وہ بھی گھبرائی ہوئی تھی' یعنی میرا اندیشہ میرے وہم و گمان کے ترازو میں پورا اترا تھا۔ انہوں نے چشم زدن میں باغ کا سبز پوش دروازہ عبور کر لیا'میں نے انیتا کا منہ سختی سے دبانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ وہ تعداد میں چار تھے اور آتے ہی دو دو کی ٹکڑیوں میں ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہوئے دائیں بائیں ہو گئے تھے' وہ بہت پھرتیلے اور لمبے تڑنگے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے سروں پر صافے بندھے ہوئے تھے اور کمریں پٹکوں سے کسی ہوئی تھیں۔ میں اندھیرے میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا لیکن ان کی جسامتوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا' میں نے جیب سے پستول نکال کے غضب آلود سرگوشی میں انیتا کو متنبہ کیا کہ اس کی ایک بھی لغزش جگ دیپ کے خاندان کو ایک اور شخص سے محروم کر دینے کا سبب بن جائے گی۔ اس نے اس وقت کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اتنی ذہانت تو ایک عام آدمی میں بھی ہوتی ہے' یہ بہت آسان تھا کہ میں انیتا کو وہیں چھوڑ دیتا اور باڑھ کے کسی بھی کٹے ہوئے درمیانی راستے سے فرار ہو جاتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میری سوچ ایسی ہوتی تو میں بہت پہلے راجے پور کو خیر باد کہہ چکا ہوتا۔

پستول میں چھ گولیاں تھیں اور شکاری کل چار تھے۔ اندھیرے میں یہ ایک نشانے باز کے لئے بہت مناسب تناسب ہے۔ کاش پستول میں اپنا شکار سونگھنے کی خوبی

موجود ہوتی۔ جس طرح پستول کے بغیر آدمی نکما ہے' اسی طرح پستول بھی آدمی کے بغیر بچوں کا کھلونا ہے' ویسے دیکھا جائے تو اصل نشانہ آنکھیں لیتی ہیں۔ میرے ہاتھوں میں انیتا دبی ہوئی تھی اور آنکھوں نے پستول تھام رکھا تھا جو حرام خور مجھے زندہ گرفتار کرنے کی جستجو میں آئے تھے' وہ غیر مسلح نہیں ہوں گے بلکہ اپنے تمام بہترین ہتھیار ساتھ لے کے چلے ہوں گے۔ بس ان سے یہ چوک ہو گئی کہ ذرا دیر سے آئے' انیتا نے تو اپنی بساط کے مطابق ان کا بہت انتظار کیا۔

آدمی کو گھاٹا اپنی انہی غلطیوں کے سبب ہوتا ہے۔ میں پرکاش بھون کی اس پرسکون رات میں گولیاں چلا کے ہلچل مچا دینے کی تائید میں نہیں تھا مگر اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا اور مجھے گنتی کی بھی فکر تھی' ان میں سے چار اور کم ہو جائیں گے۔ یہ چار زخم خوردہ باقی رہے تو بہت فتنہ و فساد کر سکتے ہیں' گولی چلے تو چلے' آواز آئے تو آئے' مگر فہرست سے چار نام تو حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے پھر شاید جگ دیپ بابو اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ جگہ بھی غیر نہیں تھی کسی خطرناک وقت پر انیتا کو یرغمال بھی بنایا جا سکتا تھا۔ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے جانے دینا دانش مندی کے خلاف تھا۔ مجھے ان کے قریب آنے کا انتظار تھا۔ میں دم سادھے اور انیتا کا دم روکے ہوئے پوری طرح مستعدی سے درخت کے کالے سائے میں کھڑا تھا' وہ ہمیں باغ میں حوض کے نزدیک تلاش کر رہے ہوں گے' وہاں سے ناکام ہو کے ان کے پلٹنے میں کچھ ہی وقت رہ گیا ہے۔

جلد ہی مجھے لرزتا ہوا ایک سایہ نظر آ گیا' میں نے اس کے دوسرے ساتھیوں کے انتظار میں توقف کیا۔ دوسرا بھی اس کے پاس ہی کہیں تھا ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر میری سمت بڑھے مجھے دیکھ کر نہیں بلکہ ایک ہی گوشہ ان کی تلاش میں باقی رہ گیا تھا۔ انیتا بری طرح کسمسانے لگی۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے پنجے کے شکنجے میں اور کس لیا۔ وہ نڈھال ہو گئی اس اثناء میں وہ اور نزدیک ہو گئے تھے یہی وہ لمحہ تھا جس کا میں شدت سے منتظر تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے میرے پستول سے دونوں گولیاں ایک ساتھ نکلی ہوں' اتنی تیزی اور برجستگی سے کہ اگر انیتا کا منہ کھلا ہوا ہوتا تو وہ داد دیئے بغیر نہ رہتی۔ دو گولیوں کی آواز اور مرنے والوں کی آخری گھٹی ہوئی چیخوں نے ان کے باقی دو ساتھیوں کو بھی اس طرف متوجہ کر دیا۔ میں انیتا کو کھینچتا ہوا اپنی جگہ سے کھسک کے کچھ فاصلے پر ایک دوسرے درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ دحشت میں

بھاگتے ہوئے ادھر آئے۔ انہوں نے اپنے دوساتھیوں کو زمین پر بے جان دیکھا تو سرپٹ بھاگنے کی کوشش کی۔ میری خواہش یہ تھی کہ لاشیں باغ میں ادھر ادھر بکھری ہوئی نہ پڑی ہوں تاکہ انہیں اٹھانے میں زیادہ زحمت نہ ہو۔ ایک تو کسی تردد کے بغیر اپنے ساتھیوں پر جھکے جھکے گر گیا۔ بیوقوف کو گھبراہٹ میں یہ خیال بھی نہیں رہا کہ نشانہ یہیں لیا گیا ہے' دوسرا کچھ تیز تھا۔ وہ اپنی جان بچا کے دروازے کے پار ہو جانا چاہتا تھا۔ میں نے انیتا کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے اٹھا کے بھاگنا شروع کر دیا' ایسے موقع پر اس کا چیخنے کا ارادہ نہیں ہو گا' مگر اس سے بے اختیار یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بھاگنے والے شخص نے ایک نظر مڑ کے دیکھا' اس نے گولی چلانے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میری گولی اس کے کلیجے میں پیوست ہو گئی۔ تکلیف کی شدت میں ٹریگر اس کے ہاتھ سے دب گیا۔ گولی کسی درخت میں جا کے چھپ گئی۔

میں نے انیتا کو آزاد کر دیا۔ وہ گم سم حیرت زدہ کھڑی تھی۔ شاید اسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ میں اپنے بازو کا سہارا دے کر اسے آخری لاش کے پاس لے گیا اور لاش کھینچتا ہوا اس کے تینوں ساتھیوں تک لے آیا' ساتھ مرنا اور ساتھ جینا اسے کہتے ہیں۔ یہ مرحلہ تو کسی نہ کسی طرح نمٹ گیا مگر اب سب سے بڑا مسئلہ انہیں باغ سے ہٹانے کا تھا۔ بیک وقت کئی گولیاں چلی تھیں جن کی آواز صدر دروازے پر تعینات سنتریوں نے بھی سنی ہو گی حالانکہ وہ بہت فاصلے پر تھے مگر عمدہ سماعت کے حامل تھے۔ اگر وہ اس طرف نہ آتے تو میں صبح دنیش چندر سے کہہ کے انہیں جھوٹے برتن صاف کرنے کے کام پر لگوا دیتا۔ میرا خیال صدفی صد درست ثابت ہوا۔ چند لمحوں بعد ہی تیز آوازوں کا شور سنائی دیا۔ ان کا رخ صریحاً باغ کی جانب تھا۔ باغ میں انیتا' میں اور چار لاشیں موجود تھیں۔ یہ بہت نازک وقت تھا' میں نے ندامت کے ساتھ انیتا کی گردن پر اپنے ہاتھ کی بھرپور ضرب لگائی' اس کی حالت پہلے ہی شکستہ تھی وہ میرے بدن کے ساتھ جھولتی ہوئی زمین پر گر گئی۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور باڑھ کے درمیان سے نکل کے تیزی کے ساتھ سنتریوں کے باغ میں داخل ہونے سے پہلے باہر پہنچ گیا۔ ''یہ گولیاں کیسی چل رہی ہیں رام نواس؟'' میں نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں موہن بابو! ہم بھی اسی لئے اس طرف آئے ہیں' یقیناً گولیاں ادھر ہی چلی ہیں اور ایک ساتھ چلی ہیں کچھ دیر پہلے بھی ایک آواز آئی تھی' اس وقت بھی

ہمیں شبہ ہوا تھا مگر پھر سناٹا چھا گیا' باغ میں ضرور خون خرابا ہوا ہے موہن بابو!'' رام نواس گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''احتیاط کی ضرورت ہے' اندر مسلح لوگ موجود ہیں۔'' میں نے راز دارانہ لہجے میں کہا۔

''دم سادھے ہوئے اندر چلو' سنگین تیار رکھو اور سارے باغ میں آدمی پھیلا دو۔''

''بہتر ہے موہن بابو!'' سنتری رام نواس نے جواب دیا۔

''گھبراؤ نہیں' میں آگے آگے چلتا ہوں' اب بہت تماشا ہو چکا ہے رام نواس! ذرا ہمت کرو۔'' میں نے ان سب کے آگے ہو کے کہا۔

جیسے ہی ہم باغ کا دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہوئے میں نے اشاروں اشاروں میں انہیں ہدایت دے کر ادھر ادھر بکھیر دیا اور خود اپنے لئے وہ گوشہ اختیار کر لیا جہاں انیتا اور چار لاشیں پڑی ہوئی تھیں' میری نگاہ کا دائرہ ایک بڑے حلقے پر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے پاس دو ٹارچیں تھیں' ان میں سے ایک میں نے اپنی تحویل میں لے لی تھی اور رام نواس کو ٹارچ سمیت مخالف سمت میں بھیج دیا تھا ساتھ ہی اسے ٹارچ کم سے کم استعمال کرنے کی ہدایت بھی کر دی تھی۔ ان کے ادھر ادھر منتشر ہونے کے فوراً بعد میں نے ایک لاش کے سر سے صافہ اتار کے اسے اپنے جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا اور مشینی انداز میں انہیں یکے بعد دیگرے اٹھا اٹھا کے موٹی اور اونچی باڑھ کے اوپر رکھ دیا۔ ان کے وزن سے باڑھ اندر کی طرف دب گئی بے ہوش انیتا کو بھی میں نے باڑھ کے اوپر دھر دیا۔ اس کے بدن میں ٹہنیاں چبھ گئی ہوں گی۔ لیکن اب ٹارچ کی روشنی ان میں سے کسی کو دیکھنے کی اہل نہیں تھی بشرطیکہ کوئی درخت پر چڑھ کے اوپر سے روشنی نہ پھینکے پھر جو جو سنتری تلاش میں ناکام ہو ہو کے اس طرف آتا گیا میں نے اسے دور ہی سے جا لیا اور رفتہ رفتہ سب کو باغ کے باہر کر دیا۔

''اندر تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' ایک ساتھ کئی سرگوشیاں ابھریں۔ ''شاید ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے' گولی کہیں اور چلی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''صدر دروازے کے باہر جا کے دیکھو۔''

انہوں نے میرے حکم کی تعمیل اس طرح کی جیسے میں ہی راج کمار دنیش چندر ہوں یا اس لئے کہ وہ خود کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے' بھون میں آئے دن کی

خون ریزیوں سے ہر شخص پہلے ہی خوف زدہ تھا۔ جب وہ صدر دروازے کی طرف کوچ کر گئے تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔ باغ کے قریب گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس میں وہ چار بدمعاش آئے تھے' وہ ضرور ڈکی میں اور سیٹوں کے نیچے چھپ گئے ہوں گے۔ اسی لئے ان پر دربانوں کی نظر نہیں پڑی' دربانوں نے صرف ڈرائیور کو دیکھا ہوگا اور تھوڑی بہت باز پرس کر کے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی ہو گی۔ جاتے جاتے سنتریوں نے اس پر ٹارچ چھینکی گاڑی خالی کھڑی تھی' اس لئے وہ مطمئن ہو کے آگے بڑھے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے یہ آدھا گھنٹہ قیامت کا گزارا تھا تا کہ سنتری پرسکون ہو جائیں اور گولیوں کی آواز ایک وہم سمجھ کے حسب عادت مراقبے میں ڈوب جائیں۔ آدھے گھنٹے بعد پوری احتیاط کے ساتھ میں نے باڑھ سے لاشیں اتاریں' ڈرائیور کی جیب سے چابی نکالی اور ست رفتاری سے پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے ہوئے دو کو تو کسی نہ کسی طرح گاڑی کی ڈکی میں ٹھونس دیا' باقی دو کو سیٹوں کے نیچے خالی جگہ میں چھپا دیا۔ اس کام میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ لاش اٹھانا ادھر ادھر دیکھ کے لے جانا اور گاڑی میں ڈالنا ایک اذیت ناک مشقت تھی مگر قسمت ہی نامراد تھی۔ اس کام سے نمٹ کے میں نے انیتا کو باڑھ سے اٹھایا اور تمام تر نزاکت و نفاست سے حوض کے کنارے لے گیا۔ میں نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے' اس کی ہتھلیاں سہلائیں اور کمر پر مالش کی۔ جلدی میں ضرب کچھ شدید پڑ گئی تھی اس لئے اسے ہوش میں آتے آتے وقت لگا۔ وہ آنکھیں کھول کے کچھ دیر وحشت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہی' اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہوا پھر جیسے ہی وہ پوری طرح ہوش میں آئی' تڑپ کر میری آغوش سے نکل گئی۔ میں نے اس کا راستہ روک لیا اور اسے بازو سے پکڑتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔ اپنے جسم سے خون آلود صافہ اتار کے میں نے اس سے گاڑی میں لاشیں ڈھانک دیں' اور ایک صاف ستھرا صافہ سر پر باندھ کے انیتا کے پاس بیٹھ گیا پھر میں نے پستول کی نال اس کی عریاں کمر میں ٹکا دی۔ ''گاڑی باہر لے چلئے انیتا دیوی۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کہاں ؟'' وہ سراسیمگی سے بولی۔

''بھون سے باہر۔ آگے کا راستہ میں بتاؤں گا۔''

''مجھ سے اس وقت گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔'' اس کی ڈوبتی ہوئی آواز

ابھری۔

''آپ کو حوصلہ کر کے چلانی ہو گی۔ زیادہ دور نہیں آگے جا کے میں گاڑی سنبھال لوں گا۔''

''تم کہاں چلنا چاہتے ہو؟'' اس نے شکستہ آواز میں پوچھا۔

''آپ نے بہت الھڑپنے کا ثبوت دیا۔ یہ سب آپ کی ایجاد کی ہوئی مصیبت ہے' میں ادھورا کام کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ وقت خاصا گزر گیا ہے' جلدی کیجئے۔''

اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ سر سے نیچے میرا آدھا چہرہ صافے سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے دور سے ہارن بجایا۔ صدر دروازے پر گاڑی کی رفتار ست پڑ گئی میں نظریں جھکائے ہوئے ڈیش بورڈ میں کسی چیز کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ دربانوں نے جیسے ہی انیتا کو دیکھا سلام کر کے دروازہ کھول دیا۔ انہوں نے پچھلی نشستوں پر بھی نظر ڈالی ہو گی اور مجھے ڈیش بورڈ پر جھکے ہوئے دیکھا ہو گا' کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں تھی۔ کنور جگ دیپ کی معزز بہن گاڑی چلا رہی تھیں۔ کون شک کرتا؟

صدر دروازے سے باہر نکل کے میں گاڑی زیادہ فاصلے پر نہیں لے گیا۔ راستے میں بہت سے سنسان مقام پڑتے تھے' ایک مناسب جگہ گاڑی ٹھہرا کے میں نے چاروں لاشیں ایک دوسرے کے اوپر گڑھے میں پھینک دیں۔ انیتا کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

''آیئے۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کے کہا۔ ''گانے کی محفل شاید دم توڑ چکی ہو۔ جو کچھ ہو چکا ہے' اسے بھول جایئے' چلئے'' میں نے ادب سے اس کی انگلیاں پکڑ لیں۔

''موہن داس!'' اس کے ہونٹ کپکپا کے رہ گئے۔

''راج کماری!'' میں نے اشتیاق آمیز آواز میں کہا۔

وہ متذبذب اور مرتعش ہونے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ جھٹ گاڑی میں بیٹھی اور تیز رفتاری سے بھون میں داخل ہو گئی' گاڑی دوسری گاڑیوں کے ساتھ کھڑی کر کے مضمحل انداز میں اتری' میں نے کچھ دور تک اس کا ساتھ دیا پھر جب میں نے اس سے رخصت ہونا چاہا تو وہ ٹکٹکی باندھے میرا چہرہ دیکھتی رہی اور اپنی پریشان زلفیں جھٹک

کر آگے بڑھ گئی۔ میں عمارتوں کے درمیان سے گزرتا ہوا بڑے ہال کے نزدیک پہنچا۔ لوگ باہر نکل رہے تھے میں نے ان سب کو جانے دیا اور اس سے پہلے کہ دنیش اپنے محل میں پہنچتا' میں وہاں پہنچ کے اور باتھ روم میں ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے اپنا حال درست کر کے ملاقاتی کمرے میں آ گیا۔ دنیش چندر کو اپنے محل کے پر شکوہ ایوان میں آتے ہوئے دیر لگ گئی۔ وہ گرامی قدر مہمان ریتا کو اس کی خواب گاہ تک رخصت کرنے گیا ہو گا اور ریتا تخلیے کے کسی ایسے لمحے کی منتظر تھی جب وہ اس سے میرے بارے میں استفسار کر سکے۔ جب سے وہ آئی تھی' مجھ سے دور دور رہی تھی لیکن میں نے اس پر پہلے ہی تمام صورت حال واضح کر دی تھی کہ بھون میں پروفیسر زاہدی کس روپ میں متحرک رہتا ہے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں کی باہمی کشمکش کے اس دور میں آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ کا اپنی نوجوان اور حسین و جمیل لڑکی کو پرکاش بھون میں بھیج دینا ایک چونکا دینے والا اقدام تھا۔ یہ سعادت راجے پور میں صرف دنیش چندر کے خاندان کو نصیب ہوئی تھی۔ آقا راضی تو جہاں راضی' غلاموں کے ہاں آقا مہمان' اللہ اللہ' چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل۔ مجھے احساس تھا کہ کنور جگ دیپ نے کیسے یہ زہر پیا ہو گا۔ مہا راجا کا منہ بھی خاصا کڑوا ہو گیا ہو گا۔

راجے پور کے بہت سے امرا جو تین خاندانوں کی تائید و تردید میں بٹے ہوئے تھے انہوں نے ریتا کی آمد دل چسپی کی نظر سے دیکھی ہو گی اور نجی محفلوں میں مختلف قیاس آرائیاں ہو رہی ہوں گی حالانکہ ساری داستان کا جو سادہ سا نکتہ تھا' کسی کی نظر بھولے سے اس پر نہ گئی ہو گی۔

آدھی رات کا وقت تھا' میں نہانے کے بعد کچھ تازہ اور نیا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ دنیش آتے ہی کیسا برہم ہو گا موسیقی کی محفل سے میری غیر حاضری سب نے محسوس کی ہو گی۔ دنیش کی نظریں بار بار دروازے کی جانب اٹھتی ہوں گی۔ پارو اور شاردا بھی بیتابی سے پہلو بدل رہی ہوں گی' بے قرار سندھیا تو مچلتی مچلتی دروازے کے پاس آ گئی تھی۔ راگنی کو وہاں دیکھ کے مجھے کم از کم اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ محفل دیر تک جمی رہے گی۔ صرف ایک بار ہذیانی کیفیت میں راگنی سے ملاقات ہوئی تھی۔ بانو کی یاد نے ستایا تو زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہرا گیا لیکن راگنی کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو ذہن کی کسی تاریک گلی میں چھپی ہوئی تھی۔ حسن کی کسوٹی شاید یہی ہے کہ دوبارہ اس کی دید کی آرزو دل میں ابھرے۔ ذہن کی حالت اس بار بھی دگرگوں

تھی۔ ادھر سندھیا سوئیاں چبھو رہی تھی' ادھر پریت کا کانٹا دل میں چبھ رہا تھا میں نے فرض کیا کہ راگنی کی آنکھوں نے بھی مجھے ڈھونڈا ہو گا۔ بہرحال ایسے خوش خیال مفروضے ممکن ہے زندگی میں ایک لمحے کا اثبات بخش دیتے ہوں۔ مجھے معلوم تھا' دنیش چندر آ کے کہے گا کہ راگنی کا گلا زخمی ہے' میں نے زخموں کا یہ جشن نہیں دیکھا۔ میں نے درد کا منظر نہیں دیکھا' میں نے ایک خوبصورت رات مس کی' اسے کیا معلوم تھا کہ میں دنیا ہی سے مس ہونے والا تھا' آدمی آدمی کا چہرہ دیکھ کے سکون کی سانس لیتا ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے مگر وہ کس طرح زندہ ہے اور کس طرح شعلوں پر چل کے کیسے کیسے طوفان چیرتا ہوا چہرہ دکھانے آیا ہے' اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ جو آدمی زندہ ہے' وہ بس اس لمحے کا منت کش ہے جو آتے آتے راستہ بھول گیا۔ پھر کسی اور طرف نکل گیا۔

دنیش چندر کو آنے میں دیر ہو گئی کمرے میں کوئی نہیں تھا' در و بام تھے تصویریں تھیں' فانوس تھے' مخملیں پردے تھے اور میں تھا۔ میں اکتا کے صوفے پر نیم دراز ہو گیا یہ خیال بھی نہیں رہا کہ اگر اچانک کوئی دوسرا آ جائے اور ملازم کو اس گستاخانہ انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھے تو کیا کہے گا' ملازموں کی نشست و برخاست علیحدہ ہوتی ہے۔ سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور کوئی بھی اندر آ سکتا تھا لیکن مجھے کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ میرا جسم یہاں دھرا ہوا تھا اور روح راہ داریوں' خواب گاہوں میں اور راجے پور کی سڑکوں پر آوارہ پھر رہی تھی۔ ممکن ہے' انیتا نے کنور جگ دیپ کو فون پر اطلاع دے دی ہو۔ اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ وہ اب کہیں کوئی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو۔ انیتا کیا سوچ رہی ہو گی' انیتا بستر پر کروٹیں بدل رہی ہو گی' اس کی بانہیں اس کا چہرہ' اس کی کلائیاں' اس کے بدن کے تار جہاں جہاں میرے جسم و جاں سے مس ہوئے تھے' وہاں وہاں سنسناہٹ تھی۔ اس وقت تو کچھ پتہ ہی نہیں چلا' جب ٹھنڈی ہوا چلی تو محسوس ہوا۔ انیتا نے راج کمار جگ دیپ کی نیند بھی حرام کر دی ہو گی۔ وہ فون کے قریب بیٹھا کوئی جاں فزا مژدہ سننے کے لئے مضطرب ہو گا' اب ہارن کی آواز آئی اب آئی' وہ فون کی گھنٹی بجی' وہ بجی۔ مجھے اپنے سامنے دیکھنے کے تصور میں وہ ایک لمحے بھی سکون سے نہیں بیٹھا ہو گا۔ کہا گیا ہو گا کہ مجھے فی الفور اس کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ میرے گالوں پر خوب طمانچے لگائے جائیں' مجھے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں سے روندا جائے' میری کھال بیدوں اور کوڑوں سے ادھیڑ دی

جائے اور میرا جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے اور میرا گوشت کتوں کے آگے ڈال دیا جائے اور میرا سر دنیش چندر کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کر دیا جائے۔

یہی ہوتا اور یہ کسی وقت بھی ہو سکتا تھا' اس بار ہاتھ اوچھا پڑ گیا' لکیریں بار بار کہاں تک زور کر سکتی ہیں؟ کنور جگ دیپ کی یہ رائے بہت صائب تھی کہ سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ انیتا کے ارادے اور جوش میں کوئی کمی نہیں تھی۔ جہاں تک بنا' اس نے اپنا کام خوب کیا' ایک بہن اپنے بھائی کے لئے اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہے' اس زمانے میں اتنا بھی کون کرتا ہے۔ ایک بہن پریت بھی تھی' شان اس کی بھی نرالی تھی' میں نے ان دونوں کو تعظیم دی' انیتا کے لئے خاص طور پر جی چاہا کہ اڑ کے اس کے پاس پہنچ جاؤں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بہت سی باتیں کروں۔ ابھی ابھی وہ رخصت ہوئی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے دیکھے ہوئے برس بیت گئے ہیں اور اس کی خیریت کا خط برسوں سے نہیں آیا ہے۔ دل کا عجب حال تھا۔

اچھا خاصا متوازن آدمی بھی کبھی کبھی پاگل ہو جاتا ہے بلکہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ ہر شخص مکمل طور ہمیشہ متوازن نہیں رہتا اکثر و بیشتر پاگل ہوتا رہتا ہے۔ یہ میرے پاگل پن کا وقت تھا طرح طرح کے خیال' اونگے بونگے' ٹیڑھے میڑھے' لنگڑے لولے خیالوں کی یورش تھی۔

ایک لمحے میں یہاں' ایک لمحے میں وہاں' ایک آن زمین پر' ایک آن آسمان پر۔ کبھی محسوس ہوتا جیسے پورا راجے پور اٹھا کے میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے' کبھی سامنے کچھ سائے کچھ ہیولے سے نظر آتے' کبھی میجر رابرٹ کی لاش کے قریب گدھ بن کے بھٹکا' کبھی اپنے آگے سلاخیں دیکھیں' کبھی سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری لال یاجوج ماجوج کی طرح دائیں بائیں ایستادہ ہو گئے' کبھی بانو آنکھوں میں آنسو بھر کے چلی گئی اور ڈالی گڈے کو مارتی روتی جھینکتی چلی آئی' کبھی چچا جان یاد آ گئے' بختیار سامنے آیا تو مٹھیاں بھنچ گئیں اور ترنم' موسیقی' گولیاں کبھی تھپ تھپ' کبھی ٹھک ٹھک' کبھی تھا تھا' کبھی دھا دھا' کبھی روں روں' کبھی شوں شوں' تنہائی میں آدمی نیم پاگل ہوتا ہے۔

دروازے پر سرگوشیاں ابھریں تو میں نہ جانے کس ویرانے سے بھاگتا' ہانپتا ہوا واپس آیا سر کو کئی جھٹکے دیئے۔ جیسے خیالات پتوں کی طرح جھڑ جائیں گے' میں نے چند گہری گہری سانسیں لیں اور اٹھ کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا کیوں کہ دنیش چندر تنہا نہیں تھا بلکہ اپنے ساتھ سموچا گلستاں لے آیا تھا' ایک طرف پارو تھی' اور دوسری طرف شاردا' ایک نسترن تھی

تو دوسری سوسن تھی' ایک ساون تھی' دوسری بھادوں' ایک رتن جوت تھی' ایک رکت چندن۔ کمرے میں ان کی سانسوں کی خوشبوئیں بس گئیں۔ میں سوچنے لگا اگر پارو اور شاردا کا عطر کشید کیا جائے تو کیسا نشاط انگیز ہوگا؟ ایک میں بھینی بھینی خوشبو ہوگی' ایک میں کچھ تیز مجھے وہاں موجود پا کے وہ تینوں چند ثانیوں کے لئے اچانک خاموش ہوئے۔ سب کی نظروں میں بیک وقت ایک ہی سوال تھا جو آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا۔ توقع کے مطابق دنیش نے سکوت توڑا اور رہی سے محفل موسیقی سے میری عدم موجودگی کا سبب پوچھا۔ ''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' میں نے نیچی آواز میں جواب دیا۔

''کیا ہوا تمہیں؟'' شاردا مچل کے بولی۔

''بس کچھ جی گھبرا رہا تھا۔''

پارو لپکتی ہوئی میرے قریب آ گئی اور اپنی تشویش چھپا نہ سکی۔ ''تو تم جاگ کیوں رہے ہو؟ گھر جا کے آرام کرو۔''

میں نے گردن سینے میں ڈال دی۔ میرے نیاز مندانہ اطوار سے دنیش اور متذبذب ہو گیا۔ شاردا' پارو کی موجودگی میں اور پارو ان دونوں کی موجودگی میں کسی ملازم سے اتنا ہی کہہ سکتی تھی۔ اس نوٹنکی پر مجھے ہنسی آ گئی گو کسی نے مجھے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ ''تم جب سے اب تک یہیں موجود تھے؟'' دنیش کچھ اور نہ پوچھ سکا تو اس نے اپنا تجسس اس طرح دور کرنا چاہا۔

''جی جناب!'' میں نے دانستہ جھجک کر کہا۔ ''کچھ دیر باہر رہا۔''

''کوئی خاص بات؟'' دنیش کے منہ سے وحشت میں نکل گیا۔

''نہیں جناب بس طبیعت خراب ہے۔'' میرے مودبانہ جوابات سے وہ جھنجلا گیا اور گھور کے مجھے دیکھنے اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میری گم شدگی بے سبب نہیں ہو گی۔ یہ خیال اس کے ذہن سے چمٹا ہوا ہو گا۔ شاردا اور پارو بھی نگاہوں نگاہوں میں بے شمار سوال کر رہی تھیں۔

''کیا مجھے اجازت ہے؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کہاں؟ تم اب کہاں جاؤ گے؟'' وہ چونک کر بولا۔

''گھر' اپنے کوارٹر میں۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''نہیں' یہیں ٹھہرو اور برابر کے کمرے میں جا کے سو جاؤ۔ مجھے شاید تمہاری ضرورت پڑے۔'' میرے نزدیک آ کے وہ آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

میں نے بے چارگی سے شاردا اور پارو کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی آنکھوں کی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں وہ دونوں بھی کھڑی ہو گئیں۔ مجھے یہ منظر بہت اچھا لگا سب ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور نظریں ملا کے نظریں پھیر لیتے تھے۔ آخر پارو نے جرات کی ''موہن داس!'' وہ طمطراق سے بولی۔ ''تم ایک اچھے فنکشن سے محروم رہ گئے مجھے حیرت ہے' تم تو موسیقی میں بہت دلچسپی لیتے ہو۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ ادھر آ جاتے تو طبیعت بہل جاتی۔''

راج کماری شاردا کے لئے رانی پارو کا ایک ملازم سے یہ اندازِ تخاطب حیرت انگیز تھا۔ شاردا ایک ذہین اور حساس لڑکی تھی۔ اسی لمحے دنیش نے مجھے حکم دیا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

میں حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے زمین پر بیٹھنے لگا۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے جیسے آج تمہاری ملازمت کا پہلا دن ہے' رانی پارو اور شاردا اور بھون کے بہت سے لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تم ہم سے کس قدر قریب ہو۔ یہ کوئی رسمی نشست نہیں ہے' ہمارے دل میں تمہارا عہدہ محفوظ ہے اور ان دونوں کے سامنے ہم کوئی تکلف روا نہیں سمجھتے۔'' دنیش کے تیور جارحانہ تھے۔ اتنی بات وہ ضرور جان گیا تھا کہ پارو سے میرے مراسم عام نوعیت کے نہیں اور میں نے پارو کو اس کے حق میں ہموار کرنے کا مشکل کام بھی انجام دیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پارو کو ریتا کی مہمان نوازی کا نگراں بنایا گیا تھا۔ مجھے دنیش اور پارو کے سامنے صوفے پر بیٹھنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا' وہ نرم و گداز جگہ تھی مگر مجھے شاردا کا خیال تھا۔ دنیش کا حکم قبول کرتے ہوئے میں نے جھجک محسوس کی تو پارو اور شاردا نے بھی ایک ساتھ دنیش کی تائید کی۔ میں کچھ فاصلے پر سمٹ کے بیٹھ گیا۔ پھر وہ تھوڑی دیر پہلے ختم ہونے والی محفل کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ انہیں کوئی اور موضوع نہیں مل رہا تھا۔ ''کیا خیال ہے موہن داس! راگنی کے مقابلے میں ترنم کی آواز زیادہ جمی' سچی اور کھنچی ہوئی نہیں ہے؟'' دنیش آج میری رسوائی پر اتر آیا تھا۔ میرے جواب دینے سے پہلے انہوں نے دنیش سے شکایت کی کہ اس نے اب تک ترنم کو کیوں ان سے چھپائے رکھا۔ ''ترنم تو سر بسر ترنم ہے۔''

دنیش نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''سر اس کے آگے پر نام کرتے ہیں' موہن جانتا ہے کہ وہ کیا ہے' وہ سر کی دیوی ہے۔''

''کیوں موہن دنیش سچ کہتے ہیں؟'' پارو نے مجھے مخاطب کر کے رہا سہا حجاب بھی ختم کر دینا چاہا۔

''راج کمار مجھ سے بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔'' میں نے سر جھکا کے کہا۔

''راج کمار۔'' دنیش جزبز ہو کے بولا۔ ''صاف صاف باتیں کرو موہن داس! کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرو۔''

میں عجب مخمصے میں پڑا ہوا تھا۔ ابھی میں دنیش کی رائے کی تائید ہی کر رہا تھا کہ اندر دنیش کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی' جانا دنیش کو چاہئے تھا' اس نے مجھے اشارہ کیا کہ فون میں ریسیو کروں' اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ کیا کنور جگ دیپ کا فون ہے؟ غالباً اس نے برہم ہو کے دنیش سے براہ راست بات کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کے گرگوں سے مزاحمت کرنے کی کوشش کیوں کی گئی؟ موہن داس کو تھال میں کیوں پیش نہیں کر دیا گیا؟ ایک ملازم نے اپنا سر آگے کیوں نہیں کر دیا۔ گھنٹی بجتی رہی ممکن ہے سوچتے سوچتے انیتا ہی اس نتیجے پر پہنچی ہو کہ دنیش کو رات کی واردات کا حال مجھ سے پہلے سنانا بہتر ہے۔ میں دنیش سے یہ روداد نہ جانے کس انداز سے بیان کروں' وہ تاویل پیش کرے گی کہ موہن داس نے اس کی زلفیں چھونے کی گستاخی کی تھی۔ بالفرض اگر انیتا بھی نہیں ہے تو پھر اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے؟ راجے پور میں کوئی اور حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے چار آدمیوں کی مرگ ناگہانی کا صدمہ کنور دجگ دیپ کو برداشت نہ ہو اور وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا ہو؟ اچھی خبریں انتظار کرا کے آتی ہیں' کہیں میجر رابرٹ کی لاش تو پولیس نے دریافت نہیں کر لی؟ پھر تو پولیس نے کمال کر دیا۔ میں نے دھڑکتے دل سے ریسیور اٹھایا۔ دوسرے ہی لمحے میرے کانوں میں جل ترنگ بج اٹھے۔ وہ ریتا تھی اور بہت مدھم سروں میں کہہ رہی تھی۔ ''راج کمار! میں ریتا ہوں۔''

میں نے اپنی آواز کی لے بہت دھیمی کر دی اور بائرن کی انگریزی میں کہا ''پروفیسر زاہدی سے بات کرنی ہو تو بتایئے۔''

''اوہ تم۔'' اس کی آواز تمتمانے لگی جیسے کوئی ستار کے تاروں پر انگلیاں پھیر دے۔ ''تم نے مجھے کیوں بلایا تھا؟''

''ہاتھی دکھانے' گانا سنوانے' ہندوستان کی سیر کرانے کے لئے۔''

''میرے لئے ہندوستان تم ہو۔''

''شام سے کوئی ایسی صورت ہی نہیں بنی۔ یہ انگلستان نہیں' ہندوستان ہے' یہاں کے لوگ شرماتے زیادہ ہیں۔ رفتہ رفتہ تمہاری سمجھ میں بہت سی باتیں آئیں گی۔''

''میں سمجھتی تھی کہ آج رات راج کمار کے ہاں تم سے ملاقات ہو گی مگر وہ بھی کچھ پریشان اور بے بس نظر آئے تھے کیا میں وہاں آ جاؤں؟''

''یہاں اب بھی لوگ موجود ہیں ایسا تو انگلستان میں بھی ہوتا ہو گا۔ وہاں بھی لوگ انتظار کیا کرتے ہیں۔ ورنہ اتنی بڑی شاعری کیسے تخلیق ہو جاتی۔''

''میں ان لوگوں کے سامنے بھی آ سکتی ہوں۔''

''الجھن اور بڑھ جائے گی' میں پورٹریٹ کی صورت دیوار پر لٹکا رہوں گا۔ تم دیکھتی رہنا' دیکھو اگر ممکن ہوا تو ادھر آنے کی کوشش کروں گا۔''

''ادھر بھی کچھ یہی صورت ہے۔ مناسب نہیں ہے۔''

میں نے چند لمحے توقف کیا۔ پھر بولا۔ ''آج کی رات شمار مت کرو۔''

''نیند نہیں آ رہی ہے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''جاگنے میں اور لطف آئے گا۔ دیکھ لینا' تجربہ شرط ہے۔''

''اوہ' یہ یہ سب کیا ہے؟'' وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔

''شش' احتیاط۔'' میں نے چپکے سے کہا۔ ''سب عارضی ہے۔''

''میں صرف تمہارے لئے آئی ہوں۔'' اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اتنی واضح باتیں نہیں کرتے' ہندوستان کے طور سیکھو۔''

''یہ کیسا عجیب ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ فون رکھتے رکھتے بولی۔ ''ہیلو۔''

''ہاں کہو۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تمہارا ملنا ضروری ہے۔'' اس نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

میرے سر میں اچانک سوزش ہوئی اور میں نے ریسیور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ''تمہاری دید بھی ایک ضرورت ہے۔ پیاسے لوگوں کو پانی ملنا چاہئے۔''

وہ کچھ جھجکی۔ ''کچھ اور بات ہے۔''

''اسی وقت ضرورت ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں۔'' وہ الجھتے ہوئے بولی۔ کوئی ایمرجنسی نہیں' بس احتیاطاً۔

''یعنی یعنی۔'' میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنے کی حماقت کی۔

''کوئی اتنی اہم بات ہوتی تو سب سے پہلے میں اسی کا تذکرہ کرتی۔''

''گویا میں صبح کا انتظار کر سکتا ہوں۔''

''ایک لاکھ صبحوں کا۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔ ''یہ' یہ کیا ہے؟''

''یہ زندہ ناچ گانا ہے' تماشا ہے' عبرت کے لئے اسے دیکھو۔''

''میری آنکھیں یقین نہیں کرتیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون رکھ دیا۔

جیسے کسی نے ہوا رخ کھڑکی بند کر لی' مجھے خواب گاہ میں حبس محسوس ہونے لگا' ریسیور ہاتھ میں لئے میں چند لمحے وہیں بیٹھا رہا۔ ریتا' دنیش کے محل کے حصے ہی میں مہمان تھی' چند قدم کا فاصلہ تھا اور انگلستان موجود تھا۔ رودبار سے بھی کم فاصلہ مگر ہندوستان کی قسمت میں غلامی' انگریز کی قسمت میں مصلحت لکھی ہے' میرے اعصاب کھنچنے لگے۔ اس نے لہجہ ہی ایسا اختیار کیا تھا جو مردوں کو زندہ کر دے اور زندوں کو عذاب میں مبتلا کر دے' میں کسی اور کے قدموں سے باہر آیا۔

''کس کا فون تھا؟'' شاردا نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''غلط نمبر تھا۔'' میرا جواب کسی کو مطمئن نہیں کر سکا۔ انہوں نے میرے چہرے پر صحیح جواب تلاش کرنا چاہا' گو ریتا کے آخری جملوں نے بڑی ابتری پیدا کر دی تھی لیکن میں نے کہیں نہ کہیں سے سکون سمیٹ کر اپنے چہرے پر بکھیر لیا۔ ہر صبح غیر یقینی تھی' پھر آنے والی صبح کیوں خاطر میں لائی جائے۔ دنیش چندر جانتا تھا کہ فون پر مجھ سے کون مخاطب تھا۔ اس نے ایک جماہی لے کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اب اس پر نیند غالب آ رہی ہے۔ اس کے باوجود کسی نے وہاں سے جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ انہوں نے گفتگو کے لئے ایسے ایسے موضوع تلاش کر لئے جن کا کبھی اختتام نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔ حسین لوگ عالمانہ گفتگو کرتے ہیں تو یقین نہیں آتا' دونوں نے کئی بار اٹھنے کا ارادہ کیا مگر کسی نے پہل نہیں کی' دونوں اپنے صبر و ضبط کا امتحان دے رہی تھیں' میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ شاردا نے مجھے تاکید کی کہ میں اندر جا کے آرام کروں' مجھ میں اتنی جرات نہیں تھی کہ پارو کے سامنے اندر چلا جاتا اور گویا اس سے یہ کہتا کہ اب وہ چلی جائے اور نہ مجھ میں جرات تھی کہ شاردا کی موجودگی میں اپنے گھر جانے کا عذر کر کے پارو کے ہاں چلا جاتا۔ پھر میں نے ایک ہی فیصلہ کیا' میں اندر سے بساط اٹھا لایا اور میں نے ہاتھی گھوڑے بادشاہ وزیر سپاہی ان کے سامنے بکھرا دیے۔ یہ کھیل شاہوں کو بہت مرغوب ہوتا ہے جب ہمہ وقت جنگ ناممکن ہو گئی تو

انسانوں نے اپنی تسلی کیلئے اسے ایجاد کر لیا۔

سب نے مفاہمت کر لی' ضروری نہیں کہ تخلیے ہی میں شوق کا اظہار کیا جائے استواری ہو تو ہجوم میں بھی آنکھیں سیراب ہو جاتی ہیں' ہم سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھول دیکھنا بھی بڑی بات ہے' ضروری نہیں کہ اسے توڑ کے ہی مشام جاں آسودہ کیا جائے۔ یہ قربت بھی کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اس مل بیٹھنے اور دیکھنے کے لئے لوگ ترستے ہیں جب لفظوں کی پابندی عائد ہوتی ہے تو آنکھیں ہونٹ بن جاتی ہیں اور ہونٹ آنکھیں۔ آنکھیں بولتی ہیں' لب لرزتے ہیں' چہرے پر عجب عجب رنگ آتے ہیں' انگلیاں رقصاں ہو جاتی ہیں۔ میں ان دونوں کی سیر کرتا رہا اور ان سے کسی کو سنائے بغیر چھپ چھپ کے باتیں کرتا رہا۔ میں نے جان بوجھ کے شطرنج میں دخل دینا شروع کر دیا تھا' اس سے سرگرمی پیدا ہو گئی دونوں میں سے کوئی نہیں گیا۔ انہوں نے دنیش کو بھی نہیں سونے دیا۔ ادھر دلہن انتظار کرتے کرتے سو گئی ہو گی' صبح ہونے سے کچھ پہلے دنیش نے ایک گرم بازی پر ہاتھ مار کے سارا نقشہ ہی بگاڑ دیا' تب کہیں انہیں اپنی خبر ہوئی۔ انہوں نے گھڑی دیکھی اور باری باری مجھے دیکھا۔ پھر اپنا لباس درست کیا جب شاردا اندر اپنے رخسار پانی سے تازہ کرنے گئی تو دنیش بھی اٹھ گیا اور پارو کو مجھ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ ''موہن داس!'' اس نے ادھر دیکھ کے آہستہ سے کہا۔ ''آج رات مجھے کچھ خوف سا محسوس ہوا۔''

''کیوں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔''

''میں نے پہلے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا۔'' اس کے نازک لب کانپنے لگے۔

''شاید تم نے میجر کے واقعے سے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ سر جھٹک کے بولی۔ ''میں اپنے آپ سے خوف زدہ ہوں مجھے بڑی گھٹن ہو رہی ہے میں پہلے کبھی نہیں ڈرتی تھی' اب نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔''

''تم اور حسین ہو گئی ہو۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے حسن کا حوالہ مت دیا کرو۔ اس سے میں خود کو کمزور اور غریب محسوس کرتی ہوں' موہن داس! کب تک اس کھیل سے تمہارا جی اکتا جائے گا؟''

''ڈراپ سین ہونے ہی والا ہے' پھر راوی چین لکھتا ہے۔''

''مشکل ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''گتھیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھتا' ہر کشاکش' تصادم' پیچیدگی کے بعد ایک سکون ابھرتا ہے۔ اگر ہم اپنی ذات کی حدود سے الگ ہو کے سوچیں تو اس بڑے کام کا اندازہ ہو گا۔''

مجھے حیرت ہے' مجھے اس بھنور سے تم نے نکالا تھا اور اب تم خود......'' وہ شکستگی سے بولی۔ ''پتہ نہیں' تمہاری کون سی بات سچ ہے؟''

''وقت کم ہے مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں......'' میری بات ادھوری رہ گئی۔ شاردا اپنا چہرہ صبح کی طرح تازہ اور اجلا کر کے واپس آ گئی تھی۔ پارو نے اس کی پیروی کی' جیسے ہی وہ اندر گئی' شاردا نے تیزی سے مجھے مخاطب کیا۔

''موہن! تم سے تو بات کرنا مشکل ہو گیا۔'' اس کے لہجے سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں صبح اس کی طرف گیا تھا اور لائبریری میں اس کا چہرہ دیکھ کے چلا آیا۔ ''تم نے خبر کیوں نہیں کی؟'' وہ ناراضی سے بولی۔

میں نے سوچا تمہیں ڈسٹرب کیوں کروں' نہ جانے تم کن دنیاؤں کی سیر کر رہی ہو۔ بس تمہیں دیکھنے کی خواہش تھی' وہ پوری ہو گئی تو میں چلا آیا۔

''اور تم نے کچھ خیال ہی نہیں کیا؟ میں تو اب تمہاری دنیا میں رہتی ہوں' تمام دنیائیں تمہارے مقابلے میں ہیچ ہیں۔''

''شاردا!'' میں نے پارو کی واپسی کا خیال کئے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تمہیں دیکھ کے اکثر بہت سے اندیشے لاحق ہو جاتے ہیں تمہیں دیکھ کے ہمیشہ اپنا وزن کرتا ہوں اور ترازو کے پلڑے کبھی یکساں نہیں رہتے' تمہارا پلڑا جھکا ہی رہتا ہے' تم اتنی ہلکی پھلکی ہونے کے باوجود بہت بھاری ہو' کچھ تمہارے بے مثال حسن کا بوجھ ہے' کچھ اس حسن کا جو تمہارے اندر موجود ہے مگر باہر سے نظر نہیں آتا۔''

''ترازو صرف تمہارے پاس نہیں ہے' میرے پاس بھی ہے اور جب میں اس میں خود کو تولتی ہوں تو تم سے مختلف نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم پر کوئی جادو کر دوں تاکہ تمہارا وزن کم ہو کے میرے برابر ہو جائے' موہن!'' وہ خوابیدہ لہجے میں بولی۔ ''تم اتنے گم شدہ رہتے ہو کہ مجھے ہمیشہ تمہارے کھونے کا ڈر رہتا ہے' کاش میرے اندر کوئی ایسی خوبی ہوتی جو تمہیں مکمل طور پر اپنی طرف کھینچ لیتی' تم زندگی سے بے نیاز ہو جاتے۔ میں تمہیں خود پر فنا کر لیتی' اس کے بعد خود فنا ہو جاتی تاکہ زندگی کی نظر لگنے کا اندیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا۔''

''شاردا!'' میری آواز بھرا گئی۔ ''تمہاری قیمت ویسے بھی کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

ایسی باتیں کر کے تم اور حواس باختہ کر دیتی ہو۔"

دروازے سے پارو برآمد ہوتی نظر آئی تو مجھے واپس ہونے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ شاردا کو بھی سنبھلنے میں دشواری ہوئی پگلی کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے مجھے رلا کے خود بھی رو دی کیسی تعلیم یافتہ لڑکی تھی؟ کتابوں نے کیا تحمل سکھایا تھا؟ ذرا سی بات پر پیمانہ چھلک پڑا۔ پارو کو دیکھتی کہ آنسو کس طرح چھپائے جاتے ہیں۔ دنیش چندر بھی لباس تبدیل کر کے ان کے درمیان آ گیا تھا۔ اس کے آتے ہی وہ رخصت ہوگئیں۔ پتہ نہیں ریتا کا کیا ہوا؟ اسے نیند بھی آئی یا نہیں؟ دنیش نے خود آگے بڑھ کے دروازہ بند کر لیا اور مجھے گھورتا ہوا صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔"آیئے اب میں اور آپ شطرنج کھیلیں۔" اس نے زہر خند سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مگر کیا کرسکتا تھا۔ آپ نے مجھے روک لیا۔"

"آپ کے تعلقات روز بہ روز وسیع ہو رہے ہیں۔ اب ہم کہاں جائیں۔"

"آپ سے روحانی تعلق ہے۔" مجھے ہنسی آ گئی۔

"نہیں، آپ ہم سے جسمانی تعلق ہی قائم رکھئے۔ وہ ناراض لہجے میں بولا۔"ہاں کیا واقعہ پیش آیا؟"

"کچھ نہیں بس یونہی معمولی سا واقعہ تھا۔"

وہ صوفے پر اچھل گیا۔"یعنی رات بھی کوئی واقعہ پیش آیا تھا؟"

☆......☆......☆

"ہاں آپ نے دونوں پستول کل صبح جیب سے نکال لئے تھے' بڑی پریشانی ہوئی۔ بہرحال جیسے تیسے معاملہ نمٹایا' اب تفصیل مت پوچھئے۔"

"کہاں؟ میں نے تم سے منع کیا تھا کہ تم بھون سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

"میں بھون ہی میں تھا صرف چند منٹ کے لئے باہر گیا تھا۔"

میرے اطمینان سے وہ بوکھلا گیا۔ اس سے اپنی جگہ نہیں بیٹھا گیا۔"تم مجھ سے پستول مانگ سکتے تھے' چابیاں لے سکتے تھے۔"

"آپ مصروف تھے اور مجھے ایسی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔"

"یعنی تمہارا ارادہ نہیں تھا پھر کیا ہوا؟" وہ میرا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"بس یوں ہی ذرا سی گرما گرمی ہوگئی۔"

"کون لوگ تھے؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"وہی جو مجھے آپ سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔"

"ہمارے رقیب؟ پوری بات کیوں نہیں بتاتے؟"

"انہوں نے مجھے اغوا کرنا چاہا تھا۔"

"اور تم اغوا نہیں ہوئے۔"

"آپ کی محبت نے زور کیا' ورنہ اس بار نشانہ بہت صحیح تھا۔"

"میری برداشت اب تمام ہوئی' میں احتجاجاً خاموش ہوتا ہوں۔"

"ایک گزارش ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔"بلکہ شرط سمجھے۔"

"مجھے ہر شرط منظور ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"آپ حسب سابق ضبط و تحمل کا مظاہرہ کریں گے میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے ورنہ میرے لئے اور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"معاملہ خاصا سنجیدہ ہے۔" وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔"بتاتے ہو یا نہیں؟" اس

نے میرے گال پر ہلکا سا چپت مارتے ہوئے کہا۔
اچھا نہیں لگتا تھا کہ اس کے سامنے انیتا کا نام لیا جائے۔ اب تک میں نے ناموں سے حتی الامکان پرہیز کیا تھا۔ میں نے سادہ مختصر اور غیر موثر لفظوں میں اسے رات کی رام کہانی سنا دی لیکن میرا اختصار سادگی اور سرسری پن تاثر سوا کرنے کا سبب بن گیا۔ اس نے میرے چہرے پر بے تحاشا بوسے نچھاور کرنے شروع کئے اور اس کی بے تابی اس قدر بڑھی کہ اس نے مجھے اٹھا اٹھا کے کئی بار سینے میں جکڑ لیا۔ میں نے اسے مشکل سے صوفے پر بٹھایا' راج کمار دنیش نے میرے گلے میں بانہیں ڈال کر اپنا سر میری چھاتی میں چھپا دیا تھا۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا پھر اچانک چونک کر اس نے اپنے ہاتھ میرے آگے کر دیئے۔ ''مجھے چوڑیاں پہنا دے موہن!''

میں نے اس کے ہاتھ چوم لئے۔ ''شاہ ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں جب تک میں زندہ ہوں آپ کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں مارا گیا تو مجھے یقین ہے آپ کے ہاتھوں میں اتنی طاقت اور سینے میں میرے لئے اتنی گنجائش ہے کہ آپ آگ لگا دیں گے' خون کی ندیاں بہا دیں گے' آپ کے ہاتھ میرے ہاتھ ہیں' اپنے ہاتھوں میں بھی کوئی چوڑیاں پہناتا ہے۔ میں نے آپ کو محفوظ کر کے رکھا ہے' جب میرے ہاتھ شل ہو جائیں گے تو میں اپنے ان دوسرے ہاتھوں سے کام لینا شروع کر دوں گا۔''

''میں انیتا کو تہہ خانے میں بند کر دوں گا۔'' وہ مشتعل ہو کے بولا۔

''آپ اپنی شرط بھول گئے ابھی کیا وعدہ کیا تھا۔''

''میں اسے اپنے محل میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''وہ بہت حسین ہے' اس کی تو آپ کو تعریف کرنی چاہئے۔ ایسی بہنیں اب نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔''

''تم سچ کہتے ہو۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''تو پھر وعدہ کیجئے آپ انیتا کے سامنے اپنے کسی رویے سے یہ تاثر نہیں دیں گے کہ آپ کے دل میں اس کے لئے کینہ موجود ہے۔''

''یہ بہت مشکل ہے' تاہم میں کوشش کروں گا۔''

''دیکھئے اب انیتا کیا کرتی ہے' وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔''

''وہ پھر کوئی ہنگامہ کر سکتی ہے۔''

''ہاں' اس کا بھی امکان ہے مگر بہت کم۔''

''تم وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟'' اس نے تلخی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی دلیل نہیں' بس مجھے وہ بہت اچھی لگی ہے۔''

''کتنی اچھی لگی؟'' میرے انداز بیان پر وہ بے ارادہ مسکرا پڑا۔ ''تو اس نے تمہیں مختلف طور سے متاثر کیا۔ وہ گولی چلانے میں تو کامیاب نہ ہو سکی مگر تیر کا نشانہ لگا دیا۔''

''ایسی بات نہیں ہے' میں تو اسے موقع واردات پر کئی طرح زخمی کر سکتا تھا میں اس بات سے متاثر ہوا کہ اس نے نازک وقت میں کمان پر تیر نہیں چڑھایا' حالانکہ اس کے پاس تیر کمان موجود تھے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک راج کماری کے شایان شان رخصت کیا۔ میں نے اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' وہ میری بات قطع کرتے ہوئے بولا۔

سورج کی روشنی ملاقاتی کمرے میں گھس آئی تھی اور راہ داری میں چہل پہل کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ مجھے ریتا کی فکر تھی۔ آج پرکاش بھون میں اس کی خوشنودی کے لئے متعدد پروگرام بنائے گئے تھے اس لئے میں دنیش کے سامنے چائے پی کے اپنے گھر آ گیا۔ ڈالی سے بول چال بند تھی' میں چپکے سے چارپائی پر پھیل گیا اور آنکھیں بند کیں تو سارا جسم بند ہو گیا۔ گیارہ بجے کے قریب میرے مقفل جسم میں ڈالی نے چابی لگائی وہ مجھے جھنجوڑ رہی تھی۔ ''کیا ہے ری؟'' میں نے منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''اٹھ تیرے رشتے دار آ گئے۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

''کون ہے؟'' میں نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''تیرے چاہنے والے' تیرے خصم۔'' اس نے مجھے جھٹکے دیئے۔

''صاف صاف کیوں نہیں بتاتی۔'' میں نے بگڑ کے کہا۔

''خود باہر جا کے دیکھ لے اندر بلاؤں گی تو تیری ہی ہیٹی ہو گی۔''

میں نے اسے کھینچ لیا' وہ مزاحمت کرنے اور بھن بھنانے لگی۔ ''مجھ سے کیوں مسخری کرتا ہے۔''

''ناراض ہے ری؟'' میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کے کہا۔

اس نے منہ پھیر لیا۔ ''مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔''

''تجھے سب حق ہے' ایسی دل توڑنے والی باتیں مت کیا کرو۔''

''چل باہر چل' وہ انتظار کر رہی ہے۔''

''کون؟''میں نے اچھل کر کہا۔''کیا کوئی لڑکی ہے؟''

''ہاں اور بہت خوبصورت ہے۔''

''تجھ سے زیادہ نہیں ہو گی۔کون ہے؟''

''میں اسے نہیں جانتی پر تجھے پسند ہے تو میرے لئے سب کچھ ہے۔''

کون ہو سکتی ہے میں بے چینی سے اٹھا اور باہر آ کے دیکھا تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ ترنم چوکی پر گڈے کے ساتھ کھیل رہی تھی اور گڈا چینی کی اس گڑیا کو حیرت سے گھور رہا تھا۔''تم'تم یہاں کیسے آ گئیں؟''

''آپ کا پتہ پوچھتے ہوئے آ گئے۔ آپ نے تو ہماری طرف رخ ہی نہیں کیا جب کئی دن ہو گئے تو ہم خود چلے آئے۔''

مجھے چند لمحوں کے لئے سکتہ ہو گیا۔''تو یہاں کیوں بیٹھی ہو' اندر آ جاؤ' اس سے ملو یہ ڈالی ہے۔'' میں نے ڈالی کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہماری بات ہو چکی ہے' ہم نے انہیں منع کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو بے آرام کیا۔'' وہ پرسوز لے میں بولی۔

''اچھا ہوا' تم نے یہ گھر دیکھ لیا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''ہمیں یہاں آنے کی بڑی تمنا تھی۔'' وہ جھکی جھکی نظروں سے بولی۔

''سارا افسانہ یہ ہے' اب کب جانے کا ارادہ ہے؟''

''ہم نے گھر والوں کو واپس بھیج دیا ہے' ایک ساتھی رہ گئی ہے' وہ بھی چلی جائے گی۔'' اس نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

''پھر تم یہاں تنہا رہ جاؤ گی؟''

''تنہا کیوں ؟ہم یہاں بہت آسودہ رہیں گے۔''

''ڈالی سے یہاں کی آسودگی کا حال پوچھو۔''

''ہم نے سوچا ہی کچھ اور ہے' ہم نے اپنے آپ کو ترک کر دیا ہے۔''

''تم مجھے گنہ گار کرو گی۔'' میں نے اضطراب میں کہا۔

''ہم سے بڑا گنہگار کون ہو گا؟ ہماری تو نجات ہو جائے گی۔'' یہ سنتے ہوئے ڈالی اچانک ہنسنے لگی' ترنم نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ اس کی جبیں پر پسینے کے موتی لرزنے لگے۔''کیا ہم نے کوئی غلط بات کہہ دی ۔''

''نہیں۔'' ڈالی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔''بس ہنسی آ گئی۔''

''ڈالی یہاں کی نیرنگی پر ہنس رہی ہے' یہ کبھی ہنستی ہے' کبھی روتی ہے' یہ بہت ہو گئی ہے' تمہارے لئے آئینے کا کام دے سکتی ہے۔''

''تم اندر آؤ' تمہاری آواز میں بہت دکھ ہے اور تمہاری نظریں نیچی ہیں' ں سے بیٹھو یہ گھر بہت چھوٹا ہے لیکن یہاں دل کے بڑے لوگ رہتے ہیں۔'' ڈالی یں بولی۔

''ہم انہی لوگوں سے ملنے آئے ہیں۔''وہ ڈالی کے ساتھ اندر کمرے میں ہوئے بولی اور بوسیدہ چارپائی پر بیٹھ گئی۔''عمارتیں تو آدمیوں سے چھوٹی بڑی ں۔''

''میں تمہاری کیا خاطر کروں۔''ڈالی اشتیاق سے بولی۔''تمہارا رنگ انار کی لال ہے۔ مکھڑا دیکھو پھول کی طرح لگتا ہے' تم دیر تک یہاں بیٹھیں تو رنگ اڑ گا اور یہ شخص جس سے تم ملنے آئی ہو' بہت بدتمیز ہے''ڈالی شاعری کرنے لگی تھی رب بننے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ ڈالی کون ہے؟''

''ہم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہم نے یہاں آتے ہوئے خود کو آمادہ یا تھا اور سوچ لیا تھا کہ آپ کے ساتھ جو ہو گا' وہ اچھا ہی ہو گا' ہم نے آتے ہی سے اتنی گزارش کی تھی کہ ہم آپ سے صرف چند لمحوں کے لئے ملنا چاہتے ہیں' ں نے احسان کیا' ہمیں اندر بٹھا لیا۔ ہماری درخواست ہے کہ یہ کبھی کبھی ہمیں ں آنے کی اجازت دے دیا کریں۔''

''اجازت؟ تم جب چاہو شوق سے آؤ۔ یہ غریبوں کا گھر ہے۔''

''یہاں بڑے امیر لوگ رہتے ہیں۔''وہ مترنم لہجے میں بولی۔

ڈالی اس کی طرف حیرت و اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ اس میں خاصی تیزی آ ئی' وہ باہر چائے بنانے چلی گئی تو ترنم نے سر جھکا لیا۔''مجھے حیرت ہے کہ تم نے چے بغیر یہاں آنے کا فیصلہ کر لیا کہ یہاں کون کون ہو گا اور کس طرح پیش آئے

''بخدا ہم نے بہت ضبط کیا مگر۔'' اس کے گلے میں کانٹا چبھ گیا۔''آج دل نہیں مانا' ہم نے سوچا' آپ کے ہاں کوئی بھی ہو' ہم اس کے سامنے آپ کو شرمندہ کبھی

نہیں کریں گے' آپ کا چہرہ دیکھیں گے اور چلے آئیں گے۔ یہاں آئے تو ہماری امید کے خلاف پزیرائی ہوئی۔ خدا گواہ ہے ہم نے کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جس سے آپ کی الجھن بڑھ جاتی۔ ہم اپنے ذہن میں بہت سے بہانے سوچ کے آئے تھے کہ اپنے آنے کا کوئی بھی جواز پیش کر دیں گے' اگر ہماری زبان کچھ بہک گئی ہو تو ہمیں معاف کر دیجئے' ہم کبھی یہاں نہیں آئیں گے مگر آپ سے یہ منت ضرور کریں گے کہ کبھی کبھی مہمان خانے کا رخ کر لیا کیجئے۔"

"تم۔"میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔"تم مجھے زندہ نہیں رہنے دو گی۔"

وہ کھڑی ہو گئی اور سراسیمہ ہو کے بولی۔"ہم قسم کھاتے ہیں' آپ کی زندگی کے لئے نچھاور ہو جائیں گے' شاید ہم نے آپ کو پریشان کیا' اب ہم اف بھی نہیں کریں گے ہونٹ سی لیں گے ہم سے نادانی ہو گئی۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو' میں تمہارے یہاں آنے سے اتنا متردد نہیں ہوں جتنا اور باتوں کا خیال ڈنک مارتا ہے۔ تمہارا کم خواب چہرہ دیکھتا ہوں' تمہارا سانچے میں ڈھلا ہوا یہ سراپا دیکھتا ہوں۔ یہ سرگیں آنکھیں' یہ عنبریں زلفیں' دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے زیاں کا احساس ستانے لگتا ہے۔ ڈالی کی بات نہیں مجھے خود معلوم نہیں کہ ڈالی سے میرا کیا رشتہ ہے' میں تمہیں شاداب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اب بار بار فردا کا ذکر نہ کیجئے' ہم ہمیشہ شاداب رہیں گے آپ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ فیصلہ ہم نے خود اپنے لئے تجویز کیا ہے اور ہم اسے آپ پر مسلط کر رہے ہیں' نہ ہماری کوئی ضد ہے نہ جبر' ہم تو نیاز مندانہ آئے ہیں' سرکشانہ نہیں۔" ڈالی نے آ کے یہ راگ درہم برہم کر دیا' وہ طشتریوں میں نہ جانے کیا کیا الابلا سجا کے لے آئی تھی۔"آپ نے تکلف کیا۔" ترنم متانت سے بولی۔

"تم شیرو کی مہمان ہو' اگر آدمی کا گوشت کھانے کا رواج ہوتا تو میں شیرو کے مہمان کے لئے اپنے جسم سے کچھ حصہ کاٹ کے اور بھون کے یہاں لے آتی۔"

"شیرو؟ کیا آپ انہیں شیرو کہتی ہیں؟"

وہ سٹ پٹا گئی۔"میں اسے شیرو ہی پکارتی ہوں' ویسے اس کا نام موہن داس ہے' یہ بڑا نٹ کھٹ ہے۔"

"آپ نے بہت کرم کیا۔" ترنم نے نشیلی آواز میں کہا۔

"تم نے یہاں آ کے ہمارا مان بڑھایا' بھلا ایسے پیارے لوگ ہمارے

اجڑے گھر میں کہاں آتے ہیں۔" ڈالی وارفتگی سے بولی۔

"آپ ہمیں نادم کر رہی ہیں' ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم کبھی کبھی یہاں آتے رہیں ہمارے ہاتھ کام کے لئے ترس گئے ہیں۔"

"تم شوق سے آیا کرو لیکن یہاں تو بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔"

"آپ ہمیں اپنی آنکھوں پر بٹھا لیا کیجئے۔" وہ شوخی سے بولی۔

وہ دونوں پرانے شناساؤں کی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ میں نے دھوپ دیکھ کے ترنم سے وقت پوچھا اس کی کلائی سے بندھے ہوئے سنہرے وقت نما میں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ریتا کے اعزاز میں گیارہ بجے بھون میں بازی گری کا تماشا ہونے والا تھا۔ ویسے یہ تماشا اس سے زیادہ دلچسپ نہیں تھا میں نے اس سے اجازت لی۔ ترنم نے جھجک کر کچھ کہنا چاہا پھر کہنے لگی۔"اچھا جائیے آپ کو دیر ہو رہی ہے۔"

"کیا بات ہے؟"میں نے تجسس سے پوچھا اور دروازے سے لوٹ آیا۔

"پھر سہی' آپ اپنا راستہ کھوٹا مت کیجئے۔"

"پھر یہ تمہیں کہاں نظر آئے گا' جو کہنا ہے ابھی کہہ دو۔" ڈالی بولی۔

"کل شام......."اس نے ٹمٹماتی ہوئی آواز میں کہا۔"کل شام کسی کام سے چھوٹے راج کمار سریش چندر مہمان خان میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا پھر اپنے ہرکاروں سے ہمیں طلب کیا۔ ہم نے راج کمار دنیش چندر کا حوالہ دے کے اس وقت تو انہیں ٹال دیا ہو سکے تو آپ ذرا خیال رکھئے گا۔"

"راج کمار سریش چندر؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی۔ وہی" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کے کہا۔ ڈالی ہمہ تن گوش تھی۔ اس لئے میں نے تفصیل پوچھنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میں بھول گیا کہ مجھے جلدی جانا ہے۔ ترنم نے مجھے ٹوکا تو میں اپنے پپوٹے مسلتا باہر آ گیا' باہر آ کے میں نے اپنے بال شدت سے پکڑ لئے مجھے اس سر پر ترس آیا جسے اسی جسم پر نصب ہونا رہ گیا تھا جو کم بخت کسی بھی دن ناراض ہو جائے گا۔ پھر میں اس سے بے نیاز ہو کے تیز قدموں سے اس میدان کی طرف بڑھنے لگا جہاں مجھے بہت پہلے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ ادھر ادھر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا' جیسے پرکاش بھون میں اب کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ ریس کے

میدان میں ایک خلقت جمع تھی۔

پرکاش بھون کی آبادی کے علاوہ راجے پور کے بہت سے معززین بھی یہاں نظر آ رہے تھے' اوپر تلے کی سب سیڑھیاں بھری ہوئی تھیں۔ نچلی سیڑھیوں پر چار انگریز باڈی گارڈ اپنی وردیوں میں دور سے چمک رہے تھے' ان کے قریب ہی کچھ اور انگریز طنطنے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ریتا کے ایک جانب دنیش تھا اور دوسری جانب پاروتھی۔ یہ راجے پور کے چمکتے دمکتے چہروں کا اجتماع تھا۔ ادھر حسب مراتب' ہوشیار' خبردار' باادب با ملاحظہ ملازمین اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں پنڈت ایشوری لال کچھ اور پنڈتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بازی گر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سبھی کی نظریں ان کی طرف مرکوز تھیں۔ بچے غباروں کی طرح اچھل رہے تھے اور لڑکیاں بالیاں حیرت و استعجاب کا مرقع بنی ہوئی تھیں۔ بعض ملازموں نے ریاست کا روایتی سرکاری لباس سجا رکھا تھا اور سینہ تانے اکڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان انگریز کو مرعوب کر دینے کے لئے مضطرب نظر آ رہا تھا۔ میدان میں ایک طرف ہاتھی' ایک طرف رنگین لباس میں بینڈ باجے والے' مداری' لٹھ باز' اپنی اپنی باری کے منتظر تھے' نفیری والا نفیری منہ سے لگائے تناروں روں کر رہا تھا۔ انگریز کو ہندوستان کے رنگ' اس کی دلکشی دکھانے کا بڑا زبردست اہتمام کیا گیا تھا۔ انہیں چونکانے کا ارادہ تھا۔ یہ دیکھو' وہ دیکھو' یہ عجائب خانہ تمہیں اور کہاں نظر آئے گا۔ یہ ہاتھی ہے جو دو ٹانگیں اٹھا اٹھا کے ٹھمک ٹھمک کے چلتا ہے۔ سلام کرتا ہے۔ یہ گونگے غلاموں کی ایک فوج ہے جو زبان رکھتے ہوئے بھی نہیں بولتے۔ یہ مداری ہے' یہ شکاری ہے' یہ وہ شخص ہے جو ایک مہینے تک سر کے بل کھڑا رہتا ہے' ریتا کی دل بستگی کا ہر سامان موجود تھا' اب وہ اپنے باپ سے جا کے ضرور کہے گی یہ ہندوستان تو کمال کی زمین ہے۔ یہاں کے لوگ کیسے سادہ ہیں' گدھوں کی طرح سیدھے' کتوں کی طرح وفادار۔ وہ اپنے پاپا سے کہے گی کہ ریٹائر ہونے کے بعد یہیں بسیرا کریں گے' بھلا ایسے شریف لوگ اور کس خطے میں دستیاب ہوں گے۔

میں دور کھڑا طائرانہ نظر سے یہ سازو سامان' یہ لاؤ لشکر دیکھتا رہا۔ ریتا کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی محفوظ جگہ محظوظ ہوتا رہتا۔ مہمان حاضر' میزبان غائب' مدعی چست گواہ ست۔ ریتا کی نگاہیں بار بار بھٹک جاتی تھیں' مجھے ریتا کو اپنا چہرہ ضرور دکھانا تھا۔ چنانچہ میں ملازموں کا ہجوم چیرتا ہوا آگے نکل آیا اور میں نے سیڑھیوں کے اس

سرے سے اس سرے تک جانے کا ارادہ کیا' یہ بے ادبی ضرور تھی مگر دنیش چندر کے پاس ملازم کو اس غلطی کے ارتکاب کا حق پہنچتا تھا' درمیان کی خالی جگہ میں بازی گروں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس لئے جب میں وہاں نمودار ہوا تو سب کی نظر مجھ پر گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہاں سے وہاں تک ایک تیز لہر گزر گئی جو سب کو بے قرار کر گئی ہے' اپنا ذکر بھی کہاں کہاں ہوتا ہو گا۔ یہی میدان تھا جہاں کنور جگ دیپ نے سرکشی اختیار کی تھی اور مجھے رسوا کیا تھا۔ بہر حال یہ میرا وہم تھا کھلبلی صرف میرے ذہن میں برپا ہوئی تھی' یہ شاید لاشعور میں چھپا ہوا کوئی غرور تھا جو اپنے مہمان کے شان دار خیر مقدم سے مجھے کچھ ایسا تاثر دے گیا کہ مجھے اپنا قد لمبا اور جسم بھاری محسوس ہوا۔ ممکن ہے کولمبس ایک بار اور پیدا ہو کے امریکہ جائے اور اسے کوئی نہ پہچانے مگر جب وہ اونچی عمارتیں اور جگ مگ جگ مگ روشنیاں دیکھے گا تو اس کا دل کیسا سرسبز ہو گا' کھیت اپنے کسان کو کب پہچانتے ہیں۔

میں سیڑھیوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا دنیش چندر اور ریتا تک پہنچنے کے لئے چہرے عبور کرتا رہا۔ سرگوشیاں' بھن بھناہٹیں' اشارے۔ میں کسی جگہ نہیں ٹھہرا لیکن ایک جگہ زمین نے میرے پیر جکڑ لئے' ہیما' کسم اور شکنتلا کے پہلو میں پریت جلوہ افروز تھی۔ سرمئی ساڑی میں کھنچی ہوئی پریت' میان میں تڑپتی ہوئی تلوار' مجھے اپنے منہ میں ریت محسوس ہوئی جیسے کوئی دیوار پر ریگ مال ملے یا لوہے پر ریتی چلائی جائے۔ کچ کچ' کچ کچ' کررارا' مجھے جھرجھری آ گئی' اس کی آنکھیں بھی تھرتھرانے لگیں اور ہونٹ متزلزل ہو گئے' پھر اس کے پیر تیزی سے گردش کرنے لگے۔ میں ایک ثانیے تک مبہوت ہو کے اسے تکتا رہا۔ سامنے سے ہٹو' کسی شوخ چشم نے دھتکارا تو مجھے اپنی غفلت کا احساس ہوا۔ اور کچھ آگے میری نظر شاردا پر جا کے ٹھہر گئی اس کا چہرہ بدلیوں سے نکل آیا' مجھے دیکھتے ہی اس کے رخساروں کی چاندنی چھٹکنے لگی' ریتا کے سامنے پہنچ کے میں نے سر کو خفیف سی جنبش دی' یہ میری نظر کا دھوکا نہیں تھا کہ میری آمد پر ریتا کے پیچھے بیٹھے ہوئے انگریز باڈی گارڈوں اور افسروں کے سرخ چہرے کچھ اور تاب ناک ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو اشارے کئے نہ جانے کیوں مجھے آں جہانی میجر رابرٹ یاد آ گیا۔ سب انگریز ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے لگتے ہیں۔ ریتا نے شدت میں دنیش کا بازو پکڑ لیا تھا اور شاید ہندوستان کی زمین کا خیال آنے پر فوراً چھوڑ دیا۔ ''تم نے آنے میں دیر کر دی۔'' دنیش نے یہ جملہ دھیمے لہجے میں صرف مجھے

سنانے کے لئے کہا تھا مگر تمکنت کے ساتھ۔ اس کے قریب بیٹھی ہوئی پارو کے کان بہت تیز تھے' وہ مسکرانے لگی۔ ''نزدیک ہی رہنا نظروں کے سامنے'' دنیش نے دوبارہ سرگوشی کی۔

میں نے اپنا آدھا جسم جھکا دیا اور وہاں سے دوسری طرف نکل آیا' میرا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ جب میں پنڈت ایشوری لال کے قریب سے گزرا تو اس نے پھر وہی پرانی حرکت کی' بھرے مجمع کے سامنے اٹھ کر مجھے پرنام کیا اور اپنی جگہ خالی کرکے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ میں اسے گھورتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔ میرے پہلو میں سکڑ کے وہ بھی براجمان ہوگیا۔ یہاں سے میں آدھے انڈے کی شکل میں بنی ہوئی سیڑھیوں پر سب کو دیکھ سکتا تھا۔

پہلے نٹ کا کھیل ہوا پھر ہاتھی آئے اور ریتا کے سامنے کورنش بجا لائے' پھر بازی گروں کا ایک گروہ آ گیا اور طرح طرح کے چمتکار دکھانے لگا۔ جو لوگ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں انہوں نے کمال کے ہنر دکھائے۔ ریتا اور دوسرے انگریزوں نے تمام تر جوش سے تالیاں بجائیں۔ کسی میلے کا سماں تھا جو ٹولی سامنے آتی' پہلے راج کمار دنیش اور ریتا کے سامنے سر جھکاتی' راجے پور کا مشہور کرتب باز اس کا تعارف کراتا اور وہ میدان میں اتر کے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کر دیتے۔ ہجوم پر کبھی مکمل سکوت طاری ہو جاتا' سب سن ہو جاتے اور کبھی یکا یک ایسا شور گونجتا کہ قیامت کا منظر ہوتا۔ دن کا ایک بج گیا تو سب سے آخر میں لمبے بالوں والا ایک مہیب شکل کا جوگی ریتا کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بڑا بے پروا سا تھا۔ اس کا لمبا جسم پھیلا ہوا اور رنگ کوئلے کی طرح سیاہ تھا۔ وہ کھدر کا کرتا اور دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کے ریتا کچھ پیچھے ہٹ گئی۔ یقیناً اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں بڑی ہیبت تھی۔ وہ کچھ غصے اور جلال میں نظر آ رہا تھا۔ جیسے اسے زبردستی کھینچ کر لایا گیا ہو۔ میدان میں جانے سے پہلے وہ ریتا کے سامنے انگلی کا اشارہ کر کے خاموش کھڑا ہوگیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے پھر پارو نے ریتا کے کان میں کچھ کہا اور ریتا نے خوف زدہ نظروں سے سر ہلا کر اقرار کیا۔ اس نے اپنے گلے سے ہیروں کا نیکلس اتارنا چاہا تو جوگی نے انگلی سے انکار کر دیا اور کچھ فاصلے پر میدان میں آ گیا۔ اس نے اپنی انگلی آسمان کی جانب کر دی اور بدبدانے لگا اور ایک ہاتھ اٹھا کے فلک شگاف چیخ ماری۔ میں نے پنڈت ایشوری لال کی طرف تجسس سے دیکھا' وہ مسکرا رہا تھا۔

جوگی نے زمین پر کئی قلا بازیاں کھائیں اور زمین پر بے تحاشا لوٹتا ہوا اور تڑپتا ہوا ساکت ہوگیا۔ ہر طرف رات سی ہوگئی تھی' رات کا سکوت' پھر وہ آہستہ آہستہ لہراتا ہوا اٹھا اور سیدھا کھڑا نہیں ہوا بلکہ اس کے پیر اوپر کی جانب اٹھنے لگے۔ پنجوں کے بعد اس نے حیرت انگیز طور پر اپنے جسم کا بوجھ ایک انگلی پر اٹھا لیا' زمین میں اس کی انگلی گڑی ہوئی تھی اور سارا جسم کسی حرکت کے بغیر اس پر کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ یوں ہی ایک ستون کی طرح اپنی انگلی پر جما رہا پھر اس نے اچھل اچھل کر اور صرف انگلی کے سہارے زمین پر چلتے ہوئے بار بار اپنے الٹے جسم کا توازن قائم رکھ کے سب کو دنگ کر دیا۔ انگریزوں کا برا حال تھا' تالیاں' بجاتے اور صدائیں بلند کرتے ہوئے ان کے ہاتھ اور منہ دکھنے لگے ہوں گے۔ ادھر پنڈتوں کے حلقے سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ میں بھی جوش میں تالیاں بجاتے بجاتے رہ گیا۔ آدمی پر اپنے گرد و پیش کا کیسا جبر ہوتا ہے' جوگی نے اٹھ کے پھر اپنے مخصوص انداز میں ایک انگلی آسمان کی جانب کر دی' اب وہ سیدھا کھڑا تھا' اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا' جب باہر نکالا تو ایک سنسناتا ہوا سانپ اس کے ہاتھ پر سراسر رہا تھا۔ اس کے کرتے میں بے شمار جیبیں تھیں' جن میں سانپ ہی سانپ موجود تھے' پھر اس نے میدان میں ایک بڑا چکر لگایا اور تمام سانپ زمین پر چھوڑ دیئے۔ لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سانپ پھن کاڑھے ہوئے اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور ایک اشارے پر اس دیو زاد کے جسم پر چڑھنے لگے جوگی نے اپنا کرتا اتار کے پھینک دیا اندر سے ایک سیاہ جسم نکلا' ایک سانپ اس کے ہاتھ پر لہرا رہا تھا اسی عالم میں جوگی ریتا کے پاس گیا ریتا کے چہرے پر سفیدی غالب آ گئی تھی۔ اس برہم اور مشتعل جوگی کی قربت سے سبھی لوگ سنجیدہ ہو گئے تھے۔ دنیش چندر نے ہاتھ اٹھا کے پسندیدگی کا اظہار کیا' تب کہیں جوگی وہاں سے ہلا اور لوگوں کے چہروں پر اطمینان نظر آیا پھر جوگی نے کرتب باز سے کچھ کہا کرتب باز نے دنیش سے اور دنیش نے ریتا سے کچھ کہا۔ ریتا پہلے تو سٹ پٹائی پھر اس نے جھجکتے ہوئے ملازموں کے ایک گروہ کی طرف انگلی اٹھا دی' جوگی اس طرف چلا گیا اور چار ملازموں کے سینوں پر آنکھ بند کر کے انگلی رکھ دی' وہ خوف سے لرزنے لگے تھے' جوگی کی ایک ہیبت ناک دہاڑ سے تھرا گئے اور اس کے ساتھ میدان کے درمیانی حصے میں ڈگمگاتے ہوئے آ گئے۔ جوگی نے انہیں خود سے دور رکھا

اور اپنے ہاتھوں کو ایک خاص انداز میں حرکت دینے لگا' اس کی آنکھیں انگارا بن گئی تھیں اس کے سر پر سینگ ہوتے تو سب اسے بھوت' شیطان سمجھتے' سینگ نہ ہونے ہی سے وہ کچھ آدمی کی قسم میں سے معلوم ہوتا تھا۔

ہاتھیوں' مداریوں اور بازی گروں کے تماشے میں تو میری نظریں مسلسل وہاں بیٹھے ہوئے مجمع کا طواف کر رہی تھیں' رنگ برنگے ملبوسات میں شوخ چہروں کی فصل سیڑھیوں پر اگی ہوئی تھی میں انیتا کو تلاش کر رہا تھا' وہ مجھے سامنے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ شاردا' پارو' ریتا اور پریت سے میری نگاہ کا رابطہ قائم تھا۔ کچھ اور حسین لڑکیاں بھی کبھی کبھی یہ اعزاز بخش دیتی تھیں' سندھیا دور بیٹھی تھی مگر جیسے ہی اس کی آنکھوں نے مجھے سونگھا' اس کے جسم کی بالی لہلہانے لگی۔ وہ بگولے کی طرح چیرتی پھاندتی میرے قریب ہونے لگی۔ چابی بھری ہوئی ایک گڑیا' پھدکتی' ٹھمکتی مٹی کی صراحی' جسے بھٹی میں تپانا رہ گیا تھا لیکن میدان میں جوگی کی آمد پر سندھیا بھی اپنی جگہ سہم کر رہ گئی۔ میری توجہ بھی اس مغلوب الغضب شخص پر مبذول ہو گئی۔ جب چار ملازم اس کے مقابل کچھ فاصلے پر ہاتھ جوڑے بید مجنوں کی طرح لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو جوگی نے انہیں قہر کی نظروں سے دیکھا اور اپنا ہاتھ جھٹکے کے ساتھ نیچے گرا لیا اچانک وہ چاروں بری طرح چیخنے لگے اور اپنے بال اور اپنے اعضا کھسوٹنے لگے۔ بظاہر ان پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ وہ کپڑے پھاڑنے اور زمین سے سر پھوڑنے لگے میں نے تجسس سے پنڈت کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا' سر ہلانے لگا۔ ''کچھ جانتا ہے لیکن بہک گیا ہے'' اس نے مختصر تبصرہ کرنے پر اکتفا کیا۔

چاروں ملازم اپنے آپ سے بیگانہ بین کرتے' شور مچاتے' خود کو نوچتے ہوئے ادھر ادھر بھاگے مگر وہ بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بہت دیر بعد لوگوں کی سمجھ میں یہ رمز آئی کہ ابتدا میں جہاں جہاں جوگی نے چل کے دائرہ قائم کیا تھا وہ اس سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔ یعنی زمین کا وہ مختصر حصہ جوگی کی سلطنت تھا' جہاں سے باہر جانے کے راستے اس نے مسدود کر دیئے تھے۔ چاروں ملازموں کی حالت اتنی شکستہ اور ناگفتہ بہ ہو گئی تھی کہ کسی طرف سے بہت جلد صدائے احتجاج بلند ہونی چاہئے تھی۔ مگر کوئی آواز بلند نہیں ہوئی کوئی نہیں اٹھا کہ بس یار یہ کھیل ختم کر' سب انگشت بدنداں تھے اور شاید ہر شخص اس لمحے کا منتظر تھا کہ اب جوگی کوئی کرشمہ' کوئی معجزہ دکھا کے ان بدبخت لوگوں کو پرسکون کر دے گا یا ممکن ہے ان کے دلوں پر جوگی کی ہیبت بیٹھ گئی ہو'

انگریزوں کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں' چاروں ملازم بھاگتے چیختے نڈھال ہو کے زمین پر گرنے لگے تو جوگی کے منتشر سانپوں نے اس کے پاس آ کے ادب سے پھن کاڑھے پھر اپنے مالک کی ہدایت پر بے بس ملازموں کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ یہ نئی افتاد دیکھ کے ملازموں کی درد ناک چیخیں بلند ہوئیں انہوں نے سانپوں کی دست برد سے بچنے کے لئے اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا زندگی اور موت کا کھیل اسی کو کہتے ہیں' چار آدمی تقریباً چالیس بھانت بھانت کے سانپوں کے ساتھ ایک ایسے احاطے میں چھوڑ دیئے گئے تھے جس کی دیواریں نہیں تھیں مگر کوئی باہر نہیں جا سکتا تھا' نہ سانپ نہ آدمی' آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا' سانپ آدمیوں پر غالب آ گئے بیک وقت کئی کئی سانپوں نے ایک ایک ملازم پر حملے پہ حملہ کیا اور دیکھتے دیکھتے سارے ملازم ان کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے زمین پر بے ہوش ہو گئے یا مر گئے۔ سارے مجمع کو سکتہ ہو گیا' دہشت کی وجہ سے کسی کی سسکیاں بھی نہیں نکلیں ہر طرف آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

میرے قریب بیٹھے ہوئے ایشوری لال کا چہرہ تمتمانے لگا اور اس کے ہاتھ تیزی سے کرچھے پر مچلنے لگے۔ اس سناٹے میں اس کے کرچھے کی آواز دور تک گئی جوگی نے بھی حیرت سے دیکھا اور برہمی سے منہ پھیر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ چاروں زمین پر بے حس و حرکت پڑے تھے۔ جوگی نے دھتکار کر سانپوں کو منتشر کر دیا۔ سانپ اس کے دائرے کی سرحدوں پر جا کے آہستہ آہستہ رینگنے لگے' سانپوں کی تیزی بھی ختم ہو گئی تھی لیکن جوگی کی وحشت کچھ سوا ہو گئی تھی۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں کے ساتھ ہاتھ ہلاتا ہوا ایک بار پھر ریتا کے سامنے آیا۔ ریتا نے دزدیدگی سے دنیش اور پارو کو دیکھا۔ پھر میری طرف نظر کی۔ دنیش نے اپنی شیروانی کے اوپر گلے میں لٹکی ہوئی موتیوں کی مالا جوگی کی طرف اچھال دی۔ جوگی نے اسے مٹھیوں میں سختی سے بھینچ کر دانہ دانہ الگ کر دیا اور تمام دانے ان ملازموں کے اوپر پھینک دیئے جو موت کے بہت قریب تھا اور جنہیں اب زندگی کا ہوش بھی نہیں رہا تھا جوگی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ان کے پاس پہنچا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے آسمان سے کچھ فریاد کی پھر زمین چومی اور اپنی پیشانی پر خاک مل لی اور ملازموں پر ٹھوکریں لگائیں' وہ بے جان دور تک لڑھکتے چلے گئے پھر اس نے ایک شخص کو اٹھایا' اس کی گردن' ہاتھ اور پیر قابو میں نہیں تھے جیسے اس نے کسی مردے کو قبر سے اٹھا لیا ہو' اٹھا کے اس نے اس کا سینہ ٹھونکا اور اپنا منہ اس نیم جاں کی کلائی پر لگا دیا۔ وہ باری باری تھوکتا اور منہ بناتا

رہا۔ رفتہ رفتہ بے ہوش ملازم کے جسم میں سختی آتی گئی اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ دفعتاً مجمع سے داد و تحسین کا شور گونجا۔ بہرحال اس نے باری باری یہ عمل کر کے سب کو زندہ کر دیا' زندہ کر دیا یا موت کے منہ سے بچا لیا' اس میں کوئی فریب نہیں تھا' میں ان ملازموں سے واقف تھا۔ جوگی کے اشارے پر موتی کے تمام دانے چاروں ملازموں نے زمین سے لوٹنے شروع کر دیئے۔ جس کے ہاتھ جو آیا' وہ اس نے اپنے منہ اور جیب میں ڈال لیا اور دوسرے دانے کے حصول میں زمین ٹٹولنے لگا پھر وہ چاروں خوف کے عالم میں جوگی کے چرن چھوتے اور سانپ پھلانگتے ہوئے دائرہ پار کر گئے۔

بعد میں جوگی یوگا کی حیرت انگیز مشقتوں اور اپنے پراسرار' محیر العقول کمالات کا مظاہرہ کرتا رہا' تمام سانپ اس کے کرتے کی جیبوں میں واپس چلے گئے تھے اور اب وہ ستون کی طرح زمین پر خاموش کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ترجمان کرتب باز کو اشارہ کیا جس نے دنیش چندر کو اس کا مفہوم سمجھایا' پھر دنیش کے اصرار پر ریتا نے بعض ملازمین کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور کرتب باز نے ملازموں کے ہجوم کے پاس جا کے بار بار اس سے تائید چاہی۔ چھ سات ملازموں کی نشاندہی کرنے کے بعد ریتا نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ کرتب باز نے اسے اور ملازم منتخب کرنے کی دعوت دی جسے ریتا نے منظور نہیں کیا۔ جو سات ملازم بھیڑ سے علیحدہ کئے گئے تھے' وہ سب بہت صحت مند اور توانا تھے لیکن اپنے پچھلے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر نہایت درجے خوف زدہ معلوم ہوتے تھے' انکار کی مجال نہیں تھی۔ چھوٹے سرکار کی خواہش پر بڑی سرکار نے انہیں اپنا کس بل دکھانے کے لئے چنا تھا۔ جوگی تمام باتوں سے بے نیاز میدان میں تنہا کھڑا تھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے' کرتب باز نے ملازموں کو ان کے کام کی نوعیت بتا کے میدان میں چھوڑ دیا۔ وہ سمٹتے جھجکتے آگے بڑھے' جوگی نے آنکھیں گھما کے حقارت آمیز مسکراہٹ سے ان کی پذیرائی کی اور زمین پر اتنی زور سے پیر مارے کہ خاک اڑنے لگی تین ملازم اس طرف اور چار اس طرف' جوگی کے دائیں بائیں ہو گئے اور انہوں نے پہلے جوگی کی انگلیاں نرمی سے پکڑیں' پھر اسکا پہنچا پکڑا۔ دونوں جانب رسہ کشی ہونے لگی۔ جوگی اپنی جگہ سے ہل کے نہیں دیا۔ وہ اسے ایک انچ ایک سوت بھی نہیں ہٹا سکے۔ اب سب کو معلوم ہوا کہ یہ تندرست ملازم کیوں منتخب کر کے بھیجے گئے ہیں اور جوگی کیا چاہتا ہے۔ کرتب باز نے ملازموں کو ایک ہی سمت زور

نے کی ہدایت کی چنانچہ وہ سب اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کے اسے ایک طرف کھینچنے لگے
ر جوگی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ وہ لوہے کا کوئی شخص بن گیا تھا' لوہے کا مجسمہ جسے
ین میں گہری بنیادیں ڈال کے نصب کیا گیا تھا۔ جب ساتوں آدمی پسینے پسینے ہو گئے
جوگی نے اپنا آزاد ہاتھ اٹھایا اور مستانہ انداز میں اور لوگوں کو دعوت دی۔ مظاہرہ
ت دلچسپ صورت اختیار کر گیا تھا۔ مجمع کے ہر شخص کی آنکھ تجسس سے لبریز تھی۔ اس
پھر ریتا کے انتخاب پر کچھ اور ملازم باہر نکالے گئے اور انہیں اپنے ساتھیوں کے
تھ جوگی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے لئے میدان میں چھوڑ دیا گیا۔ بارہ آدمی تمام تر
ت سے زور کر رہے تھے اور جوگی تھا کہ اس کے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کے ریتا کے پیچھے' پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے انگریز
بانوں اور افسروں میں جھرجھری پیدا ہوئی' ایک دربان نے اس کے کان میں کچھ کہا'
رتب باز نگاہ شناس تھا' سمجھ گیا کہ بڑی سرکار کا مدعا کیا ہے۔ اس نے اشاروں
شاروں میں جوگی کا عندیہ لے کے انہیں بھی پیشکش کی کہ وہ میدان میں آ کے جوگی کو
ن کی جگہ سے متحرک کرنے کا شوق ضرور پورا کریں' چار مہم جو انگریز میدان میں اتر
ئے' ان میں سے دو دربان تھے' چاروں پر ہندوستان کی چربی چڑھی ہوئی تھی' صحت
ثال تھی' خون چھلکا پڑتا تھا۔ انہوں نے زور لگانے سے پہلے جوگی کا بہ غور سروے کیا۔
زم ادب سے پیچھے ہٹ گئے کہ سرکار نے ہندوستان فتح کیا ہے' دیکھیں' اب جوگی کو
یسے فتح کرتے ہیں مگر سرکار کے جسم میں طاقت کے علاوہ دماغ میں گودا بھی تھا جس
ن ہندوستانیوں میں بڑی کمی ہے۔ انہوں نے تنہا طاقت آزمانے کی کوشش نہیں کی'
زموں کو بھی ساتھ ملایا' کوئی جوگی کے جسم سے چمٹا' کسی نے ہاتھ پکڑا' کسی نے
نہیں زمین سے اکھاڑنے کے لئے زور مارا۔ غرضیکہ کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جو روا نہ رکھا
گیا ہو' زمین نے جوگی کو پکڑ لیا تھا اور ضد پر اتر آئی تھی۔ جوگی آہنیں چٹان کی طرح
کھڑا رہا۔ انگریز بھی نادم ہو گئے۔ پھر چار اور ملازم ان کی مدد کو آئے۔ بیس آدمیوں کی
مشترکہ توانائی سے بھی کام نہ بنا۔ کرتب باز کچھ اور آدمیوں کو بلانے کے لئے دنیش
کے حضور پیش ہوا۔ ریتا نے انکار کر دیا۔ صرف ایک آدمی اتنے بڑے مجمع کو ہوٹ کر
رہا تھا۔ مزید آدمی بھیجے جاتے اور وہ بھی ناکام ہو جاتے تو بڑی اہانت ہوتی۔ بیس
آدمیوں کی فوج جوگی پر یلغار کرتی رہی۔ تیز رفتاری میں دور سے آ کے دھکے بھی
مارے گئے مگر جوگی کا بت نہیں گرا' آخر دنیش چندر کی ہدایت پر سب کو میدان سے ہٹا

لیا گیا۔

یہ جوگی کا آخری مظاہرہ تھا' دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا بلکہ گز تھا لیکن مظاہرہ اتنا دلچسپ اور حیران کن تھا کہ سب اپنی نشتوں پر آخر تک رہے۔ سندھیا بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کے ٹھہر گئی تھی' خیال تھا کہ جوگی ا دائرے سے باہر جائے گا مگر وہ وہیں نصب رہا' اس نے صرف اپنا سر ہلایا اور اس گردن ادھر سے ادھر گھومتی ہوئی پنڈتوں کے گروہ کی جانب ٹھہر گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ غضب ناک انداز میں ہماری طرف بلند کیا۔ کرتب باز بھاگا ہوا پنڈت ایشوری لال کے پاس آیا اور دہائی دینے لگا۔ ''مہاراج کوئی اپائے کیجئے' وہ چاہتا ہے کہ ا آپ ہٹائیں۔''

پنڈت ایشوری لال ناراضی سے اپنے کرچھے کو حرکت دینے لگا۔ اس کی آنکھیں لال ہو گئیں اور اس نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک پنڈت کے کشکول سے راکھ اٹھا کے اس پر پھینک دی۔ وہ دفعتاً بلکنے لگا۔ پھر اس نے مضبوطی سے پنڈت کے پیر پکڑ لئے۔ ''شما کیجئے مہاراج! یہ میری نہیں' اس کی اچھا ہے۔'' اس نے گڑگڑا کر کہا۔ ہر شخص پنڈت ایشوری لال کا ردعمل جاننے کا مشتاق تھا۔ بھون میں پنڈت کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ پنڈت کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے اور کرتب باز اس سے مسلسل التجائیں کر رہا تھا۔ ادھر جوگی کی قہر آلود آنکھ اور اس کا اٹھا ہوا ہاتھ بدستور ہماری جانب تھا' کرتب باز ایک نظر اسے دیکھتا' دوسری نظر پنڈت پر ڈالتا۔ مجھے پنڈت سے گہری ہمدردی ہوئی' جوگی کے تیور شروع سے اشتعال انگیز تھے۔ میں پنڈت کی مجبوری سمجھتا تھا۔ دونوں صورتوں میں اس کی توہین تھی۔ اگر وہ اٹھ کر چلا جاتا اور کامیاب ہو جاتا تب بھی اور ناکام ہو جاتا تب بھی' وہ شش و پنج میں مبتلا تھا اور بار بار اپنا کرچھا زمین پر مار رہا تھا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر بدبداتا' آنکھیں بند کرتا' کھو جاتا اور کرتب باز کو دھتکارتا۔ پھر پنڈت کو اچانک جوش آیا' اس نے کرتب باز کے بال پکڑ کر اس کا منہ میری گود میں دے دیا۔ ''مجھے بعد میں لے جانا' پہلے اسے لے جا۔'' اس نے یہ کہا تو میرے جسم میں اچانک سنسنی دوڑ گئی۔

''میں؟'' میں نے کھلے ہوئے منہ سے کہا۔

''ہاں جاؤ مہاراج! اس بڑبولے کو اپنی شکتی دکھا دو اور ہمارا مان بڑھاؤ۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے اس کا کرچھا چھین کر کہا۔

''جاؤ مہاراج!'' وہ ملتجی ہو کے بولا۔ ''جاؤ۔''

''مگر پنڈت۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔ ''تم' تم۔''

پنڈت نے میری کمر پر ہاتھ رکھ کے وحشت میں کہا۔ ''جاؤ' جاؤ۔''

مجمع کے ہر شخص نے دیکھ لیا تھا کہ پنڈت مجھے میدان میں جانے پر اکسا رہا ہے۔ پنڈت نے اچانک بھرے مجمع میں اپنی بلا مجھ پر ٹال دی تھی۔ اس نے مجھے داؤ پر لگا دیا تھا۔ میں گنگ ہو گیا۔ چند لمحوں کے لئے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کس طرح انکار کروں؟ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ جوگی کی طاقت کا مظاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ پستول چلانا اور گھوڑا پھینک دینا اور بات ہے' یہ تو معاملہ ہی مختلف تھا حالانکہ کئی بار جی تو میرا بھی مچلا تھا کہ میں اس سرکش خوں خوار اور غضب ناک جوگی کو جا کے آزماؤں۔ میرے تذبذب اور ہچکچاہٹ پر پنڈت کا اصرار بڑھتا گیا۔ ''جاؤ مہاراج! آج سب کو بتا دو کہ تم کیا ہو۔''

''تم کیوں نہیں جاتے؟'' میں نے گرج کر کہا۔

''تمہارے سامنے میں کیسے جا سکتا ہوں۔'' وہ عاجزی سے بولا۔

پنڈت کے وثوق سے میرے ذہن میں کیچو کا ہیولا لپکا اور ایک طوفان سا برپا ہو گیا اور فیصلہ کرنے میں مجھے چند لمحے لگے۔ یوں بھی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اپنے آپ کو داؤ پر لگا کے میدان میں اتر پڑوں کیونکہ سب نے پنڈت کو مجھ سے اصرار کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرے پاس انیتا کا پستول تھا جس میں دو گولیاں باقی بچی تھیں۔ میں ناکامی کی صورت میں اسے اپنے کام میں لا سکتا تھا' جیت ہوئی تو ان مہہ وشوں کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت ہو جائے گی' ہار ہوئی' تب بھی جیت اپنی ہی ہو گی' وہ بھی کیا یاد کریں گی کہ ایک غیرت مند شخص تھا۔ اپنا تذکرہ تو ٹھاٹ سے ہوتا رہے گا۔ زندگی ادھار کی ہے۔ اسی شان سے یہ قرض ادا ہو جائے' میں اٹھ کے نیچے آیا تو ہجوم میں کھلبلی مچ گئی۔ اس بار یہ میرا گمان نہیں تھا۔ دنیش' ریتا اور پارو بے اختیارانہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے' ادھر اور بھی بہت سے لوگ بے تابانہ کھڑے ہو گئے تھے' مجھے ان کا شمار کرنے کی فرصت نہیں تھی۔ ''ادھر آؤ۔'' اسی لمحے دنیش نے چیخ کر مجھے آواز دی۔ میں نے اپنے دوست راج کمار کی بات نہیں مانی اور بھاگتا ہوا اس دائرے میں داخل ہو گیا جو جوگی نے اپنے پیروں سے بنایا تھا۔ یہاں آ کے میں نے غور سے گوشت کے اس ستون کا جائزہ لیا جس نے اپنے کمال اور طاقت سے سب کو ششدر

کر رکھا تھا۔ میری آہٹ پر اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں میں پیوست کرنے
چاہیں۔ میں نے انہیں اپنے اندر نہیں گھسنے دیا۔ پہلی بار اس کی پیشانی پر شکن
ہوئی اور اس کی پتلیاں مرتعش ہوئیں۔ وہ ایک دیوقامت اور کریہہ النظر آدمی تھا لیکن
گوشت کا بنا ہوا تھا۔ یکایک اس نے ایک لرزہ خیز چیخ ماری جسے میں نے برداشت
لیا اور سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے سامنے منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ میں ان سب کو
ایک بار دیکھنا چاہتا تھا، میری نظر چہروں پر پھسلتی رہی مجھے بے قرار شاردا نظر آئی
ہذیانی اشاروں سے مجھے منع کر رہی تھی۔ مجھے پارو نظر آئی جس نے اپنا چہرہ دونوں
ہاتھوں سے چھپا لیا تھا، مجھے ریتا نظر آئی جو دنیش کا بازو جھنجوڑتی ہوئی اسے مجبور کر رہی
تھی کہ وہ مجھے کسی طرح روکے، مجھے سندھیا نظر آئی جو رونے لگی تھی، میں نے پریت کو
دیکھا۔ اس کی حالت بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھی۔ قرار تو اسے بھی نہیں ہونا چاہئے
تھا کیونکہ اس سے میرے مراسم بالمشافہ نہ سہی، غائبانہ تو خاصے تھے پھر ان میں مجھے
ایک چہرہ نظر آیا جسے میں دیر سے تلاش کر رہا تھا۔ وہ انیتا تھی، کنور جگ دیپ کی مایہ
ناز بہن۔ میں نے اسے توجہ سے دیکھا، مجھے کچھ سکون ہوا۔ عجیب بات ہے کہ جب بھی
کبھی کسی کو سوگوار دیکھ کے بھی سکون ملتا ہے۔

جوگی نے ایک اور چیخ مار کے مجھے متنبہ کیا۔ میں نے ان سب سے منہ موڑ
کر اس کی جانب نگاہ کی اور اس کے گرد گھوم کے اپنے ہاتھ بڑھائے۔ میں اسے کولہوں
سے پکڑنا چاہتا تھا، ایک ہی لمحے میں فیصلہ ہونے والا تھا۔ نہ جانے کیوں اس پر ہاتھ
ڈالنے سے پہلے میں نے پنڈت ایشوری لال کا نشانہ لینا بھی مناسب سمجھا۔ میں نے
سوچا چلتے چلتے ایک گولی اسے بھی مارتا جاؤں گا۔ میرے ہاتھ کھلی قینچی کی طرح پھیلے
ہوئے تھے۔ احتیاط سے میں نے انہیں جوگی کے کولہوں کے نچلے حصے پر رکھا۔ وہ
گوشت ہی کے کولہے تھے، پھر میں نے کسی قدر جھک کے ہاتھ اٹھائے اور اپنے
بازوؤں سے اس کے نچلے دھڑ کا محاصرہ کر لیا، میں سمجھتا تھا کہ وہ زمین میں گڑا ہوا ہے،
اس خیال سے جیسے ہی میں نے اسے جھٹکا دیا، وہ زمین سے مولی کی طرح اکھڑ گیا اور
میں پیچھے کی طرف گرتے گرتے بچا، مجھے یقین نہیں آیا لیکن اس کا زندہ لاشہ میرے
کاندھے پر موجود تھا اور ہر طرف شور مچ رہا تھا۔ وہ گینڈا میرے پنجے سے آزاد ہونے
کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، میں نے اسے کچھ اور اچھال کے اس کی دونوں ٹانگیں
پکڑ لیں، سیڑھیوں پر افراتفری مچ گئی تھی۔ اوپر کے لوگ کود کر نیچے آ گئے تھے اور نیچے

کے میدان میں میری طرف بھاگتے ہوئے بڑھ رہے تھے، میں اسے اپنی کمر پر ڈالے
نمودار ہوئے ریتا کے پاس لے آیا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر میدان میں آ گئی تھی۔ میں
نے جوگی کو حقارت سے اس کے قدموں میں پھینک دیا۔ وہ دہاڑتا ہوا گرا اور مچلا، پھر
کر ٹھ کر غصے میں میری طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے منہ پر ایک بھرپور ٹھوکر
رسید کی۔ شاید اس کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہوا گیا تھا۔ مجھے اسے دوبارہ دیکھنے کا
جو موقع نہیں ملا کیونکہ چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا گیا تھا۔ دنیش چندر نے جوشیلے انداز
میں دونوں ہاتھوں سے میرے شانے پکڑے ہوئے تھے اور انگریز مجھ سے ہاتھ ملانے
کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے بہت سے لوگوں کے درمیان گھر کے میری حالت دگرگوں
ہو گئی۔ ان سب نے چاروں طرف سے اٹد کے اتنی تیزی سے میرے گرد حلقہ بنایا کہ
مجھے اپنا رویہ متعین کرنے کا وقت نہیں مل سکا۔ میں نے گھبرا کے دنیش کو دیکھا۔ اس کا
بس چلتا تو وہ مجھے صندوق میں بند کر کے بھگا لے جاتا مگر وہاں شہر، چھاؤنی اور بھون
کے ممتاز لوگ موجود تھے۔ ادھر انگریز تھے، ادھر راج کماریاں، رانیاں، راج کمار سریش
چندر اور خصوصاً ریاستی امراء کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں وہ سب حیرت زدہ تھے۔ مجھے
ایک ملازم کا انکسار برتنے میں بھی پس و پیش تھا کیونکہ اس ہنگامی موقع پر میرے تصنع
سے دنیش، پارو، ریتا اور شاردا پر اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا۔ ویسے بھی عقل و شعور کا اطلاق
بر وقت نہیں ہو پاتا۔ ایسا ہوتا تو یہ دنیا دیکھنے کی جگہ ہوتی۔ بھیڑ دیکھ کے مجھے اپنی بدمستی
کا احساس ہو گیا۔ مجھے اس گرمی و سرگرمی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھے۔ مجمع میں کون تھا
جسے جوگی نے چیلنج نہیں کیا تھا، پنڈت ایشوری لال صورت حال سے جیسے تمتما، تمتما
میں اس کا رشتے دار کیوں بن گیا؟ اصل میں جوگی نے اپنی طاقت کے لاف و گزاف
سے جسم خشک کر دیا تھا۔ پنڈت کے دیا سلائی دکھاتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔ وہ لمحہ ٹل جاتا
تو یہ بدنامی نہ ہوتی سنا ہے، عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ انہی چیزوں پر کیا
منحصر ہے اور بھی چیزیں ہیں۔ مثلاً زر، طاقت وغیرہ۔ جب طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو
کھڑکیوں سے پردے اور چہروں سے نقابیں کھسوٹ لے جاتی ہیں۔ جو طوفان میں خود
کو بچا لے گیا، وہ کندن ہو گیا، پارس ہو گیا۔ میر جمشید عالم تو بڑے برخوردار سعادت
آثار واقع ہوئے تھے۔

پنڈت ایشوری لال کے آنے پر لوگوں نے گلی بنا کے اسے راستہ دیا۔ اس
وقت پنڈت کا چہرہ قندھاری انار کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے آتے ہی اپنا کرچھا

میرے گرد گھمایا اور میرے ماتھے پر انگوٹھے کا نشان ثبت کیا' انگریزوں کے لئے یہ منظر دیدنی تھا' میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں پنڈت کو تاڑا تو وہ اپنی عقیدت کے اظہار میں کچھ محتاط ہوا۔ پھر بھی وہ چرب زبان تبصرہ کرنے سے نہیں چوکا۔ کہنے لگا۔ ''دھنیہ ہیں وہ استھان جہاں ایسے بلوان موجود ہیں۔''

میں اب تک یکسر خاموش تھا' جو کچھ ہوا' وہ آناً فاناً ہوا' سنبھلنے اور سوچنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ میدان میں ہر طرف انتشار ہو گیا تھا۔ میں ایک نظر اس گرانڈیل جوگی کو دیکھنے کی فکر میں تھا مگر وہ اپنا انعام لئے بغیر چپ چاپ نکل گیا۔ پارو نے میری کیفیت کا اندازہ لگا کے ریتا کو کھینچنا چاہا۔ ریتا' دنیش چندر کے پہلو سے لگی جمی ہوئی کھڑی تھی۔ کسی نے میرے ہاتھ میں چٹکی لی تو میں نے اچھل کر دیکھا' نازک اندام سندھیا' پستی ہوئی کسی نہ کسی طرح اندر گھس آئی تھی اور اس نے اپنے تیز ناخن چبھو کے مجھے الگ پریشان کر رکھا تھا' پارو ریتا کو وہاں سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تو رفتہ رفتہ سبھی میرے پاس سے ہٹنے لگے' ثابت ہوا کہ میرے نزدیک انگریز آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ کی بلند اختر صاحبزادی کی موجودگی بھی لوگوں کو کشاں کشاں لے آئی تھی۔ رفتہ رفتہ سبھی میرے پاس سے ہٹ گئے' صرف پنڈت اور اس کے ساتھی رہ گئے۔ ''جاؤ پنڈت' جاؤ۔'' میں نے برہم ہو کے کہا۔

''کیوں مہاراج! سیوک سے کیا غلطی ہو گئی؟'' وہ گھبرا کے بولا۔

''میں کہتا ہوں' مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' میں نے غصے سے کہا۔ پنڈت اداس ہو گیا۔ وہ مایوسی سے سر ہلاتا رہا اور کوئی لفظ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اس اثنا میں بہت سے لوگ واپس جا چکے تھے' پریت اور انیتا تو شاید سب سے پہلے چلی گئی تھیں۔

شارد ایک کونے میں خاموش کھڑی تھی' میں دانستہ اس کی طرف سے گزرا۔ وہ آہستگی سے بولی۔ ''اچھا نہیں لگا۔''

''خود مجھے بھی۔'' میں یہ کہتا ہوا گزر گیا اور اپنے خاص ملازم ساتھیوں کے درمیان آ گیا۔ وہ بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے' انہوں نے مجھے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ ان میں وہ ملازم بھی شامل تھے جنہوں نے جوگی کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی۔ وہ مجھ سے جوگی کو کسی پھول بدن لڑکی کے مانند اٹھانے کا راز پوچھنا چاہتے تھے۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ اس کا وزن تو چند سیر بھی نہیں تھا اور وہ فٹ بال کی طرح میرے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ مجھے وہ سب کچھ بہت

آسان لگا تھا البتہ جس انداز سے اسے اہمیت دی جا رہی تھی' وہ بہت عجیب سا معلوم ہوا۔

میدان عبور کر کے میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بھون کی عمارتوں کی طرف آ رہا تھا کہ ایک انگریز نے میرا راستہ روک لیا اور کسی قدر شستہ ہندوستانی میں بولا۔ ''مسٹر موہن! تم بہت دلچسپ شخص ہو' مجھے تم سے مل کے خوشی ہوئی۔ میرا نام جیکسن ہے۔'' اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا' اس کے لہجے کی کاٹ سے میں چونک پڑا اور میں نے عاجزانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ ''سنا ہے' اس سے پہلے تم نے اسی میدان میں ایک تیز رفتار گھوڑا' اس کے سوار سمیت لوٹ دیا تھا؟'' وہ میرے سلام سے مطمئن نہیں ہوا تو بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''تم نے اور کیا کیا' کیا؟'' یہ آخری جملہ مجھے خاصا بھاری محسوس ہوا۔

جواب تو میرے پاس بہت تھے لیکن کوئی ایک جواب بھی مجھ سے نہیں دیا جا سکا۔ ''ابھی تو کچھ زیادہ نہیں کیا جناب! زندگی رہی تو شاید کچھ کر جانے کا موقع مل جائے۔'' میرا لہجہ شرم آلود تھا' انگریزوں کو ہندوستانیوں کی زبان کی حیا بہت بھاتی ہے' عورتوں اور بچوں والی شرم۔

''بہت خوب۔'' وہ مسکرایا۔ ''میں تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے پھرتیلے انداز میں کہا اور مشتاق نظروں سے میرا جائزہ لیتا رہا' مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی جگہ ترازو رکھی ہو۔

''ضرور جناب' خدمت کا موقع دیجئے' ہم لوگ تو خدمت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔'' میں ہندوستانی کہتے کہتے رہ گیا۔

اس نے خسروانہ شان سے ہنکاری بھری اور کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''تم نے کبھی میجر رابرٹ سے ملاقات کی ہے؟''

زمین اچانک میرے پیروں کے نیچے سے کھسکنے لگی۔ آنکھوں کے آگے دھند چھا گئی۔ میں نے اپنا گرتا ہوا جسم سنبھالنے کی کوشش کی اور پتہ نہیں کس لہجے میں جواب دیا۔ ''نہیں جناب! میں انہیں نہیں جانتا۔''

''ہُنھ۔'' وہ کچھ اور سوال کرنا چاہتا تھا مگر کچھ خیال کر کے چپ ہو گیا' میں بھی کچھ خیال کر کے خاموش رہا۔ کم گوئی ہزار بیماریوں سے نجات دلاتی ہے۔ خصوصاً ملازموں کے لئے یہ تیر بہدف ٹوٹکا ہے' زر کی جھنکار کے ساتھ کچھ بولو تو بات میں

عجب کیف پیدا ہو جاتا ہے۔

میں ادب سے کھڑا ہوا اس کے دوسرے سوال کا منتظر تھا۔ پھر میں نے اچانک ایک قدم آگے بڑھا کے کہا۔ ''اجازت ہے جناب؟''

''ہا آں'' وہ چونکتے ہوئے بولا اور مجھے شاباش دیتا ہوا خود راستے سے ہٹ گیا۔ مجھے اس کی صحبت سے کافور کی بو آئی۔ انگریز ناپ تول میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں' اس نے میرا صحیح تخمینہ لگایا بھی یا نہیں؟ کہیں قبر چھوٹی نہ ہو جائے۔ مجھے پسینہ اس وقت آنا چاہئے تھا جب میں نے جوگی کا قلعہ نما جسم اٹھایا تھا مگر پسینہ اب آ رہا تھا۔ جیکسن کے لہجے میں ایسا تاثر تھا کہ زندگی بے حقیقت معلوم ہونے لگی تھی۔ یہ بہت مناسب ہوا کہ اس نے ریس کے میدان سے باہر نکلتے ہی ٹوک دیا۔ کدھر جا رہا ہے بنجارے؟ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا۔ بنجارہ اطمینان سے دنیش چندر کے محل میں داخل ہو گیا۔ راہ داری میں کچھ ایسے لوگ نظر آئے' جن سے ادھار لینا اور جنہیں ادھار واپس کرنا تھا' بس ایک ہی الجھن تھی کہ قرض واپس نہ کرنے کی شرمندگی نہ رہ جائے' بنجارہ سکون سے جا سکے۔

رات' ریتا نے بھی فون پر کچھ ایسی ہی ڈرا دینے والی بات کی تھی۔ رابرٹ کی لاش ابھی تک دریافت نہیں ہوئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ چھاؤنی کے لوگ اپنے فرض شناس اور ہر دل عزیز افسر کی تلاش میں کہاں کہاں کمند نہ پھینک رہے ہوں گے' ریتا کیا بات کہنے والی تھی؟ مجھے بے چینی ہونے لگی تھی مگر رات ہونے سے پہلے اس سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا اور رات ہونے میں بہت وقت باقی تھا' میں ذہنی طور پر اتنا ناپختہ بھی نہیں تھا کہ جیکسن کی اچانک شرف باریابی کی فیاضی اور نوازش و التفات سے معانی اخذ نہ کرتا۔ ضرور کہیں کوئی پیچ پڑ گیا تھا حالانکہ دیواروں کو سنانے میں بھی احتیاط برتی گئی تھی۔ ایک بات تو پہلے ہی واضح تھی کہ انگریز جب میجر رابرٹ کے سلسلے میں راجے پور کے متوقع گدی نشین ہز ہائی نس کنور جگ دیپ' ہز ہائی نس کماری پربت سے رابطہ قائم کریں گے تو وہ دنیش چندر اور اس کے غلام کے متعلق کنایوں اور علامتوں میں یقیناً مشق سخن فرمائیں گے لیکن انگریزوں کی سخن فہمی سے یہ توقع تھی کہ وہ دوسری طرف کا کلام سنے بغیر ملک الشعراء کا منصب عطا کرنے میں تحمل سے کام لیں گے۔ سو یہ جو کچھ تھا' جیکسن صاحب کا حقیر کے پاس چند لمحے کھڑے ہو کے اعزاز بخشنا' یہ سب اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا جسے ایک نہ ایک دن بہرحال کسی

نتیجے پر پہنچنا تھا۔ اندر لنچ کا زور و شور تھا کھانے کے بڑے کمرے میں تمام لوگ جمع ہو چکے تھے مجھے حیرت ہوئی کہ اس موقع پر دنیش چندر اپنی خواب گاہ میں موجود تھا اور سخت پریشان نظر آتا تھا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ ''موہن۔'' اس نے بے چینی سے کہا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے' بہت مشکل سے ناسازیٔ مزاج کا بہانہ کر کے لنچ سے اٹھ کے آیا ہوں۔ تم نے آج بہت بڑا خطرہ مول لے لیا ہے۔ تمہیں بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہو گیا تھا؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اور خود کو رسوا کیا۔'' میں نے پشیمانی سے کہا۔ ''اب راجے پور کی گلی گلی میں چرچا ہو گا۔''

''ایک اعتبار سے تو خیر یہ درست ہوا لیکن تم اتنے یقین سے اس کے پاس کیسے پہنچ گئے تھے؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ شاید میرے یقین ہی نے اسے متزلزل کر دیا۔''

''ہاں۔'' وہ الجھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا یقین ایک چٹان ہے' کوئی دن بھی ایسا نہیں جاتا' جب تم چونکانے سے باز رہو۔''

''یہ بہت برا ہوا کہ میں فوکس میں آ گیا ہوں۔''

''پھر۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''میں تو پہلے ہی یہ اعلان کرنے کی فکر میں تھا۔ مگر اعلان تو اس شان سے ہونا تھا۔''

''انیتا کا کیا حال تھا؟'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''اوہ انیتا۔ موہن!'' وہ شیدائیت سے بولا۔ ''اس نے تمہیں ضرور زخمی کر دیا ہے۔ آج میں نے اس کی ایک ہی جھلک دیکھی۔ خاصی سوگوار معلوم ہو رہی تھی لیکن یہ باتیں بعد میں ہوں گی' مجھے تم سے ایک بے حد ضروری بات کرنی ہے۔ فی الحال تم جوگی والے واقعے پر میری پرجوش مسرت التوا میں ڈال دو۔'' اس نے دروازہ بند کر لیا۔

''لیکن اس سے پہلے۔'' میں نے جھجک کر کہا۔ ''میں آپ سے ایک بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔''

''کہو۔'' وہ میرے پاس بیٹھ کے حیرانی سے بولا۔

''میں نے آپ کو ایک اہم بات نہیں بتائی تھی لیکن شاید اب اس کا منکشف

کرنا ضروری ہو گیا ہے۔'' میں نے سنجیدگی اور اداسی سے کہا۔

''اگر تم میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو زبان روک لو۔'' وہ عجلت میں بولا۔

''نہیں۔'' میں نے بے اختیار اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''میں آپ سے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں سب چیزوں کا اختیار ہے۔'' وہ مجھے بھینچ کر بولا۔

''میں جانتا ہوں پر میں۔ میں اپنے اختیار کا غالباً غلط استعمال کر بیٹھا ہوں۔'' میرے لہجے کے تاسف سے وہ پریشان ہو گیا اور میری صورت دیکھنے لگا۔

''میں نے میجر رابرٹ کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کیا؟'' اس پر جیسے بجلی گری' وہ تڑپ کر اٹھا اور میری جھکی ہوئی ٹھوڑی اٹھا کے سوچا میری آنکھوں میں گھس گیا۔ میرے چہرے پر سکون چھایا ہوا تھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

''آپ کو پریشان کرنا مقصود نہیں تھا لیکن اب یہ بتانا کچھ ضروری ہو گیا ہے۔'' میں نے سرد مہری سے کہا۔ اس کے اوسان معطل ہو گئے۔ ''کیا یہ سچ ہے؟'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''ہاں۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔

''کب اور کہاں؟''

''راجے پور کے نواح میں' بستی سے دور ایک پہاڑی پر۔''

''مگر یہ کس طرح ممکن ہوا؟'' وہ ابھی تک سٹ پٹایا ہوا تھا۔

''میں نے سوچ لیا تھا' وہ صریحاً ہمارے مخالفوں کا دوست تھا۔ اسے راغب کرنے میں دیر لگتی۔ میں نے یہ کام طوالت سے بچنے کے لئے کیا ہے۔''

''تمہارے ساتھ کوئی شریک بھی ہو گا۔ تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟ اوہ' یہ تم نے کیا کر دیا موہن!'' وہ وحشت میں مبتلا ہو گیا۔

''ظاہر ہے میجر رابرٹ سے میرے ایسے مراسم نہیں تھے کہ وہ میری دعوت پر قتل گاہ میں سربکف چلا آتا۔ صرف ایک بار مہاراجہ کی دعوت میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی پروفیسر زاہدی کے روپ میں۔''

''پھر تم نے کون سا منتر پڑھا؟'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''کوئی خاص نہیں۔'' میں نے تفصیل نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''کون شریک تھا؟''

''آپ کے پرستار ہی ہوں گے' نام پوچھ کے کیا کیجئے گا۔''

''نام بتاؤ موہن؟'' وہ مچلنے لگا۔

''اس نے قسم کھلا دی ہے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

''میں قسموں پر یقین نہیں رکھتا۔''

''کوئی سامنے آنا نہیں چاہتا تو پردہ پڑا رہنے دیجئے۔ بس یہ دیکھ لیجئے کہ آپ کے کیسے کیسے جاں نثار کہاں کہاں پڑے ہیں۔''

''کمال ہے' میں ان سے واقف نہیں۔''

''صرف میری واقفیت کافی ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ صرف تمہارے جاں نثار ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں' ایک ہی بات ہے۔ آپ کیا بات کہنے والے تھے؟'' میں نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔

''میں بھی اسی مسئلے پر بات کرنے والا تھا۔ ابھی ابھی مہاراجہ کا فون آیا تھا کہ میجر رابرٹ کی لاش ایک ویران پہاڑ کے نیچے ہزاروں فٹ گہرے غار سے نہایت شکستہ حالت میں برآمد ہوئی ہے' جیپ کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ بظاہر یہ ایک حادثہ ہے مگر انگریز اسے حادثہ ماننے کے لئے کیوں تیار ہوں گے' راجے پور کے عام لوگوں سے اب تک یہ خبر چھپائی گئی ہے' مہاراجہ سخت پریشان معلوم ہوتے تھے۔ کرنل ہارڈنگ اور دوسرے انگریز افسروں نے راج محل میں تقریباً ڈیرہ ڈال دیا ہے' یہ یقیناً مہاراجہ کی حکومت پر بدنامی کا ایک بدنما داغ ہے۔ چھاؤنی کے انگریز افسر ہائی کمان کی توجہ مبذول کرنے کے لئے سارا الزام مہاراجہ پر ڈال دیں گے اور اس نازک صورت حال کا خوب استحصال کریں گے۔''

''یہ تو معاملے کا ایک رخ ہے' میرے پیش نظر دوسرے پہلو بھی ہیں۔''

اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کسی گہری فکر میں ڈوب گیا۔ ''ادھر بھون سے نزدیک چار آدمیوں کی لاشیں پولیس نے دریافت کر لی ہیں اور قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔''

''دنیش بابو! ایک بات بتائیے۔'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''اگر یہ

واقعات تسلسل سے آپ کے ساتھ پیش آتے؟"

"تو میں راجے پور چھوڑ دیتا۔ بلکہ زندہ ہی کیوں رہتا۔ اس روز اگر تم مجھے سانپ سے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو میں کب کا پرانا ہو چکا ہوتا۔ یہ زندگی تو تمہاری دی ہوئی ہے۔"

"اور مجھے آپ نے زندگی دی ہے۔"

"میں نے کیسے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ میری زندگی آپ سے مشروط ہے۔"

"اور میری زندگی تم سے۔" وہ عزم سے کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے اب کرنل پہلی فرصت میں ریتا کو واپس بلوا لے گا۔ تانا بانا بہت الجھ گیا ہے۔"

"ایسے مشغلوں میں یہی ہوتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "کرنل ریتا کو واپس بلانے کی کوشش کرے نہ کرے' ریتا کی مرضی بھی تو کوئی چیز ہے۔"

"ہوں۔ ریتا آمادہ کیوں نہ ہو گی۔ تم نے بڑی شان دار مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے نا۔"

"وہ سب جانتی ہے' انگریز کی بچی ہے' معاملے کی نزاکت کو سمجھتی ہو گی' آپ ہی بتایئے' رات وہ کس طرح یہاں آتی؟"

"موہن!" وہ برہمی سے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ ستارے کہیں ناراض نہ ہو جائیں یا تم مجھے یہ یقین دلاؤ کہ تمہارے پاس ہر زہر کا تریاق موجود ہے یا تم غیر طبعی طاقتوں کے حامل ہو جیسا کہ تم نے متعدد موقعوں پر ثابت کیا ہے۔ میجر رابرٹ کا واقعہ۔" وہ سنسنی خیز آواز میں بولا۔ "سب سے حیرت انگیز ہے' کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے یہ کام کس طرح انجام دیا۔ میں تم سے عاجزانہ درخواست کروں گا کہ ایک ذرا سکون سے کام لو۔ کچھ دنوں کے لئے تم اپنے آپ کو محل کے اس حصے میں محدود کر لو۔ ورنہ میری جان جلتی رہے گی یا پھر ہر معاملے میں مجھے بھی شریک کرو۔"

"دنیش بابو! آپ مجھ سے سکون کی بات کرتے ہیں۔ وہ صبح و شام کی مہلت نہیں دے رہے ہیں۔ پرسوں رات انہوں نے چھاؤنی کے راستے میں مجھے گھیر لیا تھا۔ کل رات یہاں چار آدمی بھیج دیئے۔ رات بھی میں بھاگ سکتا تھا اور پرسوں رات اندھیری پہاڑیوں میں چھپ کے جان بچا سکتا تھا لیکن کیا میں واقعی انہیں چھوڑ دیتا؟ کیا انہیں خود پر حملہ کرنے کی دعوت میں نے دی تھی۔ کس کم بخت کا جی ان باتوں میں

لگتا ہے' یقین کیجئے بہت برا لگتا ہے گولی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا' اگر میں یہ گولیاں ان کی طرف نہ لوٹا دوں تو یہ بھون کے ہر اس شخص کے سینے میں پیوست ہو جائیں گی جو ان کے راستے میں کھڑا ہوا ہے۔ پھر جو وہ چاہتے ہیں' وہی ہو گا اور آپ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

مجھے منانے کے لئے اس نے میری کمر میں اپنے بازو حمائل کر دیئے۔ "میرا مطلب یہ نہیں ہے جان من' میں اس گولی سے ڈرتا ہوں جو کہیں سلپ نہ ہو جائے۔ میں احتیاط کا مشورہ دے رہا ہوں۔ اب تم رات تک یہیں مقید رہو گے تاکہ میں ریتا کی پذیرائی اطمینان سے کر سکوں اور میجر رابرٹ کی موت کے سلسلے میں رونما ہونے والے سیاسی اثرات پر غور کر سکوں۔"

"میں خود رات تک یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ باہر کا موسم اس وقت ناگوار لگ رہا ہے' ہر شخص مجھے یوں گھور کے دیکھتا ہے جیسے میں کوئی آدمی نہیں' جانور ہوں۔ ہو سکے تو پریت اور انیتا کا خیال رکھیے گا۔"

"کہو تو میں انیتا کو یہاں بھیج دوں؟" وہ مسکرا کے بولا اور میرے گال کا بوسہ لے کر باہر نکل گیا۔ خواب گاہ کے برابر کے کمرے میں جا کر میں نے دروازہ بند کر لیا لیکن ذہن کی کھڑکیاں بند نہیں ہو سکیں بلکہ ذہن میں تو الاؤ دہکنے لگا۔

سوچا تھا کہ اس نیم تاریک ٹھنڈے کمرے میں فراغت کے چند لمحے نصیب ہو جائیں گے مگر یہاں تو باہر سے زیادہ بھیڑ تھی۔ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں سے آپ بچنا اور ملنا چاہتے ہوں' ان کی طبعی موجودگی اور ناموجودگی یقینی ہو' وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کپڑوں میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں مگر جب وہ سامنے نہ ہوں تب بھی موجود رہ سکتے ہیں اور اس وقت لباس کی قید نہیں رہتی' آپ انہیں جیسا دیکھنا چاہتے ہیں' دیکھ سکتے ہیں' جس طرح چاہیں' برت سکتے ہیں اور وہ جس طرح چاہیں آپ کو پریشان کر سکتے ہیں۔ میں نے یہاں بہت سے لوگوں کو موجود پایا' کوئی دور کھڑا تھا اور آگے آنے کے لئے بے چین تھا' کوئی قریب کھڑا حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا' کوئی مارنے کی فکر میں تھا' کوئی بچانے کی' کوئی خنجر بدست تھا' کوئی پھول بدست' کوئی لباس میں تھا اور کوئی بے لباس۔

میں اٹھ کے بیٹھ گیا تو سارا کمرہ خالی ہو گیا مگر کوئی کب تک آنکھیں کھلی رکھ سکتا ہے اور کب تک دھوپ میں ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے' بزرگ ایک بات

کہتے ہیں کہ آنکھیں کھلی رکھنے اور دھوپ برداشت کرنے ہی سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سب سے بڑی دانائی تو زندگی کو ٹھوکر مارنا ہے۔ نہ دھوپ کی فکر نہ آنکھوں کی جلن۔ اگر زندگی نے انسانوں سے اپنے عشق کی کبھی کوئی ایک مثال بھی قائم کی ہوتی تو یہ بات دل کو لگتی۔ دانا بھی بے وقوف ہیں۔ جو منہ میں آتا ہے' کہہ دیتے ہیں۔ جو موت سے ڈرتے ہیں' ایسی جہالت کی باتیں وہ کرتے ہیں۔ پاگل آدمی دنیا کی پرواہ نہیں کرتا' سو جو موت کے خوف سے بالا ہوتے ہیں' وہ زندگی کو ٹھوکروں پر اڑاتے ہیں۔ اصل میں آدمی کسی وقت بھی مرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے زندگی سے اس کا ربط و ضبط بہت گہرا ہو چکا ہوتا ہے۔ کچھ زخموں سے سینہ فگار ہوتا ہے۔ کچھ لذتوں سے حواس کو رغبت ہو جاتی ہے' سو وہ ادھیڑ بن میں مبتلا رہتا ہے' اتنی دور تک گاڑی کھینچنے کے بعد یہی سوچتا رہتا ہے کہ کچھ اور کھینچ لو۔ شاید زندگی کا تیور بدل جائے اور بلاشبہ کبھی کبھی بدل بھی جاتا ہے' بہت سے لوگ ضد میں رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ دوسروں کی تقلید میں زندہ رہتے ہیں۔ موت ایک اکھڑ شے ہے' پاس جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ زندگی کے پاس بہت سے کھلونے ہوتے ہیں۔ زندگی بڑی قطامہ ہے۔ بی جمالو ہے' زندگی رنڈی کا کوٹھا ہے' راجے پور کا چمکتا دمکتا بازار ہے' زندگی ایک دوشیزہ ہے جس کے پستان بڑے ہیں اور کمر پتلی ہے اور جس کی عادت خراب ہے اور جو اپنے چمکیلے بدن کی ایک جھلک دکھا کے روپوش ہو جاتی ہے۔

داناؤں کی بات میری سمجھ میں آنے لگی' دریائے ہگلی پر وہ زندگی کی بچی کچھی مجھے روک نہ لیتی تو آج میں کس سکون سے پڑا ہوتا۔ میں پانیوں میں سفر کر رہا ہوتا' کسی مچھلی کے شکم میں آرام کر رہا ہوتا۔ اس وقت یہ فیصلہ کتنا آسان تھا۔ زندگی کے شیطان نے اب کیسے کیسے بت کھڑے کر دیئے تھے۔

دنیش کہتا تھا کہ تانا بانا بہت الجھ گیا ہے۔ وہ مجھے سہا دیتا تھا' تانا بانا تو الجھا ہی گیا تھا کیونکہ زندگی کی تمنا کی گئی تھی' ورنہ ہر کام نہایت آسان تھا۔ یہ صورتیں نظر ہی نہ آتیں جو دل کو اچھی نہیں لگتی تھیں۔ اب بھی فیصلہ کرنے میں کیا دیر لگتی ہے مگر فیصلہ کرنے کی ہمت ہے؟ ضد میں تو کوئی فیصلہ نہیں ہو گا۔ کچھ دور گاڑی اور کھینچ کے دیکھ لی جائے۔

گاڑی آگے بڑھے گی تو نئے نئے مناظر سامنے آئیں گے۔ دن بھی ہو گا رات بھی ہو گی' موسم بھی بدلیں گے' نزلہ بھی ہو گا' بخار بھی آئے گا۔ دنیش کہتا تھا کہ

مہاراجہ سخت پریشان ہیں اور انگریزوں نے راج محل میں تقریباً ڈیرے ڈال دیئے ہیں' پلیس سرگرمی سے ان چار آدمیوں کا قاتل تلاش کر رہی ہے جو بھون کے نزدیک ایک گڑھے میں پائے گئے تھے۔ یہ وقت راجے پور کے نزلے بخار کا تھا۔ ریاست میں ایسی ہنگامہ آرائی پہلے نہیں ہوئی تھی' تمام چیزیں توقعات کے مطابق تھیں۔ اس کے باوجود دل میں ایک خوف جاگزیں تھا۔ مثلاً یہ خوف کہ انگریز اپنے روایتی تحمل کا وطیرہ ترک نہ کر دیں۔ مثلاً یہ خوف کہ کوئی شخص صدموں سے پاگل نہ ہو جائے اور سامنے آتے ہی اچانک دنادن کرنے لگے۔ مثلاً یہ اندیشہ کہ کوئی میری طرح موت کا فیصلہ کر کے اپنے پسماندگان کے لئے تازندگی ناؤ نوش اور گدوں اور تکیوں کا انتظام نہ کر جائے' اس دنیا میں بڑے سے بڑا جی دار اور ایثار پیشہ موجود ہے۔ میری قیمت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اس نیلام میں کنور جگ دیپ کی بولی سب سے بڑی ہو گی۔ کسی کا بھی جی مچل سکتا ہے' دنیش سلپ ہونے والی گولی سے خوف زدہ تھا مگر کوئی اور راستہ کہاں تھا؟ ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا اور اب اس پر سر جھکا کے جانے کو جی نہیں کرتا تھا' میں نے اپنے ذہن کے گھوڑے کی لگام تیزی سے کھینچی' یہ بار بار بدکتا تھا اور ادھر ادھر منہ اٹھا دیتا تھا۔

میں نے پھر آنکھیں موند لیں مگر لیٹے لیٹے ایسا محسوس ہوا جیسے سارے جسم پر مکڑی نے جالا بن دیا ہو' وہی تنہائی' وہی تنہائی کے عفریت' وہی جہنم کی آگ میں نے سوچا' اس آگ پر دنیش کی الماری سے شراب کی بوتل لا کے لوٹ دوں' شراب کی ضرورت اب سمجھ میں آئی۔ اس سے تو آگ بجھانے کا کام لیا جاتا ہے' شراب شیطان کی رشوت ہے مگر ایک عارضی نجات ہے' جب شراب کا پانی خشک ہو جاتا ہے تو آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے اور جب شیطان کا نشہ اتر جاتا ہے تو وہ پھر تنگ کرنے لگتا ہے۔ بسا اوقات جارج کی یاد شدت سے آتی تھی۔ وہ زندگی کو مسلسل ٹھینگا دکھا رہا تھا اور میں موت کو۔ زندگی کا اس قدر مذاق کم ہی لوگوں نے اڑایا ہو گا۔ کون اس سے جا کے کہے کہ اس کا یار کہاں چھپا ہوا ہے' کبھی کبھی اسے تمہاری ضرورت پڑتی ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتا ہے اسے معلوم ہوتا تو وہ دوڑتا ہوا چلا آتا' میں بھی اسے اصل جارج بنا دیتا۔ ایک پستول اس کے ہاتھ میں دے دیتا' جلا بھنا آدمی تھا' خوب نشانے لیتا۔ میں نے کئی بار ارادہ کیا' اپنے محسن شیرازی کو لکھوں کہ وہ کسی آدمی کو تلاش کر کے میرے پاس بھیج دے۔ جارج کو بانو کا حال ضرور معلوم ہو گا۔ کوئی مجھ سے پوچھے کہ تو نے

کلکتے میں کتنے قتل کیے میں اعتراف کروں گا کہ تین کیے' دو آدمیوں کے چھرا مارا' ایک کو زندہ درگور کر دیا۔ معاً کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دنیش کے سوا کون ہو سکتا تھا مگر میں نے دروازہ کھولا تو گھبرا کے پیچھے ہٹ گیا۔ سندھیا لپکتی ہوئی اندر آ گئی' گویا شراب کا مینسپچر تھرکتا ہوا آ گیا۔ ''آپ؟'' میں نے جلدی سے دروازہ بھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں اور کون۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''کھانے کے بعد سب لوگ کافی پی رہے تھے' جب تم کہیں نہ ملے تو میں تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔ دیکھو میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا نا۔''

''پر سندھیا جی؟ کوئی آ گیا تو کیا ہوگا؟'' میں نے گھبراہٹ سے کہا۔

''ہشت' اتنی جلدی کوئی نہیں آئے گا۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''خبر ہے' کیوں آئی ہوں؟'' آنٹی آشا کے پاس پنڈت جی بیٹھے ہیں۔ وہ پنڈت جی سے شکایت کر رہی تھیں کہ انہوں نے جوگی کو اٹھانے کیلئے موہن داس ہی کو کیوں چنا؟ بھون میں اور بھی بہت سے ملازم تھے' وہ کسی پر بھی منتر پڑھ کر اسے میدان میں بھیج سکتے تھے۔ وہ تمہارے بارے میں اچھی باتیں نہیں کر رہی ہیں' تم سے کچھ ناراض معلوم ہوتی ہیں' وہاں کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں' پریت دیدی بھی ایک طرف خاموش بیٹھی تھیں۔ آنٹی آشا نے پنڈت جی کو موتیوں کا ایک ہار بھی دیا ہے' وہ ان کے چرن چھو چھو کے انہیں تمہارے خلاف اکسا رہی تھیں۔ جیسے ہی پنڈت جی اندر آئے' انہوں نے مجھے باہر بھیج دیا' میں دوسرے کمرے میں چھپ کے سب کچھ سنتی رہی۔ پھر وہاں سے بھاگتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔ موہن ! پنڈت جی بہت دھرماتما آدمی ہیں' اگر وہ تم سے ناراض ہو گئے تو؟'' اس نے چند ہی سانسوں میں تمام باتیں کر ڈالیں اور آنکھیں پٹ پٹانے لگی۔

مجھے اس پر بہت پیار آیا۔ دروازے کی چٹخنی نہیں چڑھی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے دونوں ہاتھ وا کر کے اسے اپنے دل سے لگا لیا۔ سندھیا زندگی تھی۔ ایسے لوگ' ایسے پھول' ایسی کلیاں ہی زندگی کی طرف کھینچتی ہیں۔ میرے اور اس کے درمیان کپڑوں کی باریک سی دیوار حائل تھی لیکن اس وقت مجھے وہ دیوار بھی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ میرے دل میں اتر گئی تھی اور وہ کچھ اتنی پریشان تھی کہ دیوار کا سہارا ملتے ہی بے حال ہو گئی۔ ''پنڈت جی بہت بڑے آدمی ہیں موہن۔'' اس کی سانس الجھ رہی تھی۔

''اگر انہوں نے تمہیں کچھ کر دیا تو؟ تم فوراً ان کے پاس جاؤ۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''پتہ نہیں' یہ لوگ کیوں تمہارے اتنے دشمن ہیں۔ انہیں کیا معلوم' پنڈت جی نے اتنے بہت سے لوگوں میں تمہی کو کیوں چنا۔'' میں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے رخسار چوم لیے۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''آپ بس یوں ہی کھڑی رہیے آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔''

''سچ؟'' وہ چہکتی ہوئی بولی۔ ''اب میں بڑی لگتی ہوں نا؟''

''بہت بڑی۔'' میں نے نشیلی آواز میں کہا۔ ''آپ بہت بڑی ہیں۔''

''لیکن تم تو یہیں کھڑے ہو' ارے بھاگ کر پنڈت جی کے پاس جاؤ' جاتے ہی ان کے چرن چھو لینا۔'' وہ میری آغوش میں کسمساتی ہوئی بولی۔

''پہلے میں آپ کو تو دیکھ لوں۔'' میں نے اسے دور کھڑا کر کے اسے سرتاپا دیکھتے ہوئے کہا' وہ شرما گئی' کچے پتوں کی بیل' کچنار کلی' جاڑوں کی دھوپ' اچور کی چٹنی' آج اسے سینے سے علیحدہ کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی اتنی بے ساختگی اور وارفتگی سے میرے بازوؤں میں سمائی ہوئی تھی جیسے تحلیل ہی ہو جائے گی۔ کوئی بھی اندر آ سکتا تھا اس لیے میں نے اسے بے دلی سے علیحدہ کیا۔ ''اب آپ جائیے۔''

''موہن ! میرا جی نہیں چاہتا۔''

''میرا بھی' مگر کوئی اندر آ گیا تو؟''

''ٹھیک ہے۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''مگر تم سیدھے پنڈت جی کے پاس جاؤ گے۔ اب وہ وہاں سے واپس آ رہے ہوں گے۔''

''جاؤں گا' ضرور جاؤں گا۔'' میں نے سکون سے کہا۔

''تم پر کچھ اثر ہی نہیں ہے اگر انہوں نے جادو کر دیا تو؟''

''تو میں مر جاؤں گا۔''

''نہیں۔'' وہ میرے سینے پر گھونسا مارتے ہوئے بولی۔ ''نہیں۔'' میں نے باہر جھانک کے اسے فوراً واپس کر دیا۔ وہ کھٹ مٹھے انگور کھلا کے چلی گئی' قیامت برپا کر کے چلی گئی' اپنے تیور دکھا کے چلی گئی۔ جتا گئی کہ حسن اپنی تکمیل سے پہلے بھی بہت حسین ہو سکتا ہے' کلی میں بھی خوشبو ہوتی ہے۔ خیریت ہوئی کوئی ادھر پھٹکا نہیں تھا۔ میں دروازہ بند کر کے دوبارہ اپنے کنوئیں میں ڈوب گیا۔ بڑی بڑی آنکھوں والی آشا

دیوی کو میں خوب جانتا تھا۔ وہ راجے پور کے ایک رئیس کی بیوی اور دنیش کی بہن تھی۔ وہ آج بازی گروں کا تماشا دیکھنے خاص طور پر آئی ہو گی اور باتیں تو ٹھیک تھیں۔ سندھیا میرے خلاف زنان خانے میں ابھرنے والے ایک گروہ کی نشاندہی کر گئی تھی اور یہ مژدہ سنا گئی تھی کہ جوگی کے واقعے کو لوگ پنڈت کا اعجاز سمجھ رہے ہیں۔ گویا میں جس نام وری سے خوف زدہ تھا' وہ ایشوری لال کے نام سے منسوب کی جا رہی تھی۔ پنڈت کے تو مزے آ گئے۔ اب تو اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہوں گے۔ انگریز ایسے کرشموں پر یقین نہیں رکھتے تھے' اسی لیے جیکسن مجھے مبارکباد دینے آ گیا تھا۔ شروع شروع میں وہاں موجود لوگ بھی یہی سمجھے تھے مگر پنڈت کے ٹونے ٹوٹکے دیکھ کے انہوں نے رائے بدل دی ہو گی۔ اعتراف کرنے کی صلاحیت لوگوں میں کم ہوتی ہے۔ سب سے دلچسپ بات سندھیا کی خبر میں پریت کی موجودگی کا ذکر تھا۔ بات پستول سے جنتر منتر تک آ گئی تھی۔

رات ہونے تک دنیش دوبارہ مجھے دیکھنے آیا اور ریاست میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات سنا کے چلا گیا۔ اس کے بیان کے مطابق موقع واردات کی ایک ایک نشانی محفوظ کی جا رہی تھی۔ مہاراجا نے ریاست سے باہر جانے والی سڑکوں پر چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ ہر آنے والے کا نام اور گاڑی کا نمبر نوٹ کیا جا رہا تھا۔ دنیش اس اندیشے میں گھلا جا رہا تھا کہ میں نے عجلت میں کوئی نشان تو نہیں چھوڑ دیا۔ جس سہ پہر میجر رابرٹ کا قصہ تمام ہوا اس رات بارش بھی ہوئی تھی۔ بڑے آدمیوں کی موت پر ایسا ہی ہوتا ہے' بارش نے سڑک پر گاڑیوں کے نشانات مٹا دیئے ہوں گے۔

رات کے وقت بھون میں ناچ رنگ کا پروگرام تھا جو ریتا کی تھکن کے باعث منسوخ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اسے اپنی خواب گاہ میں پہنچا کے پارو' دنیش کے پاس مجھے پوچھتی ہوئی پہنچی۔ دنیش نے لاعلمی ظاہر کی' وہ اس امید میں جلد واپس چلی گئی ہو گی کہ میں آج رات اس کے پاس ضرور آؤں گا۔ شاردا نے دنیش سے فون پر میرا حال پوچھا تھا اور فون اس لیے کیا تھا کہ کہیں کل رات والی الجھن نہ پیش آ جائے۔ دنیش نے اس سے کہہ دیا کہ میں نے بڑی مشکل سے موہن داس کو سلایا ہے' وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اس پر شاردا نے اصرار کیا کہ وہ میری نیند خراب نہیں کرے گی' بلکہ نگہبانی کرتی رہے گی۔ وہ کہنا چاہتی ہو گی کہ وہ میرے سرہانے بیٹھی رہے گی اور میرے بالوں میں انگلیاں پھرتی رہے گی مگر دنیش سے کہہ نہ سکی۔ دنیش نے پچیس عذر کر کے اسے

روک دیا۔ جب کسی کے آنے کا شبہ نہیں رہا اور راہ داری میں تیز روشنیوں کے فانوس بجھا دیئے گئے تو دنیش چندر نے مجھے اشارہ کیا کہ میں فون پر ریتا سے رابطہ قائم کروں' اس نے اپنی عظیم الشان خواب گاہ میرے حوالے کر دی اور خود رات گزارنے کیلئے وہ کمرہ منتخب کیا جہاں عموماً میں اپنی تنہائیاں بسر کرتا تھا۔ دل کچھ دھڑکنے لگا تھا۔ دھیمی روشنیاں' ماحول میں بہتی ہوئی موسیقی کی موجیں' یہ خلوت ہو اور کسی کے آنے کا یقین ہو تو دل کی یہی حالت ہو جاتی ہے' جب تک میں نے ریتا کو فون نہیں کیا دنیش میرے قریب ہی بیٹھا رہا اور جب کچھ دیر بعد دروازے پر اس کے آنے کی آہٹ ہوئی تو وہ میرے گال کی چٹکی بھرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اور کچھ دیر بعد وہ پری چھم سے اتری میں اسے دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ اس نے کمال نفاست سے اپنا انگریز بدن ایک مرصع ساڑی میں چھپا رکھا تھا' ایک رنگ ساڑی کا' دوسرا اس کے بدن کا' جیسے شراب بلوریں صراحی میں ڈال دی گئی ہو' اس پر اس کا وہ شرمایا شرمایا سکڑا سکڑا سا والہانہ انداز' وہ چہرے پر پھوٹتی ہوئی سرخیاں' انگلستان کی مخمل' سمندر پار کا جادو' ساڑی میں اس کا بدن کچھ اور ابھر کے آیا تھا۔ میں ٹک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ ''یہ تم ہو؟'' میں نے حیرت سے کہا' وہ مجھے ہاتھ جوڑ کے نمسکار کر رہی تھی۔ میں نے لپک کے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بند کر لیے۔ وہ ایک عالی شان تمکنت سے مسکراتی رہی' ایک مکمل لڑکی میرے سامنے کھڑی تھی۔ شاداب' لبالب' چھلکنے کی دیر تھی۔ پہلے تو میں دزدیدگی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے بے اختیار اس کی سرخ سرخ نازک کلائیوں کا ہار اپنی گردن میں ڈال لیا اور اسے اپنی زنجیروں میں بے تحاشا جکڑ لیا۔

اس نے کچھ نہیں کہا' بس گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔ اس کے سینے کا سمندر گرجتا' شور مچاتا رہا' میں تو بھنور میں پھنس گیا تھا۔ میں تو رودبار کے گرداب میں آ گیا تھا۔ ہمیں صرف چند قدم چل کے صوفے پر بیٹھنے اور خواب گاہ میں جانے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اس کے آنے سے پہلے اس کی مہم سر کرنے کا باقاعدہ منصوبہ میرے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔ وہ مجھے ایک اونچی پہاڑی معلوم ہوتی تھی جسے سر کرنے کے دوران میں کوہ پیما اوپر چڑھتے ہیں اور شام ہونے کے قریب کسی مناسب جگہ خیمہ لگا لیتے ہیں اور دوسرے دن صبح پھر منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے آنے سے پہلے شعور کی یہ حالت تھی لیکن اس نے آتے ہی سب کچھ چھین لیا۔ کسی بات کا

ہوش نہیں رہا' وہ تو آتے ہی مجھے ایک زقند میں سر بہ فلک چوٹی پر لے گئی اور مجھ سے میرا اختیار چھین لیا۔ انگریزوں میں یہی خوبی ہوتی ہے وہ جہاں جاتے ہیں' اختیار چھین لیتے ہیں۔

''پروفیسر!'' اس نے میرے سینے میں سرگوشی کی۔

مجھے افسوس ہے' مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں تم سے قریب نہیں رہ سکا۔'' میں نے رواں انگریزی اور پرجوش لہجے میں کہا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ شاید آج بھی تم نہ مل سکو' میں تمہارے لیے اس دن کا انتظار کر رہی تھی۔'' اس کا غنچہ کھلا جا رہا تھا' سارا بدن لہلا رہا تھا۔

''آج اگر ایسا نہ ہوتا تو میں نقب لگا کے تمہارے کمرے میں آ جاتا۔''

''اوہ۔ اوہ پروفیسر۔'' وہ بے قراری سے بولی۔

''یقیناً تم ایسا کر لیتے' آج تم نے اپنی غیر معمولی طاقت کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا ہے' تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔''

''وہ تو ایک شعبدہ تھا۔'' میں اسے دنیش چندر کی خوابگاہ میں لے آیا۔ ''یہ میرے دوست راج کمار دنیش چندر کی خواب گاہ ہے۔''

''راج کمار کہاں ہیں؟'' وہ ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے بولی۔

''راج کمار ہم سے چھپ گئے ہیں۔'' میں نے شگفتگی سے جواب دیا۔

''ریتا! تم سے باتیں بعد میں ہوں گی پہلے مجھے یہ بات بتاؤ کہ کل رات تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی تھیں؟'' ہم دونوں ایک دوسرے کے بے حد قریب ہو کے کونے پر رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے اور میں نے اس کا سر اپنے دل پر رکھ لیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے لیکن تمہیں بتانا ضروری ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔ ''میرے ساتھ جو نگران عملہ آیا ہے' اس میں برٹش انٹیلی جنس کے اعلیٰ افسر بھی موجود ہیں۔''

''اچھا؟'' میں اپنی حیرت نہ چھپا سکا۔ ''ان کے آنے کا مقصد کیا ہے؟''

''وہی سیاسی اغراض جن سے مجھے نفرت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پہلے میجر رابرٹ کی گمشدگی پر انہیں شبہ تھا کہ اسے ریاست کے کسی خاندان نے اغوا کیا ہے' اب صبح معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ صورت حال سنگین ہو گئی ہے۔ وہ حقائق جاننے کیلئے بے تاب ہیں۔''

مجھے سردی سی محسوس ہوئی پھر بھی میں نے سنبھل کر کہا۔ ''بے شک انہیں ایسا

کرنا چاہیے' میجر کوئی معمولی شخص تو نہیں تھا۔''

''ہوگا۔ میں اس مسئلے پر زیادہ گفتگو نہیں کر سکتی۔ میں تو یہاں تمہیں دیکھنے آئی ہوں۔''

''تو مجھے غور سے دیکھو۔'' میں نے اسے سمیٹ کر کہا۔ اسے زیادہ کریدنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے انتشار میں اس کا بدن کریدنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے کی تمام چیزیں دلکش تھیں۔ ترشی ہوئی آنکھیں' لبریز ہونٹ' رنگین پیشانی' تلوار ابرو۔ میری انگلیاں اس کے چہرے پر تڑپنے لگیں۔ اس کے سلگتے ہوئے ہونٹ لرز رہے تھے۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ یہ دنیش کی خوابگاہ کا فون تھا' مجھے ریسیور اٹھاتے ہوئے جھجک ہوئی لیکن یہ خیال آنے پر کہ دنیش چندر ہی دوسرے کمرے سے شرارت کر رہا ہوگا میں ریتا کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے فون تک لے آیا۔ ''ہیلو۔'' میں نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

''کون؟'' دوسری طرف سے ایک مترنم آواز آئی۔ ''دنیش؟''

''نہیں۔ وہ تشریف نہیں رکھتے۔'' میں نے شائستگی سے کہا۔ ''میں موہن داس' ان کا ملازم بول رہا ہوں' آپ کا شبھ نام؟''

''موہن داس؟'' آواز سے اچانک اضطراب نمایاں ہوا۔

''موہن داس! پروفیسر زاہدی! تم کہاں ہو؟''

''جی۔'' میں نے تعجب سے کہا۔ ''میں موہن داس ہوں۔''

''اوہ۔'' وہ مچل کے بولی۔ ''ہم ایسے کم فہم بھی نہیں ہیں۔''

''آپ کون ہیں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہم کنول ہیں۔'' فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے رہ گیا۔

☆......☆......☆

فون میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔

جسم میں اچانک بجلی سی چمک پڑی۔ زبان سن ہو گئی میں نے مضبوطی سے ریسیور پکڑنے کی کوشش کی اور سٹ پٹائی ہوئی آواز میں کہا۔'' کنول ؟ کون کنول؟ میرے پس وپیش پر وہ لطیف انداز میں کھل کھلا کے ہنسنے لگی۔'' معاف کیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں ؟'' میں نے ایک لمحاتی وقفے کے تذبذب کے بعد کہا۔

'' سوچ لیجئے پروفیسر ! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

'' شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں کوئی پروفیسر نہیں ہوں' راج کمار دنیش چندر کا خاص ملازم موہن داس ہوں۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

' غلط فہمی پہلے ہوئی تھی' صرف ایک بار لیکن جب آپ کو دوسرے روپ میں دیکھا تو سارا شک دور ہو گیا۔ یہ بتائیے پروفیسر کہ آپ ہمارے ہاں دوبارہ کیوں نہیں آئے؟'' وہ اپنی آواز کی مترنم گھنٹیوں کے درمیان بولی۔

'' جی ! '' میں نے حیرانی کا اظہار کیا۔'' میں موہن داس ہوں۔''

'' آپ کو اسی پر اصرار ہے تو چلیے یہی سہی ہم موہن داس صاحب سے مخاطب ہیں۔'' اس نے تمکنت سے کہا۔'' اس دن آپ کو راستے میں دیکھا سواری روکی لیکن آپ نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے۔ درمیان میں کئی مرتبہ آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ فون پر بھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ہم آپ کا انتظار کرتے رہے۔ یقین کیجئے' آپ سے دوبارہ ملنے کی خواہش کئی بار بیدار ہوئی۔''

'' جناب' جناب !'' میں نے گھبرا کے کہا۔'' میں میں۔''

'' اب تکلف چھوڑیے۔'' اس نے میرا جملہ اچک لیا۔'' ہم پر اعتماد کیجئے۔ ہم اجازت کے بغیر پردہ نہیں ہٹاتے۔ سنیے ! مہاراجہ بھی کئی مرتبہ آپ کو یاد کر چکے ہیں۔ کسی دن زحمت کیجئے ۔ ضروری نہیں کہ یہاں آنے کے لیے آپ راج کمار کی

رفاقت ہی کا انتظار کریں۔ آپ کو دروازے کھلے ہوئے ملیں گے یا پھر ہمیں دعوت دیجئے۔''

'' آپ بسر وچشم تشریف لائیے۔'' میں نے پسپائی سے کہا۔

'' لیکن آپ سے وہاں بات کیا ہو سکے گی؟''

'' جی۔'' میں نے ہچکچاہٹ سے کہا اور نیچی آواز میں پوچھا۔''مہاراجہ کیسے ہیں؟ اصل میں آپ کے ہاں آتے ہوئے خاصا ڈر لگتا ہے۔''

'' اور ہمیں یہاں رہتے ہوئے ۔ مہاراجہ بھی ان دنوں کچھ متفکر نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے' آپ کی آمد ان کے لیے خوشگوار ثابت ہو سکے۔''

'' جی ۔'' میں نے مہذب انداز میں کہا۔'' میں حاضری کی کوشش کروں گا۔''

'' بس آپ کا ذکر سنتے رہتے ہیں' کیسی دلچسپ بات ہوئی' آج خود آپ نے فون اٹھا لیا۔'' وہ شادابی سے بولی۔ مسرت اس کے لہجے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ آپ اس وقت مصروف ہوں گے؟

مجھے اچانک ریتا کا خیال آیا۔ وہ میرے پہلو سے چمٹی ہوئی تھی اور اس کا سرخ چہرہ اضطراب سے تمتما رہا تھا۔ میں نے غیر اختیاری طور پر اس کی کمر میں اپنے بازو کا حلقہ تنگ کر دیا۔ اس کے گداز نے شربت کا کام کیا۔ اس نے میرے کندھے پہ سر رکھ دیا تھا ۔ وہ اس بے موقع مداخلت پر برہم سی نظر آ رہی تھی۔ وہ بار بار تجسس سے سر اٹھا کے دیکھتی تھی۔ یہ فون اس قدر غیر متوقع تھا کہ مجھے اس کی موجودگی کا ہوش ہی نہ رہا۔ ریتا ہندوستانی سے ناواقف تھی مگر میری زبان پر کئی مرتبہ کنول' پروفیسر' موہن داس اور مہاراجہ کا ذکر آیا تھا۔ میری پیشانی پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں ابھری تھیں اور زبان لڑکھڑائی تھی۔ یہ سب اس کے لیے تحیر کا سبب تھا۔ رفتہ رفتہ میرے اعصاب معمول پر آئے۔ یہ ریاست راجے پور کی راج کماری کنول کا فون تھا اور وہ مجھ سے جس لہجے میں مخاطب تھی' اس میں گرد وپیش کا ہوش کہاں رہتا ہے۔ میں نے اسے اپنی شاعری کی داد اور اپنے علم کی سند سمجھا اور ریتا کی تشویش دور کرنے کے لیے اسے خود سے قریب کر لیا۔ جواب دینے میں دیر لگی تو فون پر کنول کی غمگین آواز ابھری ۔'' شاید ہم مخل ہوئے؟''

'' نہیں' نہیں۔'' میں نے تیزی سے تردید کی ۔'' میں مصروف نہیں تھا۔ اتفاق سے یہاں راج کمار کی خواب گاہ سے گزر ہوا تو آپ کا فون آ گیا۔''

"آپ ایک حیران کن شخص ہیں۔" وہ اشتیاق سے بولی۔ "آپ کے بارے میں جتنا سوچیے' حیرت بڑھتی جاتی ہے۔"

"اس کا بہترین حل یہ ہے کہ سوچنا ترک کر دیجیے۔ یہ دنیا بہت عجیب ہے' کہاں تک اور کن کن باتوں پر سوچئے گا' تھک جایئے گا۔"

"آپ سچ کہتے ہیں' ہم' لوگوں سے بات کرنے کو ترس گئے ہیں۔"

"سنا ہے' آپ کے ہاں تو ایک شان دار لائبریری ہے؟"

"لیکن کتابوں نے مسئلے کہاں حل کئے ہیں۔ کتابیں ہمیشہ ایک طرح کی دوری برقرار رکھتی ہیں۔"

"پھر بھی اس خرابے میں ان کا دم غنیمت ہے۔" ریتا کسمسا نے لگی تھی۔ لفظوں میں احتیاط بھی ایک دقت طلب کام ہے۔ میں نے جلد ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لیکن میرے پاس ریتا موجود تھی۔ ادھر احتیاط کا خیال رکھتا تھا' ادھر اس کا دامن چھوٹا جاتا تھا۔ "راج کمار کے لیے کوئی پیغام؟" میں نے جھجک کر کہا۔

"نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "انہیں یہ پیغام دینا تھا کہ انہوں نے اپنے حیرت انگیز دوست کو کہاں چھپا رکھا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے مسکرا کے کہا۔ "دیکھیے آپ کو پھر غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"پروفیسر!" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ہم آپ کے منتظر رہیں گے۔"

"بعض اوقات اپنی سماعت مشکوک معلوم ہوتی ہے۔"

"ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔"

قریب تھا کہ ریتا کریڈل پر ہاتھ رکھ کے فون بند کر دیتی۔ حالانکہ انگریز اتنے بدتمیز نہیں ہوتے مگر شکر ہے کہ کنول نے خود ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں ریسیور ہاتھ میں لیے گم سم کھڑا رہا۔ جسم پر ایک سنسنی سی طاری تھی۔ راج کماری کا وہ شاہانہ انداز' وہ کھنکھناتا ہوا لہجہ' وہ آسانی تخاطب' کنول کا سراپا میری آنکھوں میں لہرا رہا تھا۔ راج محل کی عمارت جتنی پرشکوہ تھی' راج محل کی دیواریں' مجسمے' تصویریں اور سازو سامان جتنا نادر تھا' اتنا ہی نادر کنول کا سراپا تھا۔ وہ راج محل کے عالی شان ایوانوں سے پوری مناسبت رکھتی تھی۔ اتنی دل کش لڑکی انہی محلوں میں پیدا ہونی چاہیے تھی۔ اس دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ عمارتیں اپنے مکینوں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ صرف کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے۔ ریتا نے مجھے جھنجوڑا۔ میں خواب و خیال کی طلسماتی دنیا

سے دنیش چندر کی خواب گاہ میں واپس آ گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میرے پہلو میں کون ہے؟ میرے پہلو میں راجے پور کے انگریز آفیسران کمانڈ کی صاحب زادی ریتا موجود تھی۔ جو صرف میرے لیے چھاؤنی سے پرکاش بھون تک کشاں کشاں چلی آئی تھی۔ "کون تھا؟" اس نے اپنا چمکتا ہوا چہرہ میری آنکھوں کے مقابل کرکے بے قراری سے پوچھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟" میں نے خوابیدہ لہجے میں پوچھا۔

"غالباً راج کماری کنول؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی ذہانت کی داد کے طور پر اس کے شہابی رخسار چوم لیے۔

"وہ نہیں تھی' پہچانو تو جانیں۔"

"پھر میں نہیں جانتی۔ تم کچھ گھبرائے گھبرائے معلوم ہوتے تھے۔ شاید کسی اور کو بھی علم ہو گیا ہے کہ تم موہن داس کے علاوہ ایک پروفیسر بھی ہو۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

"ہاں۔" میں نے سرہلا کے کہا۔ "میں عریاں ہو رہا ہوں۔ پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا کہ وہ راج کماری کنول ہے لیکن وہ ایک اور لڑکی تھی جسے میرے بارے میں نہ جانے کہاں سے بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔"

"لڑکیاں تمہارے متعلق جاننے کی جستجو میں رہتی ہوں گی۔ تمہارا چہرہ' تمہارا قد' تم کتنے دل نشین اور وجیہہ آدمی ہو۔ میں جب یہ سوچتی ہوں تو تم کچھ اجنبی سے نظر آتے ہو۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ جملہ میں نے پہلے بھی کہیں سنا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ میں نے چند فٹ پیچھے ہٹ کے اسے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کے بدن سے سرخ رنگ پھوٹا پڑ رہا تھا۔ جیسے شیشے کے بدن میں خون ہی خون بھر دیا گیا ہو۔ میرے اس غیر معمولی اقدام پر وہ شرما گئی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں' بس اسی طرح کھڑی رہو۔"

"نہیں' مجھے اس طرح مت دیکھو۔" وہ مرتعش آواز میں بولی۔

"کیوں؟"

"میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ سکتی مجھے سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔" وہ گرتی ہوئی میرے سینے پر ڈھیر ہو گئی۔ "پروفیسر! تم بہت خطرناک آدمی ہو۔"

میں نے اسے اپنے بازوؤں میں بند کرلیا۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ جیسے وہ کہیں دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔ اس وقت انگلستان کے دل میں کوئی بغض نہیں تھا۔ وہ بری طرح دھڑک رہا تھا اور ایثار پر آمادہ تھا۔ میرے جسم میں اسے خود میں شامل کرلینے کے لیے ایک طوفان اٹھا۔ وہ مجھے ایک بچی کی طرح پیاری اور ایک ہرن کی طرح معصوم لگی۔ کسی سفید بلی کی طرح اسے دبوچنے کو جی چاہا۔ اس نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ میرے جسم سے کیسی لپٹیں اٹھ رہی ہیں۔ یہ باتیں سبھی محسوس کرلیتے ہیں' ایسے لمحوں میں ہر شخص حکیم بن جاتا ہے اور نبض دیکھے بغیر اندر کا حال جان لیتا ہے' اس کے لیے علم و دانائی کی ضرورت نہیں' بس جب کبھی ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے' جذب اور گریز کے عالم میں آسانی سے ایثار کیا جا سکتا ہے' ریتا جیسی ریشمیں لڑکی کہیں موجود ہو اور پوری رات پڑی ہو' کمرے کا دروازہ بند ہو اور اِدھر اُدھر خوش رنگ پردے سرسرا رہے ہوں' دیواروں پر دنیا کے مشہور مصوروں کی تصویریں تیکھی نظروں سے دیکھ رہی ہوں ۔ بستروں' کرسیوں پر ریشم اور گداز بکھرا ہوا ہو' روشنی مدھم سروں میں راگ الاپ رہی ہو تو بدن پگھلنے لگتے ہیں۔ پھر جذب میں آلودگی کہاں رہتی ہے' ایسے میں تو تمام کثافتیں کھرچ کے طاق پر رکھ دی جاتی ہیں مگر یہ سب کچھ نہ ہوتا' یہ خواب ناک حکومت نہ ہوتی' ہم صحرا میں بیٹھے ہوتے اور دھوپ سے ہمارے جسم جھلس رہے ہوتے' تب بھی یہی ہوتا ۔ اس جذب کا سلسلہ تو دور تک جاتا ہے۔ یوں لوگ عارضی مفاہمتیں کرلیتے ہیں جیسے شراب پی اور نشہ ختم ہوا تو جسم پر کپڑے نظر آنے لگے۔ اس مثبت فضا نے آمادگی کی آگ کو ہوا دی' کنول نے مداخلت کرکے کچھ وقفے کے لیے یہ طلسم توڑ دیا تھا مگر ریتا تو سربسر' سموچی میرے سامنے تھی اور اس کا بدن بکھر رہا تھا' سمٹ رہا تھا۔ اس کے بدن پر جگہ جگہ ساڑھی کا نقاب پڑا ہوا تھا۔ انگریزی شراب ہندوستان کے آب خورے میں ڈال دی گئی تھی۔ اس کے قرب میں اتنی تاثیر تھی کہ راج کماری کنول کی آواز کا نشہ ماند پڑ گیا۔ ساڑھی کی ہندوستانی چلمن میں وہ اور حسین' اور طرح دار نظر آرہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے دور ہٹ کے اس کا تفصیل سے مشاہدہ کیا۔ میں نے اس کا سبزہ زار بدن دیکھا۔ میں نے انگلستان

کا اقبال دیکھا۔ انگلستان کا سورج سبھی نے دیکھا ہے۔ میں نے اس کا مہتاب دیکھا۔ اس وقت اس کی خوش نودی میرے پیش نظر نہیں تھی مجھے اپنی خوشنودی مقصود تھی' وہ میرے سینے میں بسی ہوئی تھی اور اس کے بدن کی کچی مٹی کی خوش بو سے دماغ کا رشتہ زمین سے کٹ گیا تھا۔ "ریتا!" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ واقعی تمہیں اجنبیت کا شکوہ ہے؟"

"نہیں' میں نے اجنبیت کا لفظ غلط استعمال کیا تھا' میں کہنا یہ چاہتی تھی کہ ایک موہوم سا خوف ہونے لگتا ہے۔"

"اسی لیے تم نے مجھے ایک خطرناک آدمی کا خطاب دیا ہے؟"

"ہاں شاید یوں ہی پروفیسر! میں محسوس کرتی ہوں کہ میں ایسے عجائب خانے میں کھڑی ہوں جہاں ایک بت کے بہت سے طلب گار ہیں۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق بولی لگا رہا ہے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے' یوں کہو کہ ہر کوئی وہ بت مسمار کر دینا چاہتا ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں پستول' خنجر اور کدال ہے۔"

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں اس شاہکار کی تباہی کا اندیشہ گھلائے دے رہا ہے۔"

"ایسی صورت میں بت کیا کرے؟ ہر دروازے پر پہرا لگا ہوا ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ تم نے صرف ایک دن میں کیا کیا قیاس کرلیا' کیسے کیسے اندازے لگا لیے' تم نے کچھ زیادہ ہی محسوس کرلیا ہے۔"

میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور لرزتی ہوئی آوازیں سنیں۔

"پروفیسر! میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔" وہ بے تابی سے بولی۔ "میں نے ہندوستان کے بڑے تذکرے سنے تھے۔ پھر مجھ سے برداشت نہیں ہوا میں یہاں چلی آئی۔ میں نے کبھی ان سیاسی شعبدے بازیوں کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ یہاں پرکاش بھون میں میرا استقبال ایک ملکہ کی طرح کیا گیا۔ خود میری کوئی ذات نہیں تھی۔ میں انگریز کرنل کی بیٹی ہی رہی۔ کاش میں چھاؤنی سے نہ آتی۔ کاش میری جلد کا رنگ مختلف ہوتا اور میں تم سے کسی چوراہے پر ملتی اور یہ سب نہ دیکھتی۔"

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟ تم نے اپنی گفتگو سے بتدریج متاثر کرنے کی ٹھان لی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم انگلستان کی ایک شوخ و شنگ لڑکی ہو گی جو اس قدر سنجیدہ نہیں

ہوتی لیکن تمہاری مٹی میں مشرق کا خمیر معلوم ہوتا ہے۔ شاید تم انگلستان میں غلطی سے پیدا ہو گئیں۔ یہ سچ ہے کہ لوگوں نے تمہارے قد کی پیائش کرنل ہارڈنگ کے حوالے سے کی ہے لیکن یہ ایک منطقی ردعمل ہے۔ میں تمہارا اعتماد بحال کرتا ہوں۔ تم اپنی ذات سے ایک بہت محترم' محبوب اور خوش نما لڑکی ہو' سمجھیں ؟'' میں نے اسے گدگداتے ہوے کہا۔

'' یقیناً تم نے میرا اعتماد بحال کیا ہے لیکن تم نے اسے متزلزل بھی کیا ہے۔ تمہارے بارے میں یہاں عجیب عجیب چرچے ہیں۔ کچھ کچھ میرے کانوں میں بھی پہنچے ہیں مجھے یہ سب کچھ بہت مضحکہ خیز معلوم ہوا اور خیال آیا کہ تم بھی مجھے انگلستان کی ملکہ سمجھتے ہو۔''

'' تم انگلستان' ایران' توران اور ہندوستان کی ملکہ ہو۔ ایک ملکہ اتنی ہی حسین ہو سکتی ہے' اتنی ہی ذہین' اتنی ہی حساس' اتنی ہی نرم و نازک اور اتنی ہی بے مثال۔''

'' میں تم سے سب کچھ کہہ دینا چاہتی ہوں۔ تم ایک مصروف اور مشکل آدمی ہو ۔ کسے معلوم' پھر وقت ملے نہ ملے' یہاں حالات اتنی تیزی سے بدلتے ہیں کہ کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آج بہت انتظار کے بعد یہ رات آئی ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی' مجھے اس کی سنجیدگی پر حیرت ہوئی۔

'' یہ میری زندگی کی ایک یادگار رات ہے۔''

'' اور میری زندگی کی پہلی رات۔ ایسا محسوس ہوتا ہے' جیسے میں انگلستان سے اسی رات کے حصول کے لیے آئی تھی۔''

'' تم کچھ کہہ رہی تھیں۔'' میں نے اس کی زلفیں سنوارتے ہوئے کہا۔ '' میں بار بار بھول جاتی ہوں' تم نے یہ بے ترتیبی دیکھی' میری بات میں کوئی نظم نہیں ہے۔ مجھے معاف کرتے جانا' میں کیا کہہ رہی تھی؟''

'' تم گمان کر رہی تھیں۔''

'' ہاں ۔'' وہ سرد آہ بھر کے بولی۔ '' میں کہہ رہی تھی کہ تم اس گورکھ دھندے کے ایک کل پرزے معلوم ہوتے ہو اور اسی لیے مجھے ہول آتا ہے۔ میں خود کو بہت حقیر سمجھتی ہوں۔''

'' سنو ریتا !'' میں نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ '' کوئی شخص اپنے

گرد وپیش سے علیحدہ کیسے رہ سکتا ہے اور میں نے تو تمہیں ساری بات بتا دی تھی۔ جب تم ہندوستان نہیں آئی تھیں تب بھی یہی حالات تھے ۔ یہ حالات تو اس وقت سے ہیں' جب سے انگریز ہندوستان آئے ہیں' بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہیں۔ تمہیں یہاں رہتے ہوئے کچھ دن گزر جائیں گے تو یہ باتیں نئی محسوس نہیں ہوں گی۔ یہاں تمہارا استقبال کرنل ہارڈنگ کی صاحب زادی کے طور پر کیا گیا ہے۔ تمہیں انگلستان کا نمائندہ سمجھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مغائرت کی دیواریں ہٹ جائیں ۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ اس سے تمہاری ذات کہاں مجروح ہوتی ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ کیا میری یہ کوشش نہیں ہو گی کہ میں جن لوگوں سے متعلق ہوں اور جن اصولوں پر اعتقاد رکھتا ہوں' ان کی سرفرازی کی تمنا کروں۔ اگر تم یہاں نہ آتیں' تب بھی ہماری یہی کوشش ہوتی' یہ ایک سانحہ ہے مگر جذبوں کے ساتھ ساتھ زندگی کا کاروبار بھی چلتا رہتا ہے۔ بدقسمتی سے صورت کچھ ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ تم نے اپنے دل میں یہ اندیشے پیدا کر لیے ہیں۔ اپنے قریب ہی کے لوگوں سے دکھ درد بیان کیے جاتے ہیں اور دکھ درد بیان کرنے کے لیے لوگوں کو قریب کیا جاتا ہے لیکن میرا تمہارا معاملہ اس سے مستثنٰی ہے۔ میں راج کمار کے ساتھ مہاراجہ کی دعوت میں اس مقصد سے نہیں گیا تھا کہ تم سے ملاقات ہو جائے گی اور پھر تم نے مجھے کرنل کے اشارے پر فون نہیں کیا۔ یہ حادثہ تو یوں ہی سرزد ہو گیا۔ بھلا کل کون پیش گوئی کر سکتا تھا کہ ایک رات آئے گی' جب انگلستان کے آسمان سے ایک پری اترے گی اور ایک نہایت بے مایہ شخص کی آغوش میں تڑپے گی۔ رنگ اس کا لال ہو گا' چہرہ اس کا گلال ہو گا۔ وہ ہنستی ہے تو پھول جھڑتے ہیں اور اس کے رخساروں میں ایک گڑھا سا پڑ جاتا ہے۔ جنت کی یہ وادی بار بار ابھرتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔'' میں اپنے جواب سے خود مطمئن نہیں ہوا۔ میں نے اس کے شانے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ ''بتاؤ' میں تمہارا اعتماد کس طرح واپس کر سکتا ہوں۔''

'' اوہ نہیں پروفیسر !'' وہ میرے شانے پر اپنا سر مارتے ہوئے بولی۔ '' تم نے میری بات کا زیادہ ہی اثر لے لیا۔ اور تم نے اپنی دلیلوں میں ایک دلیل نہیں دی کہ میں خود تمہاری طرف بھاگی ہوئی آئی تھی مگر تم نے اپنے بازو پھیلانے میں خاصے بخل کا مظاہرہ کیا تھا۔ تم ایک بلیغ شخص ہو۔ ایک جامع اور مکمل شخص تم میں اتنی خوبیاں کہاں سے جمع ہو گئیں؟''

"میں نے یہ دلیل اس لیے نہیں دی کہ خود میرے دل میں تمہارے لیے ایک چور چھپا ہوا تھا۔ اس دن دعوت میں تم مجھے بہت اچھی لگیں۔ تمہیں پیار کرنے اور سینے سے لگانے کو جی چاہا تھا اور میں نے یہ دلیل اس لیے نہیں دی کہ اس میں ایک فریاد سی محسوس ہوتی تھی' ایک احتجاج ' تم کرنل ہارڈنگ کی بیٹی ہونا۔ یہ تمہاری ایک ایکسٹرا خوبی ہے۔ بلاشبہ یہ احساس طمانیت پہنچاتا ہے کہ تم ایک بڑے انگریز افسر کی بیٹی ہو ۔ تمہاری قربت میں امان ہے۔ یہ ایک دوآتشہ ہے مگر جزو ہے کل نہیں ہے' میں پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اپنے بازوؤں کے گداز پر یقین نہیں ہے ؟ تمہارے لب پھڑک رہے ہیں۔ تم ایک شان دار درخت ہو جو زرخیز زمینوں پر اگا ہوا ہے۔ کیا کوئی تمہیں دیکھ کے سرسری گزر سکتا ہے ؟ کیا تمہیں اپنی شخصی خوبیوں کا عرفان نہیں ہے؟ تم نے اپنے آپ کو اس قدر کمزور کیوں سمجھا ؟"

"پروفیسر ! " اس نے میرے ہاتھ چوم لیے۔ " تم میں بیان کی بے پناہ قوت ہے تم ہر کسی کو زچ کر دیتے ہو میں اپنے خوف کا اظہار نہیں کرسکی دیکھو نا۔" وہ اٹک اٹک کے بولی ۔ " میں نے تمہارے متعلق کتنا سوچا ہو گا بہت سوچا ہو گا۔ جتنا میں نے سوچا اتنا ہی مجھ پر مایوسی کا غلبہ ہونے لگا۔ میں پریشان ہو گئی میں تمہارا معاملہ سلجھانے کے بجائے اور الجھا بیٹھی۔ " سنو میرا دل کہتا ہے کہ تمہیں کہیں بند کر دوں۔ میں تمہیں کسی کمرے میں بند کردوں تا کہ تم بلاؤں سے محفوظ ہو جاؤ اور تم پر کسی اور کی نظر نہ پڑ سکے۔"

" اوہ ریتا ! ریتا !" میں نے اپنا سر اس کی آغوش میں ڈبو دیا ۔ میرے لہجے میں نہ معلوم کہاں سے درد سمٹ آیا۔ " واقعی مجھے کہیں بند کر دو' مجھ پر تالا لگا دو۔ میری بینائی اور گویائی سلب کرلو۔ میرے متعلق اتنا مت سوچو اور مجھ میں اتنی مت ڈوبو۔ میرے کنارے معدوم ہیں۔ میرے چاروں طرف بھوت رہتے ہیں۔ گولیوں کی آوازوں سے میرے کان زخمی ہو چکے ہیں۔ جہاں سے آئی ہو' واپس چلی جاؤ ۔ یہ زمین تمہیں راس نہیں آئے گی۔ تمہیں انگلستان کی اور لڑکیوں کی طرح ہوش مندی کا ثبوت دینا چاہیے ۔ تم ایک ذہین اور حساس لڑکی ہو۔ تمہیں اپنے زیاں کی فکر کرنی چاہیے۔ میں اپنے ماضی کی الجھنوں سے کمی ٹیڈ ہوں۔ تم اپنے پیش رووں کی تقلید کرو۔ میری دیوار کا سایہ بہت بے اعتبار ہے۔ یہ دیوار کسی بھی لمحے گر پڑے گی۔ بہتر ہے کہ کوئی اور راستہ تلاش کرلیا جائے تم اجنتا ایلورا کی نقاشی دیکھو' تاج محل دیکھو' آگرے کا

قلعہ دیکھو' ٹیکسلا میں بدھوں کی عظیم خانقاہ دیکھو' بنارس کی صبح اور اودھ کی شام دیکھو' بنگال کی زلف اور کشمیر کی آنکھ دیکھو' پنجاب کا حسن' لکھنو کی تازگی دیکھو' ہندوستان میں بڑی عجیب عجیب چیزیں دیکھنے کو پڑی ہیں ۔ میرے تہہ خانے میں تو بڑے جالے ہیں' بچھو اور سانپ ہیں اندھیرے ہیں' تم تو ختم ہو جاؤ گی۔"

میں نے اپنی زبان بند کی تو کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ میں اس کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ دیر تک اس کی سانسوں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔ آخر میں نے اس کی آغوش سے سر ابھارا اور اس کی آنکھیں دیکھ کے حیرت زدہ رہ گیا۔ آفیسر ان کمانڈ کی بلند اختر صاحب زادی رو رہی تھی' انگریز رو رہا تھا' ہندوستانیوں کو یہ منظر کم ہی دیکھنے کو نصیب ہوئے ہوں گے۔ میرا دل لرزنے لگا میں نے اسے احتیاط سے اٹھا کے دنیش چندر کے بستر پر رکھ دیا۔ اس کے بدن میں بوجھ ہی نہیں تھا' وہ پھولوں کی گٹھڑی تھی۔ پھر میں نے مسہری سے سر ٹکا کے اسے خود پر بکھرا دیا اور بیڈ سوئچ دبا کے روشیاں اور کم کر دیں۔ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتی تھی۔ میں نے اسے راجے پور کی بلاخیز کہانی سنانی شروع کی۔ اس کے باپ نے اسے ہندوستان میں انگریزوں کی حکمت کی تعلیم دی ہو گی اور بتایا ہو گا کہ ہندوستانیوں سے کس لہجے میں بات کرنی چاہیے۔ شاید اس پر اس تعلیم کا اثر مرتب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ گیت سننا چاہتی تھی' گلستان میں تتلی بن کر کلی کلی اڑنا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ سوچا ہی نہیں تھا ۔ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ایک الگ لڑکی تھی۔ ایسی لڑکی جو خواب دیکھتی ہے' جو ضد کرتی ہے اور دھو میں مچاتی رہتی ہے' جس کا دل شیشہ ہوتا ہے' ذرا سی ٹھیس سے چکنا چور ہو جاتا ہے۔ کرنل نے کیسی لڑکی پیدا کی تھی۔ اس رات مجھے اسے بہت نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ممکن ہے کرنل نے اسے اسی مقصد سے بھیجا ہو کہ دیکھو' انگریز بھی آدمی ہوتے ہیں۔

وہ میری روداد توجہ سے سنتی رہی۔ سب کچھ اس کے لیے نیا تھا۔ میں نیا تھا' زندگی کی یہ رات نئی تھی' اس کی بے چینی اس امر کی غماز تھی کہ اس کے اس قدر قریب بھی کوئی نہیں ہوا ہو گا۔ اس کی آنکھوں میں ڈورے پڑ جاتے تھے۔ وہ فاختہ کی طرح پھڑکتی تھی اور پارے کی طرح تھرکتی تھی۔ "تم نے سنا' میں نے کیا کہا ؟ " میں نے بے قابو لہجے میں پوچھا۔

" ہاں ۔" وہ ایک طویل خاموشی کے بعد سرد آہ بھر کے بولی۔ " لیکن تم نے

یہ نہیں بتایا کہ تمہارے لیے میں کیا کرسکتی ہوں؟"

"کچھ نہیں' بس دعا کرتی رہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ تم کرنل کے حضور پرکاش بھون کی سفارش کرو' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں' میری زبان پر یہ لفظ کبھی نہیں آئیں گے' اس گفتگو کا مقصد بھی یہ نہیں تھا کہ تم سے بالواسطہ طور پر یہ گزارش کی جائے ۔ ہاں میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ابتدا کے بعض ناقص لمحوں میں ایسا آلودہ خیال میرے ذہن میں آیا تھا لیکن تم تو ایک اور ہی لڑکی نکلیں۔ تم نے تو مجھے پاک و صاف کر دیا ۔ میں تم سے اپنے تعلق کا استحصال نہیں کروں گا ۔ تم اطمینان کرسکتی ہو کہ تمہاری ذات میرے لیے ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں تمہیں علیحدہ طور پر شناخت کرتا ہوں۔ تم ایک بہت ہی اچھی لڑکی ہوں۔"

"اور تم ایک بہت ہی اچھے لڑکے ہو۔" اس نے میری ناک پکڑ لی۔

"اب کوئی بات نہیں ہو گی تم نے ایک مشکل میدان میں قدم رکھا ہے۔ تو اس کے طور بھی سیکھو ۔ دھوپ میں بیٹھو گی تو پسینہ ضرور آئے گا۔ رنگ بھی کالا ہو گا۔ زندگی کی آسائشیں اس آسانی سے مل جایا کرتیں تو لوگ جنت کی تمنا نہ کیا کرتے۔ ریگ زار میں گرد کا طوفان بھی آئے گا اور حلق میں کانٹے بھی پڑ جائیں گے۔ ہمت نہیں ہے تو بس دور سے دیکھ کے واپس ہو جاؤ' ورنہ پھر جسم و جاں سے بے نیاز ہو کے مستانہ وار چلتی چلو ۔ آنے والی زندگی تاریکی میں اٹی ہوئی ہے' جو گزر گئی' وہ بھی تاریکی میں ڈوب گئی ہے' جو موجود ہے' وہ روشنی کا ایک جھماکا ہے۔ لوگ آرزوؤں کے چراغ جلا کے زندہ رہتے ہیں۔ سمجھ میں آیا' انگریز کی بچی ؟ اب کوئی بات نہیں ہو گی کیا اب اور کوئی تشویش ناک بات رہ گئی ہے' جو کبیدگی ہے' وہ ذہن سے نکال دو۔"

"نہیں' اب کوئی بات نہیں رہ گئی جمع تفریق کر کے صرف تمہی نکلے۔ میں آرزوؤں کے چراغ جلاؤں گی ۔ لاؤ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔"

"انہیں کاٹ کے رکھ لو۔" میں نے کہا۔

اس نے گرم جوشی سے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔" پروفیسر ! میں نے ہندوستان سر کرلیا ہے۔"

"تم نے تو ہندوستان پہلے ہی فتح کیا ہوا ہے ۔ خوشی تو مجھے ہے کہ میں نے انگلستان فتح کرلیا۔"

"نہیں' پیش قدمی میں نے کی تھی۔"

"اب تم خاموش ہو جاؤ' باتیں کرتے کرتے میرا گلا خشک ہو گیا ہے۔ اجازت ہے' میں اپنا حلق تر کر لوں؟"

اس نے میز پر رکھی ہوئی صراحی اٹھانے کے لیے اٹھنا چاہا میں نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے ۔" میں نے اسے نوچتے ہوئے کہا۔" رس تو یہاں موجود ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سلگتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی سے دستک دی' جیسے ابھی شہد ٹپک پڑے گا۔ اس کے لب پھڑپھڑانے لگے۔ وہ شرما گئی ۔ اس کے ہونٹوں میں آب حیات موجود تھا۔ وہ شکر کی طرح میرے خشک دہن میں گھل گئے ۔

سب کچھ بے ترتیب ہو گیا۔ سانسیں' بدن' لباس' ہوش' ایسی بے خبری ہوئی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ ایسی پیوستگی' ایسا انضمام' ایسی ہمہ جائی جیسے آج کے بعد کل کا دن طلوع نہیں ہو گا۔ زندگی آج کے بعد مر جائے گی۔ جو سمیٹنا ہے' ابھی سمیٹ لیا جائے' جیسے صدیوں کے فراق کے بعد کوئی ملے۔ ایسی آگ بھڑکی' اتنے بڑے بڑے شعلے اٹھے کہ سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا مگر میں نے اسے جلنے نہیں دیا۔ تیز ہواؤں میں اس کا لباس جگہ جگہ سے اڑا جا رہا تھا۔ میں نے اسے اس کے بدن پر رہنے دیا۔ یہاں تک کہ صبح قریب آنے لگی۔ اس دوران میں کتنے ہی لمحے ایسے آئے جہاں سے واپس آنا سخت مشکل تھا۔ وہ ایک کلی لڑکی تھی۔ میں بس اس کی خوشبو سونگھتا رہا۔ وہ یوں ہی برقرار رہی' یوں ہی شاداب اور شاخ پر کھلتی مسکراتی ہوئی۔ جب سرشب وہ یہاں آئی تھی اور میں نے ایک خوب صورت ساڑی میں اس کا کندن سراپا دیکھا تھا تو میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا ۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے بڑی اداس اور بہت نازک باتیں کی تھیں' صبح تک وہ مجھ میں سمائی رہی' ٹوٹ ٹوٹ کر اپنا اظہار کرتی رہی۔ پھر مرغان سحر نے بانگ دے کے ہمیں بیدار کر دیا۔ وہ جب بستر سے اٹھی تو اس کی آنکھوں کا منظر عجیب تھا۔ میں اسے اپنے شانے پر بٹھائے ہوئے ملاقاتی کمرے میں لایا۔ اس کی ساڑی منتشر ہو گئی تھی۔ ابھی اندھیرا تھا۔ وہ خاموشی سے راہ داری میں چند قدم کا فاصلہ طے کر کے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو سکتی تھی' مگر اس کا جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ میری طرف مخمور نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ بار بار گلے سے لپٹ جاتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سرشاری اس وقت

سے مختلف تھی جب اس کا غنچہ چٹک جاتا۔ میں نے اس کے بدن پر جگہ جگہ چراغ جلا دیئے تھے۔ میں نے اس کے نرم و نازک اعضا میں راگ بھر دیئے تھے۔ دروازے پر وہ سیمیں بدن بے اختیار ایک بار پھر میرے سینے سے آ لگی۔ تا دیر مجھ میں جذب ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ ''جاؤ ریتا! روشنی پھیلنے والی ہے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''پروفیسر! تم ایک بہت بڑے آدمی ہو مجھے یقین دلاؤ کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔'' وہ رقت سے بولی۔

''پاگل!'' میں نے اس کی زلفیں کھینچتے ہوئے کہا۔

اس نے بڑھ کے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور تھرتھراتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی میں نے سر نکال کے باہر دیکھا' راہ داری میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب میں نے اطمینان کرلیا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی ہے تو میں بے تحاشا ملاقاتی کمرے کے صوفے پر گر گیا۔ میرا رواں رواں لرز رہا تھا اور جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ جانے کے بعد بھی موجود رہی اور میں اس کے نشے میں ڈوبا رہا۔

مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ دنیش چندر کب سے میرے سرہانے کھڑا مجھے تک رہا ہے۔ ''کس خیال میں گم ہو؟'' اس نے چپکے سے کہا۔ میں ہڑ بڑا کے اٹھ بیٹھا۔ مجھے اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے جھینپ سی ہونے لگی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ ''کہو انگلستان کی زمین پسند آئی؟'' اس نے قریب بیٹھے ہوئے میری چٹکی لی۔ ''ارے تم تو باقاعدہ شرما رہے ہو۔ رات کیسی گزری؟''

''دنیش بابو!'' میں سر جھکائے جھکائے اس سے بغل گیر ہو گیا۔

''تمہارے جسم سے عجیب مست کر دینے والی خوشبو آرہی ہے' تلچھٹ۔'' میں نے اس کی چھاتی پر زور سے سر مار دیا۔ وہ کھل کھلا پڑا اور مجھے گدگدانے لگا میں ادھر ادھر پھرکی کی طرح گھومنے لگا۔ ''جھوٹ بولا تو تمہاری زبان کالی ہو جائے گی۔ اب سکون سے کسی جھجک کے بغیر ایک ایک بات بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''رات کا فسانہ۔ یقیناً ایک پرلطف کہانی ہو گی۔''

''وہ آئی اور چلی گئی۔'' میں نے شوخی سے جواب دیا۔

''بس یہی؟ ٹھیک ہے' مت بتاؤ۔'' وہ ناگواری سے بولا۔

''ناراض ہو گئے؟ بتاتا ہوں جناب! میں نے ایک لمبی سانس کھینچ کے کہا۔'' وہ تو عجیب لڑکی نکلی۔'' میں بات کرتے ہوئے اس کے تصور میں گم ہو گیا اور چھت تکتے ہوئے ریتا کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے لگا۔ رات جب میں نے خود کو ریتا کی آغوش میں گم کر دیا تھا تو مجھے دنیش چندر کا خیال آیا تھا کہ صبح ہی صبح ایک ایک کیفیت کا حال اسے بتانا ہو گا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اچھے شعر کی تشریح کتنی مشکل ہوتی ہے۔ لطیف احساسات کے بیان کے لیے لفظ ہی ایجاد نہیں ہوئے۔ جو محسوس کیا جاتا ہے اگر اسے بہ تمام و کمال لفظوں میں منتقل کر دیا جائے تو ایک شاہ کار بیان وجود میں آجائے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ دنیش کا اصرار تھا کہ میں ریتا کے ساتھ گزرے ہوئے ہر لمحے کا حال سناؤں مجھے بڑی دقت پیش آئی۔ کوئی یہ کہے کہ نشے کا قصہ بیان کرو۔ پھول میں کس قسم کی خوشبو تھی؟ راگ نے دل کو زخمی کیا؟ دنیش کو صرف یہ معلوم تھا کہ وہ رات کو آئی تھی اور صبح سویرے چلی گئی۔ درمیان میں پوری ایک رات کا فاصلہ تھا۔ جو باتیں رات کو اس کے آنے سے پہلے محسوس کی گئی تھیں اس کے جانے کے بعد ان میں بڑا فرق ہو گیا تھا۔ وہ سہیلیاں جو صبح اپنی سہیلی کی عروسی شب کا افسانہ کرید کرید کے پوچھتی ہیں' انہیں ہمیشہ ایک تشنگی محسوس ہوتی ہے کہ ان کی سہیلی کچھ چھپا رہی ہے۔ ان کی سہیلی کیا بتائے کہ ایک رات گزر گئی ہے۔ ایک رات میں ایک شخص دھم سے نہاں خانہ دل میں اتر گیا تھا اور جو رگیں سہیلیوں کی شوخیوں کی دست برد میں نہیں آئی تھیں' اس نے انہیں چھیڑ کے بدن جھن جھنا دیا تھا۔ اس نے بری طرح شرما دیا تھا۔ ایک رات میں اتنا بڑا فاصلہ طے کرلیا تھا کہ سب پیچھے رہ گئے۔ دنیش کا خیال ہو گا کہ میں ریتا کے متعلق ایک حقیقت پسندانہ گفتگو کروں گا۔ میں کہوں گا کہ میں نے چھاؤنی پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں نے کرنل ہارڈنگ کے دل میں نشست جمالی ہے' میں نے ایک مہم سر کر لی ہے مگر میں اس سے کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ میں اپنی بساط کے مطابق ریتا کے چمن زار کا دل کش منظر بیان کر رہا تھا۔ میں اس کے جمال کے اوصاف شمار کر رہا تھا اور ایک رات کی دیوار کے پار آکے مجھے یہ بات بہت پوچ لگ رہی تھی کہ میں اس کے بدن کے احترام کا خیال نہ رکھوں۔ اسے رسوا کروں' چاہے' وہ دنیش جیسے لائق احترام اور عزیز شخص کی جناب ہی کیوں نہ ہو' سو میں نے سچ بیان کیا اور دنیش کو متحیر کر دیا۔

''موہن!'' وہ مضطرب ہو کے بولا۔ ''تم بہت سنجیدہ ہو؟ میری سمجھ میں

کچھ نہیں آرہا ہے' یہ سب کچھ کیا ہے؟ مجھے اپنی بہن شاردا یاد آرہی ہے۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور بے تابی سے کہا۔" شاردا بھی ایک سچ ہے' بہت بڑا سچ' کیا سچ ایک متعین اور محدود جگہ ہی دستیاب ہوتا ہے؟ کیا اس کے لیے لازم ہے وہ یکہ وتنہا ہو؟"

"نہیں۔" وہ فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ بہرحال تمہارے ذہن پر شاید رات کا خمار باقی ہے' یہ وقت ان فلسفیانہ موشگافیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ میں صرف یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ایک خوش گوار رات گزاری۔"

"ہاں۔ ایک یادگار رات۔" میں نے کھوئے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"آپ کا خیال ہو گا کہ مجھے انگریزوں سے انتقام لینے کا ایک بڑا نادر موقع ملا تھا اور میں نے اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہو گا۔ میں یہ انتقام نہیں لے سکا کیونکہ اسے میں نے انگریزوں کی نمائندہ سمجھا ہی نہیں ۔ وہ اندر سے اتنی معصوم سادہ اور دل کش لگی کہ میں اسے پیار ہی کرتا رہا۔ اسے دیکھتا ہی رہا۔"

"یہ تم نے نہایت اچھا کیا۔" وہ جوش میں بولا۔

"اس میں میرے شعور کو کوئی کریڈٹ نہیں جاتا ۔ نہ جانے وہ کیا بات تھی مگر یقیناً لاشعور میں چھپی ہوئی کچھ خواہشیں اور مصلحتیں ضرور ہوں گی۔ یا یہ خود اس کا اختاع ہو گا مجھے کئی مرتبہ ترنم یاد آئی' جس نے اپنے آپ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ بھی اظہار کا ایک پہلو ہے ۔ اصل میں کوئی ایک مفروضہ' کوئی ایک فارمولا قائم ہی نہیں کیا جاسکتا ۔ ترنم کی سپردگی میں بھی' ایک انداز ہے' ایک تڑپتا ہوا اظہار ہے' ایک وارفتگی ہے اسے کم رتبہ قرار نہیں دیا جاسکتا' اور یہ ریتا تھی' جو اپنی شادابی کے ساتھ واپس چلی گئی ۔ میرا خیال ہے یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے' پتہ نہیں' آج رات ریتا سے ملاقات ہو تو کیا ہو۔"

"تم آج بہت سہانی باتیں کر رہے ہو' مجھے تم پر ترس آرہا ہے ۔تم کتنے بچے نظر آرہے ہوں۔" وہ میرے گال تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔

"چھوڑیئے' اپنی بتایئے۔ کماری کنول کا کیا حال ہے؟ دل کا کیا عالم ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"جی بہت خراب ہے' دل خفا ہے۔" وہ پرگداز لہجے میں بولا۔

"کچھ سلسلہ جنبانی کیجیے' اس طرح تو زنگ لگ جائے گا۔"

"کیا کریں' کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوتی ہے مگر ہر بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ کچھ کہتے کہتے رہ گیا۔"

"ایک دن ہمت کر کے کہہ دیجیے۔"

"وہ اتنی مہذب ہو کے بات کرتی ہے کہ کچھ کہتے ہوئے جھجک ہوتی ہے۔" وہ اداسی سے بولا۔" کچھ بات ہی آگے نہیں بڑھی ۔ اس لیے میں نے تم سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا آپ انہیں بہت پسند کرتے ہیں؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"کمال ہے۔" وہ ناگواری سے بولا۔" تم بھی یہ پوچھ رہے ہو۔"

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں' ذرا صاف صاف بات کیجیے' اپنے دل اور دماغ پر زور ڈال کے بتایئے کہ ایک طرف آپ کو راجے پور کا اقتدار دیا جائے اور کنول سے محروم رکھا جائے ۔ دوسری طرف آپ ہر چیز سے محروم رہیں اور فرض کیجیے کہ راجے پور پر کنور پردیپ کے خاندان کا کوئی شخص قابض ہو اور آپ کے حصے میں صرف کنول آئے تو آپ کون سی صورت قبول کریں گے؟ آپ کا جواب مجھے معلوم ہے لیکن ایک نہایت اہم نتیجے تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ تمام اخلاق بالائے طاق رکھ کے اور تمام پہلوؤں پر غور کر کے مجھے جواب دیں۔"

وہ مجھے گھورنے لگا اور ناراضی سے بولا۔" حیرت ہے' تم یہ سوال کر رہے ہو' آخر تم کس نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہو؟"

"میرا سوال اپنی جگہ ہے ۔ آپ کو ایک مختصر جواب دینا ہے ۔" میں نے اس کی کبیدگی سے بے پروا ہو کے کہا۔

"میری طرف سے تم جواب دے دو' تمہارا جواب جو بھی ہو' مجھے قبول ہو گا۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

"دنیش بابو! مجھے یقین ہے جو میں کہوں گا ۔ وہ آپ ضرور قبول کریں گے لیکن میری درخواست ہے' آپ تمام امور' تمام اندیشے' فردا کی تمام مصلحتیں سامنے رکھ کے نہایت تحمل سے جواب دیجیے ۔ عجلت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں۔ اگر آپ نے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے یا ایسی صورت حال پر غور نہیں کیا ہے تو غور کر سکتے ہیں۔"

"تم نے بڑی دل آزار باتیں شروع کر دی ہیں۔"

"آپ کے جواب سے میرے دل پر ذرہ برابر اثر نہیں ہو گا کیونکہ میں اس وقت تمام جذبوں سے بے نیاز ہو کے یہ سوال کر رہا ہوں۔"

"بیٹھے بٹھائے یہ تمہیں کیا ہو گیا؟"

"بس یوں ہی ۔ آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔"

"جو تم سوچ رہے ہو' وہی میں کہوں گا۔" وہ مایوسی سے بولا۔ "حالانکہ تم ایک اور جواب سننا چاہتے ہو۔"

"میں آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔"

"تم جانتے ہو' مجھے اقتدار سے زیادہ عزیز کنول ہے۔" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "حالانکہ یہ کتنی عجب بات ہے کہ کبھی کنول پر مجھے اس کے رسمی اظہار کا موقع نہیں ملا ہے۔ ممکن ہے' اس کی آنکھوں نے پہلے ہی کوئی اور شخص منتخب کر رکھا ہو' راجے پور ایک مردم خیز ریاست ہے اور کنول کی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں' ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کے نوجوان راج کماروں نے اس کے جمال کا شہرہ سنا ہو گا۔ نہ جانے کون کون کہاں کہاں آس لگائے بیٹھا ہو لیکن تم نے مجھے دو چیزوں میں سے ایک کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ شاید کنول میرے حصے میں نہ آ سکے لیکن اگر مجھے ایسے انتخاب کا موقع نصیب ہوا تو میں اسی کو اٹھا کے اور کاندھوں پر بٹھا کے لے آؤں گا۔" وہ میری صورت دیکھنے لگا۔

"ظاہر ہے' میں آپ کے اس جواب پر کوئی داد نہیں دوں گا۔" میں نے برجستہ کہا "کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں پہلے ہی متعصب ہو کے بیٹھا تھا۔"

"لیکن میں تمہارا تبصرہ اور نتیجہ ضرور سننا چاہوں گا۔ آخر تم نے یہ بے موقع سوال کیوں کیا' تمہارے ذہن میں کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہو گا۔"

"پیش منظر بھی ہے۔ ہر پیش منظر پس منظر سے متعلق ہوتا ہے۔"

"جو بھی ہو' میں اسے سننے کے لیے مضطرب ہوں۔"

"آپ کا اضطراب درست ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخر کیوں' تمہیں اس سوال کی ضرورت کیوں پڑی؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں اپنی فکر کا رخ متعین کرنا چاہتا تھا۔ کل رات کماری کنول کا فون آیا تھا۔"

"کیا؟" وہ اچھل پڑا' اس کے چہرے پر کئی رنگ گزر گئے۔

"ہاں" میں نے تحمل سے کہا "وہ آپ کو پوچھ رہی تھیں چونکہ میں آپ کی خواب گاہ میں تھا اس لیے ریسیور مجھے اٹھانا پڑا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ موجود نہیں ہیں۔ ان کے طرز تخاطب سے مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ پروفیسر اور موہن داس کی شخصیتیں علیحدہ علیحدہ نہیں سمجھتیں۔"

"وہ کیسے؟ تم سے اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟" وہ تیزی سے بولا۔

میں نے دنیش کو یہ نہیں بتایا کہ راج کماری کنول نے مجھے صاف طور پر پہچان لیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھ سے تیکھی باتیں کر رہی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ پروفیسر زاہدی کی شخصیت کے راز کا انہیں علم ہو گیا ہے۔ دنیش کے اطمینان کے لیے میں نے غیر متعلق باتیں تراشیں اور کہا کہ اس کا فون مختصر تھا۔

"مگر اس گفتگو سے تمہارے سوال کا کیا تعلق ہے؟" وہ ایک ذہین شخص تھا اور اس کی یہ جستجو فطری تھی۔

"کچھ نہیں' میں ایک اطمینان کرنا چاہتا تھا بلکہ یوں کہیے کہ میں اپنے اطمینان کی تصدیق کا خواہش مند تھا' میں نے اس مسئلے پر بارہا سوچا ہے کہ کنور جگ دیپ یا ریاست راجے پور کے باہر کی ریاست کا کوئی راج کمار' کماری کنول کے حسن و جمال سے کب تک بے نیازی برتے گا۔ کسی بھی لمحے کماری کنول کے مستقبل کے فیصلے کی دل سوز خبر آ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے کچھ تغافل کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں جب پیش منظر کی بات کر رہا تھا' وہ یہی ہے۔" میں نے دنیش چندر کو کسی اور جانب سوچنے کی مہلت نہیں دی۔

"اوہ موہن! میری جان موہن! کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ ہے؟ بلاشبہ ہے۔" وہ زور دے کے بولا۔ "بتاؤ' مجھے جلدی سے بتاؤ۔"

"ابھی تو نہیں ہے لیکن یک سوئی سے اس طرف فکر ضرور مرکوز کرنی پڑے گی' مجھے آپ کی تنہائی کا احساس ستاتا ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "ایک بات تو سامنے کی ہے' ہمیں راج محل سے اس قدر بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے۔"

"مگر یہاں تو صبح و شام کے ہنگامے ہیں۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ "فرصت کسے ملتی ہے۔ یہ لوگ زندہ کہاں رہنے دیتے ہیں۔"

رات کنول کا فون آنے سے جو ایک غبار میرے ذہن پر موجود تھا' وہ بڑی حد تک چھٹ گیا تھا' میں نے دنیش سے ایک بہت نازک سوال کیا تھا۔ زبان اور

روپے کی ایک ذراسی لغزش کیا کیا ستم ڈھا سکتی تھی۔ دنیش سے گفتگو کرکے اب کچھ اطمینان سا ہورہا تھا جیسے ایک پہاڑ میرے سر سے اتر گیا ہو۔ وہ ابھی تک مصر تھا کہ میرے پاس ضرور کوئی معجزاتی طریقہ کار موجود ہے جو میں اس سے چھپا رہا ہوں اور اب میں جادو کا ڈنڈا گھماؤں گا اور اس کی امیدیں بر آئیں گی۔ میں نے یہ آس ختم نہیں ہونے دی۔ دنیش کے گھنٹی بجانے پر صبح کا ناشتہ اندر کمرے میں سجا دیا گیا اور ہم دونوں نے کمرہ بند کرلیا۔ میں نے اس کے لیے ٹوسٹ پر مکھن لگایا' اس نے چائے بنائی اور ہم دونوں میجر رابرٹ کے قتل سے پیدا ہونے والے سیاسی اثرات پر باتیں کرتے رہے۔ چار آدمیوں کے قاتل کا مسئلہ بھی تشویش ناک صورت اختیار کر گیا تھا۔
دنیش نے فون ناشتے کی میز پر رکھ لیا تھا اور ادھر ادھر سے رات بھر کی خبریں جمع کر رہا تھا۔ راجے پور میں مقتولین کے رشتے داروں کے سوا کسی اور نے ان سے اپنے تعلق کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ انگریز کیا کروٹ لیتے ہیں اور کنور جگ دیپ بہادر اپنی بہن انیتا کی ناکامی پر کس غم اور غصے کا اظہار کرتے ہیں' ایک دن خاموشی سے گزر گیا' ریاست راجے پور میں کسی طرف سے قتل و غارت گری کی خبر نہیں آئی مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ ادھر انگریز ناراض تھے' ادھر کنور جگ دیپ' اس طرف پرکاش بھون میں لوگ ایک دوسرے سے شدید نفرتوں کے مدعی تھے' اس طرف مہاراجہ کی نیند روز روز کے حادثوں سے اچاٹ ہو گئی تھی۔

میں نے پہلی فرصت میں دنیش چندر کی خواب گاہ میں جاکے پستول بارود سے لبالب بھرلیے۔ دنیش کے کارندے اپنے فرائض انجام دینے آگئے تھے۔ سیکرٹری کو احکام صادر کیے جانے لگے تھے کہ آج گھڑ دوڑ کے میدان کے انتظامات میں کسی قسم کی خامی نہیں رہنی چاہیے ورنہ بڑی بے عزتی ہو گی۔ ریتا کے اعزاز میں بھون کی لڑکیاں اور لڑکے گھڑ دوڑ کے ایک غیر رسمی مقابلے میں شریک ہو رہے تھے۔ ریتا کے لیے آج کئی اور پروگرام بھی بنائے گئے تھے۔ ادھر ریتا کے بیان کے مطابق برٹش انٹیلی جنس کے لوگ کتوں کی طرح بھون کا گوشہ گوشہ سونگھ رہے تھے' انگریزوں کی نظر بھی بیک وقت کتنی سمتوں کو دیکھنے پر قادر ہوتی ہے۔ وہ بڑے کفایت شعار ہوتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وقت اور آدمی ضائع نہیں کرتے' ریتا کے ساتھ چن چن کے ایسے لوگ بھیجے گئے تھے جو ریتا کی نگرانی کرسکیں اور ہندوستان کے اس جاگیر

دار طبقے کے بدلے ہوئے رجحانات کا جائزہ لے سکیں' پرکاش بھون میں ابھرنے والی قوتوں کا اندازہ لگا سکیں' کھڑکیوں اور پردوں کے پیچھے چھپ کر کچھ کام کی باتیں سن سکیں۔
گو دنیش چندر نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنا بیشتر وقت اس کے محل میں گزاروں۔ چار آدمیوں کے قتل کے الزام میں پولیس پھر اس طرف کا رخ کرسکتی تھی۔ کوئی بھی میری جانب توجہ مبذول کر سکتا تھا۔ دنیش کا خیال تھا کہ میں اس کے کمروں میں محفوظ رہوں گا شاید یہ بات نہیں تھی۔ میری اس روپوشی سے پولیس اور مشکوک ہو سکتی تھی۔ اصل میں دنیش خوف زدہ تھا کہ اگر کھلے میدان میں رہا تو کسی بھی جگہ سے مجھ پر گولی چل سکتی ہے۔ گزشتہ شام جوگی کی شکست سے لوگ اور برافروختہ ہو گئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت سندھیا کی اطلاع تھی۔ میں عام راستے سے باہر نکلنے کے بجائے دنیش کے محل سے ملے ہوئے طویل محلاتی سلسلے کی طرف چل پڑا۔ چبوترے اور راہداریاں' برآمدے' مستعد ملازم اور بھاگتی ہوئی باندیاں مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جوگی والے واقعے سے لوگ اتنے متاثر ہوں گے۔ سندھیا کی اطلاع کے مطابق اسے پنڈت ایشوری لال کی کرشمہ سازی سمجھا جا رہا تھا اور میں مطمئن ہو گیا تھا لیکن لوگوں نے اس پہلو پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں پنڈت نے صرف مجھی کو کیوں منتخب کیا۔ اس اعتبار سے بھی میں ایک نمایاں اور ممتاز شخص کے طور پر سامنے آتا تھا۔ ابھی پہلے کے کئی واقعات ذہن میں محو نہیں ہوئے تھے کہ یہ تازیانہ لگ گیا۔ میں جہاں سے گزرتا تھا' ملازم اپنے کام بھول بھول کے میری جانب رجوع ہونے لگتے تھے۔ میں قدم قدم پر مبارک بادیں وصول کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ کئی رانیوں اور راج کماریوں نے اشارے سے مجھے بلایا اور پوچھنے لگیں' کیا واقعی تمہیں جوگی کا وزن محسوس نہیں ہوا تھا؟ تم نے اسے اتنی آسانی کے ساتھ زمین سے کیسے اکھاڑ لیا جب کہ بیس آدمی اسے ہلانے تک میں ناکام ہو گئے تھے؟ میں انہیں جواب دیتا جاتا تھا کہ جوگی ان پر مسمریزم کر دیتا تھا مگر مجھ پر اس کا یہ حربہ کارگر نہیں ہوا۔ کوئی میری بات پر یقین کرتا' کوئی بے یقینی سے سر ہلا دیتا۔
پھر راج کمار سریش چندر اپنے چند نوجوان دوستوں کے ہمراہ دور سے آتا دکھائی دیا۔ مجھے ترنم کی بات یاد آگئی۔ سریش چندر کی عمر کم تھی مگر وہ وقت سے پہلے جوان ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں ترنم کے بارے میں اس سے کیا کہوں۔

چھوٹا منہ بڑی بات تھی۔ پرکاش بھون کا ایک ملازم اپنے آقا سے یہ درخواست کیسے کرسکتا تھا کہ وہ فلاں لڑکی پر کرم کی نظر نہ ڈالے' اس مصرف کے لیے بھون میں اور بہت سی لڑکیاں موجود ہیں۔ صرف ایک اشارے پر دنیا جہاں کی رقاصائیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ سریش چندر کے اطوار صاف نظر آرہے تھے کہ آئندہ ______ کوئی شمار قطار نہ ہو گا ۔ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو مجھ سے دنیش چندر کی خصوصی رغبت ناپسند کرتے تھے۔ میں نے بارہا خود کو ان لوگوں کی جگہ رکھ کے دیکھا تھا اور اپنے رویے میں ترمیم کرلی تھی۔ یہ مفاہمت کا ایک بہترین طریقہ ہے' اس طرح فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ خوش قسمتی سے ایک تو بھون میں راج کماروں کی تعداد راج کماریوں کے مقابلے میں کم تھی' اور جو چند ایک تھے بھی' وہ بیرونی ملکوں میں حکمرانی اور عیاشی کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ سب دنیش چندر سے چھوٹے تھے۔ اگر وہ یہاں ہوتے تو میرا جینا دوبھر ہو جاتا' پھر وہ میری ٹانگیں کاٹ کے مجھے اپنے برابر کر لیتے۔ میری ناک آدھی کر دیتے' میری آنکھوں کی چمک چھین لیتے اور میرے کشادہ سینے کا گوشت اتار لیتے۔ کسی آقا کے لیے سب سے بڑا دکھ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ملازم اس کے قد سے اونچا ہو ۔ قد میں تمام چیزیں شامل کرلینی چاہئیں۔ اگر وہ یہ کتر بیونت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو ان کے احکام میں سرکشی آجاتی ہے اور وہ کم تروں کو مسلسل اپنی حیثیت اور مرتبے کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے' سرمائے کا نکتہ سب سے پہلے کسی بہت کمزور آدمی نے ایجاد کیا ہو گا' جب اور طاقتوں کی کمی محسوس ہوئی تو سرمائے کا ستون کھڑا کرلیا گیا۔ آپ تلوار چلاتے' بارود اڑاتے اور سر پھوڑتے رہیے۔ سرمایے کی تلوار تو سرمایے ہی سے کٹے گی۔ لوہے کو لوہا کاٹ سکتا ہے' یہ تمام بیش قیمت نکات ابتدا ہی میں میرے ذہن سے چمٹ گئے تھے اور اپنی جڑیں بتدریج راسخ کر رہے تھے۔

میرے پاس آکے راج کمار سریش چندر چند لمحوں کے لیے ٹھٹکا' اس نے خشمگیں نظروں سے میرا جائزہ لیا۔ میں نے ادب سے سرجھکا لیا۔ اس بات سے وہ خوش ہوا اور اپنے احباب سے انگریزی میں کہا۔" اس ہندوستانی سانڈ کو دیکھا ؟ بھائی صاحب راج کمار دنیش کا خاص ملازم ہے۔ کمال کا آدمی ہے۔"

" اسے پہلے بھی دیکھا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔" لڑکیوں کو یہ بہت مرغوب ہو گا۔ ذرا نگاہ رکھنا مجھے سیانا معلوم ہوتا ہے۔"

" ہا" سریش ہاتھ چلاتے ہوئے طنطنے سے بولا۔" ہم پرکھوں سے ٹانگیں اوپر کرکے چاروں خانے دیکھ کے ملازم رکھتے ہیں' آں جہانی مہیش چندر کو گھوڑوں' کتوں اور ملازموں کی بڑی پہچان تھی۔ اسے انہوں نے ہی رکھا تھا۔ دنیش کے منہ چڑھ گیا ہے مگر کیا مجال کہ آنکھ اٹھا کر بات کرسکے۔"

" راج کمار بہادر !" میں نے شائستگی سے درمیان میں دخل دیا۔" جناب کو ایک تکلیف دینی ہے۔"

" کہو۔" وہ فیاضی سے بولا۔

" تخلیے میں جناب !" میں نے ادب سے کہا۔

" اوہ نو نو' یہ سب اپنے دوست ہیں۔"

" اچھا' اس وقت آپ مصروف ہیں' پھر سہی۔"

"اچھا سدھایا ہے ۔" ایک نوجوان شوخی سے بولا۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا۔

"ٹھہرو جنٹلمین ! موہن داس ایک باخبر آدمی ہے' میں معذرت چاہتا ہوں۔" سریش نے اپنے دوستوں سے کہا اور مجھے ایک گوشے کی طرف آنے کا اشارہ کیا مجھے توقع نہیں تھی کہ اس سے اس طرح راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے گی ۔ کانوں میں ترنم کے الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے سریش کی سرکشی کے متعلق بڑے حسرت ناک لہجے میں کہے تھے۔ ایک ملازم کی تو ہر چیز آقا کی ملکیت ہوتی ہے۔ ترنم پرکاش بھون کی مہمان تھی اور یہاں کے صاحب ذوق مکینوں کو نغمہ و موسیقی کے جام پلانے کے لیے خاص طور پر دلی سے آئی تھی۔ میرا اس پر کیا حق تھا؟ سریش چندر نے کوئی غیرمعمولی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ سبھی راج کمار اور نواب زادے یہی کرتے ہیں' اسے روکنے کو تو میں نے روک لیا لیکن میرے ذہن میں اس لطیف موضوع پر گفتگو کرنے کا کوئی پیرایہ نہیں تھا۔" کیا بات ہے؟" اس نے اپنے دوستوں سے کچھ دور آکے تشویش ناک انداز میں پوچھا۔

" مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کا راستہ کھوٹا کیا۔"

" بات بتاؤ۔" وہ عجلت میں بولا۔

" ان دنوں سرکار احتیاط سے رہیں۔" میں نے سرگوشی کی۔

" کیوں ؟" اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔" کھل کر کہو۔"

" حالات ٹھیک نہیں ہیں' نصیب دشمناں کچھ لوگ سرکار کے خلاف ہیں' پہلے ہی کیا کم ہوا ہے میں آپ سے احتیاط کی درخواست کروں گا۔"

"کون لوگ ہیں؟ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا؟"

"اڑتی اڑتی کانوں میں پہنچی ہے' مہمان خانے' باغ اور بھون کی دوسری تفریح گاہوں سے پرہیز کیجئے تو بہتر ہے' غیر ضروری لوگوں سے ملنے میں چند دن کے لیے سہی مگر احتیاط برت لیجئے' پتہ نہیں' کس کی آستین میں خنجر یا سانپ چھپا ہوا ہو"، میں نے رازی داری سے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو' ہم احتیاط کریں گے مگر تم ہمارے دشمنوں کی نشان دہی ضرور کرو۔" وہ برہمی سے بولا۔

"بھون ہی کے لوگ ہیں جنہیں اپنے لوگوں کی اقبال مندی ایک آنکھ نہیں بھاتی' ان لوگوں نے راجے پور کے دوسرے خاندانوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے وہ یہاں ہر ابھرتی ہوئی قوت ختم کر دینا چاہتے ہیں۔"

"ہونہہ۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور فکر مند نظر آنے لگا۔ "موہن داس!" وہ میرا شانہ تھپ تھپا کے مجھ سے انعام و اکرام کے وعدے کرنے لگا' وہ اپنے مخالفوں کا نام جاننے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ "کسی ایک کا نام۔؟" اس کی آواز قابو میں نہیں رہی تھی۔

"یہ تو میں نے آپ سے ایک اندیشہ ظاہر کیا ہے۔"

"تم شاید بتانا نہیں چاہتے۔ کیا تم خوف زدہ ہو؟"

"اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا' آپ ذرا سا بھی غور کریں گے اور ادھر ادھر نظر ڈالیں گے تو دوست' دشمن کے چہرے صاف نظر آجائیں گے' میں نے آپ سے کہا نا' ابھی میں نے صرف اشارے کنائے دیکھے ہیں' ایسی کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ بھگوان نہ کرے کہ کچھ ہو' میں آپ سے احتیاط کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ مضمحل انداز میں سر ہلانے لگا۔ "ہم تمہاری اس اطلاع پر ضرور تمہیں انعام دیں گے۔ کیا تم سے راج کمار دنیش نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں جناب!" میں نے مچل کے کہا۔ "وہ تو آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔

اس کے دوستوں نے دور سے آواز دے کے۔ "اکیلے نہیں۔ سریش! اس سے کہو کہ تمہارے دوستوں کا بھی خیال رکھے۔" اس سے پہلے کہ وہ میرے بارے میں کچھ اور کہتے۔ سریش ان کے پاس چلا گیا۔ میں نے ان حرام زادوں کو گھور کے دیکھا

جی میں آئی' دونوں پستول خالی کر دوں' کمینے ہر شخص کو اپنے جیسا سمجھتے تھے۔ کبھی کبھی تو خیال آتا تھا' ان کے لیے انگریز ہی ٹھیک ہے۔ انگریز چلا گیا تو یہ بد زبان بے لگام ہو جائیں گے پھر ان دلالوں کے بچوں کے قدم زمین پر نہیں ٹکیں گے۔ یہ تو جینا حرام کر دیں گے میں سلگتا ہوا درمیان کے ایک راستے سے گزرتا ہوا کھلی فضا میں آ گیا۔ سریش سے اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی وہ تو کہیے وقت پر دماغ کام کر گیا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ اس کی عمر ابھی کچی تھی۔ ابھی زندگی کی شدید چاہت ہو گی۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ اصولاً اب اسے مہمان خانے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے جھجکنا چاہیے تھا۔ اس اچانک گفتگو سے کئی الجھنیں خود بخود دور ہو گئیں۔ اپنے دوستوں کے سامنے سریش چندر نے مجھ سے کس قدر بے نیازی برتی تھی لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اس سے کون مخاطب ہے۔ موہن داس' راج کمار دنیش نے موہن داس کو کسی سبب ہی سے قریب کیا ہو گا اور بھون میں اس کے یہ چرچے کسی بنیاد پر ہی ہو نگے۔ بھون میں سریش چندر کی ذات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ بلاشبہ بہت سے لوگ اس تمنا میں ہوں گے کہ پرکاش بھون کی نکیل اس کے ناپختہ ہاتھوں میں آجائے۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب دنیش چندر کو ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دیا جائے۔ کئی بار ایسی کوششیں بھی کی گئیں۔ قسمت نے دنیش کا ساتھ دیا مگر قسمت کب تک مہربان رہتی ہے۔ سیاسی پیچیدگیاں اور ذہنی الجھنیں خواہ مخواہ ہوتی ہیں۔ ہر الجھن اور پیچیدگی کا حل اس شخص کے پاس ہوتا ہے جو عنقا ہو۔ جب بھی وہ شخص نمودار ہوتا ہے کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور ہو جاتا ہے۔ میری زندگی مستعار تھی۔ کئی بار سوچا کہ نشانہ بہت اچھا ہے سینے میں دم ہے دماغ کھولا ہوا ہے۔ خون کی گردش ہے۔ ہر خوبی موجود ہے۔ تو پھر کیوں نہ بہت سے لوگوں کی نجات کا سبب بن جاؤں' زیادہ سے زیادہ دس آدمیوں کا خون کرنا ہو گا' صرف اچھے انتخاب کا مسئلہ ہے۔ روز ادھر ادھر کے ہزاروں آدمی مرتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا' اگر منتخب آدمی مر جایا کریں تو بڑا امن ہو جائے۔

سائیس اصطبل سے گھڑ دوڑ کے میدان کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ پرکاش بھون میں گھوڑوں کی ریس کا ذائقہ میں پہلے بھی چکھ چکا تھا۔ بے حد دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ پری جمال دوشیزائیں اٹھلاتی' اتراتی ہوئی اس میں شامل ہوتی ہیں اور گھوڑوں پر سوار دوشیزاؤں کی شان ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ چست لباسوں میں سواری کرتے ہوئے ان کی بوٹی بوٹی تھرکتی ہے۔ اس جلوہ گاہ عام میں کون تھا جو جانا پسند نہ کرے'

میرا رخ ریس کے میدان کی طرف تھا لیکن میرا ارادہ اس بار وہاں جانے کا نہیں تھا کیونکہ اس دن جگ دیپ کی کمر ٹوٹ گئی تھی' کل جوگی کا خمار ٹوٹ گیا تھا۔ آج نہ جانے کیا ہو جائے۔ دور سے مجھے انگریز افسر جیکسن اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں نے رخ بدل لیا اور خود کو گھوڑوں میں چھپا لیا۔ جیکسن کی بلا تو ٹل گئی مگر مجھے میدان میں آنا پڑا' کچھ دیر تک میں ایک درخت کے سائے میں دبک کے بیٹھا رہا۔ جیکسن کے تیور اچھے نہیں تھے۔ میدان میں گھوڑوں اور انسانوں کی بھیڑ لگ گئی تھی۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد میں وہاں سے بھاگ آیا کہ جیکسن اور دوسرے انگریز اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے ہیں یا گھوڑوں پر سوار ہو گئے ہیں۔ ڈالی گھر نہیں تھی۔ سوچا ترنم سے کہتا جاؤں کہ کوارٹر میں آجائے لیکن ڈالی کی عدم موجودگی میں یہ مناسب بات نہیں معلوم ہوئی۔ ڈالی درمیان میں آجاتی تو نہ جانے کس طرح محسوس کرتی۔ اس لیے میں نے دنیش چندر کے محل میں جاکے خود کو محصور کر لیا' کئی بار فون کی گھنٹی بجی' میں نے توجہ نہ دی۔ آنکھ بھی ایک پل کے لیے بند نہیں ہوئی' پھر میرا ہاتھ خود بخود فون کی طرف بڑھا۔ میں نے کنور جگ دیپ کا نمبر ملا لیا تھا۔ پوچھا۔ ''کون ہے؟'' دوسری طرف جگ دیپ ہی کی آواز تھی میں نے کوئی بات کیے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پرشوتم کے کوچ کے بعد جب راجے پور کے غنڈوں نے مجھے فون پر دھمکی دی تھی تو مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ افسوس ہوا تھا کہ چھچھورے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو فون پر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ میں جگ دیپ کو اپنا نام و نشان کیوں بتاتا مگر وہ لوٹ پھر کے مجھ تک پہنچ ہی جاتا۔ بلکہ لوٹنے پھرنے کا کیا سوال تھا' سب سے پہلے میری ہی تصویر اس کی آنکھوں میں اترتی۔ میں نے فون بند کر کے اسے اس لذت سے محروم کر دیا جو میری آواز سن کے اسے ہوتی۔ وہ خوش ہوتا کہ موہن داس بھٹکنے لگا ہے' اس کی بہن انیتا نے اپنا چشم دید واقعہ سنا کے اس کی نظر میں میرا جو امیج بنایا ہوگا' وہ خاک ہو جاتا' کبھی کبھی میں بھی بچہ بن جاتا تھا۔

ایک وحشت سوار تھی کہ جو بھی ہو' جلدی ہو۔ آدمی تنہا ہو اور اس کی جیبوں میں ہتھیار موجود ہو تو وحشت کا ٹھکانا نہیں رہتا' جیب میں ہتھیار کی توہین ہوتی ہے۔ انیتا کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس نے اس رات کے رنگین واقعے سے عبرت پکڑی یا نہیں؟ اس کی جانب سے یہ خاموشی بہت دل جلا رہی تھی۔ سوچنے کے لیے ذہن میں اتنی باتیں تھیں کہ خیال کا طائر کسی ایک جگہ ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ خیال کی سرحدیں ہوا کرتیں

تو اس کے پنچھی یوں آوارہ نہ پھرا کرتے۔ ریتا کے لیے بھون میں دن بھر مختلف تقریبات ہوتی رہیں اس لیے کوئی اس طرف نہیں پھٹکا۔ میں بھی اپنا محاصرہ کیے پڑا رہا۔ رات کی نیند تو میرے لیے حرام کر ہی دی گئی تھی اور دن' رات کے سوگ میں بے قرار گزرتے تھے میں نے روشنی بھی نہیں کی۔ پورا دن یوں ہی گزر گیا۔ منہ میں کھیل تک اڑ کے نہیں گئی۔ پھر رات کو باہر سے کچھ آہٹیں اندر آنے لگیں تو میں نے اپنے آپ کو سمیٹا۔ میرا سارا جسم بکھرا ہوا تھا مجھے اٹھ کر کھڑے ہونے میں دیر لگ گئی۔ اس سے پہلے کہ دنیش چندر گھبرایا ہوا اندر آتا اور مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دیتا' میں نے آہستہ سے دروازے کا پٹ کھولا' ملاقاتی کمرہ روشنی میں جگ مگا رہا تھا میں چپکے سے باتھ روم کے مانوس راستے سے گزر کے باہر آگیا۔ مجھے پارو کا خیال تھا' اس کی نظریں دن بھر مجھے ڈھونڈتی رہی ہوں گی۔ بھون میں جیکسن اور دوسرے انگریزوں کی نقل و حرکت کی خبریں اس کے کانوں میں بھی پہنچی ہوں گی۔ شاردا بھی اسی کی طرح بے چین ہوگی لیکن اس وقت پارو کو گداز کی زیادہ ضرورت تھی اور وہ گداز آشنا بھی تھی۔

میں نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا۔ کاش آدمی اپنی مرضی کے مطابق خود کو چھپانے اور ظاہر کرنے کی ترقی کر لیتا۔ جب چاہتا' سامنے آتا' جب چاہتا غائب ہو جاتا' پھر پستول کے بجائے کوئی اور ہتھیار ایجاد ہو جاتا جس میں ایک ناک بھی نصب ہوتی۔ اب بھی بعض لوگوں کی قوت شامہ پستول سے تیکھی ہوتی ہے۔ ازروئے احتیاط میں نے جو راستہ اختیار کیا تھا' وہ خاصا طویل تھا۔ اصول یہ تھا کہ جو رانی سب سے نئی ہوتی' اس کا مکان مہاراجہ کے بیٹنے کے ساتھ ساتھ محل سے بھی قریب ہو جاتا۔ رانیاں جتنی پرانی ہوتی جاتیں' ان کے مکانات مہاراجہ سے اتنی ہی دور ہوتے جاتے تھے۔ پارو کو رانی کا لقب دینا تہمت تھی۔ بھلا اتنی نازک اور تر و تازہ لڑکی کہیں رانی ہو سکتی ہے۔ پرکاش چندر کے بعد بھون میں جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ سکونتوں کے تبادلے نہیں ہوئے۔ میں اپنے خیالوں میں گم پارو سے غیر حاضری کے عذر تراشتا ہوا عقب کے راستے سے عماراتی سلسلے میں داخل ہو گیا۔ پارو کے خاص کمرے میں اس کی مخصوص باندی موجود تھی' اس نے بتایا کہ پارو نے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت دی ہے لہٰذا میں آرام کرسی پر ٹانگ ٹوئیاں مارتا رہوں۔ باندی کو یہ ہدایت دینے سے ظاہر تھا کہ پارو مجھ سے ملنے کے لیے بے حد مضطرب ہے۔ اسی لیے اس نے احتیاط کا خیال بھی نہیں

کیا۔ پارو کی طرح اس کی باندی بھی بہت تیکھے خدوخال کی حامل تھی۔ وہ مجھے شوخ نظروں سے دیکھتی رہی جیسے کہہ رہی ہو کہ ہم خوب جانتے ہیں۔ ایسی نظروں کا جواب جھینپ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں جھینپا جھینپا سکڑا ہوا سا بیٹھا رہا۔ مجھے اس لڑکی سے بہت شرم آئی۔ وہ دبلی پتلی اوسط قد کی لڑکی تھی۔ لہنگے' چولی اور کھلے پیٹ' آدھے ننگے بازوؤں میں اس کا سلونا رنگ خوب کھل رہا تھا۔ ''کچھ پیو گے بابو ؟'' اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ میں نے چاہا کہہ دوں کہ خود کو پانی میں گھول کر پلا دے۔ وہ میری نگاہ کا مطلب سمجھ گئی اور بولی۔ ''میں کہہ رہی ہوں' کچھ شربت وربت چائے وائے۔

''بس یہی ہے تیرے پاس ؟'' میرے منہ سے نکل گیا۔

وہ لجا گئی مگر تیز و طرار تھی لہک کے بولی۔ ''اور تمہیں کیا چاہئے؟''

''ارے یہ تو روز پیتے رہتے ہیں' کوئی نئی چیز پلا۔''

''جو کہو موہن بابو !'' وہ جھجک کے اور گردن جھکا کے بولی۔

''چل اپنے ہاتھ سے ایک گلاس سادہ پانی پلا دے۔'' اس کی نگاہ میں شراب اتر آئی تھی ' میں نے خود کو بروقت سنبھال لیا۔

''بس ؟'' اس نے کسی قدر مایوسی سے کہا۔

میں نے کوئی آدھے گھنٹے پارو کا انتظار کیا ۔ میں تمام وقت باندی کی نظروں کے حصار میں رہا۔ میں نے طے کیا کہ رات کو کسی وقت بہت سی روشنیاں کر کے اپنی شکل غور سے دیکھوں گا۔ ضرور کوئی بات ہے' جس کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔ وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اٹھ گیا۔ کمرے سے نکل کے میں نے دوبارہ وہی راستہ اختیار کیا کچھ دور آگے جاکے ایک تنگ راستے سے گزر ہوا۔ یہاں ایک چکردار زینہ اوپر کی منزل کی طرف جاتا تھا۔ زینے کے نیچے کوئی تنگ و تاریک جگہ سانس روکے چھپا کھڑا تھا۔ جیسے ہی میں آگے بڑھا تیزی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور آناً فاناً میرے سینے پر پھیل گیا۔ میرا دم حلق میں گھٹ کے رہ گیا۔ ''ٹھہرو۔'' کسی نے سرگوشی کی آواز مردانہ تھی۔

میرے ہاتھ جیبوں میں محفوظ پستول کی طرف لپکے مگر وہ مجھ سے پہلے ہی تیار تھا' اس نے اپنے دوسرے ہاتھ میں دھرے ہوئے پستول کی نوک میرے کولہے پر ٹکا دی میں نے پھرتی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ لمحہ سخت اذیت ناک ہوتا ہے جب جیب میں رکھے ہوئے ہتھیار سسکتے رہ جائیں۔ ''گھبراؤ نہیں'' اس نے سخت لہجے میں

کہا۔ ''میں جیکسن ہوں۔''

''جیکسن صاحب !'' میری آواز بھرا گئی۔ ''آپ؟'' حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ہٹالیے تھے۔

''چپکے سے میرے پیچھے پیچھے اس طرف اندھیرے میں چلے آؤ۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی' آگے آگے وہ بڑھا' پیچھے پیچھے میں۔ اسے یقین تھا کہ میں فرار کی کوشش نہیں کرسکتا۔ تیس' چالیس قدم بعد وہ ادھر ادھر دیکھ کے ٹھہر گیا۔ اوپر ایک چھجا تھا جس پر ایک محراب دار کمرہ بنا ہوا تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں' روشنی بھی نہیں ہو رہی تھی۔ میں چھجے کے نیچے آگیا۔ اس طرف آمد و رفت شاذ شاذ ہی ہوتی تھی۔ میں ایک مجرم کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہوا گیا۔ ''تمہارے پاس پستول ہے؟'' اس نے پہلا سوال کیا۔ میں نے جواب میں گردن اور جھکالی۔ ''ٹھیک۔ کوئی بات نہیں' مجھے معلوم تھا تمہارے پاس پستول رہتا ہے۔ تمہاری بابت اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ دوپہر بھی ہم نے تم سے ملنے کی کوشش کی لیکن تم نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔''

''میں تو ادھر ہی تھا جناب !'' میں نے ادب سے جواب دیا۔

''اب تم کہاں سے آرہے ہو؟''

''میں ۔ میں جناب ایک باندی کے پاس گیا تھا۔''

''تم رانی پارو کے کمرے سے آرہے ہو؟'' اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ گویا وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں نے ایک جھرجھری لی۔

''جناب ! وہاں ایک باندی رہتی ہے۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

''ہونہہ۔ کیا تمہیں پارو رانی بہت پسند کرتی ہے؟''

''جناب وہ مجھ پر مہربان ہیں۔'' میں نے محجوبی سے جواب دیا۔

''دیکھو موہن داس !'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''ہم لوگ ادھر خالی نہیں بیٹھے۔ ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے اور ہمارا خیال ہے ' وہ آدمی تم ہو۔''

''جی ؟'' میرے قدم زمین سے اکھڑنے لگے ۔ ''جی جناب ؟''

''تم ہماری طاقت جانتے ہو؟'' اس نے سختی سے کہا۔

''آپ مالک ہیں جناب! آپ ان داتا ہیں۔''

"ویل ۔ ہمارے ہاتھ بہت بڑے ہیں ۔ ہم اپنی برتری ہی کے سبب ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہمارے وفادار ہر جگہ موجود ہیں۔ ہر جگہ ہمارے جاسوس ہیں۔ ہم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔"

"جناب کا اقبال بلند رہے۔" میں نے دعائیہ لہجے میں کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ کون کیا ہے' کون کیا کرتا ہے' کون دشمن ہے' کون دوست ۔ اگر ہم کسی وقت کسی کو نظرانداز کرتے ہیں تو کچھ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔"

"جی جناب!" میں نے اس کی تائید کی۔

"سو ہم تمہارے بارے میں بھی خوب جانتے ہیں کہ تم کیا ہو اور تمہاری یہاں کیا حیثیت ہے' تم راج کمار دنیش چندر اور دوسرے لوگوں سے کتنے قریب ہو' کون تمہارا دوست ہے اور کون دشمن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم کہاں سے آئے اور کہاں گئے اور تم راجے پور سے کتنی دور جا سکتے ہو' تم کتنا وزن اٹھا سکتے ہو۔ ایک گھوڑا پھینک سکتے' ایک موٹر پھینک سکتے ہو۔ کل ہم نے اپنی آنکھوں سے تمہاری طاقت دیکھی۔"

"جی حضور!" میں نے زمین پر جھکنے کی کوشش کی۔

"ہم سے بھاگ کر دنیا میں کوئی کہیں نہیں جا سکتا ہم ہر جگہ موجود ہیں' جدھر جاؤ ہمارا آدمی موجود ہے۔ ہندوستان ہی میں نہیں' ساری دنیا میں۔ ہمارا مجرم ہر جگہ ہماری زد پر رہتا ہے۔"

"جی' آپ کا دماغ بڑا ہے جناب!"

"سمجھے' میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟" وہ خشونت سے بولا۔

"جی نہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو موہن داس! میں نے ساری باتیں کہہ دی ہیں۔" اس کا انداز سفاکانہ تھا۔

میں لرز کے رہ گیا۔ "آپ حکم دیجئے۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ہاں' تم جانتے ہو کہ میں کیا کرسکتا ہوں' میں تمہاری تمام پچھلی باتیں نظر انداز کرسکتا ہوں۔ ہر بات بھول سکتا ہوں' تم انگریز سرکار کے کام آسکتے ہو اور انگریز سرکار تمہارے کام آسکتی ہے سمجھے؟"

"جی' میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" میں نے سادگی سے کہا۔

"جو خدمت تم اوروں کے لیے انجام دیتے ہو' وہ اب ہمارے لیے بھی کرسکتے ہو مگر غداری کی سزا سے بڑی سزا ہمارے پاس کوئی نہیں ہوتی۔ ہم ہر بات معاف کر دیتے ہیں' غداری معاف نہیں کرتے۔"

جیکسن نے بڑے واضح اشارے کیے تھے' سب سے پہلے تو اس نے پارو کے ہاں سے آنے پر طنز کیا تھا۔ اس سے پہلی ملاقات میں اس نے میجر رابرٹ کے بارے میں اچانک ایک سوال کیا تھا۔ رات ریتا نے بتایا تھا کہ برٹش انٹلی جینس کے اعلیٰ افسر یہاں موجود ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنی احتیاط کے باوجود انہوں نے کیسے سراغ لگا لیا۔ میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا تھا۔ میں جیکسن سے لرزہ چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہم اندھیرے میں کھڑے تھے۔ جیکسن میرے چہرے کے تاثرات صاف طور پر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس بات کا امکان اب بہت کم رہ گیا تھا کہ جیکسن محض تفنن کے طور پر اندھیرے میں تیر چلا رہا ہے۔ اس کی نظر مجھی پر کیوں آئی۔ اب اس کے ہاتھ میں پستول نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس سے زیادہ تیز ہتھیار استعمال کر دیا ہے۔ میرے پستول بھی ناچتے رہ گئے۔ میں نے نہایت لجاجت سے کہا۔

"حضور خادم پر اعتماد کرسکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تمہارا جواب یہی ہو گا' تم عقل مند آدمی ہو تمہیں کہیں منتقل نہیں کیا جا رہا ہے۔ تم بھون ہی میں رہ کے ہماری خدمت کرسکتے ہو۔"

"سرکار خدمت کی نوعیت بتائیں۔" میں نے خوشامد کی۔

"تمہیں تمہارے احکام ملتے رہیں گے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

اجازت دینے سے پہلے اس نے ایک بار پھر انگریزوں کے جاہ و جلال اور میری مشکوک حیثیت کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے سر کے ساتھ کاندھے بھی جھکا لیے۔ وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا پھر بھی میرے جسم کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ گلے میں کانٹے پڑ گئے تھے' پیروں کی جان نکلی جا رہی تھی۔ میں اسے سلام کرکے رخصت ہی ہوا چاہتا تھا کہ قریب ہی اچانک کسی کے لپکنے کی آواز آئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے گولی چلی' جیکسن مجھ پر گر گیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے زمین پر آپڑے' پہلا نشانہ خطا گیا۔ جیکسن پھرتی نہ دکھاتا تو دوسرا نشانہ میرے سینے پر لگتا۔ گولی میری بائیں پنڈلی چیرتی ہوئی پار ہوگئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ حلق میں روکی۔ پنڈلی سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے

زمین پر رینگ گئے۔ پھر کسی کے بھاگنے کی آواز آئی' جیکسن مجھے ایک سمت دھکیل کے پستول ہاتھ میں لیکر بے تحاشا دوڑ پڑا۔ میں کراہتا ہوا زمین پر پاؤں پٹخنے لگا۔ خون بند کرنے کے لیے بے اختیار میں نے پنڈلی پر ہاتھ رکھ لیا تھا لیکن ہاتھ بھی خون سے تربتر ہو گیا۔ چند لمحوں تک جیکسن کے قدموں کی آواز آتی رہی' پھر آوازوں کا شور بڑھتا گیا۔ '' گولی چل گئی ۔ دوڑو بھاگو ۔ ادھر' اس طرح کے بہت سے نعرے میرے کانوں میں پڑے پھر میری آنکھوں کے آگے دھند چھانے لگی اور سماعت مفلوج ہو گئی۔

میرے سینے میں اچانک درد اٹھا اور یہ احساس کرکے دماغ پھٹنے لگا کہ ابھی زندگی کے آثار باقی ہیں' میرے کان کچھ سننے کی کوشش کر رہے تھے اور درد کی لہریں شریانوں میں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ میرے کسمسانے پر بھن بھناہٹ سی ہوئی اور کئی مانوس آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔ وہ میرا نام لے رہے تھے۔ '' موہن ! آنکھیں کھولو۔'' میں نے سوچا' چیخ کر کہوں کہ تم کسے پکار رہے ہو' میرا نام موہن نہیں ہے' میرا نام جمشید ہے مجھے اسی نام سے آواز دو۔ میں سخت اذیت میں مبتلا ہوں اور تم اس عالم میں بھی مجھ سے ہمدردی نہیں کر رہے ہو؟ مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو؟ میری رگیں کھنچنے لگیں۔ کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ '' موہن ! موہن ! یہ میں ہوں دنیش۔''

میری آنکھیں کھل گئیں' وہ میرے سرھانے بیٹھا ہوا بے تاب نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی میری آنکھ کھلی' اس کے چہرے پر آگ سی جلنے بجھنے لگی۔ '' تم ٹھیک ہو ۔ تم بالکل ٹھیک ہو۔'' وہ میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے جوش میں بولا۔ '' تمہیں کوئی نہیں مار سکتا۔ میں بھون میں آگ لگا دوں گا۔ یہ گولی تمہاری پنڈلی میں نہیں میرے سینے میں لگی ہے۔'' دنیش کی آواز جھرجھرا رہی تھی۔ کسی نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ اس نے گھوم کے دیکھا وہ شاردا تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ پھر میں نے آنکھیں گھما کے دیکھا۔ کمرے میں بہت سے لوگ موجود تھے' ڈاکٹر' نرسیں' ایک کونے میں کھڑی ہوئی پارو' ریتا' سریش چندر' جیکسن دو دوسرے انگریز افسر اور مہارانی مایا دیوی ۔ ایک ملازم کے لیے اتنے بڑے بڑے لوگ ؟ مجھے بے ادبی کا شدید احساس ہوا میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ دنیش نے مجھے روک دیا۔ '' اس کا بدلہ لیا جائے گا۔'' وہ دوبارہ بپھر کے بولا۔ '' اب یہ بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے کہ موہن داس سے ہمارا رشتہ ملازم اور مالک کے سوا بھی بہت کچھ ہے۔ سب کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ موہن داس کو ہم کیا سمجھتے ہیں۔

موہن داس میرا دوست ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ '' موہن داس میرا دوست ہے۔''

'' دنیش ! دھیرج رکھو۔'' مہارانی مایا دیوی کی نرم آواز ابھری۔

'' بہت دھیرج ہو چکا رانی ماں ! بہت ہو چکا۔ مجھ سے زیادہ موہن داس نے برداشت کیا۔'' دنیش نے غصے سے کہا۔ '' بھون میں نقارہ بجوا دیجئے اور کہہ دیجئے کہ ایک گولی کا جواب ایک ہزار گولیوں سے دیا جائے گا۔ ہمارے پاس ہتھیاروں اور حوصلے کی کمی نہیں ہے۔''

'' دھیرج دنیش ! بھگوان بھی یہ اتیا چار دیکھ رہا ہو گا۔''

'' ہا' بھگوان' بھگوان تو سنتا ہی نہیں رانی ماں !'' دنیش کا گلا رندھ گیا۔

''ہمارے ہتھیاروں کو زنگ لگ جائے گا۔''

وہ سب میری مسہری کے قریب آ گئے تھے۔ یہ دنیش کی خواب گاہ سے ملا ہوا وہ کمرہ تھا جہاں آج میں دن بھر پڑا رہا تھا۔ دنیش چندر کے اس خاص کمرے میں میرے زخمی جسم' ڈاکٹروں' نرسوں اور بھون کے ممتاز لوگوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا تھا کہ دنیش نے میرے اور اپنے تعلق کی ہر احتیاط بالائے طاق رکھ دی ہے۔ ایک آقا کی عشرت گاہ' ملازم کے کمرۂ علالت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ میری طرح پھڑک رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے اشاروں سے منع کیا کہ مجھے سکون کی ضرورت ہے۔ میری آنکھیں چہروں پر جمنے لگی تھیں اور اب میں آسانی سے نظریں گھما کے سب کے تاثرات کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ سب مسہری پر جھکے ہوئے تھے۔ میں نے پارو کو دیکھا' اس کے ہونٹ کانپ کانپ جاتے تھے جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ کاش تم میری طرف نہ آتے' جہاں اتنی دیر کر دی تھی' وہاں اور دیر ہو جاتی۔ ریتا نے سارا دن اس سہانے خواب میں گزارا ہو گا کہ ایک خوب صورت رات پھر آنے والی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ بات تک کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ جہاں شاردا اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی' وہاں جیکسن بھی اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھا اور سخت متوحش نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر تنبیہی انداز میں سب سے باہر نکل جانے کی درخواست کر رہا تھا۔ اچانک کوئی چیختا اور بھاگتا ہوا اندر آیا۔ سب نے مڑ کے دیکھا۔ سندھیا تھی۔ سندھیا مجھے بستر پر دیکھ کے ٹھٹک گئی اور اوسان کھو سے بیٹھی۔ '' یہ کیا ہوا؟'' اس کے حلق سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز نکلی۔

'' کچھ نہیں سندھیا !'' مایا دیوی نے اسے چمکارا۔'' موہن زخمی ہو گیا ہے'

'' کیسے ؟'' وہ سسک پڑی اور نرسوں کو ہٹاتی ہوئی آگے آ گئی۔

"زینے سے گر گیا تھا۔" مایا دیوی نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔نہیں۔" وہ بے قراری سے بولی۔ "زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

"کچھ خاص نہیں، ڈاکٹر کہتا ہے، معمولی زخم ہے، جلد ٹھیک ہو جائے گا۔" مایا دیوی نے اسے چمکارا۔

"اور ادھر۔ ادھر۔" اس کی آواز ڈوبنے لگی۔ "آشا..... آنٹی خون میں لت پت پڑی ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" مہارانی مایا دیوی گرج کے بولی۔ "میری بیٹی!"

"ہاں نانی رانی!" سندھیا ہذیانی انداز میں بولی۔ "میں ابھی دیکھ کے آرہی ہوں۔ انہیں بالکل ہوش نہیں ہے۔"

"ہائے میری بچی، سب کھڑے میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ چلو چلو۔ ڈاکٹر! نرس! جلدی کرو، بھگوان کے لیے جلدی کرو۔" مایا دیوی نے فریاد کی۔

سب ایک ساتھ باہر کی طرف دوڑے۔ چلتے وقت سب نے ایک نظر مجھے دیکھ لینے کا احسان ضرور کیا۔ ریتا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا، اس نے جیکسن سے ان سب کے اچانک بھاگنے کی وجہ پوچھی، جیکسن نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرے۔ ریتا وہاں سے جانے پر آمادہ نہیں تھی۔ اس نے بے چارگی سے مجھے دیکھا اور جیکسن کا خیال کرکے چپ رہ گئی۔ کمرے میں صرف ایک نرس میری دیکھ بھال کے لیے رہ گئی۔ نرس نے دروازہ بند کرنا چاہا مگر اسی وقت سندھیا لپکتی ہوئی اندر آئی۔ اس نے نرس سے اجازت لیے بغیر وحشت میں میرے جسم سے چادر نوچ لی، میری بائیں ٹانگ پٹیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ وہ سی کرکے رہ گئی۔ "موہن! سچ بتاؤ، تم پر گولی چلی تھی؟"

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ نرس نے اسے مجھ سے دور رہنے کا حکم دیا۔ مگر وہ مسہری پر میرے سینے کے قریب بیٹھ گئی اور میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔ "یہ انہی کا کام ہے۔ تم کل پنڈت جی کے پاس نہیں گئے ہوگے میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں تمہارے بہت دشمن ہیں۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

میں نے منہ پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کا چہرہ لٹک گیا اور پلکیں بھیگنے لگیں۔ "نہیں۔" میں نے ایک کراہ کے ساتھ کہا۔ "نہیں۔" مگر وہ

چھلک پڑی۔ اس نے نرس کا بھی خیال نہیں کیا۔ پھر میں نے کھنکار کر اسے متنبہ کیا۔

"تم وہاں نہیں گئیں؟" مجھے خود اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"اب وہاں کیا رکھا ہے۔" بے حسی سے بولی۔

"کیا۔ کیا آشا دیوی بھی؟" میں نے نقاہت سے کہا۔

"ہاں۔" پھر وہ نرس کو دیکھتی ہوئی میرے کانوں کے قریب اپنا منہ لے آئی۔ "اچھا ہی ہوا۔"

"بری بات۔" میں نے اسے نظروں سے لتاڑا۔

اس نے منہ بنا لیا۔ "تمہاری ٹانگ تو ٹھیک ہے نا؟"

نرس نے اس کا کاندھا پکڑ کے اسے مسہری سے ہٹایا۔ "سندھیا جی! آپ انہیں تنہا چھوڑ دیجئے۔ یہ بالکل خیریت سے ہیں۔ ٹانگ میں معمولی زخم ہے۔ خون زیادہ نکل گیا ہے۔ قسمت اچھی تھی۔ گولی ہڈی تک نہیں پہنچی، بس ایک ذرا کسر رہ گئی۔ انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "آپ انہیں سونے دیجئے۔"

سندھیا بڑی بے دلی سے اٹھی۔ بہ مشکل تمام نرس اسے دروازے تک لے جانے میں کامیاب ہوئی، جیسے ہی وہ گئی، نرس نے دروازہ بند کرلیا اور چادر سینے تک ڈھانپ دی۔ پھر مسہری کے قریب ایک کرسی ڈال کے بیٹھ گئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ میں سو جاؤں گا مگر میں کراہتا رہا اور وہ بار بار مجھے دلاسے دیتی رہی۔

مجھے کچھ ہوش نہیں کہ کتنی دیر بے ہوشی طاری رہی لیکن یہ میری زندگی کا بہترین عرصہ تھا۔ ذہن کی ہر کھڑکی بھڑ چکی تھی، ہر روزن بند ہو چکا تھا۔ خواب و خیال کے اژدھے باہر کنڈلی مارے، ناک لگائے بیٹھے رہے اور جیسے ہی نشہ کمزور ہوا، درانہ اندر گھس آئے۔ پھر ایک طوفان اٹھنے لگا۔ گولی میری پنڈلی میں لگی تھی لیکن دماغ سن سا رہا تھا، اس مرتبہ تو کمال کر دیا گیا تھا۔ انگریز افسر جیکسن کی موجودگی میں نشانہ لینا ایک جرات مندانہ اقدام تھا۔ عجب بات ہے، گولی چلنے سے کچھ دیر پہلے جیکسن مجھے موت کا مژدہ سنا رہا تھا مگر گولی کی آواز پر مجھے بچانے کے لیے جان کی بازی لگا بیٹھا۔

اگر گولی میرے بجائے اسے لگ جاتی تو راجے پور میں قیامت برپا ہو جاتی۔ یہ میجر رابرٹ کی موت سے زیادہ سنسنی خیز واقعہ ہوتا۔ میجر رابرٹ کی موت کے بارے میں ہزاروں قیاس کیے جا سکتے تھے مگر یہ ایک صاف اور صریح قتل ہوتا۔ دوسرے

افسر کی موت پر انگریزوں کے غضب کا پارہ انتہا کو پہنچ جاتا۔ اچانک ایک خیال میرے ذہن میں ابھرا۔ کہیں یہ گولی جیکسن پر تو نہیں پھینکی گئی تھی' جو غلطی سے میری پنڈلی میں آپڑی۔ جیکسن اور دوسرے انگریز ضرور اس نکتے پر غور کر رہے ہوں گے اور پہلی فرصت میں یہاں سے چھاؤنی منتقل ہونا چاہتے ہوں گے۔ وہ اپنے ساتھ ریتا کو بھی لے جائیں گے اور راج کمار دنیش چندر نے انگریزوں سے ربط ضبط بڑھانے کے لیے جو سفارت کی تھی' وہ سب خاک میں مل جائے گی۔ انگریز ہندوستانیوں کے سائے تک سے دور بھاگنے لگیں گے' جس نے گولی چلائی تھی یا جس نے اس ماہر نشانے باز کو کرائے پر حاصل کیا تھا یہ بات اس کے لیے بھی نقصان دہ ہو گی ۔ ظاہر ہے' انگریزوں کے خلاق ذہن سے یہ رمز پوشیدہ نہیں رہے گا کہ دنیش چندر کے کسی دشمن نے اسے ان کی نظروں میں گرانے کے لیے یہ پوچ قدم اٹھایا ہے۔ جس نے اس سازش کا منصوبہ تیار کیا تھا' وہ کمزور ذہن کا مالک ہے۔ اسے پرکاش بھون سے ریتا اور اس کے نگہبانوں کی صحیح و سلامت واپسی کا انتظار کر لینا چاہئے تھا۔ انگریزوں کی سراغ رسی' ان کی غیر معمولی معلومات' ان کے اثر و رسوخ اور ان کی طاقت وحشمت سے اتنا بے خبر کون ہو گا۔ گولی یقیناً مجھ پر چلائی گئی تھی۔ نشانے باز نے اپنی بہتر کارکردگی کے شوق میں جیکسن کی موجودگی کی پروا نہیں کی یا اسے اندھیرے میں جیکسن نظر ہی نہ آیا ہو گا' یا اسے دور دور تک یہ گمان بھی نہ ہو گا کہ میرے ساتھ اس سنسان اور تاریک گوشے میں جیکسن موجود ہو سکتا ہے' پھر بھی اس نے احتیاط کی ۔ وہ کہیں قریب ہی موجود ہو گا اور اس نے میرا لباس دیکھ کے نشانہ باندھا ہو گا۔ وہ سوچتا ہو گا کہ دو میں سے کوئی ایک تو ضرور موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔ یہ بات وہ اسی وقت سوچ سکتا تھا ' جب اسے یہ یقین ہو کہ جیکسن کے بجائے کوئی ملازم میرے ہمراہ موجود ہے۔ جیکسن کی قیمتی جان کا اندازہ اسے ضرور ہو گا' ایک قاتل اتنا جاہل نہیں ہوتا۔ سفید چمڑی کے لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہوئے ویسے بھی دکھ ہوتا ہے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ ریاست راجے پور میں صرف ایک بار میجر رابرٹ کی موت پر ایسا ہوا تھا۔ دوسری بار یہ کون شخص نکل آیا؟

میں نے یہ خفیف امکان ہی ذہن سے خارج کر دیا کہ نشانے باز کو جیکسن کی موت کے لیے آمادہ کیا گیا تھا اس کا مطلوب صرف میں تھا میں بہت سے لوگوں کو

مطلوب تھا۔ کاش موت کو بھی ہو جاتا۔ ادھر جیکسن بھی مجھے نگاہ کی زد پر لئے ہوئے تھا ادھر وہ بھی۔ دونوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے' جیکسن میری سمت کا اندازہ کر کے میرے مقابلے میں تیزی سے آگے بڑھ کے زینے کے نیچے اندھیرے میں روپوش ہو گیا تھا۔ نشانے باز نے اسے دیکھا بھی ہو گا تو اطمینان کر لیا ہو گا کہ وہ کسی اور طرف نکل گیا ہے ممکن ہے' وہ پہلے سے میری تاک میں بیٹھا ہو اور اس نے باقاعدہ تعاقب کرنے کے بجائے مجھے اچانک دیکھا ہو اور مناسب موقع سمجھ کے گولی چلا دی ہو۔ بہر حال کچھ بھی ہو' میں اب مسہری پر نڈھال پڑا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے ہوں۔

مگر۔ مگر یہ آشا دیوی کو کس نے قتل کر دیا؟ کل ہی سندھیا نے بدحواسی میں آ کے یہ خبر دی تھی کہ آشا دیوی' پریت اور دوسری لڑکیوں کی موجودگی میں پنڈت ایشوری لال سے شکوہ کر رہی ہے کہ اس نے جوگی کے مقابلے کے لیے مجھی کو کیوں منتخب کیا تھا؟ آشا دیوی سے اتنا عناد آخر کیسے ہو گیا؟ مجھے گولی لگنے اور آشا دیوی کے قتل ہونے کا وقت تقریباً ایک تھا۔ اگر کچھ فاصلہ ہو گا تو بہت مختصر' میری بات تو سمجھ میں آتی تھی' آشا دیوی کا خون کس مقصد سے کیا گیا ہے؟ وہ کرتب بازوں کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے کل ہی بھون میں آئی تھی اور راجے پور کے کسی رئیس کی بیوی تھی مگر سندھیا کی اطلاع سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دور رہنے کے باوجود بھون کی سرگرمیوں سے پوری طرح متعلق رہی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا؟ کون پاگل ہو گیا ؟ میں بستر پر نیم جاں پڑے پڑے بدترین خیالوں کی تخلیق کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ جسم اپنے آپ سے نبرد آزما تھا۔ کھول رہا تھا' خفقانی دورے کی سی کیفیت تھی۔ اس ابتلا میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ ایک ٹانگ زخم خوردہ ہے اور جسم سرکشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں نے غیر ارادی طور پر بستر سے زقند لگانے کی کوشش کی اور ایک چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اونگھتی ہوئی نرس ہڑبڑا کے اٹھی اور سہمی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر بعد پارو اور دنیش حواس باختہ سے اندر داخل ہوئے۔ دنیش نے اشارہ کر کے نرس کو باہر بھیج دیا اور میرے قریب بیٹھ کے افسردگی سے کہنے لگا۔ " وہ بھی چلی گئی۔"

" کون ؟ " میں نے کمزور آواز میں پوچھا۔

" آشا۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ " وہ مر گئی۔"

"دنیش!" پارو نے اسے جھنجوڑ کے کہا۔ "اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔" وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ تمہیں موہن کے سامنے اس وقت اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

دنیش میرے بال درست کرنے لگا۔ "تم اب کیسے ہو؟"

"شاید بچ گیا۔" مجھے اپنی آواز پر یقین نہیں آیا۔

"اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا؟ ...." وہ شکایت کرنے لگا۔

"تو کیا ہوتا!" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

"پتہ نہیں، کیا ہوتا۔ بہت کچھ ہو گیا ہوتا۔ راجپور کے لوگوں کو بار بار زحمت نہ کرنی پڑتی۔ ایک ساتھ کئی ارتھیاں اٹھتیں۔"

"شش۔ آپ ادھر جائیے، میں ٹھیک ہوں۔" میں نے اسے ڈانٹا۔

"دیکھا، وہ الٹا تمہیں دلاسے دے رہا ہے دنیش!" پارو نے کہا۔

"یہ سب کیسے ہوا تھا؟" دنیش نے برہمی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بس میں پارو رانی کے ہاں سے واپس آ رہا تھا، یہ مجھے ملی نہیں، راستے میں جیکسن صاحب سے ملاقات ہو گئی اور وہ کل کے جوگی والے واقعے پر حیرت ظاہر کرنے لگے، اچانک گولی چلی۔ پہلا نشانہ خطا گیا، دوسرے سے پہلے جیکسن صاحب مجھے دھکیل کر خود مجھ پر گر پڑے اور میں زخمی ہو کے یہاں آ گیا۔" میں نے سادگی سے کہا۔

"اور تم دن بھر کہاں غائب رہے تھے؟" دنیش نے ناراضی سے پوچھا۔

"میں اسی کمرے میں موجود تھا، روشنیاں جلنے کے بعد باہر نکلا تھا۔" میں نے مختصر جواب دیا۔ "آپ ہی نے ہدایت دی تھی کہ خود کو یہاں قید کر لوں۔"

"سوال و جواب بعد میں کرنا دنیش! اب جلدی کرو۔ وہاں تمہاری ضرورت ہے۔" پارو نے اسے ٹوکا۔ "پولیس آ گئی ہو گی۔"

"وہاں بہت سے لوگ موجود ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"لیکن وہاں تمہاری موجودگی ضروری ہے، پولیس موہن داس کا بیان لینے بھی آئے گی۔ میں اس طوالت سے بچنے کے لیے نرس کو ہدایت کر دیتی ہوں کہ وہ موہن داس کو گہری نیند سلا دے۔"

"پولیس۔" دنیش نے نفرت سے کہا۔ "پولیس نے اب تک کیا کیا ہے۔ موہن! تمہیں ہنسی نہیں آ رہی ہے؟"

پارو اسے میرے پاس سے اٹھانے کی جدوجہد میں کامیاب ہو گئی اور چلتے چلتے میرا ہاتھ دبا کے اسے یہ کہنے کا بھی موقع مل گیا۔ "موہن! تمہیں زندہ رہنا ہے۔" نرس نے میرے انکار کے باوجود بازو میں انجکشن گھونپ دیا۔ میں کچھ دیر تک اپنے گرتے ہوئے اعصاب سے برسرپیکار رہا، پھر سب کچھ سو گیا۔

☆......☆......☆

صبح جب میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میری نظر ڈالی پر پڑی ۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور وہ ایک کونے میں فرش پر اداس بیٹھی تھی۔ گڈا اس کی گود میں سو رہا تھا۔ میری آنکھیں کھلی دیکھ کر وہ گڈے کو فرش پر پٹختی ہوئی مسہری کی طرف دوڑی۔ نرسوں نے اسے روکا مگر وہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ ”شیرو !شیرو !“ وہ بچوں کی طرح سسکنے لگی۔

میں نے اپنا ہاتھ اس کی کمر پر رکھ دیا۔ ”پگلی ! یہ کیا تماشا کر رہی ہے۔“

”تماشا تو تو کر رہا ہے۔“ اس کی آواز رو رہی تھی۔

”ذرا سی چوٹ آ گئی ہے۔ تو کب یہاں آئی ؟“

”مجھے تو رات گئے پتہ چلا‘ جب سے میں یہیں ہوں۔“

”تو نے بہت فیل مچایا ہو گا۔“

”میں تو چپ بیٹھی رہی‘ گڈے کی قسم میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا‘ مجھے پتہ ہے‘ یہاں تڑپنے اور رونے کی اجازت بھی نہیں ہے۔“

”گڈا کیسا ہے ؟“ میں نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

”تجھے اس سے کیا غرض ۔ تو تو اپنی بات کر۔“

”اس وقت بھی ایسی باتیں کر رہی ہے؟“ میں نے ناراضی سے کہا۔

”میری زبان کاٹ لے شیرو ! میں پھر کچھ نہیں بولوں گی۔“

”شیرو شیرو کی رٹ لگائے ہوئے ہے؟“ میں نے جھنجلا ہٹ سے کہا۔

”خیال ہی نہیں رہتا۔ مجھے معاف کر دے ۔ یہ بتا اب تو کیسا ہے؟ تو میرے ساتھ گھر چل‘ یہاں تیری دیکھ بھال کون کرے گا چل شیرو! گھر چل۔“

”ڈالی !“ میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ ”یہ دن اور کاٹ لے۔“

”کیوں؟ کیا تو میرے ساتھ گھر نہیں جانا چاہتا؟“

”یہ بات نہیں ہے میں یہاں سے جا نہیں سکتا‘ سمجھتی کیوں نہیں۔“

”کسی دن مصلحت مصلحت میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔“

”تو سچ کہتی ہے۔“ میں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

”میں تو ہر بات سچ کہتی ہوں‘ پر تیری سمجھ میں نہیں آتی‘ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے شیرو ! تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔“

”پھر وہی باتیں شروع کر دیں‘ سن‘ اطمینان سے گھر واپس چلی جا۔ برداشت نہ ہو تو مجھے دیکھنے کے لیے آتی رہنا‘ یہاں تیرا بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔“

”تو مجھے واپس بھیج رہا ہے ؟ میں تجھے ایسی حالت میں چھوڑ کے چلی جاؤں؟“ وہ ہچکیاں لینے لگی۔ ”بھلا گھر میں مجھے چین آ جائے گا؟“

”تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت معمولی بات ہے ڈالی ! میں دو تین دن میں بھلا چنگا ہو جاؤں گا۔“

”چپ رہ‘ کچھ ہو‘ میں یہاں سے جاؤں گی نہیں۔“ وہ ضد کرنے لگی۔

”نہیں جائے گی تو مجھے بے آرام کرے گی۔“

”تجھے میری ضرورت ہے شیرو ! تیرا یہاں کون ہے۔“

”تو بات بڑھا کیوں رہی ہے ڈالی !“ میں نے جھنجلا کے کہا۔

دونوں نرسوں نے اسے میرے پاس سے ہٹا دیا۔ دنیش چندر سوگوار چہرے کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا۔ ڈالی نے اسے دیکھا تو آنسو پونچھتی ہوئی اور اسے سلام کرتی ہوئی‘ ادب سے پیچھے ہٹ گئی دنیش ڈالی کے پاس رک گیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ ”ہم موہن کا خیال رکھیں گے۔“ وہ اداسی سے بولا۔ ”تم چاہو تو یہاں ٹھہر سکتی ہو ڈالی ! لیکن ڈاکٹروں کی رائے یہ ہے کہ موہن کے قریب بھیڑ کم کی جائے۔“ ایک راج کمار اپنی باندی سے اس لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ ڈالی کانپنے لگی اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اس نے ممنونیت کی نگاہ سے دنیش کو دیکھا اور گڈے کو زمین سے اٹھا لیا‘ دنیش نے اس کی گود سے چمٹے ہوئے گڈے کے گال پر چٹکی بھر لی اور اسے پیار سے تھپکنے لگا۔ ”کچھ باتیں کرتا ہے؟“

”جی ۔ جی۔“ ڈالی کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

”پیارا بچہ ہے‘ اسے خوب کھلایا پلایا کرو۔“

ڈالی پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ دنیش میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ڈالی

اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی دروازے کے پار ہو گئی۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ وہ میرا حال پوچھنے لگا۔ میں اس وقت کچھ توانائی محسوس کر رہا تھا۔ ''آپ رات بھر جاگتے رہے ہیں؟''

''ہاں بھون کا تقریباً ہر شخص جاگ رہا ہے' آشا بہت پاپولر لڑکی تھی۔ رات سے تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔''

''کچھ پتہ چلا؟'' میں نے سرگوشی کی۔

اس نے انکار میں سر ہلایا اور ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا۔ اس نے مجھے بتایا کہ پولیس نے بھون کے مختلف لوگوں کے بیانات قلم بند کر لیے ہیں۔ پولیس افسر ادھر بھی آئے تھے مگر مجھے بے ہوش دیکھ کے واپس چلے گئے۔ کرنل ہارڈنگ' مہاراجہ اور کنول کے تشویش ناک فون بھی آئے تھے۔ ''میرا خیال ہے' کل ریتا واپس چلی جائے گی۔'' اس نے مضمحل لہجے میں کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کہنے لگا۔ ''جگ دیپ کا بھی فون آیا تھا۔ اس کی حویلی کے بہت سے حرام زادے یہاں موجود ہیں۔''

''آپ اپنا خیال رکھیے' آپ نے آج شیو بھی نہیں کیا ہے۔ جائیے لباس بدلیے اور میری طرف آنے کے بجائے ادھر جائیے۔''

''دل بہت بے قرار ہے موہن!'' وہ کرب سے بولا۔

''کمال ہے' آپ ہی جب ایسی باتیں کریں گے تو میں تو واقعی بیمار ہو جاؤں گا۔ ذرا ہمت رکھیے۔''

''میں نے سختی سے ہدایت کر دی ہے کہ تمہاری طرف کوئی نہ آئے۔ میں تمہیں جلد سے جلد اچھا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بہت عجلت میں وقت نکال کے آیا تھا' فوراً واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی نرسوں نے مجھے حصار میں لے لیا۔ دنیش کی ممانعت کے باوجود شام تک کئی لوگ مجھے دیکھنے آئے لیکن نرسوں کی موجودگی کے سبب کوئی بھی کھل کر بات نہیں کر سکا۔ پارو' شاردا' ریتا اور سندھیا کے لیے یہ بات ناممکن تھی کہ وہ نرسوں کو باہر بھیج کے مجھ سے تخلیے میں دو باتیں کر لیں' جسے بھی موقع ملا' وہ آتا رہا اور آنکھوں سے باتیں کرتا رہا۔ منہ سے زیادہ بلاغت آنکھ کی زبان میں ہوتی ہے' شام تک بھون میں آشا دیوی کے کریا کرم کا ہنگامہ رہا ہو گا۔ بھون کے لوگ اموات کے عادی ہو چکے تھے' انہیں تمام کارروائی ازبر ہو گی چنانچہ سب کام خود کار طریقے پر انجام پاتے رہے ہوں گے۔ جب ملاقاتی کمرے سے چہل پہل کی آوازیں

آنے لگیں تو میں نے سمجھا کہ بھون کے لوگ خوب صورت آشا دیوی کو راکھ کر کے واپس آ گئے ہیں۔ میرا خیال درست نکلا' کچھ ہی دیر بعد دنیش بھاگا ہوا اندر آیا اور میرے کان میں سرگوشی کرنے لگا' ''کرنل ہارڈنگ آیا ہے۔''

''اچھا۔'' میرا سکون متزلزل ہونے لگا۔ ''کیا کہتا ہے؟''

''بظاہر تو آشا دیوی کی تعزیت کا بہانہ ہے لیکن اصل میں وہ اپنی بیٹی ریتا کو لینے آیا ہے' وہی ہوا جس کا خدشہ تھا' اس غیر محفوظ جگہ کون مہمان ہونا پسند کرے گا۔ میرا خیال ہے یہ بے وقت گولیاں بھی اسی مقصد سے چلائی گئی تھیں۔ راج پور کے بعض امرا کے لیے یہ خبر بڑی تشویش انگیز تھی کہ کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا پرکاش بھون میں مہمان ہے۔''

''تو ریتا کو جانے دیجیے۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔

''اب روکنے کی جرات بھی کون کر سکتا ہے لیکن ایک پیچیدہ مسئلہ اور ہے' کرنل ہارڈنگ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''مجھ سے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں نہیں' وہ ایک زیرک اور متحمل آدمی ہے آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں' وہ کہتا ہے کہ کیا میں اس ملازم کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں جسے کل رات اس وقت گولی لگی تھی جب جیکسن اس کے ہمراہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں' اسے یقین ہو گیا ہے یا ریتا نے بتا دیا ہے کہ تمہی پروفیسر زاہدی ہو' وہ مجھ پر اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔''

''تو اسے اندر بھیج دیجیے' مفر کی کوئی صورت نہیں' ویسے پروفیسر والا معاملہ تو اب ختم ہی سمجھیے' دیکھیے' میں اس سے کیسی باتیں کرتا ہوں' ہو سکے تو آپ درمیان میں کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیے گا اور نرسوں کو بھی باہر ٹھہرے رہنے کی ہدایت کر دیجیے۔''

دنیش تیزی سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد کرنل ہارڈنگ اپنی بیٹی ریتا کے ساتھ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا' نرسیں باہر چلی گئی تھیں' میں نے گردن کی جنبش سے تعظیم دی اور اٹھنا چاہا۔ کرنل نے مجھے روک دیا۔ ''خوب'' وہ مجھے دلچسپ نظروں سے دیکھ کر معنی خیز انداز میں دنیش سے مخاطب ہوا۔ ''آپ کے بھون میں اتنا ظالم شخص کون ہے جو اس دل کش لڑکے کو ختم کرنے کے درپے ہے؟ مجھے واردات کے

اسباب جاننے کی خواہش ہے۔"
دنیش نے محتاط اور دبی آواز میں مجھ سے اپنے خاص ربط کا ذکر کیا۔ ریتا نے اپنے باپ کے سامنے کل کے جوگی والے واقعے پر میری سرگزشت سنانی مناسب سمجھی؛ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور جوش میں زبان ہکلائی جا رہی تھی۔ کرنل ہارڈنگ ایک کرسی پر بیٹھ کے یہ روداد خاص توجہ سے سنتا اور سر ہلاتا رہا۔ کرنل ہارڈنگ کے کسی انداز سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ جیکسن کی طرح وہ مجھے میجر رابرٹ کے سلسلے میں ایک مشکوک شخص سمجھتا ہے' ایک باندی نے دروازے سے اندر آنے کی اجازت مانگی اور معذرت کے ساتھ دنیش سے کہا کہ مہارانی مایا دیوی چند لمحوں کے لیے اس سے ایک ضروری بات کرنے کی خواہش مند ہیں۔ دنیش نے باندی کو ٹال دیا مگر کرنل نے اسے فراخ دلی سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ دنیش نے مجھے اور کرنل کو تنہا چھوڑنے کا عمدہ اسلوب اختیار کیا تھا کرنل شاید اسی بات کا منتظر تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہو گیا۔" موہن داس! تمہارا چہرہ خاصا جانا پہچانا لگتا ہے۔" اس کے لہجے سے خاصی شوخی ٹپک رہی تھی۔

"جناب!" میں نے شائستگی سے جواب دیا۔" نوازش ہے کہ جناب نے ایک ملازم کا چہرہ یاد رکھا۔"

"تمہاری شکل حیرت انگیز طور پر ہمارے ایک دوست سے ملتی ہے مگر اس کے چہرے پر ایک ڈاڑھی بھی موجود رہتی ہے' وہ باتیں بہت خوب کرتا ہے' تمہیں دیکھ کے یہ خیال آیا کہ اگر تمہارے چہرے پر اس کی ڈاڑھی لگا دی جائے تو شاید تم میں اور اس میں فرق ختم ہو جائے گا۔" کرنل نے کہا۔

"سرکار کی عنایت ہے جو ایک ملازم کو اپنے دوست کے ہم مرتبہ سمجھتے ہیں۔" میں نے کرنل سے دانستہ چھیڑ کی۔

"ریتا ہمارے دوست پروفیسر کی بھی بڑی مداح ہے اور تمہاری بھی بڑی تعریف کرتی ہے کیوں ریتا؟" اس نے اپنی بیٹی سے انگریزی میں پوچھا۔" تم نے یہاں پروفیسر سے ملاقات کی؟"

"جی ڈیڈی!" وہ جھجک کے بولی پھر شرما گئی۔" مگر پروفیسر اچانک غائب ہو گیا' یہ موہن داس رہ گیا۔ ڈیڈی! یہ ہے تو ملازم لیکن پروفیسر سے کچھ کم نہیں۔" ریتا نے اپنے باپ کی شوخی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میں کرنل ہارڈنگ سے گزشتہ ملاقات

میں واضح طور پر اپنے مشتبہ روپ کی طرف اشارہ کر چکا تھا۔ اس لیے مجھے کرنل کی دلچسپ باتوں میں لطف آرہا تھا اور اس کی بھاری بھرکم شخصیت سے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا' وہ خوف جو جیکسن اور دوسرے انگریزوں کے قریب آتے ہی لاحق ہو جاتا تھا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے موہن داس! یہ گولی کس نے چلائی تھی؟" کرنل نے اس طرح مجھ سے پوچھا جیسے اب وہ مزید تکلف اور حجاب کا قائل نہیں ہے۔

میں نے بھی جھجک مناسب نہیں سمجھی اور جواب دیا۔" عزت مآب کرنل! دنیا بھر میں فساد کا بڑا سبب یہ ہے کہ کچھ لوگ کچھ لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ مفادات کا ٹکراؤ' ناانصافی' ظلم' اس بے یقین زندگی میں زیادہ ضمانت کی خواہش' ہوسِ اقتدار' آپ تمام اسباب سے واقف ہیں' مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ آپ کچھ دیر بعد اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائیں گے۔ ان کا مقصد بھی غالباً یہی تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ رہا میں' تو جناب میں ایک بے حد ناپسندیدہ شخص ہوں' ایک ملازم کی اوقات ہی کیا؟ مجھے دیکھنے کے لیے آپ یہاں تشریف لائے' آپ نے میری عزت بڑھائی ہے۔ بہت تحمل کا ثبوت دیا' کرنل صاحب! راجے پور میں کوئی اور آفیسر ان کمانڈ ہوتا تو نہ جانے اس کا عالم کیا ہوتا۔"

کرنل جزبز ہو کے پہلو بدلنے لگا۔ وہ کچھ تبصرہ کرنا چاہتا تھا مگر اپنی روایتی احتیاط پسندی کے سبب خاموش رہا' پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔" یہ ایک غیر محفوظ جگہ ہے موہن داس! میں تمہیں چھاؤنی آنے کی پیشکش کرتا ہوں۔ پروفیسر زاہدی کو تم نے دیکھا ہوگا' وہ دنیش چندر کا خاص دوست ہے' اگر اس سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ کرنل تم سے ملاقات کا بے حد مشتاق ہے۔" کرنل پھر بذلہ سنجی پر اتر آیا۔

"پروفیسر زاہدی کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا جناب لیکن میں اپنے آقا اور دوست دنیش چندر کو ان حالات میں چھوڑ کے کہاں جا سکتا ہوں۔ میں اسے بہت قریب سمجھتا ہوں کرنل! میں کیسے آسکتا ہوں؟ بہرحال آپ کا بے حد شکریہ' میری زندگی کسی کے کام آجائے' یہی بہت ہے' میں ایک تنہا آدمی ہوں کرنل! بہت تنہا۔" میں نے کرب سے کہا۔" میری موت پر آنسو بہانے والے چند ہی لوگ ہوں گے۔"

کرنل کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہوئے اور وہ تاسف سے بولا۔

"ہم راجے پور سے یہ انتشار ختم کرنے میں بہت سنجیدہ ہیں۔"
"جناب کرنل!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ سے ایک درخواست کرنے کو جی چاہتا ہے اور اس کی جرات بھی اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ آپ نے سنجیدگی کا اظہار کیا ہے۔ میں آپ کی توقع کے خلاف ایک بات کہہ رہا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ مہاراجہ راجے پور پر آپ کی توجہ کچھ کم ہو گئی ہے۔ آپ شاید تکرار سے تھک گئے ہیں لیکن فی الحال ان سے اپنی پرانی رفاقت کا اعادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں زیادہ وضاحت نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے' آپ ان کے بارے میں نظرثانی کیجئے اور دوسروں کو بھی یہ یقین دلائیے کہ مہاراجہ سے آپ کی رفاقت اٹل اور مستحکم ہے' دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں ہے اس لیے میں نے اپنی عاجزانہ رائے میں فی الحال کی شق رکھ دی ہے۔"

کرنل کی گردن ہلتے ہلتے ایک جگہ ٹھہر گئی۔ دنیش دروازے سے معذرت چاہتا ہوا اندر آ گیا۔ کرنل اپنی سوچوں میں مستغرق تھا۔ وہ اس کی آمد سے چونک پڑا۔ ریتا میری اور کرنل کی گفتگو اشتیاق سے سن رہی تھی اور گفتگو چونکہ ہندوستانی میں ہو رہی تھی اس لیے وہ آنکھیں پٹ پٹا کے کچھ سمجھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ کرنل نے اشتیاق سے اجازت چاہی اور ریتا کی مہمان نوازی کا رسمی شکریہ ادا کیا مگر ریتا نے اس کے ساتھ چھاؤنی جانے سے انکار کر دیا۔ وہ مچلنے لگی اور چند دن مزید قیام کے لیے اصرار کرنے لگی۔ کرنل اسے پیار سے سمجھاتا رہا' پھر ریتا کی ضد سے شکست قبول کر کے رخصت ہو گیا۔ ریتا اور دنیش اسے راہ داری تک چھوڑنے کے لیے گئے۔

دنیش کے بیان کے مطابق کرنل ہارڈنگ سے میری ملاقات انتہائی خفیہ رکھی گئی تھی مگر وہ باندی اس حقیقت سے واقف تھی جو مایا دیوی کی طلبی کا بہانہ کر کے دنیش کو وہاں سے اٹھا کے لے گئی تھی چنانچہ یہ خبر بھون سے اڑ کے سارے راجے پور میں پھیل سکتی تھی کہ کرنل ہارڈنگ' راج کمار دنیش چندر کے ایک ملازم کی عیادت کے لیے اس کے کمرے میں گیا تھا۔ نرسیں بھی اس حیرت انگیز واقعے کی شاہد تھیں۔ ایک تو پرکاش بھون میں کرنل ہارڈنگ کی آمد' دوسرے ریتا کا مزید قیام' تیسرے میری عیادت یہ ایسے اہم واقعات تھے جو ناراض لوگوں کی ناراضی میں اضافے کا موجب بن سکتے تھے اور انہیں کسی بڑے اشتعال انگیز اقدام پر اکسا سکتے تھے۔ ریتا کی حفاظت بہت ضروری ہو گئی تھی۔ خود جیکسن اور اس کے ساتھی اپنی اور ریتا کی نگرانی میں اور محتاط ہو گئے ہوں

گے پھر بھی تمام ذمے داریاں بھون کے سربراہ پر عائد ہوتی تھیں۔ دنیش' ریتا کے ٹھہرنے کے بعد اگر خوش تھا تو فکر مند بھی تھا اپنے قیام کے دوران میں میری علالت ریتا کے لیے سوہان روح ہو گی۔ اسے چلی جانا چاہئے تھا مگر وہ مجھے نزع و کرب میں گرفتار دیکھ کے جا کیسے سکتی تھی۔ پھر وہ چھاؤنی میں جا کے خود اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتی۔ خود میری بھی یہی خواہش تھی کہ وہ اپنے قیام میں توسیع کر دے اور اس کے بہانے جیکسن بھی یہاں ٹھہرا رہے۔ جیکسن کی رات والی باتوں کی سردی ابھی تک میری رگوں میں موجود تھی' اس نے کچھ نہ کچھ ضرور سراغ لگا لیا تھا۔ کاش رات مجھے گولی نہ لگتی' ایک دو دن کی مہلت مل جاتی تو واقعات دوسری طرح پیش آتے مجھے اپنے جلد سے جلد صحت یاب ہونے کا انتظار تھا۔ ٹانگ کا زخم تیزی سے مندمل ہو رہا تھا۔ دوسرے دن صبح میں آسانی سے بیٹھ سکتا تھا لیکن نرسیں ابھی تک سروں پر مسلط تھیں' ڈالی بار بار آتی اور رو دھو کے چلی جاتی۔ یہی حال پارو اور شاردا کا تھا۔ دنیش نے مجھے بتایا کہ ترنم بھی اپنی پریشان زلفوں کے ساتھ مجھے دیکھنے آئی تھی' میں اس وقت خواب آور دواؤں کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا' وہ کچھ بولی نہیں' بس مجھے تکتی رہی اور آنکھوں میں ساون لیے چپ چاپ چلی گئی۔ کہیں کے بادل کہیں برسے ہوں گے۔ سندھیا بھی بار بار منڈلاتی تھی۔ وہ شوریدہ سر لڑکی نرسوں کی موجودگی کا بھی خیال نہیں رکھتی تھی' وہ آ کے مجھے جھنجوڑتی اور میرا حال پوچھ کے کچھ برہم سی ہو جاتی۔

تیجے کے دن راج کماری کنول اور مہاراجہ بھی بھون میں تشریف لائے لیکن انہیں کرنل ہارڈنگ کی طرح میرے پاس آنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ سنا کہ راج کماری کنول نے دنیش سے اشارۃً میرے بارے میں پوچھا تھا۔ مہاراجہ کو بھون میں کرنل ہارڈنگ کی آمد کی خبر پہنچ گئی ہو گی۔ دنیش نے مجھے اطلاع دی کہ اس بار وہ بہت دیر تک بھون میں ٹھہرے رہے اور خلاف معمول یہاں کے لوگوں میں دلچسپی لیتے رہے' وہ لائبریری بھی گئے اور شاردا سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ میں ادھر بستر پر پڑا' آنے والوں کے چہرے دیکھتا رہا یا کمرے سے باہر لمحے لمحے کی خبریں سنتا رہا جب بھی کوئی ادھر کا رخ کرتا' مجھے محسوس ہوتا جیسے میرے زخم کی تکلیف میں کمی ہو گئی ہے لیکن جب جیکسن ادھر آتا تو یہ تکلیف بڑھ جاتی۔ اس میں بڑی جرات تھی۔ وہ ایک پھرتیلا اور چاق و چوبند نوجوان تھا۔ آتے ہی نرسوں کو دور رہنے کا اشارہ کرتا اور میرے سرہانے بیٹھ کے ان اذیت ناک سرگوشیوں کا اعادہ کرتا رہتا جن کی ابتدا اس نے

واردات سے پہلے کی تھی' پولیس کو بیان دیتے وقت وہ میرے پاس موجود تھا اور میرے اس کے بیان میں سرمو فرق نہیں تھا حالانکہ اس نے اس سلسلے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔ پولیس افسر نے انگریزی میں اس پر یہ راز منکشف کیا کہ بھون سے بعض گم نام لوگوں نے فون پر پولیس کو اس پہلو کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی ہے کہ آشا دیوی کو موہن داس نے قتل کیا ہے' ان کا اصرار ہے کہ وقت آنے پر تمام ثبوت مہیا کر دیئے جائیں گے۔ یہ خبر سن کے میرا تو جو حال ہوا' وہ ہوا' جیکسن بھڑک اٹھا۔ اس نے پرزور الفاظ میں میری وکالت کی اور کہا کہ جس وقت آشا دیوی کو گولی لگی' موہن داس میرے ہمراہ تھا۔ یہ ایک انگریز افسر کی گواہی تھی' ظاہر ہے' اس کے بعد تفتیش کا رخ بدل جانا چاہئے تھا مگر جیکسن مسلسل میری دل آزاری کر رہا تھا۔ وہ عجب مزاج کا شخص تھا' خود ہی زخمی کرتا تھا' خود ہی مرہم لگاتا تھا۔ پہلے اس نے مجھے موت کے منہ سے بچایا' اب پولیس سے میری جاں بخشی کے لیے وکالت کی' دوسری طرف وہ میجر رابرٹ کی ہلاکت کے بارے میں مجھ پر اپنے شکوک کا بالواسطہ اظہار کرکے میرے کانوں میں سیسہ انڈیل دیتا تھا۔ اس نے مجھے چین نہیں لینے دیا۔ اس نے کبھی مجھ پر قتل کا فتویٰ کھلم کھلا صادر نہیں کیا۔ وہ لرزہ خیز اشارے کرتا تھا اور مجھ سے اپنے عہد کی تجدید کراتا رہتا تھا کہ صحت یابی کے بعد میں کتے کی طرح بھون کے در و دیوار سونگھنے کے کام میں سرگرم ہو جاؤں گا۔ جیکسن کو یہ علم بھی ضرور ہو گیا ہو گا کہ کرنل ہارڈنگ نے دنیش سے اپنی گفتگو کے دوران میں مجھے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس کے ذرخیز ذہن میں فوراً یہ جواز آیا ہو گا کہ کرنل ادھر ادھر کے بیانات کے بجائے موہن داس کی زبانی واردات کا حال سن کے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہو گا۔ چونکہ چھاؤنی کا ایک ذہین افسر اس میں ملوث تھا۔ آگے بڑھنے اور کوئی کارنامہ دکھانے کے شوق میں اندھا دھند بھاگنے والے اس افسر کو خواب میں بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ میرے اور کرنل کے درمیان کسی قسم کا تعلق ہے اور کرنل نے یہاں آکے اس نانجار سے کن معاملات پر گفتگو کی ہے۔ جیکسن تو اپنی دھن میں مست تھا۔ اس ٹائپ کے لوگ اپنے طور پر چپکے چپکے کام کرتے رہتے ہیں اور بعد میں ایک دم دھماکہ کر دیتے ہیں' وہ خود کو میجر رابرٹ کا جانشین ثابت کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں آزما رہا تھا۔ مجھ کم بخت کو زخمی ہونا بھی انہی دنوں رہ گیا تھا۔

یہ دنیش چندر کا خاص کمرہ نہ ہوتا اور میرے زخموں کی نمائش کسی عام جگہ لگی

ہوتی' اپنے کوارٹر میں یا ہسپتال میں تو میرا تماشا دیکھنے کے لیے ایک ہجوم اکٹھا ہو جایا کرتا۔ دنیش کی سخت پابندیوں کے باوجود آنے والے آجاتے تھے۔ پریت' انیتا' کسم' ہیما اور بھون کی دوسری لڑکیوں کے دل میں بھی میری دید کی خواہش ابھری ہو گی۔ لیکن وہ دل مسوس کے رہ گئی ہوں گی' آنے کو جی بھی مچلتا ہو گا اور آنے سے خوف بھی آتا ہو گا' پنڈت ایشوری لال اپنا دھواں دیتا ہوا کرچھا میری مسہری کے گرد گھما گیا تھا۔ میری غضب ناک آنکھیں دیکھ کے خاموش رہا اور اپنے آپ ہی سے کچھ کہتا سنتا رہا۔ پھر سر جھٹکتا اور بدبداتا ہوا چلا گیا۔

تین دن بعد' جب آشا دیوی کی موت کی رسوم سے لوگ تھک گئے تو انہوں نے دنیش کے گرد اکٹھا ہونا شروع کر دیا۔ راجے پور میں یہ تشویش ناک افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ مہاراجہ کا زوال قریب ہے' اب اقتدار دنیش چندر کو سونپ دیا جائے گا۔ کرنل ہارڈنگ خود دنیش چندر سے ملاقات کرنے اور معاملات طے کرنے آیا تھا۔ کرنل نے اپنی حسین بیٹی کو پرکاش بھون میں جان بوجھ کر بھیجا ہے۔ ان میں سب سے دلچسپ دنیش اور ریتا کے تعلق کی شرم ناک افواہ تھی کہ راج کمار دنیش نے کرنل کی بیٹی کو اپنے دام میں گرفتار کرلیا ہے' بس اب کچھ دنوں کی دیر ہے' ریاست میں ایک بہت بڑی تبدیلی آجائے گی۔ یوں تو ان افواہوں سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا مگر جگ دیپ اور اس کے رفیقوں کے بوکھلا جانے کا اندیشہ تھا۔ ریتا کے اعزاز میں شکار کا پروگرام ملتوی کر دیا گیا تھا۔ پارو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتی تھی۔ غذائیں' حتیٰ کہ پانی تک اس کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے ٹیسٹ کرلیا جاتا تھا۔

تیسری رات' رات گئے ملاقاتی کمرے میں شور اچانک بجھ گیا۔ میں نے گھبرا کے نرس سے کہا۔ "دیکھو باہر کیا ہو رہا ہے؟" لیکن نرس کے جواب دینے سے پہلے مجھے ایک مانوس آواز سنائی دی۔ "کہاں ہے وہ؟" کسی نے گرج دار آواز میں پوچھا۔

"کون مہاراج؟" دنیش نے حیرت سے کہا۔ "آپ؟ اتنی رات گئے؟"

"کیا میرے لیے کوئی وقت مقرر ہے؟" اس نے برہمی سے کہا۔ دوسرے ہی لمحے میرے کمرے میں سادھو دیوراج داخل ہو گیا۔ نرسیں ایک طرف سمٹ گئیں۔ اس کے پیچھے پیچھے پارو' شاردا' ریتا اور دنیش تذبذب کے عالم میں اندر چلے آئے۔ سادھو چند ثانیوں تک مجھے متوحش نظروں سے گھورتا رہا۔ میں نے بے نیازی سی برتی'

رسمی طور پر پرنام کیا اور سامنے کی جانب نظر کیے رہا۔ میری یہ کیفیت غالباً لاشعوری تھی، کہیں دور نہاں خانے میں ایک شکوہ سا چھپا بیٹھا تھا کہ اس نے آنے میں دیر کیوں کر دی اور فوری طور پر اس شکوے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ''اب بھی جی نہیں بھرا؟'' وہ تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد بولا۔ ''ابھی حسرت باقی ہے؟''

میں نے زبان نہیں کھولی۔ اس نے آگے بڑھ کے میری چادر کھینچ لی اور نرس کو حکم دیا کہ وہ میری ٹانگ کی پٹیاں اتار دے۔ نرس کو اس کا حکم ماننے میں تامل ہوا۔ اس نے بے چارگی سے دنیش کی طرف دیکھا مگر دنیش کے اشارے پر اس نے جلدی جلدی پٹیاں کھولنی شروع کر دیں۔ پنڈلی پر جو مرہم وغیرہ لگا ہوا تھا، سادھو نے حکم دے کے اسے بھی صاف کروا دیا۔ پنڈلی میں ایک گہرا زخم تھا جو میں نے خود پہلی بار دیکھا۔ گولی گوشت کے حصے سے گزر گئی تھی۔ ہڈی سے ایک آدھ انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ سادھو نے مسہری پر بیٹھ کے اپنے کھردرے ہاتھوں سے زخم چھوا۔ میرے منہ سے ایک کراہ نکل گئی۔ وہ خاص زخم کی جگہ انگلی سے کچھ نشانات بنانے لگا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ تیزی سے رقصاں تھے، سب دم بہ خود تھے۔ زخم خوردہ علاقے پر انگلی کے قلم سے نہ ابھرنے والی کچھ تحریریں رقم کرنے کے بعد اس نے اپنی دھوتی سے لٹکی ہوئی ایک چھوٹی سی پوٹلی کھولی۔ اس میں ایک مرجھایا ہوا پتا تھا، تازہ تازہ خشک ہوا تھا۔ پتا اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پیس کر میرے زخم میں بھر دیا، میں تڑپ اٹھا، اذیت سے میری چیخیں نکل گئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سادھو نے زخم میں مرچیں بھر دی ہوں، میں نے برداشت کرنے کی بہت کوشش کی لیکن پنڈلی میں آگ سی لگ گئی تھی، میں بے قابو ہو کے بستر پر پچھاڑیں کھانے لگا۔ سادھو پر میری اذیت کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ زخم پر برابر پھونکیں مارتا رہا۔ سادھو کے کام میں مداخلت کی جرات کسی نے نہیں کی مگر کچھ ہی دیر بعد مجھے تکلیف میں کچھ کمی محسوس ہوئی اور سادھو کی پھونکوں سے ٹھنڈک پڑنے لگی جب کہ پہلے انہی پھونکوں سے زخم کی آگ بھڑک بھڑک جاتی تھی۔ مجھے حیرت انگیز طور پر لمحوں میں قرار آنے لگا اور میں نے گردن ایک طرف ڈال دی، سادھو پورے انہماک کے ساتھ اپنی انگلی سے زخم سہلاتا رہا اور پائنتی سے اٹھ کر میرے سرہانے بیٹھ گیا۔ نرس دوبارہ پٹی باندھنے کے لیے بڑھی۔ سادھو نے اسے جھڑک دیا۔ وہ اپنی جگہ ٹھٹک کے رہ گئی۔ سادھو کا علاج اس قدر تیز اور موثر تھا کہ مجھے اپنی ٹانگ میں بس ایک ہلکی سب چبھن محسوس ہوتی تھی جو بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی۔

''سادھو مہاراج!'' مسرت اور ممنونیت کے جذبے سے میری آواز کانپنے لگی۔ ''میں اب اٹھ سکتا ہوں، اب تکلیف کا صرف احساس باقی رہ گیا ہے۔ تم نے اتنی جلدی یہ کیا کر دیا؟''

''مجھے آنے میں دیر ہو گئی، تیرے لیے یہ پتا لانے کے لیے مجھے بہت دور جانا پڑا۔ اب میں بار بار وہاں نہیں جا سکتا اور نا گلا کو بار بار تنگ نہیں کر سکتا۔'' وہ ناگواری سے بولا لیکن اس کی ناگواری میں شفقت کا رنگ صاف نمایاں تھا۔

''تم نے میرے لیے بہت کشٹ اٹھایا مہاراج!'' میں نے کہا۔

''اب تو کب تک یہاں رہے گا؟ شریر چھلنی ہو جائے گا بالک! چل اٹھ اور میرا کاندھا پکڑ لے۔'' میں نے جواب دینے سے پہلے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کو سہم کر دیکھا، سادھو سمجھ گیا اور نظریں گھما کے ناراضی سے بولا۔ ''جاؤ، اپنا کام کرو، یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جاؤ، جیون میں ڈوب جاؤ۔'' سادھو کے اس تحکمانہ انداز تخاطب پر کسی نے برا نہیں مانا۔ کمرے میں سادھو اور میں اکیلے رہ گئے۔ وہ میرے بستر کے گدے پر دو تین بار اچھل کے بولا۔ ''یہاں تو کانٹے لگے ہوئے ہیں، آ پتھر تیرا انتظار کر رہے ہیں۔''

خوف کی ایک لہر میرے جسم میں تیر گئی۔ میں نے دل برداشتہ انداز میں جواب دیا۔ ''یہ کانٹے بھی چند دن کے ہیں، میں اب چند دنوں کے لیے کہاں جاؤں گا۔''

''کیا تیرا مطلب یہ ہے کہ تو یہاں سے نکلنا نہیں چاہتا؟''

''ہاں، یہی سمجھ لو، یہاں ابھی تک میری ضرورت ہے، کیا میں انہیں ادھورا چھوڑ کے تمہارے ساتھ چلا چلوں؟''

''تو کون ہوتا ہے، کیا تیرا استھان یہ ہے؟ یہ تو ایک سرائے ہے۔ تو یہاں کب تک ٹھہرا رہے گا۔ جب نکال دیا جائے گا جب تک؟'' وہ گرجا۔

پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''اسے تیرا انتظار کرتے کرتے دیر ہو گئی تو وہ کہیں اور چلی جائے گی پھر تو جیون بھر روتا رہے گا۔''

''سادھو مہاراج!'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ ''میں ایسی حالت میں باہر کیسے جا سکتا ہوں۔ ابھی تک تو سب کچھ یوں ہی پڑا ہے، میرا بال بال بندھا ہوا ہے۔ میں اطمینان کے بغیر کیسے جا سکتا ہوں۔''

" تو ان کیکڑوں کی پروا کرتا ہے؟ تجھے خبر بھی ہے' تیری آس لگائے کون بیٹھا ہے؟ابھاگی! کیا تو اسے بھول گیا؟ کیا تو یہ بھول گیا کہ تجھے کہاں جانا ہے؟ پھر مجھ سے مت کہنا میں تجھے بار بار یاد دلانے آیا ہوں۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہوتا کہ گپھاؤں میں' پہاڑوں پر' جہاں آدمی نہیں پھٹکتا۔ وہ اس بار بڑے اعتماد کے لہجے میں کسی کے انتظار کرنے کا ذکر کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی دیوی کا ذکر کر رہا ہے۔ سو میں نے اس سے اس کی تفصیل بھی نہیں پوچھی لیکن اس کی باتوں سے دل پر ضرب سی لگتی تھی۔ یک بارگی جی چاہتا تھا کہ اٹھ کر اس کے ساتھ چلا جاؤں اور دیکھوں کہ کون میرا منتظر ہے جس کے لیے پنڈت ایشوری لال دیوانہ بنا پھرتا ہے اور جس کے لیے سادھو دیوراج جیسا مہان سادھو مجھ پر مہربان ہے' یہ کیا رمز ہے؟ مگر پھر میرے نہاں خانے میں اندیشے جاگزیں ہو جاتے اور بہت سے چہرے میری نظروں میں گھوم جاتے۔ بہت سے چہرے' بہت سے رشتے' بہت سے قرضے میں تو سڑک کے درمیان کھڑا تھا اور ہر وقت یہ احساس ہوتا تھا کہ سڑک اب ختم ہو جائے گی۔ جب پنڈت اور سادھو ایسی معنی خیز باتیں کرتے تھے تو مجھے خود سے ایک اجنبیت محسوس ہوتی تھی' جیسے میں اپنا نہیں ہوں' میں تو ادھار کا آدمی ہوں' میرا ارادہ اپنا نہیں ہے' میں زنجیروں میں بندھا ہوا ہوں۔

سادھو دیوراج مجھے کش مکش میں مبتلا دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب وہی تجھے سمجھے گی مورکھ! اپنے من کے حوصلے نکال لے۔ تو سمجھتا ہے' تیرا کام ایک دن میں ختم ہو جائے گا۔ تیرا کام کبھی ختم نہیں ہو گا۔ ہر دن اور بڑھ جائے گا اور پھر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔" وہ بپھرنے لگا تھا۔ پھر وہ مجھ پر یاس اور حسرت کی ایک نگاہ ڈالتا ہوا باہر کی طرف چلا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں اسے روکوں۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا۔ کمرے میں ایک ساتھ بہت سے لوگ داخل ہو گئے۔

" کیا وہ ناراض ہو کے گیا ہے؟ دنیش نے تشویش سے پوچھا۔

" شاید۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

" کیوں؟" وہ کیا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں کہاں لے جانے کو کہہ رہا تھا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔ " یہ کیا راز ہے' وہ تم پر بطور خاص اتنا فریفتہ کیوں ہے؟"

وہ سب مجھ سے کرید کرید کے پوچھتے رہے کہ سادھو نے ان کی عدم

موجودگی میں مجھ سے کیا کیا باتیں کیں؟ سادھو کا اچانک آنا اور میرے زخم سے اتنی ہمدردی رکھنا۔ میرے سرہانے بیٹھ کے تخلیے کا حکم دینا' ان سب کے لیے یقیناً ایک ناقابل فہم اور پراسرار مظاہرہ تھا۔ خود میرے تجسس کی کیفیت ان سے مختلف نہیں تھی۔ میں نے انہیں یہ کہہ کے ٹال دیا۔" سادھو کو میرے جسم پر کچھ ایسی علامتیں نظر آگئی ہیں جو دھرماتما لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہیں۔ غالباً اس کی خواہش یہ ہے کہ میں سنسار کا کام چھوڑ کے دھرم کی طرف راغب ہو جاؤں۔"

" تم نے کیا جواب دیا؟" پارو نے اضطراب سے پوچھا۔

" میں نے اسے مایوس کر دیا۔"

وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سادھو کا ایک کارنامہ خود ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ میری پنڈلی پر زخم کی جگہ اب صرف ایک سیاہ دھبہ رہ گیا تھا۔ نرسیں بار بار اسے دیکھتی تھیں اور انگلی سے چھیڑ کے درد کی شدت کا اندازہ لگاتی تھیں۔ میں زخمی ٹانگ کے زور پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلا ہوا حصہ دنیش نے بھی دیکھا تھا۔ سب حیرت زدہ تھے۔ سادھو نے آکر مجھے ایک عذاب سے نجات دلا دی تھی۔ کون کسی کا اتنا خیال رکھتا ہے؟ جب دنیش چندر کو گولی لگ گئی تھی تو سادھو اسے دیکھنے کے لیے ایک بار پہلے بھی آیا تھا اور دروازے سے واپس ہو گیا تھا۔ وہ دنیش کے لیے کوئی ایسی کرشمہ کار دوا ساتھ نہیں لایا تھا۔ ایک موقع پر بھون کی طناز عورتیں میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔ اس وقت سادھو ہی تھا جس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے اور مجھ سے شفقت کا اظہار کر کے سب کو دنگ کر دیا تھا۔ اب سادھو دیو راج ایک اور شوشہ چھوڑ کے چلا گیا تھا۔ نرسوں کی زبان نہیں کاٹی جا سکتی تھی۔ صبح تک بھون میں اس بات کا چرچا ہو جانا ضروری تھا میں اٹھ کر چلنا پھرنا چاہتا تھا لیکن دنیش نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ نتیجتاً مجھے بستر پر ٹھہرے رہنا پڑا۔ احتیاطاً نرسوں کو بھی روک لیا گیا تھا۔ دنیش کو شبہ تھا کہ سادھو کی تیر بہدف دوا کے اثرات ذرا سی بے احتیاطی سے مختلف نہ ہو جائیں۔ لیٹے لیٹے میرا جسم اکڑ گیا تھا۔ ڈالی نے آکے میری پنڈلی کی مالش کی۔ ملاقاتی کمرے کے بجائے اب سب اسی کمرے میں آ گئے تھے۔ نرسیں باہر بھیج دی گئی تھیں۔ 2 بجے رات تک وہ وہاں ٹھہرنے کے لیے بہانے کے طور پر مختلف موضوعات ڈھونڈتے رہے۔ ریتا کی وجہ سے بیشتر گفتگو انگریزی میں ہوتی رہی جسے بھی موقع ملتا۔ وہ چور نظروں سے ایک بار میری طرف دیکھ لیتا تھا اور مسکرا کے پھر بحث میں شامل ہو جاتا

تھا۔

ڈینش نے ٹھیک 2 بجے یہ محفل برخاست کرنے کا اعلان کیا اور میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ سب اپنے اپنے مسکنوں میں چلے گئے مجھے نیند نہیں آئی۔ میں صبح تک جاگتا رہا۔ جانے کہاں کہاں آوارہ پھرتا رہا صبح جب اجالا پھیلنے لگا۔ تو نرسوں نے ادھر کا رخ کیا میں نے انہیں واپس بھیج دیا۔ رات کو کئی بار میں نے کمرے میں چل پھر کے اپنے زخم کی صحت کا مکمل یقین کرلیا تھا۔ اب نرسوں کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خوب چل پھر سکتا تھا۔ صبح دم سب سے پہلے میں نے ملاقاتی کمرے میں جاکے فون اٹھایا احتیاط سے نمبر ملانے لگا۔ جیسا کہ مجھے یقین تھا' وہ اپنے بستر پر موجود تھی۔ میں نے شائستگی سے اسے مخاطب کیا۔'' میں پروفیسر ہوں۔''

'' پروفیسر !'' وہ چونک پڑی۔'' اب کیسے ہیں آپ؟''

'' سنا تھا کہ آپ تشریف لائی تھیں۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

'' ہاں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ایک سنگین حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ کو دیکھنے کو بہت جی چاہا لیکن کوئی ایسی صورت نظر نہیں آئی۔ ہم بہت دیر ٹھہرے رہے۔'' اس کی آواز میں رعشہ سا تھا۔

'' مجھے اپنی بدنصیبی کا افسوس ہے۔''

'' پھر ہم نے کئی بار آپ کو فون کیا مگر کسی بار بھی آپ کا حال پوچھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جب بھی فون کیا' یہی بتایا گیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ شاید آپ کے کمرے سے فون اٹھا لیا گیا تھا۔''

'' جی لیکن اب میں تقریباً پھر زندہ ہو گیا ہوں اور آپ سے بات کرسکتا ہوں۔ یہ آنکھ مچولی تو عرصے سے جاری ہے' کہئے آپ کا مزاج کیسا ہے؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔'' مہاراجہ کا کیا حال ہے؟''

اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''مہاراجہ بہت ناآسودہ ہیں۔ بیشتر وقت لائبریری میں گزارتے ہیں اور ہمارا حال تو یکساں ہے۔ یہ بتایئے کہ آپ نے آج کیسے فون کرلیا؟'' اس کے لہجے میں کھنک پیدا ہوئی۔

'' بس یوں ہی آپ کو زحمت دینے کو جی چاہا۔ سوچا' صبح صبح آپ کی آواز سنی جائے اور دوسری زندگی کا آغاز اس شان دار طریقے سے کیا جائے۔ اس جرات کی تخلیق آپ کے دیئے ہوئے اعتماد کے بغیر ممکن نہیں تھی۔''

'' خوب' وہ ضرور مسکرائی ہو گی۔ میں تصور میں اس رشک سمن کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ یہ آئینہ ہر شخص کے پاس ہوتا ہے مگر اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ کبھی کبھی آئینے پر گرد پڑ جاتی ہے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اسے بہت نزاکت سے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔'' آپ کا فون غیر متوقع ہے۔'' وہ طمطراق سے بولی۔'' ہماری صبح کا آغاز بھی آج نہایت دلچسپ انداز میں ہوا۔''

'' میں دعا کروں گا کہ آپ کا دن اچھا گزرے۔'' میں نے برجستہ کہا۔

'' اچھے دن تو نایاب ہو گئے ہیں پروفیسر !'' وہ مغموم لہجے میں بولی۔ کاش ایسا ہو اور آپ کی آواز مبارک ثابت ہو۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگی۔'' ہمیں امید ہے آج کا دن کچھ بدلا ہوا ضرور ہو گا۔''

'' دیکھئے' دن بھر دھڑکا لگا رہے گا۔ ہو سکے تو رات کو بتا دیجئے گا۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔'' ایک یہ زحمت اور کر لیجئے گا۔''

وہ ہنسنے لگی۔'' یہ بتایئے آپ ادھر کب آ رہے ہیں؟''

'' مجھے یاد ہے کہ آپ نے کہا تھا کہ راج محل کے دروازے مجھے ہر وقت کھلے ہوئے ملیں گے' حالانکہ راج محل کی بلند و بالا عمارت کا تصور کر کے قدم جھجکنے لگتے ہیں۔ آپ ہی بلانے کا کوئی اہتمام کیجئے۔ کبھی کبھی آنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ راج کمار ڈینش کی حالت تو کچھ بے قراری سی ہے۔

'' تو آنے میں کیا تامل ہے' نہ آپ آتے ہیں نہ ڈینش۔ یہ عمارت جو سرخ اور مضبوط پتھروں سے بنی ہوئی ہے' اس میں بھی انسان رہتے ہیں پروفیسر ! اور آپ کو اہتمام کا کیا عذر ہے۔ بس ارادہ کیجئے اور آجایئے۔ واقعی آپ کو دروازے کھلے ہوئے ملیں گے۔ شرط یہ ہے کہ آپ اپنا دروازہ کھول کے باہر تو آئیں۔''

'' آپ تو سب کچھ جانتی ہیں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ چند لمحے ریسیور پر سکوت طاری رہا۔ وہ اپنے ذہن میں لفظوں کا خاکہ تیار کر رہی ہو گی۔ میں نے پھر پہل کی اور دھیمی آواز میں کہا۔'' ایک بات کہوں۔''

'' جی۔'' اس کا لہجہ مستعد ہو گیا۔'' کہئے۔''

'' کبھی کبھی' خراب موسم دیکھ کے اور وحشت انگیز خبریں سن کے جی کرتا ہے کہ راج محل کا رخ کیا جائے اور مہاراجہ اور آپ کی دل نشیں رفاقت سے ذہن کا تکدر دور کیا جائے۔ مہاراجہ کی ذات سے ایک خاص ربط محسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک بہت نرم

خو اور مدبر شخص ہیں۔"

"وہ بھی آپ سے بہت متاثر ہیں۔ صرف ایک ملاقات میں ان کے دل و دماغ پر آپ کا گہرا نقش قائم ہوا ہے وہ آپ سے دوبارہ ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ ہم آپ کے جذبات ان تک ضرور منتقل کریں گے۔ فرمائیے' آپ کچھ کہہ رہے تھے؟"

"ہاں ۔ آپ نے مہاراجہ کی ناسازی مزاج کا ذکر کیا تھا۔ کچھ نزاکتوں کا خیال مجھے بھی ہے۔ میں ......" میں نے جھجک کے کہا۔ "میں مہاراجہ کی اعلیٰ دماغی اور غیر معمولی سیاسی بصیرت کا معترف ہوں لیکن کبھی چیزیں دوسرے انداز سے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔"

"ہمیں یقین ہے' آپ کوئی بہت قیمتی بات کہنے والے ہیں ۔ ہم بے حد مضطرب ہیں۔" اس نے تمکنت سے کہا۔

"کیوں نہ پرانے دوستوں کو ایک بار آزما لیا جائے۔ ان سے کہئے ایک ذرا دل سے آواز دیجئے' پھر سب بے خوار شیر و شکر ہو جائیں گے۔ گرمی کا احساس گرمی اور شدید کر دیتا ہے۔ کچھ لوگوں سے اگر کبیدگی کا شکوہ ہے تو سینہ کشادہ کرنے کا تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے' جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے' میں سمجھتا ہوں' بادل اب بھی چھٹ سکتے ہیں اور برکھا برس سکتی ہے۔"

"جی پروفیسر!" میں نے اس کا تاثر جاننے کے لئے وقفہ لیا۔ "ہم ہمہ تن گوش ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ اسی طرف آ جائیں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے بے چینی سے جواب دیا۔ "میں اس خبر کا آرزو مند ہوں کہ مہاراجا اپنے پرانے حسین رفیقوں کی ایک شان دار ضیافت کا اہتمام کر رہے ہیں اور دوسری طرف مہاراجا کے اعزاز میں چھاؤنی میں ایک عظیم الشان جشن منعقد ہو رہا ہے۔"

"پروفیسر!" وہ جذباتی انداز میں بولی۔ "ناگفتنی باتیں ہیں۔"

مجھے احساس ہے' میں نے تیزی سے کہا۔ "ادھر راج کمار دنیش بھی بہت حساس ہیں۔ میں سمجھتا ہوں' آپ یا مہاراجہ انہیں کسی خدمت کے لیے طلب کریں تو ان سے اہم کام لیے جاسکتے ہیں۔ خبریں تو عجب عجب اڑتی ہیں لیکن دنیش چندر ایک مختلف نوجوان ہیں۔ کچھ یہی سبب ان سے میری دوستی کا ہے۔"

"بلاشبہ دنیش ایک ممتاز اور علیحدہ نوجوان ہیں۔" اس نے تپاک سے کہا۔

"اور وہ ایک سعادت مند شخص بھی ہیں۔ ان کے سینے میں ایک غریب آدمی کا دل دھڑکتا ہے وہ نہ پرکاش چندر ہیں' نہ مہیش چندر اور نہ کوئی اور' ان کا سینہ بہت بڑا ہے اور نگاہ جھکتی ہے۔"

"اور آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے ہیں؟" اس نے تیکھے پن سے کہا۔

"میں تو ابھی کچھ سیکھنے کی منزل میں ہوں' کسی چیز کی تلاش ہے۔"

"آپ کے کتنے روپ ہیں پروفیسر؟" وہ شوخی سے بولی۔

"صرف ایک روپ۔"

"اور ہمیں اسے دیکھنے کی آرزو ہے۔"

"آگ لگ جائے گی۔" کاش یہ جملہ واپس ہو سکتا۔ بس میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے اپنے گال پر طمانچہ مارا۔ وہ بھی کچھ چپ ہو گئی' میں نے کریڈل پر ہاتھ رکھ دیا اور بیٹھے بیٹھے ہانپنے لگا۔

صبح اٹھ کے دنیش نے ملاقاتی کمرے میں مجھے صوفے پر ایک طرف سمٹتے ہوئے خاموش بیٹھے دیکھا تو اسے یقین نہیں آیا کہ میں اپنے پیروں سے چل کے یہاں تک آیا ہوں۔ اس نے مجھے دوبارہ کمرے میں ٹھونس دیا اور زبردستی بستر پہ لٹا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ مجھے اپنی صحت یابی کا انکشاف بتدریج کرنا چاہئے' اس طرح میں موجودہ اشتعال انگیز ماحول میں زیادہ سے زیادہ محفوظ رہوں گا۔ دوسری طرف سادھو کے متعلق ہونے والے چرچوں میں کمی آجائے گی۔ ورنہ سارا کا سارا بھون سادھو کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے گا اور توہمات کا بخار اتارے نہیں اترے گا۔ یہ اصل میں عذر لنگ تھا اور حقیقت یہ تھی کہ دنیش کو کہیں نہ کہیں سے مجھ پر پھر حملہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ بھون کی فضا آشا دیوی کی موت کے بعد اور خراب ہو گئی تھی اور میرا حال یہ تھا کہ اب مجھ سے ایک لمحے بستر پر نہیں ٹھہرا جاتا تھا۔ کسی کل چین نہیں تھا۔ بستر پر لیٹنے کے بجائے میں اٹھ کے ٹہلنے لگا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ سب سے پہلے جیکسن کمرے میں آیا اور مجھے چلتا پھرتا دیکھ کے حیرت زدہ رہ گیا۔ دنیش نے اسے اس امید پر اندر آنے دیا ہو گا کہ میں بستر پر لیٹا ہوں گا۔ یہاں میں اس دیوار سے اس دیوار تک مٹرگشت کر رہا تھا۔ صحت یابی کی مسرت اور صبح صبح کنول سے بات کرنے کا جو ایک نشہ ذہن پر طاری تھا وہ جیکسن کو دیکھ کے رفع ہو گیا۔ پتہ نہیں' راج کماری کنول کا دن کیسا

گزرے۔ میں نے سوچا، جیکسن کو دنیش کی خواب گاہ سے ملحق اندھے تہہ خانے میں ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔ میری بیماری میں بھی اس کی ریشہ دوانیاں جاری رہی تھیں۔ اب مجھے چاق و چوبند دیکھ کے وہ اور پرجوش ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ میں بھون کے زیر زمیں رازوں سے واقف ہوں۔ میں نے اس کا یہ یقین یکسر مسترد کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ میرے کارآمد ہونے کی یہی رعایت اس کے ہول ناک الزامات التوا میں ڈال سکتی تھی۔ میں اسے اس قسم کا تاثر دیتا رہا کہ اس نے بھون میں میری خاص حیثیت کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ بالکل درست ہے۔ میں خود کو اس کا آلہ کار بنانے کی ضمانت دیتا رہا۔ اس کی جلدی کی وجہ یہ تھی کہ ابھی ریتا پرکاش بھون میں مہمان تھی اور وہ کسی بھی وقت واپسی کا اعلان کر سکتی تھی۔ یہی بات میرے لیے بھی طمانیت کا سبب تھی کہ ابھی اس ذہین شخص کا قیام یہاں ہے۔ بدقسمتی سے گولی چل گئی اور سارا معاملہ ادھورا رہ گیا۔ میں اس کی تطہیر کرنے سے پہلے اسے چھاؤنی کیسے رخصت کر سکتا تھا۔ دلوں کی صفائی ہو جانی چاہئے تھی ورنہ پیچیدگیاں بڑھ جانے کا احتمال تھا۔ مجھے احساس تھا کہ پرکاش بھون کے قیام کے دوران میں مختلف لوگوں سے جیکسن کا رابطہ رہا ہو گا۔ مجھ پر اس کی توجہ بے سبب تو نہیں تھی۔ اس مرتبہ بھی چند رسمی جملوں کے بعد اس نے اپنی باتیں چھیڑ دی تھیں۔ سادھو میری پنڈلی کا زخم تو ٹھیک کر گیا تھا لیکن اس نے یہ کچوکے ختم کرنے کی کوئی دوا نہیں دی تھی۔ اس وقت تو میں نے حسب معمول نہایت نیاز مندی سے عہد و پیمان کی تجدید کرتے ہوئے اسے مطمئن واپس کر دیا لیکن میرا اطمینان بھی وہ اپنے ساتھ لیتا گیا۔ پھر جیسے ہی پارو آئی۔ میں نے پہلی بار اسے اشارتاً جیکسن کے مشکوک رویے کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا مگر میں ارادہ ہی کرتا رہ گیا۔ پارو شاید اتنا بڑا الزام برداشت نہ کر پاتی۔ جو کچھ کرنا تھا۔ مجھی کو کرنا تھا اور اس معاملے کو تمام کاموں پر فوقیت دینی تھی۔ بھون میں کسی وقت بھی کوئی ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا اور ریتا کی وداعی عمل میں آ سکتی تھی۔ ریتا اور کرنل ہارڈنگ کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ انہیں جیکسن کی فتنہ پردازیوں کا علم ہے۔ چنانچہ یہ بات طے تھی کہ جیکسن یہ تمام کارروائیاں اپنے طور پر کر رہا ہے۔ میں سارے دن یوں ہی الجھا رہا۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی تھا۔ مجھے تمام الجھنوں کا حل ایک ہی نظر آیا چنانچہ میں نے دنیش کے مشورے پر عمل کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ گزشتہ دن کی طرح آج بھی فکر مند لوگ مجھے دیکھنے آتے رہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور مجھے

اس کے ضیاع کا شدت سے احساس تھا، ممکن ہے، رات کو کسی وقت راج کماری نے فون کیا ہو اور میرے پیغام پر مہاراجہ کا تاثر مجھے منتقل کرنے کی خبر دینا چاہتی ہو۔ میں لوگوں میں گھرا ہوا بیٹھا رہا۔ اس رات میں نے ڈالی کو ہدایت کی کہ وہ کپڑوں کی کسی گٹھری میں ایک مضبوط اور بڑی رسی کہیں سے فراہم کر کے لائے، دوسرے دن دوپہر کے وقت ڈالی گٹھری میں رسی چھپا کے لے آئی اور مسہری کے نیچے چھپا دی، تنہائی کا موقع ملتے ہی میں نے اسے پردوں کے پیچھے حفاظت سے رکھ دیا۔ ریتا، پارو اور شاردا کو معلوم تھا کہ میں بستر پر محض احتیاطاً دراز ہوں، اب میں ان کے سامنے بستر پر بیٹھ سکتا تھا اور ناتوانی سے کمرے میں چل سکتا تھا۔ یہ مصنوعی مظاہرہ بہت برا لگتا تھا لیکن اب مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

سہ پہر کو دنیش نے مجھے خبر دی کہ مہاراجہ نے آج رات اسے ایک بے حد مخصوص اور نجی دعوت میں مدعو کیا ہے جس میں چھاؤنی سے صرف کرنل ہارڈنگ شریک ہے۔ وہ جوشیلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے، مہاراجہ نے دعوت کے شرکا میں صرف میرا، اپنا اور کرنل ہارڈنگ کے ناموں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے اور کنایتاً اسے خفیہ رکھنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ موہن ایک اہم بات اور۔ مہاراجہ کو پوری طرح علم ہے کہ پروفیسر زاہدی کون ہے، انہوں نے کہا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان دنوں پروفیسر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہمیں خوشی ہوتی، اگر وہ بھی شریک ہوتے۔ سمجھے؟ مہاراجہ اس خاص دعوت میں تمہاری شرکت پسند کرتے تھے۔ تم نے تو کمال کر دیا۔ ایک ہی ملاقات میں کیسا جادو کر دیا۔ میں سوچتا ہوں، آج تم موہن داس کی حیثیت سے میرے ساتھ چلو، لطف رہے گا۔ میں مہاراجہ اور کرنل سے معذرت چاہ لوں گا۔''

میں اس خبر کا منتظر تھا۔ میرے خط کا جواب آ گیا تھا۔ رات کنول نے ضرور فون کیا ہو گا۔ میں نے پورے انہماک سے دنیش کی داستان سنی اور مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔ آج آپ تنہا جائیے دوسری ملاقاتوں میں میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔''

''نہیں آج ہی چلو، میں تنہائی محسوس کروں گا۔'' وہ ضد کرنے لگا۔

''آج مناسب نہیں۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''مگر تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو، تم نے تبصرہ نہیں کیا، اتنی اہم بات

آسانی سے پی گئے ؟"

"تبصرہ محفوظ ہے' بس آپ کو وہاں اپنی شخصیت کی طرح دل کش گفتگو کرنی ہے اور تو سب کچھ ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تم بھی ساتھ چلونا۔" وہ پھر مچلنے لگا۔

"میں نے اس کی بات نظرانداز کر دی اور بھون میں رات کو اس کی منزل کی سمت خفیہ رکھنے کے انتظامات پر گفتگو کرنے لگا۔ طے یہ پایا کہ محل کا یہ حصہ بند کر دیا جائے گا اور میں اس میں مقید ہو جاؤں گا' شاردا سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ پارو اور ریتا کو مصروف رکھے' ضروری ہو تو شاردا کو اصل بات بتا دی جائے گی۔ دنیش اپنی خاص گاڑی کے بجائے کسی اور گاڑی میں جائے گا اور پہرے داروں کو پہلے سے مطلع کر دیا جائے گا۔ وہ دروازہ کھلا رکھیں گے۔ احتیاطاً دنیش پروفیسر کی داڑھی اپنے چہرے پر استعمال کرے گا اور خود گاڑی ڈرائیو کرے گا۔ راج محل میں جاتے ہی دنیش داڑھی اتار لے گا' ادھر مہاراجہ نے بھی اپنے مہمانوں کی آمد خفیہ رکھنے کے انتظامات کیے ہوں گے۔

پروگرام کے مطابق رات آٹھ بجے کے قریب دنیش چندر روانہ ہو گیا اور میں پرکاش بھون کے سربراہ کے ان کمروں میں تنہا رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رسی کی گٹھڑی لے کے باتھ روم کے راستے سے اندھیرے میں لپک گیا ۔ میرے جسم پر ایک چادر لپٹی ہوئی تھی اور آدھا چہرہ اس میں چھپا ہوا تھا' کسی نے دیکھا بھی ہو گا تو یہ خیال نہیں کیا ہو گا کہ اس حلیے میں دنیش کا خاص ملازم موہن داس جا رہا ہے۔ باغ میں اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا۔ باڑھ کے درمیان کٹے ہوئے راستے سے اندر داخل ہو کے میں بھون کی فصیل کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک مناسب جگہ کی تلاش میں مجھے خاصی دیر لگ گئی۔ اتفاق سے کوئی ایسا درخت ہی نہیں ملتا تھا جو فصیل کے قریب ہو۔ چنانچہ باغ سے متصل ملازموں کے مکانوں کے عقبی حصے کی طرف مجبوراً مجھے اپنا رخ تبدیل کرنا پڑا۔ یہ جگہ تاریک تھی اور تلاش بسیار کے بعد میری نظریں ایک ایسے درخت کا سراغ پانے میں کامیاب ہو گئی تھیں جو فصیل سے ملحق بھی تھا اور اس کے اردگرد خود رو بیلیں اگی ہوئی تھیں۔ یہاں درختوں کا ایک جھنڈ تھا جہاں نچلے ملازموں کے بچے دن کے وقت جھولا ڈال کے شرارتیں کیا کرتے تھے۔ ملازموں کا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بھی یہاں جمع ہوتا تھا' فضا میں ایک غلیظ بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے درخت پر چڑھ کے رسی کا ایک

سرا موٹی شاخ سے باندھ دیا اور اس کی مضبوطی کی خوب اچھی طرح تصدیق کر لی۔ دوسرا سرا میں نے فصیل کے باہر پھینک دیا اور درخت سے نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے ملاقاتی کمرے میں واپس آ گیا۔

دوسرے لمحے میری انگلیاں فون پر لرز رہی تھیں۔ میں نے پہلے ہی آٹھ بجے کے بعد جیکسن کو اپنے کمرے میں موجود رہنے کی تاکید کر دی تھی۔ وہ منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے پہلی گھنٹی پر فون اٹھا لیا اور چونک کر بولا۔ "تم تو ادھر آ رہے تھے۔"

"اب آپ ہی آ جائیے سرکار ! جب آپ ملاقاتی کمرے کے عقب میں آئیں گے تو ایک دروازہ کھلا ہوا ملے گا' آپ اندر آ جائیے گا۔ دیر نہ کیجئے گا حضور ! کچھ انعام ساتھ لے آئیے گا۔" میں نے جھجک کر کہا۔

فون کا سلسلہ منقطع ہونے کے سات آٹھ منٹ بعد وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ "تم اکیلے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اور اسی لیے میں نے آپ کو زحمت دی ۔ سرکار ! وقت کم ہے' میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہے آپ نے کہا تھا کہ میری خدمات کے عوض سرکار میری آئندہ زندگی کی ضمانت دے دے گی۔"

"مجھے یاد ہے' میں تمہاری پر زور سفارش کروں گا۔"

"میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں جناب ! اور یہاں سے بہت دور بھاگ جانا چاہتا ہوں' مجھے یقین دلائیے کہ آپ اپنے خادم سے اپنا وعدہ وفا کریں گے۔"

"یہ انگریز کا وعدہ ہے۔" اس نے مضبوطی سے کہا۔

انگریز کا وعدہ' محبوب کا وعدہ لیکن اس کافر کے وعدے پر مجھے ہر حال میں یقین کرنا تھا۔ "جو بات میں راز میں آپ کو بتانے والا ہوں۔" میں نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ "اس کے بعد ریاست راجے پور میں میرے رہنے کی گنجائش نہیں رہے گی کیونکہ صرف مجھے اور راج کمار دنیش کو اس کا علم ہے۔ اپنا انعام وصول کر کے میں اسی وقت یہ ریاست چھوڑ دوں گا۔ پھر یہاں واپس آنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بتائیے کہ آپ کس شہر میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"سب سے پہلے تو میں تمہیں چھاؤنی میں محفوظ کر دوں گا۔ اس کے بعد تمہیں تمہاری پسندیدہ جگہ یا کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔" مجھے اس کی بات کا

یقین کرنے میں تامل ہوا اور میں کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا' جیکسن میرے تامل کی تہہ تک پہنچ گیا۔'' انگریز اپنے وفاداروں سے دغا کرنے لگیں تو یہاں ایک دن بھی حکومت نہیں کر سکتے ۔تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہو گا۔''

'' آپ یسوع مسیح کو گواہ بنایئے۔''

'' میں یسوع مسیح کو گواہ کر کے تم سے وعدہ کرتا ہوں۔''

میری ہچکچاہٹ اور گریز سے اس کا اضطراب بڑھتا گیا اور وہ طرح طرح سے مجھے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس چالاک آدمی نے اس وقت میجر رابرٹ کی ہلاکت کے جرم کی کوئی دھمکی مجھے نہیں دی۔ میں نے اس گریز کو طول نہیں دیا۔ بصورت دیگر مجھے راہ راست پر لانے کے لیے اس کے پاس دھمکی کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ جاتا۔'' جناب !'' میں نے رازدانہ انداز میں کہنا شروع کر دیا۔'' آپ نے یہاں سے کچھ دور راجے پور کی پرانی عمارتوں کے کھنڈر دیکھے ہیں' یہ نیا شہر آباد ہونے سے پہلے وہاں بھی ایک خوب صورت بستی تھی مگر پنڈتوں نے اسے منحوس قرار دے دیا اور موجودہ مہاراجہ کے کسی پردادا نے وہ محلات چھوڑ دیئے۔ اب وہ کھنڈر میں بدل گئے ہیں۔''

'' ہاں ۔'' وہ تیزی سے بولا۔'' مجھے یہ داستان معلوم ہے اور میں نے وہ کھنڈر بھی دیکھے ہیں۔ وہاں کیا ہے؟''

'' وہاں اب بھی بہت کچھ ہے جناب !'' میں نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔'' وہاں ریاست راجے پور کی نہ جانے کونسی اہم دستاویزات محفوظ ہیں' جن کا علم صرف مجھے اور راج کمار دنیش چندر کو ہے۔''

'' اچ چھا؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

'' وہاں ایک خفیہ تہہ خانہ ہے' جس کا راستہ مجھے معلوم ہے' ایک پیچیدہ سرنگ سے ہو کے اس تہہ خانے میں جانا پڑتا ہے۔ میں وہ جگہ جانتا ہوں' کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ پتھروں کے نیچے دبی ہوئی ایک تجوری میں ایسے کاغذات محفوظ ہو سکتے ہیں۔''

'' کیا تم وہاں آسانی سے پہنچ سکتے ہو؟''

'' جی ۔لیکن صرف میں' کوئی اور نہیں ۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی دوسرا ہزار

سال کی کوشش کر کے بھی ان پتھروں تک نہیں پہنچ سکتا۔ دو ایک روز میں مناسب وقت دیکھ کے آپ کو لے چلوں گا ' اس عرصے میں آپ میرے فرار کے انتظامات کر دیجئے۔''

'' کیا تم وہاں ابھی نہیں چل سکتے ؟'' اس نے بے چینی سے کہا۔

'' ابھی ؟ یعنی اس وقت ؟ رات کا وقت ہے جناب !''

'' ہاں ابھی' رات کا وقت تو زیادہ مناسب ہے۔''

''نہیں ۔نہیں ۔'' میں نے گھبرا کے کہا۔'' ابھی نہیں۔''

'' ابھی کیوں نہیں ؟ کیا تم پھر خوف زدہ ہو کہ میں اپنے وعدے سے پھر جاؤں گا اور اس لیے انتظامات کا وقت لینا چاہتے ہو؟''

''نہیں جناب یہ بات نہیں ہے'اس وقت صدر دروازے سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ راج کمار محل گئے ہوئے ہیں اور اس کا پتہ بھی صرف مجھے ہے' بھون میں کسی اور کو نہیں معلوم۔''

'' تو پھر وہ جلد واپس نہیں آئیں گے' تم ایسا کرو کہ میری گاڑی میں چھپ جاؤ' صدر دروازے پر تمہیں کوئی نہیں دیکھے گا' کھنڈروں سے دستاویزیں حاصل کرنے کے بعد تم اگر چاہو تو یہاں واپس آجانا یا میرے ساتھ چھاؤنی چلنا۔ راج کمار کو ان کاغذات کی گم شدگی کا علم اس وقت ہو گا جب وہ انہیں تلاش کرنے جائیں گے اور وہ تنہا نہیں جائیں گے' تمہیں ضرور ساتھ لے کے جائیں گے۔تم کسی بھی لمحے چھاؤنی میں پناہ لے سکتے ہو۔''

ہر بات توقع کے مطابق ہو رہی تھی۔ میں نے رسمی انکار کیا اور آخر اس کے اصرار پر شکست قبول کر لی۔ ریتا کی گاڑی مہمان خانے کے گیراج میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے پچھلی نشست پر دبکنے کی ہدایت کی' میں اس کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے کمرے سے نکل گیا تاکہ دروازہ کھلا رکھے اور اسٹیرنگ پر بیٹھ کے میرا انتظار کرتا رہے۔ میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی خود سے جدا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ہم دونوں کا ایک ساتھ گاڑی تک پہنچنا نہ صرف مشکوک بلکہ مخدوش اقدام تھا۔ یہ مہلت مجھے جبراً دینی ہی تھی۔ اس کے جانے کے ٹھیک چار منٹ بعد میں چپکے سے باہر نکلا اور اندھیرے میں تیرتا ہوا گیراج تک پہنچ گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر وہ

اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوا نہیں ملا تو میں وہیں سے لوٹ جاؤں گا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ گویا اسے اس مختصر عرصے میں کسی سے رابطہ قائم کرنے کی مہلت نہیں ملی ہو گی۔وہ اتنے جوش میں تھا کہ اس سے اس ذہانت کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ میں نے ہر پہلو کا خیال رکھا تھا اور اس وقت کھنڈروں میں جانے سے انکار کر دیا تھا' یہ پروگرام اسی کا بنایا ہوا تھا۔ میں تو بادل نخواستہ آمادہ ہوا تھا۔

میں پچھلا دروازہ کھول کے پچھلی اور اگلی نشستوں کے درمیان گاڑی کی زمین پر چھپ گیا تو اس نے چوڑے تکیے مجھ پر ڈال دیئے۔ گاڑی پر سرکار برطانیہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ صدر دروازے پر سیٹیاں بجنے لگیں اور سیلوٹ مارنے کی آواز آئی۔ فوراً دروازہ کھول دیا گیا۔ کسی نے اندر جھانکنے کی ہمت بھی نہیں کی ہو گی۔ کھنڈر آنے سے پہلے میں نے سر نہیں ابھارا' جیکسن نے گاڑی کسی درخت کے سائے میں کھڑی کی تھی۔ دبیز اندھیرا ہر طرف مسلط تھا' اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور گاڑی سے باہر آنے کے لیے مجھے آہستہ سے آواز دی۔ "جلدی کرو۔" میں نے حکم پر فوراً عمل کیا اور برق رفتاری سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی۔ جس کی روشنی میرے چہرے پر پڑی اور پھر ہاتھوں پر" یہ کیا؟" اچانک خوف و دہشت میں لپٹی ہوئی آواز ابھری۔

"جیکسن صاحب! حرکت کرنے کی کوشش مت کیجئے' ہاتھ اٹھا لیجئے اور اپنے تمام ہتھیار میرے حوالے کر دیجئے۔" میں نے سرد آواز میں کہا۔

"مگر۔تم' تم' تم نے۔" وہ ہذیان بکنے لگا۔

"مجھے بھون جلدی واپس پہنچنا ہے' لایئے اپنا پستول مجھے دے دیجئے۔" میں نے جھپٹ کر اس کی ٹارچ چھین لی اور جیب میں ہاتھ ڈال کے پستول برآمد کر لیا' ایک چھوٹا پستول اس کی پتلون کی پچھلی جیب سے چپکا ہوا تھا' وہ بھی میں نے کھینچ لیا۔

"جیکسن صاحب! مجھے افسوس ہے' راجے پور کی چھاؤنی اپنے ایک اور لائق افسر سے محروم ہو رہی ہے' آپ نے گزشتہ دنوں بہت پھرتی دکھائی' مجھے خاصا پریشان کیا' یوں آپ تمام ہندوستان کو ایک زمانے سے پریشان کیے ہوئے ہیں۔ آپ نے مجھے غلط سمجھا' راج کمار دنیش چندر سے میرے بہت سے رشتے ہیں۔" میں نے سکون سے کہا۔

"آپ ہر ہندوستانی کو اتنا ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس دن آپ نے اپنے اقتدار و اختیار'

طاقت و عظمت اور جاہ وحشمت کا تذکرہ بہت افتخار سے کیا تھا۔ ایک اجنبی زمین پر یہ باتیں آپ کی زبان سے زیب نہیں دیتیں۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے بہت سوچنا پڑا' پھر اس فیصلے کے سوا کوئی چارہ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تم۔تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟ اس نے ہکلا کر کہا۔

"کاش اس کی ضرورت نہ پڑتی لیکن آپ نے اطمینان سے زندہ رہنے کا ہر گوشہ بند کر دیا۔ آپ نے مجھ پر بڑے خطرناک الزامات عائد کیے۔ آپ نے دھمکیاں دیں' آپ نے مجھے پست اور گھٹیا آدمی سمجھا۔ حالانکہ آپ خود بہت بڑے کمینے ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا۔

"مجھے بھون کے لوگوں نے بتایا تھا۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "مجھے پریت اور دوسری لڑکیوں نے بتایا تھا کہ میجر رابرٹ کی موت میں ضرور تمہارا ہاتھ ہے یقین جانو میں نے اس پر کبھی یقین نہیں کیا۔ میں نے اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کی' مجھے تمہاری بے گناہی کا یقین ہے۔ میجر رابرٹ کا سانحہ حادثے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"آپ نے اچھا کیا جو پریت کا نام لے دیا۔ وہ حادثہ نہیں تھا' میجر رابرٹ کو میں نے پہاڑی سے دھکا دیا تھا اور آپ سچ کہتے تھے کہ گاڑی سمیت' سمجھے آپ' میں اعتراف کرتا ہوں۔" میں نے شعلہ بار آواز میں کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو' تم نے یہ نہیں کیا۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"آپ کو بعد از وقت اس کا احساس ہوا۔ میں آپ کو شوٹ کرتا ہوں۔" میں نے پستول اس کے سینے کی جانب تانتے ہوئے کہا۔

"تم غلطی کرو گے۔ میں نے احتیاط چھاؤنی اطلاع دے دی تھی کہ میں کھنڈر کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔ مسلح محافظوں کا دستہ اب آتا ہی ہو گا۔ اس سے پہلے کہ وہ آئیں اور یہ منظر دیکھیں' ہم دونوں بھاگ لیں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے میری نظر میں تمہارا درجہ مختلف ہو گا۔" وہ گھگیا کر بولا۔

"ہونہہ۔" مجھے ہنسی آ گئی۔ "جیکسن تم پھر اندازے کی غلطی کر رہے ہو' اگر تم نے چھاؤنی اطلاع دے دی ہے تو اور برا کیا ہے۔ پھر مجھے ان سب کا بھی انتظار کرنا پڑے گا۔ میرے ہاتھ میں بے آواز پستول ہے' ایک اور پستول بھرا ہوا موجود ہے'

دو تمہارے بھی ہیں اور میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ میں صدر دروازے سے بھون و
نہیں جاؤں گا۔"

"میری بات سنو' میری بات سنو۔"

"آپ کی زبان لڑکھڑا رہی ہے جیکسن صاحب ایک پستول کے سا
ہندوستان والے یہ راز نہیں جانتے کہ جس دن انہوں نے آپ سے پہلے ہتھیار اٹھا
' اس دن یہاں قیامت برپا ہو جائے گی اور سنیئے' میں ذاتی طور پر آپ سے نفرت ک
ہوں' یہ نفرت آپ ہی نے پیدا کی ہے' میں آپ کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنا فیصلہ بدل دو' مجھ پر احسان کرو۔" وہ آہ و بکا کرنے لگا۔ میں
ٹریگر دبا دیا۔ ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور وہ وہیں ڈھے گیا۔

بھاگنے سے پہلے میں نے گاڑی کے اندرونی اور بیرونی حصوں پر کپڑے
ہاتھ پھیرنا فراموش نہیں کیا پھر میں اس کی لاش کھینچتا ہوا گاڑی سے کچھ دور لے آیا ا
ایک شکستہ چبوترے پر اسے ڈال دیا۔ ان کھنڈروں کا فاصلہ پرکاش بھون سے زیادہ دو
نہیں تھا۔ میں نے بھاگنا شروع کیا' کھنڈر سے چند ہی قدم دور گیا ہوں گا کہ ت
روشنیوں کی ایک گاڑی مجھے اپنی سمت آتی دکھائی دی' میں تیزی سے کھنڈروں کی طرف
واپس بھاگنے لگا۔ گاڑی کا رخ بھی اسی طرف تھا' میرا دل ڈوبنے لگا۔ جیکسن نے
نہیں کہا تھا' اس نے نہ جانے کس طرح ملاقاتی کمرے سے گاڑی تک میرے سفر کی
مختصر مدت میں یہ رابطہ قائم کرلیا تھا۔ میں نے ایک ستون کی آڑ لے کر دیکھا' وہ کھلی
جیپ تھی اور اس میں چھ سے کم آدمی کیا ہوں گے۔ جیکسن کی گاڑی اور اس کی لاش
ایک لمحے میں انہیں جیپ کی تیز روشنیوں میں نظر آجاتی' مفر کی اب کوئی صورت نہیں
تھی۔ وہ لاش دیکھ کر کھنڈر کھنگال ڈالیں گے۔ میں نہ یہاں چھپ سکتا تھا' نہ بھاگ
سکتا تھا۔ اگر جیکسن نے انہیں احتیاطاً وہاں پہنچنے کی ہدایت کی ہوگی تو وہ میرا نام بھی بتا
سکتا ہے' یہ درست ہے کہ اس نے کام کی نوعیت نہیں بتائی ہوگی' ممکن ہے' میرا نام
بھی نہ بتایا ہو' ایک طویل پیغام کی مہلت اسے نہیں ملی تھی۔ وہ چند ہی لفظ کہہ سکا ہو
گا۔ اسے پوری طرح یہ اطمینان تھا کہ اس اندھیری رات میں کھنڈروں میں جانے کا
میرا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس نے عجلت کرکے خود یہ پروگرام بنایا تھا' ذرا سی چوک ہو
گئی' مجھے ملاقاتی کمرے سے اسے اپنے ساتھ لے کے نکلنا چاہئے تھا۔ وہ لمحوں می

ہوشیاری دکھا گیا اور میجر رابرٹ سے زیادہ ذہین ثابت ہوا یا یوں کہئے کہ میجر نے شہید
ہوکے اپنے ساتھیوں کے کان کر دیئے۔ بہرحال اب صورت یہ تھی کہ وہ تقریباً چھ آدمی
تھے اور میرے پستولوں میں 24 گولیاں تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے گاڑی کھڑی کر
دی۔ ایک شخص گاڑی سے اترا اور دبے قدموں جیکسن کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔
اس نے اپنے ہاتھ میں دھری ہوئی ٹارچ کی روشنی سے گاڑی کا معائنہ کیا۔ گاڑی خالی
تھی۔ وہ کچھ پریشان ہوا ہوگا اور ادھورا پیغام موصول ہونے پر جزبز ہو رہا ہوگا۔ کچھ
دیر تک وہ گاڑی کے ساتھ چپکا کھڑا رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ اب کیا قدم اٹھانا چاہئے؟
میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر
پھینکی تاکہ جیکسن قریب ہی کہیں ہو تو سمجھ جائے کہ اس کے ساتھی پہنچ گئے ہیں اور حکم
کے منتظر ہیں۔ وہ اچانک کھڑے کھڑے لڑکھڑا گیا۔ اسے گاڑی کے قریب زمین پر
خون نظر آگیا تھا۔ اس نے جھک کر دیکھا اور پھر جہاں جہاں میں نے جیکسن کی لاش
کھینچی تھی ٹارچ کی روشنی وہاں وہاں سے کودتی پھدکتی ہوئی آخر جیکسن کی لاش کے گرد
پہنچ گئی۔ اس کے منہ سے ایک دل دوز کراہ نکلی اور اس نے بے تحاشا اپنے ساتھیوں کو
آوازیں دیں۔ وہ سب گاڑی سے اتر کے پستول تھامے ٹارچ روشن کیے تیزی سے
چبوترے پر پڑی ہوئی لاش کی طرف بھاگ پڑے' مجھے اندازہ تھا کہ اس تحیر خیز
نظارے کے بعد ان کا اگلا قدم کیا ہوگا' وہ دیوانوں کی طرح کھنڈر میں منتشر ہو جائیں
گے اور مجھے جلد یا بدیر کھنڈر کا ایک حصہ بنا دیں گے۔ زندہ تو میں ان کے ہاتھ آنے
لا نہیں تھا۔ میں نے سادھو کی بات مان لی ہوتی اور اس کے ساتھ چلا گیا ہوتا تو یہ برا
ت ٹل جاتا خیر' پچھلی باتوں کا رونا کیا۔ ایک سادھو کیا' میں پرکاش بھون میں نہ آیا
ا' میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ میں پوری طرح مستعد کھڑا تھا۔ وہ سب جیسے ہی لاش
گرد اکٹھے ہوئے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پستول مضبوطی سے پکڑے لیے'
بھی ایک لمحہ تھا۔ اس سے بہتر نشانہ ممکن نہیں تھا۔ میں نے پستول کے کھٹکے پھرتی
سے دبانے شروع کر دیئے' کھنڈروں میں گولیوں اور چیخوں کی بازگشت دور دور تک گئی
ہوگی۔ ان میں سے چار تو وہیں جیکسن کے ساتھ ڈھیر ہو گئے' تین نے بدحواسی سے
بے تحاشا دوڑنا شروع کیا' جیپ کے سوا ان کا کوئی دوسرا رخ نہیں ہو سکتا تھا' میں پہلے
ہی اس کا تعین کر چکا تھا۔ وہ تعداد میں سات نکلے میں ان سے چوگنی تعداد سے بھگت

چکا تھا' ایسے وقت میں کوئی اندیشہ' کوئی خوف ذہن آلودہ نہیں کرتا ۔ ایسے میں صرف ایک دھن سوار رہتی ہے' اپنے بچنے کی فکر ۔ ایسے میں آدمی کی صلاحیتیں بے حساب ہو جاتی ہیں' حواس ہزار گنا حساس ہو جاتے ہیں' ان کے مقابلے میں میں نسبتاً زیادہ بہتر پوزیشن میں تھا۔ انہیں میری سمت کا علم نہیں تھا' اور وہ تمام میری نظروں کے احاطے میں تھے اور اس احاطے سے میں انہیں بھاگ نکلنے کا کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا' وہ اس اچانک افتاد سے مکمل طور پر حواس کھو بیٹھے تھے جب کہ مجھے اپنے حواس قائم رکھنے کا معقول وقت مل چکا تھا۔ میں اپنی جگہ بدل کے چبوترے سے اتر آیا۔ ایک نے جرات کی ۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پر پیچھے مڑا اور پستول داغ دیا میں پہلے ہی اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا۔ اسے دوسری گولی چلانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ جہاں کھڑا تھا' وہیں لہرا گیا۔ اب دو باقی رہ گئے تھے اور سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ "ٹھہرو!" میں نے چیخ کر کہا۔" ایک نے رک کر پیچھے مڑنے کی غلطی کی اور دوبارہ اپنا منہ سیدھا نہ کر سکا' اس مدت میں آخری آدمی جیپ تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے ایک ثانیے میں جیپ اسٹارٹ کی۔ اگر یہ آدمی بچ کر نکل جاتا تو میری تمام محنت ضائع چلی جاتی۔ اس ایک آدمی کی جان میں میری جان بند تھی۔ میں نے گھوڑے کی رفتار سے جیپ پکڑنے کی کوشش کی اور ناکام ہوگیا۔ ناچار مجھے ٹائروں پر اندھا دھند فائرنگ کرنی پڑی۔ جیپ آگے جا کے ٹھس ہوئی اور وہیں سے میرے شانے سے گزرتی ہوئی ایک گولی چلی۔ میں زمین پر لیٹ گیا' دوسری گولی چلی' تیسری چلی' وہ ایک محفوظ جگہ بیٹھا تھا اور مجھے آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا' اس میں بھی وہ خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوگئی تھیں جو مرتے ہوئے آدمی کا آخری بار ضرور ساتھ دیتی ہیں۔ میں نے اس کا نشانہ بہکانے کے لیے مختلف ترکیبیں کیں اور آخر میں نے اپنی ٹارچ روشن کرکے ایک سمت پھینک دی' اس نے ایک ساتھ دو گولیاں چلائیں۔ میں دائیں سمت سے زمین پر لوٹتا ہوا جیپ تک پہنچ گیا ۔ جیپ کے نیچے سے میں نے اپنا ایک پستول مخالف سمت پھینک دیا۔ اس نے وہیں نشانہ لگانے کا ارادہ کیا لیکن میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا پستول ہاتھ میں ٹھٹھر کے رہ گیا وہ ایک مقامی آدمی تھا' ہندوستانی ۔ مجھے اسے مارتے ہوئے دکھ ہو اور میں نے پوچھا ۔"تمہیں کیا پیغام ملا تھا؟"

" مجھے نہیں معلوم۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا۔" راستے میں گوروں کا

گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کھنڈر کی طرف جا رہے ہیں۔"

" تمہیں معلوم ہے' انہیں یہ پیغام کس نے دیا تھا؟"

" جیکسن صاحب نے۔"

" جیکسن صاحب کے ساتھ کون تھا؟" میں نے سختی سے پوچھا۔ وہ لرز رہا تھا۔" مجھے نہیں معلوم۔"

" کیا انہوں نے موہن داس کا نام نہیں لیا تھا؟ سچ بولو۔"

" جی میں نے نہیں سنا......" اس کی آواز کانپنے لگی۔

" وہ یہاں کیوں آئے تھے؟"

" جناب! میں تو ایک ڈرائیور ہوں۔" وہ گھگیا کے بولا۔

" راستے میں وہ کچھ گفتگو تو ضرور کر رہے ہوں گے؟"

" وہ کچھ نہیں جانتے تھے اور خود اس فکر میں تھے کہ یہ پیغام جیکسن صاحب ہی نے دیا ہے یا کسی اور نے انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے' اس لیے وہ بہت محتاط تھے ۔ بس جناب! میں نے یہی سنا تھا۔"

جی چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے میں نے دل پر جبر کیا' مجھے اپنے آپ سے شدید نفرت ہوئی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہ گیا۔ وہ اندھیرے میں مر گیا ہوتا تو اچھا تھا ۔ میں نے چہرے دیکھ کے کہاں نشانے لگائے تھے' اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کے میں نے ایک ایک لاش کا جائزہ لیا' وہ سب ختم ہو چکے تھے ۔ ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ میری سانس پھولنے لگی تھی۔ زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کے میں اپنی پوری توانائی کے ساتھ بھاگتا رہا۔ رسی فصیل سے لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے سوچا' راج محل سے آنے والے راستے کی سمت بیٹھ جاؤں ۔ دنیش ابھی واپس نہیں آیا ہوگا' اس کی گاڑی کسی نہ کسی وقت ضرور گزرے گی' اس میں چھپ جاؤں گا۔ رسی پر چڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا تھا۔ بھون کے قریب آ کے تو توانائی جاتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ دنیش کا یقین نہیں تھا۔ ممکن ہے' وہ واپس آ گیا ہو' میں نے رسی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ فصیل کے ابھرے ہوئے پتھروں کی رگڑ سے جسم کئی جگہ سے چھل گیا۔

Uploaded By:

-A Z A M-

Scanned By Ali and Azam

Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

ملاقاتی کمرے میں آ کے میں نے رسی کی گٹھری ایک طرف پھینکی اور دھڑ
سے صوفے پر گر گیا۔ دنیش چندر ابھی نہیں آیا تھا اور نہ مجھے اس کا انتظار تھا۔
دیر ہو گئی ۔ جسم پر بچھو ڈنک مارتے رہے۔ دھڑ دھڑ دروازے پر کوئی دن
دے رہا تھا۔ ساتھ ہی جل ترنگ گھنٹی کی آوازیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ مجھے ا
آپ کو سمیٹنے میں بہت دشواری ہوئی' میں صوفے سے اٹھا تو چکرا گیا۔ کسی نہ کسی ط
دروازے تک پہنچا اور چٹخنی کھولی۔ شاردا ہانپتی کانپتی ہوئی تیر کی طرح اندر داخل ہ
اور میرے سینے میں پیوست ہو گئی۔ ''موہن! فوراً یہاں سے بھاگ چلو' ابھی' اس
وقت۔'' وہ آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ بولی۔ ''پتہ نہیں پھر کیا ہو' اس وقت دنیش
بھی موجود نہیں ہے۔ ہم رات ہی رات میں ریاست سے بہت دور نکل جائیں گے۔'
اس کی آواز غم اور خوف سے لرزاں تھی۔ ''تم خاموش کیوں ہو؟'' اس کا گلا رندھنے
لگا۔ ''کچھ ہوش ہے۔ ابھی راج کماری کنول نے فون پر مجھے مبارک باد دی ہے کہ
مہاراجہ نے دنیش سے مجھے مانگ لیا ہے۔''

☆......☆......☆

Uploaded By:

-A Z A M-

میر جمشید عالم کی آپ بیتی

امبربیل

انوار صدیقی

3

فرض کیجئے،
میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے !

امبربیل

جلد سوم

انوار صدیقی

ناشر:۔
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور۔۲

باراوّل ——— 2001ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
پروف ریڈر ——— حبیب اللہ صدیقی
سرورق ——— ذاکر
قیمت ——— -/250 روپے

اس نے وحشت میں میرا گریبان چاک کر ڈالا۔

"کیا تم بہرے ہو گئے ہو؟" اس نے چیخ کر کہا۔ "تم نے سنا نہیں' میں کیا کہہ رہی ہوں؟ میں تمہیں اپنی زندگی کی سب سے سنگین خبر سنا رہی ہوں۔" وہ مجھے جھنجوڑنے لگی۔ "بھاگ چلو موہن! اتنی دور بھاگ چلو جہاں' یہاں کی ہواؤں کا بھی گزر نہ ہوتا ہو۔" اس کی آواز ٹوٹتی گئی۔

میری ساری قوتیں برف کی طرح زمین پر جمنے لگیں۔ نہ کوئی آنسو' نہ آواز' سانس کا اندھا بیل جسم کے احاطے میں گردش کر رہا تھا' اسے شبہ ہوا کہ اس کے سامنے میرے بجائے میری شکل و صورت کا کوئی اور شخص کھڑا ہے' اگر یہاں میں ہوتا تو اس طرح بے حس و حرکت نہ کھڑا ہوتا۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی اور میری آنکھیں گھورنے لگی جیسے اسے ان میں کچھ نظر آ جائے گا۔ "کیا" وہ ویران آواز میں بولی۔ "کیا وہ سب محض خواب تھے؟ آخر تم ..... تم پر بھی یہاں کا جادو اثر کر گیا۔"

دماغ میں ابھی تک کھنڈر میں چلنے والی گولیوں کی بازگشت گونج رہی تھی' جیکسن اور اس کے ساتھیوں کی روحیں میرے گرد اپنا حلقہ مسلسل تنگ کر رہی تھیں ایسے میں شاردا آ گئی اور اس نے آتے ہی میرے کانوں میں پیا ہوا بارود انڈیل دیا۔ میں آگ بھی نہیں تھا کہ جل جاتا' پتھر بھی نہیں تھا کہ ٹوٹ کے بکھر جاتا لیکن میرے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی اور میرے پتھر آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ ایک شور مچا ہوا تھا سمندر میں وہ شور نہیں مچتا جو آدمی کے اندر مچتا ہے' صحرا میں وہ دھوپ نہیں پڑتی جس سے آدمی کا صحرا تپتا رہتا ہے اور آدمی یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ سمندر' پہاڑ' صحرا اور آگ کے تمام خواص اس میں موجود ہوتے ہیں لیکن وہ یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ سمندر' پہاڑ' صحرا

اور آگ اپنی گرج ہلک' اپنے فشار کا اظہار کر دیتے ہیں' آدمی کا کچھ نظر نہیں آتا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اس کی شکستہ آواز پر ہیبت چھا گئی تھی۔ ''تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ موہن اب میں تمہارے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' اس نے نقاہت سے کہا۔ ''کیا میں چلی جاؤں؟''

میں نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا لیکن میری آواز حلق میں گھٹ کے رہ گئی۔ میرے سکوت پر وہ پھر تڑپنے لگی۔ ''کیا تم ہوش میں نہیں ہو؟'' پھر اسے اچانک کچھ خیال آیا۔ ''تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' اس کے ہاتھ میری نبضوں پر لرزنے لگے۔ ''ارے یہ خراشیں کیسی ہیں؟ ان سے خون چھلکا پڑ رہا ہے۔'' اس کی نگاہ میری ٹھوڑی پر جم گئی جہاں سے خون رس رہا تھا' کپڑوں پر مٹی اور فصیل کی کائی جمی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نشان دیکھا تو ہر نشان نظر آتا گیا۔ نوکیلے پتھروں سے چھلی ہوئی کہنیاں' رسی اور دیوار کی رگڑ سے ادھڑی ہوئی کھال۔ ''بتاؤ تم کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ بپھر کے بولی اور چیخنے لگی۔ ''موہن! مجھے بتاؤ' تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تم یقیناً کسی اچھی جگہ سے نہیں آ رہے ہو۔'' اس نے میری جیبیں ٹٹول کے چاروں پستول برآمد کر لیے اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے میرا جائزہ لینے لگی۔ ''اوہ۔ اوہ۔'' اس نے اپنا سر میرے سینے پہ مارنا شروع کر دیا۔ ''ان میں ابھی گولیاں باقی ہوں گی۔ ایک گولی اور چلاؤ' مجھے قتل کر دو موہن! اف تم کیا ہو گئے؟ تمہیں کیا ہو گیا؟'' وہ ہذیانی انداز میں بولتی اور مجھے گھسیٹتی ہوئی صوفے پر لے گئی۔ میری سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں مجھے صوفے پر لٹا کے وہ بے قراری سے دروازے تک گئی۔ اس نے جلدی سے چٹخنی چڑھا دی پھر جب وہ گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی تو اس کے ہاتھوں میں گیلے تولیے تھے۔ اس نے میرے چہرے اور ہاتھوں پر جما ہوا خون اور مٹی صاف کرنی شروع کر دی۔ میں سکتے کی کیفیت سے دو چار صوفے پر نیم جان پڑا رہا۔ اس نے پنکھا کھول کے اور مجھے آغوش میں لے کے پانی پلایا۔ اسے کسی کل چین نہیں تھا۔ اس نے دنیش چندر کے شب خوابی کے کپڑے لا کے ایک طرف رکھ دیے اور اس انتظار میں رہی کہ میں اپنے ہاتھ ہلا کر انہیں پہن لوں گا۔ میرے ہاتھوں میں جان ہی نہیں تھی۔ وہ کچھ ٹھٹکی' پھر اس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے میرا بالائی لباس اتار دیا اور دنیش کا کرتا پہنا کے مجھے چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس

کی آنکھوں سے جھڑی لگی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود میری زبان کا فالج دور نہیں ہوا' وہ بے بسی سے میرے سینے کے ساتھ لگ کر سسکنے لگی۔ وہ ہڑک اور ہمک رہی تھی۔

کوئی اور نہیں تھا' وہ شاردا تھی' پرکاش بھون کی سب سے نازک لڑکی' بھون کی پاکیزگی' مہاراجہ پرکاش چندر کی نیکی۔ اس کا حسن پھولوں کو شرماتا تھا۔ وہ خوابوں اور خیالوں میں گم رہتی تھی۔ یہاں سب سے پہلے اسی نے مجھے محسوس کیا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے مجھے تلاش کیا تھا اور میں دنگ رہ گیا تھا۔ وہ نظر نہیں آتی تھی تو ایک ایک لمحہ عذاب گزرتا تھا' اب وہ میرے دل میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اس کا سرخ چہرہ بھیگا ہوا تھا اور گیسو رخساروں سے چپک گئے تھے۔ وہ تنہا رہتی تھی۔ اس نے میرے آنے سے پہلے کتابوں میں کہیں میرا چہرہ دیکھ لیا تھا۔ اور میرا انتظار کر رہی تھی' جب میں بھون میں پہنچا تو اس کی منتظر آنکھوں نے مجھے ہجوم میں ڈھونڈ لیا' پھر اس نے بانو کو مجھ سے چھین لیا۔ وہ جیسے تیار بیٹھی تھی۔ میرے آنے کی دیر تھی' مجھے دیکھتے ہی مچلنے لگی کہ میں اس کے ساتھ اس کی بسائی ہوئی دنیا میں چلا چلوں۔ پہلے تو مجھے یقین نہیں آتا تھا' کاش میں نے اس کی بات مان لی ہوتی۔ میں اپنی موت سے نہ ڈرتا' اس کے ساتھ چند دن بسر کر لینے کو زندگی کا حاصل سمجھتا۔ وہ کہتی تھی کہ وہ سب کچھ ترک کر کے خشک گھاس سے تعمیر کی ہوئی کٹیا میں میرے ساتھ رہے گی اور مجھے اپنے ہونٹوں کی شراب پلائے گی اور میرے کانوں میں اپنی مترنم آواز کی موسیقی گھولے گی۔ میں جب اس دنیا کا تصور کرتا تو میرے' رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ میرے پہلو سے لپٹی ہوئی بازاروں سے گزر رہی ہے۔ وہ اپنے نازک ہاتھوں سے کھانا پکا رہی ہے۔ ایسی لڑکی کے لیے بنجر زمینوں میں ہل چلاؤ' چٹانوں پر تیشے سے ضرب لگاؤ اور ننگے پیر جلتی ہوئی سڑکوں پر پھرتے رہو' ہر مشقت میں ایک لذت چھپی ہو گی۔ میں کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اپنے قدموں سے سڑکیں روند ڈالوں گا۔ میں کسی ویران علاقے میں چھپ کے' جہاں پولیس کا دور دور تک نام و نشان نہ ہو' بنجر زمینیں اپنے پسینے سے نرم کر لوں گا' میں گندم اگاؤں گا' وہ گندم پکائے گی لیکن اس کے ساتھ اس کی جنت میں جانے سے پہلو تہی کرتا رہا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اس کے رخساروں کی سرخی قائم نہیں رہ سکے گی۔ کسی دن میری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ فیصلہ جو سردست التوا میں پڑ گیا ہے۔ پھر وہ

کیا کرے گی اور کہاں جائے گی' ایک ذرا وقت اور گزر جائے اور بانو کا زخم پوری طرح مندمل ہو جائے اور بنو بیگم' بختاور کے خون کے دھبے وقت کی گرد سے مٹ جائیں مگر وقت نے مذاق کرنا شروع کر دیا۔

چاہے میں اس کی طرف نہ جاؤں' وہ مجھے کئی کئی دن نہ دیکھے لیکن ہم تو ہمیشہ آمنے سامنے ہی رہتے تھے' وہ مجھ پر بھون کے لوگوں کے ستم برداشت کرتی رہی' اپنی توہین کرواتی رہی' ہر جگہ' ہر حادثے پر اس نے مجھے کہنی مار کے چونکایا لیکن پھر دنیش چندر درمیان میں آگیا اور وہی ہوا جیسے ایک بار میں نے بدگمانی کی تھی۔ اس کی موجودگی میں مہاراجہ راجے پور کی آنکھیں دیکھ کر مجھے جو شبہ ہوا تھا وہ صرف میں ہی محسوس کر سکتا تھا۔ مہاراجہ راجے پور ہی کیا' وہ تو ایک سخن شناس' دوربیں اور نرم و نازک آدمی تھا' اس کی جگہ کوئی اور ہوتا اور اسے شاردا کو قریب سے دیکھنے اور اس کی خوشبو سونگھنے کا موقع مل جاتا تو اس کی نیندیں اچاٹ ہو جاتیں۔ شاردا نے کسی نادر کتاب کی طرح خود کو الماری کی دوسری کتابوں سے علیحدہ سب سے اونچے خانے میں رکھا تھا۔ راجے پور کے زندہ باش نوجوانوں کو اس کے قریب آتے ہوئے خوف آتا تھا۔ چنانچہ وہ اس سے دور رہتے تھے۔ کنور جگ دیپ نے بھی پہلے پہل اسے بھون کی دوسری لڑکیوں کے خانے میں رکھنے کی کوشش کی تھی مگر شاردا کسی خانے میں موزوں نہ ہو سکی' وہ یہیں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی مگر اس کا پودا سب سے مختلف تھا۔

کمرے میں اس کی سسکیوں اور میری تیز سانسوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی' ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس نے شاید طے کر لیا تھا کہ آج آنسوؤں میں بہہ جائے گی۔ وہ مجھے ہوش میں لانے کے لیے اپنے آنسوؤں کا عرق پلاتی رہی۔ اس سے زیادہ مجرب دوا کوئی نہیں ہوتی۔ میرے بازوؤں میں کھولن ہونے لگی اور میں نے بے اختیار اس کا لرزاں بدن دبوچ لیا۔ اس زور میں آنکھوں کے تمام بند ٹوٹ گئے اور نہ جانے کب کے چھائے ہوئے سیاہ بادل گرجنے لگے۔ وہ تو اور پاگل ہو گئی اور روتے ہوئے لفظوں میں بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ "چلو موہن ! سب ٹھیک ہو جائے گا' آسمان ہم پر ضرور رحم کرے گا۔ کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کبھی پریشان نہیں کروں گی' میں تم سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ چلو' اس جہنم سے

دور چلو۔ پھر تم کبھی یہاں سے نہیں جا سکو گے۔"

وہ ایک ایسی بات کہہ رہی تھی جو میرے دل کی آواز تھی اور ایسے انداز میں کہہ رہی تھی کہ چٹانیں بھی پگھل جائیں' اس کا نام شاردا تھا۔ یہ باتیں شاردا کر رہی تھی' پھول کہہ رہے تھے' ہمارے ساتھ چلو۔ چاندنی کہہ رہی تھی' میرے شامیانے میں آجاؤ' یہ بات راجے پور کی ہونے والی مہارانی کہہ رہی تھی' راجا جس کے طلب گار تھے۔ مارکس اور ہیگل سے جس کی دوستی تھی' ملٹن اور شیلے جسے لوریاں دے کے سلاتے تھے' دانتے اور گوئٹے جس کی عزت کرتے تھے اور شاعروں نے جس کے چہرے کا تصور کر کے شاعری کی تھی اور مصور اسے کینوس پر بند کرنے کے لیے دیوانے پھرتے تھے۔ وہ دوشیزہ میرے پاس موجود تھی اور مجھ سے اصرار کر رہی تھی کہ میں اس کی انگلی پکڑ کے دریا کے کناروں پر چلوں' جہاں اونچے اونچے درخت آسمان چھونے کی کوشش کرتے ہوں اور انہیں کاٹ کے نت نئی شکلیں نہ دی گئی ہوں۔ جہاں زمینوں پر دیواروں اور ستونوں کا بوجھ نہ ڈالا گیا ہو' جہاں آسمان اور زمین کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کی گئی ہو۔ درخت بھی آزاد' پرندے بھی آزاد' زمینیں بھی آزاد۔ شاردا مجھے وہاں لے جانا چاہتی تھی' جہاں کی مجھے اس سے زیادہ ضرورت تھی۔ شاردا کے لفظوں میں کبھی اتنی شدت نہیں تھی جو آج محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی محبوس رات کبھی نہیں آئی تھی اور آنے والی صبح کا خیال کر کے ہول آتا تھا۔ جیکسن اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں راجے پور کے قدیم محلات میں بکھری پڑی تھیں۔ چھاؤنی میں اس مختصر دستے کا انتظار کیا جا رہا ہو گا مگر صبح ہوتے ہی راجے پور میں گرم ہوائیں چلنے لگیں گی۔ صورت حال پہلے سے مختلف نہیں تھی مگر آنے والا سورج تمام سورجوں سے زیادہ مشتعل اور برہم ہو گا۔ میں اسے گود میں اٹھا کے لے جاؤں' اس کا وزن ہی کیا ہے اور رات ہی رات میں راجے پور سے دور بہت سی منزلیں سر بھی کر لوں گا مگر پھر راجے پور جیسے دوسرے علاقے آجائیں گے۔ انگریز کے لیے پورا ہندوستان راجے پور ہے۔ جیکسن کہتا تھا کہ جہاں جہاں زمین ہے' وہاں وہاں تک انگریز کے ہاتھ دراز ہوتے ہیں۔ وہ سچ کہتا تھا' انگریزوں کی ہر بات سچ تھی کیونکہ طاقت سے بڑی سچائی کوئی نہیں ہوتی۔ میں اپنے آپ کو کس طرح چھپا لیتا مگر مشک کی خوشبو کہاں چھپتی ہے میں شاردا کا غنچہ کہاں کہاں

چھپائے پھرتا؟

اور دنیش جب بھون میں وارد ہو تو اسے پتہ چلے کہ اس کا دوست اور اس کی بہن دونوں موجود نہیں ہیں اور صبح شہر میں یہ خبر گرم ہو کہ پرکاش بھون کے معزز مہمان انگریز افسر جیکسن کی لاش کھنڈر سے برآمد ہوئی ہے' اس کے ساتھ چھ گورے اور ایک ہندوستانی ڈرائیور بھی خون میں نہائے ہوئے پائے گئے ہیں' اس خبر کے ساتھ موہن داس اور شاردا کے فرار کی خبر دو آتشے کا کام کرے گی۔ دنیش کی سماعت ان سب خبروں کا بار کہاں برداشت کر سکے گی' اس کی شریانوں میں خون جم جائے گا پھر کئی جسم راکھ ہو جائیں گے۔ جن لوگوں کو ابھی زندہ رہنا چاہئے' وہ وقت سے پہلے مر جائیں گے۔ آدمی کا ذہن اس کا کل ہے اور آدمی کا غم یہ ہے کہ اسے سب سے زیادہ اپنے ذہن کی مخالف سمت میں چلنا پڑتا ہے۔ کھنڈروں سے واپس آ کے میرے ذہن نے اپنے تمام دروازے بند کر لیے تھے کہ شاید اب کسی خیال کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی۔ شاردا وقت پر آئی تھی کہ ذہن کو اس کے قرب کے تریاق کی ضرورت تھی مگر اس نے تو آ کے زہر پلا دیا۔ پھر مجھے اپنے اعصاب کی بڑی خوشامد کرنی پڑی کہ وہ صرف ایک بار اور میرا کہا مان لیں' جہاں اتنا ساتھ دیا ہے وہاں ایک مرتبہ اور سلوک کر دیں۔ کوئی اور سامنے نہیں بیٹھا' شاردا بیٹھی ہے اور وہ رو رہی ہے' کم از کم شاردا کا خیال کریں۔ یہی اعصاب' یہی جسم شاردا کا گھر تھے۔ اس برے وقت میں اسے اپنے گھر میں پناہ نہ ملی تو وہ باہر کھڑے کھڑے بارش میں بھیگ جائے گی' وہ اتنی نازک ہے کہ بیمار ہو جائے گی۔ میں نے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب یکجا کرنے کی بڑی جدوجہد کی۔ وہ میرے آنسوؤں سے نرم پڑنے لگے اور مجھے گرد و پیش کا ہوش آنے لگا' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کی پیشانی چوم لی' مجھے متحرک دیکھ کر اس کی آبشار آنکھیں ٹمٹمانے لگیں۔ میں نے اپنی چادر کے کونے سے اس کی آنکھوں کے گوشے اور رخسار خشک کیے۔ ''میں وہاں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ایک ننھی بچی کے مانند میری آغوش میں مچل کر بولی' اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ اب کے اس نے فرار کے لیے نہیں کہا۔

''مت جانا۔'' میں نے اسے چمکارتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر کیا ہو گا۔'' وہ خوف زدگی سے بولی۔

''کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔''

میرے بے یقین لہجے پر اس نے ایک طویل سانس لی۔ ''ہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔''

''اور ضروری نہیں کہ تمام کاموں کے لیے ایک ہی وقت مناسب ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''تم نے تو ذرا سی بات پر حوصلہ کھو دیا۔''

اس نے پلکیں اوپر اٹھا کے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہارے منہ پر یہ الفاظ زیب نہیں دیتے مگر اس نے یہ نہیں کہا۔ ''وہ راجے پور کا مہاراجہ ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔ ''تم نے شاہوں کا مزاج نہیں دیکھا' انہیں انتظار کی عادت نہیں ہوتی' اس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ راجے پور سے باہر جانے والے ہر راستے پر اس کے آدمی پہرا دیتے ہیں۔ کل نہ معلوم کیا ہو' بہرحال ٹھیک ہے۔ اب وقت ہی وقت ہے۔''

''اوہ نہیں نہیں۔'' میں نے اس کے بازو پکڑ کے اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی۔

''تم ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو اور ایسے وقت میں؟ نہیں۔ نہیں۔'' میں نے کرب سے کہا۔ ''یہ نہیں ہو گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔''

اس کے چہرے پر مایوسی اور طنز کی ملی جلی لکیریں ابھر آئیں' وہ نڈھال تو پہلے سے تھی۔ اب اس کی گردن بھی ادھر ادھر لڑھکنے لگی۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم پہلے ہی اتنے پریشان ہو گے۔ میں نے کچھ دیکھے اور سنے بغیر تمہیں آ کے اور تنگ کر دیا بتاؤ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ ٹھہرو میں تمہارے لیے گرم دودھ لاتی ہوں۔ اوہ' مجھے خیال ہی نہیں رہا تمہیں گرمی کی ضرورت تھی میں نے پنکھا کھول دیا۔ سچ بتاؤ کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں۔ چلو بستر پر چلو اور اپنے ذہن سے تمام باتیں جھٹک دو۔''

''نہیں نہیں۔'' میں نے اضطراب سے کہا۔ ''کم از کم تم تو یہ لہجہ مت اختیار کرو شاردا! اوہ شاردا!!''

اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ''تم کہاں سے آ رہے ہو؟ تم مجھے نہیں بتا رہے ہو' شاردا کو بھی نہیں بتاؤ گے؟ یہ میں تم سے پوچھ رہی ہوں' میں۔''

"مت پوچھو۔" میں نے بے چینی سے کہا۔ "تمہیں بتانے کے لیے میرے پاس کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں لیکن تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"ہاں' میں پورے ہوش و حواس میں ہوں۔"

"باہر تمہیں کوئی تلاش تو نہیں کر رہا ہے؟"

"بظاہر نہیں۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

اس نے گہری خاموشی اختیار کرلی لیکن میں اس کی خاموش زبان اچھی طرح سن رہا تھا' ایک بار پھر میرا جی اٹدا کہ وہ جیسی بیٹھی ہے' اسے اسی طرح اٹھا کر گیرج میں کھڑی ہوئی کسی گاڑی میں ڈال لوں' صدر دروازے کے دربان دنیش چندر کے خاص ملازم کے لیے فوراً دروازہ کھول دیں گے۔ صبح تک میں راجے پور سے ڈیڑھ سو دو سو میل دور پہنچ چکا ہوں گا' وہاں سے ہم کسی دوسری سواری میں بیٹھ کے خود کو کسی بڑے شہر کے ہجوم میں روپوش کر دیں گے۔ شاردا کی دولت ساتھ ہو گی تو پھر کسی دولت کی آرزو نہیں رہے گی۔ میں اپنا حلیہ بدل کے کہیں محنت مزدوری شروع کر دوں گا اور شاردا کی پوجا کرتا رہوں گا' آدمی یا تو کسی کا بن جائے یا کسی کو اپنا بنالے' ہر دعوے سے دست بردار ہوکے خود کو صرف ایک شخص میں سمو دیا جائے ' خود کو صرف ایک حجرے میں بند کرلیا جائے۔ شاردا کے حجرے میں۔ آدمی کا ذہن بڑا خلاق ہے لیکن تخلیق کو مادی شکل دینا ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ کتنے لوگ تخلیقی قوتوں سے مالا مال ہوتے ہیں مگر چند ہی سامنے ابھر کے آتے ہیں۔ ہر آدمی ایک فنکار ہے مگر فنکاری کی سند کوئی کوئی حاصل کر پاتا ہے۔ یاسمن' ابا جان' سارا گھر لٹ جانے کے بعد میں خیال اور عمل کے بے شمار مراحل سے گزر چکا تھا۔ کہیں پناہ نہیں ملی تھی' اپنی گلیاں اجنبی ہوگئی تھیں' اپنے چچا نے درندگی کا ثبوت دیا تھا۔ کلکتے کی گودی پر مزدوری کرتے ہوئے کمر جھک جھک جاتی تھی' ایک لقمہ زہر مار کرنے کے لیے بس بھیک کی نوبت آنے کی دیر تھی۔ میں نے دوسروں کے مقابلے میں بہت کم صبحیں اور کم شامیں دیکھی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدیوں سے اس دنیا میں موجود ہوں اور صدیوں سے دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ زندگی میں اتنی گرہیں پڑ چکی تھیں کہ اب خواب دیکھتے ہوئے

ڈر لگتا تھا۔ تخلیق کی ایک رو آتی تھی اور جس طرح آتی تھی' گزر جاتی تھی' پھر ذہن سائیں سائیں کرنے لگتا تھا۔ شاید میں جیکسن کے معاملے میں عجلت کا مرتکب ہو گیا تھا۔ اسے ایک رات زندگی کی فرصت مل جاتی تو کیا ہو جاتا۔ ایسی صورت میں شاردا کی خبر پر مجھے کسی اور انداز سے سوچنے کی قدرت ہوتی لیکن جیکسن تو اتنی تیزی سے سب گھروندا مسمار کر دینے کی فکر میں تھا۔ میرے پاس اور چارہ ہی کیا رہ گیا تھا۔ یہ بھی ایک اعتبار سے اپنے اور شاردا کے متعلق لوگوں کی آسودگی بحال رکھنے کی ایک تدبیر تھی۔ ورنہ میرا کیا تھا' میں یہاں رہتا یا ہندوستان کی کسی جیل میں' پھانسی کا تماشا تو روز ہوتا تھا۔ جب زندگی میں کسی کو مجھ سے اور مجھے کسی سے غرض نہیں تھی تو میں نے خود کو کشادہ دلی سے دریائے ہگلی کے حوالے کر دینا چاہا تھا۔ یہ ارادہ اب بھی کیا جاسکتا تھا۔ مگر رہ رہ کے کئی بہت عزیز لوگوں کا خیال آتا تھا۔ میری موت' میری خود غرضی تھی' اپنے سکون کے لیے چند لوگ بے آرام کر دیئے جاتے' میرے زندہ رہنے سے چند عزیز لوگوں کی دل بستگی ہو جاتی تھی' میری آنکھ مچولی سے وہ محظوظ ہوتے تھے' بس اور کیا تھا اور کچھ لوگ نظارہ کرتے کرتے سنجیدہ ہو گئے تھے' ان میں ایک شاردا تھی۔ میرے دل کا ٹکڑا' میری آنکھوں کی روشنی' مگر وہ اکیلی تو نہیں تھی۔

مہاراجہ راجے پور۔ میرے سینے میں شعلہ سا بھڑکا اور دیکھتے دیکھتے بجھ گیا۔ مہاراجہ راجے پور نے دانش مندی اور رواداری کا ثبوت دیا تھا۔ میں نے راج محل میں دنیش کا مرتبہ بڑھانے کے لیے غائبانہ طور پر ہاتھ بڑھایا تھا جس کا جواب مہاراجہ نے روایتی گرم جوشی سے دیا تھا۔ انگریز' راج محل اور پرکاش بھون کا مثلث کھینچنے کا کام میں نے کیا تھا' میری محنت کا ثمر سامنے تھا۔ مہاراجہ' دنیش سے اپنے التفات کے اظہار کے لیے اس سے دلچسپ پیش کش اور کیا کر سکتے تھے خیر سگالی کے اس جذبے کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔ پہلے مرحلے پر شاردا' دوسرے پر کنول اور تیسرے مرحلے پر؟ مہاراجہ کی نظر انتخاب کی داد دینی چاہیے کہ اس نے بھون کی ان گنت حسین لڑکیوں میں سے صرف شاردا کو منتخب کیا۔

وہ اگر مجھ سے مشورہ کرتا تو میں پریت کا نام لیتا' راجے پور کی کتنی ہی دوشیزائیں راج محل کی رانی بننے کے لیے ترستی تھیں۔ ریاست میں صرف ایک لڑکی تھی

جو اس اعزاز کی آرزو مند نہیں تھی، یہی بات مہاراجہ کے دل کو لگ گئی۔ ایک لمبی مدت تجرد کی زندگی گزار کے اس کی نگاہ ٹھہری بھی تو شاردا پر ٹھہری۔

اور مجھے کیا معلوم تھا کہ جیکسن کے ساتھ اتنے لوگوں سے نمٹنا ہو گا۔ میجر رابرٹ کی طرح اپنے ایک اور جوان سال افسر کی دل خراش موت پر انگریز افسر برہم ضرور ہوتے مگر اتنی سنگینی نہ ہوتی، میں نے تو صرف جیکسن کو خاموش کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ باقی بدنصیب تو جھونک میں مارے گئے۔ یہ میری ایک ذرا سی غفلت کی سزا تھی۔ میں نے بربنائے احتیاط چند لمحوں کے لیے جیکسن کو نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے چھاؤنی میں اطلاع دے دی۔ میجر رابرٹ کی موت پر چھاؤنی اور راج محل کے درمیان جو ایک خلیج پیدا ہو گئی تھی، بظاہر اسے پاٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مہاراجہ راجے پور سے مجھے کیا، کسی کو دلچسپی نہیں لیکن وقت بہت نازک تھا۔ ریاست کی کرسی کچے دھاگے سے بندھے ہوئے ایک جھولے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ بے یقینی، بدنظمی کا دور دورہ تھا اور آگے کی چیزیں صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔ ایسے میں مہاراجہ کو اس وقت تک راج محل میں ٹھہرائے رکھنا ضروری تھا، جب تک انگریزوں کی محبت کا پوری طرح یقین نہ ہو جائے اور انہیں پوری طرح یہ یقین نہ دلا دیا جائے کہ ان کے عشق بلا خیز کا مستحق کون ہے۔ اس یقین کے لیے ایک مدت درکار تھی میں نے بساط کے مطابق اپنے خود ساختہ فرائض نہایت تن دہی سے انجام دینے کی کوشش کی تھی۔ اب سفر کے دوران میں طوفانی ہوائیں چلنے لگیں تو میں کیا کروں گا۔ جیکسن چلتے چلتے شرارت کر جائے تو میں کیا کروں گا۔ مہاراجہ، دنیش چندر سے ربط خاص کے اظہار کے لیے اچانک شاردا کو مانگ لے تو میں کیا کروں گا۔ بھون میں کسی کونے سے گولی چل جائے تو میں کیا کروں گا اور صبح آئی جی مہتا میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنانے آجائے اور کل شام راجے پور کے خاص چوک پر میری موت کا جلوہ عام کیا جائے تو میں کیا کروں گا۔ میرے پاس شاردا سے کہنے کے لیے کیا تھا، اتنی بڑی اور پیچیدہ کہانی سننے کے لیے لوہے کے کان اور لوہے کا دماغ ہونا چاہئے۔ شاردا تو شیشے، موم، ربڑ اور ریشم سے بنی ہوئی تھی۔

اسے تو پھولوں کی غذا ملنی چاہئے، اس کا بدن تو حریر و اطلس کے بغیر مرجھا

جائے گا۔ اس سے ہم کلام ہونے کے لیے مخاطب کا شیریں بیان ہونا لازم ہے ورنہ اسے سرگراں ہونے کی شکایت ہو جائے گی۔ اسے تو تیز دھوپ سے بچانے کے لیے صحن میں جالی لگانی پڑے گی۔ اس کا دل تو شیشہ ہے، گرد اور تنکوں سے محفوظ رکھنے کے لیے خدام کی فوج جمع کرنی ہو گی اور میں کیا کر سکوں گا۔ میرے پاس پتھروں، گرد، تنکوں اور دھوپ کے سوا کیا ہے۔ جب زندگی کی آندھی چلے گی تو جذبوں کے لطیف احساسات اڑا لے جائے گی۔ اسے ایڈونچر کا شوق ہے اور وہ کہتی ہے کہ وہ اس مخملیں زندگی سے تھک گئی ہے۔ شاعری کرتی ہے۔ مخمل مخمل ہے۔ گداز گداز ہے۔ پتھر پتھر ہیں، گلاب کا پھول بنجر اور گندی زمین پر نہیں اگتا۔ اس کے لیے راج محل ہی سب سے موزوں جگہ ہے۔ جہاں اس کے شوق کے لیے ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے۔ مہاراجہ زوال کے بعد بھی سوا لاکھ کے آدمی ہوں گے اور شاردا جیسی لڑکی ساتھ ہو گی تو زندگی کا اعتماد بڑھے گا۔ وہ لاسکی اور جان اسٹوراٹ مل، کبھی کلیت پسند، کبھی افادیت پسند، کبھی جدلی مادیت، کبھی فاشزم وغیرہ پر سیر حاصل بحث کرے گی۔ راج محل کا میدان اس کی شاہانہ طبع کے لیے نہایت دلچسپ ثابت ہو گا۔ اسے راج محل ہی میں جانا چاہئے۔ زندہ رہا تو میں بھی کبھی کبھی اسے دیکھ لیا کروں گا۔ میرے لیے یہی بہت ہو گا۔ گھر گیا، بانو گئی، سکندر گیا تو شاردا بھی چلی جائے اور اس طرح حالات میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہو گا۔ دنیش کو کنول مل جائے گی۔ مہاراجہ کو شاردا، انگریز کو فرماں بردار لوگ۔ میں بھی کسی طرف نکل جاؤں گا، کہیں اور جی نہیں لگا تو سادھو دیوراج کے ساتھ گپھاؤں اور گھاٹیوں میں چلا جاؤں گا۔ یا اس کا موقع ہی نہیں آئے گا، اس سے پہلے کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔ سب کچھ آنے والے لمحوں کے اطوار پر منحصر ہے۔ گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ شاردا میرے سینے سے لگی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے یاس بھری نظروں سے دیکھا۔ دل ہولنے لگا۔ وہ چہرہ دیکھا نہیں گیا۔ رُواں رُواں لرزنے لگا۔ جو سوچا تھا سب دھواں ہو کے اڑنے لگا۔

دنیش کو دیر ہو گئی تھی میں نے گھڑی دیکھی مگر ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ وقت کی پیمائش اگر آدمی کے احساس سے ہوتی تو وقت کبھی مختصر، کبھی طویل ہوتا، ایسا محسوس ہوا جیسے اذیت کا ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ شاردا کے آنے کے بعد ہر سمت سے

خیالوں کی ایسی یورش ہوئی کہ وقت کا احساس ہی مٹ گیا اور میں بیٹھے بیٹھے چونک پڑا۔ ’’پارو اور ریتا کہاں ہیں؟‘‘ میں نے اس سے ایک غیر متوقع سوال کیا۔

’’وہ وہیں ہیں۔ کنول کے فون کے بعد ان سے کچھ دیر کی اجازت لے کے یہاں آئی تھی۔‘‘ اس نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’کیا انہیں معلوم ہے کہ دنیش چندر کہاں گئے ہیں؟‘‘

’’نہیں۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا بلکہ انہیں مصروف ہی رکھا حالانکہ وہ اس طرف آنے کے لیے بے تاب تھیں۔‘‘

’’وہ تمہاری عدم موجودگی میں کہیں اس طرف کا رخ نہ کرلیں؟‘‘

’’تو میں چلی جاؤں؟‘‘ اس نے نڈھال ہوکر پوچھا۔

’’انہیں اس وقت تک وہیں روکے رکھنا ضروری ہے جب تک دنیش نہ آجائے۔‘‘ میرے لہجے میں ندامت شامل تھی۔ ’’پارو‘ ریتا‘ دنیش۔‘‘ اس نے مسکرانے کی کوشش کی‘ ایک پھیکی مسکراہٹ۔ ’’اچھا موہن!‘‘ اس کی آواز کسی تہہ خانے سے آئی۔ ’’میں چلتی ہوں۔‘‘ میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ ’’اپنا خیال رکھنا۔‘‘ یہ کہتی ہوئی وہ آہستہ سے اٹھی‘ اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور میرے ہاتھ چومے پھر میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ میں نے گھبرا کے نظریں جھکالیں‘ میرے ہاتھ اسے بازوؤں میں لینے کے لیے اٹھے کے اٹھے رہ گئے۔

’’ٹھہرو۔ ٹھہرو شاردا!‘‘ میں نے مرتعش آواز میں کہا۔ اس نے دروازے کے قریب ایک لحظے کے لیے رک کر مجھے دیکھا پھر تیزی سے چٹخنی گرائی اور آناً فاناً کسی پری کی طرح اوجھل ہوگئی۔ میں اس کے تعاقب میں دروازے تک بھاگا۔ وہ راہ داری میں دیوانہ وار آگے بڑھ رہی تھی۔ گو راہ داری سنسان تھی مگر مجھے اس کا تعاقب اس انداز میں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں ملاقاتی کمرے کے باہر ٹھٹک کے رہ گیا۔

وہ مجھے تنور میں جھونک کے چلی گئی تھی۔ چند لمحوں تک میں پاگلوں کی طرح ہاتھ پیر مارتا رہا۔ میرے قریب ٹیلی فون رکھا تھا‘ کچھ سوچ کے میں نے دبے لفظوں میں شاردا کو یہاں سے جانے کے لیے کہا تھا‘ شاردا تو میری بات سن لیتی‘ وقت نہ سنتا وقت بے نیازی سے اپنا ازلی و ابدی سفر طے کر رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے ریسیور

اٹھایا۔ میری انگلیاں تھرتھرانے لگیں۔ دوسری طرف سے چھاؤنی کا ڈیوٹی آفیسر مجھ سے مخاطب تھا میں نے اس کی اونگھتی ہوئی ہیلو‘ کے جواب میں بھاری آواز میں چپکے سے انگریزی میں کہا۔ ’’تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔ کھنڈروں میں گڑ بڑ ہے۔‘‘

’’گڑ بڑ ہے‘ کیسی گڑ بڑ؟‘‘ وہ ہڑبڑا کے بولا۔ ’’تم کون ہو؟‘‘

’’بس اتنا ہی کافی ہے۔‘‘ وہ چلاتا رہا‘ میں نے ریسیور رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور دنیش کی نوٹ بک دیکھ کے اس کمرے کا نمبر تلاش کیا جہاں‘ انیتا قیام پزیر تھی۔ نمبر ملانے سے پہلے میں چند لمحے سوچتا رہا۔ کھنڈروں سے چھاؤنی کا راستہ خاصا دور تھا۔ تسلی کے لیے میں نے انیتا کے کمرے میں اس کی موجودگی کا یقین کرلینا بہتر سمجھا۔ انیتا اپنے کمرے میں تھی‘ بجھی ہوئی آواز میں اس نے ہیلو کہا اور میری طرف سے خاموشی پر دیر تک ریسیور ہاتھ میں اٹھائے چیختی رہی۔ اگر وہ وہاں نہ ہوتی تو پھر مجھے اسے پریت‘ ہیما یا کسم وغیرہ کے کمروں میں تلاش کرنا پڑتا۔ فون پر پہلی بار کسی کا میری آواز پہچان لینا مشکل تھا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ جس دن سے چار آدمیوں کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا‘ انیتا کچھ گم سم اور گوشہ نشین سی ہوگئی تھی۔ میں نے حساب لگایا‘ چھاؤنی سے کھنڈر کا فاصلہ تیز رفتار گاڑیاں زیادہ سے زیادہ پچاس‘ ساٹھ منٹ میں طے کرسکتی ہیں گویا مجھے آدھ گھنٹے بعد انیتا کو فون کرنا تھا۔ تیس منٹوں کا یہ انتظار تیس دنوں کے برابر ضرور تھا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے پندرہ منٹ کاٹ لیے اور گھڑی دیکھ کر ریتا کے کمرے میں فون کیا‘ فون ریتا نے اٹھایا۔ میں نے ہندوستانی میں کسی قدر بدلی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔ ’’پارو رانی ہیں؟‘‘

وہ میری آواز سن کے کچھ جھجکی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے پارو کو فون دے دیا۔ ’’کیا تم ریتا سے معذرت کرکے چند لمحوں کے لیے ادھر آسکتی ہو؟‘‘ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

’’کہاں؟‘‘ وہ میری آواز پہچان کے دھیرے سے بولی۔

’’ادھر۔‘‘ میں نے تذبذب سے جواب دیا۔

’’ٹھیک ہے۔ کوشش کرتی ہوں۔‘‘ پارو نے فون بند کر دیا۔

دو تین منٹ بعد ہی وہ ملاقاتی کمرے کے دروازے پر موجود تھی۔ دروازہ کھلا

ہوا تھا' وہ سیدھی اندر آگئی اور والہانہ انداز میں میری طرف بڑھی۔ میں نے اس کے شانے پکڑ کے کسی تاخیر کے بغیر اسے مخاطب کیا۔'' اب سے ٹھیک بارہ منٹ بعد انیتا اپنے کمرے سے باہر نکلے گی اور بارہ دری کی طرف جائے گی۔ جب وہ ادھر سے واپس آئے تو تم راستے میں اس سے ٹکرا جاؤ گی اور کسی طور اسے اپنے ہمراہ ریتا کے کمرے میں لے جاؤ گی اسے اس کے کمرے میں نہیں جانے دو گی۔ تم اپنے ساتھ ریتا کو لے جانا تاکہ انیتا تمہارے ساتھ آنے میں کوئی عذر پیش نہ کر سکے' اپنی گھڑی یہاں کی گھڑی سے ملا لو۔'' میں نے اس کی کلائی پکڑ کے دونوں گھڑیوں کی تفریق مٹا دی۔

وہ حیرانی سے میرا منہ دیکھنے لگی۔'' مگر۔ مگر یہ سب؟''

میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔'' تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے تم فوراً واپس چلی جاؤ' ظاہر ہے' تم ریتا کو اس کے کمرے سے اچانک اٹھا کے نہیں لے جاسکتیں۔ اسے آمادہ کرنے کے لیے کچھ وقت ضرور لگے گا۔ اور یہ وقت چند منٹوں سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔''

'' اگر وہ راستے میں نہ ملی تو؟'' وہ تردد اور تشویش سے بولی۔

'' تو کوئی بات نہیں۔ خیال رہے کہ واپسی کے وقت تم سے اس کی مڈبھیڑ ہو گی۔ بارہ دری کے قریب نہیں راہ داری میں۔ سمجھیں؟ اب یہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

'' مگر تم۔ تم چاہتے کیا ہو؟'' وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔'' اور میں تو تم سے سخت ناراض ہوں۔ تم نے آنا ہی بند کر دیا۔''

'' اوہ شکایتیں بعد میں کرلینا۔ پارو!'' میں نے اس کے بال کھینچ کے کہا۔'' تم جیسی ذہین لڑکی بات نہیں سمجھ رہی؟''

'' تم مجھے کچھ تو بتاؤ۔ معاملہ کیا ہے؟''

'' میں واپسی پر اسے مصروف رکھنا چاہتا ہوں' بس اتنی سی بات ہے۔''

'' مگر کیوں؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔

'' اُفوہ' تم تو بالکل غبی ہوگئیں پارو! میں نے تمہیں کسی اعتماد سے بلایا ہے۔'' میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

وہ تلملاتی ہوئی چلی گئی۔ میری نظریں گھڑی کی سوئی پر مرکوز تھیں۔ وقت گردش میں تھا' سارا کمرہ گردش کر رہا تھا۔ میرے دل میں بھی ایک گھڑی رکھی ہوئی تھی جس کی سوئی دیوار پر لٹکی ہوئی گھڑی سے کئی گنا تیز دوڑ رہی تھی۔ کاش دنیش چندر کے آنے میں کچھ دیر اور لگ جائے۔ ٹک ٹک ٹک ٹک دماغ پر ہتھوڑی کی ضربیں پڑ رہی تھیں۔ میں ایک طرف راہ داری میں ہونے والی کسی آہٹ کی بو سونگتا تھا' دوسری طرف گھڑی نگاہ کے نشانے پر لیے ہوئے تھا' جیسے ہی آدھا گھنٹہ مکمل ہوا۔ میں نے دھڑکتے دل سے ڈائل گھمانا شروع کیا۔ انیتا کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اس نے کئی گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھایا۔'' انیتا دیوی!'' میں نے ملازموں کے خاص لہجے میں پوچھا۔

'' ہاں میں بول رہی ہوں۔'' اس نے تعجب سے کہا۔'' کون ہے؟''

'' سرکار میں ہوں' کنور جی کا سیوک۔''

'' کون۔؟'' اس نے جھجک کر کہا۔ '' منوہر؟''

میں نے تائید نہیں کی۔'' یہ کنور جی نے ایک خاص پیغام آپ کے لیے بھیجا ہے۔'' میں نے رازداری سے کہا۔

'' کیسا پیغام؟ شام ہی تو ان سے میری بات ہوئی تھی۔''

'' کچھ ایسی ہی بات ہے۔ آپ کے کمرے سے بارہ دری دور نہیں۔ وہاں چنبیلی کے پودے میں ایک پیغام رکھا ہے' اسے وہاں سے اٹھا لیجیے۔''

وہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔'' کیا بات ہے؟''

'' پڑھنے کے بعد اسے فوراً ضائع کر دیجیے گا۔ بھگوان کے لیے جلدی کیجیے۔''

'' اور تو سب ٹھیک ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔'' تم کہاں سے بول رہے ہو؟''

'' انیتا دیوی! وہاں جائیے۔'' میں نے تاسف آمیز ناراضی سے کہا اور آہستہ سے کھٹکا دبا کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جیسے فون بند کر دیا گیا ہے' ریسیور پر میرا ہاتھ سختی سے رکھا ہوا تھا۔ انیتا نے کچھ دیر تامل کیا' ایک فطری گریز' جس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ وہ کریڈل کھٹ کھٹاتی رہی' میں نے ریسیور سے ہاتھ نہیں اٹھایا حتیٰ کہ اس

کی طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا پھر بھی میں نے احتیاطاً۔ ریسیور کریڈل پر نہیں رکھا تاکہ وہ کہیں رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے تو اسے ناکامی ہو' اس کے کمرے سے بارہ دری تک کا راستہ روشن' صاف' محفوظ اور مختصر تھا۔ میں نے دانستہ ایسی جگہ بتائی تھی جہاں اسے جانے میں ہچکچاہٹ اور زحمت نہ ہو۔ اس کی جانب سے دوبارہ فون نہیں اٹھایا گیا۔ اتنی رات گئے کوئی اہم پیغام ہی آسکتا ہے۔ ممکن ہے' اسے کوئی اچک لے' یہ خیال کر کے انیتا فوراً اٹھ گئی ہو گی۔ میں نے اطمینان سے فون بند کر دیا۔ تین چار منٹ بعد میں نے پھر فون کیا' گھنٹی بجتی رہی۔ یعنی وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی۔ ایسے معاملات میں پارو کی مستعدی اور حاضر دماغی کا مشاہدہ میں اپنی آنکھوں سے کر چکا تھا۔ چنانچہ اس طرف سے مطمئن ہو کے میں نے اضطراری حالت میں گھڑی دیکھی اور فون اپنی گود میں رکھ کے کنور جگ دیپ کا نمبر ملایا۔ فون اس کے بجائے کسی لڑکی نے اٹھایا۔ اس کی آواز نشے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آواز شراب میں بھگو دی گئی ہو۔ نوجوان کنور اپنی خواب گاہ میں تنہا ہوتا تو مجھے تو اس کے صحیح النسب ہونے پر شبہ ہوتا۔ ''مجھے صرف کنور جگ دیپ سے بات کرنی ہے۔'' میرے لہجے سے وہ ضرور سہم گئی ہو گی۔ اس نے جلد سے جلد فون جگ دیپ کے حوالے کر دیا۔

''کون ہے؟'' جگ دیپ نے تلخی سے پوچھا۔

''سنو کنور! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے آرام میں مخل ہوا لیکن بات ہی ایسی ہے' تمہیں کچھ دیر کے لیے اپنی توجہ میری جانب مبذول کرنی ہے اگر تمہارے قریب بیٹھی ہوئی لڑکی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی ہو تو اسے خود سے دور کرو اور جو کچھ میں تم سے کہنے والا ہوں' اسے پوری توجہ سے سنو' تمہاری خوب صورت بہن انیتا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔''

''کیا؟'' وہ اچانک چیخ پڑا۔ ''کون حرام زادہ ہے؟''

''اس موقع پر تمہیں پورے تحمل کا ثبوت دینا چاہئے' کنور! تمہاری ذرا سی غفلت تمہاری نوجوان اور حسین بہن کو تم سے ہمیشہ کے لیے دور کر سکتی ہے۔ وہ کھنڈروں میں میرے آدمیوں کے قبضے میں ہے' کھنڈر سے تمہاری حویلی کا فاصلہ زیادہ

سے زیادہ بیس پچیس منٹ کا ہو گا۔ میں تمہارا یا تمہارے آدمیوں کا آدھے گھنٹے تک انتظار کروں گا' مجھے پچاس ہزار روپے یا اتنی ہی مالیت کے جواہر درکار ہیں۔ اس میں کوئی دھوکے بازی نہیں چلے گی۔ سیدھا اور صاف سودا ہے۔ تمہارے آدمی کھنڈر کے شمالی حصے کی شکستہ چوبرجی میں یہ رقم رکھ دیں گے۔ خبردار! وہ میرے آدمیوں کی بندوقوں کی زد پر ہوں گے۔ رقم کی تصدیق کے بعد وہ انیتا کو تمہارے حوالے کر دیں گے' اگر تم نے چالاکی دکھانے کا حکم دیا تو وہ انیتا کی لاش کے سوا وہاں سے کچھ اور نہیں لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے تمہیں اپنی بہن سے اتنی محبت تو ہو گی کہ تم پچاس ہزار روپے کی حقیر رقم اس کی آبرو اور جان کے لیے قربان کر سکو۔ تم اتنے غیرت مند ضرور ہو گے کنور! خاندانی آدمی ہو۔''

فون پر سکوت چھا گیا۔ ''تم کون ہو؟'' اس کی آواز میں لرزش پیدا ہو گئی۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔'' اس نے گرج کر کہا۔

''ہوش میں آؤ کنور! کم از کم اس وقت تک خود کو ہوش میں رہنے کی کوشش کرو جب تک انیتا واپس نہ آجائے۔

''میں جانتا ہوں' تم کون ہو۔''

''تم پچھتاؤ گے کنور جگدیپ!'' میں نے زور سے ریسیور کریڈل پر دھر دیا۔

چند ثانیوں کے وقفے کے بعد میں نے کنور کو دوبارہ فون کیا۔ وہ انگیج تھا۔ کنور کو لازماً انیتا کے کمرے میں فون کرنا چاہئے تھا' ادھر گھنٹی بجتی رہی ہو گی۔ ممکن ہے' پھر وہ پریت کو کھکھوڑے یا یہاں دنیش چندر کو۔ مگر ان رابطوں سے پہلے حفظ ماتقدم کے طور پر اسے اپنے منتخب آدمیوں کو طلب کرنا چاہئے' تجوری سے نقدی نکالنے یا جواہر کی پوٹلی تیار کرنے میں آدمی اگر پھرتی سے کام کرے تو منٹوں کا کام ہے۔ اس وقت کنور جگ دیپ کی حویلی میں کھلبلی مچی ہوئی ہو گی' غنودہ بہنوں اور بھائیوں کو جگا کر انہیں پرکاش بھون میں مختلف لوگوں کو فون کرنے اور انیتا کا حال احوال پوچھنے کی ہدایت کی گئی ہو گی۔ کنور کا نشہ ہرن ہو گیا ہو گا' ہر طرف گاڑیاں دوڑ پڑی ہوں گی اور ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھا جا رہا ہو گا کہ اغوا کنندگان کنور کی زیادہ سرگرمی پر مشتعل نہ ہو جائیں اور بھگوان نہ کرے انیتا کو نقصان پہنچ جائے یا ان میں سے کوئی

قدم نہیں اٹھایا جائے گا بجز اس کے کہ پرکاش بھون میں انیتا کی موجودگی یا عدم موجودگی کی تصدیق کے لیے سرسری فون کیے جائیں اور پہلی فرصت میں ہرکارے کھنڈر کی طرف دوڑا دیئے جائیں۔ یہ آن جہانی کنور پردیپ کی حویلی کی ناموس کا معاملہ تھا۔ جتنے زیادہ لوگوں کو انیتا کے اغوا کی خبر ہو گی' ریاست میں یہ خبر اتنی ہی تیزی سے پھیلے گی۔ کنور جگ دیپ یہ شرم ناک واقعہ اچھالنے کے بجائے دبانے کی کوشش کرے گا۔ بہر حال کنور جگ دیپ کی حویلی میں کچھ بھی ہو رہا ہو' ایک بھائی کو اپنی بہن کے لیے کچھ نہ کچھ فکر مند ہونا چاہئے' میری تشویش کے لیے کوئی بات نہیں رہ گئی تھی۔ چھاؤنی والے نامعلوم مخبر کی اطلاع کو درخور اعتنا نہ سمجھیں اور کھنڈر کی طرف اپنے مزید دستے نہ روانہ کریں تو نہ کریں' پارد سے انیتا راستے میں نہ ٹکرائے اور وہ اسے اپنے ساتھ ریتا کے کمرے میں نہ لا سکے تو نہ لا سکے یا کسی سے جگ دیپ کو بھون میں انیتا کی موجودگی کا پتہ چل جائے یا میری دھمکی اس پر کارگر نہ ہو اور وہ بھون میں اپنے مسلح آدمی نہ بھیجے تو نہ بھیجے' صرف انگریز دستے چلے جائیں اور کھنڈر یا اس کے راستے میں ان کی مڈبھیڑ جگ دیپ کے آدمیوں سے نہ ہو یا جگ دیپ کے آدمی چلے جائیں اور انگریز دستے کھنڈر کی طرف کوچ نے کریں' کچھ بھی نہ ہو' نہ ہو' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اگر میرے نقش فکر کے مطابق سب کچھ عمل میں آجائے تو بڑے دور رس نتائج مرتب ہو سکتے تھے۔ آدمی اپنی جیسی کوشش کرتا ہے' نتیجہ ستاروں کی گردش پر منحصر ہوتا ہے یا آنے والے اندھے لمحوں کی مرضی نامرضی پر۔

پندرہ منٹ اور گزر گئے۔ میں تصور کی نگاہ سے کھنڈر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر دستک کی آواز سے خیال کا سارا تانا بانا الجھ گیا۔ دنیش چندر اندر داخل ہو رہا تھا' میں نے ایک خفیف مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا' اس کا چہرہ دھندلا رہا تھا' پیشانی پر فکر کی گہری لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نظریں ملانے سے ہچکچا رہا ہو' جیسے مہاراجہ نے شاردا کو اس سے نہ مانگا ہو جیسے اس نے شاردا کو مہاراجہ کے سپرد کرنے کا وعدہ کرلیا ہو اور اب پشیمان ہو رہا ہو۔ وہ بہت تھکا ہوا' مضمحل اور کمزور نظر آرہا تھا۔ ''کیسی گزری ؟'' میں نے اس کا کوٹ اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھا کے کہا۔

''ٹھیک ہی رہا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''خاصی دیر ہو گئی؟'' میں نے رسمی طور پر کہا۔

''ہاں' بہت دیر ہو گئی۔ کرنل اٹھنے ہی نہیں دیتا تھا ' آج اس نے کثرت سے شراب پی۔''

''پھر بھی وہ سنبھلا ہوا رہا ہو گا۔''

''بے حد' وہ ایک مکمل انگریز ہے۔''

''ایک بار میں نے بھی اسے یہ خطاب دیا تھا۔'' میں نے دنیش کا تکدر دور کرنے کے لیے شگفتگی کی کوشش کی اور دانستہ کنول کا ذکر نہیں کیا۔

''تم کیسے رہے ؟'' وہ میری گردن میں بانہیں ڈال کے بولا۔

''بس زندہ رہا۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''میں تمہارا بوسہ لینا چاہتا ہوں۔'' وہ اچانک میرے رو بہ رو ہو کے بولا۔

''کیوں ؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''خیر تو ہے۔''

''بس یوں ہی جی چاہ رہا ہے۔'' اس کے لہجے میں کرب ہی کرب تھا۔

''آپ نے تو کرنل کا مقابلہ نہیں کیا۔''

''نہیں' قسم لے لو' جو میں نے ایک گھونٹ بھی پیا ہو۔''

''پھر۔ پھر یہ اچانک کہاں سے محبت ٹوٹ پڑی۔''

''آؤ میرے گلے لگ جاؤ۔'' اس نے اپنے بازو پھیلا کے کہا۔

میں کچھ سمٹتا ہوا اس سے بغل گیر ہو لیا۔ اس نے مجھے پوری طاقت سے چمٹا لیا۔ میرے رخسار چومنے کے بعد اس کی آواز بھرا گئی۔ ''موہن ! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''مجھے یقین ہے۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔ ''مگر بات کیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ بس مجھے یقین دلاؤ کہ تم میرا حوصلہ بنے رہو گے۔''

''میں آپ کا دوسرا قالب ہوں۔'' میں نے جوش سے کہا۔

''تو یہ سب جنجال چھوڑ کے کہیں دور چلو۔ ہمیں راج پاٹ سے کوئی دلچسپی نہیں' ہم دنیا گھومیں گے' سریش سب سنبھال لے گا یا رمیش چندر انگلستان سے آ کے

شعبدے بازی کرے گا۔ شاردا کو ساتھ لے کے ہم ایک رات چپکے سے فرار ہو جائیں گے اور پھر کبھی یہاں واپس نہیں آئیں گے' چاہو تو ابھی چلو۔"

"اب تو رات بہت ہو گئی ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"میں بہت سنجیدہ ہوں موہن!" وہ سر جھٹک کے بولا۔

"آخر بات کیا ہوئی۔" مجھے پوچھنا پڑ گیا حالانکہ میں اس وقت راج محل کی گفتگو کا تذکرہ کرکے دنیش کو الجھن میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

"کچھ نہیں۔ شراب اور موسیقی کے دوران میں ہمارے درمیان عہد وفا کی تجدید ہوتی رہی۔ مہاراجہ نے کرنل کو بیش قیمت تحائف پیش کیے اور راجے پور کی جنوبی پہاڑیاں بھی چھاؤنی کی تحویل میں دے دیں' اب وہاں ریاست کا کوئی شخص نہ تو شکار کر سکے گا اور نہ بغیر اجازت داخل ہو سکے گا۔ انگریز یہاں کی پہاڑیوں کی معدنی دولت خود کشید کیا کریں گے اور مہاراجہ 50 فیصد آمدنی میں شریک ہوں گے۔ کرنل نے ریاست راجے پور کے مختلف علاقوں میں ریلوں کا جال بچھانے کا وعدہ بھی کیا ہے اور کپڑے کی جدید ملیں قائم کرنے کا بھی۔ انگریز مشیر ریاست کی پولیس کو نظم و نسق کی تربیت دینے آئیں گے اور بڑے چوک کی خالی جگہ ایک بڑا گرجا گھر تعمیر ہو گا۔ اس کے ساتھ ایک جدید قسم کا ہسپتال بھی۔"

"یہ تو آپ بہت خوش آئند باتیں سنا رہے ہیں۔"

"پر جی نہیں لگتا موہن!" وہ بیزاری سے بولا۔" جی نہیں لگتا۔ اسی لیے میں بار بار تم سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہوں۔" مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ شاردا اور دنیش شاید ایک ہی گھڑی میں پیدا ہوئے تھے۔ انہیں جواب دینا میرے لیے مشکل تھا۔ وہ میرے سر پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیتے تھے۔ میری ناتوانی کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے جتنی باتیں وہ کرتے تھے اگر میرے پاس ان کے جواب ہوتے تو صحیح توازن ہو جاتا مگر میری زبان تو ہکلا ہکلا جاتی تھی۔ ایک لمحے میں دل و دماغ سے انبساط کی ایک لہر گزرتی اور دوسرے ہی لمحے رگوں میں سوزش ہونے لگتی۔ کوئی ریتی سے دل چھیلنے لگتا۔ خوشی میرے مقدر میں اتنی ہی ودیعت کی گئی تھی۔ میں جواب دینے کے لیے ہر مرتبہ اپنا جسم کرید کے ان کن سلائیوں اور کن کھجوروں کو دکھانا چاہتا تھا

جنہوں نے میرے رگ و پے میں گھر کر لیا تھا۔ سانپ' بچھو' کیڑے' میرے جسم کے کیڑے گھر میں ہر قسم کا عفریت موجود تھا۔ انہی کا خیال آجاتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کے بری طرح ڈر جائیں گے۔ انبساط کی یہ ایک لہر بھی روٹھ جائے گی جو کبھی کبھی ادھر سے گزر جاتی ہے۔ دنیش چندر آہیں بھرتا رہا۔" لباس تو تبدیل کر لیجیے۔" میں نے اس سے جدا ہو کے کہا۔

وہ پژمردگی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے شاردا اور مہاراجہ کے مسئلے پر گفتگو نہیں کرے گا کیونکہ اس کے پاس اس موضوع پر بات کرنے کے لیے لفظ ہی نہیں ہوں گے۔ اس کے چہرے پر چھانے والے زرد رنگ میری توقع کے عین مطابق تھے۔ دنیش ابھی اندر موجود تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ریسیور اٹھایا۔ پارو کی آواز پہچان کے میری جان میں جان آئی۔" کیا دنیش جاگ رہے ہیں؟" اس کا مطلب تھا کیا ہم وہاں آسکتے ہیں؟ چونکہ اس کے سامنے ریتا اور انیتا موجود ہوں گی' اس لیے اس کا لہجہ بے نیازانہ تھا۔ "کیا وہ تمہارے ساتھ ہیں؟" میرا اشارہ انیتا کی طرف تھا' اس نے ہوں کرکے اثبات میں جواب دیا۔ گو چھاؤنی کو فون کیے ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ گزر چکا تھا اور اب ان کے یہاں آنے میں مجھے کوئی پس و پیش نہیں تھا تاہم میں نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ پھر مجھے بے ساختہ انیتا کا خیال آیا اور نہ جانے کیوں' دل اسے اس درماندہ وقت میں دیکھنے کے لیے شرارت کرنے لگا۔ میں نے پارو کو فراخ دلی سے اجازت دے دی۔ دنیش لباس تبدیل کرکے باہر آیا ہی تھا کہ دروازے پر مانوس آہٹیں سرسرائیں' پارو' ریتا' انیتا مسکراتی جھل ملاتی اندر داخل ہوئیں۔ دنیش کو مجبوراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجانی پڑی۔ میری نگاہیں انیتا کے چہرے پر تھرتھرا رہی تھیں۔ وہاں ایک لطیف قسم کی سوگواری چھائی ہوئی تھی' ایک دل فریب حزن' ایک حزینہ اضطراب۔ میرے جسم پر دنیش کا شب خوابی کا لباس تھا۔ انیتا نے مجھے اس غیر رسمی انداز میں پہلی بار دیکھا تھا' مجھے اپنے مقابل دیکھ کے وہ کچھ سمٹی اور سکڑی۔ اس کی آنکھوں میں شرارے رقصاں ہوئے وہ اور مضطرب ہو گئی پھر کہیں گم ہو گئی۔ پارو کا بھی یہی حال تھا مگر وہ اپنے فرائض تن دہی اور خوش اسلوبی سے نبھا رہی تھی۔ اس نے وقت کے

غیر معمولی ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا۔ میں ان تینوں کی نگاہوں کا ہدف بنا ہوا تھا حالانکہ وہ دنیش چندر سے مخاطب تھیں۔

"شاردا کہاں ہے؟" دنیش نے پارو سے پوچھا۔

"کچھ دیر ہوئی وہ بے قرار ہو کے اچانک اٹھی اور یہ کہہ کے چلی گئی تھی کہ ابھی واپس آئی مگر بہت دیر ہو گئی۔" پارو نے روانی سے جوب دیا۔

"عجیب لڑکی ہے۔" دنیش نے الجھتے ہوئے کہا۔

مجھے احساس ہوا جیسے وہ مجھے ستانے کے لیے شاردا کا ذکر لے بیٹھے ہیں۔ اس کا حال میرے سوا کون جانتا تھا اور میں بھی کیا جانتا تھا اس کے نام سے سینے میں ایک کوندا سا لپک گیا اور جی اسے دیکھنے کو امڈنے لگا۔ میں اس وقت اس کے پاس جانے سے قاصر تھا۔ پاؤں میں اندیشوں کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں' بھون میں ریتا کی یہ آخری رات تھی۔ صبح ہوتے ہی چھاؤنی کے مسلح محافظ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ میری ٹانگ میں گولی لگنے کے بعد ریتا سے تخلیے میں کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بس وہی ایک تنہا رات جس کی یاد ریتا کی نس نس میں رچی ہو گی۔ وہ تو ایک طویل رات تھی' بعض اوقات ایک نظر میں زمان و مکان کے فاصلے تحلیل ہو جاتے ہیں ریتا مجھے حسرت اور اشتیاق سے دیکھتی تھی' وہ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت کا خون کرنے لگے تھے۔ ان میں سے کوئی یہ محفل جمانے کے موڈ میں نہیں تھا' ہر شخص متوحش اور بے آرام تھا۔ پارو کی خواہش ہو گی کہ جلد از جلد یہ محفل درہم برہم ہو اور مجھے اس کی خواب گاہ میں آنے کا موقع ملے۔ اس کی حسیں پوری طرح بیدار ہوں گی۔ میں نے انیتا کے سلسلے میں اسے ایک عجیب و غریب ہدایت بے سبب نہیں دی ہو گی اور ریتا ان سب کے اٹھنے کی منتظر ہو گی تاکہ وہ دوبارہ ادھر آ کے تنہائی میں مجھے اپنے خوابوں کی سرگزشت سنا سکے' یہ رات بھی ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ انیتا اپنے بھائی کنور جگ دیپ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو گی اور ریتا کی قیمتی رفاقت کی وجہ سے جبر کیے بیٹھی ہو گی۔ دنیش پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ وہ جوان رعنا ایک بے بس پرندے کی طرح ان لڑکیوں کے پنجرے میں بیٹھا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ میں نے اس کے بہت سے غصے اپنے اندر جذب کر لیے تھے۔ وہ ایک بہادر اور زیرک نوجوان تھا' اس کا جلال

کمال کا تھا' ایک بار رات کو اس نے ایک نمک حرام سائیس کے گھر پر دستک دے کے اسے بے دریغ گولی مار دی تھی کیونکہ اس نے دنیش کے دودھ میں زہر ملانے کی کوشش کی تھی۔ بھٹناگر جیسے گرانڈیل شخص کی موت پر اس کا حوصلہ دیکھنے کے قابل تھا' وہ اندھیرے تہہ خانے میں درانہ گھس گیا تھا اور بھٹناگر کی لاش اندھیرے کنویں کی گہرائیوں میں پھینک آیا تھا۔ برداشت بھی ایک قسم کا غصہ ہے جو آدمی دوسروں پر کرنے کے بجائے خود پر کر لیتا ہے اور ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے۔ اس نکتے کی رموز سے اسے پہلے اتنی آگاہی نہیں تھی جتنی اب ہو گئی تھی۔ مسلسل ایسے واقعات پیش آتے رہے کہ وہ سکوت کی اس سازش کے سلسلے میں راسخ ہوتا گیا' سازش سکوت یہ کسی زندہ دل شخص کی اصطلاح ہے اور خوب ہے۔ وہ اب تمیز کرنے لگا تھا کہ کہاں اور کب تک سکوت اختیار کیا جائے اور کہاں غصوں کا بند کھول دیا جائے۔ سکوت کی چادر اوڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ ایک گوشہ ایسا ضرور کھلا رکھنا چاہئے جہاں سے باہر کا حال نظر آ سکے اور تازہ ہوا کا نفوذ ممکن ہو۔ یہ وہ مچان ہے جو خطرناک جانوروں کے شکار کے لیے جنگل میں باندھا جاتا ہے۔ دنیش کا تحمل اس کی پختگی کا ثبوت تھا۔ اس میں میری صحبت کا فیضان صرف اس قدر تھا کہ مجھ سے اس نے ستم سہنے کے وطیرے سیکھے تھے۔ ورنہ خود اس کے ہاں سوچنے اور سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیتیں موجود تھیں' وہ اپنے باپ اور بڑے بھائی سے یقیناً ایک مختلف آدمی تھا۔ وہ اس وقت بہت گھٹا ہوا بیٹھا تھا لیکن ان کی گفتگو میں سنجیدگی سے شامل تھا' صرف میں جانتا تھا کہ اسے اپنے آپ پر کس قدر جبر کرنا پڑ رہا ہے۔

کھنڈر میں انگریزوں کے دستے پہنچ گئے ہوں گے اور ایک آدھ گھنٹے بعد ایک سنسنی خیز خبر ریاست کی اس خنک رات کا شیرازہ منتشر کرنے والی تھی۔ ممکن ہے انگریز' میجر رابرٹ کی موت کی طرح اس موت کی خبر بھی عام نہ ہونے دیں' تاوقتیکہ ہائی کمان سے کوئی ہدایت نہ آ جائے۔ ہائی کمان' یہاں سے وہاں تک ریاست راجے پور کی دھوم مچ جائے گی اور آزادی کی تحریکیں چلانے والے رہنما مسکرا کر اخباروں میں یہ خبریں پڑھیں گے اور اپنے مقلدوں کو یہ تاثر دینے میں کوئی چوک نہیں کریں گے کہ بس اب انگریز کے قدم اکھڑنے لگے ہیں اور منزل قریب ہے۔ انگریز یہ دہشت گردی

چھپانے کی جتنی کوشش کریں گے' ان کے اطوار میں اتنی ہی جارحیت آجائے گی۔

مجھے اعتراف کرلینا چاہئے کہ انیتا کے بدن میں کوئی ایسی کمال کی خوبی موجود تھی کہ وہ ذہنی ابتلا کے اس کرب انگیز وقت میں بھی میری نگاہیں اپنی جانب کھینچ لیتی تھی۔ کچھ بدن شاید اس لیے ایجاد کیے گئے ہیں کہ نا مہربان وقت میں راگنی بجاتے رہیں اور غم زدہ انسانوں کو زندگی کی طرف رغبت دلانے کا دقت طلب کام کریں۔ زندگی کی یہی خوبیاں تو زندگی کی گاڑی کھینچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ انیتا کی آنکھوں میں مقناطیس رکھ دیا گیا تھا بلکہ اس کے پورے بدن پر مقناطیس کا خول چڑھا ہوا تھا۔ کچھ بدن دیکھنے کے ہوتے ہیں' کچھ تقدس کے لیے' کچھ عشق کے لیے' کچھ بس آغوش میں تڑپنے کے لیے۔ آخر الذکر بدن میں آتش فشاں چھپا ہوتا ہے' ان کا مصرف جلنا اور جلانا ہوتا ہے۔ ہر بدن کا مزاج الگ الگ ہے۔ ہوسکتا ہے انیتا کے بدن میں مجھے کنور جگ دیپ کا کوئی عکس نظر آتا ہو جس سے میرے خاص قسم کے جذبے منسوب تھے یا پھر اس کا سبب یہ ہو کہ شب خوابی کے لباس میں انیتا کے بدن کا سحر کچھ اور ابھر کے آیا ہو بہر صورت انیتا کی شرر بار آنکھیں بہ ہمہ وجوہ میری طرف مرکوز تھیں۔ وہ لجاتی' شرماتی' چمکتی اور بجھتی تھیں۔ کبھی ان میں حیرت اڈتی تھی' کبھی چنگاریاں لپکتی تھیں۔ وہ دھنک کا منظر پیش کر رہی تھیں' آنسوؤں کی برسات کے بعد آنکھوں میں یہ دھنک ضرور نمودار ہوتی ہے۔ وہ مجھے سب کچھ بھلائے دے رہی تھی اور اب اگر کچھ یاد آرہا تھا تو اس کا وہ حیات آفریں لمس جو مجھے چند راتوں پہلے بھون کے باغ میں نصیب ہوا تھا میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اسے اٹھایا تھا تو قدیم زمانے کے وقت پیا کا خیال آگیا تھا' جس میں اوپر کے پھیلے ہوئے ظرف سے نیچے کے پھیلے ہوئے ظرف میں ایک تنگ گزرگاہ کے ذریعے ریت گرتی رہتی ہے۔ یہ گزرگاہ انیتا کی کمر تھی۔ اسے بھی سب کچھ یاد ہوگا' مگر وہ ٹھیری رہی اور اب مجھے یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے موصول ہونے والا ٹیلی فونی پیغام فراموش کرچکی ہے' اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا تھا اور وہ ریتا اور پارو کی شاداب باتوں میں چہکنے لگی تھی۔

انہیں یہاں بلانے کا مقصد' اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ بھون میں میری موجودگی کی گواہ رہیں اور میں انیتا کا حال بھی دیکھ سکوں۔ دنیش نے گھڑی دیکھی تو ریتا

اس کا مدعا سمجھ گئی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرا خیال ہے اب راج کمار پر رات کا غلبہ ہو رہا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اب ہمیں اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹ جانا چاہئے۔"

"میں کئی راتیں اسی طرح گزار سکتا ہوں۔" دنیش نے برجستہ جواب دیا۔

"چلیے شرط ہو جائے۔" ریتا نے شوخی سے کہا۔

"مگر آج کی رات آرام کرنے کے بعد۔" پارو تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

اور میں نے یہ حیرت انگیز بات بطور خاص دل پر رقم کی کہ انیتا کہ سوا سبھی نے اس کی تائید کی مگر اسے بھی اٹھنا پڑا۔ میں نے سوچا اس کا ہاتھ پکڑ کے روک لوں اور کہوں کہ آج رات تم یہیں بیٹھی رہو' تمہارے بھائی نے اتنے ستم ایجاد کیے ہیں تو تم بھی رات بھر تیر چلاؤ اور یہ بدن کالے کمبل میں چھپا کے آیا کرو کسی کی نظر لگ جائے گی۔ یکایک شاردا کی خاص ملازمہ مالتی بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ میرا دل ساکت ہو گیا اور بے اختیار میں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ مالتی نے رسمی صاحب سلامت اور کورنش کے بغیر پاگلوں کے انداز میں یہ اطلاع دی کہ شاردا بے ہوش ہے۔

دنیش کو بجلی کا جھٹکا سا لگا۔ "بے ہوش ہے؟"

"ہاں مالک!" مالتی کی سانس اکھڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا اسے؟" دنیش نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مالک! وہ آتے ہی چکرائیں اور دل پکڑ کے فرش پر گر پڑی تھیں۔" مالتی نے کسی مجرم کی طرح سہم کر کہا۔ "میں ابھاگن یہ سمجھی کہ وہ بہت تھک گئی ہیں۔ میں نے انہیں بستر پر لٹا دیا' پانی پلانے کی کوشش کی اور انتظار کرتی رہی کہ وہ ہوش میں آجائیں لیکن وہ تو بالکل بے سدھ ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑے ہیں۔" وہ کہتے کہتے رونے لگی۔

دنیش ایک لمحہ بھی وہاں نہیں ٹھہرا۔ اس نے ایک نظر مجھے دیکھا اور بے تحاشا بھاگتا ہوا دروازے کے پار ہوگیا۔ ریتا ہکا بکا تھی' پھر پارو نے جیسے ہی مالتی کی اطلاع کا ترجمہ کیا تو وہ بھی دنیش کے تعاقب میں لپکی۔ میں کمرے میں تنہا رہ گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خود بھی اپنے ساتھ نہیں ہوں یہ سر تو کسی بے جان ستون پر رکھا

ہے اور درد کی پوٹلی ہے۔ اعضا اکڑنے لگے' وہ سب چلے گئے تھے اور کسی کو میرا خیال نہیں آیا تھا کہ میں کن قدموں سے جاؤں گا اور وہ مجھے کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہیں۔ جسم اور روح کے زخموں میں بڑا فرق ہے' روح پر جو کھرونچے لگتے ہیں' ان کا مرہم دکانوں پر نہیں ملتا۔ آدمی روح کی بنیاد پر استوار رہتا ہے۔ جب بنیاد ہی متزلزل ہو جائے تو جسم کا مکان کہاں کھڑا رہ سکتا ہے' سو میں فرش پر اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکا اور دیوار پکڑتے ہوئے زمین پر بکھر گیا۔ کچھ دیر کے لیے تو موجودات سے میرا ہر واسطہ فنا ہو گیا جیسے سیلاب میں گھری ہوئی کسی بستی کا رشتہ دوسری بستیوں سے منقطع ہو جاتا ہے۔

فون کی گھنٹی نے دوبارہ رنگ و نور' خوشبو اور آواز کی اس دنیا سے میرا تعلق برقرار رکھنا چاہا' گھنٹی بجتی رہی اور میرے گرے ہوئے درخت میں کوئی جنبش نہیں ہوئی' پھر خیال آیا' کہیں دنیش کا فون نہ ہو اور ممکن ہے' وہ شاردا کی طبیعت کی بحالی کا مژدہ سنانے کے لیے بے تاب ہو' میں فون کی طرف جھپٹا۔ گھنٹی تھک کے چپ ہو گئی تھی۔ اندازہ ہوا کہ روح بس ایک خبر سننے کی آرزو مند ہے کہ شاردا خیریت سے ہو۔ شاردا خیریت سے ہو؟ کسی نے طمانچہ رسید کیا۔ تو شاردا کی عافیت کا طالب ہے' اور یہاں بزدلوں کی طرح بیٹھا عیاری کر رہا ہے؟ مکر گانٹھ رہا ہے؟ تیری یہ حالت خود فریبی ہے کیونکہ تو وہاں جانے سے گھبراتا ہے۔

میں وحشی قدموں سے باہر آیا۔ راہ داری میں رات پہرا دے رہی تھی۔ اور قبر کا سناٹا طاری تھا' محلات کا ایک طویل سلسلہ۔ پھلانگتا ہوا میں جب اس کے در تک پہنچا تو وہاں دبی دبی سرگوشیاں ہو رہی تھیں' دروازے پر مجھے نمودار ہوتے دیکھ کر سب چونکے۔ مہارانی مایا دیوی کو بلالیا گیا تھا۔ ایک طرف ریتا خاموش بیٹھی تھی' دوسری طرف انیتا سوگوار سی' اور شکنتلا گردن لٹکائے بے خبر سی' کسم بھی وہاں تھی۔ سریش بھی سرخ آنکھوں کے ساتھ موجود تھا۔ سب کی نگاہیں خواب گاہ کی جانب مرکوز تھیں۔ میری آنکھیں کھلنے لگیں اور تہہ خانے میں روزنوں سے روشنی آنے لگی۔ ''کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے احتیاط کا پردہ چاک کر کے وحشت سے پوچھا۔ وہ میرے اس انداز پر جزبز سی ہوئیں سریش خاص طور پر۔

''آہستہ بولو' سریش نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میں اس کا گریبان پکڑتے پکڑتے رہ گیا لیکن میری آنکھوں کا غضب اس سے چھپا نہ رہ سکا۔ اس نے مجھے نفرت انگیز انداز میں کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دیا مگر میں وہیں ٹھہرا رہا۔ کسم' شکنتلا اور مایا دیوی پہلو بدلنے لگیں۔ '' ڈاکٹر اندر موجود ہے۔'' مایا دیوی نے درمیان میں دخل دیا۔'' موہن! خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہو جاؤ اور بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ وہ میری پھول سی بچی کو سلامت رکھے۔''

'' رانی ماں!'' میں نے کرب سے کہا۔'' مجھے ان کا حال بتائیے۔''

''دیکھو' ڈاکٹر آ کے کیا کہتا ہے۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم۔''

'' تم باہر جاسکتے ہو۔'' سریش قہر آلود لہجے میں بولا۔

'' مجھے یہیں رہنے دیجئے راج کمار!'' میں نے تندی سے کہا۔

'' تو پھر زبان بند رکھو۔'' سریش نے میرے تخاطب کی مضبوطی محسوس کر کے نرم لہجے میں حکم دیا۔ آقا غلاموں کے یہ تیور خوب پہچانتے ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ سریش چندر چند دن پہلے مجھ پر خاصا مہربان ہو گیا تھا۔ جب میں نے اسے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی اور کہا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اب پھر وہ بدلا ہوا نظر آتا تھا یا یہ برہمی شاردا کے غیر متوقع حادثے کے سبب سے تھی۔

'' وہائی ڈونٹ یو سٹ ڈاؤن موہن!'' ریتا نے سریش کی تلخ کلامی بھانپ کر مجھے مخاطب کیا۔ سب ریتا کی اس عنایت پر حیران ہوئے میں ہونٹ بھینچ کے رہ گیا اور اپنی جگہ کھڑا رہا۔ حیرت زدہ سریش کو مجبوراً مجھے کرسی پر بیٹھنے کا حکم دینا پڑا۔ آقا کے آقا کا حکم تھا۔ سریش خمیدہ ہو گیا۔ میں دروازے کے قریب رکھے ہوئے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

کمرے میں لوگ ایک دوسرے کے چہرے دیکھ کے پلکیں جھپکاتے اور نظریں چراتے رہے۔ اندر سے کوئی برآمد نہیں ہو رہا تھا۔ اور ہر شخص کھویا ہوا تھا۔ انیتا سراسیمہ ہو کے پلکوں کے غلاف اٹھاتی تھی اور مجھ پر ایک نگاہ ڈال کے پھر انہیں نیچے گرا لیتی تھی۔ میں نے انیتا کی طرف سے رخ بدل لیا۔ خواب گاہ میں آہٹیں گونجیں تو سب اٹھ کے کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے پارو برآمد ہوئی' اس کا اداس چہرہ دیکھ

کے دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے پیچھے دنیش تھا۔ سب اس کے گرد جمع ہو گئے کسی میں کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ مایا دیوی نے اس کا کاندھا پکڑا اور کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ دنیش پھٹ پڑا اور اس کے کاندھے پر سر رکھ کے بلکنے لگا۔ ''وہ ہوش میں نہیں ہے رانی ماں! وہ ہوش میں نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں کرب رس رہا تھا۔ ''ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کی نبضیں سست پڑ گئی ہیں اسے کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ بہت بڑا صدمہ۔'' دنیش کی آواز بیٹھنے گی۔ ''کچھ نہیں رانی ماں! کچھ نہیں۔'' وہ بچوں کی طرح سسکنے لگا۔ ''میری بہن کو بچا لیجئے رانی ماں! میں اسے جانے نہیں دوں گا۔'' وہ بلک پڑا۔

دنیش کی دردناک آہ و زاری پر پتھر بھی رو پڑتے۔ بوڑھی مایا دیوی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ سب کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے۔ صرف میری آنکھیں ایسی تھیں جن میں کوئی آنسو نہیں تھا۔ میں نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا لیکن قدم زمین نے جکڑ لیے۔ ریتا، انیتا، پارو، کسم اور سریش، دنیش کو سہارا دیتے ہوئے آرام کرسی تک لائے اور اس کے اطراف قالین پر بیٹھ گئے۔ دنیش ہیجان میں سر جھٹکتا تھا۔ اسی عالم میں کسی لمحے اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس کا ہذیان کچھ اور بڑھ گیا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی چیخ میں مجھے پکارا۔ ''موہن! تم نے سنا، میری بہن ناراض ہو گئی ہے۔'' میں قریب جاکے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ''وہ بالکل روٹھی ہوئی ہے موہن!'' وہ میرا ہاتھ کھینچ کے اضطراری حالت میں بولا۔ ''تم نے تو اس سے کچھ نہیں کہا؟'' دنیش کے اس حیران کن سوال پر میں حواس باختہ ہوگیا، وہ سب کے سامنے مجھ سے کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے شکایت کی نظر سے دیکھا، میرے خاموش ردعمل پر اسے کسی قدر احساس ہوا کہ وہ شیشے توڑنے کا اذیت ناک کام کر رہا ہے۔ ''کیا کریں موہن! اسے کیسے راضی کریں؟'' وہ رقت سے بولا۔

ابھی تک سب یہی سمجھے ہوں گے کہ مجھ سے شاردا کے سلسلے میں یہ دل گداز جملے دنیش نے ہذیان میں کہہ دیئے ہیں۔ بھون میں دنیش کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ شاردا کس سمت نگاہیں جمائے ہوئے ہے اور اس کی آنکھوں میں کون چھپا بیٹھا ہے۔ مایا دیوی دنیش کے سر میں شفقت سے انگلیاں پھیر رہی تھی اور اسے ضبط کی تلقین کر رہی تھی۔ دنیش کبھی سریش کو مخاطب کرتا تھا، کبھی شکنتلا کو، کبھی اسے، کبھی اسے وہ مجھ سے بازی لیے جا رہا تھا۔ کون جانتا تھا کہ ایک اور شخص بھی یہاں موجود ہے جو گریبان پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے اور ستونوں کو تاک رہا ہے کہ کس سے ٹھیک طرح سر پھوڑے گا۔ اس کی نظر کرنل ہارڈنگ کی لڑکی ریتا کے سینہ پولش میں چھپے ہوئے چھوٹے ریوالور پر ہے جو انگلستان کا ساختہ ہے اور کارکردگی میں بے مثال اور یہ شخص پستول چلانے کا ماہر ہے۔ دوسروں کو نشانہ بنا سکتا ہے تو خود اپنا بھی نشانہ لینے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اس وقت میرے طور طریق میں غلاموں کی نیاز مندی اور شائستگی نہیں تھی۔ چہرہ جل رہا تھا۔ وہ میری حرارت محسوس کرکے خود ہی سمٹنے لگے، انہوں نے اچھا کیا، مجھے چھیڑتے تو میرے مساموں سے چنگاریاں اڑنے لگتیں اور کون کون جل جاتا، کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

ڈاکٹر اور نرسیں خواب گاہ میں مصروف تھے اور باہر یہ لوگ سروں پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ رفتہ رفتہ بھون کے دوسرے باسی بھی جمع ہوتے گئے اور پریت بھی آگئی۔ خواب گاہ کا دروازہ باہر اٹھنے والی چہ میگوئیوں کی وجہ سے بند کر دیا گیا تھا، شاردا کے کیسے کیسے مشتاق اور خیر خواہ یہاں موجود تھے۔ اب اپنا کیا تھا میرے سوا سب اندر جاسکتے تھے۔ میں دنیش کے پاس سے اٹھ گیا اور آہستہ آہستہ کمرے سے باہر جانے کا فاصلہ طے کرنے لگا۔ رات زوال پر تھی اور ہر چیز زوال پر تھی۔ اچانک کمرے میں موسیقی گونجنے لگی۔ سنا تھا کہ مہاراجہ نے شاردا کو ایسا فون بطور تحفہ دیا ہے جس میں گھنٹی کے بجائے ایک دل کش دھن بجتی ہے۔ یہ سریلی تان بہت مناسب وقت پر اٹھی تھی۔ میں آدھے راستے پر منجمد ہوگیا۔ اس رات کا اختتام جس انداز میں ہونے والا تھا، غالباً یہ اسی ڈراپ سین کی گھنٹی تھی۔ پارو فون پر نہایت شستہ اور مہذب لہجے میں بتا رہی تھی کہ شاردا کی طبیعت ناساز ہے اور راج کمار دنیش چندر بہت پریشان ہیں، فون کرنے والے نے اس کے باوجود دنیش سے بات کرنے پر اصرار کیا، مجبوراً پارو کو فون دنیش کے حوالے کرنا پڑا۔ ''مہاراجہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔''

سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ دنیش نے ناگواری سے کہا۔ ''ان سے کہہ دو کہ میں کچھ دیر بعد انہیں خود فون کر لوں گا۔''

’’دنیش!‘‘ پارو نے حیرت سے کہا۔’’ مہاراجہ کا فون ہے۔‘‘

’’ان سے کہہ دو کہ شاردا کی حالت خراب ہے۔‘‘

’’میں کہہ چکی ہوں۔‘‘ پارو نے تنبیہی انداز میں کہا۔’’ لو ان سے بات کرو‘ تم تو ہم سب کے بھی ہوش چھین لو گے۔‘‘

دنیش نے بیزاری سے فون اٹھایا اور’’ ہیلو‘‘ کہتے ہوئے کسی سپاک کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے مردہ آواز میں کہا۔’’ دنیش بول رہا ہوں۔‘‘

دفعتاً دنیش کی آنکھیں پھیل گئیں اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔’’ نہیں نہیں۔‘‘ اس نے انتشار میں کہا۔’’ کب؟‘‘

مہاراجہ نے لرزتے ہوئے لہجے میں جواب دیا ہو گا۔’’ ابھی؟‘‘ دنیش گنگ رہ گیا مگر میں اس وقت کیسے آسکتا ہوں‘ شاردا کی حالت نازک ہے۔‘‘ اس نے بے چارگی سے کہا۔’’ میں ایسے وقت کہیں نہیں جا سکتا۔‘‘مہاراجہ نے کچھ اور کہا ہو گا۔ کہا ہو گا کہ سیاسی مفادات ذاتی رشتوں سے بالاتر ہوتے ہیں اور کہا ہو گا کہ یہ ریاست پر مشکل وقت ہے۔ ہمیں اپنے تمام اخلاص اور دلچسپی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ میں نے دنیش کا جواب سننے کے لیے اپنے کان کھڑے رکھے۔ آدمی کبھی ایک بار میں کسی شخص کے متعلق فیصلہ نہیں کرلیتا۔ بار بار اپنے رائے کی توثیق کرتا رہتا ہے اور بات وہیں سے بگڑ جاتی ہے جہاں آخری مرتبہ مایوسی ہوتی ہے۔ دوست حال کے چند جملوں پر پچھلی تمام باتیں بھول جاتے ہیں۔ انسان اگر انسانوں کو لغزشوں کی یہ رعایتیں دینے لگتے تو دنیا بھون کے خوب صورت باغ جیسی ہوتی۔ آدمی ہے‘ کبھی کبھی تو مشین بھی الٹی چلنے لگتی ہے‘اسے آدمی کی طرح اٹھا کے پھینک نہیں دیتے۔ دنیش متذبذب ہوا‘ بدبدانے اور بڑبڑانے لگا اور آخر اس نے ریاست راجے پور کے مہاراجہ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ اس وقت بھون سے باہر آنے سے معذور ہے۔ وہ اپنی بہن کو چھوڑ کے نہیں جاسکتا۔ مہاراجہ نے ایسے تلخ گھونٹ شاذ ہی حلق سے اتارے ہوں گے۔’’ آپ کو معلوم ہے۔‘‘ اس نے مودب لہجے میں کہا۔’’مجھے ان معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور خصوصاً ایسی صورت میں‘ جب میرے گھر میں میری عزیز بہن موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو‘ میں معذرت خواہ ہوں۔‘‘

فون اسی لمحے بے جان ہو گیا۔ کسی شخص کو یہ توقع نہیں ہو گی کہ دنیش ریاست کے راجہ سے اس انداز میں گفتگو کرسکتا ہے‘ سب کے لیے یہ ایک چونکا دینے والی بات تھی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ چندلمحوں تک تو ان کی سانسوں کی آواز بھی نہیں آئی۔ جیسے ادھر سے موت گزر گئی ہو۔’’ کوئی اہم بات؟‘‘ پارو نے سکوت توڑا۔

’’نہیں کچھ نہیں۔‘‘ وہ جھجک کے بولا۔

’’وہ تمہیں بلا رہے تھے؟‘‘ پارو نے کرید کی۔

دنیش نے اثبات میں سرہلایا۔ ذہین پارو نے اس کے بعد دوسرا سوال نہیں کیا‘ وہاں پریت اور انیتا بھی موجود تھیں۔ موضوع بدلنے کے لیے پارو نے بھون کی معزز مہمان ریتا سے درخواست کی کہ وہ اپنے کمرہ استراحت میں آرام فرمائے۔ ریتا نے انکار کر دیا۔ ادھر ڈاکٹر جیسے ہی باہر نکلا ‘ پارو امید سے لبریز اس کی طرف بڑھی مگر ڈاکٹر کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کے ٹھٹک گئی۔ میں وہاں سے چلا آیا اور اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا محلات کے گرد گھومتا رہا اور گرتا پڑتا نہ جانے کہاں جا نکلا پھر میرے قدم اپنے کوارٹر کی طرف اٹھنے لگے۔ ڈالی کو جگانے کے بجائے میں پیپل کے درخت کے نیچے بنے ہوئے چبوترے پر ڈھیر ہو گیا اور میں نے سپر ڈال دی۔ کوئی دلیل باقی نہیں رہی گئی تھی۔ ذہن خالی تھا۔ ہاں صرف ایک خواہش تھی کہ ایک بار‘ صرف ایک بار‘ وہ آنکھیں کھول کے مجھے دیکھ لے۔ پیپل کے خشک پتے میرے جسم کے انبار پر گرنے لگے۔ میں نے کہا‘ پتوں سے کیا ہو گا۔ کچھ اور کہنے سننے کا یارا نہیں رہا۔ ہاتھوں اور ٹانگوں میں کھولن ہوئی اور رعشہ طاری ہو گیا۔ میں گھگیاتا ہوا چبوترے پر لوٹتا رہا۔ اور سب کچھ لوہے کی طرح سخت ہونے لگا اور آنکھیں ابل کے باہر آنے لگیں۔ میں نے اپنا سر تنے سے ٹکرا دیا۔ خون کی لکیریں بہتی ہوئی منہ میں آ پڑیں اور گویا دہن کو اس کی مرغوب غذا مل گئی‘ نشہ ہونے لگا‘ ایسا جما ہوا سرور کہ کسی بات کی خبر ہی نہیں ہوئی۔

صبح ہوتے ہی گھوڑوں اور مویشیوں کی خبر گیری اور صفائی کرنے والے ادھر سے گزرے۔ انہوں نے راج کمار کے خاص ملازم موہن داس کو پیپل کے درخت کے نیچے چبوترے پر بے سدھ پڑا پایا۔ موہن کے اعضا خشک لکڑی کی طرح اکڑے ہوئے

ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ بھون کے تمام ملازم اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ راج کمار' موہن داس پر خاص مہربانی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے موہن داس نے اب اپنی عورت ڈالی کے پاس آنا جانا بھی کم کر دیا ہے اور اسے دوسرے ملازموں کے درمیان آنے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ موہن داس کے حوصلے' رسوخ اور طاقت کے بہت چرچے تھے۔ اب ان کے سامنے وہی موہن داس شب خوابی کا بیش قیمت لباس پہنے ابتر حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے سر پر خون جما ہوا تھا۔ وہ اپنا کام بھول کے ادھر ادھر دوڑ پڑے' کوئی ڈالی کے پاس گیا' کوئی دوسرے ملازموں کو بلانے پہنچا۔ ڈالی سینے پر ہاتھ مارتی ہوئی آئی تو موہن داس کو اس حالت میں دیکھ کے فیل مچانے لگی۔

یہ ڈالی کے سوز کا اثر تھا یا میرے حواس کی بے حسی اور میرے اعصاب کی بے غیرتی کہ میرے کان دوبارہ زہر سننے کے لیے آمادہ ہو گئے اور میری آنکھیں پھر زہر دیکھنے کے لیے کسمانے لگیں' میں نے اپنے کانوں سے دل دوز آہیں سنیں اور دیکھا کہ صحن کی چوکی پر میرے زندہ لاشے کے گرد بھون کی ملازم عورتیں اور ڈالی بیٹھی ہوئی ہے اور گڈا منہ بسور رہا ہے اور کڑی دھوپ ہے۔ اس وقت میرے کانوں میں ایک زبردست نعرہ گونجا۔ میں نے کروٹ بدل کے دیکھا' پنڈت ایشوری لال صحن کے گوشے میں ہندو پنڈتوں کے مخصوص انداز میں بیٹھا ہوا سرہلا رہا تھا اور اس کے سامنے رکھی ہوئی مٹی کی ایک کوری پیالی سے دھواں اٹھ رہا تھا قریب ہی پیپل کے ہرے پتے تھے مجھے ہوش میں آتا دیکھ کے پنڈت کرنچھا نچاتا ہوا اپنا جسم تھرکانے لگا اور اسی عالم میں اٹھ کے میرے پاس آیا۔ اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے بہ غور دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر اطمینان کی مسکراہٹ دوڑ گئی دونوں ہاتھ جوڑ کے اس نے مجھے پرنام کیا۔ "کہاں گم ہو گئے تھے مہاراج ؟" اس نے نیاز مندی سے کہا میں نے منہ پھیر لیا۔ پنڈت عجز سے بولا۔ "سیر کو گئے تھے؟"

جو عورتیں پنڈت کی باتیں سن رہی تھیں' وہ حیرانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگیں' ڈالی بھی ہراساں تھی۔ پھر شاید پنڈت نے کوئی اشارہ کیا ہو گا یا وہ پنڈت کے اس انداز تخاطب پر ہراساں ہو گئی ہوں گی اس لیے میرے پاؤں چھوتے ہوئے وہ یکے بعد دیگرے رخصت ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر میں صرف ڈالی اور پنڈت کوارٹر

میں رہ گئے۔ پنڈت خوشامدانہ انداز میں میرے پائنتی بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے سرد پیروں پر اس کے گرم ہاتھ محسوس ہوئے' وہ میرے پیر دبا رہا تھا۔ "اب اور نہ تڑپاؤ' اب تو چلے چلو مہاراج !" وہ لجاجت سے بولا۔

"تم اسے بار بار کہاں لے جانے کو کہتے ہو پنڈت جی ؟" ڈالی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "میں اسے کہیں نہ جانے دوں گی۔"

"دیوی ! جب اسے جانا ہو گا تو کوئی نہیں روک سکتا' تو یہ بھید نہیں سمجھتی' بھید والا ہی یہ جان سکتا ہے' کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔" پنڈت خیال آفریں لہجے میں بولا۔

"پنڈت مہاراج !" ڈالی میرے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ "تم جب بھی آتے ہو' ڈرانے والی باتیں کرتے ہو۔"

"تو بڑی بھاگیہ والی ہے دیوی ! مہاراج تیرے ساتھ رہتے ہیں۔"

"کون مہاراج ؟" ڈالی تنک کے بولی۔ "یہ مہاراج ہے ؟" اس نے میرے گال پر چپت مارتے ہوئے کہا۔ "یہ تو میرا شیرو ہے۔"

"شیرو مہاراج کہہ دیوی ! موہن داس مہاراج کہہ' باندی بن کے رہ' رانی بن جائے گی۔" پنڈت جوش میں بولا۔

"ہونہہ" ڈالی نے منہ بگاڑ کے کہا۔

"ہمیں نہیں بننا رانی ہم نے ان رانیوں راجاؤں کو خوب دیکھ لیا' بس پنڈت جی زبان نہ کھلواؤ اور ہو سکے تو ہمیں یہاں سے نکالنے کی سوچو ہم جھونپڑی میں رہ لیں گے' روکھی سوکھی کھا لیں گے' یہ روز روز کا جنجال تو ختم ہو جائے گا۔"

"دھنیہ ہاد دھنیہ باد۔" پنڈت دانت نکال کے بولا۔ "بس دیوی جھونپڑی کی آشا رکھ' راج کرے گی۔ مہاراج کی سیوا کرنا اپنا دھرم بنا لے اور دیکھتی رہ' کیا ہوتا ہے۔"

"یہ سیوا کرنے کا موقع ہی کہاں دیتا ہے۔ یہ بدل گیا ہے۔"

"نا نا" پنڈت انگلی سے تنبیہی اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"نانا۔ مہاراج ایک اتم پرش ہیں۔ تو نہیں جانتی' یہ کیا ہیں؟ تجھے کچھ معلوم

نہیں دیوی اور ہم دونوں کچھ نہیں جانتے کہ مہاراج میں کتنے دریا بہتے ہیں۔"

"یا تو تم پاگل ہو یا یہ۔" ڈالی برہمی سے بولی۔

"ہم سب پاگل ہیں' دنیا کے پاگل خانے میں رہتے ہیں۔"

"بس کرو' بس۔" ڈالی کانوں پر ہاتھ رکھ کے بولی اور پنڈت کے بجائے میری طرف متوجہ ہو گئی۔ میں سب کچھ سن رہا تھا۔ ڈالی اپنے پلو سے میری پیشانی پونچھنے لگی۔" کیا ہو گیا تھا شیرو؟ میں نے سوچ لیا تھا کہ تجھ سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ پر تو ایسی حالت لے کے آتا ہے کہ مجھے بولنا ہی پڑتا ہے۔ شیرو!" وہ نرم لہجے میں بولی۔" بولتا کیوں نہیں؟ میری جان! کہاں کہاں اپنا سر پھوڑتا رہتا ہے۔"

میں نے ڈالی کو جواب دینے کے بجائے پنڈت کو گھور کے دیکھا پنڈت سمجھ گیا اور پائنتی سے اٹھ بیٹھا۔" سیوک اب جاتا ہے مہاراج!" وہ گھگیا کے بولا۔" ایسی آنکھوں سے مت دیکھو مہاراج! جو چاہو کہہ لو' پر آشا نہ توڑو۔"

"تجھے پنڈت جی نے اچھا کیا ہے شیرو! صبح سے یہاں بیٹھے ہیں' یہ بار بار تیرے اوپر پانی چھڑکتے تھے' دھونی رماتے تھے' پنڈت جی صبح سے منتر پڑھ رہے ہیں۔ یہ نہ آتے تو میں بہت پریشان ہوتی۔"

"نا دیوی نا دیوی! مہاراج کے سامنے مجھے ننگا مت کر۔" پنڈت محجوب ہو کے بولا۔" میں نے تو پرارتھنا کی تھی۔ میں کیا کر سکتا ہوں' مہاراج کا سمبندھ تو دیوی دیوتاؤں سے ہے۔ میں انہی سے پرارتھنا کر رہا تھا۔ یہ تو نہ جانے کیا بات ہے۔ جو مہاراج کے شریر پر خون اگ آتا ہے۔ میں یہی تو کہتا ہوں' تو یہ بھید نہیں سمجھ سکتی' جو ہو رہا ہے' وہ نہ تو جانتی ہے نہ میں۔ یہ تو کچھ اور لوگ جانتے ہیں۔ گولیاں' لاٹھیاں' بس دیوی! چپ رہ اور اچھائی کی آشا کیا کر اور وشواس کر کہ ایسے مہاپرش کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتے ہیں۔" وہ دروازے پر ٹھہر کے جھجکتا ہوا بولا۔" کیول ایک آواز دینے کا کشٹ کرنا پڑے گا مہاراج! اور سیوک موجود ہو گا۔ بھول نہ جانا۔ میرا ہردے کہتا ہے' سمے آ رہا ہے۔ مجھے بھول نہ جانا۔"

اس کے جانے کے بعد ڈالی نے مجھے اپنے زور پر اٹھانے کی کوشش کی اور صحن کے در سے ٹکا کے بٹھا دیا۔ پھر وہ میرے لیے گرم چائے بنا کے لے آئی۔ اس کی

خاطر میں نے چائے حلق سے اتار لی۔ ڈالی نے کنڈی لگا دی اور میرے پہلو سے لگ کے بیٹھ گئی اس کا سر میرے شانے پر ٹکا ہوا تھا اور گنڈا زمین سے مٹی کرید کرید کے کھا رہا تھا۔ وہ مجھے میرا حال سنانے لگی کہ اسے کس طرح یہ اطلاع ملی' میں کہاں بے جان پڑا تھا۔ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ میری اس ابتری کا سبب کیا ہے؟ ان ابتریوں سے اب اس کی شناسائی ہو گئی تھی۔

"اور سنا تو نے؟" وہ پراسرار انداز میں بولی۔" صبح ہی صبح بھون میں اس وقت قیامت آ گئی جب دھڑا دھڑ پولیس کی گاڑیاں داخل ہوئیں' پولیس تمام دربانوں کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔" میں نے پہلی بار اس کے چہرے کی طرف رخ کر کے دیکھا۔" ہاں" وہ کہہ رہی تھی۔" آدھے سے زیادہ نوکر' باندیاں' جو بھی سامنے آیا' وہ اسے پکڑ کے لے گئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب راج کمار کو خبر دی گئی تو اس نے کہا' ہم بھی ہتھکڑیوں کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ تیل ڈال کے پورے بھون کو آگ لگا دو۔ راج کمار کی بہن شاردا کی حالت خراب ہے نہ جانے کیا کیا افواہیں اڑ رہی ہیں۔"

"اس کی طبیعت اب کیسی ہے؟" میں نے نیم جاں آواز میں پوچھا۔

"میں تو تیرے پاس بیٹھی رہی پر باندیوں نے آ کے بتایا ہے کہ وہ رات سے ایک کروٹ پڑی ہے۔ ریاست کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بلایا گیا ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے موہن! میرا تو بڑا خیال رکھتی ہے میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔"

میں بیٹھے بیٹھے کسمسانے لگا۔" ڈالی ذرا اس کا حال تو پوچھ کے آ۔"

"میں بھلا تجھے چھوڑ کے جاؤں گی؟ میں نے کہلا دیا ہے کہ آج میں محل میں کام کرنے نہیں آؤں گی۔ وہ چھوٹا بہت پاؤں نکال رہا ہے شیرو! مجھے ڈھونڈ رہا ہو گا۔"

"کون چھوٹا؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"وہی چھوٹا نواب' راجا کا بچہ۔ کل اس نے مجھے کمرے میں بلا لیا اور بے شرمی سے کہنے لگا' ہمیں تیرے پاٹھ کی ضرورت ہے' میں نے پوچھا' صاحب کیسا پاٹھ' تو اس نے ہنس کر مجھے سو روپے کا نوٹ تھما دیا اور میرے گال کی چٹکی لے لی' بولا' سمجھی کیسا پاٹھ؟ کہنے لگا تو ہمیں بہت اچھی لگتی ہے' کیا کھاتی ہے؟ میں نے سوچا'

کہوں تیرے باپ کا مال کھاتی ہوں۔ سور کے بچے نے گالوں میں دانت گاڑ دیے۔ دیکھ اب تک نشان ہے' میں چیخ کر بھاگی تو اس نے ہاتھ پکڑ لیا' بولا' نہا دھو کے اور کپڑے پہن کے آنا۔ ہم تجھے بہت سا انعام دیں گے۔''

''تو سریش کی بات کر رہی ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''ہاں' ہاں وہی۔ سریش' سریش۔ نریش' ڈکیش۔'' وہ الجھ کے بولی۔'' پوری بات سن لے۔ شام کو پھر اس نے اپنے دوستوں کے سامنے مجھے بلا لیا اور ان سے پوچھنے لگا۔ کیا خیال ہے؟ میں لرز کے رہ گئی۔''

''چپ رہ۔'' میں اس کی بات کاٹ کے چلایا۔ زہر مت گھول۔ یہ سب تو مجھے کیوں سناتی ہے۔''

''تجھے مزہ آتا ہوگا نا۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

میں نے پلٹ کے اسے زور سے دھکا دیا' وہ صحن کی دیوار سے ٹکرائی۔ گڈا اپنی ماں کی یہ حالت دیکھ کے رونے لگا۔ ڈالی نے نظر اٹھا کے نہیں دیکھا۔ وہ وہیں پڑی سسکنے لگی۔ میرا جی چاہا' اسے دو ٹھوکریں اور رسید کروں اور گڈے کو اٹھا کے فرش پر پٹخ دوں۔ اس کی چیخیں بڑھتی جا رہی تھیں در پکڑ کے میں نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ اندھیرا سا چھا گیا۔ ڈالی کی جانب قہر کی ایک نظر ڈالتا ہوا چکراتا ہوا دروازے پر جا گرا۔ وہ بھاگی ہوئی اٹھ کر آئی میں نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا اور ہمت جمع کر کے کسی نہ کسی طرح پیپل کے چبوترے پر پہنچ گیا۔ گڈے کی لرزہ خیز آوازیں ابھی تک میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ ڈالی نے اسے فرش سے نہیں اٹھایا تھا۔ وہ مجھے پھر دروازے میں کھڑی ہوئی نظر آئی' میری جیب میں پستول ہوتا تو میں اسے وہیں شوٹ کر دیتا۔ اس نے بس نہیں کیا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ میں چبوترے سے کچھ ہی آگے چلا ہوں گا کہ اس نے دوڑ کر مجھے آلیا اور گریبان پکڑ کے کہنے لگی۔'' پہلے میرا کام ختم کر جا۔''

میں نے کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو وہ میرے سامنے آ کے شیرنی کی طرح تن کے کھڑی ہوگئی۔'' شیرو! میں ایسی حالت میں تجھے گھر سے نہیں جانے دوں گی۔ چل گھر واپس چل۔ تیری آسانی کے لیے میں اپنے ہاتھ سے

زمین کھودوں گی' مجھے اور گڈے کو اس میں دفن کر کے جہاں چاہے چلا جانا۔ پر اس طرح مت جا' نہیں تو میں شور مچا کے سارے بھون کو بلا لوں گی۔''

اس کی آواز میں ایسا تاثر تھا کہ میرا وجود متزلزل ہو گیا۔ میں نے شکستہ لہجے میں سر جھکا کے کہا۔'' جا گھر جا' گڈا رو رہا ہے۔ مجھے آگے جانا ہے۔''

''کس کی فکر کروں' تیری یا اس کی!'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''جا۔ اب چلی جا' پریشان نہ کر۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلنے پر ضد کرتی رہی' گڈا بلکتے بلکتے دروازے پر آگیا تھا اور کوارٹر کی نالی میں گرا ہی چاہتا تھا کہ میں نے ڈالی کو بڑی مشکل سے واپس کیا اور چبوترے پر بیٹھ کے ہانپنے لگا۔ اطراف میں کئی ملازم میری اور ڈالی کی رسا کشی دیکھ رہے تھے۔ وہ میرے قریب آگئے۔'' موہن بھیا! کیا حال ہے؟'' ایک ادھیڑ عمر شخص نے نرمی سے پوچھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' دوسرا تشویش سے بولا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' میں نے سرد آہ بھر کے کہا۔

''ضرور کوئی بہت بڑی گڑ بڑ ہے' بھیا کچھ اندر کی باتیں بتاؤ' صبح سے بھون میں پولیس اور گوروں کی گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ سڑکوں پر ہر طرف گورے اور پولیس والے نظر آتے ہیں' ابھی شنکر بھون سے باہر نکلا تھا کہ اندر آ گیا۔ پولیس ہر شخص سے پوچھ گچھ کر رہی ہے' پھر وہی چکر چلے گا' پولیس کی مار پڑے گی۔ بھیا یہ ہمارے بھائیوں کو کیوں پکڑ کے لے گئے ہیں اور ہمارا نمبر کب آئے گا۔'' ایک بوڑھا ملازم میرے شانے دباتے ہوئے بولا۔

میری خاموشی نے ان کی تشویش دو چند کر دی۔'' وہ گورے گورنر کی لڑکی بھی صبح سویرے چلی گئی ہے۔ رام بھروسے کی ناری رادھا کہتی ہے کہ وہ جانے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن گورے اسے اپنے ساتھ لے گئے۔''

''گورے بڑی نفرت سے ہم لوگوں کو گھور رہے تھے۔ میں تو یہ پکڑ دھکڑ دیکھ کے بھاگ کے باغ میں چھپ گیا۔ نہیں تو میری بھی خیر نہیں تھی۔'' ایک نوجوان ملازم نے جھرجھری لے کے کہا۔

"بھیا موہن داس ! کچھ ہمیں بتاؤ، ہم کیا کریں، یہاں تو ہر دن کوئی نہ کوئی گھٹنا ہو جاتی ہے، جن لوگوں کو پکڑ کے لے گئے، ان کے گھر جا کے دیکھو، بچوں اور عورتوں کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔"

"کیا بتاؤں بھائی !" میں نے بوڑھی آواز میں کہا۔

"سنا ہے، مہاراجہ کا تختہ لوٹ دیا گیا ہے اور گوروں نے راج محل پر قبضہ کرلیا ہے۔ کوئی کہتا ہے، کچھ گورے مارے گئے ہیں۔ کسی کا کہنا ہے کہ بڑی حویلی کے راج کمار نے انگریزوں میں مخبری کر دی ہے۔" اس کا اشارہ کنور جگ دیپ کی طرف تھا۔" جتنے منہ اتنی باتیں۔" سچی بات تو تم بتاؤ گے موہن داس !" بوڑھے آدمی نے خوشامد کی۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم، تم سب بھی ایک دن پکڑ لیے جاؤ گے کیونکہ تم پکڑے جانے اور مار کھانے کے لیے پیدا ہوئے ہو، تمہارے بچے بھی تمہاری طرح نوکر ہوں گے، تمہارا باپ بھی یہی تھا، تمہاری عورتیں ان راجاؤں کے پہلو گرماتی رہیں گی اور تم سب کچھ دیکھ کر بھی خاموش رہو گے۔ اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو، کیا کوئی نئی بات ہو رہی ہے۔" میں نے بپھر کے کہا۔

وہ سب سن ہو گئے۔" تم ٹھیک کہتے ہو موہن بھیا ! اپنے ہی گالیاں نہیں دیں گے تو کون دے گا۔" بوڑھے کی کمر کچھ اور جھک گئی۔

مجھے احساس ہوا کہ میں کچھ زیادہ باتیں کر گزرا ہوں۔" سنو" میں نے اپنا لہجہ نرم کرکے کہا۔" بس اپنے کام سے کام رکھو اور چپ چاپ سب کچھ دیکھتے رہو۔ ضرور کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے۔ تم سے پوچھا جائے گا، تم کہہ دینا ہمیں کسی بات کی خبر نہیں ہے۔ اس کے سوا میں تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔"

انہوں نے معنی خیز انداز میں سر ہلائے جیسے میں نے کوئی اہم بات کہی ہے۔

ان کی چہروں پر خوف چھا گیا تھا۔" موہن بھیا ! یہ سالا انگریز کب جائے گا؟"

"جب تم میں سے ہر ایک کے پاس لاٹھی، برچھا اور بندوق ہو گی اور تمہیں زندگی کی پروا نہیں ہو گی۔ تم تو زندگی کے غلام ہو، پیٹ کا خیال رکھتے ہو۔ کوئی اور خیال تمہیں چھو کے بھی نہیں گیا۔"

ان کی گردنیں لٹک گئیں پھر پولیس کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا۔ وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے جیسے میں آئی جی پولیس ہوں۔" منتشر ہو جاؤ۔" میں نے اپنے دونوں بازو کھولتے ہوئے انہیں ہٹایا اور کسی نہ کسی طرح ہمت سمیٹ کر اپنے آپ کو زمین پر ایستادہ کیا۔ بھون میں ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دور دور تک کوئی ملازم نظر نہیں آرہا تھا۔ قریب ہی مجھے کھٹ کھٹ سنائی دی۔ میں نے بائیں جانب گھوم کے دیکھا۔ مسلح پولیس کے دو آدمی ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے میری طرف آرہے تھے۔ یک بارگی جی میں آئی کہ بھاگ چلوں لیکن مجھ سے بھاگا نہیں گیا۔ میں جم کے کھڑا ہو گیا۔ وہ میرے پاس آگئے اور سر سے پیر تک خشونت سے میرا جائزہ لینے لگے۔" کیا نام ہے؟" ایک نے دھمک سے پوچھا۔

"موہن۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"یہاں کیا کرتا ہے؟" دوسرے نے سینہ پھلا کر پوچھا۔

"کام کرتا ہوں۔"

ان کی جبینوں پر شکنیں ابھریں۔ ایک نے آگے بڑھ کے میرا ماتھا دیکھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔" یہ کیسی چوٹ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"گر گیا تھا۔"

"گر گیا تھا یا کسی سے لڑ گیا تھا؟" جیبیں دکھا۔" میں نے ان کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ ایک سپاہی نے خود آگے بڑھ کے میرے لباس کی واحد جیب لوٹ کر دیکھی۔ وہ کچھ مایوس ہوئے۔

"یہاں کیوں کھڑا ہے؟" انہوں نے رعونت سے کہا۔ میں نے سوچا کہ کہہ دوں تمہارے انتظار میں کھڑا ہوں مگر میں نے برداشت کرکے کہا۔" میں اندر جا رہا تھا۔"

"کس کا نوکر ہے؟"

"راج کمار کا۔"

"راج کمار کا ؟" ان کے چہروں پر حیرت نمایاں ہوئی" اور یہ ..... یہ کپڑے بھی تجھے انہوں نے ہی دیے ہیں؟" انہوں نے میرا ولایتی لباس چھوا۔

’’ہاں تم یہاں کیوں پھر رہے ہو؟‘‘

’’ بیٹا بہت عیش کرلیے۔ اب تیرے راج کمار کا مہرہ بھی اردب میں آ
ہے۔‘‘ وہ مسکرا کے بولے۔’’محل پولیس نے گھیرے میں لے لیا ہے۔‘‘

’’ کیوں؟‘‘ میں نے کسی خاص حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

’’ چلو آگے چلو۔ جا بھئی گھر میں بیٹھ‘ کوئی پکڑ کے لے جائے گا۔ آج گ
سے باہر کم ہی نکلیو۔ بڑا خراب وقت آگیا ہے۔‘‘ سپاہی نے ہنس کے اپنے ساتھی
کہا۔ وہ بھون کے محلات حریصانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔’’ سنسار میں سورگ
دیا ہے کیوں بھئی رامو‘ سورگ بھی ایسا ہی ہوگا؟‘‘

پرکاش چندر کے اس عظیم الشان محل میں پہلی بار مسلح پولیس کے دستے ا
گھس کے پہرا دے رہے تھے۔ کوئی اس دن کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ سپاہی
چلتے ایک طرف نکل گئے۔ میں وہیں کھڑے کھڑے وز دیدگی سے انہیں دیکھتا رہا
مجھے اپنی ناتوانی پر ندامت ہوئی۔ رات کو کیسے میں دنیش کو انگاروں پر چھوڑ کے چلا آ
نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی۔ وہ شاردا کے غم میں گھل گیا ہوگا۔ میں تو چلا آ
جیسے مجھ پر کچھ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی۔ شاردا کا بھائی وہاں رکا رہا مگر میں
ان لوگوں کے سامنے شاردا کی بابت اپنی ذمہ داری کا اظہار کس طرح کرسکتا تھا۔
دیکھ کے تو میں نے وہاں سے چلا آنا مناسب سمجھا۔ اس جواز نے جسم کو طاقت نہ
پہنچائی۔ مجھے تو اس کی دہلیز تھام کے بیٹھ جانا چاہئے تھا۔ چاہے بیٹھے بیٹھے سانس اکھ
جاتی۔

دنیش چندر کے محل کے باہر پولیس کی سیاہ گاڑیاں کھڑی تھیں‘ جن میں د
چہروں والے تازہ دم سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں کی تازگی و شادابی اس ام
کی غماز تھی کہ انہیں بہت دنوں کے آرام کے بعد باہر نکلنے کا موقع ملا ہے۔ میرا غا
نظروں سے جائزہ لیا گیا اور چند سوالات کرکے مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی
گئی۔ راہ داری میں یہاں سے وہاں تک کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ تھوڑی سی
مسافت سے میری ٹانگوں میں درد ہونے لگا تھا۔ ذہن میں خشک ہواؤں کا بسیرا تھا
کبھی روشنی‘ کبھی اندھیرا۔ سینے میں جلن تھی اور دل اڑا اڑا جاتا تھا۔ چیونٹی کی طرح

امید کا تنکا سنبھالے دیوار پر چڑھتا تھا اور گر جاتا تھا۔ ایک لمحہ ندامت کا تھا تو ایک
محرومی کا‘ ایک لمحہ روشنی کا تھا تو ایک درد کا۔ یہ رنگ برنگے لمحے چٹکیاں لے لے کے
پریشان کر رہے تھے۔ سوچا تھا‘ کوئی تو یہاں موجود ہوگا جس سے شاردا کا حال معلوم
ہوسکے گا مگر یہاں تو جیسے کبھی کوئی رہتا ہی نہ تھا۔

’’ تم یہاں ہو؟‘‘ دروازے پر ابھرنے والی آواز سن کے میں چونک پڑا۔
سندھیا بجلی کی طرح چمکتی ہوئی تیزی سے میرے پاس آئی۔’’ میں صبح سے جگہ جگہ تلاش
کرتی پھر رہی ہوں۔‘‘ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

’’ میں ادھر ہی تھا سندھیا جی!‘‘ میں نے اضمحلال سے کہا۔

’’ جھوٹ‘ سچ بتاؤ‘ کہاں تھے؟‘‘ وہ ناراضی سے بولی۔’’ ڈر سے میرا برا
حال تھا۔ پولیس نہ جانے کس کس کو پکڑ کے لے گئی ہے‘ مجھے ڈر تھا‘ کہیں تم بھی
.....‘‘

’’ میں بھی پکڑ لیا جاؤں گا۔‘‘ میں نے اداسی سے کہا۔

’’ نہیں۔‘‘ وہ مضبوطی سے بولی۔’’ میں دو بار مندر گئی ہوں اور میں نے
پرشاد چڑھا کے بھگوان سے پرارتھنا کی ہے کہ تمہاری طرف اٹھنے والے ہاتھ کٹ
جائیں۔ جب تم ان کے سامنے سے گزرو تو وہ اندھے ہو جائیں۔‘‘ اس کی زبان قینچی
کے مانند چل رہی تھی۔’’ پر تم ہوشیار رہنا۔ بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ارے‘ میں نے تو
دیکھا ہی نہیں‘ تمہارے ماتھے پر یہ پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے؟‘‘

میں نے سرسری انداز میں اپنی چوٹ کا عذر پیش کیا مگر وہ تڑپ گئی۔

’’ سندھیا جی! آپ سے ایک بنتی کروں؟‘‘ میں نے اداسی سے کہا۔

’’ کہو۔‘‘ وہ متجسس ہوگئی۔’’ تم تو کچھ کہتے ہی نہیں مجھ سے ناراض ناراض
رہتے ہو اور میں تمہیں ہر وقت یاد کرتی ہوں۔ میری نظریں تمہیں ڈھونڈتی رہتی ہیں۔‘‘
میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت وہ مجھے تنہا چھوڑ دے لیکن اس کی باتیں سن کے
ہمت نہیں پڑی۔’’ہاں‘ تم کیا کہہ رہے تھے۔‘‘ اس نے کئی بار اپنی نشست بدلی۔

’’ کچھ نہیں۔‘‘ میں نے مضطرب ہوکر کہا۔

’’ نہیں موہن! تمہیں اپنی ماں کی قسم‘ تمہیں میری قسم‘ بتاؤ۔‘‘

"سندھیا جی! میرا جی گھبرا رہا ہے۔"

"میرا بھی۔ یقین جانو موہن! میں نے کئی دن سے بس یوں ہی سا کھایا ہے۔ نہ نیند آتی ہے' نہ بھوک لگتی ہے۔ شاید ہم دونوں ایک ہی جیسے بیمار ہیں۔"

"میری بیماری زیادہ شدید ہے۔" میں نے کراہ کے کہا۔

"مگر تم کہہ کیا رہے تھے؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا۔" میں نے زچ ہو کے کہا۔" بھون میں پولیس پہرا دے رہی ہے' آپ کو اس طرح جگہ جگہ نہیں گھومنا چاہیے۔"

"یہ تم مجھے آپ کیوں کہہ رہے ہو۔ تم کہو نا۔ دیکھو' اب مجھے آپ مت کہنا میں کیا کروں موہن! بس ہر وقت تمہاری فکر رہتی ہے۔"

"میری فکر چھوڑ دیجیے۔"

"ایسی باتیں مت کرو۔" اس کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں۔

"میں آپ ہی کے بھلے کے لیے کہتا ہوں' اب تک تو کسی کو پتہ نہیں ہے' اگر چل گیا تو آفت ہی آجائے گی۔"

"آجانے دو۔" وہ تنک کے بولی۔" میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

"مجھ سے بھی نہیں؟" میں نے نہ جانے یہ کیوں کہہ دیا۔

وہ کچھ سوچنے لگی۔"ہاں' تم سے ڈر لگتا ہے۔"

"میں بہت چھوٹا اور برا آدمی ہوں۔"

"تم بہت بڑے اور بہت اچھے آدمی ہو اور تم اپنے بارے میں ہمیشہ جھوٹ بولتے ہو' مجھے بناتے ہو' کبھی کبھی تو جل کر میرا جی چاہتا ہے کہ تمہیں شوٹ کر دوں۔"

"تمہیں پستول چلانا آتا ہے؟" مجھے آپ کہنے کی جرات نہیں ہوئی۔

"یہاں کس کو نہیں آتا؟ موہن!" وہ رازداری سے بولی۔" تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

"بتاؤ۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"قسم کھاؤ کہ کسی سے کہو گے نہیں۔"

"قسم کھاتا ہوں۔" ضرور کوئی اہم بات تھی۔

"کس کی؟ اپنی ماں کی؟ بھگوان کی؟ میری؟"

"سب کی۔" میں نے جلدی سے کہا۔

وہ چپ ہو گئی۔" ڈر لگتا ہے۔"

"میں تمہیں پھر یقین دلاتا ہوں۔" میں نے زور دے کے کہا۔

"موہن!" وہ میرے کان کے قریب اپنا منہ لے آئی اور اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ پھر اس نے کہا۔" چھوڑو۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں؟"

"کرتی ہوں۔" وہ سر ہلا کے بولی" لیکن بات ہی ایسی ہے۔"

"کیا ہے۔ اب بتاؤ بھی۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کے دبایا۔

"سنو!" وہ ادھر ادھر دیکھ کے سرگوشی میں بولی۔" میں نے ..... میں نے اس دن ..... اس دن۔" وہ پھر گھبرانے لگی اور اس کی آواز پر ویرانی سی چھا گئی۔" میں نے۔ میں نے ہی اس دن آشا آنٹی کو مار دیا تھا۔"

میرے کانوں پر بجلی گری اور آنکھیں حیرت سے ابلنے لگیں' اس کے لرزتے ہوئے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھرتھرانے لگا۔ چند لمحوں کے لیے تو میری سانس رک گئی۔

"ہاں۔" وہ میری حیرت زدگی محسوس کر کے اٹک اٹک کے بولی۔" میں نے اس دن ان کے منہ سے تمہارے خلاف بہت سی باتیں سنی تھیں۔ وہ باتیں میں نے تمہیں نہیں بتائیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ کرائے کے آدمیوں سے تمہیں اٹھوا کے تمہارے ہاتھ پیر تڑوا دیے جائیں اور تمہیں راجے پور سے باہر پھنکوا دیا جائے۔ وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ میں کچھ نہیں سن رہی ہوں۔"

"سندھیا! سندھیا جی!" میں نے ہذیانی انداز میں کہا اور اسے بے تحاشا اپنی گود میں اٹھا لیا۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوئی کہ دروازہ کھلا ہے اور کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ اور رخساروں پر بے شمار بوسے ثبت کیے۔ میں نے اسے بھینچ کر سینے سے لگا لیا۔" سندھیا! تم نے یہ کیا کیا؟ تم میری خاطر کس کس کو ختم کرو گی؟"

"میں سب کو ختم کر دوں گی' ابھی تو بس آنٹی آشا کا نمبر آیا تھا۔" وہ جوشیلی

آواز میں بولی۔

مجھے سردی لگنے لگی۔ "تم نے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا لیا؟ تم نے کچھ خیال بھی نہیں کیا؟" میں نے اس کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ کیا کر دیا سندھیا!"

"موہن! تم میرے دوست جو ہو۔" وہ سادگی سے بولی۔

"ہاں' میں تمہارا دوست ہوں' بہت گہرا دوست۔" میں نے جذبات میں کہا۔

"مگر سندھیا جی! تمہارے ہاتھ ہتھیار اٹھانے کے لیے نہیں بنے ہیں' اگر کوئی تمہیں دیکھ لیتا؟ اگر کسی کو خبر ہو جائے؟"

"ہو جائے تو ہو جائے؟" وہ بے پروائی سے بولی۔ "میں انکار کر دوں گی' کسی نے مجھے نہیں دیکھا' کسی نے نہیں۔ میں چھپی بیٹھی تھی۔ جب کمرہ خالی ہوا اور آشا آنٹی اکیلی رہ گئیں تو میں نے جھٹ دروازہ بند کر کے انہیں مار دیا اور اپنے کمرے میں آ کے چھپ گئی۔ پھر مجھے کچھ خیال آیا اور میں بھاگتی ہوئی ڈینش ماما کے پاس پہنچی۔"

"تمہیں کچھ ڈر تو نہیں لگ رہا ہے؟"

"نہیں' مجھے ان کی موت سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔" وہ نفرت سے بولی۔

"مگر اس دن تمہیں گولی کس نے ماری تھی؟ مجھے اس کا نام بتاؤ۔"

"میں اسے نہیں دیکھ سکا مگر سندھیا! وعدہ کرو کہ تم آئندہ ایسا کام نہیں کرو گی۔ کبھی نہیں۔ میں تمہیں اپنی دوستی کا یقین دلاتا ہوں۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"میری خوشی کے لیے وعدہ کرو۔"

اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں موتی لرزنے لگے تھے۔ وہ میرے دل میں پیوست تھی' مسکرا کے کہنے لگی۔ "چلو' جو تم کہو گے' وہی کروں گی۔"

سندھیا نے مجھے تحیر کا لبادہ اڑھا دیا تھا۔ میں سمجھا' دن کی یہ دھوپ محض نظر کا فریب ہے اور کوئی طلسمی خواب ہے۔ میں حقیقت کا یقین کرنے کے لیے سندھیا کے نرم و نازک ہاتھ بار بار چھو رہا تھا۔ وہ اس کا شاخیں پھیلاتا ہوا بدن' جس کی ٹہنیاں ابھی کچی تھیں' جس پر ابھی رنگ آنے اور بہار چھانے میں دیر تھی۔ یہ کانٹے ابھی سے کہاں سے نکلنے لگے۔ وہ میری آغوش میں سکون سے گویا سو گئی تھی۔ شاید اسے بہت نیند آ رہی تھی اسے گرد و پیش کی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اسی طرح کھڑے کھڑے میرے

سینے میں سوئی رہنا چاہتی تھی۔ پھر راہ داری میں دفعتاً کھٹکا سا ہوا۔ میں نے ہڑ بڑا کے اسے بیدار کیا یا خود بیدار ہوا۔ اس کی بوجھل پلکیں اور گہری سانسیں سکون کی غماز تھیں۔ اس سکون کی جو غبار چھٹنے اور نیند آنے کے بعد چہرے پر ہویدا ہوتا ہے۔ وہ اسی لمحاتی بے نیازی کی متلاشی تھی۔ وہ کانپتی ہوئی مسکراہٹ' وہ ڈگمگاتی ہوئی نگاہ' وہ چھوئی موئی بدن' آتے ہوئے رنگ' جاتے ہوئے رنگ' میرے بے چین عدسوں نے اس کی بے شمار تصویریں اتاریں۔ وہ میرے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی اور زخم کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے میرے ماتھے کی پٹی کھولنے لگی۔

اس کے ہاتھ ایک ثانیے کے لیے ٹھٹک گئے کیونکہ اسی وقت پارو کسی آہٹ کے بغیر تیز ہوا کے جھونکے کی طرح اندر داخل ہوئی۔ وہ میرے ساتھ سندھیا کا یہ انہماک دیکھ کے بہت حیران ہوئی "کیا ہوا؟" دوسرے ہی لمحے اس نے سنبھل کے کہا۔ "یہ تمہیں چوٹ کیسے آ گئی؟"

"بس یوں ہی ایک مناسب جگہ مل گئی تھی اس لیے سر مچلنے لگا۔"

"کیا درد ہو رہا ہے؟" پارو نے میرے قریب آ کے زخم کا جائزہ لیا۔ "معلوم ہوتا ہے' خاصا خون نکلا ہے۔"

"فاسد خون جتنا نکل جائے' اچھا ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"ڈاکٹر کو دکھایا؟" وہ تشویش سے بولی۔

"پھر مزہ جاتا رہتا ہے۔"

اس نے قالین پر پیر پٹخے۔ "اور تم تھے کہاں؟"

"یہیں' اسی زمین پر موجود تھا۔"

"اوہ۔ اپنا خیال رکھو۔" وہ بے تابی سے بولی۔ "ڈینش صبح سے تمہیں متعدد بار پوچھ چکے ہیں۔ میں خود بھی کئی بار تمہیں دیکھنے آئی۔ تمہارے کوارٹر پر آدمی بھی بھیجا تو ڈالی نے بتایا تم گھر پر موجود نہیں ہو۔ ڈالی نے یقیناً جھوٹ بولا ہو گا۔" میں نے اس کی تائید یا تردید نہیں کی۔ پھر وہ سندھیا سے مخاطب ہوئی۔ "سندھیا! تم ادھر جاؤ۔ تمہاری شاردا موسی ابھی تک ہوش میں نہیں آئی ہیں۔ تمہارا تو وہ بہت خیال رکھتی ہیں۔ تعجب ہے تم یہاں بیٹھی ہو۔ جاؤ کئی بار تمہیں پوچھا جا چکا ہے۔ بھون میں پولیس کا پہرا

ہے۔ تمہیں بہت محتاط رہنا چاہئے۔ جاؤ پیاری بچی!''

'' آپ بھی ساتھ چلئے۔'' سندھیا نے ہونٹ سکیڑ کے کہا۔

'' مجھے موہن سے ایک کام ہے۔ تمہارے ماما نے بتایا ہے۔''

'' مگر موہن کی حالت آپ نے نہیں دیکھی؟'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

'' تم وقت کی نزاکت نہیں سمجھ رہی ہو۔'' پارو جھنجلا کر کہنے لگی۔'' پولیس موہن کو بھی لے جاسکتی ہے۔'' ذہین پارو نے مجھ سے سندھیا کا غیر معمولی التفات بھانپ لیا تھا۔ واقعی یہ ایک حیران کن بات تھی کہ سندھیا جیسی شوریدہ سر لڑکی ایک ملازم کے زخم سے اتنی دلچسپی لے رہی ہے۔

'' کیوں نہ ہم موہن کو چھپا دیں؟'' سندھیا اچھل کر بولی۔

'' سندھیا ! تمہاری عقل کو کیا ہو گیا؟ گویا چھپا کے ہم خود اسے پولیس کی نظروں میں مجرم ثابت کریں۔''

'' تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے؟''

'' کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہو گا سندھیا !'' پارو سوچتے ہوئے بولی اور مجھے حکم دیا۔'' تم دنیش کی الماری سے اس کا لباس تیار کرو۔''

میں سندھیا کو معذرت طلب نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھا۔ پارو نے سندھیا کو گلے لگا کر شفقت کے لہجے میں اس سے کچھ کہا جو میں سن نہیں سکا۔ سندھیا چلی گئی۔ پھر پارو بھاگی بھاگی خواب گاہ میں میرے پاس آئی۔ میں دنیش کی الماری سے کپڑے نکال رہا تھا۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیے۔ لباس فرش پر بکھر گیا۔'' موہن ! تم نے یہ کیا کر دیا؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

'' کیا کر دیا؟'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

'' اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے تم نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ تم نے کیوں کیا؟ کیسے کیا؟'' وہ ڈولتی ہوئی آواز میں بولی۔'' بتاؤ۔ ایسی کون سی آفت آ گئی تھی؟ آہ تم نے مجھ پر بھی اعتماد نہیں کیا۔''

میں اس کے سامنے گم سم کھڑا رہا' وہ چیختی اور کراہتی رہی۔ پھر جب میری جانب سے اسے کوئی جواب نہیں ملا تو وہ میرے گلے سے جھول گئی۔'' موہن ! تم کیسے

آدمی ہو۔ تمہاری یادداشت کتنی کمزور ہے۔ تم مجھے نہیں پہچانتے۔ میں پارو ہوں۔''

'' پارو !'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔'' مجھے سب کچھ یاد ہے۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم ہمیشہ میرے قریب رہتی ہو۔''

'' جھوٹ ہے موہن !'' وہ تلملائی۔'' تم سے ملے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟''

'' حالات تمہارے سامنے ہیں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

'' لیکن اتنی چونکا دینے والی باتیں سامنے آتی ہیں کہ مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے' میری نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں' سب خاک معلوم ہوتا ہے' یہ محسوس ہوتا ہے' گویا تم سے بس رسمی تعلق ہے' میں تمہاری کوئی بھی نہیں ہوتی۔ ہوتی تو تم کیوں چھپاتے۔ تم نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے' اگر تم مجھے بتا دیتے تو میں تمہیں کوئی اچھا ہی مشورہ دے دیتی' میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتی' تم اکیلے چلے گئے' اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟ تم نے میرا خیال کیوں نہیں کیا؟ ٹھیک ہے' ساتھ ساتھ مرتے۔''

'' مجھے اتنی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا۔ جب ضرورت پڑی تو میں نے تمہاری مدد لی ہی۔ رات میں نے تمہیں انیتا کو مصروف رکھنے کی ہدایت کی تھی۔'' وہ میرے ندامت آمیز لہجے سے کچھ منفعل ہوئی اور مجھے مسہری پر کھینچ کے مجھ سے چپک کے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا اور پھونکوں سے میرے بالوں کی ایک مجہول لٹ درست کرنے لگی۔'' موہن ! مگر تمہیں اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔''

مجھے حیرت تھی کہ وہ کس یقینی لہجے میں بات کر رہی ہے اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا' میں نے سرد آواز میں کہا۔'' اسے شبہ ہو گیا تھا کہ میجر رابرٹ کی جیپ میں نے لوٹی تھی۔''

'' نہیں۔'' اس نے سسکاری بھری۔'' یہ ناممکن ہے۔''

'' یہ ممکن ہو گیا تھا۔''

'' ناممکن ناممکن۔ تم نے کیسے اندازہ لگایا؟''

'' اس نے خود مجھ سے کئی بار اس شبہے کا اظہار کیا تھا۔''

'' مجھے یقین نہیں آتا۔'' وہ پتھریلی آواز میں بولی۔'' وہ کیا کہتا تھا؟''

'' وہ جب بھی مجھے ملا' اس نے اپنے شک کا برملا اظہار کیا۔ اس نے کہا تھا

کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ ایک دن اس نے یہ طنز بھی کیا تھا کہ پارو رانی سے تمہارے مراسم خاصے گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس نے پردہ پوشی کے احسان کے عوض مجھے بھون کی جاسوسی پر اکسایا۔"

وہ سکتے میں رہ گئی۔" کیا اس نے تم پر صاف صاف الزام عائد کیا تھا؟"

" نہیں۔ لیکن وہ یقیناً کچھ جانتا تھا اور آگے جا کے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں رات اسے یہاں سے لے گیا اور وہ میجر رابرٹ کے انجام سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے صرف چند لمحوں کے آگے پیچھے میں چھاؤنی اطلاع کر دی اور وہاں مجھے سب کو ختم کرنا پڑا۔" میں نے مختصراً اسے رات کی روداد سنائی۔

"نہیں موہن ! تمہیں غلط فہمی ہوئی۔ بھون میں تمہارا اثر و رسوخ دیکھ کے اس نے تمہیں ایک کارآمد آدمی سمجھا اور اچٹتے ہوئے شبہے کا اظہار کر لیا' اگر اسے واقعی یقین ہوتا تو تم یہاں موجود نہ ہوتے۔ وہ اتنی برداشت کا مظاہرہ نہ کر پاتا۔ تم نے اسے سمجھنے میں جلدی کر دی کیونکہ تمہارے ذہن میں چور چھپا ہوا تھا۔ آہ کاش تم مجھ سے اس کا ذکر کر دیتے۔ تم انگریزوں کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ ان کے پاس علم بھی ہے' طاقت بھی ہے۔ اس نے ہوا میں تیر چلایا اور تم نے اسے اپنے سینے پر محسوس کر لیا۔"

" میں نہیں سمجھتا۔ جیکسن ایک چالاک آدمی تھا۔ اسے جب یہ پتہ چل گیا کہ میجر رابرٹ کا قاتل کون ہے تو اس نے میری سزا التوا میں ڈال کے چلتے چلاتے مجھ سے چند اہم کام بھی نکالنے چاہے۔"

" اور فرض کرو' اس نے چھاؤنی اطلاع دیتے وقت یہ بھی کہہ دیا ہو کہ وہ کھنڈروں کی طرف تمہارے ساتھ جا رہا ہے؟"

" ہاں' اس کا امکان تھا۔ ایسے معاملات میں امکان تو ہر بات کا رہتا ہے پارو ! پستول کی گولی دھوکا دے سکتی ہے۔ آدمی کا دماغ چل سکتا ہے مگر ایسا نہیں ہوا میں نے آخری آدمی سے اس کی تصدیق کر لی تھی اور اگر وہ میرا نام لے دیتا تو مقتولوں کی بازیابی کے بعد وہ مجھے بازیاب کرتے۔"

" بہت برا ہوا موہن ! وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔ شہر میں

کرفیو کا سا سماں ہے۔ ملٹری پولیس اور انگریز ریزرو پولیس حرکت میں آگئی ہے۔ ریاست میں ہر طرف خوف و ہراس پایا جاتا ہے۔ کرنل ہارڈنگ کی مدد کے لیے اب یقیناً ہائی کمان سے کچھ افسر آئیں گے۔ ممکن ہے' کرنل کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔ مہاراجہ کا تخت بھی کھسکنے لگا ہے۔ انہوں نے میجر کی موت ایک حادثہ سمجھ کر برداشت کر لی تھی لیکن یہ واقعہ تو وہ کبھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ ان کی ناراضی کا پہلا اظہار ریتا کی اچانک واپسی سے ہوتا ہے۔ اسے شاردا کے کمرے سے بڑی مشکل کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ رات بھر وہ سب لوگوں کے ساتھ جاگتی رہی اور ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی ہو گی کہ سائرن بجنے لگے۔ دنیش کو رسمی طور پر اطلاع دی گئی۔ رخصتی کے وقت ایک اجنبی سی فضا قائم تھی۔ گو ریتا چھاؤنی واپس جانے کے لیے آمادہ نہیں تھی مگر وہ اسے بہ جبر لے گئے۔" پارو گہری سنجیدگی سے بول رہی تھی۔

" اور تم واپس کیسے آئے؟" پھر اسے اچانک خیال آیا۔" دربانوں نے تمہیں واپسی میں ضرور دیکھا ہو گا؟"

فصیل کے راستے میری واپسی کی تفصیل سن کے وہ کچھ مطمئن ہوئی۔"اب ذرا غور سے سنو موہن ! حوصلہ برقرار رکھنا۔ تمہاری گمشدگی سے غلط نتائج مرتب کیے جا سکتے ہیں' دنیش کو اس وقت بہت مستعد رہنا چاہیے تھا مگر شاردا کو ہوش آ کے نہیں دیتا۔ بہت برا وقت آ پڑا ہے' تم نہ تیزی دکھانے کی کوشش کرنا' نہ سستی' تمہارا اعتدال ہی تمہاری عافیت کا سبب بن جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تم نے انیتا کو اس کے کمرے میں کیوں نہیں جانے دیا۔ ایک اینگلو انڈین پولیس افسر جو یہاں تعینات ہے' میرا احترام کرتا ہے' اس نے مجھے بتایا ہے کہ رات کھنڈر کے گرد و نواح میں فوجی دستوں اور راجے پور کے مسلح بدمعاشوں کی دو گاڑیوں میں زبردست فائرنگ ہوئی۔ انگریز فوجیوں نے بھاگتے ہوئے بدمعاشوں کا تعاقب کیا۔ چند بدمعاش موقع پر مارے گئے۔ ایک گاڑی افراتفری میں حادثے کا شکار ہو گئی' دوسری گاڑی کے چند بدمعاش گرفتار کر لیے گئے۔ یہ سن کے میں کسی حد تک معاملے کی تہہ کو پہنچ گئی۔"

" اس نے کچھ اور بتایا؟" میں نے جھجک کے پوچھا۔

" نہیں لیکن واقعات جیسے جیسے اس کے علم میں آتے جائیں گے' وہ مجھے

ضرور بتائے گا۔"

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ اس معاملے میں' میں ملوث ہوں؟"

"موہن۔" اس نے کھینچ کے میرا نام لیتے ہوئے خفا ہو کے کہا۔" میں اس وقت تمہاری ستائش کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ راجے پور میں کوئی اتنا پاگل نہیں ہے۔ واقعات کے تسلسل میں کچھ کنفیوژن ہے۔ بہرحال تم جو چاہتے تھے' وہی ہو گیا۔ جگ دیپ کے کئی آدمی مارے گئے۔ کئی پکڑے گئے مگر ایک بات ذہن میں رکھنا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد حقائق کچھ اور انداز سے پیش آئیں گے۔ گرفتار شدہ آدمیوں کی رائفلوں اور ریوالور کی گولیوں میں فرق صاف پہچان لیا جائے گا۔ کنور جگ دیپ ہزار طریقے سے یہ باور کرانے کی کوشش کرے گا کہ اس کے آدمی اتفاقاً کھنڈروں کی طرف گئے تھے یا اسے اس کا علم ہی نہیں ہے۔ بڑی حویلی کی گاڑیاں ان بدمعاشوں نے چوری کرلی تھیں یا وہ ایک سنگین اطلاع پر اپنے آدمیوں کو کھنڈر بھیجے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ سازش بے نقاب کرنے کیلئے اپنے سارے رسوخ اور ساری عقل صرف کرے گا۔"

"مگر وہ کوئی معقول جواز مشکل ہی سے پیش کر سکے گا۔ وہ اپنی بہن امیتا کو رسوا کرنے سے آخری لمحے تک گریز کرے گا۔"

"لیکن انگریز واقعات کی چھان بین میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیں گے۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اب تم مزید کوئی شوخی مت دکھانا' فون پر بھی احتیاط رکھنا اور بھون سے باہر جانے کی کوشش بھی نہ کرنا اور موہن! تمہیں ان معرکہ آرائیوں سے حاصل کیا ہو گا؟" وہ تاسف سے کہنے لگی۔" اگر تم میرا کہنا مان کے یہاں سے چلے چلتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ صبح و شام اندیشوں میں زندگی گزرتی ہے' اس ہول میں کسی دن دم ہی نکل جائے گا۔ تم مجھے بہت یاد کرو گے اور شاید نہ یاد کرو۔"

"میں یاد کرنے کے لیے باقی کہاں رہوں گا۔"

"تم دل آزاری کرنے میں ماہر ہو۔ بہرحال اب میں چلتی ہوں' دنیش تو شاردا کے خیال میں ہر اندیشے سے جیسے بے نیاز ہو گیا ہے مگر مجھے چاروں طرف نگاہ

دوڑانی پڑ رہی ہے' ادھر دنیش کی ناروا گفتگو سے مہارانی بھی ناراض ہو گئے ہوں گے' ادھر بھون کی اندرونی فضا ریشہ دوانیوں کی شکار ہے اور اب یہ تمہارا معاملہ آپڑا ہے۔ ایک ساتھ اتنی باتیں' اپنا نہ جانے کیا ہو گا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔"

"میں روز کوشش کرتا ہوں کہ میری وجہ درمیان سے ہٹ جائے۔"

"اور میری دعائیں روز تمہیں بچالیتی ہیں' تم نہیں مر سکتے کیونکہ تم میرا ارادہ ہو اور میں ارادے کی بڑی مضبوط ہوں' ارادہ زندگی ہے۔"

"گولی تمام ارادوں پر حاوی آجاتی ہے۔"

"گولی تمہارے قریب سے ہو کے گزر جائے گی۔ تم میرے مطلوب ہو' میری طلب اور میری امید تمہیں ضرور سلامت رکھے گی۔"

"پھر اندیشے کس بات کے ہیں؟"

"اندیشے۔" وہ کچھ توقف کے بعد بولی۔" اندیشہ تمہاری ذات سے ہے کیونکہ تم اپنی ذات سے متعلق نہیں ہو تم اپنے آپ سے دور ہو۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔" میں جا رہی ہوں۔" اس نے یاسیت سے کہا۔ چند قدم چلی اور ٹھہر گئی اور مجھے گھورنے لگی پھر اچانک اس نے اپنے بازو پھیلائے اور ایسی وحشت سے میری طرف جھپٹی جیسے آج کے بعد آنے والے دنوں کا یقین اٹھ گیا ہو مگر میرے سینے میں گرداب کے سوا کیا تھا۔ اس نے خود کو اسی کے سپرد کر دیا۔ گرداب کو ہمیشہ ایک تڑپنے والے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' میں نے اسے سمیٹ لیا۔ کوئی سینہ دھوکا نہیں دے سکتا۔ سینوں کی پیوستگی میں بغض کا پتہ صاف چل جاتا ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے' اندر جھانک کے دیکھنے کا آئینہ جب میں نے اس آئینے میں اپنا چہرہ' اپنا قد دیکھا تو مجھ پہ لرزہ طاری ہو گیا۔ حالانکہ اس کا نایاب بدن میرے احاطے میں پھڑک رہا تھا۔

وہ لمحوں میں اپنا جمال اپنا جلال دکھا کے چلی گئی۔

وہ چلی گئی اور مجھے نہ جانے کس کے پاس چھوڑ گئی۔ اس کے جانے کے بعد دیر تک چھت کے نیچے بے خیال کھڑا رہا۔ یہ بہت غنیمت تھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان چھت حائل تھی۔ بے خیالی سے بڑھ کے کوئی سکون نہیں ہوتا' جب میں بے ارادہ راہ داری میں آ گیا تو مجھ پر پھر خیال نے غلبہ کیا اور مجھے یاد آیا کہ میں کون ہوں

اور میرا نام کیا ہے' آدمی کا ماضی گزرے ہوئے وقت کی طرح فنا ہوتا رہتا تو ذہن ہر آنے والے لمحے کا کس قدر تپاک سے استقبال کرتا۔ اقدار' تہذیب' رشتے' اصول پھر کوئی فساد ہی نہ ہوتا۔ ذہن کا برتن بہت چھوٹا ہے' وقت کی گرد پڑتے پڑتے لبریز ہو جاتا ہے۔ جہاں تک سمائی ہو' وہیں تک یہ کوڑا مناسب ہے۔ راہ داری کے جس مقام پر میں اپنے آپ سے متعارف ہوا وہیں سے ایک مغائرت اور کشاکش شروع ہو گئی۔ وہی کھنچاؤ جس سے لمحوں کے لیے کبھی نجات مل جاتی تھی۔ خیال ہمیشہ آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور آدمی اس مسلسل رفاقت سے کبھی تو بہت تنگ آ جاتا ہے۔ خیال کی دم جسم پر اگی رہتی ہے۔ ایک ایسا پھندا ہے جو پھانسی سے زیادہ شدید ثابت ہوتا ہے۔ آدمی کے جسم پر سر نہ ہوتا تو اس دنیا میں کیسے مثالی آدمی موجود ہوتے اور دل نہ ہوتا تو کمال ہو جاتا۔

میں خیال آفریں ہواؤں میں بہتا ہوا راہ داری میں اڑا جا رہا تھا۔ اسی لیے مجھے راج کمار سریش چندر کے گزرنے کی بھی خبر نہیں ہوئی۔ اس نے مجھے ٹوکا تو میں دھڑام سے زمین پر گرا۔ اس کا چہرہ سامنے آیا تو بہت سی باتیں یاد آ گئیں' میں بوکھلا گیا اور مجھے خیال آیا' اس کے سامنے مجھے شرم ساری کا اظہار کرنا چاہیے۔ ''موہن!'' اس نے سٹ پٹاتے ہوئے کہا۔'' بے دھیانی معاف کیجیے۔''

''کوئی بات نہیں' آج کل یہاں ہر شخص کھویا ہوا اور ڈوبا ہوا ہے خصوصاً میں تو بہت زیادہ۔''

''آپ ذہن پر اتنا زور مت ڈالیے جو ہونا ہے سو وہ تو ہو کے رہے گا' آپ آرام کیجیے شاید رات بھر جاگتے رہے ہیں؟''

''ہاں رات بھر' اول وقت میں ذرا سی نیند آئی تھی کہ اچانک شاردا کی اطلاع ملی۔ اس وقت سے نیند ہی نہیں آئی۔''

''آپ جا کے سو جائیے' میں آپ کو تین گھنٹے بعد اٹھا دوں گا۔'' میں نے مودبانہ انداز میں کہا۔ اس نے کچھ سوچ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کا ایک نوٹ نکال کے میری طرف بڑھایا۔

''یہ کیا؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں' بس رکھ لو۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔'' اور ہاں سنو رات شاردا کی وجہ سے میں خاصا الجھا ہوا تھا۔ تمہارے ساتھ زیادتی ہو گئی۔''

''آپ کیسی بات کر رہے ہیں۔ میں تو خود آپ سے معافی مانگنے آتا۔ میں یہ انعام ہرگز نہیں لوں گا۔'' میں نے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''لے لو' یہ میری خوشی ہے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''کسی اور موقع پر سہی' آپ سے انعام لینے کے ہزار مواقع آئیں گے' مگر اس وقت یہ دے کے آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''خوب۔'' اس نے مسکرا کے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔'' موہن! تمہارے بارے میں مجھے بڑی غلط اطلاعات ملی تھیں' نہ جانے لوگ کیا کیا بکواس کرتے رہتے ہیں۔ تمہاری انہی خوبیوں نے بھائی صاحب کو تمہارا گرویدہ کیا ہے۔ راج کمار نے تمہارے زخمی ہو جانے پر کس جرات سے یہ اعلان کیا تھا کہ تم ملازم سے زیادہ ان کے دوست ہو۔''

''یہ ان کی مہربانی ہے۔'' میں نے گردن جھکالی۔

''راج کمار پر رشک آتا ہے کہ انہیں تم جیسا آدمی ملا۔ کاش تم میری خدمت میں ہوتے۔''

''میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں ہوں۔ میرے لیے ان میں اور آپ میں صرف بڑے اور چھوٹے کا فرق ہے۔ آپ کو جب میری ضرورت ہو' بے تامل طلب کر لیجیے گا۔''

''مجھے یقین ہے' مجھے یقین ہے۔'' وہ سر ہلا کے بولا اور ستائشی نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا چند قدم آگے بڑھ گیا۔ پھر جیسے اسے کوئی بات یاد آ گئی۔ وہ کچھ سوچتا ہوا ٹھہر گیا۔

''کوئی حکم؟ سرکار فرمائیں۔'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''ہاں ایک بات ہے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

''حکم دیجیے۔'' میں نے مستعدی سے کہا۔

''حکم نہیں' تعاون کہو' مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے' میں سمجھتا ہوں

اس معاملے میں تمہی کچھ کرسکتے ہو۔ کرتو ہم بھی سکتے ہیں لیکن یہ ہمارے لیے مناسب نہیں ہوگا۔"

"فرمایئے۔" میں نے تذبذب سے کہا۔

" رازداری کی بات ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔

" آپ اعتبار کرکے دیکھئے۔"

" مجھے تم پر مکمل اعتبار ہے۔"

" تو پھر بے تامل کہہ دیجئے' میں حکم کا منتظر ہوں۔"

" موہن !" وہ میرے قریب آکے بولا۔" عجیب سا معاملہ ہے' ہمیں ایک لڑکی پسند آگئی ہے۔"میرے کانوں میں کھولن سی ہوئی۔" وہ لڑکی بہت حسین ہے' ان دنوں مہمان خانے میں مقیم ہے۔ ہم نے اسے کئی بار طلب کیا' کئی آدمی بھیجے خود بھی دو ایک مرتبہ سرسری طور پر اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا مگر اس نے توجہ نہیں دی حالانکہ وہ ایک طوائف ہے اور یہاں بھون کے لوگوں کی دل بستگی کے لیے آئی ہے۔ اس کا نام ترنم ہے۔ وہ بالکل اپنے نام کی طرح ہے۔ دلی سے آئی ہے۔ سنا ہے' گلا غضب کا پایا ہے' سرتال میں کم عمری کے باوجود پختہ ہے' ہمارا خیال ہے' وہ سمجھتی ہے کہ وہ صرف راج کمار دنیش کی مہمان ہے اور انہی کے لیے مخصوص ہے اور اسے صرف انہی سے رابطہ رکھنا چاہئے۔ وہ کسی اینگل سے طوائف نہیں معلوم ہوتی ' اس کی یہ ادا بھی ہمیں بہت پسند آئی۔ موہن ! ہم جانتے ہیں' ہمارا راج کمار بھائی اس چھوٹی سی بات کی پروا نہیں کرے گا' وہ الجھے ہوئے بھی بہت ہیں اور ہمارا ..... ہمارا" وہ محجوب ہوکر بولا۔" تم ہم سے تعاون کرو۔" میں نے پورے تحمل سے اس کی باتیں سنیں۔" کیا سوچنے لگے؟" وہ بے تابی سے بولا۔

" کچھ نہیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔" میں اس لڑکی کے پاس جاؤں گا۔"

" اوہ۔ مجھے یقین ہے' تم اسے آمادہ بھی کرلو گے۔ اس سے کہنا ہم اسے نہال کر دیں گے۔ ہم اس کی بہت قدر کریں گے اور تمہیں بھی خوش کر دیں گے' تمہیں اتنا انعام دیں گے کہ تم یاد رکھو گے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔" پھر کب؟" اس نے اضطراب سے پوچھا۔

" اب دیکھئے' میں اس سے جاکے بات کرتا ہوں۔" میں نے جزبز ہوکے کہا۔

" ہم نہیں جانتے' ہمارا یہ کام تمہیں کرنا ہے۔"

" اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو کچھ کہوں۔ یہ وقت سخت کشیدگی کا ہے۔ بھون میں کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے آپ سے چند دن پہلے کہا تھا کہ آپ کو بہت محتاط رہنا چاہئے' اجنبی لوگوں کے قریب آنے سے پہلے ان کے بارے میں ہر طرح مطمئن ہو جانا چاہئے۔ پتہ نہیں' وہ کون ہے' کچھ بھی ہوسکتا ہے' ہوسکتا ہے' وہ کسی طرف سے بھیجی گئی ہو۔"

" وہ ایسی نہیں ہوسکتی۔ تم نے تو اسے دیکھا ہوگا۔"

" راج کمار ! آپ ذرا اپنے جذبات پر قابو پایئے۔ فرض کیجئے' اس نے انکار کر دیا اور فرض کیجئے' بڑے راج کمار نے یہ بات محسوس کی؟"

" اس کی یہ مجال نہیں۔" وہ برہمی سے بولا۔" موہن ! ہم یہاں جو چاہیں' کرسکتے ہیں' ہم یہاں کے مالک ہیں اور رہی راج کمار دنیش کی بات تو ہم اسے براہ راست ان سے مانگ سکتے ہیں لیکن تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم یہ سب کچھ نہیں چاہتے کیونکہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہمیں ڈیسنسی کا خیال ہے۔"

لطافت کا خیال۔ میرا جی چاہا زور زور سے ہنسوں' اپنا لباس چیر ڈالوں۔

"سرکار!" میں نے کہیں چھپا ہوا انکسار تلاش کرکے کہا۔" بے شک آپ سب کچھ کرسکتے ہیں مگر وہ لڑکی بہت ضدی اور کچھ علیحدہ مزاج کی ہے' اگر اسے بتدریج ہموار نہ کیا گیا تو وہ گریبان تک آسکتی ہے اور ضد میں ایسے لوگ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے۔ آپ اسے پستول کی نال اور چھرے کی نوک پر فتح نہیں کرسکتے۔"

اسے امید نہیں تھی کہ ترنم کی بات پر میرا لہجہ اس قدر مضبوط ہو جائے گا۔ وہ میری صورت دیکھنے لگا اور تلملا کے بولا۔" پھر ہم کیا کریں؟"

" آپ انتظار کریں اور ہو سکے تو اسے بھول جانے کی کوشش کریں۔"

" نہیں' یہ ہم سے نہیں ہوسکتا تم اس سے جاکے پوچھو کہ اسے کتنے روپے کی ضرورت ہے۔ اس کی نسلیں تک آرام سے رہیں گے۔"

"سرکار ! میں روپے کی طاقت کا بڑا قائل ہوں' یہاں سب کچھ خریدا جاسکتا ہے۔ یہ پودے روپے کے بغیر راہ داری میں چل کے نہیں آسکتے تھے۔ یہ سازو سامان' یہ عمارت' یہ ستون اور آدمی سب روپے کا جادو ہے۔"

"تم بہکنے لگے۔" وہ تلخی سے بولا۔" ہماری بات کا جواب دو۔"

"میں ضرور آپ کی الجھن دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"مگر جلد۔" وہ میرا شانہ پکڑتے ہوئے بولا۔

"کیا میں اسے ہر قسم کی پیش کش کرسکتا ہوں؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"یقیناً' تمہیں اختیار ہے۔ جو کچھ ہمارے امکان میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میرے لہجے میں اس کے لیے فکر کا خاصا سامان موجود تھا مگر ایسے وقت میں اسے یہ سامان استعمال کرنے کا ہوش کہاں ہوگا۔ اس نے پہلے نوٹ کے ساتھ چند اور نوٹ ملا کے مجھے دیئے اور اپنے کرتے کے اندر لٹکی ہوئی سونے کی زنجیر بھی ہمراہ کر دی میں نے اسے واپس کر دیا۔ کاغذ کی جوتیاں' سونے کی جوتیاں ان کی چوٹ چمڑے کی جوتیوں سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ درد بڑا تیز ہوتا ہے اور خون بھی نظر نہیں آتا۔ میں اپنا سر نچاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کہتے ہیں' دنیا میں سب سے بڑی نیکی کسی کو خوش رکھنا ہے۔ بچوں کو خوش رکھنے کے لیے کھلونے دیئے جاتے ہیں۔ بڑوں کو خوش رکھنے کے لیے خدمت دی جاتی ہے۔ جو لوگ تشنہ لوگوں کی پیاس بجھانے کے لیے عورتوں کے کھلونے فراہم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں' انہیں کیوں معتوب قرار دیا جاتا ہے؟ وہ بھی تو کسی کو خوش کرنے کی نیکی کرتے ہیں۔ پھر رگ جاں میں یہ کیسا فشار ہوتا ہے' کہتے تو لوگ بہت سی باتیں ہیں۔ کوئی ان کا تجزیہ کرنے بیٹھے تو ہلاک ہو جائے چلتے چلتے میرے قدم الجھنے لگے اور ایسا محسوس ہوا جیسے زمین نے اپنی کشش کا وطیرہ ترک کر دیا ہے۔

شاردا کے محل میں دور ہی سے لوگوں کا جمگھٹ نظر آیا۔ بینا رانی اور آنٹی آشا کی موتیں ہو چکی تھیں مگر اتنا اضطراب کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اتنے بہت سے تیمار داروں میں میری ضرورت تو نہیں تھی لیکن میں دروازے پر پہنچ ہی گیا اور جیسے ہی میرا

رسوا چہرہ اندر داخل ہوا' مجھے محسوس ہوا' جیسے ہوا کا رخ اچانک بدل گیا ہو۔ دنیش چندر دل گرفتہ آرام کرسی پر دراز تھا۔ اس کے اردگرد بجھے ہوئے چہروں کا ہجوم تھا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اس لیے میری رونمائی نہ ہو سکی۔ میں ایک دیوار سے چپک کے کھڑا ہو گیا۔ شاردا کی خواب گاہ کے دروازے پر مہارانی مایا دیوی کا پہرا تھا۔ ابھی مجھے وہاں خود کو نصب کیے ہوئے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میری پلکیں بری طرح تڑپنے لگیں۔ شاردا کی خواب گاہ سے راج کماری کنول سوگوار چہرے کے ساتھ برآمد ہو رہی تھی' باہر آتے ہی اس کی نگاہ کی بجلی سب سے پہلے مجھ پر گری پھر اس کے لبوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ رقصاں اور غزل خواں ہوئی۔ میں نے وہاں سے چپ چاپ باہر نکل جانا مناسب سمجھا۔ نہ دنیش سے بات ہوئی' نہ شاردا کا چہرا دیکھ سکا۔

باہر آ کے میری رفتار تیز تھی' جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ پیچھے پیچھے کنول نہ آ رہی ہو۔ میں عمارتیں چھوڑ کر ایک گزر گاہ سے کھلے میدان میں آ گیا۔ باہر ہو کا عالم تھا۔ درختوں پر پرندے ملٹری پولیس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ جو پرندے بندوق کی گولی سے آشنا ہوں گے' وہ یقیناً ایسی جرات نہیں کرسکتے۔ ایک بند ڈبے نما گاڑی میرے قریب سے شور مچاتی ہوئی گزر گئی پھر رکی اور واپس ہوئی۔ پہلے دو سپاہی اترے' پھر ایک سادہ لباس میں چاق و چوبند ادھیڑ عمر شخص۔ میں وہیں جما کھڑا رہا۔ چند قدم کا فاصلہ طے کر کے جوتے بجاتے ہوئے وہ تینوں میرے سامنے آئے دونوں سپاہیوں کی بندوقیں تنی ہوئی تھیں' ابرو بھی تنے ہوئے تھے' آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں' گویا میں ان کا ذاتی دشمن ہوں اور بہت دنوں بعد ان کے ہاتھ آیا ہوں۔

ادھیڑ عمر شخص نے آگے بڑھ کے سرد لہجے میں پوچھا۔" تمہارا نام ؟"

"موہن داس !" میں نے گلا تر کرتے ہوئے کہا۔

میرے نام پر اس کی آنکھوں میں قمقمے روشن ہو گئے۔" ہمیں تمہاری ہی تلاش تھی۔ ہمارے ساتھ آؤ۔"

"کہاں۔ اور کیوں ؟" میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"دونوں سوالوں کے جواب تمہیں کچھ دیر بعد مل جائیں گے۔" افسر نے

شائستہ لہجے میں کہا۔ ایسے لمحوں میں شائستگی شاید کسی کو پسند نہیں آتی۔

"کیا میں آپ کی اس زحمت کا سبب پوچھنے کا حق نہیں رکھتا؟"

"ضرور۔" اس نے دلچسپی سے مجھے دیکھا۔ "لیکن ہم جواب نہ دینے کا حق بھی رکھتے ہیں۔ چلو، تمہیں کسی اچھی جگہ نہیں لیجایا جا رہا ہے۔"

"مگر آپ مجھے لے جانے کا اختیار بھی رکھتے ہیں؟" میں نے جرات کی۔

"اوہ۔" اس نے پہلو بدل کے کہا۔ "ضرور، ضرور۔" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کے مجھے دکھایا۔

"لیکن مجھے لے جانے کا پروانہ؟ میں اسے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اس نے اپنی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ "یہ موجود ہے۔" اس کے ہاتھ میں اوسط درجے کا ایک پستول تھا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "کیا مجھے کسی کو اطلاع دینے کا وقت نہیں مل سکتا؟ میرا مطلب ہے، میں صرف اپنی روانگی کی خبر کرنا چاہتا تھا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"میں راج کمار دنیش کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اطلاع میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح اطلاع کے بغیر مجھے لے جانے میں ان کی سبکی ہوگی۔"

"انہیں ضرور پتہ چل جائے گا۔"

"شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ راج کمار دنیش ان دو افراد میں سے ایک ہیں جن کے کاندھوں پر اس ریاست کی حکومت کا بوجھ ڈالا جائے گا۔"

"مجھے بخوبی علم ہے۔" وہ مسکرا کے بولا۔ "ہم نے راج کمار کی حفاظت کے لیے پرکاش بھون میں اپنے آدمی تعینات کیے ہیں اور راج کمار نے ہمیں اپنے ملازموں کی گرفتاری کی فراخ دلانہ اجازت بھی دے دی ہے۔"

میں کہنا چاہتا تھا کہ میرا معاملہ ذرا مختلف ہے لیکن یہ کوئی کہنے کی بات نہیں تھی، میں نے حجت کا دروازہ بند کیا اور گاڑی کی پشت کے کھلے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا انہوں نے پردہ کھینچ دیا۔ اندر دو انگریز فوجی بھی موجود تھے۔ دائیں بائیں نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ تمام راستے خاموشی طاری رہی۔ پردے کے روزنوں سے سہ پہر

کی ٹھٹھرتی ہوئی دھوپ اندر آ رہی تھی۔ میں بھی کچھ ٹھٹھر سا گیا تھا۔ دیر آید درست آید۔ دیر سے سہی، جانا تو یہیں تھا۔ میں نے خود کو پچکارا، یہ سردی کیوں لگ رہی ہے۔ دل نشیب میں کیوں گر رہا ہے، یہ پھریریاں کیوں آ رہی ہیں، جو نوشتہ ہے اسے قبول کرو اور نوشتے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ آسمانوں ہی میں لکھا گیا ہو۔ آسمانوں کا نوشتہ کس نے دیکھا ہے، زمین پر رہنے والے آدمیوں ہی نے یہ لکیریں کھینچی ہیں اور انسانوں کا تخلیق کیا ہوا نوشتہ آسمانی نوشتے سے کچھ کم قدر و مرتبت نہیں رکھتا۔

سفر میں خاصی دیر ہو گئی، میں نے اندازہ کرلیا کہ ان کا رخ چھاؤنی کی طرف ہے۔ گاڑی میں دو گورے فوجیوں کی موجودگی بھی میرے اندازے کو تقویت پہنچا رہی تھی۔ گویا کرنل ہارڈنگ نے اس بار ملاقات کرنے کا ایک نیا بہانہ ڈھونڈا۔ بے شک ایک ایسے شخص کو ذرا قریب سے دیکھنا چاہئے تھا جو ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص ہو، باتیں قیامت کی کرتا ہو، نکتہ آفریں اور بذلہ سنج ہو اور معمولی ملازم کے روپ میں ریاست کے ایک اہم خانوادے میں فروکش ہو۔ کرنل بھی ایک طرح دار شخص تھا، جب تک بات دلچسپ مرحلوں میں داخل رہی، طرح دیتا رہا، جب مذاق حد سے سوا ہو گیا، ڈور کھینچ لی۔ ریاست، سیاست کے معاملات میں آدمی مجبور ہو جاتا ہے، کہاں تک ان نازکیوں کا خیال رکھ سکتا ہے۔

غالباً وہ چھاؤنی کا گیٹ تھا جہاں گاڑی ٹھہری۔ سلیوٹ کی آوازیں آئیں اور جلد ہی ایک قدیم طرز کی مگر صاف ستھری عمارت کے فرش پر مجھے اتارا گیا۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے بندوق بردار باڈی گارڈ تھے، آگے ایڈی کانگ، باہر سے عمارت بڑی سنسان نظر آتی تھی۔ اندر اچھی خاصی آبادی تھی، باوردی خوب رو گورے جوان یہاں سے وہاں تک پابہ رکاب تھے۔ ہندوستانی افسر مجھے دو گورے افسروں کے حوالے کرکے اپنے فرض سے سبک دوش ہو گیا تھا۔ ہندوستانی سپاہی بھی باہر رہ گئے۔ میری آمد پر گوروں نے پراشتیاق نظروں سے میرا جائزہ لیا اور انگریزی میں کہا۔ "ہم اپنے مہمان کا خوب خیال رکھیں گے۔"

کچھ دیر بعد وہ عمارت کے بھول بھلیاں راستوں سے گزارتے ہوئے مجھے ایک ایسے دیوہیکل کمرے میں لے گئے جہاں سب سے نمایاں چیز لوہے اور شیشے کی

بڑی بڑی الماریاں تھیں۔ ان میں انوکھے قسم کے ساز و سامان بلکہ نوادر موجود تھے۔ مثلاً روشنیاں' چمٹیاں نیز رسیاں' سونے' زنجیریں اور بے شمار الم غلم چیزیں' میز اور کرسیوں سے فاصلے پر ایک کھردرا فرش تھا' فرش کے درمیان ایک تنہا کرسی پر مجھے بٹھا دیا گیا۔ گورے سپاہی ابھی تک مجھے اپنی بندوقوں کی زد پر لیے ہوئے تھے' افسران اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے۔ ماحول مرعوب کن تھا۔'' کیا تم انگریزی جانتے ہو؟'' ایک انگریز نے شکستہ ہندوستانی میں پوچھا۔

'' میں ہندوستانی میں بات کرنا پسند کروں گا۔'' میں نے انہیں اپنی آواز میں استحکام کا فریب دیا۔

میرے جواب پر اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے انگریز کو ترجمہ سنایا اور انہوں نے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا۔'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے؟'' اس افسر نے ہندوستانی میں پوچھا۔

'' میں جاننے کا مشتاق ہوں۔'' میں نے بے جذبہ لہجے میں جواب دیا۔

اس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا' وہ انتہائی پھرتی سے دو ہندوستانیوں کو ٹھوکریں لگاتا ہوا اندر لایا۔ پہلی نظر میں تو میں انہیں پہچان نہیں سکا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے آدمی تھے' ان کی کھال جگہ جگہ سے ادھڑی اور جلی ہوئی تھی۔ جسم کے مختلف حصوں سے خون رس رہا تھا' آنکھیں باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ ٹھوکروں سے زمین پر گرے تو ان سے دوبارہ نہ اٹھا گیا۔ اپنے چہرے اٹھا کے انہوں نے حسرت ناک نظروں سے میری طرف دیکھا اور کراہنے لگے۔ وہ پرکاش بھون کے دربان تھے۔ ہری اور جگتا۔'' تم انہیں پہچانتے ہو؟''

'' ہاں۔'' میں نے گھبرا کے جواب دیا۔

'' تم بتا سکتے ہو انہیں ان کی کس غلطی نے اس درجے تک پہنچایا ہے؟'' اس نے نفرت انگیز لہجے میں پوچھا۔

'' ان کی غربت بنیادی سبب ہے۔''

ان کے چہرے سرخ ہو گئے۔ دونوں دربانوں کو واپس بھیج کے وہ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ تمہیں یہاں بلانے سے پہلے ہم نے تمہارے بارے میں اہم

معلومات حاصل کرلی ہیں جن کے مطابق تم ایک دلچسپ آدمی ہو۔ ایک بار پہلے بھی تمہیں راجے پور کی کوتوالی میں طلب کیا گیا تھا۔ وہ رپورٹ بھی ہمارے سامنے ہے۔ طوالت اور پیچیدگی سے بچنے کے لیے ہم تم سے پہلی اور آخری درخواست کریں گے کہ تم خود ہی تمام باتوں کا اعتراف کرلو۔ ہم تمہارے اس تعاون پر شکر گزار ہوں گے اور تم خود بھی ان اذیتوں سے بچ جاؤ گے جنہیں تم نے ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

'' مگر کیسا اعتراف؟'' میں نے حیرت سمیٹ کر کہا۔

'' اپنی غلطیوں کا اعتراف۔'' افسر نے تحمل سے کہا۔'' غلطیاں آدمیوں سے ہوتی ہیں اور خمیازے بھی وہی بھگتتے ہیں۔''

'' کیسی غلطی' کیسا اعتراف' کیسا خمیازہ؟ ضرور آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں ایک الگ تھلگ نہ جانے کیا آدمی ہوں' بلا شبہ کوتوالی میں ایک مرتبہ مجھے طلب کیا گیا تھا جس طرح پرکاش بھون کے اور ملازموں کو۔ رپورٹ میں میری بے گناہی کا حال بھی لکھا ہو گا۔ میں راج کمار دنیش چندر کا خاص ملازم ہوں' میرا کام ان کی خدمت کرنا اور اپنی زندگی عزت سے بسر کرنا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھیار اور اختیار ہے' آپ جو جی چاہے کرسکتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہنے سے پہلے' مجھے میری سنانے کا موقع ضرور دیجیے۔'' میں نے بے باکی کی کوشش کی۔

'' تم ضرور سناؤ' کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ طنز سے بولا۔

'' میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے آپ میرے بارے میں پوری طرح تصدیق کر لیجیے۔ اس کے بعد کوئی دشواری ہو تو میں حاضر ہوں۔''

'' ہم تصدیق کر چکے ہیں۔ انہیں جانتے ہو؟'' اس نے ایک انگریز کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ریتا کے ساتھ باڈی گارڈ کے طور پر آیا تھا۔

'' میں نے انہیں دیکھا ہے۔''

'' جیکسن صاحب کو تو پہچانتے ہو گے۔'' اس نے گمبھیر لہجے میں پوچھا۔

میں نے اپنے آپ کو منجمد رکھنے کی پوری کوشش کی' میرا ایک ذرا سا اضطرار ان کے دلوں میں گرہیں ڈال سکتا تھا۔'' انہیں بھی دیکھا ہے۔''

"جیکسن کے متعلق کیا رائے ہے؟"

"وہ ایک اچھے آدمی ہیں۔" میں نے سادگی سے کہا۔ "چند دن پہلے انہ
نے ایک واقعے پر میری پیٹھ ٹھونکی تھی۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے ض
کوئی انعام دیں گے۔"

ان کے درمیان نگاہوں کے تبادلے ہوئے۔ "جیکسن صاحب سے تمہا
ملاقات کب ہوئی تھی۔"

"تقریباً روز۔ انہوں نے میری جان بچائی ہے۔ ایک رات وہ مجھ
باتیں کر رہے تھے کہ کسی طرف سے گولی چلی' اگر وہ مجھے لے کے زمین پر نہ گر جا
تو میں یہاں موجود نہ ہوتا اور یہ اچھا ہی ہوتا۔"

"انہوں نے تم سے کیا باتیں کیں؟"

"وہ سمجھتے ہیں کہ میں حکومت انگلستان کے کسی کام آسکتا ہوں۔ ساتھ
انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ سرکار برطانیہ کی خدمت میں میری سفارش ک
گے اور میری خوب ترقی ہوگی' مجھے ایک اچھا گھر اور وظیفہ مل جائے گا۔"

"آخری مرتبہ ان سے تمہاری کب ملاقات ہوئی تھی؟"

"کل دوپہر ہی کی بات ہے وہ مجھے دیکھنے آئے تھے اور کہتے تھے کہ
جلد اچھے ہو جاؤ' میں تمہیں چھاؤنی میں بلا لوں گا۔ تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہ
تمہاری جگہ چھاؤنی میں ہے وہ مجھ پر بہت مہربان ہیں۔"

"رات کو ان سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ رات کو وہ نہیں آئے۔"

"اور رات کو تم کہاں تھے؟"

"میں راج کمار دنیش چندر کے محل میں تھا۔"

"اور راج کمار کہاں تھے؟"

"راج کمار' راج محل گئے ہوئے تھے۔"

"راج کمار کب واپس آئے؟"

"راج کمار' آدھی رات گزرنے کے بعد۔" میں نے سوچتے ہوئے جوا

دیا۔

"اور تم اس عرصے میں کہاں رہے؟"

"میں ان کے محل میں تنہا رہا۔"

"اس درمیان کوئی شخص وہاں نہیں آیا؟"

میں نے جواب دینے سے پہلے چند لمحے کچھ سوچا۔ پارو' ریتا کے ساتھ تھی' یہاں شاردا کا نام لینا بھی مناسب نہیں تھا۔ کسی اور کی موجودگی کے بارے میں کہتا تو وہ اس سے سوالات کرتے۔ "نہیں۔ اصل میں میری آنکھ لگ گئی تھی۔"

"راج کمار دنیش چندر تمہارے سامنے واپس آئے؟"

"جی ہاں۔ میں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔"

"اور اس کے بعد۔"

"اس کے بعد آقا زادی ریتا ہارڈنگ' پارو رانی اور بڑی حویلی کی کماری انیتا آئیں۔ وہ دیر تک بیٹھی رہیں۔ اس عرصے میں ایک ملازم نے آکے یہ اطلاع دی کہ کماری شاردا کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے ہم سب لوگ وہاں بھاگے اور رات بھر تقریباً سبھی جاگتے رہے۔" میں نے انہیں رات کی مصروفیات کی تفصیل جان بوجھ کر سنائی۔

"تمہارا نشانہ کیسا ہے؟" اس نے موضوع بدل کے پوچھا۔

"کچھ برا نہیں ہے۔" میں نے انکسار سے کہا۔

"ایک پستول کی کتنی گولیاں کارآمد بنا سکتے ہو۔"

"یہ نشانے پر منحصر ہے۔"

"تمہارا اصل نام کیا ہے۔"

"موہن داس۔" میں نے تذبذب سے جواب دیا۔

اس نے چند کاغذات الٹے پلٹے۔ آپس میں سرگوشیاں کیں جو میں سن نہیں سکا۔ وہ کوتوالی والی رپورٹ دیکھ رہے ہوں گے۔ کاغذات سامنے رکھ کے اس نے تقریباً وہی سوالات دہرانے شروع کیے جو مجھ سے کوتوالی میں کیے گئے تھے۔ میں اپنے جواب کیسے بھول سکتا تھا۔ انہوں نے میری نسلوں شجروں کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔ تم

پرکاش بھون میں کب آئے ؟ پہلے کہاں تھے ؟ اس سے پہلے کہاں تھے ؟ تعلیم حاصل کی ؟ تمہارے ساتھ رہنے والی عورت کون ہے؟ یہ ابتدائی نوعیت کے سوال تھے۔ سوال کیے جانے کا انداز مرعوب کن تھا۔ میں نے یہ قیاس کیا کہ میری گرفتاری میں کرنل ہارڈنگ کی ایما شامل نہیں ہے' کوتوالی والوں نے انہیں مشورہ دیا ہو گا یا ان انگریزوں نے جو چوکی والے واقعے کے چشم دید گواہ تھے' ممکن ہے' جیکسن نے میرے بارے میں ان سے کوئی بات کی ہو' یا پھر بڑی حویلی کے کنور جگ دیپ نے ان کی توجہ میری جانب مبذول کی ہو۔ ہرطرف سے ناکام ہو جانے کے بعد انہوں نے مجھے طلب کیا ہو گا' میں سمجھتا تھا' وہ اس مرتبہ کچھ آگے کے سوال کریں گے کچھ غیرمعمولی نوعیت کے اور کرنل نے ان کی رہبری کی ہو گی۔ ''موہن داس !'' غیرضروری سوال و جواب کے ایک طویل اور تھکا دینے والے مرحلے کے بعد انگریز افسر نے مجھ سے پوچھا۔ ''کیا تم یہ ثابت کرسکتے ہو کہ کل رات تم راج کمار دنیش کی عدم موجودگی میں ان کے محل تک محدود رہے۔''

چند منٹ تک میرے دماغ میں کھلبلی مچی رہی' کس کا نام لوں میں نے تاسف سے جواب دیا۔ ''مجھے افسوس ہے' شاید میں یہ ثابت نہ کرسکوں میں اپنا گواہ خود ہوں اور آپ کو میری سچائی کا یقین آجانا چاہئے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو۔ یقیناً مجھے کئی لوگوں نے دیکھا ہو گا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھی آپ سے ایک سوال کرلوں؟''

''ہاں ہاں۔'' وہ بےقراری سے بولا۔ ''ضرور ضرور۔''

''میں آپ کی تفتیش سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کے گزشتہ رات ریاست میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ بھون میں گرفتاریاں ہوئی ہیں' شہر کی گلیوں میں سناٹا ہے۔ بھون میں پولیس تعینات ہے اور اس کا تعلق جیکسن صاحب کی ذات سے ہے اور آپ کو اس واقعے کا سرانہیں مل رہا ہے' چنانچہ شبے میں آپ نے مجھے بھی گرفتار کیا ہے۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اصل واقعے کی نوعیت کے بارے میں کچھ بتائیے۔ ممکن ہے' میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں۔''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔ ''تم ایک لطیفہ گوشخص ہو' راج کمار

دنیش نے اسی لیے تمہیں خود سے قریب رکھا ہے۔ تمہاری زبان کی روانی اور دل کشی کی ہم بعد میں تعریف کریں گے۔ تم نے صحیح اندازہ لگایا مگر اندازے سے بات نہیں بنے گی۔ ہم تمہاری زبانی چشم دید روداد سننا چاہیں گے۔''

''میں اس کے بعد کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''اس کے بعد خود سے کوئی کچھ نہیں کہتا' کہلوایا جاتا ہے۔ تم اپنے دائیں طرف کی الماریوں میں رکھا ہوا سازو سامان دیکھ رہے ہو۔ یہ سامان آدمی کی زبان تیز کر دیتا ہے ہم نہیں چاہتے کہ تم پر اسے آزمایا جائے' اس سے پہلے تم خود ہی .....''

''دیکھئے جناب ! ممکن ہے' آپ اس ریاست کی اندرونی کشمکش سے صحیح طور پر باخبر نہ ہوں' آپ کو بہکایا گیا ہے۔'' ممکن ہے یہ سامان اس لئے ایجاد کیا گیا ہو کہ ہمیں اصل بات کا پتہ چل جائے۔ ہم نے اب تک تم سے نہایت عمدہ سلوک کیا ہے حالانکہ ہمیں سارے شہر کو آگ لگا دینی چاہئے۔ تم ہندوستانی اسی سزا کے مستحق ہو۔'' وہ کچھ مشتعل سا ہونے لگا۔ اس کے برابر بیٹھے ہوئے ساتھی نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کے اسے صبر و ضبط کی تلقین کی۔ ''ہم جیکسن اور اپنے چھ ساتھیوں کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔''

''جیکسن صاحب قتل ہو گئے؟'' میں کرسی پر اچھل گیا۔ ''نہیں۔ نہیں' وہ بہت اچھے آدمی ہیں' وہ ابھی نہیں مر سکتے۔''

''تمہاری حیرت میں تصنع ہے موہن داس ! بتاؤ تم نے انہیں کیوں قتل کیا ؟ تمہارے ساتھ کون کون تھا ؟'' افسر نے گرج کے پوچھا میں خاموش رہا۔ انہوں نے دوبارہ اسی سختی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

''میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔'' میں نے جھنجلا کے کہا۔ ''آپ کے رویے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ شبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ کو مکمل یقین ہے۔ یقین ہے تو پھر یہاں یہ مجلس برپا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی کارروائی کیجئے۔ آپ کو اپنے اوپر کے افسروں کو مطمئن کرنے کے لیے ایک شخص چاہئے۔ لیجئے میں حاضر ہوں لیکن سمجھ لیجئے میرا خون بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔''

''ہم تمہاری زبانی صرف اعتراف چاہتے ہیں۔'' اس نے نفرت سے کہا۔

''یہ ایک رسمی بات ہے' اصل بات تو آپ کا اعتراف ہے کہ آپ مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد میرے اعتراف کی کیا حقیقت ہے۔''

''تم ہمیں مجبور کر رہے ہو۔''

''میں آپ کی مشکل آسان کر رہا ہوں۔''

''تم گستاخی بھی کر رہے ہو۔''

''خون کرنے سے بڑی کوئی گستاخی نہیں ہوتی۔''

''گویا تم نے خود اپنا نوشتہ پڑھ لیا ہے' تمہارے لہجے سے صاف ظاہر ہے کہ اب تمہیں عافیت کا کوئی گوشہ نظر نہیں آرہا ہے۔ اس فیصلے کے بعد ہی کوئی شخص اس خطرناک جگہ بیٹھ کر ایسی باتیں کر سکتا ہے۔''

''بے شک۔ اور یہ نوشتہ مجھے آپ نے پڑھوایا ہے۔''

''ہم نے ابھی آغاز کہاں کیا ہے' ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''مگر شاید آپ کے لیے زیادہ سود مند ثابت نہ ہوں۔''

اس نے اپنے ایک دوسرے انگریز ساتھی کو اشارہ کیا جو اب تک چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ مستعدی سے میرے نزدیک آیا اور ایک چھوٹی سی میز اٹھا لایا۔ جس میں طاقت ور روشنیوں کے دو بلب موجود تھے۔ اس نے میری آنکھیں ایک خاص قسم کی چٹی سے کھلی رہنے دیں۔ ایک لمحے بعد تیز روشنیوں کے بلب جیسے میری آنکھوں میں گھس گئے۔ میں نے ایک چیخ ماری۔ بلب بجھا دیئے گئے۔ میرے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔''ہاں موہن داس! یہ ابتدا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

اس نے دوبارہ بلب روشن کر دیئے' میں نے اپنا سر جھٹکا اور اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر بندوقوں کی نالیں میرے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ پھر بھی میں نے ٹانگیں چلا کے بلب والی میز لوٹ دی۔ بلب پھوٹنے کا دھماکا ہوا اور کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ دونوں بندوق برداروں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور پیر بھی زنجیروں سے لپیٹ دیئے۔''ہماری مدد کرو موہن داس!''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے فریاد کی۔

''میں کچھ نہیں جانتا' مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' میں آئندہ تین دنوں تک یہی تکرار کرتا رہا۔ پھر میری آواز میں دم نہیں رہا۔ پہلے لکنت ہوئی' پھر لرزش اور اس کے بعد صرف کراہیں رہ گئیں۔ انہوں نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ جسم ادھیڑ دیا گیا تھا۔ ہنٹر' سونٹے' جلے ہوئے سگریٹ' کھردری زمین پر زنجیروں سے کھینچا' چانٹے' ٹھوکریں' تھوک' گالیاں' کوڑے' مرچیں' صبح وشام مجھے تنگ و تاریک کوٹھری سے نکالا جاتا اور نئے سرے سے سوال کیے جاتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ روز میرے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے ہیں۔ بھون میں ہونے والے ہر قتل کا افسانہ دہرایا گیا۔ کنور پردیپ اور اس کے ملازموں کا قتل۔ ریاست راجے پور میں ہونے والی ہر خونی واردات مجھ سے منسوب کی جاتی رہی۔ میری زبان انکار کرتے کرتے شل ہو گئی تھی۔ اقرار کرنے میں ایک آخری اذیت باقی رہ جاتی۔ اس کے بعد رہائی ہی رہائی تھی لیکن جب اقرار کا لفظ نوک زباں پر آیا۔ کئی چہرے نظروں میں گھوم گئے۔ دنیش چندر کیا کہے گا۔ سو میں زندگی کے یہ جبر برداشت کرتا رہا اور اس انتظار میں کہ کبھی تو یہ ڈوری خود بخود ٹوٹ جائے گی۔ ڈوری نہیں ٹوٹی کیونکہ وہ روز اس میں گانٹھ ڈال دیتے تھے اور میں ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ سارا جسم زنجیروں میں لپٹا رہتا تھا۔

اس تمام عرصے میں کرنل ہارڈنگ اور پروفیسر زاہدی کا ذکر نہیں آیا۔ کرنل نے اپنے ماتحتوں کو دانستہ پروفیسر زاہدی کے بارے میں نہیں بتایا ہو گا۔'' میجروں اور چھ سپاہیوں کے قتل کے بعد اسے پروفیسر سے آشنائی اور موہن داس کی شخصیت کے تضاد سے آگاہی اور اس میں اپنی بیٹی ریتا کی دلچسپی کا افسانہ طشت ازبام نہیں کرنا چاہئے تھا' بات چھڑتی تو نہ جانے کہاں تک پہنچتی۔ ہائی کمان تک جاتی اور ریاست میں ریتا کے بارے میں ہزاروں داستانیں پھیل جاتیں۔ میں کرنل کی اس کم ظرفی اور نارروائی پر کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔ میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ مجھے ہائی کمان کے سامنے پیش کیا جائے۔ میں وہیں بیان دوں گا۔ چوٹ کھائے ہوئے آدمی سے کچھ بعید نہیں۔ شاید کرنل ہی نے ہدایت دی تھی کہ مجھے اتنا مارا جائے کہ زبان خون سے بھر جائے اور کہے جانے والے لفظ سمجھ میں نہ آسکیں۔ ایک بار میں اعتراف کر لوں' اس کے بعد عدالت

میں بٹھا کے جلداز جلد قصہ پاک کر دیا جائے گا' دیر بھی ہو گئی تو کون میری کہانیوں پر کان دھرے گا۔

چار دن میں جسم لہو لہان ہو گیا تھا۔ روح تو پہلے ہی زخمی تھی۔ میں گردن ڈالے فرش پر بے حس پڑا رہا۔ لوٹنے پوٹنے کی جان بھی نکل گئی تھی چوتھے دن جب میں گھسیٹتا ہوا اپنی سیل میں ڈالا گیا تو کچھ دیر بعد "مہاراج" کی آواز سے چونک پڑا۔ مہاراج ! مہاراج!" کوئی آہستہ آہستہ صدائیں لگا رہا تھا۔ میں نے گردن اٹھانے کی کوشش کی۔ دروازے پر سنتری کے سوا کوئی نہیں تھا' وہ ہندوستانی سنتری تھا۔"مہاراج ! میں آپ ہی کو پکار رہا ہوں۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ "مجھے شما کر دیجئے میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت ظلم کیا۔" میری آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔" مہاراج ! کئی سادھوؤں اور پنڈتوں نے چھاؤنی آکر گوروں سے احتجاج کیا ہے کہ انہوں نے ایک غلط آدمی کو پکڑ لیا ہے وہ بڑا دھرماتما ہے اگر اسے جلد آزاد نہ کیا گیا تو راجے پور پر کوئی بہت بڑی آفت آجائے گی۔ سادھو چھاؤنی کے دروازے پر دھرنا دے کے بیٹھ گئے تھے۔ بڑا صاحب ان کی بات نہیں مانتا تھا لیکن اسے کسی نے سمجھایا ہو گا کہ اگر اس نے سادھوؤں کی بات سنے بنا انہیں واپس کر دیا تو ریاست میں بلوا ہو جائے گا۔ سو بڑے صاحب نے بلا لیا۔ اب تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ پر مہاراج ' اس سیوک کو شما کر دو' مجھے شما کر دو۔" وہ گھگیا کر بولا مجھ میں اسے معاف کرنے کی طاقت نہیں تھی میں نے آنکھوں کے اشارے سے اسے تسلی دی اور ہاتھ اٹھا کے اسے اپنی خوشنودی کا یقین دلایا۔

دوپہر کو پھر اس سنتری نے کنکر مار کے مجھے غفلت سے بیدار کیا اور معذرت خواہانہ انداز میں خبر دی کہ کل رات دو انگریز اور مارے گئے ہیں وہ کہہ رہا تھا۔" اب دیکھنا بہت سے گوروں کا کورٹ مارشل ہو گا کہ انہوں نے کتنے بے قصور لوگوں کو پکڑ لیا۔"

میں نے پھر ایک طرف گردن ڈال دی۔

شام کو معمول سے پہلے مجھے سیل سے نکالا گیا۔ گھسیٹنے کے بجائے مجھے دو ہندوستانی سپاہیوں نے دائیں بائیں سہارا دے کے کھڑا کیا اور میری بیساکھیاں بنے

ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا' اب کے راستہ مختلف تھا۔ کچھ دیر بعد راستہ میری سمجھ میں آگیا۔ وہ مجھے کرنل ہارڈنگ کی کوٹھی کی طرف لے جا رہے تھے۔ کوٹھی کے گیٹ پر مجھے دوسرے سپاہیوں کی تحویل میں دے دیا گیا۔ جب میں کرنل کے مخصوص کمرے میں جانے والے راستے سے گزرا تو مجھے سسکیاں سنائی دیں' پھر کسی کے بھاگنے اور پھوٹ پھوٹ کے رونے کی آواز آئی۔

کرنل کے کمرے سے تیز آوازیں آرہی تھیں' میں نے وہ آواز پہچان لی' وہ ڈینش کی آواز تھی۔ وہ کانپتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔"یقیناً اس سے آگے بھی منزلیں ہیں کرنل ! ہائی کمان اور پریوی کونسل' ہم ..... ہم اپنے ....."میری زنجیروں کی آواز اندر پہنچی تو خاموشی چھا گئی۔

سنتری دروازے پر ہی مجھے تنہا چھوڑ کے رخصت ہو گئے مجھ سے اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوا گیا' جب کوئی سہارا نہیں رہا تو میں دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ ڈینش کے لپکنے سے پہلے' چیخ اور آہ و زاری کرتی ہوئی ریتا ایک جانب سے اندر آئی اور میرا سر آغوش میں رکھ کے بین کرنے لگی۔" ڈیڈ ! تم وحشی ہو۔ میں بتاتی ہوں' یہ اس رات کہاں تھا۔ یہ تمام رات میرے ساتھ تھا۔ ڈیڈ !" وہ فریاد کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

"اس رات میں اس کے ساتھ تھی۔" ریتا نے چیخ کر کہا۔ "سنتے ہو ڈیڈا!"

اس نے اپنا بھیگا ہوا سرخ چہرہ میرے گالوں سے مس کر دیا اور اس کے گرم آنسو میرے منہ میں جا گرے۔ "تم نے اس کا یہ کیا حال کر دیا؟" وہ سسک کے بولی اور وحشت میں میرے سر سے اپنا سر ٹکرانے لگی۔

دنیش میرے قریب آ کے ٹھٹک گیا تھا' شاید وہ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ ادھڑا ہوا دریدہ' شکستہ آدمی موہن داس تو نہیں ہو سکتا مگر لمحوں میں اسے یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی۔ وہ مجھ پر جھپٹ پڑا اور اپنے بے داغ سفید لباس کی پروا کیے بغیر اس نے مجھے ریتا سے چھین کر اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور اٹھا کر کھینچتا ہوا کرنل کے مقابل رکھی ہوئی آرام کرسی تک لایا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور اس نے مجھے پوری طاقت سے پکڑ رکھا تھا کہ کہیں میں اس کے ہاتھ سے نکل نہ جاؤں' مضطرب ریتا نے سہارا دے کے مجھے کرسی پر بٹھایا اور رومال سے میرا چہرہ صاف کرنے لگی۔ پھر وہ الماری کی طرف دوڑی اور اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بوتل میرے منہ میں لگا دی۔ برانڈی کا ایک گھونٹ چاقو کی طرح سینہ کاٹتا ہوا اندر اتر گیا۔ جسم میں آگ لگ گئی۔ ریتا نے دوسرے گھونٹ کے لئے بوتل میرے منہ سے لگائی تو مجھے اس کی عجلت میں پھندا لگ گیا۔ دنیش نے میری پھٹی ہوئی قمیض چیر کر اتار دی' خونم خون بنیان بھی اس نے میرے جسم سے نوچ لی۔ ریتا بھاگ کر دوسرے کمرے سے بنیان اور گاؤن لے آئی اور بھیگی ہوئی تولیا سے میرے جسم اور گردن کی گرد اور خون صاف کرنے لگی۔ نیلوں اور زخموں پر تولیا کی رگڑ سے میری کراہیں کمرے میں گونجنے لگیں۔ ان دونوں نے کرسی پر ہی مجھے گاؤن پہنا دیا۔ وہ بار بار کرنل کی طرف دیکھ کے سسکتی تھی۔

کرنل اپنی نشست پر غیر متحرک بیٹھا تھا' صرف اس کی پتلیاں حرکت کرتی تھیں یا ماتھے پر شکنیں بنتی تھیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ حیرت زدہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا' پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہو کمرے سے نکل گیا۔ برانڈی کے دو گھونٹوں نے تیزی سے اثر کیا تھا۔ میرے اعصاب سنسنانے لگے اور تکلیف میں کسی قدر کمی ہو گئی۔ "موہن!" دنیش نے میرا گال تھپکتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

میں نے جواب دینے کے لئے بہ مشکل تمام اپنے لب کھولے' وہ بے تاب ہو کے مجھ سے لپٹ گیا' ریتا میری ہتھیلیاں سہلا رہی تھی اور بار بار انہیں چوم لیتی تھی۔

"اسے آرام کی ضرورت ہے۔" وہ رقت آلود لہجے میں بولی۔ "راج کمار دنیش! تم اسے میرے کمرے میں لے چلو۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔"

"نہیں' میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔" دنیش نے میرے بال درست کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے' اب کرنل کو اسے میرے سپرد کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں راج کمار دنیش!" ریتا نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "کاش میرے اختیار میں کچھ ہوتا' کاش مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ وہ اسے چھاؤنی لے آئے ہیں اور یہ مجھ سے اس قدر قریب ہے' ڈیڈی نے مجھے اس کے بارے میں ایک بات بھی نہیں بتائی۔ تمہاری طرح میں بھی اندھیرے میں رہی ورنہ میں چھاؤنی میں جا کے چیخ چیخ کے اعلان کرتی کہ اس رات موہن میرے پاس تھا' میرے ساتھ تھا۔"

"ریتا!" دنیش نے اس کے دونوں شانے پکڑ لیے۔ "موہن تمہارے لیے جو کہتا تھا' وہ کتنا سچ تھا۔ میں تمہارا بے حد ممنون ہوں' بے حد۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو راج کمار!" وہ آنسوؤں سے لبریز آواز میں بولی۔ "تم مجھ سے اس اجنبیت کا اظہار کیوں کر رہے ہو' معلوم ہوتا ہے' تمہیں موہن نے کچھ نہیں بتایا۔"

"میں جانتا ہوں' میں جانتا ہوں۔" دنیش نے بے قراری سے کہا۔

''آہ راج کمار!'' وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پڑی۔ ''میں ہندوستان شاید صرف موہن کو دریافت کرنے آئی تھی' میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اپنے گھر میں موہن کو اس حالت میں دیکھوں گی اور مجھے اس کے سامنے اس قدر ذلیل ہونا پڑے گا۔''

دنیش نے اسے اپنے سینے میں جذب کر لیا۔ ریتا نے اسے بھی چھلکا دیا۔ وہ بچوں کی طرح منہ بسورنے لگا۔ گرم گاؤن' آرام کرسی اور برانڈی سے مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ نہ جانے کس عالم میں ایک سرد آہ میرے منہ سے نکلی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ ''کیسے ہو موہن؟'' دنیش نے میرا ہاتھ جوش سے دباتے ہوئے کہا۔ میں نے بوجھل آنکھوں سے اسے دیکھا۔ میرے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ چھا گئی۔ ''مجھے کچھ معلوم نہیں تھا موہن! میں تین دن سے تمہیں ادھر ادھر تلاش کر رہا تھا' آج صبح سادھو دیو راج نے مجھے بتایا کہ یہ تمہیں چھاؤنی لے آئے ہیں' کرنل مجھے ملنے سے گریز کر رہا تھا' میں خود ہی یہاں چلا آیا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور میرا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ وہ میرے گال تھپ تھپانے لگا۔ ''ازراہ کرم ریتا!'' دنیش نے بے تابی سے کہا۔ ''تم کرنل سے ایک رسمی اجازت لے لو کہ میں موہن کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اسے جلد از جلد علاج کی ضرورت ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں' اب اس کی ضرورت نہیں' تم موہن کو لے جا سکتے ہو' میں ڈیڈی کو بھگت لوں گی لیکن۔ لیکن۔'' وہ جھجک کے بولی۔ ''کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ موہن چند دن یہیں رہے' میں بہت ناآسودہ رہوں گی۔''

''مجھے اندازہ ہے لیکن یہ وہاں زیادہ سکون محسوس کرے گا۔'' دنیش نے سوگوار شائستگی سے کہا۔ ''میں تمہیں اس کے حال سے مطلع کرتا رہوں گا۔ شہر کے حالات خراب ہیں' تمہارا پرکاش بھون میں فی الحال آنا ممکن نہیں ہو گا۔ تم اطمینان رکھو' میں تمہاری طرف سے موہن کی نگرانی کرتا رہوں گا۔''

''اور اگر میں تمہارے ساتھ چلوں؟''

''بسر و چشم مگر یہ کوئی مناسب اقدام نہیں ہو گا۔''

''ہاں۔'' وہ مایوسی سے بولی۔ ''تمہارا خیال صحیح ہے۔''

''کچھ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موہن کی روانگی سے کرنل کو مطلع کر دیا جائے۔'' دنیش نے تذبذب سے کہا۔

''بہتر ہو گا کہ ہم اس رسمی اجازت سے گریز کریں۔'' مجھ سے ڈیڈی کا انکار سننے کا حوصلہ نہیں ہے' میں اس وقت ان کے پاس جانا نہیں چاہتی۔''

''لیکن ہم اسے درگزر بھی نہیں کر سکتے۔ تم موجودہ حالات کی سنگینی اور شدت کا اندازہ کرو' ہم ہندوستانیوں کو ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا پڑتا ہے کرنل مجھ سے اپنے تعلق خاطر کی وضع داری نبھانے کے موڈ میں نہیں ہے۔ یقیناً اسے بھی کہیں جواب دینا اور اپنا دامن بچانا ہے۔''

''مگر اس نے ایک غلط آدمی کو پکڑا ہے۔'' ریتا نے بپھر کے کہا۔

''مگر وہ اس علاقے کا حاکم ہے اور اپنی زمینوں پر ہم مختار نہیں ہیں۔ موہن داس تمہارے سامنے موجود ہے۔''

''فرض کرو' اس نے انکار کر دیا تو کیا تم اپنے دوست کو یہیں' اس جہنم میں چھوڑ جاؤ گے؟'' ریتا تلخی سے بولی۔ ''کیا یہ عمل قرین مصلحت ہو گا؟''

''اس کے بعد ہم کسی اور صورت پر غور کریں گے۔'' دنیش نے مستحکم اور معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ ''موہن کے آنے سے پہلے میں کرنل سے انہی صورتوں پر بات کر رہا تھا۔''

''اور اس وقت تک موہن......'' وہ کہتے کہتے بلک پڑی۔ ''تم اسے فی الفور یہاں سے لے جاؤ راج کمار! میں کرنل ہارڈنگ سے بات کر لوں گی۔''

دنیش نے چند لمحوں تک توقف کیا' پہلے ریتا کی' پھر میری جانب دیکھا' آتش دان کے اوپر ملکہ برطانیہ' وکٹوریا کی قد آدم تصویر لگی ہوئی تھی۔ کچھ فیصلہ کر کے اس نے گردن جھٹکی اور مجھے کرسی سے اٹھا لیا۔ ریتا نے گھنٹی دبائی تو ایک باوردی ملازم چشم زدن میں حاضر ہوا اور کورنش بجا لایا' اسے دنیش کی گاڑی عقبی حصے میں لانے کا حکم صادر کر کے وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور میرے کندھے سے سر ٹکا کے بولی۔

''میں تمہاری طرف سے اچھی خبر کی منتظر رہوں گی' میری دعائیں تمہارے

ساتھ ہیں' یہ سب حالات عارضی ہیں' تم جلد ہی اچھے ہو جاؤ گے اور ریاست سے یہ گھٹائیں چھٹ جائیں گی' پھر بہت کچھ ہو گا' ہم پروگرام کے مطابق ریاست کے جنگلوں میں چلیں گیا اور شکار کھیلیں گے اور راج کمار دنیش کے ساتھ سارے ہندوستان کا دورہ کریں گے۔ وہ مجھے مختلف کمروں سے گزارتی ہوئی کوٹھی کے عقبی حصے میں لے آئی جہاں دنیش کی گاڑی تیار کھڑی تھی' اس کے ڈرائیور اور سنتری نے دروازہ کھولا اور مجھے پچھلی نشست پر ڈھیر کر دیا گیا۔ ریتا نے میری گردن کے نیچے موٹے موٹے تکیے رکھ دیے تھے۔ سنتری کو واپس جانے کا حکم دے کے اس نے میرے لبوں کا ایک بوسہ لیا' میرے گالوں سے اپنے رخسار مسلے اور دروازہ بند کردیا۔

دنیش کا ڈرائیور کن آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا ہو گا۔ دنیش اگلی نشست پر اس کے ساتھ بیٹھا تھا' چھاؤنی کے صدر دروازے پر گاڑی کوئی ایک دو منٹ کے لیے ٹھہری ہو گی مگر گیٹ عبور کرنے کے بعد پھر ٹھہر گئی۔ باہر اچانک شور مچنے لگا۔ جے نارائن' ہری اوم اور الکھ نرنجن کی گونج سے فضا مرتعش ہو گئی۔ دنیش دروازہ کھول کے باہر اتر گیا۔ پنڈتوں اور سادھوؤں نے گاڑی ہر طرف سے گھیر لی تھی۔ ان کی تعداد پندرہ سولہ سے کم نہیں ہو گی' سب سے پہلے مجھے پنڈت ایشوری لال کا چہرہ نظر آیا۔ اس نے تیزی سے دروازہ کھول کر میرے پیر چھوئے اور زور زور سے اپنا کرچھا بجایا۔ ''مہاراج' مہاراج!'' اس نے تمتمائے ہوئے انداز میں مجھے مخاطب کیا۔ ''دھنیہ ہو مہاراج۔''

ادھر سرہانے کی کھڑکی سے ایک نرم اور ناتواں ہاتھ میرے ماتھے پر دراز ہوا۔ ''بالک!'' سادھو دیوراج کی شفیق آواز پہچاننے میں مجھے دیر نہ لگی۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔ ''میں نہ کہتا تھا دیر کر رہا ہے۔ دیری سے کام بگڑ جائے گا۔''

دوسرے سادھو اور پنڈت اچک اچک کے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دنیش کو گھیر لیا تھا' دنیش ان کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ انہوں نے میری آزادی کے لئے چھاؤنی کے دروازے پر احتجاج کیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا میرے ساتھ سادھوؤں کا یہ التفات اس کی سمجھ میں یقیناً نہیں آیا ہو گا۔ خود میری سمجھ میں بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب بے تاب تھے پنڈت اشلوک پڑھ رہے تھے پھر کسی سادھو نے اپنا خاک آلود ہاتھ میرے چہرے پر مل دیا۔ کسی نے میرے پیر کا انگوٹھا پکڑا اور کئی بار دستک دینے

کے انداز میں اسے ٹھوکا۔ ''ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں' مہاراج!'' پنڈت ایشوری لال کی جوشیلی آواز ابھری۔ ''ہم آ رہے ہیں مہاراج!''

سادھو دیوراج کی آواز پر وہ سب گاڑی سے دور ہٹ گئے۔ دنیش انہیں پرنام کرتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے سراسیمہ ہو کے ایک بار میری طرف دیکھا' گھبراہٹ میں اسے شاید خیال نہیں رہا' اس کے پاؤں گڑبڑا گئے ہوں گے' گاڑی نے زور کا ایک دھچکا لیا۔ دنیش نے ناگواری سے اسے احتیاط کی تلقین کی۔ جلد ہی چھاؤنی اور شہر کے درمیان پیچیدہ پہاڑی راستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ موڑ پر موڑ آنے لگے' بریک چیختے اور پہیے کلبلاتے رہے۔ گیٹ پر سادھوؤں کی یہ تعداد دیکھ کے میرا خوابیدہ ذہن جاگنے لگا تھا۔ مجھے بے چین دیکھ کے دنیش نے میرے ہاتھ تھام لیے اور انہیں دبانا شروع کردیا۔ اس کی نگاہ میں ہزاروں سوال تھے' ہزاروں شکوے' ہزاروں حسرتیں۔ شہر کی حدود میں آ کے وہ اپنی نشست پر سیدھا بیٹھ گیا۔ گاڑی کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔ راستے میں ہمیں کئی فوجی ٹرک نظر آئے جن پر مسلح گورے سوار تھے۔ میں لیٹے لیٹے شہر کی عمارتوں کی برجیاں اور محرابیں دیکھ رہا تھا۔

پرکاش بھون میں عام دربانوں کے بجائے پولیس کے جوانوں نے دروازہ کھولا۔ وہاں بھی ہوکا عالم طاری تھا' کوئی آواز' کوئی چہکار نہیں تھی۔ جیسے ہی گاڑی رکی دنیش نے ڈرائیور سے کچھ کہا۔ اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا' اس عرصے میں راہ داری پر متعین دو بوڑھے ملازم اپنے راج کمار کی مدد کو دوڑے۔ ان سب نے مجھے گاڑی سے باہر نکالا۔ ''آپ ہٹ جایئے سرکار!'' ایک بوڑھے ملازم نے دنیش سے کہا۔ ''ہم موہن بابو کو آرام سے پہنچا دیں گے۔''

''جلدی کرو۔'' دنیش نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ دو آدمیوں نے میرے پہلوؤں میں اپنے ہاتھ ڈالے ایک بوڑھا شخص میری کمر تھامے آگے بڑھا۔ میرا احساس اس قدر ضرور جاگ چکا تھا کہ میں اپنی ہیئت کذائی پر خود سے نفرت کرسکوں۔ جی چاہتا تھا ان سب کو دھکا دے کے خود سے دور پھینک دوں' انھوں نے کیا مذاق بنا رکھا تھا لیکن جسم میں ہر سمت شگاف پڑے ہوئے تھے اور ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ٹانگوں میں جان نہیں تھی' چیخنے اور تڑپنے کا یارا بھی نہیں تھا۔ بہت زور سے چیخنے' تڑپنے اپنے آپ

کو چیرنے پھاڑنے اور یہیں بکھر جانے کا سودا سر میں سماتا تھا۔ ان کے کوڑوں' ہنٹروں' سوئیوں اور ٹھوکروں نے اتنی قوت بھی باقی نہیں رہنے دی تھی کہ آگے بڑھ کے ستون سے سر پھوڑ لوں۔ دنیش کے کمرے میں پہنچ کے میرے مساموں سے درد پھوٹنے لگا جیسے درد کا منہ کھل گیا ہو' اس وقت تک میں اپنے ذہن کے ساتھ رہا جب ملازموں نے مجھے دنیش کی خواب گاہ سے ملحق بستر پر ڈالا' اس کے بعد چہار سو رات چھا گئی' میں کسی گہرے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

پھر کسی وقت مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی میری کھال میں تنکے چبھو رہا ہے' کوئی بہت دور سے مجھے پکار رہا ہے اور کانوں میں شور ٹھونس رہا ہے۔ دماغ کی خالی نسوں میں مختلف قسم کی آوازیں اور بوئیں ایسی تیزی سے اندر داخل ہوئیں کہ میں بے اختیار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ کسی نے میرے ہاتھ پکڑ لیے' کسی نے پیر گرفت میں لیے میں نے اضطراری حالت میں آنکھیں کھول کے دیکھا تو سامنے دھند ہی دھند نظر آئی' چہرے صاف پہچانے نہیں گئے لیکن آنکھوں سے یہ دھند ہٹی اور ذہن کا جالا صاف ہوا تو مجھے قرار آیا۔ میں قبر میں نہیں تھا۔ میرے اردگرد سفید پوش نرسیں مضطرب کھڑی تھیں اور ڈاکٹر مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی چمکیلی نظریں میرے رگ و پے میں پیوست ہوئی جا رہی تھیں' وہ اچانک سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے نرسوں کو اشارہ کیا۔ ایک نرس تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔ دوسری ایک گلاس لیے میرے سرہانے آئی اور اس نے میرے خشک حلق میں تیز قسم کی دوا انڈیل دی۔ تھوڑی دیر میں دنیش لپکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ڈاکٹر نے اسے راستے میں روک لیا۔ ''راج کمار!'' اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ''اس کی نیند ٹوٹ گئی ہے۔''

''اوہ ڈاکٹر! ڈاکٹر!'' دنیش مسرت اور جوش سے بولا اور میری طرف آنے کے لیے دوڑا۔

ڈاکٹر نے اس کا کاندھا پکڑ لیا۔ ''آپ اسے بس دیکھیں۔'' وہ تنبیہی آواز میں بولا۔

دنیش نے بے چینی سے گردن ہلائی اور ڈاکٹر کی بات سنی ان سنی کرتا ہوا پھری مسہری پر جھک گیا۔ ''موہن! موہن!'' وہ میرے ماتھے کا بوسہ لیتا ہوا بولا۔ ''تم

نے اب کے ساری نیندوں کی کسر نکال لی' اف تم نے کتنا ستایا۔ تم دو دن سے مسلسل سو رہے ہو۔ اب تم کیسے ہو؟ ہاں' اب تم بالکل ٹھیک ہو۔''

میں نے اپنی توانائیاں سمیٹنے کی کوشش کی اور ہاتھ اٹھا کے دنیش کے بال پکڑنے چاہے یہ دیکھ کے مجھ میں سنسنی ہونے لگی کہ اب میں اپنے اعضا کو جنبش دے سکتا تھا اور اسی وقت مجھے یہ پتہ چلا کہ میرے جسم کا بیشتر حصہ پٹیوں میں جکڑا ہوا ہے ''بس کچھ اور انتظار کی زحمت ہو گی۔'' ڈاکٹر نے دنیش کی کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بعد آپ دونوں دنیا کے ہر مسئلے پر بے تکان بات کر سکیں گے۔''

''دیکھو۔ دیکھو ڈاکٹر! وہ کچھ بولنا چاہتا ہے۔'' دنیش نے ڈاکٹر کی توجہ میرے ہونٹوں کی طرف مبذول کرنی چاہی اور اپنے کان میرے ہونٹوں سے مس کر دیے۔ ''اوہ۔ اوہ موہن!'' وہ مچل کے بولا۔ ''میں سن رہا ہوں۔ سن رہا ہوں تم اب بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے موہن! تم اب بھی ہم سب سے زیادہ توانا ہو۔''

ڈاکٹر نے اسے میرے پاس سے کھینچ لیا اور نرس نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے مجھے چادر اڑھا دی۔ شام تک میں ڈاکٹر اور نرسوں کے درمیان کمرے میں اکیلا رہا۔ وہ میرے کولھوں اور کلائیوں میں انجکشن لگاتی اور حلق میں دوائیں ٹپکاتی رہیں' شام کو ڈاکٹر نے ایک نیا تماشا شروع کیا۔ پہلے ڈالی کمرے میں آئی' اس کے ساتھ ترنم بھی تھی' دونوں کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے' آنکھیں ویران اور زلفیں پریشان تھیں۔ غالباً ڈاکٹر نے انہیں سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ مجھ سے باتیں کرنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ انہوں نے اپنے عہد کا پورا پاس کیا' حسرت و یاس سے میری طرف نظریں کیے خاموش کھڑی رہیں۔ آنسو پہلے ہی کہیں بہا کے آئی ہوں گی۔ پھر ڈالی سے برداشت نہیں ہوا' وہ منہ پھیر کے کھڑی ہو گئی اور بلکنے لگی۔ نرس اسے پکڑ کے دور لے گئی' دروازے پر وہ بپھر گئی' نرس کا حلقہ توڑ کے بے تحاشا میرے جسم پر الڈ پڑی۔ ترنم کسی بت کی طرح بے جان کھڑی تھی اگر دنیش چندر نہ آتا تو ڈالی اسی طرح سسکتی اور تڑپتی رہتی۔ ''ہماری خطائیں معاف کر دیجیے راج کمار!'' وہ ہاتھ جوڑ کے بولی۔ ''ہمیں یہاں سے دھکے دے کے نکال دیجیے یا ہمیں ایک دن گولی مار دیجیے۔'' ڈالی دنیش کے قدموں پر سر پٹخنے لگی۔

"ہمیں بھی اپنے ساتھ لیتی چلو۔ کیا ہمیں اکیلا چھوڑ جاؤ گی؟"

"آپ ہمارا کیوں مذاق اڑاتے ہیں راج کمار!" وہ تڑپ کر بولی۔

ترنم نے ڈالی کو دنیش کے قدموں سے اٹھانے کی کوشش کی۔ "رہنے دیجیے ترنم! اسے کہنے دیجیے۔" دنیش نے شکست خوردہ لہجے میں کہا' میرے ہاتھ میں پستول ہوتا تو میں بستر سے لیٹے لیٹے ڈالی کو نشانہ بناتا۔ وہ بدزبان دنیش چندر سے نہ جانے کیا کیا کہتی رہی' دنیش خاموشی سے سنتا رہا' آخر وہ خود ہی تھک گئی یا دنیش کی خاموشی سے پشیمان ہو گئی جیسے اسے کچھ ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ کر پاگلوں کی طرح ناچتی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

ڈالی اور ترنم کے جانے کے بعد مہارانی مایا دیوی' سریش اور بھون کے چند سرکردہ ملازم مجھے دیکھنے آئے اور تسلی کے دو لفظ کہہ کے رخصت ہو گئے پھر پارو اپنی خزاں کا جلوہ دکھانے اور میرے زخموں کے جشن کا نظارہ کرنے آئی۔ وہ شاید اپنا روایتی وقار بھول گئی تھی' ڈاکٹر اور نرسوں کی موجودگی میں بہکنے لگی۔ آج اس نے اپنے لباس پر بھی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اپنی جامہ زیبی اور خوش پوشی کے لیے سارے راجے پور میں مشہور تھی اور اسے خود پر قابو رکھنے میں ملکہ حاصل تھا۔ میرے رو بہ رو آ کے اس کے ہونٹ لرزنے اور بدن کانپنے لگا۔ آئینے پر گرد جم گئی تھی۔ میں نے ایک خفیف مسکراہٹ سے اسے دیکھا تو وہ جھنجھنا سی گئی جیسے اس کے بدن کے تاروں پر کسی نے خنجر چلا دیا ہو۔ اس کی نگاہوں میں اتنی بے ہنگم باتیں' اتنے رنگ برنگے جذبے چھپے ہوئے تھے کہ مجھ میں اسے دیکھنے کی تاب نہ رہی' پانچ چھ دن میں اس کا کیا حال ہو گیا تھا۔ آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں' چہرے کی سرخی کوئی اڑا کے لے گیا تھا' مجھ سے یہ سب کچھ نہیں دیکھا گیا۔ میں نے بے چارگی سے نظریں جھکا لیں۔ نہ جانے وہ کب تک اسی طرح سنسان کھڑی رہی اور کب چلی گئی۔

میری آنکھ دوبارہ لگ گئی تھی کہ کمرے میں اچانک چیخ و پکار ہونے لگی۔ سندھیا اندر گھس آئی تھی۔ نرسیں اسے معذرت خواہانہ لہجے میں دھیمی آواز میں بات کرنے کی تلقین کر رہی تھیں۔ وہ کسی صورت نہیں مانتی تھی اور مجھے دیکھنے پر مصر تھی۔ میں نے پوری طاقت صرف کر کے اس کا نام لینے کی کوشش کی' کراہوں میں لپٹی ہوئی

سندھیا کے نام کی یہ صدا کمرے میں گونجی تو نرسوں نے اچانک پلٹ کر میری جانب دیکھا اور سندھیا نے ایک ہی جست میں میری مسہری پر آ کے دم لیا اور میری آنکھوں میں دزدیدگی سے جھانکنے لگی' اس نے ایک ہی جھٹکے میں میرے جسم سے چادر کھینچ لی اور دہشت میں ایک سسکاری بھر کے پیچھے ہٹ گئی۔ "یہ کیا ہو گیا موہن؟" اس کی خوف زدہ آواز ابھری۔ میں نے اپنے ہونٹ سکیڑ لیے وہ گم سم ہو گئی پھر لرزیدہ آواز میں نرسوں سے پوچھنے لگی۔ "اسے کیا ہو گیا؟"

"اب یہ بالکل خیریت سے ہیں۔" نرس نے ناگوار نرمی سے جواب دیا۔

"تم کہاں تھے موہن اور اپنا یہ کیا حال کر کے لائے ہو؟" وہ آہستہ آہستہ دوبارہ میرے نزدیک آئی اور مسہری پر بیٹھ گئی۔ "تم بولتے کیوں نہیں؟"

"سندھیا جی!" نرس نے دخل دیا۔ "انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے' ان سے بات کرنے کی کوشش نہ کیجیے' ڈاکٹر کی سخت ہدایت ہے۔ آپ کو معلوم ہے' راج کمار نے دو دن سے بھون کے کسی فرد کو یہاں آنے کی اجازت نہیں دی ہے' آج شام جب یہ ہوش میں آئے تو اس شرط پر لوگوں کو اندر آنے دیا گیا کہ وہ صرف انہیں دیکھ کے چلے جائیں گے۔ گھبرایئے نہیں۔ تمام تر توجہ سے ان کا علاج ہو رہا ہے اور ان کی جلد صحت یابی کے لیے ضروری ہے کہ آپ انہیں پریشان نہ کریں' زیادہ سے زیادہ آرام کرنے دیں۔" ادھیڑ عمر نرس نے شفقت کے انداز میں سندھیا کو سمجھایا۔

"مگر تمہی مجھے بتاؤ کہ یہ کہاں سے آ رہا ہے؟ اس کے جسم پر یہ پٹیاں کیسی بندھی ہوئی ہیں' یہ بولتا کیوں نہیں؟" وہ ایک ہی سانس میں بولی۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم' جب ہمیں راج کمار نے طلب کیا تو یہ بے ہوش تھے اور ان کے سارے جسم پر نیل پڑے ہوئے تھے۔ کھرونچے' شگاف کئی جگہ سے کھال ادھڑی ہوئی تھی۔" نرس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کے بولی اور غور سے میرا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر وہ نرسوں کی پروا کیے بغیر وحشیانہ انداز میں میرے ہاتھ پاؤں ٹٹولنے لگی۔ تکلیف سے میری سسکیاں نکل گئیں۔ اس نے فوراً اپنے ہاتھ اٹھا لیے اور خفت سے میرے سرہانے بیٹھ گئی۔ "موہن!" اس نے آہستہ سے مجھے مخاطب کیا۔ "مجھے بتاؤ' وہ کون

لوگ تھے؟ میرے کان میں کہہ دو۔" جھکتے وقت اس کے بال میرے چہرے پر بکھر گئے اور ان کی سوندھی خوشبو دماغ کو معطر کر گئی۔ اس کی بکھری ہوئی زلفوں سے مجھے ایسا سکون ملا کہ اگر میری حالت ذرا بھی درست ہوتی تو میں انہیں کاٹ کے ہمیشہ کے لیے اپنے چہرے پر رکھ لیتا۔ "سنو' میرے کان میں کہہ دو۔" وہ سرگوشی میں بولی۔ "میں اب ہمیشہ اپنے پاس پستول رکھتی ہوں' کس سے بدلہ لینا ہے؟ بس تم مجھے اس وحشی کا نام بتا دو۔ بتا دو نا۔" وہ تلملا کے بولی۔

"سندھیا!" میں نے سرد آہوں کے درمیان اس کا نام لیا۔

نرسوں نے باہر جاکے دنیش چندر کو خبر کر دی تھی کہ سندھیا مجھے تنگ کر رہی ہے۔ دنیش نے آکے اسے میرے سرھانے سے اٹھالیا۔ وہ گنگ سی ہو گئی۔ "چلو۔ باہر چلو۔" دنیش اس کی پشت پر ہاتھ رکھے ہوئے اسے باہر لے گیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ دو ایک روشنیوں کے سوا باقی تمام روشنیاں بجھا دی گئیں۔ سب آئے مگر وہ نہیں آئی۔ شاردا نہیں آئی' میری آنکھیں اسے دیکھنے کے لیے جل رہی تھیں' ہر آہٹ پر گمان ہوتا تھا کہ اس بار وہی ہو گی۔ نرسوں نے خواب آور سوئی لگا کے مجھے مقفل کرنا چاہا مگر شاردا کا خیال دیر تک ذہن و دل کے دروازے کھلے رکھنے کے لیے دواؤں سے نبرآزما رہا۔ رات گئے تک میری آنکھیں آہٹوں پر لگی رہیں' دروازہ کئی بار کھلا' کئی بار بند ہوا۔ دو مرتبہ دنیش اندر آیا۔ فون کی گھنٹیاں بجیں۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا مگر وہ نہیں آئی۔

دوسرے دن صبح میری حالت نسبتاً بہتر ہو گئی تھی لیکن آنے جانے والوں پر ڈاکٹر سے زیادہ دنیش کی پابندی قائم رہی۔ شام کو کچھ لوگ دیکھنے آئے اور خاموشی سے میری بے بسی کا منظر دیکھ کے چلے گئے۔ میں دن بھر اس کا انتظار کرتا رہا۔ ایک رات اور گزر گئی۔ زخم بھرنے لگے' جسم میں کچھ طاقت آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

لیٹے لیٹے طبیعت اکتا گئی تھی۔ چوتھے دن ڈاکٹر نے کچھ پٹیاں کم کر دیں' میں اب اٹھ بیٹھ سکتا تھا اور نقاہت سے آہستہ آہستہ بات کر سکتا تھا۔ چار دن تک ڈاکٹر اور نرسیں چھاؤنی کے سنتریوں کی طرح صبح و شام میرے سامنے موجود رہیں' ان کی ڈیوٹیاں بھی انھی کی مانند بدلتی رہیں۔ آدمی ہمیشہ سنتریوں کے درمیان رہتا ہے' کبھی ان کے جسموں پر وردی ہوتی ہے کبھی وہ بے وردی ہوتے ہیں' اعزا' دوست اور متعلقین دوسری

قسم کے سنتری ہیں۔ بس تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے' ایک مقفل زنداں ہے' ایک کھلا زنداں جہاں آدمی اپنی مرضی کے بغیر پابند رہتا ہے' یہاں کی زنجیریں دوسری ہوتی ہیں' مجبوریاں پابند رکھتی ہیں۔ ایک حقیقت ہے' ایک سراب۔ زنداں اور سنتری دونوں جگہ ہیں۔

دنیش بار بار آکے میرا حال پوچھ جاتا تھا۔ میں باہر کی دنیا کے حال سے بالکل بے خبر تھا' جب ذرا طبیعت سنبھلنے لگی اور خون کی گردش میں تواتر ہوا' مجھے اپنے افسانے یاد آنے لگے' بیرونی زخم بھرے تو اندرونی زخم رسنے لگے' جیسے جیسے باہر کی فضا میں سکون اور لطافت کا احساس ہوتا گیا' اندر کی فضا پراگندہ اور مکدر ہوتی گئی۔ ڈاکٹر ملہوترا نے مجھے دوبارہ زندگی دی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں مجھ جیسا برداشت اور تحمل کا آدمی نہیں دیکھا۔ اصولاً مجھے ان زخموں سے کبھی کا خاموش ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ نیک شخص میری سدھری ہوئی حالت دیکھ کے منکسر لہجے میں کہتا تھا' سارا کریڈٹ تمھیں جاتا ہے کہ تم نے جینے کا حوصلہ برقرار رکھا۔ یہ حوصلہ نہ ہو تو کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر ملہوترا کو میرے بارے میں بڑی غلط فہمی تھی' زندگی کا یہ حوصلہ میری بے غیرتی اور بے حسی کی دلیل تھا اور ڈاکٹر کو کیا معلوم تھا کہ میں کتنی بار مر چکا ہوں۔ یہ جسم ضربوں' زہروں' کوڑوں اور گولیوں کا عادی ہو چکا ہے اور میرے مہرباں کیسے کیسے ہیں۔ ایک غزالہ آتی ہے اور اپنی سنہری معطر زلفیں میرے چہرے پر بکھرا کے مجھے زندہ رہنے کی تلقین کر جاتی ہے' مجھے زنجیر پہنا جاتی ہے' کبھی کوئی پنڈت راستہ بدل کے ادھر ملتفت ہو جاتا ہے اور سبز پتوں پر ٹونے ٹوٹکے کر کے زندگی کی گرہ مضبوط کر جاتا ہے' کبھی ایک نحیف سادھو جنگلوں اور پہاڑوں سے کرشمہ کار خاک لا کے میرے زخموں میں بھر دیتا ہے اور جسم لمحوں میں استوار ہو جاتا ہے۔ کبھی ایک پراسرار سایہ نمودار ہوتا ہے اور مجھے دائیں بائیں چلنے والے نشتروں سے خبردار کر جاتا ہے۔ مجھے طاقت بخشنے اور زہر بے اثر کرنے کی بوٹی عطا کر جاتا ہے۔ گولیاں چھچلتی ہوئی گزر جاتی ہیں۔

ہر زندگی حادثہ ہے اور خصوصاً میری زندگی تو مقروض زندگی ہے' قرض خواہ کو کسی دن طیش آ جائے گا یا پھر مجھے اس کے تقاضوں سے غیرت آ جائے گی۔ سفارش پر

کب تک کام چلتا رہے گا۔ یہ حیلے بہانے ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ میرے دعوے داروں کی نظر کسی دن چوک جائے گی۔ یہ کھیل کب تک جاری رہے گا۔ ڈاکٹر ملہوترا میرا نفسیاتی تجزیہ کر رہا تھا کہ یقیناً میرے سامنے زندگی کا کوئی بہت بڑا مقصد موجود ہے۔ مقصد ارادہ ہے' زندہ رہنے کا ارادہ' میں نے اس کی تردید نہیں کی۔ اس بحث کا کوئی حاصل نہیں تھا لیکن مجھے بہت ہنسی آئی۔ ہر آنسو کے لئے بہنا اور ہر مسکراہٹ کے لیے سجنا لازم نہیں۔ کتنے آنسو اور مسکراہٹیں ہیں جو آدمی خود ہی دیکھتا ہے' دوسروں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتا۔

کمرے سے باہر کی دنیا کے متعلق مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ پانچویں رات دنیش چندر دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ میں نے پہلی بار باہر کے حالات جاننے کے لیے اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ اب مجھ سے بہت کم بات کرتا تھا۔ ہوں ہاں کر کے ٹالتا رہا' اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ باہر اب سکون ہی سکون ہے۔ ریاست میں چین کی بنسی بج رہی ہے۔ جگ دیپ نے بھی توبہ کرلی ہے اور انگریز بھی سہم کر چپ ہو گئے ہیں۔ میری بے ہوشی کے دوران میں دنیا گل گلزار بن گئی ہے۔ اب راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ ڈالی' ترنم' پارو' سندھیا' بھون کے ملازم' نرسیں اور ڈاکٹر سب دنیش کے ہم نوا تھے۔ دنیش نے شاید سب کو سختی سے حکم دے دیا تھا کہ وہ میرے سامنے پرکاش بھون اور شہر کی کسی کشمکش کا ذکر نہ کریں' پہلے دن کے تجربے کے بعد سے میرے پرسان حال کی کڑی نگرانی کی جارہی تھی کسی نے دوبارہ آنسو بہانے کی جرات نہیں کی' وہ اپنے چہروں پر غازہ مل کے آتے تھے اور سمجھتے تھے کہ میں درد و کرب کی لکیریں آسانی سے نہیں دیکھ سکتا۔ دنیش کی الجھی ہوئی گفتگو' پارو کا وحشت انگیز اظہار مسرت' سندھیا کی ناقابل یقین خاموشی' ڈالی کی گریزاں آسودگی' وہ سب متحد ہو کے مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے' جیسے میں سچ پڑھنے کی صلاحیت کھو چکا ہوں۔ وہ مجھے نشتر لگا کے چلے جاتے تھے' درد کا درماں کرنے آتے تھے' درد سوا کرجاتے تھے۔ کیا میں نے پہلے دنیش کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ کیا میں نے بہت قریب سے پارو کے بدن کی سیر نہیں کی تھی۔ میں ان چہروں کا سیاح تھا۔ جسم میں ناتوانی تھی لیکن اس سے ماضی کی یادوں میں ناتوانی کہاں پیدا ہوتی ہے۔ اس

ناتوانی میں تو ماضی کچھ اور شدت سے ابھر آتا ہے۔

میں اندر بیٹھ کے دیواروں کے پار کا نقشہ دیکھ سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دنیش کے ملاقاتی کمرے میں آنے جانے والوں کی خاصی کمی ہوگئی ہے یا دنیش نے میری وجہ سے کسی اور ایوان میں دربار لگانا شروع کر دیا ہے۔ یہ عام دن ہوتے تو دنیش بیشتر وقت میرے پاس بیٹھا رہتا اور ملاقاتی کمرے سے بھانت بھانت کی آوازیں آتیں لیکن دنیش نہایت عجلت میں آتا تھا۔ چھٹے دن مجھے کمرے میں چلنے پھرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ پنڈلیوں اور بازوؤں پر صرف چند پٹیاں رہ گئی تھیں۔ نرسیں بھی کچھ بے پروا سی ہوگئی تھیں۔ میں نے بستر سے اترنے کے بعد پہلی ہی بار کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کیا مگر نرسیں شدت سے مزاحم ہوگئیں جب کوئی صورت نہ بنی تو میں نے ایک نرس سے عاجزانہ درخواست کی کہ وہ مجھے شاردا کے حال سے مطلع کرے۔ اس کے ذکر پر سب کترانے لگتے تھے۔ میں کھلے عام سب کے سامنے اس کا حال جاننے کی شدید خواہش کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا' ان کا بیان تھا کہ وہ ٹھیک ہے لیکن اگر وہ ٹھیک تھی تو اب تک اس نے اس طرف کا رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ ذہن میں بے شمار اندیشے سرایت کر گئے تھے۔

میں اس رات ساری رات جاگتا رہا' رات کو نرس نے خواب آور انجیکشن لگانے کا قصد کیا تو میں نے انکار کر دیا اور کن انکھیوں سے ان کے سو جانے کا منتظر رہا' میری خوابیدگی سے مطمئن ہو کے وہ بھی سو گئیں۔ جب وہ سو گئیں تو میں چپکے سے بستر سے اٹھا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک پہنچا۔ ویسے بھی فرش پر بچھے ہوئے قالین پر آواز پیدا ہونے کا خطرہ نہیں تھا۔ چادر ہاتھ میں دبا کے میں نے چٹخنی کھولی۔ ملاقاتی کمرے میں پراسرار سکوت چھایا ہوا تھا۔ دنیش کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ احتیاطاً میں نے وہاں جھانک لینا مناسب سمجھا۔ اندر کوئی نہیں تھا' کچھ خیال کر کے میں اندر چلا گیا اور خفیہ جگہ سے سیف کی چابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دنیش نے پہلے ہی ہر اہم جگہ کی نشان دہی کر دی تھی۔ جن دیواروں میں اسلحہ کی الماریاں نصب تھیں' وہاں کوئی نکتہ رس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے نہایت تیزی سے الماری دیوار سے برآمد کرلی' وہاں ایسی کئی الماریاں نصب تھیں مگر بظاہر دیواریں تھی۔ وہ گہری الماری

قدیم و جدید پستولوں، ریوالوروں، رائفلوں اور بندوقوں سے بھری ہوئی تھی، ایسے ایسے نادر ہتھیار بے کار پڑے تھے۔ ان میں سے دو ریوالور میری نظر کو بھا گئے۔ وہ سامنے ہی رکھے تھے، برطانیہ کے بنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں لوڈ کر کے ممکنہ عجلت سے گاؤن کی جیب میں ڈال لیا، الماری پھر دیوار کے اندر چھپ گئی۔ مہاراجہ پرکاش چندر کے پرکھے کی تصویر نے سب کچھ ڈھانپ لیا۔ چلتے چلتے میں نے دنیش کی مسہری کے سرہانے نصب شدہ سیف بھی احتیاطاً دیکھ لینا مناسب سمجھا۔ میرا اندازہ صحیح تھا، سیف بند تھا اور اس کی چابیاں یقیناً دنیش کے پاس ہوں گی۔ اس سیف میں فوری ضرورت کے لیے نقدی اور اسلحہ موجود رہتا تھا مگر اس کی چابیاں عام آدمی استعمال نہیں کر سکتا تھا، مہاراجہ پرکاش چندر نے انہیں بنوانے کے لیے خاص اہتمام کیا تھا۔ یہ سارا تکنیکی کام کسی ایک کاریگر نے نہیں کیا ہو گا۔ دیواروں میں ہر طرف راز پنہاں تھے۔ اندھیرے تہہ خانے کی دہشت ناکی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی بھٹناگر کی لاش اب تو گل سڑ کے برابر ہو گئی ہو گی یا کنویں کا پانی اندر کسی اور راستے سے اسے کہیں کا کہیں لے گیا ہو گا۔ بھٹناگر ہی کیا، نہ جانے کتنے بھٹناگر وہاں موجود ہوں گے۔ تہہ خانے کی طرف جانے والے راستے کے حصے پر نظر پڑتے ہی ایک لمحے کے لیے میرے پیروں میں لرزش ضرور آ جاتی تھی۔ میں نے عام راستے سے راہ داری میں جانے کے بجائے اپنا پرانا راستہ اختیار کیا۔ ممکن ہے، دنیش نے حفاظتی اقدام کے تحت اپنے خاص کمرے کے باہر دربان تعینات کر دیے ہوں، کوئی دس دن بعد میں بھون کے کھلے میدان میں موجود تھا۔ ہر چیز نئی نئی معلوم ہو رہی تھی، ہوا بند تھی اور تیز روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ بھون میں ادھر ادھر ایستادہ سفید مجسموں پر کمزور چاندی ٹھٹھر رہی تھی۔

میں نے اندھیرے کی آڑ میں چہار اطراف نظریں دوڑائیں۔ دور دور تک کوئی ذی نفس موجود نہیں تھا۔ کوارٹروں پر مردنی کے آثار غالب تھے جیسے سب کہیں اٹھ کے چلے گئے ہوں۔ بھون میں سنگین سے سنگین وقت میں بھی ایسا ہول نہیں چھایا تھا۔ میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن کسی نہ کسی طرح میں اندھیرے میں لپکتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ مجھے بھاری جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ ساتھ ہی ٹارچ کی تیز روشنی دیواروں اور درختوں پر لرزنے لگی۔ ''ہالٹ۔'' ایک زبردست فوجی گونج سنائی دی۔

میں جہاں تھا، وہیں زمین پر دراز ہو گیا اور زمین پر رینگتا ہوا دم سادھے ایک نسبتاً محفوظ جگہ چھپ گیا پھر جیسے ہی جوتوں کی آواز دور ہوئی، میں اٹھ کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ ڈاکٹر کا خیال صحیح تھا۔ مجھے ابھی اس بستر سے نہیں اٹھنا چاہیے تھا، لمحوں میں میری سانس پھول گئی اور زخموں کے منہ پھر کھل گئے۔ میں اتنی دور آ گیا تھا کہ واپسی پر جی آمادہ نہیں تھا۔ آخر لشتم پشتم ادھر ادھر سونگھتا ہوا اپنی منزل پر پہنچ ہی گیا۔ وہاں کھڑکی بند تھی۔ پوری عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف بیرونی قمقمہ روشن تھا۔ میں نے لڑکھڑاتے ہوئے کبھی بیٹھ کے، کبھی جھک کے آخر وہ دروازہ جا لیا جہاں میری سانس اٹکی ہوئی تھی۔ ریوالور میرے ہاتھ میں تھا۔ عمارت بے اماں تھی۔ یہ دیکھ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ آہستہ آہستہ میں نے دروازے پر دستک دی، گھنٹی بجائی، یہاں کوئی ایک کمرہ نہیں تھا، یہ ایک چھوٹا سا محل تھا۔ کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں عقبی حصے کی طرف دوڑا جو بھون کی دوسری عمارتوں سے مل جاتا تھا۔ وہاں پر بھی فضا پر بے حسی مسلط تھی۔ میں نے دروازوں سے کان لگا کے سن گن لینے کی کوشش کی۔ خیال تھا، دنیش چندر جب اپنی خواب گاہ میں موجود نہیں ہے تو یہاں ضرور ہو گا۔ اس کے سوا وہ اس نازک وقت میں اور کہاں جا سکتا تھا اور مجھے چھوڑ کے؟ شاردا کی حالت بہتر نہیں تھی کسی نہ کسی کو تو اس کی نگہبانی کے لیے جاگنا چاہیے تھا۔ شاردا کی حالت بہتر ہوتی تو وہ مجھ سے اس قدر ناراض نہیں ہو سکتی تھی۔ یہاں ہر سمت ویرانی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اندھیرا اور گہرا نظر آنے لگا۔ دماغ میں چمگادڑیں اڑنے لگیں پہلے ہی سانس اکھڑ گئی تھی، اب دم بھی گھٹنے لگا۔ میں نے واپسی کا ارادہ کیا مگر دو قدم بھی نہیں چلا گیا۔ میرے ہی جسم نے مجھے ستانا شروع کر دیا۔ دیواریں ہلنے لگیں۔ میں اس کے دروازے سے ٹیک لگا کے بے سدھ بیٹھ گیا، پولیس کے دستے اس طرف سے گزرتے رہے مگر میری آہٹ نہ پا سکے، آہٹ کے لیے حرکت لازم ہے اور حرکت کے لیے امید۔

میرا سر اس کی چوکھٹ پر لڑھکا ہوا تھا اور باقی جسم زمین پر بے ترتیب پھیلا پڑا تھا۔ دفعتاً ایک مضبوط ہاتھ نے میرا کندھا اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں سمجھا دست اجل ہے لیکن دوسرے ہی لمحے یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ دنیش چندر میرا کندھا پکڑے

ہوئے آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا۔ ''اٹھو'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا اور مجھے سہارا دے کے اٹھانے لگا۔ زمین نے مجھے اپنی طرف کچھ اور کھینچ لیا دنیش سے اٹھایا نہیں گیا۔

''چلو۔ وہ یہاں نہیں ہے۔'' اس نے سرد آہ بھر کے کہا۔ میں نے تحیر اور خوف سے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم اس طرح کیوں اٹھ کے آ گئے؟'' وہ ترشی سے بولا۔ میں اسے گھورتا رہا۔ ''آؤ۔ اٹھو۔'' اس نے نرمی سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

''مجھے سچ سچ بتاؤ' وہ کہاں ہے اور کیسی ہے؟'' میں نے تند و تیز لہجے میں پوچھا۔'' مجھے یہ خیال بھی نہیں رہا کہ میں اسے کس انداز میں مخاطب کر رہا ہوں ''آؤ۔'' اس نے میرے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ اس کا کیا حال ہے؟ مجھ سے چھپا کیوں رہے ہو' صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔ بتاؤ۔'' میں نے اونچی آواز میں کہا۔

''وہ ٹھیک ہے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مگر وہ ہے کہاں؟ وہ ٹھیک ہے تو مجھے دیکھنے کیوں نہیں آئی؟ ضرور کوئی ایسی بات ہے جو مجھ سے چھپائی جا رہی ہے۔''

''موہن! موہن!'' وہ ہذیانی انداز میں بولا۔ ''تم ضد کیوں کر رہے ہو وہ مری نہیں ہے' ابھی زندہ ہے' یقین کرو ابھی زندہ ہے۔''

اس کے لہجے سے مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں دزدیدگی سے اس کا چہرہ تکنے لگا۔ اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات صاف نظر نہ آ سکے۔ ''وہ مر نہیں سکتی' مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑنا چاہتا ہوں' مجھے اس سے معافی مانگنے کا ایک موقع فراہم کر دو۔ وہ ناراض ہو گئی ہے۔'' میں نے فریاد کی وہ چند لمحے خاموش رہا پھر آہستگی سے بولا۔ ''موہن! سمجھنے کی کوشش کرو' کیا تم اس کے پاس ایسی حالت میں جاؤ گے؟ اس بیماری میں تمہیں دیکھ کے اس پر کیا کچھ نہ گزر جائے گی۔ تم نہیں مانتے تو سنو۔'' وہ جھنجلا کے بولا۔ ''وہ بستر سے لگ گئی ہے' کوئی علاج کارگر نہیں ہو رہا ہے۔ تم ہوتے تو شاید وہ ٹھیک ہو جاتی مگر تم اپنے عذاب میں مبتلا تھے' میں اس حالت میں اس کے سامنے نہیں لے جا سکتا تھا اور نہ اس کی شکل تمہیں دکھا سکتا تھا۔ اس رات سے اب تک اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا ہے۔

آنکھیں کھولتی ہے تو پاگلوں کی طرح چہرے گھورتی رہتی ہے' نہ کسی سے بات کرتی ہے' نہ کسی کی بات سنتی ہے' اتنی کمزور ہو گئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔ ریاست کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بلایا جا چکا ہے' بمبئی سے بھی ایک ڈاکٹر بلایا گیا تھا۔ وہ اسے تو اچھا نہیں کر سکا مگر تمہیں صحت یاب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔'' دنیش بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ادھر تمہاری کوئی خبر نہیں تھی جبکہ یہاں تمہاری شدید ضرورت تھی۔ بیشتر ملازم گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ بھون کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ گورے حکام اور پولیس کے افسر وقت کے تعین کے بغیر تفتیش کے لیے آ دھمکتے ہیں' مہاراجہ نے انگریزوں کو اپنی تن دہی اور سنجیدگی دکھانے کے لیے راجے پور میں خوف و ہراس پھیلا رکھا ہے' ضروریات زندگی کی چیزیں نایاب ہو گئی ہیں۔ جو ملازم رہ گئے ہیں' وہ سڑکوں پر نکلتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں انہیں گرفتار نہ کر لیا جائے۔ اب انگریز ہائی کمان کے تین اعلیٰ افسر تحقیقات کے لیے ہیڈ کوارٹر سے آئے ہیں۔ مجھے کئی بار طلب کیا جا چکا ہے۔ بھون کے ایک ایک ملازم' ایک ایک شخص کے مکمل کوائف کی توہین آمیز تفصیل طلب کی جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ریاستی پولیس اور گوروں پر جنون سوار ہو گیا ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ تم خود زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ایک لمبی داستان ہے موہن! آؤ اٹھو' چلو۔ آرام سے بستر پر لیٹ جاؤ۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہتا رہا۔

مجھے فرد جرم سنائی جا رہی تھی۔ دنیش میں اتنی شکست خوردگی' اتنا کرب اور اتنا انتشار میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک بوڑھے آدمی کی طرح رک رک کے سانس لے لے کے باتیں کر رہا تھا۔ میرا درد نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ سب کچھ سن ہو گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ دنیش نے میرا مفلوج جسم جھنجوڑ کے اٹھایا۔ مجھ سے کوئی مزاحمت نہیں ہو سکی۔ دنیش کے سینے میں آگ سلگ رہی تھی۔ ریاست میں ہر طرف آگ لگ رہی تھی اور مجھ پر برف گر رہی تھی۔ میں اس کی انگلی پکڑ کے کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ''تم چپ کیوں ہو گئے؟'' اس نے راستے میں مجھے ٹوکا۔ ''میں اسی لیے تم سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ تمہیں یہ باتیں ابھی نہیں سننی چاہیے تھیں۔'' اس نے کسی قدر مضبوط لہجے میں کہا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اسے الزامات سننے کے بعد کوئی مجرم جواب کیسے دے سکتا ہے۔ ''بہرحال' حالات ٹھیک ہو جائیں گے' مجھ سے غلطی ہو گئی' مجھے شاید تمہیں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا پھر تم اپنے زخموں کے ساتھ اتنی شقاوت تو نہ برتتے' ذرا دل کو تسلی ہوئی تھی کہ تم تیزی سے صحت یاب ہو رہے ہو' مجھے کچھ ستانے کا موقع مل جائے گا' میرا بوجھ کم ہو جائے گا مگر تم نے پھر زخموں کو پانی دے دیا۔''

''بس کیجئے۔ بس کیجئے دنیش بابو!'' میں نے اس کے جسم کے ساتھ جھولتے ہوئے کہا۔ ''اتنا کچھ مت کہیے میں' میں۔'' میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''میں اب بالکل صحت مند ہوں۔ دیکھیے بالکل ٹھیک ہوں' میں خوب دور تک کا نشانہ لے سکتا ہوں' اب آپ سو جائیے۔ آپ بہت تھک گئے ہوں گے آپ...... آپ کو میری قسم۔'' یہ کہتے کہتے میرا گلا رندھنے لگا۔

''ارے موہن!'' وہ وارفتگی سے مجھے دوبارہ میرے قدموں پر کھڑا کرتے ہوئے بولا۔ ''بس تم کچھ تھوڑا سا آرام اور کر لو۔ پیارے سے ننھے سے بچے کی طرح میرا کہنا مانو۔ جاؤ' بستر پر لیٹ جاؤ۔ تم جتنا زیادہ آرام کرو گے' مجھے اتنا ہی سکون پہنچاؤ گے۔ اتنی ہی جلد مجھے کمر ٹکانے کا موقع نصیب ہو گا۔ بس اب میں ایک بات بھی نہیں سنوں گا۔''

''دنیش بابو! میں...... میں آپ کی ہر بات مان لوں گا لیکن...... لیکن مجھے ایک بار شاردا کا چہرہ دکھا دیجئے۔ پھر آپ جو کہیں گے' میں وہی کروں گا۔''

''میں اسے اس کے محل سے منتقل کر کے اپنے قریب اسی لیے لایا تھا کہ تم اس سے آسانی کے ساتھ مل سکو گے۔ وہ اسی کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے جہاں ریتا مقیم تھی۔ یہ سب میں نے تم دونوں ہی کیلئے کیا تھا۔ کاش میں تمہیں بتا دیتا تو تمہیں اس حالت میں اتنی دور آنے کی اذیت نہ جھیلنی پڑتی۔ اس وقت نرسیں اور باندیاں جاگ رہی ہوں گی' تم اس سے کوئی بات نہیں کر سکتے اور وہ بات کرتی بھی کہاں ہے۔ اسے تو اپنا ہوش ہی نہیں ہے۔''

''میں اسے ایک نظر دیکھ کے چلا آؤں گا' اسے پریشان نہیں کروں گا۔''

دنیش کے محل میں داخل ہو کے میں نے بے اختیار اس کے ہاتھ مضبوطی سے

تھام لیے پھر ہم دونوں ہلکی چالوں سے اس حصے کے نزدیک پہنچ گئے جو خاص مہمانوں کیلئے مخصوص تھا۔ اندر جھل مل جھل مل روشنی ہو رہی تھی۔ دنیش کی ہلکی سی دستک پر دروازہ کھول دیا گیا۔ باندی کی آنکھوں سے اس وقت انتہائی حیرت ہویدا ہوئی جب اس نے دنیش چندر کے پیچھے میرا چہرہ دیکھا۔ اس پرشکوہ ایوان کے اندر ہی سے خواب گاہ کو راستہ جاتا تھا۔ غنودہ نرسوں کو باندی نے چونکا دیا۔ ''اندر کون ہے؟'' دنیش نے پوچھا۔

''مالتی سرکار!'' باندھی نے مودبانہ جواب دیا۔

''اسے باہر بلاؤ اور دیکھو وہ بے آرام نہ ہو۔'' انتظار میں میرے پیر لرزنے لگے' باندی ڈگمگاتی ہوئی مالتی کو لے کے فوراً واپس آ گئی۔ ''کیسی ہے وہ؟'' دنیش نے افسردگی سے پوچھا۔

مالتی نے گردن جھکا دی' دنیش مجھے لیے ہوئے خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ وسیع و عریض کمرے کی دائیں دیوار کے درمیان مرصع مسہری پر شاردا بے حس و حرکت پڑی تھی۔ میرا دل دہلنے لگا۔ دنیش نے قریب جا کے اسے دیکھا اور ہولے سے مجھے اشارہ کیا۔ اس ایک ہلکی سی آہٹ پر وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی اور اس نے خوف زدہ انداز میں چونک کے دروازے کی طرف رخ کر لیا۔ میں جیسے ہی اس کی بے قرار نظروں کے احاطے میں پہنچا' وہ ساکت سی ہو گئی اور پاگلوں کی طرح ٹکٹکی باندھ کے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے توقف کیا مگر لمحوں پہ لمحے گزر گئے' اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ مجھے یوں گھور رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو' اس سے زیادہ اذیت میں نے چھاؤنی میں بھی نہیں جھیلی تھی۔ دنیش نے کھنکار کے اسے متوجہ کیا اور سرگوشی میں کہا۔ ''شاردا! شاردا! موہن تمہارے سامنے ہے' یہ موت کے منہ سے بچ کے آیا ہے۔ اٹھو' بڑھ کے اس کا استقبال کرو' دیکھتی نہیں ہو' اس کا چہرہ کیسا زرد ہو گیا ہے۔''

میرے نام پر اتنا ضرور ہوا کہ اس کے بدن میں ارتعاش ہوا۔ اس نے تیزی سے پلکیں جھپکائیں اور اس کے لبوں میں حسرت آمیز لرزش ہوئی۔ تاہم اس نے پہلو نہیں بدلا' وہ اسی طرح ساکت اور منجمد رہی پھر اسے نہ جانے کیا ہوا کہ وہ ایک لمبی سانس کھینچ کے بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ ادھر سے دنیش ادھر سے میں لپکا۔ شاردا کی گردن

ڈھلک گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں' بلکہ سارے بدن سے اس کا اختیار چھن گیا تھا۔ دنیش نے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ ''شاردا! شاردا!'' وہ اسے کرب ناک آوازیں دینے لگا' مگر شاردا تو کہیں گم ہوگئی تھی۔ اس نے کوئی آواز نہیں سنی۔ ''اسے پھر دورہ پڑ گیا ہے' بس اس کا بار بار یہی حال ہو جاتا ہے' یہ چونک کے ادھر ادھر دیکھتی ہے' بڑبڑاتی ہے اور ٹھٹھر جاتی ہے۔'' دنیش نے رومال سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''کسی دن برف ہو جائے گی۔''

میں نے مسہری پر بیٹھ کے بے تابی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''شاردا! شاردا!'' میرے سینے سے آواز نکلی۔ سنا تھا' جب کوئی اس قسم کی صدا لگاتا ہے تو پتھروں میں بھی حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس قسم کی صدا کوشش سے نہیں لگائی جا سکتی' یہ خودبخود اٹھ آتی ہے۔'' میں آ گیا ہوں' کوئی اور نہیں' یہ میں ہوں موہن! آنکھیں کھولو' کھولو آنکھیں اور مجھے غور سے دیکھو ورنہ میں ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لوں گا۔ اتنی تو ناراض مت ہو شاردا!'' میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''اتنی سی بات کا برا مان گئیں؟ تم تو کہتی تھیں کہ میرے ساتھ مشقت کرو گی' جھونپڑی میں رہو گی۔'' میں نے اسے دنیش کے زانوؤں سے چھین کے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ دنیش اٹھ کے دروازہ بند کر آیا۔

میری آغوش کی گرمی سے اس میں کسی قدر حرارت پیدا ہوئی۔ ''تمہیں کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔'' میں نے اسے اپنے سینے میں جذب کر لیا۔ ''کوئی بھی' چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ تم نے غلط سمجھا شاردا! اس وقت میں بہت پریشان تھا' مجھے کچھ ہوش ہی نہیں تھا۔ اتنے بڑے امتحان میں مت ڈالو' تم تو میرا حوصلہ بنی ہوئی تھیں' تمہی روٹھ گئیں تو پھر میں کہاں کھڑا ہوں گا؟ بولو شاردا!'' میں نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔ میری پے بہ پے فریادوں کا اس پر اتنا اثر یقیناً ہوا کہ اس نے اپنی پتھریلی آنکھیں کھول کے مجھے دیکھا' میرے آنسو دیکھے اور میرا چہرہ دیکھا۔ ''شاردا! شاردا!'' میں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ''کیا تم یہ سمجھتی تھیں کہ میں تماشا دیکھتا رہوں گا اور میرے سامنے تمہاری ڈولی اٹھ جائے گی؟ راجا ہاتھی پر سوار ہو کے تمہیں لے جائے گا؟ جس وقت میں نے تمہیں اس مشورے کا اشارہ کیا تھا کہ تم راجا کی

بات قبول کر لو' اس وقت میرے ذہن میں تمہارا ہی خیال تھا' مجھے اپنی تنگ دامنی کا شدید احساس تھا' تم تو ایک پھول ہو' میری خشک زمین میں اس کے کمھلا جانے کا ڈر تھا اور مجھے بہت سی باتوں کا خیال تھا' تم نے غلط سمجھا۔ کچھ غور ہی نہیں کیا کہ میرے منہ سے ایسی بات کیوں نکلی تھی' پھر تم نے اتنی کڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ مجھ پر اس وقت کیا گزر رہی ہے۔ تم نے صرف اپنا خیال کیا۔ شکایت تو مجھے تم سے ہونی چاہیے تھی۔ تم نے خود دیکھا تھا کہ میرے کپڑے خون سے بھرے اور گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ تمہی نے تو میرا لباس تبدیل کیا تھا' میرے ہتھیار چھپا کے رکھے تھے۔ تمہی نے تو میری کہنیاں چھلی ہوئی دیکھی تھیں' تمہیں معلوم تھا کہ میں کسی اچھی جگہ سے نہیں آ رہا ہوں۔ میرا خیال رکھنے کیلئے تمہیں ہوش میں رہنا چاہیے تھا۔ اتنا اثر لے لیا اور کچھ نہیں سوچا؟ جب کہ تم تمام واقعات کی شاہد تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ میں کن بلاؤں میں گھرا ہوا ہوں۔ میں کسی بھی وقت تمہارے ساتھ فرار ہو سکتا تھا لیکن کیا دنیش کو ہم بھیڑیوں کے حوالے کر جاتے؟ تم جانتی تھیں کہ دنیش' پرکاش چندر یا مہیش چندر نہیں ہے جب تمہیں کبھی یہ خبر ملتی کہ تمہارے عزیز بھائی کی پشت میں کسی نے چھرا گھونپ دیا ہے' اس وقت تمہاری کیا حالت ہوتی اور میں نے اپنے بارے میں تو تمہیں کچھ بھی نہیں بتایا تھا کہ میں کن بے شمار مجبوریوں کے سبب فرار نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایک اچھے وقت کا انتظار ہے' کیا میں نے تمہیں بار بار یہ یقین نہیں دلایا تھا کہ وہ وقت ضرور آئے گا۔ تم نے تو بہت جلدی کر دی شاردا! بے ہوش ہو جانا' اپنے آپ سے بے خبر ہو جانا' خود کو ختم کر دینا تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ آدمی زندہ رہ کے برداشت کرے تو بات ہے۔'' میں کہتا رہا۔ اب اس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگی تھیں اور ان میں آنسو چھلکنے لگے تھے۔ میں اس کی کیفیت کا بخوبی اندازہ کر سکتا تھا۔ اس کے اندر آندھیاں چل رہی تھیں اور زلزلہ آیا ہوا تھا۔ سارا کرب سمٹ کے چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ تھرتھرانے لگی تھی۔ دنیش تذبذب اور تحیر سے میری باتیں سن رہا تھا۔ مجھے اس کی موجودگی کا اس وقت خیال آیا جب اس نے میری پشت پر ٹھوکا مارا اور اشارہ کیا کہ مجھے اپنا بیان جاری رکھنا چاہیے۔

بیان؟ اعترافات؟ اپنی محرومیوں کے اعترافات' اپنی کم مائیگیوں کے

اعترافات' اپنی تشنہ کامیوں کا اقرار' اپنی ندامتوں کا اظہار' اپنی شورشوں کا احوال'
سے نکلتا ہوا دھواں' فریاد کی لے' رات گزرتی رہی اور میں اسے اپنے نہاں خانے
جہنم کی سیر کراتا رہا۔ ''تم تو راج کماری ہی نکلیں۔'' میری آواز آنسوؤں سے بھ
گئی۔ ''تم نے تو اپنا ہی خیال کیا' ہمارے بارے میں نہیں سوچا۔ یہ دیکھو۔'' میں
ایک جھٹکے سے اپنے گاؤن کے بٹن توڑ دیئے۔ زخموں پر سرخی آئی ہوئی تھی' یہ
لکیریں دیکھ کے اس کے خوابیدہ ہونٹ بے قرار ہو گئے۔ ''شاردا مجھے خوف زدہ م
کرو۔ ابتداء میں تمہاری بات نہ ماننے کی جو لغزش ہو گئی' اس کی اتنی بڑی سزا م
دو۔ جواب دو' کیا تم اندر سے اتنی سنگ دل تھیں؟ پھر کیوں اس مشکل کام کا ارادہ
تھا؟'' میں نے اس کے بازو پکڑ کے وحشت میں اتنی زور سے ہلائے کہ وہ ٹوٹ پڑ
اور جو آنسو اس کی آنکھوں میں قید تھے' انہوں نے اپنی زنجیریں توڑ دیں اور اس
اپنے آپ کو جس مجلس میں بند کر لیا تھا اس کی دیواریں منہدم ہونے لگیں' اس کا
چھلک پڑا' آنسوؤں کا ریلا آیا تو تھمے نہ تھا۔

لفظ ایک فضول چیز ہیں۔ اصل چیز تو لہو ہے اور لوگ لہجہ اختیار کرنے
فن میں بھی طاق ہو گئے ہیں' چنانچہ اصل چیز تو وہ بجلی ہے جو لفظوں اور لہجے
تاروں پر دوڑتی ہے اور جہاں یہ تار نہیں ہوتے وہاں بھی چمک اٹھتی ہے۔ یہ بجلی
بجلی سے زیادہ تیز اور کاری ہوتی ہے۔ وہیں گرتی ہے جہاں آرزوؤں کے آشیا
بنے ہوتے ہیں۔ میری زبان نے وہ اثر نہیں کیا جو ان چنگاریوں نے کیا۔ جو میر
آنکھوں اور میرے جسم سے اٹھ رہی تھیں۔ ان سے جسے جلنا تھا' وہی جلا' پتھر میں آگ
نہیں لگتی مجھے یقین تھا کہ اس کے حبس خانے میں ایک روزن ایسا ضرور ہو گا جہاں ش
لپک پڑیں گے۔ دھوپ میں مینہ برس رہا تھا۔ وہ جل رہی تھی اور اس کی آنکھوں
آبشار جاری ہو گیا تھا۔ آدمی میں اس آبشار کی گنجائش نہ ہوتی تو آدمی بہت بنجر ہوتا۔

رات بھر دنیش یوں ہی بیٹھا رہا۔ اپنی بہن کا گریہ دیکھ کے اسے بھی تعجب
گا کہ اس میں کتنے سمندر چھپے تھے جو نظر ہی نہیں آ رہے تھے۔ صبح کے قریب اس
مجھے بیدار کیا اور ہم دونوں کو پھلوں کا رس پیش کیا۔ دنیش کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔ گلا
اس کے ہاتھوں میں لرز رہا تھا۔ میں نے سسکیوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے شاردا

رس پلایا' آدھا گلاس باقی رہ گیا تو میں نے اسے منہ میں ڈال لیا۔ شربت کا اتنا اثر
نہیں ہو گا جتنا شاردا کے ہونٹوں کا تھا۔ وہ دو آتشہ مشروب بن گیا۔ میرے جسم و جاں
میں صبح کی نرم اور لطیف ہوا کے جھونکے در آئے اور میں نے محسوس کیا جیسے میں ایک
صبح ہوں' سبک اور شاداب جیسے میرے جسم پر سر موجود نہ ہو۔

☆......☆......☆

جب ہم دونوں ملاقاتی کمرے میں پہنچے تو دن طلوع ہو رہا تھا۔ دنیش مجھے
اپنے کمرہ خاص میں لے گیا اور اس نے مجھے اپنے ساتھ ہی بستر پر دراز کر لیا۔ دیر
تک ہم دونوں کے درمیان سکوت کا پردہ حائل رہا' ایک حجاب آمیز سکوت' وہ سوچ رہا
ہو گا کہ کیا بات کرے اور کہاں سے ابتداء کرے' میں اس کے ذہن میں اٹھنے والے
بے شمار سوالوں سے آگاہ تھا۔ میں نے ہی ابتداء کی اور اسے چند گھنٹے نیند لینے کی بے
معنی تلقین کی۔ میں اٹھنے لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچ لیا۔ ''ٹھہرو موہن! ابھی
مت جاؤ۔'' وہ کسمساتے ہوئے بولا۔ ''میرے پاس رہو' میں ان دنوں بہت تنہا رہا
ہوں۔''

''جو لمحے سکون کے ملے ہیں' انہیں غنیمت سمجھئے' سو جایئے' بزرگوں نے کہا
ہے' آرام بڑی چیز ہے منہ ڈھک کے سویئے۔'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''بیداری میں سکون بہت نایاب چیز ہے' میں اسے گنوانا نہیں چاہتا۔'' وہ
کروٹ لے کے بولا۔ ''تم کیا سوچ رہے تھے؟''

''کچھ نہیں' سوچ رہا تھا کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے'
میں اپنے آپ کو بہت عجیب سا محسوس کر رہا ہوں۔''

''تم ایک سوچا عجائب خانہ ہو' تم بھول بھلیاں ہو' میں تمہارے راستوں سے
آشنا ہونے کے باوجود راستہ بھٹک جاتا ہوں۔''

''مجھے خود بھی اپنے راستے نہیں معلوم' راستہ ہی بنانے کے لیے تو یہ ساری
جد وجہد تھی۔ شاردا ان مرحلوں سے گھبرا گئی۔''

''موہن! کبھی کبھی تو میں تم سے حسد کرنے لگتا ہوں۔''

''کبھی کبھی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اصل میں' میں بھی آپ سے بعض

اوقات حسد کرتا ہوں' آپ کا دل مجھ سے بہت بڑا ہے۔''

''لیکن موہن!'' وہ بے چینی سے بولا۔ ''ایک بات تو بتاؤ۔''

''اب آپ مجھے پریشان کرنے کے موڈ میں ہیں۔'' میں نے اس کے چ
دیکھ کر کہا۔ ''دیکھیے' رات آپ خود اصرار کر رہے تھے کہ مجھے آرام کرنا چاہیے۔''

''صرف چند باتیں' ورنہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' میں چپ ہو گیا تو ا
نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پوچھا۔ ''ایک طرف تم نے مجھے کرنل ہارڈنگ
اور مہارابہ سے دوستی کی پینگیں بڑھانے بھیجا اور دوسری طرف......'' وہ معنی خیز انداز م
مجھے گھورنے لگا۔

''ہاں۔'' میں نے سر جھکا کے کہا۔ ''مجھے یقین تھا' آپ یہ سوال ضرور کری
گے۔ بات ہی ایسی ہوگئی تھی میں نے سوچا تھا' ایک جیکسن کے ختم ہوجانے سے مہار
اور کرنل اور آپ کے درمیان جو رابطہ قائم ہو رہا ہے' وہ متاثر نہیں ہوگا۔''

''مگر کیوں؟ آخر تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کاش تم مجھ
اس کا تذکرہ کر دیتے۔'' وہ ناراض ہونے کے انداز میں بولا۔

''اس کا موقع کہاں ملا' دوسرے دن' جب آپ شاردا کے سلسلے میں سخ
پریشان تھے' مجھے آپ سے جدا کر دیا گیا' جیکسن کو مجھ پر شبہ ہوگیا تھا کہ میں نے میج
رابرٹ کو قتل کیا ہے اور معافی دینے کے لیے اس نے یہ شرط عائد کی تھی کہ میں بھو
کے راز ہائے دروں سے انگریز کو باخبر رکھا کروں' اس نے میری زندگی اجیرن کر دی تھ
اور صبح و شام آ کے اپنا چہرہ دکھا جاتا تھا۔''

''مگر کیسے؟'' وہ اضطراب سے بولا۔ ''تم نے اسے کیسے ختم کیا؟''

میں نے بے دلی کے ساتھ' سرسری انداز میں اسے تمام واقعہ بتایا۔ ''بدقسمتی
سے بات جیکسن تک محدود نہ رہی ورنہ میجر رابرٹ کی طرح اس کی موت پر انگریز اد
ادھر پھرتی دکھا کے خاموش ہو جاتے۔ مجھی سے ایک چوک ہو گئی۔ باقی آدمیوں کے
خون کا ذمہ دار خود جیکسن ہے کہ اس نے میری عاجلانہ لمحوں کی غفلت سے فائدہ ا
کے چھاؤنی فون کردیا کہ وہ کھنڈروں کی طرف جا رہا ہے۔ میں واپس ہی آ رہا تھا کہ
راستے کا پتھر بن گئے اور مجھے مجبوراً......'' میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ایک اکیلے تم سب سے؟'' وہ حیرت سے آنکھیں پٹ پٹانے لگا۔

''میں ان کے مقابلے میں نسبتاً بہتر پوزیشن میں تھا۔'' میں نے سرد مہری
سے کہا۔

''مگر۔ مگر وہاں تو موقع واردات کے نزدیک جگ دیپ کی حویلی کی گاڑی
اس کے مسلح آدمیوں سمیت پائی گئی؟'' وہ تذبذب سے بولا۔ ''انگریزوں نے اس بھون
کا جو حال کیا ہے' وہی حال بڑی حویلی کا ہے' وہاں بھی خاک اڑ رہی ہے۔''

''اس کا انتظام بھی میں نے ہی کیا تھا۔'' سوال سے سوال ابھر رہا تھا۔ اب
کون سی بات چھپی رہ گئی تھی' میں نے اس کا تجسس دور کرنے کے لیے بھون میں
واپسی' شاردا سے ملاقات اور انیتا کو مصروف رکھنے' جگ دیپ کو فون کرنے کی باقی
داستان بھی سنا دی۔ دنیش کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اور۔ اور انہوں نے تمہیں اتنے وثوق سے کیسے گرفتار کر لیا؟''

''اس کی بہت سی وجوہ ہیں' کرنل ہارڈنگ اور چھاؤنی کے دوسرے لوگ اس
حقیقت کا بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے کہ میرا نشانہ کیسا ہے' کھنڈر میں کوئی دوسری لاش
پڑی ہوئی نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ایسا نشان تھا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہاں سے
کوئی لاش ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے' چند روز پہلے بھون میں مجھ پر گولی چلنے کے
واقعے میں جیکسن میرے ہمراہ تھا۔ کوئی بھی نکتہ داں آسانی سے اس نتیجے تک پہنچ سکتا
ہے کہ جیکسن سے میرے مراسم خصوصی نوعیت کے ہو سکتے ہیں' بھون اور جگ دیپ کی
حویلی اور ریاست میں ہونے والے خوں ریز پراسرار واقعات' پروفیسر زاہدی اور موہن
داس کی شخصیت کا تضاد' میری آپ سے دوستی' میری گرفتاری کے کتنے جواز ان کے پیش
نظر ہوں گے اور کنور جگ دیپ نے کس کس موثر انداز سے ان کی توجہ میری جانب
مبذول کرائی ہوگی۔ ممکن ہے' کرنل مجھ سے اپنی بیٹی کا بڑھتا ہوا التفات بھانپ گیا ہو
اور اس کے ذہن رسا میں پہلے ہی مرحلے پر ریتا کے سامنے مجھے عریاں کر دینے کا سودا
سا گیا ہو۔''

''مگر موہن' تمہاری غیر موجودگی میں جو دو اور انگریز مارے گئے؟''

''اگر وہ قتل آپ نے نہیں کیے تو یقیناً میرا کوئی ہمدرد ہوگا۔''

”وہ کون ہو سکتا ہے؟“ وہ پہلو بدل کر بولا۔

”کوئی بھی‘ مجھے خود اس کا علم نہیں ہے۔“

”سادھو!“ وہ تیزی سے بولا۔”تم سے ان کی دلچسپی نا قابل فہم ہے۔ بڑے بڑے سادھو اور پنڈت جن کا ریاست میں ڈنکا بجتا ہے‘ چھاؤنی کے دروازے پر تمہارے لیے احتجاج کر سکتے ہیں‘ وہ تمہیں مہاراج کہتے ہیں اور تمہارے چرن چھوتے ہیں۔ یہ کتنا حیرت انگیز ہے‘ یہ سب کچھ حواس باختہ کر دیتا ہے‘ تم سے ان کی دلچسپی بے سبب تو نہیں ہو سکتی اور خود تم۔ میں تم سے اعتراف کروں کہ چھاؤنی سے واپس ہوتے وقت راستے بھر یہ گتھی سلجھاتا رہا مگر مجھے کوئی سرا سجھائی نہیں دیا۔“

”یہ سرا مجھے بھی نہیں ملتا‘ میں خود حواس باختہ ہو جاتا ہوں۔“

”مگر تم نے بارہا اس پر غور کیا ہوگا اور کسی نہ کسی طرح اپنے ذہن کو ضرور تسلی دی ہوگی۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں تمہیں خود سے ایک مختلف شخص کی حیثیت سے تسلیم کروں‘ مجھے ان سب باتوں پر یقین نہیں آتا مگر تم خود بھی تو سوچتے ہو گے مجھے بتاؤ تم اپنے آپ کو کس طرح سمجھاتے ہو؟“

”میں نے اپنے آپ کو سمجھانا ترک کر دیا ہے‘ کیا آپ اس کائنات کی کوئی توجیہہ کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے۔“ میں نے مسکرا کے کہا۔”آپ نے ان سوالوں پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان سے ذہن اور الجھ جاتا ہے۔ جو ہو رہا ہے‘ بس ہو رہا ہے کیوں اور کیسے پر توجہ دیجیے گا تو پوری زندگی اسی ادھیڑ بن میں گزر جائے گی۔ اب ہر شخص زمین کے ایک محدود حصے کے مسائل کے بارے میں سنجیدہ ہوتا ہے جہاں تک اس کے متعلقین اور اس کی گزر بسر کا تعلق ہے‘ وہ آسمان‘ ستاروں‘ سیاروں‘ شمسی نظام وغیرہ کے پیچیدہ مسائل کے بارے میں کہاں سوچتا ہے‘ یہ غور و فکر تو صرف چند لوگ کرتے ہیں حالانکہ جن سب کا اس کائنات سے تعلق ہے‘ ان سب کو اس عجیب غریب نظام حیات پر سوچنا چاہیے۔“

”تم کائنات کی بات کرنے لگے۔“ وہ اکتا کے بولا۔”ہم سادھوؤں اور پنڈتوں کی یہ بے پناہ توجہ نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ وہ زمین کے اسی محدود حصے کے مسائل ہیں جس کا تم نے ذکر کیا ہے‘ مجھے یاد ہے‘ ابھی کچھ دن ہوئے تم نے بتایا

کہ وہ تم سے کہیں دور چلنے اور خود کو پہچاننے کی تلقین کرتے ہیں‘ انہیں تمہارے اندر ایک دھرماتما کی خوبیاں نظر آتی ہیں‘ کچھ ایسی ہی بات تم نے کہی تھی؟“

”ہاں‘ وہ یہی کہتے ہیں۔“ میں نے افسردگی سے کہا‘ میں نے سوچا‘ اسے کیچو کے بارے میں بھی بتادوں کہ وہ اس کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور وہ جس دیوی کا تذکرہ کرتے ہیں‘ اس کے بارے میں‘ میں کچھ نہیں جانتا۔ دیوی‘ دیوتا‘ مافوق الفطرت‘ اس سے یہ ذکر کرتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ دنیش نے گزشتہ دن جس جاں کنی اور دہشت میں گزارے ہوں گے‘ اس کا تصور کرتے ہوئے ہول آتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو جنون میں نہ جانے کیا کچھ کر جاتا مگر دوسرا ہوتا تو وہ دنیش ہوتا ہی کیوں؟ وہ پرکاش چندر یا مہیش چندر ہوتا جس کی بہن یا بیٹی شاردا جیسی کیفیت سے دوچار ہوتی تو وہ ایک لمحے ٹھہر کے آگے بڑھ جاتا۔ میں دنیش سے کیچو کا ذکر کر کے اسے اور الجھن میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ اب باتیں بند کر کے سو جائے اور میں اس کا سر دباتا رہوں‘ اس کی ٹانگیں دباتا رہوں۔ وہ بہت تھک گیا تھا‘ تھکن اس کی آنکھوں میں بھری ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے زیادہ سخت وقت گزارا۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ اس کی بہن پر اچانک یہ کیا افتاد آپڑی ہے اور اسے پتہ نہیں تھا کہ کھنڈروں میں کئی انگریزوں کے حادثۂ قتل پر میں کہاں کھو گیا ہوں‘ وہ بڑی تنہائی محسوس کرتا ہوگا۔ اس نے کرنل ہارڈنگ اور ریتا کی بابت اور ریاست کی موجودہ صورت حال پر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی مگر میں نے ان معاملات میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ دن کی روشنی خاصی پھیل گئی تھی۔ ڈاکٹر ملہوترا مسلسل خواب گاہ کی گھنٹی بجا رہا تھا کہ اس کا مریض اس ناتوانی میں کدھر کھو گیا ہے۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ سرزنش کرتا ہوا مجھے میرے کمرے میں اٹھا لے گیا اور اس نے میرا گاؤن کھول کے دیکھا تو سخت برہم ہونے لگا۔”میں تمہارے پیروں میں زنجیریں ڈال دوں گا۔“ وہ تنبیہی انداز میں بولا۔ ”اب تم نے اگر میری اجازت کے بغیر باہر نکلنے کی جرات کی تو میں تمہارے علاج سے دست بردار ہو جاؤں گا۔“ اس نے مجھے دھمکی دی اور میرے زخم خود مجھے دکھاتے ہوئے بولا۔”یہ کیا کر کے لائے ہو۔ رات بھر میں انہیں کہاں تپایا ہے؟“ میں نے خاموشی سے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ ٹیسیں پھر اٹھنے لگی تھیں۔ ڈاکٹر نے میرے کولھے

میں سوئی بھونک دی اور اس طرح مجھ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن جیسے ہی خواب آور دوا کا نشہ ٹوٹا' مجھ سے بستر پر نہیں لیٹا گیا' مجھے یہ آرام بے وقت لگا۔ گو بھون میں مہاراجہ کی اسپیشل پولیس اور چھاؤنی کے مسلح گورے پہرا دے رہے تھے اس لیے باہر سے کوئی بلا نازل ہونے کا امکان نہیں تھا' چوکیدار اتنے مستعد اور فرض شناس ہوں تو مکینوں کو چین کی بنسی بجانا چاہیے' یہی ایک وقت تو آرام کا تھا' جگ دیپ کی شعلہ رخ بہن انیتا اسی دن بھون سے رخصت ہو گئی تھی جس دن ریتا نے چھاؤنی واپسی کے لیے رخت سفر باندھا تھا' ان باریک اور کمزور حالات میں کنور جگ دیپ یا بھون میں موجود اس کے رفیقوں سے کسی قسم کی حماقت متوقع نہیں تھی' جگ دیپ کو تو اپنی صفائی پیش کرنے ہی سے فرصت نہ ہوگی۔ اس کا عذر' محض عذر لنگ سمجھا گیا ہوگا کہ کسی نا معلوم شخص نے فون پر اس کی بہن کو اغوا کرنے کا دعویٰ کیا تھا اور وہ دعوے دار کی مطلوبہ رقم سمیت اپنے مسلح آدمیوں کو کھنڈر بھیجنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اول تو جگ دیپ نے۔ اپنی بہن کو اس شرم ناک معاملے میں ملوث کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ اس نے گھبراہٹ میں پہلے جو بیان دے دیا ہوگا' اسی پر جمار ہو گا' ہر چند اسے فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی' اس کے آدمیوں کے پاس سے جو ہتھیار دست یاب ہوئے ہوں گے' ان کی کوئی گولی مرنے والوں کے جسموں میں پیوست نہیں تھی مگر اس اندھیری رات میں اور خصوصاً کھنڈر کی سمت اس کے آدمیوں کو جانے کی ضرورت آخر کیوں پڑ گئی۔ گوروں نے ڈنڈے برسائے ہوں گے تو جگ دیپ کے آدمیوں میں کتنے ایسے باظرف ہوں گے جنھوں نے اپنے سابقہ گناہوں کا اعتراف نہ کیا ہو۔

مجھ سے انگریزوں کو کچھ وصول نہیں ہوا۔ کنور جگ دیپ کے لیے یہ خبر تازیانے سے کم نہ ہو گی کہ بھون میں میری صحیح و سلامت واپسی عمل میں آ چکی ہے۔ بھون کے دربانوں نے مار کھانے کے باوجود یہ جھوٹ بولنے سے انکار کر دیا کہ وقوعے کی رات انہوں نے مجھے صدر دروازے سے باہر نکلتے اور واپس آتے دیکھا ہے۔ گوروں نے پھر بھی مقدور بھر کوشش کی۔ اب ان کی الجھنیں شباب پر ہوں گی' زندان میں میری موجودگی کے وقت کسی زندہ دل نے ان کے دو آدمیوں کو کم کر کے ان کی

پریشانیوں میں مہمیز لگا دی تھی اور جگ دیپ کے علم میں قطعاً یہ حقیقت نہیں ہو گی کہ چھاؤنی کے سربراہ کرنل کی بیٹی نے اس رات بھون میں میری موجودی کی تصدیق کر دی ہے۔ ہاں ممکن ہے' اس کے کانوں تک یہ خبر پہنچ گئی ہو کہ ریاست کے سادھو اور پنڈت ازراہ بندہ پروری میری نجات کے لیے صدائے احتجاج بلند کرنے چھاؤنی پہنچ گئے تھے۔ یہ خبر سن کے جگ دیپ کو بہت سے پچھلے واقعات یاد آ گئے ہوں گے۔ مثلاً اپنا گھوڑے سے گرنا' چھاؤنی سے میری واپسی پر اپنے دس زرخرید آدمیوں کا حشر' انیتا کی ناکامی۔

پہلے کی بات اور تھی۔ اسے تو جگ دیپ کی غیر معمولی شخصی خوبیاں ہی کہنا چاہیے کہ وہ ہر بار پہلے سے زیادہ متشدد ہو جاتا تھا۔ پہلے تو ہم اپنی عقل کے مطابق اس کے زرخیز دماغ کی معرکہ آرائیوں کا جواب دینے پر اکتفا کرتے تھے' اس کے بعد جب ہم نے گرہ لگانی شروع کی' تب بھی جگ دیپ نے خاطر خواہ ردعمل کا اظہار کیا مگر اب اسے میرے بارے میں کسی اور انداز سے سوچنے پر مجبور ہونا چاہیے۔ حالانکہ بات معمولی تھی' سادھو اور پنڈت کسی موہوم اور مبہم امید پر مجھ سے یک گونہ رفاقت کا اظہار کر رہے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ میں کسی نا معلوم منزل پر ان کے ہمراہ چلوں یا نہ چلوں' یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ اس طرح بگڑتا بھی کیا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ توقعات وابستہ رکھتے تھے۔ میں ان کی توقعات کا عرصہ طویل کر سکتا تھا لیکن ریاست راج پور کے بااثر خاندانوں میں پنڈتوں اور سادھوؤں کو جو منزلت حاصل تھی' اسے دیکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ جگ دیپ کہیں وہم و گماں کا شکار ہو گیا ہو' بات کسی طور بھی بنے مگر جگ دیپ کے مزاج میں حلم' بردباری اور متانت پیدا ہو جائے' چاہے ریاست کا زرنگار تاج اسی کے سر پہ سجے' جگ دیپ نے بھی انگلستان میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دیش کی طرح وہ بھی اس وہم گماں پر مشکل سے آمادہ ہو گا۔ ترغیبات بہرحال بڑی چیز ہیں۔ ترغیبوں سے افراد کیا قومیں بہک جاتی ہیں۔ پریت اور انیتا نے اسے بار بار یہ ترغیب دلائی ہوگی کہ موہن داس کے کندھوں پر سادھو دیوراج بے تکلفی سے ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ میرے بارے میں طرح طرح کی باتیں اس کے کانوں میں پہنچتی رہی ہوں گی۔ وہ بھی آدمی ہی کے تخم سے ہے' سلسلے تو ضرور ملائے گا اور کیا عجب کہ کوئی ترغیب

اس پہ اثر کر جائے۔ اس خوں ریزی میں کسے مزہ آتا ہے۔ انسان کا خون کوئی قابل دید اور خوش ذائقہ چیز بھی نہیں ہوتا۔ اب جگ دیپ اور اس کے حواریوں کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے تھا۔ اس اندھا دھند بھاگ دوڑ میں کسی بھی کھائی میں گر جانے کا اندیشہ تھا۔ میں جگ دیپ کے مصاحبوں میں ہوتا تو اسے یہی گراں قدر مشورے دیتا۔

ادھر راجائے ذی وقار' مہاراجا راجے پور پر بھی نزع کا عالم طاری ہو گا۔ انہوں نے اس بار اپنی تن دہی' مستعدی اور سنجیدگی کا حیرت ناک مظاہرہ کیا تھا۔ ان کے حکم سے ریاست کے ہزاروں افراد جیل میں تھے' وہ ایک طرف اپنی رعایا کو یہ باور کرانے کے لیے سارا زور صرف کر رہے تھے کہ انگریز کا خون کتنا مہنگا ہوتا ہے' دوسری طرف بقول دنیش انگریزوں سے اپنے اخلاص کے اظہار میں انہوں نے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیے تھے۔ انہوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک غیر جانب دار شخص ہیں اور ان کی نظر میں سب برابر ہیں۔ وہ دنیش کے بھون' جگ دیپ کی حویلی اور امرائے راجے پور کے خاندانوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے' چنانچہ انہوں نے سب کے دست و بازو' سب کے ملازمین گرفتار کر لیے تھے۔ گوروں کی دسترس سے جو ملازم بچ گئے تھے وہ ان کی جیلوں میں قید تھے انہوں نے سردست یہ بات بھی فراموش کر دی تھی کہ دنیش نے کرنل ہارڈنگ سے ان کا ربط ضبط بڑھانے کے لیے دوڑ دھوپ کی تھی۔ مہاراجہ کو دنیش کی ناسپاسی' اطاعت ناگزاری سے شدید صدمہ پہنچا ہو گا۔ جب اس نے جیکسن کے قتل کی اطلاع پر ان کی طلبی درخور اعتنا نہیں سمجھی تھی اور اپنی بہن شاردا کی علالت کا عذر پیش کر دیا تھا۔ اگرچہ مہاراجہ نے برائے وضع داری کنول کو ارسال کر کے یا خود کنول نے اپنی ایما پر دوسرے دن شاردا کی عیادت کر کے دنیش کے عذر کی تصدیق کر لی تھی مگر ایک کانٹا مہاراجہ کے دل میں ضرور چبھ گیا ہو گا' ایک پھانس کہ کرنل ہارڈنگ سے راج کمار دنیش کے مراسم اتنے گہرے کیوں ہیں اور دنیش کو ان کی طلبی پر لازماً آنا چاہیے تھا' چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جاتی۔ شروع شروع میں مہاراجہ شاید کسی نتیجے پر پہنچے ہوں مگر دنیش کی بے نیازی' میری گرفتاری' شاردا کی اچانک بیماری' بھون سے ریتا کی واپسی' اور کرنل ہارڈنگ کی بے توجہی سے انہوں نے اپنے فیصلوں میں ترمیم کی ہوگی۔

میرے ذہن میں ساری ریاست سمائی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر ملہوترا کی تاکید تھی کہ مجھے تمام فکروں سے بے نیاز بستر سے چپکے رہنا چاہیے اور یہ موقع بھی مناسب تھا ایسے عالم میں خاموش رہنے میں عافیت تھی مگر شاردا کی حالت اور دنیش کی مایوسی دیکھ کے اس طرح چپ چاپ آرام کرتے رہنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انگریز اور راجہ ایک دن یہ ہیبت پھیلاتے پھیلاتے تھک جائیں گے اور اس شخص کو تلاش کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو گے جو ان ہیبت ناکیوں کا سبب بنا تھا۔ واقعات کی گرد پڑتی جائے گی۔ ذہن کے غصے وقت کی دھوپ سے زرد پڑنے لگیں گے۔ بھون سے پولیس اور گورے ہٹا لیے جائیں گے۔ ریاست کے بازاروں کی رونق دوبارہ بحال ہو جائے گی اور امرا کی حویلیوں میں دن ڈھلتے ہی پھر سے خم لنڈھائے جائیں گے' گھنگرو کھنکیں گے' چوڑیاں بجیں گی' بند کمروں میں دوبارہ شطرنج کی بازی جمے گی اور وہ آدمی دوبارہ روزی سے لگ جائیں گے جو زر کے بدلے خون کا سودا کرتے ہیں۔ یہ ہنگامہ نہ جانے کب تک ہوتا رہے گا۔ پھر سے گولیاں چلیں گی' چاقو لہرائے جائیں گے' مجھے گاڑیوں میں چھپا کے سلاخوں کے پیچھے لے جایا جائے گا اور میرا جسم میرے خون سے رنگا جاتا رہے گا۔ بنو بیگم اور بختاور کے قتل کی سزا کیسے کیسے بھگتنی پڑ رہی تھی اتنے بڑے بڑے حادثے رونما ہو چکے تھے کہ اب ذہن میں بنو بیگم اور بختاور کی شکلیں دھندلی پڑ گئی تھیں' اس وقت میرے ناپختہ ذہن نے زیادہ ہی اندیشہ محسوس کیا تھا۔ ہندوستان بہت بڑا ہے' اس بڑی زمین میں کوئی کہاں تک تعاقب کر سکتا ہے' ریاست کی پولیس اور گورے فن سراغ رسی میں مہارت تام کے باوجود میرے ماضی کا حال جاننے میں ناکام ہو گئے تھے۔ یقیناً کرنل اور مہاراجہ نے اپنے اہل کاروں کو مجھ پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایت کی ہو گی۔ ان کے سوالوں میں سب سے زیادہ زور اس نکتے پر دیا جاتا تھا کہ میں کہاں سے چل کے ریاست میں وارد ہوا ہوں؟ کرنل اور مہاراجہ کو ماضی کے بارے میں میرے بیان پر یقین نہیں آتا ہوگا کیونکہ انہیں پروفیسر زاہدی کی دلچسپ اور تیکھی گفتگوئیں یاد آتی ہوں گی' ان کے کارندوں نے بیدوں' سوٹیوں اور کیلوں سے مجھے باربار کریدا' ان کی دھار دار روشنیاں بھی میری شناخت نہ کر سکیں' مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اب وہ میری جانب سے غافل ہو جائیں گے۔ اقتدار ان کا تھا'

اختیار ان کا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔

میرے اندر طوفان خیز ہوائیں چل رہی تھیں، وقت کی بڑی تنگی محسوس ہو رہی تھی، جیسے مجھے دیر ہو رہی ہو۔ مہاراجہ اور گورے اس موقع پر فعال ہو سکتے ہیں تو کیا مجھے اور دنیش کو بستر پر دراز ہو کے بدلتے ہوئے حالات کا تماشا دیکھتے رہنا چاہیے۔ ڈاکٹر نے مزید ایک دن مجھے مجبور کیے رکھا لیکن دوسرے دن میں ملاقاتی کمرے میں نکل آیا۔ سب سے پہلے میں نے ریتا کو فون کیا۔ میری آواز پر اس کا اداس لہجہ مسرت سے کانپنے لگا مگر چند ہی لمحوں بعد وہ اداس ہو گئی اور اس نے دل گیر انداز میں بتایا کہ کرنل کو آفیسر ان کمانڈ کے عہدے سے معطل کیا جا چکا ہے اور اسے تا حکم ثانی راجے پور میں ٹھہرنے کا حکم ملا ہے، ہائی کمان کے تین اعلیٰ افسروں نے چھاؤنی کی کمان سنبھال لی ہے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب اور اپنی نظر بندی سے پریشان تھی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ یہ کالے بادل بہت جلد چھٹ جائیں گے۔ اس نے اشاروں اشاروں میں ابھی مجھے محتاط رہنے کی تلقین کی، فون پر وہ اتنا ہی کہہ سکتی تھی۔ اس گفتگو سے کم از کم یہ تشفی تو مل گئی کہ کرنل اپنی بیٹی کو اپنی ناراضی کما حقہ منتقل نہیں کر سکا۔ وہ اب بھی اتنی ہی وارفتہ تھی بلکہ پہلے سے زیادہ۔

میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا اور ملاقاتی کمرے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ نرسیں رخصت کر دی گئیں، ڈاکٹر ملہوترا مجھے اس حالت میں حرکت کرنے کے بدترین نتائج سے آگاہ کر کے مہمان خانے میں جا بسا۔ میری سرگرمی پر دنیش بھی خفا سا ہو گیا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ شاید لوگ اسی انتظار میں تھے کہ ملاقاتی کمرے کا دروازہ کھلے اور وہ ریاست کی تازہ ترین صورت حال جاننے کے لیے ادھر ٹوٹ پڑیں، میں نے آج پہلی بار صوفے سے اٹھ کے ان کی پزیرائی نہیں کی۔ دنیش نے بھی یہ بات محسوس کی اور اس نے آنے والے لوگوں کی نظروں میں اٹھتے ہوئے سوالوں کا جواب ان کے سامنے مجھ سے اپنی رفاقت سوا کر کے دیا۔ وہ درمیان میں نہایت بے تکلفی سے اہم موضوعات پر مجھے مخاطب کرتا تھا۔ بھون کے مکینوں کے لیے دنیش کی اپنے ملازم موہن داس سے یہ رغبت کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ جب مجھ پر گولی چلی تھی وہ میری نسبت اپنے تعلق کا برملا اظہار کر چکا تھا۔ اس کے اس اعلان کے باوجود لوگوں

کے سامنے آقا اور ملازم کا حجاب میں نے برقرار رکھا تھا۔ مہارانی مایا دیوی کے سوا کسی کے لیے آج میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی زحمت نہیں کی۔ کسم نے انگریزی میں دنیش سے میرے بدلے ہوئے لباس، ناروا نشست اور گستاخانہ تیور کا شکوہ کیا تو دنیش نے بے پروائی سے یہ کہہ کے ٹال دیا کہ ''موہن داس کوئی غیر شخص نہیں ہے، ہم اسے ملازم نہیں سمجھتے اور ہم جانتے ہیں کہ اسے ملازم کیوں نہیں سمجھنا چاہیے۔'' اس نے کسی قدر بلند آواز میں کہا تا کہ سب سن لیں اور سند رہے۔ ادھر شاخ گل سندھیا نے آشا دیوی کو موت کے گھاٹ اتار کے بھون میں ایک طرح یہ منادی کرا دی تھی کہ موہن داس کی مخالفت کتنی ضرر رساں ہو سکتی ہے، پھر بھی میری موجودی ناموجودی تو خیر پہلے بھی ہوتی تھی، میری نشست و برخاست کے سبب ان کی جھجک قائم رہی، نئی نئی بات تھی۔ عادی ہونے میں وقت لگتا ہے۔

سب سے زیادہ تعجب مجھے پارو کا چہرہ دیکھنے سے ہوا۔ اب تک اس گل اندام سے میری تفصیلی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی سمندر آنکھوں میں صحراؤں کی ویرانی تھی اور اس کا خون جیسے کسی نے نچوڑ لیا تھا۔ پہلی بار مجھے یہاں اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھ کے اس کے زرد چہرے کا رنگ بدلا۔ دنیش نے اس کا ذکر مجھ سے پیار اور احترام سے کیا تھا کہ وہ شاردا کی تیمار داری میں سب سے زیادہ منہمک رہی ہے۔ پارو میں ہونے والی تبدیلیوں پر دنیش کو حیرت تھی۔ ان دنوں جب دنیش میری اور شاردا کی فکر کے سوا تمام دنیا سے کٹ گیا تھا، اس کے لیے ریاست کے دھنک رنگ حالات سے باخبری کا وہی ایک ذریعہ بنی ہوئی تھی۔ کوئی ایسی بات ضرور تھی جو پارو کا رنگ چرا رہی تھی۔ کوئی ایسا کیڑا اس کے بدن سے چمٹ گیا تھا، جس نے چند ہی دنوں میں اس کے شباب کا رس چوس لیا تھا۔ پہلے میں یہی سمجھا تھا کہ وہ میرے لیے پریشان رہی ہے لیکن اس کے سوا بھی اسے کوئی دکھ تھا اور میں وہ دکھ جاننے کے لیے بے چین تھا۔ اپنے اس چہرے سے وہ مجھے بہت اجنبی لگ رہی تھی۔ اس میں نہ وہ تیزی تھی، نہ طراری۔ بیٹھے بیٹھے گم ہو جانا۔ میں اسے اٹھنے کا اشارہ کر کے اس کے محل میں جا سکتا تھا لیکن یہ زمانہ پارو جیسی فعال اور سرگرم لڑکی سے رشتہ جتانے کا نہیں تھا، راہ داری گوردں اور پولیس کے سنتریوں کے تصرف سے آزاد تھی مگر کوئی بھی مجھے پارو کے

کمروں میں داخل ہوتے دیکھ سکتا تھا۔ پھر بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوا اور میں اسے اشارہ کرکے راہ داری میں آ گیا اور یوں ہی بے ارادہ ٹہلتا رہا۔ جیسے میں فرش' دیواروں۔ اور فانوسوں کا معائنہ کر رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد پارو ملاقاتی کمرے سے نکلی۔ راستے میں اس کی میری مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے میرے قریب سے گزرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

''باندیوں کو باہر ہی رکھنا۔ میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔'' میں نے سرگوشی میں جواب دیا۔ وہ آگے چلی گئی اور میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا اس کے محل سے قریب ہوتا رہا۔ وقت خراب تھا ورنہ اس حجت کی ضرورت نہیں تھی' کچھ دیر بعد میں پارو کے خصوصی کمرے میں تھا۔ چٹخنی لگانے کے بعد وہ دیوانہ وار میرے پہلو میں آ گری۔ میں نے دونوں بازو پھیلا کے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ جب بدن کسی جسم کے احاطے میں پھڑکتے ہیں تو کیفیت اور ہوتی ہے اور جب بدن کسی جسم کے احاطے میں آ کے نڈھال ہو جاتے ہیں تو اور کیفیت ہوتی ہے' پارو کی کیفیت دوسری تھی۔ اس کے بدن کا ذرہ ذرہ میرے احاطے میں آ کے بکھر گیا تھا اور میں انہیں سمیٹ سمیٹ کے پارو کو قائم رکھنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ میں نے اسے تھپکیاں دیں' اسے پیار کیا' میں نے اسے اپنے رگ و ریشہ میں جذب کرلیا۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔ وہ پیاسا بدن اور مرجھایا ہوا گلاب بدن' میں نے اسے اپنے سینے سے نکلے ہوئے آنسوؤں کا پانی دیا۔ پھر میں اسے اپنی گود میں اٹھا کے بستر پر لے آیا اور میں نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کے پوچھا۔ ''تمہارا حوصلہ جب میں متزلزل دیکھتا ہوں تو میرا جسم لرزنے لگتا ہے۔ پارو! کیا بات ہے' تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' وہ پھوٹ پڑی' میں نے اسے چھیڑ کے برا کیا۔ ''بتاؤ نا۔ اب تو میں واپس آ گیا ہوں اور زندہ بھی ہوں۔'' میں نے آستین سے اس کے رخسار خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تو تمہیں پہلے کی طرح شاداب اور توانا ہو جانا چاہیے۔'' وہ کچھ نہیں بولی۔ میں نے اسے چپ رہنے دیا لیکن یہ وقت پارو کے ساتھ طویل گھڑیاں گزارنے کا نہیں تھا۔ اس بار میں نے دانستہ اپنے ساتھ زنداں میں پیش آنے والی اذیتوں کی کہانی اسے سنانی شروع کی۔ یہ طریقہ سود مند ثابت ہوا' وہ میری قمیض میں ہاتھ ڈال کے کمر اور سینہ ٹٹولنے لگی۔ کوڑوں کی لکیروں میں ابھی تک درد بھرا

ہوا تھا' اس کی نازک انگلیاں مس ہوئیں تو سسکیاں نکل گئیں' وہ اپنا دکھ بھول گئی اور مجھے سرزنش کرنے لگی کہ میں جلد کیوں بستر سے اٹھ آیا ہوں میں نے کہا۔ ''یہی وقت تو اٹھنے کا تھا۔''

وہ سراسیمگی سے مجھے دیکھنے لگی۔ ''موہن! اب کوئی اور قدم مت اٹھانا۔'' وہ میری غیر حاضری میں گزرنے والے لمحوں کی سرگزشت سنانے لگی۔ دنیش کی طرح اسے بھی معلوم نہیں تھا کہ میں اچانک کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ تین دن تو وہ ایک پل کے لیے نہ سو سکی پھر جب اسے معلوم ہوا کہ میں چھاؤنی میں موجود ہوں تو اسے کہیں قرار آیا۔

میں اس کی انگلیاں چومتا رہا۔ ''پارو!'' میں نے معنی خیز انداز میں اسے مخاطب کیا۔ ''تم نے کمال کر دیا' مگر تم نے ان حالات میں کیسے یہ جرات کرلی؟ تم بھون سے باہر کیسے نکلیں؟''

''کیا؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میں جانتا ہوں تمہارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ مجھے بتاؤ' یہ سب کیسے ہوا؟ یقیناً تم پر اس کا اثر ہے' کیا کوئی چوک ہو گئی؟''

اس نے ایک گہری سانس لے کے مجھے دیکھا۔ ''ہاں موہن!'' وہ ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''شاید چوک ہی ہو گئی اتنی وحشت تھی کہ کچھ بے احتیاطی ہو گئی۔'' وہ میرے پہلو میں کسمسانے لگی۔

''کیا؟'' مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ ''تم کیسے گئیں اور کیا ہوا؟''

''تم جانتے ہو' میں نے تم سے پچھلی ملاقات میں ایک اینگلو انڈین پولیس افسر کا تذکرہ کیا تھا۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ''وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے' میں اس کا...... مہیش چندر کے زمانے سے وہ اپنا آدمی رہا ہے' اس کی ڈیوٹی بھون میں لگی ہوئی تھی۔ اسے بھی پتہ نہیں تھا کہ تم کہاں ہو۔ تیسرے دن اسی نے مجھے بتایا کہ تم چھاؤنی میں موجود ہو۔ مجھے یقین تھا کہ تم کسی طور اپنے آپ کو منکشف نہیں کرو گے' چاہے تمہیں کتنی ہی سخت سزا کیوں نہ دی جائے۔ کھنڈر میں ہونے والی واردات کا تمام حال تمہاری زبانی میں پہلے ہی سن چکی تھی۔ وہ ایک مکمل اور بے داغ واردات تھی' اس

طرف سے مجھے بے فکری تھی۔ پھر کچھ خبریں مجھے پولیس افسر نے بتائیں اور کہا کہ ابھی تک وہ اصل مجرم کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں' مجھے احساس تھا کہ بھون کا مخالف گروہ چھاؤنی والوں کو بار بار یہ تلقین کر رہا ہو گا کہ تمہی اصل مجرم ہو اور تم اپنی زندگی کی سب سے شدید سزائیں بھگت رہے ہو گے۔ اس وقت یہاں رہ کے میں تمہارے حق میں کوئی دلیل دے سکتی تھی تو وہ یہی تھی۔"

"مگر۔مگر پارو تم نے یہ سب کیسے کر لیا؟" میری بے چینی بڑھ گئی تھی۔

"میں نے اپنے اینگلو انڈین پولیس افسر کی مدد لی' اس کا نام ٹیلر ہے۔" وہ اٹک اٹک کے بولی۔ "میں نے ٹیلر سے کہا تھا کہ وہ اپنی سرکاری گاڑی میں مجھے چھپا کے بھون سے باہر لے جائے۔ دس بجے رات کو اس نے میوزک ہال کے پچھلے حصے میں گاڑی کھڑی کر دی اور مجھے سنتریوں کی نظروں سے چھپا کے باہر لے گیا۔ سرکاری گاڑی صدر دروازے پر روکی بھی نہیں گئی۔ کھنڈروں سے کچھ دور اس نے مجھے اتار دیا۔ میں اندھیرے میں سفر کرتی ہوئی کھنڈر کے اس حصے میں پہنچ گئی جہاں ٹیلر کی اطلاع کے مطابق ہائی کمان کے حکم کے تحت گورے مسلسل پہرا دے رہے تھے۔ ہائی کمان سے چھاؤنی کو یہ حکم ملا ہو گا کہ جائے واردات جوں کی توں رہنے دینے کیلئے وہاں پہرا لگا دیا جائے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ ہندوستان بھر سے اپنے سراغ رسو کو ریاست میں بلا کے واردات کی جگہ کی تحقیق کرائیں' شاید کوئی نشان کوئی سراغ ایسا مل جائے جس سے وہ مجرم کی گردن تک پہنچ سکیں' یہ لوگ اب اپنا کام کر چکے ہیں۔ اب باقی داستان بہت تفصیل طلب ہے۔"

میں پھٹی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے مخملیں رخساروں پر موتی لرز رہے تھے' میں نے اصرار کیا کہ وہ سارا واقعہ تفصیل سے سنائے۔

"مجھے خاصی دیر تک اندھیرے میں انتظار کرنا پڑا۔" وہ سرد آواز میں بولی۔ "گوروں کی بھاری جمعیت تو وہاں موجود نہیں تھی۔ ہوتی تو میں ادھر کا رخ کیوں کرتی۔ دس بارہ آدمیوں کا دستہ تھا۔ اس طرف سے میں نے پہلے ہی اطمینان کر لیا تھا۔ میرے پیر میں جوتے بھی نہیں تھے صرف جرابیں تھیں اور میں نے ایسا لباس پہن لیا تھا جس کی سرسراہٹ بھی کھنڈروں میں گونج نہ سکے اور جو تاریکی کا ایک حصہ معلوم ہو' میرے

اندازے کے مطابق گورے کسی ایک جگہ موجود نہیں تھے' بکھرے ہوئے تھے۔ اتنے بڑے کھنڈروں میں صرف ایک جگہ ان کے جمع ہونے کی توقع نہیں تھی۔ احتیاطاً میں نے ایک خنجر اور کئی پستول اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ نہ جانے وہاں کیا صورت پیش آ جائے۔ کھنڈر میں ایک تاریک جگہ کھڑے کھڑے میرے پیر دکھ گئے۔ کوئی ادھر نہیں آیا۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی۔ میں زیادہ وقت خرچ کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی' اس لیے مجھے مجبوراً جگہ بدلنی پڑی' یہ جگہ پہلے کی نسبت کارگر ثابت ہوئی۔ گشت کرتے ہوئے دو گوروں کی جب ادھر سے گزرنے کی چاپ سنائی دی تو میں نے اپنی سانس روک لی۔ مجھے احساس تھا کہ حملہ اتنا بھرپور اور اچانک ہونا چاہیے کہ وہ سی بھی نہ کر سکیں' جی تو یہی چاہتا تھا کہ میں تم سے زیادہ نمبر حاصل کروں لیکن دو ہی سامنے آئے۔ جیسے ہی وہ اس تاریک گزرگاہ میں آئے' دہشت میں مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ میرے ایک ہاتھ میں خنجر تھا' دوسرے میں پستول' باقی دو پستول میں نے اپنی پیٹی میں ٹونگ لیے تھے۔ ان کی نظروں سے بچنے کے لیے مجھے تاریکی میں کچھ اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ کھنڈر کی ایک منہدم دیوار سے میرے الٹے قدم ٹکرا گئے اور سنبھلنے کی کشمکش میں ایک پستول زمین پر گر گیا۔ کھٹکے کی آواز سے وہ چونکے اور انہوں نے بے تحاشا پھرتی سے ٹارچ کی روشنی اندر کی طرف پھینکی اور جیسے ہی روشنی میں انہیں میرا چہرہ اور میرے ہاتھ میں تنا ہوا پستول نظر آیا' وہ بے ساختہ پیچھے ہٹے۔ اس سے پہلے کہ وہ بھاگنے چیخنے یا حملہ کرنے کی حماقت کرتے' میں نے اپنا بے آواز پستول چلا دیا۔ وہ پستول انگریزوں ہی کا عطا کردہ تھا۔ دو ہلکے سے کھٹکے پستول سے ہوئے اور دو ادھوری گھٹی ہوئی سسکیاں ان کے منہ سے نکلیں پھر مجھ میں ایسی کھلبلی مچی کہ میں نے ان کی موت کی تصدیق کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

مجھے فوراً ٹیلر کا خیال آیا۔ وہ اتنی دیر تک گاڑی کی خرابی کا بہانہ کر کے اسے سڑک پر نہیں روک سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ بھی نہیں کیا تھا اور اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے کون سی بات بتانی چاہیے' کون سی نہیں۔ مہیش چندر نے اسی طرح اس کی تربیت کی تھی۔ واپسی کے وقت البتہ مجھے اتنا ہوش رہا کہ میں زمین پر گرا ہوا پستول اٹھا لوں پھر میں کھنڈر کے اندھیرے

راستوں میں اپنے آپ کو چھپاتی، رینگتی اور تیزی سے لپکتی ہوئی ان گھنے درختوں کے سائے میں آ گئی جو سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ ٹیلر کی گاڑی اپنی جگہ موجود نہیں تھی، میرے اوسان جانے لگے۔ صدر دروازے کے سوا بھون میں واپسی کا کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔ بہرحال فیصلہ کرنے کیلیے میرے پاس پستول اور خنجر موجود تھا اور تمہاری یاد تھی۔" اس نے نظریں اٹھا کے مجھے دیکھا اور کہنے لگی۔ "بس تم سے نہ ملنے کا دکھ تھا۔ صبح ہونے تک میرے پاس بہت وقت تھا، ٹیلر سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ مجھے اس طرح چھوڑ کے خوف سے روپوش ہو جائے گا۔ میں اس کے انتظار میں متعین جگہ کے ارد گرد چھپی رہی۔ سارا دار و مدار ٹیلر پر تھا کہ وہ واپس آتا ہے یا نہیں۔ میں درخت کے سائے میں دم سادھے بیٹھی رہی، مجھے ایک اطمینان ضرور تھا کہ میں نے اپنا کام کر دیا ہے اور تم جب واپس آؤ گے تو......" میں نے اس کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا۔ میرے بازوؤں نے اتنی شدت سے اسے دبوچا کہ وہ چیخنے اور چرمرانے لگی۔

"پھر ایک گاڑی مقررہ جگہ آ کے رکی، وہ ٹیلر ہی تھا۔ دوسرے دن صبح ریاست میں خوف و ہراس پھیل گیا اور حواس باختہ ٹیلر میرے پاس پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا آیا۔ صبح ہوتے ہی اتنا تو اس نے سمجھ لیا ہو گا کہ رات کو کھنڈروں کی طرف میری پراسرار روانگی سے دو گوروں کے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ٹیلر بہت خوف زدہ تھا۔ حالانکہ وہ پولیس کی گڈ لسٹ میں ہے اور اینگلو انڈین ہونے کی وجہ سے گورے بھی اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں مگر ٹیلر کے خوف کی وجہ دوسری تھی۔"

"وہ کیا!" میں نے اضطراری حالت میں پوچھا۔

"بے صبری میں میرا دوسرا نشانہ اوچھا پڑ گیا تھا۔ دوسرے گورے کو ٹھیک سے گولی نہیں لگی۔ ٹیلر نے مجھے بتایا کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں انگریزوں کے خصوصی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے اور ڈاکٹر اسے بچانے کے لیے سخت جدو جہد کر رہے ہیں۔"

"تو کیا وہ ہوش میں آ گیا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"میں نے ارادہ کیا کہ کسی طور اسے ہسپتال ہی میں خاموش کر دیا جائے لیکن ہسپتال پہ سخت پہرا لگ گیا تھا۔ یہ واقعہ اس دن کا ہے جب تم چھاؤنی سے واپس آئے

تھے ایک تو یہی پریشانی تھی، پھر تمہاری حالت دیکھ کے رہی سہی ہمت بھی ختم ہو گئی۔ میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی، احتیاطاً ٹیلر نے آمد و رفت کم کر دی تھی۔ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہا کہ زخمی گورا کیا بیان دیتا ہے۔ تمہاری واپسی کے بعد مجھے اس کے بیان کی اور فکر ہو گئی تھی۔ تم واپس آ گئے تھے اور اب زندہ رہنے کو جی چاہتا تھا۔ تیسرے دن ٹیلر میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ گورا زیادہ خون نکل جانے کے سبب مر چکا ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مرنے سے پہلے اس نے کوئی بیان دیا ہے یا نہیں۔ اس نے عالم نزع میں جو بیان دیا ہو گا، وہ تم جان سکتے ہو۔ ممکن ہے، اس نے مجھے چھاؤنی میں کبھی دیکھا ہو یا کہیں اور۔ بہرحال ٹارچ کی روشنی میں اس نے میرا چہرہ پوری طرح دیکھا تھا۔ اس وقت میری صورت اس کی نظر میں بیٹھ گئی ہو گی اور اس کے لیے میرا حلیہ بیان کرنا مشکل نہیں ہو گا۔"

مجھ پر سناٹا چھا گیا چند لمحوں تک تو میں گم سم رہا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر پوچھا۔ "تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ اس نے جو بیان دیا ہو گا، وہ انگریزوں کے تم تک پہنچنے کے لئے کافی ہو گا۔ ممکن ہے، وہ تمہیں نہ پہچانتا ہو اور پہچانتا ہو تو تمہارا نام اسے معلوم نہ ہو۔ ایسی حالت میں وہ ایک واضح اور مکمل بیان دینے کے قابل نہیں ہو گا۔ راجے پور میں تم جیسی لڑکیاں بلا شبہ گنتی کی ہوں گی۔ مگر۔" میری آواز میں خود کپکپاہٹ تھی۔ "اس دہشت ناک وقت میں اسے تمہارا چہرہ اس قدر وضاحت سے کیسے یاد رہا ہو گا۔"

"کاش ایسا ہی ہوتا۔" وہ شکستہ آواز میں بولی۔ "اس کی موت کے دوسرے دن ٹیلر نے آ کے مجھے بتایا کہ اس نے ہائی کمان کے افسروں کے سامنے کوئی بیان ضرور دیا ہے۔ اس وقت ہسپتال کے ڈاکٹروں اور نرسوں کو کمرے سے باہر کر دیا گیا تھا اور ہائی کمان کے تین افسروں کے سوا چھاؤنی کا کوئی انگریز موجود نہیں تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر ہائی کمان کے افسروں نے تفتیش شروع کر دی۔ ان کی تفتیش ابھی جاری ہے۔ وہ بھون میں بھی آئے تھے۔ انہوں نے یہاں کی ایک نوجوان لڑکی سے ملاقات بھی کی تھی۔ یہ ملاقات بظاہر غیر رسمی انداز کی تھی۔ ظاہر ہے، وہ کھلے عام تفتیش کر کے

مجرموں کو چوکنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے خاص طور پر دلچسپی کا اظہار کیا۔ وہ میرے کمرے میں آئے اور میرے بارے میں پوچھتے رہے کہ میں نے انگلستان میں کتنا وقت گزارا ہے۔ بھون میں سب سے زیادہ وقت انہوں مجھ سے بات کرنے میں صرف کیا۔ میں نے ان کی نشتر نگاہیں اپنے دل پر محسوس کی ہیں۔ ان کے لہجے میں میٹھا زہر بھرا ہوا تھا۔ بات یہاں تک رہتی تو ٹھیک تھا مگر کل پھر ان کا ایک افسر مجھ سے ملنے آیا تھا۔ وہ دیر تک ریاست میں ہونے والی خوں ریزیوں کے متعلق تبادلہ خیال کرتا رہا۔ میں نے بہت محتاط گفتگو کی لیکن وہ مجھے ٹٹولنے آیا تھا۔ وہ بھون میں کسی اور سے ملنے نہیں آیا تھا۔ اس نے اشاروں اشاروں میں یہاں تک کہا کہ ہائی کمان نے سختی سے حکم دے دیا ہے کہ کسی کو بھی بے امتیاز تفتیش کا ہدف بنایا جا سکتا ہے چاہے وہ ریاست کا کوئی ذی اثر شخص ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں مجھ پر ضرور شبہ ہوگیا ہے موہن! گورے نے مرتے مرتے زہر بھر دیا ہے۔ اس نے یقیناً ایک واضح بیان دیا ہے' درمیان کی کوئی کڑی انہیں نہیں مل رہی ہے۔ اس لیے وہ محتاط انداز میں کام کر رہے ہیں۔ بھون کے ہر شخص کی ایک خفیہ رپورٹ ان کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہے۔ ٹیلر کا کہنا ہے کہ ہائی کمان کے یہ افسر چھاؤنی کے افسروں سے بھی رابطہ قائم نہیں کر رہے ہیں۔ وہ انہیں اس وقت طلب کرتے ہیں جب انہیں کسی مسئلے کے بارے میں کوئی الجھن پیش آتی ہے۔ کرنل ہارڈنگ اپنی کوٹھی میں تقریباً نظر بند ہے۔ پھر چھاؤنی کے دوسرے ماتحت افسروں کا کیا حال ہوگا۔ دیکھ لینا' وہ مجرم کو ایک دم پکڑیں گے تاکہ اسے فرار کی کوئی راہ نہ مل سکے مگر اس سے پہلے اچھی طرح تصدیق کر لیں گے۔"

"پارو! پارو!" میں نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! یہ تمہاری ذہانت ہے جس نے شبہوں کی فصل اگائی ہے' ذرا سوچو' تمہیں صدر دروازے سے کسی نے آتے جاتے نہیں دیکھا' وہ تم پر اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکتے تم پرکاش چندر کی رانی رہ چکی ہو اور تم سے ان کے خاص روابط بھی قائم تھے۔ وہ تم پر شبہ کرتے ہوئے ہزار بار سوچیں گے۔ تم نے اتنا حوصلہ کیوں کھو دیا۔ میرا خیال ہے' تم کچھ زیادہ ہی پریشان ہوگئی ہو۔" میں اسے تسلی دے رہا تھا لیکن میرے لفظوں میں

جان نہیں تھی۔ پارو جس طرح کے واقعات بتا رہی تھی اور انگریزوں کی جو گفتگو بیان کر رہی تھی' اسے سن کے کسی بھی ہوش مند شخص کا ذہن کھنڈر میں بدل جاتا۔ وہ اپنی باتوں سے مجھے مسلسل ہلاک کر رہی تھی تاہم میں نے اسے اس کی ذات کا اعتماد بخشنے کا عمل جاری رکھا۔ اس موقع پر اس سے یہ کہنا بیوقوفی تھا کہ اس نے آخر اتنا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ چھاؤنی میں میری آزادی کے لیے دنیش بپھرتا ہوا گیا تھا' سادھو بھی گئے تھے۔ خود میں نے کوئی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا' یہی بہت تھا مگر دنیش کے چھاؤنی جانے' سادھوؤں کے احتجاج کرنے' اپنے باپ کے سامنے ریتا کے فریاد کرنے اور میرے انکار کرنے سے زیادہ تیز اور موثر طریقہ پارو نے اختیار کیا تھا۔ اس نے انگریزوں کی فکر کا رخ موڑ دیا تھا۔ اس نے ان کی سوچیں منتشر کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ وہ اپنی داستان کا آخری حصہ سنا کے مجھے سنسنی سے دو چار نہ کرتی تو میں اس کی انگلیاں کاٹ کے رکھ لیتا' میں اس کے تلوے چاٹتا' جن تلوؤں سے وہ کھنڈروں کی طرف گئی تھی' کتنے کانٹے چبھ گئے ہیں' پارو کو اس عالم میں کوئی دیکھ لیتا تو یقین نہ کرتا۔ وہ شہزادی' جو نفیس اتنی کہ گرد اس پر جمتے ہوئے ڈرے' ریشم اس کے بدن پر سجنے کی آرزو کرے اور نہ اسے ریشم کی ضرورت' نہ زیور کی۔ وہ خود ہی ریشم' خود ہی زیور۔ اس کا بدن آرائش خانہ۔ وہ اندھیری رات میں ایک آوارہ شخص کے لیے کتنی دور چلی گئی۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔" مجھے گم دیکھ کے وہ ہراساں آواز میں بولی۔

"میں۔ میں اب اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہوں اور اپنے دماغ سے سوچ سکتا ہوں۔" میں نے دانستگی سے کہا۔ "پارو تم اپنا اعتماد بحال رکھنا اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو فکر مت کرنا۔ تم اکیلی نہیں جاؤ گی۔ ہم تماشا کرتے ہوئے جائیں گے' پٹاخے چھوڑتے ہوئے جائیں گے۔ ممکن ہے' وہ ابھی تم پر قطعی الزام عائد کرنے میں دیر لگائیں۔ اس وقت تو ہمیں اپنے دل کی تمام حسرتیں نکال لینی چاہئیں۔ ایک دن تمہیں بھی مرنا ہے' مجھے بھی۔ آگے پیچھے کی بات ہے پارو! موت سے مت ڈرو۔ تم اکیلی نہیں جاؤ گی پارو!"

"اوہ موہن!" اس کے گالوں پر خون چھلک پڑا۔ "مجھے یہی فکر تھی' یقین کرو'

یہی فکر تھی کہ تم یہ سن کے نہ جانے کیا کہو گے۔ کس تاثر کا اظہار کرو گے۔ تمہاری باتیں میرے کانوں میں رس ٹپکا رہی ہیں' میں یہی سننے کے لیے مضطرب تھی' مجھے اپنا انعام مل گیا۔ میں اب نہیں ڈرتی۔ فکر نہیں کرتی۔ تمہارے بازو میری فصیل ہیں' تمہارا جسم۔'' وہ میرے سینے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ ''تمہارا جسم میرا قلعہ ہے۔''

''سنو پارو! کل نہ جانے کیا وقت آ جائے۔'' میں نے گرم لہجے میں کہا۔ ''یہاں آنے سے پہلے میں جس نتیجے پر پہنچا تھا' تمہاری روا داد سننے سے اسے مزید تائید حاصل ہو گئی ہے۔ میرے دل میں تمہارے بدن پر بے شمار بوسے ثبت کرنے کی آرزو محفوظ ہے۔ تم اسے قرض سمجھنا۔''

''موہن! تمہارا یہ عہد قرض کی واپسی ہے۔'' وہ سرشاری سے بولی۔'' مگر تم کس نتیجے پر پہنچے تھے؟ میں سننے کے لیے بے تاب ہوں۔''

''پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے اینگلو انڈین پولیس افسر ٹیلر پر کس حد تک اعتاد کیا جا سکتا ہے؟'' میرے لہجے کی گمبھیرتا سے وہ تذبذب میں پڑ گئی۔

''غلاموں کی حد تک' اسے پولیس میں مہیش چندر نے بھرتی کرایا تھا تاکہ وہ بھون کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ اینگلو انڈین بھی وہ مصلحتاً بنا ہوا ہے ویسے وہ گوالیار کے ایک غریب اور اچھے خاندان کا فرد ہے۔ اس کے خاندان پر مہیش چندر کے بے پناہ احسانات ہیں مگر اس کے اور مہیش کے تعلق کی خبر میرے سوا کسی کو نہیں ہے' پولیس افسری سے پہلے ہم نے احتیاط کے طور پر اس سے ملنا جلنا بند کر دیا تھا۔ اب وہ صرف اہم باتوں کے لیے رابطہ قائم کرتا ہے۔ مہیش چندر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں نے اس پر اس سے زیادہ مہربانیاں کی ہیں۔ اس لیے اس کی موت کے بعد اب بھی وہ مجھ سے متعلق ہے۔''

''تم نے ایک بار کہا تھا کہ وہ تمہارا احترام کرتا ہے' گویا تم سے اس کے مراسم نیاز مندی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر وہ نوجوان ہے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے قربت کے بہانے تلاش کرتا ہو گا۔ اس کے دل میں تمہارے متعلق کسی اور طرح سوچنے کا کوئی گوشہ ضرور ہو گا۔''

''تمہارا کیا مطلب ہے؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میں بربنائے مصلحت تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم وہ گوشہ ابھارنے کی کوشش کرو پھر اس کی غلامی میں ایک اور جذبہ شامل ہو جائے گا۔''

''تمہارا خیال صحیح ہے' وہ اپنے فدویانہ ماضی اور میری آقایانہ مرتبت کے باعث کبھی اظہار کی جرات نہیں کر سکا لیکن وہ بہر حال ایک نوجوان آدمی ہے۔ باتیں کرتے ہوئے شرماتا ہے' اس کے چہرے پر رنگ آ جاتے ہیں' لہجہ اٹکنے لگتا ہے اور وہ ایثار پر آمادہ رہتا ہے مگر تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں اس بار اسے ایک نہایت اہم ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں۔ وہ گولی چلاتے اور خون بہاتے جھجکتا تو نہیں ہے؟''

''مہیش چندر ایسے آدمیوں کو اپنے گرد نہیں پھٹکنے دیتا تھا جو جھجکتے ہوں لیکن وہ ایک پولیس افسر ہے اور ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم اسے پولیس کی ملازمت میں سرخرو رکھیں۔''

''ٹھیک ہے' اس کی سرخ روئی پر کوئی حرف نہیں آئے گا بشرطیکہ اس نے جرات اور ذہانت کا ثبوت دیا۔ اگر وہ جھجکتا ہے تو تم اپنے رویے سے اس کا گریز دور کر سکتی ہو' میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی ڈیوٹی بڑی حویلی میں تبدیل کرا لے۔''

''کیوں؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''ویسے یہ مشکل نہیں ہے' پولیس کے جو ذمے دار افسران یہاں تعینات ہیں' انہیں بڑی حویلی جانے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ٹیلر معائنے کے لیے وہاں بھی جاتا رہتا ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو اور اچھی بات ہے پھر اسے اپنا زیادہ وقت وہاں گزارنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''تم اسے اپنی شیدائیت کے معاوضے کے علاوہ فی آدمی دس ہزار روپے کی پیش کش کر سکتی ہو۔''

''تم پہلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟'' وہ تشویش سے بولی۔

''دیکھو پارو! میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا۔'' تمام وارداتوں کا الزام مہاراجہ کے نظم و نسق پر عائد ہوتا ہے اسی لیے وہ انگریزوں کو اپنی معصومیت کا یقین دلانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں آزما رہے ہیں۔ وہ اپنے روٹھے ہوئے ستاروں کو منانے کے لیے ضروری نہیں کہ ہر فیصلہ درست کریں۔ یہ فشار بڑھ

بھی سکتا ہے۔ ایک دن انگریز' مہاراجہ سے بے مروتی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس وقت انتخاب کا مسئلہ آئے گا اور انتخاب اسی شخص کا ہو گا جو انگریزوں کی نظر میں کتے کی خصلت رکھتا ہو۔ جگ دیپ میں یہ خصلت بدرجہ اتم موجود ہے' بڑی حویلی میں جگ دیپ کے بعد اس کے چھوٹے بھائی اور دوسرے افراد انتخاب کے وقت درخور اعتنا نہیں سمجھے جا سکتے۔ جگ دیپ' دنیش کو ہم سے دور کرنے کے لیے متعدد کوششیں کر چکا ہے۔تم خود اس کی گواہ ہو' ہمیں ٹیلر کو آمادہ کرنا ہو گا کہ وہ جگ دیپ کو ختم کر آئے۔ چاہے وہ ایک لاکھ روپے انعام میں لے یا اس زیادہ' چاہے تمہیں ایک آدھ بار اپنی مرضی کے خلاف اس سے لگاوٹ کا اظہار کرنا پڑے۔ مجھے یقین ہے وہ تمہاری خوشبو سونگھ کے دیوانہ ہو سکتا ہے' اس کے لیے آنے والے دنوں میں تمہاری قربت کا تصور بہت نشہ انگیز ہو گا۔ میں کوئی اور بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ صرف روپے کی بات کر رہا ہوں' اس کے لیے تمہارا مثبت رویہ ہی بہت زہریلا ہو گا۔"

"اور اگر ٹیلر اس پر آمادہ نہ ہوا؟"

"گویا تم ٹیلر کے بارے میں اپنے اعتماد کی نفی کر رہی ہو؟"

"میں اسے آمادہ کرنے کی کوشش کروں گی۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہارا کام ہے' اس سے کہنا اگر جگ دیپ اس کے نشانے پر نہ آ رہا ہو تو بڑی حویلی کے دوسرے افراد کا نشانہ لینے سے نہ چوکے۔ میں سمجھتا ہوں' اس میں ذرا سی بھی جرات اور عقل موجود ہے تو وہ یہ کام آسانی سے کر آئے گا۔"

"بڑی حویلی کے دوسرے لوگوں کے خون سے کیا ہو گا؟"

"بہت کچھ۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "بہت کچھ۔ بنیادی مسئلہ جگ دیپ کو ختم کرنا نہیں ہے' اسے اس کے ارادوں سے باز رکھنا مسئلہ ہے۔ ایک پریشان حواس باختہ' متزلزل' متذبذب' غم زدہ' خوف زدہ جگ دیپ بے اثر ہو گا۔ اب تم بچوں کی طرح مجھ سے تشریح مت چاہو۔ ذہن پر زور ڈالو۔"

بات پارو کی سمجھ میں آ گئی' پھر اس نے مجھ سے مزید شرح و تعبیر نہیں چاہی۔ راہ داری میں نکلنے سے پہلے اس نے دروازے سے جھانک کے اطمینان کر لیا کہ کوئی موجود نہیں ہے۔ میں جلدی میں وداعی رسم بھی انجام نہیں دے سکا۔

ملازم رکھا ہے' ہم' ہم تمہیں اس گستاخی کی سزا دیں گے' تم ہمیں مشورے دے
ہم اس لڑکی کو ضرور حاصل کریں گے۔"

"آپ غلطی کریں گے۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"ہم راج کمار دنیش چندر کے سامنے آ جائیں گے' اس بھون پر ہمارا بھی اتنا
ہم اس لڑکی کو کتوں کے آگے ڈال دیں گے۔"

"میں آپ کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ آپ کی ایسی کوئی حرکت بدترین نتائج کا
سکتی ہے۔ آپ بہت بڑی غلطی کریں گے راج کمار سریش چندر! بہتر ہے کہ
بڑے پن کا ثبوت دیں' خود کو کانٹوں میں مت گھسیٹیے۔"

"تم۔ تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو!"

"میں آپ کو متنبہ کر رہا ہوں' اسے دھمکی مت سمجھئے' حقیقت سمجھئے آپ
پرکاش چندر اور ریاست راجے پور کے ایک معزز خاندان کے فرزند ہیں لیکن
مطلب نہیں ہے کہ آپ ریاست میں رہنے والے غریب لوگوں پر اپنے فیصلے'
خواہشیں ٹھونسیں' آپ انہیں کتوں کے آگے ڈال دیں۔ آپ جو چاہیں' سیاہ و سفید
کرتے پھریں۔ اس طوائف نے توبہ کر لی ہے اور خود کو کسی ایک شخص سے متعلق کر لیا
۔ وہ آپ سے درخواست کر چکی ہے' میں آپ سے درخواست کر چکا ہوں مگر آپ
سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنا سب کچھ بیچ دیا ہے'
کیا تھا اور تم' شرم ناک کام کا معاوضہ دے رہے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ میرے
مجھے کچھ یاد نہیں' قت' منہ میں زبان اور رگوں میں خون موجود ہے۔"
دوران میں بھی ہما بند رکھو حرام زادے! ہم تمہیں ابھی نکال دیں گے۔ جاؤ۔ ہم کہتے
نے توجہ نہیں کی۔ ری صورت یہاں دیکھنا نہیں چاہتے۔ یہاں جو آتا ہے' اسے یہ بات
"آپ بکہ اس کا سب کچھ ہم نے خرید لیا ہے۔ یہ ہماری شرط ہے' یہ شرط
"ہاں ہاں' سڑکوں پر بھیک مانگو۔" اس نے طیش میں اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔
کرتی جاتی ہے' ہما اس کی کلائی درمیان میں پکڑ لی۔ "راج کمار سریش چندر اپنے آپ
حاصل کرنا چاہتے' اس کا ہاتھ جھٹک کے میں نے غصے سے کہا۔ "آپ کی عزت مجھے
ہماری پیش کش منتقل ہے۔"

''ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے۔'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا اور اس نے پستول نکال لیا۔''اس سے پہلے کہ ہم تمہارے گندے خون سے یہ فرش خراب کریں' ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ابھی اور اسی وقت یہ بھون چھوڑ دو۔''

''صرف فرش ہی خراب نہیں ہو گا راج کمار!اور بھی بہت سی چیزیں خراب ہو جائیں گی۔ پستول جیب میں رکھ لیجیے اور غصے پر قابو پانے کا سلیقہ سیکھیے۔''

''ہمیں گولی چلانا آتا ہے موہن داس!نکل جاؤ۔'' وہ چیخ کے بولا۔''یہاں سے نکل جاؤ' تمہیں پھر موقع نہیں ملے گا۔''

''اور ہمیں گولی کھانا آتا ہے راج کمار!'' میں نے سکون سے جواب دیا۔ ''آپ کو بھی پھر موقع نہیں ملے گا۔ جایئے' واپس جایئے اور جو کچھ میں نے کہا ہے' اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔'' وہ لرزنے لگا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آبا کی طرح موقع کی نزاکت دیکھ کے چپ چاپ چلا جائے گا مگر اسے غلام برتنے کے طور نہیں آتے تھے' وہ ناپختہ تھا۔ اس نے نشانہ تاک لیا اور آخر وقت میں مجھے ایک بار اور نکل جانے کی رعایت دی۔ میں نے اس کی تیور پہچان لیے تھے۔ اس کے کھٹکا دبانے سے پہلے میں تیزی سے دو قدم بڑھ کے اس کے نزدیک ہو گیا۔''چلایئے گولی۔'' میں نے اپنا سینہ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ وہ میری اس پیش قدمی پر گڑ بڑا گیا۔ پستول میرے سینے پر ٹکا ہوا تھا اور میرے آنکھیں اس کی آنکھوں میں پیوست تھیں۔ اس کی نظریں زیادہ دیر تک مزاحمت نہیں کر سکیں۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ یہی لمحہ تھا جب میں اپنے بائیں ہاتھ کو جنبش دے کے پستول اس کے ہاتھ سے چھین سکتا تھا۔ میرا ہاتھ ٹھیک اس کے پہنچے پر پڑا۔ اس نے گھبرا کے پہلو بدلا' گولی چل گئی اور دیوار میں سوراخ کر گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس کا پستول فرش پر پڑا تھا۔ باہر اچانک شور اٹھا' دنیش ایک لمحے کی مدت میں بھاگتا ہوا اندر آیا۔ یہ نظارہ دیکھ کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' پستول سریش چندر کے پیروں کے نزدیک پڑا ہوا تھا۔ اسے اٹھانے کی اس میں جرات نہیں تھی۔ میں نے ہی یہ جرات کی۔ اس اثنا میں دنیش چندر ہم دونوں کے درمیان آ گیا تھا۔ میں نے پستول واپس کرنے کے لیے سریش کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اسے پھرتی سے اچک لیا اور دوبارہ نشانہ لینے کا ارادہ کیا مگر دنیش نے

اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔''ہم اسے گولی مار دیں گے۔ یہ گستاخ ہماری توہین کرتا ہے' اسے برطرف کرو دنیش چندر!ہم اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔ یہ کمینہ ہمارے منہ آتا ہے' کتے کا بچہ۔حرام کا پلا۔'' وہ بپھرتے ہوئے بولا۔

مہارانی مایا دیوی نے آ کے سریش کو پکڑا اور اس کا کاندھا جھنجوڑتے ہوئے بولی۔''نوکروں سے اس طرح بات کرتے ہیں؟''

''رانی ماں!آپ ہٹ جایئے' آج یہ ہوگا بھون میں یا ہم۔'' وہ مایا دیوی کو دھکا دیتے ہوئے بولا لیکن مایا دیوی لڑکھڑا کے دوبارہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

''پاگل ہو گئے ہو؟'' وہ برہمی سے کہنے لگی۔''نوکر پر ہتھیار اٹھاؤ گے؟ کیچڑ منہ کو لگ جائے گی۔ کچھ خیال کرنا چاہیے۔''

''یہ نوکر نہیں ہے' یہ ہمارا آقا ہے' ہمیں مشورے دیتا ہے۔ یہ ہمارے سر پہ بیٹھا ہوا ہے اور یہ سب آپ کے چہیتے دنیش چندر کی وجہ سے ہے۔ اب یہاں تک ہو گا کہ نوکر ہمیں بات کرنے کی تمیز سکھائیں گے۔''

''کیا بات ہے سریش؟'' دنیش نے تحمل سے کہا۔'' ہمیں پوری بات تو بتاؤ۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی گردن میں بے تکلفی سے ہاتھ ڈال دیا۔''اتنا غصہ نہیں کرتے۔''

''اب ہمیں بات بھی بتانی پڑے گی؟'' وہ اشتعال میں بولا۔''سن لیجئے راج کمار دنیش!اسے ہماری توہین پر انعام و اکرام دے کے رخصت کر دیجئے' ہم کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ ہمارا مطالبہ ہے۔''

''سریش!'' دنیش نے ہنستے ہوئے کہا۔'' ہم تمہارا مطالبہ تسلیم کر لیں گے مگر ذرا صبر' ایک ذرا سکون قائم رکھو۔''

''آپ کے اس وفادار کتے کی موجودی میں ہمیں صبر نہیں آ سکتا۔ یہ گستاخ آدمی دیکھے بغیر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔'' وہ طنز اور نفرت سے بولا۔''آپ فوراً اسے نکل جانے کا حکم کیجئے۔''

دنیش نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ بھون کے وہ تمام لوگ جو ملاقاتی کمرے میں موجود تھے' اب حلقہ بنا کے ہمارے گرد کھڑے ہو گئے تھے اور سبھی

سریش کو صبر و ضبط کی تلقین کر رہے تھے مگر سریش اور بگڑتا جا رہا تھا۔ درمیان میں کماریاں بھی بول پڑیں۔ ''نوکر کی بات پر اتنا غصہ؟'' پریت نے آگے آ کے کہا۔ ''بس بس' اب من بھی جاؤ۔''

میں نے وہ حلقہ توڑ کے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ کماریاں میرا ارادہ بھانپ کے نفرت زدہ انداز میں مجھے راستہ دینے کے لیے پیچھے ہٹ گئیں۔ دروازے کے قریب دنیش کی بلند آواز نے میرے قدم جکڑ لیے۔ ''ٹھہرو موہن! تم یہیں رہو گے۔''

دنیش کی بلند آواز سے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ ''آؤ سریش! دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔'' خود دنیش ہی نے یہ سکوت توڑا مگر سریش بے لگام ہو گیا تھا۔ مہارانی مایا دیوی اور راج کماریوں کو شاید اب صورت حال سنگین ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ سریش اپنے بڑے بھائی اور بھون کے سربراہ دنیش کو نہایت ناروا لہجے میں مخاطب کر رہا تھا' کسی بھی لمحے دنیش کے صبر کا پیمانہ چھلک سکتا تھا۔ پھر ایک ساتھ کئی آوازوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ باہر چلے۔ وہ پیر پٹختا اور گرجتا رہا مگر وہ اسے کھینچ تان کے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں ایک دیوار کے ساتھ چپکا کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر تک تو مجھے خود اندازہ نہیں ہو سکا کہ سب غلط ہوا ہے یا صحیح' ملاقاتی کمرے سے دھیمے شور کی آوازیں ادھر آ رہی تھیں' نوعمر سریش نے اچھی خاصی باتیں کہہ دی تھیں' جی میں آئی کہ سب کو ترک کر کے چلو لیکن دنیش جیسے دروازے پر کھڑا نظر آیا' جیسے وہ شکایت کر رہا ہو' تم نے بھی سریش کی تقلید کی۔ کاش میں کچھ دیر اور پارو کے پاس ٹھہر جاتا' مگر یہ واقعہ تو کسی وقت بھی رونما ہو سکتا تھا۔ آدمی ہر وقت موہن داس تو نہیں ہوتا' کبھی وہ آدمی بھی بن جاتا ہے۔ میرے منہ میں کڑواہٹ سی ہونے لگی اور کچھ یہ افسوس ہوا کہ جو ہونا چاہیے تھا' وہ نہیں ہوا۔ کیا ہونا چاہیے تھا اور کیا نہیں ہوا؟ میں اس میں تفریق نہیں کر سکتا تھا۔ بس کسی کمی کا احساس ہوتا تھا' ایک خلش دل میں باقی رہ گئی تھی۔

میں دنیش کا منتظر تھا۔ اس وقت تو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن رفتہ رفتہ بے شمار خیالوں نے مجھ پر یورش کر دی۔ ہم سب ایک دربار میں رہتے تھے۔ میں نے خود کو ٹٹولا' کیا پچھتاوا ہو رہا ہے؟ نہیں' کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ سریش چندر کو اس عمر میں

ایسے رویوں کا تجربہ ہونا چاہیے زمانہ گزر گیا ہے' آنے والا زمانہ اور بھی تلخ ہو گا۔ ضروری ہے کہ پہلے سے گنجائش پیدا کر لی جائے ورنہ بعد میں بڑی تکلیف ہو گی۔ سارا شاخسانہ یہ ہے کہ لوگ توقعات کچھ اور کرتے ہیں' ہو کچھ اور جاتا ہے۔ توقع کی تکمیل اور ناتکمیل ہی میں ساری خوبی' ساری خرابی مضمر ہے۔ اب جو ہو چکا تھا' اس کے بعد مزید کچھ ہونے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کہ سریش سے بلند آواز میں بات کرنے کی جسارت بے سبب نہیں کی گئی تھی۔ وہ لوگ اب بھی موجود تھے جو گفتگو کا موضوع بنے تھے' ایک بار انہیں سائبان میں کھڑا کر کے دوبارہ دھوپ میں نہیں دھکیلا جا سکتا تھا۔

دنیش چندر کو آنے میں وقت لگا' اس کا مطلب یہ تھا کہ سریش نے کچھ زیادہ ضد اختیار کر لی تھی۔ پھر مجھے دنیش کو کمرے میں موجود پا کے خوشی ہوئی۔ ''مجھے ڈر تھا۔'' وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولا کہ ''تم کہیں مجھے پریشان نہ کرو۔'' میں نے سر جھکا لیا۔ ''وہ سنبھلا نہیں۔'' دنیش تاسف سے بولا۔ ''وہ چلا گیا۔''

''چلا گیا؟ کہاں چلا گیا؟'' میں نے اچھل کے کہا۔

''اس نے شرط عائد کر دی تھی کہ یا تو تم بھون میں رہو گے یا وہ۔ میں نے اسے سمجھانے کی امکانی کوشش کی۔ پھر خاموشی اختیار کر لی اور وہ چلا گیا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس موقع پر کیا کہوں۔''

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''مجھے یقین ہے' اس نے تمہیں خاصا برہم کر دیا ہو گا۔ تمہیں میں اس سے زیادہ جانتا ہوں۔''

''ہاں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''مجھے اس کی بات بہت بے وقت لگی۔ اس نے خیال ہی نہیں کیا کہ کس سے کیا بات کرنی چاہیے لیکن یہ برا ہوا۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟''

''اب جانے دو۔'' وہ اکتا کے بولا۔ ''یہ اچھا ہی ہوا۔ میں نے آج اس کے عجب تیور دیکھے۔ ساتھ ہی اور بھی بہت سے لوگوں کے چہرے نظر آ گئے۔ چھٹائی ہو رہی ہے موہن!''

''مگر بھون میں آپ کا یہ عمل ناپسندیدہ قرار دیا جائے گا اور ریاست میں بڑی رسوائی ہو گی۔'' میں نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

اس نے منہ بنایا۔ ''ہوا کرے' مجھے اپنے فیصلے پر خوشی ہے' بھون میں صرف
اس کی قسم کے لوگ نہیں رہتے اور میں یہاں کے معاملات اس سے بہتر سمجھتا ہوں
اس نے یہاں سے جا کے کم سے کم یہ ضرور جتا دیا کہ دوسروں کے ساتھ بھی ایسا
سلوک ہو سکتا ہے۔ میں نے ان سب سے کہہ دیا ہے کہ جو میرے فیصلوں پر ناخوش
وہ یا تو خاموش رہے یا کہیں اور چلا جائے۔ سوال کیا گیا تو جواب دینا پڑے
موہن!''

''میں اس واقعے سے پہلے خود آپ سے یہی کہنے والا تھا۔ ہم بھون میں
ریاست کی موجودہ صورت حال سے فائدہ اٹھا کے کچھ اصلاح کر سکتے ہیں' میں آپ
سے کہنے والا تھا کہ ہمیں کم سے کم ایک طرف سے ضرور مطمئن ہونا چاہیے' بھون کے
ان سانپوں سے مطمئن ہونا چاہیے جو ہماری آستینوں میں پلے ہوئے ہیں۔ میں نے
طے کیا تھا' آج آپ کو اختیارات سختی سے استعمال کرنے کی رائے دوں گا۔ یہی وجہ
کہ میں نے ملاقاتی کمرے میں لوگوں کے سامنے ایک مختلف رویے کا اظہار کیا ا
سریش سے نسبتاً اونچی آواز میں بات کرلی۔ وہ اس کا متحمل نہیں ہو سکا' بات چھوٹی تھ
بڑھ بہت گئی۔''

''اوہ موہن جانے دو۔ مجھے آج تمہارا یہ انداز بہت دل کش لگا' میں تو
سے پہلے ہی کہتا تھا کہ بھون میں تمہارا باقاعدہ منصب مقرر کر دیا جائے اور منصب
کیا ضرورت ہے۔ دوستی خود ایک منصب ہے تم نے نوکروں کا روپ اختیار کیے رکھا او
اپنی توہین کراتے رہے' اپنے آپ کو چھپاتے رہے۔ نہ جانے اس میں تمہیں کیا مزہ آ
تھا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن اس وقت حالات ہی ایسے تھے۔''

''وہ کیا حالات تھے' یہ میں آج تک نہیں جان سکا۔ تم نے کچھ نہیں بتایا
پتہ نہیں' وہ کون سے اسباب ہیں جو تمہاری زبان پر تالا لگائے ہوئے ہیں اور تم مجھے بھی
نہیں بتا سکتے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تو مجھے ایک محرومی سی ہوتی ہے۔ کم تری کا ایک
احساس۔''

''ارے نہیں نہیں دنیش بابو!'' میں نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دی

میں آپ کو بتاؤں' میرا ماضی کوئی ایسا قابل ذکر نہیں ہے اور میں اسے بھولنا بھی چاہتا
ہوں۔ میں نے وہ دروازہ ہی بند کر لیا ہے جو پیچھے کی طرف کھلتا تھا۔ اب اسے نہ ہی
کھولیں تو بہتر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں یہیں پیدا ہوا تھا۔ آپ کو یہ تسلیم کرنے میں
کیا اعتراض ہے' ورق الٹ دیا ہے۔ سامنے کے صفحے پر سب کچھ نظر آ رہا ہے تو پچھلا
ورق لوٹنے کی زحمت کیوں کی جائے۔ کیا آپ مجھے بہ تمام و کمال نہیں سمجھ رہے ہیں؟
کیا میری زبان' میری روشنائی پڑھی نہیں جا رہی ہے؟ میں تو آسان زبان میں لکھا ہوا
ہوں۔''

''کچھ اور نہیں تو تمہاری توجیہیں بہت آسان اور دل کش ہوتی ہیں۔'' وہ
مسکرانے لگا۔ ''یہ بتاؤ طبیعت کیسی ہے؟''

''بے حد اچھی۔'' میں نے اکڑ کے کہا۔

''آرام کرو لالا۔ اتنا مت اکڑو۔''

''آپ کتنے کمال آدمی ہیں۔'' میں نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

سریش چندر ریاست میں اپنے کسی عزیز کے ہاں نہیں گیا' وہ بڑی حویلی میں
جگ دیپ کے ہاں چلا گیا۔ اس طرح اس نے بھون کے ان لوگوں میں دنیش کو سرخ
رو کیا جو اس کے خاموش فیصلے پر جزبز نظر آتے تھے۔ شام ہی کو یہ خبر مل گئی۔ میں
دنیش کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ دنیش کا ردعمل جاننے کے لیے ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ دنیش
نے کوئی تبصرہ نہیں کیا' وہ دوسرے موضوعات پر باتیں کرتا رہا اور اس نے مجھے مخاطب
کر کے کہا۔ ''کیوں موہن! تمہارے خیال میں بھون میں اور کتنے دنوں تک مسلح
سپاہیوں کا پہرا رہے گا؟''

میں اس اچانک تخاطب کے لیے تیار نہیں تھا۔ ان لوگوں کے سامنے رائے
دیتے ہوئے شرم سی آئی۔ ''میرا خیال ہے' یہ مدت طویل ہو سکتی ہے' خاصی طویل۔''
میں نے کچھ جھجک کے ساتھ سنجیدگی سے کہا۔ ''میں آپ کے توسط سے بھون کے
معززین سے درخواست کروں گا کہ یہ ان دنوں نہایت محتاط رہیں۔''

''بے شک' بے شک۔'' دنیش نے سر ہلا کے تائید کی۔

''اور بہتر ہے ان دنوں بھون سے باہر جانے سے گریز کیا جائے اور اگر کوئی

مجبوری ہی پیش آجائے تو باہر جاتے وقت آپ کو مطلع کر دیا جائے۔" میں نے سنبھل سنبھل کے کہا۔

"یوں کہو کہ بھون کے مفاد کے پیش نظر اسے بھون کے سربراہ کا حکم سمجھا جائے۔" دنیش نے لقمہ دیا۔ "حکم عدولی کی صورت میں بھون کے سربراہ کی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔"

"باہر خطرے لپک رہے ہیں۔ راج کمار! ہمیں آپس میں اتحاد کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ متحد ہو کے ہم یہ برا وقت ٹال سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

میری رائے زنی اور دنیش کا بدلا ہوا انداز بیان لوگوں کے لیے اجنبی ضرور ہوگا۔ یہ دنیش چندر کے بڑے بھائی مہیش چندر کا لہجہ تھا۔ جس سے ان کے کان نا آشنا ہوگئے تھے۔ جبینوں پر شکنیں پڑیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو طنز کی نظر سے دیکھا۔

"ہم اس سے پہلے بھی بھون میں یہ اعلان کر چکے ہیں کہ موہن داس ہمارا نوکر نہیں دوست ہے' نہ یہ ہمارا نائب ہے اور نہ کوئی عہدے دار۔ ویسے اسے نیابت کا تمام تر حق حاصل ہے اور اسے تمام عہدے ملے ہوئے ہیں۔ یوں سمجھا جائے کہ یہ ترقی کرتے کرتے اس عہدے پر پہنچا ہے اور ہم نے اس بھون کے مفاد میں اسے سب سے مخلص آدمی پایا ہے۔ لہٰذا اس کی زبان سے کہے جانے والے الفاظ ہماری ترجمانی سمجھے جائیں' اس سلسلے میں جنھیں ہم سے اختلاف ہے' ہم ان سے افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ انہیں ہم سے تعاون کرنا چاہیے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم چہرے شناخت نہیں کرتے' ہمیں معلوم ہے کہ کون یہاں ہم پر معترض ہے اور کون ہمارے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔ ہم نے بارہا انہیں اپنے کردار میں ترمیم کا موقع دیا ہے لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مجبوراً ہمیں اس لہجے میں بات کرنی پڑ رہی ہے۔ جو یہاں ہم سے مخلص ہیں' انہیں ہمارے فیصلوں پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے اور جو نہیں ہیں' ان کی ہم پروا نہیں کرتے' ہمیں نشانہ بنایا گیا ہے' ہماری خواب گاہ میں زہریلا دودھ رکھا گیا' ہمارے بستر میں سانپ چھوڑا گیا' ہمارے دوست پر متعدد بار گولی چلائی گئی' ہمارے بھائی مہیش چندر کو قتل کر دیا گیا۔ رانی بینا رانی' آشا' اور کتنے ہی لوگ بے موت مارے گئے' اب ہم یہ خوں ریزیاں مزید برداشت نہیں کریں گے۔ ہم نام نہیں لیتے لیکن سب

جانتے ہیں کہ کون کیا چاہتا ہے۔"

"بس دنیش بس۔" مہارانی مایا دیوی نے تندی سے کہا۔

"جو لوگ یہاں موجود نہیں ہیں' ہماری درخواست ہے' ان کی خدمت میں یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔ ہم مدت سے یہ سوچ رہے تھے کہ اپنے لوگوں کو بٹھا کے اپنی مجبوریاں بیان کریں اور ان سے تعاون کی درخواست کریں' سریش کے جانے کے بعد اب یہ گفتگو ضروری ہوگئی تھی۔"

"وہ بچہ ہے' واپس آجائے گا۔" مایا دیوی شفقت سے بولی۔ "بچے اسی طرح ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔ تم نے تو بہت اثر لے لیا۔"

"بچے تو اب تک ہم تھے رانی ماں!" دنیش کی آواز سرد تھی۔

"تم جو کچھ کہہ رہے ہو' اس سے بھلا کسے انکار ہو سکتا ہے۔" مایا دیوی لوگوں کو تنبیہی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہمارے لیے اس جاگیر کے نگران اور مکھیا تمہی ہو۔ تمہی کو سب سے پہلے باہر سے آنے والی گولیاں اپنے سینے پر روکنی ہوں گی اور تمہی ہماری حفاظت کے لیے جواب دہ ہو۔ ہم تمہاری ہر بات تسلیم کرتے ہیں۔ رہا موہن کا معاملہ تو تمہاری ہدایت پر ہم وہ بھی قبول کرتے ہیں۔ جس طرح ہم مہاراجہ اور مہیش چندر کے خاص آدمیوں کو قبول کرتے رہے ہیں لیکن موہن صرف تمہارا دوست ہو سکتا ہے' تم اسے جبراً سب کا دوست نہیں بنا سکتے۔ موہن داس کو خود ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ہماری دوستی کس طرح حاصل کرے۔"

"وہ ثابت کر چکا ہے رانی ماں! آپ کو کچھ نہیں معلوم۔" دنیش تنک کر بولا۔ "ہم نے موہن داس کے پاس یہ جاگیر رہن نہیں رکھ دی ہے' یہ ہم پر اوپر سے مسلط نہیں کیا گیا ہے۔ اس نے ایک ادنا ملازم کا جو روپ اختیار کیا تھا' وہ ایک فریب تھا۔ اس کی صلاحیتیں بتدریج ابھر کے سامنے آئیں کیونکہ دوستیاں اور دشمنیاں چھپی نہیں رہتیں۔ اچھے برے وقت میں وہ ضرور نمایاں ہوتی ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے تا دیر بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے۔ انہیں میرے بارے میں کچھ ایسی باتیں کرنی چاہئیں جن کا اظہار وہ میرے سامنے کرنے سے کترا رہی ہیں۔ پریت کی گردن جھکی ہوئی تھی' یہ اپنا تاثر چھپانے کا سب سے عمدہ

طریقہ ہے۔ مجھے کچھ کچھ یہ گمان تھا کہ پریت اور جگ دیپ کے دوسرے قریبی لوگو
کو سریش کی یہ بے تکلفی پسند نہیں آئی۔ سریش اتنا پختہ نہیں تھا کہ وہ ان کے دور ر
مفادات کے منصوبوں میں باقاعدہ شامل ہو' بس وہ ایک آلہ کار ہوگا' بھون میں دیش
ناپسند کرنے والے لوگوں نے اسے ترغیب دے کے گنتی بڑھانے کی کوشش کی ہوگی۔

اندر آ کے فون پر میری نظر پڑی۔ میں نے کچھ سوچ کے نمبر ڈائل کر
شروع کیے۔ جلد ہی میرا رابطہ راج کماری کنول سے قائم ہو گیا۔ اس نے کچھ گھبرا ک
میرا خیر مقدم کیا۔ ''پہچانیں آپ؟'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''غلام کو پروفیسر زاہد
کہتے ہیں۔''

''اوہ موہن!'' اس کی مضطرب آواز ابھری۔ ''تم کہاں ہو؟''

''ٹیلی فون پر۔'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''بتایئے مجھے اور کہاں ہونا چا
تھا؟'' وہ ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔ ''آپ سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''کہاں؟'' اس کی آواز نے پہلو بدلا۔ ''تم کہاں ملتے ہو؟''

''جیلوں میں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''ہم سب ایک طرح کی جیل ہی میں رہتے ہیں۔'' وہ غنودگی میں بولی
''بس سلاخوں کا فرق ہے۔ موہن! تمہیں معلوم ہے یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''آپ اپنی بات کیجیے' کیسی ہیں؟'' میں شگفتگی سے بولا۔

''تم اپنی بتاؤ' ہم نے تمہارے بارے میں عجیب عجیب باتیں سنی ہیں۔''

''میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟''

''برے لگتے ہو۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''چلیے فیصلہ ہو گیا۔ میں اپنے متعلق بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھا۔''

''اب تم کیا کرو گے؟''

''میں سو جانے کی کوشش کروں گا کیونکہ سونا سب سے بڑی نجات ہے' آد
برائیوں سے بچا رہتا ہے۔ میں گہری نیند سو جاؤں گا۔''

''ہم تمہیں جگا دیں گے بلکہ تمہیں سونے ہی کیوں دیں گے۔ پھر زما
سے برائیاں اٹھ جائیں گی اور برائیاں اٹھ جائیں گی تو کسی کا دل زندگی میں نہیں ل

گا۔''

''سوچ لیجیے۔ پھر آپ کو ہی شکایت ہو جائے گی۔''

''ہمارا جی چاہتا ہے' ہم خود کو تنگ کریں۔ ہم بہت آرام کی زندگی گزار رہے
ہیں۔'' وہ جذباتی ہو کے بولی۔ ''تم نے وعدہ کیا تھا کہ ادھر آؤ گے؟''

''کیا تھا مگر آپ دیکھ رہی ہیں' راستے میں سانپ بیٹھے ہیں۔ مہاراجہ سے
کہہ کے انہیں ہٹوایئے کہ کچھ دنوں میں لوگ گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیں گے اور
شہر پر سناٹا طاری ہو جائے گا۔''

''تمہیں کوئی سانپ نہیں کاٹے گا۔ تم آنے کا ارادہ تو کرو۔''

''مجھے ڈر لگتا ہے' ایک تو راستے سے' پھر آپ اتنی اونچی اونچی دیواروں میں
رہتی ہیں' خیال کر کے ہول آتا ہے' کتنے مرحلوں سے گزر کے آپ کے پاس پہنچنا
پڑے گا اور پھر آپ کو دیکھ کے آپ سے بات بھی نہیں ہو سکے گی۔''

''ایک بار آ کے دیکھو' سنا ہے' تم بہت جرات مند ہو۔''

''مگر نہ جانے کیوں۔'' میں نے خیال انگیز لہجے میں کہا۔ ''آپ سے بات
کر کے ساری جراتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔''

''اور ہمیں یہ ایوان' یہ ریشم و اطلس حقیر معلوم ہوتا ہے۔''

''تو پھر ایک دن آنا ہی پڑے گا۔ آمادگی میں البتہ دیر لگے گی۔''

''آمادگی کس امر کی؟'' اس کی پر تجسس آواز ابھری۔

''خوف دور ہونے کی۔'' میں نے برجستہ کہا۔

''کاش تمہارا خوف دور کرنے ہم خود آ سکتے۔''

''مجھے اندازہ ہے' آپ کا آنا آسان نہیں ہے۔ میں روز آپ سے بات کر
کے آمادگی استوار کرتا رہوں گا۔''

''دیکھو۔'' وہ گہری سانس لے کے بولی۔ ''تم پھر کسی ہنگامے میں گم ہو جاؤ
گے۔''

''اب شاید ایسا نہ ہو۔''

''اب کیا بات ہے؟''

مجھ سے جواب نہ بن پڑا۔ ''اب کچھ اور بات ہے۔''

''ہمیں نہیں بتاؤ گے؟'' اس کی آواز نے چٹکی لی۔

''پھر کبھی بتا دوں گا۔''

''سوچ کے جواب دو گے؟''

''جواب آپ جانتی ہیں۔'' میں نے جرات کی اور فون بند کر دیا۔ کوئی اند
آ رہا تھا' ریسیور میرے ہاتھوں میں جھولتا رہا۔ وہ فرنیچر صاف کرنے والی باندی تھی
میں نے سوچا اگر دنیش چندر آ جاتا تو کیا ہوتا۔ وہ میرے ہاتھ میں ریسیور دیکھ کے ضرو
پوچھتا اور میں کہتا کہ راج کماری کنول کا فون ہے بلکہ خود میں نے اسے فون کیا تھا
اس کا ردعمل کیا ہوتا۔ اچھا ہوا' وہ نہیں آیا ورنہ مجھے اور اپنے آپ کو آزمائش میں ڈال
دیتا۔ میں نے دنیش اور اس سے متعلق بہت سے امور سامنے رکھتے ہوئے یہ سلسلہ م
تھا۔ جس انداز سے حالات بدل رہے تھے' اس کا تقاضا تھا کہ میں کوئی ایسا سلس
جنبانی کروں۔ ان معاملات میں آدمی کو ایسے اقدام کرنے ہی پڑتے ہیں۔ وہ ریاس
کی راج کماری تھی' حسن و شباب کی خوبیاں الگ ہیں۔ ریاست کی راج کماری دنیش
کے گریز' انا اور حجاب کی دیر تک متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اس سے اس طرح دست
بردار ہوا جا سکتا تھا۔

دو دن تک بھون میں غیر معمولی خاموشی رہی' ہائی کمان کا ایک افسر پھر پار
سے باز پرس کرنے آیا تھا۔ پولیس اور چھاؤنی کے گوروں نے کسی گرفتار ملازم کو آزا
نہیں کیا' دو دن میں شاردا کی حالت میں خاصا افاقہ ہوا تھا مگر وہ ابھی اپنے کمر
سے باہر نکلنے کے قابل نہیں تھی البتہ اس کا رنگ واپس آ رہا تھا۔ میں صبح و شام دنیش
کے ہمراہ اسے دیکھنے جاتا تھا اور کچھ رنگ اسے میں دے آتا تھا' کچھ دنیش۔ بھون
کے کسی شخص نے ان دو دنوں میں باہر جانے کی جرات نہیں کی تھی۔ میں بھی دنیش کے
محل سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ڈالی خود آ کے مجھے دیکھ جاتی تھی اور جو اس کا کام تھا' اسے
وہ کبھی نہیں بھولتی تھی۔ اب اس کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی' معلوم ہوتا تھا ک
شب و روز برسات ہوتی رہتی ہے۔

چوتھے ہی دن کی بات ہے۔ ریاست ایک اور سنسنی خیز ہنگامے سے دو چا

ہوئی۔ جگ دیپ کے دو جواں سال چھوٹے بھائی' تین نوجوان بہنیں' آں جہانی کنور
پردیپ کی رانی کانتا' دو خدام اور ایک باندی کسی نا معلوم شخص کی دیوانگی کی بھینٹ
چڑھ گئے۔ خبر کا یہ حصہ اتنا وحشت اثر نہیں تھا جتنا یہ کہ سریش چندر بھی ان کے ساتھ
مارا گیا۔ وہ سب لوگ بڑی حویلی کے ایک بڑے کمرے میں جمع تھے۔ جگ دیپ کی
بہن روپ ستار بجا رہی تھی۔ اس خونیں واردات کے وقت آئی جی مہتا اور ریاست کے
دوسرے پولیس افسر دنیش کے ملاقاتی کمرے میں موجود تھے۔ اس نشست کا اہتمام میں
نے ہی کیا تھا۔ پارو نے مجھے ٹیلر کی آمادگی کی اطلاع دے دی تھی اور کہا تھا کہ آج
رات کسی وقت کوئی بھی واقعہ پیش آ سکتا ہے' میں نے حفظ ماتقدم کے تحت دنیش سے
فون کروا کے آئی جی مہتا کو بلا لیا تھا۔ بات چیت کا موضوع واضح تھا' بھون کے
ملازموں کی رہائی۔ یہ تیسری رات کا ذکر ہے' چوتھے دن علی الصباح بڑی حویلی سے یہ
خبر جاری ہوئی اور آگ کی طرح شہر بھر میں پھیل گئی۔ واردات کا وقت گزشتہ رات کوئی
گیارہ بجے کا تھا۔ آئی جی مہتا ساڑھے بارہ بجے رات کو بھون سے رخصت ہوا اور ایک
بجے صدر دروازہ بند کر دیا گیا تھا کیونکہ اب کسی گشتی پولیس افسر کے آنے کی توقع بھی
نہیں تھی۔ ایک ہی رات میں دس آدمیوں کا قتل؟ ریاست میں کس حیرت سے یہ
واردات سنی گئی ہو گی۔

پارو نے ایک دن قبل مجھے بتایا تھا کہ اسے ٹیلر کو راضی کرنے میں خاصی
مشکل پیش آئی۔ اس نے انعام میں دی جانے والی رقم میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا
مگر ٹیلر زر سے زیادہ پارو کی نگاہ التفات' زلف گرہ گیر اور جمال دل فروز کا اسیر ہوا۔
پارو کہتی تھی کہ میرا قیاس انتہائی درست تھا۔ اس نے ٹیلر سے رغبت کا صرف خفی اظہار
کیا تھا کہ وہ پھٹ پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ میں جانتا تھا کہ ایک نوجوان آدمی
پارو جیسی ماہ جمال لڑکی کے لیے کس قسم کے جذبات رکھتا ہو گا۔ اس کی راتیں اس کے
نشاط آگیں تصور سے آباد ہوں گی اور اسے ہمت نہیں پڑتی ہو گی کہ وہ اس کے سامنے
عرض مدعا کرے۔ دونوں دولتیں مل رہی تھیں مگر وہ دیوانہ ہو گیا۔ میرا خیال ہے' اس
نے جگ دیپ کے کمرے کا رخ کیا ہو گا۔ اندر ستار بج رہا تھا۔ ایک کمرہ روشن ہو گا'
ٹیلر نے پارو کی نظر میں اپنا درجہ بلند کرنے کے لیے بے تحاشا گولیاں چلائی ہوں گی۔

عمدہ قسم کے بے آواز اور آواز دار پستول میں نے ہی پارو کو فراہم کیے تھے۔ بدقسم
سے وہاں سریش موجود تھا۔ ٹیلر پر جنون سوار ہوگا۔ جگ دیپ ہاتھ نہیں آیا تو اس
ناکام واپس جانے کے بجائے پارو کی ہدایت کے مطابق جو بھی سامنے آیا' اس پر بار
اگل دی۔ میں یہاں بیٹھا واردات کی قیاس آرائیاں ہی کر سکتا تھا۔ پتہ نہیں' ٹیلر کے
ساتھ کیا حادثہ رونما ہوا۔ ایک پولیس افسر کے لیے بڑی حویلی' اقامتی عمارت میں داخل
اور وہاں سے واپسی مشکل بات نہیں ہو گی' خصوصاً رات کے وقت۔ ٹیلر کو اپنے کام کی
بہت عجلت ہو گی۔ یہ سارا معاملہ ہی بدحواسی اور وحشت کا معلوم ہوتا تھا۔ ٹیلر نے رات
کو بھون میں واپس آ کے پارو کو اطلاع نہیں دی۔ یقیناً وہ صبح تک وہیں رہا ہوگا یا
گیا ہوگا یا اس نے اس موقع پر بھون آنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ وہ اب تک غائب
تھا۔

تین دن پہلے سریش چندر اپنے بھائی دنیش سے ناراض ہو کے بڑی حو
میں منتقل ہو گیا تھا۔ بڑی حویلی اور پرکاش بھون ایک ہی خاندان کی دو شاخیں تھیں
برسوں پہلے جدا ہو گئی تھیں اور اب ایک دوسرے کو نابود کرنے کے لیے معرکہ آرا تھیں
سریش کے جانے کے تین دن بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ کون یقین کرسکتا تھا کہ جب مو
بدست ٹیلر وہاں وارد ہو تو سریش چندر بھی موجود ہو گا۔ پارو کے چہرے پر خاک اڑ
لگی تھی' ایک تو ہائی کمان کے افسروں نے اسے نیم جاں کر رکھا تھا' دوسرے ٹیلر
اس کے رہے سہے اوسان چھین لیے وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی اور میں اسے موہو
دلاسا دے کر چلا آیا۔ نہ میں خود مطمئن ہو سکا' نہ اسے تسلی دے سکا۔ پاگل ٹیلر زن
تھا۔ ریاست کے سراغ رسی کے ادارے پھر حرکت میں آ گئے تھے۔ ممکن ہے' میر
طرف پھر ان کی نظر اٹھی ہو مگر آئی جی مہتا بہ نفس نفیس بھون میں موجود تھا اور میں ا
کے رو بہ رو بیٹھا اس کی نکتہ آفریں باتیں سن رہا تھا۔ انگریزوں نے اس معاملے میں
زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ ریاستی پولیس ہی تمام معاملے کی دیکھ بھال کر رہی تھی' انگریز
شاداں و فرحاں ہو گا کہ ہندوستانیوں میں آٹھ دس کی اور کمی ہو گئی۔ آپس کے
اختلافات' یہ ہڑبونگ' یہ دھوم دھڑکا' یہ ٹھائیں ٹھائیں' انگریزوں کے لیے یہ بڑا دلچسپ
نظارہ ہو گا۔ ٹیلر زندہ تھا اور میں نے پارو سے کہہ رکھا تھا کہ وہ جب بھی چھپتا چھپاتا ا

سے خراج تحسین وصول کرنے آئے' مجھے خبر دی جائے۔ میں بھی اس کا انتظار کرتا رہا'
پارو بھی ہلکان ہوتی رہی۔ میں نے سوچا تھا' اس مہم جو کو دنیش کی خواب گاہ سے ملحق
تہہ خانے کی ضرور سیر کراؤں گا مگر وہ نہیں آیا۔ میں یہ سوچ کے دل قابو میں کر لیتا تھا
کہ وہ تو تفتیش میں سرگرم ہوگا' بڑی حویلی میں ایک دو پولیس افسر تھوڑی موجود ہوں گے'
پولیس کا ایک دستہ' گورے اور دوسرے افسر بھی موجود ہوں گے۔ کیا ضروری ہے کہ ٹیلر
ہی پر نگاہ جائے۔ ٹیلر اتنا بے وقوف نہیں ہوگا۔ دیکھ بھال کے اندر گیا ہوگا اور دیکھ
بھال کے واپس آیا ہوگا۔

اب مجھ سے دنیش کا سامنا بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ دنیش یوں بھی مصروف ہو
گیا' بڑی حویلی سے سریش چندر کی لاش بھون میں لائی گئی۔ خوب شور و غوغا ہوا۔ فلک
شگاف چیخیں بلند ہوئیں اور اسے عزت و احترام سے نذر آتش کر دیا گیا۔ دنیش سے
بات نہیں کی جاتی تھی۔ مجھ سے اس کا حال دیکھا نہیں گیا۔ جس دن سریش کا کریا کرم
ہوا' میں اس کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ میرا منتظر تھا' وہ ہر اس شخص کا منتظر ہوگا
جس سے گلے مل کے روئے۔ میں نے اس کا سر اپنے شانوں پر رکھ لیا۔ میرے
کپڑے بھیگ گئے۔ تیجے کے دن میں نے اس سے اصرار کر کے مہاراجہ کو فون کرایا۔
مہاراجہ اور کنول رسمی پرسے کے لیے بھون آئے تھے۔ اس دن دنیش کو ہوش ہی نہیں
تھا۔ فون پر دنیش نے مہاراجہ سے درخواست کی کہ جن ملازموں پر پولیس مشق ستم کر
چکی ہے اور نتیجے میں اسے کچھ حاصل نہیں ہوا ہے' انہیں واپس کر دیا جائے تو عین
عنائیت ہوگی۔ مہاراجہ نے ازراہ بندہ پروری وعدہ کیا کہ وہ متعلقہ پولیس چیف سے اس
مسئلے پر بات کریں گے۔ دوسرے دن بھون میں جو ملازم آئے' وہ کام کرنے سے
معذور تھے۔ ان کے جسم لہولہان تھے' لباس تار تار' جسم ادھڑے ہوئے۔ ان کی حالت
دیکھ کے بھون میں قیامت کا منظر نظر آیا۔ راج کمار دنیش چندر نے فی ملازم ایک ہزار
روپے کی امداد کا اعلان کیا۔ سریش کے کریا کرم کے چوتھے دن بھی ٹیلر نے ادھر کا رخ
نہیں کیا۔ درمیان میں دو ایک دن کے لیے انگریزوں اور پولیس افسروں نے دونوں
خاندانوں کو سوگ منانے کے لیے کچھ رعایت دے دی تھی پھر وہ سرگرم ہو گئے۔

اس رات میرے سینے میں درد ہونے لگا اور میں اپنے کمرے میں تنہا لوٹتا رہا

مجھے کسی کروٹ چین نہیں پڑ رہا تھا' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کمرے میں کوئی عجیب مخلوق موجود ہو اور شور کر رہی ہو۔ میرے کان پھٹنے لگے۔ ابتدا میں' میں نے یہ کیفیت اس انتشار پر محمول کی جو کئی دن سے میرے اندر برپا تھا۔ سریش چندر کی موت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ لڑکی جو ستار بجا رہی تھی' وہ لوگ جو ستار سن رہے تھے۔ ان کے چہرے ہر لمحہ میرے سامنے رہے تھے۔ وہ لڑکی روپ میری آنکھوں کے سامنے ستار بجا رہی تھی۔ میں ہزار اس کی سوز تانوں سے بچنے کی کوشش کرتا مگر وہ ستار لیے ہر جگہ پہنچ جاتی۔ اب یہ دھن سنتے سنتے میں تنگ آ گیا تھا' اسی لیے میں نے کمرہ بند کر دیا تھا مگر یہاں بھی وہ آ گئی اور ڈھول تاشے والے مسخرے' مداری بھی ساتھ لے آئی۔ میں کمرے میں چیختا چلاتا رہا اور میرے اعضا میں تناؤ پیدا ہونے لگا۔ مجھ سے اپنے پیر نہیں اٹھائے گئے۔ پھر اچانک خاموشی طاری ہو گئی' میں نے ہانپتے ہوئے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی' دیکھا تو سامنے ایک سایہ لہرایا بہت دنوں بعد وہ پری جمال سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا اور میں حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔

''جمشید!'' اس نے دھیرے سے مجھے پکارا۔ ''تھک گئے؟''

''کیچو!'' میری زبان پر بے اختیار اس کا نام آیا۔ ''کیچو! میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''تم نے مجھے ہگلی میں ڈوبنے سے کیوں بچایا تھا؟''

''جمشید!'' وہ مترنم آواز میں بولی۔ ''پھر پریشان ہو گئے؟''

''میرا دماغ پھٹ جائے گا کیچو!'' میں نے سر پکڑ کے کہا۔

''نہیں۔'' وہ ہاتھ کے اشارے سے بولی۔ ''تم ابھی سے تھک گئے؟ تم نے تو کمال کر دیا۔ اب میں تمہیں زیادہ دن یہاں نہیں روکوں گی۔''

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گی؟ وہ سادھو' وہ پنڈت سب یہی کہتے ہیں کہ مجھے ان کے ساتھ تمہارے پاس چلنا چاہیے' یہ سب کیا ہے؟'' میں نے جھنجلا کے کہا۔

''تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ وہ سچ کہتے ہیں۔''

''کیا سچ کہتے ہیں؟'' میں نے طیش میں کہا۔

''یہی کہ تمہیں سکون چاہیے' پہاڑوں کا سکون' دریاؤں کا سکون۔'' وہ مسکرائی۔

''اور میں کیسے جا سکتا ہوں۔'' میں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ ''یہاں میرے پیچھے کتنے جھگڑے لگ گئے ہیں' میں تو سکون ہی چاہتا تھا' سکون ہی کی خاطر میں نے خود کو دریائے ہگلی کے حوالے کرنا چاہا تھا مگر تم نے مجھے بچا کے بے سکون کر دیا۔''

''اور پھر تم نے کیسے کیسے تماشے دیکھے۔''

''کون کم بخت انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''خوشیاں بے قیمت تھوڑی مل جاتی ہیں۔''

''میں قیمت کب تک ادا کرتا رہوں گا؟''

''جب تم تماشوں سے بالکل بھر جاؤ گے۔''

''میں عاجز آ چکا ہوں۔''

''جھوٹ۔ کیا تم میرے ساتھ چل سکتے ہو؟ چلو' ابھی چلو۔''

''تمہارے ساتھ؟ مگر کہاں؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''سکون کی گھاٹیوں میں۔'' اس کی آواز میں چوڑیوں کی کھنک تھی۔ ''مجھے معلوم ہے' تم نہیں جاؤ گے۔''

''میں کیسے جا سکتا ہوں کیچو! سوچو تو میرے ساتھ کتنے لوگ وابستہ ہیں۔ میں اکیلا تو نہیں ہوں اور روز بروز الجھتا جا رہا ہوں۔ روز ایک قرض بڑھ جاتا ہے۔ اسے اتارے بغیر کہیں جاؤں گا تو ہمیشہ دکھ رہے گا۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ میں قرضوں کے بوجھ سے دب جاؤں گا' مر جاؤں گا مگر تم کون ہو؟ اس طرح اچانک سامنے آ جاتی ہو' تمہاری وجہ سے سادھو اور پنڈت میری عزت کرتے ہیں مگر تم میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ تعجب ہے' تم مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہو اور مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتیں۔ تم مہربانی کرتی ہو' میرا دکھ بٹانے آ جاتی ہو لیکن میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تم میرے بارے میں سب کچھ جان جاؤ گے؟''

''یہ تو تم ہمیشہ کہہ دیتی ہو' نہ جانے کب وہ دن آئے گا۔''

''وہ دن بھی آ جائے گا۔'' کیچو خوابیدہ لہجے میں بولی اور میرے نزدیک

آ گئی۔ اس کے بدن سے چاندنی چھنک رہی تھی۔ اس کی قربت کے احساس سے مجھ پر نشہ سا چھانے لگا۔ تمہیں جب کسی دن میری بہت یاد آئے تو تم میری تلاش میں نکل کھڑے ہونا۔ میں کسی جگہ بھی مل جاؤں گی اور تم جان جاؤ گے کہ میں کون ہوں۔"

"اور کیا چاہتی ہوں؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"ہاں۔ یہ بھی۔" وہ شیریں آواز میں بولی' وہ میری مسہری کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی' میری آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور دماغ میں سرور و انبساط کی لہریں اٹھنے لگیں اور یہ کیفیت اتنی غالب آئی کہ مجھے تن بدن کا ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

ابھی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ پارو نے میرا بازو جھنجوڑ کے مجھے بیدار کردیا۔ میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو مجھے اپنے وجود پر شبہ ہوا۔ کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی' دیوار پر ٹک ٹک کرتی ہوئی گھڑی میں گیارہ بج رہے تھے۔ "تم کیسی غافل نیند سو رہے ہو؟" وہ فریاد کرتے ہوئے بولی۔ "اور ادھر سب لٹ رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" میں نے ہڑبڑا کے پوچھا۔

"موہن!" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سراسیمگی سے کہا۔ "بہت برا وقت آ گیا ہے۔ میرا شبہ درست نکلا۔ آج صبح ہائی کمان کے افسروں نے مجھے شانت محل میں طلب کیا تھا۔"

"پھر؟" میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"پھر انہوں نے مجھ سے عجیب عجیب سوالات کیے' انہوں نے مجھ پر کوئی الزام عائد نہیں کیا لیکن ان کے سوالوں سے صاف ظاہر تھا کہ انہوں نے میرا انتخاب کرلیا ہے۔ اب کیا ہو گا موہن؟ مجھ سے زندہ نہیں رہا جائے گا۔ ہم یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے۔ ریاست سے باہر جانے کے ہر راستے پر پولیس کا پہرا ہے۔ ہم کہیں چھپ بھی نہیں سکتے۔"

"وہ کیا کہتے تھے؟" میری آواز بدل گئی تھی۔

"وہ مجھ سے اس رات کی سرگرمی کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ میرے مشاغل'

میرا نشانہ اور میرے شوق وغیرہ۔ ان کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔ شاید ان کے سامنے میرے چہرے کے خاکے موجود تھے اور میرا چہرہ وہ بار بار دیکھتے تھے۔ میرے رخسار پر جو تل ہے' اس پر بار بار ان کی نظر پڑتی تھی۔ مرنے والے گورے کو اتنا موقع ضرور مل گیا تھا کہ وہ میرا حلیہ تفصیل سے بیان کر سکے۔ وہ مجھ سے دنیش' جگ دیپ' مہاراجہ کے متعلق اور تمہارے متعلق پوچھ رہے تھے۔"

"میرے متعلق؟"

"ہاں' چھاؤنی سے آزاد ہونے والے تم واحد قیدی ہو اس لیے ان کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہو گئی ہے' یا کرائی گئی ہے۔ ان کے لیے اس دلیل تک پہنچنا مشکل نہیں تھا کہ کہ دو گورے' گرفتار شدہ لوگوں کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے قتل کئے گئے تھے' ان کے پاس ہر ملازم اور ریاست کے ان دو خاندانوں کے افراد کی مکمل رپورٹ موجود ہے' دنیش سے تمہاری قربت' جگ دیپ کی ترغیب اور نہ جانے کیا کیا۔ یقیناً بھون کے بہت سے لوگوں نے اشاروں اشاروں میں تم پر اپنا شبہہ ظاہر کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہوگا۔"

"تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایک طرح تم پر فرد جرم عائد کردی ہے؟" میں نے اضطراب سے کہا۔ "پارو! کیا تمہیں مکمل یقین ہے؟"

"ہاں موہن! کچھ ایسی ہی بات ہے۔" وہ شکستگی سے بولی۔

"ممکن ہے' وہ تم پر ایسا تاثر دے کے تمہیں ٹٹولنے کی فکر میں ہوں کہ تم کس قدر گھبرا جاتی ہو اور تمہارے حواس کا کیا عالم ہوتا ہے۔ کیا تم اسی وحشت میں ان سے رخصت ہوئی تھیں؟"

"نہیں۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی تھی' میں نے انہیں یاد دلایا کہ میں ان کے کام آتی رہی ہوں۔"

"پہلے تو تم حواس بجا رکھو۔" میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کے سیدھا کیا۔ "تم وہاں سے ٹھیک طرح چلی آئیں مگر یہاں آ کے منتشر ہو گئیں تو تمہاری اس کیفیت کا حال بھی انہیں منتقل ہو جائے گا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم تنہا نہیں ہو۔ کیا تم پر زندگی کا جادو چل گیا؟ تم موت سے ڈر گئیں؟"

"اوہ موہن! یہ بات نہیں ہے۔ دراصل رسوائی سے ڈرتی ہوں۔"

"ہشت۔" میں نے پھیکی ہنسی سے کہا۔ "اس کا موقع ہی نہیں آنے دیا جائے گا۔ وہ ابھی وقت لیں گے' تمہاری باتوں' سے ظاہر ہے کہ انہیں تم پر ہاتھ ڈالنے میں کوئی جھجک ہے اور......"

"یہ جھجک کسی وقت بھی دور ہو سکتی ہے۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔

"لیکن ہم اپنے غم زدہ چہروں اور اوٹگے بونگے ردعمل سے تو انہیں اپنے خلاف اور ہموار کریں گے۔"

"موہن! تمہاری کوئی دلیل میرے دل کو نہیں لگ رہی ہے' مجھے ہر طرف اندھیرا نظر آ رہا ہے۔" وہ نڈھال ہو کے میری آغوش میں ڈھے گئی۔

"بے وقوف لڑکی!" میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے آنکھیں چومیں۔ "تمہاری اس ابتری میں تو کچھ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ میں ابھی تک پر امید ہوں اور میرے پاس ہمیشہ ایک راستہ رہتا ہے' ایک آخری راستہ۔ ہم فرار کے امکانات پر غور کر سکتے ہیں۔"

"مشکل ہے۔ مشکل ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"ٹیلر ابھی موجود ہے۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

وہ اچھل پڑی۔ "ٹیلر؟" اس کی آنکھوں میں روشنی چمکی۔

"مگر وقت سے پہلے جانے کی کوشش مت کرنا' البتہ ٹیلر کو تیار رکھنا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ٹیلر کے ساتھ چلی جاؤں گی؟" وہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں تمہارے بغیر فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"نہیں۔ میں خود تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔"

پارو نے جو بات کہی تھی وہ ایسی نہیں تھی کہ میں اپنے آپ کو اس کی طرح اطمینان دلا کے خاموش ہو جاتا۔ وہ میری آغوش میں تھی لیکن میں اس کے ساتھ بھی تنہا تھا۔ پارو میری امان میں تھی اس لیے اس کی اکھڑی ہوئی سانس استوار ہونے لگی تھی۔ میں تو خود دھوپ میں کھڑا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سورج میرے سر پر آ گیا ہے۔

گھڑی نے بارہ بجائے۔ کمرے میں والیتی گھنٹیوں کی موسیقی بکھر گئی۔ وقت

ہمارے حال پر ہنس رہا تھا۔ میں نے پارو کو اٹھایا اور ایک بار پھر ہائی کمان کے افسروں سے گفتگو کی روداد اور ان کا رویہ سننے کی خواہش ظاہر کی۔ پارو کے بیان میں کوئی سقم نہیں تھا۔ حالات اتنے ہی نازک تھے جتنے پارو نے محسوس کیے تھے۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ دوپہر تو اس وقت سے تھی۔ جب سے وہ آئی تھی۔ اپنی زندگی میں تو کبھی کبھی صبح ہوتی تھی۔

شانت محل' ریاست راجے پور کے شاہی مہمانوں کی قیام گاہ۔ شانت محل۔ میرے ذہن میں یہی نام گونجتا رہا۔ شانت محل کو آگ لگا دی جائے۔ میں دنیش کو تلاش کرتا ہوا دور نکل گیا حالانکہ وہ شاردا کے پاس تھا۔ شاردا آج خاصی شاداب نظر آ رہی تھی۔ میرے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' میں نے دنیش کو اشارہ کر کے اٹھنے کا ارادہ کیا مگر کچھ سوچ کے رہ گیا۔ پھر مجھے اس وقت تک وہاں رکنا پڑا جب تک دنیش خود نہ اٹھ گیا۔ میرے لیے اپنی وحشت چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ سریش چندر کی موت کے بعد دنیش کے بازو مجہول ہو گئے تھے' نہ اس کی چال میں وہ تیزی تھی' نہ بات میں وہ طنطنہ۔ میں نے موقع دیکھ کے اسے مشورہ دیا کہ وہ ہائی کمان کے افسروں کو فون کرے کہ وہ آج رات ان سے ملاقات کرنے کا خواہشمند ہے۔ دنیش اس کے لیے تیار نہیں ہوا لیکن چھاؤنی میں گرفتار ملازموں اور دوسرے سیاسی امور کا واسطہ دے کے میں نے اسے مجبور کر ہی دیا۔ دنیش نے فون کیا۔ ہائی کمان کے افسروں نے اسے شام کے سات بجے ملاقات کا وقت دیا۔ دنیش کی زبانی وقت کا ذکر سن کے میں نے دنیش کی چٹکی لی اور اس کے کان میں "نو بجے۔" کہا۔ دنیش نے وقت بدل دیا۔ "عشائیے کے بعد۔ کوئی رات کے نو بجے کیسا رہے گا؟" دنیش نے شائستگی سے کہا۔ افسروں نے آمادگی ظاہر کر دی۔

"نو بجے ہی کیوں؟" فون رکھ کے اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نو بجے اندھیرا گہرا ہو جاتا ہے' آپ کے وہاں جانے کی کم سے کم لوگوں کو اطلاع ہو گی۔"

"تم بھی میرے ساتھ چلنا۔"

"میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔ مادی طور پر نہ سہی' روحانی طور پر سہی۔"

میں نے زور دے کے کہا۔

''اب جی کچھ نہیں چاہتا۔'' وہ اداسی سے بولا۔

''جی مارنا پڑے گا دنیش بابو! میری خاطر جی لگایئے' ورنہ کسی دن اپنی خبر بھی مل جائے گی۔ آپ کے سر پہ بڑی ذمے داری ہے۔''

''تم بھی ایسی باتیں کرنے لگے؟'' وہ گردن جھٹک کے بولا۔

''کیا کروں' جو لمحے مل رہے ہیں' میں سمجھتا ہوں' وہ ایک اتفاق ہیں' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ پتہ نہیں' کچھ دیر میں کیا ہو جائے۔ اب یقین اٹھتا جا رہا ہے۔ ہمیں تیار رہنا چاہیے۔''

''تمہارا بھی وہی حال ہو گیا۔ اتنی شکستہ باتیں تو تم نے کبھی نہیں کی تھیں' مکان ہی گرنے لگا۔ ہم تم سے نہ کہتے تھے' کہیں دور چلے چلو۔''

''آپ سچ کہتے تھے۔'' میں نے نظریں جھکا کے کہا۔

رات کے آٹھ بجے تک میں بے حد مصروف رہا۔ میں نے آں جہانی مہیش چندر کا لباس پہنا' چشمہ لگایا اور یہ سب کام میں نے دنیش سے چھپ کر کیا۔ آئینہ دیکھ کر میں نے اپنی نئی وضع قطع کی تصدیق کرلی۔ اس لباس پر میں نے ایک نیلی اونی چادر جسم پر لپیٹی اور باتھ روم کے عقبی راستے سے گزر کے بجلی کے اس پول کا رخ کیا جو دنیش کے محل میں آتا تھا۔ مجھے خود کو زیادہ دیر تک چھپائے رکھنے کی زحمت نہیں کرنی پڑی۔ اوپر نیچے کے دونوں تاروں پر میں نے ایک موزوں جگہ ٹھہر کے ریشم کی ڈوری پھینکی۔ ڈوری کے آگے پتلی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ میں دوسری مرتبہ میں کامیاب ہو گیا۔ زنجیر دونوں تار چھو گئی' بجلی کا جھماکا ہوا۔ پھل جھڑیاں چھوٹیں اور پورا کا پورا بھون تاریکی میں ڈوب گیا۔ میں نے جلدی سے ڈوری کھینچی اور بھاگتا ہوا گیراج میں داخل ہو گیا۔ دنیش کی لمبی گاڑی کھڑی تھی۔ پروگرام کے مطابق ڈرائیور وہاں موجود تھا' مجھے دیکھ کے وہ مسکرایا۔ میں نے اس کے ہاتھوں میں نوٹوں کی ایک بڑی گڈی تھما دی۔ اس نے جھک کر میرے پیر پکڑ لیے۔ سادھوؤں نے جب چھاؤنی کے دروازے پر میرے پیر پکڑے تھے تو وہ اس کا چشم دید گواہ تھا۔ اسے خریدنے اور اعتماد میں لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں ڈکی میں چھپ سکتا تھا اور دنیش کو ہدایت کر سکتا تھا کہ

وہ خود ہی گاڑی ڈرائیو کرے مگر معاملہ بڑے خطرے کو چھوٹے خطرے پر ترجیح دینے کا تھا۔ ڈرائیور نے مجھے ڈکی میں ٹھونس دیا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب گاڑی گیراج سے روانہ ہوئی اور دنیش کو لینے سے پہلے پورچ میں ٹھہری' پھر چند لمحوں تک صدر دروازے پر رکی پھر کوئی دس پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد آہستہ آہستہ چلتی اور رکتی ہوئی ایک جگہ ٹھہر گئی' دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ گاڑی پھر چل پڑی اور صرف چند لمحے چل کے رک گئی۔ ڈرائیور نے پورچ سے لا کہ کچھ دور کھڑی کی ہوگی۔ مجھے کچھ انتظار کرنا پڑا' یہی کوئی دو تین منٹ۔ ڈکی کا ہینڈل گھمانے کا کھٹکا ہوا تو میں نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ ڈرائیور مجھے اشارہ کر رہا تھا۔ جس جگہ گاڑی کھڑی کی گئی تھی وہاں میری منشا کے مطابق اندھیرا تھا۔ میں اتر کے قریب کی جھاڑیوں میں لپک گیا اور جلد ہی میں نے بے چاپ چلتے ہوئے گاڑی سے کچھ ہی فاصلے پر ایک نسبتاً محفوظ جگہ پیر پھیلا لیے۔ یہاں کسی کے آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ ڈرائیور باہر نگہبانی کر رہا تھا۔ دنیش کی واپسی میں اچھی خاصی دیر لگ گئی۔ کوئی دو گھنٹے۔ دو گھنٹے تک جھاڑیوں کے مچھروں اور کیڑوں مکوڑوں کی معیت میں بیٹھنے سے میری آدھی جان نکل گئی۔ پھر کسی سنتری نے آ کے دنیش کے ڈرائیور کو آواز دی۔ گاڑی چلی۔ ساتھ ہی میرا دل بھی چلا۔ گاڑی جانے کے دو گھنٹے بعد یعنی ٹھیک ایک بجے' جب شانت محل کی بڑی روشنیاں بجھا دی گئی تھیں اور فضا میں ہر سمت خواب ناکی گھل گئی تھی' میں نے سر اٹھایا۔ پارو نے مجھے شانت محل کا تفصیلی نقشہ سمجھا دیا تھا۔ یہ دودھیا رنگ کی سفید پتھر سے بنی ہوئی ایک منزلہ حسین عمارت تھی' ایک بڑا سبزہ زار باغ' چوکیداروں اور ملازموں کے کوارٹر۔ کسی انگریز نقشہ ساز نے بڑے دل سے نقشہ کھینچا تھا۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی بدقسمتی سے پہلے مرحلے پر ایک سنتری نے میری آہٹ محسوس کرلی۔ وہ ادھر بدکا' میں ادھر اچھلا۔ اس کی موجودی اور بیداری میرے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ زینے کے نیچے کی جگہ کھڑے ہو کے میں نے پستول کے دستے سے دیوار ٹھوکی' وہ اسی جانب لپکا' اس کی موت اس وقت لکھی تھی۔ اس کے سامنے آنے کی دیر تھی' میرا نشانہ پارو جیسا نہیں تھا۔ میں نے اسے زینے کے نیچے ہی کھینچ لیا۔ وہ انگریز پہرے دار تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے سوئچ بند کر دیا۔ پہلی منزل پر کمروں کے درمیان پیچیدہ راستے بنے ہوئے

تھے۔ یہاں بھی دروازے سبھی کمرے ایک جیسے تھے۔ مجھے اپنے مطلوبہ کمروں کی تلاش میں دشواری پیش آئی۔ وہ تینوں برابر برابر کے کمروں میں ہوں گے اور وہاں سنتریوں کا پہرا ضرور ہوگا۔ کچن کا حصہ بھی ہوگا اور کچن میں باورچی جاگ رہا ہوگا۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہوا ایک روشن گلی میں داخل ہوگیا۔ اسے گلی ہی کہا جا سکتا ہے' وہاں ایک نہیں دو سنتری موجود تھے اور دونوں اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا نشانہ آسانی سے نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ایک مرتا تو دوسرا شور مچا دیتا۔ وہ دونوں آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ ان کا رخ محراب دار دریچے سے نچلی منزل کی جانب تھا۔ ایک ہی ترکیب میری سمجھ میں آئی۔ میں نے ایک جست لگائی۔ وہ بجلی کی طرح چمکے لیکن دوسرے ہی لمحے میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ٹھٹک کے رہ گئے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دھیمی آواز میں انہیں حکم دیا۔ ''اپنے ہتھیار فرش پر رکھ دو اور مجھے نیچے جانے کا راستہ بتاؤ۔'' یہ ان کے لیے ایک دلچسپ حکم تھا۔ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں نے کہا۔ ''نہیں ساتھ چلو' جلدی کرو۔'' کچھ پستول کے اوپر چڑھا ہوا خول' کچھ میرے تیور دیکھ کے انہوں نے بے چون وچرا تعمیل کی' وہ آگے آگے' میں پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چند قدم بعد ہی ایک نے پھرتی دکھانے کی کوشش کی۔ میں نے اسے پلٹنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے نے یہ دیکھ کے ہاتھ اٹھا لیے۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھی کی لاش کھینچے۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس سے یہ چھوٹا سا کام بھی نہیں ہوا۔ میں نے اس کو بھی نشانے پر لے لیا۔ قالین پر خون بکھر گیا تھا۔ یہ اچھی علامت نہیں تھی۔ بہر حال میں نے ان دونوں کو وہیں چھوڑا۔ میرا خیال تھا کہ میں ان دونوں کو کسی مناسب جگہ ایک ساتھ چھپا دوں گا۔ نیچے لے جانے کے حکم کا مقصد یہ نہیں تھا کہ نیچے جانا ہی تھا بلکہ کسی موزوں جگہ کی تلاش تھی مگر وہ پہلے ہی مرنا چاہتے تھے۔ ایک کمرے میں ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے بٹن دبا دیا۔ کچھ دیر بعد اندر سے ایک بھاری بھرکم آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

میں نے دوبارہ بٹن دبایا پہلے کسی کے بڑبڑانے کی آواز آئی پھر چٹخنی کھلنے کی۔ دروازہ ابھی پورا کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوا' وہ معمر سنجیدہ اور پر وقار شخص بوکھلا گیا۔ ''کیا چاہتے ہو؟ کون ہو؟''

''کرنل؟......'' میں نے اس کا نام پوچھنے کے لیے پستول گھمایا۔

''کرنل مائیکل' کرنل مکی۔'' اس نے نفیس انگریزی میں کہا۔

''کرنل مکی۔ تم ایک تجربہ کار شخص ہو مجھے افسوس ہے کہ تم سے اس انداز میں ملاقات کرنی پڑ رہی ہے ورنہ میں تمہارے پاس آ کے کچھ سیکھنے کی درخواست کرتا۔ یہ حالات کی ستم ظریفی ہے کہ مجھ جیسے سعادت مند شخص کو اس طرح اپنے بزرگوں سے مخاطب ہونا پڑ رہا ہے۔ ازراہ نوازش وہ فائل میرے حوالے کردو جو تم نے کھنڈر میں ہونے والی واردات پر مرتب کی ہے اور جو صرف تمہارے پاس ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم تینوں حضرات نے اس معاملے میں چھاؤنی کے عہدے داروں پر بھی اعتبار نہیں کیا ہے۔ وقت کم ہے' تکرار کا وقت نہیں ہے۔ فائل کسی تاخیر کے بغیر میرے حوالے کردو۔''

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' اس نے بردباری سے کہا۔

''پھر کس کے پاس ہے؟''

''کرنل نک کے پاس ہے' وہی ہمارے وفد کا سربراہ ہے مگر نوجوان! وہ اتنی اہم فائل تمہارے حوالے نہیں کرے گا۔ تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''اسے حاصل کیے بغیر میرا واپس جانا بیکار ہے۔ میں تمہارے کئی سنتریوں کو مارتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔ کرنل نک ہتھیاروں کو خوب پہچانتا ہوگا۔ کرنل مکی! اگر تمہارے پاس فائل موجود ہے تو فوراً میرے حوالے کردو' بصورت دیگر تمہیں ایک اجنبی زمین میں دفن ہونا پڑے گا۔''

''اوہ نوجوان!'' وہ خوش مزاجی سے بولا۔ ''کیا ہم تھوڑی دیر بیٹھ کے بات نہیں کر سکتے؟ کیا خیال ہے' اگر وسکی کا ایک پیگ میں تمہاری خدمت میں پیش کروں تاکہ تمہارے اوسان ٹھکانے آ جائیں۔''

''میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں تمہاری پیش کش ضرور قبول کرتا۔''

''نوجوان! تم ایک وجیہہ' بہادر اور جرات مند آدمی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ذہین بھی ہوگے۔ ذہانت تمہاری آنکھوں سے جھلکتی ہے۔ بلاشبہ تم اس ہتھیار سے کام لے کے ہائی کمان کے ان تین اعلیٰ افسروں کو ختم کر سکتے ہو اور کسی قدر اپنا مقصود بھی

حاصل کر سکتے ہو مگر تمہارا یہ عمل ریاست راجے پور کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔"

"کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تم سے بحث کرنے اور قائل ہونے کے لیے آیا ہوں؟ کرنل! تمہارے بال سفید ہو گئے ہیں۔ پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہو' میری واپسی کس امر سے مشروط ہے' تم بخوبی جانتے ہو۔ فائل نکالو۔ الماریاں کھولو۔" میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ کرنل نے ٹال مٹول کی۔ ایک ہی جگہ اتنا وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ دیکھتا رہ گیا' جب میرے پستول سے چنگاری برآمد ہوئی۔ میں نے اس کا بیگ دیکھا' تمام الماریاں اور خفیہ جگہیں دیکھ ڈالیں۔ کرنل مِکی نے سچ کہا تھا۔ اس کے کمرے سے چند کاغذات کے سوا کوئی خاص چیز برآمد نہیں ہوئی۔ میں نے دروازہ کھلا رکھا اور دونوں مقتول سنتریوں کو کھینچ کر کرنل کے کمرے میں ٹھونسا پھر کمروں کے آگے گلی جیسے راستے میں بچھا ہوا قالین جیسے تیسے لپیٹ کے میں نے دوسرے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ کرنل نک نے اپنے آں جہانی ساتھی کی طرح دروازہ کھولا۔ وہ ایک درشت مزاج' سخت چہرے اور گہری آنکھوں والا شخص تھا۔ وہ لمبے سلیپنگ گاؤن میں بھی کرنل معلوم ہوتا تھا۔ وہ پستول خاطر میں نہیں لایا۔ وہ ہندوستان میں انگریز اقتدار' اس کے جاہ و عظمت' رعب اور دبدبے کا ذکر طمطراق سے کرتا رہا۔ اس نے مجھے فائل نہیں دی' گولی کو پسند کیا۔ یہاں مجھے زیادہ دیر ٹھہرنا پڑا۔ ایک فائل نہیں' کئی فائلیں موجود تھیں۔ میں غیر ضروری چیزیں آتش دان میں ڈالتا اور کرنل کے سگار لائٹر سے انہیں دھواں کرتا رہا۔ کمرے میں دھواں پھیل گیا۔ میرے پاس تین فائلیں موجود تھیں۔

تیسرے کمرے میں کرنل ہیری سب سے زیادہ مہذب ثابت ہوا۔ اس نے اپنے تمام کاغذات خود بخود میرے حوالے کر دیے۔ میں نے اس سے گزارش کی کہ وہ آئی جی مہتا کو فون کر کے پولیس افسر ٹیلر کو فی الفور طلب کرے اور اگر وہ کہیں قریب موجود نہ ہو تو دوسرے افسران ٹھاکر یا جے پال کو بھیج دیا جائے' اسے ہچکچاہٹ ہوئی۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ برابر کے کمرے میں کرنل مِکی سے رابطہ قائم کر کے اجازت حاصل کر لے۔ میری اس پیش کش سے وہ حیران ہوا تاہم اس نے گھبراہٹ میں نمبر ڈائل کیا۔ "اس کے کمرے میں گھنٹی بج رہی ہے' کرنل مِکی گہری نیند سو رہا ہے۔" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہت گہری نیند۔ وہ اب کبھی نہیں اٹھے گا کرنل ہیری! میں ان دونوں کو سلا کے تمہارے پاس آیا ہوں جلدی سے فون کرو' پہلے ٹیلر کا پتہ معلوم کرو۔ ممکن ہے' وہ بڑی حویلی میں موجود ہو یا اپنے گھر ہو۔ اگر وہ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے افسر کو بلا لو' مجبوری میں اسے بھی برداشت کر لیا جائے گا۔"

کرنل نے پھر تاخیر کی۔ پستول کی نال اس کے بائیں کان پر لگی ہوئی تھی۔ میں نے آئی جی کا نمبر ڈائل کیا ٹیلر وہاں موجود نہیں تھا۔ پوچھا گیا کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟ ہائی کمان کے کرنل ہیری کا فون تھا لہٰذا ایک لمحے میں جواب دے دیا گیا۔ کہا گیا کہ اسے فوراً شانت محل بھیجو اور اگر وہ دس منٹ کے اندر اندر نا آ سکے تو انسپکٹر ٹھاکر یا جے پال کو ادھر بھیجا جائے۔ "اٹ از موسٹ کانفی ڈینشل۔" کرنل ہیری نے آئی جی سے کہا۔ "بہتر ہے کہ ٹیلر ہی کو فراہم کر کے بھیجا جائے۔" آئی جی مہتا نے کہا ہوگا۔ "سرکار! میں آ جاؤں؟" کرنل نے جواب دیا۔ "نہیں' تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ٹیلر سے کام نکل جائے گا۔"

میں ہیری کے پاس بیٹھا اس کی صورت تکتا رہا۔ ہیری نے میری منتیں شروع کر دی تھیں' کرنل کرنل میں بھی کیا فرق ہوتا ہے۔ پانچ منٹ بعد ہی آئی جی مہتا کا فون آیا۔ میں نے پستول پھر ہیری کے سر پہ تان لیا اور فون کی آواز سننے کی کوشش کی۔ آئی جی مہتا بتا رہا تھا کہ پولیس افسر ٹیلر پندرہ منٹ کی مدت میں شانت محل پہنچ رہا ہے' کرنل ہیری نے رسمی شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا اور پھر میرے حکم پر شانت محل کے گیٹ پر فون کیا۔ "ٹیلر آ رہا ہے۔ اسے کسی روک ٹوک کے بغیر اوپر میرے کمرے میں بھیج دیا جائے۔"

کرنل پوری طرح میری گرفت میں تھا۔ میں نے اسے باتوں میں لگائے رکھنے کے لیے انگلستان میں عورتوں کی آزادی کے سلسلے میں حیرت کا اظہار کیا۔ اس موقع پر یہ موضوع اسے سخت ناگوار گزرا پھر بھی اس نے انگلستان میں ابھرنے والی آزادیٔ نسواں کی تحریکوں پر اچٹتی ہوئی روشنی ضرور ڈالی۔ پندرہ کے بجائے پچیس منٹ گزر گئے۔ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ ٹیلر نے کہیں راستے میں خودکشی نہ کر لی ہو' اتنی رات کو ٹیلر کی شانت محل میں طلبی پر وہ کانپ گیا ہوگا۔ اس سے تو گاڑی بھی نہ چلائی گئی

ہوگی۔ اگر ٹیلر نہ آیا۔ میں نے اپنے آپ کو ملامت کی تو راجے پور کے اتنے پولیس افسروں میں کسی کو بھی طلب کیا جاسکتا تھا۔ آئی جی مہتا بھی سر کے بل آتا بلکہ کچھ زیادہ نیاز مندانہ آتا۔ آدھے گھنٹے بعد گھنٹی گنگنائی۔ کرنل ہیری نے نوجوانوں کی طرح اچھل کے دروازہ کھولنے کے لیے بڑھنا چاہا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کے اسے تحمل کی تلقین کی۔ کرنل نے دروازہ کھولا۔ میں اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ ٹیلر کے سلیوٹ کرنے کی آواز آئی' کرنل نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں نے دروازہ بند کردیا۔ جیسے ہی مجھ پر ٹیلر کی نظر پڑی' وہ سرتاپا لرز گیا۔ ''تم؟'' اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کرنل نے خوش اخلاقی کے ساتھ ہم دونوں سے بیٹھ جانے کی درخواست کی۔ ''معزز نوجوانو! کیا ہم اطمینان سے بات نہیں کر سکتے؟''

''تمہارا وقت گزر گیا ہے۔'' میں نے اسے پھر کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی وہ منہ کے بل فرش پر گرا' ٹیلر کا چہرہ دہشت سے زرد ہوگیا۔ ''ٹیلر! میں نے تمہیں ایک خاص کام سے یہاں بلایا ہے۔ راستے بھر تم پریشان رہے ہو گے کہ اچانک طلبی کا مقصد ہے۔ مجھے باہر جانے کا راستہ چاہیے۔ اس میں تمہارے لیے کوئی پریشانی نہیں ہے' کرنل ہیری نے آئی جی مہتا کو فون کیا تھا۔ آئی جی مہتا نے تمہیں نہ جانے کہاں کہاں ڈھونڈا ہوگا۔ تم بے قصور ہو' تم کہہ سکتے ہو کہ جب تم یہاں داخل ہوئے کمرے میں کرنل ہیری کی لاش پڑی تھی اور میرے ہاتھ میں پستول تھا۔ کرنل ہیری نے آدھے گھنٹے پہلے گیٹ پر پہرے داروں کو مطلع کیا تھا کہ تم آرہے ہو اور تمہیں کسی روک ٹوک کے بغیر اندر آنے دیا جائے۔ میں نے تمہارے دفاع کے لیے پورا انتظام کر رکھا ہے۔ واقعات کی تہہ تک آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے' کرنل ہیری اپنے کرنلوں کی موت دیکھ کے مجھ پستول بردار مجرم سے مفاہمت کرنے کے لیے مجبور ہوگیا۔ تمہارے پاس بھی کوئی چارہ نہیں تھا۔ تم نے بھی مجبوراً یہی کیا۔ آئی جی مہتا گیٹ کے پہرے دار اس بات کے شاہد ہیں کہ آدھی رات گزرنے کے بعد کرنل ہیری نے تمہیں طلب کیا تھا' دو کرنلوں اور سنتریوں کی موت تمہاری آمد سے پہلے ہوئی تھی' بات آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ تم قطعی محفوظ ہو۔ بس تمہارا کام یہ ہے کہ تم میری مطلوبہ جگہ پہنچا دو۔ یہ کام میں خود بھی کرسکتا ہوں۔ میں تمہیں ختم کرکے تمہارا

کوٹ' تمہارے یہ تمغے اور ہیٹ سجا کے باہر جاسکتا ہوں' گیٹ پر کوئی مجھے روکنے کی کوشش نہیں کرے گا' مجھے اپنے نشانے میں بھی کمال ہے۔ کسی نے مزاحمت کی تو میرے پاس گولیوں کی کمی نہیں ہے' گیٹ پر چار چھ پہرے داروں سے زیادہ نفری نہیں ہوگی' پستول بھی بے آواز ہے۔ اور میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھ سے تمہارا نام رانی پارو نے لیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں مشکل وقت میں تمہیں زحمت دے سکتا ہوں' رانی پارو تم پر بے حد اعتماد کرتی ہیں۔ مجھ پر بھی وہ بڑی مہربان ہیں' تمہارے بھون میں نہ آنے کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھیں' بار بار پوچھتی تھیں کہ تم نے پولیس افسر ٹیلر کو تو کہیں نہیں دیکھا۔ میں ایک یہی حوالہ تمہیں دے سکتا ہوں اور تمہیں بتاؤں کہ میں یہاں پارو رانی ہی کے کام سے آیا تھا۔ یہ فائلیں موجود ہیں۔ اگر تم کچھ جانتے ہو تو ضرور سمجھ گئے ہوگے۔''

وہ ٹکٹکی باندھے میری تقریر سنتا رہا۔ میں نے پستول اس کے سامنے سے نہیں ہٹایا تھا' اس نے فیصلہ کرنے میں کچھ وقت لیا۔ میں اس دوران میں بالکل خاموش رہا۔

''چلو۔'' آخر اس نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

آگے بڑھ کے اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔ ادھر ادھر کوئی نہیں تھا۔ وہ آگے آگے' میں پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ فائل اس کے حوالے کردوں گا لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کردیا۔ اس کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ سنتری کو میں پہلے ہی مار چکا تھا۔ ہم دونوں اگلی نشست پر بیٹھ گئے اور سبزے کا ایک بڑا گول دائرہ کاٹ کے گیٹ کے نزدیک ہوگئے۔ ٹیلر نے دور سے ہارن بجایا۔ پستول کی نوک اس کے جسم میں چبھی ہوئی تھی' میں نے احتیاطاً سر جھکا لیا تھا۔ ہارن کی آواز سن کے اور گاڑی پہچان کے پہرے داروں نے دروازہ کھول دیا۔ کرنل ہیری کا مہمان واپس آرہا تھا۔ یقیناً کوئی اہم بات ہوگی۔ گیٹ پر میں نشست کے نیچے بیٹھ گیا تھا۔ ٹیلر نے گاڑی کی رفتار بھی معقول رکھی تھی۔ ہم اس جہنم سے نکل آئے۔ گاڑی بھون کے راستے کی جانب گامزن تھی۔ اچانک ٹیلر کو کچھ خیال آیا۔ ''مگر کیا اس وقت ہمارا پرکاش بھون جانا مناسب ہوگا؟''

''بالکل نامناسب ہوگا۔ گاڑی بائیں طرف لے چلو' مجھے اس کا پہلے سے

خیال تھا۔ بھون میں جانا تمہارے لیے بھی خطرے کا باعث ہے۔"

"میں تو واپس چلا جاؤں گا مگر پھر تم بھون میں کیسے داخل ہوگے؟"

"اس کا حل میرے پاس ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "چوراہے سے نکل کے گاڑی بڑی حویلی کے راستے پہ ڈال دو۔"

"وہاں کیوں؟" اس نے اسٹیرنگ گھما کے کہا۔

"تم مجھے لکشمی مندر اتار دو گے' میں نے فصیل سے رسی لٹکا دی ہے۔ ایک بار پہلے بھی میں اسی راستے سے جا چکا ہوں۔"

"شاید یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔" وہ تذبذب سے بولا۔

"اس کے سوا کوئی اور راستہ ہو تو بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے' تمہاری مرضی۔" کچھ آگے جا کے اس نے درختوں کے اندھیرے میں گاڑی روک لی۔

میں نے اسے اسٹیرنگ پر ٹھنڈا کر دیا اور گاڑی سے اتر کے فائل سینے سے چپکائے اندھیروں میں بھون کی طرف بھاگتا رہا رسی فصیل سے لٹکی ہوئی تھی' میں نے ڈوری سے فائلیں کمر میں باندھیں اور اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے اتر کے میں نے رسی لی۔ فصیل سے دنیش کے محل کا مختصر راستہ میں نے کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا۔ ذرا دور چلتا تھا تو سنتری کے بوٹوں کی آواز آ جاتی تھی لیکن یہ جانے پہچانے راستے تھے اور یہاں دل کا وہ عالم نہیں تھا جو فصیل پر چڑھنے سے پہلے تھا۔

عقبی راستے سے جب میں ملاقاتی کمرے میں داخل ہوا تو ساڑھے چار بجے تھے۔ دنیش کی خواب گاہ بند تھی۔ میں نے جلدی سے لباس تبدیل کیا۔ رسی عارضی طور پر چھپائی اور آہستہ سے دروازہ کھول کے راہ داری میں دیکھا۔ راہ داری سو رہی تھی۔ آخر شب کی گہری نیند۔

پارو کا دروازہ ایک ہلکی سی دستک پر کھل گیا۔ وہ ایک کرسی پر اداس بیٹھی تھی مجھے دیکھتے ہی اس میں بجلی دوڑ گئی۔ میں نے فائلیں اس کے قدموں میں پھینک دیں اور نڈھال ہو کے اس کی آغوش میں گر پڑا۔

☆......☆......☆

پارو نے مجھے اپنی آغوش میں پیوست کر لیا۔ فائلیں اس کے قدموں میں پڑی تھیں مگر اس نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کے نازک بدن میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ میرا بوجھل اور بکھرا ہوا جسم اس نے پوری طرح سمیٹ لیا۔ اس کی ریشم ریشم انگلیاں میرے جسم پر وحشت سے رقص کرنے لگیں' میری سانسیں اکھڑی ہوئی تھیں' اس نے اپنی پیوستگی و وارفتگی سے انہیں ہموار کیا' رومال سے میرا چہرہ صاف کیا' میرے کپڑوں کی گرد جھاڑی اور میرے بازوؤں' گالوں اور سینے پر اتنے بوسے ثبت کیے اور اس کے ہونٹوں میں ایسا اعجاز تھا کہ میری درماندگی لمحوں میں سرشاری میں بدل گئی۔ میں نے ایک مشکل رات گزاری تھی۔ پارو کے پاس آ کے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا وجود میری آنکھوں کا دھوکا ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں واپس آ گیا ہوں اور میری آنکھیں پارو کا نظارہ کر رہی ہیں۔ "تم کہاں تھے؟" اس نے مضطرب ہو کے پوچھا۔ اس نے غالباً غور نہیں کیا کہ ان فائلوں میں کیا رمز پنہاں ہے' میں نے فائلیں فرش سے اٹھا کر اس کے زانوؤں پر رکھ دیں اور خود اس کے گھٹنوں سے سر ٹکا کے بیٹھ گیا۔ "یہ کیا ہے؟ یہ کیسے کاغذات ہیں؟" اس نے گومگو کے عالم میں پوچھا۔ "تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

میرے جواب دینے سے پہلے اس کی تیز نگاہوں نے وہ علامتیں پڑھ لی تھیں جو فائلوں پر موجود تھیں' اس کی آنکھیں سکڑنے اور پھیلنے لگیں۔ اس نے بے چینی سے اوراق الٹنے شروع کر دیے۔ میں اس کے چہرے پر آتے جاتے رنگ دیکھتا رہا۔ کبھی پیلے' کبھی نیلے' کبھی سرخ' کبھی گلابی رنگ۔ اس نے دوبارہ فائلیں الٹ پلٹ کے دیکھیں پھر صفحوں پر کندہ لفظ اضطراب سے پڑھنے لگی' اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور بے قرار

پتلیاں کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی تھیں' کچھ ایسی ہی دلچسپ تحریر ہوگی کہ وہ بار بار گم ہو جاتی تھی۔ اس کی نگاہ جب کسی ایک ورق پر ٹک جاتی تو اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگتے' اس کا بدن پارے کی طرح متحرک ہوتا اور وہ ایک لمحے کے لیے میرا چہرہ دیکھتی۔ میں اپنے تاثر چھپا لیتا اور وہ پھر تڑپتی مچلتی ہوئی فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف ہو جاتی۔ ''یہ تم کہاں سے لائے؟'' اس کی آواز پر رعشہ طاری تھا۔ ''موہن! موہن!'' اس نے سہمی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بتاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''اب تم انہیں بند کرو۔'' میں نے سکون سے کہا۔ ''میں شانت محل سے آرہا ہوں' رات گزر رہی ہے۔ اب ہمیں جلد سے جلد انہیں کہیں چھپا دینا چاہیے۔''

''شانت محل سے؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

''ہاں۔'' میں نے فائلیں بند کرتے ہوئے کہا۔'' اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی پارو! ان کاغذات میں تمہارے چہرے کی سرخی چھپی ہوئی تھی۔''

''مگر کیسے؟ کیسے؟'' وہ مجھے جھجوڑنے لگی۔

''اب کیسے کی بات چھوڑو' وہاں اب کچھ باقی نہیں ہے۔ تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم کئی دنوں سے نہیں سوئی ہو' چند کاغذات میری جیب میں بھی ہیں۔'' میں اپنی مختلف جیبوں سے کاغذات نکال کے انہیں فائلوں میں رکھنے لگا۔ اس نے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔

''موہن! مجھے سمجھاؤ۔ مجھے سمجھاؤ۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

''پارو! میں شانت محل گیا اور وہاں سے انہیں اٹھا لایا۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''دیکھ لو' یہ جعلی نہیں ہیں۔''

''تم مجھے پریشان کر رہے ہو موہن!'' وہ میرے بال کھینچنے لگی۔

''وقت بہت کم ہے' صبح قریب ہے۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ ''ہمیں سب سے پہلے ان فائلوں کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنی چاہیے' تفصیلات بتانے کے لیے مجھے وقت ضرور ملے گا۔ آنے والی صبح بہت خراب ہوگی۔ اس سے پہلے ہمیں......''

''پہلے مجھے بتاؤ۔'' وہ میرے گریبان سے الجھ گئی۔ ''تم وہاں تک کیسے گئے؟

کس طرح انہیں لے آئے؟ مجھے اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوگا موہن! جب تک تم مجھے سب کچھ بتا نہیں دو گے۔'' اس کا لہجہ کپکپا رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے میرے ہاتھ سختی سے پکڑ لیے۔

وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح ضد کر رہی تھی' پارو کو کیا ہو گیا تھا' اپنا تمام وقار' اپنا تمام شکوہ بھول گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔ پارو کی تسلی کے لیے سب کچھ بتانا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے اختصار سے اسے ان نوادر کی دریافت کی داستان سنانی شروع کی۔ اس کے سینے کا زیروبم سمندر کی لہروں کی طرح اٹھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بادل امڈ امڈ کے آرہے تھے' مجھے اس کے جمال کا یہ پہلو بہت سہانا لگا۔ میں نے اس کے بدن کی لہریں اپنے جسم کے ساحل میں جذب کرلیں۔ پارو کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ مجھے اس کو اعتدال میں لانے کے لیے اپنی آغوش میں بہت دیر قید رکھنا پڑا۔ اس عمل سے مجھے بھی یک گونہ سکون ہوا اور جب میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے دیکھا تو مجھ سے دیکھا نہیں گیا۔ اس کے رخسار شرابور تھے' میں نے انہیں اپنے لبوں سے خشک کیا۔ اس نمکین مشروب کے چند قطروں میں ایسی تاثیر تھی کہ میری نسیں چھٹنے لگیں جیسے میں نے پارو کو گھول کے پی لیا ہو' پارو نے مجھ تھکے ہوئے آدمی کو اپنے بدن کا نمک پلا دیا۔ مجھے اپنی محنت کا ثمر مل گیا۔ ''پارو۔'' میں نے اسے چمکارتے ہوئے کہا۔ ''یہ شبنم تمہارے چہرے پہ اچھی نہیں لگتی۔''

''اوہ موہن! موہن!'' وہ اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے مسلتے ہوئے بولی۔ ''نہیں موہن! نہیں۔ یہ تم نے کیا کر دیا؟ تم نے کچھ نہیں سوچا سمجھا؟ میرے لیے اس قدر۔''

''اب اٹھو پارو!'' میں نے اسے سنبھال کے کہا۔ ''تمہاری یہ من موہنی صورت مطالبے اور شکوے کرنے کے لیے نہیں بنی ہے۔''

میں نے اس کا منہ بند کردیا۔ ''پارو! تم رو رہی ہو؟''

''تم نے کچھ خیال نہیں کیا۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا......؟'' وہ سسک پڑی۔

''تمام وقت تمہارا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے رہا۔''

''اوہ' موہن!'' وہ شیدائیت سے بولی۔ ''اب میں تم سے کوئی شکوہ' کوئی مطالبہ نہیں کروں گی۔ مجھے اس سے زیادہ کی طلب نہیں ہے۔''

''تمہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا؟'' اس نے سہم کے پوچھا۔
''بظاہر نہیں لیکن دیواریں تو دیکھتی ہیں' ہوا بھی تو دیکھتی ہے۔''
''ہوا مہربان ہوگی۔ دیواریں گونگی ہوتی ہیں۔''
''تم نے ان کاغذات کا مطالعہ کیا' کیسے ہیں؟'' میں نے گھڑی دیکھی۔ چار بج رہے تھے۔ ''بہتر ہے' ہم انہیں تلف کر دیں مگر ان پر سرسری نظر ڈالنے سے مجھے ان میں ریاست کے چند اور اہم نام بھی نظر آئے ہیں۔ یہ دستاویزیں ہمارے لیے آئندہ بہت سود مند ثابت ہوں گی۔ ان سے ذرا انگریزوں کی فکر کا جائزہ لینے کا موقع بھی ملے گا۔''

''مگر تم نے انہیں پڑھ کیسے لیا موہن؟'' وہ کن انکھیوں سے مجھے دیکھنے لگی۔
''بس جتنا وقت ملا تھا' اس میں ورق الٹ لیے' مجھے تصدیق تو بہرحال کرنی تھی کہ میں وہی فائل لیے جا رہا ہوں جو ہمیں مطلوب ہے۔ اس لیے میں نے ان پر ایک نظر ڈال لینا مناسب سمجھا۔''

''میرا مطلب یہ ہے کہ......'' اس کی آنکھیں روشن ہوئیں۔ ''تم تو جاہل ہو۔''

''اوہ پارو! اب چھوڑو۔'' میں نے کسمسا کے کہا۔ ''بس پڑھ لیا۔''
''اور تم کتنے مطمئن نظر آتے ہو موہن! کیا تمہیں کچھ احساس نہیں ہے کہ تم کیا کر کے آئے ہو؟'' وہ لرز کے بولی۔ ''صبح کا تصور بہت ہول ناک ہے۔''
''لیکن یہ تمہارے لیے ایک نئی صبح ہوگی' ایک سہانی صبح۔ جب تم سو کے اٹھو گی تو اپنی رنگت بدلی ہوئی پاؤ گی۔ تمہاری چال میں وہی شاہانہ پن پیدا ہو جائے گا جو صرف تمہارا حصہ ہے اور پھر کل رات میں تمہیں دیکھنے آؤں گا اور کل رات......'' میں نے اس کے رخسار میں انگلی گڑو دی اور اسے گدگدی کرنے لگا۔ وہ تڑپ تڑپ کے دہری ہوگئی اور گرم بالوں میں مکئی کے دانے کی طرح کھل اٹھی۔ چند منٹ اور گزر گئے۔ پھر پارو کو تیزی سے گزرنے والے وقت کا احساس ہو گیا اس لیے وہ ایک جھٹکے کے ساتھ مجھ سے علیحدہ ہوگئی۔ اس نے جلدی جلدی فائلیں سمیٹیں اور ہم دونوں بیڈ لیمپ کی روشنی میں ان پر جھک گئے۔ اس کا بازو میری گردن میں حمائل تھا۔ ابتدا کے چند ہی

اوراق سے ہمیں اندازہ ہو گیا کہ ان فائلوں میں راج پور کے امرا کے متعلق اور کھنڈروں میں ہونے والی واردات کے بارے میں اور دوسرے سیاسی مسائل پر معلومات کا کیسا اہم خزانہ مدفون ہے۔ کرنلوں نے راج پور کی مختلف شخصیتوں سے انٹرویوز لیے' سراغ رسی کے عملے کی رپورٹیں طلب کیں پھر ان پر اور راج پور میں پولیس کی کارکردگی پر اپنے جزئیات آمیز اور نکتہ رس تبصرے کیے تھے۔ اتنے مختصر وقت میں چند ہی اوراق کا مطالعہ کیا جا سکتا تھا۔ پہلی ہی فائل کے صرف ابتدائی حصے کے غائر مطالعے نے ہمارے خون کا دوران بڑھا دیا تھا۔ پارو حیرت سے بار بار میری صورت دیکھتی تھی اور میں اس کی۔ پارو کا خیال درست تھا' کھنڈر میں اس کی گولی سے زخمی ہونے والے انگریز رنگروٹ نے جس لڑکی کا نقشہ کھینچا تھا' وہ پارو سے بہت ملتا جلتا تھا۔ اگلے صفحات بھی یقیناً کچھ کم دلچسپ اور سنسنی خیز نہیں ہوں گے مگر وقت کم تھا اس لیے ہم نے فائل بند کر دی۔ اس وقت ہمیں کوئی چیز سامنے نظر نہیں آئی چنانچہ پارو نے ایک چادر کھینچ کے تینوں فائلیں اس میں باندھ دیں۔ اب مسئلہ انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھنے کا تھا۔ پارو کی خواہش تھی کہ فائلیں فی الفور جلا دی جائیں مگر میں ان کا تفصیلی جائزہ لیے بغیر انہیں تلف کر دینے کے حق میں نہیں تھا حالانکہ انہیں تلف نہ کرنا یقیناً ایک خطرناک بات تھی۔

میری نظر میں ان کے لیے ایک ہی محفوظ جگہ تھی اور وہ تھا دنیش چندر کی خواب گاہ سے ملحق تاریک تہہ خانہ۔ تہہ خانے کا راستہ بھون میں میرے اور دنیش چندر کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا غالباً کچھ ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ جب پرکاش بھون کی اہم دستاویزیں ایک سرابراہ سے دوسرے سربراہ کو منتقل ہوں' تب اسے خواب گاہ کی کوکھ میں موجود تہہ خانے کا راز معلوم ہو۔ میں نے کئی بار اس طویل و عریض قبر کی سیر کا ارداہ کیا تھا لیکن مجھے اپنی ہی سیر سے فرصت نہیں ملی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تہہ خانہ اس مسئلے کا بہترین حل تھا مگر دنیش چندر خواب گاہ میں آرام کر رہا تھا۔ اس لیے وہاں جانے اور فائلیں محفوظ کرنے کا سوال ہی خارج از بحث تھا۔ صبح ہوتے ہی جب انگریز حکام شانت محل میں داخل ہوں گے تو وہ کچھ دیر تو مرنے والوں کی صورتیں تکتے رہیں گے پھر جب انہیں ہوش آئے گا تو وہ کاغذات کی تلاش شروع کر دیں گے۔ میں غیر

ضروری کاغذات وہیں آتش دان میں جلا آیا تھا اس لیے انہیں وہاں کام کی کوئی چیز دستیاب نہیں ہو گی اور وہ بدحواس ہو جائیں گے۔ بدحواسی میں وہ انتہائی فیصلے بھی کر سکتے ہیں۔ وہ غصے میں مارچ کرتے ہوئے پرکاش بھون بھی آ سکتے ہیں۔ نہ ان کے پاس عملے کی کمی ہے' نہ اس نفرت کی جو آدمی کی طاقت میں کئی گناہ اضافہ کر دیتی ہے' تین موٹی موٹی فائلیں ہیں' اگر جستجو صادق ہو تو ان کی بو دور ہی سے آدمی تک پہنچ سکتی ہے۔ گویا اب ہمیں ایک ہوا بند' نظر بند جگہ کی ضرورت تھی۔ یہ فائلیں نہیں تھی بلکہ کسی مقتول کی لاش تھی اور لاش کو زمین برد کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ اتنے بڑے پرکاش بھون میں جہاں ہر چیز چھپ جاتی تھی' ان فائلوں کے لیے کوئی محفوظ جگہ نہیں تھی۔ پارو اپنی اقامت گاہ کے مختلف حصوں میں ان کی پردہ پوشی کے مشورے دے رہی تھی مگر تھوڑی ہی دیر میں یہاں خدام اور باندیوں کی یلغار ہونے والی تھی۔ باغ میں کسی اونچے درخت کے اوپر یا خواب گاہ میں کسی قالین کے نیچے کوئی سمت ایسی نہیں تھی جہاں میری نظر نہ گئی ہو۔ صبح تیزی سے راجے پور کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ہماری وحشت سوا ہوتی جا رہی تھی۔ میں پارو کے تنہا کمروں کے مختلف گوشے کھکھوڑتا پھر رہا تھا' آخر ایک جگہ جا کے میر نظر ٹک گئی۔

پارو کی کتابوں کی الماریوں میں بڑی بڑی جلدوں کی کتابیں بھی موجود تھیں۔ ان کی کنجی پارو ہی کے پاس رہتی تھی۔ میں نے وہ الماری کھلوا کے ایک موٹی جلد کی کتاب اٹھائی ۔ ویسی کئی جلدیں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ کتاب کا سائز فائل سے کچھ بڑا تھا۔ میں نے چھری سے اس کے صفحات اور جلد کا خول بہت احتیاط سے الگ کر دیا اور خول میں فائل رکھ کے غور سے دیکھا' دو فائلیں آسانی سے ایک خول میں سمٹ گئیں۔ پھر تیسری فائل کے لیے کتاب کی دوسری جلد اسی طرح اپنے صفحات سے علیحدہ کر دی گئی۔ دوسری جلد میں فائل سے باقی رہ جانے والی جگہ رسائل رکھ کے اسے متوازن کر دیا گیا۔ یہ دونوں جلدیں جب الماری میں دوسری جلدوں کے ساتھ رکھی گئیں تو انہی جیسی نظر آنے لگیں۔ کوئی باریک بیں سے باریک بیں شخص بھی جلدوں جلدوں میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ کتاب کے پشتے پر سنہرے حروف سے ''ہسٹری آف دی نیشنز'' تحریر تھا۔ الماری بند کر کے میں نے چابی پارو کے حوالے کر دی مگر پارو نے

اسے اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا۔ الماری میں سانپ بند تھا۔ میری تلاشی لی جاتی اور چابی میرے پاس سے برآمد ہوتی تو کسی کی بھی توجہ الماری کی جانب مبذول ہو جاتی اس لیے میں نے چابی پارو ہی کے پاس رہنے دی۔ اب وہ دو ضخیم کتابیں چھپانا مقصود تھا جو اگر اپنی جلدوں سے علیحدہ ہو کے کسی کی نظر میں آ جاتیں تو اپنی ہجرت کی داستان دہرا دیتیں' بعد میں مجھے احساس ہوا کہ کتابیں چھپانا اور فائل چھپانا ایک ہی جیسی اہمیت کا کام ہے' پارو کو ان کتابوں سے بڑی محبت تھی اور اب انہیں جلانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ میں نے بہت غور کیا مگر کچھ عقل میں نہیں آیا۔

رات نے سیاہی کا لباس بدل کے سرمئی لباس پہن لیا تھا۔ پھر پارو ہی کے ذہن رسا میں اس مسئلے کا حل آیا۔ اس نے دونوں کتابوں پر انگریزی رسالوں کے رنگین کور چڑھا دیے اور الماری کھول کے انہیں اس طرح خانے میں رکھا کہ کتاب کے صفحے صاف نظر آ جائیں' تلاشی لینے والے کو اس سے غرض نہیں ہو گی کہ یہ کون سی کتاب ہے' ہاں اگر انہیں الماری سے علیحدہ سٹور میں دوچھتی پر یا کسی اور جگہ پھینک دیا جاتا تو ان کی علیحدگی سے سب کو شبہ ہوتا مگر وہ تو پارو ہی کی الماری میں محفوظ تھیں' بھون کے کسی اور فرد کی الماری میں نہیں۔ ضروری نہیں تھا کہ کرنیلوں کی لاش دیکھ کے انگریز فوراً پرکاش بھون کی طرف بھاگیں کہ یہیں سے یہ خفیہ دستاویزیں دریافت ہو سکتی ہیں' ان کے آنے میں وقت بھی لگ سکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سرے سے نہ آئیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی ایسا ذہین شخص ضرور ہو گا جو کھوجیوں کو یہ مشورہ دینے سے نہیں چوکے گا کہ اب کاغذات کی بازیابی ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے' لے جانے والے نے ان کی راکھ بھی مٹی میں ملا دی ہوگی۔ جو دیدہ دلیر شانت محل کے پہرے داروں کی آنکھوں میں مرچیں ڈال کے اندر گھس سکتا ہے' اس کی مستعدی کے سبھی دل سے قائل ہوں گے لیکن انگریز' شرفائے راجے پور کو مزید خوف زدہ کرنے اور اپنے اشتعال کا مظاہرہ کرنے کے لیے انتہائی اقدامات کرنے سے باز نہیں آئیں گے ورنہ وہ ہائی کمان کے کرسی نشینوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ بہر حال اب کچھ بھی ہو' الماری دوبارہ بند کر دی گئی تھی اور وہ نادر مخطوطے اس کے شیشوں میں قید ہو گئے تھے۔ میں نے پارو کو باہر کا جائزہ لینے کا اشارہ کیا۔ وہ میرے پہلو میں ڈھلکے ڈھلکے گری جا رہی تھی اور ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے اس نے بہت ساری شراب پی لی ہو۔ وہ بار بار میری انگلیاں دانتوں سے چبانے لگتی تھی۔ ''میں رات کو کسی وقت آنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اسے جگاتے ہوئے کہا۔ ''اور تم وہی لباس پہننا' وہی اودی ساڑھی جس میں تمہیں دیکھ کے مجھے اپنے شاعر نہ ہونے کا افسوس ہوتا ہے۔''

''تھوڑی دیر اور رک جاؤ۔'' وہ نشیلی آواز میں بولی۔

''جاؤ' باہر دیکھو۔'' میں نے دروازے کے قریب اسے اپنے جسم سے جدا کرتے ہوئے کہا۔ پارو بیزاری سے آگے بڑھی۔ باہر کا راستہ صاف تھا۔ میں نے کمرے سے باہر آنے میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی۔

دنیش ابھی تک سویا ہوا تھا۔ میں ہلکی چاپ سے چلتا ہوا برابر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ آنکھیں موندے ہوئے دو پل ہی گزرے ہوں گے کہ مجھے دنیش کے ڈرائیور کا خیال آ گیا' کچھ دیر بعد جب ریاست میں خوف وہراس کی لہر آئے گی تو اسے اپنی اہمیت کا احساس ہوگا۔ میں نے معقول رقم دے کے اس کی زبان رفو کرنے کا انتظام کر دیا تھا۔ تاہم آدمی کی نسل سے تھا۔ گھٹ گھٹ کے زندگی بسر کی تھی' یہ ایک موقع نصیبا جاگنے کا تھا' بہک سکتا تھا۔ اس خوش نصیب کو دنیا کے آزار سے فی الفور نجات دلانے کا موقع بھی نہیں تھا۔ وہ میرا محسن تھا۔ اس کی اعانت نہ ہوتی تو پارو کے رخساروں پر خزاں چھائی رہتی۔ وہ ہم سب کا محسن تھا۔ اسے ناپید کرنے کے خیال سے دل لرز جاتا تھا اور ناپیدی کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ اسی دن دنیش کے ڈرائیور کا قتل جس دن کرنیلوں کا سانحہ ہوا؟ اسی ڈرائیور کا قتل جو دنیش چندر کو گزشتہ رات واردات سے چند گھنٹے پہلے شانت محل لے گیا تھا؟ یہ بات سوچنے والوں کو غور وفکر کی پیچیدگیوں میں الجھا سکتی تھی۔ کرنیلوں نے پورے دن مختلف لوگوں سے ملاقات کی تھی۔ آخری آدمی دنیش تھا۔ گزشتہ کئی وارداتوں کی طرح اس بار بھی پولیس اور چھاؤنی کا رویہ مختلف نہیں ہوگا۔

پرکاش بھون اور بڑی حویلی میں ابھی تک مسلح پولیس تعینات تھی۔ چھاؤنی میں دونوں جاگیروں کے ملازم قید تھے البتہ پولیس سے وہ ملازم آزاد کرا لیے تھے جن کا دامن صاف معلوم ہوتا تھا مگر ان کی جلد اتنی داغ دار کر دی گئی تھی کہ وہ کسی برے

ارادے کا خیال بھی دل میں نہ لاسکیں۔ دونوں جاگیروں کے بیشتر ملازم سلاخوں کے اندر دیسی اور پردیسی آقاؤں کے بوٹوں کی ٹھوکروں پر رکھے ہوئے تھے۔ اب گرفتار کرنے کو دریدہ بدن' ادھڑے ہوئے ملازم' باندیاں' کم عمر اور زیادہ عمر کے خدام ہی رہ گئے تھے یا پھر عمارتوں کے مالک۔ دنیش کے ڈرائیور دیوی لال کو اس کے مرتبے کا خیال رکھتے ہوئے ازراہ نوازش آزاد رہنے دیا گیا تھا۔ پانچ چھ ڈرائیور بھون میں اور بھی آزاد تھے۔ اب کے ان کی بھی باری آ سکتی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ جب ہنٹر کھال ادھیڑتے ہیں' کوڑے گوشت میں پیوست ہو جاتے ہیں' ٹھوکروں سے خون نکالا جاتا ہے' سوئیوں سے جسم چھلنی کیا جاتا ہے اور روشنی سے آنکھیں چندھیائی جاتی ہیں تو آدمی کا باطن کس شفافی سے عریاں ہو کے آتا ہے۔

دنیش کا خاص ڈرائیور دیوی لال ایک غریب' چھوٹا موٹا' درمیانی خصلت کا آدمی تھا۔ زندگی نے اسے بڑی ماریں لگائی تھیں لیکن زندگی کی مار اور ہنٹر کی مار میں فرق ہوتا ہے' میں سنسناتا رہا کہ اس کے حواس کیسے معطل کروں؟ اسے کون سا مشروب پلاؤں جس سے اس کی جلد پر اچانک چربی کی تہہ جم جائے؟ اس پر کونسا جادو کروں؟ کاندھے پر کوا بیٹھا کائیں کائیں کر رہا تھا اور سر پہ چونٹیوں نے سوراخ بنانے شروع کردیے تھے۔

چھ بجنے والے تھے' ابھی وقت تھا' جلد از جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ انگریز اپنے لائق احترام کرنیلوں کی موت کا اعلان کرنے سے پہلے باہم مشاورت کریں گے۔ چھاؤنی سے معطل آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ کو بلایا جائے گا اور پھر مہاراجہ کو بلایا جائے گا۔ شانت محل فوج کے محاصرے میں لے لیا جائے گا۔ ان تمام کاموں میں کچھ وقت ضرور لگے گا یا ممکن ہے' اس سے پہلے ہی کوئی فرض شناس سنتری چہل قدمی کرتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہو جائے۔ زینے کے نیچے چھپے ہوئے سنتری پر تو اس کی نظر پڑے گی نہیں البتہ نچلے اور بالائی حصے میں سنتریوں کی گم شدگی اس کے لیے تشویش کا سبب بن جائے گی۔

میرے پاس اب صرف اتنا وقت تھا کہ میں جو فیصلہ کروں' کسی جھجک کے بغیر اس پر عمل پیرا ہو جاؤں' میں ہڑ بڑا کے بستر سے اٹھا اور چادر اوڑھ کے عقبی راستے

سے باہر آ گیا۔ مویشی ڈکرا رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے' مہمان خانے کے مندر
کی گھنٹیاں بج رہی تھیں اور پرندوں کے چہچہوں سے صبح کا آغاز ہو رہا تھا۔ ایسی نرم اور
خنک صبح کو میرے سر پہ دوپہر کا سورج کھڑا تھا۔ بھون میں موجود مسلح پولیس کا دستہ
ایک پرسکون رات گزارنے کے بعد ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا۔ کوئی نل پر اشنان کرنے
میں مصروف تھا' کوئی مسواک سے مسوڑے چھیل رہا تھا اور کوئی حلق میں پانی ڈال کے
خرخرا رہا تھا۔ انگریز سپاہی بھون کے مہمان خانے میں مقیم تھے۔ مہمان خانے کے اس
حصے میں جسے دھرم شالا کہنا زیادہ مناسب ہے' وہیں ان کے کام و دہن کی لذتوں کا
انتظام ہوتا تھا۔ میں اپنا جسم چراتا ہوا دھیرے دھیرے دنیش چندر کے گیراج میں داخل
ہوا۔ عام دنوں کی بات اور تھی لیکن اب صبح صبح بھون سے کوئی سیر کے لیے موٹر پہ باہر
نہیں نکلتا تھا۔ ڈرائیور بھی ان دنوں ٹوٹ ٹوٹ کے سو رہے تھے۔ لمبے چوڑے گیراج
پر سناٹا تھا اور کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ میں دیوار کے ساتھ رینگتا ہوا دنیش کی خاص
گاڑی کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ اتنی صبح کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ بروقت فیصلے میں
یہی ہوتا ہے۔ گاڑی لاک تھی۔ میں نے گیراج کے طاق پر رکھا ہوا پانا آسانی سے
حاصل کر لیا اور گاڑی کے اگلے پہیے کے قریب بیٹھ کے اس کے نٹ ڈھیلے کر دیے'
اتنے ڈھیلے کہ نکلتے نکلتے بھی میل دو میل گاڑی کھینچ لے جائیں۔ اس کام سے فارغ
ہو کے میں نے چادر کے ایک رخ سے ہاتھ صاف کیے اور دوسرے رخ سے اسے
اوڑھ کے گیراج سے باہر آ گیا۔ گیراج کے قریب ہی ڈرائیوروں کے کوارٹر تھے۔ ادھر
ادھر دیکھ کے میں نے دیوی لال کے کوارٹر پر دستک دی۔ اندر سے کسی بچے کے رونے
کی آواز آ رہی تھی۔ پھر کسی عورت نے بچے کو برا بھلا کہتے ہوئے دستک دینے والے کا
نام پوچھا۔ میں نے باہر ہی سے جواب دیا۔ ''بڑے سرکار کو جانا ہے۔ دیوی لال کو فوراً
بھیجو۔''

''کون ہے؟'' عورت نے پوچھا ہی تھا کہ میں تیزی کے ساتھ کوارٹر سے دور
ہو گیا اور گیراج کی پشت پر منڈلانے لگا۔ پانچ منٹ بعد سر پہ الٹی سیدھی پگڑی رکھے'
کوٹ کے بٹن لگاتا ہوا دیوی لال اپنے کوارٹر سے برآمد ہوا اور تیز قدموں سے گیراج
کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اسے درمیان ہی میں جا لیا۔ ''موہن بابو!'' اس نے

مجھے اور میرا حلیہ دیکھ کے حیرت سے کہا۔

وہ پوچھنا چاہتا ہو گا کہ میں رات کب واپس آیا؟ میں نے اسے اس کا موقع
نہیں دیا۔ ''دیوی! راج کمار نے تجھے ایک کام سونپا ہے۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں
اسے مخاطب کیا۔ ''چوک میں ڈاک خانے کے پاس تجھے ایک پنڈت جی مہاراج ملیں
گے۔ ہردوار سے آئے ہیں۔ انہیں گاڑی میں لے کے ترت آ جاؤ' ذرا دھیان رکھنا اور
انہیں عزت سے لانا۔ بہت بڑے دھرماتما ہیں۔ خوش ہو گئے تو بگڑی بن جائے گی۔ جا
اب تیز جا۔ راج کمار کی گاڑی لیتا جا۔ وہ تیرا انتظار نہیں کریں گے۔''

''موہن بابو! وہ اسپورٹ لے جاتا ہوں' سڑک سے چپک کے چلتی ہے' پانی
کی طرح بہتی ہے۔''

''اسپورٹ میں مہاراج کو لائے گا؟ بات کم کر' بڑی گاڑی میں پھرتی سے جا
اور سن ادھر ادھر مت رکنا' صدر دروازے پر کوئی روکے تو کہہ دینا' بڑے سرکار کی
طبیعت ٹھیک نہیں ہے' پنڈت جی کو لینے جا رہا ہوں' ویسے بھی دنیش بابو کی گاڑی دیکھ
کے کوئی دم نہیں مارے گا۔''

''ابھی کتنی دیر ہے؟'' وہ جھجک کے پریشانی سے بولا۔

''آدھ گھنٹے کے لگ بھگ تجھے پنڈت جی چوک میں مل جائیں گے۔''

''آدھ گھنٹہ؟'' اس نے زیرلب دہرایا اور میری صورت دیکھنے لگا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ''کیا بات ہے دیوی؟''

''کچھ نہیں موہن بابو!'' وہ سر جھکا کے بولا۔ ''میں چوک میں دس منٹ کے
اندر اندر پہنچ جاؤں گا۔ رات سے چھوٹا بچہ رو رہا ہے موہن بابو! ساری رات جگایا ہے
بے کل نے۔ اگر وقت ہو تو میں دوا کی شیشی اور پرچی گھر سے لے آؤں۔'' اس نے
سہم کے اجازت طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔

''چھوٹا بچہ بیمار ہے؟'' میں نے تذبذب سے کہا۔

''ہاں موہن بابو! بس ادھر گیا' ادھر آیا۔ وید جی کی دکان ڈاک خانے کے
پاس ہی ہے' سویرے سویرے اشنان کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ وقت ملا تو جھٹ پٹ حال
کہہ کے آ جاؤں گا۔ دوا بن جائے گی تو پھر کسی وقت جا کے لے آؤں گا۔''

میری رگوں میں خون جمنے لگا۔ میں نے دیوی لال کا چہرہ دیکھا۔ وہ
نظروں سے جواب کا منتظر تھا۔ میرے پس و پیش پر وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا
''چھوڑیے موہن بابو! دوا پھر لے آؤں گا۔ مہاراج نکل نہ جائیں۔'' وہ گیراج کی
طرف بڑھنے لگا۔

میرے پیروں کی جان نکل گئی تھی۔ میں وہیں جم کے رہ گیا۔ کانوں میں
چنگاریاں لپکنے لگیں۔ دیوی لال آگے چلا گیا تھا۔ میں نے پلٹ کے دیکھا اور زور سے
چلایا۔ ''ٹھہر دیوی! ٹھہر۔''

میری پکار سے دیوی لال کے قدم رک گئے۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا میرے
پاس آیا۔ ''جا دیوی! گھر جا۔''

''کیوں موہن بابو؟'' اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔

''بس جا' گھر جا۔'' میں نے چڑ کے کہا۔

''کیا کوئی غلطی ہوگئی موہن بابو؟ میری کوئی بات بری لگ گئی؟ ضرور میری
زبان سے کوئی بری بات نکل گئی ہے۔ مجھے معاف کردو۔''

''مہاراج کو میں لے آؤں گا۔ تو بچے کو دیکھ اور وید کے پاس جانے کے
بجائے بھون کے ڈاکٹر کو دکھا دے۔''

وہ گم سم کھڑا رہا۔ ''موہن بابو! مہاراج!'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کے کہا
''آپ ضرور مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟''

''چل ہٹ' اندر گھر میں جا' بچہ رو رہا ہے' لا چابیاں مجھے دے۔''

''میں اپنے ہوتے ہوئے تمہیں نہیں جانے دوں گا۔''

''دیوی!'' میں نے سختی سے کہا۔ ''جا گھر جا اور دیکھ احتیاط سے رہنا' خطرہ
ہے' کم بولنا۔ اپنی زبان کٹی ہوئی سمجھنا۔'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے تھپکی
دی اور چابیاں لے کے گیراج کی طرف آ گیا۔ میں نے مڑ کے دیکھا۔ دیوی اس جگہ
گنگ کھڑا تھا۔ میرے پلٹنے پر اس نے کوارٹر کی طرف منہ کر لیا اور آہستہ آہستہ واپس
جانے لگا۔ گیراج میں داخل ہو کے میں نے گاڑی کے ڈھیلے نٹ کس دیے اور خواب
گاہ میں آ گیا۔ میں نے صوفے پر بیٹھ کے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ باقی پستول تو میں نے

رات ہی ٹھکانے سے رکھ دیے تھے۔ ایک باقی تھا۔ اب دیوی لال چاہے ظرف کا
ثبوت دے یا کم ظرفی کا۔ فیصلہ کرنے کے لیے میری جیب میں عموماً آگ کی گولیاں
رہتی تھیں۔ ایک کھائیے اور دنیا بھر کی فکروں سے نجات حاصل کر لیجیے۔ دیوی وہ شخص
تھا جس نے پنڈتوں اور سادھوؤں کو چھاؤنی کے دروازے پہ مجھ پر وارفتہ ہوتے دیکھا
تھا۔ زبان کھولتے ہوئے دس بار سوچے گا ضرور اور نہ بھی سوچے تو مجھے اب کوئی پشیمانی
نہیں تھی' کوئی تاسف نہیں تھا۔ میں بہر حال دنیش چندر اور پارو کو مصائب میں مبتلا
کر کے نہیں جاؤں گا۔ انہیں دوسروں سے شرمندگی نہیں ہوگی کیونکہ میرا فیصلہ راجے پور
کے حکام نہیں کریں گے' میں خود کروں گا اور چلتے چلتے ان کی ناآلودگی کی وصیت کرتا
جاؤں گا کہ یہ سب کچھ میرے دماغ کا خلل تھا' یہ سب کچھ مجھے خود میرا حکم تھا' میں
خود اپنے حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ احتیاط کے باوجود گیراج میں میرے کپڑے خراب ہو گئے
تھے۔ میں نے غسل خانے میں جا کے اپنے جسم پر نل کھول دیا۔ آدمی کو نہاتے رہنا
چاہیے۔ نہ معلوم آخری غسل کا موقع ملے یا نہ ملے۔ ڈالی میرے کپڑے دھو دھو کے
اب یہیں رکھ جاتی تھی۔ میں نے انہیں تلاش کیا۔ وہ نہیں ملے تو پرانے کپڑے پہن
لیے۔ جب میں باہر واپس آیا تو دنیش چندر چائے پی رہا تھا گویا مجھے نہانے میں خاصی
دیر لگ گئی تھی۔ دن پوری طرح روشن ہو چکا تھا۔ میری آہٹ پر دنیش نے نظریں
اٹھائیں اور اس کے لبوں پر ایک لطیف تبسم پھیل گیا۔ اس کے ہونٹ کھل اٹھے۔

''رات تم کہاں تھے؟'' اس نے دوسری پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے
ناراضی سے کہا۔

''میں یہیں تھا۔'' میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں تلاش کرایا۔ ڈالی کے پاس بھی آدمی بھیجا' معلوم ہوا' تم
کہیں نہیں ہو۔ چائے پیو' کہاں غائب ہوگئے تھے؟''

''یہیں بھون ہی میں تھا مگر آپ نے کس کس سے مجھے تلاش کرایا؟''

وہ بے وقوف مالتی تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔''

''اس نے مجھے کہاں کہاں دیکھا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''کیوں؟'' اس نے میرے چہرے کا جائزہ لیا۔ ''کوئی پریشانی کی بات؟''

''نہیں' کچھ نہیں۔'' میں نے پہلو بدل کے کہا۔

''کوئی بات ضرور ہے؟'' اس نے چائے میز پر رکھ دی۔ ''مجھے بتاؤ۔''

''کوئی بات نہیں' میں جب واپس آیا تو آپ سو رہے تھے۔''

''مگر میں تو بہت دیر سے سویا تھا۔ میرا خیال ہے' رات کے کوئی ۲ بجے۔ تمہارا انتظار کرتے کرتے آنکھ لگ گئی۔ رات بجلی نے بھی بڑا پریشان کیا' کمروں میں حبس تھا۔ شاید ایک بجے کے قریب بجلی آئی ہوگی' میں سوچ رہا تھا' اس اندھیرے نے تمہیں بے قرار کر دیا ہوگا۔ رات تھے کہاں؟''

''بس اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ آج تو آپ کی طبیعت کچھ شگفتہ معلوم ہوتی ہے۔''

''مصنوعی شگفتگی ہے یا جبری۔ دل خوش نہیں ہے۔''

''دل بھی اس جبر کا عادی ہو جائے گا۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تم کچھ الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ کیا بات ہے موہن؟'' وہ میرے قریب کھسکتے ہوئے بولا۔ ''میں بدترین خبر سننے کا منتظر ہوں۔''

''ذرا سر بوجھل ہے۔'' میں نے چائے کا گھونٹ لے کے اپنا تاثر چھپایا۔

''تم نے اب تک یہ بھی نہیں پوچھا کہ رات کرنیلوں سے کیا گفتگو ہوئی؟''

''ہاں'' میں نے اشتیاق ظاہر کیا۔ ''اچھی ہی بات ہوئی ہوگی۔''

''خاصے دلچسپ' لائق اور مہذب لوگ ہیں۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''تو پھر جلدی مر جائیں گے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک کے بولا۔

''اچھے لوگوں سے زمین حسد رکھتی ہے۔'' میں نے اضطراب سے کہا۔

''اتنے اچھے بھی نہیں ہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔ ''کہتے تھے کہ انگریز تو ریاست میں امن و سکون کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ یہاں کے لوگ نئی زندگی کی تمام لذتوں سے آشنا ہوں' یہاں ایک مثالی ماحول قائم ہو۔''

''اور انگریز سرکار کی جے جے ہو۔'' میں نے زہر خند لے کہا۔

''تمہارے تیور تو اس وقت بہت انقلابی ہیں۔''

مجھے ہنسی آ گئی' ایک زہریلی ہنسی۔ ''اور کیا کہتے تھے وہ؟''

''انہوں نے موہن!'' وہ راز دارانہ انداز میں بولا۔ ''ایسی معنی خیز باتیں کیں کہ مجھے ایک لمحے کو تو اپنے آپ پر شبہ ہونے لگا۔ وہ کہتے تھے کہ کھنڈر میں ہونے والی واردات کے مجرم جلد ہی پکڑ لیے جائیں گے اور ان کی پشت پر جن عناصر کا ہاتھ ہے' انہیں بھی وہ معاف نہیں کریں گے۔ چاہے وہ ریاست کے بااثر لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔''

''شاید اس کی نوبت نہ آئے۔'' میرے منہ سے نکل گیا اور ان تینوں کرنیلوں کے چہرے میری نظروں میں گھوم گئے۔ ''آدمی بھی دنیش بابو!'' میرا لہجہ خیال آفریں تھا۔ ''کیسے کیسے دعوے کرتا ہے۔ آنے والی کل پر اسے کس قدر یقین ہوتا ہے حالانکہ یہ کل پر منحصر ہے کہ وہ آئے یا نہ آئے۔ آج دنیا کے کتنے لوگوں کے لیے کل نہیں آئے گی۔''

''انگریز آقاؤں کے لیے کل ضرور آئے گی موہن! بادشاہ مر جاتا ہے' بادشاہ زندہ ہو جاتا ہے۔ کرنل جب یہ کہہ رہے تھے تو میں اسے برطانیہ کی زبان سمجھ رہا تھا۔ فرض کرو' کرنیلوں کے لیے کل نہیں آئے لیکن انگریز اقتدار پر ان روحانی معاملات کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کی مشینری آدمی کے جسم جیسی نہیں ہے' اس کے کل پرزے کھال کے اندر بند نہیں ہیں۔ سب نظر آتے ہیں اور جو نظر آتا ہے' وہ اتنا بڑا اور اتنا چوڑا ہے کہ اس کے فنا ہونے کے لیے وقت چاہیے۔'' بہر حال وہ آنکھیں بھینچ کے بولا۔ ''یہ ایک فضول بحث ہے۔ میں سمجھتا ہوں' یہ تمہارے خواب ہیں۔ یہ خوش فکری' خوش اعتقادی ہے کہ انگریز شاید کل تک نہ رہیں۔''

میں نے تردید یا تائید نہیں کی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے میں دیر ہو رہی تھی۔ میں اس کی خوش وقتی ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کہیں اتنے دنوں بعد تو وہ دل جمعی سے گفتگو کر رہا تھا۔ سریش کی موت کے بعد اسے چپ لگ گئی تھی۔ ایسا تھکا ہوا' ایسا شکستہ تھا کہ اسے مخاطب کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ ''دنیش بابو! میرے جی میں آ رہا ہے کہ آپ سے ایک عجیب بات کہوں' ہر بات کے لیے لازم نہیں کہ اس کا کوئی منطقی جواز ہو۔ ہم دن میں کتنی بے جواز باتیں کہتے ہیں۔''

''کہو پروفیسر!'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''مذاق نہیں۔ میرا خیال ہے اب آپ تیار ہو جائیے۔ ذہنی طور پر آپ کی آمادگی ضروری ہے' ہو سکتا ہے کہ کسی وقت بھی سرکار کی طرف سے آپ کی طلبی ہو جائے کہ آیئے کرسی خالی ہے' تشریف لایئے' تاج سجایئے اور ہنر دکھایئے۔''

''واقعی؟'' وہ ٹھٹھا مار کے بولا۔ ''کبھی کبھی آدمی بہت بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے۔ اس وقت تم پر وہی عالم طاری ہے۔''

''مگر۔ مگر یہ بات ایسی خلاف عقل تو نہیں ہے۔''

''تمہاری طبیعت آج کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے' رات تم نے کہیں جاگنے میں گزاری ہے۔'' وہ اپنے موتی جیسے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھیے نا۔'' میں نے جھینپ کے کہا۔ ''مہاراجہ ریاست کے یہ دگرگوں حالات کب تک سہتے رہیں گے اور اپنے آقاؤں کو کب تک یہ دلاسا دیتے رہیں گے کہ بس کل کی بات ہے' کل تک حالات قابو میں آ جائیں گے۔ ایک نہ ایک دن مہاراجہ کے پاس عذر تراشیوں کا خزانہ ختم ہو جائے گا۔ ان کے بعد راج محل میں کون ہے؟ راج کماری کنول۔ کاش ریاست کی حکمرانی کے قانون کا اطلاق ان پر ہوتا۔ مگر ادھر آپ ہیں۔ خاندان کے سب سے بڑے بیٹے یا بڑی حویلی کے کنور جگ دیپ بہادر' جگ دیپ بہادر کے ستارے اچھے نہیں معلوم ہوتے' آج رات رفتار بدل دیں تو دوسری بات ہے۔''

''کوئی نئی بات کرو۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''شاید میرے بارے میں تم نے رائے بدل دی ہے اور یہ بہت صدمے کی بات ہے موہن!'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔ ''یہ سارا جنجال مجھے نوٹنکی لگتا ہے' اگر تم یہ سمجھنے لگے ہو کہ میری نگاہیں راج محل کی جانب اٹھنے لگی ہیں تو یہ بڑی زیادتی ہے۔''

''اٹھنی چاہئیں دنیش بابو! ضرور اٹھنی چاہئیں۔'' میں نے مضبوط اور بلند آواز میں کہا۔ ''یہاں آپ کی پسند نا پسند کا کیا سوال ہے؟ سوال اجتماعی مفادات کا ہے' اجتماعی خودغرضی کا ہے' ذاتی خودغرضی کا نہیں۔ آپ ایک آزاد اور خوش حال زندگی کے

خواہاں ہیں مگر بے غیرت زندگی کے نہیں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی یہی بات کہی تھی اور اب بھی مجھے اس پر اصرار ہے۔ ہم بدخو اور ظالم لوگوں کے سامنے شکست قبول نہیں کریں گے' ہرگز نہیں۔''

''ہمارے اختیار میں ہے ہی کیا۔'' وہ مایوسی سے بولا۔

''ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ سارا اختیار بڑی سرکار کو ہے اور بڑی سرکار کو کتوں کی بڑی پہچان ہے۔ وہ کسی دن بھی بڑی حویلی کے فرزند ارجمند میں یہ خصوصیات دریافت کر سکتی ہے لیکن وہ شخص ان کے کھونٹے سے بندھ گیا تو لوگوں کا جینا حرام کر دے گا۔ اتنا بھونکے گا' اتنا کاٹے گا کہ لوگ گھروں سے قدم نکالتے ہوئے ڈریں گے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟ ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہماری خصوصیات اس سے سوا ہیں۔ میں اس بات پر ہر بار زور دیتا ہوں دنیش بابو اور مجھے ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں آپ گھبرا نہ جائیں اور کہیں آپ پرکاش بھون میں رہنے والے مکینوں پر اپنی ذات کو ترجیح نہ دے دیں' آپ اکتا نہ جائیں۔ آپ تو بہت جلد اداس ہو جاتے ہیں۔''

مجھے احساس تھا کہ میں کوئی انوکھی بات نہیں کہہ رہا ہوں لیکن مجھے اس گفتگو کے اعادے کی ضرورت بار بار محسوس ہوتی تھی۔ ریاست کے حالات سے دنیش کی بے نیازی مجھے فکروں میں مبتلا کر دیتی تھی۔ ہر شخص دنیا کو اپنی ذات کے پیمانے سے ناپتا ہے' ایسا میں بھی کر سکتا تھا اور اب تو ایسا کرنا بہت آسان تھا۔ بنو بیگم اور بختاور کے قتل کی دھول میرے ذہن سے ہٹ چکی تھی مگر یہ وقت ریاست سے فرار ہونے کا نہیں تھا البتہ ریاست کے حالات معمول پر آتے ہی میں کسی بھی سمت نکل کے زمین کے کسی بھی حصے پر اپنا قبضہ جما کے اور دیواریں کھینچ کے کپڑے اتار سکتا تھا۔ میں بھی اس دنیا کا ایک شخص تھا جو ذات کے حصار میں رہتا ہے۔ بھون میں چھوٹے بڑے قدوں کے سادہ اور شریر لوگ موجود تھے۔ بھون کی چھت کے نیچے بے شمار ملازموں کو سر چھپانے کی جگہ ملی ہوئی تھی۔ میری ذات ان لوگوں کی شناسائی سے آلودہ ہو گئی تھی۔ دنیش چندر کی اداسی بھون کی اداسی تھی۔ وہ اجتناب برتتا تو چھتیں ٹپکنے لگتیں اور اینٹیں مکینوں کے سروں پہ گرنے لگتیں۔ دنیش کا درخت اکثر متزلزل ہونے لگتا تھا اور مجھے اپنی ناتوانی

کے باوجود اس کی بنیادوں میں پانی دینے کا مشکل کام کرنا پڑتا تھا۔ میں نے یہ گفتگو دنیش سے بے سبب نہیں کی تھی' تھوڑی دیر میں دنیش کو اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہونے والا تھا۔

تاثر خود ایک منطق ہے' غیر منطقی بات کو بھی لہجے کا تاثر مل جائے تو وہ دل میں اتر جاتی ہے بشرطیکہ اس کا تعلق اسی دنیا سے ہو' آدمی وہی خیال قبول کرتا ہے جو اس کے حواس اور گرد و پیش کے حوالے سے ہو' میں نے دنیش کے سامنے کسی مثالی ریاست کا نظریہ پیش نہیں کیا تھا۔ پرکاش بھون کی بات کی تھی اس لیے میرے لہجے سے وہ سنجیدہ ہو گیا اور کرب سے بولا۔ ''تم تھکا دیتے ہو۔''

''واقعی میں آپ کو بہت پریشان کرتا ہوں۔''

''اور خود پریشان ہوتا ہوں' شاید تم کوئی اہم بات کہنا چاہتے تھے جس کی تمہید کے لیے تمہیں اتنی باتیں کرنی پڑیں۔ اب وہ بات کہہ ڈالو۔ میرے مزاج کی ہمواری ناہمواری کا خیال مت کرو۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''میں نے تمام باتیں کہہ دی ہیں۔''

''تم نے تو نصاب دہرایا ہے۔''

''اب آپ خود سے گفتگو کیجیے۔'' میں نے اس کے پہلو سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آیئے اٹھیے۔ چلتے ہیں۔''

''کہاں؟'' وہ بے چینی سے بولا۔

''آیئے شاردا کو دیکھ کے آتے ہیں' اٹھیے۔''

''رات وہ تمہیں پوچھ رہی تھی۔ تم شام کو اس کے پاس نہیں گئے۔ پریشان تھی۔ اس کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہو رہی ہے۔''

میں نے اسے اٹھا لیا۔ اس وقت نہ جانے کیوں شاردا کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا اور دنیش کی ہم رکابی کے بغیر میں اسے قریب سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پتہ نہیں تھوڑی دیر بعد کیا ہو جائے' شاردا کا چہرہ دیکھنا نصیب ہو نہ ہو جو حسرتیں ہیں' وہ اس طور پوری کر لی جائیں۔ میں نے ڈرائیور دیوی لال کو واپس کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے گھر میں موجود تھا۔ اس کے پاس کان بھی تھے' زبان بھی تھی اور اس کے گھر میں زندگی

چیزیں بہت کم تھیں' اب سب کچھ اس کی رضا مندی اور ناراضی' حوصلے اور خوف پر منحصر تھا۔ اسی لیے میں نے دنیش سے تکرار کی تھی۔ بعد میں شاید یہ باتیں کرنے کی فرصت نہ ملے۔

شاردا نے اداس مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا۔ ہمارے اندر داخل ہوتے ہی باندیاں چلی گئیں۔ شاردا ہمیں اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ ''اب تو تم گھڑ سواری بھی کر سکتی ہو۔'' دنیش نے شگفتگی سے کہا۔

''پھر تم نے میرے وہاں آنے پر کیوں پابندی لگا رکھی ہے۔ یہ باندیاں کیوں میرے سر پہ ڈھیر کر رکھی ہیں۔ میں یہاں بند رہتے رہتے اکتا چکی ہوں' مجھے باہر نکالو۔''

''باہر نکلنے کا سرٹیفکیٹ میں تمہیں ابھی نہیں دوں گا۔'' دنیش نے اس کے بستر پر گرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور شوخی سے کہا۔ ''پہلے اس کمرے میں چالیس بار اس دیوار سے اس دیوار تک دوڑ کے دکھاؤ۔''

''اور ایک گھنٹے مرغا بن کے بھی۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''ویسے تم نے رنگ بہت جمایا شاردا!'' شاردا کے گالوں پر لالی چھا گئی۔ اس نے شرما کے سر جھکا لیا۔

''تم ان کی حکم عدولی کرو۔ خوب کھاؤ' خوب چلو اور ان کے کمرے میں دن میں سو بار آیا کرو مجھے تم پہلے سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔'' میں نے دنیش کی موجودی کی پروا نہیں کی۔

''نظر نظر کی بات ہے' مجھے تو یہ لڑکی بہت بری لگ رہی ہے۔ چہرہ دیکھو ابلا ہوا سا ہے' رنگ دیکھو' دھوپ میں جیسے زرد پڑ گیا ہے۔''

دنیش نے شاردا کو اپنے سینے پر گرا لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ ''اب اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی' اتنا ستایا تو بہت زبردست سزا ملے گی۔'' شاردا نے اس کے سینے سے لگ کے آنکھیں میچ لیں۔ ''رات کو تم آنا۔'' وہ سرگوشی میں بولا لیکن میں نے سن لیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''موہن بہت اداس ہے' مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ شاید تمہیں بتا دے' بھون میں تمہی وہ پہلی شخصیت ہو جسے اس نے کچھ بتایا

میرے ذکر پر وہ تلملائی اور اپنے بھائی کے سینے سے تڑپ کے جدا ... اور
ہمہ لہجے میں مجھ سے بولی۔ ''کیوں موہن! کیا بات ہے؟''

''چلو' تم کسی کی فکر کرنے کے قابل تو ہوئیں۔'' میں دنیش کے قر... بیٹھ
۔''اب تو آپ انہیں پروانہ دے ہی دیجیے۔''

''پروانہ ہم ایسے تھوڑی دے دیں گے۔ ہم تو اس دن پورا بھون سجائیں
۔ راجے پور میں اتنی روشنیاں کبھی نہ جلی ہوں گی۔ ہم تو بھون کو پھولوں سے چھپا
گے۔ دنیا والے دیکھا کریں گے۔ یہاں سے وہاں تک۔'' دنیش نے ہاتھ پھیلا
کہا۔ ''ہاتھی ہی ہاتھی ہوں گے۔'' مگر وہ کہتے کہتے خود اداس ہو گیا۔ ''ہمارے دل
بڑی حسرتیں ہیں۔''

میں پوچھنا چاہتا تھا' وہ کون خوش نصیب ہوگا جو ہاتھی پر سوار ہو کے آئے گا
پھولوں کی یہ ٹوکری' چاند کا یہ ٹکڑا' ریشم کا یہ لچھا' موتیوں کی یہ لڑی' کون سکندر بخت
ت کی بنائی ہوئی یہ تصویر' یہ شیش محل اٹھا کے لے جائے گا۔ مگر میں نے یہ نہیں
ا۔ شاردا کی آنکھوں میں خون دمکنے لگا اور آنکھوں میں شراب امڈ آئی۔ اس نے
نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ میں اس سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ دنیش آج پرکاش بھون کا
راؤ راج کمار دنیش چندر نہیں معلوم ہو رہا تھا اور شاردا کوئی تعلیم یافتہ لڑکی نہیں لگ
تھی' وہ ایک الھڑ لڑکی بن گئی تھی جیسے اس کے بدن پر کھیت اگ آئے ہوں اور ان
لہلہاتے ہوئے پودے ہوا کے زور سے جھکے جا رہے ہوں۔ میں نے ان دونوں
درمیان تنہائی محسوس کی۔ دنیش شاردا سے خواب آگیں لہجے میں ابھی یہ باتیں کر
رہا تھا کہ مالتی نے دروازے کے باہر ہی سے آواز لگائی۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''راج
، کا ضروری فون ہے۔''

''کس کا فون ہے؟'' دنیش نے ناراضی سے پوچھا۔

''آئیے' چل کے دیکھتے ہیں۔''

''یہیں سے لیتے ہیں' مالتی سے کہہ دو کہ وہ یہاں کا نمبر دلوا دے۔''

''نہیں' وہیں چل کے سنتے ہیں۔'' میں نے کسی قدر گھبراہٹ سے کہا۔

دنیش کو میری مستعدی پر ضرور حیرت ہوئی ہو گی مگر مجھے ہر حالت میں اسے
شاردا کے پاس سے لے جانا تھا چونکہ مجھے فون کے پیغام کا متن معلوم تھا اس لیے یہ
بھی معلوم تھا کہ شاردا پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ دنیش نے جلد ہی یہ بات سمجھ لی
اور ہچکچاتا ہوا میرے ساتھ باہر آ گیا۔ چلتے وقت شاردا کے لیے ہاتھ ہلانا مجھے یاد رہا۔
وہ میری خوش اخلاقی پر ایک خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا کے رہ گئی اور میں نے
حفظ ماتقدم کے طور پر اس کا چہرہ آنکھوں میں ازبر کر لیا۔

ملاقاتی کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دنیش کے رسمی سیکرٹری نے اسے
انسپکٹر کھنا کا فون نمبر دیا۔ دیر ہونے کی وجہ سے کھنا نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ کھنا کے
نام پر دنیش چندر چونکا۔ اندر آ کے اس نے فوراً ریسیور سنبھال لیا اور نمبر ڈائل کرنے
لگا۔ کھنا فون کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ میری نظریں دنیش کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں
''کیا؟'' اس نے اچانک اچھل کے کہا اور میری جانب گھبرا کے دیکھا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''کس وقت؟''

''دو بجے کے قریب۔'' اس نے سکون سے دہرایا۔ دنیش نے اس موقع پر یہ
نہیں کہا وہ رات گیارہ بجے تک کرنیلوں کے ساتھ موجود تھا۔ کھنا نے زیادہ دیر بات
نہیں کی۔ ''تم مطمئن رہو۔'' یہ کہتے ہوئے دنیش نے فون رکھ دیا۔ ریسیور رکھنے کے
بعد اس پہ تادیر سکوت چھایا رہا۔

''کیا صورت ہے۔؟'' میں نے اس کی محویت توڑی۔

''موہن! غضب ہو گیا!'' وہ اضطراب آمیز آواز میں بولا۔ ''شانت محل میں
گڑبڑ ہو گئی۔ کسی نے تینوں کرنیلوں (کرنلوں) کو گولی مار دی۔ تین گورے سنتری بھی مارے گئے
ہیں۔''

میں نے بے جا حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ ''کھنا اور کیا کہہ رہا تھا؟''
اسے میرا تحمل گراں گزرا۔ ''تم نے اہمیت نہیں دی؟ یہ ایک بہت سنگین واقعہ
ہے موہن! تم...... تم نے سنا نہیں کیا؟''

''میں نے سن لیا اور اگلی بات سننے کا مشتاق ہوں۔''

''ابھی یہ خبر عام نہیں کی گئی ہے۔ انسپکٹر کھنا نے اپنے قدیم روابط کا لحاظ

کرکے مجھے پہلے سے باخبر کر دیا ہے۔ تفصیلات وہ بعد میں بتائے گا۔ اس وقت جلدی
میں تھا۔ یہ بہت بڑی خبر ہے موہن! ہائی کمان کے تین کرنیلوں کا قتل موہن! کل رات
ہی تو ان سے میں ملا تھا۔ وہ تینوں بہت صحت مند تھے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا
کہ ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔" وہ تاسف سے بولا۔
"چلیے۔ ان سے ایک سے زیادہ ملاقاتیں آپ کے لیے اچھی بھی نہ
ہوتیں۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "آپ کو دکھ ہے؟"
"دکھ تو ہوا ہے موہن! وہ تینوں شائستہ لوگ تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ
وہ جلد ہی بھون کے چھاؤنی میں گرفتار شدہ ملازمین کو آزاد کر دیں گے۔ وہ مجھے طرح
طرح سے ٹٹول رہے تھے۔ مگر۔ مگر۔" وہ چونک کے بولا۔ "اب وہ مجھے پریشان کریں
گے؟"
"آپ کو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ کو کیوں؟"
"تم نے غور نہیں کیا' میرے خیال سے آخری آدمی میں تھا۔ جو کل رات
ان سے ملا تھا۔ تفتیش کرنے والے مجھ سے بہت بے کار سوال کریں گے۔"
"کرنے دیجیے۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ "آپ بتا دیجیے گا کہ آپ کی
کرنیلوں سے کن کن موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔
واردات آپ کے وہاں سے لوٹنے کے کوئی ڈھائی گھنٹے بعد ہوئی ہے۔ ظاہر ہے' اس
دوران انہوں نے ملازموں کو ہدایات دی ہوں گی' کسی سے فون پر بات کی ہوگی۔
فائلوں پر نوٹ لکھے ہوں گے۔ سوالات تو آپ سے ضرور کیے جائیں گے' آپ انہیں
اپنی تمام تر دلچسپی اور تعاون کا یقین دلا دیجیے گا۔ اگر آپ کو کوئی اور اندیشہ لاحق ہے تو
وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"
وہ فکر میں ڈوب گیا۔ "تم...... تم ابھی کہہ رہے تھے کہ کل کا کیا اعتبار ہے' تم
نے کرنیلوں کے متعلق کچھ ایسی ہی بات کی تھی موہن!"
"اور آپ نے جواب دیا تھا کہ بادشاہ مر گیا' بادشاہ زندہ باد" میں نے
موضوع بدلنا چاہا۔ "تین کرنل مر گئے' چھ انگریز کرنل انگلستان سے اور درآمد کر لیے
جائیں گے۔ وہاں کرنیلوں جرنیلوں کی کیا کمی ہے۔ ہندوستان میں تو گھٹیا سے گھٹیا انگریز

بھی چل جاتا ہے' اندھوں میں کانے راجہ کی مثال آپ نے سنی ہوگی۔"
میری سرد مہری اسے بری لگی مگر میں اسے کے سامنے حیرتوں کا اظہار کر کے
بعد میں شرمندہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لہجے میں ناگواری آ گئی۔ "موہن! تم نے
سنجیدگی اختیار نہیں کی۔ تعجب ہے' تم اس پہلو پر توجہ نہیں دے رہے ہو کہ کرنیلوں کو آخر
کیوں نشانہ بنایا گیا ہے' وہ کون شخص تھا۔ جو کرنیلوں کا اتنا سخت دشمن ہوگیا؟ جو شانت
محل کے مسلح گارڈز کی آنکھوں میں دھول جھونک کے اندر داخل ہوا؟ جب سے کرنل
آئے ہیں' شانت محل پر چند ہندوستانی ملازموں کے سوا گوروں کا قبضہ ہے۔ کرنیلوں کی
حفاظت کے لیے زبردست انتظامات کیے گئے تھے۔ ہائی کمان نے انہیں کھنڈر میں
ہونے والی واردات کے بعد یہاں بھیجا تھا موہن! وہ راجے پور میں انگریزوں کے دشمن
گروہ یا شخص کا سراغ لگانے آئے تھے اور انہوں نے سزا کے طور پر غریب کرنل
ہارڈنگ کو معطل کردیا تھا۔ اس سے ان کی گہری تشویش کا پتہ چلتا ہے۔ کھنڈر میں
ہونے والی واردات کا ذمہ دار شخص کون تھا؟ بے شک دو گوروں کے قتل تمہاری عدم
موجودی میں ہوئے۔ وہ...... وہ" اس کی زبان تیزی سے ہکلانے لگی۔ "وہ اب اس
رخ پر غور کر سکتے ہیں کہ کرنیلوں کی اور کھنڈر کی واردات ایک ہی سلسلے کی کڑی ہے۔
وہ یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ کسی شخص نے اس شک میں انہیں قتل کر دیا کہ جلد یا بہ دیر
کرنیلوں کے ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچ جائیں گے۔ ان کا اس نتیجے تک پہنچنا مشکل
نہیں ہے۔ پہلا خیال جو ان کے ذہن میں آئے گا' وہ یہی ہوگا پھر وہ اور متشدد ہو
جائیں گے۔"
میں نے اس کی باتیں تعجب سے سنیں۔ یہ ایک ذہین شخص کا تجزیہ تھا۔ "مگر
اس تشدد سے انہیں کیا حاصل ہوگا؟" میں نے مصنوعی سکون سے پوچھا۔
"ممکن ہے' کچھ حاصل نہ ہو مگر میں دو باتیں کہنا چاہتا ہوں' پہلی تو یہ کہ
ہمیں اور زیادہ محتاط ہو جانا چاہیے۔ خیر یہ تو کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے' ہماری احتیاط
معنی ہی کیا رکھتی ہے۔ میں دراصل جس نکتے پر تمہاری توجہ دلانا چاہتا تھا' وہ یہ ہے کہ
وہ کون ہنگامہ پرور شخص ہے جس نے یہ معرکہ انجام دیا؟ اگر وہ وہاں جاکے تین اعلیٰ
افسروں کو آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے تو وہ کیا نہیں کر سکتا؟ گورے خاصی

پریشانی میں پڑ جائیں گے۔ وہ شخص ان کے قبضے میں نہ آیا تو یقیناً انہیں مصلحتاً ایک مخ
مدت کے لیے ریاست کی سرگرمیوں سے دست کش ہونا پڑے گا۔ وہ کون شخص ہو س
ہے؟ کہیں خود انگریز تو نہیں ہیں؟ کرنل ہارڈنگ تو نہیں ہے؟ کہیں...... راجے پور م
باہر سے آنے والے دہشت پسند انقلابی تو نہیں ہیں؟''

مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ بالواسطہ مجھ پر اپنے شکوک کا اظہار کر رہا ہے لیکن ب
کی گفتگو سے اطمینان ہو گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کے جانے کی بدتمیزی بھی نہیں کر س
تھا۔ میں نے پہلو تہی کرنے کی بہت کوشش کی مگر لوٹ کے پھر بات وہیں آجاتی تھی
میں نے سوچا' اسے اس اضطراب کی زحمت سے بچا لوں' سب کچھ صاف صاف
دوں کہ وہ کون دہشت پسند انقلابی تھا۔ کاش کھنا کا فون میری موجودگی میں نہ آتا
ایسا کوئی پیغام ملنے کے بعد وہ سارے بھون میں میری طلبی کا ڈنکا پٹوا دیتا۔ اسے م
سے بات کیے بغیر چین نہ آتا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ تفتیش کے دوران میں دنیش کا رو
فطری ہو' شعوری نہ ہو' وہ سراغ رسوں کو کرنیلوں سے اپنی ملاقات اور بات چیت
احوال بے ساختگی سے' سادگی سے اور اپنے قدرتی تجسس اور تردد سے سنائے' انہیں اس
کے بیان میں کوئی کھوٹ محسوس نہ ہو۔ میں دنیش کو اس کرب اور تشویش سے بچانا چاہ
تھا۔ جو یہ واقعہ سننے کے بعد اس پہ طاری ہونے والی تھی۔ میں نے دبے دبے لہ
میں کہا۔ ''ہمیں مزید تفصیلات سنے بغیر قبل از وقت نتائج اخذ نہیں کرنے چاہئیں۔ و
کوئی بھی شخص ہو لیکن ایک بات طے ہے کہ اس نے یہ قدم کسی بہت بڑی وجہ سے
اٹھایا ہوگا۔''

''ظاہر ہے' قاتل نے ان تین کرنیلوں کو پاگل پن میں منتخب نہیں کیا ہو
مگر وجہ؟ حالات تمہارے سامنے ہیں کیا اس کی وجہ جگ دیپ کے پاس ہونی چاہیے؟
مہاراجہ کے پاس؟ یا کرنل ہارڈنگ کے پاس؟ یا ریاست کی پولیس کے پاس؟'' وہ ت
سے بولا۔ ''میں وجہ جاننے کی بات کر رہا ہوں موہن!''

''انسپکٹر کھنا کو دوبارہ فون کیجیے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

اس نے کچھ توقف کے بعد کھنا سے دوبارہ سلسلہ ملایا۔ ''کچھ اور پتا چلا؟
اس نے تجسس سے پوچھا اور کھنا کی بات تحمل سے سننے لگا۔ ''اچھا؟'' اس کی آنکھیں

پھیل گئیں۔ ''وہ کہاں؟ کیا ہمیں وہاں جانا چاہیے؟ ہوں۔'' وہ سر ہلانے لگا۔ جب اس
نے فون بند کیا تو ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''ایک پولیس افسر ٹیلر بھی مارا گیا ہے۔'' وہ
زہر خند سے بولا۔ ''کھنا کہتا ہے کہ چھاؤنی کے تمام بڑے افسر شانت محل میں
موجود ہیں اور ریاست سے جانے والا ہر راستہ بند کرنے کا حکم ملا ہے۔ مہاراجہ بھی
شانت محل میں موجود ہیں اور فی الحال یہ خبر وہیں تک محدود رکھی گئی ہے۔'' حالانکہ یہ خبر
شہر کے تمام بڑے خاندانوں تک پہنچ گئی ہوگی۔ ''ٹیلر بھی مارا گیا۔'' وہ بدبداتے ہوئے
بولا۔ ''نمک خوار تھا۔''

میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ دنیش خالی خالی
نظروں سے در و دیوار تکتا رہا۔ وہ کوئی گمبھیر بات سوچ رہا تھا اور میں اس کی سوچ پر
قدغن نہیں لگا سکتا تھا۔ دروازہ بند تھا اور سیکرٹری کو یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ کسی کو
اندر آنے کی اجازت نہ دے۔ ''آپ کیوں اتنی فکر کر رہے ہیں؟ یہ تو روٹین کی بات
ہے۔'' میں نے جھنجلا کے کہا۔ ''چلیے موسیقی سنتے ہیں' دماغ تازہ ہو جائے گا۔''

''کیا خوب۔'' وہ ابلی ہوئی مسکراہٹ سے بولا۔ ''ایک طرف ہونے والے
راجہ کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ آداب شاہی کا رمز آشنا ہو' دوسری طرف اسے بانسری
بجانے کی تلقین کی جا رہی ہے''

''ہاں یہ تو ایک تضاد ہے۔'' میں نے تنک کے کہا۔

''ایک تضاد نہیں' کئی تضاد ہیں۔''

میں نے بے قراری سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''دنیش بابو! مجھ سے اس لہجے
میں بات نہ کیجیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''موہن!'' وہ ایک لمبی سانس کھینچ کے کرب سے بولا۔ ''تم نے اس کی سنگینی
پر غور نہیں کیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میری سمجھ میں اب تک وجہ نہیں آئی۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے مبہوت ہو کے کہا۔

''مجھے تم سے ندامت ہے۔''

''کیسی ندامت؟'' میں نے سٹ پٹا کے کہا۔

''میں بھول گیا تھا کہ میرے قریب کون شخص بیٹھا ہے۔''

"آپ یہ کس طرح کی بات کر رہے ہیں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"موہن!" وہ سرد لہجے میں بولا۔ "میں نے صبح تمہاری گفتگو پر توجہ ہی نہیں دی حالانکہ تم نے اشارتاً سب کچھ بتا دیا تھا۔ کوئی نہیں' کوئی نہیں' ریاست میں دوسرا کون ہے جو یہ جرات کر سکے۔"

"میرے کان پھٹ جائیں گے۔ آپ اپنا لہجہ بدلیے۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"میں اندھا ہوں موہن!" وہ شکستہ آواز میں بولا۔

"میرا سر حاضر ہے اور میرے پاس پستول بھی موجود ہے۔"

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں حالانکہ میں اب بھی ہر بات سے انکاری ہو سکتا تھا۔ میں اس کا ہر قیاس' ہر یقین مسترد کر سکتا تھا مگر وہ دنیش چندر تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیروں کا جال بچھ گیا تھا۔ "یقیناً تمہارے پستول میں دو گولیاں تو موجود ہوں گی۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دو سے زیادہ ہیں۔" میں نے تلخی سے جواب دیا لیکن مجھے گولی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ کا رویہ ہی کافی ہو گا۔"

"میں تم سے اپنی کم مائیگی کا اظہار کر رہا ہوں موہن! تم مجھے راجا بنانے کی بات کر رہے تھے مجھے تو سامنے کی چیزیں بھی نظر نہیں آتیں۔ میں در اصل خود کو ملامت کر رہا ہوں' مجھے اپنے سامنے شرمندہ ہونے کا موقع دو۔ میں تم پر طنز نہیں کر رہا ہوں' نہ تم ایسا کر سکتے ہو نہ میں' میں نے یہ تعلیم تمہی سے حاصل کی ہے۔"

"دنیش بابو!" میں اپنے بال نوچتے ہوئے بولا۔ "چپ رہیے' کچھ نہ کہیے میں مجبور ہو گیا تھا۔ میں بہت مجبور ہو گیا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔" وہ سوگواری سے بولا۔ "تم ضرور مجبور ہو گئے ہو گے لیکن تمہاری یہ مجبوری کسی دن سب کچھ ڈھیر کر دے گی۔ تمہاری یہ مجبوری تمہیں ہم سے چھین لے گی۔ تم ہم سے اتنا مذاق کیوں کرتے ہو۔ تم نے ہمیں اتنا سنگ دل کیوں سمجھ لیا ہے۔ پھر تم ہم سے کیوں کہتے ہو کہ ہمیں بھون کی پروا کرنی چاہیے' تم ہمیں

ان میں شامل کرنے کی کوشش میں کیوں لگے رہتے ہو اور خود تم کسی میں شامل نہیں ہو' تمہیں کسی کا خیال نہیں ہے۔ اپنے آپ فیصلے کر لیتے ہو۔"

"دنیش بابو!" میری آواز میرے قابو میں نہیں رہی۔ "دنیش بابو!" یہ خیال ہی کی تو بات تھی' مجھے خون دیکھنے کا شوق نہیں ہے۔"

"تو پھر اتنا خیال مت کیا کرو۔" وہ مرجھائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرے پاس کوئی حل نہیں تھا دنیش بابو! آخری صورت یہی رہ گئی تھی ورنہ نتائج بہت بھیانک ہوتے۔"

"تم مجھے بتا نہیں سکتے تھے؟" وہ ناراضی سے بولا۔

"مجھے معلوم تھا کہ آپ کبھی میری ہم نوائی نہیں کریں گے اور کسی کی پردہ پوشی بھی مقصود تھی۔ کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ رسوا ہو' وہ رسوا ہوتا تو آپ پر بھی آنچ آتی اور نہ جانے کیا کیا ہو جاتا۔ یقین کیجیے دنیش بابو! مجھ پر اعتبار کیجیے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کسی سے چوک ہو گئی تھی جس کے ازالے کے لیے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔"

"تم کب تک ازالے کرتے رہو گے؟ سب سے بڑا ازالہ تو یہ جاگیر ہے' یہ مال و زر' طنطنہ' یہ شان و شوکت' یہ ہاتھی گھوڑے' تم کب تک زر و جواہر کے ان پودوں کی آبیاری خون سے کرتے رہو گے۔"

"یہ سلسلہ میں نے شروع نہیں کیا ہے' پیچھے سے یہی ہوتا آیا ہے۔"

"موہن! میں تمہیں تمہاری سابق حیثیت پر فائز کرتا ہوں۔ تم اپنے آپ کو ملازم سمجھو' بھون کے نوکر' جب تک کوئی حکم نہ ملے' تم اپنی جگہ خاموش کھڑے رہو۔"

"میں اب بھی آپ کا نوکر ہوں۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"اوہ موہن! موہن!" وہ وحشت میں اپنا چہرہ مسلنے لگا۔ "مجھے تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈالنی ہی پڑیں گی۔ میں تمہیں تہ خانے میں بند کر دوں گا۔ تم اپنے آپ کو اتنی تیزی سے مت خرچ کرو' گھس جاؤ گے۔ گولی آدمی کو نہیں دیکھتی۔ وہ اندھی ہوتی ہے۔"

"دنیش بابو! ایک واقعے کی کوکھ سے دوسرا واقعہ جنم لے لیتا ہے' اگر میں یہ

داغ مٹانے کی کوشش نہ کروں تو داغ دھواں دینے لگیں گے اور یہ سارا مرغ زار را
ہو جائے گا۔ کسی دن سورج ضرور صرف ہمارے لیے طلوع ہوگا۔'' میں نے اس
ناراضی اور وحشت دور کرنے کے لیے اس کے ہاتھ چوم لیے اور دبے دبے لہجے
بولا۔ ''آپ ناراض ہی رہیں گے؟''

''پھر کوئی چوک تو نہیں ہوگئی موہن! پھر کوئی نشان تو نہیں چھوڑ آئے؟ تم
ذہن پھر کسی نئے واقعے کے تخم سے آلودہ تو نہیں ہوا؟''

''بظاہر ایسا کوئی سقم نہیں ہے۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔ ''میرا خیال ہے ا
ان کا غیظ و غضب بہت عارضی ہوگا۔ اصولاً اب ان کے زیادہ مشتعل ہونے کی گنجا
نہیں رہی ہے۔ شروع شروع میں البتہ وہ فطری طور پر شدید ردعمل کا اظہار کر
ہیں۔''

''میں نتائج نہیں پوچھ رہا ہوں۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں

''میں بخیریت واپس آ گیا تھا۔''

''کیا چند سوال کرنے کا حق ہے؟''

''ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''میں
آپ کا نوکر ہوں۔ حکم دیجیے لیکن مجھ سے اس شخص کا نام نہ پوچھیے جس کے ازا
کے لیے مجھے آپ کی ناراضی مول لینا پڑی ہے۔ میں آپ کے ذہن میں اٹھنے وا
تمام سوالوں سے آگاہ ہوں لیکن آپ کو ایک احتیاط کرنی پڑے گی۔ تفتیش کے دور
میں آپ کو یہ بھول جانا ہوگا کہ آپ شانت محل کے اصل واقعے سے کچھ واقفیت ر
ہیں۔''

''کوئی اور شرط؟'' اس نے پوچھا۔

''اور یہ کہ آپ واقعات سننے کے درمیان خاموش رہیں گے۔'' میں
مسکرانے کی کوشش کی۔ ''اور یہ سارا واقعہ ایک خواب سمجھیں گے۔''

''بہتر ہے۔'' اس نے سر ہلا کے کہا۔

''میں شانت محل آپ کے ساتھ گیا تھا۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''میرے ساتھ؟'' وہ اچھل کے بولا۔

''ہاں آپ کے ساتھ۔ آپ کی گاڑی میں۔'' میں نے اسے سرسری طور پر
اپنے جانے اور درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کے چار گھنٹے تک انتظار کرنے کی داستان
سنائی' وہ پارو کی طرح متحیر تھا۔ اس کی آنکھیں ایک جانب ٹھہر گئی تھیں' منہ کھل گیا تھا
اور انگلیاں اضطرار میں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھیں۔ میں نے اسے بھون میں واپسی
تک کی تمام رو داد سنا دی البتہ یہ میں نے اسے نہیں بتایا کہ فائلیں کہاں چھپائیں اور
واپس آنے کے بعد میں کس کے پاس گیا۔ دنیش پر سکتہ سا طاری ہوگیا تھا۔ پارو کا
نام درمیان میں نہیں آیا اور نہ میں نے اسے یہ بتایا کہ صبح ڈرائیور سے میری کیا گفتگو
ہوئی۔ ہر چند اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے بہت جلد میرے نام پر سرخ نشان لگا
لیا تھا لیکن یہ واقعات سنتے وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے اس کے سامنے کوئی
طلسمی داستان بیان کی ہے' جس کا اثر تیز اور گہرا ہوتا ہے۔ اس نے دیر تک کوئی تبصرہ
نہیں کیا' گنگ بیٹھا رہا۔ ''آپ کہاں کھو گئے؟'' مجھے اس کی خاموشی گراں گزرنے لگی۔

''کہیں نہیں۔'' وہ خوابیدہ انداز میں بولا۔

''اب اٹھیے بھی' ذہن پر اتنا بوجھ طاری مت کیجیے۔''

''وہ ڈرائیور دیوی لال کہاں ہے؟'' اس نے فکرمندانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا آپ اسے سزا دینا چاہتے ہیں؟''

''کیا وہ زندہ ہے؟''

''ہاں وہ زندہ ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''تم نے اسے زندہ رہنے دیا؟'' وہ بگڑ کے بولا۔

''میں اسے ختم نہیں کر سکا۔ اب میں اسے نہیں مار سکتا۔''

''تو اسے تم نے آزاد چھوڑ دیا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اس موقع پر اس کی گم شدگی یا موت دونوں ہی نامناسب باتیں تھیں تاہم
میں نے اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر ایسا کر نہیں سکا۔''

''کیوں نہیں کر سکے؟'' وہ تلملا کے بولا۔

''بس' جی آمادہ نہیں ہوا۔ شاید اس کی زبان بند ہی رہے۔''

''اور اگر کھل گئی موہن؟''

"میں نے اس پر بہت سوچا مگر کسی بات پر جی آمادہ نہیں ہوتا۔"

اسی لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ آئی جی مہتا' دنیش سے مخاطب تھا اور اسے اس افسوس ناک واقعے کی اطلاع دے رہا تھا۔ دنیش نے یہ خبر پہلی بار کی طرح حیرت سے سنی اور آئی جی سے گہری ہمدردی ظاہر کی اور اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ آئی جی نے دنیش سے درخواست کی تھی کہ اس واقعے کی تشہیر نہ کی جائے۔ اس کے بیان کے مطابق ہائی کمان کی خصوصی ہدایت کے تحت کرنل ہارڈنگ کو فوراً چھاؤنی کے کمان دار کے عہدے پر بحال کر دیا گیا تھا اور چھ کے چھ گوروں کی لاشیں چھاؤنی پہنچا دی گئی تھیں اور شانت محل انگریز فوج نے محاصرے میں لے لیا تھا۔ آئی جی مہتا نے دنیش کو چھاؤنی کی یہ اجازت منتقل کردی تھی کہ وہ کرنل ہارڈنگ سے تعزیت کر سکتا ہے۔

آئی جی مہتا کا فون خلاف توقع نہایت نارمل تھا مگر دنیش چندر کے تردد میں کمی نہیں آئی۔ اس پر جو عالم حیرت طاری ہوا تھا' عالم حیرت سے زیادہ عالم یاس' وہ بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ آدمی کی سماعت ایک برتن کی طرح ہے' کانوں کے یہ دو چھوٹے چھوٹے برتن بہت سی چیزیں بڑی بڑی مقدار میں اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں مگر ان کی سمائی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ دنیش کی سماعت خبریں سنتے سنتے چھلکنے لگی تھی۔ چند دن قبل اس کے چھوٹے بھائی نے مر کے اسے تقریباً نیم جاں کردیا تھا' سریش کی موت سے پہلے اس کی عزیز بہن شاردا نے اسے بہت تنگ کیا اور ادھر میں اسے کسی روز چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اس کی حالت عجیب تھی۔ کبھی وہ اپنے مخصوص انداز میں سر ہلانے لگتا اور کبھی بیٹھے بیٹھے ساکت ہو جاتا۔ کبھی اس کے چہرے پر تازگی کی لہر اٹھتی' کبھی اس کا چہرہ مرجھا جاتا۔ آئی جی کے فون نے یہ کیفیت اور مہمیز کی۔ پھر میرے ٹوکنے پر وہ مضمحل انداز میں اٹھا اور اصرار کرنے لگا کہ میں بھی اس کے ساتھ کرنل ہارڈنگ سے مرنے والے گوروں کی تعزیت کرنے کے لیے چھاؤنی چلوں۔ جی تو میرا بھی یہی چاہتا تھا لیکن یہ ایک سفارتی غلطی تھی۔ حاکموں سے ایسی چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہوتی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے تنہا چھاؤنی جانے پر آمادہ کیا۔ فوراً مالیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ پھولوں کی چھ چادریں جلد سے جلد تیار کریں۔

دنیش کو تیار ہوتے ہوتے ایک بج گیا۔ میں اس دوران میں اس کے پاس

ہی رہا لیکن اس نے مجھ سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ مجھے اپنے آپ سے خفت ہونے لگی۔ اس کا والہانہ پن ایک لمحے کے لیے واپس آتا تھا' پھر وہ سوچوں میں ڈوب جاتا تھا۔ گاڑی چلانے کے لیے اس نے دیوی لال ہی کو طلب کیا' چلتے وقت بھی اس کی سوگواری قائم تھی۔

ابھی وہ راہ داری ہی میں تھا کہ اسے شہر میں کرفیو لگنے کی اطلاع دی گئی۔ کرفیو کا مطلب تھا کہ جو جہاں موجود ہے' وہیں ٹھہر جائے' ریاست میں کسی گڑ بڑ کا اندیشہ ہے۔ اس سے یہ مراد بھی ہو گی کہ ہتھیاروں اور فائلوں کی ایک عام تلاشی لی جائے' ریاست کے شرفا کے گھروں کی تلاشی۔ یہ ریاست کی تاریخ کا سب سے پہلا واقع ہوگا لیکن یہ میرا قیاس تھا۔ کسی نے اگر انہیں عام تلاشی کا مشورہ دیا ہے تو اس سے بڑی حماقت ممکن نہیں' اس طرح ریاست بھر میں خوف و ہراس پھیل جائے گا لیکن ممکن ہے خوف و ہراس پھیلانا ہی مقصود ہو۔ دنیش نے کوتوالی فون کر کے کرفیو کے دوران میں چھاؤنی جانے کا ذریعہ پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ پولیس کا ایک دستہ اسے اپنی نگرانی میں چھاؤنی لے جائے گا۔ لیکن چند منٹ بعد ہی کوتوالی کی جانب سے اسے فون پر معذرت کے ساتھ اطلاع دی گئی کہ کرفیو کی اطلاع غلط ہے' راج کمار دنیش کسی وقت بھی چھاؤنی جا سکتے ہیں۔ گویا کرنل ہارڈنگ اور مہاراجہ کرنیلوں کی موت سے خاصے بوکھلا گئے تھے اور اس قوت فیصلہ سے محروم ہو گئے تھے کہ ریاست کے عوام کے لیے کیا مناسب سزا تجویز کریں۔ سزائیں پہلے ہی مختلف شکلوں میں بہت سی دی جا چکی تھیں' کاروبار پر دھند چھا گئی تھی' درس گاہیں بند ہو جاتی تھیں شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی۔ چھاؤنی کے مسلح فوجی دستے سڑکوں پر گشت کرتے رہتے تھے' لوگ سرشام گھروں میں گھس کے بیٹھ جاتے تھے' شہر میں ثقافتی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں' سرکس والے اپنا تنبو اکھاڑ کے راجے پور سے بھاگ گئے تھے' سب کو معلوم تھا کہ دونوں جاگیروں کے ملازم بار بار گرفتار اور آزاد کیے جاتے ہیں' پولیس کے تشدد کی کارروائیاں سبھی کو معلوم تھیں۔ ان حالات میں ہر شخص اپنی زندگی غیر محفوظ خیال کرتا ہوگا۔ ان سزا یافتہ اور پس ماندہ لوگوں کے ساتھ مزید کیا سخت رویہ اختیار کیا جائے؟ چھاؤنی کے افسروں اور مہاراجہ میں شاید اختلاف پیدا ہو گیا ہو گا۔ مہاراجہ نے جوش میں کرفیو کے نفاذ کا حکم دیا ہوگا' کرنل

نے یہ حکم واپس کرایا ہوگا۔ ایک شخص گرم ملک کا رہنے والا تھا' ایک ٹھنڈے ملک کا جو گرمی اس کے ہاں تھی' وہ بھی یہیں کا عطیہ تھی۔ کوئی بات اپنی فطرت کے خلاف نہیں تھی۔

دوپہر کا کھانا کھانے سے پہلے دنیش چندر چھاؤنی روانہ ہوگیا۔ گاڑی دیوی لال ہی چلا رہا تھا۔ دیوی لال کتنا اہم آدمی نظر آرہا تھا۔ وہ راجے پور کی تاریخ کا دھارا موڑ سکتا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے دیوی لال' راج کمار دنیش چندر ہے اور وہ دنیش چندر کو گرفتار کرکے چھاؤنی لیے جا رہا ہے۔ دنیش کے جانے کے بعد میں اسی کے کمرے میں آ کے محصور ہوگیا اور مجھے اپنے جسم سے شدید بیزاری ہوئی۔ یہ ایک خوب صورت کمرہ تھا جہاں میں نے خود کو قید کر لیا تھا' اس کی دل نوازی کے لیے ہزاروں روپے خرچ کیے گئے تھے لیکن یہ میری دل نوازی کرنے میں ناکام ہوگیا۔ فراعنہ مصر کی قبروں میں دنیا بھر کی آسائشیں دفن کر دی جاتی تھیں لیکن فرعون اپنے طنز کرنے والوں سے مکمل بے نیازی برت لیتے تھے۔ میں اپنی قبر میں فرعون سے زیادہ جبر سہہ رہا تھا کیونکہ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میرا جسم حرکت کرتا تھا۔ دنیش چندر مجھے اپنی یاسیت کے جراثیم لگا کے چلا گیا تھا۔ مجھے اپنے سامنے کوئی کام نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک خالی خالی پن' ایک سپاٹ اور اجاڑ فضا' نہ کوئی رنگ' نہ بو۔ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تاحد نظر صحرا میں اڑتی ہوئی ریت۔

ٹیلی فون کی گھنٹی تیزی سے بج رہی تھی۔ گھنٹی بند نہیں ہوئی تو میں نے ریسیور اٹھا کے دوبارہ کریڈل پر پٹخنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر ریسیور ہاتھ میں آتے ہی ارادہ بدل گیا۔ ''موہن!'' کسی نے سرگوشی میں میرا نام لیا۔

''کون ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''میں ہوں' تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی۔''

''سندھیا جی!'' میں نے اداسی سے کہا۔

''ہاں۔ تم کیسے آدمی ہو؟'' وہ ناراض لہجے میں بولی۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' میں نے بے دلی سے پوچھا۔

''میں تمہارے پاس آنا چاہتی ہوں۔'' اس کی آواز چیخ رہی تھی۔

''مگر' مگر سندھیا جی! یہاں؟ اس وقت؟''

''ہاں ابھی' اسی وقت' مجھے معلوم ہے' راج کمار ماما باہر گئے ہیں۔''

''پھر بھی۔'' میں نے جھجک کے کہا۔ ''آپ کہاں ہیں؟''

''ہشت' میں کہیں بھی ہوں تمہارے پاس آ جاؤں گی مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔'' وہ راز داری سے بولی۔ ''دروازہ کھلا رکھو۔''

''تو آپ پیچھے باتھ روم کی طرف سے آ جیے۔''

وہ کہیں قریب ہی سے فون کر رہی تھی۔ چند منٹ بعد مجھے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے ملاقاتی کمرے کی چٹخنی اندر سے بند کرلی۔ باتھ روم کے دروازے پر اس کا چہرہ جیسے ہی نمودار ہوا' میں اس کی جانب لپکا۔ اس نے ایک شوخ جمپر پہن رکھا تھا۔ ٹانگوں پر تنگ موری کا سفید پاجامہ تھا' گلے میں ایک چھوٹا سا ہرا دوپٹا پڑا ہوا تھا۔ سندھیا کو نت نئے لباس پہننے کا شوق تھا۔ اس کا تازہ' سرخ اور چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کے میرے تن مردہ میں چنخن ہونے لگی۔ میں نے اسے بے اختیار بازوؤں میں بھر لیا۔ وہ میرے سینے سے ایسے چپک گئی جیسے اب کبھی علیحدہ نہیں ہوگی۔ آدمی کا علاج آدمی ہے۔ یہ کیسا تماشا ہے' کوئی آدمی جسم خشک کر دیتا ہے' کوئی اس میں بہار بکھیر دیتا ہے' آدمیوں کے چہروں میں اتنا فرق نہیں ہوتا جتنا صفات میں ہوتا ہے۔ سندھیا کی عمر کم تھی' وہ ایک مکمل آدمی نہیں تھی لیکن اس میں کئی آدمیوں کا گداز تھا' کئی آدمیوں کی مٹھاس۔ میرے بازوؤں میں آ کے اس کا ابھرتا ہوا چھریرا بدن لچک گیا۔ اس کے بدن نے اوپر کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا' اب وہ ادھر ادھر پھیل رہا تھا۔ اس کا چہرہ میرے شانوں میں چھپ گیا اور اس کے بال' سندھیا کے سنہرے بال جو اب سیاہی کی طرف مائل ہو رہے تھے' میرے ہاتھوں پر سرسرا رہے تھے' اتنی دیر تک کبھی وہ میرے گلے سے نہیں لگی تھی۔ جب میں نے اس کا چہرہ اٹھا کے دیکھا تو وہ تمتما رہا تھا' آنکھوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ پہلی بار وہ مجھ سے نظریں ملانے سے کترائی اور اس نے سر جھٹکتے ہوئے اپنا چہرہ دوبارہ میرے شانوں میں چھپا لیا۔ ''میں تم سے سخت ناراض ہوں۔'' اس نے مچل کے کہا۔

''مجھ سے کون ناراض نہیں؟''

"لیکن میں تم سے بہت زیادہ ناراض ہوں۔ خبر ہے' میں دن میں یہاں کتنے پھیرے لگاتی ہوں۔ کبھی تم بیمار رہتے ہو' کبھی یہاں کوئی بیٹھا ہوتا ہے۔ کبھی کوئی۔ کبھی کوئی اور تم خود کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کرتے۔"

"آپ کو میری مجبوریوں کا علم ہے۔"

"پھر وہی آپ۔" وہ بپھر کے بولی۔

"میں بھول گیا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تم تم تم سندھیا جی!"

وہ کچھ مطمئن ہوئی اور اداسی سے بولی۔ "موہن! مجھے تم بہت یاد آتے ہو' جی چاہتا ہے' ہر وقت تم سامنے بیٹھے رہو' مجھے نیند بھی نہیں آتی۔"

"نیند تو آنی چاہیے سندھیا جی! تم میرا خیال مت کیا کرو۔"

"تمہارا خیال نہیں جاتا۔" وہ گردن جھٹک کے بولی۔ "خبر ہے' میں نے تمہاری بیماری میں روز مندر جا کے پرارتھنا کی ہے اور یہاں لوگ مجھے تمہارے پاس بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔"

"جبھی تو دیکھو کتنی جلدی اچھا ہو گیا۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

"موہن! یہ سب تم سے جلتے ہیں' بڑی حویلی میں کوئی بات ہو جائے تو وہ تمہارا نام لے دیتے ہیں' کوئی مر جاتا ہے تو سب کی زبان پر فوراً تمہارا نام آ جاتا ہے۔ کہتے ہیں۔" وہ سانس لے لے کے بولی۔ "کہ تم کوئی راکھشس ہو' تم نے دنیش ماما پر جادو کر دیا ہے' جب سے دنیش ماما نے بھون میں یہ اعلان کیا ہے کہ تم ایک نوکر نہیں ہو بلکہ ان کے دوست ہو' وہ سب تم سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ چند لوگوں کے سوا کسی کو دنیش ماما سے تمہاری دوستی پسند نہیں آئی۔ یہ سب تمہارے بارے میں عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے' سب کو گولی مار دوں۔"

"سندھیا! تم ان سے نہیں کہتیں کہ میں اتنا برا نہیں ہوں؟"

"میری بات سنتا کون ہے۔ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تمہیں چھاؤنی لے جا کے مارا پیٹا گیا تھا۔ اب تو تمہارے زخم بالکل ٹھیک ہیں نا؟" وہ میرے بازو ٹٹولتے ہوئے بولی۔

"اب تو نشان بھی مٹ گئے۔" میں نے اس کے کندھوں پر کہنیاں رکھ

دیں۔ "سندھیا! تمہارے آنے سے پہلے میں بہت اداس تھا۔"

"مجھے پتہ ہے' تم کتنے اداس رہتے ہو گے۔ پھر تم میری طرح بھون میں مجھے تلاش کیوں نہیں کرتے؟ تمہاری بیماری میں میرا بہت جی چاہتا تھا کہ میں تمہارے پاس بیٹھی رہوں اور تمہیں دوا پلاتی رہوں مگر وہ پرکٹی نرسیں ہر وقت سنتریوں کی طرح موجود رہتی تھیں۔"

"میں پھر بیمار ہو جاؤں گا اور اس بار نرسوں کے بجائے تمہیں بلاؤں گا۔ اس دن جب تم نے میرے سر پر اپنے بال بکھیرے تو مجھے بہت سکون ملا۔"

"سچ؟" وہ چہک کے بولی جیسے غنچہ چٹک جائے۔ "اور جب تم......" وہ شرما گئی۔ "میں نہیں بتاتی۔"

"سندھیا جی! اگر کسی نے دیکھ لیا کہ آپ مجھ سے؟......"

"ہونہہ" اس نے تلملا کے کہا۔ "ہر وقت ڈراتے رہتے ہو' میں کسی سے نہیں ڈرتی اور میں تمہیں یہ بتانے آئی تھی۔ آتے ہی تم نے سب کچھ بھلا دیا دماغ کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔" وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ کے بولی۔

"دماغ بدلو' میرا دماغ تم لے لو' میں تمہارا' پھر تم اور پریشان رہو گی اور میں نٹ کھٹ ہو جاؤں گا۔"

"پھر میں بہادر ہو جاؤں گی اور میرا بہت نام ہو گا۔" وہ ہنس پڑی اور اس کے منہ میں جیسے موتی رل گئے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دانت' قطار میں مودب کھڑے ہوئے سفید دانت۔ میرا جی چاہا انہیں نکال کے اپنے دانتوں سے چبا لوں۔ وہ ہنسی تو میں نے اندر سے اس کا صاف و شفاف گلابی منہ دیکھا۔

"تم کیا کہہ رہی تھیں؟ پھر بھول گئیں۔"

"اوہ۔" اس نے اپنے گال پر ہلکی چپت لگائی۔ "سنو۔" اپنی آواز پر جیسے پردہ ڈالتی ہوئی وہ دھیرے دھیرے سے بولی۔ "پریت آنٹی سے ہوشیار رہنا۔ کسی کام کو کہیں تو منع کر دینا۔ بلائیں تو ٹال دینا بلکہ اس طرف جانا ہی نہیں۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں انہیں بہت دنوں سے چیک کر رہی ہوں' تمہاری بیماری کے دوران

میں' میں خالی نہیں رہی' کل بھی وہ جگ دیپ انکل سے تمہارے متعلق چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔ میں جب پہنچی تو انہوں نے فون بند کر دیا۔ میں نے پہلے ہی چھپ کے ساری باتیں سن لی تھی۔ پریت آنٹی سے میں اسی دن کھٹک گئی تھی جس دن میں نے انہیں آشا آنٹی کے ساتھ تمہارے خلاف باتیں سنتے دیکھا تھا۔ یہ ہیما بھی ایسی ہی ہے کسم بھی تمہارے خلاف ہے۔ پریت آنٹی کو تو میں اسی وقت شوٹ کر دیتی جب کل وہ جگ دیپ سے باتیں کر رہی تھیں' کہہ رہی تھیں' ابھی اس کی زندگی باقی ہے مگر کب تک؟ میرے پاس اس وقت پستول نہیں تھا اور ہوتا بھی تو میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ نوکروں نے مجھے ان کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بہر حال مجھے پتہ چل گیا کہ کون ان لوگوں کے پیچھے ہے' یہ جگ دیپ انکل سورکھنا کون ہوتا ہے موہن! مجھے یقین ہے' تم پر پستول انہی لوگوں نے چلایا ہوگا۔ اب باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ تم کہتے تھے کہ میں بچی ہوں' اب میں بچی نہیں ہوں۔ خیر وہ سمجھتی ہیں' تم اکیلے ہو۔ کیا معلوم یہ تمہیں زہر دے دیں' اپنے کھانے پینے میں احتیاط رکھنا۔ تم تو کانٹے کی طرح ان کے دل میں کھٹکنے لگے ہو۔"

میں نے اسے بولنے دیا کیونکہ وہ بولتے ہوئے بہت اچھی لگتی تھی' تیز تیز باتیں کرتی تھی۔ جیسے اس کے منہ میں مرچیں لگ گئی ہوں۔ جب اس نے میرا ردعمل جاننے کے لیے سانس لی تو میں نے اشتیاق سے کہا۔ "بس تم یہی ضروری بات کرنا چاہتی تھیں؟"

"کیا یہ غیر ضروری باتیں ہیں؟" وہ ہونٹ سکیڑ کے بولی۔ "ویسے تم سے باتیں کرنے کو بہت جی چاہ رہا تھا' کیا ملنا ضروری نہیں ہوتا؟"

"بہت ضروری ہوتا ہے مگر سندھیا جی! تم بے فکر رہو' ابھی میری موت نہیں آئی ہے۔ خبردار آئندہ پستول ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' تمہارے ہاتھوں میں مہندی اور چوڑیاں اچھی لگتی ہیں۔ سمجھی شرمیلی بچی؟" میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کے کہا۔

"خیر' میں تمہاری بات مانوں یا نہ مانوں' یہ میری مرضی ہے' کسی دن گولی لگ جائے گی بہادر بچے! بچو جی دیکھتے رہ جائیں گے۔"

اس کا یہ انداز دل بری مجھے اس قدر پسند آیا کہ میں نے اسے بہت زور سے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ پھر ملاقاتی کمرے کی اطلاعی گھنٹی نے سب کچھ درہم برہم کر دیا۔ میں نے سندھیا کو جلد سے جلد باتھ روم کے راستے باہر نکال دیا اور دروازہ کھولا تو دنیش چندر کا سیکرٹری حواس باختہ کھڑا تھا۔ "موہن بابو! چھاؤنی سے فون آیا ہے' راج کمار پر حملہ کر دیا گیا۔"

میرے سینے میں اچانک گولی لگی۔ دل کو اتنی زور سے جھٹکا لگا جیسے سیکرٹری نے بجلی کے ننگے تار جسم میں چبھو دیے ہوں۔ "کیا بکتے ہو؟ نہیں نہیں۔" میں نے سہم کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہوسکتا' ایسا نہیں ہوسکتا۔" میں نے وحشت میں اس کے شانے جھنجوڑ دیے۔

"چھاؤنی سے ابھی ابھی فون آیا ہے موہن بابو!"

"کہاں سے؟ چھاؤنی سے؟ دنیش بابو کیسے ہیں؟" میری زبان لڑکھڑانے لگی۔

"وہ چھاؤنی کے ہسپتال میں داخل کر دیے گئے ہیں' کسی نے ہسپتال ہی سے فون کیا ہے' کسی گورے نے۔"

"نہیں نہیں۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "تم سے کسی نے مذاق کیا ہے۔"

سیکرٹری نے سر جھکا لیا۔ "کاش ایسا ہی ہو موہن بابو!"

اس کے سرد لہجے سے میرے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ "اوہ' اوہ' تو پھر تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تم کتنے بے حس ہو' گاڑی نکلواؤ۔ کیا تم نے رانی ماں کو خبر کر دی؟"

"جی ہاں' سب سے پہلے انہی کو اطلاع دی تھی۔"

"کب؟ یہ فون کب آیا؟"

"چند منٹ پہلے' بس رانی ماں کو بتانے میں وقت لگا ہے۔"

میں نے اسے ایک طرف دھکیل کے راستے سے ہٹایا اور راہ داری میں تیزی سے بھاگنے لگا۔ میرے پیچھے پیچھے سیکرٹری بھاگا ہوا آ رہا تھا' گیراج میں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ مجھے اس طرح اندھا دھند بھاگتا ہوا دیکھ کے بھون میں تعینات

مسلح سنتریوں کی بندوقیں تن گئیں۔ ''ہالٹ' ہالٹ'' بیک وقت کئی آوازیں ایک
گونجیں لیکن میں نے ان آوازوں پر توجہ نہیں دی۔ گیراج میں چند ڈرائیور چبوتر
پچیسی کھیل رہے تھے۔ میں نے ایک شخص کو گردن سے پکڑ کے کھینچ لیا۔ ''چلو' چل
چلو' گاڑی نکالو۔'' وہ میری دہشت سے سراسیمہ ہو گیا اور وہیں کھڑے کھڑے لرز
لگا۔ ''چابیاں نکالو۔'' میں نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کے کہا۔ ''میری صورت کیا
رہے ہو۔''

اسی اثنا میں سیکرٹری گیراج میں داخل ہو گیا تھا۔ ''تمام گاڑیاں باہر نکال
تیار رکھو۔'' اس نے ڈرائیوروں کو حکم دیا۔

''اسپورٹس کی چابی کدھر ہے؟''

''آپ اسے نہ چلائیں موہن بابو۔'' ایک معمر ڈرائیور جھجک کے بولا۔

''چابی نکالو شنکر چاچا!'' میں نے دہاڑ کے کہا۔

بوڑھا ڈرائیور مجھے چابی دینے کے بجائے خود ہی اسپورٹس کی طرف لپکا۔
نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں میں اسپورٹس صد
دروازے پر موجود تھی۔ سنتریوں نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔ میرے ہاتھ جیب
میں رکھے ہوئے پستول ٹٹولنے لگے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ پیچھے سے مہارانی
دیوی کی گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔ سنتریوں نے اس کے اشارے پر دروازہ کھول دیا
جیسے ہی گاڑی صدر دروازے سے نکلی' سیاہ سڑک پر اس طرح بہنے لگی جیسے تمام سڑک
نشیب میں جا رہی ہو۔ بوڑھے ڈرائیور نے لمحوں میں شہر کی حدود طے کرلیں اور گاڑی
چھاؤنی کے پیچیدہ راستوں پر بھگانے لگا۔ شہر میں ہر چوراہے پر پولیس کے دستے
تعینات تھے لیکن چھاؤنی جانے والی سڑک سنسان پڑی تھی اور میرے دماغ میں ایک
شور برپا تھا۔ میں بار بار ڈرائیور کو گاڑی تیز چلانے کا حکم دے رہا تھا۔ آڑے ترچھے
پہاڑی راستوں پر کئی جگہ گاڑی گرتے گرتے بچی۔ میں نے اونچائی پہ پیچھے مڑ کے
دیکھا' چکر کھاتی ہوئی سڑک صاف نظر آ رہی تھی اور مہارانی مایا دیوی کا دور دور تک
نشان نہیں تھا۔ دنیش کی فکر کسی کو نہیں تھی۔ آہ دنیش' کاش میں تمام مصلحتیں چھوڑ کے
آپ کے ساتھ چلتا۔ اس کا چہرہ میری آنکھوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ دنیش! فکر مت کرو

ابھی میں زندہ ہوں اور مجھے اپنی زندگی کی پروا بھی نہیں ہے' میرے سینے میں لاوا کھول
رہا تھا۔

ڈرائیور نے چھاؤنی کے گیٹ پر ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی' دنیش کی
گاڑی گیٹ کے پاس ہی کھڑی تھی اس کی باڈی پر کئی جگہ گولیوں کے نشانات تھے۔
کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ میں نے جلد سے جلد گاڑی سے اتر کے سنتریوں
سے پوچھا۔ ''راج کمار دنیش کہاں ہیں؟'' انہوں نے گیٹ سے ملحق کمرے میں جا کے
اطلاع دی۔ حکم ملنے میں دیر ہوگئی۔ میں گیٹ پر پاگلوں کی طرح اجازت کا انتظار کرتا
رہا۔ آخر دروازہ کھول دیا گیا' اور شنکر نے گاڑی ہسپتال کے اندر پہنچا کے سانس لی۔

مجھے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ شاید گوروں کو
میرا لباس پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اتنے سرد تھے کہ مجھ پر جنون طاری ہونے لگا۔ ''میں
راج کمار دنیش چندر کو دیکھنا چاہتا ہوں' وہ کیسے ہیں؟'' میں نے ہسپتال کے استقبالی
کمرے میں چیخ کر کہا۔

''تم ان کے کون ہوتے ہو؟''

''میں ان کا...... ان کا غلام ہوں۔''

''آرام سے بیٹھو' انگریز ریسپشنسٹ لڑکی نے نخوت سے کہا اور بے دلی سے
فون اٹھا کے ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر کو میرا نام بتایا۔ ہسپتال کے دروازے اور عمارت پر
گورے فوجی پہرا دے رہے تھے۔ میں نے جواب کے لیے ایک کرب ناک وقت
گزارا پھر اندر سے اطلاع آئی اور مجھے پروانہ لکھ کے دے دیا گیا۔ دنیش وی آئی پی
آپارٹمنٹ نمبر ۱۱ میں زیر علاج تھا۔ استقبالی لڑکی کی باتوں سے کچھ نہ کچھ ڈھارس ضرور
بندھی۔ وی آئی پی اپارٹ منٹس تک ایک گورے نے میری رہنمائی کی۔ میرا دل' میرا
اپنا دل نہیں رہا تھا۔ گورے نے مجھے نمبر گیارہ کے دروازے پر چھوڑ دیا۔ جیسے ہی میں
نے اندر قدم رکھا' مجھے وہاں دو انگریز ڈاکٹروں کے ساتھ دجگ دیپ کھڑا ہوا نظر آیا۔
جگ دیپ کو یہاں دیکھ کے میرے قدم جامد ہو گئے اور میرا پورا جسم جیسے کسی نے دہکتے
ہوئے الاؤ میں ڈال دیا۔ میری آہٹ پر جگ دیپ نے مڑ کے مجھے دیکھا اور میں نے
اسے۔ اس کے چہرے پہ مجھے صرف آنکھیں ہی آنکھیں نظر آئیں' بے چین' حیرت

زدہ گہری اور سرخ آنکھیں۔ میری طرح ایک لمحے کے لیے وہ بھی ساکت ہو
میرے ہاتھوں میں کھلبلی ہونے لگی' اسے اوپر سے اٹھا کے فرش پر پٹخ دینے کے
سے ہاتھوں میں اضطرار پیدا ہوا۔ جگ دیپ کی آنکھیں چپکنے لگی تھیں۔ وہ منہ پھیر
ڈاکٹروں سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔ میں اس کے پاس سے گزرا تو اس نے ا
اچٹتی ہوئی نظر پھر مجھ پر ڈالی۔ اس کے ہونٹوں پر نہ مسکراہٹ تھی اور نہ اس نے
سے کوئی بات کی۔ میں منتظر رہا کہ وہ ایک آدھ لفظ ضرور اپنی زبان سے ادا کرے
بات کا ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔

نرس نے مجھے باہر ٹھہرائے رکھا اور اندر جا کے میری آمد کی اطلاع دی۔
کے بجائے اندر سے راج کماری کنول برآمد ہوئی اور میری صورت دیکھتے ہی بے قر
سے بولی۔ ''اوہ موہن! تم نے آنے میں دیر کی۔ دنیش کتنی ہی بار تمہارا نام لے
ہیں۔'' راج کماری کنول کی کھنکتی ہوئی آواز دور تک گونجی۔ جگ دیپ کے
ڈاکٹروں نے بھی پلٹ کے دیکھا۔

''راج کمار کیسے ہیں؟'' میں نے اضطراب سے پوچھا۔

''آؤ آؤ' اندر آؤ۔'' راج کماری نے بے ساختہ میرا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے ا
وجود پر یقین نہیں آیا۔

''کیا ہوا؟ یہ کیا ہوا؟'' میں نے دنیش کی مسہری پر جھپٹتے ہوئے کہا۔ ''ان
حالت کیسی ہے؟''

دنیش کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے چہرے پر طمانیت چھائی ہوئی تھی۔
چادر ہٹا کے بدحواسی سے اس کا جسم ٹٹولنے لگا۔ دنیش کے بائیں بازو پر پٹیاں ب
ہوئی تھیں اور اس کا باقی سارا جسم سلامت تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور
تابی سے راج کماری کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی دراز پلکیں تیزی سے جھپکا رہی تھی۔
کے ہونٹوں پر ایک آسودہ اور شاہانہ مسکراہٹ ابھری۔ ''دنیش بچ گئے موہن!''
سوگواری سے بولی۔

''یہ سب کیسے ہو گیا؟'' میری آواز حلق میں بگڑ گئی۔

''دنیش چھاؤنی آ رہے تھے کہ راستے میں کسی جگہ ان کی کار پر حملہ

گیا۔'' راج کماری کنول نے تھمے تھمے اداس لہجے میں کہا۔ ''اتفاق سے دنیش ڈرائیور کی
سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور ڈرائیور پچھلی سیٹ پر تھا۔ دنیش کے دھوکے میں ڈرائیور مارا
گیا۔ تمہیں یاد ہوگا' ایک بار پہلے بھی ایسا ہوا تھا۔ کار پر کئی گولیاں چلیں۔ ایک گولی
دنیش کے بازو میں لگ گئی مگر انہوں نے حوصلہ نہیں کھویا۔ بازو زخمی ہونے کے باوجود
کسی نہ کسی طرح گاڑی سنبھالے رکھی اور گولیوں کی زد سے باہر نکل آئے۔ جب یہ
چھاؤنی کے گیٹ پر پہنچے تو ان کا بہت سا خون نکل چکا تھا۔ یہاں آ کے یہ بے ہوش ہو
گئے۔ ہم لوگ بھی یہاں موجود تھے۔ مہاراجہ بھی ابھی واپس گئے ہیں۔ کنور جگ دیپ
ابھی تک شاید باہر ہی کھڑے ہیں۔ ڈاکٹر کے بیان کے مطابق دنیش خطرے سے باہر
ہیں۔ گولی ان کے بازو کو چھیڑتی ہوئی گزر گئی مگر ڈرائیور مارا گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہ
ہوش میں آئے تھے اور تمہارا' شاردا کا' رانی ماں کا نام لے رہے تھے۔ ڈاکٹر نے آرام
سے سونے کے لیے انجکشن لگا دیا ہے۔'' راج کماری کنول خاموش ہو کے میری
آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''انہوں نے کسی کو دیکھا نہیں کہ وہ کون لوگ تھے؟''

''شاید نہیں۔'' راج کماری کنول نے دل گیر آواز میں جواب دیا۔

''موہن! یہ جگہ اب رہنے کی نہیں رہی۔'' مجھ سے کوئی جواب نہیں دیا جا سکا۔ دنیش کی
طرف سے سکون ہونے کے بعد مجھے راج کماری کنول کی موجودگی کا شدت سے
احساس ہونے لگا تھا وہ مجھ سے اس قدر قریب تھی اور مجھ سے اس طرح باتیں کر رہی
تھی کہ مجھے اپنے کانوں پر بار بار شبہ ہو رہا تھا۔ نرس دور ہوئی تو راج کماری کنول نے
آہستہ سے کہا۔ ''کل تمہارا فون نہیں آیا؟''

مجھے خیال آیا' میرا گریز تو اس حساس کے سبب ہے کہ وہ اپنے سراپا کے
ساتھ یہاں موجود ہے۔ بیماری سے اٹھنے کے بعد میں چھپ کے اسے روز فون کرتا
تھا۔ میرے ساتھ اس کی یہ بے ساختگی' برجستگی اور پزیرائی بے وجہ نہیں تھی۔ اس کی
تمکنت کا وہی انداز تھا جو راج محل کی کسی دوشیزہ کا ہو سکتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا
کہ دنیش کے زخمی ہو جانے کا ماتم کروں یا راج کماری کنول کا جلوہ دیکھوں؟ اس کی
آنکھیں دیکھوں؟ اس کی غیر متوقع موجودی نے مجھے اعصاب باختہ کر دیا تھا۔ دنیش

گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرے چھوڑ دینے کے بعد ڈرائیور دیوی لال کی زندگی
صرف چند گھنٹے اور لکھے تھے۔ اس نے اپنا وقت ضرور پورا کیا۔ اب دنیش کے سوا
کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن راج کماری کنول اپنی آنکھوں' اپنے ہونٹوں سے
کر رہی تھی' میں نے مایوسی سے جواب دیا۔ ''کل موقع ہی نہیں ملا۔''

''آج بھی کس طور سے ملاقات ہوئی تھی۔'' وہ یاسیت سے بولی۔

''مجھے معاف کر دیجیے' میں ان کی خبر سن کے اپنے حواس کھو بیٹھا تھا' ج
تک انہیں دیکھ نہیں لیا' قرار نہیں آیا۔''

''موہن!'' وہ پر خیال لہجے میں بولی۔ ''کیا تم انہیں بہت عزیز سمجھتے ہو؟''

''دنیش بابو۔'' میں نے جوش میں کہا۔ ''یہ بہت عجیب ہیں۔''

''تم بھی کچھ کم عجیب نہیں ہو۔ تم اور کس کس کو عزیز سمجھتے ہو؟''

میں نے گھبرا کے نظریں اٹھائیں۔ کنول میرا جواب سننے کی مشتاق تھی۔ ''
بھی لوگ ہیں۔'' میں نے سٹ پٹا کے جواب دیا۔

وہ مسکرائی۔ ''تمہیں معلوم ہے' آج کیا ہوا؟''

''نہیں۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''کل رات ایک بڑا سانحہ ہو گیا' دنیش نے تمہیں نہیں بتایا؟''

''آپ کی مراد وہ کرنل ورنل کی؟....'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں ہاں وہی' تم نے سنا؟ اب یہاں روز یہی ہوتا ہے۔''

''مہاراجہ تو بہت پریشان ہوں گے؟''

''بے حد۔ بے پناہ' صبح کہہ رہے تھے' شاید ہمارے دن ختم ہو گئے۔''

''کیوں؟ ان کی کیا خطا ہے؟''

''خطا کسی کی بھی ہو' ہر الزام مہاراجہ پہ آتا ہے جیسے مہاراجہ ریاست کی ج
ہر مکان میں موجود ہوں' جیسے مہاراجہ ہر ایک کے دل اور دماغ پر قابض ہوں اور
تمام گولیاں انہی کے حکم پر چلتی ہوں۔''

''مہاراجہ کی تشویش فضول ہے۔ یہ لوگ بھی جانتے ہوں گے کہ مہاراجہ تنہا
کر سکتے ہیں' ریاست راجے پور کے باہر انگریزوں کے خلاف جو شورشیں ہو رہی

کیا وہ بھی مہاراجہ کی ایما سے ہو رہی ہیں؟ میں ان کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ مجھے حکم
دیجیے۔''

''ہم بھی ان سے یہی کہتے ہیں لیکن ان روز روز کے واقعات نے انہیں
اعصابی مریض بنا دیا ہے۔ وہ بہت حساس ہیں موہن! تم تو ادھر پھٹکتے ہی نہیں' کچھ اور
نہیں تو تم مہاراجہ کی ڈھارس ہی بندھا سکتے ہو۔ جو باتیں تم ہم سے کہہ رہے ہو' وہ ان
سے بھی کہہ سکتے ہو' اس بہانے ہم سے بھی ملاقات ہو جایا کرے گی۔ تم آتے کیوں
نہیں؟ ہم نے تمہارے متعلق مہاراجہ سے اتنی باتیں کی ہیں کہ تم اب آؤ گے تو تمہیں
کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہو گی۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا' مجھے جھجک ہوتی ہے اور آپ کے ہاں آنے کا
مطلب یہ ہے کہ سب کی نظروں میں آیا جائے۔''

''ہم سے سب کو ڈر لگتا ہے۔'' وہ حسرت سے بولی۔ ''موہن! ہم بتائیں' ہم
وہ نہیں ہیں جو تم سمجھتے ہو' ہم آدمی ہیں موہن! بھوت نہیں ہیں۔''

''آپ تو پری ہیں' حور ہیں' آپ تو وینس کا مجسمہ ہیں۔''

''ہم کسی دن مر جائیں گے موہن! ہم کسی دن ختم ہو جائیں گے۔''

''دیکھیے' پھر آپ نے وہ باتیں شروع کر دیں' میں یہاں فون بند نہیں کر سکتا'
کیا اٹھ کے چلا جاؤں؟'' میں نے ناراضی سے کہا۔

''موہن! ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ ہماری بات کا یقین کرو۔''

''میں جانتا ہوں لیکن کنول دیوی! آپ اس قدر مایوس کیوں ہو گئی ہیں؟ اگر
آپ کو میں اپنی کہانی سناؤں تو آپ کہیں گی کہ میں زندہ کیسے ہوں مگر میں زندہ ہوں
کنول دیوی! یہ بڑی بے حسی کی بات ہے۔''

''تم ایک جرات مند آدمی ہو۔ تمہاری قوت برداشت حیرت انگیز ہے' کاش
ہم میں بھی یہ جرات اور برداشت پیدا ہو جائے۔ موہن! تم ایک شان دار آدمی ہو نہ
جانے کیوں.... تم کن الجھنوں میں گرفتار ہو؟ تمہیں تو ایک راجہ ہونا چاہیے۔''

''بس کیجیے۔ میں زمین کا باشندہ ہوں۔'' میں نے ہنس کے کہا۔

''ہماری بات کا یقین نہیں ہے؟'' وہ غنودہ آواز میں بولی۔

''بس اسی بات سے اختلاف ہے۔''

''موہن! ہم ایک بات کہیں؟'' وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

''کہیے۔'' میں نے اشتیاق سے کہا' وہ سوچنے لگی۔ میں نے اصرار کیا مگر کچھ بولی نہیں' بے قراری سے انگلیوں میں انگلیاں پھنساتی رہی۔ ''کہیے نا' آپ کیا کہہ رہی تھیں؟''

''چھوڑو' پھر کبھی کہیں گے' جب تم راج محل آؤ گے تب کہیں گے۔'' اس کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ مہارانی مایا دیوی بولائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں اور آتے ہی دنیش کے جسم سے لپٹ گئیں۔ مایا دیوی نے فریاد کرنا اور دنیش کا جسم جھنجوڑنا شروع کردیا۔ میں دور آ کے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ مایا دیوی نے دنیش کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کے اس کی پیشانی پر متعدد بوسے ثبت کیے۔ راج کماری کچھ دیر تو وہیں ٹھہری رہی پھر میرے پاس آ گئی۔ وہ میرے برابر کھڑی تھی' جیسے ہم دونوں فوٹو کھنچوانے کے لیے ساتھ کھڑے ہوں۔ میں بری طرح کسمسانے لگا۔ کوئی بھی اندر آ سکتا تھا اور راج کماری کو میرے ساتھ اس طرح دیکھ کے پریشان ہو سکتا تھا۔ ''ہم اب جارہے ہیں۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''جی۔'' مجھ سے کچھ اور نہ کہا گیا۔

''تم ہمیں رخصت کرنے دروازے تک نہیں آؤ گے؟''

''جی!'' میں نے بوکھلا کے کہا۔ ''کیوں نہیں۔''

کماری کنول نے مایا دیوی سے رسمی اجازت لی' مایا دیوی نے حسب معمول اس کی بلائیں لیں اور اتنی دیر دنیش کی تیمارداری کرنے کا شکریہ ادا کیا۔ میں کنول سے پہلے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ کمرے سے باہر آ کے میں نے اس کے آگے چلنا چاہا لیکن وہ لپک کے میرے برابر آ گئی۔ ''تم دنیش کی وجہ سے بہت فکر مند معلوم ہوتے ہو' اطمینان رکھو' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔'' کنول مسکرا کے بولی۔

''دنیش تو ٹھیک ہو جائیں گے کنول دیوی لیکن ٹھیک تو ان لوگوں کو ہونا چاہیے جو دنیش بابو جیسے آدمی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔'' میری آواز میں غصہ شامل تھا۔ راستہ بڑا نہیں تھا' ابھی ہم نے اپارٹ منٹ کا دروازہ عبور نہیں کیا تھا کہ

پریت اور کسم کے ہمراہ جگ دیپ آتا ہوا نظر آیا۔ کنول اس وقت دروازے پر ایک لمحے ٹھہر کے مجھے الوداعی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور شاید اب وہ بات کہنا چاہتی تھی جو اندر نہیں کہہ سکی تھی مگر ان تینوں نے اسے گھیرلیا اور تھوڑی دیر اور ٹھہرنے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ راج کماری نے معذرت چاہ لی۔ میں وہیں سے لوٹ گیا کیونکہ اب راج کماری کو رخصت کرنے کے لیے اس کے شایان شان لوگ موجود تھے۔

شام کے سات بجے کہیں دنیش کی نیند ٹوٹی اور ایک دم ڈاکٹروں نے اسے گھیر لیا۔ ہیما' کسم اور جگ دیپ کے علاوہ بھون کے کئی لوگ جا چکے تھے۔ مہارانی مایا دیوی ابھی تک دنیش کے سرہانے بیٹھی تھیں' میں بیشتر وقت کمرے سے باہر رہا کیونکہ ڈاکٹر نے ایک آدمی سے زیادہ کو اندر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ چھاؤنی کے ہسپتال سے کچھ فاصلے پر کرنل ہارڈنگ کی کوٹھی تھی اور وہاں ریتا رہتی تھی مگر وہ اب تک دنیش کو دیکھنے نہیں آئی تھی' اسے آنا چاہیے تھا۔ کرنل نے ریتا کو نہیں بتایا ہوگا اور یوں بھی آج کے دن وہ بہت مصروف ہوگا۔ اسے ہسپتال کے انگریز عملے کے سامنے ہندوستانیوں کے ساتھ اپنی لڑکی کے والہانہ اظہار پر سبکی برداشت نہیں کرنی پڑی۔ خصوصاً ایسے موقع پر جب ہائی کمان کے تین اعلیٰ افسر اور تین سپاہی ختم کر دیے گئے ہوں اور چھاؤنی میں ہل چل مچی ہوئی ہو۔ انگریز کو اپنے تاثر چھپانے میں ملکہ حاصل ہے۔ ہسپتال کی نرسوں' ڈاکٹروں اور عملے کے دوسرے لوگوں کے چہرے تاثر سے عاری تھے لیکن وہ سرگرم نہیں تھے' تھکے تھکے سے تھے۔ اپارٹمنٹ کے برآمدے میں فون موجود تھا۔ میں کرنل ہارڈنگ کی بحالی پر ریتا کو مبارک باد دینا چاہتا تھا۔ اسے اپنے باپ کے سامنے بڑی شرمندگی ہوگی۔ میں نے فون نہیں کیا' اچھا ہی ہوا' وہ نہیں آئی۔ وہ آتی تو مجھے اپنے چہرے پر غازے ملنے پڑتے۔

ڈاکٹروں نے جب دنیش کو چھوڑا تو میری طلبی ہوئی۔ میں بھاگا بھاگا اس کے کمرے میں پہنچا۔ اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور اٹھنا چاہا مگر کراہ کے رہ گیا۔ مہارانی مایا دیوی نے اس کے شانے پر بوجھ ڈال کے اسے لیٹے رہنے پر مجبور کردیا۔ میں نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس نے آنکھیں پٹ پٹا کے مجھے سکون کی تلقین کی۔

''موہن! ڈاکٹروں نے کہہ دیا ہے کہ ہم دنیش کو لے جا سکتے ہیں۔'' مایا دیوی کی مسرت بھری آواز ابھری۔ ''میرا بچہ بچ گیا موہن!''

''آپ کو مبارک ہو رانی ماں!''

''تمہیں بھی مبارک ہو' موہن! اب اسے لے چلنے کا کوئی انتظام کرو۔''

''گاڑیاں موجود ہیں مگر شاید ہسپتال کی ایمبولینس......''

دنیش نے کراہ کے دخل دیا۔ ''نہیں' میں گاڑی میں بیٹھ سکتا ہوں' یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے' مجھے یہاں سے جلد از جلد لے چلو۔''

''بہت خون نکل گیا ہے موہن! بس بھگوان نے خیر کرلی۔'' مایا دیوی دنیش کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''ایمبولینس میں لے چلو۔''

''نہیں رانی ماں!'' دنیش نے کرب سے کہا۔ ''میں اس طرح نہیں جاؤں گا۔''

دنیش کی آواز سن کے میرے سینے میں ٹھنڈی ہوا چلی۔ میرے پیروں میں بجلی دوڑ گئی۔ میرے دل میں کسی نے پھول بھر دیے۔ میں چھلانگیں لگاتا ہوا باہر آیا۔ باہر دونوں گاڑیاں کھڑی تھیں' میں نے انہیں اپارٹ منٹ کے پورچ میں آنے کا اشارہ کیا۔ مایا دیوی کی ہدایت پر اپارٹ منٹس کے انچارج کو فون کرکے میں نے رخصتی کی اطلاع دی۔ پھر میں نے دنیش کو بستر سے اٹھا کے اس کا بازو اپنے شانے پر ڈالا۔ میں تو اسے گود میں لے لیتا' میں تو اسے کاندھے پر بٹھا لیتا' میرا ہاتھ اس کی کمر میں تھا اور اس کا ہاتھ میری گردن میں حمائل تھا' اسے چلنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی' ڈاکٹر نے گردن سے پٹی باندھ کے اس کا ہاتھ اس کے سینے پر ٹھہرا دیا تھا۔ ہسپتال کا انچارج ہمیں رخصت کرنے آیا اور اس نے دنیش کو اتنی جلدی رخصت ہو جانے پر مبارک باد دی۔ دنیش نے بھی اس کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں میں چند لمحے گٹ پٹ ہوئی۔ دنیش کو مہارانی مایا دیوی کی بڑی گاڑی میں پچھلی نشست پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور میرے شانے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ مایا دیوی ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر نہیں بیٹھ سکتی تھیں مگر انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ اسپورٹس پیچھے پیچھے اور ہماری گاڑی خراماں خراماں آگے چلی۔ دیوی لال کی لاش انگریزوں نے ایمبولینس میں پہلے

ہی بھون روانہ کردی تھی۔ چھاؤنی کے گیٹ پر برطانیہ سرکار کا یونین جیک سرنگوں تھا۔ درختوں اور عمارتوں پر سوگواری چھائی ہوئی تھی۔

ہماری گاڑی بھون میں داخل ہوئی تو بچے کھچے ملازموں نے اسے گھیر لیا۔ پنڈت یشوری لال نے راہ داری میں داخل ہونے سے پہلے دھواں دیتا ہوا کرچھا دنیش کے جسم کے گرد گھمایا اور اشلوک پڑھنے لگا۔ دنیش کے آنے کی خبر سن کے بھون کے ہر حصے کے لوگ امڈ کے آئے' بھون کی ساری آبادی۔ کسی نے دنیش کے قدموں میں پھول ڈالے' کسی نے پیسے نچھاور کیے۔ راہ داری میں اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی۔ جگ دیپ اور راجے پور کے دوسرے امرا کے گھروں کے لوگ بھی موجود تھے۔ سب مہارانی مایا دیوی کو بدھائی دے رہے تھے۔ دوسری رانیوں نے بھی دنیش کے گرد حلقہ بنا لیا تھا۔ شاردا ایک تھم سے سر ٹکائے لرزتی پلکوں اور شبنمیں آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ پارو کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ جگ دیپ کی بہن انیتا بھی تھی۔ سب کے لبوں پر اداس اداس مسکراہٹیں رقصاں تھیں۔ میرے سر اور لباس پر بھی پھول بکھر گئے تھے' میں بھی راج کمار بن گیا تھا۔ دنیش میرے کندھے پر ہاتھ رکھے کرب ناک شگفتگی سے سر ہلا ہلا کے جواب دے رہا تھا۔ باندیاں سہمی ہوئی ایک قطار میں کھڑی تھیں۔ ان میں ڈالی بھی تھی۔ میری صورت دیکھ کے اس کے ابرو کھنچ گئے۔ میں نے دوسری طرف نظر کرلی کیونکہ ڈالی کی آنکھوں میں نہ جانے کیا کیا بھرا ہوا تھا۔

دنیش کے محل میں اس کے خاص ڈاکٹروں نے اس کا مکمل معائنہ کیا۔ جیسے ہی موقع ملا' میں نے شاردا کو دنیش کے پاس رہنے کی ہدایت کی۔ اس سفر سے وہ بہت تھک گیا تھا اور آتے ہی بستر پر گر گیا تھا۔ رات تک لوگوں کا اژدہام رہا' فون پر فون آتے رہے آئی جی مہتا اور دوسرے پولیس افسر' ریاست کے حکام اور مہاراجہ کے نائبین' رات تک بہت سے لوگ آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہر میں وہ کشیدگی نہیں ہے جو تین کرنیلوں کی موت کے بعد ہونی چاہیے تھی۔ گویا کرنل ہارڈنگ نے زیادہ انگریز ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ کھنڈر میں ہونے والی واردات کا جتنا شور و غوغا ہوا۔ یہ واردات اس سے محروم تھی حالانکہ سنگین اس سے کہیں زیادہ تھی مگر یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔ رات ایک فوری حکم کے تحت انگریز سنتری واپس بلا لئے

گئے تھے اور بھون کے تمام ملازموں کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ یہ ملازم اتنے خستہ حال
تھے جتنے راجے پور کی پولیس نے واپس بھیجے تھے۔ مہاراجہ نے پولیس فورس بھون
نہیں ہٹائی۔ مہاراجہ نے صحیح فیصلہ کیا کیونکہ بھون واپس آنے والے ملازم اس قابل
تھے کہ فوراً اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیتے۔

دنیش کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد میں اپنے کوارٹر میں ڈالی
پاس آیا اور میں نے اس سے دس ہزار روپے طلب کیے۔ یہ روپے میں نے ہی مح
اوقات میں اسے دیے تھے۔ جواب میں ڈالی دروازہ بند کر کے خاموشی سے فرش
اینٹیں ہٹانے لگی' میں نے اس دوران میں گڈے کو پیار کرنا چاہا مگر اس نے گڈ
مجھ سے چھین کے زمین پر ڈال دیا اور اینٹیں ہٹانے کے بعد مٹی باہر نکالنے
مصروف ہو گئی۔ اندر سے ایک پوٹلی برآمد ہوئی۔ پوٹلی میں ڈالی کو دی جانے
بخششوں کے روپے' گنیاں اور نوٹ موجود تھے۔ خاصی بڑی رقم تھی۔ مجھے حیرت
میں نے دس ہزار روپے گن کے علیحدہ رکھ لیے۔ ڈالی نے پوٹلی میری گود میں اچھا
دی۔ میں اسے پلنگ پر رکھ کے تیزی سے باہر نکل آیا۔

چند منٹ بعد میں دیوی لال کے کوارٹر پر کھڑا تھا۔ وہاں ملازموں کی بھیڑ
ہوئی تھی۔ لوگ اس کی ارتھی جلا کے واپس ہی آئے تھے۔ دیوی لال کا بچہ ابھی تک
رہا تھا۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ تمام ملازم ادھر ا
چھٹ گئے۔ دیوی لال کی نوجوان بیوی کی آنکھ میں کوئی آنسو نہیں تھا۔ وہ سکتے م
بیٹھی تھی۔ تعزیت کے لیے میری سمجھ میں لفظ نہیں آئے۔ مرنے والے آدمی کے بار
میں آدمی کیا کہے؟ کیا یہ کہے کہ گھبراؤ نہیں' وہ واپس آ جائے گا' اس نقصان کی تلافی ہ
جائے گی' ہم اسے واپس لے آئیں گے۔ میں نے دیوی لال کی بیوی سے بات کرنے
کے لیے تمام لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں دیوی لال کی
بیوی کے لیے راج کمار کی طرف سے کوئی پیغام لایا ہوں گا۔ جب سب لوگ چلے گئے
تو میں نے اپنا خشک حلق تر کیا اور دیوی لال کی بیوی سے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں اپنی
اور راج کمار کی طرف سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ اس ہمدردی کی تاب نہ لا سکی' ا
تو یہ عالم تھا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے عاری تھیں یا اب انہوں نے بہنا شروع

کیا تو جل تھل کر دیا۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور وعدہ کیا کہ دیوی لال کی کمی محسوس
نہیں ہونے دی جائے گی۔ راج کمار نے اس کے بچوں کی تعلیم اور گھر کا خرچ چلانے
کے لیے فی الحال دس ہزار روپے ادا کرنے کا حکم دیا ہے' راج کمار کا حکم ہے کہ اس رقم
کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ رقم دیوی لال کی زندگی کا بدل
نہیں ہے لیکن موت پر نہ انہیں اختیار ہے' نہ تمہیں۔ آدمی کا وقت آتا ہے تو آدمی مر
جاتا ہے۔ زباں دانوں نے یہ چند کلمے اچھے ایجاد کر لیے ہیں' جاہلوں کی سمجھ میں بھی
آجاتے ہیں۔ جب سے دنیا میں لوگ مرنے شروع ہوئے ہیں' ان جملوں کی ساخت
میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب یہ جملے ادا کیے جاتے ہیں تو آدمی کو رونا آ جاتا ہے' شاید
آدمی چڑ کے روتا ہے کہ وہ کچھ اور سننا چاہتا ہے۔ وہ بچہ بن جاتا ہے کہ کھلونا ٹوٹے تو
فوراً دوسرے کا وعدہ کرلیا جائے۔ آدمی اسی انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی حوصلہ مند اور سخی
شخص یہ کہے۔ وہ روتی رہی۔ میں نے ارادہ بدل دیا۔ اس وقت روپے دینا مناسب
نہیں لگا۔

دس ہزار روپے کی رقم بہت بڑی تھی' بھون میں شور مچ جاتا۔ دیوی لال کی
بیوی ایسے وقت میں انہیں کہاں سنبھالتی' دیوی لال کی تنخواہ پندرہ روپے سے زیادہ نہیں
تھی۔ کھانا پینا بھون کے ذمے تھا۔ وہ زندگی بھر پاپڑ بیلتا تو ہزار دو ہزار سے زیادہ نہ
جمع کر پاتا۔ کچھ لوگ پیدا ہی غریب ہوتے ہیں' دیوی انہی لوگوں میں سے تھا۔ بعض
لوگ زندگی میں خوش قسمت نہیں ہوتے' البتہ موت کے بعد ان کے ستارے مہربان ہو
جاتے ہیں۔ دیوی لال کو کل رات بھی میں نے خاصی بڑی رقم دی تھی۔ قسمت جاگی
بھی تو موت سے ایک پہر پہلے۔ میں اس کے بچوں کو پیار کرتا اور اس کی بیوہ کے سر
پہ ہاتھ رکھتا ہوا باہر آ گیا پھر اپنے کوارٹر کا دروازہ کھٹ کھٹا کے میں نے روپے ڈالی
کے پیروں میں پھینک دیے اور دروازے ہی سے واپس آ گیا۔

میں نے دبے پاؤں دنیش کی خواب گاہ میں قدم رکھے تو وہ جاگ رہا تھا اور
اس کے اردگرد بھون اور باہر کی لڑکیاں موجود تھیں۔ انیتا نیلی ساڑھی پہنے ہوئے دنیش
کی مسہری پر بیٹھی اس کے بازو کی پٹی ڈھیلی کر رہی تھی۔ میں یہ ہجوم دیکھ کے لوٹ آیا۔
دنیش نے مجھے دیکھ لیا تھا اس لیے اس نے غالباً آرام کا عذر کر کے سبھی لڑکیوں کو وہاں

سے ہٹنے پر مجبور کردیا ہوگا۔ شاردا اور انیتا کو چھوڑ کے سبھی یکے بعد دیگرے رخصت ہوگئیں۔ میں باہر بیٹھا تھا۔ پھر آخر میں انیتا نمودار ہوئی۔ اس کی آنکھیں ڈوبی ڈوبی سوئی سوئی اور تھکی تھکی تھیں۔ میں اور لڑکیوں کی طرح نظریں جھکا کے اسے بھی درگزر کر دیتا مگر وہ انیتا تھی۔ اس کی خصوصیت صرف حسین ہونا ہی نہیں تھی' وہ جگ دیپ کی بہن بھی تھی۔ بڑی حویلی میں کشید کی ہوئی شراب کی بوتل۔ جس پر نیلا لیبل چڑھا ہوا تھا اور شفق رنگ جلد کے شیشے میں ارغوانی شراب جھلک رہی تھی جسے دیکھتے ہی نشہ ہو جائے۔ بعض لڑکیاں عجیب صفات رکھتی ہیں۔ ان پر ستم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے چھریاں مار دی جائیں۔ انیتا آج بہت الجھی الجھی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے لمبے بال کمر اور شانوں پر جھول رہے تھے۔ میں ایک ارادے سے اپنی نشست سے اٹھ کے کھڑا ہوگیا۔ انیتا نے میری جانب دیکھا' کچھ ہچکی' آگے بڑھی' پیچھے ہٹی پھر آگے بڑھی اور پیچھے مڑ کے دیکھا۔ میں سراپا التماس' گوش برآہٹ تھا۔ دنیش چندر پر آج حملہ ہو چکا تھا۔ اس لیے میرے خون کا دوران ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ رگوں میں آگ بہہ رہی تھی۔ انیتا سے کوئی ایسی اجنبیت تو تھی نہیں۔ ان ہاتھوں نے اس کا بوجھ اٹھایا تھا۔ بھون میں ایک کبھی نہ بھولنے والی ملاقات ہو چکی تھی۔ "موہن صاحب!" مجھے گمان ہوا کہ یہ میرا وہم ہے۔ اس کی مدھم روشنی کے بلب کی طرح مدھم آواز ملاقاتی کمرے میں ابھری۔ وہ میرے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ استعمال کر رہی تھی۔

"راج کماری انیتا!" میں نے اسی کے لہجے میں برجستہ جواب دیا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" یہ لفظ اس نے بڑی دقت سے ادا کیے۔

"ضرور۔" میں نے شائستگی سے کہا۔

"مجھے کوئی وقت دے دیجیے' کوئی بھی فارغ وقت' جب آپ بالکل تنہا ہوں۔" وہ فصاحت سے بولی۔

"وقت تو بڑے آدمی دیتے ہیں کماری انیتا! میں آپ کے لئے ہر وقت تنہا ہو سکتا ہوں۔" میں نے غیر ضروری انکسار سے گریز کیا۔ "کیا آپ کا قیام یہیں رہے گا؟"

"ہاں! میں چند دنوں کے لیے یہاں آگئی ہوں۔" آج انیتا کا لہجہ' اس کی زبان اور اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔

"آپ یقیناً میرے کمرے میں تنہا آنا پسند نہیں کریں گے؟"

"کیوں؟ آپ جہاں بلائیں' میں ضرور حاضری دوں گا۔"

"نہیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے' آپ جہاں کہیں۔ میں آپ کا ذہن صاف دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ مجھے کسی بھی وقت فون پر بتا سکتے ہیں' میں شاردا کے کمرے میں ٹھہری ہوئی ہوں۔"

"بہتر ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کوئی اچھی بات کریں گی۔" اس نے سر سے پیر تک کن انکھیوں سے میرا جائزہ لیا اور اپنی ساڑھی کا پلو درست کیا جیسے بوتل میز پر ہل گئی ہو' وہ چلی گئی۔ مجھے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کچھ دیر بعد اس کے کمرے میں چلا جانا چاہیے۔ جگ دیپ کی پرشکوہ بہن نے جب اس لہجے میں بات کی ہے تو وہ ضرور کوئی اہم بات کہنا چاہتی ہوگی۔ جو بات جس وقت ہو جائے' ٹھیک ہے' وہ شاردا کے کمرے میں تنہا ہوگی کیونکہ شاردا اندر دنیش کے پاس بیٹھی ہوئی تھی لیکن میں نے عمداً اس کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کیا۔ جگ دیپ کی بہن کو ایک رات یا کئی راتیں میرا انتظار اور کرنا چاہئے تھا اور پھر اس وقت میرا جی دنیش میں اٹکا ہوا تھا۔ میں دوپہر کو چھاؤنی کے راستے میں ہونے والے حملے کی تفصیل جاننے کے لیے مضطرب تھا۔ ادھر میں نے شاردا سے وعدہ کیا تھا' ادھر مجھے پارو کے محل میں جاکے فائلوں کا مطالعہ کرنا تھا تاکہ انہیں جلد سے جلد تلف کر دیا جائے۔ میری وجہ سے پارو جلد ہی اٹھ کے چلی گئی تھی۔ کل رات ایک پل کے لیے آنکھ نہیں لگی تھی' آج رات بھی کچھ یہی صورت نظر آتی تھی۔

وہ دونوں جاگ رہے تھے۔ میں چند منٹ کے لیے وہاں ٹھہرا۔ دنیش نے شاردا سے اصرار کیا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کے آرام کرے کیونکہ ابھی بیماری سے اٹھی ہے' جب خود بیمار ہے تو تیمار داری کیا کرے گی مگر شاردا نے انکار کردیا۔ شاردا کی موجودگی میں دنیش سے آج کے حملے کے متعلق گفتگو نہیں ہوسکتی تھی۔ میں کچھ دیر بعد آنے کا وعدہ کر کے راہ داری میں آگیا۔ رات پر غفلت طاری ہوگئی تھی۔ مجھے پارو

کے پاس پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ میری چاپ پر کان لگائے بیٹھی تھی دستک سے پہلے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ میرے کندھے سے جھولتی ہوئی مجھے ڈائنگ روم میں لے گئی۔ ''تم نے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔ کھانا کھائے بغیر کوئی بات نہیں ہوگی۔'' وہ سبزی سے بھرا ہوا چمچا میرے منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''کھانے سے زیادہ اہم کام ہے پارو! میں دنیش کے پاس شاردا کو چھوڑ کے آیا ہوں۔ فوراً واپس جانا ہے۔''

''تو تم پھر چلے جاؤ گے؟''

''کیا کروں' مجبوری ہے پارو رانی! میں نے کسی وقفے کے بغیر چند لقمے منہ میں ڈالے اور اسے بھی نہیں کھانے دیا۔ پارو نے خاصا اہتمام کیا تھا۔ دانے دانے پہ مہر لگی ہوتی ہے۔ جن دانوں پہ مہر نہیں تھی' انہیں میں کیسے کھا لیتا' پارو بھی دنیش پر ہونے والے حملے سے مضطرب تھی۔ میں نے سردست اس کے ساتھ اس بحث میں الجھنا نہیں چاہا۔ حملہ آوروں کو وہ بھی جانتی تھی۔ اس کی رائے میری رائے سے مختلف نہیں ہوگی' میں نے ایک لمحہ ضائع نہیں کیا حالانکہ پارو جیسی لڑکی کے ساتھ کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا۔ جو وقت اس کے ساتھ گزرے وہ وقت کی خوش نصیبی ہے۔ اس نے الماری کھول کے فائلیں میرے سامنے رکھ دیں اور میرے کندھے پر ٹھوڑی ٹکا کے ان کے مطالعے میں مصروف ہوگئی۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ہم کتنا سنسنی خیز مواد پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح دونوں کے علیحدہ علیحدہ پڑھنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ میں نے پارو سے کہا کہ وہ کاغذات پڑھ کے مجھے سنائے۔ پارو نے پیڈ اور قلم میرے پاس رکھ دیا تاکہ میں خاص خاص باتیں نوٹ کرتا رہوں قلم ہاتھ میں آیا تو میرے ہاتھوں میں لرزش ہونے لگی۔ محلے کا مدرسہ' اسکول' کالج' چچا جان' ان کا لڑکا بختیار' ایک لمحے میں بے شمار چہرے اور رویے نظروں میں گھوم گئے۔ پارو نے مجھے ٹہوکا مارا تو میں واپس آیا اور انگریزی میں نوٹنگ کرنے لگا۔ میرا قلم کاغذ پر تیزی سے گردش کر رہا تھا اور اپنے خود ساختہ اشاروں کی زبان رقم کر رہا تھا۔ پارو آکسفورڈ کے تربیت یافتہ لوگوں کی طرح نفیس اور دل کش لہجے میں انگریزی پڑھ رہی تھی۔ انگریزوں کے ان خصوصی مخطوطوں نے ہمیں انگریزوں سے اتنا قریب کردیا تھا کہ اتنی قربت کا اعزاز پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ یہ فائلیں جب ہائی

کمان میں پہنچتیں تو وہاں کے حکام سرکار برطانیہ سے کرنیلوں کو حسن کارکردگی کا تمغہ عطا کرنے کی سفارش ضرور کرتے۔ کرنیلوں نے کمال کردیا تھا۔ انہوں نے پولیس رپورٹ کی بنیاد پر راجے پور کے شر پسند عناصر کی ایک فہرست مرتب کی تھی۔ مہاراجہ امرناتھ کا مزاج' سیاسی رجحانات' انگریزوں سے وفا داری' راجے پور کی سرکردہ شخصیتوں کے مشاغل' جھکاؤ وغیرہ وغیرہ غرض کہ بڑی انوکھی انوکھی باتیں درج تھیں۔ تیں چالیس صفحے پڑھنے کے بعد پارو کا حلق خشک ہونے لگا۔

میں نے ڈیوٹی بدل لی اور کاغذ قلم پارو کے ہاتھ میں تھما دیا جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ میری صورت تکنے لگی۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا۔ ''موہن!'' اس نے حیرت سے مجھے مخاطب کیا۔ ''یہ تم ہو؟''

''چپ چاپ سنتی رہو۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔ ''اتنی انگریزی تو میٹرک فیل بھی پڑھ لیتے ہیں' دیکھا' میں کیسا اٹک رہا ہوں۔''

''اٹک رہے ہو! تمہارے لہجے میں بھلا ایسا ویسا اعتماد ہے۔'' وہ سرشاری سے بولی۔

''آگے بڑھو' درمیان میں دخل مت دو' کیسی کیسی نادر باتوں کا پتہ چل رہا ہے۔'' میں نے اس کے سر پہ دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ''تم سارا لطف غارت کر رہی ہو۔''

''مجھے فائل سے زیادہ تم میں سنسنی محسوس ہو رہی ہے۔''

''میں تو ایک سادہ کاغذ ہوں' ردی کاغذ جسے بچوں نے آڑے ترچھے نقش بنا کے پھینک دیا ہے اور وہ گلی گلی اڑتا پھر رہا ہے۔''

''اور پھر اس شہہ پارے پر میری نظر پڑ گئی اور میں نے اسے اپنے فریم میں سجا لیا۔'' وہ جوشیلے لہجے میں بولی۔

''فریم بھی خراب کرلیا' کاغذ کی دھول فریم پہ جم جائے گی۔''

''فریم اور زیادہ قیمتی ہوگیا ہے' اسے ناز کرنا چاہیے کہ اس میں دنیا کی کیسی عجوبہ تصویر سجائی گئی ہے۔''

پارو کا موڈ بدل گیا تھا' ہم ایک فائل کے نصف کاغذات کا جائزہ لے چکے

تھے۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ میں نے فائلیں اپنی نگرانی میں پہلے والی ترتیب اور ترکیب سے الماری میں رکھوا دیں اور چلنے لگا پھر بھی مجھے چند منٹ اور لگ گئے کیونکہ پارو نے اپنی کلائیوں کا ہار میری گردن میں ڈال دیا تھا۔ میں اسے موڑ کے اور اپنے بازوؤں کی رسی میں باندھ کے اٹھائے اٹھائے دروازے تک لے آیا۔ پارو اداس ہوگئی۔ کاش مجھے رات کو طول دینے کی قدرت ہوتی پھر میں پارو کو سلا کے آتا۔

وہ دونوں سو چکے تھے اس لیے میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ ونیش نے میری آہٹ محسوس کرلی اور بستر سے اٹھ کے مجھے باہر رہنے کا اشارہ کیا پھر دبے قدموں باہر آ گیا۔ میں نے اسے واپس بھیجنا چاہا لیکن وہ مجھے گھسیٹتا ہوا برابر کے کمرے میں لے گیا۔ میں نے اس کے حکم پر دروازہ بند کردیا۔ اس نے کہا۔"اس کی آنکھ ابھی ابھی لگی ہے۔تمہارے انتظار میں جاگ رہی تھی۔"

"ہاں' مجھے کچھ دیر ہوگئی لیکن آپ اس حالت میں اٹھ کے کیوں آ گئے۔"میں نے جھنجلا کے کہا۔"آپ کومعلوم ہے' کہ آپ کو گولی لگی ہے' زخم تازہ ہے۔"

"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے' یہ بازو گولی کا عادی ہوگیا ہے۔"

"کیا ہوا تھا' میں سننے کے لیے بے تاب ہوں۔" میری آواز غصے سے کانپنے لگی۔"کاش میں آپ کے ساتھ چھاؤنی چلتا۔"

"تب بھی یہ واقعہ ہوتا۔" وہ ہنس کے بولا۔

"مگر آپ اکیلے تو نہ ہوتے' آپ گاڑی چلاتے' میں فائرنگ کا جواب دیتا۔ آپ نے حملہ آوروں کی شناخت کی؟ خیر شناخت کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے ان کے چہرے یاد ہیں۔"

"میں تم سے یہی کہنا چاہتا تھا موہن! کہیں تم جوش میں نہ آ جاؤ۔ گولی ان لوگوں نے نہیں چلائی تھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"پھر کس نے چلائی تھی؟" میں نے چونک کے پوچھا۔

"میں نے چلائی تھی۔" وہ سکون سے بولا۔

"آپ نے؟ آپ نے خود پر؟"

"ہاں' تم نے دیوی لال کو کھلا چھوڑ دیا تھا۔ واقعات کوئی بھی رخ اختیار

کرسکتے تھے اور دیوی لال زندہ رہ کے پریشانی کا سبب بن سکتا تھا۔ ویسے دیوی لال جیسے کتنے آدمی مارے گئے ہیں مگر اس وقت اس کی موت کی تشہیر ہمارے حق میں بہت مضر ہوتی' نہ اسے مارا جا سکتا تھا' نہ زندہ رکھا جا سکتا تھا۔ اس کی موت کا کوئی جواز پیدا کرنے کے لیے ایسی ہی کسی تدبیر کی ضرورت تھی۔ موہن! وہ زندہ رہتا تو ہمارا سکون چاٹتا رہتا اسے مرنا ہی چاہیے تھا۔"

میرے کان سن ہو گئے۔"پھر؟ پھر؟" میں نے مضطرب ہو کے کہا۔

"سو میں نے اسے مار دیا" وہ افسردگی سے بولا۔"میں نے کرنیلوں کی آخری رسوم میں شرکت کے لیے دانستہ دیر لگائی تھی اور بذات خود پھولوں کی چادروں کی ٹوکریاں خواب گاہ میں منگوائی تھیں۔تم جیسے ہی فون کی گھنٹی سن کر باہر گئے' میں نے اس میں رائفل چھپا دی۔ ٹوکریاں ڈکی میں رکھ دی گئیں' مجھے یقین تھا کہ چھاؤنی کی سڑک سنسان ہوگی کیونکہ چھاؤنی کے تمام حکام اور عملہ کرنیلوں کی رسوم میں مصروف ہوگا' اگر سڑک سنسان نہ ہوتی تب بھی مجھے اپنے کام میں دشواری پیش نہ آتی' چھاؤنی سے پانچ میل ادھر لاکھی پور کی تنگ سڑک جاتی ہے' میں نے راستے میں نشست بدل لی۔ دیوی لال پیچھے بیٹھ گیا۔ میں آگے بڑھنے کے بجائے لاکھی پور کی سڑک پر مڑ گیا اور وہاں ٹیلوں کے درمیان ایک جگہ گاڑی روک لی۔ دیوی لال نے وجہ جاننے کے لیے اترنا چاہا' میں نے اسے اپنی نشست پر بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور خود نیچے اترا۔ میں نے ڈکی کھولی اور رائفل نکال کے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ دیوی لال سمجھا ہوگا کہ مجھے کوئی پرندہ نظر آ گیا ہے۔ ٹیلے سے میں نے گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ دیوی لال شاید پہلی ہی گولی میں مارا گیا' گاڑی کی باڈی میں متعدد سوراخ ہو گئے۔ گولیوں نے شیشے توڑ دیے' رائفل کے ساتھ میں نے سڑک پر آ کے پستول بھی استعمال کیا' پھر کسی تاخیر کے بغیر فوراً ہی لاکھی پور کی سڑک سے چھاؤنی کی سڑک پر آ گیا۔ راستے میں جگہ جگہ چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے پڑتے ہیں۔ قریب ہی ایک مناسب جگہ گاڑی روک کے میں نے سڑک پر گولیوں کے نشانات ڈالے اور پستول سے اپنا بازو زخمی کر لیا۔ عجلت میں گولی ذرا گہری لگ گئی اور خون روکنا مشکل ہوگیا۔ میں اسی حالت میں گاڑی بھگاتا رہا۔ مجھے پستول اور رائفل صاف کر کے انہیں پہاڑیوں پر پھینکنا بھی تھا۔ میں نے انہیں مختلف فاصلوں پر پھینک دیا۔ جب میں چھاؤنی پہنچا تو اتنا خون نکل چکا تھا کہ مجھ

سے اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہا گیا۔"

میں گنگ ہو گیا تھا۔ میری آنکھیں نم تھیں' کچھ کہنے کے لیے موزوں لفظ نہیں مل رہے تھے۔ جب لفظ نہیں ملتے تو آدمی کا سارا جسم بولنے لگتا ہے' میں نے بے اختیار بڑھ کے اسے گلے لگا لیا' راج کمار دنیش چندر کا چہرہ بھی تر ہو گیا۔

"موہن! دیوی لال کی بیوی کو جاکے سمجھا دینا۔" وہ کرب سے بولا۔ "میں نے سوچا تھا' سب سے پہلے اس کے کوارٹر میں جاؤں گا لیکن ہمت نہیں پڑی۔"

"میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے۔"

"جب تم نے صبح' رات والا واقعہ سنایا تھا تو مجھے آگے کوئی اچھی صورت نظر نہیں آرہی تھی' مجھے احساس تھا کہ خود تم کتنے الجھے ہوئے ہوگے' تمہاری باتوں سے شکستگی نمایاں تھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی' تم نے شاردا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس وقت تم اتنے کھوئے کھوئے تھے کہ مجھے بار بار تمہیں چونکانا پڑتا تھا۔ میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ مجھے کچھ کرنا ہوگا۔"

"اوہ۔ آپ مجھ سے کہے بغیر کیوں چلے گئے تھے؟" میری آواز بھرا گئی۔

"میں اس سے جیسے تیسے نمٹ لیتا آپ نے یہ خطرہ کیوں مول لیا؟ آپ نے یہ کیوں کیا دنیش بابو! اگر کوئی آپ کو دیکھ لیتا؟ اگر نشانہ اوچھا پڑ جاتا؟ اگر کچھ اور ہو جاتا؟"

"شش' تم نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں موہن! ورنہ پستول چلانا مجھے بھی آتا ہے اور تمہاری طرح سوچنا بھی۔"

"ارے دنیش بابو! میری طرح مت سوچیے۔ اس سوچ میں گانٹھیں پڑی ہوئی ہیں۔"

"حماقت کی باتیں مت کرو' یہ بتاؤ' تم آ کہاں سے رہے ہو؟"

"میں فائلوں کا جائزہ لینے گیا تھا۔"

"تو۔" وہ تجسس سے بولا۔ "کیسی ہیں؟"

"عجیب و غریب' حیرت انگیز' ناقابل یقین۔"

"میں بھی انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ مچل کے بولا۔

"میں آپ کو ضرور دکھاؤں گا۔ قابل دید چیزیں ہیں۔"

"تم نے انہیں کہاں رکھا ہے؟"

"ایک محفوظ جگہ۔ اور اب ویسے بھی ہر جگہ محفوظ ہے۔ غالباً کرنل ہارڈنگ کو ہائی کمان سے یہ ہدایات موصول ہو گئی ہیں کہ وہ فی الحال اپنی سرگرمیاں چھاؤنی تک محدود کر لے کیونکہ انہوں نے جتنی تشویش ظاہر کی تھی' اتنی ہی انہیں ناکامی ہوئی۔ اگر وہ میجر رابرٹ کی موت کے بعد خاموشی اختیار کر لیتے اور اپنے دیدہ دلیر سرکش نوجوانوں کو جا و بے جا تفتیش کے لیے نہ چھوڑتے تو یہ نوبت نہ آتی' وہ خاصے معقول افسر کھو چکے ہیں' انہیں اس معاملے سے کسی اور طرح نمٹنے کے لیے سوچنے کا وقت درکار ہوگا' اس قیاس کی شہادت بھون اور سڑکوں سے گورے سپاہیوں کی واپسی سے ملتی ہے۔ ورنہ وہ غیظ و غضب میں آ جاتے تو فائلوں کی تلاش میں شہر بھر اکھیڑ دیتے' راجے پور کے شرفا دیکھتے رہ جاتے۔ انگریز جانتے ہیں کہ انہیں کہاں غصہ دکھانا چاہیے' کہاں نہیں' سردست انہوں نے اپنا غصہ محفوظ کر لیا ہے۔"

دنیش نے میری بات کی تردید نہیں کی۔ زخمی ہو جانے کے بعد وہ بہت آسودہ تھا' بہت پھرتیلا اور چاق و چوبند۔ میں نے اسے دیوان پر لٹا دیا تھا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ شاردا کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ دروازہ پیٹ رہی تھی۔ ہم دونوں کو بند کمرے میں دیکھ کے ناراض ہونے لگی کہ اسے خبر بھی نہیں کی اور تنہا چھوڑ کے چلے آئے۔ وہ دنیش کو واپس لے گئی' مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور لوٹے گی۔ شاردا آئے گی' اس کی آمد کے تصور سے میرے دل میں کھٹی میٹھی کیفیتیں ابھرنے لگیں جیسے شاردا آج پہلی بار آرہی ہو۔ کوئی جسم پر ہولے ہولے سرمے کی ٹھنڈی سلائیاں پھیرنے لگا۔ جھرجھری دوڑنے لگی۔ کوئی جسم پر چپکے چپکے تنکے چبھونے لگا' گدگدی ہونے لگی' جیسے میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہوں اور نیچے دیکھوں گا تو جسم میں سن سن' زن زن ہونے لگے گی۔ جیسے کسی نے پیچھے سے آ کے آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا ہو اور اس کے لمس سے اعضا بند ہونے لگے ہوں۔ میں انتظار کرتا رہا مگر شاردا نہیں آئی اور صبح دبے پاؤں آتی رہی۔ وہ میرے آرام کی خاطر نہیں آئی ہوگی' اس نے میری جلتی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھ لی تھیں' کاش اسے خیال ہوتا۔ وہ آ جاتی تو آرام تو اس کے نظارے سے ملتا' اس کی سانسوں کی عطر بیز ہوائیں جسم و جاں کو راحت پہنچاتیں۔ اس نے مجھے بے آرام کیے رکھا۔

مہاراجہ نے اپنے آقاؤں کی تقلید میں دن کے دس بجے بھون سے تمام سپاہی

ہٹا لیے۔ البتہ سڑکوں پر مسلح پولیس کا گشت جاری رہا۔ بھون کے درماندہ حال ملازموں نے اپنے سابق عہدوں پر کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ حفاظتی انتظامات سخت کر دیے گئے تھے۔ مجھے احساس تھا کہ بھون سے پولیس کا پہرا ہٹنے کے بعد مکینوں کی سرگرمی میں خاصی تیزی آ سکتی ہے' خاندان کے کئی افراد کی بیک وقت موت کا صدمہ کنور جگ دیپ کے دل سے چپک گیا ہوگا۔ بظاہر سکون ہی سکون تھا لیکن اندر ہی اندر کون' کیا سوچ رہا ہوگا' میں اپنے حوالے سے آئندہ کے متعلق واضح پیشن گوئیاں کر سکتا تھا۔

دوسرے دن بھی میں نے پارو کے پاس جا کے فائلوں کی تحقیق کا کام جاری رکھا۔ راجے پور کے بدمعاشوں کے دو گروہ' وہ زرخرید لوگ جو جگ دیپ کے آلہ کار ہو سکتے تھے' میں نے ان کے نام اور پتے خاص طور پر نوٹ کیے۔ وہ ہمارے اثر میں نہیں تھے تو دوسروں کے لیے کام کرتے ہوں گے' جگ دیپ سے بہتر ان کا کوئی اور گاہک نہیں ہوگا۔ جگ دیپ کی پولیس فورس' جگ دیپ کے دست و بازو یہی لوگ تھے' مہاراجہ کی پریشانی سے جگ دیپ بھی آشنا ہوگا' انگریزوں کی اللے تللے اموات سے کم از کم اسے بھی تو یہ فائدہ پہنچا کہ راج سنگھاسن کا فاصلہ کم ہوگیا۔ دلوں میں رنجشوں کی خلیج روز بہ روز وسیع ہوتی گئی تھی۔ جگ دیپ کے لیے اب لازم تھا کہ وہ بڑی حویلی کی آن بان' عظمت و شوکت برقرار رکھنے اور جھنڈا اونچا رکھنے کے لیے راج محل میں مہاراجہ کی جگہ متمکن ہو اور رقیبان رو سیاہ سے پوچھے۔ کہیے' اب مزاج کا کیا حال ہے؟ سر جھکائیے اور تسلیمات پیش کیجیے' یہ خوش امکانی یقین میں بدلنے کے لیے وہ اور زیادہ پرجوش ہو جائے گا۔ آج بہت دنوں بعد اس کی صورت دیکھی تھی اور یہ خوش گمانی ذہن سے جھٹکنی پڑی تھی کہ ہاتھ پاؤں ٹوٹنے' انیتا کے ناکام ہونے' باپ کے مرنے' متعدد منصوبوں میں شکست کھانے اور حال ہی میں خاندان کے اتنے افراد گنوا دینے کے بعد چہرے پر شکنیں ضرور پڑ جائیں گی۔

فائلوں میں درج تھا کہ راجے پور کے نواحی علاقے لاکھی پور میں کچھ خاندانی قبائل آباد ہیں جن کی شوریدہ سری اور سرکشی کی داستانیں زباں زد خاص و عام ہیں' روایتوں اور سماجی نظم کی بنیاد پر ان کی اپنی ایک علیحدہ تہذیب قائم ہے۔ علیحدہ تھلیدہ رہتے ہیں۔ پہاڑوں سے کم ہی نیچے اترتے ہیں لیکن چند نوجوان وہاں کی یکساں زندگی سے اکتا کے نیچے نسبتاً میدانی علاقے راجے پور کا رخ کرتے ہیں' ان میں سے' بہ

ترقی کرتے کرتے شہر کے مشہور بدمعاش بن گئے ہیں یا راجے پور کے سرکردہ بدمعاشوں کے آلہ کار ہیں۔ چاقو' چھرے' نیزے بازی میں انہیں کمال حاصل ہے۔ اب بندوقیں بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں' وہ بار بار گرفتار ہوتے ہیں مگر آزاد ہو کے پھر اپنا کاروبار شروع کردیتے ہیں۔ یہ قبائلی سرکش شہر کے مختلف گروہوں سے وابستہ تھے۔ کرنیلوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ انگریزوں سے عموماً نہیں الجھتے تھے۔ چنانچہ کھنڈر میں ہونے والی واردات سے ان کی وابستگی کا امکان دس فیصد سے زیادہ نہیں تھا مگر میں جانتا تھا۔ جن لوگوں نے فون پر میری ماں اور بہن کو گالیاں دی تھیں۔ جنہوں نے مجھے سادھو دیوراج کے استھان سے گرفتار کر کے اندھیری کوٹھڑی میں بند کردیا تھا اور جن پندرہ سولہ آدمیوں نے چھاؤنی کے راستے مجھ پر یورش کی تھی' وہ یہی لوگ تھے' راجے پور کے یہ غنڈے۔ بہرحال میں نے ان شوریدہ پشتوں کے ٹھکانے ذہن نشین کر لیے تھے۔ ان سے مول تول کرتے دیر لگ جاتی اور جگ دیپ مجھ سے بڑی بولی بول دیتا۔ تیسری رات پارو اور میں' شانت محل سے برآمدہ فائلوں کے عالم بن گئے تھے' ان چند بدمعاشوں سے پارو بھی واقف تھی۔

اس دن صبح صبح ریتا کا فون آیا۔ اس نے اپنی بے تابیوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ مجھے اشاروں اشاروں میں یہ بتایا کہ آج کل چھاؤنی میں کنور جگ دیپ کی آمد بڑھ گئی ہے۔ وہ تین دن سے مجھے فون کر رہی تھی' بہت بے قرار تھی' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ دنیش کے زخمی ہو جانے کا پتہ اسے دیر سے لگا۔ وہ بہت نادم ہو رہی تھی۔ کنور جگ دیپ کی آمد چھاؤنی میں بڑھ گئی ہے۔ ریتا نے یہ خبر سنا کے شاید میرا امتحان لیا تھا اور میں امتحان میں فیل ہو رہا تھا۔ مجھ پر بدحواسی کے دورے پڑنے لگے۔ ابھی دنیش چندر کو اصولاً باہر نکلنا نہیں چاہیے تھا۔ دنیش چندر بستر پر دراز تھا اور کنور جگ دیپ چھاؤنی میں کرنل ہارڈنگ کے دل میں اتر رہا تھا۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو نہ جانے کیوں راج کماری کنول کو فون کیا۔ کنول کی باتوں نے اس وقت میرے تپیدہ اعصاب کو بڑی ٹھنڈک پہنچائی۔ میں نے اپنے جسم کی اکڑتی ہوئی رگیں نرم محسوس کیں' آدمی ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہیں تو کچھ نہ کچھ باتیں ضرور یاد رہ جاتی ہیں۔

ایک اور دن بہت بے چینی کا گزرا۔ میں بار بار سوچتا تھا' بار بار ارادہ کرتا

تھا کہ باہر نکلوں۔ اور کچھ نہیں تو شہر کے ان ٹھکانوں کا رخ کروں جہاں جگ د
کے محرم اور رفیق رہتے ہیں' مگر اس طرح ان اجنبی جگہوں پر بے سوچے سمجھے چلے
نہ صرف نا مناسب تھا بلکہ ناجائز بھی تھا۔ مجھے یہ گمان ہونے لگا جیسے میرے دماغ
کام کرنا ترک کردیا ہے۔ راستے بند نظر آتے تھے۔ فضا میں کوئی ناگوار سی بو محسوس
رہی تھی۔ میں کرنل ہارڈنگ کے پاس جا کے اس کے لیے تفریح طبع کا سامان
کرسکتا تھا مگر کرنل ہارڈنگ کے مزاج میں ہمواری پیدا ہوئی ہوتی تو ریتا ضرور
جھنڈی دکھا دیتی۔ کرنل بے انتہا مصروف ہوگا اور بائی کمان میں دوبارہ اپنا وقار بح
کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوگا۔ وہ راجے پور میں کسی تبدیلی کا مشورہ ضرور دے
کچھ لوگ مشورے اس لیے بھی دیتے ہیں کہ انہیں صاحب الرائے سمجھا جائے۔ ال
راج کماری کنول نے مجھے راج محل آنے اور مہاراجہ امر ناتھ سے باتیں کرنے کے
کئی بار مدعو کیا تھا مگر اس وقت مہاراجہ سے ملاقات کا مطلب جگ دیپ کو اور زیا
ہوش مند بنا دینا تھا۔

رات کو میں نے پارو کو ہدایت کی کہ صبح وہ پریت کے سامنے مجھے سادھو د
راج کے استھان جانے کا حکم دے اور ہونے والی تاخیر پر سخت سست کہنے سے بھی گر
نہ کرے۔ پارو اس پہ مشکل سے آمادہ ہوئی۔ سویرے سویرے پریت' دنیش کی مزا
پرسی کے لیے اس کے محل میں آتی تھی۔ حسب معمول وہ ادھر آئی تو پارو بھی موج
تھی۔ جب میں اس کے سامنے سے گزرا تو پارو نے میری ہدایت پر خوش اسلوبی ۔
حرف بہ حرف عمل کیا۔ میں نے نہایت لجاجت اور معذرت کے ساتھ اس سے وعدہ ک
کہ آج اور معاف کردیا جائے۔ دوپہر سادھو دیوراج کے استھان جاکے سادھو گووند ۔
اس کی مطلوبہ چیز ضرور لے آؤں گا۔

پریت ایک گھنٹے کے قریب ملاقاتی کمرے میں بیٹھی رہی پھر اٹھ کے چلی گ
پارو اس سے پہلے جا چکی تھی۔ دس بجے میں پارو کے محل کی پشت پر بنے ہو۔
چھوٹے سے سبزہ زار میں پہنچ گیا۔ پارو وہاں اپنی گاڑی آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی لائ
اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ باندیوں اور ملازموں کو اس نے پہلے ہی مصروف کر دیا تھا۔
میں نے کچھ توقف کیا پھر لپک کے گاڑی میں چھپ گیا۔

صدر دروازے پر گاڑی نہیں ٹھہری کیونکہ پارو کی ہور سے جھلک دیکھتے ہی

دروازہ کھول دیا گیا ہوگا۔ پارو زن سے نکل گئی۔ اس کے سوا کوئی اور تدبیر نہیں تھی۔
میں نے تو فصیل کے راستے رات ہی کو بھون سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تھا مگر پارو نے
مجھے مجبور کردیا کہ وہ بھی میرے ساتھ رہے گی اور مجھے اکیلا نہیں جانے دے گی۔ اس
لیے اس پرانے مگر مجرب نسخے پر عمل کیا گیا۔ میں نے راستے میں بھی سر نہیں اٹھایا اور
پارو کے ملبوسات میں چھپا رہا۔ پارو کے ملبوسات مجھ پر بکھرے ہوئے تھے گویا پارو
ریشم و اطلس بن کے سرسرا رہی تھی۔ سادھو دیوراج کا استھان راجے پور کے ویران
علاقے میں تھا۔ ہم وقت سے پہلے اس لیے نکل آئے کہ کسی مناسب جگہ ڈیرا جما
سکیں۔ امید تو یہی تھی کہ پریت اس نادر موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائے گی۔ کوشش کر
دیکھنے میں کوئی حرج نہیں تھا' زیادہ سے زیادہ آنے جانے کی زحمت ہوتی لیکن اگر کمند
ٹھیک جگہ پڑ جاتی تو زندگی میں بہار آجاتی۔ شہری حدود سے نکلنے کے بعد میں نے سر
ابھارا۔ اس سڑک کے سوا کوئی اور راستہ سادھو دیوراج کے استھان تک جانے کا نہیں
تھا۔ ہم کچھ اور آگے بڑھ گئے۔ پارو پکی پہاڑی پر گاڑی چلاتی ہوئی ایک ایسی جگہ لے
آئی جہاں سڑک سے گزرنے والوں کی نظر نہ پڑ سکے۔ ہم نے گاڑی نزدیک ہی رکھی
اور ایک اونچے مقام پر آبیٹھے۔ نیچے سڑک گزرتی تھی اور اوپر درخت ہی درخت تھے۔
اسے ایک چھوٹی پہاڑی کہنا چاہیے۔ ہم دونوں نے درخت کی ٹہنیاں توڑ کے اپنے
جسموں پر ڈال لیں۔ پارو ابتدا میں مجھ سے واپسی کے لیے اصرار کرتی رہی لیکن اب
واپس ہونے کا کیا سوال تھا' پارو کا نرم و نازک بدن تنکوں سے الجھا ہوا تھا' میں نے
اسے آرام پہنچانے کے لیے اپنے پہلو میں لٹا لیا پھر بھی اس کے بدن کا کچھ حصہ تنکوں
میں رہا۔ ہماری نظر سڑک پر تھی۔ دو رائفلیں اور پستول ہم نے زمین پر رکھ دیے تھے۔
وقت سے پہلے آنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بھی اس واحد راستے پر وقت سے پہلے ہی
آنا پسند کریں گے تاکہ کسی موزوں جگہ کا انتخاب کرسکیں۔

''موہن!'' پارو آہستگی سے بولی۔ ''یہ جگہ کتنی پرسکون ہے' جی چاہتا ہے' بس
وقت یہیں اٹل ہو جائے۔ تم اسی طرح میرے قریب رہو اور میں اسی طرح تمہارے
پہلو میں عمر گزار دوں۔ یہاں کی ہوا کتنی صاف ہے اور یہاں کتنی روشنی ہے۔''

''ہوں' بہت صاف بہت روشن ہے۔''

''اور یہاں کیسی خوشبو پھیلی ہوئی ہے' سونگھی سونگھی۔''

"اس میں تمھاری خوشبو نے شامل ہو کے کچھ اور دل کشی پیدا کردی ہے۔"
میں نے کہا۔ "مست مت ہوجانا۔"
"اوں ہوں۔" وہ منہ ہی منہ میں بولی اور اس نے اچھل کے مجھے نوچا۔
"ادھر دیکھو۔" وہ تیزی سے بولی۔

دو جیپیں آگے پیچھے تیز رفتاری سے ہماری سمت آرہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس میں دس افراد سے کم نہیں بیٹھے ہوں گے۔ ان کے سروں پر پگڑیاں اور ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ جگ دیپ نے پہلی ناکامیوں کے پیش نظر اس بار منتخب لوگ بھیجے ہوں گے' پارو مجھ سے جدا ہو کے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی' ہم نے رائفلیں سنبھالیں اور جدھر سے جیپیں آرہی تھیں' ادھر میں نے اندازے سے رائفل سنبھال کے ڈرائیور کے سینے کا نشانہ بنایا۔ اتنے لوگ موجود تھے کہ نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ دونوں جیپوں کے درمیان فاصلہ کم تھا۔ میں نے اگلی جیپ پر اور پارو نے پچھلی جیپ پر نالیں جما دیں۔ ان کے زد پر آنے کی دیر تھی۔ میرا نشانہ ڈرائیور کے بجائے اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص پر لگا کیونکہ پارو کی آہٹ نے میری توجہ ہٹا دی تھی۔ بات ایک ہی تھی' گولی کی آواز اور اپنے ساتھی کی آخری پکار سے ڈرائیور بوکھلا گیا۔ اسٹیرنگ پر قابو نہ رکھ سکا۔ نتیجتاً پچھلی جیپ اگلی جیپ سے ٹکرا گئی۔ ادھر پارو نے پچھلی جیپ کے ڈرائیور کو ختم کر دیا تھا۔ وہ بے تحاشا بوکھلا گئے لیکن ان کے کچھ سوچنے اور سنبھلنے سے پہلے ہی ہم نے نہایت تن دہی اور پھرتی سے پے در پے فائرنگ کرکے ان کی تعداد نصف سے کم کردی۔ جو آگے بھاگ کے قریب آئے' وہ پستول کے نشانے پر آگئے۔ جسے موقع ملا' وہ پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کسی نے بندوق اٹھانے کی جرات کی تو پارو نے میرے چیخنے کے باوجود اپنی نشست بدل بدل کے اسے ڈھیر کردیا۔ پارو کے بدن میں جیسے بجلی کا پلگ لگ گیا تھا۔ چند ہی منٹ لگے ہوں گے کہ سڑک پر ہر طرف خون بہہ رہا تھا۔ میں نے پارو کا ہاتھ کھینچا اور ہم گرتے پڑتے رائفلیں اور پستول سنبھالتے' کپڑے جھاڑتے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی مجھے ایک خیال آیا اور میں نے اس جگہ کا جائزہ لینا مناسب سمجھا جہاں ہم بیٹھے تھے۔ میں نے پتیاں اور ٹہنیاں ہٹا کے دیکھا' وہاں کوئی نشانی نہیں تھی البتہ پارو کی خوشبو رہ گئی تھی۔

پارو نے ایکسی لیٹر پر اپنے پیر کا پورا زور ڈال رکھا تھا' شہری حدود میں آ کے اس نے راستہ بدل دیا اور چوک کی ایک دکان پر چند لمحوں کے لیے ٹھہری۔ اس نے مجھ پر کچھ پیکٹ پھینک دیے۔ گاڑی بھون میں داخل ہوگئی۔ پارو نے اسے پرانی جگہ کھڑا کیا اور اتر کے اطراف کا جائزہ لیا۔ میں اس کے اشارے کا منتظر تھا۔

ایک بج کے پندرہ منٹ ہوئے تھے۔ میں دنیش کے کمرے میں موجود تھا۔ ٹھیک دو بجے کے قریب وہاں پریت آ گئی' مجھے موجود دیکھ کے کچھ متذبذب ہوئی لیکن بڑی ذہانت والی' بڑی سوجھ بوجھ والی لڑکی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آنے دیا۔

پھر رات تک میں نے دنیش کے محل سے قدم باہر نہیں نکالا۔ دنیش کو دیکھنے کے لیے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ رات کو ترنم چوڑی دار پاجامہ پہنے اور گلے میں چنا ہوا دوپٹا ڈالے جھجکتے جھجکتے دنیش کے کمرے میں آئی۔ سریش چندر کی اچانک موت کے بعد اس نے ادھر آنا کم کردیا تھا۔ بھون کے حالات بھی ایسے نہیں تھے کہ لوگ ایک دوسرے سے مل پاتے۔ ترنم عموماً ڈالی کے پاس چلی جاتی تھی اور وہیں اسے میرے بارے میں سب کچھ پتا چل جاتا تھا۔ ترنم کی آمد سے ایک بوجھ سا محسوس ہوا حالانکہ اس کا وزن' موم کا وزن تھا۔ اس نے دبے دبے لفظوں میں دنیش کو بھجے دتی سنانے کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ اس کی کچھ طبیعت بہل جائے گی۔ دنیش دن بھر لوگوں سے ملتے ملتے اتنا تھک چکا تھا کہ اس نے معذرت کرلی لیکن اس نے ترنم کو اپنے پاس بٹھا کے بڑی دل نشیں باتیں کیں۔ پوچھا کہ اسے بھون میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ ترنم نے بہرحال خوشی کا اظہار کیا۔ وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھی' چلتے وقت جب میں اسے دروازے پر چھوڑنے گیا تو مجھ سے کہنے لگی۔ "آپ ہمیں بھول گئے۔ خیر ہمارے آپ کے تعلق میں یہ شرط کب ہے کہ آپ ہمیں یاد رکھیں گے۔"

میں نے اسے جواب دینا چاہا مگر وہ زیر لب مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ مجھے تھکن ہونے لگی اور میری سانس پھولنے لگی۔ جب رات کو شاردا آئی تو میری سرگرانی کسی قدر دور ہوئی۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ بارہ بجے تھے۔ میں اٹھ کے ملاقاتی کمرے میں آیا اور میں نے آہستہ آہستہ انیتا کا نمبر ڈائل کیا۔ انیتا نے فون اٹھایا۔ "میں موہن ہوں!" میں نے بے آواز آواز میں کہا۔

"کہیے' کیا ارادہ ہے؟ بے آرام تو نہیں ہوں گی؟"

"نہیں۔ میں تو آپ کے فون کی منتظر رہی۔" اس نے نفاست سے کہا۔

"تو آپ اپنے دروازے پر آ جائیے' مجھے وہاں تک پہنچنے میں چند لمحے لگیں گے۔ آ رہی ہیں نا؟" میں نے تائید چاہی۔

"آ رہی ہوں۔" اس نے غنودہ آواز میں جواب دیا۔

میں ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکا۔ مبادا شاردا' دنیش کے پاس سے ادھر آ جائے۔ باہر نکلنے سے پہلے میں نے جیب پر ہاتھ ڈالا۔ پستول موجود تھا۔ دنیش' شاردا کو اس کے محل سے منتقل کر کے شاہی مہمان خانے میں لے آیا تھا۔ جس کے کمرے دنیش کے کمروں سے ملے ہوئے تھے۔ راہ داری میں پارو ملی۔ اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "میں انتظار کر رہی ہوں۔" میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں اتنا ہی وقت لگا' جتنا میں نے انیتا کو بتایا تھا۔ انیتا آدھا دروازہ کھولے اندر ہی کھڑی تھی۔ میرے سامنے پر وہ باہر نکلی لیکن میں آگے بڑھنے کے بجائے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں نے احتیاطاً اسے باہر آنے کی تلقین کی تھی جب کہ میرا ارادہ اسی کے کمرے میں جانے کا تھا' انیتا' جگ دیپ کی بہن تھی اور بہن بھی انگلستان سے آئی ہوئی۔ میں اسے اس کے کمرے میں انتظار کرنے کا مشورہ دے کے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ سب کچھ اچانک ہونا چاہیے تھا۔ اس نے چٹخنی بند کر دی اور تیز قدموں سے بیرونی کمرہ عبور کر کے اندرونی حصے میں آ گئی۔ کمرہ روشن کر دیا گیا۔ رنگ برنگے ریشمی پردوں اور فانوسوں سے مرصع یہ کمرہ انیتا جیسی لڑکی کے شایان شان تھا۔ سلیپنگ گاؤن کے اوپر اس نے ایک سرخ شال شانوں پر ڈال رکھی تھی اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کے لیے شائستگی سے ہاتھ کا اشارہ کیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ "آپ میری تلاشی لے سکتے ہیں۔"

"میں نے آپ کی آنکھیں دیکھ لی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے بہت انتظار کرایا' میں تو سمجھی تھی کہ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں ہے' میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے ....."

"میرا خیال ہے' ہم ایک دوسرے سے شرمندہ ہونے کا جواز پیدا نہ کریں تو بہتر ہے آپ کھڑی کیوں ہیں؟ بیٹھ جائیے۔"

"آپ میرے مہمان ہیں۔" اس نے تمکنت سے کہا۔

"عزت افزائی ہے۔"

"آپ کو پہلی ملاقات یاد ہے؟" اس کے سراپا میں لرزش ہوئی۔

"میں نے اسے بھلانے کی کوشش کی ہے۔"

"لیکن آپ بھلا نہیں سکے۔ میں بھی اس کوشش میں ناکام ہو گئی۔ یاد ہے' آپ نے اس رات ایک بات کہی تھی۔ آپ نے کہا تھا کہ جس دن میں آپ کو مجرم سمجھوں' آپ سے کہہ دوں' آپ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں گے۔"

"جی۔" میں نے تجسس سے اسے دیکھا۔ "میں نے کہا تھا۔"

"اب میں نے آپ کے متعلق فیصلہ کر لیا ہے اور یہ فیصلہ اچانک نہیں کیا گیا ہے' میں نے بہت سوچ بچار کر کے تمام معاملات' واقعات اور شہادتوں کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"میں نے اپنے عہد کی ابھی ابھی تجدید کی ہے۔"

"موہن صاحب!" وہ چند قدم چل کے میرے قریب آ گئی۔ "میں نے آپ کو مجرم قرار دے دیا ہے۔ اب آپ کسی صفائی اور تامل کے بغیر اپنے آپ کو میری تحویل میں دے دیجیے۔"

"جی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کے کہا۔ "میرے ہاتھ حاضر ہیں' ہتھکڑی پہنا دیجیے' چلیے اسی طرح سہی۔"

وہ خراماں خراماں کچھ اور آگے آئی اور اس کی آنکھوں کی بجلیاں چمکنے لگیں' وہ کچھ سوچنے لگی اور اس نے بڑھ کے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

میرا سارا جسم جھن جھنا گیا۔ رگ و پے میں شور مچنے لگا۔

ابھی اس کیفیت کو دو پل بھی نہیں گزرے تھے کہ انیتا نے گھبرائے ہوئے انداز میں اچانک میرے ہاتھ چھوڑ دیے۔ دروازے کی گھنٹی کی تیز آواز سے اس کی جبیں پر شکنیں پیدا ہوئیں۔ میں بھی یک لخت کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ انیتا نے کشمکش سے مجھے دیکھا۔ اطلاعی گھنٹی تیزی سے چیخ رہی تھی۔ انیتا کو فیصلہ کرنے میں دیر لگ گئی۔ پھر میں نے ہی اسے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا' کوئی اور مناسب جگہ سمجھ میں نہیں آئی۔ میں سانس روک کے ایک بڑے پردے کے پیچھے چھپ گیا اور میں نے

اپنی آنکھ کے علاوہ پستول بردار ہاتھ بھی باہر ہی رکھا۔ انیتا نے دروازہ کھولنے سے پیچھے مڑ کے مجھے دیکھا۔ پریت تیر کی طرح اندر داخل ہوئی اور انیتا کے گلے سے لگ گئی۔ ''انیتا! انیتا!''

پریت کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری۔ ''بڑی حویلی سے فون آیا ہے۔ کہرام برپا ہے۔ حویلی کے ان گنت لوگ مارے گئے ہیں اور.....'' پریت کے حلق نے ساتھ نہیں دیا۔

میرا دماغ بند ہو گیا۔

میری رگوں میں خون جم گیا۔

انیتا کے منہ سے ایک خوف زدہ کراہ نکلی اور وہ اس طرح چند قدم پیچھے ہٹ گئی جیسے پریت کی زبانی کہے جانے والے لفظوں کے ڈنک سے بچ جائے گی۔ اس نے اپنے ہی دانتوں سے اپنی انگلیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ پریت اس کے گلے سے لپٹی ہوئی ہچکیاں لے رہی تھی۔ انیتا کا چہرہ لمحوں میں زرد پڑ گیا تھا۔

میرے پیر اپنے جسم کے وزن سے ڈگمگانے لگے۔ قریب تھا کہ پستول میرے ہاتھ سے گر جاتا اور پردے کا بوجھ سنبھالے ہوئی لکڑی فرش پر گر کے مجھے بے نقاب کر دیتی مگر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پستول کی نال اندر کر لی۔ انیتا کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور پریت اسے جھنجوڑ رہی تھی۔ ''انی! ہوش میں آؤ۔'' پریت کی لرزتی ہوئی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ ''ہمیں فوراً بڑی حویلی چلنا چاہیے۔''

''نہیں' نہیں۔'' انیتا بکھر پڑی۔ ''تمہیں کسی نے غلط اطلاع دی ہے پریت! تم جھوٹ بول رہی ہو۔'' وہ اپنا سر وحشت میں پریت کے رخساروں سے ملنے لگی۔

''انی! نہیں' کاش میں جھوٹ ہی کہہ رہی ہوں' بھگوان کرے' یہ خبر غلط ہو۔'' پریت نے ہیبت زدہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے ابھی ابھی فون پر امر دیپ نے بتایا ہے' میں پوچھتی رہ گئی کہ کون کون.....'' پریت کی آواز ٹھٹھرنے لگی۔ ''اس نے فون بند کر دیا۔''

''اب کے کون کون گیا؟'' انیتا کی سرد آواز سے مجھے پھریری آ گئی۔

''پتہ نہیں' انی! کچھ معلوم نہیں۔ میں تو سیدھی یہاں چلی آئی۔ امر دیپ یہ خبر تمہیں سنانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا' اس لیے اس نے مجھے منتخب کیا۔ نہ وہ کچھ بتا سکا' نہ میں کچھ پوچھ سکی۔'' پریت کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ رہے تھے۔ ''چلو جلدی کرو

انی! اس وقت تک سب کچھ برداشت کرنا ہوگا جب تک کوئی ہمیں گولی نہ مار دے۔ فکر نہ کرو انی! اب وہ دن بھی دور نہیں ہے۔'' انیتا نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ پریت نے اس کے شانوں پر ڈھلکی ہوئی شال درست کی اور ایک طرف کھینچنے لگی۔ ''کپڑے بدل لو اور جلدی کرو' بڑی حویلی میں لوگوں کو ہماری ضرورت ہوگی۔ سنبھلو انی! گھبراؤ نہیں' گھبراؤ نہیں۔'' پریت کی آواز سخت ہوتی گئی۔ اس نے اپنے بلاؤز میں رکھا ہوا چھوٹا پستول نکال لیا۔ پھر کچھ خیال کر کے اسے فوراً واپس رکھ لیا۔ وہ انیتا کو کھینچتی ہوئی خواب گاہ تک لے آئی' مجھ سے بے حد قریب۔ میں پردے میں کسمسانے لگا۔ انیتا کے ہاتھ پاؤں ڈھلک گئے تھے۔ خواب گاہ کے دروازے پر شاید اسے میرا خیال آیا اور اس نے مجھ پر چھائے ہوئے پردے پہ سہمی ہوئی نگاہ ڈالی۔ ''تم جا کے دنیش کو بتاؤ' میں لباس تبدیل کر کے ابھی آتی ہوں۔'' اس نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

''دنیش۔'' پریت نے کسیلے لہجے میں کہا۔ ''اسے پہلے سے معلوم ہوگا۔''

''نہیں' نہیں پریت!'' انیتا نے پریت کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''دنیش تو خود زخمی ہے' وہ بستر پر دراز ہے۔''

''اس کا ذہن زخمی نہیں ہے اور پھر وہ راکھشس تو بستر پہ موجود نہیں ہوگا۔''

''کون راکھشس!'' انیتا نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''دنیش کا دوسرا روپ' مجھے یقین ہے' وہ اس وقت بھون میں موجود نہیں ہوگا۔'' پریت نے تلخی سے کہا۔ ''کاش وہ مجھے راستے میں ٹکرا جائے' اب میں کوئی خیال نہیں کروں گی۔''

میں نے سوچا کہ پردہ ہٹا کے باہر پہنچ جاؤں مگر انیتا کی نگاہیں بار بار پردے کی طرف اٹھتی تھیں۔ ''تم چلو' میں آتی ہوں۔ ابھی آتی ہوں۔'' اس نے خفقانی لہجے میں کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی!'' پریت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم حویلی فون کر کے خیر خبر دریافت کرو۔ مگر ٹھہرو۔ بھون میں اور لوگوں کو بھی خبر دینی چاہیے۔ اوہ کیا ہو گیا' میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' حواس باختہ انیتا کبھی خواب گاہ میں داخل ہونے کے لیے بڑھتی تھی' کبھی کمرے سے باہر جانے کا ارادہ کرتی تھی' کبھی سراسیمگی سے میری طرف دیکھتی تھی' پریت نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے

اسے دوبارہ اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔

''انی! حوصلہ رکھو' تم تو میرے بھی ہاتھ پاؤں پھلائے دے رہی ہو۔''

''تم جاؤ پریت! تم اکیلی چلی جاؤ' مجھ سے وہاں نہیں جایا جائے گا۔'' انیتا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم جاؤ اور ہو سکے تو مجھے فون پر بتا دینا۔ میں وہاں نہیں جا سکتی۔''

''میں تمہیں اس حالت میں اکیلی چھوڑ کے چلی جاؤں؟ نہیں انی!''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' انیتا نے چیخ کر کہا۔ ''تم جاؤ پریت!''

''اوہ' اوہ انیتا! مجھے معاف کر دو' مجھے یہ بات تمہیں اس طرح نہیں بتانی چاہیے تھی۔ مجھے کچھ خیال ہی نہیں رہا' تمہیں سکون کی ضرورت ہے۔''

میرا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا' میں نے خود کو لکڑی کا آدمی محسوس کیا' لکڑی جو جلتی ہے تو پسینہ چھوٹتا ہے' پردے کے اندر اتنا حبس تھا کہ میرا دم گھٹنے لگا۔ پریت نے انیتا کو ایک صوفے پر بٹھا دیا تھا اور طرح طرح سے اس کی دل جوئی کر رہی تھی مگر خود اس کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔ نہ آواز قابو میں تھی' نہ حرکات میں توازن تھا۔ وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔ اس نے فون اٹھانے کی کوشش کی مگر انیتا کا حال دیکھ کے ارادہ بدل دیا۔ کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ صرف جگ دیپ سے چھوٹے بھائی امر دیپ نے پریت کو فون کیا ہو۔ بڑی حویلی سے کوئی اور شخص بھی بھون میں اس سانحے کی اطلاع دے سکتا تھا۔ لمحوں کی بات تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ انیتا کئی دن سے یہاں ٹھہری ہوئی ہے۔ جس کس کو اطلاع ملتی' وہ سب سے پہلے اسی کمرے کی طرف دوڑتا۔ میں کمرے میں پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور پریت اب ایک پل کے لیے بھی انیتا کی نظروں سے دور ہونے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ انیتا اگر دروازہ کھلا چھوڑ کے باہر نکل جاتی تو میں راہ داری کے اندھیرے میں لپک جاتا لیکن انیتا کو اس خبر سے گہرا صدمہ ہوا تھا' وہ قوت فیصلہ سے محروم ہو گئی تھی اور میری موجودگی کے احساس نے صدمے پر تازیانے کا کام کیا تھا نتیجتاً پریت کی دل بستگی سے انیتا میں اور بیزاری پیدا ہو گئی حالانکہ دل بستگی کی ضرورت خود پریت کو بھی تھی۔ وہ بھی اتنی ہی نازک تھی جتنی انیتا' چھریرے بدن کی یہ لڑکی' انیتا کے رخسار چومتی ہوئی اور اس سے گلے مل کے روتی ہوئی تسلیاں دے رہی تھی۔ وہ انیتا کے ساتھ کچھ اس طرح پیش آ رہی تھی جیسے

اس سانحے کی مجرم وہی ہو' اس کا رویہ معذرت خواہانہ اور اس کا لہجہ ندامت سے آلود تھا۔ انیتا گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ پریت اسے قابو میں رکھنے اور ساتھ لے جانے میں ناکام ہونے لگی تو صوفے سے سرٹکا کے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ تمتمایا ہوا سرخ چہرہ' بھیگی ہوئی انگار آنکھیں' کپکپاتے ہوئے ہونٹ' اس کا سینہ سمندری لہروں کی طرح بے تاب تھا۔ چند منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ وہ ایک جھرجھری لے کے صوفے سے اٹھی اور شکست خوردہ آواز میں بولی۔ ''انی! میں تمہارے پاس کسی کو بھیجتی ہوں' کسی باندی کو پکارتی ہوں۔ ٹھیک ہے' تم وہاں نہیں جاؤ گی مگر مجھے وہاں جانا ہے' مجھے جانا چاہیے۔''

''مجھے تنہا رہنے دو پریت!'' انیتا نے عاجزی سے کہا۔

''میرا سینہ بھی تمہاری طرح جل رہا ہے انی! کچھ میرا بھی خیال کرو۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''تمہارے پاس تو میں آ گئی ہوں لیکن خود کس کے پاس جاؤں۔'' انیتا نے کوئی جواب نہیں دیا' پریت نے پھر ایک بار اسے دلاسا دینے کی کوشش کی' اس کے رخسار اپنی ساڑھی کے پلو سے خشک کیے اور منہ پھیر کے دروازے کی طرف بھاگی۔ انیتا نے مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے چند لمحے توقف کیا۔ پریت پورا دروازہ کھول گئی تھی اور انیتا گم سم صوفے پر نیم دراز تھی۔ یہ مہلت میرے فرار کے لیے نہایت مناسب تھی۔ انیتا کو بھی شاید اسی کا انتظار ہوگا' راہ داری میں پریت کی آہٹیں دور ہوتی گئیں۔ پھر میں نے پردہ کھسکایا۔ انیتا بھی چونک کے اٹھ بیٹھی اور گردن جھکا کے کھڑی ہوگئی۔ میں پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک آیا تو اس نے سر اٹھایا' میں نے باہر جانے کے بجائے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی' مجھے اپنی جانب بڑھتا ہوا دیکھ کے انیتا کا سراپا مرتعش ہوگیا اور اس کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دھارا بہہ نکلا۔ اس کے ہونٹ پریت کی طرح بدبدانے لگے' پریت نے جو کہا تھا' وہ میں نے سن لیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انیتا کو کن لفظوں میں مخاطب کروں۔ میری آنکھیں بھی جل رہی تھیں اور میں کہنا چاہتا تھا کہ پریت نے اس سے جو کچھ کہا ہے' وہ سراسر ایک بہتان ہے۔ وہ میں نہیں ہوں۔ وہ میں نہیں ہوں' میری حیرت اس کی حیرت سے زیادہ ہے کیونکہ کم سے کم ایک مشکوک فرد یعنی میں تو اس کے سامنے کھڑا ہوں لیکن میرے ذہن میں دور دور تک کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس پر میں

شبہ کرنے کا اطمینان حاصل کر سکوں۔ میں اس کے رو بہ رو پہنچ کے بے حس و حرکت کھڑا تھا' اس کے باوجود اس کے اور میرے درمیان' خوف' حیرت' تجسس اور غم کے بے شمار فاصلے حائل تھے۔ اس کے مدعو کرنے کے انداز سے میں نے اپنے ذہن میں بہت قیاس تراشے تھے لیکن اب صورت ہی بدل گئی تھی۔ پریت نے آ کے اس کا اختیار متزلزل کردیا تھا اور وہ فیصلہ سنانے کے بعد اس کی تعمیل کرانے کی قوت سے محروم ہوگئی تھی۔ میں نے انیتا کا یہ رنگ نہیں دیکھا تھا' انگلستان کی تربیت یافتہ یہ شوخ و شنگ مہذب لڑکی' جس کے لب کوئی انوکھا ساز تھے' جس کا منہ پھولوں کا گملا تھا اور جس کے رخسار سرخ گھاس کا سبزہ زار تھے اور جس کی آنکھیں نیل گوں جام میں رکھی ہوئی شراب تھیں۔ ہندوستان کی یہ زمین اسے راس نہیں آئی کیونکہ زمین ہی بدل گئی تھی۔ اس کے بھائی جگ دیپ نے اس زمین میں خون شامل کردیا تھا اور یہ رسم کچھ اس طرح چلی تھی کہ کہیں تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ وہ جگ دیپ کی بہن تھی مگر پریت بھی تو دنیش کی بہن تھی۔ رشتوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آدمی تو اپنے جزیروں میں رہتا ہے۔ کسی کی علیحدہ مملکت قائم ہوتی ہے' کسی کا الحاق کرلیتا ہے' کوئی زیرنگیں ہوجاتا ہے' کوئی ہندوستان کی طرح کسی بڑے جزیرے کی نو آبادی بن جاتا ہے۔ میری سانسوں نے اس کے بدن میں لگی ہوئی آگ کو اور ہوا دے دی۔ مجھ سے کچھ کہا نہیں جا سکا۔ ہر لفظ ہیچ معلوم ہوا۔ میں نے بے اختیار اپنے بازو پھیلا کے اسے جکڑ لیا۔ مجھے حیرت ہوئی' انیتا کسی بچھڑے ہوئے شخص کی طرح میرے سینے میں سما گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے شانوں میں چھپا لیا۔ جیسے یہ اس کی مانوس جگہ ہو' وہ میرے کنویں کی من پر آ کے نڈھال ہوگئی۔

مجھ پر حیرت کے کئی عالم طاری ہوئے۔ جن لوگوں میں خود اتنا گداز ہوتا ہے' وہ کیوں گداز کی تمنا کرتے ہیں' شاید آدمی اپنی خوبیوں کا خود اتنا استحصال نہیں کر پاتا جتنا دوسرے کرلیتے ہیں۔ ہر آدمی دوسرے آدمی کے لیے بنا ہے' دوسرے آدمی میں نفرت اور محبت پیدا کرنے کے لیے۔ جب آدمی کا آدمی سے کوئی علاقہ نہیں رہتا یا آدمی آدمی کے کام نہیں آتا تو تنہائی پیدا ہوجاتی ہے' آدمی' آدمی کے قریب رہتا ہے لیکن آدمی' آدمی کے درمیان صد ہزار پردے حائل ہوتے ہیں۔ جب سے یہ حجابات بڑھنے شروع ہوئے ہیں' آدمی کی تنہائی بڑھنے لگی ہے۔ انیتا میرے بازوؤں میں ڈوبی

ہوئی تھی اور میں گنگ کھڑا تھا۔ پھر معاً راہ داری کے سناٹے میں خلل پیدا ہوا اور وسیع و عریض کمرے میں آوازیں نفوذ کرنے لگیں۔ مجھے فوراً وقت کی نازکی کا احساس ہوا۔ پریت کے جانے کے بعد بھون میں کئی لوگوں کو خبر ہوگئی ہوگی کہ بڑی حویلی میں کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ انیتا کی آرام گاہ سے ملحق کمروں میں سوئی ہوئی باندیاں بھی جاگ سکتی تھیں۔ میں نے اپنا حصار توڑ کے اس کا چہرہ اٹھایا اور اس کی تربتر آنکھوں سے کچھ کہنا چاہا مگر خود میری آنکھوں میں اس کے آنسوؤں کے جراثیم لگ گئے۔ میرا گریبان اس نے پہلے ہی بھگو دیا تھا۔ پتہ نہیں یہ کیا تاثر تھا۔ شاید انیتا جیسی لڑکی کو کوئی اس حال میں دیکھنے کا روادار نہ ہوگا۔ گلاب کی ٹہنی مرجھانے لگے تو دیکھنے والے کا دل کٹ جاتا ہے۔ ''انیتا دیوی!'' میں نے اپنی آواز ٹٹول کے اسے آہستگی سے مخاطب کیا۔ ''انیتا دیوی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ سے کیا کہوں' آپ نے مجھے مجرم قرار دے دیا ہے' میں انکار نہیں کرتا' فیصلہ کرنا آپ کا اور سننا میرا کام تھا۔ اس وقت آپ کو اپنے اندر حوصلہ پیدا کرکے بڑی حویلی جانا چاہیے' آپ کا مجرم کہیں فرار نہیں ہوگا۔ مجھ پر بھروسا کیجیے۔'' مجھے اس سے زیادہ بات کرنے کی مہلت نہیں ملی' اطلاعی گھنٹی بجی اور دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز ایک ساتھ بلند ہوئی۔ کچھ خیال ہی نہیں رہا۔ ذرا سی دیر ہوگئی اور لوگ سر پہ آپہنچے۔ میں نے سرہلا کے انیتا کو تحمل کی تلقین کی' وہ بہت متذبذب تھی۔ میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کے دروازہ کھولنے کے لیے کہا اور خود دوبارہ اسی پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ مہارانی مایا دیوی اور بھون کی دوسری لڑکیوں نے دروازہ کھلتے ہی انیتا کو اپنے نرغے میں لے کے بین کرنا شروع کردیا۔ سب سے اداس اور سب سے پیچھے پریت تھی۔ مہارانی مایا دیوی انیتا کو خواب گاہ میں لے گئیں۔ پریت باہر بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔ اس کے گیلے رخساروں پر کمرے کی روشنیاں منعکس ہو رہی تھیں' کچھ ہی دیر میں مایا دیوی' انیتا کا لباس تبدیل کروا کے اسے خواب گاہ سے باہر لے آئیں اور سہارا دے کے چیختی پکارتی ہوئی باہر لے گئیں۔

میں نے احتیاطاً چند منٹ انتظار کیا۔ میرے اندازے کے مطابق اب ان کا رخ دنیش کے کمروں کی جانب ہوگا۔ میں پردے سے باہر آیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کے ٹھٹک کے آڑ میں ہوگیا۔ اس جگہ کسی پردے کے پیچھے چھپا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ انیتا کے کمرے کے باہر شور تھا' اس کے کمرے میں مجھے موجود پا کے داستاں طراز

کیسی کیسی داستانیں پھیلائیں گے۔ اب اتنا موقع بھی نہیں تھا کہ میں بھاگ کے اپنا جسم دوبارہ پرانی جگہ چھپا لیتا۔ عقل خبط ہوگئی۔ میں نے پریشانی سے کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی بجلی کا سوئچ قریب ہی تھا لیکن اس تک پہنچنے کا مجھے وقت ہی نہیں ملا کیونکہ کسم اچانک اندر آگئی تھی۔ اس کے ساتھ شکنتلا بھی تھی۔ دونوں کی آنکھیں غنودہ تھیں اور دونوں شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ مجھے وہاں دیکھ کے وہ سہم کے درمیان میں ٹھہر گئیں۔ میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا' اپنا جسم سیدھا کرکے کسم سے پوچھا۔ ''کیا۔ کیا آپ بھی یہی خبر سن کے آئی ہیں؟''

وہ جزبز ہوگئی اور شکنتلا کی طرف آنکھیں پٹ پٹا کے دیکھنے لگی۔ میں نے انہیں کچھ سوچنے کا وقفہ نہیں دیا۔ ''مگر انیتا دیوی کا کمرہ کھلا ہوا ہے اور یہاں کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔ ذرا دیکھئے' وہ اندر کہیں موجود ہیں؟''

''تمہیں کیا خبر ملی موہن!'' شکنتلا نے وحشت زدہ آواز میں پوچھا۔

''فون پر صرف اتنا بتایا گیا کہ بڑی حویلی میں کوئی سنگین واردات ہوگئی ہے۔'' میں نے بوجھل آواز میں کہا۔ ''فون سن کے میں سیدھا یہاں چلا آیا۔ میں نے انیتا دیوی کو مطلع کرنا مناسب سمجھا مگر یہاں..... یہاں شاید پہلے ہی خبر پہنچ گئی ہے۔ انیتا دیوی جا چکی ہیں۔'' کسم تیزی سے انیتا کی خواب گاہ کی طرف لپکی' شکنتلا نے تھکے تھکے انداز میں اس کی تقلید کی۔ پھر وہ دونوں مایوس ہوکے جلدی ہی واپس آگئیں۔ ''آیئے' باہر چل کے دیکھتے ہیں۔'' میں نے آگے بڑھ کے کہا اور ان کے ساتھ ساتھ باہر آگیا۔ راہ داری میں آکے وہ دنیش کے کمروں کی مخالف سمت جانے لگیں۔ میں نے انہیں آواز دے کے اپنی سمت متوجہ کیا۔ وہ اتنی بدحواس تھیں کہ میری آواز پر جھجکنے لگیں۔ شکنتلا نے اس طرف اور کسم نے اس طرف جانا چاہا لیکن پھر وہ دونوں میرے پیچھے پیچھے تیزی سے آنے لگیں۔ میری توقع کے مطابق دنیش کے ملاقاتی کمرے کی روشنیاں جل رہی تھیں اور ماحول پر ایک سوگوار فضا مسلط تھی۔ اندر دنیش کی خواب گاہ سے دبی دبی سسکیوں اور سرگوشیوں کی آوازیں آرہی تھیں' ابھی بھون کے کم ہی لوگوں کو اطلاع ملی ہوگی۔ وقت ہی بہت کم بیتا تھا مگر مجھ پر صدیوں کی طرح گزرا تھا۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ کسم اور شکنتلا نے اندر جا کے انیتا کو گھیر لیا تھا۔ دنیش اپنے بستر پر مضطرب بیٹھا کسی سے فون پر بات کر رہا تھا اور سب اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ

کا جائزہ لے رہے تھے۔ میں ایک گوشے میں سمٹ کے کھڑا ہوگیا۔ اس وقت و
میری موجودگی لوگوں کو لاکھ گراں گزرتی مگر بہت ضروری تھی۔ دنیش کی نظر مجھ پر پڑ
اور اس کی پیشانی پر چند شکنوں کا اضافہ ہوگیا۔ جیسے ہی دنیش نے ریسیور کریڈل پر
سب نے بیک وقت ایک ہی سوال کیا۔ دنیش نے ہونٹ سکیڑ کے ایک سرد آہ بھری ا
بستر سے اتر کے الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔ مہارانی مایا دیوی' دنیش کا کندھا پکڑ
ایک طرف لے گئیں۔ جتنی دیر میں دنیش تیار ہوا' لوگ بھون کے تقریباً ہر کونے
سمٹ کے دنیش کے محل میں اکٹھے ہونے لگے اور طرح طرح کی باتیں کرنے لگ
پارو کو آنے میں دیر لگ گئی کیونکہ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ خدام اور باندیاں
جاگ گئے۔ بڑی حویلی میں جانے کے لیے مہارانی مایا دیوی کے حکم پر صرف چند لو
منتخب کیے گئے۔ ان میں پریت بھی شامل تھی' بعضوں نے خود ہی یہ خواہش ظاہر
کی۔ ان کے چہروں پر دہشت چھائی ہوئی تھی۔ مایا دیوی نے گو پارو کو بھی بڑی حو
میں جانے والوں میں شامل کرلیا تھا مگر وہ آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے اشا
کرکے حیرت زدہ اور بے قرار پارو کو بھی بھون سے کوچ کرنے والے قافلے میں
شامل ہو جانے پر آمادہ کردیا۔ پھر دنیش کی سربراہی میں چار پانچ کاریں آناً فاناً بڑ
حویلی کی طرف روانہ ہوگئیں' لوگوں کی سرگوشیوں کے مطابق آج بڑی حویلی م
ریاست راجے پور کی سب سے سنگین واردات ہوئی تھی۔

وہاں ابھی حال ہی میں کئی لوگ مارے گئے تھے' گزشتہ اور حالیہ واقعے م
وقت کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ گزشتہ واردات پولیس افسر ٹیلر کی جرات آزمائی کا نتیجہ تھ
مگر حالیہ واردات؟ سوچتے سوچتے میرا دماغ پک گیا تھا اور رگ و پے میں بار بار
سناہٹ ہوتی تھی۔ میں نے اپنے ذہن سے دھند ہٹانے کی بہت کوشش کی مگر دھند نہی
ہٹی۔ مجھے اپنا ہم زاد اور ہم صورت کوئی نظر نہیں آیا۔ ابھی تک مبہم اطلاعیں ملی تھیں
ہجوم کے سبب دنیش سے بھی کوئی بات نہیں ہوسکی تھی' البتہ قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ
بڑی حویلی پر کوئی بہت بڑی آفت آ گئی ہے۔ دونوں عمارتوں سے پولیس اور گورو
کے مسلح دستے اٹھا لیے گئے تھے۔ اب ٹیلر کے مانند کوئی دوسرا افسر بھی دندناتا ہوا خواب
گاہوں میں داخل ہونے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ پرکاش بھون کی طرح جگ دیپ کی
حویلی میں دنیش کے سرفروش رفیق بھی نہیں تھے اور ان دو خاندانوں کے سوا ریاس

میں کوئی تیسرا خاندان راجے پور کی گدی کا دعوے دار نہیں تھا اور نہ دعوے کا حق رکھتا
تھا۔ پھر جگ دیپ کے خاندان سے اتنی بڑی دشمنی کا مظاہرہ کس نے کیا؟ کس کے صبر
کا پیمانہ اس قدر لبریز ہوگیا؟

ملاقاتی کمرے میں اب بھی بھون کی کئی لڑکیاں' رانیاں تین داماد موجود تھے
بھون میں مردوں کی کمی کی وجہ سے کئی داماد مستقل طور پر یہیں رہتے تھے' وہ راج
کماریوں کے شوہر تھے' اس لیے اپنی حیثیت پہچانتے تھے اور عموماً خاموش اور بھون'
خصوصاً دنیش کے محل کے معاملات سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے۔ مہاراجہ پرکاش چندر
نے انہیں منتخب کرتے وقت اپنی لڑکیوں کے مزاج کا خاص خیال رکھا تھا۔ عورتوں کے
چہروں پر خوف و ہراس کے بادل چھائے ہوئے تھے اس لیے سانحے کے متعلق انہیں
نہایت بلیغ تبصرے کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ایک منظم سازش کے
تحت ایسا ہو رہا ہے' کوئی کہہ رہا تھا کہ راجے پور کے دوسرے امرا دونوں خاندانوں کا
عروج دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ کوئی دبے دبے لہجے میں چھاؤنی کی طرف اشارہ کر رہا
تھ۔ کوئی استعاروں میں راج محل کی طرف انگلی اٹھا رہا تھا۔ ادھر ٹیلی فون کی گھنٹی بار بار
بج رہی تھی۔ شاردا ایک صوفے پر سکڑی سمٹی خاموش بیٹھی تھی اور میں اپنے اندر سکڑا سمٹا
ہوا تھ۔ جب شاردا کی تیز نگاہوں نے مجھ پر بہت ہنسا اور خود میرے دماغ نے مجھے
بہت پریشان کرنا شروع کیا تو میں اپنے شناسا کمرے میں آ گیا۔ یہ کمرہ اندھیرے میں
ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے روشنی بھی نہیں کی اور اوندھے منہ دیوان پر ڈھیر ہوگیا۔ یہ گدے
آدمی کی وقعت اس کی نظر میں بڑھا دیتے ہیں۔ بہت سی تھکاوٹیں' بہت سے درد اپنے
اندر جذب کر لیتے ہیں' یہ ایک قسم کا مرہم ہیں' زندگی کا اثبات ہیں' ٹھنڈا پانی ہیں جو
سوکھے حلق میں اترتا ہے تو روح کا پودا لہلہانے لگتا ہے' یہ گنگنے پانی کا غسل ہیں لیکن
ان تمام آرام جاں چیزوں کی افادیت کی ایک حد مقرر ہے اور اس کے برعکس آدمی کی
طلب اور اس کی کلفتیں لامحدود ہیں۔ گدے بھی ایک سطح پر دب کے پتھر بن جاتے
ہیں۔ جسم جل رہا ہو تو ٹھنڈا پانی اور جلن پیدا کردیتا ہے' مرہم سے زخم پر مرچیں لگنے
لگتی ہیں۔

کچھ دیر پہلے حالات بدلے ہوئے تھے۔ خون رگوں میں ابل رہا تھا' گرم
پانی تریاق کا اثر رکھتا تھا مگر وقت نے جسم کی ایسی چٹکی لی کہ سب کچھ منہدم کردیا۔

وقت میں بڑی قدرت ہے' کبھی آدمی کو دھوپ میں کھڑا کر دیتا ہے' کبھی چھاؤں کبھی مہربان ہوتا ہے کبھی نامہربان' وقت تو ایک معشوق ہے جو کبھی روٹھ جاتا ہے کبھی مان جاتا ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا' کب من جائے گا اور کب روٹھ جائے گا۔ وقت مجھے اپنا چاہنے والا سمجھ لیا تھا' اسی لیے یہ عشوے' غمزے' ادائیں اور تیور تھے۔ وقت نے میری کم عمری ہی میں مجھے اپنی کمان پر چڑھا لیا تھا' مجھے وقت کی نظر لگ گئی تھی۔ میں وقت کے ہاتھ میں ایک گیند تھا' گیند لاکھ کوشش کرے کہ اچھل کے وقت کے سر پہ جا پڑے مگر گیند کی یہ کوشش شاذ ہی کامیاب ہوتی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جب وقت ناراض ہوگا تو میں اس سے کہیں زیادہ ناراض ہو جاؤں گا۔ پھر کوئی بات نہیں سنوں گا۔

کسی نے آ کے کمرہ روشن کیا۔ میں چونک کے مڑا۔ شاردا بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی۔ ''کیا بات ہے؟'' اس نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' میں نے اداسی سے جواب دیا۔ ''تم آرام کیوں نہیں کرتیں؟''

''اس ماحول میں نیند کیسے آ سکتی ہے۔''

''مگر تمہیں اس طرح نہیں جاگنا چاہیے' پھر بیمار ہو جاؤ گی۔''

''موہن!'' وہ کرب سے بولی۔ ''میرا دل اڑا جا رہا ہے۔''

میں اٹھ کے بیٹھ گیا۔ ''شاردا!'' میں نے اسے بے قراری سے مخاطب کیا۔ ''تم یہاں میرے پاس آ جاؤ۔ آؤ' میں تمہیں میٹھی نیند سلا دوں گا۔ میں تمہارا سر دباؤں گا' اتنے ہولے ہولے کہ تمہیں نیند آ جائے گی۔''

''باہر لوگ بیٹھے ہیں۔'' وہ یاسیت سے بولی۔ ''میں ان کی نظروں سے بچ کے تمہیں دیکھنے آئی تھی۔ تم دیر تک باہر نہیں نکلے اور کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا رہا تو مجھے تشویش ہوئی۔ تم نے جوتے بھی نہیں اتارے ایں؟'' اس نے اپنی شال مجھے اڑھا دی۔ ''آرام سے سو جاؤ اور دیکھو جب موقع ملے گا' میں تمہارے پاس آنے کی کوشش کروں گی۔ تم سے باتیں کیے ہوئے کتنے دن ہو گئے۔'' اس کی آواز گلوگیر ہونے لگی۔

اسے روکنے کا محل نہیں تھا۔ وہ جس آہستگی سے آئی تھی' اسی طرح واپس ہو گئی اور جاتے جاتے کمرے کی روشنی گل کرنا اور دروازہ بند کرنا نہیں بھولی۔ وقت نے شاردا

کو اکسایا ہوگا کہ وہ مجھ سے آ کے چھیڑ کرے اور میرے تن کی کھنچی ہوئی ڈوری کی گانٹھیں ڈھیلی کر جائے۔ شاردا کے بدن سے اتری ہوئی شال میرے گالوں سے مس ہوئی تو میرے مساموں میں گدگدی ہونے لگی۔ میں نے اس کا کونا دانتوں میں چبا لیا' اب لگا جیسے منہ میں شاردا گھل گئی ہو' جیسے ابر کا ایک ٹکڑا سورج پر چھا گیا ہو اور ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی ہوں۔ جیسے میں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھا ہوں اور پھول' پھولوں کی پتیاں مجھ پر گر رہی ہوں' شاردا مجھے ایک کھلونا دے گئی تھی۔ میں اس سے کھیلتا رہا اور اس میں سے اٹھنے والی بھینی بھینی مہک میری نسوں میں بہتی رہی۔

ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا تھا' ساڑھے تین بج گئے تھے' باہر سے ابھی تک فون کی گھنٹی بجنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں' دنیش کے بازو کا زخم پوری طرح سوکھا بھی نہیں تھا کہ اسے اس بے آرامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی واپسی میں تاخیر بے سبب نہیں ہوگی۔ یہ اتفاق عجیب تھا۔ جس وقت میں نے انیتا کے پاس جانے کا ارادہ کیا' یہ واردات عین اسی وقت ہونا رہ گئی تھی۔ ممکن ہے' انیتا کے زرخیز ذہن کے کسی گوشے میں یہ اچٹتا ہوا خیال آیا ہو کہ اتفاق اس طرح رونما نہیں ہوا کرتے اور میں نے دانستہ یہ وقت مقرر کیا تھا ورنہ میں کئی دن سے اس سے ملنے میں کیوں گریز کر رہا تھا۔ آدمی کا ذہن ہے' اس کی سرشت آوارہ ہے' کسی طرف بھی بہک سکتا ہے اور جس ذہن کو اپنی عالی نسبی پہ ناز ہو اور کتابوں کی آنچ سے اسے تپایا گیا ہو' وہ اور بھی کرشمہ ساز' ستم ایجاد ہو جاتا ہے۔ کتابیں ذہن میں دوربین لگا دیتی ہیں۔ مجھے امید تھی کہ انیتا اس طرح نہیں سوچے گی کہ جب ذہن عالی نسب تھا تو آنکھ بھی اسی نسب سے تھی۔ کتابوں نے ذہن کو جلا بخشی ہوگی تو سینے میں موم بھی بھرا ہوگا اور دیکھنے والی نظر بھی عطا کی ہوگی۔ میں نے اس لیے پریت کے جانے کے بعد عجلت نہیں کی تھی تاکہ انیتا کو میری آنکھوں' میرے سینے میں جھانکنے کا موقع مل جائے۔

جگ دیپ کے ہاں ہونے والی تازہ واردات سے میں نے بے تعلقی اختیار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن میں اس میں اور زیادہ الجھتا گیا۔ مجھے سرا نہیں مل رہا تھا۔ سرا ڈھونڈتے ڈھونڈتے ڈھیلوں میں درد ہونے لگا۔ پھر میں اچانک ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔ دماغ میں روشنی کی ایک لکیر سی کھنچ گئی۔ کہیں۔ کہیں جگ دیپ اپنے ہی دفاکیشوں کی نادفائیوں کا نشانہ تو نہیں بن گیا؟ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کہیں جگ دیپ

کے ہم مشربوں کے پیالے چھلک تو نہیں گئے؟ ایک' دو' چار' کوئی شمار قطار نہیں تھی
گولیاں' سلاخیں' سزائیں' کوڑے۔ نمک کا حق ادا کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں' یہاں
تو آزمائشوں کا ایک سلسلہ تھا۔ جگ دیپ نے انہیں بار بار کس طرح سمجھایا ہوگا' کتنا
خزانہ نچھاور کیا ہوگا۔ کیا کیا نشے نہ پلائے ہوں گے۔ کہا ہوگا کہ بس یہ آخری بار
اس کے بعد بیڑا پار ہے۔

آخر کب تک! ان گنت لوگ جگ دیپ کے وعدوں کے طلسم میں اپنی
جانیں گنوا چکے تھے۔ ریاست کے کتنے قوی ہیکل' شورہ پشت جوان جگ دیپ کا علم
لے کے اٹھے تھے' شاید ہی کوئی واپس اپنے ٹھکانے پہنچا تھا۔ سب سے پہلے سادھو دیو
راج کے استھان سے نزدیک ہی گھڑ سواروں کا ایک دستہ اجل کا لقمہ بنا تھا' پھر چھاؤنی
کے راستے پر' بھون میں کئی بار حملوں کے دوران میں' آدمی کے پیچھے آدمی بھاگتا رہا تھا
اور آج دوپہر' جب ان منتخب افراد کی واپسی میں دیر ہوگئی ہوگی یا کسی نے آ کے خبر دی
ہوگی کہ سادھو دیوراج کے استھان کو جانے والی سڑک پر لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں
جگ دیپ کا جو حال ہوا ہوگا' وہ تو اپنی جگہ ہے' مرنے والوں کے رفیقوں اور عزیزوں
پر کیا کچھ نہ گزر گئی ہوگی' ان میں سے بیشتر لوگ لاکھی پور کے پہاڑی علاقے سے تعلق
رکھتے ہوں گے۔ جب لاشیں ان کے ورثہ کے حوالے کی گئی ہوں گی تو لاکھی پور میں
اچھا خاصا شور مچ گیا ہوگا۔ ممکن ہے' پولیس تک بھی بات پہنچ گئی ہو اور راج محل میں
مہاراجہ بستر پر لیٹے ہوئے کروٹیں بدل رہے ہوں۔

تمام لاشیں سڑک پر بکھری ہوئی تھیں کوئی انہیں سمیٹ کر واپس لے جانے
کے لیے بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ سڑک ویران تھی' تاہم کوئی نہ کوئی راہ گیر شام تک ضرور
ادھر سے گزرا ہوگا اور کانوں کان ہوتی ہوئی یہ خبر جانے کہاں تک جا پہنچی ہوگی'
ایک ایسا حادثہ تھا جس میں مخالف گروہ کا ایک شخص بھی جائے واردات پر مردہ نہیں پایا
گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ آپس میں ہی دست و گریباں ہو گئے ہوں' اگر
انہیں کسی دوسرے گروہ نے نشانہ بنایا تھا تو قیاس کے مطابق اس کے مرنے والوں کی
تعداد ان لاشوں سے کہیں زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ ادھر ادھر خون کا کوئی نشان بھی تحقیق
کنندوں کو نظر نہیں آئے گا۔ وہ پراگندہ خیالی کے دوران میں بھی یہ تصور نہیں کر سکیں
گے کہ مخالف گروہ میں صرف دو افراد تھے' ایک مرد اور ایک عورت' مرد تو بہرحال

بنیا تھا' عورت پھول کی چھڑی تھی' کانچ کی بنی ہوئی شراب کی صراحی تھی۔ صرف دو
آدمی تھے جنھوں نے جیپوں میں بیٹھے ہوئے دس مسلح اور ماہرِ فن آدمیوں کو سوچنے کا
ایک لمحہ بھی نہیں دیا اور اتنا بوکھلا دیا' اتنا گڑبڑا دیا کہ انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت بھی
نہیں ملی۔ ایک شخص نے یہ جرات کی تھی مگر دیر ہوگئی تھی۔ بھون واپس آ کے ہمیں خود
یقین نہیں آتا تھا کہ ہم کہیں گئے بھی تھے۔ اس اقدام سے بس یہی مقصود تھا کہ کنور
جگ دیپ کو اپنے رویے پر مزید نظرِ ثانی کا موقع مل جائے اور اس کی حمایت کرنے
والے آئندہ آگا پیچھا سوچ کے مرنے پر آمادگی کا اظہار کریں۔ عجلت اس لیے کی تھی
کہ ریتا نے کنور جگ دیپ اور اپنے باپ کرنل ہارڈنگ کے درمیان رشتہ مہر و محبت
استوار ہونے کی خبر دی تھی اور ہائی کمان کے تین کرنیلوں کی یادداشتوں سے مالا مال
فائلوں میں ریاست راجے پور کے زرخرید غنڈوں کا ایسا مبسوط اور جامع بیان موجود تھا
کہ ذرا سی تاخیر بھی مہلک نظر آتی تھی۔ ایک یہی طریقہ کار سمجھ میں آتا تھا' پانی نشیب
ہی میں گرا۔ پریت نے فوراً عمل کیا اور جیسا سوچا تھا' حرف بہ حرف وہی ہوا۔ البتہ پارو
کی شمولیت نے یہ مرحلہ اور آسانی سے طے کرا دیا۔ یہ قدم اس لیے نہیں اٹھایا گیا تھا
کہ خون رائگاں جائے گا۔ توقع تھی کہ یہ لوگ اپنے پیچھے آنے والوں کا راستہ بند
کردیں گے۔ اتنا اچانک' اتنا مکمل' اتنا ہول ناک واقعہ ریاست کے آوارہ لوگوں کی
بستیوں کے سر سے نہیں گزر جائے گا۔ کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا اور یہ تو ابھی آغاز تھا'
ممکن تھا کہ اس قسم کے تین چار واقعات کا اعادہ اور کرنا پڑتا مگر اب نقشہ ہی بدل گیا
تھا۔

ایک صورت تو یہ تھی کہ لاکھی پور کے پہاڑی لوگوں اور ان کے سرپرست
ریاست کے سربرآوردہ بدمعاشوں پر حیرت و استعجاب کے بادل چھائے رہیں' انہیں
لازماً یہ بتایا گیا ہوگا یا بتایا جائے گا کہ وہ صرف ایک شخص ہے۔ جس نے ان سے' ان
کے بہت سے ساتھی چھین لیے ہیں۔ اگر ایک بار اور آزمائش کی جائے تو جانے والے
لوگ تو واپس نہیں آسکیں گے مگر ان کی روحیں ضرور ممنون ہوں گی۔ اس ایک شخص کو
تہس نہس کرنے کے لیے دس افراد اور تیار ہوگئے تھے مگر وہ شخص ہاتھ نہیں آیا تھا۔ میں
انہیں یہی باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ فضول کی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ اتنے آدمی کافی
ہیں' مزید کی آزمائش بے سود ہے۔ انہیں میرے بارے میں ہر قسم کی معلومات ہوں

گی۔ میرے خلاف بڑی سخت سے سخت اور برانگیختہ کر دینے والی باتیں بتائی گئی ہوں
گی' جنگوں میں اسی طرز پر قوموں کو غصہ دلایا جاتا ہے' غصے کی شدید کیفیتیں گزرنے
کے بعد ہی وہ کار آمد بات سوچنے پر قادر ہو سکتے تھے۔ غصوں کا مآل یہ ہو تو دل کا
موسم بدل جاتا ہے اور دماغ پر برف گرنے لگتی ہے' کتے اجنبی چاپوں پر بھونکتے ہیں'
انہیں میری چاپ پہچان لینی چاہیے تھی۔ دس آدمی اور مر گئے' نہایت پراسرار طور پر۔
جوگی والا واقعہ ریاست میں عام تھا' ایسے کتنے واقعات فوراً ذہن میں نہیں اترتے' تکرار
ہوتی ہے تب آدمی سنجیدہ ہوتا ہے۔ ان سے یہ خبر بھی روپوش نہ رہی ہوگی کہ چھاؤنی
میں میری گرفتاری کے وقت سادھوؤں نے خصوصی توجہ مبذول کی تھی مگر اس سوختہ
برگشتہ ذہن میں دوسری صورت نہیں آئی تھی کہ وہ پلٹ کے اپنے مالک ہی پر جھپٹ
پڑیں گے۔ کوئی اور نہیں ہو سکتا' یہی نمک خوار ہو سکتے ہیں' نمک کا اثر الٹا پڑتا ہے تو
زمین کا چہرہ لال ہو جاتا ہے۔ فوج نے اپنے حکمراں کے خلاف بغاوت کر دی ہوگی۔

باہر شور مچا تو میں بے تابی سے دروازے کی جانب دوڑا۔ مجھے خیال ہی نہیں
رہا کہ جسم پر شاردا کی شال سرسرا رہی ہے' رک کے میں نے اسے احتیاط سے سونگھا' اس
پر ابھرے ہوئے بیل بوٹے آنکھوں سے لگائے اور اسے تکیے کے نیچے چھپا کے باہر
آ گیا۔ ملاقاتی کمرے میں دنیش کو چاروں طرف سے لوگوں نے گھیر لیا تھا' اس کا چہرہ
چھپ گیا تھا۔ میں چپکے سے ان سب کے پیچھے جا کے کھڑا ہو گیا اور جھک کے دنیش کا
چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت کسی نرم و نازک ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔
میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ جرات آزما کون ہے۔ میں نے کن انکھیوں سے ادھر
ادھر دیکھا' دیکھا کہ پارو قریب ہی کھڑی ہے۔ اگر کوئی دیکھ لیتا؟ پارو جیسی محتاط لڑکی
نے یہ جسارت کس طرح کر لی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پارو کا دل یکسر بدل گیا
ہے اور اس میں دوبارہ ایک لڑکی ابھر رہی ہے' ایک لڑکی جسے اپنے بدن کی پروا نہیں
ہوتی' گیسو کدھر جا رہے ہیں' دوپٹا کہاں ڈھلکا ہوا ہے' ساڑھی کا پلو زمین پر گر گیا
ہے۔ میں نے اس سے اپنا ہاتھ چھین کے اور ایک قدم پیچھے ہٹ کے اپنی ساعت دنیش
کی باتوں پر مرکوز کر دی۔ مجھے احساس تھا کہ دنیش کا بیان نہایت محتاط اور مختصر ہوگا۔ درد'
کرب' تجسس اور اسرار میں ڈوبا ہوا۔ وہ مہارانی مایا دیوی کے پہلو میں بیٹھا تھا۔

"بڑی حویلی سے میں کوئی اچھی خبر لے کے نہیں آیا ہوں۔" اس نے تھے

تھے لہجے میں کہا۔ "وہاں ایک دو نہیں' اس بار بیک وقت اٹھارہ افراد نشانہ بنائے گئے
ہیں۔"

سب کی سسکاریاں نکل گئیں۔ "اٹھارہ۔" سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے
لگے' ان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ چند لمحوں تک گہری خاموشی طاری رہی'
سانسیں بھی معدوم ہو گئیں۔

"اور جگ دیپ؟" ہیما نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"جگ دیپ اس وقت چھاؤنی گئے ہوئے تھے۔"

دنیش نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "تین باندیاں اور دو ناچنے والیاں بھی
ماری گئی ہیں۔"

"مگر کیسے' کیسے؟" رانی للیتا نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔

"کوئی شخص زخمی نہیں ہے' سب کو گولیاں لگی ہیں' خواب گاہوں میں سوتے
ہوئے لوگوں کو مارا گیا ہے' پانچ لاشیں صرف ایک کمرے سے دستیاب ہوئی ہیں' وہاں
شطرنج کھیلی جا رہی تھی۔" دنیش نے دھیمی اور کمزور آواز میں کہا۔ "باقی تفصیل اوروں
سے پوچھیے' میں بہت تھک گیا ہوں۔"

"ہا' ہا۔" مہارانی مایا دیوی نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیے اور گہری
گہری سانسیں لینے لگیں پھر انہوں نے دنیش کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔
"راجو! تمہارا زخم ابھی ہرا ہے' کچھ دیر سونے کی کوشش کرو صبح ہی صبح پھر جانا پڑے گا۔"

"مگر۔ مگر' یہ کیوں' کیوں' یہ سب کیسے؟" ہیما کی آواز گھٹ گئی۔

"بیٹا! کیوں کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔" مایا دیوی نے منہ بسورتے
ہوئے کہا۔ "میں نے وہاں جو کچھ دیکھا ہے اس سے جی الٹ رہا ہے' آنکھوں میں
اندھیرا چھا گیا ہے' سر گھوم رہا ہے' آہ کیسے کیسے جوان بچے مارے گئے' وحشی قاتل نے
کیا جوان' کیا بوڑھا' کیا آقا' کیا نوکر' کسی کو معاف نہیں کیا۔ کمرے میں' بستر پر'
دیواروں پر' پردوں پر' جدھر دیکھو خون ہی خون نظر آتا ہے۔"

"اور رانی ماں! کون ...... کون ...... وہ کون وحشی تھا؟" کسی نے معصومیت
سے پوچھا۔

"کچھ پتہ نہیں چلا۔ پولیس والے بیٹریاں اور شیشے لیے ہوئے کونوں کھدروں

کی خاک چھان رہے ہیں۔ بھگوان یہ دن کسی کو نہ دکھائے' میں اسی لیے بار بار کہتا
ہوں مورکھو! آپس میں پریم نہ ہو تو بھگوان بھی پریم نہیں کرتا۔ ہے بھگوان۔'' مایا دیوی
ہاتھ جوڑ کے بولیں۔ ''اس بھون کو اپنے شرن میں رکھنا' ہماری یہی پرارتھنا ہے' ہمیں
کچھ اور نہیں چاہیے۔''

''رانی ماں! اب چپ رہو' اب کچھ نہیں سنا جاتا۔'' دنیش نے برگشتگی سے کہا۔
''کچھ مت کہو' کوئی پرارتھنا مت کرو۔''

میں وہاں سے ہٹ آیا۔

میرے پیروں میں لرزش ہونے لگی تھی۔ دنیش اور مایا دیوی نے بڑی حویلی کا
جو مختصر حال بتایا تھا' اس کے بعد کچھ اور سننے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ مجھے ایسا
لگا جیسے پولیس افسر ٹیلر کو عارضی طور پر دوبارہ زندگی مل گئی ہو' جیسے اس کی روح پارو کے
سامنے ابھی تک شرم سار ہو کہ وہ اپنے محبوب کی فرمائش بہ تمام و کمال انجام نہیں دے
سکی اور اس بے قرار روح نے اپنا کام آج مکمل کرنے کی کوشش کی مگر اس کی تیرہ بختی
پھر بھی آڑے رہی کیونکہ کنور جگ دیپ آج حویلی ہی سے باہر تھا۔ میں نے راہ داری
میں اپنے پیچھے آہٹ سی محسوس کی اور مڑ کے دیکھا تو پارو کی پلکیں مجھے اپنی طرف بلا
رہی تھیں مگر ان کی دعوت قبول کرنے کا یہ وقت نہیں تھا۔ بھون میں ہر طرف لوگ
جاگ پڑے تھے۔ پانچ بج رہے ہوں گے' زندگی کے کولھو کا بیل آج ذرا وقت سے
پہلے جاگ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پارو حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرنے کے سوا کوئی
اور بات نہیں کرے گی۔ میں چبوتروں سے اترتا ہوا کھلے میدان میں آ گیا' بوڑھی رات
ہانپ رہی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو باغ میں موجود پایا' سبزہ گیلا اور سرد تھا۔ میرا جسم
بھی سرد تھا بلکہ سبزے کو کچھ اور محسوس ہوا ہو گا۔ دنیش کے آنے سے پہلے میں نے
راجے پور کے غیور بدمعاشوں کے متعلق جو رائے قائم کی تھی' وہ چرمرا رہی تھی'
بدمعاشوں کے یہ طور نہیں ہوتے' یہ سلیقہ' ناراضی کا یہ انداز' غصے کا یہ اظہار نہیں ہوتا۔
جگ دیپ چھاؤنی گیا ہوا تھا اور اگرچہ اس کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ موجود ہو گا' اس کے
باوجود وہ کہیں سے بھی اچانک پہاڑیوں سے اتر کے جگ دیپ کی راہ کا پتھر بن سکتے
تھے۔ شہر سے چھاؤنی تک کے طویل راستے میں بے شمار جگہیں ایسی آتی ہیں جہاں
انہیں جگ دیپ سے کھل کے دو باتیں کرنے کا موقع مل جاتا مگر انہوں نے اپنا تکدر

دور کرنے کے لیے یہ آسان راستہ اختیار نہیں کیا گویا ان کی متوقع ناراضی میری خوش
عقیدگی کی تخلیق ہے۔

وہ کوئی ایسا شخص تھا جسے جگ دیپ کی تلاش تھی' جسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس
وقت کہاں گیا ہوا ہے' وہ کمروں کمروں اسے ڈھونڈتا رہا اور جو سامنے نظر آیا۔ اس پہ
بے دریغ گولیاں چسپاں کرتا رہا۔

دھوپ پھیل گئی اور باغ کے مالی سبزے کو دانہ پانی ڈالنے آ گئے۔ وہ مجھے
یہاں اس حالت میں دیکھ کے خاصے متعجب ہوئے' راج کمار دنیش چندر کا خاص آدمی
ننگے سبزے پر چاروں شانے چت پڑا تھا۔ پہلی نظر میں وہ یہ سمجھے ہوں گے کہ مر گیا
ہے مگر اتنا خوش نصیب کہاں تھا' وہ مجھ سے خیریت دریافت کر رہے تھے۔ ''موہن
بھیا! کیسے ہو؟ آج راج کمار بہادر کے لچکیلے گدوں کے بجائے یہاں کیسے براجمان
ہو؟'' میں نے کہا۔ ''یارو آدمی کو مٹی سونگھتے رہنا چاہیے' ورنہ عادت بگڑ گئی تو بعد میں
بڑی پریشانی ہوگی۔'' وہ ہنسنے لگے۔ ''بھیا' تمہاری باتیں بھی بڑی نیاری ہیں' تمہاری بات
کی جڑ کا پتہ نہیں چلتا۔'' پھر جھجکتے جھجکتے راز دارانہ انداز میں پوچھنے لگے۔ ''موہن
بابو! کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ' دیواروں کے بھیتر یہ کیا کانا پھوسی ہو رہی ہے' سنا ہے' ادھر کنور
جی بہادر کے ہاں کوئی بہت بڑا ننگا ہو گیا ہے؟'' میں نے جواب میں کوئی تبصرہ نہیں
کیا۔ وہ بھی سہم کے خاموش ہو گئے۔ انہی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ بھون کے تقریباً
سبھی باسی کریا کرم کے لیے بڑی حویلی گئے ہوئے ہیں اور شہر میں دوپہر بعد سوگ کے
طور پر عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ میں ان کے امرود اور سنگترے چھوڑ کے ایک
طرف چل دیا۔ آگے بڑھا تو بھون میں ہر طرف دھول اڑتی دیکھی جیسے موت اُدھر سے
نہیں' اِدھر سے گزری ہے۔ اندر عمارتوں میں جانے کو دل نہیں چاہا' وہاں کوئی ہوگا بھی
نہیں' شاردا بھی رسم نبھانے ضرور گئی ہوگی' ذاتی محلات میں کسی جگہ چودھرائن بنی
باندیوں کو ڈرا سہا رہی ہو گی یا کسی گوشے میں بیٹھ کے آنسو بہا رہی ہوگی۔ اتنے وسیع و
عریض رقبے پر پھیلے ہوئے پرکاش بھون میں مجھے اپنے لیے کوئی جگہ نظر نہیں آئی' رات
بہت غریب پرور ہوتی ہے' اپنے حجرے میں سیاہ بختوں کو چھپا لیتی ہے۔

بڑی حویلی کے مرنے والوں کا جلوس پورے تزک و احتشام کے ساتھ مرگھٹ
گیا' آقاؤں کے علاوہ مرنے والے ملازموں کے ساتھ بھی اس بار مساوی سلوک کیا

گیا' انہیں بھی اپنے مالکوں کے دوش بدوش عزت و احترام سے سپرد آتش کیا گیا۔ راجے پور میں نیچ ذات اور اچھوتوں کو پہلی بار یہ اعزاز دیا گیا تھا۔ سنا کہ اٹھارہ ارتھیاں ایک ساتھ اٹھیں' یہ پہچاننا مشکل تھا کہ کون منہ میں سونے کا چمچا لے کے پیدا ہوا تھا' کون اپنا انگوٹھا ہی چوس چوس کر برا وقت جھیل گیا تھا۔ ریاست میں تعطیل کی وجہ سے ہزاروں آدمیوں نے کریا کرم کی رسوم میں شرکت کی۔ سب سے انوکھی بات یہ تھی کہ عزت مآب کرنل ہارڈنگ نے بھی بہ نفس نفیس مرگھٹ تک مرنے والوں کے جلوس میں شرکت فرمائی اور عزت بخشی' مہاراجہ بھی کرنل سے شانہ ملائے ہوئے پیادہ پاسوئے مرگھٹ گام زن تھے۔ اس اطلاع پر کہ کرنل صاحب بھی جگ دیپ کے غم میں شریک ہونے کے لیے پہنچ گئے ہیں' انہوں نے فی الفور سیکرٹریوں کو الرٹ کیا ہوگا کہ جلد سے جلد وارن کا انتظام کریں' چھاؤنی کے بہت سے افسر' راج محل کی ممتاز شخصیات' راجے پور کے معززین' عام شہری' غرضیکہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ' جگ دیپ کو صبرو استقامت کی تلقین کرنے آئے تھے۔ اس موقع پر راجے پور کی فلاح و بہبود کی انجمنوں نے ایک مختصر اور خاموش احتجاج بھی کیا۔ بازوؤں پر سیاں پٹیاں باندھی گئیں۔ کریا کرم کا وقت بار بار بڑھایا جاتا رہا۔ ریاست کے مشہور پنڈتوں نے صندل کی لکڑی میں منوں گھی لوٹ کے لاشوں کو آگ دکھا دی۔ کرنل اور مہاراجہ کی شرکت کے سبب پولیس بھی قدم قدم پر سیٹیاں بجا کے اپنی مستعدی کا مظاہرہ کرتی رہی۔

شام کو جب تھکے ہارے غم خوار ماتم گسار بھون واپس آئے تو راجے پور کی تاریخ کے اس جلوس کی یہ عبرت خیز خبریں بھی ساتھ لائے۔ میں نے انہیں پوری توجہ سے سنا۔ باتیں ہی ایسی تھیں کہ راستہ چلتا ہوا آدمی روک لیں۔ لوگ جگ دیپ کے تحمل' حوصلے اور مردانگی کی داد دے رہے تھے۔ میرا جی بھی اسے دیکھنے کو چاہا' سوگ میں آدمی خاصا بدل جاتا ہے۔

میں نے دنیش کے محل میں جانے سے دانستہ گریز کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہاں اب بھی بھیڑ لگی ہوگی اور سیر حاصل تبصرے ہو رہے ہوں گے۔ ان تبصروں کے درمیان اپنے تاثر کو چھپانا اور پتھر کا بت بن جانا ایک کرب ناک کام تھا۔ دنیش میری صورت دیکھ کے بری طرح تلملائے گا کہ وہ بھیڑ چھانٹ بھی نہیں سکتا اور لوگوں کی موجودی میں مجھ سے چند باتیں بھی نہیں کر سکتا لیکن میری مسلسل روپوشی اُسے اور

چین کر سکتی تھی۔ دنیش کے سینے میں اس وقت ریت اڑ رہی ہوگی۔ اپنی ایک جھلک دکھانے کے لیے میں اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا اس کی خلوت تک پہنچ گیا' خلوت میں جلوت کا سماں تھا۔ وہاں اونچی آواز میں باتیں ہو رہی تھیں اور لوگ متوقع قاتل کے متعلق اپنے خدشوں کا کنایتہً اظہار کر رہے تھے۔ دنیش مجہول انداز میں گردن ڈالے چپ بیٹھا تھا۔ میں جب اندر داخل ہوا تو سب کی زبانوں کو ایک دھچکا سا لگا جیسے سب کو آسمان پر کوئی انوکھی چیز نظر آ گئی ہو۔ دو ایک لمحوں تک یہ سکوت قائم رہا۔ پھر بتدریج آوازوں نے سر اٹھانا شروع کیا لیکن اب ان میں وہ تیزی و تندی نہیں تھی۔ ایک نفاست' احتیاط اور نرمی تھی' ان کی اس بات سے میری نسوں میں گرمی تحلیل ہوگئی' آدمی کا اتنا خیال کیا جائے تو براہ راست اس کے ہونے پر اثر پڑتا ہے۔ میں نے اپنے زندہ ہونے کے احساس کی تجدید کی۔ دنیش کا چہرہ رندھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا' میں نے تعمیل کی اور ایک طائرانہ نگاہ سے تمام لوگوں کا جائزہ لیا۔ سب کے رنگ بدل گئے تھے۔ سب کی آنکھوں سے دہشت مترشح تھی' اضطرار کا عالم تھا۔ وہ بار بار پہلو بدلتے تھے۔ بیٹھے بیٹھے چونک پڑتے تھے پتا کھڑکے تو کان جاگے' گفتار میں بے یقینی تھی وہ آفیسران کمانڈ اور مہاراجہ کی غیر متوقع شرکت پر ایک دوسرے کو ٹٹولنا چاہتے تھے۔ "سب کو احساس ہے کہ ریاست اس خوں ریزی کی تادیر متحمل نہیں ہو سکتی۔"

شکنتلا نے کہا۔

"انہیں عوام کو یہ جتانا تھا کہ چھاؤنی اور راج محل دونوں ان سنگین واقعات کو گہری تشویش سے دیکھتے ہیں۔" کسی نے جواب دیا۔

"قاتل کے سر کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔"

"انعام کی رقم ہی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ انہیں آسانی سے قاتل تک پہنچنے کی امید نہیں ہے۔"

"ان کا خیال ہے کہ وہ کوئی ایک شخص تھا یا پھر دو تین۔"

"وہ جو بھی ہے' ایک پاگل شخص ہے' ایک درندہ جو جنگلوں سے نکل کے شہر میں آ گیا ہے۔"

"اور یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ بڑی حویلی ہی کا کوئی آدمی ہے۔"

''کہنے کو تو بہت سی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔'' کسی نے چپکے سے کہا۔

''سنا ہے' بمبئی اور دلی سے سراغ رساں بلائے جائیں گے۔''

''اس سے کیا ہوگا' سراغ رساں معاملہ اور الجھا دیں گے' قاتل نہ پاگل نہ درندہ' وہ ایک ہوش مند شخص یا گروہ ہے جس نے اتنی سفاکی سے اتنے لوگوں کو وقت قتل کیا اور اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا' اس نے یہ سب کچھ منصوبے کے بغیر نہیں ہوگا۔''

''اور آج شام سادھو دیوراج کے استھان تک جانے والی سڑک پر بھی مسلح آدمیوں کی لاشیں پائی گئی ہیں۔ پولیس کے لیے وہ واردات بھی دردسر بنی ہے۔ قاتل نے وہاں بھی کوئی نشان نہیں چھوڑا۔''

''ہم لوگوں کو پوری پوری احتیاط برتنی چاہیے' اپنے اپنے کمروں میں بند چاہیے' کچھ عرصے تک بھون کی سرگرمیاں معطل رہیں تو بہتر ہے' بھون کا صدر دروازہ دس بجے کے بعد بند کروا دینا چاہیے۔''

''پولیس افسر اشوک کا کہنا ہے کہ ریاست کے تمام مشکوک افراد کی فہرست بنائی جا رہی ہے۔ انہیں ریاست بدر کر دیا جائے گا۔''

''ریاست میں ایک لمبے عرصے کے لیے دفعہ ۱۴۴ نافذ رہے گی۔''

''ریاست کی تمام سیاسی شخصیات اور آزادی کی تحریکوں کے ورکروں کو دے دیا جائے گا کہ وہ اپنی سرگرمیاں فوراً بند کردیں ورنہ انہیں ان کے خاندان سمیت ریاست سے نکال دیا جائے گا۔''

''ریاست پر ایسا برا وقت کبھی نہیں آیا تھا۔''

''مگر قاتل ایک نہ ایک دن ضرور پکڑے جائیں گے' جب ریاست چھاؤنی کی ساری مشینری حرکت میں آ جائے گی تو قاتلوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔''

''یعنی اب تک تو آدھی مشینری سے کام لیا گیا ہے۔'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شکنتلا کی نقرئی ہنسی کمرے میں گونج رہی تھی۔

میرا جی چاہا' میں بھی اپنی رائے ظاہر کروں لیکن لفظ حلق میں کلبلا کے گئے۔ میں دنیش کی خاطر ان کے درمیان بیٹھ گیا تھا۔ میرا خیال تھا' اب دنیش کو میرے اٹھنے پر کسمسانا نہیں چاہیے' یہی ہوا' میں پھر راہ داری میں آ گیا اور میرے کانوں

پچاس ہزار روپے کی کھنک کی بازگشت ہوتی رہی' پچاس ہزار روپے' ڈالی زندگی بھر عیش کرے تب بھی گڈے کے لیے ایک بڑی رقم چھوڑ جائے گی' گڈا انگلستان جا کے تعلیم حاصل کرے گا اور اگر میری قبر کہیں موجود ہوئی تو فاتحہ پڑھنے ضرور آئے گا۔ آخر ڈالی کا بیٹا ہے۔ کچھ رقم ڈالی کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ ڈالی تو بڑی جاگیردار ہو جائے گی۔ کیوں نہ میں پولیس کو فون کروں کہ وہ میں تھا' رقم میں کچھ اور اضافہ کرو تو میں اپنا نشان پتہ تمہیں بتاؤں' چلتے چلاتے کچھ اور فائدہ ہو جائے تو کیا بات ہے۔ اس قاتل کی عظمت میرے دل میں بیٹھ گئی جس کے سر کی قیمت پچاس ہزار روپے رکھی گئی تھی۔ وہ تو کوئی بہت بڑا آدمی ہوگا' مجھے اس کے مقابلے میں کم تری کا شدید احساس ہونے لگا۔ میں بڑی آسانی سے اس کی جگہ لے سکتا تھا' بس ایک اعتراف کی ضرورت تھی' انیتا لاکھ کہتی کہ وہ وقوعے والے روز میرے ساتھ تھی مگر پریت اس کی نفی کرتی اور بات دگرگوں ہو کے میرے حق میں مفید ہوتی مجھے انعام کا مستحق قرار دے دیا جاتا۔ پولیس کے لوگ بھی سکون کی سانس لیتے اور جب میرے مرنے کے بعد پھر ٹھائیں ٹھائیں ہوتی تو بہت مزا آتا۔ میں نے سوچا' میں گرفتار ہونے کے بعد ان سے درخواست کروں گا کہ وہ مجھے ایک دو مہینے کی زندگی دے دیں مگر اس طرح تو بڑا خطرہ تھا' کوئی اور شخص اس درمیان میں اعتراف کرکے میرے انعام کی رقم چھنوا دیتا پر ڈالی کو تو میں کوسوں دور فرار کرا چکا ہوں گا' وہ ان کے ہاتھ کیوں آئے گی۔

بدقسمت ڈالی اس پہ آمادہ نہیں ہوئی' لکشمی گھر میں آ رہی تھی' پہلے ہی سے تل مچانے لگی' سینے پر دوہتڑ مارنے لگی' مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا' میرے بعد اچانک اسے کچھ ملتا تو شاید اس کا یہ حال نہ ہوتا' مجھے قبل از وقت اسے نہیں بتانا چاہیے تھا' ڈالی نے میری ذرا سی بات پر جو داویلا مچانا شروع کیا تو میرے لیے دو گھڑی اس کے پاس بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔ یہ حلال کی کسے نصیب ہوتی ہے' میں سمجھتا کہ میری محنت بار آور ہوئی۔ میں ابا' امی' یاسمن اور سکندر کے کچھ کام نہیں آ سکا تھا تو کم سے کم ڈالی کے کام تو آ گیا۔ ایک شخص دنیا میں بے کار نہیں آیا مگر ڈالی نے انکار کر دیا اور کچھ نہیں سوچا' رات کو اگر کسی سمت سے گولی چل جائے تو پچاس ہزار کا پہاڑ چشم زدن میں اڑنچھو ہو جائے گا' یہ سہاگ کا سمے ہے' بیت جائے گا تو پچھتاوا ہوگا۔ پچاس ہزار روپے' راج کمار دنیش چندر کے مقرب خاص کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھے' میری دست رس میں

راج کمار کے سیف کی چابیاں رہتی تھیں مگر اپنی کمائی ہوئی روزی میں لطف ہی او
ہے حالانکہ ایک طرح کمائی ہوئی وہ بھی ہوتی جو دنیش عطا کرتا' تاہم عطیے اور انعام
بڑا فرق ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ ڈالی کو میری زندگی اور موت کے ہنڈولے کا
احساس تھا' اسے معلوم تھا کہ میں روز آگ لگا کے موت کے کنویں میں کود پڑتا
کسی دن مخالف ہوا چل پڑی تو چہرہ بھی نہیں پہچانا جائے گا۔ کچھ ہی دیر جاتی ہے'
دستک دیتا ہے' ڈالی دروازہ کھولتی ہے' اندر ایک شخص ڈالی کو زمین پر دھکیلتا ہوا آ
بڑھتا ہے اور میری شکل دیکھ کے ٹس ٹس کردیتا ہے' راہ داری میں گولی چل گئی۔ چ
کے راستے میں حملہ کردیا گیا' نازک اندام انیتا نے پستول دکھا کے اپنے حکم کی تعمیل
مجبور کردیا' گھوڑا چڑھا دیا گیا' اصطبل میں گولی مار دی' جوگی سے بھڑوا دیا پکڑ
تاریک کوٹھری میں گھسیڑ دیا' جسم سوئیوں سے گود اور کھال چمٹیوں سے نوچ
آنکھوں میں روشنی بھونک دی' بھری محفل میں گالوں پہ انگلیوں کے نشان ڈال دیے
کی گالی دے دی' کتا بنا دیا' جو جی چاہا کردیا۔ جو جی چاہے آگے کیا جاسکتا تھا۔ ڈ
معلوم تھا کہ جب بھی اس کے رو بہ رو میری رونمائی ہوتی ہے' وہ مجھے دوبارہ زندہ
ہے' میں نے اس سے یہ تذکرہ ہی بے کار کیا۔ وہ مجھے کوستی اور سینہ کوبی کرتی رہی۔
شام کا وقت میں نے ڈالی کے پاس ہی گزار دیا۔ کم سے کم اس کا یہ
دور ہو جائے کہ میں اس کے پاس بیٹھتا نہیں' گڈا میری چھاتی پر مونگ دلتا رہا'
لمحے کے لیے مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں گڈے کے ہاتھ میں پستول تو نہیں
رات کے وقت میں ڈالی کی جھڑکیاں کھا کے کوارٹر سے نکلا۔ دنیش کے محل سے
فاصلے پر ایک نوجوان شخص میرے راستے میں حارج ہوگیا۔ لباس صاف ستھرا تھا'
پہچاننے میں دشواری ہوئی۔ چہرہ ایسا نا مانوس نہیں تھا۔ ''مسٹر موہن!'' اس نے تج
بھرے لہجے میں کہا۔

''جی۔'' میں نے تذبذب سے گردن ہلائی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا' جیب سے ایک کارڈ نکالا اور میرے ہاتھ م
دیا۔ ''میں آپ کو تلاش کر رہا تھا۔'' وہ راز داری سے بولا۔ ''میرا نام چوہان ہے۔''
کے بتانے سے پہلے ہی میں نے کاغذات پر اس کا نام اور فوٹو دیکھ لیا تھا۔
ہونٹوں پر تبسم چھا گیا۔

''حکم چوہان صاحب!'' میں نے سر جھکا کے کہا۔

''بات چونکہ آپ ہی سے کرنی تھی اس لیے مجھے یہاں آپ کو تلاش کرتے ہوئے دیر لگ گئی' میں آپ کے بارے میں کسی سے پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔'' وہ جھجکتا ہوا آہستگی سے بولا۔ ''آپ کو آئی جی مہتا نے بلایا ہے۔''

میرے اعصاب میں بجلی چمکی لیکن فوراً معدوم ہوگئی۔ ''بسرو چشم۔'' میں نے سر کو خفیف جنبش دی۔ اسے میری آمادگی پر حیرت ہوئی۔

''آئی جی مہتا آپ سے کسی خاص مسئلے پر بات کرنا چاہتے ہیں' یہ آپ کے نام ان کا کارڈ ہے۔'' اسے یقین نہیں آیا تھا کہ میں تیار ہوگیا ہوں۔

''گاڑی کہاں کھڑی ہے؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''وہاں۔'' اس نے اشارہ کیا۔ گاڑی باغ کی طرف اندھیرے میں کھڑی تھی۔ ''اصل میں ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی کو آپ کی روانگی کی اطلاع ہو۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا وہ تیزی سے بولا۔ ''اگر آپ مناسب سمجھتے ہوں تو صرف راج کمار دنیش چندر کو مطلع کر سکتے ہیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے چند لمحے توقف کے بعد جواب دیا۔

''آپ' آپ لباس تبدیل کرنا چاہیں گے؟''

میں نے اپنے لباس کا جائزہ لیا۔ ''کیا کچھ زیادہ اجلا ہے؟''

''اوہ نہیں۔'' وہ مچل کے بولا۔ ''بہر حال جیسی آپ کی مرضی۔''

''تو پھر آیئے' دیر کیوں کی جائے۔'' میں نے گاڑی کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ پھر ہچکچانے لگا۔

گاڑی زیادہ دور نہیں تھی اور صاف پولیس کی گاڑی تھی' ایک باوردی ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول کے ہمیں اندر چھپا دیا۔ میں اندر جانے سے پہلے ڈالی کے کوارٹر کی طرف ٹھینگا دکھانا بھول گیا جس کا مجھے راستے بھر قلق رہا۔ پولیس افسر چوہان کے چہرے پر اب بھی فکر چھائی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ میں راستے میں اس سے کوئی بات کروں گا مگر اب کوئی بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ گاڑی نے زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا' میں نے سیاہ چرمی پردے کے چھوٹے سوراخوں سے منزل کا تعین کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی' اب جہاں ہوا لے چلے' چلو' چلو کیا' ہوا تنکے سے یہ

کب کہتی ہے کہ اس کا ارادہ اب کہاں لے جانے کا ہے۔ پولیس افسر چوہان نے
اس بات کا خیال رکھا۔ جب گاڑی رکی تو چوہان نے پہلے نیچے اتر کے مجھے اشارہ
میں نے اپنا جسم باہر نکالا تو گرد و پیش کا منظر دیکھ کے آنکھیں کھلیں' یہ ایک ا
درجے کی پرانی طرز کی دو منزلہ کوٹھی تھی' کائی کھائی ہوئی دیواریں' پورٹیکو کے اس طر
لان تھا۔ عمارت کا رنگ پیلا تھا اور اندر صدر دروازے پر ریاست کے مخصوص ل
میں سنتری تعینات تھا۔ پولیس افسر چوہان کو دیکھ کے سنتری نے سر جھکایا' چوہان ا
نظر انداز کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا اور ایک بڑے کمرے سے گزر کے اس نے
بجائی۔ فوراً ایک ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ ''سکھ رام جی! آئی جی صاحب کو اطلا
کہ چوہان آیا ہے۔''

سکھ رام جی نے ہمیں برابر کے ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ کمرہ نئی پرانی
کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ کمرے میں ایک بڑا آتش دان سونا پڑا تھا۔ تھوڑی دیر
وہ شخص واپس آیا اور اشارہ کرکے چوہان کو ایک طرف لے گیا۔ پھر چوہان نے
مجھے اطلاع دی کہ اوپری منزل پر آئی جی صاحب میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں ٹ
ٹھٹکا لیکن کسی تامل کے بغیر سکھ رام کے ہمراہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اوپر کی منز
سامنے ہی آئی جی مہتا مکمل سرکاری لباس میں کھڑا تھا۔ میں نے اسے دیکھا' اس
مجھے دیکھا۔ میرے ہاتھ سلام کے لیے اٹھا ہی چاہتے تھے کہ میں نے انہیں جبراً اس
سے باز رکھا حالانکہ آئی جی مہتا کی وردی اتنی کڑک دار تھی کہ ایک بار نہیں ہزا
سلام کے لیے خود بخود ہاتھ اٹھ جائیں' سکھ رام فوراً واپس ہوگیا۔ اس کے جا
مہتا کے چہرے پر شگفتگی نمایاں ہوئی۔ اس نے ایک جانب ہاتھ سے اشارہ کیا او
اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ آئی جی مجھے اس سجے
کمرے میں بٹھانے کے بجائے اس سے ملحق ایک مختصر کمرے میں لے گیا۔
الماریوں میں قرینے سے کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ کونے میں ایک چھوٹی میز پڑی
فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ ہم دونوں آمنے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ آئی
گلا صاف کرکے اپنے جسم کو جنبش دی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ م
اس لمحے اپنی بہت سی آرا میں ترمیم کی۔ آدمیوں کو برتتے برتتے اتنی مردم شناسی آ
تھی' گو عمر بڑی کم گزری تھی۔ ''موہن داس جی!'' آئی جی نے نرم لہجے م

مخاطب کیا۔ ''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی۔'' میرے ڈھلکے ہوئے جسم میں
تناؤ پیدا ہوا۔ اس نے اپنی نشست بدلی اور فکر میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے
اسی لیے آپ کو گھر بلایا ہے۔ جو پولیس افسر آپ کو یہاں لایا ہے' مجھے یقین ہے' اس
نے پوری احتیاط برتی ہوگی۔''

میں سنبھل کے بیٹھ گیا۔ میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ ''موہن داس جی! میں
آپ سے ایک اہم معاملے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری آپ کی پہلی ملاقات نہیں
ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی موقعوں پر ہم دونوں مل چکے ہیں۔ یاد ہے' میں نے آپ کو
اپنا فون نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ریاست کے کسی معاملے میں آپ پولیس کی مدد کرنا
چاہیں تو براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کریں' بہر حال۔'' اس نے اپنا چشمہ اتار کے
آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پولیس کی جانب سے خاصی
اذیتیں اٹھانی پڑی ہیں لیکن خود ہمارا اختیار کیا ہے۔ کبھی اِدھر سے حکم آ جاتا ہے' کبھی
اُدھر سے۔ جو ہم سے کہا گیا تھا' ہم نے خانہ پری کے لیے وہ کیا۔ آپ کو گرفتار کیا اور
چھوڑ دیا۔ کچھ دنوں سے ریاست میں جو بدنظمی اور افراتفری پائی جا رہی ہے' آپ اس
سے واقف ہوں گے بلکہ سارے ہی حالات آپ کے علم میں ہیں' میں ان پر آپ
سے بحث کرنا نہیں چاہتا' وقت بھی کم ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے اور
ماضی کے قصے دہرانے کے بجائے حالیہ واقعات پر آ جائیں' آپ کو بڑی حویلی کے کل
رات والے سنگین حادثے کے متعلق سب کچھ معلوم ہوگا اور کل شام ہی دس لاشیں شہر
سے کچھ دور سادھو دیوراج کے استھان کے نزدیک بھی پائی گئی ہیں۔ خیال ہے کہ انہیں
دوپہر کے وقت ٹھنڈا کیا گیا تھا۔ ان دونوں وارداتوں سے' پولیس' راج محل' چھاؤنی اور
ریاست کے عوام کو لازماً گہری تشویش ہونی چاہیے۔ پولیس پر راج محل اور چھاؤنی کا
دباؤ پہلے ہی کچھ کم نہیں تھا' اب اور بڑھ گیا ہے۔ ہمیں اپنی ناکامی کا اعتراف ہے'
پولیس کوئی سراغ نہیں لگا سکی۔ ریاست کے متعدد لوگوں سے باز پرس کی گئی' انہیں
اذیتیں دی گئیں لیکن اصل شخص کا پتہ نہیں چلایا جا سکا' یہ ضرور ہے کہ اس طرح دوسری
وارداتوں کے کئی مجرم ہمارے قابو میں آ گئے ہیں۔ تاہم کوئی نتیجہ خیز صورت حال سامنے
نہیں آ سکی۔ آپ سن رہے ہیں؟''

آئی جی میری خاموشی پر کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ میں بے جنبش بیٹھا ہوا اس کی

باتیں پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ آئی جی کا گھر' یہ انداز' یہ لہجہ میرے لیے تجسس انگیز اور تعجب آمیز تھا' میں نے کوشش کی کہ میرے چہرے کی کسی لکیر سے میرے تجسس اور تعجب کا اظہار نہ ہو۔

''میں سن رہا ہوں مہتا صاحب!'' میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

''اور مجھے اندازہ ہے کہ آپ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ دیکھئے موہن داس جی! اپنی ساری زندگی اسی پیشے میں گزر گئی ہے' اس آخری منزل پر پہنچ جانے کے بعد اب ایک ہی آرزو ہے کہ کوئی بٹا نہ لگ جائے۔'' آئی جی کی آواز پر بڑھاپا طاری ہو گیا۔

''میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ!۔ آپ مہاراج موہن داس جی!'' آئی جی لجاجت سے بولا۔ ''میں' آپ کی بہت عزت کرتا ہوں' میں سادھو دیوراج کی بھی بہت عزت کرتا ہوں۔ یہ انہی دھرماتماؤں کی مہربانی ہے کہ میں ریاست میں اس عہدے تک پہنچا ہوں۔ چھاؤنی والے آپ کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ یہ خبر صیغہء راز میں رکھی گئی تھی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی گرفتاری کا علم صرف مجھے اور دو ایک دوسرے افسروں کو تھا اور ہم نے راج کمار دنیش چندر کے اصرار کے باوجود انہیں خبر نہیں ہونے دی تھی کیونکہ چھاؤنی سے ہمیں یہی حکم ملا تھا۔ میں جانتا تھا کہ آپ کو بے قصور گرفتار کیا گیا ہے لیکن میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جب سادھو دیوراج اور دوسرے پنڈتوں سادھوؤں نے چھاؤنی کے دروازے پر احتجاج کیا تو یہ خبر چھپی نہ رہ سکی۔ گوروں کو بھی احساس ہوا ہوگا۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں موہن داس جی مہاراج!'' آئی جی مہتا نے خود سے الجھتے ہوئے کہا۔ ''سادھو دیوراج نے ایک مرتبہ آپ کے بارے میں جو بات کہی تھی' وہ مجھے یاد ہے۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔'' اس نے تکرار کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ کتنے بہادر اور کتنے بڑے دل کے آدمی ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حالات بہت خراب ہیں' بہت زیادہ خراب۔ میں نے آپ کو قاعدے کے خلاف یہاں اس لیے بلوایا ہے کہ آپ کو ان حالات سے آگاہ کر دوں۔''

''میں آپ کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

''شکریہ کیسا موہن داس جی! آپ مجھے شرمندہ کیوں کرتے ہیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ بات تو اب حد سے تجاوز کر چکی ہے' ریاست کے لوگوں کا امن و سکون لٹ گیا ہے' کاروبار مندا پڑا ہے' اب شہر سرِ شام ہی بجھ جاتا ہے۔ ہم پہلے یہ سمجھتے تھے اور خود آپ نے بھی ایک بار اشارہ کیا تھا کہ یہ دو خاندانوں کا آپس کا جھگڑا ہے' مجرم کون ہے' ہمیں اس کا کھوج لگانا چاہیے لیکن ہم اس کا کھوج لگا بھی لیں تو کیا کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں خاندان ریاست میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔ انہیں کون مجرم ثابت کر سکتا ہے' یہ ایک ریاست ہے موہن داس جی! ہم ان کے اشاروں پر کام کرنے والے لوگوں کو بار بار گرفتار بھی کریں تو کیا فرق پڑتا ہے۔''

''آپ تو بالکل مایوس ہو چکے ہیں مہتا صاحب!''

''مایوس!'' وہ سر ہلاتے ہوئے آہستہ آہستہ بولا۔ ''مایوس تو نہیں لیکن اداس کہہ لیجیے پھر بھی مجھے امید ہے کہ حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ میرا خیال ہے' مجھے یہی کہنا چاہیے۔ ایک پولیس افسر کو امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔''

''شاید ہم موضوع سے بھٹک گئے ہیں۔''

''ہاں ہاں۔'' وہ سنبھل کے بولا۔ ''میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے آپ کی مدد چاہیے ہے۔''

''میری مدد؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں آپ کی مدد۔ میں آپ سے درخواست کروں گا مہاراج موہن داس جی کہ آپ کچھ مدت کے لیے راجے پور چھوڑ دیجیے۔''

''جی۔'' میں اپنی نشست سے اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

''موہن داس جی!'' آئی جی کے لہجے میں لجاجت آ گئی۔ ''ہاں! میری بات سمجھنے کی کوشش کیجیے' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں' مجھے ذاتی طور پر یقین ہے کہ آپ بے قصور ہیں لیکن وہ سب آپ کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں' منہ سے کچھ نہیں کہتے تو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں۔ کل رات کی اور کل دوپہر کی وارداتوں کے سلسلے میں ہم رات بھر اور آج دن بھر تفتیش کرتے رہے مگر قاتل یا اس کے گروہ کا کوئی ایسا نشان نہیں ملا جس سے ہم اپنی تفتیش آگے بڑھا سکیں۔ بڑی حویلی

کا دروازہ وقت پر بند کردیا گیا تھا' دربانوں نے اسے دوبارہ نہیں کھولا۔ نہ کوئی آیا' نہ گیا۔ رات بھر سنتری جاگتے رہے اور فصیل کے گرد پہرا دیتے رہے۔ ایسے انتظامات میں کون آمدورفت کرسکتا ہے۔ یہ بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ قاتل کو بڑی فرصت تھی اور اسے عمارت کے مختلف حصوں میں گھومنے پھرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اس نے مختلف کمروں کے دروازوں پر دستکیں دیں اور اندر جاتے ہی وہاں موجود لوگوں پر گولی چلا دی۔ دو پستول خالی ملے ہیں مگر ان پر کوئی نشان نہیں ہے۔ وہ پستول بڑی حویلی ہی کے لوگوں کے تھے۔ یہ واردات اتنی مبہم اور پراسرار ہے کہ کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ ہم نے بڑی حویلی کے لوگوں سے علیحدہ علیحدہ مل کے مشتبہ لوگوں کے بارے میں سوال کیا۔ ان سے جو جواب ملا' ان میں سے ذمے دار لوگوں کا جواب' گو ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے' آپ کو انداز ہے کہ کیا جواب ملا؟'' آئی جی رک کے میرا چہرہ دیکھنے لگا۔

میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔'' مگر آپ کا کیا اندازہ ہے؟''

''موہن داس جی! مہاراج! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔'' وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں کبھی یہ تسلیم نہیں کرسکتا۔''

''آپ تسلیم کر لیجئے۔'' میں نے تسلیم پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں کیسے تسلیم کرلوں۔'' وہ کسی قدر برہمی سے بولا۔ ''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا لیکن مہاراج! وہ ہمیں مجبور کرسکتے ہیں کہ ہم دوبارہ آپ کو کوتوالی لاکے یا جیل میں بند کرکے نئے سرے سے تفتیش کریں۔ وہ بڑے لوگ ہیں' بہت کچھ ثابت کرسکتے ہیں۔ انہوں نے مہاراجہ اور آفیسران کمانڈ سے بھی اشارتاً اس کا اظہار کیا ہوگا۔ ہر معاملے میں آپ کا نام لے دیا جاتا ہے۔ پولیس کو نامعلوم فون کیے جاتے ہیں' خط لکھے جاتے ہیں' مختلف ذرائع سے بار بار زور ڈالا جاتا ہے کہ ہم آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی کیوں نہیں ڈالتے' ہم نے آپ کو آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ میں آپ کو کہاں تک گنواؤں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم ایک طویل مدت تک آپ کو جیل میں ڈال کے یا ختم کرکے ریاست کے امن کی آزمائش کریں لیکن ہم آپ کو کیوں گرفتار کریں۔ ابھی ابھی یہی ہوا۔ ہم کنور صاحب اور ان کے خاندان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کنور صاحب تو کچھ نہیں بولے مگر انہوں نے کسی کے الزام کی کوئی

تردید نہیں کی۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے عزیزوں اور دوستوں کی رائے سے اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ انہی کی ترجمانی کر رہے تھے۔ وہ ہم سے اصرار کر رہے تھے کہ ہم اپنی تفتیش کا دائرہ وسیع کریں' بات اشاروں تک محدود تھی لیکن ایک لڑکی نے جو پرکاش بھون کی کماری ہے' مجھ سے اس کا نام نہ پوچھئے' اس نے میرے قریب آکے مجھ سے سرگوشی میں کہا کہ مجھے آپ پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟'' آئی جی تاسف سے بولا۔

''اس کا مطلب وہی ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' جب میں باہر آرہا تھا تو کماری انیتا نے مجھے راستے میں روک لیا اور ایک طرف لے جاکے کہا۔ ''مہتا صاحب! خیال رکھیے یہ لوگ جس شخص کی نشان دہی کر رہے ہیں' وہ کل رات میرے پاس موجود تھا۔''

''کماری انیتا نے کہا؟'' میں نے آنکھیں پٹ پٹا کے کہا۔

''ہاں' اس بہن نے کہا جس کی کئی بہنیں اور بھائی مارے گئے ہیں' خاندان کے کئی آدمی' وہ غم سے نڈھال ہے' کماری انیتا نے کہا کہ وہ یہ بات سب کے سامنے کہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ انہوں نے انہی دنوں پیش آنے والے حالات پر گفتگو کرنے کے لیے آپ کو تنہائی میں مدعو کیا تھا کہ شاید اس بات چیت سے انہیں کچھ سمجھنے میں مدد ملے کہ عین اسی وقت یہ خبر ملی۔''

''ہونہہ۔'' میں نے ایک طویل سانس کھینچی۔

''مگر صرف کماری انیتا اور میں کیا کر سکتے ہیں' بلاشبہ آپ کو راج کمار دنیش چندر اور پرکاش بھون کے بہت سے لوگوں کی تائید حاصل ہے مگر وہ کب تک تائید کر سکیں گے۔ لوگ ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں کہ راج کمار دنیش چندر بھی ایک وقت کچھ کہنے سے معذور ہو جائیں' وہ راج کمار دنیش چندر کو ورغلا سکتے ہیں' انہیں آپ سے بیر ہے اور بیر کی وجہ صاف ظاہر ہے' راج کمار دنیش سے آپ کی رفاقت کسی کو پسند نہیں آئی۔ موہن داس جی! آپ کی نظر دور دور ہوگی لیکن آپ تنہا' میرا مطلب ہے۔'' وہ جھجکنے لگا۔ ''میں سمجھتا ہوں' آپ کے لیے یہی مناسب ہے کہ آپ کچھ دنوں کے لیے' کچھ مدت کے لیے یہ شہر چھوڑ دیجئے۔'' میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ ''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' وہ متردد لہجے میں بولا۔ ''میں یہ مشورہ پورے خلوص سے دے

رہا ہوں' آپ ایک دھرماتما ہیں۔ میرا فرض ہے کہ میں......" وہ تیزی سے بات بدل کے بولا۔"اسی میں آپ کی بڑائی ہے' اسی میں آپ کا سکھ ہے' مجھے الفاظ نہیں مل رہے ہیں مگر آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میرا مقصد کیا ہے۔"

"آپ کا خیال ہے۔" میں نے خاصی دیر بعد اپنی خاموشی توڑی۔"میں یہ ریاست چھوڑ دوں۔ پھر کیا راج کمار دنیش چندر کی زندگی کی ضمانت آپ دیں گے؟"

"کوئی کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔" اس نے برجستہ کہا۔

"تو پھر جو کچھ ہو رہا ہے' اس پہ پریشان ہونے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔"

"میری باتوں کا غلط مطلب نہ سمجھئے موہن داس جی!"

"؟؟ مہتا صاحب! برائی کہاں پنپ رہی ہے' پانی کس نشیب میں گر رہا ہے' میں ریاست سے چلا جاؤں گا تو کیا یہ ہنگامے ختم ہو جائیں گے؟"

"نہ بھی ہوں' میں تو آپ کی ذات کی بات کر رہا ہوں۔" وہ سرگرم لہجے میں بولا۔"میں ایک پولیس افسر ہوں' ریاست کا ملازم' اوپر کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔ فرض کیجئے' وہ مجھے کوئی ایسا حکم دیتے ہیں جو آپ کے خلاف ہو...... فرض کیجئے' مجھے ہر طرف سے مجبور کر دیا جاتا ہے؟"

"تو آپ اپنے فرض کی بجا آوری کیجئے۔"

"نہیں۔" وہ جھنجلا کے بولا۔"نہیں' میں ایسا کرنا نہیں چاہتا' میں جانتا ہوں کہ آپ کیا ہیں۔ میں اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں لڑ سکتا موہن داس جی!"

آئی جی مہتا سے حجت فضول تھی۔ ساری بات میری ناقص عقل میں آ گئی تھی۔ آئی جی مہتا مجھے پہلے سے زیادہ دور اندیش' باتدبیر اور ہنرمند پولیس افسر نظر آیا۔ اس سے زیادہ بات کرنے میں بات کی لطافت زائل ہونے کا اندیشہ تھا۔ میں نے خود کو کم گوئی کا مشورہ دیا۔ ویسے بھی انسانوں کے لیے کھانے کے اوقات کی طرح بولنے کے اوقات بھی مقرر ہونے چاہئیں تھے۔ پھر یہ ساجی بدہضمی نہ ہوتی۔"مہتا صاحب!" میرے تخاطب میں بے نیازانہ شائستگی تھی۔"مہتا صاحب! میں نے سن لیا ہے اور میں آپ کے مشورے پر ضرور غور کروں گا۔"

"میں آپ کو حکم نہیں دے رہا ہوں۔" اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔"ہماری آپ کی اس بات چیت کا علم کسی کو نہیں ہوگا' آپ راج کمار دنیش چندر سے بھی اس کا

ذکر نہ کیجئے گا تو بہتر ہے' ویسے وہ ایک باہوش' ذہین اور سوجھ بوجھ کے آدمی ہیں۔ تو پھر میں کیا امید رکھوں؟"

"میرا جواب آپ کو میرے عمل سے معلوم ہو جائے گا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایک بہتر فیصلہ کریں گے۔"

"اس کے بعد میری جانب سے آپ خود کو اپنے خلوص سے پوری طرح عہدہ برآ سمجھئے گا۔ یوں بھی آپ سے کسی شکایت کا محل نہیں ہے البتہ آپ نے اس طرح مجھے یہاں بلا کے کچھ کہنے کا موقع دیا ہے اور میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس کے چہرے پر سلوٹیں پڑ گئیں' آنکھیں بجھنے لگیں۔"آپ کچھ چائے وغیرہ پئیں گے؟ بے تکلفی سے کہہ دیجئے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"کوئی خواہش نہیں ہے اور آپ کی مصروفیت کا خیال بھی ہے۔"

"چوہان آپ کو اسی طرح واپس چھوڑ آئے گا۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا اور اس نے اپنی نشست سے اٹھ کے دیوار پر نصب شدہ سوئچ دبایا۔ پھر آئی جی مہتا اوپری منزل کی سیڑھیوں تک مجھے چھوڑنے آیا' اوپر رام سکھ موجود تھا۔ اس نے نچلی منزل پر مجھے چوہان کے حوالے کر دیا۔ گاڑی پورٹیکو میں تیار کھڑی تھی' میں پچھلے حصے میں چوہان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چوہان نے پرکاش بھون میں باغ کی سمت ایک سنسان جگہ مجھے اتار دیا۔

پرکاش بھون کی زمین پر قدم رکھ کے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ایک عرصے بعد یہاں آیا ہوں۔ حالانکہ آئی جی مہتا کے ہاں جانے اور واپس آنے میں ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوا ہوگا۔ ایک گھڑی تو باہر کی ہوتی ہے جس کی سوئیاں ہندسوں پہ گھومتی رہتی ہیں' دوسری گھڑی آدمی کے اندر ہوتی ہے جس کی سوئیاں ہندسوں پہ نہیں' آدمی کے دل کے ڈائل پہ گھومتی رہتی ہیں' کبھی صدیاں بیت جاتی ہیں مگر آدمی کے دل کا وقت نہیں بدلتا' کبھی ایک پل میں صدیاں گزر جاتی ہیں۔ مہتا کوئی معمولی شخص نہیں تھا' راجے پور کا آئی جی تھا۔ اس کے منہ سے جو بات نکلتی تھی' اس کی کوئی شخصیت' کوئی حیثیت ہوتی تھی' آدمی کی ترقی کی نشانی ہی یہ ہے کہ اس کی بات کی شخصیت کتنی بڑی ہے۔ آدمی کی قیمت اس کی باتوں سے مشروط ہے اور باتوں کی آدمی سے۔ باتیں تو

بھی کرتے ہیں' کچھ فضول کرتے ہیں' کچھ کو بولنے کا مرض ہوتا ہے' کسی کا کام بات سے بات نکالنا' کسی کو بات کا بتنگڑ بنانا آتا ہے' جتنے منہ ہیں' اتنی باتیں' ان سب بتوڑوں میں سب سے افضل وہی شخص ہے جس کی بات کا لوگ انتظار کرتے ہیں' جس کی بات میں حکم کی رمق اور فکر کا عمق ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے بولنے والی اس مخلوق میں اپنی بولی برتر اور اپنی آواز ممتاز بنائی ہے' انہوں نے یقیناً اپنے پچھلے دنوں میں چھان پھٹک کے باتیں کی ہوں گی کیونکہ اتنی بہت سی باتوں کے درمیان کسی بات پر اعتبار قائم کرانا آسان کام نہیں ہے' یہ اعتبار پیدا کرتے کرتے عرق نکل جاتا ہے۔ جو لوگ پیدائشی طور پر عزت لے کے پیدا ہوئے مگر انہوں نے اپنی بات میں وزن پیدا نہیں کیا' انہوں نے اپنا منصب ضائع کردیا۔ جس بات میں ایک ثبوت موجود ہوتا ہے وہی دوسریوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ آئی جی مہتا نے بات کہی تھی اور وہ آئی جی کے عہدے پر اسی لیے متمکن تھا کہ اس نے اپنے ہم مقابلہ لوگوں سے زیادہ صاف و شفاف' رمز دار' فکر آفریں باتیں کی ہوں گی۔

بھون کا صدر دروازہ میرے سامنے تھا۔ ڈالی اگر مر چکی ہوتی تو یہ مژدہ سن کے زندہ ہوجاتی کہ میں اسے ساتھ لے کے ریاست سے کوچ کر رہا ہوں۔ اب بنو بیگم اور بختاور کے خون کا معاملہ دوبارہ ابھرنے سے رہا۔ کلکتے میں جارج اب بھی اسٹیشن کی بینچوں پر اپنا جسم سکیڑے میلا کوٹ رضائی بنائے ہوئے سوتا ہوگا اور ٹھرا' چائے پیتا ہوگا۔ مسافروں کو گھور گھور کے دیکھتا ہوگا کہ کہیں اس کا دوست تو نہیں آ گیا۔ وہ مجھے دوبارہ دیکھے گا تو اچھل پڑے گا' دیکھتے ہی کہے گا' سالا جام شید' تو تو بڑا دغا باز نکلا' پرسوں تک گاڑی کلکتے پہنچا دے گی۔ ڈالی کے پاس رقم اورزیور وغیرہ اتنے ہوگئے ہیں کہ اب کلکتے کی گودی میں ایک ڈیڑھ روپے کی مزدوری نہیں کرنی پڑے گی۔ جارج کے بھی مزے آ جائیں گے' ہر وقت گڈے کے ساتھ بیٹھا مسخری کیا کرے گا۔ اسے انگریزی پیار کرے گا' انگریزی گالیاں سکھا کے خود کھائے گا۔ پھر گڈا پورا نہیں تو آدھا انگریز ضرور معلوم ہوگا۔ رنگ ویسے ہی اس نے گورا پایا ہے اور ڈالی جب جارج کو گھی میں لپیٹے ہوئے گرم گرم پراٹھے کھلائے گی تو اس کے قدم زمین پر نہیں ٹکیں گے۔ اے کنگ جارج! ڈالی اترا کے کہے گی' تم ذرا ہوا کے مافک جاؤ اور دوسیر وسکی ٹیبل اِی جی ایلی لے کے تیر کی مافک واپس آؤ' اور جارج سر جھکا کے کہے گا' یور ایکسی لینسی

کوئین ڈالی! ہم کو مت ستاؤ' ہم سے اتنا لو مت کرو' ہم مرجائیں گا' ہم تو سالا فیل ہو جائیں گا۔

میری سانسیں بے توازن ہو گئیں۔ پرکاش بھون پر رات غالب آ چکی تھی۔ میں قریب ہی ایک کنوئیں کی من پر بیٹھ گیا اور کنوئیں کی تاریکی میں جھانک کے دیکھا' ایک ٹھنڈا اندھیرا میرے چہرے سے ٹکرایا۔ میں نے جلدی سے گردن نکال لی اور تیز تر قدموں سے دنیش کے محل کی جانب بڑھنے لگا۔ آئی جی مہتا نے مجھے واپس کرکے ڈالی کو ایک بار پھر نصف لاکھ کی خطیر رقم حاصل کرنے کا موقع دیا تھا ورنہ میں نے تو پولیس افسر چوہان کا نام سن کے سمجھ لیا تھا کہ لکشمی دیوی کم ظرفوں سے ناراض ہو کے اب کالی کی صورت میں واپس آئی ہے۔ دنیش باہر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور شاردا اس کے بازو کی ڈریسنگ کر رہی تھی۔ میں جھجکتا ہوا دنیش کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ دیر تک کوئی بات نہیں ہوئی۔ جب شاردا دنیش کی آستین درست کرچکی تو دنیش کی کہر آلود آواز ابھری۔ ''کیا حال ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اپنی بھنچی ہوئی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

''کہاں تھے؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''یہاں بہت بھیڑ تھی اس لیے ادھر ادھر ہو گیا تھا۔''

''دن بھر تم نے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔'' شاردا تنک کے بولی۔

''کچھ خیال ہی نہیں آیا۔''

''دنیش نے بھی کچھ نہیں کھایا' میں نے بہت کہا' کہتے تھے' موہن آجائے گا تو دیکھیں گے۔'' شاردا اضطراب سے بولی۔

''میں آ گیا ہوں۔'' میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اور مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' دنیش میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور تمہیں موہن؟'' شاردا نے تیزی سے پوچھا۔

''تم نے بھی کچھ کھایا؟''

''یہ اپنے آپ کو کھا رہی ہے۔'' دنیش زہر خند سے بولا۔

''بے کار باتیں مت کرو' ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اپنی ساڑھی سنبھالتی ہوئی اٹھی اور گھنٹی بجا کے کسی باندی کو جگانے کے بجائے ملاقاتی کمرے کے اندر نکلنے

والے گلی نما راستے میں اوجھل ہوگئی۔

اس کے جانے کے بعد دنیش نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اس کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسا دیں۔ ''سن لیا؟'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

''ہاں سن لیا۔'' میں نے اس کا پنجہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''اب تو رائے بدل گئی ہوگی؟'' وہ مسکرانے لگا۔ میں نے جواب نہیں دیا۔

''کیا ابھی کچھ اور سننے' کچھ اور دیکھنے کا حوصلہ ہے؟'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''اپنا ارادہ کہاں کام کرتا ہے۔''

''پھر تو سب ٹھیک ہی ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

''آپ نے کیا سوچا؟'' میں نے نیچی آواز میں پوچھا۔

''کچھ سوچا ہی نہیں جاتا۔'' وہ آہ بھر کے بولا۔

''میرے بارے میں تو آپ نے سوچا ہوگا۔''

''تم۔'' وہ سیدھا ہو کے بیٹھ گیا اور میری صورت تکنے لگا پھر ہنسنے لگا۔ ''چٹکی لے رہے ہو۔'' وہ ہنستے ہنستے سنجیدہ ہوگیا۔ ''رائے بدل دو موہن!''

''رائیں اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے نہیں بدل جاتیں دنیش بابو!''

''زمین تنگ ہوتی جارہی ہے۔''

''یہ زمین کا فیصلہ ہے۔''

''ہم زمین بدل سکتے ہیں۔'' اس کی آواز تمتمانے لگی۔

مجھے آئی جی مہتا کی بات یاد آگئی۔ اس نے دوسرے لفظوں میں یہی کہا تھا۔ زمین لامحدود اور بینائی محدود ہے۔ لوگوں نے دور دور بینائی پہنچانے کے لیے ریلیں' موٹریں' ٹیلی فون اور ریڈیو ایجاد کر لیے ہیں لیکن زمین ابھی بینائی کی دست رس سے دور ہے' اور درمیان میں ان گنت رکاوٹیں ہیں۔ جب ایک زمین ناراض ہو جاتی ہے تو آدمی اسے بدل دیتا ہے۔ دنیش چندر نے بارہا مجھ سے یہ خواہش کی تھی۔ شروع شروع میں مجھے ہر زمین سے خوف آتا تھا لیکن اب بنو بیگم اور بختاور کی روحوں کی آوازیں دوسری بے شمار روحوں کی آوازوں میں دب گئی تھیں اور آئی جی مہتا کے مشورے کی روشنی میں دنیش چندر کی بات اب زیادہ سمجھ میں آرہی تھی۔ چلو بھئی اُٹھاؤ پان والا تان تنبورا' پیچوان' سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں' میں سوچتا رہا' میری خاموشی

دنیش بھی یہی کام کرنے لگا۔ پر ہم دونوں کو شاردا نے بیدار کیا۔ اس نے صوفے کے سامنے چھوٹی میز پر پلیٹیں سجا دیں اور خود ایک کرسی رکھ کے بیٹھ گئی۔ آدمی کھاتا ضرور ہے تاکہ غم کا پودا مرجھا نہ جائے' آدمی کھانا بند کردے تو نہ کھانے کی زحمت رہے' نہ غم کو پنپنے کا موقع ملے۔ شاردا احساس باقی رکھنا چاہتی تھی۔ پھول' کانٹے چبھو رہے تھے۔ آدمی امید کا غلام ہے' امید ہوس ہے' امید نفس ہے۔ ''تکلف مت کرو۔'' شاردا نے اپنے لبوں پر تبسم بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''اپنا ہی گھر سمجھ کے کھانا۔''

''تکلف تو تم نے کیا ہے شاردا!'' میں نے لقمہ دیا۔

''آپ بھی کچھ لیجیے راج کمار!'' شاردا نے دنیش کے منہ کے قریب بھرا ہوا چمچا کر دیا۔ ''سقراط نے زہر پینے سے پہلے باقاعدہ کھانا کھایا تھا۔''

''مگر شرط یہ ہے کہ اس کے بعد زہر پیش کیا جائے۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہاں زہر کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جس طرف نظر اٹھائیں گے۔ زہر ہی زہر دکھائی دے گا۔ فی الحال زہر پینے کا حوصلہ پیدا کر لیجیے۔'' شاردا نے میری اور دنیش کی پلیٹوں میں سالن نکالنا شروع کر دیا۔

کھانا مختصر مگر بہت دلچسپ تھا۔ شاردا نے انڈے' آلو' ٹماٹر اور مٹر اپنے ہاتھوں سے تلے تھے۔ سبزیوں کا شوربہ بھی گرم تھا۔ اس میں شاردا کی نفاست بسی ہوئی تھی۔ اس میں اس کی انگلیوں کا ذائقہ شامل تھا۔ کھانے کے فوراً بعد وہ کافی لے آئی اور اس دوران میں اس نے ہمیں کسی دوسرے موضوع پر بات نہیں کرنے دی۔ کاش ہمیشہ ایسا ہوتا۔ چاہے زندگی بھر آلو' مٹر' ٹماٹر اور انڈے ملتے رہتے۔ زندگی میں صرف یکساں مناظر نظر آنے لگیں تو زندگی بہت آرام سے گزر جایا کرے لیکن زندگی میں کہیں پہاڑ ہیں' کہیں دریا' کہیں سبزہ زار کہیں صحرا۔ آدمی ذوق نظر کی خاطر چیزیں خلط ملط کر کے روز لکھوکھا چیزیں بنا رہا ہے۔ مکانوں کے مختلف ڈیزائن ہیں' لباسوں کی نو بہ نو اقسام کا ڈھیر ہے۔ ایک مکان' ایک غذا' ایک لباس اور زندگی کا ایک منظر ہوتا تو زندگی کتنی رواں اور سبک ہوتی۔

آئی جی نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس نے کوئی فیصلہ کرنے کے لیے مجھے ایک زمانے کی رعایت دے دی ہے۔ میرے قبضے میں صرف ایک یا دو راتیں تھیں۔ اس کے بعد منظر پلٹنے والا تھا۔ ایک دو دن تو جیسے

میں حوالات میں بند تھا یا یوں کہیے کہ پیرول پر رہا ہوا تھا۔ البتہ دو دن بعد مجھ پر... کا تصرف ہوتا۔ دو ایک دن تو عیش کے تھے۔ سیاں بھئے کوتوال' اب ڈر کاہے کا' دو د... بعد آرزو اور انتظار کے تمام دن ختم ہو جائیں گے۔ یا تو رنگون جانا پڑے گا یا پھر د... ہی میں فیصلہ ہو جائے گا۔ میں ڈالی کو لے کے اور گڈے کو کندھے پر چڑھا کے ا... وقت صدر دروازے سے باہر جا سکتا تھا مگر گاڑی چھوٹنے میں ابھی وقت تھا۔ اسی خیا... سے میں دنیش کے محل کی جانب آیا تھا کہ سب کو ایک بار دیکھ لوں' پھر یا قسم... یا نصیب' پھر معلوم نہیں دوبارہ یہ ہوائیں' یہ فضائیں دیکھنے کو ملیں یا نہ ملیں۔ یہاں آ کے... شاردا نے ٹماٹر کھلا دیے اور رگ و پے میں کافی گھول دی۔ شاردا کو شاید کسی طرح یہ خ... ہوگئی کہ مجھے اب جلد ہی جانا ہے' جتنی خاطریں کرنی ہیں' کرلو۔ وہ میرے پہلو م... بیٹھ گئی اور میرا دل کٹنے لگا۔ شاردا بہت اداس ہو جائے گی' پہلے بھی ذرا سی بات پر ا... نے کتنا برا مانا تھا' اس کی وحشت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ڈالی کے پاس تو گڈا ہے' گڈ... اسے مرنے سے بچاتا رہے گا۔ شاردا کے پاس کیا ہے۔ اس کا گڈا چھن جائے گا ت... دیواروں سے سر پھوڑے گی۔ آنسوؤں میں بہہ جائے گی اور اگر میں اسے اپنے سا... لیتا بھی چلوں تو وہ جھلستی دھوپ' پھیلی ہوئی تاریکیوں کی کہاں متحمل ہوگی۔ اس کا ب... میلا ہو جائے گا اور یہ دنیش چندر مہاراج۔ میرے آقا' میرے سرتاج' ان کا کیا... ہوگا' یہ بھی تو کچھ کم نہیں ہیں۔

میں نے اپنے طور پہ ذہن میں دو راتوں کی گنجائش رکھ لی تھی' کام بہت... بکھرے پڑے تھے' بہت سے لوگوں سے ملنا تھا۔ پارو بھی ادھر میری راہ تک ر... ہوگی۔ ہر آہٹ پر دروازہ کھول کے دیکھتی ہوگی۔ پریت سے بھی چلتے وقت ملاقا... ہوجاتی تو اچھا تھا۔ شاردا نے اپنا تماشا دکھا کے سب درہم برہم کردیا۔ مرتے وقت... چارہ گر بدسلوکی کرنے لگیں تو موت آسان ہو جایا کرے مگر مرنے والے کی بھی بڑ... کوتاہی ہے کہ وہ چلتے چلتے اپنی بنائی ہوئی عمارتوں اور حساب کتاب پر ایک نظر ڈا... لینے کا آرزومند رہتا ہے۔ لوگ ہمدردی میں شہد کے بول' بول دیتے ہیں اور اس طر... موت تلخ بنا دیتے ہیں۔ شاردا نے اس رات مجھے کہیں نہیں جانے دیا اور اپنے سا... دیر تک دنیش کو بھی جگائے رکھا۔ میری طرح دنیش بھی جگ دیپ کے ہاں ہونے وا... واردات پہ گفتگو کے لیے آمادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شاردا کی موجودی میں آسانی ہ...

ورنہ اور سرگرانی ہوتی۔ میں دنیش کے ذہن کا فشار یہ کہہ کے دور کر سکتا تھا کہ کل رات بڑی حویلی کے واقعے کی پشت پر میرا جلوہ کارفرما تھا مگر میرے سامنے کوئی بھی تو ایسا نہیں تھا جو جھوٹے منہ سارا الزام اپنے سر لے کے میرے جسم کی لکیروں میں بار بار اٹھنے والی سنسنی رفع کر سکے۔ آئی جی اس قسم کی وارداتیں سننے کا عادی ہو گیا تھا اور دنیش چندر نے بھی یہ واقعہ جوں کا توں قبول کرلیا تھا۔ جس طرح بڑی حویلی کا گزشتہ واقعہ قبول کیا تھا جس میں سریش چندر مارا گیا تھا اور جو پولیس افسر ٹیلر کے شوق کا شاخسانہ تھا مگر میں یہ کرشماتی خبریں سننے کا عادی نہیں تھا اور نہ اسے جوں کا توں قبول کر سکتا تھا۔ میری نظریں ان لوگوں کو ڈھونڈ رہی تھیں جو کل رات کنور جگ دیپ کی قلعہ بند حویلی میں گھس گئے تھے اور جنہوں نے ریاست میں کھلبلی مچا دی تھی۔

شاردا ہی نے اس بات کا اہتمام کیا کہ وہ دنیش کو اس کی خواب گاہ میں لے جا کے جبراً بستر پر دراز کردے۔ ''میں ساری رات جاگتی رہوں گی۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔'' اس نے دنیش کے سامنے مجھے تنبیہ کی۔ میں نے سر جھکا لیا۔ دنیش نے جلد ہی اپنے منہ پر چادر ڈھانپ لی تھی۔ وہ ہم دونوں کو اپنی خوابیدگی کا تاثر دینا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اسے آسانی سے نیند نہیں آئے گی۔ جب دنیش نے پردہ کرلیا تو صرف شاردا میری آنکھوں کے سامنے رہ گئی۔ اس کا چہرہ خواب گاہ کی سرخ روشنی میں سلگ رہا تھا۔ تعجب ہے' ابھی ابھی وہ دھمکیاں دے رہی تھی مگر میں نے آنکھ اٹھا کے دیکھا تو اس نے نظریں نیچی کرلیں۔ اس نے قریب ہی رکھا ہوا ایک رسالہ اٹھا لیا' اس طرح مجھے بھی اس کے چہرے کی کتاب پڑھنے میں سہولت ہوگئی۔ پھر اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا تو میری ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے رخساروں سے شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ ''جا کے سو جاؤ۔'' اس نے سرگوشی کی۔ ''میں باہر سے دروازہ بند کرلوں گی۔''

''مجھے یہیں بیٹھا رہنے دو۔'' میں نے ہلکی آواز میں استدعا کی۔

''نہیں' تمہیں سونا چاہیے۔ آئینہ دیکھا ہے؟ آنکھیں جل رہی ہیں۔ نہ جانے تم کتنی راتوں سے جاگ رہے ہو۔'' اس کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''ایک رات اور سہی۔'' میری آنکھیں بھیگ گئیں۔

''موہن!'' اس نے بے چینی سے کہا۔ ''تمہیں کچھ خیال ہے۔''

''کیسا خیال؟'' میں بھول گیا تھا کہ مجھے زور سے نہیں بولنا چاہیے کیونکہ دنیش قریب ہی لیٹا ہے۔ ''کیسا خیال؟'' میں نے اپنی آواز گھونٹ لی۔

''آؤ چلو۔'' اس نے دنیش کے پیروں پر رضائی ڈال دی اور ہولے سے دروازہ بند کردیا۔ اس کا رخ برابر کے کمرے کی جانب تھا' میں اس کے پیچھے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ ''اس بستر پر جا کے آرام سے سو جاؤ۔''

''شاردا!'' میں نے جھنجلا کے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اس نے اپنی آنکھیں سامنے کیں تو میرا سارا جسم لرز گیا۔ ''رونا نہیں شاردا! رونا نہیں۔'' میں نے جھرجھراتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کا مرتعش سراپا بے تحاشا اپنے سینے میں کھینچ لیا۔

''موہن!'' اس نے بہ مشکل احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ''ختم کردو۔''

میرے ہاتھوں میں لرزش ہونے لگی اور میں نے اسے آزاد کر دیا۔ ''شاردا!'' میں نے فریاد کی۔ ''ایک دو لمحے میرے پاس بیٹھ جاؤ' میں تمہیں خوب دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔'' وہ اپنے آنچل سے میری آنکھیں خشک کرنے لگی اور میرا ہاتھ کھینچ کے مجھے دیوان پر لے گئی پھر اس نے میرے شانے پر اپنے باغیچہ بدن کا دباؤ ڈال کے مجھے لٹا دیا۔ ''لو مجھے خوب غور سے دیکھو۔'' اس نے کرب سے کہا۔ ''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم ایک بار بہت توجہ سے مجھے دیکھ لو۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ ضرور کر دینا۔ یہ میری بنتی ہے۔ مجھ سے اب گاڑی نہیں کھینچی جاتی موہن!'' اس نے اپنی لمبی لمبی زلفیں کھول لیں۔ میں انہیں اپنی آنکھوں اور لبوں سے دیوانہ وار مس کرنے لگا۔

''میں تمہیں لے جاؤں گا۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔ ''میں تمہاری گاڑی اپنے بازوؤں سے کھینچوں گا مگر......''

''مگر کیا؟'' وہ اختلاجی انداز میں بولی۔

''مگر کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔'' میں نے اسے اپنی چھاتی پر بکھیر لیا۔

''موہن!'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''جو کہنا چاہتے ہو' ہمت سے کہہ دو' زبان بند مت کرو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ کچھ نہیں کہوں گی۔ جیسے جیسے دن گزر رہے ہیں' میرا دل ہولتا جارہا ہے۔''

''شاردا! دل قابو میں رکھو' مجھے تم سے یہی کہنا ہے کہ اب تم پہلے کی طرح سب سے اور اپنے آپ سے روٹھو گی نہیں۔ مجھ سے بس ایک وعدہ کرو' آخری وعدہ کہ تم...... تم اپنا فیصلہ خود نہیں کرو گی۔ تم مجھے یا میری روح کو آزار مت پہنچانا۔ تم نے بہت نادانی کا ثبوت دیا ہے جو مجھ جیسے شخص سے اپنی ڈوری باندھ لی ہے۔ اب اس شخص کو کچھ سمجھا ہے تو اسے رلانا مت' اسے ستانا مت۔'' میرے پاس کہنے کے لیے کچھ اور نہیں تھا۔ شاردا نے بھی چپ سادھ لی۔ وہ ایک پل کے لیے بھی میرے سینے سے اوجھل نہیں ہوئی۔ وہ مجھے سلانے آئی تھی مگر ساری رات جگائے رہی' اس نے ایک کروٹ بھی نہیں بدلی۔ کل کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اس لیے شیشے' ریشم' شہد اور موم کی بنی ہوئی اس لڑکی نے آج ہی کو' موجود ہی کو سب کچھ جانا۔

میں نے اسے کریدا نہیں۔ یوں ہی پڑی رہنے دیا تاکہ شیشے میں بال نہ پڑ جائے۔ ریشم میلا نہ ہو جائے' شہد کی مٹھاس زائل نہ ہو جائے اور موم پگھل نہ جائے۔ پھر صبح کے آثار ہویدا ہوئے تو میں نے اس کا چہرہ احتیاط سے اٹھایا' رات بھر آنسوؤں کی اوس بری تھی اس لیے اس کے رخسار کا سبزہ دھل گیا تھا اور اس کی دوشیزگی کے پھل سرخ ہوگئے تھے۔ میں نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کے اسے پھر بٹھا لیا۔

مگر وہ تیزی سے اٹھ کے چلی گئی اور میں اسے اپنے سینے میں ٹٹولتا رہا' جہاں اس کے بدن کی سوندھی سوندھی مٹی لگی ہوئی تھی۔ جہاں وہ رات بھر مقیم رہی تھی' میرے مکان میں' اس نے میرے قریب رہ کے مجھے اور اچھی طرح دیکھ لیا۔ جو پہیلیاں' میں اسے نہیں بتا سکا تھا وہ اس نے خود بوجھ لی ہوں گی مگر میں بھی تو اس کے قریب رہا تھا۔

روشنی پھیل گئی تھی مگر میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ یہاں سے جاکے شاردا کی آنکھ لگ گئی ہوگی ورنہ وہ چائے لے کے ضرور آتی۔ مجھے چین نہیں آیا۔ میں نے باہر جاکے دیکھا' دنیش غسل کررہا تھا اور شاردا اس کے بستر پر آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کے چہرے پر حوروں کا تقدس چھایا ہوا تھا اور ہونٹوں پر ایک پاکیزہ اور آسودہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میں دبے قدموں وہاں سے چلا آیا اور ملاقاتی کمرے میں آکے ہانپنے لگا۔

آئی جی مہتا کا ارشاد تھا کہ میں یہ بستی چھوڑ دوں کیونکہ بھوت میرے تعاقب

میں رواں ہیں۔ میں کہیں دور چلا جاؤں' جہاں میرے جسم کا سرمایہ محفوظ رہے۔ آدمی کو سب سے زیادہ محبت اپنے اسی سرمائے سے ہوتی ہے۔ آئی جی مہتا کو کیا معلوم تھا کہ یہ جسم تو مستعار ہے۔ یہاں رہے' وہاں رہے' سلاخوں کے اندر رہے' سلاخوں کے باہر رہے' راجے پور میں رہے یا کہیں اور' جسم اکیلا کب ہوتا ہے۔ جسم آسمان سے کب نازل ہوتا ہے۔ وہ تو اسی زمین پر نمو پاتا ہے اور اس کی شاخیں درون زمیں دوسرے جسموں کی شاخوں سے مل جاتی ہیں۔ اس کی جڑ اکھاڑ بھی دی جاتی ہے تو بیچے ایک دوسرے سے پیوست زمین ہی میں رہ جاتے ہیں۔ وہ خالص کب رہتا ہے' اپنا بندہ' اپنی غرض کا بندہ۔ بظاہر میں نے پرکاش بھون کی نرگس کو' چمپا کو' بیلا کو' موتیا کو' رات کی رانی کو' جوہی کو' گلاب کو' سرو کو' چھوئی موئی کو' شاردا کو اپنا سینہ دکھا دیا تھا کہ وہ میرے نہاں خانے میں کہاں کہاں کھلی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہونٹوں پر ملکوتی تبسم نکھارے دنیش کے بستر پر لہلہا رہی تھی لیکن یہ میری بھول تھی اور مجھے جلد ہی اس کا اندازہ ہوگیا۔ جب میں باہر آیا تو شاردا کے لبوں پر سرسراتی ہوئی مسکراہٹ کا اندازہ ہوا۔ پھول تو اپنی دل ربائی پہ نازاں تھے۔

میں ملاقاتی کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ میں نے جھپٹ کے فون اٹھا لیا۔ سوچا' آئی جی مہتا کو فون کروں۔ میں نے نمبر ملائے۔ شاید وہ مہتا ہی کی بوجھل آواز تھی مگر میں نے بات نہیں کی۔ وہ ہیلو ہیلو کرتا رہا۔ پھر اس نے تلخی سے فون بند کر دیا۔ میں نے اپنے کمرہ خاص کی الماری کھکھوڑنی شروع کی۔ ڈالی میرے کپڑے یہیں رکھ جاتی تھی۔ پاجامہ اور کرتا بدل کے میں دنیش کی خواب گاہ میں گیا۔ وہ غسل خانے سے نکل آیا تھا اور لباس کی الماری کے نزدیک کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کے اس کی آنکھوں میں ہلاسی آئی۔ میں بھی اس کے برابر کھڑا ہو کے الماری میں تاک جھانک کرنے لگا۔ پھر میں نے ایک واسکٹ ہینگر سے اتار کے پہن لی۔ ''کہاں انقلاب لانے کا ارادہ ہے؟'' دنیش نے میری واسکٹ درست کرتے ہوئے کہا۔ ''باہر مت نکلنا' گورے پکڑ لیں گے۔''

''گوروں سے پہلے کالے جھپٹیں گے۔''

''آہستہ' وہ جاگ جائے گی۔'' اس نے منہ پر انگلی رکھ کے شاردا کی طرف اشارہ کیا۔ ''میٹھی نیند سو رہی ہے۔''

میں قد آدم آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر دنیش کو پتہ بھی نہیں چلا اور میں نے اس کی گاڑی کی چابی اٹھا کے جیب میں ڈال لی۔ ایک چابی ڈرائیور کے پاس بھی تھی لیکن جب یہیں کام بن گیا تو اس کے آگے ہاتھ پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ''میں ذرا ڈالی کے پاس جا رہا ہوں۔'' میں نے دروازے کے قریب پہنچ کے کہا۔

''ہوں۔'' اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا اور گردن ہلائی۔ ''کہیں اور مت جانا۔''

پرکاش بھون میں صبح روشن ہو چکی تھی۔ میں گیراج سے گاڑی نکالتے وقت پہیوں کے نٹ بولٹ دیکھنا نہیں بھولا۔ بریک بھی ٹھیک تھا۔ پٹرول تو ہمیشہ بھرا رہتا تھا۔ گاڑی صدر دروازے پر اس لیے نہیں روکی گئی کہ وہ راج کمار کی گاڑی تھی۔ حالانکہ یہ وہ گاڑی نہیں تھی جو کرنیوں کی آخری رسوم میں شرکت کے لیے چھاؤنی جاتے ہوئے دنیش نے خود زخمی کر دی تھی۔ راجے پور کے مستری اس کی باڈی اصل کے مطابق بنانے کے لیے ہنر صرف کر رہے تھے۔ گورے تخلیق کرتے ہیں' ہندوستانی نقل کرتے ہیں۔ وہ اصل کے ماہر ہیں اور یہ نقل کے۔ کتنی سیدھی سی بات تھی۔ چیزیں بنانا آزادی' چیزوں کی نقل کرنا غلامی ہے۔ ہندوستانی ہر طرف انگریزوں کے خلاف احتجاج کر رہے تھے' اگر یہ صاف اور سیدھی بات سمجھ لیتے تو گورے کی بندوق دغنا بھول جاتی۔ سڑک صاف تھی' چوک میں زندگی اجاگر ہوگئی تھی اور یہاں سپاہیوں کا زبر دست جمگھٹا تھا۔ میں تیز رفتاری سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا رہا میرے پیچھے کئی سیٹیاں بجیں لیکن میں نے کوئی توجہ نہیں دی کیونکہ کسی اور نے نہیں' شہر کے کوتوال سے بڑے آدمی آئی جی مہتا نے مجھے چند دن عطا کیے تھے۔ صرف ایک جگہ میری گاڑی باقاعدہ طور پہ روک لی گئی اور یہ وہ آخری جگہ تھی جہاں مجھے رکنا ہی تھا۔ ایک باوردی' مونچھ دار شخص اسٹیرنگ پر آیا۔ اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا مگر میں گاڑی میں بیٹھا تھا اور گاڑی بھی ہاتھی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ''کہاں جانا ہے؟'' اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

''اندر۔'' میں نے بے نیازی سے مختصر جواب دیا۔

''یہ راج محل ہے۔'' وہ طنطنے سے بولا۔ ''آپ کو کس سے ملنا ہے؟ کیا آپ نے وقت لیا ہے؟ آپ' آپ کون صاحب ہیں؟''

"کس سوال کا جواب دوں؟" میں نے ترشی سے کہا۔

وہ کچھ گھبرا گیا۔ "جناب! جس کا آپ مناسب سمجھیں۔"

"اندر اطلاع دو کہ پروفیسر زاہدی ملنے آیا ہے۔"

"آپ کو پہلے سیکرٹری سے ملنا ہوگا۔" وہ جھجک کے بولا۔

"دروازہ کھولو' میں جانتا ہوں کہ مجھے پہلے کس سے ملنا چاہیے۔" میں تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "مہاراجہ امر ناتھ یا راج کماری کنول سے براہ راست اجاز حاصل کروں۔"

"میں ایسا نہیں کرسکتا جناب! مہاراجہ یا راج کماری سے ملنے کے لیے سیکر کے ذریعے وقت طے ہوتا ہے' یا جن لوگوں کو اندر جانے کی خاص اجازت ہے' ا ہم نہیں روکتے۔ ریاست کے بڑے عہدے دار' گورے لوگ یا شہر کے خا خاص....."

"میں جانتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کے جھنجلا کے کہا۔ "سیکر سے میری بات کرانے کا انتظام کرو۔"

اس نے سیٹی بجا کے دوسرے سنتریوں کو متوجہ کیا اور دروازہ کھولنے کا اش دیا۔ راج محل کا دیو قامت دروازہ کھول دیا گیا۔ جس سے ہاتھی گزر سکتا تھا۔ میں ا داخل ہوگیا۔ دروازے کے ساتھ ہی ایک مختصر خوب صورت سفید عمارت تھی۔ میں وہیں گاڑی روک لی اور چبوترا عبور کرکے برآمدے میں کھڑا ہوگیا۔ ادھر سے سنتر ادھر اندر سے ایک خوش پوش شخص لپک کے میرے پاس آیا۔ سنتری نے میرے کہنے سے پہلے اس شخص سے بات شروع کردی۔ "رگھوناتھ جی! صاحب مہاراجہ یا را کماری سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

رگھوناتھ نے سر سے پیر تک مجھے گھور کے دیکھا' میں نے اپنا مدعا پیش کرد وہ جزبز ہونے لگا کہ اس طرح ملاقات تقریباً ناممکن ہے۔ "کیا آپ راج کماری کنو سے فون پر میری بات نہیں کراسکتے؟" میں نے ناگواری سے کہا۔

"دیکھیے جناب! یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں ہے۔" اس نے منہ بنا کے جوا دیا۔ "آپ کو ان کے سیکرٹری سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا۔"

"تو مجھے ان کے سیکرٹری سے ملوا دیجیے۔"

"آپ راج کماری سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟"

"یہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ تعجب ہے کہ آپ ان کے سیکرٹری سے بات کرانے میں کیوں جھجک رہے ہیں' کیا مہمانوں سے راجے پور میں یہی سلوک کیا جاتا ہے؟" میں نے انگریزی میں کہا۔ وہ شاید انگریز کے نطفے سے تھا' اس مرتبہ میری بات جلد ہی اس کی سمجھ میں آ گئی۔ سنتری بھی اٹینشن ہوگیا۔ مجھے اندر کمرے میں صوفے پر بٹھا دیا گیا اور میرے سامنے راج کماری کے سیکرٹری کو فون پر میری آمد سے مطلع کیا گیا۔ اس نے حجت کی مگر رگھوناتھ نے دبے لفظوں میں اسے راج کماری سے پوچھ لینے کا مشورہ دیا۔ کچھ دیر کے لیے فون کا رابطہ منقطع ہوگیا' پھر گھنٹی بجی اور رگھوناتھ نے جیسے کینچلی بدل لی۔ وہ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا اور مجھے راستہ بتانے لگا' گاڑی ارد گرد چمن زاروں میں دھیرے دھیرے گزرتی رہی۔ ہر طرف بہار چھائی ہوئی تھی۔ میں ایک بار رات کو یہاں آیا تھا مگر اس وقت بات ہی کچھ اور تھی۔ پھول سبزے پر بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے حسین لڑکیاں سبز پردوں سے جھانک رہی ہوں۔ جب راج محل کی کئی عمارتیں پیچھے رہ گئیں تو ایک شان دار عمارت نظر آئی۔ درمیان میں ایک بڑا حوض بنا ہوا تھا۔ اس میں سفید سفید بطخیں تیر رہی تھیں اور رنگ برنگے کنول کھلے ہوئے تھے۔ یہاں گاڑی روک دی گئی۔ دربان نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا اور ایک مودب شخص نے مجھ سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ "مجھے بمل کہتے ہیں۔"

"شکریہ۔" میں نے مسکرا کے کہا۔ "آپ کو زحمت ہوئی۔"

"زحمت کیسی جناب! مجھے افسوس ہے' آپ کو انتظار کرنا پڑا' دراصل....."

"چھوڑیے بمل! میرا چہرہ دیکھ لیجیے۔" میں نے شگفتگی سے کہا۔ "اور مجھے جلد سے جلد راج کماری کی خدمت میں پہنچا دیجیے۔"

"آیئے' آیئے۔" وہ ندامت سے بولا۔ "تشریف لایئے۔" وہ مجھے اندر لے گیا۔ پیر قالین میں دھنسنے لگے۔ میرا جی چاہا کہ جوتا اتار کے چلوں۔ ہر جگہ سر پہ جھاڑ فانوس آرہے تھے اور مجسمے قدم ٹھٹکا دیتے تھے' مجھے کونے کے ایک وسیع و عریض کمرے میں لے جا کے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ کمرے کی آرائش کا کیا مذکور' صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ راج محل کی خاص عمارت کا کمرہ تھا۔ میں وہاں ایک نشست میں دھنس گیا۔ جلد ہی ایک خوش جمال باندی نظر نواز ہوئی۔ اس نے مخصوص انداز میں نمسکار کیا اور میرے

سامنے شربت کا گلاس اور خشک میوے رکھ کے چلی گئی۔ میں نے اپنی نشست کئی بار بدلی۔ راج کماری کنول آنے والی تھی۔ ایک پری جلوہ گر ہونے کو تھی۔ میں نے اس سے دو دن سے فون پر بات نہیں کی تھی' وہ آتے ہی شکوہ کرے گی۔ چھم چھم' پری چھم ایک کمرے سے باندیوں کی پازیب کھنکی تو میرے دل کی پازیب بھی کھنکنے لگی' راج کماری کو آنے میں دیر ہوگئی۔

پھر ایک دروازے پر کسی کی آہٹ کا گماں ہوا۔ میں اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ میری نظریں خیرہ ہوگئیں۔ راج کماری کنول ہلکی گلابی ساڑھی میں مسکراتی ہوئی برآمد ہوئی۔ میری سانسیں الجھنے لگیں اور میں اپنی جگہ ششدر کھڑا رہ گیا۔ ''اوہ موہن!'' وہ الھڑ انداز میں لپکتی ہوئی میری طرف بڑھی اور میرے نزدیک آ کے رک گئی۔ ''ہمیں یقین نہیں آتا کہ صبح ہوگئی ہے۔'' اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ''اور یہ تمہی ہو نا؟''

''صبح ہوئے دیر ہوگئی ہے۔'' میں نے سنبھل کے کہا۔

''اوہ۔'' وہ مسرت سے بھرپور لہجے میں بولی۔ ''آج تم دیواریں پھاند کے آ ہی گئے' تم نے خبر بھی نہیں کی۔ تمہیں یہاں آنے میں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں لیکن ہر قدم پر ڈر لگتا رہا۔'' میری آواز پر اس کی قربت کا نشہ چھا گیا تھا۔ ''دیکھیے' میں آ ہی گیا۔''

''ہمیں اپنی آنکھوں پر شبہ ہوتا ہے' کل بھی تم نے فون نہیں کیا' پرسوں بھی نہیں' آج بھی ہم انتظار کرتے رہے' تم کیسے ہو موہن؟'' وہ سرشاری سے بولی۔

''میں نے آج دل بہت مضبوط کیا' سوچتا رہا' راج محل جا رہا ہوں' کیا لباس پہنوں' کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ فون کرنے کا موقع نہیں ملا' بس چلا آیا۔''

''اوہ' تم نے کتنا اچھا کیا۔'' وہ اپنی ایک آوارہ لٹ سنبھالتی ہوئی بولی۔ ''تم ہر لباس میں تم نظر آتے ہوں۔ تم موہن داس' تم پروفیسر زاہدی' تم ایک حیرت انگیز آدمی۔''

''واقعی اس وقت تو مجھے بھی خود پر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔''

''کیوں؟'' وہ معصومیت سے بولی۔

''اس لیے کہ میں یہاں آپ کے سامنے موجود ہوں' آپ ریاست کی راج کماری' آپ ایک حسین و جمیل دیوی' آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔ کیا یہ کچھ کم حیرت کی

بات ہے؟''

''تم بہت شریر ہو' یہ ہمیں بار بار راج کماری کے طعنے مت دو۔ ارے تم کھڑے کیوں ہو' بیٹھ جاؤ۔ ہم بھی کتنے غیر مہذب ہو گئے ہیں۔''

''میں کسی سے کہہ کے نہیں آیا ہوں' کل سے بہت اداسی تھی' آپ سے باتیں کرنے' آپ کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''ہم بھی بہت اداس ہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوگئی اور مجھ سے اس قدر قریب ہوگئی کہ میری آنکھیں کترانے لگیں۔ ''ہمارا دل بہت گھبرانے لگا ہے موہن!'' وہ والہانہ انداز میں اچانک بولی۔ ''تم یہاں کیوں نہیں آ جاتے؟''

''جی......'' میں نے سٹ پٹا کے کہا۔ ''کیسے آ جائیں۔''

''جیسے آئے ہو' بس یہاں سے واپس مت جاؤ' یہاں تم راج محل کے مہمان ہو۔'' وہ تمکنت سے بولی۔ ''یہاں باندیاں ہیں' نوکر ہیں مگر بات کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم تو بات کرنے کو ترس جاتے ہیں۔ ہم' لوگوں کو لاکھ سمجھاتے ہیں موہن کہ ہم کچھ اور بھی ہیں' پر کوئی سمجھتا ہی نہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے جوش سے کہا۔

''ہاں تم سمجھتے ہو' بے شک سمجھتے ہو۔'' وہ مسرت سے بولی۔ ''اسی لیے تو ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ تم یہاں ہمارے مہمان رہو۔''

''کنول دیوی!'' میں نے غنودہ آواز میں کہا۔ ''آپ اپنے دشمن کیوں بڑھانا چاہتی ہیں۔ یہ سکون بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کا آپ کو بھی اندازہ نہیں ہے۔''

''موہن۔!'' چند لمحوں کے توقف کے بعد اس کی لرزیدہ آواز ابھری۔ ''ہم تم سے اپنے بارے میں بہت سی باتیں کہنا چاہتے ہیں لیکن......''

''لیکن آپ کہہ نہیں پاتیں۔'' میں نے مسکرا کے کہا۔

''شاید سونے کے اس پنجرے میں رہتے رہتے ہماری جرات ختم ہوگئی ہے۔ شاید ہمیں وہ لفظ سکھائے نہیں گئے لیکن ہم اپنے احساس سے تو نا آشنا نہیں ہیں۔''

''میں آپ سے پوری طرح متعارف ہوں لیکن آپ مجھے نہیں جانتیں۔''

''ہم نے جس قدر تمہیں جانا ہے' اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں سمجھتے' تم یہ کہنا چاہتے ہو گے کہ ہم نہیں جانتے' تم کون ہو' تم کبھی پروفیسر زاہدی ہو' کبھی موہن

داس۔ ہم تمہیں بتائیں کہ تم ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہو۔ تم کوئی بھی ہو مگر ایک بہت الگ آدمی ہو بہت سے آدمیوں سے الگ۔ یاد ہے ہم نے تم سے ہسپتال میں کہا تھا کہ تمہیں تو راجا ہونا چاہیے۔ موہن! ہم نے تمہارے متعلق عجیب باتیں سنی ہیں اور سنتے رہتے ہیں لیکن ہم کبھی انہیں خاطر میں نہیں لاتے' ہمارا دل کہتا ہے کہ تمہارا چہرہ جھوٹ نہیں بولتا۔ تم ایک نوجوان آدمی ہو' اس عمر میں آدمی اتنے جھوٹ نہیں سیکھ پاتا۔ کچھ بھی ہو' ممکن ہے تمہارے بارے میں لوگ سچ کہتے ہوں مگر ہم...... ہم۔"
اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔ "ہم اپنے آپ کو نہیں سمجھا پاتے۔"

میں حیران نگاہوں سے اس کے رخساروں سے پھوٹتی ہوئی شفق دیکھ رہا تھا۔

"راج کماری کنول!" میں نے بے اختیار اس کے ہاتھ بے تابی سے تھام لیے۔ "لوگ آپ سے سچ کہتے ہیں لیکن میں اپنے جھوٹ کے باوجود یہاں آ گیا ہوں۔ پتہ نہیں میں کیا چاہتا ہوں۔" میری زبان بہکنے لگی۔

"دیکھو موہن!" وہ مجھ سے اور قریب ہوگئی اور اپنائیت سے بولی۔ "ہم ایک بات بتائیں' ہم صاف صاف بتائیں' ہم بھی بہت عجیب ہیں۔ ہمیں بھی خود سے مت سمجھنا' جب تم ہمیں راج کماری کہتے ہو تو ہمارا دل کڑھتا ہے' ہم اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں موہن!" اس کی آواز تربتر تھی۔ "ہمیں ان دیواروں' ان چیزوں سے مت ناپو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تم سے ملنے سے پہلے ہم نے اس طرح نہیں سوچا تھا' ہم نے زندگی کا یہ رخ نہیں دیکھا تھا۔ ہم بتا نہیں سکتے کہ ہم کیا محسوس کرتے ہیں۔ ہم حکم دیتے دیتے تھک گئے ہیں۔ اب ہمارا جی چاہتا ہے کہ کوئی ہمیں حکم دے' تم یہیں ٹھہر جاؤ' نہیں ٹھہرتے تو ہمیں حکم دو۔"

کمرے میں ہمارے سوا کوئی نہیں تھا۔ راج کماری کنول کی آواز کی گھنٹیاں ہر طرف گونج رہی تھیں اور میرے کانوں میں طوفان مچا ہوا تھا۔ گلابی اس کا رنگ تھا' گلابی اس کی ساڑھی تھی' گلابی اس کے ہونٹ تھے۔ اس گلابی رنگ نے مجھ پر طلسم کر دیا تھا۔ میں کبھی اسے دیکھتا تھا' کبھی اس کی باتیں سنتا تھا اور نہ اسے دیکھا جاتا تھا' نہ اسے سنا جاتا تھا۔ ہسپتال میں بھی وہ ملی تھی' اب تو فون پر تقریباً روز اس سے بات ہوتی تھی۔ "آپ۔" میں نے وحشت سے کہا۔ "آپ کو حکم سننے کی عادت نہیں ہے' اس لیے جھجک ہوتی ہے۔"

"موہن!" وہ منتشر لہجے میں بولی۔ "ہم جانتے ہیں کہ ہم تم سے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں لیکن ہماری جگہ بدل کے دیکھو۔ یہاں ہم مجبوراً بیٹھے ہیں کیونکہ باہر ہمیں اس سے زیادہ محفوظ جگہ نظر نہیں آتی۔ ہمیں حکم دے کے تو دیکھو۔ ہم ضرور پورے اتریں گے یا پھر ہمارا حکم مانو۔"

"کنول دیوی!" میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے بھاری لہجے میں کہا۔ "ذرا ٹھہریئے' مجھے خود پر ناز کرنے کی مہلت دیجیے۔ میں آپ کو ضرور حکم دوں گا لیکن سوچ لیجیے' آپ کو تعمیل کرنی پڑے گی۔"

"ہم تعمیل کریں گے موہن! ہم اپنی بات پوری طرح کہہ نہیں پا رہے ہیں۔ تم نے تو ہمیں بہت بعد میں فون کیا تھا' تمہیں یاد ہوگا' ہمی نے تمہیں دریافت کیا تھا' سب سے پہلے ہم نے تمہیں فون کیا تھا۔ تم جب داڑھی لگا کے' بھیس بدل کے یہاں آئے تھے تبھی سے...... تبھی سے۔"

"کنول دیوی!" میں نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "مہمان کا بھی کچھ خیال کیجیے' مجھے واپس جانا ہے۔"

"تم واپس نہیں جاؤ گے' ہم تمہیں روک لیں گے۔"

"دیکھئے' دیکھئے' آپ پھر حکم دینے کے تیور میں آ گئیں۔" میں نے شگفتگی سے کہا مگر مجھ پہ پھر مایوسی کا غلبہ ہو گیا۔ "کنول دیوی! مجھے واپس جانا ہے' راج کمار دنیش مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے' مجھے ان دنوں ان کے قریب ہی رہنا چاہیے' ہر طرف خنجر بدوش ہوائیں چل رہی ہیں' زندگی ایک عذاب ہے' کسی پل کا بھروسا نہیں ہے۔ میں ان سے کہہ کے نہیں آیا ہوں' میں ان سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے خیال میں انہیں آپ سے ایک غیر شعوری وابستگی ہے۔ یوں بھی وہ بہت دل کش آدمی ہیں۔ آپ نے انہیں کبھی غور سے نہیں دیکھا کنول دیوی! وہ بھی آپ کی طرح کھوئے کھوئے' گھبرائے گھبرائے رہتے ہیں۔"

اس نے خیال آفریں لہجے میں دنیش کا نام لیا اور کہیں کھو سی گئی۔ "مہاراجہ بھی انہیں پسند کرتے ہیں لیکن نہ جانے کیوں راج کمار دنیش نے ہماری ایک بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم نے چاہا تھا کہ کماری شاردا راج محل میں آ جائے۔ پتہ نہیں کیا ہوا۔ بہرحال......" وہ چونک کے خاموش ہوگئی۔

''ممکن ہے' ریاست کے ان نازک حالات میں راج کمار دنیش نے اس کے کسی تعلق کے لیے وقت نامناسب سمجھا ہو۔'' میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''ہر سو آگ لگی ہوئی ہے۔ گو راج کمار دنیش نے اپنے خاندان کے لوگوں کے سامنے بارہا برملا اظہار کیا ہے کہ ان کی منزل راج محل نہیں ہے لیکن کسی کو یقین نہیں آتا۔ شبہے دیواریں اونچی ہوتی جا رہی ہیں۔''

''کچھ اور باتیں کرو۔'' وہ بیزاری سے بولی۔ ''تعجب ہے' مہاراجہ گدی موجود ہیں اور ان کی موجودی میں یہ سب ہو رہا ہے' جیسے سب کو' سب کو۔'' اس آواز رندھ گئی۔ ''جیسے سب کو ان کی آنکھیں بند ہونے کا انتظار ہو۔''

''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ایک وضاحت کروں؟''

''مگر اس لہجے میں نہیں۔'' وہ تنک کے بولی۔

''اوہ۔'' میں نے جھینپ کے کہا۔ ''اصل میں ہوش کسے ہے' مجھے اپنے ذ کو یہ باور کرانے میں دیر لگے گی کہ آپ میرے سامنے بیٹھی ہیں۔'' وہ مسکرانے لگ میں نے کہا۔ ''ہاں تو میں ایک وضاحت کر رہا تھا۔ بات عجیب سی ہے۔ تاہم مجھے کہ میں کوئی باک نہیں ہے' مجھے راج کمار دنیش نے اتنا اختیار ضرور دیا ہے کہ میں ا طرف سے کوئی اعلان کرسکوں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ راج کمار دنیش چندر را پور کے تخت کی امید واری سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں' میں کوئی معم بات نہیں کہہ رہا ہوں' مہاراجہ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے ضمانت دی جائے کہ اب کوئی گ نہیں چلے گی' اب کھانوں میں زہر نہیں ملایا جائے گا' اب خواب گاہوں میں سانپ نہ چھوڑے جائیں گے اور اب غریب لوگوں کو داؤ پر نہیں لگایا جائے گا۔''

''اوہ' تم کس قدر باوقار انداز میں گفتگو کر رہے ہو۔ کہو کہو' ہم پوری توجہ سے سن رہے ہیں۔'' اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''مگر آپ یہ ضمانت نہیں دے سکتیں اور نہ ان لوگوں کو یقین آتا ہے جو ہماری زبان سے یہ اعلانات سنتے رہتے ہیں۔ وہ کسی قسم کا اندیشہ مول لینا نہیں چاہتے۔ وہ بندوق لیے نشانہ تاکے کھڑے ہیں۔ انہوں نے ریاست میں خلفشار پیدا کر دیا ہے۔ وہ مہاراجہ کے مزاج آشنا ہیں اور جانتے ہیں کہ مہاراجہ کے اعصاب کو واقعات کا کیا اثر مرتب ہوگا۔ سو ایک طرف وہ مہاراجہ سے مذاق کر رہے ہیں' دوسری

طرف اپنے راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنے کی مہم میں مصروف ہیں' ادھر گوروں سے ان کے عہد و پیمان جاری ہیں۔''

''لیکن موہن! پرسوں رات بڑی حویلی میں ایک سنگین واقعہ پیش آیا۔ کوئی پکڑا نہیں گیا' شاید کوئی پکڑا بھی نہ جاسکے یہ واردات بھی گزشتہ وارداتوں کی طرح دب جائے گی۔ لیکن شبہ کرنے والوں کی زبانیں کون روکے گا۔ تم اس واقعے کا کیا جواز پیش کرو گے؟''

''کماری کنول! بھلا کون اس قسم کے شبہوں کو اپنی جانب دعوت دے گا۔ بھلا کون خود کو اتنا رسوا کرے گا۔'' میں نے مضبوط آواز میں کہا۔ ''یہ دوستوں کی محبت کا انعام ہے' دوست تھک گئے تھے' دوستوں کا دوستوں پر اعتبار اٹھ گیا تھا' دوست اتنے غضب ناک ہو گئے کہ ان سے انتخاب بھی نہیں ہوا' وہ اندھے ہوگئے اور جو سامنے آیا' اس پہ اپنا غصہ اتارتے رہے' راج کمار دنیش اپنی بہن شاردا سے مہاراجا کے رشتے میں خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ مہاراجہ کماری انیتا کو پیام دے کے دیکھیں اور آپ' ذرا آپ بڑی حویلی کی طرف التفات کی نگاہ تو کیجئے۔ دیکھئے' جواب کیسا ملتا ہے' آپ کے غلاموں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔''

''اف کس قدر شان دار' پروفیسر موہن!'' اس کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ ''ہم نے اپنی رائے کا محض مبہم اظہار کیا تھا' تمہاری دل آزاری کا خیال تک نہیں کیا تھا۔ تم جو کہتے ہو' ہم اسے کسی جھجک کے بغیر تسلیم کر لیتے ہیں مگر ہم کوئی عدالت نہیں ہیں۔ ہم تمہیں یہ مشورہ دیں گے کہ تم اپنا دامن بچائے رکھنا۔ تم راج کمار دنیش سے اپنی دوستی ضرور نبھانا۔ مگر اپنا خیال رکھنا۔ اس لیے کہ کوئی اور بھی تمہاری دوستی کا دعوے دار ہے۔ حالات بہت نازک ہو گئے ہیں موہن!۔ اب ہمیں ہر وقت یہ احساس ستاتا ہے کہ ہم کہیں اپنے آپ سے شرمندہ نہ ہوں۔''

''کماری کنول! حالات واقعی بہت نازک ہیں' ریاست کے معاملات میں بسا اوقات ایک معمولی سے شخص کا کردار بھی اہم ہو جاتا ہے' کجا ایک راج کماری' آپ کا فیصلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں اپنی ذاتی اغراض سے بلند ہوکے سوچنا چاہیے۔ ہم مصلحتوں سے گریز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ریاست کے مفاد میں ہو تو ہمیں اپنے خلاف فیصلہ کرنے سے بھی نہیں چوکنا چاہیے۔''

''ہم نے ریاست کا مفاد ہمیشہ عزیز رکھا ہے' اسی کے متعلق سوچا ہے لیکن اب ہمارا جی اکتا گیا ہے۔ سو ہم نے اپنے آپ کو اپنی ذات میں بند کر لیا ہے۔'' وہ ترشی سے بولی۔

''کنول دیوی! یہ فرار حاصل کر کے بھی آپ کو سکون نہیں مل سکتا۔''

''موہن!'' وہ الجھ کے بولی۔ ''ہماری مدد کرو' ہمیں پر لگا دو' ہمیں کوئی ایسی جگہ بتا دو جہاں ایسے لوگ نہ رہتے ہوں' تم ایک کرشمہ ساز آدمی ہوں موہن! پراسرار سحرانگیز۔ اپنا جادو دکھاؤ' اپنی چھڑی گھماؤ۔''

''اوہ۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔ ''آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ میرے متعلق کیا کیا سن لیا ہے' کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ پرکاش بھون میں مجھے گھڑکیاں دی جاتی ہیں۔ آپ نے تو وہاں میرا حال دیکھا ہے۔ میں ایک چھوٹا سا نوکر ہوں' پولیس والے بار بار مجھے پکڑ کے لے جاتے ہیں۔ گورے مجھے اپنے زنداں میں لے جا کے سخت سزائیں دیتے ہیں' میں ہمیشہ نشانے کی زد پر رہتا ہوں' میرا ہر لمحہ آخری لمحہ ہے......''

''بس' بس' ہمیں کچھ اور نہ بتاؤ۔'' اس نے میرے منہ پر اپنی نازک ہتھیلی رکھ دی۔ ''ہم نے سب کچھ دیکھا اور سنا ہے' ہم راج کماری کی حیثیت میں نہیں' کنول کی' ایک لڑکی کی حیثیت میں تم سے ایک اطمینان چاہتے ہیں' ہمیں نہیں معلوم کہ ہمیں اس اطمینان کے مطالبے کا حق ہے بھی یا نہیں۔ یہ اطمینان ہم خرید بھی نہیں سکتے۔ ہم تو صرف درخواست کر سکتے ہیں۔ ہمیں اطمینان دلاؤ موہن کیونکہ کبھی کبھی تو ہم بہت پریشان رہتے ہیں' ہمیں یقین دلاؤ کہ تمہاری ساعت کمزور نہیں ہے۔ ہم بھی' ہم بھی خواب دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے اندر بھی کوئی خوبی ہے' ہم نے پہاڑوں پر اپنا ایک آشیانہ بنا رکھا ہے۔ ہم اکیلے نہیں ہیں' ہم بے دلیل نہیں ہیں' کوئی ہمارا بھی مدعی ہے۔''

''راج کماری کنول!'' میری آواز کانپنے لگی۔ ''خود آپ سب سے بڑی شہادت ہیں' دھوپ میں روشنائی اڑ جاتی ہے اور لفظ غائب ہو جاتے ہیں' آدمی کی زبان ہی سب سے کم مایہ اور سب سے پرمایہ ہے' ناقابل اعتبار ہے۔ آپ خواب ساز ہیں' آپ کا خیال خواب دکھاتا ہے' پہاڑوں پر سبزے سے گھرے ہوئے ان گنت آشیانے آپ کی آمد کے منتظر ہیں اور یہ سب اس لیے نہیں ہے کہ آپ راج کماری

ہیں' یہ سب اس لیے ہے کہ آپ راج کماری نہیں ہیں۔ آپ ایک دیوی ہیں۔'' میں کہتا ہوا اٹھ گیا۔ راج کماری کنول بھی مضطربانہ اپنی نشست سے اٹھی اور میری آنکھوں میں پیوست ہونے لگی۔ ''مجھے اجازت دیجئے۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ میرا جسم سن ہو گیا جب راج کماری کنول نے اپنا سر میرے شانے پر رکھا۔ میرے پیر ڈگمگانے لگے' دل کی دھڑکن معدوم ہو گئی' آنکھوں میں شرارے لپکنے لگے۔ میں نے اس کے بازوؤں پر اپنے گریزاں' لرزاں ہاتھ رکھے اور اسے احتیاط کے ساتھ خود سے علیحدہ کر دیا۔ میرا سارا جسم جھن جھنا رہا تھا۔ راج کماری نے اپنی لبریز آنکھوں سے مجھے دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ ''مہاراجہ سے نہیں ملو گے؟''

''اب دیر ہو گئی ہے' ان سے وقت بھی طے نہیں کیا ہے۔''

''نہیں' آؤ میں تمہیں ان سے ملواتی ہوں۔'' میں انکار نہیں کر سکا۔ وہ میری انگلی پکڑے ہوئے ناز و نخوت کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔ کمرے سے باہر آ کے اس نے انگلی چھوڑ دی۔ ایک مختصر رہ گزر سے گزرتی اور خدام کی کورنشیں قبول کرتی' اپنا سر ایک خاص انداز سے جھٹکتی ہوئی وہ جب ایک جگہ رکی تو مہاراجہ کا سیکرٹری سرنگوں ہو گیا۔

''مہاراجہ تنہا ہیں؟'' اس نے پروقار انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں راج کماری!'' سیکرٹری نے جواب دیا۔

اس نے پیچھے مڑ کے مجھے دیکھا اور ابروؤں کا اشارہ کیا۔ میں نے اپنی واسکٹ درست کی۔ اندر ایک مختصر کمرے میں مہاراجہ ایک صوفے پر نشست فرما تھے۔ کنول کو دیکھ کے ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکان آئی مگر جب مجھ پر نظر پڑی تو وہ اچھل پڑے' ان کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں پھر پیشانی صاف ہو گئی۔ انہوں نے چشمہ اتارا' اخبار ایک طرف رکھا۔ پہلے خشمگیں' پھر متجسس نگاہوں سے مجھے گھورا۔ ''دیکھئے ہم کسے آپ سے ملانے لائے ہیں' یہ پروفیسر زاہدی ہیں۔'' مہاراجہ نے زیر لب دہرایا۔ ''آپ! ارے آپ یہاں کیسے؟ اور وہ آپ کی داڑھی کہاں گئی؟''

میں نے سر جھکایا' نمسکار کیا۔ ''مہاراج! میں نے اپنا نام بدل لیا ہے۔ میرا نام موہن داس ہے۔ نام کی تبدیلی کا اثر حلیے پر بھی پڑا۔ اب اس سورگ باشی کو یاد نہ کیجئے تو اچھا ہے۔''

''خوب!'' وہ شاہانہ انداز سے بولے۔ ''بیٹھیے موہن! آپ سے دوبارہ مل

کے خوشی ہوئی۔ ہم نے کئی بار آپ کو یاد کیا۔ کیوں کنول! پروفیسر کا ذکر ہم نے کتنی
کیا ہے؟"

"ہم نے موہن کو بتایا ہے۔" کنول اشتیاق سے بولی۔ "مگر ہمیں داد د
سب سے پہلے ہم نے پروفیسر کو پہچانا تھا۔"

"میں بہت نادم ہو رہا ہوں' مجھے اور نادم نہ کیجئے' اس دن راج کمار دنیش
بیٹھے بٹھائے نہ جانے کیا سوجھی' وہ کہتے تھے کہ مہاراجہ کو جب معلوم ہوگا تو وہ بہ
لطف لیں گے۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" میں نے خفت سے کہا۔

"واقعی' ہم نے اس دن بہت لطف لیا' پھر جب تمہیں دنیش چندر کے پا
پرکاش بھون میں دیکھا تو اور لطف آیا۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے پہچان گئے ہیں۔" میں نے تکلف سے دا
گریز کیا۔ اتنے دن راجوں مہاراجوں میں رہتے رہتے ان کے مزاج کی تھوڑی بہ
آگہی ہوگئی تھی۔ "میں نے کئی بار کوشش کی کہ آپ کے پاس آؤں مگر پھر ایسا کو
مناسب موقع نہیں ملا۔ ندامت ندامت میں بات بڑھتی رہی۔"

"اور ہمیں یہ سن کے حیرت ہوئی کہ دنیش چندر کا خاص دوست بھون
بھی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ وہ ایک ملازم کے روپ میں رہتا ہے' یہ بھ
دلچسپ اور پر لطف صورت حال ہے۔" مہاراجہ نے ہنس کر کہا۔

"ہاں یہ ایک بہت دلچسپ صورت حال ہے۔" میں نے جان بوجھ کے
صاف گوئی سے کام لیا۔ مہاراجہ کا رابطہ ہر وقت پولیس سے رہتا ہوگا۔ "بات کچھ یوں
ہے کہ جب راج کمار دنیش نے ایک ملازم کو دوستی کے رتبے پر فائز کیا تو انہیں خدشہ
تھا کہ بھون کے دوسرے لوگ یہ صورت حال قبول نہیں کریں گے۔ ادھر میں نے اصرار
کیا کہ میں ایک معمولی ملازم کے روپ میں ان کے لیے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہوں'
یہ ان کی بڑائی ہے کہ انہوں نے ایک بہت معمولی شخص کو یہ رتبہ دیا اور آج میں آپ
کے سامنے بیٹھنے کی عزت سے سرفراز ہوں' یہ بھی انہی کی کرم فرمائی ہے۔"

"دنیش چندر نے حیرت انگیز صلاحیت کا ثبوت دیا کہ اس نے تمہیں ٹٹول لیا
اس نے ایک چھپے ہوئے آدمی کو تلاش کرلیا اور ہم سے بھی متعارف کرایا۔ یقیناً تم
دنیش کے دل میں اپنی صلاحیتوں کے بغیر جگہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔" مہاراجہ نے مجھے

آپ کے بجائے تم سے مخاطب کیا۔ "ہماری سوچ ذرا مختلف ہے۔ ہم بھی آدمیوں کی
تلاش میں رہتے ہیں۔ ہم ہندوستان کے قدیم راجاؤں کی طرح نہیں ہیں جن کی نظر
میں آدمی کا معیار دوسرا تھا۔ تم نے پہلی ملاقات میں جس ذہانت اور سوجھ بوجھ کا ثبوت
دیا تھا' وہ ہمیں اب تک یاد ہے۔ تمہاری نشانے بازی' تمہاری باتیں۔ ہم نے کئی بار
سوچا کہ ہم دنیش سے تمہیں مانگ لیں۔"

"اور آپ کو یاد ہے پروفیسر نے کس دلکش لہجے میں گفتگو کی تھی۔ موسیقی پر'
سیاست پر' پر اسرار علوم پر' دنیا کے ہر موضوع پر۔" کنول نے مہاراجہ سے کہا۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پرکاش بھون میں موہن داس ایک ملازم کے
روپ میں بھی اپنی شخصیت چھپائے ہوئے تھا۔" مہاراجہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ مجھے
جھرجھری آگئی۔

"ہاں' آپ کا خیال صحیح ہے۔" میں نے اپنا لہجہ غیر متوازن نہیں ہونے دیا۔
"لیکن نہ میری پہلے کوئی شخصیت تھی' نہ اب ہے۔ جو کچھ تھا' وہ ہر آدمی کے ساتھ ہوتا
ہے' میں نے اسے بھلا دیا' میں نے سب کچھ جلا دیا' راج کمار دنیش نے ایک غیر اہم
آدمی کو اہمیت دی تو سر اٹھانے کا حوصلہ ہوا' میں جس قدر بھی نظر آتا ہوں' انہی کا رہین
منت ہوں۔"

مہاراجہ نے کچھ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلائی۔ "ہم ایسے کسی نوجوان سے
کبھی نہیں ملے جو تم جیسی بوڑھی باتیں کرتا ہو۔ تمہاری عمر ہی ابھی کیا ہے۔"

"ہم نے موہن سے کہا ہے کہ وہ یہاں راج محل میں آجائیں۔" کنول نے
اشتیاق سے کہا۔ "موہن نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"موہن داس اگر مناسب سمجھیں تو ہم تمہاری اس پیش کش کی توثیق کرتے
ہیں' راج محل میں ان کی صلاحیتیں اور نکھریں گی۔ ہم انہیں ترقی کی ضمانت دیتے
ہیں۔" مہاراجہ نے محتاط لہجے میں کہا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر' آپ کا حکم میرے لیے سعادت ہے۔" میں نے
تمام تر عجز سے کہا۔ "اس عزت افزائی کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں لیکن خود
آپ نے اور راج کماری نے مجھے یہ جرأت دی ہے کہ میں غیر رسمی باتیں کرسکوں' راج
کمار دنیش سے آپ فرمائیں گے تو وہ بھی انکار کی جسارت نہیں کرسکیں گے مگر میں' اگر

ایک فرد ایک اکائی کے طور پر میری حیثیت تسلیم کی جائے تو لب کشائی کروں میں
کروں کہ مجھے ترقی اور عہدوں دولت اور نام وری کی طلب نہیں ہے وہ م
دوست ہیں اور انہیں اس وقت میری خاصی ضرورت ہے۔ میں ان پہ چلائی جانے
ہر گولی کے لیے اپنا سینہ آگے کیے کھڑا ہوں۔ گولی بار بار بھٹک جاتی ہے۔''

مہاراجہ نے کئی پہلو بدلے۔ ''دنیش چندر خوش قسمت ہیں کہ کوئی ان
طرح خیال رکھتا ہے۔ ہم تم سے اصرار نہیں کریں گے تا ہم کسی وقت اگر تم یہاں
کا فیصلہ کرو گے تو ہمیں خوشی ہوگی۔''

''مجھے آپ ہر خدمت کے لیے ہمیشہ مستعد پائیں گے۔ ریاست کے
آپ کی ذات بلاشبہ راج کمار دنیش کی ذات سے زیادہ اہم ہے۔ انگریز گھات
بیٹھا ہے راجے پور کے لوگوں نے اس سے کیسے کیسے وعدے نہ کیے ہوں
مہاراجہ! میری گستاخی درگزر کیجئے۔ آپ بھی ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے را
سے مختلف انداز میں نہیں سوچ سکتے کیونکہ آپ کے ہاں بھی وہی طبقہ موجود ہے
جگہ موجود ہے۔ ایسے عالم میں آپ کے پاس اس کے سوا کیا چارہ رہ جاتا
آپ...... آپ بھی انگریز کے لیے زیادہ تن دہی اور سرگرمی سے اپنے تپاک کا
کریں۔'' میں نے اپنی زبان تالو سے لگائی۔ مہاراجہ کے چہرے پر پھوٹتی
چنگاریاں صاف نظر آ رہی تھیں ان کی آنکھیں زیادہ کشادہ ہوگئی تھیں۔

میرے خاموش ہو جانے پر وہ کچھ دیر تک گم سم بیٹھے رہے۔ کنول کی ا
میں بھی جیسے کسی کیڑے نے گستاخی کر دی تھی۔ پھر مہاراجہ کی گمبھیر آواز ابھری۔
نے تمہاری باتیں توجہ سے سنی ہیں موہن داس!''

کنول کے عارض دہکنے لگے۔ اس نے کن انکھیوں سے مہاراجہ کو د
مہاراجہ کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ ''میرا خیال ہے ہمیں پر
زاہدی کو رات کے کھانے پر مدعو کرنا چاہیے۔'' کنول نے مہاراجہ کی توجہ ہٹانے
کوشش کی۔

''ضرور ضرور دعوت کی کیا ضرورت ہے موہن داس کی باتیں نہ
دلچسپ ہیں بلکہ سوچنے سمجھنے پر اکساتی ہیں ہم ہدایت کر دیں گے کہ یہ جب چا
یہاں آ سکتے ہیں۔''

''تم نے سنا مہاراجہ کیا کہہ رہے ہیں موہن؟''

''مہاراجہ ایک بے ہنر شخص کو عزت دے رہے ہیں۔ یہ ان کی عالی ظرفی اور
بندہ پروری ہے مجھے ان کا یہ خسروانہ سلوک ہمیشہ یاد رہے گا۔ اب میں اجازت چاہوں
گا۔'' میں نے کھڑے ہو کے تعظیم دی اور محسوس کیا کہ مہاراجہ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر
شاید کنول کی موجودگی حارج ہو رہی ہے۔ وہ کچھ نہ کہہ سکے ان کی متجسس نگاہیں میرے
وجود کا احاطہ کیے رہیں۔

راج کماری کنول جب باہر آئی تو خدام میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ سیکرٹری
نے اس کی ہم رکابی کی کوشش کی۔ کماری نے ایک استغنا سے اسے دور رہنے کا اشارہ
کیا۔ وہ بہت پرجوش اور شاداں نظر آتی تھی۔ میری کار جہاں کھڑی تھی وہ وہاں تک
تنہا مجھے چھوڑنے آئی۔ ''ہم انتظار کریں گے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ میں نے ایک
ٹھنڈی سانس لی اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

جس وقت میری گاڑی معروف سڑکوں سے گزر رہی تھی ہزاروں نگاہیں مجھ
پر اٹھیں۔ مختلف چوراہوں پہ سپاہی چوکنا ہوئے۔ پرکاش بھون کی یہ گاڑی بہت لوگ
پہچانتے ہوں گے۔ دن کافی چڑھ آیا تھا لیکن بازاروں میں وہ چہل پہل نہیں تھی جو
عام دنوں میں ہوتی ہے ہر طرف پولیس گشت کر رہی تھی۔ کہیں کہیں تین تین چار چار
کی ٹولیوں میں لوگ ایک دوسرے سے راز دارانہ باتوں میں مصروف تھے۔ دکانیں
اپنے گاہکوں کے انتظار میں فریاد کناں تھیں۔

ملاقاتی کمرے میں دنیش کی بے قرار نگاہوں نے میرا استقبال کیا مجھے دیکھ
کر اس سے ایک لمحے نہیں بیٹھا گیا۔ اس وقت وہاں لوگوں کا ہجوم زیادہ نہیں تھا۔
اعلان کیا گیا تھا کہ دس دن تک باقاعدہ سوگ ہوگا اور یہ دوسرا دن تھا۔ راج محل کے
پرچم کی طرح یہاں بھی سب کے چہروں کے پرچم سرنگوں تھے۔ میری آمد اور دنیش
کے اچانک اٹھ جانے سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ میں نے سیدھے خواب گاہ کا رخ
کیا۔ شاردا وہاں موجود نہیں تھی۔ ابھی میں چابی رکھ کے واپس ہو رہا تھا کہ دنیش کی
ناراض آواز نے میرے قدم جکڑ لیے وہ مجھ سے بہت قریب کھڑا تھا۔ ''ٹھہرو بیٹھ
جاؤ۔'' اس نے حکمیہ لہجے میں کہا میں نے اس کے بیٹھ جانے کا انتظار کیا۔ ''چھاؤنی
سے آ رہے ہو؟'' وہ سخت ناراض نظر آ رہا تھا۔

''نہیں۔'' میں نے مختصر جواب دیا۔
''تمہیں ان حالات میں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔'' وہ بگڑ کے بولا۔ ''ک
جانا تھا تو مجھے بتا کے جاتے۔''
''آپ مجھے اجازت نہ دیتے۔'' میں نے ہلکی آواز میں کہا۔
''تمہیں کون روک سکتا ہے؟'' وہ برہمی سے بولا۔
''آپ روک سکتے ہیں اس لیے اجازت نہیں لی۔''
اس کے شانے بدکنے لگے۔ ''کس طرف نکلے تھے؟''
اسے کچھ بتانے سے پہلے میں نے توقف کیا' یہ توقف اسے اور گراں گ
اس کا اضطرار اس قدر بڑھا کہ اس نے اچانک میری جیب پر ہاتھ مار دیا' پستول د
کے اس نے بڑی تیزی سے چیمبر کھولا اور گولیاں گنیں۔ اس کے منہ سے ایک سر
نکلی۔ وہ بہت متردد ہو گیا تھا۔ شاید کچھ گولیاں کم ہوں گی۔ اسے پریشان کرنا
نہیں تھا' مجھے گفتگو کا قرینہ نہیں آ رہا تھا۔ میں راستے بھر اس قرینے کی بابت سوچ
آیا تھا۔ میں نے اسے زیادہ دیر کش مکش میں مبتلا نہیں رہنے دیا۔ ''میں راج محل
تھا۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔ دنیش پر عجیب و غریب کیفیات مرتب ہوئیں۔ اس
پتلیاں سکڑیں' پھیلیں۔ چند لمحوں تک تو اس کا عالم دیدنی رہا۔ وہ بے یقینی سے
دیکھنے لگا۔ ''اگر چیمبر میں کوئی گولی کم ہے تو وہ پہلے سے خرچ ہوئی ہے۔'' میں نے ا
کی حیرت دور کرنے کی کوشش کی۔
''تم۔ تم راج محل گئے تھے؟'' اس نے وحشت سے پوچھا۔
''ہاں' میں وہیں تھا۔ کماری کنول اور مہاراجہ کے پاس۔'' میں نے سکون سے
جواب دیا۔ ''وہ جگہ چھاؤنی سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ آپ تو اتنے مضطرب
ہو گئے؟''
''تم مذاق کر رہے ہو۔'' وہ ناگواری سے بولا۔
''آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟'' میں نے مسکرا کے کہا۔ ''وہ راجا ہیں تو اپنی
جگہ ہیں۔ ہم پرجا ہیں تو اپنی جگہ ہیں' راجا کا پرجا سے تعلق نہ ہو تو نہ راجا راج کر سکتا
ہے' نہ پرجا اس کا راج سہہ سکتی ہے۔''
''مگر۔ مگر موہن۔ تم نے اچانک یہ فیصلہ کیوں کر لیا؟''

''بظاہر یوں ہی۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔ ''لیکن بہ باطن کچھ تجریدی ضرورتیں مجھے کھینچ کے لے گئی ہوں گی۔ میرے ذہن میں کوئی واضح مقصد نہیں تھا مگر میں نے انہی دنوں یہ فیصلہ کیوں کیا' اس کی کچھ وجوہ ضرور ہوں گی۔ یقین کیجیے' میں صفائی پیش کرنے نہیں گیا تھا۔''
''مگر کیا تم ان سے موہن داس کی حیثیت سے ملے؟''
''ہاں؟ میں نے ان سے کچھ نہیں چھپایا' میں نے انہیں بتا دیا کہ اس رات کرنل ہارڈنگ کی دعوت کے دوران میں ہمیں نہ جانے کیا سوجھی تھی کہ ہم اس گستاخی کے مرتکب ہو گئے۔''
''تفصیل سے بتاؤ' کیا کیا باتیں ہوئیں۔'' وہ بے چینی سے بولا۔
مجھے احساس تھا کہ وہ ایک ایک بات کرید کرید کے پوچھے گا۔ پوچھے گا کہ وہاں کون کون ملا تھا؟ راج کماری کنول کے مزاج کیسے تھے؟ وہ کیسی لگ رہی تھی؟ یقیناً پھولوں کو شرما رہی ہوگی؟ اس نے کیسا لباس پہنا تھا؟ یقیناً پریوں کو شرما رہی ہوگی۔ دنیش نے میرے راج محل جانے کی خبر پہ اس قدر حیرت کا اظہار بے سبب نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے پروفیسر زاہدی کے روپ میں صرف ایک بار راج محل لے گیا تھا۔ صرف ایک بار کی ملاقات کے بعد یہ جرات حیرت انگیز تھی لیکن اسے تسلیم کرنا پڑا' کیونکہ میں راج محل سے واپس آ رہا تھا۔ میں نے مہاراجہ اور راج کماری کنول سے ہونے والی وہ تمام گفتگو دہرا دی جو مجھے اس کے سامنے دہرا دینی چاہیے تھی۔ میں نے اسے غیر ضروری باتیں نہیں بتائیں۔ ہاں اس کی آسودگی جاں کے لیے کنول کے حسن شرر بار کا تذکرہ ضرور کیا' وہ اس تذکرے کا خواہاں تھا۔
وہ بھول گیا کہ ابھی ابھی وہ مجھ سے کس قدر خفا ہو گیا تھا۔ راج کماری کنول کے ذکر نے اس کی آنکھوں میں شراب بھر دی تھی۔ آدمی کے کتنے پہلو ہوتے ہیں' آدمی آدمی پر گولی چلاتا ہے' آدمی' آدمی کے ذکر سے شرما جاتا ہے۔ دنیش چندر ایک وجیہہ' باوقار' شان دار' جامہ زیب نوجوان تھا' انگلستان کا تربیت یافتہ' راجے پور کی گدی کے دو قانونی امیدواروں میں سے ایک' لطافت اس میں رچی ہوئی تھی' شجاعت اور ذہانت کی صفات سے آراستہ۔ راج کماری کنول کا سودا دماغ میں سمایا تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو خلاف عقل ہو' کسی کا سودا کسی کے بھی دماغ میں سما سکتا ہے۔ کوئی بھی

اپنے دماغ میں کسی کا خیال بسا سکتا ہے مگر دنیش چندر ایک آدمی تھا اور نہ کنول
لڑکی' اسے راج کماری کہا جاتا تھا تو اسے راج کمار۔ راج کمار پرکاش بھون میں
تھا' راج کماری راج محل میں۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن درمیان میں پیچیدگیوں کا ایک
پہاڑ تھا۔ اگر ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی بات ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی۔

دنش چندر کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا تھا جن کے لیے لڑکیاں گنگناتی
کروٹیں بدلتی ہیں' جن کے خیال سے رگوں میں کھٹ مٹھا خون دوڑنے لگتا ہے۔
کمار کو اپنی وجاہت' حیثیت اور جداگانہ شخصی خوبیوں کا عرفان تھا۔ راج کماری کے طل
گار بھی کچھ کم نہیں تھے۔ صرف ابرو کا اشارہ چاک گریبانوں کے ڈھیر لگا سکتا
سب سکون اور وقت کی باتیں ہیں' فرصت کا کھیل ہے' مہیش چندر کے مرنے کے
دنیش کو فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ شاعری کر سکے۔ نہ دنیش روز راج محل جا سکتا تھا' نہ
پری چہرہ روز پرکاش بھون کی جانب پرواز کر سکتی تھی۔ ادھر ٹھنا ٹھن ہونے لگی تھی
امارت وسطوت کے آدرش اڑا اڑا دھم گر رہے تھے۔ راج کماری نے جب سے آنکھ
کھولی تھی' سنہری رو پہلی چیزیں دیکھی تھیں۔ ان چیزوں کا مآل اگر یہی ہوتا ہے
سے اس وقت ریاست راجے پور دو چار تھی تو اسے ہزار بار سلام پھر تو کھلا آسمان
تپتی ہوئی دھوپ ہی ٹھیک ہے۔ دولت وحشمت کے نظارے بڑے خوب' بڑے
لیکن شرط یہ ہے کہ نظر باز کی عافیت کی ضمانت بھی دی جائے۔

ہر لمحہ ایک نئی الجھن' ہر آن ایک نئی افتاد' ہر پل ایک نیا شاخسانہ۔ مصلحت
اغراض' رکاوٹیں۔ یہ تمام باتیں تو اپنی جگہ تھیں اور دنیش چندر کے صرف ایک جرأ
مندانہ اقدام سے دور ہو سکتی تھیں۔ مگر وہ انا جو ایک راج کمار کے پیروں کی زنجیر
ہوئی تھی اور وہ عرفان ذات جو ایک شخص کو خود اپنا محبوب بنائے ہوئے تھا اور وہ خمار
اس حد تک طاری کر لیا گیا تھا کہ بات بھی نہیں ہو پاتی تھی۔ اسی سخن طرازی میں وقت
نکلا جا رہا تھا۔ لوگ کمندیں پھینک رہے تھے' راج محل میں بیری کا درخت لگا ہوا تھا
دنیش کے ہاتھ میں پتھر موجود تھا مگر اسے پھینکنے کی ہمت مفقود تھی۔ ہزاروں اند
ہزاروں الجھنیں اس جرأت میں حارج تھیں۔ اقدام ہر چند کہ راج کماری کنول کی
جانب سے ہوا لیکن میں نے اس کا مثبت جواب دینے سے گریز نہیں کیا۔ اگر میں یہ
جواب نہ دیتا تو کنور جگ دیپ دیتے یا کوئی اور۔ راج کمار دنیش چندر تو نہ د

کیونکہ ان کا مزاج مختلف تھا' وہ اپنے بڑے بھائی مہیش چندر یا چھوٹے بھائی سریش کی
صفات لے کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے صرف ایک لڑکی کو مرکز ومحور بنا لیا
تھا' عام دن ہوتے تو ان کے دل سے اٹھنے والی لہریں اس لڑکی کے سینے میں انتشار
ضرور پیدا کر دیتیں مگر یہ عام دن نہیں تھے۔ بڑے مشکوک' بڑے آتشیں دن تھے۔
لہریں راستے میں دم توڑ دیتی تھیں۔ عام دن ہوتے تو راج کمار کو اپنی ذات کے
گوناگوں پہلوؤں سے شناسائی کا موقع ملتا اور وہ لمحہ ضرور آ جاتا' جو آ جاتا ہے تو مشکل
سے واپس ہوتا ہے۔

راج کماری کنول! گلابی ساڑھی میں یہ امتیاز مشکل ہو گیا تھا کہ کہاں لباس ختم
ہوتا ہے اور کہاں سے بدن شروع ہوتا ہے۔ مجسمہ ساز نے اپنے فن کا کمال دکھایا تھا'
مغنی نے آواز میں سنگیت بھر دیے تھے۔ میں جن ارادوں سے اس کے دربار میں گیا
تھا' واپس ان ارادوں کے ساتھ نہیں آیا۔ راج کماری نے ایک ناتواں شخص کا کچھ لحاظ
نہیں کیا۔

اس کے ذکر سے دنیش کا چہرہ تاب ناک ہو گیا تھا۔ میں نے یہ پروا کیے
بغیر اس کے بازوؤں میں اپنے بازو مدغم کر دیے کہ کوئی اندر آ جائے گا اور اس طرح
دیکھ لے گا۔ لیکن ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے بے اختیار اپنے بازو ہٹا لیے۔
دنیش چندر متعجب ہوا۔ ادھر مہارانی مایا دیوی دنیش کو پکارتی ہوئی اندر آ گئی تھیں۔ وہ
بروقت ہی آئیں اور بڑی حویلی میں دوسرے دن سوگ کی رسوم میں شرکت کے لیے
دنیش کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

ایک دن اور گزر گیا۔ آئی جی مہتا کا کوئی ہرکارہ یا اس کا فون نہیں آیا۔ بڑی
حویلی سے واپس آنے والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ کل بمبئی سے آنے والے سراغ
رسانوں کی ایک دو رکنی جماعت شہر میں آنے والی ہے۔ راجے پور کی پولیس نے تمام
نشانات محفوظ کر لیے ہیں۔ ان کی ابتدائی تفتیش کی رو سے واردات اور الجھ گئی ہے۔
قاتل نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ ایک بے حد جنونی
اور مغلوب الغضب شخص تھا۔ واردات سے چند لمحے بعد ہی کسی عتاب زدہ کمرے کی
طرف سے جگ دیپ کے ایک خادم کا گزر ہوا۔ اس نے کھلے ہوئے دروازے میں
جھانک کے دیکھا اور شور مچاتا ہوا بھاگا۔ اس کے شور وغوغا نے ساری حویلی اکٹھی کر

لی۔ سنتریوں نے حویلی کے ایک ایک گوشے میں اس شخص کو تلاش کیا اور حویلی کے میدان میں گھڑ سوار اس کی دست یابی کے امکان میں نکلے مگر ناکام واپس آ گئے۔ ملازموں کا بیان تھا کہ خون کی خبر ملنے سے دس پندرہ منٹ پہلے انہوں نے فلاں مقتول سے بات کی تھی۔ قاتل کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ کماری پریت' ہیما اور بھون کی کئی لڑکیوں نے اپنا زیادہ وقت حویلی ہی میں بسر کیا' جگ دیپ کو وقت میں ان کی تسلیوں کی بڑی ضرورت ہوگی۔ تیجے کے دن بھون کے تقریباً لوگ بڑی حویلی گئے۔ شاردا بھی ان میں شامل تھی۔

اس دوران میں بھون پر ملازموں کا قبضہ ہو گیا۔ تھکی ہوئی باندیوں کو کماریوں کے بستروں پر اچھلنے کا موقع ملا۔ خادموں کا بخت جاگ اٹھا۔ چینی کی پلیٹوں میں چھری کانٹوں سے کھانے کھائے گئے ہوں گے۔ کسی نازنیں باندی نے اپنا بھرے ہوئے ٹب میں ڈبو دیا ہوگا اور ڈبکیاں کھائی ہوں گی اور جب پانی نے اوپر اچھالا ہوگا تو بدن میں سنسنی دوڑ گئی ہوگی۔ نہا کے کسی راج کماری کے کپڑے کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی ہوگی' کسی نے سرخی لگائی ہوگی۔ کسی نے پاؤڈر ہوگا۔ کسی خادم نے اونچی کرسی پہ بیٹھ کے اپنے ساتھی کو دوسرے کمرے میں فون ہوگا' اے غلام! جام پیش کرو اور پھر خود ہی اسے ہنسی آ گئی ہوگی۔ بڑی حویلی میں ہوا' بھون کے ملازموں کو چند گھنٹوں کی بادشاہت مل گئی۔ کچھ ایسا نظام ہوتا کہ امارت غربت کے تبادلے ہوا کرتے' ایک سال امارت' دوسرے سال غربت' تو پھر شاید بڑا متوازن ہوتا۔ دنیا ہی بدلی ہوئی ہوتی۔

تیجے کے دن تمام ملازم ادھر ادھر تاک میں لگے ہوئے ہوں گے کہ کس کا نظارہ کریں؟ کسے دیکھیں' کیا کریں؟ میں اپنے کمرے میں بند بیٹھا تھا۔ میرا گدوں پر اچھلنے کو چاہتا تھا' نہ ٹب میں تیرنے کو۔ راج محل سے آنے کے بعد میں خود کو جیسے کسی الماری میں بند کر لیا تھا' الماری کے پٹ کھلتے تھے' کوئی مجھے دیکھ لیتا میں کسی کو دیکھ اور سن لیتا تھا۔ ذہن کے پٹ بند ہو جائیں تب مشکل' نہ بند ہوں' مشکل۔ یہ آدمی کو دروازوں نے بڑا پریشان کیا ہے' دروازہ کھلتا ہے' دروازہ بند ہوتا آدمی آتا ہے' آدمی جاتا ہے۔ دروازے نہ ہوتے تو عمارتیں نہ ہوتیں۔ سب میدان میں ہوتے۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوتے۔ نہ چور ہوتا' نہ سپاہی۔

ہوتا' سامنے ہوتا۔ آدمی کو تلاش کرنا مشکل نہیں ہوتا' اب کیا کیا نہ ہوتا اور کیا کیا ہوتا۔

تیجے کے بعد لوگ واپس آئے تو کچھ اچھی خبریں نہیں لائے۔ معلوم ہوا کہ گورے ریاست میں امرجینسی ڈکلیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گوروں کو بھی امرجینسی ڈکلیر کرنے کی ضرورت پڑ گئی حالانکہ گورے بجائے خود امرجینسی تھے۔ جہاں جہاں سے گزر جاتے تھے' در و دیوار لرزنے لگتے تھے۔ پتہ چلا کہ اب تمام وارداتوں کی تفتیش ازسرنو کی جائے گی۔ گویا پھر سے فائلیں ترتیب دی جائیں گی۔ وہ تینوں فائلیں ابھی تک میرے ذہن کو ازبر تھیں جو میں نے ہائی کمان کے تین کرنیلوں سے حاصل کی تھیں۔ بیچ میں یہ الجھاؤ پڑ گیا۔ ورنہ کنور جگ دیپ' اپنے چند اور دوستوں سے محروم ہو جانے کے بعد اس طرح کا رویہ اختیار نہ کرتے۔ اب بات ہی دوسری ہو گئی تھی۔ اب امرجینسی بھی ڈکلیر ہوگی اور بہت کچھ ہوگا۔ راجے پور سے باہر جانے والے راستے تین دن سے بند تھے۔ بہت سے مشکوک افراد گرفتار کر لیے گئے تھے۔ آئی جی مہتا نہ ہوتا تو میرا نمبر بھی آ جاتا۔ ہر آہٹ مشتبہ تھی۔ فون کی گھنٹی بجتی تھی تو گمان ہوتا تھا کہ میں ہی مطلوب ہوں۔

اس درمیان ریتا کا فون بھی نہیں آیا یا یوں ہوا ہوگا کہ اسے بھون میں کوئی معقول آدمی جواب دینے کے لیے نہ ملا ہو۔ وہ مجھے اور دنیش ہی کو فون کر سکتی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ راج محل سے واپس ہوتے وقت چھاؤنی کی طرف گاڑی گھماؤں لیکن راج کماری کنول نے میرے ارادے گڈمڈ کر دیے تھے پھر اس کے بعد جو خبریں ملیں' ان کی رو سے چھاؤنی کا راستہ سخت مخدوش معلوم ہوتا تھا۔ لاکھی پور کے شورہ پشتوں کے اشتعال کا اندازہ یہیں بیٹھے بیٹھے لگایا جا سکتا تھا۔ میرا نام' میرا حلیہ ان کے ذہنوں میں نقش کر دیا گیا ہوگا۔ ادھر کرنل ہارڈنگ سے ملے ہوئے دن ہو گئے تھے۔ ریتا نے فون پر اس کے مزاج کے بارے میں جو اشارے کیے تھے' وہ اچھے نہیں تھے۔ کرنل کے مزاج کا اندازہ چھاؤنی سے ریتا کی نقل و حرکت پر پابندی سے لگایا جا سکتا تھا۔ شانت محل میں بیک وقت چھ گوروں کے خون نے گو کرنل ہارڈنگ کا رتبہ ہائی کمان کی نظر میں بحال کر دیا تھا کہ کوتاہی اس کی نہیں تھی' ریاست ہی میں بدتمیزی ہو رہی تھی۔ ہائی کمان نے کرنل کو عارضی طور پر بحال کیا ہوگا اور بالائی افسر سر جوڑ کے ریاست راجے پور کا نقشہ سامنے پھیلائے آئندہ کے مسائل و مصائب پر غور کر رہے ہوں گے۔ جس

مستقل مزاجی سے سب کچھ پی لیا گیا تھا اور جس طرح خون کے دھبوں پر چادر ڈ
کی کوشش کی گئی تھی' وہ ان حالات کا اقتضا تھا۔ مہاراجہ' جگ دیپ' کرنل ہارڈنگ'
چندر اور ریاست کے دوسرے بااثر لوگ جانتے تھے کہ سرکار کا یہ سکوت عارضی
ضرور کچھ سوچ رہے ہیں' سر اٹھائیں گے تو دیکھئے کیا فتنے ڈھائیں۔ ایک قیا
آجائے گی۔ لوگ اس قیامت کے منتظر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ولی ءنعمت خون رائگ
نہیں ہونے دیں گے' ایک کے بدلے سو کا حساب ہوگا۔

تو کیا میں خبریں سنتا رہوں اور آہٹیں گنتا رہوں؟ تبصرے کرتا رہوں؟ خود
الماری میں بند کیے بیٹھا رہوں؟ اور کنور صاحب باہر سے ماہرفن سراغ رسانوں کو
کریں' اشارے کرتے رہیں کہ دیکھو وہ ادھر بیٹھا ہے' اس کونے میں جاؤ۔ جان
جمشید! بار بار کیوں زندگی میں الجھ جاتے ہو؟ زندگی ایک قرض ہے جسے اتارنا ہی پڑ
گا۔ آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں۔ پستول کدھر ہے؟ میں نے جیب ٹٹولی
اطمینان کی سانس لی' پستول موجود تھا۔ پستول موت کو منہ چڑانے کا کھلونا ہے کہ اکیل
نہیں جائیں گے' تین چار کو ساتھ لے کے جائیں گے۔ زندگی مجلسی رہی ہے' موت بھی
اسی طرح ہوگی۔ میں نے اپنے مانوس کمرے میں آکے دروازہ بند کرلیا اور فون اٹھایا۔
دوسری طرف کرنل ہارڈنگ ہی تھا میری آواز سن کے وہ کچھ مذبذب ہوا لیکن دوسرے
ہی لمحے اس نے لہجے کا کھردرا پن دور کرلیا۔ جہاں دیدہ تھا' بالغ نظر تھا اور سب سے
بڑھ کے یہ کہ انگریز تھا۔ میں نے اس کا مزاج پوچھا۔ جواب نہایت تکلف سے دیا
گیا۔ میں نے عرض کیا' ہم نیاز مند ہیں اور نیاز مند شکوہ نہیں کرتے تاہم جی چاہتا ہے
کہ آپ سے بہت سی شکایتیں کی جائیں۔ آپ نے ہمیں بھلا دیا۔ جواب دینے میں
اس نے کچھ توقف کیا۔ کھنکارا' گہری سانس لی پھر دھیمی آواز میں ہنسنے کی آواز آئی۔
''پروفیسر! آپ کو کون بھول سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''کرنل! دیکھئے ہمارے آپ کے
درمیان بہت صاف باتیں ہوتی رہی ہیں۔ اب بھی وہی فضا رہے تو کیا خوب ہے۔''
اس نے جھجک کے کہا' وہی فضا ہے لیکن ان دنوں مصروفیت کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے' میں
نے کہا' یہ تو گریز ہے۔ اتنی بات تو ہم بھی پہچانتے ہیں۔ کرنل کو گفتگو کے اس انداز
کی توقع نہیں ہوگی' اس کے چہرے پہ حیرانی چھائی ہوئی ہوگی' کچھ غصہ بھی آیا ہوگا' اس
کے جواب دینے سے پہلے میں نے کہا۔ ''یقیناً کچھ تکدر ہوگا۔ جو ہوگیا کرنل! وہ ماضی کا

صہ بن گیا' اسے ماضی میں دفن رہنے دیجئے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میری
اغراض دوستی کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ دوستی میں سب کچھ جائز ہے' جیل خانہ بھی' کوڑے
بھی' ذرا ذہن پر زور دیجئے' ہم نے بہت دل کش باتیں کی ہیں' وقت کم گزرا ہے مگر
اچھا گزرا ہے۔ مجھے بلا لیجئے یا خود یہاں تشریف لائیے' کچھ ہماری سنیئے' کچھ اپنی
سنائیے۔ کچھ اور نہیں تو موسیقی سنیے۔ ناچ کی محفل سجائیے۔'' وہ ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔
''بہتر ہے' آدمی کو ہر طرف نظر رکھنا چاہیئے' دل کشادہ اور ذہن کھلا رکھنا چاہیے۔''

میں نے ہذیان بکا اور عمداً حجم سے بڑی باتیں کیں اور اس لیے کیں کہ وقت
کا بھروسا نہیں تھا۔ کرنل سے جو کچھ کہہ سکتا تھا' کسی اکراہ کے بغیر کہہ دیا۔ میں نے
کہا۔ ''کرنل! بس ایک بات کا خیال رکھیے' بات الجھائیے گا نہیں۔ نیلام گھر میں سب
کی بولی سنی چاہیے۔'' کرنل تھوڑی دیر کے لیے دوبارہ کچھ سوچنے لگا پھر شگفتگی سے میرا
حال پوچھنے لگا۔ میں نے ہنس کے کہا۔ ''دو ہی چیزوں کی کمی محسوس ہوتی ہے' ایک
داڑھی کی جو اب نہیں رہی' دوسرے ایک آپ سے تعلق کی' جو نہ رہا۔'' کرنل نے میری
ہنسی کا ساتھ دیا۔ میں نے کہا۔ ''آپ نے غور نہیں کیا' آپ ذرا غور کرتے تو ہم ہی
ہم نظر آتے۔ ہم بے دلیل بات نہیں کررہے ہیں۔ دوستی کی دلیل آپ کے سامنے
ہے۔ ہم ایسے باعمل لوگوں سے اجتناب قرین مروت نہیں ہے۔''

کرنل نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ دو ایک روز میں ضرور مجھے مدعو کرے گا۔
پھر میں نے اس سے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ریتا کے متعلق پوچھا تو اسے
کچھ پس و پیش ہوا۔ شاید اداس ہوگیا کہ سانسیں کھینچنے لگا' کہنے لگا' وہ تمہیں بہت یاد
کرتی ہے۔ مجھے کرنل کی زبانی یہ سن کے حیرت ہوئی۔ میں نے کہا۔ ''اسے میرا سلام
کہہ دیجئے' میری طرف سے بہت بہت پوچھ لیجئے' کہہ دیجئے کہ وہ بھی بہت یاد کرتا
ہے' اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔''

کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا اس لیے میں نے معذرت کرکے فون بند کر دیا۔
دروازہ کھولا تو پارو موجود تھی' بہت الجھی ہوئی' بہت تھکی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میں سٹ پٹا
کر رہ گیا کیونکہ اس نے کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ ''کیا حال ہے؟'' میں نے ندامت زدہ
لہجے میں پوچھا۔

''بہت اچھا ہے۔'' اس نے ہونٹ بھینچ کے کہا۔

"اچھا تو نہیں ہے۔"
"پھر کیسا ہے؟" وہ ترشی سے بولی۔
"کچھ ناساز معلوم ہوتا ہے۔" میں نے مسکرا کے کہا۔
"تم بہت خراب آدمی ہو۔"
"چلو اب تمہاری طرف سے بھی سند مل گئی۔"
اس کی خوب صورت ناک کے گوشے پھڑپھڑانے لگے۔ "تمہیں کچھ احساس ہی نہیں ہے کہ اس دن کے بعد مجھے تمہاری کتنی ضرورت ہو گی۔"
"بے شک ہوگی مگر یہاں سے تو چھٹی ملتی۔"
"میں تین راتوں سے مسلسل جاگ رہی ہوں۔"
"بھوت ڈرا رہے ہوں گے۔"
"تمہیں کچھ...... کچھ پتہ نہیں ہے۔" وہ تلملانے لگی۔
"سب پتہ ہے، آج رات ضرور آؤں گا، ہمت ذرا بلند رکھنا، یہ اپنا حلیہ ٹھیک کرو، تم سمجھتی ہو کہ میں تمہارے پاس نہیں آ سکا تو تم سے دور رہا۔"
"اور کیا سمجھوں؟"
"مجھے ہر وقت تمہارا احساس رہا۔ آگے نہ جانے کیا کیا پیش آئے، تمہیں باتوں کا عادی ہونا چاہیے۔"
"تم اور بری باتیں کر رہے ہو۔"
"سنو، میں رات کو ضرور آؤں گا۔" پارو دروازے ہی پر بات کر رہی تھی محض اتفاق تھا کہ کوئی ادھر نہیں پھٹکا۔ اسے رخصت کرنے سے پہلے مجھے ایک بات یاد آئی۔ "پارو!" میں نے سرگوشی سے کہا۔ "تمہیں خبر ہے، گزشتہ دنوں کنور جگ دیپ نے راج کماری کنول کے لیے مہاراجہ کو پیام دیا تھا۔ مہاراجہ نے آج تیجے کے دن اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔ بات صیغہ راز میں ہے لیکن تاڑنے والے تاڑ گئے ہیں۔"
"کیا؟ کیا واقعی؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔
"ہاں خبر تو اسی طرح ملی ہے، نہ جانے کیوں کنور جگ دیپ یہ خبر چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔
"نہیں۔ نہیں۔ تمہیں کسی نے غلط خبر دی ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"مجھے معتبر ذریعوں سے تصدیق ہوئی ہے۔"
"کہاں سے؟" اس پر حیرت چھائی ہوئی تھی۔
"کہیں سے بھی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "بہر حال تمہیں اس سے کیا غرض، تمہیں خبر کی صرف تشہیر کرنے سے غرض ہے۔ بات سمجھ میں آئی؟"
اس کے ہونٹ کھل گئے۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"
"پارو! تم واقعی بہت الجھی ہوئی ہو، اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی؟ کیا اب پوری داستان سنانی پڑے گی۔"
"اوہ موہن!" اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ......"
"ہاں ہاں۔" میں نے ناگواری سے کہا۔ "خاصی بڑی خبر ہے۔"
پارو مجھ سے شام کو ملی تھی اور رات کو آٹھ بجے خود میں نے اپنے کانوں سے ڈنیش کے محل میں یہ خبر سن لی۔ پارو نے بہت پھرتی دکھائی تھی۔ توقع کے مطابق اس خبر کا خاصا معقول اثر ہوا۔ بھون میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ ملازموں کے کانوں میں بھی یہ سرگوشیاں پہنچی ہوں گی، خبر سنانے والوں نے اس میں کچھ اور اضافہ کیا ہوگا۔ اس خبر کا مطلب یہ تھا کہ بڑی حویلی کا سورج طلوع ہوا اور بھون کا ستارہ برج عقرب میں داخل ہوا۔ چلو قصہ طے ہوا کل ہی سے بہت سے ملازم یہاں سے کوچ کر کے بڑی حویلی کا قصد کریں گے۔ یہ خبر ایسے نازک وقت میں آئی تھی۔ جب لوگ پہلے ہی متزلزل تھے اور سوچ رہے تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ ارتھیوں کے جلوس میں مہاراجہ اور انگریز آفیسران کمانڈ کی غیر متوقع شرکت سے اور تصدیق ہوتی تھی۔ بڑی حویلی اور پرکاش بھون میں بظاہر بڑے مراسم تھے، مہر و محبت، رشتے داریاں۔ ایک ہی خون ادھر دوڑ رہا تھا۔ ایک ہی خون ادھر مگر اندر کا حال سبھی جانتے تھے۔ راج کماری کنول اور کنور جگ دیپ کے سنجوگ سے راجے پور کی سیاست میں کیا تبدیلی آئے گی اور بڑی حویلی کے اقتدار کا کیا مطلب ہوگا۔ بھون کے حساس لوگ یہ نزاکتیں پوری طرح محسوس کر رہے ہوں گے۔ آخر ان لوگوں کی امیدیں برآئیں جو ڈنیش چندر کو ناپسند کرتے تھے۔ تمام سگے سوتیلے بہن بھائیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ میں پریت کو دیکھنے کے لیے مضطرب تھا۔ دوسری خبریں تو اس نازک اندام نے کمال تحمل

سے برداشت کرلیں' اس خبر سے کیا اثر ہوا ہوگا؟ رجائی انداز میں سوچنے والے یقیناً رجائیت کا ثبوت دیں گے' کہیں گے' جھوٹ ہے' بہتان ہے' افسانہ طرازی ہے۔ پریت کو بھی مشکل سے یقین آئے گا لیکن اپنی پارو نے کنور جگ دیپ کے بارے میں شکوک کے جو بیج بو دیے ہیں' انہیں وہ خشک نہیں ہونے دے گی کیونکہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ ہزار تاویلیں پیش کرے گی' رازدارانہ کہے گی کہ سنا ہے' سب کچھ طے ہو چکا ہے' انکشافانہ کان میں کہے گی کہ کوئی تیسرا نہ سن لے۔ چھپایا تو کسی خاص مقصد سے جا رہا ہے۔ دیکھا نہیں تھا' راج کماری کنول پہلے' دوسرے اور تیسرے دن کنور جگ دیپ سے کس تیور سے غم کا اظہار کر رہی تھی؟ وغیرہ وغیرہ۔ ذہین پارو کا دماغ بڑا زرخیز تھا۔ آئینے میں بال پڑ جائے تو آئینہ بدلے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

رات کے نو بج رہے تھے۔ دنیش چندر خواب گاہ سے ملحق ایک اور کمرے میں بھون کے لوگوں کے نرغے میں بیٹھا تھا۔ مجھ پر نظر تھی۔ حکم تھا کہ میں کہیں نہ جاؤں مگر جیسے ہی نظر اوجھل ہوئی' میں باہر آ گیا۔ ارادہ تھا کہ پہلے ڈالی کے پاس جاؤں گا' پھر ذرا رات ڈھلے پارو کے محل کا رخ کروں گا مگر راہ داری میں جانے کے ارادے سے مجھے ملاقاتی کمرے میں پہنچے ہوئے ایک پل بھی نہیں گزرا تھا کہ اچانک ایک مانوس آواز نے پیروں میں پھندا ڈال دیا جیسے ایک شرارہ لپکا' میں نے حیرت سے پلٹ کے دیکھا۔ ''اے۔'' کسی نے پراسرار انداز میں مجھے پکارا۔ وہ سندھیا تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے' چہرہ سرخ تھا' آنکھیں انگارا تھیں۔ جیسے کسی نے اچانک نیام سے تلوار کھینچ لی' میں نے اشتیاق اور اضطراب سے اسے دیکھا۔ ''میں تمہی کو ڈھونڈ رہی تھی۔'' وہ تیزی سے میرے قریب آ کے پراسرار انداز میں بولی۔

''اور میں آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔'' میں نے مستعدی سے کہا۔

''پھر وہی آپ؟'' اس کا سراپا کمان کی طرح کشیدہ ہو گیا۔ ''اندر کون کون ہے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''بہت سے لوگ ہیں۔''

''اوہ'' وہ جھنجلا گئی۔ ''مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''خیر تو ہے؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''خیر نہیں ہے۔'' اس کا سراپا لچک گیا۔

''کیا بات ہے؟ تم بہت گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔''

''مجھ سے ابھی کہیں ملو۔'' اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''کہاں؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''کہیں بھی' ٹھہرو! چھت پہ چلتے ہیں۔''

''اور وہاں سنتری معائنے کے لئے آ گئے تو؟''

''تو پھر کیا کریں' اتنے بڑے محل میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' وہ پیر پٹخ کے بولی اور بے چینی سے اپنے گلے میں لٹکا ہوا ہار کھینچنے لگی۔ اس شدت میں ہار ٹوٹ گیا۔ میں نے وہ اٹھا کے اس کے حوالے کیا۔ ''باغ میں چلتے ہیں۔'' وہ چمک کے بولی۔

''ابھی رات زیادہ نہیں ہوئی ہے' کوئی بھی ادھر آ سکتا ہے۔''

اسے ایک آن قرار نہیں تھا' کبھی بجھتی تھی' کبھی جلتی تھی۔ ضرور کوئی ایسی بات تھی جو سندھیا کو شدید کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہوا کا تیز جھونکا چلے گا اور اس کے بدن کی نازک شاخ ٹوٹ جائے گی۔ جیسے میرا وجود وہ ہوا روکے ہوئے ہے۔ ''جلد ہی کہیں کوئی جگہ تلاش کرو۔'' وہ سیمابی آواز میں بولی۔

''ہو سکے تو رات گہری ہونے کا انتظار کر لو مگر...... مگر...... ٹھہرو۔'' میں نے ادھر ادھر دیکھ کے کہا۔ ''چند منٹ بعد چپکے سے لائبریری کی دوسری منزل پر آ جاؤ۔''

''مگر لائبریری تو بند ہوگی؟''

''چابیاں ڈھونڈتا ہوں۔''

''اور اگر نہ ملیں؟'' وہ وحشت میں بولی۔

''تو تالا توڑ دیں گے' وہ جگہ سب سے محفوظ ہے' رات کو کوئی ادھر نہیں آئے گا اور آئے گا تو دیکھا جائے گا۔''

اس کے چہرے پر روشنی بکھر گئی اور وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر ایک طرف رینگ گئی۔ دنیش کی خواب گاہ خالی تھی۔ میں نے چابیوں والی الماری کھولی' چابیاں بہت ساری تھیں' ان میں لائبریری کی چابیاں تلاش کرنا مشکل کام تھا۔ میں نے ایک پستول اور سائلنسر نکال کے جیب میں ڈال لیا۔ میرے دل کو نہ جانے کیا ہو گیا' جیسے یہ میرا دل نہ ہو۔ سندھیا کی بے قراری بے سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ میری خاطر کس

قدر وحشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا' اسے جاتے ہی گلے لگا لوں گا۔

لائبریری کی عمارت مدھم روشنی میں اونگھ رہی تھی' کتابیں سو رہی تھیں
لائبریری سرشام ہی بند کردی جاتی تھی۔ بشرطیکہ کوئی وہاں بیٹھنے کا ارادہ نہ کرے۔ مجھے
وہاں تک پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ اوپر کی منزل پر قدیم کتابوں کا بھی ایک کمرہ
تھا۔ میں نے اسے کھولنے کا ارادہ کیا مگر کچھ سوچ کے ارادہ فوراً بدل دیا۔ اس کے
بجائے میں نے ایک دوسرا کمرہ منتخب کیا جہاں سائنسی کتابوں کی تختی لگی ہوئی تھی۔
انگریزوں کو متاثر کرنے کے لیے مہاراجہ پرکاش چندر نے ہر قسم کی کتابیں جمع کی تھیں
اور شاردا کے سوا چند ہی لوگوں نے انہیں چھیڑا ہوگا۔ باقی تو قارئین کو ترستی تھیں۔ تالا
معمولی تھا لیکن میں نے بے آواز پستول استعمال کرکے اس کا کام جلد از جلد تمام
کردیا۔

کمرہ روشنائی اور کاغذ کی ملی جلی مہک سے بسا ہوا تھا۔ روشنی کھولنے کا سوال
نہیں تھا' میں نے کھڑکی کے شیشے سے پردہ ہٹا کے باہر کی چاندنی مستعار لے لی۔ فرش
پر قالین بچھا ہوا تھا اور الماریوں میں کتابیں قطار در قطار لگی ہوئی تھیں۔ روشنی کی کمی
محسوس ہوئی' میں کوئی دیا سلائی یا ٹارچ بھی ساتھ نہیں لایا تھا۔ کمروں میں چاروں
طرف گھوم کے میں نے اپنا اجنبی پن کسی قدر دور کیا۔ ڈر لاحق تھا کہ کوئی چھپا ہوا نہ
بیٹھا ہو' کرسیاں ایک کونے میں رکھنے کے بعد فرش کا ایک بڑا حصہ خالی ہوگیا پھر میں
تیزی سے باہر آیا اور زینے کے اندھیرے میں چھپ کے سندھیا کا انتظار کرنے لگا۔
جسم کے موسم آناً فاناً بدل رہے تھے۔ ایک لہر سر سے پیر تک اٹھتی تھی اور سارا وجود
دیتی تھی۔ زن زن' سن سن' جھن جھن۔ زینے پر ایک لرزتا ہوا سایہ نظر آیا تو جسم میں
یک بارگی اندھیرا چھا گیا۔ نچلی سیڑھیوں پر آکے میں نے اس کا بازو پکڑا۔ "چابیاں مل
گئیں؟" اس کی نکیلی سرگوشی ابھری۔

"ہاں۔ اوپر چلو۔" اس کی سانس پھول رہی تھی' جی میں آیا' اسے آغوش میں
اٹھالوں۔ "کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"ہونہہ۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں مجھے ڈانٹا۔

ہم رینگتے ہوئے اندر پہنچے تو کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ "یہاں تو بہت
اندھیرا ہے۔" وہ سراسیمہ آواز میں بولی۔ "گھٹن ہو رہی ہے۔"

"بس تھوڑی دیر تک رہے گی' میں شیشے سے پردہ ہٹا دیتا ہوں۔" میں نے
پردہ ہٹایا تو کمرے کے اندھیرے میں کمی ضرور ہوئی۔ میں اندھوں کی طرح ہاتھ
پھیلائے چیزیں ٹٹولتا ہوا کھڑکی سے اس کی جانب واپس ہو رہا تھا تو وہ مجھ سے ٹکرا
گئی۔ ہم دونوں اچھل گئے۔ مگر دوسرے ہی لمحے ایک دوسرے کی کیفیت پر ہنسنے لگے۔
میں نے اس کے کندھے پر کہنیاں رکھ دیں۔ "کچھ دیر جاتی ہے' پھر تمہاری آنکھیں
مجھے اور میری آنکھیں تمہیں دیکھنے لگیں گی۔" وہ چپ رہی۔ میں نے اسے سینے سے لگا
لیا۔ "سندھیا جی! ڈر لگ رہا ہے؟"

"نہیں۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں' ہم نے یہ
جگہ پہلے کیوں تلاش نہیں کی۔" وہ میرے سینے میں چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

"پہلے شاید اتنی شدت سے تم نے نہیں کہا تھا۔"

"یعنی تم یہ جگہ مجھ سے چھپا رہے تھے؟ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے؟"

"ارے نہیں۔" میں نے اس کے ماتھے پر اپنا سر مار کے کہا۔ "اچھا اور
باتوں سے پہلے سانس درست کرو اور جلدی سے یہ بتاؤ کہ کون سی بات نے تمہیں اتنا
پریشان کر دیا ہے؟" میں نے اس کا چہرہ سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"بہت بڑی بات ہے موہن!" اس کی آواز جھرجھرانے لگی۔

"کتنی بڑی بات ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت ہی بڑی۔" وہ سراسیمہ لہجے میں بولی۔ "معلوم ہے' میں تمہیں کتنے
دن سے نہیں ملی؟"

"کئی دن سے۔" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کئی دن سے میں بڑی حویلی میں تھی۔"

میری سسکی نکل گئی دماغ ٹوٹ گیا۔ "تم...... تم وہاں تھیں؟"

"ہاں' میں وہاں تھی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"پھر؟۔ پھر؟" مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا' میں نے اسے دبوچ لیا۔

"میں وہاں سے تمہیں فون بھی نہیں کرسکتی تھی اور تمہارے پاس آنے کے
لیے میرا دل بہت چاہ رہا تھا۔" وہ الجھی الجھی آواز میں بولی۔

"سندھیا!۔" میں نے خوف زدہ آواز میں اسے پکارا' میرا رواں رواں کانپ

رہا تھا۔ ''سندھیا! پوری بات بتاؤ۔''
''وہ مرکھنا دیو بچ گیا۔'' وہ غصے سے بولی۔
''کون؟ کون؟'' میں نے دہشت سے پوچھا۔
''وہی کنور کا بچہ.....'' اس نے نفرت سے کہا۔
''کنور جگ دیپ؟'' میری آواز حلق میں اٹک گئی۔
''ہاں وہی لاٹ صاحب۔'' اس نے اشتعال میں کہا۔ ''میں نے جگہ جگہ اسے تلاش کیا مگر وہ چھاؤنی چلا گیا تھا۔ بس بچ گیا۔ خیر.....''
''سندھیا! سندھیا جی!''
''ہاں موہن!'' وہ اداسی سے بولی۔ ''وہ راون بچ گیا۔''
''تم کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے اسے بری طرح جھنجوڑ دیا۔
''میں مر جاؤں گی۔'' وہ میرے سینے میں لچکتی ہوئی بولی۔ ''تمہیں کیا ہوگیا ہے۔'' میں نے اسے اور زور سے جکڑ لیا۔ ''میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔'' وہ دانت پیسنے لگی۔ ''اے موہن!''
میں اسے مارنے لگا' نوچنے کھسوٹنے لگا۔ میں نے اس کے بال کھینچ لیے اور فرش پر پٹخ دیا۔ وہ گنگ ہوگئی' اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ میں اسے یوں ہی روتی سسکتی دیکھتا رہا' پھر میں نے اسے اٹھا کے اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ ''تم نے یہ کیا کیا سندھیا!''
''تم رو رہے ہو؟'' وہ سسکتے ہوئے حیرانی سے بولی۔
''اوہ۔ اوہ۔'' میں نڈھال ہوکے اس کے جسم پر گر پڑا۔ اس نے میرا بوجھ سنبھالنے کی کوشش کی مگر سنبھال نہیں سکی۔ ہم دونوں قالین پر آ پڑے۔
''کیا تم ناراض ہوگئے؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
میں نے اس کے ہاتھ پکڑے اور بے تحاشا انہیں چومنا شروع کردیا۔ ''تم نے ان نازک ہاتھوں سے کتنی گولیاں چلائیں؟'' میری زبان ہکلا رہی تھی۔
''کیا کرتی! وہ سبھی ایسے ہیں لیکن میں انہیں مارنا نہیں چاہتی تھی' میں تو اسی کی تلاش میں تھی۔ وہ نہیں ملا تو میں نے غصے میں آ کے ان سب کو مار دیا۔ بڑی لمبی کہانی ہے مگر تم تو سننا ہی نہیں چاہتے۔''

''میں تمام باتیں سنوں گا' سب سنوں گا۔'' میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ کوئی نشان تو نہیں چھوڑا؟ کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی؟''
''نہیں' میرے پاس اپنا چھوٹا سا پستول تھا۔ جب حویلی میں اندھیرا چھا گیا تو میں باہر نکلی۔ میں نے دو دن تک اچھی طرح پرکھ لیا تھا کہ لوگ کب سوتے ہیں' کب جاگتے ہیں۔ پہلے بھی میں کئی بار وہاں رہنے جا چکی تھی۔ مجھے سب معلوم تھا۔ خیر' جیسے ہی اندھیرا ہوا' میں باہر نکلی مگر وہ نکتا دیوا اپنے کمرے میں نظر نہیں آیا تو میں نے چھپتے چھپاتے اسے دوسری جگہوں پر ڈھونڈا۔ پھر میری دستک پر جس نے بھی دروازہ کھولا' میں اسے پستول دکھا کے اندر چلی گئی' اب میں اسے مارے بغیر تو واپس نہیں ہوسکتی تھی نا' میں نے اسے ختم کردیا اور موہن! میں نے دو کمروں میں ناچنے والیاں دیکھیں۔ جب میں نے پستول ان کی طرف تانا تو وہ اپنی چادریں چھوڑ کے ادھر ادھر بھاگیں۔ ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ مرد بھی بے لباس تھے۔'' وہ جھجکتی اور شرماتی ہوئی بولی۔ کمرے میں اتنی روشنی ہو چکی تھی کہ میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا۔ ''بس ایک کمرے کا دروازہ ذرا سی دستک سے کھل گیا۔ میں نے سوئے ہوئے لوگوں پر گولی چلا دی۔ مجھے ان کمروں سے دو ہی پستول مل سکے تھے۔ مجبوری تھی' باندیوں کو بھی خاموش کرنا پڑا۔ کچھ گولیاں غلط چل گئیں۔ جب میرے اپنے پستول میں صرف دو گولیاں رہ گئیں تو میں وہاں سے بھاگ نکلی۔ میں اسی وقت تمہیں فون کرنا چاہتی تھی مگر یہ مناسب نہیں تھا' میں تو اپنے کمرے میں چپ چاپ آ کے بستر پر لیٹ گئی۔''
میرا سر گھومنے لگا تھا' دل کی حرکت تقریباً معدوم ہوگئی تھی' میں سکتے کی سی حالت میں اس کی باتیں سنتا رہا۔ ''مجھے قریب قریب ساری تفصیل معلوم ہوگئی ہے سندھیا!'' میں نے کمزور آواز میں کہا۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ تم سے کوئی چوک تو نہیں ہوگئی؟ پستول اور دروازوں پر تمہارے نشانات تو رہ گئے ہوں گے۔؟''
''تم مجھے بالکل بچی سمجھتے ہو۔'' وہ ناراض ہوگئی۔
''تم بہت بڑی ہو' سب سے بڑی ہو۔'' میں نے وارفتگی سے کہا۔
''اب تم نے سب سے بڑا بنا دیا۔'' وہ تلخی سے بولی۔
''اوہ۔'' میں نے اسے سمیٹ لیا۔
''پستول چلانے سے پہلے اتنی بات تو مجھے معلوم ہی ہونی چاہیے کہ بعد میں

نشانات پکڑے جاتے ہیں' میں دستانے پہن کے گئی تھی۔'' وہ اٹھلا کے بولی۔'' تین سے پولیس والے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہے ہیں' انہیں کچھ پتہ چلا؟'' اس مجھ سے سوال کیا۔

''نہیں' کچھ پتہ نہیں چلا۔ کچھ پتہ نہیں چلا۔''

''پھر۔'' وہ تنک کے بولی۔''مگر موہن کیا فائدہ ہوا؟ وہ تو رہ گیا۔ تین سے آنٹی پریت کی بچی وہیں تھنسی بیٹھی ہے اور بند کمرے میں نہ جانے کیا۔ کاتا کر رہی ہے۔ میں بھی جان کے تین دن وہاں رہی۔ تین دن میں بڑی مشکل سے بالکل نیند نہیں آئی۔ مجھے مجبوراً وہاں رہنا پڑا۔ اب میں تمہیں بتاؤں' مجھے کچھ کچھ چلا ہے کہ وہ تم پر شک کر رہے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کے کہا۔

''لیکن اگر انہوں نے تمہیں پکڑا تو بہت بری بات ہوگی۔ میں بڑی حو آگ لگا دوں گی۔ ایک بھی نہیں بچے گا۔''

''اب تم کچھ نہیں کرو گی۔'' میں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

''واہ۔'' وہ انگلیاں پکڑ کے بولی۔''وہ تمہیں پکڑ لیں اور میں خاموش رہوں' واہ۔''

''بالکل خاموش بیٹھی رہو گی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''خیر یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا موہن! بہرحال ہمیں احتیاط رکھنی ایک بات کہوں؟''

''کہو۔ مگر پہلے ایک بات خوب غور سے سن لو اور وعدہ کرو۔''

''چلو' پہلے تمہی بتاؤ' میں تم سے وعدہ کرتی ہوں۔''

''مجھے یہ گولیوں والی بات بالکل پسند نہیں ہے۔''

''گولی تو مجبوری میں چلائی جاتی ہے' جب آدمی سیدھی طرح نہیں سمجھتا چلائی جاتی ہے' مجھے کوئی گولیاں چلانے کا شوق ہے کیا؟''

''لیکن تم اب مجبوری میں بھی گولی نہیں چلاؤ گی۔''

''میں وعدہ نہیں کرتی۔''

''ٹھیک ہے' پھر مجھ سے کیا مطلب ہے۔''

وہ میری صورت تکتی رہی۔''روٹھ گئے؟ اچھا چلو' وعدہ۔''

''پکا وعدہ کرنا ہوگا۔'' اس نے اقرار میں گردن ہلائی۔''اچھا اب بتاؤ' تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''میں کہہ رہی تھی اور وہی بات کہہ رہی تھی جو تم کہہ رہے ہو' گولیاں چلانے کی بالکل ضرورت نہیں پڑے گی' اگر تم ایک بات مان لو۔''

''کیا؟۔ میں تمہاری ہر اچھی بات مانوں گا۔''

''تو پھر مجھے یہاں سے کہیں لے چلو' مجھے یہ جگہ بالکل پسند نہیں۔'' میں سن ہوگیا۔ سندھیا نے میرے جواب دینے سے پہلے چہکتے ہوئے کہا۔''پھر تم مجھ سے پستول چھین لینا۔ ہم دونوں بہت دور چلے جائیں گے اور خوب پڑھیں گے' میں تمہیں پڑھاؤں گی' تم مجھے۔ مجھے کھانا پکانے کا کام نہیں آتا لیکن میں اسے سیکھ لوں گی۔ یہاں مجھے ہر وقت ڈر رہتا ہے۔ اب وہ سور کھنے پھر تمہارے پیچھے پڑے ہیں۔''

میری آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہنے لگے اور وہ ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہی' وہ اپنے رومال سے میرے آنسو پونچھنے لگی' پھر خود بھی رونے لگی۔

روتے روتے میرا ذہن نیند کی وادیوں میں کہیں گم ہوگیا۔ شاید ہنگاموں کی تکان نے میرے وجود کو تسکین دینے کی خاطر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ نیند بھی انسان پر زندگی کا ایک قرض ہوتی ہے اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں سرزد ہوتی رہیں تو انسان کے قویٰ اس کے ساتھ زیادہ دیر نہیں چل پاتے۔ جوڑ و بند کے رشتے ٹوٹنے لگتے ہیں۔ جس طرح لکڑی کو دیمک اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہے اسی طرح انسان بھی تھک کر ٹوٹ جاتا ہے۔ بکھرنے لگتا ہے۔ مضمحل رہتا ہے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں ساتھ نہیں دیتیں۔ ذہن میں سائیں سائیں کی آوازیں گونجنی شروع ہو جاتی ہیں۔ زندگی کسی ویران اور اجڑے ہوئے کھنڈر کا نقشہ بن جاتی ہے پھر موت کے سائے اپنا دامن پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

☆....☆....☆

صبح میری آنکھ پہلے کھلی' میں کسمسا کر رہ گیا' میں ۔ ندھیا پر نظر
اس کا مرمریں جسم گٹھڑی بنا میرے وجود کے ساتھ گڈ مڈ ہو رہا ' باس کی بے تر
نے اس کے کندن جسم کو کچھ اور جوالا مکھی بنا دیا تھا۔ وہ محو ' ہے تھی' میں اس
خوابیدہ حسن کا نظارہ کرتا رہا' سانسوں کے ساتھ اس کے جسم ' ہونے والی مدھم
حرکتیں ہیجان انگیز تھیں۔ میں تا دیر حسن کے پیچ وخم میں ڈ ابھرتا رہا' پھر ہڑبڑا
اٹھ گیا۔ سندھیا کے معصوم خوابوں کا طلسم ٹوٹ کر بکھر گیا ' سم کو سمیٹتے ہوئے جل
سے اس نے خود کو سنبھالا۔

''صبح ہوگئی؟'' مدھم لہجے میں کہتے ہوئے اس ے میری سمت دیکھا۔

''ہاں سندھیا جی!'' میں نگاہیں چراتے ہو ، بولا۔ ''جلدی چلو' اگر کسی
ہمیں دیکھ لیا تو بھون میں بھونچال آ جائے گا' لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں
انہیں میرے خلاف زہر اگلنے کا ایک بہانہ اور مل ے گا۔''

''جو زبان تمہارے خلاف کھلے گی میں اسے کاٹ ڈالوں گی۔ جس آنکھ میں
تمہارے خلاف نفرت دکھائی دی میں اسے پھوڑ کر رکھ دوں گی۔'' وہ بڑے اعتماد سے
بولی۔ ''اب تم اکیلے نہیں ہو موہن' میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔''

''نہیں سندھیا! نہیں۔'' میں نے ایک بار پھر اسے سموچا دبوچ لیا۔ وہ رات
مجھے بڑی حویلی کے بارے میں کشت و خون کا جو قصہ سنا چکی تھی' میرے لئے وہی بہت
تھا۔ ''تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے نا کہ تم اب دوبارہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ اب
مجھ سے وعدہ کرو کہ کسی بھی قسم کا کوئی بھی قدم اٹھانے سے پیشتر مجھ سے مشورہ ضرور
کرو گی۔''

''وہ میں نے بڑی حویلی جانے سے پہلے بھی سوچا تھا لیکن تم مجھے ا

قریب آنے کا موقع کب دیتے ہو۔'' اس کے لہجے میں شکایت تھی۔ ''تم مجھے بچی سمجھتے
ہو نا شاید اسی لئے مجھ سے دور دور رہتے ہو' میں جانتی ہوں موہن!'' وہ ایک دم
رنجیدہ ہوگئی۔ ''مجھے بتاؤ موہن' مجھ میں کون سی کمی ہے؟ تمہاری خاطر تو میں کچھ بھی کر
سکتی ہوں ایک بار آزما کر تو دیکھو۔''

''ارے نہیں سندھیا! یہ تم کیسی باتیں کرنے لگیں۔ اب اور بھی کوئی آزمائش
باقی ہے کیا؟ مگر سندھیا جی! ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم آزادانہ ایک دوسرے کے
قریب ہوسکیں' ایک دوسرے سے بات کر سکیں۔ ابھی وقت نہیں آیا۔''

''وہ وقت کب آئے گا موہن!؟'' وہ میری صورت تکنے لگی۔

''اب زیادہ دیر نہیں لگے گی۔'' میں روانی میں کہہ گیا پھر میں نے کوئی بات
نہیں کی' سندھیا کو ساتھ لئے سیڑھیاں اترتا تیز تیز نیچے آ گیا لائبریری کی نچلی منزل پر
مطالعے کا کمرہ کھل چکا تھا۔ اندر کوئی صفائی کر رہا تھا۔ ہم ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے
عمارت سے باہر آنے میں کامیاب ہو گئے۔

''موہن!'' سندھیا نے دبی زبان میں سوال کیا۔ ''دوبارہ کب ملو گے؟ مجھے
ابھی تمہارے ساتھ اور بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

''میں ایک شرط پر ملوں گا۔'' میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ
کرو کہ اب تم خطرناک کھلونوں سے نہیں کھیلو گی۔''

''لیکن ان کی جلی کٹی باتیں سن کر میرا خون جوش مارنے لگتا ہے' اپنے آپ
پر قابو نہیں رہتا۔'' اس کے چہرے پر خون کی تمازت بڑھنے لگی۔ ''وہ تمہاری برائی
کرتے ہیں تو میرا دل چاہتا ہے ان کی زبانیں گدی سے باہر کھینچ لوں' ان کا گلا گھونٹ
دوں' اس کی قسمت اچھی تھی جو بچ گیا' وہ کام آ جاتا تو سارا جھگڑا ختم ہو جاتا۔'' وہ ہاتھ
مسلتے ہوئے تاسف سے بولی۔ ''میں جانتی ہوں' جب تک وہ زندہ رہے گا تمہارے
پیچھے پڑا رہے گا۔''

میں نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لئے۔ ''مجھے وچن دو کہ اب تم
پستول نہیں چلاؤ گی اور۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں تمہیں' راجکمار دنیش کو
اور اس بھون کو چھوڑ کر خاموشی سے کہیں چلا جاؤں گا' کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں
ہوگی۔''

"مجھے بھی چھوڑ جاؤ گے؟" اس نے مخمور نگاہوں سے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "سندھیا کو بھی؟"

"ہاں تمہیں بھی۔" میں نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"اور اگر میں تمہاری بات مان لوں تو؟"

"تو۔ تو ہماری دوستی پکی رہے گی۔"

"پھر تم مجھ سے دور دور تو نہیں رہو گے؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے، وعدہ کرتی ہوں، میں جو کچھ کروں گی تم سے پوچھ کر کروں گی۔"

میں نے سکون کا سانس لیا۔ اجالا تیزی سے اپنا دامن پھیلانے لگا تھا۔ میں سندھیا کو رخصت کر کے مندر والے راستے سے اپنے کوارٹر کی سمت جا رہا تھا کہ راستے میں اچانک میرے قدم زمین میں دھنسنے لگے۔

سادھو دیو راج اپنی لاٹھی جمائے میرے سامنے کھڑا تھا، اس کی نگاہوں میں گہری سنجیدگی تھی، اس کی عقابی نگاہیں اس طرح میرے وجود پر پھسل رہی تھیں جیسے وہ میری نس نس کا حال جاننے کی کوشش کر رہا ہو، میں نے کترا کر آگے بڑھنا چاہا لیکن اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا، مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ یہ نہ جان لے کہ میں نے رات کہاں اور کس کے ساتھ گزاری تھی؟ وہ چونکا دینے والے انکشافات کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ میرے دل پر بڑا بوجھ تھا۔ دل اس بوجھ تلے کچلا جا رہا تھا، اس لئے میں اس وقت اس کا سامنا کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

"بہت بیاکل نظر آتے ہو بالک۔" سادھو دیوراج نے سرد آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ "من میں کیا ٹھان رکھی ہے؟ کن وچاروں میں گم ہو۔؟"

"میں سمجھا نہیں مہاراج۔" میں نے خود کو سنبھالا۔

"ابھی سمے ہے۔" سادھو دیوراج میری نگاہوں میں دور تک جھانکتے ہوئے بولا۔ "زیادہ دیر کر دی تو دھول مٹی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سمے بار بار پلٹ کر نہیں آتا، میرا کہا مان لے بالک، اب دیر نہ کر۔"

"کاہے کی دیر مہاراج؟" میں نے نظریں ملا کر دریافت کیا۔ میں جانتا تھا کہ سادھو کا اشارہ کس طرف ہے۔ وہ مجھے جلد از جلد یہاں سے دور پہاڑوں میں کہیں

لے جانا چاہتا تھا۔

"جان کر انجان بننے کی کوشش نہ کر۔" اس بار سادھو کے لہجے میں بڑی نرمی تھی۔ درخواست کا پہلو نمایاں تھا۔ "بس اب چلنے کی تیاری کر۔"

سادھو دیوراج کا اس وقت میرے راستے میں حائل ہونا بے سبب نہیں تھا، وہ ایشوری لال کی طرح زیادہ باتیں کرنے اور کرچھا نچانے کا عادی نہیں تھا، وہ پہلودار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی تجربہ کار نظریں اندھیرے میں دور تک دیکھنے کی عادی تھیں، وہ اوپر سے پرسکون تھا لیکن اندر سے بہت گہرا تھا۔ میں ابھی تک اس کی 'تھا' کو نہیں پا سکا تھا۔ اسے ریاست کے پیچیدہ معاملات کا بھی علم ضرور رہا ہوگا۔ وہ دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے کی طاقت رکھتا تھا۔ ریاست کے بڑے بڑے لوگ بھی اس کے پیر کی مٹی کو آنکھوں میں لگانے کو تیار رہتے تھے، اس کا اپنا ایک رعب تھا، دبدبہ تھا، شہر سے دور اپنا ایک بڑا استھان تھا جہاں ہر وقت پنڈت پجاریوں کا اژدھام لگا رہتا تھا۔ سب گیان دھیان میں لگے رہتے تھے۔ سادھو دیوراج کے چرن چھو لینا بھی ان کے لیے ہزار معانی رکھتا تھا۔ لیکن وہ سب سے الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا، اس کے اندر ایک وزن تھا جسے سب مانتے تھے۔ بڑے بڑے راج کمار اور راج کماریاں اس کے درشن کی خاطر اس کی کٹیا پر حاضری دیتے تھے۔ مہاراجہ بھی اس کا بڑا مان رکھتے تھے۔ وہ اپنی ذات میں خود بلند مقام رکھتا تھا۔

"کیا سوچ رہا ہے بالک!" کیا تیرا من وہاں جانے کو بیاکل نہیں ہوتا؟"

"کہاں جانے کی بات کر رہے ہو مہاراج!" میں نے نیچی آواز میں پوچھا۔

"وہاں، جہاں دھرتی اور آکاش کا ملاپ ہوتا ہے۔" سادھو نے آنکھیں موند لیں، جھومتا ہوا بولا۔ "جہاں کوئی چھل کپٹ نہیں ہوتی، من اجلا اور صاف ہوتا ہے، گنگا جل کی مانند، جہاں دو دلوں کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی، کیول ٹھنڈی ٹھنڈی چھایا ہوتی ہے اور ...... اور......" سادھو ایک لمحے کو رکا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ "تو نے ادھر بہت سمے برباد کر دیا بالک، تیری جگہ کوئی اور منش ہوتا تو اس کی ایک آہٹ پا کر دیوانہ ہو جاتا، شریر کو کپڑوں کی قید سے آزاد کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جاتا۔ کیول اسی کے شبھ نام کی مالا جپتا رہتا، من میں اسی کی آس لگائے، دھونی رمائے سارا جیون دان کر دیتا...... اور ایک تو ہے، دیوی کو ناراض کر رہا ہے۔ تجھے کیا ہو گیا

ہے موہنا کہ اپنے من میں ایک بار جھانک کر دیکھ تیرے من مند ، بھی اس کی مو
بجی ہوگی۔ کومل، سندر، مہان، سب سے الگ، من موہنی۔''

سادھو دیو راج نے متعدد بار میرے ساتھ ، اچھا سلوک کیا تھا۔ پنڈ
ایشوری لال بھی اس کی پیروی کرتا تھا۔ انہیں میر در نہ جانے کیا نظر آتا تھا،
کیچو نظر آتی تھی۔ کیچو جو ایک چھایہ تھی، کسی ے کی طرح نظر آتی تھی پھر نظر
سے اوجھل ہو جاتی تھی، کیچو ایک مہربان ی، ایک حسین عورت کا سایہ، ایک
دوشیزہ کا سرسراتا وجود، جو بجلی بن کر کو: راندھیروں میں گم ہو جاتا۔ مجھے خود بھی
معلوم تھا کہ کیچو کون تھی؟ وہ کیا ں تھی؟ میرے اور اس کے درمیان بس ایک
تعلق تھا کہ اس کی وجہ سے ، بہن کو طلاق ہوئی پھر بربادیوں اور تباہیوں نے
پیچھا پکڑ لیا، شاید بانو ے پر میرے ہاتھوں کو انسانوں کے خون سے رنگنے
بھی کیچو ہی تھی، ای ، سبب میری معصوم بہن یاسمن نے چھت سے لٹک کر خودکشی
لی، میرے با ے اپنے داماد کو گولی کا نشانہ بنا دیا پھر ایک اور گولی داغ کر خود
دنیا سے ، ی کرلی، میں پھانسی کے خوف سے بھاگتا بھاگتا ریاست راجے پور آ
اور ن داس کے روپ میں پرکاش بھون میں چھپا بیٹھا تھا۔

میں نے کیچو کو کئی بار دیکھا تھا، اس نے کئی بار میری مدد کی تھی کبھی وہ ا
حسین اور جمیل روپ میں فضا میں لہراتی بل کھاتی نظر آتی۔ کبھی اندھیرے میں اس
آواز مندر کی گھنٹیوں کی مانند کانوں میں گونجتی، اس کے کئی رنگ تھے، کئی روپ
اصلیت کیا تھی؟ میں اس سے ناواقف تھا۔ میں سوچتا تھا ممکن ہے وہ میرے
خلفشار کی پیداوار ہو، دماغ کا خلل ہو، وہم ہو، لیکن شاید سادھو دیوراج اور پنڈ
ایشوری لال نے کیچو کی حقیقت کو پا لیا تھا۔ دونوں جب بھی مجھ سے ملتے اشارتاً کیچو
کسی نہ کسی بہانے ذکر ضرور کرتے۔ میں ان کی باتیں سنتا اور دل ہی دل میں مسکرا
رہ جاتا۔

کیچو، پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج سب ہی اپنی اپنی جگہ ا
پراسرار معمہ تھے، جب ان کے جی میں آتا وہ میرے سامنے آجاتے، میں نے کبھی
کی طلب نہیں کی تھی۔ میں نے ہمیشہ ان کی نفی کی تھی لیکن وہ نہ جانے میرے اندر
خوبیاں دیکھ رہے تھے جو خود ہی اکثر میری اس کم مایہ زندگی کے کسی موڑ پر سامنے آ

چونکا دیتے۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' میں نے قدرے اکتا کر جواب
دیا۔ ''مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مہاراج!''

''مورکھوں جیسی باتیں کیوں کرتا ہے بالک؟'' سادھو دیوراج اضطراب کی
کیفیت میں گردن ہلانے لگا۔ کیچو کے سلسلے میں اسے میری اکتاہٹ پسند نہیں آئی۔
ایک لمحے تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر اس کے لہجے میں عاجزی اور انکساری سرایت کر
گئی۔ ''کیوں پنڈت پجاریوں سے ٹھٹھول کرتا ہے۔ ہمارا نہیں تو کچھ اس کا خیال کر،
سے بیت گیا تو وہ تجھ سے روٹھ بھی سکتی ہے، ایشور نے تجھے جو شکتی دان کرنے کی ٹھان
رکھی ہے اس کی قدر کر موہن، تو کیا جانے کہ اس کے کھوج میں کتنے مہاپرش پہاڑوں
اور جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے مر کھپ گئے، آج تک کوئی اس کے درشن نہیں کر سکا، بڑے
بڑے پنڈت پجاری اس کی ایک جھلک کی آس من میں لئے سورگ باشی ہوگئے اور
ایک تو ہے، اس سے نظریں چرانے کی بھول کر رہا ہے۔'' سادھو دیوراج میرے اور
قریب آ گیا، میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی لجاجت سے بولا۔ ''جو سے بیت گیا،
بیت گیا، اب اور سمے برباد مت کر، مذاق چھوڑ دے، من کی آنکھیں کھول کر دیکھ
بالک! میری بات مان لے، بس اب چلا چل، یہاں کیا رکھا ہے تیرے لئے، اس کی قدر
کر جو تیرا انتظار کر رہی ہے، دیر کیوں کر رہا ہے، تیری آنکھوں کے سامنے جو دھند ہے
اسے دور کر کے دیکھ، تو اپنے آپ کو اس دھرتی کا سب سے مہان اور بلوان منش پائے
گا، وہ تجھے مٹی سے کندن بنا دے گی، اس نے تجھے پسند کر لیا ہے۔ تیرے ساتھ اپنا
سمبندھ باندھ لیا ہے، اپنی آنکھوں سے پردے ہٹا کر دیکھ!''

سادھو دیوراج کے خیال میں شاید پراسرار کیچو پہاڑوں پر میرا انتظار کر رہی
تھی اور میں جان بوجھ کر انجان بنا ہوا تھا، کیسا طرفہ تماشہ تھا، میں نے دل کھول کر
قہقہہ لگانا چاہا لیکن خاموشی میں زیادہ مصلحت تھی۔ سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری
لال کو اگر میرے اندر کچھ خوبیاں نظر آ رہی تھیں تو یہ ان کی اپنی کوتاہی نظر تھی، حالات کا
تقاضہ یہی تھا کہ میں ان کی سنتا رہوں، ان کی باتوں کی نفی نہ کروں۔

آئی جی مہتا نے مجھے ریاست سے نکل جانے کا مشورہ دیا تھا، بڑی حویلی میں
پیش آنے والے خونیں واقعے کے بعد ریاست کی کشتی بھی منجدھار میں پھنس کر

ڈگمگانے لگی تھی اور ایسے وقت میں سادھو دیوراج بھی مجھے جنگلوں اور پہاڑوں کوچ کرنے کا حکم دے رہا تھا' کیا عجب کہ اس کا ذہن کل پیش آنے والے غیر حالات کا مشاہدہ کر چکا ہو' وہ نہ جانے کب سے گیان دھیان میں لگا ہوا تھا' ممکن کہ اس نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو راضی کر کے کچھ حاصل کر لیا ہو' اسے اگر میر ذات سے کوئی توقع وابستہ تھی تو میں اس کو اپنی کم مائیگی کا احساس دلا کر اور ان پراسرار معاملات سے اپنی بیزاری کا اظہار کر کے خود سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتا تھا' کسی آڑے وقت میں وہ میرے کام بھی آ سکتا تھا۔

''اب کچھ وچار مت کر بالک! چلنے کی تیاری کر لے۔'' سادھو دیو راج نے پھر عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ ''اس سیوک کو اپنے ساتھ لے چلنا' تیرے بہانے کچھ اپنا بھلا بھی ہو جائے گا۔ دیوی درشن ہو گیا تو یہ بھی میرے جیون کی سب سے بڑی دیا ہوگی' جب تک سانس چلتی رہی تیرے گن گاتا رہوں گا' اب نراش نہ کر' میرا کہا مان لے۔'' میں نے ایک لمحہ توقف کیا پھر جھجکتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج اگر تم کہتے ہو تو پھر میں انکار نہیں کروں گا' تمہاری آ گیا کا پالن ضرور کروں گا لیکن مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو' ابھی کچھ حساب کتاب نمٹانے ہیں۔''

''میں اور تجھے آ گیا دوں گا......ناناں......'' سادھو گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ میری آ گیا نہیں' میری بنتی ہے بالک کہ تو میرا کہا مان لے۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تجھے مجبور کر کے لے چلتا پرنتو میں ایسا نہیں کر سکتا اس لئے کہ جو اپنے من مندر کے دوار کھولے تیری راہ تک رہی ہے اس کی شکتی اپرم پار ہے۔ میں اسے نراش کرنے کا وچار بھی نہیں کر سکتا۔''

''وہ اور بات ہے مہاراج لیکن میں تو تم کو اپنا گرو مانتا ہوں' میں نے بات نمٹانی چاہی' بس تھوڑے دنوں کی مہلت اور۔''

''تیری مرضی۔'' سادھو کبیدہ خاطر ہو گیا' ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ ''اگر سے نکل گیا تو میری بات تجھے بہت یاد آئے گی بہت پچھتائے گا۔ تو نہیں جانتا بالک' چکنے فرش پر چلنا اچھا نہیں ہوتا' منش کے پگ بار بار رپٹے رہتے ہیں' بار بار پھسلنے کا خطرہ رہتا ہے۔ تو اپنا راستہ کھوٹا کر رہا ہے' تیرا یہ استھان نہیں ہے' تجھے تو بہت آگے جانا ہے' کیا تو نہیں جانتا؟''

''میں سب جانتا ہوں مہاراج!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''لیکن جو پہاڑوں پر میری راہ تک رہی ہے وہ بھی ضرور جانتی ہوگی کہ دیر کیوں ہو رہی ہے؟ کچھ نہ کچھ کارن تو ہوگا۔''

سادھو دیوراج نے چونک کر میرا چہرہ بغور دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک سودہ مسکراہٹ پھیل گئی وہ خاموش ہی رہا' شاید بہت دیر بعد میں نے ایک معقول کہی تھی جو اس کی سمجھ میں آ گئی چند ثانیے وہ بڑی گہری نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر کھٹ کھٹ کرتا مندر کی سمت قدم بڑھانے لگا۔

☆......☆......☆

رت سندھیا کی باتوں نے میرے ذہن میں جس بارود کو ماچس دکھائی تھی اس کے د کر میرے پورے وجود میں ہو رہے تھے' میں سادھو دیو راج سے چھٹکارا پا کر سیدھا اپنے ر میں آ گیا' ذالی گھر میں نہیں تھی' باہر تالا لگا ہوا تھا' میں تھکا ماندہ اندر داخل ہوا' چابی طرف اچھالی اور گدے کے ساتھ بستر پر دراز ہو گیا۔

سندھیا میری توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلی ثابت ہوئی تھی' چھاؤنی کے بڑے بڑے دماغ ابھی تک بڑی حویلی میں کھیلے جانے والے ہولناک ڈرامہ کا سراغ ڈھونڈ رہے تھے' کوئی سرا ان کے ہاتھ نہیں آ سکا تھا۔ دنیش چندر اور رانی پارو بھی حیران و پریشان تھی۔ پولیس کے کھوجی بھی مجرموں کی تلاش میں ریاست راجے پور کا ایک ایک کونا کھدرا تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ انگریز جس نے سیاسی مدبرانہ چال سے پورے ہندوستان کو غلام بنا رکھا تھا' ان کی عقلیں بھی گنگ ہو چکی تھیں' ایک ہی رات میں اٹھارہ انسانوں کی زندگی کے چراغ گل کر دیئے گئے تھے' ہر طرف دھواں دھواں ہی تھا لیکن چراغ گل کرنے والے کا کوئی نام و نشان نہیں مل رہا تھا۔ دوسری طرف ان دس بے گور و کفن لاشوں کا بھی غلغلہ مچا ہوا تھا جو میں نے اور پارو نے جوابی کارروائی میں اپنے مخالفوں کی عبرت کے لئے چھوڑ دی تھیں۔

دنیش کا ذہن بھی ان گتھیوں میں الجھا ہوا تھا کہ بڑی حویلی میں خون کی ہولی کھیلنے والوں میں کس کا نام سرفہرست ہو سکتا ہے؟ خود رانی پارو بھی الجھی الجھی پھر رہی تھی۔ ہر طرف خوف و ہراس کے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ مہاراجہ نے قاتلوں

کی گرفتاری کی خاطر انعام کا جو اعلان کیا تھا اس کے لالچ میں کچھ سر پھرے ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے تھے۔ دھند اتنی شدید تھی کہ دور دور تک کچھ نظر نہیں آ رہا تھا پھر اچانک کمسن اور نوخیز سندھیا نے جو قبل از وقت جوانی کے دروازے پر دستک دینے کو بے چین تھی' سامنے آ کر مجھے چونکا دیا' اس نے بڑی تفصیل سے مجھے مرنے والوں کی پریشانی اور گھبراہٹ کے قصے سنائے تھے' اسے اس بات کا ملال تھا کہ جگدیپ جو اس کا اصل شکار تھا قسمت سے بچ گیا' وہ حویلی میں موجود ہوتا تو شاید قصہ ہی پاک ہو جاتا۔ ایک بار ریاست کی فضا پوری طرح مکدر ہو جاتی لیکن مطلع ہمیشہ کے لیے صاف ہو جاتا۔

سندھیا نے میری گود میں ہمکتے ہوئے بڑی نفرت سے کہا تھا۔ ''موہن' اگر اب کسی نے تمہارے بارے میں کوئی غلط بات کی تو میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی' بڑی حویلی کو نذر آتش کر دوں گی' نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔'' وہ میرے عشق میں حد سے گزر چکی تھی' میں نے بڑی مشکلوں سے اس کا غصہ سرد کیا' اپنی قسم دے کر وعدہ لیا تھا کہ آئندہ وہ مجھ سے پوچھے بنا پستول کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گی۔

میں اپنے خیالوں میں گم تھا کہ ڈالی صحن کو عبور کرتی میرے سامنے آ گئی۔ ایک نظر مجھے گھور کر دیکھا پھر گڈے کو میرے قریب سے گھسیٹ کر پختہ فرش پر ڈال دیا' وہ کسمسایا پھر دوسری کروٹ لے کر سہم گیا۔ ''بہت بھری بھری نظر آ رہی ہے؟'' میں نے تلخ لہجے میں اسے مخاطب کیا' مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ اس نے رات کہاں گزاری ہو گی' میں نے اس ضمن میں اس سے کبھی کوئی باز پرس نہیں کی تھی' ہم دونوں گڈے کے ساتھ ایک ہی چھت تلے زندگی گزار رہے تھے' اس کے سوا ہمارے درمیان کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں تھا۔

ڈالی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا' غصے میں بل کھاتی جانے کے ارادے سے پلٹی تو میری آواز تیز ہوگئی۔ ''میں نے تجھ سے کچھ پوچھا تھا' یہ تیری پیشانی پر سلوٹیں کیوں نظر آ رہی ہیں' رات بھر کہاں غائب رہی۔''

''تو کون ہوتا ہے پوچھنے والا؟'' ڈالی جھلا کر بولی۔ ''کبھی میں نے تجھ سے پوچھا ہے کہ تو دلی سے آئی ہوئی اس چھمک چھلو کے ساتھ سانپ اور سیڑھی کا کھیل کیوں کھیل رہا ہے۔''

ڈالی کا اشارہ ترنم کی جانب تھا' مجھے ہنسی آ گئی۔ ''اب تجھے بھی بڑے بڑے چیکھے جملے بولنے آ گئے ہیں۔''

''مجھے اس طرح منہ بنا کر مت چھیڑا کر شیرو۔'' اس کے لہجے میں شکوہ اتر آیا۔ ''میں جانتی ہوں تو میری بات نہیں مانے گا' راجکمار اور سندر سندر راجکماریوں کے درمیان اسی طرح کولھے منکاتا پھرے گا' کبھی تجھے پولیس پکڑ لے جائے گی' کبھی سفید چمڑی والے ادھر چھاؤنی بلا کر تیری ٹکٹکی پر کوڑے برسائیں گے' تو راجکمار کے کارن اسی طرح سولی پر لٹکتا رہے گا پھر اندھیرے سے چلائی جانے والی کوئی گولی تجھے چاٹ جائے گی اور راجکمار دیکھتا رہ جائے گا۔ وہ منہ بسور کر بولی۔ ''پر تو ٹھنڈے دماغ سے سوچ شیرو! تو اکیلا ہے اور وہ حرام کے جنے چاروں طرف دندناتے پھر رہے ہیں' کب تک جان بچاتا رہے گا' کب تک تمیس مار خاں بنا رہے گا' میری بات مان لے شیرو! یہاں سے چپ چپاتے نکل چل! کسی کے ساتھ یارانہ گانٹھنے کی کوشش نہ کر' یہ سب ایک سانس کا کھیل ہے' سانس جس دن اکھڑ گئی اس دن سب رو پیٹ کر صبر کر لیں گے۔ میرا تیرا کوئی سمبندھ ہوتا تو میں بھی تیرے ساتھ چتا میں جل کر راکھ ہو جاتی پر یہ تو سوچ کہ ہمارے گڈے کا کیا ہوگا؟'' ڈالی تلخ ہوتی گئی۔ ''ابھی وقت ہے شیرو...... تو سوچتا کیوں نہیں کہ......''

''بس چپ ہو جا۔'' میں جھلا کر اٹھ کھڑا ہوا' ڈالی جو کچھ کہہ رہی تھی وہ غلط نہیں تھا لیکن میں اپنے ذہنی انتشار پر قابو نہ پا سکا۔ ''دوبارہ کبھی بھاشن دینے کی کوشش مت کرنا۔''

''یہ کیوں نہیں مان لیتا کہ سچی باتیں تجھے کڑوی لگتی ہیں۔'' وہ کولھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے گھورنے لگی۔

میں نے جواب دینے کے بجائے آگے بڑھ کر اس کے الجھے ہوئے بال ہاتھوں میں جکڑ لئے وہ کراہ کر رہ گئی' میں نے اسے دو چار ہاتھ مارنے کی ٹھانی تھی لیکن دروازے پر دستک کی آواز سن کر رک گیا۔

''جا دیکھ کون آیا ہے۔'' میں نے اسے سرد لہجے میں حکم دیا۔

''تیرے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی۔'' ڈالی نے زمین پر تھوک کر حقارت سے کہا۔ ''تیری کسی راجکماری کو رات نیند نہیں آئی ہو گی' اس نے بلایا ہوگا تجھے۔'' ڈالی

کے لہجے میں زہر ہی زہر بھرا ہوا تھا۔

میں جواب دینے کے بجائے باہر نکلا بھون کا ایک بدحواس پہرے دروازے پر کھڑا تھا' میرا ماتھا ٹھنکا شاید وہ میرے لئے کوئی بری خبر لایا ہوگا' اس چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' سانس پھول رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''موہن بابو۔ آپ کو راجکمار نے فوراً بلایا ہے۔'' اس نے لرزتے ہ کہا۔

''میں چلتا ہوں' پر یہ تیری سانس کیوں پھول رہی ہے' کیا پھر کوئی مارا یا کسی کی لاش کنویں میں سے نکالی گئی ہے۔''

''مجھے تو خطرہ ہی نظر آ رہا ہے موہن بابو!'' پہرے دار ہانپتے ہوئے بو ''جس سے راجکمار نے مجھے آپ کو بلانے بھیجا تھا۔ اس وقت تک سب کچھ ٹھیک لیکن اب پھر گڑ بڑ معلوم ہو رہی ہے۔ نہ جانے کس منحوس کی نظر پرکاش بھون کو گئی۔''

''کچھ آگے بھی بکے گا۔'' میں جھلا گیا۔

''میں نے آپ کی طرف آتے ہوئے راج کمار کے محل کے پورٹیکو پولیس کی جیپ رکتے دیکھی تھی' کلف لگی وردی میں کئی لوگ نیچے اترے تھے' میں سے ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچ ''موہن بابو! کہیں وہ پھر ہم غریبوں کو تو پکڑنے نہیں آ گئے' ابھی تو پرانے زخم بھی پو طرح نہیں بھرے۔'' وہ کراہنے لگا۔

''تو اپنے کوارٹر میں جا کر اندر سے کنڈی لگا لے۔'' پہرے دار نے ہا باندھ کر میرے مشورے پر شکریہ ادا کیا پھر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ میں نے سو اس وقت پولیس کی جیپ کس مقصد سے آئی ہوگی؟

سب سے پہلا خیال جو میرے ذہن میں ابھرا وہ یہ تھا کہ شاید آئی جی کی حجت تمام ہوگئی ہوگی' وہ غالباً اب اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ میری کوئی حمایت سکے' اس پر یقیناً کوئی دباؤ ڈالا گیا ہوگا۔ کچھ ایسی شہادتیں پیش کر کے اسے قائل کر گیا ہوگا کہ اس کے پاس حجت کی کوئی گنجائش نہیں بچی ہوگی۔

آئی جی مہتا کے علاوہ ریاست کے دوسرے ذمہ دار اور متعلقہ افراد کے ذہنوں میں بھی یہ نکتہ ضرور ابھرا ہوگا کہ مجھے ایک تنہا شخص نہ سمجھا جائے' میرے ساتھ کچھ اور افراد بھی ہوں گے جو ریاست میں خون خرابے کا سبب بن رہے ہوں گے۔ میرے بارے میں جب وہ سر جوڑ کر بیٹھے ہوں گے تو بہت سے اہم پہلوؤں پر غور کیا گیا ہوگا' مہتا نے اپنے دوسرے افسران اور متعلقہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش ضرور کی ہوگی کہ جب میں چھاؤنی میں آہنی سلاخوں کے پیچھے تھا تو کھنڈروں میں دو انگریز مارے گئے تھے۔ جگدیپ کی حویلی میں جس دن سریش چندر کے ساتھ کچھ اور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اس روز بھی میں پولیس افسران کی نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ بڑی حویلی میں ملنے والی اٹھارہ لاشوں کے سلسلے میں بھی فرد جرم مجھ پر عائد نہیں کی جاسکتی تھی اس لئے کہ خود جگدیپ کی بہن انیتا نے آئی جی مہتا کے رو برو گواہی دی تھی کہ وقوعے کے وقت میں اس کے ساتھ تھا' کون یقین کرسکتا تھا کہ ہائی کمان کی جانب سے بھیجے جانے والے تین کرنیلوں اور تین سنگین بردار سنتریوں کا کام تمام کرنے کے لیے شانت محل میں کوئی ایک سر پھرا سر سے کفن باندھ کر داخل ہوا ہوگا' سوچنے والوں کے ذہن میں کچھ اور افراد کے مدھم خاکے بھی ضرور ابھرے ہوں گے جو ان کے خیال کے مطابق در پردہ میرے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ آئی جی نے دوبارہ مجھے زیر حراست لینے سے پیشتر ان تمام ٹھوس شہادتوں اور اہم پہلوؤں کی طرف متعلقہ افراد کی توجہ ضرور مبذول کرائی ہوگی مگر کنور جگ دیپ کا اصرار ہوگا کہ مجھے ایک بار اور آزما لیا جائے' جگدیپ کو یقین ہوگا کہ راجکمار دنیش مجھے بچانے کی خاطر اپنی سی کوشش ضرور کریں گے' اپنے قہر و غضب کا مظاہرہ بھی کریں گے مگر ازاں بعد سر ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ پہلے بھی یہی کچھ ہو چکا تھا۔

میں اس وقت بھون میں موجود تھا۔ اگر چھپنے کی کوشش بھی کرتا تو بھون میں موجود میرے دشمن میری نشان دہی کر دیتے' مجھے گھیر گھار کر پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا جاتا۔ میرے چھپنے کی کوشش میرے خلاف بطور شہادت بھی استعمال کی جا سکتی تھی۔ میرے فرار کے راستے مسدود کر دیئے گئے ہوں گے' پرکاش بھون آنے سے پیشتر انہوں نے تمام راستوں پر پہرے بٹھا دیئے ہوں گے۔ میرے پاس بچاؤ کی بظاہر ایک ہی صورت تھی' میں بلاخوف و خطر خود کو ان کے رو برو پیش کر دوں' آئی جی مہتا اور

سادھو دیو راج کے مشوروں کے مطابق' ریاست راجے پور کو خیر باد کہہ کر کہیں دور
جاؤں' میرا خیال تھا کہ کم از کم آئی جی مہتا میرے ساتھ اتنی رعایت ضرور کرے گا
اپنی بند گاڑیوں میں چھپا کر مجھے سرحد پار کرادے' اس طرح وہ ایک مسلسل عذاب
نجات بھی حاصل کر سکتا تھا۔ 'موہن داس جی ! ارے او میاں شیرو ! اجی قبلہ' میر جہ
عالم! کب تک قانون کی نظروں میں دھول جھونکئے گا' کب تک نیا الٹے رخ کو کھی
کب تک مقدر آزمایئے گا' خود کو داؤ پہ لگایئے گا' مقدر آخر کب تک ساتھ دیتا ر
راجکمار دنیش بھی ریاست میں ہونے والی ریشہ دوانیوں سے تنگ آ کر آپ سے منہ
سکتے ہیں۔ اس وقت کیا کیجئے گا؟ چوہوں کی طرح دھر لئے جایئے گا۔ کوئی ستم ظری
اندر بیٹھا کچوکے لگاتا تھا' ٹھٹھا کرتا تھا' مذاق اڑاتا تھا' طعن کرتا تھا' طنز کے تیر چ
تھا' دل جلاتا تھا' خون سکھاتا تھا' طیش دلاتا تھا۔ پھر آپ کا انجام بڑا عبرتناک ہ
ارے میاں ! تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ بانو کو حاصل کرنے کی خاطر تم
بنو بیگم اور بختاور کے خون سے ہاتھ رنگ لئے تھے' یہ خون کبھی نہ کبھی تو رنگ لا
اگر مرنا برحق ہے تو شیر کی موت کو قبول کر لیجئے۔ آگے بڑھئے' اپنے مخالفوں سے ڈ
کر مقابلہ کیجئے' ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دبنگ آواز میں بات کیجئے' موت
تو ایک وقت بہر حال مقرر ہے' پھر ڈرنا کیسا؟

ایک آخری فیصلہ کرنے کے بعد میں دنیش کے محل کی طرف چل پڑا' ملا
کمرے میں داخل ہوا تو وہاں آئی جی مہتا موجود نہیں تھا' ریاست کی پولیس کے دو
افسروں کے ساتھ تین نئے چہرے بھی موجود تھے' ان تینوں کے جسموں پر قیمتی سوٹ
آ رہے تھے۔ وہ بظاہر خوش پوش اور ملنسار لگ رہے تھے لیکن ان کی نگاہوں سے خبا
جھانک رہی تھی۔

میں نے کمرے میں داخل ہو کر سب کو پرنام کیا' دنیش بڑی بے چینی سے
میری راہ تک رہا تھا' اس سے پہلے کہ وہ نئے افسران سے میرا تعارف کراتا ایک ریا
پولیس افسر نے کینہ پروری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''یہ ہیں موہن
داس' راجکمار دنیش چندر کے خاص آدمی۔'' دنیش نے اپنے ہونٹ سکوڑ لئے' اس کے
چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ''اور ان نئے افسران سے ملو موہن داس!'' دنیش کی
آواز میں تلخی کی لرزش تھی۔ ''یہ تینوں نئے صاحبان بڑی حویلی میں ہونے والی واردات

کی تحقیق کے سلسلے میں مختلف علاقوں سے تشریف لائے ہیں' ان کے شبھ نام مسٹر سوشیل'
مسٹر کیول' اور مسٹر سراج ہیں۔'' دنیش کی توجہ ان تینوں کی طرف ہو گئی' وہ سرسراتے لہجے
میں بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ اب آپ اپنے سابقہ تجربے کی پٹاری سے کوئی چونکا دینے
والا طریقہ کار برآمد کریں گے۔''

میں نے دنیش کی بات ختم ہونے پر ان تینوں کو باری باری سلام کیا۔

''ہم اپنی سی ہر ممکن کوشش ضرور کریں گے۔'' نئے افسران میں سے سوشیل
نے گفتگو میں پہل کی۔ ''لیکن آپ کی سہائتا کے بغیر ہماری کامیابی ممکن نہیں ہو گی۔''

''آپ ضرور کوشش کریں۔'' دنیش کا لہجہ سرد تھا۔ ''جہاں تک میرے تعاون کا
معاملہ ہے تو میں آپ کو نراش نہیں کروں گا۔''

''آپ کا بے حد شکریہ......'' تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''اگر چھوٹا منہ بڑی بات نہ ہو تو ایک مشورہ میں بھی دوں۔'' میں اپنی زبان
پر قابو نہ پا سکا' دنیش کو میری دخل اندازی پسند نہیں آئی' وہ چاہتا ہو گا کہ میں خاموش رہ
کر تماشہ دیکھوں' باقی تینوں افسران میری طرف متوجہ ہو گئے' وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں
مجھے تول رہے تھے۔ میری جسارت پر انہیں حیرت ہو رہی تھی' میں نے اپنی بات جاری
رکھی۔ ''آپ سب پڑھے لکھے اور تجربے کار لوگ ہیں لیکن آپ حضرات اگر تفتیش کے
کام کے ساتھ ساتھ ریاست راجے پور کے جغرافیائی' تاریخی اور سماجی پس منظر کا بھی
جائزہ لیتے رہیں تو آپ کے کام میں زیادہ آسانی ہو گی۔''

''ہم آپ کا مقصد نہیں سمجھے؟'' سوشیل نے مجھے گہری نظروں سے گھورا۔

''آپ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔'' مسٹر کیول کے لہجے سے اس کی
طبیعت کی سخت گیری جھلک رہی تھی' سراج مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''موہن
داس......'' دنیش نے میری طرف دیکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''تم ایک نیک' سیدھے
سادھے اور وفا دار آدمی ہو' ہم کو تمہارے اوپر پورا اعتماد ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اب
تک پولیس کی طرف سے تمہارے ساتھ زیادتی ہوتی رہی ہے مگر اس کے باوجود میں تم
کو یہی مشورہ دوں گا کہ تم پولیس کے ساتھ اپنا تعاون برقرار رکھو۔''

''راجکمار بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' سراج نے زبان کھولی۔ ''آپ کو
بلاوجہ پولیس کے کاموں میں رخنہ اندازی نہیں کرنی چاہیے۔''

"میں نے تعاون ہی کے طور پر آپ حضرات کو ایک مشورہ دیا تھا لیکن..."

"آپ فکر نہ کریں۔" سوشیل نے میری بات کاٹی۔ "ہم آپ کی با[ت کا] خیال رکھیں گے۔"

"بلکہ موجودہ معاملات میں ہو سکتا ہے کہ ہمیں سب سے زیادہ آپ کی ضرورت پیش آئے۔" مسٹر کیول نے پہلو بدل کر خشک آواز میں کہا۔ "آپ ہمارے کام کے آدمی ثابت ہوں گے۔"

میں جواب میں کوئی سخت بات کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ دنیش نے موقع نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے تینوں افسران کو مخاطب کر کے کہا۔ "آپ حضرات کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اب تک ہر معاملے میں بلاوجہ موہن داس کو کریدا گیا ہے لیکن پولیس یا چھاؤنی کے افسران اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تلاش کر سکے' جو زیادتیاں میرے خاص آدمی کے ساتھ بار بار کسی نہ کسی بہانے سے دہرائی جا چکی ہیں' اب میں ان کی اجازت نہیں دوں گا۔" دنیش کے چہرے پر خون کی گردش [تیز] ہو گئی۔ "اگر ضرورت پڑی تو ہم براہ راست مہاراجہ سے بھی اس سلسلے میں بات کر[یں] گے۔"

"آپ ہم پر اعتماد کریں راجکمار!" سوشیل نے ماحول میں پیدا ہونے [والی] گھٹن کو کم کرنے کی کوشش کی۔ "ہم موہن داس کے سلسلے میں ہر طرح سے خیال رکھیں گے۔"

"جی ہاں راجکمار!" مسٹر کیول نے سیاسی انداز اختیار کیا۔ "ہمیں موہن داس کے ساتھ پوری پوری ہمدردی ہے مگر ضروری تفتیش اور ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کے سلسلے میں ہمیں موہن داس کو بار بار بلانا پڑے گا۔"

"میں ہر بار آپ کی دعوت پر پیش ہو جاؤں گا۔" میں پھر بول پڑا "آپ کو جو گمبھیر معاملات درپیش ہیں ان کے آخری کریا کرم کی خاطر میں آپ حضرات کی ہر ممکن مدد کرنا اپنا دھرم سمجھوں گا۔"

"آپ کو کوئی زحمت تو نہیں ہو گی؟" سراج کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔

"میری زحمت کی فکر مت کیجئے۔" میں سراج کے طنز پر لاپرواہی سے مسکرا دیا۔ "ریاستوں میں آدمی زحمت دینے یا لینے ہی کے لئے رہتا ہے' میں اب ان زحمتوں

کا عادی ہو گیا ہوں۔"

"تم اب جا سکتے ہو۔" دنیش نے میرے تیور محسوس کر کے مجھے وہاں سے ہٹانے کی خاطر بہانہ تراشا۔ "ابھی کچھ دیر پیشتر راجکماری شاردا نے کسی کام کے سلسلے میں تمہیں یاد کیا تھا' مجھے بھی تم سے کچھ خاص کام ہیں' شاردا کی خدمت انجام دینے کے بعد تم میری طرف واپس آ جانا۔"

"جو حکم۔" میں نے سرِ تسلیم خم کیا پھر تینوں افسروں پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا ہوا ملاقاتی کمرے سے باہر آ گیا' دنیش نے میرے جانے کے بعد یقیناً سکون کا سانس لیا ہو گا۔!!

☆......☆......☆

میں شاردا کی طرف نہیں گیا' بھون میں وہی میری سب سے بڑی کمزوری تھی' حالات کی گردش نے میری صبح و شام میں ایک بھونچال پیدا کر دیا تھا' مجھے کسی لمحے پر اختیار نہیں رہا تھا۔ تین نئے تفتیشی افسران کے ریاست راجے پور میں درآمد کیے جانے کے بعد میرے گرد خطرے کا گھیرا اور تنگ کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں کی آنکھوں میں مجھے جو نشانات نظر آئے تھے وہ اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اب کی بار وہ میری کھال کے ساتھ میری ہڈیوں کا بھی سرمہ بنانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ کوئی ایک ثبوت ان کے ہاتھ آ جانا شرط ہے' دو گواہوں کے بیان اور عینی شہادت پر تو قانون کے اندھے دیوتا موت کا حکم بھی برملا سنا دیتے ہیں' کنور جگدیپ بھی شاہی گدی کا ایک حقدار تھا' ریاست میں اس کے بھی ہزاروں رئیس اور معزز لوگوں کی ایسی تعداد موجود ہو گی جن میں سے جانے کتنے غرض شعار' وفادار ایسے ہوں گے جو آنکھ بند کر کے میرے خلاف گواہی دے سکتے ہوں گے۔

زندگی کے ہر شعبے میں نفع و نقصان کو تجارتی اصولوں کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے' جو ایسا نہیں کرتے وہ خسارے میں رہتے ہیں' دھن دولت کی لکشمی ان سے روٹھ جاتی ہے' بے ضمیر لوگ تو بڑے گھاگ ہوتے ہیں' موقع کی گھات لگائے بیٹھے کسی شبھ گھڑی' کسی نیک ساعت کے منتظر رہتے ہیں' جگدیپ تو بطور خاص بے ضمیر لوگوں کا سب سے بڑا سوداگر تھا' لاکھی پور کی پوری آبادی جرائم پیشہ افراد پر مشتمل تھی۔ جگدیپ ان کے علاوہ بھی میرے خلاف اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے کئی ایسے رنگے سیاروں کو

بطور گواہ پیش کر سکتا تھا جو صورت حال سے ناواقف اور اندھیرے میں ہو
باوجود اپنی پوتر پستک کو ہاتھ میں لے کر بڑی ڈھٹائی سے کہہ سکتے تھے کہ "جو
سچ کہوں گا' سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہوں گا۔"

حالات نے مجھے ایسے دو راہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک سمت پا
حسرت سے میری واپسی کی راہ تک رہی تھی' ڈالی اور گنڈا میری ذات پر قناعت
بیٹھے تھے' پاروتی تھی' شاردا تھی' سندھیا تھی' دلی سے برآمدہ ترنم تھی' جس نے شاید مج
بہت ساری توقعات وابستہ کر رکھی تھیں' راجکماری کنول تھی جو مجھے اپنے شبستانوں
کرانے کے خواب دیکھ رہی تھی' آقا زادی ریتا تھی جو نہ جانے دل میں کیا ٹھا
زمانے سے عداوت پر تلی بیٹھی تھی' اب شاید انیتا نے بھی مجھے اپنے دل میں بسا ل
ایسا نہ ہوتا تو جگدیپ کے مقابلے میں میری حمایت کیوں کرتی؟ بڑی حویلی کی
لاشوں کا خون میرے ہی کھاتے میں ڈالا جارہا تھا لیکن انیتا نے برملا میرے ح
گواہی دی تھی' ان سب کے علاوہ کرچھے والا پنڈت ایشوری لال تھا' سادھو دیو
جو کیچو کی خاطر میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے لگے رہتے تھے' راجکمار دنیش چ
نے ایک ملازم کو فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا' وہ میری دوستی کا طلب گار
بھی نہ جانے کون کون تھا جو میری ذات میں انجمن تلاش کر رہا تھا' دوسری
چھاؤنی کے انگریز افسران تھے' بڑے بڑے کرنیل تھے' ریاست کی پولیس کے ان
بکے ہوئے بڑے بڑے عہدیدار تھے جو مجھے پھانسی کے پھندے پر لٹکتا دیکھنا
تھے' ایک میری ذات نے پوری ریاست میں تہلکا مچا رکھا تھا۔

میں بڑی دیر تک باغ کے ایک ویران گوشے میں درخت سے ٹکا بیٹھا
تسبیح روز و شب کے دانے شمار کرتا رہا پھر میرے ایک پر اعتماد ملازم نے جب
پولیس والوں کے واپس چلے جانے کی اطلاع دی تو میں نے خود کو سمیٹ لیا خ
سے اٹھ کر دوبارہ دنیش چندر کی خدمت میں پیش ہونے کے لئے خراماں خراماں چ
لیکن یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو چکی تھی کہ کوئی لمحہ کوئی پل ایسا ضرور آنے وال
جب یا تو میں دھرتی سے اٹھ جاؤں گا یا مجھے سادھو دیوراج اور آئی جی مہتا کے مش
پر ریاست کو خیر باد کہہ کر جنگل بیابانوں کی سمت کوچ کرنا پڑے گا' کسی ایک جگہ
پیار کے بیٹھے رہنے کا وقت مجھ سے روٹھ چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ موسموں کی

وقت کی رفتار بھی تبدیلی کے مراحل طے کرتی رہتی ہے' مجھے کسی بات کا ملال نہیں تھا'
البتہ ایک خواہش دل میں ضرور کھٹکنے لگتی تھی کہ بھون اور ریاست سے رخصت ہونے
سے پہلے وہ بہت سارے قرض اتار دوں جو زبردستی میرے سر تھوپ دیئے گئے تھے'
کل کیا ہونے والا تھا' مجھے نہیں معلوم تھا' شاید کسی کو علم نہیں ہوتا کہ اگلے لمحے کونسا
شگوفہ سر ابھارنے والا ہے' زندگی کے بکھیڑے بھی بڑے الجھے ہوئے اور خار دار ہوتے
ہیں ان سے دامن بچانا آسان نہیں ہوتا۔

دنیش مجھے ملاقاتی کمرے میں نہیں ملا' میں اس کے کمرہ خاص میں داخل ہوا
تو اس کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں' شاید وہ شدت سے میری واپسی کا انتظار کر
رہا تھا' چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی طاری تھی' میں نے خود کو تیار کیا' مجھے شبہ تھا کہ دنیش
تینوں افسروں کے سامنے زبان کھولنے پر اپنی برہمی اور ناراضی کا اظہار ضرور کرے گا۔

"آؤ بیٹھو۔" دنیش نے خلاف توقع بڑی نرمی سے کہا' میں نے اس کے برابر
والی نشست پر خود کو گرا دیا۔

"دنیش بابو!" میں نے بولنے کی کوشش کی۔ "میں جانتا ہوں کہ پولیس کے
ذمہ دار اور اعلیٰ عہدے پر فائز افسران کی موجودگی میں مجھے اپنی زبان پر......"

"تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا' وہ اس سے زیادہ تلخ اور سرد رویئے کے مستحق
تھے۔" دنیش کے لہجے میں ستائش تھی۔ میں نے مصلحتاً تمہیں روکنے کی کوشش کی تھی لیکن
یقین جانو' میں چاہتا تھا کہ تم ان پر برس پڑو' تم میرے ملازم نہیں دوست ہو' میں نے
سب کی موجودگی میں اپنی اور تمہاری دوستی کا اعلان کیا ہے' میں جانتا ہوں کہ دوست کی
خاطر کیا قربانی دینی پڑتی ہے' تم مجھے اس سلسلے میں کبھی پیچھے نہیں پاؤ گے' میں نے اس
بار دل میں کچھ اور ٹھان رکھی ہے' اس نے بڑے ٹھوس انداز میں کہا' اب اینٹ کا
جواب پتھر سے دینے کا سمے آ گیا ہے' جب مجھے راج گدی کا لالچ نہیں تو پھر سیاسی
تدبر سے کام لینے سے کیا فائدہ؟"

"نہیں دنیش بابو!" میں نے تیزی سے کہا۔ "آپ ریاست راجے پور کی
سب سے قیمتی اور انمول شخصیت ہیں' میں ہاتھ باندھ کر بنتی کرتا ہوں کہ آپ میرے
کارن۔"

"تم شاید مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" دنیش کی نگاہوں میں

شکایتیں مچل اٹھیں۔

''مجھے آپ کی دوستی پر بڑا مان ہے دنیش بابو! لیکن.....''

''بس موہن۔'' اس کے لہجے میں پیار بھرا حکم تھا۔'' آگے کچھ مت کہنا
نہیں جانتے کہ میری نگاہوں میں تمہاری کیا قیمت ہے؟ تم انمول ہو' تم نے شاردا جیسی
حساس لڑکی کو رام کر کے بڑا کارنامہ کیا ہے' کئی بار میری جان بچائی ہے' اگر تم
ہوتے.....''

''تو میری جگہ کوئی اور جاں نثار ہوتا۔'' میں نے دبی زبان میں جواب د
ایک انسان کے ہونے نہ ہونے سے دنیا کے کاروبار ٹھپ تو نہیں ہو جاتے۔'' مجھے ا
زبان پر قابو نہیں رہا۔

''ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔'' دنیش نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔

''آپ حکم دیں میں سر حاضر کر دوں گا۔'' میں نے ادب کو ملحوظ خاطر رکھا۔

''کیا میں یہ سمجھوں کہ موہن اپنے دوست سے کسی بات پر ناراض ہو
ہے؟'' دنیش نے گلوگیر آواز میں دریافت کیا۔

''یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے آگے بڑھ کر دنیش کے ہاتھ
لئے۔''موہن بابو آپ تو میرے جیون کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں' میں تو صرف ایک
مکان تھا جس کی چھت نہیں تھی' آپ نے مجھے اس اجڑے مکان سے نکال کر ا
برابر بٹھا لیا' میں بھلا آپ سے ناراض ہو کر کہاں جاؤں گا۔''

کچھ نئے افسران کے آ جانے سے دنیش کبیدہ خاطر تھا' کچھ حالات کی تیزی
سے بدلتی ہوئی گردشوں سے میرا سر گھوم گیا تھا' سادھو دیوراج اور آئی جی مہتا کی باتوں
نے میرے سارے منصوبوں کو متزلزل کر دیا تھا' کچھ دیر ہمارے درمیان اسی قسم کے
شکوہ و شکایت ہوتے رہے' دلوں کا غبار چھٹا تو دنیش نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''موہن۔ کیا تمہیں ان باتوں کا علم نہیں ہے جنہوں نے میری راتوں کی نیند اور دن کا
چین برباد کر رکھا ہے' تم تو مجھ سے بہت قریب ہو۔''

''آپ کیا بتانا چاہ رہے ہیں۔'' میں نے مچل کر پوچھا۔

مجھے یقین تھا کہ دنیش کوئی اچھی خبر نہیں سنائے گا لیکن جب اس نے دل سوز
انداز میں راج کماری کنول اور کنور جگدیپ کے درمیان ہونے والے رشتے کا ذکر

ختم کر کیا تو مجھے ہنسی آتے آتے رہ گئی' میں نے جو شوشہ چھوڑا تھا اس وقت دنیش کی
بے چینی مجھے اس کی داد دے رہی تھی' کل ہی جب میں نے اسے راج محل جانے کا
اور راجکماری کنول سے ملاقات کا حال سنایا تھا تو وہ خوشی سے کھل اٹھا تھا اور آج وہ
کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنا سارا دھن دولت لٹ جانے پر ملول نظر آ رہا تھا'
بڑا دل گرفتہ دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے جس وقت رانی پارو کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ بھون میں جگدیپ
اور راجکماری کنول کے رشتے کی افواہ سنجیدگی سے پھیلا دے' اس وقت مجھے دنیش چندر
پر مرتب ہونے والے اثرات کا گمان تک نہیں تھا' میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ دنیش جیسی
حیثیت کا مالک شخص اتنی جلدی ہاتھ پیر ڈھیلے ڈال دے گا' وہ ایک لمحہ گزر گیا تو مجھے
اپنے ستم کی شدت کا احساس ہوا' دنیش پر ایک یاس کا عالم طاری تھا' یوں محسوس ہو رہا
تھا جیسے اس کی زندگی کی تمام جمع پونجی یکلخت لٹ گئی ہو' اس کی کیفیت دیکھ کر میرا دل
چاہا کہ اسے سب کچھ سچ سچ بتا دوں کہ جو خبر بھون میں گونجتی سنائی دے رہی ہے اس
میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

''موہن۔'' دنیش کی آواز لرزنے لگی' سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آج ہم
اپنے آپ کو بہت کم تر درجہ کا انسان سمجھ رہے ہیں' اب ہم سے جینے کا سہارا بھی چھینا
جا رہا ہے اور ہم اپنی بے بسی پر اف بھی نہیں کر سکتے۔''

میں نے دنیش کو سینے سے لگا لیا۔

''دنیش بابو!'' میں نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔''آپ تو بہت بہادر
آدمی ہیں' اتنی سی بات پر پریشان ہو گئے' لوگ تو آپ کی ہمت اور شجاعت کی داد دیتے
ہیں' آپ کے بلند حوصلے کی تعریفیں کرتے ہیں' ضروری تو نہیں کہ آپ کے کانوں تک
جو خبر پہنچی ہے وہ سچ ہی ہو' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی نے آپ کے سکون کو برباد کرنے
کی کوشش کی ہو۔''

''لیکن مجھے جن لوگوں نے یہ دل ہلا دینے والی خبر سنائی ہے وہ معتبر لوگ
ہیں' وہ میرا سکھ چین کیوں برباد کریں گے؟''

''مجھے آپ کے دکھ کا احساس ہے لیکن مجھے اس خبر کی تصدیق کا ایک موقع
تو دیں۔'' میں نے اس کے شانے دباتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔''جب میں

راجکماری کنول سے ملا تھا تو اس نے اشارتاً بھی کنور جگدیپ کے بارے میں کوئی
نہیں کی تھی' اس کا بڑی حویلی جانے کا مطلب یہ تو نہیں سمجھا جا سکتا کہ اپنے رشتے
خبر پر وہ مہر صداقت لگانے کی خاطر وہاں گئی ہو' وہ ایک پڑھی لکھی' سلجھے دماغ کی ل
ہے' عام لڑکیوں کی طرح وہ اپنی شہرت کا ڈھنڈھورا پیٹنے کی بھی عادی نہیں ہے اور
وہ کنور جگدیپ میں دلچسپی لے رہی ہے تو پھر اسے راج محل میں مجھے ہاتھوں ہاتھ
کی کیا ضرورت تھی' وہ بخوبی جانتی ہے کہ آپ کے قلب و نظر میں میری کیا حیثی
ہے۔''

''کاش تمہارے اندازے درست ثابت ہوں لیکن اگر رشتے کی خبر سچ
تو......'' دنیش بولتے بولتے یکلخت خاموش ہو گیا' مجھے اس کے غم کا احساس ستانے
میرے قدم پھر ڈگمگانے لگے' زبان رہ رہ کر لڑکھڑا رہی تھی مگر میں نے خود پر جبر کیا۔
میں نے دنیش کو اس خبر کے بارے میں بدستور اندھیرے میں رکھنا منا
سمجھا' جو میں نے اور رانی پارو نے مل کر بھون کے لوگوں تک پہنچائی تھی' ہم نے
پانسہ پھینکا تھا وہ پوبارہ ثابت ہوا مگر دنیش پر اختلاجی کیفیت طاری ہو گئی' میرا بس
تو میں راجکماری کنول کو راج محل سے چوری کر کے اس کے قدموں میں لا ڈالتا
یہ بات میرے دائرہ اختیار سے باہر تھی۔ بہر حال میں نے دنیش کو اس کے حال
مبتلا رکھا' اس طرح اس کے ذہن میں وہ شدت اور وہ برداشت پیدا ہونے کی بھی ا
تھی جو کنور جگدیپ کے مزاج کا خاصہ تھی' اب تک بڑی حویلی میں کئی بار بھونچال آ
تھا' کئی بار بساط کا نقشہ تبدیل ہوا تھا' متعدد موقعوں پر اسے شکست فاش سے دو
ہونا پڑا تھا' یکمشت اٹھارہ آدمی بے گناہ مارے گئے۔ سندھیا نے ان پر اندھا دھ
گولیاں برسائی تھیں ایک کی تلاش میں ناکام ہو کر وہ دیوانی ہو گئی تھی' پھر جو بھی
کے سامنے آیا اس کے جنون کا شکار ہوتا چلا گیا۔ سیاسی ہواؤں نے کئی بار اپنا ر
تبدیل کیا لیکن کنور جگدیپ اپنی جگہ اٹل تھا' اس نے کبھی ماتھے پر کوئی شکن لا کر اپنی
ہمتی کا یا ہار تسلیم کر لینے کا اظہار نہیں کیا تھا' وہ ایک داؤ ہار جاتا تو کوئی دوسرا داؤ
کی تدبیریں تلاش کرنے لگتا' یہ اس کی بلند ہمتی اور قوت برداشت کی علامت تھی'
دنیش کو بھی اسی پختہ رنگ میں دیکھنے کا متمنی تھا۔
''دنیش بابو!'' میں نے اس کی اچانک خاموشی کا راز پا لیا' وہ شاید یہ

چاہتا تھا کہ اگر راجکماری کنول اسے نہ ملی تو وہ موت کے اندھے کنویں میں چھلانگ لگا
کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے گا' راجکماری ایسی ہی خوبیوں کی مالک تھی کہ اس پر
ہزاروں زندگیاں نچھاور کی جاتیں تو بھی کم ہوتا لیکن میرے سامنے کوئی اور نہیں' دنیش
تھا۔ میرا محسن' میرا آقا' میرا دوست' اس نے مجھے پناہ دے کر جینے کا حوصلہ دیا تھا' میں
اسے منجدھار میں بے یار و مددگار کیسے چھوڑ دیتا؟ اسی کی خاطر تو میں نے اپنی زندگی
داؤ پر لگا رکھی تھی' اس کے مخالفین کے خون سے ہاتھ رنگ لئے تھے۔ اب تو میرا جینا
مرنا سب اس کے ساتھ مشروط تھا' میں اسے اپنا دل' اپنا جگر سمجھتا تھا' اس کے احسانات
کی فہرست بڑی طویل تھی' میں احسان فراموشی یا نمک حرامی کا ثبوت کس طرح دیتا؟
میں نے اس کی دل جوئی کی خاطر ٹھوس آواز میں کہا۔ ''اپنے اس حقیر دوست اور نمک
خوار پر اعتماد کریں' یہ حقیقت آپ بھی قبول کریں گے کہ راجکماری کنول کسی فرد واحد کی
جاگیر نہیں ہے' وہ بالغ ہے' خوبصورت ہے' حسین ہے' ایسا چمکتا دمکتا انمول اور نایاب
ہیرا ہے جسے حاصل کرنے کی خاطر کوئی بھی دل والا اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔
ریاست راجے پور میں صرف ایک آپ ہی اس کے طلب گار نہیں ہیں اور بھی کئی
راجکمار اور کئی رئیس گھرانوں سے تعلق رکھنے والے اس کی راہ میں بطور امید وار ہاتھ
باندھے کھڑے ہوں گے' دیدہ و دل فرش راہ کرنے کا سودا سر میں لئے بے تابی سے
کسی ایسے سنہرے موقع کے منتظر ہوں گے جب وہ مہاراجہ سے اس در نایاب کو مانگ
سکیں' آپ کی حیثیت دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ممتاز ہے' جگدیپ کی طرح آپ
بھی راج گدی کے حقدار ہیں' مجھے مہاراجہ کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے یہی امید
ہے کہ وہ آپ دونوں میں ہی سے کسی ایک کا انتخاب کرے گا۔''
میری آواز گلے میں رندھنے لگی' میں نے دنیش کو کسی محبوب کی طرح اپنے
سینے کی کشادگی میں چھپا لیا۔ ''بھگوان نہ کرے آپ کے مقابلے میں قرعہء فال اس
کے حق میں نکلے' لیکن اگر ایسا ہوا تو میں آپ کے راستے کے کانٹے کو ہمیشہ کے لیے
جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔''
''موہن! موہن!'' دنیش کی آواز کپکپانے لگی۔ ''مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے
میں نے تمہارا انتخاب کرنے میں غلطی نہیں کی۔''
''آپ مجھے صرف ایک اشارہ کر کے دیکھیں۔'' میں روانی میں بولتا چلا

گیا۔ ''پیشتر اس کے کہ ریاست میں جگد یپ اور راجکماری کنول کے رشتے کی گ
سنائی دے میں اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔''

''مجھے وشواس ہے موہن! میرے قوت بازو' میرے دوست' میرے بھا
مجھے تمہاری ہر بات کا وشواس ہے لیکن ابھی تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔'' دنیش کے
دل سے غموں کے بادل چھٹنے لگے' اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ''مجھے وچ
دو' میری مرضی کے بغیر تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔''

''کون سر پھرا اپنی مرضی سے غلط راستے کا انتخاب کرتا ہے۔'' میرے اند
ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی۔ ''دنیش بابو! پھانسی کے پھندے کا دھیان ہی بڑے بڑے
سورماؤں کے پتے پانی کر دیتا ہے' یہ تو حالات اور قسمت کی ستم ظریفی ہوتی ہے
انسان کو جنون کی اس حد تک لے جاتی ہے جہاں وہ برے اور بھلے کی تمیز نہیں کر پا
اندھیروں سے نکلنے کی خاطر آنکھ موند کر سرپٹ اجالے کی طرف دوڑنا شروع کر د
ہے' کھائی میں اوندھے منہ گرنے کے بعد ہی اسے گندگی میں لت پت ہو جانے
خیال آتا ہے' اس وقت سے بیت چکا ہوتا ہے' ایک جھوٹ کو چھپانے کے کارن انسا
کو دوسرا جھوٹ گھڑنا پڑتا ہے' بات سے بات نکلتی ہے تو افسانہ بن جاتی ہے' میر
زندگی کی کہانی میں بھی بڑے پیچ وخم ہیں' آپ راستے میں نہ آجاتے' میرا ہاتھ نہ تھا
لیتے تو میں بھٹک کر نہ جانے کس دلدل میں پھنس چکا ہوتا اور......''

دروازے پر مہذب انداز میں دستک کی آواز ابھری تو میں جملہ پورا نہ کرس
دنیش بھی سنبھل گیا' رانی پارو دستک دینے کے بعد اندر داخل ہوئی' میں سمجھ گیا کہ و
کس کی تلاش میں آئی ہو گی' اس نے نگاہوں نگاہوں میں مجھ سے شکوہ کیا' میں ک
دنوں سے وعدہ کرنے کے باوجود اس کی طرف نہیں گیا تھا' میں نے نظریں جھکا لیں۔

''ملاقاتی کمرے میں رانا اقبال سمیت ریاست کے کچھ دوسرے رئیس بھی
موجود ہیں۔'' پارو نے دنیش کو اطلاع دی۔

میں نظریں نیچی کئے خواب گاہ کے برابر والے کمرے میں چلا گیا جہاں شارد
سندھیا کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ کچھ دیر بعد پارو بھی ادھر آ گئی' کچھ دی
ادھر ادھر کی رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر پارو نے مجھے سنانے کی خاطر شاردا سے کہا۔
''پوری ریاست میں ہلچل مچی ہوئی ہے' اٹھارہ انسانوں کے خون نے بڑی حویلی کو

سوگوار بنا دیا ہے' ہر شخص ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہا ہے' قاتل کون ہے؟ یہ سوال ہر
متعلقہ شخص کی زبان پر ہے' پولیس اور چھاؤنی کے افسران پوری طرح سرگرم ہیں' اس
بار بھی مجرم گرفتار نہ ہوا تو پولیس کے پورے نظام میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی'
مہاراجہ بار بار قانون نافذ کرنے والے اداروں کو فون کر رہے ہیں' انہیں سخت ہدایات
جاری کی جا رہی ہیں۔''

پارو در پردہ مجھے ریاست کی صورت حال سے آگاہ کر رہی تھی' میں نے کئی
بار اسے اشارہ کیا کہ اس ذکر کو ختم کر دے لیکن وہ میرے اشاروں کا مفہوم نہیں بھانپ
سکی' وہ قاتلوں کے سلسلے میں بڑی ہیجان خیز باتیں کر رہی تھی' اسے کیا خبر تھی کہ بڑی
حویلی میں اٹھارہ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے والی شخصیت' معصوم نظر آنے والی
نوخیز سندھیا کے روپ میں اسی کمرے میں موجود تھی' میں نہیں چاہتا تھا کہ ان باتوں کا
ذکر سندھیا کی موجودگی میں ہو' میرے اختیار میں ہوتا تو میں سندھیا کو گود میں اٹھا کر
وہاں سے دور لے جاتا' میرے برعکس سندھیا بڑی مطمئن اور حالات سے لاتعلق نظر
آرہی تھی' ایسی بھولی اور معصوم صورت بنائے بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی' جیسے اسے
حالات کا سرے سے کوئی علم ہی نہ ہو۔

مہارانی مایا دیوی اور کسم' شاردا کو تلاش کرتی ہوئی آئیں تو میں جلدی سے
ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ میں نے منہ دھو کر لباس تبدیل کیا' دل بھون سے نکل کر
ریاست کی سڑکوں پر مٹر گشت کرنے کو چاہ رہا تھا لیکن میں نے فی الحال اپنا ارادہ ترک
کر دیا' حالات ابھی چہل قدمی کے لیے ناموزوں تھے' چاروں طرف جال بچھے ہوں
گے۔

دنیش باہر رانا اقبال اور ریاست کے دوسرے سربرآوردہ لوگوں کے ہجوم میں
گھرا بیٹھا تھا' مجھے اکیلے میں وحشت ہونے لگی تو میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے
بند کر لیا پھر میری انگلیاں میز پر رکھے ہوئے فون کے ڈائل پر مچلنے لگیں' میں نے راج
محل کے نمبر گھمائے تھے' اتفاق ہی تھا جو خود راجکماری کنول نے فون ریسیو کیا' اس نے
میری آواز سنی تو خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''کاش اس سے میں بھگوان سے کچھ اور مانگ لیتی۔'' اس کی آواز میں
پرندوں کی چہکار تھی۔ ''کیا تم وشواس کرو گے کہ ابھی میں تمہارے بارے ہی میں سوچ

رہی تھی؟"

"میں آپ کو اتنا بدمذاق بھی نہیں سمجھتا تھا۔" روانی میں ایک ناموزوں جملہ میری زبان سے پھسل گیا۔

"ہیرے کو خود اپنی قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا۔" اس نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "اس کی قدر صرف جوہری کر سکتا ہے۔"

"اتنی خوبصورت باتیں نہ کیا کیجئے' الفاظ کو کبھی اپنی نظر بھی لگ جاتی ہے۔"

"اوہ موہن' یو آر گریٹ۔" وہ جوش میں بولی۔ "تم ریاست کے سب سے زیادہ ذہین اور خوش قسمت آدمی ہو' کل رات ہی مہاراجہ کہہ رہے تھے کہ تمہارے جیسے سیاسی تدبر رکھنے والے کو راج محل میں ہونا چاہیے تھا' وہ یہ بھی فرما رہے تھے کہ تم پہلے شخص ہو جس کی پہلو دار شخصیت نے انہیں بے حد متاثر کیا ہے' وہ تمہاری جرأت اور بصیرت کے گن گا رہے تھے' یو آر رئیلی گریٹ۔"

"خود اپنے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"سنو موہن!" راجکماری کنول نے بڑی خوبصورتی سے میرے سوال سے گریز کیا۔ "تم اگر اس وقت راج محل آ جاؤ تو میں بہت خوش ہوں گی' مگر واپسی میں جلد بازی نہ کرنا' ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"جی تو چاہتا ہے لیکن بڑی حویلی کے اندوہناک حادثے نے فضا مکدر کر دی ہے' ڈر لگتا ہے کہ کہیں کرنل ہارڈنگ پھر مجھے اپنا مہمان نہ بنا لیں۔" میں نے زہر خند سے کہا۔ "ایک بار پہلے بھی ان کی مہمان نوازی کا مزا چکھ چکا ہوں۔"

"ہم تم سے شرمندہ ہیں۔" اس کے لہجے میں افسردگی تیر گئی۔ "مہاراجہ کو اس کا افسوس ہے لیکن....."

"میں سمجھتا ہوں' ضرورت سے زیادہ اختیارات اور ذمہ داریاں بھی انسان کو خاموشی پر مجبور کر دیتی ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا پھر یکلخت گفتگو کا رخ بدل دیا۔ "میں نے اس وقت آپ کو ایک خاص مقصد سے فون کیا تھا۔"

"کوئی خاص بات؟" وہ تردد سے بولی۔

"ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں ہے' تاہم....." میں ایک لمحے کو جھجکا۔

"مناسب سمجھو تو بتا دو ورنہ بے چینی رہے گی۔" اس نے بڑے اشتیاق سے

دریافت کیا۔

"ایک مشورہ دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔" میں نے نپے تلے الفاظ استعمال کیے۔ "کوئی حرج اور زحمت نہ سمجھیں تو دو ایک بار بڑی حویلی کا چکر لگا لیں' مہاراجہ کی جانب سے خیر سگالی کا فرض بھی پورا ہو جائے گا اور کنور جگدیپ کے غموں کی شدت میں کچھ کمی بھی ہو سکتی ہے۔ وہاں کی سوگوار فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی بھی رونما ہو سکتی ہے۔"

"بڑی حویلی تو ہم اکثر جاتے رہتے ہیں۔" اس نے حیرت سے کہا۔ پھر اپنائیت سے بولی۔ "تم کہو تو آج ہی چلی جاؤں۔"

"عنایت ہوگی آپ کی لیکن یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو کہ بڑی حویلی جانے کا مشورہ میں نے دیا تھا۔" میں نے ادب سے کہا۔

"تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

"اعتماد نہ ہوتا تو فون کرنے کی جسارت بھی نہ کرتا۔" میں نے وضاحت کی۔

"ہماری طرف کب آ رہے ہو؟" اس نے پھر اپنے شوق کا اظہار کیا۔

"سر سے کفن باندھ کر باہر نکلنا پڑے گا لیکن آپ کے حکم کی تعمیل بہت جلد کروں گا۔"

"ہم حکم نہیں' درخواست کر رہے ہیں۔"

"کچھ درخواستیں بھی حکم سے زیادہ وزنی ہوتی ہیں۔" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا' پھر جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پہلے بھی اکثر عجلت میں فون بند کر چکا تھا۔ راجکماری نے یہی سوچا ہوگا کہ کوئی سامنے آ گیا ہوگا' اس کی آواز کی شیرینی تا دیر میرے کانوں میں رس گھولتی رہی' مندر کی گھنٹیوں کی طرح اس کے لہجے کی کھنک صدائے بازگشت پیدا کرتی رہی۔ میں راجکماری کے تصور میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا!

☆.....☆.....☆

شام ڈھلی تو پرکاش بھون میں یہ خبر بھنبھنانے لگی کہ راجکماری کنول نے پھر بڑی حویلی کا دورہ کیا ہے اور خاصی دیر تک وہاں کنور جگدیپ کے ساتھ رہی ہے' دنیش کے دشمنوں کو ایک بار پھر جشن منانے کا موقع مل گیا' وہ زبردستی اپنے چہروں پر سوگ سجائے ملاقاتی کمرے میں دنیش کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھنے کی خاطر چکر لگاتے

رہے۔

دوسری جانب کنور جگدیپ اچھی خاصی خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا ہوگا' را
کنول' راج گدی سے مشروط نہیں تھی لیکن اس کا کسی خاص فرد سے ربط خاص
اہمیت رکھتا تھا۔ جگدیپ نے اس کے بڑی حویلی کے یکے بعد دیگرے چکر لگانے
جانے کیا کیا معنی پہنائے ہوں گے' وہ راج گدی حاصل کرنے کی خاطر چھاؤنی و
سے تعلقات بڑھا رہا تھا کنول کو بار بار نظروں کے سامنے دیکھ کر اس کے دل کے
جھنجھنا اٹھے ہوں گے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ راج گدی کے خواب دیکھنے کی تع
وقت نزدیک آ رہا ہے' کنول کا بڑی حویلی کی جانب جھکاؤ مہاراجہ کو بھی جگدیپ
بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے گا۔

مجھے پارو کی زبانی معلوم ہوا کہ جگدیپ نے آج خاص اہتمام سے راجکم
کنول کا خیر مقدم کیا تھا' اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی' وہ کنول
سامنے گویا بچھا جا رہا تھا' پارو سے دوسرے افراد کی موجودگی میں زیادہ بات نہیں ہو
اس نے راجکماری کنول کے بارے میں بھی زیادہ تفصیل سے بات نہیں کی۔ وہ مجھ
ناراض تھی' میں کئی راتوں سے وعدہ کرنے کے باوجود اس کے شبستان کی طرف نہیں
تھا' اس کے ذہن میں بہت ساری باتیں اکٹھی ہو گئی تھیں' میں نے اس سے رات
آنے کا عہد کیا پھر رانی پارو سے سرسری ملاقات کے بعد میں مہمان خانے کی طر
پریت کے رنگ و ڈھنگ دیکھنے جا رہا تھا' اس کی نفرتوں کا قرض میری ذات پر بڑھ
رہا تھا' میں اسے باور کرانا چاہتا تھا کہ اس کی نگاہوں کے بدلے ہوئے تیور میرے
پر کوئی زخم' کوئی گھاؤ نہیں لگا سکیں گے۔ میں اس پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ موہن داس
گوشت پوست سے بنا انسان ضرور ہے لیکن وقت آنے پر پتھر بھی بن سکتا ہے' وہ
جگدیپ کا ساتھ دے رہی تھی' کبھی بھولے سے بھی اس کے ذہن میں یہ خیال نہیں
سرسرایا کہ وہ جس کی مخالفت پر کمر بستہ ہے وہ اس کا بھائی ہے' وہ بھون میں رہنے کے
باوجود اس کی خوشیوں کو جلا کر راکھ کر دینے کی آرزو مند تھی' جگدیپ سے یکطرفہ محبت
نے اسے اندھا کر دیا تھا' ایک وہی کیا کم' شکنتلا اور ہیما سب ہی اندھی ہو رہی تھیں
شکنتلا نے عشق کی شدتوں کو کم کرنے کی خاطر' اندر کی آگ بجھانے کی خاطر' کئی گھاٹ
تلاش کر رکھے تھے' اس کا عشق عجیب تھا' بڑا نرالا تھا' ایک طرف وہ جسمانی تعلقات کی

خاطر نئے نئے محاذ تلاش کرتی رہی اور دوسری طرف جگدیپ پر بھی اپنا تسلط جمانے کی
دوڑ میں پابہ رکاب تھی۔ ایک بار اس نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر میری مردانگی
کا خراج وصول کیا تھا لیکن میری خوش قسمتی تھی کہ میں ابھی زندہ تھا ورنہ وہ پرانے لباس
کی طرح ایک دو بار کسی کی آغوش میں ہمکنے کے بعد اس کو ہمیشہ کے لیے اپنے راستے
سے ہٹا دینے کی عادی تھی۔ کسی خاص وجہ سے اس نے مجھے ڈھیل دے رکھی تھی' شاید
جانتی تھی کہ بار بار بارود کو چنگاری دکھانے والے کبھی اپنا ہاتھ بھی جلا لیتے ہیں' میں نے
بھی اسے نظر انداز کر دیا تھا لیکن پریت کا دریا چڑھا ہوا تھا' وہ بہت تیز بہہ رہی تھی'
میں اس پر بند باندھنے کا ارادہ کر چکا تھا' وہ دنیش کے مخالفین میں سے تھی اس لئے مجھ
پر حرام نہیں تھی!!

میں مختلف راہداریوں سے گزرتا ہوا پریت کے کمرۂ خاص کی جانب قدم اٹھا
رہا تھا' جب شاردا ایک موڑ پر اچانک میرے سامنے آ گئی' اس نے مجھے حیرت اور معنی
خیز نظروں سے دیکھا' میرے قدم زمین میں گڑ گئے' میں بروقت گرفتار ہو گیا' پریت کی
خوش قسمتی ایک بار پھر اس کے کام آ گئی۔

''موہن' تم۔'' شاردا نے رہائشی کمروں کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔
''ادھر کہاں جا رہے تھے؟'' شاردا کی نگاہوں میں حسد کے چراغ جل اٹھے۔

''ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔'' میں گڑبڑا گیا۔

''وہ ضروری کام کون تھا۔'' اس نے پہلی بار مجھے عجیب نظروں سے گھورا۔
''شکنتلا' پریت یا کوئی اور......''

''تم غلط سوچ رہی ہو شاردا!'' میں نے تڑپ کے اپنی صفائی پیش کی۔ ''تم
بھون کی واحد لڑکی ہو جس سے میں نے آج تک کوئی جھوٹ نہیں بولا' میرے ماضی
کے سوا میری کتاب زندگی کا ایک ایک ورق تمہارے سامنے کھلا ہوا ہے۔ شکنتلا کے
لئے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ حالات نے مجھے مجبور کر دیا تھا' وہ میرا اشتیاق نہیں میری
مجبوری تھی ورنہ اس گندے راستے پر قدم اٹھانا کبھی بھی میرے پروگرام میں شامل نہیں
تھا۔

''اس وقت کہاں جا رہے تھے؟'' وہ میرے چہرے پر نظر جمائے کھڑی تھی'
میری جذباتی وضاحت نے اس کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک کم کر دیئے تھے' وہ

بڑے دبے قدموں میری زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بھون کی سب سے سنجیدہ زیر
دوراندیش اور پڑھی لکھی لڑکی تھی' سب سے الگ تھلگ رہنے کی عادی' اس نے بھو
کی لغویات سے بچنے کی خاطر خود کو موٹی موٹی کتابوں کے اندر بند کر لیا تھا' وہ حسین
تھی' جوان تھی۔ اس کی ایک نظر کسی کو بھی اس کا غلام بنا سکتی تھی' لیکن وہ سب سے
مختلف ثابت ہوئی' اس نے اپنے گرد برد باری اور سنجیدگی کا ایسا حصار بنا لیا تھا جس کو
عبور کرنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ میری اور اس کی زندگی بڑی مماثلت رکھتی تھی
شاید اسی لئے اس نے مجھے اپنے لئے منتخب کر لیا تھا' کتابوں کے مطالعے نے اس کی
میری شناخت میں بڑی مدد کی تھی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے میرے تعلیم یافتہ ہونے
کے راز کو خود میرے حلق سے اگلوا لیا تھا' پرکاش بھون میں رات کی تاریکی میں
ملازموں اور ڈرائیوروں کے ساتھ راجکماریوں اور باندیوں کے جو کھیل کھیلے جاتے تھے'
وہ ان سے بھی واقف تھی لیکن اسے ان سے کوئی سروکار نہیں تھا' رفتہ رفتہ اس نے بڑی
ذہانت سے میرا ہاتھ تھام لیا' مجھے اپنی زندگی سے وابستہ کر لیا' یہی وابستگی اس کا سروکار
تھی' ورنہ شاید اس وقت وہ مجھ کو نظر انداز کر کے کترا کر کسی اور سمت نکل جاتی۔

''موہن' میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں؟'' اس نے اصلیت جاننے کے
لئے اصرار کیا۔

''شاردا' میری زندگی' میری روح!'' میں نے لفظوں سے کھیل کر اسے بہلانا
چاہا۔ ''کیا تمہیں موہن پر اعتماد نہیں رہا۔''

''تم جو سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے۔'' شاردا نے وضاحت کی۔ ''جہاں
روح کی گہرائیوں کے رشتے ہوں وہاں دوسرے عاضی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی'
میری بات سمجھنے کی کوشش کرو موہن' تم ڈالی کے ساتھ ایک ہی کوارٹر میں رہتے ہو' ڈالی
بھی جوان ہے' میں جانتی ہوں کہ وہ بھون کے رنگ میں رنگ چکی ہے لیکن میں نے تم
سے کبھی کوئی باز پرس نہیں کی' کیا تم اسے میرا اعتماد نہیں کہو گے؟ طبیعتوں میں ہم آہنگی
بڑی مشکلوں سے پیدا ہوتی ہے' جہاں جذبے صادق اور سچے ہوں وہاں گریز سے کام
نہیں لیا جاتا' تم میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تو میں تمہیں......''

''شاردا'' میں نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لئے۔ ''میں...... میں اس
وقت پریت کی طرف جا رہا تھا۔''

''کیا اس نے بھی تمہیں بلایا تھا۔؟'' شاردا پژمردگی سے بولی۔

''نہیں۔ میں خود ایک بار اس سے ملنا چاہتا تھا۔'' میں نے صاف گوئی اختیار
کی۔ ''اس کی نفرتیں میں نے ہنس ہنس کر برداشت کی ہیں' اس کی زبان نے ہمیشہ
میرے لئے زہر اگلا ہے' میں اس زہر کو پیتا رہا' بھون کے سارے لوگ حتیٰ کہ ملازمین
بھی جانتے ہیں کہ وہ دنیش سے خونیں رشتوں میں گندھی ہونے کے باوجود برملا کنور
جگدیپ کے ساتھ راہ و رسم بڑھا رہی ہے۔ میری بلا سے لیکن اب پانی سر سے
اونچا ہونے لگا ہے' پریت حد سے تجاوز کرنے لگی ہے' وہ دنیش کے مقابلے میں جگدیپ
کو ترجیح دے رہی ہے' بڑی حویلی کی واردات کے بعد وہ جگدیپ کے کہنے پر میرے
خلاف ایک موثر گواہ بن سکتی تھی لیکن شاید اسے موقع نہیں ملا' اس سے پہلے کماری انیتا
نے آئی جی کے سامنے میری پوزیشن صاف کر دی' اس نے یہ بیان دیا کہ جس وقت
بڑی حویلی میں کوئی خون کی ہولی کھیل رہا تھا اس سے وہ پرکاش بھون میں موجود تھی
اور میں اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ انیتا' دنیش کی نہیں جگدیپ کی بہن تھی' وقوعے
والی رات وہ ہمارے بھون میں موجود تھی' وہ اگر چاہتی تو موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے
بے گناہ ہونے کے باوجود پھنسوا سکتی تھی' پریت اور کماری ہیما بھی اس کی ہم نوا بن
جاتیں' حالات کے اس دھارے میں کچھ اور بھی شریک ہو جاتے' پولیس ان گواہوں کی
بنیاد پر مجھے آخری کریا کرم تک پہنچانے سے گریز نہ کرتی۔'' میں خاموش نہیں ہوا' میں
نے جان بوجھ کر سندھیا کا نام لینے سے گریز کیا' یہ حقیقت بھی چھپا لی کہ اس رات
میں کماری انیتا کے کمرہ خاص میں تنہا اس کے ساتھ موجود تھا جب کہ پریت نے وہاں
داخل ہو کر اس حادثے کی اطلاع دی تھی۔ شاردا کو مطمئن کرنا ضروری تھا' میں نے
جذباتی انداز میں اپنی بات جاری رکھی۔ ''لاکھی پور کے شہرہ پشت بدمعاش اور پولیس کی
کالی بھیڑیں جگدیپ کو خوش کرنے کی خاطر بس ایک موقع کی تلاش میں دن رات
ایک کئے ہوئے ہیں' وہ اس ایک پل کی تلاش میں ہیں جب کسی ٹھوس شہادت کا سہارا
لے کر میرے اوپر گولی داغ سکیں پھر وہ چین کی نیند سو سکیں گے۔''

''اتنی ساری باتیں تم نے اپنے سینے میں چھپا رکھی تھیں اور میں قطعی بے خبر
رہی۔'' شاردا نے بڑی اپنائیت سے شکوہ کیا۔ ''کیا تم مجھے یہ سب کچھ پہلے نہیں بتا سکتے
تھے۔''

"میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا شاردا۔" میں نے اس کا اترا ہوا [چہرہ]
اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"میں انیتا کو جانتی ہوں۔ وہ انگلستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے،
پر مغرب کا رنگ زیادہ گہرا ہے' وہاں دروغ گوئی کو عیب سمجھا جاتا ہے' ایک طبقہ
ضرور ہے جو اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کے سینے میں خنجر گھونپنے کو تیار رہتا ہے
جرم کر گزرنے کے بعد وہ اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔ انیتا [نے] گر تمہارے سا[تھ]
سلوک کیا ہے تو میں بھی اس کی قرض دار ہو گئی' کبھی موقع ملا تو سچے دل سے اس [کا]
شکریہ ادا کروں گی۔ لیکن تم اس وقت پریت کو کیا سبق دینے جا رہے تھے' کیا اس [کی]
زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دینا تمہارے پیش نظر تو نہیں تھا۔"

"میں نے پہلے سے کوئی واضح پلان مرتب نہیں کیا تھا مگر میں جانتا ہوں کہ
ایک بار تنہائی میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اس کے انجام سے باخبر کر
دوں تو وہ اپنے خول سے باہر نکلنے کی حماقت نہیں کرے گی' دوسروں کی طرح وہ بھی
میری موت کا تماشہ کئی بار دیکھ چکی ہے۔"

"تم کب تک اس طرح خود کو مصیبت اور خطروں کے درمیان الجھاتے رہو
گے؟" اس کے لہجے میں التجا تھی۔ "اب تو میرا دم گھٹنے لگا ہے' میری بات مان لو موہن!
کسی برے سمے کا انتظار کس لئے؟ ہم کیوں نہ سب کچھ چھوڑ کر کہیں ویرانے میں جا
کر دنیا کی نظروں سے روپوش ہو جائیں' اب تو زندگی کا بوجھ بھی گراں گزرنے لگا
ہے۔"

"میں نے بھی یہی سوچا ہے' اب شاید ریاست راجے پور سے دانا پانی اٹھنے
کا وقت قریب آ گیا ہے۔" میں نے دل میں آئی جی مہتا اور سادھو دیوراج کی باتوں کو
یاد کرتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ "بس ایک ذرا غبار چھٹنے کا انتظار ہے"

"دنیش بتا رہے تھے کہ ریاست میں باہر کے تین اعلیٰ افسر بڑی حویلی کے
سانحے کی تفتیش کرنے کے لئے بلائے گئے ہیں۔"

"ہاں۔"

"اور تم اس قدر مطمئن نظر آ رہے ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش کھڑی میرے چہرے کو تکتی رہی' کچھ سوچ کر چونکی۔

"یہ راجکماری کنول کی باتیں جو بھون میں گردش کر رہی ہیں تم نے ان کو کیا
معنی پہنائے ہیں؟"

"یہ دل آزار باتیں ہیں شاردا! جو راجکمار دنیش کا سکون برباد کر رہی ہیں۔"
میری زبان سے روانی میں نکل گیا۔

"کیا مطلب؟" شاردا کو تعجب ہوا۔ "کیا دنیش بھی......"

"انہوں نے کبھی اپنی زبان سے کھل کر اعتراف نہیں کیا لیکن میں ان کے
بہت قریب ہوں اس لئے اندازے تو قائم کر سکتا ہوں۔" میں نے بات گھمانے کی
کوشش کی۔ "میں نے محسوس کیا ہے کہ دنیش ان خبروں کو سن کر اداس ہو جاتے ہیں۔"

"مگر دنیش نے کبھی مجھ سے ذکر نہیں کیا۔"

"یہی الزام وہ تمہیں بھی دے سکتا ہے۔" میں نے شوخی سے موضوع تبدیل
کرنے کی کوشش کی۔ "تم نے بھی تو چوری پکڑے جانے سے پیشتر دنیش کو یہ نہیں
بتایا تھا کہ ایک مشکوک آدمی تمہارے من مندر میں نقب لگا چکا ہے۔"

وہ شرم سے دہری ہو گئی' بات آگے نہ بڑھ سکی دور سے کسی کے قدموں کی
آہٹ ابھری تو شاردا تیزی سے ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی' میں تیزی
سے پلٹ کر دنیش کے محل کی سمت آ گیا۔ پھر موقع غنیمت دیکھ کر رانی پارو کے کمرے
میں داخل ہو گیا' دروازہ کھلا ملا' شاید اسے میرا ہی انتظار تھا۔

☆......☆......☆

پارو نے اچانک مجھے دیکھا تو لپک کر اٹھی' تیزی سے دروازہ بند کیا پھر بے تابی سے ہاتھ پھیلائے محبوبانہ انداز میں میرے قریب آئی' میں نے اسے مضبوط بانہوں کے حصار میں چھپا لیا' وہ میری آغوش میں سمائی تو میں نے محسوس کیا اس کا سینہ اندر سے گرج رہا تھا' شاید بہت سارے بادل اکھٹے ہو گئے تھے جو کھل کر برسنا چاہتے تھے' اس کا جذباتی انداز بچھو بن کر مجھے ڈنک مارنے لگا۔ میں نے اسے بڑی احتیاط سے گود میں اٹھا لیا' اس کی خودسپردگی کا عالم مجھے دیوانہ کر رہا تھا۔ حالات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا' میں تنہا کئی محاذوں پر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا' میرے دشمن میرے خون کے پیاسے تھے' وہ میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے کی خاطر اٹکل کے ہاتھ پیر مار رہے تھے' نہ جانے کب سے میں سکون کی نیند کی لذتوں سے محروم تھا۔ پارو کے جسم کی گرمی' اس کے دیکھے بھالے جسم کا گداز میرے لئے نرم اور مخملیں گدوں سے زیادہ فرحت بخش ثابت ہوا۔ وہ بھی انہی حالات سے گزر رہی تھی بڑی حویلی کے سانحے سے پہلے وہ بھی میرے ساتھ دس زندہ انسانوں کو گولیوں سے بھون ڈالنے کے عمل میں شریک تھی۔ وہ پھول تھی' نازک بدن تھی لیکن ایک عورت تھی اس لئے میرے مقابلے میں زیادہ انتشار کی کیفیتوں سے دو چار تھی۔ اسے بھی سکون کی تلاش تھی۔

میں نے سادھو سنتوں اور جوگیوں' پنڈتوں کیطرح کبھی جنگل بیابان میں جا کر نفس کشی کی خاطر کوئی جاپ نہیں کیا تھا' جو لوگ شرافت اور نفس پر قابو پانے کے بلند بانگ دعوی کرتے ہیں' میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا' میں صرف انسان ہوں ایک عام انسان جس کے اندر ایک وحشی انسان چھپا بیٹھا رہتا ہے جو موقع محل کی مناسبت سے اسے اکساتا رہتا ہے۔ پارو جیسی کمسن' نازک اندام اور حسین ساتھی کا قرب میرے لیے بڑا ہیجان انگیز تھا' اس کی دلبرانہ ادائیں اور بہکی بہکی سانسیں میرے

ہوش اڑا رہی تھیں' میری عقل و خرد پر اوس کی بارش شروع ہو گئی' رگوں میں خون کی گردش میرے اختیار سے باہر تھی' وقت اور مصلحت کے تقاضے پارو کی بکھری بکھری سانسوں کے آگے ہیچ ہو گئے۔ وہ میکدہ تھی' جام شراب تھی' اس کی نازک بانہوں کا حصار' جسمانی نشیب و فراز و گداز مجھے سرکشی پر مجبور کر رہے تھے' اسے ساقی گری کا فن آتا تھا' مجھے اندیشہ تھا کہ میرے جنون کے آگے اس کا شیشے جیسا مرمریں جسم ٹوٹ کر بکھر نہ جائے لیکن میرے اوپر ایک عالم بے خودی طاری تھا۔ میں بہت دنوں کا پیاسا تھا' بھرا ہوا جام سامنے چھلک رہا ہو تو توبہ ٹوٹنے میں دیر نہیں لگتی' میں نے اپنے اندر چھپے ہوئے وحشی انسان کی تمام ہتھکڑیاں' بیڑیاں کھول دیں۔ پارو کے جسم نے احتجاج کیا تو میری سرکشی دو چند ہو گئی۔ ہم دونوں اچھلتی چنگھاڑتی موجوں پر حقیر تنکوں کی طرح ڈوبتے رہے پھر طوفان کا زور ٹوٹا تو میں اٹھ کر فرش پر بچھے دبیز قالین پر چاروں شانہ چت لیٹ گیا' پارو کے جسم کی بھینی بھینی خوشبو ابھی تک میرے اندر رچی بسی تھی' میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ ہی دیر میں ہر بات سے بے نیاز ہو گیا' مجھ پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی' انسان تھکا ماندہ ہو تو اسے پھانسی کے پھندے پر بھی نیند آ جاتی ہے' میں تو پارو رانی کے شبستان میں موجود تھا' میں زیادہ دیر اپنی حالت میں نہیں رہ سکا۔ پارو کی آواز نے مجھے چونکا دیا' وہ میرے قریب ہی فرش پر بیٹھی تھی۔

''سونا مت موہن' مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''کہو۔'' میں نے اسے نشیلی آنکھوں سے دیکھا۔

''ایسے نہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ ''تم ادھر صوفوں پر آ کر بیٹھ جاؤ' پوری طرح بیدار ہو کر میری باتیں سنو۔''

میں نے پارو کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی' شاید اس کے پاس میرے لئے بہت ساری خبریں جمع ہو گئی تھیں جو مجھے منتقل کرنے کے لئے وہ مضطرب تھی۔

''آج شام میرے پاس چھاؤنی سے ایک دیرینہ واقف کار کا فون آیا تھا۔''

''کیا کہہ رہا تھا۔'' میں چھاؤنی کے حوالے پر پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

''تم نے اس کا نام نہیں دریافت کیا؟''

''اب ناموں میں کچھ نہیں رکھا پارو' کام کی بات کرو۔''

''اس کا خیال ہے کہ بڑی حویلی کے سانحے کی تفتیش کے لئے جو تین افسران

ریاست راجے پور میں وارد ہوئے ہیں وہ اپنے کام کی ابتدا کرنے سے پہلے ہی کنور جگدیپ کے ہاتھوں بک گئے ہیں۔'' پارو نے تشویش سے کہا۔ ''وہ تینوں جگدیپ سے ملنے بڑی حویلی گئے تھے پھر جگدیپ ان کے ہمراہ کہیں اور بھی گیا تھا' وہ سب ایک گاڑی میں تھے جسے سوشیل نامی افسر ڈرائیو کر رہا تھا' ان کی واپسی خاصی دیر میں ہوئی پھر سوشیل کی جیپ جگدیپ کو بڑی حویلی چھوڑ کر واپس چلی گئی۔''

''وہ بڑی حویلی سے نکل کر کس طرف گئے تھے؟'' میرے اندر دوبارہ اتھل پتھل شروع ہوگئی۔

''اس کا علم نہیں ہو سکا۔''

''اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تمہارے مخبر نے جو اطلاع دی ہے وہ درست ہے؟''

''وہ تینوں جگدیپ کو چھوڑنے کے بعد چھاؤنی بھی گئے تھے' کچھ دیر کرنل ہارڈنگ کے ساتھ رہے پھر کرنل نے انہیں ایک ماتحت کے حوالے کر دیا' اسی نے مجھے فون کیا تھا۔ پارو کے چہرے پر خوف نظر آ رہا تھا' ان کو ان فائلوں کی تلاش ہے جو تمہارے ہاتھوں مرنے والے تینوں کرنیلوں نے بڑی عرق ریزی کے بعد ترتیب دی تھیں۔''

''پھر؟'' میں نے صوفے پر پہلو بدلا۔

''میرے مخبر نے بتایا ہے کہ فائلوں کی گمشدگی کی اطلاع کو کم از کم سوشیل نے قبول نہیں کیا' اس نے ان فائلوں کے عوض میرے آدمی کو اکیلے میں بھاری رقم کی لالچ بھی دی تھی اور...... اور.........'' پارو نے اپنا سر میری گود میں ڈال دیا۔

''اور کیا پارو......'' میں نے اسے وحشت سے جھنجوڑا۔ ''تم خاموش کیوں ہو گئیں' ان کے درمیان اور کیا کیا باتیں ہوئیں؟''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے موہن! پہلے کی بات اور تھی لیکن اب تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہوں گی۔'' اس کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' میں نے احتجاج کیا۔ ''مجھے بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے؟''

''وہ...... وہ ......سوشیل نے خاص طور پر تمہارا نام لیا ہے' اس نے میرے

آدمی کو لالچ دی ہے کہ اگر وہ خاص طور پر تمہارے خلاف کوئی ثبوت فراہم کر سکے تو نہ صرف وہ اسے ترقی دلانے کی بھرپور کوشش کرے گا بلکہ ایک کثیر رقم بھی دے گا' مجھے یقین ہے کہ یہ ساری پیشکش سوشیل کو جگدیپ کی طرف سے کی گئی ہوگی۔ انہیں کسی اور کی نہیں صرف ...... صرف تمہاری تلاش ہے۔''

''میری تلاش۔'' میں زہر خند سے بولا۔'' یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے پارو! تمہیں تو فخر سے اپنا سر بلند کر لینا چاہیے کہ اب تمہارے موہن کے سر کی قیمت کنور جگدیپ لگا رہا ہے' میری خاطر وہ پولیس افسران کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگیا' اپنی تجوری کے منہ اس نے پہلے بھی لاکھی پور کے بدمعاشوں کے لئے کھول رکھے تھے' اب شاید لاکھی پور کے غنڈوں نے اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ لئے ہیں۔ آدمی تنہا نہیں مرتا' اس کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا خاندان بھی مرجاتا ہے' ایک کی کمی دسیوں کو اجاڑ دیتی ہے۔ لاکھی پور کے باسیوں نے شاید اس راز کو پالیا ہے' پے در پے ناکامی انسان کو بزدل بنا دیتی ہے' وہ جنونی ہو جاتا ہے' پاگل ہو جاتا ہے' اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کے بال نوچنے لگتا ہے۔'' میں وزنی آواز میں بولتا رہا۔

''جگدیپ بھی مسلسل ناکامیوں کے بعد خلل دماغ کا شکار ہوگیا ہوگا' کل تک وہ چھاؤنی کے بڑے بڑے افسران کے ساتھ بیٹھا شراب و شباب کی محفلیں گرم کرتا تھا' بڑی بڑی باتیں کرتا ہوگا' انہیں یقین دلاتا ہوگا کہ راج گدی سنبھالنے کے بعد ان کے وارے نیارے کر دے گا لیکن اب ایک میری ذات نے' تمہارے موہن نے اسے بھکاری بنا دیا ہے۔ وہ پولیس والوں کے سامنے دامن پھیلائے میری موت کی بھیک مانگ رہا ہے' میرے سر کی منہ مانگی قیمت لگانے کو تیار ہے' سیاست میں یہی سب ہوتا ہے' تخت یا تختہ' تمہیں تو اس کی بوکھلاہٹ پر جشن منانا چاہیے۔''

''تم۔ موہن' تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' میں نے اسے لگاوٹ کی نظروں سے دیکھا۔ ''کیا میں ایک جگدیپ سے ڈر کر ریاست کی حدود سے باہر بھاگ جاؤں' بھون کے کسی محفوظ کمرے میں تالا لگا کر چھپا بیٹھا رہوں' پولیس کے نرغوں سے بچنے کی خاطر کسی اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دوں۔ تم اتنی جلدی ہمت ہار جاؤ گی مجھے اس کی امید نہیں تھی' ابھی تو ہمیں مل جل کر بہت سارے قرض چکانے ہیں۔ کل تک تم مجھے کھلی سڑکوں پر مٹرگشت کرنے سے روک رہی تھیں' آج چوری چھپے بھاگنے کی صلاح

دے رہی ہوں' ذرا عقل کے دروازے پر دستک دو پارو رانی! اگر جگدیپ نئے افسروں کو انعام و اکرام کا لالچ دے رہا ہے تو میری طرف سے اتنا بے خبر بھی نہیں ہوگا کہ مجھے آسانی سے فرار ہو جانے دے۔ اس کے زرخرید کتے چاروں طرف میری گھات لگائے پوری طرح چوکس ہوں گے۔ اس وقت حالات سازگار نہیں ہیں' ہمیں جلد بازی میں کوئی غلط قدم اٹھانے کے بجائے بہت سوچ سمجھ کر کوئی نئی چال چلنی پڑے گی۔"

"تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے میری باتوں کے وزن کے آگے اپنے مشورے کو ہلکا سمجھ کر ہتھیار ڈال دیئے۔

"پریشان مت ہو۔" میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بڑے پیار سے جھنجوڑا۔ "تم تو بہت بہادر' نڈر اور بے خوف ہو' ایک تم ہی تو ہو جو ہر آڑے وقت میں کام آسکتی ہو' اگر تم نے ہمت ہار دی تو میں تنہا کس کس محاذ پر لڑتا رہوں گا' کسی دن کوئی گولی......"

"تمہیں بھگوان کی سوگند موہن!" اس نے اپنے لرزتے ہاتھ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ "ایسی دل آزار باتیں مت کرو۔"

"اور کوئی نئی خبر۔" میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپا کر پوچھا۔

"میری اطلاع کے مطابق راجکماری کنول آج دوبارہ بڑی حویلی گئی تھی۔"

"وہ بالغ ہے' خود مختار ہے' راجکماری ہے' جہاں چاہے آجاسکتی ہے۔" میں نے شانے اچکائے۔ "کون روک سکتا ہے اسے۔"

"میرا مقصد کچھ اور تھا۔" پارو پہلو بدل کر بولی۔ "کہیں ایسا نہ ہو موہن کہ میں نے تمہارے حکم پر جگدیپ اور کنول کے رشتے کی جو افواہ پھیلائی تھی وہ حقیقت کا روپ اختیار کرلے' اگر ایسا ہوا تو......"

"میری زندگی میں ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔" میں نے بھرپور انداز میں کہا۔

"تم کیا کرو گے؟"

"یہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔" میں نے موضوع بدل دیا۔ "تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

"کیا؟"

"مجھے ان تینوں افسران کا پتہ درکار ہے جو جگدیپ کے ہاتھوں بک چکے

ہیں۔" میں یکلخت سنجیدہ ہوگیا۔

"نہیں موہن نہیں ......" پارو مضطرب ہوگئی۔ "میں تمہیں اب مزید کسی آزمائش میں پڑنے کی اجازت نہیں دوں گی' ویسے بھی ان تینوں افسروں کا تین کرنیلوں کے مارے جانے سے سبق لیتے ہوئے ایک دوسرے سے دور دور اور الگ ٹھکانوں پر قیام ہے۔ ان کا رابطہ طے شدہ پروگرام کے مطابق یا پھر فون کے ذریعے ہوتا ہے' خاص احتیاط سے کام لیا جا رہا ہے۔"

"ایسی صورت میں مجھے صرف سوشیل کا پتہ درکار ہوگا۔" میں نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارا مخبر تمہاری بات سے انکار نہیں کرے گا' وہ کیا۔ جو بھی ایک بار تمہاری نگاہوں کا شکار ہو جائے عمر قید کا سزا وار ہوجاتا ہے۔"

"سوری۔" وہ ہاتھ مسلنے لگی۔ "میں کوئی ایسا کام نہیں کرسکتی جس میں تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں دوسرے ذرائع اختیار کروں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ وہ تڑپ اٹھی' میرے دونوں ہاتھ تھام کر پژمردہ آواز میں بولی۔

"میں تمہاری بات مان لوں گی لیکن ایک شرط پر۔" اس کی نشیلی آنکھوں میں التجا تھی۔

"وہ کیا؟"

"تم بھون سے تنہا باہر نہیں جاؤ گے' میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"تمہاری شرط میری خواہش کے عین مطابق ہے۔" میں مسکرا دیا۔ "تم ساتھ ہوگی تو مجھے مرنے کا افسوس نہیں ہوگا۔"

پارو ہونٹ چباتی رہی' میں نے وہاں سے جانا چاہا تو اس نے دوبارہ میرے ہاتھ جکڑ لئے' آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "موہن' کیا تمہارے ذہن میں بھی کوئی ایسا نام نہیں ہے جسے بڑی حویلی میں ہونے والی واردات کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکے۔"

میں نے پارو کی توجہ لاکھی پور کے شورہ پشتوں کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی' خود پارو بھی اس حقیقت سے واقف تھی کہ ریاست کے درمیان لاکھی پور کے غنڈوں کے اڈے پھیلے ہوئے تھے۔ وہ عزت کا کوئی کام کاج کرنے کے عادی نہیں تھے چوری اور ڈکیتی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ وہ مال کے عوض قتل و غارت گری کا سودا

بھی کرتے تھے۔ کوئی بڑی واردات کرنے کے بعد وہ ریاست کی حدود سے کچھ عر[illegible] کے لئے روپوش ہونے کی خاطر دور چلے جاتے' معاملہ دب جانے کے بعد دوبارہ وا[illegible] آجاتے تھے۔ پولیس کا ہاتھ گرم کرتے رہنے کے سبب ان کے خلاف کبھی کوئی بڑ[illegible] کارروائی عمل میں نہیں آئی تھی اور یہ بات بھی پارو کے علم میں تھی کہ جگدیپ ان [illegible] سب سے بڑا اور مالدار گاہک تھا۔

پارو میری بات غور سے سنتی رہی وہ کسی وکیل یا خرانٹ پولیس افسر کی طرح ایک ایک جزئیات پر نظر رکھنے کی عادی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ لاکھی پور کے بدمعاش بڑی حویلی کی خوں ریزی کے سلسلے میں اس کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہے تھے لیکن اس وقت اس نے کوئی بحث بھی نہیں کی' اگر وہ بار بار بھی مجھے ٹٹولنے اور کریدنے کی کوشش کرتی تو بھی میری زبان پر اس بدمست' اس پاگل' نادان اور جذباتی قاتل کا نام نہیں آسکتا تھا۔ یعنی ''سندھیا'' سندھیا جو بڑی تیزی سے امربیل کی طرح اپنا قد نکال رہی تھی' وہ نادان لڑکی بھی میری خاطر دیوانی ہوگئی تھی' ایک کنور جگدیپ کو راستے سے ہٹانے کی خاطر اس نے اٹھارہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھوں پر خون کی مہندی سجا لی تھی۔

میں نے اپنی بات مکمل کر کے دوبارہ جانے کا ارادہ کیا تو پارو نے مجھے اپنی کشادہ آغوش میں جکڑ لیا۔

''نہیں موہن' آج رات کہیں جانے کی بات نہ کرو' آج صرف میرے بن جاؤ۔''

''مجھے ابھی دنیش کو اپنی صورت دکھانی ہے' غیر حاضر رہا تو اس کے ہرکارے تمہاری خواب گاہ پر بھی دستک دینے آجائیں گے۔'' میں نے اس کے گلابی رخساروں پر چٹکی بھری۔ ''زندگی رہی تو ایک دو روز بعد پھر تمہارے شبستان میں سکون حاصل کرنے آجاؤں گا۔''

''نہیں۔ میں آج تمہیں نہیں جانے دوں گی۔'' وہ مچلی' کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی مگر میں نے اس کا موقع نہیں دیا' اس کے گداز ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے پھر اسے آغوش میں بھر کر اٹھایا' اس کے نرم وگرم بستر پر لٹایا' اور جلدی دوبارہ آنے کا وعدہ کرکے دبے قدموں باہر آگیا۔ دنیش میرے انتظار میں جاگ رہا تھا۔!!

☆......☆......☆

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی دنیش سے رات کو دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ راجکماری کنول کا ذکر بار بار اس کی زبان پر آتا رہا' اس کے اندر موجوں کا تلاطم ابھی ختم نہیں ہوا تھا' راجکماری کی محبت کی جڑیں اس کے دل میں بہت اندر تک پھیل چکی تھیں' جڑیں جو درخت کی سرسبزی اور شادابی کا سبب ہوتی ہیں' اس میں کوئی کیڑا لگ جائے' سیرابی نہ ہو تو درخت بھی سوکھنے لگتا ہے' پھول اور پتیاں مرجھانے لگتی ہیں' بڑا سوگوار سوگوار سا نظر آتا ہے۔

میں دنیش کو تسلی دیتا رہا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ مہاراجہ کو حالات کی اصلیت کا علم ضرور ہوگا۔ کنور جگدیپ کا بار بار چھاؤنی میں حاضری دینا' انگریزوں کے ساتھ کھلے عام گھومنا پھرنا' محفلیں سجانا' نئے پولیس افسران کے ساتھ ربط و ضبط یہ تمام باتیں کسی نہ کسی کی زبانی مہاراجہ تک ضرور پہنچتی ہوں گی۔ یہ درست تھا کہ بڑی حویلی کا سانحہ بھی سوگوار خاندان کے لئے ہمدردی اور دلجوئی کا متقاضی تھا لیکن کنور جگدیپ کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں بھی مہاراجہ کے پیش نظر ہوں گی' ایسے نازک حالات میں راجکماری کنول اور جگدیپ کے رشتے کی بات مہاراجہ جیسے زیرک اور مدبر شخص سے متوقع نہیں تھی۔

میں اس کے زخموں پر مرہم رکھتا تو اس کے دل کو قرار آجاتا' ہمارے درمیان مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ کرنل ہارڈنگ کا ذکر آیا تو دنیش کے ذہن میں ریتا کا نام جاگ اٹھا اس نے کسی خیال کے تحت پوچھ لیا۔

''کیا بات ہے موہن! بہت دنوں سے ریتا کا کوئی فون نہیں آیا؟ تم نے تو اسے خاصہ متاثر کر دیا تھا۔''

''ہوسکتا ہے کرنل نے اس پر پابندیاں عائد کر دی ہوں' میں نے لاپروائی سے کہا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے کسی سفید چمڑی والے کا انتخاب کرلیا ہو' وہ مغرب کی پروردہ ہے دنیش بابو! جہاں موسم کے ساتھ ساتھ انسان کے رکھ رکھاؤ میں بھی بہت سرعت کے ساتھ تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ وہاں عشق میں گھل گھل کر ٹھنڈی آہیں بھرنے کا رواج نہیں ہے' ایک نہیں دوسرا سہی' زخم پالنا اور زخم سہنا ان کی تہذیب میں متروک سمجھا جاتا ہے' وہاں کی سرزمین بڑی سنگلاخ ہوتی ہے' ایسی زمین پر سوہنی' ہیر

لیلیٰ، شیریں جیسی لڑکیوں کی کاشت نہیں ہوتی، وہاں سب کم و بیش کلو پترا ہوتی ہیں، ہمارے یہاں لباس اتنی جلدی تبدیل نہیں ہوتا جتنی عجلت میں وہاں عشق کی فہرست میں کانٹ چھانٹ ہوتی رہتی ہے، وہ فراق یار میں آنسو نہیں بہاتے، کنارہ کشی اختیار کر کے ایک دوسرے پر گند اچھالتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں، انہیں زندگی ہنسی خوشی گزارنے کا ڈھنگ آتا ہے۔'' میں نے موقع کی مناسبت سے اپنی تقریر جاری رکھی۔ ''ایک کا شوہر دوسرے کی بیوی کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہزاروں کے مجمع میں تھرکتا رہے تو اسے بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ تہذیب کے عین موافق خیال کیا جاتا ہے، لڑکیاں وہاں قید و بند کی عادی نہیں ہوتیں، وہ باپ کی موجودگی میں بھی برملا اپنے بوائے فرینڈ سے گھلتی ملتی رہتی ہیں، منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر ان کے ہاں ہر بات جائز ہے۔ کوئی کسی پر انگلی نہیں اٹھاتا، وہ دوڑتی بھاگتی زندگی گزارنے میں مگن رہتے ہیں، پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھتے، ذہنوں میں ہم آہنگی نہ ہو تو بیس پچیس سال ساتھ رہنے کے بعد بھی بڑی کشادہ دلی سے اپنے اپنے راستے تبدیل کر لیتے ہیں اور اس پر انہیں قطعی طور پر ندامت نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ اپنی تہذیب کے کمالات کے طور پر فخریہ بیان بھی کرتے ہیں۔ لڑکیاں خود کو نمایاں کرنے کی خاطر اپنے اسکینڈل خود تراشتی ہیں، اخبارات ان کی پذیرائی کرتے ہیں، بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ چٹپٹی خبریں شائع ہوتی ہیں، عریاں تصاویر کے مختلف پوز چھاپے جاتے ہیں اور.....''

''تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟'' دنیش نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ ''سچ بتاؤ، کہاں کہاں کی سیر کر چکے ہو؟''

''انسان خود بہت کم سیکھتا ہے دنیش بابو! وقت اور حالات اسے سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔'' میں نے دنیش کے دل سے غبار کے بادل چھٹتے دیکھے تو اپنی باتوں میں اور نمک مرچ کا اضافہ کر دیا۔ ''کبھی بازار میں پیدل چہل قدمی کرنے نکلیں، آپ کو فٹ پاتھ پر ایسے ایسے رسالے اور میگزین نظر آئیں گے جن کے سرورق دیکھ کر ہی آپ کسی الھڑ اور ناکتخدا دوشیزہ کی طرح شرم سے لال پیلے ہو جائیں گے، آپ کی نگاہیں زمین پر گڑ جائیں گی لیکن دل کی دھڑکنوں میں بے شمار تجسس جاگ اٹھیں گے، انسان کو بالغ بنانے کی خاطر ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں طریقے آئے دن ایجاد ہوتے رہتے ہیں، ان پڑھ لوگ بھی میری طرح عالم فاضل نظر آنے لگتے ہیں، تاجروں

کی اس منڈی میں بڑے بڑے رستم و سہراب چھپے ہوئے ہیں، آپ ریتا کے فون نہ آنے کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں، دنیش بابو! مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں، اپنے خول سے ذرا باہر نکل کر دیکھیں زمانہ کہاں سے کہاں نکل گیا۔''

''بس کرو موہن..... بس کرو۔'' دنیش ہنسی سے بے حال ہوا جا رہا تھا، پیٹ پکڑ کر بولا۔ ''تم جو نظر آتے ہو وہ نہیں ہو، اور جو ہو وہ چھپانے کی بڑی شاندار اداکاری کرتے ہو، تم بہرحال میرے دوست ہو، نہ ہوتے تو اس وقت تمہیں مداری کے خطاب سے ضرور نوازتا۔''

''یہ خطاب بھی میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہ ہوتا۔''

اس قسم کی باتوں سے میں نے دانستہ دنیش کی دل بستگی کا سامان کیا تھا چنانچہ رات سونے سے قبل اس کی پریشانی و اداسی میں بہت کمی واقع ہوئی تھی۔ اب صبح کو ہلکے پھلکے ناشتے کے بعد وہ ملاقاتی کمرے میں بیٹھا تھا کہ میں بھی اس خاص کمرے سے جہاں میں سویا تھا تیار ہو کر آ گیا اور چند لمحوں کے بعد ہی شاردا بھی وہیں پہنچ گئی۔ شاردا نے بیٹھتے ہی کہا۔

''سنا ہے آج کل پولیس ریاست میں بڑی سرگرمی دکھا رہی ہے۔'' اس نے بظاہر دنیش کو مخاطب کیا لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے محتاط رہنے کی تلقین کر رہی ہے۔

''ہاں، تین نئے آفیسر باہر سے بلائے گئے ہیں۔'' دنیش سنجیدہ ہو گیا۔ ''اب پھر سے پرانی قبریں کھودنے کا کام شروع ہو گا، بے قصور اور بے گناہ لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہو گی، حوالات میں لے جا کر ان کی چمڑیاں ادھیڑی جائیں گی، وہ وارداتیں اور جرائم جو ان غریبوں سے کبھی سرزد نہیں ہوئے، ڈنڈے کے زور پر قبول کرائے جائیں گے اور ہم محلوں میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہیں گے۔''

''اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔'' میں نے دبی زبان میں شاردا کو سنانے کی خاطر کہا۔ ''نوشتہء تقدیر کو کون مٹا سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں کر سکتے۔'' دنیش نے تیزی سے کہا۔ ''جب مجھے راج گدی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے تو پھر ہم کیوں ایسے ماحول میں رہیں، جہاں ہر وقت گھٹا ٹوپ اندھیرے منڈلاتے رہتے ہیں، فضائیں اتنی کثیف ہیں کہ سانس لینا بھی دشوار، ہر شخص بغل میں چھری دبائے ایک دوسرے کو ذبح کر دینے کے منصوبے بنا رہا ہے۔'' دنیش

نے میری طرف دیکھا' وہ اچانک بڑا جذباتی ہوگیا۔ "تم موہن ! تم'..... تم آج تیار ہو جاؤ تو میں آج ہی تمہیں اور شاردا کو لے کر اس ریاست کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دوں' کسی ایسے پر فضا مقام پر چل کر رہیں جہاں گھٹن' بے بسی اور نفرتوں کے جال نہ پھیلے ہوں' سانس لینے میں کوئی دشواری نہ ہو' چین سے جیا جا سکے' کوئی غم کوئی فکر نہ ہو۔ بولو موہن! کیا ہم یہ نہیں کر سکتے۔"

"اتنے بڑے فیصلے اتنی جلدی میں مت کیجئے دنیش بابو!" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہمارے دشمن ہمیں بزدلی کا طعنہ دیں گے' ہمارے چلے جانے سے فضا کی کثافتیں صاف نہیں ہوں گی' ہماری شرافت کو کئی معنی پہنائے جائیں گے' وہ سمجھیں گے کہ ہم ہی مجرم تھے جو ڈر کر راہ فرار اختیار کر لی اور....."

"اور یہاں رہ کر ہم اندر ہی اندر اس احساس سے سلگتے رہیں کہ ہم صاحب اختیار ہونے کے باوجود اپنے ایک آدمی کو بھی تحفظ نہیں دے سکتے۔" دنیش نے بڑے دل گرفتہ انداز میں مجھے مخاطب کیا۔ "میں نے ان حرامزادوں سے بنتی کی تھی کہ تمہیں میری ضمانت پر چھوڑ دیا جائے' میں نے انہیں یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ تم میرے اعتماد کے خاص آدمی ہو لیکن نتیجہ کیا نکلا۔ وہ تمہیں ساتھ لے گئے' مجھ سے وعدہ کیا گیا کہ تمہارا خیال رکھا جائے گا' کوئی سختی نہیں ہوگی مگر ان سور کے بچوں نے تمہارے جسم پر کوڑے برسائے' مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بولو موہن! میرے دوست' میرے بھائی! کیا یہ سب کچھ ایسا ہے جسے دیکھنے کے بعد بھی ایسے بے اعتبار اور انسانی اقدار سے نابلد وحشی درندوں کے درمیان زندگی بسر کرنے کی خواہش کی جا سکے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے موہن! جہاں ہمارا اختیار نہ ہو' جہاں ہماری عزت نہ ہو' جہاں ہم عضو معطل بن کر رہ جائیں' وہ جگہ ہمارا مسکن نہیں ہو سکتی موہن ! اور مجھے اب اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ ہمیں کونسے القابات سے یاد کریں گے۔ وہ ہمیں بزدل کہیں گے' مجرم کہیں گے۔ ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے موہن! کتوں کے بھونکنے سے کیا ہوتا ہے موہن! قافلے رکا نہیں کرتے ہیں' کتے بھونکتے رہتے ہیں' قافلے چلتے رہتے ہیں اور یہ فضاؤں کی کثافت کی جو تم بات کرتے ہو جب وہ ہمارے ہونے سے نہ ڈھلی تو نہ ہونے سے نہ ڈھلے' جو باد سموم چلی ہے وہ رکے یا نہ رکے' میں اس کے زہریلے اثرات سے' اس کے سم قاتل سے جو بچا ہے اسے نہیں کھوؤں گا' اسے اپنے

دامن میں سمیٹ کے کہیں دور' کسی محفوظ مقام پر لے جاؤں گا۔ موہن' میں ڈوبا ہوا اس بھون میں سب کچھ ہی مسموم ہے۔ ایک تم ہی ہو جو میرا سرمایہ ہو' ہوئی میرے میری بچت ہو' میں تمہیں نہیں کھوؤں گا۔ بس اب چلو موہن ! اب اور نہ اٹکو ٹھہرو' میں اب اور نہیں رکوں گا' اب چلنا ہے موہن' اب ہمیں چلنا ہی چلنا۔ نہیں؟" کر لو موہن داس!" دنیش کی آواز بھرا گئی تھی' ٹوٹتی چلی گئی تھی۔ میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔

ت دینے

"چلو موہن داس! اب چلو موہن داس!" میرے کانوں میں یہ جملہ گونج رہا تھا۔ کوچ کا نقارہ بج رہا تھا۔ اب تو چلنا ہی چلنا تھا۔ کتنی آوازیں تھیں کے جی مہتا کی آواز' اب چلے جایئے موہن داس جی! سادھو دیوراج اور کرچھے والے پنڈت کی آوازیں 'چلئے' مہاپرش موہن داس جی مہاراج ! اب چلے چلئے' شاردا کی آواز' ایک صدائے خواب ناک موہن ! اب چلو' موہن چلے چلو! ڈالی کی چیخ' اس کی چنگھاڑ' بھاگ چل شیرو ! اب یہاں سے بھاگ چل! سندھیا کی پکار' موہن ! چلو چلو' پارو کی سرگوشیاں 'موہن! بھاگ چلو! اب موہن! بھاگ چلو۔ ایک شور تھا چلو چلو کا جو میرے کانوں میں گونج رہا تھا اور میں گم سم ایک ٹک دنیش کا چہرہ تکے جا رہا تھا' مجھے دنیش کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا' میں ان آوازوں کو کانوں سے سن رہا تھا اور آنکھوں سے دیکھ رہا تھا' یہ آوازیں مجسم ہو کر میری نگاہوں میں سما گئی تھیں' کچھ اور صدائیں بھی تھیں جو مجھے اپنی سمت بلا رہی تھیں' میرے دل پہ مرتسم نقش اولیں بانو کی بے صوت پکار' کلکتے کے بازار میں موجود اس کے بالا خانے کی سیڑھیوں پر تکی ہوئی' انتظار کھینچتی' جمی ہوئی اس کی نظروں کی غیر موقوف صدا' جارج' میرے جگری یار' میرے بزرگ' میرے مربی' میرے ہم دم دیرینہ کی متلاشی نگاہوں کی صدائیں اور نہ جانے کس کی نگاہیں شاید' ہاں شاید اس جادوئے مجسم' اس سحر مطلق' اس معمہ' اس کرشمہ' اس چمتکار کی نگاہیں بھی صداؤں کے غیر محسوس تیر برسا رہی تھیں۔

تماشہ جاری تھا' میں موہن داس! میر جمشید عالم' مجسم چشم حیرت و حسرت' محو تماشہ تھا۔ یہ تماشہ نہ جانے کتنی دیر جاری رہا۔ شاید تھوڑی دیر' چند لمحے یا شاید زیادہ دیر۔ مجھے کچھ وقت کے گزرنے کا احساس نہ تھا' شاید کیوں یقیناً ان دونوں نے میری کیفیت کو بھانپ لیا ہو گا۔ وہ دونوں مجھے پکار رہے تھے' جھنجھوڑ رہے تھے۔ مجھے احساس

نے میری طرف د

جاؤ تو میں آ ج ، مجھے پکار رہا تھا' شاردا' دنیش' ہاں یہ وہی تھے' وہ دونوں ہی مجھے
دوں' کسی اپد دا کہہ رہی تھی۔ ''موہن ! بولو موہن ! چپ کیوں ہو؟ کچھ بولو موہن
پھیلے ہوں' ر ا پر پڑی' وہ میرا بازو شانے کے قریب سے تھامے مجھے جھنجھوڑ رہی تھی
ہو۔ بولو مو' دنیش پکڑے ہلا رہا تھا۔ اب اس کی آواز بھی واضح ہو گئی تھی۔ وہ کہہ

ہوئے لہجے ''موہن تمہیں کیا ہو گیا ہے موہن ! تم کہاں گم ہو؟ کیا سوچ رہے ہو' کچھ
فضا کی ' جواب دو۔''

سمجھ میں نے باری باری ان دونوں کے چہروں کو دیکھا۔ شاردا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور چہرہ گل نار ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ دنیش کے چہرے پر ایک وحشت تھی اور آنکھوں میں تشویش کی ایک لہر تھی۔

میں نے خود کو مجرم گردانا' میں اپنے خیالات میں اتنا گم ہو گیا تھا کہ مجھے ان دونوں کا ہوش ہی نہ رہا۔ میں نے ندامت سے ان دونوں کو دیکھا اور شکستہ آواز میں معذرت کے انداز میں بولا۔

''میں جاؤں گا۔ دنیش بابو ! میں جاؤں گا۔ جہاں آپ کہیں گے' میں چلوں گا دنیش بابو!'' میری آواز میں لرزش تھی۔

''ابھی نہیں۔ میں جانتا ہوں موہن تم بہت الجھ گئے ہو۔ ہم سب الجھے ہیں۔ میں جانتا ہوں تم کچھ مہلت چاہتے ہو' کچھ قرض کی ادائی تمہارے پیش نظر ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن میں محسوس کرتا ہوں تم اٹکے رہو گے' الجھے رہو گے' تم حساب بے باق کئے بغیر چل نہیں سکو گے لیکن میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا' ابھی دس پندرہ روز میں تم سارے معاملات سے خود کو آزاد کر لو اب کچھ بھی ہو ہمیں چلنا ہی چلنا ہے۔''

میں نے نظر اٹھا کر شاردا کی سمت دیکھا' وہ امید و بیم کی کیفیتوں سے دو چار تھی' آنکھوں میں کچھ ایسی التجا تڑپ رہی تھی کہ میں نے دنیش کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ کسم اور پارو ایک ساتھ اندر داخل ہوئیں تو میں خاموشی سے باہر نکل گیا۔

میں مہمان خانے کے راستے سے گزر کر اپنے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا کہ سندھیا ٹکرا گئی' دنیش کے اصرار نے مجھے الجھا رکھا تھا' مجھے جو قرض چکانے تھے' جو

نمٹانے تھے ان کے لئے پندرہ دن کی مہلت ناکافی تھی' میں اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا' میں نے اس وقت سندھیا کو نظر انداز کرنا چاہا لیکن وہ تیزی سے لپکتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔

''تم ٹھیک تو ہو نا۔'' اس نے قریب آ کر سرگوشی کی۔ ''کوئی گڑبڑ تو نہیں؟''

''گڑبڑ کیسی؟'' میں نے اسے کریدا۔

''میرا اشارہ ان تین نئے افسروں کی طرف تھا جو اپنی موت کو دعوت دینے کے کارن ریاست میں آئے ہیں۔''

''سندھیا جی!'' میں اس کے لہجے میں چھپی سختی محسوس کر کے چونکا' اس کے ارادے نیک نہیں نظر آ رہے تھے۔ ''تم نے مجھے وچن دیا ہے کہ اب پستول کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔''

''مجھے اپنا وچن یاد ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''میں پستول کو ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔''

''تم ان کے بارے میں کوئی دوسرا قدم بھی نہیں اٹھاؤ گی' سوچو گی بھی نہیں' مجھ سے وعدہ کرو۔''

''واہ' یہ کیا بات ہوئی؟'' اس کی حسین اور کشادہ پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگیں۔ ''وہ تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کریں اور میں دور کھڑی تماشہ دیکھتی رہوں۔''

''سندھیا!'' میں نے عاجزی سے درخواست کی۔ ''تم ابھی بہت چھوٹی ہو' تمہاری زبان سے اس قسم کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

''میں اب چھوٹی نہیں ہوں' بڑی ہو گئی ہوں۔'' اس نے چڑ کر کہا۔ ''اور پھر میں نے بہادری کا ثبوت بھی دیا ہے' پورے اٹھارہ......''

''چپ ہو جاؤ سندھیا جی' چپ ہو جاؤ۔'' میں نے اس کے نازک ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''آؤ کہیں باہر چلتے ہیں۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''کہیں بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کریں گے۔''

''ابھی تمام راستے بند ہیں۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ذرا

حالات درست ہو جائیں تو میں تم کو ضرور لے چلوں گا۔"

"ہم پہاڑیوں پر چھپتے ہوئے نکل جائیں گے۔" اس نے سرگوشی کی۔

"اس وقت باہر نکلنا مناسب نہیں ہے' یہیں کسی کام میں جی لگانے کی کو
کرو۔"

"تمہارے بنا اب میرا کسی کام میں جی نہیں لگتا۔" وہ میرے اور قر
آ گئی۔ "موہن' بس یہی دل چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں' اور...... اور نہ جانے
کیا باتیں پریشان کرتی رہتی ہیں مجھے۔ رات کو ٹھیک سے نیند بھی نہیں آتی۔"

"سندھیا جی!" میرے کانوں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

"صرف سندھیا کہا کرو نہ" اس نے مچل کر کہا۔ "مجھے یہ جی وی اور راجکما
کہلوانا اچھا نہیں لگتا۔"

میں اسے حیرت سے گھورتا رہا۔ "اس طرح کیا گھور رہے ہو۔" وہ ٹھنک کر
بولی پھر بڑی راز داری سے کہنے لگی۔ "لائبریری والا کمرہ ٹھیک ہے' ہم وہاں مل
سکتے ہیں۔"

میرے کانوں میں سیٹیاں بجنے لگیں' ہم جس مقام پر کھڑے تھے وہاں کو
بھی وارد ہو سکتا تھا' میں نے جلد از جلد وہاں سے گزر جانا چاہا لیکن سندھیا گلے کا ہا
بننے لگی۔ وہ ہار بڑا قیمتی' بڑا انمول تھا' اسکے اندر چمک دمک تھی' بانکپن تھا' نرم ڈالیوں
لچک تھی' کچی کیری کی مہک تھی۔ میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا۔

"سندھیا۔" میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ "ابھی وقت سا
نہیں ہے ورنہ میں بھی تم سے روزانہ ملنے کو بےچین رہتا ہوں' تمہارا خیال مجھے بھی
ہے' تم نظروں کے سامنے نہیں ہوتیں تو میری نگاہیں بھی بھٹکتی رہتی ہیں' تم میری ز
ہو' میرا سرمایہ ہو۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس پر سرشاری کے سارے جذبوں نے یلغار کر دی'
آواز میں بولی۔ "موہن' مجھے اپنی سماعت پر وشواس نہیں آ رہا' ایک بار پھر وہ جملے د
جو میرے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔"

"ہاں سندھیا' تم میری ہو' صرف میری۔" میں نے اسے بہلانے کے
پوری سنجیدگی سے کہا۔ "میرے علاوہ تم کسی اور کو اپنے قریب نہ آنے دینا ورنہ مجھ

ہوگا' میں تم سے روٹھ جاؤں گا' میری بھی یہی چاہت ہے کہ تم سے روز ملوں' بس کچھ
دن اور صبر کر لو' اپنے آپ کو قابو میں رکھو' پڑھائی میں دل لگاؤ' میں چاہتا ہوں کہ تم تعلیم
کے معاملے میں بھون کی تمام رانیوں اور راجکماریوں کو بہت پیچھے چھوڑ دو' سب سے
آگے نکل جاؤ پھر میں تمہیں سب کی نگاہوں سے چھپا کر چوری کر لوں گا' بہت دور لے
جاؤں گا' ایسی سرسبز و شاداب وادیوں میں جہاں ہمارے سوا کوئی اور نہیں ہوگا۔"

"موہن! موہن!" اس پر نشہ سا طاری ہونے لگا۔ "کہیں میں کوئی سپنا تو
نہیں دیکھ رہی؟"

"ان سپنوں کو پورا کرنے کی خاطر' ہمیں بڑی احتیاط' سچائی اور راز داری
سے کام لینا ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو موہن! یہاں بھون میں چاروں اور تمہارے دشمن گھات
لگائے بیٹھے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ اگر بھون کی سورکھانیوں کو پتہ چل گیا کہ تم صرف
میرے ہو تو وہ اور بھی تمہاری دشمن بن جائیں گی' میں اب بچی نہیں ہوں' میں جانتی
ہوں کہ وہ تمہیں کس طرح للچائی للچائی نظروں سے دیکھتی ہیں' دنیش ماما کا ڈر نہ ہوتا تو
وہ تمہیں کچا چبا ڈالتیں' تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔"

"اب تم بھی اپنا دھیان رکھنا سندھیا' کوئی ایسی ویسی بات ہو تو مجھے بتاتی
رہنا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ "لائبریری میں کب ملیں
گے۔" اس کے قدم پھر ڈگمگانے لگے۔

"بہت جلد۔" میں نے اس کے گالوں کو تھپ تھپایا پھر کچھ کہے بغیر تیزی
سے قدم مارتا اپنے کوارٹر کی سمت چل پڑا' وہ بھی جلدی سے دنیش کی طرف جانے
والے راستے پر ہو لی۔

کوارٹر کے صحن میں ڈالی گڈے کو نہلانے کے بعد لباس تبدیل کرانے میں
مصروف تھی۔ مجھے دیکھا تو اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی' بڑے جلے کٹے لہجے میں
بولی۔

"رات کہاں گزار کر آ رہا ہے شیرو؟"

"تیرا دماغ تو اپنی جگہ ہے یا بالکل ہی باؤلی ہو گئی ہے۔" میں نے اسے

غصے سے گھورا۔

''کڑوی لگی نا میری بات۔'' وہ زہر خند سے بولی۔ ''تو بھی تو مجھ سے ایسے ہی الٹے سیدھے سوالات کرتا ہے' میں نے تو کبھی تجھے دیدے پھاڑ کر نہیں گھورا۔''

''سچ بتا' تو نے ناشتے میں مرچیں تو نہیں چبا لیں۔'' میں ڈالی کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا' آج مجھے اس پر پیار آ رہا تھا' گڈا مجھے قریب دیکھ کر ہاتھ پیر چلانے لگا' ڈالی نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا' منہ پھلائے اپنے کام میں مگن رہی۔

''ڈالی۔'' میں نے اسے آہستہ سے آواز دی۔

''آگے بول۔ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔''

''آج تو مجھے بڑی سندر لگ رہی ہے' بھولی بھالی' معصوم سی بکری۔''

''بکری نہ ہوتی تو تیرے تھان میں اس طرح کھونٹے سے نہ بندھی ہوتی' کب کی رسی تڑا کر نو دو گیارہ ہوگئی ہوتی۔''

''تو ایسا کبھی نہیں کر سکتی' میرا من نہیں مانتا۔''

''کیوں۔ کیوں نہیں کر سکتی ایسا؟'' وہ جھلا کر گڈے کو دوہتڑ مار کر میری طرف پلٹی۔ ''کیا لگتی ہوں میں تیری؟''

''تو میرا سب کچھ ہے ڈالی'' میں نے پیار سے کہا۔ ''تو میرا دل ہے' میرا جگر ہے' میری سانسیں ہے' میرے جیون کا سب سے بڑا سچ ہے' باقی سب جھوٹ ہے' مکر ہے' فریب ہے۔''

''سمجھ گئی۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''رات کہیں لمبی چوٹ لگی ہے' دال نہیں گلی ہوگی تیری' جبھی مجھ سے......''

''کچھ دیر چپ نہیں رہ سکتی۔'' میں نے بڑے خلوص سے اس کے گال پر ایک تھپڑ مارا تو وہ ششدر رہ گئی' ایک لمحے کو مجھے بھوکی شیرنی کی طرح گھورتی رہی پھر بے اختیار میرے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی' اجلی اور من کی صاف عورت تھی اس لئے شاید وہ میرے تھپڑ کا اصل مفہوم بھانپ گئی تھی۔

میں نے بھی جواب میں اسے پوری قوت سے سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا' اس کی سسکیاں اور تیز ہونے لگیں' میں اس کی پیٹھ سہلاتا رہا' گڈا ہمیں عجیب نظروں

سے گھورنے لگا۔

☆.....☆.....☆

آئی جی مہتا کی جانب سے تین دن کی مہلت گزرے بھی کئی دن اور گزر گئے' میرا کوئی بلاوہ نہیں آیا' باہر سے نئے تفتیش کنندگان آ چکے تھے اس لئے مہتا کو عذر لنگ مل گیا ہوگا' میرے لیے اب چھٹی ہی چھٹی تھی' امتحان دینے کا وقت فی الحال ٹل ضرور گیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اس بار مجھے سخت مرحلوں سے گزرنا ہوگا' کچھ ایسے سوال پوچھے جائیں گے جو نصاب سے باہر کے ہوں گے' میری ہچکچاہٹ کو مشتبہ گردان کر وہ زیادہ سختی کا بہانہ تلاش کر لیں گے۔

میں نئے افسران کی کسی کارروائی سے پہلے سبقت لے جانا چاہتا تھا' مجھے چوہے دان میں پھنس کر بے بسی کی موت منظور نہیں تھی لیکن پارو رانی لیت ولعل سے کام لے رہی تھی' اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جس آدمی نے اسے سوشیل اور کنور جگدیپ کے بارے میں اطلاع دی تھی وہ کچھ دنوں کے لئے ریاست سے باہر گیا ہوا ہے' میں سمجھ رہا تھا وہ مجھے ٹال رہی ہے' میرے پاس اور بھی طریقے تھے' ایک بار بھون سے باہر نکلنے کا کوئی موقع میسر آ جاتا تو میں خود ہی اسے کھنگال لیتا۔

ایک دن اور گزر گیا' میرے اضطراب میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا پھر ایک روز خلاف توقع ریتا کا فون آ گیا۔ دنیش کے خاص کمرے میں اس وقت میرے سوا کوئی اور نہیں تھا' ہمارے درمیان ہجر و فراق کی باتیں ہوتی رہیں' ریتا نے مجھے بتایا کہ کرنل ہارڈنگ نے تھک ہار کر بالآخر اسے اتنی رعایت دے دی ہے کہ وہ مجھے فون پر اپنی آواز سنا سکے' وہ مجھے ریاست کے دیگر احوال سے بھی مطلع کرتی رہی پھر میرے بے حد اصرار پر اس نے سہمی سہمی آواز میں سوشیل اور دوسرے دو افسران کی رہائش کا پتہ بھی بتا دیا۔ اس نے درخواست کی کہ اس کا نام درمیان میں نہ آنے پائے' ہر کام بڑی رازداری سے کیا جا رہا تھا۔

ریتا سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد میں دنیش کے کمرے میں آ گیا جہاں پریت موجود تھی' اس نے مجھے کینہ توز اور مغرور نظروں سے دیکھا پھر نفرت سے منہ پھیر کر دنیش سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔ دنیش مجھے بکھرا بکھرا نظر آ رہا تھا' یہ عقدہ بھی زیادہ دیر برقرار نہیں رہا' پریت اس وقت دنیش کی مزاج پرسی کیلئے نہیں اس کے زخموں

پر نمک چھڑکنے آئی تھی' وہ کہہ رہی تھی۔ ''راجکماری کنول کا جھکاؤ آج کل بڑی حویلی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے' وہاں رونما ہونے والے سانحے کے بعد سے کنول تین چار چکر لگا چکی ہے' ایک بار جگدیپ بھی مہاراجہ کے درشن کرنے راج محل جا چکا ہے' سنا ہے مہاراجہ عنقریب کوئی اہم اعلان کرنے والے ہیں' لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔''

''آپ شاید راجکماری کنول اور کنور جگدیپ کے رشتے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔'' دنیش کے کہنے سے پہلے میں نے براہ راست پریت کو مخاطب کیا' اس کی پیشانی پر کھنچاؤ کی کیفیت نمایاں ہو گئی۔

''ہم تم سے نہیں' دنیش سے بات کر رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں میرے لئے حقارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی' شاید وہ مجھے میری حیثیت کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

''میں دنیش بابو کو یہی سمجھانے حاضر ہوا تھا کہ اگر کنور جگدیپ اور راجکماری کنول کے رشتے کی بات سچ نکلی تو کئی نازک دلوں پر بجلیاں ٹوٹ پڑیں گی' چہروں کے پھول مرجھا جائیں گے' آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے جاری ہوجائیں گے' شانوں پر غرور و تکبر سے ٹکے ہوئے کئی سر گردنوں سے لگ جائیں گے' آگ بھڑکے گی تو کئی دامن اس کی لپیٹ میں آئیں گے' بہت سارے چہرے بے نقاب ہوں گے جو بظاہر بہت بھولے' معصوم اور اجلے اجلے نظر آرہے ہیں۔''

پریت میرے جملوں کے نشتر کھا کر تلملا گئی' وہ سمجھ رہی تھی کہ میں براہ راست اس کے دل کی گہرائیوں پر نشتر چبھو رہا ہوں' وہ بپھرنے کو تھی کہ دنیش نے بات کو سنبھال لیا۔

''راجکماری کنول اور کنور جگدیپ دونوں اپنی مرضی کے مالک ہیں' وہ جہاں چاہیں بیاہ رچائیں' ہماری صحت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے' ہم کیوں ان کے بارے میں غور کر کے اپنا خون جلاتے رہیں۔'' دنیش نے اس وقت بڑی ہمت سے دل پر جبر کر کے وہ جملے محض پریت کو سنانے کی خاطر ادا کئے تھے' پھر میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''کیوں موہن' میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔''

''آپ بالکل سچ کہہ رہے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جن نازک دلوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جب ان کے ارمانوں پر اوس پڑے گی تو وہ کیسے کملا جائیں گے' خواب شیشے کی مانند ہوتے ہیں' ان کی کرچیاں جب وجود کی گہرائیوں میں چبھتی ہیں تو انسان' بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگتا ہے۔''

''میں احمقوں اور دیوانوں کی نہیں' اپنی بات کر رہا ہوں۔'' دنیش میرا اشارہ سمجھ رہا تھا۔

پریت تلملائی ہوئی اٹھی' زخمی شیرنی کی طرح مجھے گھورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''میں معافی چاہتا ہوں دنیش بابو لیکن......''

''تم نے جو کیا غلط نہیں کیا۔'' وہ ہونٹ کاٹنے لگا۔ ''میں اس راز سے واقف ہوں کہ پریت بھی جگدیپ کے سپنے دیکھ رہی ہے' وہ بڑی دیر سے دل آزاری کی باتیں کر رہی تھی' میرے صبر کو آزمانے کی کوشش کر رہی تھی' اچھا ہوا تم بر وقت آگئے۔''

''اور سنائیے۔'' میں نے موضوع بدلا۔ ''باہر کی آب و ہوا کیسی ہے۔''

''کل رات گئے انسپکٹر سنہا کا فون آیا تھا' میرا خاص آدمی ہے' وہ بتا رہا تھا کہ نئے آنے والوں نے فی الحال لاکھی پور کے کچھ بدمعاشوں کو حراست میں لے کر پوچھ گچھ شروع کی ہے۔''

''یہ بھی جگدیپ کی ایما پر ہوا ہوگا۔'' میرے منہ سے نکل گیا۔

''کیا مطلب؟'' دنیش نے وضاحت طلب کی۔

''یہ پیش بندی ہے دنیش بابو' ابھی ان کا نزلہ دوسروں کو دکھانے کیلئے اپنوں ہی پر گرے گا۔'' میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''محفل کو گرمانے کی خاطر شروع شروع میں چھوٹے فنکاروں کو اسٹیج پر لایا جاتا ہے' استادوں کا نمبر بعد میں آتا ہے' اس بار وہ دانشمندی سے کام لیں گے' جگدیپ کے علاوہ ہمارے اور بھی بہت سارے مہربان ہیں' انہوں نے نئے آنے والوں کو ضرور بتایا ہوگا کہ قربانی کا بکرا کسے بنایا جائے' میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں' وہ ایک بار پھر آپ کی دلیلیں رد کر کے مجھے لے جائیں گے۔ اس بار وہ سادھو دیو راج اور اس کے چیلوں کی بھوک ہڑتال کی نوبت بھی نہیں آنے دیں گے' جو کچھ کریں گے برق رفتاری سے کریں گے' پولیس مقابلے کا ڈرامہ بھی رچایا جا سکتا ہے' روزنامچوں میں یہی لکھا جائے گا کہ میں نے زنجیریں تڑا کر ان پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی' ثبوت کے طور پر وہ اپنے ہی کسی دیانتدار ماتحت کا

گلا گھونٹ دیں گے' قتل کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے گا' ایک گولی میرے جسم میں داغ دی جائے گی بعد میں مقدمے کی کارروائی بھی یک طرفہ ہوگی' آپ بھی ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم پندرہ دن کی مہلت پوری کرنے پر آمادہ ہو۔" دنیش نے شکوہ کیا۔ "تم اس وقت ہاں کرو' میں سورج غروب ہونے سے پیشتر تمہیں اور شاردا کو لے کر ریاست چھوڑنے کو تیار ہوں' بولو' کیا جواب ہے تمہارا۔"

"جہاں اتنے سورج غروب ہوئے ہیں وہاں کچھ اور ڈوب جائیں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا' اب دن ہی کتنے باقی رہ گئے۔"

پھر شاردا لہراتی بل کھاتی کمرے میں داخل ہوئی تو باتوں کا رخ بدل گیا۔

☆......☆......☆

میں نے اور پارو نے مل کر جگدیپ اور راجکماری کے رشتے کا جو شوشہ چھوڑا تھا وہ پھیل کر وسیع ہوتا جا رہا تھا' جگدیپ نے راج کماری کے بار بار بڑی حویلی آنے کے کچھ اور ہی مطلب نکالے ہوں گے' پریت کی اطلاع کے مطابق کنور جگدیپ کو بھی مہارانی کے درشن کا دھیان آنے لگا تھا' اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ بات اچانک اس قدر سنگین صورت اختیار کر لے گی تو شاید میں راجکماری کنول سے بڑی حویلی جانے کی درخواست کبھی نہ کرتا۔

میں نے حالات کو سمیٹنے کا ارادہ کیا میرا اب بھون سے نکلنا ضروری ہوگیا تھا' راجکماری کنول سے ملاقات کر کے اسے سمجھانا تھا کہ اب اس کا بڑی حویلی کی جانب رخ کرنا مناسب نہیں ہے' اس کی ذات سے غلط مقاصد وابستہ کئے جا رہے ہیں' اسی بہانے مہارانی سے ملاقات ہوجاتی' اس کے علاوہ مجھے سوشیل کو بھی ٹھکانے لگانا تھا' جہاں پہلے اتنے خون ہو چکے تھے وہاں ایک اور سہی' حسرت تو باقی نہیں رہے گی۔

دنیش کی پندرہ دن کی مہلت میں ابھی چار چھ روز باقی تھے' میں اس روز صبح ہی صبح اس کے پاس چلا گیا' صرف چہرہ دکھانا مقصود تھا' بھون سے باہر جانے کی خاطر میں نے ایک نیا راستہ تلاش کر لیا تھا' ساری تیاریاں مکمل تھیں لیکن سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میں دنیش سے دو باتیں کرنے کے بعد گڈے کی بیماری کا بہانہ کر کے اٹھنے ہی لگا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی' دنیش نے کال ریسیو کی' ایک منٹ پہلے

وہ ہشاش بشاش تھا لیکن اچانک اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی' منہ کھلے کا کھلا رہ گیا' ریسور ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"کیا خبر ہے۔" میں نے وحشت سے پوچھا۔

"موہن۔" اس کی آواز کانپنے لگی رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہیما نے خود کشی کر لی۔"

مجھے اپنی قوت سماعت پر یقین نہیں آیا' ہیما ایک نوخیز کلی تھی' اس کی بوئی بوئی سے امنگیں پھوٹتی تھیں' بڑی باغ و بہار طبیعت کی مالک تھی۔ کل ہی میں نے اسے کسم کے ساتھ دیکھا تھا' کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی' میں سمجھا شاید دنیش مذاق کر رہا ہے لیکن مہارانی مایا دیوی آہ و بکا کرتی کمرے میں داخل ہوئیں تو مجھے اس خبر کی صداقت پر یقین آ گیا۔

دنیش کے ساتھ میں بھی ہولیا' بھون پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری تھی' تمام لوگ محل کے اسی حصے میں جمع تھے جہاں ہیما کی لاش پڑی تھی' میں نے دور سے اس کا چہرہ دیکھا' اس کا شہابی رنگ نیلا پڑ گیا تھا' اشاروں میں باتیں کرنے والی حسین آنکھیں بند تھیں' کل تک ڈالی ڈالی چہکنے والی بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی تھی' مخروطی ہونٹوں پر خون کی ایک باریک لکیر جمی نظر آ رہی تھی۔ بھون کے ڈاکٹر نے اس کی موت کا باقاعدہ اعلان کیا تو سب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے' موت کی وجہ بظاہر زہر کھا لینے کی علامتیں ظاہر کر رہی تھی مگر کچھ دیر بعد ہیما کی موت کو حرکت قلب بند ہوجانے کا معمولی سانحہ قرار دے دیا گیا۔ اس کی موت معمہ بن گئی' جتنے منہ اتنی باتیں بھون میں بھنبھنانے لگیں' ہر شخص بوکھلایا بوکھلایا نظر آ رہا تھا' عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

کچھ ہی دیر میں بھون میں لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دنیش کے واقف کار بے شمار تھے' ذرا دیر میں جانے پہچانے چہروں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا' دنیش رسم نبھانے کی خاطر سب سے گلے مل رہا تھا لیکن اس وقت میرے خون میں کھولن شروع ہوگئی جب میں نے دنیش کو جگدیپ سے گلے ملتے دیکھا' جگدیپ تنہا نہیں آیا تھا اور بھی بہت سارے چہرے اس کے ساتھ تھے' انیتا بھی بڑی حویلی سے آنے والے غم گساروں میں شامل تھی۔ ایک لمحے کو ہماری نظروں کا تصادم ہوا' انیتا کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری لیکن موقع کی نزاکت سے معدوم ہوگئی' میں اپنی جگہ سے ہٹ کر

دوسری سمت چلا گیا' مجھے ڈر تھا کہ کہیں جگدیپ کی موجودگی مجھے آپے سے باہر نہ کر دے' یہ وقت دلوں کی بھڑاس نکالنے کا نہیں تھا' خاص طور پر راجکماری کنول کی موجودگی میں جو راج محل کی نمائندگی کرنے آئی تھی' مہاراجہ طبیعت کی خرابی کے سبب نہیں آ سکے۔
کماری ہیما کی ارتھی محل سے اٹھا کر میدان میں لائی گئی تو پنڈتوں پجاریوں نے ودائی اشلوک پڑھنا شروع کر دیا' سسکیوں کی آوازیں پھر تیز ہو گئیں' ضروری رسومات کی ادائیگی کے بعد ایک بڑا جلوس ہیما کی ارتھی کو کاندھوں پر اٹھا کے شمشان گھاٹ کی طرف چل پڑا' میں بھون میں رہ گیا' دنیش نے اشاروں میں مجھے یہی ہدایت کی تھی۔

کیسا عجیب اتفاق تھا۔ ریاست راجے پور میں میرا سب سے بڑا دشمن میری زد میں آ کر زندہ واپس چلا گیا۔ میں دنیش کے خاص کمرے میں آ کر بیٹھ گیا' ذہن پر جمی برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگی' میں نے اپنے گریبان میں جھانکا تو خون کے کچھ قطرے میری پلکوں تلے تیرنے لگے' میرے دماغ کے کیڑے رینگنے لگے' مجھے یکلخت یہ خیال ہوا کہ شاید کماری ہیما کا اصل قاتل میں ہی ہوں' وہ بھی جگدیپ کے عشق میں مبتلا تھی' جگدیپ نے بھون کی راجکماریوں سے نہ جانے کیا کچھ وعدے وعید کیے ہوں گے' انہیں شیشے میں اتارنے کی خاطر مستقبل کے سبز باغ دکھائے ہوں گے۔ پریت بھی اس کے عشق میں مبتلا تھی' اسی کی خاطر وہ اپنوں سے بھی بیگانہ ہو گئی تھی لیکن ہیما۔" ہیما تو بڑی کمزور ثابت ہوئی' اس افواہ کو بھی برداشت نہ کر سکی جو میں نے اور پارو نے کسی مصلحت کے تحت پھیلائی تھی' تصدیق کی ضرورت سمجھے بغیر اس نے عشق کی بازی جیتنے کی خاطر موت کی بازی لگا دی' ایک ہی جست میں ساری منزلیں طے کر گئی۔
میرے ذہن میں خشک آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے' بھون کی لڑکیوں میں سے ابھی تک کسی نے اتنی شدت اور جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا' ہیما بڑی عجلت میں سب سے آگے نکل گئی' میں اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا' ایک خیال یہ بھی تھا کہ ممکن ہے میں جو کچھ سوچ رہا تھا وہ غلط ہو لیکن جب لوگ شمشان گھاٹ سے ہیما کے حسین جسم کی بچی کھچی راکھ سنبھالے واپس لوٹے تو پارو نے میرے شبہے کی تصدیق کر دی۔

پارو کے بیان کے مطابق کماری ہیما کی ماں کامنی دیوی نے زہر کی وہ شیشی

چھپا دی تھی جو ہیما کی لاش کے پاس پڑی تھی' مرنے سے پہلے ہیما نے اپنی ماں کے نام ایک خط بھی لکھا تھا' اس نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس کی ارتھی کو کنور جگدیپ آگ لگائے' بعد میں مہارانی مایا دیوی نے کامنی دیوی سے وہ خط لے کر اپنے پاس محفوظ کر لیا' یہ ساری باتیں خود کامنی دیوی نے پارو کو رو رو کر بتائی تھیں' میں پھٹی پھٹی نظروں سے پارو کو تکتا رہا وہ جو تفصیل بیان کر رہی تھی اس کا ایک ایک لفظ تیروں کی انی کی طرح میرے وجود میں گھاؤ لگاتا رہا۔ پارو بڑی عجلت میں تھی زیادہ دیر میرے پاس نہیں رکی۔ اس کے جانے کے بعد میں پچھلے دروازے سے نکل کر ملاقاتی کمرے میں آ گیا جہاں دنیش کو بھون کی رانیوں اور راجکماریوں نے گھیر رکھا تھا' وہ بڑا اجڑا اجڑا سا نظر آ رہا تھا' گنگ بیٹھا بھانت بھانت کی بولیاں سن رہا تھا' جانے والی چلی گئی تھی' اب اس کے گن گائے جا رہے تھے' خوبیاں بیان کی جا رہی تھیں' یہ بھی زمانے کی پرانی ریت ہے۔
پریت خلاف توقع الگ تھلگ بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی' ہیما کی جوان موت نے اس کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔ ہیما کی موت کے اسباب جان لینے کے بعد شاید اس کے ذہن میں بھی اتھل پتھل شروع ہو چکی تھی' خطرے کی گھنٹی بج رہی ہو گی' آج ہیما سب کو چھوڑ کر چلی گئی' کل کسی اور کا نمبر آ سکتا تھا۔ پارو نے ہیما کے سلسلے میں جو باتیں بتائی تھیں ان کا علم آہستہ آہستہ سب کو ہو چکا تھا۔ جس بات کو راز رکھنے کی خاطر ایک دوسرے کو زبان بند رکھنے کی تاکید کی جائے وہ جلدی پھیل جاتی ہے۔ کسم' شکنتلا اور دوسری راجکماریاں بھی اداس نظر آ رہی تھیں' شاردا اور پارو ایک جانب سمٹی سمٹائی بیٹھی تھیں۔ سندھیا حیرت سے ایک ایک کا منہ تک رہی تھی' شاید وہ ابھی تک ہیما کی موت کا راز نہیں جان سکی تھی۔
کماری ہیما کی ماں کی حالت سب سے ابتر تھی۔ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے' اولاد کی جدائی کے غم میں اس کا سب سے برا حال تھا' رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں۔ موت عام صورت میں ہو تو تب بھی کسی کے بچھڑ جانے کا دکھ انسان کو پچھاڑیں کھانے پر مجبور کر دیتا ہے پھر وقت کا مرہم زخموں پر کھرنڈ بن جاتا ہے لیکن کماری ہیما کی موت کے اسباب کچھ اور تھے' اگر جگدیپ بھی مر گیا ہوتا تو شاید زیادہ ملال نہ ہوتا' حساب برابر ہو جاتا لیکن وہ زندہ تھا' مجھے یقین تھا کہ وہ جب بھی کامنی دیوی کے سامنے آئے

گا ایک ماں کے بھرے ہوئے زخموں کو پھر ٹھیس لگے گی' اس کے مندمل ہوتے زخم
دوبارہ ہرے ہو جائیں گے' نہ جانے یہ سلسلہ کب تک یوں ہی چلتا رہے۔
مہارانی مایا دیوی' کامنی کی غم گساری کر رہی تھیں۔ ہیما نے دھرتی سے ناتا
توڑنے میں بہت جلدی سے کام لیا تھا' جب اس کے علم میں تھا کہ اس کی زندگی' ایک
معصوم ارمانوں' خوشیوں کا قاتل کون تھا تو پھر اسے موت کو گلے لگانے سے پہلے اس
کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کے بارے میں غور کرنا لازم تھا۔ اس کے علم میں یہ
بات ضرور رہی ہوگی کہ کنور جگدیپ کے خواب دیکھنے والوں میں اور کون کون شامل
تھا۔ جگدیپ کا کریا کرم کر کے وہ کم از کم ان کو بچا لیتی' جاتے جاتے اپنی دوسری ہم
جنسوں پر احسان کر جاتی یا پھر خود زہر پینے کے بعد زہر کی باقی شیشی پانی کی ٹنکی میں
لوٹ دیتی' ایک بار قصہ ہی پاک ہو جاتا۔

کمرے میں بار بار رونے کا سلسلہ ہیما کی کسی بات کو یاد کر کے ابھرنے لگا'
میری آنکھیں بھی بھرنے لگیں تو میں خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔
دنیش نے اشارے سے مجھے روکنے کی کوشش کی' میں نے نگاہوں نگاہوں میں اسے یقین
دیا کہ میں کہیں دور نہیں جا رہا قریب ہی موجود ہوں۔
اکیلے کمرے میں آ کر میرے آنسو تھم نہ سکے بڑی دیر سے ضبط کر رہا تھا
میں بھی بھون کا ایک فرد تھا' دوسروں کی طرح کماری ہیما کی موت کا دکھ مجھے بھی تھا
میں مرنے والی کی یادوں کے چراغ جلائے بیٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی' میں نے یہ سوچ
کر ریسیور اٹھا لیا کہ دور دراز کے علاقے سے کسی نے ہیما کی موت کا پرسہ دینے کی
زحمت گوارا کی ہوگی۔

''ہیلو۔'' میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔
''مسٹر موہن۔'' دوسری جانب سے کرنل ہارڈنگ کی آواز ابھری' وہ تجربہ کار
تھا' میری آواز پہچاننے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی ہوگی' شاید اس لئے بھی کہ میں
واحد شخص تھا جو پوری ریاست راجے پور میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے
فرد کو مطلوب تھا' ابھی تک باقاعدہ میرے خلاف کوئی فرد جرم نہیں عائد کی گئی تھی لیکن
جگدیپ کی مہربانی سے میرے طلب گاروں میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔
''جی۔'' میں نے گلا اور صاف کر لیا۔ ''میں موہن داس ہی بول رہا ہوں۔''

''مجھے تم سے فوری طور پر ایک اہم نوعیت کے مسئلے پر کچھ باتیں کرنی ہیں۔''
اس نے پروقار لہجے میں کہا۔
''کیا ہائی کمان کی طرف سے میرے خلاف پھر کوئی خفیہ حکم نامہ موصول ہوا
ہے۔'' میرے انداز میں ترشی تھی۔
''نہیں۔ تم غلط اندازہ قائم کر رہے ہو۔'' اس نے بدستور بڑے مدبرانہ انداز
میں جواب دیا۔ ''ہمارے درمیان ریاستی یا سیاسی امور پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔''
''کرنل ہارڈنگ!'' میں نے پینترا بدلا۔ ''آپ کو یقیناً علم ہوگا کہ اس وقت
بھون پر قیامت کے بادل لہرا رہے ہیں' آپ کے ایک نمائندے نے پھولوں کے
گلدستے کے ساتھ کماری ہیما کی آخری رسومات میں شرکت بھی کی تھی۔''
''ہاں' مجھے کماری ہیما کی موت کا دکھ ہے اور......'' کرنل ایک لمحے کو خاموش
ہو گیا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''اسی لئے تم سے پہلی فرصت میں ملاقات کرنا چاہتا
ہوں۔''
''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''کماری ہیما کی خودکشی یا
موت سے ہماری فوری ملاقات کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''
''مسٹر موہن۔'' کرنل نے میری بات نظر انداز کر دی۔ ''کیا تم آج رات
کسی وقت آ سکتے ہو؟''
''ریاست کی تمام سڑکوں' راستوں پر میری موت کے طلب گار گھات لگائے
بیٹھے ہیں کرنل! میں نے سرد لہجہ اختیار کیا' آپ کے علم میں ہوگا کہ باہر سے تین نئے
افسران نے بھی آ کر ریاست میں ڈیرہ جما لیا ہے' انہوں نے جال بچھا رکھے ہیں' انہیں
ملزم یا مجرم نہیں صرف ایک شخص مطلوب ہے' میری اطلاع کے مطابق ان تینوں میں
سے ایک کم از کم میرے دشمنوں کے ہاتھ بک بھی چکا ہے' میں کسی کا نام نہیں لے رہا
لیکن کچھ دوست میرے بھی ہیں جو مجھے زندہ دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں' ایسے حالات
میں میرا بھون سے باہر نکلنا کیا مناسب قدم ہوگا؟''
''میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی سیاسی' قانونی' یا ریاستی مسئلہ
زیر بحث نہیں آئے گا' رہا تمہاری حفاظت کا معاملہ تو اس کی ذمہ داری میں قبول کرنے
کو آمادہ ہوں' کرنل کے لہجے میں کوئی تصنع کوئی بناوٹ نہیں تھی۔'' تم آنے کا وعدہ کرو'

میں اپنی خاص کار تمہارے لئے روانہ کر دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا علم میر
اور تمہارے سوا کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔"

کرنل کی آفر معقول تھی' میرے ذہن میں کرنل کے خلاف کسی سازش کا
نہیں ابھرا' وہ بااختیار تھا' ہائی کمان نے اسے دوبارہ اس کی خدمات کو بحال کرتے
بہت سوچ بچار سے کام لیا ہوگا۔ وہ انگریز تھے جنہوں نے پورے ہندوستان کو
شاطرانہ چال چل کر اپنا غلام بنا رکھا تھا' وہ نرم اور دوستانہ پالیسی کی آڑ میں بھرپور
کرنے کے عادی تھے لیکن کرنل ہارڈنگ کے سلسلے میں مجھے تجربہ ہو چکا تھا۔ جس
میں چھاؤنی کی قید میں تھا اور میرے جسم کی کھال ادھیڑی جارہی تھی اس وقت کرن
ایک اشارہ ہی میری موت کے لئے بہت کافی ہوتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا' بعد
اس نے کھلے دل سے مجھ سے معذرت بھی کر لی تھی۔

کرنل چاہتا تو مجھے چھاؤنی آنے کی دعوت دینے کے بجائے اور ذرائع
اختیار کر سکتا تھا' اس کے رنگروٹ مجھے زبردستی پکڑ دھکڑ کر اس کے رو برو پیش کرنے
بھرپور صلاحیت رکھتے تھے' میرے ذہن میں کرنل کے فون کے سلسلے میں مختلف خیا
گردش کرتے رہے' میں کوئی نتیجہ نہیں قائم کر سکا۔

"تمہیں میری دعوت قبول کرنے میں اگر کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی ہے
میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" کرنل نے میری طویل خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا
"جب تم حالات سازگار سمجھو' مجھے ایک فون کر دینا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے کرنل!" میں نے تیزی سے کہا۔ میرے ذہن
اچانک سوشیل کا خیال ابھر آیا' اسے ٹھکانے لگانے کی خاطر بھی مجھے بھون سے باہر
تھا' کرنل کی خاص کار میں بیٹھ کر میں باہر کے حالات کا اندازہ بہتر طور پر کر سکتا
میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں کوئی اتنا اہم آدمی بھی نہیں ہوں کرنل! میری م
پر رونے والوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے' لیکن ایک اکائی بھی اپنی جگہ
اہم ہوتی ہے۔"

"پھر کب امید رکھی جائے۔" کرنل نے خوشگوار انداز اصیہ کہا۔ "پرو
زاہدی کہوں یا موہن داس۔"

"آپ صاحب اختیار ہیں' کوئی نام بھی دے سکتے ہیں۔" میں نے لہج

تناؤ کو دور کیا۔ "میں آؤں گا کرنل! آپ گاڑی بھیج دیں لیکن بھون کے اندر نہیں' میں بھون کے پچھواڑے والے گیٹ پر انتظار کروں گا' میری اس جسارت پر کسی ناراضی کا اظہار نہ کیجئے گا' بھون میں بھی میرے بہت سارے دوست نما دشمن موجود ہیں جو میری روانگی کی اطلاع خاص لوگوں تک پہنچانے سے دریغ نہیں کریں گے' مجھے اپنی یا پروفیسر زاہدی کی موت کا غم نہیں لیکن اگر گولیاں چھاؤنی کے آفیسران کمانڈ کی گاڑی پر برسیں تو اس میں آپ کی عزت پر بھی حرف آ سکتا ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے مسٹر موہن......" کرنل ہارڈنگ نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرا جواز سن کر اس کی کشادہ پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں ضرور ابھری ہوں گی' میرے جملے کی تلخی ہضم کرنے میں کڑواہٹ کا احساس بھی ضرور ہوا ہوگا' میں نے جان بوجھ کر اسے احساس دلانے کی ضرورت محسوس کی تھی کہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر دشمن کوئی بھی خطرہ مول لینے سے گریز نہیں کرے گا۔ کرنل نے فوراً ہی اپنے لہجے کو سنبھال کر کہا۔ "ابھی حالات ہماری دسترس سے اتنے باہر بھی نہیں ہوئے ہیں کہ ریاست کے سرپھرے کم از کم میری ذاتی کار کی طرف نظر اٹھانے کی کوشش کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں گیارہ بجے کے بعد آپ کی گاڑی کا انتظار کروں گا۔"

میں فون رکھ کر پھر خیالوں میں ڈوب گیا' جب سے پارو نے مجھے سوشیل کے بارے میں کنور جگدیپ کے ہاتھ بک جانے کی اطلاع دی تھی مجھے کسی کروٹ چین نہیں آرہا تھا' میرے دماغ میں کرنل کی دعوت کا مقصد بھی قلابازیاں کھا رہا تھا' ابھی کماری ہیما کی چتا کی آگ پوری طرح ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور کرنل کا بلاوا آ گیا' مجھے یہ جلد بازی کچھ مناسب نہیں لگی' مگر بات یقیناً اتنی اہم ہی ہوگی کہ کرنل ہارڈنگ نے وقت کا زیاں مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ میں نے اس دعوت کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا لیکن کرنل کا ایک جملہ میرے بیشتر وسوسوں کی نفی کرتا رہا' اس نے پورے وثوق سے یہ بات کہی تھی کہ ہمارے درمیان کسی ریاستی' سیاسی یا قانونی پہلوؤں پر مطلق کوئی بات نہیں ہوگی۔

'پھر ایسی کیا اہم بات تھی جس نے کرنل کو اتنی عجلت پر مجبور کر دیا تھا؟' میرے ذہن میں یہی ایک سوال بار بار چکراتا رہا۔ پارو کمرے میں داخل ہوئی تو

میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔

"دنیش تمہیں یاد کر رہا ہے۔"

"تم چلو میں آتا ہوں۔"

"کیا بات ہے موہن!" پارو نے میرے چہرے کے تاثرات کو بغور محسوس کرتے ہوئے نرم آواز میں پوچھا۔ "تم بہت زیادہ اداس اور تھکے تھکے نظر آ رہے ہو۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں کماری ہیما کی جوان موت پر دکھ نہیں ہوا۔"

"مجھے ہیما سے اس قدر بزدلی کی امید نہیں تھی۔" پارو نے سرد آہ بھری۔

"رات کو موقع ملے تو میری طرف آنا۔ اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"وعدہ نہیں کرتا کوشش کروں گا۔" میں نے اسے مطمئن کرنے کی خاطر کہا۔

"شاید دنیش مجھے اپنے پاس سے ایک لمحے کو بھی دور ہٹنے کی اجازت نہ دے۔"

پارو خاموشی سے چلی گئی۔ اس نے زیادہ اصرار مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ کچھ دیر بعد میں اس کے تعاقب میں دنیش کے کمرے میں گیا تو وہاں مایا دیوی اور شاردا کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' پارو اور شاردا ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں۔ مہارانی مایا دیوی دنیش کو آرام کرنے کا مشورہ دے کر اٹھیں تو پارو بھی ان کے ساتھ چلی گئی' کمرے میں صرف دنیش اور شاردا رہ گئے۔

"تم کہاں چلے گئے تھے۔" دنیش نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں شکایت کی۔

"برابر کے کمرے میں تھا۔" میں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کھل کر اپنے احساسات کی ترجمانی کی۔ "کماری ہیما مجھے بھی بہت عزیز تھی دنیش بابو! بھگوان کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔"

"بھون میں مختلف لوگ مختلف باتیں کر رہے ہیں موہن! اصلیت میں جان چکا ہوں۔" دنیش نے بڑی بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں خون کے گھونٹ پی کر سب کچھ برداشت کرتا رہا' کاش...... کاش میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو گلے لگانے کے بجائے اس کا پورا شریر گولیوں سے چھلنی کر دیتا۔" دنیش کا اشارہ جگدیپ کی طرف تھا۔ "حالات کبھی کبھی پاؤں میں بیڑیاں بن جاتے ہیں لیکن ... سوچتا' برداشت اور شرافت کی بھی ایک حد ہوتی ہے' ہیما کا تیجہ گزر جا

"آپ پریشان نہ ہوں دنیش بابو! میں جو ہوں آپ کے ساتھ۔" میں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "پیادے زندہ ہوں تو بادشاہ کو پیش قدمی کی ضرورت نہیں پڑتی' آپ جس طرح چاہیں گے۔ بالکل اسی طرح ہوگا۔"

"تم دونوں کو اس وقت صرف آرام کی ضرورت ہے۔" شاردا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے دنیش کو ضد کر کے نیند کی گولی کھلائی اور ہاتھ پکڑ کر خواب گاہ میں لے گئی' میں بھی ساتھ ساتھ تھا' رات کے نو بج رہے تھے۔

دس بجے دنیش بے خبر سو گیا' شاردا اس کے سرہانے بیٹھی اس کا سر سہلا رہی تھی۔

"اب تم بھی یہیں کہیں سو رہو۔" اس نے مجھ سے سرگوشی کی۔ "دنیش کو اس حالت میں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تمہارے کیا ارادے ہیں۔"

"میں دنیش کے ساتھ ہی رہوں گی۔"

"میں بھی یہی درخواست کرنا چاہتا تھا۔" میں نے وقت کی گزرتی رفتار کو محسوس کرتے ہوئے ایک مناسب بہانہ تراشا۔ "گُڈے کو صبح سے تیز بخار چڑھا ہے' وہ ڈالی کے بس کا نہیں ہے' مجھ سے زیادہ مانوس ہے' اگر تم اجازت دو تو میں جا کر اسے سنبھال لوں صبح ہونے سے پہلے واپس آ جاؤں گا۔"

"دیکھ لو۔" شاردا نے مدھم آواز میں جواب دیا۔ "اگر درمیان میں دنیش کی آنکھ کھل گئی تو وہ بھی تمہارے بارے میں دریافت کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اگر گڈا قابو میں آ گیا تو میں رات ہی کسی وقت لوٹ آؤں گا' تم غسل خانے کا بیرونی دروازہ کھلا رہنے دینا۔"

میں شاردا کو تسلی دے کر باہر نکل آیا۔ دوسروں کو دکھانے کی خاطر سیدھا کوارٹر کی طرف گیا' گڈا اور ڈالی دونوں گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے' اچھا ہی تھا ورنہ ڈالی اگر جاگ رہی ہوتی تو دوبارہ روانگی کے وقت وہ بھی میرے آڑے آنے کی کوشش ضرور کرتی' میں کمر سیدھی کرنے کی غرض سے برآمدے میں پختہ فرش پر لیٹ گیا' دنیش نے مجھے جو دستی گھڑی تحفے میں دی تھی وہ بدستور میری کلائی پر بندھی تھی' اس کا ریڈیم ڈائل اندھیرے میں بھی چمک رہا تھا' میری نظریں بار بار وقت دیکھنے کی

خاطر گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ٹھیک گیارہ بجے میں بھون کے پچھلے دروازے سے باہر نکلا' را
دیکھے بھالے تھے' رات کے گارڈ کو غچہ دے کر نکل جانے میں کسی دشواری کا
ہوا' وہ میرا واقف کار تھا میں چاہتا تو اس کے سامنے سے گزر سکتا تھا لیکن راز
خیال سے میں اپنے پیچھے کوئی شہادت نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

کرنل نے ہر چند کہ مجھے تحفظ کا یقین دلایا تھا لیکن اس کی نسل کی
ایسی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی تھیں' وہ کہتے کچھ اور تھے' کرتے کچھ اور
باغ دکھا کر عقب سے خنجر گھونپنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ میں ایک بار
چکھ چکا تھا چنانچہ حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے ایک بے آواز پستول اپنے
چھپا رکھا تھا۔ کرنل کی گاڑی پر اس کا فلیگ لہرا رہا تھا' ڈرائیور تجربہ کار تھا'
نے اسے میرے حلیے سے بھی آگاہ کر دیا تھا' اس نے مجھے دیکھتے ہی کار
دروازہ کھول دیا' میں نے کچھ سوچا پھر خاموشی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

گاڑی چھاؤنی کے راستوں پر سبک رفتاری سے بہتی رہی' پارو نے غلط نہیں کہا تھا' گیارہ بجے رات کو بھی پولیس کی نفری پوری طرح چوکس تھی' کئی مورچوں پر گاڑی پر تیز روشنی بھی ڈالی گئی لیکن یونین جیک کے پھریرے پر نظر پڑتے ہی بڑی سرعت سے بجھا دی گئی۔ کوئی سامنے نہیں آیا' کسی میں اتنی جرات بھی نہیں تھی کہ آفیسران کمانڈ کی کار کی طرف نظر بھر کر دیکھتا' میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا غور و فکر میں ڈوبا رہا۔ گاڑی جب چھاؤنی کے دروازے پر پہنچی تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا میں نے اپنے آپ سے کہا۔

''موہن داس' آج تمہارے امتحان کا آخری پرچہ ہے' کل نہیں تو پرسوں تمہیں بہرحال ریاست راج پور سے جانا ہے' تمہارا دانا پانی اٹھنے کا وقت قریب آ رہا ہے' دنیش کی دی ہوئی مہلت میں بھی گنے چنے دن باقی رہ گئے' آئی جی مہتا نے جو مہلت دی تھی اس کو ختم ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہو چکا ہے۔ کسی مصلحت نے اسے خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہوگا لیکن وہ کسی وقت بھی مجھے اپنے دفتر میں بلا کر جواب طلب کر سکتا تھا' دشمنوں کی کوئی گولی کبھی کہیں اندھیرے میں میرے وجود کو چاٹ سکتی ہے' آج دل کی حسرتیں باقی نہ چھوڑنا' کرنل کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر باتیں کرنا' کسی جھانسے میں نہ آنا' پانی سر سے گزرنے لگے تو پستول نکالنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرنا' ایک گولی پہلے کرنل کا پھر ایک تمہارا قصہ ختم کر دے گی' حساب برابر ہو جائے گا۔''

گاڑی کرنل کی کوٹھی کے پورچ میں جا کر رکی' میں اطمینان سے نیچے اترا' کرنل ہارڈنگ ریشمی گاؤن میں بنفس نفیس میرے استقبال کو موجود تھا' میں نے سب سے پہلے اس کے چہرے کو ٹٹولا' اس کی شخصیت بڑی گمبھیر تھی۔ میں کوئی اندازہ نہ قائم

کر سکا۔

کرنل نے آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا' گرمجوشی سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملایا تو میں چپ نہ رہ سکا۔ ''کرنل۔'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''میرے ہاتھ آپ کے ہاتھ میں' میں اسے کیا سمجھوں۔''

کرنل نے جواب میں صرف مسکرانے پر اکتفا کی' وہ احتیاط سے اور موقع محل دیکھ کر باتیں کرنے کا عادی تھا' الفاظ کا فضول استعمال نہیں کرتا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر اس نے مجھے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' خود دوسرے صوفے پر بیٹھ کر بڑے پر وقار لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں' موہن داس کہوں یا ایران کا عالم فاضل پروفیسر زاہدی سمجھوں۔''

''میں اس وقت آپ کی چھاؤنی میں موجود ہوں' آپ صاحب اختیار ہیں' جس نام سے چاہیں پکاریں میں برا نہیں مانوں گا۔''

''کچھ پیو گے۔''

''شکریہ' مجھے شراب کی عادت نہیں ہے۔''

''کوئی سوفٹ ڈرنک۔''

''جی نہیں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''دنیش کو نیند کی گولیاں دے کر سلایا گیا ہے۔ کماری ہیما کی موت نے اس کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا ہے' وہ بیدار ہو کر سب سے پہلے میرے بارے میں دریافت کرے گا۔''

''مجھے بھی کماری ہیما کی موت کا گہرا صدمہ ہے' کرنل نے آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر خیالوں میں گم رہا پھر آنکھ کھول کر سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''موہن داس' میں نے تمہیں اسی وجہ سے یہاں آنے کی زحمت دی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ ''آپ دنیش بابو سے فون پر بھی......''

''میں کماری ہیما کی نہیں ریتا کی بات کر رہا ہوں۔'' کرنل نے مضمحل انداز میں کہا۔

''ریتا۔'' میں چونکا۔ ''کیا ہوا ریتا کو' وہ ٹھیک تو ہے؟''

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا لیکن کل کو کچھ ہو بھی سکتا ہے۔'' کرنل نے سگار جلا کر اس کا ایک لمبا کش لیا پھر بولا۔ ''میں نے تمہیں ریتا کے سلسلے میں بلایا ہے۔''

''جی۔'' میرا تذبذب دو چند ہو گیا۔

''دیکھو مسٹر موہن' تمہارے پاس وقت کم ہے اور میں بھی چاہتا ہوں کہ معاملات کوئی مشکل موڑ اختیار کرنے سے پہلے ہی طے کر لئے جائیں۔''

''آپ اگر کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو کھل کر دیں' تکلف سے کام نہ لیں۔'' میں سنبھل گیا۔ ''میں آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کروں گا۔''

''مجھے غلط مت سمجھو موہن!'' اس نے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ ''میں اس وقت تمہیں چھوٹا سمجھ کر ایک بزرگ کی حیثیت سے بات کرنے کا خواہشمند ہوں۔'' کرنل کے چہرے پر ایک ثانیے کو کرب کے تاثرات ابھرے دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا' دل و دماغ میں کوئی جنگ جاری تھی' اس نے جلدی ہی خود پر قابو پا لیا۔ ''میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے' تمہارے عزائم کیا ہیں' میں جانتا ہوں کہ تم غیر معمولی قوت ارادی کے مالک ہو' تمہارا مستقبل بھی مجھے بڑا روشن اور تابناک نظر آتا ہے۔ تم نے کچھ نہ کچھ تو ضرور سوچا ہوگا اپنے مستقبل کے بارے میں۔''

''میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے کرنل!'' میں نے اپنی سانسیں سمیٹ کر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''میرا مستقبل میرے ہاتھ میں نہیں' دوسروں کے پاس گروی رکھا ہے' میرے دوستوں کے ہاتھ میں' میرے دشمنوں کے ہاتھ میں' ان تینوں افسروں کے ہاتھ میں جو کسی دوسرے علاقے سے میرے مستقبل کا فیصلہ کرنے آئے ہیں۔ وہ چاہیں گے تو دو گھڑی سکون کا سانس لے سکتا ہوں' وہ ایسا ناپسند کریں گے تو پھر میرا مستقبل بھی میرے ساتھ ہی خاموشی کے ساتھ کسی اندھے کنویں میں دھکیل دیا جائے گا' میرا وجود ان کی بار خاطر پر گراں گزر رہا ہے' وہ میری چتا کو آگ لگا کر روشنی کرنے سے گریز کریں گے' اندھیرے بڑے سے بڑے جرائم اور ظلم و تشدد کو اپنے دامن میں چھپا لیتے ہیں پھر وہ خوامخواہ......''

''تم ٹریک سے ہٹ رہے ہو موہن!'' کرنل نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے تمہارے اور ریتا کے مستقبل کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔''

''کیا۔'' مجھے اپنی سماعت پر دھوکا ہوا' اب بات میری سمجھ میں آگئی تھی' کرنل اس وقت آفیسران کمانڈ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ریتا کے مجبور باپ کی حیثیت سے مجھ سے مخاطب تھا۔

کماری ہیما کی خودکشی کی داستان اڑتے اڑتے کرنل کے کانوں تک پہنچ گئی ہوگی' اسی کی روشنی میں اس نے ایک باپ بن کر ریتا کے بارے میں سوچا ہوگا' الجھی ہوئی ڈور کی گرہیں تیزی سے یکے بعد دیگرے کھلتی چلی گئیں۔ کرنل کو یہ اندیشہ لاحق ہوگا کہ کہیں ریتا' جس پر میرے سلسلے میں پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسی راستے پر قدم نہ رکھ دے جس سے ہو کر کماری ہیما سب کو غور و فکر کی کیفیتوں سے دوچار کر گئی تھی۔

کیسی دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ کرنل جو ہائی کمان کا سب سے قابل اعتماد نمائندہ تھا' ریاست راجے پور کی بساط کا سب سے قوی اور طاقت ور مہرہ تھا' کنور جگدیپ راج گدی کا ایک حقدار ہونے کے باوجود جس کے آگے پیچھے ہاتھ باندھے گھوم رہا تھا' جس کے سیاسی تدبر کے آگے مہارانی کی بھی پیش نہ چلتی تھی' آج وہی کرنل ریتا کے باپ کی حیثیت میں میرے سامنے سوالی بنا بیٹھا تھا۔ میرا دل پاگلوں کی طرح قہقہے بکھیرنے کو چاہ رہا تھا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا' یہ بھی ممکن تھا کہ میں نے تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالی ہو' پہلا رخ زیادہ بھیانک ہو سکتا تھا' یہ بھی ممکن تھا کہ کرنل نے مجھے چھاؤنی بلا کر یہ حکم دینا چاہا ہو کہ میں بھون واپسی کا ارادہ ترک کر کے اسی وقت ریاست راجے پور کی سرحدوں سے دور چلا جاؤں اور دوبارہ کبھی گھوم کر اس طرف نہ دیکھوں' اس کے جسم کی شریانوں میں خالص سفید نسل کا گاڑھا خون دوڑ رہا تھا' وہ بڑے اونچے عہدے پر فائز تھا' ریتا اس کی اکلوتی بیٹی تھی' وہ ریتا کا ہاتھ بھلا کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں میں کیسے دے سکتا تھا جس کے ماضی کا کوئی سراغ نہیں تھا جس کی حیثیت بظاہر ایک ادنیٰ ملازم کی سی تھی' جو قانون کو مطلوب تھا' جسے خود کرنل کے حکم پر چھاؤنی بلا کر ایک بار اس کی کھال بھی ادھیڑ ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ بھلا ریتا جیسی نازک' حسین اور بڑے باپ کی بیٹی کو ایک مشکوک کے ساتھ کس طرح وابستہ کیا جا سکتا تھا' میرا سر چکرانے لگا' میں گومگو کی کیفیت

دوچار تھا جب کرنل کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''میں محسوس کر رہا ہوں موہن داس کہ تم میرے بارے میں غلط اندازے قائم کرنے میں مبتلا ہو' میں بھی تمہاری جگہ ہوتا تو شاید وہی سوچتا جو تمہارے ذہن میں گونج رہا ہے لیکن میری بات کا یقین کرو' اس وقت میں تم سے ڈپلومیٹک گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔'' کرنل کے لہجے میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی تھی۔ ''یہ درست ہے کہ اس عہدے تک پہنچنے کی خاطر میں نے کئی دشوار اور مشکل محاذوں کو سر کیا ہے' بڑی سخت جدوجہد کی ہے' آگ اور خون کے دریا میں غوطے لگا کر یہ اعلیٰ منصب حاصل کیا ہے' جنگ و جدل کے میدان میں زندگی اور موت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی' ہمیں روز اول سے وحشی بننے کی تربیت دی جاتی ہے' دشمنوں کو روندتے چلے جانا ہمارا پہلا اور آخری اصول ہوتا ہے' میں تم سے بھی شرمندہ ہوں کہ ایک بار تمہیں بھی میرے اصولوں کا شکار ہونا پڑا۔'' کرنل نے بڑی فراخدلی سے شرمندگی کا اظہار کیا پھر سگار کا لمبا کش لگا کر بات جاری رکھی۔ ''میں یہ بھی تسلیم کرنے میں عار نہیں سمجھتا کہ کئی محاذوں پر وکٹری حاصل کرنے کے بجائے مجھے شکست فاش کا بھی سامنا ہوا ہے۔'' کرنل کے اندر کا باپ پھر بیدار ہونے لگا۔ ''ریتا بھی میری زندگی کا ایک ایسا ہی محاذ بن گئی ہے' میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوششیں کیں مگر وہ اپنے باپ کا حکم نہیں مانتی' وہ میری اکلوتی لڑکی ہے' میں نے دنیا میں سب سے زیادہ اسی کو چاہا ہے' لیکن وہ مجھ سے باغی ہوگئی ہے' وہ تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ میرے سامنے برملا تمہارا ذکر کرتی ہے' تمہاری محبت کا اعتراف کرتے اس کی زبان نہیں تھکتی' ریاست کے مخدوش حالات کے پیش نظر میں نے اس کے اور تمہارے رابطوں پر کچھ پابندیاں عائد کر دی تھیں مگر میں اس کے دل کی گہرائیوں سے تمہارا خیال نہیں نکال سکا۔''

میں گنگ بنا بیٹھا کرنل ہارڈنگ کی باتیں سنتا رہا' اس وقت وہ صرف ایک باپ نظر آ رہا تھا۔

''میری بات پر اعتماد کرو موہن داس' وہ کمزور اور چڑچڑی ہوگئی ہے اور میں...... میں اس کی خوشیاں بحال کرنے کی خاطر بہت دور جا سکتا ہوں' میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔'' وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بولا۔ ''تم جس طرح مناسب سمجھو میں ریتا کو تمہارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوں' ایک باپ کی حیثیت سے

مجھ سے جو ممکن ہوا اس سے دریغ نہیں کروں گا۔''

''کرنل۔'' میرا سر چکرانے لگا' اتنا بڑا اعزاز جو وہ مجھے بخشنا چاہتا تھا میری حیثیت کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا میری آواز میں رعشہ پیدا ہونے لگا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کرنل' آپ شاید میرے ماضی کے بارے میں.....''

''نہ کچھ جانتا ہوں نہ جاننا چاہتا ہوں۔'' کرنل نے مجھے بولنے نہیں دیا۔ ''مجھے تمہاری صلاحیتوں پر اعتماد ہے' اس کے علاوہ تم ریتا کی پسند ہو' ہم جس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں کھلے عام ایک دوسرے کو پسند کرنا معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا' میں نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی تمہیں یہاں بلایا ہے۔ میں جانتا ہوں' ریتا تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی' تم جو بھی' جیسے بھی ہو' میں ریتا کے لئے تمہارا انتخاب کر چکا ہوں' میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہو گے۔ جہاں باہمی محبت ہو' ایک دوسرے کے لئے دلوں میں گنجائش ہو وہاں کوئی دشواریاں نہیں پیدا ہوتیں' ماضی کچھ نہیں ہوتا اور مستقبل انسان خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کرتا ہے'۔

''آپ درست فرما رہے ہیں کرنل لیکن.....''

کرنل نے مجھے بات پوری نہیں کرنے دی' منتشر منتشر لہجے میں بولا۔ ''صرف ایک مسئلہ ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے' میں ایک بڑی ریاست کا آفیسران کمانڈ ہوں' ایک سفید فام نسل کا معزز فوجی آفسر ہوں' بظاہر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے' محبت میں ذات پات' رنگ اور نسل نہیں دیکھی جاتی لیکن میں نے اپنی پوری زندگی بڑے رعب و دبدبے اور وقار کے ساتھ گزاری ہے' تمہیں میری ایک درخواست قبول کرنی ہوگی۔ تم ریتا کو لے کر لندن چلے جاؤ' وہاں تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی' میرا ذاتی مکان ہے' نوکر چاکر ہیں' موٹر گاڑیاں ہیں' میری ایک بڑی جاگیر ہے جو تمہارے اور ریتا کے تصرف میں رہے گی' تمہیں کوئی خاص جدوجہد نہیں کرنی ہوگی۔'' کرنل نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میری بات کا غلط مطلب مت نکالنا موہن' لیکن تم بہر حال ایک مشکوک آدمی ہو' ریاست کے جو بڑے افراد تم سے نفرت کرتے ہیں وہ بھی میری نگاہوں میں ہیں' یہاں اگر تمہاری اور ریتا کی شادی ہوئی تو لوگوں کو میرا مذاق اڑانے کا بہانہ مل جائے گا' مجھے نظریں جھکا کر چلنا ہوگا' شاید ہائی کمان بھی اس

بات کو پسند نہ کرے لیکن ... لیکن اگر تمہیں میرا مشورہ قبول نہیں تو میں تمہارے فیصلے کو فوقیت دوں گا۔ ہاں میں ریتا کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں' اپنے عہدے کو ٹھکرا کر تم دونوں کے ساتھ لندن بھی جا سکتا ہوں۔''

کرنل نے اپنی نگاہیں میرے چہرے سے ہٹا کر ریتا کی تصویر پر مرکوز کر دیں جو آتش دان کے اوپر سنہری فریم میں لگی مسکرا رہی تھی' کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی' صرف میرا وجود ڈگمگا رہا تھا' میری سمجھ میں کوئی جواب نہیں آ رہا تھا' میں کیا جواب دیتا۔ ایک شخص جو خود اپنے ماضی کو دفن کرنے کسی اندھے کنویں کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا اس کی ذات سے کس کس نے توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔

ڈالی نے مجھے سہارا دیا پھر شاردا میری زندگی میں ایک خوشگوار اور معطر جھونکے کی طرح داخل ہوئی' حالات نے پارو اور میرے درمیان حجاب کے تمام پردے اٹھا رکھے تھے' وہ بھی میرے ساتھ دور جانے کے خواب دیکھ رہی تھی' ترنم نے محض میری خاطر تمام دنیا کے عیش و عشرت کو لات مار کر بھون میں سکونت اختیار کر لی تھی' پہلے وہ دنیا کو اپنے اشاروں پر نچاتی تھی۔ اب میرے اشارے کی منتظر تھی۔ اس کے بعد سندھیا کے دل میں نہ جانے کب میری محبت کی آگ بھڑک اٹھی' میری خاطر اس نے بڑی حویلی میں اندھا دھند فائرنگ کر کے اٹھارہ ہنستے بولتے انسانوں کو خون میں لت پت کر دیا' وہ بھی میرے لئے بھون کو خیر باد کہنے پر کمر بستہ تھی۔ بانو تھی جسے میں پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور بھی نہ جانے کون کون تھا جو میری خاطر خواب دیکھ رہا تھا' کس کس کا نام گنواؤں۔

میرا سر چکرانے لگا' کرنل اپنے خیالات میں گم تھا۔ میں نے اس کی محویت توڑی۔

''کرنل۔'' میں نے کچھ سوچ کر اسے مخاطب کیا۔ ''آپ میرے بزرگ ہیں ہمدرد ہیں۔ آپ نے میرے اور ریتا کے لئے جو سوچا ہوگا ٹھیک ہی ہوگا' میں آپ کے احسان کو تازیست فراموش نہیں کر سکتا لیکن کیا آپ مجھے سوچنے اور سمجھنے کے لئے کچھ مہلت دیں گے' میرے جیسے کمتر درجے کے انسان کے لئے اتنا بڑا فیصلہ کرنا آسان تو نہیں' کوئی آخری قدم اٹھانے سے پیشتر مجھے بھی بہت سارے نشیب و فراز کے بارے میں غور کرنا ہوگا۔''

''مجھے تم سے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی۔'' کرنل نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''جو لوگ بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں کوئی قدم اٹھاتے ہیں وہ اکثر بھٹک جاتے ہیں' تم خود مختار ہو' تمہیں اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے' میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا مگر میری صرف ایک درخواست ہے۔'' اس کے لہجے میں عاجزی اور انکساری تھی۔ ''یہاں سے رخصت ہونے سے پیشتر ریتا کو یہ یقین ضرور دلاتے جاؤ کہ میں اس کا باپ ہوں' مجھے اس کی ہر خوشی منظور ہے اور...... اسے دھوکے میں نہ رکھنا۔'' کرنل آخری جملہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں ریتا کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تم سے مل کر اسے یقیناً خوشی ہوگی' میری خواہش بھی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ خوش رہے' ہنستی مسکراتی رہے۔''

کرنل کے جانے کے کچھ دیر بعد ریتا دروازے پر نمودار ہوئی' وہ بہت دبلی اور جھٹکی ہوئی نظر آ رہی تھی' غزالیں آنکھوں میں اداسی کا راج تھا۔ وہ دروازے پر کھڑی مجھے حیرت بھری نظروں سے تکتی رہی' وہ حقیقت کو خواب سمجھ رہی تھی' جب خواب پر حقیقت کا گماں ہوا تو خوشی سے چیختی ہوئی لپکی اور میرے قدموں میں آ کر ڈھیر ہوگئی۔

''اوہ موہن۔ موہن' مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آ رہا' یہ تم ہو' تم ہی ہو نا۔''

مجھ سے اس کی اداسی نہیں دیکھی گئی' میں نے اسے قدموں سے اٹھا کر اپنی آغوش میں بھر لیا' اس کی آنکھیں برسنے لگیں' اس کے جسم کی گرمی میرے اندر بھی آگ لگا رہی تھی' ریتا کے بال بکھرے ہوئے تھے' اس کے چہرے پر کوئی میک اپ نہیں تھا وہ اجاڑ اجاڑ سی تھی پھر بھی اس کا سینہ میری محبت سے دہک رہا تھا۔ سادگی میں بھی اس کا حسن کھلے گلاب کی طرح مہک رہا تھا' میں بڑی دیر تک اسے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہا' کرنل کی واپسی کی امید نہیں تھی پھر بھی میں نے احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا' ریتا کو ذرا ہٹ کر بیٹھنے پر آمادہ کرنے کے بعد میں نے سرگوشی کی۔

''تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے' کبھی آئینے میں شکل دیکھی ہے۔''

''میں نے سارے آئینے توڑ دیئے ہیں موہن!'' وہ جذباتی ہوگئی۔ ''جب تم ہی نہیں تھے تو پھر میں کس کے لئے سنگھار کرتی۔''

''اب تو میں آ گیا ہوں۔''

''تم ٹھیک تو ہو موہن!'' وہ الجھنے لگی۔ ''مجھے بتاؤ موہن! تم خود آئے ہو یا

ڈیڈی نے تمہیں طلب کیا ہے' اگر تمہیں بلایا گیا ہے تو وہ تم پر اچانک اس قدر مہربان کیوں ہوگئے؟ اس میں کوئی مصلحت تو نہیں چھپی ہوئی ہے؟ ڈیڈی مصلحتوں کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے' اب مجھے بھی ان سے ڈر لگنے لگا ہے' مجھے یہاں سے کہیں دور لے چلو موہن! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی' میں نے ڈیڈی سے بھی تمہارے بارے میں صاف صاف باتیں کی ہیں' انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' نہ جانے ان کا فیصلہ کیا ہو۔؟''

''تمہارے ڈیڈی بہت اچھے' بڑے مہربان آدمی ہیں ریتا۔'' میں نے اسے مختصراً اپنی اور کرنل کی گفتگو سے آگاہ کیا' وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتی رہی' اسے شاید اتنی آسانی سے پتھر میں جونک لگنے کی امید نہیں تھی۔

میں بڑی دیر تک ریتا کو تسلیاں دیتا رہا۔ دوبارہ اپنا خیال رکھنے کی تلقین کرتا رہا' اس کے بالوں کی لٹ سے کھیلتا رہا' ہنسنے ہنسانے کی باتیں کرتا رہا' وہ بار بار اپنا سر میری گود میں رکھ دیتی' پھر وقت زیادہ ہوگیا تو میں نے ریتا سے دوبارہ جلدی آنے کا وعدہ کر کے اجازت چاہی' وہ مچل رہی تھی' مجھے روکنا چاہتی تھی' میں نے اسے اپنی مجبوریوں کا احساس دلایا تو حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی' میں نے کرنل کو اپنے جانے کی رسمی اطلاع کرائی پھر ریتا کو خوش رہنے کی تاکید کرتا اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے باہر آ گیا۔ ڈرائیور نے مجھے دیکھتے ہی مستعدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا' میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

گاڑی چھاؤنی سے نکل کر واپسی کے راستوں پر فراٹے بھرنے لگی۔ میرے ذہن میں سوشیل کا خیال تڑپنے لگا' اسے ٹھکانے لگانے کا ایک خوبصورت موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ کرنل کے ڈرائیور کو اعتماد میں لینا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ میں ابھی ان ہی خیالات میں غرق تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ پر کسی دوسرے ہاتھ کی گرمی محسوس کی' میرے پورے بدن میں جیسے بجلی دوڑ گئی' میرے ذہن میں کیچو کا تصور ابھرا' میں نے نظریں گھما کر دیکھا' مجھے کیچو کا ہیولا نظر نہیں آیا لیکن اس کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''تم نے معاملات کو سمیٹنے کے بجائے اور پھیلا رکھا ہے' اس طرح کب تک الجھے رہو گے۔''

''پھر میں کیا کروں۔؟'' میں تلملا کر رہ گیا۔

''میرے پاس چلے آؤ۔'' کیچو کی آواز میں لذت آمیز گنگناہٹ شامل ہوگئی۔ ''سادھو دیوراج کے کہنے پر عمل کرو۔''

''اور ان افسران کو فراموش کر دوں جو اپنے جال میں پھانسنے کی خاطر میرے دشمنوں سے میری زندگی کا سودا کرتے پھر رہے ہیں۔''

''میں جانتی ہوں تم سوشیل کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا چاہتے ہو' میں تمہاری یہ اچھا پوری کر سکتی ہوں' لیکن ایک شرط پر' اس کے بعد تم میرے پاس آجاؤ گے' دھرتی کے سارے بکھیڑوں کو ٹھکرا کر۔''

''مجھے منظور ہے لیکن......''

''تم کسی بات کی چنتا نہ کرو' کیچو تمہاری ہر مشکل آسان کر سکتی ہے پرنتو یاد رکھنا' اپنا وچن بھول مت جانا ورنہ مجھے تمہارا ہاتھ تھام کر اپنی طرف گھسیٹنا پڑے گا۔''

''مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' میں نے کیچو کی پراسرار شکتی سے مدد لینے کی خاطر وعدہ کر لیا۔

''اپنی آنکھیں موند لو'' کیچو نے سرگوشی کی۔ ''دو گھڑی میں تم اپنی منزل پر ہو گے۔''

پھر کیچو کے ہاتھ کی تپش دور ہو گئی' میں نے اس کی ہدایت کے مطابق آنکھیں بند کر لیں' میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کیچو کی ہدایت کے مطابق میں نے دو گھڑی گزرنے کے بعد آنکھیں کھولیں تو میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' کرنل کی گاڑی سوشیل کے بنگلے کے پورچ میں کھڑی تھی' ڈرائیور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے خراٹے نشر کر رہا تھا' میں گاڑی سے اتر کر تاریکی میں رینگنے لگا۔

سرخ اینٹوں سے تعمیر کی گئی وہ عمارت بیرسٹر پرشاد کی ملکیت تھی جو کسی زمانے میں جرائم کے مقدمے لڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا لیکن بیوی کی حادثاتی موت کے بعد وہ تنہا رہتا تھا۔ بیرسٹری کا پیشہ بھی اس نے ترک کر دیا تھا' اتنی کثیر دولت کا مالک تھا کہ تمام عمر گھر بیٹھ کر عیش و آرام کی زندگی گزار سکتا تھا۔ ریتا کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق سوشیل نے کسی پرانے حوالے سے اسی کے ہاں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ مجھے صرف ایک آدمی سے سروکار تھا لیکن دوسرے کی جانب سے

احتیاط بھی ضروری تھی' عمارت ایک منزلہ تھی۔ مجھے سوشیل کا کمرہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود سوشیل کی آواز نے میری مشکل آسان کر دی تھی۔

اس کا کمرہ اندر سے روشن تھا' وہ فون پر کسی سے اونچی آواز میں گفتگو کر رہا تھا' میں نے جالی کے سوراخ سے اندر جھانکا' اس کا کسرتی بدن نائٹ گاؤن میں بڑا دیدہ زیب لگ رہا تھا' آرام کرسی پر بیٹھا سامنے رکھی ہوئی میز پر پاؤں پھیلائے وہ دوسری طرف سے کی جانے والی کسی بات پر مسکرا رہا تھا' ایک ہاتھ میں ریسیور دوسرے میں شراب کا گلاس تھا جو ایک چوتھائی باقی رہ گیا تھا' بوتل میز پر رکھی تھی' ڈرائی فروٹ کی ایک پلیٹ اور برف کا جگ بھی نظر آ رہا تھا' ہنستے ہنستے اس نے شراب کا ایک چھوٹا گھونٹ حلق کے نیچے اتارا پھر بڑے معنی خیز انداز میں بولا۔

''تمہاری اسکیم بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن میں کوئی اوچھا ہاتھ ڈالنے کا مشورہ نہیں دوں گا......ہاں آں...... ہو بھی سکتا ہے مگر ایک بار وہ چوکنا ہو گیا تو مشکل سے ہمارے ہاتھ آئے گا...... کنور جگدیپ نے مجھے اور بھی ٹپس (Tips) دیئے ہیں' حالات کے تحت وہ ہمارے لئے تمام آسانیاں مہیا کرنے پر آمادہ ہے لیکن ہمارا آپریشن بہت سیکریٹ ہونا چاہیے' اس کا علم ہم تینوں کے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے' جگدیپ کو بھی نہیں...... ٹھیک ہے تم عیش کرو لیکن ہوش گنوانے کی حماقت مت کرنا...... مجھے علم ہے' آئی جی مہتا ایک تجربے کار اور خرانٹ آفیسر ہے' ایک وقت میں وہ ہر ایجنسی کے علاوہ مہاراجہ کو بھی خوش رکھنا چاہتا ہے...... میں سمجھ رہا ہوں' ہمارے آ جانے کے بعد اس نے جان بوجھ کر اس حرامی کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی ہوگی۔'' سوشیل کے چہرے پر خباثتیں رقص کرنے لگیں' میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے حرامی والا خطاب میرے لئے چنا تھا' وہ اپنے کسی ساتھی سے میرے خلاف کوئی خطرناک جال بچھانے کی باتیں کر رہا تھا' ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہم آئی جی مہتا پر یہی ظاہر کریں گے کہ اس کی اجازت اور پلاننگ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے' ہمارا ایکشن اتنا اچانک اور بھرپور ہوگا کہ آئی جی مہتا کے علاوہ راجکمار دنیش بھی ہکا بکا رہ جائیں گے...... گڈ' میں تمہاری بات سے متفق ہوں' لیکن ہمیں اس کے بارے میں بھی غور کرنے کے بعد ہی کوئی قدم بڑھانا ہوگا...... اوہ نو...... ایسی کوئی غلطی بھول

کر بھی نہ کرنا' تم شاید نہیں جانتے کہ کنور جگدیپ ہمارے آگے پیچھے کیوں ہے' دنیش کی طرح وہ بھی راج گدی کا ایک حقدار ہے...... ہاں' دنیش کو راستے سے ہٹانے کی خاطر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے...... یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہمارے خلاف بھی کچھ مواد جمع کر رہا ہو تاکہ بعد میں ہمیں بھی بلیک میل کر سکے...... میں تمہیں اس کے سائے سے بھی محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا' سراج کو بھی سمجھانا' خوبصورت اور حسین چھوکریاں اس کی کمزوری ہیں۔''

میرے خون کی گردش ہر لحہ تیز ہوتی جا رہی تھی' میرا شکار میری نظروں کے سامنے بیٹھا مجھے شکار کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا' کیسا دلچسپ مذاق تھا' موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اور وہ زندہ رہنے کی باتیں کر رہا تھا' ایک تیر سے کئی اہداف پر وار کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔

رانی پارو نے مجھے جو اطلاع دی تھی وہ غلط نہیں تھی' سوشیل کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے جگدیپ کے ساتھ کوئی لمبی سودے بازی کی ہے' میں نے ایک بار نظریں گھما کر دیکھا' کمروں کے درمیان راہداری بالکل سنسان تھی' مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ وہاں پر کوئی گارڈ بھی نہیں نظر آیا تھا' ہو سکتا ہے کیچو نے میرا راستہ صاف کر رکھا ہو' کرچھے والے پنڈت نے کئی بار اشاروں کنایوں میں مجھے یہ بات باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کیچو دھرتی اور آکاش کے درمیان سب سے مہان شکتی کی مالک ہے۔ اس کے ایک نہیں کئی روپ ہیں' کئی نام ہیں۔ وہ روپ اور رنگ بدلنے پر بھی پوری طرح قادر ہے' سادھو دیوراج بھی یہی کہتا تھا کہ کیچو کو پانے کیلئے' اس کے ایک درشن کے کارن نہ جانے کتنے پنڈت اور پجاری دور دراز کے گھنے جنگلوں اور پہاڑوں میں یا تو نراش ہو کر سورگ باش ہوگئے یا ابھی تک اپنے گیان دھیان میں جتے ہوں گے۔ اور ایک میں ہوں کہ کیچو بار بار میرے درشن کو آ جاتی ہے لیکن میں اس کی طرف سے نظریں پھرائے دھرتی کے ہنگاموں میں الجھا ہوا ہوں۔ ان کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن میں اس حقیقت سے بھی انحراف نہیں کر سکتا تھا کہ کیچو نے کئی بار ایک ہیولے کی صورت میں نمودار ہو کر میری جان بچائی تھی' اس نے مجھے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز دی تھی کہ دنیا کا کوئی بھی زہر میرے اوپر اثر نہیں کر سکتا

اس وقت بھی جب چھاؤنی سے واپسی پر میرے دل میں سوشیل کا دھیان آیا تو کیچو میری مدد کو آ گئی۔ وہ کون تھی؟ کیا تھی؟ کہاں سے آتی اور کہاں چلی جاتی تھی؟ میری ذات میں اس کی دلچسپی کا کیا مقصد تھا؟ میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا' اس کی پراسرار شخصیت کے حوالے سے چند باتیں ضرور میری زندگی سے وابستہ تھیں' ایک یہ کہ کیچو ہی کے نام کی وجہ سے میری بہن نے خود کو چھت سے لٹکا کر جان دی تھی' میرے باپ نے اپنے داماد کو گولی مار کر خود بھی خودکشی کر لی تھی' میرے گھر والوں میں سے ایک میرے سوا کوئی اور نہیں بچا۔ ایک بھائی تھا وہ اپنا ذہنی توازن کھو کر نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا پھر رہا تھا' میں بھی حالات کا شکار ہو کر در بدر بھٹکتا رہا' میرے اپنے بیگانے ہو گئے' بیگانوں نے میری سمت دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو تقدیر آڑے آ گئی۔ حالات کی گردش مجھے خزاں کی زد میں آئے ہوئے کسی حقیر تنکے کی مانند اڑاتی رہی پھر مجھے ڈالی اور گنڈے کا ساتھ نصیب ہوا' ڈالی مجھے ریاست راجے پور لے آئی' میں نے کئی روپ بدلے' کئی نام بدلے اور اب ایک ملازم کی حیثیت سے پرکاش بھون میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے علاوہ کیچو نے کئی موقعوں پر میری مدد کی تھی' جس وقت میں دریائے ہنگلی کی موجوں میں ڈوبنے جانا چاہتا تھا اس وقت بھی اس نے موت کے دہانے سے زندگی کی سمت واپس کھینچ لیا تھا' پرکاش بھون میں مجھے عزت دی گئی شاید اس میں بھی کیچو کے اشاروں کو دخل ہو۔ بہرحال میں اس کے بارے میں تفصیل سے کچھ بھی نہیں جانتا تھا' کبھی جاننے کی فرصت بھی نہیں ملی لیکن اس وقت کیچو نے جس انداز میں مجھے سوشیل کی خفیہ رہائش گاہ تک پہنچایا تھا وہ میرے لئے بے حد حیرت انگیز تھا۔

میں نے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ کی ہول سے اندر جھانکا' ریسور ابھی تک سوشیل کے ایک ہاتھ میں تھا' دوسرے سے وہ اپنے لئے ایک نیا جام تیار کر رہا تھا' میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا' دنیش کی آنکھ کھل گئی ہو گی تو اس کے ہرکارے مجھے بھون میں چاروں طرف تلاش کر رہے ہوں گے' ڈالی جب انہیں بتائے گی کہ گنڈے کی طبیعت ٹھیک ہے تو شاردا میرے جھوٹ کو کئی زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کرے گی۔ باہر کرنل ہارڈنگ کا ڈرائیور بھی کسی وقت ہوش میں آ سکتا تھا۔
مجھے جو کچھ کرنا تھا اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن ریسور کی سوشیل کے

ہاتھ میں موجودگی مجھے روک رہی تھی' شاید اس نے سلسلہ منقطع نہیں کیا تھا' مجھے دیکھ کر وہ اپنے ساتھی کو میرے نام سے باخبر کر دیتا تو میرے راستے اور زیادہ مخدوش ہو جاتے' میرے اندر کشمکش ہونے لگی' تناؤ کی کیفیت میں بتدریج اضافہ ہونے لگا' میں نے دستی گھڑی پر نظر ڈالی رات کا سوا ایک بج رہا تھا۔

دوسرا پیگ تیار کرنے کے بعد سوشیل نے ایک اور لمبا گھونٹ حلق کے اندر انڈیلا پھر ریسیور کان سے لگا کر بولا۔ ''کیا تم اپنا ضروری کام کر چکے۔'' اس کے ہونٹوں پر بڑی غلیظ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ''ٹھیک ہے...... اب میں بھی کچھ دیر آرام کروں گا...... او کے' کل ملیں گے' بائی۔''

سوشیل نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو پستول کے دستے پر میری انگلیوں اور ہاتھ کا دباؤ بڑھ گیا۔ میں نے سوچا اگر دروازہ اندر سے بند ہوا تو مجھے کوئی ایسا موثر طریقہ اختیار کرنا ہوگا کہ میرے شکار کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔

''میر جمشید عالم......'' میرے کانوں میں کیچو کی آواز سرسراتی ہوئی ابھری۔ ''دروازہ بند نہیں ہے' تمہارے کارن میں نے ڈھیر ساری آسانیاں پیدا کر دی ہیں' تم قسمت کے دھنی ہو موہن داس کہ کیچو تمہارے لیے بیاکل ہے اور تم دور دور بھاگ رہے ہو لیکن اب زیادہ سے نہیں بیتے گا کہ تم میرے روبرو ہو گے۔ مجھے جو وچن دیا ہے اسے بھول مت جانا۔''

میں نے کیچو کی بات کا جواب نہیں دیا' اس نے دروازے کے کھلے ہونے کی نوید سنا کر مجھے نہال کر دیا تھا۔ سوشیل فون بند کرنے کے بعد آرام کرسی پر نیم دراز کسی سوچ میں غرق تھا جب میں تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا' شراب اس کے حلق میں اترنے کے بجائے فرش پر بچھے قیمتی قالین میں جذب ہو گئی' وہ کسی زخمی درندے کی مانند اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن بندہ سمجھدار تھا' میرے ہاتھ میں بے آواز پستول دیکھ کر اس نے کوئی حماقت نہیں کی' دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر لئے' کینہ توز نظریں میرے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

''نمسکار سوشیل جی!'' میں نے الٹے ہاتھ سے دروازہ بند کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''تم......'' اس کے تیور خطرناک ہونے لگے۔

''سیوک کو موہن داس کہتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلوایا۔ ''پرکاش بھون [illegible]یں ہماری ایک ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔''

''یہاں کس لئے آئے ہو؟''

''میں نے سوچا آپ بڑی دور سے میری خاطر چل کر آئے ہیں' آپ کو [illegible]م کراوں۔'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''کیا میرا یہاں آنا آپ کو اچھا نہیں [illegible]''

''یہ بات میرے ریکارڈ پر ہے کہ تم......''

''ہاتھوں کو کیوں کشٹ دے رہے ہیں مہاراج!'' میں نے اسے بات نہیں [illegible]پوری کرنے دی۔ ''ہم آرام سے بیٹھ کر بھی بات کر سکتے ہیں۔''

''تم نے شیر کی کچھار میں گھسنے کی حماقت کر کے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔'' [illegible]ں نے ہاتھ نیچے کر کے مجھے ڈرانے کی کوشش کی۔ ''میرے خفیہ آدمی اب تک تمہیں [illegible]گھیر چکے ہوں گے۔''

''کس جرم میں۔'' میں نے معصومیت سے پوچھا۔

''تمہارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے موہن داس! لیکن ابھی ہمارے [illegible]ں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔'' سوشیل نے قلابازی کھائی' مجھے بہلانے کی خاطر اصول [illegible]ں کا لبادہ اوڑھ کر سلجھے ہوئے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ تم جس راستے [illegible]ے آئے ہو اسی سے واپس لوٹ جاؤ' میں اپنے آدمیوں سے کہہ دوں گا کہ میں نے [illegible]تمہیں ایک ضروری کام سے بلایا تھا۔''

''اور راجکمار جگدیپ سے کیا کہیں گے؟''

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا۔

''میں نے بلاوجہ رات کالی نہیں کی ہے مسٹر سوشیل۔'' میرے اندر کا زہر ابلنے [illegible]لگا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم نے جگدیپ سے میرے سر کا مول لیا ہے لیکن تم یہ کیوں [illegible]بھول گئے کہ ہر شخص کے اپنے بھی کچھ ذرائع ہوتے ہیں۔''

''تمہیں کسی نے میرے خلاف بہکانے کی کوشش کی ہے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے فون پر شاید مسٹر کیول سے کسی حرامی کی بات کر رہے تھے' [illegible]کیا تم مجھے اس حرامی کا شبھ نام بتانے کی زحمت گوارا کرو گے؟'' میں نے اسے بے رحم

نظروں سے گھورا۔ ''تمہاری یادداشت اگر کمزور ہو تو میں تمہیں اس کا نام بتادوں۔''

اس کی آنکھوں میں موت کے سائے ابھر کر گڈمڈ ہونے لگے' ایک لمحے
وہ میرے سلسلے میں بڑی لفاظی کا مظاہرہ کر رہا تھا' اب موت کا تصور اس کی آنکھ
سے جھانک رہا تھا۔'

''اس کا نام موہن داس ہے۔'' میں نے سرد آواز میں کہا۔ ''کچھ لوگ اسے
ایرانی نژاد پروفیسر زاہدی کے نام سے بھی جانتے ہیں' ایک آبروباختہ عورت اسے شیخا
کے نام سے پکارتی ہے' اس کے اور بھی بہت سارے نام رکھے گئے ہیں' تم نے حاجی
کا نام دے کر اپنی بھڑاس نکال لی لیکن......''

''میری پوری بات سن لو موہن داس......'' اسے خطرہ تھا کہ میں کہیں گولی
داغنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کر بیٹھوں' اس کا لہجہ بجھتے دیئے کی لو کی طرح کپکپانے
لگا۔ ''میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ ہم تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔''

''میں کیسے وشواس کر لوں۔''

''تم اپنے اطمینان کی خاطر جو شرط بھی رکھو مجھے منظور ہے۔'' اس نے زندگی
کی آس میں بڑی فراخدلانہ پیشکش کی۔

''ریاست میں آنے کے بعد تمہیں میرے خلاف کوئی فائل بھی دی گئی
ہے؟'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''ہاں' ہاں...... میں وہ فائل تمہارے سامنے جلانے کو تیار ہوں۔''

''گڈ......'' میں حقارت سے مسکرایا۔ ''فائل تو تمہارے پتا بھی جلانے کو تیار
ہو جائیں گے لیکن اپنی اس کھوپڑی کا کیا کرو گے جس میں تمہارے خریدار راجکمار
جگدیپ نے میرے خلاف زہر بھر دیا ہے۔''

سوشیل جواب میں تھوک نگل کر رہ گیا' اس کی نظریں بار بار اپنے بستر کی
جانب لپک رہی تھیں جہاں شاید تکیے کے نیچے اس کا ریوالور موجود ہوگا' اس کا اور بستر
کا فاصلہ چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا لیکن اس فاصلے کو عبور کرنے کی خاطر اسے موت کی
آنکھوں میں دھول جھونکنا بھی ضروری تھا' مگر میں پوری طرح چوکس تھا۔

''کیا تم میرے ایک سوال کا جواب دینا پسند کرو گے۔''

''کیا۔'' اس کی مردہ نظروں میں پھر امید کی ایک کرن ٹمٹمائی۔

''تم نے جگدیپ کے ساتھ جو سودے بازی کی ہے اس میں کیا سراج اور
کیول بھی شریک ہیں۔''

''نہیں۔ انہیں میری اور راجکمار جگدیپ کی خفیہ باتوں کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''تم نے سچ بول کر اچھا کیا' اپنے دو ساتھیوں کو موت کے منہ سے بچا لیا۔''

''موہن داس' تم میری ایک بات......تت......تت......''

میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا' میں نے یکے بعد دیگرے دو گولیاں داغیں'
میرا نشانہ پکا تھا' ایک گولی اس کے سینے پر لگی' دوسری نے پیشانی کو چھیلا تو خون بھل
بھل ابلنے لگا' وہ کسی کٹے ہوئے تناور شہتیر کی مانند اوندھے منہ فرش پر ڈھیر ہوگیا' میں
تیزی سے پلٹا' راستے میں بھی کسی نے مزاحمت نہیں کی' میں تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل کر
کرنل ہارڈنگ کی فلیگ والی کار میں بیٹھ گیا' ڈرائیور بدستور خراٹے لے رہا تھا' مگر
میرے بیٹھتے ہی وہ یکلخت بیدار ہوگیا' گاڑی سرخ اینٹوں سے بنی عمارت سے باہر نکلنے
لگی تو میں نے ایک مسلح گارڈ کو فرش پر پڑے دیکھا' ڈرائیور کھلے پھاٹک سے گاڑی
نکالتا ہوا باہر آ گیا' ایک لمحہ بعد گاڑی پرکاش بھون کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔

میں ڈرائیور کے بارے میں سوچنے لگا' وہ میرے خلاف ایک اہم گواہ ثابت
ہو سکتا تھا' میں نے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کی ایک خون اور سہی' لیکن کیچو کی آواز
نے مجھے بروقت روک دیا۔

''مورکھ مت بنو۔ ڈرائیور کا ذہن اس سمے میرے قبضے میں ہے۔''

''تم کون ہو...... کیوں میری مدد کر رہی ہو۔'' میں نے ایک بار پھر کیچو کو
کریدنے کی کوشش کی۔ ''ایک طرف تم نے میری زندگی برباد کر دی اور دوسری طرف
دوستی کا دم بھر رہی ہو۔ میں تمہیں کیا سمجھوں؟''

''سمے کا انتظار کرو' سب تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔''

میں نے اسے دوبارہ آواز دی' دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں موصول ہوا'
شاید وہ جا چکی تھی یا اس نے میری بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

گاڑی بھون کے پچھواڑے رکی تو میں نے پھر چور راستہ اختیار کیا' دیواروں'
درختوں اور پاکھوں کی آڑ لیتا اس کمرے تک کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا جہاں دنیش محو
خواب تھا' شاردا اس کے سرہانے رکھی آرام کرسی پر بیٹھی بیٹھی سو گئی تھی۔ میں خاموشی

سے ملحقہ کمرے میں آ کر بستر پر ڈھیر ہوگیا' غنودگی بڑی سرعت سے میرے ذہن پر مسلط ہو رہی تھی' میں نے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

دوسری صبح شاید میں دیر تک سوتا رہتا' شاردا نے مجھے جھنجوڑ کر جگایا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' دن خاصہ چڑھ چکا تھا اور شاردا...... اس کی آنکھوں سے رات کا خمار جاگ رہا تھا' پریشانی اور الجھن کے تاثرات بھی نمایاں تھے۔ شاید وہ بھی اپنی مرضی سے بیدار نہیں ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے شاردا؟'' میں نے یوں ہی برسبیل تذکرہ پوچھ لیا۔ ''تم پریشان نظر آ رہی ہو؟''

''غضب ہوگیا موہن۔'' وہ بے چینی سے بولی۔ ''ابھی ابھی دنیش کو کسی نے فون پر اطلاع دی ہے کہ جو تین اعلیٰ افسران بڑی حویلی کے سانحے کی تفتیش کے لئے بلائے گے تھے ان میں سے ایک رات کو قتل کر دیا گیا۔''

''کون۔؟'' میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

''شاید سوشیل نام تھا اس کا۔'' شاردا نے کہا۔ ''دنیش بھی پریشان ہے' تمہیں یاد کر رہا تھا اس لئے میں نے جگا دیا' گڈے کی طبیعت کیسی ہے؟ رات تم کس وقت آئے' مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔''

''تم سو رہی تھیں اس لئے میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا' گڈا پہلے سے بہتر ہے۔''

میں شاردا کی بات کا جواب دیتا دنیش کے کمرے میں داخل ہوا' کماری ہیما کی موت نے اسے پہلے ہی ہلکان کر رکھا تھا' سوشیل کے قتل کی خبر نے سونے پر سہاگے کا کام کر دیا' بڑا مضطرب اور جھلایا جھلایا نظر آ رہا تھا۔

''تم نے سنا موہن۔'' مجھے دیکھ کر اس نے وحشت سے کہا۔ ''کسی نے سوشیل کو رات گولی مار دی' وہ بیرسٹر پرشاد کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا' پھاٹک پر گارڈ بھی تھا لیکن قاتل اپنا کام کر گیا' اب پریشانیاں بڑھ جائیں گی' وہ پھر سے گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کریں گے۔ ملازموں کو حراست میں لے کر ان پر کوڑے برسائے جائیں گے کسی نہ کسی پر تو خون کا الزام تھوپا جائے گا' دشمنوں کو پھر زبان چلانے کا اور زہر اگلنے

کا موقع مل جائے گا۔''

''آپ کو قتل کی اطلاع کہاں سے ملی؟'' میں نے پوچھا۔

''انسپکٹر کھنا میرے اعتماد کا آدمی ہے' وہ بتا رہا تھا کہ اس وقت سوشیل کے باقی دونوں ساتھی آئی جی مہتا اور دوسرے بڑے افسروں کے ساتھ سر جوڑے بیٹھے ہیں' انہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار ہے' ریاست سے باہر جانے والے تمام راستوں پر پولیس کا پہرہ اور سخت کر دیا گیا ہے' کھوجی کتے بھی چھڑوائے گئے ہیں۔''

''شک کس پر کیا جا رہا ہے۔؟'' شاردا نے بجھی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''کچھ نہیں معلوم۔'' دنیش نے شانے اچکائے۔ ''ان کا نزلہ کسی پر بھی گر سکتا ہے۔''

اسی وقت رانی پارو کمرے میں داخل ہوئی' اس کی نگاہوں سے اضطراب چھلک رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے قدرے اطمینان کا سانس لیا' سوشیل کے قتل ہونے کی اطلاع اس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے پارو سے سوشیل کا پتہ نہیں حاصل کیا تھا' کیا ہوتا تو وہ بھی مجھ پر شک کرنے میں حق بجانب ہوتی۔ شاردا اور پارو دونوں کی نگاہیں بار بار میری جانب اٹھ رہی تھیں' دونوں کے ذہن میں شاید ایک ہی خطرہ سانپ بن کر کلبلا رہا تھا' پھن کاڑھے بیٹھا تھا' پولیس کے اعلیٰ افسران آئیں گے اور مجھے پھر ساتھ لے جائیں گے۔ دنیش نے پہلے بھی میرے سلسلے میں واویلا مچایا تھا' اس بار بھی ہذیانی انداز میں میری پشت پناہی کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا لیکن وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مجھے اپنی حراست میں لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ دنیش پر راجکماری ہیما کی جوان موت ہی کسی قیامت سے کم نہ تھی کہ سوشیل کی خبر سن کر اور وحشت زدہ ہوگیا۔

میں اپنی جگہ مطمئن تھا' اس بار دنیش کی کوششیں ہی نہیں آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ بھی گواہی دے گا کہ اس نے گزشتہ رات مجھے اپنی گاڑی میں چھاؤنی بلوایا تھا' ریتا اس کی اکلوتی لڑکی تھی جسے وہ میرے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس بات کو کس طرح گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی حکومت میں کوئی دوسری ایجنسی میری عزت کی دھجیاں بکھیرے۔ میں نے کرنل کی دعوت پر یہ بات اس کے گوش گزار کر دی تھی کہ ریاست کے حالات سازگار نہیں ہیں' میرا بھون سے نکلنا نامناسب ہوگا' خود کرنل نے

ضمانت دی تھی کہ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ شاردا گواہی دے گی کہ میں نے گزشتہ رات بھون میں دنیش کے ملحق کمرے میں گزاری تھی۔ درمیان کا کچھ وقفہ اس کے علم میں نہیں تھا' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے گڈے کی طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کرکے سوشیل کو قتل کرنے کی خاطر بھون سے باہر جانے کا بہانہ تراشا ہوگا۔ کیچو نے بھی مجھے اطمینان دلایا تھا کہ اس نے میرے راستے کی تمام رکاوٹیں دور کر دی ہیں' سادھو دیوراج جیسا بلند قامت شخص بھی یہی کہتا تھا کہ کیچو کی طاقت لازوال ہے۔ میں دھرتی کے چکروں میں الجھ کر اپنا سے برباد کر رہا ہوں۔ دنیش بڑی دیر تک سوشیل کے قتل کے امکانات اور مجرموں کے سلسلے میں ذہنی ورزش کرتا رہا' وہ سب میری خاطر پریشان تھے' مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔

''موہن!'' پارو اپنے اوپر قابو نہ پا سکی تو دنیش کی موجودگی ہی میں پوچھ لیا۔ ''رات تم کہاں تھے؟''

''یہ رات یہیں تھا۔'' میرے بجائے شاردا نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''ابھی کچھ دیر پہلے میں نے دنیش کے کہنے پر اسے بیدار کیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ شاید وہ تمہیں ٹٹولنے کی خاطر بھون کا رخ کریں گے۔'' دنیش نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے آس پاس ہی رہنا' بغیر بلائے ان کے سامنے مت آنا اور بلاوجہ ان سے الجھنے کی حماقت سے بھی گریز کرنا۔''

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے دنیش بابو!'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میری خاطر پریشان نہ ہوں' جو ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''کیا دیکھا جائے گا۔'' اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ ''اس بار وہ تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ میں مہاراجہ سے براہ راست بات کروں گا' ان کو کھل کر باور کرا دوں گا کہ اس بار اگر پولیس کے افسران نے تمہیں لے جانے کی ضد کی تو بات بڑھ سکتی ہے۔ میں نے ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں' اس بار اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے' بار بار خون کا گھونٹ پی کر خاموش نہیں رہا جا سکتا' انہیں میری حیثیت اور مرتبے کا خیال کرنا پڑے گا ورنہ نتائج خراب بھی ہو سکتے ہیں۔''

''آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے دنیش بابو۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں

بنتی کرتا ہوں کہ اس بار آپ مجھے بولنے کا موقع دیں' بلاوجہ ایک کم تر درجے کے شخص کی خاطر آپ اپنی پوزیشن......''

''چپ ہو جاؤ موہن! میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔'' اس کے غصے میں بے پناہ اپنائیت تھی۔

''دنیش ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' شاردا نے مجھے گھورا۔ ''تمہیں درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔''

دو گھنٹے اور گزر گئے' دنیش کے اندیشے غلط نہیں ثابت ہوئے' اس کے خاص ملازم نے اطلاع دی کہ آئی جی مہتا باہر سے آنے والے افسران کے ساتھ ملاقاتی کمرے میں موجود ہے' دنیش ہونٹ چباتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے لباس تبدیل کرنے کی زحمت بھی نہیں گوارا کی' میں نے اس کے تعاقب میں قدم اٹھائے تو شاردا نے پارو کی موجودگی میں میرا ہاتھ تھام لیا۔

''دنیش نے کہا تھا کہ جب تک تمہیں بلایا نہ جائے تم ان کے سامنے نہیں جاؤ گے۔''

''شاردا کا خیال ٹھیک ہے۔'' پارو نے میری طرف دیکھا۔ ''تمہیں شانت رہنا ہوگا' دنیش حالات کو سنبھال لیں گے' تم سامنے جاؤ گے تو آنے والے بھڑک بھی سکتے ہیں۔''

''میں ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتا ہوں کہ اس سمے مجھے نہ روکیں۔'' میں نے شاردا اور پارو کو باری باری دیکھ کر گزارش کی۔ ''مجھے دنیش بابو سے دور نہ رکھیں' اس وقت انہیں میری ضرورت ہے' کماری ہیما کا زخم ابھی تازہ ہے' آنے والے بے رحم اور ظالم لوگ ہیں' وہ میری وجہ سے ان کے دل کے گھاؤ پر نشتر برسانے سے باز نہیں آئیں گے۔''

پارو اور شاردا نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن میرے اوپر وحشت طاری ہو رہی تھی' ان کے منع کرنے کے باوجود میں قدم بڑھاتا ملاقاتی کمرے میں داخل ہو گیا۔ آئی جی مہتا کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گیا' سراج اور مسٹر کیول کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔ ان کا ایک ساتھی مارا گیا تھا' وہ مجھ پر قاتل ہونے کا شبہ کر رہے تھے' مجھے اپنی نظروں کے سامنے کس طرح برداشت کر سکتے تھے'

میں نے باری باری سب کو دیکھا پھر دنیش کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ دنیش میری موجودگی سے سٹپٹا گیا' اسے میری سرکشی پسند نہیں آئی' قبل اس کے کہ وہ سب کی موجودگی میں مجھے اندر جانے کا حکم دیتا آئی جی مہتا بول پڑا۔

''موہن داس! ہم تم سے کچھ پوچھنے آئے ہیں۔'' بظاہر اس کے لہجے میں بغض و عناد نہیں تھا لیکن دیکھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے کہنا چاہ رہا تھا۔ 'دیکھا موہن داس ! تم نے میرا مشورہ نہ ماننے کا نتیجہ' میں نے اسی کارن تمہیں راجے پور کی ریاست سے دور چلے جانے کا مشورہ دیا تھا' تم نے میری بات نہیں مانی' برا کیا' اب نافرمانی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔'

''میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔'' میں نے خود کو حالات سے نبردآزما ہونے پر آمادہ کرلیا۔ ''آپ جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔''

''تم کل رات کہاں تھے؟'' آئی جی مہتا کے بجائے سراج نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے۔'' میں سراج کی نظروں میں نظریں ڈال کر سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''مجھے کل رات کہاں ہونا چاہیے تھا؟''

''مسٹر موہن!'' کیول کے تیور خطرناک ہونے لگے۔ جو کچھ پوچھا جا رہا ہے اس کا سیدھا سیدھا جواب دو' ہم راجکمار دنیش چندر کے بھون میں بیٹھے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم ہماری حیثیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرو' ضروری تفتیش اور قانون کے تقاضے پورے کرنے کی خاطر ہم تم کو ہیڈ کوارٹر بھی طلب کر سکتے ہیں۔''

''میں اس بار ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' دنیش نے آئی جی مہتا سے براہ راست مخاطب ہونا مناسب سمجھا۔ ''اس سے پیشتر بھی میرے خاص آدمیوں کو بلاوجہ پریشان کیا جا چکا ہے' موہن کے بارے میں' میں یہ بات پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہ میرا ملازم نہیں' میرا دست راست ہے' میں اسے ایک دوست' ایک وفادار رشتے دار کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ حضرات کو جو بھی دریافت کرنا ہو وہ میری موجودی میں بھی پوچھا جا سکتا ہے' بار بار تشدد سے کام لیا گیا تو میں بھی بہت اوپر تک جا سکتا ہوں۔''

''ہمیں آپ کی حیثیت اور اثر و رسوخ کا اندازہ ہے راجکمار دنیش! ہم یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ آپ سلجھی ہوئی طبیعت کے ایک اصول پسند آدمی ہیں۔'' آئی جی

مہتا نے بگڑی ہوئی پوزیشن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''ہمیں اس بات کا احساس بھی ہے کہ ہم آپ کو غلط موقع پر زحمت دینے آگئے لیکن ہمیں کچھ اہم نوعیت کی قانونی پیچیدگیاں درپیش ہیں' کل رات پولیس کے باہر سے آئے ہوئے ایک ذمہ دار آفیسر مسٹر سوشیل کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے اور .....''

''آپ حسب معمول پھر موہن داس ہی کو کھیدنے آگئے۔'' دنیش نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا پولیس ریاست راجے پور میں ہونے والے تمام قتلوں کا ذمہ دار صرف ایک ہی شخص کو سمجھ رہی ہے؟ کوئی دوسرا مشکوک آدمی آپ کو نظر نہیں آتا؟''

''جہاں تجوریوں کے منہ کھلے ہوں وہاں گندی نالی کے کیڑوں کو بھی معزز اور صاحب حیثیت سمجھا جاتا ہے۔'' میں بے قابو ہوگیا۔ ''ایسے پوتر اور مہاپرشوں پر کوئی بہتان نہیں لگایا جاتا' جھک جھک کر پرنام کیا جاتا ہے' دیوتا جان کر ان کی آرتی اتاری جاتی ہے' ہر طرف جے جے کار ہوتی ہے' کوئی ان پر انگلی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا' پیٹ کی آگ بجھانے کے کارن بھوجن کا ایندھن درکار ہوتا ہے' مایا کے پجاری ایسے پوتر استھان پر ڈنڈوت کرتے ہیں' اپنے پیٹ پر کون لات مارتا ہے۔ میں' آپ' سب جانتے ہیں کہ دھن اس دھرتی کی سب سے بڑی شکتی ہے۔'' میری زبان میں ہونے والی کھجلی شدت اختیار کرنے لگی' دنیش مجھے حیرت سے گھورنے لگا۔ آئی جی مہتا سمجھدار شخص تھا' مجھے بار بار اشاروں اشاروں میں خاموش ہونے کی تلقین کرتا رہا۔ سراج اور مسٹر کیول انگاروں پر لوٹ رہے تھے' ان کا بس چلتا تو شاید میری زبان گدی سے کھینچ کر اپنے جوتوں تلے مسل دیتے' لوہے کو لوہا کاٹتا ہے' وہ بھی راجکمار دنیش کی وجہ سے خون کے گھونٹ پی رہے تھے' میرے اندر کا آتش فشاں اپنا لاوا ابلتا رہا۔

''پہلے بھی کئی بار مجھے کانٹوں میں گھسیٹا گیا' لہولہان کیا گیا' تشدد کے ذریعے میری چمڑی پر کوڑے برسائے گئے' لیکن نتیجہ کیا نکلا' قاتل کہاں چھپ گیا؟ اسے تلاش کرکے پھانسی پر لٹکانے کے بجائے فائلیں بند کیوں ہوگئیں؟ ہر بار تان میرے ہی اوپر کیوں ٹوٹتی ہے؟ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ مجھے کیا جینے کا ادھیکار نہیں رہا؟ اگر قانون کی نظروں میں صرف میں قاتل ہوں تو ایک بار ہی مجھے گولیوں سے چھلنی کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ بار بار اذیتوں سے دوچار کرکے اعلیٰ کارکردگی کے ڈھونگ کیوں رچائے جاتے

ہیں؟ چور سپاہی کا یہ کھیل کیوں نہیں ختم ہوتا؟ کس کی خوشنودی حاصل کی جا رہی ہے؟ کٹھ پتلیاں ناچ رہی ہیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ڈور کا سرا کس کے ہاتھ میں ہے' ایسے ہی حالات باغیوں کو جنم دیتے ہیں پھر پولیس کی نفری میں اضافہ کر دیا جاتا ہے' نئی جیلیں اور حوالات تعمیر کئے جاتے ہیں' یہ سارے ڈرامے کب تک جاری رہیں گے؟ ان کا انت کب ہوگا...... ہوگا بھی یا نہیں۔"

"راجکمار دنیش چندر!" سراج نے تلملا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔" میری طرف خونخوار نظروں سے گھور کر بولا۔ "مسٹر موہن داس کی گفتگو بتاتی ہے کہ یہ ریاست راجے پور کے بہت سارے پیچ وخم سے واقفیت رکھتے ہیں' ہمیں ایک ایسے ہی باخبر آدمی کی ضرورت ہے جو ہماری رہنمائی کر سکے۔" اس کے لہجے میں کینہ چھلک رہا تھا' جملوں میں زہر کی آمیزش تھی' اندر شاید انتقام کی آگ سلگ رہی ہو' نپے تلے لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے ہمیں آپ کی اجازت سے انہیں اپنے ہیڈ کوارٹر بلانا پڑے۔"

سراج کے علاوہ مسٹر کیول کے تیور بھی اچھے نہیں تھے' میری باتوں نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ آئی جی مہتا کئی بار کسمسایا' دنیش کی کیفیت سب سے مختلف تھی' ان کے آنے سے پیشتر اس نے مجھے زبان قابو میں رکھنے کو کہا تھا مگر اب وہ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا' شاید میں اس وقت اس کا ترجمان بن گیا تھا۔ بڑے عرصے سے جو باتیں کہنے کو اس کی زبان ترس رہی تھی وہ آج میں کہہ گیا تھا۔

"نہیں مسٹر سراج!" میں نے سراج کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اب میں آپ کے ہیڈ کوارٹر نہیں آؤں گا' آپ کو میرے تعاون کی ضرورت ہو تو آپ کو خود زحمت اٹھانی پڑے گی' کنواں پیاسے کے پاس کبھی نہیں جاتا' جس کو پیاس لگی ہو' حلق میں کانٹے چبھ رہے ہوں اسے خود چل کر کنویں کے پاس جانا پڑتا ہے۔"

"موہن داس!" مسٹر کیول کی قوت برداشت بھی جواب دے گئی۔ "ہمیں ہماری طاقت کا احساس دلانے کی غلطی مت کرو' ہمارا دائرہ اختیار تمہاری سوچ سے زیادہ وسیع ہے' ہم ضلع کمشنر سے بھی رجوع کر سکتے ہیں' اس کے بعد سب مجبور ہو جائیں گے' اس کا آخری جملہ دنیش چندر کیلئے تھا۔ دنیش کا چہرہ سرخ ہو گیا' اس نے کچھ تلخ بات کہنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے مہلت نہیں دی۔

"دھیرج رکھیے مسٹر کیول!" میں نے لوہے کو گرم دیکھ کر ایک اور کاری ضرب لگائی۔ "اتنی جلدی نراش ہونے کی بھی کیا ضرورت ہے' ابھی تو آپ آئے ہیں' اطمینان سے پدھاریئے' کچھ جل پانی' ٹھنڈا گرم پیجئے اس کے بعد کھل کر باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

آئی جی مہتا صورت حال کی کشیدگی دیکھ کر سٹپٹانے لگا۔

"راجکمار دنیش چندر!" سراج نے براہ راست دنیش سے کہا۔ "آپ اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے خاص آدمی نے کس طرح ہمارا سواگت کیا ہے۔ ہمارا ایک آدمی مارا گیا ہے' ہم تفتیش کی غرض سے آپ کا تعاون حاصل کرنے آئے تھے لیکن......" وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر میری طرف گھورنے لگا' اس کے اندر میری باتوں سے جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی ٹیسیں میں دور سے محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں' میں گواہ ہوں۔" دنیش نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میں اس سچائی کی گواہی دنیا کی کسی بھی عدالت میں بڑے سے بڑے جج کے رو برو دینے کو تیار ہوں کہ جب بھی کوئی واردات ریاست میں ہوئی سب سے پہلے موہن داس' میرے دست راست' میرے اعتماد کے خاص آدمی کو اس میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی' کوئی ثبوت نہ ملنے کے کارن اسے چھوڑ دیا گیا لیکن بار بار اسی ایک شخص کو حوالات بلا کر اس کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا' آخر کیوں؟ کن وجوہات کے باعث صرف میرے ہی ایک آدمی کو نشانہ بنایا جاتا ہے؟ میں عدالت میں بھی یہ سوال ضرور پوچھوں گا کہ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جو پولیس افسران کو ہر بار ایک آزمائے ہوئے فرد واحد کو بار بار ٹانگ پکڑ کر گھسیٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں؟......اور آج...... آج جب میری بہن کی چتا کی آگ بھی پوری طرح ٹھنڈی نہیں ہوئی پولیس پھر میرے زخموں پر نشتر چلانے آ گئی' مجھے ضلع کمشنر کے وسیع اختیارات سے مرعوب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے' مسٹر مہتا!" دنیش نے بڑے سرد اور سخت لہجے میں آئی جی کو مخاطب کیا۔ "آپ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ مجھے میری ہی چھت کے نیچے مسٹر کیول نے ضلع کمشنر کی دھونس دینے کی حماقت کی ہے' میں اب کسی سے مرعوب نہیں ہوں گا' آپ کو اگر صرف ایک میرے ہی خاص آدمی کی ضرورت ہے تو جایئے' پولیس اور چھاؤنی کی ساری نفری کو ساتھ لایئے' فوج جمع کر کے پرکاش بھون کو گھیر لیجئے' توپ گولے اور بندوقوں کے دہانے کھول

دیجئے لیکن میں بھگوان کی سوگند کھا کر آپ کو وشواس دلانا چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں اور میری موجودگی میں دھرتی کی بڑی سے بڑی طاقت بھی موہن داس کو میری مرضی کے بغیر بھون سے باہر نہیں لے جا سکے گی' برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

دنیش چندر کے منہ سے جھاگ اڑنے لگی' میں نے پہلی بار اسے آپے سے باہر ہوتے دیکھا تھا' اس کے ہاتھ پیر لرز رہے تھے' چہرہ سرخ ہو رہا تھا' صرف ایک بات کی کسر باقی رہ گئی تھی' وہ اپنے ملازموں کو طلب کرتا اور انہیں حکم دیتا کہ آئے ہوئے مہمانوں کو ڈنڈا ڈولی کر کے بھون کے پھاٹک سے باہر پھینک دیا جائے۔ ملازموں کے دلوں میں بھرا غبار بھی نکل جاتا۔

"راجکمار دنیش چندر جی!" آئی جی مہتا نے موقع محل دیکھ کر ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو غلط وقت پر تکلیف دی۔ ہم آپ کے اختیارات سے بخوبی باخبر ہیں' ہم ایک ساتھ ریاست میں رہ رہے ہیں' ہمیں ایک ساتھ مل جل کر رہنا ہے۔ کماری ہیما جس طرح آپ کی بہن تھی' ہمارے لئے بھی بہن اور بیٹی سمان تھی لیکن آپ جانتے ہیں کہ قانون کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

"آپ بالکل درست فرما رہے ہیں مہتا صاحب بہادر!" میں نے بات بڑھانے کے بجائے سمیٹنے کا فیصلہ کر لیا' مجھے دنیش کا خیال بھی تھا جو نیند کی گولی کھا کر سویا تھا لیکن صبح ہوتے ہی میری وجہ سے پھر پریشان ہو گیا' میں نے اسے زیادہ الجھنے کا موقع نہیں دیا' سپاٹ لہجے میں بات جاری رکھی۔ "قانون کے تقاضے پورے کرنا آپ کا فرض ہے' میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔" پھر میری نظریں سراج کی سمت گھوم گئیں جو اپنی جگہ چوٹ کھائے ہوئے زخمی درندے کی مانند پیچ و تاب کھا رہا تھا' کیول کی کیفیت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی' دنیش کے ترکی بہ ترکی جواب نے اسے بھی ہونٹ چبانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مسٹر سراج!" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "آپ کا پہلا سوال تھا کہ رات میں کہاں تھا؟ آپ کی اطلاع کی خاطر اور مہتا جی کی موجودگی میں' میں آپ کو کھل کر جواب دیتا ہوں' ہاں' رات میں کچھ دیر کیلئے بھون سے باہر گیا تھا۔"

دنیش اور آئی جی مہتا دونوں میرے جواب پر چونکے' سراج اور کیول کی نگاہیں چمکنے لگیں۔

"تم۔ تم کتنی دیر کے لئے بھون سے باہر رہے تھے۔" کیول نے تیزی سے سوال کیا۔

"میں نے وقت کا حساب کتاب رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق مجھے تین ساڑھے تین گھنٹے ضرور لگے ہوں گے۔"

"موہن! موہن!" دنیش نے مجھے آواز دی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید میں اس کی پریشانیاں دور کرنے کی خاطر بلاوجہ خود کو ملوث کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں پورے ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں۔" میں بدستور سراج اور کیول کو باری باری دیکھتا رہا' آئی جی مہتا پھر صوفے پر کسمسانے لگا۔

"گویا تم تین ساڑھے تین گھنٹوں کے لئے بھون سے باہر گئے تھے۔" سراج نے دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا' کیول بھی سراج کی پیروی میں اس کے برابر براجمان ہو گیا' دونوں کی خونخوار نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"جی ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو میرے زبانی بیان پر وشواس نہ ہو تو میرا بیان لکھتے جایئے' میں بعد میں انگوٹھا لگا دوں گا۔"

"کیا راجکمار دنیش چندر جی نے تمہیں کسی کام سے بھیجا تھا؟" آئی جی مہتا نے مجھے سہارا دینے کی کوشش کی۔

"جی نہیں۔"

"کیا تم کسی اور کے کہنے پر بھون سے باہر گئے تھے؟"

"جی نہیں۔"

"بھون سے تمہارے باہر جانے کا کوئی نہ کوئی گواہ تو ہوگا؟" کیول نے پہلو بدلا' مجھے گھیرنے کی خاطر وہ ہر حربہ آزما رہے تھے۔

"جی ہاں۔ میں بذات خود اپنا گواہ ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

دنیش مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتا رہا' شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں' میرا دماغ چل گیا ہے جو میں تلخ و ترش باتیں کرنے کے بعد بھون سے باہر جانے کا اقرار کر رہا ہوں' میں نے کچھ اور سوچ رکھا تھا۔

"کیا تم کو یاد ہے کہ تم رات کس وقت باہر گئے تھے؟" سراج نے چال

پھینکا۔

"جی ہاں۔" میں نے اقرار کیا۔ "اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔"

"واپسی کب ہوئی تھی؟"

"دو یا ڈھائی بجے لیکن اس وقت میں نے گھڑی نہیں دیکھی تھی۔" میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق سوشیل کا قتل بھی رات ڈیڑھ اور ڈھائی کے درمیان ہوا تھا۔" کیول نے آئی جی مہتا سے کہا۔ "پولیس سرجن سے آپ نے بھی بات کی تھی۔"

"ہاں۔آں۔" آئی جی نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ "پولیس سرجن نے یہی اندازہ قائم کیا ہے۔"

"موہن داس......" کیول نے مجھے پوری طرح پھانسنے کی خاطر بہت سوچ سمجھ کر دریافت کیا۔ "تم نے ابھی اقرار کیا ہے کہ تم رات گیارہ بجے بھون سے باہر گئے تھے۔ کیا اس وقت بھون کے صدر دروازے پر پہرے دار موجود نہیں تھے؟"

"صدر دروازے پر اس وقت دو پہرے دار تو ضرور موجود رہے ہوں گے کبھی کبھی چار بھی ہوتے ہیں۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"اور ان دو یا چار پہرے داروں نے بھی تمہیں باہر جاتے نہیں دیکھا؟" کیول کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"کیا سمجھا جائے، تم بھیس بدل کر باہر نکلے تھے۔" سراج نے دور کی کوڑی لانے کی کوشش کی۔

"جی نہیں۔ میں اسی لباس اور حلیئے میں تھا جس میں اس وقت آپ کے سامنے موجود ہوں۔"

"کیا تم ہم سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" سراج پھر ہتھے سے اکھڑنے لگا۔

"یہ آپ جیسا تجربے کار اور اعلیٰ افسر سوچ سکتا ہے، میں نہیں۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

"موہن!" دنیش نے ایک بار پھر مجھے ٹوکا۔ "تم اس وقت بہکی بہکی باتیں کر

رہے ہو، میرے خیال میں اس وقت تمہیں آرام کی شدید ضرورت ہے۔ جلد بازی میں کوئی غلط بیان دینے کی کوشش مت کرو، اندر جا کر آرام کرو، میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے دنیش بابو! اس وقت میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے، میں جو بیان دے رہا ہوں خوب سوچ سمجھ کر دے رہا ہوں، ایک بار یہ تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں تو پھر فرصت سے آرام کرنے کے بارے میں بھی غور کروں گا۔"

"لیکن شاردا تو بتا رہی تھی کہ تم رات کہیں نہیں گئے تھے۔" دنیش نے الجھتے ہوئے کہا۔

"میں ان سے گڈے کو دیکھنے کا کہہ کر گیا تھا۔"

"بہت خوب۔" سراج نے پھر جلد بازی کا مظاہرہ کیا، کیول نے اپنے چرمی بیگ سے کاغذ قلم نکال لیا، اسے شاید میرا بیان لکھنے کی ضرورت کا احساس ستانے لگا تھا، سراج نے بات جاری رکھی۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کماری شاردا سے بھی جھوٹ بول کر بھون سے باہر گئے تھے۔"

"جی ہاں، یہی سچ ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر میں باہر جانے کا ارادہ ظاہر کردیتا تو مجھے اس کی اجازت کبھی نہ ملتی۔"

"اب یہ بھی بتا دو کہ بھون سے چوری چھپے جھوٹ بول کر باہر جانے کا ارادہ تم نے کس خاص مقصد کے تحت کیا تھا؟" سراج نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا، کیول کا قلم بڑی سرعت کے ساتھ کاغذ پر فراٹے بھرنے لگا، وہ اس خوبصورت موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے۔ اس میں ان کا قصور بھی نہیں تھا، میں بھی ان کی جگہ ہوتا تو میری رگوں میں دوڑنے والے خون کی گردش بھی تیز ہو جاتی، تین اعلیٰ پولیس آفیسروں اور راج گدی کے ایک حقدار راجکمار دنیش چندر کی موجودگی میں میرا بیان ان کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوتا، چوہے دان تیار تھا، ان کے اندازے کے مطابق میں اندر داخل ہو چکا تھا، بس ایک کھٹکا ہونا باقی تھا پھر میں پوری طرح ان کے رحم وکرم پر ہوتا۔

سراج کا آخری سوال سن کر دنیش کی وحشت بڑھنے لگی۔

"موہن داس، تم شاید دیوانے ہوگئے ہو، میں...... میں تمہیں کس طرح

سمجھاؤں کہ......"

"اب کچھ نہ سمجھائیے دنیش بابو! اب سمجھنے اور سمجھانے کا سمے بیت چکا ہے۔ پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر رات عین اسی وقت مارا گیا جب میں کسی کو بتائے بنا چور چھپے بھون کے پہرے داروں کی نظروں میں دھول جھونک کر باہر گیا' پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق قتل بھی اسی وقت ہوا جب میں صدر دروازے کے بجائے پچھلے دروازے سے بھون سے نکلا تھا۔" میں زہر خند سے بولا۔ "دو اور دو ہمیشہ چار ہوتے ہیں' قانون کو ایک قاتل کی تلاش ہے' میرا بیان میری بابت پولیس کے شکوک و شبہات کے ہر خانے میں فٹ بیٹھتا ہے' چلئے چھٹی ہوئی' کھیل ختم پیسہ ہضم' اب کے ڈگڈگی بجانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا' مصلحتوں نے میری زبان پر تالے ڈال رکھے تھے لیکن آج مجھے جی بھر کر سچ بولنے دیجئے' چپ رہا تو پھر مجھے گھسیٹا جائے گا ننگی پیٹھ پر کوڑے برسائے جائیں گے' تنگ دھڑنگ ہوکر پاگلوں کی طرح بار بار اچھلنے سے تو بہتر ہے کہ ایک بار اپنی حیثیت کا اعتراف کر لوں' پولیس کی دردسری بھی ختم ہو جائے گی۔"

"اسی میں تمہاری بہتری بھی ہے۔" سراج نے مجھے اکسانے کی خاطر چرب زبانی کی۔ "اچھا ہوا جو تم نے یہ بھی اگل دیا کہ تم بھون کے پچھلے کسی راستے سے پہرے دار کی نظریں بچا کر نکلے تھے' اب یہ بھی بتا دو کہ تم نے ہمارے ساتھی سوشیل کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ قتل کا محرک کیا تھا؟ کیا تمہیں یقین تھا کہ اسے راستے سے ہٹانے کے بعد تم ہمارے شکنجے سے بچ کر نکل جاؤ گے؟یا' سوشیل کے بعد تم ہمیں بھی......؟"

"آپ پھر بہک رہے ہیں مسٹر سراج' ابھی میرا بیان مکمل نہیں ہوا' آپ نے مجھ سے میرے باہر جانے کا مقصد دریافت کیا تھا' میں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا اور آپ آخری نتیجے پر چھلانگ لگا رہے ہیں' میں اتنا کم حیثیت بھی نہیں ہوں کہ آپ مجھے اقبال جرم کئے بغیر ہی پھانسی پر لٹکا دیں' سپنے اتنی جلدی پورے نہیں ہوتے' بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے' جیت کس کی ہوگی؟ کون ہارے گا' اس کا فیصلہ تو عدالت کرے گی۔"

"اب تم ہمارا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" کیول نے بدلے

ہوئے تیور سے مجھے گھورا۔ "تمہارے پاس اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے' تم جتنا کچھ بیان دے چکے ہو وہی ہمارے لیے بہت کافی ہوگا۔"

چوہے اور بلی کا کھیل بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے سراج اور کیول کو باری باری دیکھا پھر قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کرنل ہارڈنگ کے نمبر ڈائل کرنے لگا' سب کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ دنیش کی اضطرابی کیفیت قابل دید تھی' میں بھی مجبور تھا' قانون کے نگہبانوں نے میرے ساتھ بھی کئی بار آنکھ مچولی کھیلی تھی' بہت دور تک گھسیٹتے رہے تھے' اس بار میں نے بھی دل کی بھڑاس نکالنے کی خاطر انہیں ترسا ترسا کر شکست قبول کرنے کی ٹھان لی تھی۔ میری خوش قسمتی جو دوسری جانب سے کرنل ہارڈنگ نے ہی کال ریسیو کی۔

"میں موہن داس بول رہا ہوں کرنل......" میں نے سب کو سنانے کی خاطر اونچی اور ٹھوس آواز میں کہا۔ "میں نے رات آپ سے گزارش کی تھی کہ ایک ادنیٰ اور حقیر ملازم کو راجکمار دنیش چندر کا نمائندہ سمجھ کر چھاؤنی آنے کی دعوت نہ دیجئے' میں نے آپ کو وشواس دلانے کی کوشش کی تھی کہ دشمن ہر قیمت پر میرے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنے کے خواہش مند ہیں' کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیں گے'...... وہی ہوا جس کا خطرہ تھا' میں پوری طرح گھیرا جا چکا ہوں میرے محترم! بات ضلع کمشنر تک بڑھانے کی دھمکی دی جا رہی ہے' زندہ رہا تو اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر دوبارہ آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا' جو گزشتہ رات آپ نے کی تھی۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو موہن؟...... میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔" کرنل کے لہجے میں اضطراب تھا۔

میں نے کرنل کو سراج اور کیول کی آمد اور سوشیل کی موت سے مختصراً آگاہ کیا پھر کہا۔ "باقی تفصیل آپ کو مسٹر سراج بتائیں گے جو اپنے ساتھی کے قتل کا الزام میرے سر تھوپ کر مجھے ہتھکڑی' بیڑی پہنا کر لے جانا چاہتے ہیں۔"

دنیش ہکا بکا رہ گیا' کرنل ہارڈنگ کا نام سن کر آئی جی مہتا بھی سٹپٹا گیا تھا' کیول اور سراج بغلیں جھانکنے لگے' بساط کا رخ اتنی تیزی سے پلٹے گا یہ بات ان کے وہم گماں میں بھی نہیں تھی۔

میں نے ریسیور سراج کی جانب بڑھایا تو اس کے ہاتھ کانپنے لگے' اس کی

حالت قابل دید تھی' وہ بار بار ہکلانے لگتا' یس سر! یس سر! کہہ کر صوفے سے کھڑا جاتا تھا' اپنی کہانی سناتے سناتے اس نے کئی بار۔ آئی ایم سوری سر! میں معافی چا ہوں' پلیز ایکسکیوزمی' آئی اپولو جائیز یور ایکسی لینسی! غلطی ہوگئی جناب' او کے' او کے' کے الفاظ دہرائے تھے' کیول بھی پسینے میں شرابور ہو رہا تھا' پہلے وہ باری باری خم ٹھونک کر مجھے نیچے گرانا چاہتے تھے' اب میں سینہ تانے کھڑا تھا۔

کرنل ہارڈنگ خالص انگریز تھا' سلطنت برطانیہ کا اعلیٰ ترین نمائیندہ' وہ زیا باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا' آنکھوں کے اشاروں سے حکم دینے کا عادی تھا' بات اگ فون کے بجائے رو برو ہوتی تو عجب نہیں تھا کہ سراج اور مسٹر کیول کی پتلونیں پیشاب سے تر بتر ہو جاتیں۔ بہرحال' سراج نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو ایسا محسوس ہو رہا جیسے موت کی آخری سرحدوں تک پہنچ کہ واپس لوٹا ہو۔ کیول نے سکون کا سانس لیا' و کرنل کی لتاڑ سے بچ گیا تھا' دنیش کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔

''مسٹر موہن!'' سراج نے زور دینے والے انداز میں مجھے مخاطب کیا۔''اگر آپ نے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا ہوتا تو ہمیں شرمندگی نہ ہوتی۔''

وہ کچھ دیر بعد معافی تلافی کر کے رخصت ہو گئے تو میں نے اطمینان سانس لیا' آئی جی مہتا' دنیش سے رخصتی مصافحہ کرتے وقت بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا' مجھے اب اس کی تنبیہہ کا کوئی خدشہ نہیں تھا' اسے بھی اب کسی کے سامنے پشیمانی سے سر جھکانے کی چھٹی مل گئی ہوگی' اس کیلئے یہی جان لینا ضرورت سے زیادہ تھا کہ میرے مراسم صرف راجکمار دنیش سے نہیں' حاکم اعلیٰ' ہزایکسی لینسی کرنل ہارڈنگ' آفیسران کمانڈ سے بھی تھے۔

پارو اور شاردا بدستور ملحقہ کمرے میں موجود تھیں' دنیش نے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکیں' میں پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا' شاردا نے شکوہ کیا۔

''تم نے مجھے بھی چھاؤنی جانے کی خبر سے مطلع کرنا ضروری نہیں سمجھا؟''

''مجھے ڈر تھا کہ اگر آپ کو پتہ چلا تو آپ دنیش بابو کو جگا دیں گی اور پھر میرا جانا مشکل ہو جائے گا۔'' میں نے سفید جھوٹ بولا۔

''تم چھاؤنی گئے کس طرح تھے؟'' دنیش نے کہا۔''میں نے تم سے کہا تھا کہ باہر کے حالات......''

''کرنل نے اپنی ذاتی فلیگ کار بھیجی تھی۔''

''فلیگ کار۔'' دنیش نے حیرت کا اظہار کیا۔''اچھا......''

''جی ہاں' میں نے اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا' میں نے اسے بتایا تھا کہ میرے دشمن میری گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

''چھاؤنی بلانے کا مقصد کیا تھا؟''

''کنور جگدیپ آجکل وہاں دن رات گردش کر رہا ہے' ادھر ہائی کمان نے بھی ریاستی امور کے سلسلے میں کرنل پر کچھ زیادہ ہی بوجھ ڈالنا شروع کر دیا ہے' وہ آپ کو بلانے کا خواہشمند تھا لیکن کماری ہیما کی وجہ سے اس نے مجھے آپ کا نمائندہ سمجھ کر طلب کر لیا' کرنل کا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ اب ریاست میں امن و امان کی صورت بحال کرنے کی خاطر اسے کچھ سختی سے کام لینا ہوگا۔''

''اور کیا کیا باتیں ہوئیں۔'' دنیش نے مجھے کریدا۔

''زیادہ زور ریاستی امور کی طرف ہی تھا۔'' میں نے اختصار سے کام لیا۔

''اتفاق دیکھو' کل رات ہی کسی نے سوشیل کا کریا کرم بھی کر دیا۔'' دنیش نے کہا۔''کون ہو سکتا ہے قاتل؟''

''میرا خیال ہے کہ شاید اب لاکھی پور کے بدمعاشوں کو عقل آنی شروع ہو گئی ہے۔'' میں نے ذاتی تجزیہ پیش کیا۔''انہوں نے جگدیپ کو یہی مشورہ دیا ہوگا کہ نئے افسروں میں سے ایک کو درمیان سے ہٹا دیا جائے' ساری تان پھر میرے اوپر ٹوٹے گی' وہ چونکہ نئے افسروں کے ساتھ بھی گھل مل رہا تھا اس لئے شبے سے بالاتر سمجھا جائے گا۔''

''تمہارے ستارے اچھے تھے جو کرنل نے کل رات تمہیں طلب کر لیا۔'' شاردا نے مجھے نچھاور ہو جانے والی نظروں سے دیکھا۔ پارو نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی' وہ چیتے سے زیادہ چالاک تھی' کسی سی آئی ڈی آفیسر کی طرح کھوج لگانے میں اس کا دماغ اس وقت تک مصروف رہتا جب تک کوئی آخری نتیجہ نہ اخذ کر لے' اس وقت بھی وہ میری باتوں کے وزن کو ٹٹول رہی تھی' اس کی آنکھیں جنہیں میں بار بار چوم چکا تھا میرے چہرے پر رینگ رہی تھیں۔''اور تم نے کرنل کی آڑ لے کر آج اپنے

دل کی بھڑاس نکال ڈالی۔" دنیش مسکرایا۔ "اچھا کیا تم نے ایک سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر بڑی دوراندیشی کا ثبوت دیا' اب وہ دوبارہ کبھی تمہاری طرف دیکھنے سے پیشتر کئی بار سوچیں گے' آئی جی مہتا کو معلوم ہوگا کہ ضلع کمشنر کون ہے' اسے کرنل ہارڈنگ ہی کے اشارے پر یہ عہدہ سونپا گیا ہے' اگر بات وہاں تک پہنچ گئی تو نئے افسروں کے علاوہ خود آئی جی کو بھی جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ تم نے برا کیا۔" پارو نے پہلی بار زبان کھولی۔ "تم جانتے تھے کہ وہ کون لوگ ہیں' انہیں کس مقصد کیلئے راجے پور بلایا گیا تھا' کرنل ایک بار عتاب میں آچکا ہے' دوبارہ کبھی یہ اتفاق ہوا تو وہ تمہیں بھولیں گے نہیں اور تم......" پارو نے مجھ سے نظر ہٹا کر دنیش کو دیکھا۔ "تم موہن کی تعریف کرکے اسکا حوصلہ بڑھا رہے ہو۔"

دنیش کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ مہارانی مایا دیوی' رانی کامنی اور دوسری راجکماریاں آگئیں' ہیما کے تیجے کے سلسلے میں گفتگو شروع ہوئی تو میں باہر آگیا' پارو کی نظریں میرا تعاقب کر رہی تھیں' ایک بار نظریں چار ہوئیں تو اس نے اشاروں اشاروں میں کہا۔ "موہن' تم اگر سیر ہو تو میں سوا سیر ہوں' میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے دنیش کو جو کہانی سنائی ہے اس میں کہیں نہ کہیں جھول بھی موجود ہے۔"

میں نے باہر آکر گزرے ہوئے لمحوں پر غور کیا' کرنل ہارڈنگ نے میری شکایت پر آئی جی مہتا کے علاوہ سراج اور کیول کو ضرور آڑے ہاتھوں لیا ہوگا' ہوسکتا ہے اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کرنل نے مجھے آئندہ تحفظ دینے کی خاطر کچھ اور ضروری اقدام بھی کر ڈالے ہوں' اس نے مجھے ریتا کے لئے منتخب کیا تھا' میں اس کا ہونے والا داماد تھا' اب میری عزت اس کے مرتبے سے وابستہ تھی' وہ مجھے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ یوں بھی وہ سفید فام تھا' انگریز نسل کا خالص خون تھا' ذہین نہ ہوتا تو اتنے عالی مرتبے کا حقدار نہ سمجھا جاتا۔ مجھے یقین تھا کہ کرنل نے بھی سوشیل کے قتل کے بعد میرے سلسلے میں کسی دور رس پالیسی پر ضرور غور کیا ہوگا' وہ ایسا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ہندوستان کو غلام بنانے میں بھی ان کی دور رس ٹھنڈی پالیسی نے طویل عرصے تک ان کا تسلط برقرار رکھا تھا' پارو کی نظروں کا مفہوم بھانپ لینے کے بعد میرے لئے بھی ضروری ہوگیا تھا کہ پہلی فرصت میں کرنل سے فون پر دوبارہ رابطہ

قائم کروں' اسے یہ باور کرا کے اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کروں کہ میں نے محض اس کی بیٹی اور اپنے رشتے کی باتوں کو راز رکھنے کی خاطر صریحاً اصل کہانی میں کچھ پیوند کاری سے بھی کام لیا ہے۔ مجھے یہ جاننے کی بھی فکر تھی کہ سوشیل کے قتل کا کیا ردعمل ہوا ہے۔ کرنل ہارڈنگ کی فلیگ کار کا ڈرائیور میری دوسری تشویش تھی۔ اس کا بیان سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ میں نے ملاقاتی کمرے سے باہر آکر ایک لمبا چکر کاٹا پھر پچھلے راستے سے گزر کر غسل خانے کے ذریعے دوبارہ دنیش کی خوابگاہ سے ملحقہ کمرے میں آگیا۔ گزشتہ رات شاردا نے میری ہدایت کے مطابق غسل خانے کا دروازہ میری واپسی کے لئے کھول رکھا تھا جو اس وقت میرے کام آگیا' میرا خیال تھا کرنل مصروف ہوگا اس لئے میں نے ریتا کے مخصوص نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔

فون خود ریتا نے ریسیور کیا' میری آواز سن کر وہ خوشی سے اچھل پڑی' میں تصور میں اس کے گالوں پر شفق کی سرخیوں کو پھیلا دیکھ رہا تھا' اس کی گفتگو سے مجھے کرنل کے غصے کا اندازہ بھی ہوا' شاید کرنل نے اسے واقعات سے آگاہ کر دیا تھا' میں پیار و محبت سے ریتا کو آہستہ آہستہ ٹٹولتا رہا' وہ کسی بلبل کی طرح چہک چہک کر مجھے مزے مزے سے تفصیل سناتی رہی۔ اس کے کہنے کے مطابق کرنل نے ضلع کمشنر کو بھی ہدایت کی تھی کہ ریاستی پولیس کو میرے سلسلے میں آئندہ محتاط قدم اٹھانے کی سختی سے ہدایت کی جائے' ریتا نے یہ بھی بتایا کہ فلیگ کار کے ڈرائیور نے اپنی مقدس کتاب پر ہاتھ رکھ کر یہ بیان دیا تھا کہ وہ کرنل کی ہدایت پر مجھے پرکاش بھون سے لے کر سیدھا چھاؤنی گیا تھا' واپسی بھی اسی انداز میں ہوئی تھی۔ چھاؤنی اور بھون کے راستے میں وہ کہیں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رکا' مجھے اس کے بیان پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔

"کیچو۔" میرے ذہن میں ایک ہی نام گونجنے لگا' ریتا سے گفتگو کرنے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا کہ اب کہیں کوئی جھول باقی نہیں رہ گیا' جو بات میں براہ راست کرنل سے کہنا چاہتا تھا وہ میں نے ریتا کے کانوں میں انڈیل دی' اس نے وعدہ کیا کہ پہلی فرصت میں وہ میرا پیغام کرنل تک پہنچا دے گی۔!!

☆......☆......☆

بہت دنوں بعد اس روز میں اپنے کوارٹر میں سویا' صبح بیدار ہوا تو گڈا میرے قریب بیٹھا کھیل رہا تھا' ذالی جلدی جلدی ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ مجھے اس وقت گڈے پر پیار آ گیا' میں نے اسے بھینچ کر پیار کیا تو وہ منہ بسورنے لگا ذالی کو چھیڑنے کی خاطر میں نے گڈے سے باتیں شروع کر دیں۔

''گڈے' دیکھ لینا' ایک دن تو بہت بڑا آدمی بنے گا' بول بنے گا یا نہیں' پر میری ایک بات دھیان سے سن لے' جب تو پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن جائے تو اپنی ماں کو بھول مت جانا۔ اس کا بہت خیال رکھنا۔ کبھی اس غریب کا دل نہ دکھانا۔ جو کچھ کمانا لا کر اسی کے ہاتھ پر رکھ دینا' اسے کوئی کام کاج نہ کرنے دینا' روز اپنی چھچماتی کار میں بٹھا کر سیر کرانے لے جانا' اس کے اچھے اچھے کپڑے سلوانا اور کبھی کبھی تو مجھے بھی یاد کر لیا کرنا۔ اپنی ماں کو سمجھانا' میں اس کا سگا تو نہ تھا' پر ایک ساتھ رہتا تو تھا' تیری ماں نے مجھے سہارا نہ دیا ہوتا گڈے تو میں......''

''یہ سویرے سویرے کیوں میرا دل جلا رہا ہے شیرو!'' ذالی ناشتہ ٹرے میں سجائے اپنی خوبصورت کمر کو بل دیتی میرے قریب آ گئی۔ ''کہاں نو دو گیارہ ہونے کی باتیں کر رہا ہے' کیا اس ناچنے والی کے ساتھ کہیں فرار ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''تجھے کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے تو یہ بھی خبر ہے کہ کل صبح کون کون بڑے آفیسر لوگ بھون میں آئے تھے۔'' ذالی ترنم کا ذکر سن کر بھڑکی نہیں' گڈے کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ''یہ بھی سنا ہے کہ کل کسی خاص کھونٹے کی وجہ سے تو وردی والوں سے بڑی لمبی چوڑی ہانک رہا تھا' پھر وہ اپنا سا منہ لے کر چلے گئے' راجکمار دنیش چندر ہیما کا غم بھول کر تیری شان میں تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا' تو کلف لگے کپڑے کی طرح اکڑا اکڑا نظر آ رہا تھا۔''

''تجھے یہ خبریں کون سناتا ہے۔''

''وہی بھون کی ہری مرچ' تیری چھمک چھلو مالتی بتا رہی تھی۔'' ذالی نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا۔ ''تیری باتیں کرتے سے تو اس کے من میں جیسے پھلجھڑیاں چھوٹنے لگتی ہیں' کولھے پر ہاتھ دھرے مٹک مٹک کر تیری نقلیں اتار رہی تھی۔''

''اور کیا کہہ رہی تھی مالتی۔'' میں نے ذالی کو چھیڑنے کی خاطر پیار سے مالتی کا نام لیا تو اس کا فیوز ایکدم ہی اڑ گیا۔

''بتا رہی تھی کہ وہ تجھے اپنا خصم بنانے کے کارن آجکل ہلدی چندن سے اپنا شریر رگڑ رگڑ کر اجلا بنا رہی ہے' سویرے اٹھ کر ناریل کا پانی پیتی ہے' اپنے بیل جیسے دیدوں میں سرمے کی سلائیاں پھیرتی ہے پھر مندر جا کر بھگوان کی پوجا کرتی ہے تیرے اور اپنے سنجوگ کے کارن پرارتھنا کرتی ہے' دوپہر کو سونے لیٹتی ہے تو تجھے سپنوں میں دیکھتی ہے۔''

وہ غصے میں اور حسین لگ رہی تھی' میں نے اسے گھسیٹ کر دبوچ لیا' اس کے ہاتھوں کو چوما جن سے لہسن کی خوشبو آ رہی تھی' وہ مجھ سے دھینگا مشتی کرنے لگی' گڈے نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا' پلیٹ میں رکھا ہوا ناشتہ کچھ پلنگ پر اور کچھ نیچے زمین پر بکھر گیا' کچھ دنوں سے مجھے نہ جانے کیوں ذالی پر بڑا پیار آ رہا تھا۔

''میں کہتی ہوں چھوڑ دے شیرو نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' وہ میرے سینے پر دوہتڑ مار کر بولی۔ ''مجھے فضول بازی اچھی نہیں لگتی۔''

''تو مجھے سب سے اچھی لگتی ہے۔'' میں نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کہا۔ ''تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے' میری جان ہے' میرا دل ہے' میرے من مندر کی راجکماری ہے' میری بلبل ہے' کوئل ہے' ہد ہد ہے' مورنی ہے' میری رس ملائی ہے' گلاب جامن ہے۔''

''اور تو میرا کون ہے؟'' وہ میری آغوش کی تپش سے تپ کر ٹھنڈی پڑ گئی تو سینے پر سر ٹکا کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

''میں۔ میں تیرا غلام ہوں ذالی!'' میں اس کے خوبصورت گداز گالوں کو ہتھیلی پر لے کر بولا۔ ''ہمارے درمیان بدن کا نہیں روح کا' آتما کا سمبندھ ہے' آتما کا سمبندھ جو رہتی دنیا تک قائم رہتا ہے' کبھی نہیں ٹوٹتا' ہمارے درمیان وہ پیار ہے جو

کبھی مرتا نہیں امر ہو جاتا ہے، میں تو راستے کے پتھر کی مانند ٹھوکروں میں رل رہا تھا، تو نے سہارا نہ دیا ہوتا۔۔۔"

"ایسی باتیں بار بار مت کیا کر شیرو۔" اس نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میرے دل کو ٹھیس لگتی ہے اور۔۔۔ جو کچھ میں نے کیا اس میں میری ذاتی غرض بھی تو شامل تھی، اس وقت مجھے ایک مرد کے سہارے کی ضرورت تھی، گڈے کے سر پر کوئی سائبان نہیں تھا، تو نہ ملتا تو گلی کے آوارہ کتے بھی مجھ پر بھونکنے لگتے، لوگ میرا شریر بھوکے گدھ کی طرح نوچ کر ہڈیوں کا پنجر بنا دیتے، گڈا کسے دیکھ کر ہنکاریاں بھرتا، تو۔۔۔ تو میری جیون کی گاڑی کا دوسرا پہیہ بن رہے، تو نہ ہوتا تو یہ گاڑی کسی کھڈ میں جا گرتی، سارے انجر پنجر ٹوٹ کر بکھر جاتے، کون جانے گڈے کا کیا بنتا۔"

"ایسی دل جلانے والی باتیں کیوں کر رہی ہے۔" میں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ "اب میں جو ہوں، ہم دن بھر اپنی من مانی کرتے ہیں لیکن رات کو ہمارے سر چھپانے کا ٹھکانہ تو ایک ہے۔"

"کل وردی والے کیوں آئے تھے۔؟" ڈالی میرے سینے پر سر رکھے رکھے بولی۔

"وہ مجھے ساتھ لیجانے کو آئے تھے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "ان کا ایک ساتھی مارا گیا ہے، میری گردن موٹی ہے نا، اسی کارن وہ مجھ پر شک کر رہے تھے جبکہ یپ ان کی مٹھی گرم کر رہا ہے، سب اسی کے اشارے پر ہو رہا ہے لیکن اب ایسا نہیں ہوگا کل میں نے بھی جی کڑا کر کے ان کے دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دیے ہیں، جانتی ہے ڈالی! کل چھاؤنی سے کرنل نے میری خاطر فون کیا تھا، سب کو سانپ سونگھ گیا، میا مرگئی تھی ان کی، منہ لٹکائے واپس چلے گئے، اب دوبارہ میری طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

"تو نے اچھا نہیں کیا شیرو! وہ سور کے تخم جانے کو تو چلے گئے لیکن ان کے دلوں میں تیری طرف سے بہت سارا میل جما ہوگا، وہ تیرے خون کے پیاسے بن جائیں گے، کل نہیں تو پرسوں، جب بھی موقع ملے گا پھر ناخن تیز کر کے تیری طرف جھپٹیں گے۔ ان سے یارانہ اور ان کی دشمنی، دونوں خراب ہوتی ہیں۔"

"دنیا کا کاروبار ہی یہی بن گیا، کبھی ایک پلڑہ نیچے ہو جاتا تو کبھی دوسرا بھاری پڑ جاتا ہے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "لیکن جب تک چھاؤنی میں کرنل موجود ہے، وہ دوبارہ میری طرف آنے کی حماقت نہیں کریں گے، دم دبا کر دور دور ہی پھرتے رہیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں شیرو! سچ سچ بتائے گا؟"

"پوچھ۔"

"کرنل نے ان وردی والوں کو اسی گوری چٹی اور بھرے بھرے رسیلے شریر والی چھوکری کی وجہ سے برا بھلا کہا ہوگا جو کچھ دنوں کے لئے یہاں بھون میں آ کر رہی تھی اور تو بھنورے کی طرح اس کے آگے پیچھے منڈلایا کرتا تھا۔"

"کبھی اپنی نظر بھی اتار لیا کر، بڑی سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہے۔"

"مجھ سے کیا پردہ شیرو!" وہ شوخ ہونے لگی۔ "چل میرے کان میں چپکے سے بتا دے کہ تیری دال گلی یا نہیں۔"

میں نے ڈالی کے گداز گالوں پر ڈوبتے سورج کی سنہری سرخیاں پھیلتے دیکھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تو ڈالی جھلا گئی۔

"اتنی سویرے سویرے کس کے پیٹ میں مروڑ شروع ہوگئی۔" وہ کڑوا سا منہ بنا کر مجھ سے دور ہوگئی۔

"تو گڈے کو سنبھال، میں دیکھتا ہوں۔"

میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے کرتجھے والا پنڈت کھڑا توند پر ہاتھ پھیر رہا تھا، مجھے سامنے دیکھا تو دانت نکال کر بولا۔ "بہت دنوں سے درشن کو ترس رہا تھا مہاراج! اس لئے تمہارے دروازے تک آ گیا۔"

"نراش مت ہو۔" میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "تمہاری منو کامنائیں بھی پوری ہونے کا سمے جلد آنے والا ہے۔"

"سچ مہاراج!" وہ میرے پیروں کو بڑی عقیدت سے ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ "کیا وہ پھر آئی تھی۔"

"ہاں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس کا خیال ہے کہ کچھ پنڈت پجاری اسے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"وہ تھک کر ہار گئے ہوں گے۔" پنڈت نے کانوں کو پکڑ کر سہمے ہوئے کہا۔

''اس کی نظر ترچھی ہوگئی تو ان سب کا ستیاناس ہوگا' وہ مورکھ یہ نہیں سمجھتے کہ چندرما پر تھوکنے سے گند اپنے ہی چہرے پر واپس آتا ہے۔''

''تم بھی محتاط رہا کرو' بار بار میرے دروازے پر دستک دو گے تو دوسروں کے کان بھی کھڑے ہوں گے' وہ جھنجھٹ پسند نہیں کرتی۔''

''جیسا تم کہو گے میں اوش ویسا ہی کروں گا' پر کیا کروں' ہردے میں ہر سمے ایک کھلبلی سی مچی رہتی ہے' جب تک اس کے درشن نہ ہو جائیں من کو چین نہیں آئے گا۔'' پنڈت نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔ ''تم میری سفارش کردو' وہ تم پر مہربان ہے' تم قسمت کے دھنی ہو' تمہارے کارن ہمارا اپنا بھی بھلا ہو جائے گا۔''

''تم مندر میں ہی رہنا' میں چکر لگاتا رہوں گا۔''

''سدا خوش رہو مہاراج! دھن ہو تمہاری۔''

وہ کرچھا نچاتا نعرے بلند کرتا چلا گیا تو میں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا' لباس تبدیل کیا' گدے کے گالوں پر چٹکی بھری اور کوارٹر سے باہر نکلا۔ ہیما کے تیجے کے سلسلے میں آج بھون میں صبح ہی سے تیاریاں شروع ہوگئی تھیں' میں دنیش کی طرف گیا تو ریاست کے ایک دو رئیس اسے گھیرے بیٹھے تھے' میں ملازموں کو کام کے سلسلے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد شردا کو دیکھنے کی خاطر اس کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک نوخیز سندھیا ایک قمقم کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گئی' شب خوابی کا لباس اس وقت بھی اس کے مخملیں جسم پر مچل رہا تھا' اس نے شاید اپنے کمرے سے مجھے آتا دیکھ لیا تھا جبھی باہر نکل آئی تھی' وہ سنگ مرمر کا تراشیدہ مجسمہ لگ رہی تھی' اس کے گال انار کی دانہ کی مانند تمتما رہے تھے' آنکھیں میکدہ نظر آرہی تھیں' جسم میں کئی جام چھلک رہے تھے۔ وہ اپنی نوخیز عمر میں 'ایک انجمن نظر آرہی تھی۔ اسے اپنے جسم' اپنے لباس کا ہوش نہیں تھا' میرے عشق نے بڑی کم عمری میں اسے خود سے بیخود کر رکھا تھا' اسے کے ہونٹوں پر تبسم رقص کر رہا تھا' کندن بدن لباس کی اوٹ سے جھانک رہا تھا' وہ قیامت نظر آ رہی تھی۔

''تم سندھیا۔'' میں نے خود کو سنبھالا۔ ''اس وقت' اس لباس میں کہاں جانے کا ارادہ تھا۔''

''تمہارے پاس آرہی تھی۔'' اس نے مخمور نظروں سے مجھے دیکھا۔

''میرے پاس۔'' میرا دماغ سرسرانے لگا۔

''ہاں۔'' اس نے سرگوشی کی۔ ''دو روز سے تمہیں دیکھا جو نہیں تھا۔''

''دیکھا تو تھا۔''

''مگر باتیں کہاں ہوئی تھیں۔'' اس کی نگاہیں بولنے لگیں۔ ''تم جانے کدھر چھپے رہتے ہو' تمہیں دیکھنے' تم سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے' رات بھر تمہارے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔''

''میں بھی آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن پہلے آپ.....''

''مجھ سے پڑھنے میں دل لگانے کی باتیں مت کرنا۔'' وہ مچلنے لگی۔ ''میرا جی کسی کام میں نہیں لگتا' اسی لئے تو کہتی ہوں کہ میں اور تم سب کچھ چھوڑ کر کہیں نکل چلیں' تم میرے پاس رہو گے تو میں خوب جی لگا کر پڑھوں گی' تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''ابھی باہر کے حالات ٹھیک نہیں' سمے کا انتظار کیجئے۔''

''میں سب جانتی ہوں موہن!'' وہ راز داری سے بولی۔ ''پریت اور شکنتلا بھی کل رات چھپ چھپ کر باتیں کر رہی تھیں' میں نے ان کی باتیں سن لی ہیں' پریت کو افسوس ہے کہ جو پولیس والے تمہیں لینے آئے تھے وہ خالی ہاتھ کیوں چلے گئے' وہ دونوں تمہاری دشمن ہیں ان کے من میں تمہاری طرف سے زہر بھرا ہوا ہے لیکن تم فکر نہ کرنا' میں جانتی ہوں کہ سانپ کا سر کیسے کچلا جاتا ہے' دنیش ماما کا ڈر نہ ہوتا تو میں کل رات ہی ''

''نہیں سندھیا! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔'' میں ساری جان سے لرز اٹھا' وہ میری خاطر پہلے ہی اپنے معصوم ہاتھ خون سے رنگ چکی تھی' میرے لئے دیوانی ہو رہی تھی' کچھ بھی کرسکتی تھی' میں نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ ''تم نے مجھے وچن دیا ہے کہ اب تم پستول کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی' تم نے اپنا وچن توڑا تو میں تم سے ناراض ہوکر بہت دور چلا جاؤں گا' اتنی دور کہ پھر تم کبھی مجھے تلاش نہیں کرسکو گی۔''

''نہیں موہن..... ایسا مت کرنا' میں وچن دیتی ہوں کہ کچھ نہیں کروں گی لیکن وہ تمہارے خلاف کیوں ہیں' کیوں الٹی سیدھی دشمنی کی باتیں کرتی ہیں۔''

''وہ جو کرتی ہیں انہیں کرنے دو' تم کچھ نہ بولو' تمہیں میری سوگند۔''

"اچھا یہ بتاؤ کہ لائبریری میں کب ملو گے۔" اس کی نگاہوں میں پھر جام تھرانے لگے۔

"میں کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کروں گا۔" میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "ایک دو روز میں جب بھی موقع ملا تمہیں چپکے سے بتادوں گا۔"

"بہلانے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو۔"

"نہیں ایک دم پکا وعدہ کر رہا ہوں۔"

سندھیا کی باتوں نے مجھے الجھا دیا' راستے میں کھڑے باتیں کرتے ہمیں دیر ہو رہی تھی' کوئی دیکھ لیتا تو چہ میگوئیاں شروع ہو جاتیں' میں نے بڑی مشکل سے اس سے پیچھا چھڑایا۔ شاردا کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر کے واپس دنیش کی طرف لوٹا تو پارو نظر آ گئی' وہ بھی دنیش کی طرف جا رہی تھی' میں نے اسے واپسی کا اشارہ کیا پھر ادھر ادھر دیکھتا ہوا تیزی سے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

چند لمحوں بعد دروازے پر قدموں کی آہٹ ہوئی تو میں لپک کر پردے کی آڑ میں ہو گیا' آنے والا کوئی اور بھی ہو سکتا تھا لیکن وہ کوئی اور نہیں' پارو ہی تھی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بولٹ کیا تو میں نے لپک کر اسے پوری شدت سے سوچا دبوچ لیا' مجھے سندھیا کی باتوں سے جو وحشت ہو رہی تھی۔ اسے دور کرنے کی خاطر پارو کی گھنیری زلفوں کی چھاؤں میں سکون مل سکتا تھا' وہ بھی مجھ سے بہت ساری باتیں کرنے کی خواہشمند تھی' میں جانتا تھا' اسے میری اس کہانی پر یقین نہیں آیا تھا جو میں نے سوشیل کے قتل کے سلسلے میں دنیش کو سنائی تھی۔

پارو بہت ذہین تھی' کم عمری میں جو تجربات حاصل کئے تھے اس نے اسے ریاست کے تمام پیچ و خم سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ انگریزوں کے لئے مخبری کا کام کر چکی تھی' اب بھی کچھ لوگوں سے اس کے مراسم تھے جنہیں وہ وقتاً فوقتاً میرے لئے کیش کرتی رہتی تھی۔ میری خاطر اس کے اندر بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں' وہ محض میرے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔ شاردا اور سندھیا کی طرح وہ بھی میرے ساتھ کہیں دور دراز علاقے میں جا کر گم ہو جانے کے پروگرام بنایا کرتی تھی۔

کئی دنوں بعد' ہمیں تنہائی میں ملنے کا موقع ملا تھا' اس کے سینے میں طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا' میں نے اسے آغوش میں دبوچا تو اس کے سینے میں جوار بھاٹے کی

کیفیتیں پیدا ہونے لگیں۔ وہ جسموں کے پیچ لڑانے میں بھی مہارت رکھی تھی' کچھ دیر مجھے دانستہ ڈھیل دیتی رہی' میں اسے گود میں اٹھا کر اس کے نرم و گرم بستر تک لایا' وہ میرے بازوؤں میں نرم شاخ کی مانند لچکتی رہی' ہچکولے کھاتی رہی لیکن میں نے اسے مسہری پر لٹایا تو وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر میرے ہاتھوں کے حصار سے باہر نکل گئی' اور قریب کھڑی ہو کر مجھے عجیب نظروں سے گھورنے لگی' میں نے اسے ستانے کی خاطر وجہ نہیں پوچھی' خود کو اس کے خواب انگیز بستر پر ڈھیر کر دیا۔

"ٹھیک ہے' تم آرام کرو۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں دنیش کی طرف جا رہی ہوں' ہیما کے تیجے کے سلسلے میں بہت سارے کام ابھی ادھورے پڑے ہیں۔"

"تم چلی جاؤ گی تو میں بھی ادھورا پڑا رہوں گا۔" میں نے سرگوشی کی۔ "کچھ دیر کے لئے رک جاؤ' مجھے اس وقت سکون درکار ہے۔"

"موہن۔" وہ ہونٹ چبانے لگی۔ "میں کیا سمجھوں' مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اب تم نے مجھ سے بھی راز داری برتنی شروع کر دی ہے' کیا تمہیں پارو پر اعتماد نہیں رہا۔"

"میں تمہاری ناراضی کی وجہ جانتا ہوں۔" میں اٹھ بیٹھا۔ "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے تم میرے بارے میں غلط سوچ رہی ہو' میری کہانی پر یقین نہیں تو براہ راست کرنل سے تصدیق کر سکتی ہو' میں اسی کی فلیگ کار پر ... اور گیا تھا' اس کے ڈرائیور کی موجودی میں' میں کوئی غلط قدم بھلا کس طرح اٹھا سکتا تھا۔"

"میری سب سے بڑی تصدیق تم ہو۔" وہ میری آنکھوں میں غوطے لگانے لگی۔ "تم ہی میرا سب سے بڑا اعتماد ہو' تمہاری خاطر میں کچھ بھی کر سکتی ہوں' ہر حد پھلانگ سکتی ہوں' یقین نہیں آتا تو کوئی ایسا حکم دے کر آزما لو جو تمہارے خیال میں میرے لئے مشکل ترین ہو' تمہاری خاطر میں بڑے بڑے امتحان سے گزر سکتی ہوں' موت کو بھی گلے لگا سکتی ہوں۔"

"تمہیں میری کہانی کے کس موڑ پر شبہ ہے۔" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"موہن۔" وہ جذباتی ہونے لگی۔ "تمہیں مجھ سے جھوٹ بولنے کا حق ہے' میں نے بھی سوشیل کے سلسلے میں تم سے غلط بیانی کی تھی' میرے واقف کار نے مجھے ان

تینوں افسران کے چتوں سے آگاہ کر دیا تھا لیکن میں نے تمہیں سوشیل کا پتہ بتانے سے گریز کیا' جانتے ہو کیوں؟ اسے لئے کہ تم سے ایک بار پورے تن من دھن سے رشتہ جوڑ لینے کے بعد میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ تم نے نظریں کہیں اور پھیر لیں تو میں مر جاؤں گی۔ میں تمہارے دل کی دھڑکنوں کی آواز بھی دور سے سن سکتی ہوں' مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے تمہیں سوشیل کا اڈریس دیا تو تم پہلی فرصت میں اسے ٹھکانے لگانے کی کوشش کرو گے۔ حالات سازگار نہیں تھے موہن! اسی لئے میں نے جھوٹ بول دیا۔ تمہاری زندگی کی خاطر' اپنے مستقبل کی خاطر جو صرف اور صرف تم سے وابستہ ہے۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ اسے اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا' اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''کیا کہتی ہیں میرے دل کی دھڑکنیں؟'' میں نے سرگوشی کی۔

''کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور ہے۔'' وہ میرے بکھرے بالوں کو اپنی نازک انگلیوں سے سنوارنے لگی۔ ''اگر کرنل نے تمہیں بلایا تھا تو تم بھون کے صدر دروازے سے بھی جا سکتے تھے' پہرے داروں کی نظروں میں دھول جھونک کر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس طرح شبہات اور بھی بڑھ سکتے تھے' کسی اور کو نہ سہی' اپنی پارو کو تو کم از کم خبر کر سکتے تھے۔''

پارو کے تجسس میں وزن تھا' کرنل نے میری سفارش نہ کی ہوتی تو یہ سوالات بھی بعد میں ضرور اٹھائے جاتے' چھاؤنی سے میرا بلاوہ آیا تھا' آفیسران کمانڈ کی فلیگ کار میری تعظیم کی خاطر بھیجی گئی تھی' ڈرائیور بھی سفید نسل تھا' قابل اعتماد نہ ہوتا تو کرنل ہارڈنگ جیسے اہم ترین شخص کی ڈیوٹی پر مامور نہ کیا جاتا' ان تمام تحفظات کے بعد میرا چوری سے بھون سے نکلنا ضرور مشکوک سمجھا جاتا' عقل کبھی تسلیم نہ کرتی۔ اگر ذہن میں کوئی فتور کوئی خطرناک منصوبہ نہیں تھا تو چھپ چھپ کر پرکاش بھون سے نکلنے کا کوئی جواز قابل قبول نہ ہوتا۔ بال کی کھال ضرور ادھیڑی جاتی۔

''کچھ مت سوچو موہن!'' پارو نے اپنی مرمریں باہیں میرے گلے میں حائل کر دیں' بڑی لگاوٹ سے بولی۔ ''تم میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم نے سوشیل کو قتل نہیں کیا' میں تمہاری بات پر اعتماد کر لوں گی۔''

''پارو!'' میری سانسیں تیز ہو گئیں۔ ''تم مجھ سے کیا اگلوانا چاہتی ہو۔''

''وہی جو سچ ہے۔''

''جو سچ ہے اس پر بھی تمہیں یقین نہیں آئے گا' میں بھی ابھی تک حیرت زدہ ہوں۔''

''میں تم سے کوئی تفصیل نہیں پوچھوں گی۔'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں' اس کی آنکھوں میں سحر تھا' کسی تیز اور اعلیٰ قسم کی شراب کا نشہ تھا' میں ڈوبتا چلا گیا۔

''میں تمہیں کوئی تفصیل بتا بھی نہیں سکتا۔'' میں بہکتے بہکتے سنبھلا۔ ''جو کچھ ہوا وہ محض ایک خواب تھا' کوئی جادو تھا' طلسم ہوشربا کی کوئی ناقابل یقین کہانی تھی' کوئی چمتکار تھا' فکشن تھا' من گھڑت' ہولناک اور پراسرار فسانہ تھا' مجھے کچھ بھی یاد نہیں لیکن اتنا ضرور سچ ہے کہ جس وقت سوشیل کی خون میں لت پت لاش میرے سامنے فرش پر پڑی زندگی اور موت کے دوراہے پر آخری جھٹکے کھا رہی تھی اس وقت میں پستول پکڑے اسی کی خواب گاہ میں موجود تھا۔'' میں نے واقعات کو ماورائی رنگ دینے کی خاطر کلی پھندے لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ''کوئی نادیدہ قوت مجھے کنٹرول کر رہی تھی' میں جس طرح گیا تھا اسی طرح بھون میں واپس آ گیا' اس کے بعد صبح شارو کے جگانے پر میری آنکھ کھلی' شاید بھون سے جاتے وقت بھی کچھ ایسی ہی ماورائی قوتوں نے میرے ذہن کی تمام صلاحیتوں کو اپنے قبضے میں کر رکھا تھا' یہ سب کچھ کیسے ہوا' کیوں کر ممکن ہوا' میں کچھ نہیں جانتا لیکن یہ سچ ہے پارو کہ سوشیل کو شاید میں نے ہی قتل کیا ہے' واپسی پر میں نے پستول کا میگزین چیک کیا تھا' دو یا شاید تین گولیاں کم تھیں' مجھے ٹھیک طرح سے یاد نہیں۔''

''اور حیرت انگیز طور پر کرنل کے ڈرائیور کو بھی کچھ یاد نہیں۔'' پارو دیوانہ وار مجھ سے لپٹ کر بولی۔ ''اوہ' موہن! بھگوان کی کرپا نے تمہیں بچا لیا' تم نہ ہوتے تو میں بھی اپنا آپ دہکتی آگ میں جھونک دیتی۔''

''جب آئی جی مہتا اور دونوں افسران دنیش کے کمرے میں موجود تھے' اس وقت بھی میری حالت عجیب ہونے لگی تھی' میں نے دنیش کے کہنے پر خاموش رہنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن کسی نے اچانک جیسے میرے تن بدن میں آگ بھر دی' کسی کی بھنبھناتی ہوئی آواز میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھی' مجھے اکسا رہی تھی کہ

میں کسی سے خوفزدہ نہ ہوں' دل کی بھڑاس نکال ڈالوں' میں نے ایسا ہی کیا۔'' میں نے پارو کو وحشت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''یہ مجھے کیا ہوگیا تھا پارو' کون تھا جس نے میری آنکھوں پر سیاہ پردے ڈال دئے تھے' اگر عین وقت پر طلسم ٹوٹ جاتا تو کیا ہوتا' میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا' کوئی میری کہانی پر یقین نہ کرتا' شاید کرنل بھی میری کوئی مدد نہ کر سکتا پولیس مجھے رنگے ہاتھوں گرفتار کرتی تو پھانسی کا پھندہ میرا مقدر بن جاتا' دنیش کا سارا اعتماد دھرے کا دھرا رہ جاتا اور ......''

''کچھ مت سوچو موہن! بھگوان کیلئے' جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔'' پارو نے تڑپ کر کہا اسے میری کہانی پر یقین آ گیا۔ ''صرف وہی یاد رکھو جو تم نے سب کی موجودگی میں کہا تھا لیکن ......'' وہ اچانک چونکی۔ ''تمہارا پستول کہاں ہے۔؟''

''جب تک میں گاڑی میں تھا وہ میری جیب میں ہی تھا۔'' میں نے وحشت کے اظہار کی خاطر اپنے بال نوچنے شروع کر دیئے۔ ''صبح شاردا نے بیدار کیا تو سب سے پہلے مجھے بھی پستول کا خیال آیا لیکن وہ میرے پاس نہیں تھا' شاید شاردا نے رات سوتے وقت میری جیب سے نکال لیا ہو یا پھر...... پھر وہ کہاں جا سکتا ہے' میں شاردا سے ......''

''نہیں موہن نہیں۔'' پارو نے تیزی سے کہا۔ ''اب کسی سے کچھ پوچھنے کہنے سننے کی حماقت نہ کرنا' جو بھی ہو چکا اسے بھولنے کی کوشش کرو' اگر کوئی مہان شکتی تمہاری رکھشا کر رہی ہے تو وہی تمہاری سہاتا بھی کرے گی۔''

پارو نے مجھے پوری طرح سمیٹ لیا' میں خود بھی اس دہکتے جسم میں غرق ہو کر سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا' مجھے پوری طرح یقین نہیں ہو سکا تھا کہ پارو کو میری من گھڑت پراسرار کہانی پوری طرح ہضم ہو سکی تھی یا نہیں۔ میں بہر حال اسے کیچو کی حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا' میں خود بھی اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا تو پارو کو کیا بتاتا' اگر پارو کو میری کہانی پر شبہ بھی تھا تو اس نے اظہار نہیں کیا تھا' شاید وہ وقتی طور پر سہم گئی تھی یا جان بوجھ کر طرح دے رہی تھی' بہر حال اس کا انداز خودسپردگی جنوں خیز تھا۔ میں بپھری موجوں کی طغیانی میں ڈانواں ڈول ہو رہا تھا' جب دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم دونوں حیرت سے اچھل پڑے' پارو لباس سنبھالتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی' میں لپک کر پردے کی آڑ میں ہو گیا۔

''دنیش تمہیں یاد کر رہے ہیں۔'' کسم کی آواز سنائی دی۔ ''بڑی حویلی کے کچھ مہمان بھی آئے ہیں۔''

''کون کون ہے۔'' پارو نے غالباً جگدیپ کے سلسلے میں جانکاری کرنی چاہی۔

''مردوں میں سے کوئی نہیں آیا۔'' کسم نے عجیب لہجے میں جواب دیا۔ ''انیتا دو تین کماریوں کے ساتھ آئی ہے۔''

''تم چلو' میں آتی ہوں۔''

پارو دروازہ بند کر کے پلٹی تو میں پردے سے نکل کر باہر آ گیا۔

''کسم کو شبہ تو نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔ ''تمہاری بے ترتیب حالت ......''

''میں اسے اس سے بھی برے حال میں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔'' وہ بڑے اطمینان سے مسکرائی۔ ''تم فکر نہ کرو۔''

''میرے لئے اب کیا حکم ہے؟''

''میں اس وقت جلدی میں ہوں' دنیش میرا انتظار کر رہا ہوگا' موقع ہوا تو رات کو ملاقات ہوگی لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا دھیان رکھنا۔'' وہ مجھے سمجھانے لگی۔ ''سوشیل والے معاملے میں کوئی کچھ بھی پوچھے تم اپنی زبان بند ہی رکھنا' ٹالنے کی کوشش کرنا۔''

پارو تیار ہو کر چلی گئی تو میں کچھ دیر اسی کے کمرے میں رہا پھر راستہ صاف دیکھ کر باہر نکلا اور کام کاج میں مصروف ہو گیا۔ ایک بار انیتا سے آمنا سامنا ہوا' مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی' وہ بے اختیار میری طرف دو قدم بڑھی شاید کچھ کہنا چاہتی تھی پھر اسے خیال آ گیا کہ وہ تنہا نہیں تھی' بے شمار راجکماریاں اور مہارانیاں موجود تھیں' ملازمین بھی چکراتے پھر رہے تھے' وہ یکلخت سنبھل کر کسم اور پریت کی طرف چلی گئی جو مہارانی مایا دیوی اور ہیما کی ماں کامنی دیوی کے پاس بیٹھی تھیں۔ میں قدم بڑھاتا دنیش کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں کرچھے والے پنڈت ایشوری لال سے آمنا سامنا ہوا' وہ نگاہوں نگاہوں میں مجھے میرا وعدہ یاد دلانے لگا۔ میں نے نظریں پھیر لیں' ایشوری لال دوسرے پنڈت پجاریوں کے ساتھ تھا' اس لئے میرے تعاقب میں نہیں آیا۔ دنیش مہمانوں میں گھرا بیٹھا تھا' اس نے مجھے اپنی طرف

آ تا دیکھا تو کسی مصلحت کے پیش نظر اشارے سے روک دیا' میں نے اپنا رخ باغ کی طرف تبدیل کر دیا' ہیما کا تیجہ تھا اس لئے اسی کی باتیں دہرائی جا رہی تھیں۔

وہ مجھے بھی یاد آ رہی تھی۔ موم کی وہ گڑیا جو جگدیپ جیسے مکار اور پتھر دل انسان کے پیار میں مایوسی کا شکار ہو کر جیون سے منہ موڑ گئی۔ میں نے اسے منہ زور گھوڑوں کو قابو کرتے دیکھا تھا۔ جب وہ برجیس پہن کر گھوڑ سواری کرتی تو بڑی باوقار نظر آتی تھی' اس کا بدن شیشے کی طرح چمکتا تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہر وقت ہنسنے ہنسانے والی کماری ہیما نے پیار کا روگ پال رکھا ہوگا۔ اس معصوم کی وہ وصیت بھی پوری نہ ہو سکی جس میں اس نے جگدیپ کے ہاتھوں اپنی چتا کو آگ دکھانے کی آخری خواہش کی تھی۔ جانے اس کی آتما کو قرار آیا ہو گیا یا وہ اب بھی بڑی حویلی میں جگدیپ کے آس پاس کہیں بھٹک رہی ہوگی۔ مہارانی مایا دیوی نے مرنے والی کا خط کامنی دیوی سے لے کر چھپا لیا تھا۔ ہیما کی موت کو معمہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ کچھ بھون کی عزت کا خیال بھی لاحق ہوگا' بہرحال مرنے والی ساری مصلحتوں کو نظر انداز کر کے زندگی سے اپنا حساب بڑی جلدی میں چکتا کر گئی۔

میں باغ میں آ کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا' مجھے وہ خطاب ستانے لگے جو ہیما نے دیئے تھے' ایک بار اس نے کہا تھا۔ ''موہن' تم انسان نہیں باربرداری کا کوئی بے زبان جانور لگتے ہو جو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں جتا رہتا ہے' اس طرح تو تمہارا سارا تیل نکل جائے گا' پیپا خالی ہوگیا تو کچرے میں پھینک دیا جائے گیا۔'' میں اس کی باتوں پر مسکرا دیا تھا' اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے لیکن وہ خود کو جان لیوا روگ لگا بیٹھی تھی اور جگدیپ ابھی تک زندہ تھا۔ سندھیا نے اس کی خاطر اٹھارہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا' پکڑی جاتی تو خود بھی پھانسی پر لٹک گئی ہوتی۔''

''جگدیپ۔'' میں نے خود کلامی کی۔'' بہت جی لئے' اب مرنے کو تیار ہو جاؤ' میں تمہیں آسان موت نہیں ماروں گا' گن گن کر حساب کتاب ہوگا' ایک ایک جرم کی علیحدہ علیحدہ سزا دی جائے گی۔ تم گڑگڑا گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگو گے' میں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ ہیما کو تو چتا نصیب ہو گئی تھی لیکن میں تمہارا کریا کرم بھی نہیں ہونے دوں گا' تمہاری لاش کے ٹکڑے مردار کھانے والے جانوروں اور پرندوں کی غذا کے کام

آئیں گے۔ وہ وقت اب دور نہیں ہے' کچھ دنوں کی بات اور ہے' اس کے بعد راج گدی حاصل کرنے کا سپنا بھی تمہاری ہڈیوں کے ساتھ ہی چکنا چور ہو جائے گا۔ تمہارے شریر کی راکھ میں اپنے ہاتھوں سے کسی گندی نالی میں بہاؤں گا۔''

''کن وچاروں میں گم ہے بالک۔'' سادھو دیوراج کی آواز سن کر میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا' وہ ہیما کے تیجے کے سلسلے میں اس کی آتما کو شانت کرنے کے کارن کچھ اشلوک پڑھنے جا رہا تھا' مجھے اکیلا بیٹھا دیکھ کر رک گیا۔

''مہاراج! تم!'' میں جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

''کچھ ویاکل دکھائی دے رہا ہے' کوئی چنتا ستا رہی ہے؟''

''تھک گیا تھا مہاراج!'' میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''دو گھڑی ستانے بیٹھ گیا۔''

''سمے بیت رہا ہے' پرنتو میں ابھی تک مندر میں بیٹھا تیری راہ دیکھ رہا ہوں۔''

''بس کچھ دنوں کی بات اور ہے۔'' میں نے وہی گھسا پٹا جملہ دہرایا تو سادھو دیوراج کی پیشانی پر لکیروں کا جال گہرا ہونے لگا۔

''اب سمے تیرے ہاتھ سے نکلتا نظر آ رہا ہے۔'' وہ بڑی گھمبیر آواز میں بولا۔ ''تیرے بھوش میں کچھ اور لکھا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں' مجھے بتاؤ مہاراج! کیا لکھا ہے میرے بھوش میں؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''بیس سال سے میں بھی اس کی آس لگائے بیٹھا ہوں بالک! پر اس نے ابھی تک میرے گیان دھیان کو سویکار نہیں کیا' ایک تو ہے' وہ تیرے سنجوگ کے لئے بار بار سامنے آتی ہے لیکن تو کنی کاٹ جاتا ہے۔'' سادھو دیوراج نے بڑی راز داری سے کہا۔ ''ایسا چمتکار تو پہلے کبھی نہیں ہوا' جو تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے' کیا اب بھی تیرے من کی آنکھیں نہیں کھلیں گی؟''

میں سادھو دیوراج کی بات سن کر چونکا' اس کا اشارہ یقیناً سوشیل کی موت کی طرف تھا۔ ''مہاراج! تم کس چمتکار کی بات کر رہے ہو؟'' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میں نے سوچا' اگر وہ میرے ایک اہم راز سے واقف ہو چکا ہے تو میں

اس کے ہاتھ میں کھلونا بھی بن سکتا ہوں۔ ریاست راجے پور میں سب ہی اس کی بات مانتے تھے اس نے چھاؤنی کے باہر پنڈت پجاریوں کے ساتھ مل کر میرے لئے دھرنا دیا تھا انگریزوں کو بھی اس کی وجہ سے اپنی پالیسی نرم کرنی پڑی تھی۔ ریاست کی پولیس بھی اس سے ڈرتی تھی مہاراجہ بھی اس کا احترام کرتے تھے اس کی باتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کی زبان میں تاثیر تھی اگر وہ سوشیل کی پراسرار موت کے سلسلے میں میرا نام زبان سے اگل دیتا تو میرے لئے خاصی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

☆......☆......☆

میر جمشید عالم کی آپ بیتی ابھی جاری ہے!
بقیہ واقعات کے لئے جلد چہارم کا مطالعہ کریں۔

میر جمشید عالم کی آپ بیتی

امبر بیل

انوار صدیقی

4

فرض کیجئے،
میر جمشید عالم کی جگہ آپ ہوتے!

امبریل

جلد چہارم

انوار صدیقی

اسٹاکسٹ:-
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اردو بازار، لاہور۔۲

باراوّل ——— 2001ء
ناشر ——— محمد علی قریشی
مطبع ——— نیر اسد پریس لاہور
پروف ریڈر ——— حبیب اللہ صدیقی
سرورق ——— ذاکر
قیمت ——— -/250 روپے

''تیرے اپنے من میں کھوٹ ہے تو دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھ رہا ہے۔''
اس نے خفگی کا اظہار کیا۔ ''اتنی جلدی پگ ڈگمگانے لگے' کب تک اپنے جیون سے کھلواڑ کرتا رہے گا' مورکھ! مایا جال میں وہ پھنستے ہیں جن کے بھیتر میل ہوتا ہے' گند بھرا ہوتا ہے' اب بھی سمے ہے' اپنے اندر کا میل کھرچ کر نکال دے' اس کے پاس چلا جا' دھرتی کے گورکھ دھندوں سے منہ موڑ لے' آج میں تجھ سے بنتی کر رہا ہوں' سمے ہاتھ سے پھسل گیا تو......''

سادھو دیوراج کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہو گیا' میری طرف سے نگاہیں پھیر کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا' اس کے دیدے بڑی تیزی سے اپنے حلقوں کے درمیان گردش کر رہے تھے' اس کی نظریں فضا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں' تا دیر وہ اسی کیفیت سے دوچار رہا پھر بتدریج نارمل ہونے لگا۔

''میری طرف سے بے فکر ہو جا بالک۔'' اس نے آہ بھر کر کہا۔ ''میں سب جانتا ہوں پرنتو اس کی مرضی نہیں ہے کہ میں زبان کھولوں۔''

''تم کس کی باتیں......''

''چپ ہو جا۔'' اس نے میری بات مکمل نہیں ہونے دی۔ ''تو نہیں دیکھ سکا' میں بھی پیاسے کا پیاسا رہا' ہوا کا ایک جھونکا آیا اور گزر گیا' درشن آس ادھوری رہ گئی لیکن اس کے شریر کی سوندھی سوندھی خوشبو مست کر گئی' بڑا سواد مل رہا ہے۔''

وہ شاید کیچو کی بات کر رہا تھا' اس نے اپنی آنکھیں موند لیں' لمبی لمبی سانس لینے لگا' اس کا جملہ بڑا معنی خیز تھا' اس نے کہا تھا کہ میں اس کی جانب سے مطمئن ہو جاؤں' وہ کسی کے اشارے پر اپنی زبان بند رکھنے کا یقین دلا چکا تھا لیکن ... اور میں اس انسان مضطرب تھا۔ میں جانا چاہتا تھا کہ وہ میرے متعلق کیا کچھ ... نہ ہوتی۔ لیکن حسرتیں ... میں گھٹ گئیں' خواب

ہے یا محض اپنی لچھے دار باتوں میں الجھانے کی کوشش کر رہا تھا' پنڈت پجاریوں کے بارے میں میری رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی' میں نے بزرگوں سے سنا تھا کہ وہ شعبدے باز ہوتے ہیں' نظر بندی کر کے انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں' بچے اٹھا کر لے جاتے ہیں' اپنی لکڑی سونگھا کر لوگوں کو بیہوش کر دیتے ہیں اور بھی بے شمار باتیں سن رکھی تھیں۔

''سب کو ایک لکڑی سے نہیں ہانکا جاتا بالک!'' سادھو دیوراج نے آنکھیں کھول دیں' اس کی آنکھوں سے مستیاں ابل رہی تھیں۔ ''کھوٹے اور کھرے میں دھرتی اور آسمان کا فرق ہوتا ہے مورکھ! گدڑی میں لعل چھپے ہوتے ہیں' پر ہر کوئی تو ان کی پرکھ نہیں کر سکتا' تو بڑا بھاگیوان ہے جو اس کے ہردے میں دھڑک رہا ہے۔ وہ تیرے لئے بہت ویاکل ہے' تیرے دھیان میں مست ہے' تیری راہ تک رہی ہے اور تو میرے من میں جھانکنے کی سوچ رہا ہے' کیوں ٹھٹھول کر رہا ہے' جا چلا جا' میرا کہا مان لے نہیں تو سارا جیون اس کی یاد میں تڑپتا رہے گا۔ آج وہ تجھے کھوج رہی ہے' کل تو اس کی تلاش میں بھٹکتا پھرے گا' اپنا ہوش بنا لے' اس کے من کو کشٹ نہ دے' تو نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ جان لیتا تو بھون کی رنگ رلیوں میں سے کبھی برباد نہ کرتا۔''

''تم مجھے راستہ دکھا دو مہاراج۔'' میں نے خود کو سنبھالا۔ ''میں اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔''

''وہ تو خود آئی تھی تیرے پاس چل کر' ای سے اس کا ہاتھ کیوں نہیں تھام لیا۔'' سادھو معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''جھوٹا وچن دے کر اپنا الو سیدھا کر لیا اور اب مجھ سے راستہ دکھانے کی باتیں کر رہا ہے' چھل کپٹ سے باز آ جا بگلے۔'' وہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''میری بات دھیان سے سن! اب تیرے پاس کیول دو چندرما اور ایک سورج کا سمے باقی رہ گیا ہے' اس کے بعد تیری ایک نہ چلے گی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو مہاراج!'' میرے اوپر اضطرابی کیفیت طاری ہونے لگی۔ سادھو دیواراج کی بات میں کچھ ایسا سحر تھا کہ میرا دل دھڑکنے لگا۔ اس کی

پروف ریڈر ے چہرے پر جمی تھیں۔ ''دو چندرما اور ایک سورج سے تمہاری کیا مراد

سرورق ——— ضاحت چاہی۔

قیمت ——— پالا مار چکا ہے' اب دوسرے کی باری ہے' میری بات بھول مت

جانا' دھیان میں رکھنا۔'' سادھو دیوراج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر الکھ نرنجن کا نعرہ بلند کر کے لاٹھی کھٹکھٹاتا آگے بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا اس کی باتوں پر غور کرتا رہا' میرے ذہن میں وسوسے کروٹیں لینے لگے۔!

☆......☆......☆

رات گئے تھکے ماندے لوگ کماری ہیما کا سوگ منانے کے بعد جلدی سو گئے تو میں شاردا کی طرف چل پڑا۔ سادھو دیوراج کی باتیں میرے ذہن کو پراگندہ کر رہی تھیں۔ میں کئی دنوں سے شاردا سے ملا بھی نہیں تھا' صبح سندھیا میرا راستہ کاٹ گئی تھی' سادھو کی باتوں نے اتنا الجھا دیا تھا کہ میں راجکماری کنول کے قریب بھی نہ جا سکا' لوگوں کے درمیان گھری بیٹھی وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی' اس کی حسین غزالیں آنکھیں مجھ سے شکوہ کر رہی تھیں۔ ''موہن! تم نے راج محل آنے کا وچن دیا تھا لیکن نہیں آئے' میں تمہارا انتظار کرتی رہی' راستوں پر پلکیں بچھائے بیٹھی رہی۔'' دوسری طرف جگدیپ کی بہن نہ جانے مجھ سے کیا کہنے کو مضطرب تھی' وہ بھی رہ رہ کر کسمسا رہی تھی' وہ میرے دشمن کی بہن تھی۔ انگلستان سے زندگی کے گزارنے کے سارے طور طریقے سیکھ کر آئی تھی۔ اس نے حالات کو بہت سوچا ہوگا' سمجھا ہوگا جب میرے قریب آنے کا خیال کیا ہوگا۔ وہ حسین تھی' جوان تھی' بے باک تھی' اس کی آواز میں جھرنوں کی جھنکار تھی' بدن میں پھولوں کی مہکار تھی' اس کی آنکھیں چپ رہ کر بھی بولنا جانتی تھیں' اس کا نازک بدن نرم ڈالیوں کے لوچ کو شرمسار کرتا تھا' جیسے کسی اعلیٰ سنگتراش نے اسے بڑے غور و فکر کے بعد پوری توجہ سے بڑی محنت سے تراش کر اس کے جسم میں روح پھونک دی تھی۔ اس کا قرب بڑا سحر انگیز تھا' قیامت ہی قیامت' سمندر کے کنارے چلنے والی بھیگی ہواؤں کی طرح جو بڑی نشہ آور ہوتی ہیں۔

اس رات اس نے مجھے اپنی خوابگاہ میں آنے کی دعوت دی تھی' اس نے مجھے حراست میں لینے کی خاطر میرے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے' اس کی خاموشی میں ہزاروں تلاطم تھے۔ دراز پلکیں شیلے اور کیٹس کی خوبصورت نظمیں اور گیت گن گنا رہی تھیں' وہ ساحر کی نوخیز نورا بنی ہوئی تھی۔ میں منتظر تھا کہ وہ ذرا اور گردن جھکائے اور میں اس کے لب لعل افشاں سے ایک شے چرالوں جو متاع زندگی سے کم نہ ہوتی۔ لیکن حسرتیں ناکام رہیں' آرزوئیں تڑپ کر رہ گئیں' امنگیں دل کی دل ہی میں گھٹ گئیں' خواب

شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت قریب تھا کہ پریت نے دروازے پر دستک دی۔ دو جسم ایک دوسرے میں خلط ملط ہوتے ہوتے رہ گئے' میں بڑی سرعت سے آڑ میں ہو گیا' انیتا نے پریت سے بڑی حویلی کے اندوہناک حادثے کی خبر سنی تو ہکا بکا رہ گئی۔ میری پوزیشن انیتا کی نظروں میں اور صاف ہو گئی' حادثے کے وقت میں اس کی خوابگاہ میں تھا' قاتل کوئی اور رہا ہوگا' پھر وہ اتنی بدحواس ہو کر پریت کے ساتھ گئی کہ میں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ اس کے بعد کئی بار نگاہوں کا ٹکراؤ ہوا لیکن کچھ کہنے کچھ سننے کا موقع نہ مل سکا۔ ایک ترنم بھی تھی جو اپنا کوٹھا ویران کر کے بھون کے مہمان خانے میں آ بسی تھی' کبھی دوسروں کو ہجر و یاس کے نغمے مٹک مٹک کر سناتی ہو گی' اب خود پتھر سے ٹکرانے کا نوحہ پڑھ رہی تھی۔

شاردا کی خوابگاہ کی بتی روشن تھی' میں جانتا تھا کہ وہ رات دیر تک کتابوں کے مطالعے میں مصروف رہتی ہے۔ بھون میں کماریوں' مہارانیوں اور باندیوں نے جو کھیل شروع کر رکھے تھے' وہ ان کے تصور سے بھی کتراتی تھی' میری گرویدہ ہو کر رہ گئی تھی۔ بار بار ایک ہی اصرار کرتی تھی کہ میں اس کو لے کر خاموشی سے کہیں دور نکل چلوں۔ وہ بھون کے عیش و عشرت چھوڑ کر میرے ساتھ کسی جھونپڑی میں سر چھپانے کو آمادہ تھی۔ اس کی محبت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا' وہ سکون سے زندگی گزارنے کی خواہشمند تھی' میرے عشق نے اسے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ میں اسے کیسے بتاتا کہ میں نے کس اسیری میں ماضی کے شب و روز گزارے ہیں' تنہا کسی سیمنٹ کے قد آور پائپ میں راتیں گزارنا میرے لئے آسان تھا' وہ ساتھ ہوتی تو رات کو گھومنے والے ہٹے کٹے چوکیدار اور پولیس والوں کی نظروں میں آ جاتی۔ سب ہی دانت تیز کرنے لگتے' میں اسے کس کس سے بچاتا' کہاں کہاں سر پھوڑتا' اسے کس طرح یقین دلاتا کہ برسات جب باہر تھم جاتی ہے تو غریب کی جھونپڑی بارش کے قطروں سے تا دیر ٹپ ٹپ برستی رہتی ہے' وہ تو بس میرے ساتھ بھون سے باہر جانے کو برسرپیکار تھی' اس کے بعد کچھ بھی ہوتا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھ کر دروازے پر آہستہ سے دستک دی' کسی کے قدموں کی آہٹ قریب آتی سنائی دی پھر شاردا کی مدھم آواز ابھری۔

''کون ہے؟''

''موہن داس۔'' میں نے سرگوشی کی۔

اس نے دروازہ کھول دیا' مجھے دیکھ کر اس کی نگاہوں میں خوشیوں کے چراغ جل اٹھے' میں اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گیا' وہ دروازہ بند کر کے میرے قریب آ گئی' اس نے ابھی سونے کا لباس نہیں پہنا تھا لیکن پھر بھی گلدستہ نظر آ رہی تھی۔ اس کے جسم کی مثال کچھ اور تھی' وہ کپڑوں میں نہیں بلکہ کپڑے اس کے جسم پر زیادہ سجتے تھے' اس کی سادگی میں بھی غضب کی پرکاری تھی' اس کے حسن کا نکھار غازہ اور لپ اسٹک کا محتاج نہیں تھا' میک اپ کے بغیر بھی وہ روشن چراغوں کو اپنے سامنے ٹمٹمانے پر مجبور کر دیتی تھی۔

''تمہاری بڑی لمبی عمر ہے موہن! میں ابھی تم کو ہی یاد کر رہی تھی۔''

''تم نے یاد کیا اور شیطان حاضر ہو گیا۔'' میں نے مسکرا کر کہا وہ جھینپ گئی۔

''تم غلط سمجھے۔'' اس نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''میں انگریزی میں نہیں اپنی بھاشا میں تمہیں یاد کر رہی تھی۔''

''کوئی حکم۔'' میں کورنش بجا لایا۔

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں تمہیں کیوں یاد کر رہی تھی؟'' اس کی بادامی آنکھوں میں روشن چراغ کی لو مدھم ہونے لگی۔

''کیا بات ہے شاردا۔'' میں بے چین ہو گیا۔ ''کیا پھر کہیں سے کوئی خبر آ گئی؟ اس بار کون مارا گیا؟ آج تو ہیما کا تیجہ تھا' آج بھی کسی کو چین نصیب نہیں ہوا' کیا پھر مجھے پھانسنے کی کوشش میں کوئی جال پھینکا گیا ہے۔''

''نہیں موہن نہیں' اس بار تم پر کوئی آنچ نہیں آئی' اس بار مجھے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' شاردا کی پلکوں میں آنسوؤں کے قطرے موتیوں کی طرح جھلملانے لگے' میں مضطرب ہو گیا' میرا دل چاہا کہ ان شبنمی قطروں کو ہونٹوں سے ایک ایک کر کے چن لوں' وہ قطرے زمین پر گرتے تو ان کی توہین ہوتی' ان کی قدر و قیمت کم ہو جاتی' میں نے ضبط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

''تمہیں یقیناً شبہ ہوا ہوگا۔'' میں نے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ ''وہم کو دل میں جگہ مت دو شاردا' ابھی میں زندہ ہوں' زبان سے کوئی نہیں کہتا لیکن سب ہی جانتے ہیں کہ میری نظروں میں تمہارا کیا مقام ہے' عزت اور احترام بھی محبت کا ایک

زینہ ہوتا ہے جسے عبور کئے بغیر کوئی عشق کی معراج نہیں پاسکتا۔ تمہیں اگر مجھ پر اعتماد ہے تو یقین کرو' میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارے قریب آنے کی ہمت کبھی نہیں کریں گے' انہیں میری لاش پر سے ہو کر گزرنا ہوگا۔"

"وہ بڑے بااثر اور قابل احترام لوگ ہیں موہن!" شاردا نے سرد آہ بھری۔ "بات جگدیپ یا کسی چھوٹے موٹے شخص کی نہیں ہے' ان کا مقام تمہاری سوچ سے بھی زیادہ بلند ہے' تم بھی ان کے خلاف ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"معموں میں باتیں مت کرو شاردا!" میں نے اضطرابی کیفیت میں اس کے ہاتھ تھام لئے۔ "مجھے بتاؤ' تمہاری پریشانی کا سبب کون ہے؟"

"راجکماری کنول۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔

"راجکماری کنول۔" میں حیرت سے اچھل پڑا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو شاردا' مہاراج اور راجکماری کنول تو ہمارے دوست ہیں۔"

"میں نے دشمن کب کہا' تم نہیں جانتے موہن!" وہ دل مسوس کر بولی۔ "دوستی کی آڑ میں انسان زیادہ کھل کر دل کی باتیں کر سکتا ہے' ابھی کچھ دیر پیشتر راجکماری کا فون آیا تھا' جانتے ہو وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

میں ایک لمحے کو چور بن گیا' راجکماری سے میں متعدد بار فون پر باتیں کر چکا تھا' میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری گرویدہ ہوتی جا رہی ہے' میں دنیش کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر راجکماری سے بے تکلفانہ باتیں کرتا تھا' شاید وہ میری بے تکلفی سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی' محبت کے پودوں کا کوئی بیج نہیں ہوتا' بس اچانک آپ ہی آپ جذبوں کی صداقت کا سہارا لے کر اگ آتے ہیں۔ غالباً راجکماری کنول کے دل میں بھی محبت کے پودے نے لہلہانا شروع کر دیا تھا' وہ شاردا سے خاصی بے تکلف تھی' ان کے درمیان کھل کر باتیں ہوتی تھیں' میں نے سوچا اگر راجکماری کنول نے کہیں اپنی یک طرفہ محبت کا اقرار کر لیا ہوگا' مجھے بھی ملوث بتا رہی ہوگی تو شاردا کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ کیا سوچ رہی ہوگی وہ میرے بارے میں۔ اس کا شیشہ دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا ہوگا۔ شاردا نے اپنے تصور میں میری محبت کا جو عظیم الشان بت بنا رکھا تھا' وہ ایک ہی جھٹکے میں مسمار ہو کر زمین بوس ہو گیا ہوگا' اس کے خوابوں کو کیسی اذیتناک ٹھیس پہنچی ہوگی' کیا سوچا ہوگا میرے بارے میں۔ یہی کہ

میں ابھی تک اسے محبت کے سبز باغ دکھا رہا تھا' محبت کا فریب دے کر شاید اسے بھی شکنتلا کی طرح لوٹنا چاہتا تھا۔ میں اس کی نگاہ میں کتنا گر چکا ہوں گا' کتنا حقیر ہو گیا ہوں گا' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' میں شاردا کے اگلے جملے کا منتظر تھا۔

"تم راجکماری کنول کا نام سن کر خاموش کیوں ہو گئے موہن! تم نے پوچھا کیوں نہیں کہ اس نے مجھ سے کیا کہا تھا۔" شاردا نے شکوہ کیا۔ "کیا تم راجکماری کنول کے مقابلے میں مجھے اہمیت نہیں دو گے؟"

"کیا کہا تھا راجکماری نے۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس نے مجھ سے کچھ مانگا ہے موہن!" شاردا نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ "ایک ایسی چیز جو میرے اختیار میں ہونے کے باوجود میری نہیں ہے' وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اگر میں نے اس کی خواہش کا احترام نہ کیا تو وہ براہ راست دنیش سے بات کرے گی۔"

"پہیلیاں نہ بجھواؤ شاردا' میرا دل پھٹ جائے گا' مجھے صاف صاف بتاؤ کہ آخر بات کیا ہے؟ راجکماری نے ایسی کیا شے طلب کر لی ہے کہ تمہاری آنکھیں چھلک اٹھیں' کیا وہ چیز بہت قیمتی ہے' انمول ہے۔"

"وہ۔ وہ بہت حقیر اور ادنیٰ چیز ہے موہن! بہت ہی کم تر۔" شاردا نے مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ "راجکماری نے مجھے پھر مہاراجہ کے لئے مانگا ہے۔"

"نہیں۔" مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا شاردا کی آنکھیں برسنے لگیں' سسکیاں لے کر بولی۔ "میں اسی لئے کہتی تھی موہن! اس سے پہلے کہ برا وقت آئے یہاں سے مجھے لے کر کہیں دور نکل چلو' جہاں ہمارے سوا کوئی تیسرا نہ ہوا۔ تم دنیش کے ساتھ جانے کا وعدہ بھی کر چکے ہو' اب دیر مت کرو۔"

"شاردا۔" میں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے پوری شدت سے ہاتھوں کے حصار میں لے لیا۔ اس کا دل کسی زخمی پرندے کی مانند دھڑک رہا تھا' وہ میرے سینے میں جذب ہونے لگی۔

"اب بھی وقت ہے موہن!" ہچکیوں کے درمیان اس کی گھٹی گھٹی آواز کہیں دور ویرانوں سے ابھرتی سنائی دی۔ "مجھے ہاتھ تھام کر بھون سے دور لے چلو' یہاں اب میرا سانس گھٹنے لگا ہے' میں زندہ رہنا چاہتی ہوں' میرے لئے تم زندگی کا سب سے

قیمتی سرمایہ ہو‘ تم نے اب بھی میری بات نہ مانی تو شاید مجھے بھی کماری ہیما کی طرح۔“

”پڑھی لکھی ہو کر دیوانوں جیسی باتیں مت کرو۔“ میں نے اس کے پھول جیسے گالوں کو ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ ”تم زندہ رہو گی‘ جب تک موہن زندہ ہے تم بھی زندہ رہو گی‘ مجھ سے وعدہ کرو شاردا! میری روح! میری زندگی! تم دوبارہ کبھی مرنے کی بات زبان پر نہیں لاؤ گی۔ موت بزدلی کا دوسرا نام ہے‘ خوف کی انتہا ہے‘ ذہنی خبط کی بد ترین علامت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب زیادہ دیر نہیں ہوگی۔ تمہیں ونیش پر اعتماد ہونا چاہیے‘ وہ میرا دوست ہے‘ میرا محسن ہے‘ میرا بھائی ہے‘ میرا سیدھا ہاتھ ہے‘ اس نے زبان سے نہیں دل سے ہماری محبت کو تسلیم کیا ہے پھر تمہاری خوشیوں اور محبت کا گلا اپنے ہاتھوں سے کس طرح گھونٹ سکتا ہے؟ اسے ہماری خوشیاں منظور نہ ہوتیں تو کھل کر مجھے میری حیثیت کا احساس دلا سکتا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ بھون سے باہر لے جا کر کسی ویرانے میں یہ کہہ کر چھوڑ آتا کہ میں دوبارہ کبھی بھون کی سمت آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں لیکن ایسا نہیں ہوا‘ وہ بھی چاہتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ہو جائیں‘ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اب نریش کے آنے میں چند دن اور رہ گے ہیں‘ ہم یہ ریاست ہی نہیں اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور نکل جائیں گے‘ پھر زندگی بڑے سکون‘ آرام سے گزرے گی اور تم ابھی سے پریشان ہو گئیں۔“

میں شاردا کو تسلیاں دیتا رہا‘ مجھے اس سے عشق تھا مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ایک وقت میں کس کس سے وعدے نبھا پاؤں گا۔ پہلے بانو‘ پھر ڈالی‘ معصوم سندھیا‘ سونے کی ڈلی پارو‘ ہیروں سے مرصع ترنم‘ رس سے بھری انیتا‘ پھلوں سے لدی شاخ کی مانند میری طرف جھک کے دیکھنے والی ریتا‘ راجکماری کنول بھی خواب دیکھ رہی تھی۔ میری فہرست بہت طویل ہو گئی تھی‘ خود کو بچانے کی خاطر میں نے کیا کچھ نہیں کیا‘ کہاں کہاں بھٹکتا پھرا‘ کس کس سے سچ کس سے جھوٹ بولتا رہا‘ اپنے آپ سے‘ حالات سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔

شاردا میرے ساتھ بھون سے دور جانے کی باتیں کر رہی تھی‘ میں نے اس کی بڑی عزت کی تھی‘ احترام کیا تھا‘ وہ دبے قدموں میری زندگی‘ میری روح میں حلول ہوتی گئی۔ پرکاش بھون میں سب سے پہلے اسی نے مجھے تلاش کیا تھا‘ پہچانا تھا‘ میری

شناخت کی تھی‘ میرا بہروپ اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ چاہتی تو اسی وقت ملازموں سے کہہ کر مجھے دھکے دے کر بھون سے باہر پھنکوا سکتی تھی‘ اس نے ایسا کرنے کے بجائے مجھے بھون میں پناہ دی‘ میرے راز کو راز رکھا‘ ہر معاملے میں میری پشت پناہی کرتی رہی‘ مجھے سہارا دیتے دیتے مجھ سے سہارے کی طلبگار ہو گئی‘ وہ میری محسنہ تھی‘ وہ دوسروں سے مختلف تھی‘ میں نے اسے صرف چھوا تھا‘ کبھی توڑنے کی جسارت نہیں کی‘ میں اسے دھوکا کس طرح دے سکتا تھا؟

حالات میرے حق میں روز ایک نیا باب رقم کر رہے تھے وقت کی گردش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کبھی مہاراج کی طرف سے دعوت کا اہتمام ہوتا تو کبھی حوالات میں بند کر کے میری چمڑی ادھیڑی جاتی‘ کبھی چھاؤنی کے افسران میری ننگی پیٹھ پر ہنٹر برساتے‘ کبھی سلطنت برطانیہ کا سب سے قابل اعتماد اور بااختیار آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ میرے لئے اپنی فلیگ کار بھیج کر بلا لیتا‘ اپنی اکلوتی لڑکی کو میرے ہاتھوں میں سونپنے کا عندیہ ظاہر کرتا۔ آئی جی مہتا کے علاوہ مقامی پولیس کے افسران بھی نت نیا چولا بدلتے رہتے۔ شاردا میرے ساتھ جانے کو برہنہ پا تیار تھی۔ دوسری طرف سادھو دیواراج دو چندرما اور ایک سورج کی باتیں کر رہا تھا‘ میرے مستقبل میں کیا لکھا تھا؟ مجھے خود اس کا علم نہیں تھا‘ کوئی اندازہ نہیں تھا‘ اتنی فرصت ہی کہاں تھی کہ مستقبل کے بارے میں سوچتا‘ میں انسان نہیں راستے میں پڑا ایک پتھر تھا جسے دوسرے اپنی مرضی کے مطابق ادھر ادھر دھکیلتے رہتے تھے۔

میں بڑی دیر تک معصوم شاردا کو سینے سے لگائے تسلیاں دیتا رہا‘ یہ بھی ایک مذاق ہی تھا‘ جسے خود نہیں معلوم تھا کہ اگلے لمحے اسے کس افتاد سے دو چار ہونا ہے وہ دوسرے کو مستقبل کے سہانے خواب دکھا رہا تھا‘ زندگی ان ہی پیچ وخم کا نام ہے۔

”شاردا‘ مجھے وچن دو۔“ میں نے اسے خود سے علیحدہ کر کے اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔ ”تم کبھی کماری ہیما کے راستے پر جانے کی حماقت نہیں کرو گی۔“

”میں تمہاری بات نہیں ٹالوں گی لیکن اب زیادہ دیر نہ کرنا۔“ اس نے خود کو سنبھالا‘ وہ بڑے حوصلے اور پختہ ارادوں کی مالک تھی۔

”تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو۔“

”نہیں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم سے کبھی ناراض ہو گئی تو جیون

میں باقی کیا بچے گا۔'' اس کی آنکھوں میں حسرتیں مچل رہی تھیں۔

''یہ بات ہے تو پھر میری خاطر مسکرا دو۔''

''کبھی کبھی دل پر اختیار نہیں رہتا موہن! دم گھٹنے لگتا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''میں نے مسکرانے کی درخواست کی تھی۔'' میں نے اسے ہنسانے کی کوشش کی تو وہ زبردستی ایک نڈھال تبسم کو گداز ہونٹوں پر خم دینے کی کوشش کرنے لگی۔

میں نے اس کا ذہن بٹانے کی خاطر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں' ہم تا دیر خوابوں کے تانے بانے بنتے رہے پھر رات بھیگنے لگی تو میں اسے سونے کی تاکید کر کے باہر نکلا' میرے قدم دنیش کے محل کی جانب بڑھنے لگے۔ ذہن پر سادھو دیوراج کا کچھ اثر تھا' کچھ شاردا کی باتوں نے پریشان کر دیا تھا۔ اس لئے میں نے دنیش کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا' اپنے کوارٹر کی طرف لوٹ گیا۔!

☆......☆......☆

ایک دن اور گزر گیا۔

جب میں کوارٹر میں رات گزارتا تھا تو ڈالی میرے آگے پیچھے بچھی رہتی تھی' ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا' زیادہ تر ہمارے درمیان تناؤ کی کیفیت رہتی تھی۔ اس نے گڈے کے مستقبل کو سنوارنے کی خاطر اچھی خاصی دولت جمع کر لی تھی۔ گڈے کو پڑھا لکھا کر بہت بڑا آدمی بنانے کے خواب دیکھا کرتی' گڈے کے مستقبل کی فکر میں دن رات خوبصورت' حسین خیالوں کے تانے بانے بنی رہتی۔ رنگ برنگے شیش محل بنایا کرتی' ان ہی خوابوں کی خاطر اس نے اپنے حال کو داؤ پر لگا رکھا تھا۔ اسے اپنی کھڑی فصل کا لگان وصول کرنے کا ہنر خوب آتا تھا' اس کے باج گزار کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔ گھر جوائی بنے بھون میں اینڈتے پھر رہے تھے' دولت کی ان کے پاس کمی نہیں تھی' ملازمائیں اور داسیاں ان کی مرغوب غذا تھیں۔ ڈالی تو پھر اپنے آپ کو لئے دیے رکھتی تھی' شوکیس میں رکھے ہوئے مال کی طرح ہر گاہک کو للچاتی تھی لیکن دانا صرف اسی کو ڈالتی جہاں سے ایک کے دو وصول ہونے کی امید ہوتی۔ وہ کوئی عام عورت نہیں تھی' حالات نے اسے بڑی کمسنی میں زمانے کی اونچ نیچ اور لوگوں کی نظریں پہچاننے کے فن سے آگاہ کر دیا تھا' بڑی تجربہ کار ہو گئی تھی۔ پڑھی لکھی اور اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی

تو شاید کسی تجارتی ادارے میں بہت اونچے عہدے پر فائز ہوتی۔ ماتحتوں پر حکم چلا رہی ہوتی' بھون ہی جیسے کسی عالیشان مکان میں سکون سے زندگی گزار رہی ہوتی' ایسا نہ ہونے کے باوجود اس کا حوصلہ کبھی پست نہیں ہوا' اس نے مایوسی کو کبھی قریب نہیں بھٹکنے دیا' جھونپڑی میں رہ کر بھی محلوں کے خواب دیکھتی رہتی تھی' وہ اپنے مستقبل سے بڑی پر اعتماد تھی۔ اسی اعتماد نے اس کی جوانی کو ڈھلنے سے روک دیا تھا۔ وہ خاص طور پر ان کی جیبوں پر شبخون مارتی جو دنیش کی موچھوں پر تاؤ دیتے تھے' نکمے' بدحرام' مفت خور' بے غیرت۔

رات بڑی دیر تک ڈالی میرے ساتھ ایک ہی پلنگ پر لیٹی گڈے کے مستقبل کی باتیں کرتی رہی۔ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا لیکن میرا ذہن سادھو دیوراج میں الجھا رہا۔ دو چندرما اور ایک سورج والی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی' میں نے کیچو کا ذکر درمیان سے نکال کر ڈالی سے اس کا مطلب جاننے کی کوشش کی تو وہ دیدے نچا کر بولی۔

''ان سادھوؤں اور پنڈت پجاریوں کے چکر میں کبھی مت پڑنا شیرو! یہ بڑے چھپے رستم اور چھانٹی باز ہوتے ہیں' منہ میں رام رام اور بغل میں چھری' ان کے کاٹے کا کوئی منتر نہیں ہوتا۔ بھینٹ اور چڑھاوے کے تر مال کھاتے کھاتے مرکھنے بیل کی طرح ہٹے کٹے ہو جاتے ہیں۔ ان مسٹنڈوں کو بھولی بھالی معصوم پجارنوں اور مندر کی داسیوں کو الو بنانے کے سوا اور کچھ نہیں آتا' ماتھے پر تلک لگا کر' چولا بدل کر یہ دھرم کے نام پر سارے کالے دھندے کرتے ہیں' اوپر سے بگلا بھگت اور اندر سے گدھ۔'' ڈالی نے ایک موٹی سی غلیظ گالی بکتے ہوئے کہا۔ ''یہ جو تیرا کرچھے والا پنڈت ہے نا کبھی میرے آگے پیچھے منڈلایا کرتا تھا لیکن تجھ سے ڈرتا ہے اس لئے اس نے کبھی مجھے پرشاد دینے کے کارن مندر کے پچھواڑے آنے کی دعوت نہیں دی۔''

''کیوں فضول میں اپنی زبان خراب کرتی ہے' پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں' سب ذات برادری میں جہاں دس اچھے ہوتے ہیں وہاں ایک دو برے بھی ہوتے ہیں۔''

''تجھے میری بات کا وشواس نہیں تو بھون کی چھبیلی مالتی سے پوچھنا۔'' ڈالی جل کر بولی۔ ''تیرا کرچھے والا پنڈت اس چھمک چھلو کے شریر کا سوم رس بھی ڈکار چکا

ہے۔''

میں نے ڈالی کی معلومات کو مزید چیلنج کرنے کی حماقت نہیں کی' وہ زنانخانے میں ہر طرف دندناتی پھرتی تھی اس لئے میرے مقابلے میں رات کی تاریکی میں کھیلے جانے والے مختلف الٹے سیدھے کھیلوں کے بارے میں اس کی معلومات مجھ سے کہیں زیادہ تھیں۔

''میں نے تجھ سے دوچندرما اور ایک سورج والی بات پوچھی تھی اور تو پنڈت پجاریوں کے بخئے ادھیڑنے بیٹھ گئی۔'' میں نے سردمہری کا اظہار کیا تو وہ سنجیدہ ہوگئی۔

''اس نے تجھے کسی کام کی مہلت دی ہوگی۔'' ڈالی نے ذہن پر زور دے کر کچھ توقف سے کہا۔''دوچندرما اور ایک سورج سے تو دو رات اور ایک دن کی بات سمجھ میں آتی ہے' تو کماری شاردا سے کیوں نہیں پوچھ لیتا' اس نے تو بڑی موٹی موٹی کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔''

''گڈ ویری گڈ۔ اس سے تو' تو میری ڈکشنری ہے۔'' میں نے ڈالی کے بال تھام کر نوچتے ہوئے جواب دیا۔''اب میں سمجھ گیا کہ سادھو دیوراج مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا۔''

''ایک بات بتائے گا شیرو!'' وہ بال چھڑاتے ہوئے بولی۔''یہ ایشوری لال اور دیوراج تیرے اوپر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں؟ میرا کہا مان تو ان سے دور دور رہا کر' ان کی اور خاکی وردی والوں کی دوستی انسان کو ہمیشہ اندھیرے میں شکار کرتی ہے' بڑے گھاگ ہوتے ہیں۔''

''ذرا پربت اور شکنتلا پر بھی دھیان رکھنا۔'' میں نے سندھیا کی باتیں سوچ کر ڈالی سے کہا۔''مجھے خبر ملی ہے کہ یہ دونوں پر نکالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

''مجھے سب خبر ہے' کماری ہیما کی طرح یہ دونوں بھی جلدیپ کے کارن چکر گھنی بنی ہوئی ہیں۔'' اس نے بڑی رازداری سے کہا۔''آئے دن بن سنور کر بڑی حویلی کے چکر لگاتی رہتی ہیں' لیکن تو فکر نہ کر' میں ان دونوں کے لئے کافی ہوں۔''

گڈے نے رونے کا اسٹارٹ لیا تو وہ اچھل کر تیزی سے اس کے پاس چلی گئی۔ میں سادھو دیوراج کے بارے میں سوچنے لگا' وہ بار بار مجھے تاکید کرتا تھا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤں۔ اس کا خیال تھا کہ کچھو وہاں

میری راہ تک رہی ہوگی' میں اس کی باتوں کی گہرائی ناپنے سے قاصر تھا۔ کچھو اگر میری دیوانی تھی' میری راہ دیکھ رہی تھی تو اس کے لئے جنگل اور پہاڑوں کی قید کیوں' وہ مجھ سے بھون کے کسی ویران گوشے میں بھی مل سکتی تھی' اس نے کہا تھا اس کے کئی روپ ہیں' وہ کسی روپ میں بھی میرے پاس آ سکتی تھی۔ سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری لال بھی اس کے درشن کے پیاسے تھے لیکن ان کی آشا پوری نہیں ہوئی تھی۔

ایشوری لال کے مقابلے میں سادھو دیوراج زیادہ گہرائیوں میں ڈبکیاں لگاتا تھا' اس کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی شکتی ضرور تھی جو وہ دلوں کا بھید جان لیتا تھا' شاید اس نے میری بابت بھی سب کچھ جان لیا تھا۔ اس کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ کچھو کی وجہ سے اس نے اپنی زبان بند کر رکھی ہے۔ کل بھی اس نے اصرار کیا تھا کہ میں سے برباد نہ کروں۔ کچھو کی تلاش میں نکل جاؤں' دھرتی کے ہنگاموں سے کنارہ کشی کر لوں' اسی ضمن میں اس نے کچھ سوچ کر یہ بات کہی تھی کہ اب دوچندرما اور ایک سورج کی مدت کا اختیار میرے ہاتھوں میں تھا' اس کے بعد میری ایک نہ چلے گی۔

اس جملے کے ایک حصے کی وضاحت ڈالی نے آسان کر دی تھی لیکن دوسرا حصہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا' میں رات دیر تک اسی جملے میں سر کھپاتا رہا پھر ذہن جھٹک کر سو گیا۔

دوسرا دن حسب معمول مصروفیت میں گزرا' سورج غروب ہوا تو دنیش کی طرف سے بلاوا آ گیا' وہاں پارو اور مہارانی مایا دیوی بھی موجود تھیں' کمرے میں ایک سوگوار سی اداسی کا راج تھا۔ کوئی خاص بات تھی جو وہ سب مجھے سامنے دیکھ کر خاموش ہوگئے۔ پارو بے چین نظر آ رہی تھی' دنیش بھی کسی سوچ میں غرق تھا۔ مہارانی مایا دیوی کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی' میں نے ہاتھ باندھ کر مہارانی کو سلام کیا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

''موہن داس' آج ہم نے تمہیں ایک خاص کام کے لئے یاد کیا ہے۔'' انہوں نے مجھے بڑے ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔''دنیش تمہیں اپنا متر سمجھتا ہے' بھائی کہتا ہے' اس ناتے کچھ ہمارا بھی ادھیکار ہے تم پر۔''

''آپ کیول آگیا دیں' اس کا پالن کرنا میرا دھرم ہوگا۔'' میرا لہجہ پر اعتماد تھا۔

"جانتے ہو کماری ہیما کی موت کا کارن کیا تھا؟"

"بھون کے ڈاکٹروں نے دل کی بیماری بتائی تھی۔" میں جان بوجھ کر انجان بنا رہا۔

"نہیں۔" مہارانی نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے مدھم آواز میں جواب دیا۔ "اس دیوانی نے زہر پی کر جیو ہتیا کی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ موہن کو ان باتوں سے دور رکھا جائے۔" دنیش چپ نہ رہ سکا۔ "اس کے خلاف بڑی حویلی والوں نے پہلے ہی پولیس کے کان بھر رکھے ہیں' سوشیل مرڈر کیس ابھی تک پولیس کیلئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے' ریاست کے چپے چپے پر پہرہ لگا ہے' مہاراج نے قانون کے رکھوالوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں' جو ہو گیا ہمیں اسے بھول جانا چاہیے' کرید کرنے سے ہماری' آپ کی' سب کی بدنامی ہو گی' مرنے والی لوٹ کر نہیں آ سکتی۔"

"ہوسکتا ہے تم ٹھیک سوچ رہے ہو لیکن ہماری خاموشی دشمنوں کو پھر کوئی دوسرا وار کرنے پر اکسا سکتی ہے۔" مایا دیوی نے اپنی بات پر زور دینے کی کوشش کی۔ "ہمیں کوئی نہ کوئی اوپائے سوچنا ہوگا۔"

"آپ کسے دشمن سمجھ رہی ہیں؟" میں نے مہارانی مایا دیوی سے براہ راست سوال کیا۔ جواب میرے پاس تھا لیکن میں ان کی زبانی سننا چاہتا تھا' سب ہی جانتے تھے ہیما' جگدیپ کی وجہ سے خودکشی پر مجبور ہوئی تھی۔ اپنی ناکامی برداشت نہ کر سکی تو جان دے دی' یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے قدم کسی موڑ پر ڈگمگا گئے ہوں' جگدیپ نے حسین خواب دکھا کر لوٹ لیا ہو' برباد کر دیا ہو' وہ بدنامی کے خوف سے موت کی وادیوں میں پھلانگ گئی' سب دیکھتے رہ گئے' کسی نے چپ سادھ لی' کوئی بھون کی جانب اٹھنے والی انگلیوں کے خوف سے کترا گیا۔ کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو آگے بڑھ کر جگدیپ کا گریبان تھام لیتا۔ کماری ہیما نے مرنے سے پیشتر جو خط لکھا تھا وہی جگدیپ کی کمینگی کا سب سے بڑا ثبوت تھا' مرنے والی کی آخری وصیت بھی اسی کی سمت ایک واضح اشارہ تھا لیکن خود مہارانی مایا دیوی نے اس خط کو سامنے نہیں آنے دیا۔ وقتی طور پر وہ بھی بوکھلا گئی تھیں' اب ان کی رگ حمیت پھڑ پھڑا رہی تھی' غالباً ہیما کی بھٹکتی ہوئی بے چین آتما نے ان کی غیرت کو للکارا تھا یا پھر ان کی دوربین نظروں نے پریت اور

کسم کا انجام بھی قبل از وقت محسوس کر لیا ہوگا۔ وہ جوشیلے اور دیوانے جذبات کے آگے بند باندھنے کی تدبیر کر رہی تھیں' انہیں شاید ان دریاؤں کے تیز بہاؤ کا اندازہ نہیں تھا۔

بہرحال' پہلی بار جگدیپ کے خلاف پرکاش بھون سے ایک آواز ابھری تھی' دنیش مجھے آگ میں نہیں جھونکنا چاہتا تھا اس لئے مخالفت کر رہا تھا' پارو بھی گم سم نظر آ رہی تھی لیکن میری خواہش تھی کہ جو آواز بلند ہوئی ہے اسے دبایا نہ جائے۔ سندھیا اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہوتی' تو شاید ہیما بچ جاتی' اٹھارہ افراد بے گناہ مارے گئے' جس کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی وہ بچ گیا۔ اس نے بڑی دیدہ دلیری سے ہیما کی ارتھی کو شمشان گھاٹ تک پہنچایا۔ دنیش کو مصلحتاً اسے گلے بھی لگانا پڑا' میں بھی خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ حسرت دل کی دل ہی میں مچلتی رہ گئی' وہ ریاست راجے پور میں میرا سب سے بڑا دشمن تھا' اس کے ہرکارے میری گھات میں لگے رہتے تھے' وہ قسمت سے میری زد پر آیا' اس وقت نشانہ بڑا سچا اور لاجواب ثابت ہوتا مگر میں خود مجرم تھا' بڑی دیر' بڑی دور سے بھاگتا ہوا پرکاش بھون میں آ کر سکون کا سانس لیا تھا' شاید میرے لاشعور میں بھی پھانسی کا پھندہ ہی رہا ہوگا جس نے مجھے بزدل بنا دیا۔ میں بھی نظریں چرا کر جگدیپ کے سامنے سے ہٹ گیا لیکن اب مہارانی مایا دیوی کی غیرت نے جوش مارا تو میں بھی ان کا ہم خیال بن گیا۔

"کیا تم اس سے واقف نہیں ہو۔؟" مہارانی مایا دیوی نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے مجھے ٹٹول لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

"میں بنتی کرتی ہوں۔" پارو نے مہارانی مایا دیوی سے کہا۔ "اس بات کو یہیں دفن کر دیجئے' میں نے موہن داس کو بلانے سے پہلے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا تھا' ابھی کچھ دنوں تک ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔"

"لیکن ہیما کی آتما اس وقت تک شانت نہیں ہو گی جب تک جگدیپ زندہ ہے۔" مایا دیوی کی زبان سے جگدیپ کا نام نکل گیا' انہیں اپنے آپ پر قابو نہیں رہا تھا۔

"جگدیپ۔" میں نے چونک کر کہا۔ "اب آپ کوئی چنتا نہ کریں مہارانی' میں آپ کو وچن دیتا ہوں کہ جب تک کماری ہیما کی آتما کو چین نہیں آتا آپ کا یہ سیوک بھی سکون سے نہیں بیٹھے گا۔"

''لیکن تم۔'' دنیش نے میری سمت دیکھا۔ ''تم ابھی جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے' مجھے بتائے بغیر بھون سے باہر نہیں جاؤ گے۔''

''آج نہیں تو کل' کبھی نہ کبھی تو اس کہانی کو انجام تک پہنچانا ہوگا۔'' میں نے اضطراب کا اظہار کیا۔ ''کب تک بھون میں قلع بند رہیں گے؟''

''مگر ابھی حالات ساز گار نہیں ہیں۔'' دنیش بے چین ہوگیا۔ ''تم کوئی حماقت نہیں کرو گے' یہ میرا حکم ہے۔''

''دنیش ٹھیک کہتا ہے موہن داس۔'' مایا دیوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے وچن دے کر میرے من کا بوجھ ہلکا کر دیا' بھگوان تمہیں خوش رکھے۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ میرے کارن تم کہیں اپنے پاؤں پھنسا بیٹھو' جو بھی کرنا بہت سوچ وچار کے بعد کرنا۔''

پارو بل کھاتی مایا دیوی کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی تو دنیش نے کہا۔

''موہن' تم نے مجھے وچن دیا تھا کہ پندرہ دن بعد میرے اور شاردا کے ساتھ اس ملک سے دور نکل چلو گے' یاد ہے تمہیں۔'' وہ اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا' میں اس کے اضطراب کی وجہ سمجھ رہا تھا۔ ''ذرا غور کرو موہن! اگر ہیما کی خود کشی کی وجہ لوگوں کے کانوں تک پہنچ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا' بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی' آج جو لوگ جھک کر پرنام کرتے ہیں کل ان کے ہونٹوں پر بڑی ذلت آمیز مسکراہٹ ہوگی' میں خود اپنی نظروں میں کتنا گر جاؤں گا' تم کیا سمجھتے ہو؟ ہیما کی ارتھی کے سامنے جگدیپ کو گلے لگاتے سمے میرے اندر آگ کے شعلے نہیں بھڑکے ہوں گے؟ انسان اتنا بے غیرت تو نہیں بن سکتا' حالات مجبور کر دیتے ہیں' میں خون کے گھونٹ پی پی کر ایک ایک دن گزار رہا ہوں' مجھے صرف نریش کا انتظار ہے' وہ دو ایک دن میں آنے والا ہے' اس کے آتے ہی میں تمہیں اور شاردا کو لے کر ریاست کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دوں گا' اسی میں ہماری عزت اور بھلائی ہے اور تم نے مہارانی مایا دیوی کو وچن دے دیا کہ جگدیپ کو جہنم رسید کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھو گے۔'' دنیش کا جنون بڑھتا گیا۔ ''بولو موہن' جواب دو' کیا تم بھی سب کے سامنے مجھے ننگا کر دو گے۔''

''ایسا نہیں ہے دنیش بابو!'' میں نے ہاتھ باندھ لئے۔ ''میں آپ کی پوزیشن

سمجھ رہا ہوں لیکن......''

''وہ ضدی عورت ہے موہن! میں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی' رانی پارو نے بھی تمہیں اس معاملے کے درمیان لانے کی مخالفت کی تھی لیکن اس نے بنسی لال کو تمہیں بلانے بھیج دیا۔'' دنیش الجھنے لگا۔ ''مہارانی کو کماری ہیما کی آتما کو شانت کرنے کا دھیان ستا رہا ہے۔ میں بھون کی رنگ رلیوں سے اتنا بے خبر بھی نہیں' پریت اور کسم بھی بے لگام ہو رہی ہیں' شکنتلا کسی منہ زور گھوڑی کی طرح اپنی من مانی کرتی پھر رہی ہے' آج ہیما چلی گئی' کل پریت بھی اس کی چھایا کے پیچھے دوڑ لگانے پر مجبور ہو سکتی ہے۔ میں کس کس کو روکوں گا؟ کس کس کا ہاتھ تھام کر یہ بتانے کی کوشش کروں کہ وہ جس راستے پر اندھا دھند بھاگ رہی ہیں اس کا انت مرگھٹ ہے' انہیں ترنم نظر نہیں آتی جو کوٹھے سے اتر کر زمین پر آ گئی' وہ آنکھ بند کئے تمہاری پوجا کر رہی ہے' ہر عیش و عشرت کو ٹھوکر مار دی اس نے' وہ بھی تو عورت ہے' اسے ہمارے قصے کہانیاں معلوم ہوں گے تو وہ کیا سوچے گی ہمارے بارے میں۔''

''دھیرج' دنیش بابو دھیرج۔'' میں نے قریب جا کر دنیش کے ہاتھ تھام لئے۔ ''مجھے آپ کو دیا ہوا وچن یاد ہے' میں نریش کے آتے ہی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں لیکن......''

''پھر وہی لیکن۔'' دنیش تلملا اٹھا۔ ''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم میری مرضی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے' میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔''

''موہن' موہن!'' وہ بے اختیا مجھ سے لپٹ گیا' بھرائی ہوئی غمزدہ آواز میں بولا۔ ''تم' تم مجھے بہت عزیز ہو موہن' میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔''

''میں کہیں نہیں جاؤں گا دنیش بابو' ہمیشہ آپ کے چرنوں میں رہوں گا' آپ کے سوا اپنا اور ہے بھی کون۔''

''کیوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''شاردا ہے' ترنم ہے' تمہاری سب سے بڑی ہمدرد ڈالی بھی ہے' گڈا ہے' اور نہ جانے کتنی گڑیاں اور گڈے ہوں گے جنہیں تم پیچھے چھوڑ آئے ہو گے' اب تو کھل جاؤ موہن' مجھ سے کیا پردہ' سچ کہو! کس کس کو گھائل کر چکے ہو؟''

میں مسکرا دیا' بات آگے نہ بڑھ سکی' مہارانی مایا دیوی کا بلاوا آ گیا تھا دنیش کے لئے' ممکن ہے پارو نے اسے اونچ نیچ سے آگاہ کیا ہو' بات مایا دیوی کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

''میں ابھی آیا موہن! تم کہیں جانا نہیں' آج رات میرے پاس ہی رہنا' ترنم کو بلا کر اس سے کچھ باتیں کریں گے' اس کا من بھی بہل جائے گا۔''

دنیش چلا گیا تو میں مسکرانے لگا' کسی اور پر نہیں' اپنے آپ پر' کیسی عجیب صورت حال تھی۔ دنیش کو نریش کا انتظار تھا جو ایک دو روز بعد آنے والا تھا' دوسری طرف سادھو دیوراج نے کیچو کے سلسلے میں میرے اختیار کی جو مدت مقرر کی تھی اس میں بس ایک چندرما کا وقفہ باقی رہ گیا تھا' ایک طرف مہاراجہ' شاردا کا ہاتھ پکڑنے کے سنہرے سپنے دیکھ رہا تھا' دوسری طرف راجکماری کنول میرے خوابوں میں مگن تھی' مہارانی مایا دیوی کو کماری ہیما کی بے چین آتما کا خیال ستا رہا تھا اور میں حالات کی اونچ نیچ پر غور کئے بغیر جگدیپ کو مارنے کا وعدہ کر بیٹھا' میرے مسکرانے کی ایک وجہ کرنل بھی تھا جس کی تمام ہیکڑی ریتا کے جنونی پیار کے سامنے دھری کی دھری رہ گئی تھی' وہ ریتا کو مجھے سونپنے پر آمادہ ہو گیا' سفید فام سیاہ فام کے سامنے گھٹنے ٹیک رہا تھا' لوگ الف لیلیٰ کی داستان کو مضحکہ خیز کہتے ہیں' اپنے گریبانوں' اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر نہیں ڈالتے جو الف لیلیٰ کی داستان سے زیادہ مضحکہ خیز ہے۔

یکلخت میرے ذہن میں نہ جانے انیتا کا خیال کیسے آ گیا' مجھے شرارت سوجھی' کیوں نہ اسے بھی ٹٹول کر دیکھ لیا جائے۔ اوپر سے تو بڑی اجلی اور پروقار نظر آتی ہے' اندر سے نہ جانے کیسی ہو' کئی بار وہ میری طرف پیش قدمی کرتے کرتے رک گئی تھی' آج میں نے اسے چھیڑنے کی ٹھان لی لیکن اس سے پیشتر کہ میں بڑی حویلی کے نمبر گھماتا فون کی گھنٹی بجنے لگی' ایک لمحے کو میں نے سوچا کہ گھنٹی بجنے دوں' دنیش کا فون ہوگا' اگر کسی کو ضروری کام ہے تو ایک بار مایوس ہو کر دوبارہ قسمت آزمائی کرلے گا پھر میں نے نہ چاہنے کے باوجود ریسیور اٹھا لیا۔

''کون۔'' کسی نے کھردری آواز میں پوچھا۔

''موہن داس!'' میں نے جواب۔

''تم موہن داس ہی ہو۔'' اس بار تصدیق کرنے کا انداز بھی تیکھا تھا۔

''ہاں۔'' میرے اندر تناؤ آ گیا۔ ''میں موہن داس بول رہا ہوں' تم کون ہو۔؟''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے کہ میں کون ہوں۔'' بولنے کا انداز پہلے سے زیادہ تلخ ہو گیا۔ ''تمہارے ساتھ اس وقت اور کون کون ہے؟''

''مسخرے لگ رہے ہو۔'' میں نے اس کا مذاق اڑایا۔ ''اگر کوئی میرے ساتھ ہے بھی تو کم از کم تمہیں نہیں دیکھ سکتا' کام کی بات کرو۔''

''ہم تمہیں ایک خوشخبری دینا چاہتے ہیں' سنو گے تو اچھل پڑو گے۔''

''کیا میں تمہاری بات سننے سے پہلے ہی اچھلنا شروع کر دوں۔''

''اس کا فیصلہ بعد میں کر لینا۔'' بولنے والا کرخت آواز میں بولا۔ ''کان کھول کر سنو موہن داس' تمہاری کبوتری اور اس کا بچہ اس وقت ہمارے پاس ہیں۔''

''کیا۔'' مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ''تم ڈالی اور گڈے کی بات کر رہے ہو۔''

''ہاں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ وہ دونوں زندہ رہیں تو وقت ضائع کئے بغیر دو گھنٹے کے اندر اندر ریاست کی سرحد پار کر جاؤ۔'' اس بار اس کے لہجے میں سفاکی بھی شامل ہو گئی۔ ''ہم وعدہ کرتے ہیں جیسے ہی ہمارے آدمیوں نے خبر دی کہ تم نے اچھے بچوں کی طرح ہمارا کہا مان لیا ہے' ہم تمہاری عورت اور بچے کو عزت کے ساتھ دوبارہ بھون پہنچا دیں گے۔''

''دوسری شکل میں تم کیا کرو گے؟'' میرے اندر سنسناہٹ شروع ہو گئی۔

''تم نے کبھی گنے کو تیسری بار مشین سے نکلتے دیکھا ہے' ہم ان دونوں کا اس سے بھی بدتر حال کر دیں گے' ان دونوں کی زندگی پیاری ہے تو شرافت سے ہمارا کہا مان لو' ورنہ ہم جو کہتے ہیں اسے کر گزرنے کی شکتی بھی رکھتے ہیں۔ تم بہت کھیل کود لئے' اب ہماری باری ہے۔ تم کو کیول دو گھنٹے دیئے جا رہے ہیں' اس کے بعد بازی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

میرے وجود کی گہرائیوں میں زہریلے سانپ سرسرانے لگے' رگوں میں خون کھولنے لگا۔ وہ جو بھی تھے بڑے نامرد لوگ تھے۔ مجھ پر قابو نہ پا سکے تو ڈالی اور گڈے پر ہاتھ صاف کر گئے۔ بزدل' کمینے' مرد ہوتے تو چھاتی ٹھونک کر مقابلے پر

آتے' میں جیسے کسی بھیانک خواب کی تعبیر کے بارے میں غور کر رہا تھا' میری پلکوں کے نیچے بار بار اندھیرے لپکنے لگتے۔ میں دل ہی دل میں انہیں مغلظات سناتا رہا پھر ایک موہوم سی امید نے مجھے سہارا دیا' کیا ضروری تھا کہ فون پر جو اطلاع ملی ہو وہ سچ ہی ہو' لوگ گھٹیا مذاق کرنے کے بھی عادی ہوتے ہیں۔ میں ڈنیش کا انتظار کئے بغیر تیزی سے پلٹ کر کوارٹر کی سمت دوڑنے لگا' کوارٹر کے دروازے پر باہر سے کنڈی لگی تھی' میں کنڈی کھول کر پاگلوں کی طرح اندر داخل ہوا' کچے صحن میں افراتفری نظر آرہی تھی' برآمدے میں گڈے کا جھولا ایک طرف الٹا پڑا تھا' اس کے ساتھ کھانے کی پلیٹ پڑی تھی' سالن اور روٹی بھی ادھر ادھر بکھری پڑی تھی۔

ڈالی شاید اس وقت گڈے کے پاس کھانا زہر مار کر رہی ہوگی جب موت کے ہرکارے اس پر ٹوٹ پڑے ہوں گے' اسے پوری روٹی کھانے کا موقع بھی نہ مل سکا' اس نے مزاحمت ضرور کی ہوگی لیکن آنے والے ایک دو نہیں ہوں گے' دو تین نے ڈالی کو قابو کیا ہوگا ایک نے گڈے کو گھسیٹ کر جھولے سے باہر نکالا ہوگا' ایک دو باہر بھی پہرے پر موجود ہوں گے۔ شیر کی کچھار میں داخل ہونے والے خالی ہاتھ نہیں ہوتے' پوری طرح جدید ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں۔ "مار دو یا مر جاؤ" کے سوا ان کے پاس کوئی تیسرا حل نہیں ہوتا۔

میرے جسم میں پٹاخے چھوٹنے لگے' فون پر دی جانے والی اطلاع غلط نہیں تھی' میں نے پاگلوں کی طرح کوارٹر کا ایک ایک کونا کھنگال ڈالا' در و دیوار کی خاموشی بتا رہی تھی کہ ڈالی اور گڈا وہاں نہیں تھے' میں چارپائی کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں کئی خطرناک پروگرام مرتب ہو رہے تھے' سینے کے اس پار گھن گرج ہو رہی تھی' طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا' لاوا ابل رہا تھا' ایسے میں ڈالی کی منت کرتی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"شیرو' ہم نے گڈے کا بھوش بنانے کے کارن ڈھیر ساری دولت جمع کر لی ہے' اب تجھے کس بات کا انتظار ہے' میرا کہا مان' نکل چل یہاں سے بڑی خاموشی سے' دیر کرے گا تو پھر پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔"

میں سچ مچ ہاتھ ملتا رہ گیا' نامرد لوگ ایک عورت اور بچے کے ساتھ مردانگی دکھا کر فرار ہو چکے تھے۔ میرے پاس عمل کرنے کا وقت بھی کم تھا' صرف دو گھنٹے' ان

دشمنوں میں مجھے بہت کچھ کرنا تھا' مرنا تھا یا پھر مار ڈالنا تھا' میں کوارٹر سے نکل کر دوبارہ ڈنیش کے محل کی سمت سرپٹ دوڑنے لگا' ڈنیش ابھی تک مہارانی مایا دیوی کی طرف سے واپس نہیں پلٹا تھا۔ میرے پاس اس کے انتظار کا وقت بھی نہیں تھا' میں نے برق رفتاری سے دوسرے کمرے میں جا کر ڈنیش کے خفیہ اسلحہ خانے سے دو پستول نکالے' کچھ فاضل راؤنڈ جیبوں میں رکھے۔ پھر میں واپس پہلے کمرے میں آیا تو میری نظر فون پر پڑی' دشمنوں نے اندھیرے میں چھپ کر پشت سے خنجر گھونپا تھا' میں انہیں للکار کر موت کے گھاٹ اتارنے کا خواہشمند تھا' اب شاید فیصلے کا وقت آ چکا تھا۔ کوئی حسرت دل میں رہ جاتی تو روح کو کچوکے لگاتی رہتی' میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا' اکڑی ہوئی انگلیاں نمبروں پر مچلنے لگیں' فون کی گھنٹی کی آواز آتی رہی پھر چار پانچ گھنٹیوں کے بعد ایک مردانہ آواز ابھری۔

"کون......؟" بولنے والے کا لہجہ خمار آلود محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے کنور جگدیپ سے بات کرنی ہے۔" میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کون بول رہا ہے۔؟"

"میں نام نہیں بتا سکتا' کنور سے بات کراؤ۔" میں نے سرد لہجے میں گھڑکی دی۔ "بہت اہم بات کرنی ہے۔"

"میں بول رہا ہوں لیکن تم کون ہو۔؟"

"کنور جگدیپ!" میں زخمی شیر کی طرح دھاڑا۔ "نام بتانے سے کیا فرق پڑے گا' جب ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں تو پھر سے برباد کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔"

"کس کارن فون کیا ہے۔؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

"تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کنور جگدیپ' میری بات دھیان سے سنو! میں ریاست چھوڑ کر نہیں جاؤں گا اور تمہیں میری عورت اور بچہ زندہ سلامت واپس کرنا ہوگا۔ میں تمہیں صرف ایک گھنٹہ دے رہا ہوں' اپنے آدمیوں کو حکم دو کنور کہ وہ انہیں واپس چھوڑ جائیں' ان دونوں کو کوئی خراش نہیں لگنی چاہئے' اگر میرے حکم کے خلاف کرو گے تو انجام خطرناک ہوگا' تمہاری کئی بہنیں ہیں' تمہیں ان کی عزت و آبرو بھی ضرور عزیز ہوگی' میری باتوں کو کسی دیوانے کی بڑ سمجھ کر ٹالنے کی کوشش مت کرنا'

پچھلے تجربے تو تمہیں یاد ہوں گے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" وہ بھی غضبناک لہجے میں بولا۔ "میں کسی عورت اور بچے کو نہیں جانتا تم نے شاید غلط جگہ......"

"میرے اندازے غلط نہیں ثابت ہوتے کنور جگدیپ! ہاں' تم نے میرے بارے میں ہمیشہ غلط اندازے قائم کئے ہیں لیکن ہر بار اس کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو' ایک بار بڑی حویلی سے اٹھارہ ارتھیاں ایک ساتھ اٹھی تھیں۔ اس بار پوری حویلی کو جلا کر بھسم کر دوں گا' تم نے میری ایک عورت اور بچے پر ہاتھ ڈالا ہے' میں تمہاری ساری عورتوں کو بے عزت کر کے انتقام لوں گا' بچوں کی ٹانگیں چیر ڈالوں گا' تمہارے شریر کے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلاؤں گا۔"

"شٹ اپ۔ یو ڈرٹی ڈاگ۔" وہ حلق کے بل چلایا۔

"یو۔ سن آف اے بچ۔" میں نے بھی اسے انگریزی میں کتیا کے بچے کے خطاب سے نوازا۔ "ایک بار پھر میرا چیلنج غور سے سن لو' ایک گھنٹے کے اندر اندر عورت اور بچے کو عزت کے ساتھ واپس کر دو۔" میں نے اسے للکارا۔ "یہ مت سمجھنا کہ میں ڈر کر بھاگ جاؤں گا' تمہیں اگر میری بات منظور نہیں تو بیشک تم ان دونوں کی لاشیں بھون کے صدر دروازے کے آس پاس کہیں پھینکوا دو' ایک بات یاد رکھنا' جواب میں جتنی لاشوں کو روندوں گا انہیں شمار کرتے کرتے تمہیں صحیح گنتی بھی نہیں یاد رہے گی' تم نے بارود کے ذخیرے کو آگ دکھانے کی حماقت کی ہے' اب دھماکوں کے لئے تیار رہنا۔"

"موہن داس بول رہے ہو؟" اس نے سرد لہجے میں میرا نام پوچھا۔

"نام کی نہیں' صرف کام کی بات کرو' تمہارے پاس کیول ایک گھنٹے کا سمے ہے' اس کے بعد کیا ہوگا' یہ تم خوب جانتے ہو۔"

"نان سنس۔" اس نے حقارت سے کہا پھر فون بند کر دیا۔

میرے سینے کے اندر آگ بھڑکنے لگی' میں نے شاید اسے جوابی فون کر کے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر وہ بہت کچھ کر سکتا تھا' چھاؤنی فون کر کے کرنل ہارڈنگ کو میری دھمکی سے آگاہ کر سکتا تھا' آئی جی مہتا کو بڑی حویلی کی حفاظت کے انتظام کرنے کے احکام جاری کرا سکتا تھا' مہاراجہ کو بتا سکتا تھا کہ کنور

دنیش چندر کا خاص ملازم پاگل ہو گیا ہے' اس کو پکڑ کر مشکیں کس دی جائیں۔ وہ لاکھی پور کے غنڈوں اور بدمعاشوں کو میرے مقابلے پر صف آرا کر سکتا تھا' میں ایک تنہا شخص کس کس سے ٹکراتا۔

کنور ایک کمینہ اور اوباش شخص تھا' راج گدی کی لالچ میں اس نے ریاست کے طول و عرض میں اپنی جڑیں دور دور تک پھیلا رکھی تھیں' اپنے تعلقات کے بل بوتے پر وہ کچھ بھی کر سکتا تھا' جو لوگ ڈالی اور گڈے کو اٹھا کر لے گئے تھے ان سے بھی شرافت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے ان حرامزادوں نے اب تک ڈالی کا لباس تار تار کر ڈالا ہو' بھوکے گدھ بن کر اس پر ٹوٹ پڑے ہوں' نوچ رہے ہوں' کھسوٹ رہے ہوں' گڈا کہیں ننگے فرش پر پڑا بلک رہا ہو گا' ڈالی حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہی ہو گی۔ مجھے آوازیں دے رہی ہوگی۔

میرے تن بدن سے بچھو لپٹ گئے' ڈنک مارنے لگے' میں نے غصے میں بھڑک کر خود اپنا راستہ کھوٹا کر لیا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا۔ صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے راستے میں دیواریں کھڑی کرنے میں کامیاب ہوں' میں برق بن کر ان پر ٹوٹ پڑوں' تہس نہس کر دوں' خاک میں ملا دوں' دنیش' پارو' شاردا آ جاتے تو وہ مجھے بھڑکتی آگ میں چھلانگ لگانے کی اجازت کبھی نہ دیتے۔ مجھے ملازموں سے پکڑوا کر کسی کمرے میں بند کر دیا جاتا' دنیش اپنے خاص آدمی کو دشمنوں کے نرغے میں جانے کی اجازت کبھی نہ دیتا' دنیش کے لئے میں گڈے اور ڈالی سے زیادہ اہم تھا۔ اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں لپک کر دنیش کے محل سے باہر آ گیا' ملازم اور پہرے دار میری بھاگ دوڑ سے نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے' مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی' میں آندھی اور طوفان کی طرح بھاگتا ہوا دوبارہ اپنے کوارٹر میں گیا' میں نے رسی کا وہ لچھا اٹھا لیا جو پہلے بھی دو تین بار پرکاش بھون سے باہر جانے میں میری مدد کر چکا تھا۔

راستے میرے جانے پہچانے تھے' میں سرپٹ دوڑتا ہوا بھون کی اس فصیل تک پہنچ گیا جہاں ایک تناور درخت موجود تھا' میں نے رسی کا پھندا بنا کر درخت پر پھینکا پھر برق رفتاری سے رسی پر چڑھتا فصیل تک پہنچا اور دوسری جانب چھلانگ لگا

دی' میرے اندر کا وحشی موہن داس پوری طرح بیدار تھا' میں اپنی رفتار تیز سے تیز کرتا جا رہا تھا' ایک پستول میں نے ہاتھ میں لے رکھا تھا' دوسرا جیب میں تھا' میں ہر خطرے سے ٹکرانے کو پوری طرح آمادہ تھا۔ ڈالی کا احسان مجھ پر قرض تھا' میں اس کے آڑے وقت میں پیٹھ نہیں دکھا سکتا تھا۔ موت اور زندگی تو اوپر والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے' پھر ڈرنا کیسا۔

میں بڑی سرعت سے اپنی منزلیں طے کر رہا تھا کچھ دیر بعد بڑی حویلی میری نظروں کے سامنے تھی' میں نے صدر دروازے سے اندر داخل ہونے کے بجائے کسی بغلی راستے کو اختیار کرنا مناسب سمجھا' پہلے بھی ایک بار میں بڑی حویلی میں داخل ہو چکا تھا' اندر کے راستے میرے دیکھے بھالے تھے۔

باہر گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ حویلی کے اندر روشنیاں جگمگا رہی تھیں' میرے سینے میں انتقام کی آگ اور بھڑک اٹھی' طوفان کی شدت بڑھ رہی تھی کہ اچانک ایک مانوس آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔

''بہت ہو چکا موہن داس! تم نے اپنی من مانی کر لی' مجھ کو دیا ہوا وچن بھی تمہیں یاد نہیں رہا۔ سادھو دیو راج نے تمہیں کہا بھی تھا کہ تمہارے پاس کیول دو چندرما اور ایک سورج کا سمے باقی رہ گیا' اب وہ سمے بھی بیتا جا رہا ہے۔ کیا ٹھان رکھی ہے من میں' کس آگ میں کودنے جا رہے ہو؟''

''کیچو۔'' میرے ذہن میں دھماکا ہوا' میں نے پلٹ کر چاروں طرف نظر دوڑائی' وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آئی' شاید میں کسی وہم میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے ذہن کو جھٹکا' دوبارہ قدم آگے بڑھائے لیکن پھر مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرا ہاتھ پوری قوت سے جکڑ لیا ہو۔ پستول پر میری گرفت کمزور پڑ گئی' میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ تیز نشے کی کیفیت تھی جو میرے ذہن کو مفلوج کر رہی تھی۔ میرے قدم لڑکھڑانے لگے' میں نے ہاتھ پھیلا کر کوئی سہارا تلاش کرنے کی سعی کی لیکن میرا ذہن تیزی سے غنودگی اور بیہوشی کی ملی جلی کیفیتوں میں ہچکولے کھانے لگا' پھر یوں لگا جیسے کسی نے مجھے گود میں اٹھا لیا ہو۔ معطر اور تیز خوشبو کا جھونکا میرے گرد حصار پھیلا رہا تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوت مفلوج ہوتی گئی' مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہا!

☆......☆......☆

میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں پھر جلدی سے دوبارہ موند لیں۔

مجھے اپنی قوت بصارت پر شبہ ہو رہا تھا جو کچھ میں نے دیکھا وہ ایک خواب بھی ہو سکتا تھا' حقیقت سے مجھے اس کا کوئی تعلق نہیں محسوس ہوا' میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولنا شروع کیا۔ گزرے ہوئے لمحے' بیتی باتیں ایک ایک کر کے میری یادداشت کی چوڑی اسکرین پر کسی متحرک فلم کی مانند منظر تبدیل کرتی رہیں۔ میں دنیش کے محل میں تھا جہاں مہارانی مایا دیوی نے مجھے پارو اور دنیش کے منع کرنے کے باوجود طلب کیا تھا' میں نے دنیش کا نمک کھایا تھا' مجھے پرکاش بھون میں رہنے کے لئے ایک کوارٹر مہیا کیا گیا تھا جہاں میں دن بھر کا تھکا ماندہ جا کر گنڈے کے ساتھ دل بہلایا کرتا تھا۔ ڈالی سے الجھتا' وہ غصے میں مجھے اچھی لگتی تھی' میں کوئی تلخ بات کہہ دیتا' کوئی ایسا جملہ جو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا' جواب میں وہ مجھے بلی کی طرح گھورتی پھر جلی کٹی سنانے لگتی۔ میں دل ہی دل میں مسکراتا رہتا اسے کیا خبر کہ میں ایسا کیوں کرتا تھا' میں کسی نواب خاندان کا فرد نہیں تھا جو حسین و جمیل دوشیزائیں مجھے سلانے کی خاطر نغمے الاپنے کی خاطر اکٹھا ہوتیں۔ میں کسی محل سرا میں نہیں رہتا تھا جہاں نازک اندام رقاصائیں اپنے جسم کے لوچ سے میرا دل گرماتیں' میں گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ان کی اداؤں پر جھومتا رہتا' ان کی مخمور آنکھوں سے رس کشید کرتا' ان کے حسن کی تپش میرے جذبات کو گرماتی' ہاچل مچاتی' میں انہیں ہاتھ اٹھا کر ایک اشارہ کرتا' وہ لہراتی بل کھاتی میرے قریب آتیں' نشیلی آنکھوں سے مجھے دیکھتیں اور میری آغوش میں سما جاتیں' میں آہستہ سے ہونٹ ہلا کر ''تخلیہ'' کہتا اور ماسوا ایک ماہ رخ کے باقی تمام حسینائیں سر تسلیم خم کر کے اپنی حشر سامانیاں سمیٹے کورنش بجا کر میری خواب گاہ میں پڑے سرسراتے اطلس اور کمخواب کے پردوں سے گزر کر میری نگاہوں سے دور ہو جاتیں۔ دور

سے ہلکی ہلکی موسیقی کی دھنیں میرے دل کو گرماتیں' میں اپنے پہلو میں بکھری ہوئی حسینہ کے دل کے تار چھیڑتا تو وہ بھی کسی ساز کی طرح گنگنانے لگتی' میں اس کے بدن کو اپنی امارت' اپنی جوانی کا خراج پیش کرتا' وہ دل ربائی کی باتیں کرتی اور وقت روئی کے گالوں کی طرح اڑتا چلا جاتا' یہ آسائشیں میرے اختیار میں کہاں تھیں۔ میں ڈالی سے دل بہلا لیتا۔

فلک کج رفتار کی گردشوں نے میری بے بسی کا مذاق اڑایا تھا' میرے اپنوں نے میرے ساتھ دل کھول کر زیادتیاں کی تھیں' مجھے کچوکے لگائے گئے۔ ایک زخم بھرنے لگتا تو دوسرا نشتر چبھو دیتے۔ میں درد سے بلبلانے لگتا' میرے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں در در بھٹکتا رہا پھر شاید قسمت کو میرے اوپر رحم آ گیا' پرکاش بھون میرے لئے ایک محفوظ مقام ثابت ہوا' کچھ وقت مجھے بھون کی اندرونی ریشہ دوانیوں اور مختلف راجکماروں اور راج کماریوں کی گندی سیاست کا شکار بھی ہونا پڑا پھر دنیش چندر کے روپ میں محبت کا دیوتا میرے اوپر مہربان ہو گیا' میرے زخموں پر جمی کھرنڈ پکنے لگی' میری وحشتوں کو قرار ملنے لگا۔

ڈالی میرا سب سے بڑا سہارا تھی' وہی میری مغنیہ تھی' میری راگنی تھی۔ ہمارے درمیان ستار اور مضراب کا تعلق تھا' میں اسے چھیڑ دیتا' وہ بج اٹھتی' پڑھی لکھی نہ ہونے کے باوجود جلی کٹی سناتے وقت ایسی ایسی دلخراش اور دلنواز تشبیہوں اور استعاروں سے نوازتی کے دانشور سنتے تو دنگ رہ جاتے' منہ پیٹنے لگتے' ششدر رہ جاتے لیکن اس کی وہی جلی کٹی باتیں' مچلنا' دانت پیسنا' انگلیاں توڑ توڑ کر کوسنا پھر غصے کی شدت میں گڈے کو دہتڑ مارنا میری زندگی کے عزیز ترین مشغلے تھے۔ ساز و آواز تھے' راگ راگنیاں تھے' میں سب کچھ سنتے سنتے سو جاتا تھا' بڑے آرام و سکون کی نیند آتی تھی لیکن ڈالی مجھے ہولے ہولے آواز دے کر جگا دیتی' اس کے اندر ممتا کے جذبات کروٹیں لینے لگتے' بڑے پیار بڑی محبت سے جگا کر کہتی۔

''شیرو' اٹھ کھانا کھا لے' آج میں نے تیرے لئے آلو بھرے پراٹھے پکائے ہیں' ساتھ میں کھٹ مٹھی چٹنی بھی ہے' دہی کا رائتہ ہے' کگروندے کا تھوڑا سا اچار بھی پڑا ہے مٹکی میں' تو اٹھ کر ہاتھ منہ دھو لے' میں گڈے کو دودھ پلا کر آتی ہوں۔''

''اتر گیا تیرا بخار۔'' میں آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھتا۔ ''کچھ دیر پہلے پھٹے ڈھول کی طرح بجے جا رہی تھی۔''

''میں سب سمجھتی ہوں۔'' وہ آنکھیں مٹکانے لگتی۔ ''تو کہاں کہاں گند کھاتا پھرتا ہے' میں یہ نہ پوچھ سکوں' اسی کارن کوارٹر میں قدم رکھتے ہی مجھے چھیڑ دیتا ہے اور میں غبارے کی طرح ایکدم پھٹ پڑتی ہوں' کیا ملتا ہے تجھے میرا دل جلا کر؟'' اس کی نگاہوں میں میرے لئے پیار کے جام چھلکنے لگتے۔

''تو مجھے ٹٹولنے کی حماقت ہی کیوں کرتی ہے۔''

''سچ بتا دوں۔'' وہ کسی کنواری مٹیارن کی طرح لجا کر کہتی۔ ''مجھے تیرا ادھر ادھر منہ مارنا اچھا نہیں لگتا۔''

''اور تو جو لنگر لٹاتی پھرتی ہے۔''

''وہ اور بات ہے شیرو۔'' وہ دل موس کر مضطرب ہو جاتی۔ ''گڈے کے بھوشن کا دھیان مجھے مجبور کر دیتا ہے ورنہ۔''

''اچھا' بس۔'' میں اسے گھڑک دیتا۔ ''زیادہ باتیں نہ بنا' جا گڈے کو دودھ پلا جلدی سے' پھر کھانا لے آ۔''

''میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تجھے بھوک ستا رہی ہو گی۔''

اگر پرکاش بھون میں سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی' کوارٹر میں پاؤں پسارنے کی سہولت نہ ہوتی تو نہ جانے میں کہاں ہوتا۔ ڈالی کو کہاں پناہ ملتی' بھون میں ہم دونوں محفوظ تھے۔ ڈالی نے زنان خانے میں گھس گھس کر اپنی دل لبھانے والی باتوں سے راجکماریوں کے دل میں جگہ بنا لی تھی' دنیش اور شاردا کی مہربانیوں سے میں بھی آسودہ حال ہو گیا۔

مہارانی مایا دیوی سب سے بڑی تھیں اسی لئے سب ان کا احترام کرتے تھے۔ کماری ہیما کی خودکشی کے بعد ان کی نظر کرم نے بھی نہ جانے کیوں میرا انتخاب کر لیا۔ پارو اور دنیش نے انہیں سمجھایا بھی تھا کہ ہیما نے جن حالات کے تحت خودکشی کی تھی اسے کریدنا اور اچھالنا کسی بدنامی کا سبب ہو گا لیکن وہ ضدی عورت تھی' دل کی بری نہیں تھی مگر جب ابال آتا تھا تو پھر نتائج پر نظر ڈالنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ اسی نے طلب کر کے مجھے جگدیپ کو ٹھکانے لگانے کا حکم صادر کیا تھا' بعد میں دنیش اور پارو کے سمجھانے پر وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی' دنیش مجھ پر برہم ہو گیا کہ

میں نے مایا دیوی کو جگدیپ کو ٹھکانے لگانے کا وچن کیوں دیا' بعد میں وہ بھی پارو کے
جانے کے بعد مہارانی مایا دیوی کے پاس چلا گیا' اس کا بلاوہ آیا تھا۔

میں دنیش کے محل میں تنہا رہ گیا' میرے ستارے گردش ہی میں تھے' جو میں
نے فون کی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا' مجھے بتایا گیا کہ ڈالی اور گڈے کو بطور یرغمال اغواء کر
لیا گیا ہے' مجھے دو گھنٹے کی مہلت دی گئی کہ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر ریاست راجے پور
کی سرحدوں سے پار نکل جاؤں' انکار کی صورت میں ڈالی اور گڈے کو جان سے مارنے
کی دھمکی دی گئی' میرا سر گھوم گیا' جوش میں ہوش کی باتیں کون کرتا ہے' میں نے ان کا
حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ براہ راست جگدیپ کو چیلنج کر بیٹھا۔ غلطی کا احساس ہوا تو
میں پوری طرح لیس ہو کر بڑی حویلی کی سمت لپکا' میرے ذہن میں زندگی یا موت کا
سودا سمایا ہوا تھا۔ بڑی حویلی پہنچ کر میں اندر جانے کی خاطر کسی چور راستے کی تلاش
میں تھا کہ کیچو راستے کی دیوار بن گئی' وہ پراسرار قوتوں کی مالک تھی۔ اس نے مجھے میرا
وعدہ یاد دلایا پھر میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی تو میرا ذہن گھپ اندھیروں میں
ڈوبتا چلا گیا' میں حواس خمسہ کی تمام قوتوں سے یکسر بے نیاز ہو گیا۔

میں کب تک بیہوشی کی کیفیتوں سے دو چار رہا مجھے یاد نہیں البتہ اتنا یاد ہے
کہ اس وقت رات کا پہلا پہر تھا' میں نے آنکھیں کھولیں تو مجھے اپنی بصارت پر حیرت
ہوئی' میں نے گھبرا کر دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں' میں
بیتی باتوں کو یاد کرتا رہا پھر اس خیال سے کہ شاید میں کسی وہم میں مبتلا تھا میں نے
دوبارہ آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

آبادی کا کوئی نشان دور دور تک نہیں تھا۔ ہر طرف سرسبز پہاڑیاں' بڑے
بڑے تناور اور گھنے درختوں سے لدی پھندی نظر آ رہی تھیں۔ زمین پر سبزہ ہی سبزہ تھا۔
میں نشیب میں سبزے پر تھا' صبح کا اجالا پھیل کر خاصہ گہرا ہو چکا تھا' چڑیوں اور
پرندوں کی ملی جلی آوازیں چہار طرف گونج رہی تھیں' میں نے وحشت سے اپنا سر جھٹکنا
شروع کر دیا' میں نے شاید وہ رات اسی سبزے پر گزاری تھی' درختوں کے اس جنگل
میں خونخوار درندے بھی ہو سکتے تھے' کوئی مجھے لقمہء تر سمجھ کر چیر پھاڑ کر اپنی غذا بھی بنا
سکتا تھا۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا' میرے جسم پر وہی لباس تھا
جو بھون سے نکلتے وقت تھا۔ جوتے بھی پیروں میں موجود تھے۔ ایک پستول میری جیب

میں تھا' دوسرا سبزے پر پڑا تھا' میں نے اسے اٹھا کر ہاتھ میں دبا لیا۔

میں نے اطراف کا جائزہ لیا ہر سمت ایک ہی جیسا منظر تھا' سبزے پر کوئی
پگڈنڈی یا اور ایسا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا جس سے کسی راستے کا تعین کر پاتا' میرا
اضطراب ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ کیچو کی پراسرار طاقت ہی
مجھے اس مقام تک لائی ہو گی مگر میں یہ اندازہ نہیں قائم کر سکا کہ وہ مجھ سے خوش تھی یا
ناراض۔ خوش ہوتی تو بیدار ہونے کے بعد مجھے سب سے پہلے وہی نظر آتی' میں
آنکھیں کھولتا تو وہ نشیلی آنکھوں سے مسکرا کر میرا خیر مقدم کرتی' اپنے وجود کو کسی حسین
روپ میں ڈھال کر تمام تر حشر سامانیوں سے مجھے لبھانے' رجھانے کی کوشش کرتی۔ اس
نے کہا تھا کہ وہ کئی روپ کی مالک ہے' اس کے کئی خوبصورت نام ہیں' کرچھے والا
پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیو راج دونوں ہر وقت اس کے نام کی مالا جپتے تھے۔
اس کے گن گاتے ان کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں' سادھو دیو راج نے متعدد بار مجھ سے کہا
تھا کہ سب کچھ چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤں۔ کیچو میرا انتظار کر رہی
ہو گی' اس نے مجھے منتخب کیا تھا' دیوراج مجھے قسمت کا دھنی سمجھتا تھا۔

اس وقت وہ میرے پاس ہوتا تو میں پوچھتا۔ 'بولو سادھو مہاراج' کہاں ہے
وہ مہان شکتی کی مالک جس کے کارن تم نے بیس سال تپیا کی لیکن درشن کی پیاس بھی
نہ بجھا پائے۔ تم نے کہا تھا وہ میرے راستے پر پلکیں بچھائے بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہے'
اب بولو' کہاں ہے وہ؟ مجھے آبادی سے دور اس ویرانے میں کیوں لایا گیا ہے؟ انسان
انسان کا دارو ہوتا ہے' میں انسانوں سے دور ان سبزہ زاروں میں کہاں کہاں سر ٹکراتا
پھروں گا' جانور تو میری بولی نہیں سمجھ سکیں گے' پرندوں کے ساتھ زندگی تو نہیں گزاری جا
سکتی۔ میں اسے تلاش کرنے کی خاطر کہاں کہاں مارا مارا پھروں' کس راستے پر قدم
اٹھاؤں' کسے ترک کر دوں'۔ میں اضطرابی کیفیت میں سادھو دیوراج کے تصور سے الجھتا
رہا۔

'ڈالی سچ کہتی تھی مہاراج! تو لوگ اوپر سے کچھ' اندر سے کچھ اور نظر آتے ہو'
دوسروں کو سبز باغ دکھا کر دھوکا دیتے ہو' مندر کی پجارنوں کو پرشاد دینے کے بہانے
مندر کے پچھواڑے بلا کر ان کی معصومیت کو اپنی نفسانی خواہشوں کے قدموں تلے
روندتے ہو' منہ میں رام رام' بغل میں چھری' منت میں گل چھرے اڑانے کا بہانہ تم

لوگوں کو خوب آتا ہے' چڑھاوے کا مال کھا کھا کر پیٹ بھرتے ہو' دوسروں کو بھوش کا حال بتانے کے کارن نت نئے چولے بدلتے ہو' کہیں سچ' کہیں جھوٹ' جیسا گاہک ملا ویسا ہی مال بھڑا دیا' دھرم کے نام پر تجارت کرتے ہو' اچھا دھندا اپنایا ہے' نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا'

میرا اضطراب بڑھتا گیا' میری کوئی منزل نہیں تھی' کسی راستے کا سراغ نہیں تھا۔ خدا جانے مجھے ریاست راجے پور سے کتنی دور لا کر اس سرسبز قید خانے میں ڈالا گیا تھا۔ میں نے ہمیشہ کیچو کی ماورائی قوت کی نفی کرنے کی کوشش کی تھی' کبھی اسے قریب آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ مجھے اس پر کوئی اعتماد کوئی اعتقاد نہیں تھا۔ یہ بھی درست تھا کہ اس نے مجھے کئی بار موت کے منہ سے بچایا تھا' کلکتے میں دریائے ہگلی کے کنارے اس نے خودکشی سے باز رکھا تھا' ریاست راجے پور میں بھی جب اس کے دل میں آتا کسی چھلاوے کی طرح میرے سامنے آجاتی' سایہ بن کر فضا میں لہراتی ہوئی' کبھی کسی روپ میں' کبھی کسی رنگ میں نگاہوں کو خیرہ کر جاتی۔ کئی بار وہ اپنے سراپا کی کوئی جھلک دکھائے بغیر کوارٹر کے صحن میں آگئی' کبھی باغ میں آ کر مجھ سے ہمکلام ہو جاتی' میں نے اس کا سایہ کئی بار اپنی جاگتی نگاہوں سے دیکھا' اس کی مترنم آواز متعدد بار میرے کانوں میں رس گھول چکی تھی۔ ایک بار کیچو نے مجھے کھانے کے لئے ایک بوٹی دی تھی' اس نے کہا تھا کہ اب دنیا کا کوئی زہر میرے اوپر کارگر نہیں ہوگا۔

کیچو کون تھی؟ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟ اس کی مہربانی کا سبب کیا تھا؟ میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن اس وقت میں جس جنگل میں پہاڑوں کے بیچ کھڑا تھا وہ کیچو کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔ میں اس حقیقت کی نفی کس طرح کرتا؟ سوشیل کو موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر اسی نے میرے لئے راستے صاف کئے تھے' اسی نے کرنل ہارڈنگ کے سفید فام ڈرائیور کے ذہن کو قبضے میں کیا تھا۔ اس نے اپنی مقدس کتاب کی قسم کھا کر بیان دیا تھا کہ مجھے بھون سے چھاؤنی لانے اور واپس پہنچانے کے دوران وہ کسی دوسرے راستے پر نہیں گیا تھا' کیچو کی جادوگری میرے شامل حال نہ ہوتی تو میں بے موت مارا جاتا۔ یہ بھی مجھے معلوم تھا کہ کیچو ہی وہ فساد کی جڑ تھی جس کی وجہ سے میرے ہنستے بولتے' بسے بسائے گھر پر قیامتیں ٹوٹ پڑیں' میں در بدر ہو گیا' اسی نے

مجھے خودکشی سے روکا' عین ممکن ہے کہ اسی کی مہربانی سے خانہ بدوش ڈالی اور گنڈا مجھ سے ٹکرا گئے ہوں' پرکاش بھون میں سکون کا سانس لینے کا موقع بھی اسی نے فراہم کیا ہو اور اب اسی نے مجھے ان پہاڑیوں کے بیچوں بیچ لا پھینکا تھا جہاں دور دور تک کسی بستی یا آدم زاد کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

کیچو میرے ساتھ سانپ اور سیڑھی والا کھیل کیوں کھیل رہی تھی' میرا ذہن اس کے وجود کی توثیق پر آمادہ نہیں ہوتا تھا' میرا دل اس کی حقیقت کا پردہ چاک کرنے کو مچلتا تھا۔ ماورائی اور نادیدہ قوتوں کے بارے میں' میں نے بہت کچھ پڑھا تھا لیکن کسی کتاب کسی رسالے میں کیچو کا نام کبھی میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میں نے کالج میں تعلیم حاصل کی' میرے بے شمار دوست بنے بہت سارے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ وہ مختلف طبقہ خیال اور مکتبہء فکر سے تعلق رکھتے تھے' ان کی زبان پر بھی کبھی کیچو نام کی کسی پراسرار طاقت کا ذکر نہیں آیا۔ میں پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج کو بھی نہیں جھٹلا سکتا جو کیچو کی صرف مہک پا کر میرے آگے پیچھے ہاتھ باندھے پھرنے لگے تھے' ریاست راجے پور کے بڑے بڑے رئیس' پولیس افسران' چھاؤنی کے انگریز صاحب بہادر' راجکمار' راجکماریاں' مہاراج اور چھوٹے بڑے سب ہی سادھو دیوراج کے آگے ڈنڈوت کرتے تھے اور وہ کیچو کی خاطر میرے آگے پیچھے چکر لگانے پر مجبور تھا' بغیر کسی عنوان کے افسانے نہیں بنتے' کہیں نہ کہیں' تھوڑی بہت حقیقت کا بھی دخل ہوتا ہے۔

میں نے ایک بار پھر اطراف پر نظر ڈالی۔ میرے لئے اس وقت صرف ایک بات سب سے زیادہ اہم تھی' کسی طرح ان پہاڑیوں سے نجات حاصل کروں' کیچو کے بارے میں سوچنے کو ساری عمر پڑی تھی' میں کسی سمت کا اندازہ نہیں کر سکا' منہ اٹھا کر پہاڑی پر چڑھنے لگا' نشیب سے بلندی کی طرف چڑھنا بے حد دشوار گزار تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ایک گھنٹے تک مسلسل سفر جاری رکھنے کے بعد میں بمشکل پچاس فٹ کا فاصلہ طے کر سکا' سبزے پر اوس کی نمی کے سبب پھسلن زیادہ تھی' مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں پاؤں رپٹ گیا تو پھر اسی مقام پر لڑھکتا ہوا واپس جا پڑوں گا جہاں سے چلا تھا۔

مجھے جلد از جلد پرکاش بھون پہنچنا تھا' وہاں میرے بارے میں نہ جانے کیا قیاس آرائیاں ہو رہی ہوں گی' میری گمشدگی کی اطلاع جنگل کی آگ کی مانند پورے

بھون میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل گئی ہوگی' گڈے اور ڈالی کی غیر موجودگی نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہو گا۔ راجکمار دنیش چندر میرے فراق میں دیوانوں کی طرح چکراتا پھر رہا ہوگا' ملازموں سے پوچھ گچھ شروع ہو چکی ہوگی پہرے داروں سے باز پرس ہو رہی ہو گی۔ موہن داس کہاں گیا؟ ایسا کیسے ممکن تھا کہ ڈالی اور گڈا بھی ساتھ نکلے ہوں اور کسی کی نظر نہ پڑی ہو' شاردا کیا خیال کرتی ہوگی' میں بزدل تھا' مہاراجہ کے ذکر پر ڈر کر بھاگ نکلا' پریت' کسم اور شکنتلا کے چہرے کھل اٹھے ہوں گے۔ ''خس کم جہاں پاک۔'' نوخیز سندھیا کٹی پتنگ کی طرح ڈولتی پھر رہی ہو گی' کیا عجب کہ اس نے پھر پستول اٹھا لیا ہو' جب میں ہی نظروں سے دور ہو گیا تھا تو اس نے مجھ سے کئے وعدے بھی توڑ دیئے ہوں گے' دیوانی نے سب سے پہلے پریت کو نشانہ بنایا ہو گا اس کے بعد کسم کا نمبر ہوگا۔

پارو پر میرے فرار کی اطلاع بجلی بن کر ٹوٹی ہو گی' بھون کے ملازم ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہوں گے' ترنم کیسی اداس اور ملول ہوگی' میری خاطر اس نے پاؤں کے گھنگرو کھول دیے تھے' شرافت کی زندگی گزارنے کے خواب دیکھ رہی تھی' میں نے ایک دو بار اسے سمجھانے کی سعی کی تھی کہ واپس اسی عشرت کدے کی طرف لوٹ جائے جہاں اس کے عشاق اس کی ایک ایک ادا پر قلب ونظر فرش راہ کرنے پر تیار رہتے تھے۔ وہ لاکھوں دلوں پر راج کرتی تھی' میرے عشق میں مبتلا ہو کر کہیں کی نہ رہی۔ کسے خبر تھی کہ میں وسیع وعریض پہاڑی سلسلے میں راستے کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں گا۔

سراج اور کیول نے میرے غائب ہوجانے کے کچھ اور مطلب نکالے ہوں گے' ان کا خیال ہوگا کہ میں وقتی طور پر رو پوش ہوا ہوں' کچھ دنوں بعد اچانک نمودار ہو کر سوشیل کی طرح ان کی زندگی کے چراغ بھی گل کر دوں گا' آئی جی مہتا کو قرار آ گیا ہوگا' اس نے مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ ریاست راجے پور سے دور چلا جاؤں۔

کرنل ہارڈنگ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا ہوگا' وہ ریتا کی وجہ سے میرے آگے جھکنے پر آمادہ ہوا تھا لیکن میں فریبی نکلا' دغا بازی کر کے بھاگ نکلا' ریتا کو یقین نہیں آ رہا ہو گا کہ میں اس سے بے وفائی بھی کر سکتا ہوں۔ وہ کرنل کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی ہو گی' وہ بھی سفید فام تھی اس بات سے بخوبی واقف ہوگی کہ سلطنت

برطانیہ نے کتنی ٹھنڈی پالیسی اختیار کر کے ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے پاؤں پھیلائے تھے۔ تجارت کے بہانے آہستہ آہستہ اپنی جڑیں مضبوط کرتے رہے پھر سب کو لال جھنڈی دکھا کر ششدر کر دیا' ریتا کو شبہ ہوگا کہ کرنل نے میرے ساتھ بھی روایتی سیاست سے کام لیا ہوگا۔

بڑی حویلی میں جشن کا سماں ہوگا' انیتا کے سوا سب ناچ گا رہے ہوں گے' اٹھارہ جوان موتوں کا صدمہ کچھ تو ہلکا ہوا ہوگا۔ کنور جگدیپ بھی بظاہر سب کے ساتھ خوشیوں میں شریک ہوگا لیکن اس کے ذہن میں وسوسے ٹھاٹھیں مار رہے ہوں گے۔ میں نے اسے للکار کر مارنے کا چیلنج دیا تھا' اسے یاد ہوگا کہ ریس کے موقع پر میں نے اس کے منہ زور گھوڑے کو تھام لیا تھا' سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں' میری شہ زوری کے اور بھی کئی واقعات اس کے ذہن میں محفوظ ہوں گے۔ مجھے ختم کرانے کی خاطر وہ لاکھی پور کے زرخرید بدمعاشوں کو ایندھن کی طرح استعمال کرتا رہا لیکن کسی ایک موقع پر بھی وہ مجھ پر حاوی نہیں آ سکے۔ حویلی میں قتل ہونے والے اٹھارہ افراد کا خون بھی میں نے اپنے سر لے لیا تھا' سر ہتھیلی پر لئے پھرنے والے اتنی آسانی سے تو پشت دکھا کر راہ فرار اختیار نہیں کرتے۔ جگدیپ بڑا شاطر آدمی تھا' وہ میری گمشدگی کو بھی کئی معنی پہنا رہا ہوگا۔ میں سامنے تھا تو اسے زیادہ فکر نہیں تھی' اب اس نے اپنے گرد حفاظتی انتظامات اور سخت کر لئے ہوں گے' اپنے سائے سے بھی گھبرا رہا ہوگا' جب تک میں دوبارہ منظر عام پر نہیں آتا ایک خلش سی اسے ہر پل مضطرب رکھے گی' میرے مرنے کی تصدیق ہوجانے کے بعد بھی وہ میری لاش کو ایک نظر خود دیکھنا پسند کرے گا! اس کے بغیر اسے اطمینان نہیں ہوگا' وہ پہلے مجھ سے خوفزدہ تھا اب میرے تصور سے بھی اسے پھریری آتی ہوگی۔ اسی بڑی حویلی میں انگلستان سے تازہ تازہ برآمد شدہ انیتا بھی ہوگی۔ پتہ نہیں اس نے مجھے یاد کیا ہوگا یا نہیں' اس کی غزالیں آنکھیں مجھے دیکھ کر چمک اٹھتی تھیں' گداز گالوں پر شفق کی سرخی تیرنے لگتی تھی' ایک موڑ پر وہ مجھ سے بہت قریب آ گئی تھی' فاصلے گھٹنے کو مضطرب تھے جب اچانک پریت نے آ کر ایک منحوس خبر سنا دی' ہمارے گتھے ہوئے ہاتھ یکدم علیحدہ ہو گئے۔

مہاراجہ نے بھی میرے بارے میں ضرور غور کیا ہوگا' پروفیسر زاہدی کے روپ میں میں نے اسے کئی بار چونکایا تھا' وہ میری بصیرت اور ذہانت کا قائل ہو گیا تھا۔

راجکماری کنول نے مجھے بتایا تھا کہ مہاراجہ کا خیال تھا کہ مجھ جیسے گوہر انمول کو راج محل میں کسی اعلیٰ منصب پر ہونا چاہیے' کنول بھی میرے لئے دیوانی ہو رہی تھی' گفتگو کرتے وقت وہ ہمیشہ خوبصورت اور منتخب لفظوں اور جملوں کے تیر چلاتی تھی' اس نے میرے فرار کی خبر سنی ہوگی۔ اسے بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا ہوگا۔

ہر طرف ایک ہڑبونگ مچی ہوگی' افراتفری کا عالم ہوگا' ممکن ہے کسی نے باغ سے ملحق فصیل پر پڑی رسی دیکھ لی ہو' دربانوں میں سے کسی نے یہ بیان دیا ہو کہ جس وقت ڈالی اور گنڈا بھون سے نکلے اس وقت میں ان کے ساتھ نہیں تھا' ڈالی پر خدا جانے کیا کیا قیامتیں ٹوٹی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے جگدیپ نے انتقام کی آگ بجھانے کی خاطر اس کی اور گنڈے کی لاش کے ٹکڑے بھون کے سامنے پھینکوا دیئے ہوں۔ مگر وہ ایسی حماقت نہیں کر سکتا تھا' ڈالی اور گنڈے کی لاشیں برآمد ہوتیں تو میری گمشدگی کو فرار نہ سمجھا جاتا' ڈینش سمجھ لیتا کہ مجھے بھی کہیں زنجیروں میں جکڑ کر قید میں رکھا گیا ہوگا' وہ کرنل ہارڈنگ کو صورت حال سے آگاہ کرتا اور کرنل ریتا کی خاطر مجھے تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ ''نہیں' نہیں۔'' میرے دل نے کہا۔ جگدیپ ایسی حرکت کبھی نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے غنڈوں اور بدمعاشوں سے کہا ہوگا کہ گنڈے کی ٹانگیں چیر کر اسے کہیں اندھے کنویں میں پھینک دیا جائے اور ڈالی کو بطور یرغمال اس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک میری زندگی یا موت میں سے کسی ایک کا تعین نہ ہو جائے۔

میرے ذہن میں سینکڑوں خیالات گردش کر رہے تھے' بار بار پاؤں رپٹنے کی وجہ سے میں نے جوتا اتار دیا تھا' دن آہستہ آہستہ چڑھتا جا رہا تھا' پرندوں کے ساتھ ساتھ درندوں اور چرندوں کی آوازیں بھی گونجنے لگی تھیں۔ سورج کی تمازت کے ساتھ ساتھ میری سانس بھی پھولنے لگی تھی' میں نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر چکا تھا' پرندے میرے ساتھ چل رہے تھے۔ وہ اپنے درمیان ایک نئے مہمان کو دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ ابھی تک کسی درندے نے شاید میری بو نہیں سونگھی تھی' میں درختوں کو پکڑ پکڑ کر اوپر کی جانب چڑھ رہا تھا' کبھی کبھی سستانے کی خاطر کسی تناور درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا' میرے ہاتھوں میں جا بجا خراشیں نمودار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ دونوں پستول میری جیبوں میں محفوظ تھے۔

ایک جگہ میں زمین اور آسمان کے درمیان معلق تھا کہ مجھے اچانک اپنے سامنے والے درخت پر موت رینگتی نظر آئی' وہ دس بارہ فٹ کا ایک موٹا تازہ کوڑیالے رنگ کا سانپ تھا جو اپنی زبان لپلپاتا آہستہ آہستہ بڑی احتیاط سے مجھے ہڑپ کر جانے کی جستجو میں مصروف تھا' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں' میں نے خطرے کے احساس کے ساتھ ہی درخت سے ٹیک لگا کر الٹے ہاتھ سے ایک موٹی شاخ پکڑ لی۔ دوسرے ہاتھ سے ایک پستول نکال کر اس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ میرا نشانہ سچا تھا' میرا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا' سانپ نے میرے ارادے کو بھانپ کر زور دار پھنکاری ماری' رہ رہ کر پھن کاڑھنے لگا' میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا' وہ میری زد پر تھا' میں ٹریگر دبانا چاہتا تھا کہ میرے ذہن میں کچھو کا تصور جاگ اٹھا' مجھے اس بوٹی کا خیال آ گیا جو اس نے مجھے کھلائی تھی اور کہا تھا کہ اب کوئی زہر مجھ پر کارآمد نہیں ہوگا' میں نے پستول جیب میں ڈال لیا۔ میں کچھو کی بات کی تصدیق کرنے کا فیصلہ کر بیٹھا۔ گولی چلانے کی صورت میں کوئی جنگلی درندہ بھی میری طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔

سانپ کی آنکھیں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں' وہ رینگتے رینگتے میرے قریب آ چکا تھا' ہمارے درمیان چھ فٹ کا فاصلہ رہ گیا' سانپ نے اپنا آدھا جسم شاخ پر لپیٹ لیا' بڑے عرصے بعد اسے ایک موٹی تازی غذا ملنے کو تھی' اس کی زبانیں اب تیز تیز جنبش کر رہی تھیں' میں پوری طرح محتاط تھا' سانپ نے اپنا سر فضا میں بلند کیا پھر ہوا میں تیرتا ہوا میری طرف بڑھنا شروع کیا' میں نے اسے ششدر کر دینے کی خاطر مٹھی بند کر کے اپنا ہاتھ آگے کر دیا' وہ ایک لمحے کو ٹھٹھک کر فضا میں ہی ساکت ہو گیا اس کی آنکھوں میں تجسس ابھر آیا۔ حشرات الارض کے اندر حس لفظوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے' اس نے سوچا ہوگا کہ میں خوفزدہ ہو کر بھاگنے کے بجائے اپنا ہاتھ بڑھا کر موت کو کیوں دعوت دے رہا ہوں' میں اس کی حرکت پر غور کرتا رہا' وہ اپنے جسم کو تولتا رہا پھر یکلخت اس نے برق رفتاری سے اپنا سر بلند کیا' پھن کاڑھا اور پوری شدت سے اپنا منہ میری بند مٹھی پر مارا' مجھے ایک سوئی چبھتی محسوس ہوئی' سانپ کا زہر میرے جسم میں سرایت کرنے لگا' مجھے اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔

موت کا تصور مجھے جھنجھوڑنے لگا' جگدیپ کے بعد میں نے ایک دوسرے دشمن کو للکارنے کی حماقت کی تھی' میں نے دل میں سوچا۔ ''میر جمشید عالم تمہاری ترکی

تمام ہوگئی' رخت سفر باندھ لو' دنیا سے تمہارے جانے کا وقت آ گیا۔ موت برحق ہے کب تک اسے دھوکا دیتے رہو گے؟"

مجھے ایسا لگا جیسے میری ساری طاقت مفلوج ہو رہی ہو' شاید وہ سانپ کی نگاہوں کا سحر تھا کہ میں اپنا ہاتھ نہیں کھینچ سکا' اسے میری جسارت پسند نہیں آئی' خوراک سامنے ہو تو بھوک کی اشتہا بڑھ جاتی ہے' وہ بھی بلبلا اٹھا ہوگا' اس نے سر بلند کر کے دوسری بار میرے ہاتھ پر منہ مارا' کچھ اور زہر میرے جسم میں داخل ہوگیا' میرے قدم ڈگمگائے لیکن ذہن ابھی جاگ رہا تھا' پھر میں نے کوڑیالے سانپ کی گرفت شاخ پر کمزور پڑتی دیکھی تو مجھے احساس ہوا کہ میرے مقابلے میں وہ زیادہ اذیت سے دوچار تھا۔کیچو کی بوٹی کا اثر اس پر غالب آ رہا تھا۔ میں صرف خوف کے زیر اثر تھا' مجھے دشمن کی کمزوری کا خیال آیا تو اور شیر ہوگیا' سانپ اب رسی کی طرح جھولنے لگا تھا' درخت سے اس کے جسم کے بل بتدریج کھل رہے تھے' بوٹی کا اثر اس کے زہر سے زیادہ سریع تھا۔ کیچو نے غلط نہیں کہا تھا' میرا تجربہ کامیاب ہوا تو موت کا تصور بھاپ بن کر اڑ گیا۔ میں نے درخت کے تنے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے جسم کو آگے کی سمت بڑھایا اور ہاتھ بڑھا کر کوڑیالے سانپ کو پوری قوت سے جکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا' اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی' اس کا سارا طنطنہ کافور ہو چکا تھا' کیچو کی بوٹی کا زہر میرے جسم میں دوڑ رہا تھا' وہ سانپ پر غالب آ چکا تھا' اس کی حیثیت کسی حقیر کیچوے سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا وزنی جسم میرے ہاتھ میں کسی موٹی رسی کی طرح لٹک رہا تھا' میں نے فاتحانہ انداز میں اسے دیکھا پھر حقارت سے نشیب کی طرف اچھال کر اوپر کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا' زندہ رہنے کی خواہش مجھے پیچھے سے آگے کی سمت دھکیل رہی تھی' میں گرتا پڑتا پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا' میرا لباس خار دار درختوں سے الجھ کر تار تار ہو رہا تھا جسم سے جا بجا ٹیسیں اٹھ رہی تھیں' ہمت جواب دے رہی تھی جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور چھوٹے موٹے کیڑے میرے بدن سے چپٹے میرا خون پینے اور کاٹنے میں مصروف تھے۔

شام کے سائے پھیلنے لگے' زندہ رہنے کی خواہش میری ہمت کو سہارا دیتی رہی لیکن جب میں نے چوٹی پر پہنچ کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا' پاگلوں کی طرح ادھر

ادھر بھاگ دوڑ کی تو میری ہمت جواب دے گئی۔ چوٹی پر پندرہ بیس فٹ کی یا کچھ زیادہ کی مستطیل جگہ تھی۔ اس کے بعد پہاڑیوں کے سلسلے دور دور تک پھیلے نظر آ رہے تھے میری مضطرب نگاہیں ہر سمت سے تھک ہار کر واپس لوٹ آئیں' کہیں کوئی بستی نہیں دکھائی دی' کوئی چراغ کوئی روشنی کی کرن ٹمٹماتی نظر نہیں آئی۔ میں نے خود کو ہارے ہوئے جواری کی طرح مستطیل جگہ پر ڈھیر کر دیا۔

سادھو دیو راج نے شاید سچ کہا تھا' دو چندر ما اور ایک سورج کی مہلت گزر جانے کے بعد میرے اختیار کی سرحدیں ختم ہوگئی تھیں۔ اب کیچو کا علاقہ شروع ہوگیا تھا' جہاں اس کی حکومت تھی۔ جہاں وہ ایک عرصے سے مجھے آنے کی دعوت دے رہی تھی' میں انکار کرتا رہا' بہانے تراشتا رہا' مجھے اس کے وجود پر یقین نہیں تھا۔ اب دل گواہی دے رہا تھا کہ مجھے جس جنگل اور پہاڑوں کے بیچ لا کر پھینکا گیا ہے وہ کیچو کا علاقہ تھا' جہاں صرف اس کا راج تھا' اس کا حکم چلتا تھا' وہ مجھے اسی مقام پر بلانا چاہتی تھی۔ میں نے سادھو دیوراج کا کہا مان لیا ہوتا۔ خود سے چلا آتا تو شاید میری پزیرائی کا انداز کچھ اور ہوتا' وہ یقیناً بڑے سندر روپ میں میرا شایان شان استقبال کرتی' مجھے اپنی ہوش ربا اداؤں سے گرماتی' مسکراتی سحر آلود نظروں سے دیکھتی۔ ان نظروں میں ایسا خمار ہوتا کہ میں لڑکھڑانے لگتا' قدموں میں لغزش آ جاتی' وہ اپنے سراپا کو زحمت دیتی' آگے بڑھ کر اپنی مرمریں بانہوں کا سہارا دے کر گرنے سے سنبھال لیتی۔ میں اس کے جسم کی تپش سے گھل کر اس کے وجود میں تحلیل ہونے لگتا۔ وہ مجھے اپنی آغوش میں تھپک تھپک کر سلاتی' میں اس کے مختلف روپ کا نظارا کرتا' اس کے ہر رنگ میں غوطے لگاتا' ڈوبتا' ابھرتا۔ سب کچھ ہوتا لیکن اب کچھ نہیں تھا' شاید وہ مجھ سے روٹھ گئی تھی یا تڑپانے کا ارادہ کر بیٹھی تھی۔ میں ہر طرح سے اس کے اختیار میں تھا' تمام زندگی دوڑتا بھاگتا رہتا تب بھی اس کے طلسم کدے سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اب سوچنا فضول تھا' ارادے باندھنا بیکار تھا۔ میں کیچو کی قید میں اس کے رحم و کرم پر تھا' میں نے نڈھال ہو کر آنکھیں موندلیں' تھکن سے چور چور تھا اس لئے نم آلود سبزے پر لیٹنے کا احساس بھی نہیں ہوا تھکے ہارے لوگ تو پھانسی کے پھندے پر بھی دوگھڑی سکون کے سانس کی خاطر آنکھیں موند لیتے ہیں' میں تو پھر سبزہ زار پر تھا' جلد ہی نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

☆......☆......☆

پھر سود و زیاں، نفع و نقصان اور دن رات کا تصور میرے لئے بے معنی ہوتا چلا گیا۔

وقت ہر زخم کے لئے تریاق ہوتا ہے، میں بھی جنگلوں میں پرندوں اور چرندوں کے ساتھ رہنے کا عادی ہوگیا، دنیش کی عنایت کی ہوئی ایک آخری نشانی اس کی قیمتی گھڑی میرے پاس رہ گئی تھی، میں نے ایک دن اسے بھی کباڑی کے مال کی طرح راستے میں پھینک دیا، وقت بڑی تیزی سے گزرتا رہا، میں نے بھی ان دنوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا، فائدہ بھی کیا تھا، سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا تھا، میں نے حالات سے سمجھوتا کرلیا۔

کبھی ایک پہاڑی سے دوسری پر، کبھی دوسری سے تیسری پر، کبھی نشیب میں، کبھی بلند چوٹیوں پر چڑھنا اور اترنا، یہی وقت گزاری کے لئے میرا واحد مشغلہ رہ گیا تھا۔ جسم کے کپڑے ایک ایک کر کے اترتے گئے۔ میں نے سوچا پستول بھی کہیں نشیب میں اچھال دوں لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا، لباس کا جو حصہ قدرے بہتر تھا اس کا تھیلا سا بنا کر پستول اور گولیاں اس میں محفوظ کر دیں۔

وقت مہینوں سے گزر کر سال کی طرف رینگ رہا تھا، میں جنگل کے انواع واقسام پھلوں سے پیٹ کا جہنم بھرتا رہا، پرندوں سے میری شناسائی پرانی ہو چکی تھی، چرندوں نے مجھے دیکھ کر بدکنا چھوڑ دیا تھا، ابھی تک کسی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ جہاں رات ہوتی وہیں کسی درخت کے سائے میں پڑ رہتا، صبح ہوتی تو دوبارہ دشت نوردی شروع کر دیتا۔ جسم کی حرارت کو برقرار رکھنے کی خاطر ہاتھ پاؤں چلانا ضروری تھا، کبھی اپنے آپ پر بے اختیار قہقہے لگانا شروع کر دیتا۔ اگر پرکاش بھون کا کوئی راجکمار یا راجکماری مجھے اس حالت میں دیکھ لیتی تو اس کے دیدے حیرت اور تعجب سے پھٹے کے پھٹے رہ جاتے۔ میر جمشید عالم، شیرو، موہن داس یا ایرانی نژاد پروفیسر زاہدی جو بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتا تھا۔ خوش شکل اور خوش لباس ہوا کرتا تھا، اب جنگلوں میں ننگ دھڑنگ، مادر زاد برہنہ گھوم رہا تھا، اس کے سر کے بال ریچھ کی طرح تیزی سے بڑھ رہے تھے، چہرے پر اچھی خاصی بڑی داڑھی اگ آئی تھی، جسم پر میل کی موٹی موٹی تہیں جم گئی تھیں، بارش ہوتی تو کچھ میل ڈھل جاتا پھر وہی پرانی جیسی حالت

ہوجاتی۔

میرے لئے اب سمت اور وقت دونوں کا تعین بے معنی ہوگیا تھا، صرف ایک خیال اکثر بے چین کر دیتا۔ کچھو جو بڑی حویلی کے قریب سے مجھے ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے آئی تھی اس کا سایہ بھی ایک بار بھی مجھے نظر نہیں آیا، مجھے ان جنگلوں میں ابھی تک کوئی ایسی جگہ بھی نہیں مل سکی جسے میں اپنا مستقل ٹھکانا بنا سکتا، سورج کی تپش زیادہ ہوتی، جسم جلنے لگتا تو میں کسی ہرے بھرے درخت کے پتوں کے بیچ چھپ جاتا۔ سردی بڑھتی تو سبزے پر لوٹ لگا لگا کر جسم کی حرارت برقرار رکھنے کی کوشش کرتا۔ پتھروں کو جمع کر کے آگ پیدا کرنے کا طریقہ بھی مجھے آتا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، کہیں آگ بھڑک اٹھتی تو سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا، بھسم ہو جاتا، راکھ کا ڈھیر بن جاتا۔

زندگی جیسے ایک ڈگر پر آ کر تھم گئی تھی۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ ان پہاڑی سلسلوں کو ایک بار اس کی آخری حد تک کھنگال ڈالوں لیکن ایسا ممکن نہیں ہوا، ایک سلسلہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔ ان کے ختم ہونے کی نوبت کبھی نہ آسکی، وہ کچھو کا اپنا طلسم کدہ تھا، ایک ماورائی قوت کا استھان تھا جہاں انسان کی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔

میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید کچھو کو حیرت زدہ کرنے کی خاطر پہاڑ کی بلند چوٹی سے نشیب کی جانب چھلانگ لگا کر اپنا جسم ریزہ ریزہ کر لیتا، وہ ناچتی رہ جاتی، اس کا سارا سحر، تمام قوتیں، اس کا گھمنڈ، مجھے پانے کی تمنا، سب خاک میں مل جاتیں، لیکن میں نے زندگی میں ہارنا نہیں سیکھا تھا، جو کچھ ہار چکا تھا وہی بہت تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کچھو مجھے مرنے سے بھی روک دیتی، کوئی پراسرار سرد ہاتھ میری کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرلیتا، مجھے سبزہ زاروں سے نکال کر کسی تپتے صحرا میں پھینک دیا جاتا، میری سرکشی کی سزا زیادہ سخت ہوتی، مجھے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کچھو میرے صبر کو آزما رہی تھی، میں نے بھی اس کے حوصلوں کی پیائش میں سر سے کفن باندھ لیا تھا۔

پھلوں پر گزارہ کرتے کرتے میری طبیعت اکتا گئی تو میں نے پرندوں کو شکار کرنا شروع کر دیا، وہ مجھ سے مانوس تھے، میں کہیں ستانے کے لئے بیٹھتا تو وہ بھی

میرے اطراف جمع ہوتے' میں لپک کر کسی کی گردن دبوچ لیتا پھر جنگلیوں کی طرح' گوشت خور جانوروں کی طرح انہیں ادھیڑ کر کھا جاتا۔ عام زندگی میں بھی ایسا ہی کچھ ہوتا ہے' لوگ اعتماد میں مارے جاتے ہیں' بھروسے کا شکار ہوتے ہیں' یقین انہیں لے ڈوبتا ہے' دوستی کی آڑ میں خون کی ہولی کھیلی جاتی ہے' محبت میں بھینٹ چڑھ جاتے ہیں' کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔ میں نے بھی حالات کی ستم ظریفی سے مجبور ہو کر پیٹ بھرنے اور زندہ رہنے کا طریقہ اپنا لیا تھا۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔

ایک رات میں تھکا ماندہ سونے کے ارادے سے لیٹا تو بجلی بڑے زور سے چمکی' بادل گرجے' پھر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تو میں اٹھ کر ادھر ادھر کسی غار کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹکنے لگا' پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا' میں تھک ہار جاتا تو نڈھال ہو کر سبزے پر گر جاتا' بارشیں میرے ننگ دھڑنگ جسم پر برستی رہتیں' میں اندر ہی اندر اپنی قسمت پر ماتم کرتا رہتا لیکن اس روز قسمت مجھ پر مہربان تھی۔

میں درختوں کے درمیان سے گزرتا سر چھپانے کی جگہ کی تلاش میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ میری آنکھیں چمک اٹھیں' دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' میں سکتے کی کیفیت سے دوچار' ساکت و جامد اپنی جگہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ایستادہ روشنی کی اس کرن کو دیکھنے لگا جو کچھ فاصلے پر نظر آ رہی تھی' میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں نے اپنے جسم پر زور سے چٹکی بھری' میں خود کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس وقت کوئی خواب نہیں دیکھ رہا۔ آہستہ آہستہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہونے لگی' میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں روشنی کی اس کرن پر نظریں جمائے موسلا دھار بارش میں بھیگتا' درختوں سے ٹکراتا اس کی جانب بڑھنے لگا' جوں جوں فاصلہ گھٹتا گیا میرا تجسس بڑھتا گیا' بجلی چمکتی تو راستے واضح ہو جاتے' پھر گھپ اندھیرا پھیل جاتا۔ میں نے جلد بازی کی تو پاؤں رپٹ گیا' درخت کو پکڑنے کی کوشش کی تو ایک لٹکتی ہوئی شاخ سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا' مگر پھر تیزی سے اٹھا' روشنی کی وہ کرن میرے وجود کے اندر ہزاروں دیئے روشن کر رہی تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا اس کے قریب پہنچ گیا' وہ میری نظروں کا فریب نہیں تھا' درختوں کے جھنڈ کے دوسری طرف ایک آڑی ترچھی چٹان کے نیچے وہ مٹی کا دیا ایک خشک جگہ رکھا ہوا تھا۔ وہ بارش سے پوری طرح محفوظ تھا' میں اس کے

اور قریب گیا تو جنگلی بیلوں کے درمیان وہ خشک راستہ بھی نظر آ گیا جو بل کھاتا ہوا نظروں سے روپوش ہو رہا تھا۔

وہاں کوئی غار' کوئی محفوظ جگہ ضرور تھی' کسی انسان کی موجودگی بھی بعید از قیاس نہیں تھی۔ اگر وہ غار کسی درندے یا جن بھوت کا مسکن ہوتا تو وہاں چراغ جلانے کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی؟ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا رہا' میرے دل میں وسوسے کروٹیں بدلنے لگے۔ اگر وہ کوئی پوشیدہ غار تھا جو جنگلی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا تو اس کے باہر چراغ جلا کر کسی اور کو اس کی نشان دہی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ غار خطرناک ڈاکوؤں اور لٹیروں کی پناہ گاہ بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ کوئی انسان اس موسلا دھار بارش میں وہاں پہنچ سکے گا۔

میں ایک لمحے کو اپنی جگہ جم کر کھڑا ہو گیا۔ روشن چراغ کوئی ٹریپ (Trap) بھی ہو سکتا تھا' کوئی پھندا' انسان کی طرح پرندوں اور درندوں کو بھی کسی محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ عین ممکن تھا کہ غار کے اندر جو لوگ موجود ہوں انہوں نے کسی جانور کو اپنا شکار بنانے کی خاطر وہ چراغ روشن کیا ہو۔ اگر میرا خیال درست تھا تو وہ جنگلی بیلوں کی دوسری جانب گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ میں آگے بڑھا تو قدموں کی آہٹ سن کر ان کے کان ضرور کھڑے ہوں گے' ہو سکتا ہے اندھیرے میں بیلوں کی آڑ سے کوئی تیر پھینکا جائے اور میرے جسم کے آر پار ہو جائے' جن حالات سے میں دوچار تھا' شاید وہ بھی دو چار ہوں' انسان پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرنے کی خاطر ہر ذی روح کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ پہلے کی بات اور تھی' ڈالی جب میرے لئے کھڑے مسالے کا بڑا چٹپٹا اور ذائقہ دار گوشت بناتی تھی۔ میں اس میں بھی مین میخ نکالنے سے باز نہ آتا' مسالے کی کمی یا زیادتی کی شکایت کرتا' کبھی نمک مرچ کی کمی بیشی پر اسے گھورنے لگتا۔ اکثر یہ شکایت کرتا کہ گوشت کو ٹھیک طرح بھونا نہیں گیا۔ اس میں سے بساند آ رہی ہے۔ سب پیٹ بھرے کی باتیں ہوتی ہیں۔ اب میں بھوک مٹانے کی خاطر پرندوں اور چھوٹے موٹے جانوروں کو شکار کر کے بغیر دھوئے' بغیر کسی مسالے کے دانتوں سے نوچ نوچ کر ہڑپ کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔

بھوک کی شدت انسان کو درندہ بنا دیتی ہے' حرام و حلال کا تصور وقت کی دھول تلے دب کر رہ جاتا ہے۔ جو لوگ میرے خیال کے مطابق چراغ جلائے بیٹھے

تھے وہ بھی گوشت خور ہو سکتے ہیں' جانور کا نہ سہی انسان کا سہی' انسان کے گوشت میں بھی یقیناً کوئی نہ کوئی ذائقہ ضرور ہوتا ہوگا جو جنگل کا بادشاہ (شیر) بھی بڑے ذوق شوق سے اسے کھاتا ہے۔ میں نے جم کاربٹ کی کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جب ایک بار انسان کے گوشت اور خون کا ذائقہ شیر کے منہ کو لگ جائے تو وہ جانوروں کے شکار سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔

بارش موسلادھار ہو رہی تھی لیکن کسی خطرے کے احساس نے مجھے سردی کی شدت سے بے نیاز کر دیا۔ ریاست راجے پور میں' میں نے جو گل افشانیاں کی تھیں انہوں نے مجھے بے خوف اور نڈر بنا دیا تھا۔ پہلی بار کلکتے میں بانو کی خاطر بنو بیگم اور بختاور میرے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا' حالات نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ وہ دونوں میری راہ میں روڑا اٹکانے نہ آجاتے تو میں بانو کو لے کر کہیں دور نکل گیا ہوتا۔ تب کہانی ہی کچھ اور ہوتی۔ وہ عین وقت پر میرے سامنے آگئے تو مجھے اپنی زندگی بچانے کی خاطر انہیں راستے سے ہٹانا پڑا۔ میں کمزور پڑ جاتا تو بختاور' بنو بیگم کے اشتعال دلانے پر اپنا رام پوری لمبے پھل والا خطرناک چاقو میرے پیٹ میں اتار دیتا۔ وہ رنڈیوں کا دلال تھا اس کے پاس غیرت یا عزت نام کی کوئی چیز نہیں تھی' حرام کا مال کھانا اور موچھوں پر تاؤ دینا اس کا پیشہ تھا۔ بازار حسن میں بنو بیگم کی بڑی ساکھ تھی' بختاور اسی کے کھونٹے پر اچھلتا تھا۔ بانو' بنو بیگم کا چلتا پھرتا' جیتا جاگتا' ناچتا گاتا سرمایہ تھی' بینک تھی' جس میں روزانہ لاکھوں جمع ہوتے تھے۔ وہ سونے کی چڑیا تھی' وہ اسے آسانی سے ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔ بختاور پہلے بھی کئی بار مختلف گاہکوں پر چاقو کی دھار تیز کر چکا تھا۔ میں ذرا چوکتا تو وہ غالب آجاتا۔ موت اور زندگی کے خطرناک کھیل میں بس ایک لمحہ' ایک پل کی بات ہوتی ہے' ادھر آنکھ جھپکی ادھر زندگی کا دھڑن تختہ ہو گیا۔

ستاروں کی گردش نے مجھے بھی اپنے سائے سے محتاط رہنے کا ہنر سکھا دیا تھا میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بارش سے بچنے کی خاطر اس پناہ گاہ کی جانب قدم بڑھانے کے بجائے تیزی سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ اگر وہ کوئی محفوظ غار تھا تو میں دن کی روشنی میں بھی اس پر اپنا تسلط جمانے کی خاطر منصوبے بنا سکتا تھا' اس پہاڑی سلسلے میں گھنے درختوں کے درمیان رہتے رہتے مجھے نشیب و فراز کا اندازہ ہو گیا تھا۔

میں چراغ پر نظر جمائے جمائے پیچھے ہوتا گیا پھر ایک درخت کی آڑ میں سکڑ سکڑا کر بیٹھ گیا۔

رات پلکوں تلے گزر گئی' صبح کا اجالا نمودار ہوا تو میں نے اپنی پوزیشن سنبھال لی' بارش رات ہی تھم گئی تھی لیکن میرے اندر ایک سیلاب ٹھاٹھیں مار رہا تھا' تناؤ کی کیفیت شدت اختیار کر رہی تھی' بہت عرصے بعد پھر کسی سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہونے والی تھی۔ مجھے اپنا پستول اور کارتوس والا تھیلا یاد آیا جسے میں کہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا' مجھ سے اپنا بوجھ نہیں سنبھلتا تھا' اس تھیلے کو کہاں کہاں لادے پھرتا۔ اب تو وہ جگہ بھی ٹھیک طرح یاد نہیں تھی جہاں میں نے اسے محفوظ کیا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ میری وحشتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ چراغ رات ہی کسی وقت بجھ گیا تھا یا بجھا دیا گیا تھا' مجھے ٹھیک طرح یاد نہیں' رات کسی وقت میری آنکھ کچھ دیر کو جھپک گئی ہو گی لیکن اس وقت میں پوری طرح ہوشیار تھا' میری نظریں جنگلی بیلوں کے اسی جھنڈ پر مرکوز تھیں' جس کے عقب میں کوئی غار نما جگہ موجود تھی' اس میں کوئی رہتا تھا' نہ ہوتا تو وہ چراغ کون جلاتا؟ مجھے ان کے باہر آنے کا انتظار تھا' شاید وہ رات گئے تک کسی شکار کے انتظار میں جاگتے رہے ہوں پھر تھک کر سو گئے ہوں گے۔ کیوں نہ میں سوتے میں ان پر آفت ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑوں۔ معاً یہ خیال میرے ذہن میں تیزی سے ابھرا' میں آہستہ سے اٹھا لیکن قبل اس کے کہ میں کوئی پیش قدمی کرتا میری آنکھوں نے ایک اور حیران کن منظر دیکھا۔

وہ ایک نہایت خوبصورت اور حسین دوشیزہ تھی جو اچانک کہیں سے نمودار ہو کر اسی جنگلی بیلوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ رہی تھی' اس کے جسم پر بڑا مختلف لباس تھا' ستر پوشی' صرف برائے نام' سینے اور کمر کی ضروری سمجھی گئی تھی' باقی جسم عریاں تھا۔ کندن کی طرح جگمگا رہا تھا۔ وہ نرم ڈالی کی طرح لچک لچک کر ہولے ہولے قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے لمبے' سیاہ اور چمکیلے بال کمر تک لہرا رہے تھے۔ اس کا حسن کسی میک اپ کا محتاج نہیں تھا۔ اس کی غزالیں آنکھوں میں مستیاں چھلک رہی تھیں' وہ مجسم ساغر تھی' پیمانہ تھی' ایک ذرا ٹھیس لگتی تو چھلک پڑتی۔ وہ کسی شاعر کا خواب تھی' کسی مصور کی سوچ تھی' کسی ماہر سنگتراش کا چلتا پھرتا مجسمہ تھی۔ کوئی پری تھی جو آسمان سے زمین پر اتر آئی تھی' سرتاپا قیامت تھی۔ پرکاش بھون میں سب سے نوخیز کلی سندھیا تھی' پارو بھی تھی جس

نے اپنے حسن و شباب کو بڑی حفاظت سے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا' شاردا تھی جو معصومیت کا پیکر تھی' بھولی بھالی' ہرنیوں کی طرح سہمی سہمی نظر آنے والی۔ راجکماری کنول تھی جس کا تصور ہی دلوں کو گدگداتا تھا' انیتا تھی جو مشرق اور مغرب کا حسین امتزاج تھی' کس کس کا نام گنواؤں' کس کس کے حسن کی تعریف کروں' کس کس کی اداؤں کی شان میں قصیدے لکھوں۔ کوئی پھلجھڑی تھی' کوئی دلربا تھی' کوئی نغمہ تھی' کوئی پہاڑی جھرنا تھی' آبشار تھی' گلاب تھی' چمبیلی تھی' کنول تھی لیکن جو اس وقت میری نگاہوں کا مرکز تھی وہ سب سے سوا تھی' وہ سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھی' اس کا حسن میری نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا' اس کے بدن کے لوچ میں ایسا سحر تھا جو میرے دل و دماغ پر دھند بن کر طاری ہو رہا تھا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں کتنے مہینوں' کتنے سالوں سے ان پہاڑیوں اور دیوقامت درختوں کے ختم نہ ہونے والے سلسلوں کے درمیان گھومتا پھر رہا تھا' مجھے وہاں انسان تو کیا کسی انسانی بستی کا اجڑا ہوا نشان بھی نہیں ملا تھا اور آج ایک قیامت میری نگاہوں کے سامنے لچکتی' بل کھاتی' لہراتی' جھومتی' گنگناتی' دلوں کو گرماتی' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ان جنگلی بیلوں کے جھنڈ کی طرف رواں دواں تھی جہاں رات میں نے ایک چراغ روشن دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے' وہی اس محفوظ جگہ کی مالکن ہو؟ لیکن وہ وہاں کس طرح پہنچی تھی؟ اس کے چہرے پر اضطراب اور وحشت کے بجائے شادابی اور نکھار تھا' وہ اس حسین اور خوبصورت ماحول کا ایک حصہ لگ رہی تھی۔

''کیچو۔'' میرے ذہن کی ساکن سطح پر جیسے کسی نے کنکری اچھال دی ہو' کیچو کی یادوں کے دائرے میرے ذہن پر دور تک پھیلتے چلے گئے۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں' وہ یقیناً کیچو ہی تھی' اس کا پروقار انداز' اس کے چہرے کی تازگی اور شگفتگی' اس کی آنکھوں میں سحر آلود چمک' چھلکتے ساغر' سب اسی بات کی نشاندہی کر رہے تھے' کہ وہ کیچو ہے۔ اسے میں کئی بار نصف' چوتھائی' مکمل دیکھ چکا تھا' اس نے مجھے باور کرایا تھا کہ اس کے کئی رنگ' کئی روپ ہیں' کئی نام ہیں۔ اس کی تلاش میں بن باس لینے والے سادھو' مہنت' پنڈت پجاری سب ہی اس کو مہان شکتی کا مالک سمجھتے تھے۔ اس کی ایک جھلک دیکھنے کی خاطر نہ جانے کتنے اب تک مرکھپ چکے تھے' کتنے دھونی رمائے کسی غار' کسی بیابان میں بیٹھے اس کے شبھ نام کی

مالا جپ رہے ہوں گے۔ سادھو دیوراج کا کہنا تھا کہ وہ بیس سال سے سر مار رہا ہے لیکن اسے دیوی درشن نہیں ہوئے' پنڈت ایشوری کے ہاتھ صرف کرچھا آیا تھا جسے وہ دل سے لگائے اچھالتا پھرتا تھا۔

اس وقت وہی کیچو' وہی پر اسرار سایہ ایک مکمل روپ میں میری نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ وہ شاید کہیں سے غسل کر کے آ رہی تھی' اس کے سنگ مرمر جسم پر پانی کے شبنمیں قطرے' جذبات میں آگ لگا رہے تھے۔ شاید اسے مجھ پر رحم آ گیا ہوگا' میرے امتحان کی مدت پوری ہو چکی ہوگی' میری زبوں حالی پر ترس کھا کر وہ میرے سامنے آ گئی۔ اس کی بے نیازی کا انداز بھی قاتلانہ تھا۔ اگر وہ ماورائی قوتوں کی مالک تھی تو وہ مجھ سے بے خبر نہیں ہوگی' اسے معلوم ہوگا کہ ایک سرکش دیوانہ درخت کی آڑ میں چھپا اس کے حسن بے نیام کا نظارہ کر رہا ہے' اسی لئے وہ نزاکت سے اٹھلا اٹھلا کر چل رہی تھی۔ وہی مجھے بڑی حویلی کی فصیل کے قریب سے ہاتھ پکڑ کر لائی تھی' وہ مجھ سے بے خبر نہیں ہو سکتی تھی۔

میں نے جو طویل مدت پہاڑی سلسلوں اور درختوں کے جنگل میں گزاری تھی اس کا ایک ایک لمحہ' ایک ایک پل' کیچو کی نگاہوں میں محفوظ ہوگا۔ سادھو دیوراج کا کہنا تھا کہ اس نے صرف مجھے اپنے لئے چنا تھا۔ اسی لئے وہ ریاست راجے پور کے ہنگاموں سے بچا کر اپنے سبز پوش وسیع و عریض علاقے میں اٹھا لائی تھی۔ میں بڑی حویلی میں آگ لگا دیتا' جگدیپ کی بہنوں کی عزت پامال کرتا تو بات بڑھ جاتی' پھر دیر ہو جاتی' پھر اسے میرا انتظار کرنا پڑتا۔

میرے ذہن میں ڈالی' شاردا' پارو' راجکماری کنول' آقا زادی ریتا' ترنم اور بانو کا سودا سمایا ہوا تھا اسی لئے اس نے مجھے ان سبزہ زاروں میں لا کر میری باگ ڈور چھوڑ دی تھی' وہ چاہتی تھی کہ میں راستے کی تلاش میں پہاڑیوں پہاڑیوں بھٹکتا پھروں اپنے ماضی سے سر ٹکراتا رہوں پھر تھک ہار کر ایک جگہ بیٹھ جاؤں تو وہ میرے سامنے آ جائے۔ میں پیچھے چھوڑ آنے والی تمام یادیں تمام خوبصورت چہرے' سب کہانیوں کو یکسر فراموش کر کے صرف اور صرف اس کی حسین ذات سے وابستہ ہو جاؤں' اسی لئے وہ مجھ سے دور دور رہی۔ میری وحشتوں کا تماشہ دیکھتی رہی۔ میری اذیتوں سے لطف اندوز ہوتی رہی' شاید وہ مجھے کندن بنانا چاہتی تھی جو تکلیف دہ اور ناقابل برداشت

مرحلوں سے گزار رہی تھی۔ اب میرے امتحان کا وقت پورا ہو گیا تو وہ ایک ہوشربا روپ دھار کر سموچی میرے سامنے آ گئی۔

میں درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آ گیا' وہ بے نیازی سے سر اٹھائے اس مقام کی طرف قدم اٹھاتی رہی جو اس کا مسکن تھا' میں دبے قدموں اس کے قریب گیا اور یکلخت اس کے مہکتے وجود کی تمام رعنائیوں کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں دبوچ لیا۔ اس کے بدن کا لمس میرے اندر آگ لگا رہا تھا' وہ اس طرح ہڑبڑا کر چونکی جیسے کوئی حسین خواب دیکھتے دیکھتے اچانک بیدار ہوئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں ٹکراتے ہوئے مستیوں کے جام گم ہو گئے' ان کی جگہ خوف نے لے لی' وہ ایک نازک اندام کمسن دوشیزہ کے روپ میں تھی لیکن کسی بام مچھلی کی طرح تڑپ کر میرے حصار سے نکل گئی۔ اس نے پلٹ کر مجھے اجنبی نظروں سے دیکھا' اس کا تجاہل عارفانہ بھی قیامت تھا' میں اسے للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا' وہ میرے سامنے سہمی سہمی کھڑی دراز پلکیں پٹ پٹا رہی تھی۔ اس کے تنفس کی رفتار یکلخت کئی گنا تیز ہو گئی' اس کے جسمانی نشیب و فراز کی عریانی مجھے دیوانہ کر رہی تھی' سینے کے زیر و بم کا ارتعاش پاگل بنا رہا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان بس ایک جست کا فاصلہ تھا۔

''کون ہو تم؟'' اس کی آواز بڑی مترنم تھی' قد آور درختوں کی پتیوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں' گھنگھرو کھنک اٹھے۔

''تمہارا دیوانہ۔'' میں نے سرگوشی کی۔

''میں تمہیں نہیں جانتی۔'' اس نے پھر میرے صبر کا امتحان لیا۔

''لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔'' میں بدستور اسے مشتاق نظروں سے گھورتا رہا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ برہم ہو گئی۔ ''آج میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔''

''کہو تو تمہارا نام بتا دوں' شاید تمہیں اعتبار آ جائے۔''

''کیا نام ہے میرا؟'' اس نے تھوڑے توقف سے سوال کیا۔

''کیچو۔'' میں معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''کیا تمہیں یاد دلانے کی کوشش کروں کہ تم نے عین اس وقت میرا ہاتھ تھام کر مجھے نشے کی کیفیتوں سے سرشار کر دیا

تھا جب میں بڑی حویلی کو آگ لگا دینے کی خاطر پاگل ہو رہا تھا' تم درمیان میں نہ آ جاتیں تو میں جگدیپ کو' اس کی بہنوں کو' اس کے عشرت کدے کو' سب کو جلا کر راکھ کر دیتا۔''

''نہیں۔'' اس نے میری باتوں کی نفی کر دی' اس کی آنکھوں سے تجسس جھانک رہا تھا۔ ''تم جو کہانی سنا رہے ہو وہ میرے لئے بالکل نئی ہے' میں کسی جگدیپ کو نہیں جانتی' میں نے پورے جیون میں کبھی کسی منش کا ہاتھ نہیں تھاما۔''

''میں میر جمشید عالم ہوں۔'' میں نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی' یاد کرو' تمہارے ہی نام کی وجہ سے میری معصوم بہن یاسمن کو طلاق ہوئی تھی' میرے غیرت مند باپ نے جوش میں آ کر ڈاکٹر ارشد کو گولی مار دی' اپنے ہاتھوں اپنے داماد کا سینہ چھلنی کر دیا پھر اس نے بھی خودکشی کر لی' میرا بھائی سکندر پاگل ہو کر نہ جانے کہاں نکل گیا اور میں......''

''تم بھی مجھے پاگل ہی دکھائی دیتے ہو۔'' اس نے میرے بدن سے آنکھ چراتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ''پاگل نہ ہوتے تو اس قدرتی لباس میں ایک اجنبی لڑکی کا شریر چھونے کی کوشش کبھی نہ کرتے۔''

مجھے اپنے مادر زاد برہنہ ہونے کا خیال آیا تو میں لپک کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا' اتنے عرصے تک وحشی بنے رہنے کے بعد' ننگ دھڑنگ گھومنے کا احساس ہی فنا ہو گیا تھا۔ اس حسن بے نیام نے توجہ دلائی تو شرم سے پانی پانی ہو گیا' وہ بدستور سہمی سہمی کھڑی کسی سوچ میں غرق تھی۔ میں سمجھ رہا تھا' وہ جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔ میں نے درختوں کے دس بارہ پتے توڑ کر جلدی جلدی بمشکل ستر پوشی کی پھر اس کے سامنے آ گیا۔

''اب کیا خیال ہے؟'' میں نے اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا تو وہ عجیب انداز میں مسکرا دی' کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا تمہارا شبھ نام پوچھ سکتا ہوں؟'' میں نے اسے ہموار کرنے کی خاطر کریدا۔

''میرا کوئی نام نہیں ہے۔'' اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

''یہاں تمہارے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔'' میں نے جنگلی بیلوں کی طرف

اشارہ کر کے دریافت کیا۔

''کوئی بھی نہیں۔''

''حیرت انگیز۔'' میں چونکا۔ ''رات میں نے یہاں ایک چراغ روشن دیکھا تھا' اس نے میری رہنمائی کی تھی' میں موسلا دھار بارش سے گھبرا کر کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں تھا' روشنی کی کرن دیکھ کر ادھر نکل آیا۔''

''پھر۔ اندر کیوں نہیں چلے گئے۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا' اس کا خوف آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔

''میں نے سوچا تم میرے اچانک وارد ہونے سے پریشان ہو جاؤ گی۔'' میں نے جان بوجھ کر اسے جھوٹ سے لبھانے کی کوشش کی۔

''کیا نام بتایا تھا تم نے؟''

''مم میر......'' میں نام بتاتے بتاتے رک گیا' کچھ سوچ کر بولا۔ ''میرے بھی کئی نام ہیں' تم شاید مجھے موہن داس یا شیرو کے نام سے جانتی ہو۔''

''نہیں۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''میں تمہیں کسی نام سے نہیں جانتی۔''

''پھر نام پوچھنے کی زحمت کیوں گوارا کی تھی؟'' میں اس کے بھول پن پر مسکرایا۔

''میں جاننا چاہتی تھی کہ تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے۔''

''کیا مطلب۔؟'' میں چونکا۔

''میرا تعلق جس گروہ یا قبیلے سے ہے وہاں کسی کا کوئی نام نہیں ہوتا۔''

''پھر۔ تمہیں کس نام سے پکارا جاتا ہے؟'' میں اس کی باتوں سے لطف لینے لگا۔ میں سمجھ رہا تھا' وہ میرا امتحان لے رہی تھی' ٹھونک پرکھ کر دیکھنا چاہتی تھی کہ میں اسے بھولا تو نہیں' اس کی ہر ادا سحر انگیز تھی' ہر انداز قیامت سے کم نہیں تھا۔

''ہم ماں باپ کی آواز پہچانتے ہیں' وہ آواز دیتے ہیں تو ہم اچھلتے کودتے ان کے قریب چلے جاتے ہیں۔''

''تمہارے بھائی بہن بھی ہیں۔''

''ہاں۔''

''وہ کہاں رہتے ہیں۔؟''

''نہیں۔'' اس کی غزالیں آنکھوں میں دوبارہ خوف کے سائے پھیلنے لگے۔

''میں تمہیں ان کا پتہ نہیں بتاؤں گی۔''

''کیوں۔''

''تم۔ تم انہیں مار ڈالو گے۔'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا' شکایت تھی۔ ''تم اپنے شوق کو پورا کرنے کے کارن دوسروں کی ہتیا کر ڈالتے ہو' تمہیں دیا نہیں آتی۔''

''ایک بات پوچھوں۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم مجھے نہیں جانتیں' کھلواڑ تو نہیں کر رہیں میرے ساتھ۔''

''میں تمہارے ساتھ کھلواڑ کروں گی' کیا سمبندھ ہے میرا اور تمہارا؟'' اس نے تیز تیز پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

''تم کچھو نہیں ہو؟'' میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا' اس کی باتیں مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں کہ شاید وہ مجھے الو بنانے کی کوشش کر رہی ہے' میرا جھلا جانا غیر فطری نہیں تھا۔

''کچھو۔'' اس نے عجیب سا منہ بنایا۔ ''کتنا عجیب نام ہے' میں نے تمہارے گروہ کے کسی آدمی سے یہ نام پہلی بار سنا ہے' کون ہے یہ کچھو؟ کس قبیلے سے سمبندھ ہے اس کا اور......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اور کیا۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار رکھا۔ ''بولتے بولتے چپ کیوں ہوگئیں' کیا جاننا چاہتی تھیں۔''

''وہ کچھو...... نر ہے یا مادہ؟'' اس نے مدھم آواز میں سوال کر ڈالا۔

''تم کیا ہو؟'' میں نے تلملا کر اسے سرتاپا دیکھا۔

''مادہ۔'' وہ شرما کر بولی۔

''اور میں۔''

''تم۔ تم نر ہو۔'' اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔

مجھے اس کی اداکاری پر طیش آنے لگا' جن حالات میں وہ ہاتھ پکڑ کر مجھے بڑی حویلی کے پاس سے اٹھا لائی تھی وہ دوبارہ ذہن میں تازہ ہونے لگے۔ میں نے بڑی مشکلوں سے یاد رفتہ کو بھلانے کی کوشش کی تھی' زخموں پر گزرتے وقت کا مرہم لگا لگا کر انہیں مندمل کرنے کی سعی کی تھی۔ اب زخموں پر کھرنڈ جمنے لگے تو کچھو انہیں سراہنے

کے بجائے ان پر نشتر لگا کر پھر ہرا کر دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

مجھے پھر اس کے وجود کی توثیق پر غصہ آ گیا' وہ میری زندگی میں اپنی مرضی سے داخل ہوئی تھی' وہ میری بربادی اور تباہی کا سبب تھی۔ اس نے مجھے خودکشی سے باز رکھ کر زندگی کی اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ اس نے کئی موقعوں پر میری مدد بھی کی تھی' میں اس کی ماورائی قوت کے چمتکار بھی دیکھ چکا تھا لیکن میں نے اسے کبھی خود سے برتر نہیں سمجھا تھا۔ سمجھا ہوتا تو سادھو دیوراج کے کہنے پر پہلی ہی بار دنیا کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر ان گھنے جنگلوں اور پہاڑوں میں آ گیا ہوتا' جہاں کیچو بڑی مدت سے میری منتظر تھی' میری راہ تک رہی تھی۔ کرچھے والے پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج نے یہی کہا تھا لیکن میں نے ان کی باتوں پر عمل نہیں کیا' میرا تعلق انسانوں کی دنیا سے تھا' میں انسانوں کے ہی بیچ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے کیچو کی خوشامد نہیں کی تھی' وہ مجھے زبردستی اٹھا لائی تھی۔ میں نے کبھی اس سے مدد کی درخواست نہیں کی تھی۔ وہ خود ہی بار بار میرے سامنے آ جاتی تھی اور اب..... اب جب میں اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا تو وہ مجھے معصومیت سے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ قبیلوں اور گروہوں میں الجھا رہی تھی۔ اسی کی وجہ سے دشت نوردی کرتے کرتے میرا لباس تار تار ہو کر ایک ایک کر کے میرے جسم سے اترتا گیا اور اب وہی ''قدرتی لباس'' کے طنز سے مجھے میری برہنگی کا احساس دلا کر شرمندہ کر رہی تھی۔ خود بڑی معصوم نظر آ رہی تھی۔

میرے سر پر چھپکلی سوار ہو گئی' میں نے بھی اسے بے نقاب کرنے کی خاطر درخت کے ان پتوں کو جسم سے نوچ کر علیحدہ پھینک دیا' جو ستر پوشی کے لئے استعمال کئے تھے' وہ میری وحشت دیکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''ڈرو نہیں جان من!'' میں نے بڑی لگاوٹ کا اظہار کیا۔ ''جب تم اتنی ہوش مند ہو کہ نر اور مادہ کا فرق سمجھ سکتی ہو تو یہ بھی جانتی ہو گی کہ بھگوان نے اس دھرتی پر نر اور مادہ کی جوڑی کس شبھ کام کے لئے اتاری ہو گی۔''

''تم..... تم پاپ کی بات کر رہے ہو۔'' وہ سہم گئی۔ ''بغیر کسی سمبندھ کے شریر کا ملاپ گھور پاپ ہے۔''

''اقرار کر لو کہ تم ہی کیچو کا ایک خوبصورت روپ ہو ورنہ میری دیوانگی بڑھ

جائے گی۔'' میں غصے سے چیخ پڑا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں' کیا ہوں' سادھو دیوراج کہتا تھا کہ تم نے مجھے اپنے لئے پسند کیا ہے' جنگلوں اور پہاڑیوں کے بیچ میرا انتظار کر رہی ہو۔ تمہارے کارن میں ٹھوکریں کھاتا رہا' اپنے زخم سہلاتا رہا' اذیتیں برداشت کرتا رہا' رات اور دن کی تمیز بھلا بیٹھا اور تم مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہو۔ میری وحشتوں' میری دیوانگی کا مذاق اڑا رہی ہو' ختم کر دو اس کھیل کو ورنہ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ موت نے مجھے کبھی خوفزدہ نہیں کیا۔ جب موت مقدر ہے تو پھر خوف اور ڈر کس بات کا۔''

''تم..... تم میری بات پر وشواس کرو۔'' وہ خوف سے ہکلانے لگی' سراسیمہ ہو گئی' سہی تو اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے' دلکشی بڑھ گئی' بدن کے نشیب و فراز اور قیامت بن گئے' کہتی رہی۔ ''میں تمہیں نہیں جانتی' کسی میر جمشید عالم یا موہن داس سے میرا کبھی کوئی سمبندھ نہیں رہا۔ میں نے تمہیں آج پہلی بار دیکھا ہے' سادھو دیوراج اور پنڈت ایشوری لال تمہارے قبیلے کے لوگ ہوں گے' میں ان کا نام تمہاری زبان سے پہلی بار سن رہی ہوں۔''

''بہت ساری باتیں پہلی بار سنی جاتی ہیں' انسان پہلے سے ان کے مطلب نہیں سمجھتا' ماحول اور حالات اسے رفتہ رفتہ باتوں کا مفہوم سمجھاتے رہتے ہیں۔'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''بہت سے رشتے ناتے نئے نئے وجود میں آتے ہیں' ان کے بارے میں بھی منش پہلے سے بالکل کورا ہوتا ہے' کچھ سمبندھ بڑے انوکھے اور لذت دار ہوتے ہیں' جب تک ان کا ذائقہ نہ چکھ لیا جائے وہ عجیب و غریب لگتے ہیں' پھل اوپر سے کیول پھل ہوتا ہے' اس کا سواد معلوم کرنے کے کارن چھری یا چاقو سے اس کی قاشیں علیحدہ کرنی پڑتی ہیں تب منش جان پڑتا ہے کہ وہ کھٹا ہے یا میٹھا' کڑوے کسیلے کی پہچان اوپر سے نہیں اندر سے ہوتی ہے۔''

میں نے پیش قدمی شروع کر دی' وہ میرے تیور دیکھ کر ڈرنے لگی' وہ عورت تھی اور عورت ہی مرد کی بدلتی نگاہوں اور ارادوں کا مفہوم سب سے بہتر سمجھتی ہے۔ وہ بھی میرا مطلب بھانپ کر خوفزدہ ہو رہی تھی' میرے بدن کا تناؤ اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھا' وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی جنگلی بیلوں کے جھنڈ سے جا لگی۔ میرا آگے بڑھنے والا ہر قدم درمیانی فاصلہ کم کر رہا تھا پھر قریب تھا کہ میں اسے اپنی بانہوں میں

اتنی شدت سے لپیٹتا کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑانے لگتیں' جوڑ جوڑ بولنے لگتا' سانسیں گھٹنے لگتیں کہ اس نے خلاف توقع چھلانگ لگائی اور بیلوں کی دوسری سمت جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی' میں پتھریلے راستے سے اس کے تعاقب میں اندر داخل ہوا تو میرا سارا جوش یکلخت کافور ہو گیا' آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں جس تنگ راستے سے گزر کر اندر داخل ہوا وہ ایک کشادہ غار کی شکل میں میرے سامنے تھا جسے بڑے سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ غار کی پشت سے سورج کی روشنی اندر داخل ہو رہی تھی جو ہر شے کو واضح کر رہی تھی۔ میں حیرت سے ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگا' بائیں طرف ایک گھڑونچی تھی جس پر مٹی کے دو گاگر رکھے ہوئے تھے۔ غار کی غیر مسطح دیواروں پر بھی جنگلی بیل کو پوری توجہ' بڑی مہارت سے چڑھایا گیا تھا۔ وسط میں ایک چھوٹا سا تخت بچھا تھا جس پر ایک انسان' ایک زندہ انسان آلتی پالتی مارے۔ ٹھوڑی کو سینے سے لگائے بیٹھا پوری طرح کسی گیان دھیان میں غرق نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مالا تھی جس پر اس کی انگلیاں کھڑکھڑا رہی تھیں۔ دوسرا ہاتھ اس نے گھٹنے پر جما رکھا تھا۔

وہ دراز قد اور دبلا پتلا آدمی تھا۔ جسم پر گوشت برائے نام تھا' ہڈیاں ابھری ابھری نظر آ رہی تھیں' آنکھیں پوری طرح بند تھیں' سر کے بال شانوں تک جھول رہے تھے' داڑھی بھی جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھی ہوئی تھی' اگر اس کے جسم پر گوشت نہ ہوتا تو وہ ہڈیوں کا ایک قابل دید پنجر نظر آتا۔ تخت کے ساتھ ہی ہرنوں کا ایک جوڑا زمین پر گردن ڈالے محوِ خواب تھا' میرے قدموں کی آہٹ کے باوجود نہ اس بوڑھے کے استغراق میں کوئی فرق پڑا نہ ہی ہرنوں کی جوڑی نے کوئی حرکت کی' حیرت انگیز بات یہ تھی کہ غار اندر سے نہ صرف کشادہ بلکہ روشن اور ہوادار بھی تھا' اس کی صفائی ستھرائی دیکھ کر یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی اس کی دیکھ بھال کا باقاعدہ خیال رکھتا ہے۔

تخت پر بیٹھے ہوئے بوڑھے کی عمر اسی سال سے بھی تجاوز کرتی محسوس ہو رہی تھی' جسم کا برائے نام گوشت ہڈیوں سے قطع تعلق کر کے جھولنے لگا تھا' نہ جانے وہ کب سے وہاں بیٹھا کس کی یاد میں غرق تھا۔ وہ ہرنوں کی جوڑی اس کے قدموں میں پڑی کیا کر رہی تھی اور وہ نوخیز اور الھڑ دوشیزہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔ میں جس کے تعاقب میں اندر داخل ہوا تھا۔ میں نے پورا غار کھنگال ڈالا جو تین حصوں میں بٹا تھا۔

وہاں برائے نام سامان نظر آ رہا تھا لیکن غار میں داخل ہونے کا صرف واحد وہی ایک راستہ تھا جس سے گزر کر میں اندر داخل ہوا تھا۔ پشت میں سنگلاخ دیوار پر کافی اوپر کی جانب دو تین سوراخ نظر آ رہے تھے جہاں سے ہوا اور روشنی اندر آ رہی تھی' وہ سوراخ خاصی بلندی پر تھے' وہاں سے کسی کا باہر نکل جانا بظاہر ناممکن ہی تھا' پھر وہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟ غار اسے کھا گیا یا فضا میں تحلیل ہو گئی؟ میرا ذہن چکرانے لگا' میرے دماغ میں پھر کیچو کا تصور ابھرا۔ لڑکی کے روپ میں وہی ہو گی جو میرے سکون کو درہم برہم کرنے کی خاطر نمودار ہوئی پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی' شاید اسے مجھ پر اسی حد تک رحم آیا تھا کہ وہ غار تک میری رہنمائی کر کے واپس چلی جائے' بہرحال وہ جو بھی تھی اس کی باتوں کا انداز عجیب تھا' اس کے جملے بھی ناقابل فہم تھے' شاید وہ سب مجھے الجھانے کی خاطر کیا گیا تھا۔

میں گھوم پھر کر دوبارہ اس حصے میں آ گیا جہاں سفید ریش بڈھا بدستور اپنی اسی حالت میں موجود تھا' ہرنوں کی جوڑی بھی میرے قدموں کی آہٹ سے بے نیاز تھی' میں تھکا ماندہ تھا' رات بھر وسوسے مجھے جگاتے رہے' بارش میرے جسم پر برستی رہی' غار میں قدرے سکون اور گرمی کا احساس ہوا تو میرے ذہن پر غنودگی سی طاری ہونے لگی' میں ایک کونے میں پاؤں پسار کر لیٹ گیا۔

میں تھکا ہوا تھا' نیند کا طوفان جس انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا تھا اس نے یقیناً مجھے گہری نیند سلایا ہو گا۔ ایک طویل عرصے کے بعد مجھے سنگلاخ ہی سہی لیکن خشک زمین کا بستر نصیب ہوا تھا۔ اوپر غار کی چھت تھی' کمرے میں میرے سوا ایک اور گوشت پوست کا آدمی موجود تھا۔ خوبصورت ہرنوں کی جوڑی تھی' مجھے تنہائی کا خوف بھی نہیں تھا' ان سب عوامل نے میرے اندر ایک انجانا سکون پیدا کر دیا تھا' میں جنگلی جانوروں کے درمیان بھی کھلے آسمان کے نیچے کہیں سبزے پر رات گزارنے کا عادی ہو چکا تھا لیکن یہ خوف بھی لاحق رہتا تھا کہ کسی دن کوئی درندہ میری بو سونگھتا ہوا قریب آ گیا تو مجھے سوتے ہی میں چیر پھاڑ کر ہمیشہ کے لئے سلا دے گا۔ زندگی سے میرا تعلق میرے تمام رشتے ختم کر دے گا۔ میں سوتے سوتے بار بار جاگ اٹھتا تھا' ایک ذرا سی آہٹ پر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اطراف کا جائزہ لینے لگتا پھر دل کو سمجھاتا۔ ''میر جمشید علی کب تک اس طرح یوں چونک چونک کر اپنی حفاظت کر سکو گے ایک نہ ایک دن تو

تمہیں سفر آخرت اختیار کرنا ہے' تم اپنا سارا بوجھ اتار چکے ہو' ہلکے ہو گئے ہو' پھر غم کس بات کا' زندگی تو اسی کی امانت ہے' جب چاہے واپس لے لے گا۔''

لیکن اس روز کی بات کچھ اور تھی' وہ عمر رسیدہ بوڑھا میرے لئے اجنبی تھا۔ اس کے مقابلے میں میرے قویٰ بھی زیادہ مضبوط تھے لیکن بہرحال ہم ایک سے دو ہو گئے تھے' ڈوبتے کو تو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے' وہ تو پھر میرے ہی قبیل کا تھا۔ میں کب تک محو خواب رہا مجھے کچھ یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ جب میں دوبارہ بیدار ہوا تو میں کھردرے فرش کے بجائے بوڑھے کے تخت پر تھا' وہ میرے قریب بیٹھا مجھے بڑے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا' ہرنوں کی جوڑی بھی اس کے قریب موجود تھی۔ میں نے بوڑھے کو غور سے دیکھا' اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں' اس کے چہرے پر لکیروں کے جال دراڑوں کی شکل میں گہرے نظر آرہے تھے' وہ مجھے حیرت سے گھورے جا رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا مجھے معاً یہ خیال گزرا کہ کہیں میں نے تو اسے تخت سے اتار کر فرش پر نہیں پھینک دیا' انسان ایسی ہی عجیب وغریب خصلتوں کا مالک ہوتا ہے' در بدر ہو جاتا ہے تو پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے' سر چھپانے کا سہارا مل جائے تو پھر آہستہ آہستہ پاؤں پسارنے لگتا ہے۔ ممکن ہے میرے لاشعور میں بھی ایسا ہی کوئی خیال ابھرا ہو۔ وہ بوڑھا اس غار میں خاصہ وقت گزار چکا تھا' اب میری باری تھی وہ کمزور اور لاغر تھا۔ میں مضبوط اور توانا تھا' شاید میرے ذہن کے کس گوشے میں ایک خیال سر ابھار رہا ہو کہ محکوم کو محکوم بن کر رہنا چاہیئے' دنیا کا دستور بھی یہی ہے۔ سوتے میں کسی وقت میری آنکھ کھل گئی ہوگی' مچھروں یا رینگنے والے کیڑوں نے مجھے ستایا ہوگا' میں کچی نیند سے جاگا ہوں گا' پھر بوڑھے کو تخت پر براجمان دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا ہوگا' میں نے اسے آگے بڑھ کر تخت سے زمین پر دھکیل دیا ہوگا اور خود تخت پر قبضہ جما لیا ہوگا' میں نے ذہن پر زور دیا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آسکا۔

بوڑھے کی دھندلائی ہوئی نظریں مجھے عجیب سراسیمگی کے عالم میں گھور رہی تھیں۔ اس کے ڈھیلے جیسے حلقوں میں جم کر پتھرا گئے تھے ان میں کوئی حرکت نہیں تھی' میں آنکھیں پٹ پٹا کر اسے دیکھتا رہا پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بیٹھے ہی بیٹھے اس بوڑھے کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو' یہ خیال بڑا روح فرسا تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد کوئی دوسرا آدمی مجھے نظر آیا تھا' وہ بھی اتنی جلدی ساتھ

چھوڑ گیا' آخری وقت میں اسے آنکھ بند کرنے کا موقع بھی نہیں ملا' وہ بیٹھے ہی بیٹھے اس انتظار میں دنیا سے چلا جائیگا کہ کب میں بیدار ہوں اور وہ مجھ سے پوچھے۔

''بھلے مانس میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے میرے استغراق کا شیرازہ بکھیر کر مجھے تخت سے بے تخت کر دیا' تمہیں تلاش بسیار کے بعد ایک محفوظ ٹھکانا مل گیا تھا تو مل جل کر گزارا کر لیتے' کسی اور گوشے میں ڈیرا جما لیتے' میرے سکون میں خلل ڈالنے کا تمہیں کیا حق تھا۔'' مرنے سے پہلے اس بوڑھے کے ذہن میں کچھ اسی قسم کے سوالات' شکوے' شکایتیں رہی ہوں گی۔ لیکن وہ مجھ سے باز پرس کی حسرتیں دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو گیا' اس کا وقت پورا ہو چکا تھا' اب اس غار پر بلا شرکت غیرے میرا قبضہ تھا۔ میں نے سوچا اسے اٹھا کر باہر پھینک دوں' یا قبر تعمیر کر کے اس کے اندر دفن کر دوں' میرے ذہن میں مختلف خیالات گڈ مڈ ہو رہے تھے جب بوڑھے کی آنکھیں مجھے دوبارہ متحرک نظر آنے لگیں' وہ ذرا سا ہلا تو اس کے استخوانی جسم کی ساری ہڈیاں' تمام جوڑ بند کڑکڑانے لگے۔

''مہاراج! تم کب آئے' مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔'' اس نے کھردری آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ ''جگا لیا ہوتا مجھے' تم زمین پر کیوں لیٹ گئے؟ مجھے شما کر دو' میں جاگ رہا ہوتا تو تمہیں کشٹ نہ اٹھانے دیتا۔''

بوڑھے کو زندہ دیکھ کر میں نے سکون کا سانس لیا لیکن اس کے گفتگو کا انداز مجھے حیران کر رہا تھا' ہرنوں کی جوڑی بھی اس کے دائیں بائیں کھڑی مجھے بڑے ادب اور احترام سے دیکھ رہی تھی۔

''کون ہو تم اور کب سے ان درختوں اور پہاڑوں کے بیچ زندگی گزار رہے ہو؟'' میں نے آہستہ سے دبی زبان میں سوال کیا۔

''میں تمہارا سیوک ہوں مہاراج!'' وہ ہاتھ جوڑ کر بڑے خلوص سے بولا۔ ''کتنے دن کتنی راتیں بیت گئیں میں نے ان کا حساب نہیں رکھا پرنتو اتنا یاد ہے کہ جب میں ادھر آیا تھا اس سمے میری عمر یہی کوئی چوبیس پچیس سال رہی ہوگی' تب سے اسی ٹھکانے پر بیٹھا تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔'' وہ مجھے بڑی عقیدت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''تم نے آنے میں بہت دیر کر دی۔''

''تمہیں دھوکا ہوا ہے۔'' میں نے اس کی ناقابل یقین باتوں سے قدرے

الجھ کر کہا۔ ''میں وہ نہیں جس کا تمہیں انتظار ہے۔''

''نہیں مہاراج' ایسا مت کہو۔ میری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔''

''تم چوبیس سال کی عمر سے اس جنگل بیابان میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟''

''اسی کی یاد میں گم ہوں جس نے کیول تمہیں پسند کیا ہے۔'' اس کے لہجے میں حسرتیں مچل رہی تھیں۔ ''اپنے اپنے بھاگ کی بات ہے مہاراج! پرنتو میں بڑا بھاگیوان ہوں جو تمہارے درشن ہی ہوگئے' یہ بھی اسی کی کرپا ہوگی' وہ جو چاہتی ہے وہ ہو جاتا ہے' وہ سب سے مہان ہے۔''

''تم۔تم کس کی باتیں کر رہے ہو؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''اس کے سوا اور کس کی بات کروں گا جس کے درشن کی آس میں سارا جیون بتا دیا۔'' وہ مست ہو کر جھومنے لگا۔ ''اس کی یاد میں بھی بڑا سواد ہے مہاراج! میں نے آج تک اس کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں سوچا' سوچنا بھی پاپ ہے۔''

''کیا تمہیں میرا نام معلوم ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''میں کون ہوں' کہاں سے آیا ہوں؟''

''میں سب جانتا ہوں مہاراج' اس کی کرپا ہے جو اس نے میرے ہردے میں اجالا کر دیا ہے' اس اجالے میں سب کچھ نظر آتا ہے۔'' بوڑھا بڑے آسودہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''مجھے اس نے من کا اجالا دان کر دیا میرے لئے یہی بہت ہے اور تمہارے درشن بھی ہوگئے' مجھے پورا وشواس تھا کہ ایک نہ ایک دن تم ضرور آؤ گے' مجھے اپنی سیوا کا موقع دو گے' پر میں ہاتھ جوڑ کر ایک بنتی کروں گا۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بڑی عاجزی سے بولا۔ ''مجھے اپنے سے الگ مت کر دینا' مجھے ساتھ ساتھ رکھنا۔''

''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

''وہیں' جہاں بیٹھی وہ تمہاری راہ تک رہی ہے۔''

''کون میری راہ تک رہی ہے۔؟''

''وہی جس نے تمہیں چاہا ہے' جس نے تمہیں من مندر میں مورتی سمان سجا لیا ہے' تمہاری پوجا کر رہی ہے۔''

''تم اس کا نام جانتے ہو؟'' میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی' وہ بھی اسی انداز

میں باتیں کر رہا تھا جس انداز میں کرچھے والا پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج کیا کرتے تھے۔

''اس کے کئی نام ہیں مہاراج' کئی روپ ہیں۔'' وہ آنکھیں بند کر کے پھر جھومنے لگا۔ ''وہ ہر روپ میں اپنی مثال آپ ہے' کومل' سندر اور مہان' اس نے آنکھ کھول کر شکوہ کیا۔ ''ایک میں ہوں جو اس کی چھایا کو ترس رہا ہوں اور ایک تم ہو مہاراج کہ وہ جانے کب سے تمہاری راہ تک رہی ہے اور تم......''

''تمہارا کیا نام ہے۔؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''سیوک کو کرشن کہتے ہیں مہاراج!''

''تمہیں یہاں کون لایا تھا؟''

''اسی کی یاد لائی تھی مہاراج! وہ جسے چاہتی ہے اسے......''

''تم بکواس کر رہے ہو۔'' میں جھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم کہتے ہو کہ تم چوبیس سال کی عمر سے یہاں بیٹھے اس کے نام کی مالا جپ رہے ہو لیکن یہ نہیں بتا سکتے کہ تم یہاں تک کس طرح آئے' کیا تمہیں راستوں کا ابہام ہوا تھا۔''

''دھیرج مہاراج! دھیرج۔'' وہ ہاتھ باندھ کر اٹھ کھڑا ہوا' اس نے اشارہ کیا تو ہرنوں کی جوڑی اچھلتی کودتی غار سے باہر نکل گئی۔ ہم تنہا رہ گئے تو وہ میرے قریب آ کر بولا۔ ''اپنے بارے میں سوچو مہاراج! تم بھی اپنے بھون سے کسی اور ارادے سے باہر نکلے تھے' کیا تمہاری اچھا پوری ہوئی؟ نہیں نا۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''اس نے کیول تمہارا ہاتھ تھاما تھا اور تم نے آنکھیں موند لی تھیں' تمہیں بھی یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا' جب آنکھ کھلی تو تم نے اپنے آپ کو انہی پہاڑیوں اور درختوں کے بیچ پایا ہوگا' اب تم بھی بھٹک رہے ہو' اسے تلاش کر رہے ہو۔''

میں نے چونک کر بوڑھے کو گھورا' اس کی آنکھوں میں نمودار ہونے والی چمک بتا رہی تھی کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا تھا' اسے خبر تھی کہ مجھے اس جنگل بیابان میں کس طرح لایا گیا تھا' وہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوگا۔ سادھو دیوراج بھی بہت کچھ جانتا تھا لیکن بار بار مجھے یقین دلاتا تھا کہ اسے میرے سلسلے میں زبان بند رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ میں اس کی باتوں کو مذاق سمجھتا تھا' فریب سمجھتا تھا' شعبدے بازی گردانتا تھا لیکن بوڑھا کرشن بھی ویسی ہی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اسے

تیز نظروں سے گھورا تو وہ کانپنے لگا۔

"تم کیچو کی بات کر رہے ہو۔" میں نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ "وہ تمہیں یہاں لائی تھی۔"

"ہاں ...... ہاں مہاراج۔" اس نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا تھا کہ میں یہاں آؤں گا؟"

"کٹھن تپسیا سے پراپت کی ہوئی ودیا نے جومن کے سارے دوار کھول دیتی ہے۔" وہ لہرانے لگا۔ "جو منش سچے دل سے گیان و دھیان کرتا ہے' وددان ہو جاتا ہے پھر اس کے من میں کوئی کھوٹ نہیں رہتی۔ جب اندھیرے چھٹ جاتے ہیں سارے راستے روشن ہو جاتے ہیں' تن کی آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن من کی آنکھیں سب دیکھ سکتی ہیں' بہت دور دور تک۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ ان پہاڑیوں کے سلسلے سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے؟" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا' امید کی ایک کرن مجھے ٹمٹماتی نظر آئی' اگر کرشن کا گیان دھیان سچا تھا تو وہ واپسی کے راستوں سے بھی ضرور واقف ہوگا۔

"میں کیول ایک ہی راستہ جانتا ہوں جو اس کے استھان کی طرف جاتا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" میں نے گرج کر اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج!" وہ گڑگڑانے لگا۔ "میں تمہارا سیوک' تم سے جھوٹ بولوں گا۔" وہ جملہ مکمل کر کے منہ پیٹنے لگا' اس پر وحشتیں طاری ہونے لگیں لیکن بدستور مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

"وہ لڑکی کون تھی جو تمہارے غار سے باہر منڈلا رہی تھی؟" میں نے کچھ سوچ کر اس کو نئے زاویئے سے ٹٹولا۔

جواب میں اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کر لیں' اس کے جسم میں رعشے کی کیفیت واضح ہونے لگی' اس پر کپکپی طاری ہو رہی تھی' شاید میں نے کسی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ چند ثانئے وہ آنکھیں موندے کھڑا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ ابھر آئی' اس نے آنکھیں کھول کر بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم جس سندری کی بات کر رہے ہو مہاراج وہ نگاہوں کا فریب ہے' جل

ہے' دھوکا ہے۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "کبھی کبھی ایسی سندریاں منش کی پریکشا کے لئے آکاش سے اترتی رہتی ہیں' اپنا کومل شریر دکھا کر وہ منش کو پاپ کے راستے پر لے جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ لبھاتی ہیں' رجھاتی ہیں' نین بان چلا کر من کو گھائل کرتی رہتی ہیں۔ جن کے من میں کھوٹ ہوتا ہے' وہ لوبھی بن کر ان سندر ناریوں کا ہاتھ تھام لیتے ہیں' راہ سے بھٹکتے ہیں تو پھر انہیں سیدھا راستہ نہیں ملتا' سارا جیون ہاتھ ملتے رہتے ہیں۔"

میں اسے گھورتا رہا' اس نے جو جواز پیش کیا تھا وہ قرین قیاس تھا' قدرت بھی انسان کا امتحان لیتی رہتی ہے' میں بھی ایک کڑے امتحان سے گزر رہا تھا' کیچو نے اپنے مختلف رنگ و روپ دکھا کر مجھے لبھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے نام لیوا پنڈت اور سادھو مجھے جنگل اور پہاڑیوں کی طرف نکل جانے کا اشارہ دیتے رہے۔ میں کیچو کی نفی کرتا رہا' مجھے اس سے کوئی لالچ نہیں تھا یا شاید میری دل بستگی کیلئے' پارو' شکنتلا اور بھون کی دوسری داسیاں باندیاں موجود تھیں' میں نے ریتا کے گداز ہونٹوں سے انگلستان کا رس کشید کیا تھا' پارو کا جسم میری پذیرائی کی خاطر ہمیشہ ٹھنا رہتا' شکنتلا کا غرور میری سرکشی سے مجروح ہو چکا تھا' پریت کی نفرتیں مجھے اس کا سر کچلنے کو اکساتی رہتی تھیں' ترنم میرے عشق میں کوٹھے سے اتر آئی تھی' جگدیپ میرا سب سے بڑا دشمن اور خون کا پیاسا تھا' لیکن اس کی بہن انیتا کئی بار مجھے اپنی مستی بھری کٹورا جیسی آنکھوں سے چھلکتے جام پلا چکی تھی۔ ایک بار وہ میری دسترس میں آتے آتے نکل گئی' پریت نہ آ جاتی تو میں اس کے بدن پر بھی اپنے نام کی مخصوص مہر چھاپ دیتا۔ ننھی سندھیا جوانی کی باڑھ رہ رہ کر پھلانگنے کو جست لگاتی رہی' کسم تھی' نیلم تھی' ششی تھی اور بھی بہت سی امیدوار تھیں' شاردا اور راجکماری میرے خواب دیکھ رہی تھیں' میں صرف کیچو کے لئے مخصوص ہو کر کیوں رہ جاتا' جب انواع و اقسام کے لذیز کھانے میز پر سلیقے سے سجے ہوں' وہاں کسی ایک ڈش پر منڈلاتے رہنا کہاں کی عقلمندی تھی' سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرا مذہب ان سے الگ تھا' ہمارے اور ان کے اعتقاد میں زمین آسمان کا فرق تھا' وہ پتھر کی مورتیوں کے آگے سجدہ کرتے تھے میں ایک خدا پر بغیر دیکھے ایمان لانے والے جتھے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے ہاں دیوی دیوتاؤں کی لائن لگی تھی' کوئی سورج کو مانتا تھا' کوئی چاند کی پوجا کرتا تھا' کوئی اولاد کی خواہش میں برہنہ دیوتا کی موتی کے سامنے

عریاں ہو کر بے غیرتی کا رقص دکھاتا' کوئی تلسی کے پودے کو لکشمی کے روپ میں دیکھتا' کوئی چونے کی لکیروں کے جال زمین پر کھینچ کر اسے خوش قسمتی کی ضمانت سمجھتا' ہر کام میں شبھ گھڑی دیکھی جاتی' بلی راستہ کاٹ جاتی تو پنڈت پجاریوں کے پاس چکر لگنے شروع ہو جاتے۔

کرشن کو بھی کسی کرچھے والے پنڈت ایشوری لال' کسی سادھو دیوراج نے کیچو کی یاد میں زندگی گزار دینے کی نوید دی ہوگی' وہ چوبیس سال کی عمر سے پہاڑیوں اور دیوقامت درختوں کے بیچ ایک غار میں بیٹھا ریاض کرتا رہا۔ کیچو کے درشن کی خاطر اس نے جوانی لٹا دی' خوبصورت اور الھڑ دوشیزاؤں سے کنی کتراتا رہا۔ ہر نعمت اپنے اوپر حرام کرلی' یہ سب ان کے دھرم کی باتیں ہوں گی' میں کیچو پر تکیہ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مجھے اپنی ساحرانہ قوتوں کے سہارے ہاتھ تھام کر اس وقت بیہوش کر کے آدمیوں کی بستی سے بہت دور لے آئی تھی جب میں بڑی حویلی کو جلا کر راکھ کر ڈالنے کی خاطر مضطرب تھا۔ میں ہوش و حواس میں ہوتا تو ادھر کبھی نہ آتا اور اب وہ میرا امتحان لے رہی تھی۔ خود کہیں گوشہ نشیں ہو گئی تھی اور چاہتی تھی کہ میں اس کے طلسم کدے کا رخ کروں' سب کچھ بھول کر اسے دل و دماغ میں بسا لوں' وہ طبیعت میں انقلاب لانے کے خواب دیکھ رہی تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ میرے صبر کو کب تک کہاں تک آزمائے گی۔ وہ مجھے اپنے قدموں پر جھکانا چاہتی تھی' میں جھکنے کو آمادہ نہیں تھا' یہ کشمکش بہت عرصہ سے جاری تھی نہ جانے کب تک جاری و ساری رہتی کہ کرشن درمیان میں آ گیا۔ میں نے جس گلبدن' رشک چمن کو دیکھا تھا وہ اسے نظروں کا فریب بتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ الھڑ اور نوخیز دوشیزہ اس کے امتحان کی خاطر آسمان سے بھیجی گئی تھی' وہ اس کے سندر اور کومل شریر کو چھو لیتا تو اس کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا' سارے جیون کی تپسیا اکارت ہوجاتی' دیوانوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ چوبیس سال سے اسی سال کا سفر طے کرتے کرتے شاید سٹھیا گیا تھا' خود کہتا تھا کہ کیچو نے صرف مجھے پسند کیا ہے' میرے سوا کوئی اس کا درشن نہیں کر سکتا' کوئی اس کے عشرت کدے میں داخل نہیں ہو سکتا پھر بھی کسی پتھر کے بت کی طرح اپنی جگہ بیٹھا اسی کی آس میں جیون بتا رہا تھا' اسی کے سپنے دیکھ رہا تھا۔ پوج رہا تھا۔ کسی طور اس سے دست بردار ہونے آمادہ نہیں تھا۔ یہ سب دیوانوں جیسی باتیں تھیں' ان باتوں میں کوئی وزن نہیں تھا۔

میں اسے گھورتا رہا وہ ہاتھ باندھے میرے سامنے کھڑا رہا۔

''تم جانتے ہو کرشن کہ وہ صرف میری ہے' میرے سوا کوئی دوسرا اس کا قرب حاصل نہیں کرسکتا' وہ جنم جنم سے میری راہ دیکھ رہی ہے' وہ اسی لئے مجھے یہاں اٹھا لائی ہے کہ میں اسی کا ہو رہوں' اس کو یاد رکھوں' باقی سب کچھ بھول جاؤں۔''

''ہاں مہاراج...... ہاں۔'' وہ خوشی سے کھل اٹھا۔ ''اب تم سیدھے راستے پر آ رہے ہو' اسی میں مکتی ہے۔ پرنتو مجھے اپنے ساتھ رکھنا' میں بنتی کرتا ہوں' مجھے نراش مت کرنا' چھوڑ نہ جانا' تمہارے کارن کچھ اپنا بھی بھلا ہو جائے گا۔''

''کیا بھلا ہوگا تمہارا۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔

''تم نہیں سمجھ سکو گے مہاراج' ابھی پوری طرح تمہارے من میں اس کی جوت نہیں جلی ہے' شعلے نہیں بھڑکے' کیول اس لئے کہ تم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا' وہ تمہاری پجارن بن گئی' تمہیں دیوتا سمجھ رہی ہے اور......''

''میرا خیال ہے کہ تم احمقوں جیسی دلیلیں پیش کر رہے ہو۔'' میں جھلا گیا۔

''نہیں مہاراج' ایسا مت کہو' ایسا سوچنا بھی پاپ ہے۔'' وہ ساری جان سے لرزنے لگا۔ ''ہر منش کا اپنا ایک آدرش ہوتا ہے' وہ بھی میری آدرش ہے' آج سے نہیں جب میں دس برس کا تھا تب سے اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''اور تم کہتے ہو کہ وہ تمہاری پریکشا کے کارن سندریاں تمہاری اور بھیجتی ہے تاکہ تم انہیں دیکھو اور اپنی آنکھیں بند کرلو۔''

''ہاں مہاراج۔''

''اگر کسی دن تمہاری آنکھیں بند نہ ہوسکیں؟ آنے والی کوئی سندری تمہیں بھا گئی' اس کے کومل شریر کا لوچ تمہیں بھا گیا' تب کیا کرو گے؟ اس کے کندن بدن کو چھو لو گے؟''

''نہیں مہاراج نہیں۔ یہ گھور پاپ ہے' اس کے سوا کسی اور کیلئے میرے من میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''اور اگر خود وہ آ گئی' تم اسے پہچانو گے کیسے۔''

''من کی آنکھوں سے' ہردے کی دھڑکنوں سے' آنکھوں کی تراوٹ سے۔''

''تمہارا تعلق کس گروہ سے ہے۔'' میں نے تیور بدلے۔

"میں سمجھا نہیں مہاراج۔"

"میں بتاتا ہوں۔" میں اونچی اور سرد آواز میں بولا۔ "تم خطرناک ڈاکوؤں کے کسی گروہ کے آدمی ہو' یہاں لوگوں کو بیوقوف بنانے کی خاطر چولا بدلے بیٹھے ہو' چھپ چھپ کر ڈاکوؤں کی مخبری کرتے ہو۔" میں نے بڑی سفاکی سے کہا۔ "مجھے یہاں سے باہر جانے کا راستہ بتادو ورنہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا۔"

"میرے بڑے بھاگیہ مہاراج۔" وہ پھر جھومنے لگا۔ "تمہارے ہاتھوں مروں گا تو مجھے مکتی مل جائے گی' میری آتما شانت رہے گی۔"

"بوڑھے۔" میں نے آگے بڑھ کر غصے میں اس کے گلے پر اپنی انگلیاں جما دیں۔ "تمہیں آخری بار حکم دیتا ہوں کہ مجھے واپسی کا راستہ بتا دو' میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا۔"

"تم مجھے مار کر بھی یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔" اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ "وہ تمہارا راستہ روک لے گی' اس کے درشن کئے بغیر کوئی بھی یہاں سے نہیں جاسکتا' میں بھی نہیں۔"

میں اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا' اس کی گردن پر میری انگلیوں کا دباؤ بڑھتا گیا' اس کی رگیں پھولنے لگیں' کچھ دیر بعد حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں بلند ہونے لگیں' مجھے حیرت تھی' اس کی نگاہوں میں موت کے خوف کے بجائے آسودگی تھی' اس کا سارا جسم کپکپا رہا تھا' میں نے اپنے شکنجے کو اور کسا تو اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلنے لگیں' وہ بے مقصد زندگی گزار رہا تھا' اس نے ایک محفوظ غار پر اپنا تسلط جما رکھا تھا جو اس سے زیادہ میرے کام آ سکتا تھا۔

اس طرح میں کیچو کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں' خود مختار ہوں' محبت میں جبر سے نہیں شرافت سے کام لیا جاتا ہے۔ وہ مجھے مجبور کرکے اپنے قدموں پر جھکانا چاہتی تھی' میری انا کو کچلنے کے خواب دیکھ رہی تھی' میں جواب میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ میر جمشید عالم ایک جہاندیدہ اور کھردرے جسم کا مالک ہے۔ کوئی نرم شاخ نہیں جو آسانی سے لچک جائے' میں انسان تھا' کوئی پالتو جانور نہیں تھا جو دودھ خوراک یا گوشت کے لالچ میں آ کر دم ہلانے لگتا ہے۔ میں کرشن کو ختم کر کے اس پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اگر اس نے میری واپسی کے راستے سے اپنے سحر کے جال نہ

سمیٹے تو میں ایک ایک کر کے اس کے تمام سیوکوں کو نرکھ میں جھونک دوں گا۔

بوڑھا کرشن میرے شکنجے میں پھنسا ہاتھ پیر مار رہا تھا' مجھے حیرت تھی' اس نے ایک بار بھی اپنے بچاؤ کی خاطر کوئی داؤ پیچ نہیں کئے تھے۔ کیچو نے بھی اب تک اس کی کوئی مدد نہیں کی تھی' عجیب بات تھی' کرشن کے بیان کے مطابق جب اس کی عمر چوبیس سال کی تھی وہ اس وقت سے دھونی رمائے بیٹھا کیچو کے مکھ درشن کے لئے ترس رہا تھا۔ اس کا عشق سچا تھا' اس نے اپنی جوانی کیچو کے لئے وقف کر دی تھی۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے تجرد کو توڑنے کی خاطر اس کے اردگرد منڈلاتیں' اپنے عریاں اور حسین جسم کے پیچ وخم سے لبھانے رجھانے کی کوشش کرتیں' وہ آنکھیں بند کر لیا کرتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اگر ایک لڑکی کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید اس کی بات کو مذاق سمجھتا۔ بہرحال' مجھے تعجب تھا کہ کیچو نے اپنے سیوک کی طرف سے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ شاید وہ اپنے شبستانوں میں کسی نرم وگرم مخملیں بستر پر نیم دراز کرشن کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہی ہو۔ اس کی گردن فخر سے تنی ہو' ایک شخص اس کی خاطر موت کو گلے لگا رہا تھا' شاید کرشن کی موت بھی اس کے لئے کسی اعزاز' کسی انعام سے کم نہیں تھی۔

میں جھلا گیا۔ آج میرے ہاتھوں کرشن جس انجام کو پہنچ رہا تھا ممکن ہے وہی انجام کل میرا بھی ہو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی' جب سب کا ساتھ چھوٹ گیا تھا تو تنہا زندگی بھی کسی کام کی نہیں تھی۔ ایک ہی بار قصہ تمام ہو جاتا تو اس جسم کو بھی روح کا مرہون منت نہ ہونا پڑتا۔ بوڑھے کی ہڈیاں کھڑکھڑا رہی تھیں۔ کیچو اگر کہیں موجود تھی تو وہ بھی دیکھ رہی ہوگی کہ مجھے موت منظور ہے' جھکنا گوارا نہیں' میں نے ایک آخری بار کرشن کو کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔

"مجھے واپسی کا راستہ بتا دو یا مرنے کو تیار ہو جاؤ۔"

"مجھے بڑا سواد مل رہا ہے' مجھے ختم کر دو مہاراج۔" وہ کرب میں مبتلا ہونے کے باوجود ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ "وہ جانتی ہوگی کہ میں نے آخری سانس تک اسے یاد رکھا' اس کے سوا کسی کو نہیں چاہا' اسی کے شبھ نام پر جیون دان کر رہا ہوں۔"

"حلق پھاڑ کر چلاؤ' اسے آوازیں دوں' پکارو' شاید وہ تمہاری سہائتا کرنے آ جائے۔"

''کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج۔'' وہ حیرت سے بولا۔ ''جس سے پریم کیا جاتا ہے' جیون ڈور جوڑی جاتی ہے' اس کے کارن تو منش جیون کی بھینٹ دینے سے بھی نہیں کتراتا' میں اسے آواز دے کر اپنی برسوں کی تپیا کا ستیاناس نہیں کروں گا' ہاں' ایک آشا ہے' اَنتم آشا۔'' وہ خلاؤں میں گھورنے لگا' اس کی بے نور ہوتی ہوئی آنکھیں تیزی سے گردش کرنے لگیں۔ ''کیول ایک ہی اچھا ہے' وہ اپنے بھگت کی جیون بھینٹ سویکار کر لے۔''

میں نے طاقت لگا کر اس کی آخری خواہش پوری کردی' اس کا جسم کچھ تڑپا پھر ساکت ہوگیا' بڑی بڑی آنکھیں حلقوں سے ابل کر پتھرا گئیں' ان میں زندگی کی کوئی رمق نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے اسے زمین پر گرادیا۔ ایک اور قتل میرے ہاتھوں سرزد ہوگیا۔ مجھے کوئی پشیمانی نہیں تھی' زر' زن' اور زمین کی خاطر تو ازل سے خون خرابا ہوتا چلا آیا ہے' یہی فساد کی اصل جڑیں ہیں' کرشن کا میرے ہاتھوں مرنا بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی' وہ ایک زن کے لئے زندگی کا بوجھ کاندھوں پر اٹھائے بھٹکتا پھر رہا تھا' میں نے زمین کے حصول کی خاطر اسے غم زندگی سے آزاد کر دیا' زر کی مجھے خواہش نہیں تھی۔

میں تخت پر بیٹھ گیا' کسی فاتح جرنیل کی طرح۔ کرشن میرے سامنے بے گور و کفن پڑا تھا' میں نے اس کا تختہ کرکے اس کے تخت پر قبضہ جما لیا تھا۔ باہر پرندوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا' شاید وہ ایک طویل عرصے تک کرشن کے ساتھ رہتے رہتے اس سے مانوس ہو گئے تھے' اس کی موت پر نوحہ خواں تھے یا پھر اس کا گوشت کھانے کی خاطر بے چین تھے' میں اٹھا' میں نے کرشن کو دونوں ٹانگوں سے پکڑا پھر اس کی لاش کو کھینچتا ہوا غار سے بہت دور لے جا کر ایک گڑھے میں پھینک آیا۔

بہت عرصے بعد ایک آدمی نظر آیا تھا' دو گھڑی ہمارے درمیان انسانوں کی طرح باتیں ہوئیں پھر میں نے اسے مار کر پھینک دیا۔ غار میں واپس آ کر تخت پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ کیچو کے بارے میں غور کرنے لگا جس نے نہ جانے کتنے پنڈت' پجاریوں' سنت سادھوؤں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا' وہ سب اس کے عشق میں مبتلا تھے' اس کے حسن کے اسیر تھے' اس کی دراز اور گھنیری زلفوں میں چمگادڑوں کی طرح الٹے لٹکے اس کے گن الاپتے رہتے تھے۔ میں نے بھی اسے کئی بار اپنی نظروں کے سامنے لہراتے

بل کھاتے دیکھا تھا۔ وہ حسین تھی' گداز جسم کی مالک تھی' اس کی آنکھوں سے مستیاں چھلکتی تھیں' وہ میکدہ تھی' اسے ساقی گری بھی آتی تھی' شاید میں بھی اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا' وہ چاہے جانے کے قابل تھی۔ سب سے منفرد تھی لیکن اس نے جس انداز میں مجھے محکوم بنانے کی ٹھانی تھی وہ مجھے پسند نہیں آیا۔

میں تھکا ماندہ تخت پر آنکھیں موندے لیٹا رہا۔ اب رہنے کو ایک ٹھکانا مل گیا تھا۔ ایک مدت کی دشت نوردی کے بعد میں تھک گیا تھا۔ اب ایک منزل مل گئی تھی۔ ایک آشیانہ مل گیا۔ اب زیادہ تگ و دو کی ضرورت نہیں تھی۔ پرندے اور چرندے مجھ سے مانوس تھے۔ میں ان کی بولیاں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ میری زبان نہیں بتا سکتے تھے البتہ ایک ساتھ رہتے رہتے ہمارے درمیان انسیت ضرور ہوگئی تھی۔ میں پھلوں وغیرہ پر گزارا کرتا۔ جب گوشت کھانے کی اشتہا ستانے لگتی تو کسی ایک پرندے کے اعتماد کو دھوکا دے کر اسے دبوچ لیتا۔ پھر اسے ادھیڑ کر اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیتا۔ مرچ مسالہ بہت پیچھے رہ گیا تھا' وقت کے ساتھ ساتھ ذائقے اور رہن سہن بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اب کچے گوشت کا ذائقہ میرے منہ کو لگ گیا تھا۔ ہانڈی چولھے کی فکر کون کرتا۔

مجھے لباس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہی ایک فرق تھا جو انسان اور جانوروں کے درمیان تمیز کرتا تھا۔ جنگل میں رہتے رہتے وہ فرق بھی مٹ گیا۔ اب کسی بات کی فکر نہیں تھی' ایک خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے ایک بار بڑی حویلی جا کر دل کی حسرتیں پوری کر لوں۔ مجھے یقین تھا کہ جگدیپ کو ابھی تک میرے فرار پر یقین نہیں آیا ہوگا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ میں نے اسے فون پر محض دھوکا دینے کی خاطر للکارا ہو گا' میری گمشدگی پر بھی اس نے دوسروں کے مقابلے میں کچھ اور سوچا ہوگا اس کا پریشان ذہن اسے باور کراتا ہوگا کہ میں ابھی تک ریاست میں کہیں کسی محفوظ مقام پر چھپا بیٹھا ہوں۔ حالات کا جائزہ لے رہا ہوں۔ اچانک نکل کر اس پر ٹوٹ پڑوں گا۔ سب ششدر رہ جائیں گے۔ حویلی سے شعلے بھڑکیں گے تو بھگدڑ مچ جائے گی۔ واقف کاروں کو علم ہوجائے گا کہ موہن داس کی آشفتہ سری پھر بیدار ہورہی ہے۔ پولیس کی ٹولیاں حرکت میں آ جائیں گی۔ کرنل ہارڈنگ میری تلاش میں اپنے کھوجی چھوڑ دے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جگدیپ نے کچھ دنوں میرا انتظار کیا ہو پھر مجھے میری کمین گاہ سے باہر نکالنے کی

خاطر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا ہو کہ اب ڈالی اور گنڈے کے جسموں کو کئی حصوں میں منقسم کر کے ریاست کے چاروں کونوں میں شاہراہوں پر ڈال دیا جائے پھر بھی ایسا کوئی سراغ نہ ملا تو اس نے یقین کر لیا ہو گا کہ میں فرار ہو گیا ہوں یا لاکھی پور کے کسی دل جلے انسان نے اپنے خاندان کے مرے ہوئے لوگوں کا انتقام لینے کی خاطر مجھے مار کاٹ کر کہیں دفن کر دیا ہوگا۔

میں ریاست راجے پور سے کتنی دور تھا مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔''میں اپنا ماضی بھلانا چاہتا تھا لیکن جب ڈالی اور گنڈے کی یاد آتی تو کلیجہ پھٹنے لگتا زخم پر جمی کھرنڈ اکھڑنے لگتی' اندر ہی اندر [illegible] کیا سکتا تھا۔

سرچھپانے کے لئے ایک ٹھکانا ہاتھ آ گیا تو جیسے ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آ گئی میں کئی دنوں تک غار سے باہر نہیں نکلا بوڑھے کرشن کے کچھ پھل فروٹ اندر رکھے تھے میں ان ہی پر گزارا کرتا رہا۔ پیاس لگتی تو جنگلی بیل چبا کر حلق تر کر لیتا۔ اب ان تمام باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ایک دو بار دل چاہا کہ باہر نکلوں' دیکھوں کہ اس دیوانے کا کیا حشر نشر ہوا جو کیچو کی یادیں دل میں بسائے دنیا سے الگ تھلگ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ اب تک پرندوں اور چرندوں نے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالی ہوگی سانس چلتی رہے تو زندگی کا احساس باقی رہتا ہے۔جسم اور روح کا رشتہ ٹوٹ جائے تو ہر شخص نظریں چرانے لگتا ہے۔کیا اپنے کیا پرائے کچھ دنوں تک ممکن ہے کہ برسوں کی رفاقت کے سبب چرندوں اور پرندوں نے کرشن کا احترام کیا ہو۔ شاید انہیں گمان ہو کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے لیکن جب اس کے مردہ جسم سے تعفن کی بھاپ اٹھنے لگی ہو گی تو وہ اس پر ٹوٹ پڑے ہوں گے۔ مردار کھانے والوں کی حس بڑی تیز ہوتی ہے۔وہ ڈاکٹروں سے زیادہ تجربہ کار ہوتے ہیں۔جب تک نبض پھڑکتی رہے دور دور بیٹھے اس کے ڈوبنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔خوراک بھی بڑی ظالم شے کا نام ہے۔اس سے ایک ذی روح اپنا پیٹ بھرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔پھر جب اس کا بلاوا آ جاتا ہے تو خود دوسروں کے لئے خوراک بن جاتا ہے۔

جنگل میں مہذب دنیا کا قانون نہیں چلتا۔ کسی کو نہلا دھلا کر کفن پہنا کر زمین میں دفن نہیں کیا جاتا۔ گورکن کا کام وہاں گوشت خور جانور کرتے ہیں۔ان کی بھوک کی اشتہا بھی مٹ جاتی ہے اور مرنے والے کا کریا کرم بھی ہو جاتا ہے۔مہذب دنیا میں موت کی خبر سن کر لوگ گھروں میں دبک جاتے ہیں۔کون تیار ہو کر جنازے میں شرکت کرے؟ دل پر جبر کر کے آنسو بہائے جائیں؟ لواحقین کو پرسہ دینے کے

لئے مناسب الفاظ تلاش کئے جائیں' پھر سوئم' چالیسویں اور برسیوں کو بھگتایا جائے۔جنگل کے باسیوں میں یہ سرد مہری نہیں ہوتی' وہ موت کی بو پا کر دیر نہیں کرتے۔ جھنڈ اور گروہ کی شکل میں یلغار کر دیتے ہیں۔ اس وقت تک مرنے والے کا ساتھ نہیں چھوڑتے جب تک گوشت کا ایک ریشہ بھی کسی ہڈی سے لگا رہ جائے اپنے اپنے رسم و رواج کی بات ہوتی ہے۔

میں غار سے باہر اس لئے نہیں جانا چاہتا تھا کہ کہیں میری غیر موجودگی میں کوئی اس محفوظ مقام پر اپنا قبضہ نہ جمالے۔ پہلے وہ جگہ کرشن کے تصرف میں تھی۔اب میں نے اسے ہٹا کر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ میرے ہٹتے ہی کوئی اور بھی وارد ہوسکتا تھا انسان کو دوسرے لمحے کی خبر نہیں ہوتی اور وہ پنج سالہ منصوبے بناتا رہتا ہے۔کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔

کرشن بھی وہاں پچپن چھپن سالوں سے سر چھپائے بیٹھا کیچو کو پالینے کی خاطر جاں فدا کر رہا تھا۔ اس سے ملاپ کے منصوبے بنا رہا ہوگا۔سندر سپنے دیکھ رہا ہوگا۔ اسے کیا خبر تھی کہ ایک دن میں اس کی موت بن کر سر پر نازل ہوں گا۔اس کے سارے خواب ٹوٹ کر بکھر جائیں گے وہ جسم جسے وہ برسوں کی کٹھن تپسیا سے پوتر کر کے کیچو کے چرنوں میں بھینٹ کرنے کی خاطر آس کی ڈوری تھامے بیٹھا سندر سپنے دیکھ رہا تھا' اتنی جلدی ٹوٹ کر بکھر جائے گا' کیچو کے بجائے اس کے مردہ شریر کو جنگلی جانور بھوجن سمجھ کر سویکار کرلیں گے۔

جو کرشن کے ساتھ ہوا تھا وہی میرے ساتھ بھی ہو سکتا تھا لیکن ایک محفوظ غار کے مل جانے کے بعد میں کچھ دنوں مکمل آرام کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ بھی دیکھنا تھا کہ ایک سچے سیوک کی عبرتناک موت پر کیچو کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ سادھو دیوراج کہتا تھا کہ وہ مہان شکتی کی مالک ہے۔ مجھے بھی اس حد تک اعتراف تھا کہ وہ میرا ہاتھ تھام کر بڑی حویلی کے قریب سے اٹھا لائی تھی۔ مجھے جنگل اور پہاڑیوں کے لامتناہی سلسلوں کے درمیان پھینک دیا گیا تھا۔ میں یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ وہاں سے مہذب دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا' ایک نہیں کئی سمتوں میں مختلف راستے ہوں گے جنہیں کیچو کے سحر نے میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہوگا۔ ممکن تھا کہ میں کئی بار ان راستوں کے بہت قریب سے گزرا ہوں لیکن میری نظریں انہیں دیکھ نہ سکی ہوں۔ کیچو کی

پر اسرار قوتوں نے جن کا میں خود گواہ تھا میرا دھیان کسی اور جانب پلٹا دیا ہوگا۔جب وہ مجھے آبادی سے اٹھاکر جنگل میں قید کرنے کی طاقت رکھتی تھی تو واپسی کے راستوں پر اپنی ساحرانہ قوتوں سے گہرے پردے بھی ڈال سکتی تھی جسے میری نظریں چاک نہ کر سکی ہوں گی۔ کرشن بھی آسمان سے براہ راست اس غار میں نہیں ٹپکا ہوگا وہ بھی کسی راستے سے گزرکر' کچھ حالات کا شکار ہو کر وہاں تک پہنچا ہوگا۔ وہ کیچو کے درشن کی آس کا سودائی تھا اس لئے وہیں کا ہو کر رہ گیا لیکن مجھے واپس جانا تھا۔ میں نے ابھی کیچو کی خاطر اپنی زندگی وقف کر دینے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ میرے کاندھوں پر بہت سارے بوجھ تھے جنہیں ایک ایک کر کے اتارنا تھا۔ میرے ذمہ لوگوں کے کچھ قرض تھے جو چکتا کئے بغیر میں چین سے نہیں رہ سکتا تھا۔

کئی دن آرام کرتے گزر گئے میں غار میں بالکل تنہا تھا۔ ہرنوں کی وہ جوڑی جو کرشن کے ساتھ رہتی تھی اس کے مرنے سے پہلے ہی خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔غار میں کرشن کا کچھ سامان تھا کچھ برتن باسن' کچھ کپڑے روز مرہ کے استعمال کی ضروری اشیاء وہ شاید پوری تیاری سے آیا تھا اسکی لگن یقیناً سچی تھی۔ وہ کیچو کے اشارے کے بغیر ایک سانس بھی نہیں لے سکتا تھا' اسی لئے اس نے آخری وقت تک زبان نہیں کھولی۔ جہان سے گزر گیا لیکن مجھے واپسی کا راستہ نہیں بتایا۔مجھے حیرت تھی کہ جب سے میں نے جنگل اور پہاڑوں میں قدم رکھا تھا۔ کیچو نے مجھے اپنی کوئی جھلک نہیں دکھائی تھی' کسی گوشے میں بیٹھی میری راہ دیکھ رہی تھی۔ وہ کون تھی ؟اس نے اپنے ہزاروں اور لاکھوں دیوانوں کو نظر انداز کر کے میرا انتخاب کیوں کیا تھا؟وہ مجھ سے کس بات کی متمنی تھی۔؟ یہ سوالات بار بار صدائے بازگشت بن کر میرے وجود کے کنویں میں گونجتے رہتے تھے۔ میں ان کا جواب تلاش کرنے سے قاصر تھا' صرف اتنا جانتا تھا کہ کیچو کا میرے ماضی' میرے گھر اور گھر والوں کی تباہی و بربادی سے بہت گہرا تعلق تھا۔ بعد میں اس نے کئی بار میری مدد کی تھی' موت کے منہ سے بچا لیا تھا' اور اب وہ بھی مجھ سے پردہ کر رہی تھی۔کرشن نے بھی مجھ سے دیر سے آنے کی شکایت کی تھی' وہ بھی یہی کہتا تھا کہ میں بڑا خوش نصیب ہوں جو کیچو نے صرف اور صرف میرا انتخاب کیا ورنہ دنیا کے طول و عرض میں اس کے لاکھوں شیدائی موت سے رشتہ جوڑے اس کو پالینے کی خاطر بھٹکتے پھر رہے تھے۔

اس رات سوتے وقت بھی میرے ذہن میں وہی سوالات گڈ مڈ ہو رہے تھے جو پہلے بھی کئی بار ذہن کے پردوں پر ابھر چکے تھے۔ میں کیچو کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ اچانک مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ شاید کوئی جانور وہاں ہوگا جو سردی سے ٹھٹھر کر پناہ کی تلاش میں غار کے اندر آنا چاہتا ہوگا۔ ممکن ہے کرشن کی روح ابھی تک کہیں آس پاس بھٹک رہی ہو' میں بزدل یا ڈرپوک نہیں تھا' میں یہ جانتا تھا کہ روحیں کسی کا گلا نہیں دبا سکتیں' جسم سے رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد ان کی کوئی مادی شکل نہیں ہوتی۔ میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی' خاموشی سے لیٹا رہا۔قدموں کی وہ آہٹ کیچو کی بھی ہوسکتی تھی' شاید وہ میرا انتظار کرتے کرتے اکتا گئی ہو' اس نے جان لیا تھا کہ میں اس کا سودائی نہیں ہوں' خود چل کر اسکے پاس نہیں جاؤں گا اس لئے وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر مجھے منانے آ گئی ہو۔

قدموں کی آہٹ میرے قریب آتی گئی' میں اس پر کان لگائے دل کی دھڑکن کو گنتا رہا۔ میں نے سوچا' اگر وہ کیچو ہی ہوئی تو میرا ردعمل کیا ہونا چاہئے۔ کیا اس بات کی شکایت کروں کہ اس نے ایک طویل عرصے تک مجھے دشت نوردی پر کیوں مجبور کیا ؟ کیوں عین اس وقت مجھے بڑی حویلی سے دور لے آئی جب میں ڈالی اور گڈے کا انتقام لینے کی خاطر دیوانہ ہو رہا تھا ؟ اگر اس نے سوشیل کے قتل کے سلسلے میں میری خواہش کا احترام کیا' میری مدد کی تو جگدیپ کے سلسلے میں بھی میرے حوصلے بڑھا سکتی تھی۔ وہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا' اس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد میرے سر سے ایک وزنی بوجھ اتر جاتا۔ روز روز کی ریشہ دوانیاں ختم ہو جاتیں اس کے بعد میں کیچو کے حسین وجود کے بارے میں سوچ سکتا تھا' اس کی گھنیری زلفوں میں چہرہ چھپا کر کچھ دنوں آرام کر سکتا تھا۔

میرا ذہن کیچو کے پراسرار سائے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب میں نے کسی کی گرم گرم سانسیں اپنے گالوں پر محسوس کیں' پھر کسی نے میرا بازو تھام لیا' میں چونکا' وہ ہاتھ کسی عورت کا نہیں ہو سکتا تھا' عورت کے ہاتھوں کا لمس تو مرد کی رگوں میں ایک ہلچل سی مچا دیتا ہے' اس کے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگتی ہیں۔کیف و مستی کے ساغر ٹکرانے لگتے ہیں' دل و دماغ پر ایک بے خودی سی طاری ہونے لگتی ہے' خون کی گردش میں طغیانی آ جاتی ہے' سانس کی رفتار بڑھ جاتی ہے' لیکن اس ہاتھ کے لمس میں ایسا

کچھ نہیں تھا۔ وہ کیچو نہیں ہو سکتی تھی' کیچو آتی تھی تو لوبان اور صندل کی ملی جلی خوشبو فضا کو معطر کر دیتی تھی' ہر سو نغمگی کا احساس گنگنانے لگتا تھا' مندر کی گھنٹیاں بج اٹھتی تھیں اس کے جسم سے شعائیں پھوٹتی تھیں جو نگاہوں میں چکا چوند پیدا کرتی تھیں' فضا بھی جھومنے لگتی تھی' ذہن پر ایک خمار سا طاری ہونے لگتا تھا۔

وہ کیچو ہرگز نہیں تھی .... پھر کون تھا ؟

''جمشید' جمی' میرے بھائی' میرے عزیز' آنکھیں کھولو' دیکھو تو سہی میں کون ہوں؟'' کوئی میرے کان میں ہولے ہولے آواز دے رہا تھا' میں نے غور کیا' وہ کون ہوسکتا تھا جو مجھے میرے اصلی نام سے جانتا تھا۔ شاید میرا وہم تھا' گمان تھا' بھولی بسری کچھ یادیں تھیں جو بھٹکتی بھٹکتی میرے لاشعور سے نکل کر شعور میں آ گئی تھیں۔

''جمشید میرے بھائی' اٹھو' مجھے دیکھو' میں کہاں کہاں بھٹکتا رہا' میں نے تمھیں بڑی مشکلوں سے دوبارہ پایا ہے۔اب میں تم سے دور نہیں رہوں گا' ہم ساتھ رہیں گے' ساتھ جئیں گے' ساتھ مریں گے'...... اٹھو بھی جمشید۔''

کسی نے بازو تھام کر جھنجھوڑا تو میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا' میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' مجھے اپنی قوت بصارت پر شبہ ہوا' میں اسے ٹکٹکی باندھے گھورتا رہا' میرے اندر طوفان سر ابھارنے لگا' اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر میری نظریں پھسلنے لگیں۔ وہی آنکھیں' وہی کشادہ پیشانی' وہی گدرائے ہوئے خوبصورت گال' خم کھائی ناک' مخروطی ہونٹ' ٹھوڑی کے نیچے وہی زخم کا نشان جو اس کی شناخت بن گیا تھا' بولنے کا وہی انداز جسے میں بار بار سن چکا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' پورا ماحول برقی قمقموں سے روشن تھا۔ میں نے اسے شناخت کرنے میں غلطی نہیں کی' وہ میرا بڑا بھائی سکندر تھا جو پاگل ہوکر نہ جانے کہاں نکل گیا تھا؟ میں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا پھر تھک ہار کر صبر کر لیا تھا۔ وہی سکندر میری نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ سرتاپا خوبصورت پوشاک میں ملبوس' وہ مجھے والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہوش مندوں کی طرح' دیوانہ یا پاگل ہوتا تو سر کے بال ترتیب سے نہ بنے ہوتے' چہرے پر دو چار خراشیں ہوتیں' آنکھوں سے دہشت ٹپکتی نظر آتی' لباس تار تار ہوتا' مجھے اتنی آسانی سے کبھی شناخت نہ کر پاتا۔

''جمشید..........'' اس نے میرے حلیے پر نظر ڈالی۔ ''یہ تم نے کیا حالت بنا

رکھی ہے؟ تمہارا جسم لباس کی قید سے آزاد نظر آ رہا ہے' مجھے بتاؤ یہ جگہ کون سی ہے' تم یہاں اس غار میں پڑے کیا کر رہے ہو؟''

''تم..........میں جذبات کی رو میں بہتے بہتے یکلخت تھم گیا۔ وہ بظاہر سو فیصد سکندر ہی نظر آ رہا تھا' اس کی گفتگو کا انداز بھی وہی تھا لیکن وہ میری نگاہوں کا فریب بھی ہو سکتا تھا' شاید کیچو نے مجھے پھانسنے کی خاطر کوئی چال بنا تھا۔ وہ اگر پر اسرار ماورائی قوتوں کی مالک تھی تو اس کے لئے سب کچھ ممکن تھا۔

میں اسے غور سے گھورنے لگا۔

''اس طرح کیا گھور رہے ہو؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟''

''ایک بات بتاؤ گے......؟'' میں نے پہلو بدلا۔

''پوچھو......''

''تم یہاں کس طرح آ گئے؟''

''اوہ......'' اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے کشادہ پیشانی پر لکیروں کا جال پھیلنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہا تھا' کچھ دیر نچلا ہونٹ چباتا رہا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''گویا تم بھی ان ہی حالات کا شکار ہوئے ہو جن سے میں دو چار ہوا ہوں۔'' پھر وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر چاروں طرف دیکھنے لگا' اس کی نگاہوں میں وحشت رقص کرنے لگی' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھتے دیکھتے اچانک جاگ اٹھا ہو وہ سراسیمگی کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ کبھی آنکھیں پھاڑے دیواروں کو تکنے لگتا کبھی مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتا پھر ہونٹ کاٹنے لگتا۔ کبھی جھرجھری لیکر آنکھیں موند لیتا پھر چونک کر خلاؤں میں کچھ تلاش کرنے لگتا۔

''تم......تم کون ہو......؟'' میں نے دل کڑا کر اس کی اصلیت جاننے کی کوشش کی۔

''میں......'' وہ میری آواز سن کر ایک لمحے کو یوں چونکا جیسے وقتی طور پر خود کو اس ماحول سے بے نیاز کر چکا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح مجھے گھورنے لگا پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''میں......سکندر ہوں' میں سکندر عالم' لیکن تم......'' اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ ''تم وہ نہیں ہو جو نظر آ رہے ہو' میں شاید خواب دیکھ رہا ہوں......''

''تم مجھے کیا سمجھ رہے ہو؟ کس کا دھوکا کھا رہے ہو......؟''

''تمہاری شکل میرے بچھڑے ہوئے بھائی میر جمشید عالم سے ملتی ہے لیکن......'' وہ خاموش ہوگیا۔ اس کی نظریں پھر ادھر ادھر بھٹکنے لگیں۔

''تم نے ابھی کچھ حالات کا ذکر کیا تھا؟'' میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ ''کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم کن حالات سے دو چار ہو کر یہاں تک پہنچے ہو؟''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' اس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میں اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنا سوال دہرایا۔

''شاید تم میری بات کا یقین نہیں کرو گے لیکن......'' وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہا تھا' بار بار اس کا جسم تشنج کی کیفیتوں سے دو چار ہو جاتا' اس طرح جھٹکے لینے لگتا جیسے اندر کرنٹ دوڑ رہا ہو۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم میرا وقت ضائع کرنے کی حماقت کر رہے ہو۔'' میرے لہجے میں کرختگی آ گئی۔ ''کھل کر بتاؤ کہ تم یہاں کس طرح آئے ورنہ......'' ''نہیں' نہیں......وہ تھم کے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ''مجھے غلط مت سمجھو' میں تم سے غلط بیانی نہیں کروں گا لیکن......میرے اوپر جو کچھ گزری اس پر یقین بھی نہیں آتا' سب کچھ انتہائی حیرت انگیز ہے' ناقابل فہم۔''

میں نے جواب میں اسے بدلے ہوئے تیور سے دیکھا تو وہ خوف زدہ ہوگیا' میرا تجربہ اور مشاہدہ غلط نہیں تھا تو وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا' میرے تیور خطرناک دیکھ کر اس کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔

''یقین کرو' میرا نام میر سکندر عالم ہے' ایک حادثے نے میرے ذہن پر اتنا شدید اثر ڈالا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا' شاید میں پاگل ہوگیا تھا' میں کہاں کہاں دربدر کی خاک چھانتا رہا' کہاں کہاں بھٹکا؟ میرے اوپر کیا بیتی؟ کیا گزری؟ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔'' وہ رک رک کر اٹک اٹک کر اپنی آپ بیتی سنانے لگا۔ ''میں اس نیک دل انسان کا احسان کبھی فراموش نہیں کرسکتا جس نے ترس کھا کر میرا علاج کرایا' مجھے جب ہوش آیا تو میں اس کی عالیشان کوٹھی میں تھا' اس کا نام خلیق احمد تھا' کلکتہ میں اس کے کئی تجارتی دفاتر قائم ہیں' ایک فیکٹری بھی ہے' صحت مند ہونے کے بعد بھی میں اس

کے گھر دو ماہ رہا۔ میری یادداشت رفتہ رفتہ واپس آ رہی تھی‘ میں نے اس نیک دل انسان سے جانے کی اجازت چاہی لیکن اس کے اصرار پر رک گیا‘ میں نے اسے اپنی اصلی کہانی نہیں سنائی‘ ایک فرضی قصہ سنا کر مطمئن کر دیا‘ اس کے بعد......‘‘

’’تمہاری اصلی کہانی کیا تھی......؟‘‘ میں نے اس کا جملہ کاٹ کر پوچھا‘ میری نظریں اس کے چہرے پر گڑی تھیں میں اس کے تاثرات کا بغور جائزہ لے رہا تھا‘ وہ بدستور سہما سہما‘ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

’’میری اصلی کہانی بڑی دردناک ہے۔‘‘ وہ ساری جان سے لرز کر بولا۔ ’’ہم دو بھائی‘ ایک بہن‘ ہمارے والدین‘ سب ایک ساتھ رہا کرتے تھے‘ زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی کہ ایک سنگین صورت حال نے......؟‘‘

’’تمہارے آبائی شہر کا نام کیا تھا۔‘‘ میں نے اس کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔

’’الٰہ آباد......‘‘ اسے میری دخل اندازی ناگوار گزری پھر اس نے میرے متعلق اپنا شبہ دور کرنے کی خاطر تیکھی آواز میں کہا۔ ’’اگر تم واقعی جمشید عالم ہو تو تمہیں بھی ہر بات یاد ہوگی؟‘‘

’’تم کس سنگین حادثے کا ذکر کر رہے تھے۔‘‘ میں نے اس کے سوال کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔

’’ہاں......‘‘ اس بار اس کے لہجے میں حقارت اور نفرت کی آمیزش تھی۔‘‘ اس سنگین واقعہ کا تعلق بھی کسی حد تک تمہاری منحوس باتوں سے تھا۔‘‘ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ’’ہذیانی کیفیت میں تمہاری منحوس زبان سے جو بات نکلتی تھی وہ پوری ہو جاتی تھی‘ کیا تمہیں ڈاکٹر ارشد اور یاسمن والی بات یاد نہیں رہی......‘‘

اس کی آنکھوں میں خون کی سرخیاں تیرنے لگیں‘ میرے دل کو دھچکا لگا‘ ماضی کے زخم تازہ ہو گئے‘ میری آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے‘ وہ سکندر نہ ہوتا تو اسے ماضی کی باتیں اتنی تفصیل سے یاد نہ ہوتیں‘ میرا دل چاہا کہ آگے بڑھوں‘ سکندر کو بے اختیار گلے سے لگا لوں۔ اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دوں۔ اپنا دل چیر کر دکھاؤں‘ اسے یاد کرانے کی کوشش کروں کہ اگر والدین نے میری بات مان لی ہوتی تو ہمارے خاندان پر تباہی کے سیاہ بادل نہ منڈلاتے‘ میں منحوس نہیں تھا۔ میری زبان سے جو باتیں غیر اختیاری طور پر نکلتی تھیں اس میں غیب کا اشارہ بھی

شامل ہوتا تھا‘ میرے پہلے خواب کی تعبیر دادی کی المناک موت کی صورت میں ظاہر ہوئی‘ دوسری بار میں نے ہذیانی انداز میں جو علامتیں بتائیں اس کا نتیجہ ایک چچا کی موت کی شکل میں سامنے آیا۔ بزرگوں کو طیش میں آنے اور مجھے منحوس گرداننے سے پیشتر ہی ان حادثات سے سبق لینا چاہیے تھا۔ اگر ڈاکٹر ارشد کے سلسلے میں وہ میری بات مان لیتے‘ یاسمن سے شادی نہ کرتے تو خاندان کی تباہی نہ ہوتی لیکن قسمت میں جو لکھا تھا اسے ہر صورت پورا ہونا تھا۔ کون ٹال سکتا تھا۔ تان میرے اوپر ٹوٹی‘ میں ہی دربدر بھی ہوا۔

سکندر مجھے تفصیل سے ایک ایک بات سناتا رہا‘ میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ کہنے کو تھا بھی کیا؟ اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گیا۔ گنگ کھڑا سکندر کی لن ترانیاں سنتا رہا‘ جوش نے اس کے خوف کی کیفیت ختم کر دی۔ وہ بادل کی طرح گرجتا رہا‘ برستا رہا۔ اس کی آنکھیں اشکبار تھیں‘ میرا دل رو رہا تھا‘ تادیر یہی صورت حال برقرار رہی۔ وہ اپنا دکھڑا سناتا رہا‘ میں خاموش کھڑا اپنے بکھرتے وجود کو سمیٹتا رہا۔ درمیان میں جو فاصلہ تھا وہ برقرار رہا‘ نہ اس نے قدم بڑھایا نہ میں نے پیش قدمی کی‘ مجھے سوتے سے جھنجوڑ کر جگاتے وقت اس کے جذبات میں جو طغیانی آئی تھی وہ تھم چکی تھی‘ پہلے میں نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا تھا‘ اب وہ مجھے بے رحم نگاہوں سے گھور رہا تھا‘ مجرم کون تھا‘ کون مظلوم تھا‘ اس کا فیصلہ کون کرتا......؟

’’وہ گھڑی بھی بڑی منحوس تھی جب میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔‘‘ وہ کف افسوس ملنے لگا۔ ’’نہ جانے وہ کون بلا تھی جو مجھے چھوڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی‘ کاش میں نے اس کی بات نہ مانی ہوتی......‘‘

’’آپ......‘‘ میں چونکا‘ میرا دل کسی خیال سے دھک دھک کرنے لگا۔ ’’آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟‘‘

’’وہی خوبصورت ناگن جس نے مجھے تم سے ملوانے کا وعدہ کیا تھا۔‘‘ اس نے مجھے سر تا پا دوبارہ حقارت بھری نظروں سے دیکھا پھر نفرت سے منہ موڑ کر پلٹا۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

’’آپ کو اس طلسم کا اندازہ نہیں ہے جس میں میں گرفتار ہوں۔‘‘ میں نے بڑے بھائی کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہا۔ ’’پلیز مجھے بتائیں کہ آپ کس

خوبصورت ناگن کا حوالہ دے رہے ہیں؟ وہ کون تھی؟ کہاں اور کن حالات میں ٹکرائی تھی' آپ کے اور اس کے درمیان کیاباتیں ہوئی تھیں؟ مجھے ایک ایک تفصیل بتائیں......"

"دور رہو......" اس نے مجھے نفرت سے جھڑک دیا۔" مجھے تمہارے وجود سے گھن آ رہی ہے اور ......" اس کی نظروں میں حقارت کی آگ بھڑک اٹھی۔" تم بھی میری نظروں کا فریب ہو۔" اس کی طرح تم بھی مجھے اپنی باتوں میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہو ......تم ......تم میر جمشید عالم نہیں ہو سکتے' تم میرے بھائی نہیں ہو' تم دونوں نے ساز باز کرکے مجھے کسی جال میں پھانسنے کی سازش کی ہے لیکن اب میں تمہارے جھانسوں میں نہیں آؤں گا۔" وہ وحشت زدہ لہجے میں بولا۔" تم اگر آسیب ہو' جن بھوت ہو' کوئی گندی بلا ہو تو بے شک مجھے جان سے مار دو' میں موت سے نہیں ڈرتا' موت برحق ہے' آج نہیں تو کل آ جائے گی مگر میں......"

"چپ ہو جاؤ ......" میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی خاطر بلند آواز میں دھاڑنے لگا۔" میں منحوس نہیں ہوں' سب دوسروں کے ذہنوں کا فطور تھا' سمجھ کا پھیر تھا' قسمت کی خرابی' ہماری بربادی' لوح محفوظ پر پہلے سے رقم تھی۔ انسان بے بس ہے' لاچار ہے' ایک حقیر کیڑا ہے' اس کے اشارے کے بغیر ہست' وجود کے تمام قصے محض افسانے ہیں من گھڑت کہانیاں ہیں۔" میں اضطرابی کیفیت میں بولتا رہا۔" جو کچھ میری زبان سے ادا ہوتا تھا تم اسے تادیب غیبی بھی سمجھ سکتے تھے۔ میرے منہ سے وہ الفاظ' وہ جملے وہ خدشات ادا نہ ہوتے تو قدرت کی مشینری ٹھپ نہ ہو جاتی' جو لکھ دیا گیا تھا وہ ضرور پورا ہوتا' البتہ ہم پہلے سے باخبر نہ ہوتے' کوئی سد باب نہ کر پاتے' اندھیرے میں اچانک مارے جاتے۔" میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑنا شروع کر دیا۔

"ذرا سوچو اگر تمہارے کہنے کے بموجب میری منحوس زبان سے نکلے ہوئے جملوں پر غور کیا جاتا' ڈاکٹر ارشد سے یاسمن کی شادی ٹل جاتی تو شاید وہ سب نہ ہوتا جو ہو گیا۔ میں نے یاسمن کی لاش کو چھت سے لٹکا پایا جانے کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا تھا' پھر والد صاحب نے خودکشی کر لی' گھر کے افراد ایک ایک کر کے مشیت ایزدی کا شکار ہو گئے۔ تم ذہنی توازن کھو کر نہ جانے کدھر نکل گئے؟ والد صاحب کے بعد تم ہی

میرا آخری سرمایہ تھے' میں تمہیں تلاش کرنے کی خاطر در بدر بھٹکتا رہا' شہروں شہروں خاک چھانتا رہا' گلیوں گلیوں تمہیں آواز دیتا رہا اور تم...... تم ایک طویل مدت کے بعد ملے تو مجھے منحوس کہہ رہے ہو۔"

میری وحشت بڑھنے لگی' میں نے دیوانوں کی طرح بال نوچنے شروع کر دیئے' منہ پر طمانچے مارنے لگا' دیواروں سے ٹکرانے کی خاطر لپکا تو سکندر کی محبت جاگ اٹھی۔ لپک کر میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا دیا' دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ بھی بادل کی طرح برسنے لگا' دل کے غبار چھٹے تو میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔

"تمہارا قیام کہاں ہے؟ زندگی کے دن کیسے گزر رہے ہیں؟"

"خلیق احمد نے میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ میں تمام زندگی نہیں بھول سکتا۔" سکندر اپنی روداد سنانے لگا۔" انہوں نے مجھے اپنی فیکٹری میں ملازمت دی۔ ان ہی کی کوٹھی کی انیکسی میں رہتا ہوں' پڑھائی کا سلسلہ بھی انہیں کے کہنے پر جاری رکھا' وہ بڑے مہربان ہیں' میری شادی بھی انہوں نے کرائی ......"

"میری بھابی کا نام کیا ہے؟" مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"روحی......"

"بڑا پیارا نام ہے......"

"وہ خود بھی بہت پیاری ہے۔ تمہارے بارے میں' میں نے اسے کچھ باتیں بتائی تھیں۔ میری طرح اسے بھی یقین تھا کہ ہم ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گے۔"

"کیا......؟" میری آواز میں غصہ آ گیا۔" کیا وہ بھی مجھے......"

"نہیں ......" سکندر نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔" میں نے اسے تمہاری خلجانی حالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا' تم بھی اس کے سامنے ان باتوں کا ذکر نہ کرنا۔" وہ سرد آہ بھر کر بولا۔" نصیب میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو چکا تھا' اب رونے دھونے سے جانے والے واپس تو نہیں لوٹ آئیں گے ......"

میں آبدیدہ ہو گیا' ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگے' ہمارے درمیان بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں' وہ اپنی سناتا رہا' میں نے ضروری کاٹ چھانٹ کے بعد اپنی

کہانی بیان کی۔ جن عزیزوں نے والدین کی موت کے بعد آنکھیں پھیر لی تھیں ان کا ذکر ہوتا رہا۔ میرے چچا نے میرے ساتھ جو ناروا سلوک کیا تھا اس سے زیادہ سرد مہری اور خباثت کا برتاؤ سکندر سے اختیار کیا۔ اسے دروازے ہی سے دھتکار دیا' ایک گلاس شربت تو درکنار گھر کی دہلیز بھی نہ پار کرنے دی' میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بیان کی گئیں۔

میں نے اپنے آبائی مکان کے بارے میں دریافت کیا تو سکندر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''اس میں ابھی تک تالا پڑا ہے' ہمارے مہربان پڑوسی اس کا خیال رکھتے ہیں' میں چابی انہی کے پاس چھوڑ آیا تھا۔''

''آپ بتا رہے تھے کہ کوئی آپ کا ہاتھ تھام کر یہاں تک چھوڑ گیا ہے؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا کون تھی وہ ......؟

سکندر کسمسانے لگا' وہ اپنی یادداشت کو کریدنے لگا۔ میرے ذہن میں کیچو کا تصور ابھر رہا تھا۔ اس کے سوا اور کون ہوسکتی تھی' اسی نے مجھے لاکر ان پہاڑی سلسلوں میں قید کر رکھا تھا۔ اب شاید اس نے سکندر کو مشق ستم بنانے کا ارادہ کیا ہوگا۔ میری نظریں سکندر کے چہرے پر مرکوز تھیں' ذہن کیچو کے بارے میں قلابازیاں کھا رہا تھا' مختلف خیالات دل و دماغ میں گونج رہے تھے' مختلف وسوسے پریشان کر رہے تھے۔

کیچو کا نام سب سے پہلے ڈاکٹر ارشد کی زبان پر آیا تھا پھر ہماری بربادی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ میں بار بار ان واقعات کو نہیں دہراؤں گا' صرف اتنا کہوں گا کہ کیچو ایک پراسرار نام تھا۔ وہ کوئی سایہ تھی' کوئی پری تھی' بھوتنی تھی' چڑیل تھی یا خوبصورت بلا تھی۔ میں اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا' اتنا جانتا تھا کہ اس کے کئی روپ ہیں' کئی نام ہیں' سادھو دیوراج اس کے بارے میں بڑی لمبی چوڑی باتیں کیا کرتا تھا۔ کرشن نے بھی میرے جنون کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچنے سے قبل یہی کہا تھا کہ وہ جنم جنم سے میری راہ دیکھ رہی ہے۔ اس نے صرف مجھے اپنے لئے پسند کیا ہے' وہ کسی اور کو درشن نہیں دے گی۔

بڑی حویلی کے قریب سے میرا ہاتھ تھام کر وہ مجھے دشت نوردی پر مجبور کر چکی تھی۔ میرا تمام رابطہ اپنے آدمیوں سے اور آدمیوں کی بستی سے منقطع ہوچکا تھا اور

اب شاید وہ مجھے کسی اور امتحان سے دو چار کرنے کی خاطر سکندر کو کلکتے سے اٹھا لائی تھی۔ مجھے میرا کھویا ہوا بھائی مل گیا' اس حد تک میں کیچو کا احسان مند تھا لیکن اس نے سکندر کے بارے میں کیا سوچ رکھا تھا؟ یہ سوال مجھے الجھا رہا تھا۔ ''اس رات میں اپنی خواب گاہ میں بالکل تنہا تھا۔'' سکندر نے تھوڑے توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ ''روحی دو روز پیشتر اپنے والدین سے ملنے کا کہہ کر گئی تھی۔ میں اس وقت روحی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب وہ نہ جانے کس طرح' کس راستے سے میری خوابگاہ میں آ گئی۔ بڑی حسین اور خوش شکل تھی وہ' میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس کے آنے سے پوری خواب گاہ میں گلاب اور کیسر کی ملی جلی خوشبو پھیل گئی۔ وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے میں کوئی اجنبی نہیں ہوں' وہ برسوں سے مجھ سے واقفیت رکھتی ہو۔ مجھ پر ایک عجیب سی بیخودی طاری ہونے لگی۔ میں اسے حیرت سے گھورتا رہا' میں نے اسے مخاطب کرنا چاہا' پوچھنا چاہا کہ وہ کون ہے؟ اچانک میری خواب گاہ میں کس راستے سے داخل ہوگئی؟ اس کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ وہ خود کون ہے؟ لیکن میں کوشش کے باوجود اس سے کوئی سوال نہ کر سکا' میری زبان پر جیسے کسی نے تالے ڈال دیے تھے پھر اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''کیا تم اپنے کھوئے ہوئے بھائی میر جمشید عالم سے ملنا پسند کرو گے؟'' اس نے ایک ایسا غیر متوقع سوال کیا کہ میں حیرت سے اچھل پڑا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ نہ صرف تم سے اچھی طرح واقف ہے بلکہ تم کو بہت قریب سے جانتی ہے۔

''تمہارا میرے بھائی سے کیا رشتہ ہے؟'' میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

''وہی رشتہ جو جسم کا روح سے ہوتا ہے' چاند کا چکور سے ہوتا ہے۔'' وہ لہرا کر بولی' اس کی آواز میں ترنم تھا' جھرنوں کی سی گنگناہٹ تھی' اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے پیار ہی پیار نظر آ رہا تھا۔

''کہاں ہے جمشید عالم؟'' میں نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔ ''وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا......؟''

''وہ سو رہا تھا' بڑی گہری نیند' میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا' تمہارے پاس چلی آئی۔ وہ میری نظروں میں نظریں ڈالے بڑی بے باکی سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جادو تھا' ایسی مقناطیسی کیفیت تھی کہ میں اس سے اس

کے بارے میں چاہنے کے باوجود کچھ نہ پوچھ سکا۔ وہ میرے قریب آئی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ٹھنڈے پانی میں غوطے لگا رہا ہوں' کوئی ساحرانہ قوت تھی جو میرے سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی تمام قوتوں کو جکڑ رہی تھی' میں گنگ رہ گیا' ایک مقناطیسی طاقت تھی جو مجھے اس کی جانب دھکیل رہی تھی۔

''آؤ ...... میرا ہاتھ تھام لو۔'' اس نے مدھم لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ''تمہارے بھائی کو اس وقت تمہاری ضرورت ہے' وہ کرب کی حالت سے دو چار ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے' وہ زندگی کی مسرتوں سے دور بھاگ رہا ہے۔ ہیجان میں مبتلا ہے۔ خبط کی باتیں سوچتا ہے' سیدھا راستہ اسے نظر نہیں آتا' وہ نہیں سمجھ رہا کہ وہ کون ہے؟ آنے والا کل اس کے لئے کتنا حیرت انگیز ہوگا؟ وہ طاقت کا عظیم سرچشمہ بن سکتا ہے۔ دنیا اس کے آگے ہیچ ہوگی' اس کے ایک اشارے پر طوفان بھی اپنا رخ موڑ سکتے ہیں۔ ہوائیں رک سکتی ہیں' وہ بہت کچھ حاصل کر لے گا' کھویا ہوا سرمایہ' ہفت اقلیم کی دولت اور جو بھی وہ چاہے' لیکن ...... وہ اپنے دل کو مارنے کی حماقت کر رہا ہے۔ پاگل' دیوانہ' ضد کر رہا ہے' اڑ گیا ہے لیکن اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟ یہ آنے والا وقت بتائے گا ...... آؤ میرے ہاتھ تھام لو دیر مت کرو' تم اسے مل جاؤ گے تو شاید وہ جان لے کہ اس کی منزل کہاں ہے' وہ اپنی رٹ سے باز آ گیا تو سب کچھ پا لے گا ...... وہ کچھ بھی جس کے بارے میں کبھی اس نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ وقت کم رہ گیا ہے' تم بھی اس کو سمجھانے کی کوشش کرنا شاید وہ تمہاری بات مان جائے ......''

''کیچو ......'' میرا ذہن تڑخنے لگا' میری آنکھوں میں بچھو ڈنک مارنے لگے' دل کے اندر آگ کے شعلے بھڑک اٹھے' رگ و جان میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ میرے تصور میں زہریلے سانپ سرسرانے لگے' سارا جسم لرزنے لگا' میں سمجھ گیا کہ وہ سکندر کو میرے پاس کیوں لائی تھی' وہ مجھے میرے بھائی کے ذریعے مجبور کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کے سامنے سرنگوں ہوجاؤں' اس کے جسم پر عقیدت کے بوسوں کی بارش برسانا شروع کر دوں' اس کے تلوے چاٹنا شروع کر دوں۔ سب بھول جاؤں اسے یاد رکھوں۔ وہ جو سایہ تھی' سحر تھی' کئی نام تھے اس کے اور اس نے صرف مجھے پسند کرلیا تھا' سکندر بولتا رہا۔

''میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکا' کوئی نادیدہ قوت مجھے اس کی بات ماننے پر اکسا رہی تھی' مجبور کر رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کے سحر نے مجھے پوری طرح دبوچ رکھا تھا ...... وہ جو باتیں تمہاری بابت بتا رہی تھی وہ میرے خون کو گرما رہی تھیں۔ تمہیں پالینے کی آرزو دل میں تڑپی تو میں نے اپنا ہاتھ اس کی جانب دراز کر دیا' اس نے میرا ہاتھ تھاما تو میری رگوں میں شدید گرمی کی ایک لہر دوڑ گئی' میرا وجود سنسانے لگا۔ مجھے ایک لمحے کو خیال ہوا کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ محض ایک خواب ہے' دھوکا ہے' نظروں کا فریب ہے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں لیکن اس کے نرم گرم خوبصورت ہاتھ کا لمس برقرار تھا' ایسا لگا جیسے میں بے وزنی کی کیفیت کا شکار ہو رہا ہوں۔ زمین میرے قدموں تلے سرکنے لگی' میں ہواؤں میں اڑنے لگا' کھلے ماحول کی آلودگی میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو اس غار میں موجود تھا۔ تم اس کے کہنے کے مطابق گہری نیند میں غرق تھے۔ تمہاری حالت دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ اس نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ تمہاری محبت عود کر آئی تو میں سب کچھ بھول گیا' میں نے تمہیں جھنجوڑ کر بیدار کیا اور ......''

''اور تم نہیں جانتے کہ وہ کون تھی ......؟'' میں حلق کے بل چلایا میں جانتا ہوں اسے' میں نے اسے کئی بار بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ سراب ہے' فریب ہے' دھوکا ہے۔ میں نے کبھی اس کے وجود کی تصدیق نہیں کی' ہر چند کہ اس کی پر اسرار طاقت نے مجھے انسانوں کی بستی سے دور کر کے یہاں پہاڑوں اور گھنے دراز درختوں کے درمیان لا ڈالا ہے' لیکن میں اب بھی اس کی نفی کرتا ہوں' میرا تعلق جس مسلک سے ہے' وہاں دیوی' دیوتاؤں' پنڈت پجاریوں اور جوگیوں کا کہیں کوئی ذکر نہیں' کوئی تصور نہیں ملتا' یہ سب دل خوش کرنے کی باتیں ہیں ......''

''تم غلط سوچ رہے ہو موہن داس! تم نے کیول اسے دیکھا ہے' بدھی استعمال کر کے اسے پرکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس دھرتی کی سب سے مہان شکتی ہے' چندرما کی سندرتا اسے جھک جھک کر پرنام کرتی ہے' سورج دیوتا کی گرمی اس کے کومل شریر کو ڈنڈوت کرتی ہے۔ پہاڑی جھرنے اس کی مدھر آواز سن کر اچنبھے میں ڈوب جاتے ہیں' ہوائیں اسے دیکھ کر اپنی دشائیں بدل دیتی ہیں' پرندے اسے دیکھ کر چہچہانا شروع کر دیتے ہیں۔ دیویوں نے اس کے شریر کو اپنے پوتر ہاتھوں سے سجایا ہے'

سنوارا ہے' نکھارا ہے' اس کے انگ انگ میں مستی رچائی ہے۔ اس کی جھیل جیسی سندر آنکھوں میں سوم رس بھر دیا ہے۔ دیوتاؤں نے اسے اپنی شکتی دان کی ہے' دھرتی اس کے چرنوں کی دھول ہے' نیلا آکاش اس کی رکشا کرتا ہے۔ وہ شیو کی لاڈلی' پاورتی کی دلاری ہے' اندر کے اکھاڑے کا مان ہے' وہ مہان ہے' چاہے تو منش کے ہاتھوں کی ریکھا بھی بدل سکتی ہے۔ تم بھاگیوان ہو جو اس نے تم کو سویکار کیا' اسی کے کارن تم نے کئی بار موت سے مکتی پائی۔ وہ نہ ہوتی تو تمہارے دشمن تمہیں نرکھ میں جھونک دیتے۔ پرنتو تم احسان فراموش ہو۔ تمہارا من اجلا ہوتا تو اس کے بارے میں ایسے وچار کبھی نہ کرتے' اب بھی سے تمہارے ہاتھ سے نہیں گیا' بڑھ کر اس کے چرن تھام لو' وہ تمہیں مٹی سے سونا بنا دے گی۔''

میں اس نسوانی آواز کو سن کر جاگ اٹھا جو غار میں گونج رہی تھی' میری آنکھیں پھٹنے لگیں۔ میں ششدرہ رہ گیا' وہ غار جس میں' میں نے صرف ایک بار چراغ کی مدھم لو کو ٹمٹماتے دیکھا تھا اس وقت دودھیا روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں' میرا بھائی سکندر وہاں موجود نہیں تھا' میں شاید خواب کی کیفیتوں سے دوچار تھا لیکن اب میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا ...... پھر وہ دودھیا روشنی ......؟ وہ نسوانی آواز ......؟ میں نے دیوانوں کی طرح اپنے دانت کلائی میں گاڑ دیئے' تکلیف کی شدت نے میرے ہوش وحواس میں ہونے کی تائید کر دی۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھ پر تذبذب کا عالم طاری تھا سراسیمگی کی کیفیت میرے ہوش اڑا رہی تھی۔ آنکھیں جلنے لگیں' کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ سکندر وہاں نہیں تھا لیکن اس کی باتیں میرے وجود کے کنویں میں چکرا رہی تھیں۔ صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں۔ ایک نامعلوم سی خلش مجھے مضطرب کر رہی تھی' شاید میری ذہنی قوتیں کمزور ہو رہی تھیں' میرا ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔ دشت نوردی نے میرے قویٰ مضمحل کر دئے تھے۔ تنہائی نے میرے اعصاب جھنجوڑنا شروع کر دئے تھے' وقت کی دیمک مجھے اندر ہی اندر چاٹ رہی تھی' ماحول کی یکسانیت مجھے رفتہ رفتہ کھوکھلا کر رہی تھی' میری ذہانت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا' حالات کی گردش مجھ پر حاوی ہو رہی تھی ...... یا پھر اس کی شرارت تھی' ساحرانہ قوتوں کا کرشمہ تھا' چمتکار تھا جو مجھ سے روٹھ گئی تھی۔ خفا تھی'

ناراض تھی' کہیں دور مرغزاروں کے درمیان اپنے شبستان میں بیٹھی مجھے بار بار ڈنک لگا رہی تھی۔ میں اس کی ساحرانہ قوتوں کے تماشے دیکھ چکا تھا' کرشن کی اس غار میں موجودگی اس کی برتری کی شاہد تھی' اس نے زندگی کے پچپن قیمتی سال اس کی یاد میں آنکھیں موند کر گزار دئے تھے۔ پنڈت ایشوری لال کرچھا نچا نچا کر اس کے گن گایا کرتا تھا' سادھو دیوراج کی نظریں مجھے ننگا کر چکی تھیں' وہ اپنی شکتی کے زور سے میرے احوال جان چکا تھا لیکن اس نے کبھی اپنی زبان نہیں کھولی۔ کیچو نے اسے افشائے راز سے روک دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیچو مجھ پر مہربان ہے۔ اسی لئے میرے آگے پیچھے لگا رہتا تھا۔ اس نے مجھ سے آخری بار دبی زبان میں کہا تھا کہ اب صرف دو چند رما اور ایک سورج کی مہلت میرے اختیار میں ہے اس کے بعد ڈور کا سرا میرے ہاتھوں سے نکل جائے گا' پھر وہ صاحب اختیار ہوگی۔

سادھو دیوراج نے غلط نہیں کہا تھا' اب وہی میرے کل کی مالکہ تھی' میں صرف اکائی بن کر رہ گیا تھا' میں وقت اور حالات کی کروٹوں پر غور کرنے لگا۔

''کن وچاروں میں گم ہو موہن مہاراج ......؟'' وہی نسوانی آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔

میں چونکا' تیزی سے پلٹ کر دیکھا وہی حسین دوشیزہ میری نظروں کے سامنے کھڑی تھی جسے میں نے غار میں داخل ہونے سے پیشتر ایک بار دیکھا تھا' کرشن کا کہنا تھا کہ سندر ناریاں اس کا امتحان لینے کی خاطر روپ بدل بدل کر آتی تھیں۔ وہ آنکھیں موند لیتا تھا لیکن میں نے آنکھیں نہیں موندیں' اس حسین ساحرہ کو گھورتا رہا جو پہلی بار بڑی معصوم اور بھولی بھالی نظر آئی تھی۔ ہرنی کی مانند سہمی سہمی ڈری ڈری سی' مگر اس وقت وہ بڑے پروقار انداز میں کھڑی تھی۔ سینہ تانے' سر بلند کئے۔

''تم ......تم کون ہو ......؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''اس کے چرنوں کی دھول' اس کی داسی' جس نے تم جیسے کٹھور دل کو سویکار کیا ہے......'' وہ ایک ادائے دلربانہ سے بھنویں مٹکانے لگی۔ اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے۔

''تم جانتی ہو اسے؟''

''سب مہا پرش اس کے نام کی مالا جپتے ہیں۔'' وہ بڑی نخوت سے بولی۔

"ایک تمہاری آنکھوں کے آگے ابھی تک دھند چھائی ہوئی ہے۔"

"وہ۔ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"اپنے من کو ٹٹولو۔ تمہارے سوال کا جواب تمہارے اندر موجود ہے۔" اسے باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔

"اگر میں اپنے دل کو ٹٹولنے سے انکار کر دوں تو۔" میں نے اسے سرتاپا بغور دیکھا' وہ مختصر لباس میں کسی آتش فشاں کا دہانہ نظر آ رہی تھی۔ ایک ذرا ٹھیس لگتی تو سارا لاوا ابل کر باہر آ جاتا۔

"تو۔ وہ تمہارے بارے میں کچھ اور بھی سوچ سکتی ہے۔" اس نے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر بجلیاں کڑکانا شروع کر دیں۔

"کیا سوچ سکتی ہے؟" میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ دل کی ان دھڑکنوں کو چھپا گیا جو اسے دیکھ کر بار بار مچل رہی تھیں' سرکش موجوں کی طرح ساحل سے ٹکرا جانے کو مضطرب تھیں۔

"تم مورکھ ہو جو ایسی باتیں کر رہے ہو۔" اس کے جسم میں تناؤ پیدا ہوا' کڑی کمان بن کر مجھے گھورنے لگی۔ "اس کی شکتی اپرم پار ہے' اس نے تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے' جب ڈور کھینچے گی تو تڑپتے ہوئے اس کے چرنوں میں جا گرو گے۔ کبھی بے جل کی مچھلی کے لوٹ پوٹ ہونے کا تماشا دیکھا ہے؟"

"اگر وہ پیاسی ہے تو خود چل کر کنویں کے پاس کیوں نہیں آ جاتی۔" میں نے قدرے ترشی کا مظاہرہ کیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم کوئی سپنا دیکھ رہے تھے۔" اس نے اپنی کٹیلی چتون کے بان چلائے۔ "اپنے گم شدہ بھائی سے باتیں کر رہے تھے' وہ جو پاگل ہو گیا تھا۔ جس کو تلاش کرنے کے کارن تم نگر نگر دھول اڑاتے رہے' خاک چھانتے پھرے' وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا پرنتو اس کی مہان شکتی نے تمہارے بچھڑے بھائی کو تم سے ملا دیا' کیا تم اب بھی اس کے سامنے ڈنڈوت نہیں کرو گے؟"

میں اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہ گیا' میرے اندر پھر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ میں جسے خواب سمجھ رہا تھا وہ اسے حقیقت بیان کر رہی تھی۔ میرا ذہن چیخنے لگا' وہ انہونی باتیں کر رہی تھی' میں اس حقیقت سے منکر ہو سکتا تھا' میرے اندر آندھیوں

کے تیز جھکڑ چلنے لگے' وہ مسکرانے لگی' شاید اس کی نظریں میرے وجود میں اٹھتے طوفان کو دیکھ رہی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک نیا خیال سر ابھارنے لگا' اگر وہ میرے خواب کی باتوں سے واقف تھی تو یہ بھی جانتی ہو گی کہ میں کون ہوں' میری اصلیت کیا ہے' میں موہن داس نہیں ہوں' میرا نام میر جمشید عالم ہے' ڈالی مجھے شیرو کے نام سے مخاطب کرتی تھی' اور وہ میری بہت سی الجھنوں کو دور کر سکتی تھی' میں نے اسے ٹٹولنے کی ٹھانی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ میرے بھائی کا نام کیا ہے؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نہیں۔ پرنتو میں اتنا جانتی ہوں کہ ابھی تم دونوں یہاں بیٹھے گلے مل رہے تھے' ایک دوسرے کو اپنا دکھڑا سنا رہے تھے۔" اس کی نگاہیں فاخرانہ انداز میں چمکنے لگیں۔ "وہ کلکتہ میں دھرم تلہ سٹریٹ میں رہتا ہے۔" وہ لہراتی بل کھاتی دو قدم چل کر میرے اور قریب آ گئی' اس کے جسم سے پھوٹنے والی سوندھی سوندھی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "تم ابھی میری بات پر وشواس نہیں کرو گے پرنتو میری ایک بات کا دھیان رکھنا' جب تم یہاں سے واپس جاؤ گے تو اپنے بھائی کو اسی پتے پر پاؤ گے جو میں نے بتایا ہے۔"

"اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کا پاگل پن دور ہو چکا ہے؟" میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

"ہاں' بھولی بسری باتیں اسے یاد آ چکی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا پھر مسکرا کر بولی۔ "کیا تم بھول گئے کہ اس نے تم سے کیا باتیں کی تھیں' اس نے کہا تھا کہ وہ کسی ناری کے پریم بندھن میں بندھ چکا ہے۔ اسے اپنی دھرم پتنی سویکار کیا ہے' پاگل ہوتا تو کون مورکھ اپنی جوان سپتری کو اس کے بھینٹ چڑھاتا۔"

اس کی باتیں مجھے بار بار چونکا رہی تھیں' وہ کسی بٹی ہوئی ڈور کی طرح آہستہ آہستہ کھل رہی تھی' میری عقل حیران تھی' معاً میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ "کہیں وہ کیچو تو نہیں جو روپ بدل کر میرے سامنے کھڑی مجھے حیران کر رہی تھی۔" اس نے کہا تھا کہ اس کے کئی روپ ہیں کئی رنگ ہیں' کئی نام ہیں۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔

"مجھے کھوجنے کی آشا ہے یا اپنا من کھوٹا کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس

نے معمے میں جواب دیا' جلیپائی اشارہ بن کر مجھے اور الجھا دیا۔

"کرشن یاد ہے تمہیں؟" میں نے پینترا بدل کر وار کرنے کی کوشش کی۔

"مجھ سے پیشتر وہی دیوانہ اس گپھا میں بیٹھا برسوں سے کٹھن تپسیا کر رہا تھا' میں نے گلا دبا کر اس کا کریا کرم کر دیا' کیا اسے اپنے داس کی خبر نہیں ہوئی ہوگی؟"

اس کی آنکھوں میں کڑکتی بجلیاں کوندنے لگیں' اس نے اپنا ہونٹ سختی سے بھینچ لیا۔ اس کا بدن بیدمجنوں کی طرح لرزنے لگا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں سختی سے بھنچی ہوئی تھیں۔ انداز اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ غیض و غضب کی حالت سے دو چار ہے لیکن کوئی اسے زبان بند رکھنے پر مجبور کر رہا ہے' میں اس کے رنگ بدلنے کا تماشا دیکھتا رہا۔ غار میں پھیلی تیز دودھیا روشنی بھی کپکپانے لگی' باہر سے پرندوں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"موہن داس۔" وہ کچھ دیر پیچ و تاب کھانے کے بعد بولی۔ "جو تم وچار کر رہے ہو وہ غلط بھی ہو سکتا ہے' اس کی آ گیا کا پالن میرا دھرم ہے' اس کی اجازت نہیں ہے کہ میں زبان کھولوں' لیکن اتنا جان لو کہ اب سے بڑی تیزی سے تمہارے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ اب بھی من کے دوار کھول کر اس کا سواگت کر لو' میں تم سے بنتی کرتی ہوں' سمے بیت گیا تو بہت پچھتاؤ گے۔ سانپ کے گزر جانے کے بعد دھرتی پر لکڑی مارنے سے کچھ پراپت نہیں ہوگا۔ سارا جیون ہاتھ ملتے رہو گے۔"

"تمہاری طرح تمہاری باتیں بھی بہت سندر لگتی ہیں۔" میں نے اسے اور اکسانے کی کوشش کی۔ "من کرتا ہے تم اسی طرح میری نگاہوں کے سامنے کھڑی رہو اور میں تمہارے درشن سے اپنے من کی سوکھی کھیتی کو سیراب کرتا رہوں۔"

"پہلے کی بات اور تھی موہن داس۔" وہ بڑی حسرت سے بولی۔ "اب تم کسی ناری کو ہاتھ نہیں لگا سکتے' پہلے تمہیں اس کی منو کامنائیں پوری کرنی ہوں گی اس کے بعد تمہیں اپنے شریر پر ادھیکار ہوگا' اس کے ملاپ سے پہلے کسی کو چھوؤ گے تو وہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔"

"مجھے بہلانے کی خاطر بہانہ کر رہی ہو۔" میں نے نگاہوں میں مستیاں بیدار کر لیں' آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں موہن داس نہیں۔ بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کرو' میں ابھی مرنا نہیں

چاہتی۔" وہ خوف سے لرزنے لگی۔ "میری بات کا وشواس کرو' مجھ سے دور رہو' میں بنتی کرتی ہوں۔ میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو' میرا تعلق تمہارے گروہ سے بھی نہیں ہے' یہ سب اسی کی کرپا ہے' یہ روپ بھی......"

اس کا وہ روپ بھی میرے اندر چھپے ہوئے وحشی انسان کو گدگدانے لگا' اس کی غزالیں آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا' اس کے حسین جسم کی کپکپاہٹ میری تشنگی کو بھڑکا رہی تھی۔ میرے حلق میں کانٹے چبھنے لگے' میں آہستہ آہستہ اس کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اس کا سارا جسم اس طرح جھٹکے کھانے لگا جیسے اس کے وجود میں کرنٹ دوڑ رہا ہو' اس نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی' پہلی بار وہ کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی' اس بار اپنی جگہ کھڑی ہاتھ باندھے مجھ سے دور رہنے کی فریاد کر رہی تھی' شاید اس طرح وہ میری وحشت کا تماشہ دیکھنا چاہتی تھی۔ شعلوں کو بھڑکانے کی خاطر ہوا دے رہی تھی یا شاید کسی نے اس کے قدم جکڑ دیے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلنے سے قاصر تھی۔ اس کا مرمریں جسم پہلے ہی دو آتشہ تھا' خوف اور غصے کی ملی جلی کیفیتوں نے اسے سہ آتشہ بنا دیا۔ وہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھی' بار بار اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگتیں جیسے وہ کسی کی منتظر ہو۔ مدد کی طلبگار ہو' پھر وہ میری جانب رحم طلب نظروں سے دیکھنے لگتی' ایک لمحہ پیشتر وہ میرا مذاق اڑا رہی تھی' اب اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

میں اس کے قریب ہوتا گیا۔ اس کا آتشیں جسم میری پیاس کی شدتوں کو بھڑکا رہا تھا۔ میں ضبط نہ کر سکا دونوں ہاتھ بڑھا کر اسے دبوچ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے اچھل کر دور ہو گیا' اس نے جو کہا تھا غلط نہیں تھا۔ میرے چھوتے ہی اس کا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ میری وحشتیں دو چند ہو گئیں' جو کچھ ہوا ناقابل یقین تھا' وہ پل بھر میں جل کر کوئلہ ہو گئی پھر راکھ بن کر فضا میں بکھر گئی۔ مجھے اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں' میرا سر چکرانے لگا' سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں معطل ہو گئیں' ہر طرف گھپ اندھیرا پھیل کر گہرا ہوتا چلا گیا' دھوئیں کے سیاہ بادل میرے اطراف چکرانے لگے۔ میرا دم بڑی تیزی سے گھٹنے لگا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا!

☆ ☆ ☆

میرا ذہن آہستہ آہستہ جاگ رہا تھا' غنودگی یا بیہوشی کے اثرات پوری طرح زائل نہیں ہوئے تھے۔ دماغ پر ایک گہری دھند طاری تھی جو بتدریج چھٹ رہی تھی۔ سکندر کی باتیں غار میں اس کی موجودگی میرے وجود کو گرما رہی تھی۔ وہ مجھے میرے ماضی کی خوفناک داستان سنا رہا تھا۔ میرے زخموں کی کھرنڈ اکھڑنے لگی تھی' جب اس خوبصورت حسینہ نے درمیان میں آ کر میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا پہنچایا' میں ہڑبڑا کر اٹھا تو سکندر غار میں موجود نہیں تھا' شاید وہ ایک خواب تھا' ایک تلخ حقیقت تھی جس نے میرے گرد اپنا حصار تنگ کر رکھا تھا۔ شاید جنگلوں میں گھنے اور تناور درختوں کے درمیان بھاگتے بھاگتے میں تھک گیا تھا' کچھ دیر ستانے کی خاطر لیٹا تو میرے اپنے مجھے یاد آ گئے۔ اپنوں میں اب سکندر کے سوا تھا بھی کون جسے میں یاد کرتا۔ وہ گھر پر نازل ہونے والی تباہی کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو کر نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔ میں اس کی تلاش میں در بدر ہوتا رہا' ایک ذرا آنکھ لگی تو شاید میرے ذہن میں اسی کا خیال ابھر آیا لیکن اس حسینہ نے میرے خواب کے طلسم کو توڑ دیا پھر اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی کہ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ خواب نہیں' حقیقت تھی۔ میں نے اس کی باتوں پر اعتبار نہیں کیا مگر جب اس نے سکندر اور میرے درمیان ہونے والی باتیں دہرائیں تو میں ششدر رہ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ کیچو لازوال قوتوں کی مالک ہے' ناممکن کو ممکن بنانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا' میں کیچو کا نام سن کر جھلا گیا۔ مجھے اس سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی' زندگی کے کئی اہم موڑوں پر اس نے میری مدد کی تھی' وہی میرے اور میرے خاندان کی تباہی کا سبب بھی بنی تھی۔ اس نے مجھے متعدد بار موت کے منہ میں جاتے جاتے بچالیا تھا' میں اس کی پراسرار قوتوں کے چمتکار بھی دیکھ چکا تھا' وہ کون تھی؟ کیا تھی؟ کیا چاہتی تھی؟ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ کرچھے والا پنڈت اشوری لال اور سادھو دیوراج اس کے گن گایا کرتے تھے لیکن میں نے کبھی کیچو کے پراسرار وجود کو دل کی گہرائیوں سے قبول نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کی نفی کرتا رہا' ہمارے درمیان جو تعلقات وابستہ تھے میں اس کی نوعیت سے بھی ناواقف تھا لیکن جب وہ بڑی حویلی کے پھاٹک سے مجھے اٹھا کر اس گھنے اور ویران جنگل میں لے آئی تو میں تڑپ اٹھا۔ جگدیپ کو حویلی سمیت جلا کر خاک کر چکا ہوتا تو مجھے ملال نہ ہوتا لیکن میرے دل کی حسرتیں دل ہی میں مچلتی رہ گئی تھیں۔ اس لئے مجھے کیچو سے نفرت

ہوئی' وہ میرے ارادوں کو بھانپ چکی تھی۔ اسی لئے ایک طویل مدت سے مجھے قید تنہائی کی سزا سے دوچار کیے ہوئے تھی' اس نے میرے واپسی کے راستوں پر دبیز پردے ڈال دئے تھے' وہ میری وحشتوں کا تماشہ دیکھتی رہی' شاید مجھے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دینے کی خواہاں تھی میں نے طے کر لیا تھا کہ مر جاؤں گا لیکن اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کروں گا۔

مجھے رام کرنے کی خاطر وہ اپنے حربے استعمال کرتی رہی' ایک عرصے تک بھٹکنے کے بعد مجھے غار میں سر چھپانے کی جگہ نصیب ہوئی تو وہاں بھی اس کا ایک دیوانہ کرشن کی شکل میں موجود تھا۔ میں نے تنگ آ کر اسے گلا گھونٹ کر مار دیا' مجھے حیرت تھی کہ اس نے کرشن کی موت پر اپنے کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا' مجھ سے چوہے بلی کا کھیل جاری رکھنے کی خاطر وہ سکندر کو درمیان میں لے آئی ہو گی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اپنے گمشدہ بھائی کو پا کر میں نرم پڑ جاؤں گا' ممکن تھا میں اس کے دام فریب میں آ جاتا لیکن اس حسینہ کی آواز نے میرے خواب چکنا چور کر دیے۔ میں بوکھلا کر جاگا تو وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ میرے سامنے سینہ تانے کھڑی تھی۔ اس کی اداؤں میں سرکشی کی تھی' اس کی نگاہوں میں سحر تھا' اس کے انگ انگ سے مستی پھوٹ رہی تھی۔ وہ بڑی نخوت سے مجھے باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اگر میں نے کیچو کے آگے سرنگوں نہ کیا تو تباہی میرا مقدر بن جائے گی۔ کیچو کی قوت کو تسلیم کرنے کے عوض وہ مجھے لازوال طاقت اور شاندار مستقبل کے خواب دکھا رہی تھی۔

میری نظروں میں وہ سب کچھ ایک فریب تھا' کیچو نے مجھے اپنے طلسم خانے میں قید کر رکھا تھا' اس فریب کا سحر توڑنے کی خاطر میں نے کرشن کو موت سے ہمکنار کر دیا' میرا خیال تھا ایک سچے اور وفادار سیوک کی موت پر بلبلا کر وہ سامنے آ جائے گی لیکن وہ کہیں دور اپنے شبستانوں میں آرام سے لیٹی میری وحشتوں پر مسکرا رہی تھی' وہ سامنے نہیں آئی۔ میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور اب ایک خوبصورت حسینہ مجھے کیچو کے شیشے میں اتارنے کی خاطر اپنے حسن کی طاقت استعمال کر رہی تھی' میں نے اسے بھی پامال کرنے کی ٹھان لی' میرا ارادہ بھانپ کر وہ تلملا اٹھی' اس کی غزالیں آنکھوں میں جہاں مستیوں کے جام لڑکھڑا رہے تھے اچانک خوف کے بادل منڈلانے لگے' اس نے مجھے باز رہنے کی تاکید کی' مجھے بتایا کہ اگر میں نے اس کے سندر شریر کو ہاتھ لگایا تو

وہ جل کر راکھ ہو جائے گی۔ اس نے کہا تھا کہ جب تک میں کیچو کی خواہشات کی
نہیں کرتا کسی دوسری عورت کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ خود کو بچانے کی خاطر شاید
ڈرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے پارو یاد آ گئی' پرکاش چندر کی سب سے زیادہ
کمسن اور حسین پتنی جو پرکاش بھون کا سب سے تر و تازہ اور مہکتا ہوا پھول تھی۔
شوخ' بڑی چنچل' بڑی سرکش' میں نے اس کی سرکشی کو روند کر ہی پرکاش بھون میں
کی منزلیں طے کرنے کی ابتدا کی تھی پھر میں نے خوبصورت اور حسین کلیوں کا
چوسنا سیکھ لیا تھا۔ میں نے کوئی پابندی قبول نہیں کی' موت اور زندگی کے سنگم پر سینہ
کر ڈٹے رہنے کا انداز سیکھ لیا' اسی انداز نے مجھے ریاست راجے پور کی سب سے
شخصیت بنا دیا تھا۔ میری داستان بڑی طویل ہے۔

میں اختصار سے کام لوں گا۔ میں نے اپنے قدم روکے نہیں' آہستہ آہستہ
حسینہ کی سمت بڑھتا رہا جس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا' ایک لحہ پیشتر
بڑے طمطراق سے مجھ سے مخاطب تھی۔ اس کی بھنویں کڑی کمان کی مانند بار بار
رہی تھیں' نگاہیں میرے خرمن دل پر کڑک رہی تھیں' بجلیاں گرا رہی تھیں۔ اس کا
میری امنگوں کو آزمانے کی خاطر لچک رہا تھا' بل کھا رہا تھا' مجھے اکسا رہا تھا۔ پھر
نے اپنی نگاہوں کا زاویہ تبدیل کیا تو اس کا حسن بے نیام خوفزدہ ہوگیا' وہ اور
حسین نظر آنے لگی' قیامت بن گئی' میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون نے
بھاٹے کی کیفیت اختیار کرلی۔ وہ کانپنے لگی' سرتاپا لرزنے لگی' موت کا تصور اس کی
جیسی نیلی آنکھوں میں کپکپانے لگا۔ میں اسے بھی ایک ادا سمجھا' حسن اور عشق کی
مچولی میرے لئے نئی نہیں تھی۔ مجھے شکنتلا یاد آ گئی' پرکاش بھون کی وہ حسین کماری
ملکہ کلوپیڑا کی طرح ہر رات بھون کے ایک نوجوان کو اپنی معصوم اداؤں سے لبھا کر
کرتی۔ ہر رات اس کی خوابگاہ میں ایک ڈرامہ کھیلا جاتا' دو ایک روز بعد اس ڈرامے
ڈراپ سین ہو جاتا' وہ اپنے پیچھے کوئی ثبوت چھوڑنے کی عادی نہیں تھی۔ اس کی آ
کو گرمانے والا بہت جلد پراسرار طور پر موت کے سرد ہاتھوں کا شکار ہو جاتا۔ میں
اندھیرے میں اس کے حسن کے جال میں پھنس گیا تھا' لیکن وہ مجھے شکار نہیں کر
میں نے اسے کینچلی بدلنے کا موقع نہیں دیا' بڑی چابکدستی سے اس کے اندر کا تمام
نکال دیا۔

اس وقت بھی ایک خوبصورت وجود میری نگاہوں کے سامنے بل کھا رہا تھا۔
شاید وہ میری آتش شوق کو بھڑکانے کی خاطر ڈر اور خوف کا اظہار کر رہی تھی لیکن
میرے اندازے غلط ثابت ہوئے' اس نے غلط نہیں کہا تھا' میں نے اس کے جسم کو اپنے
بازوؤں کے حصار میں لینے کی کوشش کی تو اس کا خوبصورت جسم بھڑکتی آگ کے
شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ منظر ناقابل یقین تھا اور ناقابل برداشت بھی' میرے
ہوش و حواس معطل ہوگئے' دھوئیں کے بادلوں میں میرا دم گھٹنے لگا' میرا ذہن معطل
ہونے لگا پھر مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا۔

اب میری آنکھوں کے پپوٹوں میں آہستہ آہستہ جنبش ہو رہی تھی۔ میرا وجود
کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا' میں نے دوبارہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو ششدر رہ
گیا' میں اس وقت اپنے غار میں نہیں کھلے آسمان کے نیچے کہیں پڑا تھا۔ گزری ہوئی
باتیں میرے ذہن کے پردوں پر رینگنے لگیں۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو کراہ کر رہ
گیا' میرا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا' میں نے گھبرا کر دوبارہ آنکھیں موند لیں' میں
شاید پھر خواب کی کیفیت سے دوچار تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو کریدنے کی کوشش کی۔
الجھی ہوئی ڈور کے سرے جوڑنے کی سعی کرنے لگا لیکن مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ وہ
کسی درندے سے ملتی جلتی آواز تھی جو میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ میں ساری جان
سے لرز اٹھا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں' مجھے اپنی قوت بینائی پر شبہ ہونے لگا' جو
کچھ مجھے نظر آ رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش کو
منجمد کر دینے کے لئے بہت کافی تھا' میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

ایک عجیب و غریب انسان نما مخلوق میرے سامنے کھڑی مجھے قہر آلود نظروں
سے گھور رہی تھی۔ اس کے پورے جسم پر بالوں کا جنگل اگا ہوا تھا۔ اس کا رنگ کسی
جلے ہوئے توے سے زیادہ سیاہ اور مکروہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ انتہائی بھدے
اور غلیظ تھے۔ خلاف معمول اتنے لٹکے ہوئے تھے کہ ٹھوڑی سے نیچے جھول رہے تھے' سر
اور چہرے پر بھی بال ہی بال تھے' ان سیاہ بالوں کے درمیان اس کی شعلہ اگلتی ہوئی
خونخوار آنکھیں بڑی بھیانک اور ہولناک نظر آ رہی تھیں۔ ہاتھ اور پیر کے ناخن نیزوں
کی مانند نوکیلے اور خلاف توقع بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے غیض و غضب

پھوٹ رہا تھا' ان آنکھوں میں میرے لئے حقارت اور نفرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ انسان اور بن مانس کے درمیان کی کوئی مخلوق نظر آ رہا تھا۔ دراز قد' ہولناک ا... خون آشام' میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ مجھے حیرت تھی کہ میں غا... میں بیہوش ہوا تھا پھر غار سے باہر اس طرح کھلے آسمان کے نیچے کس طرح آ گیا۔

میری آنکھیں کھلی دیکھ کر اس عجیب الخلقت مخلوق نے ایسی کریہہ اور تیز آواز حلق سے نکالی کہ میں کانپ اٹھا۔ دور دور تک پرندوں کے پھڑپھڑانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جنگل کے سکون میں ایک ہیجان انگیز انتشار پیدا ہوگیا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن موت کا بھیانک تصور میری پلکوں تلے ٹمٹماتے دیئے کی مد... روشنی کی مانند کپکپا کر رہ گیا' وہ اتنا دراز قد اور قوی ہیکل تھا کہ ایک پاؤں اٹھا کر میرے سینے پر رکھ دیتا تو میں پس کر سرمہ ہو جاتا۔ میرے ذہن میں کیچو کا تصور ابھرا زندگی میں پہلی بار میں نے اسے دل کی گہرائیوں سے یاد کیا۔ یہ قطعی غیر اختیاری فعل تھا۔ موت سامنے ہو تو ڈوبتا ہوا انسان ایک تنکے کو بھی نعمت سے کم نہیں سمجھتا۔ کیچو تو کئی موقعوں پر میری مدد کر چکی تھی۔ ریاست راجے پور میں کئی بار ایسے کھیل تماشے ہوئے تھے کہ دیکھنے والے دنگ رہ گئے تھے۔ کیچو نے سامنے نہ آ کر در پردہ میری مدد کی تھی اس وقت بھی اچانک مجھے کیچو یاد آ گئی۔ کرشن نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ لازوال قوتوں کی مالک ہے۔

''نہیں.....'' میرے سامنے جو بلا کھڑی تھی اس کے حلق سے کھڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری' وہ حقارت سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''اسے یاد مت کر' اب وہ تیری مدد نہیں کرے گی۔''

میں اسے بولتا دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ٹین کے ڈبے میں بہت سارے پتھر ڈال کر انہیں زور زور سے ہلایا جا رہا ہو۔ اس کی آواز انہی پتھروں کی گونج سے مشابہ تھی لیکن میں واضح طور پر اس کی بات سمجھ گیا' مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ میرے دل میں ابھرنے والے خیال کو کس طرح بھانپ گیا؟

جہاں آپس میں رابطے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ وہاں گھٹن کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ انسان ایک دوسرے کو اپنا مطمح نظر سمجھانے سے قاصر رہتا ہے۔ اسے بولتا دیکھ کر مجھے گھپ اندھیرے میں امید کی ایک کرن ٹمٹماتی نظر آنے لگی۔

''تک.....کون ہو تم؟'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں اس کی نفرت کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔

''تیری موت۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مارتے ہوئے حقارت سے بولا' دور دراز کا جنگل ایک بار پھر پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' میں نے ہمت کر کے اس کی درندگی کا مقصد جاننے کی کوشش کی۔

''تو نے میرا کھلونا توڑ ڈالا۔'' اس نے پھر سینہ کوبی شروع کر دی۔ آسمان کی جانب چہرہ بلند کر کے اس طرح ناقابل فہم جملے اور آوازیں نکالنے لگا جیسے کسی سے اپنا دکھڑا بیان کر رہا ہو۔ اس کی آہ و بکا میں شدت پیدا ہونے لگی' اس طرح اچھلنے کودنے لگا جیسے اپنی فریاد کا صلہ مانگ رہا ہو۔ میں ہمت کر کے بمشکل بیٹھ گیا' اٹھنے کی ہمت نہیں تھی' میرا جوڑ جوڑ پھوڑے کی مانند درد کر رہا تھا۔ میں اس کیفیت کی وجہ بیان کرنے سے قاصر ہوں لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے بڑی بے دردی سے زدوکوب کیا گیا ہو۔

اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ وہ کسی کھلونے کا ذکر کر رہا تھا۔ میں سہمی سہمی نظروں سے اسے تکتا رہا۔ تادیر وہ آسمان کی سمت منہ اٹھائے حلق سے کریہہ آواز میں ناقابل فہم جملے ادا کرتا رہا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر فرار کی راہ اختیار کروں۔ کسی انسان کا معاملہ ہوتا تو شاید میں اس سے مقابلے کی سوچتا لیکن وہ ایسا ہیبت ناک درندہ تھا جس کی وحشت دیکھ کر ہی میں خوفزدہ ہو گیا وہ قد و قامت میں بھی مجھ سے دوگنا تھا' میرا اس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اس نے مجھ پر کسی کھلونے کو توڑنے کا الزام عائد کیا تھا' شاید اسے میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔

''تم۔'' اچانک وہ سینہ کوبی بند کر کے میری طرف دیکھنے لگا' اس کی نگاہوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ''تم اس کی شرن میں نہ ہوتے تو میں اب تک تمہارے ٹکڑے کر چکا ہوتا۔'' وہ غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔ ''جواب دو' میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟''

''میں۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا۔'' میں نے ہمت کر کے وضاحت

چاہتی۔ ''تم کسی کھلونے کی بات کر رہے تھے؟''

''ہاں۔ وہ میرے لئے ایک کھلونا ہی تھی۔'' وہ تڑپ کر بولا۔ ''کیا اس نے تم سے دور رہنے کو نہیں کہا تھا؟ اس نے تم سے بنتی کی تھی کہ اس کو ہاتھ مت لگانا لیکن تمہارے من میں پاپ تھا' تم اس کے اجلے شریر کو گندا کرنا چاہتے تھے۔ تم نے اسے چھوا۔ اور۔ وہ جل کر راکھ ہو گئی' میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔'' اس درندے کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ ''بولو۔ اس نردوش نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔؟''

میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی' وہ اس حسینہ کی بات کر رہا تھا جو مجھے کیچو کی مہان شکتی کے بارے میں بتا رہی تھی' اس نے مجھے اپنے قریب آنے سے روکا تھا' اس نے کہا تھا کہ میں جب تک کیچو کی خواہشات کی تکمیل نہیں کرتا کسی دوسری لڑکی کو ہاتھ لگانا میرے لئے ممکن نہیں' وہ کیچو کے گن گا رہی تھی' اس کی خوبیاں بیان کر رہی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کیچو کے حکم کی تعمیل کرنا اس کی مجبوری تھی۔ وہ کیچو کی قوت سے مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔ مجھے خبردار کر رہی تھی کہ اگر میں نے کیچو کی خواہشات کے آگے ہتھیار نہ ڈالے تو وقت میرے ہاتھ سے سرک جائے گا' پھر میں اس کے رحم و کرم پر ہوں گا' میں کیچو کے سامنے سرنگوں ہو جانے کی صورت میں ایسی عظیم قوتیں حاصل کر سکتا تھا جو روئے زمین پر کسی اور کو کبھی حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ وہ آنے والے وقتوں کی پیشینگوئی کر رہی تھی' بڑے طنطنے سے مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے سکندر کے بارے میں جو خواب دیکھا تھا وہ اسے حقیقت کا رنگ دے رہی تھی۔ میں نے کرشن کی موت کا حوالہ دے کر اسے اکسانے کی کوشش کی' میں اس سے کیچو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا' وہ میرے ارادوں کو بھانپ گئی' اس نے کہا تھا کہ وہ کیچو کی داسی ہے' اس کی مرضی کے بغیر زبان نہیں کھول سکتی۔

شاید وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی۔ حسین تھی' نوخیز تھی اس لئے مغرور ہو گئی تھی پھر میں نے اسے پامال کرنے کی ٹھان لی۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک بار زیر ہو جانے کی بعد وہ بھی پارہ رانی کی طرح میری مٹھی میں ہو گی لیکن میں نے اسے ہاتھ لگایا تو وہ جل کر راکھ ہو گئی اور اب میرے سامنے کھڑا ہوا دیوقامت اور مکروہ شکل درندہ اسے اپنا کھلونا بتا رہا تھا' میں پھٹی پھٹی نظروں سے اس کو دیکھنے لگا۔

''پہلے تم نے کرشنا کو مارنے کی کوشش کی' میں نے تمہارا ارادہ بھانپ لیا تھا۔'' وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔ ''میں اسی وقت تمہارا کریا کرم کر سکتا تھا لیکن کرشنا نے مجھے روک دیا' وہ بھی اس کی اچھا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا ورنہ اس کا ایک اشارہ ہی تمہیں جلا کر بھسم کر دیتا۔ کرشنا کی آ گیا کا پالن کرتے ہوئے ہم دونوں غار سے چلے گئے تھے۔ پرنتو میں جانتا تھا کہ تم اسے مارنے کی کوشش ضرور کرو گے۔''

''تم۔'' میں چونکا۔ ''کیا تم ہرن کے اس جوڑے کی بات کر رہے ہو جو میں نے کرشنا کے ساتھ دیکھا تھا؟''

''ہاں۔'' اس نے مجھے نفرت سے گھورا۔ ''سب اسی کی کرپا ہے' اسی نے ہمیں ہرنوں کا روپ دان کیا تھا' اس جنگل کے سارے باسی اسی کی مالا جپتے ہیں' اسی کی آ گیا کا پالن کرتے ہیں۔ کون کس روپ میں ہے' اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہ مہان ہے اس کی شکتی اپرم پار ہے' اس کی آنکھوں کے اشارے کے بغیر یہاں ایک سوکھا پتہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا' تمہارے آنے سے پہلے یہاں بڑا سکھ بڑی شانتی تھی لیکن تم......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

میرے وجود میں اتھل پتھل شروع ہو گئی' وہ جو کچھ بیان کر رہا تھا وہ کسی الف لیلیٰ داستان سے کم نہیں تھا۔ کیچو اگر اتنی ہی طاقت ور تھی کہ اس جنگل کے چرند پرند بھی اس کے اشاروں کے محتاج تھے تو پھر میرے سلسلے میں وہ اتنی رعایت کیوں برت رہی تھی؟ اگر وہ کسی ہرنی کو ایک حسین دوشیزہ کا روپ دے سکتی تھی تو مجھے بھی پالتو جانور بنا کر اپنے تلوے چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟ میرے سلسلے میں اسے کیا دشواری لاحق تھی جو وہ لیت و لعل سے کام لے رہی تھی؟ اسے کس بات کا انتظار تھا؟ وہ کس موقع کی تلاش میں تھی؟ اور وہ عجیب الخلقت درندہ' اگر پہلے وہ ہرن کے روپ میں تھا تو اس کا اصلی روپ کیا تھا؟ میرے ذہن میں مختلف سوالات ابھرنے لگے۔

''تم وچار کرتے کرتے سارا جیون بتا دو گے لیکن اس کی تھاہ کو نہیں پا سکو گے۔'' اس نے مجھے حقارت سے گھورا۔ پھر یکلخت اس کے تیور خطرناک ہو گئے۔ ''مجھے اسی کے اشارے کا انتظار ہے' پھر تمہارا انت بڑا بھیانک ہوگا' میں تمہیں ایسی اذیتناک موت ماروں گا' ایسا کشٹ دوں گا کہ تمہاری آتما بھی سدا ویاکل رہے گی۔''

"اور اگر اس نے تمہیں منع کر دیا تو؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی'
اس کی بات سن کر مجھے اپنی زندگی کی سند مل گئی تھی۔ کیچو اگر مجھے مارنا چاہتی تو اس وقت میری راہ میں حائل نہ ہوتی جب میں نے پہلی بار ہنگلی کے پل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کا ارادہ کیا تھا۔ وہ اگر حالات پر قادر تھی تو میں بنو بیگم اور بختاور کو قتل کرنے کے بعد بانو کے کوٹھے سے بچ کر نہ نکل پاتا' وہ پولیس کو میرے تعاقب میں لگا سکتی تھی' ریاست راجے پور میں بھی اس نے متعدد موقعوں پر مجھے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اس وقت بھی جب اس نے میرے گھر کے ایک ایک فرد کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا' مجھے بھی موت کی نیند سلا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج بار بار یہی کہتے تھے کہ میں زندگی کے ہنگاموں کو لات مار کر جنگل اور پہاڑوں کی سمت نکل جاؤں جہاں کیچو راہ میں پلکیں بچھائے میری آمد کی منتظر تھی۔ اس نے ساری دنیا میں ایک میری ذات کو اپنے لئے انتخاب کیا تھا' کرشن نے بھی یہی کہا تھا کہ کیچو نے میرے سوا کسی اور کو درشن نہیں دیا تھا' اگر وہ سچے تھے تو پھر کیچو کسی اور کو میری موت کا پروانہ نہیں دے سکتی تھی۔

وہ میرا جواب سن کر تلملا گیا' پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے کیچو کے کسی اشارے کا منتظر ہو' اس کی دیوانگی ہر لحہ بڑھتی جا رہی تھی' سینہ کوبی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے دوبارہ دہشت زدہ ہو کر بلند آواز میں ایسی ناقابل فہم زبان بولنی شروع کر دی جو میری سمجھ سے بالاتر تھی لیکن میں اس کے اضطراب کو سمجھ رہا تھا' میرے سوال نے اسے ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ شش و پنج کے عالم میں گرفتار تھا' شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کیچو نے میری موت کے سلسلے میں اس کے حق میں فیصلہ نہ دیا تو اس کی حسرتیں پوری نہیں ہوں گی۔

میں اس کی وحشت کا تماشہ دیکھتا رہا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر کسی وقت بھی چھلک سکتا تھا' مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے اسے جس مشکل سے دوچار کیا تھا اس کا انجام میرے حق میں ہلاکت کا باعث بھی بن سکتا تھا۔ اسے جو غم لاحق تھا وہ اسے باغی بھی بنا سکتا تھا۔ ڈالی اور گڈے کی مثال میرے سامنے تھی' ان کے اغواء کی خبر نے مجھے بھی پاگل کر دیا تھا' میں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بڑی حویلی کی جانب دوڑ پڑا تھا۔ جگدیپ کو اس کے خاندان سمیت آگ کے شعلوں میں

جہنم رسید کرنے کے خیال نے مجھے ہر بات سے بے نیاز کر دیا تھا' اس وقت وہ انسان نما درندہ بھی اسی کیفیت سے دو چار تھا۔ وہ جذبات کی آگ میں جھلس کر کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا سکتا تھا' میں نے اسے کیچو کے سلسلے میں چھیڑ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا' بہرحال تیر کمان سے نکل چکا تھا' اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔

میں اس وحشی پر نظریں جمائے امید و بیم کی کیفیتوں سے دو چار تھا' وہ غیض و غضب کے عالم میں مبتلا تھا۔ کبھی بولتے بولتے رک کر ناک سے شوں شوں کی آوازیں نکالنے لگتا' کبھی کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتا پھر دوبارہ اچھل کود شروع کر دیتا اچانک وہ میری طرف پلٹ پڑا۔

"تم۔ شب دیجور کی بدبخت اولاد۔" وہ نتھنے پھڑپھڑاتے ہوئے بڑے سرد و سفاک لہجے میں بولا۔ "تم نے اسے مار ڈالا' میری آشاؤں کا خون کر دیا' میرے سپنوں کو روند ڈالا۔ میرے جیون کو نرکھ میں جھونک دیا' تم میرے بدترین انتقام کے مستحق ہو لیکن میں تمہیں جیون کی بھکشا دے سکتا ہوں' کیول ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ چاہے تو اسے دوبارہ جیون دان کر سکتی ہے۔" اس کی شعلہ بار نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "تم اس کے پوتر چرن چھو کر بنتی کرو تو وہ تمہارا کہا مان لے گی۔"

"غم نے تمہارے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج کر دی ہیں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں تم سے شرمندہ ہوں' لیکن تم بھول رہے ہو' مرنے والے دوبارہ زندہ نہیں ہوتے۔"

"وہ چاہے تو آتما اور شریر کا بندھن دوبارہ جڑ سکتا ہے۔" اس کی آنکھوں سے وحشت عیاں تھی۔ "تمہیں میرے کارن اس کی بنتی کرنی ہو گی۔ نہیں کرو گے تو میں تمہارے شریر کی دھجیاں اڑا دوں گا۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں۔ پرنتو تم اگر من میں کھوٹ لائے بنا اسے سچے من سے یاد کرو تو وہ مجھے میری خوشیاں لوٹا دے گی۔"

"تم کرشن کو بھول رہے ہو۔" میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ "وہ بھی مہان

شکتی کا مالک تھا' اپنے من میں کسی کو پا لینے کی دھونی رمائے برسوں سے گپھا میں بیٹھا جاپ کر رہا تھا۔ حالات نے اسے بھی میرے ہاتھوں مرنے پر مجبور کر دیا' تم جس کی بات کر رہے ہو کیا اسے کرشنا کی موت کی خبر نہیں ہوگی؟ وہ چاہتی تو اپنے اس سیوک کو بھی جیون دان کر سکتی تھی لیکن......''

میں اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا' اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ میں اس اچانک افتاد کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ اس کی ضرب اتنی شدید تھی کہ میں فٹ بال کی طرح دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی تو وہ بڑی سرعت سے دوبارہ میرے قریب آ گیا' اس کی نگاہوں میں میرے لئے رحم کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایک ہی ٹھوکر نے میری چولیں ہلا دیں' دوسری ٹھوکر مجھے موت کی ابدی نیند سلا سکتی تھی۔

اس کی لات دوبارہ بلند ہوئی' میری رگوں میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اپنوں سے دور کسی جنگل میں بے بسی کی موت کا تصور میرے لئے بڑا ہی اعصاب شکن تھا' زندگی کی حجت تمام ہونے کا لمحہ قریب تھا' میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے مجھ سے کیچو کے پیروں پر گر کر کسی کی زندگی کی بھیک مانگنے کی درخواست کی تھی۔ میں نے اس کی درخواست درخور اعتنا نہیں سمجھی' میں نے اپنی انا کی خاطر اس جنگل میں زندگی کا ایک طویل عرصہ گزار دیا تھا لیکن کیچو کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ کرشن بھی اسی خواہش کی وجہ سے میرے ہاتھوں کام آ گیا' اس حسینہ نے بھی مجھے مستقبل کے حسین خواب دکھا کر کیچو سے مفاہمت کا راستہ اختیار کرنے کی ضد کی تھی' وہ بھی میری وحشتوں کا شکار ہو گئی۔

کبھی کبھی انسان کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں' اقتدار کی ہوس انسان کو جائز اور ناجائز کی فکر سے آزاد کر دیتی ہے' طاقت کا حصول اسے اندھا کر دیتا ہے۔ میں بھی زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتا رہا تھا' طاقت کے حصول کی خاطر اور اپنی ذات کا لوہا منوانے کیلئے میں نے بھی بہت سارے لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ کیچو نے کئی موقعوں پر میری معاونت کی تھی' اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے بعد شاید میں ناقابل تسخیر بھی بن سکتا تھا۔ سادھو دیوراج نے بارہا مجھے میرا مستقبل دکھانے کی خاطر اشاروں کنایوں میں باتیں کی تھیں۔ کرشن نے بھی یقین دلایا تھا کہ

میں دھرتی کا سب سے خوش قسمت انسان ہوں جو کیچو کی لازوال قوتوں نے میرا انتخاب کیا تھا۔

میرا ماضی داغدار تھا' میں شرافت کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ بلندی کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے میں نے کبھی اچھے اور برے کے بارے میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ خود کو دوسروں پر سرفراز کرنے کی دھن میں زقند بھرتا رہا لیکن کیچو کے سلسلے میں نہ جانے کیوں میں سوئی کی طرح کسی گھسے ہوئے پرانے ریکارڈ پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ شاید میں اپنے آگے اس کی برتری کو قبول نہیں کر سکا تھا۔ زندگی میں کئی مرحلے ایسے آئے جب مجھے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا پڑا' قسمت مہربان تھی اس لئے مجھے ناکامیوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ کچھ دشواریاں ضرور جھیلنی پڑیں لیکن کسی محاذ پر مجھے شکست فاش نہیں ہوئی۔

ریاست راجے پور کے شب روز میری شوریدہ سری کے گواہ تھے۔ میں نے ہر رنگ' ہر روپ میں لوگوں کو ششدر کیا تھا۔ مہاراجہ بھی میرے گن گاتے تھے' راجکماری کنول میرے خواب دیکھتی تھی' شاردا نے ایک ملازم ہونے کے باوجود مجھے اپنے سر کا تاج بنا لیا تھا۔ پارو کی خود سری نے میرے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ دنیش چندر میرا سب سے بڑا مداح تھا۔ آئی جی مہتا نے بھی میرے تعاقب سے کنارہ کشی کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ چھاؤنی کے کئی ذمہ دار افسران مجھ پر کمند پھینکنے کی حسرتیں لئے زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ سلطنت برطانیہ کا نمائندہ' آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ جس کے رعب و دبدبے سے مہاراجہ بھی کنی کتراتے تھے' مجھ سے شکست کھا کر اپنی حسین و جمیل اور اکلوتی بیٹی ریتا کو مجھ سے منسوب کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے کسی محاذ پر ہتھیار نہیں ڈالے شاید یہی وجہ تھی جو میں کیچو کے سامنے بھی ہمیشہ سینہ سپر رہا لیکن اب زندگی کا سورج غروب ہونے کا وقت سر پر آن پہنچا تھا۔

میں آنکھیں بند کئے زندگی کے آخری لمحات کا شمار کر رہا تھا جب وحشی کی کربناک چیخ سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے مجھے اپنی ٹھوکروں سے زندہ درگور کر دینے کے خواب دیکھ رہا تھا اب سبزے پر پڑا لوٹ لگا رہا تھا کرب سے دوچار تھا۔

''کیچو۔'' میرے ذہن میں کیچو کا تصور ابھرا۔ غالباً اسے میرے مقابلے میں

ایک کمتر درجے کی مخلوق کی سرکشی پسند نہیں آئی تھی۔ میں حیرت سے وحشی درندے کو تڑپتا دیکھتا رہا۔

''کرشن! میں بنتی کرتا ہوں' تو ہمارے بیچ نہ آ۔'' وحشی نے چھاڑیں کھاتے ہوئے کرشن کا نام لیا تو میں چونکا۔ میں نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنی پشت کی طرف نظر دوڑائی تو میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کرشن جسے میں نے گلا گھونٹ کر مار دیا تھا' جس کی اکڑی ہوئی سرد لاش کو اٹھا کر غار سے باہر پھینک چکا تھا اس وقت زندہ سلامت میری نظروں کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ قہر و غضب بھری نگاہ سے وحشی کو گھور رہا تھا۔

''پاپی!'' کرشن کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی' وہ وحشی سے مخاطب تھا۔ ''دشٹ اپرادھی' تو نے اس کی شان میں گستاخی کی ہے جو سب سے مہان ہے' تو بدترین سزا کا مستحق ہے۔''

''نہیں' نہیں۔'' وحشی چیخنے لگا۔ ''تو نہیں جانتا میرے باپ! اس کٹھور دل نے میری سندری کا اپمان کیا تھا' اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی' میں اسے نہیں بچا سکا' وہ شعلوں میں جھلس کر راکھ ہوگئی' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''زبان بند کر لے۔'' کرشن غضبناک ہوگیا۔ ''تو نہیں جانتا کہ اس نے مہاراج کو کیا مان دیا ہے' تو اندھا ہے' تیری آنکھیں اس کی مہان شکتی کو نہیں دیکھ سکتیں' پرنتو' کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ اسی کی کرپا سے تو نے ہرن اور سندری نے ہرنی کا روپ دھارا تھا۔ اس نے تجھے جینے کا سہارا دیا' اس ہرے بھرے جنگل میں تجھے ہر قسم کا سکھ چین دیا' وہ نہ چاہتی تو اب تک تو وہی رہتا جو تیری اصلیت تھی۔''

''میں اس کا احسان نہیں بھولا لیکن......''

''بحث مت کر' زبان کو تالا ڈال دے۔'' کرشن نے اسے بولنے سے روکا۔

''مجھے دیکھ' میں نے جیون کے کتنے ورش اس کے نام کی مالا جپنے میں بتا دیئے' تب بھی جب مجھے وشواس تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی مجھے درشن ضرور دے گی' تب بھی' جب مجھے معلوم ہوگیا کہ اس نے اپنے من مندر میں کیول مہاراج کی مورتی سجا رکھی ہے۔ مورکھ' جس سے پیار کیا جاتا ہے' اس سے شکوہ نہیں کیا جاتا' تو ایک سندری کی بات کر رہا ہے' مہاراج کے چرنوں میں اگر ہزاروں سندریوں کی بھینٹ گزار دی جائے تو بھی کم

ہے۔'' پھر کرشنا نے نفرت سے اسے دھتکارا۔ ''جا' میری نظروں سے دور چلا جا' تیری مکتی اسی میں ہے۔''

''کرشنا۔'' وحشی کا لہجہ باغیانہ ہوگیا۔ ''تو جانتا ہے کہ سندری میرے جیون کا سب سے انمول ہیرا تھی۔ ہم نے ایک ساتھ جینے اور ایک ساتھ مرنے کی سوگند کھائی تھی۔ وہ بھی جانتی ہوگی کہ سندری میری آنکھوں کی ٹھنڈک تھی' میرے من کا چین تھی' میرے شریر کا ایک اٹوٹ انگ تھی' میری آتما تھی' میرا جیون تھی' میرا سب کچھ تھی اور تو...... تو کہتا ہے کہ میں اسے ایک اجنبی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھ جانے دوں' دل پر پتھر رکھ لوں' منہ پھیر کر استھان چھوڑ دوں' جہاں ہواؤں میں ابھی تک سندری کے شریر کی مہک رچی بسی ہے' ایک ایک ذرے میں اس کی یاد کے دھاگے الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی مدھم مسکان بکھری ہوئی ہے' اس کی آواز گونج رہی ہے۔'' وحشی بولتے بولتے اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تیور بدلنے لگے۔ ''نہیں کرشن' نہیں۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں سینے پر دوہتڑ مار کر کہا۔ ''میں یہاں سے کہیں اور نہیں جاؤں گا اور......'' وہ مجھے دوبارہ قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے بولا' اس کی نگاہوں میں دہکتی آگ میں بھیانک چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔ ''تو نے سندری کے کومل شریر کو جلا کو بھسم کر دیا' میں تیری بوٹیاں چبا جاؤں گا۔''

میں نے پلٹ کر کرشن کی جانب دیکھا' اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر وحشی کو حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا' اس نے گرجنے یا کڑکنے کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ وحشی کے خلاف اپنے دماغ میں کوئی اہم اور خطرناک فیصلہ کر چکا ہے۔

وہ لمحے بڑے اعصاب شکن تھے۔ ایک طرف وحشی درندہ مجھے پھاڑ کھانے کی خاطر پر تول رہا تھا۔ اس نے کیچو کا حوالہ سن لینے کے بعد بھی سندری کو فراموش کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا۔ بغاوت پر اتر آیا۔ تن و توش کے اعتبار سے وہ میرے اور کرشنا دونوں پر بھاری نظر آ رہا تھا۔ دوسری جانب کرشنا کے اندر نظر آنے والا ٹھہراؤ اور سرد رویہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ اپنے مدمقابل سے خائف نہیں ہے۔ کرشن کی موجودگی بھی میرے لئے بڑی حیران کن تھی' میں نے اسے اپنی وحشتوں کا نشانہ بنا ڈالا تھا۔ خود اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر موت کی آغوش میں ابدی نیند سلا

دیا تھا لیکن وہ دوبارہ زندہ نظر آ رہا تھا' شاید وہ میری نگاہوں کا فریب تھا۔ کوئی شعبدہ تھا جو وہ کہیں دور بیٹھی' مجھے دکھا کر حیرت زدہ کر دینا چاہتی تھی۔

میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں تصور میں پنڈت ایشوری لال کو کرچھا نچا نچا کر اچھلتے کودتے دیکھ رہا تھا۔ کیچو کے ذکر پر وہ اسی انداز میں اس کی بڑائی اور اپنی خوشی کا اظہار کیا کرتا تھا' سادھو دیوراج کے جملے میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ بھی کیچو کے بارے میں ناقابل یقین باتیں کرتا تھا۔ ایک بار جب میری ٹانگ میں گولی لگی تھی تو وہ مسیحا بن کر میرے سامنے آ گیا۔ اس نے کوئی دوا لگا کر میرے زخموں کو مندمل کیا تو سب ہی ششدر رہ گئے تھے' شاید وہ بھی ایک شعبدہ ہی تھا۔ لیکن کسی انسان کا مر کر دوبارہ اسی دنیا میں زندہ ہو جانا' نہ صرف حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین تھا' بلکہ میں اس کی نفی کرنے سے بھی قاصر تھا اس لئے کہ کرشن میری نگاہوں کے سامنے سینہ تانے کھڑا تھا۔

''کرشنا۔'' وحشی کی وحشت زدہ آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''میں تیرے آگے ہاتھ باندھ کر بنتی کرتا ہوں' ہمارے بیچ آنے کا دھیان اپنے من سے نکال دے۔''

جواب میں کرشنا کی آنکھوں میں قہر ابل آیا' اس کا جسم غصے سے لرزنے لگا' اس کے بوڑھے جسم پر نظر آنے والی جھریوں میں جیسے بھونچال آ گیا ہو' اس نے وحشی کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تیزی سے اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کر دیا' خوف کی ایک سرد لہر میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ کسی انجانے خوف نے غیر اختیاری طور پر مجھے ان دو موزیوں کے درمیان سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا' چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر مرنا مجھے منظور نہیں تھا۔

''کرشنا۔'' وحشی نے سینے پر دوہتڑ مار کر ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تو نے اسے پانے کے کارن اپنی پوری جوانی بھینٹ کر دی' جیون کی ساری خوشیوں سے منہ پھیر لیا۔ اپنا من مار کر تو کیول اس کی مورتی کو من میں سجائے دن رات ایک کرتا رہا۔ میں نہیں جانتا وہ کون ہے' تو نے جو کچھ کہا میں نے مان لیا' میں اور سندری دونوں ہر روپ میں تیری سیوا کرتے رہے۔ کیا سندری کی دردناک موت پر تیرے من کو کوئی ٹھیس نہیں لگی؟ کیا تجھے میری سندری کے جل مرنے کا کوئی دکھ نہیں ہے؟ اتنی

جلدی تو اس کی تمام سیوا' اس کے پیار کو بھلا دے گا؟''

''میں پھر کہتا ہوں میرے سامنے سے چلا جا۔'' کرشن نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کئے کئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''ابھی سمے تیرے ہاتھ میں ہے' مہاراج کے چرنوں پر سر رکھ کر اس کو راضی کر لے جس کی مہان شکتی نے مجھے نیا جیون دان کیا ہے۔ اسی میں تیری مکتی ہے' سمے نکل گیا تو میں بھی تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکوں گا۔ میرے جیون بھر کی تپسیا تیرے سامنے ہے' میں نے ایک بار تجھ سے کہا بھی تھا کہ وہ کسی نہ کسی دن تیری پریکشا بھی لے گی۔ آج وہ سمے آ گیا' اس کی مہانتا کے سامنے گھٹنے ٹیک دے' مہاراج کے چرنوں سے لپٹ جا' دیا کی بھیک مانگ' سندری کو بھول جا' اس کے بھاگ میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو چکا' اب اپنی فکر کر۔''

''نہیں۔'' وحشی اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے پوری قوت سے چیخا۔ ''میں سندری کو نہیں بھول سکتا۔''

پھر وہ میری طرف تیزی سے لپکا' اس کے ارادے خطرناک تھے' موت کا سرد تصور ایک بار پھر میری پلکوں تلے اندھیرا بن کر کپکپانے لگا' اسی لمحے کرشنا نے فضا میں بلند ہاتھ کو جھٹکا دیا تو وحشی کسی گیند کی مانند اچھل کر سبزے پر اوندھے منہ گرا اور بڑے کرب کے عالم میں لوٹ لگانے لگا' بلکنے لگا۔ اس کی زبان سے نافہم جملے نکل رہے تھے' شاید وہ اپنی زبان میں کسی سے رحم کی درخواست کر رہا تھا' کرشن کو مغلظات گالیاں بک رہا تھا یا کسی نادیدہ قوت کو مدد کی خاطر آوازیں دے رہا تھا' میں نہیں جان سکا۔

بوڑھا کرشنا غیض و غضب کی تصویر نظر آ رہا تھا' اس کی نگاہیں حلقوں کے کھنڈرات سے جیسے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے دوسری بار اپنے استخوانی ہاتھ کی انگلیوں کو جھٹکا تو نیلے پیلے شعلوں نے لپک کر وحشی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پل بھر میں میرے دیکھتے ہی دیکھتے وحشی کا جسم اکڑ کر سیاہ ہو گیا پھر راکھ کا ڈھیر بن کر اتنی سرعت سے سبزے پر دور دور تک بکھر گیا کہ مجھے اپنی قوت بصارت پر یقین نہیں آیا' میں نے حیرت سے بوڑھے کرشنا پر نظر ڈالی تو اس نے بڑی سعادت مندی سے سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

میں کچھ لمحے اپنی جگہ بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کرشن کی سمت قدم بڑھانے لگا' وحشی

کے مرتے ہی میرے جسم کا سارا درد چھومنتر ہو چکا تھا' میں نے حالات پر غور کیا تو ایک سرد آہ حلق سے خارج ہو کر فضاؤں کے اسرار میں گم ہوگئی' میں نے سوچا۔ "کیچو اپنے کسی شبستان میں بیٹھی میری وحشتوں کا تماشا دیکھ رہی ہو گی۔" وہ مجھے اپنی شکتی کے زور پر انسانوں کی بستی سے اٹھا لائی تھی۔ اس نے مجھے جنگل کے بیچ لا کر چھوڑا تھا' وہ مجھے اپنے قدموں پر جھکانے کی خواہشمند تھی' شاید اسے زبردستی کا سودا منظور نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو اپنی قوتوں کے زور سے مجھے بھی اپنا دیوانہ بنا سکتی تھی۔ میں نے بھی دل میں ٹھان لی تھی کہ مر جاؤں گا لیکن اس کے سامنے سر نہیں جھکاؤں گا۔ وہ مجھے مرعوب کرنے کی خاطر کئی بار کھیل تماشے رچا چکی تھی' اپنی طاقت کا مظاہرہ کر چکی تھی۔

میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا' میں بلاوجہ دیوقامت وحشی سے خوفزدہ ہو رہا تھا' میں تو کیچو کی پناہ میں تھا۔ جنگل کے طول و عرض میں صرف اسی کا راج تھا' جنگل کے باسی' چرند و پرند سب اس کے تابع تھے' وہ جانوروں کو بھی انسانی رنگ و روپ دینے کی شکتی کی مالک تھی۔ اگر جل کر راکھ ہو جانے والے وحشی کا بیان غلط نہیں تھا تو میں اسے اور اس کی سندری کو ہرنوں کی جوڑی کی شکل میں کرشنا کے غار میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ایک ہرنی کسی خوبرو حسینہ کے روپ میں اپنے شباب کے ترکش سے دلوں پر تیر برسا سکتی ہے۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ سب کیچو کی شکتی کا چمتکار تھا۔

میں کرشنا کے قریب گیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسی سال کا وہ پراسرار بوڑھا میرے سامنے زندہ حالت میں دوبارہ بڑی سعادتمندی سے کسی سیوک کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا لاغر اور دراز قد' جسم کی جھریاں' حلقوں کے غار کے اندر دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں' شانوں تک لہراتے ہوئے سفید بال' گھنیری سفید پلکیں' سوکھے اور پتلے پتلے ہونٹ جن پر پیڑیاں جمی ہوئی تھیں' سب کچھ ویسا ہی اور پراسرار نظر آ رہا تھا جیسا میں نے غار میں پہلی بار دیکھا تھا۔

"مہاراج!" میرے کچھ بولنے سے پیشتر ہی اس نے ہاتھ باندھ کر بڑی لجاجت کا اظہار کیا۔ "سیوک کو شما کر دو' مجھے آنے میں دیر ہوگئی' آتما اور شریر کا بندھن ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ......"

"کرشن۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "تم مجھے یہ وشواس دلانے کی کوشش

کر رہے ہو کہ واقعی تم نے دوسرا جنم لیا ہے؟"

"سب اسی کی کرپا ہے مہاراج!" اس نے دبی زبان میں کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ وہ مہان شکتی کی مالک ہے' اس کے اپنے بھی کئی رنگ و روپ ہیں' وہ دوسروں کو بھی نت نئے روپ دان کر سکتی ہے۔"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہیں کیوں مارا تھا؟"

"ہاں مہاراج۔" وہ بڑی نرمی سے بولا۔ "تم مجھ سے واپسی کا راستہ پوچھ رہے تھے' میں نے کہا تھا کہ مجھے واپسی کا راستہ نہیں معلوم' تمہیں میری بات کا وشواس نہیں آیا اس لئے تم نے میرا گلا دبا دیا۔"

"تم نے اپنے بچاؤ کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج!" اس کا بدن کپکپانے لگا۔ "تم سے نظریں ملا کر میں اسے بھلا کیسے ناراض کر سکتا تھا' میرے جیون کی ساری تپسیا غارت ہو جاتی اسے منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ تم...... تم اسے پسند ہو تو میرے لئے بھی دیوتا سمان ہو۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے چرنوں کی دھول بن کر تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا' میں نے پہلے بھی یہی کہا تھا۔" اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "میں بنتی کرتا ہوں' مجھے اپنے سے دور نہ کرنا۔ ایک بار تمہیں کھوج لینے کے بعد میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔"

"کب تک ساتھ رہو گے؟"

"جب تک جیون کے اس دوراہے پر نہ پہنچ جاؤں جہاں اوپر والا ہمارے راستے الگ الگ نہ کر دے۔" اس بار بوڑھے کا لہجہ معنی خیز تھا' میں نے اسے چونک کر دیکھا۔

"تم کس دوراہے کی بات کر رہے ہو؟"

"منش جنم لیتا ہے تو اسے ایک نہ ایک دن مرنا بھی ہوتا ہے' سانس اور شریر کا سمبندھ سدا تو قائم نہیں رہتا' ایک موڑ ایسا اوش آتا ہے جب سارے رشتے سارے ناتے ٹوٹ جاتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ

بوڑھے نے بڑی خوبصورتی سے زندگی کا ایک عام فلسفہ بیان کر کے مجھے ٹالنے کی کوش
کی تھی۔ اس نے جس دوراہے کی بات کی تھی' اس کی وضاحت سے گریز کر رہا تھ
شاید وہ جملہ روانی میں اس کی زبان سے نکل گیا تھا۔ وہ اپنی غلطی کو بڑی خوبصورتی
نبھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی' میں ایک
دیکھ چکا تھا کہ وہ زبان کھولنے پر اپنی موت کو ترجیح دے چکا تھا۔

''میں نے جس حسینہ کو چھونے کی کوشش کی تھی کیا وہ درحقیقت ہرنی
تھی؟'' میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

''ہاں۔ اسے وہ روپ بھی اسی کی مہان شکتی نے دان کیا تھا۔''

''کیا تم میرے بھائی کے بارے میں جانکاری رکھتے ہو؟'' میں نے ا
کریدا۔

''تم کس بھائی کی بات کر رہے ہو مہاراج؟'' کرشن نے مجھے حیرت
دیکھا۔''وہی جو مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔'' میں نے بوڑھے کے چہرے کے تاثرات
پڑھنے کی کوشش کی۔''مرنے سے پیشتر وہ گلبدن مجھے اسی کے بارے میں بتا رہی تھی
کیا تم نے وہ باتیں نہیں سنیں۔؟''

''کیسے سن سکتا تھا مہاراج؟ تم نے تو مجھے مار ڈالا تھا۔'' اس نے سادگی او
معصومیت سے جواب دیا پھر کچھ توقف سے بولا۔''کیا تم مجھے بتانا پسند کروگے کہ ا
کے اور تمہارے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں؟''

''تم نے ابھی کہا تھا کہ اسے وہ روپ اسی نے دان کیا تھا جس کے کارن تم
دھرتی کی ساری سندرتا چھوڑ کر ان جنگلات میں آگئے تھے۔ کبھی مڑ کر پیچھے جانے کی
کوشش نہیں کی تھی۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا۔''

''پھر وہ ضرور جانتی ہوگی کہ میرا بھائی کہاں اور کس حال میں ہوگا۔''

''اوش جانتی ہوگی۔'' بوڑھا بڑے اعتماد سے بولا پھر اس نے ہاتھ باند
دیئے۔''میرا کہا مان لو مہاراج! ایک بار اس کے درشن کرلو' تم قسمت کے دھنی ہو ج
اس نے سارے سنسار میں سے تم ہی کو اپنے لئے چن لیا ہے۔ اس کے درشن کے بعد
تمہارا من دھرتی کی تمام سندرتا سے اچاٹ ہو جائے گا' تم سارے سنسار پر راج کر

گے۔ جو چاہو گے وہ ملے گا' کوئی آشا ادھوری نہیں رہے گی۔ وہ تمہارے ہردے کا ہر
کانٹا نکال دے گی' اس کے بعد تمہیں کسی کی ضرورت نہیں محسوس ہوگی' اس نے تمہیں
چاہا ہے' تمہیں نراش نہیں ہونے دے گی۔''

''ہو سکتا ہے تم سچ کہہ رہے ہو۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔''لیکن
میرے کچھ کام ادھورے رہ گئے ہیں' انہیں پورا کئے بغیر میں اس کے پاس نہیں جانا
چاہتا۔ جو کچھ میرے من میں ہے وہ بھی اوش جانتی ہوگی۔ پھر' اس نے میری واپسی
کے راستوں پر پردے کیوں ڈال رکھے ہیں؟ وہ ان رکاوٹوں کو ہٹا کیوں نہیں دیتی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ تم ایک بار اس سے مل لو' وہ تمہارے من کی تمام
دبدھا دور کر دے گی۔''

''اور اگر میں تمہارا کہا ماننے سے انکار کر دوں تو؟''

''تو...... تو......'' وہ ہچکچانے لگا۔''کس کے بھاگ میں کیا لکھا ہے' میں کیا بتا
سکتا ہوں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ منش اپنے ماتھے کی شکنیں تو مٹا سکتا ہے لیکن ہاتھ کی
ریکھاؤں کو نہیں بدل سکتا۔ جو بات دیوی دیوتاؤں نے نصیب میں لکھ دی ہو ہم اس
سے منہ نہیں موڑ سکتے۔''

''کرشن!'' میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا
میں اس کی مرضی کے بغیر اب کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا؟''

''میں نے یہ کب کہا مہاراج۔'' بوڑھا گڑگڑانے لگا۔''مجھ سے کوئی بھول ہو
گئی ہو تو مجھے شما کر دو۔ میں تو تمہارے چرنوں کی دھول ہوں' بس۔ مجھے اپنے چرنوں
سے دور نہ کرنا میں بنتی کرتا ہوں۔ مجھے ایک بار وچن دے دو مہاراج کہ تم سیوک سے
کبھی روٹھو گے نہیں' اپنے چرنوں سے علیحدہ نہیں کرو گے۔''

اس بوڑھے کی طرح اس کی باتیں بھی بڑی پراسرار لچھے دار تھیں۔ میں نے
اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ تیزی سے کترا کر آگے نکل گیا۔ بہت دور جا کر میں
نے پلٹ کر دیکھا' وہ ہانپتا کانپتا اور لڑکھڑاتا میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا' میں نے اپنی
رفتار اور تیز کر دی۔!

☆......☆......☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے سفر میں وہ پہلے جیسا انہاک اور تیز
نہیں رہی' پہلے میں ایک دن میں کئی کئی منزلیں سر کر لینے کا عادی تھا۔ اب جہاں پ
ڈال دیتا وہاں سے اٹھنے پر طبیعت مشکل سے آمادہ ہوتی۔ میرے پاس وقت کی کوئی ک
نہیں تھی۔ فرصت ہی فرصت تھی' سوچنے کے لئے بھی میرے پاس یادوں کا سرمایہ محف
تھا۔ کرچھے والے پنڈت ایشوری لال سے بوڑھے کرشن تک' یاسمن کی اندوہناک مو
سے لے کر اس جنگل تک' بہت سی تلخ یادیں اور دل گداز کہانیاں میرے ذہن م
کلبلاتی رہتیں۔ کبھی جب مجھے جگدیپ کا خیال آتا تو دل تڑپ اٹھتا' اس نے ڈالی ا
گڈے پر ہاتھ ڈال کر اپنی نامردی کا ثبوت دیا تھا' مرد ہوتا تو خود مقابلے پر آتا۔ بڑ
حویلی میں چھپ کر اپنے زرخرید غنڈوں اور لاکھی پور کے بدمعاشوں کا سہارا نہ لیتا' م
نے جگدیپ کے سلسلے میں اگر دل کی حسرتیں پوری کر لی ہوتیں تو شاید موجودہ حال
پر زیادہ ملال نہ ہوتا۔

اس رات میرے پاس دو بھرے ہوئے پستول تھے' کارتوسوں کا ڈبہ بھی
میں نے حویلی میں موجود افراد کے خون سے ہولی کھیلنے کی ٹھان رکھی تھی۔ ایک
سندھیا نے وہاں تہلکہ مچا دیا تھا۔ پولیس اور چھاؤنی کے ذمہ دار اسے تلاش کر
رہے پھر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ میں نے جگدیپ کو للکار کر اس پر چڑھائی کی تھی' میر
پاس بہت سارے منصوبے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ جگدیپ نے اپنے بچاؤ کی بڑی م
تدابیر اختیار کر لی ہوں گی لیکن میں اسے چوہے کے بل سے باہر کھینچ لینے میں ک
دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ مجھے ہر قیمت پر اس کی کمیں گاہ تک پہنچنا تھا۔ ممکن تھا
لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر حویلی کے ایک حصے کو آگ لگانی پڑتی افراتفری کی
پیدا کرنے کی خاطر بجلی کا نظام ٹھپ کرنا پڑتا' کسی راجکماری کو جبری اغواء کر کے ا

بطور ڈھال استعمال کرنا پڑتا۔ اس کے نرم و گداز سینے پر پستول کی نال رکھ کر جگدیپ
کو سامنے آنے پر مجبور کرنا پڑتا' بہت کچھ ممکن تھا۔

محبت اور جنگ میں کسی حربے کا استعمال ناجائز نہیں ہوتا۔ ڈالی اور گڈے کو
واپس لانے کی خاطر میں کچھ بھی کر گزرتا۔ مر جاتا یا سب کو موت کے گھاٹ اتار دیتا
مگر کیچو نے مجھے مہلت نہیں دی۔ شاید کچھ اندیشوں نے اسے مجبور کر دیا ہوگا۔ میں
بڑی حویلی کی مہم میں کام آ جاتا تو کیچو کی حسرتیں بھی پامال ہو جاتیں۔ وہ لازوال قوتوں
کی مالک تھی' اس کی نگاہیں تاریکی میں بھی دور تک دیکھنے کی عادی تھیں۔ وہ دلوں کا
بھید بھی پڑھ لینے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتی تھی۔ ماضی کو پڑھ سکتی تھی' حال پر اس کی
نگاہ بڑی گہری تھی' اسے مستقبل میں جھانکنے کا فن بھی آتا ہوگا۔ اس نے کچھ نہ کچھ
ضرور سوچا ہوگا' سمجھا ہوگا پھر اپنی ماورائی طاقت کے بل پر مجھے اس جنگل میں اٹھا لائی
ہوگی۔ اب اس نے واپسی کے تمام راستوں پر دبیز پردے تان کر انہیں میری نظروں
سے اوجھل کر دیا۔ میں تلملاتا رہ گیا تھا۔

میرے اور کیچو کے درمیان سرد جنگ کا سلسلہ طول پکڑتا گیا' وہ غیر مشروط
طور پر مجھے اپنے قدموں پر جھکانا چاہتی تھی' میں نے کچھ اور ٹھانی تھی۔ بوڑھا کرشنا
درمیان میں پس رہا تھا۔ وہ سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا۔ میں نے اس
سے بے نیازی برتنی شروع کر دی۔ ہمارے درمیان کئی کئی دن کوئی بات نہ ہوتی۔ میں
اپنی تسبیح روز و شب کے دانے شمار کرتا رہتا' وہ کیچو کے نام کی مالا جپتا رہتا۔ جب بھی
کوئی موقع اس کے ہاتھ آتا وہ مجھے اس بات پر اکسانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے
دیتا تھا کہ مجھے کیچو سے ایک بار مل لینا چاہیے۔ میں ہر بار اس کے مشورے کو حقارت
سے رد کر دیتا۔

کرشنا کی حالت میں بتدریج تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے
چونک اٹھتا۔ کبھی پرندوں کو قریب دیکھ کر انہیں دھتکارنے لگتا۔ کبھی گھنٹوں ایک ہی
انداز میں کسی بت کی طرح بیٹھا کچھ سوچتا رہتا۔ منہ ہی منہ میں بدبداتا رہتا کبھی ساری
ساری رات ٹہل کر صبح کر دیتا' کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر آسمان کی طرف گھنٹوں تکتا
رہتا۔ کبھی اس پر اتنا شدید لرزہ طاری ہوتا کہ جسم کی ایک ایک بوٹی پھڑکنے لگتی۔ مجھے
یوں لگتا جیسے اس کا وقت قریب آ چکا ہے' روح جسم کی قید سے آزاد ہونے کی خاطر

پھڑ پھڑا رہی ہے لیکن پھر اس کی حالت آپ ہی آپ سنبھل جاتی۔ کبھی وہ مجھے ٹکٹکی باندھے گھورتا رہتا' کبھی اپنا سر زور زور جھٹکنے لگتا۔ ایک دن اس کی حالت زیادہ غیر ہونے لگی' میں نہ چاہنے کے باوجود دل پر جبر کر کے اس کے قریب چلا گیا۔ اس کی حسرت بھری نگاہیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ میں نے نرمی سے کہا۔

''تم چاہو تو جا سکتے ہو۔''

''کہاں مہاراج؟'' اس نے پژمردگی سے جواب دیا۔ ''اب کہاں جاؤں گا میں تمہارے سائے کے ساتھ ساتھ رہوں گا' تمہاری سنگت میں مجھے جو سواد ملتا ہے وہ دھرتی پر اور کہاں نصیب ہوگا۔''

''کب تک ساتھ رہ سکو گے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''مفت میں ضائع ہو جاؤ گے۔''

''کیا تمہیں وشواس آ گیا کہ اس کی مرضی کے بنا ہم واپسی کا راستہ کبھی نہیں کھوج سکیں گے۔'' اس کے لہجے میں امید کی کرنیں جھلملانے لگیں۔

''ہاں۔'' میں نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ راستے کھو گئے ہیں' شاید کبھی نہ ملیں' ہو سکتا ہے میں ان راستوں کے آس پاس سے کئی بار گزرا ہوں لیکن اس نے میری نگاہوں کے آگے پردے ڈال دیئے ہوں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے ہار تسلیم کر لی ہے۔ میں ابھی اپنے آپ سے دست بردار نہیں ہوا۔ جب تک آخری سانس باقی ہے میں واپسی کے راستوں کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔''

کرشن کی آنکھوں میں ٹمٹمانے والے امید کے روشن چراغ ایک ایک کر کے بجھ گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر کچھ سوچ کر ہونٹ چبانے لگا۔ میں اس کے پاس سے ہٹ کر دور چلا گیا۔

میرے سفر کا بے مقصد سلسلہ پھر جاری ہوگیا' مجھے یقین ہو چلا تھا کہ جب تک کیچو کو منظور نہ ہوگا' میں بار بار واپسی کے راستوں کے قریب پہنچ کر بھٹکتا رہوں گا۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں کیچو کی سمت جانے والے راستوں پر قدم اٹھانے پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دوں۔ اس کی خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کر دوں' پھر شاید وہ مجھے آزادی کا پروانہ عنایت کر دے۔ کبھی کبھی جب دشت نوردی

سے مجھے وحشت ہونے لگتی تو میں سوچتا کہ اب اس جنگل سے واپس جا کر کروں گا بھی کیا؟ جہاں جانا چاہتا ہوں وہاں اب کیا باقی رہا ہوگا؟ جانے حالات نے کیا کیا کروٹیں بدلی ہوں گی؟ کون کہاں کہاں ہوگا؟ ہوگا بھی یا نہیں؟ دنیش پہلے ہی ریاست کے حالات سے دل برداشتہ تھا۔ اس نے بھون میں میری موجودگی کے وقت ہی سریش چندر کو واپس آنے کا خط لکھا تھا۔ ممکن ہے وہ نریش کو اپنی گدی سونپ کر شاردا کے ساتھ کسی دور دراز کے سفر پر روانہ ہو گیا ہو؟ ابھی تک میرے دل میں امید باقی تھی کہ شاید جگدیپ نے ڈالی اور گنڈے کو زندہ رکھا ہو۔ میری واپسی پر وہ انہیں میرے خلاف بطور ہتھیار استعمال کر سکتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ریاست راجے پور کی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد مجھے سب سے پہلے ڈالی اور گنڈے کے کسی عبرتناک انجام کی اطلاع ملتی۔ ان خیالات سے الجھ کر میں سوچتا کہ کیوں نہ کیچو کی مرضی کے آگے سر جھکا دوں لیکن پھر ایک طویل مدت گزر جانے کا خیال آتا تو میں اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ خود کو بہلانے کی خاطر پھر نشیب میں اترنے اور بلندیوں پر چڑھنے کا سفر شروع کر دیتا۔

مجھے جنگل میں رہتے رہتے ایک عادت سی ہو گئی تھی۔ مجھے جنگلی پھل اور پتے چبانے میں اب کوئی تردد نہیں ہوتا تھا۔ حالات سے مزاحمت نہ کرتا تو کب کا مر کھپ گیا ہوتا۔ مجھے کسی قسم کی فکر بھی نہیں تھی' نہ لباس کی' نہ مکان کی' نہ غم روزگار کی' نہ دنیا کی' نہ دن کی نہ رات کی۔ میں اتنا بدل گیا تھا' میرے اندر اتنی تبدیلیاں آ گئی تھیں کہ کبھی کبھی کہیں ٹھہرے ہوئے پانی کی شفاف سطح پر اپنا جائزہ لیتا تو خود کو شناخت کرنے میں بڑی دشواری ہوتی۔ موہن داس اور جمشید عالم کے رنگ و روپ اور رکھ رکھاؤ کو میں بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا یا یوں کہا جائے کہ وقت کی گردش نے ان دونوں کو کسی سرد خانے میں ڈال دیا تھا تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ اب جو شخص زندہ تھا وہ ان دونوں سے بہت مختلف تھا۔ مجھے اپنے آپ پر ہنسی آ جاتی۔ میں تا دیر اپنے چہرے کے اصل خدوخال کو تلاش کرتا رہتا۔ میں اتنا بدل گیا تھا کہ اس حلیے میں اگر واپس جاتا تو شاید مجھے کوئی بھی شناخت نہ کر پاتا۔ لمبے لمبے بال جو گرد و غبار میں اٹے میرے شانوں تک جھولنے لگے تھے' بھری بھری داڑھی کے الجھے ہوئے بال کسی خود رو جنگلی جھاڑ جھنکار سے مشابہت رکھتے تھے' دھوپ کی تمازت نے میری جلد کی رنگت بھی بدل ڈالی تھی۔ میں قدیم زمانے میں کسی دور دراز جنگل میں پائے جانے والے ان وحشیوں جیسا

ہوگیا تھا جنہیں دیکھ کر سیاح بھی حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ میرے ذہن میں اپنے حلیے سے متعلق ایسے ایسے منفرد خیالات ابھرتے کہ میں گھبرا کر پانی سے دور ہو جاتا۔ خود اپنے آپ سے کترانے لگتا' کبھی وحشتیں حد سے گزر جاتیں تو پاگلوں کی طرح فلک شگاف' قہقہے لگانے لگتا۔

بوڑھا کرشن میری حرکتوں کو دلچسپ نظروں سے دیکھتا۔ کبھی مسکرانے لگتا کبھی آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگتا۔ اس کی حالت میں بھی تغیر رونما ہو رہا تھا۔ چلتے چلتے مڑ کر پیچھے دیکھنے لگتا جیسے کچھ تلاش کرنا چاہتا ہو' کبھی دائیں بائیں بھاگ دوڑ شروع کر دیتا' کبھی سرتاپا لرزنے لگتا پھر اس پر گریہ طاری ہو جاتا' وہ اپنے آپ سے دست و گریبان ہو جاتا اپنے بال نوچنے لگتا' اس کی وحشت دیکھ کر میں اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ بڑھا لیتا' اس خوف سے کہ کہیں وہ دیوانگی اور پاگل پن کی کیفیت میں مجھ پر حملہ نہ کردے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ مجھے دور دیکھتا تو ہانپتا کانپتا بھاگ کر میرے قریب آ جاتا' میری ٹانگیں پکڑ کر بڑی رقت آمیز آواز میں کہتا۔

''مہاراج' مجھے اکیلا مت چھوڑنا۔''

''اب بھی سمے ہے کرشنا!'' میں ملائمت سے اسے سمجھاتا۔ ''تم اپنے غار میں واپس لوٹ جاؤ' وہاں بیٹھ کر اس کے نام کی مالا جپنا شروع کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میری طرف سے ناامید ہوکر تمہیں سویکار کر لے۔''

''ایسا ناممکن ہے مہاراج!'' وہ بڑے یقین سے کہتا۔ ''اس جنم میں اس نے کیول تمہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔ تمہیں پانے کی خاطر اس نے اپنا بہت کچھ کھویا بھی ہے' وہ تمہارے دھیان کو من سے نہیں نکالے گی۔''

''پہلے کی بات اور تھی۔'' میں مسکرا دیتا۔ ''اب وہ مجھے اس حلئے میں دیکھے گی تو شاید پہچاننے سے بھی گریز کرے' ہو سکتا ہے خوف سے چیخ مار کر بیہوش ہو جائے۔ ہوش آئے تو میرا خیال کھرچ کر اپنے دل سے نکال دے' مجھ سے منہ پھیر لے۔''

''ایسا مت سوچو مہاراج!'' وہ بے حد سنجیدہ ہوگیا۔ ''جو من سے پیار کرتے ہیں وہ تن کے اجلے یا گندے پن پر دھیان نہیں دیتے' پریم کا سمبندھ تو آتما سے ہوتا ہے اور آتما ہمیشہ پوتر ہوتی ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے بوڑھے کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔ ''کیا وہ

ابھی تک مجھ سے نراش نہیں ہوگی۔؟''

''مہاراج!'' وہ مجھے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ ''تم اس کے لئے ایسے شبد زبان پر نہ لایا کرو' وہ دیوی ہے' مہان ہے' اس کی پلکوں کا اشارہ کایا پلٹ سکتا ہے۔ ہم تو کیول منش ہیں' وہ جب چاہے گی تمہیں بھی اپنے پاس بلا لے گی' تم کتنا ہی زور لگا لو لیکن کھنچے چلے جاؤ گے' بس کچھ ہی سمے باقی رہ گیا ہے۔ تم......تم بڑے بھاگ شالی ہو جو اس نے تمہیں سویکار کر لیا' پرنتو مجھے بھول نہ جانا' جب تم اس سے مل کر واپس آؤ گے تب بھی میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

''منش کے سارے سپنے پورے نہیں ہوتے' کچھ ادھورے بھی رہ جاتے ہیں۔'' میں نے زمین پر قدم جما کر کہا۔ ''وہ بھی ایک دن نراش ہو کر میرے سلسلے میں اپنا ارادہ تبدیل کر دے گی۔''

''تم نے من میں کیا ٹھان رکھا ہے مہاراج؟'' وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ پیچھے میرے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔'' میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''جب تک میں انہیں نہ نمٹالوں مجھے چین نہیں ملے گا۔''

''تم ایک بار اس کے درشن کرلو' وہ تمہارے سارے ادھورے کام پورے کر دے گی۔''

''کبھی فرصت ملی تو تمہارے مشورے پر غور کروں گا۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ بوڑھے کرشن کی وحشتوں میں یکلخت اضافہ ہوگیا' اس کی حالت دیوانوں جیسی ہوگئی' اس نے منہ اٹھا کر ادھر ادھر دوڑنا شروع کر دیا۔ بھاگتے بھاگتے وہ رک جاتا' فضا میں چہرہ بلند کر کے تیزی سے دائیں بائیں دیکھنے لگتا۔ کبھی مستی کے عالم میں اس طرح جھومنے لگتا جیسے اس نے کوئی تیز نشہ استعمال کر لیا ہو۔

اس روز اس کی کیفیت خلاف معمول کچھ زیادہ ہی ترنگ میں نظر آ رہی تھی' اس کی وحشتوں میں ایک نیا رنگ جھلک رہا تھا' جو اس سے پیشتر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں' اس پر کیف و مستی کا عالم طاری تھا' کبھی وہ آنکھیں موند کر جھومنے لگتا کبھی سر سبزے پر ٹکا کر سرتاپا لرزنے لگتا۔

کبھی ہاتھ باندھ کر عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنے لگتا۔ اس کی کیفیت میں رفتہ رفتہ جیون کا رنگ گہرا ہونے لگا' اچانک اس نے ایک فلک شگاف چیخ ماری پھر دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گیا۔ اس کا جسم شدید جھٹکے کھا رہا تھا' اس نے اپنی آنکھیں بڑی سختی سے بند کر رکھی تھیں پھر وہ یکلخت میرے قدموں میں گر کر بیہوش ہوگیا۔

مجھے پہلی بار اس بوڑھے پر رحم آیا۔ شاید وہ جنون کی حدوں کو پھلانگ کر موت کی پرسکون وادیوں میں داخل ہو گیا تھا' میں اسے اٹھانے کی خاطر جھکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرے اردگرد ایک عجیب سی مسحور کن خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ ہر طرف ایک گہرا سناٹا طاری ہے' ہواؤں نے چلنا بند کر دیا تھا۔ پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔ یہ تبدیلیاں بلا سبب نہیں ہو سکتی تھیں' میرے اعصاب چٹخنے لگے۔

اچانک میں کسی خیال سے چونکا۔ میں نے کرشن کی موت یا زندگی کا خیال ذہن سے جھٹک کر پیچھے مڑ کر دیکھا' میری آنکھیں پھٹنے لگیں۔ میں حیرت سے ان دھنک رنگ بادلوں کو دیکھنے لگا جو سبزے سے پھوٹ کر آہستہ آہستہ بلند ہو رہے تھے' ان بادلوں سے رنگ برنگی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں' میرا سارا وجود جھنجھنانے لگا۔ میری سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں رفتہ رفتہ مفلوج ہوتی چلی گئیں۔ میں اپنی جگہ دم بخود' ساکت و جامد کھڑا بادل کے ان مرغولوں کو بلند ہوتے دیکھتا رہا۔ بادلوں کے وہ تودے آپس میں گڈ مڈ ہونے لگے' فضا میں بھینی بھینی خوشبو رچی بسی تھی۔ میری نگاہوں نے ایسا حیران کن نظارہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر اس وقت میں حیرت سے دم بخود رہ گیا جب رنگ برنگے بادلوں نے سمٹ کر یکلخت ایک حسین و جمیل اور نازک اندام دوشیزہ کا روپ اختیار کر لیا۔ قرب و جوار میں موسیقی گنگنانے لگی' ہر طرف کیف و مستی کا سماں طاری ہو گیا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ میں کسی بت کی مانند اپنی جگہ ایستادہ رنگ و نور کے اس حسین پیکر کو دیکھتا رہا جسے بادلوں نے سمٹ کر تخلیق کیا تھا۔ اس کی سیاہ زلفیں ریشم کی طرح نرم تھیں' اس کا شگفتہ چہرہ چاندنی سے بنا تھا' یا شفق کی سرخیاں اس میں سمو گئی تھیں۔ میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میری آنکھوں کو سکتہ ہو گیا' اس کے ہونٹوں کے گداز سے کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نگاہوں کو

خیرہ کر رہی تھیں۔ اس کے بدن کو جیسے میدہ اور دودھ سے گوندھ کر بنایا گیا تھا پھر اس میں خون کی سرخیاں شامل کر دی گئی تھیں۔ اس کی نیلگوں آنکھوں سے کیف و مستی کے ساغر پھوار بن کر ابل رہے تھے۔ نشہ طاری کر رہے تھے' وہ خود بھی سرتاپا ایک نشہ ہی تھی' کسی ماہر سنگتراش کا ایسا حسین مجسمہ تھی جو اتفاقاً وجود میں آ گیا تھا۔ جیتا جاگتا' بڑی چابکدستی اور مہارت سے تراشا ہوا مجسمہ۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم مچل رہا تھا' دل کی دھڑکنوں کو معدوم کرنے والا سحر انگیز تبسم' اس کے مرمریں ہاتھ برہنہ تھے۔ بدن پر ہلکے گلابی رنگ کا باریک کپڑا تھا جس نے اس کے جسمانی نشیب و فراز کو کچھ اور اجاگر کر دیا تھا' وہ سرتاپا قیامت تھی' اس کی ساحرانہ آنکھوں کے پردے نیم وا تھے' وہ مجھے ایسی مست نظروں سے دیکھ رہی تھی جنہوں نے مجھ پر بے خودی کا عالم طاری کر دیا تھا' میرا وجود ڈگمگانے لگا۔

بوڑھا کرشن میرے قدموں میں پڑا تھا۔ شاید اسی حسینہ کی آمد تھی جس کی خبر پا کر وہ دیوانگی کی کیفیتوں سے دو چار ہو رہا تھا۔ میں ہوش میں تھا لیکن میری قوت گویائی ختم ہو گئی۔ میں سب کچھ بھول کر صرف اس کے حسن کی نیرنگیوں میں گم ہو گیا۔ کتنے لمحے گزر گئے مجھے اس کا احساس نہیں ہوا۔ وہ ایک حسین شاہکار تھی' میں پوری طرح محو نظارہ تھا پھر اس کے بدن کو جنبش ہوئی تو ایسا لگا جیسے روشنی کی کوئی شعاع تھرا گئی ہو۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا' اپنا سیدھا ہاتھ بلند کر کے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور گھوم کر ایک درخت کی آڑ میں ہو گئی' فضا کے رنگ اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی یکدم ماند پڑ گئے۔ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ چند لمحے میں مبہوت کھڑا رہا پھر میں نے چونک کر بوڑھے کرشنا کو دیکھا جو میرے قدموں میں الجھا پڑا تھا' میں نے اس کے نحیف اور لاغر جسم کو ٹھوکر مار کر ایک طرف لڑھکایا' سحر زدہ انداز میں اس جانب بڑھنے لگا جس طرف وہ محبوبہ دلنواز مڑی تھی۔ پیڑ کی دوسری جانب پہنچ کر میرے اوپر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی' وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی' ایک پل میں نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ میں درختوں کے درمیان راستہ بناتا کچھ دور آگے گیا تو مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میں ان راستوں سے' ان درختوں کے آس پاس سے بارہا گزر چکا تھا لیکن وہاں کبھی مجھے کوئی عمارت نظر نہیں آئی تھی۔

میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے زمین کے اس وسیع اور عریض

خطے کو دیکھنے لگا جو ایک حسین چمن زار نظر آ رہا تھا۔ اس میں رنگ برنگے خوبصور پودوں کو بڑے سلیقے اور ترتیب سے لگایا گیا تھا' وہاں سبزے کا رنگ بھی قابل دید وہ حصہ کسی شاہی محل کا باغ نظر آ رہا تھا جس کے درمیان سے ایک روش بل کھاتی ہو اس بارہ دری تک چلی گئی تھی جو غالباً سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی تھی۔ بارہ دری کے عقب میں دودھیا رنگ کی ایک حسین عمارت سر بلند نظر آ رہی تھی۔ روش پر سرخ رنگ کی بجری موجود تھی جس سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں اس خوابناک ماحول کو' با دری اور عمارت کے حسن کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ میں نے ماضی میں دربدر اور شہرو شہروں کی خاک چھاننے کے دوران ایک سے ایک خوبصورت اور حسین عمارتیں دیکھ تھیں۔ ان تاریخی عمارتوں کی بھی سیر کی تھی جو روئے زمین پر سند کا درجہ رکھتی تھیں ان کا شمار عجائبات زمانہ میں کیا جاتا تھا۔ ریاست راجے پور کا شاہی محل بھی اپنی آب تاب کے معاملے میں کچھ کم نہیں تھا لیکن تعمیر کا جو حسین شاہکار اس وقت میری نگاہو کے سامنے موجود تھا وہ تمام سابقہ عمارتوں سے بدرجہا بلند اور اعلیٰ معیار کا تھا۔ شا اسے کیچو کے لئے دیوی اور دیوتاؤں نے اپنی ساحرانہ قوتوں سے بے مثال بنا دیا تھا۔

کیچو کا تصور ذہن میں ابھرا تو میں چونکا۔ کچھ دیر پیشتر جو حسینہ مجھے نظر آ تھی وہ کیچو نہیں تھی' پھر وہ کون تھی؟ کیا وہ کیچو تک میری رہنمائی کے لئے تخلیق کی گئی تھی یا کیچو ہی کا کوئی مختلف روپ تھی؟ نظر آنے کے بعد وہ میری نگاہوں سے اوجھل کیوں ہو گئی؟ اس نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیوں کیا تھا؟ کچھ دیر پیشتر میں نے بوڑھے کرشن سے کہا تھا کہ جب تک میں کچھ کام نہ نمٹا لوں کیچو کے پاس نہیں جاؤں گا لیکن اب کیچو کو جلد از جلد پالینے کی تڑپ مجھے مضطرب کر رہی تھی۔ میں ان درمیانی راستوں کو ایک جست میں پھلانگ جانا چاہتا تھا جو میرے اور اس کے درمیان حائل تھے۔ کرشن نے کہا تھا کہ وہ جب چاہے گی مجھے اپنے پاس بلا لے گی۔ میری خود سری اور سرکشی میرے کسی کام نہیں آ سکے گی' میں کھنچتا ہوا اس کے پاس چلا جاؤں گا۔

اس وقت میں اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ کیچو کو پالینے کا خیال مجھے دیوانہ کر رہا تھا۔ میں نے روش پر دوڑنا شروع کر دیا' بارہ دری کے قریب پہنچا تو پشت سے ابھرنے والی ایک مردانہ آواز نے میرے قدم جکڑ لئے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک سن رسیدہ شخص لاٹھی کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی' سر پر بال نام کی

کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی' اس کے ہاتھوں میں رعشہ تھا جو واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ عمر میں وہ کرشن سے کہیں زیادہ تھا لیکن اس کی آنکھیں روشن اور چمکدار تھیں۔ جثّے کے مقابلے میں اس کی آواز زیادہ جاندار تھی۔

''مہاراج' مجھے وشواس تھا کہ تم ایک نہ ایک دن ضرور آؤ گے' تم نے اس کے درشن میں بڑی دیر کر دی۔''

''کون ہو تم؟'' میں نے اسے ترچھی نظروں سے گھورا۔ اس کی مداخلت مجھے گراں گزری۔

''میں تمہارا سیوک ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''میرا نام مرلی ہے' نہ جانے کب سے تمہاری راہ تک رہا تھا' تم نے اپنے سیوکوں کی بڑی کڑی پریکشا لی' پر تم آ گئے۔''

''میں اس وقت کہاں ہوں؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔

''وہیں' جہاں تمہیں بہت پہلے ہونا چاہئے تھا۔'' اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ ''اس نے بھی بڑی دیر تک تمہارا انتظار کیا۔''

''وہ کہاں ہے؟'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''دھیرج مہاراج!'' اس نے مجھے صبر کی تلقین کی۔ ''وہ تمہاری ہے' کیول تمہاری' وہ بھی تمہاری طرح ویاکل ہے' تم اس سے ملو گے تو اس کا من بھی شانت ہو جائے گا' تم بھی من کی آشائیں پا لو گے۔'' مرلی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا' لاٹھی ٹیکتا ہوا آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ مجھے اس کی سست روی کھل رہی تھی۔ فضا میں کیچو کے جسم کی معطر مہک بسی ہوئی تھی' میں اسے پالینے کے نشے سے دوچار تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کہیں قریب ہی ہو گی۔ مجھے دور سے دیکھ کر اس کے سینے میں بھی طغیانی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہوگی' وہ بھی مضطرب ہو گی' اس کی حسین آنکھیں مجھے لامحدود فاصلوں سے بھی دیکھ سکتی تھیں۔ مجھے قریب دیکھ کر نہ جانے اس کی کیا حالت ہو' میری سرکشی نے اسے طویل عرصے تک انتظار کرایا تھا۔ وہ چاہتی تو اسی روز مجھے اپنے قدموں پر جھکا لیتی جب مجھے بڑی حویلی سے اٹھا لائی تھی لیکن میرے حصول کی خاطر اس نے طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ ایسے ملاپ کا انتظار کرتی رہی جس میں میری آمادگی بھی شرط ہو۔

مرلی میرا ہاتھ تھامے سفید عمارت میں داخل ہوا۔ وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے بیچ کمرے کی مناسبت ہی سے ایک بڑا حوض نظر آ رہا تھا' اس کا شفاف پانی دیکھ کر میرا دل چاہا کہ مرلی کا ہاتھ جھٹک کر اس میں چھلانگ لگا دوں۔ میں نے بہت عرصے سے صحیح معنوں میں غسل نہیں کیا تھا۔ ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی' اس جنگل میں اپنا اجلا تن کسے دکھاتا؟ اب اپنے بدن پر جمی گرد و میل کا احساس ستانے لگا میں جس سے ملنے جا رہا تھا اس کے حسب حال مجھ پر بھی تھوڑی بہت تیاری لازم تھی

''جی بھر کر اشنان کر لو مہاراج!'' مرلی نے مجھے مخاطب کیا' شاید اس نے میرے دل کی بات پڑھ لی تھی۔ ''اس کے پاس جاؤ تو اجلے من اور اجلے تن جاؤ۔''

میں نے مرلی کو جواب دینے کے بجائے حوض میں چھلانگ لگا دی۔ حوض کا پانی نیم گرم' ہلکا اور معطر تھا مجھے اپنے روئیں روئیں میں گدگدی کا احساس ہوا۔ جیسے میں ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ حوض کا پانی ہلکے ہلکے ہلکورے لے رہا تھا مجھ پر نشے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں پورے حوض میں تیرنے لگا۔ اپنے جسم کا میل رگڑ رگڑ کر صاف کرتا رہا' میری رگوں میں سنسنی دوڑ رہی تھی' خمار سا طاری ہو رہا تھا۔ میں تا دیر حوض میں نہاتا رہا' کبھی ڈبکی لگا کر کسی مچھلی کی طرح پانی کے اندر ہی اندر دور تک تیرتا چلا جاتا پھر سطح سے بلند ہو کر دوبارہ ڈبکی لگا دیتا۔ پانی مجھ سے اٹھکھیلیاں کر رہا تھا' میں پانی میں شڑاپ شڑاپ کرتا اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا جب دیر ہو گئی تو مرلی نے آواز دی۔

''مہاراج' اب باہر آ جاؤ' کچھ مجھے بھی اپنی سیوا کا موقع دو' تمہارے سواگت کے لئے کچھ سندر ناریاں بھی راہ دیکھ رہی ہیں۔''

میں حوض سے باہر آ گیا۔ میرا جسم روئی کے گالوں کی طرح ہلکا پھلکا ہو رہا تھا' برسوں کی تھکن چند لمحوں میں دور ہو گئی' مرلی نے میرے حوض سے باہر نکلتے ہی میرے جسم سے ٹپکتے پانی کے کچھ قطرے چلو میں لے کر اپنے منہ میں ڈالے پھر مسرت سے جھومنے لگا۔ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی' کیچو کے عشق میں حد سے گزرنا میرے لئے اب تعجب خیز نہیں رہا تھا۔ میں نے پنڈت ایشوری لال کو بھی کیچو کی مہک سونگھ کر' کرچھا نچا نچا کر رقص کرتے دیکھا تھا' سادھو دیوراج نے ایسی کوئی بچگانہ حرکت نہیں کی لیکن وہ بھی اسی کے گن گاتا تھا' میں بوڑھے کرشن کے جنون کا تماشا بھی دیکھ چکا تھا۔

''اب مجھے اس کے پاس لے چلو۔'' میں نے مرلی سے کہا۔ حوض سے باہر

نکل کر کیچو سے ملنے کا اشتیاق پھر میرے وجود میں ڈنک مارنے لگا۔

''جہاں اتنا انتظار کیا ہے' وہاں دو گھڑی اور صبر کر لو مہاراج!'' اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ پھر میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی تو معاً مجھے اپنی مادرزاد برہنگی کا احساس ہوا۔

''کسی بات کی چنتا نہ کرو مہاراج! میں جو تمہارے پاس ہوں' تمہارا سیوک۔'' وہ لکڑی ایک طرف اچھال کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ شاید میرے جسم سے گرے ہوئے پانی کے قطروں نے مرلی کے حلق سے نیچے اترتے ہی اس کے جسم میں اتنی توانائی پیدا کر دی تھی کہ لکڑی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

میں مرلی کے ساتھ سفید پتھروں کی اس عمارت کے مختلف کمروں سے گزرتا رہا۔ ہر کمرے کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ میرے پاس ان کی منظر کشی کے لئے مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ میرے اوپر نشے کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں پہنچ کر مرلی نے خود اپنے ہاتھوں سے میرے سر اور داڑھی کے بڑھے ہوئے بالوں کو خوبصورتی سے تراشا' پھر کوئی ایسا محلول استعمال کیا جس نے میرے اندر تازگی بھر دی' توانائی کی ایک نئی لہر اٹھی اور میری نس نس میں دوڑنے لگی۔ وہ میرے جسم کی نوک پلک کو بڑی توجہ اور عقیدت سے سنوارتا رہا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا ایک کپڑا میری کمر کے گرد لپیٹ دیا' دور ہٹ کر مجھے مختلف زاویوں سے دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔

''تم۔'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔ ''تم رو رہے ہو؟''

''ہاں مہاراج!'' اس کے ہونٹوں پر آسودہ تبسم ابھرا' ہاتھ باندھ کر بولا۔ ''یہ بھی اپنے اپنے نصیب کی بات ہے' وہ تمہاری سیوا کے لئے کسی دوسرے سیوک کو بھی یہ موقع دے سکتی تھی پرنتو اس نے میرا چناؤ کر کے میرا مان بڑھا دیا' میری برسوں کی تپسیا سوئیکار ہو گئی۔ اب جیون میں کوئی آشا باقی نہیں رہی۔ ساری منو کامنائیں پوری ہو گئیں اب جینے میں کوئی مزا نہیں رہا' تم اس بھید کو ابھی نہیں سمجھ سکو گے' میرے پاس بھی وہ شبد نہیں جو میں تمہیں سمجھا سکوں۔''

''کیا تم نے کبھی اس کا درشن نہیں کیا؟''

''نہیں مہاراج!'' وہ دھاڑیں مارنے لگا۔ ''اس کا درشن میرے مقدر میں نہیں

تھا' اس نے کیول تمہیں پسند کیا ہے' کسی اور کو درشن کس طرح دے سکتی تھی؟ ا
پیار بھی اسی کی طرح امر ہے۔ میرے لئے یہ بھی بڑے مان کی بات ہے کہ اس
تمہارے درشن کرا دیئے' مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہو تو مجھے شما کر دینا۔'' اس نے میر
سامنے زمین پر گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑ لئے۔ ''اس سے ملنا تو میرا پرنام بھی کہہ
میری آتما بھی تمہارا یہ ابکار ہمیشہ یاد رکھے گی۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' میں نے لپک کر اس کو شانوں سے پکڑ لیا۔
تم اس کے دوار تک میری رہنمائی نہیں کرو گے؟''

''نہیں مہاراج!'' وہ سسکنے لگا۔ ''میری حد بس یہیں تک تھی' اس سے
پگ اٹھانے کی آگیا کبھی نہیں ملی مجھے۔''

''پھر۔ مجھے اس کے پاس کون لے جائے گا؟'' میں نے وحشت میں ا
جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔

''اس کی داسیاں مہاراج۔'' اس نے ہچکیاں لینی شروع کر دیں۔ ''و
تمہاری راہ تک رہی تھیں' چنتا مت کرو' وہ تمہارا ایسا سواگت کریں گی کہ کبھی بھلا نہ
گے' ابھی تو تمہارے آنے کی خوشی میں بھینٹ دی جائے گی۔ کاش' کاش' میں بھی
سب کچھ دیکھ سکتا۔''

''تم میرے ساتھ رہو۔'' میں نے اس کی دلجوئی کی خاطر کہا۔ ''مجھے وشو
ہے کہ میرے ساتھ ہونے پر وہ تمہیں روکے گی نہیں۔''

''دھن ہو مہاراج' دھن ہو' تم نے بھی میرا مان بڑھا دیا۔'' وہ اٹھ کر خ
سے ناچنے لگا' نہ جانے اس کے جسم میں اچانک اتنی قوت کہاں سے آگئی تھی۔ ''
بڑے دیالو ہو' بڑے مہان وچار ہیں تمہارے' اسی لئے تو اس نے دھرتی پر کیول تمہ
پانے کی آشا کی ورنہ.....''

مرلی کچھ کہتے کہتے رک گیا' ناچنا بند کر کے خلاؤں کو گھورنے لگا' اس
چہرے پر کرب کے تاثرات ابھر کر گہرے ہونے لگے' ایک لمحے تک وہ ادھر ادھر د
رہا پھر اس کی نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں' ان نگاہوں میں میرے
عقیدت ہی عقیدت تھی۔

''مرلی۔'' میں کسی خیال سے چونکا۔ ''تم ناچتے ناچتے رک کیوں گئے۔ تم

اپنا جملہ ادھورا کیوں چھوڑ دیا؟ تم کیا کہنا چاہ رہے تھے؟''

''میرے من میں میل آگیا تھا مہاراج!'' وہ سرتاپا لرزنے لگا۔ اس کا بوڑھا
استخوانی جسم کھڑکھڑانے لگا۔ ''مجھے شما کر دینا' میں نے اگر من میں آنے والے پاپ کا
پرایچت کرنے میں دیر کر دی تو دیوی دیوتا بھی مجھے شما نہیں کریں گے۔'' وہ اپنا منہ
پیٹنے لگا۔ ''جانے کیوں جیون کے آخری موڑ پر پہنچ کر میرے قدم ڈگمگا گئے۔ میرے
کارن اس سے بنتی کرنا مہاراج کہ وہ اپنے سیوک کی بھول کو معاف کر دے' میں بڑا
ابھاری ہوں گا۔''

پھر قبل اس کے کہ میں اس سے کچھ کہتا' کچھ پوچھتا وہ چکرا کر فرش پر گر
کے لوٹنے لگا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پوری شدت سے اپنے گلے پر جما رکھے تھے'
میں اسے بچانے کی خاطر لپکا مگر اس کا وقت پورا ہو چکا تھا' اس کی آنکھیں حلقوں
سے ابل کر باہر آگئیں۔ جسم سرد ہو کر ایک طرف ڈھلک گیا پھر حیرت انگیز طور پر
تیزی سے سکڑنے لگا۔ مجھے اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا' مرلی کے اکڑے ہوئے
جسم نے سمٹتے سمٹتے ایک نقطے کی شکل اختیار کی پھر وہ نقطہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

میں انگشت بدنداں کھڑا تھا جب کسی نے پشت سے میرے شانے پر ہاتھ
رکھا۔ میں چونک کر پلٹا تو مرلی کے مرنے کا سوگ خواب بن گیا۔ میں اس حسینہ کے
حسن کے نظاروں میں گم ہوگیا جو میری نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں
پر مسکان تھی' اس کی نگاہوں میں مستیاں رقص کر رہی تھیں۔ اس کے جسم سے پھوٹنے
والی تیز خوشبو میرے ہوش اڑا رہی تھی۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے اسے
پوری توجہ سے دیکھا' وہ اس لڑکی سے مختلف تھی' جو مجھے پہلے نظر آئی تھی' وہ بھی کچھ نہیں
تھی مگر اس کے قرب کی تپش مجھے اندر ہی اندر پگھلا رہی تھی' میرے جسم پر جیسے
چیونٹیوں کی فوج نے یلغار کر دی' مجھے ایسا لگا جیسے زمین میرے قدموں تلے کھسک رہی
ہو' وہ نگاہوں سے بجلیاں گرا رہی تھی' میں پاش پاش ہو رہا تھا۔

''سنبھلو مہاراج!'' اچانک اس حسینہ کے یاقوتی ہونٹوں کو جنبش ہوئی' فضا
جلترنگ کی آواز سے گنگنانے لگی۔ ''میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''کون ہو تم؟'' میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کی۔ میرے
ذہن میں مرلی کے جملے گونجنے لگے۔ اس نے کہا تھا کہ کبھو میرا خیر مقدم میری توقع

سے بڑھ کر کرے گی۔ میرے آنے کی خوشی میں قربانیاں پیش کی جائیں گی' قدم
پر مجھے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ ایک ذرا سی لغزش اس کے ماتھے پر شکن بن کر
سکتی تھی' مجھے اس کی ناراضی منظور نہیں تھی۔ میں نے خود کو بروقت سنبھال لیا'
نظروں سے اس حسینہ دلنواز کو دیکھنے لگا جس کی نگاہوں کا سحر میرے وجود کو گرما
پگھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں اس کی داسی ہوں جس نے تمہیں پسند کیا ہے۔'' اس نے دلبرانہ ا
میں کہا۔

''وہ کہاں ہے۔؟'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تمہارے انتظار میں پلکیں بچھائے بیٹھی ہے۔ تمہارے اور اس کے ملا
میں بس چند گھڑیاں باقی رہ گئی ہیں۔''

''تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔'' میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔'' وہ بڑی حسرت سے بولی۔

''پھر۔؟'' میں نے بے رخی کا اظہار کیا ''تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟''

''پتنگے چراغ کی لو پر کیوں منڈلاتے ہیں مہاراج؟ کیا تم نہیں جانتے؟''
اپنا جملہ مکمل کرتے ہی بے اختیار آگے بڑھی' اس نے اپنی مرمریں باہیں میرے
میں ڈال دیں۔ میں نے اس کی غزالیں آنکھوں کی مستیاں اچانک غائب ہو
دیکھیں' اب وہاں ہلکی ہلکی آگ سلگ رہی تھی' میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس آگ
بھڑک کر شعلوں کا روپ اختیار کر لیا۔ میں اچھل کر اس سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا'
پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' وہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی' اس کے چہر
سے کسی کرب کا اظہار نہیں پھوٹا۔ کرب کے برعکس وہ نادیدہ لذتوں سے دوچار
آنکھیں بند کئے اپنے گداز ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی' سسکارتی رہی۔

میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا میں نے نگاہیں پھیر لیں' اپنا رخ بدل ل
آگ کے بھڑکتے شعلے مجھے دیواروں پر لرزتے کپکپاتے نظر آ رہے تھے۔ چند لمحے ف
سوگوار رہی پھر خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا تو میری وحشتیں یکلخت دور ہو گئیں۔ میں
پلٹ کر دیکھا' کمرے میں میرے سوا کوئی اور نہیں تھا' میں زیادہ صبر نہ کر سکا۔

''کیچو۔'' میں نے اسے دل کی گہرائیوں سے آواز دی۔ ''اب ان کھیل

تماشوں کی ضرورت نہیں' جو قربانی پیش کی گئی وہی بہت ہے۔ تو جانتی ہے کہ میں
زبردستی نہیں آیا' میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں ہار گیا' تیرا پیار جیت گیا' اب درمیان کے
تمام پردے سرکا دے۔ اس سحر کو توڑ دے جو ہمارے درمیان دیوار بن کر حائل ہے۔
میرا ذہن سلگ رہا ہے' میرے اندر تاب انتظار نہیں رہی۔ تو بھی میرے قرب کی خاطر
بے چین ہو گی' میں اپنی آمادگی کا ثبوت دینے تیرے شبستان تک آ گیا' تو بھی سامنے
آ کر انتظار کی گھڑیاں ختم کر دے۔

میری آواز صدائے بازگشت بن کر کمرے میں گونجتی رہی' میں خاموش ہوا تو
ہر طرف نغمے گونج اٹھے' گھنٹیاں بجنے لگیں' کیسر اور لوبان کی خوشبو پہلے کے مقابلے میں
اور تیز ہو گئی۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ اس نے میری آواز سن لی تھی۔ میں اپنی جگہ
جما کھڑا رہا' مجھے اس کی آمد کا انتظار تھا' میں نے اسے دل کے سچے جذبوں سے آواز
دی تھی' اگر وہ میری سچی شیدائی تھی تو میری بے چینی اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ
سکتی تھی۔ وہ دور بیٹھی میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی ہو گی' مجھے آمادہ دیکھ کر
اس کے وجود میں بھی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہوں گی' موجیں سرکشی سے سر ابھار رہی
ہوں گی' ایک ہلچل سی مچی ہو گی۔

میں اس کے سامنے آنے کے انتظار میں نگاہوں کے زاویے بدلتا رہا پھر میں
نے در و دیوار سے اودے' سیاہ' سفید اور مٹیالے بادلوں کو روئی کے نرم گالوں کی طرح
ابھرتے دیکھا۔ کمرے میں رچی بسی تیز مہک اور جلترنگ کی آواز بڑی خوابناک تھی'
میں اس کے خیال سے سرشار تھا۔ بادلوں نے حجم بڑھانا شروع کیا' مجھے سردی کا
احساس ہوا' میں نے کیچو کو دوبارہ آواز دینے کے بارے میں غور کیا' بادلوں کی دھند
پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی' ایک ایک کر کے ہر چیز اس میں مدغم ہوتی
چلی گئی' میرے ذہن پر غنودگی کا تیز غلبہ طاری ہوا' میری آواز حلق میں گھٹ گئی' سر
چکرانے لگا' میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن چکرا کر فرش پر گرا......پھر

میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو سفید پتھروں کی وہ عمارت جہاں میں کھڑا
تھا غائب ہو چکی تھی۔ میں ایک مرغ زار میں سبزے پر بیٹھا ہوا تھا' میرے بائیں
جانب ایک خوبصورت جھیل تھی' ہر طرف خوش رنگ' خوش نما پھول ڈالیوں پر جھوم رہے
تھے' زمین پر سبزے کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ فضا معطر تھی' آسمان پر چاند پوری آب و

تاب سے چمک رہا تھا' اس کی کرنیں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔

وہ شاید جنت کا کوئی ٹکڑا تھا جو زمین پر اتر آیا تھا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں
اس کی خوبصورتی کو دیکھ رہا تھا جب یکلخت میرے دل کی دھڑکنوں میں طوفان
کیفیت پیدا ہوئی۔ اپنی پشت پر کسی آہٹ کی آواز سن کر میں تیزی سے پلٹا تو میر
وجود میں ہلچل پیدا ہوگئی۔ ہلکی ہلکی دھند کے باوجود میں نے اس کے سراپا کو دیکھ لیا
میری طرف آ رہی تھی' خراماں خراماں' روش کو قدموں تلے روندتی ہوئی۔ نگاہوں کا
جگاتی' ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرے۔ میں نے اسے شناخت کرنے میں کوئی غلطی نہیں
وہ وہی لڑکی تھی جو بوڑھے کرشن پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہونے کے بعد مجھے نظر
تھی پھر نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

میں پوری توجہ سے اسے دیکھتا رہا' اس کے چاندی جیسے چمکتے دمکتے جسم
سفید ریشمی کپڑا مچل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا ہار تھا' شاید کیچو نے ا
میرے استقبال کی خاطر بھیجا تھا' اس کا رخ میری جانب تھا' جیسے جیسے میرے اور
کے درمیان فاصلہ گھٹتا گیا' اس کے جسم سے پھوٹنے والی مہک تیز ہوتی گئی' میں پلک
جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا' مجھے اندیشہ تھا کہ اگر پلک جھپکی تو وہ پھر چھلاوہ بن
نظروں سے اوجھل ہو جائے گی' لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔

وہ قریب پہنچ کر ایک ادا سے بل کھا کر میرے برابر بیٹھ گئی' اس کی آنکھ
میں تارے جھلملا رہے تھے' اس کے حسن کی چکاچوند میری نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھ
اس کے قرب کے احساس نے میرے اعصاب پر کمندیں ڈالی دیں۔ اس کے خم
گیسو سبزے پر مچل رہے تھے' وہ اپنی دراز پلکوں کو وا کئے مجھے بڑی نشیلی نظروں
دیکھ رہی تھی۔ میں محو حیرت تھا' اس نے اپنا مرمریں ہاتھ بلند کیا' پھولوں کا ہار میر
گلے میں ڈالا تو میں یکلخت سنبھل گیا۔

''تم کون ہو۔؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اسے کریدا۔ ''میں
کیچو کو آواز دی تھی۔''

وہ جواب میں مسکرا دی' اس کے ہونٹوں کی پنکھڑیاں کپکپانے لگیں' اس
نظریں میرے چہرے پر مچل رہی تھیں' ان نگاہوں میں مستیوں کے جام ٹکرا رہے
ساغر چھلک رہے تھے' سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ میری وحشتیں دوچند ہوگئیں' وہ

جسارت کا مظاہرہ کر رہی تھی' میں ڈر گیا' اس سے نظریں چرانے لگا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ
کہیں وہ بھی جل کر راکھ نہ ہو جائے' اس کا حسن اپنا جواب آپ تھا۔ اس سے پیشتر
میں نے اتنا بھرپور جسم' اتنی حسین صورت' اتنے دلکش خدوخال کبھی نہیں دیکھے تھے' میں
اس کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا تھا' میرے اعصاب چٹخنے لگے' میں نے منہ
پھیرے پھیرے دل پر جبر کر کے اس سے کہا۔

''اگر تم اس کی جانب سے میرے استقبال کی خاطر آئی ہو تو تمہارا کام پورا
ہوگیا' اب واپس لوٹ جاؤ' مجھے تمہارا نہیں اس کا انتظار ہے' وہ جانتی ہے کہ میں کون
ہوں' تم میرا سمے برباد نہ کرو' اس سے جا کر کہو کہ میں اب زیادہ دیر اس کا انتظار نہیں
کر سکتا۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا' شاید کیچو نے اس کی زبان پر تالے ڈال رکھے
تھے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا' وہ بدستور اشتیاق بھری نظروں سے مجھے گھور رہی تھی' شاید
مرنے سے پہلے وہ دل بھر کر مجھے دیکھ لینے کی متمنی تھی۔ سر ہتھیلی پر رکھے بیٹھی تھی' میں
نے دوبارہ اسے ایک ممکنہ خطرے سے آگاہ کرنا چاہا تو وہ کھل کھلا کر ہنس دی۔ پھر اس
کی مانوس آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی تو میں حیرت زدہ رہ گیا' اس آواز کو میں
لاکھوں میں پہچان سکتا تھا' میرے کانوں میں جلترنگ بجنے لگے' اس نے میرا اصلی نام
لے کر مجھے مخاطب کیا تھا' وہ خوابیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میر جمشید عالم! تم نے آنے میں دیر کی مگر مجھے خوشی ہے کہ تم آ گئے۔''

میں سکتے کے عالم سے دوچار تھا' پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری بات کا وشواس کرو موہن' میں ہی تمہاری کیچو ہوں۔'' اس نے بڑی
لگاوٹ سے کہا پھر اپنے بازو پھیلائے۔ مجھے ضبط کا یارا نہیں رہا۔ میں نے بے اختیار
پوری شدت سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا' مجھ کسی بات کی سدھ بدھ نہ رہی' وہ
میری آغوش میں سمٹ کر کسمسانے لگی' میں اس میں ڈوبتا چلا گیا۔!

☆......☆......☆

دوبارہ میرے حواس بیدار ہوئے تو مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا' مجھے
اپنی آنکھوں پر شبہ ہوا' وقت کی ایک ہی کروٹ برسوں کی دشت نوردی کی تھکان دور کر
دے گی۔ مجھے اس کا گمان بھی نہیں تھا' مجھے کرشن یاد آ گیا' اس نے کیچو کی آمد کو صرف

محسوس کیا تھا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ اس وقت اگر وہ مجھے اور کیچو کو ایک جان قالب کی کیفیتوں سے دو چار دیکھتا تو شاید اس کا کلیجہ خوشی سے پھٹ جاتا' جانے وہ کیا کر گزرتا' خود میں بھی بے یقینی کی حالت سے دوچار تھا' شاید کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہا تھا۔

میں نے تصدیق حال کی خاطر آنکھیں موند لیں۔

"میں سمجھ رہی ہوں موہن۔" اس کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ "تمہیں اب سے بیت جانے کا پچھتاوا ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے آنکھیں کھول کر اسے والہانہ نظروں سے دیکھا۔ "کرشن کہتا تھا کہ تم جب چاہو گی میں کچے دھاگے سے بندھا تمہارے پاس کھنچتا چلا آؤں گا تم نے مجھے بلانے میں دیر کیوں کر دی؟"

"جسے من کی گہرائیوں سے چاہا جائے اس کے ساتھ زور و زبردستی نہیں کی جاتی۔" اس کی نیلگوں آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹنے لگے۔

"تمہیں میری سرکشی پر کبھی غصہ نہیں آیا؟"

جواب میں اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کی' دراز انگلیوں سے میرے بالوں میں کنگھا کرنے لگی' میرا سر اس کے زانوں پر رکھا تھا باقی جسم سبزے پر بکھرا ہوا تھا' میں دیر سے بیدار ہوا تھا' دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا' سورج کی کرنیں جھیل کے پانی سے منعکس ہو کر پھلجھڑیاں چھوڑ رہی تھیں' وہ منظر ناقابل بیان تھا۔ میں بار بار پلکیں جھپکاتا رہا' وہ میرے بالوں سے کھیلتی رہی' اس کی زلفیں میرے چہرے پر سایہ فگن تھیں۔ تاحد نظر سبزہ ہی سبزہ تھا' دیوقامت درخت سر اٹھائے خاموش کھڑے ہماری نگہبانی کر رہے تھے۔ میں ایک ایک منظر کو نگاہوں میں سموتا رہا۔ وہ گردن جھکائے بیٹھی میری وحشتوں کا تماشہ دیکھتی رہی' اس کے گداز ہونٹوں پر دل آویز تبسم کھیل رہا تھا۔ بیتی ہوئی رات کے ٹوٹے خمار کی تلچھٹ ابھی تک اس کی مخمور نگاہوں میں موجود تھی۔ میں آہستہ سے اٹھ بیٹھا' وہ اپنا بدن سمیٹنے لگی۔

میں نے اس کے ریشمی بال چھو کر دیکھے' اس کے بازوؤں پر گال رگڑنے لگا' اس کے شفق زار رخساروں کو ہاتھ کی ہتھیلیوں میں لیا تو اس کے ہونٹوں کے گلاب کھل اٹھے۔ اس کے انگ انگ سے پھوٹنے والی مہک اور تیز ہو گئی' وہ خواب نہیں حقیقت

تھی۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا' اسے چھو سکتا تھا۔ گدگدا سکتا تھا۔ دور و نزدیک ہمارے سوائے کوئی اور نہیں تھا جو ہمارے درمیان حائل ہوتا' اس نے رات جس انداز میں خود کو مجھے سونپا تھا میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ وہ لازوال قوتوں کی مالک تھی' دنیا کے کونے کونے میں اس کے سیوک اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھے تھے' اس کے نام کی مالا جپ رہے تھے۔ اسے پا لینے کی تمنا میں آس لگائے لگائے زندگی کی قید سے آزاد ہو رہے تھے' انہیں مرنے کا ملال نہیں ہوتا تھا' اسے پالینے کی حسرت ان کی زندگی کا سرمایہ تھی' وہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں دلوں کی ملکہ تھی۔ کرشن نے اسے پانے کی خاطر زندگی کے اسی طویل برس گزار دیے تھے۔ مرلی نے آخری منزل پر پہنچ کر موت کی وادیوں میں چھلانگ لگا دی۔ کرتھے والا پنڈت ایشوری شاید ابھی تک فضاؤں میں اس کی خوشبو سونگھنے کی خاطر بھٹک رہا ہوگا۔ سادھو دیوراج کہتا تھا کہ میں اسے ساتھ رکھوں' نہ جانے کون کون' کہاں کہاں اس کے عشق میں زندگی کی منزلیں طے کر رہا تھا لیکن اس وقت وہ صرف میری تھی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار عود کر ابھرنے والی چمک اس بات کی دلیل تھی کہ وہ صرف میری ملکیت تھی۔ میرے دائرہ اختیار میں تھی' نہ ہوتی تو اس طرح مجھے اپنا آپ نہ سونپتی۔ صرف میں ہی اس کے خیالوں' اس کی نظروں' اس کی سوچوں کا مرکز و محور تھا' وہ میرے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں سوچ سکتی تھی۔

ہم درختوں کی گھنی چھاؤں میں بیٹھے آنکھوں کی زبانی دل کے احوال ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ پتوں سے چھن چھن کر آنے والی سورج کی کرنیں ہم پر نچھاور ہو رہی تھیں۔ میری آنکھیں اسے تکتے تکتے تھک جاتیں تو میں انہیں موند لیتا' وہ عالم وارفتگی میں میری آنکھوں کے پپوٹے سہلانے لگتی' وہ صرف میرے لئے تخلیق کی گئی تھی' میں اس کا مختار تھا۔ رات اس کی خودسپردگی کی کیفیتیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ اس نے مجھے کتنی شدت سے چاہا تھا' کتنی بے چینی سے میرے انتظار میں اپنے شب و روز گزارے ہوں گے۔

آنکھیں بند کئے کئے اچانک مجھے اپنے بھائی سکندر کا خیال آ گیا' یاسمن کی حسرت ناک موت میرے ذہن میں کلبلانے لگی۔ اپنے در بدر ہونے کا احساس ڈنک مارنے لگا۔ چچا کی طوطا چشمی کا تصور ڈسنے لگا' میں نے اس سے بارہا ان باتوں کی وجہ

دریافت کی تھی' جواب میں اس نے کہا تھا کہ جب وہ مجھ سے ملے گی تو سب بتا دے گی۔ میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی' اس وقت وہ میرے بہت قریب تھی' اس کی گرم گرم اور معطر سانسیں میرے گالوں کو گدگدا رہی تھیں۔ میں سوچا کیوں نہ اس سے اپنے خاندان کی بربادی کا سبب پوچھ لوں مگر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا' مجھے اس بات کا ڈر بھی تھا کہ کہیں وہ برہم نہ ہو جائے روٹھ کر مجھ سے منہ نہ پھیر لے' وہ خفا ہو جاتی تو میرے حسین خواب کے شیرازے بکھر جاتے' ایک بار پالینے کے بعد میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا' اب اس کے قرب کا سرمایہ ہی میرے لئے جینے کا سہارا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ اس سے کوئی جواب نہ طلب کیا جاتا' اس کی خفگی میرے لئے سوہان روح بن سکتی تھی' یوں بھی اس کا مرتبہ بلند تھا۔ حسن میں اپنی ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اس کا بدن سونے کا تھا۔ اس کے خدوخال کو کسی نایاب انمول ہیرے کی طرح تراشا گیا تھا' وہ قدرت کا ایک حسین شاہکار تھی جسے فرصت میں بڑی توجہ سے تخلیق کیا گیا تھا۔ اس کے پاس کیا نہیں تھا؟ پھولوں کی بھینی بھینی مہک' رنگ و روپ' جسم قیامت اور ہیجان خیز گداز' آواز کی مترنم موسیقی' بہکی بہکی سانسوں کا خمار' ہونٹوں کا سوم رس' نگاہوں سے چھلکتی شراب' آغوش کی گرمی' لمس کی لذت' اس کا سارا بدن کندن تھا وہ حسن اور خوبصورتی کا ایک انمول مجسمہ تھی۔ اس کی زلفوں میں زندگی کی حلاوتیں بل کھاتی تھیں' اس کے تبسم میں سحر تھا۔ اس کی پلکوں میں جادو تھا' اس کا انگ انگ قیامت تھا۔

''کن وچاروں میں گم ہو موہن؟'' اس نے مستی بھری مدھم آواز میں پکارا تو میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں مسرتوں کے دیپ روشن تھے۔

''کیا میں تمہیں کیچو کے علاوہ کسی اور نام سے نہیں پکار سکتا؟'' میں نے اس کی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

''تم جس نام سے چاہو آواز دے سکتے ہو' تمہیں میری ذات پر پورا پورا ادھیکار ہے۔'' اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ ''میں کیول تمہاری ہوں۔''

''اگر میں تمہیں آشا کہوں؟''

''میں آشا کے روپ میں بھی تمہیں کبھی نراش نہیں کروں گی۔'' اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

''تم کون ہو؟'' میں نے اسے مکمل کھوجنے کی ٹھان لی۔

''تمہارے دل کی دھڑکن۔'' وہ بڑے پیار سے بولی۔ ''تم شریر ہو' میں آتما' ہمارا جنم جنم کا ساتھ ہے۔''

''یہ سمبندھ کبھی ٹوٹے گا تو نہیں؟'' میں نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

''یہ مت پوچھو موہن۔'' وہ ایک لمحے کو اداس ہو گئی۔ ''جیون نیا کب کسی بھنور میں پھنس کر ڈوب جائے یہ کوئی نہیں جانتا۔''

''تم جانتی ہو۔'' میں مچلنے لگا۔ ''کرشن نے یہی کہا تھا کہ تمہیں دیوی دیوتاؤں نے جنم دیا ہے' تم بھوش کا حال جانتی ہو۔ مرلی کی حسرت ناک موت بھی میرے پیش نظر ہے۔ سادھو دیوراج کہا کرتا تھا کہ تمہاری شکتی اپرم پار ہے' تمہاری پلکوں کی جنبش کایا پلٹ سکتی ہے' کرشن نے مجھے وشواس دلایا تھا کہ تم مجھے ایسی شکتی دان کر سکتی ہو جو دھرتی پر کسی کو نہیں ملی ہو گی۔''

''کرشن نے غلط نہیں کہا تھا۔'' وہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ''مرلی کی موت بھی میری پلکوں کا ایک اشارہ تھی' تمہیں دیکھ لینے کے بعد وہ خوشی میں دیوانہ ہو گیا تھا' دیوانگی کے عالم میں اس کے من میں میل آ گیا' میں نے اس کا جیون دیپ بجھا دیا۔''

''میں نے تم سے اپنے اور تمہارے سمبندھ کے بارے میں پوچھا تھا۔'' میں اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''مجھے وچن دو' تم اب کبھی مجھ سے دور نہیں رہو گی ایک پل کے لئے بھی۔''

''ایسی باتیں مت پوچھو موہن!'' اس نے اپنے گداز ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیئے' میرے شانے پر سر رکھ کر کہا۔ ''ابھی تو ہمارے ملاپ کو دو گھڑی بھی نہیں بیتی' تم نے آنے میں دیر کیوں کر دی تھی؟'' اس نے شکوہ کیا۔ ''میں تو ایک جنم سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔''

''حالات کی ستم ظریفیوں نے میرے راستے کھوٹے کر دیئے تھے' وقت کی گردش آڑے آتی رہی۔'' میں ماضی کے پیچ و خم میں الجھتے الجھتے سنبھل کر بولا۔ ''کلکتہ میں دریائے ہگلی کے پل پر اگر تم نے مجھے سہارا نہ دیا ہوتا تو میں اب تک ڈوب چکا

ہوتا۔"

"تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میرے کارن تمہارے ماتا پتا کام آ گئے تمہاری سندر بہن نے خود کو سولی چڑھا لیا تھا۔" اس نے جھکی جھکی نظروں سے میرے زخموں کو کریدا' اس کے انداز میں تاسف تھا' شرمندگی تھی' مجبوری کا احساس تڑپ رہا تھا۔

میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔

"منش کو بہت کچھ پانے کے کارن کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔" وہ کچھ توقف سے بولی۔ "دیوتاؤں کو راضی کر لینے کی خاطر بھینٹ دینی پڑتی ہے۔ بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' اپنے من کی شانتی کھوجنے کے لئے کبھی کبھی دوسروں کو بیاکل کرنا مجبوری بن جاتا ہے۔ سنسار کے گلی کوچوں میں یہ کھیل آئے دن کھیلا جاتا ہے' منش منش کے خون کا پیاسا بن جاتا ہے' کبھی دھن کا نشہ اسے اندھا کر دیتا ہے' کبھی اونچائی پر پہنچنے کی اچھا اسے انسان سے جانور بنا دیتی ہے۔ وہ راستے کی تمام رکاوٹوں کو پھلانگ جانے کی خاطر اپنے اور پرایوں کو بھی نہیں دیکھتا' چرنوں تلے روند ڈالتا ہے۔ یدھ اور پریم میں پاپ اور پن کا دھیان نہیں رہتا۔" وہ بولتے بولتے خاموش ہوئی' میں حیرت سے اسے تکتا رہا۔

"تمہیں پانے کے لئے میں بھی دیوانی ہو گئی تھی۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرا وشواس کرو موہن' مجھے اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ دیوی اور دیوتا تمہارے بدلے میں ایک پریوار کو ختم کرنے کی شرط رکھیں گے تو شاید میں اپنا من مار لیتی لیکن میں انہیں وچن دے چکی تھی' اپنا دیا ہوا وچن واپس نہیں لے سکتی تھی' اس کے بعد جو بھی ہوا وہ تم جانتے ہو۔" اس نے یکلخت ہاتھ باندھ لئے' اس کی نگاہوں میں آنسوؤں کے موتی جگمگا اٹھے' ہونٹوں کی پنکھڑیاں کپکپانے لگیں۔ "مجھے شما کر دو موہن! تمہارے پیار نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میں نے تمہیں پانے کی خاطر دھرم کی پرواہ بھی نہیں کی تھی' دیوتاؤں نے مجھے اس کارن تمہارے پریوار کو......"

"بھول جاؤ آشا......" میں نے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا' اس کے رخساروں کے گداز پر بوسے نچھاور کرتے ہوئے کہا۔ "قسمت میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو گیا' اب ان باتوں سے دل آزاری نہ کرو' جانے والے لوٹ کر تو نہیں آئیں گے۔"

"سچ کہو موہن!" وہ میرے بازو چومتے ہوئے بولی۔ "تم مجھ سے ناراض تو نہیں؟"

"میں نے کرشن کے غار میں ایک سپنا دیکھا تھا۔" میں نے اس کی پیشانی پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بات کا رخ بدلا۔ "جو سندر ناری میرے ہاتھ لگانے سے جل کر خاک ہو گئی اس نے کہا تھا کہ میرا بھائی......"

"اس نے سچ کہا تھا۔" اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ "تم نے جو سپنا دیکھا وہ غلط نہیں تھا' تمہارا بھائی سکندر زندہ ہے' اس نے تم سے جو کچھ کہا وہ سب سچ تھا۔" پھر وہ اداس ہو گئی۔ "جب تم یہاں سے واپس جاؤ گے تو خود اپنی نگاہوں سے دیکھ لینا۔"

"نہیں' اب ایسا مت سوچو۔" میں نے اسے پوری شدت سے بانہوں کے حصار میں بھینچ لیا۔ "اب میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا' مجھے وچن دو آشا۔ تم دوبارہ میری واپسی کی بات کبھی نہیں کرو گی۔"

"میرا سانس گھٹ رہا ہے موہن۔" وہ میری بات کا جواب دینے کے بجائے کسمسانے لگی تو میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش اور تیز ہو گئی' میں نے ایک لمحے کو اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا' وہ میری آغوش سے نکل کر سبزے پر دراز ہو گئی' تنفس کی رفتار نے اس کے جسم کی حرکتوں میں اضافہ کیا' میں ہوش کھو بیٹھا' دیوانوں کی طرح لپک کر پھر اسے دبوچ لیا' وہ بھی تشنہ تھی' اس کے حسین بازوؤں کا حلقہ بھی تنگ ہونے لگا' ہم دونوں پر جنون طاری تھا' پھر کون کسے ہوش دلاتا؟

☆......☆......☆

فرزانہ لائبریری ڈیپو بینڈ ریکارڈنگ سفر

محمد جاوید ... احمد والی

وقت کا پنچھی ہوا کے دوش پر اپنے پنکھ پھیلائے تیزی سے اڑتا رہا۔ مدہوشی کے عالم میں ہوش کی باتیں نہیں کی جاتیں' ہم دونوں کا یہی حال تھا جیسے جیسے میں اس کے نظاروں میں ڈوبتا جا رہا تھا ویسے ویسے نت نئے راز منکشف ہو رہے تھے۔ اس نے مجھے پانے کی خاطر بہت سارے دکھ جھیلے تھے' اپنے لوگوں سے رشتے ناتے سب توڑ لئے تھے' اس جتھے سے الگ کر دی گئی تھی جس کے درمیان اس نے آنکھ کھولی تھی' اس پر روز اول سے بس ایک ہی دھن سوار تھی' کسی نہ کسی طرح مجھے پالینے کا سودا اس کے سر میں سما گیا تھا۔ دیوی دیوتاؤں نے اس کی خواہشات کے آگے بند باندھنے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔ اسے رنگ و نسل کا فرق سمجھایا' سفید و سیاہ کی تمیز سے آگاہ کیا گیا' ہمارے درمیان سب سے بڑی فصیل مذہب کی تھی' وہ اسے بھی پھلانگنے کو آمادہ ہوگئی تو میرا اس کا ملاپ مشروط کر دیا گیا' ماورائی قوتوں کا خیال تھا کہ وہ اپنی ضد سے باز آجائے گی' اس نے دل پر جبر کر کے وہ سب کچھ کیا جو اس کے بڑے چاہتے تھے' اسے کئی کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑا' سخت امتحانات دینے پڑے' وہ کسی موڑ پر نہیں ہچکچائی' آخر میں اسے میرے کنبے کی بربادی کا حکم ملا' اس موڑ پر اس کے قدم ڈگمگانے لگے' اس نے میرے خاندان والوں کو بچانے کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے' میرے حق سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئی لیکن جو قربانیاں وہ دے چکی تھی اس کے بعد واپسی ناممکن تھی' دیوتاؤں کے فیصلے اٹل تھے' کچھ مجبوریاں اس کے قدموں کی زنجیر بن گئیں۔ کچھ کالی قوتوں کا چمتکار تھا جس نے وقتی طور پر اس کا دل پتھر کر دیا۔

میری محبت کا پودا اس کے وجود میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا' وہ اسے اکھاڑ نہ سکی پھر وہ سب بھی کر گزری جو اسے منظور نہیں تھا' سب سے پہلے اس نے

میرے بہنوئی ڈاکٹر ارشد کے دل و دماغ میں شکوک و شبہات کے بیج بوئے پھر یاسمن کا ذہن معطل کر کے اسے پنکھے سے لٹک جانے پر مجبور کیا' اس کے بعد اس کے راستے از خود آسان ہوتے گئے' میرے والد کی خودکشی میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا' وہ ایک عمل کا ردعمل تھا' میری ماں کا کلیجہ پھٹ گیا' وہ جانبر نہ ہوسکی' یہ حادثہ بھی طبعی تھا' ان پے در پے خونی رشتوں کے ہولناک انجام نے سکندر کے ذہن کو معطل کر دیا' وہ کپڑے پھاڑ کر گھر سے نکل گیا۔ شاید میں بھی اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکتا لیکن اس کی لازوال قوتوں نے مجھے سنبھالے رکھا' سب کچھ مجھے پالینے ہی کی خاطر تو ہوا تھا پھر وہ مجھے کس طرح حالات کے بھنور میں تنہا چھوڑ دیتی؟

وہ مجھے اپنی روداد سناتی رہتی' میں تصویر حیرت بنے اسے تکتا رہتا' کبھی وہ میری آغوش میں سر ڈال کر رونے لگتی تو میں اسے تسلیاں دیتا' کبھی میرا دل فگار ہونے لگتا' ضبط کا یارا نہ رہتا تو وہ مورنی کی طرح اپنے بازو پھیلا کر مجھے سمیٹ لیتی۔ کبھی ہم دونوں تھک ہار جاتے تو ہمارے جسم کے نشیب و فراز ایک دوسرے کے درد کی دوا بن جاتے۔

مجھے اس کی کہانی پر کوئی شبہ نہیں ہوا' اس کے دل میں کھوٹ ہوتا تو میں اس وقت اس کے قرب کی لذتوں سے سرشار نہ ہو رہا ہوتا' کب کا مرکھپ گیا ہوتا۔ شاید ہگلی کی موجوں نے مجھے نگل لیا ہوتا' آدم خور مچھلیاں مجھے نوچ کھسوٹ کر اپنے پیٹ کا ایندھن بنا چکی ہوتیں میری ہڈیوں کا ٹوٹا پھوٹا پنجر ہگلی کی تہہ میں کہیں ریت میں دبا ہوتا' اول تو میرے خاندان کا شیرازہ بکھر چکا تھا' کسی کو میرے انجام کی فکر نہ ہوتی' کوئی تردد نہ کرتا' میرا کوئی اپنا باقی نہیں بچا تھا جو میری تلاش میں سرگرداں رہتا' اگر کوئی ہمدرد ہوتا بھی تو کیا کر لیتا' کچھ عرصہ بھاگ دوڑ کر کے وہ بھی مجھے صبر کر لیتا' ساری کہانی ختم ہو جاتی۔

کئی موقعوں پر میرے اندر بیدار ہونے والے تجسس نے کیچو کی کہانی کی صداقتوں کو پرکھنے پر اکسایا' میں نے اسے مختلف زاویوں سے کریدا' اس کی ہر تشریح مکمل تھی' اس کا ہر جواز مدلل تھا' وہ پرت پرت میرے اوپر کھلتی رہی' میں قدم قدم اس پر قربان ہوتا رہا' ہمارے درمیان کبھی ختم نہ ہونے والی باتوں کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا' کبھی وہ تھک ہار کر نڈھال ہو جاتی کبھی میں اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دیتا۔

ہم دو تھے ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا' کسی تیسرے کی ضرورت بھی کبھی محسوس نہ ہوئی' ہماری دنیا سب سے الگ تھلگ تھی۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا' کوئی فکر' کوئی غم نہیں تھا' سورج کب نکلتا' کب غروب ہو جاتا' چاند کب چاندنی بکھیرتا' کب ڈوب جاتا۔ موسم کا تغیر بھی ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا' ہم اس خطہ زمین پر حکمرانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ حاکم تھی' میں محکوم' نہ نوکر نہ چاکر' نہ کوٹھی نہ بنگلہ' نہ کوئی خوف نہ کسی کا ڈر۔ ایک میں تھا ایک وہ' ہم دونوں ایک دوسرے میں ڈوبتے ابھرتے رہتے' تنگ دامنی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ کبھی وہ ہاتھ تھام کر مجھے سفید پتھروں والی عمارت میں لے جاتی' میں اس کے مہکتے وجود کو کاندھوں پر بٹھا کر حوض میں اتر جاتا' گھنٹوں پانی میں چھپا چھپ کرتا' ایک دوسرے پر پانی اچھالنا ہمارا محبوب مشغلہ تھا' اس کے حسن کی چاندنی میرے وجود پر چٹکتی رہتی۔

میرے اصرار پر وہ بار بار نیا روپ بدلتی' اس کا ہر روپ قیامت تھا۔ مجھے بھوک لگتی تو اس کا ایک اشارہ میری طلب کو پورا کر دیتا' پیاس ستاتی تو میں اس کے ہونٹوں کا رس کشید کرنے لگتا۔ وہ میرے لئے آب حیات تھی۔ اس کے رخسار' اس کے ہونٹ' اس کے تراشیدہ جسم کا گداز سب پر میری حکمرانی تھی' اس نے میری خواہشات کے آگے ہمیشہ سر تسلیم خم کر دیا۔ کبھی کوئی عذر لنگ پیش نہیں کیا' اس کے انگ انگ میں نشہ تھا' میں اس کے نشے کا عادی بن گیا' کبھی سوچتا کہ اگر وہ نشہ ٹوٹ گیا تو میری حالت کیا ہوگی؟ وہ مجھے تذبذب کا شکار پاتی تو بے اختیار مجھ سے لپٹ جاتی میں اس کے سحر میں گم ہو کر ہر اندیشے سے بے نیاز ہو جاتا۔ وہ میرے ہر مرض کی دوا تھی' مجھے یقین تھا کہ اس کے وجود کی چھاؤں میں مجھے کبھی تپش کا احساس نہیں ہوگا۔

ایک دن وہ میری نگاہوں کے سامنے سبزے پر بکھری پڑی تھی جب مجھے اچانک ڈالی اور گندے کا خیال آ گیا' اس میں اور ڈالی میں ایک قدر مشترک تھی' دونوں نے مجھے ٹوٹ کر پیار کیا تھا۔ ڈالی بھی اس کی طرح میرا اعتماد تھی' میرا یقین تھی' وہ نہ ہوتی تو میں کسی قید خانے میں بند زندگی کی سزا کاٹ رہا ہوتا۔ وہ مجھے دوسروں کی نظروں سے چھپا کر ریاست راجے پور تک لے آئی تھی' اسی کی وجہ سے مجھے بھی پرکاش بھون میں سر چھپانے کی جگہ مل گئی' اس کے بعد میری صلاحیتوں نے میری رہنمائی کی' کیچو بھی کلکتہ میں میرے اور موت کے درمیان زندگی کا پیغام بن کر حائل ہو گئی تھی' اس

نے بھی ڈالی کی طرح اپنی زندگی کو میرے وجود سے وابستہ کر رکھا تھا' کیچو ماورائی قوتوں کی مالک تھی اس لئے اس نے مجھے پا لیا' ڈالی کمزور تھی اس لئے جگدیپ اور اس کے کارندوں نے اسے میرے خلاف استعمال کرنے کی خاطر اغوا کر لیا۔ کیچو میری نگاہوں کے سامنے تھی' ڈالی کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا' وہ زندہ تھی یا حالات کی گردش کا شکار ہوئی تھی' مجھے مطلق کسی بات کا علم نہیں تھا۔

''موہن۔'' اس کی مدھم آواز میرے کانوں میں گونجی تو میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا' میں مجرم بن گیا' وہ سبزے پر بیٹھی مجھے پوری توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دلوں کا بھید جان لیتی تھی۔ ڈالی کو میرے دل کے نہاں خانوں میں موجود پا کر اس نے نہ جانے کیا سوچا ہو۔ عورت سب کچھ برداشت کر لیتی ہے لیکن سوتن کا تصور اسے پاگل کر کے رکھ دیتا ہے۔ کیچو بھی ایک عورت تھی' وہ ضرور جانتی ہوگی کہ میرے اور ڈالی کے درمیان کبھی کوئی جسمانی رابطہ نہیں ہوا تھا' ہم ایک کوارٹر میں' ایک چھت کے نیچے ایک کمرے میں رہتے تھے' کبھی کبھی وہ میرا سر دباتے دباتے پلنگ پر میرے قریب ہی تھک کر ڈھیر ہو جاتی۔ گندے کی خاطر وہ بھون کے ساہوکاروں کے ہاتھوں اپنی جوانی کا سودا کرتی رہتی تھی لیکن شاید اس کے دل میں میرے سلسلے میں کوئی ایسا خیال نہیں ابھرا تھا۔ میں نے بھی کبھی اس کے جسم کو للچائی نظروں سے نہیں دیکھا' کیچو ہمارے خیالات' ہمارے جذبات سے بے خبر نہیں رہی ہوگی پھر بھی اس وقت میں اپنی نگاہوں میں مجرم بن گیا۔ کیچو کی موجودگی میں اس کے شبستان میں میرے ذہن میں کسی اور لڑکی کا خیال نہیں ابھرنا چاہیے تھا' اس نے جس انداز میں مجھے مخاطب کیا وہ عجیب تھا۔

''موہن۔'' اس نے میری آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈالی کے متعلق کچھ مت سوچو' اسے ایک سپنا سمجھ کر بھول جاؤ۔''

''آشا۔'' میں نے اپنی صفائی پیش کرنے کی جسارت کی۔ ''ڈالی اور گندا دونوں مجھے بہت عزیز ہیں لیکن......''

"میں جانتی ہوں۔" اس نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "ڈالی تمہا
جیون میں اجالا بن کر آئی تھی تم دونوں کے من میں ایک دوجے کے لیے کوئی
نہیں تھا۔ اس پر جو بیت گئی مجھے بھی اس کا دکھ ہے۔ میں اس کی کوئی سہائتا نہ کر
اس میں میرا بھی کوئی دوش نہیں۔ تم نے جگدیپ اور اس کے پریوار کو نشٹ کرنے کا
فیصلہ کیا تھا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ میں تمہیں بڑی حویلی سے دور نہ لاتی تو میرا جیون اندھ
ہو جاتا۔ تم نہ ہوتے تو میں بھی آتما ہتیا کر لیتی۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا پھر
ہاتھ تھام کر بڑے تاسف سے بولی۔ "مجھے شما کر دو موہن تم میرے جیون کا سب
سندر سپنا ہو میں اپنے سپنوں کو ٹوٹتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں تمہیں تمام خطروں سے
کر یہاں لے آئی......

"کیا ڈالی اور گڈا اب اس دنیا میں نہیں رہے......" میں نے دھڑکتے ہو
دل سے پوچھا۔

"تم میری بات کا یقین کرو گے موہن!" اس کی ساحرانہ نگاہوں کا فس
میرے وجود کو لڑکھڑانے لگا۔ میرے ہاتھوں کو اپنے گالوں سے لگاتے ہوئے وہ
لہجے میں گویا ہوئی۔ "جب سے میں تم کو بڑی حویلی سے اٹھا کر یہاں لائی ہوں
کر کہیں جانے کا دل ہی نہیں چاہا' اپنی اسی کٹیا میں بیٹھی تمہاری راہ تکتی رہی۔ کبھی
تو آس ٹوٹنے لگتی تھی۔"

"کرچھے والا پنڈت ایشوری لال کہتا تھا کہ تمہاری نظریں فاصلوں کی قید سے
آزاد ہیں تم زمین کے اندر' سمندروں کی تہوں میں بھی دیکھنے کی قوت رکھتی ہو......"

"میں جانتی ہوں ڈالی کے لیے تمہارا من بڑا بیاکل ہے۔" اس نے ایک نیا
عذر پیش کیا۔ "سچ پوچھو تو میں نے ڈالی اور گڈے کی طرف دھیان نہیں دیا کوئی بری
خبر ملتی تو مجھے بھی دکھ ہوتا۔"

"جگدیپ کا کیا بنا......" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تمہارا شکار ہے۔" وہ میرے ہونٹوں پر انگلی پھیرنے لگی۔ "میں چاہتی ہوں
کہ تم اسے اپنی اچھا کے انوسار تڑپا تڑپا کر مارو' اسی کی دشمنی نے تمہارے پیر جکڑ رکھے
تھے۔ وہی ہمارے ملاپ کے درمیان دیوار بنا رہا۔ تم نہیں سمجھ سکو گے موہن کہ تم نے
کتنا سے برباد کر دیا۔ میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔" وہ ایک لمحے کو اداس ہو گئی

"دیوی دیوتاؤں نے میری زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں پرنتو تم چنتا مت کرو' میں
تمہیں اتنی شکتی ضرور دان کر دوں گی کہ تم دھرتی کے بڑے بڑے بلوانوں کو بھی اچنبھے
میں ڈال دو گے۔ پنڈت' پجاری' جوگی اور سادھو تمہیں جہاں بھی ملیں گے جھک جھک
کر پرنام کریں گے' تم جو چاہو گے وہ پورا ہو گا۔"

"مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں چاہیے......" میں نے اسے بے اختیار اپنی آغوش
میں گھسیٹ لیا۔ "مجھے وچن دو آشا تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی ہم ہمیشہ اسی جنگل
میں منگل مناتے رہیں گے۔"

"یہ جیون کی ریت نہیں ہے موہن!" وہ میرے سینے کے بالوں سے کھیلنے لگی۔
"جو ایک بار جنم لیتا ہے وہ ایک نہ ایک دن اس دھرتی سے سدھار بھی جاتا ہے' موت
پر کسی کو ادھیکار نہیں ہوتا۔"

"آشا......" میں نے اس کی زلفوں کو مٹھی میں جکڑ لیا "میرا ایک کام کرو
گی......"

"میں تمہاری داسی ہوں تم آ گیا دو' میں اس کا پالن کروں گی۔"

"مجھے اسی لمحہ اسی پل اپنے خوبصورت ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر موت کی ابدی
نیند سلا دو' میں تمہاری آغوش میں مرنے کا متمنی ہوں۔" میں نے اضطرابی انداز میں
کہا۔ "تمہارے بغیر موت بھی میرے لیے بڑی اذیتناک ہو گی۔"

"ایسی باتیں مت کرو موہن...... چپ ہو جاؤ۔" اس نے اپنے جلتے ہوئے
ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیے تادیر ہم ایک دوسرے میں مدغم رہے۔ اس کے
ہونٹوں کا لمس مجھے سکون بخش رہا تھا۔ میں ان سے آب حیات کشید کرنے لگا اس نے
بھی خودسپردگی کا انداز اختیار کر لیا۔

مجھے درازی عمر کی کوئی تمنا نہیں تھی' میں اپنی زندگی کے تمام اثاثے کھو چکا تھا۔
باقی جو بچا کھچا رہ گیا تھا وہ بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ مجھے کسی شے کی تمنا نہیں تھی۔ وہی
میری آخری تمنا تھی۔ میرا سرمایہ تھی' میری زندگی تھی' میرے خوابوں کی تعبیر تھی' میری
آخری منزل کا سنگ میل تھی' میں جسم تھا' وہ روح تھی' روح جسم سے جدا ہو جاتی تو باقی
کیا رہ جاتا۔ میں نے اسے ہاتھوں کے حصار میں مضبوطی سے دبوچ لیا' اس کی باتوں
نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ خدشہ تھا کہ اگر میں نے اسے آزاد کیا تو کہیں وہ میری نگاہوں

سے اوجھل نہ ہو جائے۔

کتنی گھڑیاں بیت گئیں' کتنی ساعتیں دبے قدموں گزر گئیں' مجھے کوئی احساس نہیں ہوا' اس کا حسن مجھے امروز و فردا سے بھی بے نیاز کر دیتا' میں ساعتوں کا شمار کیوں کرتا۔ ہم دونوں دنیا و مافیا سے بے خبر تھے' اس روز وہ بھی اپنا ہوش کھو رہی تھی۔ شاید جدائی یا موت کے تصور نے اسے بھی تڑپا دیا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے وجود میں ڈوبتے ابھرتے رہے پھر وہ تھک کر نڈھال ہو گئی تو میں نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔

ہم اپنی اپنی جگہ سبزے کے مخملیں فرش پہ دراز آسمان کو تکتے رہے۔ تین چوتھائی چاند ہمارے اوپر اپنی چاندنی نچھاور کر رہا تھا وہ ٹکٹکی باندھے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ بہت دیر گزر گئی تو اس نے اپنے مخصوص انداز میں مجھے آواز دی۔

''موہن......''

''ہوں......'' میں نے غنودہ لہجے میں جواب دیا۔

''چندرما کو غور سے دیکھو......'' اس کی مترنم آواز دوبارہ میرے کانوں میں رس گھول گئی۔

''کس چاند کی بات کر رہی ہو......؟'' میں نے اس کے سراپا پر نظر ڈالی' میرا لہجہ بہکنے لگا۔'' وہ جو آسمان پر نظر آ رہا ہے' لیکن نامکمل ہے۔ یا اس چاند کو دیکھوں جو ہر لمحہ میری نظروں کے سامنے پوری آب و تاب سے چمکتا رہتا ہے۔ اس کی چاندنی مجھے غسل دیتی ہے۔ میرے وجود پر چمکتی ہے' جو مکمل ہے' ہر اعتبار سے مکمل جو میری آغوش سے طلوع ہوتا ہے' میرے دل کی گہرائیوں میں ڈوبتا ہے۔''

''تمہاری باتیں بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت ہیں۔'' وہ بدستور چاند پر نظر جمائے جمائے بولی۔

''میرے بارے میں کچھ نہیں کہو گی......؟''

''تم بھی خوبصورت ہو۔'' اس کے سینے کے زیر و بم میں تلاطم پیدا ہونے لگا ''تمہاری سندرتا ہی نے میرا من موہ لیا تھا میں تمہاری دیوانی بن گئی' تمہیں پانے کے لیے اپنا سب کچھ دیوی دیوتاؤں کی مرضی پر قربان کر دیا۔

''اب پچھتا رہی ہو......؟'' میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا تو وہ تڑپ

اٹھی۔

''موہن......'' اس نے میری بات پر توجہ دینے کے بجائے عجب انداز میں درخواست کی۔'' اپنے بھگوان سے پرارتھنا کرو کہ یہ چاند کبھی مکمل نہ ہو؟''

''آشا......'' میں نے بے چین ہو کر اسے اپنے قریب کھینچ لیا' مجھے بتاؤ تم اس وقت کیا سوچ رہی ہو؟ چاند اگر مکمل ہو گیا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ آج پہلی بار تم اس کے بارے میں کیا غور کر رہی ہو......''

''تم نہیں سمجھ سکو گے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب جب چاند مکمل ہوتا ہے تو کسی نہ کسی کے جیون کے دن بھی پورے ہو جاتے ہیں' وہ چاند کے ساتھ ساتھ ڈوب جاتا ہے......''

''ہوش کی باتیں کرو......'' میں نے اسے اپنی گرفت میں لے کر آہستہ سے جھنجوڑا۔'' یہ سب فضول اور من گھڑت باتیں ہیں انسانی واہمہ ہے' کمزور ذہن اور کچے عقیدوں کی علامت ہے۔''

''میں اپنی بات تو نہیں کر رہی......'' وہ بڑے پژمردہ انداز میں مسکرائی۔ ''تم نراش مت ہو' میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ کھو سی گئی۔ اس نے اپنے تپتے ہوئے رخسار میری آنکھوں پر رکھ دیئے۔ وہ دیر تک گم سم بیٹھی رہی۔ میں نے اسے کریدنا چاہا تو وہ بڑی خوبصورتی سے بات ٹال گئی۔ میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ اپنی مخروطی اور دراز انگلیوں کو میرے سر کے بالوں میں پھنسا کر کنگھی کرنے لگی۔

''تمہیں میری سوگند آشا۔'' میں نے کچھ توقف سے پھر اسے ٹٹولنے کی سعی کی۔ ''مجھے بتاؤ' تم کیا سوچ رہی ہو؟''

''تم نے آنے میں بہت دیر لگا دی موہن......'' اس کا لہجہ خوابناک ہو گیا

''ہاں......'' میں نے تاسف کا اظہار کیا۔ ''مگر آخر کار میں کھنچتا چلا آیا' تمہارا پور سچا تھا۔''

''شاید......'' اس نے بہکی بہکی آواز میں جواب دیا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم آ گئے......''

''اور اب ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔'' میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''تمہارا چندرما بھی نہیں......''

"میں تمہیں جمشید کے بجائے موہن کہتی ہوں۔" اس نے میری نگاہوں میں
جھانکا۔ "تمہیں برا تو نہیں لگتا؟"

"نہیں....." میرے وجود کی گہرائیوں میں ایک چھناکا ہوا۔ "اب صرف موہن
ہی رہ گیا ہے۔ جمشید عالم کو تو میں کلکتے میں بنو بیگم کے کوٹھے پر ہی دفن کر آیا تھا۔"

"ایک بات بتاؤں' برا تو نہیں مانو گے؟"

"کہو....." میں نے دوبارہ سبزے پر دراز ہو کر اس کے زانو پر سر رکھ دیا۔

"بنو بیگم اور بختاور کے قتل میں بھی میرے ہی ارادے کو دخل تھا....." وہ
میرے کشادہ سینے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "اگر تم بانو کو لے کر فرار ہونے میں
کامیاب ہو جاتے تو وہ تمہارے گلے کا ہار بن جاتی۔ میری منوکامنائیں ادھوری رہ
جاتیں' میرے سپنے ٹوٹ کر بکھر جاتے۔"

"تم نے اچھا کیا....." میں نے اس کے گالوں پر چٹکی لی۔ "تمہارے مقابلے
میں بانو کا سودا شاید مجھے گھاٹے میں ہی رکھتا۔"

"تم بہت اچھے ہو موہن..." اس کی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر پھیلنے لگیں۔

"نہیں....." میں نے شوخی سے کہا۔ "میں نہیں صرف تم....."

"تم جانتے ہو میں کون ہوں.....؟" اس نے تجسس سے دریافت کیا

"ہاں....." میں نے مدھم سروں میں اس کی مدح سرائی شروع کر دی۔ "تم
میرے دل کی رانی ہو' ملکہ ہو' میری آتما ہو' میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ تم میرے
پاس ہو' بلاشرکت غیرے میری ملکیت ہو' مجھے تم پر مکمل اختیار ہے۔"

"کوئی اور بھی میرا دعویدار ہوتا تو تم کیا کرتے.....؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"میں اسے نرکھ میں جھونک دیتا۔"

"اور اگر میں کسی اور کو من میں بسا لیتی تو..... وہ مجھے چھیڑنے لگی۔

"تو میں اپنے جسم کو آگ لگا دیتا' گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر کسی درخت
سے جھول جاتا' تمہارے حق میں کبھی دست بردار نہ ہوتا۔"

"ایسا کبھی مت کرنا موہن....." وہ پھر کسی خیال سے مضطرب ہو گئی۔ "میں
تمہیں بہت بلوان' بہت دراز قد' بہت بلند دیکھنا چاہتی ہوں' اتنا مہان کہ کوئی دوسرا
تمہارے سامنے سر اونچا نہ کر سکے۔"

"سچ....." میں نے اس کو خوش دیکھنے کی خاطر حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔
"اتنی مہان شکتی مجھے کون دے گا؟"

"میں....." وہ جذباتی ہو گئی۔ "میں اپنے شریر' اپنے بازو' اپنی آنکھوں کی ساری
شکتی تمہارے چرنوں میں ڈھیر کر دوں گی تم جو چاہو گے سو پورا ہو گا' کوئی تمہارا راستہ
کھوٹا نہیں کر سکے گا۔"

"آشا....." میں چیخ اٹھا۔ "تم نے پھر وہی دل دکھانے والی باتیں شروع کر
دیں۔ کیا میں اپنے ہاتھوں سے اپنا سینہ فگار کر لوں' اپنی آنکھوں کو کھرچ کر حلقوں سے
باہر پھینک دوں' اپنا آپ لہولہان کر ڈالوں۔"

"نہیں موہن....." اس نے میرا چہرہ اپنی نرم و گداز ہتھیلیوں پر اٹھا لیا' مجھے
بے اختیار چومتے ہوئے بولی۔ "اب میں ایسی باتیں نہیں کروں گی' لیکن آج ہم دونوں
کو ایک دوسرے کو ایک وچن دینا ہو گا۔"

"کیسا وچن؟ یہ تمہیں بیٹھے بیٹھے دیوانگی کے دورے کیوں پڑنے لگتے ہیں؟"

"تمہارے پیار نے تمہاری آشا کو دیوانہ کر دیا ہے۔" اس نے بڑی لگاوٹ
سے بہ تیز میرے گالوں پر اپنا گال رگڑتے ہوئے بولی۔ "ہمیں وچن دینا ہو گا کہ کسی
ایک کے نہ ہونے پر دوسرا اپنے جیون کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ نہیں موہن
ہمیں درمیان میں کوئی بات کہنے کی کوشش مت کرو' اس نے میرا ارادہ بھانپ کر میرے
ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں ایک دوسرے کی سوگند کھا
کر اپنے دیئے ہوئے وچن کا پالن کرنا ہو گا۔"

"ایک شرط میری بھی ہے....."

"وہ کیا....."

"تمہیں بتانا ہو گا کہ اچانک تم اس قسم کی باتیں کیوں کر رہی ہو.....؟" میں
نے ضد کی۔

"بس..... من میں ایک دھیان آ گیا تھا۔ وہ مسکرانے لگی۔ "اس دھیان کا کوئی
کارن نہیں ہے۔"

"پھر وچن دینے لینے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے برہمی کا اظہار کیا۔

"تم بڑے کٹھور ہو....." اس نے بڑی ادا سے کہا پھر پھولوں سے لدی کی

منہتی شاخ کی طرح لچک کر میری آغوش میں سما گئی۔ اس رات اس نے مجھے ہونٹوں کے جام کچھ زیادہ ہی پلا دیئے۔ وہ بڑی جذباتی ہو رہی تھی۔ یہ کیفیت اس پہلے کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔ جانے کیوں اس کی تشنگی کا احساس کچھ زیادہ ہی ش اختیار کر گیا تھا۔ بار بار وہ مجھے پوری قوت سے اپنے گداز جسم میں چھپا لیتی۔ میرے سر پر تیزی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں گھمانے لگتی۔ اس کی خلاف معم حرکتوں نے مجھے بھی دہشت زدہ کر دیا۔ میں نے سوچا کوئی بات ضرور ہے جو وہ سے چھپا رہی تھی' میں مضطرب ہو گیا میں نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''آشا '' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں ایک الاؤ روشن میرے دل کی دھڑکنیں ڈانواڈول ہونے لگیں۔ ''مجھے بتاؤ' تم کیا محسوس کر رہی ہو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نگاہوں میں بھڑکتے کے شعلے اور بلند ہونے لگے۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا میری آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ کے پورے جسم میں تناؤ کی کیفیتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی سائے پھیل کر گہرے ہونے لگے پھر اس نے جیسے کسی بت کی شکل اختیار کر ساکت و جامد ہو گئی۔ اس کے سینے نے شاید دھڑکن بند کر دی۔ رگوں میں دوڑنے خون منجمد ہو گیا۔ وہ کوئی بے جان مجسمہ بن گئی تھی۔ صرف اس کی آنکھوں میں شع بھڑک رہے تھے' میرا دل بیٹھنے لگا۔

''آشا.......'' میں نے اسے زور سے آواز دی میں نے اسے ہاتھ سے چھو کی ہمت نہیں کی' ایک انجانا سا خوف میرے تن بدن میں سرایت کر گیا۔ ایک لمحہ پہ وہ مجھے اپنے شباب کی لذتوں سے سرشار کر رہی تھی' وحشتوں کا مظاہرہ کر رہی تھی جنون کی حالت سے دوچار تھی۔ مجھے اپنے اندر سمو لینے کی خاطر ماہی بے آب کی مان تڑپ رہی تھی' مچل رہی تھی' اس کی سانسوں کی تپش میرے جذبات کو سلگا رہی تھی اب وہ یکلخت ٹھٹھر کر رہ گئی تھی۔

میں نے اسے کئی آوازیں دیں۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اس پکڑ کر جھنجھوڑنے کی ٹھانی' لیکن اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ ماورائی قوتوں نے شا میری جسمانی قوتوں کو بھی معطل کر دیا تھا۔ میں اسے دیکھ سکتا تھا' چھو نہیں سکتا تھا۔ مجھ

نے اٹھنے کی کوشش کی' لیکن اپنی جگہ سے ہلنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خوف کی لہر میرے اندر وسوسوں کو جنم دینے لگی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ شاید کیچو کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ وہ بیٹھے ہی بیٹھے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ غالباً اس کی آتما اس کے شریر کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ صرف اس کا جسم میرے سامنے باقی رہ گیا تھا۔ کسی لمحے وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو سکتا تھا...... لیکن وہ الاؤ جو اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں بھڑک رہا تھا وہ کیا تھا؟ کیا میری نگاہوں کا فریب تھا' سحر تھا یا وہ چتا کی آگ تھی جو اس کے جسم کو جلا کر راکھ کر دینے کی خاطر بھڑکائی گئی تھی......؟

میں پاگلوں کی طرح چلانے لگا' میری آنکھیں اس کے حسین وجود پر پھسلنے لگیں۔ میں زندہ تھا' زندہ نہ ہوتا تو میری آواز بھی حلق سے نہ نکلتی۔ میں اپنی آواز سن رہا تھا' فضا میں اس کے بدن کی رچی بسی تیز مہک سونگھ سکتا تھا۔ میری آنکھیں حلقوں میں متحرک تھیں میرے دل کی دھڑکنوں کا سلسلہ جاری و ساری تھا' لیکن میرا جسم جکڑ لیا گیا تھا میں کوئی حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ شاید وہ دیوتاؤں کا عتاب تھا' کسی دیوی کا سراپ تھا' اس کے کسی چاہنے والے کی بددعا تھی جس نے میرے اور اس کے درمیان ایک نادیدہ خلیج پیدا کر دی تھی۔

میرے ذہن میں ان گنت واہمے گڈمڈ ہو رہے تھے' اس کی باتیں میرے وجود کے کھنڈر میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں۔ کرشن اور مرلی کی طرح وہ بھی بار بار یہی کہتی تھی کہ میں نے آنے میں دیر کر دی' کچھ دیر پیشتر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دعا کروں کہ چاند مکمل نہ ہو' چاند کے مکمل ہونے سے اس کی زندگی کا کیا تعلق تھا؟ میری اور اس کی ملاقات کے درمیان کئی چاند طلوع ہوئے تھے' کئی غروب ہو چکے تھے پھر اس روز خاص طور پر وہ چاند کے مکمل ہونے سے خوفزدہ کیوں تھی؟

میں نے نظریں اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا' میری حیرت دوچند ہو گئی مجھے چاند کے گرد بھی ویسے ہی شعلے بھڑکتے نظر آئے جیسے کیچو کی نگاہوں میں بھڑک رہے تھے۔ میں نے سہم کر آنکھیں موند لیں۔ وہ سب کچھ ناقابل فہم تھا۔ حیرت انگیز میں اپنے دل کی دھڑکنوں کا شمار کرنے لگا پھر ایسا لگا جیسے جنگل میں آگ بھڑک اٹھی ہو۔ دھوئیں سے میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے آنکھیں کھول کر اپنے خیال کی تصدیق کرنی چاہی لیکن تڑپ کر رہ گیا۔ مجھے آنکھیں کھولنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ دھوئیں کی بدبو

میرے اوسان خطا کر رہی تھی شاید دھواں میرے وجود کے اندر اتر رہا تھا۔ موت کے تصور سے میرا جسم لرزنے لگا۔ میں نے کیچو کو پکارنا چاہا لیکن میری آواز حلق کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی پھر میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

میں کتنی دیر بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار رہا مجھے اس کا اندازہ نہیں۔ لیکن اتنا بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کیچو کی آواز ہی تھی جسے سن کر میں نے آنکھیں کھولی تھیں۔

میرا جسم سبزے پر پڑا تھا سب سے پہلے میری نظر چاند پر پڑی اس کی چاندنی میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی تھی۔ اس کے گرد آسمان صاف تھا تارے ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے' مجھے آگ کے شعلے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے کیچو پر نظر ڈالی وہ میرے پہلو سے لگی بیٹھی مجھے مخمور نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان حسین آنکھوں میں شعلوں کے بجائے مستیاں مچل رہی تھیں۔ اس کی دراز زلفوں کا پیچ و خم میری نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ اس کی نرم انگلیاں میری پیشانی اور سر کے بال سہلا رہی تھیں۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز زندہ تھے۔ ان کی چمک دمک ماند نہیں پڑی تھی اس کے وجود کی خوشبو مشام جاں میں ایک سحر گھول رہی تھی۔ اس کا عضو عضو پہلے کی طرح گنگنا رہا تھا۔ اس کی شرربار نگاہیں' دراز پلکیں' شفق زدہ گالوں کا گداز' ہونٹوں کے پیالے' صراحی دار گردن' جسم کے زیروبم' مرمریں بانہیں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے میں بے ہوش ہونے سے پیشتر بارہا' بہت قریب سے دیکھ چکا تھا' میری آنکھیں جلنے لگیں۔

"کیا سوچ رہے ہو موہن......" اس کے گداز ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ فضا میں مندر کی گھنٹیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"تم......"میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔"تم کہاں چلی گئی تھیں......؟"

"کہاں گئی تھی؟" اس نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا۔ "یہیں تمہارے قریب ہی تو تھی۔"

"پھر میں نے کوئی خواب دیکھا ہوگا......" میں نے اسے جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔

"تم نے جو کچھ دیکھا وہ سپنا نہیں تھا۔ وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"پھر...... وہ سب کیا تھا؟" میں اٹھ کر بیٹھ گیا

"سمے کا انتظار کرو موہن...... آہستہ آہستہ تم سب کچھ جان لو گے۔" وہ میرے شانے پر سر ٹکا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

"آشا......" میں نے اس کی زلفوں کو چومتے ہوئے آواز دی۔

"ہوں......" وہ مدھم سروں میں بولی

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ پریشان ہو۔" میں نے اس کے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی پریشانی کا سبب نہیں بتاؤ گی۔"

"موہن......" وہ تڑپ کر مجھ میں سمانے لگی۔ "مجھے وچن دو تم میری یاد کو اپنے من میں ہمیشہ بسائے رہو گے' مجھے بھولنا مت' جیون کی آخری ساعتوں تک یاد رکھنا۔"

"تم......" میں نے گھسیٹ کر اسے اپنی آغوش میں گرا لیا' اس کی نمناک نگاہوں کو گھورتے ہوئے پوچھا تم ایسی باتیں کرو گی تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لوں گا' کسی پہاڑی پر چڑھ کر خود کو......"

"آگے کچھ مت کہنا موہن......"اس نے اپنی تپتی ہتھیلی میرے ہونٹوں پر رکھ دی۔

"تمہیں میری سوگند سچ بتاؤ تم کیا سوچ رہی ہو......؟"

"تمہارے سوا اب میرے پاس سوچنے کو اور کیا ہے۔" اس کی نگاہوں کا سحر میرے وجود کو گرمانے لگا۔"میں نے تمہیں بڑی کٹھن تپسیاؤں کے بعد حاصل کیا ہے تمہیں کھونا نہیں چاہتی......"

"میں بھی تمہارے بنا زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔" میں نے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔ میں اس کی بے چینی' اس کے اضطراب کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے سینے میں اٹھنے والا تلاطم بلا سبب نہیں تھا کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی جو وہ بیٹھے بیٹھے گم سم ہو جاتی' کھو جاتی۔ میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنی بھولی بھالی معصوم اداؤں سے لبھا کر بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل دیتی۔

دن گزرتے گئے' چاند کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے اضطراب' اس کی وحشتیں بھی بڑھتی گئیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے مچل جاتی۔ میرے ہاتھ' میرے بازو' میری گردن' میری پیشانی اپنے ہونٹوں سے جلانے لگتی۔ تمام رات میری آغوش میں تڑپتی رہتی۔

سارا دن میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے درختوں کے درمیان بھٹکتی پھرتی۔ کبھی بے اختیار کھل کر قہقہے بکھیرنے لگتی۔ کبھی اس کی نگاہوں میں نمی ابھرتی تو وہ جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف کر لیتی۔ اسے کسی کل چین نہیں آتا تھا۔ میں اس کی دلجوئی کی خاطر مسکراتا رہتا' اسے چھیڑتا' گدگداتا رہتا۔ لیکن میرے اندر بھی ٹوٹ پھوٹ جاری تھی' میں اس کی بے چینی دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔ میں بھی اگر اپنے اضطراب کا اظہار کرتا تو شاید وہ اور بکھر جاتی' ریزہ ریزہ ہو جاتی۔ میں اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا اس لیے زبردستی اپنے ہونٹوں پر تبسم سجائے رکھتا۔

وہ چاند کی چودھویں تاریخ تھی' آسمان پر پورا چاند جلوہ گر تھا۔ وہ جھیل کے کنارے میرے قریب بیٹھی اپنی نازک نازک انگلیوں سے میرے بالوں کے لچھے بنا رہی تھی۔ اس رات اس نے مجھ سے بہت ساری باتیں کیں۔ تجسس انگیز اور حیران کن باتیں۔ میں اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس کی باتیں بڑی پراسرار تھیں۔ نہ جانے وہ کس دنیا کی باتیں کر رہی تھی' میں نے ان باتوں کی تردید یا تصدیق کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ میرے پاس تھی' میرے لیے یہی سچ بہت کافی تھا۔

''تمہیں شاید میری باتوں پر وشواس نہیں آ رہا ہے......؟'' اچانک اس نے مسکرا کر کہا۔ شاید اس نے میرے دل کا بھید پڑھ لیا تھا۔ ''جیون میں بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر منش کو یقین نہیں آتا۔ یہ دھرتی بھی ایک گورکھ دھندا ہے۔ کچھ چیزیں ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں' لیکن انہیں سمجھ نہیں پاتے۔ کچھ چیزیں نظروں سے اوجھل رہتی ہیں' لیکن مان لیتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے تم نے میرے کئی رنگ' بہت سارے روپ دیکھے ہیں' نہ دیکھتے تو تمہیں کسی کے کہنے پر وشواس نہ آتا۔ عام منش اور دیوی دیوتاؤں کی شکتی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دھرم دھرم کی طرح اس کے بھید بھاؤ بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ آج میری باتیں تمہیں عجیب لگ رہی ہیں' لیکن کل...... کل تمہیں میرے کہے پر وشواس آ جائے گا۔''

''میں نے کل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ تم بھی اپنے من کو بیاکل نہ کرو۔'' میں نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔

''موہن......'' اس نے مجھے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھا ان میں حسرتیں مچل رہی تھیں۔ ارمان تڑپ رہے تھے' آرزوئیں لہولہان ہو رہی تھیں۔ میں نے کچھ کہنا چاہا

اس نے موقع نہیں دیا۔ دونوں ہاتھ سے میرا چہرہ پکڑ کر اپنے سینے میں چھپا لیا۔ اس کا لہجہ کپکپانے لگا۔ ''مجھے بھول مت جانا' زندہ رہنے کی کوشش کرنا۔'' وہ مجھ سے التجا کرتی رہی۔ ''تم زندہ رہے تو میری آتما اور تمہاری دھرتی کا ایک سمبندھ باقی رہے گا' میں بھگوان سے بنتی کروں گی کہ وہ مجھے ایک جیون اور دان کر دے۔ میں اس دوسرے جیون میں بھی کیول تمہاری رہوں گی' تم میرا انتظار کرنا......''

''آشا......'' میں اس کے جملوں کا زہر برداشت نہ کر سکا' چیخ اٹھا۔ اس کے سوگوار لہجے کی چبھن میرے وجود کو زخمی کر رہی تھی' میں تڑپ کر بولا۔ ''تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی میں تمہیں اپنے بازوؤں میں چھپا لوں گا' ہم ہمیشہ ساتھ جیئیں گے ساتھ مریں گے۔ مجھے وچن دو تم دوبارہ کبھی کہیں جانے کا خیال من میں نہیں لاؤ گی۔''

میں نے اس کے سینے سے سر ہٹا کر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

''ٹھیک ہے' اب ایسی باتیں کبھی نہیں کروں گی۔'' اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا پھر پرسکون ہو گئی۔

میں نے پیار کی باتیں چھیڑ دیں' وہ ہمیشہ کی طرح میرا ساتھ دینے لگی۔ وہ مسکرائی تو اس کے ساتھ ساتھ فضا بھی جھوم اٹھی۔ چاند کی کرنوں میں اور ٹھنڈک پیدا ہو گئی۔ ستارے بھی آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ جیسے ایک میں ہی نہیں ہر شے اس کی خوشی اور غم سے وابستہ تھی۔ شاید وہ میرا وہم تھا' گمان تھا۔ اگر ایسا بھی تھا تو کچھ غلط نہیں تھا۔ محبوب کی خاطر تو شاعر پورا پورا دیوان سیاہ کر ڈالتے ہیں۔ پیار ہی زندگی ہے جو محبت نہیں کرتے وہ مکمل نہیں ہوتے' ادھورے رہ جاتے ہیں۔ محبت کی کھیتی میں صرف سسی پنوں' ہیر رانجھا' لیلیٰ مجنوں یا شیریں فرہاد ہی نہیں اگے۔ بڑے بڑے درویش اور رشی منی بھی محبت کی آگ میں جھلس کر کندن بنے ہیں۔ معرفت کے اسرار و رموز جاننے کی خاطر بھی عشق پہلی شرط ہے اور عشق کسی سے لو لگائے بغیر نہیں پورا ہوتا۔ اس کی معراج کو پانے کے لیے کئی مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ کئی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ درمیان میں کوئی کڑی ٹوٹ جائے تو انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے' پاگل ہو جاتا ہے۔ سکندر کو بھی والدین سے عشق تھا وہ ان کی جدائی کا صدمہ نہ برداشت کر سکا' کپڑے پھاڑ کر جدھر سینگ سمائے ادھر نکل گیا۔ میں بھٹکتا بھٹکاتا کیچو کی زلفوں کے سائے تک آ گیا۔ اب اس کے قرب نے مجھے دیوانہ کر رکھا تھا۔ میں نے برسوں

پہاڑوں اور بلند گھنے درختوں کے درمیان تنہا شب و روز گزارے تھے۔ میری جگہ دوسرا ہوتا تو شاید دشت نوردی اور تنہائیوں سے تنگ آ کر کسی بلند مقام سے گہرائیوں کی سمت اچھال دیتا۔ قصہ پاک ہو جاتا' کہانی ختم ہو جاتی' ساری لن ترانی دھری کی دھری رہ جاتیں۔ کوئی رونے پیٹنے والا نہ ہوتا۔ بقول غالب نہ کوئی جنازہ نہ کہیں مزار ہوتا۔ تنہائی کا زہر پیتے پیتے کیچو سامنے آئی تو میں نے اس کو مقدر کا سمجھ کر اپنا لیا۔ میں نے پہلے کبھی اس کی تمنا نہیں کی تھی۔ پنڈت ایشوری لال کی طرح کرچھا گھما گھما کر ناچنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ سادھو دیوراج کی طرح بغیر دیکھے کی دیوانگی میں مبتلا نہیں ہوا۔ کرشنا بھی شاید احمق نہیں تھا جو اسی سال کی عمر تک میں بیٹھا اسی کے نام کی مالا جپتا رہا۔ مرلی نے اس کے قریب رہ کر بھی اس کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔ جو منزل تک پہنچنے کی سکت نہیں رکھتے وہ دیارِ حبیب سے پلٹ کر آ والوں کا ہاتھ چوم لیتے ہیں' انہیں گلے لگا کر اپنے قلب کو تسکین دے لیتے ہیں۔ یہ عشق کے اظہار کا ایک انداز ہے۔ محبوب سے عقیدت کا اظہار' مرلی نے بھی اس عقیدت کے اظہار کی خاطر مجھے دیکھ کر ہی اپنی زندگی نچھاور کر دی تھی۔ وہ اسی لیے تیئں امر ہو گیا تھا۔

★) عشق حقیقی اور عشق مجازی میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک محبوب کو دیکھے بنا انسان کو فنا ہو جانے کے آداب سکھاتا ہے اسے کسی اور کی پرواہ نہیں ہوتی محبوب کی تڑپ کبھی کم نہیں ہوتی۔ جذب کی کیفیتوں میں ڈوب کر وہ فنا ہو جاتا ہے ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ سے بھی یہی دیوانگی اسے عرفان کی آخری منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ اس کی تڑپ میں ایسی لذت ہوتی ہے جو انسان کو سچا سکون عطا کرتی ہے' یہی عطا اس کی بقا کی دلیل ہوتی ہے۔ اس عشق کی راہ میں کسی لا کسی غرض کو دخل نہیں ہوتا۔ ہم سفر بڑھتے جائیں تو طلب کا اشتیاق جنون کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے۔ قلب ونظر میں کسی سے حسد وجلن کا احساس نہیں پیدا ہوتا۔ دل کی وسعتوں میں اور کشادگی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے کہ سب کا محبوب ایک ہوتا ہے۔ سب کی منزل ایک ہوتی ہے۔ سب کا مقصد ایک ہوتا ہے' سب ایک ہی محبوب کی حمد و ثنا میں گردن گردن ڈوب جانے کی دھن میں مست رہتے ہیں' یہی صداقت ہے۔ ★

★) دوسرا عشق مجازی ہوتا ہے جہاں رقیب کا تصور عاشق کے دل کو قرار نہیں لینے

دیتا۔ میدان کارزار میں وہ اپنے سوا کسی اور کا تصور بھی برداشت نہیں کرتا۔ ہوس کی آگ میں جلاتا رہتا ہے۔ وصل کی خواہش تڑپاتی رہتی ہے۔ عشق میں کامیابی کا حصول مطمح نظر ہوتا ہے' ناکامی کا شائبہ اسے پاگل کر دیتا ہے۔ وہ قتل و غارت سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ بیشتر ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ کچھ مرلی جیسے بھی ہوتے ہیں جو محبوب کی خوشی کی خاطر رقیب کے لیے بھی راستہ صاف کر دیتے ہیں۔ ایسی مثال خال خال ہی ملتی ہے' لاکھوں میں ایک۔ ★

مرلی نے میرے قدموں میں جان دے دی وہ امر ہو گیا۔ اب میدان میں صرف میں اور وہ باقی رہ گئی تھی۔ وقت کا احساس اس کے قرب نے مٹا دیا۔ شب و روز اس کی زلفوں کی گھنیری چھاؤں تلے گزرتے رہے۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ پیچھے اب رہ بھی کیا گیا تھا۔ جہاں سے میں گزر کر آیا تھا وہاں اب شاید دھول ہی دھول باقی رہ گئی ہو گی۔ شیرازے بکھر چکے ہوں گے' امیدیں سسک سسک کر دم توڑ چکی ہوں گی۔ میں یادوں کے اس قبرستان میں واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے کیچو کو زندگی کا آخری سنگ میل سمجھ لیا۔ کیچو جسے میں نے آشا کا نام دیا وہی آشا جب مجھے نراش کر دینے کی باتیں کرتی تو میں تڑپ اٹھتا۔ وہ ہنستی تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا۔ وہ اداسی کی باتیں کرتی تو میری سانسیں ڈوبنے لگتی۔ میری خوشیاں میرے غم اس کی ذات سے مشروط ہو گئے تھے۔

رات بھیگنے لگی تو میں نے حسب معمول اپنا سر اس کے زانوؤں پر رکھ دیا' وہ حسب دستور اپنی زلفیں میرے چہرے پر بکھیر کر مدھم سروں میں گنگنانے لگی' ہر رات وہ اسی انداز میں مجھے نیند کی وادیوں کی سیر کراتی۔ میں سو جاتا تو وہ بھی میرے قریب میرے کشادہ سینے پر سر رکھ کر لیٹ جاتی' صبح ہوتی تو میں اس کے جسم کو سبزے پر بکھرا دیکھتا۔ اس کی مرمریں بانہوں پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر کر اسے بیدار کرتا وہ آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھتی' زندگی کا ایک نیا دن شروع ہو جاتا۔

اس رات بھی اس نے مجھے لوریاں دے کر سلایا تھا' لیکن جب میری آنکھ کھلی تو وہ میرے پاس نہیں تھی' میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے جھیل کے آس پاس اسے دیکھا' قرب و جوار میں نگاہیں دوڑائیں' وہ کہیں دکھائی نہ دی تو میں نے پاگلوں کی طرح اسے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ اسے تلاش کرنے کی خاطر ادھر ادھر بھاگنے

لگا۔ میری وحشتیں ہر لمحہ بڑھتی گئیں۔ میں نے اسے دور دور تک ہر جگہ ڈھونڈا وہ نظر نہ آئی۔

گزشتہ رات اس نے جو باتیں کی تھیں وہ میرے ذہن میں گونج رہی تھیں پر جنون طاری ہو گیا۔ شاید وہ مجھ سے اسی لیے زندہ رہنے کی باتیں کر رہی تھی کہ ا اپنے جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ کہتی تھی کہ میں چاند کے نامکمل رہنے کی کروں۔ غالباً اس کی زندگی کی ڈور کسی مخصوص چاند کے پورا ہونے سے باندھ دی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ اس ڈور کے ٹوٹنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس نے کہا تھا وہ دوسرے جنم میں بھی صرف مجھ ہی کو پانے کی تمنا کرے گی۔ یہ خواب کی باتیں ت اس کا اپنا عقیدہ ہو گا لیکن میں جانتا تھا کہ ایک بار مرنے کے بعد روح دنیا سارے رشتے ناتے توڑ لیتی ہے۔ آواگون کا عقیدہ میرے نزدیک کفر تھا۔ شاید ا نے محض مجھے جھوٹی تسلی دینے کی خاطر بہلانے کی کوشش کی تھی۔

جب تک قدموں میں جان باقی رہی میں ادھر ادھر دوڑ بھاگ کرتا رہا، کبھی وادیوں میں اتر کر اسے آوازیں دیتا کبھی پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر پہنچ کر گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا، مجھے صرف اپنی چیخ و پکار کی بازگشت سنائی دیتی اس کا کوئی جواب نہ ملتا۔ میں کچھ دیر ستا کر دوبارہ اس کی تلاش میں دوڑنے لگا۔

میری وحشتیں بڑھتی گئیں، دیوانگی جنون کی شکل اختیار کرتی گئی۔ کبھی ایک پہاڑ پر کبھی دوسرے پہاڑ پر، میرے لیے اس کے بغیر زندگی کا تصور بڑا مشکل تھا۔ دن کب نکلتا، کب اجالا پھیلتا، کب اندھیرے دامن پھیلا کر دوبارہ ان اجالوں کو نگل لیتے مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ میرا پاگل پن دیکھ کر چرند و پرند بھی شور مچانے لگتے۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھتا تھا، کیا جواب دیتا۔ مجھے ان سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔ مجھے تو صرف کیچو کی تلاش تھی جو نہ جانے کہاں کھو گئی تھی، گم ہو گئی تھی۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ میں نے اس کی تلاش کا سفر جاری رکھا۔ کبھی کبھی میرے ذہن میں خیال جگمگانے لگتا کہ وہ کسی بھی لمحے کسی موڑ پر اچانک کسی درخت کی آڑ سے نکل کر میرے سامنے آ جائے گی۔ اس نے بھی برسوں میرا انتظار کیا تھا۔ ایک عمر گزار دی تھی۔ الہ آباد سے کلکتہ، کلکتہ سے بمبئی، بمبئی سے ریاست راجے پور، راجے پور سے ان پہاڑوں اور بلند درختوں تک، وادی در

وادی میرے راستوں پر آنکھیں بچھائے بیٹھی رہی تھی۔ اب اس کی باری آئی تو میں ہمت کس طرح ہار دیتا؟ ہو سکتا تھا وہ میرا امتحان لے رہی ہو، کہیں قریب ہی کسی درخت کی آڑ میں چھپی مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہو۔ میں تھک کر بیٹھ گیا تو وہ دل میں کیا خیال کرے گی؟ بھاگ دوڑ جاری رکھنے کی صورت میں ہو سکتا تھا کہ اسے میری دیوانگی کی صداقتوں کا اعتبار آ جائے، وہ چھم سے نکل کر میرے سامنے آ جائے، میری گردن میں بانہیں ڈال کر کہے۔

''اب بس کرو موہن! مجھے وشواس آ گیا کہ میں نے تمہارا انتخاب کرنے میں غلطی نہیں کی تھی۔''

''اتنی جلدی تم نے میرے امتحان کی مدت کم کیوں کر دی؟'' میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے اعتماد سے کہتا۔ ''تمہیں تلاش کرنے کی خاطر تو میں پوری زندگی گزار دیتا۔''

''تمہارے چرنوں میں آبلے پڑے ہوں گے......'' وہ تاسف کا اظہار کرتی۔

''یہ آبلے میری زندگی کا حاصل ہیں۔'' میں اس کی پیشانی چوم کر اسے محبت کا یقین دلاتا۔ ''یہ تمہارے پیار کی نشانی ہیں۔''

''موہن...... موہن......'' وہ پیار کی شدتوں کو محسوس کر کے دیوانی ہو جاتی۔ ''مجھے اپنی بانہوں میں چھپا لو، میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ تمہارے سینے پر سر رکھ کر جینا چاہتی ہوں......''

''تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔'' میں اسے اپنی آغوش کی کشادگی میں بھر کر کہتا۔ ''میں تمہیں نہیں جانے دوں گا......''

لیکن وہ چلی گئی تھی اس کے جانے کا وقت آ چکا تھا اسے اس وقت کا ادراک پہلے سے تھا، جبھی وہ بیٹھے بیٹھے اداس ہو جاتی، مجھ سے زندہ رہنے کا وعدہ لیتی۔ اپنے دوبارہ جنم لینے کا یقین دلاتی، میں سنجیدہ ہوتا تو مجھے بہلانے کی خاطر وہ مسکرانے لگتی۔ وہ مسکراتی تو میں سب کچھ بھول کر اس کی زلفوں میں چہرہ چھپا لیتا۔ وہ میرے وجود میں سمٹ کر کسمسانے لگتی تو ذہن پر جمی برف اس کے بدن کی تپش سے پگھلنے لگتی، میں ہر اندیشے سے بے نیاز ہو جاتا۔

گزرتے وقت کا مرہم میرے زخموں پر کھرنڈ جمانے لگا، مجھے ساعتوں کے

اعداد و شمار کا کوئی علم نہیں تھا۔ کتنا وقت گزر گیا' کتنے موسم بیت گئے' کتنے چاند پورے ہوئے پھر ڈوب گئے' میں نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ میرے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھ چکے تھے۔ میں نے اب تھمے ہوئے پانی میں اپنا عکس دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔ وقت کی سست رفتار گردش نے میرے قدموں کی تیزی بھی چھین لی۔ میں جلدی تھک ہار کر کہیں بیٹھ جاتا' جہاں رات ہوتی وہیں کسی سبزے پر ڈھلک کر آنکھیں بند کر لیتا۔ سورج طلوع ہوتا تو اٹھ کر پھر جنگلوں اور پہاڑوں کی نشیب و فراز طے کرنے لگتا۔

ایک رات میں سو رہا تھا کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میری روح گنگنانے لگی۔ میں سمجھا تھا شاید وہ بالآخر لوٹ آئی۔ میرا جنون جیت گیا اس کے دیوی دیوتاؤں نے ہتھیار ڈال دیئے' میری خاطر ہست و بود کی قید سے آزاد کر دیا گیا۔ ساری شرطیں توڑ دی گئیں اسے دوبارہ میرے پاس آنے کی اجازت مل گئی۔ میں کان لگائے قدموں کی آہٹ سنتا رہا۔ میری امنگوں میں پھر سے خوشیوں کا سیلاب امڈنے لگا۔ میں ہواؤں میں اڑ رہا تھا جب ایک مردانہ آواز نے میری مسرتوں کے شیش محل میں نقب لگائی۔ سب کچھ چھناکے سے چکنا چور ہو گیا۔

''مہاراج...... کیا بہت گہری نیند سو رہے ہو؟''

''تم کیوں آئے ہو......؟'' میں نے مرلی کی آواز پہچان کر بڑے سرد لہجے میں کہا۔ ''وہ کہاں ہے......؟''

''وہ آسمانوں پر واپس بلا لی گئی ہے...... اس کا سمے پورا ہو گیا تھا۔'' مرلی نے بڑے تاسف سے جواب دیا۔

''اور...... تم کیوں آئے؟''

''مجھے اس کی بے چین آتما نے تمہارے پاس بھیجا ہے......'' میں نے جواب نہیں دیا۔ مرلی کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ ''تم بیاکل رہتے ہو تو اس کی آتما کو بھی چین نہیں ملتا۔ تم شانت ہو جاؤ تو وہ بھی شانت ہو جائے گی۔ مہاراج میری بات کا وشواس کرو' تم بڑے بھاگ شالی ہو جو تم نے اسے دیکھا' اس کے سندر شریر کو چھوا' تمہارے درشن سے تو میری منو کامنائیں بھی پوری ہو گئی تھیں

مہان ہو مہاراج...... اس نے تمہیں کندن بنا دیا ہے۔ تمہیں اس کے انتظار میں زندہ رہنا ہو گا۔ اس کی خوشی کی خاطر۔ اس کی یہی اچھا ہے...... اس نے کہا ہے تو وہ تمہارے کارن دوسرا جنم بھی اوش لے گی۔''

''میں اس کے بغیر زندگی کس طرح گزاروں گا......؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''تمہیں ابھی جیون میں بہت سارے کام نمٹانے ہیں۔'' مرلی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یاد کرو مہاراج تم نے بوڑھے کرشنا سے کیا کہا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ کچھ کام تمہارے پیچھے ادھورے رہ گئے ہیں ان کو پورا کیئے بنا تم اس کے پاس نہیں جانا چاہتے تھے۔ پرنتو اس کی لگن سچی تھی' اس کا پریم سچا تھا' اس نے تمہیں اپنے پاس بلا لیا۔ تم سے پہلے اس کے استھان تک کوئی منش نہیں پہنچ سکا۔ اس نے تمہیں اپنی ساری شکتی دان کر دی۔ اب تمہیں ان شکتیوں سے اپنے ادھورے کام نمٹانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اس کی آتما بھی یہی چاہتی ہے کہ تم اپنے دشمنوں کو نرکھ میں جھونک دو۔ اپنا سارا حساب کتاب چکتا کرو۔ تمہارا من بھی بہل جائے گا۔ اس کی آتما بھی بے قرار نہیں ہو گی۔ سمے گزرتے دیر نہیں لگے گی...... پھر......''

''پھر کیا ہو گا......؟'' میں نے اس کی خاموشی پر جھلا کر پوچھا۔

''پھر وہ تمہیں دیئے ہوئے وچن کے انوسار بھگوان سے پرارتھنا کر کے دوبارہ تمہارے پاس آ جائے گی۔''

''تم مجھے بہکانے کی کوشش کر رہے ہو......'' میں تلملا کر بولا۔ ''بوڑھے کرشنا نے بھی کہا تھا کہ جب میں اپنی آشا سے مل کر واپس لوٹوں گا تو میرے راستے پر پلکیں بچھائے بیٹھا ہو گا لیکن......''

''دھیرج سے کام لو مہاراج......'' مرلی نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''اس کے سیوک اس کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے' بوڑھا کرشنا بھی اسی کارن تم سے دور دور تھا......''

''کیا مطلب......؟'' میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''سمے کا انتظار کرو...... وقت کے ساتھ تم سب کچھ سمجھ لو گے لیکن اس کے لیے تمہیں اس کی آشا کا پالن کرنا ہو گا۔''

''کیا اس کی آتما مجھے کسی روپ میں درشن دے سکتی ہے؟'' میں نے بے چینی

کا مظاہرہ کیا۔

''ہو سکتا ہے کہ اس کا ادھورا روپ تمہیں نظر بھی آ جائے میں وشواس سے کہہ سکتا۔''

''تم میرا پیغام اس تک پہنچا سکتے ہو؟''

''تم آ گیا دو مہاراج...... میں تمہارا پالن کروں گا۔''

''اس سے کہنا...... اس سے کہنا کہ میں زیادہ دیر تک اس کا انتظار نہیں کر سکتا۔'' میری بے قراری بڑھنے لگی۔ ''اس نے مجھے دوبارہ درشن نہ دیئے تو میں اپنا آپ لہولہان کر لوں گا۔''

''ایسا کبھی نہ کرنا مہاراج' میں بنتی کرتا ہوں تم نے جیون سے منہ موڑ لیا تو ... کی آس بھی ٹوٹ جائے گی۔'' مرلی کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔ ''میں تمہارا ... اس تک اوش پہنچا دوں گا۔ پر میری بات کا دھیان بھی رکھنا تم اس کی مہان شکتی ... کے پیار کا دوسرا روپ ہو۔ تمہیں اس کے کارن اس روپ کو زندہ رکھنا ہو گا۔ اس ... باتوں کو بھولنا مت مہاراج' انہیں یاد رکھنا۔''

مرلی کی آواز بتدریج مدھم پڑتی گئی میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ رات کا اندھیرا صبح کے اجالوں سے گلے مل رہا تھا۔ میں نے چاروں طرف نظریں ... کر دیکھا' دور دور تک میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ میری آنکھیں جلنے لگیں اس کی جدائی ... احساس ڈسنے لگا۔ سب فریب کی باتیں تھیں' ملاقات کا ایک ہی طریقہ تھا میں بھی ا... زندگی ختم کر لوں' پھر روح اور آتما کا ملاپ ممکن تھا۔ میں اٹھ کر بلندیوں کی طرف سرپٹ دوڑنے لگا۔ اسے پا لینے کا خیال میرے وجود میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا رہا میرا سانس پھولنے لگا۔ میں نے رفتار کم نہیں کی میں نے اسے پا لینے کی خاطر ایک قریب تر راستہ اختیار کرنے کی ٹھان لی تھی۔ پھر دیر کس بات کی۔ میں دوڑتا ہوا پہا... کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔

''آشا......'' میں نے خلاؤں میں جھانکتے ہوئے اسے زور سے آواز دی۔ ''میں تمہارے پاس آ رہا ہوں ہمیشہ کے لیے۔'' پھر میں نے بلندی سے چھلانگ ... دی کسی وزنی پتھر کی مانند نیچے کی جانب لڑھکنے لگا۔ اذیتوں کا احساس بڑھنے لگا جوڑ بند میں ٹیسیں اٹھنی شروع ہو گئیں میں خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔ ایک وزنی پتھر سے ٹکر...

تو ذہن میں پھل جھڑیاں سی چھوٹنے لگیں۔ میں نے ہاتھ پیر چھوڑ دیئے میرا ذہن تیزی سے معطل ہونے لگا پھر ہر سمت گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ ان اندھیروں میں ہر احساس ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

سارا کھیل ایک آخری امید' ایک آخری سانس کا ہے۔ امید پوری نہ ہو تو دل ٹوٹ جاتا ہے۔ سانس اکھڑ جائے تو دل کی دھڑکنیں بند ہو جاتی ہیں۔ انسان موت کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ سارے بکھیڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ عزیزواقرباء کچھ دنوں روتے ہیں پھر دنیا کے ہنگاموں میں مصروف ہو کر مرنے والوں کو رفتہ رفتہ یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ میرا تو کوئی رونے والا بھی نہیں تھا۔

وہ ایک آخری سہارا تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد زندگی کا تصور بے معنی رہ گیا تھا۔ صرف ایک آخری امید باقی رہ گئی تھی کہ شاید وہ زندگی کے کسی موڑ پر اچانک میرے سامنے آ جائے۔ میں نے اس کی یادوں کو زندگی کا سہارا بنا کر جینے کی ٹھان لی تھی۔ میں نے سوچا تھا جب تک سانس اور جسم کا رشتہ برقرار ہے اس کی تلاش سے منہ نہیں موڑوں گا۔ بڑی حویلی سے مجھے پہاڑوں اور جنگل تک لے جانے سے پہلے بھی وہ ایک طویل عرصے تک میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی رہی تھی۔ ہو سکتا ہے مجھ سے کچھ عرصے تک ربط و ضبط قائم رکھنے کے بعد اس نے میرے امتحان کی خاطر پھر پردہ پوشی اختیار کر لی ہو۔ وہ میرے دعووں کی تصدیق کی خواہاں ہو۔ میرا یہ خیال ایک بہلاوا بھی ہو سکتا تھا لیکن بہلاوے کی تصدیق کے سہارے بھی زندگی گزاری جا سکتی تھی۔ جب میں اس سے قطعی بے خبر تھا تب بھی وہ میری خبر گیری رکھتی تھی۔ یاسمن کی دردناک موت سے لے کر دریائے ہگلی کے پل تک وہ میرے لیے ایک معمہ ہی رہی۔ ایک نام کے سوا میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ ہگلی کے پل پر میں نے اس کے ہیولے کو دیکھا' اس کی آواز سنی پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لیکن وہ مجھ سے کبھی بے خبر نہیں رہی۔ آڑے وقتوں میں میرے کام آتی رہی۔ پنڈت ایشوری لال اور سادھو دیوراج کی زبانی اس کے بارے میں سنتا تھا' ان کے خیال میں وہ روئے زمین کی سب سے زیادہ طاقتور شخصیت تھی۔ پراسرار اور لازوال قوتوں کی مالک۔ میں نے ان کی باتوں کی کبھی تردید نہیں کی لیکن ذاتی طور پر ہمیشہ اس کی نفی

کرتا رہا۔ میں نے ازخود کبھی اس کے سامنے دامن نہیں پھیلایا' کبھی اسے پانے ک
نہیں کی۔ مجھے ان باتوں پر اعتبار نہیں تھا لیکن جب وہ مجھ سے ملی تو میں نے محسو
کہ اسے صرف میری خاطر تخلیق کیا گیا ہے۔ بوڑھا کرشن اور مرلی بھی یہی کہتے
اس نے پوری دھرتی پر صرف ایک میری ذات کو اپنے لیے انتخاب کیا ہے۔ میں ا
باتوں کی تصدیق کر چکا تھا پھر انکار کس طرح کر سکتا تھا؟

میرا دل گواہی دیتا تھا کہ وہ دیکھ رہی ہو گی کہ اس کے بغیر مجھ پر کیا گزر
ہے' میں کس عذاب میں مبتلا ہوں۔ ایک خیال تھا کہ شاید وہ میری حالت پر تر
کر واپس لوٹ آئے لیکن مرلی نے درمیان میں آ کر خلل پیدا کر دیا۔ میں نے ا
دیکھا نہیں صرف آواز سنی تھی۔ اس نے بھی وہی سب کچھ کہا تھا جو جاتے وقت کچھ
کہا تھا۔ اس وقت اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ مجھے سوتا چھوڑ کر چلی جائے
میں اپنی آنکھوں میں کانٹے ڈال لیتا۔ اس کا ہاتھ تھامے ساری رات پلکوں تلے
دیتا۔ شاید اسے میری کیفیت پر ترس آ جاتا لیکن اب پچھتاووں کے سوا کچھ نہیں ر
تھا۔ مرلی کی باتوں نے دل کھٹا کر دیا جینے کا حوصلہ باقی نہ رہا تو میں نے بلند
چڑھ کر نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ ہمیشہ کے لئے قصہ پاک کر دینے کی ٹھان لی۔

لیکن' اسے شاید منظور نہیں تھا میں نے جس بلندی سے اپنے آپ کو گرا
اس کے بعد میرا زندہ بچ جانا ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔ میری جگہ کوئی قوی ہیکل
درندہ ہوتا تو شاید وہ بھی نشیب تک پہنچتے پہنچتے پاش پاش ہو جاتا' کئی حصوں میں
ہو جاتا لیکن میرے مقدر نے میرا ساتھ نہیں دیا' شاید قسمت میں جو کچھ لکھا وہ ابھی
نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

دوبارہ میرے ہوش بحال ہوئے تو میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی
گئیں۔ میں نے اپنے آپ کو اسی غار میں پایا جہاں میری ملاقات کرشنا سے پہل
ہوئی تھی۔ وہ میرے اوپر جھکا کچھ بڑبڑا رہا تھا' میرے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا' مجھے
کھولتے دیکھا تو خوشی سے دیوانہ ہو کر ناچنے لگا' حلق سے مختلف آوازیں نکالنے لگا

میں نے اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھا میرے جسم پر کہیں کوئی خراش تک
تھی۔ میری توانائی بھی متاثر نہیں ہوئی تھی مجھے پھر اس کا خیال ستانے لگا۔ اس

تھا کہ مجھے زندہ رہنا ہو گا۔ شاید اس کی ماورائی قوتوں نے بلندی سے چھلانگ لگانے
کے بعد میری مدد کی ہو گی۔ اس کے خیال سے دل تڑپ اٹھا۔ میں خلاؤں میں گھورنے
لگا۔

بوڑھا کرشنا بچوں کی طرح اچھل رہا تھا' ناچ رہا تھا' گا رہا تھا۔ مجھے دوبارہ پا
لینے کے بعد اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار میری جانب اٹھ رہی
تھیں۔ پھر وہ تھک کر نڈھال ہو گیا تو ہانپتا کانپتا میرے قریب آ گیا۔

''مہاراج......'' اس کے لب و لہجے سے مسرتوں کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''میں نے
کہا تھا نا کہ جب تم اس کے درشن کر کے واپس آؤ گے تو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں
گا۔ تم آ گئے میری آشا پوری ہو گئی۔''

''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''میں لایا ہوں مہاراج......'' وہ بڑے فخر سے چھاتی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تمہارا
سیوک اب میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

''وہ کہاں ہے......'' میں نے کرشنا کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ...... وہ تو چلی گئی مہاراج' اس کا سمے پورا ہو گیا تھا۔''

''نہیں......'' میں نے وحشت کا اظہار کیا۔ ''اس نے واپس آنے کا وچن دیا
ہے' وہ ضرور واپس آئے گی۔''

''اس نے تمہارا من رکھنے کو ایسا کہا ہو گا' اب وہ دوسرے جنم تک واپس نہیں آ
سکتی۔ پرنتو اس نے جو سوچا وہ پورا کر دیا' اس کی لگن سچی تھی' اس کا پیار اجلے پانی کی
طرح صاف تھا۔''

''اس نے کیا سوچا تھا......'' میں نے وضاحت چاہی۔

''تمہیں پانے کے کارن اس نے دیوی دیوتاؤں کو ناراض کر دیا۔'' کرشن نے
رک رک کر کہا۔ ''دیوتاؤں کے شراپ نے اسے آکاش سے اٹھا کر دھرتی پر پھینک دیا
وہ اپنی دھن کی پکی تھی۔ سزائیں بھوگتی رہی' کٹھنائیں جھیلتی رہی' پرنتو تمہارے دھیان کو
من سے نہیں نکالا۔''

''پھر کیا ہوا......''

''پھر دیوتاؤں کو اس پر دیا آ گئی' کنتو انہوں نے اس پر ایسی شرائط لگائیں کہ

اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہارا دھیان دل سے کھرچ کر نکال دیتا۔ مگر وہ چٹان کی طرح اپنے ارادوں پر جمی رہی۔" کرشن نے کہا۔ "ہاں مہاراج' تمہیں پانے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔"

"لیکن وہ واپس ضرور آئے گی۔" میں نے کرشن کا گلا پکڑ لیا۔ "اس نے وچن دیا ہے کہ وہ بھگوان سے دوسرے جنم کی بنتی کرے گی۔"

"اگر اس نے کہا ہے تو وہ اوش اپنے دیئے ہوئے وچن کا پالن کرے گی۔" کرشن کی سانس بکھرنے لگی تو میں نے اس کا گلا چھوڑ کر ایک سمت دھکیل دیا۔ وہ چاروں خانے چت گرا۔ ایک لمحے تک مجھے عجیب نظروں سے گھورتا رہا پھر اٹھ کر دوبارہ میرے قریب آ گیا' میرے پیر پکڑ کر بولا۔

"اس نے تم سے اور کیا کیا باتیں کی تھیں......؟" وہ ہاتھ باندھ کر گڑگڑانے لگا۔ "میں اس کے درشن کو ترستا رہا' تڑپتا رہا مگر میرے بھاگیہ میں نہیں تھا۔ تم نے اسے پا لیا' تم نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہو گا۔ باتیں کی ہوں گی' تمہاری آنکھوں میں مجھے اس کا خیالی پتلا نظر آتا ہے میرے لیے یہی بہت ہے۔ تم نے اسے پا لیا' میں نے تمہیں پا لیا' اب کوئی آشا باقی نہیں رہی۔"

کرشن بھی مرلی سے مختلف نہیں تھا میں ان دونوں کا رقیب تھا لیکن ان کے دلوں میں میرے خلاف کوئی کینہ' کوئی بغض نہیں تھا۔ کیونکہ کرشنا کو نہیں ملی تھی میں مل گیا اب اسی کے حوالے سے وہ میری پرستش پر آمادہ تھا۔

"وہ جانتی تھی اسے معلوم تھا کہ تم اس کے لیے کٹھن پریکشا کر رہے ہو......" میں نے اسے بتایا

"سچ مہاراج......!" کرشنا کی نگاہوں میں خوشیوں کے دیپ جگمگانے لگے۔ "میرے بڑے بھاگیہ جو اس کی زبان پر میرا نام آیا۔"

"تم مرلی کو جانتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کون مرلی؟ میں یہ نام پہلی بار تمہاری زبان سے سن رہا ہوں۔"

"وہ بھی تمہاری طرح اس کا سیوک تھا۔"

"ضرور رہا ہو گا......" اس نے کہا۔ "اس دھرتی پر لاکھوں سیوک اب بھی اس کے درشن کی جوت من میں جگائے اس کے نام کی مالا جپ رہے ہوں گے......"

"تم کہہ رہے ہو کہ وہ واپس نہیں آئے گی......" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں مہاراج!" وہ محتاط لہجے میں بولا۔ "میں نے پرکھوں سے یہی سنا تھا کہ اس جنم میں وہ کیول تمہاری بن کر رہے گی۔ تم کہتے ہو کہ وہ دوسرا جنم لے گی تو ٹھیک ہی ہو گا' میں وشواس سے نہیں کہہ سکتا۔"

میں بڑی دیر تک کرشنا سے اس کے بارے میں باتیں کرتا رہا' کبھی میری وحشت بڑھنے لگتی تو وہ خوفزدہ ہو کر مجھ سے دور ہو جاتا۔ میری حالت اعتدال پر آتی تو پھر پاس آ کر پیر دبانے لگتا۔ میں بولتا رہا' وہ خاموشی سے سنتا رہا میں خاموش ہوا تو اس نے دبی زبان میں کہا۔ "مہاراج اب تمہیں اپنے آپ کو منوانا ہے۔ اپنے من میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کرو۔ اس نے اپنی تمام مہان شکتی تمہیں دان کر دی ہے۔ سب کچھ سونپ کر چلی گئی۔ تم اپنے بھاگیہ پر جتنا بھی مان کرو کم ہے اب تمہارے مقابلے پر کوئی مہا پرش بھی آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔"

میں کرشن کی بات سن کر چونکا' مرلی کی آواز نے بھی مجھ سے کچھ ایسی ہی باتیں کی تھیں

"تمہارا کیا خیال ہے......؟" میں نے کرشن کو کریدا۔ "مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"جب تک وہ اپنے وعدے کے انوسار دوسرا جنم نہیں لیتی تم وہ کام نمٹا لو جو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔" کرشنا نے جواب دیا۔ "تم نے پہلے یہی کہا تھا مجھے تمہارا ایک ایک شبد یاد ہے......"

"تم نے بھی کچھ کہا تھا...... یاد کرو۔" میں نے اسے غور سے دیکھا۔

"کیا کہا تھا مہاراج؟ اگر غلطی میں کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو شما کر دو۔"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں واپسی کا راستہ نہیں معلوم......" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تب اور بات تھی۔" اس نے پہلو بدل کر کہا۔ "اس سمے وہ زندہ تھی' اس کی شکتی نے چاروں اور پردے ڈال رکھے تھے' جالے بن دیئے تھے' میری آنکھیں بھی اندھی ہو گئی تھیں لیکن اب میں سب کچھ دیکھ سکتا ہوں۔"

"اس نے مجھے کیا شکتی دان کی ہے؟" میں پھر الجھنے لگا۔ "میں نے اس سے کسی طاقت کی خواہش نہیں کی تھی' اس کی شکتی کے بغیر بھی میں زندہ تھا' اپنی بقا کی

جنگ لڑ رہا تھا کسی محاذ پر میں نے پشت دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ درمیان میں [illegible] جاتی تو بڑی حویلی کو بھی جلا کر راکھ کر دیتا۔" میں نے کرشنا کا گلا تھام کر اسے جھ[illegible] شروع کر دیا۔ "اسے اگر چھوڑ کر جانا ہی تھا تو پھر مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ بتاؤ تم جانتے ہو گے اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"وہ تمہیں نہ بلاتی تو اس کا تمہارا سنجوگ کیسے پورا ہوتا؟ پیا ملن کی آس [illegible] جاتی' دیوی دیوتا اس کی ہنسی اڑاتے' اس نے من میں تمہاری مورتی بنا کر تمہاری [illegible] کی تھی۔ تمہیں پاس بلا کر تمہارے گلے میں پھولوں کا ہار نہ ڈالتی تو لگن کی آشا اد[illegible] رہ جاتی۔" کرشن کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکراتی رہی۔ "اس نے تمہارے [illegible] جو سے بتایا ہے اس کے آگے سارے سنسار کا دھن بھی ہیچ ہے۔ تمہیں سے کا[illegible] نہیں ہوا مہاراج! میں بتاتا ہوں وہ اکیس چندرماؤں کے بیچ تمہارے ساتھ رہی [illegible] اس کے سیوک تو اس کی ایک جھلک دیکھ کر جان دینے کی شرط لگائے جانے کب [illegible] راہ تک رہے ہیں۔ مجھے دیکھو مہاراج! میرا وشواس کرو' جہاں تم نے لات مار کر الگ کیا تھا۔ وہاں میں بیس چندرماؤں کو اترتے چڑھتا دیکھتا رہا پھر نراش ہو کر عا[illegible] واپس آ گیا۔ یہاں چین نہیں ملا تو تمہاری تلاش میں جگہ جگہ بھٹکتا رہا' میرے من [illegible] خیال آیا کہ شاید تم سیوک کو بھول گئے' کہیں اور نکل گئے' میں تمہیں کھوجتا رہا پھر [illegible] نے ایک دن تمہیں دیکھ لیا۔ سب اسی کی کرپا ہے' اسی کی شکتی نے مجھے تمہارا راستہ [illegible] ہو گا۔" کرشنا نے اپنی بات جاری رکھی...... "تمہیں تو شاید یاد بھی نہ ہو تم بہت [illegible] تھے' تمہارے شریر سے خون ابل رہا تھا' میں وقت پر نہ پہنچتا تو شاید تمام جیون [illegible] رہتا' پچھتاتا رہتا۔ میرے بڑے بھاگیہ جو تمہاری سیوا کرنے کا موقع مل گیا' اس کی [illegible] تھی جو تم بچ گئے ورنہ میری آس تو کئی بار ٹوٹنے لگی تھی' مرنے کے بعد اسے کیا دکھاتا؟"

میں حیرت سے کرشنا کا منہ تکتا رہا' اس نے میری جان بچا کر مجھ پر احسان [illegible] تھا۔ وہ میری ہمدردی کا مستحق تھا اور میں اسے دھتکار رہا تھا۔

"کس وچار میں گم ہو گئے مہاراج؟" اس نے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر بے [illegible] سے پوچھا۔ "کیا سیوک سے پھر کوئی بھول ہو گئی؟"

"کرشنا......" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے دریافت کیا۔ [illegible] میرے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"میں کیول اتنا جانتا ہوں کہ تم اس کی پسند ہو جس کے کارن میں نے اپنا سارا جیون داؤ پر لگا رکھا تھا۔ اس کے سوا میں نے کبھی کچھ اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کی......"

"اس کے باوجود تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو......"

"ہاں مہاراج۔" اس نے پھر میرے پیر پکڑ لیے' عاجزی سے بولا۔ "اب یہی ایک آشا رہ گئی ہے کہ تمہارے چرنوں میں جان دے دوں' میں بنتی کرتا ہوں اپنے سیوک کو نراش مت کرنا' اپنے چرنوں میں پڑا رہنے دو' تمہاری سیوا میں مجھے جو سواد ملے گا وہی میرے جیون کا سب سے بڑا انعام ہو گا۔ میری تپسیا پھل ہو جائے گی۔"

میں اس کی حماقت پر مسکرا دیا' کیسی عجیب بات تھی' ایک دیوانہ دوسرے دیوانے سے ہوشمندی کا طلب گار تھا۔ میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا تو اس کی پلکوں پر ستارے جگمگانے لگے' شادی مرگ کی کیفیت طاری ہونے لگی' خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔

ہم دونوں ہی ایک کشتی کے سوار تھے۔ کرشن کی طلب شاید مجھ سے زیادہ سچی اور کھری تھی۔ میں نے تو کچھ کیچو کو پا لیا تھا' اگر کرشنا کا بیان غلط نہیں تھا تو کیچو کی رفاقت میں' میں نے اکیس چاند طلوع اور غروب ہوتے دیکھے تھے۔ وہ روز اول سے پیاسا تھا میں نہ ہوتا تو شاید کیچو کے حق میں اس کے مقدر کے ستارے جاگ اٹھتے۔ قرعہ فال اس کے حق میں نکل آتا۔ میری جگہ وہ کیچو کی نازبرداریوں کا حق ادا کرتا' لیکن اس نے صرف تمنا کی تھی۔ اس کے خواب پورے نہیں ہو سکے پھر بھی وہ کیچو کے حوالے سے میرا دم بھر رہا تھا۔ کیچو سے میری نسبت نے اسے میرا غلام بنا دیا تھا۔ وہ میرے ساتھ رہنے کی درخواست کر رہا تھا۔ میں نے اس کی درخواست قبول کر لی' اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ وہ میری رفاقت کا مستحق بھی تھا۔ مجھ جیسے تہی دست آدمی سے اس کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔ اس کی باتوں میں کوئی آلودگی بھی نہیں تھی۔ میں ایک بار اسے اپنے تئیں گلا گھونٹ کر مار بھی چکا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میرے زخموں کی دیکھ بھال کرنے کے بجائے کوئی وزنی پتھر اٹھا کر میرے سر پر دے مارتا۔ اپنے انتقام کی آگ بجھا لیتا لیکن اس کی زبان سے کوئی حرف شکایت ادا

نہیں ہوا۔ اس کے برعکس وہ بڑی سعادت مندی' بڑی عاجزی سے میری خدم
آمادہ تھا۔

تھمے ہوئے وقت کا سفر پھر جاری ہو گیا' میں غار میں پڑا آرام کرتا رہتا'
کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں کی حسین یادوں میں گم رہتا۔ کرشنا میری خدمت
میرے ناشتے کا اہتمام کرتا' میرے کھانے کے لیے دور دور سے پھل اور ڈرائی فر
لاتا۔ رات آتی تو وہ سرہانے بیٹھ کر میرا سر دبانے لگتا' میں نے کئی بار اسے روک
لیکن اس کی انکساری کے آگے خاموشی اختیار کر لی۔ کبھی جب ہمارے درمیان
ہوتی تو وہ دبی دبی زبان میں مجھے دنیا کے ہنگاموں کی سمت واپسی پر اکسانے لگتا
ہمیشہ اسے ٹال دیتا' لیکن ایک دن ماضی کی تلخ یادوں نے مجھے تڑپا دیا مجھے اپنا گ
آنے لگا جس کے در و دیوار سے زندگی کی ہزاروں یادیں وابستہ تھیں۔ مجھے ا
کی بے رخی یاد آئی جنھوں نے میرے گھر کے کاغذات میری ماں کے زیورات
کے بعد مجھے دھتکار دیا۔ مجھے غزالہ یاد آئی' ہمارے بزرگوں نے بچپن میں ہمیں
دوسرے سے وابستہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن میرے والدین کی موت اور می
گھرانے کی بربادی دیکھ کر چچا کی نیت میں فتور آ گیا' میرے بعد اسی در سے نک
بے عزت کرکے نکالا گیا۔

کتاب ماضی کے اوراق ایک ایک کر کے پلٹنے لگے تو میرے اندر کا ا
جاگ اٹھا۔ کلکتہ' بمبئی' الہ آباد' ریاست راجے پور کی باتیں' یادیں مجھے بے چین کر
لگیں۔ ڈالی اور گنڈے کا خیال ذہن میں کچوکے لگاتا تو میں تڑپ اٹھتا۔ جگدیہ
دھیان آتا تو آنکھوں میں خون اتر آتا۔ مجھ پر بہت سارے قرض واجب الادا
میں نے واپسی کے سفر پر آمادگی کا اظہار کیا تو کرشنا کی خوشی قابل دید تھی۔ شاید وہ
جنگل و بیابان میں رہتے رہتے اکتا گیا تھا۔ کیچو کے بعد اب وہاں کیا رہ گیا تھا؟

کرشنا کے غار میں میرے اوپر جمود کی جو کیفیت طاری ہو گئی تھی وہ ٹوٹ
زندگی کا سفر پھر شروع ہو گیا میں نے کرشن کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا اور خود اس
پیچھے پیچھے قدم بڑھانے لگا۔ وہ بار بار پلٹ کر میری سمت دیکھتا اسے خدشہ تھا
درختوں کے کسی جھنڈ میں چھپ کر اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جاؤں۔ وہ
قیمت پر میرا ساتھ چھوڑنے کو آمادہ نہیں تھا' وہ ساتھ نہ ہوتا' بار بار اصرار نہ کرتا تو

کیچو کے شبستان ہی میں اس کی یادوں کے سہارے زندگی گزار دیتا۔ جسے اس نے
صرف میری خاطر بنایا تھا۔

ہم دونوں کی حالت ایک جیسی تھی' کرشنا نے اپنا نچلا دھڑ پتوں سے ڈھانپ
رکھا تھا میرے جسم پر وہی کپڑا موجود تھا جو مرلی نے ڈال دیا تھا۔ ہم دونوں وحشی لگ
رہے تھے۔ سر اور جسم کے بال بری طرح بڑھ رہے تھے' میرے گلے میں کیچو کا ڈالا ہوا
ہار ابھی تک موجود تھا۔ میں سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اس کا خیال رکھتا' وہی تو
اس کی آخری نشانی میرے پاس رہ گئی تھی۔ کرشنا اس سوکھے ہوئے ہار کو بڑی للچائی
ہوئی نظروں سے دیکھتا۔ اس نے ایک پھول کی بھی طلب نہیں کی' طلب کرتا بھی تو میں
انکار کر دیتا۔ شاید وہ میرے ارادے سے واقف تھا اسی لیے حرف مدعا کبھی زبان تک
نہیں لایا۔ ہار کے خشک پھولوں کو دیکھتے دیکھتے تصور میں گم ہو جاتا' گھٹنوں ٹھوڑی سینے
پر ٹکائے اپنی سوچوں میں گم رہتا۔ اس کی کیفیت دیکھ کر مجھے طمانیت کا احساس ہوتا'
اپنی برتری کا خیال آتا۔ کیچو کے ساتھ گزارے ہوئے شب و روز یاد آنے لگتے۔ اب
اس کی یادیں ہی میری زندگی کا سرمایہ تھیں' کرشنا اس سے بھی محروم تھا' تصور میں نہ
جانے کیچو کی کیا کیا شکلیں تراشتا ہو گا؟ مجھے یہ سوچ کر ہنسی آ جاتی۔

ہمارا کوئی راستہ مقرر نہیں تھا' کوئی منزل طے نہیں تھی جہاں کوئی پگڈنڈی نظر
آتی اسی پر سفر شروع کر دیتے' کبھی پہاڑوں کی بلندیاں طے کرتے کرتے تھک جاتے
تو کچھ دیر آرام کرنے کی خاطر کسی درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ میں یقین سے
نہیں کہہ سکتا کہ ہم کتنے روز راستے کی تلاش میں بھٹکتے رہے' شب و روز کے شمار کی
ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی' نہ ہمیں کوئی جلدی تھی نہ کسی اور کو ہمارا انتظار تھا۔ کل کیا
ہونے والا تھا؟ اس کی بھی کوئی خبر نہیں تھی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہم تقریباً
دس روز تک پہاڑ اور درختوں کے گھنے جنگلات کے نشیب و فراز طے کرتے رہے پھر
ایک پہاڑ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمیں دور ایک بستی کے آثار نظر آ گئے۔ میں نے
نشیب میں اترنے کی خاطر قدم بڑھائے تو کرشن نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''ایسے نہیں مہاراج.....'' اس نے بڑی عقیدت سے کہا۔ ''میں تمہیں ایسے حلئے
میں لوگوں کے بیچ نہیں جانے دوں گا۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے اس کو بغور دیکھا۔

''تم یہیں آرام سے بیٹھو۔ میں بستی میں جا کر تمہارے لیے مناسب لباس
انتظام کرتا ہوں۔''

میں نے کرشنا کی بات مان لی' ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کرشنا
لمبے ڈگ بھرتا نشیب میں اترنے لگا۔ میں نے اس کے دور جانے کے بعد آنکھیں
کر لیں۔ ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے مجھ پر غنودگی کی کیفیت طاری کر دی۔ میں
آنکھیں موندیں بیٹھا کیچو کے تصور سے کھیلنے لگا اس کے ساتھ گزاری ہوئی گھڑیاں یاد
کرنے لگا۔ اس کی ایک ایک ادا میری زندگی کا بیش بہا سرمایہ تھی۔ پہلے اسے شکوہ تھا
کہ ''میں نے آنے میں بہت دیر کر دی۔'' اب مجھے اس سے شکایت تھی کہ اگر وہ
چاہتی تو مجھے بہت پہلے اپنے پاس بلا لیتی۔ اسے کس بات کا انتظار تھا؟ کیا رکاوٹ
درپیش تھی؟ کیا مصلحت مانع تھی؟ کرشنا کہتا تھا کہ وہ جب بھی آنکھ کا ایک اشارہ کرے
گی میں کچے دھاگے کی طرح کھنچتا اس تک پہنچ جاؤں گا پھر اس نے مجھے اپنے لمس
سے سرفراز کرنے میں دیر کیوں کی؟ کیا اس کے دیوی دیوتاؤں نے ہماری ملاقات
کوئی خاص وقت مقرر کر رکھا تھا یا وہ میری دشت نوردی کا تماشا دیکھنا چاہتی تھی؟ وہ کیا
چاہتی تھی؟ کیوں چاہتی تھی؟

میں اپنے آپ سے الجھنے لگا پھر میں نے جھلا کر اپنی کلائی میں دانت گاڑ
دیئے۔ یہ سزا میں نے پورے ہوش و حواس میں خود کو دی تھی جس سے محبت ہوتی ہے
اس سے کوئی شکوہ' کوئی شکایت نہیں کرتے اس کی قربانیاں میرے مقابلے میں کہیں
زیادہ تھیں۔ اس نے آنکھ کھولتے ہی مجھے پانے کی تمنا کی تھی۔ کرہ ارض پر صرف ایک
میرا انتخاب کیا مجھے پانے کی خاطر اس نے بہت کچھ کھو دیا۔ سالہا سال میری منتظر رہی
راہ دیکھتی رہی۔ سائے کے مانند میرے وجود کے ساتھ ساتھ چلتی رہی' وہ حسن کی دیوی
میری ملکہ تھی' میں اس کا غلام تھا' میری زندگی مستعار تھی' اس نے جب مناسب سمجھا
مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ نہ بلاتی تو میں کیا کر لیتا؟ اس نے میری ماں' میری بہن اور
باپ کو ختم کردیا۔ میرا بھائی پاگل ہوگیا میں گھر سے بے گھر ہوگیا۔ اس کے لیے وصل
کی یہ شرائط اس کے دیوی دیوتاؤں کی طرف سے عائد کی گئی تھیں۔ وہ بے قصور تھی'
معصوم تھی' اتنی حسین' اتنی ماہ جبیں تھی کہ اس کے لیے سو قتل بھی معاف کیے جا سکتے
تھے۔ وہ قدرت کا عجوبہ تھی اس نے میری خاطر جنت نما ایک وادی کا انتخاب کیا۔ مجھے

بڑی حویلی کے پاس سے اٹھا لائی' پہاڑوں اور گھنے درختوں کے درمیان آزاد چھوڑ دیا'
خود اپنے شبستان میں بیٹھ کر میرا انتظار کرتی رہی۔ اس نے میرے اوپر کوئی پابندی نہیں
ہدی۔ وہ چاہتی تو اپنی لازوال طاقت کے زور سے مجھے اپنا غلام بنا سکتی تھی' میں بار
بار اس کے قدموں پہ سر رکھتا' وہ ہر بار نخوت سے ٹھوکر مار کر مجھے دھتکار دیتی لیکن وہ
مجھ پر مہربان تھی۔ اس نے میرے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کیا اپنے آپ کو میرے
حوالے کر دیا۔ میری وحشتوں کے سامنے کبھی اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میری ہر ادا
اسے پسند تھی۔ میری ہر بات اسے منظور تھی اس نے میری راہ میں پھولوں کا بستر بچھا
دیا۔ خود اس پر دراز ہوگئی۔ میں اس سے کھیلتا رہا' چھیڑتا رہا' ستاتا رہا' گدگداتا رہا' وہ
مسکراتی رہی' شرماتی رہی' لجاتی رہی' کسمساتی رہی۔ مجھے اس کی ایک ایک ادا یاد آ رہی
تھی۔

میں نے ایک بار پھر شکوہ کیا تھا کہ وہ مجھے بڑی حویلی سے کیوں اٹھا لائی۔
نی ذالی اور گنڈے کا انتقام لینے کی خاطر جگدیپ کو چیلنج کر کے وہاں گیا تھا میں نے
طے کر لیا تھا کہ جگدیپ اور بڑی حویلی کے اندر رہنے والوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر
دوں گا۔ اس وقت میرے پاس دو ریوالور تھے' کارتوس کے ڈبے تھے میں نے اپنا راستہ
صاف کرنے کی خاطر حویلی کے دو پہریداروں کو بھی ٹھکانے لگا دیا تھا۔ جگدیپ تک
پہنچنے یا اس کو اس کی کمیں گاہ سے باہر نکالنے کی خاطر میرے ذہن میں کئی منصوبے
تھے۔ ایک ناکام ہوتا تو دوسرا میری کامیابی کا سبب بن جاتا' لیکن میری حسرتیں ناکام
رہ گئیں۔ کیچو کا وہ اقدام میری ناراضی کا سبب بن گیا۔ میں نے اسے تلاش کرنے کی
کوشش نہیں کی۔ اس سے دور دور رہا' وہ میری راہ تکتی رہی' وقت گزرتا رہا' وہ مجھے مجبور
نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن جب میں اس سے ملا تو اس نے بتایا کہ اگر وہ مجھے بڑی حویلی
سے دور نہ رکھتی تو میں اپنی حماقتوں کا شکار ہو جاتا۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے جو فیصلے
کیے وہ جلد بازی میں کیے تھے۔ وہ درمیان میں نہ آتی تو مجھے اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا
پڑتا۔ وہ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی تھی اس لیے خطرات سے دور لے آئی۔ وہ لازوال
قوتوں کی مالک تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کل کیا ہونے والا تھا' اسی لیے مجھے تحفظ فراہم کیا
اور میں اس سے شاکی رہا۔ وقت گنواتا رہا' کرشنا کہتا تھا کہ میں نے اکیس چندر ماؤں
کے درمیان اس کے شبستان میں وقت گزارا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا میرے خیال

میں تو وہ ایک پل تھا' ایک لمحہ تھا' ہوا کا ایک جھونکا تھا جو آیا اور گزر گیا۔ ایک خوا
جسے دیکھتے دیکھتے میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو وہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکی
میں آنکھیں بند کیے اپنے خیالوں کے دوش پر پرواز کرتا' اس کے شبستا
میں پہنچ گیا۔ میں نے دور سے دیکھا وہ جھیل کے کنارے سوگوار سی بیٹھی کسی خیال
گم تھی۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی نظر آ رہی تھیں۔ دراز پلکوں پر آنسوؤں کے
قطرے جھلملا رہے تھے۔ اس کا سراپا اس وقت بھی چمک رہا تھا' لچک رہا تھا' لیکن
میں پہلے جیسی تازگی' شگفتگی' شادابی نہیں تھی۔ اس کے گیسو شانوں پر لہرا رہے تھے
اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔

میں اس کا حسن سوگوار دیکھ کر تڑپ اٹھا دبے قدموں اس کے قریب گیا وہ
قدر منہمک تھی کہ اسے میری کوئی آہٹ نہیں محسوس ہوئی۔ میں نے جھیل کے ٹھہ
ہوئے پانی میں اس کے چہرے کو دیکھا' اس کے گالوں کے گداز پر بے کیفی مسلط
اس کے ہونٹ سے شفق کی سرخیاں غائب تھیں۔ شاید وہ بھی میری جدائی کے غم
تڑپ رہی تھی۔ میں نے ایک کنکری اٹھا کر جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی پر اچھال
دائروں کا جال تیزی سے پھیلا تو وہ چونکی اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ مجھے قر
دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں وہ اسی وقت اٹھ کر کھڑی ہو گئی' اس
کندن جسم کے ہیجان انگیز زیروبم میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی غزالیں آنک
چمکنے لگیں' اس کے ہونٹوں کی سرخی واپس لوٹ آئی' فضا میں اس کے جسم کی خوشبو
لگی۔ وہ پلکوں کی چلمن وا کیے مجھے دیکھتی رہی' شاید اسے میرے وجود پر یقین نہیں
رہا تھا۔

''موہن......'' اس کے ہونٹ آہستہ سے کھلے' فضا میں نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں
''ہاں آشا......'' میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''میں موہن ہوں
تمہارا موہن......''

''تم واپس آ گئے......'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
''میں گیا کب تھا؟'' میں نے شکوہ کیا۔ ''تم مجھے سوتا چھوڑ کر چلی گئیں' میں
تمہیں کھوجتا رہا' آوازیں دیتا رہا' پکارتا رہا' تم نے کوئی جواب ہی نہیں دیا......''
''میں تمہاری آوازیں سن رہی تھی موہن لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی

''لیکن کیا......'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا اس کی خاموشی نے میرا
سکون چھین لیا۔
''ابھی دوبارہ ہمارے ملاپ کا سمے نہیں آیا۔'' وہ آزردہ لہجے میں بولی۔ '' تم
بے چین تھے اس لیے میں دیوتاؤں سے تھوڑی سی مہلت مانگ کر یہاں آ گئی' تمہیں
میرا انتظار کرنا ہو گا موہن۔ مجھے وچن دو' تم مجھے بھولو گے نہیں......''
''آشا......'' میرے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی۔ ''میں تمہارے بغیر زندہ نہیں
رہ سکتا۔''
''میں بھی اسی اذیت سے دوچار ہوں......'' اس نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے
جواب دیا۔ ''لیکن ہم دونوں کو بھوش کا لکھا بھگتنا ہو گا۔ مجھے وشواس ہے کہ دیوتا میری
بنتی رد نہیں کریں گے۔ پہلے بھی انہوں نے میری ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے
اب بھی وہ مجھے نراش نہیں کریں گے۔ کچھ سمے کی بات ہے' ہم پھر ایک ساتھ ہوں
گے۔'' اس کے لہجے میں التجا کے رنگ سمٹنے لگے۔ ''مجھ سے وعدہ کرو موہن تم کسی موڑ
پر ہار نہیں مانو گے' ہنسی خوشی زندہ رہو گے' اپنی صحت کا خیال رکھو گے......''
''اور اگر تم نہ آئیں......؟''
''کیا تمہیں اپنی آشا پر بھروسہ نہیں......'' اس کی نگاہوں کے جام چھلکنے لگے'
میں نے دوڑ کر اسے اپنی آغوش میں چھپا لینے کی کوشش کی وہ تیزی سے پیچھے ہو گئی۔
''نہیں موہن......'' اس نے ملتجی نظروں سے درخواست کی۔ ''ابھی مجھے ہاتھ
لگانے کی کوشش نہ کرنا' ورنہ دیوی اور دیوتا پھر مجھے تمہارے سامنے آنے کی آ گیا نہیں
دیں گے۔''
''تم بھی ایک وچن دو آشا......'' میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''میں جب یاد
کروں گا تم مجھے اپنا درشن ضرور دو گی......''
''وچن نہیں دے سکتی' کوشش کروں گی۔'' اس نے سوگوار انداز میں کہا۔ ''تم
میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو' میں نے سارا جیون تمہارے انتظار میں بتا دیا' تم
میرے کارن تھوڑا انتظار نہیں کر سکتے۔'' اس نے شکوہ کیا۔
''ایسا نہیں ہے......'' میں تڑپ اٹھا۔ ''میں زندگی کی آخری سانسوں تک تمہارا
انتظار کروں گا' میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ کبھی بھولوں گا نہیں' تم

میرے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ رہو گی۔"

"تم بہت اچھے ہو موہن......" اس کی پلکوں پر ستارے جھلملانے لگے۔ "میں ہر جیون میں کیول تمہارا انتخاب کروں گی۔"

میں اس کے حسن کے نظاروں میں محو تھا کہ کرشنا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"اٹھو مہاراج...... دیکھو میں تمہارے لیے کیا کیا لے آیا......"

مجھے کرشنا کی مداخلت سخت زہر لگی' میں نے آنکھیں کھول کر اسے گھورا۔

"مہاراج......" وہ میری آنکھوں میں حیرت سے جھانکنے لگا۔ "تم...... تم کس کے وچاروں میں گم تھے؟"

"تم میرے لیے کیا لائے ہو......؟" میں نے جلدی سے اس کے ہاتھوں میں لٹکے ہوئے تھیلوں پر نظر جما دی' وہ شاید میری آنکھوں میں کیچو کی ایک جھلک دیکھنے کا خواہاں تھا۔ میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ تھیلے کھول کر الٹنے پلٹنے لگا' وہ بستی سے بہت ساری ضرورت کی چیزیں اٹھا لایا تھا۔ سادھوؤں جیسی زرد رنگ کی دھوتی' بڑے بڑے دانوں والی مالا' بالکل ویسی ہی جیسے میں ایشوری لال اور سادھو دیوراج کے گلے میں دیکھ چکا تھا' کچھ کھانے پینے کا سامان تھا۔ ڈاڑھی بنانے کا سامان تھا' تولیے تھے' صابن تھے' کھڑاویں تھیں اور بہت ساری چھوٹی موٹی روز مرہ کے استعمال کی اہم چیزیں تھیں۔ میں انہیں دیکھنے میں مشغول تھا' وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے کسی سوچ میں غرق تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ پھر مجھ سے کچھ پوچھے گا لیکن اس نے کچھ نہیں پوچھا کچھ دیر گم سم رہا پھر بولا۔

"آج رات ہم یہیں گزاریں گے' کل سویرے حلیہ ٹھیک ٹھاک کر کے بستی میں داخل ہوں گے۔"

"اس بستی کا کیا نام ہے......" میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"یہ پرتاب گڑھ کے قریب ہندوؤں کی ایک چھوٹی بستی ہے۔ مہاراج! ہزار بارہ سو کی مختصر سی آبادی ہے۔" کرشن مجھے اس آبادی کے بارے میں اپنی معلومات سے آگاہ کرنے لگا لیکن میرا ذہن کہیں اور تھا میں۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

پرتاب گڑھ کا نام سن کر میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں ماضی کی تلخ یادیں ذہن کے پردوں پر ابھرنے لگیں میرے اندر انتقام کی آگ بھڑکنے لگی۔ پرتاب گڑھ' الہ آباد سے زیادہ دور نہیں تھا وہ ایک گاؤں تھا جس کے بارے میں' میں اپنے بزرگوں سے بہت کچھ سن چکا تھا' مجھے اپنا گھر' اپنے ماں باپ یاد آنے لگے' یاسمن کی پنکھے سے لٹکتی لاش میرے تصور میں ابھری تو میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے مہاراج......" بوڑھا کرشنا مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ "تم کچھ بیاکل نظر آ رہے ہو......؟"

"تم کبھی الہ آباد گئے ہو......؟" میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا

"نام سنا ہے مہاراج! پرکھوں کا وہاں آنا جانا تھا۔ میں اس سمے چھوٹا تھا۔ میرے بڑے بتاتے تھے کہ الہ آباد میں بارہ سال بعد کمبھ کا میلہ بڑی دھوم دھام سے ہوا کرتا تھا۔" کرشن نے اپنی معلومات بیان کیں پھر دبی زبان میں بولا۔ "کیا تمہارا بھی کوئی سمبندھ ہے الہ آباد سے؟"

"ہاں......" میں ہونٹ چبانے لگا۔ "میں اسی شہر کا باسی ہوں۔"

"پھر تو ہم پہلے الہ آباد ہی جائیں گے۔ وہاں تمہارا گھربار ہو گا' تمہارے بڑے ہوں گے"

"سب کچھ تھا مگر اب شاید کچھ بھی نہ رہا ہو......" میں نے سرد آہ بھری۔

"میں سمجھا نہیں مہاراج......؟" وہ میرے چہرے کے تاثرات پڑھنے لگا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جب ساتھ ساتھ ہو تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔"

اس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا پھر بیٹھ کر میرے پیر دبانے لگا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں کچھ دیر پیشتر میں کیچو کے خوابناک تصور کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا اس نے کہا تھا کہ کبھی کبھی وہ کسی ادھوری شکل میں مجھے اپنے درشن دیتی رہے گی۔ بڑے اعتماد سے یقین دلایا تھا کہ ہر جنم میں وہ میرا انتخاب کرے گی۔ میرے ساتھ رہے گی میں اس کے عقیدوں سے متفق نہیں تھا۔ اس کی باتوں سے دل کو قرار سا آ گیا تھا مگر وہ قرار زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ پرتاب گڑھ کے حوالے سے الہ

آباد کا نام ذہن میں ابھرا تو میرے سینے میں دبی راکھ میں ماضی کی کچھ چنگاریاں سی چٹخنے لگیں۔ میرے وجود میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ مختلف منصوبے ابھر کر آپس میں گڈ مڈ ہونے لگے' کرشن بڑی مستعدی سے میرے پاؤں دباتا رہا' اس نے کچھ دیر بعد کھانے کو پوچھا تو میں نے انکار کر دیا۔

''کچھ چکھ لو مہاراج' اس نے اصرار کیا' گھر کا بھوجن کھائے ایک عمر بیت گئی۔''

''تم کھا لو' مجھے بھوک لگی تو میں بھی دو چار لقمے زہرمار کر لوں گا۔'' میرے وجود کی کڑواہٹ زبان تک آ گئی۔

''میں سمجھ رہا ہوں مہاراج.....'' اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''اس کی یاد تمہارے من کو ہمیشہ تڑپاتی رہے گی' تم تو بھاگیہ شالی تھے' جو اس کے درشن کر لیے' میں تو ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکا' میرے من میں کبھی جھانک کر دیکھو وہاں تمہیں ہر طرف دھول ہی دھول نظر آئے گی۔ تم نہ ملتے تو میں اسی دھول میں لوٹ لگا لگا کر مرجاتا۔ اب کیول تمہارے لیے زندہ ہوں۔ تمہاری سیوا میں جو سواد ملتا ہے وہ جیون میں اور کہاں۔ تمہاری بڑی کرپا جو تم نے سیوک کو دھتکار نہیں دیا۔''

کرشنا اس کی یاد کے دیے روشن کیے میرے گن گاتا' مجھے میری خوش قسمتی کا احساس دلاتا رہا' ساتھ میں اپنی محرومیوں کے زخم بھی کریدنے لگتا' میں اس کی بات سنتا رہا' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر جانے کب نیند کے خمارے نے مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

دوسرے دن ہم حلیہ درست کر کے بستی میں داخل ہوئے تو ہماری آؤ بھگت کے لیے پوری بستی ایک میدان میں جمع ہو گئی۔ وہاں جو پنڈت پجاری' سادھو اور سنت موجود تھے' وہ بار بار ہمارے پیروں کو ہاتھ لگا رہے تھے' ان کی نگاہوں میں ہمارے لیے عقیدت تھی' میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھ گیا' کرشنا نے زمین پر آسن جما لیے۔

بستی کے لوگ اظہار عقیدت کی خاطر ہار پھول ہمارے گلوں میں ڈالتے رہے' نذرانے چڑھاتے رہے' مجمع میں جوان' بوڑھے' بچے' مرد اور عورتیں سب ہی جمع تھے' ان کی تعداد ہزار بارہ سو سے کم نہیں تھی۔ وہ سب مل کر بھجن گاتے لگے' محبت کے گیت الاپنے لگے' بڑے عرصے بعد انسانوں کی آوازیں ہمارے کانوں میں رس گھول رہی

تھی۔

ان کی رسمیں ختم ہوئیں تو سب سے بزرگ سادھو نے ہمیں ایک مکان میں چلنے کو کہا جو شاید ہمارے لیے پہلے سے مخصوص کیا جا چکا تھا۔ ہجوم اب ہمارے گرد دائرے کی شکل میں جمع تھا۔ سب ہی ہاتھ باندھے کھڑے تھے' مجھے کیچو یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ دھرتی پر مجھے بہت بلند مقام پر دیکھنا چاہتی ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ بڑے بڑے شکتی شالی پنڈت پجاری میرے قدموں پر ڈنڈوت کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھیں گے۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا' میں دیکھ رہا تھا کہ وہ سب ہمارے آگے بچھے جا رہے تھے۔

بڑے سادھو کی درخواست پر بوڑھے کرشنا نے میری طرف دیکھا پھر میری نظروں کا اشارہ پا کر بڑے سادھو سے بولا۔

''مہاراج کو دور جانا ہے' جتنی دیر یہاں ٹھہریں گے وہی بہت ہے' زندگی رہی' وقت ملا تو پھر درشن دیں گے۔''

''ہمیں نراش مت کرو مہاراج!'' بڑے سادھو نے براہ راست میری طرف دیکھا' ہاتھ باندھ کر بنتی کرنے لگا۔ ''ہمارا بھی کچھ ادھیکار ہے تمہارے اوپر' زیادہ دیر نہ سہی ایک دو دن تو سیوا کا موقع دو۔ ابھی تو ہم نے دل بھر کر تمہارے درشن بھی نہیں کیے' ایسی بھی کیا جلدی' اب آ گئے ہو تو ہمیں بھی من کی آشائیں پوری کر لینے دو' ہمارے کارن نہ سہی' اس کے کارن رک جاؤ جس نے ہمیں تمہاری سیوا کا موقع دیا ہے۔''

''تم کس کی بات کر رہے ہو.....؟'' میں نے بڑے سادھو کو غور سے دیکھا۔ ''اس کے سوا اور کس کی بات کر سکتا ہوں مہاراج جس کے پریم نے تمہیں سب سے مہان بنا دیا' تمہاری بھگتی ہمارا دھرم ہے' تمہارے ہاتھ کی ریکھا بتا رہی ہے کہ اس نے تمہیں جو شکتی دان کی ہے اس کو پانے کی خاطر ہم کیول سپنا ہی دیکھ سکتے ہیں' پراپت نہیں کر سکتے۔'' وہ پھر گڑگڑانے لگا۔ ''زیادہ دیر کے لیے نہ سہی صرف ایک دن اور رات کے لیے رک جاؤ مہاراج..... تم چلے گئے تو ہم پیاسے رہ جائیں گے' ہمیں بھی حلق تر کر لینے دو۔''

''ہاں مہاراج.....!'' مجمع بھی ایک زبان ہو کر بولا۔ ''ہمیں نراش مت کرو۔''

''ان کا کہا مان لو مہاراج......'' بوڑھے کرشنا نے بھی ہاتھ باندھ کر سفارش کی۔ میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ وہ خوشی سے دیوانے ہو کر ناچنے لگے' بوڑھے سادھو نے آگے بڑھ کر اپنا سر میرے قدموں پر رکھ دیا' کرشنا کی آنکھیں مسرت سے جگمگانے لگیں۔

ہمیں ایک کچے پکے مکان میں پہنچا دیا گیا۔ مجمع ہمارے ساتھ ساتھ تھا' وہ باہر رک گیا۔ ہم بڑے سادھو کے ساتھ اندر داخل ہوئے' وہاں ہماری توقع سے کہیں زیادہ اہتمام کیا گیا تھا۔

''تمہاری بڑی کرپا مہاراج! جو تم نے ہمیں نراش نہیں کیا۔'' بڑے سادھو نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا۔ پھر کرشنا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تم کچھ دیر آرام کر لو پھر ہم ایک ساتھ ہی بھوجن کریں گے۔''

وہ ہاتھ باندھے الٹے قدموں واپس چلے گئے تو کرشنا نے جھومتے ہوئے کہا۔

''تم نے دیکھا مہاراج' اس کے دیوانے کہاں کہاں موجود ہیں' ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔ میرا من کہتا ہے کہ تم دھرتی پر جہاں بھی قدم رکھو گے اس کی چھایا تمہارے ساتھ ہو گی۔ اس کے پروانے تمہیں کاندھوں پر اٹھا لیں گے تم سا مہان کوئی اور نہ ہو گا۔ بڑے بڑے بلوان بھی تم سے پنجہ لڑانے سے کترائیں گے۔ کسی کی موت ہی اسے تمہارے سامنے لے آئے تو اور بات ہے ورنہ اب کیول تم ہی تم ہو' پھر مجھے بھول نہ جانا' مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنا اب تم سے دور ہوا تو مر جاؤں گا......''

''مجھے بھی تمہاری ضرورت ہے کرشنا۔'' میں نے اسے دلاسہ دیا۔ ''اس نے تمہیں دوسری زندگی اسی لیے دی تھی کہ تم میرے ساتھ رہو۔''

''ہاں مہاراج...... تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔'' کرشنا پر شادی مرگ کے مرحلے گزر گئے۔ ''اس نے دوسرا جیون اسی کارن دان کیا ہے کہ میں تمہارے چرنوں میں زندگی گزار دوں' تمہاری سیوا کرتا رہوں' تم کوئی آ گیا دو' میں اس کا پالن کروں......''

''کرشنا......'' میں نے کچھ سوچ کر تھوڑے توقف سے اسے مخاطب کیا۔ ''منش سوچتا کچھ اور ہے' ہوتا کچھ اور ہے' قسمت کے پانسے سدا سیدھے نہیں پڑتے کبھی پلٹ بھی جاتے ہیں' جو ہمیں اوپر سے نظر آتا ہے ضروری نہیں کہ اندر بھی ویسا ہی ہو۔''

''میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا......'' وہ مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ایک شریر کے کئی روپ بھی ہو سکتے ہیں۔'' میں کرشن سے کہتا رہا۔ ''تم اس کی مثال لے لو جو مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں نے اس کے کئی رنگ دیکھے' کئی روپ نظر آئے' اس کا کوئی ایک نام نہیں تھا۔ وہ موقع محل کے اعتبار سے کینچلی بدلنے پر قادر تھی۔ وہ حسن کی ملکہ تھی' اپنی مثال آپ تھی' تم کہتے ہو کہ وہ آسمان سے اتر کر زمین پر آئی تھی۔ اس نے بھی دیوی دیوتاؤں کی کٹھن پریکشا والی شرائط کا شکوہ کیا تھا۔ اس کی بات الگ تھی پرنتو جو منش دھرتی پر سانس لے رہے ہیں ان کے بھی کئی رنگ' کئی روپ ہوتے ہیں۔ ان کے بھید بھاؤ کو ہر کوئی نہیں سمجھ پاتا۔ من میں گانٹھ آ جائے تو دوستی کے سمبندھ کچے دھاگے کے انوسار ٹوٹ جاتے ہیں۔ انسان ہر سمے بیاکل رہتا ہے وچاروں میں گم رہتا ہے۔ دھرم کرم کے چکروں میں پڑ کر بھٹک جاتا ہے پرنتو سچ وہی ہوتا ہے جو من کے اندر ہوتا ہے اور من میں ہر کوئی جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔'' میں نے لمبی تمہید باندھی پھر اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے بڑی گمبھیر آواز میں کہا۔ ''تم میرے بارے میں کیول اتنا جانتے ہو کہ اس نے مجھے پسند کیا تھا' میں کون ہوں' کیا ہوں' کہاں سے آیا ہوں' کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ تم شاید زیادہ نہیں جانتے' ہو سکتا ہے کسی موڑ پر تم بھی سیاہ و سفید کے چکر میں پڑ جاؤ' دھرم کرم کی گتھی سلجھانے میں الجھ جاؤ' اس لیے بہتر ہے کہ ابھی اپنے من میں کوئی آخری فیصلہ کر لو' میں تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔''

''مجھے کھل کر سمجھاؤ مہاراج......!'' کرشنا حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ ''تم مجھے اپنے بارے میں کیا بتانا چاہتے ہو......؟''

''کیول اتنا کہ تم میرے بارے میں کبھی باریک چھان بین کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے قدرے خشک لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔ ''ابھی سے تمہارے پاس سمے ہے' چاہو تو اپنا راستہ الگ کر لو' لیکن کل تم نے منہ موڑنے کی کوشش کی تو......''

''مہاراج......!'' اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ ''کیا مجھ سے کوئی بھول ہو گئی جو تم ایسی دل توڑنے والی باتیں کر رہے ہو......''

''کرشنا......'' میں اور زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''دوسروں کی طرح تم بھی یہی کہتے ہو کہ اس نے اپنی تمام شکتی مجھے دان کر دی ہے۔''

''ہاں مہاراج......! میں نے تم سے غلط نہیں کہا......''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بھی میرے دھرم کرم کے بارے میں زیا
نہیں سوچا ہو گا' وہ جانتی ہو گی کہ میرے من میں کیا ہے......؟''

''اب تمہاری باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں......'' اس نے پہلو بدل کر کہ

''میں وچن دیتا ہوں مہاراج! کہ تمہارے چرنوں سے دور جانے کی کوشش کبھی نہیں
کروں گا۔ تم جو چاہو گے وہی ہو گا' میں تمہارا سیوک ہوں' سچا سیوک اور سیوک کیا
گرو کی آ گیا کا پالن اپنا دھرم سمجھتا ہے......''

میں نے کرشنا کو ہر زاویے سے ٹھونک بجا کر دیکھا وہ اپنی جگہ کسی چٹان کی
طرح اٹل تھا۔ اس نے اپنی عمر ایک غار میں تنہا گزار دی تھی۔ اس نے جو ریاضتیں کی
تھیں' جو جاپ کیے ہوں گے وہ بلا مقصد نہیں کیے ہوں گے۔ جس انداز میں اس نے
مجھے طویل القامت وحشی درندے سے بچایا تھا اس سے بھی صاف ظاہر تھا کہ وہ کئی
نادیدہ قوتوں کا مالک ہو گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جنگل میں گھومنے پھرنے والے
چرند و پرند کا اصلی روپ کیا ہے؟ ہرنوں کی جوڑی کے بارے میں میرے دریافت
کرنے پر اس نے یہی کہا تھا کہ کیچو نے انہیں نیا روپ دان کیا تھا۔ اگر وہ شریر کے
اندر چھپی آتما کو پہچان سکتا تھا تو شاید وہ میری اصلیت بھی جانتا ہو...... میرے مقابلے
میں وہ زیادہ عمر رسیدہ تھا' زیادہ تجربہ کار تھا' نہ جانے اس نے کیا کیا جاپ منتر کیے
ہوں گے۔ اس کے وجود میں کتنی پراسرار قوتیں پوشیدہ ہوں گی۔ میں جو کچھ اس کے
ذہن میں بٹھانا چاہتا تھا ممکن تھا وہ اس سے بھی زیادہ جانتا ہو' اسے یہ بھی معلوم ہو کہ
میں کن حالات سے گزر کر اس تک پہنچا ہوں' یہ بھی جانتا ہو کہ میرے ساتھ آئندہ کیا
کچھ پیش آنے والا ہے۔

میرے ذہن میں کرشنا کے بارے میں وسوسے بیدار ہونے لگے' مجھے یاد آیا
ایک موقع پر اس نے کہا تھا کہ ایک خاص موڑ پر پہنچ کر میرے اور اس کے راستے الگ
الگ ہو جائیں گے۔ میں نے وضاحت چاہی تو اس نے بڑی خوبصورتی سے بات گول
مول کر دی۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ میں نے کرشنا کو پوری توجہ سے گھور
کر دیکھا بظاہر وہ بے حد معصوم اور سیدھا سادھا نظر آ رہا تھا' لیکن میرا دل گواہی دے
رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے' جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کر

رہا ہے۔ ایک دو موقعوں پر اس نے میرے دل میں ابھرنے والے خیالات بھی پڑھ
لیے تھے' اس نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے ایک غار میں اسی سال کی عمر تک کیچو کو پا
لینے کی خاطر نہ جانے کتنے جاپ کیے ہوں گے۔ اس کے سال خوردہ چہرے پر جا بجا
پھیلا ہوا جھریوں کا جال اس کے پراسرار ہونے کی غمازی کرتا تھا وہ اوپر سے جتنا
معصوم اور بھولا بھالا نظر آتا تھا' اندر سے یقیناً اس سے کہیں زیادہ گہرا اور پہنچا ہوا واقع
ہوا ہو گا۔ اس کا تپتا ہوا چہرہ' اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں' لمبے بال' آدھے سے زیادہ
چہرے پر پھیلی ہوئی ڈاڑھی اس کی پیشانی کی گہری لکیریں سب کچھ اس بات کی واضح
علامتیں تھیں کہ اس کی گہرائی تک غوطہ لگانا عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔

کرشنا کو گھورتے گھورتے میرے دل میں کیچو کا خیال آیا میں نے تصور میں گم
ہو کر اسے آواز دی' وہی میری رہنمائی کر سکتی تھی' میری نگاہیں کرشنا کے چہرے پر جمی
ہوئی تھیں لیکن ذہن کیچو کے تصور میں غرق تھا اس نے مجھے شکتیاں دان کی تھیں مجھے
اس کے بارے میں بھی کوئی علم نہیں تھا۔

کچھ لمحے دبے قدموں گزر گئے' کرشنا میری آنکھوں کی تاب نہ لا کر بغلیں
جھانکنے لگا وہ کسی الجھن میں مبتلا تھا میری طرح اس کے وجود میں بھی ٹوٹ پھوٹ ہو
رہی تھی۔

''جمشید......'' میرے کانوں میں کیچو کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی سنائی دی۔
''مجھے اتنی جلدی جلدی بلانے کی غلطی مت کرو میں نے کہا تھا کہ سمے کا انتظار کرو۔''

''میں کرشن کے سلسلے میں تمہارا اعتماد چاہتا ہوں......'' میں نے دل ہی دل میں
اسے مخاطب کیا۔

''وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔'' کیچو نے کہا۔ ''جو پردہ پڑا ہے
اسے پڑا رہنے دو' وہ تمہارا سچا سیوک ہے' تمہارے ساتھ کبھی دغا نہیں کرے گا تم اس
پر اندھا وشواس کر سکتے ہو۔''

''ایک گرہ اور کھول دو آشا۔'' میں نے بے قراری کا اظہار کیا۔ ''کرشنا نے کہا
تھا کہ جیون کے ایک دو راہے پر وہ مجھ سے الگ ہو جائے گا کیا تم......''

''میرے پاس سمے کم ہے جمشید......'' وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ''میں جا
رہی ہوں تم کسی بات کی چنتا نہ کرنا' میری آتما چھایا بن کر تمہاری سہائتا کرتی رہے

گی ...“

پھر میں نے اسے عالم تصور میں بار بار آوازیں دیں' دوسری جانب سے جواب نہیں ملا۔ وہ شاید جا چکی تھی' میں نے کرشنا پر توجہ کی وہ اچانک بڑا مضطرب بے چین نظر آ رہا تھا۔ بڑی شدت سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہا تھا شاید اس نے میرے اندر کا تجسس بھانپ لیا تھا۔ میں نے ازخود اسے مخاطب نہیں کیا اس کے چہرے پر رنگ آتے رہے جاتے رہے پھر اس کے اضطراب کا سمندر پرسکون نظر آنے لگا۔

”مہاراج ...“ اس نے ہاتھ باندھ کر بڑی عاجزی سے کہا۔ ”اگر تم کو سیوک پر بھروسا نہیں ہے تو اپنے ہاتھوں سے میرا کریا کرم کر دو' میں خوشی خوشی تمہارے چرنوں میں جان دے دوں گا۔ پرنتو مجھ پر شک نہ کرو میرا وشواس کرو' میرے من میں کبھی تمہاری اور سے کوئی کھوٹ نہیں آئے گی۔ تم جب چاہے میری پریکشا لے سکتے ہو' میں تمہاری کسوٹی پر ہمیشہ کھرا ثابت ہوں گا۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ”ہم جب تک ساتھ رہیں اجلے من سے ایک دوسرے کے کام آئیں جب من بھر جائے تو گلے مل کر الگ الگ ہو جائیں ...“

”ایسا ہی ہو گا مہاراج ...! میں تو تمہارے چرنوں کی دھول ہوں۔“

بہت عرصے بعد نرم و گرم بستر نصیب ہوا تھا' میں جلدی ہی سو گیا۔ دوپہر کو بڑے سادھو کے آنے پر کرشنا نے مجھے بیدار کیا میں منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو دنگ رہ گیا۔ وہ بستی کے چھوٹے لوگ تھے لیکن ان کے دل بہت بڑے تھے۔ انہوں نے ہماری ضیافت کا شاندار اہتمام کیا تھا۔ ایک دستر خوان ہم پنڈت پجاریوں اور سادھوؤں کے لیے تھا' دوسرے دستر خوان بستی کے لوگوں کے لیے تھے۔ بڑے سے میدان میں سب ایک ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ مختلف بولیاں بول رہے تھے۔ بچوں کی تو جیسے عید ہو گئی۔ ادھر ادھر اچھلتے پھر رہے تھے' جشن کا سماں تھا کچھ نوجوان صرف کھانا کھلانے کا فرض انجام دے رہے تھے۔

ہم جس دستر خوان پر براجمان تھے اس پر بھوجن پروسنے کی خاطر دو خوبصورت لڑکیاں تعینات تھیں۔ دونوں ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ایک زیادہ شوخ اور چنچل تھی دوسری کچھ بجھی بجھی نظر آ رہی تھی۔ پھولوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان

کی مہک بھی جدا جدا ہوتی ہے۔ ان کے کھلنے اور مرجھانے کے ڈھنگ بھی نرالے ہوتے ہیں' دوسری لڑکی کے چہرے پر نظر آنے والی پرچھایاں نہ جانے کیوں مجھے بار بار اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

”مہاراج ...!“ بڑے سادھو نے میری نگاہوں کو بھٹکتا دیکھ کر کچھ اور ہی مطلب اخذ کیے' وہ میرے سیدھے ہاتھ پر بیٹھا تھا دبی زبان میں بولا۔ ”اس کا نام چمپا ہے چمپا کے پھول ہی کی طرح اس کا سندر شریر بھی مہکتا ہے' پنڈت پجاریوں کی سیوا کو اپنا دھرم سمجھتی ہے۔“

”اس کے ماتا پتا کیا کرتے ہیں ...“ میں نے برمحل تذکرہ پوچھ لیا' بڑے سادھو کی بات مجھے پسند نہیں آئی تھی۔

”وہ تو بھگوان کو پیارے ہو گئے' یہ اپنی موسی کے ساتھ ایک الگ کٹیا میں رہتی ہے۔“

”اس کی شادی نہیں ہوئی ابھی تک ...“

”وہ بھی ہو جائے گی مہاراج۔“ بڑے سادھو نے پھر سرگوشی کی۔ ”ایک دو برس ہیں میری نظر میں پرنتو ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے' کچھ دن اور کھیل کود لے پھر اس کا وواہ بھی ہو جائے گا۔“

اس بار بڑے سادھو نے 'کھیلنے کودنے' کی بات کو ذرا چبا کر کہا تو میرا ماتھا ٹھنکا' میں نے محسوس کیا کہ کرشنا بھی اپنی جگہ کسمسانے لگا۔ دوسرے پنڈت پجاری پتلیں صاف کرنے میں مگن تھے۔ میں نے غیراختیاری طور پر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تو چمپا لپک کر قریب آ گئی۔

”تم نے ہاتھ کیوں روک لیا مہاراج؟“ اس نے براہ راست مجھے مخاطب کیا۔ ”کیا ہمارا بھوجن پسند نہیں آیا؟“

”دور ہٹ کر بات کر ...“ بڑے سادھو نے چمپا کو نفرت سے جھڑکا۔ ”سر پر چڑھی چلی آ رہی ہے۔“

چمپا سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ مجھے بڑے سادھو کا اس طرح چمپا کو جھڑکنا پسند نہیں آیا۔ میرا دل مکدر ہونے لگا۔ بستی والوں کی مہمان نوازی کا خیال نہ ہوتا تو کھانا چھوڑ کر اٹھ جاتا۔ بڑے سادھو نے چمپا کو دھتکارنے کے بعد میری طرف ...

بڑے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "کھاؤ نا مہاراج ....."

میرا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن اس کے اصرار پر چھوٹے چھوٹے نوا
شروع کر دیے۔

میں نے پنڈت پجاریوں کے بارے میں بچپن میں بھی بہت کچھ سن رک
لوگ کہتے تھے کہ بھولی بھالی لڑکیوں اور خوبصورت لڑکوں کو بہلا پھسلا کر اپنے
لے جاتے ہیں پھر ان کی زندگی برباد کرکے یا تو کسی اور کے سر بھیڑ دیتے ہیں
گھونٹ کر کہیں دفن کر دیتے ہیں۔ مجھے وہ باتیں عجیب لگتی تھیں لیکن ریاست را
میں جب ڈالی نے مجھے بتایا کہ مندر کی خوبصورت پجارنیں اور داسیاں کس
پجاریوں اور سادھوؤں کے چنگل میں پھنس کر پھڑ پھڑاتی ہیں تو مجھے اعتبار آ گیا۔
بھون میں اس قسم کی کئی کہانیاں مشہور ہوئیں لیکن مہارانیوں نے انہیں دھرم کے
کوئی اور رنگ دے کر دفنا دیا۔

مجھے چمپا کی طرف سے بڑے سادھو کی نظروں میں بھی کھوٹ نظر آ ر
شاید اس نے مجھے اپنے جیسا سمجھ کا چمپا کر ذکر چھیڑا تھا۔ پھر میرے سامنے ہی
حقارت سے جھڑک بھی دیا' بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی' میں نے زیادہ توجہ بھی
دی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد ہم نے پھر تھوڑا آرام کیا۔ شام کو کھلے میدان
ہمارے لیے کھیل تماشوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ حسب معمول پنڈت پجاریوں
بیٹھنے کی خاطر ایک اونچے مقام پر علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ بستی کے لوگ دائرے
صورت میں اکٹھا تھے' درمیان میں ایک الاؤ روشن تھا سب سے پہلے حسین لڑکیوں
اپنا روایتی ناچ گانا پیش کیا۔ اس کے بعد نوجوانوں نے حیرت انگیز کرتب کے مظاہر
کئے۔ بستی کے لوگ تالیاں بجا بجا کر انہیں داد دیتے رہے۔ میں نے بھی ہاتھ ہلا کر
کی حوصلہ افزائی کی۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مسرور نظر آ رہا تھا' لیکن کرشنا اس وقت
گم سم تھا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت بھی اس نے نہ جانے کیوں یکلخت خا
اختیار کر لی تھی۔ میں نے اسے کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا خیال تھا کہ شاید
میری موجودگی میں دوسروں سے زیادہ بے تکلف نہیں ہونا چاہتا تھا۔

نوجوانوں کے کرتب ختم ہوئے تو ادھیڑ عمر کا ایک شخص سامنے لایا گیا۔ اس

ہاتھ پشت کی جانب بندھے ہوئے تھے' چار ہٹے کٹے نوجوانوں نے اسے اپنے نرغے
میں لے رکھا تھا۔ ان کی نگاہوں سے نفرت ابل رہی تھی' وہ گھبرایا گھبرایا نظر آ رہا تھا۔
آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کا عکس اس کی پریشانی کو اور اجاگر کر رہا تھا۔ مجمع پر
یکلخت گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ قبل اس کے کہ میں بڑے سادھو سے اس شخص کے
بارے میں کچھ دریافت کرتا بستی کے مندر کا پروہت جس سے میں صبح مل چکا تھا بھیڑ کو
چیرتا سامنے آ گیا۔ اس نے میری جانب نظر اٹھائی' جھک کر میری برتری کا اعتراف کیا
پھر بڑے سادھو پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالنے کے بعد اس نے بلند آواز میں مجمع کو مخاطب کر
کے کہنا شروع کیا۔ "بستی کے چھوٹے بڑے سب جانتے ہیں کہ ہم نے ہمیشہ دھرم کی
سیوا کی ہے' ہمارے بیچ سدا دھرم کا بول بالا رہا ہے۔ یہی کارن ہے کہ بھگوان نے اور
دیوی دیوتاؤں نے کبھی ہماری کٹھن پریکشا نہیں لی۔ جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی
کا دھیان رکھا جائے وہاں آسمانی بلائیں نازل نہیں ہوتیں' کوئی موذی مرض نہیں پھیلتا'
فصل اچھی اگتی ہے' اکال نہیں آتا' بھونچال کی تباہی نہیں پھیلتی۔ ہم بھگوان کے سچے
سیوک ہیں۔ ہمارے من میں کھوٹ نہیں ہے اس لیے ہر طرف خوشحالی ہے۔ ہم دیوی
دیوتاؤں کا مان کرتے ہیں' ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں اس لیے سکھی
رہتے ہیں۔ پرنتو پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ہمارے بیچ کچھ ایسے دشٹ' پاپی اور
نیچ بھی رہتے ہیں جو دیوی دیوتاؤں کی پیشانی پر بل ڈالنے کا کارن بن جاتے ہیں۔
ہم نے ایسے اپرادھیوں کو کبھی شما نہیں کیا۔ انہیں شرن دینے کے بجائے دیوتاؤں کے
چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا یا پوتر اگنی میں جھونک کر اپنا فرض پورا کیا۔"

پروہت بولتے بولتے رکا' اس نے مجمع پر نظر ڈالی پھر اپنی بات جاری رکھتے
ہوئے بولا۔

"آج بھی ہمارے بیچ ایک ایسا ہی پاپی موجود ہے جس نے ایک سندر ناری
کے جیون میں زہر گھول دیا۔ اس کے اجلے شریر کو روند ڈالا' اپنے من کی گندی آگ کو
ٹھنڈا کرنے کی خاطر اس سندری کا جیون نشٹ کر دیا' جو گنگا جل کی طرح پوتر تھی۔ بے
داغ تھی وہ پاپن ہوتی تو اندھے کنویں میں چھلانگ لگا کر جیو ہتیا کبھی نہ کرتی۔ ہم نے
کھوج لگانے کے بعد اس پاپی کو ڈھونڈ نکالا جو اس سمے آپ کے سامنے موجود
ہے....." پروہت نے حقارت سے ادھیڑ عمر والے شخص کو دیکھا جو اپنی جگہ گنگ کھڑا

تھا۔ ”آج کا دن ہمارے لیے بڑا شبھ ہے جو مہاراج ہمارے بیچ پدھارے ہیں۔ مہاراج سے بنتی کرتے ہیں کہ وہ ہمیں آگیا دیں تاکہ ہم اس پاپی کو پوتر اگنی کے حوالے کر دیں۔“

میں اچانک گڑبڑا گیا' پروہت کی نظریں مجھ پر جمی تھیں۔ مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ پروہت میری اجازت کا منتظر تھا۔ اس نے ادھیڑ عمر والے شخص کے خلاف فرد جرم سنا دی۔ کسی سمت سے کوئی آواز نہیں اٹھی' کسی نے مجرم کو بچانے کی خاطر فریاد نہیں کی۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ مجھے حالات کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ میرے سر کی ایک معمولی جنبش ایک شخص کو جلا کر راکھ کر سکتی تھی۔ میں ہچکچانے لگا تو کرشنا کھسک کر میرے اور قریب آ گیا۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے بڑے سادھو نے ہاتھ باندھ کر گزارش کی۔

”مہاراج! ہم تمہارے اشارے کے منتظر ہیں......“

”کیا اس لڑکی کا کوئی والی وارث نہیں ہے جس نے اپنی عزت کی خاطر جان دیدی؟“ میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کوئی بات ضرور تھی جو مجھے روک رہی تھی۔

”وہ لاوارث تھی مہاراج!“ بڑے سادھو نے بڑے دکھ سے جواب دیا۔ ”بے سہارا نہ ہوتی تو اس کے اجلے شریر پر کوئی داغ نہ لگا سکتا۔“

”کیا آج سے پہلے بھی کسی پاپی کو اسی طرح پوتر اگنی میں جھونکا گیا ہے......؟“ اس بار میرے بجائے کرشنا نے سوال کیا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”ہاں مہاراج...... پہلے بھی ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔“

”پھر ٹھیک ہے......“ کرشنا نے میرا ہاتھ تھام کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ”آج مہاراج اپنے ہاتھوں سے اس پاپی کو سزا دیں گے۔“

”دھنیہ ہو مہاراج......“ بوڑھے سادھو نے بلند آواز میں نعرہ لگایا۔ ”جے بجرنگ بلی' جے بھوانی......“

میں کرشنا کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ بھڑکتے ہوئے الاؤ کی سمت قدم اٹھانے لگا۔ بڑا سادھو اور اس کے دوسرے ساتھی پیچھے پیچھے تھے۔

”مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ میں نے کرشنا سے سرگوشی کی۔ ”کیا ہم اس وقت کو ٹال نہیں سکتے......؟“

”چنتا کس بات کی مہاراج!“ اس نے دبی زبان میں مجھے دلاسہ دیا۔ ”اس کی چھایا تمہارے ساتھ ہے' جو من میں آئے کہہ دینا' تمہاری زبان سے نکلا ہر شبد اوش پورا ہوگا' سب تماشا دیکھیں گے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں......“

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ کرشنا نے کہا تھا کہ کیچو نے مجھے اپنی تمام شکتی دان کردی ہے۔ اب وہ کہہ رہا تھا کہ کیچو کی چھایا میرے ساتھ ہے۔ جو بات میری زبان سے نکلے گی وہ پوری ہوکر رہے گی۔ میں ان باتوں کا قائل نہیں تھا۔ دل میں ایک عجیب سی لہر رہ رہ کر اٹھ رہی تھی۔ مجمع کے درمیان سے گزرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ان سب سے دراز قد ہوں۔ بھاری بھرکم' وہ میرے سامنے کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں تھے۔ میرا اعتماد تیزی سے بحال ہونے لگا۔ بھیڑ کو چیرتا ہوا میں آگ کے بھڑکتے شعلوں کے قریب جا کر رکا تو کرشنا میرے برابر ہی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے ہجوم پر ایک نظر ڈالی۔ وہ معصوم اور بھولے بھالے لوگ مجھے سچ مچ کوئی دھرماتما سمجھ کر سانس روکے کھڑے تھے۔ سب ہی کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں۔ بڑے سادھو نے میرے بائیں جانب جگہ سنبھال لی۔ اس کے ساتھی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر ادھیڑ عمر والے شخص کی سمت دیکھا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ رحم طلب نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ سب تماشا دیکھنے کو کھڑے تھے۔ میں بھی ایک تماشائی ہی تھا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔ اگر کرشنا کی کہی ہوئی بات غلط ثابت ہوئی' میری زبان سے نکلی ہوئی بات پوری نہ ہوئی تو میں خود تماشا بن جاتا۔ قلعی کھل جاتی تو سارا بھرم دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ میں نے ایک ایک پہلو پر غور کیا' پھر میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی۔

”جنسی دھر......“ میں نے بڑے سادھو کو مخاطب کیا۔ ”کیا پہلے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی اپرادھی پوتر آگ میں ڈالا گیا ہو اور آگ نے اس کے شریر کو سویکار کرنے سے انکار کر دیا ہو......؟“

”ایسا کبھی نہیں ہوا مہاراج۔“ اس نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔ ”منش بھڑکتی

آگ میں کھڑا ہو اور آگ اس کے شریر کو نہ جلائے' بھلا یہ کیسے ممکن ہے.....؟
تک ایسا کبھی نہیں ہوا.....''

مجمع میں ہماری باتیں سن کر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں' کرشنا کے ہونٹوں پر
خیز تبسم ابھر آیا۔ شاید اس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔

''آج ایسا ہی ہوگا بنسی دھر...'' میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''جو نردوش ہو
پوتر اگنی اس کے شریر کو نہیں جلائے گی۔''

''میں نردوش ہوں مہاراج.....'' ادھیڑ عمر والا شخص میری بات سن کر گڑگڑا
لگا۔ ''میں نے چمپا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس سے تو میری سگائی ہونے وا
تھی' پھر میں اس کے ساتھ منہ کیسے کالا کرسکتا تھا۔ میں بھگوان کی سوگند کھاتا ہوں۔
کو میں نے نہیں کسی اور نے بے عزت کیا تھا۔ الزام میرے سر تھوپ دیا گیا۔
نردوش ہوں' میرے اوپر دیا کرو۔''

بنسی دھر نے ہٹے کٹے نوجوانوں کو اشارہ کیا جو ادھیڑ عمر والے شخص کو گھیر
کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں دبے ڈنڈے سیدھے کرلیے۔ وہ مجرم
زبان بند کرنے کی خاطر اسے زدوکوب کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں ہاتھ
اشارے سے روک دیا۔ بنسی دھر سے بولا۔ ''تم اس بستی کے سب سے بڑے ساد
ہو۔ دیوی دیوتاؤں کو تم پر مان ہوگا۔ تم دھرم کی رکھشا کرتے ہو۔ کیا تم اس پوتر اگ
کے درمیان سے گزر سکتے ہو؟''

''تم حکم دو تو مہاراج میں اپنے ہاتھوں سے سر کاٹ کر تمہارے چرنوں میں
ڈال دوں پرنتو بھڑکتے شعلوں میں کودنا.....'' وہ مجمع کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آگ کا
کام تو جلانا ہے' اس میں جو بھی چھلانگ لگائے گا' بھسم ہوجائے گا۔''

مجھے بنسی دھر کی بات اچھی نہیں لگی' ایک طرف وہ میرے حکم پر سر کاٹنے کو
آمادہ تھا' دوسری طرف آگ کے درمیان سے گزرنے سے گریز کررہا تھا۔ مجمع میں مکھی
کی بھنبھناہٹ کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ میں نے غصے سے ہاتھ بلند کیا تو سب کو
سانپ سونگھ گیا۔ میں نے بنسی دھر کو ترچھی نظروں سے گھورا پھر کرشنا کی سمت دیکھا۔

''میں سمجھ رہا ہوں مہاراج! تمہارے من میں کیا ہے؟'' میرے کچھ کہنے سے
پیشتر ہی کرشنا نے ہاتھ باندھ کر بڑی عقیدت سے کہا' پھر ہجوم کی طرف دیکھ کر او نچی

واز میں بولا۔ ''سجنو! تم نے سنا کہ بنسی دھر نے کیا کہا' اس نے کہا کہ آگ کا کام
جلانا ہے جو بھی اس میں کودے گا بھسم ہوجائے گا۔ لیکن مہاراج مہان شکتی کے مالک
ہیں' وہ کہتے ہیں کہ پوتر اگنی نردوشوں کے بدن کو نہیں چھوتی۔ مہاراج کو دیوی دیوتاؤں
کا آشیرواد حاصل ہے' مہاراج کی زبان سے نکلا ہوا شبد ہواؤں کے رخ بدل دیتا
ہے۔ مہاراج نے جب بھی جو کہا وہ پورا ہوکر رہا۔ آج بھی وہی ہوگا' جو مہاراج چاہتے
ہیں... میں مہاراج کا سیوک' مہاراج کے چرنوں کی دھول' آج مہاراج کی شکتی کا
چمتکار دکھانے کے کارن اس بھڑکتی آگ کے بیچ کھڑا ہوکر ناچوں گا۔ تم سب مل کر
پرارتھنا کرو' اگر میں دوشی ہوں تو یہ آگ میرے شریر کو پھونک دے' اگر نردوش ہوں تو
زندہ باہر آجاؤں۔''

ہجوم میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ بنسی دھر اور اس کے چیلے پہلو بدلنے لگے۔
ادھیڑ عمر کا شخص پھٹی پھٹی نظروں سے کرشنا کو گھورنے لگا۔ شاید اسے کرشنا کا انجام اچھا
نہیں نظر آرہا تھا۔

چھوٹے بڑے بچے' بوڑھے سب کی نظریں کرشنا پر جم گئی تھیں۔ ایک لمحے تک
وہ خاموش کھڑا آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے بدن کو دھوتی کی قید سے
آزاد کیا۔ سادھوؤں کے مادر زاد برہنہ ہونے پر کوئی قید نہیں ہوتی۔ میں بھی کرشنا کو
دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹ تیزی سے جنبش کررہے تھے۔ وہ کوئی منتر
پڑھ رہا تھا۔ پھر اس کے قدم بھڑکتی ہوئی آگ کی سمت بڑھنے لگے۔

مجمع نے بے جان بتوں کی صورت اختیار کرلی۔ ہر فرد اپنی جگہ ساکت و جامد
کھڑا تھا۔ معصوم بچوں نے بھی اچھلنا کودنا بند کردیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں
کرتے رہے۔ کرشنا قدم بڑھاتا آگ کے بالکل قریب چلا گیا۔ ایک پل کو اس نے
پلٹ کر میری سمت دیکھا' پھر بھڑکتے ہوئے شعلوں میں داخل ہوگیا۔ ہجوم کی نگاہیں
پھٹنے لگیں۔ میں بھی دم بخود رہ گیا۔ کرشنا شعلوں کے درمیان ننگ دھڑنگ کھڑا تھرک
رہا تھا۔ بنسی دھر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے ساتھ کھڑے ہوئے
پنڈت پجاری بھی ہکا بکا رہ گئے۔ انہیں اپنی نگاہوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

کرشنا شعلوں کے بیچ ناچتا رہا۔ بلند آواز میں بھجن کے اشلوک پڑھتا رہا' پھر
مسکراتا ہوا باہر آیا' تو پورا میدان صدائے تحسین کے بلند نعروں سے گونجنے لگا۔ کرشنا

نے دھوتی باندھی' گلے میں مالا ڈالی' آگے بڑھ کر میرے چرنوں کو ہاتھ لگایا پھر ہا[illegible]
باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے بنسی دھر کی طرف نظر اٹھائی' اس کا جسم لرز رہا تھا' [illegible]
رہا تھا۔

''یہ سب دیوتاؤں کا چمتکار ہے' تمہاری مہان شکتی اپرم پار ہے۔'' وہ ہاتھ [illegible]
کر مجھ سے کہنے لگا۔ ''جیون میں آج پہلی بار میں نے جو کچھ دیکھا اس پر وشواس نہیں
آتا۔ پرنتو میں اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا.....''

''تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے بنسی دھر.....؟'' میں نے موقع کے اعتبار سے
دبنگ آواز میں کہا۔ پھر میں نے مجرم کے گرد کھڑے ہٹے کٹے نوجوانوں کو اشارہ کیا۔
وہ میرا اشارہ پاکر مجرم کو آگ کی طرف گھسیٹنے لگے۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگا' بار
بار میری طرف دیکھ کر اپنے بے قصور ہونے کا دعویٰ کرتا رہا۔ میں نے کوئی مداخلت نہیں
کی۔ کرشنا کو آگ کے درمیان سے زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر مجھے بھی یقین آ گیا
کہ الاؤ کی آگ کسی بے قصور کو گزند نہیں پہنچائے گی۔

مجرم پچھاڑیں کھاتا رہا۔ اپنے بچاؤ کی خاطر ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ مجمع
کے درمیان پھر موت کی خاموشی طاری ہوگئی۔ چاروں نوجوانوں نے مجرم کو گھسیٹ
کر زمین پر گرایا۔ اس کے جسم کو لباس کی قید سے آزاد کیا' پھر ڈنڈا ڈولی کرکے
فضا میں بلند کیا اور بجرنگ بلی کا نعرہ لگا کر آگ میں اچھال دیا۔

بنسی دھر اور اس کے چیلوں کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ مجرم کی چیخیں آسمان
تک پہنچ رہی تھیں۔ لیکن پھر جو کچھ ہوا اس نے ایک بار پھر سب کو دم بخود کردیا۔
خود مجرم کو بھی یقین نہیں آسکا۔ اس کے شوروغل کی آوازیں قہقہوں میں بدل گئیں۔
وہ دیوانوں کی طرح فلک شگاف قہقہے بلند کرنے لگا۔ پاگلوں کی طرح شعلوں کے
درمیان اچھلنے کودنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا' جیسے پانی میں نہا رہا ہو۔ مجھے کرشنا کی
بات پر یقین آ گیا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ میری زبان سے جو شبد نکلے گا وہ اوش
پورا ہوگا۔

کیچو نے مجھے جو شکتی دان کی تھی' اس کا پہلا مظاہرہ دیکھ کر میرا سینہ اور کشادہ
ہوگیا۔ مجھے اپنے وزن کا احساس ہوا۔ ہجوم میرے لیے۔ ''جے مہاراج' جے مہاراج''
کے نعرے بلند کررہا تھا۔ بنسی دھر نے تھرتھر کانپنا شروع کردیا۔ میں نے اسے حقارت

[illegible]ے ہورا کھانے کے دوران اس نے جس انداز میں چمپا کے متعلق سرگوشی کی تھی اسی
[illegible]ے میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اب مجھے یقین آ گیا کہ وہ دھرم کی آڑ میں بستی کی معصوم لڑکیوں
کے ساتھ کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ اپنا گناہ دوسروں کے سرتھوپنے کی خاطر وہ مخالف گروہ
کے کسی شخص کی گردن میں بدنامی کا پھندا ڈال کر اس کو شعلوں میں جلا کر راکھ کردیا
کرتا تھا۔ میرے دل میں اس کے خلاف نفرت کا سیلاب ٹھاٹھیں مارنے لگا' میں نے
کچھ سوچ کر کرشنا کی جانب دیکھا۔

''میں تمہارا سیوک ہوں مہاراج..... تمہاری کسی اچھا کے خلاف سر نہیں اٹھا
سکتا۔'' اس نے میرے قریب آ کر سرگوشی کی۔ ''ہم یہاں ایک رات کے مہمان ہیں'
کل بھور ہوتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے' بنسی دھر اس قابل ہے کہ اسے تڑپا تڑپا
کر مارا جائے پرنتو اس کے بعد اس کے چیلے اس کی جگہ سنبھال لیں گے' کوئی ایسا
اوپائے سوچو مہاراج کہ سانپ بھی مر جائے' لکڑی بھی نہ ٹوٹے اور چمپا کو جیو ہتیا بھی
نہ کرنی پڑے۔''

میں کرشنا کا اشارہ سمجھ گیا۔ اسی رات کھانے کے بعد میں نے کرشنا کی
موجودگی میں بنسی دھر کو علیحدگی میں بلا کر اسے کرخت لہجے میں سچ بولنے کا حکم دیا' تو
خوف سے اس کا پیشاب خطا ہوگیا۔ ہاتھ جوڑ کر میرے قدموں میں اوندھے منہ گر
پڑا۔ میرے پیر تھام کر گڑگڑانے لگا۔

''میں تمہاری نظروں میں ننگا ہوچکا ہوں مہاراج! تم سے جھوٹ نہیں بولوں
گا۔'' وہ پرت پرت کھلتا چلا گیا۔ اس نے جن گھناؤنے گناہوں کا اعتراف کیا' ان کی
فہرست بڑی طویل تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک چیلا بھی برابر کا شریک تھا۔ اس نے
چمپا کے سلسلے میں اقرار کرلیا کہ وہ اس کی زندگی بھی برباد کرچکا ہے۔ چمپا کے شریر میں
اس کے پاپ کی نشانی بھی کلبلا رہی تھی۔ اپنی گندی کتھا سنانے کے بعد وہ گڑگڑانے
لگا۔ ''مجھے کیول ایک بار شما کر دو مہاراج۔ میں وچن دیتا ہوں کہ اب سارا جیون اپنے
پاپوں کا پرایچت کرتا رہوں گا۔ تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ تم دور رہ کر بھی مجھے سزا دے
سکتے ہو' میری بات کا وشواس کرو۔ مجھ پر دیا کرو۔ میں سارا جیون تمہارا ابھاری رہوں
گا۔ تم جو کہو گے وہی کروں گا.....''

''تمہیں اسی سے ہماری موجودگی میں [illegible] کو سویکار کرنا پڑے گا۔'' کرشنا نے

میری طرف سے فیصلہ سنا دیا۔

''مجھے منظور ہے مہاراج! گلے گلے منظور ہے۔''

''ایک بات دھیان میں رکھنا بنسی دھر...'' کرشنا بڑے سرد لہجے میں بولا۔ ''اگر تم نے مہاراج کو دیئے ہوئے وچن سے کبھی منہ موڑنے کا دھیان بھی کیا تو تمہارا انجام بڑا بھیانک اور ہولناک ہوگا۔''

''میں وچن دیتا ہوں' اب کبھی کوئی غلط کام نہیں کروں گا۔'' وہ کرشنا کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر لرزنے لگا۔

میں نے نیک کام میں دیر نہیں کی۔ اسی وقت چمپا کو اور بستی کے کچھ بڑوں کو بلا کر بنسی دھر اور چمپا کی شادی کی رسم سادگی سے ادا کردی گئی۔ بنسی دھر نے اسے خوشی خوشی قبول کرلیا۔ اس نے موت کے مقابلے میں چمپا جیسی خوبصورت اور معصوم لڑکی کے ساتھ زندگی کا سودا کرکے دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا۔

ہم زیادہ بکھیڑوں میں الجھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ دوسری صبح بستی کے لوگوں نے ہمیں عزت و احترام سے رخصت کیا۔ ہم لاری میں بیٹھ کر پرتاب گڑھ کے ریلوے سٹیشن تک گئے۔ وہاں سے الہ آباد جانے والی ٹرین میں سوار ہوگئے۔ سادھوؤں کے لباس میں تھے' اس لیے کسی نے ٹکٹ کے پیسے طلب نہیں کیے۔ ریل مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لیکن چند لوگوں نے ہمیں اپنی نشست پیش کردی۔ ڈبے کے سارے مسافر ہمارے چہروں کو بار بار کنکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں شاید اس بات پر حیرت تھی کہ کرشنا میرے مقابلے میں زیادہ عمر رسیدہ اور بردبار نظر آنے کے باوجود بڑی عقیدت سے میرے پیر دبا رہا تھا۔

گاڑی پرتاب گڑھ سے روانہ ہوئی تو میں نے آنکھیں موند لیں۔ میرے ذہن میں میرا ماضی کروٹیں بدلنے لگا۔ ایک ایک کرکے ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ ڈبے کے مسافر سمجھ رہے ہوں گے کہ میں پیر پھیلائے آرام کررہا تھا۔ میرے اندر راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں چٹک رہی تھیں۔ مجھے وہ رشتہ دار یاد آرہے تھے' جو چڑھتے سورج کے پجاری تھے۔ جب تک حالات سازگار رہے' وہ ہمیں سر آنکھوں پر بٹھاتے رہے۔ وقت نے کروٹ بدلی تو ان کی نگاہوں کے زاویے بدل گئے۔ حرص و ہوس نے ان کی سوچوں کے دھاروں کا رخ پھیر دیا۔ پہلے وہ مجھ سے محبت

پڑی آئے' چکنی چپڑی باتیں کرکے میرے والدین کی آخری نشانی میرا مکان ہتھیا لیے۔ میری مرحومہ والدہ کے زیورات حاصل کیے۔ پھر نفرت سے نگاہیں پھیر کر دھتکار دیے۔ کل تک وہ مجھ پر بھاری تھے' انہوں نے سوچا ہوگا کہ خاندان والوں کی طرح میں بھی مرکھپ کر ان کا راستہ صاف کردوں گا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ تاثر کبھی نہ ابھرا ہوگا کہ ایک دن میں لازوال قوتیں حاصل کرنے کے بعد دوبارہ ان کے روبرو سینہ تان کر کھڑا ہوجاؤں گا۔ وہ چین کی بنسی بجا رہے ہوں گے۔ میں تھرڈ کلاس کے ایک ڈبے میں بے آرام لیٹا سوچ رہا تھا کہ ان کے ساتھ میرا سلوک کیا ہونا چاہیے....؟

ٹرین ہر چھوٹے سٹیشن پر رکتی رہی۔ مسافروں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ ''ہندو پوری'' ''مسلم کباب پراٹھے'' کی آوازیں کانوں میں گونجتی رہیں۔ مسافروں کو خوردونوش کا سامان فروخت کرنے والے عجیب عجیب انداز میں لوگوں کو اپنی سمت راغب کرتے رہے۔ کچھ پھیری والے ڈبے میں چڑھ آئے ''امرت دھارا'' اور ''ہاضمے کے چورن'' کی خوبیاں بیان کرنے لگے۔ اگلا سٹیشن آیا تو وہ اتر گئے۔ میں آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ کبھی اپنے عزیز و رشتے داروں کے بارے میں سوچتا۔ کبھی کیچو کی یاد میں گم ہوجاتا۔ وقت کس طرح کٹ گیا' مجھے اس کا اندازہ نہیں ہوا۔ الہ آباد کا سٹیشن آیا تو کرشنا نے مجھے آواز دے کر بیدار کیا۔

☆....☆....☆

''اٹھو مہاراج' ہماری منزل آ گئی۔''

مسافروں کا ہجوم حرکت میں آ گیا۔ قلیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ میں کرشنا کا ہاتھ تھامے پلیٹ فارم پر اترا تو وطن کی مٹی کی خوشبو میرے وجود کو چوکے لگانے لگی۔ میں ہجوم کے درمیان سے گزرتا باہر جانے کے لیے قدم اٹھانے لگا۔ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ جسم پر ایک دھوتی تھی' گلے میں موٹے موٹے دانوں کی مالا جھول رہی تھی۔ کوئی وزن' کوئی بوجھ نہیں تھا۔ بوجھ اگر تھا تو صرف دل و دماغ پر تھا۔ میں اس بوجھ کو بھی جلدازجلد اتار پھینکنا چاہتا تھا۔ الہ آباد میری آخری منزل نہیں تھی۔ مجھے مرزا پور جانا تھا۔ کلکتہ جانا تھا۔ بمبئی کا سفر کرنا تھا۔ سکندر کو تلاش کرنا تھا۔ اس کے بعد ریاست راجے پور جا کر ان لوگوں کی خیریت دریافت کرنی تھی' جنہیں میں بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ جگدیپ کے بازو آزمانے تھے۔ جو میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اسے میں کیسے بھول سکتا تھا؟ بہتوں کے قرض چکانے تھے۔ بہتوں سے حساب بے باق کرنا تھا۔ زندگی کے بہت سارے پڑاؤ درمیان میں آ سکتے تھے۔ ایک آخری سانس آ جاتی تو کھیل ختم بھی ہو جاتا۔ نوٹنکی کے سارے تماشے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ پھر پردہ کبھی نہ اٹھتا۔ کوئی اصرار بھی نہ کرتا۔ رونے دھونے والا تھا بھی کون؟ صرف ایک جان کا بکھیڑا باقی رہ گیا تھا۔ وہ بھی نہ رہتا تو سارے مورچے' سارے محاذ آپ ہی آپ بند ہو جاتے۔

ہم سٹیشن سے نکل کر باہر آئے تو لوگوں کی نگاہوں کا ہدف بن گئے۔ میرے جسم پر دھوتی ضرور تھی' لیکن جسم پر جس طرح بالوں کے جنگل اُگ آئے تھے' وہ شاید انہوں نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ بستی میں داخل ہونے سے پیشتر کرشنا نے اپنا اور میرا حلیہ درست کیا تھا' لیکن وہ کوئی ماہر حجام نہیں تھا۔ میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ کوئی پہلی

نظر میں مجھے شناخت کر لے۔

شہروں میں سادھوؤں کی سج دھج بھی نرالی ہوتی ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہمیں اس کی پروا نہیں تھی۔ ہم سڑکوں پر ہجوم کے درمیان سے گزرتے رہے۔ جدھر جاتے انسانوں کا ٹھٹ لگ جاتا۔ کوئی نگاہ ایسی نہیں تھی' جو ہماری سمت نہ اٹھی ہو۔ ان میں تجسس اور تذبذب شامل نہ رہا ہو۔ کچھ بوڑھے ہمیں زیادہ گیانی دھیانی سمجھ کر سلام کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے۔ کرشنا ان کے سلام کا جواب دیتا۔

سڑک پر ہر قسم کی سواریاں رواں دواں تھیں۔ بازار کھلے ہوئے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں۔ روزمرہ کا معمول جاری تھا۔ راستے میرے دیکھے بھالے تھے۔ کچھ تبدیلیاں بھی وقت کے ساتھ ساتھ رونما ہوئی تھیں۔ میرے مہربان چچا جو وقت کے پجاری تھے' مرزا پور میں رہتے تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑی آنکھ مچولیاں کھیلی تھیں۔ سانپ اور سیڑھیوں والی چالیں چلی تھیں۔ میں ان سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن اس سے پہلے ایک نظر اپنے آبائی مکان پر ڈالنا چاہتا تھا۔ سارا کھیل وہیں سے شروع ہوا تھا۔ بچپن کی تمام یادیں اسی ایک دہلیز سے وابستہ تھیں۔ میں اسی گھر سے دوبارہ ابتدا کرنا چاہتا تھا۔

کرشنا میرے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چل رہا تھا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اڑ کر اپنے گھر تک پہنچ جاتا۔ ایک گلی کے موڑ پر کچھ سادھوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ان کے جسم پر اجلا لباس تھا۔ سر اور داڑھی کے بال بھی سلیقے سے بنے تھے۔ ہمارے مقابلے میں وہ بڑے صاف ستھرے اور مہذب نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر ان کی پیشانیوں پر آڑی ترچھی لکیریں ابھر آئیں۔ ہم نے کترا کر گزرنا چاہا تو ایک معمر سادھو نے میرا راستہ روک لیا۔ سپاٹ لہجے میں بولا۔

''تم دونوں اس شہر میں نئے نئے آئے ہو' کہاں جانا ہے؟''

''جیون کی ڈور الجھ گئی ہے۔'' کرشنا نے ناگواری سے جواب دیا۔ ''اس کو سلجھانے کے کارن بھٹکتے پھر رہے ہیں۔'' اسے بھی میری طرح سادھوؤں کی مداخلت گراں گزری تھی۔ میں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

''ہم کوئی سہائتا کریں؟'' معمر سادھو نے بڑے دبدبے سے کہا۔ ''اکیلے بھٹکتے پھرو گے تو کہیں گم ہو جاؤ گے۔''

"ہمارا سمے برباد نہ کرو مہاراج! تم اپنا راستہ پکڑو' ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔" کرشنا نے بیزاری کا اظہار کیا۔

"تم وہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔" معمر سادھو نے کرشنا کو خشونت سے جواب دیا۔ "ہمیں بتاؤ' تمہیں کس کی تلاش ہے؟ کہاں جانا چاہتے ہو؟"

دوسرے سادھوؤں نے بھی ہمیں گھیر رکھا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی کچھ راہ گیر اکٹھا ہوگئے۔ بڑی بڑی مونچھوں والا ایک سنتری بھی تماشہ دیکھنے کو رک گیا۔ ہجوم زیادہ ہوجاتا تو ہمیں اور دیر ہوجاتی۔ میں نے نظر اٹھا کر کرشنا کی سمت دیکھا۔ اس کے تیور رنگ بدل رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی سرخیاں گہری ہونے لگیں۔

"ہم تمہیں کیا نظر آتے ہیں۔۔۔؟" اس نے بڑے سرد لہجے میں معمر سادھو کو گھورا۔ میں بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا اس لیے درمیان میں بول پڑا۔

"سنو مہاشے۔۔۔۔" میں نے معمر سادھو کو مخاطب کیا۔ "ہمارا راستہ کھوٹا مت کرو۔ ہمیں کہیں جانے کی جلدی ہے۔ کرید کرو گے' چھان بین کرو گے تو تمہارا سمے بھی برباد ہوگا۔۔۔۔"

معمر سادھو بگڑتے ہوئے تیور سے میری جانب گھوما۔ اسے میرا روکھا پھیکا انداز گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔ لیکن میری نگاہوں سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کے سارے کس بل نکل گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے میری پیشانی کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ ایک لمحہ وہ سراسیمگی کی کیفیت میں مبتلا رہا۔ پھر اس نے بڑی عقیدت سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"شما کردو مہاراج' میں نے تمہارے ماتھے کی ریکھاؤں پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔" وہ عاجزی پر اتر آیا۔ "ہمیں بھی اپنی سیوا کا موقع دو۔ ہمارے بڑے بھاگیہ جو تمہارے درشن ہوگئے۔"

معمر سادھو کی حالت دیکھ کر اس کے ساتھی بھی کسمسانے لگے۔ جو راہ گیر جمع ہوگئے تھے وہ بھی میری پیشانی پر وہ علامتیں تلاش کرنے لگے' جو معمر سادھو کو نظر آئی تھیں۔ کرشنا کے اعصاب میں پیدا ہونے والا تناؤ کم ہونے لگا۔

"راستے میں نہیں۔۔۔" میں نے معمر سادھو کو سمجھایا۔ "کبھی دوبارہ ٹکراؤ ہوا تو آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"جو تمہاری آ گیا مہاراج!" اس نے جھک کر میرے پیروں کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ چومنے لگا' پھر اصرار کرنے لگا۔ "کچھ بھوجن پانی ساتھ کرلیتے تو ہمارے من کو بھی شانتی مل جاتی۔ پھر جانے کب ملاپ ہو۔"

میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ کرشنا کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔ ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا۔ ہٹا کٹا سنتری مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا دوسری جانب نکل گیا۔ میں سب کی نگاہوں سے بچنے کی خاطر ایک پتلی سی گلی میں مڑ گیا۔

"تم نے دیکھا مہاراج!" کرشنا نے ترنگ میں آکر مجھے مخاطب کیا۔ "اس نے تمہارے ماتھے پر اپنے پریم کی چھاپ لگا دی ہے' جو بھی اس چھاپ کو دیکھے گا تمہارے چرنوں میں گر کر مکتی کا راستہ تلاش کرے گا۔ میں نے کہا تھا نا' اس نے تمہیں ساری شکتیاں دان کردی ہیں۔ تمہارے من کی کوئی آشا ادھوری نہیں رہے گی۔ تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔"

میرا سینہ فخر سے تن گیا۔ طاقت کے نشے کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ شراب کے نشے سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ ہم گلی کا چکر لگا کر دوبارہ سڑک پر ہوئے تو میرے دل کی دھڑکنیں کمبخت تیز ہوگئیں۔ چوک کا علاقہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ اسے گھنٹہ گھر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ میرا گھر وہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ کچھ دیر تک میں گنگ کھڑا ماضی میں جھانکتا رہا۔ میرے اعصاب پر دھند طاری ہوگئی۔ بہت سارے قصے کہانیاں اس دھند میں ابھرتے ڈوبتے رہے' پھر کرشنا کی آواز نے میرے خیالات کا شیرازہ منتشر کردیا۔

"مہاراج! تم یہاں کے پرانے باسی ہو' قریب کوئی سرائے کوئی دھرم شالا ہو تو گھڑی دو گھڑی رک کر کمر سیدھی کرلو۔ کچھ بھوجن پانی کرلو تو شریر میں تازگی آجائے گی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھر کے تصور نے میرے اندر اتھل پتھل شروع کردی تھی۔ میں نے لمبے لمبے ڈگ مارنے شروع کردیے۔ کرشنا نے شاید میرے چہرے سے میرے اندر کی ہلچل کا منظر دیکھ لیا تھا۔ پھر اس نے کوئی سوال جواب مناسب نہیں سمجھا۔ میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ہم مختلف راستوں سے گزرتے' سڑکیں پھلانگتے اس گلی میں داخل ہوگئے' جہاں دور ہی سے مسجد کا گنبد نظر آرہا تھا۔ اس مسجد

ے دو گھر چھوڑ کر تیسرا مکان میرا تھا۔ گلی میں بچے گولیاں کھیل رہے تھے۔ اکا دکا راہ گیر بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے اپنی رفتار کم کردی۔ دل کے سمندر میں اٹھنے والے طوفان کو سمیٹنے لگا۔

مجھے اپنا بچپن یاد آیا۔ کبھی میں بھی اسی گلی میں محلے کے لڑکوں کے ساتھ گلی کھیلتا تھا۔ ابا کو گلی ڈنڈے سے سخت چڑ تھی۔ ایک بار انہوں نے مجھے گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھ کر میرے دوستوں کے سامنے میری اچھی خاصی پٹائی کردی تھی۔ لڑکے بھاگ کر اپنے اپنے گھروں میں دبک گئے۔ ابا نے وہیں گلی میں مارنے کوٹنے کے بعد مجھے سو اٹھک بیٹھک لگانے کی سزا بھی سنا دی۔ میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ بڑی سبکی ہوئی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ میرے دوست بلند کواڑوں کے پیچھے کھڑے جھریوں سے میرے کان پکڑ کر اٹھنے بیٹھنے کا تماشا دیکھ رہے ہوں گے۔ میں ڈنڈی نہ مار جاؤں اس لیے ابا نے گنتی شروع کردی۔ ایک...... دو...... دس...... سترہ...... اٹھارہ...... تیس...... چالیس، اکتالیس؛ مجھے بھی حکم ملا کہ بلند آواز میں گنتی گنتا رہوں۔ تیس بار اٹھنے بیٹھنے کے بعد ہی میرا جوڑ جوڑ دکھنے لگا۔ میں نے رکنے کی حماقت نہیں کی۔ ایک بار پہلے ایسی حماقت کرچکا تھا' ابا نے اس روز دوبارہ ایک سے گنتی شروع کرنے کا نادرشاہی حکم دیا تو اوسان خطا کرگئے۔ اس کے بعد سے میں نے گنتی کے معاملے میں کبھی ڈنڈی مارنے کی غلطی نہیں کی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا' آخری سزا کے موقع پر گنتی اکتالیس تک پہنچی تھی' جب خدا نے میری دعا سن لی۔ میرے پڑوسی مولوی عبدالحکیم صاحب رحمت کا فرشتہ بن کر سامنے آ گئے۔ ابا اور ان کے درمیان بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ ان کی سفارش پر ابا نے میری باقی سزا معاف کردی۔ اس روز میں نے کان پکڑ کر توبہ کی تھی کہ کبھی گلی ڈنڈا نہیں کھیلوں گا۔

میں ماضی میں جھانکتا قدم بڑھا رہا تھا۔ مسجد سے میرا فاصلہ جب دس چند قدم باقی رہ گیا' تو ایک جانا پہچانا چہرہ سامنے آ گیا۔ میں ٹھٹھک کر رک گیا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ میرا چچازاد بھائی بختیار تھا۔ وہی بختیار' جو ہمارے گھر کی بربادی کے بعد میرے پاس الہ آباد آیا تھا۔ وہی اصرار کرکے مجھے مرزاپور لے گیا تھا' جہاں چچاجان کی محبت نے مجھے جینے کا سہارا دیا۔ ان کی لڑکی غزالہ سے بچپن میں میری بات طے ہوچکی تھی۔ غزالہ کی ایما پر میں نے پڑھائی کا سلسلہ شروع کیا۔ لشتم پشتم بی

اے کی ڈگری حاصل کرلی۔ وقت بڑے سکون سے گزر رہا تھا۔ میں نے اماں کے زیورات اور جائیداد کے کاغذات چچا کے پاس رکھوا دیئے تھے۔ ان کے سوا میرا اور تھا بھی کون؟ بی اے کرنے کے بعد ایک روز چچا نے باتوں باتوں میں بڑی اپنائیت کے ساتھ مجھے دبی زبان میں بتایا کہ میرے والد نے یاسمین کی شادی کے موقع پر ان سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی' اس لیے کیوں نہ الہ آباد والا مکان فروخت کردیا جائے۔ میں اپنا آبائی مکان کسی قیمت پر فروخت کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں والد مرحوم کی روح پر قرض کا بارگراں نہ ہو' میں نے دل پر جبر کرکے سادے اسٹامپ پیپر پر دستخط کردیئے۔ زیورات کی ملکیت کے لیے کسی قانونی دستاویز کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی چچا کے قبضے میں تھے۔ مکان کے کاغذات حاصل کرنے کے بعد چچا کا رویہ بدلنے لگا۔ میں اس وقت چونکا جب غزالہ کی منگنی کسی اور کے ساتھ ہونے کی بھنک میرے کان میں پڑی۔ میں نے دبی زبان میں چچا سے احتجاج کیا' تو ان کا پارہ ایک دم چڑھتا چلا گیا۔ مجھے بے نقط مغلظات گالیوں سے نوازا گیا۔ ''ٹکڑگدے''...... ''نمک حرام''...... اور ''بھکاری'' جیسے خطاب عطا کیے گئے۔ پھر ان کے حکم پر ملازموں اور بختیار نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔

بختیار کو سامنے دیکھ کر میرے زخموں پر جمی کھرنڈ اکھڑنے لگی۔ ہاتھ پیر میں اینٹھن شروع ہوگئی۔ سینے میں جلن کا احساس کروٹیں لینے لگا۔ جسم پر لرزہ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے وجود کی گہرائیوں میں کیچو کا نامکمل جسم سایہ بن کر لہرا رہا ہو۔ مجھے اپنا قد دراز ہوتا لگا۔ میرے ذہن میں شعلے بھڑکنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے چودھویں کا چاند طلوع ہوگیا۔ اندھیرے چھٹ گئے۔ چاند کی روشنی میں مجھے دور دور تک نظر آنے لگا۔ وہ سب کچھ جو میں جاننا چاہتا تھا۔ جس کی کھوج میں میں نے ایک طویل سفر طے کیا تھا۔ ماضی' حال اور مستقبل کے کچھ مطلوبہ پہلو حیرت انگیز طور پر میرے ذہن کی سکرین پر کسی متحرک فلم کی طرح روشن ہونے لگے۔ بختیار مجھے بڑا حقیر نظر آ رہا تھا۔ قدموں میں رینگتے ہوئے کسی کیڑے کی مانند۔ وہ میرے قریب سے ہوکر آگے نکلنا چاہتا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ وہ بڑبڑا گیا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی اسی گومگو کی حالت سے دوچار ہوتا' جس میں وہ گرفتار تھا۔ پکی عمروں کا اچھا خاصا

مرد نظر آ رہا تھا۔ میں نے کلائی پر ہاتھ ڈالا تو پنجرے میں پھنسے کسی چوہے کی طرح بوکھلا گیا' اس کا چہرہ اس کے اندر ابھرنے والے خوف کی چغلی کھا رہا تھا۔

''کک...... کیا بات ہے؟'' اس نے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری شناخت سے محروم رہے گا۔

''تمہارا شبھ نام کیا ہے بالک......؟'' میں نے مصلحتاً اپنا لہجہ نرم ہی رکھا۔

''بختیار......'' اس کی جان میں جان آنے لگی۔ ''تمہیں کس کی تلاش ہے؟''

''تلاش تو کسی اور کی ہے پرنتو تم سامنے آ گئے تو من چاہا کہ تمہیں بھی تمہارے بھوش کے بارے میں کچھ بتاتا چلوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم جیون کے جس دوراہے پر کھڑے ہو وہاں چاروں اور گھپ اندھیرے ہیں' تمہاری ایک غلط چال پوری بازی کا ستیاناس کرسکتی ہے۔ تم گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ ہاتھ ملتے رہو گے۔ کچھ پراپت نہیں ہوگا۔''

''تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو......''

''تم جو کوئی بھی ہو' میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ستارے گردش میں ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ تم کوئی جوتشی ہو' لیکن مجھے......'' اس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔

''تمہیں میری ضرورت ہے بالک!'' میں نے اس کے اعتماد کو بحال نہیں ہونے دیا۔ ٹھوس آواز میں بولا۔ ''مایا جال کے چکر میں بڑے بڑے بلوان بھی گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ لکشمی کو راضی کرنے کے کارن منش کو بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ تم جس ناری سے چھل کپٹ کا ناٹک رچا رہے ہو.. ایک بار چنگل سے نکل گئی تو تمہارے سپنے کبھی پورے نہیں ہوں گے۔''

اس وقت میرے اوپر کیا کیفیت طاری تھی؟ میں پوری طرح اس کی وضاحت نہیں کرسکتا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کیچو کا سایہ میرے بدن سے نکل کر بختیار کی پشت پر لہرا رہا ہو۔ اس کے بدن کی مانوس مہک مجھ پر نشہ طاری کر رہی تھی۔ اس کی آواز میرے ذہن کے اندر ایک گونج سی پیدا کر رہی تھی۔ مجھے کوئی واضح جملہ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ لیکن کوئی پراسرار قوت ضرور تھی' جو بختیار کے سلسلے میں میری رہنمائی کر رہی تھی۔ آواز میری اپنی تھی' پس منظر میں کوئی اور تھا' جو میرے دل و دماغ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ مجھ پر بے خودی طاری ہونے لگی۔ آنکھیں بختیار پر مرکوز تھیں۔ زبان سے الفاظ جملوں

میں ڈھل کر نکلتے رہے۔

''میری بات دھیان سے سنو! ایک بار تمہارے پرکھوں نے بھی یہی کھیل کھیلا تھا۔ لکشمی ان پر مہربان تھی' اس سے ان کی بھاونائیں سپھل ہوگئیں۔ پرنتو تمہارے راستے میں راہو کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ ایک ذرا سی بھول تمہیں بہت بھاری پڑے گی۔ ہم بیراگی لوگ ہیں' مول تول بیوپاری کرتے ہیں' ہم نے کیول دان کرنا سیکھا ہے۔ تم قسمت کے دھنی ہو کہ ہم سے ٹکراؤ ہوگیا۔ ہم بن مول تمہاری سہائتا کرسکتے ہیں۔ لیکن ایک شرط پر۔''

''وہ کیا......؟'' بختیار کے کس بل ڈھیلے پڑنے لگے۔ میں نے جو جال پھینکا تھا' اس نے اسے چونکا دیا۔

''میں تمہاری دھرم پتنی سلطانہ کو ایک نظر دیکھنا چاہوں گا۔''

سلطانہ کا نام سن کر وہ میرے قریب آ گیا۔ میں نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ لوہا گرم تھا' میں نے ایک کاری ضرب اور لگائی۔ ''ڈھل مل یقین ہو رہا ہے مورکھ! ایک کو چھوڑ کر دوسری کو بغل میں دبانے کا وچار من میں ہے' لیکن ابھی سے گھبرا رہا ہے۔''

''چلو مہاراج......'' کرشنا نے موقع کی نزاکت بھانپ کر گرتی ہوئی دیوار کو ایک آخری دھکا لگا دیا۔ ''کیوں اس پاگل کے ساتھ متھا لڑا رہے ہو' اسے اس کے حال پر چھوڑ دو' ہمیں ابھی دور جانا ہے......اس کے بھاگ میں جو لکھا ہے' وہ بھوگنے دو' جہاں ناس وہاں سوا ستیاناس۔''

سلطانہ کا نام سن کر اور کرشنا کی بے رخی محسوس کر کے بختیار نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''مہاراج! تم میرے بارے میں اور کیا جانتے ہو......؟'' وہ دبی زبان میں بولا۔

''ایک بات بتا بالک......؟'' میں نے رازداری سے پوچھا۔ ''کیا تجھے وشواس ہے کہ دوسری جو آئے گی وہ تیرا بھانڈا نہیں پھوڑے گی؟''

''یہاں گلی میں کھڑے ہو کر بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔'' بختیار نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''تم میرے پیچھے پیچھے آؤ مہاراج' میں بیٹھک کھولتا ہوں......''

میں بھی یہی چاہتا تھا کہ بات کھلے عام نہ ہو۔ بختیار تیز تیز قدم اٹھاتا اس گھر میں داخل ہوگیا' جو کبھی ہمارا تھا۔ میرے دل میں انتقام کا سمندر ابل رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک آواز گونجی۔ ''دھیرج سے کام لینا جمشید' یہ جنگل نہیں شہر ہے۔ جو کچھ کرنا ہو ترنت کرڈالو۔ تمہارے پاس بس ایک رات ڈھلنے کا سمے ہے۔ کل سورج نکلنے سے پہلے تمہیں یہ شہر چھوڑ دینا ہے' ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔'' اس آواز کے ساتھ ہی خوشبو کا تیز جھونکا میرے گرد اپنا حصار قائم کرنے لگا۔ میں بے خودی کے عالم میں سینہ تانے آگے بڑھنے لگا' بختیار نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل سے اندر داخل ہوا۔ کرشنا ساتھ ساتھ تھا۔

اس بیٹھک پر کبھی ہمارے والد صاحب کا قبضہ تھا۔ اسی بیٹھک میں ہمارے مہمان بیٹھا کرتے تھے۔ میں مولوی صاحب سے سپارہ پڑھتا تھا۔ ان کی قمچی کی مار مجھے یاد کیا ہوا سبق بھی بھلا دیتی۔ اسی وجہ سے میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہوگیا تھا۔ اس بیٹھک سے زندگی کی ہزاروں یادیں' بیشمار کہانیاں وابستہ تھیں۔ یاسمن کی شادی کے بعد اسی بیٹھک میں پہلی بار ڈاکٹر ارشد سراسیمگی کے عالم میں گرفتار ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے بڑی گستاخی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بڑی بے ادبی سے والد صاحب سے دریافت کیا تھا کہ ''کیچو کون ہے؟ یاسمن سے اس کا کیا تعلق ہے؟'' والدصاحب یاسمن کے خلاف ایک بیہودہ اور بے بنیاد الزام سن کر آپے سے باہر ہوگئے۔ پھر بات ختم نہیں ہوئی۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر وہ اندوہناک حادثات پے در پے رونما ہوتے چلے گئے جن کی کبھی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس وقت کیچو کا نام ہماری بربادی کا سبب بنا تھا۔ اس وقت اسی کیچو کی بخشی ہوئی لازوال طاقت بختیار اور اس کے گھر والوں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی تھی۔

میں بڑی دیر تک آنکھیں بند کیے ایک کرسی پر بیٹھا رہا۔ ماضی کے کتاب کے اوراق ایک ایک کرکے میرے ذہن میں الٹنے پلٹنے لگے۔ دل میں سلگتی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ نگاہوں میں سوئیاں چبھنے لگیں تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کرشنا میرے سامنے تھا۔ بختیار بائیں ہاتھ پر بیٹھا تھا۔ سامنے گول میز پر پھل اور شربت کی ٹرے نفاست سے سجائی گئی تھی۔ ڈرائی فروٹ بھی تھے۔

''ہمارے پاس سمے کم ہے بالک...'' میں نے بختیار کو گھور کر حکم دیا۔ ''!

دھرم پتنی کو بلاؤ' ہم اسے ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں.....''

''وہ تیار ہورہی ہے مہاراج!'' بختیار اپنی نشست پر کسمسایا۔ ''تم کچھ جل پانی کرلو۔ اتنی دیر میں وہ بھی آجائے گی۔''

''کیا وہ ہمارے سامنے آنے سے ہچکچائے گی نہیں......؟'' میں نے خشک آواز میں سوال کیا۔

''وہ پردہ نہیں کرتی مہاراج......!'' بختیار نے مختصر جواب دیا۔

''جمشید......'' کہیں دور سے آتی ہوئی ایک مدھم آواز میری قوت سماعت میں ابھری۔ ''یہ شخص بڑا حرفوں کا بنا ہے ایک طرف سلطانہ کو چھوڑ کر دوسری کرنے کے سپنے دیکھ رہا ہے' دوسری طرف اس نے سلطانہ سے کہا ہے کہ تم اس کی گود ہری کرنے کی خاطر اس کے سر پر ہاتھ پھیرو گے' تو برسوں سے اس کے من میں تڑپنے والی بچے کی خواہش پوری ہوجائے گی۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا' کسی نادیدہ قوت نے میری زبان پر تالے ڈال دیے۔ اسی لمحے مکان کے اندر کھلنے والے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ میں نے نظر گھما کر دیکھا' ایک بیس سال کی خوبرو حسینہ بڑے پروقار انداز میں سامنے کھڑی تھی۔ بختیار نے ہم سے اس کا تعارف کرایا۔ وہ کچھ جھجکی' کچھ لجائی پھر چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی بختیار کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کرشنا کی دوربین نظریں اسے گھورنے لگیں۔ شاید وہ اپنی قوتوں سے اس کا ایکسرے کررہا تھا۔

''تمہارا شبھ نام سلطانہ ہے......؟'' میں نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے دریافت کیا۔

''جی ہاں......'' اس نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔

''وواہ کو کتنے سال گزر گئے......؟''

''سات سال......'' سلطانہ کے بجائے بختیار نے جواب دیا۔

''اور اب تک تیرا آنگن سونا ہے۔'' میں نے بختیار کو نظرانداز کرکے دوبارہ سلطانہ کو مخاطب کیا۔ ''ایک گول مٹول بچے کی آشا تیرے من کو ہردم بیاکل رکھتی ہے......کیوں میں نے جھوٹ تو نہیں کہا؟''

''آپ نے ٹھیک کہا مہاراج!'' بختیار نے پھر مداخلت کی۔ ''آپ ہمارے حق

میں دعا کردیں' ہم ہر طرح سے آپ کی ہر خدمت کو تیار ہیں۔"

"مہاراج.....!" کرشنا کی آواز ابھری وہ پراسرار بوڑھا منہ اٹھائے شوں شوں کرکے فضا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کررہا تھا۔"مجھے اس مکان کے چاروں اور بیاکل آتمائیں بھٹکتی نظر آرہی ہیں۔ خون ہی خون بکھرا دکھائی دے رہا ہے۔"

کرشنا کی بات سن کر بختیار کے علاوہ سلطانہ بھی چونکی۔ مجھے کرشنا کی قوتوں کا احساس پہلے بھی تھا۔ میں نے اسے اپنی زندگی کا کوئی راز' کوئی واقعہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن اس کی نظروں نے شاید یاسمین اور میرے والدین کی بے چین روحوں کا راز پالیا تھا۔ وہ خون کی بات کررہا تھا۔ میرا خون اور کھولنے لگا۔ میں نے مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں۔

"جمشید....." میرے ذہن میں پھر ایک آواز گونجی۔"جلدی میں کوئی حماقت نہ کرنا کچھ دیر اور شانت رہو۔ اس کے بعد تمہاری مشکل آسان ہوجائے گی۔ جو تم چاہتے ہو وہ کوئی اور کرگزرے گا۔ تمہارے من کو چین آجائے گا۔"

"بالک....." کرشنا نے بختیار کو تیز نظروں سے گھورا۔ آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے پوچھا۔"تم سے پہلے اس مکان میں کون لوگ رہتے تھے؟"

"مجھے ٹھیک سے نہیں معلوم۔" بختیار نے دروغ گوئی کی۔"یہ مکان میرے والد نے اپنے کسی دوست سے خریدا تھا۔ اس وقت ہم مرزاپور میں رہتے تھے۔"

"تمہارے ماتا پتا اب کہاں ہیں.....؟" میں چپ نہ رہ سکا۔ میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

"ان دونوں کا انتقال ہوگیا....." بختیار نے بے چینی سے پہلو بدل کر جواب دیا۔ کرشنا نے جو موضوع چھیڑ دیا تھا' اس نے بختیار کے ہاتھ پیر پھلا دیئے۔ سلطانہ بھی ہونٹ کاٹنے لگی۔

"تمہارے مرزاپور والے گھر کا کیا بنا.....؟" کرشنا کی ساحرانہ نظریں جلنے بجھنے لگیں۔

"وہ..... وہ میں نے فروخت کردیا۔" بختیار کی بے چینی بڑھنے لگی۔

"تمہارے کنبے میں کوئی ایک اور بھی تھا۔ میں نے پرخیال انداز میں دریافت کیا۔"کون تھا وہ.....؟"

"وہ ..... وہ میری بہن تھی غزالہ۔" بختیار نے تھوک نگل کر جواب دیا۔"[illegible]

[illegible]ی شادی ہوگئی' بمبئی میں رہتی ہے۔"

"بمبئی....." میں تململا اٹھا۔"اس کے پتی دیو کا کیا کاروبار ہے؟"

"محکمۂ پولیس میں ہیں۔" بختیار نے دبی زبان میں کہا۔"انسپکٹر۔"

"اس کا شبھ نام..... کوئی پتا ٹھکانا؟" میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پیشتر [illegible]کما کر دریافت کیا۔

"تم اندر جاؤ....." اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے سلطانہ [illegible]ے کہا۔ میرے سوالات نے شاید اس کے وجود میں کھلبلی مچا دی تھی۔ وہ مضطرب نظر [illegible]آنے لگا۔ سلطانہ جانے کے ارادے سے اٹھی' میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ وہ ہچکچا کر دوبارہ بیٹھ گئی۔ میں نے بختیار کو سرد نظروں سے گھورا۔"تم دونوں کے سوا اس مکان میں اور کون رہتا ہے.....؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم اصل مقصد سے ہٹ رہے ہیں۔" بختیار نے مجھے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"مہاراج! میں دیکھ رہا ہوں کہ اس سے....." کرشنا نے پھر کچھ کہنا چاہا۔ اس کی اندر کو دھنسی ہوئی سرخ آنکھیں بڑی تیزی سے حلقوں میں گردش کررہی تھیں۔ چہرے پر گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ یکلخت سنبھل گیا۔ ہاتھ باندھ کر بڑی سعادت مندی سے بولا۔"شما کردو مہاراج! میری آنکھیں اندھیروں میں کچھ کھوجنے لگی تھیں۔"

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ میری بیوی کے حق میں دعا کردیں۔" بختیار نے قدرے الجھتے ہوئے کہا۔"میں اس خیال سے آپ کو....."

"چپ ہوجا' اپنی کالی زبان بند کرلے....." میں یکلخت ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تیرے من میں پاپ ہی پاپ بھرا ہے۔ میں نے کہا تھا' تیرے راستے میں راہو کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ ایک ذرا سی بھول سارا کھیل چوپٹ کردے گی۔ وہی ہوا تیرے بھاگیہ کی شبھ گھڑی آئی اور گزر گئی۔ اب کوئی شکتی تیری سہایتا نہیں کرسکتی۔ جو تیرے بڑوں نے بویا تھا' اب تجھے کاٹنا ہوگا۔"

"یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو مہاراج؟" بختیار میرے لب و لہجے کی کرختگی' میرے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر بوکھلا گیا۔ سلطانہ بھی سہم گئی۔

''میں تیرے سر پر موت کی چھایہ منڈلاتے دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے اسے
نظروں سے گھورا۔ ''ایک دن تو نے اور تیرے پرکھوں نے کسی کو دھوکا دیا تھا۔ اس
مکان' اس کی دھن دولت' اس کی ماتا کے گہنے اور اس کے من کا چین سب کچھ چھین
اپنی چوکھٹ سے دھتکار دیا تھا۔ آج سے کا وہی پرانا بھونچال تیرے اوپر منڈلا
ہے۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''میرا کہا اوش پورا ہوگا۔ تجھے آج کوئی نہیں
سکے گا۔ دھرتی کی تمام شکتیاں مل کر بھی تیری سہاتا نہیں کرسکیں گی۔ میں تجھے شر
دیتا ہوں' تو نشٹ ہوجائے گا۔''

بیٹھک میں میری آواز گونج رہی تھی۔ بختیار کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ سلطانہ
نے خوف سے بختیار کا ہاتھ تھام لیا۔ کرشنا لپک کر میرے قدموں میں بیٹھ گیا۔ مجھ
اپنے ہوش کھونے لگے۔ میرے اندر برسوں سے دبا ہوا لاوا ابل رہا تھا۔ میں
اشاروں کنایوں میں پدمنی کی دردناک موت کا واقعہ دہرایا۔ اپنے والدین کی
بے بسی کی روداد سنائی۔ سکندر کو دھتکارے جانے کا ذکر میری زبان پر آیا تو
لرزنے کانپنے لگا۔ وہ مجھے شناخت کرنے کی خاطر بے چین ہوگیا۔ میں جانتا تھا
مجھے نہیں پہچان سکے گا۔ میرا حلیہ اتنا بدل گیا تھا کہ میں خود بھی اپنے آپ کو
پہچان سکتا تھا۔ وہ میرا کیا سراغ پاتا؟

''تو مہیشہ سے نیچ ہے۔ تیرے خون میں کسی گندے خون کی ملاوٹ ہے
میری آواز کی تیزی بڑھتی گئی۔ ''تو اپنی دھرم پتنی کو بھی دھوکا دینے کی چالیں
رہا ہے۔ اپنے جیون سے الگ کرکے اس کی دھن دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ ایک طرف
اس معصوم کو کسی بالک کے جنم لینے کے جھوٹے سپنے دکھا رہا ہے۔ دوسری طرف کسی
کے ساتھ پریم راگ الاپ رہا ہے۔ اس کے دھن پر بھی تیری رال ٹپک رہی
پرنتو اب ایسا نہیں ہوگا۔ میرا شراپ تجھے ملیامیٹ کردے گا۔ اپنے جیون کی آ
سانسیں سمیٹ لے مورکھ تیرا انت پورا ہونے والا ہے۔''

میں دیوانگی کے عالم میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ بختیار کو جیسے سانپ سونگھ گ
سلطانہ دم بخود رہ گئی۔ کرشنا میرے قدموں سے لپٹ گیا۔ میں خاموش ہوا تو بیٹھک
دروازہ کھول کر ایک نوجوان وحشت ناک انداز میں اندر داخل ہوا۔ بختیار کی نظر اس
پڑی تو وہ اور سہما گیا۔ چہرے کی رنگت ہلدی کی طرح زرد پڑگئی۔ نوجوان نے ا

داخل ہوکر دروازہ بند کیا' پھر بپھرے ہوئے انداز میں جیب سے ریوالور نکال کر بختیار
پر تان لیا۔ بڑے سفاک لہجے میں غرایا۔

''حرام زادے...... تو میری معصوم بہن کو ورغلا کر اس کی جائیداد ہڑپ کرنے
کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اپنے ہوس کے جال میں پھنسا کر اس کی زندگی برباد کرنا چاہتا
ہے۔ تو بھول گیا کہ ابھی رضیہ کا ایک بھائی زندہ ہے...... میری طرف غور سے دیکھ
ولدالحرام' ننگ خاندان' میں رضیہ کا بھائی شہباز ہوں۔ تیری موت بن کر آیا ہوں۔
بول کمینے' رذیل' تیری آخری خواہش کیا ہے؟ ایک ہی گولی سے تیرا ناپاک وجود مٹا
دوں یا سسکا سسکا کر کتوں کی موت ماروں؟''

نوجوان کی اچانک آمد نے مجھے بھی چونکا دیا۔ بختیار کے چہرے پر موت کے
سائے منڈلانے لگے۔ میرے ذہن میں کچھ دیر پہلے ابھرنے والی آواز گونجنے لگی۔ ''جو
تم چاہتے ہو وہ کوئی اور کرگزرے گا۔ تمہارے من کو چین آجائے گا''...... حالات نے
اپنا رخ اتنی تیزی سے بدلا کہ مجھے یا کرشنا کو بولنے کا موقع نہیں مل سکا۔ شہباز نامی
نوجوان نے بختیار سے اس کی آخری خواہش ضرور پوچھی' جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اس
کے سر پر خون سوار تھا۔ اس نے پے در پے دو فائر کیے۔ بختیار کسی کٹے ہوئے تناور
شہتیر کی مانند لڑکھڑا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کا جسم خون سے لت پت ہو رہا تھا۔
سلطانہ چیخ مار کر شوہر کے پھڑپھڑاتے ہوئے جسم سے لپٹ گئی۔ شہباز نے پلٹ کر
ہماری طرف دیکھا۔ میں اور کرشنا اس کے جرم کے خلاف دو عینی شاہد تھے۔ اس کے
تیور خطرناک تھے۔ جو ایک خون کرسکتا تھا' وہ پھانسی کے پھندے سے بچنے کی خاطر دو
ثبوت اور ضائع کرنے سے بھی کبھی دریغ نہ کرتا۔ بوڑھے کرشنا نے اس کا ارادہ بھانپ
کر تیزی سے سیدھا ہاتھ بلند کیا۔ اپنی استخوانی انگلیوں کو حرکت دی' تو شہباز کا ریوالور
ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگرا۔ وہ کسی بت کی طرح بے حس و حرکت نظر آنے لگا۔
سلطانہ بختیار کی لاش سے لپٹی بین کررہی تھی۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔

''اب نکل چلو مہاراج......'' کرشنا نے میرا ہاتھ تھام کر سرسراتے لہجے میں کہا۔
میں نے اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کیا۔ ہم قدم سے قدم مارتے بیٹھک کا
دروازہ کھول کر باہر آگئے۔

گلی میں سناٹا ہی تھا۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کردی۔

☆.....☆.....☆

بختیار کے سلسلے میں میری سماعت سے ٹکرانے والی آواز سچ ثابت ہوئی۔ مجھے اپنا ہاتھ اس کے خون سے نہیں رنگنا پڑا۔ شہباز نے درمیان میں آ کر میرے ایک دشمن کا قصہ پاک کر دیا۔ میں ہی اگر اسے ٹھکانے لگا دیتا تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ راسے پور میں میں نے کئی خون کیے تھے۔ رانی پارو گواہ تھی۔ جگدیپ جانتا تھا' میں نے لاکھی پور کے بدمعاشوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ چھانٹ کر رکھ دیا تھا۔ میرا ان لوگوں سے براہ راست کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اقتدار کی ہوس جگدیپ کو تھی' وہ بلاوجہ دنیش کو اپنے راستے کا پتھر سمجھ رہا تھا۔ دنیش کو راستے سے ہٹا کر وہ راج گدی تک پہنچنے کے لیے میدان صاف کرنا چاہتا تھا۔ میں دنیش کا نمک خوار تھا۔ اس نے مجھے عزت دی' پناہ دی' بھون میں راج کمار اور راج کماریوں کے بیچ اعلان کیا کہ میری حیثیت ملازموں جیسی نہیں ہے' میں اس کا دوست ہوں' بھائی ہوں۔ دنیش کے ہزاروں احسانات تھے میرے کاندھوں پر۔ میں خاموش کیسے بیٹھتا۔ جگدیپ بھی سمجھ رہا تھا کہ بار بار اسے دنیش کے سلسلے میں ناکامی کیوں ہو رہی ہے۔ بھون کی کئی داسیاں' راج کماریاں اس کے لیے مخبری کا کام انجام دے رہی تھیں۔ پریت پیش پیش تھی۔ شکنتلا نے بھی محض جگدیپ کی خاطر مجھ پر حملے کرائے۔ پریت کے کارندے میری موت کی گھات لگائے بیٹھے رہے۔ مجھ پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ ایک بار کیچو نے بروقت مدد نہ کی ہوتی تو میں جان سے گیا تھا۔ دنیش کی خوابگاہ میں زہریلے سانپ چھوڑے گئے۔ گولیاں چلائی گئیں۔ میں خاموش تماشائی نہ رہ سکا۔ جان کی بازی لگا کر بھڑکتی آگ میں کود گیا۔ کیچو میری پشت پر تھی۔ مجھے سادھو دیوراج کی حمایت حاصل تھی۔ کچھ قسمت مہربان تھی' جو میں ہر محاذ پر کامیابی کے جھنڈے گاڑتا چلا گیا۔

جگدیپ راج کمار تھا۔ پہلے وہ اپنے شایان شان جنگ لڑتا رہا۔ اپنے سورماؤں کو دھن دولت سے خرید کر ایندھن کی طرح جھونکتا رہا۔ پھر وہ چھچھورپنے پر اتر آیا۔ پے در پے ناکامیوں نے شاید اس کا سکون برباد کر دیا۔ وہ اپنی سطح سے گر گیا۔ مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکا' تو ڈالی اور گڈے کو اغوا کرا لیا۔ جواب میں میں نے اس پر شب خون نہیں مارا۔ للکار کر چیلنج کیا پھر سر سے کفن باندھ کر بڑی حویلی کو پھونک ڈالنے کا منصوبہ لیے اس پر چڑھ دوڑا۔ ڈالی میری محسنہ تھی۔ اسے کیسے

فراموش کر دیتا۔

جنگ دو فریقین کے درمیان موت اور زندگی کا فیصلہ کرتی ہے۔ ضروری نہیں تھا کہ میں ہی اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا' جگدیپ بھی حاوی پڑ سکتا تھا۔ لیکن مجھے اپنے دل کی حسرتیں پوری کرنے کا موقع نہیں ملا۔ کیچو اپنی لازوال قوتوں کے زور پر مجھے درمیان سے اٹھا لے گئی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ مجھے نہ بچاتی تو بڑی حویلی کا معرکہ میری زندگی کا آخری معرکہ ثابت ہوتا۔ میں نے زندگی کی خواہش کب کی تھی؟ مجھے تو بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا۔ میرے دامن پر خون کے بہت سارے چھینٹے تھے۔ کبھی نہ کبھی تو ان کا حساب دینا ہی تھا۔

بختیار کی موت بھی میرے حسب منشا نہیں ہوئی۔ میرے انتقام کی لسٹ پر اس کا نمبر پہلا نہیں تھا۔ وہ تو درمیان کی ایک کڑی تھا' جو کیچو کی پراسرار طاقت کا شکار ہو گیا۔ میری حسرتیں پھر گھٹ کر رہ گئیں۔ میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا۔ میں اپنے چچا کے خاطر خواہ بدلا لینا چاہتا تھا' لیکن وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ مجھے ان کی موت کی اطلاع پا کر خوشی نہیں ہوئی' افسوس ہوا۔ وہ بڑی آسانی سے میرے عتاب کو جل دے کر موت کی ابدی نیند سو گئے۔ میں ہاتھ ملتا رہ گیا۔

بختیار کے ختم ہو جانے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ اس مکان کو بھی جلا کر پھونک دوں' جو باقی رہ گیا تھا' لیکن میں نے اپنے ارادے کی تکمیل نہیں کی۔ شاید اس لیے کہ اینٹ' مٹی اور گارے سے بنے ہوئے اس مکان سے زندگی کی ہزاروں یادیں وابستہ تھیں۔

الٰہ آباد سے میرا دانا پانی بہت جلدی اٹھ گیا۔ بوڑھا کرشنا بار بار یہی کہتا رہا کہ ”مہاراج! دو گھڑی کہیں رک کر کمر سیدھی کر لو' بھوجن پانی کر لو' میرے ہوتے ہوئے چنتا مت کرو' جلدی بھی کیا ہے؟“ میں اسے کیا بتاتا کہ کسی پراسرار آواز نے مجھے صرف ایک دن اور ایک رات کی مہلت دی تھی۔ میں اس آواز کو شناخت نہیں کر سکا' مگر وہ کیچو کے سوا اور کون ہو سکتی تھی؟

میں نے کرشنا کے بار بار کے اصرار کے باوجود اسی روز الٰہ آباد کو خیرباد کہہ دیا۔ بختیار کے عبرتناک انجام کے بعد میں کرشنا کے ساتھ سیدھا سٹیشن چلا گیا۔ مجھے کلکتہ جانے کی بے چینی لاحق ہو گئی۔ وہاں میرا دیرینہ دوست جارج تھا۔ میرا محسن' جس

نے کلکتہ میں مجھے جینے کی راہ سکھائی تھی۔ زندگی کا حوصلہ دیا تھا۔ ہم ایک ساتھ مل کر
مزدوری کرتے تھے۔ جہاں موقع ملتا پڑ رہتے' وہ بڑے حوصلے' بڑے دل گردے کا مالک
تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز میں اس نے بڑی ٹھوکریں کھائی تھیں۔ دوسرا ہوتا تو ہمت
ہار دیتا' لیکن وہ بڑا فاقہ مست آدمی تھا۔ وقت اور حالات نے اسے زندہ رہنے کا فن
سکھا دیا تھا۔ دن بھر محنت مشقت کے بعد جو کچھ کماتا' رات کو دارو پر خرچ کر دیتا۔
نشے کی حالت میں وہ خود کو جارج واشنگٹن سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ کہتا تھا...''یہ سالا کلکتہ
بڑا حرامی شہر ہے۔ پردیسیوں کے ساتھ کبھی وفا نہیں کرتا۔ کنجری کی طرح آنکھیں پھیر
لیتا ہے۔''

میری زندگی کی ابتدائی ٹریننگ اسی نے کی تھی۔ کرسمس کے موقع پر وہ مجھے
اپنے ساتھ زبردستی ایک ٹھرا خانے لے گیا' اسی کے پیہم اصرار پر میں نے پہلی بار
شراب کو حلق کے نیچے اتارا تھا۔ وہی مجھے کرسمس کی خوشی کو دوبالا کرنے کی خاطر ایک
طوائف کے کوٹھے پر لے گیا۔ جہاں بانو سے میری ملاقات ہوئی۔ کیوپڈ نے ہم دونوں
کو زخمی کردیا۔ میں نے جارج سے چھپ چھپ کر بانو سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع
کردیا۔ پھر میں نے بانو کو اس بالاخانے سے دور لے جانے کی ٹھانی۔ مگر شومئ قسمت'
عین وقت پر کوٹھے کی نائکہ بنو بیگم اور اس کا لحیم شحیم سازندہ بختاور آ گئے۔ میرے پاس
کوئی راستہ نہیں تھا۔ بنو بیگم کے اشارے پر بختاور نے مجھ پر رام پوری چاقو کھول لیا۔
میں ان دونوں کا خون کرکے کوٹھے سے نیچے اترا' تو جارج نے سر پیٹ لیا۔ مجھے کلکتہ
سے فرار ہوکر بمبئی جانا پڑا' جہاں ڈالی نے مجھے سہارا دیا۔ اسی کے مشورے پر میں نے
ریاست راجے پور جاکر پرکاش بھون میں پناہ لی تھی۔ اس کے بعد فسانے میں جوڑ لگتے
گئے' کہانی طویل ہوتی گئی۔ بات میرے اختیار کی کب تھی.....؟

کلکتہ پہنچ کر مجھے جارج کو تلاش کرنا تھا۔ اپنے بڑے بھائی سکندر کی خیریت
دریافت کرنی تھی۔ عابد شیرازی سے ملاقات کرنی تھی۔ جس نے مجھے اپنے گھر میں پناہ
دی تھی۔ بہت سارے کام نمٹانے تھے۔ بہت سارے قرض چکانے تھے۔ بانو کے
بارے معلوم کرنا تھا کہ میرے فرار ہونے کے بعد اس غریب پر کیا گزری؟ پتہ نہیں وہ
زندہ بھی تھی یا زندگی سے روٹھ گئی تھی؟

الہ آباد کے ریلوے سٹیشن پر ایک بنچ پر بیٹھا میں خیالوں میں پرواز کررہا تھا۔

...میرے لیے گرم گرم کچوریاں لے آیا۔ میں نے اس کے اصرار پر چار چھ لقمے
...کرلیے۔ سٹیشن پر گاڑیاں آرہی تھیں' جارہی تھیں۔ مسافروں کا اژدھام تھا۔ قلیوں
کی چیخ و پکار تھی۔ ہم یہاں بھی مسافروں کی نگاہوں کا ہدف بن گئے۔ ہر شخص ہمیں
...نظروں سے دیکھ دیکھ کر گزر رہا تھا' جیسے ہمارے سروں کو سینگ نکل آئے ہوں۔
...انسان نہیں کوئی عجوبہ ہوں۔ میں بار بار اپنی آنکھیں موند کر تماشائیوں سے بے نیاز
...کرشنا بار بار کھانے کا اصرار کرتا۔ سٹیشن پر تین گھنٹے گزارنے کے بعد ہم کلکتہ
...والی گاڑی میں سوار ہوگئے۔ کرشنا نے ایک تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں
...رکھ لیں۔ تھیلے اور چیزیں خریدنے کے لیے اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے؟
مجھے اس کا مطلق کوئی علم نہیں' میں نے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی۔

ہم جس ڈبے میں داخل ہوئے' وہ شاید سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ تھا۔ اس میں کل
چار مسافر پہلے سے موجود تھے۔ چاروں ہی کھاتے پیتے نظر آرہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر
ان کی تیوری پر بل آ گئے۔ ہمارے جسم پر سادھوؤں کا لباس اور حلیہ پنڈت پجاریوں
جیسا نہ ہوتا تو شاید وہ ایک لمحے کو بھی اپنے درمیان ہماری موجودگی برداشت نہ کرتے۔
نشستوں پر گدے لگے ہوئے تھے۔ ہر شے صاف ستھری نظر آرہی تھی۔ میں نے ہچکچا کر
کرشنا کی طرف دیکھا' وہ سمجھ گیا کہ میں اس ڈبے سے اترنے کا ارادہ کررہا ہوں۔

''پدھارو مہاراج!'' اس نے ایک خالی برتھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑی
لاپرواہی سے کہا۔ ''لمبا سفر ہے' ہم آرام سے جائیں گے۔ چنتا کس بات کی' میں ہوں
تمہارے ساتھ۔''

میں نے کوئی تکرار مناسب نہیں سمجھی۔ خالی برتھ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ میرے
الٹے ہاتھ والی نشست پر ایک موٹا تازہ مہاجن نما شخص بیٹھا تھا' اس کے ساتھ ایک
نوجوان لڑکی تھی۔ لڑکی کے ماتھے پر تلک اور مانگ میں سیندور دیکھ کر اندازہ ہوگیا کہ وہ
دونوں ہندو تھے۔ باقی دو شخص الگ الگ نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ان چاروں کی نظر بار
بار ہماری سمت اٹھ رہی تھی۔ خاص طور پر مہاجن نما شخص زیادہ فکرمند نظر آرہا تھا۔ کرشنا
نے ایک بار بھی ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ مجھے علم تھا کہ عام
طور پر ٹکٹ چیکر سادھوؤں اور پنڈت پجاریوں سے ٹکٹ کے سلسلے میں باز پرس نہیں
کرتے' نظرانداز کرجاتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ ٹکٹ طلب کرنے

کے مجاز نہیں تھے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ تیسرے درجے اور درمیانہ درجے میں جہاں مسافروں کی بھیڑ ہوتی تھی' وہاں ایک دو آدمی بغیر ٹکٹ بھی چل جاتے تھے یا تو چیکر ان تک نہیں پہنچ پاتا تھا یا وہ جان بوجھ کر اس کی دسترس سے بچنے کی خاطر ادھر ادھر ہوجاتے تھے۔ لیکن پہلے اور دوسرے درجے کی بات اور تھی' ان دونوں کمپارٹمنٹ میں مسافروں کو نہ صرف زیادہ سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں' بلکہ ان کے آرام کا خیال بھی رکھا جاتا تھا۔

میں کسی چپقلش میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اسی لیے دوسرے درجے کے ڈبے میں سفر کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ کرشنا کے اصرار پر مجبور ہوگیا۔ وہ کچھ زیادہ ہی لاپروا نظر آرہا تھا۔ کھڑکی سے لگا بیٹھا پلیٹ فارم پر دوڑتے بھاگتے ہجوم کو دیکھتا رہا۔ جب گاڑی نے آخری سیٹی دینے کے بعد آہستہ آہستہ منزل کی سمت رینگنا شروع کیا' تو نشست پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکا دیئے' آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی جاپ میں مگن ہو۔ اس کی سفید اور دراز زلفیں شانوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی کے بالوں نے اس کے سینے کا بیشتر حصہ چھپا رکھا تھا۔ چہرے پر گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔ موٹے مہاجن نے اپنی نشست پر کسمسانا شروع کردیا۔ اسے کرشنا کا وہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی جانے کیوں زیرلب مسکرانے لگی۔ باقی دو مسافروں نے تنگ آکر باہر کی سمت دیکھنا شروع کردیا۔ ان کے چہروں سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔ میں نے آنکھیں موندلیں۔ پھر اپنے خیالوں میں گم ہوگیا۔

دو تین سٹیشن آئے اور گزر گئے۔ سوچتے سوچتے میرا ذہن تھکنے لگا' تو میں نے آنکھیں کھول لیں۔ کرشنا ابھی تک اپنے جاپ میں مگن تھا۔ جس آسن سے بیٹھا تھا اس میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ سورج غروب ہوگیا تو ڈبے کی بتیاں جل اٹھیں۔ میں نے ایک اچٹتی نظر دوسرے مسافروں پر ڈالی۔ ان کے چہروں پر ابھی تک ہمارے لیے تشویش کے تاثرات موجود تھے۔ روشنی ہوجانے کے بعد موٹا مہاجن بار بار پہلو بدلنے لگا۔ ساتھ بیٹھی لڑکی جس کی عمر کا تخمینہ میں نے بیس اکیس سال لگایا تھا' ایک انگریزی رسالے کے مطالعے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے جسم پر اب ایک سرخ رنگ کی چادر ڈال رکھی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ان دونوں کو کہیں دور جانا ہے۔'' علیحدہ علیحدہ نشستوں پر بیٹھے ایک مسافر نے دوسرے سے انگریزی میں کہا۔

''کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں' جو میں سوچ رہا ہوں؟'' دوسرے نے سنجیدگی سے پوچھا۔

وہ ہمیں ان پڑھ اور جاہل سمجھ رہے تھے۔ میں نے اپنی توجہ دوسری جانب مبذول کرلی۔ کان ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ لائٹ روشن ہونے کے بعد ان دونوں کے اندر بھی کسی قسم کی کھدر کھدر شروع ہوگئی تھی۔

''صورت سے تو مذہبی لوگ نظر آتے ہیں' لیکن دلوں کا حال کون بتا سکتا ہے....؟'' پہلے نے کہا۔

''ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔'' دوسرے نے دبی زبان میں اپنے خیال کا اظہار کیا۔ ''آج کل بھیس بدل بدل کر ٹرینوں میں وارداتوں کے قصے بڑے عام ہوگئے ہیں۔ دن کی بات اور تھی' لیکن رات کے وقت.....'' اس نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا' لیکن مفہوم بہت واضح تھا' وہ ہم پر مجرم ہونے کا شبہ کررہے تھے۔

''میں بھی اسی نتیجے پر غور کررہا تھا۔'' پہلے نے دریافت کیا۔ ''ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''کوئی رسک لینا مناسب نہیں ہوگا۔'' دوسرے نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اگلا سٹیشن آئے تو میں نیچے اتر کر کنڈکٹنگ گارڈ سے بات کرتا ہوں۔ ان دونوں کے پاس ٹکٹ بھی نہیں ہوں گے۔''

''اور اگر ٹکٹ ہوئے تو....؟'' پہلے نے ایک ممکنہ خطرے کا اظہار کیا۔ ''جو لوگ بڑی واردات کا پروگرام بناتے ہیں وہ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کا خطرہ کیوں مول لیں گے؟''

''آپ کہاں جارہے ہیں؟'' دوسرے نے سوال کیا۔

''کلکتہ.....'' پہلے نے مختصر جواب دیا۔

''میں بھی وہیں جارہا ہوں۔'' دوسرے نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''اچھا ہے.....ساتھ رہے گا۔''

''یہ دوسرا آدمی ایک ہی پوزیشن میں بڑی دیر سے بیٹھا کیا کررہا ہے.....؟''

پہلے نے کرشنا کو کنکھیوں سے گھورا۔

''شاید کوئی جاپ کررہا ہے......''

''چلتی ٹرین میں جاپ نہیں کیا جاتا میرے دوست......'' پہلے نے دور کی کوڑی لانے کی کوشش کی۔ ''یہ صرف ڈھونگ رچا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے واردات کی پلاننگ کررہا ہو' مجھے تو بڑا گھاگ معلوم ہوتا ہے۔''

میرا خون بری طرح کھولنے لگا۔ دل میں یہ خیال بھی ابھرا کہ کیوں نہ کیچو کی بخشی ہوئی لازوال قوت آزما لوں۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے اپنا سب کچھ سونپ دے گی۔ کرشنا نے بھی یقین دلایا تھا کہ اب دھرتی پر مجھ سے بڑا بلوان کوئی اور نہیں تھا۔ میں جو چاہوں گا' وہ پورا ہوگا۔ میں نے ابھی تک سنجیدگی سے اپنے اندر پراسرار اور ماورائی قوتوں کے بارے میں غور نہیں کیا تھا۔ ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ ان دونوں مسافروں کی باتیں میرے خون کو حدت دے رہی تھیں۔ میں نے ان پر اپنی مخفی قوتیں آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی تھی۔ کوئی نیا سٹیشن آنے والا تھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد ٹرین ایک سٹیشن پر رک گئی۔ پلیٹ فارم پر زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ دوسرا آدمی پہلے سے کچھ کہہ کر تیزی سے ڈبے سے باہر چلا گیا۔ میں ان کی باتیں سن چکا تھا۔ وہ گارڈ سے ہمارے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرنے گیا تھا۔ میں نے کرشنا کی سمت دیکھا۔ وہ بدستور بت بنا بیٹھا اپنے جاپ میں مگن تھا۔ مجھے تشویش لاحق ہوئی' ہرچند کہ میں جانتا تھا کہ ہم دونوں ان چاروں پر بھاری پڑیں گے' لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ بات پولیس تک پہنچے یا کوئی اور رکاوٹ درمیان میں پیش آجائے۔

ہم کلکتہ جارہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ کلکتہ کی پولیس کو ابھی تک بنو بیگم اور بختاور کے قاتل کی تلاش ضرور ہوگی۔ معاملہ جہاں عورتوں کا ہو' وہاں پولیس زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ کچھ ذاتی اغراض و مقاصد ہوتے ہیں۔ کچھ مخصوص افسران کا دباؤ بھی اوپر سے ہوتا ہے۔ بنو بیگم کا کوٹھا تو کلکتہ کی طوائفوں میں سرفہرست تھا۔ اس کے اپنے بھی بیشمار چاہنے والے ہوں گے۔ بہت ساروں کی ہمدردیاں بانو کے ساتھ بھی وابستہ ہوں گی۔ انہوں نے بانو کو خوش کرنے کی خاطر' شیشے میں اتارنے کے لیے اپنی سرگرمیاں ختم نہیں کی ہوں گی۔ وہ برابر بانو کے کوٹھے کا چکر لگاتے ہوں

گے۔ اس کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر ڈھونگ رچاتے ہوں گے۔

میرا حلیہ بدل چکا تھا۔ وقت کی دھول نے میرے چہرے کے نقوش بھی دھندلا دیئے تھے۔ سادھوؤں کے روپ میں تو خود میں اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا تھا' وہ کیا پہچانتے۔ لیکن انسان کے اندر اگر کوئی خوف' کوئی ڈر چھپا بیٹھا ہو تو وہ بزدل ہوجاتا ہے۔ کلکتہ اور بانو کے معاملے میں شاید میں بھی بزدل ہوگیا تھا۔ بات بڑھ جانے کی صورت میں وقت کی بربادی کا خیال بھی پیش نظر تھا۔ پولیس ہمارے بارے میں چھان بین کرتی' گڑے مردے اکھاڑے جاتے۔ پرانی فائلوں کی گرد جھاڑی جاتی۔ سردخانے میں پڑے ہوئے ریکارڈ کو ازسرنو کھنگالا جاتا۔ ہمیں حراست میں لے لیا جاتا۔ عادی اور خطرناک مجرموں کی تصویروں سے ہمارے چہرے ملائے جاتے' کھالیں ادھیڑی جاتیں' غلیظ گالیوں سے نوازا جاتا' بخیئے ادھیڑنے میں نہ جانے کتنا وقت ضائع ہوجاتا۔ مجھے بہت سارے کام نمٹانے تھے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ انسان اور پانی کے بلبلے کا کیا بھروسہ؟ اندر کی سانس نکل جائے تو دونوں پلک جھپکتے میں زندگی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ صرف یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ میری زندگی سے بھی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ میں وقت ضائع کیے بغیر اپنی ذات سے وابستہ سارے کام نمٹانے کا خواہشمند تھا' اسی لیے دوسرے درجے کے ڈبے میں بیٹھنے سے گریز کرنا چاہا تھا' لیکن کرشنا نے کہا تھا کہ ''لمبا سفر ہے' ہم آرام سے جائیں گے۔'' بظاہر وہ آرام ہی کررہا تھا۔

میں اپنے خیالوں میں گم تھا کہ دوسرا آدمی واپس آگیا۔ اس نے پہلے سے کچھ کہا۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ میں ان کی بات نہ سن سکا۔ لیکن ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ مطمئن ہیں۔ گاڑی نے سیٹی دے کر دوبارہ سفر جاری کیا' تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے خود کو آنے والے حالات سے مقابلہ کرنے کی خاطر آمادہ کرلیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

شاید وہ میری قوت فیصلہ تھی یا پھر کیچو کی لازوال قوتوں کا اعجاز تھا کہ میرا اعتماد بحال ہونے لگا۔ مجھے اپنے وجود کی گہرائیوں میں کیچو کا نامکمل سایہ لہراتا محسوس ہوا۔ میں نے ان دونوں کی طرف سرد نظروں سے گھورا۔ وہ مجھے اپنے مقابلے میں حقیر نظر آنے لگے۔ ان کی باتوں سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ ایک ہندو ہے' دوسرا

مسلمان۔ خوف اور خطرے کا احساس تھا' جس نے ان دونوں کے درمیان سے مذہب کی دیوار گرا دی تھی۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ موت کا تصور بھی عجیب ہوتا ہے۔ سانس ٹوٹنے لگے تو سارے اختلافات ختم ہونے لگتے ہیں۔ زندگی کی خاطر انسان دشمن کو بھی گلے لگانے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ سارے تفرقات' گلے شکوے' رنجشیں اور عداوتیں دور ہوجاتی ہیں۔ کچھ دیر پیشتر وہ دونوں بھی الگ الگ تھے۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ بلب روشن ہوئے تو ان کے دلوں میں خطرات سر ابھارنے لگے۔ سویا اور مرا ہوا انسان ایک برابر ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں اندیشوں نے سر ابھارا ہوگا۔ وہ سوگئے' تو ہم موت بن کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ وسوسوں نے انہیں سر جوڑ کر مشورہ کرنے پر اکسایا اور اب دونوں مطمئن نظر آ رہے تھے۔ انہیں شاید علم نہیں تھا کہ ان کے مقابلے پر کون تھا۔

''تمہارا شبھ نام کیا ہے بالک......؟'' میں نے اس شخص کو مخاطب کیا' جس کے دل میں پہلے کھلبلی مچی تھی۔

''موہن لال......''

''کہاں کے رہنے والے ہو...... ؟''

''کلکتہ کا......'' اس نے مجبوراً جواب دیا' پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

ٹرین رفتار پکڑنے لگی تھی۔ میں کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ ایک ٹکٹ چیکر اور دو باوردی پولیس والے برابر کے ڈبے سے ہمارے کمپارٹمنٹ میں آ گئے۔ موٹے مہاجن نے اطمینان کا سانس لیا۔ ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی نے رسالہ بند کرکے ایک طرف ڈال دیا۔ موہن لال بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ دوسرا شخص جیب سے ٹکٹ نکالنے لگا۔

کمپارٹمنٹ میں داخل ہونے کے بعد ٹکٹ چیکر نے اور پولیس والوں نے سب سے پہلے ہمیں دزدیدہ نظروں سے دیکھا' پھر خانہ پری کی خاطر مہاجن اور لڑکی کا ٹکٹ مانگا' میں پہلی ہی نظر میں تاڑ گیا کہ وہ موہن لال کی شکایت پر ہمارے ڈبے میں آئے تھے۔ مہاجن نما شخص اپنا چرمی تھیلا کھول کر ٹکٹ تلاش کرنے لگا۔ ٹکٹ چیکر نے اتنی دیر میں موہن لال اور دوسرے شخص کا ٹکٹ چیک کیا' پھر وہ ہماری جانب آ گیا۔

''ٹکٹ ہے مہاراج؟'' اس نے بظاہر بڑے مہذب لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔ میں ٹکٹ چیکر کو نگاہوں نگاہوں میں تولنے لگا۔ دونوں پولیس والے بھی ہمیں مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔

''میں نے ٹکٹ مانگا ہے مہاراج!'' ٹکٹ چیکر نے دوبارہ مطالبہ کیا تو کرشنا نے یکلخت ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں' ایسا لگا جیسے کسی نے اسے گہری نیند سوتے میں جھنجوڑ کر بیدار کردیا ہو۔

''کیا چاہئے تجھے؟'' کرشنا نے کرخت آواز میں ٹکٹ چیکر سے کہا۔ ''مہاراج کو کیوں تنگ کررہا ہے؟''

''تم دونوں کا ٹکٹ کہاں ہے؟'' ایک ہٹے کٹے سپاہی نے کرشنا سے پوچھا۔

''من کے اندھوں کو ہمیشہ شریر کا میل ہی نظر آتا ہے۔'' کرشنا نے بڑی حقارت اور نفرت کا مظاہرہ کیا' پھر اپنے پاس رکھے ہوئے تھیلے سے دو ٹکٹ نکال کر ٹکٹ چیکر کی نظروں کے سامنے نچاتا ہوا غصے سے بولا۔ ''لے دیکھ لے پوری طرح اپنی تسلی کرلے۔''

ٹکٹ چیکر نے کنکھیوں سے موہن لال کی طرف دیکھا۔ ٹکٹ کرشنا سے لے کر دیکھے پھر ہاتھ میں دبے قلم سے اس پر کچھ نشان لگا کر واپس کرتا ہوا بولا۔ ''ٹکٹ چیک کرنا ہماری ڈیوٹی ہے مہاراج! کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کردینا۔''

دونوں پولیس والے بھی ٹکٹ دیکھ کر ٹھنڈے پڑ گئے۔ موہن لال بغلیں جھانکنے لگا۔ کرشنا نے ٹکٹ واپس لے کر تھیلے میں ڈال دیئے۔ ٹکٹ چیکر موٹے مہاجن کے پاس کھڑا ہوگیا۔ جو بڑے اضطراب کے عالم میں اپنے تھیلے کو کھنگال رہا تھا۔ اس نے چرمی بیگ کے بعد اپنی تمام جیبیں بھی ٹٹول ڈالیں' پھر بڑی پریشانی سے لڑکی سے پوچھا:

''انجنا! ٹکٹ تیرے پاس تو نہیں ہے......؟''

''نہیں......'' لڑکی کے چہرے پر بھی سراسیمگی پھیلنے لگی۔ ''تم نے اسی تھیلے میں رکھا تھا۔'' اس نے چرمی بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ مہاجن دوبارہ چرمی بیگ کے خانوں میں ہاتھ مارنے لگا۔ اس کی بوکھلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

''چنتا کس بات کی ہے مہاشے......؟'' کرشنا نے خشک لہجے میں کہا۔ ''کیوں اپنا خون جلا رہے ہو؟ تم تو دھن کے پجاری ہو' دھن میں کھیلتے کودتے ہو' کھیسے سے روکڑا نکالو' جرمانے سمیت ٹکٹ کی رقم ادا کر دو' نئی نویلی پتنی کے سامنے کیوں اپنی ہنسی اڑواؤ گے......؟''

میں کرشنا کی بات سن کر چونکا' اس کی حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے پھر اپنی شکتی کا چمتکار دکھایا ہوگا۔ مہاجن کے دونوں ٹکٹ چھومنتر ہوکر اس کے تھیلے میں آگئے۔ کرشنا نے بلند آواز میں یہ انکشاف بھی کردیا کہ جولڑکی مہاجن کے ساتھ سفر کررہی تھی وہ اس کی بیٹی نہیں' نئی نویلی دلہن تھی۔ حالانکہ دونوں کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مہاجن بھی کرشنا کی بات سن کر تلملانے لگا۔

''اندر ہی اندر بل کھانا.....'' کرشنا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے مہاجن کو تنبیہ کی۔ ''زبان سے کوئی الٹا سیدھا شبد نکالا تو دھوتی کے بھیتر کا بھانڈا بھی پھوڑدوں گا' سارے کرتوت کھول کر رکھ دوں گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔''

مہاجن کے چہرے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔ اس نے شاید کرشنا کی گہرائی کو پالیا تھا۔ زبان سے کچھ نہیں بولا' ٹکٹ کی رقم جرمانے سمیت ادا کرکے جان چھڑا لی۔ لڑکی کرشنا کو عقیدت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

ٹکٹ چیکر اور پولیس والے جانے لگے تو میں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ کرشنا کئی موقعوں پر مجھے اپنی شکتی کے چمتکار دکھا چکا تھا' مجھے ان شکتیوں کا خیال آ گیا جو کیچو نے مجھے دان کی تھیں۔ میں انہیں آزمانا چاہتا تھا۔ موہن لال نے ہمیں پھنسانے کے لیے جو قدم اٹھایا تھا' اس کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔

''تم کچھ کہنا چاہتے ہو مہاراج.....؟'' ٹکٹ چیکر نے مجھے مخاطب کیا' وہ ہم سے مرعوب نظر آ رہا تھا۔

''کیول اتنا کہ ہم بیراگیوں سے چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہوتی.....'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''ہم دوسروں کو نہیں چھیڑتے' دوسروں کو بھی ہمیں نہیں چھیڑنا چاہیے۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج.....؟''

''اتنے بھولے مت بنو مہاشے.....'' میری آواز میں کرختگی آ گئی۔ ''ہم من کا بھید بھی پڑھ لیتے ہیں' ہمیں خبر ہے کہ تم یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئے' تمہیں ہمارے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔ ہمارا اپمان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

''ایسا نہیں ہے مہاراج.....!'' ٹکٹ چیکر گڑبڑا گیا۔ ''تمہیں دھوکا ہوا ہے.....''

''بکواس کرتا ہے.....'' میرے اوپر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ ''جو دوسروں میں کھوٹ تلاش کرتے ہیں' وہ خود من کے اجلے نہیں ہوتے۔ کبھی ان کے گریبان میں بھی ہاتھ ڈال کر دیکھ لیا کر..... مورکھ..... دشٹ..... پاجی..... پاپی..... اپنا راستہ سیدھا کرنے کے کارن زبان سے دوسرے کے خلاف زہر اگلتے ہیں' انہیں بھی سزا ملنی چاہیے۔ اوش ملے گی۔'' میں روانی میں بولتا رہا۔ ''سادھو کا کہا کبھی جھوٹ نہیں ہوتا' ابھی دودھ کا دودھ' پانی کا پانی ہوجائے گا۔ کون کھرا ہے..... کون کھوٹا.....؟''

میں نے گھور کر موہن لال کی سمت دیکھا۔ ڈبے میں موجود سارے لوگ بت بن گئے۔ کرشنا کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں الجھنوں کا راج تھا۔ مہاجن اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔ انجنا دلچسپ نظروں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ میں موہن لال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گرجا۔

''خود کالے دھندے کرتا ہے اور گندگی دوسروں پر اچھالتا ہے۔ پاپوں کا پراچت کرنے کی ٹھان لے' یہ سمے گزر گیا تو ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ سال دو سال کی کاٹ لے گا' تو من کی آنکھ کھل جائے گی۔ ایک لنگوٹی باندھ کر پھرنے میں جو مزا ہے' وہ سوٹ بوٹ میں کہاں..... چل' کھڑا ہوجا' سادھو کی آ گیا کا پالن کر' اپنا سوٹ کیس کھول کر وردی والوں کے آگے ڈال دے..... رام بھلی کرے گا۔''

موہن لال پر میری باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے اٹھ کر سیٹ کے نیچے سے اپنا سوٹ کیس نکال کر کھولا تو میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ جو میں نے دل میں سوچا وہی ہوا۔ پولیس والوں کی نگاہیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سوٹ کیس غیرقانونی سونے اور غیرملکی کرنسی سے بھرا تھا۔ پولیس والوں نے قانونی چارہ جوئی میں بڑی عجلت دکھائی۔ موہن لال کو سوٹ کیس سمیت گھسیٹتے ہوئے ساتھ لے گئے۔ اس نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ چپ چاپ گھسٹتا چلا گیا۔ میں اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ جو چیزیں اس کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئیں' اسے دیکھ کر خود وہ بھی سکتے کی حالت سے دوچار ہوگیا ہوگا۔

مہاجن اور انجنا بھی سٹپٹا گئے۔ تیسرا مسافر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ کرشنا اپنی نشست سے اچھل کر میرے قدموں میں آ گیا۔ میرے پیر تھام کر بڑی عاجزی

سے بولا۔

"تمہاری شکتی اپرم پار ہے مہاراج' تم بلوان ہو۔ قسمت کے دھنی ہو جو اس کی چھایا تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ میرا تمہارا بھلا کیا مقابلہ۔ میں تو تمہارے چرنوں کی دھول ہوں۔ مجھے اپنے چرنوں سے کبھی دور نہ کرنا۔ تمہاری سیوا ہی میں میری مکتی ہے۔" کرشنا نے ہاتھ باندھ لیے۔ "جو بھول آج ہوئی دوبارہ نہیں ہوگی۔ میں وچن دیتا ہوں' اس بار شما کر دو۔"

میرا سینہ فخر سے پھیل گیا۔ بوڑھے کرشنا نے اپنی عمر کے اسی سال کیچو کی خاطر پہاڑوں اور جنگلوں کے درمیان گزار دیے تھے۔ زندگی کے تمام ہنگامے' تمام مسرتیں اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ تجرد کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ دل کے بھید پڑھ سکتا تھا۔ شعبدے بھی دکھاتا تھا۔ اپنی شکتی کے چمتکار سے کئی موقعوں پر مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اس کا نام' اس کی ریاضتیں کیچو کے ذہن میں بھی محفوظ تھیں۔ لیکن کیچو نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا' وہ بھی سچ تھا۔ وہ جاتے جاتے مجھے اپنی تمام ماورائی قوتوں سے سرفراز کرگئی۔ مجھے اس کی آخری ملاقات یاد آئی۔ اس روز اس نے ازخود میرا طویل بوسہ لیا تھا۔ اپنا لعاب دہن میرے وجود میں منتقل کرتی رہی۔ اس نے میرا چہرہ اپنے سینے میں چھپا کر زور سے بھینچا تھا۔ شاید اس طرح وہ اپنی تمام لازوال قوتیں میرے دل و دماغ میں تحلیل کررہی تھی۔ کرشنا کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ وہ دوراندیش تھا' زیرک تھا' معاملہ فہم تھا۔ اپنی ذہانتوں کو بروئے کار لا کر وہ میری طاقت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ اس کو تجسس ہوگا کہ میں اکیس چندرما کے طلوع و غروب کے دوران کیچو کے ساتھ کیا کرتا رہا۔ میں نے کیا کھویا' کیا پایا۔

خودنمائی انسان کی فطرت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ وجود کی گہرائیوں میں بار بار سر ابھارتا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی خاطر ہر ذی روح حسب استطاعت ہاتھ پیر مارتا ہے۔ یہی دوڑ فرقہ بندی کردیتی ہے۔ طاقتور اور کمزور کے درمیان حدفاصل بن جاتی ہے۔ حاکم و محکوم کی تخصیص کرتی ہے۔ چھوٹے بڑے کا فرق نمایاں کرتی ہے۔ حلقہ بندی کا احاطہ کرتی ہے۔ پھر طاقتور' کمزور پر غالب آجاتا ہے۔ حاکم کے اختیار بڑھ جاتے ہیں' محکوم درجہ بندی کے اعتبار سے گھٹ جاتا ہے۔ جہاں برابر کی ٹکر ہو وہاں کشمکش

یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کھینچا تانی ہوتی رہتی ہے۔ ایک دوسرے کو چونکا دینے کے مواقع ضائع نہیں کیے جاتے۔

کرشنا اور میرے ساتھ بھی کچھ ایسا معاملہ تھا۔ وہ کیچو کے حوالے سے مجھے بڑ کہتا تھا۔ لیکن اس کے ذہن کے کسی گوشے میں شاید یہ خیال بھی کلبلا رہا تھا کہ اس نے میرے مقابلے میں کیچو کی زیادہ پرستش کی ہے۔ دھرم اور کرم کے اعتبار سے بھی ہمارے درمیان ایک واضح فرق موجود تھا۔ اس نے کٹھن جاپ سے کچھ قوتیں حاصل کرلی تھیں۔ اسے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ تھا۔ میرے درمیان میں آجانے سے کیچو پر اس کا حق جاتا رہا۔ خود اس نے اقرار کیا تھا کہ کیچو نے پوری دھرتی پر صرف میرا انتخاب کیا ہے۔ میرے سوا اس نے کسی دوسرے سیوک کو درشن نہیں دیئے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے کرشنا کی وحشتوں کا تماشا دیکھا تھا۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں ہم نے ایک ساتھ بڑا وقت گزارا تھا۔ کبھی وہ بیٹھے بیٹھے کھو جاتا۔ گھنٹوں آنکھیں پھاڑے خلا میں حیرت سے کچھ تلاش کرتا رہتا۔ کبھی ہنسنے لگتا' کبھی اس پر دیوانگی کی کیفیت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی۔ کبھی وہ میرے پاؤں پکڑ لیتا' کبھی دور بیٹھا بدبداتا رہتا۔ ایک طویل عرصہ تک کیچو سے روحانی طور پر وابستہ رہنے کے بعد اچانک اس کے سارے رابطے ختم ہوگئے تھے۔ ساری ریاضتیں بیکار ہوگئی تھیں۔ کیچو نے مجھے اس پر ترجیح دی تھی۔ اس نے سچے عاشق کی طرح محبوب کی رضا کے آگے سرتسلیم خم کردیا ہوگا۔ لیکن حسد کی ایک چنگاری اس کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں ضرور سلگ رہی ہوگی۔ اسی سال کا تعلق کم نہیں ہوتا۔ انسان پنجرے میں کوئی جانور پالتا ہے' تو اس سے بھی محبت ہوجاتی۔ جانور پنجرے سے اڑ جائے تو خالی پنجرہ' اس کی جدائی' اس کی بے وفائی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ کرشنا کی بات اور تھی۔ اس نے اپنے دل میں کیچو کی مورتی بنا کر طویل عرصے تک اس کی پرستش کی تھی۔ پوجا کی تھی۔ دن رات' سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے اسی سے لو لگائے رہا تھا۔ اسے پالینے کی خاطر اس نے دنیا ترک کردی تھی۔ اپنے خیال میں اس نے کیچو کے نادیدہ وجود کو نہ جانے کتنے انداز میں تخلیق کیا ہوگا۔ ہزاروں طریقوں سے سجایا ہوگا' سنوارا ہوگا۔ مختلف انداز میں دیکھا ہوگا۔

مختلف جذبوں سے پیار کیا ہوگا۔ وہ اتنی طویل رفاقت کو ایک لمحے میں کھرچ کر کس طرح دل سے علیحدہ کردیتا؟ کچھ نقش ضرور باقی رہ گئے ہوں گے' جو اس کے تصورات کے پردوں میں ابھرتے ہوں گے۔ کچھ باتیں ہوں گی' جو اس کے وجود کو کچوکے لگاتی ہوں گی' انسان پل بھر میں برسوں کے تعلق کو نہیں فراموش کرسکتا......!

کرشنا کے سلسلہ میں ایک خلش میرے دل میں بھی تھی۔ وہ میرا رفیق بھی تھا رقیب بھی' مجھے ایک ایسے موقع کی تلاش تھی۔ جب میں اس کی صحیح حیثیت کا تعین کرسکوں۔ ایک بار یہ فیصلہ ہونا ضروری تھا کہ کون زیادہ طاقتور ہے۔ کس کا مرتبہ بلند ہے' ورنہ کشمکش کا سلسلہ جاری رہتا۔ میں اسے باور کرانا چاہتا تھا کہ کیچو پر زیادہ حق کس کا ہے؟ اس نے میرے اور کرشنا میں سے کس کو اپنا محبوب چنا؟ کس کی پرستش کی؟ کس کو دل سے قریب رکھا؟ کس کو نوازا؟ کس کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا؟

گرو اور چیلے کا فرق ظاہر ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے وہ موقع ضائع نہیں جانے دیا۔ کرشنا نے مہاجن کے ٹکٹوں کو جاپ کے زور سے چھومنتر کرکے اپنے تھیلے سے برآمد کیا۔ میں نے محض ذہن میں سوچا کہ موہن لال کالے دھندے کے جرم میں پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو اور میرا سوچا پورا ہوگیا۔ کرشنا نے میرے ذہن میں ضرور جھانکا ہوگا۔ اس پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ میں کیا چاہتا تھا' پھر اس نے اپنی شکست تسلیم کرلی' میرے قدموں سے لپٹ گیا' منت سماجت کرنے لگا' اپنی بھول کی معافی طلب کی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

میں نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا' اس کی آنکھوں کی سرخی کا رنگ مدھم نظر آرہا تھا۔ وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا۔ سمجھ گیا تھا کہ اس نے میرے مقابلے میں لمبی چھلانگ لگا کر حماقت کی تھی۔ وہ معذرت کررہا تھا۔ میں نے بڑائی کا ثبوت پیش کیا۔ کرشنا کا بازو تھام کر اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔ وہ تشکرانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میرے اندر برتری کا احساس سوار ہوگیا۔

''منش کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں ...'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''پہاڑ اور گلہری میں دھرتی اور آکاش جیسی دوری ہوتی ہے۔''

''مجھے شما کردو مہاراج ...'' کرشنا نے سعادت مندی کا اظہار کیا۔ ''تم ٹھیک

ئے تو وہ بھی سیوک سے نظریں پھیر لے گی۔ میں نہ گھر کا رہوں گا' نہ گھاٹ کا۔''

''جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتے ہیں' وہ خود اس میں منہ کے بل گرتے ہیں۔'' میں نے موہن لال کے دوسرے ساتھی کو سنانے کی خاطر قدرے بلند آواز میں کہا۔ ''خالی گٹ پٹ کرلینے سے ہار جیت کے فیصلے نہیں ہوتے' جو ہاتھ کی ریکھاؤں میں ایک بار لکھ دیا گیا...... بس لکھ دیا گیا' اس کو دیوی دیوتاؤں کی اچھا کے بغیر کون مٹا سکتا ہے؟''

''میں سمجھ رہا ہوں مہاراج...... جو ایسا دھیان کرتے ہیں وہ مورکھ ہوتے ہیں' سکھ اور شانتی سے جیون نہیں گزار سکتے' سدا بیاکل رہتے ہیں۔''

''مجھے معاف کردو سادھوجی......'' سامنے والی نشست پر بیٹھا ہوا نوجوان مسکین صورت بنا کر میری سمت دیکھنے لگا۔ ''میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہیں پہچاننے میں ہم سے غلطی سرزد ہوگئی تھی۔''

''اونچی اڑان لگانا چھوڑ دے۔'' میں نے نوجوان کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''پنڈت پجاریوں اور سادھوؤں سے ٹھٹھول کرے گا تو جیون میں کبھی شانتی نہیں ملے گی۔ جس دِشا میں جانا ہو کیول اسی پر نظر رکھ...... ادھر ادھر بھٹکنے کا دھیان من میں لائے گا' تو ٹھوکر کھا کر گرے گا۔''

''تم درست کہہ رہے ہو...... میں ایسا ہی کروں گا۔''

مہاجن اور انجنا دونوں گم صم بیٹھے تھے۔ مہاجن کی نظر میں الجھن تھی۔ کرشنا نے اسے جس انداز میں مخاطب کیا تھا' شاید وہ اس پر شاکی تھا۔ البتہ انجنا کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ہم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن منہ کھولتے جھجک رہی ہے۔ میں نے دوبارہ ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ ریل کے پہیوں کی کھٹ کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ کی آواز گونجتی رہی۔ میں اپنے آپ میں ڈوبتا گیا۔

کئی سٹیشن آئے اور گزر گئے۔ میں نے آنکھ کھولنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ میرے ذہن میں سکندر کا خیال مچل رہا تھا' کرشنا کے غار میں خواب کی کیفیت میں میری اس کی باتیں ہوئی تھیں۔ لیکن ہرنی کے دوسرے روپ میں نظر آنے والی حسینہ نے میرے خیال کی تردید کی۔ اس نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ خواب نہیں حقیقت تھا۔ کیچو کی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا

تھا کہ اگر کبھی میرا کلکتہ جانا ہوتو میں اس کی بات کی تصدیق کرسکتا ہوں۔

سکندر نے جو پتا بتایا تھا۔ وہ میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ اس نے کہا
خلیق احمد نامی ایک مہربان شخص نے اس کے ساتھ بڑا سلوک کیا تھا۔ رہنے کی
فراہم کی تھی' ملازمت دی تھی' شادی کرائی تھی۔ سکندر نے اپنی بیوی کا نام روحی
تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کلکتہ سے میرا فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ
مجھے اچانک دیکھے گا' تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟ خود میرا کیا حال ہوگا؟
میری بھابی تھی' وہ مجھے دیکھ کر کیا تاثر دے گی؟ شاید وہ اور سکندر مجھے روکنے کا
کریں۔ جلدی رخصت کرنے سے گریز کریں۔

میں عالم تصور میں خیالات کے تانے بانے بنتا رہا' پھر کسمسا کر رہ گیا۔
میرا چچازاد بھائی تھا۔ میں نے چچا کے گھر بڑا عرصہ قیام کیا تھا' لیکن موجودہ حلیے
وہ بھی مجھے شناخت نہیں کرسکا تھا۔ شاید سکندر بھی مجھے پہچاننے سے انکار کردے۔
شروع سے پنڈت پجاریوں کے خلاف تھا۔ مجھے دیکھ کر نہ جانے اس کے ذہن میں
پہلا تاثر کیا ابھرے؟ میں اسے کس طرح یقین دلاؤں گا کہ میں کن حالات سے گزر
رہا ہوں؟ دنیا کی نظروں سے فرار حاصل کرکے پرکاش بھون اور ریاست راج پور
محدود نہ ہوجاتا تو شاید زندہ بھی نہ ہوتا۔ جیل کی کسی کوٹھری میں سختیاں جھیلتے جھیلتے
مرکھپ گیا ہوتا۔ میری لاش لاوارث سمجھ کر کہیں دفنا دی جاتی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ
ہوتی۔ میں جمشید عالم سے موہن داس نہ بنتا' اپنا چولا نہ بدلتا' تو مجھے تلاش کر
والے شاید پرکاش بھون تک بھی پہنچ جاتے۔ میں نے خود کو دنیا کی نظروں سے چھپا
کی خاطر ایک مخصوص خول میں ڈھانپ لیا تھا۔ ایک شاردا تھی' جس نے میری ملازمت
والی حیثیت تسلیم نہیں کی۔ اس نے بڑی ذہانت سے میرے اندر چھپے ہوئے تعلیم یافتہ
شخص کو پہچان لیا۔ مگر وہ بھی میری اصلیت' میرے ماضی سے ناواقف تھی۔

ڈالی میری محسنہ تھی' لیکن وہ بھی مجھے شیرو کی حیثیت سے پہچانتی تھی۔ اپنی
کی جنگ لڑنے کی خاطر مجھے کئی روپ بدلنے پڑے۔ شیرو کی حیثیت میں ایک
کش مزدور تھا۔ موہن داس کی شکل میں ایک وفادار ملازم تھا۔ دنیش سے وفاداری
کے انعام پر ایک بار مجھے ایک ایرانی پروفیسر زاہدی کا سوانگ بھرنا پڑا۔ راج محل
ایک خصوصی دعوت میں شرکت کی غرض سے دنیش نے مجھے نفیس ترین لباس

چہرے پر مصنوعی ڈاڑھی لگائی گئی۔ پروفیسر زاہدی کے روپ میں مجھے اپنی
ذہانت اور شیریں گفتاری داؤ پر لگانی پڑی۔ میں ضرورت سے زیادہ کامیاب
انگریز آفیسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ' اس کی رس بھری گلابی شہابی اور حسین لڑکی
مجھ پر فریفتہ ہوگئی۔ راجے پور کے مہاراجہ کی آہوچشم بھتیجی راجکماری کنول اپنا دل
بیٹھی۔ مہاراجہ بھی پروفیسر زاہدی کے مداح بن گئے تھے۔ کرنل ہارڈنگ نے میری
کی داد دی۔ مجھے چھاؤنی آنے کی دعوت دی گئی۔ دعوت میں شریک بیشتر
میرے اس نئے روپ کے گرویدہ ہوگئے۔ میں نے انہیں نشانہ لگانے کے
میں بھی ششدر کردیا۔ سب نے مجھے جان محفل قرار دیا۔ پوری ریاست میں
پروفیسر زاہدی کے نام کی دھوم مچ گئی۔ پروفیسر زاہدی کا وہ روپ آج بھی
ذہن میں محفوظ تھا۔

میرا اصل روپ میر جمشید عالم کا تھا' جو راستے کے گردوغبار میں دھندلا گیا
بانو کے عشق' بنو بیگم اور بختاور کے قتل نے اس روپ کو بھی بھولی بسری یادوں
کی طرح شیرو' موہن داس اور پروفیسر زاہدی کے مختلف روپ تلے دفن دیا۔ حالات
واقعات میرے قدموں میں بیڑی بن گئے۔ میں ان بیڑیوں کو کس طرح کاٹ
منزل تک پہنچنے کی خاطر ابھی کئی پرپیچ راہوں سے گزرنا تھا......!

میں سکندر کو اپنے ماضی کی روداد نہیں سنا سکتا تھا۔ میں روزاول سے منحوس
رہا تھا۔ میری کالی زبان نے میرے خونی رشتوں کو بھی مجھ سے بددل کردیا تھا۔
کی حالت میں خود سکندر نے بھی اپنی بربادی کو میری نحوست سے تعبیر کیا تھا۔
کے روپ میں دیکھ کر وہ اور زیادہ بدظن ہوسکتا تھا۔ وہ مجھے دھتکار دیتا تو
دل پر کیا گزرتی؟ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ نہ جانے کتنی دیر
میں اپنے خیالوں میں محو رہا۔ کتنے سٹیشن آئے اور گزر گئے۔ ڈبے میں کون
کون اترا مجھے کسی بات کا اندازہ نہیں تھا۔ مہاجن کی آواز ابھری تو میرے
خیالوں کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔

میں نے آنکھیں کھولیں' کمپارٹمنٹ میں اب صرف چار مسافر رہ گئے تھے۔
کرشنا' انجنا اور اس کا بے ہنگم پتی جبکہ پانچواں مسافر راستے میں کہیں اتر گیا تھا۔
یاد آیا' موہن لال سے کانا پھوسی کرتے وقت اس نے کلکتہ جانے کا اظہار کیا تھا۔

شاید ہمارے خوف سے کمپارٹمنٹ بدل لیا ہوگا۔ میں نے مہاجن کی طرف دیکھا۔ وہ کرشنا سے مخاطب تھا۔

''آپ کو کہاں جانا ہے مہاراج......؟''

''کلکتہ......'' کرشنا نے بے رخی سے جواب دیا۔

''ہمیں بھی کلکتہ ہی جانا ہے۔'' انجنا کی کھنکھناتی آواز ابھری۔

''آپ کلکتہ میں کہاں ٹھہریں گے؟'' مہاجن نے دریافت کیا۔

''ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔'' کرشنا نے بدستور خشک آواز میں کہا۔ ''کسی دھرم شالا' کسی سرائے' کسی مندر' کسی پاٹھ شالا میں جہاں بھی سونے کی جگہ ملی رات گزار لیں گے' صبح بھوجن پانی کرکے پھر کسی اور سمت چل دیں گے۔''

''تمہارا شبھ نام......؟'' میں نے پہلی بار پہلو بدل کر مہاجن کو مخاطب کیا۔

''سیوک کو جانکی داس کہتے ہیں۔'' اس نے عقیدت سے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے کہا۔ ''کلکتہ میں چھوٹا موٹا کاروبار کرتا ہوں' بھگوان کی کرپا سے چار پیسے بچ جاتے ہیں۔''

''ہم سے کیا چاہتے ہو......؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''جو من میں ہے کہہ ڈالو' وچار میں رہوگے تو سمے بیت جائے گا۔''

''ہماری اِچھا ہے مہاراج کہ آپ دونوں جب تک کلکتہ میں رہیں' ہمارے غریب خانے پر رہیں۔ ہمیں بھی کچھ سیوا کرنے کا موقع دیں۔''

''تم کہاں رہتے ہو......؟'' میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

''دھرم تلہ سٹریٹ پر......''

میں دھرم تلہ سٹریٹ کا نام سن کر چونکا۔ سکندر نے بھی اسی جگہ کا نام لیا تھا۔ ہمیں سر چھپانے کی خاطر کہیں نہ کہیں تو قیام کرنا تھا' سرائے یا دھرم شالا میں ٹھہرنا تو کیچو کے حوالے سے پنڈت پجاریوں کی نگاہوں میں آ جاتا' بھیڑ لگ جاتی' مجھے جان چھڑانا مشکل ہوجاتی۔

''ہماری بنتی سویکار کرلو مہاراج......'' جانکی داس مجھے شش و پنج میں دیکھ کر بولا۔ ''تم دونوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی' مجھے بھی سیوا کا کچھ سمے مل جائے گا۔''

''انکار نہ کرنا مہاراج۔'' انجنا نے بھی ہاتھ باندھ کر بنتی کی۔ ''تمہارے چرن ہمارے دوار کو چھوگئے تو ہمیں بھی من کی شانتی اور جیون کا سکھ چین مل جائے گا' ویسے بھی تم ہمارے پتا سمان ہو......''

میں انجنا کی بات سن کر دل ہی دل میں مسکرا دیا' اس نے میرے حلیئے سے میری عمر کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا' اسی لمحے وہی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی جسے میں پہلے بھی سن چکا تھا۔

''جمشید! انجنا کی بات مان لو' یہ اپنے پتی کے سلسلے میں تمہارا آشیرباد چاہتی ہے۔ بڑے دکھی دل کی مالک ہے۔ تم اس کے سر پر کیول ہاتھ پھیر دو گے تو اس کے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔''

''تم کون ہو؟... آشا...؟'' میں نے دل ہی دل میں اس آواز کی حقیقت جاننے کی کوشش کی۔

''دھیرج سے کام لو جمشید... ابھی کچھ جاننے کی کوشش نہ کرو...... سمے کا انتظار کرو۔''

''انجنا مجھ سے کیا چاہتی ہے...؟''

''اس کے گھر پر رہو گے تو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا......''

''میں سکندر کے بارے میں...''

''میرے پاس سمے کم ہے...'' اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''من سے دبدھا نکال دو۔ کوئی چنتا نہ کرو۔ سب ٹھیک ہی ہوگا۔''

''کس وچار میں گم ہو مہاراج...؟'' کرشنا نے پہلو بدلتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔ اس کی آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔ شاید اس نے میری خاموشی محسوس کرکے میرے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔

''ہمیں نراش مت کرنا مہاراج۔'' جانکی داس کے درمیان میں بولنے سے میری مشکل آسان ہوگئی۔ کرشنا تاپتا رہ گیا۔

''ہم کیول ایک شرط پر تمہاری آشا پوری کرسکتے ہیں۔'' میں نے جانکی داس سے کہا۔ ''تم ہمارے بارے میں اپنی زبان بند رکھو گے' کسی اور سے نہیں کہو گے کہ ہم تمہارے گھر براجے ہیں۔ ہم بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتے۔''

''مجھے منظور ہے مہاراج! ہمارے بڑے بھاگیہ جو تم نے ہمیں نراش نہیں کیا۔''

''تم بڑے بھاگیوان ہو جانکی داس جو مہاراج نے تمہاری بات سویکار کرلی۔'' کرشنا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مہاراج نے جو آگیا دی ہے' اس کا پالن کرنا نہیں تو بڑے گھٹالے میں پڑ جاؤ گے۔''

''تم جیسا کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔'' انجنا نے جواب دیا۔ اس کی طرح اس کی آواز بھی بڑی خوبصورت تھی۔

''مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کردینا.....'' اس بار کرشنا نے دبی زبان میں کہا۔ اسے شاید اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا۔ ٹکٹ چیکر اور پولیس والوں کی موجودگی میں اس کی زبان سے جانکی داس کے بارے میں کچھ ناموزوں جملے ادا ہوگئے تھے۔

''غلطی تمہاری نہیں' ہماری تھی جو ہم تمہیں پہچاننے میں دھوکا کھاگئے.....''

کرشنا اور جانکی داس ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف ہوگئے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس آواز کے بارے میں سوچنے لگا' جو بار بار میری رہنمائی کررہی تھی۔ اگر وہ کچھ ہی تھی تو اس نے میری بات کا جواب دینے سے گریز کیوں کیا؟ اگر کچھ نہیں تھی تو پھر کون تھی .....؟

☆.....☆.....☆

قصرِ خلیق میری نظروں کے سامنے تھا۔

وہ ایک پرشکوہ اور عالیشان بنگلہ تھا' جس کی ایک ایک اینٹ اپنے مالک کی امارت کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔ مجھے باہر ہی سے وہ انیکسی بھی نظر آگئی' جس میں سکندر اور روحی قیام پذیر ہوں گے۔ سکندر نے مجھے یہی بتایا تھا۔ میں کوٹھی کے سامنے کھڑا اپنے دل کی دھڑکنوں کو شمار کررہا تھا۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔ عمارت کے بڑے پھاٹک پر ایک مسلح اور باوردی چوکیدار نظر آرہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار میری جانب اٹھ رہی تھیں۔ اگر میں سادھو کے لباس میں نہ ہوتا' تو شاید وہ مجھے اتنی دیر تک کوٹھی کے سامنے کھڑا ہونے کی بھی اجازت نہ دیتا' بازپرس شروع کردیتا۔

میں اس وقت تنہا تھا۔ کرشنا کو جانکی داس اور انجنا کے ساتھ ان کی کوٹھی پر چھوڑ آیا تھا۔ سکندر اور میرے درمیان ہونے والی ملاقات جذباتی ہوتی' میں کرشنا کو اس کا تماشہ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اس نے میرے ساتھ آنے کا اصرار کیا' وہ ایک پل کو بھی مجھ سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں میں اسے بیچ راستے میں چھوڑ کر آگے نہ نکل جاؤں۔

میرے اندر یادوں کا ایک طوفان موج زن تھا۔ اگر میرا خواب سچا تھا۔ اگر ہرنی کے روپ میں نظر آنے والی حسینہ کا بیان درست تھا' تو میں اپنی منزل کے سامنے کھڑا تھا۔ پھاٹک کی دوسری جانب میرا وہ بھائی موجود ہوگا' جو ہماری بربادی کے بعد پاگل ہوکر گھر سے نکل پڑا تھا۔ نہ جانے اس نے کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہوں گی۔ کہاں کہاں بھٹکا ہوگا۔ کس کس نے اسے دیوانہ سمجھ کر دھتکارا ہوگا۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے ترس کھا کر اسے پناہ دینے کی کوشش کی ہوگی۔ وہ ایک دو دن ستانے کی

غرض سے رک گیا ہوگا۔ پھر منہ اٹھا کر کسی اور سمت نکل بھاگا ہوگا۔ اسے ہوش کہاں تھا جو اچھے اور برے کی تمیز کر پاتا، دوست اور دشمن کے فرق کو سمجھتا، اس کی زندگی تو بس ایک معمول بن گیا ہو گا۔ گلیوں کے پرپیچ راستوں پر جان بچانے کی خاطر بھاگتا رہے۔ بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے رہیں، پتھر مارتے رہیں، کہیں وہ لڑکھڑا کر گرتا بھی ہوگا، کبھی ہنگاموں سے گھبرا کر بچوں کی طرف وحشت سے پلٹتا ہوگا، تو بچے دوڑ بھاگ کے ادھر ادھر چھپ جاتے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے اسے پاگل خانے بھیج دیا گیا ہو، کچھ دن جیل میں رکھا گیا ہو۔

بہت کچھ ممکن تھا۔ میں ان ہی امکانات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ پھر اس وقت چونکا جب ایک کار میرے بہت قریب سے ہوکر گزری اور پھاٹک کے قریب جا کر رک گئی۔ باوردی چوکیدار نے پھاٹک کھولنے میں پھرتی دکھائی۔ کار تیزی سے اندر چلی گئی۔ میں باہر ہی رہ گیا۔ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ کار کے اندر کون تھا۔

قصر خلیق جس علاقے میں تھا، وہاں زیادہ تر بڑے بڑے لوگوں کی کوٹھیاں اور بنگلے تھے۔ کوئی کمرشل مارکیٹ قریب نہیں تھی، اس لیے وہ جگہ بڑی صاف ستھری اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔ زیادہ راہ گیر بھی نہیں تھے۔ سادھو اور پنڈت پجاری قسم کی مخلوق بھی نہیں تھی، ورنہ مجھے گھیر لیتی۔

میری نگاہیں کوٹھی کی انیکسی پر مرکوز تھیں اور میں اس میں رہنے والوں کے بارے میں بار بار سوچ رہا تھا۔ آنے والے لمحے میرے لیے بڑے خوشگوار ہوسکتے تھے۔ سکندر کو پالینے کے بعد میرے پاؤں کا ایک چکر ختم ہوجاتا۔ میں اسے ایک نظر دیکھ لیتا، تو میرے دل کو سکون آ جاتا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ اگر سکندر مجھے شناخت نہ کرسکا، تو میں اسے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ملاقات کے ہزاروں بہانے ہوسکتے تھے، لیکن اگر میرا خواب غلط ثابت ہوتا؟ ہرنی کے دوسرے روپ والی حسینہ محض میری نگاہوں کا فریب ہوتی تو......؟؟

"اتنی دیر سے یہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو سادھو مہاراج......؟"

میں اس آواز کو سن کر چونکا۔ قصر خلیق کا مسلح چوکیدار میرے پاس کھڑا تھا، وہ کب میرے قریب آیا، مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ شاید میں اس قدر محو تھا کہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بھی بے خبر ہوگیا تھا۔

"کس کی تلاش ہے......؟" چوکیدار نے مجھے اپنی طرف گھورتا دیکھ کر محبت سے [..]ت کیا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ ایشور کی اس دھرتی پر کیسے کیسے خوبصورت مکان اور بنگلے اگ [..]ے ہیں۔" میں نے ایک آہ بھر کر کہا۔ "باہر سے دیکھو تو یوں جان پڑتا ہے جیسے اندر [..] چین کی بنسی بجا رہے ہوں گے۔ کسی کو کوئی دکھ، کوئی روگ نہیں ہوگا۔ پرنتو اندر [..] یہ نیلی چھتری والا ہی جانتا ہے یا وہ جانتے ہیں، جو دھن دولت ہونے کے [..]یاکل رہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی چنتا ان کے من کے سکھ چین کو برباد کرتی ہے۔"

میں نے چوکیدار کو مرعوب کرنے کی خاطر ایک عام سی بات کہی تھی۔ لیکن وہ [..]ت سے میرا منہ تکنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ اندھیرے میں داغی گئی گولی کسی نہ کسی [..]نے پر جا لگی ہے۔

"سادھو مہاراج!" چوکیدار نے مجھے بڑی عقیدت سے دیکھا۔ "تم کس کی بات [..]ر رہے ہو؟"

"اس کی، جس کے پاس سب کچھ ہے لیکن کچھ بھی نہیں۔" میں نے لوہا گرم [..]کر ایک ضرب اور لگائی۔ "سب اس سنسار کے کھیل تماشے ہیں، منش بھی کٹھ پتلی [..]ے اوپر والا کھیل تماشے کرتا ہے۔ ناٹک رچاتا ہے، دھوم دھڑکے کرتا ہے۔ یدی جب [..] الجھ جاتی ہے، تو سب کچھ ٹھپ ہوجاتا ہے۔ دھن دولت سے بے جان چیزوں کا [..] تول کیا جاسکتا ہے، من کی شانتی نہیں۔ کارن منش کو بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ [..]ے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہا تھا سادھو مہاراج! تم بلاوجہ ادھر نہیں آئے ہوگے۔" چوکیدار نے [..] سے کہا۔ "مہربانی کرو، ایک نظر اسے بھی دیکھ لو۔ ہوسکتا ہے جس مرض کو ڈاکٹر اور حکیم نہ سمجھ رہے ہوں، اسے تمہاری آنکھیں دیکھ لیں۔" اس نے اپنی بات جاری [..]ی۔ "سیٹھ صاحب کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اسی کو بیٹا بنایا تھا۔ جب وہ آیا تھا [..] کوٹھی پر جیسے بہار آ گئی تھی لیکن جب سے اس نے بہکی بہکی باتیں شروع کیں، سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ دونوں پریشان ہیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں، حکیموں کو دکھایا گیا، اصل مرض کیا ہے؟ کوئی نہ سمجھ سکا۔ اس غریب کی بیوی بھی دن رات اس کے سرہانے بیٹھی روتی رہتی ہے......"

میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہوگئیں۔ میرے ذہن میں سکندر کا خیا
بڑی سرعت سے ابھرا۔ کہیں خواب کی حالت میں مجھے دیکھ کر اس کے ذہن کو کوئی د
تو نہیں لگا؟ کہیں وہ اپنی یادداشت دوبارہ تو نہیں کھو بیٹھا؟

''تم جس روگی کی بات کررہے ہو' اس کے نام کا پہلا شبد ''س'' سے شرو
ہوتا ہے؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں مہاراج' ہاں...'' وہ میرا ہاتھ تھام کر بڑی عاجزی سے بولا۔ ''تم آ
گئے ہو تو ایک نظر اس پر بھی ڈالتے جاؤ۔ ہو سکتا ہے خدا نے تمہیں اس کے حق م
مسیحا بنا کر بھیجا ہو... میں بڑے صاحب کو تمہارے بارے میں خبر کرتا ہوں۔ تم یہاں
میری کرسی پر آرام سے بیٹھو۔''

وہ مجھے اپنی کرسی پر بٹھا کر اندر چلا گیا۔ میں سکندر کے بارے میں سوچنے لگا۔
''س'' سے ہزاروں نام ہوسکتے تھے' ممکن ہے چوکیدار کو غلط فہمی ہوگئی ہو' لیکن نہ جانے
کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ میں ٹھیک جگہ پہنچا ہوں۔ سکندر نے بھی مجھے یہ
پتہ دیا تھا۔ میرا اضطراب بڑھنے لگا۔ میں کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میرے اختیار ک
بات ہوتی تو میں اڑ کر سکندر کے پاس چلا جاتا۔ ایک ایک لمحہ کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔

چوکیدار کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی۔ وہ مجھے ہاتھ تھام کے اندر لے گیا۔
اندر کی سج دھج بھی نرالی تھی۔ بڑا وسیع اور خوبصورت لان تھا' جس کے ساتھ کیاریوں
میں خوش رنگ پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ فضا مہک رہی تھی۔ لیکن میرا ذہن کہیں
اور لگا تھا۔ میں نے کوٹھی کے اندر داخل ہوکر انیکسی کی سمت دیکھا۔ چوکیدار مجھے اصل
کوٹھی کی سمت لے جا رہا تھا۔ میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ خاموش رہا' مجھے ایک
خوبصورت ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا' جو نہایت قیمتی اور اعلیٰ سازوسامان سے بڑے
سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ چوکیدار دروازے سے لوٹ گیا۔ میں دیواروں پر لگی فریم شدہ
تصویروں کو دیکھنے لگا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ادھیڑ عمر کا ایک پروقار شخص کمرے
میں داخل ہوا۔ اس کی خوبصورت ڈاڑھی نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا تھا۔ مگر
آنکھیں کسی فکر میں ڈوبی نظر آ رہی تھیں۔ اسے کوئی گہرا غم لاحق تھا۔

''آپ تشریف رکھیں سادھو مہاراج...'' اس نے ایک صوفے کی سمت اشارہ
کیا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا...'' میں نے ٹھوس اور بردبار لہجے میں جواب دیا۔
دیکھنے آیا ہوں' جس کی کھوپڑی ایک بار ٹھیک ہونے کے بعد پھر الٹ گئی...''

''آپ کو یہاں کس نے بھیجا ہے...'' وہ مجھے تعجب سے دیکھنے لگا۔ میرے
جملے نے اسے چونکا دیا۔

''تمہارا شبھ نام خلیق احمد ہے...؟'' میں نے اس کے سوال کا جواب دینے
بجائے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ اسی لمحے میرے اوپر غنودگی کی کیفیتیں طاری ہونے
مجھے اپنا جسم بڑا ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ میں زمین پر کھڑا تھا' لیکن میرا ذہن جیسے
میں اڑ رہا تھا۔ خلیق احمد کی شخصیت مجھے اپنے مقابلے میں کمتر محسوس ہونے لگی۔
کیفیت میرے ذہن پر پہلے بھی طاری ہوچکی تھی... اس بات کی علامت بن
تھی کہ جب کوئی ماورائی قوت میرے جسم میں تحلیل ہوتی تھی... میں اپنے آپ
بے نیاز ہوجاتا تھا۔ مجھے ہر بات' ہر شے بہت واضح اور صاف طور پر نظر آنے
زبان میری ہوتی' جملے کسی اور کے' جسم میرا ہوتا' لیکن اندر کوئی دوسرا قابض
حرکت میں کرتا' اشارہ کہیں اور سے موصول ہوتا۔ یہ سب ماورائی قوتوں کا کھیل
نے جو لازوال قوتیں ودیعت کی تھیں' شاید ان کا کرشمہ تھا۔ میں جو چاہتا وہ
یہ تجربے میرے لیے دلچسپ ہوتے جا رہے تھے۔ میرا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا۔
میں داخل ہونے سے پیشتر میری کیفیت کچھ اور تھی۔ میں وسوسوں کا شکار تھا'
اب میں کوٹھی کے مالک خلیق احمد کے سامنے اس طرح سینہ تانے' گردن اکڑائے
اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا' جیسے میں حاکم تھا' وہ محکوم۔

''ہاں... میرا نام خلیق احمد ہے' لیکن آپ...''

''جو جیون تیاگ دے' بیراگی بن جائے' اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔'' میں نے
بات کاٹ دی۔ ''دوسروں کی سیوا کرنا ہمارا دھرم ہے۔ ہمیں دھن دولت کی کوئی
نہیں۔ یہ سب اس دھرتی کے گورکھ دھندے ہیں۔'' میں نے اپنی بات جاری
۔ ''تمہارا آدمی اندر نہ لاتا تو میں باہر ہی اپنا کام کرکے پلٹ جاتا۔ میں جانتا ہوں
بڑے دیالو ہو' تمہارا کوئی بالک نہیں' اسی کارن تم نے اسے بالک سمان جانا' اسے
سے اٹھا کر اپنے گھر لے آئے۔ دوا دارو کیا' اس کی سیوا کی' اس کا دھیان رکھا'
عزت دی' ملازمت دی' اس کا دواہ کرایا۔ اپنے ساتھ رکھ کر اس کا مان بڑھایا اور

اب اسی کی بیماری کے کارن پھر بیاکل ہو......"

خلیق احمد میری باتیں سن کر حیران رہ گئے۔

"اچنبھے میں مت پڑو مہاشے' مجھے اس روگی کے پاس لے چلو' میرے پاس سمے کم ہے' مجھے دور جانا ہے۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ خلیق احمد بھی عقیدے کے کچے تھے۔ ضعیف الاعتقاد نہ ہوتے تو اتنی آسانی سے میری باتوں کا سحر قبول نہ کرتے' مجھے سکندر سے ملنے کی جلدی تھی' میرا ہاتھ تھام کر ایک کمرے میں لے گئے۔ وہ کمرہ انیکسی کا نہیں تھا ان کی اپنی کوٹھی کا تھا۔

میں نے سکندر کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ میرے دل کی کیفیت ڈانواں ڈول ہونے لگی' دل چاہا دوڑ کر اس سے لپٹ جاؤں' اس کو پالینے کی خوشی میں رقص کرنے لگوں۔ اس کے گالوں کو چوموں' اس کی آنکھوں کو پیار کروں' اس کی پیشانی پر محبت کے ہزاروں بوسے نچھاور کروں' اسے گھسیٹ کر سینے سے لگا لوں' دل کی گہرائیوں میں چھپالوں' اس سے چیخ چیخ کر کہوں۔ "سکندر آنکھیں کھولو' دیکھو کون آیا ہے؟ میں تمہارا اپنا بھائی ہوں' جمشید۔ اب پریشانیوں کو الوداع کہہ دو۔ برے دنوں کی جانب سے آنکھیں پھیر لو' کچھ مت سوچو' کچھ غور مت کرو' اب میں تمہارے پاس ہوں' تم ہفت اقلیم کی دولت مانگو' میں تمہارے قدموں میں لاکر ڈھیر کردوں۔ ہاں سکندر' ہاں۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ میری بات پر یقین کرو' اب کوئی مجھے منحوس نہیں کہہ سکتا' تم بھی نہیں۔ میں نے بڑے دکھ جھیلے ہیں۔ پگڈنڈی پگڈنڈی لوگوں کی نگاہوں سے چھپتا پھرا ہوں' شاہراؤں شاہراؤں بھیس بدلے' قانون کی نظروں میں دھول جھونکتا رہا' شہروں شہروں خاک اڑاتا رہا' میں نے اپنا نام بدل دیا' اپنا چہرہ بدل ڈالا' شیرو بنا' موہن داس کا روپ دھارا' پروفیسر زاہدی کی شکل میں ہنگامے کئے' سب کو ششدر کردیا' سب حیران رہ گئے' آج تمہاری باری ہے' آنکھ کھول کر ایک نظر میری جانب دیکھو' اگر خون نے خون کو شناخت کرلیا تو تم بھی حیرت سے آنکھیں پٹ پٹانے لگو گے۔"

میں سکندر کو دیکھتا رہا' میرے اندر جذبات امڈتے رہے' میں اپنے آپ کو سنبھالتا رہا' سکندر آنکھیں بند کئے پڑا تھا' اس کے چہرے پر زردی پھیل رہی تھی' آنکھوں کے گرد حلقے نظر آرہے تھے۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ کون آیا ہے؟ میں نے اس کے

سرہانے بیٹھی اس خوبصورت لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے کے خدوخال بڑے دلکش تھے لیکن اس وقت وہ خزاں کی زد میں آیا کوئی معصوم پودا لگ رہی تھی۔ اجڑی اجڑی' ویران ویران سی ...... "روحی" ...... میرے ذہن میں اس کا نام ابھرا تو دل تڑپ کر رہ گیا۔ سکندر نے میری بھابھی کا یہی نام بتایا تھا' وہ سر پر دوپٹہ ڈالے سکندر کے سرہانے بڑی سوگواری بیٹھی تھی۔ وہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس وقت کمرے میں کون کھڑا تھا؟ میں اندر ہی اندر سلگتا رہا' سسکتا رہا' بلکتا رہا۔

"یہ سکندر عالم ہے۔" خلیق احمد کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "یہ مجھے بیٹوں کی طرح عزیز ہے۔ آپ اس کے حق میں دعا کردیں' میں ......"

"بس مہاشے' بس......" میں نے ہاتھ بلند کرکے خلیق احمد سے بڑے کھردرے لہجے میں کہا۔ "سادھوؤں اور پنڈت پجاریوں سے سودے بازی نہیں کرتے' ہم آ گئے ہیں۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا' تم چنتا مت کرو۔"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے مگر ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ......"

"اب کسی ڈاکٹر' حکیم یا وید کی چنتا مت کرو۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "ہم ابھی اس روگی کو ہوش میں لے آئیں گے لیکن ایک بات مجھے الجھا رہی ہے......"

"وہ کیا ......؟" خلیق احمد نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"یہ کمرہ اس کا نہیں ہوسکتا۔" میں نے اپنا اثر گہرا کرنے کی خاطر ادھر ادھر دیکھا "پہلے یہ کہاں تھا......"

"انیکسی میں......"

"یہاں کب آیا......"

"جب اس پر دوبارہ دیوانگی کا دورہ پڑا۔ کوئی آٹھ دس مہینے پرانی بات ہے جب یہ ......"

"رات کو بھلا چنگا سویا۔" میں نے خلیق احمد کا جملہ آگے بڑھایا۔ "اس نے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھا' آنکھ کھلی تو کسی کا نام لے کر چلانے لگا۔ تب سے اس کی یہی حالت ہے' ہر گھڑی بے کل رہتا ہے' کوئی دوا کوئی دارو اس کے کام نہیں آیا...... تم نے سارے جتن کر ڈالے...... کیوں؟"

"آپ حرف بحرف درست فرما رہے ہیں۔" خلیق احمد کی پلکیں پھڑپھڑانے

لگیں۔ میری بات سن کر ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ روحی نے بھی حیرت سے نظریں گھما کر میری سمت دیکھا پھر میرا حلیہ اور ہیئت دیکھ کر جلدی سے نظریں گھما لیں۔

"اس سندری کا نام روحی ہے؟" میں نے خلیق احمد کو دوبارہ چونکا دیا۔

"ج...... جی...... ہاں" وہ ہکلانے لگے۔ "یہ سکندر عالم کی منکوحہ ہے۔"

"تم نے ان دونوں کا لگن کسی شبھ گھڑی میں کرایا تھا۔" میں سنجیدگی سے بولا۔ "وہ گھڑی شبھ نہ ہوتی تو اب تک سارا کھیل چوپٹ ہوگیا ہوتا' تم سب کو بڑے کشٹ' بڑی کٹھنائیاں بھگتنی پڑتیں' پرنتو اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"سادھو مہاراج...... خلیق احمد نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ "آپ نے کہا تھا کہ اب سکندر عالم......"

"چپ ہو جا...... زبان بند کرلے مورکھ!" میں نے اسے جھڑک دیا۔ "ہم کبھی غلط نہیں کہتے' جو وچن دیتے ہیں اس کو پورا کرنے کی شکتی بھی رکھتے ہیں' چکنی چپڑی باتیں کرکے دھن دولت نہیں سمیٹتے۔"

روحی نے دوبارہ میری طرف بڑی حسرت سے دیکھا' ان نظروں میں التجائیں تڑپ رہی تھیں' میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ بڑی بھابھی بجائے ماں کے ہوتی ہے لیکن حالات نے ہمارے درمیان ایک خلیج حائل کردی تھی' میں فی الحال اسے پاٹنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' میں نے جلدی سے آنکھیں موند لیں۔ مجھ پر طاری غنودگی کی کیفیت دوچند ہوگئی۔ میرے ہونٹ آپ ہی آپ متحرک ہوگئے' جو جملے میری زبان سے ادا ہو رہے تھے ان کی آواز مجھے بھی کہیں بہت دور سے ابھرتی محسوس ہو رہی تھی۔

"سکندر عالم...... میں سادھو موہن داس تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ ایشور کی کرپا اور دیوی دیوتاؤں کی آشیرواد سے میں نے جو مہان شکتیاں پراپت کی ہیں وہ امر ہیں۔ کوئی منش' کوئی آتما' کوئی بلوان' کوئی مہاپرش' دھرتی کا کوئی پنڈت' پجاری' سنت' یوگی' سادھو' بیراگی میری برابری نہیں کرسکتا۔ اس نے یہی کہا تھا جو شکتی وہ مجھے دان کرگئی ہے وہ اپرم پار ہے' جو میرے ساتھ پنجہ لڑانے کا دھیان کرے گا وہ نشٹ ہوجائے گا۔ جل کر راکھ ہو جائے گا' نرکھ کی اگنی بھی اس کی آتما کو سویکار نہیں کرے گی۔ اس نے وشواس دلایا تھا کہ میری منوکامنائیں پوری ہوں گی' جو میں چاہوں گا' کہوں گا' اوش پورا ہوگا۔

اس مہان دیوی کے شبھ نام پر میں تجھے آگیا دیتا ہوں کہ اب ہوش میں آجا' آنکھیں کھول دے اور...... جو سپنا تو نے دیکھا تھا اسے بھول جا' سب کچھ بھول جا' کیول اتنا یاد رکھ کہ تجھے جیون سکھ چین سے بسر کرنا ہے' اپنی دھرم پتنی کا دھیان رکھنا ہے' اس دیالو کی سیوا کرنی ہے جس نے کرپا کرکے تجھے سہارا دیا ہے' سپنے میں جو نام تیرے من میں گونجا تھا' وہ بھی بھول جا' جو صورت تیری نظروں نے دیکھی تھی اسے بھی بھلا دے' سمے کا انتظار کر' جو بھاگیہ میں ایک بار لکھ دیا گیا...... لکھ دیا گیا' وہ اوش پورا ہوگا۔"

میں بڑی دیر تک اپنی آواز کی گونج سنتا رہا پھر یوں لگا جیسے میری نگاہوں کے سامنے طاری دھند تیزی سے چھٹ گئی ہو۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ سکندر میرے سامنے بے سدھ پڑا تھا لیکن اب اس کی آنکھوں کے پپوٹے ہل رہے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ کمرے میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ خلیق احمد اور روحی کی بے چین نظریں بھی سکندر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں بھی اسی کو دیکھ رہا تھا' میرے سینے میں یادوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں' بھنور اٹھ رہے تھے' ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ شائیں شائیں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پھر یکلخت سکندر نے آنکھیں کھولیں تو سب کے چہرے کھل اٹھے۔ میری آنکھیں فرط جذبات سے نمناک ہوگئیں۔ میں نے اپنے وجود میں اٹھتے جذبات کے سامنے بند باندھنے شروع کردیے۔ سکندر نے ایک نظر روحی پر ڈالی' خلیق احمد کو حیرت سے دیکھا پھر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم......" اس کی نقاہت بھری آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی۔ "تم...... کون ہو؟"

میرے قدم لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے رہ گئے۔ سکندر کو ہوش میں دیکھ کر میں بہک جاتا تو بات خراب ہو جاتی۔ میرا چہرہ بے نقاب ہو جاتا تو سارا بھرم خاک میں مل جاتا۔ روحی کے دل کو ٹھیس پہنچتی۔ خلیق احمد کی نظروں میں میری عزت دو کوڑی کی نہ رہتی۔ شاید سکندر بھی نفرت سے نگاہیں پھیر لیتا پھر باقی کیا رہ جاتا......؟"

"میں تمہارا متر ہوں......" میں نے دل پر جبر کرکے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے تمہیں پہچانا نہیں......"

"پہچان لو گے' اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" میں بڑی اپنائیت سے مسکرایا۔ "اب آگیا ہوں تو آتا جاتا رہوں گا۔"

"تمہارا نام کیا ہے......؟" سکندر نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے تمہیں کیول آرام کی ضرورت ہے۔ ذہن پر کوئی وزن' کوئی بوجھ مت ڈالو' جب مجھے پہچان لو گے تو میرا نام بھی تمہیں یاد آ جائے گا۔"

"میرا خیال ہے میں تم سے پہلی بار مل رہا ہوں۔" اس کا ذہن بیدار ہو رہا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میری آواز میں غنودگی شامل ہوگئی۔ "تم آنکھیں بند کرکے سو جاؤ' دوبارہ جاگو گے تو تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا' میں پھر واپس آؤں گا۔ تم کسی بات کی چنتا مت کرنا' جو کچھ میں نے کہا ہے اسے یاد رکھنا۔"

سکندر نے میرے مشورے پر آنکھیں موند لیں۔ میں نے دل پر جبر کرکے اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ خلیق احمد کے علاوہ اس بار روحی بھی میرے پیچھے پیچھے آئی۔

"سادھو مہاراج......" خلیق احمد نے دوسرے کمرے میں آ کر بڑی انکساری سے کہا۔ "ہم کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کریں۔"

"ابھاری تو ہم تمہارے ہیں مہاشے۔" میں نے دل پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا "تم نے ایک بے سہارا کی مدد کی ہے۔ بھگوان تمہارا بھلا کرے۔"

"کیا ہوش میں آنے کے بعد تو ان کی ذہنی کیفیت ......؟"

میں روحی کی آواز سن کر پلٹا۔ اس نے جملہ مکمل نہیں کیا۔ "میں اس کی پریشانی سمجھ رہا تھا' اس کی آنکھوں میں غم کے سائے لرز رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنکھیں چار ہوئیں تو میں پھر گڑبڑانے لگا۔

"اگر ہمیں دوبارہ آپ کی ضرورت پڑی تو کہاں تلاش کریں۔" خلیق احمد نے درمیان میں بول کر مجھے سنبھال لیا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ پھر روحی کی سمت دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارا پتی سپنا دیکھنے کے بعد کس کو آوازیں دے رہا تھا...... کون تھا وہ؟"

"وہ ان کا گمشدہ بھائی جمشید ہے۔" روحی نے نظریں جھکا کر کہا۔ "ہوش کے عالم میں بھی یہ اکثر اسی کا ذکر کرتے ہیں۔"

"تم نے کبھی نہیں دیکھا اسے......؟"

"جی نہیں......" روحی ہونٹ چبانے لگی۔ "ان دونوں کو بچھڑے ایک طویل عرصہ گزر گیا۔"

"چنتا مت کرو' اپنے خدا پر وشواس کرو' وہ چاہے تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔" میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "ہوسکتا ہے تمہارے پتی کا بھائی بھی اسی طرح اچانک کسی روز سامنے آ جائے جس طرح آج میں آ گیا۔"

"آمین......" روحی نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"میں اب آ گیا چاہوں گا۔" میں خلیق احمد سے مخاطب ہوا۔ "سے نے اجازت دی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔"

"آپ کا کوئی پتہ ٹھکانا......؟" روحی نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ناری کا ایک روپ ماں کا بھی ہوتا ہے۔" میں نے روحی کو نظر بھر کر دیکھا۔

"ماں کے روپ میں بھگوان بھی اس کی پکار ضرور سنتا ہے' جیون کے ساتھ سمبندھ جھوٹے ہوسکتے ہیں لیکن ماں کا پوتر اور اٹوٹ سمبندھ سچا ہوتا ہے۔ ایک دم کھرا' اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہوتا' میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ تم جب بھی سچے من سے مجھے آواز دو گی میں بھاگا چلا آؤں گا۔"

"شکریہ......"

"ایک بات اور......" میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے براہ راست روحی سے کہا۔ "سکندر عالم کو اپنی طرف سے وشواس دلا دینا کہ اس کا بھائی زندہ ہے' اسی دنیا میں ہے...... کہیں بھٹکتا پھر رہا ہے' وہ بھی تڑپ رہا ہے' اپنے بھائی کے لئے' راہ کی کٹھنائیوں نے اسے روک رکھا ہے' ایک دن اوش آ جائے گا' میرا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے' ایشور تم دونوں کو سدا سکھی رکھے۔"

"سکندر نے ہوش میں آنے کے بعد آپ کے بارے میں دریافت کیا تو اسے کیا جواب دیا جائے؟" خلیق احمد نے دریافت کیا۔

"وہ کچھ نہیں پوچھے گا' سب کچھ بھول جائے گا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ "اسے اسی بستر پر واپس پہنچا دیں جہاں اس نے سپنا دیکھا تھا' وہ نیند سے جاگے گا تو اپنے بھائی کے سوا سب کچھ بھول چکا ہوگا' آپ بھی اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش

نہ کریں۔''

خلیق احمد اور روحی مجھے باہر پھاٹک تک چھوڑنے آئے' وہ اصرار کررہے تھے کہ میں ان کی گاڑی پر واپس جاؤں' میں نے انکار کردیا۔ سکندر کو زندہ دیکھ لینے کے بعد میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی' وہ خوشی میری زندگی کا سب سے بڑا انعام تھی' میں اب تنہا نہیں تھا' ایک سے دو ہوگیا تھا۔ سکندر کی طرف سے جو تشویش لاحق تھی وہ جاتی رہی البتہ اسے دل سے لگانے کی حسرت باقی رہ گئی۔ روحی کو بھابھی کہہ کر آواز دینے کی خواہش بھی پوری نہ ہوسکی لیکن جو کچھ میں نے پالیا وہی بہت تھا۔

میں دل میں یادوں کا بوجھ لئے جانکی داس کی کوٹھی پر واپس آ گیا۔ جہاں بوڑھا کرشنا کمرے میں بیٹھا انجنا کے ہاتھوں کی ریکھا پڑھنے کی دھن میں مگن تھا' مجھے دیکھا تو لپک کر میرے قریب آ گیا۔

''کہاں چلے گئے تھے مہاراج؟...... بہت دیر لگادی۔'' اس نے حسب معمول میرے قریب بیٹھ کر پیر دبانے شروع کردیے۔

''کچھ کام نمٹا آیا ہوں کچھ باقی رہ گئے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اب میں بھی ساتھ چلوں گا......'' کرشنا نے ضد شروع کردی۔ ''تم سے دور رہتا ہوں تو من نہیں لگتا۔''

انجنا اٹھ کر جانے لگی تو میں نے اسے قریب بلالیا۔ ملازم نے میرے آنے کی خبر شاید اندر پہنچا دی تھی۔ جانکی داس بھی آ گیا۔ ہمارے ساتھ ہی زمین پر بچھے گدوں پر بیٹھ گیا' ہمارے کہنے پر مسہریاں کمرے سے نکال دی گئی تھیں۔

''کچھ بھوجن پانی کرلو مہاراج!'' اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''تھکے تھکے سے دکھائی دیتے ہو۔''

''اچھا ہوا جو تم بھی آگئے۔'' میں نے جانکی داس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے پاس سمے کم ہے' ایک دو کام نمٹانے ہیں کلکتہ میں' اسے پورا کرتے ہی ہم واپس چلے جائیں گے' کب؟ کہاں؟ یہ ہمیں بھی نہیں معلوم۔''

''ایسی کیا جلدی آن پڑی ہے مہاراج' ابھی تو تم نے کمر بھی سیدھی نہیں کی۔''

''جانکی داس......!'' میں نے غنودہ لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم مجھے کس

کارن یہاں لائے ہو' ہم سے کوئی بھید چھپا نہیں رہتا' سفر میں تم موہن لال کا تماشہ دیکھ چکے ہو' من میں جو کچھ ہے دل کھول کر کہہ ڈالو' سمے گزر گیا تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

کرشنا میری بدلتی ہوئی کیفیت کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا' اس کی آنکھوں میں پھر تجسس جاگنے لگا!

''مہاراج......'' جانکی داس کے بجائے انجنا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''بس ایک چھوٹی سی بنتی ہے۔''

''چنتا مت کر......'' میں نے اسے قریب بلا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''اب فکر کرنا چھوڑ دو' میرا آشیرواد تیرے ساتھ ہے' تیری گود ضرور ہری ہوگی' سارے دلدر دور ہو جائیں گے' بس دو چندرما بیچ میں ہیں اس کے بعد تیری آشا پوری ہونے کے دن شروع ہو جائیں گے۔''

''کچھ کرپا ہم پر بھی ہو جائے مہاراج!'' جانکی داس نے دبی آواز میں کہا۔

''منش جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔'' میرے ہاتھ پاؤں میں اینٹھن شروع ہوگئی۔ میں اسی کیفیت میں بولتا رہا۔ ''سرسوں بوؤ گے تو باجرا نہیں کاٹ سکتے' دوسروں کو دوش دینے سے پہلے اپنے من کے بھیتر بھی جھانک لیا کرو' دنیا کی ریت یہی ہے' جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ آج تم اجلے من سے ہاتھ صاف رکھنے کا ارادہ کرلو' بھگوان تمہاری مشکل بھی آسان کردے گا۔''

''میں کچھ اور کہنا چاہ رہا تھا مہاراج......''

''ہم جانتے ہیں تیرے من میں کیا ہے......'' میری زبان حرکت کرتی رہی۔ ''تیرے ایک جوڑی دار نے تجھے جھوٹے سپنے دکھا کر ایک لمبی رقم اینٹھ لی ہے۔ تجھے بڑا وشواس تھا اس پر' تو نے کوئی لکھا پڑھی کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ وہ کنی کاٹ گیا تو اب ہاتھ مل رہا ہے۔''

''تم سب جانتے ہو مہاراج......! تم شکتی وان' بلوان ہو۔'' جانکی داس گڑگڑانے لگا۔ ''تمہاری زبان سے بس ایک شبد میرے حق میں نکل جائے وہی کافی ہے' میں تمہارا احسان سارا جیون یاد رکھوں گا۔''

''وہ رقم ڈوب گئی تو ہمارا سارا بھرم بھی ڈوب جائے گا۔'' انجنا نے شوہر کی

حمایت کی۔ ''ہم کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہیں گے' سب کچھ بک جائے گا۔ تم اوش جانتے ہوگے مہاراج کہ ہمارے بھوش میں کیا لکھا ہے؟ تمہاری آنکھیں ہردشا میں دیکھنے کی شکتی رکھتی ہیں' تم ماتھے کی ریکھاؤں سے دل کا حال جان لیتے ہو' میں بنتی کرتی ہوں ہمیں نراش مت کرنا۔''

''اس اپرادھی کا نام بتا جس نے تیری رقم ہتھیالی......؟'' میرے جود میں ایک سایہ بل کھانے لگا' مجھ پر جلالی کیفیت طاری ہونے لگی۔

''اس کا نام منوج ہے......'' جانکی داس نے آہستہ سے کہا۔

میں نے آنکھیں موند لیں' خلاؤں میں پرواز کرنے لگا' مجھے ہر سمت بادل ہی بادل نظر آرہے تھے' کبھی کبھی بجلیاں کوندنے لگتیں' تیز گرج شروع ہو جاتی پھر ہر سمت گھپ اندھیرا پھیل جاتا' میں بڑی دیر تک نامعلوم حیرت انگیز صورتحال سے دوچار رہا پھر میں نے مندر کی تیز گھنٹیوں کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔ کرشنا پلکیں جھپکائے بغیر پوری توجہ سے ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی اندر کو دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں بڑی تیزی سے اپنے حلقوں میں گردش کررہی تھیں۔

''کچھ دیکھا کرشنا......؟'' میں نے اس بوڑھے کو ٹٹولنے کی خاطر سرد لہجے میں دریافت کیا ''نظر آیا کچھ......؟''

''نہیں مہاراج ......'' کرشنا نے ہاتھ جوڑ لیئے۔ ''تم نے سچ کہا تھا اس نے تمہیں بہت اونچا کر دیا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی زیادہ' میں کیول منش ہوں' آکاش تک اڑنا میرے بس کا روگ نہیں......تم مہان ہو' تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ پہاڑ اور گلہری کا کیا مقابلہ۔''

''زیادہ کھوج لگانا چھوڑ دے۔'' میں نے قدرے درشت لہجے میں کرشنا کو سرزنش کی۔ ''جو کچھ پراپت کرلیا وہی بہت ہے' اسی پر گزارا کرنے کی عادت ڈال لے کہیں ایسا نہ ہو کہ......''

''نہیں مہاراج نہیں......'' کرشنا گڑگڑانے لگا۔'' میں اسی کی سوگند کھا کر وچن دیتا ہوں پھر ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ مجھے کوئی شراپ مت دینا۔ ایک آخری بار اورشما کردو۔''

جانکی داس اور انجنا گم صم بیٹھے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

''جانکی داس ......'' میں نے تھوڑے توقف کے بعد جانکی داس سے کہا۔ ''تم نست کے دھنی ہو کہ ٹھیک سے پر تم نے اپنی بپتا بیان کردی' وہ آ رہا ہے' اسی طرف رہا ہے۔ کچھ دیر اور انتظار کرلو۔''

''کون آرہا ہے مہاراج ......'' انجنا نے پوچھا۔ ''تم کس کی بات کررہے ہو......؟''

''دھیرج......'' میں نے ہاتھ اٹھا کر انجنا کو صبر کی تلقین کی۔ ''جو نظروں سے چھپا ہے ابھی نگاہوں کے سامنے آجائے گا۔''

میری بات سن کر ان کے دل کی دھڑکنوں میں ضرور ابال آیا ہوگا لیکن کسی نے بولنے کی کوشش نہیں کی۔ ''کرشنا بھی بھیگی بلی بنا بیٹھا میرے پاؤں دباتا رہا۔ جانکی داس کی توند بار بار پھول پچک رہی تھی وہ امید وبیم کی کیفیتوں سے دوچار تھا' انجنا رہ رہ کر پہلو بدل رہی تھی' کچھ وقت گزر گیا پھر جانکی داس کے منشی نے کمرے میں آ کر کہا۔

''سیٹھ جی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

''اس سمے کون آ گیا......؟ کیا نام ہے اس کا......؟'' جانکی داس نے منشی سے پوچھا۔

''جوکوئی بھی ہے اسے اندر بھیج دے......'' میں نے منشی کو کرخت آواز میں حکم دیا۔ ''اس سے کہنا کہ ہم بلاتے ہیں۔''

منشی الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ دو چار منٹ بعد ایک عمر رسیدہ دبلا پتلا شخص دھوتی اور نیڈی پہنے اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سنہری فریم کی عینک تھی' سر پر کشتی کیپ جمی ہوئی تھی' صورت شکل سے کوئی منشی ہی نظر آرہا تھا۔ ہاتھ میں ایک بریف کیس جھول رہا تھا۔

''آپ میں سے سیٹھ جانکی داس کون ہے......؟'' نووارد نے اندر آ کر باری باری سب پر نظر ڈالی پھر مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''میں ہوں سیٹھ جانکی داس ......'' سیٹھ جانکی داس نے جواب دیا۔

''نکل گئی ساری اکڑفوں......'' میں نے آنے والے کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''بھول گیا ساری ہیکڑی' سپنوں کے سارے محل ایک ہی جھٹکے میں اڑا اڑا دھڑام ہوگئے۔ بڑی چوکڑی بھرتا تھا' بہت لمبی اڑان اڑنے کے وچار تھے من میں' ایک ہی

اشارے میں نئی خشک ہوگئی۔ آ کاش سے منہ کے بل دھرتی پر گر پڑا‘ ڈر گیا کائر خود غوطہ لگا گیا۔ تجھے قربانی کا بکرا بنا کر آگے کردیا‘ مرد بنتا تھا کبھی‘ آج ہیجڑا بن گیا‘ تن پر بپتا پڑی تو دشمن آگے کردیا۔“

”مم ...... میں سمجھا نہیں مہاراج؟“ نووارد نے میرا رعب و دبدبہ دیکھا تو گھبرا کر ہاتھ باندھ لئے۔ ”میں تو آج پہلی بار آپ کے درشن کررہا ہوں۔“

”تو نہیں جانتا لیکن وہ جانتا ہے جس نے تجھے بھیجا ہے۔“ میں نے بدستور خشک لہجے میں کہا۔ ”روکڑا رکھ دے جانکی داس کے سامنے اور دم دبا کرخاموشی سے واپس چلا جا...... اورسن‘ منوج سے کہنا کہ بڑی موج منالی اس نے‘ اب اونٹ پہاڑ کے نیچے آئے گا۔ اس نے ابھی کیول اصل واپس کیا ہے‘ اسے بیاج بھی ادا کرنا ہوگا‘ نہیں کرے گا تو کوڑھی بن کر سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے گا...... جا بھاگ جا......“

میرے لہجے میں گھن گرج تھی‘ نووارد گھبرا گیا‘ اس نے ہاتھ میں دبا بریف کیس جانکی داس کے سامنے رکھا اور مجھے پرنام کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے اٹھائے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ کرشنا کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ جانکی داس نے بریف کیس کھول کر دیکھا تو اس کی آنکھیں بھی پھٹ گئیں‘ انجنا بھی حیرت سے بریف کیس میں بھری بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں دیکھنے لگی۔ جانکی داس کو اپنی نظروں پر یقین نہیں آرہا تھا‘ جو رقم اس نے بغیر لکھا پڑھی کے دے دی تھی وہ اتنی جلدی اور خلاف توقع واپس مل جائے گی۔ اس نے خواب میں بھی کبھی نہ سوچا ہوگا۔ میں نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا‘ میں جانتا تھا کہ جب تک کیچو کا سایہ مہربان ہے میں جو چاہوں گا وہ ضرور پورا ہوگا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا......!!“

”مہاراج ......“ جانکی داس نے میرے سامنے ڈنڈوت کرتے ہوئے بڑی انکساری سے کہا۔ ”تم میرے لئے دھرماتما کا دوسرا روپ ہو۔“

”من چاہے تو اپنا روکڑا گن کر بھی تسلی کرلے۔“ میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔ ”منوج نے تیری ڈوبی ہوئی رقم کی ایک ایک پائی لوٹا دی ہے‘ خود ڈر کر پیچھے چھپ گیا‘ دوسرے کو آگے بڑھا دیا۔“

”میں سارا جیون تمہارا ابھاری رہوں گا۔“ جانکی داس جھومنے لگا۔ ”میرے بڑے بھاگیہ جو سفر میں تم سے ٹکراؤ ہوگیا‘ مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہو تو شما کردینا......“

”اب تم جاکر چین کی بنسری بجاؤ...... مہاراج کو دو گھڑی آرام کر لینے دو۔“ کرشنا نے میرے دل کی بات کہہ دی جانکی داس بریف کیس لے کر انجنا کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں نے دوسری کروٹ بدل لی‘ کرشنا میری پنڈلیوں پر آہستہ آہستہ مکھیاں مارنے لگا۔

اسی شام میں جارج کو تلاش کرنے نکل پڑا۔ کرشنا میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں جانکی داس کی چمچماتی گاڑی میں بیٹھے سفر کررہے تھے۔ اس کا ڈرائیور بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔ جانکی داس کے بے حد اصرار کے بعد میں نے اس کی گاڑی میں سفر کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ کرشنا نے بھی یہی مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس کی بات مان لی‘ پیدل سفر کرنے میں راستے میں سادھوؤں اور پنڈت پجاریوں سے بھی ٹکراؤ ہوسکتا تھا۔ وہ پیشانی پر اس کا نشان دیکھ لیتے تو بھیڑ جمع ہو جاتی‘ ہمیں دامن چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

سکندر سے مل لینے کے بعد میں کلکتہ میں زیادہ نہیں رکنا چاہتا تھا۔ مجھے اور بھی بہت سارے کام نمٹانے تھے۔ آگ اور پٹرول کا ساتھ بھی دانشمندی کے منافی ہوتا۔ کلکتہ میں رہتا تو سکندر سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ سکندر سے بار بار ملتا تو کسی وقت صبر وضبط کا دامن تار تار بھی ہوسکتا تھا۔ سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ ساری احتیاطیں بیکار جاتیں‘ میں نے طے کرلیا تھا کہ ریاست راجے پور سے فارغ ہوکر لوٹوں گا تو سکندر سے اطمینان اور سکون سے ملوں گا۔

میں رات گئے تک اپنے محسن‘ اپنے دیرینہ دوست جارج کی تلاش کرتا رہا‘ ہر اس ٹھکانے پر گیا جہاں اس کے ملنے کا امکان تھا۔ سارے گتے‘ سارے تاڑی خانے وہ تمام بار کھنگال ڈالے جہاں وہ مجھے ساتھ لے کر جایا کرتا تھا۔ اس کا کوئی سراغ نہیں ملا پھر ایک جھونپڑے نما ہوٹل کے بوڑھے ملازم نے میری مشکل آسان کر دی۔ محنت مزدوری کرنے کے دوران ایک دوبار میں نے اور جارج نے اس ہوٹل میں بھی کھانا کھایا تھا۔ میں نے ملازم کو جارج کا تفصیلی حلیہ بتایا تو اس نے مجھے بہت غور سے دیکھا۔

”تم اسے کیسے جانتے ہو......؟“

”وہ میرا پرانا واقف کار ہے‘ کبھی ہم نے اپنا برا وقت ایک ساتھ مل جل

کرگزرا تھا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "کیا تم جانتے ہو وہ کہاں مل سکتا ہے......؟"

"اسکا ایڈریس تو ایک دم سیدھا اور آسان ہے۔" بوڑھے ملازم نے بڑے تلخ انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ "کرسچنوں کے پرانے قبرستان میں مین گیٹ کے باہر تمہیں جس ٹوٹی پھوٹی قبر کے سرہانے لگے ہوئے زنگ آلود لوہے کی آڑی ترچھی باڑ پر ایک پھٹا پرانا کوٹ اور گرد آلود فیلٹ ہیٹ نظر آ جائے سمجھ لینا وہی اس کی آخری آرام گاہ ہے۔"

"یہ حادثہ کب ہوا......؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ جارج کی موت کی خبر سن کر مجھے یوں لگا جیسے میرا کوئی عزیز مرگیا ہو' جیسے کلکتہ کی رونقیں اچانک ماند پڑ گئی ہوں' سڑکوں پر سناٹا چھا گیا ہو' ساری گہما گہمی ایک دم ختم ہوگئی ہو۔

"تم اس کے دوست ہو اور تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟ کیسی عجیب بات ہے۔" وہ زہر خند سے بولا۔ "اب تو اسٹوری فنش ہوگیا۔ سادھو مہاراج! دی انڈ' کھلاس' کبھی فرصت ملے تو اس کا گریوبارڈ پر جاکر "سے لوٹ" ضرور کرلینا' لاسٹ سیلوٹ ٹو جارج واشنگ ٹن۔ گاڈ بلس ہم۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے بڑے زخمی لہجے میں کہا۔ "بڑا گریٹ آدمی تھا' مرتے مرگیا لیکن زبان بند رکھا' وہ سچ بولتا تھا' یہ کلکتہ سالا بڑا حرامی شہر ہے' کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا۔"

"کب مرا وہ......؟" میں نے مدھم آواز میں پوچھا۔

"ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "وہ ادھر ہی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا' پولیس کی گاڑی آ کر رکی۔ اس کو گھیر لیا' چاروں طرف سے پھر روئی کی طرح دھنا شروع کردیا۔ جارج چلاتا رہا' لوگوں کو مدد کے لئے پکارتا رہا۔ کوئی سالا قریب نہیں آیا' سب حرامی لوگ دور کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ پولیس والوں نے مار مار کر اس غریب کا کچومر نکال دیا۔ بار بار ایک ہی سوال کرتے تھے۔ ٹونی کا پتہ دے' لیکن جارج نے زبان نہیں کھولا' اکھا ٹائم زبان بند رکھا' پھر پولیس والے اسے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ تیسرے دن اس غریب کی لاش پھینک کر چلے گئے۔ ہم نے چندہ اٹھا کر کے اسے دفنا دیا۔"

"ٹونی کون تھا......؟"

"فراڈیا تھا' پاکٹ مارتا تھا۔ کئی بار سزا بھی کاٹ چکا تھا۔ بڑا چلتا پرزہ تھا مگر پولیس کے رگڑے میں آ گیا۔" بوڑھے نے تفصیل بتائی۔ "جارج کا اس کا دوستی زیادہ پرانا نہیں تھا لیکن دونوں کا اٹھنا بیٹھنا ایک ساتھ تھا۔ پولیس کا خیال تھا کہ جارج کو اس کا ایڈریس' پتہ' ٹھکانا معلوم ہوگا لیکن اس نے ٹونی کے بارے میں زبان نہیں کھولی۔"

کسی گاہک نے آواز لگائی تو بوڑھا گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا۔ میں نے ڈرائیور کو اشارہ کیا' گاڑی چل پڑی۔ میں آنکھیں بند کرکے جارج کے بارے میں سوچتا رہا' وہ غریب ضرور تھا لیکن بڑے دل کا مالک تھا۔ ہر شخص کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا' خود بھوکا رہتا لیکن دوسرے کو بھوکا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دن بھر گدھے کی طرح کام میں جتا رہتا۔ چار پیسے خون پسینہ بہا کر کماتا لیکن رات کو کسی ٹھرا خانے میں بیٹھ کر دارو پی ڈالتا۔ شراب کے نشے میں اس کی باتیں کسی فلسفی سے کم نہیں ہوتی تھیں۔ بڑا یار باش آدمی تھا۔ چھوٹے بڑے سب سے بہت جھک کر ملتا۔ سب کو سمجھاتا تھا کہ کسی کے پھڈے میں پاؤں مت ڈالو لیکن خود ہر شخص کی مصیبت اور آڑے وقت میں کام آنے کی خاطر پیش پیش رہتا۔ مرا بھی تو کسی کی دوستی کی خاطر' ہوسکتا تھا اسے ٹونی کا پتہ نہ معلوم رہا ہو' اس لئے زبان بند رکھی ہو مگر میں اسکی طبیعت سے واقف تھا' اگر اسے ٹونی کی خیر خبر ہوتی تو بھی وہ پولیس کے سامنے زبان کبھی نہ کھولتا۔ دوستی میں دغا کرنا اس کے نزدیک سب سے بڑا گناہ تھا۔

"کس وچار میں کھو گئے مہاراج......" کرشنا نے میری کیفیت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "جانے والے واپس لوٹ کر نہیں آیا کرتے۔"

"وہ میرا سب سے عزیز دوست تھا۔" میں نے سرد آہ بھری۔ "کلکتہ جیسے شہر میں اس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کئی موقعوں پر پیٹھ دکھا جاتا لیکن وہ ہر محاذ پر میرے ساتھ ساتھ ڈٹا رہا' بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔"

"میں بھی تمہارا سیوک ہوں۔" کرشنا نے عاجزی کا اظہار کیا۔ "تمہارے چرنوں کی دھول' کبھی مجھے بھی سیوا کا موقع دو مہاراج! تمہاری آ گیا پر میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں کرشنا' تم بھی بڑے دل گردے کے مالک ہو۔" میں نے

اسے سراہنے کی کوشش کی۔ ''تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میری جان کا لاگو بن جاتا' راستے میں آئے ہوئے پتھر کو تو لوگ ٹھوکر مار کر ہٹا دیتے ہیں مگر تم نے ......''

''ایسا مت کہو مہاراج......!'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''اپنے اپنے بھاگیہ کی بات ہے' تم نے اسے چالیا' میں نے تمہیں پالیا' حساب برابر ہوگیا۔''

''تمہاری منطق بھی نرالی۔'' میں مسکرایا۔ ''میرے اندر تمہیں کیا خوبی نظر آ گئی......''

''کبھی میری نظروں سے دیکھو مہاراج!'' وہ بڑی عقیدت سے بولا۔ ''تمہارے اندر مجھے اس کی جھلک نظر آتی ہے' اس کی چھایا دکھائی دیتی ہے' وہ تمہارے من میں رہتی ہے' میں تمہارے چرنوں میں' اسی بہانے کبھی کبھی اس کی پرچھائیں دیکھ لیتا ہوں۔''

''اب کہاں چلنا ہے مہاراج......'' بڑے چوک سے گزرتے ہوئے ڈرائیور نے سوال کیا تو مجھے یکلخت بانو یاد آ گئی۔ میں نے سوچا کیوں نہ ایک نظر اس کے کوٹھے کو بھی جھانکتا چلوں' ہوسکتا ہے وہ ابھی تک دہلیز پر نظریں جمائے میرا راستہ تک رہی ہو ہوسکتا ہے اس نے سرے سے ناچنا گانا ہی بند کردیا ہو۔ اس غلیظ جگہ کو چھوڑ کر کہیں دوسرے علاقے میں منتقل ہوگئی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پولیس کے کچھ سادہ لباس والے ابھی تک اس کے کوٹھے کے آس پاس مجھے شکار کرنے کی خاطر منڈلا رہے ہوں' مجھے دیکھ کر بھوکے گدھ کی طرح ٹوٹ پڑیں' میرے دل میں ایک کھلبلی سی مچی تھی۔

بنوبیگم کے کوٹھے پر ہی میرے ہاتھ انسان کے خون سے رنگے تھے۔ وہیں سے میرے اور پولیس کے درمیان چوہے بلی کا کھیل شروع ہوگیا تھا۔ میں ڈالی اور گڈے کے ساتھ ان کی دسترس سے دور نکل گیا۔ وہ ناچتے رہ گئے مگر انہوں نے ہار نہیں تسلیم کی ہوگی۔ مجھے شہروں شہروں' گاؤں گاؤں تلاش کیا ہوگا' ہوسکتا ہے کچھ کھوجی ریاست راجے پور کی طرف بھی گئے ہوں لیکن بے نیل و مرام واپس لوٹ آئے ہوں۔ کسی کے وہم وگمان میں نہیں آ سکتا تھا کہ جمشید عالم قانون کی نظروں سے فرار ایک قاتل موہن داس کے روپ میں پرکاش بھون میں دنیش چندر کے نائب کی حیثیت سے دھوم مچا رہا ہوگا۔

بانو کی یاد کسی زہریلے ناگ کی طرح میرے وجود کو ڈسنے لگی' میں نے دل کو

مار لیا' سادھوؤں کے حلیے میں میرا کسی طوائف کے کوٹھے پر جانا مناسب نہیں تھا۔ کیچو نے میری پیشانی پر اپنے نام کی چھاپ لگا دی تھی۔ الہ آباد میں سرراہ ملنے والے معمر سادھو نے میرے ماتھے کی ریکھا کو دیکھ کر یہی بات کہی تھی۔ کرشنا بھی یہی کہتا تھا' میں جہاں جاتا سادھو اور پنڈت پجاری اس کے حوالے سے مجھے گھیر لیتے۔ کرشنا کی موجودگی کا بھی خیال تھا۔ میں اسے اپنے ماضی کے اس پہلے سنگ میل پر ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا' جہاں سے میری زندگی نے ایک موڑ اختیار کیا تھا۔ میں نے بانو کی طرف جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ معاً مجھے عابد شیرازی کا خیال آ گیا' وہ بھی کلکتہ میں رہتا تھا۔ اس نے بھی میرے برے وقتوں میں مجھے پہچانا تھا' محض رسمی جملے نہیں ادا کئے تھے' میری مدد بھی کی تھی۔ مجھے اپنے ساتھ اپنے بنگلے پر لے گیا۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھا تھا۔ کلکتہ سے اس کو ملے بغیر چلے جانا بڑی معیوب بات ہوتی۔ میں نے ڈرائیور کو عابد شیرازی کے گھر کا پتہ سمجھا کر ادھر چلنے کا حکم دیا۔ عابد شیرازی سے متعلق بہت سی خوشگوار اور کچھ تلخ یادیں بھی وابستہ تھیں۔

گاڑی سڑکوں پر فراٹے بھرتی رہی' میرا ذہن ماضی کی یادوں میں غوطہ لگاتا رہا۔ کرشنا ٹھوڑی سینے پر ٹکائے اپنی سوچوں میں گم تھا۔ میرے دل میں پھر سکندر کا خیال ابھرا۔ کیچو نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ خیریت سے ہے' میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا تھا۔ سکندر نے روحی کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا۔ اسے خواب کی باتیں یاد نہیں تھیں لیکن مجھے ایک ایک حرف یاد تھا۔ سکندر کو ہوش میں لانے سے پیشتر میں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ وہ خواب کی باتوں کو یکسر فراموش کردے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ پھر میری یاد میں اپنی اچھی بھلی ازدواجی زندگی کو لہولہان نہ کرلے۔ اب وہی میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔ میں ایک بار اسے کھو چکا تھا دوبارہ نہیں کھونا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد مجھے دور سے عابد شیرازی کا بنگلہ نظر آیا تو میں نے گاڑی کچھ فاصلے پر ہی رکوا دی' میں نیچے اترنے لگا تو کرشنا ہڑبڑا کر جاگ اٹھا' میرا ہاتھ تھام کر بولا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا مہاراج! تم اندر چلے جانا' میں باہر کھڑا تمہاری راہ تکتا رہوں گا۔''

میں نے انکار نہیں کیا' کرشنا خوش ہوگیا' ہم ساتھ ساتھ قدم بڑھانے لگے' عابد شیرازی کا بنگلہ قریب آچکا تھا۔ کرشنا نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''مہاراج ......!'' اس نے سرگوشی کی۔ ''ایک بات کہوں اگر تم برا نہ مانو۔''

''کہو......'' میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تمہارا اس سے اپنے متر کے گھر جانا ٹھیک نہیں ہے......''

''کیوں......'' میں کرشنا کی بات سن کر چونکا' میں اس کی صلاحیتوں کا ذکر پہلے بھی کر چکا ہوں۔ کچھو کو پالینے کی آرزو میں اس نے دیوی دیوتاؤں کو راضی کرنے کی خاطر برسوں ریاضتیں کی تھیں۔ نفس کشی کے عمل سے گزرا تھا' بہت کچھ حاصل کر چکا تھا۔ میں اس کی ماورائی قوتوں کا تماشہ بھی دیکھ چکا تھا۔

''میں اس مکان پر کچھ پلید سائے منڈلاتے دیکھ رہا ہوں۔'' کرشنا نے عابد شیرازی کے بنگلے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارا اس سے وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا' بات بڑھ جائے گی۔''

''کیا مطلب......''

''تمہارا متر اس سے گھر پر نہیں ہے۔'' کرشنا نے فضا میں کچھ سونگھتے ہوئے کہا۔ ''میں پورے وشواس سے کہہ رہا ہوں مہاراج! وہ کسی جنجال میں پھنس گیا ہے' تمہیں اس کی سہائتا کرنی ہوگی۔''

کرشنا کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی' میں نے قدم آگے بڑھائے لیکن پھر رک گیا۔ عابد شیرازی کے بنگلے سے کوئی نکل کر باہر آرہا تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا' وہ قریب سے گزرنے لگا تو میں نے اسے شناخت کرلیا۔ وہ عابد شیرازی کا پرانا ملازم باقر تھا۔ ایک بار بانو سے ملنے کی تڑپ میں کچھ روپوں کی خاطر مجھے اس کے آگے بھی ہاتھ پھیلانا پڑگیا تھا۔ میں نے اس کا نام لے کر آواز دی تو وہ رک گیا۔ قریب آکر مجھے حیرت سے گھورنے لگا۔ میں نے اس پر خود کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ سادھوؤں والے روکھے انداز میں بولا۔

''مجھے تیرے صاحب سے ملنا ہے' انہیں جاکر خبر دے کہ میں آیا ہوں۔''

''صاحب ...... گھر پر نہیں ہیں۔'' باقر نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا پھر بولا۔ ''تم صاحب کو کس طرح جانتے ہو؟''

''سے برباد نہ کر' میں جانتا ہوں کہ تیرا صاحب کسی جنجال میں گھرا ہے۔'' میں نے کرشنا کی بات کو آزمانا چاہا۔ ''ایک بار تیرے صاحب نے ہماری سہائتا کی تھی' آج میں اس بھلے مانس کی مدد کرنے آیا ہوں۔''

''تم صحیح وقت پر آئے سادھو مہاراج!'' باقر نے بڑے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

''صاحب دو مہینے سے جیل میں ہیں۔''

''جیل میں......'' میں حیرت سے اچھل پڑا۔

''ہاں مہاراج......'' باقر نے مختصراً تفصیل بیان کی۔ ''ان پر بینک میں دس لاکھ روپے غبن کرنے کا الزام ہے' مقدمہ چل رہا ہے۔ کل شاید فیصلہ بھی سنا دیا جائے لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ صاحب بے گناہ ہیں۔ انہیں کسی دشمن نے پھنسوایا ہے۔ کوئی گھر کا بھیدی بھی ہوسکتا ہے۔ میں صاحب کے حق میں دعا کر رہا ہوں۔ بزرگوں کے مزار پر چادر چڑھانے کی منت بھی مان رکھی ہے' تم بھی دعا کرو کہ صاحب بچ جائیں' میں تمہارا منہ شیرینی سے بھردوں گا۔''

''تمہارے صاحب کی بیگم کا نام ساجدہ ہے......؟'' میرے اندر اتھل پتھل شروع ہوگئی' گھر کے بھیدی کے حوالے سے میرے ذہن میں فیروز نامی اس شخص کا منحوس تصور ابھرا جو ایک طرف عابد شیرازی سے دوستی کا دم بھرتا تھا اوردوسری طرف اس کی عزت پر ڈاکہ مار رہا تھا' میں ساجدہ کے اس گھناؤنے راز سے واقف ہوگیا تھا وہ مجھے زبان بند رکھنے کی خاطر موٹی موٹی رقمیں ادا کرنے لگی تھی' میں وہ سارے پیسے بانو پر لٹا دیا کرتا پھر باقر کے سامنے مجھے ہاتھ پھیلا کر شرمندہ نہیں ہونا پڑتا تھا مجھے پرانی باتیں یاد آنے لگیں۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی' کرشنا کا کہا سچ ثابت ہورہا تھا۔

''ہاں مہاراج ......'' باقر کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ ''بیگم صاحبہ کا نام ساجدہ ہی ہے' تم کیسے جانتے ہو؟''

''اس سے گھر کے اندر کون کون ہے......؟'' میں نے کسی خیال سے بل کھا کر پوچھا۔

''بیگم صاحبہ اور...... صاحب کے ایک دوست۔'' باقر دبی زبان میں بولا۔

''اس دوست کا نام فیروز ہے......؟'' میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں مہاراج ......" باقر حیرت سے اچھل پڑا۔ "تم مجھے روشن ضمیر بھی لگتے ہو صاحب کو بچالو میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تمہیں قدرت نے صاحب کی مدد کے لئے بھیجا ہے' وہ بڑا مسبب الاسباب ہے' سوکھی ٹہنی بھی ہری کردیتا ہے۔ تم کو یقیناً اسی قادر مطلق نے وسیلہ بنا کر بھیجا ہے' وہ تمہاری دعا ضرور قبول کرے گا......"

میں باقر کو کرید کرید کرایک ایک بات دریافت کرتا رہا' یہ بھی معلوم کرلیا کہ کس عدالت میں پیشی ہوگی پھر میں واپس جانکی داس کے بنگلے پر آ گیا۔ میں نے عابد شیرازی کے بنگلے میں جانے کی غلطی نہیں کی' کرشنا نے جس اندیشے کا اظہار کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ میں اس وقت اندر جاتا تو فیروز کو دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھتا' بات بڑھ جاتی تو عابد شیرازی کے کیس پر بھی اس کا برا اثر پڑسکتا تھا۔

رات بھر میں عابد شیرازی کے بارے میں سوچتا رہا' ساجدہ اور فیروز کے ناجائز تعلقات کی کہانی مجھ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ میں ساجدہ کو رنگے ہاتھوں پکڑ چکا تھا' اس خیال سے زبان بند کر رکھی تھی کہ معاملہ طول پکڑ جائے گا' پھر کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ بنو بیگم اور بختاور کے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد میں جارج کے مشورے پر سیدھا اسٹیشن گیا' وہاں سے گاڑی پکڑ کر بمبئی فرار ہوگیا۔ سکندر' جارج اور بانو کے خیال سے کلکتہ نہ آتا تو شاید مجھے عابد شیرازی کے بارے میں کوئی اطلاع بھی نہ ملتی' کچھ بھی ہوسکتا تھا......!!

دوسری صبح میں اس عدالت میں جاپہنچا جہاں عابد شیرازی کے کیس کا آخری فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ کرشنا بھی میرے ہمراہ تھا' میں نے پنڈت پجاریوں کی نظروں سے بچنے کی خاطر اپنی پیشانی پر پیلے رنگ کا ایک بڑا رومال باندھ لیا تھا۔ اس کے باوجود کچھ پجاریوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی۔ کرشنا انہیں درمیان میں آ کر ٹالتا رہا' ہم نو بجے ہی عدالت پہنچ گئے تھے۔

میں اور کرشنا عدالت کے کمرے کے اندر پچھلی نشستوں پر بیٹھے عابد شیرازی کے کیس کا انتظار کررہے تھے' ٹھیک گیارہ بجے کیس کی پیشی کا اعلان ہوا' میں عابد شیرازی کو دیکھ رہا تھا کہ ساجدہ فیروز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اگلی نشستوں پر بیٹھ گئی۔ کیس کی کارروائی شروع ہوئی' وکیل اپنے آخری دلائل پیش کرنے لگے' عابد شیرازی بدستور نظریں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑا رہا۔

"مہاراج ......" اچانک کرشنا نے سرگوشی کی۔ "تم آ گیا دو تو میں تمہارے متر کی کوئی سہائتا کروں۔"

"تم کیا کرو گے......؟" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا متر نردوش ہے۔" اس نے بڑے یقین سے کہا۔ "میری نظریں دوشی کو پہچان چکی ہیں۔"

"کون ہے وہ......؟" میرا دل دھڑکنے لگا۔

"وہ ...... جو پہلی قطار میں کسی ناری کے ساتھ کھسر پھسر کررہا ہے۔" کرشنا نے فیروز اور ساجدہ کی سمت اشارہ کیا۔ "کیول تمہاری آ گیا کی ضرورت ہے مہاراج! اس کی گردن اس طرح پکڑوں گا کہ موت بھی اسے میرے چنگل سے نہیں بچا سکے گی۔"

"ایک بات کا دھیان رہے......" میں نے اپنی رضامندی کا اظہار دبی زبان میں کیا۔ "میرے متر اور اس کی دھرم پتنی پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج ......! تم بس سیوک کی پشت پر نظر رکھنا۔"

کرشنا نے پشت سے ٹیک لگا کر ٹھوڑی سینے پر رکھ دی' آنکھیں وہ پہلے ہی موند چکا تھا' انداز ایسا تھا جیسے گہری نیند سونے کا ارادہ رکھتا ہو' میں وکیلوں کے دلائل سننے لگا' فیروز نے ساجدہ کے کان میں کچھ کہا۔ ساجدہ کسمسانے لگی۔ عابد شیرازی نے ایک بار بھی نظریں اٹھا کر کسی کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وکیلوں نے بحث سمیٹی تو عدالت میں کچھ دیر کے لئے سناٹا طاری ہوگیا۔ جج کا قلم سامنے رکھے کاغذ پر چلنے لگا' شاید وہ کوئی آخری نتیجہ اخذ کر چکا تھا۔

وقت جیسے تھم کر رہ گیا' میرے لئے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ میں نے کرشنا کی سمت دیکھا' اسے کہنی مار کر گزرتے وقت کی نزاکتوں کا احساس اور اہمیت دلانے کی کوشش کی' وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ شاید گہری نیند میں تھا یا مرگیا تھا' میں جھلا گیا' اسی لمحے جج کی آواز خاموشی کا سینہ چیرتی ہوئی کمرۂ عدالت میں گونجی۔

"حالات' واقعات' دلائل اور ٹھوس شہادتوں کی موجودگی میں عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مجرم عابد شیرازی نے اپنی حیثیت کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے مجرمانہ ذہانت کا ثبوت دیا اور بینک کے کھاتوں میں الٹ پھیر کرکے مبلغ دس لاکھ روپیوں کا' کہ جن کا نصف پانچ لاکھ بنتا ہے' غبن کیا چنانچہ یہ عدالت عابد شیرازی کو مجرم قرار دیتی

ہے اور تعزیرات ہند کی دفعہ چار سو بیس اور زیر دفعہ......''

میں نے کپچو کا نام لے کر جج کی جانب دیکھا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اپنی لازوال قوتوں سے کوئی مداخلت کرتا۔ فیروز ایک جھٹکے سے اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا' دو قدم آگے بڑھ کر جج سے مخاطب ہوا۔

''جناب والا' میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں......''

''کون ہو تم ......؟'' جج نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔ فیروز کی مداخلت اسے گراں گزری تھی۔ دوسرے افراد بھی فیروز کی سمت دیکھنے لگے' عابد شیرازی نے پہلی بار نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ ساجدہ کے چہرے کی رنگت زرد پڑنے لگی۔

''میرا نام فیروز ہے جناب والا!'' فیروز نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''قبل اس کے کہ آپ اپنا فیصلہ سنائیں میں اس بات کا اقرار کرنا چاہتا ہوں کہ دس لاکھ کا غبن عابد شیرازی نے نہیں کیا' اصل مجرم میں ہوں' جن دستخطوں کے ذریعہ رقم خورد برد کی گئی وہ عابد شیرازی کے ضرور ہیں لیکن وہ میں نے دھوکے سے حاصل کئے تھے۔ میرا دوست اپنے اعتماد کا شکار ہوگیا۔''

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم عدالت کے روبرو جس جرم کا اقرار کررہے ہو' وہ سچ ہے......؟'' جج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''پہلا ثبوت اس دستاویز کی نقل ہے جو میں عدالت کے روبرو پیش کررہا ہوں۔'' فیروز نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر جج کے سامنے رکھا۔ ''دوسرا ثبوت یہ ہے کہ دس لاکھ کی غبن شدہ رقم دوسرے بینک میں میرے اس اکاؤنٹ میں محفوظ ہے جو میں نے فیروز کے بجائے افروز کے فرضی نام سے کھلوا رکھا تھا اور تیسرا ثبوت ......'' فیروز نے گھوم کر عابد شیرازی کی طرف دیکھا' اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کسی خاص مجبوری کے تحت اپنا بیان ریکارڈ کرا رہا ہے' اس بیان میں اس کے اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ عابد شیرازی کی جانب سے نظریں ہٹا کر اس نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھتے ہوئے بڑی کھوکھلی آواز میں کہا۔ ''تیسرا ثبوت میری موت ہوگی' میری عبرتناک موت جس سے مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی' میں نے ایسا زہر پیا ہے جو کچھ ہی لمحوں میں میرا کلیجہ کاٹ کر ...... رکھ ...... رکھ......

دے...... گا...... آ آ...... آ آ......''

فیروز کے منہ سے اچانک تازہ تازہ خون بھل بھلا کر ابلنے لگا۔ وہ چکرا کر اوندھے منہ گرا۔ اس کا جسم خون میں لت پت ہوکر ایک لمحے کو پھڑ پھڑایا پھر ہمیشہ کے لئے ساکت ہوگیا۔ عدالت میں تہلکہ مچ گیا' جج اٹھ کر اپنے چیمبر میں چلا گیا۔ پولیس نے ضروری کارروائی کے بعد لاش اپنے قبضے میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کردی۔ عدالتی عملے نے فرش کی صفائی کا کام شروع کردیا۔ عابد شیرازی بھی بدحواس نظر آنے لگا' ساجدہ کے چہرے پر اب اطمینان نظر آرہا تھا۔ میں نے کسی خیال سے کرشنا کو پوری طرح جھنجھوڑ کر بیدار کیا' وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا' اس کا چہرہ بڑا پراسرار نظر آرہا تھا۔

''تم کہاں غائب تھے......؟'' میں نے اسے ٹٹولا۔

''میں تو تمہارے پاس ہی تھا مہاراج۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''کیول بری آتما تمہارے متری سہاتا کے کارن اس پاپی کے شریر میں چلی گئی تھی جس نے دوستی کے پوتر سمبندھ کو پلید کر رکھا تھا۔ میں نے اس کا کلیجہ چبا کر تھوک دیا۔ اس کے بھوش میں یہی لکھا تھا۔''

میں نے کرشنا کا وہ رنگ پہلی بار دیکھا تھا۔ میری بات کا جواب دینے کے بعد وہ پھر مسمی سی شکل بنا کر بیٹھ گیا۔ عدالت کا وقت ختم ہونے سے قبل فاضل جج نے عابد شیرازی کو باعزت رہا کرنے کا پروانہ جاری کردیا' میں نے ایسا ہی چاہا تھا۔ کپچو کا کہا پھر سچ ثابت ہوا!!

دوسرے روز ہمنے جانکی داس سے جانے کی اجازت مانگ لی وہ اور انجنا دونوں ہمارے رکنے پر اصرار کرتے رہے۔ ہم نے دوبارہ واپس آنے کا بہانہ کرکے انہیں بڑی مشکل سے ٹالا۔ جانکی داس نے ضد کرکے ایک معقول رقم کرشنا کے حوالے کردی' میں خاموش رہا' مجھے دور جانا تھا۔ راستے میں رقم کی ضرورت کہیں بھی پڑسکتی تھی۔

سٹیشن جاتے ہوئے میرے دل میں پھر سکندر اور بانو کا خیال ابھرا۔ میں سکندر سے مل چکا تھا۔ اس کی زندگی کا ثبوت مل جانے کے بعد دل کو تسلی ہوگئی تھی لیکن بانو کی یاد دل میں کانٹے کی طرح چبھتی رہی ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا' میں نے پلٹ کر اس کی کوئی خیر خبر بھی نہ لی' نہ جانے وہ دل میں کیا سوچتی ہوگی؟ ممکن ہے وہ مجھے

بھی عام عاشقوں کی فہرست میں شمار کرکے فراموش کر چکی ہو۔ اس کے کوٹھے پر بے شمار ایسے تماش بین گئے ہوں گے جنہوں نے اپنی محبت کا یقین دلانے کی سرتوڑ کوشش کی ہوگی۔ اسے شرافت کی زندگی گزارنے کے خواب دکھا کر اپنے ساتھ فرار ہونے پر اکسایا ہوگا۔ وہ جہاندیدہ تھی' کسی کے فریب میں نہیں آئی ہوگی' اس کا کام دوسروں کو اپنے جال میں پھانسنا تھا' خود دوسروں کے جال میں کیسے پھنس سکتی تھی؟ اسے علم ہوگا کہ مستقبل کے سہانے خواب دکھانے والے زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہتے' ہوس اور نفس کی تشنگی کو سیراب کرنے کے بعد بیچ راستے سے فرار ہوکر کوئی نیا رخ اختیار کرلیتے ہیں۔ مگر میرے سلسلے میں اس نے روایتی طوائف کا کردار ادا کرنے کی کوئی سازش نہیں کی تھی۔ سازش ہوتی تو میں بنو بیگم اور بختاور کو قتل کرنے کے بعد اس کے کوٹھے سے فرار نہ ہوسکتا' وہ مجھے تنہا بھاگ جانے کا مشورہ بھی نہ دیتی۔

میرا دل کہتا تھا کہ بانو نے میرا انتظار ضرور کیا ہوگا' ہوسکتا ہے پیٹ کا ایندھن بھرنے کی خاطر ابھی تک تماش بینوں کی محفل میں خود تماشا بن رہی ہو لیکن اس کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں میرے وجود کا عکس ضرور ہوگا۔ جب بھی کوئی گاہک اسے اپنی جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہوگا اسے میری یاد ضرور آتی ہوگی۔ شاید وہ اسی یاد کے سہارے زندگی کے دن کاٹ رہی ہو' ممکن ہے میری طرف سے ایک ایک کرکے ساری امیدیں ٹوٹ جانے کے بعد اس نے میری آس کو دفنا دیا ہو' ہوسکتا تھا کہ تھک ہار کر خود دفن ہوگئی ہو۔ عشاق نے اس کے جنازے کو کاندھا دے کر آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا ہو' میرے نصیب میں یہ سعادت بھی نہیں لکھی تھی۔!!

کلکتے کے سٹیشن پر لوگوں کا ہجوم تھا' میں نے گاڑی سے اترنے سے پیشتر اپنی پیشانی کی ریکھاؤں کو چھپانے کی خاطر پیلے رنگ کا بڑا رومال باندھ لیا۔

''کب تک اس طرح اس کی نشانی کو ڈھانپتے پھرو گے۔'' کرشنا نے مجھے احساس دلایا۔ ''جو مہان ہوتے ہیں' جن کی آنکھوں کے آگے کوئی دیوار' کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی وہ تمہیں ہر حال میں پہچان لیں گے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا ایک جگہ دیوار کے سہارے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ کرشنا میری ہدایت پر بمبئی کے ٹکٹ لینے چلا گیا۔ بمبئی میں میرا کوئی عزیز کوئی رشتہ دار نہیں تھا' کبھی ڈالی وہاں رہا کرتی تھی' اب وہ بھی نہ جانے کہاں ہوگی؟ ہوگی بھی یا میری وجہ

حالات کی بھینٹ چڑھ گئی ہوگی؟ میں ایک نظر اس کے ٹھکانے پر جاکر دل کی تسلی کرنا چاہتا تھا۔ بس ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید جگدیپ نے اسے ترس کھا کر چھوڑ دیا ہو' اس کے آدمیوں نے ڈالی کو ریاست کی حدود سے باہر نکل جانے کو کہا ہو۔ وہ گھوم پھر کر بمبئی آ گئی ہو' ایک قیاس تھا' ایک مفروضہ تھا' ٹمٹماتے دیئے کی ایک کمزور سی کرن ہی تھی لیکن میں اسے بھی نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ ڈالی کے احسانات بے شمار تھے' میں انہیں کس طرح فراموش کردیتا.....؟ اس کی خاطر تو ابھی مجھے بہت سارے قرض چکانے تھے۔ بمبئی سے ہوکر ریاست راجے پور جانا تھا جہاں یادوں کے نہ جانے کتنے سائے میرے منتظر ہوں گے؟

میں اپنے خیال میں گم تھا کہ دو تین افراد میرے پاس آ کر کھڑے ہوگئے' میرا ماتھا ٹھنکا۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی' ان کی نظروں میں تجسس تھا' میرے سامنے کھڑا ہوا شخص مجھے ٹٹولتی ہوئی تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے ساتھی میرے دائیں بائیں موجود تھے' ممکن ہے کچھ اور بھی کہیں آس پاس موجود ہوں جنہیں میری نظریں نہ دیکھ سکی ہوں۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں' ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ ''کہیں وہ سادہ لباس والے تو نہیں تھے جنہیں ایک عرصے سے بنو بیگم اور بختاور کے قاتل کی تلاش تھی؟ ممکن ہے انہوں نے مجھے سادھو کے حلیے میں بھی شناخت کرلیا ہو؟ مجھے تفتیش کی غرض سے کریدنا' کھنگالنا چاہتے ہوں؟''

''کہاں سے آ رہے ہو مہاراج؟ کہاں جانا ہے؟'' سامنے کھڑے شخص نے جو صورت شکل ہی سے گھاگ نظر آ رہا تھا مجھے مخاطب کیا۔ ''ہم کوئی سیوا کریں؟''

''اپنا راستہ ناپو بالک.....'' میں نے اسے سرد نظروں سے گھورا۔ ''سادھوؤں سے چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہوتی۔''

''تمہارا شبھ نام کیا ہے.....؟'' اس نے دبی زبان میں سوال کیا' میری بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''تمہیں کس کی تلاش ہے.....؟'' میں غیر اختیاری طور پر پوچھ بیٹھا۔

''تمہارے ہی جیسے ایک سادھو کی جو کچھ دنوں پہلے الہ آباد سے کلکتہ آیا ہے۔'' اس نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا' میں چونکا الہ آباد کے حوالے پر مجھے اپنا چچا زاد

بھائی بختیار یاد آ گیا جسے میں موت کے گھاٹ اتار آیا تھا۔ شاید سلطانہ نے پولیس کو میرا حلیہ بتا دیا ہو بختیار نے مجھے بتایا تھا کہ غزالہ کا شوہر بمبئی پولیس میں انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھا۔ اسے بھی اپنے سالے کی موت کی اطلاع ضروری ہوگی وہ بھی سرگرم ہوگیا ہوگا' بات سمجھ میں آ رہی تھی!''

''ٹھٹھول کر رہا ہے......؟'' میں نے خود کو سنبھالا۔

''تمہارے ساتھ ایک اور بھی تھا......'' اس نے زہرخند سے استفسار کیا۔''وہ کہاں ہے......؟''

میں اسے ٹالنے کی کوشش میں پیچ وتاب کھاتا رہا' وہ پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ گیا تھا۔ سٹیشن پر ہجوم نہ ہوتا تو میں اسے گستاخی کی سزا ضرور دیتا' مگر اس وقت کوئی ہنگامہ کھڑا کرنا مناسب نہیں تھا' بات اخبارات تک پہنچ جاتی تو جانکی داس اور خلیق احمد بھی خاموش نہ بیٹھتے۔ نئی کہانی شروع ہو جاتی' وہ مجھے الہ آباد لیجاتے تو سلطانہ پہلی نظر میں ہم دونوں کو شناخت کرلیتی۔ بات تازہ تھی' حالات کی چھان بین شروع ہوتی' ممکن تھا پرانی فائلیں بھی گردش میں آ جاتیں' کنور جگدیپ کو بھنک ملتی تو وہ بھی اپنے اثر ورسوخ سمیٹ کر میدان میں آ جاتا' جوڑ سے جوڑ ملتے رہتے' میں کیچو کی ماورائی قوتوں کو کہاں کہاں استعمال کرتا؟ ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا' چاروں طرف تہلکہ مچ جاتا' پورے ہندوستان کی پولیس فورس دشمن بن جاتی' میں کہاں کہاں چھپتا پھرتا......؟''

ابھی میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کرسکا تھا کہ کرشنا بھی آ گیا' کرشنا کو دیکھ کر ان کا شبہ اور یقین میں بدل گیا' میں نے موقع کی نزاکت محسوس کرکے چپ رہنے کی ٹھان لی' وقت کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

''کیا بات ہے مہاراج؟'' کرشنا نے میرے چہرے کے تاثرات کو غور سے دیکھا' تم کچھ بے کل نظر آ رہے ہو......؟''

''تم دونوں کو ہمارے ساتھ ہیڈکوارٹر چلنا پڑے گا۔'' سامنے کھڑے ہوئے سادہ لباس والے نے دبی زبان میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔''میرا خیال ہے کہ تم بھی سٹیشن پر کوئی ہنگامہ پسند نہیں کرو گے؟''

کرشنا نے پھیلنے کی کوشش کی' اس کی نگاہوں سے شعلے لپکنے لگے' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے دبایا تو اس نے نظریں جھکالیں' ہونٹ چباتا رہ گیا۔

''ہم سادھوؤں سے چھیڑ چھاڑ تمہیں مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔'' میں نے اپنے مقابل کو تیز نظروں سے گھورا۔

''ہم مجبور ہیں مہاراج......'' اس نے مجھے چڑانے کی جسارت کی۔''بھول چوک کی صورت میں تمہارے پوتر چرنوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگ لیں گے......تم دیالو نظر آتے ہو' شما کر دینا......''

''مہاراج سے اونچے سروں میں بول رہا ہے؟'' کرشنا کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھر آئیں۔

''نہیں کرشنا' نہیں۔'' میں نے آنکھوں کے اشارے سے کرشنا کو ٹھنڈا رہنے کی تلقین کی۔''یہ مورکھ لوگ کسی اور کے دھوکے میں ہمیں گھیرنے کی حماقت کر رہے ہیں' انہیں ان کی من مانی کر لینے دو' ہم بعد میں زبان کھولیں گے۔''

''جو آ گیا مہاراج......'' کرشنا سمندر کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا' میں اس کا ہاتھ تھام کر سٹیشن سے باہر نکلا' سادہ لباس والوں کی تعداد آٹھ دس سے کم نہیں تھی' انہوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ باہر تاریک شیشوں والی ایک لمبی سی گاڑی پارک تھی' اس کے آس پاس بھی کچھ لوگ منڈلا رہے تھے۔ ہمیں آتا دیکھ کر وہ بھی چوکس ہوگئے' میرے الٹے ہاتھ پر وہی سادہ لباس والا تھا جس نے مجھ پر شک کیا تھا' اس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اطمینان سے کرشنا کا ہاتھ تھامے تھامے پچھلی نشستوں پر بیٹھ گیا' گاڑی چل پڑی' میں نے آنکھیں موند لیں' کرشنا نے کسمسانا شروع کردیا......

☆......☆......☆

سادہ لباس والے آفیسر کا نام کیپٹن سری ناتھ تھا' وہ خفیہ برانچ کا سب سے ذہین اور چالاک افسر سمجھا جاتا تھا' کئی ایسے پرانے کیسوں کو بڑی کامیابی سے نمٹا چکا تھا جو پولیس نے تفتیش کے بعد سردخانے میں ڈال دیئے تھے' بڑی سخت گیر طبیعت کا مالک تھا۔ کارکردگی کی بنا پر اسے حکومت کی طرف سے خاص مراعات بھی حاصل تھیں۔ سفارش سننا اس کے اصول کے خلاف تھا' بلاوجہ کسی کو اذیت دینا بھی اسے پسند نہیں تھا۔ وہ اپنی ذہانت سے اس قسم کے سوالات کرتا کہ مجرم گڑبڑا جاتا تھا۔ ایک بار اسے یقین ہو جائے کہ تفتیش کنندہ ارتکاب جرم کرچکا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ کسی قسم کی

رعایت بھی نہیں کرتا تھا۔ مخصوص قیدیوں کو وہ پولیس ہیڈکوارٹر لے جانے کے بعد آبادی سے دور واقع اس بنگلے میں لے جاتا تھا جو اسے حکومت کی طرف سے خاص طور پر دیا گیا تھا۔ اس بنگلے کی چہار دیواری میں صرف اسی کا حکم چلتا تھا۔ وہاں ایسے تمام ضروری سازوسامان موجود تھے جو خطرناک سے خطرناک مجرم کی زبان کھلوانے میں بھی بڑے موثر ثابت ہوتے تھے۔

کیپٹن سری ناتھ اپنے ماتحتوں کا انتخاب بھی خود کرتا تھا۔ اس کی کسوٹی پر پورے اترنے والے افراد کے لئے یہ شرط ضروری نہیں تھی کہ وہ ایماندار بھی ہوں۔ وہ صرف اس حکم کے پابند تھے کہ جب تک مجرم اقبال جرم نہ کرلے اسے بلاوجہ تشدد کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ کیپٹن سری ناتھ جس طرح مجرموں کو سزا دینے کا مجاز تھا اسی طرح اپنے ماتحتوں کی کسی غلطی کو بھی نظر انداز کردینے کے سخت خلاف تھا۔

سٹیشن پر سری ناتھ نے ہمیں خاموشی سے ہیڈکوارٹر چلنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہیڈکوارٹر سے اس کی مراد شاید وہی بنگلہ تھا جس میں ہمیں لایا گیا تھا' ہمیں گاڑی سے اتار کر ایک ایسے کمرے میں پہنچایا گیا جہاں فرش پر قالین بچھا تھا' ساتھ ہی نہانے دھونے کا کمرہ تھا جس میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ کمرے کے باہر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے دو مسلح افراد بڑی مستعدی سے پہرے پر تعینات تھے' ہم کمرے میں داخل ہوئے تو کمرے کا دروازہ کسی خودکار نظام سے بند ہوگیا۔ سری ناتھ اس وقت بھی ہمارے ساتھ تھا۔

''تم دونوں رات کے بارہ بجے تک اس کمرے میں آرام کرسکتے ہو'' اس نے بڑی سنجیدگی سے ہمیں مخاطب کیا۔ ''بارہ بجے تک میرا کوئی آدمی تمہیں ڈسٹرب نہیں کریگا' میں بلاوجہ تشدد کرنے کا عادی نہیں ہوں' تم دونوں آپس میں صلاح و مشورہ کرسکتے ہو۔ اس کے بعد میرا رویہ تم لوگوں کے ساتھ کس قسم کا ہوگا اس کا انحصار تمہارے اوپر ہے۔'' وہ بولتے بولتے ایک لمحے کو خاموش ہوا' اس کی نگاہوں میں آہنی چٹانوں جیسی سختی نظر آرہی تھی۔ چہرہ کسی قسم کے جذبات کی عکاسی سے یکسر عاری تھا۔ عقابی نظریں باری باری ہمارے چہروں پر مختلف زاویوں سے چکراتی رہیں پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ''ہمارے پاس تمہارے جرم کے کچھ ٹھوس ثبوت موجود ہیں' باقی ثبوت

ہی مل جائیں گے۔ اس کے بعد شاید تمہیں آرام وسکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہ آسکے۔''

''ہمیں کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے......؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس کرو مہاراج ......'' کیپٹن زہرخند سے بولا۔ ''سلطانہ کل تک یہاں پہنچ جائے گی۔ اس کے شناخت کرلینے کے بعد تمہیں پھانسی کے تختے سے کوئی شکتی نہیں بچاسکے گی۔ تم نے انسپکٹر صابر علی کا نام بھی ضرور سنا ہوگا' وہ اپنے نام کی ضد واقع ہوا ہے' آج کسی وقت وہ بھی ہمارے ساتھ ہوگا' تم چوہے دان میں پوری طرح پھنس چکے ہو' اب تمہیں یہ دھرم کرم کا سوانگ بدلنا ہوگا۔''

''میری بات دھیان سے سنو کیپٹن......'' میں نے سری ناتھ کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تم نے غلط آدمیوں پر ہاتھ ڈالا ہے۔ ہم کسی سلطانہ یا انسپکٹر صابر سے کوئی جانکاری نہیں رکھتے۔ سٹیشن پر ہم نے تمہاری افسری کی لاج رکھ لی' تمہارے ساتھ خاموشی سے چلے آئے' اب تم اگر مکتی چاہتے ہو تو ہمیں ہماری راہ جانے دو' سمے برباد کرنے سے تمہیں کچھ بھی پراپت نہ ہوگا۔''

''کلکتہ آنے سے پہلے تم کہاں تھے......؟'' سری ناتھ نے مجھے سپاٹ نظروں سے گھورا۔

''الہ آباد میں......'' میں نے بے جگری کا مظاہرہ کیا۔

''کیا تم بختیار نامی کسی مقتول سے کوئی سمبندھ رکھتے ہو......؟''

''بختیار......'' میں نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ شبھ نام میں تمہاری زبان سے پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''تم الہ آباد سے کلکتہ کب آئے تھے......؟''

''چار روز پیشتر......'' میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''کیا یہ بھی اتفاق ہے کہ تم دونوں چار روز پہلے الہ آباد سے روانہ ہوئے اور چار روز پہلے ہی الہ آباد میں بختیار نامی شخص کا خون ہوا۔'' سری ناتھ نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''مقتول کی بیوہ نے جو حلیہ بیان کیا وہ بھی تم دونوں سے ملتا جلتا ہے۔''

''تم کو وشواس نہیں آتا تو اپنی من مانی بھی کرلو......'' کرشنا تلملا اٹھا۔ ''لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو تم نے مہاراج کا اپمان کرکے اچھا نہیں کیا۔''

''تمہارا نام کیا ہے......؟'' کیپٹن نے کرشنا کی بات نظر انداز کرکے براہ

راست مجھ سے سوال کیا۔

''بڑے اچنبھے کی بات ہے بالک۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ ''تم کہتے ہو کہ ہمارے خلاف تمہاری پٹاری میں بہت سارے ثبوت بند ہیں لیکن تم ہمارے نام بھی نہیں جانتے۔ اسی طرح اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہے تو ایک دن پولیس کمشنر بھی بن جاؤ گے۔''

''کلجگ ہے' کلجگ......'' کرشنا کے نتھنے پھڑپھڑانے لگے۔ ''اب سادھوؤں اور پنڈت پجاریوں سے انیائے شروع ہوگیا۔''

''کلکتہ میں تم دونوں کہاں ٹھہرے تھے......؟'' سری ناتھ ہمارے چہروں پر نظر آنے والے سکون کو معنی خیز نظروں سے دیکھا رہا تھا۔

''اپنی پولیس کی پٹاری میں ہاتھ ڈال کر کوئی پرچی نکالو......'' کرشنا نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ''اس پر جو نام اور پاپ کی کہانی لکھی ہو ہمارے متھے تھوپ دو' جھوٹے گواہ پیش کرو' ہمیں پھانسی کے پھندے پر لٹکوا دو' اپنی وردی میں دو چار نیلے پیلے تمغے اور لٹکالو۔''

''میرا مشورہ ہے کہ تم دونوں بارہ بجے تک آرام کرلو' ہوسکتا ہے کہ تمہاری کھوپڑی کی گرمی اس سے تک کچھ ٹھنڈی پڑ جائے۔ اس کے بعد میں بولوں گا اور تم چہرے لٹکائے کھڑے ہوگے۔''

سری ناتھ اپنی بات مکمل کرکے چلا گیا' کمرے کا خودکار دروازہ بند ہوگیا۔ میں اور کرشنا تنہا رہ گئے' سری ناتھ نے جاتے جاتے جو کچھ کہا تھا وہ غلط بھی نہیں تھا' الہ آباد سے سلطانہ آجاتی' بمبئی سے غزالہ کا شوہر انسپکٹر صابر علی بھی آجاتا تو وقت کی ڈور ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتی۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا اس میں دیر ہو جاتی تو کھیل خراب ہو جاتا' میرے پیروں میں بیڑیاں پڑ جاتیں۔ سب سے زیادہ خوشی کنور جگدیپ کو ہوتی۔ سارا پروگرام چوپٹ ہو جاتا' سارے کام ادھورے رہ جاتے۔ بازی ہمارے حق میں مات ہو جاتی۔ بساط پر دھول ہی دھول نظر آتی' پھر کوئی موقع نہ جانے کب ہاتھ آتا۔

''مہاراج......'' سری ناتھ کے جانے کے کچھ دیر بعد کرشنا نے میرے قریب آکر سرگوشی کی۔ ''میرا ایک کہا مانو گے......؟''

''کیا......؟''

''تم خاموشی سے نکل جاؤ' میں ان کے راستے میں گھپ اندھیرے کردوں گا' ن کی نگاہیں تمہارے شریر کو نہیں چھوسکیں گی' وہ اندھے ہو جائیں گے' بہرے ہو جائیں گے' تم سینہ تانے لمبے لمبے ڈگ مارتے نکل جاؤ' میں ان سب کو تگنی کا ناچ نچا کر تمہارے پاس آجاؤں گا' دیمت کرو' دیر ہوگئی تو ہمارا راستہ کھوٹا ہو جائے گا......''

میں نے کرشنا کو گھور کر دیکھا' میری آنکھوں کی سرخی دیکھ کر کرشنا خول میں ٹ گیا۔

''تم جیسا وچار کررہے ہو مہاراج ویسا میرے من میں نہیں ہے۔'' وہ بھیگی بلی بن گیا۔ ''میں تمہیں اپنی شکتی سے نیچا دکھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا' میں نے تمہیں وچن دیا ہے' جیون میں کبھی تم سے نظریں چار کرنے کی کوشش نہیں کروں گا' میرا وشواس کرو' میرے من میں کوئی کھوٹ نہیں ہے' میں اس کا سچا سیوک ہوں' تمہارا اور اس کا سنجوگ ہوچکا ہے پھر میں تمہارے خلاف سر کس طرح اونچا کرسکتا ہوں......؟''

کرشنا میرے من کا بھید جان کر معافی تلافی کرنے لگا' وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ بھی نہیں تھا۔ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے تھی' سٹیشن پر ہجوم کی وجہ سے میں نے کوئی ہنگامہ مناسب نہیں سمجھا۔ اب کوئی بھیڑ بھاڑ نہیں تھی' قسمت اچھی تھی جو ہمیں پولیس ہیڈ کوارٹر نہیں لے جایا گیا۔ آبادی سے دور ایک بنگلے میں رکھا گیا' ستاروں کی چال ہمارے حق میں تھی' جہاں میرے ہاتھ ڈھیر سارے خون میں لتھڑ چکے تھے وہاں آٹھ دس کی نفری اور میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ جاتی تو کون سی قیامت آجاتی' میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ کیچو نے کہا تھا کہ میں جو چاہوں گا وہ پورا ہوگا' اب تک ہوتا چلا آیا تھا۔ میں نے آنکھ بند کرکے سب سے پہلے کیپٹن سری ناتھ کو اپنی پراسرار قوت کا نشانہ بنانے کی ٹھان لی' وہ ٹرین کا انجن تھا' انجن ناکارہ ہو جاتا تو پوری گاڑی ٹھپ ہوجاتی۔ جب تک دوسرا انجن پہنچتا ہم کئی سٹیشن آگے نکل چکے ہوتے۔ ہمارے خلاف سارے ثبوت' سارے گواہ دھرے کے دھرے رہ جاتے۔

☆......☆......☆

ابھی میں نے آنکھ بند کی تھی کہ کیچو کے جسم سے پھوٹنے والی مخصوص مہک کمرے میں پھیل گئی' میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں' کیچو کا نامکمل سایہ فضا میں دھواں بن کر لہرا رہا تھا۔ کرشنا فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں میں ساکت ہوکر رہ گئی تھیں۔ شاید وہ کیچو کے دیدار کا متحمل نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ کیچو کے پراسرار سائے کو دھوئیں کی شکل میں متحرک دیکھتا رہا۔

''میں آگئی ہوں جمشید! اب تمہیں کوئی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے.....'' اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''آشا.....!'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ ''وہ میرا سراغ پاگئے ہیں۔ سلطانہ نے انہیں میرا حلیہ بتا دیا..... میری فائل دوبارہ کھل گئی۔ چوہے بلی کا کھیل شروع ہوگیا تو بہت سے بیت جائے گا۔ مجھے ابھی آگے بھی جانا ہے۔''

''نراش مت ہو جمشید! میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔'' اس کی آواز میں اعتماد تھا۔ ''راستے میں چھوٹی موٹی کھائیاں تو آتی رہتی ہیں۔ سلطانہ کا خوف من سے نکال دو' وہ بختیار کے غم میں دیوانی ہوگئی ہے' جب تک ہوش میں نہیں آئے گی تمہیں کون شناخت کرسکے گا؟ سری ناتھ نے جو فائل بنائی ہے وہ بھی جل کر راکھ ہوگئی' میں نے تمہارا راستہ صاف کردیا ہے۔ سری ناتھ بھی تمہارے خلاف زبان نہیں کھول سکے گا' تمہیں کیول ایک کام کرنا ہے۔''

''وہ کیا.....''

''غزالہ کا پتی گھنٹے دو گھنٹے میں پہنچنے والا ہے' تم اس کا کریا کرم کردو اور سینہ تان کر اپنی منزل کی اور (سمت) نکل جاؤ۔'' کیچو کی مسحور کن آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔'' ایک بات اور ..... جب تک میری چھایا تمہارے ساتھ ہے کوئی تمہارا

بگاڑ سکتا۔ تم میرا نام لے کر جو چاہو گے وہ ترنت پورا ہوگا۔ پرنتو دھیان رکھنا' من میں کسی اور ناری کے ساتھ پاپ کا وچار نہیں آنا چاہئے۔ تم کیول آشا ..... میں تمہارے پاس دوبارہ آؤں گی۔ میں نے بھگوان سے دوسرے جنم کی ی ہے۔ تمہیں میرا انتظار کرنا پڑے گا.....''

''آشا.....'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''تمہارے بنا جیون میں کوئی مزا' کوئی چاؤ نہیں رہا۔''

''ہمت سے کام لو جمشید! تم ہی نے میرے پاس آنے میں دیر کردی تھی۔'' ے لہجے میں شکوہ تھا۔

''تم نے بلالیا ہوتا.....'' میں نے شکایت کی۔

''جو بھاگیہ میں لکھا تھا' پورا ہوا' میں جارہی ہوں' سے کم ہے' جو میں نے کہا ں کا دھیان رکھنا۔''

وہ جتنی جلدی میں آئی تھی اتنی ہی جلدی میں واپس لوٹ گئی۔ میں آنکھ جھپکاتا یا۔ دل کا سارا غبار دل میں رہ گیا۔ اس کے جاتے ہی کرشنا بھی آنکھیں پٹ پٹاتا ر کھڑا ہوگیا' بونقوں کی طرح آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تلاش کررہے ہو.....'' میں نے پوچھا۔

''وہ ..... وہ ابھی یہاں آئی تھی مہاراج' وہی دیوی' ہردے کی ٹھنڈک' آنکھوں راوٹ' من کا چین۔'' کرشنا نے شاعری شروع کردی۔ ''تم نے اسے ضرور دیکھا میں جانتا تھا وہ تمہیں بے کل دیکھ کر اوش تمہاری سہائتا کو آئے گی' وہ کیا کہہ گئی' سیوک کو بھی بتادو' میرے نین تو جنم جنم کے پیاسے تھے' آج بھی پیاسے ہی رہ ۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں اپنے چرنوں سے کبھی دور نہ کروں۔'' میں نے تسلی دی۔

''سچ مہاراج.....'' کرشنا خوشی سے کھل اٹھا۔ تم داس کے ساتھ مسکری تو نہیں رہے؟''

''بری بات ہے کرشنا.....'' میں نے اسے مسکرا کر سرزنش کی۔ ''جو بات دو پریمیوں کے بیچ ہو وہ تیسرے کو نہیں بتائی جاتی۔''

کرشنا نے شرمندگی سے گردن جھکالی لیکن بڑی دیر تک وہ ناک سے شوں شوں کی آواز نکالتا رہا۔ شاید کیچو کی خوشبو سونگھ رہا تھا' میں کیچو کے آجانے کے بعد پوری طرح مطمئن ہوگیا۔ اب مجھے کسی بات کا خطرہ نہیں تھا۔ میں نے قالین پر بیٹھ کر پشت دیوار سے لگادی' پیر پسارے تو کرشنا جلدی سے قریب آ کر پنڈلیاں دبانے لگا' میں نے آنکھیں موند لیں' کیچو کے تصور میں گم ہوگیا۔ !!

دوسری بار مجھے کرشنا نے بیدار کیا' میں شاید کیچو کے تصور سے کھیلتے کھیلتے نیند کی وادیوں میں بھٹک گیا تھا' میں نے آنکھیں کھولیں تو کرشنا کے جگانے کی وجہ سمجھ میں آ گئی' کمرے میں ہمارے علاوہ دو افراد اور بھی تھے' ایک کیپٹن شری ناتھ' دوسرا دوہرے بدن کا ایک دراز قد شخص تھا جو مجھے بڑی کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ جواب میں' میں نے بھی اسے تیز نظروں سے گھورا پھر سری ناتھ سے بولا۔

''تم نے تو رات بارہ بجے تک آرام کرنے کا سے دیا تھا۔'' میرا لہجہ بیحد تلخ ہوگیا۔ ''دو گھنٹے پہلے ہی ٹانگ گھسیٹنے آ گئے' کیا پیٹ میں کوئی نیا مروڑ شروع ہوگیا ؟''

''ہمیں سختی پر مجبور مت کرو مہاشے!'' سری ناتھ ایک دم ہی پٹڑی سے اتر گیا۔ ''نظریں جھکا کر اور آواز نیچی کرکے بات کرو نہیں تو ہم تمہاری ساری مہانتا دوسرے راستے سے نکالنے کا گر بھی جانتے ہیں۔''

کرشنا کا ہاتھ فضا میں بلند ہونے لگا' اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا' میں نے اسے اشارے سے روکا' سری ناتھ کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر ٹھوس آواز میں کہا۔ ''اب بھی سمے ہے مورکھ' ہم پر گند اچھالنے کا وچار من سے نکال دے نہیں تو سارا جیون ہاتھ ملتا رہے گا' ہم نے ایک انگلی بھی گھما دی تو پھر کی کے انوسار ناچتا پھرے گا' کہیں چھایا نہیں ملے گی' اپنے کرموں کو رو۔ ۓ گا سر پکڑ کر۔''

''تمہارا نام کیا ہے......؟'' دوسرے شخص نے سری ناتھ کو بولنے کا موقع نہیں دیا' وہ جھنجھناتا ہی رہ گیا۔

''تم کس کھیت کی مولی ہو......؟'' میں نے دوسرے شخص کو بھی آڑے ہاتھوں لیا' کیچو کے درمیان میں آجانے سے میرا سارا خوف جاتا رہا تھا۔ ''بڑے لال پیلے ہورہے ہو۔ گرگٹ کی طرح رہ رہ کر رنگ بدل رہے ہو' کیا ٹھان رکھی ہے من میں......؟''

''میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں مسٹر صابر علی!'' سری ناتھ زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ ''یہ لاتوں کے بھوت ہیں' باتوں سے کام نہیں چلے گا' سر منڈوا کر اور ننگا کرکے پنکھے سے الٹا لٹکایا جائے گا تو ان کی زبان فر فر چلنے لگے گی۔ بڑے ڈھیٹ اور بے غیرت ہوتے ہیں' طرح طرح کے روپ دھار کر وارداتیں کرتے ہیں' پکڑے جاتے ہیں تو دھرم کرم کی آڑ لے کر ہمیں ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں...... باسٹرڈ......''

سری ناتھ ہتھے سے اکھڑنے لگا' وہ پولیس والوں کی زبان بولنے لگا' اس کا خیال تھا کہ ہم انگریزی سے نابلد ہوں گے' میں نے دیدہ ودانستہ اسے اکسانے کی کوشش کی تھی' لوہا جتنا گرم ہو اس پر اتنی ہی آسانی سے ضرب لگائی جاسکتی ہے۔ میں بھی اسی موقع کی تلاش میں تھا' سری ناتھ نے ''باسٹرڈ'' کہا تو میری آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔ صابر علی کا نام سن کر میرے تن بدن میں پہلے ہی آگ لگ چکی تھی' چنگاریوں نے چٹخنا شروع کردیا تھا' وہ غزالہ کا شوہر تھا۔ غزالہ جو کبھی مجھ سے منسوب تھی' میرے چچا نے مجھ سے دغابازی کرنے کے بعد غزالہ کا ہاتھ صابر علی کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ کیچو کا نامکمل سایہ مجھے آگاہ کر چکا تھا کہ صابر علی دو گھنٹے بعد آنے والا ہے' مجھے اس کا کریا کرم کرنا تھا' وہ میری نظروں کے سامنے تھا۔ سری ناتھ نے اسی کی موجودگی میں مجھے انگریزی میں ''ولدالحرام'' جیسی غلیظ گالی دے کر بھڑکا دیا۔

''بس چپ ہو جا پلید سور...... زبان بند کرلے۔'' میں نے کرخت و سرد لہجے میں کہا۔ ''اپنے ان ہیجڑوں پر اچھل رہا ہے جو باہر پہرے پر توپ بندوق لئے کھڑے ہیں۔ سادھوؤں پر گند اچھال رہا ہے۔ ہماری شکتی کا چمتکار دیکھنا چاہتا ہے۔''

سری ناتھ نے جواب دینے کی خاطر منہ کھولا لیکن کوئی جملہ ادا نہ کرسکا' میں نے اس کی آواز بند کردی تھی' وہ بڑے دل گردے اور مضبوط قویٰ کا مالک تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا' ساری اکڑفوں دھری کی دھری رہ گئی۔ سیر کو سوا سیر ٹکرا گیا تھا' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''بلا......'' میرا غصہ بڑھنے لگا۔'' اپنے غنڈوں کو آواز دے کر اندر بلا' انہیں حکم دے راکھشش! کہ وہ میرا سر مونڈ دیں' ننگا کرکے پنکھے سے الٹا لٹکا دیں' ہم نے بہروپ بھر رکھا ہے' اس کا بھرم کھول دیں۔'' میں گرجنے لگا۔ ''اب چپ کھڑا میرا منہ

کیا تک رہا ہے‘ پہلے تو بہت اکڑ رہا تھا‘ آنکھیں لال پیلی کررہا تھا۔ کل پرزے نکال رہا تھا‘ اب کہاں گئی تیری ہیکڑی۔“

صابر علی نے سری ناتھ کی بے بسی کا تماشہ دیکھا تو اس کے کس بل بھی ڈھیلے پڑنے لگے‘ سری ناتھ بری طرح نروس ہورہا تھا۔ شاید اچانک آواز بند ہونے سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر جھٹک دیا‘ اس کی آواز واپس لوٹ آئی۔

”مہاراج......“ اس نے بڑی بے بسی سے کہا۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ ہم بلاوجہ کسی کی پگڑی نہیں اچھالتے لیکن......“

”اونچی آواز میں بول۔“ میں نے حقارت سے کہا۔ ”پہلے تو بڑا اکڑ رہا تھا‘ گٹ پٹ شروع کردی تھی۔ انگریزی میں اپنا خاندانی شجرہ سنا رہا تھا‘ اب نانی کیوں مر گئی‘ لٹکا دے الٹا‘ ننگا دیکھنا چاہتا ہے‘ ہمیں‘ تو یہ اِچھا بھی پوری کرلے۔“

”ہماری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو مہاراج!“ اس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ”ہمیں کاغذوں کی خانہ پری کرنی ہے۔“

”تم اپنے بارے میں ہمارے سوالوں کا تسلی بخش جواب دے دو‘ ہم تمہیں باعزت طور پر رہا کردیں گے۔“ صابر علی نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

”تو کون ہے......؟“ میں نے صابر علی کو زہریلی نظروں سے گھورا۔ ”ہمارے معاملات سے تیرا کیا سمبندھ؟“

”میرا نام انسپکٹر صابر علی ہے۔ الہ آباد میں جس شخص کا خون ہوا ہے وہ میرا سالا تھا‘ اس کی بیوہ نے جن سادھوؤں کے حلیے بتائے ہیں وہ تم دونوں سے ملتے ہیں اس لئے......“

”اس لئے تو نے ہم کو دھر دبوچا...... کیوں؟“ میرے لہجے میں تلخی آگئی۔ ”اس پاپی کو سزا کیوں نہیں دیتا جس نے کسی کا سب کچھ چھین کر اسے گھر سے بے گھر کردیا‘ اس کا مکان ہتھیالیا‘ ماں کی قیمتی نشانیاں‘ اس کے زیور‘ چاپلوسی سے ہڑپ کرگیا پھر اپنی لڑکی کا ہاتھ بھی کسی اور کو سونپ دیا......“ میں نے بات جاری رکھی۔ ”وہ مرگیا تو اس کے سارے پاپ دھل گئے‘ میں زندہ ہوں تو تجھے دوشی نظر آرہا ہوں۔“

”تم...... کس کی بات کررہے ہو......؟“ صابر علی بری طرح چونکا‘ اس کی نگاہیں مجھے پہچاننے کی کوشش کررہی تھیں‘ جو کہانی میں اسے سنا رہا تھا شاید وہ پہلے بھی

سن چکا تھا۔

”اس دشٹ کی جو ٹانگیں پسار کر دھرتی کا بوجھ ہلکا کرگیا‘ تو نے بھی تو اس کی ارتھی کو کندھا دے کر شمشان تک پہنچایا ہوگا‘ اتنی جلدی بھول گیا۔“

”تم......تم...... جم......“ وہ میرا نام لیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا‘ اس کی نظریں بتا رہی تھیں کہ اس نے سادھو کے روپ میں چھپے ہوئے میرجمشید عالم کو پہچان لیا تھا لیکن میرا نام زبان تک لانے سے گھبرا رہا تھا۔

”اب پوچھ......کیا پوچھنا چاہتا تھا۔“ میں نے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

”نہیں......تم وہ نہیں ہوسکتے......“ اس نے دبی زبان میں کہا۔ ”وہ......وہ...... تو......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”تو مرنے والے کی دھرم پتنی کی بات کررہا تھا۔“ میں نے سری ناتھ کو مخاطب کیا۔ ”اس نے ہمارا حلیہ بتایا تھا تو اسے بلالے‘ ہماری شناخت پریڈ کرا کے من کی تسلی کرلے‘ پھر ہمیں جانے دے‘ ہمارے پاس سمے کم ہے......“

”اس کے آنے میں کچھ سمے لگے گا......“ سری ناتھ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

”یہ کیوں نہیں کہتا کہ وہ پتی کی موت کے غم میں پاگل ہوگئی ہے......“ میں نے کچو کی معلومات سے استفادہ اٹھایا تو سری ناتھ حیرت سے اچھل پڑا‘ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا‘ بولتا رہا۔ ”اگر اس ناری کا دماغ چل گیا ہے تو تیرے پاس بھی ابھی سارے ثبوت کسی نہ کسی فائل میں ضرور جمع ہوں گے‘ تو نے کہا بھی تھا کہ تیری پٹاری میں ہمارے خلاف بہت بارود جمع ہے...... جا...... جا کر اس پٹاری کو اٹھالا‘ ایک ایک ثبوت نکالتا جا‘ اپنی تسلی کرتا جا......“

سری ناتھ نے کوئی جواب نہیں دیا‘ خاموش کھڑا ہونٹ چباتا رہا‘ صابر علی بار بار پہلو بدل رہا تھا‘ اس کے بس میں ہوتا تو شاید کسی ثبوت کے بغیر ہی مجھے گولیوں سے بھون ڈالتا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مجھے میرجمشید عالم کی حیثیت سے شناخت کرچکا ہے‘ لیکن کسی وجہ سے پس و پیش سے کام لے رہا ہے پھر وہ دونوں ہی چیخ مار کر اچھل پڑے‘ ان کے عقب میں ایک خوف ناک دھماکا ہوا۔ آگ کا

ایک گولا زمین سے نکلا پھر دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوگیا۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ان کے کس بل نکالنے کی خاطر وہ شرارت کرشنا نے کی تھی۔ میں نے اس کی انگلیوں کو حرکت کرتے دیکھ لیا تھا۔

"کس و چار میں گم ہے......؟" میں نے سری ناتھ سے پوچھا۔ "کیا تیری ثبوتوں والی پٹاری بھی جل کر راکھ ہوگئی؟ ایسے ہی ہم فقیروں کے ساتھ کھلواڑ کررہا تھا......"

"تم شاید ٹھیک کہتے تھے مہاراج ......" سری ناتھ نے خوابناک لہجے میں کہا' شاید وہ کیچو کے زیراثر آ گیا تھا۔ "ہم کسی اور کے دھوکے میں تمہیں اٹھا لائے ہیں۔"

"پھر...... اب ہمارے لئے کیا آ گیا ہے ......؟" اس بار کرشنا نے پوچھا' وہ بڑا پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں ابھی ایک دو روز اور یہاں رکنا ہوگا۔" سری ناتھ کے بجائے صابر علی جلدی سے بول پڑا۔ "ہمیں کاغذات کی خانہ پری میں کچھ وقت لگے گا' ہم مجبور ہیں۔"

"اگر ہم تیری بات ماننے سے انکار کردیں تو......؟" میرا لہجہ سرد تھا۔

"تو...... تو ایک صورت اور بھی ہوسکتی ہے......" صابر علی نے جلدی سے قلابازی کھائی۔ "ہم تم دونوں کا ایک فوٹو گراف لینے کے بعد تمہیں جانے کی اجازت دے سکتے ہیں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے......؟"

"ہم سے کبڈی کھیلنے کی کوشش کررہا ہے' شطرنج کی چالیں من میں سوچ رہا ہے' کیا تجھے ابھی تک ہماری شکتی کا اندازہ نہیں ہوا؟" میں نے صابر علی کو بڑی حقارت سے گھورا۔ "ایک ودھوا ہوگئی' کیا دوسری کے مانگ کا سیندور بھی کھرچنا چاہتا ہے۔ ایک بار پھر من کو ٹٹول کر دیکھ لے' تو جس کے بارے میں سوچ رہا ہے غلط نہیں ہے۔ پرنتو بڑا سمے گزر چکا ہے' درخت اتنا تناور ہوگیا ہے کہ اگر ایک شاخ بھی لچکی تو اوندھے منہ زمین پر گرے گا...... اٹھنا مشکل ہو جائے گا' میری بات مان چپ چاپ واپس بمبئی چلا جا۔"

"کچھ بھی ہو......" صابر علی نے بڑی سرعت سے بغلی ہولسٹر میں ہاتھ ڈال کر اپنا سروس ریوالور نکال لیا' دو قدم پیچھے ہٹ کر ہمیں نشانے پر لیتے ہوا غرایا۔ "میں تمہیں آسانی سے نہیں جانے دوں گا' میں تمہیں پہچان چکا ہوں' تمہارے ہاتھوں پر

ابھی دو کے نہیں' کئی بے گناہ لوگوں کے خون کے چھینٹے ہیں' ہمیں بڑے عرصے سے تمہاری تلاش تھی' اب ہاتھ آئے ہو تو اتنی آسانی سے بچ کر نہیں جاسکو گے۔"

"مسٹر صابر علی!" سری ناتھ نے جلدی سے کہا۔ "یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ میں آپ کو یہاں گولیاں چلانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تم نہیں جانتے کیپٹن......" صابر علی نے بدستور مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "یہ شخص قانون کو ایک عرصے سے مطلوب ہے' تمہیں یاد ہوگا' بانو نامی طوائف کے کوٹھے پر نائکہ بنو بیگم اور اس کے سازندے بختاور کو چاقو کے پے درپے وار کرکے قتل کردیا گیا تھا' کیس فائل ابھی تک محفوظ ہے' یہی وہ قاتل ہے جس نے سادھو کا روپ اختیار کرلیا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟" کیپٹن سری ناتھ چونک اٹھا' اس نے حیرت سے میرے چہرے کی طرف دیکھا' بازی پلٹ رہی تھی میں نے ایکشن کی ٹھان لی۔

"تم نے مجھے پہچان کر اچھا نہیں کیا صابر علی میرے جسم میں اینٹھن شروع ہوگئی' اب تمہیں میرا ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا' تمہارے ہاتھ میں جو کھلونا ہے اس کا رخ اپنے متر کی طرف کرکے کیول دو گولیاں داغ دو۔"

پھروہی ہوا جو میری زبان سے نکلا۔ صابر علی نے کسی روبوٹ کی طرح میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس نے ریوالور کا رخ سری ناتھ کی طرف کرکے دو فائر کئے' ایک گولی سری ناتھ کی پیشانی کی ہڈی توڑتی' اس کا بھیجا پھاڑتی' کھوپڑی سے پار نکل کر دیوار میں پیوست ہوگئی۔ دوسری عین دل کے مقام پر لگی' دونوں ہی کارگر ثابت ہوئیں۔ سری ناتھ وحشت سے آنکھیں پھاڑے پھاڑے زمین پر گر کر ٹھنڈا ہوگیا۔ میں نے دوسرا حکم دیا۔

"اب اچھے بالکوں کی طرح ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ایک بار لبلبی دبا دو' تمہاری بھی چھٹی ہو جائے گی' جیون کے بکھیڑوں سے مکتی مل جائے گی' کوئی جھمیلا کوئی کھڑاک باقی نہیں رہے گا۔"

صابر علی نے میرے دوسرے حکم کی بھی تعمیل کی۔ اس کا قصہ بھی پاک ہوگیا۔ میں نے کمرے کے خودکار دروازے کی سمت گھورا' وہ ایک کھٹکے کی آواز سے کھل گیا۔ میں نے کرشنا کا ہاتھ تھام کر غنودہ لہجے میں کہا۔

"میرے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلنا' آنکھیں کھلی رکھنا' زبان بند رکھنا' وہ اپنی من مانی کر چکے' اب میری باری ہے۔"

کرشنا نے میرا ہاتھ تھام لیا' میں اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا' دروازے سے کچھ دور راہداری میں دو مسلح پہرے دار تعینات تھے' میں ایک لمحے کو ٹھٹکا پھر قدم اٹھانے لگا' دونوں پہرے داروں نے ہمارا کوئی نوٹس نہیں لیا' ان کی نگاہوں کے سامنے گہری دھند طاری ہوگئی تھی' یہ سب کچھو کی پرسرار قوتوں کا چمتکار تھا' میں ذہن میں جو سوچ رہا تھا وہ پورا ہو رہا تھا۔

ہم بنگلے کے پھاٹک سے نکل کر باہر آ گئے۔ پھاٹک پر موجود سنگین بردار بھی بت بنے کھڑے رہ گئے' ہم نے لمبے لمبے قدم اٹھانے شروع کر دیئے' رات زیادہ نہیں بیتی تھی' ہم بھٹکتے بھٹکاتے دوبارہ سٹیشن پہنچ گئے۔ راستے بھر کرشنا کی آنکھیں حیرت سے پٹ پٹاتی رہیں' اس بار میں نے اسے ششدر کر دیا تھا۔

سٹیشن پہنچ کر کرشنا ٹکٹ لینے چلا گیا' میں ایک طرف سمٹ سمٹا کر کھڑا ہوگیا' اس وقت سٹیشن پر زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ میرے ذہن میں کچھو کا تصور کلبلانے لگا۔ اس نے کہا تھا کہ میں صابر علی کا کریا کرم کرکے نکل جاؤں' اسی نے مجھے یقین دلایا تھا کہ سلطانہ بختیار کی موت کے غم میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔ اس نے وہ فائل بھی جلا دی تھی جس میں سری ناتھ نے دو چار کاغذات میرے خلاف بطور ثبوت اکٹھا کئے ہوں گے۔ اس نے کہا تھا کہ سری ناتھ میرے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے گا لیکن بساط کا رخ اس قدر اچانک تبدیل ہوا کہ مجھے انسپکٹر صابر علی کے ساتھ ساتھ سری ناتھ کا کریا کرم بھی کرنا پڑ گیا۔

مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ کچھو نے سری ناتھ کی موت کا نہ جانے کیا اثر لیا ہو؟ میں نے کئی بار اسے تصور میں آواز دی' ذہنی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا پھر میں نے ذہن کے وسوسوں کو جھٹک دیا' جو ہونا تھا ہوگیا' اس پر پچھتانا فضول تھا' پچھتاووں سے گیا وقت واپس نہیں آ سکتا تھا۔

کرشنا واپس آیا تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ ہمیں زیادہ دیر پلیٹ فارم پر نہیں رکنا پڑا۔ مطلوبہ ٹرین آئی تو ہم جلدی سے گاڑی میں سوار ہوگئے' کرشنا کے پاس بیگم اماں کی دی ہوئی رقم موجود تھی۔ اس بار اس نے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ خریدے

تھے' پورے ڈبے میں ہمارے سوا کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا۔ کرشنا مجھ سے باتیں کرنے کو مضطرب نظر آ رہا تھا' میں ذہنی طور پر تھکا ہوا تھا' میں نے پوری نشست پر قبضہ جما کر آنکھیں موند لیں' کرشنا حسبِ معمول میرا پاؤں دبانے لگا' ابھی تک وہ ایک سچے سیوک کی طرح میری خدمت کر رہا تھا......!!

میں شاید ساری رات سوتا رہا' گاڑی پٹڑیاں بدلتی رہی' سٹیشن آتے رہے گزرتے رہے' مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ کیپٹن سری ناتھ نے درمیان میں آ کر میرے اعصاب جھنجھوڑ ڈالے تھے۔ میرے پاس کچھو کی لازوال قوتوں کا سرمایہ تھا لیکن سٹیشن پر ہجوم کے سبب مجھے اپنے آپ پر قابو کرنا پڑا' ایسا نہ کرتا تو بات بگڑ جاتی۔ خاصہ وقت برباد ہوجاتا' انسپکٹر صابر علی کے آ جانے سے میرا کچھ وقت بچ بھی گیا' بمبئی کوئی چھوٹا شہر نہیں تھا جہاں اسے آسانی سے تلاش کر لیا جاتا' پولیس کے حوالے سے اسے ڈھونڈ نکالنے میں زیادہ دشواری نہ ہوتی لیکن ہم کچھ افراد کی نظروں میں ضرور آ جاتے' بہرحال میں نے کلکتے میں ہی اپنے مرحوم چچا کا وہ حساب بھی چکتا کر دیا جو انہوں نے غزالہ کو میرے بجائے کسی اور سے منسوب کرکے میرے لئے واجب الادا کر رکھا تھا' وقت بچانے کی خاطر میں نے بمبئی جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ اگر ڈالی قسمت سے کنور جگدیپ کے غنڈوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تو ہوسکتا ہے وہ بمبئی میں اپنے پرانے ٹھکانے کا رخ کرے لیکن سری ناتھ سے ٹکراؤ ہوجانے کے بعد مجھے اپنے خیال کی تردید کرنی پڑی' ڈالی نے خانہ بدوشوں کی زندگی گزاری تھی' وہ مجھ سے زیادہ جہاں دیدہ تھی' حال اور مستقبل پر اس کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی۔ پولیس کے گرگوں نے جوانی میں اس کو طرح طرح سے جھانسے دیئے ہوں گے' جال پھینکے ہوں گے' وہ ان کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف ہوگی۔ ریاست راجے پور میں اس کی بھرپور جوانی ہی نے مجھے پرکاش بھون میں پناہ دلوائی تھی' میں کنور حضرات کی خدمت میں لگ گیا وہ گڈے کا مستقبل سنوارنے کی خاطر جوانی کے اندھوں کے ساتھ سودے بازی کرتی رہی۔ اسے لوگوں کو رجھانا آتا تھا۔ میں نے کئی بار اسے سرزنش کی تھی کہ گڈے کے شاندار مستقبل کی خاطر وہ جس دھندے سے دولت سمیٹ رہی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی' وہ ایک کان سے میری بات سنتی دوسرے کان سے اڑا دیتی۔ ایک دن جھلا کر کہنے لگی۔

"چپ رہا کر شیرو! زیادہ عالم فاضل بننے کی کوشش مت کیا کر۔" کیوں بلاوجہ میری زبان کھلواتا ہے تو جس گوہر آبدار کی بات کرتا ہے وہ تو کب کا پامال ہوچکا' تیرے ہی جیسے مردوں نے زور زبردستی سے روند ڈالا اسے' اب تو بس اوپر کی چمک دمک رہ گئی ہے' یہ بھی چلی گئی تو کوئی کوڑیوں کے دام بھی مول نہیں لگائے گا۔ وقت ایک بار گزر جائے تو واپس پلٹ کر نہیں آتا۔ آج میں جو چار پیسے جمع کررہی ہوں وہ کل میرے گڈے کے کام آئیں گے۔ یہ پڑھ لکھ کر کچھ کھانے کمانے کے لائق ہوگیا' اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا تو میں سمجھوں گی کہ میری محنت اکارت نہیں گئی' تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ گوبر اور گنر کی کھاد ہی سے خوبصورت اور تناور درخت بھی اگتے ہیں۔"

بڑی حسرت تھی اس غریب کو کہ گڈا جوان ہوکر بڑا آدمی بن جائے' میری وجہ سے وہ حالات کی سولی پر لٹک گئی' میرے اور جگدیپ کے دو پاٹوں کے بیچ بلاوجہ پس گئی۔ اگر قسمت سے بچ گئی تو بمبئی آنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گی۔ بمبئی سے اس کا ماضی وابستہ تھا' ماضی سے بے شمار گھناؤنی کہانیاں چمٹی ہوئی تھیں' وہ ان کہانیوں کے پیچ وخم میں گڈے کے لئے اپنے خوابوں کی تکمیل نہیں کرسکتی تھی۔ اسے اپنی جانب اٹھنے والی انگلیوں کا اندیشہ ضرور لاحق ہوگا' وہ جانتے بوجھتے اپنا تھوکا آپ نہیں نگل سکتی تھی۔ اسے گڈے کے لئے کسی صاف ستھرے ماحول کی ضرورت تھی جہاں اس کے "گوہر آبدار" کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا ہو' جہاں وہ سکون کا سانس لے سکے' گڈے کو اپنی خواہشات کے مطابق پروان چڑھا سکے' اس کا انتخاب بمبئی نہیں ہوسکتا تھا' یہی سوچ کر میں نے بمبئی جانے کا ارادہ ترک کردیا۔

کرشنا نے دو تین بار میرے پیروں کو جھنجھوڑا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' ڈبے میں سورج کی تیز روشنی پھیل رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ میں ساری رات اور دن چڑھے تک سوتا رہا۔ ڈبے میں اس وقت میرے اور کرشنا کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا جو میرے سامنے والی برتھ پر پاؤں پر پاؤں رکھے خراٹے بھر رہا تھا۔ دھوپ سے بچنے کی خاطر اس نے الٹا ہاتھ آنکھوں پر جما رکھا تھا' سیدھے ہاتھ کو تکئے کے طور پر استعمال کررہا تھا۔ اس کی وضع قطع بھی عجیب تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے مہینے بھر سے شیو کرنے کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہو' جسم پر اجلے کپڑے ضرور تھے لیکن اس میں بھی جگہ جگہ پیوند لگے نظر آرہے تھے' اجلے کپڑوں نے اس کے میلے جسم کو کچھ زیادہ ہی

بے نور کردیا تھا۔ شیو کی طرح غالباً اس نے بہت دنوں سے نہانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی' بال بھی جھاڑ جھنکار نظر آرہے تھے۔ دھوپ سے بچنے کی خاطر وہ کھڑکی کے دونوں پٹ گرا سکتا تھا۔ فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کی ساری سہولتوں سے مستفید ہوسکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کرشنا سب سے پہلے مجھے اسی مسافر کے سلسلے میں اپنے خیالات سے آگاہ کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو مہاراج' تم نے کل رات سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں' اب کوئی سٹیشن آیا تو میں تمہارے لئے لپک کر ناشتہ لے آؤں گا۔"

"تم نے ابھی تک بھوجن نہیں کیا......؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے بنا کیسے کرسکتا تھا مہاراج......" اس نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔

"ہماری منزل آنے میں کتنی دیر باقی رہ گئی ہے؟"

"منزل بھی آجائے گی' تم کوئی چنتا نہ کرو' اس کی چھایا تمہارے ساتھ ہے' سب ٹھیک ہی ہوگا۔"

میں خاموشی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ تیسرا مسافر بدستور گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا' کچھ دیر بعد میں اپنا حلیہ درست کرکے باہر آیا تو وہ سیٹ خالی تھی جہاں میں نے تیسرے مسافر کو استراحت کرتے دیکھا تھا۔ میں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی' اس سے میرا کوئی سروکار بھی نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک سٹیشن پر رکی تو کرشنا ناشتہ لانے کی خاطر نیچے اتر گیا' میں پلیٹ فارم پر موجود مسافروں کی افراتفری دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔ سٹیشن چونکہ اس سمت آیا تھا جدھر میں بیٹھا تھا اس لئے میرا چہرہ پلیٹ فارم کی جانب تھا اور پشت دوسری جانب' میں کرشنا کو دیکھنے لگا جو ایک خوانچہ فروش کے پاس کھڑا پوری کچوری اور بھاجی خریدنے میں مصروف تھا' مجھے اپنی بہن یاسمن یاد آگئی۔ وہ آلو کی ترکاری اور پوریاں بنانے میں بڑی ماہر تھی۔ چھٹی والے روز ابا کی فرمائش پر وہی صبح ہی صبح اٹھ کر گرما گرم پوریاں تلا کرتی' ہم سب ایک ہی دسترخوان پر مل بیٹھ کر مزے لے لے کر کھاتے۔ اماں گڑ کی سوندھی سوندھی چائے پکاتی' گڑ کی چائے میں جو ذائقہ ہوتا ہے وہ شکر کی چاء میں کہاں۔ ابا اس کی بہت ساری خوبیاں بیان کرتے' سکندر منہ بنا بنا کر چاء

کے گھونٹ حلق کے نیچے اتارتا رہتا' اسے نہ جانے کیوں گڑ سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ میرا ذہن ماضی کی حسین وادیوں میں بھٹک رہا تھا جب ایک بے ہنگم سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''گڑ کی چاء پینا بھول جا...... خون پیا کر...... خون۔''

میں نے ہڑبڑا کر پشت پر نظر ڈالی تو چونک اٹھا' وہی میلا کچیلا شخص جو میرے سامنے برتھ پر لیٹا تھا' میرے منہ ہاتھ دھو کر ٹوائلٹ سے نکلنے کے بعد ڈبے میں موجود نہیں تھا' اب پھر اپنی نشست پر اکڑوں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کو وہ حلقوں کے بیچ تیز تیز گردش دے رہا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر ایک بڑا سیاہ داغ بہت واضح طور پر نظر آ رہا تھا' وہ کوئی دیوانہ لگ رہا تھا جو غلطی سے بھٹک کر فرسٹ کلاس کے ڈبے میں آ گیا تھا۔ اس کا جملہ میرے ذہن میں چبھنے لگا' اس نے گڑ کی چاء کا حوالہ دیا تھا...... کیوں؟ کیا اس نے میرے ذہن میں ابھرتے ہوئے ماضی کو پڑھ لیا تھا یا محض ایک اتفاقیہ مماثلت تھی؟

میں اس دیوانے کو تیز نظروں سے گھورنے لگا' وہ اکڑوں بیٹھا عجیب عجیب حرکتیں کر رہا تھا' کبھی دیدے نچانا شروع کر دیتا' کبھی سر کے بال توڑ توڑ کر کھڑکی سے باہر اڑانے لگتا' کبھی سر کو پاگلوں جیسے انداز میں دائرے کی شکل میں گردش دینے لگتا۔ سر گھماتے گھماتے اچانک چونک کر اس طرح کنکھیوں سے چاروں سمت دیکھتا جیسے کسی آنے والے خطرے سے خوفزدہ ہو پھر انگوٹھا منہ میں ڈال کر اس طرح چوسنے لگتا جیسے جنم جنم کا بھوکا ہو۔

میں اسے حیرت سے گھورتا رہا۔ اس نے ایک بار بھی میری جانب توجہ نہیں دی' اول جلول قسم کی حرکتیں کرتا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار اس کا جملہ گونج رہا تھا۔ اس نے گڑ کی چائے کے بجائے خون پینے کی بات کیوں کی تھی؟ میں اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کرشنا قدم مارتا دوبارہ کمپارٹمنٹ میں آ گیا۔ اس نے ناشتے کا سامان میرے سامنے سیٹ پر بڑے سلیقے سے چن دیا۔

''شروع کرو مہاراج......'' اس نے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے کہا۔'' بہت عرصے بعد آج بھاجی پوری کا ناشتہ مل رہا ہے۔''

میں نے کرشنا کو غور سے دیکھا' ناشتہ لاتے وقت بھی اس نے تیسرے مسافر کی

مت کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ شاید اس نے اسے نظر انداز کر دیا تھا یا پھر اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔

''دائیں بائیں مت دیکھ بھاجی پوری کے ساتھ جٹ جا' پھر گاڑی چل پڑے گی...... کوکو...... چھک چھک......''

میں نے غصے سے پلٹ کر دیوانے کو گھورا وہ ندیدوں کی طرح ہمارے سامنے رکھے ناشتے کو دیکھ رہا تھا' اس طرح منہ چلا رہا تھا جیسے جلدی جلدی سارا ناشتہ چٹ کر جانے کا خواہشمند ہو۔ میرے اعصاب چٹخنے لگے۔

''کرشنا......'' میں نے دیوانے کو نفرت سے گھورتے ہوئے کرشنا کو آواز دی۔

''حکم دو مہاراج......'' کرشنا کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

''اس کو اٹھا کر ڈبے سے باہر پھینک دے......'' میری نظریں تیسرے مسافر پر جمی تھیں۔

''مہاراج......! کیا بھاجی پوری تمہیں پسند نہیں ہے......!''

''میں بھاجی پوری کی نہیں' اس کی بات کر رہا ہوں جو سامنے بیٹھا ہے...... پلید۔'' میں نے دیوانے کی جانب سے نظریں گھمالیں۔

''سامنے کون بیٹھا ہے مہاراج......؟'' کرشنا نے حیرت کا اظہار کیا۔

مجھے کرشنا پر غصہ آ گیا۔ میں نے دوبارہ نظریں گھمائیں تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ شخص کہیں نظر نہیں آ رہا تھا' میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔ کرشنا کی بات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈبے میں کسی تیسرے مسافر کی موجودگی سے قطعی لاعلم تھا۔ میں ہونٹ کاٹنے لگا۔

''تم......'' کرشنا نے دبی زبان میں مجھے مخاطب کیا۔ ''تم کسے باہر پھینکنے کی بات کر رہے تھے مہاراج......؟''

میں نے پلٹ کر دوبارہ کرشنا کو دیکھا' وہ مجھے سوالیہ نظروں سے گھور رہا تھا' میں اسے کیا جواب دیتا۔

''تم کچھ بے کل نظر آ رہے ہو......؟'' کرشنا نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔ ''سامنے کون بیٹھا ہے مہاراج؟'' مجھے تو اپنے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نظر نہیں آیا۔ تمہاری نظروں نے کیسے دیکھ لیا؟ کچھ مجھے بھی بتاؤ مہاراج...... وہ کون ہے؟''

''کوئی نہیں' میں نے شاید سپنا دیکھا تھا......'' میں نے کرشنا کو ٹالنے کی خاطر کہا۔

''تم مجھے ٹال تو نہیں رہے ہو......؟'' کرشنا کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں' میں کیا وضاحت کرتا' میرے ذہن میں خود مختلف وسوسے جاگ رہے تھے۔ متعدد سوالات گونج رہے تھے...... ''وہ کون تھا؟...... کیا کہہ رہا تھا؟...... کیا چاہتا تھا......؟ کدھر سے آیا......؟ کہاں غائب ہوگیا؟ وہ یقیناً کوئی پراسرار شخص تھا جو کرشنا کی آنکھوں سے بھی بچ کر نکل گیا۔ کرشنا جو دلوں کے حال جان لیتا تھا' آنے والے حالات کی بو دور سے سونگھ لیتا تھا' جس نے کیچو کی خاطر ایک غار میں بیٹھ کر پوری جوانی گزار دی تھی' بے شمار جاپ کیئے تھے' حیرت انگیز قوتیں حاصل کی تھیں...... وہ بھی تیسرے مسافر کو نہیں دیکھ سکا۔

''کس و چار میں گم ہو مہاراج ......؟ کیا سیوک کو خدمت کا موقع نہیں دو گے؟'' کرشنا میری خاموشی سے الجھنے لگا۔

''ناشتہ کرو۔'' میں نے اسے پھر ٹالنے کی کوشش کی۔ ''ابھی کوئی سوال جواب مت کرو سے آئے گا تو میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

میں نے بے دلی سے ناشتہ شروع کر دیا۔ کرشنا نے بھی مجبوراً لقمے زہر مار کرنے شروع کر دیئے۔ ہم دونوں ہی الجھ رہے تھے۔ میں اس دیوانے کے سلسلے میں جو چھلاوہ بن کر سامنے آیا اور غائب ہوگیا' کرشنا کو میری راز داری گراں گزری تھی۔ غلطی میری تھی۔ کرشنا کو حکم دینے کے بجائے میں خود بھی اس دیوانے کی گوش مالی کر سکتا تھا۔ میرا ایک اشارہ ہی بہت تھا۔ وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ کیچو نے مجھے لازوال قوتوں سے مالا مال کیا تھا۔ میری ایک نظر غلط انداز بھی اس کا کریا کرم کرنے کو کافی ہوتی۔

تیسری سیٹی کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی نے منزل کی سمت رینگنا شروع کر دیا۔ میں اور کرشنا دونوں بظاہر ناشتے میں مصروف تھے لیکن ہمارے ذہن کہیں اور تھے۔ کچھ وقت گزر گیا۔ میں نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کرشنا نے بھی ہاتھ روک کر سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ڈبے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ کیچو کے تصور کو ذہن میں پوری طرح اجاگر کر کے تیسرے مسافر کے بارے میں غور کیا۔ کچھ دیر گھپ اندھیرا رہا پھر آہستہ آہستہ تاریکی چھٹنے لگی۔ اچانک میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

[...] نے عالم تصور میں اس دیوانے کو تلاش کر لیا۔ وہ نیم کے ایک تناور درخت کی موٹی [...]خ پر پتیوں کے درمیان سمٹا سمٹایا بیٹھا آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھور رہا تھا۔ میں [...] جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ عجلت میں کام خراب ہو سکتا تھا۔ اسے بھنک مل جاتی تو [...]ہاتھ سے نکل جاتا۔ میں نے پوری احتیاط سے اس کے اطراف رکاوٹیں کھڑی کرنی [...]وع کر دیں۔ ایسا سحر قائم کر دیا کہ ایک مکھی بھی اس حصار سے باہر نہیں نکل سکتی [...]۔ مطمئن ہو جانے کے بعد میں نے اسے للکارا' وہ گھبرا کر آنکھیں ملنے لگا۔ اس کی [...]کھوں سے وحشت ٹپکنے لگی۔ شاید اسے میری قوتوں کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ چاروں [...]ف دیکھنے لگا۔ اسے فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس نے اپنے سر کے بال نوچنے [...]وع کر دیئے' منہ پر طمانچے مارنے لگا' اس کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں خوشی [...]ے سرشار تھا۔ وہ پوری طرح میری مٹھی میں تھا۔ میں چٹکی مسلتا تو وہ تڑپ تڑپ کر دم [...]ڑ دیتا۔ کیچو نے یہی کہا تھا' میں جو چاہوں گا پورا ہوگا' اب تک یہی ہوتا آیا تھا۔

دیوانہ شاخ پر بیٹھا کسمسانے لگا۔ قید تنہائی کا تصور جانوروں کو بھی چوکڑی [...]ُنا بھلا دیتا ہے۔ وہ تو پھر انسان تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی دو چار جنتر منتر جانتا ہو جس [...]ے بل پر اس نے میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کی حماقت کی تھی۔ اب دل میں پچھتا [...]ا ہوگا' سوچ رہا ہوگا کہ آہنی چٹان سے ٹکرانے کی حماقت کر بیٹھا۔ آسمان میں پیوند [...] اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سڑکوں پر مجمع لگا کر بچوں کو کھیل تماشا دکھانا اور [...]ت ہے' نیلے رومال کو ہرا کر دیا' ہجوم نے تالیاں بجا کر داد دی' جوکروں والی لمبی سیاہ [...]ی سے دو کبوتر برآمد کر کے ہوا میں اڑا دیئے' لوگوں کی نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی [...]گئیں۔ ایک حسینہ کو تختوں کے صندوق میں بند کر کے چاروں طرف سے تلواریں [...]ر پار کر دیں پھر زندہ سلامت نکال لیا۔ دیکھنے والوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ شاید وہ بھی [...]ی قسم کے دو ایک بازاری کھیل تماشوں سے واقف ہو گا۔ نظر بندی کا علم جانتا ہو گا [...]ھری میں مجھے چھیڑ بیٹھا۔ اب کف افسوس مل رہا تھا۔ پہاڑ کے نیچے آنے کے بعد غور [...]ر رہا ہو گا کہ کوئی اس سے بھی بلند نکلا۔ میں دلچسپ نظروں سے اس کی دیوانگی دیکھتا [...]ا' پھر عالم تصور میں مخاطب کیا۔

''کیوں بالک...... بھول گئے ساری چوکڑی...... نکل گئی تمام ہیکڑی......''

وہ میری سمت دیکھ کر آنکھیں پٹ پٹانے لگا۔ ہاتھ ملنے لگا۔ عجیب مخمصے میں

دو چار تھا۔

''پٹاری میں ہاتھ ڈال کر تلاش کرو......'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ''دو چار جنتر منتر اور ہوں گے' وہ بھی آزما ڈالو۔''

اس نے نچلا ہونٹ کاٹنا شروع کر دیا۔ چہرے پر سراسیمگی کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں۔

''رسی تڑا کر بھاگ نکلے تھے...... میں نے دم پر پیر رکھا تو بھول گئے اکڑ فوں......''

اس کا چہرہ زرد پڑنے لگا' جسم کپکپانے لگا' لرزنے لگا' شاید موت کے تصور سے خوفزدہ تھا۔

''بڑے بیاکل نظر آ رہے ہو......؟ دائیں بائیں دیکھنا بھول گئے۔'' میں زہرخند سے بولا۔ ''کوکو...... چھک چھک نہیں کھیلو گے......''

اس کی آنکھوں میں سرخیاں تیرنے لگیں۔ شاید میری دہشت سے اس کا کلیجہ پھٹنے لگا تھا۔

''اب بتاؤ بالک......؟'' میں نے پینترا بدل کر سرد لہجے میں پوچھا۔ ''گڑ کی چائے پینا پسند کرو گے یا خون......؟''

اس پر طاری کپکپی کی کیفیت میں اضافہ ہو گیا۔ جنونی انداز میں پھر بال نوچنے لگا۔ منہ پر طمانچے مارنے لگا۔

''تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ''مجھے حکم دو میں تمہارا کریا کرم کر دوں۔''

''ڈور ٹوٹ رہی ہے...... آنکھیں کھول......'' وہ بدبدانے لگا۔

''کوئی نیا جل دینے کا وچار ہے من میں؟'' میں مسکرایا۔ ''اب کیول موت ہی تمہیں میرے چنگل سے چھٹکارا دلا سکتی ہے۔ کوئی انتم اچھا؟''

''آسمان کی طرف دیکھ' بجلی کڑک رہی ہے' بادل گرج رہے ہیں۔'' وہ اپنا جسم نوچنے کھسوٹنے لگا۔ ''بارش شروع ہونے سے پہلے کسی کونے کھدرے میں دبک جا۔''

''یہ کھیل تماشے بند کر دے۔'' میرے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ ''تیرا سمے پورا

بتیا' انت پر دھیان دے۔ گرو سے ٹھٹھول کر کے تو نے اچھا نہیں کیا۔''

''مہا گرو کو یاد کر...... وقت گزر گیا تو ڈگڈگی بجاتا پھرے گا۔'' وہ دیدے نچانے لگا۔

اس کی حرکتیں میرے عتاب کو ہوا دے رہی تھیں۔ میں نے کیچو کا نام لے کر ہی سی پھونک ماری' نیم کا تناور درخت شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا' پلک جھپکتے میں دھوئیں کے کثیف بادل آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کرشنا مجھے ٹکٹکی باندھے گھور رہا تھا۔ اس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں اس وقت بے حد پراسرار لگ رہی تھیں۔ شاید اس کے دل میں ابھی تک اتھل پتھل جاری تھی۔ اس کا ذہن ابھی تک اس کے بارے میں سوچ رہا ہو گا جسے میں نے ڈبے سے باہر پھینک دینے کو کہا تھا۔ میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ ایک چھلاوہ تھا' نوسر باز' نوٹنکی کا کوئی جوکر' شعبدہ باز' جو بار بار نظر آتا' بار بار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ میرا سکون برباد کرنے کے سپنے دیکھ رہا تھا' کم نظر تھا' میری گہرائی کو نہیں پا سکا' میں نے ڈبے سے باہر پھینکنے کی بات کی تو ڈر کر بھاگ گیا لیکن میں نے اسے فرار ہونے کا موقع نہیں دیا۔ آنکھیں بند کیں' اسے تلاش کر لیا' وہ نیم کے درخت پر چھپا بیٹھا تھا۔ میں نے پورا درخت بھسم کر دیا۔ پھونک ڈالا' وہ بھی جل بھن کر راکھ ہو گیا ہو گا۔ میں کرشنا کو باور کرانا چاہتا تھا کہ اب میں اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ مجھے کسی کی انگلی تھام کر چلنے کی ضرورت نہیں رہی۔ میرے لیے صرف کیچو کی یاد بہت تھی۔ وہ میری تھی' صرف میری' مجھے اس کے سوا کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے دوسرے جنم میں میرے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا۔

''مہاراج......'' کرشنا میرے کچھ کہنے سے پہلے بول پڑا۔ ''میرا ایک کہا مانو گے......؟'' وہ بے چین نظر آ رہا تھا۔

''کہو......'' میں نے لاپرواہی سے دریافت کیا۔

''ہم اگلے سٹیشن سے یہ گاڑی بدل دیں گے۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں......؟'' میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ کرشنا کی تجویز میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ ''گاڑی بدلنے کی کیا آوشکتا پیش آ گئی؟''

''میں کوئی کارن نہیں بتا سکتا مہاراج......!'' وہ کسمساتے ہوئے بولا۔ پرنتو میرا من کہتا ہے کہ ہم جس راستے سے جا رہے ہیں وہ ہمیں راس نہیں آئے گا۔ ہمارے بیچ کوئی دراڑ پیدا ہو جائے گی۔ کوئی راکھشش میرے تمہارے بیچ جدائی ڈال دے گا' میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا' میرا کہا مان لو' ہم راجے پور ہی جائیں گے لیکن دوسرے راستے سے۔''

''کرشنا......!'' میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''تم مجھے مشورہ دے رہے ہو یا فیصلہ سنا رہے ہو......؟'' اس کے آخری جملے کی ساخت مجھے ناگوار گزری۔

''کرشنا کو غلط مت سمجھو مہاراج......'' وہ میرے تیور بھانپ گیا۔ عاجزی سے بولا۔ ''میں اس کا داس' تمہارا سیوک ہوں' ہمیشہ تمہارا بھلا چاہوں گا۔ تمہیں میری آواز اونچی لگی ہو تو شما کر دو' تم گرو ہو میں چیلا' چیلا گرو کے آگے ہاتھ باندھ کر بنتی کر سکتا ہے' فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے۔''

''ایک بات بتاؤ گے......؟'' میں بدستور سنجیدہ تھا۔

''پوچھو مہاراج......!'' اس کے لہجے میں انکساری کی جھلک تھی۔

''تمہارے من میں یہ دھیان کیسے آ گیا کہ اگر ہم نے راستہ نہ بدلا تو کوئی ہمارے بیچ دراڑ پیدا کر دے گا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''مجھے بتاؤ کرشنا' تم اس سمے کیا سوچ رہے ہو......؟ کوئی نہ کوئی بات تو ہو گی جو تم کو بیاکل کر رہی ہے؟''

''کوئی کالی بلی راستہ کاٹ جائے' یہ شگون اچھا نہیں ہوتا......'' اس نے پہلو بدل کر دبی زبان میں کہا۔ ''میں نے پرکھوں کی زبانی بھی یہی سنا ہے۔ بلی کے شریر میں گندی آتمائیں چھپی ہوتی ہیں' منش کو پلید آتماؤں سے بچنا چاہیے۔''

''کالی بلی......'' میں چونکا۔ ''تمہیں کالی بلی کہاں نظر آ گئی؟''

''من میں ایسا کوئی دھیان بھی آ جائے تو منش کو دل کا کھوٹ دور کر دینا چاہئے۔'' اس نے وضاحت کی۔ ''تم مانو یا نہ مانو مہارج میرا من یہی کہتا ہے کہ ہمیں یہ گاڑی چھوڑ دینی چاہیے......'' کرشنا بار بار کسمسا رہا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جس نے اسے میرے سامنے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کرشنا نے صرف میری سیوا کی تھی' میرا کہا مانتا تھا' کبھی مداخلت کی جسارت نہیں کی تھی' میں اسے ٹٹولتی نظروں سے

گھورنے لگا۔

''میرا وشواس کرو مہاراج!'' اس نے میرا چہرہ پڑھ لیا۔ بڑی عاجزی سے بولا۔ ''میں اسی کی سوگند کھاتا ہوں جس نے تمہیں اپنی ساری شکتی دان کر دی ہے' اس کو جو کچھ سونپنا تھا تمہیں سونپ دیا' تم اپنے بھاگیہ پر جتنا بھی مان کرو کم ہے' میں نے کیول اس کی آس میں جیون تیاگ دیا۔ مجھے تمہارے سوا اور کیا ملا؟ تم سے کوئی دھوکا' کوئی چھل کپٹ کس طرح کر سکتا ہوں؟ میرے من میں کوئی پاپ نہیں ہے' تمہاری سیوا کو اپنا دھرم سمجھتا ہوں' اسی کارن جو من میں سوچا تم سے کہہ دیا۔ آگے جو تمہاری مرضی۔''

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں؟'' میں نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''میں گلے گلے تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' اس نے میرے پیر تھام لئے۔ ''کوئی بپتا آئی تو پہلے تمہارے سیوک کے پران جائیں گے۔ یہی میری آشا بھی ہے' جیون بھر تمہارے ساتھ رہوں یہی میرا آدرش ہے۔''

''کرشنا......!'' میں نے اسے آزمانے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر تمہیں راستے میں کوئی کھوٹ نظر آ رہا ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا' تم اپنا راستہ بدل لو' میں برا نہیں مناؤں گا۔''

''میں بنتی کرتا ہوں مہاراج......!'' وہ عمر رسیدہ بوڑھا میرے سامنے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ ''میرا گلا اپنے پوتر ہاتھوں سے دبا دو' میرے شریر کی بوٹیاں بوٹیاں کر ڈالو' میری آنکھیں نکال کر چرنوں تلے روند دو' میری کھوپڑی پر ٹھوکریں مارو' جو تمہارے من میں آئے وہ کرو پرنتو مجھے اپنے چرنوں سے دور کرنے کو نہ کہو' تم ناراض ہو گئے تو وہ بھی روٹھ جائے گی' اس کی سندر پیشانی پر ریکھاؤں کا جال بن گیا تو مرنے کے بعد اسے کیا منہ دکھاؤں گا؟ میری آتما کو بھی کبھی چین نہیں ملے گا' دیوی دیوتا بھی ناراض ہو جائیں گے' میرے سارے جیون کی تپسیا مٹی میں مل جائے گی' سب کچھ ناس ہو جائے گا۔''

مجھے کرشنا کے بڑھاپے پر ترس آ گیا۔ میں نے اسے زیادہ آزمائش سے دوچار نہیں کیا لیکن میرا دل برابر یہی گواہی دے رہا تھا کہ کرشنا نے جو مشورہ دیا وہ بے

سبب نہیں تھا' کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی جو اس نے محسوس کی تھی' کوئی خطرہ' کوئی رکاوٹ دیکھی ہو گی' کسی مصلحت سے زبان بند رکھنے پر مجبور ہو گا' وہ مصلحت کیا تھی؟ وہ کیچو کی قسمیں کھا رہا تھا' مجھے اپنی وفاداری کا یقین دلا رہا تھا لیکن دل کا بھید نہیں اگل رہا تھا...... بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

میں نے دل میں کیچو کو یاد کیا' آنکھیں موند کر اس کے تصور میں ڈوبنے لگا۔ خلاف توقع مجھے زیادہ دیر اس کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہی مندر کی گھنٹیوں جیسی سحر کن آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''کیا بات ہے جمشید؟ تم بار بار مجھے آواز کیوں دیتے ہو؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ دیوی دیوتا مجھے زیادہ سے کیلئے اپنی نظروں سے دور رہنے کی اجازت نہیں دیتے' وہ ناراض ہو گئے تو میری منو کامنائیں کبھی پوری نہیں ہوں گی' تمہیں دھیرج سے کام لینا ہو گا۔''

''کرشنا مجھ سے راستہ بدلنے کی بات کر رہا ہے......'' میں نے جلدی میں اپنا مدعا بیان کیا۔

''اس نے کیا دیکھ لیا ہے؟''

''میں نے بھی جاننے کی کوشش کی تھی لیکن......'' میں نے جملہ پورا نہیں کیا۔

''تم چپ کیوں ہو گئے جمشید! کیا بات ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ کرشنا مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' میں نے اپنے وسوسے کا اظہار کر دیا۔

اس نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی طویل ہوتی گئی۔ میرے ذہن میں کھدبد شروع ہو گئی۔ میری بات کی تصدیق کیلئے اس نے شاید کرشنا سے رابطہ کیا ہو گا۔ مجھے یہ رابطہ بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے ایک بار اس سے تصدیق کرنی چاہی تھی کہ کیا وہی آشا ہے؟ اس نے مجھے وقت کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ کوئی مصلحت رہی ہو گی' میں نے وجہ پوچھنے کی ضد نہیں کی۔ وہ اگر میری آشا نہیں تھی تو آشا کی کوئی قریبی راز دار ضرور تھی۔ آشا کی طرح مجھ سے اپنائیت کا اظہار کرتی' لگاوٹ اور پیار سے بات کرتی' اگر آشا میری تھی تو وہ بھی میری تھی' کرشنا کے مقابلے میں اس پر میرا حق زیادہ تھا۔ مجھے اس کا اتنی دیر تک کرشنا کے پاس رہنا گوارا نہیں تھا' میں نے پہلو

ز شروع کر دیا۔ ہونٹ کاٹنے لگا۔

''بری بات ہے جمشید......'' اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ تمہیں اپنی ا کی طرف سے اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے' وہ صرف اگلے جنم میں ہی نہیں' ہر جنم ی تمہاری رہے گی' وشواس بڑی چیز ہے۔''

''کیا تم آشا کی کوئی......''

''سے کم ہے جمشید!'' اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''میری بات دھیان ے سنو' کرشنا کی طرف سے اپنے من کی دبدھا دور کر لو اس کے دل میں راستہ بدلنے جو دھیان آیا تھا وہ خود بھی اس کا کارن نہیں جانتا پرنتو جو کچھ اس نے کہا وہ غلط بھی ں تھا۔''

''وہ کالی بلی کی بات کر رہا تھا......'' میں نے جلدی سے کہا۔

''اس چکر میں مت پڑو' کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کیول دیوی دیوتاؤں ے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔''

''اب کرشنا کیا کہتا ہے......؟'' میں نے اپنے وہم کی تصدیق کرنی چاہی۔

''تم غلط وچار کر رہے ہو' میں اس کے پاس نہیں گئی۔ دیوتاؤں کے چرنوں ں ڈنڈوت کر رہی تھی۔ کرشنا کی کہی ہوئی بات کا بھید جاننے کے کارن۔''

''پھر......؟''

''دیوتاؤں کی آگیا بھی یہی ہے کہ تم اپنا راستہ ترنت بدل دو' ورنہ بہت کچھ کھو دے گے۔''

''کیا مطلب......؟'' میں چونکا۔

''وہی کرو جمشید جو دیوتا چاہتے ہیں' اسی میں مکتی ہے۔'' اس نے بڑے پیار ے کہا۔

''آشا......'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''وہ پاگل کون تھا جو میرے ڈبے ں آ گیا تھا؟''

''اس کے دھیان کو من سے کھرچ کر نکال دو جمشید! اس سے میں تمہیں اس ے زیادہ نہیں بتا سکتی۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' میں نے فاخرانہ انداز اختیار کیا۔ ''اس دیوانے نے

مجھے پریشان کرنے کی کوشش کی' دھوپ چھاؤں کا ناٹک رچا رہا تھا میں نے اسے جلا کر راکھ کر دیا۔"

دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ جلدی میں تھی۔ شاید دیوتاؤں کے چرنوں میں واپس لوٹ گئی۔ میں نے آنکھیں کھولیں کرشنا ابھی تک ملول نظر آ رہا تھا منہ لٹکائے بیٹھا کسی خیال میں مستغرق تھا۔

"کرشنا......" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"کوئی آ گیا دو مہاراج......" اس نے ہڑبڑا کر ہاتھ جوڑ لیے۔ انکساری سے بولا۔" کرشنا تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔"

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے......" میں نے دیدہ و دانستہ تذبذب کا انداز اختیار کیا۔

"کیا فیصلہ مہاراج......؟" اس نے بیچنی سے پوچھا۔

"ہم راجے پور جانے کیلئے اپنا راستہ بدل دیں گے......"

"سچ مہاراج......؟" کرشنا کی باچھیں کھل گئیں۔ نشست سے اچھل کر نیچے فرش پر بیٹھ کر میرے پیر پکڑ لیے۔"مجھے وشواس تھا' تم اپنے سیوک کو نراش نہیں کرو گے۔ اس نے بھی ساری دھرتی پر کیول تمہیں چنا۔ اس کے سنجوگ نے تمہیں بلوان کر دیا' مہان بنا دیا' اس کی کرپا سے مجھے تم مل گئے۔تمہارے چرنوں میں آنند ہی آنند ہے۔

اگلے سٹیشن پر ہم گاڑی سے اتر گئے۔ کرشنا سٹیشن ماسٹر سے دوسری گاڑی کے سلسلے میں معلومات کرنے چلا گیا۔ میں ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ میرے ذہن میں بانو کا خیال ابھرا۔ میں کلکتہ گیا لیکن بانو سے نہ مل سکا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ معلوم کر سکا' وہ کیسی تھی؟ کس حال میں تھی؟ میرے جانے کے بعد اس پر کیا گزری؟ بنو بیگم کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا' تفتیش کے دوران پولیس والوں کو بانو پر شک کرنے کا ایک بہانہ مل گیا ہو گا۔ اسے مختلف زاویوں سے کریدا گیا ہو گا۔رات دن پریشان کیا ہوگا۔ تھانے بلایا گیا ہو گا۔ وہ جن میلی نظروں سے بچتی رہی وہ اس کے جسم کے نشیب و فراز پر پھسلی ہوں گی۔ اسے للچائی نظروں سے دیکھا گیا ہو گا۔ کلکتے کے بڑے بڑے رئیس اس کے کوٹھے پر حاضری دیتے تھے۔ میری خاطر اسے کسی پولیس سٹیشن کے معمولی

تھانے دار کی باز پرس برداشت کرنی پڑی ہو گی۔ الٹے سیدھے' بیہودہ' نازیبا سوالات کے جوابات دینے پڑے ہوں گے...... کیا کیا نہ بیتی ہو گی اس پر......

میں صرف بانو سے نہیں اس کے خیال سے بھی شرمندہ تھا۔ میں نے طے کر لیا کبھی بانو سے ملاقات ہوئی تو اسے اپنی مجبوریوں کی داستان ضرور سناؤں گا۔ اس سے اتنے عرصے دور دور رہنے کی معذرت کر لوں گا۔ مجھے یقین تھا بانو مجھے معاف کر دے گی۔ کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں کرے گی۔ مجھے دیکھ کر بے اختیار میرے سینے میں منہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگے گی۔ میں اسے رونے سے منع نہیں کروں گا۔ دل بھر کر آنسو بہانے کا موقع دوں گا۔ وہ جی بھر کر روئے گی تو دل کا غبار ڈھل جائے گا۔ اس کا ذہن ہلکا ہو جائے گا۔ پھر شاید نئے سرے سے نئے عہد و پیان ہوں گے۔ وہ شکوے کرے گی میں سر تسلیم خم کر لوں گا۔ میرے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو رہ بھی کیا گیا تھا؟ عشق میں تو سر کی بازی لگا دینے کی شرط بدی جاتی ہے' سر کو ہتھیلی پر رکھ کر آتش نمرود میں کودنا پڑتا ہے' میں تو بزدل تھا بانو کے شہر تک پہنچا' اس کے خوف سے ڈر کر بھاگ نکلا......

☆......☆......☆

دوسری گاڑی کا سفر بھی بالآخر ختم ہوا' وہ چھوٹا سا سٹیشن میرا جانا پہچانا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں کرشنا کا ہاتھ تھام کر پلیٹ فارم پر اترا۔ ہمارے علاوہ ایک دو مسافر اور بھی اترے۔ وہ ہمیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں تجسس نہیں عقیدت کا جذبہ کارفرما تھا' احترام تھا۔

"کہاں جانا ہے مہاراج؟" ایک نے قریب آ کر ہچکچاتے ہوئے انکساری سے دریافت کیا۔"ہمارے لائق کوئی سیوا......؟"

"ریاست راجے پور یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"پچیس تیس میل ضرور ہو گی' تم کیا پہلی بار ادھر آئے ہو؟"

"ہاں......" میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"چنتا مت کرو مہاراج......!" دوسرے نے کہا۔"سٹیشن سے ایک کوس دور لاری کا بڑا اڈا ہے۔ لاری اڈے تک جانے کیلئے تمہیں باہر سے بیل گاڑی مل جائے گی' تم سادھو لوگ ہو کوئی بھاڑا بھی نہیں دینا پڑے گا۔"

''ہم شیام نگری میں رہتے ہیں۔'' پہلے نے پیشکش کی۔ ''ہمارے ساتھ چلو راستے میں رام گھاٹ پر اتر جانا' وہاں سے راجے پور کا فاصلہ چار پانچ فرلانگ سے زیادہ نہیں ہوگا۔''

''تم جاؤ مہاشے......'' کرشنا نے میری مشکل آسان کردی۔ ''ہم تھک گئے ہیں کچھ دیر یہاں کسی پیپل کی چھاؤں تلے آرام کریں گے پھر آگے جائیں گے' تمہاری بڑی کرپا جوتم نے راستہ بتا دیا۔''

''پرنام مہاراج......'' دونوں نے بڑی عقیدت سے سلام کیا۔

''جگ جگ جیو' سدا سکھی رہو......'' کرشنا نے باری باری دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔ دونوں چلے گئے۔ پلیٹ فارم خالی ہو گیا۔ کرشنا ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ سفر کی تکان غالب آ گئی ہو گی۔ کچھ دیر ستانا چاہتا ہو گا۔ میں بھی اس کے برابر ٹک گیا۔

میرے ذہن میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ میں زندگی کے اس پڑاؤ پر دوبارہ پہنچ گیا جہاں کبھی ڈالی نے میرے ساتھ قدم رکھا تھا۔ ریاست راجے پور رقبے کے اعتبار سے کم ہونے کے باوجود کسی بحر ذخار سے کم نہیں تھی۔ قدم قدم پر تلاطم جنم لیتے تھے۔ کہیں اوپر کی سطح بہت پرسکون' بڑی ساکت' ٹھہری ہوئی نظر آتی لیکن اس کے نیچے بڑے خطرناک طوفان پر تول رہے ہوتے' موجوں کے بہاؤ میں کب طغیانی آ جائے کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا' کب کوئی خاموش لہر اچانک بپھر کر سر ابھارے' کس کو نگل جائے' ہڑپ کر لے' کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ خطرے کی گھنٹیاں یکلخت بجنے لگتیں۔ چاروں سمت بے چینی کی لہر دوڑ جاتی' متاثر افراد پھر سے اپنے پشتے مضبوط کرنے شروع کر دیتے۔ کئی لوگ بے قصور مارے جاتے۔ کسی کو موت بڑی خاموشی سے نگل جاتی' کوئی وفاداری کے جرم میں تختہ دار پر لٹک جاتا' کسی کو لالچ کا اژدہا منہ پھاڑ کر سوچے سمجھے کا موقع ہڑپ کر جاتا۔ لوگوں کو کئی دنوں بعد خبر ہوتی کہ ان کی تعداد میں ایک کی نفری کم ہو گئی۔ مرنے والے کے غم میں ایک گھر سے رونے دھونے کی آوازیں ابھرتیں' دوسرے میں خوشی کے ڈھول تاشے بجائے جاتے' جس کی گڈی کٹ جاتی وہ باقی ڈور اور مانجھا سمیٹنے کی خاطر چرخی گھمانے لگتا' جس کی گڈی آسمان پر اونچی اڑ رہی ہوتی ادھر سے وہ کاٹا کی صدائیں بلند ہوتیں۔

اس ایک چھوٹی سی ریاست میں کئی مہاراجہ تھے جو آپس میں اقتدار کی خاطر تے جھگڑتے رہتے' اصل مہاراجہ اندرونی ریشہ دوانیوں میں گھرے تھے۔ کبھی ایک کو تے تو دوسرا روٹھ کر حکومت میں نقب لگانے کی سوچنے لگتا' کبھی دونوں پرسکون تے تو انگریز بہادر کی سیاست اپنی ڈگڈگی بجانے لگتی۔ اس ڈگڈگی کی آواز سن کر پھر ے رسہ کشی شروع ہو جاتی۔ مہاراجہ کی گدی حاصل کرنے میں جگدیپ کی سرگرمیاں پیش پیش تھیں۔ ایک طرف وہ مہاراجہ سے رابطہ رکھتا' انگریزوں کو شراب اور شباب کی رستیوں سے نوازتا' دوسری طرف دنیش کو ٹھکانے لگانے کی خاطر اس کے شیطانی ذہن ں ہر وقت خوفناک' خطرناک منصوبے زہریلے ناگوں کی طرح بلبلاتے رہتے' دنیش بار ر اعلان کرتا کہ اسے راج پاٹ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ جگدیپ' دنیش کے پرخلوص ن میں بھی سیاست کے گھناؤنے پہلو تلاش کر لیتا۔

پرکاش بھون اور بڑی حویلی میں ہمیشہ ٹھنی رہتی۔ میں دنیش کا وفادار ملازم تھ۔ اس کی خاطر جان کی بازی لگائے رہتا۔ جگدیپ میرا بھی دشمن بن گیا۔ بھون کی ئی ماریاں جگدیپ کی رنگین مزاجی کا شکار ہو چکی تھیں۔ وہ دنیش سے نمک حرامی کر ے جگدیپ کو اندرونی خبریں پہنچاتی رہتیں۔ پریت ان میں پیش پیش تھی۔ شکنتلا بہتا ی تھی۔ اس کی جوانی کی دخانی کشتی ہمیشہ ڈولتی رہتی۔ چھوٹے موٹے کناروں پر بھی بدھن کی ہوس میں لنگر ڈال دیتی۔ کماری ہیما نے جگدیپ کے پیار میں خودکشی کر لی۔ شردا دل ہی دل میں میرے سپنے دیکھتی رہی۔ سندھیا وقت سے پہلے جوانی کی سرحد ور راستوں سے عبور کر جانے کو مضطرب رہتی۔ اس نے میری خاطر ایک ہی رات میں ڑی حویلی کے اٹھارہ باسیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ الزام میرے سر تھوپا گیا۔ یں دنیش کے دشمنوں کو چن چن کر مارنے لگا۔ رانی پارو اپنی کمسن اور بھرپور جوانی کے ساتھ میرا ہاتھ تھامے ہر محاذ پر سینہ تانے ڈٹی رہی۔ پارو بھی عجیب چیز تھی کبھی انگریزوں یئے مخبری کرتی تھی' ایک بار میں نے اشتعال میں آ کر اس کی جوانی پر شبخون مارا تو وہ یری غلام بن گئی۔ آخری وقت تک میرا ساتھ نبھاتی رہی۔

بات ختم نہیں ہوئی کہانیوں میں جوڑ لگتے چلے گئے۔ آگ اور دھوئیں کی آنکھ مچولی جاری رہی۔ کرنل ہارڈنگ چھاؤنی میں محفوظ بیٹھا چین سے ڈگڈگی بجاتا رہا۔ جگدیپ سنگھاسن پر بیٹھنے کے لالچ میں اپنے زر خرید غنڈوں' بدمعاشوں کو بھڑکتی آگ

میں جھونکتا رہا۔ پولیس مجبور ہو گئی' کیسے گرفتار کرتی؟ کبھی مہاراجہ کی سفارش ان کا راستہ روک لیتی' کبھی جگدیپ اپنے خزانے کا منہ کھول دیتا' کبھی انگریزوں کے ماتھے کی شکن پولیس کو بھی قانون شکنی پر اکسا دیتی۔ انارکی کے اس دور میں بھی میری حیثیت سب کیلئے سوالیہ نشان بنی رہی۔ مجھ پر تشدد کے سارے حربے ایک ایک کر کے آزمائے گئے۔ میری ننگی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش برسائی گئی۔ شکنجوں میں جکڑ کر میرا جوڑ جوڑ علیحدہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کی گئی' قانون کے سارے محکمے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے میرے خلاف صف آراء ہو گئے۔ دنیش چیختا رہا' چلاتا رہا' میری بے گناہی کے ثبوت پیش کرتا رہا' خود کرنل ہارڈنگ کی اکلوتی لڑکی' ہندوستانی ساغر میں انگریزی شراب' چھلکتی ہوئی' رس بھری ریتا بھی میری ہمنوا بن گئی۔ وہ مجھے دل ہار بیٹھی تھی۔ میرے بچاؤ کی خاطر اپنی سی کوششیں کرتی رہتی۔ اس پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ کرنل نے اسے قید تنہائی کی سزا سنا دی۔ اس کا چھاؤنی سے قدم نکالنا بند کر دیا گیا۔ چھاؤنی کے جیالے تھک گئے تو پولیس نے میرا جسمانی ریمانڈ حاصل کر لیا۔ ابھی پرانے زخموں پر کھرنڈ پوری طرح جمنے بھی نہ پائی تھی کہ نئے زخموں نے منہ کھولنا شروع کر دیا۔ مجھے روئی کی طرح دھنا گیا۔ کوئی دوسرا میری جگہ ہوتا تو کب کا جان سے گزر جاتا' تنگ آ کر خودکشی کر لیتا' اپنے ہاتھوں سے گلے پر چھری پھیر لیتا' قصہ پاک ہو جاتا۔ میں ڈھیٹ تھا' زندہ رہا' سانس کی ٹوٹی ہوئی لے جب ذرا سنبھالا کھاتی میرے ہاتھ پیر میں دوبارہ کھجلی شروع ہو جاتی' جگدیپ کے آدمیوں کے ساتھ ساتھ میں نے سفید فام افسروں کو شکار کرنا شروع کیا تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ ریاست سے باہر کے ماہرین بلائے گئے۔ انہوں نے نئے سرے سے نئے جال پھینکنے شروع کئے۔ میں نے نئی کمک کو بھی بھون ڈالا۔ ہر سو سراسیمگی پھیل گئی۔ سب گنگ رہ گئے پھر ایک موقع پر آفسران کمانڈ کرنل ہارڈنگ نے میرے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشن کو پورا کرنے والا وہ سفید فام' کرنل کی وردی اتار کر ایک باپ بن گیا۔ ریتا کا باپ۔

میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں' جس روز کرنل نے مجھے چھاؤنی طلب کر کے ریتا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دینے کی پیشکش کی تھی' مجھے خاموشی سے ریاست سے دور چلا جانے کا مشورہ دیا تھا' لندن میں اپنی جائیداد میرے حوالے کرنے کی بات کی تھی' میرے مستقبل کو مکمل تحفظ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر اس روز میں اس کی پیشکش قبول کر

...کہا مان جاتا۔ دوسرے دن کسی کام کے بہانے سے بھون سے نکل کر راجے پور کی سرحد عبور کر جاتا تو حالات کی سنگینی میں یقیناً ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا۔ پریت جو جوانی میں دیوانی ہو رہی تھی۔ جس کے حسین جسم کے بدصورت دل میں میرے خلاف زہر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا' جو میری موت کی خواہاں تھی' سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے' اس بات کی منتظر رہتی کہ کب میری موت کی نوید اس کے کانوں میں رس گھولے اور وہ خوشی میں مست ہو کر مورنی کی طرح ناچنے لگے۔ میں ریاست سے گم ہو جاتا تو کچھ روز چرچے ضرور ہوتے۔ جگدیپ فوری طور پر سکون کا سانس لینے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔ اس کے کھوجی ریاست کی آخری سرحدوں تک چپے چپے میں میری بو سونگھتے پھرتے۔ وہ ہر طرف جال ڈلوا دیتا۔ لاکھی پور کے بدقماش لوگ جگدیپ کا ہاتھ بٹانے کو اٹھ کھڑے ہوتے۔ میری ذات سے سب سے زیادہ جانی نقصان لاکھی پور کے دہشت گردوں کو ہوا تھا۔ ان کا بچہ بچہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ وہ بھی کونے کھدروں میں میری تلاش شروع کر دیتے پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان کو یقین آ جاتا کہ میں ریاست میں موجود نہیں ہوں۔ جگدیپ کو بھی قرار آ جاتا۔ وہ نئے سرے سے اپنی بساط جمانے کی منصوبہ بندی شروع کر دیتا۔ پریت اپنے حلقے میں کہتی پھرتی۔ ''کچھ سنا تم نے موہن داس جو بڑا تیس مار خان بنا پھرتا تھا دم دبا کر راجے پور سے بھاگ گیا۔ اب اس کی منحوس صورت ہمارے علاقے میں کبھی نظر نہیں آئے گی...... بزدل' ڈرپوک......''

چار افراد کو جہاں میری گمشدگی کی خوشی ہوتی وہاں دس میرے چلے جانے سے افسردہ بھی ہوتے۔ شاردا کا دل مسک کے رہ جاتا' پارو کی خوابگاہ میں صف ماتم بچھ جاتی' ترنم کی امیدیں سسک سسک کر دم توڑ دیتیں' دنیش کو اپنی تنہائی کا احساس پوری شدت سے ہوتا' سندھیا پھٹی پھٹی نظروں سے ایک ایک کی صورت دیکھتی پھرتی' شاید اسے صبر آ جاتا' مجھے بھول جاتی' شاید پاگل ہو جاتی' بڑی حویلی کی طرح بھون میں بھی ایک ایک کمرہ جھانکتی پھرتی جو جس حال میں' جس لباس میں نظر آتا اسی میں گولیوں سے بھوننا شروع کر دیتی' چھوٹے بڑے کی تمیز نہ کرتی جب تک اس کے ننھے ہاتھوں میں ریوالور اور ریوالور میں گولیاں ہوتیں وہ خون کی ہولی کھیلتی رہتی' شاید آخری گولی اپنے آپ پر استعمال کرتی' دیوانی......

کچھ بھی ہو سکتا تھا' کچھ بھی ہو جاتا لیکن ڈالی اور گڈا محفوظ رہتے۔ ڈالی کچھ

عرصہ میرا انتظار کرتی' تھک ہار جاتی تو وہ ساری دولت جو اس نے اپنا جسم بیچ بیچ کر گڈے کے مستقبل کا تاج محل تعمیر کرنے کی خاطر جمع کی تھی۔ سمیٹ کر گڈے کو چھاتی سے لگا کر کسی محفوظ شہر کی طرف نکل جاتی۔ وہ خانہ بدوش تھی' گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے تھی' کسی نئی بستی میں جا کر آباد ہو جاتی۔

ڈالی کا خیال ذہن میں ابھرا تو میری تڑپ اور بڑھ گئی۔ مختلف وسوسے میرے وجود کو ڈسنے لگے۔ میرے کانوں میں ڈالی کی کربناک چیخ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ وہ کسی زمین دوز تہہ خانے کے تنگ و نیم تاریک کمرے میں فرش پر پڑی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ اس کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی' موت کا تصور اس کے سہمے ہوئے چہرے پر کسی بجھتے دیئے کی لو کی طرح کپکپا رہا تھا۔ وہ رحم طلب نظروں سے ان ڈھاٹا باندھے چہروں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے اطراف گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں خون ہی خون تھا۔ وہ انسان نہیں آدم خور گدھ نظر آ رہے تھے۔ ایک کمزور عورت کے سامنے سینہ تانے اپنی مردانگی کا ثبوت پیش کر رہے تھے۔ اس کے جسم کو بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر مضطرب تھے۔ گڈا رسیوں میں جکڑا ایک طرف پڑا تھا۔ وہ چیخ نہ سکے اس لیے ظالموں نے اس معصوم بے گناہ کے منہ میں کپڑا ٹھونس رکھا تھا۔ آنکھیں کھلی رکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں خون کے لوتھڑے جم کر رہ گئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ڈالی کو دیکھ رہا تھا۔ ڈالی غنڈوں سے تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہی تھی۔

"بھگوان کیلئے مجھے چھوڑ دو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"اپنے یار کو ہمارے ہاتھ آ جانے دے اس کے بعد ہم تیرا فیصلہ بھی کر دیں گے۔"

"وہ۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ ریاست میں نہیں ہوگا' کہیں نکل گیا ہوگا۔" ڈالی سسکنے لگی۔ "ہوتا تو میری سہائتا کیلئے سامنے ضرور آ جاتا' وہ شیرو ہے' میرا شیرو' مجھ سے نظریں نہیں پھیرا سکتا تھا۔۔۔۔۔ میں برے وقت میں اس کے کام آئی تھی وہ آڑے وقت میں میرا ساتھ ضرور دیتا۔"

"چھنال۔۔۔۔۔!" ایک غنڈے نے اسے بڑی موٹی گالی دی۔ "ابھی تک اسی کی یاد میں تڑپ رہی ہے' اسی ڈھگڑے کے گن الاپ رہی ہے۔"

"کنجری۔۔۔۔۔!" دوسرے نے کہا۔ "یہ کیوں نہیں وچار کرتی کہ ہمارے کسی بھائی بند نے اس کی تکا بوٹی کر کے کتوں کے آگے ڈال دیا ہوگا' مر کھپ گیا ہوگا۔۔۔۔۔۔ حرامی۔"

"نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔" ڈالی چیخی۔ "وہ مر نہیں سکتا' وہ زندہ ہوگا' میرا من کہتا ہے کہ وہ۔۔۔۔۔"

"تڑاخ۔۔۔۔۔" ایک زوردار تھپڑ کی گونج کے ساتھ ہی ڈالی کے نچلے ہونٹ سے خون کی لکیر پھوٹ نکلی' وہ پھر بلبلانے لگی۔ "مجھے مت مارو۔۔۔۔۔ مجھے جانے دو۔۔۔۔۔ میں نردوش ہوں' میری تمہاری کیا دشمنی۔۔۔۔۔؟"

"اتنی آسانی سے کس طرح جانے دیں جان من!" ایک بھوکے کتے کی زبان لپلپانے لگی۔ "ساری جوانی تو نے ہمارے دشمن پر نچھاور کر دی' جو کچھ بچا کھچا مال رہ گیا ہے اب اس سے ہمیں بھی من بہلا لینے دے۔۔۔۔۔ تیری جوانی کے خزانے میں کون سا گھاٹا آ جائے گا۔"

"ہاتھ کیوں باندھ رہا ہے اس دو ٹکے کی عورت کے سامنے۔" ایک دوسرے شخص نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔ "سیدھی طرح نہ مانی۔۔۔۔۔ تو سالی کی ٹانگیں چیر کر رکھ دیں گے' نخرے دکھاتی ہے' کم ذات۔۔۔۔۔ نیچ۔"

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔۔۔۔۔" ڈالی نے منت کی۔ "گڈے کے سامنے مجھے بے عزت نہ کرو' بھگوان کا خوف کرو۔"

"کیسی ناسمجھی کی باتیں کرتی ہے۔۔۔۔۔" ڈالی کی بے بسی کا مذاق اڑایا گیا۔ "اگر تیرے بالک کو ابھی سے تیرے دھندے کا کھوج نہیں ملا تو بڑا ہو کر تیرے کس کام آئے گا۔۔۔۔۔"

ڈالی گونگی ہوگئی' اس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں' جو غلیظ گالی اسے دی گئی تھی وہ اسے برداشت نہ کر سکی۔ گڈے کے مستقبل کی خاطر اس نے جو سپنے دیکھے تھے وہ چکنا چور ہونے لگے تو بپھری ہوئی شیرنی بن گئی۔ تیزی سے جھپٹ کر اس نے بکواس کرنے والے کا منہ نوچ ڈالنے کی ٹھان لیا۔ وہ غافل نہیں تھے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے' گرگ جہاں دیدہ تھے' خرانٹ تھے۔ ڈالی جیسی ہزاروں عورتوں سے ان کا واسطہ پڑا ہو گا' ہزاروں عصمتوں سے کھیلے ہوں گے' ہزاروں زندگیاں برباد کی ہوں گی' کلیوں کو کھلنے

سے پہلے روند ڈالا ہو گا۔ چیخ و پکار سنتے سنتے ان کے کان پک چکے ہوں گے' قطرے سے گہر یوں ہی تو نہیں بن جاتا' کندن بننے کیلئے بڑی تپش برداشت کرنی پڑتی ہے' بڑی چوٹیں سہنی پڑتی ہیں' جتنی شدید ضرب لگے اتنی ہی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

وہ بھی بڑے قیمتی لوگ تھے' جگدیپ نے ڈالی کو اٹھوانے کی خاطر انہیں منہ مانگی قیمت ادا کی ہو گی۔ ڈالی ان کی فہرست کا آخری مہرہ تھی۔ وہ اسے اغوا کرنے میں ناکام ہو جاتے تو بساط کا رخ پلٹ جاتا۔ وہ میرے جنون' میری دیوانگی' میرے پاگل پن کا کھیل تماشہ دیکھ چکے تھے۔ ڈالی کے سلسلے میں انہوں نے کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر بہت سوچا ہو گا۔ بڑے منظم انداز میں منصوبہ بندی کی ہو گی۔ بار بار سر جوڑ کر بیٹھے ہوں گے۔ جگدیپ نے ان کے انتخاب میں جلد بازی نہیں کی ہو گی۔ چھانٹ چھانٹ کر چن چن کر ایک ایک دانہ اکٹھا کیا ہو گا۔ انہیں بار بار باور کرایا ہو گا کہ ڈالی اور گڈے کا اغوا ان کے ترکش کا آخری تیر ہے' اگر وہ بھی ضائع ہو گیا تو پھر سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا' کسی کو امان نہیں ملے گی' ایک ایک کو چن چن کر' گن گن کر مارا جائے گا۔''

وہ ڈالی کا ارادہ بھانپ کر چوکس ہو گئے۔ ڈالی تنہا تھی' مقابلے میں دس بارہ تھے۔ ایک سے ایک شاطر' سب کے سب قصائی بن گئے۔ ڈالی کو پچھاڑ کر پھر زمین پر گرا دیا گیا۔ لباس کی جو چندیاں جسم پر باقی رہ گئی تھیں انہیں بھی نوچ کھسوٹ کر علیحدہ کر دیا گیا۔ ڈالی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی' تڑپنے لگی' ہاتھ پیر مارنے لگی' وہ درندے بن گئے۔ شکار ایک تھا' شکاری زیادہ۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جوش میں شرافت کی آخری حدیں بھی پھلانگنے لگے۔

میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں' میری کنپٹیاں تڑخنے لگیں۔ جسم میں بیشمار کانٹے چبھ گئے۔ جو کچھ میں نے سوچا وہ صرف تصور تھا' بڑا ہولناک اور ناقابل برداشت' حقیقت شاید میرے تصور سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوتی؟ میں نے کرشنا کا ہاتھ تھام کر جھنجھوڑا' وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے مہاراج ....؟'' وہ مجھے حیرت سے گھورنے لگا۔

''دیر ہو رہی ہے کرشنا۔'' میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے راجے پور پہنچنے کی جلدی ہے......''

پلیٹ فارم سے باہر دو بیل گاڑیاں موجود تھیں۔ انہیں کسی دوسری گاڑی کی
کا انتظار تھا۔ ہمیں دیکھ کر ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ میں نے راستہ کاٹنے کی کوشش
تو ایک بوڑھا گاڑی بان لپک کر قریب آ گیا۔

''کہاں جانا ہے مہاراج؟'' اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ ''میرے بڑے
بھاگیہ کے آج سالوں بعد کسی سادھو کے درشن ہوئے' تم ہماری گاڑی پر بیٹھ جاؤ'
ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے' سارے روگ جاتے رہیں گے۔''

''ہمیں قریب ہی جانا ہے۔'' میرے بجائے کرشنا نے کھردری آواز میں
جواب دیا۔'' وہ میرے چہرے سے میرے دل کی کیفیت جان چکا تھا۔

''جیسی تمہاری مرضی۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ہم بڑے ابھاگی ہیں
مہاراج! موقع ملے تو دو شبد ہمارے لئے بھی اپنی پوتر زبان سے نکال دینا' تمہاری نظر
پڑ گئی یہ بھی بہت ہے۔''

میں آگے بڑھ گیا۔ کرشنا نے بھی میرے ساتھ ساتھ گھسٹنا شروع کر دیا۔ وہ
سی سال کا بوڑھا زیادہ دور چلتا تو ہانپنے لگتا۔ میں پہاڑوں اور جنگلوں میں اس کی
کیفیت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ شام کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے۔ راستے میرے
دیکھے بھالے تھے۔ میں نے ان گزرگاہوں کا راستہ اختیار نہیں کیا جو عام لوگوں کیلئے
تھا۔ میں بھیڑ بھاڑ سے بچنا چاہتا تھا۔ احتیاط شرط تھی۔ مجھے راجے پور سے نکلے چار
سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ بیت گیا تھا۔ میرے حلئے میں' لباس میں' وضع قطع میں
زمین آسمان کا فرق آ گیا تھا۔ میرے اپنوں نے بھی مجھے نہیں پہچانا۔ دوسرے کیا
شناخت کرتے مگر احتیاط پھر بھی ضروری تھی۔ میں اب کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا
تھا۔ بہت سارے کام نمٹانے تھے۔ مجھے کوئی خوش فہمی بھی نہیں تھی اس بات کا شبہ بھی
لاحق تھا کہ ایک عرصہ گزر جانے کے باوجود کنور جگدیپ نے مجھے یکسر فراموش نہیں کیا
ہو گا۔ کبھی کبھی مجھے یاد کر کے اس کو پھریری ضرور آتی ہو گی' بڑا گھاگ' عیار' مکار'
معاملہ فہم اور دور اندیش آدمی تھا۔ جب تک میری لاش کو اپنی نگاہوں سے نہ دیکھ لیتا
میری موت کا یقین نہیں کر سکتا تھا' اس کے ذہن میں یہ خوف بھی ہو گا کہ میں وقتی طور
پر ریاست کی سرحدوں سے دور نکل گیا ہوں' موقع ملنے پر دوبارہ بلائے ناگہانی بن کر
ٹوٹ بھی سکتا ہوں۔ اس کے پاس دولت اور مال و زر کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے

اس نے اپنے اطمینان کی خاطر سرحدوں کے خاص خاص مورچوں پر اپنے گرگے مستقل طور پر تعینات کر رکھے ہوں جو آنے جانے والوں پر نظر رکھتے ہوں۔

میں تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ شام کا مٹیالا آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں مدغم ہونے لگا۔ میں نے ایک جگہ رک کر کرشنا کو دیکھا وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ مجھے رکتا دیکھ کر بھاگتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ اس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی۔

''تم رک کیوں گئے مہاراج؟'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''میری چنتا مت کرو میں دور رہ کر بھی تم سے قریب ہی رہتا ہوں' تمہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا' تمہیں کھو دیا تو باقی کیا رہے گا؟''

''لاری اڈا یہاں سے ایک فرلانگ دور ہے' تم چاہو تو وہاں جا کر بھوجن پانی کر آؤ۔''

''تم بھی پیاسے ہو گے مہاراج.....!'' اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''کچھ کھا پی لو' سفر لمبا ہے' بھگوان جانے راستے میں کوئی مندر یا دھرم شالہ آئے نہ آئے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو..... کیا بات ہے؟ کرشنا کو نہیں بتاؤ گے؟ اپنے سیوک کو' اپنے چرنوں کی دھول کو.....''

''آگے میرے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے کرشنا۔'' میں نے گمبھیر سنجیدگی اختیار کی۔ ''بہت سارے شمشان منہ کھولے میری راہ تک رہے ہوں گے' کئی مرگھٹوں پر چتا بنانے کے کارن لکڑیاں بھی پہلے سے اکٹھا ہوں گی۔ کئی مسان راستے میں آ سکتے ہیں۔ میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ راجے پور ہم نوٹنکی کا تماشا یا نمائش دیکھنے نہیں جا رہے۔ وہاں قدم قدم پر دشمن میری گھات میں مورچے سنبھالے بیٹھے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کی خواہش بھی پوری نہ ہو۔ کوئی سنسناتی ہوئی گولی کسی نامعلوم سمت سے آئے اور میرا کریا کرم کر دے۔ اندھیرے میں داغی جانے والی گولیاں مرنے والے سے دوستی ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی سوال جواب نہیں کرتیں۔ میرے ساتھ ساتھ تم بھی لپیٹ میں آ سکتے ہو' تمہارے علاوہ دس پچاس اور ہوں' وہ انہیں بھی موت کی نیند سلانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ تم اچھی طرح وچار کر لو' میں تم کو اپنے چرنوں سے دور جانے کے کارن کوئی بھاشن نہیں دے رہا ہوں' تم

نے بہت دور تک میرا ساتھ دیا' میری سیوا کی' میری لال پیلی نظریں برداشت کیں۔ میں نے طیش میں تمہیں گھڑکی دی۔ تم نے ایک اچھے سیوک کی طرح نظریں جھکا لیں۔ میرے من میں تمہارے لیے ایک اونچا استھان ہے۔ تم نے کسی کو پراپت کرنے کیلئے جیون تیاگ دیا' تمہارا اس کا سنجوگ' ہاتھوں کی ریکھاؤں میں نہیں تھا' اس نے اپنے پیار کی جوت میرے من میں جلا دی۔ تم مہان ہو' تمہارا دل بڑا ہے جو تم نے اس کے بجائے مجھے سویکار کر لیا۔ دن رات میری سیوا کرتے رہے' میں تمہارا بڑا ابھاری ہوں لیکن.....

''آگے کچھ نہ کہنا مہاراج.....'' کرشنا تڑپ اٹھا۔ ''تم نے مجھے سویکار کر لیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ تمہارا یہ ابکار بھی سارا جیون نہیں بھلا سکتا۔ تم نے اچھا کیا مہاراج جو مجھے بھی آنے والے حالات سے آگاہ کر دیا' اب تمہیں کوئی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں' تمہارے لیے میرے پران بھی حاضر ہیں اگر کوئی بپتا آئی تو میں تمہارے پیچھے نہیں آگے آگے رہوں گا پرنتو ایک بنتی ہے وہ بھی سویکار کر لو۔''

''کیا.....؟''

''مجھے بھی سیوا کرنے کی آگیا دے دو۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''میں نے تمہیں وچن دیا ہے تمہارے من میں جھانکنے کی غلطی کبھی نہیں کروں گا پرنتو اتنا ادھیکار تو دے دو کہ تمہارے دشمنوں کو نشٹ کر سکوں۔''

''ایک کے سوا تم جسے من چاہے نشانہ بنا سکتے ہو.....'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

''اس کا نام بھی بتا دو.....؟''

''کنور جگدیپ.....'' میری پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ میں نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ''وہ کیول میرا شکار ہے۔ اس کے ساتھ مجھے پرانے حساب کتاب چکانے ہیں' تم کبھی اس کے اور میرے بیچ نہیں آؤ گے۔''

''ٹھیک ہے مہاراج.....!'' کرشنا نے میری بات مان لی۔ ''جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا۔''

''ایک بات اور.....''

''آگیا دو.....''

''کوئی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے مجھ سے ضرور پوچھ لینا۔'' مجھے عابد شیرازی والے کیس میں فیروز نامی شخص کا بھیانک انجام یاد آ گیا۔

''جو آ گیا مہاراج......'' کرشنا نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

ہم نے اپنا سفر دوبارہ جاری کر دیا۔ کرشنا کسی سوچ میں غرق تھا۔ میں نے اسے کھوجنے کی کوشش نہیں کی۔ میں سمجھ گیا کہ حالات کا جو ایک رخ میں نے اسے دکھایا تھا اس نے بوڑھے کرشنا کو ذہنی طور پر مکمل بیدار کر رکھا ہو گا' ممکن ہے اس کی سحر آلود نگاہیں اس وقت بھی دور دراز کا سفر کر رہی ہوں۔ اس کی پراسرار قوتوں کا راز مجھ پر آہستہ آہستہ کھلتا رہا تھا۔ اس کیلئے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی۔ وہ خیالات پڑھ لینے' دل کے بھید جاننے پر پوری طرح قادر تھا۔ فیروز کے سلسلے میں اس نے مجھے چونکا دیا تھا' اس کی آتما اپنا شریر چھوڑ کر فیروز کے جسم میں منتقل ہو گئی تھی' اس نے فیروز کا کلیجہ چبا ڈالا۔

دنیا میں قدم قدم پر روز معجزے رونما ہوتے ہیں' ایسے ایسے ناقابل یقین واقعات پیش آتے ہیں' عقل جن کی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہے لیکن جو کھلی نظروں سے دیکھ لیا جائے اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قدرت کی کاریگری نرالی ہوتی ہے۔ کوئی اس کا بھید نہیں جان سکتا۔ انسان صرف چہ میگوئیاں کر سکتا ہے' حیرت اور تعجب کا اظہار کر سکتا ہے تہہ تک صرف ماہر تیراک ہی اتر سکتا ہے۔ میں نے کبھی کچھ کے سلسلے میں یقین نہیں کیا تھا۔ اس کے چمتکار دیکھتا تو عقل دنگ رہ جاتی۔ فیروز کا انجام دیکھ کر بھری عدالت میں سب ہی ششدر رہ گئے۔ فیروز نے کہا تھا کہ اس نے کوئی قاتل زہر استعمال کیا ہے۔ سننے والے بیشمار تھے مگر کرشنا کہتا تھا کہ اس کی آتما فیروز کے جسم میں چلی گئی پھر جو کچھ ہوا وہ کرشنا کے اشارے پر ہوا۔ کون صحیح تھا؟ کون غلط؟ اس کا بھید صرف نیلی چھتری والا جان سکتا تھا مگر میں نے کرشنا کے جو چمتکار دیکھے تھے ان سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مقدس کتابوں میں یہی درج ہے کہ جادو ٹونا برحق ہے لیکن اس کا کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

لاری اڈا راستے میں پڑتا تھا۔ میں نے اس سے بچنے کی خاطر لمبا راستہ اختیار کیا۔ ان پہاڑی سلسلوں پر چڑھ گیا جو رام گھاٹ تک جاتے تھے۔ رام گھاٹ سے ریاست راجے پور کا فاصلہ بمشکل پانچ فرلانگ تھا۔ میرے پاس کوئی دستی گھڑی نہیں تھی' حالات نے مجھے ایک ایک ساعت کا حساب کتاب سمجھنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ہم نے نصف رات گئے تک اپنا سفر جاری رکھا۔ میری رفتار خاصی تیز تھی۔ کرشنا گرتا پڑتا میرا ساتھ دے رہا تھا۔ لوہے کی مشین کی طرح جسم کی مشین کو بھی تیل' پانی اور آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے بھوک پیاس کی کوئی فکر نہیں تھی۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے ہوئے میں نے فاقہ کشی کی عادت ڈال لی تھی۔ کرشنا بھی یقیناً اس کا عادی ہو گا لیکن آرام دونوں کیلئے ضروری تھا۔ میں گھنٹہ دو گھنٹہ کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے بیٹھنا چاہتا تھا۔ کرشنا لپکتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ اس کی سانس کی رفتار غیر متوازن ہو رہی تھی۔

''مہاراج......'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''کچھ فاصلہ اور طے کر لو۔ آگے ایک پرانا مندر آنے والا ہے' وہاں بھوجن پانی بھی مل جائے گا جو سادھو اور سنت آسن جمائے بیٹھے ہیں وہ بھی تمہارے کام آ سکتے ہیں۔''

''کرشنا......'' میں نے اس پراسرار بوڑھے کو معنی خیز نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم پہلے بھی ادھر آ چکے ہو۔''

''نہیں مہاراج......'' اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''آج پہلی بار تمہارے ساتھ آیا ہوں۔''

''پھر...... تمہیں آگے کی خبر کس طرح ہو گئی؟'' میں نے اسے تیز نظروں سے ٹٹولا۔

''شما کر دو مہاراج.....'' اس نے ہاتھ جوڑ کر سادگی سے انکشاف کیا۔ ''تم نے جن کٹھنائیوں کا ذکر کیا تھا انہیں کھوجنے کے کارن میرا دوسرا روپ تم سے آگے نکل گیا تھا۔''

میں اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے پھر ایک ناقابل یقین بات کہہ کر مجھے چونکانے کی کوشش کی تھی۔

''تم نے غلط نہیں سوچا تھا مہاراج! اس نے اپنی بات جاری رکھی۔'' پرانے مندر میں جو سادھو سنت ڈیرہ جمائے بیٹھے ہیں وہ بہروپے ہیں۔ پرائے دھن پر موج میلا کر رہے ہیں۔ انہیں تمہارا راستہ روکنے کیلئے تمہارے دشمنوں نے بٹھا رکھا ہے۔''

''کرشنا.....'' میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورتے ہوئے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''تم تو کہتے تھے کہ اس نے جاتے جاتے اپنی ساری مہان شکتیاں مجھے دان کر دی تھیں؟''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا مہاراج۔'' اس دھرتی پر کیول تم ہی تم ہو۔ تمہارے ماتھے کی ریکھاؤں پر اس نے اپنے پریم کی چھاپ لگا دی ہے جو بھی گیانی ہو گا تمہیں ترنت پہچان لے گا' تمہارے چرنوں میں گر جائے گا۔''

''اس کے باوجود تم نے مجھ سے پہلے آنے والے خطروں کو بھانپ لیا.....؟'' میرے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔

''مہاراج.....'' کرشنا اپنا منہ پیٹنے لگا۔ میری بات کا مفہوم سمجھ کر بوکھلا گیا۔ ''ایسا وچار من میں دوبارہ کبھی نہ لانا' یہ اس کا اپمان ہے جس نے پوری دھرتی پر کیول تمہیں اپنے لیے چنا۔ جگ جگ تمہاری راہ تکتی رہی' تمہارے سوا اس نے کسی اور کو درشن نہیں دیئے۔ اکیس چندرماؤں کے درمیان وہ تمہارے ساتھ رہی۔ آخری سمے تک اپنے پیار کا وشواس دلاتی رہی' تم نے آنے میں دیر کر دی' وہ چاہتی تو تمہیں اپنی شکتی کے زور سے بلا لیتی لیکن جہاں پیار میں کھوٹ نہ ہو وہاں زور زبردستی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے من مندر میں تمہارا چتر سجائے' پیا ملن کی جوت جگائے تمہاری راہ میں پلکیں بچھائے انتظار کرتی رہی۔ اسے اپنے جانے کا سمے بھی معلوم تھا۔ اس نے تمہیں بتانا اچیت نہیں سمجھا۔ تمہارے ٹوٹ کر بکھر جانے کے خیال سے اکیلی جدائی کا غم جھیلتی رہی۔ تم ہی نے کہا تھا کہ وہ ہر جنم میں تمہاری رہے گی۔ پھر.....؟ تمہارے من میں یہ

جھگڑ پکڑ کیوں ہے کہ میں تم سے زیادہ بلوان ہوں' نہیں مہاراج نہیں' اپنے من میں کوئی میل نہ آنے دو' اس کا کومل ہردے ٹوٹ جائے گا۔ اس کے آس کی کلی مرجھا جائے گی۔ وہ بڑی بیاکل رہے گی۔ مہاراج میری بات کا وشواس کرو اپنے آپ کو پہچانو۔ اپنے من میں جھانک کر دیکھو اس کی جھولی میں جو کچھ تھا جاتے جاتے تمہارے چرنوں میں ڈال گئی۔ اس کی لگن سچی تھی' اسے غلط مت سمجھو مہاراج' میں بنتی کرتا ہوں۔''

''تم نے جو کچھ دیکھا' میں کیوں نہیں دیکھ سکا.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''اوش دیکھ سکتے ہو مہارج پرنتو اس کیلئے تمہیں دھرتی کے گورکھ دھندوں سے من ہٹانا ہو گا۔ کیول اس کی یاد میں دھونی رمانی ہو گی۔ اس کی مہک سے بدھی میں مہکار کرنی ہو گی۔ اپنے بھیتر دن رات اسی کی جوگ جگانی ہو گی تب تمہاری آنکھوں کے آگے کے پردے بھی سرک جائیں گے۔ تمہیں سیوکوں کے مقابلے میں ہر چیز زیادہ صاف اور اجلی دکھائی دے گی۔ تم مہان ہو' مہا مہان۔''

میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ شاید کرشنا سچائی سے کام لے رہا ہو لیکن میرے اندر ایک بے چینی سی برقرار رہی۔ میں تذبذب کی حالت سے دوچار تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرے اردگرد ایک مسحور کن مہک پھیل رہی ہے۔ یہ کیچو کے جسم کی خوشبو تھی۔ میں اس کے قرب کا گواہ خود تھا' وہ تیز خوشبو اس کے انگ انگ سے پھوٹتی تھی' پوری وادی معطر ہو جاتی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا' اودے رنگ کے بادلوں کا ایک تودہ میرے سامنے مختلف شکلیں اختیار کر رہا تھا۔

''آشا.....'' میرے ذہن میں اس کے نام کی جھنکار ہوئی۔

''ہاں جمشید.....'' کیچو کی مانوس آواز بہت دنوں بعد میرے جسم کے پنجرے میں پھڑ پھڑانے لگی۔ اس کے لہجے میں شکوہ تھا' شکایت تھی' اداسی کا رنگ جھلک رہا تھا' آزردگی مچل رہی تھی' ملال کروٹیں بدل رہا تھا' یقین ڈھلملا رہا تھا' آس لہو رنگ نظر آ رہی تھی' حسرتیں تڑپ رہی تھیں' اس کی آواز میں لغزش تھی۔'' جمشید مجھے تم سے یہ آشا نہیں تھی کہ تم میرے پیار پر اتنی جلدی شک کرنے لگو گے۔''

''غلط سوچ رہی ہو آشا.....'' میرے وجود میں آندھیاں چلنے لگیں۔ میری زبان پر آبلے ابھرنے لگے۔ میں نے بڑے خلوص سے اسے یقین دلانے کی کوشش

کی۔ ''میں تمہارے پیار پر جس دن شک کروں مجھے موت آ جائے' میری زبان میں کیڑے پڑ جائیں' تمہاری یاد ہی اب میری زندگی کا سرمایہ ہے' میرے من میں جو خیال ابھرا وہ شاید جذبہ رقابت کا ایک دھندلا سا عکس تھا' میں جہاں نہیں پہنچ سکا وہاں مجھ سے پہلے کرشنا نے رسائی حاصل کر لی۔تم میرے حالات سے واقف ہو' من کا بھید بھاؤ جانتی ہو میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ تم جانتی ہو کہ میں کنور جگدیپ کو للکار کر موت کے گھاٹ اتارنے کے ارادے سے بھون سے نکلا تھا۔تم نے درمیان میں آ کر میری حسرت پامال کر دی۔تم نے کہا تھا کہ اگر تم بیچ میں نہ آ جاتیں تو جگدیپ کا پلڑہ بھاری رہتا۔ میں مارا جاتا۔ میں تمہاری بات کی تردید نہیں کر رہا لیکن وہی ایک آخری حسرت تھی...... تم اسے جنون کہہ لو' میرا پاگل پن سمجھ لو' دیوانگی سے تعبیر دو' لیکن تم جانتی ہو کہ اس حسرت کی تکمیل میرے تن بدن میں کانٹوں کی طرح چبھتی رہی۔تم میری راہ تکتی رہیں' میں وحشتوں کا شکار رہا' خاصا وقت گزر گیا تم اچانک سامنے آ گئیں تو میرے زخموں کو مرہم مل گیا۔ میرے ناسور بھرنے لگے۔ کرشنا کہتا ہے کہ ہم دونوں میں چندرما کے دوران یک جان دو قالب بنے رہے' میں سوچتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک خوشگوار جھونکا تھا جو آیا اور گزر گیا۔ میں جذبات کی رو میں کہتا گیا۔''تمہیں شکایت ہے کہ میں نے تمہارے پیار پر شک کیا۔ مجھے شکوہ ہے کہ کرشنا کی نظروں نے ان دشمنوں کو مجھ سے پہلے دیکھ لیا جو دھرماتماؤں کا چولا اپنے شریر پر سجائے میری موت کی گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ میرے جذبوں کی توہین ہے آشا...... میرے احساس میں ایک پھانس سی چبھ گئی' اگر کرشنا ساتھ نہ ہوتا تو کیا ہوتا......؟ میں اندھیرے میں شکار کر لیا جاتا...... تمہاری دان کی ہوئی شکتیاں میرے کسی کام نہ آتیں......؟ میرے ماتھے کی ریکھائیں جس پر تمہارے پیار کی چھاپ لگی ہے کیا دشمن کی گولی سے سرخ ہو جاتی......؟ میری جگہ تم ہوتیں' کرشنا کی جگہ میں ہوتا تو تمہارے من پر کیا گزرتی......؟ ٹھنڈے دل سے سوچو آشا پھر جو من میں آئے سزا دے لینا۔''

''میں سمجھ رہی ہوں جمشید اس سے تمہارے دل پر کیا بیت رہی ہے۔'' کچھ کی آواز میں پیار کا ترنم جاگ اٹھا۔ ''اب تمہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ کرشنا کبھی تم سے آگے نہیں نکل پائے گا' تم اپنے دشمنوں کو دیکھنا چاہتے ہو' کیول ایک بار من کی گہرائیوں سے اپنی آشا کا نام لے کر دیکھو تمہارے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو

جائیں گی' سارے پردے ایک ایک کر کے سرک جائیں گے۔''

''مجھے وشواس تھا آشا......تم جمشید سے کبھی ناراض نہیں ہو گی۔''

''تم بھی اپنے من میں کسی اور کا دھیان کبھی مت لانا......'' اس نے پیار بھرے انداز سے میری سماعت میں شہد گھول دیا۔

''ایک بات پوچھوں۔''

''میں جانتی ہوں تمہارے من میں کیا ہے۔'' تم اس آواز کا کھوج لگانا چاہتے ہو جسے تم آشا ہی کہہ کر پکارتے ہو......''

''کون ہے وہ......؟'' میں نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔

''سمے کا انتظار کرو' آہستہ آہستہ سب جان لو گے۔''

پھر میں آوازیں دیتا رہا وہ چلی گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا کرشنا زمین پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ شاید کیچو کے شریر سے پھوٹنے والی تیز مہک کی تاب نہ لا کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ میں نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش نہیں کی۔ کیچو کی بات آزمانے کی خاطر میں نے بڑی عقیدت سے اس کا نام لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ آنکھ بند کرتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے گھپ اندھیروں میں روشنی کی ایک لہر دوڑ گئی ہو۔ مجھے وہ ٹوٹا پھوٹا مندر نظر آ گیا جس کے شکستہ فرش پر ایک جٹا کٹا سادھو ٹانگیں پسارے خراٹے لے رہا تھا۔ اس کا دوسرا ساتھی جاگ رہا تھا۔ ایک طرف گنیش کی گرد آلود مورتی رکھی تھی۔ دور دور تک سناٹا تھا۔ میں نے اپنی قوت بصارت کا دائرہ وسیع کیا۔ گنیش کی مورتی کے عقب میں ایک پرانا ٹوٹا صندوق رکھا تھا۔ میں نے صندوق کے اندر جھانکا۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ صندوق کے اندر دو جدید قسم کے آٹومیٹک ریوالور موجود تھے۔ ساتھ ہی ایک چرمی تھیلے میں فاضل راؤنڈ وافر مقدار میں پوشیدہ تھے۔ میرا شبہ غلط نہیں تھا۔ جگدیپ ابھی تک مجھ سے پوری طرح محتاط تھا۔ مجھے مارنے کی خاطر اس نے راجے پور کے چاروں طرف سرحدوں پر مورچے بنا رکھے تھے۔ اس کے زرخرید غنڈے جانے کون کون سا بہروپ بھرے میری راہ تک رہے ہوں گے۔''

میں نے آنکھیں کھولیں۔ کرشنا بدستور بے سدھ پڑا تھا۔ میں نے لات مار کر اسے بیدار کیا۔ وہ اٹھ کر ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کیچو کا تصور ابھی

تک اس کے دل و دماغ پر طاری تھا۔

''مہاراج......وہ......'' اس نے کچھ پوچھنا چاہا۔ میں نے اسے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

''ہم کو پرانے مندر پہنچنا ہے کرشنا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے کہنے کے انوسار ہم بھوجن پانی بھی وہیں کریں گے۔''

میں نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ قدم اٹھا دیئے۔ کرشنا کی حسرت دل کی دل میں رہ گئی۔ وہ کیچو کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کر سکا۔ خاموشی سے میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

مطلوبہ مندر تک پہنچنے میں ہمیں بمشکل بیس منٹ صرف ہوئے۔ میں نے دو بہروپیوں میں سے ہٹے کٹے شخص کو سوتے دیکھا تھا لیکن اس وقت دونوں مشٹنڈے جاگ رہے تھے۔ شاید جاگنے والے کو ہمارے آنے کی بھنک مل گئی تھی۔ اس نے دوسرے کو بھی بیدار کر دیا۔

''پدھارو مہاراج......!'' باہر کھڑے بہروپئے نے میرے پیر چھو کر کہا۔ ''آج برسوں بعد کسی سادھو نے گنیش مہاراج کے درشن کے کارن ادھر کا رخ کیا۔ ہمارے بڑے بھاگیہ' باہر کیوں کھڑے ہو' اندر آ جاؤ' تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو' کہاں سے آنا ہوا؟'' وہ ایک ہی سانس میں بہت سارے سوال کر گیا۔ جو کام اسے تفویض کیا گیا تھا وہ اس میں اناڑی نظر آ رہا تھا۔

میں نے مندر کے اندر قدم رکھا۔ ہٹا کٹا سادھو گنیش دیوتا کی مورتی کے سامنے آسن جمائے بیٹھا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر اس نے چونکنے کی بڑی خوبصورت اداکاری کی۔ ایک لمحے کو ہمیں ٹٹولتی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔

''ادھر کے نہیں لگتے' پہلی بار تم دونوں کے درشن کر رہا ہوں۔''

''تم بڑے گیانی دکھائی دیتے ہو......؟'' کرشنا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔ ہم بہت دور سے چل کر آ رہے ہیں۔''

''جانا کہاں ہے......؟'' اس نے کریدنا شروع کر دیا۔ کرشنا نے جواب دینے کیلئے منہ کھولا تھا کہ دوسرا سادھو بول پڑا۔ ''کچھ بھوجن پانی کر لو پھر آرام سے بات

پت ہو گی۔''

وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا' کرشنا میرا ہاتھ تھام کر فرش پر بیٹھ گیا۔

''تمہارا شبھ نام......'' کرشنا نے ہٹے کٹے سادھو سے پوچھا۔ اس کی عمر پچیس سے اوپر نہیں تھی۔

''کرم چندر......'' اس نے اپنے ساتھ ساتھ اپنے ساتھی کا تعارف بھی ضروری سمجھا۔ ''دوسرا میرا جوڑی دار ہے' رام اوتار۔''

''دونوں سندر نام ہیں۔'' کرشنا نے دور اندیشی کا مظاہرہ کیا۔ ''کب سے گنیش مہاراج کی سیوا کر رہے ہو؟''

''زیادہ دن نہیں ہوئے۔'' کرم چندر نے پہلو بدل کر کہا۔ ''ہم سے پہلے دوسرے سادھوؤں نے یہاں بیٹھک جما رکھی تھی۔ ایک جوڑی دو مہینے سیوا کر کے دوسری طرف سدھار جاتی ہے۔ پھر دوسری جوڑی آ جاتی ہے...... تمہارا شبھ نام......؟''

''کرشنا......''

بات درمیان میں رہ گئی' رام اوتار ایک تھالی میں کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر واپس آ گیا۔ کرشنا نے بلا تکلف کھانا شروع کر دیا' میں نے جلد بازی کا وہ مظاہرہ نہیں کیا۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا چاہتا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کھانے پینے میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جو ہمیں بیہوشی سے دوچار کر دے۔

''کیا بات ہے مہاراج......؟'' رام اوتار نے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم بھوجن پانی نہیں کرو گے؟''

''نہیں......'' میں نے مختصراً جواب دیا۔ ''میں نے تین دن کا برت رکھا ہے' آج دوسرا دن ہے۔''

''تین دن کا برت......؟'' کرم چندر کی پلکیں جھپکنے لگیں۔ ''یہ کیسا برت ہے پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''ہوتا ہے کرم چندر...... ہوتا ہے......'' کرشنا نے ایک ہی گھونٹ میں ناریل کے پانی کا پورا گلاس حلق کے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تمہیں جیون میں بہت کچھ دیکھنا' بہت کچھ سیکھنا ہے' دھرم تو سمندر ہوتا ہے' بڑی جان مارنی پڑتی ہے' بڑے غوطے لگانے پڑتے ہیں تب کہیں بھگوان کی کرپا سے ایک بوند ملتی ہے' جسے ایک بوند مل

جائے وہ بھی بھاگیہ شالی ہوتا ہے۔"

"تم...... سچ کہتے ہو مہاراج!" کرم چندر نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "منش کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں' جاپ منتر کرنے ہوتے ہیں' گیان دھیان میں من لگانا ہوتا ہے' کوئی سپھل ہو جاتا ہے' کچھ پراپت کر لیتا ہے' کوئی نراش ہو کر ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔"

کھانے پینے کے دوران اسی قسم کی اول فلول باتیں ہوتی رہیں۔ وہ دونوں بہروپیے میری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ دھرم کرم کی باتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ سنی سنائی ڈینگیں مار رہے تھے۔ رام اوتار برتن سمیٹ چکا تو کرم چندر پھر اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ "تم نے بتایا نہیں...... کہاں سے آئے ہو' جانا کہاں ہے......؟"

"ہر داور سے آ رہے ہیں۔" کرشنا نے بڑی سادگی سے جھوٹ بولا۔ "رام گھاٹ میں ایک متر رہتا ہے' اس کی پتری کی منگنی ہونے والی ہے وہیں جا رہے ہیں۔"

"پیدل کیوں کشٹ اٹھا رہے ہو......؟" کرم چندر کا تجسس انگڑائی لینے لگا۔ "رام گھاٹ کا تو سیدھا راستہ تھا' لاری پکڑ لیتے' پہاڑی راستوں پر کیوں نکل آئے......؟"

"ادھر سے نہ گزرتے تو تمہارے درشن کیسے ہوتے......؟" میں نے کرم چندر کو تیز نظروں سے گھورا۔ "تمہارے درشن نہ ہوتے تو یہ جانکاری کیسے ہوتی ہے کہ اب جنگلی بھیڑیے بھی سادھوؤں' پنڈت پجاریوں کی کھال اوڑھ کر سیدھے سادھے لوگوں کے ساتھ چالبازی کرنے لگے ہیں۔"

کرم چندر کے علاوہ رام اوتار کی آنکھیں بھی پٹ پٹانے لگیں۔ میں نے ایک ہی سانس میں ان کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ گنگ رہ گئے۔ کرشنا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں تیز تیز گردش کرنے لگیں۔

"تم......؟" کرم چندر کے تیور بدلنے لگے۔ "تم وہ نہیں لگتے جو نظر آ رہے ہو......؟"

"ایک نظر اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لو۔" میرے لہجے میں کرختگی

گئی۔ "مرد ہو کر نامردوں والا کام کر رہے ہو' اندر کچھ' باہر کچھ' دھوبی کا کتا نہ گھر کا گھاٹ کا......"

کرم چندر کی آنکھوں میں خون اتر آیا' رام اوتار آہستہ آہستہ گنیش کی مورتی کی جانب کھسکنے لگا جس کے عقب میں ٹوٹے ہوئے صندوق میں دو آٹو میٹک رکھے تھے۔ ہم رام اوتار کی طرف توجہ نہ دے سکیں اس لیے کرم چندر نے ہمیں باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔

"ہوش میں آؤ مہاشے......" اس نے تیور بدل کر مجھے للکارا۔ "سادھو ہو کر ایسی گندی بھاشا بول رہے ہو' تمہیں لاج بھی نہیں آئی' کہیں شراب تو نہیں پی رکھی......؟"

"اسے شما کر دو مہاراج......" بوڑھے کرشنا نے بذلہ سنجی جاری رکھی۔ "یہ ابھی بالک ہے' نادان ہے' تم کس اونچے استھان پر بیٹھے ہو' اس کی نظریں نہیں دیکھ سکتیں' سچ جھوٹ کو پرکھنے میں سمے تو لگتا ہے۔ کچھ دنوں مارا مارا پھرے گا تو تم جیسے بلوانوں کو پہچاننے لگے گا۔"

"اس مورکھ نے ہمارا اپمان کیا ہے' یہ مجھے کوئی دوشی جان پڑتا ہے۔" کرم چندر' کرشنا کی طرح پا کر پھیلنے لگا۔ "میں اسے ایسا کشٹ دوں گا کہ سارا جیون اپنے کرموں کو روتا رہے گا' اس پاپی نے گنیش کے پوتر مندر میں بیٹھ کر مجھے گالی دی ہے' میں اسے نشٹ کر دوں گا' جلا کر راکھ کر ڈالوں گا......"

رام اوتار کھسکتا کھسکتا مورتی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ میں نے کیچو کا نام لے کر ہاتھ بلند کیا انگلیوں کو انگوٹھے سے لگا کر جھٹکا تو رام اوتار اچھل کر مورتی سے ٹکراتا ہوا کرم چندر کے بائیں جانب زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔ اس کے حلق سے کربناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ کرم چندر اچھل پڑا۔ کرشنا نے پھر اس کا مضحکہ اڑایا۔

"مہاراج تم اس پوتر مندر کے رکھوالے ہو' گنیش دیوتا کی چھایا میں رہتے ہو' کوئی منتر پڑھ کر اپنے جوڑی دار پر پھونکو نہیں تو یہ پرلوک سدھار جائے گا۔"

کرم چندر اتنا معصوم بھی نہیں تھا کہ کرشنا کی چھیڑ چھاڑ کو نہ سمجھ پاتا' وہ کلدیپ کا گرگا تھا' سمجھ گیا ہو گیا کہ مصیبت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اس کی

نظریں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔ رام اوتار کی کربناک چیخیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ کسی ذبح کیے گئے جانور کی طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔

"بازی پلٹ گئی کرم چندر۔" کرشنا یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ "مکتی چاہتے ہو تو مہاراج کے چرنوں پر سر رکھ دو جو بھید من میں چھپائے بیٹھے ہو سیدھی طرح اگل دو، تم نہیں جانتے کہ تمہارے سامنے کون بیٹھا ہے، تمہاری پلید نظریں دیکھ بھی نہیں سکتیں۔"

کرم چندر نے ہتھیار ڈالنے کی جلدی نہیں کی، بدستور مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا، وہ مجھے شناخت نہیں کر سکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بار بار نیا رنگ جھلکنے لگتا۔ کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کرشنا......" میں نے کرم چندر پر نظریں جمائے جمائے کرشنا کو آواز دی۔

"کوئی آ گیا مہاراج......" اس نے ہاتھ باندھ کر انکساری سے دریافت کیا۔

"اس بے سرے راگ کو بند کر دے......؟"

میرا اشارہ رام اوتار کی طرف تھا۔ کرشنا نے میرے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی۔ فرش سے ایک چٹکی مٹی اٹھا کر رام اوتار پر اچھال دی۔ کرم چندر کے کس بل نکل گئے۔ رام اوتار کا جسم اکڑنے لگا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل کر باہر آ گئیں۔ جسم پر بڑے بڑے آبلے نمودار ہونے لگے۔ کرم چندر کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اس کا پیشاب خطا ہو گیا۔ رام اوتار کا بھیانک اور عبرتناک انجام دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"شما کر دو مہاراج......" وہ گڑگڑانے لگا۔ "تمہیں پہچاننے میں ہم سے بڑی بھول ہو گئی۔"

"راستے میں اور کتنی چوکیاں آئیں گی......؟" میں نے سفاک لہجے میں دریافت کیا۔

"میں سمجھا نہیں مہاراج......" وہ پلکیں جھپکانے لگا۔

"تمہیں یہاں کس کارن بٹھایا گیا تھا......؟" میں نے اسے بے رحم نظروں سے گھورا۔

"ہم...... ہمیں ایک آدمی کی تلاش تھی۔" اس نے دبی زبان میں کہا۔

"جگدیپ نے تمہارے علاوہ اور کتنے شکاری جانور چھوڑ رکھے ہیں؟"

جگدیپ کا نام سن کر وہ تھرتھر کانپنے لگا۔ اس کی رنگت زرد پڑنے لگی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی مجھے گراں گزری۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنی انگلیاں اس کے گلے میں گڑو دیں۔ میرے شکنجے میں پھنسا تو موت اس کی آنکھوں میں رقص کرنے لگی۔

"مم...... مجھے...... شما کر دو، مارو مت۔" وہ گھگیانے لگا۔ "تم جو پوچھو گے میں بتانے کو تیار ہوں، میری بات کا وشواس کرو، میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"راستے میں اور کتنی چوکیاں پڑیں گی......؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"یہی ایک چوکی تھی، آگے راستہ صاف ہے۔" وہ سچ اگلنے لگا۔ "کیول سرحدوں پر مہاراجہ نے اپنے آدمی بٹھا رکھے ہیں۔"

"مہاراجہ......؟" میں چونکا۔ "کس کی بات کر رہے ہو۔"

"میں جگدیپ ہی کی بات کر رہا ہوں۔" اس کی زبان فر فر چلنے لگی۔ "پندرہ دن بعد وہ راج گدی سنبھال لے گا، دھوم دھڑکے سے تیاریاں ہو رہی ہیں...... دور دور سے ناچنے گانے والیاں بلوائی جا رہی ہیں۔ بڑے بڑے منڈپ کھڑے ہو رہے ہیں، مندر اور دھرم شالاؤں پر نیا رنگ ہو رہا ہے۔"

"کیا بک رہا ہے......؟" میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایسا لگا جیسے کرم چندر نے بجلی کے ننگے تار میرے پورے وجود میں اتار دیئے ہوں۔ میرے اندر سیلاب امنڈنے لگا۔ جگدیپ کی تاج پوشی کی خبر نے میرے اندر آگ لگا دی، میں جھلسنے لگا۔ میرے دل و دماغ میں شعلے بھڑکنے لگے۔ میری گرفت کا شکنجہ تنگ ہوتا چلا گیا۔ کرم چندر کا ٹینٹوا گردن سے قطع تعلق کر کے میرے ہاتھ میں پھڑپھڑانے لگا۔ اس کی منحوس آواز جس نے مجھے جگدیپ کے مہاراجہ بننے کی خبر سنائی تھی ہمیشہ کیلئے بند ہو گئی، میں نے اس کی لاش کو ایک طرف لڑھکا دی۔ کرشنا مجھے آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

میں نے اٹھ کر مورتی کے پیچھے رکھے ہوئے صندوق سے دونوں آٹومیٹک نکال کر فالتو راؤنڈ کے تھیلے میں ڈالے۔ تیزی سے مندر کے باہر آ گیا۔ کرشنا نے میری وحشت میرے چہرے سے پڑھ لی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں اس وقت کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میرے ذہن کی سکرین پر بے شمار چہرے ابھر رہے تھے۔ میں

نے رفتار تیز کر دی۔ بوڑھا کرشنا پیچھے رہ گیا۔

میرے اندر لاوا ابل رہا تھا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اڑ کر بڑی حویلی پہنچ جاتا۔ جگدیپ کے مہاراجہ بننے کی خبر نے میرے ننگے جسم کو کانٹوں پر ڈال دیا۔ ایک ایک عضو ناسور بننے لگا اور بھی بہت سارے لوگ ہوں گے جن کے ہوش و حواس پر یہ خبر بجلی بن کر ٹوٹی ہو گی۔ راج کماری کنول جس کا شہابی چہرہ کسی پھول کی طرح کھلا رہتا تھا وہ تلملا کر رہ گئی ہو گی۔ اس کی غزالیں آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہونے لگے ہوں گے۔ کبھی اس کے ریشمیں جسم پر لباس پھسلتا تھا' اب وہ کانٹوں پر لوٹ رہی ہو گی۔ اس کی مسکراہٹیں سسکیوں میں ڈھل رہی ہوں گی۔ اس کا چہرہ حسین تھا' بدن حسین تھا اور ذہن بھی حسین تھا۔ بڑی حاضر جواب تھی' بات کرتے ہوئے اس کے یاقوتی لبوں کے گداز سے پھول جھڑتے تھے۔ خدا جانے اس پر کیا گزری ہو گی؟ مہاراجہ جو پہلے ہی ریاست کی سیاست سے دل برداشتہ تھے ان کے سارے خواب اچانک بکھر گئے ہوں گے۔ پریت خوشی سے دیوانی ہو رہی ہوگئی ہو۔ جشن کی خوشی میں جھوم رہی ہو گی' ناچ رہی ہوگی' گنگنا رہی ہو گی۔ دنیش خود کو بڑا اکیلا اور تنہا محسوس کر رہا ہو گا۔ اسے میری کمی ستا رہی ہو گی۔ سندھیا دیوانی ہو گئی ہو گی' میری خاطر وہ جگدیپ کے خون کی پیاسی بن گئی تھی۔ اس کے معصوم ننھے ذہن پر جگدیپ کا سورج کس طرح طلوع ہو سکتا تھا؟ وہ اس کے غروب کے منصوبے بنا رہی ہو گی۔ کسی سنہری موقع کی تلاش میں ہو گی' ہو سکتا ہے وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے جگدیپ کے شکاری کتے اس کی بوسونگھ لیں۔ اسے جگدیپ کے سامنے پیش کیا جائے' جگدیپ پر طاقت اور تخت کا نشہ مل کر دو آتشہ بن رہا ہو گا' ممکن ہے وہ سندھیا کے معصوم پودے کا وہ رخ تاڑ لے جو بڑی شدت سے تناور ہو رہا تھا' تاج پوشی کے جشن کی خوشی میں ہو سکتا ہے وہ سندھیا کو بھی پامال کر دے' پھر بطور انعام اسے اپنے زرخرید غنڈوں کے حوالے کر دے۔ اس کے اطلسی جسم کو ننگی زمین پر بے دردی سے گھسیٹا جائے۔ اس کے کمخواب بالوں کی لٹوں کو کھینچا جائے۔ اس کے گداز گالوں پر طمانچے مارے جائیں پھر ہوس کا نشانہ بنا کر کسی اندھے کنویں میں دھکا دے دیا جائے۔ پھول کھلنے سے پہلے مرجھا کر مٹی میں مل جائے۔

ریاست سے میرے اچانک گم ہو جانے کے بعد ہر متعلقہ شخص نے مختلف زاویوں سے میرے بارے میں سوچا ہو گا۔ سب سے زیادہ شکنیں کرنل ہارڈنگ کی کشادہ پیشانی پر ابھری ہوں گی۔ بہت دنوں تک سکتے کے عالم سے دو چار رہا ہو گا۔ اس نے مجھے چھاؤنی بلا کر ریتا کی بات کی تھی۔ مجھے شاندار مستقبل دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کھڑے گھاٹ وہ سودا منظور کر لیتا۔ میں اچانک خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر گم ہو گیا۔ اصلیت کا علم کسے تھا؟ سب میری پراسرار گمشدگی کو اپنی ذہنی استطاعت کے مطابق مختلف معنی پہنا رہے ہوں گے۔ اپنے اپنے زاویوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔

کرنل نے تادیر میرا انتظار کیا ہو گا پھر مایوس ہو کر بیٹھ گیا ہو گا۔ جگدیپ تاج و تخت کی سیاست کا ماہر کھلاڑی تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر دولت' شراب اور حسین عورتوں کی ترسیل میں اضافہ کر دیا ہو گا۔ انگریزوں کو اقتدار کی ہوس تھی۔ جگدیپ نے بہتر شرائط پر ان سے سودے بازی کی ہوگی۔ کرنل نے ہائی کمان کے نادر شاہی احکامات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہوں گے۔ دنیش شروع سے تخت کے حصول سے گریزاں تھا۔ میدان جگدیپ کے حق میں صاف ہو گیا۔ لاکھی پور کے غنڈوں کی بن آئی ہو گی۔ وہ ہر طرف سینہ تان کر دندناتے پھرتے ہوں گے۔ من مانی کر رہے ہوں گے۔ پرانے بدلے چکا رہے ہوں گے۔ شریفوں کی پگڑیاں سربازار اچھل رہی ہوں گی۔ جگدیپ نے تاج پوشی کے جشن کی خوشی میں کانوں میں روئی ٹھونس لی ہو گی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہو گا۔ لوگ زبردستی مسکرانے پر مجبور ہوں گے۔

میرے ذہن میں لاوا کھولتا رہا' دو تین میل کی مسافت اور طے ہو گئی۔ فاصلہ جیسے جیسے گھٹتا رہا میری رگوں میں کھنچاؤ کی کیفیت بتدریج بڑھتی رہی۔ نصف رات گزر گئی تو میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ ذہن پر خون کے بڑھتے دباؤ نے میرے حواس کو جھنجھوڑنا شروع کیا۔ میں چلتے چلتے یکلخت ٹھہر گیا۔ نہ رکتا تو چکرا کر گر گیا ہوتا۔ کرشنا ہانپتا کانپتا میرے قریب آ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سانس کسی لمحے اس کے شکستہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر آزاد ہو جائے گی۔

''مہاراج.....'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ''یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ کچھ سیوا کا موقع اپنے سیوک کو بھی دو۔''

''کیا تم بہرے ہو گئے تھے؟'' میں نے دل کی بھڑاس اس کرشنا پر اتار دی'

وہی سامنے تھا۔ ''کیا تم نے سنا نہیں کہ وہ.....کرم چندر کیا بکواس کر رہا تھا.....؟''

''میں نے سن لیا تھا مہاراج! وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا دشمن جگدیپ راج سنگھاسن پر براجمان ہونے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔''

''پھر.....؟'' میں چیخ اٹھا۔ ''اور کیا جاننا چاہتے ہو.....؟''

''دھیرج مہاراج.....دھیرج۔'' کرشنا نے تیزی سے کہا۔ ''جوش میں کیے گئے فیصلے منش کو راستے سے بھٹکا دیتے ہیں۔''

''کیا کروں.....؟'' میں تلملا گیا۔ ''اس کی تاج پوشی کا انتظار کروں؟ اسے راج گدی پر بیٹھ جانے دوں' وہ میری چھاتی پر مونگ دلے اور میں تمہارے کہنے کے انوسار دھیرج سے کام لوں۔''

''چنتا کیوں کرتے ہو.....؟'' کرشنا نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔''

''تم.....''

''ہاں مہاراج میں.....'' اس کی اندر کو دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں کے درمیان تیزی سے گردش کرنے لگیں۔ ''تم ہی نے تو منع کیا تھا کہ میں تمہارے اور جگدیپ کے بیچ نہ آؤں' تم آگیا دے کر دیکھو میں چٹکی بجاتے تمہارے دشمن کو نرک میں جھونک سکتا ہوں۔''

''نہیں کرشنا' تم ایسا نہیں کرو گے۔'' کرشنا کی بات سن کر میں ہوش میں آ گیا۔ کیچو میرے ساتھ تھی۔ اس کی لازوال قوتیں میرے ہمراہ تھیں۔ غصے کی شدت نے مجھے بھلا دیا تھا کہ میں بھی جو چاہے کر سکتا تھا۔ میں نے کرشنا سے کہا۔ ''وہ میرا شکار ہے اسے آسان موت نہیں ماروں گا' لتاڑ لتاڑ کر سسکا سسکا کر آہستہ آہستہ چتا تک لے جاؤں گا۔''

''اس نے بھی تمہیں وشواس دلایا تھا' تم من میں جو وچار کرو گے وہ اوش پورا ہو گا۔ اب تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ من کو بیاکل مت کرو مہاراج! کچھ دیر ستا لو۔''

کرشنا مجھے نصیحت کرنے لگا۔ ''دو گھڑی ٹانگیں سیدھی کر لو' آنکھ موند کر اس کے دھیان سے من بہلاؤ۔ میں جاگتا رہوں گا تم نے مجھے اپنے من میں جھانکنے سے

دیا ہے پرنتو میں سمجھ سکتا ہوں کہ اس سے تمہارے اوپر کیا بیت رہی ہے' میری تم سے زیادہ ہے' میرا گیان تم سے زیادہ ہے۔ میں نے سارا جیون تیاگ دیا لیکن نہ پا سکا تم نے بنا مانگے سب کچھ پا لیا اس کا سنجوگ' اس کے من کا پیار' اس کے کی مہک' اس کی ساری شکتی۔ ہاں مہاراج وہ کل بھی تمہاری تھی' آج بھی تمہاری اور کل بھی تمہاری ہی رہے گی۔ تم اس کا پیار پا کر بہت آگے نکل گئے' میں پیچھے رہ گیا' اب کیول تمہاری سیوا میرا دھرم ہے' من سے ساری دبدھائیں کھرچ ڈالو۔ مجھے کوئی آگیا دے کر دیکھو تمہارے چرنوں پر میں اپنا جیون بھی بلیدان کر سکتا ہوں۔ پھر چنتا کیوں؟ گھبراہٹ کیسی؟ ٹانگ پسارو' لمبی تان کر سو جاؤ' من کو شانت رکھو ابھی بڑا پڑا ہے۔ پندرہ دن کم نہیں ہوتے' تم جب چاہو گے چٹکی بجاتے سب کی کھاٹ کھڑی ہو جائے گی۔''

کرشنا کی باتیں میرے زخم پر مرہم ثابت ہوئیں۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ میں جذبات کی رو میں بہہ نکلا تھا۔ کرشنا نے مجھے میرے مرتبے' میری حیثیت' میری بلندی کا احساس دلایا تو کنور جگدیپ مجھے بڑا حقیر نظر آنے لگا' میں بلاوجہ خون جلا رہا تھا' میں جب چاہتا بازی مات کر سکتا تھا' ایک اشارے کی دیر تھی۔ میں نے ایک چٹان سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ کرشنا میرے پیر دبانے لگا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ ہر فکر سے بے نیاز ہو گیا۔

پو پھٹنے سے پہلے کرشنا نے مجھے جگا دیا۔ ہم نے اپنا سفر دوبارہ جاری کر دیا' کرشنا اس وقت بڑا چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ سورج زیادہ نہیں چڑھا تھا کہ ہمیں بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ ہم نے راستہ بدل کر نیچے اترنا شروع کیا۔ چرمی تھیلا جس میں دو جدید آٹو میٹک اور فاضل راؤنڈ تھے میں نے رات ہی کرشنا کے حوالے کر دیا تھا۔ چرمی تھیلا جگدیپ کے غنڈوں کو ہماری شناخت بھی کرا سکتا تھا۔ کرشنا نے اسے اپنی تھیلی میں ڈال لیا۔ وہ ہر فکر سے بے نیاز دکھائی دیتا تھا۔

ہم شہری حدود میں داخل ہوئے تو لوگوں کی نظریں ہماری جانب اٹھنے لگیں۔ مجھے معلوم تھا کہ راجے پور میں سادھو سنت اور پنڈت پجاریوں کو ہر قسم کی آزادی تھی پھر بھی میں پوری طرح محتاط تھا۔ میرے دل کی دھڑکن نسبتاً معتدل تھی۔ کرم چندر کا آخری بیان غلط نہیں تھا۔ جشن کی تیاریوں کے آثار واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔

سڑکوں کے کنارے درختوں کو ایک مخصوص اونچائی تک رنگ و روغن کیا جا رہا تھا۔ ایک مندر کے کلس کو گھس گھس کر چمکایا جا رہا تھا۔ ہم چوک سے گزرے تو وہاں بھی خاصی رونق تھی' گہما گہمی تھی' چوک کے درمیان بڑے چبوترے پر ایستادہ ملکہ برطانیہ کے مجسمے سے کئی مزدو گتھم گتھا تھے۔ رگڑ رگڑ کر ایک ایک حصے کو چمکا رہے تھے۔

راستے میرے جانے پہچانے تھے۔ ابھی تک کسی نے ہمیں مشکوک نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ سب اپنے اپنے کام میں مگن تھے۔ میں قدم بڑھاتا رہا۔ دائیں بائیں دیکھتا رہا۔ جشن کی تیاریاں دیکھ دیکھ کر میرا دل سلگ رہا تھا لیکن ابھی تاج پوشی میں پندرہ دن باقی تھے۔ پندرہ دن میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ کرشنا میرے ساتھ تھا۔ کچھ کی چھایا مجھ پر سایہ فگن تھی پھر تردد کی کیا ضرورت تھی' احتیاط بہرحال شرط تھی۔ جگدیپ پر ہاتھ ڈالنے سے پیشتر میں اس کے آدمیوں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

میرے وجود کی عمارت میں بڑی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ لمبے لمبے بال' بھری بھری ڈاڑھی نے چہرے کے بڑے حصے کو چھپا لیا تھا لیکن راجے پور میں میرے واقف کاروں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ کچھ نے مجھے بہت قریب سے دیکھ رکھا تھا' کوئی میرے بالوں کے گھنے جنگل کو ہٹا کر اس کی اوٹ میں جھانکتا تو میرے خدوخال اسے نظر بھی آ سکتے تھے۔ وہ میری نظروں کے ہر زاویئے سے واقف تھے۔ میری آواز سے بھی میری شناخت کر سکتے تھے۔ میں کسی سے جان بوجھ کر الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے سڑک عبور کر کے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم پرکاش بھون تک پہنچ گئے۔ بھون کو پہلی ہی نظر میں دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ فصیلوں پر جگہ جگہ کائی جمی نظر آ رہی تھی۔ در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی۔ شاید میری نظروں کا قصور تھا یا پھر حقیقت یہی تھی کہ جگدیپ کی تاج پوشی کے جشن کی ساری دھول مٹی اڑ اڑ کر پرکاش بھون کے در و دیوار سے چمٹ گئی تھی۔ میرا دل جلنے لگا۔ ایک بار جی میں آئی کہ کرشنا کا ہاتھ تھام کر واپس لوٹ جاؤں لیکن پھر ارادہ ترک کر دیا۔ جگدیپ کے خیال نے میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اس نے ڈالی اور گڈے کو اغوا کرا کے میری عزت کو للکارا تھا' اپنی موت کو آواز دی تھی' میں بے غیرت بن کر منہ چھپا کر واپس کیسے لوٹ جاتا؟ جگدیپ کو زندہ کس طرح چھوڑ دیتا؟

میں ایک لمحے دور کھڑا بھون کو دیکھتا رہا۔ ماضی کی تلخ و شیریں یادیں میرے ذہن میں ابھرتی ڈوبتی رہیں پھر میں کرشنا کا ہاتھ تھام کر دھڑکتے ہوئے دل سے بھون کے پھاٹک سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔ وہاں اب بھی کئی سنتری پہرے پر موجود تھے۔ سب ہی نے ہمیں دیکھ کر ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔ میرے زمانے میں بھی یہی دستور تھا' سادھوؤں' سنتوں اور پنڈت پجاریوں کیلئے بھون میں آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ روش پر سرخ بجری بچھی ہوئی تھی مجھے اس کا رنگ بھی پھیکا پھیکا لگا۔ اندر وہ چہل پہل نہیں تھی' پھولوں میں وہ پہلے جیسی تازگی نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب کچھ نیا نیا سا لگ رہا تھا' کبھی وہاں ہر وقت ہنگامے بپا رہتے تھے' ہنستے مسکراتے چہرے اشاروں کنایوں میں راز و نیاز کرتے نظر آتے تھے' قہقہے کھنکتے تھے زندگی ہمکتی نظر آتی تھی۔ میں خاموشی سے سر جھکائے قدم تیز تیز اٹھاتا رہا۔ مہمان خانے کے سامنے سے گزرا تو دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ قطار در قطار کمرے جن میں کبھی تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی تھی خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔ ترنم کے کمرے کے باہر تالا پڑا تھا۔ اس پر گرد کی موٹی تہہ دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ شاید وہ بھی مایوس ہو کر واپس چلی گئی۔ کب تک انتظار کرتی؟ کب تک یادوں کے سہارے جوانی برباد کرتی؟ میں مندر کی طرف چلا گیا۔ ہمیں دیکھ کر وہاں بیٹھے ہوئے سادھو کسمسانے لگے۔ ان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر میری طرف آتے میں نے پلٹ کر دھرم شالے کا رخ کیا۔

''کیا بات ہے مہاراج......؟'' کرشنا نے سرگوشی کی۔ ''تم اداس اداس سے نظر آتے ہو۔''

''یادوں کے نشتر میرے دل میں چبھ رہے ہیں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔

''ہر طرف ویرانی کا راج ہے' پہلے ایسا نہیں تھا۔''

''من کو سنبھالو مہاراج......'' کرشنا نے کسی بزرگ کی طرح نصیحت کی۔

''جیون اسی الٹ پھیر کا نام ہے۔''

''تم سچ کہتے ہو...... بہار کے بعد پت جھڑ آتی ہے تو پودے اور درخت بھی اپنا سبز لباس اتار کر ننگے ہو جاتے ہیں' موسم کا تقاضا ہے' ریت بھی یہی ہے' منش کو جیون کا کھٹارا دھکیلنے کی خاطر اونچ نیچ سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔''

''کچھ مت سوچو مہاراج' من کو ہلکان مت کرو۔'' کرشنا نے اپنا تجربہ بیان کیا۔ ''مجھے دیکھو' تم غار میں نہ آئے ہوتے تو شاید مجھے جیون سے اب تک چھٹکارا مل جاتا' اس کی آس لیے چتا کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا ہوتا' تم آ گئے تو جینے کا ایک سہارا مل گیا۔ دیپ سے دیپ جلتے ہیں' ایسا نہ ہو تو سب کچھ انت ہو جائے ...... تم بھی کل پر دھیان رکھو میں نے پستکوں میں یہی پڑھا ہے۔''

میں دھرم شالہ کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا' وہاں کا پرانا پنڈت میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ پہلے بھی وہ اسی طرح نئے آنے والوں کا استقبال کیا کرتا تھا۔ میں نے پہچان لیا وہ پنڈت اوم پرکاش تھا۔ خاصا ضعیف نظر آ رہا تھا' بڑا نیک اور ملنسار آدمی تھا۔

''پدھارو مہاراج......'' اس نے نحیف آواز میں کہا۔ ''ہمارے بڑے بھاگیہ کے بہت دنوں بعد نئے لوگوں کے درشن کر رہا ہوں۔ پرانے تو ایک ایک کر کے چلے گئے۔''

''ہمیں سادھو دیوراج سے ملنا ہے۔'' میں نے قدرے بدلی ہوئی آواز میں اوم پرکاش کو مخاطب کیا۔

''مہاراج تو کئی مہینوں سے ادھر نہیں آئے۔'' دیوراج کا نام سن کر اس کی بوڑھی آنکھیں چمکنے لگیں وہ بھی دیوراج کا عقیدت مند تھا۔ ایک لمحہ وہ سادھو دیوراج کے گن گاتا رہا۔ پھر بڑے تاسف سے بولا۔ ''مہاراج کے جانے کے بعد پنڈت ایشوری لال بھی چلے گئے۔ ان کے دم سے بڑی رونق جمی رہتی تھی۔ سارے بھون میں ان کی آواز گونجتی رہتی تھی۔ کرچھا اچھالتے پھرتے' سچ کہا ہے بھگوان ہی جانے پجاریوں کی زبانی سنا ہے کہ وہ کسی کی چھایا کی تلاش میں بن کی طرف نکل گئے ہیں۔''

''ہم یہاں کچھ ٹھہرنا چاہتے ہیں۔'' کرشنا نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوش ٹھہرو مہاراج......'' اوم پرکاش نے بوڑھے کرشنا کو غور سے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''جم جم ٹھہرو' تمہاری سیوا کرنا تو میرا دھرم ہے' پہلے اشنان کر لو' میں نئے کپڑے لاتا ہوں' اشنان کر کے جب تک تم کپڑے بدلو گے میں کھانا پروس دوں گا' دور سے آئے ہو تھکے ہوئے لگتے ہو۔''

ہم واقعی تھکے ہوئے تھے۔ راستے کی دھول جسم پر اٹی تھی۔ دل کھول کر نہائے'

رگڑ رگڑ کر جسم صاف کیا' نیا لباس پہن کر باہر آئے تو اوم پرکاش کھانا پروسے بیٹھا تھا۔ وہ کرشنا کی عمر کی وجہ سے زیادہ مرعوب نظر آتا تھا۔ کرشنا اس کے ساتھ دھرم کرم کی باتوں میں لگا رہا۔ میں جسم کو ایندھن فراہم کرنے کی خاطر لقمے زہر مار کرتا رہا۔ ذہن میں کئی چہرے لرز رہے تھے۔ مجھے ان سب کے بارے میں جاننے کی بے چینی تھی۔ ابھی تک کوئی شناسا نظر نہیں آیا تھا' اوم پرکاش پرانا وفادار ملازم تھا۔ سورگ باشی پرکاش چندر نے بھون میں مندر اور دھرم شالا بنوا کر بڑا نیک کام کیا تھا۔ جب سے دھرم شالا بنی تھی جب سے اوم پرکاش ہی پنڈت پجاریوں اور سادھوؤں کی سیوا کرتا چلا آ رہا تھا۔ پنڈتوں کے اعتماد کا آدمی تھا۔ میں اس سے بھون کے باسیوں کا حال احوال معلوم کر سکتا تھا لیکن میں نے جلد بازی نہیں کی۔

کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا۔ اوم پرکاش نے کرشنا کے بوڑھاپے کا خیال کر کے ایک علیحدہ کوٹھری عنایت کر دی۔ ایسا صرف جانے پہچانے اور مانے ہوئے پنڈت پجاریوں کیلئے ہوتا تھا۔ انہیں کوٹھریوں میں کبھی سادھو دیوراج بھی ایک دو روز قیام کرتا تھا۔ میں تھکا ہوا تھا جلدی نیند آ گئی۔ شام ڈھلنے لگی تو کرشنا نے جگا دیا۔ اوم پرکاش نے گرم گرم چائے پلائی' دن بھر کی تکان جاتی رہی۔

''تمہارا شبھ نام کیا ہے مہاراج......؟' اوم پرکاش نے کرشنا سے دریافت کیا۔

''کرشنا......''

''کہاں سے آ رہے ہو۔ سادھو دیوراج سے کیا کام تھا......؟'' اس نے خیر خیریت معلوم کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''ہر دوار میں کمبھ کے میلے پر گئے تھے وہیں سے گھومتے پھرتے ادھر آ گئے۔'' کرشنا نے نہایت سادگی سے جھوٹ بولا۔ ''سادھو دیوراج مہاراج کا بہت نام سنا تھا' سوچا ان سے ملاقات کرتے چلیں۔''

''تم نے ٹھیک ہی سنا ہے مہاراج! سادھو دیوراج کی ودیا اور گیان دھیان سے تو انگریز بہادر بھی ڈرتے تھے۔ مہاراج کا کہا کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی شکتی کے زور سے من کے بھیتر کا بھید بھی جان لیتے تھے' بڑے بڑے پنڈت پجاری دور دور سے ان کے درشن کو آتے تھے۔ سب ہی ڈنڈوت کرتے تھے۔ جب سے وہ چلے گئے لوگوں نے ادھر آنا ہی کم کر دیا۔ سب کچھ سونا سونا لگتا ہے۔'' اوم پرکاش نے لمبی سرد

آہ بھری۔ ''راجکمار دنیش چندر جی راجکماری شاردا کو لیکر ولایت چلے گئے تو بھون میں بھی سناٹا ہی سناٹا رہتا ہے۔''

میں ہونٹ چبانے لگا۔ دنیش نے کئی بار مجھ سے یہی کہا تھا...... ''موہن اب ریاست میں دل نہیں لگتا' تم تیار ہو جاؤ میں آج ہی تمہیں اور شاردا کو لے کر ریاست کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دوں گا' باہر کہیں جا کر سکون سے رہیں گے' جیون آرام سے گزر جائے گا۔'' میں نے ہی دنیش کی بات نہیں مانی' وقت ہاتھ سے سرک گیا نہ جانے شاردا کے دل پر کیا گزری ہو گی؟ دنیش مرد تھا غم سہہ گیا ہو گا' شاردا گیلی لکڑی کی مانند اندر ہی اندر سلگ رہی ہو گی۔

''اب بھون کی دیکھ بھال کس کے ذمہ ہے......؟'' میں نے دبی زبان میں پوچھا تو اوم پرکاش نے اس طرح جھرجھری لی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا۔ شاید میرے بدلے لہجے سے اسے موہن داس کی یاد آ گئی ہو گی وہ میرے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

''راجکمار دنیش چندر جی کے چھوٹے بھائی راجکمار نریش چندر جی۔'' اوم پرکاش ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''ابھی بالک ہیں۔ راج پاٹ کے گورکھ دھندوں کو سمجھنے کیلئے بڑا تجربہ چاہئے ہوتا ہے' بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔''

''آج کل ریاست میں کس کے جشن کی دھوم دھام لگی ہے؟'' میں نے لہجہ بدل کر لاپرواہی سے دریافت کیا۔

اوم پرکاش کی نگاہوں کی تھوڑی بہت چمک بھی ماند پڑ گئی۔ آنکھیں بجھ گئیں' میں جانتا تھا اسے بھی جگدیپ کے مہاراجہ بننے پر خوشی نہیں ہوئی ایک بار گواہی شہادت کے معاملے میں اوم پرکاش کی ٹانگ بھی کھینچی گئی تھی۔ بڑا پریشان کیا گیا تھا۔ سادھو دیوراج درمیان میں نہ آ جاتا تو شاید غریب پولیس کی تحویل میں دم توڑ چکا ہوتا۔ خاموشی سے لاوارث لاش کی طرح ریاست کے دور دراز بنجر علاقے میں کہیں دبا دیا جاتا۔

''تم نے جواب نہیں دیا مہاشے......؟'' کرشنا نے میرے سوال کو نئے انداز میں دہرایا۔ ''کسی میلے ٹھیلے کی تیاری ہے یا کسی بڑے آدمی کی شادی کے کارن پورے شہر میں لیپ پوت ہو رہی ہے......''

''رات کے کھانے میں کیا لو گے......؟'' اوم پرکاش نے موضوع بدلنا چاہا۔ وہ زبان کھولنے سے ڈرتا تھا۔

''رات کا بھوجن ہم کہیں باہر کریں گے۔'' کرشنا نے کہا۔ ''اب راجے پور آ گئے ہیں تو شہر بھی گھوم پھر کر دیکھیں گے۔''

اوم پرکاش کے جانے کے بعد میں کرشنا کے ساتھ دھرم شالا سے نکل کر باغ کے اس حصے کی طرف قدم اٹھانے لگا جہاں سے بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ احتیاطاً میں نے ایک پستول بھی چرمی بیگ سے نکال کر دھوتی میں اڑس کر اوپر سے چادر ڈال لی تاکہ کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔ مجھے بھون میں کسی سے خطرہ نہیں تھا۔ اگر اوم پرکاش مجھے شناخت نہیں کر سکا تھا تو پھر دوسروں سے بھی یہ توقع نہیں تھی کہ وہ پہچاننے کی زحمت گوارا کریں گے۔ البتہ سادھو دیوراج سے کھٹکا تھا۔ وہ بڑا گیانی دھیانی اور کامل سادھو تھا۔ وہ مجھے پہلی نظر میں شناخت کر لیتا۔ مجھے اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ ایک بار پروفیسر زاہدی کے روپ میں دنیش کے ساتھ راج محل جاتے ہوئے راستے میں ٹکرا گیا تھا' سڑک کے بیچ کھڑے ہو کر اس نے دنیش کو گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے مجھے باتوں باتوں میں باور کرا دیا کہ میں کسی بھی رنگ' کسی بھی روپ میں کیوں نہ ہوں وہ مجھے پہچان لے گا۔ مگر مجھے امید تھی کہ وہ شناخت کرنے کے باوجود احتیاط اور راز داری کو ملحوظ خاطر رکھے گا۔ اس کے مقابلے میں پنڈت ایشوری لال پریشان کن ثابت ہوتا' وہ مجھے پہچان لیتا تو دور ہی کرچھا اچھال اچھال کر ناچنے لگتا۔ مجھے اوم پرکاش کی زبان سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ جنگل کی طرف نکل گیا تھا۔ شاید میری کھوج میں نکل پڑا ہو یا پھر کیچو کو حاصل کرنے کی خاطر کسی گپھا میں بیٹھا جاپ کر رہا ہو۔

میں اصطبل کے راستے سے گزرتا ہوا ملازموں کے کوارٹروں کے سامنے آیا تو اپنا کوارٹر دیکھ کر میرے قدم غیر اختیاری طور پر زمین میں گڑ گئے۔ ڈالی اور گڈے کی یاد نے تڑپا دیا۔ کوارٹر کے باہر تالا پڑا ہوا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی دنیش نے میرے ڈالی اور گڈے کے گم ہو جانے کے بعد بھی ہمیں فراموش نہیں کیا تھا۔ میرا کوارٹر کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ میرا دل چاہا تالا توڑ کر اندر چلا جاؤں شاید ڈالی گڈے کو چھاتی میں چھپائے کہیں سہمی سمٹی بیٹھی ہو۔ میرا انتظار کر رہی ہو' مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ وہ اندر ہوتی تو

باہر سے دروازے پر تالا جھولتا نظر نہ آتا۔ میرے لیے زیادہ دیر اپنے قدموں پر خود اپنے جسم کا بوجھ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ کرشنا میرے دل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ میں نے اسے مختصر ہی کہانی سنا رکھی تھی۔ وہ لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ لینے کی شکتی رکھتا تھا۔ میری مختصر روداد سے بھی اس نے پوری داستان اخذ کر لی ہو گی۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر آہستہ سے دبایا۔ میں چونک اٹھا۔ خاموشی سے باغ میں جا کر سبزے پر ڈھیر ہو گیا۔ کرشنا میرے قریب ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

میرے ذہن میں ماضی کی فلم چلنے لگی۔ ایک ایک منظر گھومنے لگا۔ میں اس میں گم ہونے لگا۔ رات کا ملگجا اندھیرا آسمان سے اترنے لگا' تاریکی آہستہ آہستہ اپنا دامن پھیلانے لگی۔ میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا جب کرشنا نے سرگوشی کی۔

"مہاراج..... کوئی سندری ادھر آ رہی ہے' مجھے اس کے من میں پاپ ہی پاپ دکھائی دے رہا ہے۔"

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مہمان خانے والے راستے پر دور سے ایک انسانی سایہ ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ ہم جہاں بیٹھے تھے اس کے عقب میں اصطبل کے عملے کے لوگ اور ڈرائیور رہتے تھے۔ میں پوری توجہ سے آنے والی کو دیکھتا رہا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ "وہ کون ہو سکتی ہے؟۔سندھیا' پارو' شکنتلا' مالتی' پریت یا کوئی ملازمہ۔" رات کے اندھیروں میں بھون میں جو شیطانی کھیل کھیلا جاتا تھا میں اس سے باخبر تھا' سب سے پہلے میں نے راجکماری شکنتلا کو ایک ملازم اجیت کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے دیکھا تھا۔ جرم کی پاداش میں ایک رات اس نے مجھے اپنی خواب گاہ میں بلا کر اپنے نیم برہنہ جسم کو میری آغوش میں ڈال دیا۔ مجھے ایک وفادار کتے کی طرح اس کے تلوے چاٹنے پڑے۔ اس کی ہر خواہش کو جبراً و قہراً برداشت کرنا پڑا۔ میری وفاداری کے انعام کے طور پر اس نے اجیت کو ختم کر دیا۔ اس کی عیاشی کا ایک ثبوت دفن ہو گیا۔ بھون میں اس قسم کی کہانیاں بڑی عام تھیں۔ ڈالی کولہے مٹکا مٹکا کر مجھے راجکماریوں کے چٹ پٹے قصے سنایا کرتی تھی۔ ویسی کوئی کہانی اب بھی چل رہی ہو گی۔

میں آنے والی کو گھورتا رہا۔ وہ روش سے گزر کر ونیش والے حصے کی جانب گھومی تو بجلی کے پول کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ میرے اندر بھرے بارود میں

آگ لگ گئی۔ وہ پریت تھی شب خوابی کے لباس میں اس کی جوانی اب بھی قیامت نظر آ رہی تھی۔ اس نے کئی بار مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ ہمیشہ حقارت اور ذلت آمیز نظروں سے مجھے گھورتی' وہ بھون کی سب سے زہریلی ناگن تھی۔ جگدیپ کی خاطر اپنوں کو ڈستی رہتی۔ وہ مغرور تھی' خود سر تھی' خود کو راجکماریوں میں سب سے سرفراز سمجھتی تھی۔ اسی کے اشاروں پر مجھے چھاؤنی میں ننگی پیٹھ پر کوڑے برداشت کرنے پڑے۔ اسی کے اکسانے پر جگدیپ نے اپنے شکاری کتے میرے پیچھے چھوڑ دیئے تھے۔ شاید ڈالی اور گڈے کے اغوا کا مشورہ بھی اسی نے جگدیپ کو دیا ہو.....؟؟

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جگدیپ کے بعد وہی میری سب سے بڑی دشمن تھی۔ متعدد بار میں نے اس کی سرکوبی کا پلان مرتب کیا۔ وہ قسمت سے بار بار میرے عتاب سے بچتی رہی۔ اسے نظروں کے سامنے دیکھ کر میں دیوانہ ہو گیا' پاگل ہو گیا۔ میرے سارے جسم میں اینٹھن شروع ہو گئی۔ اس کا جسم میری نظروں کے سامنے لچکتا مٹکتا جا رہا تھا' شاید جگدیپ کے مہاراجہ بننے کے احساس نے اس کے اندر طنطنہ بھر دیا تھا۔ شاید میرا خوف اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ غالباً مہارانی بننے کے سپنے دیکھ رہی تھی۔

میں نے مٹھیاں بھینچ لیں' میں نے چاہا کہ وہ اپنا رخ تبدیل کر دے' میری طرف آ جائے' اس کے قدم آگے بڑھتے بڑھتے رک گئے وہ آہستہ سے پلٹی۔ ڈرائیوروں کے کوارٹر کی طرف جانے لگی۔ میں راستے میں بیٹھا تھا۔ وہ پورے طمطراق سے سینہ تانے قدم اٹھاتی رہی۔ فاصلہ گھٹنے لگا۔ میرے اندر بارود سلگنے لگا۔ روش سے باغ والے حصے میں داخل ہو کر اس کی نظر ہمارے اوپر پڑی وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"کون ہو تم.....؟" اس کے لہجے میں غرور تھا۔ کسی زہریلی ناگن کی پھنکار تھی' میں نے کرشنا کو بولنے کا اشارہ کیا۔

"ہم سادھو لوگ ہیں سندری..... تم کون ہو.....؟" کرشنا نے سنبھل کر کہا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو.....؟" بڑی حقارت سے پوچھا گیا۔ کرشنا کے سوال کا جواب دینا پریت کے نزدیک کسر شان ہی تھا۔

"دو گھڑی ستانے بیٹھ گئے' تیرا کیا بگاڑ رہے ہیں۔" کرشنا نے قدرے درشت لہجہ اختیار کیا۔

وہ سمجھ دار تھی کرشنا کا جواب سن کر اس نے بہت کچھ سوچا ہو گا' بھون میں آج تک کسی نے اسے اس انداز میں نہیں دھتکارا ہو گا۔ وہ ایک لمحہ بت بنی کھڑی ہماری سمت دیکھتی رہی پھر واپسی کے ارادے سے پلٹی ہی تھی کہ میں تیزی سے لپکتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔ زخمی ناگن اگر زندہ بچ کر نکل جائے تو بہت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ میں اسے اس بات کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر وہ چوکیداروں کو ہمارے بارے میں چھان بین کرنے کا حکم صادر کرے۔ مجھے دیکھ کر وہ دوبارہ رک گئی۔ اسے میری جسارت گراں گزری۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرنے لگیں۔ اس کی نگاہیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بڑے زہریلے انداز میں بولی۔

''گٹ لاسٹ یو ڈرٹی آؤل۔ تمہیں میرے اتنے قریب آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟''

''ڈانٹ بی سولاؤڈ (اونچی آواز میں مت بولئے) مس پریت۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔ میرے لب و لہجے میں فرنگی جیسا انداز تھا۔ مجھے بروقت سوجھ گئی۔ میں نے بڑی راز داری سے کہا۔ ''میں خفیہ کا آدمی ہوں' راجکمار جگدیپ کے خاص حکم پر یہاں تعینات کیا گیا ہوں۔''

''وہ تمہارا ساتھی......'' پریت نے شکوہ کیا۔ جگدیپ اور خفیہ پولیس کے نام پر اس کے ماتھے کی شکنیں غائب ہو گئیں۔

''وہ ابھی نیا ہے......ڈونٹ وری۔'' میں نے کہا۔ ''سب خیریت تو ہے ادھر کوئی گڑبڑ تو نہیں۔''

''میرے ساتھ چلو مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' پریت نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ وہ مجھے شناخت نہیں کر سکی۔ پلٹ کر چل پڑی۔ میں اس کے تعاقب میں قدم اٹھانے لگا۔ ہاتھ کے اشارے سے میں نے کرشنا کو دور دور رہنے کی تاکید کر دی۔ میں اپنی خون کی حدت پر بمشکل قابو پا رہا تھا۔ وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتی تھی مجھے علم نہیں تھا۔ وہ گردن اکڑائے تیز تیز قدم اٹھاتی رہی۔ میں محتاط انداز میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے لگی تو میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ اس کی خوابگاہ اس کی موت کیلئے سب سے موزوں جگہ ہو جاتی۔

وہ خود ہی اپنے جال میں پھنسنے والی تھی۔ اس چیونٹی نے بہت زیادہ پر نکال لیے تھے۔ اب اس کا آخری وقت اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ مجھے پریت کی ماں بنیا رانی یاد آ گئی۔ بڑی دلکش اور صحت مند عورت تھی۔ اس نے بھی مجھے شکنتلا کی طرح اپنے ارغوانی جسم کی پیشکش کی تھی۔ حالات نے مجھے اسے مارنے پر مجبور کر دیا۔ پرانی باتیں رہ رہ کر ذہن کو کچوکے لگا رہی تھیں۔

پریت نے خوابگاہ میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں نے ضبط سے کام لیا۔ خاموش کھڑا رہا۔ وہ مجھے کچھ ضروری باتیں کرنے کی غرض سے ساتھ لائی تھی۔ میں وہ باتیں جاننا چاہتا تھا۔ اب جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پوری طرح میری دسترس میں تھی۔ بھرا ہوا پستول میرے پاس تھا لیکن پریت کیلئے میرے ہاتھ ہی بہت تھے۔ میں اس کے جسم کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ خاصی سمجھدار تھی۔ اس نے اپنے جسم و جوانی کو بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ شب خوابی کے لباس نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر رکھا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو میں اسے سوچے کا سوچا دبوچ لیتا۔ پاور کی طرح وہ بھی کچھ دیر مچلتی تلملاتی پھر ہتھیار ڈال دیتی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے اچانک ایک غیر متوقع سوال کر دیا اس کی نظریں میرے چہرے پر پھیلنے لگیں۔ وہ ہیما یا شکنتلا کی طرح اناڑی نہیں تھی۔ پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی عادی تھی۔ میرے سلسلے میں اپنا اطمینان کیے بغیر وہ کوئی اہم بات نہیں اگل سکتی تھی۔

''وکرم......'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''نئے معلوم ہوتے ہو؟'' پریت نے کہا۔ ''پہلے کہاں تھے؟''

''راجن پور اور شیام نگر۔'' میں نے تیزی سے جواب دیا۔ راجن پور وہی چھوٹا سا سٹیشن تھا جہاں ہم نے ریل کا سفر ختم کیا تھا۔ شیام نگر کا نام ان دو مسافروں نے لیا تھا جو راجن پور کے پلیٹ فارم پر ٹکرائے تھے۔ فوری طور پر میں نے دونوں نام دہرائے۔

''گڈ......'' پریت کسی خیال سے چونکی۔ ''اگر تم راجن پور اور شیام نگر میں تعینات رہ چکے ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو کے ادھر کی سرحد پر کون ڈیوٹی دے رہا تھا؟''

"آپ کا اشارہ کرم چندر یا رام اوتار کی طرف تو نہیں؟" میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ پریت کے اندر یکلخت جو جذباتی طلاطم پیدا ہوا وہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگا ہے۔ میرا اندازہ درست نکلا قسمت میرا ساتھ دے رہی تھی۔

" مجھے ابھی کچھ دیر پہلے ہی خبر ملی ہے کہ وہ دونوں گنیش کے پرانے مندر میں مردہ پائے گئے ہیں۔"

"آئی سی......" میں نے خالص پولیس والوں جیسا انداز اختیار کیا۔ "کیا کنور جگدیپ کو بھی خبر پہنچ گئی۔" میرے لہجے میں تشویش کا عنصر شامل تھا۔

"نہیں پریت نے سرسراتے لہجے میں کہا۔" میں باغ کی طرف اسی غرض سے گئی تھی کہ پرمود کمار کو بڑی حویلی بھیجوں۔ وہ میرے بھروسے کا ڈرائیور ہے۔ جگدیپ کا خاص آدمی ہے۔ کرم چندر کی خبر فون پر نہیں دی جا سکتی۔ تاج پوشی کی رسم ادا ہونے سے پہلے ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے۔"

"کیا راجکمار دنیش چندر کے چلے جانے کے باوجود کوئی خطرہ ہے؟" میں یوں ہی سوال کر بیٹھا۔

"مسٹر وکرم........" پریت نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ "اپنے کام سے کام رکھو جتنا فرض تمہیں سونپا گیا ہے صرف اسی پر دھیان دو۔"

"آپ مجھے ضروری بات کرنے کے ارادے سے یہاں لائی ہیں......" میں سنجیدہ ہو گیا۔ یہ اور بات ہے کہ پریت کے خشک انداز نے میرے خون کی گردش اور تیز کر دی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا رہا تھا یہ بھی خیال پریشان کر رہا تھا کہ اگر کوئی ادھر آ نکلا تو پریت کا سر کچلنے کا ایک خوبصورت موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔

"کرم چندر کی موت کی خبر تم جگدیپ تک میرے حوالے سے پہنچاؤ گے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں حکم دیا۔ مجھے سرتاپا تنقیدی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "تم نے سادھوؤں والا بھیس بدل کر عقلمندی کا ثبوت دیا ہے...... کمال کا میک اپ کرتے ہو۔ جگدیپ نے شاید اسی لئے تمہارا چناؤ کیا ہے' لیکن تمہارا دوسرا ساتھی......"
وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ مجھے غور سے دیکھنے لگی میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی

"اوہ نو......" اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں برداشت نہیں کر سکتی۔ اس نے بڑی گندی زبان میں میرے سوال کا جواب دیا تھا۔ ہاؤ ہی ڈیر ٹو (HOW HE DARE TO) آئی مسٹ شوٹ ہم۔

"تم اب اس پوزیشن میں نہیں ہو بے بی کہ اپنی من مانی کر سکو۔" میں نے بڑی پھرتی سے دھوتی میں اڑسا پستول نکال کر اس کا رخ پریت کی طرف کر دیا۔ میرے لہجے میں سختی اور کرختگی پوری شدت سے در آئی۔ "تمہارا کھیل ختم ہو گیا اب میری باری ہے۔"

تم......" اس کے چہرے سے خوف جھانکنے لگا۔ اس کی مضطرب آنکھیں پھر میرے چہرے کے گھنے جنگل پر بھٹکنے لگیں۔ "کون ہو تم؟"

"تمہارا بھاگا شکار" میں زہرخند سے بولا۔ "تم اور تمہارا کنور جگدیپ جسے نامرد سمجھ رہے ہوں گے' ڈرپوک' کائر' بزدل' جو موت کے خوف سے ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ مجھے غور سے دیکھ راجکماری پریت! میں وہی سرپھرا ہوں جس نے ایک بار بھرے مجمع میں تمہارے کنور جگدیپ کو گھوڑے سمیت اوپر اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا' وہ ہبلاتا رہ گیا۔ تمہاری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ یاد ہے۔" میں سفاک انداز میں بولا۔ "میری موت کی تصدیق کئے بغیر' میری چتا کو آگ لگائے بغیر تمہیں میری موت کا وشواس کس طرح آ گیا۔" میں نے آخری جملے اپنی آواز میں کہے تو پریت کا وجود لرزنے لگا' اس کی حسین آنکھوں میں موت کے سائے کپکپانے لگے۔ کچھ دیر پیشتر وہ بڑی حسین' بڑی رس بھری' بے حد جاندار نظر آ رہی تھی' میں نے حادثات کی روشنی میں اپنا تعارف کرایا تو اس کے اندر کی ساری ہوا نکل گئی' سارے روشن چراغ ٹمٹما کر بجھنے شروع ہو گئے۔"

"تم...... تم...... موہن داس......" وہ ہکلانے لگی۔ اسے اپنے حواس خمسہ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ساری قوتیں یکلخت منجمد ہو کر رہ گئی تھیں۔ شب خوابی کے لباس میں اس کے جسم کے نشیب و فراز کی سرکشی بھی ماند پڑنے لگی۔ خوف اور دہشت کے زمرے میں موت کا تصور ہی سب سے زیادہ ہولناک اور اعصاب شکن ہوتا ہے۔ پریت اس وقت اسی حالت سے دو چار تھی۔

"ہاں' موہن داس......" میرے اندر کا لاوا ابلنے لگا۔ "وہی موہن داس جس کو

مارنے کی خاطر تم نے اور تمہارے کنور جگدیپ نے تمام جتن کر ڈالے تھے' کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ جب تھک ہار گئے تو تم لوگوں نے اپنے نیچ ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ تمہارا جگدیپ بڑا مرد بنتا تھا' ایک دم نامرد بن گیا۔ مجھ سے نہیں جیت سکا تو اس نے ڈالی اور گڈے کو اٹھوا لیا...... اب تمہیں ڈالی اور گڈے کا حساب دینا ہوگا۔" میری آنکھیں شعلہ اگلنے لگیں۔" تم ...... تم مجھے بتاؤ گی کے ڈالی اور گڈا کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟"

"م ...... میں نہیں جانتی۔" وہ سہم کر ہکلانے لگی۔ "تمہاری ڈالی اور گڈے کے سلسلے میں میرا کوئی دوش ......"

"جھوٹ بولتی ہو......" میں نے آگے بڑھ کر بھرپور تھپڑ مارا۔ وہ قالین پر چکرا کر گری۔ شب خوابی کا لباس بے ترتیب ہو گیا۔ میں نے گھٹنے کے بل بیٹھ کر ایک ہاتھ سے اس کا گلا دبوچ لیا' ریوالور اس کے سینے پر رکھ کر سفاک لہجے میں بولا۔ "چیخنے چلانے کی کوشش کی تو تمہارا ریشمیں جسم چیر پھاڑ کر تار تار کردوں گا۔ شرافت سے سب کچھ اگل دو اسی میں تمہاری مکتی ہے' مجھے بتاؤ ڈالی اور گڈے پر کیا بیتی؟"

"مجھے نہیں معلوم......" پریت کے سارے کس بل ایک ہی جھٹکے میں نکل گئے۔ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔ "میں کیول اتنا جانتی ہوں کہ انہیں جگدیپ کے آدمیوں نے اٹھایا تھا' اس کے بعد کیا ہوا...؟ جگدیپ نے مجھے نہیں بتایا۔"

"تم نے کچھ سنا تو ہوگا......" میں نے اس کے گلے پر دباؤ ڈالا تو پھڑپھڑانے لگی۔ "سچ سچ بتا دو زہریلی ناگن ورنہ تمہاری موت بڑی اذیت ناک ہو گی۔"

"ہاں ہاں ...... میں نے بعد میں دوسروں سے سنا تھا کہ ڈالی اور گڈے کو کچھ دنوں بعد مار کر کسی اندھے کنویں میں پھینک دیا گیا۔" موت کے خوف سے اس کی زبان سچ اگلنے لگی۔ "میں وشواس سے کچھ نہیں کہہ سکتی' میری بات کا یقین کرو میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"وہ حرام کا تخم راج گدی پر بیٹھنے کے جشن کی تیاریاں کر رہا ہے۔" میں نے ڈالی اور گڈے کے غم کو برداشت کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "مہاراجہ اور راجکماری کنول کا کیا بنا؟" میری خونخوار نظریں پریت کے خوفزدہ چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کے

کا ایک معمولی سا دباؤ اس کے مرمریں حسین جسم سے روح کا رشتہ ہمیشہ کیلئے ختم سکتا تھا۔

"م...... میں...... بتا...... بتاتی ہوں۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے مردہ سی آواز میں "تمہارے جانے کے بعد دنیش شاردا کو لے کر انگلستان چلا گیا۔ تمہارے بنا اس من نہیں لگتا تھا۔ دنیش کے جانے کے بعد کرنل ہارڈنگ نے بھی ریٹائرمنٹ لے وہ اور ریتا بھی ریاست سے چلے گئے۔ کرنل کی جگہ دوسرا آفیسران کمانڈ آ گیا۔ یپ اور نئے آنے والے آفیسران کمانڈ کے درمیان گاڑھی چھننے لگی پھر ایک روز یک مہاراجہ نے راج پاٹ چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ وہ راجکماری کنول کو لے کر پ چلے گئے۔" پریت کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس کا سینہ دھونکنی کی رح چل رہا تھا۔ اس نے بات جاری رکھی۔ "مہاراجہ کے چلے جانے کے بعد نئے فیسران کمانڈ نے دنیش اور نریش کو چھاؤنی بلوایا۔ کئی دنوں تک بات چیت ہوتی رہی۔ ریش نے فون پر دنیش سے صلاح مشورہ کر کے راج گدی کا دھیان من سے نکال دیا س کے بعد......"

"میدان جگدیپ کیلئے صاف ہو گیا۔" میں بچھرنے لگا۔ "میں سمجھ رہا ہوں راجکماری پریت! جگدیپ نے نئے آفسران کمانڈ کے لئے اپنے خزانے کا منہ کھول دیا ہوگا' اسے خوش کرنے کے کارن باربار اس کی دعوتیں کی ہوں گی' شراب کے جام لنڈھائے گئے ہوں گے اس کا من بہلانے کی خاطر دور دراز سے ناچنے گانے والیاں بلوائی گئی ہوں گی۔ جگدیپ نے بھڑوت گیری میں کنجوسی نہیں کی ہوگی۔ ایک سے ایک سندر اور کمسن لڑکیاں چھاؤنی کے ذمہ دار افسروں کی خدمت میں پیش کی گئی ہوں گی۔ تم بھی پیش پیش ہو گی......"

پریت تلملا کر رہ گئی۔ عام حالات میں وہ جگدیپ کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کی عادی نہیں تھی۔ اس نے میری باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کیا جواب دیتی؟ اس کے ذہن میں تو ایک ہی مسئلہ درپیش ہوگا۔ کسی طرح سے اپنی جان بچا لے۔ وقت وقت کی بات تھی۔ ایک وہ وقت تھا جب وہ مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی' حقارت سے کترا کر گزر جاتی۔ اس کی نگاہوں میں چنگاریاں چیخنے لگتیں' مجھے ذلیل کرنے کے مواقع تلاش کیا کرتی۔ میرے قرب سے اسے گھن آتی تھی لیکن آج اس کی جوانی میری

نگاہوں کے سامنے بے یارو مددگار بکھری پڑی تھی۔ اس نے شب خوابی کے لباس کی
بے ترتیبی کو درست کرنے کی جرأت بھی نہیں کی تھی۔ انگور کے خوشے کی طرح میری
دسترس میں تھی' میں چاہتا تو اس کا رس نچوڑ لیتا' سارے دانے چگ لیتا۔

''چپ کیوں ہو راجکماری پریت؟'' میں نے اس کے زخموں پر نمک پاشی
کی۔ ''تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ جگدیپ کی مہارانی کون بنے گی؟ اس نے تم کو سندر
سپنے تو اوش دکھائے ہوں گے۔''

''موہن...... مجھے شما کر دو۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ غزالیں آنکھیں نمناک
ہونے لگیں۔ ''میں وچن دیتی ہوں کہ آئندہ......''

کل کی بات مت کرو پریت رانی میں نے اس کا جملہ کاٹا۔ ایک بار ناگن کا
پھن ہاتھ میں آ کر نکل جائے تو وہ بدلہ ضرور لیتی ہے' زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔
اس کی آنکھوں میں دشمن کی تصویر محفوظ ہو جاتی ہے' جب تک ڈس نہیں لیتی بلبلاتی رہتی
ہے' بل کھاتی رہتی ہے۔ اسی لئے تو سپیرے اس کا سارا زہر نکال دیتے ہیں۔ پٹارے
میں بند رکھتے ہیں۔ اپنی مرضی کے انوسار سدھاتے ہیں۔ اپنی بین کی آواز پر نچاتے
ہیں' من بہلاتے ہیں' پھر پٹاری میں بند کر دیتے ہیں۔''

''ایسا مت کہو موہن......'' وہ گڑگڑانے لگی۔ ''تم جو شرط لگاؤ مجھے منظور
ہے لیکن مجھے جان سے مت مارو میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔''

''ڈالی نے بھی موت کی اچھا نہیں کی ہو گی۔'' میری آنکھوں میں خون اتر
آیا ''جنہوں...... نے اس کا کومل شریر روندا ہوگا' ڈالی نے ان سے بھی دیا کی بھیک
ضرور مانگی ہوگی' اس کی ممتا پھڑپھڑائی ہو گی۔ گڈے کا واسطہ دے کر اس نے اپنے
جیون کی خیرات مانگی ہو گی۔ نتیجہ کیا نکلا اس کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ اسے روندا گیا'
پھر اندھے کنویں میں دھکیل دیا گیا۔ گڈے کی چیخیں بھی نہیں سنی گئی ہوں گی' سب کے
کان بہرے ہو گئے ہوں گے۔ ڈالی میرے کارن بھینٹ چڑھ گئی' تم مرنا نہیں چاہتیں'
ڈالی کے ساتھ سب نے پاپیوں جیسا برتاؤ کیا' تم مجھ سے پن کی آس لگا رہی ہو' میری
ہر شرط ماننے کو تیار ہو یہ کیسی کایا پلٹ گئی؟ مجھے وشواس نہیں آتا' میں کوئی سپنا تو نہیں
دیکھ رہا......؟''

''مجھ پر دیا کرو موہن! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' وہ سسکنے لگی۔

تم کہو گے ویسا ہی کروں گی' تمہارے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھوں گی' کسی
کچھ نہیں کہوں گی۔''

'' اور اگر میں کہوں کہ جگدیپ کو راج گدی پر بیٹھنے سے پہلے گولی مار دو
؟'' میں نے اسے ٹٹولا۔

''تم کہو گے تو میں اسے بھی گولی مار دوں گی۔'' وہ آمادہ ہو گئی۔ ''تم آزما
کے دیکھ لو میں کوئی دھوکا نہیں کروں گی۔''

میرا دل چاہا کپڑے پھاڑ کر پاگلوں کی طرح قہقہے لگانا شروع کر دوں۔
ت موت کے خوف سے جگدیپ کو گولی مار دینے کی بات کر رہی تھی۔ میں نے کچھ
چ کر اس کے گلے سے ہاتھ اٹھا لیا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں
۔ پریت بدستور فرش پر پڑی مجھے رحم طلب نظروں سے دیکھتی رہی۔

''کیا تمہیں وشواس ہے کہ ڈرائیور پرمود تمہارے بھروسے کا آدمی ہے؟''
نے دل میں کچھ اور ٹھان لی۔ ذہن کا کچھ بوجھ ہلکا کرنا ضروری تھا۔ میں نے
ردری آواز میں پوچھا۔ ''تم اس سے اسے یہاں بلا سکتی ہو؟''

''ہاں......'' پریت کی نگاہوں میں امید کی کرن ٹمٹمانے لگی۔

''تمہیں اپنی خواب گاہ سے نکل کر اس کے کواٹر تک جانا پڑے گا۔'' میں نے
ونٹ چباتے ہوئے سرد آواز میں کہا۔ ''میں تمہیں اس کا موقع نہیں دے سکتا۔''

'' میں کہیں نہیں جاؤں گی' یہیں تمہاری نظروں کے سامنے رہوں گی۔'' اس
نے تیزی سے کہا۔ ''پرمود کے پاس انٹرکام ہے میں اس سے رابطہ کر سکتی ہوں۔''

''کوئی عقلمندی دکھانے کی حماقت مت کرنا پریت کماری ورنہ تمہاری موت
بڑی بھیانک ہو گی......''

''میں جانتی ہوں......'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں میری بات سے اتفاق
کیا۔

میں نے اسے اٹھنے کا اشارہ دیا وہ جلدی سے لباس ٹھیک کرتی ہوئی اٹھی۔
میں اس پر پستول تانے کھڑا رہا۔ اس نے کوئی چالبازی دکھانے کی کوشش نہیں کی۔
انٹرکام پر ایک ضروری کام کا حوالہ دے کر پرمود کو اپنی خواب گاہ میں آنے کا حکم دیا۔
کر ریسیور واپس رکھ دیا۔ میں دروازے کے قریب جا کر دیوار سے لگ گیا۔ مجھے یارو

کی یاد آئی اگر پریت سے پہلے میری اس سے ملاقات ہو جاتی تو وہ میرے کام آسک
تھی۔ ہم نے ایک ساتھ مل کر بڑے بڑے ہنگامے کئے تھے۔ کئی محاذوں پر اکٹھے گ
تھے۔ پارو بڑی وفادار' بڑی کارآمد تھی۔ اس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کر د
تھا۔ وہ میرے لئے سب کچھ تھی۔ میری اتالیق بھی' میری دوست بھی' میرے بزرگ
بھی' میری پہلو کی زینت بھی' وہ میرا سکون تھی' میرے دل کا قرار تھی' میری خاطر بہت
جلدی پریشان ہو جاتی' کبھی کبھی مجھے بزرگوں کی طرح نصیحتیں کرنے لگتی۔ ڈانٹ د
کرتی' الجھ جاتی' میں تنہائی میں گن گن کر سارے بدلے اتار دیتا۔ اس نے کبھی مجھ
پیاسا نہیں رہنے دیا۔ اس کی خواب گاہ میں' میں حاکم ہوتا۔ وہ محکوم۔

''پارو رانی کیسی ہے......؟'' میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پریت سے
پوچھ لیا۔

''وہ...... وہ...... وہ تمہارے گم ہو جانے کے بعد دیوانی ہو گئی تھی۔'' پریت
نے رک رک کر بتایا۔ ''سب ایک ہی بات کہتے تھے کہ تم کسی گہری سازش کا شکار ہو
گئے ہو گے۔ دنیش بھی دل بھر کر رو چکا تھا۔ ایک پاروتی تھی جسے تمہاری زندگی کی امی
تھی۔ وہ بڑے وشواس سے کہتی رہتی تھی کہ تم زندہ ہو۔ واپس ضرور آؤ گے۔ تمہاری
تلاش میں روز پوری ریاست کا کونا کونا چھانتی پھرتی پھر اس نے کھلے عام کہنا شروع
کر دیا کہ تمہارے اغوا میں جگدیپ کا ہاتھ ہے۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا لیکن اسے
جیسے رٹ لگ گئی تھی۔ اس نے چھاؤنی جا کر نئے آفیسران کمانڈ سے ملاقات کی۔
تمہاری تلاش کا پرزور مطالبہ کیا وہاں بھی اس نے جگدیپ پر الزام لگایا اس کے بعد
بھی اس نے تمہاری تلاش کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی دوران بڑی حویلی کے ایک حصے میں
آگ لگ گئی۔ جگدیپ کے کچھ خاص آدمی قتل کر دیا گئے۔ پولیس کا شبہ پارو پر تھا
لیکن کوئی ثبوت نہیں تھا حویلی کی آگ پوری طرح سرد نہیں ہوئی تھی کہ دو انگریز
افسران کو چھاؤنی کے قریب گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد......'' پریت
خاموش ہوئی تو میری وحشتیں بڑھ گئیں۔

''اس کے بعد کیا ہوا......؟'' میں نے تڑپ کر پوچھا ''مجھے بتاؤ اس کے بعد
پارو کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ کہاں ہے۔ وہ اپنے کمرے میں یا قانون کے شکنجوں
میں' کہاں رکھا گیا ہے اسے؟ اسے گرفتار کرنے والے کون تھے؟ مجھے تما سورماؤں کے

نام درکار ہیں جنہوں نے پارو رانی کی طرف میلی نظروں سے دیکھا۔''

پارو...... اب اس دنیا میں نہیں ہے......'' پریت نے آہستہ سے کہا۔

''کیا......؟'' پارو مر گئی۔ میرا ذہن جیسے شل ہو گیا۔ میرے وجود میں گرم
آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔

''ایک روز وہ دن بھر تمہاری تلاش کے بعد تھکی ہاری واپس آ رہی تھی کہ
بھون کے قریب اس کی گاڑی کو گھیر لیا گیا۔ اس کی کار پر بے تحاشہ گولیاں برسائی
گئیں۔ بھون کے پہرے دار دوڑ پڑے پولیس بھی پہنچ گئی لیکن کوئی کچھ بھی نہ کر سکا۔
قاتل فرار ہو چکے تھے۔ پارو کے جسم پر اتنی گولیاں لگی تھیں کہ وہ زندگی کی قید سے
ہمیشہ کیلئے آزاد ہو گئی۔''

میں پاگل ہو رہا تھا' پارو کی موت کی اطلاع نے میرے جنون کو بھڑکا دیا۔
میں پریت کو کوئی تلخ بات کہنا چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی میں ایک دم محتاط ہو
گیا۔ پریت نے میرے اشارے پر دروازہ کھولا میری انگلی پستول کے ٹریگر پر تھی لیکن
اسے دبانے کی ضرورت نہیں پیش آئی ایک گٹھے ہوئے قد کا صحتمند شخص اندر داخل ہوا۔

''میرے لائق کوئی سیوا'' اس نے بڑے مہذب لہجے میں راجکماری پریت
سے دریافت کیا۔

''تمہیں راجکماری پریت نے نہیں میں نے طلب کیا ہے۔''

پرمود میری آواز سن کر چونکا۔ تیزی سے پلٹ کر اس نے میری سمت
دیکھا۔ رات گئے پریت کے کمرے میں کسی سادھو کو دیکھ کر اسے یقیناً تعجب ہوا ہوگا۔
میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگا۔ پریت خاموش کھڑی آنے
والے لمحوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہی تھی۔

''تمہارا نام پرمود کمار ہے؟'' میں نے سپاٹ آواز میں سوال کیا۔

''جی مہاراج......'' اس نے گڑ بڑا کر جواب دیا۔ سادھو اور پستول کو ایک
ساتھ دیکھ کر وہ ٹپٹا رہا تھا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''جیون
پیارا ہے تو وہی کرنا جو میں کہوں۔ تمہاری طرح تمہاری پریت رانی کا جیون بھی اس
سے میری مٹھی میں ہے تم نے کیول میرا نام سنا ہو گا مگر میرے بارے میں تمہاری

جانکاری بھی دوسروں سے کم نہیں ہوگی۔ سیوک کو موہن داس کہتے ہیں۔"
پرمود میرا نام سن کر اچھل پڑا۔ ساری پوزیشن اس کے ذہن میں واضح ہوگئی ہوگی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پریت کی سمت دیکھا۔
"تمہیں موہن داس کی ہر آگیا کا پالن کرنا ہوگا اور اپنی زبان بند رکھو گے۔" پریت نے مجھے خوش کرنے کی خاطر کہا۔ شاید وہ نہیں جانتی تھی کہ میں پرمود کو کیا حکم دینے والا تھا۔

"تم پریت رانی کو کب سے جانتے ہو....؟" میں نے پرمود سے سوال کیا۔ میرا لہجہ سرد تھا۔

"سات آٹھ مہینے سے...." پرمود نے جلدی سے کہا۔ سمجھدار آدمی لگتا تھا حالات کی سنگینی کو بھانپ گیا۔
"کبھی پہلے بھی پریت رانی نے تمہیں اپنی خواب گاہ میں طلب کیا تھا؟"
"نہیں...." اس نے ہچکچائے بغیر کہا۔ "ایک بار آیا تھا پرنتو دروازے ہی سے لوٹ گیا۔"

"وواہ ہو چکا ہے یا جھون کی داسیوں پر گذارا کر رہے ہو....؟" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ وہ سٹپٹا گیا۔ پریت بھی میرے سوال پر چونکے بنا نہ رہ سکی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔
"سگائی ہو چکی ہے۔ وواہ میں ابھی سمے باقی ہے۔" وہ کچھ توقف سے بولا۔ اس کی نظریں بار بار پستول کی طرف بھٹک رہی تھیں۔
"سمجھ لو کہ سمے پورا ہوگیا' تمہارے من مندر کی رانی تمہارے سامنے کھڑی ہے۔" میں نے پریت کی طرف پستول کی نالی سے اشارہ کیا۔ "تمہیں اپنی منوں کامنائیں پوری کرنی ہیں۔ چلو شروع ہو جاؤ راضی خوشی نہ سہی زبردستی ہی سہی۔ میری آگیا ہے۔ پرنتو دھیان رہے منہ سے کوئی شور یا آواز نکالی تو تم دونوں کو بھون ڈالوں گا۔"

"موہن ...." پریت نے احتجاج کیا۔ "تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ میں مر جاؤں گی لیکن وہ نہ ہونے دوں گی جو تم چاہتے ہو۔ بیشک تم مجھے گولی مار دو۔"
"پرمود...." میں نے پریت کی بات نظرانداز کرکے بڑی خونخوار آواز میں

پرمود کو مخاطب کیا میں صرف تین تک گنوں گا اس کے بعد میری پہلی ہی گولی تمہاری پیشانی پر لگے گی۔ تمہارا بھیجا کھوپڑی سے اچھل کر باہر آ جائے گا۔ تم میرے نشانے کے بارے میں پریت رانی سے پوچھ لو ایک بار انگریز افسران بھی دنگ رہ گئے تھے۔"
"موہن.... ہوش میں آؤ۔" پریت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تم جو سپنا دیکھ رہے ہو وہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔ تم یہاں تک آ گئے ہو لیکن زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"

"ایک...." میں نے پرمود کی پیشانی کا نشانہ لیتے ہوئے کہا' میرا لہجہ اور زیادہ سفاک ہو گیا۔ "دو...."
پرمود کو زندگی عزیز تھی وہ میرے حکم کی تعمیل میں دیوانہ ہوگیا۔ اس نے کسی پاگل جنونی کے انداز میں لپک کر پریت کو دبوچ لیا۔ پریت نے بچنے کی کوشش کی میں نے اپنی ماورائی قوتوں سے اس کا حلق بند کر دیا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔ دونوں کے درمیان دھینگا مشتی کا کھیل جاری رہا۔ پریت کا شب خوابی کا لباس تار تار ہوگیا۔ وہ جنگلی بلی کی طرح اپنے تیز ناخنوں سے پرمود کو لہولہان کرتی رہی۔ آرائش کے قیمتی سامان ادھر ادھر بکھیرتے رہے پھر پرمود نے اس پر پوری طرح قابو پا لیا۔ پریت تڑپتی رہ گئی اس کا تکبر خاک میں مل گیا۔ غرور ڈھلنے لگا اس کے فرشتوں نے بھی کبھی نہ سوچا ہوگا کہ وہ اس طرح میری نگاہوں کے سامنے ایک ڈرائیور کے ہاتھوں پامال ہوگی۔ وہ بری طرح لوٹی گئی تھی' تاراج کی گئی تھی۔ پرمود اپنا لباس ٹھیک کرتا ہوا اٹھا کھڑا ہوا۔
"اب میرے لئے کیا حکم ہے....؟" اس نے میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھا۔

تمہارا فیصلہ اب راجکماری پریت کرے گی۔ میں زہرخند سے بولا۔ تم نے ملازم ہو کر مالکہ کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے وہ تمہارا سر اپنے گلدان سے لہولہان کر دے گی اس وقت تک چین کا سانس نہیں لے گی جب تک تمہارے شریر سے آتما کے تمام سمبندھ توڑ نہیں لیتی۔
پرمود ہکلاتا رہا ہاتھ جوڑ کر احتجاج کرتا رہا لیکن وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا پریت اپنی برہنگی کا خیال کئے بغیر جنونی انداز میں اٹھی اس نے کارنر ٹیبل پر رکھا ہوا

پیتل کا گلدان اٹھا لیا۔ زخمی شیرنی کی مانند پرمود کی طرف جھپٹی پہلی ضرب ہی کاری
تھی۔ پرمود کا سر کھل گیا خون اس کے چہرے سے بہنے لگا۔ پریت کے اندر شیطانی
قوتیں سمٹ آئی تھیں۔ اس کے ہاتھ مشینی انداز میں چلتے رہے۔ پرمود اس سے بچاؤ کی
خاطر ہاتھ پیر چلاتا رہا لیکن زیادہ دیر مزاحمت نہ کر سکا۔ ایک بار لڑکھڑا کر فرش پر گرا تو
وہ اس کے سینے پر سوار ہوگئی۔ گلدان اس کی گرفت میں تھا وہ دیوانگی کے عالم میں
پرمود کے سر اور چہرے پر متواتر ضربیں لگا رہی تھی۔ گاڑھے گاڑھے خون کے چھینٹے
اڑتے رہے۔ پریت بھی خون میں نہا گئی۔ پرمود کا سر ایک جانب ڈھلک گیا وہ مر چکا
تھا۔ پریت اس کی لاش پر گلدان برساتی رہی اس کا جنون حد سے گزر رہا تھا۔

موت اور زندگی کا وہ کھیل بڑا ہولناک، بے حد بھیانک تھا۔ میرے قرض کا
بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا۔ میں نے کیچو کا تصور کر کے پریت کے پاگل ہو جانے کی خواہش
کی۔ پریت نے گلدان ایک طرف اچھال دیا۔ دیوانوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگی۔
اپنا جسم نوچنے کھسوٹنے لگی۔ اپنا آپ لہولہان کرتی رہی۔

میرے اندر کا وحشی پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا جب دروازے پر
آہستہ سے دستک ہوئی میں نے اپنے حواس جمع کئے۔ پستول پر گرفت مضبوط کر کے
دروازے کے قریب آیا۔ دوسری دستک پر میں نے ٹھان لی کہ جو بھی ہو گا اسے بھی
ڈھیر کر دوں گا۔ راجے پور پہنچ کر میں جگدیپ کی نیا کو جلتے دیکھے بغیر واپس نہیں جا
سکتا تھا۔ مرنے یا مار ڈالنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تیسری دستک پر میں نے دروازہ آہستہ
سے کھولا۔ وہ کرشنا تھا جو بڑی سرعت سے اندر داخل ہوا۔ شاید اس نے اپنی پراسرار
آنکھوں سے پریت کے کمرے میں کھیلے جانے والے ہولناک ڈرامے کو دیکھ لیا تھا۔

"مہاراج....." اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "تم اپنی مرضی کے مالک
ہو اس کی چھایا تمہارے ساتھ ہے تمہارے ماتھے پر اس کے سنجوگ کی چھاپ لگی ہے۔
میں کیول اتنا ہی کہوں گا کہ یہ زہریلی ناگن زندہ رہی تو تمہارے لئے خطرناک ہوگی۔
میری ودیا یہی کہتی ہے کہ اس کا بھی سر کچل دو اسی میں بہتری ہے۔"

"یہ شبھ کام تم انجام دو گے کرشنا۔" میں سنجیدگی سے بولا۔

"میرے بڑے بھاگیہ جو تم نے کسی سیوا کا موقع دیا۔ کرشنا نے سعادت
مندی سے کہا پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ پریت گھٹنوں کے بل بیٹھی دونوں ہاتھوں

سے سینہ کوبی کر رہی تھی اس کے خون میں لتھڑے بال اس کے شانوں پر جھول رہے
تھے۔ کسی چڑیل کی طرح بھیانک نظر آ رہی تھی۔ کرشنا نے کچھ پڑھ کر اس کی طرف
زور سے پھونک ماری۔ پریت کے منہ سے خون بھل بھلانے لگا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں
سے چھت کو گھورنے لگی۔ پھر ایک لمحے بعد ہی وہ اوندھے منہ فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ جیون
کہانی کا انت ہوگیا۔

"نکل چلو مہاراج۔" کرشنا نے سرگوشی کی۔ "دیر ہوگئی تو کھیل بگڑ جائے
گا۔"

میں نے کرشنا کی بات مان لی۔ پریت کی خواب گاہ میں میرا کام پورا ہو چکا
تھا۔ میں کرشنا کا ہاتھ تھام کر باہر نکلا۔ دائیں بائیں نظر ڈالی۔ دور دور تک سناٹا تھا۔
میں نے باغ کی طرف دوبارہ جانے کا ارادہ ترک کیا۔ دھرم شالا کی جانب قدم
اٹھانے لگا۔

☆......☆......☆

دور روز تک میں دھرم شالا میں اپنی کوٹھری تک ہی محدود رہا۔ مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔ کرشنا مجھے باہر کی خبریں سناتا رہتا۔ اس پر کسی نے شک نہیں کیا۔ روز صبح وہ مندر جاتا وہاں سادھوؤں پنڈت پجاریوں سے ملتا۔ دھرم کرم کی باتیں کرتا شام ڈھلے واپس آ جاتا۔ اس نے مندر میں ٹھہرے ہوئے سادھوؤں سے خاصی جان پہچان بڑھا لی۔ پریت کے بارے میں اس نے وہی خبر سنائی جو میں نے اپنے ذہن میں پہلے سے ترتیب دے رکھی تھی۔ سب کا ایک ہی خیال تھا۔ ڈرائیور پرمود کمار نمک حرام ثابت ہوا۔ جس تھالی میں کھاتا تھا اسی میں چھید کر ڈالا۔ پریت نے اسے کسی کام سے اپنے کمرے میں بلایا ہوگا۔ جوان مرد تھا' غیر شادی شدہ تھا اس کی نیت خراب ہو گئی۔ پریت ایک ملازم کے ہاتھوں اپنا ایمان برداشت نہ کر سکی۔ مرتے مرتے بھی اس نے بڑی دلیری کا ثبوت دیا۔ اس نمک حرام پاپی کو بھی مار ڈالا جس نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس قسم کے خیالات کا ملتا جلتا اظہار بھون میں چاروں طرف ہو رہا تھا۔ بہت دنوں بعد بھون میں پھر ہنگامہ بپا ہوا۔ پریت کی ارتھی کو پورے احترام سے اٹھایا گیا دور دور سے لوگ آئے۔ جگدیپ بیماری کا بہانہ کر کے ٹال گیا۔ چھاؤنی سے کچھ سفید فام افسروں نے بھی شرکت کی۔ رونا دھونا ہوا پھر پریت کی چتا کی آگ کے ساتھ ساتھ ہنگامے بھی سرد پڑ گئے۔ میں نے پریت کے مرنے کے دوسرے دن رات کے کھانے پر اوم پرکاش کو ٹٹولا تو وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

''ہم تو سیوک ہیں مہاراج کون نمک حرام ہے' کون حق ادا کر رہا ہے۔ بھگوان ہی بہتر جانے۔'' راج کمار دنیش چندر جی کے جانے کے بعد تو سب کچھ اجڑ گیا۔ پرانے ملازم بھی بھاگ گئے' کوئی پورب' کوئی پچھم۔ بھون آدھے سے بھی زیادہ خالی ہو گیا۔ کمروں پر تالے ڈال دیئے گئے۔ اب تو پنڈت پجاریوں نے بھی ادھر آنا

جانا کم کر دیا۔ بھگوان جانے کس کی نظر لگ گئی۔

''سنا ہے راجکماری پریت مہارانی بننے والی تھی؟'' کرشنا نے دبی زبان میں پوچھا۔

''ہم نے بھی یہی سنا تھا مہاراج! لیکن منش کے سارے سپنے تو پورے نہیں ہوتے۔'' اوم پرکاش نے الفاظ چباتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ''کون جانے کس پاپی نے ایک چراغ اور بجھا دیا۔''

''کیا مطلب....'' میں نے اسے کریدنے کی خاطر پوچھا۔ ''کیا تمہارے خیال میں پرمود بھلا مانس تھا؟''

''بندے کے من میں میل بھی آتے دیر نہیں لگتی میں نے مرنے والے کو ہمیشہ نظریں جھکا کر چلتے دیکھا تھا۔ راجکماریوں کی تو اور بات ہے وہ داسیوں سے بھی دور دور رہنے کا عادی تھا۔''

''پھر؟'' کرشنا نے پوچھا۔ ''اصلی مجرم کون ہے؟ اگر مرنے والا نردوش تھا تو اس کی لاش راجکماری پریت کے کمرے میں کیسے پہنچ گئی؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں مہاراج!'' اوم پرکاش نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ''پرکاش بھون میں پہلے بھی بہت سارے چمتکار ہوتے رہتے ہیں۔ کرتا کوئی اور تھا اور پکڑے ہم جاتے تھے۔ آگے کیا ہوگا اوپر والا ہی جانے۔''

''تمہارا من کیا کہتا ہے؟'' میں نے بات آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ ''راجکمار جگدیپ گدی پر براجمان ہونے کے بعد نیائے نہیں کریں گے؟''

''میں اب چلتا ہوں مہاراج!'' اوم پرکاش بات ٹال کر برتن سمیٹنے لگا۔ ''دوسرے سادھوؤں کو بھوجن دینا ہے۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بھی جگدیپ کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ پرمود کمار کے بارے میں اس نے دبی زبان میں یہی کہا تھا کہ وہ بھلا مانس تھا۔ میں اس بات کا چشم دید گواہ بھی تھا۔

تیسرے دن میں بھی اشنان کر کے کرشنا کے ساتھ مندر کی طرف چل پڑا۔ ایک دو سادھو اور بھی تھے جو اشلوک پڑھتے ہوئے ہمارے ساتھ چل رہے تھے۔ بھون میں مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے میری نگاہ ادھر ادھر بھٹکتی رہی۔ میں نریش کو دیکھنے کا متمنی تھا۔ میری آنکھیں سندھیا کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ نازک سی معصوم سی

ادھ کھلی' کچی کلی' جو نادانی میں مجسمے سے ٹکرا کر چٹکنا چاہتی تھی۔ اب خاصی بڑی ہوگئی ہوگی۔ اس کے خیالات بھی عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہوئے ہوں گے۔ کمسنی کی باتیں اسے یاد بھی ہوں گی یا نہیں؟ شاید وقت کے ساتھ اس کے سوچنے کے انداز بھی بدل گئے ہوں کہیں وہ بھی مجھے رو دھوکر صبر تو نہ کر چکی ہو گی؟ ''نہیں نہیں......'' میرے دل کی دھڑکنوں نے میرے خیال کی نفی کی۔ ''ایسا نہیں ہو سکتا۔ موہن داس! سندھیا سب کچھ بھول سکتی ہے تمہیں فراموش نہیں کر سکتی۔ تمہاری خاطر تو اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ مہندی کے بجائے خون سے لال کر لئے تھے' ایک دو نہیں اٹھارہ لاشوں کی بھینٹ چڑھا کر تمہیں اپنی محبت' اپنی دیوانگی کا یقین دلانے کوشش کی تھی وہ کبھی بھول نہیں سکتی۔ وقت کے ساتھ اس کے معصوم دل میں تمہاری محبت کا پودا بھی پروان چڑھتے چڑھتے تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہوگا۔ اس کی طرف سے بدگمانی گناہ ہے۔ وہ کانچ کا ٹکڑا نہیں اصلی ہیرا ہے مٹی میں مل جائے پھر بھی چمک دیتا رہتا ہے۔ اس میں کھوٹ نہیں ہوتا' کھرے کا کھرا ہی رہتا ہے۔''

مندر کے راستے میں ملازم ملتے رہے۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سلام کرتے رہے۔ میں کرشنا کے ساتھ قدم بڑھاتا مندر کی سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ سیڑھیوں کے اوپر ایک کشادہ چبوترہ تھا۔ چوترے سے اوپر مندر تھا میں چبوترے پر آ گیا وہاں پجاری دور دور ٹولیوں کی شکل میں بیٹھے تھے۔ دو چار سادھو بھی نظر آئے جو مندر کی طرف جا رہے تھے۔ کرشنا بھی میرا ہاتھ چھوڑ کر مندر کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ میں سیڑھیوں سے ذرا ہٹ کر چبوترے کے ایک کونے میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہاں سے آنے جانے والوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ سیڑھیوں کا ایک حصہ ریلنگ لگا کر بھون کی راجکماریوں اور مہارانیوں کیلئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اب عام عورتیں بھی اس حصے سے چڑھ اتر رہی تھیں۔ میں سیڑھیوں پر نظر جمائے اپنے خیالوں میں گم تھا کہ کچھ جانے پہچانے چہرے سامنے آ گئے۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مہارانی مایا دیوی کے ساتھ عورتوں کی پوری ٹولی تھی۔ میں نے شکنتلا کو پہچان لیا اس کا بدن پہلے کے مقابلے میں کچھ گھٹ گیا تھا۔ چہرے پر جوانی کا سایہ ڈھلنے لگا تھا لیکن چال ڈھال میں وہی پہلے جیسی تمکنت تھی۔ مجھے ششی دکھائی دی۔ وہ کسم اور نیلم کے ساتھ پچھلی صف میں تھی۔ دو چار داسیاں تھیں۔ داسیوں کے ہجوم میں میری نگاہ مالتی پر جم کر رہ گئی وہ شوخ چنچل' گل

بدن جو شاردا کی منہ چڑھی تھی۔ بھون میں سب ہی نظریں اس کے گداز جسم پر پھسلتی رہتی تھیں۔ بڑی حاضر جواب' بڑی نٹ کھٹ' پارے کی طرح ہر وقت مچلتی' ہرنی کی طرح کلیلیں بھرتی۔ اس وقت بڑی ہی سنجیدہ' بڑی گم صم نظر آ رہی تھی' چپ چپ خاموش خاموش' سب سے الگ تھلگ' اس کی جوانی کے عکس پر وقت سے پہلے ہی کلونس جھلکنے لگی تھی۔ کوئی غم اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ مجھے مالتی کو دیکھ کر دکھ ہوا۔ میرے ساتھ اس کا خاص ربط تھا۔ وہ شاردا کے پیغام مجھے پہنچایا کرتی تھی۔ بڑی بے تکلفی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی' مچل مچل کر بڑے شوخ انداز میں مجھے راجکماریوں اور ان کے شوہروں کے قصے کہانی سنایا کرتی تھی۔ خود ہی شرم سے سرخ پڑ جاتی' آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بھاگ جاتی' بڑی باغ و بہار طبیعت کی مالک تھی۔ جانے کیا روگ چمٹ گیا تھا اسے۔ کس کی نظر کھا گئی تھی۔

ریلنگ کی دوسری سمت مندر کا بڑا پجاری اور پروہت مہارانی مایا دیوی کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بھون کے دو چار داماد بھی نظر آئے۔ پہلے دنیش ان کے خرچ برداشت کرتا تھا اب وہ ذمہ داری نریش نبھا رہا ہو گا۔ میں ایک ایک کو دیکھتا رہا۔ کئی باتیں دل میں چٹکیاں لیتی رہیں۔ وہ میرے قریب سے ہو کر گزرتے رہے' کسی ایک نے بھی بھولے سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میرا دل تڑپ کر رہ گیا میری نظروں نے مندر کے بڑے دروازے تک چوری چوری ان کا تعاقب کیا پھر واپس سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ لوگ پوجا پاٹ کا سامان تھالیوں میں لئے آ رہے تھے۔ وہ پہلے جیسی گہما گہمی نہیں تھی سب ہی چہرے مرجھائے مرجھائے لگ رہے تھے۔ شاید میری سمجھ کا پھیر ہو میرے سوچنے کا انداز بدل گیا ہو۔

کرشنا پوجا کر کے واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں گیندے کے پھولوں کا ایک ہار تھا میرے گلے میں ڈالنے لگا میں نے انکار کر دیا۔ میرے اندر ایک نامعلوم سی کھلبلی مچی تھی۔ میں اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میری نظریں چمکنے لگیں۔ ایک گلبدن لڑکی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ لانبا قد' چھریرا بدن' ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس' نظریں جھکی جھکی' اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ میں اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا رہا وہ اور قریب آئی تو میری نظروں میں اضطراب پیدا ہونے لگا۔ دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں۔ میرا دل چاہا دوڑ کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں۔ وہ

سندھیا تھی۔ جوان ہوگئی لیکن اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ نہ چلنے میں بانکپن تھا 'نہ آنکھوں میں وہ شوخ رنگ جھلک رہے تھے جنہیں دیکھ کر پھول شرما جاتے' نہ تیزی' نہ طراری۔ وہ چبوترے پر بیٹھے پجاریوں کو پھول تقسیم کرنے لگی۔ میں دیکھتا رہا۔ مندر کی طرف جاتے جاتے وہ پلٹی اس نے ہماری طرف دیکھا میرے اندر تلاطم پیدا ہوا۔ میں نے ہاتھ بڑھا دیا اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں دو سرخ پھول کرشنا کو دے کر وہ جانے کیلئے پلٹی تو کرشنا نے اس کا ہاتھ تھام لیا وہ چونک کر پلٹی دراز پلکوں کو اٹھا کر کرشنا کو دیکھا۔

''سندری!'' کرشنا نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ ''میں تیرے اندر خاک دھول اڑتے دیکھ رہا ہوں تیرے چہرے کو شانتی نہیں مل رہی۔''

سندھیا نے کوئی جواب نہیں دیا اس کے پنکھڑیوں جیسے گداز ہونٹ کپکپانے لگے۔

''کوئی چنتا ہے جو تجھے بیاکل کئے ہوئے ہے؟'' کرشنا نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

''نہیں مہاراج! اب کوئی چنتا نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں کرب تھا۔ میں تڑپ کر رہ گیا۔

''کسی کی راہ تک رہی ہے؟ کوئی کھو گیا ہے؟'' کرشنا کی تیز نظریں اس کے وجود میں جھانکنے لگیں۔ ''مجھے بتا بٹی میں تیری کوئی سیوا کروں۔''

سندھیا کی پلکیں تھرتھرانے لگیں۔ آنکھوں کے حسین کٹوروں میں نمی تیرنے لگی۔

''من کو قابو میں رکھ سندری! آشا کیوں توڑتی ہے۔'' کرشنا نے بڑے یقین سے کہا۔ ''پریم کبھی نہیں مرتا امر ہو جاتا ہے۔''

''مہاراج.....!'' سندھیا رندھے لہجے میں بولی۔ ''اس کے لئے پراتھنا کرو وہ جہاں بھی ہو زندہ ہو' تم گیانی لگتے ہو؟ شاید پرماتما تمہاری سن لے۔''

میرے دل پر ایک چرکا لگا۔ وہ معصوم میرے لئے کیا کیا خواب دیکھ رہی تھی اس کی آس ٹوٹی نہیں زندہ تھی۔ وہ اپنے لیے نہیں میری زندگی کیلئے کرشنا سے التجا کر رہی تھی۔ میرے تن بدن میں کانٹے چبھ گئے۔

''رومت سندری' آنسو پونچھ لے۔'' کرشنا بڑے اعتماد سے بولا۔ ''تو نے اپنے من مندر میں جس کی مورتی سجا رکھی ہے وہ مرا نہیں جیوت ہے۔''

''سچ مہاراج!'' سندھیا کی پلکوں پر چراغ جل اٹھے۔ بے چین ہوگئی۔ ''وہ کہاں ہے؟ کب واپس آئے گا؟''

''دھیرج سے کام لے۔ میری ودیا کہتی ہے کہ وہ اوش آئے گا پرنتو تیرے اور اس کے ملاپ کے بیچ اندھیرے منڈلا رہے ہیں' بڑی کٹھنائیاں ہیں۔''

''ایسا مت کہو مہاراج.....'' وہ سسکنے لگی۔ ''سرد آہ بھر کر بولی بس ایک نظر اسے دیکھ لوں میری یہی آشا ہے۔''

''تیری یہ آشا اوش پوری ہوگی۔''

''سب یہی کہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بڑا اداس تھا۔ وجود کا سارا درد سمٹ آیا تھا۔ ''کوئی سے کی بات نہیں کرتا۔''

''میں دیکھ رہا ہوں سندری تیرے من میں ملن جوت جل رہی ہے۔ اس کو بجھنے نہ دینا۔'' کرشنا نے آنکھیں موند لیں۔

سندھیا کی نگاہوں میں بے چینی تھی' امید کی کرنیں ٹمٹما رہی تھیں۔ میں اس کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سن رہا تھا۔ خود میری حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ کرشنا نے دوبارہ آنکھیں کھولیں ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''میں بتاتا ہوں تجھے سے۔ پر ایک بات کا دھیان رکھنا اگر تیری زبان کھل گئی تو وہ مفت میں مارا جائے گا۔ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا۔''

''میں وچن دیتی ہوں مہاراج!'' سندھیا تڑپ اٹھی۔ ''میں اپنے ہونٹوں پہ تالے ڈال لوں گی۔ اس کے کارن اپنا جیون بھینٹ چڑھا دوں گی۔ تم اس کے آنے کا سے بتا دو میرا من شانت ہو جائے گا۔''

''وہ..... نئے مہاراج کے گدی پر بیٹھنے سے پہلے آئے گا۔'' کرشنا نے دبی زبان میں کہا۔ ''جا اب سکھ کا سانس لے اپنی زبان بند رکھنا۔''

سندھیا نے خوشی کے مارے پھولوں کی پوری ٹوکری کرشنا پر لوٹ دی۔ تیزی سے اٹھی۔ مجھ پر نظر ڈالے بنا مندر کی طرف چلی گی۔ میں تڑپتا رہ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا ہوتا تو شاید پہچان لیتی۔ میں نے وہاں پر رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ میرا

سکون پاش پاش ہو رہا تھا۔ عین ممکن تھا کہ سندھیا کی واپسی پر میں اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکتا۔ تڑپ کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیتا۔ اس کی پیشانی پر بوسوں کی بارش کر دیتا' اسے اپنی نظروں میں چھپا کر کہیں دور لے جانے پر غور کرتا۔ ایسی جگہ جہاں اس معصوم کے دل کو قرار آ جاتا وہ پھر سے بلبل کی طرح ڈالی ڈالی پھدکنے لگتی' خوش گلو پرندوں کی طرح چہچہاتی پھرتی' میں کسی درخت سے ٹیک لگائے اسے دیکھتا رہتا عمر یوں ہی بیت جاتی۔

میں تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سیڑھیاں طے کرنے لگا مجھے یقین تھا کہ کرشنا نے میرے دل میں جھانکنے کی حماقت نہیں کی ہو گی۔ اس بوڑھے نے کیچوکی قسم کھا کر وعدہ کیا تھا' وہ اپنے وعدے پر قائم رہا ہو گا۔ اس نے سندھیا سے جو کچھ کہا وہ اس کی ودیا کا کمال ہو گا۔ اس نے سندھیا کے اداس چہرے کی کہانی پڑھ لی ہو گی۔ اس نے کچھ غلط نہیں کہا تھا میں راجے پور آتا اور سندھیا سے ملے بغیر چلا جاتا یہ ناممکن تھا۔ صرف کنور جگدیپ کی چتا میں آگ لگنے کا انتظار تھا اس کے بعد میں ہر فکر سے آزاد ہو جاتا۔ میرے کندھوں سے سارا بوجھ اتر جاتا۔

مندر کی سیڑھیوں سے اتر کر میں دھرم شالا کی طرف جا رہا تھا کہ میری نظر ایک نوجوان پر پڑی وہ دنیش کے ملاقاتی کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ شاید نریش چندر تھا اس میں دنیش کی بڑی مشابہت تھی میرے قدم تھم گئے کرشنا بھی رک گیا۔ نوجوان نے ہمیں رکتا دیکھ لیا تھا۔ وہ رخ بدل کر ہمارے قریب آ گیا۔ ہاتھ باندھ کر پرنام کیا میں نے اشارے سے جواب دیا۔ کرشنا اسے دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''نئے لگتے ہو مہاراج.....؟'' اس نے کرشنا سے کہا۔

''شروع شروع میں سب نئے لگتے ہیں لیکن کچھ سمے ساتھ رہتا ہے تو پرانے لگنے لگتے ہیں دنیا کی یہی ریت ہے' تیرا شبھ نام۔''

''سیوک کو نریش چندر کہتے ہیں۔''

میری تمنا پوری ہو گئی میں نے دنیش کے بھائی کو دیکھ لیا وہ نوجوان تھا ابھی پوری طرح مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں بھولا بھولا سا لگتا تھا۔

ریاست کی سیاست سمجھنے کیلئے ابھی اسے کافی وقت اور تجربہ درکار تھا۔

''خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' کرشنا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے

کہا۔ ''بھگوان کی کرپا ہوئی تو کوئی اونچا استھان پراپت کرو گے۔ سمے پلٹتے دیر نہیں لگتی۔''

''میرے لئے تمہارا آشیرواد ہی بہت ہے۔''

''سکھی رہو.....'' کرشنا نے دعا دی۔

مجھے جلدی تھی سندھیا آ جاتی تو میرا سکون پھر برباد ہو جاتا۔ طغیانی مصلحتوں کو نہیں دیکھتی سب کچھ ساتھ بہا لے جاتی ہے۔ سندھیا کو دیکھ کر شاید میرے قدم اکھڑنے لگتے' طوفان پر قابو پانا ممکن نہ رہتا۔

''پھر ملاقات ہو گی بالک.....'' کرشنا نے میری بے چینی تاڑ لی۔ نریش نمستے کہہ کر مندر کی سمت چلا گیا۔ ہم دھرم شالا کی جانب قدم اٹھانے لگے۔

''مہاراج.....!'' کرشنا نے دبی زبان میں پوچھا۔ ''کچھ بے چین نظر آتے ہو؟ میں کوئی سیوا کروں۔''

''کوئی ایسا راستہ تلاش کرو کہ میں جگدیپ تک پہنچ جاؤں۔'' میں نے مدھم آواز میں کہا۔ ہمارے درمیان کوئی اور نہ ہو' تم بھی نہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔ ''تم نے وچن دیا ہے۔ بھول مت جانا۔ جگدیپ میرا شکار ہے۔ تنہا اس سے مقابلہ کروں گا۔ مر بھی گیا تو کیا غم' حسرت تو پوری ہو جائے گی۔''

''ایسے شبد زبان پر کیوں لاتے ہو مہاراج!'' کرشنا سنجیدگی سے بولا۔ ''مجھے وشواس ہے وجے تمہاری ہی ہو گی اس کا سورج ڈوبنے کا سمے قریب آ رہا ہے۔''

''کوئی اوپائے کرو کرشنا خالی باتوں سے کچھ نہیں ہو گا اب صبر نہیں ہوتا۔ بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔''

''چنتا مت کرو مہاراج تم کو اس دشٹ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے وہ ادھر ہی خود چل کر تمہارے پاس آئے گا۔''

''کرشنا میں نے جوش میں کرشنا کو بازوؤں سے تھام کر جھنجھوڑا تم مجھے بہلانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟''

'' دھیرج رکھو مہاراج.....'' کرشنا نے کہا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کی چھایا تمہارے ساتھ ہے۔ اس نے کہا تھا تم جو چاہو گے اوش پورا ہو گا۔ تمہارا اس کا نجوگ بنا رہے۔ پرنتو میری ایک بات یاد رکھنا۔ جگدیپ کے سوا کسی اور طرف دھیان

نہ دینا۔ پاؤں رپٹ گیا تو تمہارا یہ سیوک بھی ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"صرف جگدیپ کی بات کرو کرشنا۔" میں نے جذبات میں مٹھیاں بھینچ لیں۔

"میں ایک بار پہلے بھی سر ہتھیلی پر رکھ کر بڑی حویلی پر چڑھ دوڑا تھا۔ بالکل اکیلا تھا مجھے کسی دوسرے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں مر جاتا یا اسے جہنم رسید کرتا جنگ میں یہی ہوتا ہے۔ ایک وجہ ہوتا ہے دوسرا مارا جاتا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا تھا لیکن ......اس نے میرا ہاتھ تھام لیا آنکھ کھلی تو میں حویلی کے بجائے ان پہاڑوں اور بلند درختوں کے بیچ تھا جہاں تم سے ملاقات ہوئی تھی اس کے بعد کیا ہوا تم جانتے ہو۔"

"اس نے جو کچھ کیا اچھا ہی کیا ہوگا۔ اس کی شکتی مہان ہے وہ دھرتی اور آکاش پر راج کرتی ہے کوئی اس کی مہانتا کو نہیں چھو سکتا۔ تم بھاگیہ شالی تھے جو اسے پا لیا اب کھومت دینا اس نے جو کہا ہے اسے یاد رکھنا۔"

میں نے جواب میں پھر جگدیپ کی بات کرنی چاہی لیکن سامنے سے دو سادھوؤں کو آتا دیکھ کر خاموش رہا۔ میرے دل و دماغ میں کرشنا کا جملہ گونجنے لگا۔ 'تم کو اس دشٹ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے وہ اپرادھی خود چل کر تمہارے پاس آئے گا۔" میں کرشنا کی پراسرار صلاحیتوں کے ناقابل یقین چمکتار دیکھ چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے جگدیپ کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ بغیر سوچ وچار کے نہیں کہا ہوگا۔ لازوال قوتوں کا مالک تھا کوئی ہلکی بات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مستقبل میں جھانکا ہوگا پھر زبان کھولی ہوگی۔

دھرم شالہ کے باہر اوم پرکاش سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ کرشنا اس کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ میں اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا۔ کرشنا کا جملہ میرے وجود میں صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہا میں جگدیپ کو کیفر کردار تک پہنچانے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

رات کے کھانے کے بعد کرشنا مجھ سے مندر تک جانے کی اجازت لے کر چلا گیا۔ میں نے اس سے مندر جانے کی وجہ نہیں دریافت کی وہ اکثر کئی کئی دن اپنے جاپ میں مست رہتا تھا۔ بھوک پیاس اور نیند سے بے نیاز ہو کر آلتی پالتی مارے بیٹھا رات دن منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتا رہتا۔ اس نے میرے بارے میں کبھی کھل کر کوئی بات نہیں کی مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوگا۔ اس کی دور

رس نگاہوں نے میری اصلیت کو پوری طرح بھانپ لیا ہوگا۔ ہمارے درمیان دنیا جہان کی باتیں ہوتی تھیں۔ دھرم کی بات نکلتی تو وہ بڑی خوبصورتی سے کترا جاتا۔ اس نے کبھی مجھے مندر ساتھ چلنے کی دعوت نہیں دی۔ کبھی پوجا کرتے نہیں دیکھا۔ وہ بظاہر مجھے موہن داس کے نام سے جانتا تھا لیکن میری اصلیت' میرا ماضی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا ہوگا۔ میں نے اسے اپنی مختصر کہانی سناتے وقت احتیاطاً شیرو اور جمشید عالم کے نام کا ذکر بھی کیا تھا۔ اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ شاید کیچو کی چھایا نے اسے صرف ایک ہی حکم دیا تھا' میری خدمت کرنا۔ وہ کیچو کا سچا طلبگار تھا۔ اس کے حکم پر تن من دھن سے عمل کرتا رہا......!

رات کے پچھلے پہر کسی نے میرے پیروں کو جھنجھوڑا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کرشنا کا بستر خالی تھا۔ شاید مندر سے اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ میری نظروں کے سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ شاید میں نے سوتے میں کوئی خواب دیکھا تھا۔ میں نے دوبارہ لیٹنے کا ارادہ کیا تو ایک مانوس آواز سن کر اچھل پڑا۔ تیزی سے نظریں گھما کر دیکھا تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہی دیوانہ' پاگل' خبطی جسے میں نیم کے درخت سمیت جلا کر راکھ کر چکا تھا' میری پشت پر کوٹھڑی کی دیوار سے ٹیک لگائے ٹانگیں پھیلائے' دیدے پھاڑے مجھے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ میں نے کیچو کا نام لے کر اسے جہنم رسید کیا تھا۔ میں نے اسے جلتا نہیں دیکھا تھا لیکن نیم کا درخت جس انداز میں اچانک شعلوں کی لپیٹ میں آیا تھا' اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بھی جل کر کوئلہ بن گیا ہوگا۔

"تم......" میں نے اسے گھورتے ہوئے حقارت کا اظہار کیا۔ "تم زندہ ہو......؟"

"ایک بار مرا تھا' دوبارہ مرنے کی فرصت نہیں ملی......" اس نے دیوانوں کی طرح دانت دکھا کر کہا۔

"کون ہو تم......؟"

"کوکو......چھک چھک......" وہ میری بات کو نظر انداز کر کے گاڑی چلنے کی آوازیں نکالنے لگا۔

"دفع ہو جاؤ....." میں نے کرخت آواز میں کہا تو وہ اچھل کر کوٹھڑی کے ایک کونے میں دبک کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "زندگی پیاری ہے تو اپنا منحوس وجود میری نظروں سے دور کر دے' ورنہ مارا جائے گا۔"

"نیکی کر دریا میں ڈال....." اس نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"سوتے سے جگا دیا تو آنکھیں دکھا رہا ہے' الو کی دم فاختہ۔"

"تم شرافت کی زبان نہیں سمجھو گے؟" میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"لمبی تان کر سونا چھوڑ دے' کان پکڑ کر اٹھک بیٹھک لگانا شروع کر دے۔ تھوبڑے پر ٹھنڈے پانی سے چھینٹے مار لیا کر' پیٹ کے سارے کیڑے مر جائیں گے۔ دمادم کی تال پر ٹھمکے لگایا کر۔" اس نے پاگلوں کی طرح لمبی سی زبان نکال کر مجھے غصہ دلانے کی کوشش کی۔ پھر بائیں آنکھ جھپکا کر بولا۔ "زلفیں اور بڑھا لے۔ منہ آسمان کی طرف اٹھا' رینگنا شروع کر دے..... ڈھینچوں..... ڈھینچوں' سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جا' کنکوا اڑانے کی عادت چھوڑ دے۔ چمگادڑ بن کر درخت سے لٹک جا' حلق میں انگلی پھنسا کر الٹی کر دے۔" اس نے پھر الٹی آنکھ جھپکائی۔ "لگے دم..... مٹے غم..... آخ تھو۔"

میں آپے سے باہر ہونے لگا۔ میں نے کیچو کا تصور کیا' وہ سراسیمگی کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگا۔

"کبڈی کبڈی کھیل رہا ہے؟" وہ بندر کی طرح قلابازی کھا کر کوٹھڑی کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں پہنچ گیا۔ میری نگاہوں سے بچنا چاہتا تھا۔ "ایک موقع اور دیتا ہوں....." میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "بھاگ جا..... پھر کبھی میرا پیچھا کرنے کی حماقت نہ کرنا۔"

"لہنگا چھوڑ' میری کلائی تھام لے۔ دونوں مل کر ریس لگائیں گے..... کوکو..... چھک چھک کھیلے گا؟"

میں نے غصے میں سیدھا ہاتھ بلند کیا۔ وہ بندر کی طرح منہ اور دانت کھول کر مجھ پر خوخیایا' پھر پلک جھپکتے میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں سلگ اٹھا۔ آنکھیں بند کر کے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اندھیرے برقرار رہے۔ مجھے اپنے ارادے میں

ناکامی ہوئی۔ میں نے کیچو کو دل کی گہرائیوں سے آواز دی' کوئی جواب نہیں آیا۔ دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا' سامنے کرشنا کھڑا تھا۔

"تم نے آنے میں دیر کر دی....." میں نے شکایت کی۔

"کیا ہوا مہاراج؟" کرشنا نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ پھر آ کر ہاتھ سے نکل گیا....." میں نے تلملا کر کہا۔

"کون مہاراج؟" وہ مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ "کس کی بات کر رہے ہو؟ کون آیا تھا؟"

"وہی پاگل جسے میں نے گاڑی میں دیکھا تھا....."

"شانت رہنے کی عادت ڈالو مہاراج.....!" کرشنا میرے قدموں میں بیٹھ گیا۔ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "من بے چین ہو تو منش کو برے برے سپنے آنے لگتے ہیں۔ کوئی چنتا مت کرو' میں جو تمہارے ساتھ ہوں' تمہارا سیوک۔"

میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ کرشنا کی دوررس نگاہیں اس دیوانے کو پہلے بھی نہیں دیکھ سکی تھیں۔ وہ میری باتوں کو میرے دماغ کا خلل سمجھ رہا تھا۔ جگدیپ کے سلسلے میں میری بے چینی سے تعبیر دے رہا ہوگا۔ مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کرتا رہا۔ میرے ذہن میں گرم دھول کے ذرات چبھنے لگے۔ جو کچھ میری نظروں نے دیکھا' وہ وہم نہیں تھا۔ فریب نظر نہیں تھا۔ میں نے اس سے دوبدو باتیں کی تھیں۔ اس کا ایک ایک نقش میرے دماغ میں محفوظ تھا۔

"کس وچار میں گم ہو گئے مہاراج؟" کرشنا نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔ "کچھ سیوک کو بھی بتاؤ۔"

"تم نے کہا تھا کہ مجھے بڑی حویلی جانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔" میں نے موضوع بدل دیا۔ "جگدیپ خود چل کر یہاں آئے گا۔"

"اوش آئے گا مہاراج۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "اسے آنا پڑے گا۔ میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا۔"

"کب آئے گا وہ.....؟"

"بس ایک دو دن کی بات ہے۔ تمہارے سیوک نے سارے بندوبست کر دیئے ہیں۔"

''راجکماری پریت سے اس حرامزادے کے خاص مراسم تھے۔'' میں نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ''وہ... اس کی ارتھی اٹھانے بھی نہیں آیا۔ راج گدی پر بیٹھنے سے پہلے وہ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہوگا۔ بل سے باہر نہیں نکلے گا۔ میں پہلے بھی تجربہ کر چکا ہوں۔''

''میری بات کا وشواس کرو مہاراج...... وہ بھوش کے لکھے کو کیسے ٹال سکتا ہے؟'' کرشنا کی اندر کو دھنسی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں کے اندر تیز تیز گردش کرنے لگیں۔ ''کرشنا کی بات کو پتھر کی لکیر سمجھو...... دھرتی ادھر سے ادھر ہو جائے' پرنتو وہ ہر حال میں آئے گا......''

میرا ذہن دیوانے کے خیال سے نجات نہیں حاصل کر سکا تھا۔ کرشنا بڑے اعتماد سے بار بار ایک ہی بات رٹ رہا تھا۔ میں نے اسے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ کرشنا میرے پیر دبانے لگا!

ایک رات اور گزر گئی۔ صبح کرشنا نہا دھو کر مندر چلا گیا۔ میں طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کرکے ٹال گیا۔ مندر جانے کے خیال سے ہول ہو رہی تھی' اگر سندھیا سامنے آ گئی؟ اس کی میری نظریں چار ہوئیں؟ وہ مجھے پہچان گئی تو پھر ساری احتیاط دھری کی دھری رہ جاتیں۔ نہ وہ اپنے آپ کو سنبھال پاتی' نہ میں اپنے جذبات پر قابو پا سکتا۔ طوفان آنے سے پہلے بند باندھ لینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ طوفان اچانک سر ابھار لیتا تو کمزور پشتے اس کا ریلا نہیں سہار سکتے۔

میں دن بھر دھرم شالہ میں پڑا رہا۔ دوپہر کا کھانا مجھے تنہا زہر مار کرنا پڑا۔ کرشنا مندر سے واپس نہیں لوٹا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ اس نے بڑے یقین اور اعتماد سے جگدیپ کے خود چل کر بھون آنے کی بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ سارے بندوبست کر چکا تھا۔ ممکن ہے کوئی کسر باقی رہ گئی ہو۔ وہ مندر میں آلتی پالتی مارے بیٹھا مزید کوئی جاپ کر رہا ہے۔ اب تک اس نے جو بات کہی تھی' غلط نہیں تھی۔ جگدیپ کے سلسلے میں بھی بہت غور و خوض کے بعد اس نے کوئی آخری رائے قائم کی ہوگی۔ وہ چھچھوری باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا۔ میں نے ایک طویل عرصہ اس کی رفاقت میں گزارا تھا۔ اس نے کبھی چھل کپٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میری خدمت میں مست رہتا تھا۔ اس نے پیشکش کی تھی کہ میں جگدیپ کا معاملہ بھی اسے سونپ دوں۔

وہ میری نظروں کے سامنے اس کا کریا کرم کر دیتا' میں نے روک دیا۔ جگدیپ کی وجہ سے مجھے اپنوں سے دور ہونا پڑا۔ بہت سے ساتھی' بہت سارے دوست روٹھ کر چلے گئے۔ وہ میری طرف سے مایوسی کا شکار ہو گئے ہوں گے۔ بڑی مضحکہ خیز اور حسرت ناک صورت تھی۔ ایک طرف پیچو کو شکوہ تھا کہ میں نے اس کے پاس جانے میں دیر کر دی۔ دوسری جانب میرے چاہنے والوں کو بھی یہی شکایت رہی ہوگی کہ میں گیا تو پلٹ کر نہیں آیا۔ وہ کب تک انتظار کرتے' ایک دن' دو دن' ہفتہ' مہینہ' سال۔ وہ تھک ہار کر نشیمن سے پرواز کر گئے۔ میرے جانے کے بعد جگدیپ نے ہر کام بہت جلدی میں نمٹانے کی کوشش کی ہوگی۔ بڑا چینٹ آدمی تھا۔ روپے اور عورت کی بنیاد پر سیاست کرتا تھا۔ خود دور رہتا' اپنے ہاتھ صاف رکھتا' اپنے زرخرید غنڈوں' بدمعاشوں کو آگے کر دیتا۔ میں تھا تو ہنگامے کرتا رہتا تھا۔ اس کو کسی ایک طرف دھیان دینے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ میں چلا گیا تو اس نے بساط ہی پلٹ دی۔ جتنے میرے راستے کے کانٹے تھے' ایک ایک کرکے مٹا دیے۔ اب میدان اس کے لیے صاف تھا۔ مقابلے پر کوئی دوسرا کھلاڑی نہیں تھا۔

آفیسر ان کمانڈ کرنل ہارڈنگ نے ریتا کی وجہ سے ریٹائرمنٹ لے لی ہوگی۔ دنیش شاردا کا بوجھ اٹھا کر ایک طرف چل دیا' مہاراجہ تنہا رہ گئے۔ جگدیپ نے سنئے آفیسر ان کمانڈ کو پوری طرح جام' رقص و سرود' دولت اور عورت کے نشے میں چور کرکے ایک ہی کاری ضرب لگائی ہوگی۔ مہاراجہ بھی تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ سب کچھ ایک میرے نہ ہونے سے ہو گیا۔ میرے بعد پارو نے اپنی سی کوشش کی لیکن وہ غریب بھی ماری گئی...... پھر؟ میں جگدیپ کا معاملہ کرشنا کے حوالے کس طرح کر دیتا؟

شام ہو گئی۔ میری بے چینی بڑھنے لگی۔ میں باہر جا کر کرشنا کو تلاش کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ آ گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ بجھا بجھا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ سرخی نہیں تھی جو اس کا خاصہ تھی۔ کسی خیال میں مستغرق تھا۔ کوئی ایسی ہی بات تھی جس نے اس کے اندر ہلچل مچا دی ہوگی۔ وہ چھوٹی موٹی باتوں کو کسی گنتی میں شمار کرنے کا عادی نہیں تھا۔ میں نے فوری طور پر اس سے دیر سے واپس آنے کی وجہ نہیں پوچھی۔ وہ تھکا تھکا لگ رہا تھا جیسے کوئی لمبا سفر

طے کرکے لوٹا ہو۔ میں نے اسے کریدنے میں عجلت نہیں کی۔ اس کے چہرے کی جھریوں کے نشیب و فراز میں جھانکتا رہا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ وہ خاموش رہا۔ میرے تشویش میں اضافہ ہونے لگا۔ وسوسے جاگنے لگے...... کہیں ایسا تو نہیں اس نے جگدیپ کے سلسلے میں جو بندوبست کیا تھا' اس میں کوئی جھول باقی رہ گیا ہو۔ کوئی کمی رہ گئی ہو۔ کوئی اہم نکتہ نظرانداز کر گیا ہو۔ اب اپنی غلطی پر پشیمان ہو رہا ہو۔ کوئی نئی منصوبہ بندی کر رہا ہو۔ اپنے بھرم کو قائم رکھنے کی خاطر نئے سرے سے بازی جمانے کی سوچ رہا ہو...... بات جو بھی تھی' بہت اہم تھی۔ وہ اس سے پیشتر کبھی اتنا گم صم' کھویا کھویا نظر نہیں آیا۔ وہ دلوں میں جھانکنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اس کے لیے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی۔ اس نے پوری جوانی ایک غار میں گزار دی تھی۔ سینکڑوں جاپ کیے ہوں گے' کئی موکل اس کے قبضے میں ہوں گے۔ میں اس کی ماورائی طاقت کے کرشمے دیکھ چکا تھا۔ محض کیچو کی وجہ سے میرے پیروں میں پڑا تھا ورنہ اس کا مقام مجھ سے بہت بلند تھا...... میں نے اس کو پڑھنے کی کوشش کی۔ مجھے مایوسی ہوئی۔ میں چپ نہ رہ سکا۔

"کرشنا......!" میں نے اس کی محویت توڑ دی۔

"مہاراج......" اس نے چونک کر میری سمت دیکھا۔ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کس بات کی بے چینی ہے؟...... اتنے گم صم کیوں ہو؟" میں نے اسے کریدا۔ "سارا دن کہاں غائب رہے؟"

"پنچھی پکڑنے کے لیے جال تو بچھانا پڑتا ہے۔ اس کی ڈوریاں مضبوط کر رہا تھا۔"

"پنچھی کے نکل جانے کا کوئی راستہ کھلا تو نہیں رہ گیا......؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو مہاراج۔" اس نے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔ "کرشنا اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے' سوتے میں بھی جاگتا رہتا ہے۔ تمہاری بات اور ہے۔ اس کی آ گیا ہے کہ تمہارے چرنوں میں جیون بتا دوں۔ تمہاری سیوا کرتا رہوں۔ اس کے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا تمہارے سیوک کی تھاہ کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔ سب اس کی کرپا ہے۔ اسے کھوجتے کھوجتے میں بہت گہرائی تک چلا گیا۔ اپنا دھیان بھی نہیں رہا۔ تم آ گئے تو آنکھ کھل گئی۔"

"میرے درمیان میں آ جانے کا ملال ہے......؟"

"نہیں مہاراج نہیں......" وہ مضطرب ہو گیا۔ "میرا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔" اس نے وضاحت کی۔ "تم نہ آتے تو میں آنکھیں بند ہی رکھتا۔ آخری سانس تک اس کے دھیان میں مگن رہتا۔"

"پھر...... تمہاری اداسی کا سبب کیا ہے؟"

کرشنا نے جواب نہیں دیا' سرد آہ بھر کر خلاء میں جھانکنے لگا۔

"مجھ سے بھی من کا بھید چھپاؤ گے؟" میں نے شکوہ کیا۔

"آج وہ سندری پھر ملی تھی......" کرشنا نے سندھیا کی بات چھیڑ دی۔ "بہت بے کل نظر آ رہی تھی۔ پیا ملن کی آس لگائے بیٹھی ہے۔"

"تم نے اسے وشواس دلایا تھا کہ اس کی آس ٹوٹے گی نہیں۔" میں نے دبی آواز میں کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا۔" اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "وہ جس کی جوت من میں جگائے ہے' وہ اوش آئے گا۔"

"تم جانتے ہو' وہ کون ہے......؟" میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے کوشش نہیں کی۔" وہ پہلو بدل کر بولا۔ "پرنتو میری ودیا غلط نہیں ہو سکتی۔ اس سندری کا پریم سچا ہے۔ اس کی آشا بھی پوری ہوگی۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" میں روانی میں پوچھ بیٹھا۔

"جدائی......" کرشنا نے شکستہ آواز میں جواب دیا۔ "ہر پریم کا انت ملاپ پر نہیں ہوتا۔ جوڑے آکاش پر بنتے ہیں۔ اس کا بھید کیول وہی جانتا ہے۔ مندر' مسجد' پوتر استھان ہیں۔ سمے کی آندھی اور بھونچال دھرم کرم نہیں دیکھتی۔ ایک لاٹھی سے سب کو ہانک دیتی ہے۔ منش دیکھتا رہ جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے آگے سب بے بس ہو جاتے ہیں۔ کوئی شور وغل نہیں کرتا۔ کوئی سر نہیں اٹھاتا۔ سمے گزر جاتے ہیں' باتیں من کو تڑپاتی رہتی ہیں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ اس کی نگاہوں میں اداسی پھیلتی رہی۔ وہ بولتا رہا۔ "شریر میں کوئی کانٹا چبھ جائے۔ کوئی کوڑیالا ناگ ڈس لے' سب کا علاج ہو جاتا ہے لیکن جدائی کا دکھ منش کو اندر ہی اندر کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔ اس روگ

کا کوئی علاج نہیں۔ کوئی مرہم کوئی جڑی بوٹی کام نہیں آتی۔''

''کس کی بات کر رہے ہو؟'' میں تڑپ اٹھا۔ ''سندری کی یا اس کے من مندر کے دیوتا کی؟''

''میں کسی اور کی نہیں' اپنی بات کر رہا ہوں مہاراج......'' اس نے زخمی لہجے میں مجھے چونکا دیا۔

''میں سمجھا نہیں......''

''سمجھ جاؤ گے مہاراج۔'' اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک بے جان تبسم بکھیر لیا۔ ''سمے کا انتظار کرو......''

کرشنا کی بے چینی بے سبب نہیں تھی۔ اس نے وقت کا انتظار کرنے والی بات مجھے ٹالنے کی خاطر کہی تھی۔ اتنا غافل نہیں تھا کہ جو بات زبان سے نکال رہا تھا' اس کے مطلب سے ناواقف ہو۔ کوئی مصلحت اسے خاموشی پر مجبور کر رہی ہوگی۔ میں نے اس پر زور نہیں دیا' موضوع بدل دیا۔

''تم مندر گئے تھے' دن بھر باہر رہے۔ جگدیپ کے سلسلے میں کوئی اطلاع ملی؟''

''نہیں......'' وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''پر تم کوئی چنتا نہ کرو' وہ خود چل کر بھون تک آئے گا۔ میں نے یہی کہا تھا۔''

''ایک دن اور رہ گیا ہے......'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں مہاراج......'' وہ پھر غمگین ہو گیا۔ ''کیول ایک دن اور بیچ میں ہے۔''

اس کے اندر ایک کشمکش سی جاری تھی۔ کوئی درد کوئی زخم تھا جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر کے لیے میں نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ اس کے چہرے کی اداسی چھٹنے لگی۔ کمر سیدھی کرنے کی غرض سے اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی۔

''راجکمار نریش کے لیے تمہاری ودیا کیا کہتی ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولا۔ ''جگدیپ کے بعد راج گدی کا حقدار کون ہوگا؟''

''جس گاؤں نہیں جانا اس کے کوس گننے سے کیا حاصل۔'' کرشنا نے صاف گوئی سے کہا۔ ''کل کیا ہوگا؟ پرماتما پر چھوڑ دو۔ وہ جو کرے گا' اچھا ہی کرے گا......''

کرشنا نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اندر

کھلبلی مچی تھی۔ بہت سارے سوالات پریشان کر رہے تھے۔ میں خود کو بہلانے کی خاطر کوٹھڑی سے نکل کر باہر آ گیا۔ اوم پرکاش باہر چبوترے پر برگد کے بوڑھے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر کسمسانے لگا۔

''آؤ مہاراج پدھارو۔'' اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''آج بھی تم دھرم شالہ سے باہر نہیں نکلے۔ جی تو اچھا ہے؟''

''من کو چین نہیں ملتا اوم پرکاش۔'' میں نے بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''ہر طرف سونا سونا لگتا ہے۔ رات کو سکھ کی نیند نہیں آئی' اتھل پتھل ہوتی رہی۔''

''سب کا یہی حال ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''کوئی شانت نہیں دکھائی دیتا۔''

''سادھو دیوراج کی کوئی اطلاع ملی؟'' میں نے یونہی پوچھ لیا۔ ''کوئی خیر خبر......؟''

''نہیں مہاراج۔ پہلے جاتے تھے تو واپسی کا بتا کر جاتے تھے۔ اس بار کوئی سندیس بھی نہیں بھیجا۔''

''راجکمار نریش کیسے آدمی ہیں؟'' میں اوم پرکاش کے برابر ہی ٹک گیا۔ ''تم پرانے سیوک ہو' تمہارا تو خیال رکھتے ہوں گے۔''

''کبھی کبھی نظر آتے ہیں۔'' اس نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔ ''جب آتے ہیں تو رام رام بھی ہو جاتی ہے۔''

''اور کوئی خیر خبر......؟'' میں نے بات جاری رکھنے کی خاطر کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''راجکمار نریش چندر اور کنور جگدیپ کے سمبندھ کیسے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ تمہارے کنور جگدیپ بھی راج سنگھاسن پر براجمان ہونے والے ہیں۔ ہر طرف دھوم دھام ہو رہی ہے۔ پرنتو بھون میں کوئی رونق نہیں دکھائی دیتی۔''

''بڑے آدمیوں کی باتیں بڑے آدمی ہی جانیں۔'' اوم پرکاش نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''ہمیں تو سب کی چاکری کرنی ہے۔''

میں نے اسے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ کرشنا کے اندر جو تبدیلی رونما ہوئی تھی' اس نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ میں اوم پرکاش کے پاس سے اٹھ کر واپس اندر جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ بھون کا پرانا ملازم جانکی داس آ گیا۔ خاصا

بوڑھا ہوگیا تھا۔ جس انداز میں بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا' اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی بینائی بھی کمزور ہو چکی ہے۔ مجھے پہچانے جانے کا ڈر نہیں رہا۔

''سناؤ جانکی داس ...''اوم پرکاش نے گلہ کیا۔''آج بڑے دنوں بعد درشن ہوئے۔تم تو دھرم شالہ کا راستہ ہی بھول گئے۔''

''کھانسی پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' جانکی داس نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔ ''کچھ دور چلتا ہوں تو سانس پھولنے لگتی ہے۔''

''روگ تو جیون کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔'' اوم پرکاش نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کوئی ضرورت تھی تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔تم نے کیوں تکلیف کی۔''

''ایک خوشخبری تھی۔تمہیں سنانے چلا آیا۔''جانکی داس ہانپتے ہوئے بولا۔ ''سنا ہے آج بڑی حویلی سے ایک خاص سواری آ رہی ہے۔کنورنریش ہی کا ڈرائیور بتا رہا تھا کہ اگر اپنی مہارانی مایا دیوی نے رشتے کی بات سویکار کرلی تو بھون اور حویلی کے سمبندھ مضبوط ہو جائیں گے۔''

میرے علاوہ اوم پرکاش بھی چونکا۔ اسے بھی شاید اپنی قوت ساعت پر شبہ ہوا تھا۔

''رشتے کی بات؟''اوم پرکاش نے حیرت سے پوچھا۔''کس کے رشتے کی بات ہو رہی ہے؟''

''کنورجگدیپ جی اپنی کماری سندھیا بیٹا کا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔ راجکماری انیتا آج رشتہ ڈالنے آ رہی ہیں۔''

جانکی داس خوشخبری والی بات سنا کر پھر کھانسنے لگا۔ اوم پرکاش کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سینے پر برچھی اتار دی ہو۔ میری رگوں میں سیسہ پگھلنے لگا۔ پورے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پریت کی چتا کی آگ ابھی پوری طرح ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی کہ جگدیپ کی رال سندھیا پر ٹپکنے لگی۔ اس نے بڑی سیاسی چال چلی تھی۔ سندھیا کے ساتھ رشتے کی بات پکی ہو جاتی تو بھون کے بڑوں کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں۔ جگدیپ کے ہاتھ ایک انمول ہیرا آ جاتا۔ انکار کی صورت میں وہ سب کو یہی بتاتا کہ اس نے دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں پہل کی

لیکن بھون کی طرف سے مثبت جواب نہیں ملا۔ اسے بدلہ لینے کا ایک بہانہ ہاتھ آ جاتا۔ وہ سدا کا کمینہ تھا۔ ایک بار پھر کمینگی کا ثبوت دے رہا تھا۔ میرا خون کھولنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ مہارانی مایادیوی بھی جگدیپ اور سندھیا کے رشتے کی بات سن کر سٹپٹا جائیں گی۔ سندھیا کو اس رشتے کی بھنک بھی مل گئی تو وہ غصے سے پاگل ہو جائے گی۔ ہوسکتا تھا جنون کی کیفیت میں راجکماری انیتا ہی کا جسم چھلنی کر دے۔ ایک گولی بعد میں اپنی کنپٹی میں بھی اتار لے۔ وہ میرے بعد جگدیپ کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ وہ مر جائے گی لیکن جگدیپ کو قبول نہیں کرے گی۔

میرا دماغ پھرکی کی مانند گھومنے لگا۔ مجھے کرشنا کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ جگدیپ خود چل کر بھون تک آئے گا۔ کماری انیتا کی آمد کرشنا کی پیشنگوئی کا پیش خیمہ ہوسکتی تھی۔ میرے تصور میں جگدیپ کا خون میں لت پت جسم پھڑپھڑانے لگا۔ وہ مجھ سے رحم کی درخواست کر رہا تھا۔ زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ جواب میں میری ٹھوکریں اس کے چہرے کے خدوخال مسخ کر رہی تھیں۔ میرے اندر آتش فشاں پھٹ پڑا' لاوا ابلنے لگا۔ جگدیپ کی چیخ کی آوازوں کے درمیان ایک اور چیخ میرے کانوں میں گونجی......ڈالی کی چیخ۔ میری رگیں کھنچنے لگیں' بدن کے احاطے میں گرم لو کے جھکڑ چلنے لگے۔ میں نے عالمِ تصور میں راجکماری انیتا کو دیکھا۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھی' میکدہ تھی' بلوریں ساغر میں چھلکتی ہوئی بدیسی شراب تھی۔ اس کے بدن میں گداز تھا۔ اس کے نقش و نگار میں بھرپور زندگی کی حلاوتیں شامل تھیں۔ اس کے رخسار پر حنا کے رنگ شرماتے تھے۔آنکھوں میں مستیاں رقص کرتی تھیں۔ وہ مجسم خمار تھی' بے باک تھی۔ نڈر تھی' بے خوف تھی۔ جدھر سے گزر جاتی' راستے مہک اٹھتے۔ اس کی پلکوں پر جگنو چمکتے تھے۔ کسی ڈالی پر کھلا ہوا تر و تازہ گلاب تھی۔ کوئی بھی ہاتھ بڑھا کر توڑ لیتا۔ اس کے حصول کے عوض موت بھی گوارا کی جا سکتی تھی۔

ایک بار اس نے جگدیپ کے اکسانے پر مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ انگلستان سے نئی نئی آئی تھی' حالات سے ناواقف تھی۔ بھائی کی محبت میں دیوانی ہوکر مجھے ختم کرنے کا ارادہ کر بیٹھی' اسے مایوسی ہوئی۔ اس کے ساتھی کام آ گئے۔ وہ بھی ٹھکانے لگائی جا سکتی تھی۔ پوری طرح میرے چنگل میں تھی۔ میں نے معاف کر دیا۔ وہ میرے نزدیک آنے کی کوشش کرنے لگی۔ حالات نے درمیان میں خلیج پیدا کر دی۔

ایک موقع پر میں نے اسے موت کے دہانے سے واپس کر دیا۔ ایک بار اس نے میرے حق میں بے گناہ ہونے کی گواہی دی' حساب بے باق ہو گیا۔ اب وہ میرے دشمن کے لیے میری گڑیا میری سندھیا کا رشتہ مانگنے آ رہی تھی۔ ایک بار پھر جگدیپ اسے غلط وقت پر غلط طریقے سے استعمال کرنے کی چال چل رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کو ''شہ مات'' کرنے کی ٹھان لی۔ پریت کے لیے میں نے ڈرائیور پرمود کا انتخاب کیا تھا۔ انیتا کے لیے مجھ سے زیادہ موزوں کون ہو سکتا تھا؟ ایک تیر سے دو شکار ہوتے۔ جگدیپ کی نظریں جھک جاتیں' ڈالی کا حساب میرے ذمہ باقی رہ گیا تھا' وہ بھی چکتا ہو جاتا۔ جگدیپ کو بہر حال کیفرکردار تک پہنچنا تھا۔

میں چبوترے سے اٹھ کر واپس اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ کرشنا بیدار ملا' اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔

''مہاراج! آج کی رات تمہارے دشمن کے جیون کی آخری رات ہوگی۔ میں نے ابھی سپنے میں یہی دیکھا ہے۔ جگدیپ تمہارے چرنوں میں پڑا دم توڑ رہا ہے۔ میں نے جو کہا تھا' وہ اوش پورا ہوگا۔ اس کے جیون کا انت ہونے کا سمے قریب آ رہا ہے۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے.....'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''باہر سے کچھ کام کی باتیں سن کر آ رہا ہوں۔''

''تم نے کیا سن لیا مہاراج؟'' کرشنا نے بڑی عجلت میں کہا۔ ''سیوک کو نہیں بتاؤ گے.....؟''

''جگدیپ کی بہن آ رہی ہے۔ جانتے ہو کیوں؟'' میں نے کرشنا کو بتایا۔ ''وہ اس سندری کا رشتہ مانگنے آ رہی ہے جو تمہاری جوتش ودیا کے انوسار کسی اور کی مورتی من میں سجائے اس کے سپنے دیکھ رہی ہے۔''

''میں مندر سے ہو کر آتا ہوں مہاراج.....'' کرشنا بوکھلا کر اٹھا۔ ''کچھ کام باقی رہ گیا ہے۔ میرا انتظار کرنا۔ جب تک میں واپس نہ آؤں' دھرم شالہ سے باہر قدم نہ نکالنا۔ میں بنتی کرتا ہوں' جلد بازی سے کام نہ لینا۔''

کرشنا تیزی سے قدم بڑھاتا کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ اس کی بے چینی' اس کی وحشت کا سبب میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ وہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ شاید میری

ہی خاطر کسی جوڑ توڑ میں لگا ہوگا.....

بھون کے بڑے گھڑیال نے رات کے آٹھ کے گجر بجائے تو میری وحشت بڑھنے لگی۔ کرشنا کو گئے تین گھنٹے سے اوپر ہو گئے تھے۔ اس نے جلدی آنے کا وعدہ کیا تھا۔ مجھے منع کیا تھا کہ جب تک وہ واپس نہ آئے' میں دھرم شالہ سے باہر قدم نہ نکالوں۔ میں اس کے جاتے ہی پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو گیا۔ جدید قسم کے دونوں پستول میں نے نیفے میں اڑس لیے۔ اوپر سے چادر لپیٹ لی۔ کوٹھڑی سے نکل کر بار بار دھرم شالہ کے چبوترے تک جاتا' پھر واپس لوٹ آتا۔ میں کرشنا کی کسی بات کا پابند نہیں تھا۔ وہ میرا خادم تھا۔ میں کبھی ترچھی نظر سے دیکھتا تو سہم کر رہ جاتا۔ کیچو کے حوالے سے ایک رشتہ قائم ہو گیا تھا جسے ہم دونوں نبھا رہے تھے۔ وہ کارآمد تھا۔ میں اسے پا کر کھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔

سوا آٹھ بجے بھون کے پھاٹک سے گاڑیوں کے ہارن کا شور بلند ہوا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا۔ اوم پرکاش بھی اپنی کٹیا سے نکل کر باہر آ گیا۔ ایک دو سادھو اور بھی جمع ہو گئے۔

''پرماتما سے پرارتھنا کرو کہ مہارانی یہ رشتہ قبول کر لے۔'' ایک سادھو نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔ ''من کے میل ڈھل گئے تو شانتی ہی شانتی ہوگی۔ ریاست میں سکھ چین ہو جائے گا۔''

میرا جی چاہا اس سادھو کا منہ نوچ لوں' گلا دبا دوں لیکن یہ وقت شوریدہ سری کا نہیں تھا۔ مجھے ہر قدم بڑی احتیاط سے پھونک پھونک کر اٹھانا تھا۔ کرشنا نے بڑے اعتماد سے یقین دلایا تھا کہ آج رات جگدیپ کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوگی لیکن میرا عقیدہ اس سے مختلف تھا۔ ایک معمولی سی لغزش سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ بازی پلٹ جاتی تو ساری زندگی کا پچھتاوا بن جاتی۔ میری نگاہیں کرشنا کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں کہ بھون کے دو گارڈ دھرم شالہ کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

''سب خیریت تو ہے؟'' اوم پرکاش نے ایک گارڈ سے پوچھا۔ ''کھلبلی کیوں مچی ہے؟''

''کنور جگدیپ اور راجکماری انیتا بڑی حویلی سے آئے ہیں۔'' گارڈ نے سپاٹ آواز میں صورتحال سے آگاہ کیا۔ ''کنور نریش چندر جی کا حکم ہے کہ ہر شخص

چوکس رہے۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو بھون کی بڑی بدنامی ہوگی۔ کنور جگدیپ جی کے ساتھ ان کے بھی دس بارہ فوجی گارڈ آئے ہیں۔ انہوں نے بھی پوزیشن سنبھال لی ہے۔"

"اونچ نیچ کرنے والا تو کب کا گم ہو گیا۔" اوم پرکاش نے سرد آہ بھر کر کہا۔
"بڑا دلیر اور بھلامانس تھا۔ ہم سب کا دھیان رکھتا تھا۔ اب کون رہ گیا ہے اونچ نیچ کرنے والا۔"

"کس کی بات کر رہے ہو چاچا؟" دوسرے گارڈ نے پوچھا۔

"ایک ہی جیالا تھا ......موہن داس۔" اوم پرکاش نے بڑی حسرت سے جواب دیا۔ "اس کی مرلیا بجتی تھی تو سب چوکس ہو جاتے تھے۔ سب کے من کو موہ لیتا تھا۔ صورت بھی موہنی تھی۔ دل کا بھی موہن تھا۔ کرشن مہاراج کی کرپا تھی اس پر۔ سب کے دکھ سکھ کا خیال رکھتا تھا۔ ہمارے کارن بھون کے مالکوں سے بھی الجھ جاتا تھا۔ بھگوان نے بڑی شکتی دے رکھی تھی۔ گھوڑے کو سوار سمیت اٹھا لیتا تھا۔ دس منش مل کر جس پتھر کو نہ ہلا سکتے' وہ اکیلا ہلا دیا کرتا۔ اس کے جانے کے بعد مالا کے سارے دانے ایک ایک کرکے بکھرتے چلے گئے۔"

کوئی اور موقع ہوتا تو میں اوم پرکاش کے منہ سے اپنی دیوانگی' اپنی وحشتوں کی اور بھی داستانیں سنتا لیکن وہ وقت بڑا قیمتی تھا۔ گارڈ کے اس انکشاف کے بعد کہ کنور جگدیپ بھی راجکماری کے ہمراہ بھون میں آیا ہے' میرے لیے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی۔ کرشنا کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ ممکن ہے اسے فوجی گارڈ نے مندر کی سیڑھیاں اترتے ہی روک دیا ہو۔ ریاست میں میری موجودگی کا علم کرشنا کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا لیکن جگدیپ اپنی تاج پوشی سے قبل کوئی رسک لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔ بڑا کائیاں' بڑا گھاگ آدمی تھا۔ سندھیا کی ابھرتی جوانی اسے بھون تک کھینچ لائی ورنہ شاید وہ راج گدی پر بیٹھنے کے بعد بھی بھون کا رخ کبھی نہ کرتا۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں میرا نام ضرور محفوظ ہوگا۔ اسے خطرہ لاحق ہوگا کہ کہیں میں اچانک نمودار ہو کر اس کا تختہ نہ پلٹ دوں۔ میری لاش کو دیکھے بنا وہ میری طرف سے بے خوف کیسے ہو جاتا؟

میں نے عمل کی ٹھان لی۔ میرا اندازہ تھا کہ راجکمار نریش نے جگدیپ اور

انیتا کا استقبال اپنے کمرۂ خاص میں کیا ہوگا۔ دنیش بھی ریاست کے سارے اہم مسئلے وہیں بیٹھ کر نمٹاتا تھا۔ مجھے رانی پارو کی کمی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ وہ اس وقت ہوتی تو بڑی کارآمد ہوتی۔ کمرے میں جا کر اندر سے غسلخانے کا دروازہ کھول دیتی۔ شاردا بھی ایک دو موقع پر میرے لیے یہی خدمت انجام دے چکی تھی۔ شومئی قسمت کہ اس وقت دونوں نہیں تھیں۔

میرے ذہن میں مختلف پلان بڑی سرعت سے ابھر رہے تھے۔ ایک سیدھا سا راستہ یہ تھا کہ میں نریش کمار کے کمرہ خاص میں دندناتا ہوا گھس جاتا۔ گارڈ روکتے رہتے' میں اندر داخل ہوتے ہی جگدیپ اور انیتا کو گولی مار دیتا۔ کہانی ختم ہو جاتی' پھر چاہے گارڈ مل کر مجھے بھون ڈالتے' گولیوں سے میرا جسم چھلنی کر دیتے' زندہ رہنے کی تمنا بھی کسے تھی! لیکن یہ وہ موت نہ ہوتی جس کے بارے میں میں سوچتا رہا تھا۔ میں جگدیپ کو بڑی فرصت میں بڑے اطمینان سے تڑپا تڑپا کر ریزہ ریزہ کرکے مارنا چاہتا تھا۔

بھون کے راستے مجھ سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ دنیش نے مجھے وہ تہہ خانے اور زمین دوز خفیہ راستے بھی دکھا رکھے تھے جو کسی اور کے علم میں نہیں تھے۔ میں اوم پرکاش اور دوسرے سادھوؤں کو دکھانے کی خاطر جماہی لیتا ہوا دھرم شالہ کے اندر آ گیا۔ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ میں حمام کی طرف چلا گیا' وہاں ایک عقبی راستہ بھنگیوں کے آنے جانے کے لیے موجود تھا۔ حد بندی کی دیوار بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں دائیں بائیں دیکھ کر منڈیر پر ہاتھ جما کر دوسری طرف کود گیا۔ وہاں سے ایک راستہ زنان خانے کی طرف بھی جاتا تھا جسے نوکر چاکر استعمال کرتے تھے۔ ادھر بھی کوئی بندہ بشر موجود نہیں تھا لیکن مجھے جس دروازے سے ہو کر گزرنا تھا' وہاں ایک ادھیڑ عمر کا چوکیدار نظر آ رہا تھا۔ میں سادھوؤں کے لباس میں تھا۔ اس لیے زیادہ محتاط تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میں ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا۔ چوکیدار کی پشت میری طرف ہوئی۔ وہ دوسری سمت جانے کے لیے پلٹا۔ میرے لیے یہی موقع غنیمت تھا۔ میں نے ایک پستول نیفے سے نکال لیا۔ پنجوں کے بل لپکتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کچھ آہٹ پا کر پلٹا لیکن اسے دیر ہوگئی۔ میں سبقت لے گیا۔ پستول کے دستے کی ایک ہی ضرب اس غریب کے لیے کافی ہوئی۔ وہ چکرا کر گر

پڑا۔ میں نے اسے گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ لگا کر اس طرح لڑھکا دیا جیسے بڑی گہری نیند سو رہا ہو۔ پھاٹک سے گزر کر میں زنان خانے والے حصے میں داخل ہو گیا۔ وہاں کا ایک ایک چپہ' ایک ایک کمرہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ سامنے شاردا کا کمرہ نظر آیا تو دل کو ٹھیس سی لگی۔ کبھی اس کمرے پر میری حکمرانی تھی۔ میں اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اندر سے ایک مردانہ آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ شاردا کے کمرے میں اس وقت کون ہو سکتا تھا؟ ممکن ہے اس کے جانے کے بعد کسی گھر داماد نے اس پر قبضہ جما لیا ہو۔ میں آگے بڑھنے لگا تو میرے کانوں میں مالتی کی آواز گونجی۔ اس کے لہجے میں ایک عجیب سی کراہت تھی۔

''بھگوان کے لیے کرپا کیجئے۔'' وہ مرد سے سرگوشی کر رہی تھی۔ ''شکنتلا دیدی کو پتہ چل گیا تو مجھے جان سے مار دیں گی۔''

''ڈرتی کیوں ہے میری پھلجھڑی۔ شکنتلا بھی اس سمے اپنے کسی یار کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہوگی۔''

''لاج نہیں آتی آپ کو اپنی دھرم پتنی کے بارے میں ایسے گندے شبد زبان سے نکالتے۔'' مالتی نے اسے غیرت دلانے کی کوشش کی۔

''زیادہ بک بک نہ کر۔'' مرد نے سخت لہجہ اختیار کیا۔ ''یہ تو اچانک اتنی ٹھس کیوں ہو گئی۔ پہلے تو رات ڈھلتے ہی تیری جوانی پر نکھار آ جاتا تھا۔ اب بھی تو لاکھوں میں ایک ہے۔ میرے من مندر کی رانی......''

میں تیزی سے پنجوں کے بل آگے نکل گیا۔ زنان خانے میں اس وقت آقا اور ملازم کے درمیان جو کھیل جاری تھا' وہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں بڑے محتاط انداز میں چاروں طرف کی سن گن لیتا ہوا سندھیا کے کمرے کے سامنے جا کر رکا۔ اس کا کمرہ سب سے آخر میں تھا۔ کمرہ کے بعد پائیں باغ تھا۔ باغ کے ساتھ ہی نصف دائرے کی صورت میں خوبصورت وارنڈا تھا۔ اس وارنڈے سے ایک بغلی راستہ دنیش کے محل کی طرف نکلتا تھا جسے میں متعدد بار استعمال کر چکا تھا۔ سندھیا کے کمرے کے برابر والا کمرہ مہارانی مایادیوی کے استعمال میں تھا لیکن اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ نریش اور جگدیپ کے ساتھ ملاقاتی کمرے میں ہوں گی۔

میرا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ میں کافی دیر تک مایادیوی کے

کمرے سے کان لگائے اندر کی سن گن لیتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے سندھیا کے کمرے پر تین بار ہلکے ہلکے دستک دی۔ یہ ایک خاص انداز تھا جس کا ذکر ایک بار شاردا نے مجھ سے کیا تھا۔ تین بار دستک دینے کا مطلب یہ تھا کہ آنے والا باضرورت نہیں آیا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ کبھی میں انہی راستوں پر سر اٹھا کر پروقار انداز میں چلا کرتا تھا۔ گھومتا پھرتا تھا۔ آج چوروں کی طرح بار بار دائیں بائیں دیکھنے پر مجبور تھا۔

''کون......؟'' دروازے کی دوسری جانب پہلے قدموں کی آہٹ ابھری' پھر سندھیا کی آواز سنائی دی۔

''مم' میں......'' میں ایک لمحے کو سٹپٹا گیا۔ پھر آواز پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''میں کرشنا ہوں سندری' دروازہ کھول' تیرے لیے کچھ لایا ہوں۔''

میں نے آواز بدل کر مدھم لہجے میں کہا۔ میرے اندر لو چل رہی تھی۔ خشک پتے کھڑکھڑا رہے تھے۔ اعصاب پر عجیب سا تناؤ تھا۔ بوجھل بوجھل سندھیا نے جلدی نہیں کی۔ کچھ سوچا ہوگا' پھر اس نے دروازہ کھول کر مجھے راستہ دینے کی کوشش کی۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ جھپٹ کر بھینچ لیا۔ الٹا ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا تاکہ کوئی آواز نہ نکال سکے۔ میرے دوسرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وہ بھی خطرہ بھانپ گئی۔ اس نے شور مچانے کی حماقت نہیں کی' کسمسانے لگی۔ میں نے اس کے گداز جسم کو اور شدت سے اپنے وجود میں سمو لیا۔ میں ضبط نہ کر سکا' سسکنے لگا۔ آنسو میرے گالوں سے ڈھلک ڈھلک کر اس کے شانوں پر گر رہے تھے۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر اپنے ہاتھ کا دباؤ کم کر دیا۔

''کون؟......کون ہو تم......؟'' اس نے میرے سینے سے لگے لگے مدھم مگر لرزتی آواز میں سوال کیا۔ وہ اب خوفزدہ نہیں تھی۔ شاید اس نے میرے جسم کے لمس کو پہچان لیا۔ میرے بدن کی خوشبو اڑ کر اس کی ناک تک پہنچ گئی تھی۔ میرے جسم کی حرارت نے اس کے جذبوں کو تسکین بخشی ہوگی۔ اس کا دل بھی ضرور دھڑکا ہوگا۔ جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی ہوگی۔ ذہن کے پردوں پر میرا نام ابھرا ہوگا۔ میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ سسکتا رہا' آنسو بہاتا رہا۔ وہ بدستور اسی انداز میں مجھ سے لگی کھڑی رہی۔

''تم......'' اس نے بڑے یقین سے کہا۔ ''تم کرشنا نہیں ہو سکتے......''

''پھر...... مجھے بتاؤ' میں کون بدنصیب ہوں؟'' میری آواز بھرا گئی۔

''موہن......موہن......تم موہن کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے۔'' وہ دیوانی ہو گئی۔ پاگلوں کی طرح پلٹی۔ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اپنے نازک ہاتھوں پر میرا چہرہ سنبھال لیا۔ اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ پلکوں پر شبنمیں قطرے سچے موتیوں کی طرح رنگ بکھیرنے لگے۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر گرا دیا۔ خود فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میرا چہرہ تکنے لگی۔

''تم......''اس نے بڑی حسرت سے شکوہ کیا۔ ''تم اپنی سندھیا کو چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟ میں تمہارے غم میں مر جاتی تو......؟''

''میں بھی ایک گولی اپنی کھوپڑی میں اتار لیتا۔''

''تم نے کرشنا کا نام کیوں لیا؟'' اس نے وضاحت چاہی۔''وہ بوڑھا سادھو مجھے وشواس دلاتا تھا کہ تم اوش آؤ گے۔''

''میں مندر کی سیڑھیوں پر اس کے برابر ہی بیٹھا تھا۔'' میں نے شکایت کی۔

''تم نے نظر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں۔ خالی جھولی میں ایک پھول ڈال کر چلی گئیں۔''

''مجھ سے بھول ہو گئی۔'' اس نے بڑے معصوم انداز میں ہاتھ جوڑ لیے۔

''مجھے شما کر دو۔''

''سندھیا' میری گڑیا......''میں نے اسے گھسیٹ کر پھر اپنی آغوش میں بھر لیا۔ وہ دنیش کی بھانجی تھی۔ میری گڑیا' میرا کھلونا تھی۔

''تم ٹھہرے کہاں ہو......؟'' وہ اوندھی لیٹ گئی۔کہنیوں پر چہرہ ٹکا لیا۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''تم سے بہت قریب۔'' میں نے سرگوشی کی۔ ''تمہارے بھون کی دھرم شالہ میں۔ کرشنا بھی میرے ساتھ ہے۔''

''ابھی یہاں سے بھاگ چلو موہن!''وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آنکھ پٹ پٹاتے ہوئے بولی۔ ''اب یہ بھون بھی محفوظ نہیں رہا۔ یہ ریاست بھی اب رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ جتنی جلدی ممکن ہو' سرحد کے پار نکل چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں نے ساری تیاریاں پہلے سے کر رکھی ہیں۔ صرف تمہارا راستہ دیکھ رہی تھی۔ اب تم آ گئے ہو تو دیر مت کرو۔ کسی اور شہر' کسی اور ملک میں جا کر اپنا گھر بنائیں

گے۔''

''اتنی جلدی مت کرو سندھیا......کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔'' میں نے اسے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا......وہ مچلنے لگی۔

''نہیں موہن نہیں' پہلے میں نے تمہاری بات مان لی تھی۔ اب تمہیں میری سننی پڑے گی۔ مجھے بس ایک گٹھری اٹھانی ہے اور کوئی کام نہیں ہے۔ صبح ہونے سے پہلے ہم راجے پور کی سرحد پار کر لیں گے۔ میں نریش ماما کے ذاتی استعمال کی گاڑی لے لوں گی۔'' وہ کچھ اور منصوبہ بنانے لگی۔ ''تم اور کرشنا کچھ دیر کے لیے پچھلی سیٹوں کے بیچ دبک جانا' کوئی نہیں دیکھ پائے گا۔ میں زن سے گاڑی نکال کر لے جاؤں گی۔ نریش ماما کی گاڑی پر جھنڈا لگا ہے' کوئی ہمیں روکنے کی ہمت بھی نہیں کرے گا۔'' وہ ایک سانس میں سب کچھ کہتی چلی گئی۔ شاید ابھی تک اسے اس بات کی بھنک نہیں ملی تھی کہ راجکمار نریش کے کمرۂ خاص میں مہارانی مایا دیوی' جگدیپ اور راجکماری انیتا کے درمیان کیا رسہ کشی ہو رہی تھی۔ میں نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''سندھیا......تم نے کبھی مہارانی بننے کے بارے میں سوچا ہے؟''

''پہلے یہاں سے نکل چلو موہن! اس کے بعد تم جو بناؤ گے' میں بن جاؤں گی۔'' اسے ایک ہی رٹ لگی ہوئی تھی۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو......''میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''اس وقت بھون میں جگدیپ اور راجکماری انیتا براجمان ہیں۔ مہارانی مایادیوی اور تمہارے نریش ماما بھی سر جوڑے بیٹھے ہیں۔ جگدیپ کے بدیسی گارڈ ہر طرف سنگینیں تانے کھڑے ہیں۔ بھون کے گارڈ بھی محتاط ہیں۔''

''تم......موہن! تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے؟'' سندھیا نے حیرت سے مجھے گھورا۔

''میں تم کو یہی خبر سنانے آیا تھا۔'' میں نے ہونٹ چباتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جذبات میں بھڑکنے کی کوشش مت کرنا۔ عقلمندی اور دوراندیشی سے کام لینا' تم اب بچہ نہیں ہو' سمجھدار ہو گئی ہو...... یہ موقع میرے ہاتھ سے نکل گیا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ میرے جانے کے بعد جو کچھ ہوا' اس کی تفصیل میں سن چکا ہوں۔ تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو گی۔ مجھے کچھ قرض چکانے ہیں۔ تمہیں میرا ساتھ دینا

ہوگا۔ بولو......تیار ہو......؟"

"وہ سور کتا جگدیپ یہاں کیا لینے آیا ہے؟" سندھیا کے چہرے کے رنگ تبدیل ہونے لگے۔ اس کے لہجے میں زخمی ناگن کی پھنکار تھی۔

"وہ نریش اور مہارانی مایادیوی کی بے بسی کا مذاق اڑانے آیا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "دومونہے سانپ کی چال چل رہا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں......"

"راجکماری انیتا دیوی' جگدیپ کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے آئی ہے۔" میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ میرا خون کھولنا شروع ہوگیا۔

"کیا......؟" سندھیا کو جیسے سکتہ ہوگیا۔ ایک لمحے کو گنگ رہی' پھر بڑے خطرناک انداز میں بولی۔ "موہن......لاؤ! یہ پستول مجھے دے دو۔ آج میں تمہارے سارے قرض چکا دوں گی......" وہ بکھرنے لگی۔ طوفان امنڈنے لگا۔ بجلیاں کڑکنے لگیں۔ وہ بادل کی طرح گرجتی رہی۔ "انہوں نے ڈالی کے ساتھ انیائے کیا۔ اس کی بوٹیاں نوچتے کھسوٹتے رہے۔ جب جسم میں جان نہ رہی تو اسے مار ڈالا۔ گڈا بے قصور کام آ گیا۔ پارو رانی تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ اس نے چیخ چیخ کر جگدیپ پر تمہارے اغوا کا الزام لگایا تھا۔ وہ تمہارے لیے پاگل ہوگئی۔ ان درندوں نے اس دیوانی پر بھی غداری کا الزام عاید کر دیا۔ مقدمہ چلانے کی بات طے ہوئی تھی لیکن جج کی ترازو ویسی کی ویسی لٹکتی رہی۔ پارو کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ قاتلوں کا کوئی پتہ نشان نہیں اور اب یہ ریاست راجے پور نہیں رہی' یہاں جگدیپ کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ جنگل کا قانون رائج ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ تم واپس لوٹ آئے ہو تو گدھوں کی طرح تم پر جھپٹ پڑیں گے۔ تم کس کس سے مقابلہ کرو گے۔ یہی ایک آخری موقع ہے موہن۔ میں بنتی کرتی ہوں' میری بات مان لو۔ پستول مجھے دے دو۔ انہیں میرے اوپر شک بھی نہیں ہوگا۔ میں ان کا دیا بجھا کر آتی ہوں۔ تم کرشنا کے ساتھ مندر کی سیڑھیوں کے پاس میرا انتظار کرنا۔ دوسروں کے چونکنے سے پہلے پہلے ہم سرحد سے دور نکل جائیں گے۔"

"ضد مت کرو سندھیا۔ اس وقت صرف تم میرے کام آ سکتی ہو۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میری کسی بات سے انکار مت کرنا۔" میں نے اس کی منت کی۔

"میری داستان بھی بہت طویل ہے۔ میں اپنی مرضی سے یہاں سے نہیں بھاگا تھا۔ میں مجبور ہوگیا تھا' بے بس تھا۔ راستے کھو گئے تھے۔ ان کی تلاش میں دیر ہوگئی۔ یقین نہیں آتا تو میرے اندر جھانک کر دیکھو۔ میرے حلیے پر نظر ڈالو۔ میں بڑی مشکلوں سے بچ کر تم تک پہنچا ہوں۔ اپنی رام کہانی سنانے بیٹھ گیا تو صبح ہو جائے گی۔ وقت کم ہے سندھیا۔" میں نے بڑی رقت سے کہا۔ "میری صرف ایک بات مان لو۔ اس کے بعد تمہارا ہر حکم سر آنکھوں پر۔"

"ایسا مت کہو موہن!" وہ بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی۔ "تم کوئی حکم دے کر دیکھو' سندھیا تمہارے لیے جان بھی قربان کر دے گی۔"

"کسی طرح جگدیپ اور راجکماری انیتا کو یہاں بلا لو۔" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "وہ حرامزادہ تمہارے کہنے پر دوڑا چلا آئے گا۔ مجھے اپنے کمرے میں کہیں چھپا دو۔ وہ دونوں آ جائیں' تم کچھ دیر کے لیے کمرے سے باہر چلی جانا۔ انہیں شبہ بھی نہیں ہوگا کہ میں واپس آ گیا ہوں۔ وہ غلط فہمی کا شکار ہوں گے۔ میں اپنا کام کر گزروں گا۔ پھر میں تمہیں لے کر کہیں دور نکل جاؤں گا۔ تمہارا یہ احسان تمام جیون یاد رکھوں گا۔"

"موہن......" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ "تم نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ تم نہیں جانتے' میں نے تمہارے انتظار میں آنسوؤں کے دیپ جلا کر راتیں گزاری ہیں۔ ایک ایک دن پہاڑ لگتا تھا۔ سے گزرتا ہی نہیں تھا۔ تمہارے کہنے کے انوسار میں نے کتابوں میں بھی من لگانے کی کوشش کی۔ جو صفحہ کھولتی' تمہاری تصویر سامنے آ جاتی۔ میں نے ساری کتابوں کو آگ لگا دی۔ بڑا کٹھن سے گزارا ہے اور اب...... اب تم پھر اپنی بات منوانے کی ضد کر رہے ہو......"

"ایک آخری بار......" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنائیت کا اظہار کیا۔ "جگدیپ ختم ہوگیا تو کہانی بھی ختم ہو جائے گی۔ ہم بھی ادھر نکل چلیں گے' جدھر دنیش اور شاردا گئے ہیں۔" میں نے اسے مستقبل کے حسین خواب دکھا کر بہلانے کی کوشش کی۔ "پھر زندگی بڑے سکھ اور چین سے گزرے گی......"

"موہن......موہن......موہن......" وہ اپنے بال نوچنے لگی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ مجھے خونخوار بلی کی طرح گھور کر بولی۔ "تم نے کس امتحان میں ڈال دیا

ہے۔"

"وقت گزر رہا ہے سندھیا جی! کچھ مت سوچو' میری بات مان لو۔" میں نے اسے اکسانے کی خاطر کہا۔ "رانی پارو زندہ ہوتی تو میں تمہیں مصیبت میں نہ ڈالتا۔ راجکماری شاردا بھی میرا ساتھ دینے کو آمادہ ہو جاتی۔" میں نے اسے احساس دلایا۔ "وہ ایک بار بھون سے بچ کر نکل گیا تو بڑی حویلی کے قلعے میں گھس کر بیٹھ جائے گا۔ تاج پوشی سے پہلے دوبارہ باہر نہیں نکلے گا۔ میرے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ میں ہاتھ ملتا رہ جاؤں گا۔ سارا جیون کانٹوں کی سیج پر لوٹتا رہوں گا۔ سندھیا حوصلہ پیدا کرو۔ تم نے میری خوشی کے لیے بڑی حویلی میں گھس کر اٹھارہ لاشیں گرا دی تھیں۔ دو زندہ انسانوں کو میرے حوالے کر دو۔ مجھے بھی اپنے ارمان پورے کر لینے دو۔ جنگلوں جنگلوں' پہاڑوں پہاڑوں خاک چھانتا رہا ہوں۔ نگر نگر بھٹکا ہوں۔ پھر تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اب کیا تم بھی نراش......"

"نہیں موہن......" اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "چپ ہو جاؤ۔ چپ ہو جاؤ۔"

وہ خوابگاہ میں ٹہلنے لگی۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ آئندہ پیش آنے والے حالات کا نقشہ مرتب کر رہی تھی۔ ہر زاویے سے میری زندگی کی ضمانت پرکھ رہی ہوگی۔ میں نے بے چینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی۔ میری طرف آنے لگی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ نہ جانے اس نے کیا فیصلہ کیا تھا۔ اقرار یا انکار......اقرار کی صورت میں' میں تمام زندگی اس کا احسان مند رہتا' انکار کی صورت میں مجھے مجبوراً کچھ دیر کے لیے اسے بھی تھوڑی تکلیف پہنچا کر بے ہوشی سے دوچار کرنا پڑتا۔ ہوش کی حالت میں وہ مجھے خطرے میں چھلانگ مارنے کی اجازت کبھی نہ دیتی۔ جو سنہری موقع میرے ہاتھ لگا تھا' میں اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"میں ایک شرط پر تمہاری بات مان سکتی ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کیا......؟"

"کمرے میں تمہارے اور ان دونوں کے علاوہ میں بھی رہوں گی۔" وہ ضد کرنے لگی۔ "میں تمہیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے دور نہیں رہنے دوں

گی۔"

"سندھیا میری بات......"

دروازے پر دستک ہوئی۔ میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سندھیا بھی ایک لمحہ کو زرد پڑ گئی۔ اچھا ہوا جو کمرے میں ابھی تک نائٹ بلب کی مدھم نیلی روشنی ٹمٹما رہی تھی۔ ہم کو لائٹ جلانے کا خیال ہی نہیں آیا۔ باتیں بھی سرگوشی میں کر رہے تھے۔

"موہن......" اس نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر سرگوشی کی۔ "اب ہم ساتھ جئیں گے' ساتھ ہی مریں گے۔"

"ہم دونوں زندہ رہیں گے سندھیا جی!" میں نے اس کے گال تھپتھپائے۔ "میں گیلری میں پردے کے پیچھے جا رہا ہوں۔ تم خود کو قابو میں رکھنا۔ یہ وقت ہم دونوں کے امتحان کا ہے۔ سنجیدگی سے کام لینا......"

میں نے پستول پر گرفت جما لی۔ پنجوں کے بل چلتا گیلری میں جا کر پردے کی آڑ میں چھپ گیا۔ جھری بنا کر سندھیا کو دیکھنے لگا۔ وہ چند لمحے ساکت و جامد کسی بت کی طرح اپنی جگہ کھڑی رہی۔ دوسری دستک پر بھی اس نے کوئی حرکت نہیں کی لیکن تیسری دستک پر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ لائٹ آن کی' روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ پہلے مہارانی مایادیوی اندر داخل ہوئیں' پھر راجکماری انیتا۔ اس گل بدن غنچہ دہن نے بڑی بھڑکیلی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ بنی ٹھنی نظر آ رہی تھی۔ انیتا کے بعد سریش کا چہرہ نظر آیا۔ پھر میرا دشمن جگدیپ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے کنکھیوں سے سندھیا کو دیکھا۔ میرے اندر ٹائم بم کی ٹک۔ ٹک۔ ٹک۔ ٹک شروع ہو گئی۔

سندھیا نے بڑی معصومیت سے سب کا استقبال کیا۔ ایک دم ہی اس کے اندر حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو گئی۔ بڑے شاندار انداز میں وہ کردار نبھا رہی تھی جو میں نے اسے سونپا تھا۔

"بیٹی سندھیا!" مہارانی مایا دیوی نے سندھیا کو مخاطب کیا۔ "راجکماری انیتا اور جگدیپ تم سے کچھ بات کرنے آئے ہیں۔"

"میرے بڑے سوبھاگیہ جو راجے پور کے ہونے والا مہاراجہ نے مجھے کسی قابل سمجھا۔" وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں چھپے زہر کو میرے سوا کوئی نہیں دیکھ سکا۔

"تم تو ہمیشہ سے قابل تھیں۔" راجکماری انیتا نے کراہ کر ایک خوبصورت

بات کہی۔ ''ہماری نظروں کا دوش تھا کہ اصلی ہیرے کو دیکھ نہیں سکے۔''

''راجکمار جگدیپ اور کماری انیتا کی باتوں پر ٹھنڈے دل سے دھیان کرنا'' مایادیوی نے اشارہ کیا۔ ''تمہارا جو فیصلہ ہوگا' ہم سب ویسا ہی کریں گے۔''

''کیسا فیصلہ نریش ماما؟'' سندھیا نے بڑی معصومیت سے نریش کو مخاطب کرکے ایک چبھتی ہوئی بات کہی۔ ''کیا راج گدی پر بیٹھنے کی شبھ گھڑی کی کوئی بات ہے؟ ہم کیا بتا سکیں گے' کسی مہان پنڈت' پجاری' کسی جوتش ودیا کے جاننے والے سے پوچھا ہوتا......!''

''اس سے تم ہی ہمارے لیے سب کچھ ہو......'' راجکماری انیتا کے خوبصورت دانت کھل اٹھے۔جسم کے گداز پر بہار اترانے لگی۔ ''پنڈت بھی' پجاری بھی۔''

''آپ مذاق کر رہی ہیں......'' سندھیا نے آگے بڑھ کر انیتا کو گلے لگا لیا۔ ''کھڑی کیوں ہیں' پدھاریے۔''

میرے اندر سانپ کنڈلی مارنے لگے۔ ایک وحشت نے سر ابھارا۔ میں سندھیا کے علاوہ کسی اور کو اپنی وحشتوں' دیوانگی' اپنے جنون کا گواہ نہیں بنانا چاہتا تھا نریش راجکمار دنیش کا چھوٹا بھائی تھا۔ مہارانی مایا دیوی کے بھی کچھ احسانات تھے مجھ پر۔ ان دونوں پر میرا ہاتھ نہیں اٹھ سکتا تھا۔ ان کی موجودگی میں جگدیپ اور انیتا کے ساتھ وہ خوفناک کھیل نہیں کھیلا جا سکتا تھا جو میں نے سوچ رکھا تھا۔ ریاست راجے پور میں قیامت آ جاتی۔ ہرطرف آگ ہی آگ ہوتی۔ پرکاش بھون کو جلا کر خاکستر کر دیا جاتا۔ بہت سے گھر داماد' نوکر چاکر اور بہت سی راجکماریوں کی جان کام آ جاتی۔ شاید میں بھی بچ کر نہ نکل سکتا۔ مجھے اپنی پروا بھی نہیں تھی لیکن پاگل سندھیا بھی میرے ساتھ ہی مرتی۔ میرے ذہن میں سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ میرے پاس صرف دو جدید پستول موجود تھے۔ بارہ گولیاں میری انگلی کے اشاروں کی منتظر تھیں۔ میرا نشانہ پکا تھا۔ میں بارہ لاشیں گرا سکتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا؟ میرے اندر اتھل پتھل شروع ہوگئی۔ نریش کے جملے نے سنبھال لیا۔ وہ سندھیا سے مخاطب تھا۔

''راجکماری انیتا اور جگدیپ تم سے اکیلے میں کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ میں اور مہارانی مایادیوی ملاقاتی کمرے میں تمہارے منتظر رہیں گے۔تمہارا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔''

''کیسا فیصلہ ماما جی!'' سندھیا کے چہرے کی معصومیت کچھ اور بڑھ گئی۔ ''کچھ مجھے بھی تو بتایئے' بات کیا ہے؟''

''بات تمہیں میں سمجھاؤں گی میری رانی۔'' راجکماری انیتا نے اس کی پیشانی چوم لی۔ مہارانی مایادیوی اور نریش الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔ میرا اضطراب ختم ہو گیا۔ اب کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ کوئی خوف' کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جگدیپ کے گارڈ زنان خانے کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ اسی پوزیشن پر ہوں گے جہاں پہلے تھے۔ مجھے فرار کے بہت سارے چور راستوں کا علم تھا۔

راجکماری انیتا اور سندھیا ساتھ ساتھ بیٹھ گئیں۔ جگدیپ علیحدہ کرسی پر ٹک گیا۔ اس کی دزدیدہ نظریں بار بار سندھیا کے حسین چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ میری وحشتیں بڑھتی جا رہی تھیں لیکن اس بات کا اطمینان بھی تھا کہ جگدیپ کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر انیتا اور سندھیا کے درمیان ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں' پھر راجکماری نے اصل موضوع چھیڑا۔

''سندھیا جانتی ہو مہارانی مایادیوی نے تمہارے اوپر کیا فیصلہ چھوڑنے کی بات کی ہے؟''

''مجھے کیا معلوم......'' سندھیا نے بھولپن سے جواب دیا۔

''میں بتاتی ہوں......'' راجکماری کے چہرے پر گلاب کھلنے لگے۔ ''تمہیں ریاست راجے پور کی مہارانی کا چناؤ کرنا ہے۔''

''مجھے چناؤ کرنا ہے......؟'' سندھیا کھلکھلا کر ہنس دی۔ جگدیپ کی طرف دیکھ کر شوخی سے بولی۔ ''مہاراجہ کے من میں جانے کس سندری کا چہرہ ناچ رہا ہو۔ میں نے غلط چناؤ کر دیا تو سارے سپنے ٹوٹ جائیں گے۔ ورمالا کے مہکتے پھول بکھر جائیں گے۔''

''جگدیپ نے اپنی رانی کا چناؤ کر لیا ہے۔'' راجکماری انیتا نے سندھیا کا ڈھلکا ہوا ڈوپٹہ اس کے سر پر سجاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''بس تمہارے ہاں کہنے کی دیر ہے۔''

''کون ہے وہ بھاگیہ شالی؟''

''بتادوں......'' انیتا کے من میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے صرف سندھیا کے کمرے سے باہر جانے کا انتظار تھا۔ سندھیا کی موجودگی میں صرف جگدیپ کو اپنی مرضی کے مطابق شکار کر سکتا تھا۔ وہ بھی میرا ساتھ دیتی لیکن راجکماری انیتا بچ کر نکل جاتی' ڈالی کا قرض میرے ذمہ پھر بقایا رہ جاتا۔

جگدیپ کرسی پر پہلو بدل رہا تھا۔ بار بار سندھیا کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ تو پہیلیاں بجھوا رہی ہیں۔'' سندھیا نے شوخی سے کہا۔ ''بتا بھی دیں......''

''وہ رانی تم ہو......'' انیتا نے اسے شانوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے جگدیپ نے تمہارا چناؤ کیا ہے۔'' انیتا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرا خیال ہے کہ تاج پوشی اور سگائی کی رسم ایک ہی دن ہو۔ تم ہاں کہہ دو تو پنڈت سے مہورت نکلوائی جائے۔'' انیتا نے بزرگوں کا سا انداز اختیار کیا۔ ''میں نے مہارانی مایادیوی کے آگے تمہارے لیے دامن پھیلایا تھا۔ انہوں نے فیصلہ تمہارے اوپر چھوڑ دیا۔ اب ہمیں تمہارے جواب کا انتظار ہے۔''

سندھیا کی ساری شوخیاں' اداکاری کا سارا کمال ختم ہو گیا۔ وہ جگدیپ کی دشمن تھی۔ کئی بار اسے نشانے پر لینے کی کوشش کر چکی تھی۔ جگدیپ کی قسمت اچھی تھی جو وہ بار بار بچتا رہا۔ سندھیا کی جگہ میں بھی ہوتا تو شاید اتنی دیر تک اداکاری نہ کر سکتا۔ وہ میری خاطر مجبور ہو گئی تھی لیکن بات کھل جانے کے بعد ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ ہونٹ کاٹنے لگی۔ بڑی ہمت والی تھی۔ جانے اب تک خود کو کس طرح سنبھالے ہوئی تھی......کوئی اور ہوتا تو دھماکے سے پھٹ جاتا۔ برداشت کی قوت جواب دے گئی ہوتی۔

''تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں؟'' راجکماری انیتا نے لاڈ سے پوچھا۔

''ہاں......''

''تم نے مجھے سویکار کر لیا تو میں ہمیشہ تمہارا ابھاری (شکرگزار) رہوں گا۔'' جگدیپ نے پہلی بار لب کشائی کی۔

''میرے لیے بھی بڑے مان کی بات ہوگی لیکن......'' سندھیا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ کوئی اور کمرے میں آ جاتا تو پھر موقع ہاتھ سے نکل جاتا۔

''لیکن کیا......؟'' راجکماری انیتا نے مسکرا کر پوچھا۔ ''جگدیپ کے سامنے ہاں کہتے لاج آ رہی ہے......؟''

''اگر یہ بات ہے تو میں اٹھ کر باہر......'' جگدیپ نے اٹھنے کی خاطر پر تولا تو میں گھبرا گیا۔ سندھیا بول پڑی۔

''آپ بیٹھئے......میں ایک منٹ میں آتی ہوں۔''

سندھیا تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کرشنا کی کہی ہوئی بات پوری ہونے کا وقت آ گیا۔ جگدیپ کی پشت گیلری کی طرف تھی۔ وہ خالی ہاتھ نہیں آیا ہوگا۔ کوئی خطرناک آتشیں ہتھیار اس کے جسم پر ضرور موجود ہوگا۔ میں نے سب سے پہلے اس کو قابو کرنے کے بارے میں سوچا۔ پستول کے دستے کی ایک ہی ضرب سے وہ لڑھک کر فرش پر گرا۔ میں آندھی بن کر ٹوٹا تھا۔ اس کو سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی۔ راجکماری انیتا اچھل پڑی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے پھرتی سے لپک کر کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ پستول انیتا کی طرف تان کر بڑے سفاک لہجے میں بولا۔

''منہ سے آواز نکالنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ ایک ہی گولی میں بھیجا اڑا دوں گا۔''

وہ تھرتھر کانپنے لگی۔ کسی سادھو کو ایک درندے کے روپ میں دیکھ کر اسے تعجب ضرور ہوا ہوگا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ جھپٹ کر جگدیپ پر سوار ہو گیا۔ اس کی ٹائی کھول کر اس کے ہاتھ پشت پر پوری مضبوطی سے باندھنے میں بڑی عجلت سے کام لینا پڑا۔ میں نے اس کا جسم ٹٹولا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ جرمن ساخت کا ایک سائلنسر لگا ہوا پستول اس کے بغلی ہولسٹر میں موجود تھا۔ میں نے اپنا پستول واپس نیفے میں اڑس کر جگدیپ کے خاموش پستول پر گرفت جمائی۔

''تم کون ہو......؟'' راجکماری انیتا نے مردہ سی آواز میں سوال کیا۔ ''کیا چاہتے ہو تم......؟''

''کوئی سوال مت کرو۔ کوئی سبب مت پوچھو۔'' میں خون آشام بھیڑیے کی طرح غرایا۔ اسے سفاک لہجے میں حکم دیا۔ ''غسل خانے سے پانی لا کر اس راکشس کے منہ پر چھینٹا مارو۔ اس حرامزادے پاپی کو ہوش میں لاؤ۔ مجھے اس سے باتیں کرنی ہیں۔''

راجکماری کے پاس میرے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس کا گلاب جیسا کھلا ہوا چہرہ کمھلا گیا۔ چاند کو جیسے گہن لگ گیا ہو۔ جیسے اس کی قیمتی انگوٹھی کا انمول نگینہ چھن گیا ہو۔ جیسے ڈولی میں سوار رو ، روتے اس نے اپنے ودھوا ہونے کی خبر سن لی ہو۔ وہ بری طرح سہمی سہمی نظر آ رہی تھی۔ اس کی پلکوں کے سارے جگنوں پٹ پٹا کر فوت ہو گئے۔

جگدیپ کو ہوش آ گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو کسمسا کر رہ گیا۔ حقیقت واضح ہوئی تو وہ بھی بوکھلا گیا۔ اپنے خاموش پستول کو میرے ہاتھ میں دیکھ کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ میں نے انیتا کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ جگدیپ کے قریب ہی کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔

''کون ہو تم .....؟'' جگدیپ نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔ وہی سوال راجکماری انیتا بھی کر چکی تھی۔

''میں تمہاری موت ہوں۔'' میں سانپ کی طرح پھنکارا۔ ''اپنی شناخت' اپنی پہچان کے لیے کس کا حوالہ دوں؟ بات لاکھی پور کے ان غنڈوں بدمعاشوں سے شروع کروں جنہیں تم نے ایک شخص کو مارنے کی خاطر پال رکھا تھا..... ان انگریز افسروں کی کہانی سناؤں جن کو شراب' دولت اور حسین عورتیں فراہم کر کے تم نے ایک بے گناہ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ معصوم ہیما کی کہانی سناؤں جس کی عزت لوٹ کر تم نے اسے خودکشی پر مجبور کر دیا۔ بھٹناگر کا قصہ بیان کروں جسے تم نے اپنا نمائندہ بنا کر پرکاش بھون بھیجا تھا۔ تمہاری کمینگی نے ایک بے گناہ کے ماتھے پر قاتل کی چھاپ لگا دی' مجرم بنا دیا۔'' میں نے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''تفصیل بہت طویل ہے۔ میرے پاس سمے کم ہے۔ تم اس شخص کو یاد کرو جس کو تم نے ایک موقع پر اپنے گھوڑے سے کچلنے کی سازش کا جال بنا تھا۔ اس نے تمہیں گھوڑے سمیت اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ سب کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ تمہارے سینے پر سانپ لوٹتا رہا۔ تم اپنی خصلت سے مجبور

تھے۔ تم نے نئے ٹریپ تیار کرنے شروع کر دیئے' اس بہادر شخص کو کوئی انعام نہیں دیا۔ کیا قصور تھا اس غریب کا؟ صرف اتنا کہ وہ نمک حلال تھا' راجکمار دنیش کا وفادار تھا۔ نمک حرام نہیں تھا..... تمہاری طرح کمینہ اور بے غیرت نہیں تھا۔''

''تم ..... تم .....'' وہ ہکلانے لگا۔ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ اسے اپنی قوت بصارت پر یقین نہیں آ رہا ہوگا۔ اس کی کھوپڑی چکرا رہی ہوگی۔ ہزاروں سوال گڈمڈ ہو رہے ہوں گے۔ اپنی حماقت پر تلملا رہا ہوگا۔ راج گدی حاصل کرنے سے پہلے اس نے بڑی حویلی سے باہر قدم کیوں نکالا؟

راجکماری انیتا اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔ اس کی نگاہیں بھی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''میرے بارے میں اور جانکاری کرنا چاہو گے؟'' میں دانت پیس کر بولا۔ ''گدی کی ہوس نے تمہیں دیوانہ کر دیا تھا۔ انگلستان سے تمہاری گوری چٹی بہن آئی' اسے حالات کا علم نہیں تھا۔ تم بے غیرت بھائی تھے۔ تم نے اپنی بہن کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ تمہارے کئی بندے اور مارے گئے۔ میں نے تمہاری خوبصورت بہن کا سر نہیں کچلا۔ اس کو معاف کر دیا۔ وہ اس وقت بھی تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔'' میں نے انیتا کی طرف اشارہ کیا۔ میرا لاوا ابلتا رہا۔ ''یہی ہے نا وہ خوبصورت اور حسین ناگن جو مجھے ڈسنے آئی تھی۔ میں نے اس کا زہر نکالے بغیر زندہ چھوڑ دیا۔ تم سمجھے میں ڈر گیا۔ نئی بساط جمانی شروع کر دی۔ مہرے ادھر ادھر کرنے لگے۔ نئی نئی چالیں چلنے لگے۔ مجھے جال میں پھانسنے کی خاطر مسٹر کیول' سراج اور سوشیل کو باہر سے نئی کھیپ کی طرح درآمد کیا گیا۔ نتیجہ کیا نکلا' تم نے سوشیل کو خرید لیا۔ ایک پیادہ آگے بڑھا' میں نے اسے بھی پیٹ دیا۔ نئی بساط بھی پلٹ دی۔ تم بھی ہٹ کے پکے تھے۔ کمینگی انسان کی فطرت ہوتی ہے۔ تم اپنی فطرت سے باز نہیں آئے۔ انگریز افسروں سے سازباز شروع کر دی۔ آئی جی مہتا نے مجھے ریاست سے چلے جانے کو کہا۔ چھاؤنی کے افسروں نے گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کی..... یاد ہے کنور جگدیپ جی یا بھول گئے؟''

''میں' میں غلط تھا۔'' جگدیپ کے کس بل نکلنے لگے۔ ''میری بھول تھی۔''

''اتنی جلدی ہار کیوں مانتے ہو مہاراج!'' میں نے طنز کیا۔ ''ابھی تو تمہارے بدیسی گارڈ باہر سنگینیں تانے پوزیشن لیے کھڑے ہوں گے۔ ان کو آواز دو۔''

"مجھے شما کر دو......" اس نے رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ راجکماری انیتا گم صم بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں میرے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں' شاید اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں وہی موہن داس ہوں جس کو سب رو پیٹ چکے تھے۔

"اب نہیں پوچھو گے کہ کون ہوں؟" میں زہرخند سے بولا۔ "میں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں راجکمار دنیش کا نمک خوار ہوں۔ اس نے مجھے دوست کہا تھا' بھائی کہا تھا۔ بار بار اعلان کیا تھا کہ اسے راج گدی سے کوئی سروکار نہیں لیکن تم کو وشواس نہیں آیا۔ وہ شاردا کو لے کر نکل گیا۔ کب تک میری راہ دیکھتا۔ تم نے اپنے سارے راستے ایک ایک کر کے صاف کر لیے۔ پریت تمہارے حلق کی ہڈی تھی' وہ بھی نکل گئی تو تم نے سندھیا کے سپنے دیکھنے شروع کر دیے۔ مجھے بھی بھلا بیٹھے۔ میری موت کی اطلاع کا انتظار بھی نہیں کیا۔ مجھے غور سے دیکھو راجکمار جگدیپ۔ میں موہن داس ہوں۔ تمہارے راستے کا سب سے بڑا پتھر۔ تم کئی بار ٹھوکر کھا کر سنبھل گئے' تمہیں عقل نہیں آئی۔ آج تمہیں عقل نہیں' موت آئے گی۔ ایسی دردناک موت کہ ریاست کا بچہ بچہ تمہارے انجام پر کانپ اٹھے گا۔"

باہر سے دستک کی آواز ابھری۔ شاید سندھیا کو میرے سلسلے میں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی۔

"کون......؟" میں نے دروازے کے قریب جا کر آہستہ سے پوچھا۔

"سندھیا......" اس نے جواب میں تاخیر نہیں کی۔ "دروازہ کھولو......"

"تم کرشنا کی طرف چلو' میں ادھر ہی آتا ہوں۔" میں نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"دروازہ کھولو موہن۔" اس نے ضد کی۔ "میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔"

"چلی جاؤ سندھیا۔" میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ "میں ابھی دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

میں دروازے کے قریب سے ہٹ کر پھر جگدیپ کے سامنے آ گیا۔ وہ کسمسا کر کروٹ بدلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ راجکماری انیتا خاموش بیٹھی تھی۔ ابھی تک اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ دروازے پر دوبارہ دستک نہیں دی گئی۔ سندھیا نے شاید میری مصروفیت بھانپ لی ہوگی۔

"جگدیپ۔" میں نے معاملہ نمٹانے کی خاطر اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "ڈالی اور گڈا کہاں ہیں؟"

"وہ......وہ......" وہ ہکلانے لگا۔ "میں نہیں جانتا......" وہ جھوٹ بول رہا تھا' بکواس کر رہا تھا۔

"پروفیسر زاہدی یاد ہے......؟" میرے تیور بدلنے لگے۔ "مہاراجہ کے محل میں ایک بار چراغ بجھانے کا مقابلہ ہوا تھا۔ میری کوئی گولی ضائع نہیں گئی۔ میں نے اپنے حصے کے سارے چراغ بجھا دیے تھے۔"

"تم......چاہتے کیا ہو......؟" جگدیپ نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ میری انگلی کا دباؤ ٹریگر پر بڑھ گیا۔ مدھم سی چٹ کی آواز کے ساتھ ہی جگدیپ تڑپ اٹھا۔ میرا نشانہ خطا نہیں ہوا۔ پستول سے نکلی ہوئی گولی نے اس کے داہنے گھٹنے کی ہڈی کو چھید ڈالا۔ خون ابلنے لگا۔ "نہیں جگدیپ نہیں......" میں نے اس کی آواز کے کرب کو بلند ہوتا محسوس کیا تو سفاک لہجے میں وارننگ دی۔ "منہ سے کوئی آواز نہ نکالنا ورنہ جیون کی جو آشا تمہارے من میں کلبلا رہی ہے' وہ ہمیشہ کے لیے شانت ہو جائے گی...... مجھے بتا دو کہ تمہارے آدمیوں نے بے قصور ڈالی کا کیا حشر کیا تھا؟"

"وہ......انہوں نے مجھے جو وچن دیا تھا' وہ توڑ دیا۔" جگدیپ بہانے کرنے لگا۔ "وہ جنگلی لوگ تھے۔ انہوں نے......ڈالی اور گڈے کو مار دیا۔"

"راجکماری انیتا......" میں نے انیتا کی طرف بے رحم نظروں سے دیکھا۔ "اپنے بھائی سے معلوم کرو کہ ڈالی اور گڈے کا کیا قصور تھا؟ مارنے سے پہلے اس کے ساتھ کون سا کھیل کھیلا گیا تھا؟"

"میں تمہارا درد سمجھ رہی ہوں موہن......" انیتا نے بڑی سچائی سے شرمندگی کا اظہار کیا۔ "جو ہوا......وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"تم نے سنا جگدیپ۔" میں زہرخند سے بولا۔ "تمہاری خوبصورت اور حسین بہن نے کتنی بڑی بات کتنے چھوٹے جملے میں نمٹا دی۔"

جگدیپ میرے تیور دیکھ کر لرزنے لگا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی مجھے گراں گزری۔ میں نے دوسرا فائر کیا۔ اس کا بایاں گھٹنا بھی اس کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہا۔ وہ کرب سے تڑپنے لگا' بلبلانے لگا۔

''بولتے رہو جگدیپ۔'' میں نے اس کے تن بدن میں آگ لگانے کی ٹھان لی۔ ''تمہیں یاد ہوگا' اپنے ذہن پر زور دے کر سوچو۔ ڈالی اور گڈے کے اغوا کے بعد میں نے تمہیں فون کیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم نے ہمیشہ میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا ہے اور ٹھوکر کھائی ہے۔ میں نے تمہیں ریاست میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آسکے...... میری یادداشت اگر غلط نہیں تو اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ میں نے تمہیں ایک گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ یہ وارننگ بھی دی تھی کہ اگر ڈالی اور گڈا ایک گھنٹے کے اندر اندر بھون واپس نہ آئے تو پھر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا......تم نے میری بات نہیں سنی تھی......یاد ہے تمہیں؟''

جگدیپ شدید کرب سے دوچار تھا۔ انیتا بہرحال اس کی بہن تھی' چپ نہ رہ سکی' بول پڑی۔

''تم جو کچھ کہہ رہے ہو' سب مانتی ہوں لیکن جو بیت چکا' وہ واپس تو نہیں آسکتا۔''

''وہ حالات تو دہرائے جا سکتے ہیں جو تمہارے بھائی کے زرخرید غنڈوں نے ڈالی کے ساتھ......''

''نہیں......'' جگدیپ چیخ اٹھا۔ ''تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں تمہارا گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔''

''ہاں......'' میں بڑی حقارت سے ہنسا۔ ''یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ ابھی تمہارے ہاتھ سلامت ہیں۔'' میں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پشت سے کھول دیئے۔ وہ بری طرح تلملا رہا تھا۔ میں نے دو قدم ہٹ کر دو فائر اور کیے۔ جگدیپ کے دونوں ہاتھ کہنیوں سے جھولنے لگے۔ وہ ہاتھوں کے استعمال سے بھی معذور ہو گیا۔ راجکماری انیتا ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ جگدیپ کو شاید زندگی میں پہلی بار غیرت آئی۔ اس نے آنکھ بند کر کے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

انیتا کی کلائی میری گرفت میں تھی۔ وہ تھرتھر کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹ رہی تھیں۔ ان میں رحم کی درخواست تھی۔ وہ پرامید نظروں سے مجھے دیکھ رہی

تھی۔ میں نے عالم تصور میں ڈالی کے برہنہ جسم کو دیکھا۔ جگدیپ کے غنڈے' بدمعاش اس کی چیخ و پکار کا مذاق اڑا رہے تھے۔ دانتوں سے بھنبھوڑ رہے تھے۔ میں نے انیتا کو انتقامی نظروں سے دیکھا۔ زور سے دھکا دیا تو وہ سندھیا کی نرم و گرم مسہری پر چکرا کر گری۔ میں ڈالی کا قرض چکانے کی خاطر انیتا کی طرف بڑھا لیکن اسی لمحے کسی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ میں نے پلٹ کر بے دریغ فائر کر دیا۔ پھر چونک اٹھا۔ وہ کیچو کا ادھورا ہیولا تھا جو میری نظروں کے سامنے لہرا رہا تھا۔ اس کے جسم کی وہی مانوس مہک میرے وجود میں اترنے لگی۔

''موہن......'' اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ وہ کچھ خفا لگی۔ آواز میں وہ پہلا جیسا ترنم' وہ دلکشی نہیں تھی۔ لہجہ بے حد کھردرا تھا۔ ''یاد ہے میں نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''اس وقت مجھے کچھ یاد دلانے کی کوشش مت کرو آشا۔'' میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔ ''ایک بار پہلے بھی تم میرا ہاتھ تھام کر لے گئی تھیں۔ میری حسرتیں مچلتی رہ گئیں۔ میں تشنہ کام رہا۔ ڈالی کو میرے دشمن کے غنڈوں نے بے آبرو کر کے گولی مار دی۔ اس کے کومل شریر کو اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ معصوم گڈے پر بھی ان ظالموں کو ترس نہیں آیا۔ وہ بھی مفت میں مارا گیا۔ میرے جانے کے بعد کیا کیا ہوا......''

''میں سب جانتی ہوں۔'' کیچو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''جو بھوش میں لکھا تھا' وہ پورا ہونا تھا۔ سب بھول جاؤ۔ کیول یہ یاد رکھو کہ میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا تھا کہ میرے سوا اپنے من میں بھولے سے بھی کسی دوسری سندری کا دھیان مت لانا۔'' میں نے اس کی گرفت کو سخت ہوتے محسوس کیا۔ ''میرے ساتھ چلو......میرے پاس سمے کم ہے۔''

''آج میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔'' میں ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''میرے من میں کوئی پاپ نہیں ہے۔ پرنتو ڈالی کا کچھ قرض باقی ہے۔ اسے چکتا کیے بغیر میں نہیں جاؤں گا...... مجھے مجبور نہ کرو۔''

''میں نے تمہیں شکتی دان کی' تم مجھ سے ہی الجھنے کی نادانی کر رہے ہو؟'' اس کے انداز میں طنز تھا' میں بکھرنے لگا۔

''جب تم نے شکتی دان نہیں کی تھی' اس وقت بھی میں نے کبھی اپنے دشمنوں

کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔" میں الجھ پڑا۔"اس سے چلی جاؤ آشا۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔"

"سب کچھ کھو دو گے۔ میری شکتی بھی' اپنا مان بھی۔"اس کے لہجے میں بے رخی آ گئی۔"سارا جیون ہاتھ ملتے رہو گے۔"

"اب جو بھی ہو......" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔"ڈالی کی کربناک چیخیں میرے وجود میں گونج رہی ہیں۔ وہ میری محسنہ تھی۔ میں اس سے نظریں کس طرح پھیر لوں۔ تم جاؤ آشا......"

"موہن......!"اس کی آواز میں بادل گرجنے لگے۔"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ تم چاہو بھی تو انکار نہیں کر سکتے......"اس کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

کیچو کی بے رخی اس کا روکھا پھیکا طرز تکلم میری بار خاطر پر گراں گزرا۔ اس وقت ڈالی کے انتقام کی آگ مجھے جھلسا رہی تھی۔ راجکماری انیتا کا سیمیں بدن سندھیا کی قیمتی مسہری پر بکھرا پڑا تھا۔ جگدیپ کے دل پر نشتر چبھ رہے تھے۔ میں جنون کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ اس وقت کیچو نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کی ضد کی تو میری وحشتیں سوا ہو گئیں۔ ایک مرتبہ پہلے بھی عین اس موقع پر جب کہ میں جگ دیپ کی حویلی کو جلا کر جگ دیپ سمیت بھسم کرنے کے ارادے سے اس کی حویلی میں کودنے والا تھا تو کیچو نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وہاں سے دور کر دیا تھا۔ وہ مجھے وہاں سے میری مرضی کے بغیر اٹھا کر جنگلوں میں لے گئی تھی اور میں کچھ بھی نہیں کر سکا تھا' میں بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا تھا۔ میری ایک نہ چل سکی تھی۔ میں کتنا بے بس تھا۔ میں ایک تنکا تھا جسے کیچو کی طلسماتی طاقت کی ہوا اڑائے لئے پھر رہی تھی۔ میں کیا تھا؟ میں ایک حقیر ذرہ تھا' میں موہن داس......! نہیں...... میں' میرے جمشید عالم......! میں کیا تھا؟ میری کیا وقعت تھی؟ میری کیا حیثیت تھی؟ کیچو کے الفاظ نے میرے اندر ایک ہلچل مچا دی۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا' تم چاہو بھی تو انکار نہیں کر سکتے۔" وہ میری بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ مجھے باور کرا رہی تھی کہ میری چاہت' میری مرضی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی' میرا ارادہ' میرا عزم کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ وہ مجھے احساس دلا رہی تھی کہ میں ایک حقیر کیڑا تھا' جسے وہ جب چاہے مسل دے۔ میں ایک بے پتوار کی ناؤ تھا' وہ جس طرف چاہے بہا لے جائے۔ جیسے میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی' ایک

زوردار چھناکا میرے اندرون میں ہوا تو کیچو کا بت' جو اس کی جھوٹی محبت کے سحر نے بنا رکھا تھا' ٹوٹ کر بکھر گیا۔ دھول ہی دھول تھی' گرد کا ایک طوفان تھا جو میرے اندورن میں برپا تھا۔ اس گرد کے طوفان میں ایک چہرہ تھا' ایک نحیف و نزار شخص کا چہرہ' دھول میں اٹا ہوا' جو ظاہر ہونے کے درپے تھا' ایک خانماں برباد' بے پر و بال' شخص میر جمشید عالم کا چہرہ' وہ شخص انگڑائی لے کر بیدار ہونے کی سعی کر رہا تھا۔ یہ ایک لمحہ تھا' ایک لمحے میں دلوں کی دنیا بدل جاتی ہے' قلب ماہیت کیلئے ایک لمحہ بھی کافی ہے۔ کبھی ایک لمحے میں زمانے بھی گزر جاتے ہیں۔ بس وہ ایک لمحہ گزرتے گزرتے میر جمشید عالم کو اس دشمن ایمان کیچو کے طلسم سے آزاد کر گیا تھا۔ کیچو جو میری کلائی پکڑے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ سنا چکی تھی۔ اس نے میری کلائی پکڑے پکڑے مجھے اپنی جانب کھینچا تھا۔ میں نے پوری قوت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس کی گرفت سے میری کلائی آزاد ہو گئی۔

"موہن...... ہوش میں آ جاؤ۔"اس کی آواز میں یکلخت نرمی پیدا ہو گئی۔

"ہٹ سے باز آ جاؤ ورنہ سارا کھیل نشٹ ہو جائے گا۔"

"موت آئے گی نا......" میں نے کیچو کے تصور سے تلملا کر کہا۔"آنے دو......اب جینے کی آرزو بھی کسے ہے؟"

"موہن......!"اس بار کیچو کی آواز میں حیرت اور خوف کی جھلک شامل تھی۔

"یہ تم نہیں ہو سکتے......تمہارے بھیتر سے کوئی اور بول رہا ہے۔"

میں نے جواب نہیں دیا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ سندھیا واپس آ سکتی تھی۔ نریش آ سکتا تھا۔ کوئی ملازمہ مہارانی مایادیوی کا سندیس لے کر آ سکتی تھی۔ کھیل ادھورا رہ جاتا۔ مجھے ڈالی کی آتما کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی۔ میں جھپٹ کر انیتا کے قریب گیا۔

"میں بنتی کرتی ہوں' ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ گڑگڑانے لگی۔"تم بے شک مجھے گولی مار دو لیکن بے عزت نہ کرو۔"

اس کی عاجزی نے میرے انتقام کو ہوا دی۔ میں نے اس کی ساڑھی کا پلو پکڑ کر زور سے کھینچا۔ اس کے جسم کا کچھ حصہ بے نقاب ہو گیا۔ جگدیپ اپنا سر زمین پر ...نے لگا۔ پچھاڑیں کھانے لگا۔ پاگلوں کی طرح لوٹنے لگا۔ اس کی تڑپ مجھے سکون

بخش رہی تھی۔

''رک جاؤ موہن......'' کیچو کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''مجھ سے ٹکرانے کا دھیان من سے نکال دو' بھسم ہو جاؤ گے۔''

میں کوئی تلخ جواب دینا چاہتا تھا کہ کمرے کا دروازہ ٹوٹ کر گرا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ میرے سامنے کرشنا سینہ تانے کھڑا بڑی حقارت بھری خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا جسم غصے سے لرز رہا تھا۔ منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ انیتا اپنا بے ترتیب جسم سمیٹ کر ایک طرف ہو گئی۔

''تو نے اس کا اپمان کیا......؟'' کرشنا کا لہجہ غضبناک تھا۔ ''مورکھ...... پاپی! تو اپنی اوقات بھول گیا۔''

''کرشنا......'' میں نے پستول کا رخ اس کے سینے کی جانب موڑ دیا۔ ''زندہ رہنے کی باتیں کرو۔ میں ایک بار پہلے بھی......''

''چپ ہو جا دشٹ......'' وہ گرجنے لگا۔ ''میں نے تجھے کہا تھا کہ میری واپسی تک دھرم شالہ سے قدم باہر نہ نکالنا۔ تو نے میری بات نہیں مانی۔ تو نے اس کی آ گیا کا پالن بھی نہیں کیا جس نے تجھے چاہا' تیرا پیار من میں بسایا۔ تجھے شکتی دان کی۔'' کرشنا کی نگاہیں شعلے اگل رہی تھیں۔ ''تو نے اس مہان دیوی کو ناراض کر کے کرشنا سے بھی اپنے سارے بندھن توڑ لیے۔ آج میں تجھے بتاؤں گا کہ شکتی کیا ہوتی ہے......''

کرشنا کا سیدھا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا۔ میں نے آخری گولی بھی داغ دی۔ مجھے اپنے نشانے پر اعتماد تھا لیکن میری آنکھیں پھٹنے لگیں۔ کرشنا کا مجھ سے فاصلہ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ گولی اس کے جسم کو نہیں لگی' شاید اس نے اندر آنے سے پہلے ہی اپنے گرد کوئی حصار قائم کر لیا تھا۔ وہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ کیچو کا دیوانہ تھا۔ اس کی مہک میلوں دور سے سونگھ لیتا تھا۔ ممکن ہے اس نے میرے اور کیچو کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سن لی ہو۔ ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

کیچو کا ادھورا ہیولا کرشنا کے آتے ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے جگدیپ کا پستول پھینک کر نیفے میں اڑسا ہوا دوسرا پستول نکال لیا۔ کرشنا نے اپنا اٹھا ہوا ہاتھ جھٹک دیا۔ پستول میرے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ میرے دونوں ہاتھ

رانوں سے چپک گئے۔ میں نے جنبش کرنے کی کوشش کی مگر اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کرشنا کی نادیدہ پراسرار قوتوں نے میرے جسم کو شکنجوں میں جکڑ دیا تھا۔ مجھے اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ جگدیپ معذور پڑا تھا۔ انیتا سہمی کھڑی تھی۔ ان دونوں کی نظریں بھی کرشنا پر مرکوز تھیں۔ ''کچھ بولو موہن داس جی...... چھکو!'' کرشنا نے میری بے بسی کا مذاق اڑایا۔ ''اپنی شکتی کا کوئی چمتکار دکھاؤ۔ تم تو بڑے گرد گھنٹال ہوا کرتے تھے۔ لمبی لمبی چھلانگ لگانے کی باتیں کرتے تھے۔ نکل گئی ساری ہیکڑی۔ کسی ہوتے سوتے کو مدد کے لیے بلاؤ۔ کسی دھرماتما کو آواز دو۔''

میں بے بس ہو چکا تھا۔ میں اپنے ہاتھوں کو جنبش دینے سے قاصر تھا۔ میرے قدم جیسے زمین میں گڑ چکے تھے۔ موت سامنے کھڑی تھی۔ ایک ہی وار میں قصہ تمام ہونے والا تھا۔ موت کو تو آنا ہی تھا۔ اس جہان فانی میں کون ہمیشہ رہا ہے۔ میں' میر جمشید عالم! اس طرح سے اچانک پانسہ پلٹتے دیکھ کر اپنی ساری چوکڑی بھول گیا۔ موت کی آہٹ سن کر ٹھٹک گیا' ششدر رہ گیا۔ میں بھول گیا تھا' طاقت کے نشے میں کہ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا' جب لاد چلے گا بنجارہ' بنجارہ بھول گیا تھا کہ کوچ کا نقارہ اس کی اجازت سے نہیں بجے گا' کبھی ٹانگیں پسارنے کی بھی مہلت نہیں ملتی ہے اور موت کا نقارہ بجا دیا جاتا ہے۔ نقارچی سامنے کھڑا تھا' بس ایک ضرب' ایک چوٹ نقارے پہ لگے گی اور میر جمشید عالم' عالم آخرت کو سدھار جائیں گے۔ وہ موت کا ہرکارہ' کرشنا میری بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔ وہ اپنی فتح کے شادیانے آخری فتح سے پہلے ہی بجا لینا چاہتا تھا' وہ کمینہ میرے مرنے سے قبل ہی میری موت کا جشن منا لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک ناتواں شخص کی بے چارگی کا تماشا دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ وہ اپنی ساری حسرتیں نکال لینا چاہتا تھا۔ میر جمشید عالم یہاں تک تو برداشت کر سکا' لیکن جب اس نے دھرم کی بات کی' جب اس نے میرے مذہب کی' میرے دین کی بات کی' کسی دھرماتما کو آواز دینے کی پھبتی کی تو میری روح جھنجھنا اٹھی' وہ چنگاری' غیرت دینی کی' جو ہر مسلمان کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں سلگتی رہتی ہے' اس کے الفاظ نے اس چنگاری کو ہوا دے دی...... میں بے بس تھا' کچھ کر نہیں سکتا تھا' لیکن غیرت دینی کی چنگاری شعلہ بن کر میرے اندرون کو روشن کرنے لگی' خس و خاشاک' نفسانیت کو جلانے راکھ بنانے لگی۔ اس چنگاری کی روشنی میں اس ذات پاک کا نام روشن ہو کر جگمگانے لگا

جس نے مجھے ایک مشت خاک سے تخلیق کیا تھا' اور جس کے دست قدرت میں ساری کائنات اور اس کا سارا نظام موجود تھا' جو مطلق حاکم اور قادر مطلق ہے۔ جس کے اراد کا نام وجود ہے۔ موت و زندگی' عزت و ذلت اور سارے حالات پر اسی احد و صمد کا قبضہ ہے۔ وہ ایک لمحہ حاصل زندگی تھا۔ اس روشن لمحے میں' میں نے اپنی گزشتہ زندگی کے ان تمام سیاہ لمحات کا نظارہ کر لیا جو مجھے میری نگاہ میں ننگ انسانیت و ننگ دین بنا رہے تھے' اسی ایک لمحے میں ان تمام کالے لمحات پر میں نے اپنے خالق و مالک کے سامنے ندامت محسوس کی اور اس کے سامنے اپنی روح کو سجدہ ریز پایا اور اپنی روح کی گہرائیوں سے اسے پکارا' گو لب خاموش رہے لیکن دل ہنگامہ خیز تھا' گو جبیں جھکنے سے قاصر تھی لیکن نگاہوں سے سجدے ادا ہو گئے۔

''مہاراج......'' جگدیپ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر کرشنا سے درخواست کی۔ ''اس حرامی کو نشٹ کر دو۔ جلا کر راکھ کر دو۔''

کرشنا کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے کچھ پڑھ کر میری طرف پھونکا۔ آگ کے کئی دہکتے ہوئے گولے نمودار ہو کر میری طرف لپکے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ موت کا اذیت ناک خوف پورے وجود کو لرزانے لگا۔ میری کہانی ختم ہونے کا وقت سر پر آ پہنچا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا...... منہ آسمان کی طرف اٹھا اور رینگنا شروع کر دے۔'' میرے کانوں میں دیوانے کی آواز ابھری۔ ''دمادم کی تال پر ٹھمکے لگایا کر...... لگے دم...... مٹے غم......''

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہی دیوانہ جو مجھے پہلے بھی نظر آ چکا تھا' ٹوٹے ہوئے دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑا پاگلوں کی طرح دیدے نچا رہا تھا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔

میں نے کرشنا کی طرف نظر ڈالی۔ وہ حیرت سے کھڑا آنکھیں پٹ پٹا رہا تھا۔ اپنے منتر کی ناکامی پر ٹپٹا رہا تھا۔ میرا جسم یکلخت نادیدہ شکنجوں سے آزاد ہو گیا... زندگی کی ایک موہوم سی کرن ٹمٹمانے لگی۔

''پیچ لڑانے چلا تھا...'' دیوانے نے پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ ''کٹ کے کتنا جھٹکے ہے؟... ڈور بھی نہیں کھینچ سکا... کو... کب تک چھپے گا؟''

''ایک داؤ سے بچ گیا......'' کرشنا کے سرخ سرخ دیدوں کی گردشیں تیز ہو گئیں۔ اس کے ہونٹ دوبارہ متحرک ہوئے۔ نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔ میں بچاؤ کی سوچنے لگا۔

''دم دبا کر نو دو گیارہ ہونے کی سوچ رہا ہے۔'' دیوانے نے سرگوشی کی۔ بائیں آنکھ جھپکا کر بولا۔ ''لنگڑی مار...... لنگڑی!...... غوطہ لگا دے!...... آر یا پار...... آخ تھو......''

دیوانے کی معنی خیز باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ شاید کچھ کچھ بھانپ گئی تھی۔ اسی لیے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ کرشنا کا پہلا وار خالی گیا تو وہ اور غضبناک ہو گیا۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔

''ہونق......'' دیوانے نے پھر ہانک لگائی۔ ''رسی تھام لے...... کبڈی کبڈی شروع کر دے۔ قلابازی لگا...... قلابازی۔''

کرشنا نے دوسرا وار کیا۔ میرے چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھے موت کا تصور اعصاب جھنجوڑنے لگا۔ میں اللہ کو یاد کرنے لگا۔ کرشنا میری گھبراہٹ دیکھ کر فاتحانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر میں ششدر رہ گیا۔ بازی پلٹتی نظر آئی۔ آگ کے شعلوں نے برق رفتاری سے لپک کر کرشنا کو گھیر لیا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ شاید اس کا ذہن معطل ہو گیا تھا۔ خشک لکڑی کے مجسمے کی طرح جل بھن کر خاک ہو گیا۔ دیوانے نے ایک انگلی کو ذرا جنبش دی' ہوا کا تیز جھونکا آیا' سب کچھ سمیٹ کر لے گیا۔ میدان صاف ہو گیا۔

وہ فریب نظر نہیں تھا' کوئی کرشمہ تھا' معجزہ تھا۔ میرے سیاہ خانہ دل میں بجلی سی کڑکی۔ ذہن کی گرہیں کھلنے لگیں۔ وہ کوئی عام دیوانہ یا پاگل نہیں تھا۔ اللہ کو کوئی برگزیدہ بندہ تھا۔ سچا عاشق۔ کوئی سودائی جو گلے گلے غرق تھا۔ کوئی پہنچا ہوا فقیر تھا۔ پیر کامل تھا۔ کوئی مجذوب تھا۔ درویش تھا۔ وہ قدرت کا کرشمۂ رحمت کا اشارہ تھا جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میرا عرفان جاگ اٹھا۔ وجدانی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں سرتاپا لرزنے لگا۔ دیوانہ بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا۔ میں نے بے اختیار لپک کر اس کے پیر پکڑ لیے۔ میری آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی۔

''بغلیں بجانا بند کر...... الٹا لٹک جا...... حلق میں انگلی ڈال' الٹی کر...

ذرا کس کر باندھ' ناک پکڑ کر ڈبکی لگا دے......خالی کوکو...... چھک چھک سے کام نہیں چلے گا......'' دیوانے کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''پیرومرشد۔ تم جو کہو گے میں وہی کروں گا۔'' میں نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ ''تم میرا ہاتھ تھام لو۔''

وہ دیوانوں کی طرح دیدے نچا نچا کر مجھے گھورنے لگا۔ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا۔ میری التجا قبول کر لی۔ ہاتھ بڑھا کر میری کلائی پکڑی تو میرے سارے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا' سنسناہٹ شروع ہو گئی۔ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ مجھے اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا لگا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے میں بادلوں میں پرواز کر رہا ہوں۔ میرے پپوٹے بوجھل ہو کر بند ہو گئے۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

☆......☆......☆

کچھ ملتی جلتی آوازیں تھیں جو مجھے زندگی کا احساس دلا رہی تھیں۔ میرا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا۔ گزرے ہوئے لمحات سطح ذہن پر ابھرنے لگے۔ ڈالی کے انتقام نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ راجکمار جگدیپ میرے عتاب کا شکار ہوا۔ میں نے اس کے ہاتھ پیر کے سارے جوڑ چکناچور کر دیے۔ وہ زندگی بھر کے لیے معذور ہو گیا۔ گل بدن انیتا' جگدیپ کی بہن بے قصور تھی۔ میرا اس کا حساب برابر ہو چکا تھا۔ ایک موقع پر اس نے مفاہمت کی خاطر مجھے اپنی خوابگاہ میں طلب کیا۔ میں اس کے حسن کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ فاصلہ کم کرنے کی خاطر اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ جذبات میں تلاطم پیدا ہوا۔ اچانک پریت بڑی حویلی کی اٹھارہ لاشوں کی خبر لے کر درمیان میں آ گئی۔ فاصلے بڑھ گئے۔ پھر ڈالی کی کربناک چیخیں میرے تصور میں صدائے بازگشت بن کر ابھریں تو ہوش و حواس کھو بیٹھا' پاگل ہو گیا۔ جنون کی حالت میں میرے ذہن میں کسی دانشور کا ایک جملہ گونجا۔ ''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔'' میں نے راجکماری انیتا کے حسین تراشیدہ جسم کا ایک ایک بخیہ ادھیڑ ڈالنے کی ٹھان لی۔ کیچو درمیان میں کود پڑی۔ وہ شاید جذبہ رقابت میں جل بھن رہی تھی اور مجھے انیتا کے قریب جانے سے ہر حال میں باز رکھنا چاہتی تھی۔ میرے انکار پر وہ سیخ پا ہو گئی اور زبردستی مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا' لیکن تائید غیبی نے مجھے اس کے چنگل سے چھڑا لیا اور پھر کرشنا جب مجھے بے بس کر کے میری عبرتناک موت کا خواب دیکھ

رہا تھا اور میرا اور میرے دین کا مذاق اڑا رہا تھا تو میرے ایمان کی چنگاری جاگ اٹھی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس مجذوب کو بھیج کر میری مدد فرمائی۔ خدا کا وہ برگزیدہ بندہ میری بھلائی کا خواہاں تھا۔ مجھے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ کیچو اور میرے درمیان ٹھن گئی۔ وہ دیوانے کی اصلیت جان کر بھاگ نکلی۔ کرشنا درمیان میں آ گیا۔ کیچو کے عشق کی بھینٹ چڑھ گیا۔ مجذوب نے میری کلائی تھام لی۔ میں ڈوبتا چلا گیا۔ کتنا وقت گزرا' میں کہاں تھا؟ کہاں پہنچ گیا؟ مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ ماضی اور حال کے درمیان کا ایک حصہ اوجھل ہو گیا۔

ملتی جلتی آوازیں میری قوت سماعت سے ٹکراتی رہیں۔ وہ میرے بارے میں دھیمی دھیمی آواز میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

''آپ کا کیا خیال ہے ڈاکٹر۔ مریض کو ہوش آنے میں اور کتنا وقت لگے گا؟'' میں نے وہ آواز پہچان لی۔ وہ میرے بھائی سکندر کی آواز تھی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ وہ ڈاکٹر سے میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ پریشانی تھی۔ مٹھاس بھی تھی۔ وہی تو ایک میرا اپنا باقی رہ گیا تھا۔ ''کسی وقت بھی ہوش آ سکتا ہے۔'' ڈاکٹر نے اطمینان کا اظہار کیا۔ ''آپ کا بھائی خطرے سے باہر ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔ کوئی ضرورت ہو تو فون کر دیجئے گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ مریض کو اب میری ضرورت نہیں رہے گی۔''

''شکریہ ڈاکٹر۔''

قدموں کی آوازیں ابھر کر دور ہونے لگیں۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ ذہن پوری طرح جاگ رہا تھا۔ شاید سکندر ڈاکٹر کو باہر تک رخصت کرنے گیا تھا۔ میں نے پلکوں کے درمیان ہلکی سی جھری کر کے ماحول کا جائزہ لیا۔ میری نظریں ایک خاتون پر پڑیں۔ وہ میز پر رکھی ہوئی دواؤں کو ترتیب دینے میں مصروف تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ کوئی نرس نہیں' روحی تھی۔ سکندر کی بیوی' میری بھابھی۔ میں شاید سکندر کے مکان پر تھا۔ دیوار پر سکندر اور روحی کی شادی کی یادگار تصویر والا فریم دیکھ کر میں نے یہی اندازہ لگایا۔ سامنے دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری۔ میں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

''کوئی نئی بات تو نہیں بتائی ڈاکٹر نے ...؟'' بھابھی کی آواز ابھری۔

''نہیں.....'' سکندر نے اطمینان کا سانس لے کر جواب دیا۔ ''ڈاکٹر کو یقین ہے کہ جمشید کی یادداشت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''ہمیں عابد انکل کا شکرگزار ہونا چاہیے۔'' بھابھی نے کہا۔ ''اگر وہ جمشید کو نہ پہچانتے۔ فوری طور پر ہسپتال نہ لے جاتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔ ہمیں خبر بھی نہ ہوتی۔''

''سب اس کی عنایت ہے روحی!'' سکندر کے لہجے میں عقیدت تھی۔ ''وہ بڑا کارساز ہے۔ جب نوازنے پر آتا ہے تو بندہ اس کی رحمتوں کا حساب نہیں کر سکتا۔ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔ اسی کی رحمتوں نے مجھے سہارا دیا۔ وہی جمشید کا بھی نگہبان ہے۔ ہم اس کا شکر ادا کرنے کے لائق کہاں؟''

مجھے سکندر اور روحی کی باتوں سے اپنے حالات کا اندازہ ہوا۔ میں عابد شیرازی کے بینک کے پاس فٹ پاتھ پر بے ہوش پڑا تھا۔ وہی مجھے پہچان کر ہسپتال لے گئے۔ میں دو مہینے تک موت اور زندگی کے درمیان معلق رہا۔ ڈاکٹر مجھے خواب آور انجکشن دے کر گہری نیند سلاتے رہے۔ مجھے ہوش آتا تو پھر ہذیان بکنے لگتا۔ سکندر دن رات میرے ساتھ رہا۔ خلیق احمد خدا ترس آدمی تھے۔ سکندر کی طرح وہ میرے ساتھ بھی دامے درمے سخنے کام آتے رہے۔ میرے علاج پر بے دریغ روپے خرچ کیے۔ سکندر کو تسلیاں دیتے رہے۔

دو مہینے بعد میری ذہنی حالت اعتدال پر آئی تو مجھے سکندر کے پاس منتقل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر باقاعدگی سے گھر پر آتا رہا۔ روحی نے میری تیمارداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ میرے دل و دماغ پر کیا کیا گزری' مجھے کچھ یاد نہیں.....لیکن اس وقت میں پورے ہوش و حواس میں تھا۔ کچھ باتیں میرے ذہن میں کلبلانے لگیں۔ میں سادھوؤں کے لباس میں تھا۔ میرے سر اور چہرے پر بالوں کا گھنا جنگل تھا۔ میں خود اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا تھا۔ عابد شیرازی نے ایک نظر میں کس طرح میری شناخت کر لی؟ میرے بارے میں کیا کیا نتیجے اخذ کیے گئے ہوں گے؟ کیا کیا رائے قائم کی گئی ہوگی؟ سکندر نے کیا کیا سوچا ہوگا؟

میں آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ مجھے وحشت ہونے لگی۔ میں اپنے ماضی کی تشریح کے لیے وضاحتیں تلاش کرنے لگا۔ ہوش آنے پر [illegible]

مجھے کچھ نہ کچھ جواب تو دینا تھا۔ گھٹن کا احساس شدت اختیار کرنے لگا۔ ایک موقع پر سکندر اور روحی کسی کام سے باہر گئے تو مجھے اپنے آپ کو ٹٹولنے کا موقع مل گیا۔ میرے چہرے پر گھنی داڑھی نہیں تھی۔ جسم پر ویسا ہی سیدھا سادہ سا لباس تھا۔ جیسا میں گھر میں پہنا کرتا تھا۔ سر کے بال بھی ترشے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ایک خیال میرے ذہن میں بڑی سرعت سے ابھرا۔ ''شاید میرے حلیے میں بھی اسی دیوانے کا ہاتھ شامل ہو جس نے کانٹا بدل کر میری زندگی کی گاڑی کو سیدھی پٹڑی پر چلانے کی ٹھان لی تھی۔'' میرے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں نے دوبارہ آنکھیں بند نہیں کیں۔ کچھ دیر بعد سکندر کمرے میں داخل ہوا۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر پاگل ہو گیا۔ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میری آنکھیں بھی برسنے لگیں۔ روحی بھی آ گئی۔ اس کی مسرت کی بھی کوئی انتہا نہیں رہی۔ خلیق احمد کو اطلاع ملی تو وہ بھی دوڑے دوڑے چلے آئے۔ مجھے ہوش مندی کی باتیں کرتے دیکھ کر سب ہی کے چہرے کھل اٹھے۔ کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ گئے دنوں کا حساب نہیں مانگا۔ میں تشریح اور وضاحتوں کی زحمت سے بچ گیا۔

اگلے روز عابد شیرازی اور ساجدہ آئے۔ ساجدہ کے دل میں چور تھا۔ شرمندہ شرمندہ سی بیٹھی رہی۔ میں نے دل کی تسلی کی خاطر باتوں باتوں میں عابد شیرازی سے اپنے بارے میں دریافت کیا۔ مجھے سکون آ گیا۔ میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا تھا۔ جس وقت میں انہیں فٹ پاتھ پر زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں ملا' اس وقت بھی میری شکل وصورت ویسی ہی تھی جیسی وہ پہلے دیکھ چکے تھے۔ میں کس حادثے میں زخمی ہوا؟ کون مجھے فٹ پاتھ پر ڈال گیا؟ اس کا سراغ پولیس بھی نہیں لگا سکی۔

ایک ہفتے بعد سکندر اور خلیق احمد نے مل کر میرا جشن صحت منایا۔ میں نے اپنے ماضی کی داستان کو اپنے وجود میں دفن کر لیا۔ میرے ذمہ صرف ایک قرض رہ گیا۔ اس کا قرض جس نے مجھے ایک کلمہ گو مسلمان کے گھر پیدا کیا۔ زندگی جیسی نعمت سے مالا مال کیا۔ میں پابندی سے اس کے حضور سجدہ گزارنے لگا۔ دیوانے کی باتیں اکثر میرے ذہن میں گونجنے لگتیں۔ اس کی باتوں کا مفہوم آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آنے لگا۔

خلیق احمد نے میرے ذریعہ معاش کا مسئلہ حل کر دیا۔ سکندر کے ساتھ ساتھ میں بھی فیکٹری جانے لگا۔ وقت بڑے سکون سے گزرنے لگا۔ ایک سال بیت گیا۔ سکندر اور روحی کے درمیان اندر ہی اندر میرے بارے میں کیا کھچڑی پکتی رہی تھی' مجھے

اس کا مطلق علم نہیں تھا۔ ایک رات ہم دسترخوان پر اکٹھا بیٹھے تھے جب بھابی نے قدرے سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔

''جمشید بھائی! آپ برسرروزگار ہیں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایک بات کہوں' اگر آپ برا نہ مانیں؟''

''آپ حکم دیجیے۔'' میں نے سعادت مندی سے کہا۔ ''میں انکار کی جسارت نہیں کروں گا۔''

''آپ اپنا ہانڈی چولہا الگ کرلیں تو بہتر ہوگا۔ میں کب تک آپ کو پکا پکا کر کھلاتی رہوں گی؟''

''جی......؟'' میں نے بھابھی کو حیرت سے دیکھا۔ گنگ ہو گیا' ہاتھ کا نوالہ ہاتھ ہی میں دبے کا دبا رہ گیا۔ سکندر نے میری کیفیت محسوس کی تو مسکرا کر بیوی سے بولے۔

''کیوں تم میرے بھائی کو تنگ کر رہی ہو۔ جو کہنا چاہتی ہو' صاف صاف کہہ دو۔ وہ تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔''

''بات کیا ہے؟'' میں نے بھابھی سے دریافت کیا۔

''گھبرایئے مت......'' بھابھی نے بڑے لاڈ سے کہا۔ ''میں نے آپ کے لیے کھانا پکانے والی بھی تلاش کر لی ہے۔''

بھابھی نے مسکرا کر ایک تصویر میری نگاہوں کے سامنے کر دی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔ دل یکلخت تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ایک لمحے کو بری طرح سٹپٹا گیا۔ وہ تصویر ہوبہو بانو کے چہرے کے نقش و نگار سے ملتی جلتی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے بھابھی نے میرے ماضی کے بے کراں سمندر پر ایک کنکری اچھال دی ہو۔ میں نے اس رشتے سے انکار نہیں کیا!!

(ختم شد)

میں سر جھکائے سنتا رہا اور ناخن کریدتا رہا۔ دنیش نے میری ٹھوڑی اوپر اٹھائی میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے اپنے رومال سے انہیں پونچھا۔ ''موہن داس! رکچھ ایسی باتیں ہیں جنہیں کریدنے سے تم جیسے مضبوط اعصاب کے آدمی کو بھی رونا جاتا ہے تو میں کچھ نہیں پوچھتا۔ تم مجھے کچھ مت بتاؤ۔ نام سچے اور شجرے سے کیا ہوتا ہے؟ اپنی یاری سلامت ہے۔''

میر جشید عالم کی آپ بیتی ابھی جاری ہے!
بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کریں۔